انٹرنیشنل

پندرہ روزہ

حیدرآباد۔ اے پی۔ انڈیا

Vol. 7. HYDERABAD | Issue : 18 | Rs. 10/- | (18) : شمارہ | (7) : جلد

Editor: ZAHID ALI KHAN

16 - 30 SEPTEMBER - 2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188
New Delhi: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.
mumbai: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
Calcutta: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
Bangalore: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
Ahmedabad: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.
Saudi Arabia: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
Kuwait: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

سرورق

11/ ستمبر کی یاد

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

عراق کے خلاف جنگ کے لئے امریکہ کی تیاریاں

امریکہ نے اپنی پوری فوجی طاقت کے ساتھ افغانستان کے خلاف جنگ کے ذریعہ طالبان حکومت کو بے دخل کرنے میں کامیابی کے بعد اب عراق کو نشانہ بنانے اور فوجی مداخلت کے ذریعہ صدر صدام حسین کے اقتدار کو ختم کرنے کا ٹھوس منصوبہ بنالیا ہے اور عالمی رائے عامہ کی تائید حاصل کرنے اور پھر ایکبار ادارہ اقوام متحدہ کو اپنا آلہ کار بنانے کی بھرپور کوشش کی جارہی ہے ۔ اپنی اس مہم کا آغاز صدر جارج ڈبلیو بش نے اقوام متحدہ جنرل اسمبلی کے اجلاس سے خطاب کے ساتھ کیا ۔ 11 ستمبر 2001 کے دہشت گردوں کے حملہ میں ہلاک ہونے والوں کی برسی کا سوگ منانے کے دوسرے ہی دن صدر بش ایک مظلوم کی طرح جنرل اسمبلی کے اجلاس میں پیش ہوئے ۔ دہشت گردوں کے ہاتھوں جانی اور مالی نقصان کے پس منظر میں اقوام عالم کو یہ باور کرانے کی کوشش کی کہ آج عراق کی صدام حسین حکومت نہ صرف امریکہ بلکہ دوسرے ممالک کے لئے ایک سنگین خطرہ ہے۔ اس نے بڑے پیمانے پر تباہی و بربادی پھیلانے والے ہتھیاروں کا ذخیرہ کرلیا ہے ۔ اقوام متحدہ سلامتی کونسل نے ایسے ہتھیاروں کی تیاری پر جو امتناع عائد کیا تھا اس کی مسلسل خلاف ورزی کی جارہی ہے ۔ سلامتی کونسل کے ان پابندیوں پر عمل آوری کا جائزہ لینے والے انسپکشن آفیسرس کو جانچ پڑتال کا موقع نہیں دیا جارہا ہے ۔ گذشتہ 4 سال سے حکومت عراق کو تباہ کن ہتھیاروں کی تیاری کی کھلی چھوٹ مل گئی ہے ۔

امریکی نظم و نسق کا دعوی ہے کہ اسکے کھوج اور سراغ رسانی کے عصری نظام نے سیٹلائیٹس کے ذریعہ پتہ چلایا ہے کہ عراق نے 30 ہزار کیلو میٹر تک فاصلہ پر نشانہ لگانے والے بالسٹک میزائلز تیار کرلئے ہیں جس سے دنیا کے کسی بھی ملک کو نشانہ بنایا جاسکتا ہے ۔

صدر بش نے دعوی کیا ہے کہ عراق کا کمیکل اور بیالوجیکل ہتھیاروں کا ذخیرہ دنیا کے لئے سب سے بڑا اور سنگین خطرہ ہے ۔ انتھراکس کے خطرہ سے دنیا واقف ہوچکی ہے ۔ عراق نے انتھراکس کی تیاری میں کام آنے والے انتہائی مہلک کمیکل کا 3 میٹرک ٹن کا ذخیرہ جمع کرلیا ہے ۔ گذشتہ 10 سال کے دوران نیوکلیئر ہتھیاروں کی تباہی بھی جاری ہے ۔ صدر بش کا دعوی ہے کہ عراق اندرون ایک سال ایٹم بم بنانے کے قابل بن گیا ہے ۔

اس سنگین خطرہ سے نمٹنے کے لئے عالمی برادری کو فوری حرکت میں آنا چاہیئے ۔ صدر صدام حسین کو اقوام متحدہ قراردادوں کی فوری عمل آوری کے لئے مجبور کیا جائے اگر وہ بدستور سلامتی کونسل کے احکام کو نظر انداز کریں تو فوجی مداخلت کے ذریعہ صدام حسین کے اقتدار کو ختم کرنا ہوگا۔

ادارہ اقوام متحدہ میں یہ مسئلہ چھیڑدینے کے بعد امریکی نظم و نسق کی ساری سفارتی مشنری اور وزراء تمام ممالک کی حکومتوں سے صلاح و مشورہ شروع کردے گی اور ہفتہ عشرہ میں ایک قرارداد کا مسودہ مرتب کیا جائے گا جسے اقوام متحدہ کی منظوری حاصل کی جائیگی۔

فی الحال صدر بش کو افغانستان کی طرح عراق کے معاملہ میں عالمی رائے عامہ کی حوصلہ افزاء تائید حاصل نہیں ہوئی ہے ۔ برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیئر کے سوا ، جو صدر بش کے دست راست بنے ہوئے ہیں کسی نے بھی منصوبے کی کسی ذہنی تحفظ کی تائید نہیں کی ہے ۔ خاص طور پر سلامتی کونسل کے دوسرے مستقل ارکان فرانس ، روس ، چین نے امریکہ کے استدلال سے اتفاق نہیں کیا ہے کہ عراق ایسا خطرہ بن گیا ہے جس کے لئے فوجی کارروائی کی ضرورت پیش آسکتی ہے ۔ فرانس کے صدر شیراک نے امریکہ کو انتباہ دیا ہے کہ وہ ایک اور جنگ کے اصطلاحوں میں سوچنا ترک کردے ۔ چین اور روس نے بھی صدر بش کے استدلال کی تائید سے احتراز کیا ہے ۔

اسلامی دنیا پر ایک اور حملہ کے جوش میں صدر بش نے بعض حقائق کو نظر انداز کردیا ہے انھوں نے عراق کی اندرون ایک سال ایٹم بم کی تیاری کی صلاحیت کے خطرہ کی دہائی دی وہ اس بات کو فراموش کرگئے کہ مشرق وسطی اسرائیل کی ایٹمی طاقت کس قدر خطرناک ہے ۔ اس نے پہلے ہی ایٹم بم تیار کرلیا ہے ۔ اس وقت عالمی رائے عامہ فوجی کارروائی کی سخت مخالف ہے ۔ سفارتی ذرائع سے اور ادارہ اقوام متحدہ کے ذریعہ عراق کو پابند کیا جاسکتا ہے ۔ ہوسکتا ہے عراق غیر جانبدار ، مبصرین اور ہتھیاروں کا جائزہ لینے والے ماہرین کو دورہ عراق کی اجازت بھی دیدے ۔ عام رائے یہی ہے کہ عراق کے خلاف کسی کارروائی کا فیصلہ بش اور ٹونی بلیئر کو نہیں بلکہ ادارہ اقوام متحدہ کو کرنا چاہیئے کیونکہ ایک اور جنگ ناعاقبت اندیشی پر مبنی ہوگی۔ نتائج و عواقب سنگین ہوسکتے ہیں۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

سورہ فاتحہ
اخوت و ہمدردی کا انقلاب آفریں درس

از: متکلم اسلام حضرت مولانا شبیر احمد عثمانی، مہتمم دار العلوم دیوبند

سورۃ الحمد ایک ایسی محترم سورۃ ہے جو ہر نماز میں ضرور پڑھی جاتی ہے اور بارگاہ احدیت میں جس درخواست کے پیش کرنے کے لئے ہم دن رات میں پانچ بار حاضر ہوتے ہیں۔ وہ یہی مخلصانہ درخواست ہے جس کا نام ہم نے فاتحہ یا الحمد یا سبع مثانی وغیرہ رکھا ہے۔

میں امام رازیؒ (606 ھ 544) کی تفسیر کبیر میں اسی محترم سورۃ کا مطالعہ کررہا تھا جب میں ایاک نعبد پر پہنچا تو یہ سوال نظر سے گذرا کہ نعبد کو جمع متکلم کے صیغہ کے ساتھ لانے میں کیا راز ہے؟ درانحالیکہ اس کا متکلم واحد ہے۔ یعنی بجائے اس عبارت کے کہ (تیری ہی عبادت کرتے ہیں ہم) یہ کیوں نہ کہا گیا (تیری ہی عبادت کرتا ہوں میں) باوجودیکہ کہنے والا صرف ایک شخص تھا۔

اس سوال کے حل کرنے میں حق یہ ہے کہ امام ممدوح اور دیگر مفسرین نے کافی دقیقہ رسی اور نکتہ آفرینی کا زور دکھلایا ہے لیکن یہاں میں اس لطیف توجیہ کا ذکر کرنا چاہتا ہوں جو امام رازیؒ کے تعمق نظر کا کامل ثبوت ہے .... امام ممدوح تحریر فرماتے ہیں کہ ہماری شریعت مطہرہ نے ہم کو یہ مسئلہ بتلایا ہے کہ اگر کوئی شخص بہت سی چیزوں کو ایک ہی معاملہ کے ساتھ فروخت کرڈالے اور بعد میں ظاہر ہو کہ مبیع میں کچھ حصہ بے عیب اور کچھ عیب دار ہے تو مشتری کو ایسی حالت میں یہ اختیار ہوگا کہ وہ سارے مبیع کو رکھ لے یا سارے کو واپس کردے۔ اس کو یہ اجازت نہیں کہ فقط عیب دار حصہ کو لوٹا کر بے عیب حصہ اپنے پاس روک لے۔

ٹھیک اسی طرح جب عبادت کرنے والا اپنی عبادت کو ناقص سمجھ کر خداوند ذوالجلال کے سامنے پیش کرنے سے شرماتا ہو تو اس کی تدبیر یہ ہے کہ اپنی عبادت کے ساتھ اور سبھوں کی عبادت کو بھی شامل کرلے تاکہ اگر خدا رد کرے تو سب کو رد کرے اور قبول کرے تو سب کو قبول کرے۔ اب یہ ظاہر ہے کہ اس مجموعہ عبادت میں انبیاء، اولیاء اور جملہ صالحین کی عبادات شامل ہیں جن کا مقبول ہونا ضروری ہے ایسی صورت میں اللہ تعالیٰ کا کرم بے پایاں اس کی ہرگز اجازت نہ دے گا کہ وہ ایک مبیع میں سے کھرا کھرا الگ کرکے کھوٹے کو ہمارے حوالے کردے! یہی نکتہ ہے جس کی وجہ سے جمع متکلم کا صیغہ اختیار کیا گیا اور ہر ایک عابد کی زبان سے یوں کہلایا کہ "اے اللہ ہم سب مل کر تیری عبادت کرتے ہیں"۔

امام صاحب ممدوح کی اس دقیقہ شناسی نے محض یہی نہیں کہ کلام پاک میں اعبد کے بجائے نعبد کہنے کا راز معلوم کرادیا بلکہ نہایت دلنشیں پیرایہ میں یہ بات بھی جتلادی کہ خداوند رب العزت مسلمانوں میں کس درجہ تک اتفاق و اجتماع دیکھنا چاہتا ہے۔ یہاں تک کہ تمام دینی و دنیوی معاملات کے ساتھ ہر مسلمان اور خصوصا اس زمانے کے مسلمانوں کی عبادات نماز روزہ وغیرہ بھی جب ہی خدا تعالیٰ کے یہاں قبول کی جاسکتی ہیں جب کہ وہ بہ ہیئت اجتماعی پیش کی جائیں۔

کیا اس مضمون کو سننے کے بعد بھی کوئی الحمد پڑھنے والا ایسا نکلے گا جو کلمہ الاسلام کی تفریق کو گوارا کرے یا تمام مسلمانان دنیا میں باہمی اخوت و ہمدردی پیدا ہونے کی تدابیر نہ سوچے یا اپنے مظلوم بھائیوں کو تا استطاعت جائز امداد پہنچانے میں سستی اور غفلت سے کام لے۔

ابوالفتح بستی نے کیا خوب کہا ہے

وکن علی الدھر معوانا لذی امل
یرجوند آک فاک الحر معوان

ہمیشہ ان امیدواروں کی مدد کرتا رہ جو کہ تیری دریا دلی کی توقع رکھتے ہیں کیونکہ شریف وہی ہے جو دوسروں کا مددگار بنے

احسن اذا کان امکان و مقدرۃ
فلن یدوم علی الانسان امکان

جس وقت قدرت و امکان ہو تو احسان کرنے سے نہ چوک۔ کیونکہ انسان کو ہمیشہ یہ قدرت بھی حاصل نہیں رہتی۔

(ماہنامہ سلطان العلوم دیوبند، بابتہ ماہ جمادی الاول 1356ھ)

فریضہ عالم دین

اسلام وہ مذہب ہے کہ جس دن وہ دین بنا اسی دن وہ سیاست بھی تھا اس کا منبر، اس کا تخت، اس کی مسجد، اس کی عدالت، اس کی توحید نمرودوں اور فرعونوں، قیصروں اور کسراؤں کی شہنشاہی کے مٹانے کا پیغام تھی صحابہؓ اور خلفاء کی پوری زندگیاں، ان مرقعوں سے بھری پڑی ہیں، اور وہی اسلام کی سچی تصویر ہیں، اور جب تک علماء علماء رہے وہی ان کا اسوہ تھا۔ آج جب ہم پھر نئے سرے سے اپنا گھر بنانا چاہتے ہیں اور پچھلی غلطیوں کی تلافی کرنا چاہتے ہیں تو ضرورت ہے کہ اسی نقش قدم پر چلیں جو ہمارے اسلاف نے ہمارے لئے چھوڑا ہے۔

آج علماء کا کام صرف پڑھانا، مسئلے بتانا اور فتوح دینا سمجھا جاتا ہے لیکن اب وقت ہے کہ اپنے اسلاف کے وقت کو پھر دہرائیں، اور دکھیں کہ ان کا کام صرف علم و نظر تک محدود نہیں، بلکہ سعی و عمل اور عملی خدمت بھی ان کے منصب کا ایک اہم فرض ہے، ہر آبادی جہاں وہ رہیں وہ ان کی سعی اور خدمت سے آباد رہے، وہاں کے جاہلوں کو پڑھانا، نادانوں کو سمجھانا، غریبوں کی مدد کرنا، وہاں کی ضرورتوں کو پورا کرنا، وہاں کے بھولے بھٹکوں کو راہ دکھلانا، مسلمانوں کو ان کی کمزوریوں سے آگاہ کرنا۔ ضرورت کے موقع پر آگے بڑھنا اور علم و عمل کی کوشش سے ان کو فائدہ پہونچانا ایک عالم دین کا فرض ہے۔

علامہ سید سلیمان ندویؒ

ٹرین حادثہ

راجدھانی اکسپریس جو ہوڑہ سے دہلی جارہی تھی 9 ستمبر کو حادثہ کا شکار ہوگئی اور اس میں 100 سے زائد مسافر ہلاک اور 200 سے زائد زخمی ہوگئے۔ یہ حادثہ اورنگ آباد اور گیا کے درمیان پیش آیا۔ گزشتہ تقریبا ڈیڑھ سال میں یہ دوسرا بڑا ریل حادثہ ہے۔ حکومت عوام کے سفر کو محفوظ بنانے کے لئے جہاں موثر اقدامات کرتی ہے وہیں ریلوے مسافرین سے ان کے ٹکٹ کے ساتھ اضافی رقم بھی اس ضمن میں لی جاتی ہے۔ اس کے باوجود ان کا سفر محفوظ نہیں کیونکہ یہ حادثہ ریلوے برج کو ٹوٹنے سے پیش آیا۔ اگرچہ سبوتاج کا امکان بھی ظاہر کیا جارہا ہے لیکن یہ بھی ایک حقیقت ہیکہ یہ ریلوے برج برطانوی دور حکومت کا 80 سالہ قدیم ہے۔ وزارت ریلوے کی لاپرواہی کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جاسکتا۔ اس حادثہ کی تحقیقات مکمل ہونے کے بعد ہی قطعیت کے ساتھ کچھ کہا جاسکتا ہے۔ تاہم یہ امر واضع ہیکہ راجدھانی اکسپریس جسے سب سے محفوظ

تصور کیا جاتا ہے اور جس کے سارے ڈبے ایئر کنڈیشنڈ ہوتے ہیں اسکا تحفظ بھی اب یقینی نہیں رہا۔ اس سلسلہ میں وزارت ریلوے کو خصوصی توجہ دینی ضروری ہے تاکہ مسافرین کی سلامتی یقینی ہو۔ یہ ریلوے حادثہ رات کے وقت پیش آیا جبکہ بارش ہورہی تھی۔ حادثہ اس قدر دردناک تھا کہ ایک ڈبہ ندی میں گرگیا اور دیگر تین ڈبے معلق تھے۔ ریلیف ٹیموں کے وہاں پہنچنے تک بھی کافی تاخیر ہوئی کیونکہ یہ علاقہ جہاں حادثہ پیش آیا نکسلائیٹس سے متاثرہ بتایا گیا ہے۔ دوسرے دن اس واقعہ کی تفصیل سامنے آئی۔ ضرورت اس بات کی ہیکہ وزارت ریلوے اس طرح کے قدیم اور ناقص پلوں پر فوری توجہ دے اور مسافرین کے تحفظ کو اولین ترجیح دے۔

●●●

عراق پر حملہ....جوابی کارروائی کا خوف

معین باری

امریکہ اور اس کے حلیف ممالک بالخصوص برطانیہ نے افغانستان میں اپنا مقصد پورا ہونے کے بعد پھر ایک بار عراق پر توجہ دینا شروع کردی ہے۔ اس خصوص میں حال ہی میں امریکہ اور برطانیہ کے تقریبا ایک سو لڑاکا طیاروں کا عراق پر حملہ ہے جس میں صرف شہری علاقوں کو نشانہ بنایا گیا ہے۔ دراصل امریکہ کے لئے صدر عراق صدام حسین اب بھی کھٹک رہے ہیں اور وہ کسی نہ کسی طرح انھیں اقتدار سے بے دخل کرنے کا منصوبہ بنارہا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ امریکہ نے قبضہ کریں گے۔ حملے کی رفتار اور کامیابی کو دیکھ کر بقایا باغی عراقی بھی امریکی پیشقدمی میں شامل ہوجائیں گے۔ کئی ہزار عراقی باغی گوریلے چند سو امریکی اسپیشل فورسز کے ساتھ ملکر بغداد پر قبضہ کی کوشش کریں گے انہیں 500 امریکی اور 100 برٹش لڑاکا طیارے مدد کریں گے۔

اس پلان میں ٹائم کے نمائندے Micheal نے خدشہ ظاہر کیا ہے کہ افغانستان میں تو شمالی اتحاد نے چند امریکیوں کا بھرپور ساتھ دیا تھا کیا نسلی تفرق سے بٹے ہوئے عراقی دوسرا پلان گلف وار کی طرح کولیشن افواج عراق پر تین اطراف سے حملہ آور ہونگی تاکہ بغداد میں داخل ہونے سے پہلے دشمن کے تمام ملٹری ٹارگٹ تباہ کر دئے جائیں۔ اس دوران امریکی اسپیشل فورسز صدام حسین کو تلاش کریں گی۔ اس میں پانچ امریکی ڈویژنوں کے علاوہ چالیس ہزار میرین بھی حصہ لیں گے پچیس ہزار برٹش فوج ہوگی۔ پانچ سو امریکی اور برٹش لڑاکا طیارے ساتھ ہونگے۔ دو ائر کرافٹ کیریئرز سپورٹ دیں گے۔ ٹائم میں لکھا ہے کہ اس حملہ میں امریکہ کا اتحادی

عراق پر حملے کیلئے پلان تیار کئے ہیں۔ پہلا پلان افغانستان پر حملہ کی مانند ہے۔ اسٹراٹیجی یہ ہوگی کہ عراقی باغی اور امریکی اسپیشل فورسز فضائیہ کے تابڑ توڑ حملوں کی مدد سے شمالی عراق کے کچھ حصہ پر امریکیوں کا کھل کر ساتھ دیں گے اور کیا ترکی عراق پر حملے کے لئے امریکہ کو اڈے فراہم کرے گا اگر یہ سب کچھ نہ ہوسکا تو امریکی حملہ آور فوج کا وہی حشر ہوگا جو Bay of Pigs میں ہوا تھا۔ صرف ٹونی بلیئر ہوگا اگرچہ امریکہ کو کویت، سعودی عرب ترکی اور اردن سے اڈوں کی ضرورت پڑے گی لیکن وہ اڈے ملنا مشکل ہوں گے۔

تیسرے پلان میں اسٹریٹیجی یہ ہوگی کہ لڑاکا طیارے عراقی فوجی تنصیبات اور تباہ کن ہتھیاروں کی فیکٹریوں پر حملہ آور ہوں گے۔ چھاپہ بردار فوج اور میکانائزڈ دستے بغداد پر اتارے جائیں گے تاکہ عراقی حکمرانوں کو پکڑا یا مارا جاسکے۔ امریکی اور برٹش افواج عراقی مسلح افواج کے خاتمہ کے لئے پھیل جائیں گی اس میں زمینی فوج کی بھاری تعداد ہوگی۔ ان کے ساتھ پانچ سو لڑاکا طیارے اور نیوی کے گلف ایئر کرافٹ کیریئر گروپس حصہ لیں گے اس پلان کو امریکی حکومت نے پسند کیا ہے۔

یہ تینوں منصوبہ بندیاں صدر بش کو پیش کی جاچکی ہیں۔ لیکن امریکی انتظامیہ عراق پر حملہ آوری پر آپس میں بٹی نظر آتی ہے۔ فارن سکریٹری کولن پاول اور پنٹگان کے بعض جرنیلوں کا موقف ہے کہ عراق پر حملہ کی بجائے صدام حسین کا گھیراؤ تنگ کیا جائے۔ اس گروپ کا کہنا ہے کہ دنیا میں امریکی امیج بہت خراب ہوچکا ہے عراق پر حملہ فاش غلطی ہوگی۔ پاول گروپ نے ان خطرات کا اظہار بھی کیا ہے کہ عراق جنگ چھیڑنے سے بحیرہ روم سے کوہ ہمالیہ تک کے اسلامی ممالک عدم توازن کا شکار ہوجائیں گے اور صدام کے بعد عراق ہمسایہ ممالک کے لئے خطرات پیدا کردے گا۔

عراق پر حملہ کے لئے ڈونلڈ رمز فیلڈ ڈک چینی سیکورٹی چیف رائس پیش پیش ہیں۔ خبر ہے کہ امریکی مسلح افواج عراق پر حملہ کرنے پوری طرح تیار نہیں ہیں۔ امریکی فضائیہ کو خدشہ ہے کہ اگر عراق کے پڑوس میں انہیں ہوائی اڈے نہ ملے تو وہ ہزاروں میل فاصلہ طے کرکے مشن پورا نہ کرسکیں گے .... نیوی کو خدشہ ہے کہ اگر انہوں نے زیادہ جنگی جہاز اور کیریئر جنگ میں جھونک دئے تو دوسرے سمندروں میں پٹرولنگ نہ ہوسکے گی .... امریکی فوجی باقی کمان بھی مخمصہ میں ہے جو تقریبا سارے کرہ ارض پر پھیلی ہوئی ہے۔ وہ جانتے ہیں کہ جنگ کے بعد انہیں چند ڈویژن فوج کئی سال تک عراق میں رکھنا پڑے گی اور تباہ شدہ عراق کو پھر سے تعمیر کرنا پڑے گا۔

مسٹر Lugar جو ریپبلکن پارٹی کا باأثر سینیٹر ہے وہ عراق پر حملہ کے سخت خلاف ہے اس نے کہا "مجھے یہ فکر نہیں کہ صدام کو ہٹادیا جائے فکر کی بات یہ ہے کہ صدام کے بعد جو علاقہ میں عدم توازن پیدا ہوگا اسے کیسے سنبھالا جائے گا"۔ بعض عسکری مفکروں کا مشورہ ہے کہ منصوبہ کو 2003ء تک موخر کردیا جائے۔

ایک برٹش صحافی اور ادیب Denis لکھتا ہے "صدام حسین جسے عراقی عوام کی حمایت حاصل ہے امریکہ اس کا کوئی نعم البدل تلاش نہیں کرسکا، صدام دنیائے اسلام کے بعض ممالک میں بھی مقبول ہے امریکی حملہ کامیاب رہا تو عراق صوبوں میں بٹ جائے گا جس سے وہاں کے کرد، سنی، شیعوں میں خانہ جنگی شروع ہوجائے گی۔ اس کے سعودی عرب، ایران اور ترکی پر خطرناک اثرات مرتب ہونگے۔ جنگی ایام میں ان تمام ممالک پر اڈے فراہم کرنے کا امریکی دباؤ بھی ہوگا"۔ فیلڈ مارشل LordBrawal سابق برٹش چیف آف اسٹاف نے کہا "برطانیہ کو اس طرح مشرق وسطی کی نہایت خراب طویل جنگ میں گھسیٹنے کی کوشش کی جارہی ہے"۔

مسٹر Denis نے لکھا ہے "برطانیہ صرف ایک ملک ہے جو امریکہ کی عراق پر فوج کشی میں مدد کرے گا اگر ہم نے ایسا کیا تو دنیائے اسلام میں ہماری پوزیشن بری طرح مسخ ہوجائے گی مسٹر گراہم کا مضمون "صدام حسین کو دیوار سے لگایا گیا تو وہ کیا کرسکتے ہیں" واشنگٹن پوسٹ میں شائع ہوا۔ موصوف لکھتے ہیں کہ "بش کے عراق کے خلاف جارحانہ اقدام انہیں القاعدہ سے تعاون پر مجبور کردیں گے جن کے پاس تباہ کن ہتھیار ہیں۔ عراقیوں کے پاس ایسے لڑاکا طیارے اور میزائل ہیں جو امریکی فوجی اڈوں اور امریکی اتحادیوں پر کیمیکل اور بائیولوجیکل مواد سے بھرے کنستر بھی پھینک سکتے ہیں۔ ذرا سوچئے جونہی امریکہ عراق پر حملہ کے لئے مسلح افواج تیار کرتا ہے اس وقت صدام حسین صدر بش کو خط لکھ بھیجتا ہے کہ "اس نے نیویارک واشنگٹن اور دوسرے بڑے شہروں میں بائیولوجیکل بم پہنچادئے ہیں اس وقت صدر بش کیا فیصلہ کریں گے"۔

انگلینڈ کے حالیہ ملٹری جریدہ (Rusi) میں لکھا ہے "گلف وار کے وقت امریکی اتحادیوں نے صدام حسین کو انتباہ دیا تھا کہ اگر اس نے کیمیکل اور بائیولوجیکل ہتھیار استعمال کئے تو اس کا نام و نشان مٹادیا جائے گا"۔ صدام حسین نے گلف وار میں ایسے خطرناک ہتھیار استعمال نہیں کئے .... اگر اس بار صدام کو اپنی مکمل تباہی نظر آئی تو وہ خطرناک ترین بم اور میزائل استعمال کرسکتے ہیں"۔

Rusi جریدے میں لکھا ہے "اس بار برے طریق سے گھرا ہوا صدام حسین اسرائیل پر حملہ آور ہوگا ... اس کے اسکڈ میزائلوں پر روایتی وار ہیڈ کی جگہ کیمیکل بائیولوجیکل وار ہیڈ ہوسکتے ہیں۔ ہوسکتا ہے وہ ڈرٹی ایٹم بم کا استعمال بھی کرے۔ اسرائیل بھی 1991 کی طرح صبر و تحمل کا مظاہرہ نہیں کرسکے گا۔ اگر اس پر ایسے خطرناک ہتھیاروں سے حملہ ہوا تو جوابی حملہ بھی اتنا ہی تباہ کن ہوگا۔ اس سے عرب دنیا اور امریکی حکومت پر کیا اثرات مرتب ہونگے یہ تو وقت ہی بتائے گا۔ امید ہے کہ امریکہ نے اس کا اندازہ کرلیا ہوگا"۔

امریکی عقاب صدام حسین کو اپنی حکومت ختم کرنے کی خاطر بڑے حملے کی تیاریوں میں مصروف ہیں۔ ایران عراق اور گلف جنگوں کا منجھا ہوا صدام حسین جوابی کارروائیوں میں مصروف ہے۔ لگتا ہے یہ جنگ افغانستان اور گلف وار سے بہت مختلف ہوگی۔ اس جنگ میں دونوں اطراف غیر روایتی تباہ کن ہتھیاروں کے استعمال کا قوی امکان ہے۔ ہمسایہ ممالک بھی متاثر ہونگے۔ ایرانی ایٹمی تنصیبات کو نشانہ بنایا گیا تو شدید رد عمل ہوگا۔

امریکی عراق پر زور و شور سے حملے کی تیاری کررہے ہیں اگر صدر بش خاموش ہوجاتے ہیں یا آپریشن منسوخ کرتے ہیں تو ندامت ہوگی۔ اس لئے آئندہ چند ماہ جنوبی ایشیا کے لئے بھاری دکھائی دیتے ہیں .... لگتا ہے اس بین الاقوامی رد و بدل میں آئندہ عالمی جنگ کے لئے قوموں کی نئی صف بندی ہورہی ہے۔

0000

11 ستمبر کی یاد
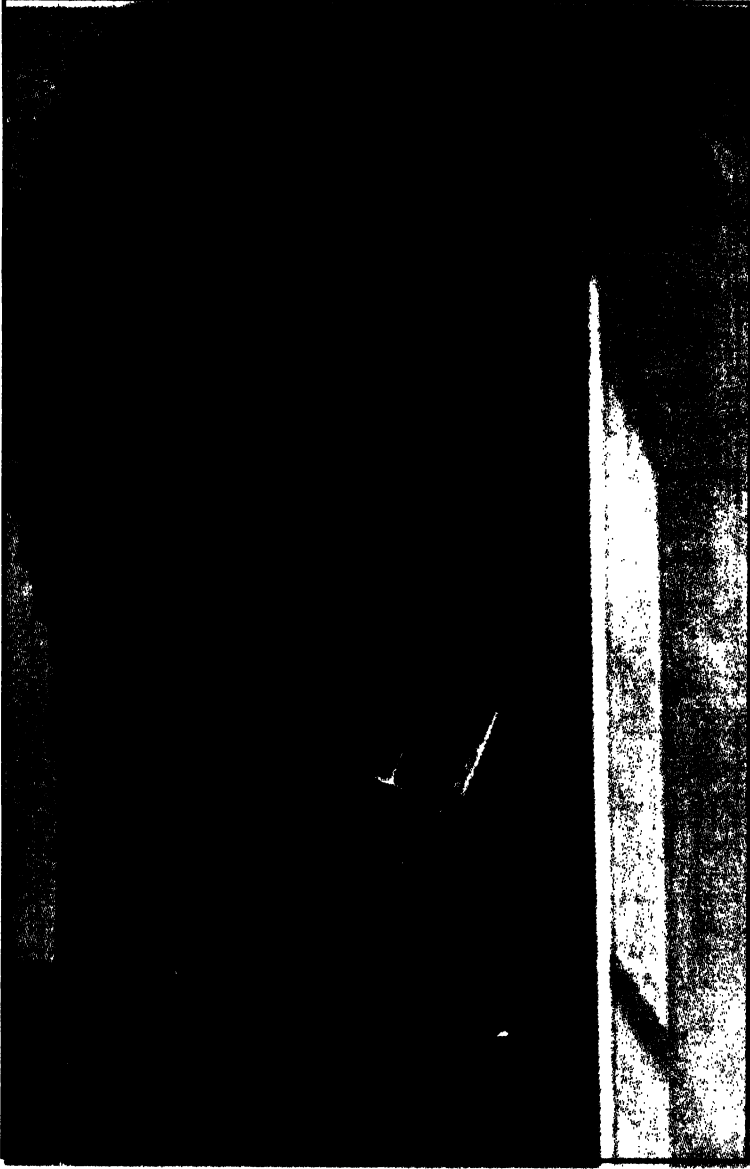
11 ستمبر 2001ء دنیا کی تاریخ کا ایک اہم ترین دن تصور کیا جائے گا اور اس دن کو خصوصی طور پر برسوں یاد رکھا جائے گا کیونکہ اسی دن دنیا کی عالمی طاقت امریکہ کو حیرت واستعجاب کا سامنا کرنا پڑا کہ وہاں کی عوام تصور بھی نہیں کرسکتے تھے ۔ امریکہ کی شان اور اس کے وقار میں اضافہ کرنے والے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی 110 منزلہ بلند قامت عمارت دیکھتے ہی دیکھتے چند لمحوں میں زمین بوس ہوگئی ۔ دہشت گردوں نے امریکہ ہی میں فضائی تربیت حاصل کی اور خود اسی کے طیاروں کا اغوا کیا اور دو طیارے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ٹوئن ٹاور سے 11 ستمبر 2001 کو ٹکرادئے ۔ سارا عالم اس واقعہ پر متعجب تھا اور عالمی معیشت بالخصوص خود امریکہ پر اس واقعہ کے مابعد اثرات کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہیکہ بیروزگاری کی شرح میں مسلسل اضافہ ہورہا ہے ۔ کارپوریٹ ادارے سنگین مالی بحران سے دوچار ہیں ۔ اس واقعہ کو گزرے 11 ستمبر 2002 کو مکمل ایک سال ہوگیا اور اس دن امریکہ میں اس واقعہ کی خصوصی طور پر یاد منائی گئی اور مسٹر جارج ڈبلیو بش نے دہشت گردی کو مکمل طور پر ختم کرنے اور ساری دنیا سے صفائے کے عزم کا اظہار کیا ۔ امریکہ میں 11 ستمبر کی صبح زندگی جیسے تھم سی گئی ۔ اس دن فضائی حملہ میں ہلاک ہونے والوں کے ارکان خاندان ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے مقام پر جمع ہوگئے ۔ گورنر جارج پیٹکانے ابراہیم لنکن کا مشہور خطاب پڑھا جو ناانصافی کے خلاف ہے ۔ نیویارک کے ہلوکین کی فہرست پڑھے جانے تک سفید جھنڈے نصف بلندی پر لہرارہے تھے ۔ دارالحکومت واشنگٹن میں صدر بش کے ساتھ ڈیفنس سکریٹری رونالڈ رمسفیلڈ بھی موجود تھے جنہوں نے ایک منٹ کی خاموش منائی اور وائٹ ہاؤز کے لان پر ایک دعائیہ اجتماع میں شرکت کی ۔ بعد ازاں دونوں قائدین ڈیفنس ڈپارٹمنٹ کے ہیڈ کوارٹر پنٹگان میں منعقدہ ایک تقریب میں شرکت کیلئے روانہ ہوگئے ۔ جن لوگوں نے ہلوکین کے ناموں کی فہرست پڑھ کر سنائی ان میں سابق میئر روڈالف گیلیانی بھی شامل ہیں جنہوں نے گزشتہ سال حملوں کے بعد حالات سے نمٹنے میں قائدانہ صلاحیتوں کا اظہار کیا تھا ۔ پنٹگان میں بش نے کہا ایک سال قبل مرد، عورت اور بچے اس لئے ہلاک کردئے گئے تھے کیونکہ وہ امریکی تھے اور اس لئے کیونکہ یہ مقام دنیا میں ہمارے وقار اور مرتبہ کی ایک علامت تھی ۔ آج ہم کو ہر مرنے والا یاد ہے ۔ امریکہ کی جانب سے دہشت گردوں کے خلاف شروع کردہ جنگ کو جیتنے کا عہد کرتے ہوئے جو اسی دن سے شروع ہوگئی تھی ۔ بش نے کہا معصوم افراد کے قتل کو بیان نہیں کیا جاسکتا صرف محسوس کیا جاسکتا
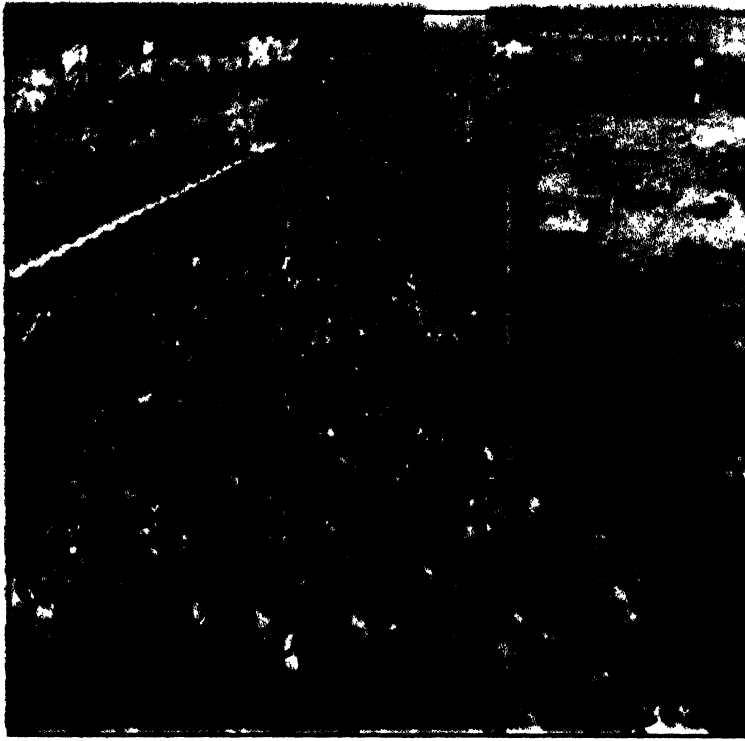
ہے ۔ پنٹگان میں 184 افراد مارے گئے تھے ۔ گڈی اموتھ کا نام سب سے پہلے پڑھا گیا جو ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی 104 ویں منزل پر حملے کے وقت کام کررہا تھا۔ پولیس نے ٹاورس کے مقام پر پریڈ بھی کیا۔ اس دوران امریکی انتظامیہ نے ملک پر دہشت گردوں کے حملے کی وارننگ کی سطح بڑھادی تھی ۔ تمام سرکاری عمارتوں پر زبردست حفاظتی انتظامات تھے جبکہ بیرون ملک امریکی سفارت خانوں کو بند کردیا گیا تھا۔

ساری دنیا میں بھی احتیاطی اور حفاظتی انتظامات تھے ۔ 9 ممالک میں امریکی سفارت خانوں کو بند کردیا گیا۔ انڈونیشیا، فلپائن، ملیشیا اور سنگاپور ، کمبوڈیا ، ویتنام شامل ہیں ۔ پاکستان ، تاجکستان، متحدہ عرب امارات اور بحرین میں بھی امریکی سفارت خانے بند کردئے گئے ۔ ملیشیا میں پولیس کو چوکس رکھا گیا تھا تاکہ موافق اسامہ کسی بھی مظاہرے کو روکا جاسکے ۔ آسٹریلیا میں جس نے افغانستان کی جنگ میں امریکہ کی مدد کی، پولیس کو ہائی الرٹ رکھا گیا تھا۔ نیوزی لینڈ میں بھی 11 ستمبر کو مارے گئے لوگوں کی یاد میں کئی پروگرام منعقد کئے گئے ۔ آکلینڈ میں امریکی پرچم لہرایا گیا۔ ملک بھر میں کلیساؤں میں دعائیں کی گئیں۔ امریکہ میں سیکورٹی کے زبردست انتظامات کے باوجود لوگوں کے دلوں میں دہشت ہے ۔ عام آدمی سے لے کر اعلیٰ افسر تک خوفزدہ ہے ۔ ملک کی وزارت دفاع پنٹگان میں بھی خوف کی جھلک دیکھی جاسکتی ہے ۔ پنٹگان کے کئی افسران کا کہنا ہے کہ دہشت گرد ایک بار پھر حملہ کرسکتے ہیں ۔ تمام حفاظتی اقدامات کے باوجود وہ خود کو خطرہ میں محسوس کررہے ہیں ۔ ادھر اقوام متحدہ نے بھی یہ خدشہ ظاہر کیا ہے کہ اسے بھی دہشت گردی کا نشانہ بنایا جاسکتا ہے ۔ گزشتہ سال حملہ آوروں نے اقوام متحدہ کے ہیڈ کوارٹر سے صرف چند میل دور واقع ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو زمین بوس کردیا تھا ۔ یہ حملہ ایسے وقت میں ہوا تھا جب اقوام متحدہ کا 56 واں سالانہ اجلاس چند گھنٹے بعد ہی شروع ہونے والا تھا۔

11 ستمبر کے اس حملہ میں تقریباً تین ہزار افراد بشمول 234 ہندوستانی ہلاک ہوئے تھے ۔ اس واقعہ کے ایک سال کا اگر ہم سرسری جائزہ لیں تو یہ صاف ظاہر ہےکہ ان حملوں کے لئے ذمہ دار قرار دئے جانے والے اسامہ بن لادن کو زندہ یا مردہ پکڑنے میں امریکہ ہنوز ناکام ہے ۔ اس نے اسامہ بن لادن کا بہانہ بنا کر افغانستان کو اپنا نشانہ بنایا۔ وہاں طالبان کو اقتدار سے بے دخل کرکے اپنی مرضی کی حکومت قائم کی لیکن اس ساری کارروائی میں صرف بے گناہ افراد نشانہ بنے ۔ افغانستان جو پہلے ہی طویل جنگ سے تباہ حال ہے اسے اور تباہ کیا گیا ۔ فضائی حملوں اور فوجی کارروائیوں کے سبب افغانستان کی زمین کا بیشتر حصہ اب کاشت کے قابل نہ رہا ۔ وہاں بیماریاں عام ہورہی ہے اور فضائی حملوں کے اثرات اب ظاہر ہونے لگے ہیں۔

11 ستمبر 2001 کے بعد دنیا کا منظر نامہ یکسر تبدیل ہوگیا اور ساری توجہ دہشت گردی کی سمت مرکوز ہوگئی۔ امریکہ کو طالبان کی جانب سے حیاتیاتی حملہ یا انتھراکس حملہ کا خوف غالب رہا اور ساری دنیا میں دہشت گردی کے خلاف مہم چلائی گئی ۔ لیکن وثوق کے ساتھ ابھی تک یہ ثابت نہیں کیا جاسکا کہ اس واقعہ کے ذمہ دار کون ہیں اور امریکہ ان کے خلاف کارروائی کرنے میں بھی ناکام رہا۔ کارروائی کا سوال تو اس وقت پیدا ہوگا جب امریکہ ساری دنیا کے سامنے یہ واضح کرے کہ اس حملہ کے ذمہ دار کون ہیں ؟ ان کا مقصد کیا ہے ؟ اور جب تک یہ جوابات دنیا کے سامنے نہ پیش کئے جائیں یہی سمجھا جائے گا کہ امریکہ صرف دہشت گردی کے خلاف لڑائی کے نام پر مخصوص ممالک کو نشانہ بنارہا ہے۔

اس نے عراق پر حملے تو کردئے لیکن اسرائیل کے خلاف کسی بھی کارروائی سے گریز کررہا ہے ۔ اس کے برعکس اسرائیل کی ہر ممکن مدد و تائید کی جارہی ہے ۔ امریکہ فی الواقعی دہشت گردی کے خلاف لڑائی میں سنجیدہ ہے تو اسے انصاف پسندی سے کام لینا چاہئے ورنہ یہ لڑائی مستقبل میں کبھی ختم نہ ہوسکے گی۔ اور اسکا اندازہ امریکہ کو بخوبی ہوگیا ہے ۔

ooo

خودکش دھماکے: تاریخ زیادہ پرانی نہیں

مبشر علی زیدی

کسی مقصد کے لئے جان دینے کی رسم بہت پرانی ہے۔ ہزاروں برس کی معلومہ تاریخ کے مطابق کروڑوں سپاہی اور لاکھوں شہری اپنے نظریات، عقائد یا وطن کے لئے جان قربان کرچکے ہیں۔ تاہم ان میں 2 طرح کے لوگ تھے۔ ایک وہ جو لڑتے ہوئے دشمن کے ہاتھوں مارے گئے اور دوسرے وہ جنہوں نے خود آگے بڑھ کر موت کو گلے لگایا۔ اپنے نظریات کے تحفظ کے لئے یونان کے مشہور زمانہ فلسفی اور دانشور سقراط نے بھی جان دی تھی۔ اس واقعہ کو تقریباً 2400 سال گزر چکے ہیں۔ اس عرصہ میں اپنے مقصد کے لئے جان فدا کرنے والوں نے نت نئے طریقے اختیار کئے۔ کبھی وہ حسن بن صباح کے ساتھی بن کے اور کبھی کامی کازی پائلٹوں کی صورت میں ظاہر ہوئے۔ 21ویں صدی کے آتے آتے انہوں نے بھی جدید انداز سیکھ لئے۔ آج فلسطین کے طول و عرض میں فدائی بم بردار صیہونی قابضین کو چٹکیوں میں اڑا رہے ہیں۔

خودکش دھماکوں کی تاریخ زیادہ پرانی نہیں۔ اس نوع کا پہلا حملہ 18 اپریل 1983ء کو بیروت میں کیا گیا تھا۔ لبنانی تنظیم حزب اللہ کے ایک مجاہد نے 400 پونڈ دھماکہ خیز مواد ٹرک میں بھر کے اسے امریکی سفارت خانے سے ٹکرایا تو سی آئی اے کے ڈائرکٹر سمیت 63 افراد ہلاک اور 120 زخمی ہوئے تھے۔ اس وقت سے تادم تحریر 15 ممالک (اور 3 متنازعہ علاقوں) میں 366 خودکش دھماکے ہوچکے ہیں اور 20 تنظیمیں ان کی ذمہ داری قبول کرچکی ہیں یا ان پر الزامات عائد کئے گئے ہیں۔ اس بارے میں یہ وضاحت ضروری ہے کہ دراصل خودکش حملہ ہوتا کیا ہے۔

جس طرح آج تک دہشت گردی کی کسی خاص تعریف پر اتفاق نہیں ہوسکا، اسی طرح خودکش حملوں کی بھی کوئی واضح تعریف وضع نہیں کی جاسکی ہے۔ عام طور پر جس کارروائی میں حملہ آور کی موت کے انتہائی امکانات ہوتے ہیں اسے فدائی حملہ قرار دے دیا جاتا ہے۔

اب تک جن 15 ممالک (اور 3 متنازعہ علاقوں) میں خودکش دھماکے ہوچکے ہیں ان میں لبنان، کویت، سری لنکا، ہندوستان، ارجنٹائن، اسرائیل، کروشیا، پاکستان، ترکی، کینیا، تنزانیہ، روس (بشمول چیچنیا)، یمن، افغانستان اور الجزائر شامل ہیں جو 20 تنظیمیں ان میں ملوث رہیں یا ان کے لئے ذمہ دار قرار دی گئیں ان میں حزب اللہ، امل، شامی سوشلسٹ نیشنل پارٹی، ناصری سوشلسٹ پارٹی، بعث پارٹی، لبنانی کمیونسٹ پارٹی، الدعوہ، تامل ٹائیگرز، ببر خالصہ انٹرنیشنل، جیش محمد، حماس، فلسطینی اسلامی جہاد، الاقصیٰ شہدا بریگیڈ، مصری جماعۃ اسلامیہ، مصری اسلامی جہاد، کردستان ورکرز پارٹی، القاعدہ، طالبان، آرمڈ اسلامک گروپ اور تحریک جاں باز شامل ہیں۔

خودکش دھماکوں کی ابتداء اگرچہ حزب اللہ نے کی لیکن سری لنکا کے تامل ٹائیگرز نے انہیں فوری طور پر اپنالیا اور مسلسل حملے کرکے حزب اللہ کو بھی پیچھے چھوڑ دیا۔ جولائی 1987ء سے اب تک تامل ٹائیگرز مجموعی طور پر 183 خودکش دھماکے کرچکے ہیں۔

حزب اللہ نے نہ صرف لبنان میں بیرونی تسلط کے خلاف جدوجہد کی بلکہ اس پر الزام عائد کیا جاتا ہے کہ اس نے متعدد دوسری تنظیموں کو بھی خودکش حملوں کی تربیت دی۔ ان میں الدعوہ اور حماس شامل ہیں۔ حزب اللہ اپنے رہنماؤں کے قتل کے خلاف بیرون ملک بھی صیہونی مفادات پر حملے کرتی رہی ہے۔ حزب اللہ، تامل ٹائیگر اور کردستان پارٹی کے سواء بیشتر تنظیموں نے خودکش دھماکے مخصوص مقاصد کے تحت مختصر مدت کے لئے کئے۔ ان میں لبنانی و شامی تنظیموں کے علاوہ الدعوہ، ببر خالصہ انٹرنیشنل، مصری اسلامی جہاد، جماعۃ اسلامیہ اور آرمڈ اسلامک گروپ شامل ہیں۔ مصری تنظیموں نے کبھی اپنے ملک میں دھماکا نہیں کیا۔

حزب اللہ نے سیاسی جماعت بننے کے بعد اور کردستان پارٹی نے اپنی تحریک علیحدگی کے بجائے خود مختاری کی جدوجہد میں بدلنے کے بعد خودکش حملے بند کردئے ہیں۔ تامل ٹائیگرز کے سری لنکن حکومت سے مذاکرات جاری ہیں۔ موجودہ حالات میں صرف فلسطینی تنظیمیں فدائی دھماکے کررہی ہیں۔

خودکش حملے کسی تنظیم کے لئے کئی فوائد کا سبب بنتے ہیں۔ انہیں ذرائع ابلاغ میں بہت زیادہ شہرت ملتی ہے اور تنظیم کے مقصد کو مقبولیت حاصل ہوتی ہے۔ ایسے حملوں میں دشمن کو زیادہ جانی اور مالی نقصان پہنچایا جاسکتا ہے۔ 12 اکتوبر 2000ء کو عدن کے ساحل پر امریکی فوجی جہاز پر حملے میں 17 فوجی ہلاک ہوئے ہی تھے، امریکہ کو 243 ملین ڈالر کا نقصان بھی برداشت کرنا پڑا تھا۔ خودکش حملوں کا یہ فائدہ بھی ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ مناسب ترین وقت اور مقام پر ہوتے ہیں۔ اس کے علاوہ حملہ آور کی بہ حفاظت واپسی کی منصوبہ بندی بھی نہیں کرنا پڑتی جس کے ناقص ہونے سے اکثر عام حملے ناکام ہوجاتے ہیں۔ حملہ آور کے ہلاک ہونے سے تفتیش اور اہم معلومات دشمن کو ملنے کا خطرہ بھی نہیں رہتا۔

ابتدائی خودکش دھماکوں کے نتیجہ میں بھی مقاصد کے حصول میں کامیابی ہوئی تھی۔ 23 اکتوبر 1983ء کو بیروت میں حزب اللہ کا ایک فدائی ٹرک میں 2268 کلو دھماکہ خیز مواد بھر کے امریکی ہیڈکوارٹر سے ٹکرایا تو 241 فوجی ہلاک ہوئے تھے۔ صرف 7 سیکنڈ کے وقفے سے دوسرے فدائی نے فرانسیسی کمپاؤنڈ میں 816 کلو کے بم سے دھماکہ کیا تو 58 فوجی مارے گئے۔ ان دھماکوں کے فوراً بعد دونوں ممالک نے بیروت سے اپنی فوجیں واپس بلالی تھیں۔

حزب اللہ کی اس کامیابی کے برعکس آئندہ خودکش حملوں سے قابل ذکر مقاصد حاصل نہیں کئے جاسکے۔ اس کے علاوہ حملوں کا نشانہ

بننے والی حکومتوں نے ان تنظیموں کے خلاف سخت انتقامی کارروائیاں بھی کی ہیں۔ مشرقی افریقہ میں سفارت خانوں میں دھماکوں کے بعد امریکہ نے افغانستان پر میزائل حملے کئے تھے، جہاں ذمہ دار قرار دی گئی تنظیم القاعدہ کے مبینہ طور پر تربیتی کیمپ تھے۔ اسرائیل بھی امریکہ کے نقش قدم پر چلتے ہوئے نہتے شہریوں کا قتل عام کررہا ہے۔

اب تک 6 طرح کے حملہ آور خودکش دھماکے کرچکے ہیں جن میں پیدل، موٹر سائیکل سوار، گاڑی سوار، کشتی سوار، غوطہ خور اور فضائی بم بار شامل ہیں۔ یہ تمام طریقہ جنوبی ایشیاء اور مشرق وسطیٰ میں آزمائے جاچکے ہیں۔

پاکستان میں واحد خودکش حملہ 19 نومبر 1995ء کو اسلام آباد میں ہوا تھا۔ جب ایک بم بار نے مصری سفارت خانے کے کمپاؤنڈ میں اپنی گاڑی دھماکے سے اڑادی تھی۔ حملے میں 16 افراد ہلاک اور نصف میل کے دائرے میں موجود تمام افراد زخمی ہوئے تھے، جن کی تعداد 60 تھی۔

دھماکے سے جاپان، انڈونیشیا اور کینیڈا کے سفارت خانوں کے علاوہ کئی دوسری عمارتوں کو بھی نقصان پہنچا تھا۔ اس حملے کی ذمہ داری 3 تنظیموں نے قبول کی تھی۔ جن میں ایمن الظواہری کی مصری اسلامی جہاد، جماعۃ اسلامیہ اور انٹرنیشنل جسٹس گروپ شامل ہیں۔ اس واقعہ سے قبل پاکستان نے بعض مطلوب مصری باشندے حکومت مصر کے حوالے کئے تھے اور کہا جاتا ہےکہ یہ حملہ اسی کے ردعمل میں کیا گیا تھا۔

اسرائیل میں پہلا فدائی حملہ 16 اپریل 1993ء کو میخولا میں ہوا، جب حماس کے ایک کارکن نے کار بم دھماکہ کرکے 2 اسرائیلیوں کو ہلاک اور 8 کو زخمی کردیا تھا۔ عام طور پر اسرائیل اور فلسطین میں دھماکے غزہ اور مغربی کنارے کے باشندے کرتے ہیں تاہم اب اسرائیلی عربوں نے بھی کارروائیاں شروع کردی ہیں۔ محمد ابی ہشی پہلے اسرائیلی عرب تھے جنہوں نے 9 ستمبر 2001ء کو نہریہ میں فدائی دھماکہ کرکے 3 اسرائیلیوں کو ہلاک اور 90 کو زخمی کیا تھا۔

اسرائیل میں 6 خودکش دھماکہ ایسے ہوئے ہیں جن میں 20 یا زائد اسرائیلی ہلاک ہوئے۔ 25 فروری 1996ء کو بیت المقدس اور 27 مارچ 2002ء کو نتانیہ میں 26، 26 افراد مارے گئے تھے۔ 19 اکتوبر 1994ء کو تل ابیب میں 23، 22 جنوری 1995ء کو نتانیہ اور یکم جون 2001ء کو تل ابیب میں 21، 21 اور 4 مارچ 1996ء کو تل ابیب میں 20 اسرائیلی ہلاک ہوئے تھے۔

اب تک کم از کم 3 خودکش دھماکوں میں 100 سے زائد افراد ہلاک ہوچکے ہیں۔ 23 اکتوبر 1983ء کو بیروت میں امریکی فوج کے ہیڈکوارٹر پر حزب اللہ کے حملے میں 241، 7 اگست 1998ء کو نیروبی کے امریکی سفارت خانے پر مبینہ طور پر القاعدہ کے حملے میں 291 اور 18 جولائی 1994ء کو ارجنٹائن میں یہودی کمیونٹی کی ایک عمارت پر حزب اللہ کے حملے میں 100 افراد ہلاک ہوئے تھے۔

عام طور پر خودکش حملوں میں اکا دکا حملہ آور شریک ہوتے ہیں لیکن 23 فروری 1998ء کو سری لنکا میں Pointel Pedro کے ساحل پر 28 تامل حملہ آوروں نے دھماکہ خیز مواد سے بھری 8 کشتیوں کے ساتھ سری لنکن بحریہ پر حملہ کیا تھا۔ اس حملے میں 51 فوجی مارے گئے تھے۔ مختلف مقامات پر بیک وقت سب سے زیادہ دھماکے چیچن جانبازوں نے 3 جولائی 2000ء کو کئے۔ انہوں نے ارغن، مروس مارتان، گدرمس اور نائیورا میں 5 مقامات پر 5 ٹن کے دھماکے کرکے 60 افراد کو ہلاک کردیا تھا۔

27 جنوری 2002ء کو نابلس کی النجاہ یونیورسٹی کی گرایجویٹ وفا ادریس اور 2 ماہ بعد 18 سالہ آیت الاخری نے بیت المقدس میں فدائی دھماکے کئے تو دنیا کو پتہ چلا کہ تحریک انتفاضہ کس غیر معمولی مرحلے میں پہنچ گئی ہے تاہم یہ پہلے مواقع نہیں تھے کہ خواتین نے خودکش حملے کئے۔ سری لنکا میں تامل ٹائیگرز، ترکی میں کردستان ورکرز پارٹی اور لبنان میں شامی سوشلسٹ پارٹی کی رکن عورتیں ایسے دھماکے کرتی رہی ہیں البتہ یہ

سب سیکولر تنظیمیں ہیں۔

مسلم کاز کے لئے پہلا فدائی حملہ چیچن مجاہدہ حوا برائیف نے ایک مجاہد کے ساتھ 7 جون 2000ء کو کیا تھا۔ دونوں ایک ٹرک میں دھماکہ خیز مواد بھر کے چیچنیا میں الکانیورٹ کی چیک پوسٹ سے ٹکرا گئے تھے۔ اس کے نتیجہ میں 27 روسی فوجی ہلاک ہوئے تھے۔ یہ چیچنیا میں پہلا خودکش دھماکہ بھی تھا۔

تامل ٹائیگرز کی جانب سے تقریبا 40 فیصد حملے عورتوں نے کئے ہیں۔ کردستان پارٹی کے 11 اور شامی سوشلسٹ پارٹی کے 5 حملوں میں عورتیں شریک رہیں۔ یہ عورتیں دھماکہ خیز مواد پیٹ پر باندھ لیتی تھیں تو حفاظتی اہل کار انہیں حاملہ سمجھ کر چیکنگ نہیں کرتے تھے اور وہ بہ آسانی ہدف تک پہنچ جاتی تھیں۔

اب تک عالمی سطح کی کم از کم 3 سیاسی شخصیات خودکش دھماکوں میں ہلاک ہوچکی ہیں۔ جن میں 2 کے ذمہ دار تامل ٹائیگرز ہیں۔ سابق ہندوستانی وزیر اعظم راجیو گاندھی 21 مئی 1991ء کو مدراس کے انتخابی جلسے میں شریک تھے کہ ایک تامل عورت نے ان کے قریب آکر دھماکہ کردیا۔ راجیو گاندھی اور حملہ آور کے علاوہ مزید 17 افراد ہلاک ہوئے تھے۔

تامل ٹائیگرز کے ایک اور رکن نے یکم مئی 1993ء کو ایک اور جلسے میں دھماکہ کرکے اس وقت کے سری لنکا کے صدر رانا سنگھے پریما داسا کو ہلاک کردیا تھا۔ اس حملے میں 22 دوسرے افراد بھی مارے گئے تھے۔

تیسرا واقعہ 9 ستمبر 2001ء کو افغانستان کی وادی پنج شیر میں پیش آیا جب صحافی بن کر انٹرویو کے لئے آنے والے 2 عرب باشندوں نے اپنے کیمرے میں چھپائے گئے بم کا دھماکہ کرکے شمالی اتحاد کے سربراہ احمد شاہ مسعود کی جان لے لی تھی۔ اس دھماکہ میں کل 4 افراد ہلاک ہوئے تھے۔

ایک تامل عورت نے 17 دسمبر 1999ء کو انتخابی جلسے میں خودکش دھماکہ کرکے سری لنکا کی صدر چندریکا کمار تنگا کو قتل کرنے کی کوشش کی تھی۔ کمارا تنگا زندہ تو بچ گئیں تاہم ان کی ایک آنکھ ضائع ہوگئی۔

خودکش حملے کرنے والی تنظیمیں اور ان سے نبرد آزما حکومتیں دراصل ایک نفسیاتی جنگ لڑتی ہیں۔ یہ تنظیمیں ایک سے بڑھ کر ایک حربہ اختیار کرتی ہیں تو دوسری جانب حکومتیں انہیں روکنے کیلئے تمام وسائل استعمال کرتی ہیں۔

دنیا بھر کے حفاظتی اداروں نے 200 سال کی مشق سے نتیجہ اخذ کیا تھا کہ حملہ آور ہمیشہ اپنی جان کے تحفظ کو یقینی بناکر حملہ کرتا ہے۔ خودکش حملوں سے یہ نظریہ غلط ثابت ہوگیا۔ 19 سال کے تجربات سے یہ بھی ثابت ہوا کہ خودکش حملہ آور کو روکنا ممکن نہیں۔ حفاظتی انتظامات جس قدر بھی سخت کردئے جائیں، بم بار ملک الموت کی طرح آن وارد ہوتا ہے۔ اسی لئے حفاظتی ماہرین کا کہنا ہیکہ خودکش دھماکے روکنے کے لئے ان کی ذمہ دار تنظیموں کا نیٹ ورک توڑنا ضروری ہوتا ہے۔ تاہم اسرائیل میں یہ خیال کارآمد ثابت نہیں ہوا۔ اسرائیلی فوج کئی بار حماس کے رہنماؤں اور ماہرین کو شہید کرچکی ہے لیکن ہر مرتبہ پہلے سے بھی زیادہ فدائی بم بار حملے کرتے ہیں۔

فلسطینی تنظیموں کے لئے شروع شروع میں خودکش بم بار تلاش کرنا مشکل ہوتا تھا لیکن اسرائیلی مظالم بڑھنے کے ساتھ کام آسان ہوتا گیا۔ اب ہر تنظیم کے پاس 5 سے 20 فدائی ہر وقت تیار ہوتے ہیں۔ پہلے صرف حماس اور اسلامی جہاد جیسی مذہبی تنظیمیں اس عمل میں مصروف تھیں لیکن اب یاسر عرفات کی قوم پرست جماعت الفتح کی ذیلی تنظیم الاقصی شہدا بریگیڈ نے بھی دھماکے شروع کردئے ہیں۔

پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ خودکش حملے صرف مذہبی انتہا پسند کرتے ہیں۔ تامل باغیوں جیسے لادین عناصر نے یہ سوچ غلط ثابت کردی۔ انہوں نے یہ نظریہ بھی باطل کردیا کہ حملہ آور فوری جذبات کے تحت خودکش حملے پر تیار ہوتے ہیں۔ صدر پریما داسا کو قتل کرنے والا بم بار دھماکے سے قبل ایک سال تک ان کی قیامگاہ پر ملازم رہا تھا۔ پھر خیال ظاہر کیا گیا کہ حملہ آور حد درجہ مایوس اور پہلے سے خودکشی کے لئے تیار ہوتے ہیں۔ بعض ذرائع ابلاغ نے یہ بھی کہا کہ وہ دھماکے سے قبل نشہ آور دوا استعمال کرتے ہیں تاہم مسلم فدائیوں کے بارے میں ایسا سوچا بھی نہیں جاسکتا۔

تل ابیب یونیورسٹی میں سیاسی تشدد پر تحقیق کے شعبے کے سربراہ ایریل میراری نے 1993ء سے 1996ء کے دوران 50 واقعات کا تجزیہ کیا اور اتفاق سے بعض ایسے نوجوانوں کے انٹرویو لئے جنہوں نے بعد میں فدائی دھماکے کئے۔ میراری نے ان کے رشتے داروں سے بھی ملاقات کی۔ اس نے نتیجہ نکالا کہ فدائیوں میں کم عمری اور غیر شادی شدہ ہونے کے سوا، کوئی قدر مشترکہ نہ تھی۔ وہ زیادہ مذہبی نہ تھے، انہیں نفسیاتی مسائل نہیں تھے، وہ کبھی کسی پر تشدد کارروائی میں بھی ملوث نہیں رہے۔

اسرائیلی اخبار Yediot Aharono نے ایک بار تحقیق کرکے بتایا تھا کہ 1993ء سے جون 2001ء تک دھماکے کرنے والے فدائیوں میں 47 فیصد تعلیم یافتہ تھے، 68 فیصد کا تعلق غزہ کی پٹی سے تھا، 83 فیصد غیر شادی شدہ تھے اور 64 فیصد کی عمر 18 سے 23 سال کے درمیان تھی۔ ان میں بیشتر کے مالی حالات خراب تھے، وہ کٹر مذہبی تھے اور سب کے سب مرد تھے۔ امریکی جریدے "ٹائم" نے حال میں اعلان کیا کہ ماضی کی تمام تحقیق کو مسترد سمجھا جائے۔ اب فدائیوں میں 23 سالہ عزالدین مصری شامل ہیں جو ایک ریستوران کے خوش حال مالک کا بیٹا تھا، 8 بچوں کا باپ 47 سالہ داؤد ابو سوئے ہے، جس کی غیر معمولی طور پر سیاسی یا مذہبی وابستگی نہیں تھی اور 18 سالہ آیت الاخری ہے، جس کی چند ماہ بعد شادی ہونے والی تھی۔ ان لوگوں نے سارے کلیے، تمام تجزیے غلط ثابت کردیئے ہیں۔

ایک مغربی مبصر جیف گولڈ برگ کا کہنا ہیکہ مشرق وسطی میں فدائی حملے انفرادی اور تنظیمی سطح سے بڑھ کر معاشروں کی سطح پر حمایت حاصل کرچکے ہیں۔ اس عمل کو مذہبی رہنماؤں، ذرائع ابلاغ، حکومتوں اور عوام، سب کی تائید حاصل ہے۔ اس کا ثبوت یہ ہیکہ فدائی کو دہشت گرد کوئی نہیں کہتا، سب شہید ملتے ہیں۔

ڈاکٹر سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

ڈیفنس مینجمنٹ کالج
Defence Management College

ملک کے دفاع کے لئے محفوظ فوج اور انتظامی عہدیداروں کی ضرورت لازمی ہوتی ہے۔ آج دفاعی شعبے کی اہمیت تمام ممالک میں فوقیت کی حامل ہوگئی ہے۔ جسے جدید سے جدید بنانے کی جانب مسابقت جاری ہے۔ مقررہ و مجوزہ خدمات کے لئے مختلف دفاعی شعبوں کے افسروں کی تربیت بھی ضروری ہوتی ہے۔ اس کے لئے آج سے 25 سال قبل سکندرآباد (بلارم) میں ڈیفنس مینجمنٹ کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس کالج نے گزشتہ طویل عرصے میں عالمی سطح پر ڈیفنس مینجمنٹ شعبے میں تربیت دینے کے اہم ادارہ کی حیثیت سے اپنا مقام بنالیا ہے۔ اب تک اس کالج سے 3800 افراد نے دفاعی انتظامی شعبوں میں تربیت حاصل کی ہے۔ ان میں 250 میجر جنرل رئیر ایڈمیرل ایروائس مارشل سطح کے افسر شامل ہیں۔ 1970ء سے میجر جنرل کی قیادت میں روٹیشن طرز کے تحت اس کالج کو چلایا جارہا ہے۔ اس کالج میں طویل ڈیفنس مینجمنٹ کورس، مختصر مدتی ڈیفنس مینجمنٹ کورس کے ساتھ اقامتی رابطہ پروگرامس (Residential Contact Prog.) متعارف ہیں۔

طویل مدتی دفاعی انتظامی کورس میں تربیت حاصل کرنے کے لئے دفاعی شعبے میں موجود تین زمروں کے کرنل سطح کے افسروں کا انتخاب کیا جاتا ہے۔ مختصر مدتی دفاعی مینجمنٹ کورس میں بریگیڈیر سطح کے افسر تربیت حاصل کرتے ہیں۔ اقامتی رابطہ پروگرام میں 42 ہفتوں تک تربیت دی جاتی ہے۔ اس تربیت میں کلاس روم مباحث، جدید سمعی و بصری طریقہ تربیت Syndicate Methods of Discussion (Modern and Visual Aid) اور کمپیوٹر تربیت کی اسٹڈی وغیرہ کرائی جاتی ہے۔ اس تربیتی مدت میں Organisation Behaviour, Human ResourseManagement, Project Management ورکس اسٹڈی، اسٹاٹسٹکس، آپریشن ریسرچ سسٹم، تجزیہ، اسٹرٹیجک مینجمنٹ، فینانشیل مینجمنٹ اور میٹریل مینجمنٹ وغیرہ میں تربیت دی جاتی ہے۔ 5 باہمی رابطہ پروگرام کے بعد دو ہفتوں تک مینجمنٹ ایجوکیشنل ٹور پر روانہ کیا جاتا ہے۔ جہاں پرائیوٹ سکٹر آرگنائزیشن میں مختلف امور کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ بعد ازاں آخری مرحلہ میں تربیت حاصل کرنے والوں کے آٹھ سے 9 افسروں پر مشتمل ایک گروپ تشکیل دیکر انہیں پراجکٹ اسٹڈی کا کام تفویض کیا جاتا ہے۔ دفاعی شعبے میں اعلیٰ تربیت کی فراہمی میں اب کالج نے ایک اہم ترین مقام حاصل کیا ہے۔ گزشتہ سال سے عثمانیہ یونیورسٹی سے پوسٹ گریجویٹ پروگرام کی طرح ڈیفنس مینجمنٹ کورس کے لئے کالج یونیورسٹی سے اجازت حاصل کی۔

مینجمنٹ کورس کے اہم ترین ادارے

ملک بھر میں مینجمنٹ کورسس فراہم کرنے والے بعض اہم ترین ادارے حسب ذیل ہیں

۱۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ احمد آباد
۲۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ بنگلور
۳۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ لکھنؤ
۴۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ کلکتہ
۵۔ زاویر لیبر ریلیشنس انسٹی ٹیوٹ۔ جمشید پور
۶۔ جمن لال بجاج انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز۔ ممبئی
۷۔ ایس ایف جین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اینڈ ریسرچ۔ ممبئی
۸۔ نارسی مانجی انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ اسٹڈیز۔ ممبئی
۹۔ فیکلٹی آف مینجمنٹ اسٹڈیز۔ دہلی یونیورسٹی
۱۰۔ انڈین انسٹی ٹیوٹ آف فارن ٹریڈ۔ نئی دہلی
۱۱۔ زاویر انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ بھوبنیشور
۱۲۔ بھارتی واسن انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ تروچراپلی
۱۳۔ سمبولیس انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ۔ پونے
۱۴۔ ٹاٹا انسٹی ٹیوٹ آف سوشیل سائنس۔ ممبئی
۱۵۔ انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ ٹکنالوجی۔ فیض آباد

ان اداروں کے علاوہ کوزی کوڈ، اندور میں آفر کیا جارہا ہے۔ ایم بی اے پروگرام، اسی طرح IIT میں فراہم کورسس کی اہمیت مسلمہ ہے۔ ان اداروں کی تعداد جملہ 20 تک پہنچتی ہے۔ اور ان میں اندازاً 3000 نشستیں فراہم ہیں۔

ان کے علاوہ اگنو کے ایم بی اے پروگرام کی بھی اہمیت مسلمہ ہے۔ جو فاصلاتی طرز میں ہے۔ ڈاکٹر بی آر امبیڈکر اوپن یونیورسٹی میں بھی ایم بی اے پروگرام فاصلاتی طرز میں فراہم ہے۔

اہلیت۔ گریجویشن میں 50 فیصد مارکس، سال آخر امتحان میں شریک طلبہ، امتحان میں شرکت کے بعد نتائج کا انتظار کررہے طلبہ، درخواست دے سکتے ہیں۔ میتھمیٹکس کی حالانکہ ضرورت نہیں ہوتی تاہم کم از کم دسویں جماعت کی سطح کی ریاضی معلومات ضروری ہیں۔ بعض اداروں میں انٹرنس ٹسٹ کے بعد انٹرویو بھی رکھا جاتا ہے۔ کئی ادارے CAT اور MAT کی بنیاد پر داخلہ دیتے ہیں۔

☆☆☆

مائیموکیلا بریس، واشنگٹن

عراق کی جنگ کا منظر نامہ

کسی بھی ملک کو جنگ میں مصروف کیسے کیا جاسکتا ہے ؟ اگر آپ صدام حسین ہیں تو آپ کو صرف محافظین جمہوریت دستوں کو آواز دینی ہوگی اور پھر حالات کی پرواہ کئے بغیر پڑوسی ملک پر حملہ کرنا ہوگا جیسا کہ آپ نے 12 سال قبل اسی ماہ میں کیا تھا۔ لیکن اگر آپ صدر امریکہ ہیں تو آپ کو کئی بڑی مشکلات کا سامنا کرنا ہوگا ۔آپ کو کانگریس سے بات کرنی ہوگی۔ آپ کو اپنے جنرلوں کی بات سننی ہوگی ۔ آپ کو اپنی معیشت کا جائزہ لینا ہوگا ۔ خاص طور پر جبکہ وہ کمزور ہورہی ہو۔ سب سے بڑی بات یہ کہ آپ کو اپنے عوام کی منظوری حاصل کرنی ہوگی جو یہ بھی سوچ سکتے ہیں کہ آپ کو اس کی کیا ضرورت ہے۔

ایک شخص آہنی آمریت چلاتا ہے ، دوسرے کو ایک حقیقی جمہوریت سے پنجہ آزمائی کرنی پڑتی ہے ۔اس سے صاف ظاہر ہوجاتا ہے کہ گذشتہ ہفتے عراق کے سلسلہ میں کیوں آواز اٹھائی گئی اور وائٹ ہاوس سے جو حملے کی تیاری کا اشارہ دیا جارہا تھا تبدیل کرکے انتظار کرنے کے اشارے میں کیوں تبدیل ہوگیا۔ انتظامیہ کے ایک سینئر عہدیدار نے ایک اہم قانون ساز کو بتایا کہ کانگریس نومبر کے انتخابات سے قبل کسی امریکی کارروائی کی توقع نہیں کرے گی۔ ایک اور عہدیدار نے حملہ کا وقت 2003 ، تک آگے بڑھادیا ۔ اس نے بتایا کہ مستقبل قریب میں عراق کے سلسلہ میں کوئی فیصلے نہیں کئے جائیں گے ۔ یہ فیصلے آئندہ سال تک ملتوی کئے جاچکے ہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ بش کی ٹیم کو اس کا اندازہ ہوگیا ہے کہ عراق کے بارے میں ریپبلکن پارٹی کے رحجان نے بش کے قدموں تلے سے زمین کھینچ لی ہے۔

صدر امریکہ کے سر پر صدام حسین کو اقتدار سے بے دخل کرنے کا بھوت بری طرح سوار ہے لیکن انھیں اس کا کوئی موقع نہیں مل رہا ہے ۔ لیکن وہ گذشتہ ہفتہ معمول سے کچھ زیادہ سے متحمل مزاج نظر آئے ۔ وائٹ ہاوس کے اپنے بیضوی دفتر میں شاہ اردن عبداللہ دوم سے ملاقات کے دوران بش ایک طویل وقفے تک خاموش رہے اور پھر کہا " صدام حسین ایک ایسا شخص ہے جو خود اپنے عوام کو زہر دیتا ہے ۔ جو اپنے پڑوسیوں کو دھمکیاں دیتا ہے ۔ جو اجتماعی تباہی کے ہتھیار تیار کرتا ہے ۔ میں شاہ کو یقین دلاتا ہوں جیسا کہ میں نے ماضی میں بھی دلایا تھا کہ ہم تمام طریقوں پر غور کررہے ہیں ۔ تمام ذرائع استعمال کئے جائیں گے ۔ میں ایک صابر آدمی ہوں ۔ ان کے بارے میں میری رائے آج بھی وہی ہے جو اس بیضوی دفتر میں آپ سے گذشتہ ملاقات کے وقت تھی ۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ میں نے کارروائی کا وقت تبدیل کیا ہے مقاصد نہیں لیکن شاہ عبداللہ نے اسکا اپنے طور پر کچھ اور ہی مطلب نکالا یعنی انھوں نے کہا " میں صرف اتنا ہی کہنا چاہوں گا کہ روز اول ہی سے میں نے صدر کو ایک ایسا شخص پایا ہے جو تصویر کے وسیع تر تناظر کو سمجھتا ہے ۔ " ایک اہم حلیف نے جب عراق پر حملے کے منصوبے کو حال ہی میں " ایک ہولناک نظریہ " قرار دیا تو درحقیقت یہ الفاظ نمایاں طور پر سفارتی نوعیت کے تھے ۔ پریشان شاہ اردن کی صدا صرف ایک خبردار کرنے والی آواز تھی جبکہ اندرون ملک اور بیرون ملک ہر ایک اس بات سے متفق ہے کہ صدام کے بغیر یہ دنیا ایک بہتر جگہ ہوگی۔ لیکن کئی لوگ یہ جاننا چاہتے ہیں کہ امریکہ کب اور کیسے ایک کامیاب حملہ کرے گا۔ اور جب جنگ ختم ہوجائے گی تب کیا ہوگا۔

تصویر کا یہ وسیع تر تناظر نظر انداز کرنا ناممکن ہوگا ۔ بش کے پروگرام پر نظرثانی اسلئے کرنی پڑی کہ معیشت لڑکھڑا رہی ہے ۔ مشرق متوسط کے ایک اور علاقہ میں انتشار برپا ہے جہاں فلسطینی بم برداروں نے اسرائیلیوں کے ساتھ ساتھ پانچ امریکیوں کی بھی جان لے لی۔ اور کیپٹل ہل سے ان کی جنگی حکمت عملی کے بارے میں نئے نئے سوالات اٹھ رہے ہیں۔ وقفہ اس لئے بھی پیدا ہوا کہ عراق کے مسئلہ پر انتظامیہ بری طرح مختلف دھڑوں میں بٹ گیا ہے ۔ان میں سے

ایک عملی نقطہ نظر کا اور دوسرا جہادی نقطہ نظر کا حامل ہے۔ جو اب جنگ کے دوسرے مرحلے کے آغاز کا خواہاں ہے۔ پہلے مرحلہ کی جنگ تو اس نے کئی ہفتوں سے نیویارک ٹائمز اور واشنگٹن پوسٹ کے صفحات اول پر چھیڑ رکھی ہے۔

کی کوشش کرنی چاہئے۔ اس گروپ کا خیال ہے کہ آج کل عالمی رائے عامہ امریکہ کے اتنے خلاف ہے کہ کسی واضح اشتعال انگیزی کے بغیر بش صدام حسین پر حملہ نہیں کرسکتے۔ ان کا حریف گروپ ان کو دھندلائی آنکھوں والے رجائی قرار دیتا ہے۔ اس " رجائی گروپ " کو توقع ہے کہ

پر عمل آوری ضروری ہے ہاں اسکی طاقت اور دائرہ عمل اور زیادہ ہونا چاہئے۔

دوسری طرف پنٹگان کا سیول عملہ ہے ، سوٹ اور ٹائی میں ملبوس ، دفتر بابو۔ ان کو یقین ہے کہ قابو پانے کی تمام کوششیں ناکام ہوچکی ہیں اور صدام حسین کے اسلحہ کے خفیہ ذخائر کے

یہ انتظامیہ قومی سلامتی امور کے بارے میں فیصلے کرنا چاہتا ہے لیکن آپسی جھگڑوں میں الجھا ہوا ہے۔ بش کی ٹیم پس پردہ کارروائیاں کرنے ، پوری راز داری کے ساتھ حملہ کرنے اور اپنے منصوبے کو بعد میں عوام کے سامنے ظاہر کرنے کی ماہر ہے۔ گہری خاموشی اختیار کرنے ، وقت کا تعین اور اس کی پابندی اور مکمل اتحاد کی خصوصیات اس کے علاوہ ہیں۔ لیکن اس ٹیم کی یہ معمول کی خصوصیات بھی عراق کے مسئلہ پر قابو پانے سے قاصر ہیں۔ اس کے بجائے انتظامیہ ایک نمایاں اور غیر مختتم خانہ جنگی میں مصروف ہے۔ ایک گروپ میں وزیر خارجہ کولن پاول اور وزارت خارجہ کے ان کے سفارت کار ہیں جن کا نظریہ ہے کہ جنگ کے آغاز سے قبل زیادہ جارحانہ رویہ اختیار کرکے صدام حسین پر قابو پانے

سفارتی دباؤ کے ذریعہ حملے کا موقع پیدا کیا جاسکتا ہے۔ پاول گروپ کو اسکی بھی فکر ہے کہ عراق کے ساتھ جنگ بحیرہ قلزم سے ہمالیہ تک پورے عالم اسلام میں ہلچل پیدا کردے گی اور ممکن ہے کہ مابعد صدام عراق اپنے پڑوسیوں سے الجھ کر ایک انتشار برپا کردے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لئے دانشور ہر پیچیدگی اور نتائج پر غور کرتے ہیں۔ پاول نے پنٹگان کے وردی پوش طاقتور قدیم دوستوں کے ساتھ ایک غیر رسمی اتحاد قائم کرلیا ہے۔ اتحاد میں جائنٹ چیفس آف اسٹاف بھی شامل ہیں۔ یہ تمام پاول ہی کی طرح ویتنام دور کے جنرل ہیں جن کا خیال ہے کہ اس کے قطع نظر کہ حملہ اچھا نظریہ ہے یا نہیں (اور اکثر کو اس بارے میں شبہ بھی ہے کہ یہ اچھا نظریہ نہیں ہے) کسی بھی فوجی کارروائی کے بعد پاول کے قدیم نظریئے

اقدام متحدہ کی جانب سے معائنہ کے بعد بھی امریکہ کے حلیف اسکا ساتھ نہیں دیں گے۔ عراق نے گذشتہ ہفتہ کہا ہے کہ وہ اقوام متحدہ کی جانب سے معائنے پر غور کرے گا اور یقین ہے کہ یہ معائنہ بھی ناکام رہے گا۔ پاول کیمپ اس گروپ کے خیالات کو غیر عملی اور ہوائی قلعے تصور کرتا ہے۔ یہ گروپ غیر مشروط طور پر اسرائیل کا حامی ہے اور اسرائیل فلسطین تنازعہ کو نہیں بلکہ صدام حسین کو زیادہ بڑا علاقائی اور عالمی خطرہ سمجھتا ہے جس پر فوری توجہ ضروری ہے۔

پنٹگان کا سیول عملہ یہ بھی سمجھتا ہے کہ صدام حسین کو بہ آسانی زیر کیا جاسکتا ہے۔ ان کے خیال میں جنرلوں نے بش کو غلط باور کرایا ہے۔ صدام حسین کو تھوڑے سے دستوں اور تھوڑی سی ہلاکتوں کے ساتھ بڑی جلدی شکست

دی جاسکتی ہے ۔ اس گروپ کا خیال ہے کہ امریکہ کو صدام حسین کے بڑھتے اور پھیلتے ہوئے اجتماعی تباہی کے اسلحہ کے ذخائر کی وجہ سے صدام کو جلد یا بدیر تباہ کرنا تو ضروری ہی ہے چنانچہ یہ کام جتنی جلد ہوجائے بہتر ہوگا ۔ پنٹگان کے سربراہ ڈونالڈ رمسفیلڈ کھلم کھلا اس گروہ کی قیادت کررہے ہیں ۔ان کے ساتھ ان کے خوفناک جنگجو نائب پال وولفووٹز بھی ہیں ۔ لیکن بش کے دیرینہ ساتھیوں کا خیال ہے کہ پس پردہ ان کے روحانی پیشوا نائب صدر ڈک چینی ہیں جن کی وجہ سے یہ گروہ مسلسل بش کے کان بھررہا ہے ۔

حالیہ چند ہفتوں میں جتنے راز افشا ہوئے ہیں ۔ حملے کے ایک اور " خفیہ " منصوبے کی کہانیاں منظر عام پر آئی ہیں ان کے مقصد کاانحصار اس بات پر تھا کہ جنگ کی سمت پیش رفت میں تیزی یا کمی کا کونسا گروپ ذمہ دار ہوگا اور کونسا گروپ دوسرے گروپ کی تحقیر کرنے میں کامیاب ہوگا ۔ پھر بھی اگر کسی افشا کا مقصد عوامی مخالفت کو بھڑکانا ہے تو اسکا استقدامی اثر اس کے برعکس بھی ہوسکتا ہے ۔ قوم یہ بھی سوچ سکتی ہے کہ کسی نہ کسی قسم کی جنگ ناگزیر ہے ۔

لیکن اس کشمکش نے چند ایسے سوالات پیدا کردئے ہیں جن کا جواب مشکل ہے ۔ پنٹگان میں مختلف دفاعی خدمات کو اپنے اپنے مسائل درپیش ہیں ۔ فضائیہ کو اعتماد نہیں ہے کہ اسکے طیارے کئی ماہ کی عالمگیر جنگ کے متحمل ہوسکتے ہیں خاص طور پر اگر ان طیاروں کو ٹھہرانے کے لئے عراق کے قریبی علاقوں میں اڈے نہ مل سکیں ۔ بحریہ کو خوف ہے کہ اسکے بیش تر طیارہ بردار جہاں عراق سے جنگ میں مصروف رہیں گے اور اس طرح دیگر سمندروں میں طلایہ گردی موقوف ہوجائے گی ۔ افغانستان میں خصوصی دستوں کو اتارنے کے لئے رمسفیلڈ نے طیارہ بردار بحری جہازوں کو ہوائی اڈوں کے طور پر استعمال کرکے اور ان پر سے طیارے ہٹاکر بحریہ کو صدمہ پہنچایا ہے ۔ فوج سب سے زیادہ پریشان ہے ۔اسکے دستے پہلے ہی سے دنیا بھر میں پھیلے ہوئے ہیں تاکہ واضح مقاصد پر مبنی ہدایات کی تکمیل کرسکیں ۔ اور عراق میں جنگ ختم ہونے کے بعد وہاں کئی برسوں تک کم از کم دو ڈیویژن فوج کی تعیناتی ضروری ہوگی تاکہ ملک کی تعمیر نو میں مدد کرسکے ۔

اس نوعیت کے اعتراضات سے واضح ہوتا ہے کہ جنگ کی حامی پارٹی کیوں ایک یقینی فتح کی جنگی حکمت عملی اور صدام پر پہلے ضرب لگانے کی یا پھر ناراض عراقیوں کی منظم بغاوت کرواکے صدام حسین کو اقتدار سے بے دخل کرنا چاہتی ہے لیکن اس کے لئے قدیم انداز میں لاکھوں دستوں اور دبابوں کی ضرورت ہوگی ۔ لیکن کوئی بھی وردی پوش شخص اس پر یقین کرنے آمادہ نہیں ہے کہ ایسی خیالی اسکیمیں کامیاب ہوسکتی ہیں ۔ محکمہ دفاع کے ایک عہدیدار نے اسی بات کو اس طرح کہا ہے " جائنٹ چیفس میں سے کوئی بھی ایسا نہیں ہے جو صدام حسین کے جلد از جلد زوال کا خواہاں نہ ہو لیکن آپ چاہے کتنی بھی تیز رفتار کارروائی کے خواہاں کیوں نہ ہو آپ کو ایک دوسرے مرحلہ کا منصوبہ تیار رکھنا ہوگا ۔ اور دوسرے مرحلے کے تمام منصوبے جوش سے عاری ، روایتی جنگ کی نوعیت کے ہوتے ہیں ۔ اور اس کا مطلب ہوگا زیادہ وقت ، زیادہ دولت ، زیادہ محنت اور کم حیران کن نتائج ۔ عہدیدار نے مزید کہا ، جتنی زیادہ دیر ہوگی ، اس علاقہ کے عوام اتنے زیادہ مضطرب ہوں گے اور دوسرے مملکتوں کی صیانت اور سلامتی اتنی ہی زیادہ خطرے میں ہوگی ۔ اس تمام بحث کا مرکزی نکتہ یہ نہیں ہے کہ ہم کتنی تیزی سے بغداد کو یکا و تنہا کرسکتے ہیں بلکہ یہ ہے کہ ہم جو کچھ بورہے ہیں اسکی فصل کیسے کاٹ سکیں گے ۔

حیرتناک طور پر نہ تو صدر بش اور نہ ان کی مشیر قومی سلامتی کونڈولیزا رائس اس صلاحیت کے حامل نظر آتے ہیں کہ عوامی سطح پر جنگ کے کھیل کا انسداد کرسکیں ۔ اسکی وجہ بش کے ایک معاون کے بقول یہ ہوسکتی ہے کہ نچلی سطح اور اوسط سطح کے عہدیدار محسوس کرتے ہیں کہ انھیں کارروائی سے الگ رکھا جارہا ہے چنانچہ وہ منصوبوں کا افشا کردیتے ہیں ۔ زیادہ امکان اس بات کا ہے کہ وائٹ ہاوس نے عراق کے خلاف ایک شخص کی من مانی کارروائی کی مخالفت کی گہرائی کا اندازہ نہیں لگایا ہے ۔ بش اور رائس کا یہ خیال ہوگا کہ اسکے فوجی طیاروں کا سیلاب صدام حسین کو خوفزدہ کردے گا اور وہ جھک جائیں گے ۔ ایک قدیم سفارت کار نے کہا کہ وہ سوچ سکتے ہیں کہ اشاروں کی اہمیت ہے ۔ ممکن ہے ایسا ہو لیکن یہ اشارے نہ صرف اندرون

ملک بلکہ بیرون ملک ایسے افراد کو خوفزدہ کررہے ہیں جو بغداد کے بارے میں بش کے نظریات سے متفق نہیں ہیں۔اس سے اس بات کی جزدی وضاحت ہوتی ہے کہ حالانکہ صدر بش کا اصرار ہے کہ انھوں نے عراق کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں کیا ہے دوسروں میں اسکے بارے میں مباحث کا آغاز ہوگیا ہے ۔ ڈیلاویر کے ڈیموکریٹ جوزف بیڈن نے گذشتہ ہفتے سینیٹ کی غیر ملکی روابط کمیٹی میں دو دن تک عراق کے خطرے کی فوری نوعیت اور اسکے خلاف اقدام کی نوعیت کے یقین کے لئے دو دن تک مباحث کئے اور دلائل کی سماعت کی۔ بیڈن اس مسئلہ پر جارحانہ موقف رکھتے ہیں۔ انھوں نے بش کو اشارہ دیا ہے کہ اگر حالات مناسب رہیں تو وہ صدام کے خلاف بش کی تائید کریں گے ۔ رکن سینیٹ اس بات کو یقینی بنانا چاہتے ہیں کہ بش کانگریس سے مشورہ کریں اور اسکی رسمی اجازت حاصل کریں۔ جیسا کہ خلیجی جنگ اول میں حملے سے قبل ان کے والد نے کیا تھا۔

ڈیموکریٹس کو امید ہے کہ مباحث سے کم از کم جنگ کا پروگرام طے ہوجائے گا اور اگر کانگریس میرینس کو روانہ کرنے کا فیصلہ کرلے تو اسکو عوامی تائید یقینی ہوگی ۔ لیکن بیڈن کی تقاریر نے ایک جانبدارانہ سیاسی مقصد بھی حاصل کیا۔ انھیں واشنگٹن میں ایک ریپبلکن کی اس طاقت کا اندازہ ہوگیا کہ وہ خارجہ پالیسی کی مال بردار گاڑی کا راستہ روک سکتا ہے ۔ رکن سنیٹ رچرڈ لوگر جو مسلسل پانچویں میعاد کے لئے رکن منتخب ہوئے ہیں سنات میں امور خارجہ کے سلسلہ میں اتنی اہم آواز ہیں کہ وہ جہاں جاتے ہیں عموماً پوری سنیٹ ان کے پیچھے چل پڑتی ہے ۔ لوگر صدام کی بے دخلی کے ایک طویل عرصہ سے خواہشمند ہیں لیکن گذشتہ ہفتہ ان کے سوالات سے اندازہ ہوا کہ انھیں اب خوف ہے کہ جیسا کہ قبل ازیں بش کے والد کے دور میں ہوچکا ہے ۔ صدام حسین کی اقتدار سے بے دخلی کے نتیجے میں اس علاقے میں عظیم تر عدم استحکام پیدا ہوگا ۔ لوگر نے کہا " مجھے اس بات کی فکر نہیں ہے کہ صدام زوال پذیر ہوجائیں گے فکر اس بات کی ہے کہ جیسا کہ ہم واقف ہیں عراقی عوام جمہوریت کے لئے تیار نہیں ہیں ۔ درحقیقت فراخدلانہ جمہوری نظام کے قیام سے مزید دہشت گردوں کے ابھرنے کا اندیشہ ہے ۔ انھوں نے کہا کہ ہمیں بڑے گہرے غور و خوض کی ضرورت ہے ۔

لوگر کے خدشات اگر بعدازاں باطل بھی ثابت ہوجائیں تو اس بات کا اشارہ ضرور ہیں کہ اہم ریپبلکن ارکان عراق میں فوری طور پر جنگ کے آغاز کے حق میں نہیں ہیں۔ پارٹی کے انداز فکر میں بنیادی تبدیلی آچکی ہے ۔ بش کے خارجہ پالیسی کے ایک دیرینہ معاون نے کہا کہ " ممکن ہے کہ بش کو جنگی اعتبار سے اس کا احساس نہ ہو لیکن انھیں سیاسی اعتبار سے اس کا اندازہ یقینا ہے "۔

چنانچہ فی الحال منصوبے بنائے جارہے ہیں ۔ مرکزی کمان کے سربراہ ٹامی فرینکس نے جاریہ سال صدر بش سے کم از کم 12 مرتبہ ملاقات کی ہے ۔ گذشتہ ہفتہ محکمہ دفاع کے ایک اعلی سطحی عہدیدار نے بتایا کہ اخبارات میں جن منصوبوں کا افشا ہوچکا ہے ان میں سے کوئی بھی اس منصوبے سے مطابقت نہیں رکھتا جو بش کو درحقیقت پیش کئے گئے ہیں ۔ عوام اسکو تسلیم کرنے تیار نہیں ہیں لیکن حقائق بالکل مختلف ہوں گے سب کچھ افغانستان کی طرح نہیں ہوگا اور نہ ہی خلیج فارس کی طرح ہوگا۔

جزیرہ رہوڈس کے ڈیموکریٹک رکن سنیٹ جیک ریڈ جنھوں نے 14 سال تک سرگرم فوجی خدمات انجام دی ہیں کہتے ہیں کہ دونوں گروپوں کے درمیان " واضح طور پر کشیدگی " میں اضافہ ہورہا ہے ۔ اس میں کمی نہیں ہورہی ہے ۔ انتظامیہ داخلی طور پر دو گروپوں میں تقسیم ہوچکا ہے ۔ ایک گروپ کہتا ہے کہ نتائج کی پرواہ کئے بغیر کچھ نہ کچھ کارروائی ضروری ہے ۔ دوسرے گروپ کا کہنا ہے کہ نتائج کیا ہوں گے اسکی پرواہ کئے بغیر کارروائی ایک جنون ہوگا ۔ بش دونوں کے بیچ میں پھنس گئے ہیں۔

لیکن بش کو اس سے الگ نہیں سمجھا جاسکتا انھوں نے 2000 ء کی مہم کے دوران سب سے پہلے عراق میں " حکومت کی تبدیلی " کا نعرہ لگایا تھا ۔ انھوں نے گذشتہ ہفتے بھی اپنے اس مقصد سے انحراف نہیں کیا ۔ یہ ان کے ان حلفوں میں سے ایک ہے جن سے انحراف ناممکن ہے ۔ جس کو وہ بار بار دہراتے آئے ہیں ۔ لیکن پھر بھی ان کے خلاف اتنی ساری آوازیں اٹھنے کے بعد ان کے پاس اس کے سوا کوئی چارہ نہیں ہے کہ وہ اپنی رفتار میں کمی کردیں اور صدام کے خلاف اتحادی محاذ کی تیاری میں مصروف ہوجائیں اور سب سے پہلے اپنے انتظامیہ میں ایسا اتحادی محاذ تیار کریں۔

(ترجمہ عبدالقدیر عزم)

جاوید علوی

برسات کے رنگ

موسم کا اثر انسانی نفسیات، رہن، سہن، اور بود و باش پر کچھ اس طرح ہوتا ہے کہ تمدنی زندگی آب و ہوا کی مرہون منت ہو کر رہ جاتی ہے ۔ ہر موسم کی اپنی افادیت اور علٰحدہ رنگ ہوتا ہے اور یہ سارے رنگ انسانی زندگی میں رچے بسے نظر آتے ہیں ۔ برسات کے موسم کو ہماری زندگی میں خصوصی اہمیت حاصل ہے ۔ چلچلاتی جلادینے والی دھوپ میں جی چاہتا ہے کہ کہیں سے ٹھنڈی ہوا کا جھونکا آنکلے اور طبیعت شاد ہوجائے۔

ساون بھادوں کا موسم اس خطے کے شعراء اور ادیبوں کا خصوصی موضوع رہتا ہے ۔ شاعر کو ساون کی جھڑی اور قوس و قزح سے خاص شغف ہے جبکہ ادیب ساون کے رنگوں میں زندگی کے شوخ یا پھیکے رنگ تلاش کرکے سماجی زندگی کا حسن یا تلخیاں کاغذ پر بکھیرتے ہیں ۔ ساون کے گیت و نغمے ہماری موسیقی اور شاعری کا لازمی جز سمجھا جاتا ہے ۔ اردو اور فارسی ادب میں کرداروں اور ماحول کو ساون کے منظر ناموں میں بیان کرکے سحرانگیز رومانس کچھ اس طرح تخلیق کیا جاتا رہا ہے کہ رومانی کردار ساون کی جھڑی دنیا بھر کے ادیبوں اور شاعروں کا اسی لئے موضوع رہا ہے کہ یہ موسم میلے کچیلے آلودہ ماحول میں نکھار پیدا کردیتا ہے ۔ آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے اس کا اثر دل و دماغ پر ہونا لازمی ہے ۔ بارش کی پھوار اور طبیعت کی گرانی اور بوجھل پن کو دور کرکے راحت کا سامان پیدا کرتی ہے۔ ہمارے ہاں برسات کے مہینے جولائی اور اگست میں یعنی ساون اور بھادوں کی جھڑیاں ان ہی مہینوں میں لگتی ہیں ۔ جون کے مہینے میں زمین تلنبے کی طرح تپ جاتی اور لو کچھ ایسے چلتی ہے جیسے آگ کے شعلے مخلوق خدا کو جلادینے کے درپے ہوں شدید گرمی اور تپش میں جن لوگوں کے پاس موسم کی شدت سے بچاؤ کا سامان نہیں ہوتا وہ یا تو بیہوش ہوجاتے ہیں یا مرجاتے ہیں اور باقی بچ رہنے والے باران رحمت کی دعا مانگتے ہیں ۔

آسمان پانی برسائے یا آگ لوگوں کو ہر موسم سے گلے شکوے رہتے ہیں ۔ اس لئے کہ زیادہ لوگ زندگی کی بہت سے نعمتوں سے محروم ہیں ۔ ان کے اندر کا موسم ہمیشہ افسردہ رہتا ہے ۔ ایسی مردنی چھائی رہتی ہے کہ خوشگوار ترین موسم بھی ان کے اندر کے موسم کو سہانا بنانے میں ناکام رہتا ہے ۔ برسات کا موسم اب ہر کسی کا موسم نہیں رہا یعنی طبقاتی کشمکش کی نذر ہوگیا ہے ۔ امراء اور مراعات یافتہ طبقے کیلئے جھروکوں سے بارش کا منظر خاصا دلفریب ہے بلکہ غرباء کیلئے بارش طوفان بن جاتی ہے ۔ گھر منہدم ہوجاتے ہیں ۔ مکین اور مویشی مرجاتے ہیں ۔ مہینوں کھلی فضا میں رہنا پڑتا ہے یا پھر کوئی اور جائے پناہ تلاش کرنا پڑتی ہے ۔ اگر طوفان ستم نہ بھی ڈھائے تو بارش کے بعد سخت حبس جان کو آجاتا ہے ۔ دم گھٹنے لگتا ہے اور کچھ بھی بھلا محسوس نہیں ہوتا ۔ اہل ثروت کیلئے سب موسم ایک سے ہیں ۔ سردی میں گرم رہائش گاہیں اور سواریاں ، سخت گرمی میں سرد کمرے اور گاڑیاں پرفضا مقامات کی سیر، جب چاہیں جنگل میں منگل کرلیں۔

غریب یا نچلا طبقہ ہر موسم سے ڈرتا ہے ۔ سردی سے بچاؤ کیلئے لباس اور ایندھن ، گرمی سے بچاؤ کیلئے برقی پنکھے اور برسات میں چھت اور راستے کی فکر ۔ برسات کا موسم ، اپنی تمام تر رنگینی کے باوجود ہر کسی کے من کا موسم نہیں رہا ۔ یہ دلفریب اور سہانا موسم بھی سماجی اونچ نیچ کی نذر ہوگیا ۔ اس کی بھی علاقہ بندی ہوگئی ہے اور یہ بھی کسی کا موسم نہیں رہا ۔ باغوں میں جھولے ، آموں کی جھومتی ڈالیاں ، جامن کے مرمریں جسم سے پھسلتے ہوئے بارش کے ننھے منے قطروں اور پھر قوس و قزح کے رنگوں کی شوخی شاید کتابوں میں قید ہو کر رہ گئی ۔ اگر بارش نہ ہو تو بارش کی منتیں مانگیں جاتی ہیں ، دعائیں کی جاتی ہیں کہ زندگی کا دار و مدار ہی بارش کے پانی پر ہے ۔ بارش نہ ہو تو مال مویشیوں کے ساتھ ساتھ لوگ بھی لقمہ اجل بن جاتے ہیں ۔ بارش ہوجائے ان لوگوں کو تھوڑا بہت پانی میسر آجاتا ہے ۔ حقیقت یہ ہے کہ کسی بھی رت کے آنے یا رخصت ہونے سے نہ تو موسم بدلتا ہے ، نہ ان لوگوں کے نصیب ۔

شہروں کا ساون بھادوں اپنا ہے اور دیہاتوں کا اپنا پہاڑی علاقوں کے لوگ ساون کو کسی اور حوالے سے اہمیت دیتے ہیں ۔ ایک خوبصورت موسم کی تقسیم کچھ اس طرح ہوگئی ہے کہ اس کا مجموعی رنگ پھیکا پڑگیا ہے ۔ دیہاتوں میں بارش ہو تو اسے زرعی زمین کیلئے سود مند یا نقصان دہ ہونے کے حوالے سے نفع نقصان کی نظر سے دیکھا جاتا ہے ۔ ایسے علاقے بھی ہیں جہاں بادل آئیں تو لوگ خوفزدہ ہوجاتے ہیں کہیں سیلاب کا موجب نہ بن جائے ، فصلیں اور مال مویشی منہ زور پانی کا لقمہ نہ بن جائیں ۔ پہاڑوں کے باسی بارش کو پانی کے چشموں اور جھرنوں کی تقویت کا سبب سمجھتے ہیں ۔ وہ دن گئے جب ساون کے جھولے پڑتے تھے ۔ ڈالیوں پر آم لٹکتے نظر آتے تھے ۔ موسم کی مناسبت سے پکوان پکائے جاتے تھے ۔ محبوب کو یاد کرکے ٹھنڈی آہیں بھری جاتی تھیں اور محبوب کے ملنے پر گیت گائے جاتے تھے ۔ یہ شادمانیاں منظر سے اوجھل ہوگئیں ہیں ۔ سب کا اپنا موسم ہے اور ہر کوئی موسم کو اپنے نقطہ نظر سے دیکھتا ہے ۔ موسم کا اپنا حسن ماند پڑتا جارہا ہے ۔ دیہات ، شہر اور پہاڑ سب اپنے اپنے ساون کا رنگ پیش کرتے ہیں ۔ دیہاتوں میں ساون کی جھڑی زیادہ برس جائے تو جوہڑ کا پانی ابل پڑتا ہے ۔ گلیاں بازار اور آنگن تعفن زدہ کیچڑ نما پانی سے بھر جاتے ہیں ۔ بچے بالے اس پانی میں نہاتے ہیں، گرمی کی شدت کم ہونے پر پھولے نہیں سماتے ، جسموں پر پھوڑے پھنسیاں نکل آتے ہیں ، رات کو کچھ کاٹتا ہے ۔ دن بھر مکھیاں اشیائے خورد و نوش پر بھنبھناتی

ہیں ، کہیں ملیریا پھیل رہا ہے اور کسی جگہ کی آبادی ہیضے کی لپیٹ میں ، سخت گرمی کے بعد ساون کے ٹھنڈے جھونکے آئے بھی تو اپنے ساتھ بہت سے دکھ لے کر بڑے شہروں میں ساون کی جھڑی ، سیر گاہوں یا تفریح کیلئے بنائے گئے باغات ہی میں اچھی لگتی ہے ، یا جھروکے سے دیکھ کر خوش ہوا جاسکتا ہے ۔ فضا میں دیکھنا بہت اچھا محسوس ہوتا ہے ۔ سر سبز درخت ، برستا ہوا پانی اور پس منظر میں آسمان کے رنگ ، زمین پر نظر پڑجائے تو سڑکیں تالاب کا منظر پیش کرتی ہیں ۔ لوگ بارش جیسی لطیف نعمت کا مزا لینے کی بجائے ، گھٹنوں پانی میں پھنسے ہوئے ہیں ، نکاسی آب کا بندوست نہیں ، موٹر سائکلیں ، گاڑیاں ، پانی چیر کر نکل جانے کیلئے کوشاں نظر آتے ہیں ۔ نشیبی علاقوں میں اگلے کئی ماہ تک پانی کھڑا رہتا ہے ۔ مچھروں اور مکھیوں کی یہ افزائش گاہ پوری آبادی کو بیماریوں میں بتلا کردیتی ہے ۔ گذر گاہیں ، کیچڑ اور پانی کی وجہ سے چلنے کے قابل نہیں رہتیں ۔ پانی کے نیچے کہاں گہری کھائی ہے جو راہ گیر کی موت کا سبب بن سکتی ہے یہ کوئی نہیں جانتا اور نہ کوئی سرکاری محکمہ اپنی ذمہ داری قبول کرنے کو تیار ہے ۔ بارش کے بعد راستوں کا پانی خشک ہوجائے تو کیچڑ خشک ہو کر دھول کی صورت میں گلے اور معدے کے امراض کے فروغ کا باعث بنتا ہے ۔ یہ کیا موسم ہے کہ بارش کا مزا چند منٹ تک اور موسم کے اثرات کا عذاب مہینوں تک ، بڑے شہروں کے پوش علاقوں میں شاید برسات کا لطف اٹھایا جاتا ہو ۔ اب تو پوش علاقوں کی بھی درجہ بندی نہیں کی جاسکتی ۔ بارش کا پانی تقریباً ہر سڑک پر کھڑا ہوجاتا ہے البتہ نکاسی جلدی ہوجاتی ہے ۔ گلی محلوں اور بازاروں میں بارش کے بعد کا منظر اتنا اچھا نہیں ہوتا ۔ پانی دو روز تک کھڑا ہے تو نمازی مسجد نہیں جاسکتے ۔ کام پر جانے والوں کے کپڑے خراب ہوجاتے ہیں ۔ اشیائے صرف کی خرید کیلئے نکلنا مشکل ہوجاتا ہے ۔ اکثر بازار ایسے ہیں جہاں سڑک سے پانی کئی روز تک نہیں نکلتا ، دکاندار ہاتھ پر ہاتھ دھرے بیٹھے رہتے ہیں ۔ اب تو بادل دیکھ کر بارش کی آمد کا یقین ہی نہیں ہوتا ۔ محکمہ موسمیات بارش کی خبر دیتا ہے ۔ بارش تو ہوتی نہیں البتہ حبس اور سخت گرمی سے دم گھٹنے لگتا ، کبھی وہ گھر امیر سمجھا جاتا تھا جہاں پر کمرے میں برقی پنکھے ہوتے ہیں پھر کولر لگ گئے اور صرف 3% آبادی کے پاس ایئر کنڈیشنر بھی ہیں ۔ برسات میں پنکھے کی ہوا نہیں لگتی ، کولر حبس میں اضافہ کرتا ہے ، پیٹ کاٹ کر بچوں کی خاطر ائر کنڈیشنر لگوانے والے بھی پچھتا رہے ہیں کہ بجلی کا بل آمدنی کا کثیر حصہ ہڑپ کرجاتا ہے ۔

بارش کا منظر پہاڑوں پر اچھا محسوس ہوتا ہے جہاں کا درجہ حرارت پہلے ہی میدانی علاقوں کی نسبت بہت کم ہوتا ہے ۔ لمبے لمبے ، سر سبز درختوں پر برستی بارش پس منظر میں پہاڑ اور ہفت رنگ آسمان دیکھ کر برسات اور ساون کے حسین تصور کو تقویت ملتی ہے ۔ ایسا محسوس ہوتا ہے جیسے کائنات کی خوبصورتی ایک چھوٹے سے منظر میں سمٹ آئی ہو ۔ بارش کے بعد پانی گذر گاہیں شفاف ہوتی ہیں کہیں پانی کھڑا نہیں ہوتا ۔ برسنے والا پانی نشیب میں جا کر ہریالی میں اضافے کا سبب بنتا ہے ۔ اہل ثروت پہاڑوں پر جا کر برسات کا لطف اٹھاتے ہیں اور 5% باقی آبادی بارش کی دعا مانگتی ہے اور پھر برسات کے بعد کا عذاب سہنے پر مجبور ہوجاتی ہے ۔ بارش سمندر پر برسے تو یہ منظر آنکھوں میں قید کرلینے کو جی چاہتا ہے ۔ ساحل سمندر سے باہر آکر ملحقہ آبادیوں کے ساتھ ساتھ کچی بستیاں دیکھ کر سارا لطف ہرن ہوجاتا ہے ۔ ان سب حقائق کے باوجود ساون کا ایک رنگ بہرحال زندہ رہتا ہے ۔ چند لمحوں کی خوشی کی طرح حاصل ہونے والا ٹھنڈا موسم ، یہ لمحوں کی ٹھنڈک مہینوں کی گرمی کی تلخی بھلا دیتی ہے ۔ پھول پسند ہیں تو کانٹے بھی ہونگے ۔ بارش کا مزا لینا ہے تو دیگر مسائل سے بھی نمٹنا پڑے گا ۔ بات موسم کی ہے آدمی کے اندر کا موسم خوشگوار ہو تو نظر کو یہ موسم سہانا معلوم ہوتا ہے ۔

OOOO

خوش آمدید جمہوریت

عرفان صدیقی

جمہوریت آ تو رہی ہے لیکن کچھ اس طرح کہ ساری بستی سوئی پڑی ہے اور جاگتے چوباروں سے جھانکتی آنکھیں اسے اجنبی نظروں سے دیکھ رہی ہیں۔ فصیلوں پر کھڑے نگہبانوں کا کہنا ہے کہ وہ آ ہی رہی ہے تو آنے دو، راستہ نہ روکو۔ دنیا اس سے ہمدردی رکھتی ہے اور اس سے بیگانگی کئی طرح کے مسائل پیدا کر سکتی ہے۔ قاضی القضاہ بھی اس کے حق میں فتوی جاری کر چکے ہیں اور یوں بھی اسے زیادہ دیر تک فصیل شہر سے باہر کھڑا رکھنا مناسب نہیں۔ لہذا جمہوریت چلی آ رہی ہے۔ نہ پاؤں میں جھانجھریں نہ پازیبیں۔ نہ ہاتھوں میں پھولوں کے گجرے نہ آنکھوں میں کاجل، نہ کانوں میں جھمکے نہ ماتھے پر جھومر۔ وہ چلی آ رہی ہے لیکن کچھ اس انداز سے جیسے حرماں نصیب بیوہ، عدت کے دن کاٹ کر اپنے جھونپڑے سے نکل کر بستی کو چلی ہو۔

میں نے 1990ء سے 1997 تک ہونے والے تمام انتخابات دیکھے ہیں کبھی اتنی قدغنیں اور جکڑ بندیاں نہیں لگائی گئیں جتنی اس دفعہ لگائی جا رہی ہیں۔ سیاسی جماعتوں کی آنکھیں رت جگوں سے سلگنے لگی ہیں لیکن کوائف اور گوشواروں سے لبریز فائلوں کا پیٹ بھرنے میں نہیں آ رہا۔ کارپوریٹ لاء اتھارٹی نے کبھی کسی کمپنی کے بارے میں اس قدر تفصیلات جاننے کی ضرورت محسوس نہیں کی۔ یوں لگتا ہے جیسے جمہوریت کسی دشمن علاقے سے آنے والا سامراج ہے۔ سیاسی جماعتیں اس سامراج کی آلہ کار اور انتخابات کے نام پر حکومت پر قبضہ جمانے کے آرزومند امیدواران، دراصل اسی سامراجی لشکر کے خونخوار سپاہی ہیں جن کا راستہ روکنا مشکل سہی لیکن انہیں قانون کی زنجیریں، ضابطوں کی ہتھکڑیاں اور قواعد کی بیڑیاں ڈالنا ضروری ہے۔ الیکشن کمیشن نے کہا ہے کہ قومی اور صوبائی اسمبلیوں کے امیدوار 19 سے 24 اگست تک، یعنی صرف چھ دنوں کے اندر اندر اپنے کاغذات نامزدگی داخل کرا دیں۔ ایسا ان جماعتوں سے کہا گیا جو ابھی تک انتخابی نشانات کے لئے الیکشن کمیشن کی راہداریوں میں بھٹک رہی تھیں۔ ابھی ان جماعتوں کو قومی اسمبلی کی 300 اور صوبائی اسمبلی کی 728 نشستوں کے لئے امیدواروں کا چناؤ کرنا ہے۔ دوسری جماعتوں سے کی گئی مفاہمت کے مطابق کاٹ چھانٹ کرنی ہے اور پھر حتمی امیدواروں کو کاغذات جمع کرانے کا اجازت نامہ جاری کرنا ہے۔

اب ذرا اس مرد میدان کے آشوب پر نظر ڈالئے جو انتخابات میں حصہ لینے کا آرزو مند ہے۔ اسے سب سے پہلے ریٹرننگ آفیسر سے دس روپے ادا کر کے فارم حاصل کرنا ہوگا۔ ممکن ہے اس کام کے لئے بھی کچھ پیشگی شرائط پوری کرنا لازم ہو۔ ریٹرننگ آفیسر اس کے حسب نسب سے مطمئن ہونے کے بعد سفید، گلابی یا سبز رنگ کا فارم جاری کرے گا۔ یہ فارم پانچ پرتوں یا صفحات پر مشتمل ہوگا جس میں امیدوار کو اپنے جنم دن سے لے کر یوم حاضر تک زندگی کے سارے شب و روز کی تفصیل درج کرنا ہوگی۔

فارم کی شق ایک اور دو کے تحت امیدوار کو بتانا ہوگا کہ 31 دسمبر 1985ء سے لے کر اب تک اس نے یا اس کے افراد خانہ نے کس کس بینک یا ادارے سے کتنا قرضہ لیا؟ کتنی ادائیگیاں کیں؟ کتنا معاف کرایا اور کتنا اب تک واجب الادا ہے؟ پھر اسے یہ بتانا ہوگا کہ وہ کب کب ایسی رہائش گاہوں یا ریسٹ ہاؤسز میں ٹھہرا جو وفاقی حکومت، صوبائی حکومتوں، بلدیاتی اداروں یا کارپوریشنوں کی ملکیت ہیں؟ پھر اسے یہ تفصیلات بتانا ہوں گی کہ کیا اس نے ان کے کرائے ادا کر دیئے ہیں؟ اس پر بجلی، گیس، ٹیلی فون اور دیگر خدمات کا کوئی پیسہ واجب الادا تو نہیں؟ ایک شق کے تحت ہر امیدوار کو یہ حلفیہ بیان دینا ہے کہ اس پر کبھی کوئی فوجداری مقدمہ قائم نہیں ہوا۔ ہر امیدوار کو اپنی تعلیمی اسناد کی مصدقہ عکسی نقول بھی پیش کرنا ہوں گی۔ قومی شناختی کارڈ اور قومی انکم ٹیکس نمبر سرٹیفکٹ کی کاپیاں منسلک کرنا بھی ضروری ہے۔ فارم کا صفحہ نمبر چار اثاثوں کی تفصیلات سے تعلق رکھتا ہے۔ ہر امیدوار کو اندرون وطن اور بیرون وطن اپنی اور اپنے عزیز و اقارب کی تمام منقولہ اور غیر منقولہ جائیدادوں کی تفصیلات فراہم کرنی ہیں۔ اسے پاکستان اور بیرون پاکستان اپنے کاروبار اور سرمایہ کاری کی تفصیل دینی ہے۔ اسے یہ بھی بتانا ہے کہ وہ زندگی میں بیرون ملک سے کتنا سرمایہ کما کر لایا ہے۔ اس نے یہ سرمایہ کہاں لگایا؟ کس کے بینک کے کون سے کھاتے میں جمع کرایا؟ اس سرمائے سے اس نے نیشنل سیونگ سرٹیفکٹس خریدے ہیں تو ان کی تفصیل کیا ہے؟ اگر کسی اور نوع کی سرمایہ کاری کی ہے تو اس کا حدود اربعہ کیا ہے؟ اسے یہ بھی بتانا ہے کہ اس کے گھر میں کتنے تولے چاندی اور کتنے تولے سونا پڑا ہے؟ زیورات کی ساخت اور نوعیت کیا ہے؟ گھر میں کتنی رقم رکھی ہے؟ کس کس بینک میں کتنا روپیہ پڑا ہے؟ اکاونٹس نمبر کیا ہیں؟ گھر کے فرنیچر کی تفصیل کیا ہے؟ کتنے صوفے، کتنی میزیں، کتنی کرسیاں، کتنے فانوس، کتنے اے سی، کتنی تصاویر اور کتنے گلدان؟ ذاتی استعمال کی کون کون سے قیمتی اشیاء رکھی ہیں؟ ان اثاثوں اور نوادرات کی تفصیل کیا ہے جو کسی کو تحفے میں دی گئیں؟ اسے یہ بھی بتانا ہے کہ اس نے زمین، مکان یا کسی اور اثاثے کو رہن رکھ کر کتنا قرضہ حاصل کیا ہے، کتنا اوور ڈرافٹ لے چکا ہے؟ "ہائر پرچیز" معاہدے کے تحت یا ہاوس بلڈنگ کے لئے کتنا قرضہ لیا ہے؟ اسے یہ حلفیہ بیان بھی دینا ہے کہ کسی بینک یا مالیاتی ادارے کا بیس لاکھ یا اس سے زیادہ کا قرضہ واجب الادا نہیں اور نہ ہی اس نے "رائٹ آف" کرایا ہے؟ اسے یہ حلف نامہ بھی منسلک کرانا ہے کہ اس کا فلاں سیاسی جماعت سے تعلق ہے۔ وہ متعلقہ

جماعت کا یہ سرٹیفکٹ بھی نتھی کرے گا کہ وہ واقعی اس کا نامزد کردہ امیدوار ہے۔ تمام کوائف کو درست ثابت کرنے کے لئے اسے ضروری دستاویزات بھی فراہم کرنا ہوں گی۔

جمہوریت چلی آرہی ہے۔ سکڑی سمٹی، ڈری سہمی۔ عدت کے میعاد سے نکلنے والی بیوہ کی طرح وہ دبے پاؤں بستی کی طرف بڑھ رہی ہے۔ اس کے ساتھ ساتھ چلنے والے سوگوار۔ ہزاروں سوالوں، سینکڑوں قدغنوں اور بیسیوں جکڑ بندیوں کے پشتارے اپنی اپنی پشت پر اٹھائے گرتے پڑتے چلے آرہے ہیں جیسے کسی تابوت کو کندھا دینے جارہے ہوں۔ خوش آمدید جمہوریت۔

سید علمدار رضا

الیکشن کی رت

2002ء کے انتخابات میں اب صرف چند دن رہ گئے ہیں اور عام فضا بتدریج الیکشن کے ہنگامہ خیز ماحول میں تبدیل ہوتی جارہی ہے۔ پیشہ ور الیکشن لڑنے والے میدان میں اترتے جارہے ہیں۔ اور جوں جوں وقت گزرتا جارہا ہے، پرانے الیکشنوں کا سا ماحول پیدا ہوتا جارہا ہے۔ وہی پرانے چہرے ہیں، وہی پرانے انداز ہیں، کافی کوشش کی گئی کہ کچھ تبدیلی ہوسکے۔ سیاسی جماعتیں رکن سازی کریں اور رکنیت کی بنیاد پر جماعتوں میں نئی قیادت ابھرے۔ نئے قوانین کی ضرورتیں تو پوری کردی گئی لیکن ان کی روح اور بنیادی اجزائے ترکیبی اب بھی پرانے ہیں اور سوائے چند لوگوں کو ادھر ادھر کرنے کے اور کچھ بھی نہیں ہوا۔ مجھے یاد ہے کہ جب پاکستان کی تحریک اپنے ابتدائی دور میں تھی تو بستی بستی میں لوگ اسلام اور ہماری تہذیب کی بنیاد پر ایک علیحدہ ملک بنانے کی ضرورت پر گفتگو اور تقاریر کیا کرتے تھے۔ مقررین کالج کے پروفیسر، ٹیچر، پڑھے لکھے لوگ اور محلہ کے معززین ہوا کرتے تھے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ پاکستان بن گیا۔ پھر یہ سلسلہ بڑی حد تک ختم ہوگیا لیکن ایک کمزور سی روایت کی شکل میں یہ رسم چلتی رہی مگر ہوا یہ کہ تقاریر کرنے والے اور سننے والوں کا کردار بدل گیا۔

سیاست کے میدان میں بھی یہی کچھ ہوا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ خان لیاقت علی خان کے بعد اسمبلیاں بے جان ہوگئیں اور غلام محمد جیسے اپاہج انسان نے ایک ٹھوکر مار کر انہیں زمین بوس کردیا۔ عوام کو ان کی بقاء میں کوئی دلچسپی نہ تھی۔ کسی طرح ان کو پھر کھڑا کیا گیا۔ ایک دستور 1956ء میں بنا جسے اسکندر مرزا نے ختم کردیا۔ اس کے بعد حکومت چلانے کا واحد ذریعہ طاقت رہ گیا۔ جنرل ایوب خان سیاسی لحاظ سے صدر بن گئے اور فوجی اعتبار سے خود ساختہ فیلڈ مارشل ہوگئے۔ اس طرح ہمارے سیاست دانوں کی نااہلی کی وجہ سے

منزل انہیں ملی جو شریک سفر نہ تھے

اس مقام سے ہماری سیاست نے نیا پینترا بدلا۔ ہمارے سیاست دان فوجیوں کے قریب ہونے کی کوشش میں لگ گئے اور پھر سیاست ایک عضو معطل بن گئی۔ سیاست چونکہ زندگی کی ضرورت ہے، اس لئے ایوب خان نے اپنی ضرورت کے مطابق 1962ء کا نیا دستور بنایا۔ جنرل یحیی خان نے اس کو بھی آگے بڑھنے نہ دیا اور صدر ایوب کی بیماری کی وجہ سے اقتدار پر قبضہ کرکے ان کے دستور کو ختم کردیا۔ اس کے بعد ملک تقسیم ہوگیا۔

صدر ایوب کے دور میں ذوالفقار علی بھٹو کا عروج ہوا۔ بھٹو پاکستان کے ذہین ترین سیاسی لیڈر تھے۔ ان کا سیاسی نعرہ "روٹی کپڑا اور مکان" کی بدولت و مغربی پاکستان کی سب سے بڑی سیاسی پارٹی کے سربراہ بن کر ابھرے اور بالآخر باقی ماندہ پاکستان کے اولا صدر اور پھر وزیراعظم بن گئے لیکن وہ اپنی تمام تر صلاحیتوں کے باوجود اپنی پارٹی یعنی پی پی پی (پاکستان پیپلز پارٹی) کو ایک اچھی منظم اور نظم و نسق کی پابند پارٹی نہ بناسکے۔ نتیجہ یہ ہوا کہ الیکشن میں دوتہائی اکثریت حاصل کرنے کی خواہش میں ان کو دھاندلی کرنا پڑی جس کی وجہ سے ان کی ساکھ ختم ہوگئی۔ ان کو سیاسی کھیل میں شکست ہوگئی اور فوج پھر برسر اقتدار آگئی۔ لیکن ان کو پھانسی دینے کے عمل سے ان کی بیٹی بے نظیر بھٹو کے قد کاٹھ میں اضافہ ہوگیا۔ بے نظیر بھٹو میں اپنے والد کی سی صلاحیتیں نہ تھیں۔ پھر بھی انہوں نے پارٹی کی ہردلعزیزی کسی حد تک قائم رکھی جو آج بھی بڑی حد تک قائم ہے۔ وہ اپنے والد کی شہرت کی اساس پر اپنی محدود صلاحیتوں کے باوجود دو دفعہ وزیراعظم بنیں لیکن ایک خاص حد سے آگے نہ بڑھ سکیں اور انہیں ملک چھوڑ کر جانا پڑا۔ ان کی جماعت سیاسی کشمکش میں نہ بھٹو کو تختہ دار پر جانے کی مدافعت کرسکی اور نہ ہی بے نظیر کو وزیراعظم کے عہدہ پر قائم رکھنے کی جدوجہد میں آگے بڑھ سکی۔ ان کی اور ان کے والد کی کامیابی میں ان کی پارٹی کا صرف اس حد تک ہاتھ ہے کہ اس نے سیاسی طور پر ان کا ساتھ دیا۔ ان کا ساتھ چھوڑنے والوں کی تعداد نسبتا کم ہے لیکن ان کی کامیابیاں ان کے والد سے بہت قلیل ہیں۔

دوسری بڑی پارٹی نواز شریف کی مسلم لیگ تھی جس کے زور پر وہ دودفعہ وزیراعظم بنے لیکن وہ سیاسی جوڑ توڑ سے آگے نہ بڑھ سکے، نہ ملک کے سیاسی نظام کو استحکام دے سکے اور نہ ہی ملک کو معاشی طور پر خوشحال بناسکے۔ فوج کے ساتھ ان کے تعلقات بگڑتے گئے جس کی وجہ سے وہ اقتدار سے الگ ہوگئے۔ وہ جیل کی صعوبتیں برداشت نہ کرسکے اور ملک سے باہر جانا پسند کیا۔ اس سب کے باوجود ان کی ہردلعزیزی آج بھی کسی حد تک قائم ہے۔ ان کی پارٹی شکست و ریخت کے عمل سے گزر رہی ہے۔ ان کی سب سے بڑی ناکامی یہ ہے کہ وہ اپنی سیاسی پارٹی کو منظم اور مستحکم نہ کرسکے۔

سیاسی پارٹیوں میں جماعت اسلامی سب سے منظم پارٹی ہے لیکن ہمیشہ کی طرح اس دفعہ بھی یہ جماعت ووٹ دینے والے لوگوں کے دل و دماغ تک نہیں پہنچ سکی ہے۔ ان کا رول اس دفعہ بھی پہلے کی طرح کسی بڑی سیاسی جماعت یا تحریک کے ساتھ معاونت میں ہے۔ یہ ایک محدود کردار ہے جس کا قومی سطح پر دیرپا اثر ہوتا نظر نہیں آتا۔

سندھ کے شہری علاقہ میں الطاف حسین کی پارٹی بااثر ہے۔ سرحد میں ولی خان بااثر ہیں۔ ان کی کامیابی زیادہ سے زیادہ اپنے صوبوں تک محدود ہوگی جس کا اثر قومی سطح پر بہت زیادہ نہیں ہوگا البتہ جوڑ توڑ میں کافی اثر ہوگا۔

مندرجہ بالا تجزیہ سے مندرجہ ذیل نتائج اخذ کئے جاسکتے ہیں۔

کوئی بھی سیاسی پارٹی خود کو اس حد تک

منظم نہیں کر سکی کہ قومی سطح پر اپنا موثر کردار کرسکے ۔ ہر بڑی پارٹی اپنی دیرینہ قیادت کو برسر اقتدار رکھنے پر توجہ دے رہی ہے جسکی وجہ سے کسی پارٹی کی جڑیں نوجوان نسل اور عوام تک نہیں پہنچ سکیں۔ یہ خامی ان کو فیصلہ کن کردار ادا کرنے کی پوزیشن میں نہیں آنے دے گی۔

فوجی قیادت کسی حد تک نوجوان نسل کو سامنے لانے کی کوشش میں کامیاب رہی ہے لیکن وہ منزل دور ہے جب نوجوان نسل کوئی فیصلہ کن کردار ادا کرسکے۔

سیاست دانوں کے سامنے کوئی واضح نصب العین نہیں ہے ۔ وہ ابھی تک 1973ء کے متفقہ آئین کی ڈگڈگی بجارہے ہیں حالانکہ اس کو تباہ کرنے کے وہ خود ذمہ دار ہیں ۔ بھٹو نے بذات خود سات ترامیم کیں ۔ اس کے بعد ہر سیاست داں نے اس پر ہاتھ صاف کیا۔ جب صدر پرویز مشرف آئے تو اس دستور کا حلیہ بگڑ چکا تھا۔ 1973ء کے دستور میں صدر عضو معطل بن چکا تھا۔ سیاسی پارٹیاں اپنا سیاسی کردار کھوچکی تھیں ۔ اسمبلیوں میں ممبران اپنا حق رائے دہی اپنے قائد کے حق میں کھوچکے تھے ، معاشی حالت ابتر ہوچکی تھی ، امن عامہ کی حالت بری تھی ، پہلے نچلی عدالتوں پر حملے ہوئے ، پھر اوپر والی عدالتوں پر اور آخر میں سپریم کورٹ پر۔

آج بھی ہمارے سیاستدانوں کی نہ کوئی حیثیت ہے نہ اثر۔ حکمرانوں کے گرد منڈلانا ان کا مشغلہ ہے۔

میرے خیال میں ہمارے سیاست دانوں میں حکومت چلانے کی اہلیت نہیں ہے ۔ اس لئے اکتوبر کے الیکشن کے بعد انتقال اقتدار نہیں ہوگا ۔ بلکہ اشتراک اقتدار ہوگا ۔ یہی قابل عمل صورت ہے ۔

ادیب جاودانی

ٹیکسوں کے نظام کی خرابیاں

ہمارے ملک میں ٹیکس نظام میں بہت پیچیدگیاں پائی جاتی ہیں ۔ اکثر ٹیکس افسران ان کا عملہ اپنے اختیارات کا بے جا استعمال کرتا ہے جس کی وجہ سے ٹیکس گزار کو انتہائی تکلیف دہ صورتحال کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور خوف ہراس کی ایک فضا قائم ہوجاتی ہے ۔ ٹیکس کا نظام عادلانہ ہونا چاہئے نہ کہ ظالمانہ ، حال میں سی بی آر نے 80 ہزار روپے سالانہ کی آمدنی پر انکم ٹیکس کی چھوٹ دی ہے جو منگائی کے زمانے کے لحاظ سے اب بھی بہت کم ہے جیسے جیسے آمدنی میں اضافہ ہوتا ہے ٹیکس کی شرح میں بھی بتدریج اضافہ ہوتا جاتا ہے ۔ اس وقت ٹیکس کی شرح کم از کم 7.50 فیصد اور زیادہ سے زیادہ 35 فیصد ہے جو کہ غریب ملک ہونے کی حیثیت سے بہت زیادہ ہے ۔ حکومت ہر سال ٹیکس کے قوانین میں رد و بدل کرتی ہے اور اپنا بجٹ پورا کرنے کی کوشش کرتی ہے ۔ ہر سال بجٹ میں محصولات کی مد میں اضافہ کردیا جاتا ہے ۔ ہمارے ملکی بجٹ کا زیادہ تر حصہ دفاع اور قرضوں کے سود کی ادائیگی کی نذر ہوجاتا ہے ۔ ناقص خارجہ پالیسی کی وجہ سے ہماری سرحدیں غیر محفوظ ہیں ۔ اسی طرح معاشی پالیسی میں استحکام نہ ہونے کی وجہ سے ہم بیرونی قرضوں کے بوجھ تلے دبے ہوئے ہیں ۔ انکم ٹیکس کا بڑا حصہ ملازمین کی تنخواہوں ، کاروباری طبقے کی آمدنی اور جائیداد کے کرایوں کی مد سے حاصل ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ دیگر ذرائع آمد و رفت و اخراجات کی مد میں بھی انکم ٹیکس وصول کیا جاتا ہے ۔ ماضی میں کم و بیش ہر حکمران نے ٹیکسوں کے پورے نظام میں دوررس اصلاحات کے بلند بانگ دعوے کئے مگر انہیں کسی نے بھی ایفا نہیں کیا جس کے نتیجے میں عام شہری کو بھی شدید مشکلات کا سامنا کرنا پڑا اور معیشت و کاروبار کی بحالی کیلئے بھی سازگار فضا پیدا نہیں ہوسکی۔ ٹیکس گزار طبقوں میں بددلی کی بڑی وجہ محکمہ ٹیکسیشن کے عملے کی بدعنوانیاں ہیں اور انہیں دور کرنے کیلئے ٹیکسوں کی تشخیص اور وصولی کا سارا نظام زیادہ سے زیادہ آسان بنانا ہوگا ۔ پاکستان اور آئی ایم ایف کے نظرثانی مشن کے درمیان ریونیو کی اب تک کی وصولی کے بارے میں جو جائزہ لیا گیا ہے اس کی رو سے گزشتہ سال جولائی سے لیکر اس سال اپریل تک سی بی آر نے 303 ارب روپے کا ریونیو اکٹھا کیا اور تیسری مرتبہ نظرثانی شدہ ہدف کے مطابق مزید 111 ارب روپے کا ریونیو اکٹھا کرنا تھا۔ تیسری بار کا طے شدہ ہدف 414 ارب روپے تھا جبکہ وصولی 303 ارب روپے ہوئی۔ یہ صورتحال اس وقت تک جاری رہے گی جب تک ہمارے ہاں محصولات اور ہر قسم کے ٹیکسوں کے نظام کو دیرینہ خرابیوں سے نجات نہیں دلائی جاتی ۔ یہ بات بھی بنیادی اہمیت کی حامل ہے کہ قومی خزانے کو اسی صورت میں زیادہ مالیت کے ٹیکس وصول ہوسکیں گے جب ملکی معیشت کے سارے شعبے جمود سے باہر نکل آئیں گے ۔ ایک طرف ٹیکس گزاروں ، تاجروں اور صنعت کاروں کو تمام محصولات کے معاملے میں جائز سہولتیں دینے کی ضرورت ہے تو دوسری طرف ایسے اقدامات بھی کرنا ہونگے جو سرمایہ کاری کیلئے فضا کو سازگار بنادیں۔ یہ امر اپنی جگہ درست ہے کہ اس وقت پاکستانی قرضوں کے بوجھ میں جو کمی محسوس کررہا ہے اس کی ایک وجہ قرضوں کی ری شیڈولنگ ہے اور دوسری یہ کہ فوری طور پر بیرون ملک مقیم پاکستانیوں نے وطن عزیز کے مخصوص حالات کے پیش نظر بہتر قومی رویہ اپنا کر اپنی رقوم ہنڈی کی بجائے بینکوں کے ذریعے بھجوائی مگر اسے صورتحال کی بہتری کا کوئی مستقل یا یقینی ذریعہ قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ دوسری جانب دیکھا جائے تو ملک کے اندر اس وقت ٹیکس ادا کرنے والوں کی شرح ڈیڑھ فیصد کے لگ بھگ ہے جو دیگر ممالک کے مقابلے میں بہت کم ہے ۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ موجودہ ٹیکس نیٹ ورک کو بھی مزید فعال بنایا جائے ۔ ٹیکس کی شرح کم سے کم رکھی جائے ۔ ٹیکس افسروں کے اختیارات کم کرکے خوف و ہراس کی فضا ختم کی جائے تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ ٹیکس کے دائرے میں آسکیں ۔ ان اقدامات سے ٹیکس چوری کی لعنت سے پاک ٹیکس کا نظام رائج ہوسکتا ہے جو ملکی ترقی کیلئے انتہائی اہم ہے ۔ ارباب اقتدار کو یہ امر بھی ملحوظ خاطر رکھنا چاہئے کہ ریونیو کی وصولی میں کمی کی وجوہات میں روپے اور ڈالر کی شرح مبادلہ درآمدات میں کمی ، عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتیں ، ملک کے اندر اقتصادی اور پیداواری

سرگرمیوں کی سست روی اور مجموعی قومی پیداوار کی جامد اور کمتر شرح شامل ہیں۔ ان سب اسباب کو دور کرنے کیلئے فوری اور موثر سعی اور تدابیر کی جانی چاہیئے۔

عرفان صدیقی

ایک بہن کی پکار

میں شعوری طور پر اپنے نام آنے والے خطوط کی اشاعت سے گریز کرتا ہوں لیکن ایک خط پچھلے کئی دنوں سے میرے سرہانے رکھا ہے۔ میں کئی بار اسے خطوں کے بھاری ذخیرے کی نذر کرنے کی کوشش کرچکا ہوں، لیکن کامیاب نہیں ہوسکا۔ اب تو یوں لگنے لگا ہے کہ جیسے میرے سر کے بالکل قریب انگاروں بھری انگیٹھی دہکنے لگی ہو سو میں اسلام آباد ہی سے آیا ام بلال کا خط آپ کی نذر کررہا ہوں۔ طویل اور سلگتا ہوا خط

"جس دن سے آپ کا کالم "کوئی ہے؟" پڑھا ہے، دل اور دماغ پر جیسے ہتھوڑے برس رہے ہیں۔ ہم کیا تھے اور کیا ہوگئے؟ 11 ستمبر کے بعد وجود میں آنے والی دنیا نے تو خیر و شر کے سارے پیمانے ہی الٹ ڈالے۔ یہ بے شمار نئی اصطلاحات کا جنم دن بھی تھا۔ خوبصورت چہروں کو بھیانک ماسک پہنا کر دکھا گیا۔ کریہہ، بدنما اور متعفن کرداروں کو دیدہ زیب خوش رنگ پینٹ کرکے، پیرس اور امریکہ کی خوشبوؤں میں غسل دے کر ایک نئے رنگ میں دنیا کے سامنے لا کھڑا کیا گیا۔ جب آج کی دنیا کی واحد سپر پاور اور آج کی دنیا کا بادشاہ اس ہوائی تانے بانے کا تیار کردہ لباس زیب تن کرکے نئے روپ میں جلوہ گر ہوا تو داد و تحسین کے ڈونگرے برسے۔ "نوائے وقت" کی مانند کم کم کسی کو جرات ہوئی کہ وہ یہ کہہ سکے کہ "بادشاہ تو ننگا ہے!"

کہانی آج بھی وہی ہے۔ شرار بولہبی اور چراغ مصطفوی کی، نار نمرود اور اولاد ابراہیم کی۔ ہم میں سے ہر ہر فرد، ہر ہر لمحے آزمایا جارہا ہے۔ پرچہ امتحان ہاتھوں میں ہے۔ شعوری یا لاشعوری طور پر حل سبھی کررہے ہیں۔ عامۃ الناس بھی، خواص بھی۔ آج ہم ایسی امتحان گاہ میں ہیں جہاں متاع ایمان کی پرکھ ہے۔ کل ہم کارگزاری ہاتھوں میں لئے جوابدہی کے میدان میں ہوں گے۔ ہم آنکھیں موند کر نابینا بنے عالمی اتحاد کے ہراول دستے میں شامل ہوگئے۔ ان دس بیتے مہینوں میں ہم نے بہت سے معرکے سر کئے۔ افغانستان کے قتل و خون، ظلم و بربریت سے لے کر پاکستان میں سرگرم تعاقب کے ذریعہ امت کے بہترین نوجوانوں کو پکڑ پکڑ کر ان دیکھے عقوبت خانوں میں دھکیلنے کا فدویانہ تعاون فراہم کیا۔ مملکت خداداد پاکستان نے یہ دن بھی دیکھا کہ ہمارے دامن میں پناہ جو ہونے والے امت مسلمہ کے گل سرسبد غیر گردانے گئے اور سامراج کے ایجنٹ ہمارے معزز مہمان ٹھہرے۔ انہوں نے جس پر انگلی دھری ہم نے کسی قانونی کارروائی، کسی کاغذی خانہ پری کی زحمت اٹھائے بغیر اسے ان بلائے جاں مہمانوں کے حوالے کردیا۔ معاملہ جب تک مردوں تک رہا ہم خون کے آنسو روتے اور سسکتے رہے۔ ٹک ٹک دیدم دم نہ کشیدم کی بے حس تصویر بنے بیٹھے رہے۔ اور اب تو بات بہت آگے نکل گئی ہے۔ معتصم باللہ اور محمد بن قاسم کے لئے آنسو، آہوں میں بدل گئے ہیں اور سسکیاں، چیخوں اور نوحوں میں لیکن کان دھرنے والا کوئی نہیں۔ افغانستان کے جہاد کے لئے بستیاں بسانے والے، جنت کی خوشبو پر لپکنے والے یہ نوجوان تنہا تو نہ تھے۔ ان کے ساتھ ان کے پورے خاندان، نوجوان بیویاں اور پھولوں جیسے کم سن بچے بھی تھے۔ امریکہ کی اس اچانک ٹوٹ پڑنے والی افتاد سے پہلے تو ان نوجوانوں کے وہم و گمان میں بھی نہ تھا کہ ماں کی گود سا پاکستان ان کے لئے یوں اجنبی ہوجائے گا۔ چھپ چھپ کر، دامن بچا بچا کر، پھونک پھونک کر قدم رکھنا۔ مسلمان، مسلمان کے لئے اجنبی، مخبر، جاسوس۔ کیا ستم ہے کہ دنیا میں نظریاتی بنیاد پر جنم لینے والا ایک ملک پاکستان اور دوسرا اسرائیل۔ اسرائیل کا یہ عالم کہ دنیا بھر میں کہیں سے بھی ستایا ہوا یہودی اسرائیل کی سرزمین پر قدم رکھتے ہی اسرائیلی شہریت اور تمام تر تحفظ کا حقدار ہوجائے۔ اور ادھر آج ہم اپنے ہی بھائیوں کی گھات میں لگ گئے شکار کرکے غیروں کے حوالے کرنے میں جت گئے۔

افغانستان سے چھپ چھپ کر طویل سفر کی صعوبتوں سے گزر گزر کر یہ خاندان پاکستان میں پناہ جو ہوئے۔ مردوں کو اٹھالیا گیا۔ ان کی خواتین اور بچے بے یار و مددگار چھوڑ دئے گئے۔ وہ بھی ایک ایسی سرزمین پر جس کی زبان سے وہ نابلد ہیں۔ جہاں ان کی گودوں میں باپوں، نانیوں، دادیوں، ماموؤں، چچاؤں ہر محبت سے محروم ننھے منے معصوم حیران و سرگردان بچے جنکی عمریں اڑھائی تین ماہ سے لے کر دس سال تک کی ہیں۔ گرمی کی شدت سے بولائے ہوئے۔ غذا، دوا، ٹھنڈے پانی، مناسب لباس اور کھلونوں سے محروم۔ اپنی اپنی بستیوں میں سہمے اور گھبرائے ہوئے، بے سر و سامان، کوئی خاتون بی بی مریم کی کیفیت میں ہے لیکن کھجوروں، ٹھنڈے پانی اور سائے کی بشارت سے محروم۔ تنہا، کسی غیبی آواز کی منتظر۔

ہم نے جہاد کے جذبے سے سرشار اپنے بیٹوں کو مجسمہ آزادی (Statue of Liberty) کی دیوی کی بھینٹ چڑھادیا۔ اب ہم امریکہ پر بے شمار احسانات کے باوجود اتنا بھی نہیں کہہ رہے کہ ہم اپنی بیٹیوں، اپنے معصوم بچوں کو بلکتا، سسکتا، بے یار و مددگار نہیں دیکھ سکتے۔ ہم ان کے لئے پناہ گاہیں، یتیم خانے بنائیں گے۔ انہیں عزت کی روٹی دیں گے۔ کوئی ایدھی، کوئی دینی جماعت، حقوق نسواں کی کوئی تنظیم، کوئی چائلڈ لیبر کے نام پر بچوں کے حقوق کے لئے آواز بلند کرنے والا، حتیٰ کہ کوئی محکمہ انسداد بے رحمی حیوانات کوئی ہے؟ کوئی ہے؟ مغرب والو یہ تو "Gender Issue" بھی ہے۔ تم نے اس جرم کی آڑ میں طالبان کی حکومت الٹی۔ خواتین سے امتیازی سلوک اور بے رحمی، اس اشو پر اقوام متحدہ نے بلامبالغہ کروڑوں ڈالر خرچ کئے۔ لاکھوں صفحے کالے کئے۔ کیا یہ اشو کم لباسی، بے حیائی، راگ رنگ، ناچ گانے کی آزادی پر ختم ہوجاتا ہے۔ کیا اس کا اطلاق بے سہارا عورتوں اور دودھ دوا کے لئے بلکتے بچوں پر نہیں ہوتا۔ ان میں سے بیشتر خواتین وہ ہیں جو چیچنیا، ازبکستان، چینی، ترکستان، سعودی عرب، یمن، امارات اور پوری دنیا کے مسلم و غیر مسلم علاقوں کے معزز خاندانوں کی چشم و چراغ ہیں۔ جنہوں نے اپنے مجاہد خاوندوں کے شانہ بشانہ پرخطر راہوں پر چلنے کو ترجیح دی۔ میں اپنی ان بہنوں کے دکھ میں اپنے حواس کھورہی ہوں۔ کوئی ہے جو یہ پکار سنے۔ کوئی ہے۔ کوئی ہے۔

●●●●

ماحولیات اور ہماری صحت

راحت روش

صحت کے بارے میں عوام میں ایک عام خیال یہ پایا جاتا ہے کہ جو شخص بیمار نہیں ہے، وہ صحت مند کہلائے گا، یہ مفروضہ بالکل غلط ہے۔ صحت کا اصل مطلب ہے، تندرستی و توانائی، یعنی صحت مند ہونے کے ساتھ ساتھ انسان طاقتور بھی ہو۔ البتہ طاقتور ہونے کے لئے انسان کو جسمانی طور پر موٹا ہونے کی ضرورت نہیں۔ ضروری نہیں ہے کہ موٹا انسان صحت مند بھی ہو، بلکہ اس کے برعکس معاملہ ہے۔ موٹاپا از خود بہت سی بیماریوں کا داعی ہے۔ اسی کے ساتھ دبلا ہونا بھی صحت مندی کی علامت نہیں سمجھی جانی چاہئے۔ آج کل بہت سے لوگ، دبلا ہونے کی دوڑ میں اپنی صحت خراب کررہے ہیں۔

صحیح معنوں میں ایک صحت مند انسان کہلانے کا مستحق وہ ہے، جو بیمار نہ ہونے کے ساتھ ساتھ مناسب طاقت بھی رکھتا ہو، خاص کر اتنی طاقت جس سے وہ اپنی سماجی ذمہ داریاں بخوبی نبھاسکے۔ وہ جس کام پر لگایا جائے اس کام کی بخوبی ادائیگی کے لئے اس کے پاس ضروری طاقت موجود ہو۔
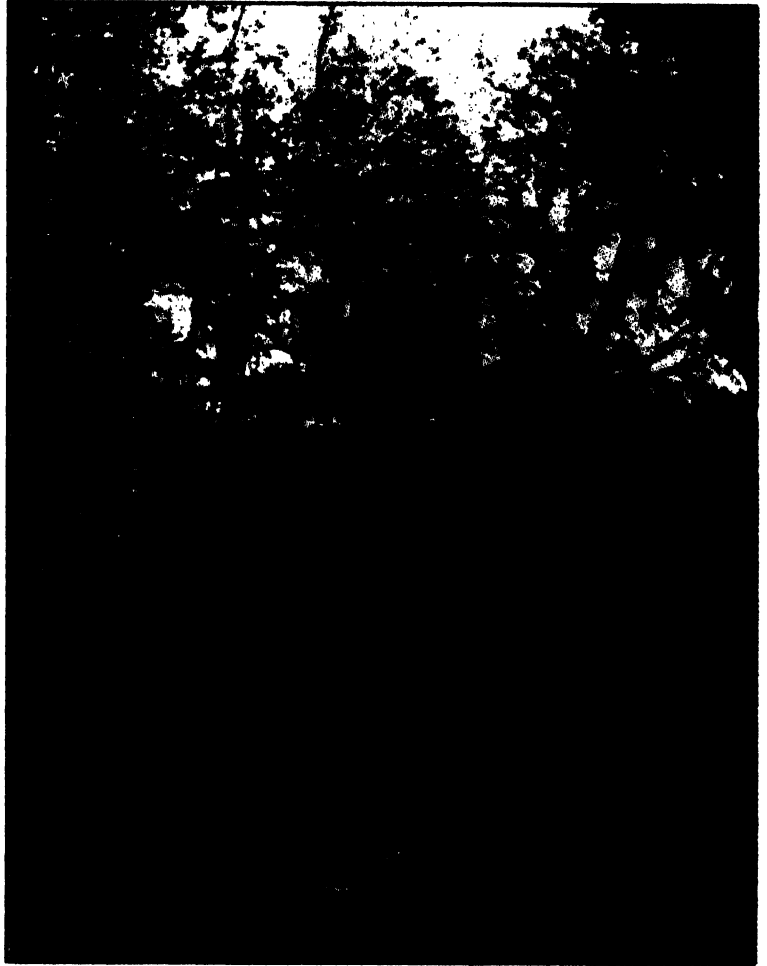
صحت کے لئے اچھی غذا، صاف ستھری ہوا اور صاف پانی نہایت ضروری ہیں۔ ان میں سے اگر ایک چیز میں بھی کچھ کمی بیشی اور خرابی ہوگی تو ہماری صحت فوراً متاثر ہوگی۔ لہذا ان چیزوں کو بہتر اور صاف رکھنا ہمارے لئے نہایت ضروری ہے۔ مناسب غذا کی کمی نیز ہوا اور پانی میں کسی قسم کی آلودگی سے ہماری صحت کو ہر وقت خطرہ لاحق ہے۔ صنعتی و سائنسی طور پر انسان جتنی ترقی کررہا ہے، اتنا ہی صاف ہوا اور پانی کا مسئلہ بڑھتا جارہا ہے۔ صنعتی اکائیوں سے خارج ہونے والا فضلہ ہمارے پانی کو آلودہ کررہا ہے، جبکہ کارخانوں اور گاڑیوں سے خارج ہونے والا دھواں ہماری ہوا کو بری طرح متاثر کررہا ہے۔ جس ہوا میں ہم سانس لے رہے ہیں، اس میں آلودگی لگاتار بڑھتی جارہی ہے۔ گندی اور آلودہ ہوا میں سانس لینے سے ہم نت نئی بیماریوں کا شکار ہوتے جارہے ہیں۔ ساتھ ہی ساتھ آلودہ اور گندا پانی پینے سے ہماری صحت تباہ ہورہی ہے۔

ہوائی اور آبی آلودگی کا مسئلہ بین الاقوامی طور پر ایک اہم مسئلہ بن گیا ہے۔ اقوام متحدہ کے ایک جائزہ کے مطابق، ہر سال تقریباً 22 لاکھ افراد ماحولیات سے پیدا شدہ بیماریوں کی وجہ سے لقمہ اجل بن رہے ہیں۔ خاص طور سے کم ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ممالک میں یہ مسئلہ بھیانک شکل اختیار کرگیا ہے۔ جہاں ان آلودگیوں سے بچنے یا ان کو کنٹرول کرنے کے ذرائع بہت کم ہیں۔ حکومتی سطح پر ہر ایک ملک میں اس مسئلے سے نمٹنے کے بہت سے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ لیکن یہ اقدامات ابھی مکمل نہیں ہیں۔ گو ان اقدامات سے کچھ کمی واقع ہوئی ہے، لیکن ہنوز دلی دور است کے مصداق منزل ابھی بہت دور ہے۔ ابھی بہت کچھ کیا جانا باقی ہے۔ آج بھی ہندوستان میں لاکھوں لوگ ہر سال ماحولیاتی آلودگی سے پیدا ہونے والی بیماریوں سے فوت ہوجاتے ہیں۔

حکومت ہند کی وزارت ماحولیات نے ایک کمیٹی "ماحولیات اور صحت" کے بارے میں تشکیل دی ہے۔ ماحولیاتی صحت سے متعلق ایک شعبہ بھی قائم کیا گیا ہے جو اس کمیٹی کے سفارشات کو لاگو کرنے کا ذمہ دار ہے۔

آلودگی پر کنٹرول کرنے کے لئے ایک سنٹرل پولوشن کنٹرول بورڈ کا قیام 1974 میں عمل میں آیا تھا۔ اب یہ 1981 کے آلودگی کنٹرول ایکٹ کے تحت کام کرتا ہے اور اس ایکٹ پر عمل درآمد کے لئے ذمہ دار ہے۔ وزارت ماحولیات نے 2001ء میں بہت زیادہ آلودگی پھیلانے والی 1551 اکائیوں میں سے 1350 اکائیوں کو آلودگی روکنے سے متعلق سامان مہیا کرایا۔ 177 صنعتوں کو بند کردیا گیا۔ باقی 24 صنعتوں کو زیادہ آلودگی پھیلانے والی صنعتوں کے زمرے میں رکھا گیا۔ اسی کے ساتھ معیار پر پوری نہ اترنے والی اکائیوں کے خلاف 1986ء کے ماحولیاتی تحفظ ایکٹ کے تحت کارروائی کی گئی۔

وزارت ماحولیات و جنگلات نے تمام قسم کی آلودگی پھیلانے والی صنعتوں کے لئے معیارات مقرر کئے ہیں۔ 02-2001ء میں سوڈا ایش، اینٹوں کے بھٹے، کوک پلانٹ وغیرہ کے متعلق معیارات پر نظر ثانی کی گئی۔ شور و غل کم کرنے کے لئے وزارت ماحولیات نے 1986ء کے ماحولیاتی ایکٹ کے تحت بہت سے نوٹیفکیشن جاری کئے۔ موٹر بنانے والے کارخانوں اور جنریٹروں کے شور کی حد متعین کی گئی ہے۔ سپریم کورٹ کے آرڈر کے تحت پٹاخوں سے ہونے والے شور کو کنٹرول کرنے کے لئے مرکزی اور ریاستی محکموں کو ہدایات دی گئیں، جس کے سبب 02-2001 میں اس شور میں کمی درج کی گئی۔

موٹر گاڑیوں کے پولیوشن پر کنٹرول کرنے کے لئے وزارت ماحولیات کوارڈینیٹر کا رول ادا کررہی ہے۔ وزارت نقل و حمل، وزارت پٹرولیم اور قدرتی گیس، وزارت بھاری صنعت اور پبلک انٹرپرائز اور دیگر تنظیموں کے تال میل سے اس وزارت نے آٹوموبائیل تکنیک کو بہتر بنانے اور ایندھن کی کوالٹی میں بہتری لانے کے لئے کام کیا ہے۔ وزارت نقل و حمل نے بھی اس سلسلے میں کئی نوٹیفکیشن جاری کئے ہیں، جن کے تحت موٹر گاڑیوں میں پٹرول کی کوالٹی کو کنٹرول کیا گیا ہے، تاکہ کم سے کم دھواں خارج ہو۔ قومی راجدھانی خطہ دہلی کو زیادہ سے زیادہ ایک فیصد بینزین والا پٹرول

پانی ایک ضرورت
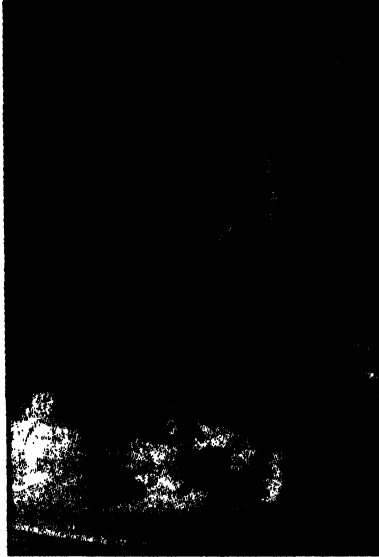
مہیا کرایا گیا ہے۔ ممبئی دہلی، بڑودہ اور سورت میں پٹرول کی جگہ سی این جی کا استعمال کیا جارہا ہے۔

پانی میں آلودگی کو کنٹرول کرنے کے لئے سنٹرل پولیوشن کنٹرول بورڈ نے 507 مانیٹرنگ اسٹیشن قائم کئے ہیں، جن میں 411 اسٹیشن دریاؤں پر ہیں، 25 اسٹیشن زمینی پانی کے لئے ہیں، 35 اسٹیشن جھیلوں پر اور 30 اسٹیشن نہروں، تالابوں اور نالوں وغیرہ پر ہیں۔ اس طرح پانی کے ہر ذریعے پر نظر رکھی جارہی ہے تاکہ ان میں آلودگی نہ جانے دی جائے۔ کارخانوں سے نکلنے والے فضلے کو بھی ان میں نہ جانے دیا جائے۔ دریاؤں وغیرہ میں نہانے والوں، جانوروں کو نہلانے دھلانے والوں اور دھوبیوں وغیرہ کو صاف پانی مہیا کرایا جائے، تاکہ ان کے ذریعے ہونے والی آبی آلودگی کو روکا جاسکے۔ اسی سلسلے کی کڑی گنگا ایکشن پلان اور جمنا ایکشن پلان، گومتی ایکشن پلان اور دامودر ندی ایکشن پلان وغیرہ ہیں۔ بائیومیڈیکل ویسٹ یعنی اسپتالوں، کلینکوں کے ذریعے پھینکے گئے کچرے کے انتظام کو بہتر بنایا جارہا ہے۔ اس کچرے کا حساب 25 گرام فی بستر لگایا گیا ہے۔ ملک میں کتنے اسپتال ہیں۔ ہر اسپتال میں کتنے ہی بستر ہیں۔ اس لحاظ سے اسپتال سے خارج ہونے والے کوڑا کرکٹ کی مقدار کئی ٹن ہوجاتی ہے۔ گھریلو فضلہ اور کیمیاوی فضلہ ان کے علاوہ ہیں۔ ان سب کو کنٹرول کرنے کی کوششیں جاری ہیں۔

تھرمل پاور پلانٹس کے لئے ماحولیاتی معیارات کا جائزہ لیا جارہا ہے۔ جنگلات کو بحال رکھنے کے لئے بہت سے پروجیکٹ جاری ہیں۔ اس سلسلے میں جی بی پنت انسٹی ٹیوٹ آف ہمالین انوارنمنٹ اینڈ ڈیولپمنٹ نے کئی تحقیقی پروگرام مرتب کئے ہیں۔ دہرہ دون کے جنگلاتی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ اور جنگلی جانوروں سے متعلق ادارے میں بھی تحقیقی پروگرام جاری ہیں۔ ان سب کا مقصد صاف ستھرے ماحول کو یقینی بنانا ہے۔

حکومتی سطح پر چاہے جتنے بھی پروگرام ماحولیات اور پانی کو صاف ستھرا رکھنے کے لئے بنائے جائیں، لیکن ان کی کامیابی کا انحصار عوامی شراکت پر ہے۔ اس کے لئے سب سے زیادہ ضروری عوام میں ماحولیات کے تئیں بیداری پیدا کرنا ہے۔ اس کے بعد عوامی شرکت کو یقینی بنانا ضروری ہے۔ عوام جب بیدار ہوں گے، تو وہ خود بخود ماحول کی حفاظت کے ضامن ہوں گے۔ اپنے آس پاس کے ماحول کو صاف ستھرا رکھیں گے۔ اس طرح ہماری ہوا، جس میں ہم سانس لے رہے ہیں۔ ہمارا پانی، جو ہم پی رہے ہیں، گندگی اور آلودگی سے پاک رہے گا اور ہم ایک صحت مند ملک کے صحت مند شہری بن کر ملک کو تیزی سے ترقی کی راہ پر گامزن کرسکیں گے۔

☆☆☆

صحت مند دماغ: کامیابی کی اولین شرط

ترجمہ و تلخیص: رحمن ضیاء

کامیاب زندگی کے لئے جسمانی صحت کی طرح صحت مند دماغ بھی ضروری ہے۔ لیکن یہ ضروری نہیں کہ جسمانی صحت رکھنے والا ہر فرد ذہنی طور پر بھی توانا ہو۔ ذہنی صحت کے لئے اسی طرح توجہ ضروری ہے، جس طرح جسمانی صحت کے لئے، بلکہ بعض صورتوں میں اس کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے کہ ذہن پر اثر انداز ہونے والے عوامل بلاواسطہ طور پر کام کرتے رہتے ہیں مگر جسمانی صحت کی خرابی کی طرح دماغ پر مرتب ہونے والے اثرات اس انداز سے ظاہر نہیں ہوتے کہ توجہ پائیں۔ اچھی یادداشت، تخلیقی صلاحیتیں، فوری اور مناسب رد عمل ذہنی صحت کی عکاسی کرتے ہیں۔ جسمانی صحت کی طرح ماہرین نے ذہنی صحت پر بھی خصوصی تحقیق کی ہے اور اس طرح وہ مفید باتیں سامنے آئی ہیں، جو ہر صنف، عمر اور ماحول سے تعلق رکھنے والوں کے لئے رہنما ہیں۔ یہ رہنمائی خصوصی طور پر نئی نسل کے لئے زیادہ مفید ہے، جسے اپنی صلاحیتوں سے بہترین فائدہ اٹھانے کے لئے ذہنی صحت کو یقینی بنانا چاہئے۔

جسمانی صحت کے لئے غذائی توازن کے ساتھ "ورزش" بے حد ضروری ہے۔ دماغ کی متاثر کن کارکردگی کے لئے بھی غذا اور ورزش اہمیت رکھتی ہے۔ جس طرح کاہلی اور بے عملی جسمانی ساخت کو بے ڈول بنا دیتی ہے، اسی طرح دماغ کا عدم استعمال بھی نقصان دہ ہے۔ دماغ کے لئے تو کہا جاتا ہے کہ اسے استعمال کریں، ورنہ آپ اسے گنوا دیں گے۔ دماغی صلاحیتوں پر اثر انداز ہونے والا سب سے نمایاں عامل "ماحول" ہے۔ ذہنی دباؤ، انتشار، ڈپریشن اور دیگر عوارض کا سبب اردگرد کے حالات ہی بنتے ہیں۔ محرومیاں، ناآسودگیاں، اپنے دکھ، زمانے کے غم سب ہی ذہن پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ ان ساری باتوں کے پیش نظر ضروری ہے کہ ذہنی صحت پر بھی توجہ دی جائے۔ نئی نسل کو وہ باتیں بتائی جائیں، جو اس کی ذہنی صلاحیتوں کے فروغ کے لئے ضروری ہے۔ خیال رہے کہ "انفرادی اختلافات" کے باعث ذہنی صلاحیتیں مختلف ہو سکتی ہیں لیکن کچھ باتیں ایسی ہیں، جن پر عمل ہر صلاحیت کے فرد کے لئے بہتری کا باعث بنتا ہے۔

ذہن کا استعمال ذہن کو صحت مند رکھتا ہے

حالات سے گھبرانے والے ذہنی طور پر صحت مند نہیں ہوتے۔ ایسے لوگ حالات کے جبر اور ماحول کی سختیوں کے سامنے ہتھیار ڈال دیتے ہیں۔ حالات کا مقابلہ کرنے والے نہ صرف جرات مند بلکہ ذہنی طور پر صحت مند بھی ہوتے ہیں۔ یہ لوگ ذہن کا استعمال کرنا جانتے ہیں اور ان کے مشاغل اس بات کی تصدیق کرتے ہیں۔ یہ لوگ عام حالات میں بھی ایسے مشاغل اپناتے ہیں، جو ایک طرح سے چیلنج ہوتے ہیں۔ مثلاً کوئی نئی زبان سیکھنا، اشعار یاد کرنا، مطالعہ، ذہانت کی آزمائش، معمے حل کرنا۔ ایسے کھیل کھیلنا جن میں ذہانت اور یادداشت آزمائی جا رہی ہو، اسی ذیل میں آتے ہیں۔ یہ لوگ ایسے کھیلوں میں دلچسپی لیتے ہیں، جن میں اصولوں کی پابندی کرنی پڑتی ہے۔ اس اعتبار سے پہلا اصول یہ ہوا کہ نوجوان اپنی تعلیمی مصروفیات کے ساتھ تفریحی طور پر ایسے مشاغل اپنائیں، جن میں ذہن کا زیادہ سے زیادہ استعمال ہو۔ آپ جب بھی باقاعدہ طور پر ایسا کوئی مشغلہ اپنائیں گے جلد ہی اس کے حیران کن نتائج سامنے آئیں گے۔

دماغی صحت کے لئے غذا بے حد اہمیت رکھتی ہے

جسمانی صحت سے غذا کا تعلق تو سب ہی سمجھتے ہیں لیکن یہ حقیقت ہے کہ غذا ذہنی صلاحیتوں پر بھی اثر انداز ہوتی ہے۔ غذا پر تحقیق کرنے والے ماہرین کے مطابق غذائی اشیاء ذہنی قوتوں کو فعال بنانے کی صلاحیت رکھتی ہیں۔ غذا نہ صرف جسمانی ضرورت ہے بلکہ ذہن پر بھی

اثر انداز ہوتی ہے۔ ایک تحقیق کے مطابق ناشتہ نہ کرکے جانے والے بچے اسکول کے آخری گھنٹوں میں مضمحل اور تعلیم سے عدم دلچسپی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ غذا سے ہمیں ایسے اجزاء اور وٹامنز وغیرہ ملتے ہیں، جو ہمیں جسمانی توانائی کے ساتھ دماغی قوت بھی فراہم کرتے ہیں یا اس کا ذریعہ بنتے ہیں۔ ماہرین کے مطابق دماغی فعالیت کے لئے پروٹین، لیکن اس کی اثر انگیزی کے لئے "وٹامن بی" ضروری ہے، کیوں کہ وٹامن بی کی کمی اعصابی کمزوری کے علاوہ مختلف نفسیاتی عوارض کا سبب بنتی ہے اور وٹامن بی ون کی

کمی تھکن پیدا کرتی ہے ۔ اسی طرح وٹامن سی بھی مختلف انداز سے فعالیت میں اضافہ کرتا ہے ۔ دماغ کے لئے تمام تر ضروری اجزاء غذا سے حاصل ہوتے ہیں، لہذا " غذائی توازن " دماغی صحت کے لئے بھی اہمیت رکھتا ہے ۔ " متوازن غذا " کا انتخاب ، فرد کی جسمانی ساخت ، روزمرہ کی مصروفیات اور دیگر مشاغل کے لحاظ سے کیا جاتا ہے ۔ خیال رہے کہ آپ مختلف غذائی اجزاء مصنوعی طریقوں (ادویات کے ذریعے) سے بھی حاصل کرسکتے ہیں ۔ لیکن اس کا بہترین ذریعہ " غذا " ہی ہے ۔ غذا کے ذریعہ حاصل ہونے والی توانائی جسمانی صحت کے لئے بھی مفید ہے اور دماغ کے لئے بھی۔

ورزش کیوں ضروری ہے ؟

جدید ترین تحقیقات ہر فرد کے لئے ورزش کو ضروری قرار دیتی ہیں ۔ لیکن عام طور پر لوگ ورزش کی اصل اہمیت اور افادیت نہیں جانتے ۔ اس کا ایک ثبوت تو یہ ہے کہ لوگوں کی بڑی تعداد ورزش نہیں کرتی ۔ کچھ لوگ ڈاکٹری ہدایات کے مطابق مختلف امراض یا خرابیوں سے نجات کے لئے ورزش کرتے ہیں مگر بہتر محسوس ہوتے ہی اسے ترک کردیتے ہیں ۔ یقینا ورزش موٹاپے سے نجات دلاتی ہے دل کے عارضوں سے محفوظ رکھتی ہے لیکن اس سے صرف جسمانی فوائد ہی حاصل نہیں ہوتے ، یہ دماغی صحت کو بھی یقینی بناتی ہے ۔ ذہن کو بھی فعال رکھتی ہے ۔ ورزش باقاعدہ طور پر کی جائے تو یاسیت ، افسردگی اور ذہنی دباؤ سے نجات ملتی ہے ۔ ذہانت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ یادداشت بہتر ہوتی ہے ، نیز فرد کی اہلیت میں اضافہ ہوتا ہے ۔ ورزش کرنے والے افراد حالات کے جبر کے اثرات سے محفوظ رہتے ہیں ، ایسے لوگ جسمانی طور پر مستعد ہونے کے علاوہ ذہنی طور پر بھی فعال رہتے ہیں ۔ دن بھر کی انتھک مصروفیات کے بعد چہل قدمی ، پیراکی ، ہواخوری یا سائیکلنگ وغیرہ تھکاوٹ دور کرکے ذہن کو پرسکون بناتی ہیں ۔ ورزش کا ایک بنیادی اور اہم فائدہ یہ ہے کہ اس سے جسم کے تمام نظام توازن میں آجاتے ہیں اور آدمی مختلف جسمانی خرابیوں کے منفی امکانات سے محفوظ رہتا ہے ۔

ڈپریشن نئے عہد کا سنگین مسئلہ ہے ۔ روزانہ مناسب انداز سے چہل قدمی یا جاگنگ ڈپریشن سے نجات دلاتی ہے ۔ دماغ کو بھی جسم کے دیگر اعضاء کی طرح آکسیجن کی ضرورت ہوتی ہے اور خون دماغ کو آکسیجن کے ساتھ دیگر ضروری اجزاء فراہم کرتا ہے ۔ نیز ، مضر مادوں کو جذب کرکے جسم سے خارج کرتا ہے ۔ ورزش سے دوران خون میں تیزی آتی ہے اور یہ تیزی دماغ کو بھی آکسیجن کی اضافی مقدار پہنچاتی ہے ۔ لہذا ہر عمر اور ہر صنف کے افراد کو ورزش کرنی چاہیئے ۔ باغ بانی جیسے مشاغل بھی ورزش کی ذیل میں آتے ہیں ، بوڑھے افراد سہولت ہونے پر باغ بانی کا شوق اپناسکتے ہیں ۔ یہ ورزش کے ساتھ ذہنی صلاحیتوں کی آزمائش بھی ہے ۔

نیند بھی ضروری ہے

نیند ہر انسان کی ضرورت ہے ۔ بھرپور اور پرسکون نیند جسم اور ذہن کی توانائیاں بحال

کرتی ہے ۔ "بے آرام نیند" کی مختلف وجوہ ہوسکتی ہیں۔ مثلاً ذہنی پریشانیاں، دیر تک جگانے والی مصروفیات، بے سکون ماحول، غیر آرام دہ بستر وغیرہ۔ ان عوامل کی صورت میں اکثر بیدار ہونے کے بعد بے کلی، چڑچڑاپن اور تھکن غالب رہتی ہے ۔ پھر نشہ آور اشیاء کا استعمال اور کیفین آمیز مشروبات بھی نیند پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ بہت کم سونا یا وقت کا لحاظ کئے بغیر سونا دونوں ہی باتیں نامناسب ہے ۔ رات کی نیند خاص اہمیت رکھتی ہے اور دن بھر سونے کے باوجود بھی رات کی نیند کی تلافی ممکن نہیں ہوتی۔ دماغی صلاحیتوں کو توانا اور فعال رکھنے کے لئے نیند بہت ضروری ہے ۔ اگر آپ ذہنی طور پر صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو اس سلسلے میں ایک اہم اصول یہ اپنائیں کہ دن بھر کی مصروفیات کے بعد جب بستر پر جائیں تو کسی خلل کے بغیر نیند یقینی ہو تاکہ صبح جب آپ بیدار ہوں تو ذہن و جسم کی توانائی نئے دن کی مصروفیات کے لئے بحال ہو چکی ہو۔

خوشگوار ماحول اور دماغی صحت

ماحول انسان پر بہت اثر انداز ہوتا ہے ۔ گھٹے گھٹے، آلودہ اور بوجھل ماحول سے ذہن بھی بوجھل ہو جاتا ہے، جب کہ کھلی فضا اور خوشگوار ماحول ذہن کو تراوٹ بخشتا ہے ۔ ایسی جگہیں، جہاں ہوا کا مناسب گزر نہ ہو، انسانی صحت کے لئے سخت نقصان دہ ہوتی ہیں ۔ اگر آپ صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو یہ بات گرہ میں باندھ لیں کہ آپ کا ماحول غیر آلودہ اور خوشگوار ہونا چاہئے ۔ آپ کے گھر میں ہوا اور قدرتی روشنی کا یقینی گزر ہو اور اردگرد کا ماحول ممکنہ حد تک دلکش اور بہتر رہنا چاہئے ۔

ذہنی سکون اور ادویات

یہ درست ہے کہ موجودہ ماحول ذہن کو منتشر کرنے، اس پر دباؤ ڈالنے، الجھانے کے لئے ہر اعتبار سے سازگار ہے اور یہ کہ ذہن کو پرسکون بنانے والی ہر قسم کی ادویات آسانی سے مل جاتی ہیں۔ ہر فرد یہ دوائیں حاصل اور استعمال بھی کرسکتا ہے ۔ لیکن اہم بات یہ ہے کہ ذہنی سکون کے لئے ادویات کا استعمال مناسب نہیں ۔ ماہرین کے مطابق بیش تر ادویات مرکزی اعصابی نظام پر اثر انداز ہوتی ہیں اور ان کے ذیلی اثرات کم و بیش یکساں ہیں، لہذا ان کا استعمال (خصوصاً اپنے طور پر) بے حد نامناسب ہے ۔ اگر یہ مان لیا جائے کہ موجودہ حالات نہایت ہی ناساعد ہیں، ایسی صورت میں بھی سکون بخش ادویہ کے استعمال کی سفارش نہیں کی جاسکتی ۔ ان کے استعمال سے عارضی طور پر سکون تو ملتا ہے لیکن مسائل حل نہیں ہوتے ۔ ذہنی سکون کے لئے متبادل ذرائع اپنائے جانے چاہئیں ۔ ہم خیال دوستوں سے گپ شپ، سماجی خدمات اور مطالعہ ذہنی سکون فراہم کرتا ہے ۔ اس کے علاوہ کھلی فضا میں سیر، ایکوریم میں تیرتی مچھلیوں کا مشاہدہ، پھول دار پودوں کی افزائش میں دلچسپی ایسے مشاغل ہیں، جو نہ صرف آپ کو مصروف رکھتے ہیں بلکہ ذہنی سکون بھی بخشتے ہیں ۔ ذہنی صحت یقینی بنانے کے لئے یہ بات یاد رکھیں کہ آپ کو سکون بخش ادویہ سے دور رہنا ہے اور اپنی سہولت کے لحاظ سے ایسا مشغلہ اپنانا ہے، جو آپ کے لئے

ذہنی سکون کا باعث بنے۔

خود ترغیبی اور مثبت انداز فکر

دماغ جسم کا وہ حصہ ہے، جو تمام جسمانی افعال کنٹرول کرتا ہے، لیکن یہ اسی انداز سے کام کرتا ہے، جس انداز سے ہم چاہتے ہیں "ہم دماغ سے کیا چاہتے ہیں؟" اگر آپ اس حوالے سے ٹھوس سوچ رکھتے ہیں تو اسی لحاظ سے اپنے دماغ کو ہدایات اور ترغیبات دیتے رہیں۔ آپ کا دماغ پورے جسم پر حکمرانی کرتا ہے، تاہم یہ آپ کا حکم بھی مانتا ہے اور آپ کی ترغیبات کے مطابق عمل کرتا ہے۔ خود ترغیبی کم حوصلہ افراد کو جرات مند بناسکتی ہے، ارادوں پر عمل کی راہ ہموار کرتی ہے، بس خود ترغیبی کا یہ عمل مثبت، دوٹوک اور ٹھوس ہونا چاہئے۔ اس ضمن میں مثبت انداز فکر بنیادی اہمیت رکھتا ہے۔ "مثبت انداز فکر" تمام مفکروں اور ماہرین نفسیات کے مطابق کامیاب زندگی کے لئے لازمی ہے، کیوں کہ مثبت سوچ ہی انسان کو پرامید اور پرسکون رکھتی ہے۔ مثبت انداز فکر رکھنے والے حالات کے دباؤ سے مغلوب ہوتے ہیں اور ان کے ذہن منفی اثرات سے متاثر ہوتے ہیں اور پھر ناامید اور مایوس افراد بھی مثبت تصورات اپنا کر اپنی زندگی تبدیل کرسکتے ہیں۔ دکھ، ناکامیاں اور مصائب زندگی کا لازمہ ہیں، لہٰذا ان سے نجات کے لئے ذہنی اور جسمانی طور پر صحت مند رہنا ضروری ہے۔

"مثبت انداز فکر" پر مختلف ماہرین اور محققین کی کتابیں موجود ہیں۔ نفسیاتی رہنمائی فراہم کرنے والی یہ کتابیں بالواسطہ یا بلاواسطہ طور پر مثبت انداز فکر اپنانے پر ابھارتی ہیں۔ مختصراً یہ کہا جاسکتا ہے کہ ہر فرد ایسی کتابوں کے مطالعے اور خود ترغیبی سے اپنی ذات میں غیر معمولی انقلاب لاسکتا ہے۔ اگر آپ ذہنی طور پر صحت مند رہنا چاہتے ہیں تو یاد رکھیں کہ مثبت انداز فکر کے بغیر ایسا ممکن نہیں۔ اب جدید ایجادات اور عالم گیر تبدیلیوں نے مقابلہ بہت سخت کردیا ہے۔ اب اہلیتوں کے ساتھ اس چیز کا بھی مقابلہ ہے کہ فرد اپنی صلاحیتوں کا کس قدر غیر معمولی اظہار کرسکتا ہے۔ مقابلے کی فضاء میں وہی لوگ قابل رشک کامیابیاں حاصل کرتے ہیں، جو پراعتماد اور ذہنی لحاظ سے چاق و چوبند ہوں، فوری طور پر فیصلے کرنے کی خوبی رکھتے ہوں اور جنہیں اپنی صلاحیتوں کے برملا اظہار کا ڈھنگ آتا ہو۔

کامیابی کے لئے عمومی صحت کے ساتھ دماغی صحت بھی ضروری ہے۔ آج صلاحیتوں کی "مقدار" سے زیادہ ان کے "معیار" اور "اظہار" کی ضرورت ہے اور اگر آپ کامیاب اور خوشگوار زندگی بسر کرنے کے خواہاں ہیں تو اپنی ذہنی صلاحیتوں کو بھرپور انداز سے کام میں لانے کا ڈھنگ سیکھ لیں۔ خیال رہے کہ ذہنی صلاحیتوں کا موثر استعمال اسی وقت ممکن ہے، جب آپ ذہنی طور پر اس کے لئے آمادہ ہوں۔ یہ آمادگی آپ سے بھرپور توجہ اور محنت چاہتی ہے۔ بے شمار ذہین لوگ زندگی کی دوڑ میں ناکام رہ جاتے ہیں، محض اس لئے کہ وہ اپنی صلاحیتوں کے استعمال اور اظہار کے ڈھنگ سے ناواقف رہتے ہیں، جب کہ بعض اوسط ذہن رکھنے والے افراد اپنی جد و جہد، لگن اور مستقل مزاجی کے باعث غیر معمولی کامیابیاں حاصل کرلیتے ہیں۔

☆☆☆☆

ممتاز فوٹو گرافر شاہ علی

کوئی فنکار اپنے کام سے مطمئن ہو یہی اس کے کامیابی کی دلیل سمجھی جاتی ہے ۔ ایسا ہی کچھ معاملہ مشہور فوٹوگرافر جناب شاہ علی کا ہے جو پورٹریٹ اور پینٹنگس میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں ۔ انھوں نے اپنی فنکاری کے ذریعہ نہ صرف ملک بلکہ بین الاقوامی سطح پر شہرت حاصل کی ۔ وہ ایک آرٹسٹ ہیں 1957ء میں شاہ علی نے رائل اسٹوڈیو قائم کیا جس نے ترقی کے منازل طے کرتے ہوئے آج اپنی ایک منفرد پہچان بنائی ہے ۔ شاہ علی 19 جنوری 1936 کو پیدا ہوئے ۔ اپنے والد جناب محی الدین کی حوصلہ افزائی پر فوٹوگرافی کا شوق پیدا ہوا ۔ اور وہ مسلسل کامیابی کے منازل طے کرتے جارہے ہیں ۔ انھیں آل انڈیا اگزیبیشن سوسائٹی اے پی فوٹوگرافک سوسائٹی حیدرآباد آندھرا پردیش فیڈریشن آف فوٹوگرافی کے علاوہ دیگر اداروں نے ایوارڈز سے نوازا ۔ شاہ علی کو بین الاقوامی سطح پر بھی پورٹریٹس کی نمائش کروانے کا اعزاز حاصل رہا ۔ اے پی / اے ایف جیسے اداروں نے انھیں اعزاز عطا کئے ۔ شاہ علی نے اپنے تقریبا 30 سالہ کیریئر میں کئی ممتاز شخصیتوں کے پورٹریٹ تیار کئے ہیں ۔ ان کی نمائش کا ادارہ سیاست نے اہتمام بھی کیا تھا ۔ انھوں نے 19 ستمبر کو عصری ڈیجیٹل فوٹوگرافی اسٹوڈیو کا بھی قیام عمل میں لایا ۔

کلیاتِ اقبال

جگنو

جگنو کی روشنی ہے کاشانۂ چمن میں
یا شمع جل رہی ہے پھولوں کی انجمن میں؟

آیا ہے آسماں سے اڑ کر کوئی ستارہ
یا جان پڑ گئی ہے مہتاب کی کرن میں؟

یا شب کی سلطنت میں دن کا سفیر آیا؟
غربت میں آ کے چمکا، گمنام تھا وطن میں؟

تکمہ کوئی گرا ہے مہتاب کی قبا کا؟
ذرہ ہے یا نمایاں سورج کے پیرہن میں؟

حسنِ قدیم کی یہ پوشیدہ اک جھلک تھی
لے آئی جس کو قدرت خلوت سے انجمن میں؟

چھوٹے سے چاند میں ہے ظلمت بھی روشنی بھی
نکلا کبھی گہن سے، آیا کبھی گہن میں

پروانہ اک پتنگا، جگنو بھی اک پتنگا
وہ روشنی کا طالب، یہ روشنی سراپا

ہر چیز کو جہاں میں قدرت نے دلبری دی
پروانے کو تپش دی، جگنو کو روشنی دی

رنگیں نوا بنایا مرغانِ بے زباں کو
گل کو زبان دے کر تعلیمِ خامشی دی

نظارۂ شفق کی خوبی زوال میں تھی
چمکا کے اس پری کو تھوڑی سی زندگی دی

رنگیں کیا سحر کو، بانکی دلھن کی صورت
پہنا کے لال جوڑا شبنم کی آرسی دی

سایہ دیا شجر کو، پرواز دی ہوا کو
پانی کو دی روانی، موجوں کو بے کلی دی

یہ امتیاز لیکن اک بات ہے ہماری
جگنو کا دن وہی ہے جو رات ہے ہماری

حسنِ ازل کی پیدا ہر چیز میں جھلک ہے
انساں میں وہ سخن ہے، غنچے میں وہ چٹک ہے

یہ چاند آسماں کا شاعر کا دل ہے گویا
واں چاندنی ہے جو کچھ، یاں درد کی کسک ہے

اندازِ گفتگو نے دھوکے دیئے ہیں ورنہ
نغمہ ہے بوئے بلبل، بو پھول کی چہک ہے

کثرت میں ہو گیا ہے وحدت کا راز مخفی
جگنو میں جو چمک ہے، وہ پھول میں مہک ہے

یہ اختلاف پھر کیوں ہنگاموں کا محل ہو؟
ہر شے میں جبکہ پنہاں خاموشیٔ ازل ہو

صبح کا ستارہ

لطفِ ہمسائگیٔ شمس و قمر کو چھوڑوں
اور اس خدمتِ پیغامِ سحر کو چھوڑوں

میرے حق میں تو نہیں تاروں کی بستی اچھی
اس بلندی سے زمیں والوں کی پستی اچھی

آسماں کیا، عدم آباد وطن ہے میرا
صبح کا دامنِ صد چاک کفن ہے میرا

میری قسمت میں ہے ہر روز کا مرنا جینا
ساقیٔ موت کے ہاتھوں سے صبوحی پینا

نہ یہ خدمت، نہ یہ عزت، نہ یہ رفعت اچھی
اس گھڑی بھر کے چمکنے سے تو ظلمت اچھی

میری قدرت میں جو ہوتا، تو نہ اختر بنتا
قعرِ دریا میں چمکتا ہوا گوہر بنتا

واں بھی موجوں کی کشاکش سے جو دل گھبراتا
چھوڑ کر بحر کہیں زیبِ گلو ہو جاتا

ہے چمکنے میں مزا حسن کا زیور بن کر
زینتِ تاجِ سرِ بانوئے قیصر بن کر

ایک پتھر کے جو ٹکڑے کا نصیبا جاگا
خاتمِ دستِ سلیماں کا نگیں بن کے رہا

ایسی چیزوں کا مگر دہر میں ہے کام شکست
ہے گہرہائے گراںمایہ کا انجام شکست

زندگی وہ ہے کہ جو ہو نہ شناسائے اجل
کیا وہ جینا ہے کہ ہو جس میں تقاضائے اجل

ہے یہ انجام اگر زینتِ عالم ہو کر
کیوں نہ گر جاؤں کسی پھول پہ شبنم ہو کر؟

کسی پیشانی کے افشاں کے ستاروں میں رہوں
کسی مظلوم کی آہوں کے شراروں میں رہوں

اشک بن کر سرِ مژگاں سے اٹک جاؤں میں
کیوں نہ اس بیوی کی آنکھوں سے ٹپک جاؤں میں

ق

جس کا شوہر ہو رواں، ہو کے زرہ میں مستور
سوئے میدانِ وغا، حبِ وطن سے مجبور

یاس و امید کا نظارہ جو دکھلاتی ہو
جس کی خاموشی سے تقریر بھی شرماتی ہو

جس کو شوہر کی رضا تابِ شکیبائی دے
اور نگاہوں کو حیا طاقتِ گویائی دے

زردِ رخصت کی گھڑی عارضِ گلگوں ہو جائے
کششِ حسن غمِ ہجر سے افزوں ہو جائے

لاکھ وہ ضبط کرے پر میں ٹپک ہی جاؤں
ساغرِ دیدۂ پرنم سے چھلک ہی جاؤں

خاک میں مل کے حیاتِ ابدی پا جاؤں
عشق کا سوزِ زمانے کو دکھاتا جاؤں

ہندوستانی بچّوں کا قومی گیت

چشتیؒ نے جس زمیں میں پیغامِ حق سنایا
نانک نے جس چمن میں وحدت کا گیت گایا
تاتاریوں نے جس کو اپنا وطن بنایا
جس نے حجازیوں سے دشتِ عرب چھڑایا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

یونانیوں کو جس نے حیران کر دیا تھا
سارے جہاں کو جس نے علم و ہنر دیا تھا
مٹی کو جس کی حق نے زر کا اثر دیا تھا
ترکوں کا جس نے دامن ہیروں سے بھر دیا تھا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

ٹوٹے تھے جو ستارے فارس کے آسماں سے
پھر تاب دے کے جس نے چمکائے کہکشاں سے
وحدت کی لے سنی تھی دنیا نے جس مکاں سے
میرِ عربؐ کو آئی ٹھنڈی ہوا جہاں سے

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

بندے کلیم جس کے، پربت جہاں کے سینا
نوحِ نبی کا آ کر ٹھہرا جہاں سفینا
رفعت ہے جس زمیں کی بامِ فلک کا زینا
جنت کی زندگی ہے جس کی فضا میں جینا

میرا وطن وہی ہے، میرا وطن وہی ہے

سید محمد حسین محسن حیدر آبادی

"وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں"...... جلیل

روحانی معتقدات کے ساتھ ساتھ انسان کے لئے جو سب سے پرکشش چیز شروع سے چلی آ رہی ہے وہ ہے حسن کی جلوہ نمائی کی خواہش دیدار۔ حضرت موسیٰ نے جب کوہ طور پر حسن ازلی کو نور کی شکل میں دیکھا تو بے ہوش ہو گئے ۔ ہمارے شاعروں میں میر تقی میر نے یہ دیکھا کہ حسن مجسم جب بزم میں آیا تو اس کے بعد چراغوں کی روشنی روشنی نہیں رہی۔ غالب نے جب حسن کا نظارہ کیا تو ایسی مستی کا عالم طاری ہوا کہ ان کی نگاہیں رخ پر بکھر بکھر گئیں اور ایک نقاب کا کام کرنے لگیں ، نظارہ نہ ہو سکا ۔ حضرت داغ نے رخ روشن اور شمع کے حسن و نور کا انتخاب پروانے پر چھوڑ دیا خود کچھ فیصلہ نہ کر سکے۔ ان کے بعد حضرت جلیل نے حسن کی جوہ گاہ کو دیکھ کر یہ محسوس کیا کہ نہ تو نگاہیں برق ہیں اور نہ ہی چہرہ آفتاب ہے لیکن خود ان میں دیکھنے کی تاب اور قوت برداشت نہیں ہے باوجود اسکے کہ حسن انسانی شکل میں ہے:

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

جلیل کے شعر میں "آدمی" کا لفظ استعمال کیا گیا ہے جبکہ پچھلے شاعروں کے اشعار میں ایسا نہیں ہے یہی کلیدی لفظ اس شعر کا حسن ہے اور اسی لئے اسے قبول عام کی سند ملی ہے۔ اگر یہ مصرع یوں ہوتا کہ "نہ جانے کیا ہے جسے دیکھنے کی تاب نہیں" تو شعر کا مضمون معمولی سا ہو جاتا۔ اس حسین شعر کے خالق جناب جلیل مانک پوری کا مزید تعارف یہ ہے۔

جلیل حسن 1862ء میں قصبہ مانک پور (ضلع پرتاب گڑھ۔ اترپردیش) میں پیدا ہوئے۔ ان کے دادا کا نام عبدالرحیم اور والد کا نام عبدالکریم تھا۔ یہ نہ معلوم ہو سکا کہ ان کے اجداد مانک پور میں کب اور کہاں سے آ کر آباد ہوئے تھے۔ مانک پور کے محلہ سلطان پور میں ان کا آبائی مکان تھا جس سے متصل ایک مسجد میں حافظ عبدالکریم مانک پور کے رئیسوں اور زمینداروں کے بچوں کو قرآن شریف اور دینیات کی تعلیم دیتے تھے۔ جلیل حسن، حافظ عبدالکریم کی زوجہ ثانیہ کے بڑے بیٹے تھے۔ یہ سب 9 بھائی بہن تھے۔ جلیل نے ابتدائی تعلیم مانک پور میں ہی اپنے والد سے حاصل کی۔ بارہ برس کے سن میں پورا قرآن شریف حفظ کر لیا۔ رواج کے مطابق فارسی اور عربی علوم اور فنون کی تعلیم مکمل کرتے رہے اور یہ سلسلہ بیس برس کی عمر تک جاری رہا۔ اس کے بعد آگے کی تعلیم کے لئے وہ لکھنؤ آ گئے اور وہاں کے مشہور و معروف مدرسہ فرنگی محل میں داخلہ لیا ۔ مولانا عبدالحلیم اور مولانا عبدالعلی جیسے قابل اساتذہ کی نگرانی میں عربی، فارسی، صرف و نحو، معقولات اور منقولات (منطق اور دیگر علوم) کا درس مکمل کر کے مانک پور واپس آ گئے۔ شعر و شاعری کا شوق ابتدائے عمر سے تھا جس کو لکھنؤ کے ادبی ماحول نے اور ابھار دیا۔ خود مانک پور میں بھی اہل ذوق حضرات کی اچھی خاصی تعداد موجود تھی۔ جلیل کے بڑے بھائی حافظ خلیل حسن خلیل بھی اچھے شاعر تھے ۔ ان کی صحبت میں رہ کر جلیل نے بھی غزل کہنا شروع کر دی۔ والدین اور اہل خاندان نے کبھی ان کی شعری سرگرمیوں پر اعتراض نہیں کیا۔ یہ دونوں بھائی مانک پور کے راجہ تعیش حسین کے مشاعروں میں بھی شرکت کرنے لگے اور آس پاس کے مشاعروں میں مدعو کئے جانے لگے کیونکہ ان کا کلام پسند کیا جاتا تھا۔ قیام لکھنؤ کے دوران جلیل کا تعارف امیر احمد مینائی سے ہو چکا تھا۔ جلیل اور خلیل نے مشترکہ عریضہ امیر مینائی کو لکھا کہ وہ ان کی شاگردی میں آنا چاہتے ہیں۔ امیر مینائی نے یہ عرض قبول کر لی۔ وہ ان دنوں رامپور میں تھے جہاں امیر اللغات کی تالیف کا کام جاری تھا۔ جلیل سے مراسلت کا سلسلہ زیادہ دن نہیں چلا بلکہ نہایت اصرار سے امیر مینائی نے جلیل کو رامپور بلا لیا اور امیر اللغات کے دفتر کا معتمد بنا دیا۔ یہ 1887ء کا زمانہ تھا۔ رامپور میں نواب حامد علی خاں والی ریاست تھے جو اب شعراء کا مرجع ہو گیا تھا کیونکہ دہلی اور پھر لکھنؤ کے مراکز ختم ہو گئے تھے۔ رامپور کا یہ نیا ادبی سنگم دہلی اور لکھنؤ کے دبستانوں سے ملکر بنا تھا۔ رامپور میں 17

برس تک جلیل پر امیر مینائی کی نوازشیں جاری رہیں۔ انہوں نے ضعیف العمری میں اصلاحِ سخن کا کام بھی جلیل کے سپرد کردیا تھا۔ امیر اللغات سے متعلق تمام امور تو جلیل دیکھتے ہی تھے۔ رامپور کے مالی حالات درست نہ تھے اس لئے جو رقم امیر اللغات کے لئے مختص تھی وہ داخل دفتر ہوگئی۔ لغت کے کام کو جاری رکھنے کے لئے امیر مینائی کی نظریں بھوپال اور حیدر آباد کے سربراہانِ مملکت کی طرف گئیں۔ اس کام کے لئے جلیل بھوپال گئے مگر کام نہ بنا۔ 1899ء میں نظام سادس کلکتہ آئے تھے۔ ان کی واپسی براہ بنارس ہوئی تو امیر مینائی ان سے ملنے جلیل کے ساتھ بنارس گئے۔ نظام سے بازیابی کے بعد یہ طے ہوا کہ امیر مینائی حیدر آباد آجائیں تو کام بن سکتا ہے۔ چنانچہ 1900ء میں امیر مینائی اپنے دو فرزندوں اور جلیل کے ہمراہ حیدر آباد پہنچے اور حضرت داغ دہلوی کے مہمان ہوئے جو ان دنوں استادِ شاہ تھے۔ پھر قریب ہی مکان کرایہ پر لے کر وہاں رہنے لگے۔ ابھی سرکار میں بازیابی بھی نہیں ہوئی تھی کہ امیر مینائی بیمار پڑگئے۔ باوجود علاج معالجہ کے افاقہ نہ ہوا وہ 5 ہفتہ بیمار رہ کر وفات پاگئے اور درگاہ یوسفینؒ میں مدفون ہوئے۔ جو لوگ شاعری کے سلسلے میں امیر مینائی سے وابستہ تھے اب ان کا مرجع جلیل بن گئے کیونکہ ان کے لائق تلامذہ میں بھی سب سے ممتاز تھے۔ حیدر آباد کے ابراہیم خاں کے ہاں جو مشاعرہ ہوتا تھا اسکی طرح نظام سادس دیا کرتے تھے۔ چنانچہ جب اس مشاعرے میں جلیل نے اپنی طرحی غزل پڑھی تو ان کو بے حد داد ملی اور اسکا مطلع تو گویا ان کی پہچان بن گیا:

نگاہ برق نہیں چہرہ آفتاب نہیں
وہ آدمی ہے مگر دیکھنے کی تاب نہیں

جب مشاعرہ کی رپورٹ نظام کے ملاحظے میں آئی تو انہوں نے بھی بہت سراہا۔ داغ دہلوی اور نظم طباطبائی اور مہاراجہ کشن پرشاد ان کے مداحوں میں شامل تھے۔ جلیل کا حیدر آباد میں قیام کا مقصد دربار تک رسائی حاصل کرنا تھا یہ کام مہاراجہ کے ذریعہ ممکن تھا۔ مہاراجہ جب شاہ دکن کے ساتھ ایڈورڈ ہفتم کے جشن تاجپوشی میں دہلی گئے تو ان کے ہمراہ جلیل بھی تھے۔ اس طرح دونوں ایک دوسرے کے قریب آگئے۔ اسکے بعد جب حیدر آباد میں مہاراجہ نے مشاعرہ بسلسلہ تقریب سلور جوبلی نظام منعقد کیا تو وہاں بھی جلیل کا کلام مشاعرے کے بعد نظام نے بہ نفس نفیس پاس بلا کر سنا اور داد دی۔ لیکن کوئی مستقل صورت نہیں پیدا ہوئی۔ 9 برس تک ایسی ہی آویزش کا زمانہ رہا۔ آخر کسی شہزادے کی بسم الہ کی تقریب میں نظام کو اپنے کلام پر اصلاح کی ضرورت ہوئی تو انہوں نے مہاراجہ کی وساطت سے جلیل کو طلب کیا۔ چونکہ داغ کا انتقال ہوچکا تھا اس لئے جلیل کو استاد شاہ کا عہدہ بذریعہ فرمان 16 شوال 1327ھ (1909ء) عطا کیا گیا۔ بعد کو انہیں مصاحبین میں شامل کرلیا گیا اور داغ کی جگہ کو پر کیا گیا۔ 1911ء میں نظام سادس کا انتقال ہوگیا۔ اسی سال جارج پنجم کی تاجپوشی کا جشن دہلی میں ہوا تو جلیل بھی نظام سابع میر عثمان علی خاں کے ساتھ دہلی گئے لیکن کوئی بات نہ ہوسکی۔ نظام سابع کی تخت نشینی کے موقع پر عام دربار میں جب اکابرین سلطنت کے ساتھ جلیل نے بھی نذر گزرانی تو نظام نے کنگ کوٹھی پر حاضر ہونے کے لئے کہا۔ اسکے بعد کنگ کوٹھی پر دیگر مصاحبوں کے ساتھ جلیل کی بھی حاضری ہونے لگی۔ شاعری جلیل کا اوڑھنا بچھونا ہوگئی۔ جلیل نے ایک طویل جدوجہد کے بعد فراغت کی من پسند زندگی گزاردی اور یہ سلسلہ 35 برس تک چلتا رہا۔ اب عمر بھی اسی سال سے تجاوز کرچکی تھی۔ آخر عمر میں ضعفِ دماغ اور رعشہ کی شکایت شروع ہوگئی۔ شاہی طبیبوں نے اور ڈاکٹروں نے علاج کیا لیکن ہائی بلڈ پریشر کی شکایت بڑھتی گئی۔ آخر دو دن کوما میں رہنے کے بعد 6 جنوری 1946ء کو رحلت فرمائی اور خطہ صالحین درگاہ یوسفینؒ میں مدفون ہوئے۔ نظام نے تاریخ نکالی۔ "دکن گفت آہ استاد جلیلے" 1365ھ جلیل کو نظام سادس نے "جلیل القدر" اور نظام سابع نے "فصاحت جنگ" اور "امام الفن" کے خطابات عطا کئے تھے۔

جلیل ایک درویش صفت، عابد مرتاض متوسط قامت، چھریرا بدن، رنگ گندمی، باریش چہرہ کے مالک تھے۔ قدیم وضع کے لکھنوی پٹے رکھتے تھے اور سر پر خاص وضع کی سیاہ مخملی ٹوپی، شیروانی اور سلیم شاہی جوتا پہنتے تھے۔ آنکھوں میں گہرا سرمہ اور پان نوشی سے ہونٹ سرخ رہتے تھے۔ سرکاری تقاریب میں سفید دستار اور کمر میں بکلوس اور ڈنر یا جیکوٹ میں شرکت کے وقت انگریزی لباس زیب تن کرتے تھے۔ ان کا مجموعہ کلام تاج سخن ت جان سخن اور روح سخن کے نام سے شائع ہوا۔ اور نثر میں 1908ء میں "تذکیر و تانیث" معیار اردو 1924ء میں محاورات کا لغت اور 1940ء میں اردو کا عروض نامی کتب ورسائل شائع ہوئے۔ جلیل نے غزل، قصیدہ اور تاریخ گوئی پر طبع آزمائی کی اور 270 شاگرد چھوڑے۔ جلیل کا تقریباً اسی فیصدی کلام فی البدیہہ ہے۔ روسا اور دو بادشاہوں کی مصاحبت اور استادی کی وجہ سے ان کو بہ عجلت حسب موقع اپنی شاعرانہ صلاحیتوں کو بروئے کار لانا پڑتا تھا۔ اصلاح کا کام بھی قلم برداشتہ ہوتا تھا۔ اس لئے جلیل کے کلام کا ایک بڑا حصہ روانی طبع اور قدرتِ کلام کو ظاہر کرتا ہے۔ فنی صلاحیتیں غزل میں نمایاں ہیں اس بارے میں خود ان کا ایک شعر حقیقت حال پر پورا اترتا ہے۔

اپنا دیوان مرقع ہے حسینوں کا جلیل
نکتہ چیں تھک گئے کچھ عیب نکالے نہ گئے

یقیناً جلیل کے کلام کی ایک بڑی خصوصیت یہ ہے کہ وہ بے عیب ہے۔ کسی جگہ عامیانہ پن، ثقل زبان کی دقت یا بیان میں تعقید یا تفہیم معنی میں رکاوٹ نہیں ہے۔ ان کی غزلوں کے کچھ بے حد خوبصورت اشعار درج ذیل ہیں:

جب میں چلوں تو سایہ بھی اپنا نہ ساتھ دے
جب تم چلو زمین چلے آسمان چلے

بات ساقی کی نہ ٹالی جائے گی
کرکے توبہ توڑ ڈالی جائے گی

جلیل آسان نہیں آباد کرنا گھر محبت کا
یہ ان کا کام ہے جو زندگی برباد کرتے ہیں

دیکھا جو حسن یار طبیعت مچل گئی
آنکھوں کا تھا قصور چھری دل پہ چل گئی

یہ جو سر نیچے کئے بیٹھے ہیں
جان کتنوں کی لئے بیٹھے ہیں

آپ پہلو میں جو بیٹھیں تو سنبھل کر بیٹھیں
دل بیتاب کو عادت ہے مچل جانے کی

کچھ اس ادا سے یار نے پوچھا مرا مزاج
کہنا پڑا کہ شکر ہے پروردگار کا

وہ بے خودی کی آڑ میں لپٹے جلیل سے
کیونکر کہوں کہ ہوش نہ تھا۔ تھا ضرور تھا

پینے سے کرچکا تھا میں توبہ مگر جلیل
بادل کا رنگ دیکھ کے نیت بدل گئی

ہنرور شاعر اور جوہر شناس حکمراں میں جو قریبی تعلقات مسلمانوں کے عباسی دور حکومت سے چلے آرہے تھے حضرت جلیل اور عثمان علی خاں کو اسکی آخری کڑی سمجھنا چاہئے۔ جلیل کے انتقال کے دو برس بعد آصفجاہی حکومت کی بساط بھی الٹ گئی۔

جلیل کی تصویر کے سلسلے میں میں نے ان کے فرزند رشید جناب ڈاکٹر علی احمد جلیلی سے بالمشافہ ملاقات کی مگر یہ معلوم کرکے مایوسی ہوئی کہ ان کی کوئی اوریجنل تصویر ان کے پاس نہیں ہے۔ ایک تھی بھی تو وہ اردو اکیڈیمی کے حوالے کردی گئی جو اکیڈیمی کے رسالے مارچ 2000ء کے ٹائٹل پر دی گئی ہے۔ اسکے علاوہ یہی تصویر بے حد اور مچنگ کے بعد جلیلی صاحب کی کتاب ''فصاحت جنگ جلیل'' میں شامل ہے۔ صابر دت کی کتاب ''چند تصویر بتاں'' میں تصویر کا بسٹ Latral inversion کے عیب کے ساتھ دیا گیا ہے یعنی داہنا حصہ بایاں اور بایاں داہنا ہوگیا ہے۔ میں نے ان تصاویر کو سامنے رکھ کر خود ایک پورٹریٹ تیار کیا ہے۔ جو خوبصورت رنگوں کے ساتھ پیش ہے۔ شیروانی اور رنگ آباد کے ہمرو کی ہے جسکا رنگ بقول جلیلی صاحب کے ہلکا سبز تھا۔

00000

اعظم راہی

کبوتری

گھنٹی کی آواز پر ہاجرہ نے دروازہ کھول دیا۔

"آپ ...."

عرفان نے اس کی بوکھلاہٹ میں چھپی بیزارگی محسوس کرتے ہوئے کہا۔

"میں خالہ جان سے ملنے آیا تھا ..."

اور وہ ڈرائنگ روم میں داخل ہوگیا

"کیا بات ہے آج گھر میں خاموشی چھائی ہوئی ہے ...؟"

"سب لوگ باہر گئے ہیں ..."

عرفان نے محسوس کیا کہ ہاجرہ اس کی موجودگی سے اکتاہٹ سی محسوس کررہی ہے۔ اس نے فوراً لوٹ جانے کا فیصلہ کرلیا۔

"ٹھیک ہے میں پھر آجاؤں گا ..."

اور وہ دروازہ کی طرف بڑھ گیا۔

"ٹھہرئے ..."

نہ جانے ہاجرہ کی آواز میں کون سی طاقت تھی کہ عرفان کے قدم رک گئے۔

"چائے پیتے جایئے۔ میں ابھی لاتی ہوں"...

وہ نہ چاہتے ہوئے بھی بیٹھ گیا اور ہاجرہ چائے لانے کے لئے اندر چلی گئی۔

کل تک ان کی بے تکلفی اور پیار خموشی کے پردے میں مسکرارہا تھا لیکن ان کے انکار کی جرات نے عرفان کے خوابوں کو مسمار کردیا تھا اور وہ سمجھ ہی نہیں پایا کہ ہاجرہ کے انکار کی وجہ کیا تھی۔

"چائے لیجئے ..."

عرفان خیالات کی دنیا سے باہر آگیا۔

اس نے ہاجرہ کے ہاتھ چائے لے لی اور پوچھا۔

"سب لوگ کہاں گئے ہیں ....؟"

"بھائی جان کی شادی کی تاریخ پکی کرنے کے لئے ...."

یہ کہتے ہوئے ہاجرہ نے عرفان کی طرف دیکھا اور اسے اپنی طرف دیکھتا پاکر اپنے آپ کو چرا گئی۔ چائے کی پیالی رکھتے ہوئے عرفان اٹھ کھڑا ہوا۔

"اچھا میں چلتا ہوں۔ کل کسی وقت آجاؤں گا ..."

اس نے ہاجرہ کی بڑھتی ہوئی اجنبیت کو محسوس کرتے ہوئے وہاں سے چلنا ہی مناسب سمجھا۔

ہاجرہ ڈرائنگ روم کا دروازہ بند کرکے آنگن میں آگئی۔ عرفان کے آجانے کی وجہ سے اس کا موڈ خراب سا ہوگیا تھا وہ بوجھل قدموں سے چلتی ہوئی نیم کی چھاؤں تلے رکھی آرام کرسی پر بیٹھ گئی۔ اپنے اندر پلنے والی اداسی سے وہ خود ہی پریشان سی تھی۔ اپنے آپ کو سنبھالنے اور بے نیاز بنانے کی کوششوں میں اسے کامیابی نہ مل سکی۔

دیوار کی منڈیر پر دھوپ تاپتے کبوتر ہاجرہ کو دیکھ کر نیچے اتر آئے اور ہاجرہ کے اطراف بیٹھنے لگے۔ وہ کچھ دیر کے لئے اپنی الجھنوں سے دور ہوگئی اور پاس ہی پڑے ہوئے ڈبے سے دانہ لیکر اسے فضا میں بکھیر دیا۔ تمام کبوتر دانے پر ٹوٹ پڑے اور ہاجرہ بڑے انہماک سے انہیں دیکھنے لگی۔ اچانک اسے کبوتری یاد آگئی۔ پچھلے دنوں جس کا نر کسی اور کبوتری کے ساتھ چلا گیا تھا۔ ہاجرہ نے دیوار کی منڈیر پر نظر دوڑائی۔ ایک کونے میں بیٹھی وہ اپنا منہ پروں میں چھپائے ہوئے تھی۔ ہاجرہ کو اس پر بڑا ترس آیا۔ اس کا دل کسی غیر شعوری غم سے آشنا ہوگیا۔ اس نے سوچا چاہے انسان ہو یا حیوان "مرد" ہر روپ میں ہرجائی ہوتا ہے اور پھر درد کی ایک بے پناہ لہر اس کے رگ وپے میں دوڑ گئی۔ اس نے اپنا سر کرسی کی پشت پر ٹیک دیا۔ زندگی کی کتاب کے کئی ورق ہوا کے ایک جھونکے سے پلٹ گئے۔ ماضی کے کسی لمحے نے اس کے تصور میں ایک گھنٹی سی بجائی۔ کسی نے دروازہ کھولا اور اس نے اپنے کمرے میں جھانکا۔ ریاض ڈرائنگ روم میں داخل ہورہا تھا۔ ہاجرہ نے اپنے دل میں ایک ہلکی سی گدگداہٹ محسوس کی اور اسکا چہرہ گلابی ہوگیا۔ وہ کمرہ سے فوراً باہر نکل آئی اور دونوں ایک دوسرے کو دیکھ کر مسکرادئے۔ پھر ریاض اس کے ساتھ کمرے میں داخل ہوگیا۔

"شاکرہ اور خالہ جان کدھر ہیں ...؟"

اس نے بات کرنے کی راہ نکالی۔ باجی شاید نہارہی ہیں اور امی باورچی خانہ میں ہیں۔ ہاجرہ دروازہ سے لگ کر ریاض سے باتیں کرنے لگی۔

"کل رات تم لوگ کہاں گئے تھے؟ میں کوئی گیارہ بجے ادھر سے گزرا تھا ..."

"عابدہ باجی کے لڑکے کی بسم اللہ تھی نا! وہیں گئے تھے۔ امی جان تھیں کہ اٹھنے کا نام تک نہ لیتی تھیں۔"

"یہاں بے چاری شاکرہ اکیلی تھی اور انور بھائی بھی نہیں تھے۔ میں گیارہ بجے ان کے آنے کے بعد گیا ..."

"جہاں اتنی دیر ٹھہرے ایک آدھ گھنٹہ اور میرا انتظار کرسکتے تھے ...؟"

ہاجرہ کے لہجے میں شکایت تھی ...

"اسی بات کی معافی مانگنے کے لئے تو آیا ہوں ..."

اور وہ کرسی سے اٹھ کر قریب آگیا۔

"ارے چھوڑیئے بھی۔ کوئی دیکھ لے گا۔ آپ بڑے وہ ہیں ....!"

اس کے لہجے میں پیار جھلک رہا تھا۔

"میں تو وہ ہوں ہی۔ پر تم کیا ہو ...؟"

"یہ" ہاجرہ نے انگوٹھا بتاتے ہوئے کہا۔

ریاض دوبارہ اس کی طرف بڑھا لیکن ہاجرہ نے پرے ہٹ کر سرگوشی میں کہا۔ کوئی آرہا ہے۔ ریاض جہاں تھا وہیں رک گیا اور وہ کھلکھلا کر ہنس پڑی۔

"خیر پھر کبھی دیکھ لوں گا"...

آپ تو موقعہ محل کچھ دیکھتے ہی نہیں۔

بس ...!"

"بس کیا ...؟"

ریاض نے شرارت آمیز نظروں سے اس کی طرف دیکھا

"اس رات .... اگر کوئی دیکھ لیتا تو....!"

باجرہ کی آنکھوں میں ہلکا سا خوف جاگ اٹھا۔

"تو اس میں گھبرانے کی کیا بات تھی۔ اگر کوئی دیکھ بھی لیتا تو سوائے اس کے کہ ہماری شادی ہوجاتی اور کیا ہوتا ...؟ چھوڑو ان باتوں کو اور جلدی سے ایک کپ گرم گرم چائے پلاؤ ..."

باجرہ چائے بنانے کے لئے باورچی خانے کی طرف چلی گئی اور ساتھ ہی ریاض بھی اس کے کمرہ سے باہر آگیا۔ سامنے سے شاکرہ نہا کر آرہی تھی۔ وہ بھی اس کے ساتھ ساتھ چلنے لگا۔ باجرہ چائے لئے جب شاکرہ کے کمرے کے سامنے سے گزری تو اندر ریاض کی آواز سن کر باہر ہی ٹھہر گئی۔

"کل اگر عین موقع پر انور بھائی آجاتے تو ...؟"

"شاکرہ کا یہ جملہ سن کر باجرہ کے دل پر بجلی سی گر پڑی اور چائے کا کپ اس کے ہاتھ سے گر کر ٹوٹ گیا۔ اور اسکے ساتھ ہی تصور کے تانے بانے بھی ٹوٹ گئے۔ وہ پھر اپنی دنیا میں پلٹ آئی جو ویران اور اداس تھی۔ اس کی آنکھیں آنسوؤں سے تر تھیں اور سارے کبوتر دانہ چگ کر دیوار پر جا بیٹھے تھے۔ اس نے دیوار پر بیٹھی اداس کبوتری کو دیکھا۔ وہ بدستور اپنے پروں میں منہ دبائے بیٹھی تھی۔ باجرہ کی آنکھوں سے آنسو اسکے رخسار پر ڈھلک آئے۔ شام ہورہی تھی دھندلکے آنگن کے کونوں سے نکل کر پھیلنے لگے تھے۔ اس نے اپنے دوپٹے سے آنسو صاف کئے اور کمرہ میں آکر مسہری پر دراز ہوگئی۔ ماضی کے چھپے نشتروں نے پھر ایک بار دل کے زخم تازہ کردئے۔ وہ دیر تک چھت کو تکتی رہی اور آخر اس کے اداس دل اور تھکے ہوئے ذہن کو غنودگی کا سہارا مل ہی گیا۔ کال بیل کی مسلسل آواز پر باجرہ کی آنکھ کھل گئی۔ اس نے دروازہ کھولا تو شاکرہ اور امی سامنے کھڑی تھیں۔ اس نے شاکرہ کی گود سے منے کو لے لیا اور کمرہ میں آکر اسے مسہری پر لٹادیا۔

"کب سے گھنٹی بجارہی ہوں ..."

"آنکھ لگ گئی تھی ..."

"یہ سات بجے کا بے کا سونا؟ کھانے کے لئے کچھ بنایا بھی یا یوں ہی پڑی سوتی رہیں...."

"کچھ نہیں بناسکی ..." اس نے انگڑائی لیتے ہوئے کہا۔

"تمہاری آنکھیں سوجی ہوئی کیوں ہیں؟ کیا روئی ہو ...؟"

شاکرہ نے اسے غور سے دیکھتے ہوئے پوچھا

"نہ ... نہیں تو ..."

باجرہ اچانک اس کے سوال پر بوکھلا گئی۔

"باجرہ! مجھ سے مت چھپاؤ۔ بتاؤ کیا بات ہے ...؟"

"جی کچھ بھی تو نہیں ..." اور وہ کمرہ سے باہر جانے لگی۔

"میں نہیں مانتی ..." شاکرہ نے بڑھ کر اس کا ہاتھ تھام لیا۔

"آپ خواہ مخواہ پریشان ہورہی ہیں باجی۔ کہا نا کہ سونے کی وجہ سے آنکھیں سوج گئی ہیں ..." باجرہ نے ٹالتے ہوئے کہا اور ہاتھ چھڑا کر کچن کی طرف چلی گئی۔

رات شاکرہ بچے کو سلا کر جب باجرہ کے پاس آئی تو وہ مسہری پر پڑی نہ جانے کیا سوچ رہی تھی!

"باجرہ ..." وہ شاکرہ کی آواز سن کر چونک پڑی۔

"آپ ...!"

"تم سوئی نہیں ابھی تک ...؟"

"ابھی شام ہی کو سوئی تھی نا۔ شاید اسی لئے نیند نہیں آرہی ہے۔ آپ نے بتایا نہیں کہ انور بھائی کی شادی کی تیاری کس طرح ہوگی ..."

"انور بھائی، سلیم کو تار دینے گئے ہیں بس ان کے آتے ہی تیاریاں شروع ہوجائیں گی۔ ویسے امی جان نے بہت کچھ پہلے سے ہی کر رکھا ہے نا ..."

"کیا منا سوگیا ....؟"

"ہاں! آج اس نے بہت تنگ کیا ہے"

"ایک ہی بچے سے آپ تنگ آگئیں؟ اسے یہاں چھوڑ جایئے ..."

"کیوں ...؟"

"اس سے دل بہل جائے گا میرا ..."

"باجرہ ... تم شادی کے لئے کیوں نہیں راضی ہوتیں ...؟"

شاکرہ کے اس جملے پر کچھ دیر کے لئے کمرہ کی فضا بوجھل ہوگئی۔

"امی جان بھی تمہاری طرف سے بہت فکرمند ہیں۔ ان کی بیماری بھی تمہاری اسی ضد کی وجہ سے ...."

"باجی ... آپ ان باتوں کو نہ چھیڑیں تو اچھا ہے ..."

"باجرہ ... زندگی دکھوں اور مسرتوں کا مجموعہ ہے جہاں ہمیں ان جانے میں دکھ مل جاتے ہیں، وہیں ہم اپنی کوششوں سے خوشیاں بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ بھول جاؤ پچھلی باتوں کو .... باجرہ ...؟"

وہ اس کے قریب آگئی۔

"میں تم سے سچ کہتی ہوں باجرہ۔ شادی سے پہلے میں تمہاری طرح ہی سوچا کرتی تھی کہ ایک لٹی ہوئی عورت کس طرح ایک دوسرے مرد کو خوشیاں دے سکتی ہے۔ اپنی ایک نئی دنیا بسا سکتی ہے۔ تمہاری طرح مجھے بھی یہ دنیا ویران اور زندگی ایک بوجھ محسوس ہوتی تھی۔ لیکن شادی کے بعد میری زندگی میں ایک نیا انقلاب آگیا۔ میں نے سلیم سے وہ سب کچھ پایا جو کبھی ریاض سے حاصل کرنے کی آرزومند تھی۔ اب میں اپنی زندگی سے مطمئن ہوں۔ میں کبھی تمہاری طرح اپنی قسمت پر آنسو بہایا کرتی تھی لیکن اب مجھے وہ واقعہ یاد آتا بھی ہے حیدر اور ایاز کی طرح جن کے ساتھ ہم بچپن میں میاں بیوی کا کھیل کھیلا کرتے تھے۔ لیکن اب وہ سب کچھ ایک قصہ پارینہ بن چکا ہے ..."

"لیکن باجی میں ... میں آپ سے کچھ

مخلف ہوں۔ میں اپنی بربادی کو کسی طرح بھی بھلا نہیں سکتی اور اب میرے دل میں زندگی سے نباہ کی چاہ ہے اور نہ میرے دل میں کسی کی آرزو ہے اور نہ اب مجھے کسی مرد پر بھروسہ ہے ...."
"لیکن ...."

"باجی! ہر آدمی سلیم نہیں ہوتا!"

"میں بھی تو یہی کہہ رہی ہوں ہاجرہ۔ ہر آدمی۔ ریاض نہیں ہوتا۔ سچ تو یہ ہے کہ تم نے عرفان کو پہچانا ہی نہیں۔ اپنی آنکھیں کھولو۔ سچائی اور محبت کو پہچاننے کی کوشش کرو"۔ شاکرہ اس کے کمرہ سے چلی گئی۔ دوسرے دن صبح جب وہ غسل کر کے آنگن میں بچھی پہلی پہلی دھوپ میں اپنے بالوں کو تولیہ سے جھٹکنے لگی تو دیوار پر بیٹھے کبوتر آنگن میں اتر آئے۔ ہاجرہ بالوں کو کھلا ہی چھوڑ کر ان کی طرف متوجہ ہو گئی۔ نیم تلے رکھے ڈبے سے دانہ نکال کر اس نے فضا میں بکھیر دیا اور سارے کبوتر دانے پر ٹوٹ پڑے اور وہ بڑے ہی انہماک سے انہیں دیکھنے لگی۔ لیکن دوسرے ہی لمحہ اسے یہ احساس ہوا کہ غمزدہ کبوتری اس بھیڑ میں نہیں ہے تو خود بخود اس کی نظریں دیوار کی طرف اٹھ گئیں لیکن وہاں کچھ بھی نہ تھا۔

اس نے ادھر ادھر دیکھا وہ کہیں بھی نظر نہ آئی۔ اچانک پروں کی پھڑپھڑاہٹ سن کر اس نے آسمان کی طرف دیکھا۔ وہ ایک نئے کبوتر کے ساتھ آنگن میں اتر رہی تھی۔

ہاجرہ کے جسم میں سنسنی دوڑ گئی۔ چند لمحوں کے لئے وہ سوچ کی دنیا میں گم ہو گئی۔ ڈرائنگ روم میں کال بل بج رہی تھی۔ امی جان نے باورچی خانے سے آواز دی "شاکرہ دیکھو تو کون آیا ہے ....؟"

"عرفان آئے ہیں امی ....!"

شاکرہ کی آواز سنائی دی اور ہاجرہ کے دل کی زمین پر تمنا کا کونپل پھوٹ پڑا۔

●●●●

غزل

مومن خاں شوق

منزلوں کا ذکر کیا ، جب راستہ ملتا نہیں
شہر تو اپنا ہے لیکن کوئی بھی اپنا نہیں

یہ دکن کی سرزمیں کا، سب سے روشن وصف ہے
جو بھی آتا ہے یہاں وہ لوٹ کر جاتا نہیں

مسئلہ کوئی بھی ہو ، سنجیدگی سے کام لو
شدت جذبات میں ، بہنا کبھی اچھا نہیں

اپنی منزل آپ طے کرنی ہے سب کو دوستو
راہ رو چلتے ہیں ، لیکن راستہ چلتا نہیں

میرے جانے کا گلہ کیوں آپ کرتے ہیں جناب
میں تو رکنا چاہتا تھا ، آپ نے روکا نہیں

ان سے بچھڑے ایک مدت ہو گئی لیکن اے دوست
لاکھ چاہا میں نے دل سے ، نقش وہ مٹتا نہیں

آئینہ کی بات پر ، کیوں شوق حیرانی ہوئی
مان لو تم بات میری آئینہ جھوٹا نہیں

وقار کی جنگ

پاکستان، آسٹریلیا اور کینیا کے درمیان نیروبی میں سہ قومی ٹورنمنٹ شروع ہوا۔ ٹورنمنٹ کے آغاز سے قبل ہی کینیائی ٹیم کے اب تک کے مظاہرہ کو دیکھتے ہوئے یہ پیش قیاسی کردی گئی تھی کہ فائنل آسٹریلیا اور پاکستان کے درمیان کھیلا جائیگا۔ لیکن پاکستانی ٹیم کا مظاہرہ اس ٹورنمنٹ سے قبل کچھ قابل تعریف نہ تھا اور اس نے اس ٹورنمنٹ کے آغاز سے قبل اپنے قابل بھروسہ اور بیٹنگ کی ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت رکھنے والے یوسف یوحنا کو ڈسپلن شکنی پر ملک واپس بھیج کر خود اپنی شکست کے دروازہ کھولدیئے تھے۔ اطلاعات کے مطابق کپتان وقار یونس سے تلخ کلامی کے باعث ٹور مینجمنٹ کمیٹی نے یوسف یوحنا کو وطن واپس بھیج دیا۔ یوسف یوحنا کندھے کی تکلیف میں مبتلا تھے اس لئے وہ نیٹ پریکٹس کیلئے تیار نہیں تھے جب کہ وقار بضد تھے کہ وہ پریکٹس کریں اس پر دونوں کے درمیان سخت جملوں کا تبادلہ ہوا اور اس تلخ کلامی کے نتیجے میں یوحنا کو ٹیم سے باہر کر کے ملک بھیج دیا گیا۔ پاکستانی ٹیم کے ساتھ یہ عجیب اتفاق ہے کہ جب بھی پاکستانی کرکٹ ٹیم کی کامرانیوں کا سلسلہ شروع ہوتا ہے ٹیم میں اختلافات شروع ہوجاتے ہیں اور ان اختلافات کے باعث کھلاڑی محنت اور لگن سے کھیلتے نظر نہیں آتے۔ عالمی چمپین آسٹریلیا کو اس کی سرزمین پر شکست دیکر پاکستانی ٹیم کے جو حوصلے بلند ہوئے تھے، پاکستانی بیٹسموں کی غیر معیاری کارکردگی کے باعث وہ پست ہوگئے۔ اب وقار کو شکست مخالف ٹیم کو دینے کیلئے اپنے ہی کھلاڑیوں کے خلاف جنگ کرنی پڑ رہی ہے۔ سینیر کھلاڑیوں نے علم بغاوت بلند کردیا تھا وہ تو اچھا ہوا بارش نے وقار کی عزت بچالی ورنہ آئی سی سی چمپینس ٹرافی میں وہ پاکستانی قیادت سے محروم ہوجاتے۔

ان حالات میں وقار کی قیادت میں پاکستان نے نیروبی جمخانہ گراؤنڈ پر کینیا کو پہلے میچ میں شکست دیتے ہوئے اپنی شکستوں کے سلسلہ کو روکا۔ لیکن یہ فتح بھی اس کیلئے شکست سے کم نہیں تھی کیوں کہ کینیا جیسی کمزور ٹیم کے خلاف 134 رنز کا نشانہ حاصل کرنے کیلئے اسے نے اپنی چھ اہم وکٹیں گنوادیں۔ کینیا کے آسان نشانہ کا تعاقب کرتے ہوئے پاکستانی ٹیم ابتداء میں لڑکھڑانے لگی تھی لیکن آخرکار راشد لطیف اور انضمام الحق نے اس کی جیت کی راہ آسان کردی۔ راشد لطیف نے 28 رنز 23 گیندوں میں 3 چوکے اور 2 چھکوں کی مدد سے بنائے۔ انضمام الحق نے 31 گیندوں میں 3 چوکوں کی مدد سے 14 رنز بناکر وکٹ پر جمے رہے۔ ابتداء میں صفر پر سعید انور کے پویلین لوٹ جانے سے پاکستان کی شروعات تباہ کن انداز سے ہوئی۔ عمران نذیر اور شاہد آفریدی نے تیز رفتار رنز بنانے کی کوشش کی لیکن جلد ہی یہ دونوں پویلین لوٹ گئے اور ایک مرحلے پر پاکستان نے اپنی چھ وکٹیں 97 رنز پر کھودیں اور مراقش کے بعد ایک اور شکست اس کا انتظار کررہی تھی۔ لیکن لطیف اور انضمام نے اس سنگین حالات کو ٹال دیا۔ پاکستانی ٹیم کینیا کے خلاف شکست سے دوچار ہوجاتی اگر کینیا کامیابی کیلئے بڑا نشانہ مقرر کیا ہوتا یا اس کے بولرس اور فیلڈرس کامیابی کیلئے تھوڑی سی کوشش اور کرلیتے۔ قبل ازیں کینیا پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے اکرم اور رزاق کی گیند بازی کے آگے 30.3 اوورس میں صرف 133 رنز بناکر ڈھیر ہوگئی۔ عبدالرزاق کو ان کے شاندار مظاہرہ پر مین آف دی میچ سے نوازا گیا۔

کینیا بمقابلہ پاکستان
مین آف دی میچ : عبدالرزاق

اوور	08
رنز	35
وکٹس	04

سہ قومی کرکٹ ٹورنمنٹ کے افتتاحی میچ میں کینیا جیسی کمزور ٹیم کے ہاتھوں شکست سے بال بال بچنے والی پاکستانی ٹیم نے سہ قومی ٹورنمنٹ کے دوسرے میچ میں آسٹریلیا سے مقابلہ کیا لیکن وہ اس میچ میں خود کو ناکامی سے نہیں بچاسکی۔ عالمی چمپین آسٹریلیا نے پہلے بیٹنگ اور بعد میں بولنگ کے شعبے میں بہتر مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان کو بدترین شکست سے دوچار کیا۔ اس دن پاکستانی ٹیم شروعات ہی سے مشکلات میں گھری رہی اور اس کا ہر فیصلہ غلط ہی ثابت ہوتا رہا۔ وقار یونس نے ٹاس جیت کر آسٹریلیا کو پہلے بیٹنگ کی دعوت دی۔ اس موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے آسٹریلیا نے ہیڈن کی جارحانہ سنچری کی مدد سے 332 رنز کا ہمالیائی اسکور کھڑا کیا۔ ہیڈن نے 128 گیندوں پر 12 چوکوں اور 6 چھکوں کی مدد سے 146 رنز بنائے جو نیروبی کرکٹ جمخانہ گراؤنڈ پر کسی بھی کھلاڑی کا سب سے بڑا انفرادی اسکور ہے۔ اس سے قبل 1997ء میں کینیا کے کینڈی اویوبا نے بنگلہ دیش کے خلاف 144 رنز اسکور کئے تھے۔ ہیڈن نے پہلے پانٹنگ کے ساتھ دوسری وکٹ کی رفاقت میں 128 رنز اسکور کئے۔ آسٹریلیائی بیٹسموں نے شعیب اختر کو اپنے اوپر اثر انداز ہونے نہیں دیا الثاان کی خوب خاطر کی اور 5 اوورز میں 45 رنز بنائے۔ اسطرح آسٹریلیا نے 332 رنز کا ہمالیائی اسکور کھڑا کیا۔ جواب میں پاکستانی بیٹسموں کے درمیان پویلین واپس جانے کی دوڑ قابل دید

پاکستان بمقابلہ آسٹریلیا
مین آف دی میچ : میتھیو ہیڈن

رنز	146
گیندیں	128
فورس	12

کینیا بمقابلہ پاکستان
مین آف دی میچ : یونس خان

رنز	87
گیندیں	91
چوکے	11

تھی۔اس دوڑ کی وجہ سے یکے بعد دیگرے تمام پاکستانی کھلاڑی صرف 108رنز پر میدان چھوڑ گئے۔ گلسپی نے پاکستانی بیٹسموں کو پویلین کی راہ دکھانے میں اہم کردار ادا کیا۔ گلسپی نے پاکستانی بیٹنگ لائن کو 22رنز کے عوض 5وکٹ لیکر تہس نہس کردیا اور پاکستان کو 224رنز سے بدترین شکست اٹھانی پڑی۔ آسٹریلیا کے خلاف اس سے قبل پاکستان کا کم ترین اسکور 132 رنز تھا جو اس نے 1999ء میں ورلڈ کپ فائنل میں بنایا تھا۔یہ پاکستان کی سب سے بدترین شکست اس لحاظ سے بھی ہے کہ اس سے قبل انگلینڈ نے ٹرینٹ برج میں 1992ء میں اسے 198رنز سے شکست دی تھی۔

پاکستان نے آسٹریلیا کے خلاف بدترین شکست سے دوچار ہونے کے بعد اپنے آپ کو سنبھالتے ہوئے کمزور ٹیم کینیا کے خلاف اہم میچ میں ابتداء میں لڑکھڑاتے ہوئے یونس خان اور مصباح الحق کے شاندار مظاہرے کے سبب کامیابی حاصل کرلی۔پاکستان نے کامیابی کیلئے درکار رنز 40 اوورس کے اندر ہی بناکر بونس پوائنٹ بھی حاصل کیا۔یونس خان نے اس میچ میں اپنی زندگی کا اعظم ترین اسکور 87 رنز بنایا جبکہ مصباح الحق نے اپنے دوسرے ہی میچ میں 50ناٹ آؤٹ رنز بنائے۔ ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے کینیا179رنز پر سمٹ گئی۔ جواب میں پاکستان نے 180 رنز کا نشانہ 38.4اوورس میں 3وکٹوں کے نقصان سے پورا کرلیا۔پاکستانی اوپنرس ایک مرتبہ پھر ناکام رہے اور ابتدائی 2وکٹیں محض 13رنز پر گرگئیں۔ابھی پاکستان اس صدمہ سے سنبھل ہی رہا تھا کہ شاہد آفریدی بھی پویلین لوٹ گئے لیکن اس کے بعد یونس خان اور مصباح الحق نے چوتھی وکٹ کی ناقابل شکست رفاقت میں 127رنز بناکر پاکستان کو فتح سے ہمکنار کیا۔

سہ قومی سیریز کے چوتھے میچ میں کینیا نے پاکستان کو بدترین انداز سے شکست سے دوچار کرنے والی آسٹریلیا کا سہمے ہوئے انداز میں سامنا کیا۔پانٹنگ نے ٹاس جیت کر کینیا کو پہلے بیٹنگ کی دعوت دی۔ کینیا کے ناتجربہ کار بیٹسمین میک گرا اور گلسپی کا آسانی سے شکار بن گئے۔ دونوں بولروں نے کینیائی بلے بازی کے پرخچے اڑادیئے اور کینیائی ٹیم صرف 84رنز پر ڈھیر ہوگئی۔جواب میں کامیابی کیلئے درکار 85رنز کا نشانہ عالمی چمپین آسٹریلیا نے صرف 17اوورس میں 2وکٹ کھو کر بہ آسانی حاصل کرکے چوتھے میچ میں کینیا کو روند دیا۔ میتھیو ہیڈن نے ایک بار پھر شاندار مظاہرہ کیا اور ناٹ آؤٹ 39رنز بنائے۔

عالمی چمپین آسٹریلیا کے خلاف پاکستانی ٹیم ایک بار پھر چاروں شانے چت ہوگئی۔ پھر ایک بار پاکستانی بیٹسمین آسٹریلیائی بولروں کے قہر کا شکار بنے اور پوری ٹیم 32.3اوورز میں صرف 117رنز بناکر آؤٹ ہوگئی۔زیادہ تر پاکستانی بیٹسمین غیر ذمہ داری سے باہر جاتی ہوئی گیندوں پر وکٹیں گنواتے رہے۔ صرف مصباح الحق نے وقار کے ساتھ وفاداری کا اظہار اس طرح سے کیا کہ 49 گیندوں پر سب سے زیادہ 39رنز اسکور کیئے۔اس اننگز کے دوران مصباح نے چار چوکے اور شین وارن کو دو ہمالیائی چھکے لگائے۔ وقار یونس نے پاکستانی منجھے ہوئے بیٹسمینوں سے بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے 23رنز 2چوکوں اور ایک چھکے کی مدد سے بنائے جبکہ شاہد آفریدی، یونس خان اور عبدالرزاق کوئی رن نہ بناسکے۔پہلے پاکستانی بیٹسمین آسانی سے گلسپی کا شکار بنے تھے،اس میچ میں بریٹ لی نے تباہ کن بولنگ کرتے ہوئے 8اوورز میں 32 رنز دیکر 4وکٹ حاصل کئے۔ آسٹریلیا نے کامیابی کیلئے درکار 118رنز کا معمولی نشانہ 19اوورز میں عبور کرکے میچ بہ آسانی 9 وکٹ سے جیت لیا۔ آسٹریلیا نے آسان نشانے کا تعاقب بڑے جارحانہ انداز سے کرتے ہوئے صرف آڈم گلکرسٹ (15) کی وکٹ گنوا کر اور کپتان پونٹنگ (21) کے ریٹائر ہرٹ ہونے کے بعد درکار رنز میتھو ہیڈن (59) اور ڈیمن مارٹن کے 20ناٹ آؤٹ رنز کی مدد سے بنالئے۔بریٹ لی کو ان کے شاندار مظاہرہ پر مین آف دی میچ سے نوازا گیا۔

کینیا بمقابلہ آسٹریلیا : مین آف دی میچ : موروس اوڈمبے

رنز	55
گیندیں	54
چوکے	07

کینیا بمقابلہ آسٹریلیا : مین آف دی میچ : عبدالرزاق

اوور	08
رنز	08
وکٹس	03

آسٹریلیا بمقابلہ پاکستان : مین آف دی میچ : بریٹ لی

اوور	08
رنز	32
وکٹس	04

سہ قومی ٹورنمنٹ کا آخری لیگ میچ دلچسپی سے بھرپور رہا۔جب کمزور سمجھی جانے والی کینیا نے عالمی چمپین کو ناکوں چنے چبوانے پر مجبور کردیا۔ایک مرحلے پر تو کینیا کامیابی کے اتنے قریب پہنچ چکی تھی کہ لگتا تھا کہ عالمی چمپین کی لیگ میچس میں حاصل کی گئی تمام کامیابیاں اس کامیابی کے سامنے پھیکی پڑجائیگی لیکن ناتجربہ کاری آڑے آگئی اور کینیا کامیابی حاصل کرتے ہوئے اپنے اعزاز میں اضافہ نہیں کرپائی لیکن آخری لیگ میچ میں جسطرح کینیا نے اپنی موجودگی کا احساس دلایا اسے دیکھتے ہوئے مستقبل میں اس سے بہتر مظاہرے کی امیدیں کی جاسکتی ہیں اور اگر اسے بہتر کوچ اور سہولیات میسر ہوجائے تو وہ بہت جلد کرکٹ کی بلندیوں کو چھوسکتے ہیں۔ بہرحال آخری لیگ میچ اپنے اندر سنسنی خیز اتار چڑھاؤ لیے ہوئے کینیا کی پہلی بیٹنگ سے شروع ہوا۔کینیا نے موروس اوڈمبے کے قابل قدر 55اور ٹیکل کے ذمہ دارانہ 42رنز کی مدد سے 50اوورز میں 9وکٹ پر 204رنز بنائے۔ جواب میں آسٹریلیائی ٹیم جس نے لیگ میچ میں بہتر مظاہرہ کیا تھا اس آخری میچ میں لڑکھڑانے لگی جب جمی ماہر اور مائیکل بیون آؤٹ ہوکر پویلین لوٹ گئے۔ لیکن اس صورتحال کو شین واٹسن نے سنبھالا اور آخر تک جدوجہد سے بھرپور اننگز کھیلتے ہوئے آسٹریلیا کو کامیابی دلادی۔ آخری لمحات میں کھیل سنسنی خیز موڑ اختیار کرگیا تھا اور آسٹریلیا کو کامیابی حاصل کرنے کیلئے کم گیندوں میں زیادہ رنز بنانے تھے لیکن واٹسن نے 49ویں اوور میں 18 رنز بناکر بظاہر مشکل نظر آنے والے ہدف کو آسان بنادیا اور اسطرح آسٹریلیا یہ سنسنی خیز میچ جیتنے میں کامیاب رہی۔ موروس اوڈمبے کو عالمی چمپین کے خلاف

مین آف دی سیریز میتھیو ہیڈن

عبدالرزاق کا بہتر مظاہرہ۔

شاندار مظاہرہ کرنے پر "مین آف دی میچ" ایوارڈ دیا گیا۔ اور اسطرح لیگ میچس کا اختتام عمل میں آیا اور آسٹریلیا اور پاکستان کے درمیان فائنل مقرر ہوا۔ ہر کوئی لیگ میچس کی کارکردگی دیکھتے ہوئے یہ قیاس کر رہا تھا کہ آسٹریلیا بہ آسانی فائنل میں کامیابی حاصل کرلے گی لیکن جس طرح کہا جاتا ہے کہ کرکٹ غیر یقینی کیفیت کا دوسرا نام ہے اسی طرح موسم کا بھی کرکٹ میں اہم رول ہے۔ کوئی نہیں جانتا کہ موسم کب کس پر مہربان ہوجائے۔ موسم نے اپنا کردار فائنل میں دکھایا اور پاکستان پر وہ کچھ زیادہ ہی مہربان نظر آیا جب آسٹریلیا بظاہر کامیابی کی طرف بڑھ رہی تھی تبھی بارش اس کی راہ میں رکاوٹ بن گئی اور فائنل بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگیا۔ فائنل میں پاکستان پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے 50 ویں اوور میں 227 رنز بنا کر سمٹ گئی۔ آخری لمحات میں پاکستانی بیٹسمنوں نے تیز رفتار رنز بنائے خاص طور پر عبدالرزاق نے چند دلکش اسٹروک کھیلے جس کی مدد سے پاکستان آسٹریلیا کے خلاف مزاحمتی اسکور کھڑا کرنے میں کامیاب رہا۔ جواب میں آسٹریلیا کی شروعات خراب رہی۔ پہلے ہی اوور میں وسیم اکرم نے گلکرسٹ کو بولڈ کردیا لیکن پھر ایک بار میتھیو ہیڈن چٹان کی طرح ڈٹ گئے اور ان کا ساتھ رکی پونٹنگ نے شاندار طریقہ سے دیا اور جب ایسا لگ رہا تھا کہ آسٹریلیا درکار رنز بڑی آسانی سے بنالیگا تبھی آسمان پر کالے بادل گھر کر آگئے اور بارش شروع ہوگئی۔ 40 منٹ تک بارش برسنے کے بعد جب رکی تو آسٹریلیا کو کامیابی کیلئے 42 اوورز میں 210 رنز درکار تھے۔ اس نشانہ کا بھی تعاقب شاندار انداز سے رکی پونٹنگ اور میتھیو ہیڈن نے شروع کیا۔ اور جب آسٹریلیائی بیٹسمین پاکستانی گیندبازوں پر چھاجانے میں کامیاب ہورہے تھے تبھی بادل گھر کر سارے گراؤنڈ پر چھاگئے اور بارش اس قدر شدید برسی کہ مزید کھیل ممکن نہ ہوسکا۔ امپائر نے مجبوراً جب کھیل ختم کرنے کا اعلان کیا اس وقت آسٹریلیا کا اسکور 9.3 اوورز میں ایک وکٹ پر 67 رنز تھا۔ میتھیو ہیڈن 20 اور رکی پونٹنگ 29 رنز بناکر کریز پر موجود تھے۔ رکی پونٹنگ نے میچ کے اختتام پر کہا کہ بارش کامیابی میں حائل ہوگئی جبکہ پاکستانی کپتان وقار یونس نے کہا کہ فائنل میں پاکستانی ٹیم کی کارکردگی بہتر تھی۔ بدقسمتی سے فائنل مکمل نہ ہوسکا۔ بارش نے بہرحال دونوں کپتانوں کو سکون کی سانس لینے کا موقع نصیب کیا اور ایک بار پھر وقار کو اپنے اور ملک کیلئے کھیل کے میدان میں جنگ کرنے کا آئی سی سی چیمپئنز ٹرافی میں موقع ملا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وقار اس جنگ میں کس حد تک کامیاب ہوپاتے ہیں۔

24ویں چمپینس ٹرافی ہاکی مقابلے: ایک جائزہ

ہندوستان نے جرمنی کے کولون میں 24ویں چمپینس ٹرانی ہاکی میں اگرچہ اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور اس کے فارورڈ دھنراج پلے کو ٹورنمنٹ کا بہترین کھلاڑی بھی قرار دیا گیا لیکن آخری لمحات میں لڑکھڑا جانے اور میچ پر گرفت کھودینے کی پرانی کمزوری کی وجہ سے اسے چوتھے مقام پر رہنا پڑا۔

ہندوستان نے ٹورنمنٹ کے پہلے میچ میں عالمی چمپین جرمنی کو آخری منٹ میں برابری کا گول کرنے دیا اور اسے پوائنٹ بانٹنے پڑے۔ دوسرے میچ میں اولمپک

ہالینڈ کی ٹیم چمپنس ٹرافی میں فتح حاصل کرنے کے بعد۔

چمپین ہالینڈ نے آخری لمحات میں فتح کا گول کرکے ہندوستان کو برابری سے محروم کردیا۔ تیسرے میچ میں ہندوستان نے دولت مشترکہ چمپین آسٹریلیا کو ہرلیا اور چوتھے میچ میں روایتی حریف پاکستان کو پیٹ دیا لیکن آخری میچ میں ہندوستان نے جنوبی کوریا کے خلاف کمزور کھیل کا مظاہرہ کرکے ہار مول لی۔

ہندوستان کا تیسرے مقام کیلئے پھر پاکستان کے ساتھ مقابلہ ہوا اور ایک وقت وہ 3-1 کی سبقت حاصل کرکے مضبوط حالت میں تھا لیکن چار منٹ میں تین گول کھا کر وہ 3-4 سے ہار گیا اور اسے چوتھے مقام پر رہنا پڑا۔

یہ ٹورنمنٹ ہالینڈ نے دفاعی چمپین جرمنی کو پنالٹی شوٹ آؤٹ میں 2-3 سے ہرا کر جیتا۔ ہالینڈ نے اس طرح چھٹی بار یہ وقاری خطاب جیتا۔ اس خطاب کو جیتنے کے معاملہ میں جرمنی (8 مرتبہ) اور آسٹریلیا (7 مرتبہ) اس سے آگے ہیں۔

ہندوستان کیلئے تسلی کی بات یہ رہی کہ اس کے اسٹار فارورڈ کھلاڑی دھنراج پلے کو ٹورنمنٹ کا بہترین کھلاڑی قرار دیا گیا۔ ٹیم میں کئی نوعمر کھلاڑیوں کی موجودگی میں 34 سالہ دھنراج نے میچوں میں مخالف ٹیموں کے علاقہ میں گھسنے اور خطرناک موو بنانے میں جو پھرتی دکھائی اس سے یہ ثابت ہوگیا کہ بڑھتی عمر دھنراج کیلئے کوئی مسئلہ نہیں ہے اور وہ ٹیم کے حملہ کی ریڑھ کی ہڈی ہے۔

ہندوستان نے اپنا بہترین کھیل اپنے روایتی حریف پاکستان کے خلاف پول میچ میں پیش کیا۔ پاکستان کے کوچ طاہر زماں نے میچ سے پہلے کہا تھا کہ ہندوستان کے خلاف میچ جیتنا چمپینس ٹرافی جیتنے کے برابر ہے۔

ہندوستانی کھلاڑیوں نے اس میچ میں شاندار کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان پر 3-2 کی فتح درج کی۔ یہ ایسی جیت تھی جس کا ہاکی کے شائقین کو مدت سے انتظار تھا۔ ہندوستان کی اس جیت میں دھنراج کا کردار نہایت اہم تھا۔ اسی کے ساتھ گول کیپر دیویش چوہان نے بھی ایک کے بعد ایک پاکستانی حملوں کو ناکام بنایا۔ ٹیم کے نوعمر کھلاڑیوں نے پاکستان کے خلاف کھیلنے میں کسی دباؤ کا مظاہرہ نہیں کیا۔

ہندوستانی ٹیم کے مینجر اسلم شیر خان نے کہا کہ ہندوستان پاکستان کا میچ اتنا اچھا تھا

جتنا کوئی بہترین ہندوستانی ٹیم پہلے کبھی کھیلی تھی۔ انڈین ہاکی فیڈریشن کے صدر کے پی ایس گل پاکستان کے خلاف ہندوستان کی فتح سے اتنے جوش میں آگئے کہ انہوں نے اعلان کردیا کہ اگر ٹیم ٹورنمنٹ میں پہلے نمبر پر رہی تو ہر کھلاڑی کو دو لاکھ روپئے دیئے جائیں گے۔ انہوں نے یہ بھی دعویٰ کردیا کہ "ہم ممکنہ عالمی چمپین ہیں"۔

اس کے فوراً بعد ہندوستان نے ٹورنمنٹ کا اپنا سب سے خراب کھیل کھیلا اور جنوبی کوریا سے ہار گیا۔ خیال رہے کہ اس ٹورنمنٹ میں جنوبی کوریا آخری نمبر پر رہی ہے۔ سڈنی اولمپک میں بھی ہندوستان آخری منٹ میں پولینڈ کا ایک گول کھاکر سیمی فائنل میں پہنچنے سے محروم ہوگیا تھا۔

ہندوستان کو اپنی اس لڑکھڑاہٹ پر قابو پانے کی کوشش کرنی ہوگی۔ مجموعی طور پر ہندوستان کی کارکردگی اس ٹورنمنٹ میں اس لحاظ سے تسلی بخش رہی کہ اس نے دنیا کی بہترین ٹیموں کو زبردست ٹکر دی اور یہ کہنا غلط نہ ہوگا کہ وہ تھوڑی سی محنت اور توجہ سے عالمی چمپین بننے کی پوری صلاحیت رکھتی رہے۔ 2003ء کی چمپین ٹرافی ہالینڈ میں کھیلی جائیگی۔

جرمنی کے شہر کولون میں ہونے والا 24واں ہاکی چمپینس ٹورنمنٹ ہالینڈ نے چھٹی مرتبہ جیتا جبکہ عالمی اور یوروپی چمپین ہونے کے علاوہ قبل ازیں 8 مرتبہ چمپینس ٹرافی جیتنے والے جرمنی کی ٹیم دوسرے نمبر پر رہی اور چاندی کا تمغہ حاصل کیا۔

پاکستان نے کانسے کا تمغہ ہندوستان کو شکست دیکر حاصل کیا۔ اس میچ کے بعد دونوں ٹیمیں 102 مرتبہ کھیل چکی ہیں۔ چمپینز ٹرافی کا آغاز 1978ء میں پاکستان کے شہر لاہور میں ہوا تھا اور اب تک کے 24 ٹورنمنٹوں کے بعد جرمنی نے 8 مرتبہ سونے، 4 مرتبہ چاندی اور 6 مرتبہ کانسے کا تمغہ حاصل کیا۔

آسٹریلیا نے 7 مرتبہ سونے، 8 مرتبہ چاندی اور 4 مرتبہ کانسے کا تمغہ جیتا۔ ہالینڈ نے 6 مرتبہ سونے، 3 مرتبہ چاندی اور 5 مرتبہ کانسے کا تمغہ جبکہ پاکستان نے 3 مرتبہ سونے، 4 مرتبہ چاندی اور 4 مرتبہ کانسے کا تمغہ جیتا۔ برطانیہ نے ایک چاندی، 2 کانسے، کوریا نے ایک چاندی ایک کانسے اور اسپین اور ہندوستان نے صرف ایک مرتبہ کانسے کا تمغہ حاصل کیا ہے۔ ہندوستان کے دھنراج پلے تین سو ایکس میچ کھیل کر دو سو سے زیادہ گول کرچکے ہیں۔

ہالینڈ کے تاکنے تاکیا 24 ویں چمپینز ٹرافی میں سب سے زیادہ گول کرنے والے کھلاڑی قرار پائے۔ انہوں نے انفرادی 8 گول کئے۔ ہندوستان کے جگ راج سنگھ نے انفرادی 5 گول جبکہ پاکستان کے مدثر علی خان اور ہالینڈ کے رونالڈبر اور میتھیوبر اور اور لومانز نے 4 انفرادی گول کئے۔

ہندوستان کے دھنراج پلے کو ٹورنمنٹ کا بہترین کھلاڑی اور جرمنی کے آرنلڈ کو بہترین گول کیپر قرار دیا گیا ہے۔ 24 ویں ہاکی چمپینز ٹرافی میں سب سے زیادہ گول ہالینڈ نے (24) کئے اور ان کے خلاف 12 گول ہوئے۔ سب سے زیادہ گول 18 ہندوستان کے خلاف ہوئے۔ سب سے کم گول 10 آسٹریلیا نے کئے جبکہ پاکستان نے 15 گول کئے اور 13 گول اس کے خلاف ہوئے۔

دھنراج پلے : ٹورنمنٹ میں بہتر مظاہرہ ۔

کانسے کے تمغے کیلئے ہندوستان اور پاکستان کے میچ میں جب دونوں طرف کے کھلاڑیوں کے درمیان تلخ کلامی اور لڑائی کی صورتحال پیدا ہوئی تو ریفری نے انفرادی کے بجائے مجموعی طور پر دونوں ٹیموں کو وارننگ دیتے ہوئے سبز کارڈ دکھایا۔

5ویں اور چھٹی پوزیشن کیلئے میچ میں آسٹریلیا نے جنوبی کوریا کو صفر کے مقابلے میں 3 گول سے ہرادیا۔ پورے ٹورنمنٹ میں آسٹریلیا کی یہ پہلی کامیابی تھی جس کا سب سے بڑا فائدہ آسٹریلیا کو یہ ہوا کہ وہ اب 2003ء میں ہونے والی 25 ویں ہاکی چمپینز ٹرافی میں شرکت کا اہل قرار پایا ہے اور جنوبی کوریا اب ان مقابلوں میں شرکت نہیں کرسکے گا اور اس کی جگہ ارجنٹائن مقابلے میں حصہ لے گا۔ 25واں سلور ہاکی چمپینز ٹرافی ٹورنمنٹ اگلے برس 16 سے 24 اگست تک ہالینڈ کے شہر ایمسٹیلوین میں ہوگا اور خواتین کا ہاکی چمپینز ٹرافی ٹورنمنٹ اگلے برس 29 نومبر سے 7 ڈسمبر تک سڈنی میں ہوگا۔ 26 ویں ہاکی چمپینز ٹرافی ٹورنمنٹ 2004ء میں پاکستان میں ہوگا۔ اس سے پہلے پاکستان 10 مرتبہ ہاکی چمپینز ٹرافی ٹورنمنٹ کی میزبانی کرچکا ہے۔

پروفیسر ڈاکٹر شمشاد رسول اعوان

تپ دق۔ لاعلاج مرض نہیں رہا!

تپ دق ایک متعدی مرض ہے یعنی ایسا مرض جو ایک انسان سے دوسرے انسان کو لگ سکتا ہے اس مرض کی وجہ ٹی بی کا جرثومہ ہے۔ جسے Tubaculasis Mycobacterium کہتے ہیں۔ ٹی بی جسم کے کسی بھی حصے کو متاثر کر سکتی ہے۔ پھیپھڑوں کی ٹی بی سب سے عام ہے تاہم غدود، ہڈی و جوڑ، دماغ، گردے، انتڑیاں، آنکھیں اور جلد کی تپ دق عموماً دیکھی جاتی ہے۔ مگر یہ یاد رہے کہ جسم کا کوئی بھی حصہ اس سے محفوظ نہیں۔

ٹی بی کا مرض ٹی بی کے جرثومے کی وجہ سے ہوتا ہے۔

پھیپھڑوں کی ٹی بی نہ صرف سب سے عام ہے بلکہ سب سے اہم بھی ہے۔ پھیپھڑوں کی تپ دق میں مبتلا لوگ اس مرض کے پھیلاؤ کا باعث بنتے ہیں۔ ایسے مریض جب کھانستے چھینکتے ہنستے یا بات کرتے ہیں تو ان کے سانس کے ساتھ تپ دق کے جراثیم فضا میں پھیل جاتے ہیں اور اس طرح سانس کے ذریعے دوسرے لوگوں کو منتقل ہوجاتے ہیں۔ لیکن یہ بات ذہن میں رہے کہ یہ مرض اتفاقیہ ملاقات سے نہیں پھیلتا بلکہ ان لوگوں میں ہوتا ہے جو مریض کے ساتھ مستقل ایک ہی گھر یا کمرے میں رہتے ہیں۔ مزید یہ کہ جس کے جسم میں یہ جراثیم داخل ہوں لازماً اس مرض کا نہیں ہوتا۔ ایک اندازے کے مطابق تپ دق کا مریض سال میں اوسطاً دس سے پندرہ افراد کو متاثر کرتا ہے۔ اگر ایک ہی جگہ پر زیادہ لوگ رہتے ہوں تو یہ تعداد زیادہ بھی ہو سکتی ہے۔

ٹی بی موروثی مرض نہیں ہے جیسا کہ پہلے بتایا گیا ہے کہ یہ مرض سانس کے ذریعے پھیلتا ہے اس لئے خاندان گھر کے افراد کے متاثر ہونے کا زیادہ امکان ہوتا ہے۔ یہ بھی یاد رہے کہ مریض کے استعمال کی اشیاء ٹی بی کے پھیلنے کا سبب نہیں بنتی اس لئے مرض کے برتن، کپڑے، یا چادریں وغیرہ علیحدہ کرنا بے سود ہے۔ ہاں البتہ ایسے مریضوں کو جن کے بلغم میں ٹی بی کے جراثیم موجود ہوں ان کو اس وقت تک علیحدہ کشادہ، روشن اور ہوادار کمروں میں رکھنا جب تک موثر علاج سے ان جراثیم کا خاتمہ نہ ہوجائے، انتہائی ضروری ہے ایسا عموماً علاج کے پہلے چند ہفتوں یا مہینوں میں ممکن ہے اس کے بعد باقی علاج مریض اپنے گھر میں کرسکتا ہے اور وہ ٹی بی کے پھیلاؤ کا باعث نہیں بنتا۔

پھیپھڑوں کے علاوہ باقی اعضاء کی ٹی بی میں مبتلا لوگ دوسرے لوگوں کو اس مرض میں مبتلا کرنے کا باعث نہیں بنتے اس لئے ایسے مریضوں کو علیحدہ کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی۔

تپ دق کا مرض دیمک کی طرح ہے جو مریض کو اندر ہی اندر کھوکھلا کردیتا ہے بعض اوقات تو مریض کو احساس ہی نہیں ہوتا کہ وہ بیمار ہے دوسرے لوگوں کی توجہ دلانے یا اتفاقیہ ٹسٹ کروانے سے مرض کا پتہ چلتا ہے اس کی علامات دو طرح کی ہیں ایک عمومی جو تپ دق کے ہر مریض میں ظاہر ہوتی ہے اور دوسری خصوصی جن کا انحصار اس موذی مرض سے متاثر ہونے والے اعضا پر ہے۔

عمومی علامات

جسم میں تھکان، بھوک کم لگنا، وزن میں کمی، شام کے وقت ہلکا بخار اور رات کے وقت پسینہ۔

پھیپھڑوں کی تپ دق (ٹی بی)

کھانسی، بلغم، تھوک میں خون آنا، سینہ میں درد سانس کی تکلیف

غدود کی تپ دق (ٹی بی) غدود کا بڑا ہونا۔ خاص طور پر گردن اور بغل میں اگر بر وقت علاج نہ کروایا جائے تو یہ غدود پھٹ بھی جاتے ہیں اور ان سے پیپ کا اخراج شروع ہوجاتا ہے۔

دماغ کی جھلی کی ٹی بی

یہ تپ دق کی انتہائی خطرناک اور مہلک شکل ہے۔ بچوں میں زیادہ عام ہے۔ سر درد، متلی، بے چینی، نیم بے ہوشی یا مکمل بے ہوشی جسم کو جھٹکے لگنا تیز بخار اور ہذیانی کیفیت۔

انتڑیوں کی ٹی بی

پیٹ میں درد، باری باری قبض اور دست کی کیفیت، پیٹ میں گولا بننا، انتڑیوں میں رکاوٹ، متلی، پیٹ کا پھول جانا اور پیٹ میں پانی بھر جانا۔

گردوں کی ٹی بی

پیشاب میں پیپ آنا، بغیر درد کے خون آنا، بعض اوقات گردوں کا درد اور انتہائی شکل میں گردوں کا فیل ہونا شامل ہے۔

ہڈی اور جوڑوں کی تپ دق

ہڈیوں میں عام طور پر کمر کے مہرے (ریڑھ کی ہڈی) تپ دق سے متاثر ہوتی ہے مگر باقی ہڈیاں خاص طور پر بازوؤں اور ٹانگوں کی ہڈیاں بھی متاثر ہوسکتی ہیں۔

علامات۔۔۔۔۔درد سوجن، ہڈیوں کا ٹیڑھا ہونا، کمر کی ہڈی میں کبڑا پن، اور نچلے دھڑ کا فالج (جس کے لئے فوری آپریشن ضروری ہوتا ہے) چھوٹے چھوٹے سوراخ اور ان میں سے پیپ کا مسلسل بہاؤ۔

اعضائے رئیسہ کی تپ دق (ٹی بی)

مرد و زن دونوں متاثر ہوسکتے ہیں مردوں میں TICLES کی سوزش، چھوٹے چھوٹے سوراخ اور پیپ کا مسلسل بہاؤ مردانہ بانجھ پن۔ مرد و خواتین دونوں میں بانجھ پن کا باعث ہوسکتی ہے۔ کسی بھی مرض کی تشخیص

میں سب سے اہم مریض کی کیفیت اور مرض کی علامات سب سے اہم ہوتی ہیں جو ہماری رہنمائی کرتی ہیں کہ مرض نے کس عضو کو متاثر کیا ہے۔ اور کون سے ٹسٹ تشخیص تک پہنچنے ہیں۔ رہنمائی کرسکتے ہیں پہلے بیان کردہ علامات اس سلسلے میں مددگار ہوسکتی ہیں۔ خاص طور پر کوئی ایسا بخار، کھانسی، یا بلغم جو تین ہفتے یا اس سے زیادہ دیر میں ٹھیک نہ ہو۔ بھوک کا نہ لگنا اور وزن میں کمی۔ ٹیسٹوں کا انحصار مرض کی نوعیت پر ہوتا ہے جیسے سینے کا ایکسرے، خون بلغم اور پیشاب کے ٹسٹ، ہڈیوں کے ایکسرے وغیرہ اور یہ معاملہ کوالیفائیڈ ڈاکٹر پر چھوڑ دینا چاہئے۔ مگر کچھ ٹسٹوں کے بارے میں یہاں ذکر کرنا خاص طور پر ضروری ہے کہ ان کا استعمال ہمارے معاشرے میں کافی غلط اور غیر ضروری طور پر ہورہا ہے جیسے Mantoux test, Myco dot test, ESR اور PCR اس سلسلے میں ESR کو بہت لوگ ٹی بی ٹسٹ کے طور پر یاد رکھتے ہیں۔ یہاں میں یہ واضح کرنا چاہوں گا کہ ESR بے شمار بیماریوں اور بعض اوقات نامعلوم وجوہات کی بناء پر زیادہ ہوسکتا ہے۔ یہ تپ دق کی تشخیص میں بالکل بھی کوئی مدد نہیں کرتا اور نہ ہی مرض کے علاج کے دوران ٹی بی کے ٹھیک ہونے یا نہ ہونے کے بارے میں نشاندہی کرتا ہے۔ Mycodot ایک مہنگا ٹسٹ ہے اور اس کی افادیت نہ ہونے کے برابر ہے۔ مانٹو ٹسٹ ہر اس فرد میں ہوتا ہے جس کو بی سی جی کا ٹیکہ لگا ہوا ہو۔ ٹی بی کے جراثیم اس کے جسم میں داخل ہوئے ہوں یا اسے ٹی بی کا مرض ہو۔ ہمارے ملک میں جہاں بی سی جی کا ٹیکہ ہر بچے کو پیدائش کے فوری بعد لگایا جاتا ہے۔ اس ٹسٹ کی افادیت بہت کم ہوگئی ہے۔ تاہم بعض مخصوص حالات میں یہ فائدہ مند ہوسکتا ہے۔

پی سی آر ایک جدید اور بہت مہنگا ٹسٹ ہے اور اس کا عمومی تشخیص میں خاص کردار نہیں۔ مخصوص حالات میں یہ فیصلہ کن کردار ادا کرسکتا ہے مگر اس کے کروانے کا فیصلہ ماہرین پر چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ اس کی فیس تقریباً تپ دق کے پورے علاج کے برابر ہے۔

تپ دق کا مرض مکمل طور پر (سو فیصد) قابل علاج ہے بشرطیکہ مریض کی تشخیص صحیح ہو۔ مریض کو اس کے وزن کے حساب سے صحیح تعداد اور مقدار میں دوائیاں تجویز کی جائیں۔ مریض ادویات باقاعدگی سے استعمال کرے۔ تمام ادویات ایک ساتھ یعنی اکٹھی صبح کے وقت لے اور ادویات مسلسل کھائے اور ڈاکٹر کے مشورے کے بغیر بند نہ کرے۔

تپ دق کے مریضوں کے صحت یاب نہ ہونے کی سب سے عام وجہ دوائیوں کے بے قاعدہ استعمال ہے۔ اس بات کو یقینی بنانے کے لئے آج کل ڈبلیو ایچ او کے ماہرین اس بات پر زور دے رہے ہیں کہ تپ دق کی تمام دوائیاں ڈاکٹر یا کسی ذمہ دار فرد کی نگرانی میں مریضوں کو کھلائی جائیں۔ اس حکمت عملی کا نام DOTS یعنی Directly Observed Therapy Shortcase ہے جو دنیا کے 173 ممالک اپنا چکے ہیں۔

ایم ایف حسین نے اپنی فلم "گج گامنی" کو کتاب کی شکل میں تیار کیا ہے

اسٹارڈم اداکار کی عمر سے جڑا ہے! ایشوریہ رائے

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

ایشوریہ رائے نے جب فلمی دنیا میں اپنا پہلا قدم رکھا تو اسکا کوئی شاندار استقبال نہیں کیا گیا تھا۔ بابی دیول کے ساتھ انکی پہلی فلم "اور پیار ہوگیا" بری طرح فلاپ قرار دی گئی اسکے بعد ایشوریہ کی کئی فلمیں فلاپ رہیں لیکن 1999ء میں ریلیز ہوئی "ہم دل دے چکے صنم" کے بعد ایشوریہ رائے کے لئے ایسے شاندار امکانات پیدا ہوئے کہ اسے فلم انڈسٹری کے تخت و تاج کا وارث مانا جانے لگا۔ سبھاش گھئی کی تال میں ایشوریہ رائے نے اداکاری کے وہ جوہر دکھائے کہ فلم بینوں کا ایک حلقہ انکا گرویدہ ہوگیا۔ ایشوریہ کی اداکاری ہی تھی جس نے اس فلم کی کامیابی کو یقینی بنادیا تھا۔ حالیہ ایشوریہ رائے کی "دیوداس" نے تو انہیں سات سمندر پار بھی مقبولیت عطا کردی ہے۔ وہ آج گھر گھر جانی پہچانی جاتی ہیں وہ دیوداس کے تین "ایکوں" میں ایک اہم "ایکا" ثابت ہوئیں۔ حالیہ ایک انٹرویو میں ایشوریہ رائے نے اپنے مستقبل کے بارے میں باتیں کیں جسکا اقتباس یہاں پیش ہے۔

س۔ دیوداس کی کامیابی نے تو آپ کو بین الاقوامی سطح پر پہنچادیا۔ کیا آپ نے اپنے کیریئر کی ابتداء میں مستقبل سے اس قدر کامیابی کی امیدیں وابستہ کی تھیں؟

ج۔ مجھے وقت کا انتظار تھا۔ مجھے اس بات کا یقین تھا کہ میں ایک نہ ایک دن اپنے آپ کو ثابت کردکھاؤں گی۔ دیوداس کی کامیابی سے تو میں ہواؤں میں اڑنے لگی۔ میں اس فلم کے لئے میرے انتخاب کے لئے بھرت شاہ اور سنجے لیلا بنسالی کی مشکور ہوں۔ ساتھ ہی ساتھ اپنے ساتھی اداکاروں شاہ رخ خان اور مادھوری ڈکشٹ کے تعاون کی بھی جنہوں نے مجھے ہر قدم پر صلاح دی۔

س۔ جب آپ کو نان ایکٹریس کہا جاتا تھا تو شائد آپ کو دکھ تو ہوا ہی ہوگا؟

ج۔ ایک اداکارہ کی زندگی میں اس طرح کے نشیب و فراز آتے ہی رہتے ہیں۔ کامیابی اور ناکامی ہماری زندگی کے دو ایسے پہلو ہیں جنکا سامنا ہر فنکار کو کرنا ہی پڑتا ہے۔ جو لوگ کل تک کہتے تھے کہ ایکٹنگ ایشوریہ کے بس کی بات نہیں آخر ان ہی کو مجھے نمبرون قرار دینا پڑا۔

س۔ دیوداس میں چندر مکھی کے بدلے پارو کا رول کرنا کیوں مناسب سمجھا؟

ج۔ جس وقت سنجے اس فلم کا رول میرے پاس لیکر آئے تب انہوں نے مجھے کھلی چھوٹ دی تھی کہ میں چندر مکھی یا پارو والے رول میں سے کسی بھی ایک کو چن سکتی ہوں۔ میں نے خود ہی پارو والا رول چنا تھا اور میں اپنے فیصلہ پر آج بہت خوش ہوں۔

س۔ ابتدائی ناکامی اور آج کی کامیابی کے وقفہ میں آپ نے اس انڈسٹری سے کیا سیکھا ہے؟

ج۔ اسٹارڈم اداکار کی عمر سے جڑا ہے۔

عمر سے پہلے اور عمر کے بعد یہاں کچھ بھی نہیں ہوسکتا۔ تیز رفتاری سے کامیابی کی بڑھتی زندگی کی راہ میں کانٹے بھی ہیں کامیابی صرف پھولوں کی سیج نہیں ہے۔

س۔ آپ کو ناکامی سے کامیابی تک پہنچانے میں میڈیا کا بھی اہم رول رہا ہے اس بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

ج۔ میڈیا کی بہت بڑی ذمہ داری ہوتی ہے جسے ہرگز نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ واقعی میڈیا ہی نے میری صلاحیتوں کو فلمسازوں و ہدایتکاروں تک پہنچایا لیکن بعض اوقات میڈیا ہی کی وجہ اداکار فلم انڈسٹری سے باہر بھی ہوجاتے ہیں۔ میرے خیال میں میڈیا کو غیر ضروری تنازعہ کھڑا کرنے کا رول نہیں نبھانا چاہئے۔

س۔ کیا یہ سچ نہیں کہ آپ نے اچھے خاصے چل رہے کیریئر کو چھوڑ کر شادی کرنے کا ارادہ کرلیا ہے؟

ج۔ ہر کسی کو زندگی کے ایک موڑ پر شادی کرنی ہی پڑتی ہے جہاں تک میری شادی کا سوال ہے تو میں یہ قدم تب اٹھاؤں گی جب میرے کسی پروڈیوسر کو نقصان نہ پہنچتا ہوں۔ میں پوری طرح پروفیشنل آرٹسٹ ہوں اور اگر میں یہ کہوں کہ شادی اور کیریئر کو لیکر میری جان مشکل میں پھنسی ہے تو یہ غلط نہیں ہوگا۔

شوٹنگ رپورٹ

امیتابھ، ہیما مالنی کی "باغبان" کی شوٹنگ زوروں پر

بی آر فلمس کے بیانر پر بنائی جارہی ڈائرکٹر روی چوپڑہ کی نئی فلم "باغبان" کی شوٹنگ ان دنوں ممبئی کے مختلف مقامات اور اسٹوڈیوز میں جاری ہے۔ اس فلم میں امیتابھ بچن اور ہیما مالنی برسوں بعد ایکساتھ دکھائی دیں گے۔ اپنی پرانی ہیروئنوں کے ساتھ امیتابھ بچن کی یہ تیسری فلم ہوگی۔ "ایک رشتہ دی بانڈ" راکھی کے ساتھ "کانٹے" رتی اگنی ہوتری کے ساتھ۔ اب باغبان ہیما مالنی کے ساتھ اس فلم کے دیگر فنکاروں میں سمیر سونی، شمع، دیویا دتہ، ناصر خان، نکل، اوتار گل، رمی سین اور اسرانی شامل ہیں۔ موسیقی اتم سنگھ نے دی ہے۔

کرشمہ کپور اور دینو موریہ کی "باز" برڈ ان ڈینجر

راز کے بعد دینو موریہ بھی مصروف ہوچکا ہے وہ اپنی نئی فلم "باز برڈ ان ڈینجر" میں کرشمہ کپور کے ہیرو کے طور پر پردہ پر دکھائی دے گا۔ اس فلم کے دیگر اداکاروں میں جیکی شراف، سنیل شیٹی بھی اہم رول ادا کررہے ہیں اس ہفتہ اس فلم کی اسی فیصد شوٹنگ مکمل کرلی گئی ہے۔ ٹینو ورما کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کی موسیقی

اسمائل ور بار دے رہے ہیں۔

انیل کپور، منیشا کوئرالا کی کلکتہ میل ریلیز کیلئے تیار

انیل کپور، منیشا کوئرالا، رانی مکرجی، اوم پوری، سوربھ شکلا، سیاجی شنڈے کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل سدرن اسٹار کمبائن کی فلم "کلکتہ میل" ریلیز کیلئے تیار ہے۔ سدھیر مشرا کی ہدایت میں بنی اس فلم میں وجوشاہ نے موسیقی دی ہے۔

جے پی دتہ کی ملٹی اسٹارز فلم "لائن آف کنٹرول" مکمل

ڈائرکٹر جے پی دتہ نے اپنی ملٹی اسٹارر فلم "لائن آف کنٹرول" اس ہفتہ مکمل کرلی ہے۔ انو ملک کی دھنوں سے بھی اس فلم میں سنجے دت، اجئے دیوگن، ناگرجنا، سیف علی خان، سنیل شیٹی، ابھیشیک بچن، منوج باجپائی، کرن، ارباز خان، اشوتوش رانا، پرو راجکمار، اور اندر کمار نے مرکزی کردار نبھائے ہیں۔ یہ فلم ہند پاک موضوع پر بنائی گئی ہے۔

اجئے دیوگن اور گریسی سنگھ کی نئی فلم "قیامت"

اجئے دیوگن اور گریسی سنگھ پہلی بار بویجا فلمس کی نئی فلم "قیامت" میں ایکساتھ آرہے ہیں۔ سنیل شیٹی، ارباز خان، سنجے کپور، چنکی پانڈے، ایشا کوپیکر بھی اس فلم میں اہم رول نبھائیں گے۔ ندیم شراون کی دھنوں پر مشتمل اس فلم کی ہدایت ہری بابھ دھنگے۔

شعیب خان اور پوجا ڈاڈول کی "دبدبہ" ریلیز کیلئے تیار

انجلی فلمس کی پیشکش "دبدبہ" تمام مراحل کی تکمیل کے بعد بالکلیہ طور پر ریلیز کیلئے تیار ہے۔ دلیپ دتہ کی سریلی دھنوں سے سجی اس فلم کو شیام سونی نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ فلم میں

دی ٹراپ، دیوانی

بپاشا باسو کا معاوضہ ساٹھ لاکھ روپئے

بپاشا باسو راز کی بے پناہ کامیابی کے بعد فلم انڈسٹری کی ہاٹ اداکارہ کہلانے لگی ہے ۔ وشیش فلم انٹرٹینمنٹ کی "گناہ" جس میں وہ ایکبار پھر ڈینو موریہ کی ہیروئن بنی ہے خبروں میں ہے ۔ اپنی اس کامیابی و مقبولیت کو دیکھتے ہوئے اس نے اپنے معاوضہ میں نیا اضافہ کرتے ہوئے فلمسازوں سے ساٹھ لاکھ لینے کا مطالبہ شروع کردیا ہے ۔ جس طرح کی کامیابی بپاشا نے حاصل کی ہے ایسی کامیابی پچھلے ایک دہے میں کسی دوسری اداکارہ کو نہیں ملی ۔ بپاشا اس ریکارڈ کو توڑنے میں بھی کامیاب رہی کہ ماڈل کبھی شاندار ایکٹریس نہیں ہوسکتے ۔

شعیب خان اور پوجا ڈاول نے مرکزی کردار نبھائے ہیں۔ فلم کے دیگر اہم فنکاروں میں عارف رضوی، انیشا پوتدار، راجہ حسن، اسلم رضا، ملت تیواری، وودشی، تیج سپرو، الوک ناتھ، کرن کمار شامل ہیں ۔ شعیب خان جنکا تعلق سرزمین حیدرآباد سے ہے اس سے قبل واپسی ساجن کی جیسی رومانی کہانی پر فلم بناچکے ہیں۔ اور اس فلم کو ملک کے تمام بڑے شہروں میں غیر معمولی مقبولیت بھی حاصل ہوئی تھی اس بار اپنی اس فلم "دبدبہ" میں ایک حساس موضوع کو چھیڑ رہے ہے جو آج کے فرقہ وارانہ ماحول میں بھائی چارگی کا پیغام دیتی ہے ۔ اس فلم کے نمائشی حقوق فروخت ہوچکے ہیں نظام ٹریٹی میں اس فلم کے نمائشی حقوق وجئے لکشمی فلمس کے مسٹر ایس ستیہ نارائن نے حاصل کئے ہیں جو ڈسٹری بیوشن میں ساٹھ سالہ کامیاب تجربہ رکھتے ہیں ۔ انہوں نے کہا کہ یہ فلم ملک کے تمام بڑے شہروں میں اگلے ماہ یکساں طور پر ریلیز کردی جائے گی۔ توقع ہے کہ اس فلم کی ریلیز کے بعد شعیب خان جیسے خوبرو حرکیاتی و قابل فنکار کی صلاحیتوں کو بھی سراہا جائے گا جو ہندی فلم انڈسٹری میں لگاتار جد و جہد سے اپنی صلاحیتوں کو منوانے کی کوشش میں لگے ہیں۔

۲۰ ستمبر سے یکم نومبر تک ریلیز ہونے والی فلمیں

20 ستمبر ۔ شکتی دی پاور، گناہ، قابو

27 ستمبر ۔ سنو سسر جی، روڈ، پیاسا، یہ کیا ہورہا ہے، رات کے سوداگر، انصاف کی جنگ، حسین آتما، گوتم گوبندا، بسنتی کی شادی ہنی مون گبر کا، ہم انگارے ہیں، دی ٹروتھ، شیرنی کا شکار، لیڈی ٹارزن، کھلاڑی، اوتار

11 اکتوبر ۔ کانٹے، ہتھیار

18 اکتوبر ۔ دل دل پیار ویار، ایک ہندوستانی، دشمنی ۔

یکم نومبر ۔ جال

یہ کہ شائقین کو سنیما گھروں تک کھینچ لانے کے لئے جو فلموں کے نام دئے جارہے ہیں انہیں دیکھ کر تماش بینوں کو یہ اندازہ لگانے میں کافی دشواری ہورہی ہے کہ فلم کا موضوع کیا ہے۔ حالیہ عرصہ میں رجسٹرڈ فلمی نام، وہ فلمیں جو سیٹ پر ہیں اور ان فلموں کے نام جو مکمل کرلی گئیں ہیں حسب ذیل ہیں۔ "بسنتی کی شادی ہنی مون گبر کا، دل مانگے مور، 88 انٹوپ ہل، برادری، بوم، بس یونہی، دیوانی، دل دھڑکے بار بار، دل کے پیچھے پیچھے، دل میں اتر کے دیکھو، ڈم، ہم دو ہمارا ایک، مارکٹ، تن من ڈاٹ کام، شادی ڈاٹ کام، تیر تلوار اور بندوق، آخری خواہش، منا بھائی ایم بی بی ایس، بھوتوں کا ہنی مون، چڑیل کی رات، گنگو بائی، حاصل، قاتل کروڑپتی، دیوانوں کی لو اسٹوری، پانچسو کا نوٹ، نو مور لو، معصوم چڑیل، روڈ" جیسے نام ہے جو شائقین کو حیرت میں ڈال رہے ہیں۔

ماہ صوری ڈکشٹ مقبول سیریل "کہیں نہ کہیں کوئی ہے" میں

امیتابھ بچن اور ابھیشیک بچن فلم "تاج محل" میں

بھگت سنگھ کے بعد اب ہمارے فلمساز ایکساتھ کئی تاج محل تعمیر کرنے میں لگے ہیں۔ ایک طرف اکبر خان تاج محل بنارہے ہیں تو دوسری طرف بھارت کلا پروڈکشن نے بھی تاج محل کی شروعات کی ہے۔ مغلیہ عہد کے پس منظر میں بن رہی تاج محل میں امیتابھ بچن اور ابھیشیک بچن کام کررہے ہیں۔ اس فلم میں ابھیشیک بچن ممتاز محل کے شوہر کا کردار نبھائیں گے۔ ممتاز محل کا رول ایشوریہ رائے نبھائیں گی۔ اسکے علاوہ امیتابھ بچن اور ابھیشیک بچن راکیش مہرہ کی ڈائرکشن میں بننے والی ایک فلم میں بھی ساتھ آرہے ہیں۔

ساوتھ کے میگا اسٹار چرنجیوی اب سیاست میں

137 فلموں کی تکمیل کے بعد ساوتھ کے میگا اسٹار چرنجیوی اب شاندار پیمانہ پر عملی سیاست میں حصہ لینا چاہتے ہیں انکی حالیہ ریلیز فلم "اندرا" سے انہیں یہ رجحان ملا ہے۔ انکی یہ فلم سیاسی موضوع پر بنائی گئی تھی جسکا عوام نے شاندار استقبال کیا۔ اس فلم کے کلکشن ایک ریکارڈ ہیں۔

نئی فلموں کے عجیب وغریب نام

لگتا ہے ہندی فلموں کے فلمساز سٹھیا گئے ہیں۔ فلمیں تو بکواس دے رہے ہیں سونے پہ سہاگہ

منیشا کوئرالا جن کی فلم "ایک چھوٹی سی لو اسٹوری" متنازعہ بن گئی ہے

خلابازوں کالباس

نعیم احسن

ایک لمحے کے لئے سوچیں کہ کیا آپ کسی ایسی جگہ پر جانا پسند کریں گے جہاں دن کو درجہ حرارت 250 سنٹی گریڈ ہو اور رات کو صفر سے بھی 200 درجے نیچے گرجاتا ہو۔ جہاں ہوا کا دباؤ صفر ہو اور وہ جگہ زمین سے لاکھوں میل دور خلائے بسیط میں ایک ایسے کرہ پر ہو جہاں کے ماحول کے بارے میں علم تو دور کی بات ہے ،سمت اور وقت کا اندازہ بھی نہ ہو سکتا ہو۔ یقیناً آپ کا جواب نفی میں ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ بعض لوگ ایسا سوال کرنے والے کی ذہنی حالت کے بارے میں شک کرنے لگیں۔ لیکن خلا نوردوں کو اس سے بھی زیادہ شدید اور غیر یقینی حالات کا سامنا کرنا پڑتا ہے ۔اس کے باوجود ستاروں پر کمندیں ڈالنے والے یہ جری انسان اپنی جان کی پرواہ کئے بغیر انجانی منزلوں کی طرف روانہ ہوجاتے ہیں۔ ایک ایسی جگہ جانے کے خیال سے ہی ہول اٹھنے لگتے ہیں جہاں اپنے جیسے ذی نفس نہ ہوں، جہاں مصیبت کے وقت کام آنے والا کوئی نہ ہو اور جہاں پہنچ کر معمولی سی لغزش بھی موت یا مستقل طور پر خلاؤں میں بھٹکنے کا سبب بن سکتی ہے۔ خلاؤں کو تسخیر کی جانے والے بہادر انسانوں کو اس حقیقت کا پوری طرح علم ہوتا ہے کہ اس راہ پر چلنے کے دوران سرزد ہونے والی معمولی سے معمولی غلطی کی بھی کم از کم سزا موت ہو سکتی ہے۔

خلانوردوں کے انتخاب کیلئے جسمانی طور پر ایسے کڑے معیار بنائے گئے ہیں کہ ان پر پورا اترنا ہر انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ انتخاب کے بعد بھی خلا کے سفر کے امیدواروں کو سخت جسمانی مشقت کرنی پڑتی ہے تاکہ وہ خود کو شدید ترین حالات کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار کرسکیں۔ خلا نوردوں کو پانی کے تالابوں اور برق رفتار ہوائی جہازوں میں چلنے کی تربیت دی جاتی ہے۔ جہاز میں چونکہ بہت زیادہ رفتار کے باعث کشش ثقل کم ہوجاتی ہے اس لئے ایک ایسی دنیا کا سا ماحول پیدا ہوجاتا ہے جہاں پر کشش ثقل کم ہو۔ خلا نوردی کیلئے استعمال ہونے والا لباس ان تمام حالات اور صعوبتوں کو سامنے رکھتے ہوئے تیار کیا جاتا ہے جن کا سامنا خلا بازوں کو ہو سکتا ہے۔ خلا اور چاند کی تسخیر میں اس لباس کو بہت ہی بنیادی اہمیت حاصل ہے کیوں کہ ان انجانی جگہوں پر جو حالات پائے جاتے ہیں ان میں انسان کا ایک لمحے کیلئے بھی زندہ رہنا ناممکن ہوتا ہے۔ اس ساری صورتحال کو سمجھنے کیلئے ہم چاند کے ماحول کی مثال دے سکتے ہیں۔ کیونکہ کسی بھی دوسرے سیارے کی نسبت ہمارے پاس چاند کے بارے میں زیادہ

معلومات ہیں۔ چاند پر دن کے وقت درجہ حرارت 250 ڈگری سنٹی گریڈ ہوتا ہے اور رات کو اتنا ہی شدید سرد یعنی صفر سے 200 درجے نیچے ہوتا ہے۔ اس درجہ حرارت کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ جب جون جولائی میں دنیا کے گرم ترین خطوں میں درجہ حرارت 50 ڈگری سے تجاوز کرتا ہے تو قیامت برپا ہوجاتی ہے۔ چاند کا درجہ حرارت دن کے وقت دنیا کے گرم ترین خطے سے پانچ گنا زیادہ گرم ہوتا ہے۔ رات کی سردی کی شدت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ صفر درجہ حرارت پر چیزیں جم جاتی ہیں اور چاند کا رات کا موسم منفی 200 درجے ہوتا ہے۔

خلا میں یا چاند پر چونکہ ہوا نہیں ہے اس لئے ہوا کا دباؤ صفر ہوتا ہے جبکہ ہمارے جسم کا نظام ایسا ہے جو ہوا کے ایک خاص دباؤ میں کام کرتا ہے اور جسم کا اندرونی دباؤ اس بیرونی دباؤ کے راست متناسب ہوتا ہے۔ اگر انسان کسی ایسی جگہ چلا جائے جہاں ہوا کا دباؤ صفر ہو تو اس اندرونی دباؤ کے سبب اس کا جسم ایک دھماکے سے پھٹ سکتا ہے۔

چاند پر بھیجے جانے والے خلا بازوں کیلئے جو لباس تیار کیا گیا اس میں مصنوعی طور پر ہوا کا دباؤ فراہم کرنے کا انتظام موجود تھا۔ یہ لباس خلاباز کو مکمل طور پر زمین جیسا ماحول فراہم کرنے کیلئے تیار کئے جاتے ہیں۔ خلائی لباس دراصل تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اسکا ایک حصہ عام کپڑوں کے اوپر پہنا جاتا ہے جو نائلون کا بنا ہوتا ہے۔ اس حصے میں باریک باریک نالیوں کا ایک جال ہوتا ہے جن میں پانی اسی طرح دوڑتا رہتا ہے جیسے ہماری شریانوں میں خون دوڑتا ہے۔ یہ پانی ایئر کنڈیشننگ کا کام کرتا ہے اور جسم کے درجہ حرارت کو موزوں سطح پر رکھتا ہے۔ اس کے اوپر جو لباس پہنا جاتا ہے وہ دو حصوں پر مشتمل ہوتا ہے۔ یہ دونوں حصے ایک دوسرے کے ساتھ اس طرح جڑے ہوتے ہیں کہ انہیں الگ الگ نہیں کیا جاسکتا۔ ان دونوں حصوں میں جو حصہ اندر کی جانب ہوتا ہے اسے "ٹور سولنک سوٹ" کہتے ہیں اور اس حصے میں خلاباز کیلئے ہوا کے مناسب دباؤ کا انتظام کیا گیا ہوتا ہے۔ اس دباؤ کو ضرورت پڑنے پر کم یا زیادہ بھی کیا جاسکتا ہے۔ بیرونی حصہ "انٹیگریٹڈ میٹورائیڈ گارمنٹ" کہلاتا ہے۔ یہ حصہ شدید موسمی اثرات یعنی گرمی سردی سے خلابازوں کو محفوظ رکھتا ہے اس کے علاوہ یہ خلا نورد کو شہابیوں اور تابکاری اثرات سے بھی بچاتا ہے۔ لباس کی بیرونی سطح ایک خاص قسم کے کپڑے کی بنی ہوتی ہے جسے "بی ٹا کلاتھ" کہتے ہیں۔ اس کی سطح اتنی چمکدار ہوتی ہے جو سورج کی شعاعوں کو لباس میں جذب نہیں ہونے دیتی اور انہیں واپس منعکس کردیتی ہے۔ لباس کا بیرونی حصہ اس قدر سخت ہوتا ہے جو خلا بازوں کو گولی سے بھی تیز رفتار سے گرنے والی شہابیوں سے محفوظ رکھتا ہے۔ مثلاً چاند کی سطح پر شہابیوں کی بارش ہوتی رہتی ہے جن کا سائز عام ذرے سے لے کر چنے کے دانے تک ہوتا ہے۔ چاند کی سطح پر اوسطاً ایک منٹ میں ایک مربع گز میں ایک شہابیہ گرتا ہے۔ ان کے گرنے کی رفتار عام طور پر 65 ہزار میل فی گھنٹہ ہوتی ہے جو گولی کی رفتار سے بھی 80 گنا زیادہ ہے۔ عام حالات میں اگر یہ جسم سے ٹکرا جائے تو اس سے آرپار ہوجائے لیکن خلائی لباس کا بیرونی سخت حصہ خلا نورد کو ان سے بچاتا ہے۔ یہ حصہ ایلومنیم کیپٹون اور نیوپرین نائلون کی 13 تہوں سے بنایا جاتا ہے جن میں 7 تہیں کیپٹون اور 6 تہیں نائلون کی ہوتی ہیں۔ چاند پر چونکہ ہوا نہیں ہے لہذا وہاں عام بات چیت سنائی نہیں دیتی۔ خلا بازوں کے مابین رابطے کیلئے ریڈیائی لہریں استعمال ہوتی ہیں۔ اس مقصد کیلئے خلائی لباس کے اندر ایک چھوٹا سا ریڈیو براڈ کاسٹنگ یونٹ بھی بنایا جاتا ہے جو نہ صرف خلائی سفر کے ساتھیوں کے مابین بلکہ زمینی عملے سے رابطے کیلئے بھی کام دیتا ہے۔

خلاباز سر پر جو گول سا ہیلمٹ پہنتے ہیں وہ بھی اس لباس کا حصہ ہوتا ہے اور اس کے اندر بھی لباس کی ساری خصوصیات موجود ہوتی ہیں۔ ہیلمٹ کو لگانے کیلئے نچلے حصے میں گلے کے قریب ایک "رنگ" دیا گیا ہوتا ہے۔ ہیلمٹ میں لگائے گئے شیشے کو دھندلا ہونے سے بچانے کیلئے بھی خصوصی انتظام کیا گیا ہوتا ہے تاکہ خلاباز ہر چیز کو واضح طور پر دیکھ سکے۔ اسی طرح ہاتھوں کیلئے خاص قسم کے دستانے اور پاؤں کیلئے خاص قسم کے بوٹ تیار کئے جاتے ہیں۔

خلائی لباس کا سب سے اہم حصہ وہ صندوق نما تھیلہ ہوتا ہے جسے خلاباز جسم پر لئے پھرتے ہیں۔ اس کی اہمیت کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ لباس کی ساری خصوصیات کا محور و مرکز یہی حصہ ہوتا ہے۔ اس صندوق میں گیس اور پانی کیلئے الگ الگ حصے ہوتے ہیں گیس کے سلنڈر میں آکسیجن بھری ہوتی ہے جو سانس لینے کیلئے استعمال ہوتی ہے اور پانی کا ٹینک ائرکنڈیشننگ کے کام میں پانی کی فراہمیت کو یقینی بناتا ہے۔ اس حصے میں ہی بیٹری بھی شامل ہوتی ہے جو ریڈیائی نظام کو برقی قوت فراہم کرتی ہے جس کی بدولت خلاباز ایک دوسرے سے اور زمینی مرکز سے رابطہ کرتے ہیں۔ مجموعی طور پر اس کا وزن ساٹھ کیلو کے لگ بھگ ہوجاتا ہے لیکن جن جگہوں پر قوت ثقل کم ہوتی ہے وہاں پر اس کے وزن میں خاطر خواہ کمی ہوجاتی ہے۔

کسی بھی انسان کیلئے سانس لینا سب سے زیادہ ضروری ہوتا ہے اس لئے خلاباز کیلئے آکسیجن کی فراہمی کا دوہرا انتظام کیا گیا ہوتا ہے۔ آکسیجن کا ایک سلنڈر تھیلے کے اندر ہوتا ہے اور ایک اس تھیلے کے باہر بھی ہوتا ہے تاکہ اگر اندرونی نظام میں کوئی گڑبڑ ہوجائے تو دوسرا سلنڈر آکسیجن فراہم کرسکے۔ سائنس دان اس لباس کو "ایکسٹرا ویکیولر موبیلٹی یونٹ" یا اختصار کے ساتھ ایمو بھی کہتے ہیں۔

زمین سے پرواز کرتے وقت اور خلا میں اترتے وقت خلابازوں کیلئے یہ پورا لباس پہننا ضروری ہوتا ہے۔ دوران سفر اس کی ضرورت نہیں ہوتی اور خلا باز عام طور پر پہنا جانے والا لباس ہی پہنتے ہیں کیونکہ خلائی گاڑی کے اندر بھی زمین جیسا ماحول فراہم کرنے کے انتظامات کئے گئے ہوتے ہیں۔

1969ء میں چاند پر جانے والے خلابازوں کیلئے جو لباس تیار کیا گیا اس ایک لباس کی تیاری میں تین لاکھ ڈالرز کی رقم صرف ہوئی اور ایسے نصف درجن لباس تیار کئے گئے۔ چاند کی سیر سے چاند گاڑی میں واپس آنے پر خلابازوں نے اپنے پرانے لباس اتار کر انہیں صاف کرکے محفوظ کرلیا اور نئے لباس پہن لئے تاکہ چاند کے ماحول میں پائے جانیوالے مفروضہ مضر اثرات زمین پر منتقل نہ ہوسکیں۔

eral (Dame Silvia Cartwright), a female Prime Minister (Helen Clark) and a female Chief Justice (Sian Elias).

39. The Queen received and replied to, almost 17,500 Golden Jubilee congratulatory letters between February and July, 2002.

40. The Queen has unveiled 30 plaques and 4 statues during the Jubilee tours.

41. The Queen has opened or visited 5 gardens, planted 9 trees / plants, taken part in or watched 10 parades, visited 8 museums and attended 27 receptions.

42. The queen has delivered more than 20 speeches through the main Jubilee period (Feb-Aug), in which she included words in the Maori language and Welsh.

43. The oldest person presented to The Queen was a 110 year - old in Stirling and the youngest person presented to the Queen was 3 in South London.

44. This year, 'The Queen addressed both Houses of Parliament, the Scottish Parliament and the Welsh Assembly all in the same year for the first time. The Queen also attended a reception given by the Northern Ireland Assembly and made a speech to its members.

45. almost 20,000 balloons and 52 doves were released during golden Jubilee visits in honour of the Queen.

46. Over 600 Jubilee gifts were presented to the Queen for her Jubilee, including personal gifts from individuals, official and corporate gifts, and gifts from Heads of States of other countries. They have included knitted toys, fruit trees for Sandringham, portraits, banners, tea cosies, china corgis, books and videos.

47. The Armed Forces paid their own tribute to the Queen during a spectacular military display in Portsmouth. It featured 6,000 personnel from all three Services, two fly-pasts, gun salutes and a naval review. It ended with a cleverly staged climax when an air crewman leap into the sea from a helicopter and appeared to swim to present the Queen with a bunch of flowers.

48. The Empire State building shone purple and gold on the evening of Tuesday, 4 June 2002 in honour of The queen's Golden Jubilee. The occasion also celebrated the close ties between the people of New York and Britain.

49. The queen sent 2,281 birthday telegrams to centenarians and 9,870 telegrams to couples celebrating their diamond wedding (60) anniversary between January and July.

50. The Queen and The Duke of Edinburgh ate local products wherever they went during the Jubilee tours, from Jamaica to the Western Isles. They were given hampers of locally produced food in Cornwall, Somerset, Suffolk and Powys. In Lincolnshire, The Queen was presented with locally made sausages, and in East London, the queen was presented with vegetables grown at the Redbridge Lane West allotment.

Courtesy : Press Secretary to the Queen, Buckingham Palace.

*****

****

****

Weekend was an ecumenical service.

33. The Queen invited around 48,000 people to six Garden Parties during the Golden Jubilee. The three Buckingham Palace Garden Parties had special themes - Accession Day Babies, Young People born since the Silver Jubilee, and charities of which the Queen and The Duke of Edinburgh are patron.

34. Six hundred and eight people born on Accession Day February, 1952) attended the first themed Garden Party at Buckingham Palace on 9th July 2002. The fifty - year - olds applied for tickets which were open to anyone with their special date of birth.

35. Around 160,000 cups of tea, 54,000 drop scones and 48,000 slices of chocolate and lemon cake were served at Jubilee Garden Parties at Holyroodhouse, Buckingham Palace, Balmoral and Sandringgham during the summer.

36. The gold State Coach was used twice during the Golden Jubilee, making its first appearance since the Silver Jubilee in 1977. The first time was at "All the Queen's Horses" equestrain spectacular and the second in the procession to St Paul's Cathedral on Jubilee Day, 4th June.

37. Eleven photographers from the UK and the Commonwealth were commissioned to photograph the Queen for the Golden Jubilee. Photographers included Canadian musician Bryan Adams, Australian photographer Polly Borland, The Duke of York and fashion photographer Rankin. Digital techniques were used for the first time in official Royal Photography.

38. The first female Queen's equerry was in attendance during the Golden Jubilee tour of New Zealand. In New Zealand, The Queen as female Head of State joined a female Governor - Gen-

cabling were laid in London so that the events of Golden Jubilee Weekend could be broadcast to countries all around the globe. There were also over 50 studios and edit booths.

26. Three thousand, five hundred and twenty-one media from over 60 countries were accredited to cover the Golden Jubilee Central Weekend from London.

27. The spectacular fireworks display which took place from the roof of Buckingham Palace and in Green Park over the Jubilee Weekend required 2.5 tons of fireworks, with some rising as high as 800 ft into the night sky. The light and sound display also involved 50 searchlights on the Palace, and fountains of water over nine metres high and a sound track.

28. A chain of 2006 beacons was lit across the world on Monday 3 June, including the length and breadth of the UK, the Channel Islands, the Commonwealth, and the world. The furthest north was 300 miles from the North Pole in the Arctic, the furthest south in Antarctica, 1000 miles from the South Pole and 8000 miles away from Buckingham Palace. It was the largest ever chain of beacons to be lit. The Queen lit the National Beacon in the Mall on Monday evening, a structure five metres tall in front of the Queen Victoria Memorial. It produced a flame nine metres tall, and burned a tonne of liquid petroleum gas during the time it was lit.

29. The spectacular Jubilee parade down the Mall on the afternoon of the 4th June involved 20,000 people, including a 5,000 strong gospel choir, 2,500 participants from the Nottin Hill Carnival, and 4,000 people representing Commonwealth countries.

A million people gathered in The Mall to watch the Jubilee festivities on June 3rd and 4th.

30. During the Jubilee programme, The queen has met a diverse range of personalities, including Helen Sharman, the first Briton in space; Sven Goran Eriksson and Sol Cambell; rock group Def Leppard and heavy metal musician Ozzy Osbourne; Olympain Sir Steve Redgrave and Dame Edna Everage.

31. The Queen visited the set of the TV soap "Emmerdale" during the Jubilee. Many soaps also ran Jubilee story lines, including Coronation Street, Eastenders, Brookside and The Archers.

32. The Queen made visits to all four main faith communities (Sikh, Muslim, Jewish, Hindu) during the jubilee. The Queen visited a mosque in Scunthopre, a Hindu temple in North London, a Sikh temple in Leicester and a Jewish Museum in Manchester. A Multi- Faith Reception at Buckingham Palace was attended by more than 700 representatives of different faiths. the leader of the Roman Catholic Church, Cardinal Cormac Murphy-O'Connor preached at Sandringham for the first time an the Sunday service during the Jubilee Central

Guard (created by King Henry VII in 1485) and the Yeoman Warders (one of the oldest corps in the world dating back probably to the eleventh century and based at the Tower of London).

16. The Queen's Golden Jubilee baton has travelled through 23 Commonwealth countries spanning five continents and spent 50 days on visit in the UK covering over 5000 miles. There were 5000 runners in the UK alone.

17. The first royal poetry competition was launched by the Poet Laureate, Andrew Motion, during the Golden Jubilee. Almost 4,000 entries were received and The Queen presented medals to nine young winners aged between seven and 18.

18. The Queen's Gallery, the most significant addition to Buckingham Palace in 150 years, opened in May 2002 for the Golden Jubilee. The Jubilee Garden at Windsor Castle, the first public garden to be created at the Castle since the 1820s, was opened in June 2002.

19. The royal Collection's special touring golden Jubilee exhibition has attracted record audiences throughout the country. "Ten Drawings by Leonardo da vinci from the Royal Collection: a Golden Jubilee Celebration" opened in February at the Lady Lever Art Gallery, Port Sunlight (near Chester). the gallery experienced a 465% increase in visitor numbers over the exhibition's two-month run. At the next location, Glynn Vivian Art Gallery in Swansea, attendances of 30,000 almost matched the gallery's average annual total.

20. There were 28 million hits on the golden Jubilee website over a six-month period. During the Jubilee, the Queen sent two general circulation emails one from Norwich to all schools in Norfolk, and one from Wells to schools around the world. The queen received over 30,00 congratulatory e-mails. She sent a downloadable Jubilee message on the British Monarchy web site. She also talked to school children on a video link to the Australian outback.

21. The Queen hosted a special dinner for all reigning European Sovereigns during the Jubilee. The Queen also attended a dinner with her five surviving UK prime ministers and gave a dinner for Governors - General of the Commonwealth countries of which she is Queen.

22. The Queen has taken part in around fifty-five "met the people" " walkabouts during the Jubilee tours from February to August. The first royal "walkabout" was introduced on a visit to Australia and New Zealand in 1970.

23. Jubilee year saw a number of new dishes invented to mark the anniversary. "Jubilee Chicken" was created by the Royal Chef for guests at the two Queen's Concerts, with the recipe published for people to make at home.

24. Events over the golden Jubilee Weekend required around 10 Mega Watts of power, roughly twice the amount needed to power Canary Wharf.

25. Five hundred miles of

most watched pop concerts in history, attracting around 200 million viewers all over the world.

9. Around 28,000 picnic hampers (special cool bags) were given free to guests, artistes and workers during the two concerts in the gardens of Buckingham Palace. They were packed with goodies including champagne, smoked salmon wrap, "Jubilee Chicken" and strawberries and cream.

10. The Queen's Golden Jubilee Award for voluntary service groups was launched during 2002 to honour "unsung heroes". It will become an annual award.

11. The Queen circumnavigated the globe during the Golden Jubilee, starting the Jubilee with visits to Jamaica, New Zealand and Australia. The 2002 tour was the sixth time in her reign that Her Majesty has travelled around the world on a single tour.

12. the Queen has travelled on or been aboard the following methods of transport during the Jubilee : a 777 airplane, 727 airplane, Falcon airplane, 146 airplane, helicopter, Skyrail, golden bus, metro, Royal train, steam train, aircraft carrier (HMS Ark Royal), a minesweeper (HMS Bangor), Royal barge, lifeboat, Gold State Coach, horse drawn carriage, Rools Royce, State Land Rover, Jaguar and new Bentley.

13. The Queen visited the railway station will the longest name in the world- Llanfairpwllgwyngllgogeryrndrobwllllantysiliogogogoch -in North Wales.

14. During the Jubilee tour, the Royal Train has covered 3,500 miles across England, Scotland and Wales from as far south as Falmouth in Cornwall and as far North as Wick in Caithness.

15. The first ever parade of all Her Majesty's bodyguards was held during the golden Jubilee. It was the first time in their centuries - old history that they had gone on parade together. The 300 strong Parade included detachments from the Gentlemen at Arms (created by King Henry VIII in 1509), the Yeoman of the

final Jubilee tour to Canada in October, details of which will be announced in the next few weeks.

50 FACTS ON THE QUEEN'S GOLDEN JUBILEE YEAR-2002.

1. Queen victoria was the last monarch to celebrate a Golden Jubilee. Queen Elizabeth II, at the age of 76, is the oldest monarch to celebrate a Golden Jubilee. The youngest was James I (James VI of Scotland) at 51 years old.

2. The queen visited 70 cities and towns in England, Scotland, Wales and Northern Ireland in 50 counties over 38 days from May to August in the Jubilee year.

3. The Queen has travelled over 30,000 miles by air around the UK and the world including Jamaica, New Zealand and Australia during the Jubilee. The Queen's trip to Canada in October will add a further 10,000 miles.

4. People all over the world held street parties, garden parties and other events to celebrate the Golden Jubilee. Perhaps the "coolest" party was in the antarctic, where 20 scientists of the British Antarctic Survey held a party at a temperature of minus 20. Celebrations included an outdoor feast and a ration of champagne, plus a game of cricket on the sea ice sking and sledging. More than 40,000 "toolkits" were distributes to people organising street parties.

5. Twenty-Seven aircraft flew over Buckingham Palace for the finale of the jubilee Weekend celebrations. The flypast was led by an RAF C17 Globemaster and ended with Concorde and the Red Arrows trailing red, white and blue.

6. The gardens of Buckingham Palace were used for public concerts for the first time ever during the Golden Jubilee Central Weekend.

7. The Queen is the first member of the Royal Family to be awarded a gold disc from the recording industry.100,000 copies of the CD of the "Party at the Palace", produced by EMI, were sold within the first week of release.

8. The "Party at the Palace" pop concert was one of the

50 YEARS ON THRONE OF QUEEN ELIZABETH -II

Glimpses of Golden Jubilee Celebrations

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

The official Golden Jubilee celebrations in UK of Her Majesty's 50 years on the throne have now drawn to a close, although the Queen will be touring.

Canada in October. the Jubilee tours have generaly been hailed as a great success, and public support all over the world has been overwhelmingly.

As well as a celebration of Her Majesty's 50 years on the throne, The golden Jubilee has been an opportunity for The queen to express her thanks to people, both personally and officially, for their support and loyalty over her reign.

From February through to August, The Queen and The Duke of Edinburgh have travelled throughout the UK and the world, met with people of all ages, religions and nationalities, travelled on myriad methods of transport, hosted numerous receptions, garden parties and two major concerts, and taken part in more than 50 walkabouts. However, it has also been a very sad time for the Queen who lost both her mother and her sister within seven weeks. The 50 facts listed below demonstrate the diversity and intensity of the Jubilee programme, the highlight of which was the Central Weekend in June. The queen and The Duke of Edinburgh will undertake a

commemorations at the Pentagon, where 184 people died when American Flight 77 smashed into the building. "Though they died in tragedy, they did not die in vain," declared President Bush, a fist clenched for emphasis. "As long as terrorists and dictators plot against our lives and our liberty, they will be opposed by the United States Army, Navy, Coast Guard, Air Force and Marines!" After the Pentagon ceremony, Bush flew to southwest Pennsylvania to join commemorations for the 40 people killed when United Flight 93 crashed in a field near Shanksville. The passengers and crew were hailed by Homeland Security Director Tom Ridge as heroic "citizen-soldiers" for struggling to take back their hijacked plane and avert a possible attack on the Capitol or White House. "If we learn nothing else from this tragedy, we learn that life is short and there is no time for hate," said Sandy Dahl, the wife of Flight 93 pilot Jason Dahl. Bush laid a wreath in Shanksville, then another at ground zero after an afternoon flight to New York. Carrying the badge of a fallen Port Authority police officer, the president and First Lady Laura Bush lingered at the site, greeting and comforting relatives of Sept. 11 victims. Their losses were at the core of the speech to the nation Bush was to give later Wednesday from Ellis Island, with the Statue of Liberty as a backdrop. "For those who lost loved ones, it has been a year of sorrow, of empty places, of newborn children who will never know their fathers here on earth," Bush said in his prepared remarks. "For all Americans, it has been a year of adjustment - of coming to terms with the difficult knowledge that our nation has determined enemies, and that we are not invulnerable to their attacks." Far from the sites where the hijacked planes crashed, Americans and well-wishers from other nations found myriad ways to observe the anniversary. In addition to repeated moments of silence, church bells tolled, sirens sounded, musicians performed, and religious leaders groped to find words suitable to the occasion. "No situation of hurt, no philosophy or religion can ever justify such a grave offense on human life and dignity," Pope John Paul. He exhorted the world to heal injustices that cause explosive hatreds. Among the many places to accommodate memorial services were U.S. military bases in Afghanistan. "There isn't a place I'd rather be or a job I'd rather be doing," said Lt. Col. Tim Strasburger, an Air Force pilot on duty in Kandahar. At London's St. Paul's Cathedral, 3,000 white rose petals fluttered down from the dome - one for each victim who died in the attacks. In Paris, two powerful beams of light were projected into the sky. In Pisa, Italy, a white banner placed by the Leaning Tower read: "From the tower to the towers. Sept. 11, 2002. Memory, solidarity and peace." At the United Nations, Secretary-General Kofi Annan presided over an international memorial service. "More than 90 nations lost sons and daughters of their own - murdered that day, for no other reason than they had chosen to live in this country," he said. "Today, we come together as a world community because we were attacked as a world community." Many Americans went to work or to school, but it was far from business as usual.

perfectly rippling American flag over his left, Bush said America's cause is human dignity, freedom and peace. "This ideal of America is the hope of all mankind. That hope drew millions to this harbor. That hope still lights our way. And the light shines in the darkness. And the darkness will not overcome it," the president said. For Bush, the seven-minute address capped a 14-plus-hour day crowded with the symbols and ceremonies of grieving at each of the three sites struck by terrorist hijackers a year ago. He went to church, led a national moment of silence and issued a rallying cry to the terror war's victory at a Pentagon rebuilt after terrorists killed 184 victims there. He strode the grassy southwestern Pennsylvania field where 40 people were lost aboard United Airlines Flight 93, and lingered in the cold dust of New York's ground zero for more than two hours with families of some of the 2,801 people killed at the World Trade Center. "In the ruins of two towers, under a flag unfurled at the Pentagon, at the funerals of the lost, we have made a sacred promise, to ourselves and to the world: We will not relent until justice is done and our nation is secure. What our enemies have begun, we will finish," Bush pledged. Aboard a New York Fire Department boat with his daughter Barbara, 20, Bush crossed the harbor against a twinkling Manhattan skyline missing what were its two tallest buildings. "We resolved a year ago to honor every person lost. We owe them remembrance, and we owe them more," Bush said at the long day's end. "We owe them, and their children, and our own, the most enduring monument we can build: a world of liberty and security made possible by the way America leads, and by the way Americans lead our lives." Bush cast the fight against terrorists and tyrants - in Afghanistan, the Philippines and, possibly next, Iraq - in stark moral and historical tones. "This nation has defeated tyrants, liberated death camps and raised this lamp of liberty to every captive land," he said. "We have no intention of ignoring or appeasing history's latest gang of fanatics trying to murder their way to power. They are discovering, as others before them, the resolve of a great democracy."

U.S. Marks Sept. 11 With Simplicity

At ground zero, the names took precedence, 2,801 of them read aloud, from Gordon Aamoth Jr. to Igor Zukelman. Patriotic resolve held sway at the Pentagon. And in a field near Shanksville, Pa., grief was partially offset by pride. At each of the three sites, and in communities across the nation and world, Americans and their allies relived the staggering events of one year ago and remembered those who died. "They were our neighbors, our husbands, our children, our sisters, our brothers and our wives. They were our countrymen and our friends. They were us," New York Mayor Michael Bloomberg told grieving families at the site of the World Trade Center. New York's roll call of the dead and missing began after a moment of silence at 8:46 a.m. EDT, the time when the first terrorist-piloted plane struck the trade center. It took 2 1/2 hours - 50 minutes longer than planned - for 197 readers to complete the list of names. While wistful cello music accompanied the ground zero ceremony, a booming rendition of the national anthem set the tone for

LIBERTY SHOULD BE 9-11 LEGACY : BUSH

More than memorials, America owes the nearly 3,000 people killed on Sept. 11 a steadfast commitment to spreading liberty and security worldwide - "the most enduring monument we can build," President Bush told a healing nation.

The president closed his observance of the one-year anniversary of last year's terrorist attacks with a televised address Wednesday night, in which he prayed to God "to see us through."

"Tomorrow is Sept. 12th. A milestone is passed, and a mission goes on," he said from picturesque Ellis Island in New York Harbor, the first stop of immigrants and a symbol of American tolerance and independence. With the Statue of Liberty over his right shoulder and a

How to begin?

You should be careful not to start any kind of exercise suddenly and vigorously. This is especially true if you are starting for the very first time. Sudden and intensive exercise can cause more harm than good. It can lead to muscle injuries and sprains.

A good idea is to start slowly and build up to a full program. Walking is the easiest way to begin a program. Start with a stroll for a mile or so and increase it by walking 3-4 miles per hour. As you feel more comfortable with walking a good distance, you might want to try another activity such as running or even aerobic or step classes. The most important thing is to be able to do any kind of aerobic exercise regularly. Therefore, the best aerobic program is the one you enjoy and will stick to.

What is a warm-up, and how important is it in aerobic activity?

A warm-up helps your body prepare itself for exercise and reduces the chance of injury. Sudden and jerky movements of the muscles may lead to injury. The warm-up aims at raising the heart rate so that there is adequate blood flow to the muscles during activity. It also raises the temperature of the muscles so that they are able to withstand vigorous activity without sustaining injury. The warm-up exercise may be a slower version of the actual aerobic session. For example, you might want to walk before you jog, or do some aerobic dance movements before a step class. You should also aim at including all the muscles in your warm-up.

What is a cool-down, and how important is it in aerobic activity?

After any aerobic activity, the blood is pooled in the extremities, and the heart-rate is increased. The cool-down aims to bring the heart-rate down to near-normal and to get the blood circulating freely back to the heart. Stopping abruptly could result in fainting or place undue stress on the heart. The cool-down should also include stretching to help relax the tired muscles.

Will working on a particular group of muscles like the tummy or thigh muscles, help burn fat there?

No. Though the idea is very appealing and desirable but unfortunately it doesn't happen that way. When we're working a muscle or group of muscles to burn fat, we have no control over what part of the body we burn fat from. There is no such thing as "spot reducing". Fat generally is used up in pretty much the reverse order it was put on, (LIFO- Last In First Out). The effect is an overall improved fat percentage and body conditioning.

How long should we wait after eating to start exercising?

Whenever we take a meal, blood flow increases to the stomach and adjoining areas. Therefore, vigorous exercise immediately after a heavy meal might lead to a feeling of dizziness and even vomiting. If you ate something fairly light, you probably don't need to wait very long. So, depending on how heavy a meal you have had, you should wait between 30 minutes to one-and-half hours.

What is 'Aerobic' Exercise?

Mohd. Mushtaq Ahmed

THE word 'aerobic' literally means "with oxygen" or "in the presence of oxygen". Aerobic activity trains the heart, lungs and cardiovascular system to process and deliver oxygen more quickly and efficiently to every part of the body.

As the heart muscle ecomes stronger and more fficient, a larger amount f blood can be pumped with ach heartbeat. As a result, a it individual can work onger, more vigorously and

ichieve a quicker recovery it the end of the aerobic session.

What things should you keep in mind before starting aerobic exercises?

There are three factors that you should keep in mind before starting any aerobic exercise.

Frequency: Most experts believe that 3-5 times per week of aerobic activity is fine.

Duration: 20-60 minutes of an exercise session is considered optimal.

Intensity: This refers to the percentage of your maximum heart at which you work. Experts believe that achieving 60-90 per cent of age-specific maximal heart rate should be the target of an aerobics session.

Another simple measure of working at optimal intensity is the so-called 'talk test'. You should be able to talk without gasping for air while working at optimal intensity. If you cannot, you should scale down. On the other hand, if you are able to even sing, then you should step up.

جلیل

سیکولر جماعتوں کا امتحان

جنرل سکریٹری اقوام متحدہ مسٹر کوفی عنان اور افغانستان کے عبوری لیڈر حامد کرزئی

ٹاملناڈو میں ایل ٹی ٹی ای کیڈر میں کم عمر لڑکیوں کو بھی شامل کیا جارہا ہے

Vol. 7. HYDERABAD Issue: 5 جلد (7)

Editor: ZAHID ALI KHAN 1-15 Mar, 2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109. Tel. Fax: 0091-40-4603188
NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001. Phone: 011-3715995.
MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House, 1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700012
CHENNAI: Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main, J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK: Dr. Ziauddin A. Shakeb
26, Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England, Tel: 0181-9645724.
SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA, Ph: 6715242.
KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT. 13134, Kuwait. Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

Statement of ownership and other particulars pertaining to

THE SIASAT FORTNIGHTLY

(Form IV Rule 8)

1. Place of Publication	: Hyderabad, A.P
2. Periodicity of its Publication	: Fortnightly
3. Printer's Name	: ZAHID ALI KHAN
Nationality	: Indian
Address	: 4-11-55 Lake Dale Miralam Tank Hyderabad 500 264.
4. Publisher's Name	: ZAHID ALI KHAN
Nationality	: Indian
Address	: 4-11-55 Lake Dale Miralam Tank Hyderabad 500 264.
5. Editor's Name	: ZAHID ALI KHAN
Nationality	: Indian
Address	: 4-11-55 Lake Dale Miralam Tank Hyderabad 500 264.
6. Name and Address of individuals who own the Newspaper and partners or shareholders, holding more than one percent total Capital.	: 1. ZAHID ALI KHAN 4-11-55 Lake Dale Miralam Tank Hyderabad 500 264. 2. AMER ALI KHAN *(Address as above)*

I, ZAHID ALI KHAN hereby declare that the particulars given above are true to the best of my knowledge and belief.

Signature of Publisher.

1st March, 2002
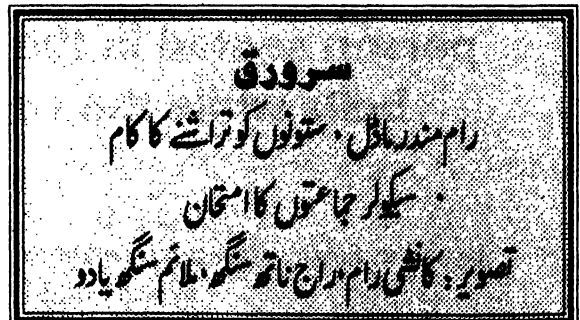
فہرست

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

MOTORISTS
Use Seat Belts
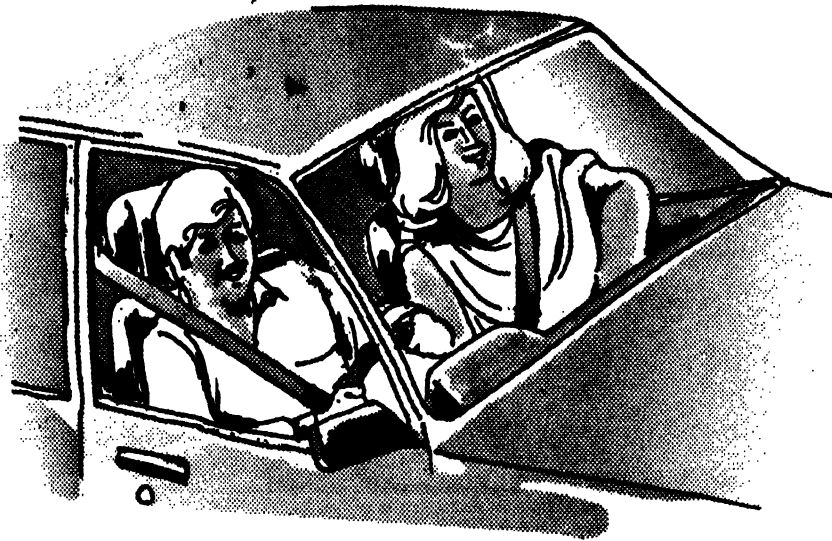
It is for your safety

Attention of general public is invited to the order of the Honourable Supreme Court
(dated 6.12.2001, in writ petition (civil) of 1985 - M.C.Mehta Vs Union of India.)

It is mandatory that the driver and the person seated in the front seat wear seat belts while the vehicle is in motion.

Issued in Public interest by the Directorate of Advertising & Visual publicity, Ministry of I&B,Govt. of India.

davp2001/605

بی جے پی کی سیاسی قوت میں انحطاط

شمالی ہند کی چار ریاستوں میں منعقدہ اسمبلی انتخابات کی یہ نمایاں خصوصیت رہی کہ بھارتیہ جنتا پارٹی کو تنہا یا اپنی حلیف جماعتوں کے اشتراک سے حصول اقتدار میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ اس کے مصلحہ ووٹ عوامی مقبولیت میں زبردست کمی کے آئینہ دار ثابت ہوئے خاص طور پر اتر پردیش میں بھارتیہ جنتا پارٹی کو پہلا اور دوسرا مقام تک حاصل نہ ہوسکا۔ پنجاب اتر آنچل منی پور میں بھی بی جے پی کو ہزیمت کا سامنا کرنا پڑا۔ ان ریاستی اسمبلیوں کے انتخابات جنہیں آئندہ لوک سبھا انتخابات کا ریہرسل تصور کیا جارہا تھا بھارتیہ جنتا پارٹی کے سیاسی زوال نہیں تو زبردست انحطاط کے مظہر ثابت ہوئے۔ پارٹی کی اعلیٰ قیادت نے ان انتخابات اور خاص طور پر اتر پردیش اور پنجاب کے چناؤ کو اپنے وقار کا سوال بنالیا تھا وزیر اعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی مرکزی وزیر داخلہ مسٹر لال کرشن اڈوانی اور دوسرے سرکردہ قائدین نے ریاست کے بے تکان دورے کئے اور ریاست کے کونے کونے میں انتخابی جلسوں کو مخاطب کیا لیکن یہ ساری تگ و دو تقریباً رائیگاں ثابت ہوئی۔ جس اتر پردیش کی سرزمین سے اڈوانی جی کی رتھ یاترا کے ساتھ بی جے پی کے سیاسی عروج کا آغاز ہوا تھا اسی سرزمین سے انحطاط کا نیا دور شروع ہوا ہے یہ صورتحال سنگھ پریوار کے مختلف شعبوں کی قیادت کے لئے لمحہ فکر بلکہ چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ شہری علاقوں کے جو رائے دہندے تھے حالیہ انتخابات میں ان رائے دہندوں نے تائید سے منہ موڑلیا ہے خاص طور پر یو پی میں شہری علاقوں میں بی جے پی کے مصلحہ ووٹوں کے اوسط میں قابل لحاظ کمی کے علاوہ ذات پات اور فرقہ کی بنیاد پر رائے دہندوں کے عام رجحان نے بی جے پی کو دوبارہ حصول اقتدار سے محروم کردیا ہے۔ پنجاب میں پانچ سال کے وقفہ کے بعد کانگریس کو معمولی اکثریت ہی سے سہی اقتدار حاصل ہوگیا ہے۔ عوام نے اکالی دل بی جے پی اتحاد کو محض اس لئے مسترد کردیا کہ سابق حکومت نے ریاست کی ترقی اور عوام کے مسائل کو حل کرنے کے لئے کچھ نہیں کیا۔ مخالف اقتدار رجحان اور صدر کانگریس مسز سونیا گاندھی کے وعدوں پر اعتماد کی لہر اقتدار کی تبدیلی کا باعث بن گئی۔ اسی طرح اتر آنچل میں نئی ریاست کے پہلے اسمبلی انتخابات میں کانگریس کو محض بی جے پی حکومت کے خلاف عوام کی برہمی نے برسر اقتدار لایا ہے۔ ریاست کے عوام نے اکالی دل کے بی جے پی سے گٹھ جوڑ پر اپنی ناراضگی کا بھی ثبوت دیا ہے۔ اتر آنچل میں بھی عوام نے بی جے پی حکومت کو محض اس لئے مسترد کردیا کہ بی جے پی نے اس نئی ریاست کے قیام کے سلسلے میں کئے گئے وعدوں کی تکمیل نہیں کی۔ اتر پردیش میں عوام نے بی جے پی اقتدار کے خلاف اپنا واضح فیصلہ دیا ہے لیکن نئی حکومت کے قیام کے لئے کسی بھی سیاسی پارٹی کو درکار اکثریت نہیں دی ہے جس سے صورتحال انتہائی پیچیدہ ہوگئی ہے۔ سماج وادی پارٹی کو سب سے بڑی پارٹی کا موقف حاصل ہوا ہے لیکن بہ ظاہر انھیں منتخب ارکان اسمبلی کی اس قدر تائید حاصل نہیں ہوئی کہ وہ ایک مستحکم حکومت کے قیام کو یقینی بناسکیں۔ گورنر مسٹر وشنو شاستری کے لئے یہ صورتحال کڑی آزمائش بن گئی ہے۔ سب سے بڑی پارٹی کو تشکیل حکومت کا موقع دئے جانے کے سلسلہ میں گورنر پر کوئی دستوری پابندی نہیں ہے۔ اس معاملہ میں گورنر کو اختیار تمیزی حاصل ہے اس سلسلہ میں دعویٰ محض روایات کی بناء پر کیا جارہا ہے۔ مشکل یہ ہے کہ دونوں طرح کی روایات موجود ہیں۔ 1996ء میں اس وقت کے گورنر مسٹر بھنڈاری نے سب سے بڑی پارٹی کو تشکیل حکومت کا دعویٰ مسترد کردیا تھا اور صدر راج 6 ماہ کے لئے نافذ کیا گیا تھا۔ اس کے بعد جوڑ توڑ کے ذریعہ بی جے پی قائد کلیان سنگھ نے دوسری جماعتوں کے تعاون سے حکومت تشکیل دی تھی۔ موجودہ گورنر کا استدلال ہے کہ وہ مسٹر ملائم سنگھ کو بڑی پارٹی کے قائد کی حیثیت سے حکومت قائم کرنے کا موقع نہیں دے سکتے انھوں نے سنگھ کو ان کی تائید کرنے والے ارکان کی فہرست پیش کرنے کی خواہش کی ہے۔ مسٹر ملائم سنگھ کا استدلال ہے کہ اگر انھیں اب چیف منسٹر بنادیا جائے تو اندرون ایک ماہ اسمبلی میں اپنی اکثریت ثابت کردیں گے۔ گورنر اس دعوی پر اعتماد کرنے کے موڈ میں نہیں ہیں ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اتر پردیش میں کچھ عرصے کے لئے صدر راج کے نفاذ کے امکانات ہیں۔

زاہد علی خاں

مولانا رضوان القاسمی

ارکان اربعہ کی ترتیب مولانا نانوتویؒ کی نظر میں

عشق مجازی والے لسیؒ سے عشق و محبت کی بنیاد اس طرح رکھتے ہیں کہ محبوب سے شناسائی قائم کرنے کے لئے کئی بار اس کے گھر جاتے ہیں۔ جب آمد و رفت کا یہ سلسلہ پختہ دوستی کی بنیادوں پر دیواریں بلند کرچکتا ہے تو پھر محبوب کی ضیافت اور اپنے گھر بلا کر مہمانی کا مقام پیدا کیا جاتا ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ اس کیلئے مال خرچ کرنے میں دریغ نہیں کیا جاتا۔

جب محبت اس مقام پر پہنچ جاتی ہے تو پھر اس کے بعد محبت کا وہ مقام آتا ہے جس میں عاشق کو نہ اپنے کھانے کی پرواہ ہوتی ہے نہ پینے کی۔ نہ بیوی کا خیال ہوتا ہے نہ حظ نفس کا۔ گویا محبوب کی محبت پر اپنی خواہشات نفسانی وجسمانی کو قربان کردیتا ہے اور پھر اس کے بعد بالآخر وہ مقام آجاتا ہے کہ عاشق مجنونیت اور فرہادیت کے قالب میں ڈھل کر دیوانگی اختیار کرلیتا ہے۔

عشق کی یہی ترتیب اصول اسلامیہ میں جھلکتی نظر آتی ہے۔ سب سے پہلا مقام نماز ہے یعنی محبوب حقیقی کے گھر شبانہ روز پانچ مرتبہ آمد و رفت رکھ کر مسلمان محبت کی بنیاد قائم کرتا ہے جب بنیاد مستحکم ہوجاتی ہے تو اس کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے جسکا نام زکوٰۃ ہے۔ مال خرچ کرنے کے بعد ایک مقام اور آتا ہے جس میں عشق رنگ لاتا ہے اور حقیقی محبوب کی محبت میں مومن بھوکا پیاسا رہنے لگتا ہے اور اپنی لذتوں کو اس پر قربان کردیتا ہے اس کا نام روزہ ہے پھر ایک آخری منزل کی طرف قدم بڑھاتا ہے اور وہ ہے فرہادیت اور مجنونیت کی منزل۔ اب اس دیوانے کے بال بڑھے جارہے ہیں تو کٹوانے کی اجازت نہیں۔ ناخن حد سے تجاوز کررہے ہیں تو کم کرانے کی فکر نہیں۔ سر میں جوئیں پڑجائیں تو وہ پرواہ نہیں۔ جنگل میں مارا مارا پھرتا ہے کبھی پہاڑوں اور دیواروں میں دوڑتا ہے۔ سر سے کفن باندھے ہوئے کبھی اس کے گھر کا طواف کررہا ہے۔ ٹیلوں اور بلندیوں میں چڑھ کر پکارتا ہے۔ کبھی میدان میں فروکش ہے۔ قریب ہوتا ہے کہ اپنے آپ کو فنا کردے اسی کا نام اسلامی شریعت میں حج ہے۔

رمضان شریف میں پورے طور پر مجنوں کا عشق اور فرہاد کے جگر سوزی کی کارفرمائی ہے۔ اس کی ایک ایک ادا میں ان دونوں جذبات کی ہر جگہ جلوہ سامانی ملے گی۔ کاش کہ ایک روزہ دار ان دونوں جذبات کو حاصل کرنے اور اس کا اہل بننے کی صلاحیت اپنے اندر پیدا کرے۔

(مولانا محمد قاسم نانوتوی بانی دارالعلوم دیوبند)

جب وقت نماز آئے

زیر نظر سورہ نساء کی آیت ۱۰۳ میں درج ہے۔ یعنی ان الصلوٰۃ کانت علی المومنین کتبا موقوتا۔ ترجمہ: "بے شک مومنوں پر مقررہ اوقات میں نماز (ادا کرنا) فرض ہے" اس آیت کے ذیل میں ان حقائق پر آپ اپنی نظر ہمیشہ مرکوز رکھئے کہ نماز ایمان کا سب سے پہلا مظہر ہے بلکہ وہ ایمان کا لازمی مظہر ہے۔ یہ ممکن نہیں کہ دل میں ایمان تو ہو مگر سر میں رکوع اور سجدے کی تڑپ نہ ہو۔ حضورؐ کا ارشاد ہے "جس نے جان بوجھ کر فرض نماز چھوڑدی۔ اس سے اللہ بری ہے" پھر یہ نماز وقت کی پابندی کے ساتھ فرض ہے۔ اس میں کاہلی اور سستی کو دخل نہ دیا جائے۔ متعدد احادیث میں مقررہ اوقات میں جماعت کے ساتھ نماز ادا کرنے کی تاکید کی گئی ہے۔ ایک حدیث میں فرمایا گیا ہے کہ دنیا کے جھمیلوں اور خواہشات نفسانی میں پڑکر وقت کو ٹال کر نماز نہ پڑھو کہ منافق کی نماز ہے اور اس میں تمہارے لئے سخت ہلاکت اور بربادی ہے۔ بکریاں، چرواہے کی آواز کو سن کر ہری گھاس کو چھوڑ دیتی ہیں تو خدا کے بندے ہو کر خدائی آواز کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟ ... بہر حال آپ خشوع و خضوع کے ساتھ بہ پابندی وقت و جماعت نماز پڑھئے۔ ایسی ہی نماز آپ کو احکام الٰہی کی تعمیل میں سرگرم رکھے گی۔ نور ایماں کی زیادتی کا سبب اور قیامت کے روز مغفرت کا ذریعہ بنے گی۔ معناً آپ حجازی ہیں جن کی شان عین لڑائی میں بھی قبلہ رو ہو کر زمیں بوس ہونے کی رہی ہے۔ بقول اقبال۔

آگیا عین لڑائی میں اگر وقت نماز
قبلہ رو ہو کر زمیں بوس ہوئی قوم حجاز

نماز کی فکر

حضرت مولانا سید محمد علی مونگیری (۱۸۴۶ء-۱۹۲۷ء) لکھنو میں ٹھیرے ہوئے تھے۔ جمعہ کا دن تھا مصروفیت کی وجہ سے وقت کا اندازہ نہ کرسکے۔ اور جمعہ کی نماز کے لئے دیر ہو گئی۔ جلدی جلدی تیاری کرکے "ماموں بھانجے" کی مسجد میں پہنچے

مسجد میں داخل ہوئے تو پتہ چلا کہ جمعہ کی نماز ہو چکی ہے۔ اس خبر کا مولانا مرحوم پر اتنا اثر ہوا کہ اسی وقت مسجد کے فرش پر گر پڑے۔

حضرت حاتم زاہد بلخی کے بارے میں لکھا ہے کہ ایک بار جماعت سے نماز ادا نہ کرسکے۔ بڑا غم ہوا۔ ان کی پریشانی دیکھ کر کچھ ملنے والوں نے مزاج پرسی کی تو اور زیادہ رونے لگے اور فرمایا "اگر میرا بیٹا مرجاتا تو آج آدھا بلخ تعزیت کے لئے میرے گھر آجاتا لیکن نماز باجماعت رہ گئی تو دو چار دوستوں کے سوا کوئی بھی تعزیت کیلئے نہیں آیا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں آتا ہے کہ جب نماز کا وقت آتا تو ان کے چہرے کا رنگ بدل جاتا، جسم پر لرزہ طاری ہوجاتا۔ کسی نے وجہ پوچھی تو فرمایا: "اس عظیم امانت کے ادا کرنے کا وقت آگیا جس کے اٹھانے کی ہمت زمین و آسمان اور پہاڑ نہ کرسکے"۔

حضرت حسن رضی اللہ عنہ جب وضو فرماتے تو چہرے کا رنگ فق ہوجاتا۔ کسی نے پوچھا کہ حضرت یہ کیا ہے؟ فرمایا:

"ایک بڑی ہی قدرت و دبدبے والے کے دربار میں حاضری کا وقت آگیا ہے"۔

یہی وہ بندے ہیں جن کے بارے میں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ "بہترین بندے وہ ہیں جو سورج کی دھوپ اور چاند تاروں کی گردش دیکھتے رہتے ہیں کہ نماز کا وقت فوت نہ ہوجانے پائے۔ (حاکم)

حضرت مجاہد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد ہے "جو لوگ نماز کے اوقات معلوم کرنے کا اہتمام رکھتے ہیں ان کو ایسی برکت حاصل ہوتی ہے جیسی برکت خدا نے حضرت ابراہیم علیہ السلام اور ان کی اولاد کو عطا فرمائی"۔ (منشور)

مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن

پھر دیکھو! تبلیغ حق کے جوش و طلب کا کیا حال ہے؟ دو نئے قیدی آتے ہیں جو بادشاہ کے خاص خدمتوں میں سے تھے اور اپنا اپنا خواب بیان کرتے ہیں۔ خواب سن کر حضرت یوسفؑ معلوم کرلیتے ہیں کہ ایک کی رہائی قریب ہے، دوسرے کی موت قریب ہے۔ پس چاہتے ہیں کہ فرصت کا ایک لمحہ بھی ضائع نہ کریں اور تعلیم حق سے انھیں آشنا کردیں، ممکن ہے کہ جو رہا ہونے والا ہے وہ حق کا بیج اپنے ساتھ لے جائے اور دربار شاہی میں تخم ریزی کرسکے، جس کی موت قریب ہے ممکن ہے کہ سچائی قبول کرلے اور دنیا سے جائے تو راہ حق پر جائے، چنانچہ ہم دیکھتے ہیں انھوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر نہیں بتلادی، بلکہ انکی توجہ و رجوع سے فائدہ اٹھا کر ایک دوسرا ہی بیان شروع کردیا: "انی ترکت مسلة قوم لا یومنون باللہ وھم بالآخرة ہم کفرون" (آیت ۳۷)

ان کی سیرت کے اس مقام سے ہم معلوم کرلے سکتے ہیں کہ دعوت حق کا فریضہ کیوں کر ادا کرنا چاہئے اور داعی حق کے جوش و طلب دعوت کا کیا حال ہوتا ہے۔ قید خانے کی زندگی بھی ادا، فرض دعوت سے مانع نہ ہوئی۔ اس حالت میں بھی فکر اس کی نہ تھی کہ میں کیوں کر قید سے رہائی پاؤں۔ بلکہ تمام تر اس کی تھی کہ خدا کے بندے جہل و گمراہی سے کیوں کر نجات پائیں۔ مہلت جب کبھی ملی اور جس حال میں ملی معاً اسی مقصد کے لئے کام میں لائی گئی اور جس طرح اس آدمی کی ہدایت میں جلدی کی جو ابھی مدتوں زندہ رہنے والا تھا، اسی طرح اس کی ہدایت کے لئے بھی صبر نہ کرسکے جس کے سر پر اجل کی تلوار لٹک رہی تھی، کیوں کہ ہدایت پانا ہر انسان کا قدرتی حق ہے اور زندہ رہنے والا ہو یا مر رہا ہو اسے اس کا حق فوراً ملنا چاہئے۔

پھر دیکھو! معاملہ صرف اتنے ہی پر ختم نہیں ہوجاتا، بلکہ حتی الوسع کوشش کرتے ہیں کہ جہاں تک پہنچا سکتے ہیں پہنچادیں۔ جونہی یہ بات معلوم ہوئی کہ ان میں ایک آدمی بادشاہ کے ساقیوں کا سردار ہے اور پھر اسی منصب پر مامور ہونے والا ہے۔ معاً ان کا ذہن اس طرف چلا گیا کہ ایسے آدمی کو جو خلوت و جلوت میں بادشاہ کے حضور رہنے والا ہے کتنا اچھا موقع حاصل ہوگا کہ پیام حق بادشاہ کے کانوں تک پہنچادے! چنانچہ تعبیر بیان کرنے کے بعد اس سے فرمایا: "اذکرنی عندربک" (آیت ۴۲) اپنے آقا کے پاس جائیو تو مجھے یاد رکھیو۔ یعنی میری یہ تعلیم و دعوت یاد رکھیو اور اپنے آقا سے بعنوان مناسب اس کا تذکرہ کردیجیو۔ ممکن ہے کہ پیام حق کام کر جائے۔

عام طور پر حضرت یوسفؑ کے اس قول کا مطلب یہ سمجھا گیا ہے کہ انھوں نے اپنی رہائی کے لئے کہا تھا، یعنی اپنے آقا سے میری سفارش کیجیو، لیکن جس محل میں یہ بات کہی گئی ہے اس سے اس کی تائید نہیں ہوتی۔ قیدیوں سے جو کچھ بھی ان کی گفتگو ہوئی ہے یا تو تعبیر کے بارے میں ہے یا دین حق کے بارے میں ہے۔ اس کا کوئی اشارہ نہیں پایا جاتا کہ انھوں نے اپنے قید و محن کے مصائب کا کوئی ذکر کیا ہو۔ پس اس بات کا وہی مطلب موزوں معلوم ہوتا ہے جو اوپر بیان کیا گیا ہے۔

یہ بات بھی صاف ہوگئی کہ قیدیوں کا خواب سن کر آپؑ نے تعبیر فوراً کیوں بیان نہیں کردی تھی۔ مفسرین کہتے ہیں: تاخیر اس لئے کی کہ وحی کا انتظار تھا۔ لیکن اگر آپ انتظار کی حالت میں ہوتے تو اس وثوق کے ساتھ کیوں کر وعدہ کرلیتے کہ "لا یاتیکما طعام ترزقنه الا نباتکما بتاویلہ" (آیت ۳۷) اور فیضان وحی سے تو آپ کا قلب معمور ہو رہا تھا، تعبیر کے لئے انتظار کرنے کی کیوں ضرورت پیش آتی؟ صاف بات یہی ہے کہ تاخیر قصداً کی تھی اور اس خیال سے کی تھی کہ تعبیر کی احتیاج نے ان دونوں کو میری طرف متوجہ کردیا ہے۔ چاہئے کہ اس توجہ سے فوراً فائدہ اٹھایا جائے اور دین حق کی دعوت چھیڑ دی جائے۔ چنانچہ اس کا ذکر اس مناسبت سے شروع کردیا کہ: "ذلکما مما علمنی ربی" "انی ترکت ملتہ قوم لا یومنون باللہ وھم بالآخرة ہم کفرون" (آیت ۳۸) یعنی خواب کی تعبیر میں بہت جلد بتلادوں گا، کیوں کہ میرے پروردگار نے مجھے اس کا علم دیا ہے۔ لیکن میرے علم کو اس طرح کا علم نہ سمجھنا جس طرح اپنے کاہنوں اور جادوگروں کا سمجھا کرتے ہو۔ میری راہ دوسری ہے۔ میں تمہارے طریقے پر کاربند نہیں پھر اس طرح بات میں سے بات نکالتے ہوئے دین حق کی دعوت شروع کردی کہ: "یصاحبی السجن ءارباب متفرقون خیرا اللہ الواحد القہار" (آیت ۳۹)

پھر دیکھو! اس سیرت کی فضیلت کا کیسا عجیب منظر سامنے آجاتا ہے جب بادشاہ مصر خواب دیکھتا ہے اور سردار ساقی آکر یہ معاملہ انھیں سناتا ہے! دنیا کا ہر انسان ایسے موقع پر کیا کرتا؟ دنیا کا ہر وہ قیدی کیا کرتا جسے بغیر کسی جرم و گناہ کے قید خانے میں ڈال دیا گیا ہو اور سالہا سال سے اس حالت میں بے یار و مددگار پڑا ہو؟ یقیناً اسے تائید غیبی سمجھ کر اس سے فائدہ اٹھانا چاہتا اور کہتا: میں یہ مشکل حل کردے سکتا ہوں۔ مجھے یہاں سے نکلنے اور بادشاہ کے حضور حاضر ہونے کا موقع دیا جائے۔ مگر ہم دیکھتے ہیں حضرت یوسفؑ کی جانب سے کوئی اس طرح کی خواہش ظاہر نہیں ہوئی۔ انھوں نے خواب سنتے ہی اس کی تعبیر بیان کردی۔ اس کا خیال بھی انھیں نہیں گزرا کہ اپنی مطلب براری کی نہایت قیمتی بات تھوڑی دیر کے لئے بھی روک لوں۔

پھر صرف اتنا ہی نہیں کیا کہ جتنی بات پوچھی گئی تھی بتلادی، بلکہ اس سے بھی زیادہ علم و فضل کی بخشش سائل کے دامن میں ڈال دی۔ یعنی خواب میں ایک آنے والی ہولناکی کی خبر دی گئی تھی۔ انھوں نے تعبیر کے ساتھ یہ بھی بتلادیا کہ اس ہولناک مصیبت سے بچنے کی سبیل کیا ہوسکتی ہے۔ سوال بادشاہ کی طرف سے تھا، لیکن دیکھو! جس نے جواب دیا وہ قیدخانے کی کوٹھری میں بیٹھا ہوا اپنے علم و فضیلت کی بخشش میں بادشاہوں سے بھی زیادہ فیاض تھا،

ہدیل ہمت ساقی است فطرت عرفی
کہ حاتم دگران و گدائے خویشتن است

حضرت یوسفؑ نے ایسا کیوں کیا؟ اس لئے کہ دنیا نے ان کے ساتھ کچھ ہی کیا ہو، وہ دنیا کی خدمت و ہدایت کے سوا اور کوئی شئے اپنے سامنے نہیں رکھ سکتے تھے۔ جب انھوں نے خواب سنا اور خواب کا حل ان کے علم و بصیرت نے معلوم کرلیا تھا تو وہ ایک لمحے کے لئے بھی علم و ہدایت کا فیضان انسانوں پر نہیں روک سکتے تھے، ان کا فرض تھا کہ جب کبھی طلب اعانت کا ہاتھ ان کے آگے بڑھے، وہ اس کی دست گیری کریں اور انھوں نے دست گیری کی۔ اگر نہ کرتے تو داعی حق نہ ہوتے۔ ان کا بے لوث جذبہ خدمت اس خود غرضانہ مطلب برادری کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا کہ ایک انسان کی مشکل اور احتیاج کو اپنی رہائی کا ذریعہ بنائیں۔

پھر جب بادشاہ ملاقات کا مشتاق ہوا اور اپنا پیام بر بھیجا تو چاہئے تھا کہ جوش مسرت سے اس پیام کا استقبال کرتے، کیوں کہ اب خود بخود رہائی سامنے آگئی تھی اور ایسی حالت میں آئی تھی کہ بادشاہ وقت مشتاق زیارت ہورہا تھا، لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ حضرت یوسفؑ کی نگاہوں میں معاملے نے دوسری ہی شکل اختیار کی۔ انھوں نے قید خانہ چھوڑنے اور بادشاہ کی ملاقات سے انکار کردیا اور کہلایا کہ پہلے میرے معاملے کی تحقیقات کرلی جائے۔

اب یہاں پھر بے اختیار یہی سوال سامنے آجاتا ہے کہ دنیا کا ہر مظلوم قیدی ایسی حالت میں کیا کرتا اور اس پیکر صدق و صفا نے کیا کیا؟ غور کرو! ان کی سیرت کیسے جوہروں سے گوندھی گئی تھی اور کس طرح صبر و ضبط کی عدیم النظیر قوتوں کے ساتھ خود داری اور عزت نفس کی روح اس کے ایک ایک ذرے میں رچی ہوئی تھی! حضرت یوسفؑ کے اس انکار و انتظار میں ان کی اخلاقی ذہنیت کی ایک پوری دنیا پوشیدہ ہے۔ گویا وہ زبان حال سے کہہ رہے تھے کہ قید سے رہائی بلاشبہ ایک خوش خبری ہے، لیکن ایسی رہائی مجھے کیا خوش کرسکتی ہے جو میری بے جرمی کی وجہ سے ظہور میں نہ آرہی ہو، بلکہ محض بادشاہ کا ایک عطیہ اور بخشش ہو؟ میں تھا تو مجرم، لیکن چوں کہ بادشاہ نے خواب دیکھا، کسی سے تعبیر بن نہ آئی، میں نے بتلادی، اس لئے خوش ہوکر بادشاہ نے رہا کردیا۔ پس یہ بادشاہ کا احسان ہوا، حق و انصاف کا فیصلہ نہ ہوا۔ نہیں! میں اپنی رہائی بطور ایک احسان کے قبول نہیں کرسکتا۔ اگر میں مجرم ہوں تو سزا کا سزاوار ہوں۔ کیوں مجھے کوئی بخشے؟ اگر مجرم نہیں ہوں تو میری بے جرمی کا اعتراف کرنا چاہئے اور اس لئے رہا کرنا چاہئے کہ سزا کا مستحق نہ تھا۔ اس لئے نہیں کہ کسی نے بخش دیا۔

عزت نفس اور استقامت حق کا کیسا بلند مقام ہے؟ اور اخلاق سیرت کی کیسی عجیب مضبوطی ہے جس میں کہیں سے کوئی لچک پڑتی دکھائی نہیں دیتی! جس رخ سے دیکھو اور جہاں کہیں دیکھو اس کی بے داغ خصوصیتیں یکساں طور پر نمایاں ہیں اور اس سورج کی روشنی کبھی مدھم نہیں پڑسکتی: کانہ علم فی راسلہ نار (۵۷) فی الحقیقت جمال یوسفؑ کی یہی رعنائیاں تھیں جنھوں نے ایک ہی نظارے میں بادشاہ کا دل مسخر کرلیا تھا: "انک الیوم لدینا مکین امین" (آیت ۵۴)

پھر سب سے آخر اس موقع کا مطالعہ کرو جب حضرت یوسفؑ کے بھائی ان کے سامنے آکر کھڑے ہوتے ہیں۔ کون بھائی؟ جنھوں نے قتل کا سامان کیا اور پھر غلام بنا کر اجنبیوں کے ہاتھ بیچ ڈالا! کس کے سامنے؟ اسی مظلوم کے سامنے جو آج مظلوم نہیں ہے، بلکہ وقت کی سب سے بڑی مملکت کا مالک اور قحط سالی کی سب سے بڑی مصیبت میں سامان زندگی کا بخشنے والا ہے! کیسا عجیب موقع تھا اور نفس انسانی کے لئے ولولہ انتقام کی کیسی صبر آزما آزمائش! تاہم غور کرو! اول سے لے کر آخر تک حضرت یوسفؑ کا طرز عمل کیسا رہتا ہے؟ کہیں بھی کوئی بات ایسی دکھائی دیتی ہے کہ کہہ سکو، بغض و انتقام کے جذبے کی کوئی ہلکی سی بھی پرچھائیں پڑی ہے؟ اتنا ہی نہیں، بلکہ وہ تو ان کے لئے سرتاپا شفقت و رحمت ہوگئے تھے۔ انتقام و سرزنش کا کیا ذکر ہے، ان کی زبان سے تو ایک لفظ بھی ایسا نہیں نکلا جس سے بھائیوں کے دلوں کو ذراسی بھی ٹھیس لگتی۔ صاف نظر آرہا ہے کہ ان کی شرمندگی و پشیمانی کا زخم ان سے کہیں زیادہ خود ان کے دل پر لگ رہا ہے اور اب فکر ہے تو اس بات کی کہ کس طرح ان کے دلوں کے لئے تسکین خاطر کے سامان پیدا کردیں۔

جب تیسری مرتبہ بھائی آئے اور اپنی مصیبتوں کی داستان سنائی: "مسنا واهلنا الضر" اور پھر دست سوال بڑھایا کہ "تصدق علینا، ان اللّٰہ یجزی المتصدقین" (آیت ۸۸) تو جوش محبت سے بے قرار ہوگئے۔ اس وقت ان کے سامنے اور کوئی بات نہ تھی، صرف یہ تھی کہ میرے بھائی فقر و فاقے میں مبتلا ہیں۔ میں مسند عزت پر بیٹھا ہوں اور وہ دریوزہ گروں کی طرح دست سوال دراز کئے ہوئے ہیں۔ بے اختیار ان کا جی چاہا کہ اپنے آپ کو ظاہر کردیں "ھم علمتم ما فعلتم بیوسف واخیہ" تمہیں وہ بات بھی یاد ہے جو یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کی تھی؟ کہنے کو تو یہ کہہ گئے اور یہ کہے بغیر چارہ بھی نہ تھا، کیوں کہ یاد دلانا تھا کہ میں مصر کیوں کر پہنچا، لیکن معاً خیال ہوا کہ اس معاملے کی یاد میں ان

کے لئے سرتاسر سرزنش و خجالت ہے ۔ اس لئے فوراً ایک ایسی بات بھی کہہ دی کہ ان کے لئے ایک معذرت کا پہلو نکل آئے اور شرمندگی کا بوجھ محسوس نہ کریں : " اذانتم جھلون " (آیت ۸۹) یہ اس وقت کی بات ہے جب تمہاری نادانیوں کا زمانہ تھا ۔ یعنی اس معاملے پر شرمندہ ہونے کی ضرورت نہیں ۔ کیوں کہ نادانیوں کے زمانے کی ایک بات ہے اور دنیا میں کون ہے جس پر کوئی نہ کوئی زمانہ نادانیوں کا نہ گزرا ہو ۔

یہ سنتے ہی جب انھوں نے پہچان لیا اور عجز و ندامت کا سر جھکا کر بولے : تاللّٰہ لقد اثرک اللّٰہ علینا و ان کنا لخطئین " (آیت ۹۱) تو بلا تامل جواب ملا : " لا تثریب علیکم الیوم ، یغفر اللّٰہ لکم ، وھو ارحم الرحمین " (آیت ۹۲) نہیں ! آج کا دن بچھڑے ہوؤں کے ملنے اور ٹوٹے ہوئے رشتوں کے جڑنے کا دن ہے ۔ ملامت و الزام کی باتوں کا یہاں گزر نہیں ۔ میرا دل تو ہر طرح کی رنجشوں سے صاف ہے ۔ باقی رہا خدا کا معاملہ تو اس کے لئے بھی میری دعائیں تمہارے ساتھ ہیں ۔ وہ تمہارے سارے قصور بخش دے اور وہ ضرور بخش دے گا ۔ کیوں کہ اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا اور کون ہے ؟

پھر آگے چل کر جب وقت آیا کہ اللّٰہ کے فضل و کرم کا شکر ادا کرتے ہوئے گزرے ہوئے واقعات کی طرف اشارہ کریں تو دیکھو ! اس معاملے کی طرف کیوں کر اشارہ کرتے ہیں : " من بعد ان نزغ الشیطن بینی و بین اخوتی " (آیت ۱۰۰) جب ایسا ہوا تھا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا ۔ یعنی اول تو اس معاملے کو شیطان کی طرف منسوب کردیا کہ بھائیوں پر اس کا بوجھ نہ پڑے ۔ گویا یہ شیطان کا ایک فتنہ تھا ۔ ورنہ میرے بھائی ایسا کیوں کرتے ؟ پھر سارے معاملے کو محض ایک طرح کے اختلاف سے تعبیر کیا تاکہ اصل واقعے کی شناعت کم ہوجائے ۔ پھر جتنا کچھ بھی ہونا ظاہر کیا وہ اس طریقے پر کیا کہ " مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف پڑگیا تھا " گویا یہ بھائیوں کا بلاوجہ جور و ستم نہ تھا ۔ کوئی ایسی بات تھی جیسے بھائیوں میں باہم دگر پیش آجایا کرتی ہے اور دونوں جانبوں کو اختلاف کے وجوہ میں دخل ہوتا ہے ۔ یہ نہیں کہا جاسکتا کہ کسی ایک ہی جانب کا قصور تھا ۔

غور کرو ! عفو و بخشش کا وہ کیسا مقام ہے ؟ ہمت کا وہ کیسا علو ہے ! ظرف کی وہ کیسی پہنائی ہے ! خلق کی وہ کیسی عظمت ہے جو دشمنی کرنے والوں کے ساتھ ایسا سلوک کرسکتی ہے ! اور جس سیرت کا یہ حال ہو اس کے لئے فضیلت کی اور کونسی بات باقی رہ گئی ؟

شنیدم کہ مردان راہ خدا
دل دشمناں ہم نہ کردند تنگ
ترا کے میسر شود ایں مقام
کہ بادو ستانت خلاف است و جنگ

مظلومی و بے چارگی کی حالت میں صبر کرلینا بلاشبہ ایک بڑائی ہے ۔ لیکن طاقت و اختیار کی حالت میں بدلا نہ لینا اور بخش دینا سب سے بڑی بڑائی ہے : " ولمن صبر وغفر ان ذلک لمن عزم الامور " (۴۲ : ۴۳) اور اس سیرت کی عظمت میں دونوں مقام جمع ہوگئے ۔ جب بے چارگی تھی تو اف تک نہ کی ۔ جب طاقت ملی تو انتقام کا وہم و گمان بھی نہ گزرا اور بلاشبہ یہ اس زندگی کا سب سے بڑا اسوۂ حسنہ ہے !

سب کے آخر میں ان کی دعا نمایاں ہوتی ہے اور یہ فی الحقیقت ایک مرقع ہے جس میں ان کی سیرت کا ایک ایک خال و خط دیکھ لیا جاسکتا ہے ۔ عظمت و کامرانی کے اس مقام پر پہنچ جانے کے بعد بھی جو صدا ان کے دل و دماغ سے نکل سکتی تھی ، وہ یہی تھی کہ " فاطر السموت والارض ، بلنت ولی فی الدنیا والاخرۃ ، توفنی مسلما والحقنی بالصلحین " (آیت ۱۰۱) یعنی زندگی کی ساری کامرانیوں کا آخری ماحصل جس کی طلب و آرزو سے کبھی دل خالی نہیں ہوسکتا ، یہی ہے کہ اطاعت حق پر خاتمہ ہو اور الحاق ان کے ساتھ ہو جو تیرے صالح بندے ہیں ۔

(ح) حضرت یوسفؑ کے بعد سرگذشت کی نمایاں شخصیت امراۃ العزیز کی شخصیت ہے ۔ کیوں کہ حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی کے حوادث میں بڑا حصہ اسی کا ہے ۔ اس شخصیت میں ہم دیکھتے ہیں کہ عشق و ہوس کے مختلف مراتب یکے بعد دیگرے نمایاں ہوئے ہیں اور قرآن حکیم نے ایک عجیب اسلوب بلاغت کے ساتھ انھیں ہر جگہ ابھارا ہے اور ہر مرتبے کی خصوصیت واضح کردی ہے ۔

سب سے پہلے وہ موقع سامنے آتا ہے جب اس نے حضرت یوسفؑ کو دعوت عیش دی اور ناکام رہی ، ولقد ھمت بہ ، وھم بھالو لا ان را برھلن ربہ " (آیت ۲۴) اور جب پردہ فاش ہوگیا اور شوہر سامنے کھڑا نظر آیا تو اپنی ذلت و رسوائی برداشت نہ کرسکی ۔ جھٹ اپنا جرم دوسرے کے سر ڈال دیا اور پھر کس دوسرے کے سر اسی کے سر جس کی محبت و شیفتگی کی مدعی بنی تھی : " قلت ما جزآء من اراد باھلک سوء الا ان یسجن او عذاب الیم " (آیت ۲۵) اس سے معلوم ہوا کہ محبت میں ابھی کچی تھی اور ہوس سے معاملہ آگے نہیں بڑھا تھا ۔ کیوں کہ اگر محبت کامل ہوتی تو محبت کی راہ میں ذلت و رسوائی سے نہ ڈرتی اور خود اپنے محبوب کے سر جھوٹا الزام نہ لگاتی ۔

لیکن پھر جب کچھ دن گزر گئے تو معلوم ہوتا ہے اس حالت نے دوسرا رنگ اختیار کیا ۔ (۵۸) اب بھی اسے دنیا کے آگے اقرار محبت کرنے میں تو عار تھا ۔ لیکن لائمات کے سامنے صاف صاف اقرار کرلیا " ولقد راودتہ عن نفسہ فاستعصم " (آیت ۳۲) ساتھ ہی محبت ابھی اس درجے تک نہیں پہنچی تھی کہ اپنے نفس کی کام جوئیوں پر محبوب کی مرضی کو ترجیح دیتی ؛

قبول خاطر معشوق شرط دیدار ست
بحکم شوق تماشا مکن کہ بے ادبیست

اس لئے دھمکیاں دے کر رام کرنا چاہا ؛ ولئن لم یفعل ما امرہ لیسجنن ولیکونا من الصغرین " (ایت ۳۲)

لیکن پھر جب وہ وقت آیا کہ عشق کی

خامیاں پختگی و کمال تک پہنچ گئیں تو اب نہ تو ننگ و ناموس کی جھجک باقی رہی تھی، نہ زور و طاقت سے کام نکالنے کا گھمنڈ، جونہی سنا کہ یوسفؑ کے معاملے کی پوچھ گچھ ہورہی ہے، بے پردہ اور صریح اعلان کردیا: "الئٰن حصحص الحق، انا راودته عن نفسه وانه لمن الصدقين" (آیت ۵۱) (۵۹) وہ تو سر تاسر سچا ہے، جو کچھ بھی قصور تھا میرا تھا:

بانگ بلندست ایں، پوشیدہ نمی گویم

اب اقرار محبت میں نہ تو کسی طرح کا عار محسوس ہوتا تھا، نہ عشق کی ذلت و رسوائی رہی تھی، اب تو ہر بات جو محبوب کی راہ میں پیش آئے، محبوب ہی کی طرح محبوب ہوگئی تھی:

اجد الملامة فی ھواک لذیذة
حبا لذکرک فلیلمنی اللوم

محبت کی خامی و پختگی کے یہ مراتب قدرتی ہیں اور عام ہیں۔ جب کبھی اور جہاں کہیں بھی آئے گی ان تین حالتوں میں سے کوئی حالت ضرور ہوگی:

خام بودم، پختہ شدم، سو ختم

(ط) حضرت یوسف کے حالات میں جابجا "تاویل الاحادیث" کا لفظ آیا ہے اور اس طرح آیا ہے کہ معلوم ہوتا ہے یہ ایک علم تھا جو اللہ نے انھیں سکھادیا تھا۔ پس معلوم ہونا چاہیئے کہ اس علم سے مقصود کونسا علم ہے؟

عربی میں "تاویل" کے معنی کسی بات کے نتیجے اور مآل کار کے ہیں اور باتوں کے مطلب و مقصد پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے، چنانچہ سورہ یونس کی آیت ۳۹ کے نوٹ میں اس کی تشریح گزر چکی ہے۔ "احادیث" یعنی باتیں۔ پس "تاویل الاحادیث" کا مطلب یہ ہوا کہ باتوں کا مطلب، نتیجہ اور مآل بوجھ لینے کا علم، یعنی انسان میں علم و بصیرت کی ایسی قوت کا پیدا ہوجانا کہ ہر بات کے مطلب اور مآل کا شناسا ہوجائے۔ معاملات کی تہہ تک پہنچ جانا، امور و مہمات کے بھیدوں کا رمز شناس ہوجانا، ہر بات کی نبض پہچان لینا، ہر واقعے کا مطلب پالینا، کوئی بات کتنی ہی الجھی ہوئی ہو لیکن اس طرح سلجھا لینا کہ ساری باتوں کی کل ٹھیک بیٹھ جائے۔

حضرت یوسف علیہ السلام کا ظہور کنعان کے صحرا میں ہوا تھا اور ایک ایسے خاندان میں جو پشہاپشت سے صحرا کی بدویانہ زندگی بسر کررہا تھا۔ پیدائش سے لے کر عنفوان شباب تک اسی عالم میں زندگی بسر ہوئی۔ نہ تو کسی طرح کی خارجی تعلیم و تربیت کا موقع ملا، نہ شہری زندگی کے رسم و راہ سے آشنا ہوسکے۔ جب شہری زندگی ہی سے آشنا نہ تھے تو ظاہر ہے اجتماعی زندگی کی تمدنی خصوصیات سے کیوں کر باخبر ہوسکتے تھے؟ ملکی معاملات اور انتظامی مہمات کی توان کے کانوں میں بھنک بھی نہ پڑی ہوگی۔

بسا اوقات خاندان کے موروثی اثرات خارجی اثرات سے بے نیاز کردیتے ہیں، لیکن حضرت یوسفؑ کا خاندانی ورثہ نبوت تھا، شہر یاری و ملک داری نہ تھی اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کے توطن کنعان کے بعد سے تو شہری زندگی کا علاقہ بھی یک قلم مفقود ہوگیا تھا۔

بایں ہمہ جب گردش حوادث نے انھیں مصر جیسی متمدن سر زمین میں پہنچادیا تو وہ نہ صرف اس کے نظم و نسق کے لئے سب سے بہتر حکمراں ثابت ہوئے، بلکہ ان کی کاردانی و حقائق فہمی نے مملکت کو اس کی سب سے بڑی ہولناک بربادی سے بچالیا اور ان کے فضل و کمال کے آگے سب نے سر جھکایا۔ خود بادشاہ وقت کو اپنے عجز و درماندگی کا اعتراف کرنا پڑا۔ ایک ایسے شخص میں جو ابھی چند سال ہوئے صحرا کے ویرانوں سے نکل کر آیا تھا، یہ قوت علمی کیسے پیدا ہوگئی کہ تمام باتوں کا نبض شناس اور تمام معاملات و مہمات کی کل بٹھانے والا ہوگیا؟ یقینا مبدا فیاض کے کرشمہ فیضان سے۔ لیکن اس کرشمہ فیضان کا نام کیا ہے؟ علم "تاویل الاحادیث" کا سکھادینا۔ اب جب کہ صناعی علوم کی تدوین اور فنی مصطلحات کی بناوٹوں نے ہمیں طرح طرح کی تعبیرات سکھادی ہیں، ہم اس طرح کے علم و بصیرت کے لئے بہت سے مصطلحہ الفاظ بولیں گے، لیکن قرآن کی زبان صناعی مصطلحات کی زبان نہیں ہے، نہ علمی مصطلحات سے اس وقت عربی زبان آشنا ہوئی تھی۔ اس نے ان ساری باتوں کے لئے ایک ایسی ترکیب استعمال کی جو اداء مطلب کا قدرتی اور سیدھا سادا اسلوب ہوسکتا ہے، یعنی باتوں کے مطلب اور مآل پالینے کا علم، تعلیم کی ساری کاوشیں، تربیت ذہنی کی ساری محنتیں، تجربہ واختیار کی ساری کوششیں کس غرض سے ہوتی ہیں؟ اسی لئے کہ باتوں کا مطلب و مآل بوجھ لینے کی استعداد پیدا ہوجائے۔ علم و دانش کا تمام تر حاصل و مقصود کیا ہے؟ یہی کہ باتوں کی کل بٹھانی آجائے۔ جس مطلب کے لئے ہم نے بے شمار علمی اصطلاحیں بنالیں ہیں قرآن نے اسی کو بغیر کسی پیچ و خم کے اس طرح کہہ دیا جو اداء مطلب کا ایک صاف اور قدرتی طریقہ ہوسکتا ہے اور یہ اس کی بلاغت کی معجزانہ خصوصیت ہے۔

چوں کہ حضرت یوسفؑ نے خواب کی تعبیریں بتلائی تھیں، اس لئے مفسرین اس طرف گئے ہیں کہ یہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کرلینے کا علم تھا۔ بلاشبہ خواب کی بات بھی "احادیث" میں داخل ہے اور اس لئے کہا جاسکتا ہے کہ ایک گوشہ اس کا یہ بھی تھا۔ لیکن یہ بات درست نہیں معلوم ہوتی کہ براہ راست علم تعبیر منام پر اس کا اطلاق ہوا ہو۔ یہ ظاہر ہے کہ خواب کی سچی تعبیر معلوم کرلینا نبوت کے عام خصائص میں سے ہے اور ہر نبی وحی الٰہی سے مطلع ہو کر خواب کی حقیقت معلوم کرلیتا ہے۔ خود حضرت یعقوبؑ نے حضرت یوسفؑ کا خواب سنتے ہی حقیقت معلوم کرلی تھی اور حضرت دانیال اور عزرا وغیرہما کی سرگذشتیں ہمیں معلوم ہیں۔ پس اگر یہی بات مقصود ہوتی تو اس کی کوئی ضرورت نہ تھی کہ خصوصیت کے ساتھ "تاویل الاحادیث" کا ذکر کیا جاتا۔

.....سلسلہ جاری ہے

عبداللہ المبارک
ندوی، دوحہ

مسلم پرسنل لاء کیا ہے؟

قاضی مجاہد الاسلام قاسمی کا قطر میں علماء و دانشوروں سے خطاب

پرسنل لاء نکاح سے شروع ہوتا ہے۔ اس لئے کہ نکاح سے خاندان بنتا ہے۔ ایک مرد اور ایک عورت جڑتے ہیں۔ اللہ ان سے اولاد دیتا ہے۔ پھر باپ اور بیٹے بن جاتے ہیں، پھر بھائی اور بہن بنتے ہیں۔ اور پھر اس کا رشتہ کہیں ہوتا ہے تو اس سے سسرال بنتی ہے۔ سارے خاندان کا بنیادی Unit سماج میں نکاح ہے۔ جس کے ذریعہ ایک گھر بنتا ہے۔ اور سارے گھر مل کر پورے سماج کو بناتے ہیں۔

نکاح کے بارے میں شریعت کے واضح اصول قرآن میں موجود ہیں۔ اب اگر کوئی حکومت یا کوئی پارلیمنٹ اس کو بدلنا چاہے۔ مثلاً دودھ کے رشتہ میں نکاح حرام ہے۔ اب اگر کوئی شخص، کوئی حکومت، کوئی قانون ساز ادارہ یہ Law بنائے کہ دودھ کے رشتہ کا خیال نہیں کیا جائے گا اور نکاح حلال ہوگا۔ تو بتلایئے کہ یہ قرآن میں مداخلت ہے یا نہیں؟ اور اگر کسی نے بچے کو گود لے لیا (Adoption) تو گود لیئے ہوئے بچہ سے قرآن کی رو سے نکاح حلال، اور گر قانون کہے کہ اس سے نکاح حرام، تو اللہ نے جس کو حلال بنایا اس کو حرام کیا، اور جس کو حرام کیا اس کو حلال کیا۔ اس کے علاوہ اور کیا مداخلت ہو سکتی ہے دین میں؟ کیا قرآن کے خلاف گوارہ کرنے کو تیار ہیں؟ نہیں، ہرگز نہیں۔

طلاق کا قانون قرآن میں موجود ہے۔ عدت کا قانون قرآن میں موجود ہے۔ نفقہ کا قانون موجود ہے۔ وہ تمام احکام جن کا تعلق مسلم پرسنل لاء سے ہے علی العموم وہ خود قرآن میں مذکور ہیں، یا حدیث صحیح سے منقول ہیں۔ ان میں کسی طرح کی تبدیلی کا مطلب سیدھے سیدھے مذہب اسلام کے خلاف چلنے پر مسلمانوں کو قانوناً مجبور کرنا ہے۔

مسلم پرسنل لاء بورڈ اسی لئے قائم کیا گیا ہے کہ کسی قیمت پر ہم اس طرح کے کسی یونیفام سول کوڈ کو کسی ایسی ترمیم کو جو قرآن کے بتلائے ہوئے قانون کو بدل ڈالے، ہم قبول نہیں کریں گے۔ مجھے یقین ہے کہ آپ سب کی آواز بھی ہمارے ساتھ رہے گی انشاء اللہ اور ہم سب مل کر سارے شر و فساد کا مقابلہ کریں گے۔ شاہ بانو کیس کے معاملہ میں دنیا نے دیکھ لیا ہے کہ پورا ہندوستان کس طرح بیدار ہوا، جنھوں نے قرآن کی آیت کی تعبیر اور اس کا معنی متعین کرنا اپنے ذمہ لے لیا تھا۔ اس کے خلاف جو تحریک چلی تو پارلیمنٹ نے دوسرا قانون بنا کر اس فیصلہ کے اثر کو ختم کیا۔

دوستو! اللہ کی شریعت کی حفاظت ہماری ذمہ داری ہے۔ وما ارسلنا من رسول الا لیطاع۔ ہم نے رسول کو بھیجا ہی ہے اس لئے کہ اسکی اطاعت کی جائے من یطع الرسول فقد اطاع اللہ۔ جس نے رسول کا کہنا مانا اس نے اللہ کا کہنا مانا، رسول سے گریز اور انحراف کی کوئی گنجائش ہی نہیں ہے۔ جب بھی اللہ کے رسول کا جو حکم سامنے آجائے سر جھکا دینا مومن کی ذمہ داری ہے۔ پس اپنے معاملات زندگی میں اللہ کے رسول کو حکم ماننا، اور کسی جھوٹی سچی تاویلات کے ذریعہ اللہ کی شریعت کو بدلنے اور مسخ کرنے کی کوشش مت کرنا، جیسے یہود کرتے تھے، اور جس طرح انھوں نے اللہ کے حکم کو مسخ کیا تو وہ بھی اللہ کے حکم سے مسخ کر ڈالے گئے۔

خدانخواستہ ہم پر بھی کوئی ایسا عذاب نہ اتر جائے کہ ہم اللہ اور رسولؐ کے حکم کو جھوٹی سچی تاویلات کے ذریعہ بدلنا چاہیں تو خدا ہمیں بدل ڈالیں، اللہ پاک ہماری حفاظت فرمائے۔

میری عزیز ماؤں، بہنوں اور بیٹیوں! آپ سب کے لئے بھی قرآن و حدیث میں بہت کچھ ہے راضی رہو یا ناراض رہو، جو رسولؐ نے کہا اگرچہ وہ تمہاری طبیعت کے خلاف ہی کیوں نہ ہو، اس کے سامنے سر جھکا دینا مومن مرد اور مومنہ عورت کی ذمہ داری ہے۔

وما کان لمومن ولا مومنته اذا قضی اللہ و رسولہ امرا ان یکون لھم الخیرۃ من امرھم۔

یہاں صراحت کی گئی ہے کہ مسلمان مرد ہو یا عورت، یہی جواب میں نے اس وقت دیا تھا جب ۴۵ ارکان پر مشتمل جین پارلیمنٹ کمیٹی بنی جنکا مقصد مسلمانوں پر متبنی کے قانون کو نافذ کرنا تھا۔

ہندو بھائیوں کا مسئلہ یہ ہے کہ ان کے یہاں اگر کوئی شخص لاولد مرجائے تو وہ سیدھے نرک یعنی جہنم میں چلا جائے گا، لاولد کا قصور کچھ بھی نہیں۔

قرآن نے تو اصول بتادیا ہے کہ لا تزر وازرۃ وزر اخری، کسی اور کے عمل کی ذمہ داری کسی اور پر نہیں آسکتی، اس لئے یہ نہیں ہوسکتا کہ گناہ کریں عام لوگ اور کفارہ میں مارے جائیں حضرت عیسی علیہ السلام۔

فمن یعمل مثقال ذرۃ خیرا یرہ ---
جس نے جو عمل کیا ہے اس کی جوابدہی اس پر ہے۔ اس لئے عیسائیوں کا عقیدہ کفارہ باطل ہے۔

صاف اور واضح بات ہے کہ جس نے گناہ کیا اس پر ذمہ داری آتی ہے۔ یہ نہیں ہوسکتا کہ حضرت عیسی علیہ السلام اپنی قربانی دے کر سارے گنہگاروں کے گناہ کو معاف کرادیں۔

اب جس کو اولاد نہ ہوئی، اس غریب کا کیا قصور؟ اور وہ سیدھے جہنم میں چلا جائے، اس لئے ان کے لئے ضروری ہے کہ مرنے سے قبل کسی بچہ کو Adopt یعنی گود لے لے، تاکہ وہ لاولد نہ مرے۔ اس لئے ان کے یہاں Adoption ضروری ہے۔ اور اس میں اصل سازش یوروپ کے عیسائیوں کی ہے۔ ان کے بڑے بڑے گروپ آتے ہیں اور وہ بچوں کو Adopt کرنے کے لئے لے جاتے ہیں۔ وہاں وہ ان بچوں کو چرچ میں رکھ کر عیسائی بنالیتے ہیں۔ وہی کام حکومت ہمارے ساتھ کرنا چاہتی ہے۔

مختصر یہ کہ اللہ نے ان لوگوں کو ناکام کیا اور متبنی کا قانون پاس نہیں کیا گیا۔ اس موقع

پر ایک سوال مجھ سے کیا گیا تھا وہ یہ کہ بچوں کو گود لینا کوئی ضروری نہیں ہے ۔ یہ قانون مسلمانوں کے اوپر لازم نہیں ہے ۔ اگر کسی نے بچہ کو گود لیا تو وہ اس قانون کے تحت آئے گا یہ اختیاری ہے لازمی نہیں۔

میں اپنی بہنوں سے یہ عرض کررہا ہوں کہ جس طرح مرد پابند ہیں کہ اللہ کے رسول کی رائے کے خلاف نہ چلیں اسی طرح عورتوں کی بھی ذمہ داری ہے

آج دنیا میں عورتوں کے حقوق کا زبردست نعرہ لگ رہا ہے ۔ یہ معصوم اور بھولی بھالی بہنیں سمجھ نہیں پارہی ہیں کہ اس کے پیچھے اصل مقصد کیا ہے ؟ یہ کہتے ہیں کہ یہاں پر مردوں کے ذریعہ عورتوں کا استحصال ہوتا ہے ۔ یہ وہ نعرے ہیں جو یوروپ سے اسمگل ہوکر ہمارے سماج میں آرہے ہیں ۔ اور ہم میں یہ صلاحیت نہیں کہ ہر بات کو سوچ کر فیصلہ خود کریں ۔ دماغ میں جو مختلف قسم کے بت بیٹھے ہیں اس کو توڑ کر پھینک دیجئے اور طے کرلیجئے کہ ہم تنہا اللہ کے بندے اور حضورؐ کے امتی ہیں۔

یہ لوگ عورتوں کا استحصال کررہے ہیں ۔ عورتیں بازار میں برہنہ گھوم رہی ہیں ۔ مرد کو سردی زیادہ لگتی ہے اس لئے پورا لباس پہنتا ہے ۔ اور شاید عورتوں کو گرمی زیادہ لگتی ہے اس لئے ان کے بدن کو ننگا کردیا ان کی تہذیب جدید نے اپنی ماؤں ، بہنوں اور بیٹیوں کو برہنہ کرکے بازار میں گھما رہے ہیں ۔ عورت خوش ہے کہ ہم کو برابر کا درجہ مل رہا ہے ۔ آزادی مل رہی ہے حالانکہ یہ گنہگار مرد اپنی نظر میں اور غلط جذبات کی تسکین کے لئے ہماری ماؤں اور بہنوں کے جسم کو ننگا کرتے ہیں ۔ ان کا استحصال بیجا کرتے ہیں۔

آج ہم اپنی ماں بہنوں اور بیٹیوں کو اس حال میں دیکھتے ہیں کہ وہ سڑکوں پر چلچلاتی دھوپ میں ٹریفک پولیس کی ذمہ داری انجام دے رہی ہے ۔ کیا یہ بنت حوا اسی لئے پیدا ہوئی تھیں ؟

میں نے خود لندن میں دیکھا ہے کہ عورتیں کمارہی ہیں اور شوہر گھر میں بیٹھ کر ٹی وی دیکھ رہا ہے بیوی کی کمائی ان کے لئے کافی ہے ۔ اس طرح دراصل عورت کی آزادی کا یہ نعرہ عورت کو جانور کی طرح کام میں لگادینا ہے ۔ اس پر گھر کی ذمہ داری ، بچوں کی پرورش بھی ، ساتھ ہی فیکٹری میں جاکر کام بھی کرے ۔ آزادی کا یہ نعرہ قطعاً غیر منصفانہ ہے ۔ ارشاد باری تعالی پر غور کیجئے :

الرجال قوامون علي النساء بما فضل الله بعضهم علي بعض ..... مرد قوام ہے Head of the Family ہے مگر سرداری بہت بڑا درد سر اور درد جگر ہے ۔ یعنی آپ کو گھر کے برے بھلے کی ہر وقت فکر رکھنا ہے ۔ آپ کو اپنے مزاج کو ٹھنڈا رکھنا ہے ۔ آپ کو تحمل و برداشت سے کام لینا ہے ۔ تب آپ گھر کی سربراہی کے اہل ہوں گے ۔ قرآن نے وجہ بتائی ہے ۔ بما فضل الله بعضهم علي بعض۔ لفظی ترجمہ ہے : اس وجہ سے کہ اللہ نے بعض کو بعض پر فضیلت دی ہے ۔ میں ذرا دوسرا ترجمہ کرنا چاہوں گا ۔ اس لئے کہ اللہ نے اپنے بعض بندوں میں بعض کاموں کے لئے زیادہ صلاحیت عطا فرمائی ہے ۔ یہ ہے تفصیل۔

مردوں میں اللہ نے قدرتی طور پر بعض صلاحیتیں رکھی ہیں ۔ ان صلاحیتوں کا تقاضا ہے کہ قومیت ان کو دی جائے اور دوسری وجہ کیا ہے؟ وبما انفقوا من اموالهم ۔ اور اسی لئے کہ مرد اپنا مال خرچ کرتا ہے ۔ یعنی کما کر لانا اور خرچ کرنا مرد کی ذمہ داری ہے ۔ عورت کی نہیں۔

انفاق کی ذمہ داری مردوں پر ہے ۔ کمانے کی ذمہ داری بھی آپ پر ہے ۔ مجبوری ہوگی تو عورت بھی کمالے گی ۔ لیکن آپ اپنی ذمہ داری اس پر تھوپ دینا چاہیں تو معاملہ بالکل برعکس ہوجائے گا ۔ وہ حاکم ہوگی اور آپ محکوم جو روپئے خرچ کرے گا وہ حاکم ۔ اگر عورت لکھ پتی اور کروڑ پتی بھی ہے تب بھی وہ آپ سے Maintainance پانے کی مستحق ہے ۔

والدین کے نفقہ میں تو یہ ہے کہ اگر وہ ضرورت مند نہیں ہیں تب ان کا خرچہ اور اولاد پر واجب نہیں ہے ۔ لیکن بیوی کا معاملہ عقد کی وجہ سے نفقہ واجب ہوتا ہے ۔ عقد موجود ہے چاہے عورت لکھ پتی ہے پھر بھی شوہر کو اس کا نان و نفقہ دینا ہے ۔

بیوی کیسی ہو؟

فالصلحت ... نیک ہو ، فرمانبردار ہو ، شوہر کا ہر وہ حکم جو شریعت کے حدود کے اندر ہو اس کا ماننا واجب ہے ۔ لیکن اگر شوہر یہ کہے کہ تم اپنے زیب و زینت کی آرائش کرکے بازاروں میں نکلو ، عورت کو نہیں ماننا ہے ۔

اگر شوہر مجبور کرے کہ تم ہمارے دوستوں کے سامنے آو ، ان کے ساتھ ہنسی مذاق کرو ، میرے ساتھ ڈنر اور لنچ پر چلو ، کلب میں چلو ، عورت کہہ سکتی ہے کہ میں مومنہ ہوں ، میں تم سے پہلے اللہ کے حکم کی پابند ہوں ، تم اللہ کے حدود میں رہتے ہوئے حکم کروگے تو میں اس حکم کی پابند ہوں ۔

حفظت للغيب .... چھپی ہوئی چیزوں کی حفاظت کرنے والی ہو ، عزت و آبرو کی حفاظت کرے جو امانت ہوگئی ہے شوہر کی ، شوہر کے مال کی حفاظت کرے اور شوہر کے راز کی حفاظت کرے ۔ ہاں اگر شوہر کا مال بیوی کے پاس موجود ہے اور بیوی کو خرچہ وغیرہ نہیں دیتا ہے بیوی بچوں کو سخت تکلیف اور مصیبت کا سامنا ہے تو بیوی کے لئے جائز ہے کہ شوہر کے اس رکھے ہوئے مال سے اپنی اور بچوں کی ضروریات پورے کرے ۔

فتح مکہ کے بعد جب حضرت ابوسفیان کی زوجہ حضرت ہندہ تشریف لائیں ، اور اسلام قبول کیا ، انھوں نے حضورؐ سے سب سے پہلا مسئلہ یہ پوچھا کہ آج سے پہلے آپ کے خیمہ سے زیادہ دنیا میں کسی اور خیمہ سے نفرت نہیں تھی ، مگر آج آپ کے خیمہ سے زیادہ میری نظر میں کوئی اور خیمہ محبوب نہیں ہے ۔ یہ وہی ہندہ ہیں جنھوں نے سید الشہداء حضرت حمزہؓ کا کلیجہ چبایا تھا ۔ آگے وہ حضورؐ سے ایک مسئلہ دریافت کرتی ہیں : ” آپ تو جانتے ہیں کہ حضرت ابوسفیان بخیل آدمی ہیں ، خرچ پورا نہیں دیتے ، مگر ان کا مال میرے پاس حفاظت کے لئے رہتا ہے ، حضورؐ نے فرمایا : خذي ما يكفيك اپنے اور بچوں کے لئے بقدر ضرورت لے لیا کرو ، حضور پاکؐ کی اس حدیث سے عورتوں کو بڑی راحت ملی ، اور اسی

سے فقہاء نے یہ مسئلہ مستنبط کیا کہ اگر شوہر کا مال بیوی کے پاس ہے اور شوہر اس کی کفالت صحیح طور پر نہیں کرتا ہے تو وہ حسب ضرورت اس میں سے لے سکتی ہیں۔

میری ماں، بہنوں اور بیٹیو! ایسا گھر جس میں شوہر پورے گھر کے سدھار کے لئے ہم دم فکر مند رہے۔ محنت کرے، روزی روٹی کمائے، تم سے میٹھی بات کرے، اور ایسی بیوی جس میں صلاح ہو، تقویٰ ہو، پاکیزگی ہو، مال اور راز کی حفاظت کرنے والی ہو وہ گھر جنت ہوگا یا نہیں؟ ہم لوگوں کا گھر جہنم بنتا جارہا ہے اللہ کی ان تعلیمات سے گریز کی وجہ سے۔ میری بہنوں آپ بہت بڑا کام کرسکتی ہیں، آپ کی گود میں ہماری آئندہ نسل پرورش پاتی ہے۔

مجھے یاد ہے کہ بچپن سے ہماری مائیں کلمہ سکھاتی تھیں، بغیر بسم اللہ کے کسی کام کو کرنے سے منع کرتی تھیں اور ہر موقع پر خود بسم اللہ پڑھ کر ہمیں سکھاتی تھیں، اللہ کے آگے کسی کے آگے سر نہ جھکانے کی تعلیم دیتی تھیں اور رسولؐ کی محبت کا گیت بھی مائیں ہی ہمارے دلوں میں ڈالتی تھیں۔

میری ماں بہنوں! آپ اتنا عظیم کام انجام دے سکتی ہیں کہ آنے والی نسل کو صحیح معنی میں مسلمان بنا کر رکھ سکتی ہیں۔ بچوں کی تربیت تو آپ کے ہاتھوں میں ہے۔ مستقبل کی نسلوں کا اصل اسکول آپ ہیں اور آپ کی گود ہے۔

پس اگر عورتیں ذمہ داری محسوس کریں گی تو بہت کچھ ہوسکتا ہے۔ گھر میں نماز اور تلاوت قرآن کا ماحول پیدا کرنا آپ کی ذمہ داری ہے۔

میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا ہے۔ میرے ایک عزیز بڑے افسر تھے، وہ ایسی جگہ پر Posted تھے جہاں نہ مسجد تھی نہ کوئی عبادت کی جگہ، جب میں ان کے یہاں گیا اور میں نے نماز شروع کی تو ان کے بچے آکر میرے پہلو میں کھڑے ہوگئے، اور جب میں فارغ ہوا تو وہ دریافت کرنے لگے کہ آپ یہ کیا کر رہے تھے؟ یہ بچے مسلمان گھر میں پیدا ہوئے تھے مگر انھوں نے کبھی نماز نہیں دیکھی تھی۔

اگر گھر میں نماز کا ماحول ہوگا تو بچوں میں نماز کا شوق پیدا ہوگا۔ اور اگر گھر میں شوہر بیوی جھگڑتے رہیں گے تو بچے دیکھتے رہیں گے تو بچے بھی جھگڑالو ہوجائیں گے۔ احتیاط سے کام لیجئے، آپ پر آئندہ نسلوں کی ذمہ داری ہے۔

اس وقت اپنے ملک میں صورت حال یہ ہے کہ ایک بہت بڑی طاقت چاہتی ہے کہ کسی طرح مسلمانوں کی تہذیب و ثقافت اور انفرادیت ختم ہوجائے، اور مسلمان دوسروں کے ساتھ مدغم ہوجائیں اور یہ چیزیں ہم گوارہ نہیں کرسکتے۔

اللہ سے دعا کیجئے کہ اللہ ہمیں طاقت دے، عزیمت دے، اور ہم ہمت کے ساتھ ان کاموں کو انجام دے سکیں۔ اس ملک میں جہاں ہزاروں برس سے زیادہ اسلام موجود ہے ہم ان حالات میں بھی اسلام کو باقی رکھ سکیں۔

میں امید کرتا ہوں کہ آپ کی دعائیں ہمارے کام آئیں گی اور پھر آپ سے عرض کروں گا کہ اپنے ملک و وطن سے غافل مت رہیئے گا، سب کی یہی ذمہ داری ہے۔

اللہ پاک ہم کو حق اور خیر کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین۔

وآخر دعوانا عن الحمد للہ رب العالمین۔

(بشکریہ: ملی اتحاد، نئی دہلی)

سرینگر کی ایک مسجد

ارجنٹائن معاشی بحران کی لپیٹ میں

سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں کے اثرات ساری دنیا میں محسوس کئے جارہے ہیں اور ماہرین اس بارے میں سوچ و بچار میں مصروف ہیں کہ آئندہ دنوں میں دنیا مزید • بحرانوں سے دوچار ہوسکتی ہے ۔ ارجنٹائن کا موجودہ بحران اس کی ایک بری مثال ہے ،جس کے بارے میں کہا جاسکتا ہے کہ یہ سو فی صد سرمایہ دارانہ نظام کے حامل مالیاتی اداروں کی پیداوار ہے جو اپنی شرائط پر قرضے فراہم کرکے غریب ممالک کی کمزوریوں سے فائدہ اٹھاتے ہیں اور اپنی اقساط کی بروقت وصولیابی کے لئے غریب ممالک کو بلند ترین شرحوں پر قرضے فراہم کرتے ہیں۔ یوں غریب ملک قرضوں کی ادائیگی کے لئے قرضوں کے حصول میں پھنس کر عالمی مالیاتی اداروں کے اشاروں پر ناچنے لگتے ہیں۔

لاطینی امریکی ممالک کے ساتھ امریکہ اور یورپ کا طرز عمل منافقانہ رہا ہے ۔ان کے ساتھ دہرا معیار اپنا رکھا ہے ۔ مغرب دراصل لاطینی امریکہ کو اب تک اپنی کالونی سمجھ رہا ہے اور وہاں کے عوام کو اپنی اشیاء کی منڈی کے طور پر استعمال کررہا ہے ۔اسی طرح مغرب لاطینی امریکی ممالک (جو جنوبی اور وسطی امریکہ پر مشتمل ہیں) کے خام مال سے بھرپور استفادہ کررہا ہے ۔ یہ طرز عمل ان علاقوں میں نو آبادیوں کے قیام سے ہی جاری ہے اس بنا پر اس خطے کے عوام کا معیار زندگی امریکہ اور یورپ کے مقابلے میں خاصا پست ہے ۔

ارجنٹائن کے اقتصادی بحران کے باعث سابق صدر ایڈیلفو روڈیگیز سا نے جو چند دن ہی ارجنٹائن کی کرسی صدارت پر براجمان رہے ،قرضوں کی واپسی موخر کرنے کا اعلان کیا ۔ یہ صورتحال عالمی مالیاتی اداروں کے لئے تشویش ناک ہے کیوں کہ قرضوں کی واپسی موخر کرنے کا مطلب اپنے آپ کو دیوالیہ ظاہر کرنا ہے ۔ ارجنٹائن عالمی مالیاتی اداروں کے 132 ارب ڈالر کا مقروض ہے ۔ اگر ارجنٹائن کی حکومت اپنے آپ کو دیوالیہ قرار دیتی ہے تو یہ دنیا کی تاریخ کا سب سے بڑا ڈیفالٹ ہوگا ۔اس ڈیفالٹ کے نتیجے میں دنیا مزید بحران سے دوچار ہوگی اور قرض دہندہ ممالک کے 132 ارب ڈالر ڈوب جائیں گے ۔چنانچہ ردعمل کے طور پر آئی ایم ایف ، ورلڈ بینک اور قرض دینے والے ممالک اپنی مالیاتی پالیسیوں میں تبدیلی لائیں گے ،جو ترقی پذیر ممالک کے لئے مشکلات کا باعث بنے گی ۔اس ڈیفالٹ سے ، دوسرے مقروض ممالک سے قرضوں کی وصولیابی کے سلسلے میں مالیاتی اداروں کا رویہ مزید سخت ہوجائے گا اور دوسرے ممالک کو معاشی بحران کا سامنا ہوسکتا ہے ۔اس کے علاوہ چونکہ لاطینی امریکہ میں ڈیفالٹ کا پہلا واقعہ نہیں ہوگا ، چنانچہ اگر دنیا کے دوسرے خطوں میں اس روایت پر عمل شروع ہوگیا تو خود عالمی مالیاتی ادارے بحران کا شکار ہوجائیں گے اور عالمی اقتصادیات اس نظام کی خرابیوں کا شکار ہوجائیں گی۔

ارجنٹائن کے بحران میں اصلی افراتفری اس وقت دیکھنے میں آئی جب آئی ایم ایف نے ارجنٹائن کی درخواست پر 1.30 ارب ڈالر کی مزید امداد دینے سے انکار کردیا ۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہاں کے خزانے میں زرمبادلہ کی مقدار اتنی نہ رہی جس سے وہ اس مالیاتی ادارے کی سالانہ قسط ادا کرسکے چنانچہ وہاں اس بحران کا آغاز ہوا جو عالمی ذرائع ابلاغ کی شہ سرخیوں میں جگہ پارہا ہے ۔ اس دوران ان کے ملک میں سیاسی بے چینی اور عوام کے غم و غصے کے مظاہرے عام ہیں ۔ پچھلے دنوں مستعفی ہونے والے فرنانڈو ڈی رودوا نے عوامی مظاہروں اور احتجاج سے نمٹنے کے لئے تیس روزہ ایمرجنسی لگادی تھی ، تاہم وہ عوامی ردعمل کو روکنے میں ناکام رہے ان ہنگاموں میں تشدد کا عنصر اس وقت شامل ہوا جب مظاہرین نے بیونس آئرس میں دوکانوں اور شاپنگ سنٹروں کو لوٹنا شروع کردیا اور مقامی پولیس تشدد کو روکنے کے لئے طاقت کے استعمال پر مجبور ہوگئی ۔ صدر فرنانڈو نے 1999 میں اقتدار سنبھالا تھا اس وقت ان کی مقبولیت کا گراف 70 فیصد تھا ، اس وقت بھی ارجنٹائن معاشی بحران کا شکار تھا ۔ ارجنٹائن کے موجودہ بحران کی ابتداء 1998 میں ہوئی تھی۔

1991 ء میں رائج کی گئی نئی مالیاتی پالیسی کے مطابق ڈالر اور پیسو (Peso) کا فکسڈ ایکسچینج ریٹ افراط زر کو روکنے میں کامیاب تھا ۔ یہ فیصلہ وہاں کے ادارے کرنسی بورڈ نے کیا تھا ۔ لیکن یہ بورڈ مجموعی مالیاتی پالیسیوں کے نفاذ میں ناکام رہا اور پیسو کو طویل المدت استحکام حاصل نہیں ہوسکا چنانچہ پیسو کی اصل قدر گرنا شروع ہوگئی اور مہنگائی میں اضافہ ہوا ۔ اس بنا پر عام کمرشیل بینکوں کے کاروبار کو خطرہ لاحق ہوگیا اور رقوم کا اخراج شروع ہوگیا ۔ مذکورہ ایکسچینج ریٹ کے تحت ایک ڈالر کے بدلے ایک پیسو کی شرح کا تعین کیا گیا تھا ۔ تاہم اس بحران میں پیسو کو ڈی ویلیو کرنے کا مطالبہ زور پکڑ رہا ہے جب کہ عام افراد اس کے خلاف ہیں کیونکہ ان کے قلاش ہوجانے کا خطرہ ہے ۔اس کے علاوہ ملازمین کی تنخواہیں کم کرنے پر بھی غور کیا جارہا ہے جو کرنسی ڈی ویلیوایشن کی ایک شکل ہے ۔

ارجنٹائن کے مجموعی قرضوں کا 80 فیصد امریکی ڈالروں پر مشتمل ہے ۔ کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ان حالات میں ارجنٹائن میں ڈالر ائزیشن شروع کردینی چاہئے اور حکومت سرکاری طور پر پیسو کی جگہ ڈالر کو آگے لائے تاکہ افراتفری میں کچھ کمی آئے ۔ اس کے علاوہ بینکوں کو اختیار دیا جائے کہ ڈالر کو اصل رقم کے طور پر میدان میں لائیں ۔ ماہرین کا خیال ہے کہ اس سے پیسو کی گرتی ہوئی ساکھ ایک جگہ ٹھہر جائے گی لیکن اس سلسلے میں ارجنٹائن کے قوانین بڑی رکاوٹ ہیں۔

ان حالات میں ایک تجویز یہ بھی تھی کہ ڈالر اور پیسو کو ایک طرف رکھ کر نئی کرنسی متعارف کرائی جائے جو نئے سرے سے ارجنٹائن کو مالیاتی بنیاد فراہم کرنے میں مدد دے ،

چنانچہ ایک نئی کرنسی ارجنٹینو (Argentino) کے نام سے متعارف کرائی گئی ہے، تاہم ملک کی اقتصادی حالت سدھرتی دکھائی نہیں دے رہی ہے اور ملک ڈیفالٹ کی طرف بڑھ رہا ہے۔ چنانچہ کچھ دن صدر رہنے کے بعد ریڈ ولفوروڈری گیز کو بھی استعفیٰ دینا پڑا اور نئے صدر ایڈورڈو دکیانو نے حلف اٹھایا۔ یہ واضح رہے کہ بحران کے گیارہ دنوں کے اندر اندر حلف اٹھانے والے یہ چوتھے صدر ہیں جو بہ ذات خود ایک ریکارڈ ہے۔

ماہرین نے اس بحران کو دراصل سرمایہ دارانہ نظام کی شکست قرار دیا لیکن امریکی وزیر خزانہ پال اونیل نے سرمایہ دارانہ نظام کا دفاع کرتے ہوئے کہا کہ ارجنٹائن کے حالات کو سرمایہ دارانہ نظام کی ناکامی ہرگز نہیں کہا جاسکتا بلکہ اس بحران کا بڑا سبب وہاں اس نظام کا صحیح لاگو نہ ہونا ہے وہاں کی حکومت نے اقتصادی آزادی پیدا نہیں کی چنانچہ معاشی ناہمواریوں کے آثار کئی سال قبل ہی ظاہر ہونا شروع ہوگئے تھے۔

اس سے قبل بہت سے ماہرین نے پانامہ اور ایک سلواڈور کی مثال دیتے ہوئے حکومت کو امریکی ڈالر بطور قومی کرنسی اپنانے کا مشورہ دیا تھا۔ مذکورہ ممالک نے اسی قسم کے معاشی بحران کے دوران امریکی ڈالر کو اپنا کر معاشی بحران پر قابو پایا تھا تاہم چوں کہ ارجنٹائن اور ان دو ممالک کے حالات کی نوعیت مختلف ہے لہذا حکومت نے تیسری کرنسی کے نفاذ کو ترجیح دی اور ارجنٹینو نئی کرنسی کے طور پر سامنے آئی۔

ارجنٹائن جنوبی امریکہ میں واقع دوسرا بڑا ملک ہے جس کی آبادی 2000ء میں تین کروڑ ستر لاکھ تھی۔ اس کا رقبہ 27 لاکھ مربع کیلو میٹر ہے جب کہ اس کا ساحل پانچ ہزار کیلو میٹر طویل ہے۔ سرکاری زبان اسپینش ہے جب کہ انگلش، جرمن، اطالوی اور فرانسیسی زبانیں بھی بولی جاتی ہے۔ 1502ء میں پہلی بار یہاں یورپی باشندے پہنچے اور 1580ء میں اسے اسپین نے اپنی کالونی بنایا۔ 9 جولائی 1986ء کو ارجنٹائن، اسپین سے آزادی حاصل ہونے کے بعد ایک آزاد ملک بن گیا۔

ارجنٹائن کی معیشت کا انحصار زرعی شعبوں اور توانائی کے وسیلوں سے حاصل شدہ آمدنی پر ہے۔ ارجنٹائن کا جی ڈی پی لاطینی امریکہ میں سب سے زیادہ رہا ہے۔ مجموعی اقتصادی لحاظ سے یہ تیسرے نمبر پر ہے۔ یہ ملک زراعت، مویشیوں اور تیل کی پیداوار میں سرفہرست ہے۔ گیس بجلی اور ایٹمی توانائی کی پیداوار میں بھی بلند مقام رکھتا ہے۔ ارجنٹائن کے GDP کا 7 فیصد حصہ زرعی آمدنی سے حاصل ہوتا ہے اور کام کرنے والے افراد کی 12 فیصد تعداد اس سے وابستہ ہے۔ کیلے، آلو، چاول، سویابین، گنا، گندم، جو، مکئی، اور مویشیوں اور جانوروں میں بطخوں کی پیداوار خاص اہمیت کی حامل ہیں۔ 1998ء میں ارجنٹائن کی زرعی برآمدات 13213 ملین ڈالر جب کہ درآمدات 1729 ملین ڈالر تھیں۔

ارجنٹائن، لاطینی امریکہ میں سب سے زیادہ تیل پیدا کرنے والا ملک ہے اور گیس کی پیداوار اور ایٹمی توانائی کے حصول کا عمدہ نظام رکھتا ہے۔ تین ایٹمی پلانٹ 7125 میگاواٹ بجلی پیدا کرتے ہیں جب کہ بجلی کی مجموعی پیداوار 75237 میگاواٹ ہے چنانچہ یہ ملک بجلی کا ایک بڑا برآمد کنندہ ہے۔ اس کے علاوہ ارجنٹائن گیس بھی برآمد کرتا ہے۔ 1913ء میں ارجنٹائن دنیا کا دسواں امیر ملک تھا۔ 1998ء میں بھی دنیا میں اس کا نمبر 36 واں تھا۔ یہ دنیا کا واحد مالدار ملک ہے جو اس قسم کے بحران کا شکار ہوا ہے۔

مندرجہ بالا اعداد و شمار ظاہر کرتے ہیں کہ ارجنٹائن قدرتی وسائل سے مالا مال ملک ہے

اور اسے ان کی برآمدات میں بھی دنیا میں نمایاں مقام حاصل ہے۔ خصوصاً بجلی اور تیل کی برآمد کسی ملک کی مضبوط اقتصادیات کو ظاہر کرتی ہے۔ اسی طرح زراعت کے میدان میں برآمدات کا نمایاں ہونا زرمبادلہ کی آمد ظاہر کرتا ہے۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ قدرتی وسائل سے استفادے کے باوجود آخر وہ کون سی وجوہات تھیں جو اس ملک کو ڈیفالٹ کی طرف لے گئیں؟ سرمایہ دارانہ نظام کے حامی یہ بات ماننے کو تیار نہیں کہ یہ بحران سرمایہ دارانہ نظام کی وجہ سے ہے یا اس نظام کی ناکامی کا آئینہ دار ہے۔ بلکہ وہ اس سے قبل بھی ارجنٹائن کی معاشی پالیسیوں پر تنقید کرتے رہے تھے کیونکہ اس نے ترقی یافتہ ممالک کو اپنے قدرتی وسائل اور عوام کی قوت خرید سے استفادے کا موقع نہیں دیا تھا۔ چنانچہ ترقی یافتہ مغربی ممالک اور عالمی مالیاتی اداروں کا رویہ ارجنٹائن سے معاندانہ رہا تھا اس کے علاوہ ارجنٹائن نے پیسو کی قیمت خود مقرر کی تھی۔ یہ چیز بھی ہمیشہ تنقید کی زد میں رہی کیونکہ آزاد تجارت کے دعوے دار کرنسی کو فلوٹ حالت میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ ارجنٹائن کے بحران کو دراصل ارجنٹائن کی اپنی پالیسیوں کا نتیجہ قرار دینے والے اس عالمی تنقید سے بچنا چاہ رہے ہیں جو خود مغربی ممالک میں، سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف شروع ہوگئی ہے اور مغربی ملکوں کی رائے عامہ سرمایہ داریت کے خلاف اپنے جذبات کا اظہار اکثر آئی ایم ایف، ورلڈ بینک، ڈبلیو ٹی او، یورپی یونین اور ورلڈ اکنامک فورم اور 7۔G کے اجلاسوں کے موقع پر مظاہروں کی صورت میں کر رہی ہے جس سے ان ممالک کی سرکاری مشنری بے حد پریشان ہے کیوں کہ یہی نظام دنیا میں ان کی حاکمیت کا باعث ہے۔ انہیں اس بات کا خوف بھی لاحق ہے کہ ارجنٹائن کے بحران کے باعث شروع ہونے والی بحث میں، جس میں سرمایہ دارانہ نظام کو تنقید کا نشانہ بنایا جارہا ہے، کہیں گلوبلائزیشن کے خلاف لہر پیدا نہ ہو کیونکہ لاطینی امریکہ کے ممالک انفراسٹرکچر کی مضبوطی کے باوجود معاشی طور پر کمزور ہیں۔ اور اس سے قبل بھی کئی ممالک ڈیفالٹ کی راہ پر چل چکے ہیں۔ ان حالات میں اگر جنوبی امریکہ گلوبلائزیشن کے مخالفین میں شامل ہوجاتا ہے تو یہ ان پالیسی سازوں کے لئے صدمے کا باعث ہوگا جو آئندہ دس برس میں آزاد تجارتی نظام مسلط کرنے کا خواب دیکھ رہے ہیں اور دنیا کو گلوبل ویلج بنا کر اس پر اس طرح حاوی ہونا چاہتے ہیں جس کے نتیجے میں دنیا کے چند ممالک دولت کے بل بوتے پر اپنی دنیا کو جنت بنالیں اور باقی دنیا ان کے لئے لیبر اور منڈی مہیا کرتی رہے۔

ارجنٹائن کی موجودہ صورتحال مغربی دنیا اور خصوصاً امریکہ کے لئے اس لحاظ سے بھی تشویش کا باعث ہے کہ وہ 2005ء تک براعظم شمالی اور جنوبی امریکہ کے 34 ممالک پر مشتمل تنظیم AFTA (امریکن فری ٹریڈ ایریا) جو حال ہی میں قائم ہوئی ہے، کو فری ٹریڈ ایریا میں تبدیل کرنے کا پروگرام رکھتا ہے جس کی بنا پر یہ خطہ خصوصاً امریکہ گلوبلائزیشن سے اپنے مفادات کو ہم آہنگ کرسکے گا اور ان دونوں براعظموں میں اپنے لئے وسیع ترین مارکیٹ حاصل کرنے میں کامیاب ہوجائے گا۔ اس بنا پر اس خطے میں نہ صرف اس کے سیاسی اثر و رسوخ میں اضافہ ہوگا بلکہ یورپی یونین کے مقابلے پر ایک تجارتی خطہ بھی وجود میں آجائے گا۔ AFTA کے رکن کی حیثیت سے ارجنٹائن کی یہ حالت زار اس معاشی اتحاد کے پروگرام کو دھچکا پہنچا سکتی ہے جس سے بہ حیثیت مجموعی عالمگیریت کے پورے عمل کو ٹھیس پہنچے گی۔

کچھ ماہرین کا خیال ہے کہ ارجنٹائن کو جنوبی امریکی ممالک کی اقتصادی تنظیم مرکوسور سے علیحدگی اختیار کرکے امریکہ سے آزاد تجارت کا معاہدہ کرنا چاہتے ہیں۔ اس ضمن میں چلی کی مثال دی جاتی ہے۔ تاہم کچھ ماہرین کا کہنا یہ بھی ہے کہ مرکوسور سے علیحدگی کے بجائے اگر اس تنظیم کو صحیح معنوں میں فعال بنا کر تنظیم کی سطح پر امریکہ اور یورپی یونین سے معاہدے کئے جائیں تو یہ ارجنٹائن کے لئے زیادہ موزوں ہوگا کیونکہ اسے مرکوسور میں ایک ممتاز مقام حاصل ہے۔ اس طرح نہ صرف اس خطے امریکہ اور یورپی یونین کے لئے برآمدات میں اضافہ ہوگا بلکہ خود مرکوسور ممالک کے درمیان باہمی تجارت کو فروغ حاصل ہوگا جس میں ارجنٹائن کا پلہ بھاری رہنے کی امید ہے کیونکہ ارجنٹائن لاطینی امریکہ کی تجارت میں منفرد مقام رکھتا ہے۔ امریکہ سے براہ راست آزاد تجارت کا معاہدہ ارجنٹائن اور شاید خود امریکہ کے لئے کبھی فائدے کا باعث نہ ہو کیونکہ ان حالات میں مسابقت پیدا ہونے کی امید نہیں کی جاسکتی۔

سوال یہ ہے کہ موجودہ عالمی نظام میں کوئی ملک اگر 132 ارب ڈالر کے قرضے لے کر بھی غریب ہی رہے تو اس میں کسے قصوروار ٹھہرایا جائے کسی حد تک تو یہ مانا جاسکتا ہے کہ قرض دار ملک نے ان قرضوں کو صحیح استعمال نہیں کیا۔ بہرحال یہ سوال بار بار اٹھے گا کہ قرض دینے والے مالیاتی ادارے کسی ملک کی معیشت پر قبضہ جمانے کے لئے قرض کو بطور ہتھیار استعمال کرتے ہیں اور ان کے پیچھے دراصل وہ ممالک ہوتے ہیں جو ان مالیاتی اداروں کی پشت پناہی کرتے ہیں۔ خصوصاً قرضوں کی قسط کی وصولی کے لئے قرض دار ملک کو بلند شرح سود پر قرض دینے کا عمل ان کی ذہنیت کا عکاس ہے جس کے تحت وہ کسی ملک کو دست نگر بنائے رکھنا چاہتے ہیں۔

ارجنٹائن تو خوش حال ملک تھا لیکن عالمی مالیاتی ادارے ابھی تک ان ممالک کے قرضے معاف کرنے پر متفق نہیں ہوسکے جو کہ غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی بسر کر رہے ہیں۔ جہاں قحط، افلاس و بھوک نے غلبہ جمایا ہوا ہے اور ایڈز دوسرے موذی امراض روزانہ ہزاروں لوگوں کو موت کے منہ میں ڈھکیل رہے ہیں۔ ایسے ممالک کے قرضے معاف کرنے کے بارے میں پچھلے سال 7۔G کے اجلاس سے غور ہوا ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ دنیا میں کسی ایسے نظام کے بارے میں بحث مباحثے کا آغاز کیا جائے جو دنیا کے اقتصادی نظام کو منصفانہ خطوط پر استوار کرے اور انسانیت کو خوشحالی سے دوچار کرے ورنہ یہ صدی موجودہ نظام اور عالمگیریت کی سوچ کی بنا پر پچھلی صدی کی تیسری اور چوتھی دہائی کا منظر پیش کرے گی۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل ودماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

خالد یزدانی

پرویز مشرف: فوجی سے صدر پاکستان تک

گزشتہ دنوں ایک انگریزی جریدے کے دو نمائندوں نے فوٹوگرافر کے ہمراہ آرمی ہاؤس میں پاکستان کے صدر جنرل پرویز مشرف کا طویل انٹرویو ریکارڈ کیا جس میں انہوں نے بچپن کے حالات، اپنی نجی زندگی کے حوالے سے سیرحاصل گفتگو کی۔ "نیوز ویک" نے لکھا ہے کہ سیاسی خطرات کے باوجود صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف دہشت گردی کے خلاف جنگ میں مضبوط اتحادی ثابت ہوئے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ زہرہ کا کہنا ہے کہ پرویز مشرف کا شمار تعلیم کے دوران بہت اچھے طالب علموں میں نہیں ہوتا تھا تاہم وہ ہمیشہ ایک لیڈر رہے ہیں۔ اب وہ ایک ایٹمی طاقت کے حامل ملک کے سربراہ بن گئے ہیں اور عالم اسلام کیلئے نئی منزل متعین کرنے کے خواہاں ہیں۔ دیکھنا یہ ہے کہ کیا ان کے عزائم پایہ تکمیل تک پہنچ سکیں گے؟ زندگی میں رونما ہونے والے بعض اتفاقیہ واقعات تاریخ کا رخ موڑ دیتے ہیں۔ کئی غیر متوقع الیے خوش بختی اور کامیابی کا پیغام لے کر آتے ہیں۔ پرویز مشرف کے اہل خاندان کے ساتھ بھی یہی کچھ ہوا۔

۱۱ ستمبر شام کے چھ بجے تھے جب القاعدہ کے بائی جیکروں نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے ساتھ دو طیارے ٹکرا دیئے تھے۔ مشرف نے اس واقعہ کے چار گھنٹے کے اندر اندر قومی ٹیلی ویژن پر خطاب کرتے ہوئے یہ اعلان کردیا کہ ان کی حکومت اسامہ بن لادن کو پناہ دینے والے افغانستان میں برسر اقتدار طالبان کے ساتھ پرانی رفاقت ختم کرکے امریکی اتحاد میں شامل ہورہی ہے۔ مشرف نے اپنے مشیروں اور ساتھی افسروں کے ساتھ اس سلسلے میں صلاح مشورہ بعد میں کیا۔ اب مشرف نے بتایا ہے "میں نے ایک دوررس فیصلہ کیا۔ البتہ میں نے یہ فیصلہ نہایت غور و خوض کے بعد کیا۔ میں نیپولین کے اس مقولے پر عمل کرتا ہوں کہ فیصلہ سازی کے دوتہائی عمل کا انحصار تجزیے اور اطلاعات پر ہوتا ہے جبکہ فیصلہ کا ایک تہائی حصہ ہمیشہ تاریکی کے پردے میں رہتا ہے"۔ پچھلے چار ماہ کے دوران جنرل مشرف نے بہت بڑے سیاسی خطرات کا سامنا کیا ہے۔ دہشت گردی کے خلاف جنگ میں شمولیت اور امریکہ کی حمایت محض نقطہ آغاز تھا۔ مشرف حکومت نے پچھلے ہفتے کئی ڈرامائی پالیسیوں کا اعلان کیا اور اگر یہ پالیسیاں کامیاب ہوگئیں تو ان سے پاکستان مکمل طور پر تبدیل ہوجائے گا اور صدر جنرل محمد ضیاء الحق کے بعد ملک میں پہلی بار سب سے بڑی تبدیلیاں رونما ہوں گی جنہوں نے 1981ء میں پاکستان کو اسلامیہ جمہوریہ قرار دے کر شرعی عدالتیں قائم کردی تھیں اور خواتین کے شہری حقوق کو محدود کردیا تھا۔ جنرل مشرف پاکستان کو نہ صرف ملائیت کے طویل چنگل سے نجات دلانا چاہتے ہیں بلکہ انہیں یہ توقع بھی ہے کہ دوسرے اسلامی ممالک بھی پاکستان کی مثال پر عمل کرتے ہوئے انتہا پسندوں سے چھٹکارا حاصل کرلیں گے۔ انہوں نے گزشتہ ہفتے تمام انتہا پسند اور دہشت گرد تنظیموں پر پابندی عائد کردی اور 1900 فعال کارکنوں کو حراست میں لے لیا۔ انہوں نے آئندہ اکتوبر میں قومی اسمبلی کے الیکشن کرانے کا بھی اعلان کیا ہے جس میں خواتین کو کم سے کم بیس فیصد نشستیں دی جائیں گی۔ انہوں نے 1978ء کے بعد پہلی مرتبہ غیر مسلموں کو رائے دہی کا مکمل حق دیا ہے۔ وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ انہوں نے ہندوستان کے ساتھ امن قائم کرنے اور کشمیر کے مسئلے کو حل کرنے کا پختہ عزم کررکھا ہے جس کی وجہ سے دونوں ممالک دوبارہ جنگ کے دہانے پر آن کھڑے ہیں۔ برصغیر میں کشیدگی کو کم کرنے کیلئے امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے گزشتہ ماہ دونوں ملکوں کا دورہ کیا۔ صدر مشرف نے اس دورے کے بعد بتایا "میرے خیال میں اس وقت تک جنگ نہیں ہوگی جب تک کسی فریق نے پاگل پن کا مظاہرہ نہ کیا۔ تاہم جنگ کے امکانات کو کسی صورت میں نظر انداز نہیں کیا جاسکتا"۔ دونوں ملکوں کے پاس ایٹمی ہتھیار موجود ہیں اور مشرف کو اعتراف ہے کہ مسئلہ کشمیر کی وجہ سے برصغیر میں ایٹمی جنگ کا خطرہ پیدا ہوگیا ہے۔ جنرل مشرف کے حامی اور مخالفین ان کا موازنہ مصر کے صدر انور سادات کے ساتھ کرتے ہیں جنہوں نے اسرائیل کے ساتھ امن معاہدہ کیا اور بعد میں قتل کردیئے گئے تھے۔ مشرف نے بھی اسی قسم کی

جرات مندی اور فہم و فراست کا مظاہرہ کیا ہے۔ بہت سے پاکستانیوں کو خدشہ ہے اور بعض کی خواہش ہے کہ ان کا بھی انور سادات جیسا خونین انجام ہو۔ جنرل مشرف کے بیٹے بلال کا کہنا ہے "وہ ایک ایسے لیڈر ہیں جو یہ اصلاحات نافذ کرسکتے ہیں"۔ ان کا کہنا ہے کہ "کسی بھی پاکستانی کی طرح مجھے بھی ان کی سلامتی اور حفاظت پر تشویش ہے"۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا مشرف کی شخصیت میں وہ سحر انگیزی اور سیاسی بصیرت موجود ہے جو ان کے منصوبوں پر عملدرآمد کے دوران پاکستان کو متحد رکھ سکے ؟ ان کی والدہ زہرہ اپنے اس دوسرے بیٹے کے بارے میں کہتی ہیں کہ پرویز اپنے بڑے بھائی کے مقابلے میں کبھی اسمارٹ نہیں رہا۔ پرویز اپنے خاندان میں، جس نے ۱۹۴۷ء کی تقسیم کے وقت ہندوستان سے ہجرت کرلی تھی، تین بھائیوں میں منجھلے ہیں۔ وہ پہلے مہاجر پاکستانی صدر ہیں۔ اس سے پہلے زیادہ تر پنجابی صدر رہے جن کا پاکستان کی فوج پر غلبہ ہے۔ ان کے والد ایک سفارت کار تھے کا جن ۲۰۰۰ میں انتقال ہوگیا۔ ان کی والدہ زہرہ ایک تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ وہ انٹرنیشنل لیبر آرگنائزیشن میں طویل ملازمت کے بعد ۱۹۸۰ء کے عشرے میں ریٹائر ہوئیں۔ جنرل مشرف کے ذاتی دوست اور سابق وزیر جاوید جبار کہتے ہیں "مشرف کی شخصیت پر والدہ کا گہرا اثر ہے"۔ زہرہ اب مشرف اور صبا کے ہمراہ آرمی ہاؤس میں رہتی ہیں اور وہ اب بھی ایک نہایت باثر خاتون ہیں۔ ان سے سوال کیا گیا کہ آیا یہ درست ہے کہ انہوں نے پرویز کو فوج میں جانے کی ترغیب دی تھی کیونکہ ان کے دوسرے بھائی تعلیمی صلاحیتوں کے اعتبار سے زیادہ مضبوط تھے۔ اس پر زہرہ نے ہنستے ہوئے اتفاق کیا اور کہا "میں یہ خواب میں بھی سوچ نہیں سکتی تھی کہ پرویز صدر بن جائے گا"۔ پرویز کو والدہ کے ان ریمارکس پر بظاہر صدمہ ہوا پھر وہ کہنے لگے "میں پڑھائی میں برا نہیں تھا" ان کی ممی نے بات کاٹتے ہوئے کہا "تم اوسط درجے کے طالب علم تھے" اس پر صدر کہنے لگے "میں کلاس میں ہمیشہ تیسری یا چوتھی پوزیشن پر آتا تھا" ماں اپنے بیٹے کی طرف مسکراتے ہوئے دیکھتی ہے بیٹا کہتا ہے "یونیورسٹی میں غیر نصابی سرگرمیوں میں بہت زیادہ حصہ لینے کی وجہ سے میں نچلے گریڈ میں چلا گیا تھا"۔ اس پر کمرے میں قہقہوں کی گونج سنائی دیتی ہے۔ نوجوان پرویز کو زندگی میں بہت کچھ کرنا تھا۔ اس کا بڑا بھائی جاوید رہوڈز کا اسکالر تھا جو فوڈ اینڈ ایگریکلچر آرگنائزیشن میں ملازمت اختیار کرکے روم چلا گیا۔ "میں بڑے بھائی سے کالج میں ایک سال پیچھے تھا اور میرے ٹیچرز مجھے ہمیشہ یہ کہتے "تم جاوید مشرف کے بھائی ہو اس کے باوجود تم سوالوں کا جواب نہیں دے پاتے۔ "آخر معاملہ کیا ہے؟"۔ صدر اپنے زمانہ طالب علمی کی یادوں کو دہراتے ہوئے کہتے ہیں" بعض اوقات میں اپنے بڑے بھائی کے پرانے مضامین لے کر انہیں دوبارہ لکھ کر بہت اچھے نمبر لے لیا کرتا تھا"۔ سب سے چھوٹا بھائی نوید بڑا ذہین تھا، وہ بڑا ہو کر ڈاکٹر بنا اور آج امریکہ میں پریکٹس کررہا ہے۔ مستقبل کے صدر کے بارے میں ان کی والدہ نے کہا "ان میں قیادت کے اوصاف شروع سے موجود تھے۔ جب وہ بچے تھے تو ان کے دوست کوئی کام شروع کرنے سے پہلے ان کا انتظار کرتے۔ وہ اب بھی میرے پسندیدہ بیٹے ہیں"۔ اس پر مشرف مسکراتے ہیں اور اپنے تعلیمی کیریئر کے بارے میں آخری الفاظ کہتے ہیں "میں ریاضی کے مضمون میں بہت اچھا تھا اور عددوں کے معاملے میں مجھے بڑی مہارت حاصل ہے۔" اس پر ان سے سوال کیا گیا کہ 73 کو 67 ضرب دے کر بتائیں۔ انہوں نے لمحہ توقف کیا اور بتایا "4891"۔ صبا نے نوجوان کپتان سے منگنی کا قصہ سناتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے مجھے سب سے پہلے ہیئر ڈرائیر تحفے میں دیا تھا جس کی گرپ پستول نما تھی۔ ان کی شادی والدین کے رضامندی سے طے ہوئی تھی لیکن پرویز اور صبا ایک ماڈرن جوڑا تصور کیا جاتا تھا۔ صبا نے کہا "قرآن میں عورتوں کے برابر حقوق کی ضمانت دی گئی ہے" وہ دس سال تک ٹیچر کے طور پر کام کرتی رہی ہیں لیکن دو بچوں کی پرورش کے لئے انہیں ملازمت ترک کرکے گھر پر رہنا پڑا۔ "نیوز ویک" نے لکھا کہ آرمی چیف بننے کے بعد انہوں نے مقبوضہ کشمیر میں کارگل پر حملہ کرنے کی منصوبہ بندی کی۔ جنرل مشرف نے کہا کہ انہوں نے ۱۱ ستمبر کے حملوں کے چند ہفتوں کے اندر اندر حکومت پاکستان میں موجود طالبان کے حامیوں کو نکال باہر کیا۔ جن میں تیرہ میں سے پانچ جرنیل بھی شامل تھے۔ اگر کوئی جمہوری حکومت برسراقتدار ہوتی تو یہ فیصلہ اس قدر تیزی کے ساتھ نہ کیا جاسکتا۔ جنرل مشرف جو اس سے پہلے فوجی ڈکٹیٹر سمجھے جاتے تھے ۱۱ ستمبر کے بعد مغرب کے قابل قدر دوست بن گئے۔

بش کے ایک معاون کا کہنا ہے کہ مشرف نے مشکل فیصلے کئے ہیں لیکن انہیں ابھی اور بہت کچھ کرنا ہے، مسائل بہت گمبھیر ہیں۔

☆☆☆☆

یوپی میں معلق اسمبلی، تین ریاستوں میں کانگریس کا شاندار مظاہرہ

ملک کی چار ریاستوں اور بالخصوص اتر پردیش اسمبلی کے انتخابات سے بی جے پی پر کافی منفی اثر پڑا ہے ۔ پنجاب اور اترانچل میں کانگریس نے بی جے پی کو اقتدار سے محروم کردیا۔ منی پور میں بھی کانگریس کا موقف مستحکم ہے ۔ ملک کی سب سے اہم ریاست اتر پردیش میں بی جے پی حکومت کا صفایا ہوگیا لیکن معلق اسمبلی وجود میں آئی ہے جس سے پھر ایک بار غیر یقینی کیفیت پیدا ہوگئی ۔ بی جے پی کے چیف منسٹر مسٹر راج ناتھ سنگھ نے اخلاقی ذمہ داری قبول کرتے ہوئے عہدہ سے استعفی دے دیا اور قطعی طور پر پارٹی نے یہ موقف اپنایا ہیکہ وہ بی ایس پی سے بالخصوص سمجھوتہ نہیں کرے گی جسے اسوقت بادشاہ گر کا موقف حاصل ہے ۔ بی جے پی کا یہ فیصلہ ہیکہ عوام نے اسے اپوزیشن میں بیٹھنے کا فیصلہ سنایا ہے اور وہ اس فیصلہ کی پاسداری کرتے ہوئے حکومت تشکیل دینے کی کوشش نہیں کرے گی۔ چنانچہ اتر پردیش کے معلق نتائج میں سماج وادی پارٹی جو واحد اکثریتی جماعت کے طور پر ابھری ہے تشکیل حکومت کا دعوی پیش کرے گی ۔ لیکن اتنا ضرور ہیکہ اسے درکار اکثریت حاصل کرنے کے لئے دیگر چھوٹی جماعتوں پر انحصار کرنا پڑے گا اور حکومت کے مستقبل کے تعلق سے اندیشہ رہ سکتا ہے ۔ ایسے وقت جبکہ ایودھیا مسئلہ کو ہندو فرقہ پرست تنظیمیں اہم موضوع بنا کر پیش کررہے ہیں اتر پردیش میں سیکولر حکومت کی تشکیل خوش آئند ہے لیکن سماج وادی پارٹی قطعی اکثریت سے کامیاب ہوتی تو اسکی معیاد مکمل ہونے تک کسی طرح کا اندیشہ باقی نہیں رہتا ۔ لیکن موجودہ صورتحال میں مسٹر ملائم سنگھ یادو کو صبر آزما مرحلہ سے گزرنا پڑرہا ہے ۔ انھیں چھوٹی چھوٹی سیاسی جماعتوں کی تائید درکار ہے جو کسی بھی وقت حکومت کے لئے مسائل پیدا کرسکتی ہیں جہاں تک دیگر تین ریاستوں کا تعلق ہے پنجاب، منی پور اور اترانچل میں شاندار کامیابی کے ذریعہ کانگریس نے اپنی حکومت تشکیل دی ہے اور اب کانگریس زیر اقتدار ریاستوں کی جملہ تعداد 15 ہوگئی ہے ۔ دیگر ریاستوں میں ضمنی انتخابات بھی ہوئے جس میں قابل ذکر آل انڈیا انا ڈی ایم کے سربراہ جے للیتا اور چیف منسٹر گجرات نریندر مودی کی کامیابی ہے

۔اس کے علاوہ لوک سبھا کے لئے سابق وزیراعظم ایچ ڈی دیوے گوڑا اور آنجہانی مادھوراؤ سندھیا کے فرزند جیوتر آدیتہ کی کامیابی ہے ۔ ان سب میں جئے للیتا کی کامیابی کو خصوصی اہمیت حاصل ہے کیونکہ عدالت میں زیر دوران مقدمات کی وجہ

کروناندھی اور مرکزی وزیر مراسولی مرن کے ساتھ جو سلوک کیا تھا وہ ابھی ذہنوں میں تازہ ہے ۔ انھوں نے سیاسی حریفوں کو اپنا اصل نشانہ بنایا ہے ۔ این ڈی اے حکومت کے حق میں یہ انتخابات بہتر نہیں رہے ۔اگرچہ این ڈی اے میں

وہ ہندوؤں کو مزید مشتعل نہیں کرسکتی ۔ کیونکہ ہر سیکولر ذہن کا حامل شخص بی جے پی کے اس موقف کی مخالفت کرتا ہے ۔ اترپردیش میں اسے شکست ہوئی ہے تو اسکی وجہ بھی خود بی جے پی ہے جس نے عوامی مسائل اور ریاست کی ترقی کو

ملائم سنگھ یادو اور راج ناتھ سنگھ

انھیں اقتدار کی گدی چھوڑنی پڑی اور اب انھوں نے انڈی پٹی حلقہ سے ڈی ایم کے حریف امیدوار کو شکست دیدی اور وہ تیسری مرتبہ چیف منسٹر ٹاملناڈو بن جائیں گی ۔ ان کے انتخاب کے ساتھ ہی ٹاملناڈو کے اوپنیر سلوم نے وزارتی کونسل سے استعفی دے دیا ۔ دراصل مس جئے للیتا نے اقتدار سے معزولی کے بعد اوپنیر سلوم کو اپنے نمائندہ کی حیثیت سے چیف منسٹر بنایا تھا ۔ اس دوران مس جئے للیتا کے مقدمات کی یکسوئی ہوگئی اور انھوں نے ضمنی انتخاب میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے پھر سے چیف منسٹر بننے کی راہ ہموار کرلی ۔ اس لحاظ سے یہ انتخابات ڈی ایم کے کے حق میں زبردست دھکا ثابت ہوں گے ۔ مس جئے للیتا نے انتقام کے جذبہ میں ڈی ایم کے سربراہ و سابق چیف منسٹر ٹاملناڈو ڈاکٹر ایم

شامل جماعتوں نے پہلے ہی واضح کردیا تھا کہ ریاستی اسمبلی کے انتخابات مرکز کے حق میں ریفرنڈم نہیں ہیں اس کے باوجود سیاسی قائدین کو اس بات کا بخوبی اندازہ ہوگیا ہیکہ رائے عامہ ان کے حق میں نہیں ہے ۔ اور عوامی رجحان کو دیکھتے ہوئے این ڈی اے نے اگرچہ یہ وضاحت کی ہیکہ ریاستی عوامل اس کے ذمہ دار ہیں لیکن سب کو بخوبی حقیقت کا اندازہ ہوچکا ہے بالخصوص بی جے پی کے حق میں اسمبلی انتخابات نقصان دہ رہے ۔ اس نے ہندو ووٹ بینک کو متحد کرنے کی بہت کوشش کی لیکن کسی بھی ریاست میں یہ انتقامی حربہ کام نہ آسکا ۔ بی جے پی نے عوامی فیصلہ کو قبول کرلیا ہے لیکن اسے جائزہ لینا چاہیئے کہ شکست کے لئے حقیقی عوامل کیا ہیں ۔ بی جے پی کو یہ اندازہ ہوجانا چاہیئے کہ رام مندر موضوع پر

بالکلیہ نظر انداز کردیا تھا ۔ یہاں سیکولر جماعتوں کا ذکر بھی ضروری ہے جن میں اتحاد کا فقدان ہے اگر انتخابات سے قبل ہی ہمخیال غیر بی جے پی و سیکولر جماعتیں متحد ہوجاتی یا سیکولر محاذ تشکیل دیا جاتا تو اس محاذ کی قطعی اکثریت کے ساتھ کامیابی یقینی ہوتی لیکن ایسا نہیں ہوا جسکی وجہ کئی سیکولر ووٹ پارٹی امیدواروں میں منقسم ہوگئے جسکا راست یا بالراست فائدہ دیگر جماعتوں کو پہنچا ۔ سیکولر جماعتوں کی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ اب بھی سنجیدگی کے ساتھ اس معاملہ کا جائزہ لیں اور وہ مثبت پیشرفت کرسکتی ہیں جس کے اچھے نتائج برآمد ہوں گے ۔

00000

وی ایچ پی کا الٹی میٹم۔ سیکولر جماعتوں کا امتحان

وشوا ہندو پریشد نے بابری مسجد کے موضوع کو پھر ایک بار اچھال کر ملک گیر سطح پر اضطراب کی کیفیت پیدا کردی ہے ۔ اگرچہ مسلمانوں کا اس تعلق سے واضح موقف ہیکہ ایک مرتبہ جس مقام پر مسجد تعمیر ہوجائے وہ تاقیامت مسجد ہی رہتی ہے اس مقام پر کسی اور عبادت گاہ کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا ۔ اس کے علاوہ مسلمانوں نے اس یقین کے ساتھ کے عدالت جو کچھ فیصلہ سنائے گی وہ انصاف پر مبنی ہوگا یہ موقف اپنایا ہیکہ بابری مسجد موضوع پر سپریم کورٹ کے فیصلہ کے وہ پابند رہیں گے ۔ یہ مسلمانوں کا ملک سے لگاؤ ، یہاں کے دستور کی پاسداری اور اس بات کا ثبوت ہیکہ یہاں کا قانون سب کے لئے یکساں ہے ۔ کوئی بھی قانون سے بالاتر نہیں۔ اس کے برعکس ہندو فرقہ پرست تنظیموں کا یہ واضح اعلان کہ وہ عدلیہ کے فیصلہ کو تسلیم نہیں کرتے اور ایودھیا میں کسی بھی قیمت پر بابری مسجد تعمیر کرکے رہیں گے اس بات کا ثبوت ہے کہ انھیں ملک سے اور یہاں کے نظام انصاف پر اعتماد نہیں ہے ۔ اگر کوئی فیصلہ ان کے حق میں نظر آئے تو وہ دستور کی باتیں کریں گے اور جب صورتحال برعکس معلوم ہو تو وہ واضح طور پر اور علی الاعلان اس فیصلہ سے مکر جائیں گے ۔ یہی وہ تنظیمیں ہیں جو خود کو حقیقی محب وطن قرار دیتی ہیں ۔ ان ہی تنظیموں نے ملک کی پرامن فضا کو مکدر کرکے رکھ دیا ہے اور آئے دن مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی وشوا ہندو پریشد ، بجرنگ دل ، آر ایس ایس اور شیوسینا کا شیوہ بن کر رہ گیا ہے ۔ کبھی یکساں سیول کوڈ کی بات کی جاتی ہے تو کبھی مسلمانوں کو اسلامی راہ سے ہٹانے کے لئے نت نئے مشورے دئے جاتے ہیں ۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی تعداد ساری دنیا کے ممالک میں دوسرے نمبر پر ہے ۔ اور وہ اپنی منفرد شناخت رکھتے ہیں ۔ ان کے اپنے قوانین ہیں اور اس کی تحفظ کی ذمہ داری مسلم پرسنل لاء بورڈ کی ہے ۔ جہاں تک بابری مسجد کی شہادت کا تعلق ہے مسلمانوں کو عدلیہ پر اعتماد ہے ۔ اور وہ اس کے

فیصلہ کے منتظر ہیں۔ ہندو فرقہ پرست تنظیموں نے ایودھیا معاملہ کو اب الیکشن کارڈ کے طور پر کھیلنا شروع کردیا ہے ۔ جب کبھی ضرورت ہو وہ اسے اچھالتے ہیں اور پھر اپنا مقصد پورا ہوجائے تو چپ ہوجاتے ہیں ۔ سابق وزیر اعظم مسٹر وی پی سنگھ نے ایودھیا میں ۱۲ مارچ کے بعد کسی بھی وقت مندر تعمیر کرنے وشوا ہندو پریشد کے اعلان پر ریمارک کیا کہ ایودھیا موضوع ان کے لئے موسمی "کی طرح ہے جب ضرورت پڑی باہر نکالی اور پھر جیب میں رکھ لیا ۔ یہ درست ہیکہ ہندو تنظیموں نے بی جے پی کو اتر پردیش انتخابات میں فائدہ پہنچانے کے مقصد سے یہ سارا منصوبہ بنایا تھا ۔ کیونکہ انتخابات میں عوام سے رجوع ہونے کے لئے بی جے پی کے پاس کوئی ایسا کارنامہ نہیں تھا جسے وہ پیش کرتے ۔ ہندو ووٹ بینک سیاست کی بنیاد پر وہ برسر اقتدار آتو گئی لیکن پانچ سالہ دور اقتدار میں اس نے جو کام کئے وہ سب کی نظروں میں عیاں ہیں۔ چیف منسٹرس کی تبدیلی ، اقتدار کے لئے دولت کا بے دریغ استعمال ، کرپشن ، جمبو وزارت کی تشکیل اور ترقیاتی جمود بی جے پی کے وہ کارنامے ہیں جن سے اتر پردیش کی عوام واقف ہوچکے ہیں ۔ خود کو پابند ڈسپلن قرار دینے والی بی جے پی نے ڈسپلن شکنی کا ہر وہ کام کیا جس سے خود اس کے وعدے کی نفی ہوئی ہے ۔ چنانچہ انتخابات سے عین قبل ہندو کارڈ کھیلنے کی کوشش کرتے ہوئے وشوا ہندو پریشد نے

چیتاونی یاترا نکالی اور یہ فیصلہ کیا گیا کہ ۱۲ مارچ تک ایودھیا کی محصلہ اراضی حوالہ کرنے مرکزی حکومت کو مہلت دی جائے جس کے بعد اس بات کی پرواہ کئے بغیر کے مرکزی حکومت اقتدار پر رہے یا نہیں۔ مندر کی تعمیر کا کام شروع کردیا جائے ۔ اس مسئلہ پر ہندوؤں کو متحد کرنے کی کوشش پھر ایک بار ناکام ہوگئی اور عوام نے اتر پردیش میں معلق اسمبلی کی صورت میں اپنا فیصلہ سنایا۔ انتخابات میں ہندوؤں کو متحد کرنے کی کوشش کے طور پر وزیراعظم واجپائی نے آخری مرحلہ کی مہم میں حصہ لیتے ہوئے کہا تھا کہ بی جے پی کو کامیابی کے لئے مسلمانوں کے ووٹ کی ضرورت نہیں۔ ملک کے سیکولر کردار کو ملحوظ رکھتے ہوئے کسی سیاسی لیڈر کو بھی اس طرح کی بات نہیں کرنی چاہئے لیکن وزارت عظمی کے جلیل القدر عہدہ پر فائز مسٹر واجپائی نے اپنی اور بی جے پی کی ذہنیت واضح کرنے میں عہدہ کا بھی خیال نہیں رکھا۔ مسٹر واجپائی جو کہ سیکولر ذہنیت کی حامل شخصیت تصور کئے جاتے ہیں انھوں نے جب بھی موقع ملا اپنی بات یا اپنا موقف واضح کرنے سے گریز نہیں کیا۔ چنانچہ دو سال قبل دورہ امریکہ کے موقع پر انھوں نے وہاں ایک جلسہ میں اعلان کیا تھا کہ وہ آر ایس ایس کے کارسیوک ہیں۔ اتر پردیش کے انتخابی جلسہ میں مسٹر واجپائی کے اس بیان پر کافی ہنگامہ آرائی ہوئی اور پھر انھوں نے وضاحت کی کہ میڈیا نے ان کی بات کو الٹ پھیر کے ساتھ پیش کیا۔ لیکن ایک بات تو یہ واضح ہیکہ اتر پردیش کی عوام بی جے پی کو دوبارہ اقتدار سونپنے کے حق میں نہیں ہیں اور انھوں نے متعلق اسمبلی کی صورت میں فیصلہ سنا کر سیاسی قائدین کو پھر ایک بار غور وفکر اور جوڑ توڑ کی سیاست کے لئے چھوڑ دیا ہے۔ تاہم وشوا ہندو پریشد کا جہاں تک تعلق ہے یہ ضرور ہیکہ اس نے ہندو ووٹ بینک کو متحد کرنے کی کوشش کے طور پر بابری مسجد مسئلہ کو پھر ایک بار اچھالا ہے لیکن یہ حقیقت بھی پیش نظر رکھنے کی ضرورت ہیکہ رام مندر کی تعمیر کے لئے تمام تیاریاں اس نے آہستہ آہستہ پوری کرلی ہیں۔ ستونوں کو تراشنے اور دیگر کام مکمل ہوگئے ہیں۔ وہ کسی بھی وقت موقع کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ۔ قانون کی دھجیاں اڑاتے ہوئے رام مندر تعمیر کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ ان کے الٹی میٹم کو یونہی نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔ وہ موقع کا فائدہ اٹھانے کی پوری پوری کوشش کریں گے ۔ چنانچہ ہر سیکولر ذہن رکھنے والے ادارہ، شخص اور تنظیموں اور سیاسی جماعتوں کی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ ایسی کسی بھی ناگہانی صورت کو ناکام بنانے کے لئے پوری طرح تیار رہیں۔ مرکز اور بالخصوص اتر پردیش میں نئی تشکیل پانے والی ریاستی حکومت کی یہ ذمہ داری بنتی ہیکہ وہ ایودھیا معاملہ کی عدالت کے ذریعہ یکسوئی کو یقینی بنائے یا پھر بابری مسجد کی اسی مقام پر دوبارہ تعمیر کی راہ ہموار کرتے ہوئے ملک کے سیکولر کردار کو ساری دنیا کے سامنے پیش کرے۔

غزل

تنگ آچکے ہیں کش مکش زندگی سے ہم
ٹھکرانہ دیں جہاں کو کہیں بے دلی سے ہم

مایوسی مآل محبت نہ پوچھئے
اپنوں سے پیش آئے ہیں بیگانگی سے ہم

لو آج ہم نے توڑ دیا رشتہ امید
لو اب کبھی گلہ نہ کریں گے کسی سے ہم

ابھریں گے ایک بار ابھی دل کے ولولے
گو دب گئے ہیں بار غم زندگی سے ہم

گر زندگی میں مل گئے پھر اتفاق سے
پوچھیں گے اپنا حال تری بے بسی سے ہم

اللہ رے فریب مشیت کہ آج تک
دنیا کے ظلم سہتے رہے خامشی سے ہم

(ساحر لدھیانوی کے شعری مجموعے سے)

ڈاکٹر سلمان عابد

صنعتی و ٹکنالوجی شعبہ میں ضامن روزگار کورسس

....گذشتہ سے آگے

Short Term Course in (14)
Footwear Upper Manufacture
یہ کورس صرف لڑکیوں کے لئے ہے ۔ 5 نشستیں ہیں ، 4 ماہ کی مدت پر مشتمل ہے ۔ 18 سال عمر کی آٹھویں جماعت کامیاب لڑکیاں داخلہ لے سکتی ہیں ۔ فیس مقرر ہے ۔

Short term Course in (15)
Leather Finishing
Machinery Operation جنوری / مئی اور ستمبر میں کورس کا آغاز ہوتا ہے ۔ 10 سیٹیں فراہم ہیں۔ چار ماہ اس کی مدت ہے ۔ 18 سال کے VIII پاس طلباء داخلے کے اہل ہیں۔ فیس مقرر ہوتی ہے ۔

Advanced Course in (16)
Footwear Manufacture
16 سیٹس ، ایک سالہ کورس ، 18 سال کے ایس ایس سی کامیاب اور ایک سالہ کسی بھی مسلمہ ادارہ میں کام کا تجربہ ضروری ۔ کورس کا آغاز جنوری / جولائی میں ہوتا ہے ۔

Application of Hydraulics (17)
and Pneumatics inLeather
— and Footwear Machinery
جنوری / جولائی میں کورس کا آغاز ہوتا ہے ، 10 سیٹس ہوتے ہیں ، کورس کی مدت دو ہفتے ہوتی ہے ۔ 18 سال عمر کے دسویں جماعت کامیاب طلباء ساتھ میں فٹ ویر یونٹ / چرمہ صاف کرنے کی صنعت کی اسپانسرشپ ہو یا طلباء کا تعلق پسماندہ طبقہ سے ہو ، فیس مقرر ہے ۔

Electrical Maintenance (18)
of Leather and
Footwear Machinery — کورس کا آغاز جنوری / جولائی سے 10 ، سیٹس دو ہفتے کی مدت ، 18 سال عمر کے طلباء داخلہ کے اہل ہیں۔ تعلیمی قابلیت وہی ہے جو کورس نمبر (17) میں درج کی گئی۔ فیس مقرر ہے ۔

(Footwear Manufacture) (19)
Training of Tainer ۔ اس میں 10 نشستیں فراہم ہیں۔ کورس کا آغاز اکتوبر میں ہوتا ہے ۔ مدت ایک سال ہے ۔ تمام قابلیت وہی ہیں جو اوپر درج کی گئیں ۔

Tailor Made Special (20)
Adhoc Courses ۔ اسمال اسکیل انڈسٹریز کی درخواست پر کبھی بھی یہ کورس 3 مہینوں کی مدت کے لئے منعقد کیا جاتا ہے ۔ جس کے لئے فیس لی جاتی ہے ۔ اس میں تعلیمی قابلیت یا عمر کی کوئی حد مقرر نہیں۔

کورس 1 سے 7 تک تمام کورسس میں طلباء کو Stipend دیا جاتا ہے اور کورس نمبر 8 سے 20 تک تمام کے لئے فیس مقرر ہے ۔ کورس نمبر 1 سے 4 اور 8 سے 19 میں داخلے کے لئے اخبار میں اشتہار دیا جاتا ہے ۔ اور کورس نمبر 5 سے 7 میں داخلے Board of App (Southern Region) Training کی جانب سے دیئے جاتے ہیں۔

مزید تفصیلات کے لئے اس پتہ پر ربط پیدا کیا جاسکتا ہے ۔

General Manager
Prototype Development
and Training Centre
The National Small
Industries Corporation Ltd.
(A Govt of India Enterprise)
Guindy Industrial Estate,
EXAKUTHANGAL P.O.
MADRAS - 600097

پالی ٹکنیک کورسس

دسویں جماعت کے بعد پالی ٹکنیک کورسس میں داخلہ (CEEP) کے ذریعہ حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ اس کورس کی تکمیل کے بعد (ECET) میں کامیابی حاصل کرکے انجینئرنگ کورس میں داخلہ حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ اس لئے بھی پالی ٹکنیک کورسس کی مانگ میں زبردست اضافہ ہوا ہے ۔ پالی ٹکنیک کے بعد اگر مالی حالت ساتھ دے تو انجینئرنگ ڈگری کرسکتے ہیں یا پھر ملازمت سے وابستہ ہوسکتے ہیں ۔

کامن انٹرنس اکزامنیشن فار پالی ٹکنیک (CEEP) پہلی مرتبہ 1984ء میں شروع کیا گیا۔ 1996ء میں اس امتحان میں جملہ 27 ہزار کے لگ بھگ امیدواروں نے شرکت کی تھی ۔

ریاست آندھرا پردیش میں سرکاری اور خانگی پالی ٹکنیک کالجوں کی تعداد 90 تک ہے ۔ ان میں 30 کورس فراہم ہیں۔ جدید ضرورتوں کے مطابق ڈیزائن کئے گئے ہیں۔ یہاں کورس کی مکمل تفصیل فراہم کی جارہی ہے ۔ قوسین میں کورس کی مدت لکھی جارہی ہے ۔ سیول انجینئرنگ (تین سال) میکانیکل انجینئرنگ (تین سال) الیکٹریکل اینڈ الیکٹرانکس (تین سال) الکٹرانکس کمیونکیشن انجینئرنگ (تین سال) کمپیوٹر انجینئرنگ (تین سال) آٹو موبائل انجینئرنگ مائننگ انجینئرنگ (تین سال) آرکٹیکچرل انجینئرنگ (تین سال) شوگر ٹکنالوجی (تین سال) الیکٹرانکس میں اسپیشل ڈپلوما کورس (ساڑھے تین سال) (a) کمپیوٹر انجینئرنگ (b) کمیونکیشن انجینئرنگ (c) انڈسٹریل الیکٹرانکس۔

....سلسلہ جاری ہے

صدر نشین چارمینار بینک سجاد آغا کا اقدام خودکشی

چارمینار کوآپریٹیو بینک کے صدر نشین جناب سید علمدار حسین سجاد آغا نے مبینہ طور پر گھریلو اور بینک کے معاشی مسائل سے تنگ آکر خودکشی کرلی۔ اس واقعہ کے بارے میں متضاد اطلاعات پائی جاتی ہیں۔ تفصیلات کے بموجب جناب سجاد آغا اپنے مکان سے کہیں جارہے تھے لیکن اچانک انھوں نے اپنا فیصلہ بدل دیا اور ڈرائیور سے کہا کہ وہ کار واپس گھر کی طرف لے چلے وہاں پہنچنے کے بعد انھوں نے ڈرائیور کو ہدایت دی کہ ان کی اہلیہ شمیم آغا کو بلالائے یا پھر سیل فون پر بات کرنے کے لئے کہے اور جب ڈرائیور ان کی شریک حیات کے ساتھ واپس ہوا تب تک سجاد آغا مبینہ طور پر اپنی ہی ریوالور سے خود کو مار چکے تھے۔ گولی ان کے سر میں پیوست ہوگئی اور سر سے خون بہہ رہا تھا۔ انھیں فوری اپولو ہاسپٹل منتقل کیا گیا جہاں دوسرے دن تک بھی وہ موت وزیست کی کشمکش میں مبتلا رہے۔ یہ واقعہ اگرچہ خودکشی ظاہر کررہا ہے لیکن عوام میں مختلف افواہیں گشت کررہی ہیں۔ سجاد آغا کے رشتہ داروں کا کہنا ہیکہ وہ خودکشی نہیں کرسکتے بلکہ کسی نے ان کا قتل کیا ہے۔ سجاد آغا کے بھائی مولانا علی آغا اس واقعہ کو خودکشی ماننے ہرگز تیار نہیں۔ ان کا کہنا ہیکہ سجاد آغا ہر مشکل صورتحال سے بخوبی نمٹ سکتے تھے۔ انھوں نے پولیس واقعہ کی جامع تحقیقات کا مطالبہ کیا۔ اس دوران حکومت بھی فوری حرکت میں آگئی۔ چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو نے سجاد آغا کی خودکشی کی سی آئی ڈی تحقیقات کا حکم دیا۔ بینک کے معاشی مسائل کے بارے میں پتہ چلا کہ بہتر اور منظم انداز میں تیزی کے ساتھ ترقی کے زینے طے کرنے والا یہ بینک اچانک بحران میں مبتلا ہوگیا۔ اسکی ایک وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ لین دین قرضوں کی اجرائی وغیرہ میں بے قاعدگیاں ہوئی۔ اس کے علاوہ کروڑوں روپئے کے قرضہ جات کی وصولی ایک مسئلہ بنی ہوئی تھی۔ حکومت نے اس خصوص میں کارروائی کرتے ہوئے بھاری قرضہ جات حاصل کرنے والوں کی فہرست اور اس سے متعلق ریکارڈس حاصل کرلئے۔ چیف منسٹر نے اعلی سطحی اجلاس میں صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے ڈپازیٹرس کے مفادات کا تحفظ یقینی بنانے پر زور دیا۔ انھوں نے گورنر آر بی آئی کو تین مکتوبات روانہ کئے۔ اس کے علاوہ مرکزی وزیر فینانس یشونت سنہا، وزیر زراعت اجیت سنگھ کو بھی مکتوب روانہ کئے۔ اس واقعہ کے بعد ڈپازیٹرس میں ان کی رقومات کے بارے میں اندیشے پیدا ہوگئے۔ اور بینک کی برانچس پر کھاتہ داروں کا ہجوم دیکھا گیا۔ بعض مقامات پر تو پولیس کو لاٹھی چارج بھی کرنا پڑا۔ تاہم بینک حکام نے یہ واضح کیا ہیکہ کھاتہ داروں کو پریشان ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ ان کی رقومات بحفاظت انھیں واپس مل جائیں گی۔

نعیم احسن

غذائی علاج، نئے نظریات، نئے انکشافات

پودوں میں خوراک کے حصول کا طریقہ اور ان کی افزائش نسل کا معاملہ صدیوں سے انسان کیلئے معمہ تھا۔ سائنس اور ٹکنالوجی کا ہمیشہ سے یہ طریقہ کار رہا ہے کہ کسی ایک تحقیق سے حاصل ہونے والی نتائج سے دیگر تحقیقات کیلئے راہیں کھلتی چلی جاتی ہیں۔ کچھ اسی قسم کی صورتحال نباتات کے معاملے میں بھی پیش آئی۔ جب تک انسان کے پاس ایٹم اور اس کی توانائی کی تقسیم کے ذریعے موجود نہ تھے نباتات کی ماہیت اور ان کے اندرونی افعال اس کیلئے سربستہ راز رہے۔ پہلی

مرتبہ جب تابکاری کے اثرات کا حامل پانی پودوں کو پلایا گیا تو ان کے اندرونی افعال کو جاننے کا ذریعہ ہاتھ آگیا۔

پودے خوراک کیسے حاصل کرتے ہیں؟ ان کے بڑھنے کا عمل کیسے ہوتا ہے؟ اور ان کی افزائش نسل کے طریقے کیا ہیں؟ یہ باتیں آج راز نہیں رہیں۔ ان تحقیقات سے ملنے والی معلومات سے نہ صرف نباتات کی اندرونی ساخت کو سمجھنے میں مدد ملی بلکہ ان کی ترقی اور ان سے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کے سلسلے میں بھی دوررس نتائج حاصل ہوئے۔ اس ضمن میں اولین فائدہ یہ ہوا کہ ایسے نباتات کی پیداوار میں اضافہ ممکن ہوگیا جو انسان کی خوراک کا حصہ ہیں۔ اس سے بڑھتی ہوئی آبادی کی غذائی ضروریات میں توازن پیدا کرنے میں مدد ملی۔ یہ چیز ہمارے روزمرہ مشاہدے میں بھی آتی ہے کہ مختلف اجناس، سبزیوں اور پھلوں کی پیداوار میں گزشتہ چند برسوں کے دوران بے تحاشا اضافہ ہوا ہے اور منڈیوں میں غذائی اجناس، پھلوں اور سبزیوں کی بہتات دکھائی دیتی ہے۔

نباتات کے علم میں ترقی کی بدولت دوسرا بڑا فائدہ یہ حاصل ہوا کہ ہم موسمی اثرات سے بھی بے نیاز ہوگئے۔ پہلے سردیوں میں اگائے جانے والی پھلوں اور سبزیوں کا گرمیوں میں مل جانا یا گرمیوں میں پیدا ہونے والی اشیاء کی سردیوں میں دستیابی کا کوئی تصور نہیں تھا۔ لیکن آج ہم دیکھتے ہیں یہ چیز ناممکن نہیں رہی۔ موسموں کے ساتھ ساتھ علاقائی تقسیم کا معاملہ بھی حل ہوگیا۔ اب قدرتی طور پر کسی بھی جغرافیائی حالات میں پیدا ہونے والی اشیاء کو مصنوعی طریقے سے ان کے بالکل الٹ جغرافیائی ماحول میں کاشت کیا جارہا ہے۔

صورتحال یہاں تک محدود رہتی تو بھی کوئی اتنی بڑی بات نہ تھی کیونکہ بڑھتی ہوئی ضرورتوں اور پیداوار میں توازن قائم رکھنے کیلئے اس قسم کے اقدامات ناگزیر تھے لیکن اب بات اس سے آگے تک بڑھ چکی ہے۔ اس بات کو سمجھنے کیلئے ہم ایک مروجہ نظریے کی مدد حاصل کرسکتے ہیں جسے ہم عام طور پر علاج بالغذاء کے طور پر جانتے ہیں سبزیوں اور پھلوں سے علاج کا تصور تو پہلے ہی سے موجود تھا لیکن یہ کام ان کے قدرتی خواص سے حاصل ہونے والے اثرات تک محدود تھا اور یہ خواص چونکہ کسی چیز میں ہمیشہ سے یکساں طور پر موجود ہوتے ہیں لہذا علاج کا تصور اپنے وسیع تر مفہوم کو حاصل نہ کرسکا۔ نئی اور اہم جز یہ ہے کہ اب ان چیزوں کو حقیقی ادویات کی طرح استعمال کیا جاسکے گا اور یہ عمل ان کی موروثی خواص تک محدود نہ رہے گا بلکہ ان میں ایسی خصوصیات پیدا کی جاسکیں گی جن کی بدولت اپنی مرضی کے نتائج حاصل کرنا ممکن ہوجائے گا۔ اس کام کو کرنے کیلئے ایک امریکی ماہر نباتیات مسٹر یسن پوری تندہی سے مشغول ہے۔ کارنل یونیورسٹی کے گرین ہاؤس میں اس نے اسی کوشش کے نتیجے میں ٹماٹر کاشت کئے ہیں۔ جو ٹماٹر اس نے اگائے ہیں وہ سنتھٹک جینز کے حامل ہیں۔ یہ جینز ایک ایسی پروٹین تیار کرتے ہیں جو اس پروٹین کی طرح ہے جس سے نارواک وائرس کے خلاف مزاحمت حاصل کی جاسکتی ہے۔ یہ وائرس معدے کے درد اور اسہال وغیرہ کا باعث بنتا ہے۔ اس کے ابتدائی تجربات چوہوں پر کئے گئے۔ جن چوہوں کو یہ ٹماٹر (خشک کرکے ایک پاؤڈر کی صورت میں) کھلائے گئے ان کے اندر اس وائرس کے خلاف امیون سسٹم مستحکم ہوگیا۔ یسن کو امید ہے کہ اس سال کے اختتام تک وہ لوگوں کیلئے ایسے پھل تیار کرلے گا۔ اس طریقے سے مختلف ویکسین بنانے اور ان کی فراہمی کا ارزاں طریقہ ہاتھ آجائے گا۔ یسن اور اس کے ساتھی اس بات کیلئے کوشاں ہیں کہ لوگوں کی توجہ اس جینیاتی طور پر تبدیل شدہ غذا کی طرف دلائی جائے جسے

Genetically Modified فوڈز یا اختصار کے ساتھ GM فوڈز کا نام دیا گیا ہے۔ چند برس قبل جب اس ٹکنالوجی کو متعارف کرایا گیا تو اس کا دائرہ کار صرف کسانوں (بلکہ صرف امریکی کسانوں) تک محدود رکھا گیا۔ ابتدائی طور پر اس ٹکنالوجی کو فصلوں کو کیڑوں اور جڑی بوٹیوں سے تحفظ دینے کی خاطر استعمال کیا گیا۔ حالیہ برسوں میں جب تحقیق کا دائرہ کار پھیلا تو زیادہ توجہ کھانے کے قابل ویکسین کی تیاری میں صرف کی جانے لگی ہے۔ اس سلسلے میں پہلا ہدف وہ بیماریاں ہیں جن کی وجہ سے ہر سال ہزاروں بچے موت کے منہ میں چلے جاتے ہیں جیسے اسہال، کالی کھانسی اور پولیو وغیرہ۔ ویکسین کے حامل ٹماٹر اس مقصد کیلئے استعمال کئے جاسکیں گے۔

سبزیوں اور پھلوں کے ذریعے ویکسین فراہم کرنے سے بے شمار فوائد حاصل ہوسکتے ہیں۔ ان میں سب سے بڑا فائدہ یہ ہوگا کہ اس کی فراہمی کا ارزاں ترین طریقہ ہاتھ آجائے گا۔ مثال کے طور پر ایک ٹماٹر کے اندر فراہم کی گئی ویکسین کیلئے ریفریجریشن کی ضرورت نہیں رہے گی اور یہ قدرتی طور پر محفوظ ہوجائے گی۔ لہذا دور دراز دیہاتی علاقوں تک پہنچانے میں بھی کوئی دشواری نہیں ہوگی۔ یہ تصور کرنا مشکل نہیں ہے کہ یہ طریقہ کس قدر محفوظ اور سستا ہوسکتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک ایسی ویکسین کو ذہن میں لائیں جو ٹی بی کے مریض کو دی جاتی ہے۔ اسے ایک ٹماٹر ایک کیلے کے اندر لے جانا آسان ہے یا کسی ایسی بوتل میں لے جانا آسان ہے جس کے ٹوٹنے کے خدشات بھی ہیں اور اس کی حفاظت کیلئے دیگر انتظامات کرنے کے علاوہ اس بات کی بھی ضرورت ہے کہ اسے سرنج کے ذریعہ جسم میں منتقل کیا جائے۔

یہاں یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ یہ سب کچھ کیسے ممکن ہے؟ اور اگر ممکن ہے تو کیسے ہوتا ہے؟ اس کیلئے ہمیں یہ جاننا ہوگا کہ سائنس مائیکرو بائیولوجی میں کس قدر ترقی کرچکی ہے۔ زیادہ دقیق قسم کی تفصیل میں جائے بغیر صرف اتنا بتا دینا کافی ہوگا کہ سائنس نہ صرف نباتات کی حیاتیاتی ساخت کو پوری طرح سمجھ چکی ہے بلکہ حیوانات کی حیاتیاتی ساخت بھی اس سے پوشیدہ نہیں ہے۔ خاص طور پر DNA کی پوری تفہیم کے بعد حیوانات کے اندر مستقبل میں پیدا ہونے والی بیماریوں تک کے بارے میں درست معلومات دی جاسکتی ہیں۔ ان دونوں شعبوں میں اس قدر ترقی کا ہی نتیجہ ہے کہ بیماریوں کے علاج کیلئے اس سطح کے اقدامات کئے جارہے ہیں۔ جب مین کے استاد، ماہر نباتیات چارلس آرٹزن نے پودوں کی انجینئرنگ کی تجویز پیش کی اور آج سے دس برس قبل پودوں کے ذریعہ ویکسین فراہم کرنے کی بات کی تو مین کا کہنا ہے کہ وہ بھونچکا رہ گیا۔ " یہ منصوبہ اگرچہ سننے میں عجیب سا لگتا تھا لیکن میرے ذہن میں کوئی ایسی وجہ نہیں آرہی تھی جو اس بات کو مان لینے میں رکاوٹ ہو کہ پودوں سے یہ کام نہیں لیا جاسکتا "

مین کا کہنا ہے کہ انہوں نے ہیپاٹائٹس بی کی ویکسین تیار کرنے سے کام کا آغاز کیا۔ یہ ویکسین ایسے جینز سے نکالی گئی جو خمیر میں پائی جاتی ہے۔ انہوں نے خمیر کے جینز کو چند پودوں کے ڈی این اے کے ساتھ جوڑا، اور تمباکو کے پودے کے سیلوں میں یہ مواد بھرنے کیلئے " ایگرو بیکٹریم " استعمال کیا۔ انہوں نے جتنے سیلوں کو کاشت کیا ان سب سے پودے اگ آئے۔ اس پودے کے پتوں سے کشید کردہ چند سیلوں کا الیکٹرانک خوردبین کے ذریعے تجزیہ کیا گیا۔ اس تجزیے سے انہیں معلوم ہوا کہ وہ جینز اس میں موجود ہے جس کی انہیں تلاش ہے۔ ہیپاٹائٹس بی کے لئے ایک " اینٹی جین " ایک بے ضرر پروٹین ہے جسے کسی شخص کے دوران خون میں شامل کرکے بیماری کے خلاف مزاحمت کرنے والے امیون کو متحرک کیا جاسکتا ہے۔

پہلا تجربہ ہی بہت حوصلہ افزاء رہا لیکن جب دونوں سائنس دانوں نے کانفرنسوں میں اپنے کام کے متعلق بات چیت شروع کی تو انہیں اندازا ہوا کہ ان کی اس معصومانہ خواہش جو کہ ان کا بنیادی مقصد بھی تھا، کی راہ میں کتنی رکاوٹیں ہیں اور پودوں کے ذریعہ " اگائی " جانے والی ویکسین کے بارے میں ان کا سادا سا تصور کس قدر مشکل ہے " اصل تصور یہ تھا کہ شاید ہم پودوں میں ویکسین پیدا کرسکیں اور پھر زراعت کے عمومی طریقوں کو بروئے کار لاکر بڑے پیمانے پر ان کی کاشت کرلیں لیکن اگر آپ کو لاکھوں خوراکیں بھی حاصل کرنا ہوں تو کسی بڑے کھیت کی بجائے آپ کو پودوں کی صرف چند قطاریں ہی کافی ہونگی۔ اس میں سب سے پریشان کن پہلو یہ ہے کہ دوا کی درست مقدار کا تعین کیسے ہوگا اور اسی طرح کی کئی دیگر چیزیں بھی ہیں "۔

00000

کویت: معاشرہ نئے تجربات سے گزر رہا ہے

عرب دنیا اپنی پارلیمان کی قوت کے حوالے سے نہیں جانی پہچانی جاتی۔ اس کے بیشتر ممالک کی اسمبلیاں محض ربر کی مہریں تصور کی جاتی ہیں یا وہ صرف کاغذات میں موجود ہیں اور ایگزیکٹیو نے ان کے اختیارات کم کر رکھے ہیں۔ البتہ کویت کا معاملہ اس عمومی اصول سے کسی حد تک مستثنیٰ ہے۔ کیونکہ اس کی قومی اسمبلی کو قانون سازی کرنے اور اسے روکنے کے اختیارات حاصل ہیں۔ کویت کی قومی اسمبلی پرجوش انداز میں قوانین تجویز کر سکتی ہے اور انہیں روک بھی سکتی ہے، جس کے نتیجے میں کویت، مشرق وسطی کے ان شہری معاشروں میں سے ایک ہے جہاں پریس آزاد ہے، خاندانی اور قبائیلی اجتماعات کی روایت برقرار ہے، اور جہاں پارلیمان کی کارروائی کے دوران سخت بحث ہوتی ہے۔ اس طرح کویت خلیج کے باقی خطے کے لئے ایک اہم ماڈل کی حیثیت رکھتا ہے۔ قطر اور بحرین کے حکمرانوں کا کہنا ہے کہ وہ مزید نمائندہ ادارے قائم کرنے کے خواہشمند ہیں اور وہ کویتی اسمبلی کے کام کے طریقہ کار کا دلچسپی سے مطالعہ کر رہے ہیں۔ گزشتہ دنوں مغربی دنیا کے ممتاز اخبار "فنانشل ٹائمز" نے کئی معلومات فراہم کی۔ ذیل میں اس کی تلخیص اور ترجمہ پیش کیا جارہا ہے۔

کویت کا سیاسی نظام

کویت کی قومی اسمبلی کی تاریخ اہم واقعات سے بھری پڑی ہے۔ 1976ء میں اس وقت کے امیر نے قانون سازی میں تاخیر کے باعث اسمبلی کو معطل کردیا تھا جو بعد ازاں 1981ء میں بحال کی گئی۔ اس کے بعد موجودہ امیر کویت شیخ جابر الاحمد الصباح نے کابینہ کے ساتھ کشیدہ تعلقات کی وجہ سے 1986ء میں اسمبلی کو معطل کردیا تھا۔ عراقی حملے کے بعد 1992ء تک نئی اسمبلی کی تشکیل تک انتخابات کا انعقاد نہیں کیا جاسکا۔ معاشی تجزیہ نگار جسیم سعدون کا کہنا ہے کہ 1992ء کے انتخابات میں الصباح خاندان نے ہر جگہ اپنا اثر و رسوخ استعمال کیا تھا۔ ان دنوں کویت کی سیاست میں مختلف الخیال افراد فعال نظر آتے ہیں، اخوان گروپ کے ایک ڈپٹی نصر الاسلام کا کہنا ہے "ہم جمہوریت کے ضامن ہیں۔ یہ ہم ہی ہیں جو اکثریت کی خواہش اور قانون کی حکمرانی کا احترام کرتے ہیں۔ 1999ء میں ہونے والے انتخابات میں ہمارے گروپ نے درجنوں امیدوار کھڑے کئے تھے مگر ان میں سے صرف پانچ کامیاب ہوئے لیکن ہم نے ان نتائج کو تسلیم کرلیا"۔

کویت کی پارلیمنٹ حکمران الصباح خاندان کی سرگرمیوں پر نظر رکھتی ہے۔ کابینہ کے بیشتر سینئر وزراء کا تعلق الصباح خاندان سے ہی ہوتا ہے۔ ملک کے سیاسی نظام میں سیاسی جماعتیں اور وہپ نہیں ہیں بلکہ ڈپٹی اپنے ضمیر کے مطابق ووٹ دیتے ہیں۔ اس طریقہ کار نے اسمبلی سے متعلق کسی قسم کی پیش گوئی کو مشکل بنادیا۔

موجودہ پارلیمنٹ میں ایک درجن سے زائد اعتدل پسند یا اصلاح	اور 20 مذہبی رجحان رکھنے والے اراکین شامل ہیں۔ مذہبی رجحان رکھنے والے اخوان اور سلفی گروہوں میں تقسیم ہیں۔ اسلام پسند اخوان مصر کی اخوان المسلمین اور سلفی سعودی عرب سے متاثر ہیں۔ پارلیمنٹ میں تینوں قوتیں منظم اور ایک جا ہو کر کام کرتی ہیں۔ قومی اسمبلی کے 50 ڈپٹیوں کے ساتھ کابینہ کے 16 اراکین بھی شامل ہوتے ہیں جن میں سے چار پارلیمنٹ رکن بھی ہوتے ہیں۔ 62 میں سے 15 اراکین اہل تشیع ہیں جو کویت کی 30 فیصد آبادی کی نمائندگی کرتے ہیں۔

ایک مغربی سفارتکار کا کہنا ہے کہ کویتی باشندے اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ ان کا حزب اختلاف کا کوئی رہنما لندن میں بیٹھ کر ویب سائٹ قائم کرکے یا کسی اور ذریعے سے ملک کے خلاف مہم نہیں چلارہا۔

امیر کویت اور ولی عہد کی علالت

شیخ جابر الاحمد الصباح گزشتہ 23 سال سے کویت کے امیر ہیں۔ وہ ان دنوں مکمل طور پر تندرست نہیں ہیں۔ گزشتہ دنوں لندن کے ایک ہسپتال میں ان کی اپنے خیر خواہوں کے ساتھ ملاقات کی جو تصاویر ٹیلی ویژن پر دکھائی گئی تھیں وہ دراصل کویتی باشندوں کو مایوس ہونے کے بجائے انہیں ان کی صحت کی دوبارہ بحالی کی یقین دہانی کرانے کے لئے تیار کی گئی تھیں۔ شیخ جابر عراقی قبضے کے بعد سے ملک کی بقا کی علامت بن کر ابھرے ہیں۔ امیر کویت فالج کے مرض میں مبتلا ہیں۔ ولی عہد اور وزیراعظم شیخ سعد العبد اللہ کے بارے میں خیال کیا جاتا ہے کہ انہیں سرطان کا عارضہ لاحق ہے۔ دونوں اہم شخصیات علیل ہیں۔ اور کویتی باشندے اس بات سے بخوبی آگاہ ہیں۔ اس وقت کویت کے وزیر خارجہ شیخ صباح الاحمد قائم مقام وزیراعظم کی حیثیت سے ملک کا نظم و نسق موثر انداز سے چلارہے ہیں۔ بیشتر تجزیہ نگاروں کا خیال ہے کہ ان کے ایک یا دونوں بھائیوں کے انتقال کی صورت میں وہ سربراہ مملکت یا ولی عہد کی صورت میں سامنے آئیں گے۔

2001ء میں کویت کی کابینہ میں بڑے پیمانے پر ردو بدل کیا گیا، جو کویت کی سیاست میں نئے خون کو متعارف کرانے کی کوشش تھی۔ ملک کے آئین میں صراحت کی گئی ہےکہ ریاست کا سربراہ صباح خاندان سے ہوگا۔ تاریخی طور پر جانشینی شیخ جابر اور سلیم خاندان کی شاخوں میں منتقل ہوتی رہتی ہے۔

خارجہ پالیسی

عراق کی اشتعال انگیز کارروائیوں پر کویت کے سرکاری حکام نے سخت احتجاج کیا تھا۔ انہوں نے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل سے مداخلت اور عرب لیگ سے مشترکہ کارروائی

کرنے کا مطالبہ بھی کیا تھا مگر خلیج کی ریاستیں اپنے ہم سایہ ممالک سے تعلقات کے حوالے سے اب نسبتا بہتر پوزیشن میں ہیں اور اب عرب اقوام، عراق سے تعلقات معمول پر لانے کے لئے پیش رفت کررہی ہیں۔ 1961ء میں اقوام متحدہ کی جانب سے کویت کو تسلیم کئے جانے کے بعد سے عراق کویت کے لئے خطرہ بنا ہوا ہے لیکن عراقی حملے کے تقریبا دس سال بعد عرب ممالک عراق کے ساتھ اپنے تعلقات معمول پر لانے کی کوشش کررہے ہیں اور کویت خود کو تنہا محسوس کررہا ہے۔ عرب اقوام اس بات کی خواہش مند نظر آتی ہیں کہ عراق پر سے پابندیاں ہٹادی جائیں تاکہ انہیں کاروبار کے مواقع میسر آسکیں۔ کویت کو خدشہ ہے کہ عراق پر پابندیوں کے خاتمے سے عراق کی پوزیشن بہتر ہوسکتی ہے اور کویت پر عراق کی جانب سے ایک اور حملے کا امکان پیدا ہوسکتا ہے۔ 2000ء میں صرف عراق اور سعودی عرب خلیج تعاون کونسل کی وہ ریاستیں تھیں جن کے عراق سے تعلقات نہیں تھے۔

دفاع

عراق سے کشیدہ تعلقات کے باعث کویت امریکی اور برطانوی افواج کی موجودگی کے بجائے اپنی دفاعی صلاحیت کو بڑھانے کی ضرورت محسوس کرتا ہے۔ جون 2001ء میں کویت کی پارلیمان نے خلیج تعاون کونسل کے مشترکہ دفاعی معاہدے کو اتفاق رائے سے منظوری دی تھی، جس میں کویت، سعودی عرب، بحرین، عمان، قطر اور متحدہ عرب امارات شامل ہیں۔ پارلیمان کے رکن محمد السقر کا کہنا ہے کہ جب تک موجودہ عراق حکومت برقرار ہے ہم خود کو محفوظ تصور نہیں کرسکتے اور اس قسم کا معاہدہ ہمیں جارحیت کے خلاف تحفظ کا احساس دلاتا ہے۔ بحرین میں ہونے والی خلیج تعاون کونسل کی کانفرنس میں کونسل کے رہنماؤں نے معاہدے پر رضامندی ظاہر کردی تھی جس میں عہد کیا گیا تھا کہ خلیج تعاون کونسل کے اراکین کونسل کی کسی رکن ریاست پر بیرونی حملے یا خطرے کی صورت میں مشترکہ طور پر دفاع کریں گے۔ خلیج تعاون کونسل کی مشترکہ فورس پہلے سے موجودہ ہے جسے "پیننسولا شیلڈ" کہا جاتا ہے۔ خلیجی ریاستیں اس فورس میں فوجیوں کی تعداد میں 5 تا 22 ہزار تک اضافہ کرنے کی منصوبہ بندی کررہی ہیں۔

کویت میں امریکی فوجیوں کی موجودگی

اس ملک کے باشندے یہ بات اچھی طرح جانتے ہیں کہ ان کی ریاست کی بقا کا انحصار امریکہ اور جنگ خلیج کے امریکی اتحادیوں کی فوجیوں کی موجودگی پر ہے۔ عراق میں قائم شمالی نو فلائی زون کی نگرانی کرنے کے لئے کویت کے ہوائی اڈوں پر فضائیہ کے اثاثہ امریکی اور برطانوی افواج کے زیر انتظام ہیں۔ امریکی فوج کی ایک بریگیڈ کیمپ دوحہ میں موجود ہے۔ کویت کے بارے میں خطرناک عزائم رکھنے والے عراقی صدر صدام حسین کو ان کی کارروائیوں سے باز رکھنے کے لئے دسمبر 2001ء میں مزید 2000 امریکی فوجی تعینات کرنے کی اطلاعات بھی آئی تھی۔

کویت کے جنگی قیدیوں کا مسئلہ

کویت کے جنگی قیدیوں کو واپس نہ کرنے کے سلسلے میں عراق کی پالیسی بھی کویت اور عراق کے درمیان ایک بڑا مسئلہ ہے۔ کویت اور ہلال احمر کی بین الاقوامی کمیٹی کے پاس 600 کویتی اور مختلف قومیتوں سے تعلق رکھنے والے دیگر افراد سے متعلق دستاویزات موجود ہیں جو کویت پر قبضے کے دوران عراقی فوجیوں کے ہاتھوں گرفتار ہوئے تھے اور اب تک لاپتہ ہیں۔

●●●●

ظفر احمد غازی

افسانے، سماج کے بدلتے رویوں کے عکاس

آج کا اردو افسانہ سماج کے بدلتے ہوئے رویوں کی عکاسی ہی نہیں کرتا یہ گم ہوتی ہوئی قدروں کی نشاندہی کرتے ہوئے ان پر اصرار بھی کرتا ہے اسی لئے یہ آج اپنے موضوع اور فن کے حوالے سے ان بلندیوں تک پہنچ گیا ہے جہاں سے دوسری زبانوں کے فکشن کو منزل راستہ دکھاسکے۔

ان خیالات کا اظہار کانپور میں مقامی مرچنٹ چیمبر آف کامرس آڈیٹوریم کے کانفرنس ہال میں منعقد مشہور افسانہ نگار شاہد اختر کے افسانوی مجموعہ برف پر ننگے پاؤں کی رسم اجراء کے موقع پر کیا گیا۔ اس تقریب کا انعقاد معروف ادبی اور ثقافتی تنظیم اسلوب کی جانب سے کیا گیا تھا۔

تقریب کی مجلس صدارت پروفیسر سید عقیل رضوی، فکشن کے نامور ناقد جناب مہدی جعفر اور معروف ناقد اور نیا سفر کے مدیر ڈاکٹر علی احمد فاطمی پر مشتمل تھی۔ مجموعہ کی رونمائی کی رسم مشہور افسانہ نگار شموئل احمد کے ہاتھوں انجام پائی وہ اس تقریب کے مہمان خصوصی بھی تھے۔ اس موقع پر شاہد اختر کے فن پر اور انکے حوالے سے موجودہ اردو افسانے پر تفصیل سے گفتگو کرنے والوں میں مہمانان خصوصی کے علاوہ جناب نامی انصاری پروفیسر ابوالحسنات حقی، جناب عشرت ظفر، جناب شعیب نظام، محترمہ غزال ضیغم، محترمہ ڈاکٹر نگینہ جبین اور جناب محمد علی کاظمی شامل تھے۔

اپنی صدارتی تقریر میں پروفیسر سید عقیل رضوی نے شاہد اختر کے افسانوں میں سماجی حقیقت نگاری کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ یہ افسانے سماج کے بدلتے ہوئے رویوں کی نہ صرف عکاسی کرتے ہیں بلکہ ان قدروں کی نشاندہی بھی کرتے ہیں جو اب رفتہ رفتہ کہیں کھوتی جارہی ہیں۔ انہوں نے مزید کہا کہ شاہد کے افسانے پڑھتے ہوئے انگریزی کے معروف افسانہ نگار مام کی کئی کہانیاں یاد آجاتی ہیں۔

موجودہ اردو افسانے کے اہم اور معتبر ناقد جناب مہدی جعفر نے شاہد کے افسانوں کا جائزہ لیتے ہوئے کہا کہ افسانے کے موضوعات کا انتخاب افسانہ نگار کی ندرت اور جرات کی دلیل ہے اور انہیں برتنے میں خطرناک مرحلوں پر بھی انکی سلامت روی پر حرف نہیں آتا یہ وصف کسی نئے افسانہ نگار کے لئے بہت خوش آئند ہے۔ انہوں نے اپنے مقالے میں یہ مشورہ بھی دیا کہ شاہد کے یہاں کہیں کہیں زبان شاعری سے قریب ہوجاتی ہے جو افسانے کے لئے بہت مناسب نہیں ہے۔

مشہور ناقد اور نیا سفر کے مدیر ڈاکٹر علی احمد فاطمی نے شاہد کے دو افسانے ربو اور برف پر ننگے پاؤں کا تجزیہ کرتے ہوئے کہا کہ ان افسانوں سے گہری انسان دوستی اور اعلی قدروں پر فنکار کے اعتماد کی عکاسی ہوتی ہے اور ان میں کرداروں کی نفسیات کو پوری فنکاری اور چابک دستی کے ساتھ اپنی گرفت میں لیا گیا ہے۔

تقریب کے مہمان خصوصی اور مشہور افسانہ نگار جناب شموئل احمد نے کتاب کی رونمائی کرتے ہوئے شاہد کے افسانوں میں جنسی اظہار کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ منٹو نے بڑی قیمت ادا کرکے اردو افسانے کو جنسی اظہار کا لائسنس دلادیا تھا۔ سو شاہد کے افسانوں پر یہ الزام اب بے محل اور فضول ہے۔ اپنے افسانوں کے ان مرحلوں پر شاہد نے جس جرات اور اعتماد کا مظاہرہ کیا ہے اس سے افسانے کے فن کے وقار میں اضافہ ہی ہوا ہے انہوں نے کہا کہ نئے افسانہ نگاروں نے اپنے فن کے ذریعہ اردو افسانے کو نئی راہوں سے روشناس کیا ہے۔ شموئل احمد نے شاہد اختر کو تحفہ کے طور پر سادے کاغذ کا ایک پیکٹ پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ سادے کاغذ کا پیکٹ اس لئے پیش کررہے ہیں کیونکہ اپنا قلم لے کر ہر فنکار خود پیدا ہوتا ہے۔

معروف ناقد جناب نامی انصاری نے شاہد کے افسانوں کو آج کے ماحول کا آئینہ قرار دیتے ہوئے انکے فنی پہلوؤں کی تعریف کی۔

شاعر افسانہ نگار اور ناقد جناب عشرت ظفر نے کہا کہ شاہد کے افسانے پڑھتے ہوئے محسوس ہوتا ہے کہ وہ کسی بلند پہاڑ کی چوٹی سے گرد و پیش کا بغور جائزہ لے رہے ہیں کیونکہ انکے موضوعات کا دائرہ حصار بند نہ ہوکر بین الاقوامی ہے اور وہ ان موضوعات کے ساتھ پورا انصاف بھی کرتے ہیں۔

پروفیسر ابوالحسنات حقی نے کہا کہ شاہد اختر کے افسانوں کا اسلوب بظاہر نیا نہیں ہے مگر اپنی انفرادیت کی وجہ سے زندہ رہنے والا ضرور ہے انکی کہانیاں قوموں کے عروج و زوال کو اپنے اندر سمیٹے ہوئے ہیں۔

جناب شعیب نظام نے شاہد کے افسانوں میں علامتی اظہار کی نشاندہی کرتے ہوئے کہا کہ انکے یہاں علامات پوری فنکاری اور ہوشمندی کے ساتھ استعمال ہوتی ہیں۔ افسانہ پلوشن کے حوالے سے کہ یہاں کوڑے کا ڈھیر پہلی سطح پر کوڑے کا ڈھیر ہی رہتا ہے اور جب دوسری سطح پر وہ سماج اور انسان کے اندر پھیلی ہوئی گندگی کی علامت بن جاتا ہے تب بھی پہلی سطح متاثر نہیں ہوتی اور یہی سلامت نگاری کا معیار بھی ہے۔

محترمہ غزال ضیغم نے شاہد کے افسانوں کو سونے کی صندوقچی سے تعبیر کیا انہوں نے چند مثالیں دیتے ہوئے شاہد کی خوبصورت استعاداتی زبان کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ انکی زبان کسی پہاڑی ندی کی طرح تیز رفتار اور پرشور ہے۔ جو اپنے تاثر کے ساتھ قاری کو بھی دور تک بہالے جاتی ہے۔

ایڈوکیٹ محمد علی کاظمی نے کہا کہ شاہد

کے افسانوں کے کئی کردار متحرک استعارہ بن جاتے ہیں جنکے ذریعہ زوال آمادہ معاشرے کے مختلف پہلو پوری طرح روشنی میں آجاتے ہیں۔

ڈاکٹر نگینہ جبین نے اپنی تقریر میں شاہد کے نسوانی کرداروں پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ وہ افسانے زیادہ اثر انگیز ہیں جنکے مرکزی کردار نسوانی ہیں۔ انہوں نے شکوہ کیا کہ افسانہ نگار نے مکالموں سے بہت کم کام لیا ہے۔

شاہد اختر نے آخر میں خود اپنی افسانہ نگاری کے محرکات کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ افسانہ نگاری ایک طرح سے تاش کے پتوں سے جادو دکھانے کا کھیل ہے۔ اس کھیل کا اصل جادوگر منٹو تھا وہ اپنے کو جادوگر تو نہیں سمجھتے مگر اس کھیل کو سنجیدگی سے کھیلنے کی کوشش ضرور کررہے ہیں۔

اس تقریب کے دوسرے اجلاس میں بزم افسانہ کے تحت جناب شموئل احمد، جناب اسرار گاندھی، جناب تسکین زیدی، محترمہ غزال ضیغم، ڈاکٹر عارف ایوبی اور جناب شاہد اختر نے اپنے تازہ افسانے پیش کئے جنہیں پوری دلچسپی اور انہماک سے سنا گیا۔

اس تقریب کی نظامت کے فرائض مختلف ادوار میں جناب فاروق جائسی، جناب خان احمد فاروقی اور ڈاکٹر نگینہ جبین نے بخوبی انجام دیئے۔

اس اہم تقریب کے انعقاد میں جن حضرات نے خصوصی دلچسپی کا مظاہرہ کیا ان میں جناب ظفر احمد فازی، جناب شعیب نظام، ضیا فاروقی، فاروق جائسی، ناظر صدیقی، حفیظ الرحمان اور عقیل جامی کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ پروگرام میں شہر کے معززین اور ادب نواز حضرات کے ساتھ ساتھ دیانند گرلس ڈگری کالج کی طالبات نہ صرف آخر تک شریک رہیں بلکہ پوری دلچسپی اور ادبی ذوق کا مظاہرہ بھی کیا۔

●●●●●●

غزل

دلنواز عارف

کسی گمنام جزیرے کا سفر کر دیکھو
گرچہ دشوار ہے یہ کام کر دیکھو

میں محبت سے تری مانگ سجاؤں لیکن
دو گھڑی وقت گریزاں جو ٹھہر کر دیکھو

تیری خوشبو سے معطر ہے مرا قلب و جگر
خون بن کر تو رگ جاں میں اتر کر دیکھو

اس کے جانے سے جو ٹوٹی ہے قیامت مجھ پر
وہ تو آئے گا نہیں پھر بھی خبر کر دیکھو

تشنگی علم کی بڑھتی ہی چلی جائے گی
تم کبھی علم کے دریا میں اتر کر دیکھو

دلنواز اس کی محبت کے لگائے ہیں گلاب
دل کے گلشن سے کسی روز گزر کر دیکھو

کلیاتِ اقبال

ایک گائے اور بکری

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

اک چراگاہ ہری بھری تھی کہیں — تھی سراپا بہار جس کی زمیں

کیا سماں اس بہار کا ہو بیاں — ہر طرف صاف ندیاں تھیں رواں

تھے اناروں کے بے شمار درخت — اور پیپل کے سایہ دار درخت

ٹھنڈی ٹھنڈی ہوائیں آتی تھیں — طائروں کی صدائیں آتی تھیں

کسی ندی کے پاس اک بکری — چرتے چرتے کہیں سے آنکلی

جب ٹھہر کر اِدھر اُدھر دیکھا — پاس اک گائے کو کھڑے پایا

پہلے جھک کر اسے سلام کیا — پھر سلیقے سے یوں کلام کیا

کیوں بڑی بی! مزاج کیسے ہیں! — گائے بولی کہ خیر اچھے ہیں

کٹ رہی ہے بری بھلی اپنی — ہے مصیبت میں زندگی اپنی

جان پر آ بنی ہے، کیا کہیے!
اپنی قسمت بُری ہے، کیا کہیے!

دیکھتی ہوں خدا کی شان کو میں
رو رہی ہوں بُروں کی جان کو میں

زور چلتا نہیں غریبوں کا
پیش آیا لکھا نصیبوں کا

آدمی سے کوئی بھلا نہ کرے
اس سے پالا پڑے، خدا نہ کرے!

دودھ کم دوں تو بُڑبُڑاتا ہے
ہوں جو دُبلی، تو بیچ کھاتا ہے

ہتھکنڈوں سے غلام کرتا ہے
کن فریبوں سے رام کرتا ہے!

اس کے بچوں کو پالتی ہوں میں
دودھ سے جان ڈالتی ہوں میں

بدلے نیکی کے یہ بُرائی ہے
میرے اللہ! تری دُہائی ہے!!

سُن کے بکری یہ ماجرا سارا
بولی، ایسا گِلہ نہیں اچھا

بات سچی ہے بے مزا لگتی
میں کہوں گی مگر خُدا لگتی

یہ چراگہ، یہ ٹھنڈی ٹھنڈی ہوا
یہ ہری گھاس اور یہ سایا

ایسی خوشیاں ہمیں نصیب کہاں!
یہ کہاں، بے زباں غریب کہاں!

یہ مزے آدمی کے دم سے ہیں
لطف سارے اسی کے دم سے ہیں

اس کے دم سے ہے اپنی آبادی
قید ہم کو بھلی، کہ آزادی؟

سو طرح کا بنوں میں ہے کھٹکا
واں کی گزران سے بچائے خدا!

ہم پہ احسان ہے بڑا اس کا
ہم کو زیبا نہیں گلہ اس کا

کلیاتِ اقبال — بانگِ درا

قدر آرام کی اگر سمجھو	آدمی کا کبھی گِلہ نہ کرو
گائے سُن کر یہ بات شرمائی	آدمی کے گِلے سے پچھتائی
دل میں پرکھا بھلا بُرا اُس نے	اور کچھ سوچ کر کہا اس نے

یُوں تو چھوٹی ہے ذات بکری کی
دل کو لگتی ہے بات بکری کی!

بچّے کی دُعا

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

لب پہ آتی ہے دُعا بن کے تمنّا میری	زندگی شمع کی صورت ہو خدایا میری!
دُور دنیا کا مرے دم سے اندھیرا ہو جائے!	ہر جگہ میرے چمکنے سے اجالا ہو جائے!

ہو مرے دم سے یونہی میرے وطن کی زینت
جس طرح پھول سے ہوتی ہے چمن کی زینت

زندگی ہو مری پروانے کی صورت یارب!	علم کی شمع سے ہو مجھ کو محبت یارب!
ہو مرا کام غریبوں کی حمایت کرنا	دردمندوں سے ضعیفوں سے محبت کرنا
مرے اللہ! بُرائی سے بچانا مجھ کو	نیک جو راہ ہو اس رہ پہ چلانا مجھ کو

ہمدردی

(ماخوذ از ولیم کوپر)

بچّوں کے لیے

ٹہنی پہ کسی شجر کی تنہا — بلبل تھا کوئی اداس بیٹھا
کہتا تھا کہ رات سر پہ آئی — اُڑنے چگنے میں دن گذارا
پہنچوں کس طرح آشیان تک — ہر چیز پہ چھا گیا اندھیرا
سُن کر بلبل کی آہ و زاری — جگنو کوئی پاس ہی سے بولا
حاضر ہوں مدد کو جان و دل سے — کیڑا ہوں اگرچہ میں ذرا سا
کیا غم ہے جو رات ہے اندھیری — میں راہ میں روشنی کروں گا
اللہ نے دی ہے مجھ کو مشعل — چمکا کے مجھے دیا بنایا

ہیں لوگ وہی جہاں میں اچھے
آتے ہیں جو کام دوسروں کے

سلام بن رزاق

ندی

ندی بہت بڑی تھی۔ کسی زمانے میں اس کا پاٹ کافی چوڑا رہا ہوگا مگر اب تو بے چاری سوکھ ساکھ کر اپنے آپ میں سمٹ کر رہ گئی تھی۔ ایک زمانہ تھا جب اس کے دونوں کناروں پر تاڑ اور ناریل کے آسمان گیر درخت اگے ہوئے تھے جن کے گھنے سائے ندی کے گہرے، شانت اور شفاف پانی میں یوں ایستادہ نظر آتے جیسے کسی پر جلال بادشاہ کے دربار میں مصاحب سر نیوڑھائے کھڑے ہوں۔ مگر اب درختوں کی ساری شادابی لٹ چکی تھی اور ان کے لنڈ منڈ خشک صورت تنے کسی قحط زدہ علاقے کے بھوکے کنگال لوگوں کی طرح بے رونق نادار لگ رہے تھے۔

ندی بہت بڑی تھی اور اس کا پاٹ بھی اپنی گزری ہوئی عظمت اور وسعت کی غمازی کرتا نظر آتا۔ مگر اب اس طرح خشک ہو گئی تھی کہ جگہ جگہ چھوٹے چھوٹے بے ڈھنگے ٹاپو ابھر آئے تھے۔ حد نظر تک چھوٹے بڑے بے شمار ٹاپو۔

اب ان ٹاپوؤں پر کہیں کہیں خودرو گھاس اور جنگلی جھاڑیاں بھی اگ آئی تھیں۔ جن میں ہزاروں لاکھوں کیڑے اور جھینگر شب و روز پھدکتے رہتے۔ گھاس کے نیچے، کیچڑ میں لاکھوں کیڑے رینگتے، کلبلاتے رہتے اور جب دوپہر کی تپا دینے والی دھوپ میں کم کم گدلا بدبودار پانی تپنے لگتا تو ندی کی مچھلیاں اس طرح ادھر ادھر منہ چھپائے پھرتیں جیسے کسی پردہ دار گھرانے کی بہو بیٹیاں بھرے بازار میں بے نقاب کردی گئی ہوں۔ مچھلیوں کی تعداد دن بہ دن کم ہوتی جارہی تھی اور مینڈک، جھینگر، کیڑے مکوڑوں اور مینڈک کی تعداد میں اضافہ ہوتا جارہا تھا۔ دوپہر ڈھلے ندی کے نیم گرم، گدلے پانی سے چھوٹے بڑے بے شمار مینڈک نکلتے اور ان ٹاپوؤں پر بیٹھ کر ٹراتے رہتے۔ ہر ٹاپو پر ایک بڑے مینڈک کا قبضہ تھا اور ہر ایک کے چھوٹے چھوٹے سینکڑوں معتقد یا حلقہ بگوش تھے جو ہر دم اس کی ٹراہٹ کی تائید میں خود بھی ٹراتے رہتے۔

"میں اسی ندی کا وارث ہوں"۔ بڑا مینڈک

"ہاں، آپ اس ندی کے وارث ہیں"۔ چھوٹے مینڈک

"اس ندی کے ایک ایک ٹاپو پر میرا اختیار ہے"

"اس ندی کے ایک ایک ٹاپو پر آپ کا اختیار ہے"

"میں... میں... چاہوں تو"۔

بڑا مینڈک مناسب دعوے کے لئے آنکھیں مٹکا مٹکا کر ادھر ادھر دیکھتا اور ذرا سے توقف کے بعد کہتا۔

"میں چاہوں تو ایک جست میں اس چمکتے سورج کو آسمان سے نوچ کر پاتال میں پھینک دوں"۔

"آپ چاہیں تو ...." چھوٹے مینڈک دھوپ سے اپنی آنکھوں کو چھپاتے ہوئے حسب عادت بڑے مینڈک کی تائید کرتے کہ بڑے مینڈک کی خوشنودی ان کی زندگی کا واحد مقصد تھا۔

پھر پاس ہی کے کسی ٹاپو سے ایک موٹے پیٹ اور پتلی ٹانگوں والا کوئی بڑا مینڈک گمبھیر آواز میں اپنے کسی معتقد سے پوچھتا

"کون ہے یہ؟ کون ہے یہ احمق؟"

ایک طرار مینڈک پھدک کر کہتا۔

"وہی ہمارا ذلیل پڑوسی ہے جس کے اجداد حضور کے کفش بردار رہ چکے ہیں"۔

"اوہو، اس نمک حرام سے کہو کہ سورج پر کمند ڈالنے سے پہلے ہمارے قدم چومے کہ خورشید ہمارے نقش پا کے سوا کچھ نہیں"۔

اس کے لن ترانی کے جواب میں کسی تیسرے ٹاپو سے آواز آتی۔

"یہ کون گستاخ ہے۔ اسے آگاہ کردو، اپنی زبان کو قابو میں رکھے کہ ہم زبان درازوں کی زبانیں یوں کھینچ لیتے ہیں جیسے ملک الموت جسم سے روح"۔

"خاموش خاموش، اس ندی کا ایک ایک ٹاپو ہماری زد میں ہے"۔

اس کے بعد ہر ٹاپو سے ایک نئی آواز بلند ہونے لگتی۔ ہر آواز پہلی آواز سے زیادہ تیز، ہر دعوی پہلے دعوی سے زیادہ بلند و ارفع، ایسا شور مچتا کہ بے چاری مچھلیاں خوف زدہ ہوکر چہ بچوں کی تہوں میں جا چھپتیں۔ درختوں کی شاخوں پر بیٹھے پرندے پھڑپھڑا کر اڑتے اور جدھر جس کا سینگ سماتا چلا جاتا۔ ٹرا ٹرا کر مینڈکوں کے گلے رندھ جاتے۔ پھول پھول کر پیٹ پھٹ جاتے، اور بیسیوں مینڈک اپنے بلند بانگ دعوؤں کے وزن تلے دب دب کر کچل جاتے۔ اور پھر دھیرے دھیرے تمام ٹاپوؤں پر ایک خوفناک سکوت طاری ہوجاتا نہ کسی مینڈک کی ٹرٹر نہ کسی جھینگر کی چھائیں۔ مگر یہ سکوت ایک مختصر سے وقفے کے لئے ہوتا۔ دوسرے دن پھر مینڈک اپنے اپنے ٹاپوؤں پر جمع ہوتے اور پھر وہی لاف گزاف۔ ایک دن اسی طرح بڑے چھوٹے مینڈک اپنے اپنے ٹاپوؤں سے گلا پھاڑ پھاڑ کر چیخ رہے تھے، ایک دوسرے پر کیچڑ اچھال رہے تھے، ایک دوسرے کو ذلیل کررہے تھے۔ گالیاں بک رہے تھے مچھلیاں چھوٹے چھوٹے کیڑے مکوڑے، گھاس اور پودوں کی جڑوں میں دبک گئے تھے۔ ندی کے کنارے پھدکتی چڑیاں دم بخود اس بحث کو سن رہی تھیں۔

تبھی ندی کے ایک گوشے میں کچھ ہلچل سی ہوئی۔ پہلے تو سطح آب پر بڑے بڑے بلبلے پیدا ہوئے اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے کوئی پانی کی سطح پر نمودار ہوا۔ یہ ایک بے حد بوڑھا مگرمچھ تھا اتنا بوڑھا کہ اس کی کچلیاں جھڑ چکی تھیں۔ دم کے اتنے پر کند پڑگئے تھے اور اس کی پشت پر باریک باریک سبزہ اگ آیا تھا۔ اس نے اپنی پوری قوت سے دم کو اس کیچڑ آلود پانی کی سطح پر دے

مارا۔ ایک زور کا چھپاکا ہوا اور پانی کے چھینٹے اڑ کر دور دور تک پہنچے۔ مختلف ٹاپوؤں پر شور مچاتے مینڈک یک بہ یک چپ ہوگئے۔ سب اپنی پچھلی ٹانگوں پر اچک اچک کر اس آواز کی سمت دیکھنے لگے۔ آخر سب نے بوڑھے مگرمچھ کو دیکھ لیا۔ سبھی مینڈک بوڑھے مگرمچھ کا بے حد احترام کرتے تھے بلکہ بعض اس سے خوفزدہ بھی رہتے تھے کیونکہ ان کے آباواجداد کے مطابق بوڑھا مگرمچھ اس ندی کی بدلتی ہوئی تاریخ کا چشم دید گواہ تھا۔

اس کی عمر کا اندازہ نہیں تھا کہ اس کی ہستی صدیوں کے دوش پر قرنوں کا فاصلہ طے کر چکی تھی۔ تمام مینڈکوں نے ٹرا ٹرا کر بوڑھے مگرمچھ کی جے جے کار کی۔ بوڑھے مگرمچھ نے اپنی بھاری دم پٹک کر اور اپنا لمبا چوڑا جبڑا کھول کر خوشی کا اظہار کیا۔ پھر رینگتا ہوا ایک اونچی چٹان پر چڑھ گیا۔ چٹان پر پہنچ کر اس نے ندی کے اطراف نگاہ ڈالی۔ اب ندی ... ندی کہاں تھی؟ وہ تو بس چند ٹاپوؤں اور چہ بچوں کا مجموعہ ہو کر رہ گئی تھی۔ جگہ جگہ ریت کے خشک تودے نظر آتے تھے۔ کہیں کہیں گڈھوں میں پانی کے بجائے صرف کیچڑ تھا۔ ندی کے دونوں کناروں پر خودرو گھاس ضرور اگی ہوئی تھی مگر پانی کی کمی کے کارن گھاس کا رنگ بھی زرد پڑتا جارہا تھا۔ ناریل، سپاری اور تاڑ کے درخت بانس کے جنگل کی طرح خشک اور ویران لگ رہے تھے۔ ندی کی اس بدلی ہوئی کیفیت کو دیکھ کر مگرمچھ کا دل بھر آیا۔ قریب تھا کہ اس کی آنکھوں سے آنسوؤں کے جھرنے بہہ نکلتے۔ اس نے کمال ضبط سے ان آنسوؤں کو روکا۔ مبادا ندی کے یہ بے ضمیر باسی انھیں حسب روایت مگرمچھ کے آنسو کہہ کر ان کی تضحیک نہ کریں پھر اس نے اپنے دیدے گھما کر ادھر ادھر ٹاپوؤں پر بیٹھے مینڈکوں کو دیکھا۔ سارے مینڈک دم سادھے بیٹھے تھے مگرمچھ نے پھنکار کر گلا صاف کیا، پھر بھرائی ہوئی آواز میں بولا۔

"اے ندی کے باسیو! کبھی تم نے اس بلند چٹان سے ندی کو دیکھا ہے؟"

"تمام مینڈک ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے۔ پھر باسیوں نے بیک زبان اعتراف کیا۔

"نہیں، ہم نے اس بلند چٹان سے کبھی ندی کو نہیں دیکھا"۔

"دیکھو! یہاں سے ندی کو دیکھو تو تم پر تمہارے بے بضاعت ٹاپوؤں کی حقیقت آشکار ہوجائے گی۔

"مگر ہم وہاں سے ندی کو کیوں دیکھیں کہ ندی تو ہمارے لہو میں جاری وساری ہے"۔

"عریاں حقیقتوں کو سیمابی لفظوں کا لباس نہ پہناؤ کہ الفاظ جذبے کے اظہار کا بہت ادنی ذریعہ ہیں، خود تسلی عارضی اطمینان کی سبیل ضرور ہے مگر یہی اطمینان مکمل تباہی کا پہلا بگل بھی ہے"

تبھی ایک کونے سے ایک پستہ قد زرد فام مینڈک نے ٹرا کر کہا۔

"میں دیکھ سکتا ہوں۔ بلندی سے میں ندی کا نظارہ کرسکتا ہوں"۔

تمام مینڈک اس زرد فام مینڈک کی طرف مڑے۔ وہ پندرہ بیس مینڈکوں کے کاندھوں پر چڑھا سینہ پھلائے نہایت حقارت سے ان کی طرف دیکھ رہا تھا۔ پھر اس نے مگرمچھ سے مخاطب ہوکر کہا۔

"اے دانائے راز! کیا میں ان تمام سفالی ہستیوں سے سربلند نہیں ہوں کہ یہ ندی کراں تا کراں میری نگاہ کی زد میں ہے"۔

ابھی اس کے الفاظ فضا میں گونج ہی رہے تھے کہ مینڈکوں کا اہرام لرزا اور ایک دوسرے کے کاندھوں پر چڑھے ہوئے مینڈک دھپ دھپ نیچے لڑھک گئے۔ دوچار کمزور مینڈکوں کی تو آنتیں نکل آئیں۔ بعض وہیں ڈھیر ہوگئے۔ اردگرد کے ٹاپوؤں کے مینڈک بے تحاشہ قہقہے لگانے لگے۔ ہنسی، قہقہے، فقرے بازی اور شور و غوغا سے تھوڑی دیر تک کان پڑی آواز سنائی نہیں دی۔

آخر مگرمچھ کو مداخلت کرنی پڑی۔

"خاموش، خاموش، اے ندی کے باسیو! خاموش، یہ جائے مسرت نہیں مقام عبرت ہے کہ تمہاری چھوٹی چھوٹی نفرتوں نے تمہارے قد گھٹادئے ہیں اور تم .... تم سب اپنی ہی لاشوں پر قہقہے لگانے کے لئے زندہ ہو"۔

اے صاحب عقل و دانش! کیا ہمیں اپنے دشمن کی مات پر خوش ہونے کا حق نہیں۔ یہ فتنہ حرام ایک عرصہ دراز سے دوسروں کے کاندھوں پر چڑھ کر ہمیں دھمکاتا رہتا تھا"۔

"دشمن!" مگرمچھ نے ایک گہری سانس کھینچی۔

"تم نہیں جانتے کہ بعض اوقات دشمن بھی تمہارے ظرف کا پیمانہ بن جاتی ہے۔ آنکھیں کھول کر دیکھو، مرنے والے کی صورت میں تمہیں اپنی صورت دکھائی دے گی۔ کان کھول کر سنو۔ اس کی آواز میں تمہیں اپنی آواز سنائی دے گی۔ دشمن کی شناخت مشکل ہے اس لئے کہ دوست کی شناخت مشکل ہے"۔

"اے مدبر وقت! تو ہی ہمیں کوئی تدبیر بتا کہ ہمارے دل نفرتوں کے غبار سے دھل جائیں اور ہمارے سینے محبتوں کے نور سے معمور ہوجائیں تجھے ہم عقل و فہم کا پتلا اور تجربات کا مرقع جانتے ہیں"۔

"اگر ماحول سازگار نہ ہو تو مدبر تضحیک کا نشانہ اور تجربہ تہمت کا بہانہ بن جاتا ہے یاد رکھو گھورے پر کبھی گلاب نہیں کھلتے۔ تم نے نفرت بوئی تھی نفرت ہی کاٹوگے ..."

"مگر تیرے سوا کون ہماری رہ نمائی کرسکتا ہے کہ ہم بالاتفاق رائے تجھے اپنا مربی سمجھتے ہیں"۔

ایک چنکبرا مینڈک پھدک کر مگرمچھ کے کے قریب ہوتا ہوا مکھن چپڑے لہجے میں بولا۔ اور پھر اس انداز سے چاروں طرف دیدے گھمائے جیسے اپنے ہم جلیسوں سے کہہ رہا ہو۔ میرا کاٹا کبھی بھولے سے نہ پانی مانگے۔

بوڑھا مگرمچھ اس چالاک مینڈک کی نیت بھانپ گیا۔ ایک نگاہ غلط انداز اس پر ڈالی اور پھر دوسرے مینڈکوں سے مخاطب ہوا۔

"مربی ایک ایسے بدطینت شخص کو کہتے ہیں جو زیر دستوں کی دست گیری محض اس لئے کرتا ہے کہ وہ تاحیات اس کی غلامی کا دم بھرتے رہیں"۔

مگرمچھ کے اس کرارے جواب نے مختلف ٹاپوؤں میں ایک غلغلہ ڈال دیا۔ دیر تک

مینڈک ٹراتے اور قہقہے لگاتے رہے اور وہ چت کبرا مینڈک غصے اور ندامت سے پیچ و تاب کھانے لگا۔ جب شور ذرا کم ہوا تو چتکبرا مینڈک ہوا میں قلابازی کھاتا ہوا چیخا۔

"انا ..... اے ناصح نامہربان، تیری تلخ نوائی نے میری انا کو لہولہان کردیا ہے۔ اپنی انا کی حفاظت میری زندگی کا مقصد اعلیٰ ہے۔ میں تلوار کا گھاؤ سہہ سکتا ہوں۔ اپنی انا پر ضرب نہیں سہہ سکتا۔

" چیونٹی اپنے منہ میں شکر کا دانہ لئے چلتی ہے تو اپنی دانست میں سات پہاڑوں کا بوجھ اس پر لدا ہوتا ہے۔ تم اپنی ڈیڑھ انچ کی انانیت کو آخر اس قدر اہمیت کیوں دیتے ہو جو پانی کے ریلے سے بہہ جاتی ہے۔ ہوا کے ایک معمولی جھونکے سے اڑ جاتی ہے۔ جب تک تمہاری انانیت تمہارے وجود کا حصہ نہیں بنتی وہ چھپکلی کی کٹی دم کی مانند بے حقیقت اور حقیر ہے۔۔ تمہاری مشکل یہ ہے کہ تم سب چھوٹے جزیروں میں بٹے ہوئے ہو اور ہر کوئی اپنے جزیرے کو کرہ ارض کے برابر سمجھتا ہے "۔

مگرمچھ کا یہ وار بہت صاف اور تیکھا تھا۔ شدید تکلیف سے ان کے لہو میں گرہیں پڑگئیں۔ انھوں نے ایک دوسرے کی طرف دیکھا۔ غصہ، ذلت اور ندامت نے ان کی عجیب کیفیت کردی تھی۔ انھیں لگ رہا تھا کہ کوئی انہیں رسی کی طرح بلتا جارہا ہے مگر وہ کیا کرسکتے تھے کہ ان کے پاس نہ سانپ کا سا پھن تھا، نہ بچھو کا سا ڈنک۔ البتہ وہ چیخ سکتے تھے کہ اب ان کی چیخ ہی ان کے وجود کی گواہی بن سکتی تھی۔ لہذا ایک لمحے کی خاموشی کے بعد وہ بیک زبان ٹرانے لگے۔ اپنی ہستی کی انتہائی بنیادوں سے ٹرانے لگے۔ مگرمچھ ضبط و تحمل سے ان کی ٹراہٹ سنتا رہا اور خاموشی سے ان کی پھولتی پچکتی جھلیوں کو دیکھتا رہا۔ جب ٹراتے ٹراتے ان کی گردنوں کی جھلیاں لٹک گئیں، پیٹ پچک گئے۔ تب مگرمچھ نے آہستہ سے گردن اٹھائی یہاں سے وہاں تک بکھرے ہوئے مینڈکوں پر ایک متاسفانہ نگاہ ڈالی۔ چھوٹے بڑے، نیلے پیلے، کالے سفید، دبلے پتلے، موٹے تگڑے سارے کے سارے مینڈک منہ کھولے، گردنیں ڈالے گہری گہری سانسیں لے رہے تھے۔ اب ان کی آخری چیخ بھی ان کے سینے کی لحد میں سو چکی تھی۔ آخر ایک طویل وقفے کے بعد مگرمچھ گویا ہوا۔

"اے ندی کے باسیو! تم میں سے ہر کوئی خودغرضی کے محور پر پھرکی کی طرح گھوم رہا ہے۔ تمہاری نظروں میں سارے رنگ یوں گڈمڈ ہوگئے ہیں کہ اب رنگوں کی تمیز ممکن نہیں۔ لہذا اب میرے پاس تم سب کے لئے سفاک دعا کے سوا کچھ نہیں ہے۔ میں دعا مانگتا ہوں۔ دعا کے اختتام پر باآواز بلند " آمین " کہنا یہی تمہاری نجات کا آخری حیلہ ہے "۔

مینڈکوں نے مگرمچھ کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا۔ بس اپنے کرچی کرچی وجود کے ساتھ ٹکر ٹکر اسے گھورتے رہے۔ اب اجالے کے پر سمٹنے لگے تھے۔ سورج ایک کیکر کے دوشاخے میں پھنسا پھڑپھڑا رہا تھا۔ اس کے خون کی لالی قطرہ قطرہ ندی کے چہ بچوں میں سونا گھول رہی تھی۔ فضا میں ایک عجیب سی دل کو مسوس دینے والی اداسی بس گئی تھی۔ مگرمچھ نے آسمان کی طرف منہ اٹھایا۔ آنکھیں بند کرلیں اور دعا مانگنے لگا۔

"اے بحر و بر کے مالک! اے خشکی کو تری اور تری کو خشکی میں بدلنے والے ... زمانہ بیت گیا یہ ندی سوکھتی جارہی ہے اور ہم کو جنھیں ایک ہی ندی کے باسی کہلانا تھا، الگ الگ ٹاپوؤں میں بٹ گئے ہیں۔ اے قطرہ سے دریا بہانے والے اور ندیوں کو سمندر سے ملانے والے ہمارے رب! ہماری اس سوکھی ندی میں کسی صورت باڑھ کا سامان پیدا کر تاکہ ہم جو ان چھوٹے چھوٹے ٹاپوؤں میں تقسیم ہوگئے ہیں پھر اسی ندی میں گھل مل جائیں اور اس کے وسیع دامن میں جذب ہوکر اسی کا ایک حصہ بن جائیں!

سیلاب! صرف ایک تند و تیز سیلاب!! "

مگرمچھ دعا ختم کرکے تھوڑی دیر تک آنکھیں موندے مینڈکوں کے " آمین " کہنے کا منتظر رہا۔ مگر جب کافی دیر گزر جانے کے بعد بھی کہیں سے " آمین کی صدا بلند نہیں ہوئی تب اس نے آنکھیں کھول دیں۔ اردگرد کے ٹاپو خالی پڑے تھے۔ تمام مینڈک ندی کے کم کم گدلے اور بدبودار پانی میں ڈبکیاں لگاچکے تھے۔

●●●●●

چیف منسٹر مسٹر چندرا بابو نائیڈو اسمبلی سشن کے پہلے دن ایوان میں لیمو کے ساتھ حاضر ہوئے

زندگی کا کھیل
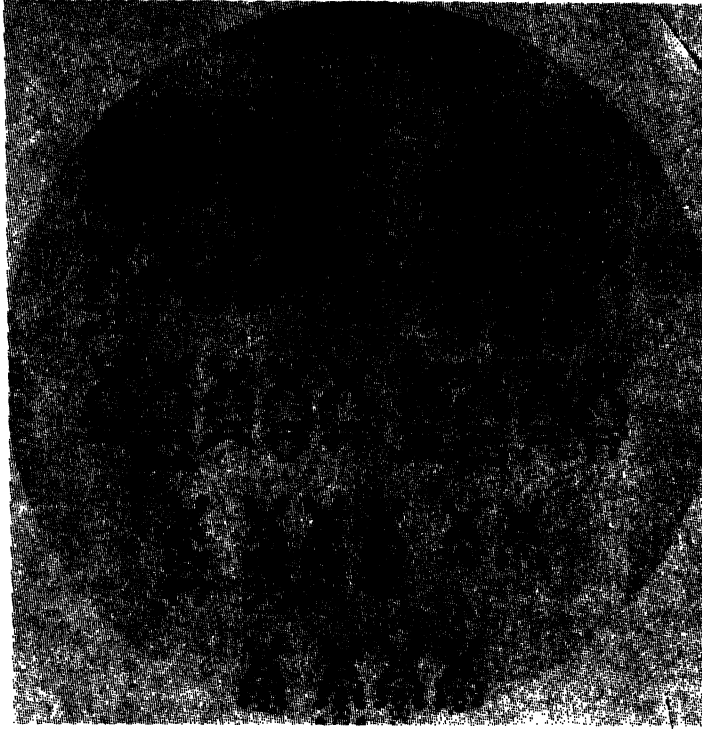
ماضی میں ، مستقبل کے بارے میں کمپیوٹنگ کے مختلف حوالوں کے سلسلے میں بہت سی رپورٹیں شائع ہوتی رہی ہیں۔ ڈی این اے کے استعمال اور کمر کے درد سے لے کر کوانٹم مکینکس اور ٹکنالوجی تک ہر شعبے کے بارے میں بین الاقوامی سطح پر مضامین کا سلسلہ جاری رہا۔ اب ایک طریقہ ایسا ہے جس کے ذریعے ایک سادہ سے کھیل کو کاتاتی کمپیوٹنگ مشین میں بدلا جاسکتا ہے۔

زندگی کے کھیل یا گیماف لائف کی ایجاد کا سہرا پرنسٹن یونیورسٹی کے ایک ریاضی دان جان ہارٹن کونوے کے سر ہے۔ جس نے اسے 1970ء میں دریافت کیا اس نظریئے کے مطابق زندگی ایک سیلولر آٹومشین ہے۔ ایک ایسا سسٹم جو سیلوں کے ایک لامحدود حد تک بڑے جال پر مشتمل ہے۔ اس سسٹم میں ہر سیل اپنے طے کردہ قوانین کے مطابق یا زندہ ہوتا ہے یا مردہ ہوتا ہے۔

جانداروں کے اجسام سیلوں (خلیوں) سے بنے ہیں ، یہ بات سائنس کی ابتدائی سطح کا ہر طالب علم بھی جانتا ہے۔ لیکن سیلوں کی شناخت اور ان کے طریقہ کار کے علم کے بارے میں گزشتہ چند برسوں میں جو پیش رفت ہوئی ہے وہ ماضی کے صدیوں پر محیط علم پر بھاری ہے۔ اب جانداروں کے اجسام کا مطالعہ جینیاتی انجینئرنگ تک وسیع ہوچکا ہے اور انسانی جسم میں موجود پیچیدہ ترین کیمیکل ڈی این اے کی مکمل کوڈنگ کرلی گئی ہے جو کل تک محض ایک خواب تھا اور ڈی این اے یا ڈی آکسی رائبونیو کلینک ایسڈ کے بارے میں سائنس کا علم رکھنے والے جانتے ہیں کہ یہ تمام وراثتی خصوصیات کا حامل ہوتا ہے۔ وراثتی خصوصیات نسل در نسل منتقل ہونے کا مشاہدہ

تو لوگ صدیوں سے کرتے چلے آرہے تھے لیکن جون 2000ء میں سائنس دانوں کے اس اعلان کہ انہوں نے ڈی این اے کی مکمل کوڈنگ کرلی ہے کے ساتھ ہی اس کی وجوہات بھی سمجھ میں آگئیں۔

ہم زندگی کے کھیل کے بات کررہے تھے اس سسٹم کی حالت وقت کے ساتھ ساتھ تبدیل ہوتی رہتی ہے۔ اس کے لئے ایک نسل کے سیلوں پر یہ قوانین لاگو کئے جاتے ہیں اور اگلی نسل میں ان کو سمجھا جاتا ہے۔ کونوے نے ان قوانین کو بڑی احتیاط سے ڈیزائن کیا کیونکہ اس سسٹم کا طرز عمل ایسا ہے جس کے بارے میں درست پیش گوئی نہیں کی جاسکتی اور اس کے صرف تین قوانین ہیں۔

۱۔ ایک مردہ سیل جس کے ہمسائے میں تین زندہ سیل ہوں اگلی نسل میں منتقل ہونے کے بعد زندہ ہوجاتا ہے۔

۲۔ ایک زندہ سیل جس کے ہمسائے میں دو یا تین زندہ سیل ہوں وہ زندہ رہتا ہے۔

۳۔ اس کے علاوہ ہر قسم کی دیگر صورتحال میں سیل مردہ ہوجاتا ہے۔

سیلوں کے مختلف گروپ بڑے دلچسپ انداز میں اپنا طرز عمل ظاہر کرتے ہیں۔ مثال کے طور پر تین زندہ سیلوں کی ایک قطار جو مردہ سیلوں سے گھری ہوتی ہے۔ اگلی نسل میں منتقل ہونے کے بعد اپنا پہلو بدل لیتی ہے اور زندہ سیلوں کے ایک کالم کا روپ دھار لیتی ہے اور اس سے اگلی نسل میں پھر سے ایک قطار کی صورت اختیار کرلیتی ہے۔

چار سیلوں کا ایک بلاک جو اس طرح تشکیل پاتا ہے جیسے شطرنج کے خانے ہوتے

ہیں۔ وہ اگلی نسلوں میں بھی اسی حالت میں رہتا ہے اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں آتی۔ بعض پیٹرن ایسے ہیں جو چند نسلوں تک تبدیل ہوتے رہتے ہیں۔ لیکن پھر اپنی اصل ساخت اختیار کرلیتے ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ یہ بھی ہوتا ہے کہ وہ اپنی اصل پوزیشن تبدیل کرتے رہتے ہیں۔

پانچ سیلوں کی اسی قسم کی ساخت کو "گلائڈر" کہا جاتا ہے اور چار نسلوں کے بعد یہ اس طرح ظاہر ہوئے کہ ایک گرڈ اسکوائر کے ساتھ یہ ترچھے انداز میں اپنی جگہ بدل چکے تھے۔ سیلوں کے بڑے مجموعے "گنز" کہلاتے ہیں۔ یہ گلائڈرز کی مینوفیکچرنگ کرکے انہیں باہر نکال سکتے ہیں۔ گن کی ایک قسم "پفر" کہلاتی ہے جو خود ہی گرڈ کے آرپار حرکت کرتی ہے اور یہ گلائڈرز کو اور دوسرے پیٹرنز کو گرڈ سے باہر دھکیلتی ہے۔

ان سادہ سے قوانین سے حیران کن سرگرمی کا ظہور بہت معرکہ آرا بات ہے۔ اصل میں کونوے نے اس کھیل کی نقل ہاتھوں کے ذریعے کی لیکن جلد ہی وہ سیل پاپولیشن میں داخل ہوگیا جو قوانین کو مینوئل انداز میں لاگو کرنے سے زیادہ تیزی سے بڑھتے تھے۔ صرف ایک طریقہ ایسا ہے کہ جس کے ذریعے اس کھیل کو پوری طرح "کھیلا" جاسکتا ہے۔ اور وہ طریقہ کمپیوٹر، سیمولیشن کا ہے۔ زندگی کو خراج تحسین پیش کرنے کا واحد راستہ یہ ہے کہ آپ اس کے لئے اپنے طور پر کوشش کریں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کہاں سے شروع کریں۔ اس کے لئے ہم آپ کو ایک ایپلٹ کا ایڈریس بتارہے ہیں۔

WWW.Math.Com/Students/Wonders/life.html

زندگی کا تجزیہ کرنے کے بعد یہ بات سامنے آتی ہے کہ اس کا سب سے بڑا پہلو یہ ہے کہ زندگی کے یہ پروسس کمپیوٹیشن کے لئے استعمال کئے جاسکتے ہیں۔ اس بات سے وہ لوگ فائدہ اٹھاسکتے ہیں۔ جو کمپیوٹر کے اندرونی ڈھانچے اور اس کے نظم و ضبط سے واقفیت رکھتے ہیں۔ مثال کے طور پر سیلوں میں گلائڈرز کے بہاؤ کو بائنری انفارمیشن کی انکوڈنگ کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے اور ان کے دوسرے لائف آبجکٹس کے ساتھ ملا کر ایسے اعمال کے لئے استعمال کیا جاسکتا ہے۔ جو کمپیوٹر میں لوجک گیٹس کے ذریعے کئے جاتے ہیں۔ اس طرح خصوصی مقاصد کے لئے استعمال ہونے والا ایک "کمپیوٹر" تعمیر کیا جاسکتا ہے۔ مثلاً ایک ایسا کمپیوٹر جو پرائم نمبرز کے سیکوئنس کو کمپیوٹ کرسکے۔

پال رینڈل جو زندگی کے اس کھیل کے بارے میں زیادہ پرجوش ہے۔ وہ ایک قدم اور بھی آگے بڑھ گیا ہے اور ایک مکمل جنرل کمپیوٹنگ انجن عمل میں لایا ہے۔ جسے ٹرننگ مشین کا نام دیا گیا ہے۔ اس کا ایڈریس کچھ یوں ہے۔

WWW.rendell.uk.co/gol/tm.htm

یہ انجن ایک انگریز ریاضی دان اور صف اول کے کمپیوٹر سائنس دان ایلن ٹرننگ نے ڈیزائن کیا ہے۔ ٹرننگ مشین تصوراتی کمپیوٹر کا ایک ریاضیاتی ماڈل ہے جسے تھیوری میں، ایسے مسائل کو حل کرنے کے لئے جو کمپیوٹ ہونے کے قابل ہوں۔ پروگرامنگ کی جاسکتی ہے۔ بنیادی طور پر یہ کمپیوٹر کے عناصر کو چھوٹے سے چھوٹا کرنے کی ایک کوشش ہوسکتی ہے۔ ایک لامحدود طویل میموری ٹیپ ایک ریڈ / رائٹ ہیڈ اور ایک پروگرام۔

رینڈل کی ٹرننگ مشین اس قدر پیچیدہ ہے کہ دماغ چکرا کر رہ جاتا ہے۔ اسے کام کرتے ہوئے دیکھنے کا نظارہ ایک ایسا منظر پیش کرتا ہے جو بہت ہی غیر معمولی نوعیت کا ہے۔ یہ اپنے پروگرام کی صرف ایک انسٹرکشن کو پروسس کرنے کے لئے 11000 جنریشنز لیتا ہے۔ یعنی گیارہ ہزار نسلوں کی کیلکولیشن اس کی صرف ایک انسٹرکشن سے ہوسکتی ہے۔

زندگی کی انہی پیچیدگیوں کا مشاہدہ کرنے کے لئے آپ جیسن سمر کا ویب پیج دیکھ سکتے ہیں۔ اس کا ایڈریس کچھ اس طرح ہے۔

http://home.mieweb.com/jason/life

ونڈوز کے لئے ایک اچھا لائف پروگرام جوہن بونٹس کا ہے لائف 32 کے نام سے یہ پروگرام درج ذیل ایڈریس کے ذریعے دستیاب ہے۔

http://psoup.math.wisc.edu/life32.html

زندگی کا پورا طریقہ کار سمجھنے کے بعد کیا اسے کمپیوٹنگ کے لئے استعمال کیا جاسکے گا۔ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا حل انسانی تاریخ کا ایک نیا باب کھول سکتا ہے۔ ایک بائیولوجیکل کمپیوٹر کی بات کرنا ہوسکتا ہے ابھی قبل ازوقت ہو لیکن اگر ایسا ہوجاتا ہے تو خود سے فیصلے کرنے والا کمپیوٹر خواب نہیں رہے گا۔

زندگی کی ٹیکنالوجی کی بنیاد کاربن ہے اور کمپیوٹر ٹیکنالوجی کا انحصار اور دارو مدار اس وقت تک سلیکون پر ہے۔ ان دونوں عناصر کی خصوصیات اگرچہ مختلف ہیں لیکن طریقہ کار میں کسی حد تک مماثلت پائی جاتی ہے۔ ایک زندہ جسم میں وہ تمام آلات اور اجزاء ہوتے ہیں۔ جو ایک کمپیوٹر میں استعمال ہوتے ہیں۔ حیات کی اعلیٰ اقسام کے پاس ان پٹ ڈیوائسز، آؤٹ پٹ ڈیوائسز اور اسٹوریج ڈیوائسز کے علاوہ مختلف قسم کے پروسس کرنے کے لئے ایک سنٹرل پروسیسنگ یونٹ بھی ہوتا ہے۔ ایک چیز جو اسے سلیکون کی بنیاد پر بنائے جانے والے سسٹم سے ممتاز کرتی ہے وہ اس کی قوت فیصلہ ہے۔ اگر کمپیوٹر میں اتنی پیش رفت ہوجاتی ہے کہ فیصلہ کرنے کی قوت بھی اسے حاصل ہوجائے تو یقین جانیئے مستقبل میں اس کرہ ارض پر ایک اور ذہین مخلوق کا اضافہ ہوجائے گا۔

☆☆☆☆

طیبہ ضیاچیمہ

امریکی ڈیرہ

جنگ بدر کے قیدیوں کو رسول کریمؐ
نے مختلف صحابہؓ کے گھروں میں بانٹ دیا تھا
اور ان کے ساتھ اچھا سلوک کرنے کی ہدایت
فرمائی گئی۔ ان میں سے ایک قیدی ابو عزیزؓ کا
بیان ہے کہ مجھے جن انصاریؓ کے گھر میں رکھا
گیا تھا وہ صبح شام مجھ کو روٹی کھلاتے تھے اور خود
صرف کھجوریں کھا کر گزارہ کرتے تھے۔ ایک اور
قیدی سہیل بن عمروؓ کے متعلق حضورؐ سے کہا
گیا کہ یہ بڑا آتش بیان مقرر ہے۔ آپؐ کے
خلاف تقریریں کرتا رہا ہے۔ اس کے دانت
تڑوا دیجئے۔ آپ نے جواب دیا اگر میں اس کے
دانت تڑواؤں تو اللہ میرے دانت توڑ دے گا
اگرچہ میں نبی ہوں"۔ نبی پاکؐ نے جنگ اور
جنگی قیدیوں کی بابت واضح اصول ارشاد فرمادئے
تھے۔ قیدیوں کے بارے میں فرمادیا گیا کہ
تمہیں اختیار ہے خواہ ان پر احسان کرو یا ان سے
فدیہ کا معاملہ کرلو۔ یعنی انہیں ناحق قتل نہ کیا
جائے۔ حجاج بن یوسفؒ نے جنگی قیدیوں میں
سے ایک قیدی کو حضرت عبداللہ بن عمرؓ کے
حوالے کیا اور حکم دیا کہ اسے قتل کردیں۔
انہوں نے قرآن پاک کی ہدایت کے مطابق
قیدی کو قتل کرنے سے انکار کردیا۔ نبیؐ اور صحابہ
کرامؓ کے عمل سے یہ ثابت ہے کہ ایک جنگی
قیدی جب تک حکومت کی قید میں رہے اس کی
غذا ، لباس ، علاج سب حکومت کے ذمہ ہے۔
قیدیوں کو بھوکا ننگا رکھنے یا ان کو عذاب دینے کا
کوئی جواز اسلامی شریعت میں موجود نہیں ہے۔ یہ
کوئی وعظ نہیں بلکہ مسلمانوں کے لئے آزمائش کی
گھڑی ہے۔ جس سے امریکی مسلمان کو شب و
روز دوچار ہونا پڑرہا ہے۔ پوری دنیا پر ڈھائے
جانے والے مظالم کے باوجود اس کے اسلام کو
تنقید کا نشانہ بنایا جاتا ہے۔ جس کے جواب
میں عظیم لیڈر نبی پاکؐ کی حیات طیبہ کا ہر پہلو
اس کے سامنے عیاں ہونا چاہئے۔ کیوبا کی خلیج
گوانتانامو میں واقع امریکی بیس فلوریڈا کے شہر
میامی سے قریبا 400 میل کے ہوائی فاصلے پر
واقع ہے۔ امریکہ نے 1903 میں 45 مربع میل
کے اس بیس کو 2000 ڈالر سالانہ کے حساب
سے پٹے lease پر حاصل کیا تھا جبکہ آج کل
4085 ڈالر سالانہ کے حساب سے اس کا کرایہ
ادا کررہا ہے۔ وڈیروں کی طرح ریاستی حدود سے
باہر امریکہ نے بھی یہ ڈیرہ بنا رکھا ہے جو ہر قسم
کی جائز و ناجائز کارروائیوں کے لئے استعمال کیا
جاتا ہے۔ کیوبا کے صدر کیسترو گزشتہ چالیس
برس سے ملک کی باگ ڈور سنبھالے ہوئے ہیں
۔ ان کے دور حکومت کے دوران امریکہ کے کئی
صدر آئے اور چلے گئے۔ مگر ہزار اختلافات کے
باوجود کوئی انہیں حکومت سے دستبردار نہ کرسکا۔
امریکہ کا یہ ڈیرہ 1990ء کی دہائی میں کیمپ
ایکسرے کے نام سے مشہور ہوا۔ جب ہیٹی
Haitian کے 34,000 پناہ گزینوں کا مہمان
خانہ بنا جبکہ آج طالبان اور القاعدہ کے قیدیوں
کے لئے جیل خانے کا کام دے رہا ہے۔ جہاں
مقید 158 قیدیوں کو جینیوا کنونشن اور دنیا بھر کے
اعتراضات کے باوجود امریکی وڈیرہ انہیں جنگی
قیدی تصور کرنے کو تیار نہیں۔ امریکہ کے وزیر
دفاع ڈونلڈ رمسفیلڈ نے ایکسرے کیمپ کے
قیدیوں کی بابت کہا کہ یہ لوگ انتہائی خطرناک
ہیں۔ ایکسرے کیمپ میں صرف ٹینس کورٹ
اور گھاس کا قالین ہی نہیں بچھا ہوا باقی ہر طرح کی
سہولیات مہیا کی گئی ہیں۔ تورا بورا کی غار سے
زیادہ آرام میں ہیں یہاں پر۔ افغانستان کے ان
خطرناک قیدیوں کو سخت حفاظتی انتظامات میں
ایک جگہ سے دوسرے جگہ منتقل کیا جارہا ہے
تاکہ کسی بھی امریکی سپاہی کو ہلاک کرنے کا موقع
نہ رہے۔ کیا ان کے ساتھ یہ سلوک انسانیت
کے خلاف ہے؟ ہاں البتہ اس کے علاوہ ان کے
ساتھ کوئی اور سلوک روا رکھنا بے وقوفی ہوگی
جبکہ صدر بش نے کہا ہے کہ "Should be
pround of the US treatment of
terrorist suspects" امریکی چودھراہٹ
اور افغانستان کے ساتھ کیا گیا بہیمانہ سلوک
کبھی نہ ختم ہونے والی ظلم کی ایک داستان جیسے
ظالم وڈیرے کا دن دہاڑے ایک غریب و ناتواں
مزارع کی خوبرو بیٹی کی آبرو کا لوٹ لینا اور اس
کی دہشت کے خوف سے کسی کا مدد کو نہ پہنچنا۔
ایک بے بس ، بے سہارا اور کمزور انسان کے
پاس سوائے بددعا کے اور کوئی ہتھیار بھی تو
نہیں۔ ٹوکیو میں افغانستان کی تعمیر نو کے لئے دو
روزہ ہونے والی بین الاقوامی ڈونرز کانفرنس میں
افغانستان کے لئے ساڑھے چار ارب ڈالر کی امداد
کرنے کا اعلان کیا گیا۔ دو ارب ڈالر موجودہ سال
کے دوران فراہم کئے جائیں گے اور اسلامی
ترقیاتی بینک پچاس ملین ڈالر فراہم کرے گا۔
پاکستان کی طرف سے افغانستان کے لئے پانچ
سال کے دوران دس کروڑ ڈالر دینے کا اعلان کیا
۔ سعودی عرب افغانستان کے لئے 220 ملین
ڈالر فراہم کرے گا وغیرہ۔ قبروں پر ٹمٹماتے دیئے
روح کا چراغ بن سکے اور نہ ہی کبھی مردہ بدن کو
زندگی عطا کرسکے۔ اس پہ ستم کہ ہمارے دلوں
میں امریکہ کے خلاف ایک نفرت بھی اور اس
زمین پر بسنے کی آرزو بھی۔ اس کی اداؤں سے شکوہ
بھی اور دامن میں چھپنے کی جستجو بھی۔ مسلمان کو
اس خود فریبی اور دوغلی پالیسی سے خود کو نجات
دلانی ہوگی تاکہ امریکی پالیسی اور چودھراہٹ کو
صرف بددعاؤں کی پھونکوں سے بجھانے کی
کوشش نہ کی جائے بلکہ اپنے خیالات و افکار
اور جذبات و تعلیمات کو فولادی ارادوں اور
قلب سلیم سے منور کرے۔

تری خودی میں اگر انقلاب ہو پیدا
عجب نہیں ہے کہ یہ چار سو بدل جائے

کاش! مسلمان عالم مغرب کے تمدنی
طریقوں کو اختیار کرنے کی بجائے جاپانی یا چینی
قوم کے افراد کا طریقہ ہی اختیار کرلیں جنہوں نے
اپنے قومی شعور برقرار رکھے مگر سائنسی علوم اور

صنعت و حرفت جیسی باتوں میں یورپی اقوام کی پیروی کرنے سے انہیں باقی اقوام پر فوقیت حاصل ہے ۔ جب تک مسلمان عالم مغرب کے طور طریقوں کو اختیار کرنے میں صحیح شعور اور راست روی سے کام نہیں لیں گے وہ اپنی تقدیروں کو نہیں بدل سکتے ۔ امریکی وڈیرے گوئنٹانامو کے قیدیوں کو بھی ایک نہ ایک روز زندگی کے پنجرے سے رہائی ہو ہی جائے گی مگر مغربی اقدار کے اسیر قیدی نہ جانے کب رہا ہوجائیں گے ۔ خالق فرماتا ہے "ہم نے انسان کو بہتر ساخت پر پیدا کیا ، پھر اسے الٹا پھیر کر سو نیچوں سے نیچ کردیا ، سوائے ان لوگوں کو جو ایمان لائے اور نیک عمل کرتے رہے " ۔ جب ایک قوم دوسرے کی دشمنی میں اندھی ہوجاتی ہے تو درندگی میں تمام درندوں کو مات کردیتی ہے ۔ درندہ تو صرف اپنی غذا کے لئے شکار کرتا ہے ۔ درندوں کا قتل عام نہیں کرتا ۔ درندہ صرف پنجوں اور دانتوں سے کام لیتا ہے مگر یہ احسن تقویم پر پیدا ہونے والا انسان جب وحشی ہونے پر آئے تو بستیوں کی بستیاں اجاڑ کر رکھ دیتا ہے ۔ درندہ صرف زخمی یا ہلاک کرتا ہے مگر انسان اپنے ہی جیسے انسانوں کو اذیت دینے کے لئے ایسے دردناک طریقے اختیار کرتا ہے جن کے تصور سے درندے بھی کانپ اٹھیں ۔ گوئنٹاناموبے کے قیدیوں کو جانوروں اور ایکسرے کیمپ کو پنجرے سے تعبیر نہ کیا جائے ۔ مومن کے لئے دنیا تو ہے ہی ایک قید خانہ ، دیکھنا تو یہ ہے کہ درندگی کیا رنگ لاتی ہے کہ "ہر معاملہ کو آخر کار ایک انجام پر پہنچ کر رہنا ہے " القرآن ۔

غضنفر ہاشمی

قرض اتارنے کا آسان نسخہ

اس دفعہ میری اس سے ملاقات کافی عرصے بعد ہوئی ۔ پوچھا تو کہنے لگا " میں اس بھیڑ میں کہیں گم ہوگیا تھا ۔ زندگی کو رواں دواں کرنے روز و شب کو تراشنے میں کہیں مصروف ہوگیا تھا ۔ دانستہ طور پر ذرا سی دیر کے لئے بھول گیا تھا کہ میرے دوست احباب بھی ہیں ایک دنیا بھی ہے اس دنیا کے اندر آگے پیچھے ایک دوڑ بھی ہے " ۔

" چند لمحے تو ایسے ہونے چاہئیں جو انسان اپنے ساتھ گزار سکے اپنے آپ کو جوڑ سکے ٹوٹے ہوئے خوابوں کو سہلا سکے ، زخم زخم یادوں پر مرہم رکھ سکے ۔ کسی حرف تسلی کو ڈھونڈ سکے اپنے آپ کو جمع کرسکے ، عمر کے گوشواروں کا حساب لگا سکے ، منافع اور خسارہ جان سکے صرف اسی لئے ذرا دیر کے بعد آیا ہوں ۔

وہ ایک عام سی سوجھ بوجھ رکھنے والا اوسط درجے کا بزنس مین ہے ایک ایسا بزنس مین جو وقت پر ٹیکس جمع کرواتا اور اپنے ساتھیوں کو ٹیکس جمع کروانے کی ہمہ وقت ترغیب دیتا ہے ۔ بزنس مین ایسوسی ایشن کا عہدیدار بلکہ سرگرم عہدیدار ہے ۔ ملک کی معیشت پر گہری نظر رکھنے والا اور ہمہ وقت پریشان رہنے والا یہ ہمارا دوست بہت جذباتی ہے اور وطن کے حوالے سے اس کی جذباتیت انتہاؤں کو چھوتی ہے ۔ شاید یہی وجہ ہے یہی چیز ہے جو مجھے اس کے ساتھ مسلسل جوڑے ہوئے ہے ۔ وہ ایک ایک وجہ بتاتا ہے جزئیات سے لے کر تفصیل تک ، دلیل اور اعتماد کے ساتھ اسکے پاس پوری تفصیل ہے ۔ معیشت کی تباہی کی بڑھتے ہوئے قرضوں کی ، تنگ ہوتے ہوئے شکنجوں کی ، سامراجی سازشوں کی بڑھتی ہوئی بے روزگاری کی ، آئی ایم ایف اور ورلڈ بینک کے ہتھکنڈوں ، شکست خوردہ انا اور قومی غیرت کی دھجیاں اڑانے کی قومی سلامتی پر مسلسل ضربیں لگنے کی دھول ہوتی ہوئی اقدار کی زوال آمادہ ناموس کی ٹوٹتے خوابوں اور بجھتی ہوئی امیدوں کی ، خاک ہوتے ہوئے آئیڈیلز اور آدرش کی ۔ اسکی دلیلوں سے اختلاف تو کیا جاسکتا ہے مکمل طور پر رد نہیں کیا جاسکتا ۔ میرے لئے ہمیشہ وہ ایک تحریک کا باعث رہا ہے ۔ اس دفعہ ملا تو بہت ایکسائیٹڈ تھا ۔ اس نے بغیر تمہید کے بات شروع کی ۔

" پاکستان کی معاشی پسماندگی اور بے چارگی میں سب سے بڑا فیکٹر اسکے ذمے واجب الادا اندرونی اور بیرونی قرضے ہیں ۔ اور جوں جوں وقت گزررہا ہے قرضوں کا یہ شکنجہ سخت سے سخت تر ہوتا چلا جارہا ہے ۔ سود اس قدر زیادہ ہے کہ اس ادا کرنے کے لئے نئے قرضے لینے پڑرہے ہیں اس مرض کا علاج کسی حکومت کے پاس نہیں ۔ کسی اکانومی کے مینجر کے پاس نہیں ۔ ہمارے موجودہ وزیر خزانہ شوکت عزیز بہت اچھا کام کررہے ہیں ۔ انہوں نے اپنے ٹارگٹ پورے بھی کئے ہیں ۔ انہیں بہترین وزیر خزانہ کا ایوارڈ بھی مل گیا ہے ۔ عالمی ادارے ان کی کارکردگی سے خوش بھی ہیں لیکن مکمل طور پر اس صورت حال سے شاید وہ بھی نہ نکال سکیں " ۔

" پھر کیا کیا جائے " میں نے اسے کریدا ۔

" میرے پاس اس کا ایک حل ہے " میں چونکا سوہ کیا "

" بہت سیدھا سادا سا حل ہے دیکھو اس وقت ملک عزیز پر تقریبا پچیس کھرب روپے اندرونی اور تقریبا 4000 کروڑ ڈالر بیرونی قرضوں کا بوجھ ہے ۔ یوں اگر حساب لگایا جائے تو ہر شخص تقریبا 560 ڈالر کا مقروض ہے ۔ مجموعی طور پر یہ قرض 76 سے 80 ارب ڈالر بنتا ہے ۔ اگر سلسلہ اسی طرح چلتا رہا تو 2010ء تک بیرونی قرضوں کی رقم 9000 کروڑ ڈالر ہوجائے گی ۔ ان قرضوں سے نجات صرف عوام دلواسکتے ہیں ۔ وہی عوام جو ہر دفعہ قربانی دیتے ہیں اس دفعہ اور اس حوالے سے بھی وطن کے لئے قربانی کے لئے تیار ہوجائیں گے ۔ بس ایک اعلان کردیا جائے کہ حکومت آج سے بیرونی و اندرونی قرضے اتارنے کے لئے ایک اکاؤنٹ کھول رہی ہے ۔ یہ اکاؤنٹ اسی نام سے ہو اور ہر بنک میں ہو تمام پاکستانی ہر روز اپنی جیب سے ایک روپیہ اس اکاؤنٹ میں جمع کروادیں ۔ یوں اس حساب سے ایک سال میں تقریبا ایک ارب ڈالر جمع ہوسکتے ہیں ۔ روز ایک روپیہ جمع کروانا کسی کے لئے مشکل بھی نہیں ہوگا ۔ ہر مہینے جمع ہونے والی رقم عالمی اداروں کے کھاتے میں جمع ہوجائے اور بقایا رقم کا ریکارڈ سامنے آجائے ۔ ہر پاکستانی کی اس اکاؤنٹ تک رسائی ہو اور ہر

شخص بینک فون کرکے پوچھ سکے کہ کتنی رقم اس مہینے جمع ہوئی اور کتنی بقایا رہ گئی۔ جب اسے بقایا کم ہوتی ہوئی رقم کا پتہ چلتا رہے گا تو اسے اطمینان ہوگا کہ کچھ قرضہ کم ہوگیا ہے تو وہ اور رقم بھی جمع کرواتا رہے گا"۔

"تمہاری تجویز بہت اچھی ہے لیکن اس میں بہت عرصہ لگ سکتا ہے اور ویسے بھی قرض اتارو، ملک سنوارو اسکیم کا حشر تم دیکھ چکے ہو" میں نے بے دلی سے پوچھا "اس اسکیم میں ایسا نہیں ہوسکتا" وہ قائل کرنے کے انداز میں بولا "یہ اکاؤنٹ عالمی اداروں کے نام پر ہوگا اور اس تک ہر ایک کی رسائی ہوگی۔ میں یقین دلاتا ہوں اگر نیک نیتی سے یہ اسکیم چلائی جائے تو بہت زیادہ دور کی بات نہیں جب اس ملک سے ایک ایک پائی اتر جائے گی"۔

اس نے میرے کاندھے پر ہاتھ رکھتے ہوئے اجازت لی۔ میں نے اسکی آنکھوں میں جھانکا جس میں یقین، اعتماد اور امید کے چراغ مجھے راستہ دکھا رہے تھے۔

ادیب جاودانی

سلیکشن نہیں الیکشن

جمہوری وطن پارٹی کے سربراہ نواب اکبر بگٹی نے کہا ہے کہ سیاسی حوالے سے حکومت جو بھی اقدامات کررہی ہے۔ ان سے عوام کو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ حکومت سارے پاپڑ اپنے ہاتھ مضبوط کرنے کیلئے بیل رہی ہے۔ اکتوبر میں الیکشن نہیں سلیکشن ہوگی۔ انتخابات کے نتائج پہلے ہی تیار ہوچکے ہیں۔ ہمارے ملک کی بدقسمتی رہی ہے کہ یہاں کبھی حقیقی جمہوریت نہیں آئی۔ الیکشن کبھی فیئر نہیں ہوئے۔ یہ بھی حقیقت ہے کہ وطن عزیز کی سیاسی تاریخ مدتوں سے کولہو کے بیل کی طرح ایک ہی دائرے میں گردش کررہی ہے۔ فوج کا عمل دخل کسی نہ کسی صورت میں ضرور موجود رہا ہے۔ ان حالات میں صدر جنرل پرویز مشرف کا کہنا ہے کہ وہ ملک میں حقیقی جمہوریت بحال کرنا چاہتے ہیں اور اس مقصد کیلئے ان کی قیادت ضروری ہے۔ برطانوی اخبار "ٹائمز" کو انٹرویو دیتے ہوئے انہوں نے کہا کہ ملک میں بہترین جمہوریت کے قیام کیلئے وہ آئندہ پانچ سال تک ملک کی قیادت کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اخبار نے خیال ظاہر کیا ہے کہ پانچ سال تک صدر رہنے کیلئے صدر پرویز مشرف ریفرنڈم کا ارادہ رکھتے ہیں جس کی توثیق پارلیمنٹ سے کروائی جائے گی۔ سابق فوجی حکمرانوں جنرل ایوب خان نے بنیادی جمہوریت کے نام سے بہترین جمہوریت کو تصور پیش کیا۔ تاریخ بتاتی ہے کہ اس نظام میں جمہوریت کا کوئی جزو اور کوئی پہلو نہیں تھا۔ جنرل ضیاء الحق نے بھی ملک میں بہترین جمہوریت کا نعرہ لگایا لیکن ابتداء میں یہ جمہوریت نام نہاد شورائی جمہوریت تھی جس نے شورائیت کے تصور کو بدنام کیا۔ بعدازاں شورائی جمہوریت غیر جماعتی انتخابات کی جمہوریت کی صورت میں ظاہر ہوئی مگر یہ جمہوریت بھی نہیں چل سکی تھی۔ اب جنرل پرویز مشرف نے بھی بہترین جمہوریت کا نعرہ لگایا ہے۔ سابق تجربات کی روشنی میں سیاسی حلقے کہہ رہے ہیں کہ اس بار بھی فوج کی مرضی کی جمہوریت آئے گی کیونکہ موجودہ حکومت سے شفاف اور غیر جانبدارانہ انتخابات کی توقع نہیں ہے۔ حکومت کی جانب سے انتخابی عمل میں حالیہ تبدیلیوں پر ردعمل ظاہر کرتے ہوئے متحدہ مجلس عمل، دینی جماعتوں، علمائے کرام اور کئی سابق ارکان پارلیمنٹ نے مخلوط نظام انتخابات اپنانے کے اعلان پر حکومت کو انتباہ کیا ہے کہ مشرقی پاکستان کی علحدگی مخلوط نظام انتخابات کی وجہ سے ممکن ہوئی۔ مشرقی پاکستان میں آباد ہندوؤں نے ایک سازش کے تحت اپنا تمام وزن علحدگی پسند سیکولر جماعتوں کے پلڑے میں ڈال دیا تھا۔ دوسری جانب دیکھا جائے تو یہ بات بھی روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ سیاسی قیادتوں کو بے لگام ہونے کی وجہ سے سیاست اور جمہوریت کو ابتداء ہی سے خرابیاں لاحق چلی آرہی ہیں۔ اس وجہ سے سیاسی قیادت نے ہر دور میں جمہوریت اور سیاسی عمل کو اپنے محدود اور مخصوص مقاصد کا کھیل بنائے رکھا اور ملک میں اچھی حکمرانی کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا۔ اس بات میں بھی کوئی شک نہیں کہ ہر ملک میں جمہوریت اس کے حالات کے مطابق ہی تشکیل اور فروغ پاتی ہے اور ہمارے ہاں سب سے بڑی خرابی ملک کے سیاسی ڈھانچے میں ہی ہے جو کارکنوں سے لیکر اعلیٰ قیادت تک موزوں نظریاتی و عملی تربیت کے انتظامات سے عاری ہے اور اس کے باعث کسی بھی دور میں اچھی حکمرانی کے تصور کو عملی جامہ پہننے کا موقع نہیں مل سکا۔ یہ بات بھی ریکارڈ پر ہے کہ ہر بار سیاستدانوں کی چپقلش، لوٹ کھسوٹ اور بد انتظامی کے باعث فوج کو برسراقتدار آنے کا موقع ملا اور فوجی حکومت کے قیام کا نہ صرف عوام بلکہ اکثر سیاستدانوں نے بھی خیر مقدم کیا ہے۔ فوجی اور سیاسی حکومتوں کا ایک مشترک پہلو یہ بھی ہے کہ ملکی مسائل میں اضافے کی ذمہ داری کسی نے قبول نہیں کی بلکہ ہمیشہ سابق حکومتوں پر ڈالنے کی کوشش کی ہے یہاں حیرانی کی بات یہ ہے کہ کسی بھی سیاسی حکومت کو ختم کرنے کیلئے اس کے مخالفین نے اس کا تختہ الٹ کر فوج کو برسراقتدار آنے کی دعوت دینے سے بھی گریز نہیں کیا اور جب فوجی حکومت قائم ہوگئی اور اس نے جانے کا نام نہ لیا تو اسے ہٹانے کیلئے جمہوری حکومت لانے کی تحریک شروع ہوگئی۔ بلی اور چوہے کہ اس کھیل میں ملک کا سارا نظام درہم برہم ہوکر رہ گیا ہے کسی سیاسی فوجی حکومت نے عوام کو نہ کوئی سہولت فراہم کی اور نہ ان کے کسی درد کا درماں کیا۔ موجودہ حالات کے تناظر میں بظاہر یہ پتہ چلتا ہے کہ فوجی حکمران بھی آئندہ انتخابات میں کنگز پارٹی سے آگے بڑھ کر کنگز الائنس میدان میں اتارنا چاہتے ہیں جو اسمبلیوں میں پہنچ کر ان کی مرضی کے فیصلے کرے گا۔ آئندہ انتخابات میں سلیکشن کی گئی تو نہ صرف عوام ناپسند کریں گے بلکہ عالمی سطح پر بھی ملک کی بدنامی ہوگی۔ شفاف اور منصفانہ انتخابات سے وطن عزیز کے وقار میں اضافہ

ہو گا اور سیاسی حوالے سے پاکستان کی ساکھ بہتر ہو گی۔

سجاد میر

ڈینئل پرل اور ملا ضعیف!

"مجھے اس سے اختلاف ہو تو بھی میں اس کے اختلاف کرنے کے حق کیلئے لڑوں گا۔ دنیا بدل بھی گئی ہو تو میں نہیں بدل سکتا۔ یہ میرے ضمیر پر بوجھ ہے، اسے اترنا چاہئے۔ میں اس شخص کے بارے میں زیادہ نہیں جانتا۔ اس سے کیا فرق پڑتا ہے۔ وہ ایک صحافی ہے اور میرے شہر کراچی سے غائب ہوا ہے۔ یہ بات مجھے اچھی نہیں لگی۔ آپ اس کے بارے میں کیوں کچھ نہیں کر رہے" وہ بولتا ہی چلا جا رہا تھا اس کے چہرے پر کرب کے آثار نمایاں تھے۔

"کہتے ہیں وہ جاسوس تھا" پاس بیٹھے ہوئے ایک دوسرے ملاقاتی نے ایسے ہی رواداری میں گرہ لگائی۔

"تو کیا فرق پڑتا ہے، اگر ایسا ہے تو اس پر نظر رکھنا یا اس پر گرفت کرنا حکومت کا کام ہے۔ ساری خرابیاں اسی لئے پیدا ہوئیں کہ ہم نے حکومتوں کے کرنے کے کام بھی اپنے ذمہ لے رکھے ہیں" وہ شخص تنک کر بولا۔ میں نے اسے پہلی بار دیکھا تھا، زیادہ عمر نہ تھی، داڑھی کے بال سیاہ اور بڑی خوبصورتی سے تراشے ہوئے تھے۔ وہ آہستہ آہستہ بات کو آگے بڑھاتا گیا "مجھے آپ غلط نہ سمجھیں، میری ہمدردیاں بالکل ان لوگوں کے ساتھ تھیں اور ہیں۔ ان کا خون افغانستان کی پتھریلی مٹی میں جذب ہو کر رائیگاں نہیں جائے گا۔ اور ان کے لئے تو میں ہر نماز میں دعا کرتا ہوں جو اس وقت بحرالکاہل کے ایک جزیرے میں پنجروں میں بند ہیں، جن کی آنکھوں پر پٹیاں، جن کے کانوں ..." اور اس کی آواز بھرا گئی۔ اس نے ایک لمحے کو توقف کیا، پھر بات کو آگے بڑھایا: "یہ ان کا رویہ ہے، کیا ہم بھی ویسے ہو جائیں، ہم تو وہ ہیں کہ میدان جنگ میں دشمن کا گھوڑا زخمی ہو جائے تو اپنا گھوڑا بھیج دیتے ہیں۔ تلوار ٹوٹ جائے تو اسے نہتا نہیں رہنے دیتے اپنی تلوار پیش کر دیتے ہیں۔ ہم بہادر لوگ ہیں۔ جنگ کے اصولوں کا بھی احترام کرتے ہیں"۔

وہ ایک لمحہ کو رکا تو اس دوسرے ملاقاتی نے آہستہ سے کہا: "آپ ٹھیک کہتے ہیں، مگر کیا اس طرح ہم اپنی اس سرزمین پر سب کو کھلی چھوٹ دے دیں گے۔ پہلے ہی کیا کم تھے، یہ کراچی کا ہوائی اڈہ، یہاں بھی آن بیٹھے ہیں۔ کیا یہ کم نہ تھے کہ اب بھیس بدل کر بھی کام دکھا رہے ہیں، یہ تو جنگ کے اصول نہیں"۔

وہ بات ختم کر چکا تو اس نے بڑے تحمل اور ٹھہرے ہوئے لہجے میں بات پھر شروع کی "درست فرمایا آپ نے، یہ ہمارے سوچنے کی بات ہے۔ شاید ہی دنیا کا کوئی خطہ ایسا ہو جہاں دنیا کی اتنی ایجنسیاں کام کر رہی ہوں۔ سی آئی اے، موساد، آئی ایس آئی، خاد، کے جی بی، سب کے مفادات اس خطہ میں ہیں۔ جی ہاں، میں نے آئی ایس آئی بھی کہا ہے۔ کیا یہ بات ہمارے لئے باعث تشویش نہیں ہے۔ یہ ہماری آزادی و خود مختاری پر پہرے ہیں، میرے ملک کی آزادی و خود مختاری ہی پر نہیں، میری ذاتی آزادی و خود مختاری پر بھی۔ تو اس سے نکلنے کا یہ طریقہ تو نہیں ہے۔ میں نہیں جانتا کہ اس شخص پر کوئی الزام درست ہے یا نہیں۔ درست ہو بھی تو میں اس کے حق میں آواز بلند کروں گا۔ یہ تو ہماری نالائقی ہے، حکومت کی نالائقی ہے کہ ہم ایسے ویسوں کو آنے دیں، مگر اس کا یہ مطلب نہیں کہ ہم از خود کارروائی کرنے بیٹھ جائیں۔ ایسے لوگوں کو بے نقاب کرنے کے اور بہت سے طریقے ہیں۔ یہ خود بھی اپنے دام میں آ جاتے ہیں۔ کرسٹینا لیمب کو دیکھو، کیسے شکار ہوئی۔ یہ کوئی دلیل نہیں، یہ کوئی الزام نہیں، یہ کوئی طریقہ نہیں۔ خدا کیلئے سوچو، اس طرح تو ہم ان ایجنسیوں کو اپنے ہاں کام کی اور ترغیب دیتے ہیں"۔

وہ ذرا دیر کو چپ ہوا، سر جھکائے بیٹھا رہا، کمرے پر خاموشی طاری رہی۔ پھر آہستہ آہستہ بولنے لگا "ہم بہت مشکل میں پھنس گئے ہیں، بہت لمبی لڑائی ہے، میں اس لڑائی سے نہیں ڈرتا، شکست دشمن کا مقدر ہو چکی ہے، مگر مجھے ڈر ہے کہ اس لڑائی کے دوران ہم کہیں اپنے آپ کو نہ بھول جائیں۔ اپنی اقدار، اپنی تہذیب کو نہ بھول جائیں۔ ان باتوں کو نہ بھول جائیں جن کی خاطر ہم لڑ رہے ہیں اور جن کی وجہ سے ہم سرفرو تھے۔ ان پر لعنت، سو بار لعنت، ان کی تو گھٹی ہی میں خباثت، رذالت اور شقاوت چھپی ہوئی ہے، وہ تو خواہ مخواہ انسانیت کا لبادہ اوڑھے بیٹھے ہیں، ایک ہی جھٹکے میں ان کے اندر کی درندگی باہر آ گئی ہے۔ مگر ہم تو اندر سے ایسے نہیں ہیں"۔ وہ پھر رکا اور رازداری سے کہنے لگا "ہم جس جہنم میں ہیں، اس سے نکلنے کا یہ راستہ نہیں"، پھر ذرا خاموش ہوا، رکا اور آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کہنے لگا "امکانات کے جو دروازے کھل رہے ہیں، ان سے فائدہ اٹھانا بھی کوئی کفر نہیں ہے۔ غیرت اور حمیت کا سودا نہ ہو، تو دشمن کا مال بھی ہم پر حلال ہے۔

پہلی بار اس کے چہرے پر مسکراہٹ آئی، میرے دوسرے ملاقاتی نے بھی اتفاق میں سر ہلایا اور میں سوچنے لگا کہ غیرت اور حمیت کو کیسے بچایا جائے۔

وہ اس کے بعد بھی بولتا گیا، میں اسے بالکل نہیں جانتا تھا، اس نے فون کیا تھا کہ وہ مجھ سے ملنا چاہتا ہے۔ وہ مقررہ وقت پر آیا، میرے لئے سوچنے کی بہت سی باتیں چھوڑ کر چلا گیا اور میں اب تک سوچ رہا ہوں، اس کی باتوں میں سچائی اور سادگی کیسے ایک ہو گئے تھے۔ میں نے سوچا، میں اسکی باتوں پر غور کروں گا، مگر ایک بات پر تو کسی غور و فکر کی ضرورت نہیں کہ ڈینیل پرل کو رہائی ملنا چاہئے، یہی اصولوں کی فتح ہے اور یہی پاکستان کی جیت!

اور یہ ملا ضعیف .... اور یہ پنجروں میں بند انسان کا ضمیر!! اسے کب رہائی ملے گی؟ شعور کی رو ہے کہ تھمنے کا نام ہی نہیں لیتی، میں سوچے جا رہا ہوں، سوچے جا رہا ہوں۔ جانے یہ سوچ مجھے کہاں لے جائے۔

☆☆☆☆☆

ہند پاک مقابلے ہوں تو لوگ ایشز کو بھول جائیں گے: معین خان

پاکستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان معین خان کی گزشتہ دنوں ٹیم میں واپسی ہوتے ہوتے رہ گئی۔ 190 یکروزہ بین الاقوامی میچوں میں (34 میں بحیثیت کپتان) نو نصف سنچریوں کی مدد سے دو ہزار 853 رنز اور 65 ٹسٹ میچوں میں (13 میں بحیثیت کپتان) تین سنچریوں اور 15 نصف سنچریوں کی مدد سے دو ہزار 493 رنز اسکور کرنے والے معین خان کے ساتھ پاکستانی سلیکٹرس نے اس وقت ایک گھناؤنہ مذاق کیا جب وہ گجرانوالہ ٹیم کے خلاف قائد اعظم ٹرافی کے سلسلے میں کراچی کے نیشنل اسٹیڈیم پر میچ کھیل رہے تھے۔ انھیں یہ اطلاع دی گئی کہ علی الصبح ساڑھے پانچ بجے کی فلائٹ سے بنگلہ دیش روانہ ہونا ہے جہاں پاک۔ بنگلہ دیش سیریز چل رہی تھی۔ معین خاں وہاں راشد لطیف

کی جگہ بحیثیت وکٹ کیپر شامل کیے گئے تھے جو رنز لیتے ہوئے پہلے ایک روزہ میچ میں گر کر زخمی ہوگئے تھے۔ ٹور مینجمنٹ نے احتیاطی اقدام کے طور پر انہیں دو میچوں میں آرام دینے کا فیصلہ کیا اور ان کی جگہ کامران اکمل کو طلب کیا لیکن قذافی اسٹیڈیم میں تعینات کرکٹ انتظامیہ نے ٹور مینجمنٹ کی درخواست کو اس تبدیلی کے ساتھ منظور کیا کہ کامران اکمل کی جگہ معین خان کو بنگلہ دیش بھیجا جائیگا۔ اس فیصلے سے معین خان کو نیشنل اسٹیڈیم فون کرکے آگاہ بھی کردیا گیا۔ معین نے اپنا ذہن بنالیا، تاہم چند ہی گھنٹوں بعد ٹور مینجمنٹ کی جانب سے کہا گیا کہ راشد لطیف فٹ ہیں اور فی الحال بنگلہ دیش کے دورے کیلئے معین خان کی ضرورت نہیں ہے۔ ظاہر ہے اس فیصلے کا اثر معین خان پر فطری طور پر ہوا ہوگا۔ پیش ہے اس عظیم کھلاڑی سے لیے گئے انٹرویو کے مختصراً اقتباسات:

س: کیا آپ کو ٹور مینجمنٹ کے فیصلے پر افسوس ہے؟

ج: مجھے اس فیصلے پر کوئی افسوس نہیں ہے۔ ٹیم مینجمنٹ نے یقیناً سوچ سمجھ کر فیصلہ کیا ہے۔ پہلے بھی تین چار بار ٹیم میں واپس آیا ہوں، اس بار بھی انشاءاللہ ایسا ہی ہوگا۔ مجھے اپنے خلاف کیے جانے والے اقدامات سے حوصلہ ملتا ہے۔ میں ٹیم میں واپسی کیلئے ہر وقت تیار ہوں۔ ہر روز پریکٹس اور ٹریننگ کرتا ہی اس لیے ہوں کہ ٹیم میں واپس آؤں۔ ہر روز صبح گھر سے نکلتے ہوئے یہ خیال ذہن میں لیکر نکلتا ہوں کہ مجھے ٹیم میں واپس آنا ہے"۔

س: پچھلے دنوں یہ بات نوٹ کی گئی کہ ایک وقت تھا آپ قومی کرکٹ ٹیم کے کپتان تھے، اب یہ وقت ہے کہ نہ صرف آپ ٹیم سے باہر ہیں بلکہ آپ کو تربیتی کیمپ تک میں بلایا نہیں جاتا، اس کی کیا وجہ ہے؟

ج: ابھی میں خود کھیل رہا ہوں، ہوسکتا ہے کہ میں جس جواب کو ابھی درست سمجھتا ہوں، کل جب میں خود کسی عہدے پر ہوں تو مجھے آج کا اپنا جواب غلط محسوس ہو۔ سلیکٹرز ہوں یا کوچ یا پھر کرکٹ ایڈمنسٹریشن کی کوئی اور پوسٹ، ان عہدوں پر بیٹھے لوگ اپنے اپنے کام میں ماہر ہیں۔ اگر انہوں نے مجھے کیمپ میں نہیں بلایا تو ان کے ذہن میں کوئی بات ہوگی لیکن ایک بات طے ہے میں نے اپنے ملک کی اتنی خدمت کی ہے اب اگر میرے ساتھ ایسا سلوک ہو تو افسوس ہونا فطری امر ہے۔

س: آپ کی فٹنس کا معیار کیسا ہے؟

ج: بھرپور فٹ اور بین الاقوامی کرکٹ کیلئے پوری طرح تیار ہوں۔ کچھ عرصہ پہلے ہی میں نے پی آئی اے کیلئے ڈومیسٹک کرکٹ میں حصہ لیا ہے۔ میں باقاعدگی سے ٹریننگ کر رہا ہوں اور پوری طرح فٹ ہوں۔

س: آپ فٹنس کیلئے کیا کرتے ہیں؟

ج: اس حوالے سے میرا فلسفہ یہ ہے کہ آپ فٹنس کا بھرپور معیار اس وقت ہی حاصل کرسکتے ہیں جب آپ تھکے ہوئے ہوں۔ میچ سے قبل میدان کے چکر لگاتا ہوں اور میچ کے بعد ان دنوں پوری ٹیم کے ساتھ ایک گھنٹے تک فٹبال کھیلتا ہوں۔ اسی عادت کی وجہ سے میں بہت کم ان فٹ ہوا ہوں۔

س: آپ خاصے عرصے کے بعد باقاعدگی سے ڈومیسٹک سیزن کھیل رہے ہیں، آپ کو کیا تبدیلی محسوس ہو رہی ہے؟

ج: باقاعدگی کی بات درست ہے ورنہ آن اینڈ آف میں ڈومیسٹک سیزن کھیلتا رہا ہوں۔ رہا سوال ان دنوں کا جب میں پاکستانی ٹیم میں تھا تو اس وقت میں اپنی ذمہ داری سے مجبور تھا ورنہ میرا ریکارڈ ہے کہ میں نے بین الاقوامی معروفیت کے بعد ہمیشہ ڈومیسٹک کرکٹ کو اولیت دی ہے۔

س: پاکستان کرکٹ بورڈ ڈومیسٹک سیزن کیلئے غیر ملکی کھلاڑیوں کو کنٹریکٹ دینے پر بھی غور کر رہا ہے۔ اس سے کیا فائدہ ہوگا؟

ج: اگر کم صلاحیتوں کے حامل غیر ملکی کھلاڑی بلائے گئے تو کوئی فائدہ نہیں ہوگا۔ الٹا آنے والے کھلاڑیوں کو فائدہ ہوگا کہ وہ ہم سے کرکٹ سیکھ کر یہاں سے جائیں گے۔ لیکن اگر ہم کاؤنٹی کے نظام کی تقلید کرتے ہوئے غیر ملکی ٹیموں کے بڑے کھلاڑیوں کو یہاں بلوائیں تو اس سے ہمیں بھی وہی فائدہ ہوگا جو وہاں کے کھلاڑی ہمارے کھلاڑیوں سے اٹھاتے ہیں۔ آپ نے دیکھا ہوگا کہ انگلینڈ کے خلاف پچھلے

دورے میں ثقلین مشتاق اتنے کامیاب نہ ہوسکے جتنی ان سے توقع تھی۔ انگلینڈ کے کھلاڑی ثقلین کی بولنگ کو اچھی طرح سمجھ چکے تھے۔

س : ڈومیسٹک کرکٹ کے مقابلے ٹی وی پر دکھائے جانے سے کوئی فرق پڑنے کے امکانات ہیں؟

ج : بالکل ہیں۔ ڈومیسٹک ٹورنمنٹ میں اچھی سے اچھی کارکردگی پر زیادہ سے زیادہ یہ ہوتا ہے کہ تین بڑے اخبارات میں خبر شائع ہو جاتی ہے۔ اب ہمارے ڈومیسٹک سیزن میں سوپر اسٹار کی بھی شمولیت ہونے لگی ہے اس لئے ٹی وی کی مارکیٹنگ کا مسئلہ بھی نہیں ہوگا۔

س : خود آپ کا کوکا کولا کمپنی سے اسپانسر شپ معاہدہ ہے۔ اب اس معاہدے کی کیا پوزیشن ہے؟

ج : میرا معاہدہ برقرار ہے۔ یہ دو سال کا معاہدہ تھا۔ درمیان میں ان کی طرف سے کچھ پریشانیاں سامنے آئی تھیں تاہم اب اس مسئلے کا حل بھی ڈھونڈا جا چکا ہے۔ میری طرف سے یہ معاہدہ پوری طرح برقرار ہے اور کوک کی طرف سے باقاعدگی سے قسطوں کی ادائیگی ہو رہی ہے۔

س : معاہدے کی تجدید کے کیا امکانات ہیں؟

ج : میرا معاہدہ ڈسمبر 2002ء میں ختم ہوگا۔ اس کے بعد اگر کوک والے سمجھیں گے کہ میری وجہ سے ان کی پراڈکٹ کو کوئی فائدہ ہو رہا ہے تو میری طرف سے اس معاہدے کی تجدید میں کوئی رکاوٹ نہیں ہوگی۔

س : آپ نے ایک عرصے تک ایسی کرکٹ کھیلی ہے جس میں تماشائیوں کا عنصر نمایاں رہا ہے۔ ایک ایک حرکت پر داد ملتی تھی۔ اب ڈومیسٹک میچوں میں خاموشی میں کرکٹ کھیلتے ہوئے کیسا محسوس ہوتا ہے؟

ج : کوئی بھی کھلاڑی پرفارم کرتا ہے تو چاہتا ہے کہ اس کے کھیل کی داد دی جائے۔ گزشتہ دس برسوں سے مجھے شور شرابے میں کرکٹ کھیلنے کی عادت ہو گئی تھی۔ اب ڈومیسٹک میچوں میں چوکا ماروں یا کیچ پکڑوں تو کوئی تالی بجانے والا ہی نہیں ہوتا۔

س : ہندوستان کی جانب سے پاکستان سے کرکٹ نہ کھیلنے کے فیصلے سے پاکستان کرکٹ بورڈ کو بہت زیادہ مالی نقصان ہوا ہے۔ کیا ہندوستان اس طرح کا فیصلہ کرنے میں حق بجانب ہے؟

ج : ہندوستان کے اس فیصلے سے پاکستان کرکٹ بورڈ کا مالی طور پر اور کرکٹ کا مجموعی طور پر نقصان ہو رہا ہے۔ دونوں ملکوں کے عوام ان دونوں ٹیموں کو ایکشن میں دیکھنا چاہتے ہیں۔ لیکن ہندوستان اپنے بعض اندرونی مسائل کی بناء پر پاکستانی ٹیم کا سامنا نہیں کرنا چاہتا۔ ایک عام آدمی کی حیثیت سے میرا خیال ہے کہ دونوں ٹیموں میں میچز ہونے چاہئیں۔ کرکٹ اور سیاست کو الگ الگ ہونا چاہئے۔ کھیل محبت کو فروغ دیتے ہیں۔ اگر دونوں ملکوں میں سالانہ مقابلوں کی بنیاد ڈالی جائے تو اس میں اتنی سنسنی ہوگی کہ لوگ ایشز کو بھول جائیں گے۔ (بشکریہ : جنگ)

سمپراس کا ٹینس کو خیرباد کہنے کا ارادہ نہیں

امریکی ٹینس اسٹار پیٹ سمپراس نے اس بات سے انکار کیا ہے کہ وہ ٹینس کو جلد ہی الوداع کہنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔ اب تک 13 گرینڈ سلم جیت چکے 30 سالہ سمپراس اس سال ایک بھی خطاب حاصل نہیں کرسکے اور

1991ء کے بعد پہلی مرتبہ وہ عالمی درجہ بندی میں پانچویں مقام سے نیچے اترگئے۔ لیکن سمپراس کا کہنا ہے کہ "اگر میں گزشتہ برسوں کی ناکامیوں سے سبق حاصل کرکے کچھ خطابات حاصل کرسکوں تو یہ میرے لیے بہتر ہوگا"۔ انہوں نے مزید کہا "اب بھی ٹینس کھیلنے میں مجھے مزہ آتا ہے اور اسی لئے میں یہاں ہوں"۔ سمپراس نے کہا "20 سال کی عمر سے اب تک میں نے زندگی میں مختلف پوزیشن حاصل کی ہے۔ ٹینس کو میری زندگی میں سب سے زیادہ اہمیت حاصل ہے"۔

ٹائسن۔ لیوس مقابلے کی اجازت مل گئی

سابق عالمی ہیوی ویٹ باکسنگ چمپین مائیک ٹائیسن کو دفاعی عالمی چمپین لینا کس لیوس کے ساتھ جون میں واشنگٹن میں مقابلے کی اجازت مل گئی ہے۔ اس سے قبل سابق عالمی ہیوی ویٹ چمپین مائیک ٹائسن کو نیوادا ایتھلیٹکس کمیشن نے عالمی ہیوی ویٹ چمپین لیناکس لیوس کے ساتھ اپریل میں لاس ویگاس میں ہونے والے مقابلے کیلئے لائسنس دینے سے انکار کر دیا تھا۔ 5 رکنی کمیشن نے رنگ کے اندر اور باہر ٹائسن کی متشدد رجحان کے ریکارڈ کو دیکھتے ہوئے ایک کے مقابلے چار ووٹ سے ٹائسن کو لائسنس دینے سے انکار کر دیا تھا۔ حال ہی میں ٹائسن نے لیناکس لیوس کے ساتھ منعقدہ ایک مشترکہ پریس کانفرنس میں ہنگامہ برپا کر دیا تھا اور لیوس کی ٹانگ پر دانت کاٹ لیا تھا۔ ٹائسن اکثر و بیشتر ہی تنازعوں کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ اس سے قبل ٹائسن نے باکسنگ رنگ میں ایوانڈر ہولی فیلڈ کے کان کاٹ لئے تھے۔ ان پر زنا بالجبر کا ایک معاملہ بھی عدالت میں ہے اور ذرائع کے مطابق جلد ہی زنا بالجبر کا ایک اور معاملہ ٹائسن کے خلاف شروع ہوسکتا ہے۔ واضح ہو کہ چند ماہ قبل ہی ایک خاتون نے ٹائسن پر جنسی دست درازی کا الزام عائد کیا تھا۔ ان سب الزامات کے باوجود توقع ہے کہ باکسنگ کی تاریخ میں ٹائسن اور لیناکس لیوس کا یہ مقابلہ کافی دلچسپ اور سب سے بڑا انعامی مقابلہ ہوگا۔
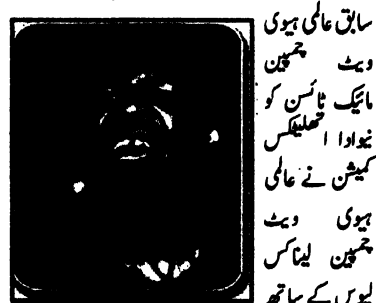
آڈم پرورے کی کرکٹ سے علیحدگی

75 ٹسٹ میچ کھیل چکے نیوزی لینڈ کے وکٹ کیپر آڈم پرورے نے آج غیر معینہ مدت کیلئے ہر طرح کی کرکٹ سے علیحدگی کا اعلان کیا۔ پرورے نے جنہیں انگلینڈ کے خلاف ٹیم میں شامل نہیں کیا گیا، نیوزی لینڈ کرکٹ بورڈ سے کہا کہ وہ تھک چکے ہیں اور کچھ مہینے آرام کرنا چاہتے ہیں۔ خیال رہے کہ پرورے کی جگہ کرس نیون کو ٹیم میں شامل کیا گیا ہے۔ پرورے نے 175 ایک روزہ بین الاقوامی میچوں میں بھی نیوزی لینڈ کی نمائندگی کی ہے۔ پرورے نے کہا کہ انہیں نہیں معلوم کہ وہ انگلینڈ کے خلاف 3 ٹسٹ میچوں کی سیریز میں حصہ لے سکیں گے یا نہیں۔ نیوزی لینڈ کرکٹ بورڈ کے چیف ایکزیکیٹو مارٹن اسنیڈن نے کہا "انگلینڈ کے خلاف ایک روزہ ٹیم میں منتخب نہ کئے جانے سے آڈم کو مایوسی ہوئی ہے"۔

"ہمیں وقت دیجئے، ہم بہتر ثابت ہوں گے": برائن لارا

لگاتار شکستوں کے غم سے نڈھال ویسٹ انڈیز کے مداحوں کو ویسٹ انڈیز کے عظیم بلے باز برائن لارا نے صبر کی تلقین کی ہے اور دعویٰ کیا ہے کہ ویسٹ انڈیز ایک مرتبہ پھر کرکٹ کے آسمان پر چھا جائے گا۔ لارا نے یہ دعویٰ اپنے کیریبیائی مداحوں کو تسلی دیتے ہوئے کیا۔ ویسٹ انڈیز جسے کبھی کالی آندھی کے نام سے پکارا جاتا تھا اب اس کی حالت کسی نوسکھیا ٹیم کی سی ہے۔ حال ہی میں اسے پاکستان نے شارجہ میں ہونے والے 2 ٹسٹ میچوں کی سیریز میں 2 صفر سے شرمناک شکست دیتے ہوئے اس کے زخموں پر نمک پاشی کی تھی اور تو اور شارجہ میں ویسٹ انڈیز نے ابتداء میں ونڈے سیریز میں بھی غیر میعاری مظاہرہ کیا تھا اور دو ونڈے میچز میں اسے ہزیمت اٹھانی پڑی تھی لیکن آخری ونڈے میں کپتان کارل ہوپر اور چندرپال کی ذمہ دارانہ اننگز نے ویسٹ انڈیز کے بھرم کو برقرار رکھا۔ غیر ممالک میں کھیلے گئے 27 ٹسٹ میچوں میں ویسٹ انڈیز کو 23 میچوں میں شکست ہوئی ہے۔ لارا نے اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے کہا "ہمیں پوری طرح سنبھلنے کیلئے وقت چاہئے"۔ لارا نے ٹرینیڈاڈ کے ایک اسکول میں طلباء سے بات چیت کرتے ہوئے کہا "مجھے پورا یقین ہے کہ ٹیم بہت جلد ہی اچھی کارکردگی کا مظاہرہ شروع کردے گی۔ دراصل ویسٹ انڈیز کی ٹیم میں پاکستان اور آسٹریلیا کے برعکس بہت سے نوجوان کھلاڑی ہیں جو ان دنوں تجرباتی دور سے گذر رہے ہیں۔ اس کے برعکس دوسری ٹیموں میں دنیا کے بہت سے مشہور کھلاڑی شامل ہیں۔ سب سے بڑی بات پاکستان کو شارجہ میں کھیلنے کا فائدہ بھی حاصل تھا۔ مجھے امید ہے کہ ویسٹ انڈیز کے نوجوان کھلاڑی ڈھیرے ڈھیرے تجربہ حاصل کریں گے اور دنیا ان کی بہترین کارکردگی دیکھ سکے گی"۔ گزشتہ برس ڈسمبر میں کینڈی میں سری لنکا کے خلاف ایک روزہ میچ کھیلتے ہوئے برائن لارا بری طرح زخمی ہوگئے تھے جس کی وجہ سے انہیں شارجہ کے دورے پر ٹیم میں شامل نہیں کیا گیا۔ لارا نے کہا "میں ویسٹ انڈیز کی کرکٹ ٹیم پر بوجھ نہیں بننا چاہتا اور اگر مجھے لگا کہ ایسا ہو رہا ہے تو میں ریٹائر ہو جاؤں گا"۔ لیکن حقیقت یہ ہیکہ میں کم از کم 2007ء کے عالمی کپ تک جو ویسٹ انڈیز میں منعقد ہوگا کھیلتے رہنا چاہوں گا"۔ بائیں ہاتھ کا یہ بلے باز جس نے ٹسٹ اور فرسٹ کلاس کرکٹ دونوں میں ہی سب سے زیادہ اسکور کا ریکارڈ قائم کر رکھا ہے شارجہ میں پاکستان کے خلاف سیریز میں حصہ نہیں لے سکا تھا کیونکہ سری لنکا میں ایک میچ کے دوران اس کی کہنی کی ہڈی ٹوٹ گئی تھی۔ انہوں نے کہا کہ کسی بے صبری کی ضرورت نہیں مجھے یقین ہے کہ آخر میں ویسٹ انڈیز کی ٹیم بہتر مظاہرہ کرے گی۔

ویسٹ انڈیز کی کارکردگی کو بہتر بنانے کے اقدامات: ویسلی ہال

ویسٹ انڈیز کرکٹ بورڈ کے سربراہ نے ٹیم کی کارکردگی کو بہتر بنانے کیلئے چند بنیادی تبدیلیاں کرنے کا فیصلہ کیا ہے جسمیں کوچنگ کو بہتر بنانے، غیر ملکی فرسٹ کلاس دوروں پر پابندی عائد کرنے اور ٹیم کے کھلاڑیوں میں تال میل کو بہتر بنانے جیسے اقدامات شامل ہیں۔ 1970ء سے 1990ء تک ویسٹ انڈیز دنیا کی بہترین ٹیموں میں سے ایک تھی مگر اس کے بعد وہ وقت کے ساتھ چلنے میں ناکام ہوگئی۔ بورڈ کے صدر ویسلی ہال نے نیوس کرکٹ اسوسی ایشن کے ایک پروگرام میں گفتگو کرتے ہوئے کہا "ہمیں اس بات کا اعتراف کرنا چاہئے کہ یہ دور مقابلہ آرائی کا دور ہے اور ہمیں اس تبدیلی کو قبول کرنا چاہئے"۔ ویسٹ انڈیز نے 1975ء اور 1979ء میں عالمی کپ پر قبضہ کیا تھا اور 1980ء سے 1995ء تک ٹسٹ سیریز میں غیر مفتوح رہی۔ ادھر گزشتہ چند برسوں سے اسے سبھی ٹسٹ سیریزوں میں شکست کا ہی منہ دیکھنا پڑا ہے۔ ہال نے کہا کہ بورڈ نوجوانوں کو اس طرح سے ٹریننگ دینے پر غور کر رہا ہے کہ وہ مستقبل میں ٹیم کیلئے کھیلنے کے علاوہ دباؤ سے نمٹنے کے بھی اہل ہوں۔

یوروپین شوٹنگ سرکٹ ہندوستان کو 45 تمغے

یوروپین شوٹنگ سرکٹ میں جو 9 فبروری کو ختم ہوئی ہندوستانی نشانہ بازوں نے مجموعی طور پر 45 تمغے جیت کر ملک کا نام روشن کیا۔ ان میں 16 طلائی، 20 نقرئی اور 9 کانسے کے تمغے شامل ہیں۔ ہندوستان کی 12 رکنی ٹیم نے 23 جنوری تا 9 فبروری لکسمبرگ، میونخ، ڈنمارک اور ہالینڈ میں یوروپین مقابلوں میں حصہ لیا۔ ہونہار جونیر رونک پنڈت نے سب سے زیادہ طلائی تمغے حاصل کئے۔ اس نے 11 تمغے جیتے جن میں 6 طلائی، 2 نقرئی اور 3 کانسے کے شامل ہیں۔ اولمپین اعینو انجلی ویدیا پاٹھک نے 13 تمغے جیتے جن میں 4 طلائی، 5 نقرئی اور 2 کانسے کے تمغے شامل ہیں۔ سریس جنگ کی کارکردگی بھی ایر پسٹل میں اچھی رہی اور اس نے 584/600 پوائنٹ بنا کر قومی ریکارڈ قائم کیا۔

کیا گوپی چند آل انگلینڈ کا اپنا خطاب برقرار رکھ پائیں گے؟

پلیلا گوپی چند (پی گوپی چند) یہ نام گزشتہ سال سارے ہندوستان میں آل انگلینڈ چمپین شپ میں کامیابی کے بعد شہرت کی بلندیوں پر پہونچ گیا تھا۔ لیکن پی گوپی چند ہی بہتر طریقہ سے جانتے ہیں کہ انہیں یہ خطاب حاصل کرنے کیلئے کیسے کیسے صبر آزما لمحات سے گذرنا پڑا اور ان صبر آزما لمحات میں بھی انہوں نے اپنے اعصاب پر کس طرح قابو رکھا اور آل انگلینڈ چمپین شپ کا اعزاز حاصل کرنے والے دوسرے ہندوستانی کھلاڑی کا اعزاز حاصل کیا۔ گوپی چند سے قبل یہ اعزاز پرکاش پڈوکون کے نام تھا۔ شاید گوپی چند کی بڑی آسانی سے مسکرا دینے اور بات چیت بہت سنبھل کر اور مدھم لہجے میں کرنے کی عادت اور دماغ کے ٹھنڈے پن ہی نے انہیں آل انگلینڈ چمپین کا حقدار بنایا۔ اس کامیابی پر پورے ملک نے ان کی ستائش کی تھی۔ ان کی چینائی میں واقع رہائش گاہ پر بہی خواہوں اور رشتے داروں کا تانتا بندھا ہوا تھا۔ اس کامیابی کے بعد گوپی چند تہنیتی جلسوں اور تقریبات میں ایسے مصروف ہوئے کہ مسلسل کئی روز تک انہیں کھیل کی مشق کرنے کا موقع ہی نہیں ملا جس کی وجہ سے ان کے کھیل پر اثر پڑا۔ گوپی چند نے ملیشیا اور ڈنمارک میں منعقدہ ٹورنمنٹس میں شرکت کی اور اس کے بعد تھامس کپ نیز ورلڈ چمپین شپس میں بھی شرکت کی لیکن وہ ٹائٹل حاصل کرنے میں کامیاب نہیں ہوسکے۔ چند ٹورنمنٹس میں وہ سیمی فائنل تک پہنچے لیکن اس سے آگے بڑھنے کا انہیں موقع نہ مل سکا۔ سنگاپور اوپن کے پہلے ہی راؤنڈ میں وہ ڈھیر ہوگئے اور برونی میں ورلڈ کپ گرانڈ پرکس میں بھی لیگ کے مرحلے سے آگے نہ بڑھ پائے۔ گوپی چند بڑے افسوسناک لہجے میں بتاتے ہیں کہ کسی بھی معرکہ میں میں آل انگلینڈ جیسی بلندی تک نہیں پہنچ سکا لیکن پھر بھی سال کے آخر میں میرا نام ٹاپ ٹین میں شامل تھا جس کی وجہ سے میرا تاسف کچھ کم ہوا۔

گوپی چند کے بارے میں پرکاش پڈوکون کا خیال ہے کہ وہ آل انگلینڈ کی شاندار کامیابی کے بعد بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرسکتا تھا کیونکہ انٹرنیشنل بیڈمنٹن فیڈریشن نے ایک نیا فارمیٹ جاری کیا ہے جو سات سات پوائنٹ کے پانچ گیمس پر مشتمل ہے جبکہ اس سے پہلے 15-15 پوائنٹس کے تین گیمس کا فارمیٹ موجود تھا۔ گوپی چند کا کہنا ہے کہ نئے فارمیٹ کے ساتھ مسلسل اچھی کارکردگی کا مظاہرہ کرنا آسان نہیں ہے۔ آپ کو جلد از جلد پوائنٹس بنانے ہوتے ہیں اور بڑے جارحانہ انداز میں کھیلنا پڑتا ہے۔ ویسے گوپی چند واحد کھلاڑی نہیں ہیں جنہیں پوائنٹس حاصل کرنے کیلئے سخت جدوجہد کرنی پڑی۔ انڈونیشیا کے ہینڈراون جنہوں نے گزشتہ جون میں ورلڈ چمپین شپ جیتی تھی، لیکن وہ دوسرا کوئی ٹائٹل نہیں جیت سکے۔ چونکہ انٹرنیشنل بیڈمنٹن فیڈریشن نئے فارمیٹ پر جون میں نظرثانی کرے گا اس لئے ضروری ہے کہ گوپی چند مارچ میں آل انگلینڈ ٹائٹل کا دفاع کریں اور اسے بچالے جائیں۔ بقول گوپی چند "کسی ٹائٹل کو بچالے جانا بیحد مشکل کام ہے لیکن میں کوشش کروں گا کہ اس پہاڑ کو سرکرلوں"۔

پرکاش پڈوکون کا ماننا ہے کہ جتنی مضبوطی کھلاڑی کے ذہن میں ہوگی وہ اتنا ہی اچھا کھیل پیش کرسکے گا۔ گوپی چند کو نئے فارمیٹ میں اپنے آپ کو جلد از جلد ڈھالنے کی کوشش کے ساتھ ساتھ اس بات کا خیال بھی رکھنا ہوگا کہ وہ بار بار زخمی نہ ہوں۔ فی الحال وہ گھٹنے کے زخم اور اس کے اثرات سے باہر آنے کی کوشش کررہے ہیں۔ انگلینڈ کے اوارے ملٹن کینس میں تربیت کے دوران انہیں گھٹنے پر چوٹ لگی تھی۔ اس سے قبل 1994ء میں بھی ان کا گھٹنا کچھ اس انداز میں زخمی ہوا تھا کہ متعلقین کو فکر لاحق ہوگئی تھی کہ آیا وہ اپنے کیریئر کو جاری رکھ سکیں گے یا نہیں۔ یہ چوٹ اس وقت لگی تھی جب وہ پونے میں نیشنل چمپین شپ مقابلے میں حصہ لے رہے تھے۔ اس وقت انہوں نے دہلی کے ڈاکٹر اشوک راج گوپال سے رابطہ قائم کیا تھا جنہوں نے ساڑھے چار گھنٹے کے آپریشن کے بعد کہا تھا کہ گوپی چند کے کیریئر کو اب کوئی خطرہ نہیں ہے۔ گوپی چند کے اولین کوچ محمد عارف کا کہنا ہے کہ کوئی کھلاڑی اس قسم کی چوٹ کے بعد دوبارہ اپنے کیریئر کا آغاز نہیں کرسکتا لیکن گوپی چند دوبارہ کورٹ میں آئیں گے کیونکہ وہ زبردست قسم کے قوت ارادی کے حامل ہیں۔

اس سال گوپی چند کو آل انگلینڈ کا اپنا خطاب ہی برقرار نہیں رکھنا ہے بلکہ مانچسٹر میں دولت مشترکہ کھیلوں میں بھی اپنی صلاحیت کو منوانا ہے جبکہ بوسن میں ایشین گیمز کیلئے بھی تیار رہنا ہے۔ اگر ان کا فارم خراب رہا یا وہ بار بار زخمی ہوتے رہے تو یہ ملک کیلئے بڑی بدنصیبی کی بات ہوگی۔

گوپی چند کھیل کے دوران

ٹینس کی خبریں ۔ تصویروں میں

امریکہ کی وینس ولیمس جنہوں نے اس سال تین ٹورنمنٹس میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے نمبرون بن گئی نمبرون ٹرانی تھامے مسکراتے ہوئے۔ وینس اس مقام تک پہنچنے والی پہلی سیاہ فام خاتون کھلاڑی ہیں۔

وینس ولیمس ڈائمنڈ راکٹ ٹرافی تھامے مسکراتے ہوئے۔ ولیمس نے بلجیم کی جسٹن ہنن کو 6-3، 5-7، 6-3 سے شکست دیتے ہوئے حاصل کی۔

روسی ٹینس اسٹار اناکورنیکووا دبئی ٹینس چمپین شپ کی افتتاحی تقریب میں مقامی بچوں کے ساتھ۔

امریکہ کی مونیکا سلیس قطراوپن 2002ء کے فائنل میں تمرین تاناسوگا (تھائی لینڈ) کو 6-3، 7-6 سے شکست دینے کے بعد قطر اولمپک کمیٹی کے صدر شیخ تمیم بن حمد ال تھانی سے ٹرافی وصول کرتے ہوئے۔

اظہر کے ساتھ انصاف کیا جائے

ایک عظیم کھلاڑی کو ذلت آمیز زندگی کے حصار سے باہر نکالنا ہماری ذمہ داری

راجن بالا کی خصوصی رپورٹ

یہ بات کہنے کی نہیں لیکن بہ آسانی محسوس کی جاسکتی ہے کہ اگر محمد اظہر الدین کو بے خطا قرار دیا گیا تو کئی سینیر کھلاڑی ایسے ہیں جو خوش نہیں ہوں گے۔ جب سے کرکٹ کنٹرول بورڈ (بی سی سی آئی) نے سابق کپتان پر تاحیات پابندی عائد کی ہے، اظہر کے سابق ساتھی کھلاڑیوں نے اسے نظر انداز ہی کیا ہے سوائے اکادکا کھلاڑیوں کے جو شاید اب بھی اس کی مزاج پرسی اور خبر گیری کا فریضہ انجام دیتے ہیں۔ اظہر کے ساتھ اکثر کھلاڑی وہی سلوک کرتے ہیں جو کسی اچھوت کے ساتھ کیا جاتا ہے۔ یہ بڑی بدقسمتی کی بات ہے اور یہاں اس کی نشاندہی خاص طور پر اس لئے کی ہے کہ میں نے کئی نئے اور تازہ دم کھلاڑیوں کی زبان سے اس کی فیاضی کی تعریف ہی سنی ہے۔ اظہر کی سالگرہ (جمعہ 8 فبروری) کے دن آندھرا پردیش ہائی کورٹ کے جسٹس موتی لال نائیک نے فیصلہ سناتے ہوئے کہا کہ "عدالتیں، اسپورٹس جیسے خصوصی موضوعات سے نمٹنے کی متحمل نہیں ہیں، چنانچہ بہتر یہ ہوگا کہ کھلاڑی اور بی سی سی آئی، یکم مارچ سے قبل اپنے اختلافات کی یکسوئی عدالت کے باہر ہی کرلیں"۔

ہر چند کہ اس وقت شاید کوئی بھی نہیں جانتا کہ اظہر کرکٹ سے اب بھی اسی طرح وابستہ ہیں یا نہیں لیکن یہ ضرور کہا جاسکتا ہے کہ وہ اب بھی چاق و چوبند ہیں اور ایک بار پھر میدان میں اترنے کیلئے آمادہ ہوسکتے ہیں۔ یہ بھی ممکن ہے کہ اپنے ملک کی خدمت اور نمائندگی کی تمنا بھی ان کے دل میں ہو! ۔ لیکن ایسا لگتا ہے کہ ان کے ساتھ بھی وہی سلوک کیا جائے گا جو نین مونگیا کے ساتھ کیا گیا۔ یعنی نظر انداز کئے جانے کا سلوک۔ دراصل عدالت کا دروازہ کھٹکھٹا کر اظہر نے بی سی سی آئی کو برہم کیا ہے لیکن

اگر وہ سمجھتے ہیں کہ وہ بے گناہ ہیں تو انہیں عدالت سے رجوع ہونے کا پورا حق تھا۔ جہاں تک جسٹس نائیک کے فیصلے کا تعلق ہے یہ بات بڑی آسانی سے محسوس کی جاسکتی ہے کہ معزز جج یہ جان گئے ہیں کہ بی سی سی آئی کے معاملات اتنے پیچیدہ ہوتے ہیں کہ ان کی بنیاد پر صاف ستھرا فیصلہ نہیں دیا جاسکتا۔ معزز جج نے شاید یہ بھی محسوس کیا کہ قومی کرکٹ ٹیم کے ایک سابق کپتان اور ایک سرکاری ادارے کو عوامی سطح پر اپنے مسائل یہاں بیان کرنے کی اجازت نہیں دی جانی چاہئے۔

اظہر نے ان دنوں بڑی تکلیف اٹھائی ہے، وہ بھی گوشہ تنہائی اور خاموشی میں۔ ان پر عائد کی جانے والی تاحیات پابندی اور ایک ایسے کھیل میں ان کا قطعاً غیر مقبول اور ناپسندیدہ بنادیا جانا جسے بنانے میں انہوں نے بڑی قربانیاں دی ہوں یقیناً ایسی باتیں ہیں جو آسانی سے ہضم نہیں ہوسکتیں۔ جنوبی افریقہ کے کھلاڑی ہنسی کرونئے کے برخلاف اظہر نے کرکٹ سے علیحدگی جیسی کوئی بات کبھی نہیں کی، نہ ہی یہ اعتراف کیا کہ انہوں نے غلط ذرائع سے رقم حاصل کی۔ ایسی صورت میں سوال یہ پیدا ہوا ہے کہ ان کے خلاف ثبوت کہاں سے لایا جائے گا؟ ثبوت کے بغیر ان پر پابندی کا عائد کیا جانا بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی ایمپائر کسی بلے باز کو ناقص شاٹ کھیلنے پر آؤٹ قرار دے!

ایسے حالات میں جب معزز جج نے خود کہہ دیا ہے کہ اظہر اور بی سی سی آئی ایک مخصوص تاریخ (یکم مارچ) سے قبل اپنے تنازعات کی یکسوئی کرلیں، اظہر بمقابلہ بی سی سی آئی کیس زیادہ دلچسپ ہوجاتا ہے۔ اب ہمیں یہ سوچنا پڑے گا کہ وہ کون سے معاملات ہیں جو ان دو فریقین کے درمیان تنازعہ کا سبب بنے ہوئے ہیں۔ بہتر یہ ہوگا کہ دونوں ہی فریق ان

یہ اپنا اپنا مقدر ہے، اپنا اپنا نصیب

کوئی قفس میں رہا، کوئی آشیانے میں

معاملات کی وضاحت کریں کیونکہ عوام کا بہت بڑا طبقہ ایسا ہے جو ان ساری باتوں کو جاننے کا خواہشمند ہے۔ اس کی بنیادی وجہ یہ ہے کہ اس تنازعہ کا ایک فریق عوامی شخصیت ہے جبکہ دوسرا فریق ایک عوامی ادارہ جو عوام کو جوابدہ ہے۔ ہر چند کہ ایک کرکٹر کو جسے ملک کی نمائندگی کیلئے منتخب کیا گیا ہے، سیزر کی بیوی کی طرح شک و شبہ سے بالاتر ہونا چاہئے لیکن اظہرالدین کو یہ ماننا پڑے گا کہ آج کے دور میں میڈیا کا اثر و رسوخ اس قدر بڑھ گیا ہے کہ اب اس کی نظریں احتساب کرتی ہیں، صف اول کے کرکٹروں کا احتساب اس لئے بھی کیا جاتا ہے کہ ان کے بارے میں سب کو معلوم ہے کہ انہیں نقد اور جنس کی شکل میں اتنا کچھ ملتا ہے کہ اس کا آسانی سے حساب نہیں رکھا جاسکتا چنانچہ ممتاز کھلاڑیوں کے بارے میں شک و شبہ کا پیدا ہونا، ان کے بارے میں غلط فہمیوں کا راہ پاجانا اور ان کی غلط ترجمانی کا رونما ہونا فطری بات ہے۔

یہ سمجھنا کہ کرکٹروں میں ایک دوسرے کے تئیں حسد نہیں پایا جاتا اپنے آپ کو دھوکہ دینے کے مترادف ہے۔ اسی حسد کے سبب دو دوست کھلاڑی ایک دوسرے کے کانوں میں سرگوشیاں کرتے ہوئے پائے جاتے ہیں۔ منوج پربھاکر نے جو چیزیں ریکارڈ کی تھیں ان کا مقصد اور سبب کیا تھا؟

اس کالم میں اظہر کے بارے میں جو کچھ بھی لکھا جارہا ہے وہ سابق کپتان کو بہتر پس منظر میں پیش کرنے کی کوشش نہیں ہے لیکن اس کے ساتھ منصفانہ رویہ اختیار کیا جانا بہت ضروری ہے۔ اس کی اہم وجہ یہ ہے کہ اظہر نے ہندوستانی کرکٹ کی بڑی خدمت انجام دی ہے بالخصوص کپتانی کے پہلے دور میں جب وہ بھولے بھالے سے اور بی سی سی آئی کیلئے زیادہ قابل اعتماد تھے۔

کپتانی کے منصب سے ہٹائے جانے کی ایک سنجیدہ اور بڑی کوشش سے بچ جانے کے بعد اظہر کی شخصیت میں زبردست تبدیلی آئی، خاص طور پر اس لئے کہ ان کے پاس ایسے مشیر نہیں تھے جو صحیح انداز میں ان کی رہنمائی کرتے۔ اظہر میں تنک مزاجی پیدا ہوگئی اور ان کا رویہ سخت ہوگیا۔ ساتھی کھلاڑیوں کے تئیں ان کا رویہ حکمت عملی سے معمور بھی ہوسکتا تھا لیکن ایسا نہیں ہوا جس کے نتیجہ میں ایک وقت ایسا آیا جب انہوں نے دیکھا کہ ٹیم میں ان کا کوئی دوست نہیں ہے۔

اس وقت اظہرالدین صرف اور صرف ٹیم کے منیجر اور سابق کپتان اجیت واڈیکر کے قریب تھے۔ میرے خیال میں اجیت واڈیکر کو چاہئے تھا کہ وہ اظہر کو سمجھاتے کہ ان کا رویہ کھلاڑیوں کے ساتھ دوستانہ ہونا کتنا ضروری ہے نیز یہ کہ وہ کون سے شعبے ہیں جہاں انہیں زیادہ سمجھداری برتنے اور حکمت عملی سے کام لینے کی ضرورت ہے۔ اظہر کے ساتھ معاملہ یہ تھا کہ انہوں نے تنہا رہنے کو ترجیح دی۔ میچ کے دنوں میں کھیل ختم ہونے کے بعد وہ اپنے کمرے میں جاتے، وقت سے پہلے ہی کھانا کھالیتے اور رات دیر گئے تک فلم دیکھتے رہتے۔ وہ ٹیم کے کھلاڑیوں کے ساتھ گپ شپ کرنے یا ان سے ملنے جلنے کی ضرورت ہی محسوس نہیں کرتے تھے۔ دوسری طرف خود ٹیم کے کھلاڑیوں کا یہ حال تھا کہ وہ بھی اظہر سے ملنے جلنے میں یقین نہیں رکھتے تھے شاید اس لئے کہ وہ کھلتے نہیں تھے یا ہنسنے بولنے کے عادی نہیں تھے۔

تیرا ساتھ ہے تو مجھے کیا کمی ہے۰۰۰۰

اظہر اور عائشہ اظہر (سنگیتا بجلانی)

یہ بھی کہنا ضروری ہے کہ ایک سابق اداکارہ سے ان کی شادی کے معاملے کو ضرورت سے زیادہ اچھالا گیا، یہ الگ بات ہے کہ اس سے تعلقات کی وجہ سے ان کے پہننے اوڑھنے کے انداز میں کافی فرق آگیا تھا۔ اس شادی کے سبب ان کے ملنے جلنے والوں کا حلقہ بھی تبدیل ہوا تھا اور ایسا لگتا ہے کہ اسی تبدیل شدہ حلقے میں اظہر کی ملاقات چند غیر پسندیدہ لوگوں سے ہوئی ہوگی جن کے تعلقات ایسے عناصر سے رہے ہوں گے جن سے پولیس کو خاص دلچسپی ہو۔ اظہرالدین کے بارے میں کوئی فیصلہ سنانا نہ تو میرا کام ہے نہ ہی کسی اور عام آدمی کا ہوسکتا ہے لیکن میں کبھی یقین نہیں کرسکتا کہ انہوں نے دانستہ برا کھیلنے کی کوشش کی ہوگی تاکہ چند لوگوں کے ذاتی مفادات کو پورا ہونے کا موقع ملے۔

انہوں نے ایسا صرف اس لئے کیا ہوگا کہ بھلے ہی زیادہ دیر کریز پر نہ رہیں لیکن کچھ رن بنا جائیں۔ 1989ء میں جب ہندوستانی ٹیم ویسٹ انڈیز کے دورے پر تھی، دلیپ وینگسرکر نے اظہر پر تنقید کی تھی کہ وہ تیز گیند بازوں کی گیند سے بچنے کیلئے کبھی اپنے آپ میں دب جاتے اور کبھی پیچھے قدم ہٹالیتے تھے۔ اس پر اظہر نے کہا تھا "کریز پر جمے رہنے اور فاسٹ بولروں کی گیند کو اپنے جسم پر جھیلنے کا کوئی مطلب نہیں

اگر ایک گھنٹے کی اس کوشش کے بعد آپ محض 10 رن بنانے میں کامیاب ہوئے ہوں۔ اگر مجھے مڈل میں ایک گھنٹے کا وقت ملے تو یہ ٹیم کیلئے بہتر ہوگا اور اگر میں 50 رن بنا سکا تو میرے لئے بھی بہتر ہوگا"۔

اظہر کے اس بیان کی منطق سے بحث کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کیونکہ اروِن لال نے اپنے دور میں یہ کہا کہ ایک گھنٹہ کھیلے اس کے باوجود صرف 10 رن بنانے میں کامیابی حاصل کی۔ پتہ نہیں وہ بلے بازی کی تکنیک کا نقص تھا یا ان کی ذہنی ساخت کا کوئی قصور، بہرحال اب یہ بات اتنی پرانی ہو چکی ہے کہ اب اس پر بحث کرنا فضول ہے۔ تاہم اگر اظہر اپنے اس مسئلہ کو بیان کرتے یا اس پر قابو پانے کی کوشش کرتے تو عظیم کھلاڑیوں میں ان کا نام یقینی طور پر لیا جاتا۔

میرے خیال میں جب وہ سچن تنڈولکر کی کپتانی میں کھیل رہے تھے انہوں نے شارٹ پچ تیز گیندوں کی جانب سے اپنی ناپسندیدگی کا اظہار اپنے کھیل ہی کے ذریعہ کر دیا تھا، وہ اس طرح کہ جب بھی کوئی شارٹ پچ گیند ان کی طرف آتی وہ اسے پیچھے ہٹ کر کھیلا کرتے تھے۔ انہوں نے یہ بھی سمجھا دیا تھا کہ ایک ایک یا دو دو رن لینے یا دیر تک کریز پر رہنے سے زیادہ ان کی دلچسپی گیند کو باؤنڈری کے پار بھیجنے سے ہے۔ شاید اسی طریقہ کار کے سبب سچن تنڈولکر اظہر الدین سے ناراض ہو گئے تھے، یہ الگ بات ہے کہ انہوں نے اپنی ناراضگی کو اپنے تک محدود رکھا۔ جہاں تک اظہر کا تعلق تھا اپنے بے فکرے پن اور بھپر پڑنے والے انداز کے باوجود اظہر اتنے رن ضرور بنا رہے تھے کہ انہیں ٹیم میں شامل رکھا جاتا۔ لیکن اظہر ایک سینیر کھلاڑی کی طرح برتاؤ نہیں کر رہے تھے۔ ان کے پاس کوئی مشورہ تھا ہی نہیں جو وہ جونیر کھلاڑیوں کو دیتے۔ سچن کا معاملہ اس کے بالکل متضاد تھا۔

اظہر کے اسی رویہ کا نتیجہ تھا کہ کسی نے ان کی حمایت یا ہمدردی میں ایک لفظ تک نہیں کہا۔ اپنے "جلاوطنی" اور خاموشی کے دور میں اظہر نے یقیناً اپنے کیریئر کے بارے میں سوچا ہوگا کہ اس دوران انہوں نے کیا کیا اور کیا کر سکتے تھے۔ آج ان کے رویہ کی مخالفت اور مذمت ضرور کی جا رہی ہے لیکن میرے خیال میں یہ ناانصافی ہوگی اگر ہم نے انہیں ایک بڑے تنازعہ کے داغ کے ساتھ اپنا کیریئر ختم کرنے پر مجبور کریں۔

میرے دوست قصہ یہ کیا ہوگیا ۰۰۰۰۰

اظہر اپنے سابقہ رفیق اور حالیہ رقیب پربھاکر کے ساتھ

کوئی لوٹا دے میرے بیتے ہوئے دن ۰۰۰

محمد اظہر الدین کی ایک نایاب تصویر۔

ٹھیک ہے! اگر آپ نہیں چاہتے تو انہیں قومی ٹیم میں شامل مت کیجئے لیکن جو داغ ان کے دامن پر لگ چکا ہے اسے دھونے کا سامان تو کیجئے۔ یہ ضروری بھی ہے کیونکہ ان کے خلاف جو نام نہاد ثبوت ہے اس میں کوئی دم خم نظر نہیں آتا۔

تاحیات پابندی ہٹ جانے کی صورت میں محمد اظہر الدین اپنے شہر کی ترقی اور اپنے دو صاحبزادوں کے مستقبل کیلئے اہم کردار ادا کر سکتے ہیں۔ آخر ان کے مسائل کا بار ان کے صاحبزادوں پر کیوں پڑے؟ اگر بی سی سی آئی ان کے ماضی کو فراموش کر دے تو یہ اس کی فراخدلی کا مظہر ہوگا۔

اظہر الدین میں ایک عظیم بلے باز اور ایک بہت ہی اچھا انسان موجود رہا ہے، ایک انسان جس پر اس کے نانا اگر بقید حیات ہوتے تو بجا طور پر فخر کرتے۔ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایک موقع ضرور ملنا چاہئے اور ایسے ہی ایک موقع کی ضرورت اظہر الدین کو بھی ہے۔ اظہر کو یہ موقع اس لئے نہ ملے کہ انہوں نے اپنے وطن کیلئے بہت کچھ کیا ہے بلکہ اس لئے کہ قومی خدمت کے عنوان پر اب تک وہ جو کچھ نہیں کر پائے اس کی راہ ہموار ہو۔ وہ ایک اچھے بلے باز اور اتنے ہی اچھے فیلڈر ہیں۔ ایک گیند باز نے کہا تھا کہ اظہر کیلئے گیند پھینکنا ایک گھومتے ہوئے دروازے کو پکڑنے کی کوشش کرنے کے مترادف تھا ایسے معرکتہ الآراء کھلاڑی کو ذلت آمیز زندگی کے حصار سے باہر نکالنا ہماری ذمہ داری ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ ہم نے اظہر کو کپتان بنا کر اپنے سے دور کر دیا، کیونکہ کپتان ہی وہ شخص ہوتا ہے جس پر روپے حاصل کرنے یا اقتدار و اختیار سے متعلق الزامات عائد کئے جاتے ہیں۔ کپتانی کا منصب وہ منصب ہے جہاں پہنچ کر ایک ایماندار شخص پر بھی بے ایمانی اور کرپشن کا الزام آ سکتا ہے۔ کسی دن خود اظہر آپ کو بتائیں گے کہ ان کے ساتھ کیا ہوا؟

(بشکریہ انقلاب)

کامیابی آئی گئی چیز ہوتی ہے۔ رانی مکرجی

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

۲۱ مارچ ۲۰۰۲ء میں رانی مکرجی ۲۵ ویں سال میں قدم رکھیں گی اور وہ فیصلہ کریں گی کہ اسے مستقبل میں کیا کرنا ہے۔ کچھ کچھ ہوتا ہے کی ریلیز کے بعد رانی مکرجی اچانک ہٹ ہو گئی اس فلم کی ریلیز کے بعد اسکی قسمت کا ستارہ اچانک چمک اٹھا لوگ اسکی اداؤں کے دیوانہ ہوئے پست قد اس اداکارہ نے دراز قد والی حسین اداکاراؤں کو بھی مات دیدی لیکن رانی مکرجی اپنے رومانی قصوں کی وجہ فلمی دنیا میں بدنام ہونے لگی۔ گوبندا کے ساتھ اسکے قصے عام ہوئے تو چوری چوری کی آوٹ ڈور شوٹنگ میں رانی مکرجی نے اپنے آپ پر لگائے گئے الزامات کی صفائی دی جسکا اقتباس یہاں پیش ہے۔

س۔ پچھلے سال آپ کی قریب قریب سبھی فلموں کو کافی سرد رسپانس ملا اسکی کیا وجہ تھی؟

ج۔ نہیں، ایسا نہیں ہے۔ میری آج تک کی جو بھی فلمیں ریلیز ہوئی کسی نے ڈسٹری بیوٹر کو کوئی نقصان نہیں پہنچایا۔ "بے رام، بادل، حد کردی آپ نے، بچھو، ہر دل جو پیار کرے گا، کہیں پیار نہ ہوجائے" جیسی فلموں نے بھی باکس آفس پر اچھی خاصی کمائی کی تھی۔ ان میں سے کوئی فلم ایسی نہیں تھی جس نے پروڈیوسر یا تقسیم کاروں کو خسارہ پہنچایا ہو۔ شائقین کو بھی یہ فلمیں کافی پسند آئی تھیں۔

س۔ آپ آجکل زیادہ تر فلمیں اجئے دیوگن اور گوبندا کے ساتھ ہی سائن کررہی ہیں کیوں؟

ج۔ اگر آج میرے پاس اجئے دیوگن اور گوبندا کے ساتھ فلمیں ہیں تو ایسا میں نے جان بوجھ کر نہیں کیا۔ ویسے ایک بات صاف کردوں کہ میں کسی کے ساتھ جوڑی بنانے کو برا نہیں سمجھتی۔

س۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ ان سے آپ کا کچھ چکر بھی ہے؟

ج۔ گوبندا اور میں اچھے دوست ہیں۔ بس اسکے علاوہ ہمارے بیچ اور کچھ بھی نہیں ہے۔ ابتداء میں ایسی افواہوں سے میں پریشان ہو گئی لیکن بعد میں اس طرح کی افواہوں کو اپنے اوپر کبھی حاوی ہونے نہیں دیا۔ اجئے اور میرے بارے میں بھی کافی گرما گرم خبریں شائع ہوئیں کاجول اور مجھ میں کچھ نااتفاقیاں ہوئی لیکن اب سمجھ میں آچکا ہے۔ مجھے لگتا ہے کہ اس طرح کی چیزوں کو نظر انداز کردینا ہی ان سے نپٹنے کا سب سے اچھا طریقہ ہے آپ جتنا ری ایکشن کرینگے اتنا ہی لوگوں کو مزہ آتا ہے۔

س۔ پچھلی کچھ فلمیں نہ چلنے کی وجہ سے اب آپ غیر محفوظ ہو گئی ہیں اور عدم تحفظ کے اس دور میں آفر کی جانے والی ہر فلم کو بغیر دیکھے اور بغیر سوچے سمجھے سائن کررہی ہیں۔ یہ کہاں تک درست ہے؟

ج۔ یقیناً ہی کہیں نہ کہیں میں عدم تحفظ کے احساس کا شکار ہوں۔ جب رات دن آپ کسی فلم میں کام کررہے ہوتے ہیں اور اس پر اپنا سب کچھ نچھاور کردیتے ہیں پھر اس فلم کے لئے عدم تحفظ کا احساس گھر کر جانا قدرتی امر ہے۔ اگر سخت محنت کے بعد بھی وہ فلم نہیں چلی تو کیا ہوگا لہٰذا عدم تحفظ کا احساس تو رہتا ہی ہے۔

س۔ کیا عدم تحفظ کی وجہ آپ پریشان نہیں ہوتی ؟

ج۔ میں تو چاہتی ہوں کہ میری ہر فلم اچھی چلے ۔ لیکن میں اس اندیشہ سے بیحد پریشان ہوجاتی ہوں کہ لوگ اس بات سے زیادہ پریشان ہیں کہ میں اتنی فلمیں کیوں کررہی ہوں ۔ میں صرف وہی فلمیں کررہی ہوں جن میں کرنے کے لئے مجھے کچھ خاص نظر آتا ہے ۔

س۔ ہر ایکٹریس کے کیریئر میں ایک وقت ایسا آتا ہے جب اسکے چاہنے والے منہ پھیر کر کسی دوسرے کے ساتھ ہولیتے ہیں کیا آپ اس حالت کے لئے تیار ہیں؟

ج۔ یقینا ہی میں اس وقت کے لئے تیار ہوں جب میرا وقت ٹھیک نہیں رہے گا اور لوگ مجھ سے منہ موڑ لینگے میں اچھی طرح جانتی ہوں کہ کامیابی آئی گئی چیز ہوتی ہے ۔ آج ہے تو کل نہیں رہے گی ۔ میری دو چار فلمیں فلاپ ہوتے ہی حالات ایک دم بدل جائینگے ۔ اس لئے کامیابی کو میں کبھی سنجیدگی سے نہیں لیتی۔

شوٹنگ رپورٹ
وکرم بھٹ کی نئی فلم "اعتبار" کا مہورت

قصور اور راز جیسی کامیاب فلموں کے ہدایتکار وکرم بھٹ کی اپنی نئی فلم "اعتبار" کا پچھلے ہفتہ بمبئی میں مہورت ہوا جس میں فلم کے مرکزی ستارے ماڈل جان ابراہام اور بپاشا باسو کے چند رومانی مناظر کیمرے میں قید کئے گئے اس فلم کو سجیت کمار کے فرزند جتن کمار پہلی بار پروڈیوس کررہے ہیں فلم میں امیتابھ بچن بپاشا باسو کے باپ کا کردار نبھائیں گے ۔ محمد فصیح کی اس پیشکش کی موسیقی ندیم شراون فراہم کررہے ہیں جبکہ گیت سمیر نے لکھے ہیں ۔ کہانی وکرم بھٹ اور راہن بھٹ نے لکھی ہے مکالمے گریش دھیجا نے لکھے ہیں۔ سنیماٹوگرافی پراوین بھٹ کی ہے ۔

ملند سومند، دپتی شرما کی "16 ڈسمبر" ریلیز کے لئے تیار

ڈائرکٹر منی شنکر کی ملک کی پہلی اسپیشل ایفکٹس سے بھرپور فلم "١٦ ڈسمبر" تمام مراحل کی تکمیل کے بعد ریلیز کے لئے تیار ہے اس فلم کے دیگر اہم ستاروں میں ڈینی، گلشن گرور، آدیتی گواتیکر شامل ہیں ۔ ڈریم پروڈکشن کے بیانر پر بنی اس فلم کے آڈیو حقوق یونیورسل کمپنی نے حاصل کرلئے ہیں ۔ اس فلم کے آخری گیت کی یہاں حیدرآباد کے سارتھی اسٹوڈیو میں تکمیل عمل میں لائی گئی۔

"ہم کو تم سے پیار ہے" شوٹنگ مکمل

پروڈیوسر کریم مورانی بنٹی سورما اور علی مورانی کی فلم "ہم کو تم سے پیار ہے" کی مہابلیشور، پنچگنی میں جاری شوٹنگ اس ہفتہ مکمل کرلی گئی جس میں بابی دیول، ایشا پٹیل، ارجن رامپال، جانی لیور، الوک ناتھ، کمل جیت، اننگ دیسائی اور کمیش تیواری نے حصہ لیا فلم کو بنٹی سورما ڈائرکٹ کررہے ہیں ۔ کہانی بین سلوا کی ہے منظر نامہ اشوک رائے نے لکھا ہے ۔ موسیقی آنند راج آنند کی ہے اور گیت لکھے ہیں دیو کوہلی نے ۔

"تاج محل" سے جودھ پور میں مغلیہ دور حکومت کی یاد تازہ

فاطمہ میر اور اکبر خان کی لکھی تاریخی رومانی کہانی تاج محل کا پچھلے ہفتے جودھ پور کے قلعے میران گڑھ میں مہورت انجام دیا گیا ۔ یہ فلم تاریخ کے اوراق سے اٹھائی گئی مغل دور حکومت کی کہانی ہے جسکی دھنیں نوشاد اور گیت نقش لال پوری نے لکھے ہیں فلم میں کبیر بیدی، منیشا کوئرالا، ارباز علی، پوجا بترہ، کم شرما، ارباز خان اہم کردار نبھارہے ہیں ۔ مکالمے محافظ حیدر اور راجیو مرزا نے لکھے ہیں ۔ سنیماٹوگرافی آر ایم راؤ کی ہے مشرق کمیونکیشن کے بیانر پر بنائی جارہی اس فلم

کو چھ ماہ میں مکمل کرنے کی توقع ہے ۔ فلم کے مہورت کے بعد جودھ پور میں مغلیہ دور حکومت کی یاد تازہ ہوئی ہے ۔

سنجے دت، بپاشا باسو "نہلے پہ دہلا"

سنجے دت اور بپاشا باسو کی نئی فلم "نہلے پہ دہلا" کی یونٹ گوا سے بمبئی واپس ہوئی ۱۰ روزہ شیڈول میں ڈانس ڈائرکٹر گنیش آچاریہ نے ایک گیت، اپنے چند لوک ڈائرکٹر نے چند اہم مناظر کی فلمبندی مکمل کی اس فلم کو اسلم صدیقی پروڈیوس کررہے ہیں۔ فلم کے دیگر اہم کرداروں میں سیف علی خان، کم شرما، مکیش رشی، آصف شیخ، انیل ناگرتھ، شکتی کپور شامل ہیں۔ کہانی اور منظر نامہ یونس سجاول کا ہے۔ مکالمے رومی جعفری نے لکھے ہیں گیت دیو کوہلی کے تحریر کردہ ہیں۔

اکشے کمار، ایشا پٹیل کی "میرے جیون ساتھی" پچاس فیصد مکمل

۱۶ روزہ لگاتار شوٹنگ کے بعد کرینہ شتسا کمبائن کی "میرے جیون ساتھی" پچاس فیصد مکمل کرلی گئی ہے سورج پرکاش کی اس فلم کو سنیل درشن ڈائرکٹ کررہے ہیں۔ فلم کے اہم کردار ہیں اکشے کمار، ایشا پٹیل، کرشمہ کپور، الوک ناتھ، راکیش بیدی، اشیش ودیارتھی، اور گلشن گرور۔ کہانی اور منظر نامہ راہن بھٹ کا ہے۔ مکالمے کے کے سنگھ نے لکھے ہیں موسیقی ندیم

شراون کی فراہم کردہ ہے جبکہ گیت لکھے ہیں سمیر نے۔

آڈیو ریلیز "کرانتی" ہٹ رومانی گیتوں کا کیسٹ

یونیورسل میوزک کمپنی نے اس ہفتہ ہٹ رومانی گیتوں کا کیسٹ فلم "کرانتی" کا جاری کیا ہے پروڈیوسر وویک کمار نے بابی دیول اور ایشا پٹیل کو لیکر یہ فلم بنائی ہے۔ اس فلم کے کیسٹ ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہے ہیں۔ فلم میں کل چھ گیت ہیں جن میں "دل میں درد سا، میرا دل تو واپس موڑ دے، جنگ ہو یا پیار" اور سائیڈ بی

میں "عشق جادو عشق ٹونا، او نوکر سرکاری، یا ہو ربا" جیسے رومانی گیت شامل ہیں جنہیں مایہ ناز گیت نویس آنند بخشی نے لکھا ہے جبکہ دھنیں کامیاب سنگیت کار جتن للت نے بنائی ہیں ان دلوں کو چھولینے والی گیتوں کو ادت نارائن، الکا یاگنک، شان، سنیدھی چوہان، آشا بھونسلے، امیت کمار، سونو نگم، کویتا کرشنا مورتی جیسے چوٹی کے گلوکاروں نے آوازیں دی ہیں۔

"چوری چوری" عدنان سمیع کے تمام گیت مقبول

اجے دیوگن اور رانی مکرجی کی رومانی اسٹار کاسٹ پر مبنی ملن لوتھاریہ کی فلم چوری چوری کے آڈیو کیسٹس اس ہفتہ یونیورسل کمپنی نے جاری کئے ہیں آنند بخشی کے گیتوں اور ساجد

واجد کی دھنوں نے اس فلم کے گیتوں کو مقبول عام کردیا ہے۔ فلم میں کل آٹھ گیت ہیں جن میں "منڈی منڈی، آتے آتے، تو میرے سامنے، میں ایک لڑکی" اور سائیڈ بی میں "چوری چوری، اماں میرے، کہنا ہے، روٹھے یار جیسے دلچسپ رومانی اور دھوم مچاتے ان گیتوں کو الکا یاگنک، بابل سپریو، ادت نارائن، سنیدھی چوہان، افروز بانو، فریدہ خان، کمار شانو، عدنان سمیع، صابری برادران نے آوازیں دیکر اس کیسٹ کی فروخت

میں شاندار اضافہ کیا ہے۔

"ہنسی تو پھنسی" مزاح سے بھرپور ہنگامہ کیسٹ

ڈی آر سی کمپنی نے اس ہفتہ ایک مزاح سے بھرپور ہنگامہ خیز آڈیو کیسٹ "ہنسی تو

Baby Vani Nikhitha Presents
Disco Recording Company's
DRC audio
WRITER & ARTIST: SABEER KHAN
ARTIST: AHMMED ALBELA
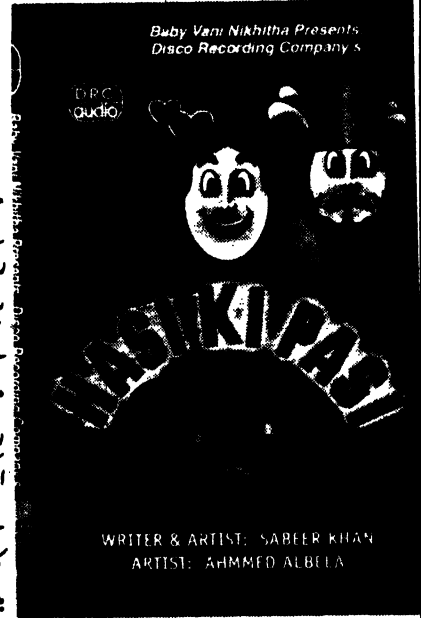
پھنسی" جاری کیا ہے جو چنندہ اور نئے نئے لطیفوں، مزاحیہ خاکوں، پیروڈی گیتوں اور مزاحیہ مشاعروں اور لوٹ پوٹ کردینے والے مزاحیہ کلام کی وجہ شائقین میں پسند کیا جارہا ہے۔ رائٹر فنکار صابر خان اور کامیاب آرٹسٹ احمد البیلا کا یہ کیسٹ توقع ہے مزاحیہ کیسٹس کے گلکشن میں اپنی ایک انفرادیت رکھے گا۔ ڈی آر سی کا یہ البم خوب ہے۔

فلمی خبریں
عامر خان کے والد طاہر حسین نے آخر نوجوان لڑکی سے شادی کرلی

کئی ایک اختلافات کے باوجود عامر خان کے بوڑھے والد طاہر حسین نے آخرکار نوجوان ۱۸ سالہ لڑکی دیوی شری سے شادی کرلی جہاں عامر خان نے لگان جیسی فلم بنا کر اپنے والد کا سر فخر سے اونچا کردیا تھا وہیں انکے والد نے نوجوان لڑکی سے شادی کرکے بیٹے عامر خان کا سر جھکا دیا ہے۔ طاہر حسین کا یہ چکر انکی فلم "دل ڈھونڈتا ہے" سے چل رہا تھا جس کی ہیروئن دیوی شری تھی لہذا جو حقیقت اب تک حسین خاندان کی چار دیواری تک محدود تھی وہ اب برسرعام ہوگئی ہے۔

نکل کپور اور کم شرما کے رومانس کی خبریں

خبریں گرم ہیں کہ محبتیں سے فلمی دنیا میں قدم رکھنے والی کم شرما بھی اب اپنے پر پھیلانے لگی ہے حال ہی میں نئے اداکار نکل کپور کیساتھ کئی مقامات پر پریس والوں نے رومانس لڑاتے دیکھا۔ یہ رومانس انکی نئی فلم "تم سے اچھا کون ہے" سے شروع ہوا۔ دونوں کا آپس میں ملنا فلمی پارٹیوں میں ایک ساتھ آنا جانا جاری ہے۔

آنے والی فلم "وده" کی کہانی

فلم وده ایک ماہر نفسیات ڈاکٹر کی کہانی ہے ایک اندھیری رات کو پاگل خونی جس نے ۶ بے قصور لوگوں کا خون کیا ہے اور اب دو اور خون کرکے فرار ہے۔ یہ خونی بہت خونخوار بھی ہے اور پاگل بھی وہ کسی کا خون کرنے سے ہچکچاتا نہیں۔ اسکی وجہ سے تمام شہر میں ایک خوف کا ماحول پھیلا ہوا ہے۔ اب ہر آدمی کے دماغ میں یہی سوال اٹھتا ہے کہ اسکا اگلا قدم کیا ہوگا۔ کچھ دن بعد ایک لڑکی کا خون ہوتا ہے اور وہ بھی اس فلم کے ہیرو آئرن کی گرل فرینڈ کا۔

پورے شہر پر خوف کے بادل چھا جاتے ہیں پورے پولیس ڈپارٹمنٹ کو یقین ہوجاتا ہے کہ شہر میں جتنے بھی قتل ہورہے ہیں انکے پیچھے اسی پاگل خونی کا ہاتھ ہے۔ لیکن ایک پولیس آفیسر کو ابھی تک صد فیصد آئرن پر ہی شک ہے کہ وہ ہی اس لڑکی کا اصلی قاتل ہے۔ کہانی میں کئی دلچسپ موڑ ہیں اصلی خونی کون ہے۔ یہ قتل کون کررہا ہے۔ یہ سب جاننے کے لئے وده کی ریلیز کا انتظار کریں۔

☆☆☆

the summer Headquarters of the United Provinces and retains a degree of its old world charm.

The kidney shaped Naini lake, its clear water changing hues with the passage of the day is the centre piece around which the whole resort resolves. Nainital offers a wide variety of rowing & pedal boats.

Ranikhet : Ranikhet meaning"Queen"s Field", is spread along a ridgeate 1829 metrs, covered with pine and oak forests. Ranikhet is still a contonment and the army's young recruits can be seen drilling on the parade grounds. Sadar Bazar is the main shopping area, and has a number of small restaurants and hotels. The bazar is the noisiests and most crowded part of the town.

Almora : The small town of Almora is perched on a five-kilometer long horse-shoe shapped ridge; 1650 mts above sea level. The town looks out over a fertile terraced valley and four ranges of hills - Banari Devi, Kasan Devi, Shyahi Devi and Katarmal. Beyond them are the Trishul and Nanda Devi peaks in the Great Himalayas. Temple of Nanda Devi and Khazandchi Mohalle provide a brief glimpse of the past. The highest point of the Almora bazaars, above the Mall, is the Collectorate. It is in fact at the old Almora fort, that a 360 degree view of Almora and the surrounding mountains can be seen.

Brighton End Corner, just 2 kms from the bus stations on the Mall is the most popular point for sunset and sunrise views of the Himalayas. Simtola, 3 kms from Almora is a picnic spot covered by a thick blanket of pine trees.

Kausani : 50 kms from Almora at 1890 mtrs is a popular holiday centre.

Access to Almora : Bus services link Almora with other places in the region including Nainital (67 kms away) and Ranikhet (59 kms away). The nearest railhead is Kathgodam (90 kms from Almora via Khairua).

also be reached easily by road.

Rishikesh : Rishikesh, 24 kms from Har'dwar is a town of ashrams and temples amidst beautiful hills. The Ganga rumbling down from the mountains. is joined here by the Chandrabhaga River. The nearest airport is Dehradum and buses provide connections to Haridwar (24 kms) and Mussoorie (77 kms). A terrific view of the town and the river below can be had from either of the two suspension bridges - the Ram Jhula and the Laxman Jhula. Divine Life Society ashram is located here, which offers courses on Yoga.

Mussoorie : Mussoorie, 2005 mts above sea level, is the perfect gateway from the summer heat of the plains. One of the most easily accessible hill stations from Delhi, it is a very popular tourist destination round the year. During the monsoon and winter months, it is visited by people in search of peace and quiet. Mussoorie is most easily accessible from Dehradun 35 kms away, which is also the nearest airport and railhead.

The heart of the town is the busy Mall, alongside which is the Tourist Office, rows of Tibetan trinket and sweater vendors and shops selling walking sticks and cane items. Hand pulled rikshaws manufactured in Glasgow can still be seen, plying down the Mall.

The Mall is the starting point for the cable car towards the summit of Gun Hill 2142 metres above sea level. On clear days the peaks of Kedarnath, Badrinath and Nada Devi from this hill can be seen clearly. A pony trip can be taken along the north-facing Camel's Back Road, named so because of its appearance.

Nainital : Nainital derives its name from naini the "Tal" meaning lake. It was once
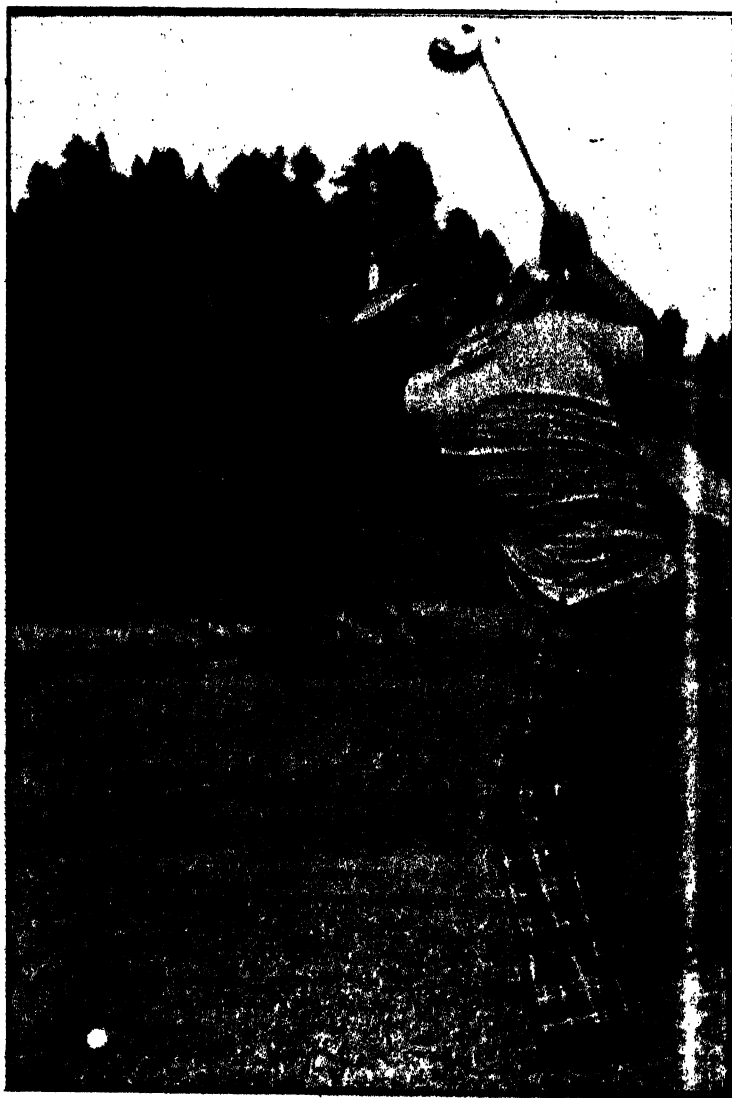
Uttarkahnd is famous not only for some celebrated hill stations like Mussorie and Nainital, but also for the Dev Bhumi,Land of the Gods, in Garhwal.

The Dev Bhumi : Garhwal is belived to be the holiest land in India. land where the most ancient Hindu scriptures, the Vedas were said to have been composed. The Vedas refer, to the land of the Spatasindhu - the Seven Rivers - as the home of the Aryans. These Seven Rivers are the seven streams of the Ganga (or Ganges) which flows through Garhwal. The Dev Bhumi also has the four principal mountain pilgrimage sites, better known as the Char Dhams, visits to which are believed to ensure salvation. These are Yamunotri, the source of river Yamuna ; Gangotri, the source of river Ganga ; Kedarnath, the abode of Lord Shiva; and finally Badrinath, the valley of Lord, Vishnu.

Dehradum : One of the most important towns in the Himalayan foothills, lying in the feritle Dun valley, Dehradun, at 700 mts is the gateway to Mussorie. Now it is the capital of the newly formed Uttar Anchal State. It boasts of the prestigious Indian Military Academy and some of the best Indian public Schools like - The Doon Schook alma Mater of the former Indian Prime Minister Rajiv Gandhi and Welham's High school. The Forest Research Institute & The Wild - Life Institute of India are also among Dehradun's many outstanding institutions. It has an aiport 25 kms out of town with daily flights available from Delhi. It has also a main railhead of the Northern Railway which has direct trains to Delhi, Mumbai, Calcutta, Lucknow and Varnasi. It can

Jammu to Pathankot, (80 kms from Delhousie) from where regular buses and taxis are available to reach Delhousie.

Chamba : Chamba is perched on a mountain shelf, 996 mts above sea level, which drops cliff -like to the Chamba river below. The town, just 53 kms from Dalhousie, connected by regular bus and taxi services, was once the capital of the former rajas of Chamba.

Dharamshala : Dharamshala lies on a spur of the Dhauladhar range of the outer Himalayas. It is a Hill Station split into two. It lies between 1,250 metres and 1,982 metres on a steep mountainside. The lower part, only known as Dharamshala is 9 kms away by road from the upper part, known as McLeodganj.

The Kangra Valley : About 17 kms south from Dharamshala is Kangra, situated at the confluence of the Bener and Majhi streams and overlooking the Banganga torrent. the country side here can be best enjoyed by taking a journey on the narrow-guage train, which runs its 164 kms from Pathankot in the west, to Jogindernagart in the east via Kangra and Palampur - the two major towns in he valley. The track is cleverly aligned and runs along the foot of the hills. From the outskirts of Palampur the line comes within 16 kms of the snow, and stays close to it. Untill it turns southward to the terminal of Jogindernagar. Nagarkot and Vjeshwari temple are the main places of interest for visitors.

UTTAR PRADESH & UTTAR ANCHAL

The mountain districts of Uttar Pradesh, India's most populous state, make up Uttarkhand, the holiest region of the Himalayas. These are more commonly known as Garhwal and Kumaon the names of two former mountain kingdoms. Garhwal consists of the Distierb of Pauri, Chamoli, Tehri, Dehradun and Uttarkashi; Kumaon of Nainital, Almora and the well known Pithoragarh.

Devi Temple.

Mandi : Located in the foothills by the banks of the river Beas, and the entry point to the Kullu Valley, Mandi has several importanat temples dedicated to Lord Shiva. The Shivaratri Festival Celebrations here are a spectacular affair.

Lahaul & Spiti : The remote valleys of Lahaul & Spiti, at an altitute of 2750 metres border Zanskar and Tibet. This area is much drier than the fertile Kullu Valley. Despite no monsoon, the valley is green during summer. although Spiti is closed to tourists without an 'inner Line" permit, Lahaul is more accessible and during the summer buses ply regularly te Keylong, the administration headquarters of the district. 117 kms north of Mandi.
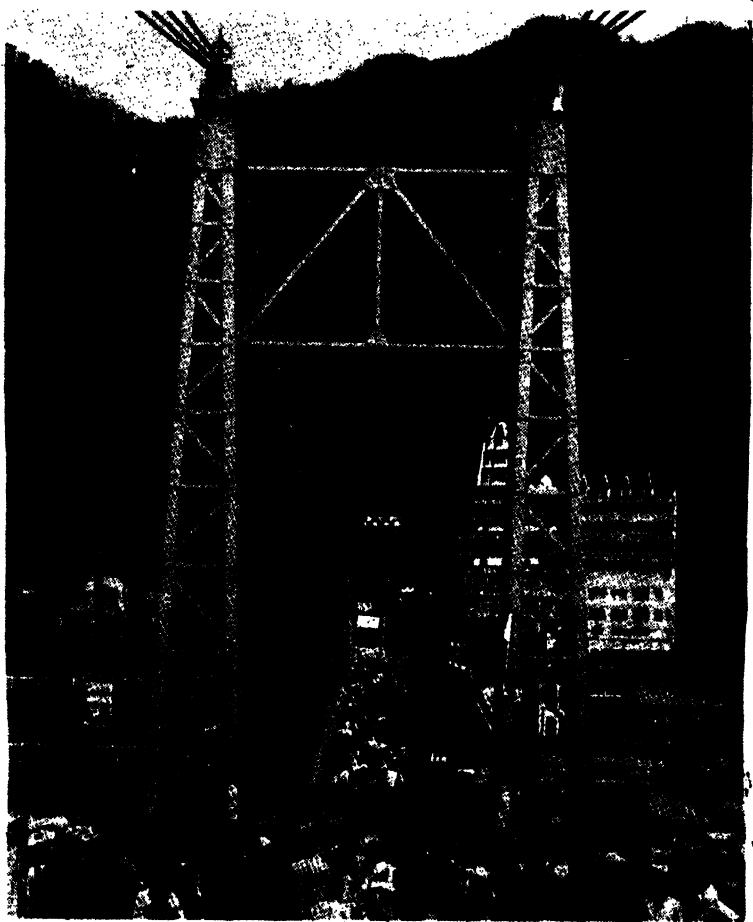
Delahousie : Delhousie is a typical hill resort with its finroofed half timbered houses spread over 13 sq. kms of well forested hills at height between 1525 & 2378 metres and it still retains much of the style of the British Raj. There are regular trains from Delhi. Mumbai. Calcutta and

station of India.

Simla : The capital of Himachal is thronged by lakhs of people every year. One of the most popular hill stations, it provides cool relief to thouse who come here during summer months, to cool off. The snowfall during winters is a big attraction for visitors who don't usually get to see it in many places in India. Shimla was once the summer capital of the British.

Jhaku Temple, Lakkar (wood) Bazar, Himachal State Museum, Roman Catholic Cathedral, Chadwick Falls, Prospect Hill and Indian Institute of Advanced Studies are some places worth visiting. Shimla offers a large number of hotels and restaurants to choose from.

Nestling around Shimla are the beautiful hill stations of Kasauli, Solan, Kandaghat and Chail which are perfect for those who like quieter palces.

Kullu-Manali : Kullu and Manali, 40 kms apart, are two main tourist centres of the Kullu Valley. The Kullu Valley not wider than 2 kms at any place has the Beas river running through it with beautiful fields on either side. To the North West is the Solang Valley and to its North is the Rohtang Pass, the gateway to the great Himalayas which is also famous for its skiing activities. The Dholpur Maidan, a large grassy area is used as the site for the famous Dussehra Festival. Over - looking the town and the valley is the Jagannath

famous Shrine of Amranath, a 45 kms trek away.

Sonamark: (Medow of Gold) 80 kms North - East of Srinagar on the Ladakh Road, is a trekking base specially useful for those heading towards Gangabal Lake. A thick cover of trees in the Thajwar Range divides the valley.

Gulmarg : or the meadow of flowers lies 56 kms West of Srinagar and provide a spectacular view of the Naga Parbat. Gulmarg is a major sky resort in India and has also 18 hole Golf Course as per international specifications, which makes it an ideal summer destination.

How to Reach :

AIR : Major airports in North India are at Srinagar, Leh, Shimla, Jammu, Dharamshala, Amritsar, Chandigarh, Dehradun, Delhi, Agra, Lucknow and Kanpur.

RAIL : The railways has an efficient network connecting all major towns and cities in every state.

ROAD : State Transport and private luxury bus services are available which can be arranged by Travel Agents.

HIMACHAL PRADESH

Himachal Pradesh is one of the smaller states, situated in the North but with some of the most popular and picturesque hill

just 60 kms from Jammu.

Ladakh : To the east is the arid barren landscape of Ladakh, with its largely religious Buddhist population. A large number of magnificent monasteries or " Gompas" subscribing to either of the two schools of Dukpa or Gelugs-pa order can be seen here.

Leh : Situated at the apex of a triangular plateau formed by the Indusat an altitude of about 11,500 ft. above sea level is Leh, the capital of Ladakh. A temple dedicated to Mairreya, the future Buddha, and the Gokhang Temple of guardian divinities are important landmarks in Leh.

Srinagar and Vale of Kashmir : The vale of Kashmir is an oval plain 140 kms long and upto 40 kms wide, surrounding on all sides by high mountains. The highest peaks are Nage Parbat (8114 m), Haramukh (5150 m) and Amarnath (5280 m). Srinagar with its breathtakingly beautiful lakes, 'gardens and mountains would make you rub your eyes in disblief. stretching along the banks of Jhelum River, lies huddled the old City.

The Lakes : Dal, Nagin and Anchar not only add to the beauty but also boast of Srinagar's unique accommodation - the houseboats. There is the famous boulevard and the three Mughal gardens of Chashm-e-Shahi, Nishat and Shalimar.

Excursions from Srinagar : The Hazratbal Mosque, the Shankaracharya Temple the Char Chinar and the Dachigam National Park, are approximately 21 kms away from Srinagar, Pahalgam, Sonamarg and Gulmarg are the three main mountain resorts around Srinagar.

Pahalgam : is 96 kms to the East at a height of about 2400 m. Also enroute is Anantnag. thousands of pilgrims converge at this town on their way to the

HILL STATIONS OF INDIA
NORTH INDIA (Part I)

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

INDIA, a land so vast and diverse in culture, heritage, language and people is

bestowed with an equally rich and vast treasure of natural beauty.

Towering and as if blessing this land is the world's youngest and largest East to West mountain chein, known as the Himalayas, stretching some 2560 kilometres in an arc across the top of the

Indian subcontinent. These mountains were formed about 50-60 million years ago.

The most recently formed are the lower foothills known as the Shivaliks, beyond which lies the State of Himachal. It is in these ranges that some of the most celbrated hill stations of India like Shimla, Dalhousie, Mussorie, Nainital and Darjeeling are located.

To provide a better picture, these hill stations have been categorised according to the major regions or states in which they lie.

JAMMU AND KASHMIR

Jammu : Covering three regions, this state has vastly different landscapes and people. The low lying Jammu region sprawling on the banks of the River Tawi has a Hindu majority which includes the Dogras who once ruled Kashmir.

the city skyline is pierced with spires of temples earning itself the epithere of Temple City. The best known is perhaps the temple of Lord Rama. the

Raghunath Temple, Pir Koh, Amar Mahal Palace Museum and the Dogra Art gallery.

Patni Top : Lies 112 kms from Jammu City at the very top of a hill along the national highway, and perched at an altitude of 2024 m, offering all facilities ideal for an year round tourist destination.

Vaishno Devi : The famous shrine of the Mother Goddess, Vaishno Devi, is

موسم گرما کے لئے ہلکے رنگ کا لباس موزوں ہے

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No. 5, 1-15, Mar., 2002
REGD.No.H/HD 850 REGD.NO.R.N.63767/96

سیاست

میگزین

پندرہ روزہ

حیدرآباد۔اے پی۔انڈیا

مرکزی وزیر بنائے جانے سے قبل شتروگھن سنہا نے ڈرامہ "پتی، پتنی اور میں" میں واجپائی کا خوب مضحکہ اڑایا تھا

نئے مرکزی وزیر صحت شتروگھن سنہا اپنے دونوں لڑکوں لو اور کش کے ساتھ

نو منتخب صدر بی جے پی وینکیا نائیڈو، سابقہ صدر جانا کرشنا مورتی اوما بھارتی اور مرلی منوہر جوشی
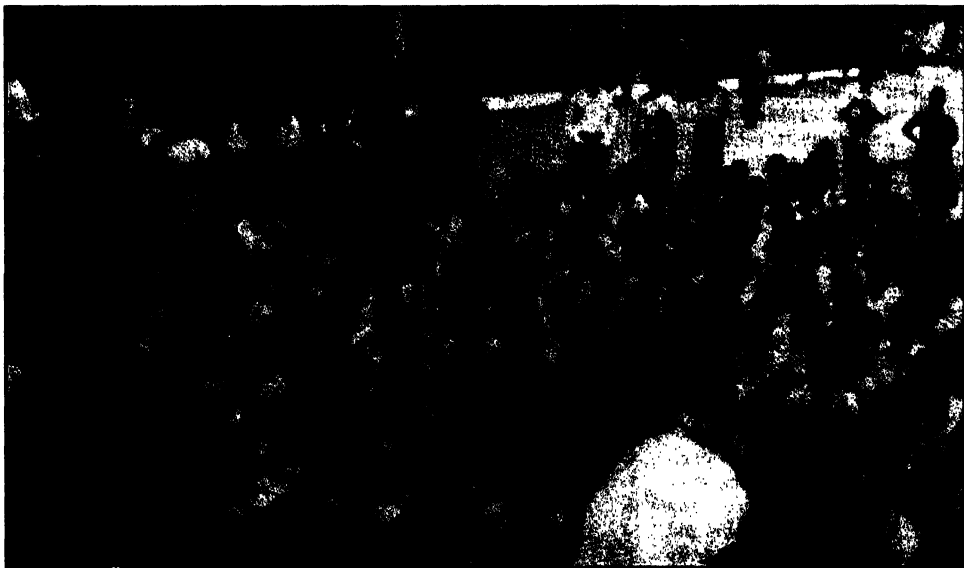
صدارتی امیدوار ڈاکٹر عبدالکلام چینائی میں اسکولی طلباء سے خطاب کرتے ہوئے

Vol. 7. HYDERABAD Issue : 14 Rs. 10/- (14) : شمارہ (7) : جلد

Editor: ZAHID ALI KHAN

16 - 31 JULY - 2002

Offices:

Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188

New Delhi: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.

mumbai: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.

Calcutta: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012

CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.

Bangalore: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.

Ahmedabad: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.

PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372

NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.

USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.

UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.

Saudi Arabia: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.

Kuwait: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدر آباد سے شائع ہوا۔

قارئین سے اپیل

گجرات کے فسادات میں سینکڑوں معصوم افراد کی جانیں گئیں
کروڑوں روپئے کی املاک تباہ ہوگئیں۔ کئی غریب اور نادار بے گھر ہوگئے
ان کا سب کچھ چھن گیا، وہ بے یار و مددگار ہیں ۔ ان نازک حالات میں
سیاست
متاثرین کی امداد اور باز آبادکاری کیلئے اپنے قارئین سے تعاون کی اپیل کرتا ہے
آپ سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے

زاہد علی خان
ایڈیٹر سیاست

نوٹ:
جو حضرات اپنے عطیئے ذریعہ ڈرافٹس روانہ کرنا چاہتے ہیں وہ

سیاست
ریلیف فنڈ
A/c No. 55905

کے نام روانہ فرمائیں

عطیئے: دفتر روزنامہ سیاست
جواہر لال نہرو روڈ، عابڈز، حیدرآباد پر روانہ فرمائیں

ہندوستانی سیاست میں نیا جوڑ

ہندوستان کی سیاست میں ایک نئے جوڑ کا آغاز ہورہا ہے۔
اواخر فبروری میں منعقدہ بھارتیہ جنتا پارٹی کی قومی عاملہ نے سنگھ پریوار میں شامل آر ایس ایس، وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل اور بی جے پی کے انتہا پسند عناصر کے سخت دباؤ کے تحت اہم فیصلے کئے جن کا مقصد ہندوتوا کے نصب العین کی تکمیل کے لئے پوری شدت کے ساتھ اور سیاسی مصلحتوں کو بالائے طاق رکھتے ہوئے ہندوتوا ایجنڈے کو لاگو کرنے کے عزم مصمم کا اعادہ کرنا تھا۔ یہ اجلاس فبروری 2002 میں منعقدہ اسمبلیوں کے انتخابات میں پارٹی کی سخت ہزیمت سے پیدا شدہ حالات کے پس منظر میں منعقد کیا گیا تھا۔ سارے سنگھ پریوار نے احساس اظہار کیا کہ مرکز میں این ڈی اے حکومت کی تشکیل کے لئے بی جے پی نے سیاسی مصلحتوں کے تحت ہندوتوا ایجنڈے کو فی الحال پس پشت ڈال دینے کی جو حکمت عملی اختیار کی وہ نقصان دہ ثابت ہوئی۔ اس کے نتیجہ میں پارٹی کی عوامی مقبولیت ختم ہورہی ہے۔ ہندوتوا کے نعرہ کے تحت اڈوانی جی کی ایودھیا رتھ یاترا کے ساتھ ہندوتوا کے حامیوں میں جو جوش و خروش پیدا ہوا تھا وہ سرد پڑگیا ہے اس لئے پارٹی میں نئی جان ڈالنے کے لئے کیڈر کو دوبارہ منظم کرنا انتہائی ناگزیر ہے۔ اسی دوران سنگھ پریوار کی جماعتوں نے اپنی انتہا پسند سرگرمیاں تیز کردیں۔ وشوا ہندو پریشد نے مارچ میں رام مندر کے سنگ بنیاد کے لئے ایک بڑے جلوس کے ساتھ تعمیراتی سامان ایودھیا پہونچانے کا منصوبہ بنایا ملک کی اعلیٰ ترین عدالت کے احکام کو نظر انداز کردینے کی دھمکیاں بھی دی گئیں۔ این ڈی اے میں شامل بعض جماعتوں کے سخت دباؤ کے تحت بی جے پی قیادت نے پریشد کو محض علامتی طور پر اس رسم کی ادائیگی پر رضامند کرلیا۔ لیکن وشوا ہندو پریشد آج بھی اپنے عزائم کو روبہ عمل لانے پر کمربستہ ہے اور سپریم کورٹ کے فیصلہ کی تعمیل سے اپنے حتمی وعدہ سے مکر گئی ہے۔

بی جے پی قیادت نے گوا اجلاس کے فیصلوں کو روبہ عمل لانے کے مقصد سے مرکزی کابینہ میں رد و بدل اور بھارتیہ جنتا پارٹی کے تنظیمی ڈھانچہ میں بڑے پیمانہ پر رد و بدل کا فیصلہ کیا جس کا بنیادی مقصد پارٹی میں نئی جان ڈالنا ہے۔ جواہر لال نہرو نے اپنی کابینہ کو زیادہ کارکرد بنانے کے مقصد سے معمر قائدین کو تنظیمی ذمہ داریاں سونپنے کے مقصد سے کامراج پلان پر عمل کیا تھا۔ لیکن مسٹر اٹل بہاری واجپائی اور انکے رفیق کار مسٹر ایل کے اڈوانی نے پارٹی کی عاملہ کے فیصلوں کو روبہ عمل لانے کے لئے یہ حکمت عملی اختیار کی۔ کابینی رد و بدل کا مقصد نظم و نسق کی کارکردگی کو بہتر بنانے سے زیادہ پارٹی کے تنظیمی ڈھانچہ کو پرجوش لیڈروں سے لیس کرنا تھا۔ مسٹر وینکیا نائیڈو کو نوجوان طبقہ میں جوش و خروش پیدا کرنے کی ذمہ داری سونپی گئی مسٹر ارون جیٹلی کو میڈیا کے موثر استعمال کے کام پر لگادیا گیا جو شدھ ہندی میں بھی مہارت رکھتے ہیں۔
مسٹر ایل کے اڈوانی کا بحیثیت نائب وزیر اعظم تقرر سنگھ پریوار کے انتہا پسند عناصر کی آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل کا مظہر ہے۔ مسٹر اڈوانی ہندوتوا نصب العین کی حقیقی قوت تصور کئے جاتے ہیں وہ خود بھی اس بات پر فخر کرتے ہیں کہ انکی ایودھیا رتھ یاترا ہی کی بدولت بی جے پی کو سیاسی طاقت اور مرکز اور اترپردیش میں اقتدار حاصل ہوا۔
سنگھ پریوار کا یہ ایقان ہے کہ آئندہ عام انتخابات تک "اڈوانی جی کا دور" شروع ہوجائے گا۔ 2004ء کے پارلیمانی انتخابات میں پارٹی کو اپنے حقیقی روپ میں رائے دہندوں کے سامنے پیش ہونا پڑے گا۔ اس لئے دائیں بازو کی ہندوتوا عناصر کو طاقتور بنانا ناگزیر ہے۔
مسٹر وینکیا نائیڈو نے صدارتی عہدہ سنبھالنے کے فوری بعد دوٹوک انداز میں یہ اعلان کیا کہ بی جے پی "ہندوتوا" کی بنیادی پالیسیوں پر آج بھی قائم ہے۔ کشمیر کو خصوصی موقف سے متعلق دستور کی دفعہ 372 کی تنسیخ، بابری مسجد کے مقام پر رام مندر کی تعمیر، یکساں سیول کوڈ کے نفاذ، ہندوستان کی روایتی ہندو تہذیب کو عام کرنے کو پارٹی اپنا بنیادی نصب العین تصور کرتی ہے اور ان مقاصد کے لئے سختی سے عمل پیرا رہے گی۔
اترپردیش میں صدر بی جے پی کے عہدہ پر سابق صدر بجرنگ دل و سربراہ ہندوتوا بریگیڈ ونئے کٹیار کا تقرر بھی پارٹی کی نئی حکمت عملی کی ایک کڑی تصور کی جارہی ہے۔
یہ صورتحال تمام سیکولر پارٹیوں کے لئے نہ صرف لمحہ فکر بلکہ ایک چیلنج کی حیثیت رکھتی ہے۔ بڑی بدبختی یہ ہے کہ یہ جماعتیں اپنی سیاسی مصلحتوں اور شخصی انا اور وقار کے لئے اتحاد سے گریز کررہی ہیں۔ ان جماعتوں کے قائدین کو اپنے انداز فکر میں تبدیلی کرنی ہوگی اسی میں انکا جماعتی اور شخصی مفاد مضمر ہے عوام کی فلاح و بہبود اور ملک کی ترقی کا بھی یہی تقاضہ ہے۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

جھوٹ سے پرہیز کی تاکید

"اپریل فول" جس قوم کی زبان کی یہ اصطلاح ہے اسی قوم میں اس کو "دن" کے طور پر منانے کا رواج ہے یعنی اصلاً یہ کرسچنوں کی رسم ہے جسے افسوس ہے کہ دوسری قوموں کی دیکھا دیکھی صادق و مصدوق نبیؐ کی امت کے اکثر افراد بھی دانستہ یا نادانستہ طور پر یہ "دن" مناتے ہیں اور دوسروں سے جھوٹ بول کر انہیں دھوکا دیتے ہیں ..... حالانکہ اسلام دین فطرت ہے جس نے اس طریق کو قطعاً پسند نہیں کیا۔ اس کی نظر میں یہ فعل جھوٹ ہے اور جھوٹ بولنا حرام ہے۔ اسلام نے صراحتہ ایسے مذاق سے سختی کے ساتھ منع کیا ہے جو دوسروں کیلئے تکلیف دہ اور پریشان کن ہو۔ اس سلسلہ میں چند حدیثیں ملاحظہ فرمایئے:

.. اس آدمی کیلئے ہلاکت ہے جو لوگوں کو ہنسانے کیلئے جھوٹ بولتا ہے (ابوداؤد)

.. کوئی بندہ پورا مومن نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ جھوٹ کو بالکل ترک نہ کردے، خواہ ہنسی مذاق میں ہو خواہ لڑائی جھگڑے میں، خواہ انداز جھوٹ کا ہو اگرچہ واقعہ میں سچ ہو۔ (مسند احمد)

.. یہ بہت بڑی خیانت ہے کہ تم اپنے بھائی سے کوئی بات اس طرح کہو کہ وہ تمہیں سچا جان رہا ہو حالانکہ تم جھوٹ بول رہے ہو (ابوداؤد)

.. کسی مسلمان کیلئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان کرے یا اس کا سامان چھپا کر رکھ دے (مسند احمد)

ان تمام حدیثوں سے "اپریل فول" اور اس طرح کے دیگر مذاقوں کی تردید ہوتی ہے اور اس کی روشنی میں مسلمانوں کے فکر و عمل کی راہ متعین ہوتی ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ لوگوں کی طبیعت روزانہ سینکڑوں جھوٹ بول کر اور دھوکہ دے کر بھی سیر نہیں ہوتی کہ اس کیلئے باضابطہ ایک دن (Day) منایا جاتا ہے۔ کسی کو آپ جھوٹا اور فریبی کہہ دیں تو وہ چراغ پا ہوجائے اور آپ کی جان پر ٹوٹ پڑے، لیکن یہ عیب "اپریل فول" کی شکل میں آئے تو عین ہنر قرار پائے اور روکنے ٹوکنے والے کو خود فول (بے وقوف) قرار دیا جائے۔ عبرت کی نظر رکھنے والے دیکھیں کہ اخلاقی پستی کس کس خوشنما لفظ کے ذریعہ راہ پارہی ہے اور گناہ کیوں کر ثواب کی جگہ حاصل کررہا ہے ..... یہ واضح رہے کہ اسلام کوئی خشک مذہب نہیں ہے۔ اس میں ظرافت کی حلاوت کی بھی گنجائش ہے اور خوش طبعی کی چاشنی بھی۔ البتہ ایسی تمام صورتوں میں کوئی بات یا عمل غلط، خلاف واقعہ اور پریشان کن نہ ہو۔

معاملات کے آداب

.. معاملہ میں فریب نہ دینا، خیانت نہ کرنا، وعدہ خلافی نہ کرنا اور معاملہ کو ہمیشہ صاف ستھرا رکھنے کی پوری کوشش کرنا۔

.. خرید و فروخت اور تقاضائے حق کے وقت نرمی کا برتاؤ کرنا۔

.. ادائے قرض کی فکر کرنا اور اس میں جلدی کرنا (خاص کر جب پیسہ موجود ہو تو فوراً ادا کردے ورنہ ظلم میں شمار ہوگا اور ٹال مٹول کرنے کی وجہ سے سخت گنہ گار ہوگا)۔

.. عیب چھپا کر نہ بیچنا بلکہ اس کو واضح کردینا اور مال بیچنے میں جھوٹی قسمیں نہ کھانا

.. معاملہ کرکے پچھتانے سے بہتر ہے اسے آپسی گفتگو سے توڑ دینا۔

.. دوسروں کیلئے جھکا کر تولنا اور منافعہ مناسب لینا اور یہ سمجھنا کہ اللہ تعالی میرے ذریعہ دوسروں کی ضرورتوں کو پورا کرارہا ہے۔

.. قرض ادا کرتے وقت کچھ زیادہ دینا (یعنی قرض دینے والے کے مطالبہ کئے بغیر، ورنہ مطالبہ کی صورت میں سود ہوجائے گا) اور جس کا قرض ہے اسے دعا بھی دینا (اس طرح بارک اللہ تعالی فی اهلک و مالک)

.. کسی کو قرض ثواب کی نیت سے دینا (حدیث سے واضح ہے کہ جب تک کسی کا قرض کسی کے پاس ہے تو قرض دینے والے کو اس کی ادائیگی کے وقت تک روزانہ قرض کے مماثل صدقہ کرنے کا ثواب ملتا ہے)

.. تنگدست قرضدار کو مہلت دینا یا معاف کردینا

.. ضرورت کے وقت غلہ یا اس طرح کی کوئی چیز چھپا کر اسٹاک میں ہرگز نہ رکھنا

.. دوسرے سے قیمت طے ہوگئی ہو تو اس پر قیمت نہ لگانا (ہاں اگر وہ اجازت دے یا چھوڑ دے تو جائز ہے)

.. خریدنے کی نیت نہ ہو تو دام لگا کر دوسروں کو دھوکہ میں نہ ڈالنا (خریدنے کی نیت سے ہراج یا نیلام کی صورت جائز ہے)

.. امانت میں خیانت نہ کرنا، کسی کی امانت ہو تو تحریری طور پر اس کی تفصیلات رکھنا، کسی کو دینا یا کسی سے لینا ہو تو اسے بھی لکھ لینا چاہئے۔

.. کھوٹا سکہ یا نوٹ نہ چلانا (یہ حرام ہے، اگر یہ معلوم ہو کہ کھوٹا سکہ فلاں نے دیا ہے تو واپس کردے بصورت دیگر اس طرح اسے ضائع کردے کہ دوسرا استعمال نہ کرسکے)

.. کوئی اہم معاملہ ہو تو گواہوں کے ساتھ تحریری دستاویز بنالینا

.. مزدور اور ملازم کو اس کی محنت کے لحاظ سے اجرت دینا اور اجرت دینے میں دیر یا ٹال مٹول نہ کرنا۔

سیدہ نور عین فاطمہ
مولوی عالمہ جامعہ نظامیہ

عورت قرآن کے آئینے میں

گذشتہ ماہ ہمارے شہر میں مسلم پرسنل لاء بورڈ کا تاریخ ساز سہ روزہ سیشن منعقد ہوا۔ ملک بھر سے آئے ہوئے اکابرین ملت نے بڑی سوجھ بوجھ کے ساتھ نہ صرف مسائل کا جائزہ لیا بلکہ مستقبل کے لائحہ عمل کو بھی ترتیب دیا۔ ہمارے اکابرین نے فسادات سے لے کر تحفظ شریعت جیسے تمام اہم مسائل کا بھی جائزہ لیا اور ملت اسلامی ہند کے سامنے مستقبل کے مسائل اور ان سے نمٹنے کا ایک واضح خاکہ بھی پیش کیا جو ہمارے لئے بڑی خوش عین بات ہے۔ اس موقع پر کیا یہ بہتر نہیں ہوگا کہ مسلم معاشرہ کی پسماندگی اور اس کے اسباب کا جائزہ لیا جائے۔ سماجی بیماری کی صحیح تشخیص اور پھر انکا تیر بہدف علاج ڈھونڈلیا جائے۔ ہندوستان میں مسلم معاشرہ، قرآن اور شریعت سے زیادہ روایات اور رواجوں کا پابند ہے۔ جسے ہم بدقسمتی سے اسلامی Culture اور مسلم تہذیب کا نام دیتے آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک روایات سے انحراف ان کے اعتراف کے مماثل ہے۔ بزرگوں سے چلی آئی روایتوں اور از کار رفتہ رسومات میں پھنسا ہوا ہندوستانی مسلم معاشرہ اس عظیم ملک کا سب سے زیادہ پسماندہ سماج بن گیا ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ نئی خوشگوار تبدیلیوں سے ہم اپنا منہ موڑلیتے ہیں کہ یہ تبدیلیاں ہمارے فرسودہ رواج سے میل نہیں کھاتی۔ لڑکیوں کی تعلیم اور انکے روزگار کا معاملہ ہو کہ مسلم عائلی مسائل یا اوقاف کی جائیداد کا تحفظ اور اس سے استفادہ کا معاملہ ان اہم مسائل کو بھی ہمارا معاشرہ 200 سال قبل کی عینک لگا کر دیکھتا ہے۔ شاید اس لئے ہم اپنے مسائل کا حل ڈھونڈ نہیں پاتے۔ فی زمانہ مسلم معاشرہ کی اس بنیادی برائی کی طرف توجہ دلانا چاہتی ہوں کہ مسلم سماج دن بہ دن کیوں پچھڑتا جارہا ہے...؟

ہمارے معاشرہ کی نصف آبادی کم و بیش اپنے قرآنی حقوق سے محروم ہے۔ لیکن ہم بزعم خود اس خوش فہمی کا شکار ہیں کہ ہم سب سے بہتر اور ایک مثالی معاشرہ کے افراد ہیں۔

قرآن کی آواز:

ترجمہ: وہ مرد ہو یا عورت تم آپس میں ایک دوسرے کے لئے خیر ہو (الاعمران)

اس ارشاد ربانی سے یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ مرد اور عورت دونوں آپس میں انسانی معاشرتی، سماجی زنجیروں میں نہ صرف جکڑے ہوئے ہیں بلکہ آپس میں ایک دوسرے کے خیر (بھلائی چاہنے والے) ہیں لیکن افسوس ہمارا معاشرہ عورت کو قرآنی حق دے نہیں سکتا جسکی وہ مستحق ہے بلکہ اللہ کا حکم اور رسولؐ کا فرماں بھی ہے کہ رسول اللہ صلعم نے جنت جیسی پاکیزہ اور نعمت عظمی کو بھی ماؤں کے تلوؤں کی خاک کے برابر قرار دیا۔ لیکن افسوس یہ عورت ہونے کے ناطے حقیر کم تر اور مرد کی پاؤں کی جوتی کے برابر سمجھی جاتی ہیں۔ ایک طرف تو ہم یہ کہتے نہیں تھکتے کہ "وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" تو دوسری طرف یہ معاشرہ اسکو مردوں کی جوتی کے برابر سمجھتا ہے۔ یہ تعریف کرنے والے اور توہین کرنے والے بھی مرد ہی ہیں۔ گذشتہ کچھ صدیوں سے ہندوستانی مسلم معاشرہ ایک دوسرے معیار کا شکار رہا ہے۔ ہم کہتے کچھ اور کرتے کچھ ہیں۔ ہم نے حق بات کہنے کی جرات گنوادی ہے۔ ہمارے پاس قرآن کے احکام اور شریعت کی عظمت صرف ممبر و محراب تک ہی ہے۔ قرآن ہمارے ذہنوں میں ہے لیکن دل کی گہرائی تک نہیں۔ ہماری زبان پر ہے لیکن عمل میں نہیں۔ ہمارے معاشرے نے مسلم خاتون کو سماج کا عضوئے معطل بنادیا۔ مسلم خاتون کو اس کے قرآنی حق سے محروم کرنے کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہماری ماں بیٹیاں تعلیم سے نابلد اور سوچ و فکر سے عاری ہیں۔

نتیجہ۔ پشت در پشت۔ نسل در نسل انبوہ انسانی کو جنم دیتے آرہے ہیں جس کی نہ تو کوئی منزل ہے اور نہ ہی کوئی مقصد حیات۔ حالانکہ قرآن نے عورت کو برابر کا درجہ دیا ہے۔ وہ ازدواجی زندگی میں مرد کی زوج کے لفظ سے پکارتا ہے۔ یعنی دونوں ایک دوسرے کے مساوی، جیسے دن اور رات، گاڑی کے دو پہیئے یا جوتے کی جوڑی، ایک کے بغیر دوسری بالکل بے

ہندوستان میں مسلم معاشرہ، قرآن اور شریعت سے زیادہ روایات اور رواجوں کا پابند ہے۔ جسے ہم بدقسمتی سے اسلامی Culture اور مسلم تہذیب کا نام دیتے آئے ہیں۔ ہمارے نزدیک روایات سے انحراف ان کے اعتراف کے مماثل ہے۔ بزرگوں سے چلی آئی روایتوں اور از کار رفتہ رسومات میں پھنسا ہوا ہندوستانی مسلم معاشرہ اس عظیم ملک کا سب سے زیادہ پسماندہ سماج بن گیا ہے۔ عجیب بات تو یہ ہے کہ نئی خوشگوار تبدیلیوں سے ہم اپنا منہ موڑ لیتے ہیں کہ یہ تبدیلیاں ہمارے فرسودہ رواج سے میل نہیں کھاتی۔ لڑکیوں کی تعلیم اور انکے روزگار کا معاملہ ہو کہ مسلم عائلی مسائل یا اوقاف کی جائیداد کا تحفظ اور اس سے استفادہ کا معاملہ ان اہم مسائل کو بھی ہمارا معاشرہ 200 سال قبل کی عینک لگا کر دیکھتا ہے۔ شاید اس لئے ہم اپنے مسائل کا حل ڈھونڈ نہیں پاتے۔

کار خواہ وہ کتنی ہی قیمتی کیوں نہ ہو، استعمال کے ہی قابل نہیں رہے گی۔ افسوس کے اس طرف ہمارا معاشرہ توجہ ہی نہیں دیتا کہ عورت کو قرآنی حق دے جسے اللہ نے قرآن کریم میں امت مسلمہ کا سب سے اہم فریضہ " امر بالمعروف اور نہی المنکر " قرار دیا ہے یعنی اللہ تعالی نے کہا کہ یہ مومن مرد اور مومن عورتیں صلوۃ قائم کرے اور زکوۃ کا نظام برپا کرتے اور تمام امور کا آخری فیصلہ بھی قانون خداوندی کی رو ہی سے ہوگا۔ اور اس سے تو یہ بات صاف ظاہر ہوتی ہے کہ عورت بھی امور مملکت میں مرد کی برابر کی شریک رہی ہے۔ سوچئے ہمارا معاشرہ کتنی صدیوں سے قرآن کی ضد میں چل رہا ہے۔ جس کے نتیجہ میں اللہ کی پھٹکار ہم پر مسلط ہوتی جارہی ہے۔ ہماری ساری پستی اور اس کے مسائل و عوامل کا محور یہ ہی مصروفیات ہیں یہ ہی نظریات ہیں۔ جو ہمارے اسلاف کے خود ساختہ عقائد ہے۔

مفکر اسلام علامہ اقبال نے اپنے مشہور خطبات مدراس The Reconstruction of Islamic Thoughts میں اس طرف توجہ دلانے کی کوشش کی۔ میں اس مضمون کے ذریعہ اپنی ہم جنس بہنوں سے یہ کہنا چاہتی ہوں کہ اگر ہم عورتیں قرآن کے ان حقوق کو حاصل کرنے کا فیصلہ کرلیں جس پر نہ تو کسی مرد کا اختیار اور نہ ہی کسی مرد کی طاقت کے عورت کو قرآنی حقوق حاصل کرنے روک سکے۔ اگر آپ ایسا کریں تو کوئی شک نہیں کہ آپ بھی خود کو ایک مکمل مومن عورت کہنے میں فخر محسوس کریں۔ میں آپ سے یہ کہنا نہیں چاہتی کہ آپ مردوں سے بغاوت یا جنگ کا اعلان کریں کیونکہ اس کرہ ارض کا کوئی مرد عورت کے سہارا، رفاقت یا توجہ کے بغیر زندہ نہیں رہ سکتا۔ ماں کی آغوش، بہن کی توجہ، بیوی کی رفاقت اور بیٹی کا پیار مرد کی آخری سانس تک کسی نہ کسی شکل میں اس کے ساتھ رہتی ہے۔ اس طرح عورت باپ بھائی شوہر اور اولاد اور مرد کے سماجی سہارے کی محتاج گویا جنم جنم کے لئے دونوں ایک ہی مضبوط ڈوری میں بندھے ہیں جن سے نہ وہ الگ ہوسکتے ہیں اور نہ ہی الگ ہوکر جی سکتے ہیں۔ مرد اور عورت دونوں انسانی سماجی اور خون کے رشتوں کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں۔

مگر جہاں عورت کے حقوق کا سوال پیدا ہوتا ہے وہاں نہ تو کوئی قرآنی نظریہ لیا جاتا ہے اور نہ ہی کوئی شریعت کی پابندی کی جاتی ہے۔ بلکہ رسم و رواج بزرگوں کے چلائے ہوئے طریقہ، ہماری خاندانی روایات اس طرح کے نام نہاد ڈھکوسلوں کے سہارے معاشرے کی نصف آبادی کو جائز حق سے محروم کردیا جاتا ہے بلکہ اس کی فکر و سوجھ بوجھ پر بھی پابندی لگا کر معاشرے کو پسماندگی میں ڈالتے چلے جارہے ہیں۔ جب تک اپنے معاشرہ کو قرآن کی ہدایت کے مطابق ڈھالیں گے نہیں تو ہم صرف اور صرف تاریکی میں گرتے چلے جائیں گے۔

"عورت":

عورت جو رنگ ہی نہیں بلکہ تہذیب و تمدن بھی امن و سکون بھی، محبت و عزت اور عظمت و انسانیت بھی صرف اور صرف عورت کے دم قدم پر ہے۔ تو کیا یہ صرف لفظوں کا جال ہے۔ جن سے عورت خوش فہمی کا شکار رہے یا پھر خدمت گذار اور خادمہ بنا کر پیدا کی گئی یا اس کے اوپر بھی کچھ ذمہ داری ہے۔ جسکا پورا کرنا اسکا حق اور فرض دونوں ہیں۔ جبکہ ہمارا معاشرہ بیٹی، بہن کو ذمہ دار باشعور شہری بنانے کی کوشش ہی نہیں کرتا۔ جسکی وجہ سے آئے دن گھریلو جھگڑے نان نفقہ کے مقدمات میں معاشرہ کی توہین ہوتی رہی ہے جسکی وجہ سے گھر کا سکون ہی تباہ نہیں ہوتا بلکہ خاندان کی خوشحالی بچوں کی تعلیم و تربیت پر بھی بہت گہرا اثر پڑتا ہے۔ بیٹی بہن اور ماں میں خود اعتمادی پیدا کرنے کے لئے ضروری ہے کہ ہم بچپن سے ہی ان کو واقف کرائیں کہ اللہ نے ان کو کیا کیا ذمہ داری سونپی ہے۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ ایک سنجیدہ بھائی، شوہر اور باپ مخلص سربراہ خاندان ہی نہ ہوں بلکہ قرآن فہم مرد بھی ہوں۔ تب ہی مسلم خاتون اسلامی معاشرہ کی سنگ بنیاد بن سکے گی۔ جب تک اس میں قرآنی اوصاف پیدا نہ ہو جسکا مطالبہ قرآن کرتا ہے اس وقت تک یہ ہمارے معاشرہ پر اللہ کی پھٹکار رہے گی۔ کوئی وعظ کوئی تحریک کوئی مضمون جو قرآن کے مدمقابل آئے گا۔ وہ ہمارے معاشرے کو صرف اور صرف تاریکی میں ڈبوتا چلا جائے گا۔ جب تک مسلم خاتون میں جرات پیدا نہ ہو اور احساس کمتری سے نہ نکلے اس وقت تک مسلم معاشرے کا سدھار مکمل ہی نہیں۔ جستجو اور کوشش سے قرآن کو اپنے روح میں سمٹ لو ورنہ اس وقت تک اللہ کی ہدایت سے محروم رہیں گے۔ اب میں کیا کیا عرض کروں کہ وہ پردے کی بات ہو یا تحفظ عصمت کی، زیب و زینت کی بات ہو یا فیشن کی، ایک سے زیادہ شادیوں کا ذکر ہو یا نابالغوں کی شادیوں کا اور تین طلاق اور عدت کا ہر جگہ ہر مقام پر "قرآن کے احکامات" اور ان کی تفسیر میں دن اور رات کا فرق نظر آتا ہے۔ قرآن کچھ کہتا ہے مرد کا ظالم سماج کچھ اور تفسیر پیش کرتا ہے۔

صرف اتنی گزارش ہیکہ جو کچھ ہورہا ہے اس پر غور کیجئے اس کو قرآن کی کسوٹی پر پرکھ لیجئے۔ روایات پر سر دھننے کے بجائے قرآن کو پڑھنے سمجھنے اپنے مقام کو جانتے اپنے حقوق سے آگاہی حاصل کیجئے۔ یقین کیجئے اطاعت اور فرمانبرداری صرف اور صرف اللہ ہی کے قانون کی ہونی چاہئے۔ کسی انسان کو یہ حق حاصل نہیں کہ وہ دوسرے انسان کی اطاعت کرے۔ یہی "لا الہ اللہ" کا مفہوم اور یہی دین اسلام کا تقاضا ہے۔

ooooo

محمد فضل الرحمن فضل

قطروں کا المیہ

ہزاروں لاکھوں کروڑوں قطرے
جو متحد ہوں تو وہ سمندر

کہ جس سے ہیبت زدہ ہو صحرا
تمازتِ آفتاب خوف کھائے

مخالفت کا پہاڑ کوئی جو سر اٹھائے تو ڈوب جائے

مگر یہ قطرے،
ہزاروں لاکھوں کروڑوں قطرے
الگ الگ ہیں ہزاروں سمتوں میں منتشر ہیں

ہزاروں بزموں ہزاروں ازموں ہزاروں ناموں
کی منحوس قید میں مقید
ہزاروں کوچوں ہزاروں گلیوں میں دربدر ہیں
اور اپنی حالت سے بے خبر ہیں

مہیب صحرا کی ریت ان کو
مکمل اپنے میں جذب کرنے کو بڑھ رہی ہے
تمازتِ آفتاب ان کو چاٹتی ہے
درندے خونخوار عصبیت کے
انھی کو پی پی کے جی رہے ہیں
مگر یہ کب تک؟

میں سوچتا ہوں
اب آپ سوچیں
علاج سوچیں
کل نہیں آج سوچیں
عمل کا میدان کھلا ہوا ہے

غلام محی الدین

کوچنگ سنٹرز۔ تعلیمی نظام کالازمی حصہ

ہر ملک کے بنیادی مسائل میں تعلیم کا مسئلہ اہم ترین ہوتا ہے اور جب تعلیم کا تذکرہ ہوتا ہے تو تعلیمی نظام، اساتذہ اور تعلیمی اداروں کا ذکر ضرور ہوتا ہے۔ زیر نظر فیچر میں ہمارا موضوع وہ تعلیمی ادارے ہیں جنہیں ہم ٹیوشن سنٹرز اور کوچنگ سنٹرز کے نام سے جانتے ہیں۔ ہم دیکھ رہے ہیں کہ ان اداروں کی تعداد میں دن بہ دن اضافہ ہوتا چلا جارہا ہے اور ایسا محسوس ہورہا ہے کہ یہ ادارے ہمارے ان روایتی تعلیمی اداروں کی جگہ لیتے جارہے ہیں جنہیں اسکول اور کالج کہا جاتا ہے۔ کوچنگ سنٹرز اور ٹیوشن سنٹر ہمارے تعلیمی نظام کا لازمی حصہ بن کر رہ گئے ہیں۔ ان کی ضرورت کیوں پیش آئی اور انہیں فروغ کیوں حاصل ہوا، اس کا بہ ظاہر سیدھا سادا جواب یہ ہے کہ ہمارے روایتی تعلیمی اداروں کی کارکردگی خراب ہوگئی ہے۔ ان اداروں میں طالب علم کچھ حاصل کرنے کے لئے جاتا ہے۔ تعلیم دینے والے اساتذہ کی اہمیت کو بھی ہر دور میں نظر انداز کیا گیا۔ اساتذہ کو ذہنی سکون اور مالی آسودگی فراہم نہیں کی گئی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ انہوں نے اضافی آمدنی کے ذرائع تلاش کرنا شروع کردئے۔ دوران ملازمت انہیں ایسے مسائل میں الجھادیا گیا کہ ایک مرتبہ ڈگری لینے کے بعد انہیں تمام زندگی دم مارنے کی مہلت نہیں ملتی اور وہ اپنے علم میں آنے والے وقت اور حالات کے مطابق کسی قسم کا اضافہ کرنے سے قاصر رہتے ہیں۔

اساتذہ کی حالت بہتر بنانے پر کوئی توجہ نہ دی گئی اور نہ ہی ان کی اہمیت کو تسلیم کیا گیا، جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ ہمارے تعلیمی ادارے روبہ زوال ہونا شروع ہوگئے۔ اس صورتحال کا سب سے زیادہ نقصان طالب علموں کو پہنچا، یعنی بے چارا طالب علم اس طبقے کا فرد بن کر رہ گیا، جس کا تعلیم کچھ بھی نہیں بگاڑ سکتی۔ تعلیمی اداروں کی ناقص کارکردگی نے طالب علموں کو کچھ دینے کی بجائے ان سے ان کا قیمتی وقت اور سرمائے کے علاوہ اس کا بہت کچھ چھین لیا۔ غرض ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا کہ جس کو کوچنگ سنٹرز اور ٹیوشن سنٹرز کے ذریعے پر کرنے کی کامیاب یا ناکام کوشش کی گئی۔ اب صورتحال یہ ہے کہ اخبارات میں درجنوں اشتہارات ہماری نظر سے گزرتے ہیں، جن میں پہلی جماعت سے انٹر کلاسز تک ٹیوشن کے علاوہ پروفیشنل اور ٹکنیکل کالجوں میں یا معیاری کالجوں میں داخلوں کے لئے ٹسٹ کی تیاریاں کرانے اور سوفیصد کامیابی کے دعوے بھی کئے جاتے ہیں۔

سرکاری کالجوں اور اسکولوں کے ٹیچرز اور لیکچرز اپنے اثر ورسوخ اور دباؤ کے ذریعے طلباء کو پرائیوٹ کوچنگ سنٹرز میں داخلہ لینے پر مجبور کرتے ہیں۔ خصوصا سائنس کی تعلیم دینے والے اداروں میں طالب علموں کو سالانہ عملی امتحانات کے موقع پر ڈرا دھمکا کر مجبور کیا جاتا ہے کہ وہ ان کوچنگ سنٹرز میں داخلہ لیں جہاں مذکورہ استاد پڑھاتا ہے۔

۔شہر میں دو طرح کے کوچنگ سنٹرز زیادہ تعداد میں قائم ہیں اور 70 فیصد تعداد کا تعلق سائنس اور کامرس کی تعلیم سے ہے"۔ یہ درست ہے کہ سائنس اور کامرس کے ٹیچرز نے ایک لابی بنار کھی ہے جو ان حالات سے باخبر بھی ہے۔ وہ حالات کو مدنظر رکھتے ہوئے ایسے نوٹس تیار کراکے طالب علموں کو فراہم کرتے ہیں جن کی بنیاد پر کامیابی کا راستہ ہموار ہوجاتا ہے۔ کوچنگ سنٹرز کا کاروبار منفعت بخش بن چکا ہے، لہذا سائنس اور کامرس کالجوں کے زیادہ تر اساتذہ شام کو کوچنگ سنٹرز چلاتے ہیں یا ان میں پڑھاتے ہیں۔ ان اداروں کے بارے میں بے شمار ایسی اطلاعات بھی آتی رہتی ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ ان کے بورڈز اور جامعات میں رابطے ہیں۔ کوچنگ سنٹرز اور اس کے طرز پر ادارے اب بہت مضبوط ہوچکے ہیں اور ان پر پابندی عائد کرنا بہ ظاہر ممکن نظر نہیں آتا، کیوں کہ ایسا کوئی قانون نہیں ہے جس کے تحت انہیں روکا جاسکے۔ تمام بورڈز، جامعات اور اعلی حکام ان اداروں کے بارے میں پوری معلومات رکھتے ہیں جو پرچے آؤٹ کرانے یا ناجائز ذرائع سے طالب علموں کو پاس کرانے کے کاموں میں ملوث ہیں، مگر ان کے خلاف کارروائی سے معذور ہیں، اب تو میڈیکل اور انجینئرنگ کالجوں میں داخلوں کی تیاری کے لئے کوچنگ سنٹرز کھل گئے ہیں اور یہ واضح ہے کہ انہیں چلانے والوں کی اکثریت پروفیشنل تعلیمی اداروں کے اساتذہ کی ہے"۔

ٹیوشن سنٹرز کیوں پروان چڑھے ؟

ہمارے تعلیمی نظام کی خرابی یہ ہے کہ ہم نے ان لوگوں کو ٹیچرز بنادیا ہے جو کچھ اور نہیں کرسکتے تھے

اور اس شعبے میں آگئے ۔ جو اچھے ٹیچرز ہیں، وہ کلاس روم میں طالب علموں کی ذہنی سطح کو ملحوظ نہیں رکھتے ۔ ان کے مزاج کو نہیں سمجھتے ۔ کالج کے اساتذہ کلاس میں لیکچر دینا اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ ان کو اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ ان کے لیکچر پر کتنا فالو اپ مل رہا ہے ۔ نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ طالب علموں کی بڑی تعداد لیکچر سمجھ ہی نہیں پاتی ۔ دوسری طرف طالب علموں کا رویہ یہ ہے کہ ان کی اکثریت کالج کو انجوائے کرنے کی جگہ سمجھتی ہے ۔ جن کالجوں میں طالب علم کلاسوں میں حاضر ہوتے ہیں۔ وہاں صورت حال یہ ہوتی ہے کہ ہر کلاس میں سو سوا سو لڑکے ہوتے ہیں۔ لیکچرار کتنا ہی چلائے ، وہ اپنی آواز پیچھے بیٹھے طالب علموں تک نہیں پہنچا سکتا ۔ ان تمام حالات کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ سال گزر جاتا ہے مگر طالب علم کے پلے کچھ بھی نہیں پڑتا ۔ اس کمی کو پورا کرنے کے لئے وہ کوچنگ سنٹرز کی طرف دوڑتا ہے ۔ کوچنگ سنٹرز میں وہ توجہ اس لئے دیتا ہے کہ وہاں ہر مضمون کے لئے وہ بھاری فیس دیتا ہے ۔ ٹیچرز بھی محنت کرتے ہیں، کیونکہ انہیں معلوم ہے کہ نتیجہ اچھا نہ نکلا تو سنٹر کا مالک اس کی چھٹی کردے گا ۔ بعض سنٹروں پر بہت ہی اچھے اساتذہ آجاتے ہیں اور کبھی یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ اگر کسی اچھے استاد نے ٹیوشن سنٹر یا کوچنگ سنٹر چھوڑ دیا تو طالب علم بھی وہ ادارے چھوڑ جاتے ہیں"۔

"اگر کالجوں کا نظام درست کردیا جائے اور وہاں طالب علموں پر بھرپور توجہ دی جائے تو ان اداروں کی ضرورت ہی باقی نہیں رہے گی ۔ لہذا ان اداروں کو یا ان کی انتظامیہ کو کوئی الزام دینے کی بجائے تعلیمی نظام درست کرنے پر توجہ دینی چاہیے ۔

کوچنگ کی ضرورت کیوں پڑتی ہے ؟

اس سوال کے جواب میں ایک کوچنگ سنٹر میں تدریسی فرائض انجام دینے والے ایک ٹیچر نے کہا "ماضی میں وہ طالب علم جو نالائق ، کند ذہن یا کمزور ہوتے تھے یا غیر معیاری اسکولوں میں پھنس جاتے تھے صرف انہیں کوچنگ کی ضرورت پڑتی تھی ۔ ہمارے ہاں ہمیشہ سے یہ رجحان رہا کہ معیاری کالج ، اچھے اور اعلیٰ ذہن کے نوجوانوں کو

لے لیتے ہیں ۔ یہ وہ نوجوان ہوتے ہیں جنہیں کوچنگ یا ٹیوشن کی ضرورت پیش نہیں آتی بلکہ وہ خود دوسروں کو ٹیوشن پڑھا سکتے ہیں ۔ ہم یہ بھی دیکھ رہے ہیں کہ اچھے ادارے اپنی تعلیمی ذمہ داریاں پوری نہیں کررہے ۔ دوسری طرف ٹیچرز کو بھی اطمینان نہیں ہے ۔ یہ بھی ہوا ہے کہ اس پیشے میں معیار یا میرٹ کی بجائے تعلقات اور سفارشوں پر بھرتیاں ہوئی ہیں۔ لہذا تعلیمی ماحول خراب ہوتا چلا گیا اور ادارے بھی تباہ ہوتے گئے ۔ بیشتر ٹیچرز ایسے ہوتے ہیں، جن میں سمجھانے کی صلاحیت بالکل نہیں ہوتی ۔ حالانکہ ان کے پاس اعلیٰ تعلیمی ڈگریاں ہوتی ہیں ۔ غیر معیاری ٹیچرز نے ہمارے تعلیمی نظام کا ستیاناس کیا اور تعلیمی اداروں کو تباہ کرنے کا سبب بھی بنے ۔ ایک نامکمل ٹیچر پورے ادارے کو مکمل طور پر تباہ کردیتا ہے ۔

کالجوں میں حاضریوں کی تعداد دن بہ دن کم ہوتی جارہی ہے مگر اساتذہ اس صورت حال کو صرف اس لئے مانیٹر نہیں کررہے کہ انہوں نے طالب علموں کو کالجوں میں حاضری پر مجبور کیا تو کوچنگ سنٹرز میں کون جائے گا اور اس کی ضرورت ہی کیوں پیش آئے گی۔

بعض کوچنگ سنٹرز کے مالکان جان بوجھ کر طالب علموں کو یہ تاثر دیتے ہیں کہ ان کے ٹیچرز میں سے بعض امتحانی پرچے بناتے ہیں۔

شہر میں ایسے اداروں کی بھی بھرمار ہے ، جو ان دنوں پروفیشنل کالجوں ، اور بیرون ملک تعلیمی اداروں میں داخلوں کے لئے طلبہ کو تیاری کراتے ہیں ۔ کئی ادارے شہر کے اعلیٰ اسکولوں میں داخلوں کے لئے ابتدائی کلاسوں کے بچوں کو بھی تیاری کرانے کا کاروبار کررہے ہیں۔

گھروں پر ٹیوشن فراہم کرنے والے اداروں کے اشتہارات بھی اخبارات میں بے

شمار ہوتے ہیں ، ایک بینکار نے بتایا کہ ان اداروں کے ذریعے لوٹ مار کا ایک نیا سلسلہ شروع کیا گیا ہے ۔ ہم نے گزشتہ سال اپنے بیٹے کو ٹیوشن پڑھوانے کے لئے ایسے ہی ایک ادارے سے رابطہ کیا ۔ اس ادارے سے یکے بعد دیگرے چار ٹیوٹر ہمارے گھر بھیجے گئے ۔ ہم نے اطمینان کرنے کے بعد ایک صاحب کو ٹیوشن پڑھانے کے لئے رکھ لیا ۔ ماہانہ فیس تین ہزار روپے طے ہوگئی ۔ چند ہی دن گزرے تھے کہ ایک دن ادارے کے کسی فرد کا ٹیلی فون آیا کہ براہ کرم ٹیوٹر کو ٹیوشن فیس ایڈوانس دے دیں ۔ ہم نے فیس ٹیوٹر کو ادا کردی ۔ اسی دن سے وہ حضرت غائب ہوگئے ۔ ہم نے ادارے سے رابطہ کیا تو پتہ چلا کہ وہاں سے ایسا کوئی فون نہیں کیا گیا تھا ۔ غالبا ان ٹیوٹر نے اپنے کسی جاننے والے کے ذریعے فون کرادیا تھا اور رقم لے کر رفوچکر ہوگئے ۔

آج کل یہ سلسلہ زیادہ رواج پارہا ہے ، اس کی وجہ یہ ہے کہ اب کوچنگ سنٹرز میں بھی کالجوں جیسی صورت حال ہوتی جارہی ہے اور بعض والدین جو اپنے بچوں کے اضافی تعلیمی اخراجات برداشت کرسکتے ہیں ، چاہتے ہیں کہ انہیں انفرادی توجہ ملے ، وہ یہ بھی چاہتے ہیں کہ ان کے بچے ان کی نظروں کے سامنے رہیں ۔ اس دوران بچے پر نظر رکھنے کے علاوہ ٹیوٹر پر بھی نظر رکھ سکتے ہیں کہ وہ کس قدر محنت سے پڑھا رہا ہے ۔ اپنے اس ذاتی اطمینان کے لئے بعض والدین کوئی بھی قیمت ادا کرنے پر تیار رہتے ہیں۔

☆☆☆

ایکو گلوبلائزیشن کے تقاضوں سے ہم آہنگ نہیں

یہ اہم تجارتی واقتصادی اتحاد ابھی تک عملی افادیت ثابت نہیں کرسکا

شعیب واجد

کچھ عرصہ قبل جب ایکو (اکنامک کارپوریشن آرگنائزیشن) کاقیام عمل میں آیا تھاتو بہت سے حلقوں اور خطے کے باشعور عوام کے لئے یہ خبر بڑی طمانیت کی باعث تھی، کیونکہ اس سے اس خطے کے عوام کے تاریخی رشتے بحال ہونے کا امکان نظر آرہا تھا اور جنوبی ایشیا، وسطی ایشیا اور کاکیشیائی علاقے کے پرانے روابط دوبارہ تشکیل پاتے نظر آرہے تھے۔ ان تینوں خطوں کے دس ممالک، جو مسلمان ہیں اور ان کے درمیان کوئی سرحدی رکاوٹ بھی حائل نہیں، میں پاکستان، ایران، ترکی، افغانستان، قازقستان، ترکمانستان، آذر بائی جان، کرغیزستان، ازبکستان اور تاجکستان شامل ہیں۔ اس اقتصادی اتحاد کے بنیادی مقاصد کا فروغ بہت اہمیت کا حامل ہے۔

کسی خطے کی اقتصادی ترقی کے لئے اس کی جغرافیائی حیثیت بڑی اہمیت کی حامل ہوتی ہے، چنانچہ ایکو ممالک کا علاقہ اپنے جغرافیہ کے لحاظ سے بے مثال ہے۔ ایکو کی شمالی سرحدیں قازقستان کی صورت میں روس کو چھوتی ہیں جو رقبے کے لحاظ سے اب بھی دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے اور صنعتی لحاظ سے آٹھ بڑے ترقی یافتہ ممالک (G8) میں شامل ہے۔ وسطی ایشیائی ممالک اور ایران کے روس کے ساتھ قریبی تعلقات ہیں، اس طرح ایکو کے فعال ہونے کی صورت میں روس کے ساتھ اس کی پارٹنرشپ دنیا کی اسٹریٹیجک پوزیشن تبدیل کرسکتی ہے اور ایکو ٹکنالوجی کے میدان میں رکن ممالک روس سے خاصی مدد حاصل کرسکتے ہیں۔

ایکو کی شمال مشرقی سرحدیں دنیا کے عظیم ملک چین سے ملتی ہیں، جہاں پاکستان، تاجکستان، کرغیزستان اور قازقستان، چین کے پڑوسی ممالک ہیں۔ یہ بات بڑی خوش آئند ہے کہ چین کے ایکو ممالک کے ساتھ بڑے خوشگوار اقتصادی، سیاسی اور ثقافتی تعلقات ہیں اور ایکو اتحاد چین کا ایک بہترین اقتصادی پارٹنر ثابت ہوسکتا ہے۔ روس اور چین کے ساتھ ایکو کی قریبی دوستی ان ممالک کے عوام کی حالت بدل دے گی۔

ایکو کا مغربی علاقہ ترکی کی صورت میں یورپ کے بے حد قریب ہے جہاں اس کی سرحدیں براہ راست یورپ، بحیرہ اسود اور بحیرہ روم کو چھوتی ہیں۔ یہاں سے ایکو کی سرحدیں روم اور یوروپی یونین سے بے حد قریب ہیں اور شمالی افریقہ بھی زیادہ دور نہیں۔ اس کے علاوہ تیل کی دولت سے مالا مال بحیرہ کیسپئن تقریبا ایکو کے وسط میں واقع ہے۔ یہ ایک خاصا بڑا سمندر ہے جو چاروں طرف زمین ہونے کے باعث "جھیل" بھی کہلاتا ہے۔ اس کا رقبہ تقریبا سات لاکھ مربع کیلو میٹر ہے۔ اس کے اطراف میں ایران، آذر بائیجان، روس، قازقستان اور ترکمانستان واقع ہیں، جو اس کے وسائل میں حصے دار ہیں۔

ایکو کی جغرافیائی اہمیت کے تذکرے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اگر یہ اتحاد فعال ہوجائے تو بہت جلد آسیان اور یوروپی یونین کی مانند موثر اقتصادی اتحاد بن سکتا ہے اور اہم اسٹریٹیجک پوزیشن کے باعث عالمی سیاسیات میں بھی نمایاں کردار ادا کرسکتا ہے۔ ایکو ممالک کا رقبہ تقریبا 70 لاکھ مربع کیلومیٹر جب کہ آبادی چالیس کروڑ کے لگ بھگ ہے جس میں پچانوے فیصد مسلمان بستے ہیں۔ یہ علاقہ قدرتی وسائل سے مالا مال ہے اور صنعتی میدان میں آگے بڑھنے کی پوری صلاحیت رکھتا ہے۔ زراعت کے میدان میں بھی خود کفیل ہے، اس طرح اس خطے میں ایک مضبوط اقتصادی بلاک بننے کی پوری صلاحیت موجود ہے۔

ایکو ممالک جو ابھی تک کوئی ایسا ٹھوس قدم نہیں اٹھاسکے جس کے باعث یہ ممالک ایک دوسرے پر انحصار کرنے لگیں اور باہمی ضرورت بن جائیں۔ اس ضمن میں یوروپی یونین کی مثال سامنے رکھی جاسکتی ہے جس نے ابتدائی طور پر کوئلے اور لوہے کی پیداوار اور صنعت سے متعلق تنظیم یوروپئن کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی بناکر اقتصادی تعاون کا آغاز کیا تھا اور لوہے اور کوئلے کی پیداوار اور صنعت سے متعلق امور ایک مشترکہ اتھارٹی کے کنٹرول میں دے دئے تھے، یہ ایک ٹھوس تعاون کی شروعات تھیں، چنانچہ اس ضمن میں ایک تجویز یہ ہے کہ ایکو ممالک سب سے پہلے تیل و گیس کے شعبے میں ایک ایسی ہی مشترکہ اتھارٹی قائم کریں جو اس خطے میں تیل و گیس کی پیداوار اور صنعت کو کنٹرول کرے۔ یکساں قیمتیں نافذ کرے۔ رکن ممالک کے درمیان تیل و گیس سے متعلق اقتصادی رکاوٹیں یعنی ٹیرف وغیرہ ختم کئے جائیں یوں یہ ملک پہلی مرتبہ کسی مضبوط رابطے سے منسلک ہوجائیں گے اور ٹھوس اقتصادی تعاون کا آغاز ہوگا۔ واضح رہے کہ یہ خطہ (ایکو) تیل و گیس کے ذخائر سے مالامال ہے اور اس تجویز پر عمل کی صورت میں اسے دنیا میں مرکزی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے۔

1952ء میں کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی (ECSC) کے قیام اور اس کی کامیابی کے بعد 1957ء میں یوروپی کمیونٹی نے اس اتحاد کو دوسرے شعبوں تک وسعت دے دی اور کمیونٹی کو کسٹم یونین کا درجہ دے دیا۔ چنانچہ اگر تیل و گیس کے شعبے میں ایکو ممالک کامیابی سے ہمکنار ہوتے ہیں تو بعد میں اس اتحاد کو فری ٹریڈ ایریا یا کسٹم یونین کی شکل دینے پر بھی غور ہوسکتا ہے۔ اسی طرح آگے بڑھتے بڑھتے یوروپی یونین آج اکنامک اینڈ مانیٹری یونین (EMU) میں تبدیل ہوچکی ہے اور وہاں مشترکہ کرنسی یورو رائج ہے، چنانچہ ایکو ممالک کا اتحاد بھی اگر اسی طرح برقرار رہا تو ایک نہ ایک دن سنگل کرنسی کی منزل حاصل کرے گا۔

یوروپی یونین نے دنیا میں نمایاں

حیثیت اقتصادی اتحاد کی یہ دولت ہی حاصل کی ہے ۔ یہ خطہ اقتصادی لحاظ سے امریکہ کے ہم پلہ ہوگیا ہے اور دنیا کی سیاست میں بھی اپنا کردار ادا کرنے کے لائق ہوگیا ہے ۔

آنے والا دور عالم گیریت کا دور ہے جس میں آزاد تجارت کے باعث مقابلہ اپنے عروج پر ہوگا ، چنانچہ اس مقابلے میں بھرپور حصہ لینے کے لئے بھی یہ ضروری ہے کہ ایکو ممالک ابھی سے ٹھوس اقدامات کا آغاز کریں اس ضمن میں سب سے اہم بات یہ ہوگی کہ جن شعبوں میں ایکو کو مہارت حاصل ہے ، ان پر بھرپور توجہ دی جائے تاکہ نہ صرف وہ صنعتی اور زرعی اعتبار سے خطے کے عوام کی ضرورت پوری کرسکیں ، بلکہ عالمی منڈی میں بھی اپنی جگہ بناسکیں۔ صنعتی میدان میں اشیائے صارفین کی طلب پر توجہ دینے کی ضرورت ہے ، اسی طرح زراعت میں بھی خود کفیل ہونا ضروری ہے ، بلکہ اس کی برآمدات میں بھی اضافہ ضروری ہے ۔ معدنیات کے میدان خصوصاً تیل و گیس کے شعبے میں فوری طور پر ایک مشترکہ مارکیٹ کا قیام بہت ضروری ہے ، یہ ہی وہ شعبہ ہے جو نہ صرف اس خطے کے عوام کی حالت بدل سکتا ہے ، بلکہ ایکو کو دنیا میں مرکزی اہمیت دلاسکتا ہے ۔ ویسے بھی عالمی مبصرین اس خطے کی اہمیت کے باعث یہاں افغانستان ، ازبکستان ، پاکستان اور جارجیا میں امریکی فوجوں کی موجودگی کو معنی خیز قرار دے رہے ہیں اور دہشت گردی کے خلاف جنگ کے بہانے امریکی فوجوں کی یہاں آمد کو وسطی ایشیا کے تیل و گیس کے ذخائر پر قبضے کی خواہش سے تعبیر کررہے ہیں۔

ماہرین کا خیال ہے کہ آزاد تجارت کے دور میں جب دنیا کو تیل و گیس کے نئے ذخائر سے استفادے کی ضرورت ہوگی ۔ مغربی دنیا کے لئے تیل و گیس کی بلا رکاوٹ فراہمی کے لئے امریکی فوجوں نے اس علاقے میں قیام کا فیصلہ کرلیا ہے جس طرح اسرائیل کی صورت میں امریکہ پچاس برس سے مشرق وسطی میں موجود رہا اور مغربی دنیا نے مشرق وسطی کے تیل کے ذخائر سے بھرپور فائدہ اٹھایا۔ دوسری طرف مغربی دنیا کی صنعتی پیداوار کی کھپت کے لئے اسے نئی منڈیوں کی تلاش ہے ، چنانچہ اس خطے میں جس کی آبادی چالیس کروڑ کے لگ بھگ ہے ، مغربی ممالک کے لئے خاصی کشش ہے ۔ دوسری طرف سے خطے کی منفرد جغرافیائی صورتحال بھی عالمی طاقتوں کے لئے دلچسپی کا باعث ہے ، کیونکہ ایکو کے چاروں طرف اہم ممالک واقع ہیں۔ عالم گیریت کے مقابلے کے لئے ایکو ممالک کے درمیان اتحاد و تعاون کے علاوہ چین کے ساتھ تعلقات کی بڑی اہمیت ہوگی ۔ چین ، مستقبل کی سب سے بڑی اقتصادی طاقت ہے ، چنانچہ ایکو کا چین سے قریبی رابطہ بہت سی ایسی ضروریات پورا کرنے کا سبب بنے گا جس کے لئے دونوں خطوں کو دوسری طرف دیکھنا پڑتا ہے ۔ وسطی ایشیا اور چین کے درمیان تاریخی اعتبار سے بھی پرانے رشتے قائم ہیں ۔ چینی سنکیانگ (کاشغر) وسطی ایشیا کا حصہ رہا ہے اور چین کا مسلم اکثریتی صوبہ ہے ۔

ایکو ممالک کا یہ مجوزہ اتحاد انفرادی طور پر بھی ہر ملک کے لئے بے شمار فوائد کا باعث بن سکتا ہے ۔ مثال کے طور پر اگر تیل و گیس کے شعبے میں مشترکہ منڈی قائم ہوجاتی ہے تو یہ ان ممالک ، جو گیس کی دولت سے مالا مال ہیں ، مثلاً پاکستان ، ترکمانستان ، اور ایران کے لئے معقول آمدنی کا سبب بنے گی ۔ اسی طرح اس خطے کے تیل سے مالا مال ممالک مثلاً ایران اور آذر بائیجان وغیرہ تیل کی آمدنی سے معقول آمدنی حاصل کرسکیں گے جب کہ رکن ممالک کو یہ تیل مناسب داموں دستیاب ہوگا ۔ اسی طرح اس خطے کی تیل کی مجموعی پیداوار اور برآمدات خطیر زرمبادلہ کا باعث بھی بنیں گی ۔ اس کے علاوہ قازقستان جیسے ممالک اپنی ٹکنالوجی میں برتری سے ایکو ممالک کو فائدہ پہنچاسکتے ہیں اور خود بھی معقول آمدنی حاصل کرسکتے ہیں ۔ افغانستان بہت سے پھلوں کی طلب پوری کرکے نہ صرف اپنے لئے ذریعہ آمدنی حاصل کرسکتا ہے بلکہ خطے کی زرعی ضرورتوں کو پورا کرنے میں بھی اہم کردار ادا کرسکتا ہے ۔ ترکی دفاعی میدان میں ناٹو کا رکن ہونے کے ناطے ایکو ممالک کو اپنے تجربات و ٹکنالوجی سے فیضیاب کرسکتا ہے ۔

گلزار احمد قریشی

ٹکنالوجی کے رجحانات

کہتے ہیں کہ امریکیوں اور جاپانیوں میں اپنی ٹکنالوجی اور ہنرمندی کی برتری اور عمدگی کے بارے میں بحث چل نکلی۔ امریکیوں نے سونے کی ایک تار انسانی بال سے 100 واں حصہ باریک بنائی اور چاندی اور شیشے کی ڈبیا میں رکھ کر یہ کہہ کر جاپانیوں کو بھجوائی کہ "یہ ہمارا ہنر ہے" جاپانیوں نے کچھ دیر غور کرنے کے بعد اس باریک تار میں سوراخ نکالا اور امریکیوں کو بھجوادیا کہ "یہ ہمارا ہنر ہے"۔

ٹکنالوجی کو پچھلے تیس سالوں میں جو عروج اور فروغ حاصل ہوا ہے وہ گذشتہ 5000 پانچ ہزار برس میں نہیں ہوا۔ ٹکنالوجی میں موجودہ فروغ خلائی دور کی جدید تحقیقی کاوشوں کا مرہون منت ہے۔ خلا میں بھجوائے جانے والے سیارچوں کا وزن کم کرنے کیلئے خلائی تحقیق کا بنیادی مقصد یہ تھا کہ سیارچوں میں استعمال ہونے والے پرزوں کی کارکردگی بڑھانے کے ساتھ ساتھ ان کا وزن اور حجم بھی مختصر کیا جائے تاکہ سیارچے کو خلا میں پہنچانے کی لاگت کم آئے۔ اس طرح ٹکنالوجی کو حیرت انگیز اور غیر معمولی کامیابی حاصل ہوئی۔ اس طرح فروغ اور ترقی کا صدیوں کا سفر برسوں میں طے ہوگیا۔ شنید ہے کہ ابھی تک مجموعی خلائی تحقیق کا صرف دس فیصد تجارتی مقاصد کیلئے عام کیا گیا ہے۔ جس سے ہماری زندگیوں میں ایک انقلاب آگیا ہے۔ اشیائے صرف کی عمدگی اور ماہیت میں نمایاں فرق پیدا ہوا ہے قیمتوں میں قابل ذکر کمی ہوئی ہے۔ اور گھریلو استعمال کے سامان میں جدت طرازی اور عمدگی کے باعث زندگی آسودہ بہتر اور زیادہ اطمینان بخش ہوگئی ہے۔ یہ سوچ کر کہ جب باقی ماندہ 90 فیصد محفوظ تحقیقی نتائج عام ہونگے تو انسانی زندگی میں ایسا حیرت انگیز انقلاب آئے گا کہ عقل انسانی سراپا تحیر بن جائے گی۔ ہماری عقل اس وقت اس کا تصور بھی نہیں کرسکتی۔ اس وقت یہ بات ہمارے تصور میں بھی نہیں آسکتی کہ جب مستقبل میں ٹکنالوجی بہت ترقی کرلے گی اور بہت عام ہوجائے گی۔ تو ہماری زندگی کے انداز اور معیار زندگی پر کتنے خوشگوار اثرات مرتب ہونگے۔ اور ہماری ملازمتوں اور پیشوں کی نوعیت کس قدر تبدیل ہوجائے گی۔

آج سے پچاس ساٹھ برس قبل جب ریڈیو ایجاد ہوا تھا تو اس کا حجم آج کے درمیانہ سائز کے فرج (Fridge) سے کم نہیں تھا اور اس میں استعمال ہونے والی ٹیوبیں (VaccumTubes) بڑی بڑی ہوتی تھیں۔ وقت کے ساتھ ساتھ ٹکنالوجی نے ترقی کی اور ٹرانسزٹر (Transistor) دریافت ہوگیا اور ایک Transistor کی کارکردگی 1700 (Vaccum Tubes) ٹیوبوں کے برابر تھی۔ اس طرح ریڈیو قد قامت میں چھوٹا اور قیمت میں سستا ہونا شروع ہوگیا۔ ٹکنالوجی نے مزید ترقی کی تو پرنٹڈ سرکٹ بورڈ (PrintedCircuit

IntegratedCircuits) اور (Boards) انٹیگریٹڈ سرکٹ کا دور آگیا ۔ ایک .I.C کی صلاحیت اور استعداد اس وقت 2000 ٹرانسزٹرز Transistor کے برابر تھی اور اب تو نہ جانے اس کی استعداد انسانی سوچ سے کتنا آگے جاچکی ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ آج کل ریڈیو حجم میں نہایت چھوٹے اور قیمت میں سستے ہوگئے ہیں ۔ ٹرانسمیٹر اور مائیکرو فون کوٹ پر لگے بٹن کے سائز میں استعمال ہورہے ہیں۔

ہمیں یہ احساس ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی کو ہر انسانی کی روزمرہ کی زندگی میں بہت اہمیت اور دخل حاصل ہے ۔ یہ کسی نہ کسی انداز میں یہ ہماری زندگیوں پر حاوی ہے ۔ قطع نظر اس کے کہ سائنس اور ٹکنالوجی نے بڑے پیمانے پر انسانیت کش اور انسانیت کے لئے باعث ندامت مہلک ہتھیار بنانے میں بہت مدد دی ہے اور بڑے پیمانے پر کرہ ارض پر تباہی و بربادی پھیلائی ہے ۔ اس مضمون میں ہم سائنس اور ٹکنالوجی کا صرف انسان دوستی کے زاویہ سے ہی جائزہ لیں گے اور انسانی زندگی پر خوشگوار اور آسودگی کے اثرات کو ملحوظ خاطر رکھیں گے ۔ یہ بات قابل غور ہے کہ سائنس اور ٹکنالوجی ایک دوسرے سے الگ الگ ہیں اور کسی بھی صورت میں ہم خصلت اور ہم صفت نہیں ہیں یعنی انکی ماہیت جدا جدا ہے ۔ مگر یہ حقیقت بھی مسلمہ ہے کہ دونوں کی ترقی و فروغ کا انحصار تحقیق و جستجو پر ہے اور یہ بھی واقعہ ہے کہ دونوں ایک دوسرے کے لئے لازم و ملزوم ہوکر رہ گئے ہیں ۔ سائنس کی ترقی ،ٹکنالوجی کے فروغ کی ضمانت اور اس کی ترقی کی بنیاد فراہم کرتی ہے اور ٹکنالوجی ترقی یافتہ تجزیاتی آلات اور اوزاروں کی فراہمی کے ذریعہ ، سائنس کی ترقی ، فروغ اور مطالعہ کی سہولتیں فراہم کرتی ہے ۔ یہ بات ہمیں اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ ٹکنالوجی کا فروغ اور اسکی ترقی کسی ایک سائنسی عمل کا نام نہیں جو چند سائنس دان سفید کوٹوں میں ملبوس کچھ ایسی ایجادات کرڈالیں جو چند ہی دنوں میں استعمال کیلئے دفتروں اور گھروں میں پہنچ جائیں بلکہ ٹکنالوجی کا فروغ اور اسکی ترقی ایک پیچیدہ عمل ہے جسکا انحصار مختلف عوامل کے

مشترکہ عملا اور باہمی ردعمل پر ہے ۔ مثلا تحقیق کا دباؤ کس سمت میں ہے اور اس وقت کوئی خاص ٹکنالوجی کس قیمت پر دستیاب ہے اور اس ٹکنالوجی کی معاشرہ کی بدلتی ہوئی اقدار اور معاشی ضروریات انسانی خواہشات کی اقدار اور نوعیت کے ساتھ کتنی موزونیت ہے ؟

سائنس اور ٹکنالوجی باہم بھی اور الگ الگ بھی ہمہ وقت انسانیت کی خدمت میں مصروف ہیں ۔ زراعت ، صنعت ، صحت عامہ گھریلو تعمیرات کے میدان میں سائنس اور ٹکنالوجی دونوں ہی زندگی کے معیار بلند کرتے ہیں اسباب زندگی کو ظاہری طور پر آراستہ اور پیراستہ کرکے خوب سے خوب تر اور مفید تر بنانے میں مدد کرتے ہیں ۔ انسانی زندگی کو عمدہ اور بہتر طور پر گزارنے کا موقع فراہم کرتے ہیں۔

ٹکنالوجی میں اس قدر تیزی سے تبدیلیاں ظہور پذیر ہورہی ہیں کہ آنے والی تبدیلیوں کے بارے میں ہم صرف قیاس آرائی کرسکتے ہیں یا صرف اندازے ہی لگاسکتے ہیں ، لیکن آنے والی تبدیلیوں کے بارے میں حتمی طور پر کچھ کہنا دشوار ہے ۔ بایں ہمہ موجودہ ٹکنالوجی میں ہونے والی تبدیلیوں اور انکے تجارتی بنیادوں پر مسلسل استعمال نے انسانی بود و باش کے ماحول کو پہلے سے بہتر بنادیا ہے ۔ زندگی کی خوبی اور ماہیت کو یکسر بدل ڈالا ہے ۔ زندگی کو کامیابی سے آسودگی کی راہ پر ڈالنے کا کام سرانجام دیا ہے اور سہولیات زندگی اور آسائشوں کو بہت ارزاں کرنے کا کارنامہ سرانجام دیا ہے ۔

اگرچہ ٹکنالوجی تسلسل کے ساتھ ترقی پذیر ہے مگر کچھ شعبوں میں کوئی خاص پیش رفت نہیں ہوئی ۔ مثلا گھریلو تعمیرات کے شعبے میں یہ جمود خاص طور پر واضح ہے ۔ امریکہ اور یوروپ جیسے ترقی یافتہ معاشرہ میں اگرچہ اکثر گھروں کو موسمی اثرات سے محفوظ کرلیا گیا ہے ۔ آرام و آسائش کے سامان سے مزین اور لیس کردیا گیا ہے اور ان گھروں کو پہلے سے زیادہ آرام دہ بنادیا گیا ہے مگر ان گھروں کے نقشے اور بنیادی ساخت میں پچھلے دو سو سال میں کوئی خاص تبدیلی نہیں آئی ۔ آج بھی امریکہ میں چند گھر ہی ایسے ہونگے جو عملی طور پر انیسویں صدی میں بنے ہوئے گھروں

سے زیادہ مقبول ہونگے ۔ لندن میں آج بھی شاہ جارج کے عہد کے گھر زیادہ قیمتی اور زیادہ مقبول ہیں۔ اسی طرح پیرس میں انیسویں صدی کے بنے ہوئے اپارٹمنٹ دور حاضر میں بیش قیمت تصور کئے جاتے ہیں۔

ٹکنالوجی کی افزودگی اور ترقی کا عام اور معیاری طریقہ کار یعنی راستہ یہ بھی رہا ہے کہ ٹکنالوجی اپنے اصل اور بنیادی مقاصد سے تجاوز کرکے دوسرے بہتر اور بڑے مقاصد کے حصول میں سرگرم ہوجائے ۔ مثلاً ابتداء جب بھاپ کا انجن بنا اس کا استعمال کانوں میں پانی نکالنے کے لئے ہوتا تھا ۔ مگر بعد میں بھاپ سے چلنے والے انجن میں ٹکنالوجی نے ایسی تبدیلیاں کیں کہ سمندری اور زمینی ذرائع سے مسافر بردار اور بار برداری میں انقلاب برپا ہوگیا۔ اسی طرح بھاپ کی ٹربائن سمندری جہازوں کو چلانے کے لئے بنائی گئی تھی مگر یہ ٹربائن معمولی ردو بدل کے بعد جنریٹروں سے بجلی پیدا کرنے کے لئے وسیع پیمانے پر استعمال ہورہی ہے ۔ اسی طرح P.C. (PersonalComputers) پرسنل کمپیوٹرز شروع میں گھریلو استعمال کے لئے تیار کئے گئے تھے وقت کے ساتھ ساتھ پرسنل کمپیوٹروں کی یلغار نے دفتروں پر قبضہ کرلیا ہے اور ہر طرح کے کام سر انجام دینے کے لئے اس حد تک استعمال ہورہے ہیں کہ بڑے کمپیوٹر MainFrames دفتروں سے غائب ہوچکے ہیں ۔ اسی طرح ویڈیو کیمرہ ٹیلیویژن انڈسٹری کی ضروریات پورا کرنے کے لئے بنایا گیا تھا۔ اب یہ ایجاد موجودہ دور میں حفاظتی انتظامات کے حوالے سے صف اول کا سب سے اہم اور معتبر ہتھیار ہے ۔

کچھ شعبوں میں ٹکنالوجی نے صرف اضافتی (Incremental) ترقی کی ہے ۔ جس کی وجہ سے وہ تمام سہولتیں جو کبھی امراء اور روسا کے حصہ میں آتی تھیں اب عوام الناس کو بھی یسر آتی ہیں۔ آج کل سفر بوئنگ 747 جہاز سے اسی مدت میں طے ہوتا ہے جس مدت میں بوئنگ 707 جہاز 1960ء کی دہائی میں سفر طے کرتا تھا۔ مگر ٹکنالوجی کی ترقی کی بدولت سفر پہلے سے زیادہ آرام دہ اور سستا ہوگیا ہے ۔ ایندھن کے خرچ میں بھی بچت ہوئی ہے ۔

ترقی یافتہ ٹکنالوجی کے ہمارے رہن سہن اور عادات پر گہرے اثرات مرتب ہوئے ہیں۔ کنکارڈ ہوائی جہاز کی رفتار سورج کی رفتار سے بھی تیز ہے ۔ اگر کوئی مسافر سفر کے آغاز میں پیرس میں ناشتہ چھوڑدے تو وہ منزل مقصود یعنی نیویارک میں صبح کے ناشتہ کے وقت سے پہلے پہنچ جائے گا۔

کہیں کہیں اضافتی ترقی سے بڑھ کر ٹکنالوجی میں انقلابی تبدیلیاں آئی ہیں اور ترقی کے عظیم مظاہرہ دیکھنے میں آئے ہیں ۔ 1950ء اور 1960ء کے عشروں میں بحراوقیانوس کے پار بین الاقوامی ٹیلیفون کال کی سہولت منگی ہونے کے سبب صرف چند صاحب حیثیت لوگوں کو یسر تھی۔ اب 2002ء میں بین الاقوامی فون کال کی سہولت چوبیس گھنٹے نہایت معمولی اور ارزاں قیمت پر ہرکس و ناکس کی دسترس میں ہے اور کروڑوں انسان دن رات بے دھڑک اس سہولت سے فائدہ اٹھاتے ہیں۔ فاصلے ٹکنالوجی کے طفیل سمٹ گئے ہیں اور دوریاں ختم ہوگئی ہیں اور مختلف براعظموں میں رہنے والے ایک ہی کنبہ کے افراد ایک دوسرے کے احوال سے اس قدر باخبر رہتے ہیں کہ جس طرح وہ ایک ہی گھر میں رہائش پذیر ہوں ۔ فون کے علاوہ انٹرنیٹ کے استعمال سے رابطے بہت آسان اور تیز تر ہوگئے ہیں۔ ای میل کے ذریعہ رسل و رسائل کا سلسلہ لمحوں میں سر انجام پاتا ہے ۔ پیغامات کے حجم اور منزلوں کے باہمی فاصلوں کی دوری سے پیغام رسانی کی رفتار متاثر نہیں ہوتی ۔ فاصلے اس قدر مٹ چکے ہیں کہ انٹرنیٹ کے ذریعہ Chat یعنی گپ شپ تحریری اور صوتی صورت میں رابطہ بہت تیز رفتاری کے ساتھ تقریباً لمحہ بہ لمحہ قائم رہتا ہے ۔

بڑی ضخامت والے بھاری بھرکم مین فریم (MainFrame) کمپیوٹرز جو 1960 اور 1970ء کی دہائیوں میں کاروباری دنیا میں چھائے ہوئے تھے ۔ اب تاریخ کا حصہ بن چکے ہیں۔ اس وقت انکا استعمال بہت منگا ہونے کے سبب صرف دفاعی اداروں اور بڑے بڑے کاروباری تجارتی اور صنعتی اداروں تک محدود تھا۔ درمیانے اور چھوٹے اداروں کی پہنچ سے باہر تھا ۔ اس وقت اس کی قیمت 70 لاکھ سے ایک کروڑ تک ہوتی تھی ۔ مگر اسکی کارکردگی اور صلاحیت جدید پرسنل کمپیوٹر کے مقابلے میں بہت کم تر تھیں۔ کارکردگی کا تقابل کچھ یوں ہے کہ 1970ء کے مین فریم کمپیوٹر کا حافظہ (RandomAccess Memory) جسے RAM بھی کہتے ہیں صرف 64KB یعنی 64000 بائٹس ہوا کرتا تھا ۔ StorageCapacity یعنی (ROM) چند لاکھ بائٹس میں ہوتی تھی جبکہ آج کل کے چھوٹے پرسنل کمپیوٹرز میں RAM ،5،12000 بائٹس تک آرہی ہے اور 40ROM ارب بائٹس تک جاپہنچی ہے اور کارکردگی کی رفتار بھی ہزاروں کے مقابلے میں ایک ارب کا فرق ہے ۔ اتنی بہتر اور برتر کارکردگی کے باوجود آجکل اچھے سے اچھا پرسنل کمپیوٹر اوسطاً 70,000 روپے تک مل جاتا ہے ۔ یہ ہیں ٹکنالوجی کی مسلمہ برکتیں جس سے انسانیت کو فیض پہنچ رہا ہے اور انسانی زندگی پر نہایت خوشگوار اور مثالی اثرات مرتب ہورہے ہیں ۔

اس طرح فیکس مشین جب 1960ء کی دہائی میں مارکٹ میں آئی تو بہت منگی ہونے کے ساتھ بہت وزنی بھی تھی۔ .I.C یعنی انٹیگریٹڈ سرکٹ کی 1958ء میں ایجاد اور اسکے استعمال کے بعد فیکس مشینیں وزن میں بہت ہلکی اور قیمت میں بہت سستی ہوگئیں اور اب بڑے بڑے اداروں کے ساتھ ساتھ یہ مشینیں اوسط درجہ کے عام گھروں میں بھی استعمال ہورہی ہیں۔

ٹکنالوجی میں فروغ کے خوشگوار اثرات ہر طرف ہی محسوس ہورہے ہیں۔ 1960ء کی دہائی میں کیلکولیٹر جب مارکیٹ میں متعارف ہوا تو بہت ہی سادہ کمپیوٹر جو صرف جمع ،تفریق ،ضرب اور تقسیم کرتا تھا۔ 6000 سے 8000 روپیہ تک ملتا تھا ۔ اور آجکل یہی کیلکولیٹر جو انتہائی پیچیدہ مشکل سائنسی عوامل سر انجام دینے کی صلاحیت رکھتا ہے صرف ایک ہزار روپے تک مل جاتا ہے ۔ اسی طرح کسی زمانے میں ٹارچ کے بیٹری سیل بڑے بڑے ہوتے تھے اور صرف چند گھنٹے

تک کارآمد ہوتے تھے اب انکی جگہ لیتھیم کے بنے ہوئے بیٹری سیل حجم میں بہت چھوٹے یعنی انسانی ناخن کے برابر بننے لگے ہیں اور ہماری گھڑیوں اور دوسری اشیائے استعمال میں پانچ یا اس سے بھی زیادہ سال بخوبی چلتے ہیں۔

بیش قیمت گھڑیاں جیسے رولیکس، راڈو، کارٹیئر، رومر اور لونجینز بہت مقبول رہی ہیں۔ لوگ لاکھوں میں خریدتے تھے یہ گھڑیاں ہاتھ کا خوبصورت زیور اور معاشرہ میں اعلی شان کی علامت تو تھیں مگر بالکل صحیح وقت دینے میں اتنی کامیاب نہ تھیں۔ آج کل ٹکنالوجی کی بدولت ڈیجیٹل گھڑیاں بہت سستی ہونے کے علاوہ صحیح وقت دینے میں بے مثال ہیں۔

صدیوں سے برطانیہ اور فرانس کے آمد و رفت کا بڑا ذریعہ انگلش چینل کا سمندری راستہ تھا جو سست رفتاری کی وجہ سے زیادہ ٹریفک کا متحمل نہ ہوسکتا تھا اور محدود ٹریفک کے لئے استعمال ہورہا تھا۔ اب ٹکنالوجی کے بہت بڑے معجزے کی بدولت سمندر کے تہہ پر ایک سرنگ بنادی گئی ہے جس میں سے روزانہ ہزاروں کاریں ہر گھنٹے گزرتی ہیں اور نصف گھنٹے کی مسافت سے بھی کم وقت میں لاکھوں لوگ برطانیہ سے فرانس اور فرانس سے برطانیہ پہنچتے رہتے ہیں۔

ٹکنالوجی کی ترقی اور فروغ نوع انسانی کیلئے کسی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں۔ اس کی بدولت دن بدن نئی راہیں کھلتی جارہی ہیں اور کاروبار کیلئے نئے مواقع پیدا ہورہے ہیں۔ اشیائے خوراک کے پرچون کاروبار کو نہ صرف بہت وسعت حاصل ہورہی ہے بلکہ یہ ایک بہت منافع بخش کاروبار ہوگیا ہے۔ Barcoding اور برقی کیش مشینوں کے استعمال نے اس کاروبار میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے۔ انکے استعمال سے مختلف دکانوں اور کاروباری مراکز سے مال فروخت ہونے اور باقی ماندہ اسٹاک کی معلومات بہت تیزی سے دستیاب ہوجانے کی وجہ سے گودام اور کارخانے بڑی تیزی سے مال پہنچادیتے ہیں۔ کئی دفعہ دن میں تین بار یا پھر حسب ضرورت ہر گھنٹہ دوکانداروں کو ضرورت کی اشیاء فراہم کرتے رہتے ہیں۔ اسے جاپان میں "

نقطہ فروخت" ٹکنالوجی کا نام دیا گیا ہے۔ اس سے کاروبار میں شریک سبھی کی کارکردگی بڑھ گئی ہے اور نہ صرف یہ کہ چھوٹے چھوٹے اسٹور ہر گلی محلے میں کھل گئے ہیں بلکہ تازے اشیائے خورد و نوش چوبیس گھنٹے ملنے شروع ہوگئی ہیں اور دیکھنے میں یہ آیا ہے کہ اس کارکردگی نے لوگوں کی عادت اور تہذیب کو بھی بدل ڈالا ہے۔ اس سے خواتین کو کھانے پکانے کی ذمہ داریوں میں کمی آگئی ہے جس کی وجہ سے وہ بڑے آرام سے ملازمتوں کی ذمہ داریاں بہتر طور پر سر انجام دیتی ہیں۔ اسی طرح صفائی، کپڑے دھونے اور برتن دھونے کی مشینوں کے استعمال نے مزید فرصت مہیا کردی ہے اس طرح خواتین کو ملازمتوں پر زیادہ دھیان دینے کے علاوہ سیر و تفریح کے مواقع بھی زیادہ میسر آجاتے ہیں۔ اس طرح بین الاقوامی سیاحت بھی ترقی پذیر ہوگئی ہے۔

ٹکنالوجی کا فروغ اور اس کا استعمال کسی ایک ملک یا قوم کی اجارہ داری نہیں ہے۔

اگرچہ کچھ لوگ ٹکنالوجی کے رخ سمت رجحان اور اسکے فروغ کی رفتار پر بنی اسکے مستقبل کے بارے میں قیاس اور اندازے لگاتے رہتے ہیں لیکن ایسا بھی ہوا ہے کہ ایسے دانشوروں کے مفروضے غلط ہوتے رہے ہیں۔ مثلا بہت عرصہ تک ٹکنالوجی سے یہ توقعات وابستہ رہیں کہ جلد شہری آبادی کو دھوئیں اور آلودگی سے پاک کرنے کیلئے برقی قوت یا شمسی توانائی سے چلنے والی گاڑیاں روزمرہ کے استعمال میں آجائیں گی۔ مگر ابھی تک سائنسدان اور ماہرین شمسی توانائی اور بجلی کو آسان طریقے اور کم لاگت پر ذخیرہ کرنے کی راہ ہموار کرنے میں ناکام رہے ہیں۔ لہذا دھوئیں اور آلودگی سے پاک کاروں کو سڑک پر لانے کا خواب ابھی تک شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکا ہے۔ اسی طرح ماہرین ایک عرصہ سے عمودی پرواز کرنے والے مسافر طیارے بنانے میں سرگرم ہیں تاکہ کسی بھی بڑے شہر کے مرکز سے دوسرے شہر کے مرکز تک پروازیں شروع کرسکیں چونکہ لاگت بہت زیادہ ہے اور شور کا مسئلہ ابھی تک حل نہیں ہوسکا۔ لہذا یہ انسانی خواہش بھی ابھی تک حقیقت کا روپ دھارنے میں ناکام رہی ہے۔ انہیں یہ اعتراف کرلینا چاہئے کہ ٹکنالوجی ہر انسانی خواہش پورا کرنے کا دعوی نہیں کرسکتی۔

اس دور میں یہ ضروری نہیں کہ ٹکنالوجی کو کس ملک میں فروغ حاصل ہوا ہے اور کہاں اس کو ترقی ملی بلکہ اہم بات یہ ہے کہ کونسا ملک ٹکنالوجی کو بھرپور طور پر استعمال کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ فلپس نے ہالینڈ میں کیسٹ بنائی امریکہ نے مائیکرو چپس بنائی اسکا بھرپور تجارتی استعمال اور فائدہ جاپان نے اٹھایا ہے ان دو ایجادات پر بنی جاپانی ٹیپ ریکارڈ اور گھڑیاں دنیا کے ہر گوشے میں استعمال ہورہی ہیں۔ جاپان نے سائنس اور ٹکنالوجی میں جب پہلا قدم اٹھایا تو اس وقت وہ دوسرے ملکوں کی ٹکنالوجی کی نقل کیا کرتے تھے۔ آج وہ دنیا میں ٹکنالوجی کے لیڈر اور علم بردار مانے جاتے ہیں۔ اس وقت وہ دنیا کے ہر گوشے میں اپنی مصنوعات مثلا کاریں، گھریلو برقی سامان و آلات، ٹی وی، کیمرے، گھڑیاں، ایرکنڈیشنرز اور سینکڑوں قسم کا دوسرا سامان بڑے فخر اور منافع بخش انداز سے فروخت کرتے ہیں۔

●●●●

اڈوانی نائب وزیراعظم

بی جے پی خفیہ ایجنڈہ پر واپس

حالیہ ایک ہفتہ کے دوران ملکی سیاست میں بڑے پیمانے پر جو تبدیلیاں دیکھنے میں آئی ہیں وہ خطرناک مستقبل کا پیش خیمہ ہوسکتی ہیں بشرطیکہ ان تبدیلیوں کا بغور جائزہ لیا جائے۔ ورنہ مرکزی کابینہ میں رد و بدل یا کسی پارٹی میں بڑے پیمانہ پر تبدیلیاں عام بات ہیں۔ مرکز میں این ڈی اے حکومت قائم ہے اور حالیہ رد و بدل تک بھی تمام حلیف جماعتوں کا مرکز میں اثر و رسوخ لگ

کرادیا گیا ہیکہ اب انھیں اپنے ایجنڈہ پر عمل آوری کی راہ ہموار ہوجائے گی۔ یہی بات کانگریس کے ترجمان مسٹر ایس جئے پال ریڈی نے کہی کہ "اڈوانی کو نائب وزیراعظم بنانا دراصل ان کو ترقی دینا نہیں بلکہ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کے مرتبہ میں کمی کرنا ہے"۔ اگر سنجیدگی سے صورتحال کا جائزہ لیا جائے تو ایل کے اڈوانی کو نائب وزیراعظم بنانا دراصل ہندو

جانے والے شتروگھن سنہا ہیں۔ انھوں نے اپنی ناراضگی کا بھرپور اظہار کیا اور اس سے واقف کروانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی۔ یہاں تک کہ شتروگھن سنہا نے ڈرامہ "پتی پتنی اور میں" میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کا کافی مضحکہ اڑایا تھا۔ ایک مرتبہ انھوں نے اس ڈرامہ میں قائد اپوزیشن لوک سبھا و صدر کانگریس مسز سونیا گاندھی کو مدعو کرکے بی جے پی قیادت کو واضح

وزیراعظم واجپائی اور نائب وزیراعظم اڈوانی

بھگ برابر تھا لیکن اس تازہ تبدیلی کے بعد ایسا معلوم ہورہا ہیکہ مرکزی حکومت اب صرف بی جے پی کی ہے اور دیگر حلیف جماعتوں کا زیادہ اثر باقی نہیں رہا۔ مرکزی کابینہ میں بڑے پیمانہ پر رد و بدل میں جہاں بی جے پی قائدین کو نمایاں اہمیت دی گئی وہیں ہندوتوا کی تائید کرنے والی شخصیت ایل کے اڈوانی کو نائب وزارت عظمیٰ کا عہدہ دیکر دراصل ہندو فرقہ پرست تنظیموں کو یہ باور

فسطائی طاقتوں کے حوصلہ بلند کرنا ہے۔ اس معاملہ میں این ڈی اے میں شامل دیگر سیکولر جماعتوں کی خاموشی بھی ناقابل فہم ہے۔ جہاں مرکزی کابینہ میں ردوبدل کرکے ایل کے اڈوانی کو نائب وزیراعظم بنایا گیا وہیں دیگر کئی پارٹی قائدین کو بھی وزارتی عہدہ دے کر ان کی ناراضگیوں کو دور کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ ان میں سرفہرست فلمی اداکار سے سیاستدان بن

اشارے دے دئے تھے شائد ان کی اسی سرگرمیوں کو مدنظر رکھتے ہوئے پارٹی نے مرکزی کابینہ میں فوری شمولیت یقینی بھی۔ انھیں مرکزی وزارت صحت کا قلمدان تفویض کیا گیا ہے۔ دوسرے ناراض لیڈر مسٹر جانا کرشنا مورتی ہیں جنھیں بی جے پی صدارتی عہدہ سے ہٹانے کے بعد مرکزی وزارت دیہی ترقیات کے ذریعہ پابجائی کی گئی۔ اسی طرح صاحب سنگھ ورما شروع

نئے صدر بی جے پی وینکیا نائیڈو وزیر اعظم واجپائی کے ہمراہ

بی سے مخالفانہ روش جاری رکھے ہوئے تھے ۔ اور ان کی اس شکایت کو دور کرنا بھی بی جے پی نے ضروری سمجھا ۔ جسونت اور یشونت میں بھی تبدیلی کی گئی اور قلمدانوں کا باہمی تبادلہ عمل میں آیا یعنی مسٹر یشونت سنہا وزیر فینانس کی بجائے اب وزیر خارجہ اور مسٹر جسونت سنگھ موجودہ وزیر خارجہ کی بجائے وزیر فینانس ہوں گے ۔ لیکن ایک ناراضگی ابھی برقرار ہے اور وہ بی جے پی میں نہیں بلکہ حلیف و اہم جماعت ترنمول کانگریس سربراہ ممتا بنرجی کی ہے ۔ وہ وزارت ریلوے کے لئے بضد تھیں لیکن ان کی یہ شکایت دور نہ ہوسکی ۔ ممتا بنرجی نے یہاں تک کہدیا کہ اگر موجودہ وزیر ریلوے مسٹر نتیش کمار کو ہٹادیا جائے تو وہ مرکزی کابینہ میں کوئی بھی وزارت کے لئے آمادہ ہیں تاہم مسٹر واجپائی نے ان کے مطالبہ کو کوئی اہمیت نہیں دی ۔ ان تمام تبدیلیوں میں زیادہ اہمیت ایل کے اڈوانی کو نائب وزیر اعظم بنانے کی ہے ۔ گزشتہ فبروری میں جب اترپردیش اور اترانچل انتخابات میں بی جے پی کو شکست ہوئی تھی تو ایک سینئر آر ایس ایس لیڈر نے کہا تھا ایسا معلوم ہوتا ہیکہ بی جے پی کے آئندہ انتخابات میں بھی شکست کے لئے آر ایس ایس نے مصالحت کرلی ہے ۔ اس طرح انھوں نے اپنی ناراضگی یا خفگی کا اظہار کیا تھا شائد اسی بات کو پیش نظر رکھے ہوئے بی جے پی نے فیصلہ کیا ہیکہ وہ ہندوتوا کا ایجنڈہ ترک کرکے سنگین غلطی کررہی ہے ۔ اسی لئے بی جے پی اور آر ایس ایس کے لیڈرس نے ملکر پارٹیوں کو از سر نو فعال بنانے اور بڑے پیمانہ پر اقدامات کا فیصلہ کیا ہے ۔ اسکا اندازہ حکومتی اور پارٹی سطح پر ہونے والی بڑی تبدیلیوں سے ہوسکتا ہے ۔ ایل کے اڈوانی کو نائب وزیر اعظم بنانا دراصل سنگھ پریوار کی خوشنودی حاصل کرنا اور عوام کو یہ اشارہ دینا ہیکہ بی جے پی اپنے ہندوتوا کے ایجنڈہ پر قائم ہے ۔ مسٹر واجپائی کے مقابلہ اڈوانی کی عمر بمشکل تین سال کم ہے ۔ اس کے باوجود جہاں وزیر اعظم کی صحت کے بارے میں شبہات پیدا کئے جارہے ہیں وہیں اڈوانی کو چاق و چوبند اور زیادہ صحتمند قرار دیا جارہا ہے ۔ بی جے پی نے دراصل آئندہ انتخابات کو پیش نظر رکھتے ہوئے اڈوانی کو یہ عہدہ دیا ہے تاکہ پارٹی کارکنوں کو واضح طور پر پیام مل جائے ۔ اس معاملہ میں حلیف جماعتوں کا نقطہ نظر معلوم کرنے کی ضرورت بھی محسوس نہیں کی گئی کیونکہ اس وقت اہم سوال حکومت کی بقاء کا نہیں بلکہ آئندہ انتخابات کی تیاری کا ہے ۔ اور وزیر اعظم نے اسی بنیادی نکتہ کو پیش نظر رکھتے ہوئے اڈوانی کو یہ عہدہ دیا ۔ جبکہ سب کو معلوم ہے واجپائی اور اڈوانی میں باہمی روابط زیادہ خوشگوار نہیں ہیں ۔ اب اڈوانی کو زیادہ اختیارات حاصل ہوگئے ہیں اور وہ تمام قومی و بین الاقوامی امور میں سرگرمی کے ساتھ حصہ لے سکتے ہیں ۔ یہ کوشش کس حد تک کامیاب ہوگی اور انتخابات میں بی جے پی کو کتنا فائدہ ہوگا یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا ۔ دوسری بڑی تبدیلی جانا کرشنا مورتی کو بی جے پی صدارتی عہدہ سے ہٹا کر سابق مرکزی وزیر دیہی ترقیات مسٹر ایم وینکیا نائیڈو کو یہ عہدہ تفویض کرنا ہے ۔

اظہر حسن صدیقی

وفاقی بجٹ۔ اس تکلف کی بھی کیا ضرورت تھی!

اس سال کے وفاقی بجٹ پر عوامی ردعمل کی جس قدر بھرپور اور صحیح عکاسی اتوار کے "جنگ" اخبار کی پہلی جلی سرخی کے ذریعہ کی گئی ہے وہ شاید ہی کسی دوسرے اخبار نے کی ہو۔ ملاحظہ ہو "گھی اور خوردنی تیل اور سگریٹ مہنگے گاڑیاں اور مشروبات سستے" عوام کو نوید ہو کہ انکے اہم ترین مسائل حل ہوگئے۔ گاڑیاں اور مشروبات سستے ہوگئے اور کیا چاہئے۔ انہیں چاہئے کہ فورا ہی یہ سستی گاڑیاں خرید لیں کیونکہ اسکے ساتھ ہی 15 دن کیلئے پٹرول کی قیمت میں 65 پیسے فی لیٹر کی کمی بھی ہوگئی ہے۔ خوب گھومیں پھریں اور عیش کریں۔ پتہ نہیں پھر یہ موقع ہاتھ آئے یا نہ آئے اور نہ جانے آئندہ ایک دم پٹرول کی قیمتیں کتنی اور بڑھ جائیں اور سستے مشروبات سے بھی فائدہ اٹھانا نہ بھولیں پتہ نہیں ایسا سنہری موقع پھر ملے یا نہ ملے۔ اور ابھی تو صوبائی بجٹ بھی آنا ہے۔ دیکھیں وہ کیا غضب ڈھاتا ہے! اس دفعہ صوبائی اور وفاقی بجٹ کے سلسلہ میں نئی اصلاحات استعمال کی جارہی ہیں۔ وزیر خزانہ جناب شوکت عزیز سے پہلے سندھ کے صوبائی گورنر محمد میاں سومرو صاحب بجٹ کے لئے تاجر دوست کی اصطلاح استعمال کرچکے ہیں اور اب وزیر خزانہ نے دو اور نئی اصطلاحات استعمال کی ہیں ایک تو ہے سرمایہ کاری دوست اور دوسری ہے پیداوار میں اضافے کی طرف مائل مالیاتی اصلاحات۔ ہم نے پچھلے کالم میں درخواست کی تھی کہ اس نصف صدی میں ہم نے ہر قسم کے بجٹ دیکھے ہیں سوائے عوام دوست بجٹ کے اور یہ حسرت ہے کہ کوئی اللہ کا بندہ ایک ایسا بھی بجٹ بنادے جو عوام کے شاید بیشتر مسائل تو نہ حل کرسکے مگر کم سے کم ان کے بنیادی مسائل کے حل کی طرف پیشرفت تو دکھائی دے یا ابتداء تو ہو۔ غربت مکاؤ پروگرام سے عوام نے بہت توقعات وابستہ کرلی تھیں اور ابتداء میں ایسا لگتا تھا کہ جلد ہی اس سلسلے میں کچھ ہوتا ہوا دکھائی بھی دے گا مگر افسوس کہ پچھلے سالوں میں جو اقدامات کئے گئے ان کی وجہ سے محدود اور مقررہ آمدنی والوں خاص طور پر ضعیفوں، بیواؤں، پنشنروں اور بیماروں کی پریشانیوں میں مزید اضافہ ہوگیا ہے جتنے بھی مالی اقدامات کئے گئے جن میں بچتوں کی اسکیموں کے منافع پر ٹیکس، دواؤں کی قیمتوں میں اضافہ، پنشن کے نظام میں غیر ضروری تبدیلیاں اور سب سے بڑھ کر منگائی میں اضافہ جو اب تو تقریبا ہفتہ وار ہی ہوگیا ہے اور جس کی سب سے بڑی خرابی تو یہ ہے کہ اگر حکومت کسی چیز پر ایک روپیہ کا اضافہ کرتی ہے تو خریدار کو وہ دو روپیہ زیادہ میں ملتی ہے بلکہ بعض اوقات تو اس سے بھی زیادہ میں بازار میں دستیاب ہوتی ہے اور اس دن دونی رات چوگنی بڑھتی ہوئی منگائی کی ساری زد صرف ایک ہی طبقہ پر پڑتی ہے جو اپنی آمدنی میں من مانا اضافہ بھی نہیں کرسکتا ہے۔ اخباری اطلاعات کے مطابق یہ شکایت عام ہے کہ بجٹ میں غریبوں اور محنت کشوں کو کوئی ریلیف بھی نہیں دیا گیا ہے جس کی سخت ضرورت ہے کہ فوری طور پر ایسے اقدامات کئے جائیں۔ خوردنی تیل اور گھی پر جی ایس ٹی کے نفاذ سے بھی عام آدمی ہی متاثر ہوگا بلکہ اخباری اطلاعات کے مطابق ہو بھی گیا کیونکہ 16 گرام گھی کے ٹن کی قیمت پچاس روپے تو بڑھ چکی ہے اب دیکھیں کہاں تک پہنچے۔ اس سلسلے کی سب سے اہم اور پریشان کن بات یہ ہے کہ یہ دونوں ایسی اشیاء ہیں جن کے بغیر کسی بھی کھانے کا تصور نہیں کیا جاسکتا اور ان کی وجہ سے مزید منافع کمانے والوں کو تمام ہی اشیاء خورد و نوش کے دام بڑھانے کا ایک اور نادر موقع ہاتھ آجائے گا جس سے ہمیشہ ہی پورا پورا فائدہ اٹھایا جاتا ہے اور ایسا منافع خوری کا کوئی بھی موقع ہاتھ سے جانے نہیں دیا جاتا ہے ان مستقل سرکاری دھمکیوں کے باوجود کہ کسی کو ناجائز منافع کمانے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائے گی اور انکے خلاف سخت کارروائی کی جائیگی جو آج تک کبھی نہیں ہوئی ہے اور نہ ہوگی اسکی سب سے اہم اور بنیادی توجہ تو یہ ہے کہ بجٹ تجاویز تیار کرنے والے اور منگائی میں اضافہ کرنے والے حضرات بھی اپنے کئے ہوئے اقدامات سے خود متاثر نہیں ہوتے ہیں اگر ان کو ملنے والی مفت سہولتیں ختم کرکے صرف تنخواہوں میں معقول اضافہ بھی کردیا جائے تو تھوڑے تھوڑے عرصہ بعد بجلی، پٹرول، گیس، فون، ہوائی جہاز، ریل کے کرایوں اور اس قسم کی تمام چیزوں کے جلد جلد نرخوں میں اضافے فورا بند ہوجائیں گے۔ آزمائش شرط ہے۔ دنیا کے اکثر ممالک میں ایسا ہی ہوتا ہے کہ صرف معقول تنخواہیں ملتی ہیں اور ان منگائی کے ساتھ اضافہ ہوتا رہتا ہے۔ بجٹ کے ذریعہ کئے جانے والے اقدامات کے ذریعہ تھوڑی بہت اشک شوئی پینشن یافتہ سرکاری ملازمین کی بھی ہوتی ہے مگر جتنی ضروری تھی ابھی بھی اتنی نہیں ہوئی۔ ایسے حضرات کہ سرکاری بچتوں میں رکھے جانے والے سرمایہ کی ٹیکس سے چھوٹ کی حد کم از کم پانچ لاکھ ہونی چاہئے تھی۔ اگرچہ ملنے والی تمام ہی رقم ٹیکس سے مستثنی نہیں ہوسکتی تھی پوری پنشن کی بحالی ایک مستحسن اقدام ہے اگر اس میں اگر مگر نہ لگایا جائے۔ ان کو علاج معالجے کی مناسب سہولتیں بھی ملنی چاہئیں۔ ٹیکس لگنے کی حد ساٹھ ہزار سے اسی ہزار کردی گئی جو ابھی بھی کم ہے یہ کم از کم لاکھ روپے ہونی چاہئے۔ 65 سال سے زائد عمر والوں کی دو لاکھ تک کی آمدنی کو ٹیکس سے مستثنی کردینا بھی ایک مناسب اور اچھا فیصلہ ہے۔ یادش بخیر! اس دفعہ پھر غربت مکاؤ پروگرام کے ذریعہ عوام کیلئے کچھ کرنے کا ارادہ ہے خدا کرے ایسا ہی ہو اور یہ کام ہوتا ہوا بھی دکھائی دے۔ صرف ٹی وی اور اخبارات تک محدود نہ رہے۔ سینئر سٹیزن کو ملنے والے مراعات اگر وہ واقعی مراعات کہلانے کی مستحق ہیں تو معقول ہونی چاہئیں اور وہی کچھ ہوں جو دیگر ممالک کے شہریوں کو حاصل ہیں۔ اس سلسلے میں موجودہ ستر سال کی حد کو کم کرکے ساٹھ سال کردینا بھی ضروری ہے کیونکہ سرکاری ملازم اسی عمر میں ریٹائر کردئے جاتے ہیں تو پھر انہیں دس سال کیوں انتظار کرائیں؟ وزیر خزانہ محترم شوکت عزیز

صاحب نے فرمایا ہے کہ اب منی بجٹ میں جو تھوڑے عرصہ بعد پٹرول، ڈیزل، بجلی، فون، گیس وغیرہ جیسی اہم چیزوں کے نرخوں میں اضافہ ہوتا رہا ہے عوام کے پاس اب رہا ہی کیا ہے اور جو رہی سہی کسر تھی وہ جی ایس ٹی پوری کردے گا۔ وزیر خزانہ نے یہ خوشخبری بھی سنائی ہے کہ ڈیڑھ سال میں ہم آئی ایم ایف سے آزاد ہوجائیں گے اللہ ان کی زبان مبارک کرے ایسا ہی ہو مگر انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ عالمی بینک اور دیگر مالی اداروں سے کب رہائی ملے گی! اور سب سے اہم بات یہ کہ کتنے ملکوں کے قرضے معاف ہوچکے ہیں۔ اس سے بھی زیادہ اہم بات جس کے متعلق انہوں نے کچھ نہیں فرمایا وہ یہ ہے کہ سرکاری بینکوں اور دیگر مالیاتی اداروں کے اربوں کے ڈوبے ہوئے قرضوں کا کیا بنا۔ گورنر جناب ڈاکٹر عشرت حسین کی سربراہی میں ایک اعلی اختیارات کی کمیٹی بنی تھی جس کو سرکار کی اس خطیر رقم کی وصولیابی کیلئے فوری اقدامات کرنے تھے اور اب آخر میں جناب شوکت عزیز کی خدمت میں ایک خبر اور عوام کی جانب سے ایک شعر صدر، وزرائے اعظم اور گورنروں کیلئے درآمدہ اشیاء پر کسٹم ڈیوٹی نہیں ہوگی"

گل پھینکے ہے اوروں کی طرف بلکہ ثمر بھی
اے خانہ برانداز چمن کچھ تو ادھر بھی

پرویز حمید

جمہوریت ... ایک وزیر اعظم کی زبانی تلخ حقائق

چند ماہ قبل ٹیلی ویژن کے کسی چینل پر سنگاپور کے سینئر منسٹر مسٹر لی کوان لو ... (جو 20 برس تک سنگاپور کے وزیر اعظم بھی رہے) کا انٹرویو نشر ہوا۔ انکا تعارف کراتے ہوئے خاتون اناؤنسر نے انہیں جدید سیاسی اور معاشی علوم کا عظیم فلاسفر قرار دیتے ہوئے کہا کہ وہ ایشیاء کے پسماندہ عوام کے صحیح ترجمان ہیں۔ ادیب اور شاعر ہیں، جمہوریت کے بہت بڑے پرچارک ہیں۔ ایک شخص کی اتنی زیادہ تعریف سن کر میں انکا انٹرویو سننے کیلئے بے تاب ہوگیا۔ واقعی مسٹر لی کوآن لیو .... ایک نابغہ روزگار شخصیت ہیں اور انکے خیالات کی نفاست عمدگی اور سچائی نے مجھے مجبور، کیا ہے کہ میں اپنے ملک پاکستان کے حالات، سابقہ اور موجودہ حکمرانوں کے بہت سے کارناموں کے حوالے سے تجزیہ کروں، ان کی باتیں اور ہمارے حالات ایک ہی جیسے ہیں۔ میں نے اس انٹرویو کے نوٹس لئے تھے، جو قارئین کے استفادہ کیلئے درج ہیں۔

مسٹر لی کوآن لیو سے سوال کیا گیا کہ جمہوریت کیا ہے ؟ تو انہوں نے جواب دیا کہ جمہوریت یوروپ میں کچھ اور ہے، امریکہ میں اسکا رنگ جدا ہے اور ایشیائی ممالک میں جمہوریت کو ایک اور ہی رنگ میں فروغ دینے کی کوششیں کی جارہی ہیں ... دراصل جمہوریت وہ ہے جو ہماری اپنی روایات، ثقافت، قومی مزاج اور مذہبی اقدار کے حوالے سے جنم لے جس سے ہمارے ملک کا ہر شہری استفادہ کرسکے۔

لی کوآن لیو نے ایک قہقہ لگایا اور کہا کہ .... یہ کوئی جمہوریت نہیں کہ ایک شخص کروڑوں روپئے اسمبلی کی ایک سیٹ جیتنے کیلئے خرچ کردے اور دوسری طرف ہزاروں بلکہ لاکھوں لوگ روٹی اور سر پر سائے سے بھی محروم ہوں۔ صرف ووٹ دینے کے عمل کو جمہوریت نہیں کہتے، قومی وسائل میں جب تک ملک کے تمام لوگوں کو حصہ دار نہ بنایا جائے۔ غریب امیر کے درمیان فرق، بھوک، بیماری، مفلسی، بے روزگاری کا خاتمہ نہ کیا جائے اس وقت تک جمہوریت قائم نہیں ہوسکتی۔ محض چند سو ارکان اسمبلی کے یخ بستہ ایوانوں میں فضول بحث مباحثے اور زیادہ کرپشن کرکے اسمبلی میں زیادہ نشستیں حاصل کرنے والی پارٹی کے بدعنوان اور عوامی ہمدردی کے جذبات سے عاری وزیروں کی بیان بازی کا نام جمہوریت نہیں ہے۔

ایشیائی خصوصیات تیسری دنیا کے پسماندہ ممالک میں جمہوریت قائم کرنے کیلئے ضروری ہے کہ یہاں تعلیم عام کی جائے۔ مفلسی دور کرنے کیلئے لوگوں کو روزگار فراہم کیا جائے، ملک میں صنعتیں قائم کی جائیں، ملک میں تجارت اور زراعت کو فروغ دیا جائے۔ مسٹر لی کوآن لیو نے کہا کہ خیرات تقسیم کرنے سے غربت ختم نہیں ہوسکتی۔ یہ حکومت کا فرض ہے کہ عوام سے ٹیکس وصول کرنے کے جواب میں انہیں تعلیم، صحت اور روزگار کی سہولتیں فراہم کرے۔ جو حکومت یہ کام نہیں کرسکتی اسے کسی قانون، اخلاق یا سیاسی اصول یا جمہوریت کسی بھی حوالے سے حکمرانی کا حق حاصل نہیں ہے۔

مسٹر لی کوآن لیو نے کہا کہ .... مغرب نے تعلیم کو مختلف درجوں میں تقسیم کردیا ہے۔ ایسے تعلیمی ادارے جہاں بھاری اخراجات کرکے مراعات یافتہ طبقہ اور حکمرانوں کے بچے پڑھتے ہیں اور ایسے ادنی تعلیمی ادارے جہاں نیم تعلیم یافتہ استاد سارا دن بچوں کو تعلیم سے متنفر کرنے میں مصروف رہتے ہیں .... مڈل کلاس کے لوگ اپنے لئے کوئی نہ کوئی پناہ گاہ ڈھونڈ لیتے ہیں مگر غریب اور مفلس کہاں جائیں ؟ اگر ہم کسی ملک میں جمہوریت کا فروغ چاہتے ہیں تو تعلیم کا معیار بلند اور مضبوط بنائیں۔ غیر معیاری تعلیم بند کرکے سب کیلئے ایک ہی جیسا معیار اپنائیں۔

صحیح جمہوریت کے لئے تعلیم کے بہتر ادارے، خود مختار تجارتی و صنعتی ادارے مضبوط بنیادوں پر بنائیں۔ قومی سرمایہ کو بڑھایا جائے اور سیاست میں روپے پیسے کے لین دین کو ختم کیا جائے۔ مڈل کلاس کے ذہین اور محنتی افراد کو سامنے لانے میں انکی مدد کی جائے، حوصلہ بڑھایا جائے۔

مسٹر لی کوآن نے کہا کہ جمہوریت کے لئے مغربی ممالک اور امریکہ کے لئے اپنے معیار ہیں۔ مشرقی تیمور میں معمولی بد نظمی پر یہ لوگ تڑپ اٹھے مگر برسوں سے فلسطین میں جو کچھ ہورہا ہے وہ انہیں نظر ہی نہیں آتا۔ چودہ برسوں سے عراق انکی آنکھوں کا پتھر بنا ہوا ہے مگر برما کی فوجی آمریت انہیں نظر نہیں آتی۔

مسٹر لی کوآن لیو ... نے کہا کہ فوجی آمریت اور سول آمریت میں بھی کوئی زیادہ فرق نہیں۔ کئی فوجی حکومتیں اپنے عوام کیلئے زیادہ بہتر اور اچھے کام کرتی ہیں اور عوام کو جمہوریت کیلئے تعلیم و تربیت سے آراستہ کرتی ہیں اور اسکے برعکس بعض جمہوری انداز میں منتخب لوگ اپنی دولت اور سیاسی زور پر سول آمریت قائم کرلیتے ہیں۔ وہ ملک

کے پورے وسائل کو صرف اپنی ذات اور پارٹی کیلئے استعمال کرتے ہیں۔ غریب عوام صرف منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں۔ ایسا کئی ممالک میں ہوتا ہے جو نہیں ہونا چاہیے۔

مسٹر لی کوآن لیو کہتے ہیں کہ جمہوریت کے نام سے اقتدار میں آنے والے بالائی طبقہ کے لوگ اپنے مفادات کیلئے بلند و بالا عمارتیں تعمیر کرتے ہیں۔ بڑے بڑے شہروں میں چوڑی چوڑی سڑکیں بناتے اور قیمتی فوارے لگواتے ہیں۔ بڑے شہروں میں امراء کی بستیوں کو سجاتے ہیں مگر ان بستیوں کے پہلو میں آباد غریب افراد روٹی، روزگار اورت دوا کو ترستے مرجاتے ہیں۔ کوئی ان کا پرسان حال نہیں بنتا البتہ جب وقت آتا ہے تو ان بستیوں (کچی آبادیوں) میں یہ امراء گھی کے ڈبے اور آٹے کے تھیلے تقسیم کرنے کیلئے آموجود ہوتے ہیں اور ووٹ لینے کے بعد پھر اگلے انتخابات سے قبل نظر ہی نہیں آتے۔

انہوں نے کہا پسماندہ اور ترقی پذیر ممالک میں ضرورت اس بات کی ہے کہ جو بھی حکومت ہو ... اگر وہ عوام کی بہبود کیلئے کام کرنا چاہتی ہے تو تزئین و آرائش (کاسمیٹک) کیلئے اخراجات کرنے کی بجائے اسکول بنائے، غریب عوام کو روزگار فراہم کرنے کیلئے صنعتیں قائم کی جائیں، زرعی ممالک میں ایگرو بیسڈ یعنی زرعی صنعتوں کو فروغ دیا جائے، امراء اپنی بستیوں کو خود سجالیں گے، غریب عوام کیلئے فلیٹ سسٹم متعارف کرایا جائے، کثیر المنزلہ رہائشی عمارات بنائی جائیں، لوگوں کو مفت پلاٹ دینے کی بجائے نو پرافٹ نو لاس کی بنیاد پر فلیٹ دیئے جائیں اور قیمت اقساط میں وصول کی جائے۔ انہوں نے ملائیشیا میں بڑی بڑی مشہور شاہراہوں پر بنے ہوئے بیسیوں کمرشیل پلازوں اور آرکیڈز کا حوالہ دیا کہ یہ سب خالی پڑے ہیں۔

شہر کی تصاویر بناتے ہوئے اور فلموں میں یہ جس جاہ و جلال کا منظر بناتے ہیں وہ بہت متاثر کن ہوتا ہے مگر ان کی وجہ سے کئی بینک دیوالیہ ہوچکے ہیں۔ ان عمارتوں کی جگہ اگر خالی پلاٹوں میں درخت لگادیئے جاتے تو یہ زیادہ مفید ہوتے۔ مسٹر لو کوآن لیو نے ایک قہقہ لگاکر کہا کہ اس سے آلودگی ہی کم ہوتی۔ انہوں نے کہا کہ ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں موٹر ویز بنانے کا کوئی فائدہ نہیں خاص طور پر اگر یہ قرضہ لے کر بنائی جائیں تو بے پناہ نقصان دہ ہیں۔ معیشت کو تباہ کردیتی ہیں۔

انہوں نے کہا کہ ایشیا خصوصا جنوبی ایشیا کے ممالک میں جعلی قسم کی جمہوریت چل رہی ہے۔ حکمرانوں پر معاشی بدعنوانی کے زبردست الزامات ہیں مگر یہ لوگ کسی الزام کا سامنا کرنے کی بجائے جمہوریت کا واویلا کرتے ہیں اور معصوم لوگ انکے دلائل سے قائل ہوجاتے ہیں۔ ان سے کمپیئر نے احتساب کے بارے میں سوال کیا تو مسٹر لی کوآن لیو نے کہا کہ یہ ایک بہت ہی اہم مسئلہ ہے۔

حکمران جمہوریت کے نام پر اقتدار میں آتے ہیں اور خوب دولت بناتے ہیں۔ مغربی ممالک کے بینکوں میں یہ دولت جمع کراتے ہیں اور جب لوگ انکے محاسبہ کا مطالبہ کرتے ہیں تو یہ کہتے ہیں کہ سیاستدانوں کا احتساب عوام ہی کرسکتے ہیں ... عدالتیں نہیں ... بھئی عوام تو صرف ووٹ دے سکتے ہیں .... یا نہیں دیتے .. ملک و قوم کی جو دولت ان لوگوں نے لوٹی ہے وہ تو عدالتیں ہی وصول کرسکتی ہیں ... اور جہاں ان لوگوں نے الیکشن لڑنا ہو .... وہاں یہ لوگ بڑی فراخدلی سے عوام کی ہی لوٹی ہوئی دولت خرچ کرکے پھر اسمبلی میں پہنچ جاتے ہیں۔ دولت کے زور پر منتخب لوگوں کو اکٹھا کرکے پھر حکومت پر قبضہ کرلیتے ہیں۔ اب عوام .... ایک غریب ووٹر .. بدعنوان منتخب افراد کا محاسبہ یا احتساب کس طرح کریگا، اسکا تو ووٹ بھی پولنگ اسٹیشن پر اسکے پہنچنے سے قبل ہی کوئی اور ڈال جاتا ہے۔ مسٹر لی کوان لیو نے کہا کہ ضرورت ہے کہ ہم ایشیائی لوگ ... ہمارے مفکرین اور صاحب علم و دانش لوگ اس خطہ کیلئے یہاں کے حالات اور تقاضوں سے ہم آہنگ جمہوری نظام کی تشکیل نو کریں ... اس سلسلہ میں انہوں نے جاپان کے سیاسی نظام کی تعریف کی کہ وہاں جمہوری اور احتساب کے نظام کو بنیادی سطح سے اوپر تک مضبوط بنانے کیلئے قابل تعریف انداز میں تجربات کیئے جارہے ہیں۔ وہاں جمہوری نظام کو صاف ستھرا رکھنے کیلئے عدالتی نظام بہت مضبوط ہے

کے ایم عظیم

عصر حاضر اور اسلامی ریاست

بے شک اکیسویں صدی کے عصری تقاضوں کے پیش نظر ایک صحیح جمہوریت کا قیام ہی ہمارا مطمع نظر ہونا چاہیئے۔ مگر جب ہمارے ہاں جمہوری روایت کا نہ کوئی تاریخی پس منظر ہے اور نہ ہی جمہوری روایت ہمارے کسی سیاسی، معاشرتی اور دینی اداروں میں موجود ہے تو اس کی ترویج کیسے کی جائے گی۔

اس کے برعکس عسکری روایت اسلامی تاریخ کا ایک غالب عنصر ہے۔ جس کی وجہ سے ہمارے عوام کا مزاج اور ان کی باطنی قوت محرکہ کا ایک رخ ایک تحکمانہ درجہ بند، شخصیت پرست اور طاقتور معاشرتی اور سیاسی ڈھانچوں کی طرف مائل ہے اور ذہنی طور پر ان کا رویہ جمہوریت اور مساوات انسانی سے معاندانہ ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلاد اسلام میں جمہوریت کی جڑیں گہری نہیں ہوپاتیں اور عسکری آمریت کو بڑی حد تک مقبولیت حاصل رہتی ہے۔ اسلام کی عالمگیر اخوت انسانی، احترام آدمیت اور معاشی، مساوات کا سہانا خواب سیدنا عمر بن خطابؓ کی شہادت اور ملوکیت کے غلبہ کی نذر ہو کے رہ گیا تھا۔ آج بھی بلاد اسلام میں اپنی تعبیر کی تلاش میں سرگرداں ہے۔ بقول علامہ اقبال "اسلام تکمیل نہیں بلکہ ایک تمنا اور آرزو ہے" در حقیقت دین محمدی ابھی تک مسلمانوں پر آشکار نہیں ہوا۔

اسلام کا مقصد دنیا میں ظلم و ستم خوف و حزن، غربت و افلاس اور تصادم سے پاک معاشرہ کا قیام ہے جس کے اہداف انسان کا زمین سے رشتہ مدبر کرکے اور اللہ سے رشتہ جوڑ کر اس کے اندر دلسوزی، دردمندی، غمگساری اور انسان دوستی کے جذبات کو فروغ دینا اور توحید اور الخلق عیال اللہ کی اساس پر ایک انسان دوست معاشرہ کی تعمیر نو ہیں۔ اسلام ایک ایسے معاشرہ کی تشکیل چاہتا ہے جس میں انسان کو اللہ تعالی کے سوا کسی اور کا خوف رہے اور نہ اسے اللہ کے سوا کسی اور کے سامنے ہاتھ پھیلانے کی حاجت پیش آئے اور وہ جب حصول رزق کے لئے اپنے گھر سے نکلے تو اس کی اپنی

اہلیت و قابلیت کے سواء کوئی اور رکاوٹ اس کے راستے میں حائل نہ ہو۔ اگر اس میں کوئی کمی منجانب اللہ ہو تو ریاست کا نظام احسان وہ کمی پورے کردے۔

اسلامی جمہوریت کا دارو مدار مخالفتہ اللہ پر ہے جبکہ سیکولر جمہوریت عوام کی حاکمیت پر یقین رکھتی ہے۔ جو درحقیقت سرمایہ کی حاکمیت ہے ،مغربی جمہوریت ، جمہوریت کی قبا میں استعمار ہے۔ ہمیں اپنے اس وطن عزیز میں جمہوریت کی بنیادیں حضرت علامہ کے تصور " روحانی جمہوریت " کی اقدار پر مستحکم کرنی ہوں گی۔ روحانی جمہوریت کی اقدار ہیں۔ حریت ، اخوت ، مساوات ، وسیع المشربی ، رواداری ، احترام آدمیت ، تکریم انسانیت ، اور غریبوں سے محبت ، روحانی جمہوریت کی اساس خوف خدا اور قوت اخوت عوام پر ہے۔ عالمی سرمایہ دارانہ نظام اور مغربی جمہوریت کے مقابلے میں جو شے اسلامی نظام حکومت کو ممیز کرتی ہے وہ ہے خوف خدا ، ہمارا المیہ یہ ہے کہ ہم خدا کو تو مانتے ہیں مگر ہم میں خوف خدا نہیں جبکہ مغرب خدا کو نہ مان کر بھی اپنے معاشروں کے اندر ایک بڑی حد تک خوف خدا کے مضمرات کو اپنائے ہوئے ہے۔ مزید برآں اسلامی معاشرتی اور معاشی اہداف کا ایک خاطر خواہ حصہ مغربی ممالک نے فلاحی مملکت کے تصور کے تحت اپنایا ہوا ہے۔

آج کل ہمارے محبان پاکستان کا المیہ یہ ہے کہ پاکستان کو مقصود بالذات سمجھتے ہیں اور اس کے آفاقی نصب العین کو بھول گئے ہیں۔

عباس اطہر

مجبوریوں کا ماتم

دہشت گردی کی ہر واردات کے بعد سوال اٹھتا ہے کہ ہماری پولیس کیا کررہی ہے خفیہ ایجنسیاں کہاں ہیں حکومت کیا فرائض انجام دے رہی ہیں۔ پولیس ہو ایجنسیاں یا حکومت ، کسی کے پاس غیب کا علم نہیں۔ وہ تو واردات کے بعد حرکت میں آتی ہیں اور کچے پکے ملزموں کو گرفتار کرکے کٹہرے میں لا کھڑا کردیتی ہیں۔ حکومت سیاسی کی " واردات " کے منصوبے تشکیل دے رہی ہے۔ اس نے آئین میں ترمیمات اور حقیقی جمہوریت جیسے بڑے بڑے مشن اپنے ذمے لے رکھے ہیں۔ قومی یکجہتی کے دن پوائنٹ ایجنڈے پر بات چیت کرنا چاہتی ہے لیکن سیاستدانوں کے وہ مطالبات سننے کیلئے تیار نہیں جو اس یکجہتی کی بنیاد بن سکتے ہیں۔ صدر پرویز مشرف نے اے آر ڈی سے علحدہ ملاقات سے انکار کردیا ہے۔ وفاقی وزیر اطلاعات نے یہ جواز پیش کیا ہے کہ صدر مملکت کے پاس وقت نہیں۔

حکومت 12 اکتوبر 1999ء کے بعد اپنے اعمال نامے کا دوسرا رخ دیکھنے کیلئے تیار نہیں دہشت گردی کے خلاف امریکی اتحاد میں شامل ہو کر ہم نے دہشت گردی کی بدترین شکل کو اپنے ملک میں دعوت دے دی ہے۔ دہشت گردی کی ایک شکل یہاں پہلے ہی موجود تھی۔ بم دھماکے ہوتے تھے اور فرقہ وارانہ قتل بھی عام تھے۔ اب خودکش دھماکوں کی رسم چل نکلی ہے۔ اسلام آباد کے ایک چرچ میں دھماکہ ہوا جہاں 5 افراد مارے گئے۔ 8 مئی کو فرانسیسی انجینئروں کی بس اڑائی گئی اور اب 14 جون کو کراچی میں امریکی قونصل خانے کے باہر کار بم دھماکہ ہوا جس میں 12 پاکستانی ہلاک اور 45 زخمی ہوئے ہیں۔ زخمیوں میں ایک امریکی بھی شامل ہے۔ ایک 23 سالہ خاتون بھی اس دھماکے کا شکار ہوئی جو اپنے انکل کے ساتھ شاپنگ کیلئے جارہی تھی کیونکہ اگلے روز اس کی شادی تھی۔ دہشت گردی یا حریت پسندی انفرادی زندگیوں میں ایسے ایسے دردناک واقعات کو جنم دیتی ہے جن میں زیادہ تر بے گناہ خاندانوں کی زندگیوں پر بربادیاں چھا جاتی ہے۔

پاکستان کا مسئلہ یہ ہے کہ وہ تو اپنے اصل ملزموں کی نشاندہی بھی نہیں کرسکتا۔ کبھی ہم ایسے المیئے " را " کے کھاتے میں ڈال دیتے ہیں کبھی مذہبی دہشت گردوں کو ملزم ٹھہرا کر مطمئن ہوجاتے ہیں۔ اب تو جہادی بھی سرگرم عمل ہیں۔ حالیہ واقعہ میں جن 12 خاندانوں کے افراد مارے گئے وہ اپنا لہو کس کے ہاتھ پر تلاش کریں۔ ہلاک ہونے والے پولیس کانسٹیبل اپنے کنبوں کے واحد کفیل ہوں گے۔ مرنے والی 5 خواتین معصوم بچوں کی مائیں یا بہنیں ہوں گے۔ راہگیروں کے بارے میں شاید یہ بھی پتہ نہ چل سکے کہ وہ کون تھے۔ کس کی آنکھ کا نور اور کس کے سر کا سایہ تھے۔ گاڑی چلانے والی کے بارے میں کہا گیا ہیکہ وہ خاتون تھی۔ اس واقعہ کے بعد امریکہ نے پاکستان میں سفارتخانہ اور قونصلیٹ بند کردئے۔ برطانیہ نے بھی کراچی میں ویزا سکشن بند کرنے کا اعلان کیا ہے۔ امریکی قونصلیٹ کی عمارت کا کچھ نہیں بگڑا۔ سارا نقصان پاکستان اور پاکستانیوں کا ہوا ہے۔

پچھلے 53 سال میں ہمارے حکمرانوں کی غلطیوں سے بعض ایسے گروہ پیدا ہوگئے ہیں جنہیں قومی اور بین الاقوامی نقصان پر بمبنی وارداتیں کرتے وقت یہ خیال بھی نہیں آتا کہ وہ اسی درخت کی جڑیں کاٹ رہے ہیں جس کے سائے میں بیٹھے ہیں۔ خودکش دھماکے کرنے والے فلسطینیوں اور ہمارے ہاں ان کے پیرو کاروں میں کوئی مماثلت نہیں۔ فلسطینی یہودیوں کو مارتے ہیں اور ہمارے خودکش اپنے ہی بھائیوں اور بہنوں کو قتل کرتے ہیں۔ امریکی اور یوروپی باشندوں کی بھاری تعداد پہلے ہی پاکستان سے رخصت ہوچکی ہے۔ باقی ماندہ بھی آہستہ آہستہ چلے جائیں گے پھر ہم خود ہی شکاری اور خود ہی شکار ہوں گے۔ جہاں تک احتیاطی تدابیر کا تعلق ہے پولیس یا ایجنسیوں کے پاس کوئی ایسا جادو نہیں کہ چھوٹی چھوٹی اور نامعلوم جگہوں سے سرگرمیاں کرنے والے گروہوں کا سراغ لگا کر انہیں واردات سے پہلے قابو کرلیں۔ جب تک حکومت کو اس بات کا احساس نہ ہوگا کہ ملک کے مقابلے میں اقتدار بلکہ لامحدود اقتدار قانونی حیثیت رکھتا ہے اس نوعیت کے سلسلے چلتے رہیں گے۔ کیا امریکی دہشت گردی کا جواب یہ ہے کہ ہم اپنے ملک کے شہریوں کا قتل عام شروع کردیں۔ کیا ایسی وارداتیں کرنے والے اپنے آپ کو حق بجانب سمجھتے ہیں۔ کیا ہم ایسا ملک نہیں بن چکے جہاں کسی مسئلے کا کوئی حل نہیں۔ یعنی ہم اپنی مجبوریوں کے ماتم کے سوا کچھ نہیں کرسکتے !!

ooooo

ڈاکٹر سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

انجینئرنگ سروسز امتحان

Engineering Services Examination(UPSC)

مختلف سرکاری محکموں میں مخلوعہ انجینئرنگ شعبوں کی جائیدادوں پر بھرتی کے لئے امیدواروں کے انتخاب کے لئے یونین پبلک سروس کمیشن (یو پی ایس سی) ہر سال انجینئرنگ سرویسز امتحان منعقد کرتا ہے ۔ ریاست آندھرا پردیش میں حیدرآباد ، ترپتی ، وشاکھاپٹنم میں یہ امتحان منعقد کیا جاتا ہے ۔ چار زمروں (Category) میں منعقد کئے جانے والے طریقہ امتحان سے امیدواروں کا انتخاب کیا جاتا ہے (۱) سیول انجینئرنگ (۲) میکانیکل انجینئرنگ (۳) الیکٹریکل انجینئرنگ (۴) الیکٹرانکس اینڈ ٹیلی کمیونکیشنز انجینئرنگ ۔ امیدوار جس زمرے کے لئے درخواست دے رہے ہوں انہیں صاف طور پر صراحت کرنی چاہئے ۔ مکمل کی ہوئی درخواستیں سکریٹری ، یو پی ایس سی ، دھول پور ، نئی دہلی 110001 کے پتے پر روانہ کی جانی چاہئے ۔ (عام طور پر یہ اعلامیہ مارچ میں شائع کیا جاتا ہے ۔ اپریل میں درخواستوں کی آخری تاریخ مقرر کی جاتی ہے اور اگست کے اطراف امتحان منعقد کیا جاتا ہے اس کے لئے ایمپلائمنٹ نیوز کا مطالعہ ضروری ہے)

قابلیت : انجینئرنگ میں ڈگری یا انسٹی ٹیوٹ آف انجینئرس سکشن اے اینڈ بی کامیاب یا انسٹی ٹیوٹ آف الیکٹرانکس اینڈ ٹیلی کمیونکیشنز ممبرشپ امتحان ایروناٹیکل سوسائٹی آف انڈیا اسوسی ایٹ ممبرشپ امتحان پارٹ II اور III ، سکشن اے اینڈ بی امتحان یا انسٹی ٹیوٹ آف میکانیکل انجینئرس ، اسوسی

لندن کے انسٹی ٹیوٹ آف الیکٹرانکس اینڈ ریڈیو انجینئرس منعقد کرنے والے گریجویٹ ممبرشپ امتحان (1959 کے بعد) یا وائرلیس کمیونکیشنز ، الیکٹرانکس ، ریڈیو فزکس ، ریڈیو انجینئرنگ ، مخصوصی موضوعات کی طرح ایم ایس سی ڈگری یا اس کے مماثل قابلیت رکھنے والے امیدوار امتحان میں شرکت کے اہل ہوں گے ۔ ان امتحانات میں شرکت کر رہے امیدوار بھی درخواست دینے کے اہل ہوں گے ۔

امیدوار : 20 سال کی عمر رکھتے ہوں اور 28 سال عمر نہ رکھتے ہوں ۔ ایس سی / ایس ٹی امیدواروں کی حد عمر میں پانچ سال ، او بی سی امیدواروں کے لئے تین سال کی سہولت دی جاتی ہے ۔

امتحان کی فیس : امتحان کی فیس ایک سو روپئے سنٹرل رکروٹمنٹ فی اسٹامپ یا سکریٹری یو پی ایس سی کے نام پر نئی دہلی میں قابل ادا اسٹیٹ بینک آف انڈیا کے ڈی ڈی یا پوسٹل آرڈر کے ذریعہ ادا کی جاسکتی ہے ۔ ایس سی اور ایس ٹی امیدواروں کے لئے فیس معاف ہے ۔

درخواست کا طریقہ : امیدواروں کو ایمپلائمنٹ نیوز کے شمارے سے درخواست کا نمونہ مل جائے گا ۔ جسے غور سے پڑھنے کے بعد بھرتی کیا جائے ۔

امتحان کا طریقہ : انجینئرنگ سروسس امتحان کے دو حصے ہوتے ہیں ۔ پارٹ I تحریری امتحان ، پانچ پرچوں پر مشتمل ہوتا ہے ۔ ہر ایک پرچہ دو سو نشانات کا حامل جملہ ایک ہزار نشانات پر مشتمل ہوتا ہے ۔

پارٹ II میں دو سو نمبرات کا شخصیت ٹسٹ (Personality Test) ہوتا ہے ۔ تحریری امتحان کے پہلے سکشن میں تین پرچے آبجیکٹیو ٹائپ کے ہوتے ہیں ۔ پہلے پرچے میں جنرل قابلیت ٹسٹ سے متعلق جنرل انگلش ، جنرل اسٹڈیز سوالات ہوتے ہیں ۔ جس زمرے کے لئے امتحان لکھا جارہا ہو اس سے متعلق دو پرچہ سوالات ہوتے ہیں ۔ دوسرے سکشن میں امیدوار کے زمرے سے متعلق انجینئرنگ موضوع پر دو پرچے ہوتے ہیں ۔ اس میں تمام سوالات مضمون کے طور پر ہوتے ہیں ۔

جنرل انگلش پرچے سے امیدوار کی انگریزی زبان میں اہلیت کی جانچ کی جاتی ہے ۔ جنرل اسٹڈیز پرچے میں انڈین جیوگرافی ، ہسٹری ، حالات حاضرہ جیسے معلومات پر سوالات ہوتے ہیں ۔ ان کے لئے ایمپلائمنٹ نیوز میں جو اعلامیہ (Notification) دیا جاتا ہے ۔ اس میں تمام پرچوں کا نصاب (Syllabus) دیا جاتا ہے ۔ مزید نصابی تفصیلات کنٹرولر آف پبلیکیشنز سیول لائنس ، دہلی 110054 سے یا پھر ملک بھر میں موجود سرکاری پریس سے حاصل کئے جاسکتے ہیں ۔ تمام مضامین انگریزی میں لکھنا ضروری ہے ۔ امیدوار Calculators کا استعمال کرسکتے ہیں ۔

امتحان میں اہلیت کے نشانات (Qualifying Marks) طے کرنے کا اختیار کمیشن کو حاصل ہوتا ہے ۔ امتحان کے سوالات کا To the Point جواب ہی کامیاب سمجھا جاتا ہے ۔ اور ایسے جوابات کو ہی نمبرات دئے جاتے ہیں ۔ تحریری امتحان میں کامیابی کے بعد امیدوار کو شخصیت ٹسٹ میں بلایا جاتا ہے (پارٹ 2) اور امیدوار کی ذہانت ، حاضر جوابی ، جسمانی قابلیت ، حوصلہ ، فیصلہ کن ذہن اور ایسے ہی دیگر امور کا جائزہ لیا جاتا ہے ۔

کیپٹن لکشمی سہگل کا دورہ حیدرآباد

مجلس رائے دہی میں حصہ نہیں لے گی

ملک میں صدارتی عہدہ کے لئے بائیں بازو کی امیدوار کیپٹن لکشمی سہگل نے جموں و کشمیر کی سنگھ پریوار کی تجویز کو ملک کے لئے خطرناک قرار دیتے ہوئے سنگھ پریوار کو متنبہ کیا کہ وہ پاکستان کے سر میں بات نہ کریں۔ کیپٹن لکشمی سہگل اپنی انتخابی مہم کے سلسلہ میں حیدرآباد پہونچیں۔ انکی آمد پر شاندار استقبال کیا گیا اور ایک ریالی کی شکل میں انہیں بائیں بازو کی جماعتوں کے دفاتر لے جایا گیا۔ واضح رہے کہ بائیں بازو کی جماعتیں اگرچہ آندھرا پردیش میں مضبوط ہیں لیکن گذشتہ اسمبلی انتخابات میں انکے صرف تین نمائندے ریاستی اسمبلی کے لئے منتخب ہوسکے۔ بائیں بازو کی جماعتوں کے قائدین نے کیپٹن لکشمی سہگل کے لئے تائید حاصل کرنے کے لئے مجلس اتحاد المسلمین کے صدر جناب سلطان صلاح الدین اویسی ایم پی سے ملاقات کی۔ تاہم مجلس نے اپنی عاملہ کے اجلاس میں صدارتی چناؤ کی رائے دہی میں حصہ نہ لینے کا اعلان کیا ہے۔ اسی دوران ایک پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے کیپٹن لکشمی سہگل نے کشمیر کی تقسیم کے مطالبہ کی سختی سے مخالفت کرتے ہوئے کہا کہ کشمیر کے عوام نے تقسیم کے وقت ملک کے ساتھ رہنے کا فیصلہ کیا تھا اور انہوں نے جناب محمد علی جناح کے دو قومی نظریہ کو قبول نہیں کیا تھا۔ انہوں نے کہا کہ مذہب کی بنیادوں پر کشمیر کی تقسیم کی کوئی بھی کوشش خطرناک ثابت ہوگی۔ لکشمی سہگل نے کہا کہ کشمیر کے لئے زائد خود مختاری کا مطالبہ الگ بات ہے تاہم کشمیر کی تقسیم کی تجویز دی ہے جو کہ پاکستان چاہتا ہے۔ اگر کشمیر کی تقسیم سے اتفاق کرلیا جائے تو پھر ملک میں اور بھی تقسیم ہوگی۔

کیپٹن لکشمی سہگل نے صدارتی عہدہ کے لئے انکے حریف اے پی جے عبدالکلام کی امیدواری کے بارے میں کہا کہ عبدالکلام دراصل سنگھ پریوار اور فرقہ پرست طاقتوں کے امیدوار ہیں۔ انہوں نے کہا کہ وہ اچھی طرح جانتی ہیں کہ صدارتی چناؤ میں انہیں کامیابی حاصل نہیں ہوگی تاہم وہ ایک نظریاتی لڑائی لڑرہی ہیں تاکہ عوام کو یہ بتایا جائے کہ فرقہ پرست طاقتوں سے ملک کو کس طرح خطرہ لاحق ہے۔ ملک کے سیکولر اقدار کی بحالی کے لئے انہوں نے مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

بائیں بازو جماعتوں کی صدارتی امیدوار لکشمی سہگل کی حیدرآباد آمد پر زبردست استقبال کیا گیا

نکسلائٹس کا بند

ریاست میں نکسلائیٹس کی دو روزہ بند کا ۱۱/ جولائی کو آغاز ہوا۔ نکسلائیٹس نے ضلع کرنول میں ایک سرکاری دفتر کو دھماکہ سے اڑا دیا اور ہڑتال سے عین قبل پولیس نے ضلع ورنگل میں دو نکسلائیٹس کو گولی ماردی۔ دو روزہ بند پہلے دن مجموعی طور پر پرامن رہا۔ اضلاع میں بند کا واضح طور پر اثر دیکھا گیا جبکہ دارالحکومت حیدرآباد میں جزوی اثر رہا۔ پولیس نے سارے صوبے اور خاص طور پر نکسلائیٹس کے زیر اثر علاقوں میں سخت چوکسی کو برقرار رکھا ہے۔ ممنوعہ پیپلز وار گروپ کے نکسلائیٹس نے اپنے ساتھیوں کی پولیس کے ہاتھوں ہلاکت کے خلاف بطور احتجاج بند کا اعلان کیا ہے۔ ریاستی وزیر داخلہ ٹی دیویندر گوڑ نے پولیس کی کارروائیوں کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے کہا کہ حکومت نکسلائٹس کے آگے ہرگز نہیں جھکے گی۔ نکسلائیٹس کے نشانہ میں شامل سیاسی قائدین اور عہدیداروں کی سیکورٹی میں اضافہ کردیا گیا ہے۔

ایودھیا تنازعہ پر بات چیت شنکراچاریہ

کانچی کے شنکر آچاریہ جتیندر سرسوتی نے کشمیر میں صدر راج کے نفاذ کا مطالبہ کرتے ہوئے مرکز کی بی جے پی حکومت کی اس کوشش کی تائید کی ہے۔ شنکر آچاریہ نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کشمیر اور ایودھیا تنازعہ پر اپنی رائے ظاہر کی۔ جتیندر سرسوتی نے

کہا کہ کشمیر میں صورتحال کے معمول پر آنے اور دہشت گردی کے خاتمہ تک کم از کم دو برسوں کے لئے صدر راج نافذ کیا جانا چاہئے ۔ صدر راج کے نفاذ کے ذریعہ دہشت گردی سے نمٹنے پر توجہ دی جاسکتی ہے ۔ شنکر آچاریہ جئیندر سرسوتی جو کہ ملک کے سیاسی امور میں دوسرے ہندو مذہبی رہنماؤں سے زیادہ اظہار خیال کرنے کے لئے شہرت رکھتے ہیں سنگھ پریوار کی اس تجویز کی مخالفت کی کہ کشمیر کو تین حصوں میں تقسیم کردیا جائے ۔ انہوں نے کہا کہ تقسیم سے پاکستان ہی کو فائدہ پہونچے گا ۔ انہوں نے کشمیر کے خصوصی موقف سے متعلق دستور کی دفعہ 370 کی برقراری کی تائید کرتے ہوئے کہا کہ اس دفعہ کی برخاستگی سے پڑوسی ممالک سے دہشت گرد کشمیر میں آکر بس جائیں گے ۔

ایودھیا تنازعہ کی بات چیت کے ذریعہ یکسوئی کی مساعی کا دعوی کرنے والے جئیندر سرسوتی نے رام مندر کی تعمیر کے بارے میں اپنا سخت گیر موقف ظاہر کرتے ہوئے کہا کہ ایودھیا میں جس مقام پر مورتیاں رکھی گئی ہیں ۔ انکی منتقلی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ جس جگہ مورتیاں رکھی ہوئی ہیں اسی مقام پر رام مند تعمیر کیا جائے گا ۔ واضح رہے کہ بابری مسجد کی شہادت کے بعد انکے احاطہ میں مورتیاں رکھکر عارضی مندر تعمیر کردیا گیا تھا جس میں پوجا پاٹ بھی جاری ہے ۔ شنکر اچاریہ نے کہا کہ مسجد کی تعمیر کے لئے متبادل اراضی فراہم کردی جائے گی ۔ انہوں نے کہا کہ ایودھیا میں تین ہزار مسلمان ہیں اور انکے لئے 10 مساجد موجود ہیں ۔ انہوں نے بتایا کہ ایودھیا تنازعہ کی یکسوئی کے لئے بہت جلد انکے مٹھ کانچی میں ایودھیا کے ہندو اور مسلم نمائندوں سے بات چیت کریں گے ۔ بقول انکے آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے نمائندے بھی بات چیت میں شرکت کریں گے ۔ انہوں نے کہا کہ عدالت ایودھیا تنازعہ کا حل تلاش نہیں کرسکتی لہذا صرف بات چیت کے ذریعہ ہی مسئلہ کی یکسوئی ممکن ہے ۔ اسی دوران مسلم رہنماؤں نے شنکر آچاریہ کے اس بیان پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ بات چیت کے ذریعہ مسئلہ کی یکسوئی کی کوشش کا ادعا کرنے والے شنکر آچاریہ دراصل سنگھ پریوار کی کٹھ پتلی کا رول ادا کررہے ہیں ۔

آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے ترجمان و سکریٹری مولانا عبدالرحیم قریشی نے کہا کہ شنکر آچاریہ غیر جانبدار نہیں ہیں بلکہ رام مندر مسئلہ کے وہ ایک فریق ہیں لہذا انکی کوششوں پر زیادہ اعتماد نہیں کیا جاسکتا ۔ ترجمان نے بتایا کہ کانچی میں بات چیت کے بارے میں شنکر آچاریہ سے کوئی رسمی دعوت نامہ ابھی ملا نہیں ہے ۔ دعوت نامہ ملنے کے بعد پرسنل لاء بورڈ مسلم رہنماؤں اور ماہرین قانون سے مشاورت کے بعد ہی اپنے موقف کو طے کرے گا ۔

وینکیا نائیڈو کو بی جے پی ایجنڈے پر فخر

ملک میں برسر اقتدار بھارتیہ جنتا پارٹی کے نئے قومی صدر ایم وینکیا نائیڈو صدارتی عہدہ سنبھالنے کے بعد حیدرآباد پہونچے ۔ یہاں پہونچنے پر اگرچہ ان کا شاندار استقبال کیا گیا لیکن انکے خلاف ناراض قائدین بھی کھل کر سامنے آگئے ۔ ایم وینکیا نائیڈو نے حیدرآباد پہونچتے ہی پھر ایک بار بی جے پی کے ایجنڈے کا پرچار شروع کرتے ہوئے اس پر فخر کا اظہار کیا ۔ وینکیا نائیڈو کا استقبال کرنے والوں میں مرکزی وزراء بنڈارو دتاتریہ ، سی ایچ ودیا ساگرراؤ ، کرشنم راجو ، صدر ریاستی بی جے پی سی ایچ راجمندر ریڈی کے علاوہ پارٹی کے ارکان پارلیمنٹ اور ارکان اسمبلی بھی موجود تھے ۔ کٹر فرقہ پرست تنظیم آر ایس ایس سے اپنے سیاسی سفر کا آغاز کرنے والے وینکیا نائیڈو کو ایک رتھ یاترا کے ذریعہ شہر کے مختلف علاقوں میں گشت کراتے ہوئے بی جے پی آفس لے جایا گیا ۔ انکے استقبال میں سنگھ پریوار کی مختلف تنظیموں کے قائدین اور کارکن بھی شامل تھے جن میں آر ایس ایس وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل شامل ہیں ۔ بی جے پی کارکن جلوس میں اشتعال انگیز نعرے بھی لگارہے تھے ۔ جن میں ہندوتوا کے حق میں پرچار کرنے والے نعرے شامل تھے ۔ طیرانگاہ پر اخبار نویسوں سے غیر رسمی بات چیت میں بی جے پی کے قومی صدر نے کہا کہ وہ آئندہ ماہ پارٹی کی تنظیم جدید کریں گے اور اس میں تمام صوبوں اور طبقات کو مناسب نمائندگی دی جائے گی ۔ وینکیا نائیڈو کے اعزاز میں سٹی بی جے پی کی جانب سے تہنیت پیش کی گئی ۔ اس موقع پر اپنے خطاب میں بی جے پی صدر نے کارکنوں کو مشورہ

نئے بی جے پی صدر وینکیا نائیڈو حیدرآباد میں

ریاستی گورنر ڈاکٹر رنگا راجن چندانگر میں سمن گرلز کالج کا افتتاح کرتے ہوئے۔ تصویر میں مسز سمن کرشن کانت اور چیف منسٹر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

دیا کہ وہ ابھی سے آئندہ عام انتخابات کی تیاریوں میں جٹ جائیں اور بی جے پی ایجنڈہ کا کھل کر پرچار کریں۔ وینکیا نائیڈو نے اپوزیشن جماعتوں پر الزام عائد کیا کہ وہ گجرات اور ایودھیا کے حالات کو سیاسی رنگ دیتے ہوئے بی جے پی کو بدنام کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔ انہوں نے مرکز میں مخلوط حکومت کے تقاضوں کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ حلیف جماعتوں کی تائید سے مرکز میں حکومت کے سبب بی جے پی اپنے ایجنڈہ پر کھل کر عمل آوری نہیں کرپارہی ہے تاہم اس کا مطلب ہرگز یہ نہیں کہ اس نے اپنے ایجنڈہ سے انحراف کرلیا ہے۔

بی جے پی صدر کی حیدرآباد آمد کے موقع پر پارٹی کی گروہ بندیاں بھی کھل کر سامنے آگئیں۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ وینکیا نائیڈو کو ریاست میں کبھی بھی عوامی تائید حاصل نہیں رہی اور خود پارٹی حلقوں میں انکے حامیوں کی تعداد کافی کم ہے۔ اسکے باوجود وہ پبلک ریلیشن کی اپنی صلاحیت کے سبب ہائی کمان کے پسندیدہ قائد بن گئے۔ پارٹی میں عہدے حاصل کرنے کے خواہشمند قائدین تو انکے تقرر کا خیر مقدم کررہے ہیں تاہم انکے مخالفین کو یہ خطرہ لاحق ہوچکا ہے کہ پارٹی صدر کی حیثیت سے وینکیا نائیڈو اب ان سے بدلہ لیں گے۔ ایک سینئر بی جے پی قائد نے کہا کہ وینکیا نائیڈو کبھی بھی عوام میں مقبول نہیں رہے یہی وجہ ہے کہ وہ ریاست میں لوک سبھا کے انتخابات میں شکست کھاگئے۔ وینکیا نائیڈو کا تعلق ساحلی آندھرا سے ہے اور تلنگانہ اور رائلسیما کے بی جے پی قائدین انکی قیادت کو تسلیم کرنے سے کتراتے رہے ہیں۔ پارٹی قائدین کا کہنا ہے کہ وینکیا نائیڈو کو صدر منتخب کئے جانے سے پارٹی کی مقبولیت میں کوئی اضافہ نہیں ہوگا۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ وینکیا نائیڈو اپنے مخالفین کے ساتھ کس طرح کا سلوک کرتے ہیں اور خود کو ایک عوامی قائد کی حیثیت سے منوانے کے لئے کونسا راستہ اختیار کرتے ہیں۔

پیپلز وار گروپ کے 11 اور 12 جولائی کو آندھرا پردیش بند کا ملا جلا رد عمل رہا۔ حیدرآباد میں پولیس گاڑیوں کی تلاشی لیتے ہوئے

امریکن ہوم، کس آف فر، سدھارتھ"۔
گوری شنکر ..."انڈیا میں کل کتنے ہائی ویز (قومی شاہراہیں) ہیں؟"
"سر 65"
گوری شنکر ..."ان میں سے کتنے ہائی ویز چنڈی گڑھ کو ٹچ کرتے ہیں؟"
"سر، دو ... ہائی وے نمبر 21 اور ہائی وے نمبر 22۔ ہائی وے نمبر 21 چنڈی گڑھ سے بلاس پور منڈی اور کلو ہوتا ہوا منالی جاتا ہے، اور ہائی وے نمبر 22 انبالہ سے چنڈی گڑھ کالکا، سولن اور شملہ ہوتا ہوا رام پور جاتا ہے"۔
گوری شنکر نے اندر جیت اور کرن سنگھ کی طرف اور پھر تینوں نے چندر پال جی کی طرف دیکھا۔ چندر پال جی نے مسکرا کر من پھول سنگھ کی طرف دیکھا اور بولے "تھینک یو"۔
انہیں یقین ہوگیا تھا کہ من پھول سنگھ کو وہ تمام سوالات پہلے سے بتادئے گئے تھے جو اندر جیت، کرن سنگھ اور گوری شنکر نے ان سے پوچھے تھے۔ اور من پھول سنگھ ان سوالوں کے جواب رٹ کر آیا تھا۔
سارے انٹرویو میں وہ ایک مشین کی طرح بولتا رہا تھا۔
پانچواں کینڈیڈیٹ سودیش ٹھاکر شملہ سے آیا تھا۔
اندر جیت نے سوالات کا سلسلہ شروع کیا۔ "ہمیشہ سے شملہ میں رہتے ہو؟"
"جی سر"
اندر جیت ... "شملہ کو برٹش انڈیا میں کیا پوزیشن حاصل تھی؟"
"شملہ برٹش انڈیا کی سمر کیپٹل ہوا کرتا تھا سر"
کرن سنگھ .. "شملہ ہماچل پردیش کی راجدھانی ہے۔ یہ ہماچل پردیش constitute کب ہوا۔ (تشکیل کب ہوئی)؟"
"1966 میں سر"
کرن سنگھ ..."اس سے پہلے اس کی کیا پوزیشن تھی؟"
"اس سے پہلے سر یہ پنجاب کا ایک حصہ تھا"
کرن سنگھ ..."پنجاب کتنی بار ٹوٹا ہے؟"

"دو بار سر"
کرن سنگھ ..."کب کب؟"
"پہلی بار 1947ء میں سر، جب پنجاب کا ایک حصہ ٹوٹ کر پاکستان میں چلا گیا تھا اور دوسری بار 1966ء میں جب اس کا ایک حصہ ہماچل پردیش بنادیا گیا، دوسرا ہریانہ اور تیسرا حصہ وہ رہ گیا جسے ہم آج پنجاب کے نام سے جانتے ہیں"۔
اندر جیت "ہماچل کا رقبہ کتنا ہے؟"
"55673 اسکوائر کیلومیٹر، سر"
اندر جیت ... "شملہ کی سطح سمندر سے اونچائی کیا ہے؟"
"2130 میٹر سر"
کرن سنگھ .."فٹ میں بتاؤ"
"سات ہزار ایک سو فٹ سر"
کرن سنگھ "یہ پہاڑ کی اونچائی جس آلے سے ناپی جاتی ہے اس کا کیا نام ہے؟"
"ششش۔ شاید بیرومیٹر سر، آئی ایم ناٹ شیور"۔
گوری شنکر..."شملہ سے منالی کتنی دور ہے؟"
"370 کیلومیٹر، سر"
گوری ..."شملہ کس ہائی وے سے دیش کے دوسرے حصوں سے connected ہے؟"
"ہائی وے نمبر 22 سے، سر"
گوری شنکر..."شملہ کی آبادی آج کتنی ہے؟"
"سوری سر ... نو آئیڈیا، سر"
گوری شنکر ..."چلو ہماچل پردیش کی ہی آبادی کے بارے میں بتاؤ"
"پچاسی لاکھ چودہ ہزار، سر"
اندر جیت ... "شملہ سمجھوتے کے بارے میں کچھ بتاؤ"
"سوری سر، نو آئیڈیا"۔
اندر جیت ... "کمال ہے ... ایک بھارتیہ اور شملہ سمجھوتہ کے بارے میں علم نہیں۔ خیر 1946 میں کیبنٹ مشن کی ایک بہت اہم میٹنگ شملہ میں ہوئی تھی جس میں مشن نے جناح صاحب کی پاکستان کی ڈیمانڈ کو reject (مسترد) کردیا تھا۔ کن بنیادی پر وہ ڈیمانڈ Reject کی گئی تھی؟"

"سوری سر .. میں .. میں نے ہسٹری نہیں پڑھی ہے"
تینوں اے سیز نے چندر پال جی کی طرف دیکھا۔
"تھینک یو مسٹر سودیش ٹھاکر" چندر پال جی نے کہا .... اور سودیش ٹھاکر "تھینک یو" کہہ کر چلا گیا۔
چاروں ممبر اپنی اپنی مارکنگ شیٹ تیار کرنے لگے۔
پہلے تین امیدواروں کے نمبر کم تھے۔
چوتھے کینڈیڈیٹ من پھول سنگھ کو اندر جیت نے بیس میں سے اٹھارہ، کرن سنگھ نے سترہ، گوری شنکر نے انیس اور چندر پال جی نے دس نمبر دئے تھے۔ اس طرح انٹرویو میں اسے اسی میں چونسٹھ نمبر حاصل ہوئے تھے۔ پانچویں کینڈیڈیڈ سودیش ٹھاکر کو اندر جیت نے بیس میں آٹھ، کرن سنگھ نے سات، گوری شنکر نے نو اور چندر پال جی نے سولہ نمبر دئے تھے۔ اس طرح اسی میں اس نے چالیس نمبر پائے تھے۔ ادھر ایم ایس سی کے مارکس کی بنیاد پر بھی من پھول سنگھ کے مارکس سودیش ٹھاکر سے زیادہ تھے۔ اس طرح دو کینڈیڈیٹ کا جو پینل بنا اس میں نمبر ایک پر من پھول سنگھ اور نمبر دو پر سودیش ٹھاکر تھا۔ یعنی تقرر من پھول سنگھ کا ہی ہونا تھا۔ اگر کسی وجہ سے من پھول سنگھ جوائن نہ کرتا یا کسی وجہ سے ملازمت چھوڑ کر چلا جاتا۔ تبھی سودیش ٹھاکر کا تقرر ہوسکتا تھا۔
چندر پال جی بڑے الجھے ہوئے ذہن کے ساتھ شام کو چھ بجے جب اپنی سرکاری کوٹھی پر پہنچے تو ڈرائنگ روم میں سودیش ٹھاکر کو اپنا منتظر پایا۔
اس سے پہلے کہ سودیش ٹھاکر کچھ کہتا چندر پال جی نے کہا "سوری ینگ مین .. مگر تم نے بھی کمال کیا۔ کیبنٹ مشن تو چلو ہسٹری کا ٹاپک تھا، مگر شملہ سمجھوتہ! اب اگر کوئی پڑھا لکھا ہندوستانی وہ بھی شملہ کا رہنے والا، شملہ سمجھوتے کے بارے میں نہیں جانتا تو پھر اس کے لئے کوئی معافی نہیں ہوسکتی۔ 1971ء کی جنگ کے بعد پاکستان کے ذوالفقار علی بھٹو اور اپنی اندرا گاندھی کے مابین یہ سمجھوتہ ہوا تھا"۔
سودیش ٹھاکر بولا "سر، اگر آپ یہ

سوال بھی پہلے سے بتادیتے تو میں اس کی تیاری کرکے بھی آجاتا"۔

"اب مجھے کیا معلوم تھا کہ وہ حرام زادہ اندر جیت یہ سوال کر بیٹھے گا جو سوال میں Expect کررہا تھا وہ میں نے تمہیں بتادیئے تھے .. بہرحال تمہارا اپوائنٹ منٹ نہیں ہوسکا .... آئی ایم سوری ۔ میں اور زیادہ مدد نہیں کرسکا ... ٹھیرو ۔ میں تمہارے پیسے واپس کرتا ہوں " کہہ کر چندر پال جی اندر چلے گئے ۔

سودیش ٹھاکر سوچنے لگا کہ کمشنر چندر پال بہرحال کیرکٹر کے آدمی تو ہیں ۔ انہوں نے پچاس ہزار روپے یہ کہہ کر لئے تھے کہ اگر اس کا اپوائنٹ منٹ نہ ہوسکا تو یہ روپے واپس کردیں گے اور ... "

چندر پال جی سو سو روپئے کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں لئے ہوئے اندر سے آئے اور انہیں سودیش ٹھاکر کے ہاتھ پر رکھ دیا۔

چندر پال جی کو اس بات کا ملال تو تھا ہی کہ پچاس ہزار روپے آکر چلے گئے تھے ۔ مگر اس سے زیادہ ملال انہیں اس بات کا تھا کہ بگ باس نے ایک بار پھر انہیں پٹکنی دے دی تھی ۔

"بگ باس" دانت بھینچ کر انہوں نے دل ہی دل میں کہا اور آنکھیں بند کرکے لیٹ گئے ۔

تقریباً پانچ منٹ بعد انہوں نے اس طرح چونک کر آنکھیں کھولیں جیسے ان کی سوچ میں کوئی چیز چبھ گئی ہو ۔

دوسرے دن صبح ٹھیک ساڑھے نو بجے وہ دفتر پہنچ گئے ۔ حسب معمول سارا اسٹاف موجود تھا ۔ انہوں نے اپنے او ایس سے انٹرویو کی فائل منگوائی ۔ اور اسے کھول کر کچھ کاغذات کا گہری نظر سے جائزہ لینے لگے ۔ پھر فائل میں سے ایک کاغذ نکال کر انہوں نے اپنے بریف کیس میں رکھا فائل کو اپنی میز کی دراز میں رکھ کر دراز مقفل کی اور بریف کیس لے کر دفتر سے باہر آگئے ۔

پچیس منٹ بعد انہوں نے مارکٹ سے اس کاغذ کی فوٹو کاپی کروائی جو انہوں نے فائل سے نکالا تھا ۔ اسے لے کر اپنی کوٹھی پر آگئے ۔ بریف کیس سے اپنا سرکاری لیٹر ہیڈ نکالا اور کاندھاری یونیورسٹی کے رجسٹرار کو چٹھی لکھنی شروع کی ۔

"جناب اعلیٰ ۔ منسلک مارکس شیٹ کی فوٹو کاپی اس گذارش کے ساتھ بھیجی جارہی ہے کہ برائے مہربانی یہ تصدیق کریں کہ کیا یہ مارکس شیٹ آپ کی یونیورسٹی سے جاری کی گئی ہے اور اگر کی گئی ہے تو کیا اس کے سارے اندراجات صحیح ہیں ۔ شکریہ "۔

چٹھی کے ساتھ انہوں نے مارکس شیٹ کی فوٹو کاپی منسلک کی ۔ بریف کیس سے سرکاری لفافہ اور سرکاری ٹکٹ نکالے ۔ چٹھی اور مارکس شیٹ کو لفافے میں رکھا لفافہ بند کیا ۔ ٹکٹ چسپاں کئے کالونی کے ڈاک خانے جاکر خود چٹھی کی رجسٹری کرائی اور اپنے دفتر چلے گئے ۔

دفتر آکر انہوں نے مارکس شیٹ فائل میں رکھ دی اور او ایس کو بلا کر فائل اس کے حوالے کی اور من پھول سنگھ کا تقرر نامہ تیار کرنے کا حکم دیا ۔

ایک گھنٹے کے بعد انہوں نے تقرر نامے پر دستخط کردیئے اور اسی وقت تقرر نامہ رجسٹرڈ ڈاک سے من پھول سنگھ کو بھجوادیا ۔

چوتھے دن من پھول سنگھ نے جوائن کرلیا

اکیسویں دن کاندھاری یونیورسٹی کے رجسٹرار کا رجسٹرڈ کانفی ڈنشل لیٹر شام کو ساڑھے پانچ بجے چندر پال جی کو اپنی میز پر رکھا ملا ۔ دن بھر وہ ڈسٹرکٹ نارتھ ویسٹ کے پی ڈبلیو ڈی کے ہیڈکوارٹر میں ایک ضروری میٹنگ میں بزی رہے تھے اور شام کو ساڑھے پانچ بجے آفس پہنچے تھے

انہوں نے لفافہ چاک کیا ۔

کاندھاری یونیورسٹی کے رجسٹرار نے لکھا تھا "جناب عالی ۔ من پھول سنگھ نام کے کسی بھی شخص نے ہماری یونیورسٹی سے کبھی بھی جیالوجی میں ایم ایس سی نہیں کیا ہے ۔ جس مارکس شیٹ کی کاپی آپ نے بھیجی ہے ۔ اور جو اس خط کے ساتھ آپ کو واپس کی جارہی ہے وہ ہمارے یہاں سے کبھی جاری نہیں ہوتی ہے اور قطعی طور پر جعلی ہے ۔ نیک خواہشات کے ساتھ ۔

دستخط

رجسٹرار کاندھاری یونیورسٹی

" وہ مارا " چندر پال جی نے بغیر آواز کئے ہوئے نعرہ لگایا ۔ ان کا شک صحیح نکلا تھا ۔ من پھول سنگھ کے نواسی فیصد مارکس نے انہیں شک میں مبتلا کردیا تھا ۔ انہوں نے یونیورسٹی سے تصدیق کرائی اور اصلیت سامنے آگئی ۔

جمعہ کا دن تھا ۔ چندر پال جی نے گھڑی دیکھی ۔ چھ بج چکے تھے ۔ سارا اسٹاف جاچکا تھا ۔ صرف ان کا چپراسی ابھی کمرے کے باہر اپنے اسٹول پر بیٹھا ہوا تھا ۔ چندر پال جی نے رجسٹرار کا خط اپنے بریف کیس میں رکھا اور کھڑے ہوگئے ۔

"بگ باس ... " انہوں نے دل ہی دل میں کہا " اب میں دیکھوں گا اس باسٹرڈ کو ... بہت خون پیا ہے اس نے میرا ۔ خود کو لومڑی کی اولاد سمجھتا ہے ... اب دیکھوں گا کہ کتنی بڑی لومڑی کی اولاد ہے یہ حرامی "۔

آدھے گھنٹے کے بعد وہ اپنی کوٹھی پہنچ گئے ۔ لباس تبدیل کیا ۔ پتنی کے ساتھ بیٹھ کر چائے پی ۔ آدھے گھنٹے گپ شپ کی پھر اپنی خواب گاہ میں چلے گئے ۔ آرام سے پلاننگ کرنا چاہتے تھے ۔ ایک بڑا ڈرامائی پنچ دے کر وہ یہ راز افشا کرنا چاہتے تھے کہ بگ باس کے صاحبزادے کی ایم ایس سی کی مارکس شیٹ جعلی ہے اور اس جعلی مارکس شیٹ کی بنا پر انہوں نے این آر ڈی سی میں ملازمت حاصل کی ہے ... صاحبزادے جیل جائیں گے ۔ اور اپوزیشن کے لوگ وہ تہلکہ مچائیں گے کہ سبھی کے لئے جواب دینا مشکل ہوجائے گا اور بگ باس کے نیچے سے کرسی تو فوراً ہی کھینچ لی جائے گی ۔ ہر طرف تھو تھو کے جائیں گے ۔ بدنامی کا ایسا تگڑا بونس ملے گا کہ زندگی بھر پبلک لائف میں دوبارہ نہیں آپائیں گے ۔

چندر پال جی نے طے کیا کہ سوموار کو آفس میں ہی پریس کانفرنس بلا کر یہ راز فاش کریں تاکہ اچھی تگڑی شہرت ہو ۔

بڑی طمانیت کے ساتھ انہوں نے رات کا کھانا کھایا ۔ پورا دن بہت مصروفیت میں گزرا تھا ۔ بہت تھک گئے تھے ۔ اس لئے ٹی وی بھی نہیں دیکھا ۔ اور بڑی طمانیت لیکن سوموار کے انتظار کے ساتھ سوگئے ۔ ساری رات خواب میں انہوں نے بگ باس کو اپنے قدموں میں پڑے ہوئے پھوٹ پھوٹ کر روتے اور منت سماجت کرتے دیکھا ۔ ساری رات وہ بگ باس کو ٹھوکریں

مارتے رہے اور قہقہے لگاتے رہے۔

حسب معمول صبح چھ بجے ان کی آنکھ کھلی۔

ہاتھ بڑھا کر انہوں نے اخبار اٹھایا۔

پہلی سرخی اس طرح تھی۔

محکمہ سڑک کے بگ باس نے اپنے بیٹے کو خود گرفتار کرادیا۔

بیٹے نے ایم ایس سی کی جعلی مارکس شیٹ کی بنا پر این آر ڈی سی میں ملازمت حاصل کی تھی۔ بگ باس کے اس فعل کی ہر طرف ستائش ہورہی ہے۔ پرائم باس نے ستائش اور سپاس گزاری کے اظہار میں بگ باس کو بڑی یعنی "اسے" رینک کی کرسی کا آفر دیا۔

چندر پال نے پوری خبر پڑھے بغیر اخبار رکھ دیا۔ وہ یہ نہیں سوچ رہے تھے کہ بگ باس کتنی بڑی لومڑی کی اولاد ہے بلکہ یہ سوچ رہے تھے کہ ان کے اپنے آفس میں وہ کالی بھیڑ کون ہے جس نے کل ان کی عدم موجودگی میں کاندھاری یونیورسٹی کے رجسٹرار کا کانفی ڈنشیل لیٹر کھول کر خبر بگ باس کو لیک کردی اور لفافہ بند کرکے ان کی (چندر پال جی) کی میز پر رکھ دیا۔ ظاہر تھا کہ بگ باس نے اپنا کوئی جاسوس ان کے سر پہ بٹھا رکھا تھا جس کے بارے میں انہیں کبھی خیال بھی نہیں آیا تھا۔

انہوں نے ریموٹ کنٹرول اٹھایا اور لیٹے لیٹے ہی ٹی وی آن کردیا اور اٹھ کر بیٹھ گئے۔

بگ باس کی گذشتہ رات کی ریکارڈ پریس کانفرنس ٹیلی کاسٹ ہورہی تھی۔ بگ باس اپنے آفس میں اپنی کرسی پر بیٹھے تھے اور ہمیشہ کی طرح ان کا چہرہ پرسکون تھا اور اس پر بڑی اپنائیت بھری مسکراہٹ تھی۔ ان کے سامنے کرسیوں پر اخبارات کے نامہ نگار بیٹھے تھے۔ بگ باس کسی نامہ نگار کے سوال کے جواب میں کہہ رہے تھے

... "میں تو پندرہ برس سے یہاں ہوں .... من پھول ہمیشہ چنڈی گڑھ میں رہا۔ اسے یہاں کبھی اچھا نہیں لگا۔ اس کی ایجوکیشن چنڈی گڑھ میں ہی چلتی رہی۔ وہیں سے اس نے سی بی ایس ای بورڈ سے سینئر سکنڈری کیا، پھر اپنے ماما کے پاس کاندھاری چلا گیا کیونکہ ان کی کوئی اولاد نہیں تھی۔ مجھے بتایا گیا کہ وہاں وہ بی ای سی کر رہا ہے۔ پھر یہ خبر ملی کہ ایم ایس سی کر رہا ہے۔ پچھلے سال وہ کاندھاری سے واپس آگیا، کیونکہ اس کے ماما کا سورگ واس ہوگیا تھا۔ مامی پہلے ہی گزر چکی تھیں یہ تو مجھے اب پتہ چلا کہ کاندھاری میں وہ ایم ایس سی نہیں کررہا تھا بلکہ آوارہ گردی کررہا تھا"۔

"پھر آپ کو پتہ کیسے چلا کہ اس کی ایم ایس سی کی مارکس شیٹ بوگس ہے؟" ایک نامہ نگار نے سوال کیا۔

"پندرہ دن پہلے مجھے کسی نے فون پر بتایا کہ میرے بیٹے نے ایم ایس سی کی جعلی مارکس شیٹ دکھا کر این آر ڈی سی میں نوکری لے لی ہے۔ میں نے چپ چاپ پتہ لگایا۔ معلوم ہوا کہ اس نے واقعی کہیں سے جعلی مارکس شیٹ حاصل کرکے نوکری حاصل کی ہے۔ میں نے اس کی رپورٹ کردی اور اسے گرفتار کروادیا"۔

ایک نامہ نگار نے کہا "سر آپ نے جو یہ مثال قائم کی ہے ..."

"میں نے کوئی مثال قائم نہیں کی ہے میرے بھائی" بگ باس اس کی بات کاٹ کر بولے "میں نے وہی کیا ہے جو ایک ایماندار پبلک سرونٹ کو کرنا چاہئے۔ میرا سارا جیون اور چرتر آپ کے سامنے ہے۔ میں نے بھرسٹاچار کو کبھی سہن نہیں کیا ہے۔ اگر میرا بیٹا بھی بھرشٹاچاری ہے تو وہ بھرشٹاچاری پہلے ہے میرا بیٹا بعد میں ... جیسے ہی مجھے پتہ چلا میں نے اسے قانون کے حوالے کردیا۔ میں اپنا کام کرچکا، اب قانون اپنا کام کرے گا"۔

"باسٹرڈ" کہہ کر چندر پال جی نے ٹی وی آف کردیا۔

"یہ حرامی کبھی نہ کبھی اس بات کی کسر کاٹے گا ضرور کہ میں نے اس کے بیٹے کی مارکس شیٹ کی انکوائری کرائی" انہوں نے سوچا ... "اونہہ .. دیکھا جائے گا" سر جھٹک کر چندر پال جی کھڑے ہوگئے۔

تیسرے دن منسٹری سے من پھول سنگھ کی برخواستگی کے احکامات آگئے۔ اور چندر پال جی کے لئے ہدایت آگئی کہ تقرری کے پینل کے دوسرے کینڈیڈیٹ کو تقرر دے دیا جائے۔ احکامات براہ راست بگ باس کے دستخط سے آئے تھے۔

چندر پال جی کا سارا پلان ان کے آفس کے کسی غدار کی وجہ سے فیل ہوگیا تھا۔ اب تو انہیں صرف اتنے پر ہی اکتفا کرنا پڑرہا تھا کہ بگ باس کا بیٹا گرفتار ہوگیا ہے اور عدالت سے اسے سزا بہرحال ہوکے رہے گی۔

انہوں نے اسی دن سودیش ٹھاکر کو شملہ فون کیا۔

تین دن اور گزر گئے۔

من پھول سنگھ اسی رات کو ضمانت پر حوالات سے باہر آگیا تھا جس رات کو وہ گرفتار ہوا تھا۔ پولیس اس آدمی کو تلاش کررہی تھی جو بقول من پھول جعلی ڈگریوں اور جعلی مارکس شیٹ کا دھندا کرتا تھا اور جس سے من پھول سنگھ نے ایم ایس سی کی جعلی مارکس شیٹ خریدی تھی .... وہ انڈر گراؤنڈ ہوگیا تھا۔

بگ باس نے شکریہ اور انکسار کے ساتھ "اسے" رینک کی کرسی قبول کرلی تھی اور اس پر بیٹھ چکے تھے۔

ان کے احترام اور وقار میں بے پناہ اضافہ ہوگیا تھا۔

سب کچھ چندر پال جی کی نگاہوں میں تھا

"خیر ... پھر کبھی سہی بگ باسٹرڈ" انہوں نے زیر لب کہا "کبھی نہ کبھی تو میرا کوئی داؤ چلے گا۔ تمہیں برباد کردینا اب میری زندگی کا مشن ہے"۔

انہوں نے گھڑی دیکھی۔ ساڑھے چھ بج رہے تھے۔

دفتر سے نکل کر وہ کوٹھی پہنچے۔ سودیش ٹھاکر ان کے ڈرائنگ روم میں ان کا منتظر تھا۔ وہ جا کر اس کے سامنے صوفے پر بیٹھ گئے۔ سودیش نے انہیں نمستے کیا اور اپنے بیگ میں سے سو سو روپے کے نوٹوں کی پانچ گڈیاں نکال کر چندر پال جی کے ہاتھ پر رکھ دیں۔

چندر پال جی پچاس ہزار کے نوٹوں کی گڈیاں ہاتھ میں لے کر کھڑے ہوگئے اور اندر جانے لگے۔ اسی وقت اینٹی کرپشن کی پوری ٹیم ان کے ڈرائنگ روم میں داخل ہوگئی اور انہیں بھرے ہاتھوں گرفتار کرلیا۔

●●●●●

کلیاتِ اقبال

تصویرِ درد

نہیں منّت کشِ تابِ شنیدن داستاں میری
خموشی گفتگو ہے، بے زبانی ہے زباں میری

یہ دستورِ زباں بندی ہے کیسا تیری محفل میں؟
یہاں تو بات کرنے کو ترستی ہے زباں میری

اٹھائے کچھ ورق لالے نے، کچھ نرگس نے، کچھ گُل نے
چمن میں ہر طرف بکھری ہوئی ہے داستاں میری

اڑا لی قمریوں نے، طوطیوں نے، عندلیبوں نے
چمن والوں نے مل کر لوٹ لی طرزِ فغاں میری

ٹپک اے شمع! آنسو بن کے پروانے کی آنکھوں سے
سراپا درد ہوں حسرت بھری ہے داستاں میری

الٰہی! پھر مزا کیا ہے یہاں دُنیا میں رہنے کا؟
حیاتِ جاوداں میری، نہ مرگِ ناگہاں میری

مرا رونا نہیں، رونا ہے یہ سارے گلستاں کا
وہ گل ہوں میں، خزاں ہر گل کی ہے گویا خزاں میری

"دریں حسرت سرا عمریست افسونِ جرس دارم
زفیضِ دل طپیدن ہا خروشِ بے نفس دارم"

ریاضِ دہر میں ناآشنائے بزمِ عشرت ہوں
خوشی روتی ہے جس کو، میں وہ محرومِ مسرت ہوں

مری بگڑی ہوئی تقدیر کو روتی ہے گویائی
میں حرفِ زیرِ لب، شرمندۂ گوشِ سماعت ہوں

پریشاں ہوں میں مشتِ خاک، لیکن کچھ نہیں کھلتا
سکندر ہوں کہ آئینہ ہوں یا گردِ کدورت ہوں

یہ سب کچھ ہے مگر ہستی مری مقصد ہے قدرت کا
سراپا نور ہو جس کی حقیقت، میں وہ ظلمت ہوں

خزینہ ہوں، چھپایا مجھ کو مشتِ خاکِ صحرا نے
کسی کو کیا خبر ہے میں کہاں ہوں کس کی دولت ہوں؟

نظر میری نہیں ممنونِ سیرِ عرصۂ ہستی
میں وہ چھوٹی سی دنیا ہوں کہ آپ اپنی ولایت ہوں

نہ صہبا ہوں، نہ ساقی ہوں، نہ مستی ہوں، نہ پیمانہ
میں اس میخانۂ ہستی میں ہر شے کی حقیقت ہوں

مجھے رازِ دو عالم دل کا آئینہ دکھاتا ہے
وہی کہتا ہوں جو کچھ سامنے آنکھوں کے آتا ہے
عطا ایسا بیاں مجھ کو ہوا رنگیں بیانوں میں
کہ بامِ عرش کے طائر ہیں میرے ہمزبانوں میں
اثر یہ بھی ہے اک میرے جنونِ فتنہ ساماں کا
مرا آئینۂ دل ہے قضا کے رازدانوں میں
رلاتا ہے ترا نظارہ اے ہندوستاں! مجھ کو
کہ عبرت خیز ہے تیرا فسانہ سب فسانوں میں
دیا رونا مجھے ایسا کہ سب کچھ دے دیا گویا
لکھا کلکِ ازل نے مجھ کو تیرے نوحہ خوانوں میں
نشانِ برگِ گل تک بھی نہ چھوڑ اس باغ میں گلچیں!
تری قسمت سے رزم آرائیاں ہیں باغبانوں میں
چھپا کر آستیں میں بجلیاں رکھی ہیں گردوں نے
عنادل باغ کے غافل نہ بیٹھیں آشیانوں میں
سن اے غافل صدا میری! یہ ایسی چیز ہے جس کو
وظیفہ جان کر پڑھتے ہیں طائر بوستانوں میں

وطن کی فکر کر ناداں! مصیبت آنے والی ہے
تری بربادیوں کے مشورے ہیں آسمانوں میں
ذرا دیکھ اس کو جو کچھ ہو رہا ہے، ہونے والا ہے
دھرا کیا ہے بھلا عہدِ کہن کی داستانوں میں
یہ خاموشی کہاں تک؟ لذتِ فریاد پیدا کر!
زمیں پر تو ہو، اور تیری صدا ہو آسمانوں میں!
نہ سمجھو گے تو مٹ جاؤ گے اے ہندوستاں والو!
تمھاری داستاں تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں
یہی آئینِ قدرت ہے، یہی اسلوبِ فطرت ہے
جو ہے راہِ عمل میں گامزن، محبوبِ فطرت ہے
ہویدا آج اپنے زخمِ پنہاں کر کے چھوڑوں گا
لہو رو رو کے محفل کو گلستاں کر کے چھوڑوں گا
جلانا ہے مجھے ہر شمعِ دل کو سوزِ پنہاں سے
تری تاریک راتوں میں چراغاں کر کے چھوڑوں گا
مگر غنچوں کی صورت ہوں دلِ درد آشنا پیدا
چمن میں مشتِ خاک اپنی پریشاں کر کے چھوڑوں گا

فرح دیبا

جذباتی رویے: آپ کی صحت پر اثر انداز ہوتے ہیں

ماہرین اس بات پر تحقیق کر رہے ہیں کہ ایک ہی چیز کو لوگ دو مختلف نظروں سے کیوں دیکھتے ہیں آخر کچھ لوگوں کو آدھا گلاس خالی کیوں نظر آتا ہے جبکہ بیشتر اسے آدھا بھرا ہوا سمجھ کر خوش و مطمئن ہوجاتے ہیں۔ اسی طرح بعض لوگ خوش ہونے کے موقع پر جان بوجھ کر خوش نہیں ہوتے۔ آخر اس قسم کے طرز عمل کی ضرورت کیوں پیش آتی ہے اور اس طرح سوچنے کی وجہ کیا ہے؟ اور کیا ان لوگوں میں تبدیلی نہیں لائی جاسکتی؟

خوش قسمتی سے ان تمام معاملات میں زیادہ تر ماہرین کی رائے انتہائی حوصلہ افزاء ہے اور وہ یہ کہ خواہ مرد ہو یا عورت اگر وہ پیدائشی قنوطیت پسند ہیں تو بھی گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ وہ چاہیں تو خود پر ذرا سی توجہ دے کر پرامیدی اور خود امیدی کا دامن تھام سکتے ہیں اور ہر بات کے منفی پہلو کو دیکھنے کے بجائے اس کے مثبت پہلوؤں کو سامنے رکھ سکتے ہیں کیونکہ حالیہ ہونے والی تحقیق کے مطابق وہ افراد جو زیادہ تر خوش و خرم رہتے ہیں وہ ان افراد کے مقابلہ میں جو پریشان اور تفکرات میں گھرے رہتے ہیں زیادہ طویل عمر جیتے ہیں۔

ایک امریکی ماہر نے 800 سے زائد افراد جن کی عمریں تیس سال سے زائد تھیں اور ان میں مرد و خواتین بھی شامل تھیں پر کئی سال تک تحقیق کی۔ یہاں تک کہ اس دوران کئی افراد موت کے منہ میں چلے گئے۔ امریکی سائنسدان کے مطابق جس طرح کولسٹرول اور موٹاپا جلد اموات اور دیگر امراض کا باعث بنتا ہے ٹھیک اسی طرح قنوطیت بھی (انتہائی مایوسی) شرح اموات میں اضافے کا سبب بن رہی ہے۔ ان آٹھ سو افراد کے ریکارڈ سے ظاہر ہوا کہ خوش رہنے والے افراد کے مقابلے میں مایوس اور تفکرات میں گھرے لوگ جلد موت کا شکار ہوگئے۔

سخت مایوسی اور قنوطیت پرستی پر تحقیق کرنے والے ایک معروف جاپانی سائکاٹرسٹ ڈاکٹر توشیکو مورتو کے مطابق " مایوس، پریشان اور ہر وقت تفکرات میں گھرے رہنے سے دماغی خلیات کی ٹوٹ پھوٹ کا عمل جاری رہتا ہے جس سے براہ راست ہمارا جسم متاثر ہوتا ہے۔"

ڈاکٹر توشیکو کا کہنا ہے کہ " ہم اس بات پر بھی تحقیق کر رہے ہیں کہ جذباتی رویوں میں تبدیلی کے انسان پر کیا اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ ابتدائی نتائج کے مطابق ہم یہ بات تسلیم کرتے ہیں کہ جس طرح سگریٹ نوشی ترک کردینے یا وزن کم کرنے سے انسانی صحت میں بہتری آتی ہے بالکل اسی طرح منفی جذباتی رویوں کی تبدیلی کے بھی صحت پر اچھے اثرات پڑتے ہیں۔ البتہ ہم ابھی تک ایسا کوئی آلہ ایجاد نہیں کرسکے جس سے ہم مایوسی کی پیمائش کرسکیں"۔

یونیورسٹی آف لندن کے شعبہ نفسیات کے سینئر لیکچرر ڈاکٹر ڈیوڈ نیاس کا کہنا ہے کہ " موجودہ دور میں ہم سب کے لئے یہ جاننا ناگزیر ہوگیا ہے کہ پرامید اور مثبت انداز فکر اپنانے کے لئے ہمیں کیا کرنا چاہئے؟ ہمیں یہ بھی پتہ ہونا چاہئے کہ مایوس خیالات اور منفی جذبات ہمارے دفاعی نظام کو کمزور کردیتے ہیں اور قوت مدافعت کی کمی ہی گلے کی خرابی سے لے کر، دل کے دورے اور سرطان (کینسر) کا تک باعث بن سکتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ افراد جن کے گلے خراب ہوتے ہیں ان کے مطالعے سے ظاہر ہوا ہے کہ اکثر اوقات وہ اپنی بیماری سے تین دن قبل کسی نہ کسی تجربے یا منفی جذبے کا شکار ضرور ہوتے ہیں۔ یہ بات نہیں کہ انہیں منفی جذبہ یا کوئی تلخ تجربہ بیمار کرتا ہے بلکہ اس سے ان کی قوت مدافعت کا نظام کمزور ہوجاتا ہے اور یوں جراثیم کو جسم پر آسانی سے حملہ کرنے کا موقع مل جاتا ہے"۔

چنانچہ ہمارے لئے یہ انتہائی ضروری ہے کہ ہم جسمانی اور ذہنی طور پر مثبت طرز عمل کا مظاہرہ کریں لیکن ایسا کیونکر اور کیسے ممکن ہے؟

ماہرین نے اس کے لئے "اپنی مدد آپ" کے تحت تبدیلی لانے کا مشورہ دیا ہے۔ ان پر عمل کرنے والا کوئی بھی فرد خود کو ناامیدی اور مایوسی کے تاریک غاروں سے نکال کر پرامیدی اور خوش کن توقعات کی روشن اور درخشاں دنیا کی طرف واپس آسکتا ہے۔

فزیوتھراپسٹ اور گیٹ دی ہیپی نس ہیبٹس کی مصنفہ مسز کرسٹائن ویبر اپنی نئی کتاب میں لکھتی ہیں کہ "مشق کے ذریعے کوئی بھی شخص مثبت رویے اپنانے میں مہارت حاصل کرسکتا ہے"۔

ماہرین کے مطابق خوشی کا انتخاب عموما انسان کے اپنے اوپر ہوتا ہے کہ وہ کسی واقعے کو کیسے محسوس کرتا ہے کیونکہ اکثر دیکھنے میں آیا ہے کہ واقعہ ایک ہوتا ہے لیکن اس پر تمام افراد یکساں اظہار نہیں کرتے بلکہ اکثر مختلف ردعمل سامنے آتا ہے۔ اس لئے کہ بیشتر لوگ اپنی منفی سوچ کی بنا پر خوشی کے لمحات کو پہچاننے سے انکار کردیتے ہیں۔

مثال کے طور پر اسکول کی طرف سے اولڈ اسٹوڈنٹس پارٹی میں شرکت کے لئے چار خواتین کو ایک جیسے ماحول میں دعوت نامہ ارسال کیا جاتا ہے۔ ان میں سے ایک یہ سوچتی ہے کہ "ارے کتنا مزہ آئے گا۔ میں اپنی تمام پرانی دوستوں سے ملوں گی"۔ دوسری یوں سوچتی ہے کہ "میں وہاں نہیں جاؤں گی سب پرانی دوست آئیں گی جن میں سے کئی مجھ سے زیادہ کامیاب اور اچھے عہدوں پر ہوں گی"۔ تیسری اپنے تجسس سے لطف اندوز ہورہی ہے کہ "معلوم نہیں کہ اس تقریب میں سب سے اہم اور نمایاں کون رہے گا"۔ چوتھی یہ سوچتی ہے کہ "میں نہیں جاسکتی۔ بہت موٹی ہوچکی ہوں، سب دوست میرا مذاق اڑائیں گی اور پھر میرے پاس پہننے کو بھی کوئی خاص کپڑے نہیں"۔

کرسٹائن ویبر کا کہنا ہے کہ "آپ اپنے مثبت سوچ سے اپنے اردگرد کا ماحول تبدیل کرسکتی ہیں۔ مثلا آج سے ہی اپنے اردگرد اچھی چیزوں کو حقیقی انداز میں محسوس کرنا شروع کردیں جو آپ کے اردگرد واقع ہوتی رہتی ہیں۔ اس سے آپ کو ایک انجانی سی خوشی محسوس ہوگی۔

جب آپ خوبصورت اور خوشگوار لمحات کو دیکھیں تو اس سے لطف اندوز ہونے کے لئے خود کو وقت دیں۔ خواہ خوشی کا یہ احساس ایک معصوم بچے کو ٹرین سے کھیلتے اور معصوم حرکتیں کرتے دیکھ کر ہی کیوں نہ ہورہا ہو۔ دفتر کے ساتھی کا خوبصورت مذاق، سردیوں کی دھوپ اور چاندنی کی ٹھنڈک جیسے لمحات کو سرسری انداز میں نہ لیں۔ جہاں تک ممکن ہو ان سے خوشیاں کشید کرنے کی کوشش کریں۔ بلاشبہ یہ سب کچھ آپ کے اوپر منحصر ہے کہ آپ کس چیز کو دیکھ کر موڈ کیسا رکھتے ہیں۔ ویبر لکھتی ہیں کہ "زندگی کے تلخ اور مایوس کن واقعات کے بارے میں حتی الامکان سوچنے سے گریز کیا کریں۔ اگر کبھی ایسا خیال آئے بھی تو خود سے یہ کہیں کہ "میں اس ضمن میں مزید کوئی بھی چیز سوچنے کے لئے تیار نہیں ہوں"۔

اگر آپ کے خیال میں وہ ہوجائے جو نہیں ہونا چاہیئے تھا تو بھی اسے سر پر مسلط نہ کریں۔ مثال کے طور پر اگر آپ کی ٹرین چھوٹ جاتی ہے تو اس کا یہ مطلب نہیں کہ آپ پورا دن ناگوار اور خراب موڈ کے ساتھ گزاردیں۔ آپ یہ چیز محسوس کریں کہ یہ اتفاقیہ واقعہ ہے اور اب آپ ٹرین کو کسی صورت واپس نہیں لاسکتے چنانچہ پورا دن خراب کرنے کی کیا ضرورت ہے"۔

ماہرین نے تجویز کیا ہے کہ جب آپ کسی معاملے میں الجھنے لگیں تو اپنی توجہ دیگر چیزوں پر مرکوز کرنا شروع کردیں مثلا کسی بچے کی معصوم حرکتوں پر، گھر میں پالے گئے کتے پر یا کسی ایسے شخص پر جو آپ کو اچھا لگتا ہو اور وہ آپ سے محبت بانٹ سکے۔ اسی طرح خوبصورت موضوعات کو سامنے رکھیں۔ پھول، زیور، پسندیدہ پرفیوم وغیرہ پر گفتگو کرکے بھی پریشان کن خیالات سے نجات حاصل کی جاسکتی ہے۔

اگر کسی عورت کو اس کا شوہر طلاق دے دیتا ہے تو وہ اس طرح نہ سوچے کہ "میرے شوہر نے مجھے چھوڑ دیا ہے۔ پوری دنیا یہ کہے گی کہ میں بہت بری عورت ہوں اور اب کوئی بھی شخص مجھے قبول نہیں کرے گا"۔ اس کے بجائے یہ سوچے کہ "بیشتر سمجھدار لوگ یہ بات جانتے ہیں کہ علحدگی کے معاملات میں دونوں برابر کے قصوروار ہوتے ہیں۔ جو کچھ ہوا وہ میرا ماضی تھا لیکن میرا مستقبل بہت روشن اور خوبصورت ہوگا۔ یہاں تک کہ میں سب کچھ بھول جاؤں گی"۔

ممکن ہے کہ اس طرح کی مثبت سوچیں آپ کو مکمل پریشانیوں سے بچا نہ سکیں تاہم یہ آپ میں لڑنے کا حوصلہ اور طاقت ضرور پیدا کردیں گی بلکہ دباؤ کا مقابلہ کرنا بھی آپ کو آجائے گا۔

ایک ستر سالہ خاتون (جو اب بھی صحت مند ہے اور سرگرم زندگی گزارتی ہے اس کے دوستوں میں 10 سے 80 سال تک کے افراد شامل ہیں) کا کہنا ہے کہ "مجھے تفکرات اور پریشانیوں سے لڑنے میں کچھ مشکلات کا سامنا ضرور کرنا پڑتا ہے لیکن میں اتنا جانتی ہوں کہ ہماری زندگی میں بہت کچھ ایسا ہوتا ہے جس پر ہمارا اختیار نہیں ہوتا لیکن اس معاملے کو حل کیسے کرنا ہے اتنی کوشش تو ہمیں بہر صورت کرنی چاہیئے"

ماہرین نفسیات کی رائے میں خوش رہنے کے لئے یہ پانچ چیزیں بہت معاون ثابت ہوتی ہیں۔

.. یہ مت سوچیں کہ صرف دوستوں کی محفل میں ہی آپ خوش رہ سکتے ہیں بلکہ تنہا لمحوں کو بھی انجوائے کریں کیونکہ انفرادی طور پر بھی آپ خوش رہنے کا حق رکھتے ہیں۔

.. اس چیز کے بارے میں گفتگو نہ کریں جو چیز آپ کے لئے رنج یا تکلیف کا باعث بنی ہو۔ کوشش کریں کہ اس کی کسی طرح تلافی ہوسکے۔

.. ذہنی دباؤ پر بات کرتے وقت اس کے اثرات سے آگے بھی جایا کریں بلکہ زیادہ یہ چیز سوچا کریں کہ دباؤ سے کس طرح نجات حاصل کی جاسکتی ہے اور یہ کہ دباؤ کی اصل وجہ کیا ہے وغیرہ وغیرہ۔

.. اپنے دماغ، جسم اور روح کو متوازن رکھیں۔ آرام اور کام میں ہم آہنگی پیدا کریں۔ تنہائی، خاموشی، ہلہ گلہ، محفل سب کے رنگ میں ڈھل جانا سیکھیں۔

☆☆☆☆

صحت: امریکی عورت کی امریکہ میں

محمد مزمل محی الدین

1999 ء میں 80 فیصد امریکی آبادی شہری اور 20 فیصد دیہی (Rural) تھی urban اور rural امریکی زندگی کی مخصوص خصوصیات ہیں ۔ ایک رپورٹ کے بموجب وہ افراد جو دیہی زندگی گذارتے اور جو شہروں کے اندرونی حصوں میں رہتے ہیں ان میں بعض اقدار مشترک ہیں ۔ یہ سب کے سب غربت کی زندگی کا شکار ہیں جہاں اموات کی شرح بہت زیادہ ہے ۔ انکی صحت شہری زندگی کے مقابلہ میں ناگفتہ بہ ہے ۔ اندرون شہر اور دیہی زندگی کے لئے غربت ایک عظیم خطرہ ہے ۔ 1999 ء کے اعداد و شمار کے مطابق 14.3 فیصد امریکی خط غربت کے نیچے زندگی گذارتے تھے جبکہ 11.2 فیصد شہری آبادی اس مصیبت میں گرفتار تھی ۔ خط غربت سے نیچے زندگی گذارنے والے امریکی شہری خواہ وہ کہیں رہیں دیہات میں یا شہر میں انکی آمدنی قلیل انکی تعلیمی حالت پسماندہ (امریکہ میں ہائی اسکول تک مفت تعلیم ہے لیکن dropout بہت زیادہ ہے) اور وہ صحت کی مختلف ضروریات کی عدم تکمیل کے باعث بیماریوں کا شکار رہتے ہیں ان میں اکثر انشورنس کے حامل بھی نہیں ہوتے جو انکی بیماری کے وقت علاج و معالجہ اور اسکے صرفہ کی سہولت کی تکمیل کرتی ہے یہ افراد بیماریوں کے انسداد کے لئے جو وافر سہولتیں ملک میں مہیا ہیں ان کے حصول سے بھی محروم رہتے ہیں ۔ اس طبقے میں موت کی شرح بھی بہت زیادہ ہے غربت کے شکار لوگوں میں اکثر لوگ قلیل آمدنی کے حامل ہیں ۔ جن میں انشورنس کے بغیر ہی زندگی گذارنے والے افراد کی تعداد بہت زیادہ ہے ۔ دیہی علاقوں میں دواخانے ہیں ان میں بستر کی تعداد محدود اور آبادی کے لحاظ سے جتنے ڈاکٹر نرس اور خصوصی خدمت گار عملے اور ماہرین کی تعداد ضروری ہے ۔ اس کے عدم وجود کے باعث دیہی آبادی کی صحت کی خاطر خواہ نگہداشت سے بھی محروم ہے حمل و نقل کے ذرائع کے مصارف کی عدم استطاعت کے باعث اس آبادی کا بڑا حصہ شہر کے دواخانوں کی سہولتوں سے استفادہ سے بھی قاصر ہے ۔ دیہی آبادی میں شرح اموات کی زیادتی کا شکار بچے ، بوڑھے بالغ جوان بھی ہیں ۔ ان کی ڈاکٹر سے ملاقات کی نوبت بیماری کے آخری مرحلے ہی میں ممکن ہے ۔ Rural Area میں Chronic Diseases کی شرح بہت زیادہ ہے ان کی صحت ناگفتہ بھی ہوتی ہے ۔

ان میں تمباکو نوشی Smoking بلاتفریق مرد و زن عام ہے ۔ ان کے دانت جلد گرجاتے ہیں اور بیماری سے انکی حالت بری ہوجاتی ہے ۔ شہری آبادی میں قتل و غارت گری سے اموات کی شرح زیادہ ہوتی ہے لیکن دیہی آبادی میں حادثات اور مختلف زخموں کے باعث لوگ موت کا شکار ہوتے ہیں ۔ خرابی صحت کے اکثر وجوہات دماغی بیماریاں ظلم و تشدد Violence ، گالی گلوج ، بے عزتی کے سامان اور دوسرے ماحولیاتی اثرات کا وجود شہری اور دیہی زندگی میں یکساں اثر انداز ہے ۔ دیہی عورت کو صحت کے سلسلے میں پیش آنے والے مشکلات میں غربت صحت کے اداروں کی طویل فاصلوں پر موجودگی کے باعث علاج و معالجہ اور Reproductive health care کی خدمات سے محرومی بھی شامل ہے ۔ ان مشکلات کے باوجود دیہی عورت ایک چیلنج سے دوچار ہو کر زندگی گذارتی ہے دیہی عورتوں کی reproductive صلاحیت میں دیہی زندگی کے اقدار ، انکے فیصلے ، عقائد کو بھی بڑا دخل ہے ۔ امریکی دیہی عورت کی تعلیمی حالت کمزور (اکثر ہائی اسکول کے بعد تعلیم ترک کردیتے ہیں) اس کے کام کرنے کے مواقع محدود ۔ انکا مشاہدہ قلیل اور انکے بچوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے ۔ یہ عورتیں کم عمری میں ازدواجی زندگی سے مربوط ہو کر بچوں کی پیدائش کے ذمہ دار ہوجاتے ہیں ۔ ان کی غربت کے ساتھ ساتھ صحت کی برقراری کے اداروں کی کمی اور بچوں کے نگہداشت کے مراکز عدم وجود کے باعث ان عورتوں کو ایک روایتی زندگی گذارنی پڑتی ہے ۔ rural علاقوں میں رہنے والی عورتوں کو شہر کے مقابلے میں کم Preventive care ادارے مہیا ہوتے ہیں ۔ جس کے باعث ان میں Chronic بیماریوں کی شرح بہت زیادہ ہوتی ہے ۔ دیہی عورت کو مقامی معاشی نظام اور ملازمت کے محدود مواقع کے باعث نسبتاً کم Private Insurance کی سہولت حاصل ہے ان عورتوں کو شہری عورتوں کے مقابلے میں Prenatal care کی سہولت بہت کم میسر ہوتی ہے ۔ دیہی عورت عام طور سے دیہات میں ڈاکٹروں کی کمی اور خاص طور سے ماہر امراض نسوان Gyn.Obs کی عدم موجودگی کے باعث اپنی Reproductive health Care میں مشکلات سے دوچار ہے ۔ شہر کے دواخانوں وضع حمل کے لئے Advance Technology مستعمل ہے لیکن دیہی عورتوں کو دیہات کے دواخانوں میں یہ سہولت حاصل نہیں ۔ دیہی علاقوں میں موجود دواخانوں کی حکومتی فنڈس کی کمی کے باعث مسدودی یا دوسرے علاقوں کو منتقلی بھی دیہی عورت کی مشکلات میں اضافہ کرتی ہے ۔ شہری اور دیہی علاقوں میں Catholic health care unit میں Reproductive health care کا فقدان بھی دیہی عورت کی مشکلات میں اضافہ کرتا ہے ۔ شہری اور دیہی علاقوں میں موجود Catholic دواخانوں کی عام دواخانے میں تبدیلی کو بھی دیہی عورت اس کی ضروری خدمات سے محرومی کا سبب سمجھتی ہے ۔ دیہی آبادی کی ضرورت وہاں موجود عام دواخانے تکمیل کرتے نظر نہیں آتے کیونکہ ان دواخانوں میں فیملی پلاننگ ، HIV/AIDS کی کونسلنگ اور ٹسٹنگ (Testing) کا انتظام نہیں ہوتا

●●●●

سید محمد حسین محسن حیدر آبادی

"جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے"......اصغر گونڈوی

بیسویں صدی کے ممتاز سائنس داں ڈاکٹر آئن شائن سے جب کسی نے یہ سوال کیا کہ انسان کیلئے علم زیادہ اہمیت رکھتا ہے یا عقل تو انہوں نے جواب دیا تھا کہ جہاں تک اہمیت کا سوال ہے تو نہ علم اہمیت رکھتا ہے اور نہ عقل بلکہ سب سے زیادہ اہم چیز انسان کی قوت متخیلہ (Imagination) ہے۔

اس بات میں یہ نکتہ پوشیدہ ہے کہ قوت خیال کے بغیر نہ علم ہی سے فائدہ حاصل ہو سکتا ہے اور نہ عقل ہی کام کر سکتی ہے۔ اس بناء پر اچھی شاعری کی عظمت کا سارا دار و مدار قوت متخیلہ پر ہے۔ اگر شاعر علم اور عقل کے ساتھ ساتھ خیال زبان اور بیان پر بھی قدرت رکھتا ہو تو نہایت خوبصورت شاعری وجود میں آتی ہے۔ شعر کی جہاں ہزاروں تعریفیں ہیں ان میں سب سے صحیح یہ تعریف ہے کہ شعر دراصل حسنِ تخیل اور حسن بیان کا مجموعہ ہے۔ جن شعراء نے روحانی واردات یا تصوف کے علم و عرفان کا اپنی شاعری میں تذکرہ کیا ہے وہ محض خیال کی پختگی اور زور بیان کی شگفتگی سے عبارت ہے۔ اور وہ شعراء جنہوں نے عاشقانہ مضامین باندھے ہیں اور رومانی شاعری کی ہے وہ بھی واقعات کی خوش بیانی اور دلکش پیش کش کے سوا کچھ نہیں۔ ہماری اردو شاعری بلکہ یوں کہنا چاہئے کہ مشرقی شاعری میں عاشقانہ مضامین کی ہی مہمات اور کثرت ہے۔ اس صورت حال کے پس منظر میں یہ حقیقت کار فرما ہے کہ نہ تو حسن کی کوئی حد ہے اور نہ عشق کی کوئی انتہا ہے۔ یہی دو احساسات ہیں جو انسان کی زندگی کو دلکش بنائے ہوئے ہیں:

زندگی آج بھی دلکش ہے ان ہی کے دم سے
حسن اک خواب سہی عشق اک افسانہ سہی

بہر حال یہ خواب و افسانے کی دنیا ایسی ہے کہ اس کے اور حقیقی دنیا کے درمیان بمشکل ہی کوئی خطِ فاصل کھینچا جا سکتا ہے اور یہی ابہام اور اسرار اس کی دلکشی ہے۔ حسن و عشق کے احساس اور ذکر کا لطف نہ کبھی ختم ہوا ہے اور نہ ہو سکتا ہے۔ حسن انسان کے تمام محسوسات پر حاوی رہتا ہے۔ مناظر کا حسن، رنگوں کی دلفریبی، آنکھوں سے دیکھئے اور لطف اٹھائیے۔ خوشبوؤں سے مُشام کو معطر کیجئے، کانوں سے سن کر موسیقی کی لہروں پر جھومئے اور لمسِ گل تر سے چھونے کا مزہ لیجئے۔ اسی لئے ہمارے سارے حواس جن چیزوں سے محظوظ ہوتے ہیں ان کو شاعری میں علامات کے طور پر استعمال کیا جاتا ہے۔ یہ علامات خیالات کو جگاتی ہیں اور اسی لئے انہی علامات سے اپنے دل کے مطالب بیان کئے جاتے ہیں۔ حسن کی طرح عشق بھی احساس لذت دیتا ہے۔ عشق اور وصل یا پریم اور ملن ساتھ ساتھ چلتے ہیں۔ یہ انسان کے مرتبہ عشق کی بلندی پر منحصر ہے کہ وصل یا ملن اس سے کتنی دوری پر واقع ہے۔ سالک راہِ عشق کا راستہ کتنا لمبا ہے منزل کتنی دور ہے اور خود اس میں سفر کرنے کی کتنی اہلیت ہے اور راستہ کتنا آسان یا دشوار گزار ہے؟ یہ سب باتیں عشق کے ساتھ وابستہ ہیں۔ اگر منزل قریب سمجھ لی گئی اور راستہ بھی آسان مل گیا تو وہیں عشق کا

خاتمہ ہوجاتا ہے۔ اس لئے عشق حقیقی کی کوئی منزل مقرر نہیں ہوتی ہے۔ سچا عاشق کہیں نہیں ٹھہرتا۔ چلتا ہی رہتا ہے۔

بہت سمجھے ہوئے ہیں شیخ راہ و رسم منزل کو
یہاں منزل کو بھی ہم جادہ منزل سمجھتے ہیں
(اصغر)

سرشت عشق طلب اور حسن بے پایاں
حصول تشنہ لبی ہے شدید تشنہ لبی
(اصغر)

حقیقت کو پانے اور ڈھونڈنے والا راستہ کو لمبا کرتا ہی چلا جاتا ہے۔ جب تک کہ اسکو سکون نہ مل جائے۔ راستے کی تمام صعوبتوں اور مشکلوں کو سہتا چلا جاتا ہے۔ یہی اس کی زندگی کی لذت ہے۔

حسن کے بارے میں بھی یہی خیال ہے کہ اسکو بیان کرنا ممکن نہیں اور اگر کسی طرح بیان کر بھی لیا جائے تو ایسی تشبیہات کو کافی اور مکمل نہیں سمجھا جاتا۔ لیکن بیان کئے بغیر رہا بھی نہیں جاتا۔

کہہ کے کچھ لالہ و گل رکھ لیا پردہ میں نے
مجھ سے دیکھا نہ گیا حسن کا رسوا ہونا
(اصغر)

تم سامنے کیا آئے اک طرفہ بہار آئی
آنکھوں نے مری گویا فردوس نظر دیکھا

اس طرح کی نازک خیالی سے بھرپور شاعری ہمیں اصغر گونڈوی کے کلام میں ملتی ہے۔ غزلیات میں حسن و عشق جیسے وسیع موضوعات کو اصغر نے اس طرح بیان کیا ہے ان کا ہر ہر شعر ترشے ہوئے کرسٹل نگینے کی طرح ہے جو انہوں نے اردو کے دامن پر ٹانک دیئے ہیں۔

سید اصغر حسین کی ولادت ۱۸۸۴ء میں ان کے وطن گورکھپور میں ہوئی تھی۔ مشرقی اترپردیش نے جہاں اور بہت سے مشاہیر ادب پیدا کئے ہیں ان میں اصغر جیسے صاحب طرز شاعر بھی اردو کو دیئے ہیں جو دنیائے شاعری میں استادانہ حیثیت رکھتے ہیں۔ گورکھپور سے ان کا خاندان ضلع گونڈہ منتقل ہوگیا تھا اور پھر وہیں رہائش اختیار کرلی۔ انگریزی تعلیم کے ساتھ ساتھ عربی، فارسی زبانوں کا انہوں نے گہرا مطالعہ کیا اور ادبیات پر دسترس حاصل کی۔ سب جانتے ہیں کہ مشرقی یوپی کا ماحول پرسکون اور ایک طرح کی مٹھاس لئے ہوئے ہے وہاں بھوجپوری زبان کے نرم و نازک لوک گیت فضاؤں میں گونجا کرتے ہیں، اس لئے اس علاقے کے تقریباً تمام شعراء نے اچھوتے محسوسات اور بلند خیالات سے اردو کو آشنا کرایا ہے۔

یہاں کی شاعری میں محبت کی دھیمی آنچ اور خلوص کی حدت ہوتی۔ اصغر کی شاعری میں یاس اور محرومی کے شکوؤں کے بجائے شگفتگی، رنگینی، رجائیت، بلند ہمتی اور مفکرانہ گہرائی ہے۔ اصغر نے ابتدائے شاعری میں اپنے کلام پر تسلیم لکھنوی سے اصلاح لی پھر وجد بلگرامی کے شاگرد ہوگئے۔ اصغر کو تصوف سے بڑا تعلق خاطر تھا اکثر اوراد اور ریاضت روحانی میں مشغول رہتے تھے۔ نہایت متقی اور پرہیزگار تھے۔ شاہ عبدالغنی منگلوری کے حلقہ ارادت میں شامل تھے۔ ملازمت کے سلسلے میں 1926ء میں لاہور گئے اور وہاں مرکز اردو میں اپنی خدمات پیش کیں۔ لیکن وہاں کے ماحول اور حالات سے مانوس نہ ہوسکے اس لئے الہ آباد چلے آئے اور ہندوستانی پریس میں ملازمت کرلی۔ اس کے بعد ہندوستانی اکاڈمی سے اردو میں شائع ہونے والے سہ ماہی رسالے "ہندوستانی" کی ادارت پر مامور ہوئے اور نہایت کامیابی سے یہ رسالہ نکالتے رہے۔ ان کی متانت اور سنجیدگی کے سبب ان کے رشحات قلم اور نگارشات کو اردو کے دانشور طبقوں میں نہایت دلچسپی سے پڑھا جاتا تھا۔ سرتیج بہادر سپرو اور مولانا آزاد بھی ان کے زور قلم کے معترف تھے۔ اصغر کا دیوان "نشاط روح" اور پھر جب "سرود زندگی" شائع ہوا تو اس پر ان ہر دو حضرات نے تقریظ لکھی اور اصغر کے کلام کی عظمت کا اعتراف کیا ہے۔ مولانا آزاد تحریر فرماتے ہیں کہ اگر تقریظ لکھنے کی فرمائش خود صاحب کلام کرتے تو میں شاید معذرت کرلیتا لیکن یہاں خود کلام یہ فرمائش کر رہا ہے اس لئے معذرت نہیں کرسکتا۔ آگے لکھتے ہیں کہ "ان کے کلام کے محاسن ایسے ہیں کہ میرے لئے ان کی شہادت دینا ضروری ہے"۔ سچ تو یہ ہے کہ ان کی صاف ستھری شخصیت کا پوراذہنی ماحول ان کے اشعار میں جھلکتا ہے۔ ذیل کے اشعار ملاحظہ فرمائیے کہ عملی زندگی کیلئے ان کا کیا نظریہ ہے:

جینا بھی آگیا مجھے مرنا بھی آگیا
پہچاننے لگا ہوں تمہاری نظر کو میں

آلام روزگار کو آساں بنادیا
جو غم ہوا اسے غم جاناں بنادیا

یہاں کوتاہی ذوق عمل ہے، خود گرفتاری
جہاں بازو سمٹتے ہیں وہیں صیاد ہوتا ہے

چلا جاتا ہوں ہنستا کھیلتا موج حوادث سے
اگر آسانیاں ہوں زندگی دشوار ہوجائے

رومانویت سے بھرپور اشعار یہ ہیں:

یوں مسکرائے جان سی کلیوں میں پڑگئی
یوں لب کشا ہوئے کہ گلستاں بنادیا

بیدار ہوا منظر اس مست خرامی سے
غنچوں کی کھلیں آنکھیں دامن کی ہوا آئی

سو بار ترا دامن ہاتھوں میں مرے آیا
جب آنکھ کھلی دیکھا اپنا ہی گریباں ہے

انہوں نے صوفیانہ رنگ میں جو اشعار کہے ہیں ان سے ان کی عرفانی منازل کا احساس ہوتا ہے۔

یہ دین ہے وہ دنیا یہ کعبہ وہ بت خانہ
اک اور قدم بڑھ کر اے ہمت مردانہ

ردائے لالہ و گل پردہ مہ و انجم
جہاں جہاں وہ چھپے ہیں عجیب عالم ہے

اس دن بھی میری روح تھی محو نشاط دید
موسیٰ الجھ گئے تھے سوال و جواب میں

سنتا ہوں بڑے غور سے افسانہ ہستی
کچھ خواب ہے کچھ اصل ہے کچھ طرز ادا ہے

تخیل کی گہرائی، جوش و نشاط اور سرمستی سے بھرپور اپنے بلوریں اشعار کو چمکتا دمکتا چھوڑ کر یہ صوفی شاعر 1936ء میں اپنے محبوب حقیقی کے پاس چلا گیا۔

اصغر گونڈوی کی ایک پنسل سے بنی ہوئی تصویر مجھے حمایت علی صاحب کے کتب خانے سے مل گئی۔ کیمرے سے کھینچی ہوئی کوئی تصویر نہ مل سکی۔ اچھا ہی ہوا کیونکہ اصغر دید باز دید یا ملاقات کے زیادہ قائل نہ تھے کہتے ہیں کہ:

اصغر سے ملے لیکن اصغر کو نہیں دیکھا
اشعار کے پردے میں کچھ کچھ وہ نمایاں ہے

لیکن دستیاب تصویر کا انتخاب کرکے اور اسے نوک پلک سے درست کرکے رنگوں کے ساتھ پیش کیا جارہا ہے تاکہ آپ اصغر کو دیکھ لیں۔

☆☆☆☆☆☆☆☆

محمد بن عبداللہ رفاعی

عالمی کپ فائنل کی کہانی: تصویروں کی زبانی

عالمی کپ فٹبال :

برازیل پانچویں بار عالمی چمپین

گزشتہ 72 سال سے ایک دوسرے کی طاقت کو آزمانے کیلئے بے تاب دو بڑی ٹیموں برازیل اور جرمنی کو ورلڈ کپ فٹبال فائنل میں اپنے کھیل کا جوہر دکھانے کا پہلا موقع ملا۔ حقیقت میں یہ مقابلہ بہترین فارورڈ اور بہترین ڈیفنس کے درمیان برتری ثابت کرنے کیلئے ہوا۔ فائنل سے قبل برازیل نے اس ٹورنمنٹ میں سب سے زیادہ 16 گول کئے جن میں رونالڈو کے چھ اور ریوالڈو کے پانچ گول ہیں۔ دوسری طرف جرمنی کے دفاعی کھیل کا اس بات سے اندزہ لگایا جاسکتا ہے کہ اس کے گول کیپر اولائیور کاہن نے چھ میچوں میں صرف ایک گول کھایا اور جرمنی نے فائنل کے سفر تک کے ناک آؤٹ کے تینوں میچوں میں 0-1 سے کامیابی حاصل کی۔ لیکن فائنل میں سوپر اسٹار رونالڈو کے دو بہترین گول کی بدولت برازیل نے مغربی جرمنی کو شکست دیکر پانچویں بار عالمی کپ فٹبال ٹورنمنٹ کا خطاب جیت لیا۔ کھیل کا پہلا ہاف غیر فیصلہ کن ثابت ہوا۔ کھیل کے 18 ویں منٹ میں رونالڈینہو نے گیند رونالڈو کو پاس دی، رونالڈو کو صرف جرمنی کے گول کیپر کاہن کو چکمہ دینا تھا لیکن رونالڈو نے یہ موقع ضائع کردیا۔ 26 ویں منٹ میں ایک بار پھر رونالڈو کو گول کرنے کا موقع ملا لیکن اس بار بھی ان کا نشانہ چوک گیا۔ اس طرح برازیل کو پہلے ہاف میں گول کرنے کے بیشتر مواقع حاصل ہوئے لیکن غلط نشانے اور جرمنی کے گول کیپر کاہن برازیل اور جیت کے درمیان حائل رہے۔ جرمنی نے بھی تیز جوابی حملے کئے لیکن خلاف توقع برازیل کی دفاعی لائن کافی مضبوط نظر آئی اور اس نے جرمنی کے تمام حملوں کو خوبصورتی سے ٹالا۔ کھیل کے دوسرے ہاف میں جرمن نے برازیل کے گول پوسٹ پر ایک خطرناک حملہ کیا لیکن اولیور ینا ویل کی فری کک کو برازیل کے گول کیپر مارکس نے گول کے باہر بھیج دیا۔ برازیل کے اسٹار کھلاڑی ریوالڈو کے ذریعہ لی گئی ایک شاٹ بھی گول پوسٹ سے ٹکرا کر واپس میدان میں آئی۔ اس ٹورنمنٹ میں اب تک ریکارڈ ساز پیلے اور ریڈ کارڈ دیکھنے کو ملے تھے لیکن فائنل مقابلہ صاف ستھرا نظر آیا کیونکہ دونوں ٹیموں کے کھلاڑی کوئی خطرہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ کھیل کے 66 ویں منٹ میں ریوالڈو نے ایک طاقتور راست کک گول پوسٹ میں لگائی جسے گول کیپر کاہن نے لگ بھگ روک لیا تھا لیکن گیند ان کے مکمل قابو میں نہیں آئی اور پاس ہی طرح چاق وچوبند رونالڈو نے گیند جال میں ڈالکر اپنی ٹیم کو ایک گول کی سبقت دلوادی۔ ٹورنمنٹ میں رونالڈو کا یہ ساتواں گول تھا اور وہ گولڈن بوٹ کے حقدار بن چکے تھے۔ مغربی جرمنی نے گول برابر کرنے کی بھرپور کوشش کی اور برازیل پر رائٹ اور لیفٹ سے حملے کرتے رہے لیکن برازیل کے دفاعی لائن پر کھڑے رابرٹو کارلوس اور کافو نے ان کی ایک نہ چلنے دی۔ برازیل کے گول کیپر نے بھی زبردست کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے اپنی ٹیم کی کامیابی میں اہم کردار ادا کیا۔ کھیل کے 78 ویں منٹ پر برازیل نے ایک اور زوردار حملہ کیا۔ برسم کے کراس پر گیند ریوالڈو کے پاس آئی جنھوں نے جرمن دفاع کو زبردست چکمہ دیکر گیند آزاد کھڑے رونالڈو کیلئے چھوڑدی اور اس بار رونالڈو نے کوئی غلطی نہیں کی اور بہت قریب سے گیند جال میں ڈالکر جرمن کی شکست پر مہر لگادی۔ ٹورنمنٹ میں رونالڈو کا یہ آٹھواں گول تھا۔ برازیلی ٹیم اپنی سبقت میں مزید اضافہ کرسکتی تھی جس نے چند آسان مواقع ضائع کئے۔ دو گول سے پچھڑنے کے بعد جرمن ٹیم نے برازیل پر دباؤ بڑھانے کی کوشش کی۔ کھیل کے دوسرے ہاف میں جرمن ٹیم نے تین تازہ دم متبادل کھلاڑیوں کو میدان میں اتارا لیکن ان کی سبھی حکمت عملی ناکام ثابت ہوئی۔ برازیلی ٹیم یقیناً کامیابی کی حقدار تھی جس نے پورے ٹورنمنٹ میں زبردست کھیل کا مظاہرہ کیا۔ اس عالمی کپ میں رونالڈو نے 8 گول کیے۔ 1970ء کے بعد ایک عالمی کپ میں کسی کھلاڑی کی طرف سے کئے گئے سب سے زیادہ گول ہیں۔ 1970ء میں مغربی جرمنی کے جی مولر نے 10 گول کیے تھے۔ چار سال قبل فرانس کے خلاف برازیل کو صفر 3 سے شکست ہوئی تھی جس میں رونالڈو کا کھیل بہت پھیکا رہا تھا لیکن آج اس نے سابقہ غلطیوں کی تلافی کرتے ہوئے برازیل کو پانچویں بار عالمی چمپین بنادیا اور خود گولڈ بوٹ کا حقدار بن گیا۔ جرمنی کے کپتان و گولکیپر اولائیور کاہن اور برازیل کے اسٹار اسٹرائیکر رونالڈو نے عالمی کپ کے ستاروں میں سب سے زیادہ مقبولیت حاصل کی۔ کاہن کو پہلے ہی ٹورنمنٹ کا سب سے اچھا گول کیپر قرار دیا جاچکا

تھا۔ جرمنی کاہن کے بل بوتے پر ہی فائنل تک پہنچ سکی تھی۔ فاتح ٹیم برازیل کے گولکیپر مارکوس نے بھی اولائیور کاہن کی زبردست ستائش کی۔ جب میچ کا اختتام عمل میں آیا تو کاہن گول پوسٹ کا سہارا لیکر اپنی ناکامی پر آنسو بہارہے تھے۔ لیگ میچس میں بہتر مظاہرہ کرنے والے کاہن فائنل میں اس وقت چوک گئے جب ریوالڈو نے ایک طاقتور شارٹ لگایا اور گیند ان کے قابو میں نہیں آئی اور پاس ہی کھڑے رونالڈو نے اسے جال میں ڈال کر اپنی ٹیم کو سبقت دلاتے ہوئے فائنل پر اپنا قبضہ جمالیا۔

کوریا کو شکست دیکر ترکی عالمی کپ میں تیسری پوزیشن پر

عالمی کپ فٹبال ٹورنمنٹ میں ایک انتہائی ڈرامائی اور دلچسپ میچ میں مشترکہ میزبان جنوبی کوریا کو دو کے مقابلے تین گول سے شکست دیکر ترکی نے تیسری پوزیشن حاصل کرلی۔ ترکی کے حقان شکور نے کوریا کے خلاف صرف

حقان شکور: عالمی کپ میں تیز ترین گول کرنے والا کھلاڑی۔

گیارہ سکینڈ میں گول کرکے عالمی کپ کی 72 سالہ تاریخ میں تیز ترین گول کرنے والا پہلا کھلاڑی کا خطاب حاصل کیا۔ اس سے قبل یہ ریکارڈ پندرہ سکینڈ کا تھا جب سابق چیکوسلواکیہ کے واکلاف ماسک نے 1962ء کے عالمی کپ کے ابتدائی راؤنڈ میں میکسیکو کے خلاف کیا تھا۔ انتہائی جوش و خروش میں کھیلے گئے اس میچ کے ابتدائی لمحہ میں ہی سنسنی پھیل گئی لیکن ترکی کی یہ سبقت زیادہ دیر تک قائم نہیں رہی۔ 90ویں منٹ میں ہی کوریا نے ایک خوبصورت گول کرتے ہوئے اسکور ایک ایک گول سے برابر کردیا۔ دونوں ٹیموں کے کھلاڑیوں نے زبردست کھیل پیش کرتے ہوئے ایک دوسرے کے گول پوسٹ پر حملے کرنا شروع کیا۔ ترکی کے گول [illegible]

دفاع کیا۔ کھیل کے 13ویں منٹ میں ترکی اسٹار کھلاڑی الہان نے ایک شاندار گول کرکے ایک ترکی کو سبقت دلوادی اور پھر 32ویں منٹ میں الہان نے مزید ایک گول کرکے اپنی ٹیم کی کامیابی کو یقینی بنادیا تھا۔ کھیل کے دوسرے ہاف میں کوریائی ٹیم نے ترکی پر زبردست دباؤ بنایا اور پے در پے ترکی گول پوسٹ پر حملے کئے۔ ترکی ٹیم نے اپنی سبقت برقرار رکھنے کیلئے دفاعی کھیل کو ترجیح دی اور کوریا کے تمام حملوں کو خوبصورتی سے ٹالتے رہے۔ آخری لمحات تک ترکی ٹیم ایک کے مقابلے تین گول سے آگے تھی۔ انجوری ٹائم میں جنوبی کوریا نے مزید ایک گول کرکے ترکی کی برتری کو کم کیا۔ 17ویں عالمی کپ میں ترکی نے تیسری پوزیشن حاصل کی اور کوریائی ٹیم کو چوتھے مقام پر اکتفاء کرنا پڑا۔

عالمی کپ کی فاتح ٹیمیں

سال	فاتح ٹیم	رنرس اپ	میزبانی	اسکور
1930	یوراگوئے	ارجنٹینا	مونٹ ویڈیو	4-2
1934	اٹلی	چیکوسلواکیہ	روم	2-1
1938	اٹلی	ہنگری	پیرس	4-2
1950	یوراگوئے	برازیل	ری او ڈی جانیریا	2-1
1954	مغربی جرمنی	ہنگری	برن	3-2
1958	برازیل	سویڈن	اسٹاک ہوم	5-2
1962	برازیل	چیکوسلواکیہ	سینٹیاگو	3-1
1966	انگلینڈ	جرمنی	لندن	4-2
1970	برازیل	اٹلی	میکسیکو	4-1
1974	جرمنی	ہالینڈ	میونخ	2-1
1978	ارجنٹینا	ہالینڈ	بیونس	3-1
1982	اٹلی	جرمنی	میڈریٹ	3-1
1986	ارجنٹینا	جرمنی	میکسیکو	3-2
1990	جرمنی	ارجنٹینا	روم	1-0
1994	برازیل	اٹلی	لاس اینجلس	5-3
1998	فرانس	برازیل	پیرس	3-0
2002	برازیل	جرمنی	کوریا۔ جاپان	2-0

فاتح ٹیمیں: برازیل 5 بار ☆ اٹلی 3 بار ☆ جرمنی 3 بار، یوراگوئے 2 بار، ارجنٹینا 2 بار ☆ فرانس 1 بار۔

فائنل میں داخل ہونے والی ٹیمیں: جرمنی 7 بار ☆ برازیل 7 بار ☆ اٹلی 5 بار ☆ ارجنٹینا 4 بار ☆ یوراگوئے 2 بار ☆ ہنگری 2 بار ☆ چیکوسلواکیہ 2 بار ☆ سویڈن ☆ انگلینڈ اور فرانس ایک ایک بار۔

باتیں فٹبال کی

یہ میرا آخری ورلڈ کپ ہو سکتا ہے :ریوالڈو

عین ممکن ہے کہ برازیل کے اسٹار اسٹرائیکر ریوالڈو اس عالمی کپ کے بعد کسی عالمی کپ میں کھیلتے ہوئے نظر نہ آئیں۔ یہ ہم نہیں کہہ رہے ہیں بلکہ ایسا خود انہوں نے کہا ہے۔ بارسلونا کے 30 سالہ اسٹرائیکر جنہوں نے عالمی کپ میں فائنل میچ سے قبل تک کل 5 گول کیے کہا "عملی طور پر یہ میرا آخری عالمی کپ ہے"۔ خیال

رہے کہ ریوالڈو اپنے کیریئر کا دوسرا عالمی کپ کھیل رہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ عمر ان کے نزدیک کوئی معنی نہیں رکھتی، وہ اسے (عالمی کپ) آخری ٹورنمنٹ سمجھ رہے ہیں۔ انہوں نے کہا "ہمیں ریٹائرمنٹ کا فیصلہ کرتے وقت ہمیشہ عمر کو نہیں دیکھنا چاہئے ۔اس عالمی کپ کے بعد صرف سینیر کھلاڑی ہی نہیں بلکہ 23، 27 اور 25 برس کے کھلاڑی بھی ریٹائر ہو سکتے ہیں"۔ انہوں نے مزید کہا" چار سال طویل عرصہ ہوتا ہے، آپ کچھ نہیں کہہ سکتے کہ اس عرصے میں کیا ہوگا۔ عین ممکن ہے کہ نوجوان کھلاڑی 4 سال بعد فارم میں نہ ہونے کی وجہ سے ٹیم میں شامل نہ کئے جائیں"۔ ایک وقت تھا جب گھٹنوں میں تکلیف کے سبب ریوالڈو کا عالمی کپ ٹیم میں شامل کیا جانا مشکوک تھا۔ بہت سے تبصرہ نگاروں نے یہ بھی کہا کہ ریوالڈو کو برازیل کی قومی ٹیم میں شامل نہیں کیا جانا چاہئے کیونکہ انہوں نے اپنے اسپینش کلب کے مفادات کی حفاظت کیلئے زخمی ہونے کا بہانہ کیا۔ لیکن برازیلی کوچ اور قومی ٹیم کے سلیکٹرس نے ریوالڈو پر بھروسہ کرتے ہوئے عالمی کپ میں انہیں شامل کیا اور اس کا نتیجہ انہیں عالمی کپ میں فاتح کی صورت میں ملا۔ ریوالڈو نے ہمیشہ مشکل حالات سے برازیل کو نکالنے میں اہم کردار نبھایا۔ جب انگلینڈ کے خلاف برازیل ایک صفر سے پیچھے چل رہی تھی تبھی ریوالڈو نے ایک خوبصورت گول کرکے برازیل کو برابری کے موقف پر لا کھڑا کیا اور تو اور فائنل میں ریوالڈو کی طرف سے ہی رنالڈو گول بناسکے۔ ریوالڈو کے ایک تیز رفتار شارٹ کو جرمن گول کیپر سنبھال نہیں سکے اور اس گیند کو بہ آسانی رنالڈو نے جال میں پہنچادیا۔ دوسرا گول بھی ریوالڈو خود کرسکتے تھے لیکن انہوں نے گیند کو رنالڈو تک جانے دیا اور برازیل نے 2-0 کی ناقابل تسخیر سبقت حاصل کرلی اور عالمی کپ پر اپنا قبضہ جمالیا۔

عزم و حوصلے کی داستاں: رونالڈو

جب 2 سال پہلے رونالڈو کا ایک گھٹنا تقریباً بے کار ہو گیا تو یہ چوٹ اس کے کلب انٹر ملان اور اس کے ملک برازیل کیلئے ایک بڑے دھکے سے کہیں زیادہ تھی اور پوری دنیا نے اس کے کرب کو محسوس کیا تھا۔ دوبارہ سال کا بہترین عالمی کھلاڑی قرار دیا جانے والا ہر دل عزیز کھلاڑی دنیائے فٹبال کے دیگر کھلاڑیوں مثلاً ڈیگو میراڈونا،

جان کرڈیف اور خود اس کے ہم وطن پیلے کی طرح کھیل کی علامت بن گیا تھا مگر صرف 23 سال کی عمر میں گھٹنے کی چوٹ کے نتیجے میں اس کا کیریئر مخدوش ہو گیا تھا اندیشہ تھا کہ اسے ایک ایسے کھلاڑی کی حیثیت سے یاد رکھا جائے گا جس کی صلاحیتوں کا پورا استعمال نہ کیا جاسکا۔ مگر جرمنی پر برازیل کی فتح میں اس کے دو گولوں نے ایک بار پھر دنیا کے بہترین کی کھلاڑی کی حیثیت سے اس کی شہرت بحال کردی ہے۔ رونالڈو پورے عالمی کپ کے دوران بہترین فارورڈ کھلاڑی ثابت ہوا اور فائنل میں اپنی شاندار کارکردگی سے وہ بجا طور پر پلیئر آف دی ٹورنمنٹ بن گیا۔ رونالڈو کی چوٹ کا سلسلہ 1999ء کے اواخر میں شروع ہوا جب اسے اپنے داہنے گھٹنے کا آپریشن کرانا پڑا۔ 6 مہینہ کے بعد اسے اطالوی کلب فائنل میں متبادل کھلاڑی کے طور پر میدان میں اترنے کا موقع ملا مگر پھر اسی گھٹنے میں موچ آنے کے سبب وہ صرف 6 منٹ تک ہی کھیل سکا۔ اس چوٹ کے بعد اسے ٹھیک ہونے میں تقریباً دو سال لگ گئے۔ اس سال کے آخر میں وہ اٹلی سے برازیل واپس ہوا جہاں 2 ڈاکٹروں، ایک فزیو تھراپسٹ، ایک نیوٹریشنسٹ سمیت 8 پیشہ وروں کی ایک ٹیم نے اسے مکمل طور پر ٹھیک کرنے کیلئے دن رات ایک کردیئے۔ رونالڈو نے کہا کہ وہ پہلے ہی کہہ چکا ہے کہ اس کی سب سے بڑی فتح دوبارہ فٹبال کھیلنا، پھر سے دوڑنے کے قابل ہونا اور گول کرنا ہے اور یہ فتح ہمارا پانچواں عالمی خطاب ہے اسی جدوجہد کا نقطہ عروج ہے۔ ورلڈ کپ فائنل میں دو گول اسکور کرنے پر رونالڈو نے خدا اور اپنے فزیو تھراپسٹ کا شکریہ ادا کیا ہے۔ رونالڈو نے دونوں گولوں کو اپنے اہل خانہ سے منسوب کردیا۔ میرا خاندان میرے لئے اولین ترجیح ہے۔ اس کے بعد میرا فزیو تھراپسٹ مبارکباد کا مستحق ہے جس نے مجھے فٹ کرنے پر دن رات ایک کردیئے۔ رونالڈو کو ورلڈ کپ

میں بہترین مظاہرہ کرنے پر بہترین کھلاڑی کی حیثیت سے منتخب کیا گیا اور انہیں "گولڈن شو" کے اعزاز سے نوازا گیا۔ رونالڈو نے ٹورنمنٹ میں سب سے زیادہ 8 گول اسکور کیے۔

کیا اسکولاری برازیلی ٹیم سے علیحدہ ہوں گے!

ایک برازیلی اخبار نے خبر دی ہے کہ برازیل فٹبال ٹیم کے کوچ لوئز فلپ اسکولاری کا برازیل اور جرمنی کے درمیان منعقدہ فائنل میچ بطور کوچ ان کا آخری میچ تھا، وہ کوچ کے عہدے سے مستعفی ہو جائیں گے۔ "جرنل ڈانارڈ" نے

دعوی کیا ہے کہ ریزرو رائٹ بیک بیلیٹی نے ایک انٹرویو کے دوران غیر شعوری طور پر اس بات کا انکشاف کیا کہ اسکولاری نے فائنل کے بعد ٹیم سے علیحدہ ہونے کا تہیہ کر لیا ہے۔ بیلیٹی نے کہا "بدقسمتی سے انہوں نے ہمارے ساتھ مزید کام نہ کرنے کا فیصلہ کیا۔ انہوں نے ہم سے گفتگو کی اور کہا کہ اب وہ برازیل ٹیم کے ساتھ مزید رابطہ نہیں رکھ سکتے۔ فائنل میچ ان کے کام کا آخری دن ہوگا اور اس کے بعد وہ ہم سے الگ ہو جائیں گے"۔ خیال رہے کہ اسکولاری نے جن کا برازیلی ٹیم کے ساتھ معاہدہ فائنل کے دن ہی ختم ہو گیا ابھی تک یہ واضح نہیں کیا ہے کہ آیا وہ اس ٹورنمنٹ کے بعد بھی برازیلی ٹیم کیلئے اپنی خدمات انجام دیں یا نہیں۔ سال بھر قبل جب اسکولاری نے ٹیم کے کوچ کا عہدہ سنبھالا تھا تب برازیل ٹیم بہت ڈانواڈول تھی مگر ان کی سخت محنت کی بدولت برازیل عالمی کپ فائنل جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔ اسکولاری کی نگرانی میں برازیل نے کل 24 میچ کھیلے جن میں اس نے 18 میچوں میں فتح حاصل کی اور 5 میچ میں شکست ہوئی۔ ایک میچ بغیر کسی نتیجے کے ختم ہو گیا۔ گزشتہ 14 میچوں میں سے اس نے کل 13 میچ جیتے ہیں جبکہ فائنل سے قبل عالمی کپ میں کھیلے گئے سبھی 6 میچوں میں اسے فتح نصیب ہوئی ہے۔

ورلڈ کپ: 64 میں سے 48 میچ فیصلہ کن ثابت ہوئے

گزشتہ ماہ ختم ہونے والے ورلڈ کپ فٹبال کے 64 میچوں میں سے 48 فیصلہ کن ثابت ہوئے، 16 میچس برابر رہے، مجموعی طور پر 161 گول اسکور کیے گئے جس کی اوسط 2.52 فی میچ رہی۔ پہلے ہاف میں 69 اور دوسرے ہاف میں 89 گول بنائے گئے۔ ٹورنمنٹ میں 3 گولڈن گول اسکور ہوئے۔ پینالٹی پر دو میچوں کا فیصلہ کیا گیا۔ ترکی کے حقان شکور نے تیز ترین گول بنایا۔ چمپین برازیل نے 18 گول اسکور کیے۔ برازیل کے رونالڈو نے 8 گول بنائے۔ فرانس، چین اور سعودی عرب نے کوئی گول اسکور نہیں کیے۔ ٹورنمنٹ میں 17 ریڈ (سرخ) کارڈ دکھائے گئے جبکہ یلو کارڈ 257 دکھائے گئے۔ مجموعی طور پر 18 پینالٹی دی گئی 13 پر گول اسکور ہوئے۔ رونالڈو کے آٹھ گول کے بعد کلوزے (جرمنی) اور ریوالڈو (برازیل) نے 5-5 گول بنائے۔

"فیفا فیئر پلے ٹرافی" بلجیم کے حصہ میں

فیفا نے بلجیم کی فٹبال ٹیم کو ورلڈ کپ کی فیئر ٹرافی دینے کا اعلان کیا ہے۔ ورلڈ کپ سیمی فائنل کھیلنے والی چاروں ٹیمیں اس اہم اعزاز کے قریب نہ پہنچ سکیں۔ فیفا نے فیئر پلے ٹرافی دینے کا اعلان ورلڈ کپ فائنلز سے قبل کر دیا۔ فیئر پلے رینکنگ میں سویڈن دوسرے اور جاپان کی ٹیم تیسرے نمبر پر رہی۔ "فیفا فیئر پلے ٹرافی" کے علاوہ بلجیم کی ٹیم کو میڈل، ڈپلوما اور 50 ہزار ڈالرز کا انعام بھی دیا گیا۔ یہ رقم بلجیم میں یوتھ فٹبال کے فروغ پر خرچ کی جاسکتی ہے۔ فیفا نے ایک پوائنٹس سسٹم متعارف کرایا ہے جس کے تحت سب سے زیادہ پوائنٹس حاصل کرنے والی ٹیم کو یہ ایوارڈ دیا جاتا ہے۔ 1978ء میں ارجنٹائن، 1982ء میں برازیل، 1986ء میں برازیل، 1990ء میں انگلینڈ، 1994ء میں برازیل، 1998ء میں فرانس اور انگلینڈ کو یہ ایوارڈ مل چکا ہے۔ برازیل کو سب سے زیادہ تین بار یہ ایوارڈ ملا۔

برازیل میں جیت کا جشن

ورلڈ کپ فٹبال فائنل میں برازیل کی تاریخی کامیابی کے ساتھ ہی لاکھوں برازیلین سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے دیوانہ وار رقص کر کے اپنی جیت کا جشن منایا۔ برازیل کے مختلف شہروں میں اس فائنل معرکہ کو دیکھنے کیلئے سڑکوں پر بڑی بڑی ٹی وی اسکرین نصب کی گئی تھی، لوگوں کی بڑی تعداد نے ان اسکرین پر اس میچ کو دیکھا۔ ریوڈی جینرو میں کوپا کابانا ساحل کے نزدیک بھی ٹی وی اسکرین پر لوگوں نے میچ کا نظارہ کیا۔ برازیل کی کامیابی کے فوراً بعد ہی لاکھوں مرد اور خواتین سڑکوں پر امنڈ آئے اور انسانی سروں کے سیلاب کا منظر دکھائی دینے لگا۔ برازیلین نے اپنے ملک کی فٹبال ٹیم کی کٹ کے رنگ کی پیلی (یلو) جرسی زیب تن کی ہوئی تھی سڑکوں پر کاروں کا ہجوم لگا ہوا تھا اور وہ اپنے ملک کی ٹیم کے حق میں نعرے لگا رہے تھے ان کے ہاتھوں میں اپنے ہیروز کی تصاویر تھیں، خواتین نے ایک دوسرے کو ٹافیاں (مٹھائی) کھلا کر مبارکباد دی۔ برازیل کا الیکٹرانک اور پرنٹ میڈیا بھی اس جشن میں شریک ہے نامور سابق کھلاڑی اپنی ٹیم کی جیت کے بعد کھلاڑیوں کے کارناموں کو بیان کر رہے ہیں۔ ملک میں منائے جانے والے جشن میں شامل ایک 15 سالہ بچی مونیکا نے کہا کہ پہلا ہاف ہمارے لئے بہت کٹھن تھا مگر کامیاب پر ہم بہت خوش ہیں۔

عبدالخلیل کشش
شکر نگر

ناول نگاری کے ارتقاء میں خواتین کا حصہ

ناول ادب کی ایک انتہائی اہم صنف ہے جو ہماری زندگی کی مختلف گتھیوں کو سلجھانے میں مدد دیتی ہے ناول انگریزی لفظ ہے جو انگریزی ادب کے ساتھ ہمارے یہاں آیا۔ اور دیکھتے ہی دیکھتے سارے ادب پر چھاگیا۔ ناول میں پرانے قصوں، افسانوں اور داستانوں کے برعکس انسانی زندگی کا قصہ ہوتا ہے۔ اسی لئے اسے موجودہ زندگی کا رزمیہ بھی کہا جاتا ہے۔ انگریزی میں تو ناول کا آغاز اٹھارویں صدی میں ہوچکا تھا مگر اردو میں اس کا وجود انیسویں صدی کے نصف آخر ہی میں ممکن ہوسکا۔ جدید تحقیق کے مطابق اردو کا پہلا ناول "خط تقدیر" مانا جاتا ہے۔ اسے ڈاکٹر محمود الہی نے دریافت کیا ہے۔ ورنہ مارچ 1965 سے قبل لوگ اس سے قریب قریب ناواقف تھے۔ "خط تقدیر" سے پہلے مولوی نذیر احمد کے ناول مراۃالعروس کو اردو کا پہلا ناول قرار دیا جاتا تھا جسے نذیر احمد نے 1869ء میں تصنیف کیا تھا۔
آج ناول نگاری کا فن اپنے عروج پر پہنچ چکا ہے۔ اور اردو میں کئی ایسے ناول عالم وجود میں آچکے ہیں جنہیں دنیا کے بہترین ناولوں کی صف میں فخر کے ساتھ رکھا جاسکتا ہے۔ اردو ناول نگاری کے فن کو جہاں مرد ناول نگاروں نے پروان چڑھایا ہے وہیں خاتون ناول نگاروں نے بھی اس کی آبیاری کی ہے۔ گوکہ خواتین نے ناول نگاری کے میدان میں مردوں کے بہت بعد میں قدم رکھا ہے۔ پھر بھی ناول کے ارتقاء میں ان کے تعاون کو کبھی فراموش نہیں کیا جاسکتا۔

خاتون ناول نگاروں نے بیسویں صدی کے آغاز میں ناول کی تخلیق شروع کی اور تب سے آج تک یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ کئی خاتون ناول نگار آج بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں۔ انھوں نے فن اور موضوع دونوں اعتبار سے اسے وسعتیں بخشی ہیں۔ ابتدائی خاتون ناول نگاروں کے یہاں فنی دسترس کی کمی کا احساس ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر ان کی مقصدیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انھوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے بنیادی مسائل کو جگہ دی ہے۔ اور ناول کے ذریعہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور سماجی و اخلاقی اور معاشرتی خامیوں کو دور کرنے کی بھی پوری سعی کی ہے۔
ان کے خیال میں عورتوں کا جاہل ہونا ہی تمام خامیوں اور برائیوں کی جڑ ہے۔ عورت تعلیم یافتہ ہوگی تو ہی کامیاب زندگی گذار سکے گی۔

جگانے کی کوشش کی ہے۔ نذر سجاد بھی اس دور کی ممتاز ناول نگار ہیں۔ انھوں نے اپنے ایک ناول "آہ مظلوماں" میں بے میل شادی کے خطرناک نتائج کو پیش کیا ہے۔ نذر سجاد نے اپنے دوسرے ناول "اختر النساء" میں عورتوں کی تعلیم و تربیت پر کافی زور دیا ہے۔ ان کے خیال کے مطابق اگر لڑکی پڑھی لکھی ہوگی تو اپنی عقل اور اپنے شعور سے زندگی کو جنت کا نمونہ بنا سکتی ہے۔ ان ابتدائی ناول نگاروں کے یہاں کہیں کہیں نئے زمانے اور نئے تقاضوں کی پکار بھی سنائی دیتی ہے۔ لیکن صحیح معنوں میں حقیقت پسندی اور فنکارانہ روش کا آغاز خاتون ناول نگاروں کے دوسرے دور سے ہوتا ہے۔ جس کا سہرا حجاب امتیاز علی، صالحہ عابد حسین، بیگم احمد علی، عصمت چغتائی اور قرۃالعین حیدر وغیرہ کے سر جاتا ہے۔ اور اردو ناول کا وقار بلند کرنے میں عطیہ پروین، عفت

خاتون ناول نگاروں نے بیسویں صدی کے آغاز میں ناول کی تخلیق شروع کی اور تب سے آج تک یہ عمل مسلسل جاری ہے۔ کئی خاتون ناول نگار آج بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں۔ انہوں نے فن اور موضوع دونوں اعتبار سے اسے وسعتیں بخشی ہیں۔ ابتدائی خاتون ناول نگاروں کے یہاں فنی دسترس کی کمی کا احساس ضرور پایا جاتا ہے۔ مگر ان کی مقصدیت اور افادیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ انہوں نے اپنے ناولوں میں عورتوں کے بنیادی مسائل کو جگہ دی ہے۔ اور ناول کے ذریعہ عورتوں کی تعلیم و تربیت اور سماجی و اخلاقی اور معاشرتی خامیوں کو دور کرنے کی بھی پوری سعی کی ہے۔

اس کے علاوہ انھوں نے سماج کی کہنہ اور فرسودہ رسم و روایات کی طرف بھی لوگوں کی توجہ مبذول کرانے کی کوشش کی ہے کہ اکثر اس کا انجام پریشان کن اور جان لیوا ثابت ہوتا ہے۔ اس ضمن میں محمدی بیگم کے ناول "آج کل"، "سگھڑ بیٹی اور شریف بیٹی" اور طیبہ بیگم کا ناول "انوری بیگم" قابل ذکر ہے۔ طیبہ بیگم نے اپنے ناول "انوری بیگم" میں عورتوں کے اندر خانگی ذمہ داریوں کے احساس کو خصوصیت کے ساتھ

موہانی، مسرور جہاں، دیبا خانم، واجدہ تبسم، جیلانی بانو، حسنہ جیلانی، صفیہ سلطانہ، رفیعہ منظور الامین، شکیلہ اختر، جمیلہ ہاشمی، آمنہ ابوالحسن، صغری مہدی، بشری رحمن، سلمی کنول، ناہید سلطانہ اختر، رضیہ بٹ، رشید جہاں، ہاجرہ مسرور، ذکیہ شہید، رضیہ سجاد ظہیر نے اہم کردار ادا کیا۔
ان خاتون ناول نگاروں کے یہاں ماحول کے مشاہدے کے ساتھ ساتھ غور و فکر کے عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں سب

سے اہم نکتہ یہ ہے کہ ان کے یہاں صرف جذبات نگاری نہیں ہے بلکہ فکر کی کارفرمائی بھی نظر آتی ہے ۔ اپنے موضوعات کے ساتھ انھوں نے پورا انصاف کیا ہے ۔ کیونکہ ان موضوعات پر ان کی پوری گرفت تھی ۔ صالحہ عابد حسین کے ناول عذرا ، آتش خاموش اور قطرے سے گہر ہونے تک ، حجاب امتیاز علی کے ناول ظالم محبت ، اندھیرا خواب ، اس کی بہت اچھی مثالیں ہیں۔

ان ناولوں میں انسانی حرکات و سکنات کی نفسیاتی تاویل بہتر طور پر پیش کی گئی ہے ۔ اور یہی فنکارانہ چابکدستی عصمت چغتائی کے یہاں بہت تیز اور گہرا رنگ لئے ہوئے ہے جس کی مثال دوسری خاتون ناول نگاروں کے یہاں نہیں ملتی ۔ عصمت چغتائی کے کرداروں میں جو نفسیاتی اور تجرباتی جھلک ملتی ہے وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ ماحول کے اثرات مرد کی زندگی پر کیسے پڑتے ہیں اسے انھوں نے اپنے شہرہ آفاق ناول " ٹیڑھی لکیر " میں بڑی کامیابی کے ساتھ پیش کیا ہے ۔ " ٹیڑھی لکیر " نہ صرف عصمت چغتائی کا شاہ کار ہے بلکہ اگر اسے اردو کا ایک اہم ناول کہا جائے تو کچھ بے جا نہ ہوگا ۔ ڈاکٹر سلام سندیلوی کی رائے ہے کہ

" ٹیڑھی لکیر " میں عصمت چغتائی نے ایک متوسط گھرانے میں پروان چڑھنے والی لڑکی کی جذباتی اور نفسیاتی زندگی اور وہ ماحول جس میں وہ پرورش پاتی ہے اس قدر تکمیل کے ساتھ اور اس درجہ فنکارانہ چابکدستی کے ساتھ پیش کیا ہے کہ " ٹیڑھی لکیر " اردو ناول نگاری کی تاریخ میں سنگ میل بن گئی ہے ۔ ڈاکٹر یوسف سرمست سابق صدر شعبہ اردو آرٹس کالج جامعہ عثمانیہ حیدرآباد لکھتے ہیں ؛ اردو ناول نگاری میں اس کا (ٹیڑھی لکیر) کا جواب نہیں ملتا ۔

عصمت کے یہاں مغربی فن کار چاؤ وقت اور زمانے کی رفتار کے ساتھ ساتھ تیز اور گہرا ہوتا چلا گیا ہے ۔ جس کی زبردست مثال قرۃ العین حیدر کے یہاں ملتی ہے ۔ ان کے ناول " میرے بھی صنم خانے " اور " سفینہ غم دل " پر یہ رنگ پوری طرح غالب ہے ۔ ان ناولوں کا پس منظر مغرب زدہ امیروں کی دنیا ہے ۔ قرۃ العین نے مغربی تکنیک اور مغربی انداز فکر کو بڑے سلیقے کے ساتھ مشرقی روایات کے حسن میں سمو کر پیش کیا ہے ۔ انھوں نے مرد کی زندگی اور اس کی ذہنی و جذباتی کیفیات کو موضوع بنایا ہے ۔

قرۃ العین حیدر کا ناول " آگ کا دریا " ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتا ہے ۔ ان کے بعد عائشہ جمال کے ناول " گرد سفر " اور الفت منہاس کے ناول " بے چارہ " اور " یہ کیا " میں بھی فن اور موضوع کی رنگارنگی کا عکس نمایاں طور پر نظر آتا ہے۔

واجدہ تبسم اردو کی دنیا میں ایک بے باک ناول نگار کی حیثیت سے جانی پہچانی جاتی ہے ۔ ان کے بیشتر ناول روایات سے بغاوت کے حامل ہیں ۔ خصوصیت کے ساتھ حیدرآباد کے روایتی ماحول اور معاشرے میں عورت کے استحصال پر انھوں نے کھل کر نشتر زنی کی ہے ۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ واجدہ تبسم کی بے باکی بھی کبھی اعتدال کی حد کو پار کرجاتی ہے ۔ لیکن اکثر و بیشتر وہ حقیقت پسندی اور حق بیانی ہی سے کام لیتی ہیں ۔ ان کے ناولوں میں زیادہ تر جنس کا پہلو نمایاں ہوتا ہے ۔ لیکن بقول خود ان ہی کے " کیا عورت اور مرد کے درمیان جنسی جذبہ نہیں ہوتا ۔ روٹی ، کپڑا اور مکان کے بعد انسان شادی کرتا ہے ۔ یہ انسان کی چوتھی ضرورت ہے پھر اتنے اہم موضوع کو نظر انداز کیوں کریں ؟ " پھول کھلنے دو ، شہر ممنوع " اور " روزی کا سوال " وغیرہ ان کے بہترین ناول ہیں۔

عطیہ پروین اور بشریٰ رحمن بھی اس دور کی مقبول ناول نگار ہیں ۔ انھوں نے اردو کو درجنوں ناول دئے ہیں ۔ بشریٰ رحمن نے موجودہ سماج کے بیشتر مسائل پر بڑی خوبی اور چابکدستی سے قلم اٹھایا ہے ۔ ان کے ناولوں میں موضوع اور فن دونوں کا تنوع ملتا ہے ۔ انھیں دل افگاری کا بھی سلیقہ ہے ۔ عطیہ پروین نے یوں تو متعدد ناول تخلیق کئے ہیں جو مقبول عام ہوچکے ہیں مگر ان کے ناول " جس کو سمجھے تھے مسیحا " اور " یہ میرا ظرف دیکھئے " خاص طور سے اہمیت کے حامل ہیں ۔ انکے علاوہ موجودہ دور کی خاتون ناول نگاروں میں اور بہت سے نام لئے جاسکتے ہیں ۔ جو اردو کے افق پر ستاروں کی طرح اپنی آب و تاب کے ساتھ موجود ہیں ۔ غرض کے خاتون ناول نگاروں اور ان کے ناولوں کا ایک کارواں سا نظر آتا ہے ۔ جو اپنی منزل کی طرف تیزی کے ساتھ رواں دواں ہے ۔ مثلاً مسرور جہاں کے ناول " اجالے ، اچانک ، رنگ ہزار ، درد کا ساحل ، ایک مٹھی بوجھ ، پیکر ، خزاں سے دور ، پیار کا رشتہ ، راہوں میں اور اپنا خون " وغیرہ۔

عفت موہانی کے ناول " بھنور ، درد کا درماں ، آپ میں پھول ، پندار ، داغ دل ، ہم سفر اور پہچان " وغیرہ ۔ مینا ناز کے ناول " بدنام ، انجانی منزل پکار ، پاگل نینا ، درد آشنا ، پہاڑی چاند ، بہار آنے تک اور نیند آنکھوں میں سپنے " وغیرہ ۔ دیبا خانم کے " پتھر کے صنم ، پھول کی زنجیر ، پتھر کا گلاب ، راز دل ، پیاسے کو شبنم ، دھوپ اور چاندنی اور خوشبو تیرے نام کی " وغیرہ

رضیہ بٹ کے ناول " روپ ، سنگریزے ، اور گل بانو " وغیرہ ۔ زلیخا حسن کے ناول پتھر کی لکیر ، ایک ہی ڈگر ، اپنے اور پرائے ، تاریکیوں کے بعد اور آسمان کے تلے وغیرہ ۔

شکیلہ اختر کا ناول تنکے کا سہارا ، جمیلہ ہاشمی کا ناول داغ فراق ، آمنہ ابوالحسن کا ناول واپسی اور جیلانی بانو کا ناول نغمے کا سفر اور صغریٰ مہدی کے ناول دھند پروائی ، بام جواہ وغیرہ مقبولیت حاصل کرچکے ہیں۔

ہاجرہ مسرور کا ناول آنگن اور خدیجہ مستور کا ناول گھروندے تو غیر فانی نقوش کی حیثیت رکھتے ہیں ۔ ان تمام ناولوں میں عہد حاضر کی منتشر اور مضطرب زندگی کی عکاسی کے ساتھ ساتھ ایک خوشگوار زندگی کا خواب بھی پنہاں ہے ۔ ان میں حسن اخلاق اور حسن عمل پر بھی زور دیا گیا ہے ۔ اور بدلتے ہوئے زمانے کے دوش بدوش چلنے کا مشورہ بھی دیا ہے ۔ ناول نگاروں نے موضوعات کی وسعت اور رنگارنگی کے ساتھ ساتھ اردو ناول کو دلچسپی اور دل نشینی سے بھی ہمکنار کیا ہے ۔ بقول وقار عظیم ۔

جہاں تک کہانی کہنے اور اسے کہانی کی طرح کہنے کا تعلق ہے تو عورتوں کے قصے اور ناول اپنی مثال آپ ہیں ۔ اور یہ مثال قدیم و جدید کے فرق کے بغیر عورتوں کے سب ناولوں میں موجود ہے ۔

مجھے صلاحیت کی بنیاد پر پرکھا جائے گا۔ پرینکا چوپڑہ

محمد عبدالسلام :: فلم جرنلسٹ

2001ء کا مس ورلڈ کا خطاب جیتنے والی پرینکا چوپڑہ اب بالی ووڈ میں اپنے قدم جمانے کی جد و جہد میں مصروف ہے۔ تیکھے نینوں والی اس اداکارہ سے ہماری ملاقات پچھلے دنوں ممبئی میں "ایک حسینہ ایک دیوانہ" کے سیٹ پر ہوئی

جس میں پرینکا گوبندا کے مقابل ہیروئن کا رول نبھارہی ہے۔ پرینکا بتانے لگی پچھلے پندرہ دن اس نے چینائی میں گذارے وہ ایک تمل فلم میں کام کرنے وہاں گئی ہوئی تھی۔

س۔ آپ کے فلمی کیریئر کا آغاز بڑے شاندار پیمانہ پر ہوا فی الحال آپ کتنی فلمیں کررہی ہیں؟

ج۔ انیل شرما کی "دی ہیرو" جسکے ہیرو سنی دیول۔ کے سی بوکاڈیہ کی "ایک حسینہ ایک دیوانہ (گوبندا کے ساتھ) کوکو کوہلی کی "اثر" (اجئے دیوگن کے ساتھ) ستیش کوشک کی "ہم بھی خوش تم بھی خوش (انیل کپور کیساتھ) گڈو دھنوا کی گاندھی (بابی دیول کے ساتھ) سنجے گپتا کی "مسافر ہوں یارو" شامل ہیں۔

س۔ فلموں میں آپ کب تک رہنا چاہیں گی؟

ج۔ اگر فلم بین چاہیں گے تو ہمیشہ کے لئے۔ میں نے تو خواب میں بھی نہیں سوچا تھا کہ میں کسی دن مس انڈیا بن جاؤں گی مگر میرے والدین میری تصویر فیمینا کو بھیجتے تھے اور نتیجہ یہ ہوا کہ آج میں اس مقام پر کھڑی ہوں۔

س۔ ایسا لگتا ہے فی الحال آپ کی زندگی میں بہار ہی بہار ہے؟

ج۔ جی ہاں میں نے دیکھا ہے اس انڈسٹری میں پہلی مرتبہ میں نے یہ سیکھا ہے کہ اس نگری میں اپنی وجودیت برقرار رکھنے کے لئے آپ کو کسی نہ کسی کیمپ سے جڑنا ہی ہوگا۔

س۔ دوسری اداکاراؤں کے مقابل حسینہ عالم کا کیا مقام ہوتا ہے؟

ج۔ ہمیں عام اداکاراؤں سے زیادہ مشکلوں سے گزرنا پڑتا ہے آپ خود دیکھئے۔ دیا مرزا کو میڈیا کے کن کن امتحانات سے گذرنا پڑرہا ہے۔

س۔ اس مقابلہ آرائی میں موجودہ حالات میں آپ کے آگے بڑھنے کے کیا امکانات ہیں؟

ج۔ میں امید کرتی ہوں کہ مجھے میری صلاحیت کی بنیاد پر پرکھا جائے گا

س۔ فلموں میں کام کے حصول کے لئے آپ کن معاہدوں پر سمجھوتے کرتی ہے؟

ج۔ اگر بیانر بڑا ہو تو مجھے اچھا معاوضہ ملنا یقینی بات ہے۔ لیکن اگر مجھے اچھا رول ملتا ہے اور فلم ساز مجھے زیادہ روپیہ نہیں دے سکتے تو بھی میں اس فلم میں کام کرلوں گی۔ مجھے اکثر بتایا جاتا ہے کہ ہیروز کے بارے میں چھپی جھوٹی افواہیں انکی زندگی کے حصہ کی طرح ہوتی ہیں لیکن میں اپنے بارے میں رسالوں اور اخبارات میں چھپی بیہودہ قسم کی افواہوں کو برداشت نہیں کرسکتی۔

س۔ آپ کے اور عاصم مرچنٹ کے تعلقات میں دراڑ کی خبریں چھپی ہیں اس بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

ج۔ (پرینکا جواب نہ دے سکی اور اسے ٹال دیا لیکن اس کی آنکھوں میں ایک مایوسی جھلکتی نظر آرہی تھی)

س۔ (ہم نے سوال کو نیا روپ دیکر پوچھا) کیا آپ نے کیریئر کی وجہ سے اپنی محبت کی زندگی میں پیش قدمی کو روک دیا ہے؟

ج۔ اب یہ ایک دل دکھانے والا موضوع بن چکا ہے۔ میں نے کیریئر کی وجہ سے اس سے قطع تعلق نہیں کیا۔ میرے والدین کا کہنا ہے کہ شادی کے بارے میں سوچنے سے پہلے مجھے مالی اعتبار سے خود کفیل ہوجانا چاہئے تاکہ کل کو مجھے کوئی مسئلہ پیش نہ آئے۔

فلمی خبریں

رجنی کانت نے اپنے مقابل منیشا کوئرالا کو سائن کیا

کمل ہاسن کے بعد تمل کے سوپر اسٹار رجنی کانت نے اپنی فلم "بابا" کے لئے منیشا کوئرالا کو سائن کیا ہے یہ فلم کافی سرمایہ سے

یکساں طور پر ہندی، تلگو اور تمل میں بنائی جائیگی۔ بتایا جاتا ہے کہ منیشا کوئرالا جس کسی کیساتھ بھی کام کرتی ہے رومانس کی افواہیں پھیلادیتی ہے لیکن اب یہاں رجنی کانت کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ وہ رومانس چاہے کتنا بھی کرلیں رومانٹک افواہیں پھیلنے نہیں دیتے۔

امریتا اروڑہ کو فردین کے رویہ سے مایوسی

کتنے دور کتنے پاس کے بعد فردین خان اور ملیکا اروڑہ کی بہن اور ارباز خان کی سالی امریتا

اروڑہ کے رومانس کے چرچے عام ہورہے تھے لیکن اب ان میں پھر دوریاں پیدا ہوگئیں ہیں کیونکہ ان دنوں فردین خان اپنی سابقہ پریمیکا روحین جیسوال سے چند ایک اختلافات کی وجہ سے امریتا سے دل لگا بیٹھا تھا۔ فردین اور روحین کی غلط فہمیاں اب دور ہوچکی ہیں۔ پچھلے دنوں فردین تین ہفتوں تک بنکاک میں ایک فلم کی شوٹنگ کررہا تھا جہاں دہلی سے اسکی پریمیکا روحین جیسوال اس سے ملنے آیا کرتی تھی۔

رام گوپال ورما اپنی نئی فلم "روڈ" میں سرگرم

فلم "کمپنی" نے اوسط بزنس کیا باوجود بڑی اسٹار کاسٹ اور بڑے بجٹ کے اس فلم کو ناکام فلموں کے زمرہ میں ہی رکھا گیا۔ اس فلم کی ناکامی سے رام گوپال ورما کافی ذہنی تناؤ میں ہیں ایک اور کوشش کے طور پر انہوں نے اپنی نئی فلم "روڈ" کی تیز رفتار شوٹنگ کا آغاز کردیا ہے جس میں وویک اوبرائے، انترا مالی، منوج باجپائی اہم کردار نبھارہے ہیں۔

منیشا کوئرالا کے بھائی کی فلم کا کوئی خریدار نہیں!

اداکارہ منیشا کوئرالا نے اپنی کامیابی اور مقبولیت کو کیش کرتے ہوئے اپنے بھائی سدھارتھ کوائرلا کو بطور ہیرو اپنی سفارش پر ایک فلم "عاشق ہے تو دلبر کو پہچان" دلائی تھی لیکن فلم مکمل ہوکر عرصہ بیت چکا ہے لیکن اسکا کوئی خریدار آگے نہیں آرہا ہے۔ منا رضوی کی ہدایت میں بنی اس فلم کے دیگر اہم اداکار ہیں میوری کانگو اور نونیت نشان شائد اس فلم کی ریلیز تب ہی ممکن ہوسکے گی جب چند مناظر منیشا کے بھی اس میں شامل کردئے جائیں۔ بیچارہ پروڈیوسر تو سر کو ہاتھ لگائے بیٹھا ہے۔

شائقین کو لگان کے بعد دیوداس کا انتظار

خان برادرس ہندی فلم انڈسٹری کے اہم ستون تصور کئے جاتے ہیں۔ ڈسٹری بیوٹرس کا کہنا ہے کہ خان برادرس کی فلموں کی ریلیز میں وہ خاطر خواہ روپیہ کماسکتے ہیں تو دوسری طرف فلمسازوں کی یہ شکایت ہے کہ دوسرے اداکاروں کی فلموں سے وہ مطمئن نہیں ہوتے۔ لگان نے جس قدر ڈسٹری بیوٹرس کو مالا مال کیا ہے اب شاہ رخ خان کی دیوداس سے امید لگائے بیٹھے ہیں۔

بالی ووڈ ایوارڈس تقریب کا نیویارک میں انعقاد

بالی ووڈ فیشن ایوارڈ فنکشن کا نیویارک میں شاندار پیمانے پر انعقاد عمل میں لایا گیا جس میں بہترین فلم کبھی خوشی کبھی غم، بہترین اداکار عامر خان (لگان) بہترین معاون اداکار رہتک

روشن (کبھی خوشی کبھی غم) بہترین موسیقار اے آر رحمان (لگان) بہترین کہانی رائٹر اشوتوش گواریکر (لگان) بہترین ہدایتکار اشوتوش گواریکر (لگان) بہترین اداکارہ کاجول (کبھی خوشی کبھی غم) وغیرہ شامل رہے ۔

آڈیو ریلیز

" آئے ہیں وہ مزار پہ گھونگھٹ اتار کے " صابری برادران کی عاشقانہ قوالیوں کا البم

انٹرنیشنل قوال صابری برادران نے اس بار ٹپس کیسٹس کمپنی کے لئے ایک عاشقانہ قوالیوں کا سوپر ہٹ البم " آئے ہیں وہ مزار پہ

گھونگھٹ اتار کے " بنایا ہے جسے آڈیو مارکٹ میں ریلیز کے ساتھ ہی فروخت کے اعتبار سے اہمیت حاصل ہوچکی ہے ۔ حاجی مقبول صابری ، حاجی محمود صابری کی آوازوں میں ریکارڈ اس انفرادی البم میں چار بہترین عاشقانہ قوالیاں محفوظ ہیں جن میں " آئے ہیں وہ مزار پہ گھونگھٹ اتار کے ، یاروں دھوم مچی ہے ، صراحی کا بھرم کھلتا نا میری تشنگی ہوتی ، ہم مسافر بڑے دل والے " شامل ہیں ۔ جنہیں استاد قمر جلالوی ، عظیم قیصر ، کابلی اجمیری ، اور مقبول صابری نے لکھا ہے ۔ اس البم کو شائقین میں پسند کیا جارہا ہے ۔

دادا صاحب پھالکے پر ٹی وی سیریل اور فلم کی تیاری

عظیم فلمساز آنجہانی دادا صاحب پھالکے جنہوں نے 1914ء میں پہلی ہندوستانی فلم "راجہ ہریش چندر " بنائی تھی آج زمانہ انہیں فراموش کرتا جارہا ہے ۔ سکریٹری ایمپا (پروڈیوسرس ایسوسی ایشن) مسٹر دیناکر چودھری ایک کامیاب منظر نامہ نگار بھی ہے ۔ دادا صاحب پھالکے کی شخصیت اور کارناموں پر ایک ٹی وی سیریل اور فلم کی شروعات کی ہے ۔ جو بہت جلد منظر عام پر آئے گی ۔ ایمپا میں ایک ملاقات میں مسٹر دیناکر چودھری نے بتایا کہ وہ اس کارنامہ کو بہت پہلے ہی روبعمل لانا چاہتے تھے لیکن آج انکی تکمیل کے بعد وہ کافی خوش ہیں انہیں یقین ہے کہ انکی اس کوشش کو خوب پسند کیا جائے گا ۔

شوٹنگ رپورٹ

سنجے دت اور روینہ ٹنڈن کی دیوانگی مکمل

نہیا آرٹس کی فلم " دیوانگی " اس ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے جسے انیس بزمی نے ڈائرکٹ کیا ہے ۔ اسمائل دربار کی دھنوں پر بنی اس فلم میں سنجے دت ، روینہ ٹنڈن اور اجئے دیوگن نے مرکزی کردار نبھائے ہیں ۔

بابی دیول اور ایشا پٹیل کی فیصلہ ڈبنگ کے مرحلہ میں

وکی فلمس پرائیوٹ لمیٹڈ کی فلم فیصلہ (دی ڈسیشن) شوٹنگ کی تکمیل کے بعد اب ایڈیٹنگ میں داخل ہوچکی ہے ۔ نریش ملہوترہ کی ہدایت میں بنی اس فلم کی موسیقی جتن للت نے دی ہے ۔ فلم کے اہم کردار ہیں بابی دیول ، ایشا پٹیل ، ونود کھنہ ، کبیر بیدی ، رتی اگنی ہوتری ، دنیش ہنگو ، دلیپ طاہل ۔

اکشے کمار اور کرینہ کپور کی تلاش اسی فیصد مکمل

پروڈیوسر پہلاج نہلانی کی نئی فلم تلاش جسے سنیل درشن ڈائرکٹ کررہے ہیں اس ہفتہ اسی فیصد مکمل کرلی گئی ہے اکشے کمار ، کرینہ کپور ، اور پوجا بترہ کی اسٹار کاسٹ پر بن رہی یہ فلم اگسٹ میں ریلیز کردی جائیگی ۔

سنی دیول ، شلپا شٹی ، سنیل شٹی کی قرض ریلیز کیلئے تیار

آشنا آرٹس کے بیانر پر بنائی گئی ڈائرکٹر بری بادیجہ کی فلم " قرض " ریلیز کیلئے تیار ہے ۔ سنجیو درشن کی دھنوں سے سجی اس فلم میں سنی دیول ، شلپا شٹی ، سنیل شٹی ، آشوتوش رانا ، سیاجی شنڈے ، کرن کھیر ، جانی لیور اہم رول ادا

سلمان، شلپا شیٹی کی "دل چرا کے چل دئے" ریلیز کے لئے تیار

سلمان خان، شلپا شیٹی، ریا لاگو، سریا، کونیکا اور منیش بہل کی اسٹار کاسٹ پر بنی فلم۔ دل چرا کے چل دئے "تمام مراحل کی تکمیل کے بعد اب ریلیز کے لئے تیار ہے۔ کے ایس ادھیاباں کی ہدایت میں بنی اس فلم کی موسیقی ڈبو ملک اور ساجد واجد نے فراہم کی ہے۔

19 جولائی سے 16 اگست تک ریلیز ہونے والی فلمیں

19 جولائی۔ ادم جئے جگدیش، یہ ہے جلوہ، چال، بارڈر کشمیر

26 جولائی۔ میں نے دل تجھکو دیا، سر کٹا ہے دلبر بار بار، کھلم کھلا پیار کرینگے، سوچ، سنو سسرجی، چلو عشق لڑائیں، پیاسا، یہ کیسی محبت، شیوا کا انصاف، آنچ، چوری چوری، اسکیپ فرم طالبان، بلیدان، ظلم کو مٹادوں گا، گھاؤ، ملاقات، مارشل، ہم ہیں دھمال کے، سب سے بدکار ہم، آدم خور حسینہ، آئی لو جولی۔

2 اگست۔ جانی دشمن، آنکھوں سے گولی مارے، کانٹے، واہ تیرا کیا کہنا، گنگوبائی

9 اگست۔ مجھ سے دوستی کروگے، قرض، شکتی

16 اگست۔ دل دل پیار دیار، دل ہے تمہارا

سلمان خان نے پچاس فلمیں مکمل کرلیں

فلمی دنیا کے کامیاب اداکار اور لاکھوں پرستاروں کے فنکار سلمان خان نے اپنے چودہ سالہ فلمی کیریئر میں پچاس فلمیں مکمل کرلیں ہیں۔ سلمان خان نے اپنے کیریئر کا آغاز 1988ء میں ڈائرکٹر جئے کے بہاری کی ہدایت میں بنی فلم۔ بیوی ہو تو ایسی "میں ایک غیر اہم رول سے کیا تھا جس میں انکی ہیروئن پورنیما سرن تھیں۔ لیکن 1989ء میں ریلیز ہوئی انکی دوسری فلم۔ میں نے

پیار کیا "نے کامیابی کے غیر معمولی ریکارڈ قائم کئے۔ اسکے بعد آئی انکی باغی (1990)، صنم بے وفا، پتھر کے پھول، جرم، قربان، ساجن، لو (1991 میں)، سوریہ ونشی، ایک لڑکا ایک لڑکی، جاگرتی، نشچے 1992ء میں۔ چندر مکھی، دل تیرا عاشق 1993ء میں۔ چاند کا ٹکڑا، ہم آپکے ہیں کون، انداز اپنا اپنا، سنگ دل صنم 1994ء میں۔ کرن ارجن ویرگتی 1995ء میں۔ منجدھار، خاموشی، جیت، دشمن دنیا کا 1996ء میں۔ جڑواں، اوزار، دیوانہ مستانہ 1997ء میں۔ پیار کیا تو ڈرنا کیا، جب پیار کسی سے ہوتا ہے، سر اٹھا کے جیو، بندھن، کچھ کچھ ہوتا ہے 1998ء میں۔ جانم سمجھا کرو، بیوی نمبر ون، ہم دل دے چکے صنم، صرف تم، ہیلو برادر، ہم ساتھ ساتھ ہیں 1999ء میں۔ دلہن ہم لے جائینگے، چل میرے بھائی، ہر دل جو پیار کرے گا، ڈھائی اکشر پریم کے، کہیں پیار نہ ہوجائے 2000ء میں۔ چوری چوری چپکے چپکے 2001ء میں۔ تم کو نہ بھول پائیں گے، ہم تمہارے ہیں صنم 2002ء میں۔ اور آنے والی فلم یہ ہیں جلوہ، دل چرا کے چل دئے اور ایک بے نام فلم شامل ہے۔

کامیڈی اور مزاحیہ فنکاری کا دوسرا نام شبن خان

شبن خان حیدرآباد کے نوجوان مزاحیہ فنکار ہیں جو پچھلے کئی برسوں سے اپنے مخصوص انداز میں شائقین مزاح کیلئے کامیڈی آئیٹم پیش کرتے آرہے ہیں۔ لطیفے مزاحیہ خاکوں سے ہٹ کر شبن خان ممکری آئٹمس اور پیروڈی وغیرہ بھی بڑے ہی شاندار ڈھنگ سے پیش کرتے ہیں۔ شبن خان کو فلمی اداکاروں کی آوازیں اور شنائی کی آواز نکالنے میں بھی کافی عبور حاصل ہے۔ شبن خان بچپن ہی سے کامیڈی آئیٹم پیش کرتے
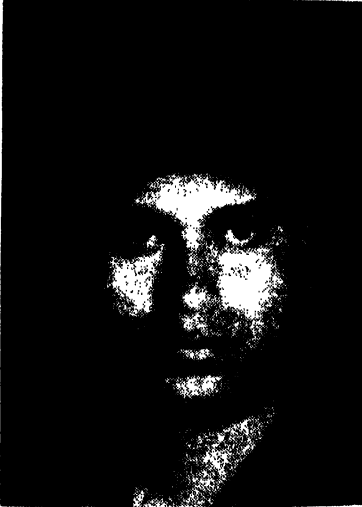
آرہے ہیں۔ شبن خان کا حقیقی نام محمد صابر ہے۔ مزاح کی دنیا میں انھوں نے اپنا نام شبن خان رکھ لیا ہے۔ شبن خان نے آل انڈیا ریڈیو، دوردرشن حیدرآباد اور حیدرآباد سے ہٹکر ہندوستان کے دیگر بڑے شہروں میں اور بیرونی ممالک دوبئی، بحرین، مسقط، عمان، قطر، سعودی عرب میں اپنے شاندار مزاحیہ آئٹمس پیش کرکے سامعین سے داد و تحسین حاصل کی ہے۔ شبن خان اب اپنا خاص مزاحیہ پروگرام کھٹی میٹھی باتیں پیش کررہے ہیں۔ اس پروگرام میں نئے فنکاروں کو بھی پیش کیا جائے گا۔

☆☆☆☆

محمد ظہور الحسن

پری چہرہ نسیم بانو

میرے بچپن میں نسیم بانو کا گایا ہوا یہ گانا بچہ بچہ کی زبان پر تھا

زندگی کا ساز بھی کیا ساز ہے
بج رہا ہے اور بے آواز ہے

ماضی کی فلمی اداکارہ نسیم بانو جن کا اصلی نام رونق آراء تھا سنہ 1916ء میں دلی میں پیدا ہوئیں۔ نسیم اس زمانے کی مشہور مغنیہ شمشاد عرف چھمیاں (فلمی گلوکارہ شمشاد بیگم سے اس کا کوئی تعلق نہیں) کی بیٹی اور ایک معزز خان بہادر اس کے والد تھے۔ نسیم کی نانی امرتسر کی کشمیرن تھیں۔ ابتدائی تعلیم کونونٹ میں حاصل کی اور انٹرنس کے بعد تعلیم جاری نہ رکھ سکی۔ نسیم اردو، انگریزی اور پنجابی میں کافی روانی سے بولتی تھیں۔

نسیم نے اپنی فلمی زندگی کا ستمبر 1936ء میں منروا موی ٹون کے بیانر تلے، سہراب مودی کی زیر ہدایت بنی فلم ہیملٹ (خون کا بدلہ خون) سے کیا۔ جو شکسپیر کے ڈرامہ پر بنی تھا۔ منروا موی ٹون سے (5) سال معاہدہ کے تحت نسیم نے " Divorce، طلاق، 1937، میٹھا زہر 1938 اور میں ہاری 1940 میں کام کیا۔

نسیم کے حسن و جمال کا شہرہ فلم "پکار" سے ہوا جس میں اس کے خداداد حسن، ادائیں اور معصوم رعنائیوں کے بھرپور مظاہرہ سے سارا ہندوستان اسکا گرویدہ ہوگیا۔ شائقین اسے پری چہرہ نسیم کے نام سے جاننے لگے چاہنے لگے۔ فلم پکار بادشاہ نورالدین جہاں گیر کے عدل و انصاف پر بنی فلم تھی۔ اسے کمال امروہی کے تھیٹریکل انداز میں لکھے پرشکوہ اور برجستہ مکالمے، شاہی ملبوسات میں اداکاروں کا پیش ہونا نیز دلی کے لال قلعہ او دوسرے تاریخی مقامات پر فلمایا جانا (تاکہ حقیقت کا رنگ ابھرے) عوام نے بے حد پسند کیا۔ فلم پکار سہراب مودی کے لئے سونے کی کان ثابت ہوئی اور نسیم کی شہرت میں چار چاند لگ گئے۔ احقر کو اچھی طرح یاد ہے اس فلم کی نمائش حیدرآباد میں سہراب مودی کی اپنی تھیٹر منشاط ٹاکیز " تپلی باولی میں ہوئی تھی۔ جس نے کامیابی سے سلور جوبلی منائی تھی۔ 42ء میں 25 ویں ہفتہ کے کامیاب رن run پر فلم پکار کے ستاروں کی کہکشاں جس میں سہراب مودی، چندرا موہن، شہنشاہ جہانگیر، نسیم بانو (ملکہ نور جہاں) صادق علی، منگل سنگھ، اور دوسرے اداکار و اداکارائیں بہ نفس نفیس نشاط سنیما کے اسٹیج پر اتر آئے اور شائقین فلم نے ان ستاروں کا پرجوش خیر مقدم کیا تھا۔ شائقین کا ہجوم ان ستاروں کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے امنڈ پڑے تھے۔

فلم پکار کے بعد نسیم کی شہرت بلندیوں کو چھونے لگی۔ نسیم کا ملکہ نور جہاں کے روپ میں کردار اس قدر جاذب نظر دلنواز، دل فریب اور حقیقت سے قریب تھا کہ اقطائے ہند سے سہراب مودی کو کوئی 8، 10 لاکھ ستائشی خطوط وصول ہوئے۔ جس میں نسیم کے حسن و جمال کو پرجوش انداز میں خراج تحسین ادا کیا گیا تھا۔ ان گنت خطوط کو وصول کرکے سہراب مودی نسیم سے فخریہ مزاحیہ انداز میں کہتے "نسیم دیکھو۔ یہ ڈھیر سارے خطوط۔ جی چاہتا ہے ان خطوط کے ڈھیر پر تمہیں بٹھاکر تمہاری شہرت اور شائقین کی انمٹ پسند کا ڈھنڈورا ساری دنیا میں بجانے کے لئے نکل پڑو"

نسیم نے اپنی فلمی زندگی جو زائد از نصف صدی پر محیط ہے صرف 30 فلموں میں جلوہ افروز ہوئیں جن میں میٹھا زہر، خان بہادر، اجالا (جس میں ممتاز گلوکارہ اداکارہ ثریا نے بھی کام کیا تھا) چل چل رے نوجوان، بیگم، ملاقات (پریم ادیب ہیرو تھے)۔ سہراب مودی کی 50 کے دہے میں بنی فلم "شیش محل" جس میں نسیم کے علاوہ مبارک، نگار سلطانہ، پشپا ہنس وغیرہ تھے۔ مشہور ہدایت کار محبوب کی "انوکھی ادا" پریم ادیب، نریندر، زیب قریشی، اوما دیوی ستارے تھے۔ شکیل کے گانے اور نوشاد کی موسیقی نے اس فلم کو کامیابی سے ہمکنار کیا تھا۔ اسکے بعد باغی، سندباد جہازی جنوبی ہند کے مشہور اداکار رنجن ہیرو تھے نے کام کیا تھا۔ نسیم نے آخری مرتبہ بلدی گھاٹ میں کام کیا تھا مگر کسی وجہ بلدی گھاٹ نمائش کے لئے پیش نہیں کی جاسکی۔

گو نسیم کے حسن کے پرستاروں میں کیا راجہ، کیا پرجا ہر کوئی ان کا گرویدا تھا۔ سابق حیدرآباد کے ولی عہد بہادر پرنس آف برار اعظم جاہ بھی نسیم کے تیر نظر کے گھائل تھے۔ مگر نسیم نے شادی خان بہادر محمد سلیمان چیف انجینئر کے فرزند میاں احسان سے کی جن سے دو اولادیں فلمی اداکارہ سائرہ بانو (بیگم صاحبہ یوسف خان المعروف شہنشاہ جذبات اور موجودہ ایم پی دلیپ کمار) اور سلطان احمد شامل ہیں۔ میاں احسان نے اپنی ایک ذاتی فلم کمپنی بنام تاج محل پکچرس قائم کی تھی جسکی پہلی فلم اجالا تھا۔ جس میں نسیم نے ہیروئن کا رول ادا کیا تھا اور آخری فلم "چاندنی رات" تھی۔ چاندنی رات میں نسیم کے ہیرو شیام تھے اور الیاس معاون ہیرو اداکار تھے جسکی موسیقی نوشاد صاحب نے ترتیب دی تھی اور گانے شکیل بدایونی نے لکھے تھے۔

فلم شبستان (فلمستان کے بیانر پر بنی فلم) جس میں نسیم اور شیام نے کلیدی رول ادا کئے تھے۔ شیام کی آخری فلم ثابت ہوئی کیونکہ دوران شوٹنگ گھڑسواری کے سین میں شیام کا حادثہ میں انتقال ہوگیا تھا۔

نسیم بانو صاحبہ عرصہ سے گوشہ نشینی کی زندگی گذار رہی تھیں۔ آخر کار 86 سال کی عمر میں 18 جون 2002ء بروز منگل مختصر علالت کے بعد ممبئی میں واقع اپنی قیام گاہ میں انتقال کرگئیں۔ 19 جون کو سنتا کروز کے قبرستان میں سپرد خاک کیا گیا۔ جلوس جنازہ میں بہت کم لوگ تھے۔ فلمی صنعت سے منسلک اکثر لوگ غائب تھے۔

اور میرے کانوں میں نہ جانے یہ گیت کیوں گونج رہا ہے

حسن والے حسن کا انجام دیکھو
ڈوبتے سورج کو وقت شام دیکھو

مسرت

ہم کہاں کھڑے ہیں

قارئین ! انسانی زندگی کی تاریخ بہت مختصر ہے۔ اللہ تعالیٰ نے جب اپنے کمال رحمت سے کرہ ارض پر زندگی اتاری تو اس میں خوبصورت ترین مخلوق "انسان" کو خلق فرمایا۔ اسے اپنا خلیفہ بنایا اور اس کی زندگی کا ایک خاص مقصد ٹھہرادیا۔ مطلوب و مقصود یہ تھا کہ وہ زمین پر نہ صرف خود امن سے رہے گا بلکہ دوسروں کو بھی امان سے رہنے دے گا۔ اپنے اعلیٰ اخلاقی ضوابط و اقدار کی تشکیل و تکمیل اور عبادت و ریاضت میں وقت گزارے گا اور یوں رضائے الٰہی کے عین مطابق اسے اپنے وجود و شہود کا جواز پیش کرے گا مگر ہوا یہ کہ اس نے بزعم خود، خود کو عقل کل تسلیم کرلیا۔ خلیفتہ الارض کیا بنا کہ زمین پر فتنہ و فساد پھیلانے کی مکمل چھوٹ حاصل کرلی۔ نتیجہ یہ نکلا کہ وہ تمام تر احکامات و احسانات ربی کو بہ انداز دگر برتنے لگا۔ یہاں تک کہ سر پر بالوں برابر جو نعمتیں اسے عطا کی گئیں اس پر سر تشکر جھکانے کی بجائے سرے سے ان کے وجود ہی سے منکر ہوگیا۔ دل میں زبردستی طے کرلیا کہ یہ سب کچھ اس کا حق تھا بلکہ حق ہے۔ ان اندھی نادانی میں اس نے زندگی کی رسم بسم اللہ قتل سے کی جو ابھی تک جاری و ساری ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ کیا کہ جب روحانی و ذہنی انتشار نقطہ عروج پر پہنچا تو شور مچا کر نیکیوں اور نیک جذبوں کے محض دن منانے پر اتر آیا۔

وہی ذبح بھی کرے ہے وہی لے ثواب الٹا

قتل و غارت، بدی، بدنیتی اور بے حسی جب شعار و اطوار ہوئی تو محبتیں اور شفقتیں کہانیاں ہوگئیں۔ ایک دوسرے کو سکون اور خوشی پہنچانے کا تصور ناپید ہوگیا۔ آپس کے رشتے علاقے ختم ہوئے۔ انسان انسان کے لئے گدھ بن گیا۔ ایک دوسرے پر روحانی، جذباتی، نفسیاتی اور جسمانی تشدد کی وہ انتہا کی گئی کہ انسان نے ہوش و حواس کھودئے۔ یوں زمین کی پشت پر پاگل خانوں، عقوبت خانوں اور جیل خانوں کے سرطان ابھرپڑے۔ حلال حرام کی تمیز ختم ہوگئی تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے براہ راست عطا کردہ پاک روزیاں تمام ہوئیں۔ خوراک لذت حلال سے عاری ہوئی تو جو مرضی کھالو جسمانی اخلاقی اور روحانی طاقت عنقا ہے۔ جھوٹ سچ کی طرح ناگزیر ہوگیا ہے۔ ایسے تیرہ و تیر حالات آج سے چودہ سو سال پہلے بھی تھے اور آج بھی ہیں۔ مسلمانوں کی خوش بختی کہ ان کو راہ ہدایت و مستقیم دکھانے کے لئے وجہ کائنات حضور پرنور صلعم مبعوث ہوئے۔ ایک لاکھ چوبیس ہزار پیغمبر تشریف لائے۔ سات آسمانوں کے پرے سے چمکتی ہوئی کتاب برحق اتری مگر ہم نے کیا کیا؟ اسے غلاف سے نکال کر چند لمحوں کو آنکھوں سے لگایا، بوسہ دیا اور طاقچے پر رکھ دیا۔ یہ نہ سوچا کہ قرآن حکیم صرف حکمت کے معنوں ہی میں حکیم نہیں، طب کے معنوں میں بھی ایک کلی ڈاکٹر ہے جس کے پاس ہماری ہر بیماری کی شفا موجود ہے اور یہ کہ جس طرح ہم کسی ڈاکٹر کے ساتھ اپنی بیماری محض Discuss کرکے صحتیاب نہیں ہوجاتے یا نہیں ہوسکتے یا نسخہ لکھوا کر سنبھال کر رکھ لینے کے بعد ٹھیک نہیں ہوجاتے بلکہ ہمیں عملی طور پر دوائی استعمال کرنا پڑتی ہے۔ اسی طرح اپنی کتاب روشن کے لفظ لفظ پر عمل پیرا ہونے ہی میں ہماری روحانی شفا ممکن ہے۔

کیا ہم نے کبھی سوچا ہےکہ مجموعی طور پر مسلمانوں سے کیا خطا ہوئی ہے کہ کرہ ارض پر جہاں جہاں وہ بستے ہیں، خاک و خون میں نہائے ہوئے ہیں؟ کہیں ایسا تو نہیں کہ مسلمانوں نے کتاب روشن کی تعلیمات، حضور پرنور صلعم کے ارشادات اور لاکھوں پیغمبروں کے پیغامات عالیہ کو عملی طور پر بھلا کر ایسے کاری گناہ کمالئے ہیں جن کی بخشش کی کوئی صورت نظر نہیں آتی؟ ..... ہم سمجھتے ہیں کہ جس طرح زمین کی تشنگی ابر کرم برسنے کا سبب بنتی ہے۔ اسی طرح زمین کی پشت پر بھی گناہوں، خطاؤں کا بوجھ بڑھنے لگے تو آسمان سے درعذاب کھلنے کے اسباب از خود پیدا ہونے لگتے ہیں۔ اب بھی وقت ہے ہم یہ دیکھیں کہ ہم کہاں کھڑے ہیں اور اب ہمیں کیا کرنا ہوگا۔

اچھی باتیں

☆بہترین کام وہ ہے، جو اعتدال سے کیا جائے۔

☆سخی اللہ سے قریب ہے، جنت سے قریب ہے لوگوں سے قریب ہے، لیکن آگ سے دور ہے۔

☆جس پر نصیحت اثر نہیں کرتی، اس کا دل ایمان سے خالی ہوتا ہے۔

☆زبان کی لغزش، پاؤں کی لغزش سے زیادہ خطرناک ہے۔

☆خاموشی، عقل مندی کا نام ہے

زندگی ایسے چراغ کی مانند ہے، جو تیز ہواؤں میں بھی جل رہا ہے۔

☆اگر طلب شدید اور لگن سچی ہو تو منزل قریب آجاتی ہے۔

☆بہترین انسان وہ ہے، جو دوسروں کے دل میں اتر کر اس کے دکھوں کا اندازہ کرے۔

☆ محنت وہ ہتھیار ہے، جو قسمت کے دھارے بدل دیتا ہے۔

☆انسان کی قابلیت اس کی زبان کے نیچے پوشیدہ ہے

☆دل کی آنکھ عبادت سے کھلتی ہے۔

☆☆☆☆

Before eating, ask yourself "Am I really hungry?" When was your last meal or snack? If it was quite some time ago, you may be truly hungry. Emotional eating, due to stress, loneliness, boredom or other feelings, can mask the feelings of true (or biological) hunger. Keeping a food diary and addressing your emotional feelings is a helpful technique in distinguishing true physical hunger from emotional hunger.

* **Eat often and eat sensible portions.** Going past the point of hunger to overly hungry or ravenous can set the stage for overeating. By eating 3 sensible meals, with 2 to 3 small snacks during the day, you will prevent out of control hunger. You will begin to recognise the true symptoms of hunger and those that signal fullness.

* **Eat mindfully**. Pay attention when you eat: to portion sizes, to how your body is feeling and responding. By eating slowly, thinking about the tightness of your belt or waistline, and if you are beginning to feel full, you will start to recognise signals of satisfaction.

* **Eat slowly.** You've heard it before: It takes 20 minutes for your brain to get the signal from other systems and chemicals that you are full. Anticipate the message.

* **Eat balanced meals.** Some researchers indicate we may have a feedback system which tells the brain when it has had enough carbohydrates, protein and fat. Lacking one or another may interfere with natural feelings of satisfaction. Also, balance smooth textures with crunchy ones to fulfill sensory needs.

* **Eat regular meals, but don't eat by the clock.** This may sound contradictory, but it's not. Start by eating a sensible breakfast and plan a morning snack. Eat only part of your lunch (stop eating when full) and save the uneaten part for the afternoon. Enjoy your evening meal with family or friends as usual, paying close attention to when you start to feel full. If the feeling of hunger hits later, have a small healthy snack before bedtime.

Learning to recognise and heeding your body's basic signals of hunger and fullness are one of the secrets to healthy eating and life-time weight control.

*****

THE PHYSIOLOGY OF HUNGER

*** *"I'm hungry!" is the oft heard refrain. However, recognizing hunger and being in touch with your body's natural hunger signals is fundamental to weight control. Here's why:***

Hunger signals and the brain

* **Hunger is regulated** by a complex system of chemicals, in constant communication with systems of the body, including the brain's hypothalamus, intestinal tracts, salivary glands, glycogen and blood sugar stores, to name a few. The hypothalamus in the brain communicates with cells in other parts of the brain to coordinated chemicals (called neurotransmitters). These chemicals form a refined feedback system that help regulate how much and what is eaten.

What starts this chemical chain reaction?

The sensory appeal of food- the sight, smell, and remembrance of taste-excite chemicals to get things started. Also, when the body needs fuel, other chemicals are released at a cellular level, sending a message to the brain that fuel is needed.

Appetite control connection

After eating, as food enters the stomach and intestinal tract, other chemicals are released. These particular chemicals send the "I'm full" signal to the brain. Feelings of fullness and satiety then turn off the appetite. Researchers think that certain conditions, such as chronic dieting, and eating disorders (anorexia and bulimia) affect these appetite control mechanisms. Dieters may lose their ability to recognise the subtle clues of hunger and satiety because they have ignored them for so long. As a result, they overeat.

How to get back in touch with your body's signals?

on the true cause of food cravings, studies do suggest that avoiding certain foods altogether may make them irresistible. So, work with your cravings but be smart about them. Eat a small portion of what you are craving and turn to a healthier version. For example, if you need something sweet, grab a graham cracker, or a few chocolate covered raisins instead of a candy bar. In many cases, just a bite or two will satisfy the craving.

How much Body Fat do we need?

❖ "How low is too low for body fat percentage in women? I'm a kickboxer and karate student and have gone from 25% to 15% body fat in 8 months. I'm 25-years-old."

--- An Anonymous

We carry two kinds of fat in our bodies, essential fat which is stored in small amounts in bone marrow, organs, the central nervous system and muscles, and is needed for the normal, healthy functioning of all these body systems, and "storage" fat, which is stocked for energy. For men, essential body fat makes up about three per cent of total body weight. For women, the percentage is higher - about 12 per cent. For a woman of 25,a healthy range of body fat would be between 21-32 per cent. This can increase slightly with age, to 23-33 per cent for women between 40 and 59 and to 24-35 per cent for those over 60. The healthy ranges in men are from 8-19 per cent for those between the ages of 18-39, from 11-21 per cent for those aged 40 to 59 and 13-24 per cent for those over 60. We now believe that, for women, the minimum body fat percentage should be between 13 and 17 per cent although there's no hard and fast "rule" on what is too low for an individual. Keep in mind that there are several ways to measure body fat, and some are notoriously inaccurate, so the ranges and absolute numbers may vary. You may be able to tell when your body fat is too low by whether or not you're menstruating regularly. If your periods stop, nature may be telling you that you don't have enough body fat to nurture a foetus should you become pregnant. By turning off your menstrual cycle, your body is telling you that you are (temporarily) infertile. Please don't think of this as a convenient method of birth control - it isn't. You need normal hormonal function for more than just menstruation and fertility. For example, the health of your bones also depends on circulating levels of estrogen, the principal reproductive hormone in women.

When body fat percentage gets too low, energy levels and exercise performance decline. So does tolerance for cold. However, in general, as long as you continue to menstruate and as long as your energy level remains intact, your body fat percentage is probably OK. I would encourage you to gain a few pounds if your periods stop or become irregular or if you lack your usual energy.

whole grain toast with peanut butter or low fat cottage cheese.

❖ **Eat several small meals and snack daily.** The body is able to better absorb and utilize nutrients and maintain stable levels of blood sugar and nerve chemicals when supplied with frequent, moderate sized meals. Ideally, try to eat a moderate sized meal or snack approximately every three to four hours. Make changes slowly over time. To avoid consuming too many calories, it's imperative to watch portion sizes. Keeping a food diary that records foods eaten, amounts and mood can be extremely helpful in watching caloric intake and increasing awareness of patterns.

❖ **Watch intake of sugar and caffeine.** These may be quick fixes to increase energy and mood but often result in boomerang fatigue and food cravings. Switch to fiber rich carbohydrates, such as whole grains (breads, cereals, bagels, waffles) fruits and starchy vegetables. Limit coffee to 1-2 cups per day and become aware of your own sensitivity to caffeine.

❖ **Drink water.** Water is essential for all body processes. It surrounds, fills and nourishes all cells and tissues, regulates body temperature and transports oxygen and nutrients to muscles and tissues. Water also helps to maintain the proper pH in the body, which helps stabilize the nerves and tissues. Dehydration, often undetected due to poor thirst mechanisms, is one of the most common causes of fatigue.

❖ **Talk with your doctor** or registered dietitian about taking a moderate-dose multiple vitamin and mineral supplement. For most healthy people who are able and willing to eat a balanced and varied diet, supplements usually are not necessary. If you are reducing caloric intake for weight loss, you may not consume enough food to meet nutrient needs. On this plan for weight loss, two servings of milk shakes will provide caloric controlled, nutrient dense meals with up to 2/3 of your nutrient requirements. For other special circumstances, multivitamin/mineral supplements may offer benefits. If you have any questions about your own nutrient needs, talk with your doctor or registered dietitian.

What causes Cravings?

❖ Cravings are telling you something. It may be physiological, psychological or both; cravings may be an unconscious effort to raise neurotransmitter levels. Although the jury is still out

FOOD AND MOOD

By: Mohd. Mushtaq Ahmed

DURING the past twenty-five years, scientists have identified hundreds of compounds that regulate nerve function, involving memory, appetite, alertness, mood, movement and the wake-sleep cycle. There

is a chemical symphony going on in our brains, and the orchestra consist of at least 75 'neurotransmitters'- or nerve chemicals-stored within nerve cells.

These nerve chemicals send messages from one nerve to another, from the body to the brain and back again. Without realising it, every dip or rise in mood, every hunger pang, and every thought- is conducted by nerve cells and neurotransmitters.

Diet directly and indirectly affects these nerve chemicals. Certain neurotransmitters, especially the amino acids (such as trytophan, tyrosine, histadine and threonine), are sensitive to food intake. Changes in diet can have noticeable effects in blood sugar levels, energy level, mood, cravings and sleep cycle. A person's "neurotransmitter profile" is primarily determined genetically, but a few simple dietary changes can fuel your moods to help you feel and think your best.

Here are some guidelines:

❖ **Eat breakfast.** After all, eight to ten hours have elapsed since your last meal and your body is essentially fasting. This first meal of the day literally "breaks the fast". While sleeping, the body is using stored fuel, so that by morning, glucose reserves are drained. If not replenished, blood sugar levels drop, resulting in fatigue, poor concentration, irritability and lethargy. The best energy-boosting breakfasts are low fat, healthful mixes of protein and carbohydrates. Examples include milk shake, yogurt with fruit, cereal with low fat milk,
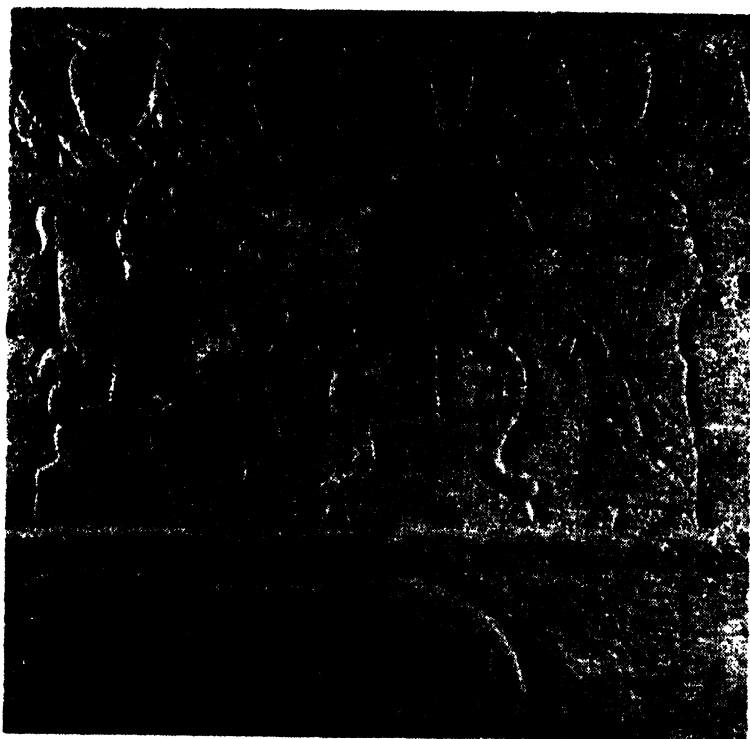
first century BC. With their elegant shapes and exotic colours, these glass bottles, flasks and jugs are among the most arresting objects on the floor. In addition to these spectacular show-cases, two small exhibits should not be missed. Easily overlooked, but of a unique interest is a smaple of purple-dyed cloth from the murex, a marine snail. The purple dye industry thrived in ancient Tyre and Sidon, and the murex can still be found in coastal waters, although commercial dyeing is no longer feasible. Finally, reserved for the end of the exhibition, is a display of objects damaged during the war. Lumpish blobs of molten glass, blackened stone and twisted metal give some hint of the war's effect on Lebanon's heritage and of the tremendos task of rehabilitating the museum. Many other objects are being restored and will gradually be shown to the visitors. The next step will be the opening of the museum's lower level and display of 26 anthropoid sarcophagi.

Amenities in the Museum : The Audio Visual Room is to the right of the entrance. On the left is the ticket booth and an attractive museum gift shop. Restroom facilities are in a separate building on the museum grounds. Museum hours are 9.00 am to 5.00 pm, Tuesday through Sunday. Closed on Mondays.

Across from the museum on Damascus Street is a small garden with five coloumns of a Roman colonnade, probably from a baslica. Discovered in Beirut in 1940, the colonnade was later moved to this site. Also in the garden is a mosaic from a 5th century AD Byzantine church found in Khaldeh, south of Beirut, in the 1950's.

National Museum of Beirut is a "Must" for every visitor to Lebanon.

*****

****

****

****

portant part in the early commence of Tyre, Sidon and Byblos.

Second Level : If the carved and inscribed stones on the first level are architectural and monumental in scope, the second floor reveals artistry of a finer kind. Here the march of history seems to show us the traditions of pottery, jewellery and glass-making reveal the timelessness of human endeavor.

Starting clockwise around the hall, the chronological exhibit begins with prehistory and Bronze Age (3200-1200 BC) and continues through to the Arab conquest and the Ottoman Period (635-1516 AD).

Pottery, one of humankind's earliest artifacts and lingua franca of archaeology, is well represented. Beginning with the Chaleolithic period (4th millennium BC) collections include late Bronze Age jars from Kamid el Loz in the Beqaa, Iron Age funerary pottery found in Khaldeh south of Beirut. Roman vessels and beautiful Islamic pottery, Figurines, ofter used as offerings in temples or as funerary material, are one of the delights of the museum. Charming zoomorphic (animal shaped) figures of stone as well as a large collection of ivory objects and figurines from Kamidel Loz dated from the Bronze Age.

From Byblos temple of the Obelisks come the famous bronze figurines with their tall "Phoenician" Style hats. Overlaid with gold leaf, they are always seen clustered together in an imposing crowd and have become a popular symbol of Lebanon's long history. Also look for terra cotta figurines from the Hellenistic period (333 BC - 64 AD),

The jewellery from Middle Bronze Age carnelian necklaces, to gold funerary adornments of 5th century BC Sidon would all be wearable today.

Of particular interest is the gold Byzantine Treasure found in a clay jar in downtown Beirut. The rings, bracelets with carved animal heads, a series of pendants with settings of semi-precious stones and pendant earings, are all of fine quality. The jar was unearthed in 1977 during archaeological foundings by Directorate General of Antiquities and the French Institute of Archaeology. More attractive golf jewellery comes from Mamluke period (1289-1516).

Ancient Byblos is the source of many of the museum's treasures. One of the great Phoenician cities. Byblos enjoyed close relations with Egypt from the 3rd millennium BC onwards. Here royal tombs yeilded gold diadems or crown gold and jewelled breast plates, scepters, and a gold dagger. The obsidian (volcanic glass) vase and a coffer set with gold, were gifts from pharaohs Amenenhat II and IV. Objects from the temple of Obelisks in Byblos include gold and bronze fenestrated axes, an impressive gold, silver and ivory dagger and a goldvase.

The handblown glass, its iridescence a form of decay, comes mostly from Roman, Byzantine and Islamic workshops, but the art probably originated in the

ing to the goddess Astarte (Venus). Flanked by winged sphinxes, the Astarte tirones come from various sites in Lebanon and date from Persian to the Roman periods.

The imposing limestone colossus in the Egyptian style at the far left of the hall was found in Byblos. Of local manufacture, its date is uncertain although it probably reflects the pervasive Egyptian influence in Byblos during the 3rd and 2nd millennium BC. Scorch marks on its lower half shop it was damaged by fire. In the same room is a plain marble sarcophagus with a Phoenician inscription. Found in Byblos, it dates to the 4th century BC.

the museum's most important piece is undoubtedly the sarcophagus of Ahiram, King of Byblos (10th century BC). The in-

scription on the edge of the lid, is the earliest known writing in the Phoenician alphabet, the prototype of modern Western alphabets. In contrast to the ornately carved Roman-Byzantine sarcophagi, this limestone coffin reveals a mixture of Egyptian and Hittite-Syrian influence. The whole rests on four crouching lions while on one side king Ahiram is seated on a throne guarded by winged sphinxes. The other side shows a procession bearing offerings.

Only two of the museum's 26 white marble anthropoid sarcophagi, each with the carved face of the deceased, are on display. this important collection will be exhibited in its entirety after extended work in the buildings lower level is complete. Dating from the 6th - 4th centuries BC, nineteen of the sarcophagi were found near sidon in 1901. They were called the "Ford Collection" in honour of the Director of the American Presbyterian School. Later other anthropoid sarcophagi were added to the collection. Another important sarcophagus from Sidon will also be on display on the lower level when it opens. Decorated with a carved Phoenician ship in full sail, it dates to the end of the 1st century AD.

One wood object can be found among all these stones. To the left of the entrance is a well-aged chunk of cedar, dating from 41 BC. Valued for its long lasting properties, the Cedar of Lebanon played an im-

tioning system and climate-controlled display cases added to protect delicate objects from excessive heat and humidity.
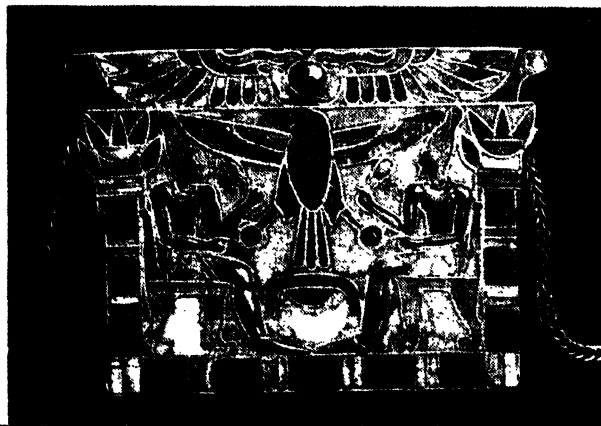
The fascinating story of this restoration work, including scenes filmed during the release of sarcophagi and statues from their concrete casings, can be seen in a 2- minute video film on show in the museum's audio visual room.

The Museum Visit :

First Level : The ground floor of the museum is reserved for mosaics and stone pieces, some of which are monumental in size. In the central and righthand sections of the hall are objects from the Roman-Byzantine period (64 BC to 636 AD), starting with the famous Mosaic of the Seven Wise Men at the museum entrance. This well-preserved mosaic, which once graced the dinning room of a Roman villa in Baalbeck, depicts Calliope, muse of
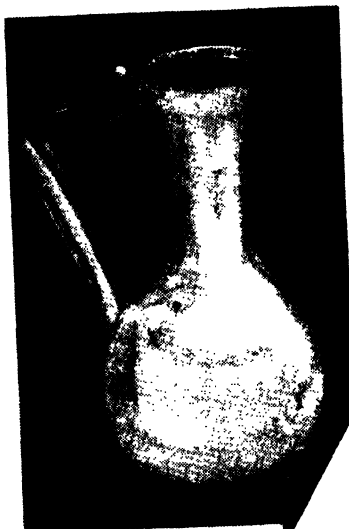
philosophy, surrounded by Socrates and the Seven Wise Men. Nearby is statuary from the same period. including a headless Emperor Hadrian, found in Tyre.

Four carved second century AD Roman sarcophagi, two on either side of the central hall, are arguably among the most spectacular objects in the museum. One is decorated with Drunken Cupids, another with scenes of Battles between Greeks. Both tell the legend in Tyre's necropolis, along with dozens of other tombs and sarcophagi discovered by Emir Maurice Chehab, Lebnon's first Director General of Antiquities (1942-1982). You can also see stone architects' models of the Roman theater in Baalbeck (not excavated) and the roman temple at Niha in the Beqaa. Also from the Niha temple is a reconstructed stone alter flanked by carved lions.

The remainder of the museum's ground floor is dedicated to the second and first millennium BC. On the right side of the hall are objects associated with Eshmoun, the Phoenician god of healing, whose temple can still be seen near sidon. Eshmoun was especially venerated as a healer of children, and the statues of babies (usually boys) were used as votive offerings to the God. Also look for the huge tribune from Eshmoun temple (4th 3rd century BC), carved with gods and goddesses on one tier and dancing figures on the other. Displayed on the left of the central hall is an Eshmoun throne and six miniature thrones belong-

hibit objects, but to conserve, restore and document them. Its collections are also a valuable resource for scholars, students and tourists.

The museums story goes back to the 1920's when a central collection point was needed for archaeological finds. Work on the handsome building, designed in a neo-pharaonic style, was begun in 1930 and completed in 1937. When it opened in May 1943, it displayed antiquities from excavations in Beirut; Sidon and Tyre. Further discoveries around the country added more material and over the next three decades the museum served as one of the Lebanon's most important cultural institution.

Damage to Museum : When hostilities broke out in 1975 action was taken to protect the priceless collections. Large objects such as sarcophagi were covered in reinforced concrete. Other antiquities were either removed for safekeeping or walled up in the basement, Mosaics ere protected with plastic and layered with cement. Despite these precautions, the museum building was badly damaged and much of its collection suffered from neglect and salt water corrosion. Shellfire destroyed storage rooms where new articles awaited indexing and the 17,000 volume library was found lying in the rubble.

At the conclusion of the war in 1991 the Directorate General of antiquities was faced with what seemed an impossible task. The building had to be repaired, the objects restored and inventoried, the museum's entire function reassessed and updated. By 1997 the pockmarked sandstone facade had been renewed with a mixture of stone powder and resin. A cleaner, more open interior was achieved by stripping walls to the original stone. Later, acoustical tiles and elevators were installed and the all important air-condi-

NATIONAL MUSEUM OF BEIRUT (LEBANON)

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

About Lebanon : Lebanon is a mountainous country, about 135 miles long and varying between 20 and 35 miles wide, bounded on the north and east by Syria, on the west by Mediterranean and on the south by the Israel. Between the two parellel mountain ranges of Lebanon and Anti-Lebanon lies the fertile Bekaa Valley. About one-half of the coun-

try is at an altitutde of over 3,00 ft.

The area of Lebanon is estimated at 10,452 sq. km and the population at 2.84 million. Beirut is the capital. Other important cities are : Tripoli, Jounieh, Zahle, Saida (Sidon) and Tyre. it has a Mediterranean climate with short, warm winters and long, hot and rainless summers, with high humidity in coastal areas. Rainfall is largely confined to the winter months and can be torrential, with snow on high ground. Arabic is the official language; French and English are widely spoken and used in official and commercial circles.

After 20 years french mandatory regime, Lebanon was proclaimed independent at Beirut on 26 November 1941. On 27 December 1943 an agreement was signed between the representatives of the French National Committee of Lebanon by which most of the powers and capacities exercised hitherto by France were transferred as from 1 January 1944 to the Lebanese Government. the evacuation of foreign was completed in December 1946. Now Lebanon is an independent Republic.

NATIONAL MUSEUM

The National Museum of Beirut is a must on every visitor's itinerary. An effortless introduction to Lebanon's history, it speaks volumes about the country's ancient peoples and civilization. Although it was severely damaged during Lebanon's war (1975-91) generous public and private support allowed the museum to reopen permanently in 1999 with a face lift, updated displays and a renewed sense of purpose.

A branch of Lebanon's Directorate General of Antiquities, the Museum's function is not only to ex-

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No. 14, 16-31, July, 2002
REGD.No.H/HD850 REGD.NO.R.N.63767/96

اصغر گونڈوی

دولت مشترکہ گیمز
ہندوستان کا بہترین مظاہرہ

سنجے دت
فلمی یا حقیقی "کھل نائیک"

مرکزی کابینہ نے ریلوے زونس کی تقسیم کے فیصلہ کو برقرار رکھا
وزیر ریلوے نتیش کمار اور ترنمول کانگریس لیڈر ممتا بنرجی محاذ آرائی کی راہ پر

جاریہ سال ناکافی بارش اور خشک سالی کے باعث ملک بھر میں تقریباً 150 ملین زرعی مزدور پریشان ہیں

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے دورہ بنگلہ دیش کے
موقع پر ڈھاکہ میں احتجاجی مظاہرہ

Siasat Fortnightly International
A publication of the Siasat Daily

بہ یاد عابد علی خاں

Vol. 7. HYDERABAD . Issue : 16 Rs. 10/- (16) : شمارہ (7) : جلد

Editor: ZAHID ALI KHAN

16 - 31 AUGUST - 2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1. Andhra Pradesh INDIA. Tel: 4744180, 4603666, 4744109. Tel. Fax: 0091-40-4603188
New Delhi: Mr Paramjit S Narang, 606, INS Building, Rafi Marg, New Delhi - 110 001. Phone: 011-3715995.
mumbai: Shri Pradeep G.Deshpande, M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi Marg Fort, Mumbai 400 001. Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
Calcutta: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das, 7, Falguni Das Lane, Thakurbari, Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan, 79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam, Chennai -600 073. Phone:2274457.
Bangalore: Shri V. Raghurama Reddy, No. 125/1, 21st Main, J.P. Nagar 2nd Phase, BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
Ahmedabad: Mr. Mayur Jha Media Link 43, Shankar chambers Nr.H.K House, Ashram Road, Ahmedabad - 380 009. Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex, 1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide, "Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar, Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin, 6720. N.Sheridan Rd, APT 304, Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK : Dr Ziauddin A. Shakeb 26. Croft House, Third Avenue. London W10 4SN, England, Tel: 0181-9645724.
Saudi Arabia: Mr. Syed Raza Abdul Khader, P.O. Box 873, Jeddah - 21421. SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
Kuwait: Sina Book Shop, P.Box No.27325, SAFAT , 13134, Kuwait. Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

جشن آزادی مبارک

فہرست

19/8/2002

سرورق

دولت مشترکہ گیمز، ہندوستان کا شاندار مظاہرہ

سنجے دت

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدر آباد سے شائع ہوا۔

آزاد ہندوستان فرقہ پرستی اور کرپشن کا اسیر

ہندوستان آزادی کی 55 ویں سالگرہ منارہا ہے۔ قوموں کی زندگی میں نصف صدی کا عرصہ کافی اہمیت رکھتا ہے اس طویل مدت کے گذر جانے کے بعد قوم کا لائحہ عمل واضح شکل اختیار کرلیتا ہے اور مستقبل کو درخشاں بنانے کی راہیں نہ صرف تلاش کرلی جاتی ہیں بلکہ ان راہوں پر تیزی سے گامزن ہوجانے کی صلاحیت حوصلہ اور عزم عمل بھی طاقتور ہوجاتا ہے۔ آزادی کے بنیادی نصب العین کی تکمیل بھی ہوجاتی ہے۔

1857ء کی پہلی تحریک ہی کو جدوجہد آزادی کا نقطہ آغاز تصور کیا جائے تو ہمارے آباء و اجداد نے انگریز سامراج کی غلامی سے نجات حاصل کرنے کے لئے ایک صدی تک انتہائی صبر آزما جدوجہد کی۔ ہزاروں جیالوں نے جانیں قربان کیں۔ قید و بند کی صعوبتیں برداشت کیں ساری عمر کال کوٹھری میں گذاردی یا عمر کا ایک بڑا حصہ اسیری میں گذار دیا۔

آزادی کے متوالے جاں نثاروں کا مقصد اولین اور نصب العین انگریز سامراج کے تسلط سے نجات حاصل کرنا تھا کیونکہ سامراجی طاقت نے ہندوستان کے قدرتی وسائل اور جن شکتی و افرادی طاقت کا استحصال کرنے کے علاوہ، معاشی اعتبار سے مفلس اور سماجی اعتبار سے اس حد تک پسماندہ بنادیا تھا کہ انھوں نے انگریزوں کی غلامی اور اپنی ناآسودگی کو مقدر تصور کرلیا تھا۔

جد و جہد آزادی کے رہنماؤں نے غلامی کے خلاف بغاوت کے لئے بیدار کیا۔ انھیں بتایا کہ ملک کے مستقبل کو بہتر بنانے معاشی و سماجی ترقی کی راہیں ہموار کرنے اور سارے معاشرے کو خوشحال بنانے کے لئے آزادی لازمی ہے۔ آزاد ہندوستان ایک فلاحی مملکت بن جائے گا۔ عوام اپنی قسمت کے مالک بن جائیں گے جمہوری حقوق انھیں پسند کی حکومت قائم کرنے کے موقع مہیا کریں گے، امارت غربت، مذہب، علاقہ، زبان، ذات پات کے امتیازات ختم ہوجائیں گے۔ ہر ہندوستانی کو مساوی حقوق حاصل ہوں گے۔ حصول آزادی کے بعد ہمارے رہنماؤں نے ان ہی آرزوؤں اور امنگوں کی تکمیل کرنے والا ایک واضح دستور مدون کیا اور نافذ بھی کیا جو عوام کی آزادی اور امنگوں کی مکمل ترجمانی کرتا اور انکے سارے حقوق کی پاسبانی کرتا ہے۔ نصف صدی کے گذر جانے کے بعد جب ہم اس بات کا دیانت داری سے تجزیہ کرتے ہیں کہ ہمارے رہنماؤں کے تیقنات اور عزائم کی کس حد تک تکمیل ہوئی ہے تو بڑی مایوس کن تصویر ابھر آتی ہے۔ مجاہدین آزادی کے سارے خواب چکنا چور ہوگئے۔ برصغیر کا ممتاز ترقی پسند شاعر فیض احمد فیض نے 50 سال قبل اس مایوسی کا تاثر ایک شعر میں موثر انداز میں دیا جو آج کے حالات پر بھی صادق آتا ہے۔

یہ داغ داغ اجالا یہ شب گزیدہ سحر
تھا جس کا انتظار وہ یہ سحر تو نہیں

ہندوستان آج فرقہ پرستی اور بدعنوانیوں کا اسیر بن گیا، پاکستان ڈکٹیٹر شپ کا غلام اور بیرونی طاقتوں کا دست نگر ہوگیا۔ بنگلہ دیش کی پسماندگی غلامی دور سے بھی بڑھ گئی ہے۔

ہندوستان سلطانی جمہور کے ساتھ ہی فرقہ پرستی اور کرپشن جیسی لعنتوں کا شکار ہوگیا "فلاحی مملکت" کی آرزوں اور امنگوں کی تکمیل میں یہ لعنتیں ہی سب سے بڑی رکاوٹ ہیں۔ فرقہ واریت اور کرپشن انتخابی سیاست کی دین ہے۔ حصول اقتدار کے لئے کسی نے فرقہ وارانہ جذبات کے استحصال کو بنیاد بنایا ہے تو کسی نے کرپشن کے ذریعہ بے دریغ دولت جائز و ناجائز طریقہ سے جمع کرنے کو ناگزیر تصور کرلیا ہے۔ دس سال قبل بابری مسجد کو شہید کردئے جانے کے بعد سے فرقہ پرستی کی بنیاد پر اقتدار حاصل کرنے کی حکمت عملی اپنے عروج پر پہونچ گئی۔ اس سال گجرات میں رسوائے زمانہ فرقہ وارانہ فسادات جس میں ایک مخصوص طبقہ کی باقاعدہ نسل کشی کی گئی، جس سے خود وزیر اعظم کا سر شرم سے جھک گیا، تازہ ترین مثال ہے۔ ان فسادات کے ذریعہ ایک فرقہ کے عوام کی دوسرے فرقے سے نفرت کو ہوا دی گئی اور اقلیتی فرقہ کو یہ سونچنے پر مجبور کیا گیا کہ اکثریتی طبقہ کی بالادستی کو قبول کرنے میں ہی انکی بقاء اور فلاح مضمر ہے۔ اس طرح ایک ووٹ بنک کو مستحکم بنانے کے بعد انتخابات کی تیاریاں کی جارہی ہیں۔

کرپشن تو 1952ء کے پہلے عام انتخابات سے ہی شروع ہوگیا تھا۔ پارٹی فنڈ کے نام پر برسر اقتدار طبقہ اور بعض اپوزیشن جماعتیں "دادا گیری" کے ذریعہ بھاری رقومات جمع کرتی ہیں۔ غیر قانونی سرگرمیوں کے ذریعہ اربوں روپیہ جمع کرنے والے "انڈر ورلڈ" کو سیاست دانوں کی سرپرستی حاصل ہورہی ہے۔ اعلیٰ ترین سطح پر کرپشن کا سلسلہ آج نہ صرف جاری ہے بلکہ معمول سا بن گیا ہے۔ پٹرول پمپس، گیاس ایجنسیوں کے الاٹمنٹ میں بدعنوانیاں تازہ مثال ہے۔

انتخابات کے مصارف اس قدر زیادہ ہوگئے ہیں کہ کوئی بھی دیانت دار شخص جس کے پاس جائز یا ناجائز طریقہ پر جمع کیا ہوا کروڑوں روپیہ نہ ہو انتخابات میں حصہ لینے کی جسارت نہیں کرسکتا۔ سیاسی جماعتوں کو بھی کروڑہا روپے صرف کرتے ہوئے ووٹ حاصل کرنے پڑتے ہیں۔ کئی انتخابی اصلاحات نافذ کی گئیں لیکن انتخابات میں زر اور زور کے استعمال کی لعنت ختم نہیں ہوسکی۔

الیکشن کمیشن نے پنچایت الیکشن سے پارلیمنٹ کے الیکشن تک کسی بھی امیدوار کے انتخابی مصارف کی ایک حد مقرر کی ہے لیکن ہر ایک اس حقیقت سے واقف ہے اس حد سے ہزار گنا زیادہ مصارف کئے جاتے ہیں۔ لیکن اس اصول کی خلاف ورزی پر گذشتہ 50 سال کے دوران معدودے چند امیدوار، مقررہ حد سے زائد مصارف کی بنیاد کی پاداش میں رکنیت سے محروم کئے گئے۔

آزادی کے حقیقی نصب العین کی تکمیل کے لئے کرپشن اور فرقہ پرستی جیسی لعنتوں کو ختم کرنا ناگزیر ہے اسکے بغیر فلاحی مملکت کا خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکے گا۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

بات وہ کہئے بھلا ہو جس سے خلق اللہ کا!

حضرت سید جلال الدین مخدوم جہانیاںؒ (وفات ۱۳۸۴ء) مغربی پاکستان میں مشہور اولیاء اللہ کی آخری کڑی تھے۔ یہ سلسلہ شیخ ابوالحسن علی ہجویریؒ (۱۰۷۲-۱۰۰۹ء) سے شروع ہوتا ہے اور حضرت مخدومؒ پر ختم ہوجاتا ہے۔ شہر بھاولپور سے قریب اوچھ میں ان کا مزار ہے۔ انہوں نے زندگی کا بڑا حصہ بلخ، بخارا، ایران، شام، مصر اور عرب کی سیر میں گزارا جس کی وجہ سے ان کو "جہاں گشت" بھی کہا جاتا ہے۔ اس سفر میں انہوں نے (۳۶) حج کئے اور بڑے بڑے بزرگوں اور عالموں کی صحبت اٹھائی۔

حضرت مخدومؒ سے سلطان محمد تغلق کو خاص عقیدت تھی۔ اس کے بعد اس کا بھتیجا فیروز تغلق جب تخت نشین ہوا تو اسے بھی حضرت مخدومؒ سے بڑی ارادت تھی۔ آپ بھی عوام کے فائدے کیلئے اس سے تعلقات قائم کئے ہوئے تھے۔ ان تعلقات کی وجہ سے وہ عام لوگوں کی ضرورتیں بادشاہ کے ذریعہ اسی طرح پوری کرواتے تھے جیسے شیخ رکن الدینؒ، سلطان علاء الدین خلجی سے پوری کرواتے تھے۔

ایک مرتبہ فیروز شاہ کے وزیر اعظم خان جہاں نے ایک سرکاری ملازم کے بیٹے کو کسی بات پر قید کردیا۔ اس کا باپ حضرت مخدوم جہانیاںؒ کے پاس پہنچا۔ وزیر اعظم آپ کا مخالف تھا لیکن اس کے باوجود جب اس لڑکے کے باپ نے درخواست کی تو آپ خان جہاں کے پاس سفارش لے کر گئے۔ لیکن خان جہاں نے اندر ہی سے کہلا بھیجا کہ نہ میں شیخ سے ملوں گا اور نہ ہی ان کی سفارش مانوں گا۔ ان سے کہدو کہ میرے دروازے پر نہ آئیں۔ کہتے ہیں شیخ انیس مرتبہ وزیر کے گھر گئے اور ہر دفعہ یہی جواب سنا۔ انیسویں مرتبہ وزیر نے بھی کہلا بھیجا کہ اے سید! کیا تم میں ذرہ برابر بھی غیرت نہیں کہ میں نے اتنی مرتبہ انکار کیا ہے اور تم پھر بھی چلے آتے ہو؟ اس پر مخدوم جہانیاںؒ نے جواب دیا۔

اے عزیز! میں جتنی مرتبہ آتا ہوں اس کا ثواب مجھے مل جاتا ہے لیکن ایک مظلوم کا مقصد پورا نہیں ہوا۔ میں چاہتا ہوں کہ اس مظلوم کو تمہاری قید سے رہائی دلواؤں تاکہ اس کا نیک اجر تمہیں بھی ملے۔

وزیر اعظم نے جب یہ جواب سنا تو اس پر ایسا اثر ہوا کہ وہ فوراً گھر سے باہر آگیا اور نہ صرف ان کی سفارش قبول کی بلکہ ان کے عقیدتمندوں میں داخل ہوگیا۔

فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا!

☆ جس انسان نے ہماری راہ میں کوشش کی، ہم اس کو اپنا راستہ بتادیں گے (قرآن کریم)

☆ ہم کسی انسان پر اس کی طاقت سے زیادہ بوجھ نہیں ڈالتے (قرآن کریم)

☆ جس انسان کو میرا ذکر سوال کرنے سے روک لے، میں اسکو سوال کرنے والوں سے زیادہ دیتا ہوں۔ (حدیث قدسی)

☆ خدا نے انسان کو جو کچھ دیا ہے اس میں سب سے بہتر خوش خلقی ہے (حضرت محمدؐ)

☆ وہ انسان بے دین ہے جس میں دیانتداری نہیں اور وہ بھی جس میں عہد کی پابندی نہیں (حضرت محمدؐ)

☆ وہ انسان ہم میں سے نہیں جس نے بڑوں کی عزت اور چھوٹوں پر رحم نہ کیا (حضرت محمدؐ)

☆ بہترین انسان وہ ہے جو دوسروں کو نفع پہنچائے (حضرت محمدؐ)

☆ بہادر ہے وہ انسان جو غصہ کو شکست دیدے (حضرت محمدؐ)

☆ انسان کی عزت و عافیت اسی میں ہے کہ وہ جنگ و جدل سے دور رہے (حضرت سلیمانؑ)

☆ کوئی انسان شرارت سے پائیدار نہیں رہ سکتا (حضرت سلیمانؑ)

☆ وہ انسان جو اپنی جان کی نگہبانی کرتا ہے، ہر بلا سے محفوظ رہتا ہے (حضرت سلیمانؑ)

☆ جوانمردی اور حقیقی سخاوت یہ ہے کہ انسان دوسروں کی تکلیف اپنے سر لے (حضرت ابوبکرؓ)

☆ انسان ضعیف ہے۔ تعجب ہے کہ وہ کیوں کر خدائے قوی کی نافرمانی کرتا ہے (حضرت ابوبکرؓ)

☆ بد بخت ہے وہ انسان جو خود مرجائے مگر اس کا گناہ نہ مرے (حضرت ابوبکرؓ)

☆ جو انسان اپنا راز پوشیدہ رکھتا ہے گویا اپنی سلامتی کو اپنے قبضے میں رکھتا ہے (حضرت عمرؓ)

☆ انسان کیلئے کم کھانا صحت، کم بولنا حکمت اور کم سونا عبادت ہے (حضرت عمرؓ)

☆ اسراف اس کا بھی نام ہے کہ جس چیز کو انسان کی طبیعت چاہے کھائے (حضرت عمرؓ)

فرشتوں سے بہتر ہے انسان ہونا
مگر اس میں ہوتی ہے محنت زیادہ
(حالی)

☆☆☆☆

ناظم علی

عالمی سیاست اور مسلمان

سیاست اقوام اور ملکوں کے ایک نظام کے تحت حکومت و مملکت کا نام ہے۔ ہر ملک کی سیاست کا دارو مدار اسکے اپنے جغرافیائی اور علاقائی تقاضوں پر منحصر ہوتے ہیں۔ دنیا میں کئی مذاہب اور اقوام بستے ہیں اور مختلف قوموں کے تہذیبی اور معاشرتی تقاضے مختلف اور ایک دوسرے سے علحدہ ہوتے ہیں اور جو قومیں جغرافیائی حدبندی میں بند ہیں وہ ان علاقوں کے سماجی اور سیاسی اصولوں و قوانین کے تابع زندگی گذارتے ہیں۔ ملک کی سیاسی وحدت و حدبندی ان کی سماجی سیاسی و معاشرتی زندگی کا محاصل بن جاتی ہیں۔ مشرقی ممالک ہو یا مغربی ممالک ان کے اپنے تہذیبی اور علاقائی تقاضے ہیں اس لئے مغرب و مشرق کا جو فرق جو آئے دن ہم محسوس کرتے ہیں وہ صرف علوم و فنون کی ترقی پر ہے۔ قوموں اور ملکوں میں جو امتیاز دیکھا جاتا ہے انکی امتیازی خصوصیات میں علوم و فنون ہی ہے یہاں تک کہ سیاست میں بھی علم و فن کا ہی دخل ہے اگر امریکہ مختلف ملکوں کے سیاسی فیصلے و مقدرات سنوارتا ہے تو اس کا غلبہ علوم و فنون پر ہے اور کمپیوٹر عصری ٹکنالوجی پر تسلط ہے اور دنیا پر سوپر پاور کے لحاظ سے اپنی اہمیت منواچکا ہے۔ مشرقی سیاست ہو یا مشرق وسطی امریکہ کا ہی سیاسی عمل و دخل برسوں سے مسلط و حاوی ہے۔ موجودہ دور میں بھی کئی سفارتی اور خارجہ پالیسیوں کے مدون کرنے میں مختلف ممالک اور امریکہ سے مرعوب نظر آتے ہیں جو بھی انحراف کیا اس کا عتاب نازل ہوا بہرحال عالمی سیاست میں امریکہ کا ایک مقام و موقف دنیا پر واضح ہوگیا اور امریکہ کا عالمی سیاست میں مرتبہ اسلام کا مرہون منت ہے۔ سیاست و قیادت کے بنیادی نظریے اور علوم و فنون کی تلقین اسلام نے برسوں پہلے پیش کی وہی قوم عالمی قیادت و سیاست کا دعوی کرسکتی ہے جو علم کی خوگر ہو اور عصری علوم کو اپنی زندگی کا شعار و شائر بنالے۔ لیکن اسکے برعکس دنیا میں مسلمانوں کی کیا حالت ہوگئی سب پر واضح ہے حالانکہ تمام اقوام و عالم میں مسلمان اسلئے منفرد ہیں کہ ان کا اپنا فطری قانون موجود ہے اور دستور حیات اور ضابطہ حیات تمام عالم کے مسلمانوں کے لئے عالمی سطح پر موجود ہیں۔ 1500 سو سال پہلے قرآن۔ قرآنیات اور حضرت محمدؐ کی زندگی پیش نظر تھی اور آج بھی ہے اور اسلامی اصول ابدی و دائمی بن گئے تاقیامت باقی رہیں گے اور ان اصولوں پر عمل پیرا ہونا ان کا فرض عین ہے یہ اور بات ہے کہ مسلمان مختلف ملکوں میں جغرافیائی و علاقائی حدبندیوں میں جکڑے ہوئے ہیں اور ان ممالک کے دستوری اور آئینی اصول اگر اسلام سے مطابقت رکھتے ہوں تو عمل پیرا ہوسکتے ہیں۔ ان کا اپنا شخصی قانون پرسنل لا موجود ہیں وہ اپنے اپنے علاقوں میں مذہبی اسلامی اصول پر عمل پیرا ہیں ایسے حالات و تناظر میں مختلف ممالک و مکاتب فکر کے لوگ مسلمانوں کا عالمی اتحاد و اتفاق کی بات کرتے ہیں مذہب و کلمہ کی بنیاد پر مسلمان متحد و متفق تو ہوسکتا ہے لیکن اسکے علاقائی اور تہذیبی حالات جو اس ملک کے ہیں اجازت نہیں دیتے اور نہ سیاسی حالات اس بات کو گوارا کرتے ہیں کہ وہ عالمی سیاسی اتحاد قائم کریں البتہ قومی اور ملکی سطح پر تمام سیاسی مسالک و رحجان کو بالائے طاق رکھ کر ملکی و قومی سطح پر سیاسی اتحاد قائم کرسکتے ہیں ایسے حالات میں ہم کس طرح مسلمانوں میں سیاسی اتحاد دیکھ سکتے ہیں۔ دنیا دو تہذیبوں میں بٹ گئی ہے۔ مشرقی و مغربی یہ جغرافیائی تقسیم ہے ورنہ اسلامی تہذیب اور غیر اسلامی تہذیب میں ٹکراؤ اور تصادم شروع ہوچکا ہے۔ اس تصور کے تحت علاقائی اور ملکی تقاضوں کو نظر انداز کرتے ہوئے مسلمان اپنا عالمی اتحاد و اتفاق قائم کرسکتے ہیں اور اسلام کا ماضی شاہد ہے کہ کس طرح تاریخ میں عالمی سیاسی اتحاد قائم ہوا تھا اور کئی ممالک اسلام کے زیر نگیں آگئے تھے۔ حضرت عبدالرحمن بن عوفؓ کے عہد تک اسلام اور اسلامی سیاست افریقہ اور اسپین تک وسعت اختیار کرگیا تھا۔ بنوامیہ اور بنو عباسیہ کے دور میں اسلامی سیاست میں تنزل شروع ہوگیا۔ ان حالات کے برعکس عالم کا مسلمان اپنے اختراعی مذہبی مسالک اور مذہبی رحجان عائلی سماجی اور معاشرتی مسائل کا شکار ہیں۔ بے جا رسومات و قیود میں بند نظر آتے ہیں۔ لکیر کے فقیر رہنا قوم کو زیب نہیں دیتا۔ آپسی رنجش و عداوت کو دور کرنا ہوگا بڑی طاقتوں سے مرعوب رہنا مسلمان کا شیوہ نہیں لیکن مغربی سیاست و طاقت سے مرعوبیت کا یہ نتیجہ نکل رہا ہے کہ مسلم مملکتیں جو حلیف اور تائید میں ہیں انکے دل ذہن اور زبانتیں بھی مرعوب ہوگئی ہیں تو پھر ہم کیسے عالمی اتحاد قائم کرسکتے ہیں۔ مسلم مملکتیں اور ان کی خارجہ پالیسی SuperPower کے تابع ہیں ان کی خوشنودی کو ہمیشہ ملحوظ رکھا گیا۔ ان کے احکام کی نفی کرنے پر بندش اور امتناع عائد کردئے جاتے ہیں اور معصوم انسانیت بنیادی و انسانی حقوق سے محروم کردی جاتی ہیں وہ ہر ملک کے سیاسی و معاشی مقدرات کا مسیحا تصور کیا جاتا ہے اور کئی ممالک کے سیاسی و معاشی حالات کا سربراہ کہلاتا ہے۔ ایسے تناظر میں ہم کیا کریں۔ مسلمان کئی ممالک میں منقسم اقلیت و اکثریت میں ہیں انکی اپنی سیاسی جماعتیں اتنی مقبول نہیں۔ قدرتی وسائل و وسیلے ہونے کے باوجود وہ خود سے فیصلے کرنے اور پالیسی مسلط کرنے سے قاصر ہیں۔ عالم کے مسلمانوں میں ایک سیاسی انقلاب کی ضرورت ہے اور یہ انقلاب اسلام سے سچی محبت اور اس پر عمل پیرائی سے پیدا ہوسکتا ہے تب ہی عالمی سیاست، سیادت و قیادت ان کے ہاتھ میں ہوگی۔

☆☆☆

امریکہ میں مسلمانوں کو درپیش چیلنجس

ملک کے سیاسی نظام میں سرگرم شرکت کا مشورہ

امریکہ کے دو کلیدی شہروں واشنگٹن اور نیویارک پر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ء کو کئے گئے دہشت گردانہ حملوں کے نتیجہ میں پیدا ہونے والے حالات میں امریکی مسلمانوں کو ایک نہایت اہم چیلنج کا سامنا ہے۔ اس خیال کا اظہار یہاں کی جارج واشنگٹن یونیورسٹی میں امریکی مسلمانوں کی ایک حالیہ کانفرنس میں کیا گیا۔

امریکہ میں یہ مسلمانوں کے لئے فیصلہ کن گھڑی ہے۔ جس میں ان کے سامنے اصل سوال یہ ہے کہ وہ "پندرہ منٹ" کے اس نازک وقت کو کس طرح استعمال کریں۔ برکلے کی کیلیفورنیا یونیورسٹی کے آغا سعید کے ذریعہ اٹھائے گئے اس سوال میں پندرہ منٹ سے ان کی مراد وہ مختصر کلیدی لمحات تھے جو بسا اوقات افراد کی شہرت و کامیابی میں فیصلہ کن کردار ادا کرتے ہیں۔ انہوں نے بش انتظامیہ کی جانب سے (11 ستمبر کے حملہ کے بعد رونما ہونے والے) مسلم مخالف تعصب کی بلاتاخیر مخالفت اور قومی دعائیہ جلسہ میں مسلم علماء دین کی شمولیت کو مصیبت کے وقت میں وقار کے مظاہرہ" سے تعبیر کیا۔ لیکن اس کے ساتھ ہی انہوں نے نفاذ قانون سے متعلق امریکی حکام کے ذریعہ مسلم افراد اور ان کی تنظیموں کے خلاف کی جاری کارروائیوں کا بھی ذکر کیا اور کہا کہ اثاثوں کی ضبطی، مسلم مردوں سے پوچھ تاچھ، ان کی حراست اور ان کے خلاف خفیہ شواہد کے استعمال جیسی کارروائیوں سے اس طرح کے اندیشوں کو قوت ملی ہے کہ امریکہ میں مسلمانوں کے شہری حقوق خطرہ میں ہیں۔

"امریکی مسلمان دوراہے پر" کے مرکزی عنوان کے تحت منعقدہ اس ایک روزہ کانفرنس میں تقریباً ڈیڑھ سو کی تعداد میں مسلم و غیر مسلم علمی و سیاسی شخصیتوں اور مقامی عمائدین نے شرکت کی۔ یہ کانفرنس دراصل امریکہ میں مسلمانوں سے متعلق شماریاتی علمی تحقیق کے ایک دو سالہ منصوبہ کی تکمیل کے موقع پر منعقدہ کی گئی تھی، جو "پروجیکٹ ایم اے پی ایس" کے تحت زیر عمل تھا۔ تاہم بیشتر مقررین نے اپنے تبصروں کا رخ اس نازک صورتحال کی جانب ہی رکھا جس سے امریکی مسلمان نیویارک اور واشنگٹن پر کئے گئے حملوں کے بعد سے دوچار ہیں۔

جارج ٹاؤن یونیورسٹی سے وابستہ مشہور اسکالر جان اسپوزیٹو نے کہا کہ 11 ستمبر کے بعد کی امریکی مسلم کمیونٹی واقعی ایک نازک موڑ پر کھڑی ہے جہاں اسے امریکی معاشرہ میں نمایاں کردار ادا کرنے اور مسلم مخالف رجحانات کو روکنے کے لئے اپنے آپ کو زیادہ موثر انداز میں حرکت میں لانے کی ضرورت ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہم جس دنیا میں رہ رہے تھے، 11 ستمبر نے اسے بالکل بدل کر رکھ دیا ہے۔ پہلے بھی ہمارے کچھ مقاصد تھے اور ہم ان کے حصول کے بارے میں گفتگو کرتے تھے۔ لیکن وہ ہوش ربا عجلت اور غیر معمولی ہنگامی کیفیت جو اب ہے، وہ پہلے نہیں تھی۔ ممکن ہے کچھ لوگوں کو ضرورت کی شدت کا احساس پہلے بھی رہا ہو لیکن اس میں نتائج کے حصول کی وہ عجلت نہیں تھی جو اب نظر آتی ہے۔

امریکی مسلمانوں کے لئے خود اعتمادی سے کام لیتے ہوئے اپنا احتساب کرنے کی ضرورت پر زور دیتے ہوئے مسٹر اسپوزیٹو نے بتایا کہ انٹرنیٹ پر کئی مسلمانوں سے انکی بات چیت ہوتی رہی ہے جو اب بھی 11 ستمبر کے حملہ میں کسی عرب یا مسلمان کی شمولیت سے انکار کرتے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ اس طرح کے انکار کی روش ترک کرنی ہوگی اور سارا قصور امریکی خارجہ پالیسی کے سر ڈالنے کا رویہ بدلنا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ وہ خود امریکی خارجہ پالیسی پر تنقید کرتے رہے ہیں لیکن ہمیں مسلم دنیا کی صورتحال پر بھی گفتگو کرنی چاہئے۔ مثلاً وہاں کس طرح کی حکومتیں ہیں، وہ کیا کررہی ہیں، کس طرح کا اسلام امریکہ اور یوروپ کو برآمد کیا جارہا ہے، نیز اس کے تئیں بیرون ملک مسلمانوں کا رویہ کیا ہے؟۔

واشنگٹن کی ہارورڈ یونیورسٹی کے ایک طالب علم کی حیثیت سے اپنے تجربات بیان کرتے ہوئے مسٹر الطاف حسین نے کہا کہ 11 ستمبر کے حادثہ پر مسلم طلبا کا عمومی ردعمل حقیقی صدمہ، امریکہ کے تئیں گہری وطنی محبت اور اس کے ساتھ ہی ساتھ مذہبی شناخت کے ایک تازہ تر احساس پر مشتمل تھا۔ انہوں نے کہا کہ امریکی شہری کی حیثیت سے ہم سب نے اپنے ملک پر حملہ کے درد اور صدمہ کو پوری طرح محسوس کیا۔

"پراجیکٹ ایم اے پی ایس" کے سلیمان نیانگ نے کہا کہ امریکہ کے خلاف تشدد کا ارتکاب کرنے والوں کا مقصد نہ صرف امریکی سماج کو اجتماعی کرب سے دوچار کرنا تھا بلکہ وہ امریکی مسلمانوں اور بقیہ امریکی سماج کے درمیان خلیج بھی پیدا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن وہ موخرالذکر مقصد میں ناکام رہے۔

تاہم کانفرنس میں عمومی احساس یہ تھا کہ امریکی مسلمان اپنے آپ کو امریکی سیاسی نظام سے بیگانہ محسوس کرتے ہیں، جس کا علاج مسٹر اسپوزیٹو کے خیال میں یہ ہیکہ مسلمان سیاسی طور پر متحرک ہوں نیز مساجد اور مسلم خیراتی و امدادی اداروں پر ایف بی آئی کے چھاپوں جیسی توہین آمیز صورتحال کا مقابلہ کرنے کے لئے انہیں سیاسی طور پر سرگرم ہونا چاہئے۔ یہ سوال کرتے ہوئے کہ "آخر مسلمان لاکھوں کی تعداد میں واشنگٹن کی سڑکوں پر کیوں نہ نکل آئے؟" مسٹر اسپوزیٹو نے اپنی تقریر میں کہا کہ اگر امریکی مسلمانوں کو اپنی شہری آزادیوں کے سلب کئے جانے کی حقیقی معنوں میں فکر ہے اور اگر عرب اور مسلمان واقعی اپنے مسائل کی جانب توجہ چاہتے ہیں تو ہم میں سے وہ لوگ جو طویل عرصہ سے امریکہ میں رہ رہے ہیں وہ ان مقاصد کے لئے یہاں تعداد کے بڑے پیمانہ پر مظاہرہ کی اہمیت سے بخوبی واقف ہیں۔ ہیمپٹن یونیورسٹی کے

پروفیسر ممتاز احمد نے فلسطینی کاز کی حمایت میں گذشتہ 20 اپریل کے مظاہرہ کا ذکر کیا جس میں کم از کم ستر ہزار مسلم و غیر مسلم افراد شریک تھے اور کہا کہ امریکہ میں مسلمانوں کی نئی نسل امریکہ کی خارجہ پالیسی اور داخلی سیاست کے درمیان تعلق کو سمجھنے لگی ہے۔

مسلم ماہرین عمرانیات کی تنظیم (اے ایم ایس ایس) کے رکن لوبیہ صفی نے کہا کہ امریکی مسلمانوں کی اپنے ملک کے سیاسی نظام میں سرگرم شرکت بحیثیت مجموعی پورے سماج کے لئے بہت فائدہ مند ہوگی۔ انہوں نے کہا کہ 11 ستمبر کے حادثہ نے کچھ لوگوں کو ایک ہیبت انگیز محفوظ تر ریاست کی تشکیل کی وکالت پر آمادہ کردیا ہے۔ خواہ اس کے لئے آزادیوں کو ترک کرنا پڑے جو عرصہ دراز سے امریکی جمہوریت کا طرہ امتیاز رہی ہیں۔ مسلمان اپنی مثبت شرکت کے ذریعہ امریکی متمدن سماج کو اس خطرہ سے نجات دلاسکتے ہیں، کیونکہ کئی پالیسیاں جن سے امریکی جمہوریت کو خطرہ درپیش ہے ان کا اصل نشانہ مسلم کمیونٹی کو ہی سمجھا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ امریکی سیاست کا دوسرا تشویشناک پہلو سیاسی اطوار سے اخلاقی اصولوں کی علحدگی ہے۔ امریکی سیکولرازم کی بیشتر اخلاقی قدروں کا سرچشمہ مذہب ہے اور ایک مذہبی گروہ ہونے کے ناتے مسلمان ان طریقوں پر روک لگاسکتے ہیں۔ جن کے تحت داخلہ اور خارجہ پالیسیوں کو محض ان کی اثرانگیزی ان کے نتائج اور میکانکی تجزیہ کی بنیاد پر رکھا جاتا ہے۔

جارج واشنگٹن یونیورسٹی کے سید حسین نصر نے سیاسی طور پر سرگرم مسلمانوں پر زور دیا کہ وہ اپنی تشویش کا دائرہ محض شہری حقوق اور مشرق وسطی و جنوب ایشیا سے متعلق امریکی خارجہ پالیسی تک محدود رکھنے کے بجائے اس کو اور وسیع کریں۔ انہوں نے کہا کہ اسلام کا اصل ہدف ایک منصفانہ معاشرہ کا قیام ہے۔ لہذا مسلمانوں کو ہر طرح کی سماجی ناانصافی کے خلاف اور ماحولیاتی و سماجی بہبود کے مسائل پر بھی آواز اٹھانی چاہیئے۔

☆☆☆☆

غزل

عکس خوشبو ہوں، بکھرنے سے نہ روکے کوئی
اور بکھر جاؤں تو مجھ کو نہ سمیٹے کوئی

کانپ اٹھتی ہوں میں یہ سوچ کے تنہائی میں
میرے چہرے پہ ترا نام نہ پڑھ لے کوئی

جس طرح خواب مرے ہوگئے ریزہ ریزہ
اس طرح سے نہ کبھی ٹوٹ کے بکھرے کوئی

میں تو اس دن سے ہراساں ہوں کہ جب حکم ملے
خشک پھولوں کو کتابوں نہ رکھے کوئی

اب تو اس راہ سے وہ شخص گزرتا بھی نہیں
اب کس امید پہ دروازے سے جھانکے کوئی

کوئی آہٹ، کوئی آواز، کوئی چاپ نہیں
دل کی گلیاں بڑی سنسان ہیں، آئے کوئی

(پروین شاکر کے شعری مجموعے "خوش بو" سے)

●●●●

سنجے دت کے لئے پھر مشکلات

حالیہ دنوں میں ممبئی پولیس نے خصوصی عدالت میں فلمی اداکار سنجے دت اور انڈر ورلڈ ڈان چھوٹا شکیل کے مابین ہوئی بات چیت کی ٹیلی فون ٹیاپنگ کا ریکارڈ عدالت میں پیش کر کے ایک نئی ہلچل پیدا کردی۔ اس واقعہ سے جہاں کئی سوالات ابھر رہے ہیں وہیں ایسا معلوم ہوتا ہیکہ سنجے دت کے لئے اب اس مشکل صورتحال سے باہر نکلنا دشوار ہوگیا ہے مہیش منجریکر، ہریش سگندھ اور سنجے گپتا نے ناسک کی تاج ریسیڈنسی ہوٹل کے روم نمبر 235 سے تقریبا 31 منٹ تک چھوٹا شکیل سے بات چیت کی۔ عدالت میں بطور ثبوت ان ریکارڈ کو پیش کرنے کے بعد جہاں پولیس کا موقف طاقتور ہوگیا وہیں فلمی دنیا اور انڈر ورلڈ کے روابط نے بھی کئی اہم سوال کھڑا کردئے ہیں۔ دونوں میں روابط کا اگرچہ سب کو اندازہ ہے اظہار نہیں کرتے۔ سنجے دت کی جو بات چیت پیش کی گئی وہ دراصل دو سال قبل ریکارڈ کی گئی اور اس وقت جبکہ سنجے دت ٹاڈا کے تحت گرفتار تھے۔ پولیس نے اسے بطور ثبوت پیش نہیں کیا اور ایسے وقت جبکہ مقدمہ بھرت شاہ کا چل رہا ہے پولیس نے انڈر ورلڈ اور فلمی دنیا کے مابین روابط کو ثابت کرنے کے لئے عدالت میں اس ریکارڈ کو پیش کیا جسکی وجہ سے

۔ اس سے پہلے ٹاڈا مقدمہ میں انھیں گرفتار کیا گیا تھا اور سنجے دت کو جیل بھی جانا پڑا۔ تاہم دھیرے دھیرے حالات معمول پر آگئے اور سنجے دت اپنی فلمی زندگی میں مصروف ہوگئے۔ لیکن دو ہفتہ قبل ممبئی پولیس نے پروڈیوسر بھرت شاہ کے ایک مقدمہ میں یہ کیسٹ عدالت میں پیش کی جس میں تقریبا نصف گھنٹہ کی بات چیت ریکارڈ ہے۔ سنجے دت کے علاوہ لیکن انڈر ورلڈ کے اشارے پر فلموں میں رقومات لگانا اور فلمی شخصیتوں کا ان کے دباؤ میں آکر فلمیں سائن کرنا ان کے ایک اشارے پر کام کرنا وغیرہ سے فلمی دنیا کا امیج متاثر ہوتا ہے۔ لیکن اس معاملہ کی تحقیقات اگر سنجیدگی سے کی جائے تو اور کئی نام بھی منظر عام پر آسکتے ہیں۔ بتایا جاتا ہیکہ اس سارے کھیل میں سیاستدانوں کا بھی اہم رول ہے لیکن وہ اس کا کئی ایک سوالات ابھر رہے ہیں: سنجے دت اس وقت پھر ایک بار تختہ مشق بن رہے ہیں۔ ضرورت اس بات کی ہیکہ تمام حقائق کو منظر عام پر لایا جائے اور دوسروں کے خلاف بھی کارروائی کی جائے۔ تحقیقات کے بعد ہی پتہ چل سکتا ہے کہ حقیقت کیا ہے۔

●●●●

پرانے شہر سے ناخواندگی کے خاتمہ کے لئے چیف منسٹر کا عزم

چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو نے پرانے شہر حیدرآباد میں ناخواندگی کے خاتمہ تک جد و جہد جاری رکھنے کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ اس سلسلہ میں پرانے شہر میں مدارس کے قیام، اساتذہ کے تقررات اور اسکولی عمارتوں کی تعمیر پر خصوصی توجہ دیں گے۔ انہوں نے کہا کہ حکومت پرانے شہر کی تعلیمی ضرورت کی تکمیل کے لئے تیار ہے اور پرانے شہر کے ہر بچے کو اسکول تک پہونچانے اور بچہ مزدوری کے خاتمہ تک وہ چین سے نہیں بیٹھیں گے۔ مسٹر چندرا بابو نائیڈو نے جشن تعلیم پروگرام کے سلسلہ میں پرانے شہر کے دورہ کے موقعہ پر ان خیالات کا اظہار کیا۔ چیف منسٹر نے چنچل گوڑہ جونیئر کالج کے احاطہ میں واقع اردو میڈیم مدارس کا معائنہ کیا اور انکے طلباء سے بات چیت کی۔ چیف منسٹر نے ایک فنکشن ہال میں بھی طلباء اور اولیاء طلباء کے جلسہ سے خطاب کیا اور تعلیم کی اہمیت کو اجاگر کیا۔ جشن تعلیم پروگرام کے آغاز کے بعد سے چندرا بابو نائیڈو کا یہ پہلا دورہ پرانا شہر تھا۔ اردو مدارس کا بھی یہ ان کا پہلا دورہ تھا جس میں انہوں نے طلباء سے اردو میں بات چیت کرتے ہوئے سب کو حیرت میں ڈال دیا۔ چیف منسٹر نے بچوں سے بات چیت کے دوران کم عمری میں بچوں سے ملازمت کرانے والے افراد کے خلاف کارروائی کی بھی ہدایت دی۔ ایک جیل عہدیدار کے پاس کام کرنے والی لڑکی سے بھی چیف منسٹر نے بات کی اور اس عہدیدار کو جرمانہ کرنے کمشنر حیدرآباد کو ہدایت دی۔ چیف منسٹر کی آمد کے موقعہ پر ان کا شاندار استقبال کیا گیا۔ چیف منسٹر نے ایک سائنس نمائش کا افتتاح کیا اور جشن تعلیم پر تیار کردہ تلگو اور اردو کے آڈیو کیسٹس کی رسم اجراء انجام دی۔ مسٹر چندرا بابو نائیڈو طلباء میں درسی کتب اور 5 کیلو چاول بھی تقسیم کئے۔ مقامی کونسلر کی جانب سے چیف منسٹر نے بچوں میں سلیٹس تقسیم کیں۔ چیف منسٹر نے پرانے شہر میں کمزور مالی موقف کے سبب تعلیم حاصل نہ کرنے والے طلباء کو اقامتی مدارس میں مفت تعلیم اور رہائش کے انتظام کا بھی تیقن دیا۔ انہوں نے اسکول جانے والے بچوں کو تعلیم چھڑا کر ان سے محنت مزدوری کرانے کو سنگین جرم قرار دیتے ہوئے کہا کہ اس طرح طلباء کے روشن مستقبل کو تاریک کردیا جاتا ہے۔ ریاستی وزراء مسرز وجئے راماراؤ، سرینواس یادو، میئر مسٹر ٹی کرشنا ریڈی اور دوسرے موجود تھے۔

ریاست میں خشک سالی کی سنگین صورتحال

آندھرا پردیش شدید خشک سالی کی لپیٹ میں ہے اور جاریہ سال ریاست میں 100 سے زائد افراد اس کا شکار ہوچکے ہیں۔ جاریہ سال بھی شدید خشک سالی کی صورتحال کے سبب کسانوں کی خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہوچکا ہے۔ ریاست میں گذشتہ 4 برسوں سے مسلسل خشک سالی کا سامنا ہے۔ گذشتہ سال بھی تمام اضلاع کو خشک سالی سے متاثرہ قرار دیا گیا تھا۔

گذشتہ سال 23 اضلاع میں سے 22 کو خشک سالی سے متاثرہ اضلاع قرار دیا گیا تھا۔ جاریہ سال بھی بارش نہ ہونے کے سبب صوبے کے 1100 میں سے 850 منڈلوں کو خشک سالی سے متاثرہ قرار دیا گیا ہے۔ متاثرہ علاقوں میں کسانوں کی خودکشی کے واقعات میں اضافہ ہوچکا ہے اور ہزاروں خاندان نقل مقام کرنے پر مجبور ہوچکے ہیں۔

اطلاعات کے مطابق جاریہ سال جنوری سے اب تک 100 سے زائد کسانوں نے اپنی فصلوں کو نقصان اور قرض کے بوجھ کے سبب خودکشی کرلی۔ گذشتہ دو ماہ کے دوران صوبہ میں روزانہ کم از کم دو کسانوں کی خودکشی کے واقعات منظر عام پر آرہے ہیں۔ گذشتہ 4 برسوں سے ناکافی بارش کے سبب تلنگانہ، رائلسیما اور ساحلی آندھرا کے بیشتر اضلاع میں فصلیں تباہ ہوچکی ہیں۔ صوبائی حکومت نے مرکزی حکومت سے صوبہ میں خشک سالی کے امدادی کاموں کے لئے 830 کروڑ روپے کی اجرائی کا مطالبہ کیا ہے تاہم مرکزی حکومت نے 150 کروڑ کی منظوری دی ہے۔ یہ رقم دو، اقساط میں جاری کی جائے گی۔ مرکز نے 12 صوبوں کے لئے 714 کروڑ روپے کی امداد کا اعلان کیا ہے۔ وزیراعلی این چندرا بابو نائیڈو نے اعلی سطحی اجلاس میں خشک سالی کی صورتحال کا جائزہ لیا اور کہا کہ گذشتہ 50 برسوں کے دوران صوبہ کو اس قدر سنگین صورتحال کا سامنا کبھی بھی نہیں ہوا۔ انہوں نے کہا کہ جنگی خطوط پر امدادی کام شروع کئے گئے ہیں۔ وزیراعلی نے جاریہ سال بارش کی کمی کو افغانستان میں ہوئی بمباری کا اثر قرار دیتے ہوئے کہا کہ ماحولیات کے ماہرین نے بتایا کہ افغانستان میں کی گئی شدید بمباری سے ماحولیات پر زبردست اثر پڑا ہے اور اسکی زد سے بھارت بھی محفوظ نہیں رہ سکا۔ مانسون کی کمی اس کا لازمی نتیجہ ہے۔ ماہرین نے بتایا کہ ماحولیات میں بگاڑ کا مطلب نئی مشکلات کا سامنا ہے اس سے مختلف بیماریوں کے پھیلنے کا خدشہ بھی رہتا ہے۔ اسی دوران صوبہ کے وزیر زراعت دی شوبھنا دیشورراؤ کی قیادت میں ایک اعلی سطحی وفد نے نئی دہلی میں وزیراعظم اور دوسرے مرکزی وزراء سے نمائندگی کرتے ہوئے 830 کروڑ روپے کی امداد کی اجرائی کا مطالبہ کیا۔ صوبہ کی اہم اپوزیشن جماعت کانگریس نے ایک کل جماعتی اجلاس طلب کرتے ہوئے خشک سالی کی صورتحال سے نمٹنے میں صوبائی حکومت پر ناکامی کا الزام عائد کیا۔ کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا اور کمیونسٹ پارٹی آف انڈیا مارکسٹ کے نمائندوں نے بھی اجلاس میں شرکت کی اور کسانوں کی خودکشی کے بڑھتے واقعات پر گہری تشویش کا اظہار کیا۔

اجلاس نے کسانوں کے قرضہ جات کی معافی اور خودکشی کرنے والے کسانوں کے خاندانوں کو فی کس ایک لاکھ روپے ایکس گریشیا کی ادائیگی کا مطالبہ کیا۔

شہر کے مختلف علاقوں گوشہ محل اسٹیڈیم، بیگم بازار اور نامپلی میں کھلے ٹرانسفارمرس عوام کے لئے خطرہ بنے ہوئے ہیں

یورو کی طلب میں مسلسل اضافہ

یورپی عوام کی کوشش ہے کہ جلد از جلد ڈالر کی برتری کا خاتمہ ہو جائے

یکم جنوری 2002ء کا دن یورو کے اجراء کا دن ہے۔ یہ دن عالمی اقتصادیات کے لئے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس دن کی خصوصیت یہ ہے کہ اس روز تیس کروڑ پچاس لاکھ کی نفوس پر مشتمل آبادی کے حامل بارہ ممالک کی مشترکہ کرنسی، جسے یورو کا نام دیا گیا ہے، جاری کی گئی۔ یورو کی گردش کے پیش نظر یورپی مرکزی بینک نے باون ارب کے نئے سکے یعنی 170 یورو فی فرد کے حساب سے اور تقریباً پندرہ ارب یورو کے نوٹ فی فرد 49 یورو کے حساب سے چھاپے۔ جاری کی گئی یورو کی کرنسی کی کل مالیت تقریباً 649 ارب یورو ہے، جس کی شرح تبادلہ کا معیار 584 ارب ڈالر کے مساوی ہے۔ ایک یورو کی قیمت 90 سینٹس کے برابر ہے۔ تازہ ترین اطلاعات کے مطابق یورو کی قیمت ڈالر سے بڑھ چکی ہے۔

اس میں کچھ شک نہیں کہ نئی کرنسی نے اپنے اجراء کے ساتھ ہی شہرت کی بلندیوں کو بھی چھو لیا ہے۔ توقع ہے کہ یورو کی بڑھتی ہوئی مانگ اور اہمیت اسے 2003ء کے اختتام تک یورپی یونین کے بیش تر ممالک کی سو فی صد کرنسی بنا دے گی۔ زیادہ تر ممالک نے اس کے اجراء کے ساتھ ہی اسے اپنانا شروع کر دیا تھا اور لین دین اپنی کرنسی کے علاوہ یورو میں بھی شروع کر رکھا ہے، تاکہ ان کے عوام کو یورو سے متعلق زیادہ سے زیادہ سوجھ بوجھ حاصل ہو سکے اور جب مکمل طور پر یورو کا نفاذ کر دیا جائے تو عوام کو کسی قسم کی پریشانی اور مشکلات کا سامنا نہ کرنا پڑے۔

یورو کا اثر براہ راست پوری دنیا کی معیشتوں پر پڑ رہا ہے: خاص طور پر تیسری دنیا کے ممالک یورو کی موجودگی میں طاقتور ڈالر سے نجات کی راہیں تلاش کرنے میں کامیاب ہو رہے ہیں۔ یورو کے اجراء کے وقت بڑے مالیاتی اداروں کی جانب سے اسے بڑی پذیرائی حاصل ہوئی تھی، جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ تائیوان نے اپنے زرمبادلہ کے ذخائر میں سے بیس ارب ڈالر یورو میں تبدیل کر لئے تھے۔ یمن نے بھی ایک ارب ڈالر کی مالیت کے زرمبادلہ کو یورو میں بدل دیا تھا۔ جس کو سراہتے ہوئے یورپی یونین نے یمن کو دی جانے والی سالانہ اقتصادی امداد 15 ملین ڈالر سے بڑھا کر 36 ملین ڈالر کر دی تھی۔ دنیا بھر میں یورو کی مقبولیت کا اندازہ اس امر سے بھی لگایا جا سکتا ہے کہ لندن کی اسٹاک مارکیٹ میں بھی یورو کی طلب روز بہ روز بڑھ رہی ہے۔ دنیا کے بیش تر ممالک میں یورو کو حاصل ہونے والی اہمیت اور پذیرائی کے پیش نظر یہ کہا جا سکتا ہے کہ دنیا آہستہ آہستہ ڈالر کے تسلط سے آزاد ہو رہی ہے۔ ایشیائی ممالک بھی یورو کے اجراء کو خوش آئند قرار دے رہے ہیں۔ دوسری جانب جاپان کے وزیر اعظم نے دنیا کے زیادہ تر ممالک میں یورو کے پھیلتے ہوئے اثر و رسوخ کے باعث ڈالر اور جاپانی ین کے لئے یورو کو بہت بڑا خطرہ قرار دیا ہے۔ یورپی عوام کا کہنا ہے کہ امریکہ نے انہیں اقتصادی اور معاشرتی طور پر اپنا غلام بنائے رکھا ہے لیکن اب زیادہ عرصے تک ایسا نہیں رہے گا، کیوں کہ اب یورپی ممالک نے ایک مشترکہ کرنسی کو اپنا لیا ہے، جو ڈالر کے مقابلے میں کسی طرح بھی کم نہیں۔ یورو کی ابتداء کے ساتھ ہی یورپی یونین کے ممالک میں اس سے متعلق واقفیت حاصل کرنے کے لئے اور عوام سے متعارف کرانے کے لئے مختلف اقدامات بھی کئے گئے تھے۔ آئرلینڈ میں ستانوے فیصد سپر مارکیٹوں میں مصنوعات کی دہری قیمتوں کا نظام رائج کیا گیا لیکن صرف 22 فیصد خریدار ہی نئی کرنسی یورو کی قیمت یاد رکھنے میں کامیاب رہے۔ فرانس کے بینکوں نے اپنے صارفین کے کھاتے یورو میں تبدیل کرنے کے ساتھ تمام سرکاری ملازمین کی تنخواہ یورو میں ادا کی۔ پرتگال میں حکومت نے یورو میں خریداری کو لازمی قرار دے دیا تاکہ زیادہ سے زیادہ لوگ اس سے واقف ہو سکیں۔ اسپین میں یوٹیلیٹی بلز یورو میں بدل دئے گئے جب کہ سرکاری مینجمنٹ نے بھی یورو میں کام شروع کر دیا۔

اس کے ساتھ ہی بیرونی تجارت کے لئے بھی یورو کا استعمال شروع ہو گیا۔ جرمنی نے اپنی کرنسی کو ختم کرنے کے لئے یورو کے استعمال پر زور دیا۔ آسٹریا کی کمپنیوں نے سب سے کم وقت میں یورو کو قبول کر لیا۔ اس کا اندازہ اس بات سے بخوبی ہوتا ہے کہ یورو زون کے بارہ ممالک میں آسٹریا قومی اور بین الاقوامی تجارت کے سلسلے میں یورو کے استعمال میں سرفہرست ہے۔ ان ممالک میں یورو کی آمد سے قبل کی جانے والی تیاریوں اور اقدامات کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ درحقیقت یورپی ممالک نے اس سنگل کرنسی کے تعارف اور نفاذ کے لئے سرتوڑ جد و جہد کی ہے۔ اس کے ساتھ ہی ان ممالک کی حکومتوں کے علاوہ ان کے عوام نے بھی یورو کے اجراء میں اپنی حکومتوں کا بھرپور ساتھ دیا۔ ابتداء میں کچھ وقت اور پریشانی ہوئی ہوگی لیکن ڈالر کے طلسم سے آزاد ہونے کے خوش آئند احساس نے انہیں تمام مشکلات اور پریشانیوں سے نبرد آزما ہونے کا حوصلہ دیا۔ آج حقیقت یہ ہے کہ یورو مکمل طاقت کے ساتھ عالمی مارکیٹ میں اپنے قدم مضبوطی سے جما رہا ہے۔ حالانکہ مضبوط ڈالر اور ین کی موجودگی میں آغاز کے وقت یورو کے مستقبل کے بارے میں کافی خطرات درپیش تھے۔ گیارہ ممالک نے ایک سنگل کرنسی اپنانے

کا فیصلہ کرکے بہت بڑا خطرہ مول لیا تھا۔ گیارہ ممالک کی اس یونین کی کل جی ڈی پی کا پچھتر فیصد صرف تین بڑے ممالک کو حاصل ہوتا ہے۔ ان ممالک میں جرمنی کا حصہ 36 فیصد، فرانس کا 24 فیصد جب کہ تیسرے بڑے ملک اٹلی کو بقیہ حصہ حاصل ہوتا ہے۔ یوروپی یونین میں اقتصادی لحاظ سے سب سے زیادہ مضبوط اور مستحکم ملک جرمنی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یوروپ کی معیشت کی بنیاد جرمنی پر قائم ہے۔ تاہم یوروپی ممالک کی آبادی میں اضافے کے ساتھ مسائل میں بھی اضافہ ہورہا ہے۔ یوروپ میں بے روزگاری کی شرح 2001ء میں 7.6 فیصد تھی۔ جرمنی میں اس وقت تقریبا 35 لاکھ افراد بے روزگار ہیں۔ اس کے باوجود یوروپی زون کی مقامی پیداوار سال 2001ء میں 1.6 فیصد اور 2002ء میں 1.4 فیصد ہونے کی توقع کی گئی تھی۔ اس کے برعکس امریکہ کی مقامی پیداوار سال 2001ء میں 1.1 فیصد تھی۔ موجودہ حالات کے پیش نظر 2002ء کے اختتام تک یہ پیداوار گھٹ کر 0.7 فیصد تک ہونے کی توقع ہے۔ ان حقائق کے تجزیے سے امید ہے کہ کچھ عرصے بعد یوروپ اقتصادی میدان میں امریکہ کو بہت پیچھے چھوڑ دے گا۔ ڈالر کے اجراء میں امریکہ کو 130 برس کا عرصہ لگا جب کہ یوروپی ممالک نے فقط چالیس برس میں اپنی کرنسی رائج کرلی۔ یوروپی ممالک نے سنگل مارکیٹ کا جو خوبصورت خواب دیکھا تھا، یورو اس کی عملی تعبیر ہے۔ امید ہے کہ بہت جلد تقریبا پینتیس ممالک یورو کو اپنالیں گے۔ جس کے نتیجے میں عالمی منڈی پر سے امریکہ کی بالادستی ختم ہوجائے گی۔

ایشیائی ممالک یورو کو کامیاب دیکھنے کے آرزومند ہیں۔ کیونکہ ان کا خیال ہے کہ مضبوط یورو، ڈالر کی اجارہ داری سے نجات دلاسکتا ہے۔ یورو کی آمد سے قبل ڈالر نے دنیا بھر کی معیشت کو اپنی لپیٹ میں لے رکھا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ یورو کو ڈالر کے مقابلے میں سب سے بڑا حریف تصور کیا جارہا ہے۔ یورو کے اجراء کے وقت 100 یورو کی مالیت 88 ڈالر کے برابر تھی، جب کہ 88 ڈالر 117129 ین اور 61.17 پاؤنڈ کے مساوی تھے۔ آج یورو اور ڈالر کی قدر میں معمولی سا فرق باقی ہے۔ کیوں کہ یورو مختصر سی مدت میں ڈالر کے برابر پہنچ گیا ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ یورو ڈالر کے ساتھ دیگر کرنسیوں پر بھی اپنے اثرات مرتب کررہا ہے۔ وہ کرنسیاں جن کی پوزیشنس مارکٹ میں مضبوط تھیں۔ اب یورو سے خوفزدہ ہیں۔ جب کہ ماہرین کا بھی خیال ہے کہ مستقبل میں یورو، ڈالر کی جگہ لے لے گا اور اس کا نعم البدل ثابت ہوگا۔

یورو کی موجودگی میں یوروپ سے نہ صرف امریکی ڈالر کے اثرات کا خاتمہ ہوگا بلکہ اس سے امریکی معیشت بھی براہ راست متاثر ہوگی۔ یوروپ کے لئے یہ بات پریشانی کا باعث ہے کہ برطانیہ تاحال امریکہ کے لئے ہمدردانہ جذبات رکھتا ہے اور اس نے ابھی تک یورو زون کی کرنسی قبول نہیں کی۔ اگر برطانیہ بھی یورو کو قبول کرلیتا ہے تو نہ صرف امریکی ڈالر یورو کا محتاج ہوجائے گا بلکہ عالمی سطح پر بھی ڈالر کی ساکھ کو شدید نقصان کا سامنا کرنا پڑے گا۔ یہ امر یوروپی یونین کے لئے بہت زیادہ خوشی کا سامان ثابت ہوگا۔ یورو کی ابتداء کے وقت عالمی کرنسی کے ذخائر میں امریکی ڈالر 33 فیصد، یوروپی کرنسیاں 20 فیصد اور جاپانی ین کا حصہ 5 فیصد تھا۔ ماہرین کو توقع ہے کہ آئندہ دس برس میں یوروپی کرنسی کا تناسب پینتیس فیصد ہوجائے گا۔

یورو سے بین الاقوامی مالیاتی نظام میں بھی توازن پیدا ہونے کی امید ہے۔ کیوں کہ ڈالر اور ین کی اجارہ داری سے عالمی مالیاتی نظام مکمل طور پر بگڑ چکا ہے۔

وقت یورو کی قیمت مسلسل بڑھ رہی ہے۔ یورو کی بتدریج بڑھتی ہوئی قیمت کے پیش نظر توقع ہے کہ تین ماہ میں یورو ڈالر کو بہت پیچھے چھوڑ دے گا۔ برطانیہ بھی یورو زون کی کرنسی اپنانے کے لئے سوچ بچار میں مصروف ہے۔

امریکہ اس وقت اس کیفیت میں آچکا ہے کہ جن ممالک کا سرمایہ امریکہ میں بہت زیادہ ہے۔ اگر وہ ممالک امریکی بینکوں سے سرمایہ واپس نکلوالیتے ہیں تو امریکہ سب سے بڑا مقروض ملک بن جائے گا اور دیوالیہ ہوجائے گا۔

امریکہ اس وقت اپنے بچاؤ اور ڈالر کے تحفظ کے لئے کوششوں میں مصروف ہے۔

ہندوستان میں بچہ مزدوری کے خاتمے کے لئے مزید کوششیں

ایس سیتھورمن

دنیا کی توجہ ایک بار پھر پوری شدت کے ساتھ بچہ مزدوری کی جانب مبذول کرائی گئی ہے ، جو اپنی بدترین شکل میں ، پوری دنیا میں لاکھوں بچوں کی جان لے لیتی ہے ۔ بین الاقوامی تنظیم محنت (آئی ایل او) نے اکیسویں صدی کی ابتدا میں تیزی سے پھیلنے والے اس چیلنج کے بارے میں اپنے نئے مطالعہ (2002) میں ہولناک اعداد و شمار کے ساتھ ہوشیار کیا تھا۔

ہندوستان 12 جون کو آئی ایل او کے اسپانسر کردہ بچہ مزدوری کے خلاف پہلے عالمی دن کو منانے میں اس مخصوص مسئلہ سے پوری سنجیدگی کے ساتھ نمٹنے کے لئے ، جو بنیادی طور پر غریبی اور ناخواندگی سے جڑا ہوا ہے ، دیگر ممالک کے ساتھ شامل ہوا تھا۔ جینوا میں منعقدہ آئی ایل او کے سالانہ اجلاس میں ہندوستان نے کہا تھا کہ ملک میں غریبی کے خاتمے کے پروگراموں اور مکمل خواندگی کی مہم کے ذریعہ اس مسئلہ سے نمٹا جارہا ہے ۔ 14 سال کی عمر تک کے بچوں کی لازمی تعلیم کے مجوزہ نفاذ سے بھی اس سماجی برائی کو کم کرنے میں مدد ملے گی۔

اس مسئلہ کی پیچیدگی کو بخوبی تسلیم کیا جاتا ہے کیونکہ بچہ مزدوری ایک عالمی مسئلہ ہے ، جو زیادہ تر غریبی سے وابستہ ہے کیونکہ گھر کے لوگ تعلیم دلوانے کی استطاعت نہیں رکھتے یا کنبے کی آمدنی میں معمولی سے اضافے کے لئے وہ بچوں سے کام کرواتے ہیں۔ 2015ء تک غریبی ختم کرنے اور سب کو ابتدائی تعلیم کے سلسلے میں جسے ملینیم کے نشانے کے طور پر مقرر کیا گیا ہے پیش رفت سے اس مسئلہ کو حل کرنے میں مدد ملنی چاہئے۔

آئی ایل او کے مطالعہ میں 5 سے 17 سال کی عمر کے درمیان کام کرنے والے بچوں کی تعداد 246 ملین بتائی گئی ہے اور تخمینہ لگایا ہے کہ ان میں سے 80 فیصد بچے ایسے کام کررہے ہیں ، جو ان کی صحت اور سلامتی کے لئے خطرناک ہے ۔ مطالعہ میں کہا گیا ہے کہ 15 سال سے کم عمر کے تقریبا 110 ملین بچے خطرناک کام جیسے کانکنی اور کیمیاوی اشیاء کا کام کررہے ہیں ۔ انہیں فورا ان کاموں سے ہٹایا جانا چاہئے ۔

غریبی کے علاوہ اقتصادی اور سیاسی عدم استحکام ، امتیاز ، نقل مکانی ، مجرمانہ استحصال ، بالغوں کے لئے کام کرنے کے مواقع کا فقدان اور ناکافی سماجی تحفظ جیسے دیگر عناصر بھی بچہ مزدوری کے اسباب بنتے ہیں۔ مطالعہ میں مزید کہا گیا ہے کہ تقریبا 90 لاکھ بچے غلامی ، خرید و فروخت ، قرض کی وجہ سے بندھوا مزدوری اور جبری مزدوری اور استحصال کی بدترین شکلوں سے دوچار ہیں۔

مطالعہ میں گھریلو صفائی جیسے کام کرنے کی قابل قبول اقسام میں مصروف کار 10 کروڑ بچوں کو شامل کیا گیا ہے۔ لیکن 20 کروڑ سے زائد دیگر بچے ، جو کم عمر کے ہیں یا خطرناک کام یا دوسرے انتہائی خراب کام کرتے ہیں ، اپنی جسمانی ، ذہنی اور اخلاقی نشو و نما کو خطرے میں ڈالتے ہیں۔

5 سال سے 14 سال کی عمر کے درمیان والے کل بچہ مزدوروں (127 ملین) کا 60 فیصد حصہ ایشیا بحرالکاہل خطہ میں ہے ، جبکہ باقی بچہ مزدور دنیا کے دیگر ترقی پذیر خطوں میں ہیں ۔ ان کی کثیر تعداد بنیادی شعبوں (زراعت ، جنگل بانی اور ماہی گیری) میں مصروف کار ہے ، 8 فیصد بچہ مزدور مینوفیکچرنگ نیز تھوک اور پرچون تجارت ، ہوٹلس اور ریسٹورانوں میں مصروف کار ہیں ۔ ٹرانسپورٹ خدمات اور گھریلو کام میں بھی بچوں کی اچھی خاصی تعداد کام کررہی ہے ۔

لیکن غیر رسمی یا غیر منظم شعبوں میں بچہ مزدوروں کی کثرت انہیں سماجی تحفظ سے دور رکھتی ہے ۔ آئی ایل او اسے بچہ مزدوری کے موثر خاتمے کی راہ میں حائل بنیادی رکاوٹوں میں سے ایک رکاوٹ کے طور پر دیکھتی ہے ۔ ہندوستان محنت اور سماجی تحفظ کے حقوق کے بارے میں آئی ایل او کی زیادہ تر قراردادوں پر دستخط کرنے والے ممالک میں سے ایک ہے ۔ بچہ مزدوری کے بارے میں آئی ایل او کی 1999ء کی قرارداد کی توثیق جینوا میں قائم اس تنظیم کے 175 ممبر ممالک میں سے اب تک 120 ممالک کرچکے ہیں۔

بچہ مزدوری کے خلاف اپنی دس سالہ مہم میں اگرچہ آئی ایل او نے نمایاں پیش رفت کی ہے ، تاہم یہ مسئلہ مقامی ، قومی اور بین الاقوامی سطح پر بڑے پیمانے پر مربوط اقدامات کا متقاضی ہے ۔ بچہ مزدوری کے خاتمے کے عمل کو ایک نئی رفتار دینے کے لئے آئی ایل او نے موثر پروگراموں کے نفاذ میں ، جو بچوں کو نقصان پہنچانے والے کاموں سے نکالنے اور ان کے کنبوں کے ذریعہ معاش کے مزید تحفظ کو یقینی بنانے میں مدد کریں گے ۔ حکومت آجر اور کارکنان کی تنظیموں ، سماج کے گروپوں اور دیگر اداروں کی ساجھے داری کی اپیل کی ہے ۔

آئی ایل او کے امداد یافتہ پروگرام ہندوستان سمیت بہت سارے ممالک میں چلائے جارہے ہیں۔ چونکہ غیر منظم شعبوں میں روزگار سے متعلق کوئی قابل اعتماد اعداد و شمار دستیاب نہیں ہیں ، اس لئے ملک میں بچہ مزدوروں کی تعداد کا تخمینہ مختلف ہے ۔ 1991ء کی مردم شماری میں یہ تعداد 110 لاکھ سے زیادہ بتائی گئی تھی اور اس مسئلہ کی موجودہ اہمیت قابل ذکر طور پر بہت زیادہ ہونی چاہئے۔

ہندوستان میں آئی ایل او اور ریاستی حکومتوں نے اس سال بچہ مزدوری کے خلاف عالمی دن کی مطابقت سے ایک پروگرام عمل شروع کیا ہے ۔

اگر ہندوستان کو بچوں کے حقوق اور بہبود کی ضمانت دینے کے سلسلے میں پیش رفت کرنی ہے تو اسے بچہ مزدوری کے خاتمے کے کام کو خواندگی پر زور دینے کے ساتھ ساتھ غریبی کے خاتمے اور دیہی ترقی کے پروگراموں کے ساتھ مربوط کرنا ہوگا۔

خدا اب چھاؤں دے

جمیل نظام آبادی

دھوپ کا لمبا سفر کب تک خدا اب چھاؤں دے
کہہ رہا ہے پاؤں کا ہر آبلہ اب چھاؤں دے

دھوپ کے ماروں کی ہے یہ التجا اب چھاؤں دے
سوختہ دل کر رہے ہیں سب دعا اب چھاؤں دے

جل رہے ہیں دشت کے کہسار کے سب راستے
جل رہا ہے راہ کا ہر نقش پا اب چھاؤں دے

پتہ پتہ بوٹا بوٹا باغ کا مرجھا گیا
اہل گلشن کے دلوں کی ہے صدا اب چھاؤں دے

دھوپ کی تلوار کے سر پہ سورج ہے کھڑا
پاؤں کے نیچے ہے تپتا راستہ اب چھاؤں دے

دل کی گلیوں میں بھی یارب دھوپ ہے پھیلی ہوئی
دل کی گلیوں کے مسافر کو بچا اب چھاؤں دے

کاٹ دی آدھی صدی لمبے سفر میں دھوپ کے
دھوپ کے لمبے سفر سے کیا ملا اب چھاؤں دے

اپنے بندوں کے لئے ستار تو رحمن تو
تجھکو تیری رحمتوں کا واسطہ اب چھاؤں دے

وقت رخصت سر پہ میرے ہاتھ رکھتی تھی جمیل
ماں اگر ہوتی تو کرتی تھی دعا اب چھاؤں دے

کیا، کیوں، کیسے؟

دنیا میں پہلی ہڑتال کب ہوئی؟

ایک ایسے معاشرے میں جہاں لوگ اپنے بہت سارے حقوق سے محروم ہوں، ہڑتالوں کا ہونا معیوب نہیں سمجھا جاتا۔ پرامن ہڑتال کے ذریعے اپنے مطالبات ذمے داران تک پہنچانا اب کوئی نئی بات نہیں رہی۔ پوری دنیا میں مختلف مسائل کے حوالے سے آئے دن ہڑتالیں ہوتی رہتی ہیں۔

دنیا میں پہلی ہڑتال 1170 قبل مسیح میں مصر میں ہوئی جو مزدوروں نے کی تھی۔ اس زمانے میں مصری اقتصادی حالت اس قدر بگڑ چکی تھی کہ مزدوروں کو دو مہینے کی اجرت نہیں دی جاسکی۔ اس زمانے میں اجرت دینے کے ذمے دار کارخانے دار نہیں ہوا کرتے تھے۔ ہر کام یا صنعت براہ راست حکومت کے تحت چلا کرتی تھی۔ اجرت میں مزدوروں کو پیسے (سکے) نہیں ملتے تھے۔ بلکہ راجب یعنی راشن بھرپور طریقے سے دیا جاتا تھا۔ راجب میں کھجوروں سے بنائی ہوئی شراب، تازہ یا خشک گوشت، آٹا، مکھن، پھل، شہد اور مچھلیاں وغیرہ ہوتی تھیں۔

اقتصادی حالت بگڑنے کے بعد جب مزدوروں کو دو مہینے تک راجب نہیں مل سکا تو انہوں نے اپنے اوزار چھوڑ دیے اور ایک جلوس کی شکل میں ریمیسس دوم کے مندر میں جاگھسے اور "ہم بھوکے ہیں، ہم بھوکے ہیں" کے نعرے لگانے لگے۔ خوب شور کرنے کے بعد سارے مزدور دھرنا دے کر مندر ہی میں بیٹھ گئے۔ مندر کا سب سے بڑا پجاری فرعون ہی ہوا کرتا تھا۔ جب وہ مزدوروں کو سمجھانے ان کے سامنے آتا تو مزدور خوب شور و غل کرتے اور اس کی بات سننے سے انکار کردیتے۔ پرانے زمانے کی جو مصری تحریریں ملی ہیں، ان سے معلوم ہوا کہ مزدوروں کی ہڑتال پورے آٹھ روز تک جاری رہی۔ آخر کار فرعون نے اپنے ذاتی خزانے سے ہر مزدور کو دو دو مہینے کا راجب دیا، تب کہیں جاکر مزدوروں نے ہڑتال ختم کی۔

آسمانی بجلی زمین پر کیوں گرتی ہے؟

بادل ہم سے چند میل کی بلندی پر معلق رہتے ہیں۔ ان کے نم دار ذرات کی باہمی رگڑ سے بادل پر برقی بار پیدا ہوتا ہے۔ کسی بادل پر مثبت چارج ہوتا ہے اور کسی پر منفی۔ چونکہ مخالف چارج ایک دوسرے کو اپنی طرف کھینچتے ہیں۔ اس لئے جب بھی دو ایسے بادل ایک دوسرے کے قریب آتے ہیں تو منفی بار مثبت بار کی جانب تیزی سے

لپکتا ہے۔ یہ چمک ہمیں زمین سے نظر آتی ہے۔ اگر برقی بار بہت قوی ہو تو زبردست چمک پیدا ہوتی ہے۔ درمیان میں اگر ہوا آجائے تو برقی بار اس مزاحمت کو پار کرنے کی کوشش کرتا ہے اس سے زبردست کڑک پیدا ہوتی ہے۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ برقی بار والا بادل زمین کے قریب آجاتا ہے اور اس کا بار کسی درخت، عمارت یا ایسی ہی کسی دوسری چیز کے ذریعے زمین پر اترنے کی کوشش کرتا ہے، اسے بجلی کا گرنا کہتے ہیں۔ جب بجلی گرتی ہے تو درمیانی چیز جل کر سیاہ ہوجاتی ہے۔ آس پاس کوئی اور جاندار بھی ہو تو وہ بھی ہلاک ہوجاتا ہے۔ بلند عمارتوں کو بجلی کی تباہی سے بچانے کے لئے ان کے ساتھ دھات کی ایک پٹری اور اوپر ایک سلاخ لگادی جاتی ہے۔ چونکہ لوہا یا کوئی اور دھات بجلی کی اچھی موصل ہوتی ہے اس لئے جب بجلی گرتی ہے تو وہ اس پٹری سے ہوتی ہوئی زمین میں اتر جاتی ہے اور عمارت محفوظ رہتی ہے۔

سقراط کو زہر کیوں دیا گیا؟

دنیا میں بہت کم ایسے انسان گزرے ہیں، جنھوں نے اصول کی خاطر جان جیسی عزیز شے قربان کردی۔ سقراط بھی ایک ایسا ہی اصول پرست انسان تھا۔ وہ یونانی فلسفی تھا۔ اس قدیم دور میں ایسی قابل ہستیوں کا واحد کام دوسروں کو تعلیم دینا ہوتا تھا۔ سقراط بھی اپنے شاگردوں کو فلسفے اور دیگر علوم کی تعلیم دیتا تھا لیکن حکومت کو یہ بات پسند نہیں تھی۔ حکمرانوں کو سقراط کے خیالات سے اتفاق نہیں تھا۔ جلد ہی یہ بات مشہور ہوگئی کہ سقراط اپنی تعلیم سے یونان کے نوجوانوں کو گمراہ کررہا ہے۔ سقراط کو اسی الزام میں گرفتار کرلیا گیا۔ اس پر مقدمہ چلایا گیا اور عدالت نے اسے موت کی سزا دے دی۔ اس زمانے میں یہ سزا زہر پلا کر دی جاتی تھی۔ سقراط نے مرنا منظور کیا لیکن اس راہ کو نہ چھوڑا جسے وہ اپنے خیال میں صحیح سمجھتا تھا۔ بعد میں اس کے بتائے ہوئے اصول درست ثابت ہوئے۔

جراثیم انسان پر کیسے حملہ کرتے ہیں؟

جراثیم یا بیکٹیریا وہ ننھے جاندار ہوتے ہیں جو خوردبین کے بغیر ہمیں نظر نہیں آتے۔ وہ ہماری سانس یا جلد کے ذریعے ہمارے جسم میں داخل ہوجاتے ہیں اور ہمارے جسم کے کسی حصے کو بیمار بنادیتے ہیں۔ ہمارے جسم میں بہت سے دوست جراثیم بھی ہوتے ہیں، جو حملہ آور جراثیم کا مقابلہ کرتے ہیں، ہمیں اس اندرونی جنگ کا پتہ بھی نہیں چلتا۔ جب تک ہمارے جسم میں طاقت رہتی ہے یہ دوست جراثیم بیماری کے جراثیموں کو ہراتے رہتے ہیں اور ہم تن درست رہتے ہیں۔ بڑھاپے میں قوت باقی نہیں رہتی تو بیماری کے جراثیم دوست جراثیموں کو ہرادیتے ہیں۔ عام جسمانی اور گھریلو صفائی، غذائی احتیاط اور صحت کے بنیادی اصولوں پر عمل کرنے سے ہم بیماریوں کے جراثیم سے بچ سکتے ہیں۔

فیشن ورلڈ

دہلی میں لیک می انڈیا فیشن ویک کے مختلف ماڈلز مشہور ڈیزائنرس کا کلکشن پیش کرتے ہوئے

چاول کی جینیاتی سلسلہ بندی

پودوں کے حیاتیاتی اجزاء اور ان کی بار آوری میں اضافہ ہوگا

یوں تو جینیاتی تحقیق کا سلسلہ برسوں سے جاری تھا اور سائنس دانوں کو امید تھی کہ ان کی محنت کے ثمرات ظاہر ہو کر رہیں گے اور بالآخر جون 2000ء میں انھوں نے انسان کا جینیاتی نقشہ تیار کرلیا۔ اس دریافت کو بلاشبہ طب کی دنیا میں ایک انقلاب سے تعبیر کیا گیا مگر اس دریافت کے ساتھ ہی یہ امید بھی ہو چلی تھی کہ اس کا دائرہ کار مزید وسعت اختیار کرسکے گا، چنانچہ اس راہ پر چلتے ہوئے زراعت کے میدان میں بھی اس سے خاطر خواہ استفادے کا سلسلہ شروع کیا گیا۔ گزشتہ دنوں اس حوالے سے ایک اہم کامیابی یہ ہوئی کہ چاول کا جینیاتی سلسلہ ترتیب دیا گیا۔ اس تحقیق سے چاول کے بارے میں بہت ہی اہم اور مفید باتیں معلوم ہوسکیں گی۔

اس تحقیق میں سان ڈیاگو کی ایک کارپوریٹ بایوٹکنالوجی ٹیم اور ایک بین الاقوامی اکیڈیمی ٹیم نے مشترکہ طور پر حصہ لیا، جس کی قیادت بیجنگ کے سائنس دانوں نے کی۔ ٹیم نے اس امید کا اظہار کیا کہ وہ بہت جلد چاول کی مزید پیداوار اور غذائی اجناس پر تحقیق کے کام کو تیزی سے آگے بڑھائیں گے۔ منصوبے پر کام کرنے والے سائنس دان اور ماہرین اس بات کے خواہشمند تھے کہ چاول کو اس پہلی فصل کے طور پر استعمال کیا جائے جس کی پیداوار اس کے جینیاتی کوڈ کے ذریعے کی جائے اور اس تحقیق کو ایسی کلید کے طور پر استعمال کیا جائے جو گندم، مکئی اور دیگر غذائی اجناس کے پیچیدہ سلسلوں کو بھی کھول کر رکھ دے۔ ماہرین کا خیال ہے کہ چاول کی جینیاتی ساخت فطری طور پر پیچیدہ ہے۔ تمام غذائی فصلوں میں چاول کی جینیاتی سلسلہ بندی سب سے مختصر ہوتی ہے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ یہ سلسلہ بندی ایک جینوم سے بنتی ہے۔

جینوم کی بنیاد ڈی این اے ہے۔ ڈی این اے کسی بھی جسم میں قدرتی طور پر پایا جانے والا سب سے بڑا سالمہ ہے اور دراصل یہ ڈی این اسے ہی زندگی کی بنیاد قرار پاتا ہے۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ اس حیرت انگیز سلسلے میں 4۔3 ارب اور بعض ماہرین کے جائزوں کے مطابق 2۔3 ارب چھوٹے سالمات یا اساسی یونٹس ہوتے

ہیں اور اس کی دہری چکردار ساخت میں کسی بھی ذی روح کی ایک ایک تفصیل موجود ہے۔ یہاں تک کہ قدرت نے رنگ، جبلت، قد و قامت، عادات و اطوار، حیاتی، رجحانات، اور کسی بھی بیماری میں مبتلا ہونے کے امکانات تک ہر چیز کی معلومات ڈی این اے کے اس سالماتی ڈیٹا بیس میں محفوظ کردی ہیں۔

چاول میں پچپن ہزار سے زیادہ جینز ہوتے ہیں جب کہ ایک انسانی جسم میں جینز کی تعداد تقریباً پینتیس ہزار تک ہوتی ہے یعنی چاول میں انسانی جسم سے ہزاروں کی تعداد میں زیادہ جینز ہیں، اگرچہ یہ حجم میں انسانی جینوم کا چھوٹا حصہ ہوتے ہیں۔ پروجیکٹ کے معاون سربراہ اور بیجنگ جینومکس انسٹی ٹیوٹ اور چائنیز اکیڈیمی آف سائنسز کے سینئر جینیسٹ یانگ ہان منگ نے اسے ایک حیران کن بات قرار دیا ہے۔

اس تحقیق کو ایک موقر سائنسی جریدے میں شائع کیا گیا ہے۔ اس منصوبے پر کام کرنے والے امریکی اور چینی ماہرین نے چاول کے مختلف نسلی خواص پر مبنی جینیاتی معلومات کو "انڈیکا" کا نام دیا ہے کیوں کہ چاولوں کی یہ قسم چین اور جنوب مشرقی ایشیائی ممالک میں سب سے زیادہ پیدا ہوتی ہے۔

اس منصوبے کے نگراں بیجنگ جینومکس انسٹی ٹیوٹ کے یانگ اور جن یوتھے اور ان کا کہنا ہے کہ چین میں اس حوالے سے اتنی بڑی تحقیق اس سے پیشتر دیکھنے میں نہیں آئی۔ تحقیق میں چین کے گیارہ گروپوں نے یونیورسٹی آف واشنگٹن سے اشتراک کیا تاکہ جینیاتی سلسلہ بندی صحیح اور مکمل انداز میں کی جاسکے اور ایک دوسرے کے تجربات سے فائدہ اٹھایا جاسکے۔ ہانگ کا کہنا ہے کہ چاول کی جینیاتی چاول کے جینوم کی تمام تر تفصیلات جن دو آزاد ٹیموں نے پیش کی، ان میں سے ہر ایک نے جین کی یکساں ترتیب کی تکنیک استعمال کرتے ہوئے چاول کے مختلف نسلی اثرات بیان کئے۔

سلسلہ بندی زراعت کے لئے اتنی ہی اہم ہے جتنی انسان کی جینوم سلسلہ بندی اس کی صحت کے لئے اہم ہے۔

ایک کارپوریٹ ریسرچ ٹیم نے جس کی قیادت سان ڈیاگو کے ٹوری پیسا ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ایک سرکردہ رکن، اسٹیفن اے گوف نے کی چاول کی ایک اور قسم "جیپونیکا" کا مکمل جینیاتی مسودہ ترتیب دیا۔ چاول کی یہ قسم جاپان میں سب سے زیادہ مقبول ہے۔ ٹوری پیسا گروپ کو ایک سوئس ایگرو کیمیکل کمپنی چلا رہی ہے، جس نے اسے "سنجینٹا انٹرنیشنل" کا نام دیا ہے۔ یہ کمپنی اس منصوبے پر اب تک تیس ملین ڈالر خرچ کرچکی ہے۔

چاول کی بین الاقوامی پیداوار دنیا کی اہم خوردنی اور بنیادی پیداوار ہے اور گزشتہ تین دہائیوں میں تین گنا بڑھ چکی ہے۔ اس کی پیداوار تیزی سے بڑھتی ہے اور پودے کی فطری حد کو صلاحیت کے مطابق سورج کی روشنی کی توانائی سے موڑ کر نشاستے یا کاربوہائیڈریٹس میں منتقل کردیتی ہے۔ ماہرین پُرامید ہیں کہ وہ چاول کے بنیادی جینز کی شناخت کرسکتے ہیں اور اس کی مدد سے پیداوار کو بڑھا سکتے ہیں اور اس کے پودے کو اس کے حیاتیاتی اجزاء کے بڑھا دینے سے مزید غذائی بنا سکتے ہیں۔ انہیں یہ بھی امید ہے کہ وہ اس کے پیداواری عمل کو مزید آسان بنا سکیں گے اور چاول کی مختلف اقسام پیدا کرکے انہیں اس قابل بنا سکیں گے کہ وہ فصلوں میں جنم لینے والی بیماری، خشک سالی اور خراب زمینوں (سیم و تھور کا شکار بنجر زمینیں) پر بھی مزاحمت کرکے پیداوار دے سکیں۔ اسٹیفن اے گوف کا کہنا ہے کہ ہم اس بات پر یقین رکھتے ہیں کہ زراعت کا مستقبل جینیاتی نقشے کی بدولت نہایت تابناک ہوگا۔ سنجینٹا انٹرنیشنل کے پودے اگانے والے ماہرین پہلے ہی رائس جینوم کو گندم اور مکئی کے حقیقی جینیاتی نقشے کی تیاری میں استعمال کرچکے ہیں تاکہ طاقتور مفید جینز کی شناخت کی جاسکے۔ ماہرین کا کہنا ہے کہ تمام مسودے کو دیکھتے ہوئے چاول کی سلسلہ بندی غالباً دو برس میں مکمل کی جاسکے گی۔

اقوال زریں

○ بڑوں کا احترام کرو، کیوں کہ ان کی نیکیاں تم سے زیادہ ہیں اور چھوٹوں پر شفقت کرو، کیوں کہ ان کے گناہ تم سے کم ہیں۔

○ خدمت سے خدا ملتا ہے۔

○ آنسوؤں کو مسکراہٹ میں بدل دو۔ خوشیاں تلاش کرنا آسان ہوجائے گا۔

○ تمہارا راز تمہارا قیدی ہے۔ افشا ہوجانے کے بعد تم اس کے قیدی بن جاؤ گے۔

○ کسی کو پالینا محبت نہیں بلکہ کسی کے دل میں جگہ بنالینا محبت ہے۔

○ وفا کے موتی پروتے رہوگے تو نفرت کے کانٹوں سے دور رہوگے۔

○ برے دوستوں کی صحبت سے بچو کیوں کہ برا دوست اس کوئلے کی مانند ہے جو اگر گرم ہو تو ہاتھ جلادیتا ہے اور اگر ٹھنڈا ہو تو ہاتھ کالا کردیتا ہے۔

○ کسی کا دل نہ دکھاؤ۔ ایسا نہ ہو کہ اس کے آنسو تمہارے لئے سزا بن جائیں۔

○ اگر کسی کو خوشی نہیں دے سکتے تو دکھ بھی نہ دو۔

○ اپنی خوشیوں سے زیادہ دوستوں کی خوشیاں عزیز رکھو۔

○ کسی کے آنسوؤں کو زمین پر گرنے سے پہلے اپنے دامن میں جذب کرلو۔ یہ ہی انسانیت کی معراج ہے۔

○ دلچسپی کو طلب مت بننے دو کیوں کہ طلب بڑھ کر ضرورت اور ضرورت بڑھ کر کمزوری بن جاتی ہے۔

○ اعتماد پربت کا پتھر ہے اگر یہ ایک مرتبہ اکھڑ جائے تو نیچے ہی آتا ہے۔

○ زمین پر چلتے ہوئے خیال رکھو کہ تمہارے پیروں کی اڑتی دھول سے کسی کی منزل کے نشان نہ کھوجائیں۔

○ میں کبھی کسی کو تکلیف نہیں دوں گا۔ میں صرف سچ بولوں گا اور لوگ سمجھیں گے کہ میں انہیں تکلیف دے رہا ہوں۔

(ہیری ٹرومین)

○ دنیا میں بہت زیادہ لوگ ہیں اور بہت کم انسان۔

(رابرٹ جنٹڈ)

○ پرامیدی سے سفر کرنا جلدی پہنچنے سے بہتر ہے۔

(سر جیمز جین)

○ محفل میں اپنی خامیاں بیان مت کیجئے، آپ کے جاتے ہی یہ کام ہوجائے گا۔

(ایڈیسن)

☆☆☆☆

موسمی تبدیلیوں سے بیماریوں میں اضافہ

موسم کی تبدیلیوں سے دنیا میں بیماریاں بڑھتی جارہی ہیں کیونکہ درجہ حرارت گرم ہونے سے جراثیم کی نشوونما میں بے پناہ اضافہ ہوجاتا ہے۔

محققین نے خبردار کیا ہے کہ وائرس، بیکٹریا، پھپھوند اور پیراسائٹ کا فروغ ہمارے ماحولیاتی توازن کو بگاڑ دے گا اور اس کا اثر تمام جاندار نسلوں پر پڑے گا۔ نئی نسل کے جانور ناپید ہوجائیں گے۔ انسانوں کے لئے ہی نہیں بلکہ مختلف قسم کے پودوں اور زمین اور سمندر کے بہت سے جانوروں کے لئے خطرہ پیدا ہورہا ہے۔

یہ نتائج دو سال کے جائزے سے سامنے آئے ہیں جس میں دنیا بھر میں بیماریوں کے پھیلنے پر تحقیق کی گئی اور یہ پتہ لگایا گیا کہ درجہ حرارت اور موسمیاتی تبدیلیاں کس حد تک اس کا سبب ہیں اور جو کچھ سامنے آیا اس سے امریکی سائنس دانوں کو بڑا دھکا پہنچا۔

نیویارک ماحولیاتی توازن کے مطالعات کے ادارے سے وابستہ رچرڈ رسفیلڈ نے کہا " بیماریوں میں مماثل اضافہ بڑی حیرت انگیز بات ہے ہم لوگوں کو ڈرانا نہیں چاہتے مگر سچ یہ ہے کہ ہمیں تشویش ہوگئی۔

پرنسٹن یونیورسٹی میں ان کے ساتھی اینڈریو ڈابسن نے کہا موسمیاتی تبدیلیاں اس طرح ماحولیاتی توازن میں خلل ڈال رہی ہیں جس سے جراثیموں سے ہونے والی بیماریاں بڑھ رہی ہے۔ اس کے جو ثبوت ملے ہیں وہ بڑی فکر پیدا کرنے والے ہیں کئی دیگر نسلوں کیساتھ ہم بھی انہی بیماریوں کا شکار ہورہے ہیں۔ انسانوں کے لئے خطرہ بڑھ رہا ہے۔

ماہرین نے نتیجہ نکالا ہے کہ کچھ ایسی علامتیں ہیں، جو اس کا تعلق دنیا میں بڑھتی ہوئی گرمی سے جوڑتی ہیں۔ جرنل سائنس میں ٹیم نے بیماریوں کے ایسے وائرس اور جراثیموں کی مثالیں دی ہیں جو درجہ حرارت میں ذرا سے اضافہ سے بڑی تیزی سے بڑھتے ہیں۔

بیماریاں پھیلانے والے کچھ جانور جیسے مچھر اور چوہے وغیرہ اور درجہ حرارت کے معاملہ میں بے حد حساس ہوتے ہیں جیسے ہی گرمی ذرا بڑھتی ہے یہ نئے علاقوں میں پھیلنا شروع کردیتے ہیں اور اپنے ساتھ بیماریاں بھی پھیلاتے ہیں جنگلی جانوروں کی ان نسلوں کو ان سے کافی خطرہ رہتا ہے جن کی قوت مدافعت کم ہوتی ہے۔
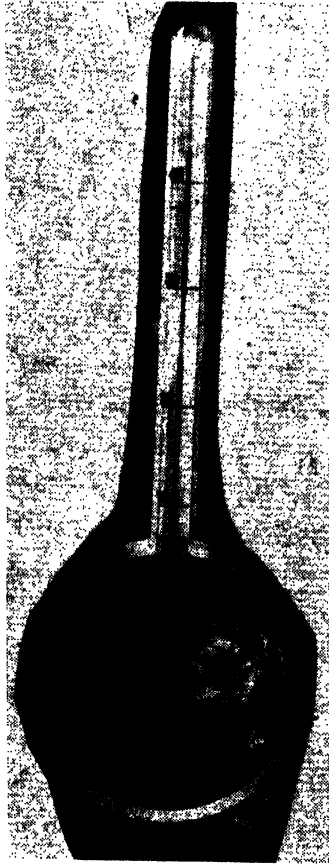
جیسے جیسے دنیا میں گرمی بڑھتی جائے گی کیڑے مکوڑے بیماریوں کو گرم علاقوں سے معتدل علاقوں میں پہنچادیں گے۔ سائنس دانوں کا کہنا ہیکہ معتدل علاقوں میں بیماریاں زیادہ اثر انداز ہوسکتی ہیں۔ یہاں اگر یکساں نسل کے زیادہ جاندار متاثر ہونگے تو یہ وبا کو پھیلا سکتے ہیں اور انسان بھی اس وبا کا شکار ہوسکتے ہیں۔

بیماریوں پر موسمی تبدیلی کے اثرات کی ایک مثال "رفٹ ویلی فیور" ہے۔ یہ وائرس سے ہونے والی مہلک بیماری ہے جو مشرقی افریقہ میں برسات کے دنوں میں مچھروں سے پھیلتی ہے۔ 1998ء میں جب اس نے تباہی مچائی تھی تو ہزاروں لوگ لقمۂ اجل بن گئے تھے۔

اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ خوفناک بخار النینو کے دنوں میں پھیلتا ہے۔ جب مشرقی بحرالکاہل کے سمندروں کے درجہ حرارت میں تبدیلی کا اثر ساری دنیا کے موسم پر پڑتا ہے۔

مرطوب آب و ہوا میں مچھروں کی افزائش بے تحاشہ ہوتی ہے بہت سے کیڑوں میں بیماری ہوتی ہے اور وہ وائرس کو مویشیوں اور انسانوں تک منتقل کردیتے ہیں۔

انسانوں میں مچھروں کے کاٹنے سے ملیریا افریقی بخار، چیچڑیوں سے پھیلنے والا دماغی بخار، زرد بخار، طاعون اور ڈینگی بخار کے واقعات حالیہ دہائیوں میں بڑھے ہیں اور زیادہ وسیع جغرافیائی حدود میں پھیلے ہیں۔

مویشیوں کی بیماریوں جیسے افریقی گھوڑوں کی بیماری اور نیلی زبان کا وائرس بھی دیگر علاقوں میں پھیلا ہے یہ بیماریاں اب زیادہ اونچائی والے علاقوں میں بھی ہونے لگی ہیں۔ جن جگہوں پر پہلے مچھروں، چیچڑیوں اور دیگر کیڑوں کا حملہ نہیں ہوتا تھا اب ہونے لگا ہے۔ تجربہ گاہوں کے اور دیگر مطالعات سے اس نظریے کو تقویت ملی ہے کہ ان تبدیلیوں کے پیچھے بڑھتی ہوئی گرمی کا اثر رہا ہے۔

سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ متعدی بیماریوں سے جانوروں کی کئی نسلوں کا دنیا سے نام و نشان مٹ سکتا ہے۔ آسٹریلیائی اور وسطی افریقی مینڈکوں، ہوائی کے جنگلوں پرندوں اور افریقی جنگلی کتوں کی آبادی میں حالیہ کمی میں متعدد بیماریوں کا ہاتھ رہا ہے۔ بنا ریڑھ کی ہڈی والے جن جانوروں کی نسل نابود ہوگئی ہے ان میں پولینشائی درخت کا گھونگا اور سمندری لسپیٹ شامل ہیں۔

جراثیم سے لگنے والی بیماریوں سے شیر سارس، باز اور سیاہ پیروں والے نیولے کی آبادی متاثر ہوئی ہے۔ بیماریوں سے پودوں کی تباہی کے تباہ کن نتائج ہوسکتے ہیں۔

●●●●

احتشام حسین

مجبوریاں

گیادین کا باپ مرا تو ترکے میں صرف قرض چھوڑ گیا اس لئے گیادین نے کچھ تو قرض خواہوں سے بچنے کے لئے اور کچھ آئندہ پیٹ پالنے کی فکر میں گاؤں چھوڑ دیا اور شہر میں نوکری تلاش کرنے لگا۔ گاؤں شہر سے کچھ ایسا دور نہ تھا، وہ کئی دفعہ اس سے پہلے بھی شہر جاچکا تھا۔ آس پاس کے گاؤں میں ایسے لوگ تھے جو شہر آتے جاتے تھے اور نوکری اور مزدوری کرتے تھے، ان سے بھی گیادین کی ملاقات تھی، اس لئے وہ شہر سے ناواقف نہ تھا اور نوکری ڈھونڈنے کے لئے شہر جانا اس کے لئے کوئی نئی بات نہ تھی۔ وہ تھوڑا بہت ان اڈوں سے بھی واقف تھا جہاں مزدوری ملنے میں آسانی ہوتی ہے۔ جس جگہ کوئی نیا مکان بنتا ہوا دکھائی دیتا وہاں گیادین رکتا اور کام کرنے والوں سے اپنے لئے بات چیت کرتا۔ ایک جگہ نئے مکان بننے والے تھے ان میں گیادین کو مستقل کام مل گیا۔

منوہر لال ٹھیکے دار نے دو مکانوں کے بنوانے کا ٹھیکہ ابھی کچھ دنوں پہلے لیا تھا مگر ان میں ابھی کام شروع نہ ہوا تھا، سامان اکٹھا ہو رہا تھا کہ مکان میں ایک ساتھ کام لگ جائے اور اس طرح چند دنوں کی دیر تھی۔ گیادین کی نوکری ان نئے مکانوں کے لئے تھی، اس لئے دو تین دن کی فرصت تھی۔ اس فرصت میں وہ گاؤں واپس گیا اور وہاں سے نہ صرف اپنے برتن باسن اٹھالایا بلکہ بیوی کو بھی اس امید پر ساتھ لایا کہ کوئی معمولی کام اسے بھی مل جائے گا اور اس طرح دونوں مل جل کر زندگی اپنے خیال کے مطابق آرام سے کاٹ سکیں گے۔

لالہ منوہر لال نے گیادین کی بیوی لکھیا کو بھی کام دے دیا۔ گیادین پانی دینے اور گارا بنانے پر رہتا اور آٹھ آنے روز مزدوری پاتا۔ لکھیا اینٹیں ڈھونے پر لگائی گئی تھی اور چار آنے روز پاتی تھی۔ اس طرح دونوں بارہ آنے میں کھاتے بھی اور بچاتے بھی۔ تھوڑے ہی دنوں کے اندر لکھیا کے پاس ایک چوڑے کنارے کی لال ساری آگئی جسے پہن کر وہ اونچی ذات کی معلوم ہونے لگتی۔

مزدوروں، کسانوں اور عام غریب لوگوں کی زندگی ویسے تو کافی بھدی اور طرح طرح کی اچھی بری عادتوں سے بھری ہوئی ہوتی ہے لیکن ایک طرح کا بھولاپن ان میں خلوص، صداقت اور یکجہتی بھی پیدا کرتا رہتا ہے۔ سب جانتے تھے کہ لکھیا گیادین کی بیوی ہے اس لئے ٹھنڈی سانس بھر کر اسے دیکھ تو لیتے تھے لیکن کوئی ایسی بات نہ کرتے کہ گیادین کو کوئی شکایت ہو، ہنسی مذاق کے لئے تو دروازہ ہر وقت کھلا رہتا ہے اس کے لئے کسی اہتمام کی ضرورت نہیں ہوتی۔ دوسری عورتیں بھی کام کرتی تھیں۔ کچھ بوڑھی تھیں، کچھ جوان، وہ خود کبھی کبھی مردوں کو چھیڑ کر محنت کی تھکن دور کرتیں، پھر ہنس بول لینے سے کام میں جی لگتا ہو تو ایسے موقع پر رشک اور حسد، شک اور شبہ کو دخل نہیں ہوتا۔ لکھیا بھی نوجوانوں سے دلچسپی لیتی، ان کے فقرے سنتی جواب دیتی، ہنستی، منہ چڑھاتی اور یہ سب کچھ اس طرح ہوتا جیسے ایک بڑے خاندان میں خلوص کے ساتھ لوگ ایک دوسرے کا غم غلط کرنے میں لگے ہوئے ہوں، گیادین بھی موقع پاتا تو دوسری جوان عورتوں کو چھیڑ کر گالی سنتا، ہنستا پھر کوئی بھدا گیت غلط سروں میں اٹھاتا اور کئی دوسرے مزدور شریک ہوکر اس میں جان ڈال دیتے۔

کام بہت تیزی سے ہو رہا تھا کیونکہ لالہ منوہر لال دوسرے ٹھیکیداروں کی طرح سخت کلامی یا گالی گفتے سے کام نہ لیتے تھے بلکہ اپنے میٹھے بولوں سے لوگوں کو کام میں لگائے رکھتے تھے۔ مزدوری وغیرہ کے معاملہ میں بھی صاف تھے اور عام طور سے باقی نہ لگاتے، وہ بس ضروری کاموں سے ادھر ادھر جاتے اور واپس آکر مزدوروں کو کام کے لئے کہتے رہتے۔ اس سے کچھ اور ہوتا ہو یا نہ ہوتا ہو۔ یہ ضرور ہوا کہ وہ ایک ایک مزدور سے اچھی طرح واقف ہوگئے، ان کا سن ابھی چالیس سے کم تھا، پہلے پولیس کی نوکری کی تھی لیکن رشوت ستانی کے جرم میں نکال دیئے گئے تھے۔ اس وقت سے یہی مکانوں وغیرہ کے بنوانے کا ٹھیکہ لینے لگے تھے۔ ان کی زندگی میں خانگی زندگی کی برکتیں شامل نہ تھیں کیونکہ بیوی کے مرنے کے بعد انھوں نے پھر شادی کا خیال نہیں کیا تھا۔ خدا مزدوروں کو سلامت رکھے کہ وہ اپنی بیویاں ساتھ رکھتے تھے اور عورتیں مزدوری کے لئے آتی تھیں، ضرورت مند اور مجبور ہوتی تھیں، اس طرح منوہر لال کا کام بھی نہ رکا رہتا۔

مزدور عورتوں میں لکھیا انھیں سب سے زیادہ پسند تھی مگر اب تک اس سے ملنے کی کوئی صورت نہ نکل سکی تھی جس جگہ مکانات بن رہے تھے وہیں انھوں نے ایک مختصر سا مکان کرائے پر لے لیا تھا، دن بھر کام میں لگے رہتے، کام کی نگرانی کرتے اور رات کو بڑی دیر تک بیٹھ کر اپنا ٹھیکیداری کا حساب جوڑتے اور کھانے کے بعد اگر جی چاہتا تو شام کی طے کی ہوئی مزدور عورت کو بلواتے اسی طرح ان کے دن رات کٹ رہے تھے۔ گیادین اور لکھیا بھی تھوڑی ہی دور پر ایک کوٹھری لے کر رہتے تھے، پاس ہی دوسرے مزدوروں کی کوٹھریاں تھیں جن میں کبھی کبھی تاڑی پی کر وہ آپس میں لڑتے اور پھر تھک کر سوجاتے۔

اسے جو کچھ بھی کہا جائے لکھیا میں ایک طرح کی خودنمائی کا مادہ ضرور تھا، جب سے اس کے پاس دو اچھی ساڑیاں ہوگئی تھیں وہ کسی کسی دن جب کام بند رہتا یا جب کام سے چھٹی مل جاتی تو ان میں سے کوئی رنگین ساڑی پہن کر بہت سنبھال کر قدم رکھتی ہوئی بغیر کسی کام کے ادھر سے ادھر جاتی۔ گیادین کو یہ بات کچھ زیادہ اچھی نہیں معلوم ہوتی تھی، وہ یہ نہیں سمجھتا تھا کہ اس سے کیا فائدہ ہے، پھر بھی اس نے کسی دن لکھیا کو ٹوکنے کی جرات نہیں کی۔ وہ بھی تو کبھی کبھی تاڑی پینے چلاجاتا ہے۔ پھر اگر لکھیا بھی کسی چیز کا

شوق کرتی ہے تو کیا کیا جائے ۔ ایک آدھ دفعہ ایسا بھی ہوا کہ تاڑی کے نشہ میں جب وہ اپنی کوٹھری میں آیا تو لکھیا کو رنگین ساڑی میں دیکھ کر اسے ایسا محسوس ہوا کہ کوئی دیوی اس کے مکان پر اتر آئی ہے اور جب لکھیا اس کے پاس آکر اس سے گلوٹ کی باتیں کرتی تو دن بھر کی تھکن مٹ جاتی ۔ کئی بار ایسا ہوا کہ لکھیا اپنی شام کی تفریح میں منوہر لال کے مکان کے پاس سے گزری ۔ اس وقت منوہر لال کی آنکھیں کچھ کہتیں جسے لکھیا سمجھ جاتی لیکن بظاہر غیر متاثر طریقے پر آگے بڑھ جاتی اور منوہر لال کی تنہائی پر رحم آتا اور وہ انہیں کسی قدر مجبور سا محسوس کرتی۔

کچھ دن تک دنیا اسی انداز پر چلتی رہی۔ منوہر لال کو چھوٹے موٹے اور ٹھیکے ملتے رہے ۔ ان کے یہاں لکھیا کی طلب اور روپیہ کی پیاس بڑھتی رہی اور لکھیا کے یہاں منوہر لال کی تنہائی اور افسردگی کا احساس ترقی کرتا رہا جو ان مردوں اور عورتوں میں کئی جوڑے لگ گئے اور وہ کھلم کھلا ساتھ رہنے لگے ۔ سماج کی کوئی بندش ان کے جذبات کو دبا نہ سکی ۔ شہر میں پہنچ کر ایسی ایسی باتیں سننے اور دیکھنے میں آتی ہیں کہ اس قسم کی جھجک نکل جاتی ہے اور دیہات کے ان پڑھ ، جاہل اور توہم پرست کسان عملی طور پر مصلحان قوم سے زیادہ آگے دکھائی دینے لگتے ہیں۔

کچھ دنوں کے بعد گیادین بیمار پڑا ، شروع میں تو معمولی لرزہ اور بخار رہا پھر اس میں پیچیدگیاں پیدا ہوتی گئیں ۔پہلے یہ ہوتا لکھیا کام پر جاتی لیکن وہ نہ جاسکتا ۔ مگر کچھ دن کے بعد اس کی حالت ایسی ہوگئی کہ لکھیا کا جانا بھی مشکل ہوگیا ۔ جو کچھ بچایا تھا اس کا کچھ حصہ تو دواؤں کی نذر ہوگیا اور کچھ روز روز کے خرچ میں اٹھ گیا ۔ یہاں تک کہ جب گیادین کسی قدر اچھا ہورہا تھا ، اپنی کوٹھری سے نکل کر باہر آ بیٹھتا اور اپنی لاٹھی کے سہارے ادھر ادھر چلتا ۔ اس وقت ٹھیکے کے مکان مکمل ہوگئے اور کام ختم ہوگیا ۔ منوہر لال کو دوسرے مکانوں کا ٹھیکہ مل گیا تھا اور امید تھی کہ یہی مزدور کام کریں گے لیکن ابھی درمیان میں کام شروع نہیں ہورہا تھا ۔ مزدور قریب قریب سب بیکار تھے ۔

جاڑے کے دن تھے ، گیادین کافی سنبھل گیا تھا ، کچھ دنوں تک خیراتی ہسپتال سے دوائی ملتی رہی لیکن لڑائی چھڑ جانے کی وجہ سے خیراتی ہسپتال میں دواؤں کی کمی ہو گئی تھی ۔ ڈاکٹر نے نسخہ لکھ دیا تھا لیکن دوا کسی دکان سے خرید کر نہ پی سکتا تھا ۔ دوا کی قیمت پونے دو روپیہ تھی ۔ وہ افسردہ اور کمزور گھر واپس آیا ۔ دو روپئے نہ ہونے کی مایوسی نے اسے اور کمزور بنادیا تھا ۔ وہ آتے ہی چار پائی پر ایسا گرا کہ لکھیا گھبرا گئی ۔ دو روپیہ بہت ہوتے ہیں ، گھر میں اب کھانے کو بھی نہ تھا ۔ پھر دوا کے لئے دو روپئے کہاں سے آتے ۔ گیادین کو تمام دروازے بند دکھائی دیتے تھے ، اس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ کیا کرے لیکن لکھیا کا دماغ کام کررہا تھا ، وہ جانتی تھی کہ روپیہ کہاں سے مل سکتا ہے ۔

شام ہوئی تو گیادین بالکل مایوس تھا لیکن لکھیا کے سینے میں امید کے سوتے پھوٹ چکے تھے ، صبح سے بادل اٹھ رہے تھے ، ہوا تیز اور خشک تھی ، پھر بوندیں پڑیں اور ہوا میں نمی آگئی جن کے پاس زیادہ اوڑھنے ، بچھانے کو نہیں تھا ان کی تکلیف آگ نے کم کی تھی لیکن لکھیا کے یہاں آج اتنا پیسہ نہ تھا کہ چولہا گرم ہوتا ۔ اسے الجھن سی ہوئی اور گیادین کے پاس چار پائی پر آکر بیٹھ گئی ۔ پاس ہی کہیں سے کوئی گانے والا جذبات کو برانگیختہ کررہا تھا ۔ موسم صبر اور ضبط پر چھایا جارہا تھا ۔ گیادین بیمار ، کمزور اور سست تھا ، اس کی زبان سے ایک لفظ نہ نکلا ، اس سے اتنا بھی ہاتھ پاؤں نہ ہلایا گیا کہ وہ لکھیا کو سینے سے لگا کر اس کی تسکین کردیتا ، بوندیں رک چکی تھیں لیکن ہوا میں بڑی تیزی اور سردی تھی ۔ لکھیا جھنجھلا کر اس کے پاس سے اٹھی اور باہر نکلی ۔ وہ بے ارادہ چل کھڑی ہوئی ۔ اس کے یہاں غصہ اور رحم بیک وقت پیدا ہورہا تھا ۔ اس کا شوہر بیمار ہے ، کمزور ہے اس کے پاس اتنا نہیں کہ وہ دوا کرسکے ۔ پھر اس وقت گو اس نے بھی نہ کی ۔ اس نے آج اپنی رنگین ساڑی بھی نہیں پہنی تھی ۔ اسے سردی نہ معلوم ہوتی تھی کیونکہ سردی تو احساس سے بڑھتی ہے ۔ وہ کچھ اور سوچ رہی تھی اس کے چلے جانے پر گیادین کی آنکھ میں آنسو آگئے وہ کتنا کمزور اور بیکار ہے ۔ وہ ایک عورت کے مطلب کو نہ سمجھ سکا مگر اس کی بیماری نے اسے مجبور بنادیا ہے اور وہ سست ہوگیا اور لکھیا کے ساتھ اپنی شادی کے واقعہ پر غور کرنے لگا ۔

لالہ منوہر لال اپنے مکان کے برآمدے میں تنہا بیٹھے حقہ پی رہے تھے ، سامنے انگیٹھی میں آگ روشن تھی ۔ بڑے بڑے دہکتے ہوئے انگارے اور ان سے اٹھتے ہوئے رنگین شعلے ! اندھیرا ہورہا تھا ، اس لئے آگ کی روشنی میں کافی کشش تھی ، ہوا سرد تھی ، اس لئے لکھیا کی نگاہوں میں آگ کھبی جارہی تھی ، آگ دیکھ کر اسے سردی کا احساس ہوا تھا اور اگر کوئی کچھ نہ کہتا تو وہ ضرور آگ کے پاس بیٹھ جاتی ، لیکن کسی خیال سے وہ گھر پلٹ جانا چاہتی تھی ، جیسے ہی مڑی منوہر لال سامنے آگئے ۔ ان میں ادھیڑ ہونے کے باوجود موسم کے اثر سے ایک زندگی سی پیدا ہوگئی تھی ، لکھیا کو جو کمی گیادین میں دکھائی دی تھی ، وہ یہاں پوری ہورہی تھی ۔ منوہر لال کی منت سماجت میں بھی گرمی تھی ، راستہ سنسان تھا ۔ اس لئے لکھیا کو صرف یہ فیصلہ کرنا تھا کہ وہ کیا کرے ۔ بہت سے جذبات جن میں ہمدردی ، محبت ، نفرت اور ضرورت سب شامل تھے ۔ ایک ساتھ امڈ آئے لیکن ان میں سے کوئی دیرپا نہ تھا ۔ وہ وقت اور اقتضاء کی گود میں تھی ۔ راستے سے ہٹ کر وہ برآمدے میں آئی اور پھر کمرے کے اندر چلی گئی۔

جب تھوڑی دیر کے بعد وہ اپنے گھر کی طرف چلی تو اندھیرا کافی بڑھ چکا تھا ، ہوا کی تیزی کم ہوچکی تھی ، بادل جگہ جگہ سے پھٹ رہے تھے اور نیلے آسمان کی گود میں چاند اسی طرح تھا جیسے کوئی بے ارادہ کہیں پہنچ گیا ہو ۔ لکھیا تیز تیز قدم رکھتی ہوئی چلی جارہی تھی ۔ اب اسے نہ تو موسم کی کشش معلوم ہورہی تھی اور نہ اپنے یہاں کوئی بے چینی ، صرف مجبوریوں کا احساس تھا جو اس کی نگاہ میں گناہ کی اہمیت کم کررہا تھا ، صرف اپنی مجبوری نہیں بلکہ گیادین اور منوہر لال کی بھی ۔ اس کی ایک ہاتھ کی مٹھی بندھی ہوئی تھی اور جب وہ کوٹھری میں داخل ہوئی تو اس کے جسم میں جھرجھری سی پیدا ہوئی کیونکہ مٹھی کے دبنے کی

روشنی میں بھی گیادین کی آنکھیں اس کے انتظار میں چمک رہی تھیں جن میں بہت سے سوالات اور بہت سی التجائیں تھیں۔ گیادین نے دیر کا سبب پوچھا تو لکھیا کی زبان سے کچھ نہ نکلا اور اس نے ہاتھ پھیلا کر دو روپئے گیادین کی طرف بڑھائے جیسے اچانک کسی حادثہ کی خبر سنادی جائے۔ اسی طرح لکھیا کے بڑھے ہوئے ہاتھ پر دو چمکتے ہوئے سکوں نے گیادین سے ایک خوفناک داستان کہہ دی۔ اس نے جھپٹ کر لکھیا کے ہاتھ سے روپئے لے لئے اور غصہ میں انہیں چراغ کی روشنی میں دیکھا۔ لکھیا کے چہرے پر کسی احساس کا کوئی عکس نہ تھا۔ نہ وہ شرمندہ معلوم ہوتی تھی اور نہ گھبرائی ہوئی اس لئے گیادین اس سے کچھ پوچھنے کی جرات نہ کرسکا۔ روپئے اس کے ہاتھ میں انگارے کی طرح گرمی پہنچا رہے تھے۔ اس نے انہیں کوٹھری کے باہر پھینک دیا۔ لکھیا اپنی جگہ پر ساکت بیٹھی رہی۔ دونوں روپئے چاند کی روشنی میں کبھی کبھی چمک جاتے۔ خون کے دھبوں کی طرح وہ زمین کی پیشانی پر دو زخم معلوم ہوتے تھے۔ لکھیا نے تو ادھر نہ دیکھا لیکن گیادین کی نگاہیں ان پر بار بار پڑتیں اور ہر دفعہ ان کی رنگت اس کی نگاہ میں نکھر جاتی تھی۔ ہر دفعہ ان کی اہمیت بڑھتی جاتی تھی۔

لکھیا اس کے پاؤں کے پاس سر رکھ کر سوگئی لیکن گیادین ساری رات ان روپوں کو دیکھتا رہا۔ جب چاند چھپ جاتا وہ انہیں اس وقت بھی دیکھ سکتا تھا۔ اسے کھانسی آتی رہی اور ڈاکٹر کا نسخہ اس کی مرزئی کی میلی جیب میں اسے ہلتا اور تھرتھراتا ہوا محسوس ہوتا رہا۔ صبح ہوئی اور لکھیا بھی اٹھ بیٹھی اس نے دیکھا تو روپیے اپنی جگہ پر پڑے ہوئے تھے جب وہ اٹھ کر جانے لگی تو اس کی زبان سے صرف اتنا نکلا۔ کیا دوا نہ لاؤ گے ٹھیکہ دار بابو نے کہا ہے کہ چاروں میں نئے کام پر جانا ہوگا۔ اچھے نہ ہوگے تو کیسے کام چلے گا؟ گیادین تھرا اٹھا۔ عزت اور ضرورت کے احساس کی جنگ انتہا پر پہنچ چکی تھی۔ اس کا فیصلہ ہونا چاہئے تھا۔ وہ اٹھا اور اس نے دونوں روپیے اٹھا کر یہ کہتے ہوئے جیب رکھ لئے۔ اب میں اچھا ہوجاؤں گا۔ لکھیا تو سچ مچ دیوی ہے۔ ہم لوگ سب کسی نہ کسی بات سے مجبور ہیں کیا کریں؟

غزل

قبولیت کی تمنا ہمیں بلا کی ہے
کبھی بتوں کی خوشامد، کبھی خدا کی ہے

کسی کو چاہنے والے یہی تو کرتے ہیں
بڑا کمال کیا ہے اگر وفا کی ہے

تمام رات پڑی تھی گزارنے کے لئے
چناں چہ ختم صراحی ذرا ذرا کی ہے

گزر بسر ہے ہماری فقط قناعت پر
نصیب نے یہی روزی ہمیں عطا کی ہے

شراب سے کوئی رغبت نہیں ہے محتسبو
حکیم نے ہمیں تجویز یہ دوا کی ہے

ذرا سی دیر کو آئے تھے شیخ ادھر لیکن
یہیں جناب نے مغرب، یہیں عشا کی ہے

تمہارا چہرہ پرنور دیکھتا ہوں تو
یقین ہی نہیں آتا کہ جسم خاکی ہے

مجھے عزیز نہ ہو کیوں رجائیت اپنی
یہ غم شریک مرے دور ابتلا کی ہے

شعور خود کو ذہین آدمی سمجھتے ہیں
یہ سادگی ہے تو واللہ انتہا کی ہے

☆☆☆☆☆

ترجمہ: قمر عباس

خود کار نظام سے چلنے والی آب دوزیں

دشمن کے جارحانہ عزائم سے محفوظ رہنے کے لئے ہر ملک اپنی بری، بحری اور فضائی حدود کی خصوصی نگرانی کرتا ہے اور اس مقصد کے لئے اپنی افواج کو جدید ساز و سامان سے ہمہ وقت لیس رکھتا ہے۔ یوں تو تینوں ہی افواج کو اپنے فرائض ادا کرنے میں انتہائی محنت و مہارت کی ضرورت ہوتی ہے لیکن گہرے پانیوں میں وسیع و عریض سمندری حدود کی نگرانی کو زمینی اور فضائی حدود کی نگرانی کے مقابلے میں نسبتاً کار دشوار کہا جاسکتا ہے۔ اسی نسبت سے سطح آب پر فرائض ادا کرنے کے مقابلے میں زیر آب رہتے ہوئے سمندری حدود کی نگرانی اور حربی فرائض ادا کرنا سخت مشکل کام قرار دیا جاسکتا ہے۔

دنیا کے متعدد ممالک سمندری حدود کی نگرانی اور زیر آب جنگ کے لئے آب دوزیں استعمال کرتے ہیں۔ یہ آب دوزیں زیر آب رہتے ہوئے دشمن کے بحری جہازوں کو تارپیڈو اور دیگر موثر ہتھیاروں کی مدد سے بہ خوبی تباہ کرسکتی ہیں۔ ان آب دوزوں میں خدمات انجام دینے والا انتہائی مشاق، مستعد اور فعال ہوتا ہے اور کسی بھی خطرناک صورت حال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

ان تمام باتوں کو نظر میں رکھتے ہوئے برطانوی بحریہ ایک ایسے منصوبے پر رات دن کام میں مصروف ہے، جو زیر آب جنگ و جدل کے منظر نامے کو یکسر تبدیل کردے گا۔ وہاں کے دفاعی حکام اور سائنس داں، ریموٹ کنٹرول سے چلائی جانے والی آب دوز کا تجربہ کررہے ہیں، جو آب دوزوں کی قوت اور دائرہ کار میں حیرت انگیز تبدیلیاں لے کر آئے گی۔ برطانوی بحریہ کے مطابق "اکیسویں صدی سے عملے کے ساتھ چلائی جانے والی آب دوزیں باربرداری کے مقاصد تک محدود کردی جائیں گی اور ان کا حربی استعمال تقریباً ترک کردیا جائے"۔ ان کا یہ بھی کہنا ہے کہ "اسٹیوٹ کلاس" آب دوزیں 2005ء تک بحریہ کے لئے خدمات جاری رکھیں گی۔ زیر آب ہتھیاروں کے ماہر ڈائرکٹر پال لیمبرٹ کا کہنا ہے "اسٹیوٹ" کے بعد کون اس خلا کو پر کرے گا؟ ہم اس سوال کے بجائے ان بنیادی اصولوں پر غور و فکر میں مصروف ہیں، جو ہماری ترجیحات متعین کرنے میں مدد دیں گی" ان کا یہ کہنا ہے کہ ہم ریموٹ کے ذریعے بعید ترین مقام تک موجود ہدف حاصل کرنے کی کوشش کریں گے اور بغیر عملے کی یہ آب دوزیں ہماری ضروریات کے مطابق صلاحیتوں کا مظاہرہ کریں گی۔

برطانوی بحریہ پندرہ سے بیس سال کے اندرونی روایتی آب دوزوں کی جگہ ایسی خود کار آب دوزوں کی تیاری کا کام مکمل کرلے گی، جو وسیع و عریض سمندری حدود میں جدید ہتھیاروں سے لیس ہو کر کام کرے گی، ریموٹ کنٹرول کے ذریعے میزائیل اور تارپیڈو داغ سکے گی اور جس کی مدد سے بارودی سرنگوں کو تلاش کرکے انہیں تباہ بھی کیا جاسکے گا۔

سو برس پہلے تیار کی جانے والی برطانیہ کی پہلی آب دوز کو "ہالینڈ 1" کا نام دیا گیا تھا اور ایک زمانے تک یہ دشمن کے لئے خوف و دہشت کی ایک علامت بنی رہی اور برطانوی بحری محکمے کا موثر ترین ہتھیار تسلیم کی جاتی رہی۔ برطانوی محکمہ دفاع کے بحری شعبے کو اس آب دوز کی سودیں سالگرہ کے موقع پر شعبے کے بنیادی ڈھانچے کو تبدیل کرنے کا خیال آیا، جس پر پیش رفت کا سلسلہ جاری ہے۔

جدید زمانے کی جنگی حکمت عملی میں آب دوز کے موثر کردار کے بارے میں وسیع بنیادوں پر نئے انداز سے قائم کئے جارہے ہیں، جس میں میدان جنگ، پہاڑوں اور سمندروں میں لڑی جانے والی بیسویں صدی کی جنگوں کے تجربات کو مدنظر رکھا جارہا ہے۔

برطانوی فوج پہلے ہی اس بات کی طرف اشارہ کرچکی ہے کہ میدان جنگ میں بھاری بھرکم ٹینکوں کی جگہ پلاسٹک کے بنے ہوئے ٹینک استعمال کئے جائیں گے۔ چنانچہ اس مقصد کے تحت برطانوی اور امریکی محکمہ دفاع ایک مشترکہ منصوبے پر رات دن کام میں مصروف ہیں اور جلد ہی میدان جنگ میں پلاسٹک کے بنے ہوئے ٹینکوں کا استعمال شروع ہوجائے گا۔ اسی طرح برطانوی ہوا بازی کے محکمے کے مطابق 2018 کے بعد Future Offfensive Air Capability نامی طیارے Torando بمبار طیاروں کی جگہ لے لیں گے، جو بغیر پائلٹ والے طیارے یا ریموٹ سسٹم کے ذریعے چلائے جائیں گے۔

برطانیہ کے سسٹم انجینئرنگ ڈائرکٹر جان ہڈسن کے مطابق "جس طرح سے لوگ پلاسٹک ٹینکوں کی افادیت کے بارے میں سوالات کررہے ہیں، بالکل اسی طرح آب دوزوں کی تبدیلی کے بارے میں بھی مختلف قسم کے شکوک شبہات میں مبتلا ہیں اور مختلف سوالات دریافت کرتے نظر آتے ہیں۔ ہم نئی تبدیلیوں کے بارے میں پر تجسس ہیں، لیکن یہ قبل از وقت ہے کہ ہم حتمی طور پر موجودہ آب دوزوں کو ناقابل استعمال قرار دے کر ان کا استعمال ترک کردیں"۔

یوروپی ممالک اور خاص طور پر برطانیہ کی کوشش یہ ہے کہ اپنے دفاع کو زیادہ سے زیادہ مضبوط بنایا جائے، چنانچہ اس مقصد کے حصول کے لئے وہ روایتی اسلحہ سازی کے انداز کو کلی طور پر ترک کرکے کمپیوٹر انجینئرنگ اور روبوٹکس ٹکنالوجی سے زیادہ سے زیادہ استفادہ کرنا چاہتا ہے۔ اس کے دفاعی ماہرین اور سائنس داں رات دن اس میدان میں غیر معمولی ترقی کے لئے کوشاں ہیں۔

حافظ محمد جیلانی

نقوش (ایک انشائیہ)

سیاست حیدرآباد کے ادبی ایڈیشن شمارہ گیارہ مارچ (02 ۔ 3 ۔ 11) میں مظہر امام (نئی دہلی) کا ایک ادبی انشائیہ "نقش مٹائے نہ بنے" پڑھنے کو ملا ۔ اس دلچسپ تحریر کے بہت سے نام مانوس نظر آئے ۔ اور میں کہیں دیکھا ہے ، کہیں سنا ہے کہ خیالات میں گم صم رہا ۔ ایک خیال یہ بھی آیا کہ ارے صاحب! اتنے قد آور ادیبوں اور شاعروں سے تمہاری ملاقات ؟ چہ معنی ؟ ... ہاں ہاں ملا بھی ، دیکھا بھی ہے ، سنا بھی ہے ، مصافحہ بھی کیا ہے بلکہ انکا آٹوگراف بھی لیا ہے ۔ ادبی محفلوں ، مشاعروں اور مجلسی تقاریب میں یعنی تقریب کچھ تو بہر ملاقات چاہئے !۔

بچپن کا شوق یاد آیا ۔ ایک پرانی سیکل پر سوار ہو کر احقر ادبی مجلسوں میں جایا کرتا (حیدرآباد و سکندرآباد کی) اور ادیبوں کی نثر شاعروں کے شعر اور واعظوں کے وعظ سنتا تھا اور جب بھی ممکن ہوتا کوشش کر کے انکے آٹوگراف بھی لیتا ۔ والد ماجد کا سایہ بچپن میں سر سے اٹھ گیا تھا نامساعد حالات کے تحت اپنے عزیزوں کے ہاں بمبئی ، کلکتہ میں رہا پھر حصول ملازمت کیلئے کرناٹک میں اور اسفار ہجرت کی آخری منزل پھر حیدرآباد دکن ۔ انہی مقامات میں یہ آٹوگراف لئے گئے ۔ مگر وہ آٹوگراف بک ہے کہاں ؟؟ اٹھا اور ڈھونڈھنے لگا ۔ کافی تگ و دو کے بعد چھوٹی ڈائری سے علحدہ شدہ کاغذ کا ایک پرزہ ملا ۔ شاعری کے نام کو غالبا محنگروں نے اپنی غذا بنائی تھی مگر شعر محفوظ اور لاجواب تھا کہ

آنے کا ایک دن ہے جانے کا ایک دن ہے
رکھا ہی اور کیا ہے دو دن کی زندگی میں

مگر اس لاجواب شعر کا جواب صابر شاہ آبادی نے دیا کہ

معمورہ فنا کی کوتاہیاں تو دیکھو
جانے کا بھی ایک دن ہے دو دن کی زندگی میں

آٹوگراف کے ان پنوں کے ملتے ہی تیزی سے تلاش شروع ہو گئی بس پھر کیا تھا ان پرزوں کے قرب و جوار کی کتابوں کو الٹ پلٹ کرتے وقت وہ آٹوگراف بک مل ہی گئی جس میں فاضل ادیب و شاعر مظہر امام کے مذکورہ مضمون کا موضوع نقش مٹائے نہ بنے میں ذکر ہے ۔

اس تمہید کے بعد عرض کرنا یہ ہیکہ ... سیاست کے ادبی ایڈیشن میں ہر دوشنبہ محترم ڈاکٹر مغنی تبسم صاحب نے "بعنوان میری بیاض سے" ایک سلسلہ شروع کیا تھا ۔ اس میں متقدین اور موجودہ بلند پایہ شعرائے کرام کے منتخب اشعار شائع ہوتے تھے اور دلچسپی سے پڑھے جاتے تھے ۔ اسی سے شہ پا کر احقر نے سوچا کیوں نہ ان نقوش کو جو آٹوگرافس کی شکل میں میرے پاس ہیں "میری آٹوگراف بکس سے" کے عنوان کے تحت ہر ایک آٹوگراف کے پس منظر کے اختصار کے ساتھ مع تاریخ پیش کیا جائے ۔ کیونکہ متعدد شعراء اوز ادباء نے اپنے خیالات بھی دستخط سے پہلے شعر یا نثر کی شکل میں پیش کئے ہیں ۔ اس ضمن میں تاریخ و سنہ کی مناسبت سے سلسلہ نمبر کے ساتھ تقریبا 24 شعراء و ادباء و زعماء کے آٹوگرافس روانہ خدمت ہیں ۔ ان میں سید محی الدین قادر زور ، ضیا انصاری ، مجروح سلطانپوری ، جمیل مظہری ، مظہر امام ، پرویز شاہدی ، حفیظ جالندھری ، سید محمد جعفری اور ابراہیم جلیس ، شکیل بدایونی ، راجندر سنگھ بیدی ، آل احمد سرور ، مسعود حسین خان ، جئے پرکاش نارائن ، سجاد ظہیر ، کرشن چندر ، زیڈ اے احمد ، رام منوہر لوہیا ، سلیمان خطیب ، عرش ملسیانی ، شیورام کارنتھ ، ڈی جوالے گوڑا ، مجتبی حسین وغیرہم شامل ہیں ۔ یہ ادبی نقوش ہیں ممکن ہے یہ نہ صرف قارئین سیاست کے ادبی ذوق کی تسکین بلکہ معلومات میں اضافہ کا ذریعہ بھی بنیں گے ۔

نقوش کا پہلا نقش جاذب نظر ہو اس خیال نے پہلی آٹوگراف بک کی پہلی دستخط کیلئے مجھے ایک بادشاہ کی دستخط کیلئے اکسایا گو کہ اس میں کامیابی نہیں ہوئی ۔ لیکن لیل و نہار کے کچھ انمٹ نقوش دل و دماغ پر مرتسم ہیں ۔ 1955ء میں شاہ عبدالعزیز ابن سعود والی حجاز و خادم الحرمین الشریفین ہندوستان کے سرکاری دورہ پر آئے تھے ۔ اخبارات میں انکی شریعت پر عمل پیرائی کے بڑے چرچے تھے ۔ عملہ استقبالیہ اور میٹنگوں سے خواتین کو دور رکھا گیا تھا ۔ حتی کہ گاندھی جی کی سمادھی پر حاضری بھی انکے پروگرام میں نہیں تھی کہ یہ غیر شرعی حرکت ہے ۔ جب وہ کھلی چھت کی لمبی قیمتی موٹر کار (غالبا لیموزن کار تھی) میں بیٹھے سڑک پر سے گذر رہے تھے تو وقتا فوقتا خصوصا Turning میں انکی سیٹ مڑنے لگتی ۔ انکے کار کی نشست ایسی بنائی گئی تھی کہ شاہ سعود کا رخ ہمیشہ کعبہ کی طرف رہتا ۔ یہ منظر بمبئی کا ہے ۔ جے جے اسپتال کے ناکے پر ایک بہت بڑی استقبالیہ کمان (Arch) بنائی گئی تھی ۔ یہ اہتمام احمد لٹر بمبئی کے تاجر (سیٹھ صاحب) کی طرف سے کیا گیا تھا ۔ سو فٹ سے زیادہ چوڑی سڑک اس زمانے میں دو طرفہ ڈبل ڈیک ٹرالی اور بسیں بھی اس پر دوڑتی تھیں ۔ اس پر یہ عظیم الشان کمان بڑی بلند تھی اور اس پر شاہ سعود کی قد آدم فوٹوز کے علاوہ بڑے بڑے بیانرس پر مرحبا اھلا و سھلا

مرحباء کے علاوہ خوش آمدید کے الفاظ سب کو اپنی طرف متوجہ کرتے تھے ۔ ساتھ ہی ہندوستان و سعودی عرب کے قومی پرچم لہرارہے تھے ۔ اور پورے علاقے میں کلمہ طیبہ کی ہری ہری جھنڈیاں (جو سعودی عرب کے قومی پرچم کی علامات تھیں) ہواؤں سے گرنے پر اسکی بے حرمتی کو لیکر ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا تھا ۔ جسکا ذکر اور اسکی تفصیل دکھ بھری ہے ۔ غرض یہ کررہا تھا کہ میری شامت جو آئی تو شاہ سعود کی دستخط کیلئے انکی کار کے قریب جانے لگا ۔ کاروں کے قافلہ سے چند پولیس والے اتر کر مجھے دبوچ کر سڑک پر کھڑے پولیس والے کے حوالے کرکے شاہ کا قافلہ آگے بڑھ گیا ۔ اس وقت میری عمر کوئی تیرہ برس ہوگی ابھی مسیں بھی نہیں بھیگی تھیں ۔ میرے ہاتھ میں قلم اور آٹو گراف بک دیکھ کر پولیس والے سمجھ گئے کہ ایک مدرسہ کا شوقین لیکن بے وقوف طالب علم ہے ۔ میری جھڑتی لی گئی اور نام پتہ معلوم کرنے کے بعد ایک بڑے پولیس والے نے چھوٹے پولیس والے کو مخاطب کرتے ہوئے کہا کہ سالا اسے چھوڑ دے !! لیکن میں کہاں چھوٹنے والا تھا ۔ اخباری اطلاعات کے بموجب جمعہ کی نماز شاہ سعود جامع مسجد میں پڑھانے (امامت کرنے) والے تھے ۔ جامع مسجد جوہری بازار بڑی خوبصورت اور شافعی مسلک کے مقلدین کی تھی ۔ اور میرے سر پر شاہ سعود کی پہلی دستخط کا سودا سوار تھا ۔ " نوسے فقیر کو بھیک کی جلدی " کے مصداق گیارہ بجے دن کے جاکر مسجد میں بیٹھ گیا ۔ چھٹی صف میں جگہ ملی تھی ۔ بڑے سخت حفاظتی انتظام تھے ۔ شاہ سعود کیلئے اعزازی استقبالیہ کلمات اور دعائیہ کلیمات عربی میں خطیب مسجد نے اپنے خطبہ میں ادا کئے اور شاہ سعود نے نماز جمعہ کی امامت فرمائی ۔ پہلی رکعت میں والضحیٰ اور دوسری رکعت میں سورہ الم نشرح پڑھی تھی ۔ سعودی سیکورٹی گارڈس نماز کے وقت مصلیوں کی طرف مشین گنیں تھامے کھڑے تھے ۔ سلام پھیرتے ہی دعا کیئے بغیر وہ (شاہ سعود) پولیس کے گھیرے میں نکل گئے ۔

اور میں پولیس کے دھکے کھاتے رہ گیا ۔ پھر بھی جنون سر سے گیا نہیں ۔

دس ڈسمبر 55ء (55 ۔ 12 ۔ 10) کو شابو صدیق انسٹی ٹیوٹ میں جمعیۃ العلماء بمبئی کی طرف سے شاہ سعود کے اعزاز میں سپاسنامہ پیش کیا گیا اور میں نے اپنا مختصر چھوٹا آٹوگراف بک پیش کرنے کیلئے آگے بڑھا تھا کہ پولیس نے پھر دبوچ لیا ۔ دل کی حسرت دل میں رہی ۔ تاہم مولانا حفظ الرحمن صاحب ایم پی کی انقلاب اخبار کے دینیات کے کالم نویس قاضی اطہر مبارکپوری اور مرارجی وزارت کے ایک وزیر محاصل مصطفےٰ فقیہہ کے دستخط یہ سوچ کر کہ ہم عام آدمی کو بادشاہوں ، راجاؤں سے کیا واسطہ ہم پرجا ہیں ۔ پرجا کے زمرے میں ہیں انگور کھٹے نہیں ہیں ۔ تینوں آٹوگراف ملاحظہ فرمائیں ۔ یہ تینوں آٹوگراف نمبر ایک کے زمرے میں آتے ہیں ۔ آگے دوسرے نقوش ملاحظہ فرمائیں ۔

ان کے بعد دو اور آٹو گراف نمبر 2 قلوئے انصاری اور نمبر 3 مجروح سلطانپوری کے ہیں جو یوم نظیر کے موقع پر 18 ڈسمبر 1955ء کو بیگ محمد ہال محمد علی روڈ بمبئی میں میں نے لئے تھے ۔ 4 چوتھا آٹوگراف جمیل مظہری کا ہے ۔ کلکتہ میں مدرسہ عالیہ کے قریب بلکہ بازو ہی ایک مسلم انسٹی ٹیوٹ کلب نامی مسلمانوں کا ایک باوقار کلب ہے ۔ اسکے زیر اہتمام ایک سالانہ مشاعرہ بھی ہوتا ہے ۔ ایسا ہی ایک سالانہ مشاعرہ تیس ڈسمبر 1956ء کو منعقد ہوا تھا ۔ اس مشاعرہ کی صدارت مشرقی ہند کے ایک اور بڑے شاعر حضرت خرم محمد آبادی نے کی تھی ۔ مگر وہ کسی وجہ سے جلد چلے گئے اور جاتے جاتے جمیل مظہری کو مسند صدارت سونپتی تھی ۔ اسی مشاعرہ میں یہ آٹوگراف میں نے لیا تھا ۔ کلکتہ میں اردواں آپ کو علامہ جمیل مظہری کے نام سے پکارتے ہیں ۔ آٹوگراف نمبر 5 بھی میں نے اسی مذکورہ سالانہ مشاعرہ میں 30 ڈسمبر 1956ء کو لیا تھا ۔ یہ دستخط ہے مظہر امام کی جنکے انشائیہ نقش مٹائے نہ بنے سے متاثر ہو کر راقم الحروف ان نقوش کو یکجا کیا ہے ۔ شعر لکھا ہے

زندگی خواب نہیں اک حقیقت ہی سہی
لیکن اکثر یہ حقیقت بھی گراں گذری ہے

نمبر 6 یہ آٹو گراف بھی اسی مذکورہ مشاعرہ میں لیا گیا اور 30 ڈسمبر 1956ء ہی کو ۔ یہ بھی ایک مشہور مشرقی شاعر ہیں حضرت پرویز شاہدی ۔ اپنا شعر لکھنے اور دستخط کرنے سے قبل مظہر امام کا شعر دیکھا تھا ۔ زندگی کے بارے میں مظہر امام کے تجربے پر فی البدیہہ رائے زنی کررہے ہیں

اللہ اللہ گریہ و شیون میں اتنا اہتمام
زندگی کا کام آخر مسکرانا بھی تو ہے

نمبر سات 7 یہ آٹوگراف شاہنامہ اسلام کے خالق (ترانہ پاکستان کے بھی خالق ہیں) یعنی حضرت حفیظ جالندھری کا ہے ۔ بوڑھے لوگ انکی مشہور غزل جسے ملکہ پکھراس نے گایا تھا یعنی ابھی تو میں جوان ہوں کو بھی بہت پسند کرتے ہیں (میں نہیں) ۔ یہ آٹوگراف میں نے یوسف فیروزی صاحب کے دولت خانہ واقع کولوٹولہ اسٹریٹ کلکتہ میں لیا تھا ۔ جہاں حفیظ صاحب رنگون سے کراچی واپس ہوتے ہوئے مختصر وقفہ کیلئے سید محمد جعفری کے ساتھ ٹھہرے ہوئے تھے ۔ انکی دستخط لینے سے قبل سلام کرکے حیدرآبادی روایت کی پاسداری کرتے ہوئے انکی دست بوسی کرنے لگا بعد مصافحہ کے تو ہاتھ کو زور سے جھٹک لیا اور فرمایا نہیں نہیں یہ غلط کام ہے اور شعر لکھا 14 مارچ 1958ء کے روز

ملینگے تمہیں راہ میں بتکدے بھی
ذرا اپنے ۔ اللہ کو یاد رکھنا

نمبر 8 اسی مذکورہ مقام پر اور اسی تاریخ 14 مارچ 1956ء کو دنیائے اردو کے مشہور مزاح نگار شاعر سید محمد جعفری صاحب کا یہ آٹوگراف لیا ہے ۔ یہ اردو کی زبان لکنت میں لکھا گیا ہے انکا شعر انکی خوشخط تحریر میں عمدہ پڑھا جائے گا ۔ ملاحظہ فرمائیں ۔

نمبر 9 یہ آٹوگراف ہے ہند و پاک کے مشہور ادیب ، طنز و مزاح نگار ابراہیم جلیس کا ۔ یہ بھی سنگاپور سے کراچی واپسی کے وقت چند دن اپنے شہر حیدرآباد دکن میں ٹھہرے تھے ۔

انکے اعزاز میں ایک تہنیتی جلسہ اردو ہال حمایت نگر میں 31 جولائی 1960ء میں منعقد ہوا تھا۔ وہاں میں نے یہ آٹوگراف لیا تھا۔ اس جلسہ میں ابراہیم جلیس نے اپنا دل کو لبھانے والا مضمون حیدرآباد چارمینار سنایا تھا۔ مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ اس مضمون میں ابراہیم جلیس نے ہوائی سفری روداد سناتے ہوئے ایر ہوسٹیس نے انکے نام کو بائیبلک نام سے پکارتے ہوئے کہا "Wel Abraham" اپنی دستخط سے قبل جو فقرہ لکھا ہے وہ انسانوں کو گویا ایک بھولی ہوئی بات یاد دلا رہے ہیں کہ "محبت خدا ہے"۔

آٹوگراف نمبر 10 ہے محسن اردو اور بانی ادارہ ادبیات اردو ڈاکٹر سید محی الدین قادری زور کا جو 29 اگست 1960ء یعنی بیالیس سال ہو رہے ہیں اس آٹوگراف کو لئے ہوئے۔ انکے والد بزرگوار حضرت زعم کی سالانہ فاتحہ کے موقع پر جو مزار حضرت زعم میں مذکورہ تاریخ کو ہوئی تھی۔ تقاریب فاتحہ کے بعد محفل سماع کا انعقاد ہوا پھر رات گیارہ بجے کے قریب میں نکل رہا تھا۔ اپنے دوست کے ساتھ پرانی سیکل تھامے، زور صاحب مرحوم نے کہا میاں کھانا کھا کر جاؤ۔ دسترخوان پر اپنے روبرو بٹھا کر کھلایا۔ یہ انکے کردار کی عظمت ہے۔ اپنی دستخط سے پہلے انسانوں کو ایک عمدہ نصیحت لکھی ہے کہ ہر حال میں مسکراتے رہو۔ میری آٹوگراف بک میں انکی ایک قلمی فوٹو بھی چسپاں تھی اسے بھی قارئین کے ملاحظہ کیلئے پیش کررہا ہوں۔

گیارہواں 11 آٹوگراف ہے مشہور غزل گو شاعر و فلمی شاعر (اپنے وقت کے مشہور) شکیل بدایونی مرحوم کا یہ دفتر انجمن ترقی اردو کلکتہ میں 20 نومبر 1960ء کو یہ آٹوگراف میں نے لیا تھا۔ آپ کی دستخط ایسی ہے کہ وہ اردو کی بھی معلوم ہوتی ہے اور انگریزی کی بھی۔ شعر لکھا ہے

بائے وہ زندگی کی اک ساعت
جو تری بارگاہ میں گذری

بارہواں 12 آٹوگراف ہے ہند و پاک کے مشہور افسانہ نویس و ناول نگار راجندر سنگھ بیدی کا اسے میں نے اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد میں 22 مئی 1961ء کو لیا تھا۔ وہاں ایک افسانہ بھی انکا سنا تھا عنوان بھول رہا ہوں۔ آپ نے صرف دستخط کی ہے۔ کوئی خیال یا کوئی فقرہ نہیں لکھا۔

نمبر 13 اردو دنیا کے مشہور نقاد و ادیب پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کا یہ آٹوگراف ہے۔ اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد دکن میں 2 جولائی 1961ء کو شعر و ادب پر انکے زریں خیالات سننے کے بعد میں نے لیا تھا۔ دستخط سے پہلے ایک خیال آفریں شعر بھی لکھا ہے فرماتے ہیں

صحن گلشن میں بڑی تیز ہوا چلتی ہے
اک آتش کدہ شوق دوانا مانگے

نمبر 14 یہ آٹوگراف بھی مشہور ادیب و نقاد ڈاکٹر مسعود حسین خان پروفیسر و صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی کا ہے۔ یہ بھی اردو ہال حمایت نگر حیدرآباد میں 24 جون 1962ء کو میں نے لیا۔ دستخط کرنے سے پہلے ایک طالب علم کو آپ نے قیمتی نصیحت اپنے شعر میں کی ہے۔ آپ کی خوشخطی اعادہ کی متقاضی نہیں ہے۔

نمبر 15 یہ آٹوگراف ملک کی آزادی کے علمبردار سرودیہ تحریک کے لیڈر، ہندوستانی قوم کے صف اول کے قائد آنجہانی شری جئے پرکاش نارائن کا ہے۔ اسے 5 جولائی 1962ء کو محبوب کالج سکندرآباد میں انکی تقریر سننے کے بعد میں نے لیا تھا۔ ایک لاکھ سے کم کا مجمع نہ ہوگا سامعین میں۔

نمبر 16 یہ آٹوگراف ہے ڈاکٹر زیڈ اے احمد مرحوم کا۔ آپ مشہور کمیونسٹ لیڈر، سماجی کارکن اور قوم و ملک کے بے باک ترجمان تھے۔ اترپردیش اسمبلی کے ممبر اور بعد میں راجیہ سبھا کے ممبر بھی رہ چکے ہیں۔ انکی سیاسی سرگرمیوں کے بڑے چرچے رہتے تھے۔ دیوڑھی کمال یار جنگ پرانی حویلی حیدرآباد میں انکی تقریر سننے کے بعد 18 اگست 1962ء یہ آٹوگراف میں نے لیا تھا۔

نمبر 17 اسی مقام اور اسی تاریخ کو مشہور کمیونسٹ قائد اردو کے ادیب سجاد ظہیر سے جو بنے بھائی کے نام سے اردو دنیا میں مشہور رہے ہیں یہ آٹوگراف میں نے لیا تھا۔

نمبر 18 مجلس تعمیر ملت کی طرف سے اسکے ہیڈکوارٹر مدینہ میلشن نارائن گوڑہ حیدرآباد میں 30 ستمبر 1962ء کو ایک سیمپوزیم بعنوان "آزادی کے بعد ہندوستانی سماج کے جدید رجحانات" منعقد ہوا تھا۔ اس سیمپوزیم میں ہندوستان کے بلند پایہ، شریف و خلیق و بے داغ و بے باک قائد ڈاکٹر ایم منوہر لوہیا نے بھی شرکت کی تھی۔ انکے خیالات نے سب کو متاثر کیا۔ حتی کہ آٹوگراف جب لینے گیا تو پوچھا کس زبان میں لینا پسند کروگے۔ میں یہ سوچ کر کہ ممکن ہے اردو کی دستخط نہ کرتے ہوں عرض کیا کہ انگریزی میں دیں۔ فوری کہا کہ نہ ہم انگریزی بولتے ہیں نہ لکھتے ہیں۔ پھر مجھ سے پوچھا کہ تمہاری مادری زبان کیا ہے۔ کہا کہ اردو ہے تو فوری اردو میں انہوں نے دستخط فرمائی۔ آپ بھی ملاحظہ فرمائیں۔

نمبر 19 اردو فکشن کی بلند چوٹی کرشن چندر سے یہ آٹوگراف میں نے 20 مئی 1966ء آصفیہ لائبریری میں لیا تھا۔ اسٹیڈی سرکل آصفیہ لائبریری کی طرف سے وہاں ایک محفل افسانہ تھی۔ کرشن چندر نے وہاں ایک دل کو چھولینے والا طنز کے ایک تیز نشتر ہے مزین افسانہ "جامن کا پیڑ" سنایا تھا۔ ہندوستانی نظم و نسق اور بیوروکریسی نے سماج کو جن مصائب میں بتلا کیا ہے اسکا بڑا اچھا خاکہ تھا۔ اس افسانہ میں مزاح کی بھی بڑے توازن کے ساتھ آمیزش کی گئی تھی۔ میرے دل پر وہ افسانہ اب تک نقش ہے۔

نمبر 20 یہ ہیں اپنے خطیب دکن سلیمان خطیب کا آٹوگراف۔ ادبی ٹرسٹ حیدرآباد کے سالانہ مشاعرہ میں شرکت کیلئے بلدہ تشریف لائے تھے ایک دن قبل شرف ملاقات حاصل کرنے کے بعد 4 مئی 1968ء کو میں نے لیا تھا۔ خطیب صاحب مرحوم کی بہت سی یادیں مجھ سے وابستہ ہیں۔ شعر بھی ویسا ہی لکھا ہے۔

یاد بولے تو تکیہ میں گجرے کی باس
جیسے کیوڑہ کا کانٹا کلیجہ کے پاس

نمبر 21 یہ آٹوگراف اردو کے بلند پایہ شاعر حضرت عرش ملسیانی کا ہے ادبی ٹرسٹ حیدرآباد کے سالانہ مشاعرہ کے موقع پر 5 مئی 1968ء کو لیا تھا۔ آپ نے صرف دستخط پر اکتفا کیا ہے۔

نمبر 22 کنڑی زبان کے قد آور ادیب • شاعر • رقاص • ڈرامہ نویس مصنف اور گیان پیٹھ انعام یافتہ ڈاکٹر شیورام کارنتھ کا یہ آٹوگراف ہے ۔ یہ 16 ڈسمبر 1989ء کو ارسیکرہ (ضلع ہاسن) میں کنڑا ساہتیہ پریشت کے زیر اہتمام ایک جلسہ میں میں نے لیا تھا ۔ کنڑ الفاظ کے تلفظ اور طرز تحریر کے تعلق سے ایک سوال بھی احقر نے کیا تھا ۔ مثلاً میں نے پوچھا تھا کہ کرناٹکا لکھتے وقت کنڑی میں راوتو (رے) بعد میں لکھا جاتا ہے اور نا پہلے جبکہ تلفظ میں رے پہلے ادا کیا جاتا ہے ۔ میں نے ان سے کہا کہ اس سوال کا صحیح جواب اب تک کسی کنڑی ادیب نے نہیں دیا ۔ ڈاکٹر صاحب نے جواب دیا کہ صاحب یہ کنڑی زبان کا اسٹائل یا مزاج ہے ۔ پھر گھڑی دیکھ کر مجھ سے پوچھا کہ اب وقت کیا ہے ۔ میں نے کہا کہ ڈھائی بجے ہیں ۔ پھر سوال کیا کہ ساڑھے دو کیوں نہیں کہتے جبکہ ہم کنڑی میں (یرڈو ورے) کہتے ہیں ۔ پھر خود ہی جواب دیا کہ یہ اردو کا مزاج ہے ۔

نمبر 23 یہ بھی کنڑی زبان کے ادیب • اور وائس چانسلر میسور یونیورسٹی شری ڈی جورے گوڑا کا آٹوگراف ہے ۔ اسے میسور یونیورسٹی میں 2 فبروری 1972ء کو میں نے لیا تھا ۔

نمبر 24 ۔ AT LAST BUT NOT LEAST احقر کے پسندیدہ ادیبوں میں شبلی ہے • پریم چند ہے اور موجودہ دور کے اردو دنیا کے منفرد طنز و مزاح نگار مجتبیٰ حسین ہیں ۔ 35 سال سے ایک آرزو تھی کہ آمنے سامنے اس بلند ادیب کے بیٹھوں اور اس ادیب کے ان انگلیوں کا بوسہ لوں جس سے وہ ادب تخلیق کرتے ہیں ۔ یہ آرزو میرے 29 مارچ 2002ء کو حیدرآباد میں پوری ہوئی ۔ آٹوگراف دینے سے قبل غالباً ایک مزاح نگار کے تجربات زندگی کو مخدوم کے شعر میں بتایا ہے

ہم نے ہنس ہنس کے تری بزم میں اے پیکر
کتنی آہوں کو چھپایا ہے تجھے کیا معلوم
(مخدوم)

☆☆☆☆

سمیع القاسم

فلسطین کے انقلابی شاعر

جاؤ اور چھین لو
میری زمین کا آخری ٹکڑا
بند کر دو میری جوانی کو قید خانوں میں
لوٹ لو میری میراث
جلادو میری کتابیں
کھلاؤ اپنے کتوں کو میرے
برتنوں میں کھانا
چھین لو میرے بچوں کے چہرے
کی مسکراہٹ
اور جھکا دو میری آنکھیں
رسوائی کی حد تک
انسان کے دشمنوں
میں مصالحت نہیں کروں گا
اور آخر تک میں جنگ کرو گا
میں جنگ کروں گا • میں جنگ کروں گا

OOOOOO

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

کلیاتِ اقبال

مرض کہتے ہیں سب اس کو، یہ ہے لیکن مرض ایسا
چھپا جس میں علاجِ گردشِ چرخِ کہن بھی ہے

جلانا دل کا ہے گویا سراپا نور ہو جانا
یہ پروانہ جو سوزاں ہو تو شمعِ انجمن بھی ہے

وہی اک حسن ہے، لیکن نظر آتا ہے ہر شے میں
یہ شیریں بھی ہے گویا، بیستوں بھی، کوہکن بھی ہے

اجاڑا ہے تمیزِ ملت و آئیں نے قوموں کو
مرے اہلِ وطن کے دل میں کچھ فکرِ وطن بھی ہے؟

سکوت آموز طولِ داستانِ درد ہے ورنہ
زباں بھی ہے ہمارے منہ میں اور تابِ سخن بھی ہے

"نمی گردید کوتہ رشتۂ معنی رہا کردم
حکایت بود بے پایاں، بخاموشی ادا کردم"

تو کہاں ہے اے کلیمِ ذروۂ سینائے علم! ‏ تھی تری موجِ نفس بادِ نشاط افزائے علم

اب کہاں وہ شوقِ رہ پیمائیِ صحرائے علم ‏ تیرے دم سے تھا ہمارے سر میں بھی سودائے علم

"شورِ لیلیٰ کو کہ باز آرائشِ سودا کند
خاکِ مجنوں را غبارِ خاطرِ صحرا کند"

کھول دیگا دستِ وحشت عقدۂ تقدیر کو ‏ توڑ کر پہنچوں گا میں پنجاب کی زنجیر کو

دیکھتا ہے دیدۂ حیراں تری تصویر کو ‏ کیا تسلی ہو مگر گرویدۂ تقریر کو؟

"تابِ گویائی نہیں رکھتا دہن تصویر کا
خامشی کہتے ہیں جس کو ہے سخن تصویر کا"

چاند

میرے ویرانے سے کوسوں دور ہے تیرا وطن
ہے مگر دریائے دل تیری کشش سے موجزن
قصد کس محفل کا ہے؟ آتا ہے کس محفل سے تو؟
زرد رو شاید ہوا رنجِ رہِ منزل سے تو؟

نالۂ فراق

(آرنلڈ کی یاد میں)

جا بسا مغرب میں آخر اے مکاں تیرا مکیں
آہ! مشرق کی پسند آئی نہ اس کو سرزمیں
آ گیا آج اس صداقت کا مرے دل کو یقیں
ظلمتِ شب سے ضیائے روزِ فرقت کم نہیں

"تا ز آغوشِ وداعش داغِ حیرت چیدہ است
ہمچو شمعِ کشتہ در چشمم نگہ خوابیدہ است"

کشتۂ عزلت ہوں، آبادی میں گھبراتا ہوں میں
شہر سے سودا کی شدت میں نکل جاتا ہوں میں
یادِ ایامِ سلف سے دل کو تڑپاتا ہوں میں
بہرِ تسکیں تیری جانب دوڑتا آتا ہوں میں

آنکھ گو مانوس ہے تیرے در و دیوار سے
اجنبیت ہے مگر پیدا مری رفتار سے

ذرہ میرے دل کا خورشید آشنا ہونے کو تھا
آئنہ ٹوٹا ہوا عالم نما ہونے کو تھا
نخل میری آرزوؤں کا ہرا ہونے کو تھا
آہ! کیا جانے کوئی میں کیا سے کیا ہونے کو تھا!

ابرِ رحمت دامن از گلزارِ من برچید و رفت
اندکے بر غنچہ ہائے آرزو بارید و رفت

آفرینش میں سراپا نور تو، ظلمت ہوں میں
اس سیہ روزی پہ لیکن تیرا ہم قسمت ہوں میں
آہ! میں جلتا ہوں سوزِ اشتیاقِ دید سے
تو سراپا سوز داغِ منتِ خورشید سے
ایک حلقے پر اگر قائم تری رفتار ہے
میری گردش بھی مثالِ گردشِ پرکار ہے
زندگی کی رہ میں سرگرداں ہے تو، حیراں ہوں میں
تو فروزاں محفلِ ہستی میں ہے، سوزاں ہوں میں
میں رہِ منزل میں ہوں، تو بھی رہِ منزل میں ہے
تیری محفل میں جو خاموشی ہے، میرے دل میں ہے
تو طلب خو ہے، تو میرا بھی یہی دستور ہے
چاندنی ہے نور تیرا، عشق میرا نور ہے
انجمن ہے ایک میری بھی جہاں رہتا ہوں میں
بزم میں اپنی اگر یکتا ہے تو، تنہا ہوں میں
مہر کا پرتو ترے حق میں ہے پیغامِ اجل
محو کر دیتا ہے مجھ کو جلوۂ حسنِ ازل

نسرین خالدہ

بے زبان محبت

ایک لفظ محبت کا ادنی یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے

"اٹھ نا یار کیوں ایسے گھوڑے بیچ کر مست نیند سورہا ہے" تبریز پچھلے دس منٹ سے ایاز کو جگارہا تھا۔

"کیوں اتنی میٹھی نیند خراب کررہا ہے آ تو بھی لیٹ جا"۔ ایاز کروٹ بدل کر سونے لگا تو تبریز نے کہا۔

"اب اٹھ بھی جاؤ میرے دوست ذرا سکندرآباد جانا ہے تم ذرا ساتھ میں ہو تو سفر میں آسانی ہوگی"۔

"کیوں سکندرآباد میں تیرے دشمن بھی نہیں ہیں تو وہاں کس لئے جارہا ہے" ایاز نے لیٹے لیٹے کہا۔

"آجکل شمع کیلئے رشتے آرہے ہیں ایک رشتہ سکندرآباد سے آیا ہوا ہے۔ باباجان نے کہا ذرا خاندانی جغرافیہ معلوم کرآو۔ سو اسی حکم کی تعمیل میں یہاں آیا ہوں"۔

یہ دھماکہ خیز خبر سنتے ہی ایاز کی نیند فرار ہوگئی وہ ایک جھٹکے سے اٹھ بیٹھا آن واحد میں اسکے دل کی دنیا میں زلزلہ سا بپا ہوگیا۔ وہ اپنی بے ترتیب دھڑکنوں کو قابو میں کرکے ایک آس، امید کے سہارے پوچھنے لگا۔ "لیکن شمع تو ابھی پڑھ رہی ہے"۔

"باباجان کا کہنا ہے کہ اچھے رشتے بار بار نہیں آتے اور ہاتھ آئے موقع کو جانے نہ دینا چاہئے۔ اور یوں بھی وہ اس فرض سے سبکدوش ہوکر حج کو جانا چاہتے ہیں"۔

ایاز کی حالت دگرگوں ہورہی تھی۔ تبریز اس کا جگری دوست تھا دونوں بچپن سے ساتھ ملکر کھیلے تھے اور ساتھ ساتھ پڑھے تھے دونوں کا ایک دوسرے کے گھر میں بے تکلفی سے آنا جانا تھا۔ اسی بے تکلفی کے سبب تبریز کی بہن شمع سے ایاز کو دلی محبت ہوگئی۔ عید بقرعید کے موقع پر شمع کو کچھ نہ کچھ سوغات دیا کرتا۔ جسے شمع بخوشی قبول کرتی تھی۔ سوئے اتفاق سے ایاز کی کوئی بہن نہ تھی چنانچہ تبریز کے گھر والے ایاز کی اس غیر ضروری توجہ اور تحائف کو ایک بھائی کی محبت پر محمول کرتے تھے۔

شمع تھی بھی بالکل پریوں جیسی بچپن میں وہ دیدہ زیب پوشاک اور بے بی کٹنگ زلفوں کو لہرائے پھرتی تو وہ اسے چھیڑا کرتا "پری رے تو کہاں سے آئی کہ بجنے لگی شہنائی"۔ اس پر وہ اٹھلا کر کہتی "میں آسمان سے آئی ہوں" دن میں تتلیوں کے پیچھے بھاگتے اور رات میں جگنوؤں کا تعاقب کرتے ہوئے وہ عہد طفلی سے لڑکپن اور شعور کی منازل طے کرتے ہوئے عہد شباب میں قدم رنجہ فرمائی تو وہ پریوں کی شہزادی اپنے قیامت خیز، سحرانگیز حسن سے ملکہ حسن کہلانے لگی۔ چار سو اس کے حسن، سلیقہ مندی، فراست اور سعادت مندی کے چرچے ہونے لگے اسکے لئے رشتوں کی بھیڑ لگ گئی۔ گویا شمع کو رفیق حیات بنانا خوش بختی کی ضامن ہو۔ لیکن ایاز کی بات کچھ اور تھی۔ وہ بچپن سے شمع کو چاہتا تھا۔ بچپن سے لیکر دور جوانی کا ایک ایک پل اسکے ذہن میں نقش تھا مگر وہ کبھی اس کا اظہار کرنے کی جسارت نہ کرسکا۔ محبت، چاہت کے دل گداز جذبوں کی موجیں اسکے لبوں کے ساحل سے ٹکرا کر مراجعت کرجاتیں تھیں۔ وہ لاکھ سعی کیا کرتا کہ اس راز سے کم سے کم تبریز کو آگاہ کیا جائے۔ تبریز شمع کا بھائی ہی نہیں اس کا جانی دوست بھی تھا۔ اسکی کوئی بات تبریز سے مخفی نہ تھی بجز محبت کے۔ وہ اس معاملے میں اتنا شرمیلا اور محجوب تھا کہ اپنے دوست کو بھی ہمراز نہ بناسکا۔ بات دل سے نکل کر ہونٹوں کی سرحد پر آکر رک جاتی تھی۔ دل بہت بے قرار ہوجاتا تو دیدار یار سے تسکین حاصل کیا کرتا۔ دن تو اسکے دیدار سے گزر جاتا تھا مگر رات بہت تڑپاتی تھی وہ بستر پر دراز ہوتا تو وہی پری چہرہ زہرو جمال آنکھوں میں لہرانے لگتی وہ اس کی تصویر سے گھنٹوں باتیں کیا کرتا اور رات کے پچھلے پہر اسکے تصور کی راہوں سے گذر کر اسکے خوابوں میں کھوجاتا تھا۔

"اب تجھے کیا ہوا ہے جو سر تھامے بیٹھا ہے۔ شادی تیری نہیں شمع کی ہورہی ہے"۔ تبریز ایاز کو کھویا کھویا سا محسوس کرکے استفسار کیا۔

ایاز جلد ہی اپنی غیر ہوتی حالت کو درست کرکے بولا "ہاں شادی میری نہیں شمع کی ہورہی ہے"۔ اسکی آواز میں حسرت و کرب کا ملا جلا تاثر تھا۔

"ایاز خیریت تو ہے، لگتا ہے تجھے کوئی ذہنی اضطراب ہے"۔

"ارے میں بالکل ٹھیک ہوں ذرا سر میں درد ہورہا ہے میں نہا کر آؤں تو فریش ہوجاؤں گا"۔ ایاز حیلہ کرکے اٹھ گیا۔

باتھ روم میں جاکر اس نے شاور کھولا۔ شاور کے ٹھنڈے پانی کے قطرے پھوار کی طرح اسکے بدن کو بھگورہے تھے۔ ٹھنڈک سے جسم کا رواں رواں کانپنے لگا لیکن دل سے دھواں نکلنے لگا اسکے آرزؤں، تمناؤں کا محل جل رہا تھا۔ آنکھوں سے نارسائی، لاحاصل کا رنج و غم اشکوں کی صورت میں بہنے لگا۔ دل ماہی بے آب کی طرح تڑپنے لگا سسکنے لگا تھا وہ اب بھی تبریز سے اپنی خواہش کا اظہار کرسکتا تھا مگر وہ اظہار بیان سے قاصر تھا اپنے جذبوں اور تمناؤں کا اظہار اسکے لئے دنیا کا مشکل ترین امر تھا۔ وہ اپنی ہی آگ میں جل رہا تھا جسکے گرد ونواح میں کسی کو خبر نہ تھی یہ تو "جو بڑھ کے ہاتھ میں اٹھالے مینا اسی کا ہے" کے مصداق تھا ایک گھنٹہ بعد وہ نہا کر آیا تو ایاز نے کہا۔

"بہت دیر ہورہی ہے جلدی کر یار"۔

"Just Coming" کہہ کر وہ ڈریسنگ روم میں چلا گیا چند لمحے توقف کے بعد وہ بائیک کی چابی لیکر آگیا۔ تبریز بھی اٹھ کھڑا ہوا۔ فلیٹ کا دروازہ بند کرکے وہ زینے سے اترنے لگے تبریز بتانے لگا۔ لڑکا خلیج میں انجینئر ہے اور اس پر کوئی ذمہ داری بھی نہیں ہے۔ باباجان اس رشتے سے راضی ہیں۔ ایاز رسمی انداز میں ہوں ہاں کرتا رہا۔ وہ جانا تو نہیں چاہ رہا تھا مگر دوست کی خاطر بادل نخواستہ چل پڑا۔ نیچے گیراج میں وہ بائیک باہر نکالنے لگا تو تبریز نے کہا۔

نہیں ایاز تیری بائیک ہیں رکھتے ہیں۔ ہم دونوں بہ آسانی اس پر سوار ہوسکتے ہیں، ایاز تبریز کے پیچھے بائیک پر سوار ہوا تو منزل کی طرف سواری چل پڑی۔

وہ دونوں سکندر آباد پہنچ کر مطلوبہ مکان تلاش کرنے لگے تھوڑی جستجو کے بعد مکان مل گیا۔ دومنزلہ مکان واقعی عالیشان تھا۔ اندر داخل ہونے کے راستے کے دونوں طرف روش لگی ہوئی تھی دائیں طرف ایک وسیع و عریض لان تھا جس میں رنگ برنگے پھول کھلے ہوئے تھے اور اس پر تتلیاں، بھنورے منڈلاتے پھررہے تھے۔ لان کے وسط میں میز کرسیاں بچھی ہوئی تھیں ایاز اس گھر کی آرائش میں کھوسا گیا۔

تبریز نے کہا، گھر میں داخل ہو کر باقاعدہ گفتگو کریں یا پھر پڑوس سے معلومات اخذ کر کے واپس چلیں"۔

ایاز گھر کی آرائش کے سحر سے آزاد ہوتے ہوئے بولا، پڑوسیوں سے کیوں مغز کھپائیں۔ دیکھتا نہیں لوگ کتنے اہل ثروت اور باذوق معلوم ہوتے ہیں"۔

"ٹھیک ہے اندر چل کر ملاقات کرتے ہیں" ڈور بیل بجائی تو ملازم نے دروازہ کھولا اور انہیں ڈرائینگ روم میں بیٹھا کر مالکان کو اطلاع دینے چلا گیا۔

چند ثانیے بعد ایک بزرگ خاتون آئیں۔ سلام کے بعد کلام کا سلسلہ چل پڑا۔ غالباً یہ لڑکے کی والدہ محترمہ تھیں۔ تبریز نے اپنی آمد کا برسر مطلب بیان کیا۔ اثنائے دوران لڑکے کے والد محترم بھی آگئے۔ گفت و شنید ہوتی رہی بزرگ خاتون اندر جا کر کچھ توقف کے بعد چائے اور لوازمات سے بھری کشتی اور ساتھ میں لڑکے کی تصویر لے آئیں۔ ایاز تبریز کی باتوں سے بے پرواہ ادھر ادھر ڈرائنگ روم کی آرائش اور اس کی دیواروں پر آویزاں پینٹنگ پر نظریں مرکوز کئے رہا۔ تبریز کلی طور پر تفصیلات سے آگاہ اور مطمئن ہوا تو جانے کیلئے اجازت طلب کی۔

اس پر بزرگ خاتون کہنے لگیں "ہم لڑکی کو ایک نظر دیکھنا چاہتے ہیں" ۔ کیوں نہیں، جب آپ آنا چاہئیں فون کر کے آسکتی ہیں۔ تبریز اور ایاز خدا حافظ کہہ کر چل دئے ۔ گھر آکر تبریز نے ساری تفصیل بابا جان کو بتائی۔ بابا جان اس رشتے سے 90% فیصد راضی ہی تھے۔ کہنے لگے "تو کب آرہے ہیں وہ ہمارے گھر"۔

"جی میں نے کہہ دیا جب چاہیں آپ فون کر کے آسکتی ہیں"

دو دنوں کے بعد بزرگ خاتون اپنی دختر کے ہمراہ تشریف لائیں۔ لڑکی انھیں از حد پسند آئی اور جاتے جاتے وہ شمع کو انگوٹھی پہنا گئیں۔

اس اطلاع نے ایاز کے دل پر آرے کی طرح کام کیا۔ اسکی اپنی دلربا محبوبہ جو برسوں سے ایوان دل میں بسی تھی، کسی غیر کے نام سے منسوب ہونے والی تھی۔ اسکا دل خون کے آنسو رونے لگا۔

شادی کی تیاریاں ہونے لگیں۔ بجھے بجھے دل سے ایاز تبریز کے کاموں میں ہاتھ بٹاتا رہا آخر دوست جو ٹھیرا حق دوستی بھی تو نبھانا تھا۔ تبریز کے ساتھ گھر آتے جاتے وہ شمع کو دیکھتا تو اسکے دل سے درد کی لہریں اٹھنے لگیں وہ اس حسرت سے شمع کو تکا کرتا جیسے عمر بھر کیلئے اسکا عکس آنکھوں میں سر تسلیم کرنا چاہتا ہو۔ کاش میرے جذبات و احساسات کو میں جس کلی کی تمنا کر بیٹھا ہوں اس کا باغبان مجھے ، کسی طرح میرے دل کی آواز اسکے گوش گزار ہوجائے ، محبت تو الفاظ کی محتاج نہیں ہوتی یہ تو عاشق کے دل کی آرزوؤں کے کھلتے غنچوں کی مہک سے عیاں ہوجاتی ہے۔

شب و روز شادی کی تیاریوں میں گزرتے رہے اور نکاح کا دن آگیا۔ تبریز خوشی خوشی ہر رسم نبھارہا تھا۔ بات بات پر مسکراتا ہنستا تھا۔ بشاشت اسکے چہرے سے ہویدا تھی۔ لیکن وہ ایاز سے غافل نہ تھا وہ بار بار خیالوں میں مستغرق ایاز کو ٹوکا کرتا۔ ناچار وہ بھی مسکرانے کی ناکام کوشش کرتا جیسے کہہ رہا ہو "جب سینے سے دل کے جلنے کا دھواں اٹھنے لگے تو ہونٹوں پہ تبسم کس طرح آئے"۔

شادی کے زیادہ تر انتظامات تبریز کے ذمہ ہی تھے۔ وہ بے انتہا مصروف تھا لڑکی کا بھائی ہونے کے ناتے وہ دولہے والوں کے طنز و مذاق کا ہدف بھی بنا ہوا تھا۔ جس کا جواب بھی نہایت شائستگی سے دیا کرتا تھا۔ تبریز کے ساتھ ایاز بھی بادل نخواستہ کام میں مشغول رہا۔

نکاح کی کاروائی کا آغاز ہوا قاضی صاحب اور بزرگ لوگ لڑکی سے عندیہ لینے گئے تو ایاز کو یوں محسوس ہوا جیسے سانسیں رک گئی ہوں ۔ دھڑکنیں تھم گئی ہوں۔ لاچار و بے بس وہ بھی تبریز کے پیچھے چل پڑا۔ اور بزرگوں کی موجودگی میں عروس نے دستخط کردئے۔ عروس و نوشہ دونوں طرف کے مووی والوں نے اس منظر کو بطور یادگار کے قید کردیا۔ اور قاضی صاحب کے جلو میں مہمان و میزبان نوشہ کے قریب حضرات کی مجلس میں تمکین ہوگئے اور نکاح ہوگیا مبارک و سلامت کا شور بلند ہوا۔ ہر چہرہ تبسم و نشاط سے لبریز نوشہ سے معانقہ و مصافحہ کر کے تہنیت پیش کرنے لگا۔ ایاز کرسی پر دراز دل حزیں کو سنبھالے ہوئے تھا۔ رقیب رو سیاہ نوشہ قریب آیا تو وہ بھی دستور دنیا کی خاطر اٹھ کر گلے ملنے لگا۔ رقابت کی آگ بھڑکنے کو تھی وہ بہ مشکل خود پر قابو پایا۔ تبریز کے ساتھ مصروف ہوگیا۔

سب مہمان طعام تناول فرما چکے تھے ۔ عروس و نوشہ کو ایک اسٹیج پر لاکر بٹھایا گیا۔ کچھ دیر رسموں کا سلسلہ چلتا رہا۔ اسکے بعد دوست احباب اپنے اپنے تحائف پیش کئے ۔

عروس رخصتی کے وقت آنکھوں میں درد جدائی لئے ملتی رہی۔ دیگر لوگوں کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں ۔ تبریز چھوٹی بہن کی وداعی پر اپنے آنسو روک نہ سکا۔ اسکے ساتھ ہی ایاز کا بند ٹوٹ گیا۔ دل کے درد کا سیلاب امڈ پڑا اور وہ پھوٹ پھوٹ کر رو پڑا۔ بڑی مشکل سے اسے سنبھالا گیا ۔ لوگوں میں چہ میگوئیاں ہونے لگیں "بے چارہ دوست کی بہن کو حقیقی بہن کی طرح چاہتا تھا۔ تبھی تو جدائی برداشت نہیں ہورہی ہے "۔

باراتی شمع کو دلاسہ دے کر لے جارہے تھے ایاز کو یوں لگ رہا تھا جیسے سرخ جوڑے میں لپٹی اسکی جان رخصت ہورہی ہے اس کا جی چاہ رہا تھا اٹھ کر چلا جائے صحراؤں کی خاک چھاننے ، دشت و جبل میں اپنی بے زبان محبت کا ماتم کرنے .....

مائیک میں بابل کی وداعی کا نغمہ اختتام پذیر ہوا تو دوسرا بجنے لگا۔ دل کے جھروکے میں تجھ کو بٹھا کر، یادوں کو تیری میں دلہن بنا کر رکھوں گا میں دل کے پاس۔ مت ہو میری جان اداس۔

••••

مایوسی کے بادل کب چھٹیں گے

گزشتہ ماہ "ٹائمز" میں جینیتائن ڈی گوینی کی تجزیاتی رپورٹ شائع ہوئی تھی ۔ گوینی نے افغانستان کا دورہ کرنے کے بعد وہاں کی صورت حال کا تجزیہ کرتے ہوئے طالبان حکومت ختم ہونے کے بعد معاشرے میں آنے والی تبدیلیوں کے بارے میں لکھا ہے ۔ اپنی تجزیاتی رپورٹ میں گوینی نے لکھا کہ اگرچہ خواتین کو آزادی حاصل ہوگئی ہے مگر وہ ابھی تک خوفزدہ ہیں۔ وہ بغیر برقع گھر سے باہر جانے سے ڈرتی ہیں۔ عملی طور پر ان کی حالت زار میں کوئی تبدیلی نہیں آئی ہے ، کیوں کہ طالبان نے مردوں کی ذہنیت بدل دی ہے ۔ شمالی اتحاد کے لوگ بھی آزاد خیال نہیں ہیں ، البتہ چند تبدیلیاں ضرور ظاہر ہوئی ہیں۔ گوینی کی تجزیاتی رپورٹ کا ترجمہ قارئین کی نذر ہے ۔

کابل پر شمالی اتحاد کے قبضے کے فوری بعد ہی چکن اسٹریٹ پر شراب کی فروخت شروع ہوگئی۔ سستی چینی شراب 35 ڈالر فی بوتل اور روس کی ووڈ کا تقریباً 100 ڈالر میں بہ آسانی دستیاب ہے ۔ یہاں پر چمڑے کی پٹیوں ، قالینوں اور نقلی زیورات کی دکانیں بھی کھل گئی ہیں ۔ ایک بیکری بھی ہے ، جہاں چاکلیٹ اور بسکٹ فروخت ہورہے ہیں ۔ شام کو کبابوں کی خوشبو بھی آتی ہے ۔ دکانوں پر گانے بھی بجتے رہتے ہیں ۔ اب کوئی اپنے غیر قانونی کیسٹ چھپانے کی کوشش نہیں کرتا لیکن اس وقت یہاں اہم مسئلہ پیسوں کا ہے ۔ لوگوں کے ہاتھ خالی ہیں ، ان کے پاس پیسے نہیں ہیں ، جو لوگ طالبان کی حکومت میں کام کرتے تھے انہیں کافی عرصے سے تنخواہ نہیں ملی ، کیوں کہ طالبان کے پاس چار ماہ پہلے ہی پیسے ختم ہوگئے تھے جو لوگ بے کار تھے ، وہ ویسے ہی بھیک مانگنے پر مجبور ہیں ، ہر طرف جنگ کی تباہ کاریوں کے نشان نظر آرہے ہیں۔ جو لوگ جنگ اور خانہ جنگی کے ۲۲ سالہ دور میں محفوظ رہے اور انہوں نے اس دوران سمجھ داری کا مظاہرہ کیا ، اب باہر آرہے ہیں ۔ محمد رؤف ، چکن اسٹریٹ میں ایرانی قالین فروخت کرتا ہے ۔ یہاں اپنی چھوٹی سی دکان میں وہ لوگوں کو سبز چائے بھی پلاتا ہے ، اس کا کہنا ہے کہ " میں کئی سال کے بعد کچھ کمارہا ہوں۔ پہلے میں اپنے بند کمرے میں ممنوعہ ویڈیو دیکھتا رہتا تھا ، مگر مجھے یہ خوف لاحق رہتا تھا کہ کہیں طالبان کی خفیہ پولیس میرے گھر کا دروازہ توڑ کر اندر داخل نہ ہوجائے ۔ اس لئے میں پوری طرح لطف اندوز نہیں ہوتا تھا " ۔ محمد رؤف چکن اسٹریٹ کے ایک کونے میں ہرات اور ایران سے لائے ہوئے قالین سجائے بیٹھا رہتا ہے ۔ اسے غیر ملکیوں کا انتظار ہے جو اس کے قالین خریدیں اور اس کے ہاتھ رقم آئے ۔ کینیڈا کے ایک صحافی نے 300 ڈالر کی خریداری کی جس سے وہ ایک سال تک گزارا کرسکتا ہے ۔ لوگوں کو دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ ابھی انہیں پرانا درد بھولنے میں وقت لگے گا ، جب وہ اپنے کام پر یا اسکول جاتے ہوئے اوپر سے برسنے والے راکٹوں کو شمار کرتے رہتے تھے ۔

فلاور اسٹریٹ پر جب غیر ملکی جاتے ہیں تو گداگر انہیں گھیر لیتے ہیں اور اپنے گندے ہاتھ پھیلا کر کہتے ہیں " ہم بھوکے ہیں ہمیں کھانا کھلاؤ ، کبھی کبھی وہ گاڑیوں کو بھی گھیر کر اس طرح دروازہ کھولنے کی کوشش کرتے ہیں جیسے وہ آپ کو کار سے کھینچ کر باہر نکال لیں گے ۔ یہ تشدد کی کارروائی نہیں ہوتی بلکہ مایوسی کا مظاہرہ ہوتا ہے ۔ وہ دکانوں میں بھی جاکر ہاتھ پھیلاتے ہیں ، لیکن برقع پوش گداگر خواتین دکانوں میں داخل نہیں ہوسکتیں ، وہ برقع پہنے اپنا چہرہ چھپائے ، ہاتھ پھیلائے کھڑی رہتی ہیں اور دکانوں پر لگے شیشوں پر اپنا چہرہ رکھ کر دیکھتی رہتی ہیں۔

یہاں دکانوں میں غیر معمولی فرق نظر آتا ہے ۔ ایک اسٹور میں اعلیٰ درجے کا ہیر ڈائی ، چین کا فیس پاؤڈر ، پاکستانی مکھن اور اسکرٹ میں ملبوس گڑیاں بھی رکھی ہیں ، جو چند ہفتے پہلے نہیں مل سکتی تھیں ۔ ہمیں چکن اسٹریٹ پر بوسیدہ برقعے میں ایک خاتون نظر آئی جو روانی سے انگریزی بول رہی تھی ، اس کا نام شاہدہ ہے ۔ اس سے گفتگو کے دوران معلوم ہوا کہ وہ پانچ سال سے اپنے گھر میں محصور تھی ۔ انگریزی کی کتابیں پڑھتی رہتی تھی ۔ وہ بات بھی کرنا چاہتی تھی ۔ جب اس نے چہرے سے نقاب الٹا تو معلوم ہوا کہ وہ ایک جوان خاتون ہے ۔ چہرہ گول ، جلد کا رنگ پیلا ہورہا تھا ۔ وہ رنگے ہوئے بالوں کی پونی ٹیل باندھے ہوئے تھی ۔ اس کے خوب صورت موزے اور نازک جوتے اس کی خوش ذوقی کی دلیل تھے ۔

شاہدہ نے ہمیں بتایا کہ " میں ایک میڈیکل ٹکنیشن ہوں ۔ پانچ سال گھر میں قید رہنے کے بعد میں نے پھر اپنا کام شروع کردیا ہے " ۔ وہ چاہتی ہے کہ اسے کوئی بوائے فرینڈ مل جائے ، اس نے ہم سے پوچھا کہ لندن کا موسم کیسا ہوتا ہے اور وہ وہاں کس طرح جاسکتی ہے ۔ شاہدہ کا والد بھی انگریزی بول لیتا ہے ۔ وہ اقوام متحدہ کے لئے کام کرتا تھا ۔ شاہدہ نے بتایا کہ " وہ افغانستان میں پانچ سال سے کھانا پکانے اور گھر کے دوسرے کام کررہی ہے اور شاید آئندہ بھی اسے یہ ہی کرنا پڑے گا " ۔

جس دن ہماری شاہدہ سے ملاقات ہوئی ، اسی شام اس نے ہماری دعوت کی ۔ اندازے کے مطابق دعوت میں اس خاندان کی ایک ماہ کی آمدنی خرچ ہوگئی ہوگی ۔ اس نے اپنی ایک سہیلی سے بھی ملایا ۔ یہ ۲۳ سالہ لڑکی بھی اسی کی طرح تھی ۔ دونوں ٹراؤزرز ، جمپرز اور سلیپرز پہنے ہوئے تھیں ۔ چہرے پر میک اپ بھی تھا ۔ انہوں نے ہمیں ایک کیسٹ بھی سنایا جس میں ٹائی ٹینک کی موسیقی تھی ۔ شاہدہ نے کیسٹ سناتے ہوئے کہا " ایک سال سے ہمارے پاس صرف ٹائی ٹینک کی ویڈیو ہے جو ہم بار بار دیکھتے ہیں " ۔ شاہدہ اور اس کی دوسری دوستوں نے ایک جیسے مصائب کا سامنا کیا ، شاہدہ کہتی ہے کہ " جب پانچ سال تک

افغانستان میں اس دوران ایک سال دو وزراء کی ہلاکت کے پیش نظر اٹلی کی ٹیم نے 50 افراد کو وی آئی پیز کا تحفظ کرنے کی خصوصی تربیت دی

میں اپنے والد کے گھر میں مقید رہی تو اس دوران میری سہیلیوں نے ہی مجھے سہارا دیا جو میری طرح مایوسی اور ڈپریشن کا شکار تھیں۔ طالبان نے مجھے اور میری سہیلی کو مارا پیٹا بھی۔ جب وہ ٹخنوں پر مارتے تھے تو بہت تکلیف ہوتی تھی۔ اب میں زیادہ آزاد ہوں، مگر میں اپنا برقع نہیں اتار سکتی، کیوں کہ حالات میں زیادہ تبدیلی نہیں آئی ہے۔ میں سڑک پر کسی مرد سے بات تو کر سکتی ہوں اور مجھے یہ بھی معلوم ہے کہ مجھے مارا نہیں جائے گا مگر مسئلہ افغان مردوں کا ہے۔ پانچ سالہ طالبان کی حکومت نے ان کی ذہنیت تبدیل کردی ہے، وہ اس بات کو گوارا نہیں کریں گے کہ ہم چہرہ کھول کر بازاروں میں گھومیں پھریں"۔

شاہدہ کے گھر میں میز پر ایک فوٹو رکھا ہوا تھا، یہ شاہدہ کی بہن کا تھا جو بچے کی ولادت کے موقع پر انتقال کر گئی تھی۔ شاہدہ نے بہن کا فوٹو دیکھتے ہوئے کہا کہ "افغانستان میں ماں بننے والی ایک لاکھ خواتین میں سے 1700 خواتین دوران زچگی مر جاتی ہیں"۔ یہ بتاتے ہوئے شاہدہ کی آنکھوں میں آنسو آگئے۔ اس نے کہا "طالبان کے برسر اقتدار آنے سے پہلے میں نے لاء گریجویٹ کرلیا تھا۔ افسوس یہ ہے کہ میں طالبان کا خاتمہ نہ دیکھ سکی"۔ موضوع بدلتے ہوئے ہم نے شاہدہ سے پوچھا "کیا تمہیں ڈانس آتا ہے؟" اس نے دھیمے لہجے میں کہا "میں کبھی ڈانس نہیں کیا۔ ہوسکتا ہے میں اب شروع کردوں" لیکن ہر شخص ڈانس نہیں کرے گا، اگرچہ کابل سے طالبان کا خاتمہ ہوگیا ہے مگر ۲۲ سال کی خانہ جنگی نے معاشرے کو کچل کر رکھ دیا ہے"۔ شمالی اتحاد کے لوگ بھی واقعی آزاد خیال نہیں ہیں۔ طالبان کا قبضہ ختم ہونے کے دوسرے ہفتے ایک دولت مند شخص نے غریبوں میں کھانا تقسیم کیا۔ یہ رمضان کا مہینہ تھا، جب خواتین، جنہیں وہاں کے مرد "کالے سروالی" کہتے ہیں، کھانا لینے آگے بڑھیں تو فوجیوں نے لکڑیاں مار کر انہیں اس طرح پیچھے ہٹایا جیسے وہ جانور ہوں۔ خواتین نے ایک مارچ کرنے کی منصوبہ بندی کی تھی مگر وہ مارچ اس لئے نہیں کیا جاسکا کہ کسی نے بھی ان کے تحفظ کی ضمانت نہیں دی تھی، چنانچہ مارچ کے بجائے خواتین، حقوق نسواں، کی راہ نما ثریا کے گھر جمع ہوئیں اور ان سے خواتین کی مدد کرنے اور انہیں کام دینے کی درخواست کی۔ افغانستان کے وزیر خارجہ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ نے بھی تسلیم کیا ہے کہ خواتین کے بارے میں تبدیلی کچھوے کی رفتار سے بڑھے گی۔ لوگ ریڈیو سننے لگے ہیں اور جن خوش قسمتوں کے پاس ٹی وی سیٹ ہیں وہ ٹیلی ویژن دیکھ رہے ہیں، ہوٹل انٹر کانٹی نینٹل کے ویٹر ایک پرانے ٹی وی سیٹ کے سامنے جمع تھے اور ایک خاتون کو فیشن ایبل لباس میں دیکھ کر خوش ہو رہے تھے۔ ان کے لئے ٹی شرٹ میں ملبوس خاتون بھی عریانی کے زمرے میں آتی ہے۔ رات کے وقت شہر میں کرفیو نافذ کردیا جاتا ہے اور اگر کوئی باہر نکلتا ہے تو وہ یہ خطرہ مول لیتا ہے کہ شمالی اتحاد کے فوجی اسے گولی مار سکتے ہیں۔ ڈاکٹر عبداللہ عبداللہ کا کہنا ہے کہ "لوگوں کی ذہنیت بدلنا ہوگی، مگر یہ ایک مشکل کام ہے"۔ ڈاکٹر عبداللہ کے دفتر میں موجود ایک شخص نے ہمیں بتایا کہ "اس نے کابل یونیورسٹی سے سیاسیات کی تعلیم حاصل کی اور وہ طالبان حکومت میں چھ ڈالر ماہانہ پر ملازم تھا لیکن اسے چار ماہ سے تنخواہ نہیں ملی"۔ وہ نہایت مایوس ہے۔ وہ ہر رات اس تصور کے ساتھ سوتا ہے کہ دوسرا دن اس کے لئے نئی زندگی لائے گا۔

افغانستان کے عوام خاص طور وہ لوگ جو دیہی علاقوں میں رہتے ہیں نہایت سخت زندگی گزارتے ہیں مگر ان کا کبھی تاریخ میں ذکر نہیں آیا۔ آج بھی جنگ کی کامیابیوں اور ناکامیوں کا ذکر ہے۔ ایک وسیع البنیاد حکومت قائم کی جارہی ہے مگر ان لوگوں کے مصائب کو پھر نظر انداز کردیا گیا ہے۔ شہری اور دیہی علاقوں میں فرق تو بہت سے ملکوں میں ہے مگر اتنا فرق کہیں بھی نہیں ہوگا، جتنا افغانستان میں ہے۔ ایک وقت تھا کہ افغانستان کے شہری علاقوں کے لوگوں کو سنیما، اسپتال اور یونیورسٹی میں پڑھنے کی سہولتیں میسر تھیں۔ مردوں اور خواتین کو ایک حد تک پسند کی شادی کا حق تھا مگر والدین کی فرماں برداری اور ارینجڈ شادیوں کا رواج تھا۔ ۱۹۸۰ء کے اواخر اور ۱۹۹۰ء کے اوائل میں افغانستان میں نوجوان خواتین مغربی لباس پہنتی تھیں۔ وہ پتلون اور جینز بھی پہنتی تھیں۔ ان کا میک اپ بھی اعلی درجے کا ہوتا تھا۔ تعلیم میں وہ لڑکوں سے آگے تھیں لیکن دیہی علاقوں میں لوگوں کا انفرادی طرز عمل تاریک دور جیسا تھا۔ کابل یونیورسٹی میں جب

اسلام پسند اور کمیونسٹ طلباء کی ریلیاں نکالی جاتی تھیں تو ایک موقع پر ایک اسلامی انتہا پسند طالب علم نے ، جو بعد میں مجاہد راہ نما بن گیا تھا ، کمیونسٹ ریلی میں شریک خواتین کے چہروں پر تیزاب پھینک دیا تھا ۔ اعتدال پسند یونائیٹڈ فرنٹ کے ماتحت علاقوں میں سرداروں اور طالبان حکومت کے درمیان تمیز کرنا مشکل ہے ۔ خواتین گھروں کے اندر رہتی ہیں ۔ اگر بیمار خواتین کسی مرد ڈاکٹر کو دکھانا چاہیں تو انہیں اپنے مرد رشتے داروں سے اجازت لینی ہوتی ہے ۔ ۱۹۹۹ء میں تاجکستان کی سرحد کے قریب ایک دیہات میں زنا کے مرتکب تین افراد کو سنگسار کردیا گیا ۔ ہرات میں کمیونسٹوں اور مجاہدین کے زمانے میں بھی خواتین کی اکثریت برقع پہنتی تھی لیکن برقع پہننے میں ان کی مرضی سے زیادہ خوف تھا ۔

افغانستان میں امریکا نے تو اپنی جنگ جیت لی ہے ۔ مگر عام افغانوں کو ابھی جنگ جیتنی ہے ، جس طرح سترھویں صدی کے اسپین میں خواتین کا مردوں سے بات کرنا ممنوع تھا ، اسی طرح افغانستان میں قبائلی اور مذہبی راہ نما خواتین کو جانوروں کی طرح سمجھتے ہیں ۔ یہ راہ نما لوگوں کی زندگیوں پر مکمل کنٹرول رکھتے ہیں ۔ ان کے ساتھ عوام کی وفاداری غیر ملکی طاقتوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے ، روس نواز حکومتوں اور بعد میں طالبان نے بھی اس نظام کو ختم کرنے کی کوشش کی تھی لیکن یہ وفاداریاں بہت اہمیت رکھتی ہیں ۔ ایک افغان اور اس کے بیوی بچے جس زمین پر کام کر کے اپنی روزی کماتے ہیں وہ مقامی خان کی ہی دی ہوئی ہوتی ہے ۔ خان مقامی کمانڈر بھی ہوتا ہے ۔ اس کے تحفظ سے باہر رہ کر زندگی گزارنے کا تصور بھی محال ہے ۔ اس مرتبہ طالبان نے بغیر خون خرابے کے مقامی خانوں کو اقتدار منتقل کیا ۔ زیادہ تر علاقوں میں مقامی خان یا کمانڈر گفت وشنید کر کے فیصلہ کرلیتے ہیں اور وہ فاتح کی طرف داری ، رقم ، اسلحہ اور اس سے بھی زیادہ اس وعدے پر کرتے ہیں کہ انہیں اپنا اقتدار اور افواج برقرار رکھنے کی اجازت ہوگی ۔ لیکن یہ وفاداریاں عارضی ہوتی ہیں اور کبھی کبھی ایک ساتھ کئی حریف گروپوں سے وفاداری قائم کرلی جاتی ہے ۔ ہرات میں ۱۹۹۰ء کی دہائی کے شروع میں ایک ملیشیا ... کے خلاف حکومت کی طرف سے جنگ لڑ رہی تھی مگر شام کو وہ مجاہدین کے ساتھ مل کر حکومت کے خلاف جنگ لڑ رہی تھی ۔ بعض افغان تو اپنی وفاداریاں اس طرح بار بار تبدیل کرتے ہیں کہ انہیں یاد نہیں رہتا اور اس تبدیلی میں گولی بھی نہیں چلتی ۔

افغان لوگ سب سے پہلے اچھے تاجر ہیں ۔ وہ اس گروپ کی حمایت کرتے ہیں جس سے انہیں زیادہ فائدہ ہوتا ہے ۔ اس میں بھی کوئی حیرت نہیں ہے کہ افغان لوگوں کا سیاسی ایجنڈا خفیہ رہتا ہے ۔ ظاہری شکلیں دھوکا دیتی ہیں ۔ افغانستان میں تمام نظریات برقرار ہیں ۔ سوشلسٹ دانش ور بھی ہیں جو عام افغانوں کی زندگی بہتر بنانا چاہتے ہیں ۔ روایتی خان ، ملک اور کمانڈر بھی ہیں ۔ جو اپنے علاقوں پر حکومت کررہے ہیں اور طالبان بھی موجود ہیں جو ملک کو تمام نظریات سے پاک کر کے ایک خالص اسلامی معاشرہ قائم کرنا چاہتے ہیں ۔ افغانستان میں گولی زیادہ تر روٹی کی خاطر چلتی ہے ۔ ایسے لیڈر یا کمانڈر بہت کم ہیں جو اپنے علاقے سے گزرنے والے عام شہریوں کو لوٹنے کی روک تھام کریں ۔

اگر آپ کے قبضے میں پوست کے کھیت ، لاجورد اور دوسرے قیمتی پتھر یا زمرد کی کان نہیں ہے تو آپ کے لئے نفع بخش کام یہ ہی ہوسکتا ہے کہ آپ کے آدمی اونٹوں کے کسی کارواں ، ٹرکوں یا امداد لے جانے والے کسی قافلے کو لوٹ لیں ، اگر آپ کو مال پسند نہ آئے تو اس کے بدلے میں آپ کو کچھ رقم مل سکتی ہے جو آئندہ واردات تک کے لئے کافی ہوگی ۔ اس وقت افغانستان کو امن فوج سے زیادہ تعلیمی اور پیشہ ورانہ تربیت کی ضرورت ہے ۔ دیرپا امن قائم کرنے کے لئے یہ ضروری ہے کہ افغان مرد اور خواتین کم از کم ہائی اسکول تک تعلیم یافتہ ہوں ۔ اگر یہ نہ کیا گیا تو وہی حالات برقرار رہیں گے جو ظاہر شاہ کی حکومت ختم کرنے سے پہلے تھے اور افغانستان کی تاریخ خود کو دہرائے گی ۔ افغانستان کو کئی بار یہ موقع ملا کہ وہ ماڈرن دنیا میں شامل ہوجائے اور اپنے لوگوں کو غربت سے چھٹکارا دلائے ۔

مغرب کو اسلامی ممالک اور افغانستان کے پڑوسی ممالک کے ساتھ مل کر یہ کوشش کرنی چاہئے کہ ان کا یہ خوف دور ہوجائے کہ ان کے اور ان کے بچوں کا کھانا ان کے کمانڈر یا خان کی مہربانی پر منحصر ہے ۔ اس کے ساتھ ہی کمانڈروں اور خانوں کو بھی یہ سمجھانے کی ضرورت ہے کہ ایک پرامن افغانستان میں ان کے لئے بھی مواقع موجود ہوں گے ۔

افغانستان میں اصلاح کے لئے ایک دو سال کا عرصہ درکار ہوگا اور ہمیں دعا کرنی چاہئے کہ اس میں کئی عشرے نہ لگ جائیں اور مزید جنگیں نہ لڑی جائیں ۔

۱۹۱۹ء میں افغانستان کی آزادی کے بعد سے یہاں خواتین نے اہم کردار ادا کیا تھا ۔ تعلیم یافتہ خواتین حکومت میں بھی اہم کردار ادا کررہی تھیں ۔ خواتین وزراء بھی موجود تھیں ۔ اساتذہ میں ۷۰ فی صد خواتین تھیں ۔ یونیورسٹیاں بند ہونے سے پہلے طلباء میں بھی ۵۰ فیصد سے زیادہ خواتین تھیں ۔ سویلین سرکاری کارکنوں میں بھی ۵۰ فیصد خواتین تھیں ۔ ڈاکٹروں میں بھی ۴۰ فیصد خواتین تھیں ۔ گزشتہ ۲۳ سال میں جب افغانستان کے مرد جنگ اور آپس کی خانہ جنگیوں میں مصروف تھے ، تب بھی خواتین امن کے لئے کام کرتی رہیں ۔ حالاں کہ وہ اس عرصہ میں تشدد اور تعصب کا شکار رہی تھیں ۔ لہٰذا خواتین کو جمہوری نظام سے خارج کرنا ، صرف انسانی حقوق سے محرومی نہیں بلکہ انسانیت کی تذلیل بھی ہوگی ۔ جو لوگ افغانستان کے مستقبل کا فیصلہ کر رہے ہیں ۔ چاہے وہ جنگ جو سردار ہوں یا امریکا اور اقوام متحدہ کے افسران ، سب مرد ہیں ۔ جمہوری حکومت میں بھی تعلیم یافتہ خواتین کو کافی تعداد میں شامل ہونا چاہئے تھا ۔ اس کے بغیر ملک مردوں کے معاشرے میں تبدیل ہوجائے گا ۔ جہاں خواتین ان کی تابع دار رہیں گی اور جہاں ان کے مردوں کی کامیابی کا انحصار ان کے محسن کی طاقت پر ہوگا ۔ مقامی سردار یا خان فوجی اعتبار سے جتنا طاقت ور اور خاندانی اعتبار سے جتنا مضبوط ہوگا وہ اتنا ہی بااثر ہوگا ۔

کامن ویلتھ گیمز میں ہندوستان کا شاندار مظاہرہ

مانچسٹر میں منعقدہ کامن ویلتھ گیمز کا باضابطہ اختتام ہوگیا ہے۔ برطانوی تاریخ میں منعقد ہونے والا یہ کھیلوں کا سب سے بڑا میلہ تھا۔ ان کھیلوں میں آسٹریلیا 206 میڈلس کے ساتھ پہلے، میزبان ملک انگلینڈ 165 میڈلس کے ساتھ دوسرے اور 72 میڈلس کے ساتھ ہندوستان تیسرے نمبر پر رہا۔ قبل ازیں 17 ویں دولت مشترکہ کھیلوں کا 25 جولائی کو ملکہ ایلزبتھ دوم نے مانچسٹر (انگلینڈ) میں افتتاح کیا تھا جس میں دولت مشترکہ کے 72 رکن ممالک کے کھلاڑیوں نے حصہ لیا۔ مانچسٹر میں کئی ریکارڈ ٹوٹے اور کئی ڈرامائی نتائج سامنے آئے۔ آسٹریلیا نے بہتر مظاہرہ کرتے ہوئے 82 سونے کے، 62 چاندی کے اور 62 کانسہ کے میڈلس حاصل کئے جبکہ میزبان انگلینڈ 54 سونے کے، 51 چاندی کے اور 60 کانسہ کے میڈل حاصل کرنے میں کامیاب رہا۔ سب سے حیرت انگیز کارکردگی ہندوستان کی رہی ہندوستان نے سونے کے 32، چاندی کے 21 اور کانسہ کے 19 میڈلس حاصل کئے۔

دولت مشترکہ کے کھیلوں میں ہندوستان گو تیسرے مقام پر ہے مگر میڈلس کے حصول میں اب تک کا یہ سب سے بہتر مظاہرہ کہا جائیگا۔ ہندوستان نے (32+21+19=72) میڈلس جیت کر تیسرا مقام حاصل کیا۔ کافی عرصے کے بعد اتنے میڈلس ہندوستان کے کھاتے میں آئے ہیں۔ دولت مشترکہ کھیلوں میں جملہ 17 مقابلے منعقد ہوئے لیکن یہاں ہم ان مقابلوں کا تذکرہ کریں گے جس میں ہندوستان نے نمایاں کامیابی حاصل کی۔ دوسرے دن ہوئے اسکوائش کے ابتدائی مرحلے میں ہندوستان کے ریتوک بھٹاچاریہ نے ڈومینیکا کے کیب رابیں کو ہرایا جب کہ ہاکی کے لیگ میچ میں ہندوستانی خواتین کی ٹیم نے کناڈا کو 0-1 سے شکست دے کر اپنی کامیابی کی شروعات کی۔ ہندوستان کو پہلا گولڈ میڈل شوٹنگ کے مقابلے میں ابھینو بندرا اور ان کے ساتھی سمیرا امبیڈکر کی جوڑی نے ایر رائفل کے مقابلے میں

دلایا۔ جب کہ ایر پستول کے مقابلے میں جسپال رانا اور سمریش جنگ کی ٹیم کو صرف 3 پوائنٹس کے فرق سے سلور میڈل حاصل ہوا۔ ہندوستان کی ٹیبل ٹینس کی ٹیم نے بھی اچھی شروعات کی۔ ٹیبل ٹینس میں سورو چکرورتی، سومیادیپ رائے اور سوبھا جیت ساہا کی ٹیم نے گروپ ڈی میں کینیا اور مالدیپ کو 0-3 سے ہرایا۔ بعد میں جمیکا کو 1-3 سے شکست دی۔ گروپ سی میں ہندوستانی خواتین کی ٹیم نے نیوزی لینڈ اور ویلس کو 2-3 اور شمالی ایرلینڈ کو 0-3 سے ہرایا۔ ہندوستانی باکسرس انتہائی کم فرق سے

ہار گئے۔ دلاور سنگھ لیسوتھو کے امانویل کیتو کے ہاتھوں 23-14 کے فرق سے ہار گئے۔ ڈنگو سنگھ کو لیسوتھو کے ایزاکیل لیتوکا نے 14-12 سے ہرلیا۔ ہرپال سنگھ ماریشس کے مائیکل مکاکیو سے 20-18 کے فرق سے ہار گئے۔ ایتھلیٹکس میں ہردیپ کور ویمنس ہیمر تھرو کے فائنل میں داخل ہونے میں ناکام رہی۔ انہوں نے 55.98' 55.39' 55.52 فٹ کی دوری تک ہی پھینکا۔ اگر وہ 56.03 کی دوری تک پھینکنے میں کامیاب ہوتیں تو کوالیفائی ہو جاتی۔ جمناسٹکس میں ابھیو ڈکشٹ موہت یادو' روہت یادو' مانیک سریواستو اور ولاس پانڈے کی ٹیم نے مینس ٹیم آل راونڈ مقابلوں میں چھٹواں مقام حاصل کیا۔ اسکواش میں رتیک بھٹاچاریہ نے آسٹریلیا کے ڈیوڈ پام (دنیا کے نمبر 3 کھلاڑی) کو دوسرے راؤنڈ میں ہرایا۔ دوسرے دن ہندوستان کے کھاتے میں کوئی میڈل نہیں آیا۔ بیڈ منٹن کے مینس ڈبلس کے مقابلوں میں سچن رتی اور مارکوس برسٹو پر مشتمل ٹیم نے جارج کوپڑن اور نکولاس جو کو ہرایا۔ سنگل میچ میں انہیں شیام گپتا نے اور کیتھرینا پولن کو ہرلیا۔ انہیں سنگلس میں پی آر مینا کشی نے جولیٹ' ہوان کو ہرلیا۔ مینس ڈبلس میں کلکر اور تروپتی مرگنڈے نے نکولاس جوے اور کیترین پولن کو ہرایا۔ آل انگلینڈ چمپئن گوپی چند نے پہلے میچ میں شمالی ایرلینڈ کے کھلاڑی کو 0-5 سے شکست دی۔ تیسرا دن ہندوستان کیلئے کافی بہتر تھا۔ اس دن شوٹنگ کے مختلف مقابلوں میں ہندوستان کو 3 گولڈ میڈل حاصل ہوئے۔ مینس فری پستول میں سمریش جنگ اور وویک سنگھ نے گولڈ میڈل حاصل کیا جب کہ ڈبل ٹریپ میں مراد علی خان اور راجیہ رادھن کو گولڈ میڈل ملا' ویمنس ایر رائفل میں انجلی وید پاٹھک اور سوماشرور نے ہندوستان کو گولڈ میڈل دلایا۔ ایرپستول میں شیلا اور شوبھا کی جوڑی نے ہندوستان کو سلور میڈل دلایا۔ اس دن ہندوستان کی ویمنس ٹیم کو ایک دھکا اس وقت لگا جب خطاب کے خواہاں نیوزی لینڈ نے پول بی کے ایک میچ میں اس کو 3-1 سے ہرادیا۔

چھٹا دن بھی ہندوستان کیلئے کچھ نہ کچھ بہتر تھا کیونکہ راپڈ فائیر پستول جوڑی کے مقابلے میں مکیش کمار اور بھنور لال دھاکا نے ہندوستان کو گولڈ میڈل دلایا۔ اسٹانڈرڈ پستول میں جسپال رانا' سمریش جنگ کی جوڑی نے طلائی تمغہ حاصل کیا۔

ویمنس فری رائفل پوزیشن جوڑی کے مقابلوں میں انجلی وید پھاٹک اور راجکماری نے ہندوستان کو گولڈ میڈل عطا کیا۔ ہاکی کے مقابلے میں انگلینڈ اور انڈیا کا میچ پول 2 میں

1-1 سے برابر رہا۔ دوسری طرف انجو بوبی جارج نے لانگ جمپ میں برانز میڈل جیت کر ایک تاریخ بنائی۔ وہ پہلی ہندوستانی خاتون ہیں جنہوں نے 17 ویں گیمس کے ایتھلیٹکس مقابلوں میں میڈل حاصل کیا۔ ہندوستان کے سریش بابو نے 1978ء میں لانگ جمپ میں برانز میڈل حاصل کیا تھا۔ باکسنگ کی میڈل ویٹ زمرے میں ہندوستان کے جتندر کمار نے جوزف فارمرر کو ہرا کر کوارٹر فائنل میں داخلہ حاصل کیا۔ جمناسٹک میں ولاس پانڈے کو چھٹواں مقام حاصل ہوا۔ چوتھے دن آسٹریلیا کو 16' انگلینڈ کو 10' کناڈا کو 10 اور ہندوستان کو 7 گولڈ میڈل حاصل ہوئے۔ آسٹریلیا جملہ 46 میڈل حاصل کر کے سرفہرست ہو گیا۔ ویٹ لفٹنگ کے 56 گرام کے زمرے میں تانڈو ستو اور وکی بٹہ نے 3 سلور اور 2 برانز میڈلس کے ساتھ ہندوستان کا کھاتہ کھولا۔

پانچواں دن ہندوستان کیلئے مزید خوشگوار تھا۔ مردوں کے سینٹر فائر رائفل کے مقابلے میں جسپال رانا اور مہاویر نے ہندوستان کو آٹھواں گولڈ میڈل دلایا۔ ہندوستان کی نیلم جسونت سنگھ نے ڈسکس تھرو میں سلور میڈل حاصل کیا۔ فری رائفل تھری پوزیشن میں ہندوستان کے چرن سنگھ' اے سیا کو برانز میڈل حاصل ہوا۔ ویٹ لفٹنگ میں کنجارانی نے تین گولڈ میڈل حاصل کئے۔ منی پور کی رہنے والی 34 سالہ خاتون نے 75 کلو گرام' 92.5 کلو گرام کا وزن اٹھایا۔ باکسنگ میں ہندوستان کے محمد علی قمر نے کینیا کے کھلاڑی کو ہرا کر لائیٹ فلائی ویٹ باکسنگ کے کوارٹر فائنل میں رسائی حاصل کرلی۔ پانچویں دن تک ہندوستان کو 11 گولڈ' 4 سلور اور 4 برانز میڈل حاصل ہوئے۔ جب کہ آسٹریلیا کو 23 گولڈ' 22 سلور' 19 برانز' کناڈا کو 14 گولڈ' 15 سلور' 19 برانز' انگلینڈ کو 12 گولڈ' 20 سلور اور 17 برانز میڈل حاصل ہوئے۔

چھٹویں دن ویٹ لفٹنگ میں 53 کلو گرام کے زمرے میں منی پور کی رہنے والی 23 سالہ سناچا چھانو نے 3 گولڈ میڈل حاصل کئے لیکن 58 کلو گرام کے زمرے میں

سونیتا کو تین برانز میڈل حاصل ہوئے۔ مردوں کے 62 کلو گرام کے زمرے میں مدا سے کرشنا کو 3 سلور میڈل ملے جبکہ ہاکی کے مقابلوں میں خواتین کی ٹیم نے جنوبی افریقہ کو 3-4 سے ہرا کر سیمی فائنل میں داخلہ حاصل کرلیا۔ پی گوپی چند بیڈ منٹن کے مقابلوں میں باربدوس کے چیر وبن کو ہرا کر پری کوارٹر فائنل کے مرحلے میں پہنچ گئے۔ سچن رتی بھی نائجیریا کے اولا فاگی کو ہرا کر پری کوارٹر فائنل میں پہنچ گئے۔ ویمنس سیکشن میں تروپتہ مرگنڈے نے مسولن ہیٹر ول کو ہرا کر پری کوارٹر فائنل میں نیمبیا کے باکسر کو ہرالیا۔ ٹیبل ٹینس مکس ڈبلس کے شعبے میں ہندوستان کے رامن، منٹو گوش کی جوڑی دوسرے مرحلے میں داخل ہو گئی ہے۔ تاہم چیتن اور این آر کو انگلینڈ کی ٹیم نے ہرادیا۔ سومیہ دیپ رائے اور موماداس کی جوڑی کو سنگاپور کی ٹیم نے ہرالیا۔

ہندوستان کے کھلاڑیوں نے کبھی کسی بین الاقوامی مقابلوں میں اس طرح کا مظاہرہ نہیں کیا تھا جسطرح دولت مشترکہ کے کھیلوں میں کیا ہے۔ جس وقت 110 رکنی ٹیم مانچسٹر پہنچی تھی اس وقت کوئی تصور نہیں کر سکتا تھا کہ ہندوستان کو 32 گولڈ میڈل حاصل ہوں گے۔ ہندوستان کے تمام کھلاڑیوں نے منجملہ اچھا مظاہرہ کیا۔ کئی غیر ملکی صحافیوں نے اس پر حیرت اور تعجب کا اظہار کیا تو کئی ایک نے کہا کہ یہ سب اچانک نہیں ہوا۔ ہندوستانی حکومت نے اسپورٹس کی ترقی کیلئے کافی اقدامات کئے۔ اور مختلف مقابلوں کیلئے بین الاقوامی معیار کی تربیت کھلاڑیوں کو فراہم کی۔ اگرچہ ویٹ لفٹنگ اور کشتی کے مقابلوں میں میڈلس حاصل ہونے کی توقع تھی جیسا کہ ہندوستان نے پہلے بھی ان مقابلوں میں بہترین مظاہرے کیے تھے لیکن خواتین کی ویٹ لفٹنگ ہندوستان کے میڈلس میں اضافہ میں معاون ثابت ہوئی۔ ہندوستان کو 21 میڈلس ویٹ لفٹنگ میں حاصل ہوئے جس میں 11 گولڈ میڈل شامل ہیں۔

کنجارانی دیوی اور سانیچا چانو نے فی کس تین تین گولڈ میڈل حاصل کیے۔ اس سے ہندوستان میڈلس کے تختہ میں اچانک اوپر ہو گیا۔ سات رکنی کشتی کی ٹیم نے 3 گولڈ اور دو سلور میڈل حاصل کیے۔ اس نے ہندوستان کو آسٹریلیا اور انگلینڈ کے بعد تیسرے نمبر پر پہنچادیا اگرچہ کناڈا نے 114 میڈلس حاصل کیے لیکن ہندوستان سے اس کو ایک گولڈ میڈل کم حاصل ہوا۔ ہندوستان نے شوٹنگ کے مقابلوں میں رسائی حاصل کرلی۔ جی آر مینا کشی نے مالدیپ کی امانی رشید کو شکست دے دی۔ ایر پستول مقابلے میں شمریش جنگ کو سلور اور جسپال رانا کو برانز میڈل حاصل ہوا۔ ایر رائفل میں ابھینو بندرا دوسرے نمبر پر رہے۔

ساتویں دن ہندوستان کی خواتین ہاکی کی ٹیم نے فائنل میں داخلہ حاصل کر کے تاریخ بنائی۔ اس نے سیمی فائنل میں نیوزی لینڈ کو 1-2 سے سنسنی خیز شکست سے دوچار کردیا۔ شوٹنگ میں ہندوستان کی انجلی بھاگوت سمن شرور نے گولڈ اور برانز میڈل جیتا' مردوں کے ڈبل ڈراپ میں راج وردھن سنگھ راتھوڑ نے گولڈ میڈل جیتا۔ جب کہ سمریش جنگ کو 50 میٹر پستول کے مقابلے میں برانز میڈل حاصل ہوا' ویٹ لفٹنگ کے مقابلے میں ستیش رائے نے 77 کلو گرام کے زمرے میں 2 گولڈ اور ایک برانز میڈل جیتا۔ خواتین کے 63 کلو گرام کے زمرے میں پرتیا کماری نے دو گولڈ میڈل حاصل کیے۔ اس زمرے میں مگاراج نے دو سلور اور ایک برانز میڈل جیتے ہیں۔ اس طرح صرف ایک ویٹ لفٹنگ کے شعبے میں دس گولڈ میڈل حاصل ہوئے ہیں۔ باکسنگ کے مقابلے میں 57 کلو گرام کے فیدر ویٹ میں ہندوستان کے باکسر سوم بہادر پون فائنل میں داخل ہوگئے ہیں۔ انہوں نے سیمی

آسٹریلیااور انگلینڈ بری طرح شکست دی۔ ان کھیلوں میں اس کو14 گولڈ '7 سلور اور 3 برانز میڈلس حاصل ہوئے۔ شوٹرس نے کافی محنت کی اور جسپال رانا' انجلی وید پاٹھک بھاگوت نے فی کس چار چار گولڈ میڈل حاصل کیئے۔ پستول کوچ ٹبرو کولکوول جو گزشتہ دس سال سے ہندوستانی شوٹرس کے ساتھ کام کررہے ہیں کہا کہ ہندوستانی شوٹرس نے تربیت میں کافی محنت کی جس کا انہیں صلہ ملا۔ ہندوستانی شوٹروں کو ہر طرف سے ستائش حاصل ہوئی ہے۔ 23رکنی ٹیم نے 24 میڈلس حاصل کیئے۔ کشتی کی 13 رکنی ٹیم یا کہا جائے تو12 رکنی ٹیم کیونکہ کرشنن منڈا سے نے نشہ آور دوا استعمال کی تھی 30 میڈلس حاصل کیئے۔

ویمنس ہاکی ٹیم نے حسن صلاحیتوں کا اظہار کیا ہے اس کی جتنی ستائش کی جائے کم ہے۔ اس نے آسٹریلیا' انگلینڈ 'نیوزی لینڈ جیسی ٹیموں کو ہرلیا۔ ہندوستانی ہاکی ٹیم میں نوجوان اور تجربہ کار کھلاڑی تھے۔ ٹیم میں ڈسپلن کا بھی کافی دخل ہے۔ کوچ گردیال سنگھ بھالن نے ٹیم کو اچھی ٹریننگ دی ہے۔ ٹیم کو چار قومی ٹورنمنٹ اور تیسری ٹسٹ ورلڈ کپ کوالیفائنگ سیریز کیلئے جو کہ امریکہ کے خلاف کھیلی جائے گی، تربیت دی گئی ہے اس لئے ٹیم کے مظاہرے میں کافی بہتری نظر آتی ہے۔

باکسرس نے بھی کافی اچھا مظاہرہ کیا۔ محمد علی قمر نے انگلینڈ کے ڈارن لنگے کے خلاف فائنل راؤنڈ میں 5 پوائنٹ سے پیچھے رہتے ہوئے اچانک سبقت حاصل کرلی اور لائیٹ فلائی ویٹ کے فائنل میں گولڈ میڈل حاصل کرلیا۔ سوم بہادر پن نے سلور اور جتندر کمار نے برانز میڈل حاصل کرلیا۔ اس طرح باکسنگ کے شعبے میں ہندوستانی کھلاڑیوں کا اچھا مظاہرہ تھا۔

بیڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کی ٹیموں نے مایوس کیا۔ لیکن ان کے مظاہرے کو کمزور نہیں کہا جاسکتا۔ پی گوپی چند اور اپرنا پوپٹ جنھوں نے ماضی میں شاندار مظاہرہ پیش کیا تھا۔ امید ہے مستقبل میں بھی کریں گے۔ اپرنا نے دوسرے راونڈ میں ایک ٹاپ سیڈ کو ہرایا اور 14 رکنی بیڈمنٹن ٹیم میں واحد کھلاڑی رہیں جن کو میڈل حاصل ہوا۔ چیتن بیور اور کمپنی نے 10 رکنی ٹیبل ٹینس کی ٹیم میں 3 برانز میڈلس حاصل کیئے۔ 9 رکنی جوڈو کی ٹیم ایک سلور اور ایک برانز میڈل کے ساتھ واپس آگئی۔ اسکوائش کے کھلاڑی ریتوک نمبا چاریہ نے دوسرے راؤنڈ میں تیسرے نمبر کے کھلاڑی کو ہرلیا۔

اسی طرح ہندوستان کے 110 کھلاڑیوں نے 72 میڈلس حاصل کیئے۔ کوئی بات نہیں ان کے ساتھ جانے والے افسران کی تعداد ان سے زیادہ رہی ہو۔ 100 کروڑ کی آبادی رکھنے والے ملک کیلئے ایسے کھلاڑی تیار کرنا ضروری ہے۔ اگرچہ ایتھیلیٹکس میں نیلم جے سنگھ اور انجو بابو نے ایک سلور اور ایک برانز میڈل ویمنس ڈسکس اور لانگ جمپ میں حاصل کیا۔ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس میدان میں بہترین کھلاڑی تیار کرنے کی ضرورت ہے۔ کئی کھلاڑی ابتدائی مرحلوں میں ہی میدان سے باہر ہوگئے۔ اگر کھلاڑی اور کوچس کی ہمت افزائی کی جائے تو اچھے نتائج برآمد ہوسکتے ہیں۔ ہندوستانی کھلاڑیوں نے منجملہ کافی محنت کی۔ اس سے قبل کھلاڑیوں نے ایسا مظاہرہ نہیں تھا۔ مرکزی حکومت نے ان کھلاڑیوں کیلئے انعامات کا اعلان کیا تھا۔ گولڈ میڈل کیلئے 5 لاکھ سے 10 لاکھ روپئے نقد کے اعلان نے کافی اثر دکھایا۔ نتیجہ ہمارے سامنے ہے۔

اسپورٹس پرسنس کو اب اپنے نشانوں پر توجہ مرکوز کرنا چاہئے۔ غیر ملکی صحافیوں نے جسپال رانا' انجلی وید پرکاش کی کافی ستائش کی اور انگلش شوٹرس کے ساتھ ان کا تقابل کیا۔ کھلاڑیوں کی واپسی پر مرکزی وزیر اسپورٹس اوما بھارتی نے گولڈ میڈل جیتنے والے ہر کھلاڑی کو 20 لاکھ روپئے نقد دینے کا اعلان کیا۔ اوما بھارتی نے بتایا کہ سلور میڈل جیتنے والے کھلاڑی کو 15 لاکھ اور برانز میڈل جیتنے والے کو 10 لاکھ روپئے کا انعام دیا جائے گا۔ ٹیم کو گولڈ میڈل جیتنے پر منجملہ 30 لاکھ روپئے دئے جائیں گے۔ اوما بھارتی نے بتایا کہ 29 میڈلس ان کھلاڑیوں نے جیتے ہیں جن کو اسپورٹس اتھاریٹی آف انڈیا نے تربیت دی تھی۔ جب کہ چند کھیلوں کیلئے غیر ملکی کوچس کی تربیت حاصل کی گئی تھی۔ اس وقت مختلف کھیلوں کیلئے 42 غیر ملکی کوچس خدمات انجام دے رہے ہیں اور کھلاڑیوں کو بہتر سے بہتر تربیت دے رہے ہیں۔ اوما بھارتی نے کھلاڑیوں کی ستائش کرتے ہوئے کہا کہ دولت مشترکہ کے کھیلوں میں 72 ممالک نے حصہ لیا جن میں کئی ممالک ہم سے بہتر کھلاڑی رکھتے تھے اس کے باوجود ہم کو تیسرا مقام حاصل ہوا جو کھلاڑیوں کی بہتر کارکردگی کا واضح ثبوت ہے۔

ٹیم	گولڈ	سلور	برانز	جملہ
آسٹریلیا	82	62	62	206
انگلینڈ	54	51	60	165
ہندوستان	32	21	19	72
کینیڈا	31	41	42	114
نیوزی لینڈ	11	13	21	45
ساؤتھ افریقہ	9	20	17	46
کیمرون	9	1	2	12
ملائشیا	7	9	18	34
اسکاٹ لینڈ	6	8	16	30
نائجیریا	5	4	11	20
ویلس	4	15	12	31
کینیا	4	8	4	16
جمائیکا	4	6	7	17
سنگاپور	4	2	7	13
بہماس	4	0	4	8
ناورو	2	3	10	15
نارتھن آئرلینڈ	2	2	1	5
سائپرس	2	1	1	4
پاکستان	1	3	3	7
فیجی	1	1	1	3
زامبیا	1	1	1	3
زمبابوے	1	1	0	2
نمیبیا	1	0	4	5
تنزانیہ	1	0	1	2
بنگلہ دیش	1	0	0	1
گویانا	1	0	0	1
موزمبیق	1	0	0	1
سینٹ کیٹس	1	0	0	1
بوتسوانا	0	2	1	3
یوگانڈا	0	2	0	2
سموا	0	1	2	3
ٹباگو	0	1	0	1
باربدوس	0	0	1	1
سیمن آئرلینڈ	0	0	1	1
گھانا	0	0	1	1
لیسوتھو	0	0	1	1
مالٹا	0	0	1	1
ماریشس	0	0	1	1
سینٹ لوسیا	0	0	1	1

باکسنگ کی دنیا کا ایک نیا قمر

محمد علی قمر نے 2002ء کے دولت مشترکہ کھیلوں میں باکسنگ کے زمرہ میں ہندوستان کو گولڈ میڈل دلا کر وہ کر دکھایا جو ایک ارب ہندوستانی نہیں کر سکے۔ جنوب مغربی کولکتہ کی ایک گنجان آباد بستی میں رہنے والے محمد علی قمر نے پہلے تو اپنے شدید افلاس پر فتح حاصل کی اور پھر دولت مشترکہ کھیلوں میں ایک انگریز کو ہرا کر مکہ بازی میں طلائی تمغہ حاصل کرنے والا پہلا "ہندوستانی" بنا۔ اس تاریخی موقع کا جشن اس طرح منایا گیا جیسے 48 کلوگرام زمرہ میں ڈیرن لینگلی پر اس کی فتح تھی۔ تنگ و تاریک نواب علی لین' جہاں محمد علی قمر اپنے 6 بھائیوں اور ایک بہن کے ساتھ پلا بڑھا راتوں رات کشش کا مرکز بن گیا ہے۔ خیر اندیشوں' دوستوں' وزیروں اور سیاست دانوں اور شہو کے میئر کی جانب سے مبارکباد کے پیامات کے درمیان قمر کی بیوہ ماں کو بس یہ انتظار ہے کہ وہ کب اپنے چھٹے بیٹے کو دیکھے گی' اسے کچھ اندازہ نہیں کہ اس کے بیٹے نے مانچسٹر میں کتنا بڑا کارنامہ انجام دیا ہے لیکن اسے خوشی ہے کہ ایسٹرن ریلوے نے اس کے بیٹے کو گریڈ تھری افسر کی ملازمت دے دی ہے۔ شہر کے میئر سوبرتو مکھرجی نے کہا کہ کولکتہ میونسپل کارپوریشن محمد علی قمر کی عزت افزائی کرے گی جس نے نہ صرف اس شہر کا بلکہ سارے ملک کا نام روشن کیا ہے۔ محمد علی نے 1994ء میں اس وقت شہرت حاصل کی جب اس سے پہلے اس کے گرو چینا اور اشت کندو نے اس کے ہنر کو جلا دی۔ محمد علی قمر سخت ڈسپلن کا پابند ہے اور متعدد مصروفیات کے باوجود باقاعدگی سے عبادت کرتا ہے۔ علی کے ایک عزیز معراج الدین نے' جو خود بھی ایسٹرن ریلوے کے ملازم اور سابق مکہ باز ہیں' کہا کہ وہ علی کی واپسی پر اسے سینہ سے لگانے کیلئے بے تاب ہیں۔ انہوں نے کہا کہ جب علی نے کھٹمنڈو کے سیف کھیلوں میں اپنا پہلا بین الاقوامی مقابلہ جیتا تو اس بات پر کوئی خاص توجہ نہیں دی گئی۔ اب اس نے ایک "انگریز" کو اس کے ہی ملک میں پیٹ دیا تو اہل وطن نے جانا کہ وہ کوئی معمولی مکہ باز نہیں ہے۔

لیکن ایسا لگتا ہے کہ دولت مشترکہ کھیلوں میں مکہ بازی کے 48 کلوگرام کے زمرہ میں طلائی تمغہ حاصل کرنے والے محمد علی قمر اپنے دل میں کچھ خلش رکھتے ہیں انہوں نے ایک انٹرویو میں ریاستی حکومت بنگال اولمپک اسوسی ایشن اور اسٹیٹ باکسنگ اسوسی ایشن پر شدید نکتہ چینی کرتے ہوئے ان پر بے پروائی اور بنیادی سہولیات نہ مہیا کرنے کا الزام لگایا ہے۔ قمر نے کہا کہ اسے مذکورہ بالا اداروں سے کوئی مدد نہیں ملی۔ انہوں نے بہر حال کہا کہ اس فتح نے حالات بدل دیئے ہیں۔ اب مدد کی یقین دہانیاں اور وعدے کیے گئے ہیں۔ حوصلہ افزائی کیلئے قمر کو سالٹ لیک یا راجر ہارٹ میں زمین کی پیشکش کی گئی ہے اور جس رنگ میں وہ پریکٹس کرتا تھا وہ اس سے موسوم کیا جائے گا۔ قمر نے کہا کہ پچھلے سال میں عالمی باکسنگ چمپین شپ کیلئے امریکہ گیا تھا۔ میں پری کوارٹر میں ہار گیا تھا لیکن اپنے زمرہ میں دنیا کا پانچویں نمبر کا مکہ باز ہوں۔ لیکن اس کے باوجود ریاستی سرکار سے مجھے کوئی مالی امداد نہیں ملی۔ طلائی تمغہ جیتنا ہی سب کچھ نہیں۔ اس نے امید ظاہر کی کہ اس کی فتح اب دوسرے مکہ بازوں کی راہ آسان کر دے گی۔ محمد علی قمر نے کہا کہ بنگال اولمپک اسوسی ایشن یا ریاستی باکسنگ اسوسی ایشن نے ایک جوڑی دستانے تک نہیں دیئے۔ مجھے اپنا انتظام خود کرنا پڑا۔ امیت بنرجی نے میری بہت حوصلہ افزائی کی پھر بھی ریاستی باکسنگ اسوسی ایشن نے میری کوئی مدد نہیں کی۔ میرے کلب خضر پور اسکول آف فزیکل کلچر نے اپنی بساط بھر میری سرپرستی کی۔ انڈین امیچور باکسنگ فیڈریشن کے نائب صدر امیت بنرجی نے بھی ریاست کے مکہ بازوں کی مدد میں بنگال اولمپک اسوسی ایشن کی ناکامی کی بات کہی۔ انہوں نے کہا کہ کولکتہ میں پانچ چھ رنگس ہیں۔ یہاں مکہ بازوں کو شروع سے ہی سمنٹ کے فرش پر مشق کرنی پڑتی ہے اس سے ان کا فٹ ورک خراب ہو جاتا ہے۔ سبھی اہم مقابلہ چوبی فرش پر ہوتے ہیں لہذا ہمارا پہلا کام چوبی فرش حاصل کرنا ہونا چاہیئے۔

محمد بن عبداللہ رفاعی

دولت مشترکہ کھیلوں کا رنگارنگ اختتام

مانچسٹر میں ہونے والے سترہویں دولت مشترکہ کھیلوں میں پاکستان نے سات تمغے حاصل کئے اور انیسویں نمبر پر رہا۔ انیس سو اٹھانوے میں پاکستان صرف ایک چاندی کے تمغے کے ساتھ اکتیسویں نمبر پر تھا۔ ہندوستان اس سے قبل ہونے والے دولت مشترکہ کھیلوں کے سولہ مقابلوں میں ستاون سونے کے تمغے حاصل کئے تھے۔ ہندوستان کی طرف سے اس کے نشانہ باز سونے کے سولہ تمغوں کے ساتھ سرفہرست رہے۔ پاکستان کی بارہ سالہ پیراک کرن خان کو دولت مشترکہ کھیلوں میں سب سے کم عمر خاتون پیراک کا اعزاز حاصل ہوا۔ انہوں نے اپنی کارکردگی سے لوگوں کو متاثر کیا۔ پاکستان کو اپنی خواتین پیراکوں کی وجہ سے بہت شہرت ملی جبکہ پاکستان کے مرد پیراک عابد حسین مقابلوں کے پہلے روز غائب ہوگئے اور ملک کیلئے بدنامی کا باعث بنے۔ پاکستان کیلئے سونے کا واحد تمغہ کوئٹہ کے باکسر حیدر علی نے فائنل مقابلے میں ہندوستان کے پون سنگھ کو ہرا کر حاصل کیا۔ انہتر کلو ویٹ لفٹنگ مقابلوں میں پاکستان کے عرفان محمد نے چاندی کے تین تمغے حاصل کئے۔ تاہم پاکستانی شائقین کو سب سے زیادہ مایوسی ہاکی ٹیم کی کارکردگی سے ہوئی ہوگی جو سیمی فائنل میں نیوزی لینڈ سے سات کے مقابلے میں ایک گول سے ہاری۔ پاکستان نے ہاکی میں جنوبی افریقہ کو دس کے مقابلے میں دو گول سے ہرا کر کانسی کا تمغہ حاصل کیا۔ برطانیہ کی مہارانی الزبتھ نے اسٹیڈیم میں موجود 38 ہزار افراد کے سامنے ان کھیلوں کے اختتام کا اعلان کیا۔ سترہ کھیلوں کے اس میلے میں 72 ملکوں کے اتھلیٹوں نے شرکت کی جن میں سے بیشتر برطانیہ کے سابق نوآبادیات ہیں۔ مہارانی نے کہا کہ "کھلاڑی دوستی اور اخوت کے جذبے کا مظاہرہ کریں تاکہ انسانیت کی بھلائی اور دنیا میں امن کیلئے ملکوں کے ہمارے خاندان کے جذبات کو جوش و خروش، حوصلہ اور اعزاز کے ساتھ آگے بڑھایا جاسکے"۔ موج مستی کیلئے مشہور اس شہر میں افتتاحی تقریب کی طرح ہی دولت مشترکہ کے کھیلوں کی اختتامی تقریب بھی رقص و نغمگیت کے قوس و قزح کی رنگ میں ڈوبی رہی۔ بیشتر کھیلوں کے چلچلاتی ہوئی دھوپ میں اختتام پذیر ہونے کے بعد رم جھم بارش نے اختتامی تقریب کو اور بھی رنگین بنادیا۔ اس تقریب میں برطانیہ کے وزیراعظم ٹونی بلیر بھی موجود تھے۔ ملک کی مہارانی اور دولت مشترکہ کی سربراہ کی یہ راج گدی سنبھالنے کی گولڈن جوبلی سال ہے اور اس تقریب کا بیشتر حصہ انہیں سے منسوب تھا۔ خصوصی اعزاز یافتہ جنوبی افریقہ کی معذور تیراک نتالی ڈیوٹائٹ سمیت 9 طلائی تمغے جیتنے والوں نے اس تقریب میں مہارانی کا خیر مقدم کیا۔ مہارانی کی آئل پینٹنگ کی نقاب کشائی سے قبل لال نیلے اور سفید رنگوں کے کپڑوں میں ملبوس سینکڑوں بچوں نے اسٹیڈیم میں برطانیہ کا جھنڈا بنایا۔ ناظرین کو سب سے زیادہ لطف برطانیہ کے مشہور رقاص موریس مائز کاریس کے بیلے میں آیا۔ اس کے بعد مختلف پاپ گروپوں نے موسیقی اور رقص کے دلکش پروگرام پیش کئے۔ برساتی پہن کر اسٹیڈیم میں آئے اتھلیٹ بھی رنگین کاغذوں کے چھوٹے چھوٹے ٹکروں کی برسات میں رقص اور گیت کے پروگراموں میں شریک ہوگئے۔ اس سے قبل اپنے ملکوں کی نمائندگی کیلئے منتخب شدہ تقریباً 340 اتھلیٹوں نے اپنے قومی جھنڈوں کے ساتھ پریڈ کی۔ آسٹریلیا کا قومی جھنڈا دولت مشترکہ کے کھیلوں کے 72 سال کی تاریخ کے سب سے کامیاب مرد ایان تھورپ کے کندھوں پر تھا۔ تھورپ نے ان کھیلوں میں تیراکی کے چھ طلائی تمغے جیتے۔ اسے 1996ء میں کوالالمپور میں منعقدہ دولت مشترکہ کے کھیلوں میں بھی چار طلائی تمغے ملے تھے۔ اس تقریب میں سال 2006ء میں دولت مشترکہ کے کھیلوں کے میزبان آسٹریلیا کے گلوکار اور رقاص بھی شامل تھے۔ ڈیوٹائٹ کو ان کھیلوں کے ممتاز اتھلیٹ کے اعزاز سے سرفراز کیا گیا۔ 18 برس کی ڈیوٹائٹ نے گزشتہ برس ایک موٹر سائیکل حادثہ میں اپنے بائیں پیر کا ایک حصہ گنوادیا تھا۔ اس نے اسٹائل مقابلے کا طلائی تمغہ جیت لیا۔ لیکن ڈیوٹائٹ کو سب سے زیادہ خوشی 800 میٹر کے فائنل میں پہنچ کر ہوئی کیونکہ یہ مقابلے سبھی تیراکوں کیلئے کھلے تھے۔ مانچسٹر 6 سال پہلے آئرش ری پبلکن آرمی کے ہاتھوں کرائے گئے بم دھماکوں میں بری طرح تباہ ہوگیا لیکن اس نے اس صدمے پر قابو پاتے ہوئے ان کھیلوں کے دوران جس زندہ دلی کا مظاہرہ کیا وہ بے مثال ہے۔ اولمپک کی میزبانی حاصل کرنے میں ناکام رہنے والے برطانیہ نے دولت مشترکہ کے کھیلوں کے کامیاب انعقاد سے ثابت کردیا کہ وہ اس طرح کا انعقاد بخوبی کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔ سال 2012ء کے اولمپک کھیلوں کی میزبانی کا فیصلہ 2005ء میں کیا جانا ہے اور اس کیلئے لندن میزبانی کا اپنا دعویٰ پیش کرنے پر غور کررہا ہے۔ بین الاقوامی اولمپک کمیٹی کے صدر جیکس راگ نے کہا کہ دولت مشترکہ کے یہ کھیل ہر لحاظ سے پوری طرح کامیاب رہے ہیں۔

سید شہاب افروز علوی

مریخ تک جلد رسائی کی توقع

مریخ ہمارے نظام شمسی کا ایک ایسا سیارہ ہے جو گزشتہ ایک صدی سے زائد عرصہ سے ماہرین فلکیات کی توجہ کا مرکز بنا ہوا ہے۔ اس کی ایک اہم وجہ یہ ہے کہ یہ سورج سے اتنے فاصلے پر ہے جہاں زندگی پروان چڑھ سکتی ہے۔ ہماری دنیا اور یہ سرخ سیارہ دونوں نظام شمسی کے منطقہ حیات میں واقع ہیں۔ 1877ء میں اٹلی کے ماہر فلکیات گیوانی شائی پریلی نے اپنی دوربین کی مدد سے مریخ کے مشاہدے کے دوران اس سیارے کی سطح پر نہروں کو دیکھا۔ اس کے ایک سال بعد اس سیارے سے متعلق دلچسپ اور پراسرار کہانیوں کا سلسلہ شروع ہوا۔ ایچ جی ویلز کی "دی وار آف دی ورلڈ" اور دوسری بہت سی کہانیاں جنہیں ہم سائنس فکشن کا ابتدائیہ قرار دے سکتے ہیں، اس سیارے میں لوگوں کی بڑھتی ہوئی دلچسپی کا نتیجہ تھیں۔ ماہرین فلکیات کے ساتھ عام لوگوں کی دلچسپی بھی مریخ کے ساتھ کم نہیں ہے۔ یہ سیارہ خاصے عرصے تک سرخی مائل روشنی کے ساتھ نظر آتا ہے لیکن ہر دو سال بعد اس کا چہرہ کچھ زیادہ روشن ہوجاتا ہے۔ گزشتہ سال ماہ جون میں یہ اپنی اس جسامت سے جو 1988ء سے نظر آرہی تھی، زیادہ بڑا اور روشن دکھائی دیا۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ یہ سورج کے دوسری جانب تھا۔ اس لئے تمام شب قندیل فلک بنا رہا۔ جب اس کا رخ اس طرح سیدھا ہو کہ مریخ سورج کے ایک جانب اور ارض دوسری جانب ہو تو ایسی صورت پیدا ہوسکتی ہے۔ گیوانی کے مشاہدے کے تقریباً نوے سال بعد تک مریخ کے بارے میں نت نئے افسانے بنائے جاتے رہے۔ بعض کا خیال تھا کہ جو بھی مخلوق وہاں آباد ہے، اپنے ختم ہوتے ہوئے آبی وسائل کی کمی کو پورا کرنے کے لئے نہروں کی کھدائی میں مشغول ہے۔ کچھ لوگ یہ سوچنے لگے کہ اہل مریخ ارض کے آبی وسائل پر قابض ہونے کے لئے حملے کی تیاری کر رہے ہیں۔ اس کے علاوہ اس سیارے کے قطبین پر موجود برف، جس کا حلقہ ایک موسم میں زیادہ اور دوسرے میں کم ہوجاتا ہے، ماہرین کے نزدیک ایک معمہ تھی، خصوصاً جنوبی کرے میں ایک بڑے خطے پر موسم گرما میں نیلاہٹ مائل سبز حصے کے بڑھنے اور موسم سرما میں سکڑنے سے قدرتی طور پر یہ خیال ذہن میں آتا تھا کہ شاید یہ نباتات کے موسمی گھٹاؤ اور بڑھاؤ کا نتیجہ ہے۔

اکثر سائینس دانوں کا خیال تھا کہ یہ نہریں فریب نظر سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتیں۔ جرمن ماہر فلکیات "کیسی مرے گریف" کا استدلال تھا کہ نہریں اتنی باریک ہوتی ہیں کہ اتنی دور سے نظر نہیں آسکتیں۔ واضح رہے کہ ہمارے سیارے ارض سے، مریخ کا وہ فاصلہ جب وہ زمین سے بہت زیادہ قریب ہوتا ہے، کم سے کم 59 ملین کلو میٹر ہوتا ہے۔ ایسی صورت میں رنگوں کی سالانہ تبدیلی بھی نظر کا دھوکا ثابت ہوسکتی ہے۔

1960ء کے عشرے کے دوران خلائی تحقیق کا اصل دور شروع ہوا۔ مریخ کے سلسلہ میں پہلا امریکی کامیاب مشن خلائی جہاز میرینر 4 کا تھا۔ 15 جولائی 1965ء کو یہ مریخ سے تقریباً چھ ہزار ایک سو اٹھارہ میل کی دوری سے گزرا اور اس سیارے کے جنوبی کرے کے دھند میں ڈھکے خطوں کی تقریباً 22 تصاویر اپنے زمینی اسٹیشن کو روانہ کیں۔ ان تصاویر کو دیکھ کر ان لوگوں کی توقعات اور امیدوں کو سخت دھکا لگا جو اس سیارے میں کسی مخلوق کے ملنے کے خواہاں تھے۔ مریخ بھی چاند کی طرح گڑھوں یا کریٹرز سے داغ دار سرزمین ثابت ہوا۔ اس کا کرہ باد بے حد لطیف اور ماحول اس سطح سے بہت زیادہ خشک نکلا جتنا ماہرین اندازہ کر رہے تھے۔ جن نہروں کی موجودگی کی بات کی جاتی تھی، وہ محض فریب نظر ثابت ہوئیں۔

یہ دریافت اس سیارے کے بارے میں جاری تحقیق کو ختم نہیں کرسکی۔ تقریباً چار سال بعد جب اپالو۔II کے خلانورد چاند کی سطح پر چہل قدمی کر رہے تھے، اس کے تین ہفتے کے اندر دو مزید امریکی خلائی جہاز میرینر۔ 6 اور 7 مریخ کے نزدیک پہنچ گئے اور انہوں نے بھی اس سیارے کے جنوبی کرے کے دھندلے خطے کی تقریباً دو سو تصاویر روانہ کیں، جنہوں نے سابقہ میرینر۔ 4 کی فراہم کردہ معلومات کی تصدیق کی۔ ظاہر ہیکہ ایسے حقائق کی روشنی میں یہی نتیجہ نکالا جاسکتا تھا کہ مریخ چاند کی مانند ایک مردہ سرزمین ہے جہاں کسی دور میں کسی ذی فہم مخلوق کی نمو اور افزائش سرے سے ممکن ہی نہیں تھی لیکن مریخ کے مکمل جائزے سے قبل ایسے کسی نظریہ کو حرف آخر نہیں قرار دیا جاسکتا تھا۔ اس وقت تک مریخ کے جنوبی کرے کے صرف دس فیصد حصے کی تصاویر لی گئی تھیں۔ شاید اسی لئے مریخ کی مکمل سطح کے جائزے کے لئے امریکہ نے 30 مئی 1971ء کو میرینر۔ 9 روانہ کیا جو اس سیارے کا پہلا مصنوعی سیارچہ یا سٹیلائیٹ بن گیا۔ فرق یہ تھا کہ سیٹیلائیٹ مریخ کی کسی مخلوق کا نہیں بلکہ اہل ارض کی کاوشوں کا ثمر تھا۔

جب میرینر۔ 9 مریخ کی جانب اپنی ساڑھے پانچ ماہ پر مشتمل مسافت طے کر رہا تھا تو زمین سے منسلک دوربینیں سیارے کے جنوبی خطے میں ایسے بادلوں کو اٹھتا دیکھ رہی تھیں جنہیں سائنس دانوں نے زرد بادلوں کا نام دیا تھا۔ (یہ بادل پیلا فلٹر لگانے سے واضح نظر آتے ہیں) جلد ہی یہ بادل سرخ سیارے کے گرد پھیل گئے۔ میرینر۔ 9، 14 نومبر 1971ء کو مریخ کے دائرہ کشش میں پہنچ گیا، مزید معلومات حاصل ہونے کے بعد یہ بات واضح ہوگئی کہ یہ بادل حقیقتاً گرد آلود طوفان ہیں جو پورے سیارے کو ڈھک لیتے ہیں اور اس طرح سیارے کے حقیقی خدوخال واضح نہیں ہوتے۔ چنانچہ ایندھن بچانے، طوفان کے تھم جانے اور مطلع صاف ہوجانے تک میرینر۔ 9 کے کام کو وقتی طور پر روک دیا گیا۔ ڈسمبر کے وسط تک گرد خاصی حد تک چھٹ گئی

اور سیٹیلائیٹ نے تصاویر اتارنا شروع کردیں۔ مریخ کی سطح پر موجود سب سے زیادہ حیرت زدہ کرنے والی سطحی شکل جو سامنے آئی، وہ اس کے عظیم آتش فشاں پہاڑ تھے۔ جن میں سب سے زیادہ بلند "اولمپس ہونس" تھا جس کی اونچائی تقریباً سترہ میل تھی۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ مریخ کے پہاڑ کسی زمانے میں مشتری کے سیٹیلائیٹ آئی او کی طرح تھے جس کے آٹھ آتش فشاں خصوصاً "لوکی اور پرومیتھیس دو سو کلو میٹر کی بلندی تک لاوا اگلتے ہیں، یہ بھی کسی طرح کم نہیں تھے۔"

دوسری حیران کن چیز مریخ کی وہ طویل گہری وادی ہے جسے ماہرین نے "ویلس میرینرز" کا نام دیا ہے۔ اس کی لمبائی تقریباً 2500 میل اور چوڑائی تقریباً 400 میل ہے۔ گرینڈ کینیئن آف کولوریڈو اس عظیم کھائی کے مقابلے میں ایک تنگ نالی معلوم ہوتی ہے۔ اگر یہ کھائی ارض پر ہوتی تو پورا امریکہ اس میں سما جاتا۔ اصل میں یہ ہی وہ وادی تھی جسے گیوانی نے نہر سمجھا تھا لیکن گیوانی کا مشاہدہ غلط نہیں تھا۔ مریخ میں ایسی بہت سی وادیاں موجود ہیں جن سے اس خیال کو تقویت حاصل ہوتی ہے کہ عین ممکن ہیکہ کسی زمانہ میں اس سیارے میں بھی نیل، آمیزن، والگا، برہم پترا اور یانگ زی جیسے دریا بہتے ہوں۔ ان وادیوں کے عمل تراش خراش کی باقیات آب رواں کی کارروائیوں کا نتیجہ معلوم ہوتی ہیں۔ تیسری سب سے اہم بات جو میرینر۔ 9 کے ذریعہ معلوم ہوئی وہ یہ تھی کہ اس سیارے کا شمالی کرہ زیادہ ہموار ہے اور بہت کم گڑھے ہیں۔ یہ کرہ جنوبی کرے کے مقابلے میں نشیبی ہے۔ زیادہ گڑھے جنوبی کرے میں موجود ہیں۔ بہت سے ماہرین کا یہ خیال ہیکہ شاید مریخ کا شمالی کرہ قدیم ادوار میں زیر بحث تھا۔ اگر ایسا تھا تو مریخ صرف بڑے دریاؤں ہی کی نہیں، لہراتے اور بل کھاتے سمندروں کی بھی سرزمین تھی۔

حاصل ہونے والی معلومات نے سائنس دانوں کی مریخ میں دلچسپی اور بڑھادی۔ مشہور ماہر فلکیات کارل ساگن نے اپنی شہرہ آفاق تصنیف "مارس اینڈ دی مائنڈ آف مین" میں بھرپور انداز میں اس خیال کی تائید کی۔ اس کے مطابق ہوسکتا ہیکہ کسی زمانے میں مریخ میں ایسے خطے موجود ہوں جہاں خوردبینی حیات کی نشانیاں اس سے کہیں زیادہ ہوں، جتنی ماہرین توقع کررہے ہیں۔" اس زندگی کے ثبوت کی تلاش کے لئے امریکہ نے ایک اور تحقیقی پرواز "وائی کنگ" کو مریخ کے سفر پر روانہ کیا۔ وائی کنگ کے ہم راہ سطح پر اترنے کے لئے دو لینڈر اور مریخ کے گرد گردش کرنے والے دو سیٹیلائیٹ بھی شامل تھے۔ ہر لینڈر میں ایک ٹیلی ویژن کیمرا نصب تھا اور ساتھ ہی ایک روبوٹ ہاتھ بھی موجود تھا تاکہ سطح کی مٹی میں اگر حیاتی اجزاء شامل ہیں تو تجزیئے سے ان کا پتا چل سکے۔ سیٹیلائیٹ، سطح کی تصویر کشی کرتے رہے۔ اگرچہ کسی جگہ بھی حیاتی مواد کی موجودگی نہیں ثابت ہوسکی تاہم بعض جگہ کاربن کی آمیزش کا سراغ ملا۔ اس لئے بہت سے ماہرین نے عہد گزشتہ میں اس سیارے پر خورد بینی حیات کی موجودگی کے امکان کو رد نہیں کیا۔

وائی کنگ کے بعد تقریباً سترہ سال تک کوئی تحقیقی مشن نہیں بھیجا گیا اور اس سلسلہ میں جیسا جوش و خروش ماہرین میں پایا جاتا وہ بڑی حد تک ٹھنڈا ہوگیا لیکن 1992ء میں ایک بار پھر ایک اور خلائی تحقیقی پرواز اس آفاقی مشن پر روانہ ہوئی۔ اس پرواز کا نام "مارس آبزرور" تھا۔ بہت سے ماہرین وائی کنگ کے مریخی سطح کے تجزیہ سے مطمئن نہیں تھے۔ اس مشن کی تیاری پر تقریباً ایک ارب ڈالر صرف ہوئے لیکن اس کے مریخ کے حلقے میں داخل ہونے سے صرف تین منٹ قبل زمین سے اس کا رابطہ مکمل طور پر ختم ہوگیا۔ اس سے ذرا ہی دیر قبل تمام آلات اطمینان بخش طور پر کام کررہے تھے۔ تمام تر تحقیقات کے باوجود کوئی قابل قبول وجہ ابھی تک سامنے نہیں آئی۔ یہ ناسا کی تاریخ کا سب سے بڑا سانحہ تھا۔ اتنی بڑی ناکامی کے باوجود مریخی کارواں رواں دواں ہے۔ 99 ۔ 1997ء کے دوران ناسا نے چار مشن مارس پاتھ فائنڈر، مارس گلوبل سرویر، مارس پولر لینڈر، مارس کلائیمیٹ آربیٹر مریخ کی سمت روانہ کئے۔ اگرچہ ان میں سے بھی دو مشن ناکام ہوئے لیکن ان سے بہت اہم معلومات حاصل ہوئیں۔

قطب جنوبی کے علاقے سے 1996ء میں ملنے والے مریخی شہابیئے کے ایک ٹکڑے میں موجود ایک مائیکروب کے رکاز نے مریخی مشن کو مزید تقویت عطا کی۔ چونکہ سابقہ مختلف مشن کے ذریعہ ناسا کو خاصی معلومات حاصل ہوچکی تھیں۔ اس لئے سیاحت نظام شمسی کی ایک نئی مہم "مارس 2001ء اوڈائی" 24 اکتوبر کو روانہ کی گئی، جو مہمات اس مشن کو سر کرنا ہیں، ان کی فہرست خاصی طویل ہے۔ اس میں قطبین سے پورے سیارے کا جائزہ ارض اور اس کے معدنی وسائل کا مطالبہ اور دوسرے متعلقہ امور کے بارے میں تحقیق اور خصوصی آلات کا استعمال وغیرہ شامل ہیں۔ یہ تمام کام تقریباً ڈھائی سال کے عرصے میں مکمل ہوگا، جس سے حاصل ہونے والی معلومات کی روشنی میں آئندہ کے لائحہ عمل کا تعین کیا جائے گا۔

2003ء میں ناسا مریخ کی سطح پر مزید روور اتارے گا جو نوے دن تک 30 فٹ یومیہ کی رفتار سے سطح کا دورہ کریں گے۔ ان کے ساتھ روبوٹ ہاتھ اور دوسرے آلات بھی ہوں گے جو ارضیاتی تحقیقی کام انجام دیں گے۔ نیز مختلف زاویوں اور فلٹر سے تصویر کشی بھی کی جائے گی۔

مریخ کی تحقیق کے سلسلہ میں ناسا کا پروگرام یکے بعد دیگرے مختلف مشن پر مشتمل ہے۔ 2007ء میں اس کی سطح پر لینڈرز اتارے جائیں گے جو لینڈنگ کے لئے محفوظ مقامات کا تعین کریں گے۔ اس سے دو سال قبل یعنی 2005ء میں ایک بار پھر سیٹیلائیٹ سے بڑے اسکیل پر زیادہ واضح فوٹوگرافی کی جائے گی۔ 2011ء میں دنیا کے دوسرے خلائی اداروں سے معلومات کا تبادلہ ہوگا اور پھر باہم مشورے اور اشتراک سے انسان کو مریخ کی سطح پر اتارنے کی تیاری شروع ہوگی۔ عین ممکن ہیکہ اس صدی کے وسط تک انسانی قدم مریخ کی سطح کو چھولیں۔ اگر ایسا ہوا تو یہ انسان کے ایک اور خواب کی حسین تعبیر ہوگی۔

☆☆☆☆☆

برطانیہ کے نسلی فسادات: یہ قضیہ 150 برس سے چلا آرہا ہے

برطانیہ کی سفید فام آبادی کی اکثریت کو برسوں سے یہ شکایت ہے کہ تارکین وطن نے ان کے لئے بہت سے سماجی اور اقتصادی مسائل کھڑے کردیئے ہیں اور مقامی آبادی کو وہ سہولتیں اور مراعات نہیں مل رہیں، جن کی وہ حقیقی معنوں میں حقدار ہے۔ اب مقامی آبادی اپنی تعلیم سمیت مراعات سے محرومی کا ذکر بھی کرنے لگی ہے۔ تارکین وطن کی اکثریت کا تعلق زیادہ تر ان ممالک سے ہے جو کبھی تاج برطانیہ کا حصہ تھے۔ تاج برطانیہ جس خطے کو سونے کی چڑیا کہا کرتے تھے اور وہاں کے لئے وسائل سمیٹتے تھے اور ان ممالک کے وسائل کو اپنی اقتصادی ترقی کیلئے استعمال کیا کرتے تھے، تارکین وطن اسی خطے سے تعلق رکھتے ہیں۔

یہ باشندے 1950ء کی دہائی میں برطانیہ میں آباد ہوئے تھے ہر حکومت نسل پرستوں کے اس مطالبے کو رد کرتی رہی ہے اور ہر حکومت اس مطالبے سے بہت بلند ہو کر قومی وقار اور انسانی حقوق کے حوالے سے سوچتی ہے۔ برطانیہ کی کسی حکومت نے نسلی امتیاز کی کبھی حوصلہ افزائی نہیں کی اور سفید فام انتہا پسندوں کو امن اور رواداری کی تلقین کی ہے۔ دوسری طرف تارکین وطن جو تقریبا تیس چالیس سال سے برطانیہ میں رہ رہے ہیں وہ بھی برطانیہ سے اسی طرح محبت کرتے ہیں جس طرح مقامی آبادی کرتی ہے بلکہ مقامی باشندوں سے بھی زیادہ محبت کرتے ہیں، کیوں کہ اب ان کا اصل گھر یہی ہے اور یہاں رہتے ہوئے ان کی دوسری بلکہ تیسری نسل بھی جوان ہوگئی ہے جو وہاں کے مقامی لوگوں کے ساتھ گھل مل کر رہنا چاہتی ہے۔ نسل پرست انگریزوں کو سب سے بڑا اعتراض یہ ہے کہ نصف صدی گزارنے کے باوجود تارکین وطن نے ان کی ثقافت کو نہیں اپنایا۔ ان کی اسی شکایت کی وجہ سے چند ماہ پہلے شروع ہونے والے فسادات کا سلسلہ وقفہ وقفہ سے جاری ہے۔ اکا دکا واقعات ہوتے رہتے ہیں اور برطانوی حکومت بھی اس مسئلے سے ہمیشہ دوچار ہوتی رہے گی۔

اصل مسئلہ یہ ہے کہ نسلی اقلیتوں سے تعلق رکھنے والے افراد زندگی کے ہر شعبہ میں چھاتے جارہے ہیں۔ بالخصوص ایشیائی طالب علم اپنے برطانوی ساتھیوں کے مقابلے میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کررہے ہیں، لیکن ان کی ہر کامیابی اچھی ملازمتوں کے حصول کا ذریعہ نہیں بن رہی۔ اس اہلیت کے باوجود اچھی ملازمتیں مقامی باشندوں کو ہی ملتی ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق "ایشیائی باشندے مواقع نہ ملنے کی وجہ سے بدترین ملازمت کرنے پر بھی مجبور ہیں"۔ 1950ء کی دہائی میں برطانیہ نقل مکانی کرنے والوں کی تیسری نسل معاشی حوالے سے امتیازی سلوک کا شکار رہی ہے۔ ان میں بے روزگاری کا تناسب سفید فاموں کے مقابلے میں بہت زیادہ ہے۔ تجارت کے حوالے سے ایشیائی خاصے محنت کش ہیں۔ انہوں نے 50 سال میں ایک ایک پونڈ جمع کرکے اپنے کاروبار کو چمکایا ہے۔ دائیں بازو کے نظریات رکھنے والے گورے سمجھتے ہیں کہ ان کا حق مار کر ایشیائی بڑی بڑی جائیدادوں اور کاروبار کے مالک بنے ہیں۔ یہ سوچ حقیقت پر مبنی نہیں ہے۔

موجودہ وزیراعظم کے سامنے جب روایت پرست گورے انگریزوں نے یہ مسئلہ اٹھایا کہ ایشیائی اور افریقن ممالک کے تارکین وطن نے ہماری سوسائٹی کو پوری طرح قبول نہیں کیا بلکہ ان کی اولاد بھی قومیت کے حوالے سے اپنے اپنے وطن سے جڑی ہوئی ہے تو وزیراعظم ٹونی بلیئر نے ایک روشن خیال سیاستدان کی طرح انتہا پسند گوروں کے رویے کی مذمت کرتے ہوئے کہا کہ "میرا خیال ہے کہ اس مسئلے کو اٹھانے کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ عوام کی بہت بڑی اکثریت برطانیہ میں نسلی تعصبات سے بالاتر ہو کر امن و آشتی کے ساتھ رہنا چاہتی ہے"۔ برطانیہ پر تارکین وطن کا جو دباؤ بڑھ رہا ہے اس سے برطانیہ کی نوجوان نسل پریشان ہے کہ اگر اور تارکین وطن کو انگلینڈ آنے کی دعوت یوں ہی دی گئی تو اس سے مقامی انگریز آبادی کے لئے نہ صرف مسائل پیدا ہوں گے بلکہ حکومت کو مستقبل میں بہت سی سہولتوں سے ہاتھ کھینچنا پڑے گا۔ اس وقت بھی صورت حال یہ ہے کہ افغانستان، سری لنکا، صومالیہ، یوگوسلاویہ سمیت دنیا بھر کے کئی مذہبی رہنما سیاسی پناہ لے کر برطانیہ میں رہنا چاہتے ہیں۔ سیاسی پناہ دولت مشترکہ کے شہریوں کے لئے برطانوی حکومت کا تحفہ ہے۔ اس سہولت سے وہ لوگ فائدہ اٹھا سکتے ہیں، جن کے بنیادی حقوق معطل ہوں یا جن کو جان کا خطرہ ہو یا حکومت ان کو سیاسی مخالفت کی بنیاد پر نقصان پہنچانا چاہتی ہو یا پھر کسی اور طرح کا خطرہ محسوس کررہے ہیں۔ کچھ افراد اس سہولت کا ناجائز فائدہ بھی اٹھا رہے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد میں لوگ اسکا فائدہ اٹھا رہے ہیں کہ صرف اپریل 2001ء میں 5 ہزار افراد نے سیاسی پناہ کی درخواستیں دائر کی ہیں۔

برطانوی حکومت نے گوروں اور دیگر نسلوں کے لوگوں کے درمیان بڑھتی ہوئی منافرت کو محسوس کرتے ہوئے گزشتہ دس سالوں میں سیاسی پناہ کے حصول کے قانون میں خاصی کڑی شرائط اپنا رکھی ہیں۔ دنیا بھر میں مقامی اور غیر مقامی آبادی کے درمیان اختلافات اور جھگڑے ہوتے رہتے ہیں لیکن اب جس طریقے سے نسلی امتیاز کا سوال اٹھایا جانے لگا ہے وہ افسوسناک ہے۔ 21 اپریل 2001ء کو ایک ایشیائی باشندے نے کسی بات پر مشتعل ہو کر جب ایک ریٹائر انگریز پر حملہ کیا تو اس واقعے کا برطانیہ کے اخبارات نے خاصا نوٹس لیا۔ اس وقت برطانیہ میں عام انتخاب کی مہم زوروں پر تھی۔ دائیں بازو کے انتہا پسندوں کی جماعت برٹش نیشنل پارٹی نے اس موضوع کو انتخابی ایجنڈے میں نمایاں جگہ دی کہ ان کی اپنی ہی سرزمین پر ان کی نسل کشی کی

جارہی ہے۔ اس کو بنیاد بنا کر انھوں نے ایشیائی باشندوں کا جینا مشکل کردیا ہے۔ لسانی فسادات کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوگیا ہے جس نے مانچسٹر کے گرد و نواح سمیت کئی شہروں کو اپنی لپیٹ میں لیا ہوا ہے۔ اس کے ردعمل کے طور پر لیڈز، برنلی اور بریڈ فورڈ میں بھی فسادات کا سلسلہ چل نکلا۔ اب برطانیہ میں نسلی فسادات حکمراں طبقہ کے لئے چیلنج بن گئے ہیں۔ اس واقعے کے بعد اولڈ ہام فسادات کا مرکز بنا رہا۔

اولڈ ہام کی خوش حالی میں تارکین وطن کا اہم حصہ ہے۔ یہ شہر مانچسٹر کے قریب واقع ہے، جہاں ایشیائی باشندوں کی اچھی خاصی تعداد آباد ہے۔ یہاں تقریبا 35 ہزار کے قریب ایشیائی باشندے آباد ہیں۔ گزشتہ سال (2000ء) میں یہاں تقریبا 572 کے قریب ایسے مقدمات درج ہوئے جن کا تعلق نسلی منافرت سے تھا۔ ان مقدمات میں زیادہ تر ایشیائی باشندوں کو شامل کیا گیا، حالانکہ 80 فیصد واقعات کے ذمے دار گورے نسل پرست تھے، کیونکہ وہاں کا میڈیا بھی ان گوروں کی ہی مدد کرتا ہے۔ وہاں صورت حال ایسی پیدا ہوچکی ہے کہ کوئی واقعہ بھی ہوجائے یا حادثہ ہوجائے اولڈ ہام کے اخبارات اس میں ایشیائی باشندوں کو شامل کرنے کی کوشش کرتے ہیں۔ اخبارات نے ایشیائی علاقوں میں گوروں کے داخلے کو ممنوع علاقہ قرار دے کر نسلی تعصب کا اظہار کیا تھا۔ 26 مئی 2001ء کو جب اولڈ ہام میں تعطیل تھی، ایک ایشیائی اور گورے کے درمیان جھگڑا فسادات کا سبب بن گیا۔ ایک ایشیائی حجام کی دکان پر اچانک حملے کے بعد کھانے پینے کی کئی دکانوں کو لوٹ لیا گیا۔ 24 گھنٹے کے اندر اندر پورا شہر فسادزدہ علاقہ بن گیا۔ پولیس نے 50 کے قریب فسادیوں کو گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا۔ ان حملوں کا فائدہ اپوزیشن ارکان اٹھانا چاہتے تھے۔ انھوں نے ٹونی بلیئر کو انتخاب میں شکست دینے کے لئے نسل پرستوں کی حمایت میں بیان دینے شروع کردیئے جو برطانیہ کے تمام اخبارات میں شائع ہوئے جس سے فسادیوں کو حوصلہ ملا اور یہ فسادات لیڈز سے برنلی تک پھیل گئے۔ برنلی اولڈہام کے قریب ہی ایشیائی باشندوں کی مشہور بستی ہے جہاں آزاد کشمیر اور پاکستانیوں کی اچھی خاصی تعداد آباد ہے۔ گورے حملہ آوروں نے یہاں بھی املاک کو نقصان پہنچایا۔ ایک ہندوستانی ہوٹل کے مالک پر پٹرول بم سے حملہ کیا اور لیبر پارٹی کے مقامی لیڈر کے ساتھ پولیس نے انسانیت سوز سلوک کیا۔ ان تمام واقعات کے تناظر میں برطانیہ کی نسل پرست جماعت نیشنل برٹش کونسل نے نسلی نفرت پر بنی جو نعرے لگا کر فسادات کی آگ بھڑکائی، اس کا حکمراں جماعت نے سخت نوٹس لیا ہے۔ برطانوی پولیس کا رویہ نسلی تعصب پر بنی ہے۔ پولیس نے مقدمات کے اندراج اور قانون کا تعین کرتے وقت انگریزوں کے مقابلے میں ایشیائی باشندوں سے زیادہ سختیاں کی ہیں۔

برطانیہ میں نسلی فسادات آج کا مسئلہ نہیں، اس کی کہانی 150 سال پرانی ہے۔ 1860ء میں پہلی بار فسادات اس وقت ہوئے جب صومالیہ اور سعودی عرب کے ماہی گیروں نے ساؤتھ شیلڈ میں آباد ہونے کی کوشش کی۔ بعد ازاں بہتر مستقبل کی خاطر ساؤتھ افریقہ، ویسٹ انڈیز اور دیگر ممالک کے ماہی گیر بھی ادھر کا رخ کرتے رہے۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد لیورپول میں سیاہ فاموں نے ڈیرے جمالئے۔ جلد ہی انکی آبادی 5 ہزار تک جا پہنچی۔ 1919ء میں 120 افریقی ورکر ایک شوگر ملز میں کام کرتے تھے۔ ایک مرتبہ مل میں آگ لگی تو سفید فاموں نے اس آگ کی وجہ سیاہ باشندوں کی غفلت قرار دیتے ہوئے ان کے ساتھ کام کرنے سے انکار کردیا۔ اس زمانے میں برطانیہ میں بے روزگاروں کو آج کی طرح الاؤنس نہیں دیا جاتا تھا۔ نسلی امتیاز کا شکار ہونے والے یہ بے روزگار خاصی مشکلات کا شکار رہے۔

1920ء اور 1930ء کے عرصے کے درمیان جب تاج برطانیہ نے اپنی سابقہ نوآبادیوں پر مشتمل دولت مشترکہ تشکیل دی تو ان رکن ممالک کو بہت سی مراعات حاصل ہوگئیں۔ 1940ء کی دہائی میں جب تاج برطانیہ اور لیبر حکومت نے دولت مشترکہ کے رکن ممالک کو آزادی دی تو وہاں کے عوام اپنے بہتر مستقبل کے لئے لندن کا رخ کرنے لگے۔ لیکن برطانوی عوام نے ان کا ویسا استقبال نہیں کیا جیسا دوسرے ممالک کے شہریوں نے ان کا کیا تھا۔ جب وہ تاج برطانیہ کے زیرنگیں تھے۔ جب برطانیہ نے اپنی امیگریشن پالیسی کا اعلان کیا تو سب سے پہلے سابقہ محکوم ممالک کے لوگ ہی یہاں پہنچے تھے۔ اس زمانے میں صرف ہنرمندوں کی مانگ تھی اور غیرہنرمندوں کا کوئی مستقبل نہیں تھا۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ہنرمند لوگ برطانیہ پر چھاگئے۔ ان کے آنے کے بعد رہائش کا مسئلہ درپیش ہوا تو حکومت نے پرانی آبادی میں ان تارکین وطن کے لئے رہائشی اسکیمیں شروع کیں۔ ان تارکین وطن کے بارے میں حکومتی پالیسی کو دیکھتے ہوئے مقامی لوگوں کے دلوں میں حسد پیدا ہوا۔ 1949ء میں پارلیمنٹ کے ذریعہ تارکین وطن کو برطانیہ میں آباد کرنے کی جو اسکیم شروع کی گئی تھی اس کا فائدہ اٹھاتے ہوئے ایشیائی باشندے بہت زیادہ تعداد میں وہاں پہنچ گئے اور ان کا برطانوی معاشرے میں وجود محسوس ہونے لگا تو نسل پرستوں نے اپنی نفرت کے اظہار کے لئے اپنے گھروں کے باہر لکھنا شروع کردیا کہ ایشیائی لوگوں، کتوں اور آئرش لوگوں کا داخلہ بند ہے۔ انتہا پسندوں کی جانب سے یہ انتہائی گھٹیا حرکت تھی۔ 1958ء میں ایشیائی اور افریقی تارکین وطن سے تعلقات قائم کرنے کی 70 فیصد افراد نے مخالفت کی تھی۔ اگست 1958ء کے آخری ہفتے میں برطانیہ کو خوفناک فسادات کا سامنا کرنا پڑا جب Nothing Dale، Nothing Hill کے قصبوں میں ویسٹ انڈین نے ایک گوری سے شادی رچائی یہ وہ بدقسمت سال تھا جب ساؤتھ امریکہ، رہوڈیشیا اور دولت مشترکہ کے ممالک میں نسلی فسادات ہوئے تھے۔ دونوں میاں بیوی گھر میں سکون کی زندگی بسر کررہے تھے کہ پولیس ان کے گھر میں داخل ہوئی۔ تمام کراکری اور شیشے کی اشیاء توڑدیں اور ایک آہنی سلاخ خاتون کی کمر پر دے ماری۔ پولیس نے یہ قدم تعصب کی بنا پر اٹھایا۔ فسادات کے دوران رکن پارلیمنٹ جارج راجر نے تمام لوگوں سے محبت، امن اور درگزر سے رہنے کی اپیل کی۔ انھوں نے نسلی معاملات کو اچھالنے کو قومی مفاد کے خلاف قرار دیا لیکن ان کی کسی نے بھی نہ سنی۔

1960 سے 1970ء تک نسلی امتیاز کا

سوال برطانوی نسل پرستوں کا اہم موضوع ہی نہیں تھا بلکہ انھوں نے تارکین وطن کے خلاف انجمن بھی بنالی۔ سیاسی ردعمل کے طور پر انگلستان میں تارکین وطن نے سب سے بڑی تنظیم دی نیشنل آرگنائزیشن آف افریقین، ایشین اینڈ کریبین پیپلز بنالی۔ جس نے ایشیائی تارکین وطن کے لواحقین کے بارے میں 1974ء میں اپنی رپورٹ مرتب کی تھی۔ رپورٹ مرتب کرنے سے پہلے اس تنظیم کے عہدے داروں نے پاکستان، ہندوستان اور بنگلہ دیش کا دورہ کیا تھا۔ اس دورے کا مقصد ایشیائی ممالک کے تارکین وطن کے عزیزوں اور رشتے داروں کو برطانیہ جانے میں پیش آنے والی مشکلات کا سدباب کرنا تھا۔ اسی تنظیم کے ارکان نے برطانوی حکومت کی اجازت سے اسلام آباد، دہلی اور ڈھاکہ کے برطانوی سفارت خانوں کا دورہ کیا تھا اور برطانوی ہائی کمیشن کے دفاتر میں تارکین وطن کے لواحقین کے انٹری پرمٹوں کے اجراء سے متعلق انتظامات کا جائزہ لیا تھا۔ مقامی باشندوں کی بعض تنظیمیں یہ الزام بھی عائد کررہی ہیں کہ یہ تارکین وطن ان کے وسائل ہضم کررہے ہیں اور بھاری مقدار میں زرمبادلہ اپنے ملک میں بھجوادیتے ہیں۔

لیبر پارٹی نے 1976ء میں (حکمراں جماعت) فسادات کا سدباب کرنے کے لئے عملی اقدامات اٹھانے کا اعلان کیا تھا۔ ان مربوط کوششوں کے دو سال بعد (1976) میں نسلی تعلقات کا قانون منظور کرکے اقلیتوں کے حقوق کے تحفظ کے لئے اقدامات کئے گئے تھے۔ اسی ایکٹ کے تحت نسلی مساوات کا کمیشن قائم کیا گیا تھا جو نسل پرستی کی شکایات پر کارروائی کرتا تھا۔ کمیشن نے ایسٹ لندن کی ایک سڑک کلارک اسٹریٹ میں 46 خاندانوں کو نسلی امتیاز کے حوالے سے علاقے سے نکالنے کے خلاف کارروائی کرکے شہرت حاصل کی تھی۔

دسمبر 1984ء میں برطانیہ کے اسکول ٹیچرز کی تنظیم نے ایشیائی اور خاص طور پر پاکستانیوں کے لئے اسکولوں میں مذہبی تعلیم کے طریق کار کو بدلنے کا مطالبہ کیا تھا۔ اسی تنظیم نے اسکولوں میں مسلمان بچوں کی تعلیم کے لئے حکومت کے علیحدہ مذہبی تنظیم کی پالیسی کو تنقید کا نشانہ بنایا۔ انگریز اساتذہ کے اس رویے کے باعث تعلیمی اداروں میں ایک نئی بحث کا آغاز ہوا اور مسلمانوں کے علیحدہ اسکول کے قیام کی مخالفت شروع ہوگئی۔ برطانیہ میں 1944ء کے ایجوکیشن ایکٹ کے تحت مذہبی تعلیم لازمی ہے۔ اسکولوں میں پڑھائی سے پہلے تمام بچوں کے لئے ہر روز اجتماعی عبادت لازمی ہے۔ کیتھولک، مسلمان یا دوسرے مذاہب سے تعلق رکھنے والوں کے بچے اس سے مستثنیٰ تھے۔

فروری 1985ء میں نسلی منافرت کے بڑھتے ہوئے مسئلے کے بارے میں نسلی مساوات کے سرکاری کمیشن کے سربراہ لیبر نیوسان نے کہا تھا کہ بااختیار عہدوں پر سرفراز افراد عام طور پر نسلی امتیازات سے بے نیازی کا مظاہرہ کرتے ہیں۔ اس کمیشن کو اس وقت بڑی کامیابی حاصل ہوئی جب ایشیائی باشندوں کو ہراساں کرکے ایسے ایک خاندان کو لندن بدر کردیا تھا۔ اس وقت نسلی منافرت کا سب سے بڑا نشانہ تعلیمی ادارے ہی بن رہے ہیں۔ اپریل 1988ء میں تعلیمی اداروں میں مذہبی منافرت بھی سامنے آئی۔ مانچسٹر کے ایک ثانوی اسکول میں بریک کے دوران ایک انگریز طالب علم نے محض تعصب کی وجہ سے ایک ایشیائی کو قتل کردیا۔ اب تعلیمی اداروں میں والدین بچوں کو لانے اور لے جانے کے لئے خصوصی انتظام کرتے ہیں۔ 1982ء میں ایشیائی مسلمانوں کی اکثریت والے شہر بریڈ فورڈ میں مسلمان بچوں کے لئے ایک تعلیمی پالیسی وضع کی گئی تھی، جس میں بریڈ فورڈ کونسل نے مسلمان طلبہ و طالبات کے کھانے میں حلال گوشت کی فراہمی، بچوں کی جسمانی تربیت کے دوران ٹریک سوٹ پہننے، اردو اور پنجابی تعلیم کی خصوصی اجازت دی تھی۔ یہ پالیسی بنوانے میں بریڈ فورڈ کے پہلے ایشیائی لارڈ میئر عزیز خان نے اہم کردار ادا کیا تھا۔ اپریل 1989ء میں ایک مذہبی نسل پرست ہیڈ ماسٹر نے اس پالیسی پر پابندی ختم کردی۔ برطانوی حکومت تارکین وطن اور خاص طور پر ایشیائی باشندوں کو ہر طرح سے اپنے قومی دھارے میں شامل کرنے کی کوشش کرتی رہتی ہے اور خاص طور پر وہ چاہتے ہیں کہ مسلمان اپنے تشخص کو ترک کرکے پوری طرح برطانوی معاشرے میں ضم ہوجائیں۔ سابق برطانوی وزیراعظم جان میجر کے دور میں بھی نسلی فسادات ہوئے تھے۔ اس وقت کے وزیر داخلہ نے پولیس پر واضح کردیا تھا کہ حکومت نسلی فسادات آہنی ہاتھوں سے روکنے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ جان میجر کی حکومت نے اقلیتوں کے تحفظ اور ضروریات پوری کرنے کیلئے سکشن لوگرانٹس کے ذریعے 90-1989ء میں لوکل اتھارٹیز کو دس کروڑ پونڈ سے زائد رقم دی تھی۔ اگرچہ اس اسکیم پر اسکاٹ لینڈ میں عمل نہیں ہوا تاہم یہاں ریونیو اسپورٹ گرانٹ سسٹم کے تحت 40 کروڑ پونڈ کی مدد دی گئی تھی۔ برطانیہ کی ہر حکومت یہ کوشش کرتی رہی ہے کہ تارکین وطن تجارتی زندگی میں بھرپور حصہ لیں۔ اگرچہ ایشیائی اور افریقی کامیاب بزنس مین ہیں لیکن انہیں نسلی تعصب کا سامنا ہے۔ 1985ء میں ہوم آفس نے نسلی اقلیتوں کی تجارتی رہنمائی کا ادارہ قائم کیا تھا۔ برطانیہ کے وزیر داخلہ نے نومبر 1994ء میں ایشیائی برادری کے بچوں کی تعلیم کے لئے سرکاری فنڈز میں دوگنا اضافہ کیا تو اس پر نسل پرست تنظیموں نے حکومت پر تنقید کی کہ وہ خود ہی برطانوی معاشرہ تباہ کرنے پر تلی ہوئی ہے۔ اس فنڈ میں گزشتہ حکومتیں کٹوتی کرتی آئی تھیں۔ اس فنڈ کو سکشن ایلی منٹ فنڈ بھی کہتے ہیں۔ برطانیہ میں نسلی اقلیتوں کے امدادی منصوبوں کے لئے جو فنڈز دیئے جاتے رہے ہیں ان کا غالب حصہ اسکولوں میں بہتر تعلیم پر خرچ کیا جاتا ہے جس کا مصرف ایسے بچوں کو انگریزی پڑھانے کے اضافی اقدامات کرنا ہوتا ہے جن کی بنیادی زبان (گھریلو بول چال) اردو، گجراتی یا پنجابی ہوتی ہے۔ 1993ء میں حکومت نے اس مد میں 30 ملین پونڈ کی رقم خرچ کی تھی۔ برطانیہ کی حکومت تارکین وطن کو جتنی مراعات دیتی ہے، وہ مقامی آبادی کو دی جانے والی مراعات میں اونٹ کے منہ میں زیرہ والی بات ہے۔ تارکین وطن نے جو کچھ کمایا اور بنایا ہے وہ تقریباً چالیس پچاس سالوں کی محنت کا نتیجہ ہے۔ حقائق کا ادراک کرتے ہوئے نسلی امتیاز کی پالیسی کو ترک کرکے انتہا پسند گوروں کو محنت کرنی چاہئے اور مستقبل کے بارے میں سوچنا چاہئے۔

سردار محمد چودھری

لولی لنگڑی جمہوریت

جنرل پرویز مشرف کے قوم سے خطاب کے بعد تبصروں کا سلسلہ جاری ہے اور اب وقت آن پہنچا تھا جہاں لوگ توقع کر رہے تھے کہ ملک ایک دفعہ پھر اپنی جمہوری منزل کی طرف چل پڑے گا۔ چند دنوں سے دستوری پیکج کا شور شرابہ تھا۔ پوری قوم کہہ رہی تھی کہ خدارا متفقہ دستور میں ترامیم سے پرہیز کیا جائے کیونکہ اس سے ایک پنڈورا بکس کھلنے کا خدشہ ہے جو بہت سے مسائل کو جنم دے سکتا ہے۔ بعض حلقوں میں یہ امید ابھر رہی تھی کہ شاید ان آوازوں کا کچھ نہ کچھ اثر جنرل صاحب پر ہوجائے۔ مگر ان کی تقریر نے ان تمام خوش فہمیوں پر پانی پھیر کر رکھ دیا اور بہت سے محب وطن اور صاحب نظر لوگ ششدر رہ گئے۔

جنرل صاحب نہایت اصرار اور اعتماد کے ساتھ کہہ رہے تھے کہ جو منفرد نسخہ ان کے ذہن میں ہے۔ وہی واحد کارگر نسخہ ہے۔ اور باقی لوگوں کی باتیں بالکل لایعنی اور حماقت ہیں۔ اقتدار کو نیچے کی طرف لانے کی بجائے تمام تر اختیارات صدر کی ذات میں ہی سمونا مناسب ہے۔ یہی اصل جمہوریت ہے اور یہی مسائل کا حل۔

جنرل صاحب نے بہت سی باتیں کہیں مگر ایک بات بڑے زور سے کہی کہ پچھلے 13 سالہ لولی لنگڑی جمہوریت نے قوم کو کیا دیا اور خود ہی جواب دیا جس میں بدعنوانی بدنظمی اور خراب امن عامہ کا خاصہ طور پر ذکر کیا۔ یہ بات تو ہر حکومت کے متعلق کہی جاسکتی ہے ان شعبوں میں موجودہ فوجی حکومت نے کون سے تیر چلائے ہیں جن پر وہ اترا سکتے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ جب سے موجودہ حکومت آئی ہے ان مسائل میں اضافہ ہی ہوا ہے۔ کمی واقع نہیں ہوئی۔ لاء اینڈ آرڈر بری طرح سے خراب ہوا ہے سلامتی نام کی شئے اس وقت موجود ہی نہ رہی ہر طرف ڈاکے اور چوریاں ہیں انسانی خون ارزاں ہے اغواء برائے تاوان کے واقعات اس قدر ہوئے ہیں کہ انکی اس سے پہلے مثال نہیں ملتی۔

جنرل صاحب اس بات پر اترا رہے تھے کہ قبائل علاقوں میں پچھلے سو سال میں کبھی اپریشن نہیں ہوا تھا اور اب ہورہا ہے۔ کیوں؟

اس لئے کہ وہاں بدامنی ہے جو پہلے کبھی نہ تھی۔ اسکی وجہ افغانستان کی صورت حال ہو یا کوئی بھی وجہ ہو مگر حقیقت یہ ہے کہ وہاں حالات خراب ہیں۔ فوجی افسران مارے جارہے ہیں جو کبھی نہیں ہوا تھا۔ جنرل صاحب کو معلوم ہونا چاہئے کہ یہ حضرت قائداعظم کی خواہش تھی جس نے یہ مسئلہ قبائلی مسلمانوں کی رضا اور رغبت کے مطابق ایک جنبش قلم سے حل کردیا تھا اور زرلک جیسی چھاؤنیاں خالی کردی تھیں جس کی جرات انگریزوں کو بھی نہیں ہوئی تھی۔ یہ کونسا کمال ہے اب ہماری حماقتوں سے معاملہ وہیں آ کھڑا ہوا ہے جہاں غیروں کے زمانے میں تھا اس بات پر فخر بے جا اور بے محل ہے۔

جنرل صاحب کو شاید اس بات کا احساس بھی نہیں کہ وہ جن پچھلے 13 سالوں کی لولی لنگڑی جمہوریت کا ذکر فرماتے ہیں وہ اپنے فوجی پیشرو جنرل محمد ضیاء الحق کی غیر جماعتی انتخابات کی عنایت تھی۔ جنرل ضیاء الحق نے اپنی ذات کی خاطر واقعی لولی لنگڑی جمہوریت کی جسے سویلین نے چاہے وہ جونیجو، بے نظیر ہو چاہے وہ نواز شریف نے آہستہ آہستہ آٹھویں ترمیم جیسی لعنتوں کو ختم کیا۔ ہارس ٹریڈنگ جو ان غیر جماعتی الیکشنوں نے رائج کی تھی وہ ختم کی۔ ان تیرہ سالوں میں ان حضرات نے لاء اینڈ آرڈر کو بہتر کیا صوبائی منافرت کم کی اور پاکستان کو سکون عنایت کیا۔ کیا جنرل صاحب بھول گئے ہیں کہ جنرل ضیاء الحق کے مارشل لاء کے زمانے میں طلباء کو ایک دوسرے کے قتل عام کی عام اجازت تھی۔ خاص طور پر ایک خاص جماعت کی طلبہ تنظیم کو قتل و غارت کا جیسے کہ لائسنس دے دیا گیا تھا۔ کیا اس لولی لنگڑی جمہوریت نے اس برائی کا کامیابی سے تدارک نہیں کیا؟

اسی طرح مزدوروں کا معاملہ لے لیجئے جنرل ضیاء الحق کے دور میں کالونی ٹکسٹائل ملز ملتان ایک دن میں 25 مزدور ذبح ہوئے کہ نہیں۔ کیا ہزاروں لاکھوں مزدوروں نے جیلیں نہیں کاٹیں اور بھوکوں مارے گئے۔

کیا جنرل صاحب آپ کو یاد ہے کہ جنرل ضیاء الحق کے زمانے میں پاکستان میں ساری دنیا میں سے سب سے زیادہ دہشت گردی کے واقعات رونما ہوئے۔ راولپنڈی کا راجہ بازار ہو یا کراچی کا بوہری بازار سب خونچکاں تھے۔ سندھ کی تمام جیلیں ایک دن میں ٹوٹیں اور تمام جرائم پیشہ لوگ آزاد ہو کر ڈاکہ زنی پر تل گئے۔ یہ کس زمانے میں ہوا؟ بھرپور مارشل لاء کے زمانے میں اور یہی لوگ آہستہ آہستہ منظم اور مسلح ہو کر پاکستانی معاشرے کو تباہی کے دہانے لے گئے۔ جنرل صاحب یاد کرو وہ وقت جب کوئی ٹرین ٹرک اور بس کراچی سے لاہور نہیں آسکتا تھا۔ صرف اور صرف کانوائے کی صورت میں سفر ہوتا تھا۔ اور پھر کیا یہ حقیقت نہیں کہ وہ لولی لنگڑی جمہوریت جو تحفہ میں جنرل ضیاء الحق نے دی یا اسے دینی پڑی اس نے اسکا کافی حد تک شافی حل پیش ہی نہیں کرکے دکھایا۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ 1997ء کے انتخابات نے پاکستان مسلم لیگ

اور نواز شریف کو تین چوتھائی سے بھی زیادہ کی اکثریت دے دی تھی لیکن اسکے باوجود انہوں نے تمام جماعتوں ماسوائے پیپلز پارٹی کے حکومت میں جگہ دی۔ جمعیت علمائے پاکستان کو پنجاب میں صرف ایک سیٹ ملی تھی اسے بھی وزارت دے دی گئی۔ کیا یہ حقیقت نہیں ہے کہ اکبر بگٹی جیسے بلوچ سردار جس کو اردو نہ بولنے کی قسم کھائی تھی اور اے این پی جو ہمیشہ سے الگ تھلگ رہی تھی ان سب نے مل کر قومی ترانہ بھی پڑھا۔ وزارت بھی قبول کی اور پاکستان کی سیاست کے قدم بقدم چل پڑے۔ کیا ان تمام سکون اور فرحت بخش اعمال کو یکسر بھلا کر محض الزام تراشی پر ہی گزارہ کریں گے۔ کیا جنرل ایوب خان نے فرشتوں جیسے قائد اعظم کے ساتھیوں پر اس طرح کے الزام تراشی نہیں کی۔ پاکستان میں کبھی کسی موڑ پر بھی فوجی حکومت کا جواز موجود نہیں رہا۔ 1958ء میں جواز تھا نہ 1969ء میں۔ 1958ء میں عام انتخابات ہونے والے تھے سکندر مرزا اور ایوب خان نے سمجھا ان کا کھیل ختم ہوجائے گا لہذا کیوں نہ مارشل لاء لگایا جائے اور بعد میں اس کے جواز تراشے گئے۔ گول میز کانفرنس کامیاب ہوگئی۔ یحییٰ خان نے سمجھا اسکے چانسز ختم ہورہے ہیں اس نے بلا جواز مارشل لاء لگادیا۔ ملک دولخت ہوگیا اور بعد میں سپریم کورٹ نے اس حکومت کو ناجائز حکومت قرار دیا۔ یہی صورت حال 5 جولائی 1977ء کو تھی۔ بھٹو اور پی این اے میں جب سمجھوتہ ہوگیا تھا تو ضیاء الحق نے اپنے اقتدار کی خاطر شب خون مارا۔ 12 اکتوبر 1999ء کو تو ملک میں کوئی بحران ہی نہیں تھا۔

پاکستان کی تخلیق جمہوری عمل سے ہوئی۔ یہ دولخت اور خوار غیر جمہوری ادوار میں ہوا ہے۔ دستور قوم کی امانت ہے ہمارا دستور اچھا ہے اسکو چھیڑنا درست نہیں۔ اس سے معاملات الجھتے چلے جائیں گے۔ فوج کے جرنیل دستور کی حفاظت کے لئے ہوتے ہیں اس کی بیخ کنی کے لئے نہیں۔ مارشل لاء ملک و معاشرہ کو توڑتا ہے جوڑتا نہیں۔ جمہوریت جوڑتی ہے سکون دیتی ہے اور زخموں پر مرہم لگاتی ہے چاہے وہ لولی لنگڑی ہو تب بھی وہ ثمربار ہوتی ہے۔ بہتر ہے کہ صراط مستقیم اختیار کیا جائے دستور کو نہ چھیڑا جائے صاف الیکشن کروائیں اسی میں آپ کی اور ملک کی بہتری ہے۔ باقی سب بیکار باتیں ہیں۔ اللہ بہتری کرے۔

ڈاکٹر اعجاز احسن

سب سے پہلے پانی

وطن عزیز کو نہری پانی کی جس قدر شدید اور ہولناک کمی کا سامنا ہے اور جس تیزی سے ہماری اراضی پانی یسر نہ ہونے کے باعث ریگستان بنتی جارہی ہے، شہروں کے مکینوں کو اس کا بالکل اندازہ ہی نہیں۔

زرعی پانی کی قلت کا مسئلہ چونکہ دور دراز دیہات کو درپیش ہے اس لئے قومی سطح پر جس قدر توجہ مبذول ہونی چاہئے اس کا عشر عشیر بھی نہیں ہورہا۔

دو سال سے حالت یہ ہے کہ نہریں یا تو بند رہتی ہیں یا پھر ان میں کبھی ایک چوتھائی، کبھی نصف اور کبھی دو تہائی پانی آتا ہے۔ اس کے نتیجہ کے طور پر کوئی قطعہ زمین میں ایسا نہیں جس کو اس کی ضرورت کے مطابق پانی میسر آرہا ہو۔ اس سے آپ کاشتکاروں کے حالات کا خود اندازہ کرسکتے ہیں۔ پچھلے سال موسم بہار میں پانی نہ ملنے کی وجہ سے وسیع و عریض رقبوں میں گندم کی فصل گھاس کی شکل اختیار کر گئی اور کسانوں نے مایوسی اور کسمپرسی کی حالت میں اس میں اپنے مویشی چھوڑ دئے کہ کم از کم چارہ ہی حاصل کرلیں۔ نہ صرف بیج اور کھاد کے ہزاروں روپے ضائع ہوئے بلکہ ایک پھوٹی کوڑی بھی حاصل نہیں ہوئی۔ کئی کاشتکار زمینوں کو چھوڑ کر شہروں کی طرف نوکری کی تلاش میں یا بھیک مانگنے کے ارادے سے روانہ ہوئے۔

ہماری قریبی تحصیل میں ایک کاشتکار نے بیان کیا کہ اس کا 40 ایکڑ کا مالٹے کا باغ کئی مہینوں کے لئے پانی نہ ملنے کی وجہ سے سوکھ گیا لہذا اکھاڑ دیا گیا۔ علاوہ ازیں اس نے اپنی اراضی کے ایک تہائی حصہ کو بقول اس کے "ریگستان کے حوالے" کردیا ہے۔ اس نے محسوس کیا کہ نہری پانی کی موجودہ انتہائی قلیل مقدار کی موجودگی میں وہ اپنی ساری زمین کو سیراب نہیں کرپائے گا اس لئے اب وہ صرف اتنی زمین پر کاشت کررہا ہے جسے پانی مہیا کرسکے۔ اس نے مزید یہ کہا کہ اگر پانی کی قلت اور شدید ہوگئی تو مجھے اپنی زیر کاشت زمین میں مزید کمی کرنا پڑے گی۔ یاد رہے کہ یہ صورتحال صرف ایک کاشتکار کی نہیں بلکہ ہر طرف یہی حالت ہے۔ حیرانی کی بات یہ ہے کہ وطن عزیز کے طول و عرض میں کاشتکار تباہ و برباد ہورہے ہیں لیکن کسی کے کان پر جوں تک نہیں رینگ رہی۔ کسی کو اس سلسلے میں کوئی تشویش لاحق نہیں ہے۔ محض دس بارہ ایکڑ زمین کے مالکوں کے حالات کا اندازہ ہی نہیں کیا جاسکتا۔ نارمل حالات میں بھی یہ لوگ انتہائی غربت اور کسمپرسی کی زندگی گزارتے ہیں۔ اپنی حالت کو یہ لوگ صرف اس لئے برداشت کرلیتے ہیں کہ انہوں نے کبھی بہتر حالات دیکھے ہی نہیں ہوتے۔ بہرحال اس سال ان کی حالت بالکل غیر ہے۔ شدید ترین خشک سالی کی وجہ سے بے کسی اور محتاجی کی تصویر ہیں۔

پانی کی کمی دور کرنے کے لئے ٹیوب ویل بھی نہیں لگائے جاسکتے کیونکہ زیر زمین پانی کھارا ہے۔ اول تو چھوٹے کاشتکار اس بارے میں سوچ بھی نہیں سکتے کیونکہ ٹیوب ویل بور کرنے اور پمپ، پیٹر انجن وغیرہ خریدنے میں جس قدر رقم کی ضرورت پڑتی ہے وہ اس کی استطاعت نہیں رکھتے۔ صرف بڑی نہروں کے ساتھ واقع اراضی میں ٹیوب ویل لگائے جاسکتے ہیں کیونکہ وہاں عموماً میٹھا پانی یسر

آتا ہے۔ لیکن پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ نہری پانی کا متبادل ڈیزل کے ذریعہ کیسے حاصل کیا جائے جس کی قیمتیں وہ ہیں جو چند سال پہلے پٹرول کی تھیں۔ ایک ایکڑ کی ٹریکٹر کے انجن کے ذریعہ آبپاشی پر چپ سے آٹھ لیٹر ڈیزل استعمال ہوتا ہے جس کا انحصار ایکڑ کے پمپ سے فاصلے، زمین کے کم یا زیادہ اور ریتیلا ہونے اور موسم کی گرمی کی شدت پر ہے۔ یاد رہے کہ عموماً ہر پندرہ دن میں ایک مرتبہ اور گرمی کے دنوں میں ہر ہفتہ میں ایک مرتبہ پانی لگانا ضروری ہوتا ہے۔ یعنی سال بھر میں بیس یا تیس مرتبہ پانی لگانا درکار ہوتا ہے۔ اس طرح ایک پچاس ایکڑ کے فارم پر ٹیوب ویل سے پانی لگانے کے خرچ کا تخمینہ ایک لاکھ سے ڈیڑھ لاکھ روپے بنتا ہے۔ آپ ہی بتایئے جس کاشتکار کی کمر پہلے ہی محکمہ مال اور انہار کی نوکر شاہی کی رشوت خوری، آبیانہ، زرعی انکم ٹیکس، جعلی اور غیر معیاری کیڑے مار دواؤں کی آسمان سے باتیں کرتی ہوئی قیمتوں سے ٹوٹی ہوئی ہے، وہ یکایک اس قدر بھاری اضافی بوجھ کیونکر برداشت کرسکے گا؟ نہروں کے پانی کی کمیابی نے اسکے ہر ایکڑ پر ہزاروں روپے سالانہ کا اضافی بوجھ ڈال رکھا ہے۔

ان حالات میں چھوٹے کاشتکار کس طرح گزارہ کررہے ہیں اس کا اندازہ ان ارباب بست و کشاد کو ہرگز نہیں ہوسکتا جو اول الذکر کی آمدنی کی نسبت سینکڑوں گنا تنخواہیں اور مراعات حاصل کرتے ہیں۔ درمیانے درجے کے کاشتکار بھی ارباب اختیار سے جاننا چاہیں گے کہ وہ اپنے اخراجات اور ٹیکسوں میں ہزاروں روپے کے اضافہ کو کیونکر برداشت کرسکتے ہیں؟

آج کل نہروں کی یہ حالت ہے کہ کوئی بند پڑی ہے تو کوئی ایک چوتھائی، کوئی نصف اور خال خال دو تہائی گنجائش میں چل رہی ہے۔ کپاس کاشت کرنے کے لئے روئی کرنے کے لئے پانی درکار ہے تو پانی ندارد یا صرف اتنا پانی کہ آپ صرف ایک تہائی رقبہ پر کاشت کرسکیں۔ تھوڑا عرصہ پہلے تک تو پنجاب کی تمام نہریں کئی ہفتوں پر محیط وقفے کے لئے مکمل طور پر بند رہیں۔ ایسا واقعہ پچھلی پوری صدی کے دوران پیش نہ آیا تھا، سوائے پچھلے دو سال میں۔ موسم گرما میں نہروں کی بندی یا وارہ بندی کی ایک قومی سانحہ یعنی ایمرجنسی ہے۔ ہرچند کہ ایمرجنسی کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔

سبھی تکنیکی ماہرین نے ہمیشہ یہ موقف اختیار کیا ہے کہ کالا باغ ڈیم کے بننے سے نوشہرہ سمیت کسی شہر کے ڈوبنے کا کوئی خدشہ نہ تھا خصوصاً جب ڈیم کی مجوزہ اونچائی میں کمی کردی گئی تھی۔ بہرحال اگر ایسا مسئلہ درپیش بھی آتا تو شاید بہتر ہوتا کہ ایک شہر کے مکینوں کو متبادل مقام پر آباد کیا جاتا۔ بجائے اسکے کہ سارے ملک کو پانی کی شدید قلت کی وجہ سے ریگستان بننے دیا جائے۔ آخر سارے ملک کی آبادی کو کون سی متبادل جگہ میں آباد کیا جائے گا؟ اب آج اگر ڈیم بنانے کا فیصلہ کر بھی لیا جاتا ہے تو کم از کم 15 سال لگیں گے۔ اس دوران کیا ہوگا؟

سوال یہ ہے کہ حکومت کیا کرسکتی ہے؟ ظاہر ہے ان کے پاس کوئی جادو کی چھڑی تو ہے نہیں جس کو جنبش میں لائیں اور ساری نہریں پانی سے بھردیں۔ البتہ حکومت کاشتکاروں کی مشکلات کم کرنے اور زمینوں کو بنجر ہونے سے روکنے کے لئے کم از کم تین قسم کے اقدامات اٹھاسکتی ہے۔ اول تو یہ کہ ڈیزل کی قیمتوں میں کمی کرے جس کا بوجھ اٹھا اٹھا کر کاشتکار کنگال اور زمینیں بنجر ہورہی ہیں۔ دوم یہ کہ بھارتی پنجاب کی طرز پر ٹیوب ویلوں کو بجلی مفت فراہم کرے۔ اگر ایسا نہیں ہوسکتا تو موجودہ قیمت کا صرف ایک تہائی وصول کرے۔ اس سلسلے میں جنرل مشرف کا اعلان کہ بجلی کے بلوں میں ایک تہائی چھوٹ دی جائے گی، مثبت سمت میں ایک قدم ہے لیکن اندریں حالات زیادہ مہربانی کی ضرورت ہے۔ اس کے علاوہ امید کرنی چاہئے کہ جو اعلان جنرل صاحب نے کیا ہے اس پر عملدرآمد بھی ہو۔ کیونکہ ہمارے ہاں یہ بہت غلط رسم پڑگئی ہے کہ سرکاری اعلان تو کردیا جاتا ہے لیکن متعلقہ محکمہ کو ہدایات جاری نہیں کی جاتیں۔ جب محکمہ سے دریافت کیا جاتا ہے تو وہ اپنی معذوری ظاہر کرتے ہیں۔ امید ہے کہ اس اہم اعلان کے بعد واپڈا کو ہدایات جاری کردی گئی ہوں گی۔

ایک طرف تو فصلیں اگانے کے سلسلہ میں درپیش آنے والے اخراجات میں اس قدر ہولناک اضافہ ہوچکا ہے، دوسری طرف آیئے دیکھیں کاشتکار کو اپنی گاڑھے پسینے کی پیداوار کا کیا معاوضہ مل رہا ہے۔ جنرل مشرف اور ان کے اعلیٰ مصاحت اعلان کررہے ہیں کہ حکومت 300 روپے فی من کے حساب سے گندم خریدے گی، کسان کی دہلیز سے خریدے گی اور گندم کا ہر ایک دانہ خرید لیا جائے گا۔ کسان کے گھر سے یعنی دہلیز سے تو خیر کون خریدے گا؟ صورتحال یہ ہے کہ کسان اپنی گندم 250 بلکہ 240 روپے فی من بیچ رہا ہے اور ظاہر ہے اگر اس سے 300 روپے فی من خریدی جارہی ہے تو اسے کیا ضرورت ہے کہ وہ 240 روپے فی من بیچے؟ اگر ملکی سربراہ کوئی اعلان کرتا ہے تو اس پر عملدرآمد ہونا چاہئے ورنہ حکومت کی ساکھ بری طرح متاثر ہوتی ہے۔ حیرانی کی بات تو یہ ہے کہ اعلان اور زمینی حقیقت میں یہ تضاد اس وقت بھی موجود رہا جب ریفرنڈم سے پہلے کے ہفتہ عشرہ میں سرکار کو ووٹوں کی اشد ضرورت تھی۔

اگر ہم نے اپنی زمینوں کو ریگستان کے حوالے کرکے صومالیہ جیسی خوفناک قحط سالی کا سامنا نہیں کرنا تو ضرورت اس امر کی ہے کہ نہری پانی کی فراہمی کو وطن عزیز کا اولین مسئلہ قرار دیا جائے۔ نہری پانی کے استعمال، ڈیزل اور بجلی کی قیمتوں میں کمی، صوبوں میں پانی کی تقسیم اور ڈیموں کی تعمیر جیسے تمام مسائل کو جنگی بنیادوں پر حل کیا جائے۔ اگر ہم نے اس وقت بھی سستی سے کام لیا تو ایسی تباہی آسکتی ہے جس کا اندازہ کرنا بھی مشکل ہے۔ اس وقت ہمس ب کا نعرہ ہونا چاہئے "سب سے پہلے پانی"۔

●●●●●

حالات سے سبق سیکھ چکی ہوں۔ رویںہ ٹنڈن

محمد عبدالسلام :: فلم جرنلسٹ

آج رویںہ ٹنڈن کو صرف "شہر کی لڑکی" یا پھر مست گرم نہیں کہا جاسکتا وہ ایک باصلاحیت اداکارہ کے طور پر اپنی مضبوط شناخت قائم کرچکی ہے۔ لوگوں کو یقین ہوچکا ہے کہ رویںہ میں بھی وہ سبھی خوبیاں موجود ہیں جو ایک پختہ اداکارہ میں ہونی چاہئے۔ شول اور دمن جیسی فلمیں رویںہ کی قابل اداکاری کا ایک یادگار ثبوت ہے۔ کچھ الگ طرز کے کردار نبھارہی رویںہ سے پچھلے دنوں ہماری ملاقات ہوئی جسکا خلاصہ یہاں پیش ہے۔

س ۔ خبریں گرم ہیں کہ آپ بین الاقوامی معیار کی فلم "ڈریم کیچر" (خواب کو قابو میں کرنے والا) کررہی ہیں اس میں آپ کا کیا رول ہے اور اسے کرتے ہوئے آپ کیسا محسوس کررہی ہیں؟

ج۔ سچ مچ میں بہت اچھا محسوس کررہی ہوں۔ یہ فلم لاس انجیلز کے مشہور ڈائرکٹر طبریز نورانی بنارہے ہیں۔ انہوں نے اب تک کئی میوزک البمس اور اشتہاری فلمس بنائی ہیں۔ طبریز نورانی مشہور کمرشیل ڈاکومنٹری اور فیچر فلم میکر ظفر ہیتو کے بھانجے ہیں جنہوں نے نصیرالدین شاہ کو لیکر انٹرنیشنل سطح کی فلم "دی پرفیکٹ مرڈر" بنائی تھی بطور اداکارہ یہ فلم میرے لئے ایک چیلنج ہے۔

س۔ اس فلم میں آپ کا کیا رول ہے؟

ج۔ یہ فلم کا مرکزی کیریکٹر ہے۔ جس طرح دلی کی ایک متوسط طبقے کی لڑکی انجیلز میں جاتی ہے اور وہاں کی تیز رفتار دوڑتی کاسمو پالیٹن زندگی میں پھنس جاتی ہے۔

س۔ اس وقت آپ ایسی اداکارہ سمجھی جاتی ہیں جو ہر طرح کے کردار بخوبی نبھا سکتی ہے آپ کا کیا ردعمل ہے؟

ج۔ پچھلے چھ سالوں میں کافی کچھ بدل گیا ہے۔ پہلے ہر حال میں مجھے اپنی جگہ بنانے اور اپنی

گرفت مضبوط کرنے کی فکر تھی آج میں بے فکر ہوں کیونکہ مجھے میری صلاحیتوں کا صحیح اندازہ ہوچکا ہے۔ آج میں نام شہرت، پیسہ، تعریف کے پیچھے نہیں بھاگ رہی ہوں بس صرف اچھی اور تفریحی فلمیں کررہی ہوں اور کرنا چاہتی ہوں۔

س۔ اچھی فلموں سے آپکی کیا مراد ہے؟

ج۔ اچھی فلموں سے میرا مطلب آرٹ، کلاسک فلمیں نہیں بلکہ جھٹکے دار، مٹکے دار، مسالے دار کمرشیل فلمیں بھی ہیں جو بہت تفریحی ہوتی ہیں بس اسی طرح توازن بنائے رکھنا چاہتی ہوں۔

س۔ ایک وقت تھا جب آپ صرف سنسنی خیز ڈانس کی وجہ فلموں میں لی جاتی تھیں اور آج بات کچھ اور ہے؟

ج۔ میں نے جو اشتعال انگیز ڈانس کئے انہیں کرنے کا مجھے کوئی ملال نہیں۔ بلکہ فخر ہے کیونکہ انہی ڈانسس نے مجھے شہرت دلائی اور اسی وجہ سے میں آج تک فلموں میں ٹکی رہی اور اسی ٹکاو نے اس قدر پیچیدہ کردار نبھانے کا بھی موقع دیا ورنہ میں کبھی کے فلموں سے آوٹ ہوجاتی۔

س۔ ستیش بھٹناگر کی ہدایت میں بنی فلم سونچ کے ان دنوں خوب چرچے ہیں۔ اس فلم کے بارے میں آپ کیا کہنا چاہیں گی؟

ج۔ اسے سسپنس ہی رکھا جائے تو بہتر ہے کیونکہ یہ فلم بہت اچھی ہے۔ اس فلم میں ارباز خان، سنجے کپور، آدتی گواتریکر اور خود میرے کردار کو شائقین بہت پسند کرینگے۔ ستیش بھٹناگر کی ہدایت میں بنی یہ فلم ضرور نئی فلموں کو راستہ دکھائیگی۔

س۔ آپ آج زندگی اور اپنے کیرئیر کے مصروف ترین دور سے گذر رہی ہیں مگر کیا اس دوران آپ کو آپ کی ابتدائی ناکامیوں کی کڑوی یادیں ستاتی ہیں؟

ج۔ میں بھی انسان ہوں کبھی کمزور لمحات میں اداس یا کڑوی باتیں یاد آہی جاتی ہیں لیکن میں اس بات کا خیال رکھتی ہوں کہ ایسے "ڈل مومنٹس" زیادہ دیر تک مجھ پر حاوی نہ رہیں ایسے وقت میں یہ سوچ کر خوش ہوجاتی ہوں کہ جن باتوں نے میں کڑواہٹ محسوس کررہی تھی اس سے بھی زیادہ خراب حالات بھی کبھی ہوسکتے ہیں۔

س۔ اس وقت آپ کی زندگی کا بنیادی مقصد کیا ہے؟

ج۔ اس وقت میری زندگی کا بنیادی مقصد ہے کہ میں جو کچھ بھی کروں وہ بہترین ہو۔ کیونکہ اب میں حالات سے سبق سیکھ چکی ہوں۔

شوٹنگ رپورٹ

امیتابھ اور انیل کپور کی "ارمان" چار ریل مکمل

ہنی ایرانی کی ہدایتکاری میں آرتی انٹرنیشنل کے بیانر پر بنائی جانے والی "ارمان" کی اس ہفتہ چار ریل مکمل کرلی گئی ہیں اس فلم کی کہانی بھی ہنی ایرانی نے ہی لکھی ہے۔ فلم کے اہم کرداروں میں امیتابھ بچن، انیل کپور، پریتی زنٹا، گریسی سنگھ، اور رندھیر کپور شامل ہیں۔ فلم کے گیت جاوید اختر نے لکھے ہیں جبکہ شنکر احسن اور لاے اسکے موسیقار ہیں۔

ڈینو موریا اور یکتا مکھی کی بندھک تکمیل کے مراحل میں

شومین انٹرنیشنل کی نئی فلم "بندھک" تکمیل کے مراحل میں قدم رکھ چکی ہے۔ ڈینو موریہ، یکتا مکھی اور نمرتا شروڈکر اس فلم میں اہم رول ادا کررہے ہیں۔ فلم کو شری سریواستوا ڈائرکٹ کررہے ہیں۔ موسیقی نکھل ونئے کی ہے۔ گیت سمیر نے لکھے ہیں۔

گوبندا پرینکا کی "ایک حسینہ ایک دیوانہ" مکمل

گوبندا اور پرینکا چوپڑا کی "ایک حسینہ ایک دیوانہ" اس ہفتہ مکمل کرلی گئی۔ سنگیتا پکچرس کے بیانر پر بنائی جارہی اس فلم میں شکتی کپور، پریم چوپڑہ، ناصر خان اور قادر خان نے بھی اہم رول نبھائے ہیں۔ ونسٹ سلوا کی ہدایت میں بنی اس فلم کو ڈبولک، بپی لہری، جتنے دیپ نے موسیقی دی ہے۔

سنجے دت کے ستارے گردش میں کئی فلمساز پریشان

آجکا معروف ترین اداکار سنجے دت پھر ایکبار اپنی قسمت کی گردش میں گھر گیا ہے۔ سنجے دت کے لئے اب تو لگتا ہے یہ نشیب و فراز اسکے ساتھ لگے ہوئے ہیں کئی ایک مشکلات سے دوچار سنجے دت پچھلے چند عرصہ سے کافی مصروف ہوچکا تھا اور درحقیقت اسے فلمی دنیا کے چند ایک مصروف ترین اداکاروں میں شمار کیا جارہا تھا لیکن ایک نئی گردش نے اسے آگھیرا۔ جسکی وجہ اسے اپنی فلموں میں کاسٹ کرنے والے فلمساز کافی پریشان ہیں۔ سنجے دت کی بیشتر فلمیں زیر تکمیل ہیں جن میں "انہونی، اثر، ایک اور ایک گیارہ، جان کی بازی، لائن آف کنٹرول، محبوبہ، نہلے پہ دہلا، پلان، رودراکش، سرحد پار، محبت ہوگئی ہے تم سے شامل ہیں۔ اب آگے سنجے اور اسکی قیمت ہی جانے۔

آدتی گواتریکر کی فلم 23/اگست کو ریلیز

کافی مدتوں کے بعد آدتی گواتریکر کی فلم "سوچ" 23 اگسٹ کو ملک کے تمام بڑے شہروں میں ایکساتھ ریلیز کردی جائیگی۔ اس فلم کے دیگر اہم فنکاروں میں سنجے کپور، روینہ ٹنڈن، ارباز خان، راہل سنگھ، ڈینی، مشتاق خان، انیل ناگرتھ شامل ہیں۔ زی کے فلمس پرائیوٹ لمیٹڈ کے بیانر پر بنائی گئی اس فلم کو ستیش بھٹناگر نے ڈائرکٹ کیا ہے جبکہ موسیقی جتن للت کی ہے۔ اس فلم کا کافی انتظار ہے کیونکہ یہ سسپنس فلموں کی سیریز میں ایک بہترین اضافہ ثابت ہوسکتی ہے۔

امیتابھ بچن، ہیما مالنی کی "باغبان"

بی آر فلمس کے بیانر پر بنائی جارہی "باغبان" اس ہفتہ تین ریل مکمل کرلی گئی ہے روی چوپڑہ کی ہدایت میں بنائی جانے والی اس فلم میں امیتابھ بچن، ہیما مالنی، سمیر سونی، دیویا دتہ، ناصر خان، نکل، اوتار گل، رمی سین، اسرانی اہم رول ادا کررہے ہیں۔ موسیقی اتم سنگھ دینگے۔

انیل کپور، کرشمہ کپور کی رشتے مکمل

ماروتی انٹرنیشنل کے بیانر پر بنائی جانے والی رشتے اس ہفتہ مکمل کرلی گئی۔ اندر کمار کی ہدایت میں بنی اس فلم میں انیل کپور، کرشمہ کپور، شلپا شٹی، امریش پوری، شکتی کپور اہم رول نبھارہے ہیں۔ موسیقی سنجیو درشن کی ہے۔

فلمی خبریں

امیتابھ بچن، زینت امان برسوں بعد ایکساتھ

سابق میں ڈان، دوستانہ، گریٹ گیمبلر، جیسی سوپر ہٹ فلمیں دینے والی کامیاب جوڑی امیتابھ بچن اور زینت امان پھر ایکبار برسوں بعد شائقین کو دیکھنے کو ملینگے۔ ان دو ستاروں نے حال ہی میں کوئیسٹ پروڈکشن کی نئی فلم "بوم" سائن کی ہے جسکے دیگر اہم ستارے ہیں جیکی شراف، مدھو سپرے

سیما بسواس، جاوید جعفری اور گلشن گرور۔

ٹی وی پروڈیوسر ونیتا تندہ فلم ڈائرکٹ کرینگی

نامور سیریل پروڈیوسر بیک وقت دو دو فلمیں ڈائرکٹ کرینگی۔ ونیتا تندہ جنہیں ٹی وی سیریلس پروڈیوس کرنے میں انفرادی حیثیت ہے اس بار خود اپنی کہانی پر مشتمل فلم "کالی" کی ہدایت دینگی اس کے ساتھ ساتھ وہ ایک انگریزی فلم "وائٹ نائس" کی ہدایت بھی دے رہی ہیں اس فلم کو مہیش بھٹ لکھ رہے ہیں۔ اس فلم کے اہم ستارے تندنا سین اور رندیپ ہانڈا ہیں۔

نائب وزیر اعظم ایل کے اڈوانی نے بھگت سنگھ کو سراہا

نائب وزیر اعظم ہند مسٹر لال کشن اڈوانی نے ٹپس فلمس کے بیانر پر بنی نئی فلم "لجنڈ آف بھگت سنگھ" پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ ایسی فلموں کی تیاری کا رجحان اب کم ہوتا جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ ریش تورانی کی پروڈیوس کردہ فلم لجنڈ آف بھگت سنگھ
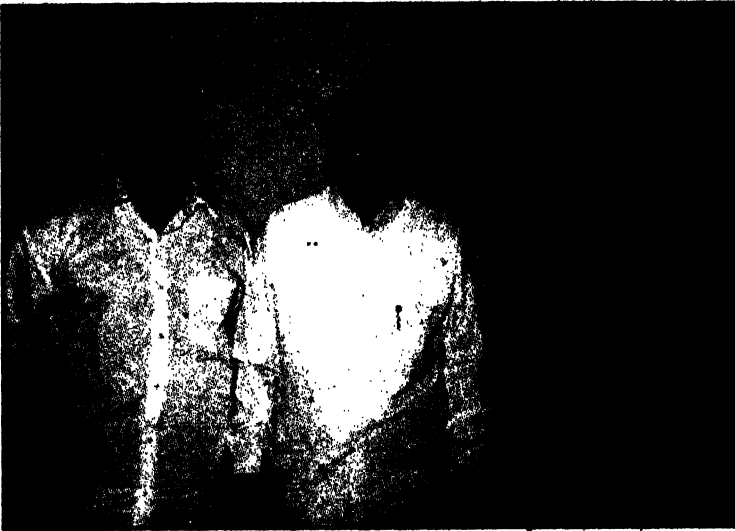
راجکمار سنتوشی کی ہدایت میں بنی ایک غیر معمولی فلم ہے جس میں شہید بھگت سنگھ کے کردار میں اجئے دیوگن نے اپنی صلاحیتوں کا بھرپور مظاہرہ کیا ہے۔ مسٹر اڈوانی نے آخر میں کہا کہ اس فلم کی اہم ضرورت اسکی خالص موسیقی تھی جسے قابل موسیقار اے آر رحمان نے پوری کردی۔

آڈیو ریلیز

"کھلونا جان کر" پرانے ہٹ گیتوں کا کیسٹ

وینس ریکارڈس کمپنی نے اس ہفتہ ایک پرانے سوپر ہٹ ناقابل فراموش گیتوں کا یادگار آڈیو کیسٹ "کھلونا جان کر" جاری کیا ہے۔ جس میں دس گیت شامل ہیں جن میں "کھلونا جان کر" (فلم کھلونا) عجیب داستان (دل اپنا پریت پرائی) یہ دنیا یہ محفل (ہیر رانجھا) جھوٹہ

غموں سے کرلو (سمجھوتہ) محبت کی جھوٹی کہانی (مغل اعظم) "سائیڈ پی میں چل اکیلا (سمبندھ) جو ہم نے داستاں (وہ کون تھی) رنگ اور نور کی (غزل) یہ زندگی اسی کی ہے (انار کلی) تیرے در پہ آیا ہوں (لیلی مجنوں) " جیسی فلموں سے لئے گئے ہیں جنہیں پایہ کہ شعراء آنند بخشی، سیلندرا، کیفی اعظمی، اندیور، شکیل بدایونی، پردیپ، راجہ مہدی علی، ساحر لدھیانوی، راجندر کشن نے لکھے ہیں۔ اس کیسٹ کی دلچسپ اہمیت یہ ہے کہ ہر گیت کے ساتھ شاعری ہے۔ یہ کیسٹ چند غیر معمولی کیسٹس میں شمار ہو رہا ہے۔

"آنکھ ہے بھری بھری"

وینس ریکارڈس کمپنی نے اس ہفتہ اس سال کے سوپر ہٹ نئی فلموں کے ٹاپ ہٹ

ہٹ فلموں سے یہ گیت لئے گئے ہیں۔ جو اوریجنل ساؤنڈ ٹریک پر ہیں مجموعی اعتبار سے

گیتوں کو یکجا کر کے ایک یادگار کیسٹ " آنکھ ہے بھری بھری " ریلیز کیا ہے جس میں کل دس گیت شامل ہیں جن میں تم سے اچھا کون ہے، کچھ کچھ ہوتا ہے، دھڑکن، ہم ہوگئے آپ کے، کہیں پیار نہ ہو جائے، پیار تو ہونا ہی تھا، کھونا پیار ہے، قسم، فلموں سے لئے گئے ہیں۔ یہ گیت اوریجنل ساؤنڈ ٹریک سے لئے گئے ہیں جنہیں ندیم شراون، جتن للت، ہمیش ریشمیاں، راجیش روشن، دلیپ سین سمیر سین جیسے موسیقاروں نے موسیقی دی ہے۔ مجموعی اعتبار سے یہ سال کے ہٹ گیتوں کا ایک یادگار کیسٹ ہے۔

دل گیا میرا دل گیا۔ نئے فلموں کے گیت سونو نگم کی آواز میں

نامور گلوکار سونو نگم کی آواز میں اس سال کے ہٹ گیتوں کا ایک یادگار کیسٹ " دل گیا میرا دل گیا " وینس ریکارڈس کمپنی نے جاری کیا ہے۔ جس میں " یہ ان دنوں کی بات ہے، لائف بن جائے، عشق ہے کیا، ہمیں جب سے محبت، پنچھی، یو آر مائی سونیا، پیار تو کیا کیا، دل نے یہ کہا ہے دل سے، پردیسی جیسے ہٹ گیت اس میں محفوظ ہیں۔ جنہیں تم سے اچھا کون ہے، ہمراز، ہم ہوگئے آپ کے، بارڈر، رفیوجی، کبھی خوشی کبھی غم، دھڑکن جیسے کئی ایک

اس طرح کے کیسٹ بہت کم بنتے ہیں جو سدا بہار ہوتے ہیں اس کیسٹ کی مانگ ہے۔

15 اگسٹ سے 6 دسمبر تک ریلیز ہونے والی فلمیں

15 اگسٹ۔ میں نے دل تجھکو دیا

16 اگسٹ۔ جانی دشمن، ایک انوکھی کہانی، گنگوبائی

23 اگسٹ۔ دل ہے تمہارا، سوچ، سب سے بڑھ کر ہم، ایسا کیوں، ہم انگارے ہیں

30 اگسٹ۔ روڈ، چور مچائے شور، قابو، کہتا ہے دل بار بار، ملاقات، میما کاشی، سنو سسر جی، چلو عشق لڑائیں، کھلم کھلا پیار کرینگے، یہ کیسی محبت، سر، اسکیپ فرم طالبان، گھاو، بارڈر کشمیر، آئی لو جلی

6 ستمبر۔ کانٹے، شکتی، ایک چھوٹی سی لو اسٹوری

20 ستمبر۔ گناہ، ہتھیار، یہ کیا ہو رہا ہے

27 ستمبر۔ انصاف کی جنگ، پیاسا، واہ تیرا کیا کہنا، قرض دی بریڈن آف ٹروتھ، پانچ

11 اکتوبر۔ جال دی ٹراپ

6 ڈسمبر۔ دل کا رشتہ

اس ہفتہ شروع ہوئی فلمیں

● زاہد خان اور ایشا دیول کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل رادے فلمس لمیٹڈ کی نئی فلم " چرا لیا ہے تم نے " کی شروعات کی گئی جسکی موسیقی ہمیش ریشمیاں دے رہے ہیں۔

● انیل کپور، پرینکا چوپڑہ، گریسی سنگھ کی نئی فلم " ہم بھی خوش تم بھی خوش " کی شوٹنگ کی شروعات اس ہفتہ سے کی گئی جو اپیل پکچرس انٹرٹینمنٹ کے بیانر پر بنائی جارہی ہے۔ فلم کی ہدایت ستیش کوشک دے رہے ہیں جبکہ گیت سمیر نے لکھے ہیں موسیقی انو ملک کی فراہم کردہ ہے۔

● ونود چوپڑہ کی نئی فلم " منا بھائی ایم بی بی ایس " کی شوٹنگ کا آغاز ہوا جس میں سنجے دت، سنیل شٹی، جمی شیر گل اہم ستارے ہیں۔ فلم کو راجکمار ہیرانی ڈائرکٹ کر رہے ہیں۔ موسیقی انو ملک کی ہے گیت راحت اندوری نے لکھے ہیں فلم میں سنیل دت بھی اہم رول نبھا رہے ہیں۔

churches, three city gates, the City Hall, patrician mansions and guild halls. These contrast with buildings by notable contemporary architects from at home and abroad (Mario botta, Herzog und De Meuron, Diener and Diener, Richard Meier and Renzo Piano) that dominate the modern townscape.

CULTURE : With its thirty museums, ranging from the world's oldest public art collection to the Foundation Beyeler, from the Karikatur & Cantoon museum to the Dolls' House Museum, Numerous galleries - some of world renown - complete the attractions for art lovers. A lively music and drama scene reinforces Basel's cultural appeal and its reputations as the cultural heart of Switzerland.

FAIRS AND CONGRESSES : There have been fairs for over 500 years. Today, the Messe basel is Switzerland's leading fairs company. Many national and international trade fairs are held here (incl. the World Watch, Clock and Jewellery Show; art and antique fairs such as Art and Tefaf, as well as commercial fairs such as Muba). Major congresses have also taken place in Basel : among others, the first zionist Congress with Theodor Herzl in 1897 and the jubilee celebrations thereof in 1997.

INDUSTRY : Basel is not only the commercial metropolis of the Upper Rhine, it is also Switzerlands second largest commercial centre. It is home to the headquarters of world-famous chemical and pharmaceutical companies, such as Novartis, Roche, Ciba Speciality Chemicals and Clariant, as well as of leading organisations, for example the Bank of International Settlements, UBS, Basel Insurance and Danzas or Panalpina.

CITY OF UNIQUE EXPERIENCES : Basel is a city of unique experiences. In Basel you find works of art and the beauties of nature. You can chat to the locals in one of its many parks and breathe in good fresh air.

Outside the city the beautiful landscapes of the Jura, the Black Forest and the Vosges are the perfect backdrop for walking and hiking.

Pamper yourself in the thermal waters of one of Basel's nearby spas while benefiting your health and wellbeing.

Gaze at exotic animals in the world-famous Basel Zoo and delight in rare plants in the botanical gardens.

Rest and recharge your batteries in the fascination that is Basel: the relaxing city.

the safe heaven accorded to religious refugees (Huguenots), the sild ribbon weaving industry - precursor of today's chemical Industry - the separation into the two half cantons Basel-Stadt and the Basel-Landschaft (City and Countryside) in 1833, industrialisation linked to the railways and Rhine Shipping.

As a former town and important trading centre, Basel has earned its foothold in Europe and is particularly proud of its excellent contacts with neighbouring France and Germany, Indeed close co-operation puts Basel at the heart of this region known as three Countries' Corner.

ROYAL ENCOUNTERS :

"Treat visitors like royalty" goes the saying and royalty has, indeed, visited Basel. A cosmopolitan outlook, tolerance and its strategic location made Basel a historic meeting place. In 1031, for example, King rudolf III's succession was decided here. Isar alexander of Russia, Kaiser Frazn I of Austria and Prussia's King Friedrick Wilhelm III assembled here in 1814. In 1989 the city hosted a summit of leading statement from France, Germany and Switzerland.

Today, the world flocks to the Messe Basel exhibition centre. People come here for the major watch, clock and jewellery event; for leading showcases for art and antiques; for trade fairs and the exhibitions for the general public; for symposiums and congresses. Meanwhile, collectors hunt for curious in the markets and neighbouring squares.

Shops alleyways and streets are an invitation to stroll around or shop. On the market place in front of the historic City Hall, farmer and stallowners from the region offer fresh fruits and vegetables and a host of other delicacies every morning from Monday to Saturday,

In autumn, the Ferris wheel revolves on Cathedral Square at Basel's Autumn Fair - Switzerland's oldest (first mentioned in the 15th Century) and a largest Fair - a treat for visitors from near and far. Then, the coming of Advent transforms Basel with all the radiance of the approaching festive season.

HISTORIC BUILDINGS :

Basel has a close knit historic heart with many buildings from the Middle Ages and the Baroque period - for instance the Cathedral and several former monastery

trees which grow on the gentle hills around Basel are in full bloom.

Summer in Basel is a time to relax and watch the interplay of lights and shade under the trees and to enjoy culinary delights, both simple suppers and hauts cuisine. Autunn is the season for intoxicating colour, wisps of fog, diffuse sunshine, harvest time, streaming furrows, bonfires, and the company of friends.

STANDING ON THE CROSS ROADS : The Roman - Champion travellers and road builders - constructed the first bridge over the rhine at Kaiseraust. Then for centuries, Basel's Mittlere Brucke was the only bridge between here and the sea. The city became a centre of commerce as goods were brought in from all points of the compass. People grew wealthy, founded trading dynasties and built magnificent mansions.

When Rhine became navigable, Basel has a gateway to the sea. Next , with the industrial revolution, trains came to Basel. Aviation was enthusiastically developed by pioneering pilots, further improving communications, and the modern electronic revolution continues the development.

HISTORY : People have lived in Basel for over 2000 years. Celts, Romans, alemans and Franks have left their early traces. Milestones in the city's development include Basel's role as a bishopric (the coat of arms shows a bishops's crozier), guils that go back to the 13th century, the Basel Council (1431-1448), paper manufacture and printing (Erasmus of Rotterdam Hans Holbein), the foundation of the University in 1460, the accession to the Confederation in 1501, the Reformation of 1529 and

the fields and vineyards of the Upper Rhine valley, the lush green hills of the Black Forest, the Vosges and the Lura. In the midst of time the ancestors of this place chose this unique location in a loop of the Rhine for their settlements. It was here the Celts, Romans and Germanic tribes faced each other.

Through the march of history, independent cultures developed and natural divisions came to be political borders. Frontiers might fade away but individual characterstics remain unchanged. Thus the consistent tolerance and cultural diversity of Basel has given the city, its people and its region a unique flavour.

A CITY OF CONTRASTS: In 1356 most of Basel tumbled into dust and ashes in a massive earthquake. With fortitutde and faith, Basels citizens rebuilt what has become the fascinating and lively Old Town we see today.

Basel is faithful to this legacy and yet embraces the best of what is new. Buildings by leading international architects stimulate discussion while providing an exciting contrast to medieval buildings. Basel is also a city where young people have ample scope for development while preserving traditions in age-old guilds and societies.

CITY OF FOUR SEASONS : Early in the year, the three honourable corporation of Kleinbasel parade with their mythical figures : the "Griffon." the "Savage" and the "Lion". A few weeks later, the air resounds to the strains of thousands of piccolos and the beating of drums : Basel's carnival casts a spell on all who experience it.

Spring is the time when asparagus cutters rise early to harvesty succulent stalks from long mounds of earth. The famous horses of the Jura delight in being outdoor once again. The cherry

B A S E L
CULTURAL HEART OF SWITZERLAND

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

Basel is the cultural heart of switzerland. It

lies in the heart of Europe, at the point where Germany, France and Switzerland meet and where the Black Forest, Vosges and Jura mountains intersect.

With close on 2,00,000 inhabitants, Basel is one of Switzerland's largest cities and the centre of a region extending beyond national frontiers where almost 2 million people live and work, Basel is 260 metres above sea level and straddles the Rhine, with Grossbasel on the left bank of the river and Kleinbasel on the right, Six bridges and four idyllic ferries propelled solely by the current connect the two parts of the city.

The European north-south motorway axis, the railway hub with three stations (Swiss, French and German Railways), the Rhine harbours and the Basel-Mulhouse-Freiburg Euro Airport link the city by road, rail, water and air to the rest of Switzerland and to all parts of Europe.
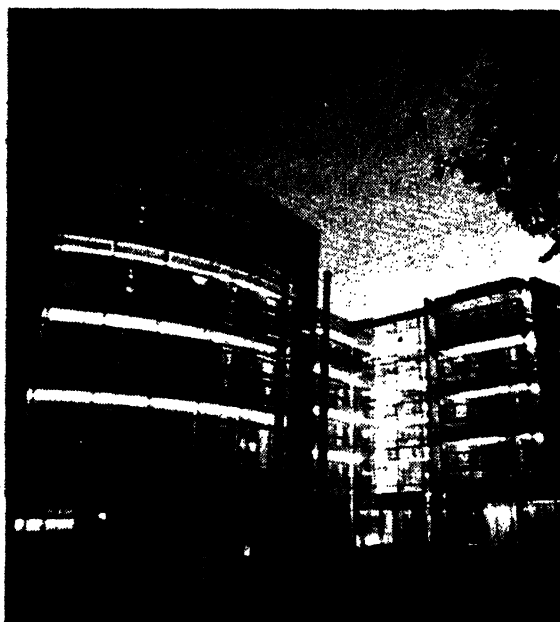
A UNIQUE FLAVOUR :

From its high perch, the cathedral majestically surveys
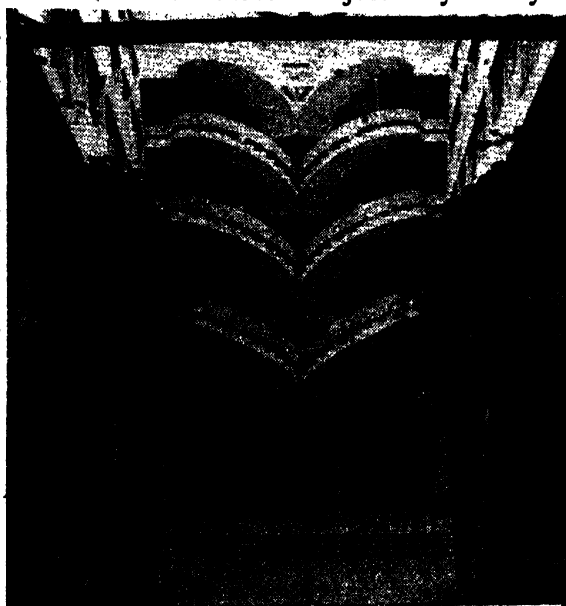
few months to a year. Next comes the frustration stage, when you realise you have to work harder to lose weight and keep it off than people of normal weight. There's annoyance and anger and a 'Why me?' effect that can last for many months or even years. Only in the third stage-tentative acceptance- do you come to terms with your lot and achieve a peaceful sense of resolve. They stop thinking, it's not fair that I have to eat less than my wife who weighs half what I do, or it's not fair that I have to exercise everyday. They no longer consider their effort a sacrifice. It feels more natural, healthier. Once a person goes from understanding what it takes to actually living it, their's not turning back. And that understanding comes from within. Have you ever been motivated to lose weight by a snide comment from a spouse or co-worker, or by an upcoming event such as a wedding? The problem is that external events can only keep you motivated for a short time. It's when you start shedding pounds for yourself that your weight-loss efforts may finally be rewarded. Like other successful dieters who have turned the corner, you'll stop worrying and learn to love food. Farewell to the self-defeating notion that biology is destiny. No more gorging out of boredom, loneliness, anxiety, guilt, or habit. Food, you'll discover, is one of nature's most marvelous gifts.

Caffeine: Bad for Blood Vessels

EVEN a little caffeine can harm blood vessels, at least temporarily. Researchers recently discovered that even the amount of caffeine in a single cup of coffee can cause blood vessel walls to stiffen and that more can bump up blood pressure among people with mild hypertension. Stiffening arteries place an extra load on the heart and increase the risk

of high blood pressure. In a study, caffeine equivalent to the amount found in one cup of coffee increased arterial stiffness among healthy people and raised their blood pressure slightly- and temporarily. A bigger dose of caffeine- the amount you would get in two or three cups of coffee- temporarily increased blood pressure even more among people with mild hypertension. Researchers suggested that this might mean that arterial stiffness stemming from regular caffeine consumption might worsen hypertension among those with high blood pressure increasing their risk of heart attack or stroke.

Feast on Fiber Without Fear!

YOU know fiber is good for you, but you've probably heard warnings that large amounts can cause bloating, flatulence and other digestive discomforts. Now, we learn that these reactions may have been overstated. Researchers looked at digestive problems found among 1,300 women who were eating more than 30 grams of fiber daily (including five servings of vegetables, three fruits and vegetable juice) as part of an ongoing study to see if consuming all that fiber reduced their risk of a breast cancer recurrence. Results showed that even an intake of 35 grams per day didn't cause digestive distress. Fiber, the indigestible part of fruits, vegetables and grains can protect against constipation, irritable bowel syndrome and diverticulitis. It is recommend consuming 40 grams per day.

Getting friendly with FOOD!

Mohd. Mushtaq Ahmed

HOW *can we be satiated before we're stuffed? Researchers have discovered that the weight, volume, fiber content and nutrient makeup of food all help set in motion physiological processes that contribute to the agreeable sensation that follows a sumptuous meal.*

Fill Up without Filling Out

Foods high in fat are slow to trigger satiation signals because they're low in weight for the number of calories they deliver. You're likely to take in far more calories from high-fat foods than from protein and carbohydrate foods before you feel full. The foods researchers have found to be most efficient at quenching the appetite are fruits, vegetables, legumes, nuts, whole grains, and fish. High-fiber foods—beans, corn, broccoli, brown rice, apples, dried fruit, and the like—are particularly good at filling you up without filling you out. They pack a lot of volume for their calories, and they hang around in your stomach longer, delaying the time when you feel hungry again. While a three-ounce, 470-calorie cheeseburger fits in the palm of your hand, you'd have to polish off a plate crowded with two ears of corn, a baked potato, a cup of carrots, and a cup of cooked spinach to approach the same number of calories. Fruits, vegetables, legumes, nuts, whole grains, and fish. One of the secrets of getting
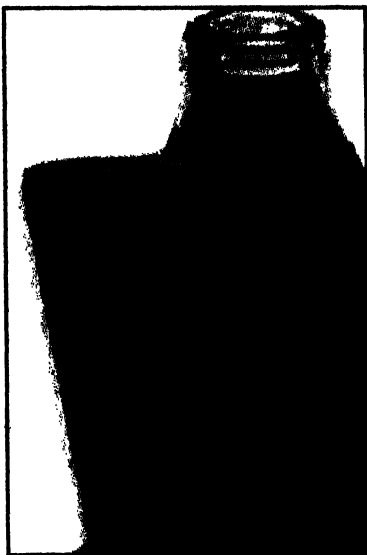
friendly with food is learning how to use ingredients in mouth-watering combinations. And the combinations from Nature's bounty are endless. The gifts of Neptune? Try your shrimp grilled with garlic and fresh peppers, your scallops broiled with lemon juice and a splash of olive oil. Wondering what to do with those highly touted beans? A plateful of vegetables? Roast them in a little olive oil and garlic, sprinkled with fresh rosemary. Variety, as they say, is the spice of life.

Do it for Yourself

VARIETY, moderation, a stocked pantry. Do these avenues to a slimmer waist sound a bit too easily travelled? In truth, people who master the get-friendly-with-food approach often do so after years of trial and error. What starts as a diet slowly morphs into a way of life. Various studies over the past decade have revealed a number of common threads among dieters who have met with long-term success, and one of them is precisely this: No matter how weird or wacky their diet starts out, weight losers eventually adopt a sensible eating plan they're content to stay on for the long haul. How can you achieve this enviable peace of mind? It isn't easy, according to a psychologist. Most successful dieters go through a series of stages before reshaping their eating habits. First there's the honeymoon; it's filled with optimism, but that optimism usually fades within a

دولت مشترکہ گیمس میں گولڈ میڈل حاصل کرنے والی شیلجا پجاری اور سلور میڈل حاصل کرنے والی لکشمی شیٹی اسکولی طلباء کے ساتھ

گولڈ میڈلسٹ محمد علی قمر کا کولکتہ آمد پر والہانہ استقبال

گجرات میں انتخابات

بی جے پی کا منصوبہ ناکام

شیوانی بھٹناگر قتل مقدمہ میں شک کی سوئی پر مود مہاجن پر بھی
(انسیٹ میں) شیوانی بھٹناگر

نئی ترکیب: انگریزی فلم "اسپائیڈر میان" سے متاثر ہو کر تھائی لینڈ کی گیس سلنڈر کمپنی نے اسٹاف کے لئے ایسا ہی لباس لازم کر دیا.
یہ ترکیب کامیاب ثابت ہوئی اور فروخت میں سو گنا اضافہ ریکارڈ کیا گیا

سب ٹی وی پر لالو پرساد یادو کی طرز زندگی پر ٹیلی کاسٹ کئے جانے والے سیریئل پر عدالت نے پابندی لگا دی

Siasat

بہ یاد عابد علی خاں

Vol. 7. HYDERABAD Issue : 17 Rs. 10/- (17) شمارہ (7) جلد :

Editor: ZAHID ALI KHAN

1 - 15 SEPTEMBER - 2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188
New Delhi: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.
mumbai: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
Calcutta: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
Bangalore: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
Ahmedabad: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.
Saudi Arabia: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
Kuwait: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدر آباد سے شائع ہوا۔

15 اگست 2002
davp 2002/175

کشمیر اسمبلی کے انتخابات کی اہمیت

کشمیر اسمبلی کے انتخابات اس مرتبہ غیر معمولی اہمیت کے حامل بن گئے ۔ اس بات کے قطع نظر کہ ان انتخابات کے نتیجہ میں کس پارٹی کو اکثریت حاصل ہوسکتی ہے ۔ نیشنل کانفرنس دوبارہ برسر اقتدار آسکتی ہے یا نہیں ، کانگریس تمام اپوزیشن جماعتوں کے اشتراک سے کیا کرشمہ دکھاسکتی ہے ۔ بھارتیہ جنتا پارٹی جس نے ریاست کی تین حصوں جموں ، لداخ اور وادی کشمیر میں تقسیم کا شوشہ چھوڑا ہے ان انتخابات میں کیا رول ادا کرسکتی ہے ۔ جموں کے پنڈت طبقہ حمایت حاصل کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوسکتی ہے ۔ اور حریت کانفرنس میں شامل کتنی جماعتیں انتخابات میں حصہ لینے پر آمادہ ہوسکتی ہیں ۔ سابق مرکزی وزیر رام جیٹھ ملانی علحدگی پسند جماعتوں اور گروہوں کو جمہوری راستہ اختیار کرنے میں کس حد تک کامیاب ہوسکتے ہیں ۔ بی جے پی قائد ارون جیٹلی فاروق عبداللہ کو جو خود مختاری کی مانگ کررہے ہیں کس حد تک مطمئن کرسکتے ہیں یہ تمام امور اپنی اپنی جگہ کشمیر کی سیاست کے معاملہ میں اہمیت رکھتے ہیں لیکن اس وقت سب سے اہم سوال یہ ہے کہ حکومت ہند اور کشمیر کے فاروق عبداللہ حکومت ریاست میں انتہائی پرامن طریقہ پر آزادانہ اور منصفانہ انتخابات کے انعقاد میں کس حد تک کامیاب ہوسکتی ہے ۔ ریاست کے ہر بلغ رائے دہندے کو اپنے حق رائے دہی سے استفادہ کرنے کا موقع فراہم کرتے ہوئے عوام کا اعتماد حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ اور ہم دنیا کو یہ بتاسکتے ہیں کہ کشمیر کے عوام نے کسی دباؤ کے بغیر آزادانہ فضا میں اپنی رائے کا اظہار کیا ہے اور انھیں اسکے لئے پورا پورا موقع دیا گیا ۔

بین الاقوامی برادری نے ان انتخابات کو رائے عامہ کی کسوٹی تصور کرلیا ہے ۔ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے گذشتہ جون میں ہی یہ تاثر پیش کیا تھا کہ کشمیر اسمبلی کے انتخابات ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بات چیت اور مفاہمت کی راہ ہموار کرنے کی سمت پہلا قدم ثابت ہوں گے ۔ امریکی نظم و نسق نے دونوں ملکوں کو بات چیت پر رضامند کرنے کے لئے جو حکمت عملی اختیار کی ہے اس میں کشمیر اسمبلی کے انتخابات کو بنیادی اہمیت دی ہے ۔

انتخابات کے دوران ریاست دہشت گردی کے واقعات سے محفوظ رہے اور امن و ضبط میں خلل ڈالنے اور رائے دہندوں کو خوف و دہشت میں مبتلا کرنے کی سرگرمیوں سے علحدگی پسند باز آجائیں تو امریکہ اس کو بڑی کامیابی تصور کرتے ہوئے حکومت ہند کو اس بات کا قائل کرانے میں کامیاب ہوجائے گا کہ سرحد پار سے مداخلت اور دہشت گردی کو روکنے میں پاکستان کامیاب ہوگیا ہے اس لئے اب دونوں ملکوں کو اپنے تمام حل طلب امور پر جن میں مسئلہ کشمیر بھی شامل ہے اعلی سطح پر اہم مذاکرات شروع کردینا چاہئے ۔

اگر ریاست کے عوام اور بین الاقوامی برادری اس بات سے مطمئن نہ ہو کہ ریاست کے عوام کو پرسکون فضا میں آزادانہ طریقہ پر رائے دہی کا موقع حاصل نہیں ہوسکا تو پھر یہ انتخابات بھی ایک متنازعہ مسئلہ بن سکتے ہیں ۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے وہ ریاست میں اب تک منعقد کئے گئے انتخابات کو بھی ریاست کی رائے عامہ کا فیصلہ تصور کرنے سے انکار کرتا ہے ۔ حکومت پاکستان اور کشمیر کے علحدگی پسند 50 سال قبل کے اقوام متحدہ سلامتی کونسل کی اس قرارداد کی رٹ لگارہے ہیں جو استصواب عامہ سے متعلق تھی ۔ اس مرتبہ اگر ریاست میں منظم طریقہ پر صاف ستھرے انداز میں عوام کو حق رائے دہی سے استفادہ کا موقع دیا جائے تو پاکستان اور دوسرے علحدگی پسندوں کا موقف غیر اہم اور بے وزن ثابت ہوسکتا ہے ۔ عالمی برادری ہندوستان کے موقف کی بھرپور تائید پر مجبور ہوسکتی ہے ۔ امریکہ ، برطانیہ اور ساری یوروپی برادری ہند پاک مفاہمت کے بارے میں اس وقت کافی سنجیدہ ہے اسکی بڑی وجہ خود امریکہ کا مفاد ہے ۔ امریکی نظم و نسق جنوبی ایشیاء میں اپنی بالادستی کو قائم کرنے کے لئے پاکستان اور ہندوستان کی تائید اور تعاون کا طلبگار ہے ۔ اسی لئے گذشتہ جون سے امریکی وزارت خارجہ اعلی سطح پر ہندوستان اور پاکستان سے صلاح و مشورہ میں مصروف ہے ۔ وزیر خارجہ کولن پاول کے بعد نائب وزیر خارجہ رچرڈ آرمیٹج مسلسل برصغیر کے دورے کررہے ہیں ۔ اقوام متحدہ جنرل اسمبلی کے سربراہ اجلاس کے موقع پر اور آئندہ سال جنوری میں اسلام آباد میں منعقد شدنی سارک چوٹی کانفرنس کے موقع پر مسٹر اٹل بہاری واجپائی اور جنرل پرویز مشرف کی راست ملاقات اور مذاکرات کے لئے راہ ہموار کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔

کشمیر اسمبلی کے انتخابات کا اطمینان بخش طریقہ پر انعقاد اس پس منظر میں نمایاں اور کلیدی اہمیت کا حامل ہے ۔ حکومت ہند پر اس سلسلہ میں بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے ۔ ریاست کی تمام سیاسی جماعتوں کو بھی اس سلسلہ میں اپنے جماعتی مفادات سے بالاتر ہوکر کام کرنا ہوگا اور عوام کو اپنے حق رائے دہی سے استفادہ کرنے کے مواقع مہیا کرنے کے سارے جتن کرنے ہوں گے ۔ تاکہ یہ انتخابات ہندوستان اور پاکستان کے درمیان خوشگوار تعلقات کا نقطہ آغاز ثابت ہوسکیں ۔

زاہد علی خان

مولانا رضوان القاسمی

دس ہزار فرشتے

حضرت شیخ محی الدین ابن عربی حج کے ارادے سے نکلے۔ آپ بغداد کی ایک دکان پر زادراہ خرید فرمارہے تھے کہ ایک بڑھیا کو کوڑے سے مردہ مرغی اٹھا کر چادر میں چھپا کر لے جاتے ہوئے دیکھا۔ شیخ بے قرار ہوگئے۔ اس کے پیچھے پیچھے اس کے گھر گئے، دستک دی، بڑھیا سے اس کی وجہ پوچھی، وہ بولی: "اے مسافر! اپنی راہ لے، تو کیوں میرا راز فاش کراتا ہے، میرے بچے تین وقت کے فاقے سے نڈھال ہوچکے ہیں، اب ان کی زندگی بچانے کیلئے اضطرار کی حالت میں یہ مردہ مرغی اٹھا کر لائی ہوں"۔ شیخ نے یہ سن کر اپنی بغل سے حج کا تمام سرمایہ نکال کر بڑھیا کے سپرد کردیا اور اپنے ساتھیوں کے قافلہ سے علحدہ ہو کر گھر چلے گئے ...... شیخ کے قافلے والے جب حج کرکے لوٹے تو شیخ سے ملنے آئے اور انہیں قبولیت حج کی مبارکباد پیش کی۔ خدا آپ کا حج قبول کرے، آپ کا حج مبارک ہو، شیخ حیران ہوگئے کہ یہ لوگ مجھے مبارکباد کیوں دے رہے ہیں، میں تو حج کے بغیر واپس آگیا تھا، اسی حیرانی کے عالم میں سوگئے۔ ہاتف غیبی نے آواز دی کہ اے ابن عربی! تم تعجب کیوں کرتے ہو؟ ہم نے تمہاری شکل و صورت کے دس ہزار فرشتے حرم میں بھیج دئے تھے تاکہ وہ تمہاری طرف سے حج کریں، کیوں کہ تم نے ایک غریب شریف زادی کو فاقہ کی مصیبت سے نجات دلائی تھی۔

اسلام میں نفلی عبادات، نفلی نماز اور نفلی حج کی اہمیت و برکت اپنی جگہ مسلم ہے لیکن اس واقعہ سے معلوم ہوا کہ خدا کے برگزیدہ بندے جو مزاج دین اور منشائے شریعت سے واقف ہیں وہ اس طرح کی نفلی عبادات کے مقابلہ میں مخلوق خدا کی خدمت اور کسی بندے یا بندی کی کسی ضرورت کی تکمیل کو مقدم اور ضروری سمجھتے ہیں، ایسا کرنا ایک حدیث کے بموجب دس سال کے اعتکاف سے افضل اور بہتر ہے اور ایسا شخص خدا کی مدد اور نصرت کا مستحق قرار پاتا ہے۔ آج کے مادی دور اور خود غرضانہ ماحول میں اس حقیقت کو اپنی سیرت میں سب سے زیادہ پیوست کرنے کی ضرورت ہے تاکہ بیکسوں، محتاجوں، معذوروں، یتیموں، بیواؤں اور مصیبت زدوں کی خاطر خواہ دادرسی ہوسکے۔

اعلیٰ ظرفی کی مثال!

مولانا اشرف علی تھانوی نے سرسید احمد خاں کا ایک واقعہ (الافاضات الیومیہ، جلد ۱) ان الفاظ میں بیان کیا ہے ....

ایک انگریزی تعلیم یافتہ شخص ملازمت نہ ملنے کی وجہ سے پریشان تھا، کیا سوجھی کہ ایک بڑے انگریز افسر کے پاس پہنچا اور کہا کہ میں سرسید کا داماد ہوں، مجھ کو ملازمت کی ضرورت ہے، وہ انگریز بہت ہی خاطر سے پیش آیا اور کہا کہ آپ ٹھہریں۔ اس کو ٹھہرا کر اس کی لاعلمی میں ایک تار سرسید کو دیا کہ فلاں شخص اس نام کا ہمارے پاس ملازمت کے خیال سے آیا ہے اور اپنے آپ کو آپ کا داماد کہتا ہے، کیا یہ واقعہ صحیح ہے؟

جواب میں سرسید نے اس انگریز کو لکھا، بالکل صحیح ہے۔ ضرور آپ ملازمت کیلئے کوشش فرمادیں، میں آپ کا ممنون ہوں گا، اس شخص کو ملازمت مل گئی۔

ایک روز اتفاق سے اس انگریز نے اس شخص سے یہ واقعہ (سرسید سے تحقیق کا حال) بیان کردیا، یہ بہت ہی شرمندہ ہوا اور کچھ عرصہ کے بعد یہ شخص علی گڑھ آیا اور سرسید سے مل کر معافی کی درخواست کی اور کہا کہ میں وہی ہوں جس نے اپنے آپ کو آپ کا داماد بتا کر ملازمت لی ہے، یہ گستاخی بضرورت تھی۔

سرسید نے جواب میں کہا کہ گویہ بات اس وقت غلط تھی مگر اب صحیح ہوجائے گی۔ داماد کہتے ہیں بیٹی کے شوہر کو۔ اس کی ایک صورت تو یہ تھی کہ میری بیٹی آپ کی بیوی ہوتی، سو یہ تو نہیں ہوسکتا۔ مگر دوسری صورت ممکن ہے وہ یہ کہ آپ کی بیوی کو میں اپنی بیٹی بنالوں، سو میں آپ کی بیوی کو اپنی بیٹی بناتا ہوں اور وہ میری بیٹی اور میں اس کا باپ۔

یہ توجیہ وقتی ہی نہ تھی بلکہ تازندگی باپ بیٹی اور داماد کا سا برتاؤ رکھا، بلانا، لینا دینا سب اسی طرح رکھا (تہذیب الاخلاق)

ساری دنیا کا ہمدرد بننا آسان ہے مگر قوم کے ایک مصیبت زدہ فرد جس سے تمہیں پہنچی ہو اس کے معاملہ کو اپنا معاملہ بنالینا بہت مشکل ہے۔ یہ وہی شخص کرسکتا ہے جو قوم کا سچا خیر خواہ ہو اور اسی کے ساتھ بڑے دل والا بھی۔ (ماخوذ)

میں زہر ہلاہل کو کبھی کہہ نہ سکا قند

از مجاہد ملت حضرت مولانا حفظ الرحمان سیوہاروی، ناظم عمومی، جمعیۃ علماء ہند

"جو حالات ہمارے سامنے ہیں کہ انسان خود انسان کے خون کا پیاسا ہے، ہم نہیں سمجھ سکتے کہ ان کو کن الفاظ سے تعبیر کریں۔ وحشت اور درندگی کا لفظ بھی کافی نہیں ہے بلکہ سچ یہ ہے کہ وحشت اور درندگی اس حالت سے شرم کررہی ہے، شیر اور بھیڑیئے جو سب سے زیادہ وحشت ناک درندے مانے جاتے ہیں وہ دوسرے جانوروں کا خون چوس کر درندگی کی پیاس بجھاتے ہیں لیکن اپنے بچوں کو وہ بھی نہیں پھاڑتے ...... یہ حضرت انسان ہیں کہ خود اپنے ہم جنس بچوں اور عورتوں اور کمزور انسانوں کو ذبح کرتے ہوئے نہیں شرماتے، عوام کی وحشت اور درندگی کا علاج حکومت کا فرض ہے لیکن اس کا کیا علاج جب معالج خود اور امن کے ذمہ دار وحشت زدہ ہوجائیں۔

ہندوستان ہمارا وطن ہے، یہ ہمارا روایات کا مخزن اور ہماری تہذیب وثقافت کا گہوارہ ہے، اس کی در و دیوار پر ہماری ہزار سالہ تاریخ کے نشانات کندہ ہیں، اگر پنڈت جواہر لال نہرو کو یہاں رہنے کا حق حاصل ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ انہیں جیسا ہمارا حق بھی اس سرزمین پر نہ ہو۔ ہم اس ملک میں رہنے والے مسلمان ہیں، اس لئے نہیں ہیں کہ کسی کی چاپلوسی کریں یا یہ سمجھیں کہ اس سے ہندو خوش ہوگا یا پنڈت نہرو خوش ہوں گے۔ اگر مسلم زعماء کے دل میں ایک منٹ کے لئے بھی یہ خیال گزرے تو میں کہوں گا کہ اس سے بڑی بزدلی اور نفاق نہیں ہوسکتا۔ یہ ملک جس طرح اکثریت کا ہے اسی طرح اقلیت کا بھی"

(ماخوذ: بیس بڑے مسلمان")

تذکرہ مولانا حفظ الرحمن سیوہاروی

ویرپن نے کرناٹک کے سابق وزیر کا اغوا کرلیا

یل ٹی ڈی ای کے حامی قائد کی رہائی کا مطالبہ

کرناٹک میں خطرناک ڈاکو اور صندل کی لکڑی کے اسمگلر ویرپن نے پھر ایک بار حرکت میں آکر کرناٹک کے ایک سابق وزیر کا اغوا کرلیا ۔ اس طرح وہ پھر ایک بار ملک بھر میں موضوع بحث بن گیا ۔ ویرپن جو کہ کرناٹک اور ٹاملناڈو کے جنگلات کا بے تاج بادشاہ مانا جاتا ہے وہ صندل کی لکڑی کے ساتھ ساتھ ہاتھی کے دانتوں کی اسمگلنگ میں ملوث ہے ۔ گذشتہ 15 تا 20 برسوں سے کرناٹک اور ٹاملناڈو کی پولیس اسے گرفتار کرنے میں ناکام ہوگئی ۔ واضح رہے کہ ویرپن دونوں صوبوں میں قتل اور اغوا کے بیشمار واقعات میں ملوث ہے ۔ گذشتہ دو برس قبل اس نے کنڑ فلموں کے سوپر اسٹار راجکمار کا اغوا کرلیا تھا ۔ اور 108 دنوں تک محروس رکھنے کے بعد انہیں رہا کیا تھا ۔ اس وقت 108 دنوں تک پولیس دن رات کوشش کے باوجود اسکے ٹھکانے کا پتہ نہیں چلاسکی تھی ۔ ویرپن نے کاماگیری موضع سے 25 اگسٹ کی رات سابق وزیر ایچ ناگپا کا اغوا کرلیا ۔ اطلاعات کے مطابق سابق صوبائی وزیر ناگپا اپنے اس آبائی موضع میں اپنے نواسے کی سالگرہ تقریب میں شرکت کے بعد آرام کررہے تھے ۔ رات دیر گئے 7 نقاب پوش انکے مکان
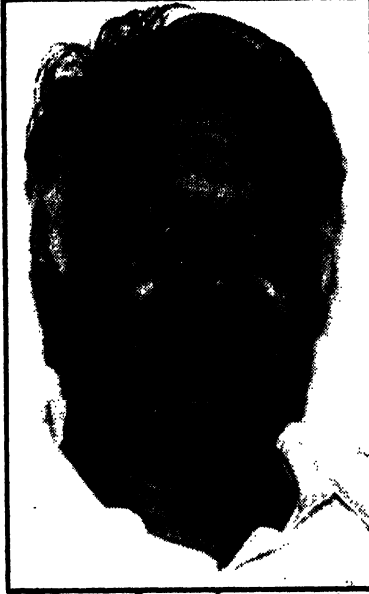
پہونچے اور باہر آنے کو کہا ۔ انکے انکار پر فائرنگ کی جس سے سابق وزیر باہر نکلے جس کے بعد انکا اغوا کرلیا گیا ۔ بتایا جاتا ہے کہ ان نقاب پوش افراد میں خود ویرپن بھی شامل تھا ۔ واضح رہے کہ یس ناگپا جنتادل یونائیٹڈ حکومت میں زراعت کے وزیر تھے اور وہ ابتداء ہی سے ویرپن کی سرگرمیوں کے خلاف کھل کر اظہار خیال کرتے رہے ۔ اسکے بعد ویرپن نے ان کا نام اپنی ہٹ لسٹ میں شامل کرلیا تھا ۔ اطلاعات کے مطابق ایک سال قبل ویرپن نے انہیں ایک دھمکی بھرا خط روانہ کیا تھا جس میں اغوا کی دھمکی دی گئی تھی ۔ دلچسپ بات تو یہ ہے کہ ویرپن نے سابق وزیر کا اغوا اس وقت کیا جبکہ کرناٹک اور ٹاملناڈو کی خصوصی ٹاسک فورس ویرپن کی تلاش میں جنگلوں میں گھوم رہی ہے ۔ کاماگیری موضع جہاں سے سابق وزیر کا اغوا کیا گیا وہ جنگل سے کافی دور بتایا جاتا ہے ۔ لیکن ویرپن پولیس کو چکمہ دے کر اپنی کارروائی کو کامیابی کے ساتھ انجام دینے میں کامیاب ہوگیا ۔ سابق وزیر کے اغوا کا ایک اور دلچسپ پہلو یہ بھی ہے کہ ویرپن جس وقت سابق وزیر کا اغوا کررہا تھا دوسری طرف پولیس ویرپن کے حالیہ شکار فلمسٹار راجکمار کیلئے سیکوریٹی کے انتظامات میں مصروف تھی ۔ فلمسٹار راجکمار 25 ماہ کے وقفہ کے بعد پہلی مرتبہ اپنے آبائی موضع گجنور پہونچے تھے اور ساری پولیس فورس انکے سیکوریٹی انتظامات میں مصروف تھی ۔ ویرپن کے قبضہ سے رہائی کے بعد پولیس راجکمار کو انکے آبائی مقام جانے کی اجازت نہیں دے رہی تھی ۔

زائد پولیس فورس کو جنگل میں روانہ کیا گیا ہے تاکہ وہ تلاشی مہم میں خصوصی ٹاسک فورس کی مدد کرے ۔ جنتادل یونائیٹڈ کے قائد ناگپا کے اغوا کے بعد انکے حامیوں نے احتجاج کرتے ہوئے پرتشدد کارروائیاں کیں ۔ کاماگیری اور دوسرے علاقوں میں کشیدگی پھیل گئی ۔ پولیس کا کہنا ہے کہ انٹلی جنس حکام نے ناگپا کو پہلے ہی چوکس کردیا تھا اور انہیں مشورہ دیا تھا کہ پولیس کو اطلاع دئے بغیر وہ کہیں نہ جائیں ۔ لیکن وہ پولیس کو اطلاع دئے بغیر اور سیکوریٹی کے بغیر ہی اپنے آبائی موضع کو روانہ ہوئے تھے ۔

چیف منسٹر ایس ایم کرشنا کی ٹاملناڈو ہم منصب جے للیتا سے ملاقات

واضح رہے کہ ویرپن نے جب فلمسٹار راجکمار کا اغوا کیا اس وقت ایک ٹامل اخبار "نکیرن" کے ایڈیٹر گوپال نے مصالحت کنندہ کا رول ادا کیا تھا ۔ اور کئی کروڑ روپے ادا کرنے پر ہی ویرپن نے راجکمار کو رہا کیا تھا ۔ صندل کی لکڑی کے اسمگلر ویرپن کی جانب سے ایک سابق صوبائی وزیر کے

جے للیتا اور اڈوانی تبادلہ خیال کرتے ہوئے

اغوا کے واقعہ نے اس وقت ایک نیا موڑ اختیار کیا ۔ ویرپن نے حکومت کرناٹک کو ایک آڈیو ٹیپ روانہ کرتے ہوئے سابق وزیر ایچ ناگپا کے بدلے ٹامل نیشنلسٹ مومنٹ کے قائد نیدومارن کی رہائی کا مطالبہ کیا ہے ۔ جو کہ ان دنوں پوٹا قانون کے تحت جیل میں بند ہیں۔

اغوا کے 24 گھنٹے بعد ویرپن کی آواز میں آڈیو ٹیپ حکومت کو ملا ۔ بتایا جاتا ہے کہ ویرپن نے اغوا کے بعد جنگل میں جاتے ہوئے گاؤں والوں کو یہ ٹیپ حوالے کیا تھا اور ہدایت دی تھی کہ دوسرے دن اسے حکام تک پہونچا دیں ۔ 55 منٹ کے اس ٹیپ میں بتایا جاتا ہے کہ ویرپن نے اپنے سابقہ کئی مطالبات کو بھی دہرایا جو کہ اس نے کنڑ فلمسٹار راجکمار کے اغوا کے وقت کئے تھے ۔ ویرپن کا سب سے اہم مطالبہ یہ ہے کہ ٹامل نیشنلسٹ مومنٹ یعنی ٹی این ایم کے قائد نیدومارن کو رہا کردیا جائے ۔ اس مطالبہ نے کرناٹک اور ٹاملناڈو کو ایک ساتھ تنازعہ میں گھسیٹ لیا ہے ۔ ویرپن نے کرناٹک کے سابق وزیر کا اغوا کیا لیکن انکے بدلے جن کی رہائی کی مانگ کررہا ہے وہ شخص ٹاملناڈو کی جیل میں بند ہے ۔ واضح رہے کہ ٹاملناڈو کی جے للیتا حکومت نے ٹی ایم ایم قائد نیدومارن کو انکے مبینہ موافق ایل ٹی ٹی ای موقف پر کارروائی کرتے ہوئے پوٹا کے تحت گرفتار کرلیا ۔ نیدو مارن نے سری لنکا کی علحدگی پسند عسکری تنظیم لبریشن ٹائیگرس آف ٹامل ایلم یعنی ایل ٹی ٹی ای کی تائید کی تھی جسکے بعد انہیں پوٹا قانون کے تحت گرفتار کرکے جیل میں بند کردیا گیا۔

ویرپن ، نیدومارن کے علاوہ انکے ایک اور ساتھی کی رہائی کا مطالبہ کررہا ہے جو اسی الزام کے تحت جیل میں بند ہیں ۔ چونکہ یہ گرفتاری کا معاملہ ٹاملناڈو حکومت کا ہے لہذا کرناٹک حکومت کی مشکلات میں اضافہ ہوچکا ہے ۔

ویرپن کی جانب سے نیدومارن کی رہائی کے مطالبہ کی اہمیت اس اعتبار سے بھی ہے کہ گذشتہ دو سال قبل جب ویرپن نے فلمسٹار راجکمار کا اغوا کیا تھا اس وقت نیدومارن کی مصالحتی کوششوں کے سبب ہی ویرپن نے راجکمار کو رہا کیا تھا ۔ کرناٹک کے چیف منسٹر ایس ایم کرشنا نے اس تنازعہ کی یکسوئی کے لئے ٹاملناڈو کی چیف منسٹر جے للیتا سے ملاقات کی ہے تاکہ دونوں صوبے ملکر کوئی مشترکہ حکمت عملی کو قطعیت دیں ۔ ویرپن کا آڈیو ٹیپ ملنے کے بعد ایس ایم کرشنا نے کہا کہ انکی حکومت کے ترجیح سابق وزیر ناگپا کو ویرپن کی قید سے چھڑانا ہے ۔ انہوں نے کسی مصالحت کار کی خدمات حاصل کرنے کے سوال کا کوئی جواب نہیں دیا ۔ اسی دوران نائب وزیراعظم ایل کے اڈوانی بنگلور پہونچے ۔ وہ بی جے پی کے ایک پروگرام میں شرکت کے لئے آئے تھے ۔

ایل کے اڈوانی جن کے پاس وزارت داخلہ کا بھی قلمدان ہے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ ویرپن کے قبضہ سے سابق وزیر کو چھڑانے کے لئے مرکزی حکومت ہر ممکنہ تعاون کرے گی ۔ انہوں نے کہا کہ ویرپن کا مسئلہ اب صرف چند ریاستوں کا نہیں بلکہ ملک کے لئے ایک سنگین مسئلہ بن چکا ہے ۔ کرناٹک کے وزیر داخلہ ملک ارجن کھرگے نے ایل کے اڈوانی سے ملاقات کرتے ہوئے مرکز سے زائد کمانڈوز دینے کی اپیل کی تاکہ ویرپن کی تلاشی مہم میں شدت پیدا کی جاسکے ۔ انہوں نے نیم فوجی دستوں کے ذریعہ بھی تلاشی مہم میں مدد کرنے کے لئے نمائندگی کی ۔ اسی دوران ویرپن کی قید میں پھنسے سابق وزیر و جنتادل قائد ایچ ناگپا کے گھر والوں نے اس واقعہ کے لئے کرناٹک حکومت کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے کہا کہ ویرپن کی ہٹ لسٹ میں ناگپا ناکام ہونے کے باوجود انکی سیکورٹی پر توجہ نہیں کی گئی ۔ جبکہ حکومت کا کہنا ہے کہ اس نے ناگپا کو چوکس کردیا تھا ۔ کرناٹک کے سابق وزیر کی رہائی کا مسئلہ اب ٹاملناڈو کے ہاتھ میں ہے ۔ اب دیکھنا یہ ہے کہ آیا جے للیتا حکومت نیدومارن کی رہائی کے لئے تیار ہوگی یا نہیں۔

●●●●

کشمیر میں انتخابات

ریاست میں جموں و کشمیر میں انتخابات کے لئے مہم تیز ہوگئی ہے لیکن یہاں آزادانہ و منصفانہ انتخابات کے انعقاد کے تعلق سے مختلف گوشوں سے شبہات کا اظہار کیا جارہا ہے تاہم الیکشن کمیشن کا یہ فیصلہ اپنی جگہ درست ہیکہ ریاست میں انتخابات کے لئے حالات سازگار نہیں ۔ سب سے زیادہ خطرہ عسکریت پسندی کا ہے جس سے نمٹنے کے لئے موثر انتظامات کئے جارہے ہیں ۔ الیکشن کمیشن نے چار مرحلوں میں انتخابات کا شیڈول جاری کردیا ہے اس کے ساتھ جہاں مختلف سیاسی جماعتوں نے اپنی انتخابی مہم شروع کردی وہیں حریت کانفرنس کو آمادہ کرنے کی کوشش بھی جاری ہیں ۔ کشمیر کمیٹی کے سربراہ و سابق مرکزی وزیر قانون مسٹر رام جیٹھ ملانی نے حریت قائدین سے سرینگر میں ملاقات کی اور انھیں مختلف امور پر بات چیت کے لئے رضامند کرلیا ۔ یہ انتخابات میں حریت کو رضامند کرنے کی سمت پہلا قدم متصور کیا جاسکتا ہے ۔ کیونکہ حریت کانفرنس کے قائدین نے اپنے اس موقف کااظہار کیا ہیکہ وہ بات چیت کے لئے رضامند ہیں اور مسئلہ کشمیر کی یکسوئی کے لئے وہ ہر جمہوری راستہ اختیار کرنے پر آمادہ ہیں ۔ چنانچہ حریت کانفرنس کا وفد دوسرے دور کی بات چیت کے لئے دہلی آجائے گا جہاں کشمیر کمیٹی سے ملاقات کی جائے گی ۔ حریت کانفرنس کے صدر نشین عبدالغنی بھٹ نے واضح طور پر کہا ہیکہ مذاکرات کے عمل میں وہ پیشرفت کے خواہاں ہیں ۔ تاہم جہاں تک انتخابات کا تعلق ہے اس نے حصہ لینے سے واضح طور پر انکار کردیا ہے ۔ حریت کا یہ احساس ہیکہ سب سے پہلے عوام کی یہ رائے جاننا ضروری ہیکہ وہ ہندوستان میں رہنا چاہتے ہیں ، پاکستان میں یا پھر آزاد رہنا چاہتے ہیں ۔ تاہم مسئلہ کی یکسوئی کے لئے وہ مذاکرات جاری رکھنے سے کبھی پیچھے نہیں ہٹیں گے کیونکہ ان کا مقصد جموں و کشمیر کے عوام کی بہتری ہے ۔

حریت کانفرنس کے اس موقف کی شدید مخالفت کرتے ہوئے علحدگی پسند قائد شبیر شاہ نے یہ کہا ہیکہ کشمیر کمیٹی کے ساتھ بات چیت میں وہ متحدہ طور پر حکمت عملی تیار کرنے میں ناکام رہی ۔ انکا یہ کہنا ہیکہ صرف حریت کانفرنس کو کشمیر کے تعلق سے مکمل اجارہ داری حاصل ہے جبکہ وہ دیگر نمائندہ گروپس کو نظر انداز کررہی ہے ۔ کشمیر کمیٹی کے سربراہ رام جیٹھ ملانی کی کوشش کس حد تک کامیاب ہوں گی اور کیا وہ حریت کانفرنس کو انتخابات میں حصہ لینے کے لئے رضامند کرپائیں گے اسکا جواب آئندہ چند دنوں میں مل جائے گا ۔

لیکن یہاں زیادہ اہمیت جموں و کشمیر میں انتخابات کی ہے کیونکہ بین الاقوامی برادری کی نظر میں اس وقت جموں و کشمیر کے انتخابات پر مرکوز ہیں ۔ چیف الیکشن کمشنر جے ایم لنگڈوہ نے حال ہی میں ریاست کا دورہ کرکے وہاں انتخابات سے متعلق انتظامات کا جائزہ لیا ۔ انھوں نے اب تک کی تیاریوں پر اطمینان کا اظہار کیا ۔ اگر یہاں پرامن انتخابات ہوں اور عوام کو اپنے حق رائے دہی سے استفادہ کا پورا موقع مل جائے تو یقیناً یہ بہت بڑی کامیابی ہوگی ۔ امریکی حکام مسلسل ہند و پاک کے دورہ کررہے ہیں ۔ اس ضمن میں امریکی ڈپٹی سکریٹری آف اسٹیٹ رچرڈ آرمیج کا دورہ خاص اہمیت رکھتا ہے ۔ انھوں نے دونوں ممالک کو بات چیت شروع کرنے کا مشورہ دیا ہے ۔ انھوں نے یہ بھی کہا کہ ہند و پاک کے مابین کشیدگی نمایاں طور پر کم ہوگئی ہے اور دہشت گردی کے واقعات میں بھی کمی واقع ہوئی چنانچہ دونوں ممالک کو وسیع موضوعات پر تبادلہ خیال کے لئے سازگار حالات فراہم ہیں ۔ حال ہی میں امریکی اسسٹنٹ سکریٹری آف اسٹیٹ کرسٹنا روکا کے دورہ سرینگر اور وہاں کشمیری رہنماؤں سے ملاقات کو بھی نمایاں اہمیت حاصل ہے ۔ اس سے بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ امریکہ نے کشمیر کے معاملہ میں بالراست ثالثی کا رول ادا کرنے سرگرمیاں شروع کردی ہیں ۔ امریکہ کا یہ موقف ہیکہ ہند و پاک کو باہمی طور پر بات چیت کے ذریعہ تمام مسائل بشمول جموں و کشمیر کی یکسوئی کرلینی چاہئے اور وہ اس معاملہ میں ممکنہ مدد کے لئے تیار ہے ۔ اس مدد کے طور پر وہ اس وقت دونوں ممالک کو بات چیت کی میز پر لانے میں مصروف ہے ۔ اس کے لئے ریاست میں انتخابات کا آزادانہ و منصفانہ انعقاد ناگزیر ہے جس سے امریکہ اپنے اس موقف کو بہتر انداز میں پیش کرسکتا ہیکہ سرحد پار دہشت گردی کے واقعات کو کم کرنے میں پاکستان کامیاب رہا ہے لہذا اب ہندوستان کو اس سے بات چیت شروع کرنی چاہئے ۔ لیکن ریاست جموں و کشمیر میں انتخابی صورتحال کیا ہوگی کچھ کہا نہیں جاسکتا ۔ نیشنل کانگریس قیادت میں تبدیلی ہورہی ہے اور عمر عبداللہ کو چیف منسٹری کے لئے بطور امیدوار پیش کیا جائے گا ۔ کانگریس نے انتخابات میں کسی دیگر جماعت سے اتحاد نہ کرنے کا اشارہ دیا ہے ۔ بی جے پی بظاہر سنگھ پریوار کے اس مطالبہ کی تائید نہیں کررہی ہیکہ جموں و کشمیر کو تین حصوں میں تقسیم کردیا جائے لیکن وہ اندرونی طور پر مطالبہ کی تائید میں دکھائی دیتی ہے ۔ حریت کانفرنس نے تو انتخابات میں حصہ لینے سے صاف انکار کردیا ہے ۔ دیگر علاقائی جماعتوں کا عوام پر زیادہ اثر نہیں ہے ۔ ایسے میں کیا انتخابات عوام رائے کی اظہار ہوں گے ۔ کیا انھیں بلا خوف و خطر رائے دہی میں حصہ لینے کا موقع ملے گا ۔ اور جو بھی جماعت برسر اقتدار آئے کیا وہ عوام کی نمائندہ حکومت ہوگی ان سوالات کا جواب تلاش کرنے کی ضرورت ہے ۔

oooo

گجرات میں انتخابات بی جے پی کا منصوبہ ناکام

گجرات میں فسادات اور مسلمانوں کی نسل کسی کی وجہ ساری دنیا میں ہندوستان کا وقار متاثر ہوا ہے ۔ بین الاقوامی برادری ، انسانی حقوق کے اداروں اور تنظیموں نے اس ظلم و بربریت کی بھرپور مذمت کی ۔ اس کے باوجود بی جے پی جو اخلاقیات سے عاری جماعت ہے ان باتوں کا کوئی اثر نہیں ہوا اس کا سب سے بڑا ثبوت خود وہاں چیف منسٹر نریندر مودی کو برقرار رکھنا ہے ۔ اگر اسے گجرات کی عوام کے احساسات کی پرواہ ہوتی تو وہ کم از کم چیف منسٹر کو بدل دیتی ۔ اس کے برعکس اس نے ایسے موقع کو غنیمت جان کر مسلمانوں کے خلاف نفرت کی مہم چلانے کا فیصلہ کیا کیونکہ یہی موقع ہے ۔ مسلمان ظلم و مصائب کا شکار ہیں ایسے وقت " گورو یاترا " نکال کر ہندوستان کو ایک پلیٹ فارم پر لایا جاسکتا ہے اور ریاست کو فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کیا جاسکتا ہے چنانچہ نریندر مودی " گورو یاترا " بہر صورت نکالنے پر بضد ہیں ۔ وہ ریاست کی فرقہ وارانہ خطوط پر تقسیم کے اس منصوبہ میں کامیاب نہیں ہوسکتے بشرطیکہ ان کی گورو یاترا پر پابندی لگادی جائے ۔ بصورت دیگر ریاست کو پھر ایک بار تشدد کی آگ میں ڈھکیلنے کے مترادف ہوگا ۔ نریندر مودی نے فرقہ وارانہ فسادات کے فوری بعد مسلمانوں کے خلاف جذبات بھڑکاتے ہوئے اور عوام کو گمراہ کرکے انتخابات منعقد کروانے کا منصوبہ تیار کیا ۔ ان کا یہ منصوبہ کامیاب بھی ہوجاتا لیکن الیکشن کمیشن جیسے دستوری ادارہ نے اسے ناکام بنادیا ۔ اسمبلی کی تحلیل کے فوری بعد انتخابات کروانے کی نریندر مودی کی سفارش کو الیکشن کمیشن نے واضح طور پر مسترد کردیا ۔ اس مسئلہ پر الیکشن کمیشن کو بی جے پی کی شدید مخالفت کا سامنا ہے لیکن کسی کے دباؤ میں آئے بغیر اس نے درست فیصلہ سنایا ہے ۔ الیکشن کمیشن نے پہلے نو رکنی وفد گجرات کو روانہ کیا جس کی رپورٹ کو پیش نظر رکھتے ہوئے انتخابات میں تاخیر کا فیصلہ کیا گیا ۔ اس کے بعد خود چیف الیکشن کمشنر جے ایم لنگڈوہ گجرات کے دورہ پر گئے وہاں انہوں نے متاثرین سے ملاقات کی ان کی بپتا سنی اور ریاست میں لاء اینڈ آرڈر کی صورتحال کا جائزہ لیا ۔ مسٹر لنگڈوہ گجرات کی صورتحال سے مطمئن نہیں تھے ۔ انھوں نے بتایا کہ لوگ ابھی بھی ریلیف کیمپس میں مقیم ہیں ۔ کئی متاثرین اپنے مکانات واپس ہونے سے خوف کھارہے ہیں ۔ اور جن کا سب کچھ لٹ گیا برباد ہوگیا ان کے لئے حکومت نے کوئی باز آبادکاری اقدامات نہیں کئے ۔ ایسے میں عوام کس طرح آزادانہ و منصفانہ طور پر حق رائے دہی سے استفادہ کرسکتے ہیں ۔ مسٹر لنگڈوہ کی یہ حقیقت بیانی نریندر مودی کو کڑوی لگی ۔ اس لئے

ڈاکٹر عبدالکلام اور نریندر مودی

صدر جمہوریہ ڈاکٹر عبدالکلام سابرمتی آشرم میں

ڈاکٹر عبدالکلام ایک متاثرہ لڑکے سے کیفیت معلوم کرتے ہوئے

انھوں نے چیف الیکشن کمشنر پر شخصی تنقیدیں شروع کردیں۔ یہاں تک کہ ان کی مذہبی شناخت کو بھی نہیں چھوڑا گیا۔ ان واقعات پر خود بی جے پی کے سینئر لیڈرس بشمول وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے مودی کے خلاف ناراضگی کا اظہار کیا تھا۔ الیکشن کمیشن کے اس فیصلہ سے بی جے پی کے منصوبوں پر پانی پھر گیا اور نہ صرف ریاستی بلکہ مرکزی قائدین بھی بے چین ہوگئے۔ چنانچہ یہ معاملہ صدر جمہوریہ سے رجوع کیا گیا۔ انھوں نے سپریم کورٹ کی رائے حاصل کی جس کے بعد سپریم کورٹ نے مرکزی حکومت، ریاستی حکومتوں اور اور الیکشن کمیشن وغیرہ کو نوٹسیں جاری کی ہیں۔ یہ معاملہ فی الحال تعطل کا شکار ہے۔

صدر جمہوریہ ڈاکٹر عبدالکلام نے تین امور پر سپریم کورٹ کی رائے طلب کی ہے۔ سب سے پہلا یہ کہ اسمبلی انتخابات کا وقت کے تعین کے سلسلہ میں دستور کی دفعہ 324 کے تحت الیکشن کمیشن کو جو اختیارات دئے گئے ہیں کیا وہ آئین کی دفعہ (1) 174 کی تعمیل پر فائق ہیں۔ دوسرے کیا الیکشن کمیشن اس بنیاد پر اسمبلی انتخابات کا شیڈول طے کرسکتا ہیکہ اگر اس سے دفعہ (1) 174 کی خلاف ورزی ہوتی ہے تو اس کی تلافی صدر راج کے نفاذ کے ذریعہ کردی جائے اور تیسرے یہ کہ کیا الیکشن کمیشن کا یہ فرض نہیں ہیکہ وہ تمام مرکزی اور ریاستی وسائل استعمال کرکے آزادانہ ومنصفانہ انتخابات کرائے تاکہ نئی اسمبلی کی تشکیل کے ذریعہ آئین کی دفعہ (1) 174 کی تعمیل ہوسکے۔ سپریم کورٹ صورتحال کی نوعیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے اس معاملہ کا جلد تصفیہ کردے گی۔

گجرات کی صورتحال کے بارے میں جہاں مختلف رپورٹس مل رہی ہیں ان کو ملحوظ رکھتے ہوئے صدر جمہوریہ ڈاکٹر عبدالکلام نے اپنے عہدہ کا جائزہ حاصل کرنے کے بعد پہلا سرکاری دورہ اسی ریاست کا کرنے کا فیصلہ کیا۔ اس دورہ سے بھی کئی حقائق سامنے آئے۔ ڈاکٹر عبدالکلام کو حقیقی صورتحال سے آگہی ہوئی اور انھوں نے متعلقہ حکام کو ہدایت دی کہ وہ متاثرین کی امداد اور ان کی بازآبادکاری کے لئے اقدامات کریں۔ بعض ایسے حقائق منظر عام پر آئے جس سے وہاں

چیف الیکشن کمشنر لنگڈوہ کے دورہ کے موقع پر شاہ عالم ریلیف کیمپ کا منظر

کی صورتحال کا بخوبی اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ ڈاکٹر عبدالکلام کے دورہ کو جیسے ہی قطعیت دی گئی سرکاری مشنری حرکت میں آگئی اور متاثرہ علاقوں میں جہاں صدر جمہوریہ دورہ کرنے والے تھے رات کے وقت سڑک ڈالنے کا کام کیا گیا۔ ایک ریلیف کیمپ میں رات میں امداد کی تقسیم کی گئی اور سب سے بڑے شاہ عالم ریلیف کیمپ کو دانستہ طور پر صدر جمہوریہ کے دورہ کے پروگرام میں شامل نہیں رکھا گیا ۔ یہاں کے ایک منتظم کو اس اندیشے کے تحت احتیاطی طور پر گرفتار کرلیا گیا تاکہ وہ صدر جمہوریہ کو تمام حقائق سے واقف کرادیں گے ۔ اس گرفتاری کے خلاف کیمپ کے متاثرین نے ہڑتال بھی کی ۔ اس سے یہ صاف ظاہر ہوتا ہیکہ گجرات میں سب کچھ ٹھیک نہیں ہے اور الیکشن کمیشن نے انتخابات کے التوا کا جو فیصلہ کیا وہ درست ہے ۔ بی جے پی کی مخالفت بھی قابل فہم ہے کیونکہ اسکا جومنصوبہ تھا وہ اسے پورا ہوتا دکھائی نہیں دے رہا ہے ۔

سعید محسن باغزال

آزادی ہند میں مسلمانوں کا حصہ

برطانوی حکومت کا ہندوستان سے بوریا بستر گول کرنے میں ہندو، مسلمان سکھ پارسی عیسائی سبھوں نے حصہ لیا لیکن مضمون کے عنوان کی رعایت سے چند ہی مسلمانوں کے شاندار کارنامے ہی مختصرا بیان کرنے کی گنجائش ہوسکے گی۔

دوران 1600 عیسوی ہی سے ہندوستان میں یوروپی ممالک برطانیہ، فرانس اور پرتگال نے تجارتی سلسلے شروع کئے۔ لیکن ان سب میں برطانیہ ہی آخر دم 1947ء تک جما رہا اور 1775ء سے اپنے اثرات و رسوخ جانفشانی سے بڑھاتے بڑھاتے 1832ء میں باضابطہ مغلیہ حکومت وقت کی اجازت سے تجارت کے لئے ایسٹ انڈیا کمپنی قائم کرلی۔ جب انہوں نے ہندوستان کو جنت نشان پایا تو نیت بدل گئی اور حکومت کے خواب دیکھنے لگے چنانچہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو کی پالیسی اپنائی۔ حکمرانوں نے ممکنہ مزاحمت کی اور جنگ کرتے رہے لیکن انگریزوں کی عیارانہ چالبازیوں کے سامنے ان کی ایک نہ چلی۔ کمپنی کی تربیت یافتہ فوج نے کمزور مغلیہ حکومت کی اینٹ سے اینٹ بجادی۔ اس دور کے آخری نیک نام مغل تاجدار بہادر شاہ ظفر کو گرفتار کر کے رنگون بھیج کر قید رکھا جہاں ان کی روح پرواز ہوئی۔ سوبھاش چندر بوس نے ان کی مزار پر انگریزوں سے بدلہ لینے کا حلف لیا۔ بہادر شاہ ظفر نے جیل میں اپنے دلی جذبات کا اظہار یوں کیا

کہدو ان حسرتوں سے کہیں اور جا بسیں
اتنی جگہ کہاں ہے دل داغدار میں

بنگال کے بہادر سراج الدولہ، میسور کے حیدر علی اور ٹیپو سلطان نے اپنی بے مثال شجاعت و بہادری سے انگریزوں کے چھکے چھڑا دیئے لیکن صد افسوس کے گھر کے بھیدی میر جعفر اور میر صادق جیسے غداران قوم نے خیانت کر کے لنکا ڈھایا۔ اس زمانے میں ٹیپو سلطان کے نام سے گوروں کا بچہ بچہ کانپ اٹھتا تھا بلکہ کہا یہ جاتا تھا کہ وہ خود اپنے بچوں کو ٹیپو آیا کہہ کر ڈرایا کرتے تھے لیکن افسوس کہ ان ہی کے ظالموں نے ٹیپو سلطان کے دونوں بچوں کے سر کاٹ کر کشتی میں رکھ کر تحفہ میں دیئے بالآخر ٹیپو سلطان بہادری سے لڑتے ہوئے شہید ہوئے۔

چونکہ انگریزوں نے مسلم حکمرانوں سے حکومت چھینی تھی اس لئے انگریزوں نے مسلمانوں ہی کو اپنا مدمقابل حریف سمجھا ویسے بلاشبہ مسلمانوں نے اپنی آبادی کے تناسب سے بڑھ چڑھ کر آزادی میں خوب حصہ لیا۔ دلی اور دلی کے باہر جا بجا درختوں پر پھانسی کے پھندوں پر خوشی کے ساتھ جھول گئے۔ جائیدادیں بھی انہی کی ضبط ہوئیں، عزت و آبرو بھی انہیں کی لٹی اور سلطنت بھی انہی کے ہاتھ سے گئی۔ غرض کہ قتل و غارت گری کے وہی مستحق قرار پائے۔ اپنے پروگرام کے تحت مکار گوروں نے سازش، جاسوسی اور جعلسازی کے جال پھیلائے۔ ہندو مسلمان اور تمام مذاہب کے لوگ اپنے سیکولر مزاج کی وجہ صدیوں سے آپس میں شیر و شکر کی زندگی بخوشی گذار رہے تھے لیکن ان خود غرض ظالموں نے انتہائی سفاکی سے اپنی مطلب برآری کے لئے آپس میں لڑایا اور ان سادہ لوح لوگوں نے ان کی شرمناک سازشوں کو نہیں پہچانا۔ حد ہوگئی کہ فوج میں درآمد شدہ چربی کے جو کارتوس استعمال ہوتے تھے دانتوں سے توڑ کر استعمال کئے جاتے تھے ہندوؤں میں یہ خبر پھیلادی کہ مسلمانوں نے کارتوس میں گائے کی چربی شامل کردی اور ادھر مسلمانوں میں یہ خبر عام کردی کہ کارتوسوں میں ہندوؤں نے سور کی چربی استعمال کی جس کی وجہ فوج میں پھوٹ پڑگئی اور آپس میں لڑنے لگے جس کے زہریلے اثرات سارے ملک میں آگ کی طرح پھیل گئے۔ برٹش پارلیمنٹ میں بعض اشرار ممبر چالاکی سے ہندوستانیوں کی تائید اور ہمدردی میں دھواں دار تقریریں کرتے تو عام ہندوستانی خوش ہوتے کہ وہاں حق پرست لوگ بھی ہیں اور پرامید ہوجاتے کہ ضرور انصاف ہوگا اور ادھر برٹش لابی میں شراب کے خم چڑھائے جاتے ہوئے وہی ممبر مذاق اڑاتے کہ ہم نے ہندوستانیوں کو کیسا بے وقوف بنایا!!

ہندوستان کو سامراجیوں نے ہر طرح خوب لوٹا یہاں تک کہ ہمارے گولکنڈہ کے مشہور کوہ نور سے اپنے تاج برطانیہ کو زینت بخشی۔ کوہ نور پر جب بات آہی گئی تو مجھے لندن کے مشہور ہائیڈپارٹ کا چشم دید دلچسپ لطیفہ یاد آگیا جہاں بجز شاہ برطانیہ کے خلاف کے دنیا کے کسی موضوع پر تقریر کی مکمل آزادی ہے۔ وہاں ایک دل جلا ہندوستانی برطانیہ اور وہاں کے لوگوں کے خلاف بے باکی سے سخت لیکن مدلل تقرر کر رہا تھا تو بڑے مجمع میں سے کسی انگریز نے غصہ میں طیش سے چلایا You bloody Indians why don't you go back تو اس خار کھائے ہوئے ہندوستانی نے فوری برجستہ کہا کہ "جب کوہ نور ہمارے پاس تھا تو تم لوگ وہاں آیا کرتے تھے۔ اب وہ تمہارے سر پر بیٹھا ہوا ہے تو ہم یہاں آتے ہیں۔ تم کوہ نور واپس کردو ہم خود واپس چلے جائیں گے"۔ اس پر کچھ گورے ناراضگی اور خفگی سے چلتے بنے اور باقی مجمع اس حقیقت پسندانہ طنزیہ ظرافت پر بے تحاشہ ہنس پڑا۔ ان دائمی دشمنوں نے ہماری آزادی پر ڈاکہ ڈالا، چین و سکون کو برباد کیا اور اس سے زیادہ ہمارے آپسی محبتوں کو تاخت و تاراج کیا۔ اس کے باوجود ہمیں ہمیشہ ذلیل و خوار سمجھا جسکی ادنی مثال لندن کی ہوٹلوں کے باہر تختیاں آویزاں ہوئیں جن پر لکھا ہوتا Dogs and Indians

prohibited۔

انگریز سامراجیوں کی ان دل آزار حرکتوں سے بے چینی اور نفرت بڑھنے لگی چنانچہ 1806ء میں سکندر آباد (دکن) کی فوجی چھاؤنی کے سپاہیوں نے افضل الدولہ کی ریاستی امور میں کمپنی سرکار کی بڑھتی ہوئی مداخلت اور بالادستی کے خلاف بغاوت کردی اس کے بعد 1841ء بلکہ 1857 تک ملک کے طول و عرض میں کہیں نہ کہیں بغاوتوں کا سلسلہ جاری رہا جس میں نواب مبارز الدولہ کی بغاوت کافی مشہور ہے۔ اس کے علاوہ دکن کے مولوی علاؤالدین اور طرہ باز خاں جمعدار کی قیادت میں برٹش رزیڈنسی پر کئے حملے مشہور ہیں جس میں مقامی روہیلے اور عرب جمعداروں نے بہادری سے حصہ لیا۔ بالآخر طرہ باز خاں کو بعد گرفتاری گولی مار کر اس کی لاش کو شاہراہ عام پر لٹکادیا۔

سب سے بڑے پیمانہ پر جنگ آزادی 1857ء میں شروع ہوئی جس کو اس کمپنی حکومت نے غدر (India Mutiny) کا نام دے کر ہزاروں آزادی کے جانبازوں کو گولی کا نشانہ بنایا اور ہزاروں کو بے رحمی سے پھانسی کے تختہ پر چڑھادیا۔ صرف یہی نہیں انہیں توپوں کے منہ پر باندھ کر ایسے اڑایا کہ ان کے جسم کے پرخچے دور دور تک اڑگئے۔ جیل کی کال کوٹھریوں میں جسمانی اور ذہنی اذیتوں کے ساتھ طویل مدتوں رکھا اور بہت سوں کو ملک بدر کرکے جزائر انڈومان اور مالٹا وغیرہ میں آج کے امریکن چھاؤنی گوانٹا ناموکی طرح صبر آزما قید میں رکھا۔

سرسید احمد خاں جنہوں نے جامعہ علی گڑھ قائم کیا وہ اگرچہ بظاہر انگریز حکومت کے خلاف نہ تھے لیکن پہلے تعلیم عام کرنے کے سخت سے خواہشمند تھے۔ پنڈت مدن موہن مالویہ اور اینی بیسنٹ جیسے مفکر بھی سرسید کے ہم خیال تھے۔ اسی تعلیم کا نتیجہ تھا کہ آزادی کی چنگاریاں روشن ہونے لگیں اور سارے ہونہار تیزی سے آزادی کی طرف بڑھنے لگے۔ سرسید کے بعد بھی ان کے لائق جانشین محسن الملک، وقار الملک اور صاحبزادہ آفتاب احمد خاں نے طلباء اور جامعہ کو خوب جلادی۔

جامعہ علیگڑھ کے بعد جامعہ عثمانیہ کا ذکر ضروری ہو جاتا ہے جس کو سابق ریاست حیدرآباد دکن نے 1919ء میں ایسے وقت قائم کیا جبکہ ملک میں سیاسی ہلچل اور تاج برطانیہ کے خلاف تیزی سے آگ بھڑک رہی تھی اور خاص بات یہ کہ انگریزوں کی انگریزی مروجہ زبان ہی کے مدمقابل اردو کو لاکھڑا کیا اور جامعہ عثمانیہ کو ملکی زبان اردو کی پہلی جامعہ کا اعزاز ملا۔ اس زمانے کے حالات اور بے چینی کے لحاظ سے یہ بڑی ہمت آزما بات تھی۔ نوبل انعام یافتہ اور قومی ترانہ "جن گن من" کے خالق رابندر ناتھ ٹیگور نے جامعہ عثمانیہ کا بغور معائنہ کے بعد اس کے قیام اور اردو کے جراتمندانہ انتخاب کو آزادی کا پہلا قدم قرار دیا اور خوب سراہا۔

1885ء میں لارڈ ہیوم نے انڈین نیشنل کانگریس قائم کی اور گاندھی جی، مولانا ابوالکلام آزاد، پنڈت جواہر لال نہرو اور خان عبدالغفار خان عرف عام میں سرحدی گاندھی اور ڈاکٹر ذاکر حسین کے نام سے مشہور تھے۔ کانگریس کے روح رواں ہوئے اور جیلوں میں بھی عرصہ گذارے۔ مسٹر محمد علی جناح بھی پہلے کانگریس کے سرگرم رکن تھے لیکن قائداعظم نہیں بنے تھے وضع قطع اور لباس کی وجہ مسٹر ایم اے جناح کہلاتے تھے۔ ان میں سب سے جدا ایک بات یہ تھی کہ وہ کبھی جیل نہیں گئے۔ 1906ء میں مسلم لیگ وجود میں آئی جس کے ابتدائی دور میں کئی سال تک کوئی آغا جان ہی صدر رہے۔ جب جناح صاحب کے کانگریس سے سیاسی اختلافات ہوئے تو وہ مسلم لیگ میں شریک ہوگئے اور پاکستان بننے کے بعد تاحیات صدر رہے۔

1920ء میں خلافت تحریک شروع ہوئی جس کے روح رواں مولانا محمد علی جوہر اور ان کے بھائی شوکت علی رہے۔ جو علی برادران کے نام سے مشہور ہوئے۔ یہ وہی محمد علی جوہر تھے جنہوں نے لندن جا کر گول میز کانفرنس میں اپنی شعلہ بیان تقریر سے تہلکہ مچادیا اور نعرہ لگایا کہ میں یہاں سے آزادی لے کر ہی جاؤں گا۔ یا واپس نہ جاؤں گا۔ چنانچہ وہ ہندوستان نہیں گئے اور بیت المقدس میں مدفون ہوئے۔ مولانا جوہر اپنی گرجدار تقریروں سے ہندوستان کے ذرے ذرے میں آزادی کی روح بیدار کردی۔ گاندھی جی نے اپنے اخبار Young India میں تصدیق کی کہ "خلافت ہی کی تحریک تھی جس نے قوم کو بیداری عطا کی۔ اب میں پھر اسے سونے نہ دوں گا"۔ آگے چل کر کہا کہ "میں نے اپنے آپ کو علی برادران کی گود میں ڈالدیا ہے" مولانا جوہر کا اعتماد بھی دیکھئے کہ کسی موقع پر انہوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علی و سلم کے بعد میرے اوپر گاندھی جی کا حکم نافذ ہے۔

مولانا ابوالکلام آزاد نے اپنے اخبار الہلال کے ذریعہ ساری قوم کو جھنجھوڑ کر جگایا اور جنگ آزادی میں شرکت اور ترک موالات کی نصرت کے لئے ولولہ انگیز آواز دی تو سب نے لبیک کہا۔ مسلم لیگ اور تمام جماعتوں نے تائید کی۔ 1927ء میں انگلستان سے سائمن کمیشن دستوری اصلاحات لے کر آیا جسکے خلاف ملک میں زور و شور سے مظاہرے ہوئے۔ سیاہ جھنڈیوں کے ساتھ Go back کے نعرے لگے۔ کمیشن کے مقاطعہ کے لئے کانگریس کا اجلاس بصدارت ڈاکٹر مختار احمد انصاری اور مسلم لیگ نے بصدارت سر محمد یعقوب کے علاوہ خلافت کانفرنس، مجلس احرار اور جمعیۃ العلماء ہند جیسے مسلم اداروں نے سخت قراردادیں پاس کیں۔ مولانا حسین احمد مدنی نے مقاطعہ کے لئے ملک میں دورے اس دلیل کے ساتھ کئے کہ ملک ہمارا، عوام ہمارے، مسائل ہمارے اور قانون اصلاحات انگریز و برطانیہ بنائے یہ کیسی مضحکہ خیز بات ہے؟ اور پھر مولانا نے پانچ سو ممتاز علماء کی دستخط سے فوج کی نوکری حرام کا فتویٰ شائع کیا جس کی مجلس عاملہ میں مسیح الملک حکیم اجمل خان

مولانا شبیر احمد عثمانی، مولانا آزاد سبحانی، مفتی کفایت اللہ رئیس الامرا مولانا حسرت موہانی وغیرہ شریک تھے۔

اس جنگ آزادی میں اردو زبان کا مقام سب سے اونچا تھا اسی کے طلسماتی کرشمے نے وہ قوت گویائی بخشی کہ عوام میں جوش انقلاب شدت ابھرنے لگا۔ اسی اردو ہی نے عمدہ قائدین اور بہترین مقرر، ادیب اور شاعر بنائے جو عوام و خواص میں زبردست جذبہ حریت پیدا کئے جو کسی اور زبان سے ممکن نہ تھا۔ شعراء میں علامہ اقبال، حالی، اکبر آبادی، چکبست، حسرت، مخدوم بطور خاص قابل ذکر ہیں۔

1939ء تا 1945ء کی دوسری جنگ عظیم میں جب ہٹلری فوج سے اتحادی فوجیں بری طرح شکست کھارہی تھیں تو بالکل برعکس خبریں پھیلائی جارہی تھیں جس پر مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ میں نے مقامی اخباروں میں ایسے بھی دلچسپ سرخیاں "فتح سرکار کی قبضہ دشمن کا" اکثر پڑھے تھے۔ برطانیہ سرکار انتہائی پریشانی اور گھبراہٹ میں ہندوستان کی مدد اور حمایت، جنگی کوششوں کے لئے چاہتی تھی۔ ایسے موقع پر 1942ء میں کوئی 60 ہزار ہندوستانی فوج جاپان کے مقابل سنگاپور میں ہتھیار ڈال رہی تھی۔ اس کسمپرسی کی حالت میں پہلی دفعہ آزادی کا لالچ لے کر انگلستان سے سر اسٹافورڈ کلس آئے جبکہ ملک کی دو بڑی جماعتیں کانگریس اور مسلم لیگ نمائندگی کررہی تھیں۔

بالآخر اتحادیوں نے ہٹلر کے مقابل جنگ اس طرح جیتی کہ جو جیتا وہ ہارا اور جو ہارا وہ مرا۔ جنگ کے اختتام کے بعد حسب وعدہ آزادی کے اصرار پر کیبنٹ مشن اور لارڈ پیتھک لارنس دلی آتے رہے اور بظاہر متحدہ ہند کی تائید میں ایسے شعبدے دکھائے اور لیڈی مونٹ بیٹن نے بھی محبت کے کچھ ایسے تیر پھینکے کہ کانگریس اور مسلم لیگ دونوں یکایک تقسیم پر راضی ہوگئے حالانکہ گاندھی جی اور مولانا آزاد آخر تک تقسیم کے مخالف تھے۔ بہرحال ڈھائی سو سال کی صبر آزما طویل جد وجہد کے بعد سنہ 1947ء میں 14/8 کو پاکستان اور 15/8 کو ہندوستان آزاد ہوئے لیکن ہمارے آقاؤں نے کچھ ایسی چابکدستی سے ملک کی بندر بانٹ کی کہ آزادی کے پچپن سال گذرنے کے باوجود ہندو پاک باہم دست و گریباں ہی ہیں۔ ابھی تک تین نامراد جنگیں لڑچکے ہیں بلاشبہ جنگ موجودہ مسائل کا حل ہرگز نہیں پھر بھی بدقسمتی سے دونوں فریق آج بھی ایک دوسرے کو ایٹمی انداز میں نشانہ کئے ہوئے ہیں۔ خدانخواستہ کسی ایک کی غلطی سے دونوں کی تباہی یقینی ہوگی اور اس کے علاوہ دنیا کے دیگر ممالک بھی زد میں آجائیں گے اور پتہ نہیں دنیا کا کیا حشر ہو۔

آخر میں ہند و پاک اور بنگلہ دیش کو بھولا ہوا سبق یاد دلاتا ہوا اپنی ناچیز گفتگو ختم کروں کہ جاپان، کوریا وغیرہ سے درس لیں اور اپنی صدیوں قدیم بھائی چارگی اور یکجہتی کو کم از کم اپنے ہی مفاد میں مضبوطی سے پروان چڑھا کر سنبھل جائیں۔ انگریزوں اور ان جیسوں سے ہمیشہ ہوشیار رہیں اور ہر بہ قیمت آزادی کی قدر کریں ورنہ بقول علامہ اقبال مرحوم

نہ سمجھوگے تو مٹ جاؤں گے اے ہندوستاں والو
تمہاری داستان تک بھی نہ ہوگی داستانوں میں

ملک کے بیشتر علاقے خشک سالی سے متاثر ہونے کی وجہ زرعی شعبہ پر اثر پڑا اور فصلیں تباہ ہوگئیں
زیر نظر تصویر میں بنجر اراضی

مجیب خان

فلسطینیوں پر مظالم انسانیت کے خلاف جرم ہیں

امریکہ میں جب سے ری پبلکن پارٹی برسراقتدار آئی ہے تو اسلامی دنیا میں اسے نیک شگون سمجھا جاتا ہے اور یہ تصور کیا جانے لگا ہے کہ کیونکہ ری پبلکن اسلامی دنیا کے زیادہ ہمدرد اور خیر خواہ ہیں لہذا ان کے برسراقتدار آجانے سے اسلامی دنیا کو لاحق بیشتر مسائل اور تنازعے تقریبا حل ہوجائیں گے ۔ لیکن جب ری پبلکن برسراقتدار آتے ہیں تو حقائق اس کے برعکس دیکھے گئے ہیں اور اسلامی ملکوں کو سب سے زیادہ خسارے کی سیاست کا سامنا کرنا پڑا ہے ۔ 1980ء میں انقلاب ایران کی قیادت کو امریکی سفارت کاروں کو 444 دن تک یرغمال بنائے رکھنے کی سزا ریگن ۔ بش انتظامیہ نے عراق کو ایران پر حملہ کردینے کی صورت میں دی تھی ۔ یہ جنگ تقریبا آٹھ سال تک جاری رہی ۔ ریگن بش انتظامیہ صدر صدام حسین کو ہر طرح کا مہلک اسلحہ ایران کے خلاف استعمال کرنے کے لئے فراہم کرتی رہی ۔ اس جنگ میں ہزاروں عراقی اور ایرانی مسلمان مارے گئے تھے اور ریگن ۔ بش انتظامیہ جنگ بندی کے سلسلے میں کوئی نمایاں کردار ادا کرنے سے گریز کرتی رہی تھی ۔ 1982ء میں صدر ریگن کے سکریٹری آف اسٹیٹ الگزینڈر ہیگ نے اس وقت کے اسرائیلی وزیر دفاع شیرون کو یہ گرین سگنل دیا تھا کہ وہ لبنان میں صابرہ اور شتیلا کے فلسطینی مہاجر کیمپوں کا صفایا کرسکتے ہیں اور پھر شیرون نے اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ صابرہ اور شتیلا کے فلسطینی مہاجر کیمپوں پر ٹینکوں اور بلڈوزروں سے چڑھائی کردیں ۔ اس آپریشن کے نتیجے میں ہزاروں فلسطینیوں کی لاشیں ہر طرف کئی ہفتوں بکھری رہیں ۔ پھر 1991ء میں یہ صدر بش سینئر کی حکومت تھی جنہوں نے عراق کو گھیرنے کی غرض سے صدر صدام حسین کو دھوکا دیا اور گمراہ کیا تھا اور صدر صدام حسین نے کویت میں فوجیں بھیج دیں ۔ پھر خلیج کی جنگ میں صدام حسین کی ری پبلکن گارڈز کے ہتھیار ڈالنے کے بعد واپسی پر انہیں بمباری کرکے ہلاک کردیا تھا ۔ تقریبا ایک لاکھ عراقی فوجی اس آپریشن میں مارے گئے تھے ۔ افغانستان ایک اسلامی جمہوریہ صرف صدر ریگن بش انتظامیہ کی خود غرض پالیسیوں کے نتیجے میں تباہ و برباد ہوا ہے ۔ لاکھوں افغان سوویت یونین کے خلاف اس ریگن ۔ بش جنگجویانہ پالیسی کے نتیجے میں مارے گئے ۔ 1992ء میں بوسنیا میں یوگوسلاویہ کے صدر میلاسیوچ کی نسل کشی کی پالیسی کے خلاف صدر بش سینئر کی انتظامیہ نے انتہائی سرد مہری کا مظاہرہ کیا ۔ صدر میلاسیوچ بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی کرتے رہے اور صدر بش سینئر صرف اس پالیسی پر گامزن رہے کہ یہ یوروپی مسئلہ ہے اور یوروپی یونین اس سلسلے میں کچھ کرے ۔

اور اب صدر جارج ڈبلیو بش جونیئر کی اسرائیل فلسطین تنازع کی پالیسی صدر بش سینئر کی بوسنیا پالیسی سے کسی طرح مختلف نہیں ہے ۔ بش سینئر نے یہ کہہ کر کندھے جھٹک دیئے تھے کہ بوسنیا یوروپی مسئلہ ہے ۔ یوروپی ممالک کو یوروپ کے وسط میں اس سنگین مسئلے کا کوئی حل تلاش کرنا چاہیئے اور صدر بش جونیئر نے فلسطین اسرائیل تنازع میں پہلے یہ کہہ کر کندھے جھٹک دیئے تھے کہ یہ دونوں متنازع پارٹیاں خود مسئلے کا کوئی حل دریافت کریں ۔ ہم (امریکہ) صرف ان کی معاونت کرسکتے ہیں ۔ لیکن پھر اسرائیلی انتہا پسندوں کو یہ کہہ کر گرین سگنل دے دیا کہ اسرائیل کو دہشت گردی کے خلاف بھرپور فوجی طاقت استعمال کرنے کا مکمل حق ہے ۔ نائب صدر ڈک چینی نے اسرائیلی وزیراعظم ایریئل شیرون کے دورہ واشنگٹن میں وزیراعظم سے اتفاق کرتے ہوئے کہ چیرمین عرفات دہشت گرد ہیں ، اس کی حمایت کی کہ عرفات کو ضرور الٹا لٹکا دیا جائے اور اب عرفات شیرون کی فوجوں کے مذبح خانے میں ہیں ۔ شیرون انہیں (عرفات) الٹا لٹکانے کے لئے نائب صدر ڈک چینی سے اس مرتبہ تحریری حمایت کے لئے کہہ رہے ہیں کیونکہ 1982ء میں صابرہ اور شتیلا میں اس وقت کے سکریٹری آف اسٹیٹ ہیگ انہیں فوجی آپریشن کرنے کا گرین سگنل دے کر بعد میں مکر گئے تھے ۔

محکوم نہتے اور بے بس فلسطینیوں کے خلاف شیرون کی انتہائی غیر انسانی بربریت کسی طرح میلاسیوچ سے مختلف نہیں ہے ۔ فرق صرف اتنا ہے کہ میلاسیوچ سرب قوم پرستی کے نام پر بوسنیا کے مسلمانوں کی نسل کشی کررہے تھے اور وزیراعظم شیرون عظیم تر اسرائیلی صیونیت کے نام پر فلسطینیوں کی نسل کشی کررہے ہیں اور دنیا کے دو بڑے دو غلے برطانیہ اور امریکہ (اینگلو امریکن) نے افغانوں کو دہشت گردی کی نہ صرف ترغیب دی تھی بلکہ انہیں تربیت اور ہر طرح کی عسکری اور مالی مدد بھی فراہم کی تھی اور یہ انتہائی بداخلاق پالیسی ہے کہ فلسطینیوں کے علاقوں پر قابض اسرائیلی فوجوں کی مذمت کرنے کی بجائے فلسطینیوں کی مسلسل مذمت کی جارہی ہے ۔ فلسطینیوں کے حقوق کے سلسلے میں تمام عالمی قوانین ، انسانی حقوق کے چارٹر ، خود مختاری کے اصول اور سلامتی کونسل کی قراردادوں کو برطانوی وزیراعظم ٹونی بلیئر ، صدر بش اور سکریٹری دفاع رمس فیلڈ صرف ٹوائلٹ پیپر سے زیادہ اہمیت نہیں دیتے ہیں ۔ امریکی میڈیا میں اسرائیلیوں کو بے گناہ بتایا جارہا ہے اور فلسطینی دہشت گرد اور مجرم بتائے جارہے ہیں کہ یہ تو فلسطینی ہیں جو اسرائیل کے خلاف مسلسل جارحیت کررہے ہیں ۔ 35 برسوں سے اسرائیلی حکومتیں فلسطینی آبادی کے خلاف دہشت گردی کی پالیسی پر گامزن ہیں ۔ فلسطینیوں کو ان کے گھروں سے بے گھر کرکے ان کی زمینوں پر غیر قانونی یہودی بستیاں آباد کی جارہی ہیں اور اس اسرائیلی پالیسی کے خلاف فلسطینی مزاحمت کا جواب بھرپور فوجی طاقت کے استعمال سے دیا جارہا ہے ۔ فلسطینی

بستیوں میں جگہ جگہ اسرائیلی ٹینکوں اور گن شپ ہیلی کاپٹروں سے ناکہ بندیاں کی جارہی ہیں۔ نام نہاد اسرائیلی سلامتی کے نام پر بے گناہ فلسطینیوں کو خوفزدہ کیا جارہا ہے اور اب 18 ماہ سے فلسطینی اس اسرائیلی دہشت گردی کا جواب دہشت گردی سے دینے پر مجبور ہوگئے ہیں۔ کسی بھی غیر ملکی قبضے کے خلاف محکوم عوام کی مزاحمتی تحریک کو صدر بش کی دہشت گردی کے خلاف تعریف یا ڈاکٹرائن (Doctrine) میں شامل نہیں جاسکتا ہے۔

اسرائیلی فوج ، افغانستان میں امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف مہم کو مثال بنا کر مقبوضہ عرب علاقوں میں فلسطینیوں ، کی بستیوں اور گھروں کو جس طرح تہس نہس کررہی ہے ۔ یہ سراسر انسانیت کے خلاف سنگین جرائم ہیں۔ ان دونوں صورتوں میں سیاسی حقیقتوں کا ایک دوسرے سے کوئی تعلق نہیں ہے جبکہ اصل حقیقت یہ ہے کہ افغانستان میں امریکہ کو فوجی آپریشن صرف اس لئے کرنا پڑا ہے کہ کچھ غیر افغانوں (عربوں) نے افغانستان میں غیر قانونی طور پر سکونت اختیار کرلی تھی یا (وہاں اپنی بستیاں آباد کرلی تھیں) لہذا فوجی آپریشن کرکے غیر قانونی طور پر آباد غیر افغانوں کو افغانستان سے نکال دیا گیا ہے اور فلسطینی عوام بھی یہی کچھ اپنی سرزمین میں کررہے ہیں۔ جہاں مشرقی یوروپ کے یہودی غیر قانونی طور پر ان کے ملک میں آباد ہوگئے ہیں اور غیر قانونی بستیاں آباد کرلی ہیں۔ یہ فلسطینی اسرائیل سے یہودیوں کو نہیں نکال رہے ہیں بلکہ صرف اس (فلسطینی) سرزمین سے غیر قانونی طور پر آباد یہودیوں کو نکال رہے ہیں اور اپنے اس آپریشن کو انہوں نے انتفادہ کا نام دیا ہے ۔ جس طرح امریکہ نے افغانستان میں اپنے فوجی آپریشن کو Freedom Enduring کا نام دیا ہے۔

سرد جنگ کے دور میں اینگلو امریکن پروپگنڈا اشتراکیت کی آڑ میں حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کرتا تھا اور اکثریت ان کے بیان کردہ حقائق کو تسلیم کرلیا کرتی تھی۔ لیکن اب دہشت گردی کی آڑ میں جس طرح حقائق کو توڑ مروڑ کر پیش کیا جارہا ہے۔ دنیا کی اکثریت انہیں قبول کرنے سے قبل ان کے ثبوت دریافت کرنے لگتی ہے ۔ عراق کے صدر صدام حسین کے بارے میں اینگلو امریکن پروپگنڈا یہ ہے کہ صدام حسین ایک انتہائی خطرناک رہنما ہیں۔ انہوں نے اپنے عوام کے خلاف انتہائی مہلک ہتھیار کا استعمال کیا تھا ۔ اس لئے انہیں اقتدار سے ہٹانا ضروری ہوگیا ہے لیکن اسرائیلی وزیراعظم ایرئیل شیرون کے بارے میں کبھی یہ نہیں کہتے ہیں کہ یہ شخص (شیرون) فلسطینیوں کے خون کا پیاسا ہے۔ اس کی تمام تر زندگی فلسطینیوں کا قتل عام کرتے رہنے میں گزری ہے اور یہ (شیرون) عظیم تر اسرائیلی صیونی ریاست قائم کرنے کی پالیسی پر گامزن ہے ۔ لہذا اس کا اقتدار میں رہنا انتہائی خطرناک ہے ۔ لیکن حیرت کی بات یہ ہے کہ شیرون مقبوضہ عرب علاقوں میں غیر قانونی طور پر آباد یہودی بستیوں کی سلامتی اور دفاع کے لئے امریکی ہتھیاروں کے ساتھ غیر قانونی طور پر داخل ہو کر ایک غیر قانونی فوجی آپریشن کررہے ہیں اور بش انتظامیہ شیرون کے ان اقدامات کو جائز اور برحق قرار دیتی ہے ۔ جبکہ دنیا کی تقریبا ایک تہائی سے زیادہ اکثریت اسرائیلی حکومت سے ان اقدامات کی شدید مذمت کررہی ہے۔

فلسطین ، اسرائیل تنازعہ کی بگڑتی اور پھیلتی ہوئی صورتحال پر بش انتظامیہ کی مسلسل سرد مہری کے پیش نظر یوروپی یونین کے وزرائے خارجہ کا ہنگامی اجلاس بھی طلب کیا گیا تھا جس میں فوری طور پر یوروپی یونین کا ایک وفد اسپین کے وزیراعظم کی قیادت میں اسرائیل اور مقبوضہ عرب علاقے میں فلسطینی رہنماؤں سے ملاقات کرنے اور فوری طور پر جنگ بندی کروانے کے لئے بھیجنے کا فیصلہ کیا گیا۔ یوروپی یونین کے وزرائے خارجہ کے اس ہنگامی اجلاس میں روس اور چین کو بھی جنگ بندی کے لئے کوششوں میں شامل ہونے کی درخواست کی گئی ۔ خلیج کی جنگ نے امریکہ کو دنیا کی ایک واحد سپر طاقت بنایا تھا اور فلسطین اسرائیل تنازع میں یوروپی یونین کی سرگرم کوششوں کے نتیجے میں کامیابی عالمی اسٹیج پر یوروپی یونین کو ایک طاقتور سیاسی بلاک کی حیثیت سے ابھرا کرسکتی ہیں ؟ یقینا امریکی حکام اور پالیسی ساز یہ کبھی دیکھنا پسند نہیں کریں گے لہذا صدر بش کو ان کا فوری مشورہ یہ ہوگا کہ صدر بش وسیع تر امریکی مفادات کے پیش نظر جلد ذاتی طور پر اس تنازع کے تصفئے میں براہ راست ملوث ہوں اور سکریٹری آف اسٹیٹ کولن پاول کو فورا مشرق وسطی کے دورے پر روانہ کریں۔ اس صورت حال کے پیش نظر صرف 72 گھنٹے میں بش انتظامیہ کو پالیسی میں تبدیلی کرنا پڑی۔

بش انتظامیہ کسی طرح بھی اسرائیلی حکومت کے مشن کو ناکام ہوتے بھی دیکھنا نہ چاہے گی اور نہ ہی اسرائیلی حکومت یہ چاہے گی کہ جب تک صدر بش کی انہیں حمایت حاصل ہے وہ (اسرائیلی حکومت) اس خطے میں امریکہ کی پوزیشن کو کمزور ہوتا نہیں دیکھنا چاہے گی ۔ لہذا یوروپی یونین کا وفد ناکام واپس چلا گیا۔ وزیراعظم شیرون نے یوروپی یونین کے وفد کو اسرائیلی ٹینکوں میں محصور فلسطینی رہنماؤں سے ملاقات کی اجازت نہیں دی ۔ امریکی سکریٹری آف اسٹیٹ کولن پاول کے دورہ مشرق وسطی بھی ناکام رہا ۔ جنرل کولن پاول شیرون کو فلسطینی علاقوں سے اسرائیلی فوج اور ٹینکوں کو واپس بلانے میں کامیاب نہ ہوسکے ۔ اس سے پہلے نائب امریکی صدر ڈک چینی کا عرب ملکوں کا دورہ بری طرح ناکام رہا تھا نائب صدر ڈک چینی اسرائیل کے دورے میں انتہا پسند وزیراعظم شیرون کو جنگجویانہ پالیسیوں کو ترک کرکے فلسطینیوں کے ساتھ سیاسی مذاکرات ، افہام و تفہیم اور امن کے راستے پر لانے میں بھی ناکام رہے تھے ۔ عرب دنیا کے رہنما امریکی اتحادی ہونے کی ذمہ داریوں اور اپنے عوام کے سیاسی توقعات کے درمیان کھڑے ہیں یقینا یہ صورتحال اسٹیٹس کو کی سیاست کو بحال رکھنے کی علامت نہیں ہے ۔؟

●●●●

آندھرا پردیش میں نکسلائیٹس کی پرتشدد کارروائیاں

آندھرا پردیش میں نکسلائیٹس نے ایک بڑی کارروائی میں 2 پولیس اسٹیشنوں کو دھماکہ سے اڑا دیا اور 5 پولیس ملازمین کا اغوا کرلیا۔ اس واقعہ کے ساتھ ہی صوبہ میں ریڈ الرٹ کا حکم دیا گیا ہے تاکہ نکسلائیٹس کی مزید کسی کارروائی کو روکا جاسکے۔ نکسلائیٹس نے دو پولیس اسٹیشنوں کے علاوہ ایک سب جیل اور ٹریژری آفس کو بھی دھماکہ سے اڑا دیا۔ ممنوعہ پیپلز وار گروپ کے نکسلائیٹس کی اس کارروائی کو گذشتہ چند برسوں کی اب تک کی سب سے بڑی کارروائی قرار دیا جارہا ہے۔ ممنوعہ پیپلز وار گروپ کے نکسلائیٹس نے ضلع وشاکھاپٹنم میں ان کارروائیوں کے ذریعہ اس علاقہ میں بھی اپنے وجود اور طاقت کا احساس دلانے کی ایک کوشش کی ہے۔ اطلاعات کے مطابق پیپلز وار گروپ کے 30 سے زائد مسلح نکسلائیٹس جو ایک بس، لاری اور موٹر سیکلوں پر سوار تھے، ہفتہ کی صبح انکاپلی پولیس اسٹیشن پہونچے اور اسے گھیر لیا۔ بعد میں دھماکہ سے پولیس اسٹیشن کو اڑا دیا۔ وہاں سے یہ نکسلائیٹس چوڈاورم پولیس اسٹیشن پہونچے اور اسے بھی دھماکہ سے اڑا دیا۔ دونوں پولیس اسٹیشنوں کو بھاری نقصان پہونچا۔ نکسلائیٹس نے سب ٹریژری آفس میں ڈیٹونیٹرس کے ذریعہ دھماکہ کیا۔ اور سب جیل کے ایک حصہ کو دھماکہ سے اڑا دیا اسی دوران سب جیل میں متعین گارڈس نے نکسلائیٹس سے اپیل کی کہ وہ سب جیل کی عمارت کو دھماکہ سے نہ اڑائیں کیونکہ عمارت گرنے سے اس میں موجود قیدی ملبہ میں دب کر ہلاک ہوجائیں گے۔ گارڈس کی اس اپیل کے بعد نکسلائیٹس وہاں سے روانہ ہوگئے۔ نکسلائیٹس نے پولیس اسٹیشنوں سے بھاری تعداد میں اسلحہ کو لوٹ لیا اور 5 ملازمین پولیس کا اغوا کرکے اپنے ساتھ لے گئے۔ ان میں ایک ہیڈ کانسٹبل اور 4 کانسٹیبلس بتائے جاتے ہیں۔ اطلاعات کے مطابق نکسلائیٹس نے پولیس کی کئی گاڑیوں کو بھی آگ لگادی۔ بتایا جاتا ہے کہ نکسلائیٹس کی ان تیز رفتار کارروائیوں سے ایسا محسوس ہورہا ہے جیسے سارے علاقہ میں ان کا راج ہے۔ نکسلائیٹس کی اس قدر بھاری تعداد اور اچانک حملہ سے پولیس اسٹیشنوں میں موجود ملازمین پولیس بھی خوفزدہ ہوگئے اور نکسلائیٹس کا مقابلہ کرنے کی ان میں ہمت نہیں ہوئی۔ ان ملازمین پولیس نے اپنی عافیت اسی میں سمجھی کہ ہتھیار ڈال دیں۔ حملہ کے وقت کوئی بھی سینئر عہدیدار پولیس اسٹیشنوں میں موجود نہیں تھا۔ پولیس کے اعلیٰ عہدیداروں کو بھی ان کارروائی کی اطلاع تاخیر سے ملی اسکے بعد بڑی تعداد میں پولیس فورس کو متاثرہ علاقوں کو روانہ کردیا گیا۔ پولیس نے اپنے ساتھیوں کی نکسلائیٹس کے قبضہ سے رہائی کے لئے بڑے پیمانے پر تلاشی مہم شروع کردی ہے تاہم فوری طور پر کوئی کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ نکسلائیٹس کی اس کارروائی کے بعد ضلع میں پولیس حکام میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی۔

ان کا کہنا ہیکہ عصری ہتھیاروں کی کمی کے سبب وہ نکسلائیٹس کا مقابلہ نہ کرسکے۔ ضلع وشاکھاپٹنم اور اسکے اطراف و اکناف کے اضلاع میں بھی سخت چوکسی اختیار کرلی گئی ہے ۔حکومت نے اغوا کردہ ملازمین پولیس کا پتہ دینے والوں کے لئے 5 لاکھ روپئے انعام کا اعلان کیا۔ ممنوعہ پیپلز وار گروپ کے نکسلائیٹس نے اغوا کردہ 5 ملازمین پولیس میں سے 4 کو اغوا کے دوسرے دن رہا کردیا جبکہ ایک کو ابھی اپنے قبضہ میں ہی رکھا ہے۔ نکسلائیٹس نے ضلع وشاکھاپٹنم میں ہفتہ کو دو پولیس اسٹیشنوں کو دھماکہ سے اڑانے کے بعد 5 ملازمین پولیس کا اغوا کرلیا تھا۔ اطلاعات کے مطابق 4 ملازمین پولیس رہائی کے بعد اپنے مقام واپس آگئے جبکہ ایک کے بارے میں شبہ ہے کہ نکسلائیٹس نے جان بوجھ کر اسے اپنے قبضہ میں رکھا ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ نکسلائیٹس اس پولیس ملازم کی سرگرمیوں سے خوش نہیں ہیں۔ اسی دوران آندھرا پردیش پولیس اپنے اس ملازم کی رہائی کے لئے مصالحت کنندوں کے ذریعہ نکسلائیٹس سے ربط پیدا کرنے کی کوشش کررہی ہے۔

پاکستانی خاتون کو راحت

آندھرا پردیش کی ہائیکورٹ نے ایک اہم فیصلہ سناتے ہوئے ایک پاکستانی خاتون کے ملک میں قیام کی مدت میں ایک ماہ کی توسیع کرتے ہوئے خاتون اور اسکے گھر والوں کی پریشانی کو مسرت میں تبدیل کردیا ہے۔ آندھرا پردیش ہائیکورٹ کے چیف جسٹس جسٹس اے آر لکشمنن اور جسٹس بی ایشوریا پر مشتمل ڈویژن بنچ نے پاکستانی خاتون تسلیم مراد کی درخواست نظرثانی کی سماعت کی اور ابتدائی سماعت کے ساتھ

ہی تسلیم کی پاکستان واپسی سے متعلق ریاستی حکومت کے احکامات پر 4 ہفتوں کے لئے حکم التوا جاری کردیا۔ عدالت میں حکومت کی جانب سے تسلیم مراد کو ملک میں مزید قیام کی اجازت دینے کی مخالفت کی گئی اور حکومت کے وکیل نے استدلال پیش کیا کہ تسلیم کے ویزا کی مدت اور پھر ایک سالہ توسیع کی مدت بھی ختم ہوچکی ہے۔

پاکستانی خاتون تسلیم مراد کا یہ معاملہ انسانی حقوق اور خواتین کی تنظیموں کو بھی متحرک کرچکا ہے ۔ واضح رہے کہ تسلیم مراد کی جانب سے ملک میں قیام میں توسیع کی درخواست کو ہائیکورٹ کے ایک رکنی بنچ نے مسترد کردیا تھا جسکے بعد حکومت نے تسلیم کو پاکستان واپسی کی ہدایت دیدی تھی ۔ انہیں ہند پاک اٹاری سرحد پر چھوڑ دئے جانے کا پروگرام بھی طے ہوچکا تھا ۔ تاہم ہائیکورٹ کے ڈویژن بنچ نے منتقلی کے احکامات پر عمل آوری کو 4 ہفتوں تک کے لئے روک کر راحت کا سامان کیا ۔ انسانی حقوق کے لئے جدوجہد کرنی والی جانی مانی شخصیت کے جی کنابیرن نے تسلیم مراد کی جانب سے پیروی کی اور عدالت کو بتایا کہ یہ انسانی ہمدردی کا معاملہ ہے ۔ تسلیم کو 7 ماہ کا شیر خوار بچہ ہے لہذا ماں کو بچے سے جدا نہیں کیا جاسکتا ۔ عدالت میں تسلیم مراد کے وکیل کے جی کنابیرن نے امریکہ میں کریڈٹ کارڈ گھپلے میں

گیا کہ عظمت کا دہشت گردی کے معاملہ سے کوئی تعلق نہیں ہے ۔ ڈویژن بنچ نے اپنے عبوری احکامات میں پولیس کو ہدایت دی ہے کہ وہ ایک ماہ کی مدت کے دوران تسلیم مراد کی سرگرمیوں پر نظر رکھیں تاکہ کسی قوم دشمن سرگرمیوں میں انکے ملوث ہونے کا پتہ چلایا جاسکے ۔ اس مقدمہ کی آئندہ سماعت 19 ستمبر کو ہوگی ۔ ہائیکورٹ کی جانب سے دی گئی اس راحت پر تسلیم مراد نے خدا کا شکر ادا کرتے ہوئے کہا کہ اسے عدالت سے انصاف کی ہی توقع تھی اور عدالت نے انصاف پر مبنی فیصلہ ہی سنایا ہے ۔ کراچی پاکستان کے لانڈھی علاقہ سے تعلق رکھنے والی اس خاتون نے بتایا کہ اس مقدمہ کی سماعت کے دوران وہ ہندوستانی شہریت کے لئے بھی عدالت سے درخواست کریں گی۔

سری لنکا کے وزیر اعظم حیدرآباد میں

خانگی دورہ پر آئے تھے ۔ رانیل وکرما سنگھے نے ٹاملناڈو کے کانچی پورم میں ہندو مذہب کے رہنما شنکر آچاریہ جئندر سرسوتی سے ملاقات کی ۔ بعد میں اخبار نویسوں سے غیر رسمی بات چیت میں انہوں نے کہا کہ سری لنکا کی حکومت نے مستقل قیام امن کے لئے علحدگی پسند تنظیم لبریشن ٹائیگرس آف ٹامل ایلم یعنی ایل ٹی ٹی ای سے مذاکرات کا فیصلہ کیا ہے ۔ انہوں نے بتایا کہ تھائی لینڈ میں حکومت سری لنکا اور ایل ٹی ٹی ای کے درمیان بات چیت ہوگی ۔ وکرما سنگھے نے بتایا کہ مذاکرات کی تاریخ کا تعین ابھی باقی ہے ۔

انہوں نے سری لنکا میں امن کے قیام کی کوششوں میں امریکہ اور بھارت کے تعاون کی پیشکش کی ستائش کی ۔ وکرما سنگھے اپنی شریک حیات مایتری کے ہمراہ ٹاملناڈو سے حیدرآباد پہونچے جہاں انہوں نے چیف منسٹر این چندرا بابو نائیڈو سے ملاقات کی ۔ سخت سیکوریٹی انتظامات

سزا کاٹ رہے اسکے شوہر عظمت جاوید کے امریکی وکیل کا روانہ کردہ مکتوب بھی پیش کیا جس میں بتایا گیا ہے کہ عظمت کو ستمبر میں بھارت بھیج دیا جائے گا ۔ مکتوب میں یہ بھی بتایا

سری لنکا کے وزیر اعظم رانیل وکرما سنگھے اپنے خانگی دورہ پر حیدرآباد پہونچے ۔ وہ ٹاملناڈو، آندھرا پردیش اور کرناٹک کے تین روزہ

کے سبب حیدرآباد میں اخبار نویسوں کو ان سے ملاقات کی اجازت نہیں دی گئی ۔ سری لنکا کے وزیر اعظم نے تروپتی کے لارڈ وینکٹیشورا اور دوسرے بڑے مندروں کے درشن کئے اور شام
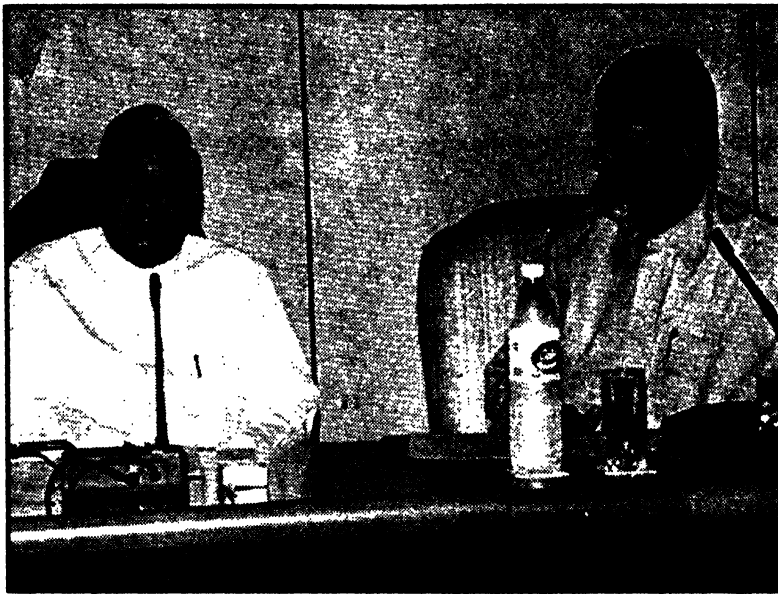
میں بنگلور روانہ ہوگئے۔

حیدرآباد میں قیام کے دوران وکرما سنگھے نے آندھرا پردیش میں انفارمیشن ٹکنالوجی اور دوسرے شعبہ جات کی کارکردگی کا جائزہ لیا۔ انہوں نے آندھرا پردیش کی مختلف شعبوں میں ترقی پر مسرت کا اظہار کرتے ہوئے حکومت کی جانب سے کئے گئے اقدامات کی ستائش کی۔ انہوں نے چیف منسٹر کے ظہرانہ میں بھی شرکت کی۔

چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو کی وزیراعظم واجپائی سے ملاقات

وی پی سنگھ کا دورہ حیدرآباد

سابق وزیراعظم وشواناتھ پرتاپ سنگھ نے گجرات میں انتخابات کے انعقاد کی مخالفت کی اور کہا کہ وہاں حالات ابھی معمول پر نہیں ہیں اور اقلیتیں، خاص طور پر مسلمان خوف کے ماحول سے باہر نہیں نکلے ہیں۔ وی پی سنگھ حیدرآباد کے دورہ کے موقعہ پر اخبار نویسوں سے بات چیت کررہے تھے۔ سابق وزیراعظم نے مسلم قائدین اور دانشوروں کے ایک اجلاس میں شرکت کی اور ملک میں تحفظات کے 100 سال کی تکمیل پر منعقدہ ایک تقریب سے بھی خطاب کیا۔ وی پی سنگھ نے بی جے پی اور سنگھ پریوار کو تنقید کا نشانہ بناتے ہوئے کہا کہ بی جے پی مذہبی جنون کو ہوا دے کر گجرات کے انتخابات میں کامیابی حاصل کرنا چاہتی ہے حالانکہ جب تک وہاں صورتحال پوری طرح قابو میں نہیں آجاتی انتخابات کے بارے میں سوچنا مناسب نہیں ہے۔ صدر جمہوریہ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام اور چیف الیکشن کمشنر جے ایم لنگڈوہ کے دورہ گجرات کا خیر مقدم کرتے ہوئے وی پی سنگھ نے کہا کہ انکے دورہ سے وہاں کی حقیقی صورتحال سامنے آئی ہے۔ انہوں نے بتایا کہ فسادات کے بعد وہ بھی گجرات کا دورہ کرچکے ہیں اور ان کا احساس ہے کہ متاثرین کی راحت اور باز آبادکاری میں گجرات کی حکومت ناکام ہوچکی ہے۔ سابق وزیراعظم نے تجویز پیش کی کہ اگر الیکشن کمیشن گجرات میں انتخابات کرانا ہی چاہتا ہو تو انتخابات صدر راج نافذ کرتے ہوئے کرائے جائیں۔ بھارت کی آزادی کے 55 برس بعد بھی اقلیتوں میں عدم تحفظ کے احساس کے بارے میں پوچھے گئے سوال پر وی پی سنگھ نے کہا کہ ملک میں فی الوقت فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو فروغ دینے کی ضرورت ہے کیونکہ اس کے بغیر ملک کا استحکام خطرہ میں پڑسکتا ہے۔ مسلمانوں کے ہمدرد اور سیکولرازم کے کٹر حامی مانے جانے والے وی پی سنگھ نے سنگھ پریوار کی جانب سے مسلمانوں کی حب الوطنی کو چیلنج کرنے پر شدید ردعمل کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ تمام مذاہب اور فرقوں کے عوام نے جد و جہد آزادی میں حصہ لیا تھا۔ وی پی سنگھ نے کہا کہ سنگھ پریوار ملک کی تقسیم کے لئے جناب محمد علی جناح پر الزام عائد تو کرتا ہے لیکن وہ نہیں جانتا کہ اپنی سرگرمیوں سے وہ ملک کو پھر ایک تقسیم کی طرف لے جارہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ اقلیتوں کے دلوں سے خوف کو دور کرتے ہوئے ہی بھارت کو مضبوط کیا جاسکتا ہے۔

☆☆☆☆
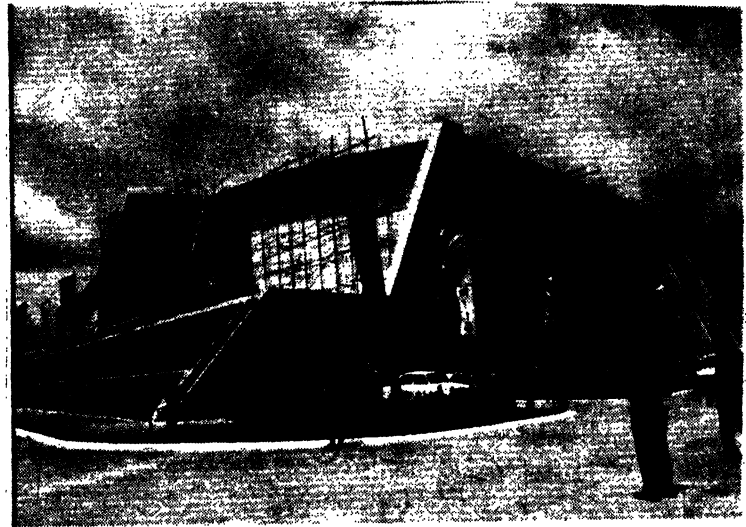
کے وجئے بھاسکر ریڈی انڈور اسٹیڈیم جس کا افتتاح چیف منسٹر چندرا بابو نائیڈو نے کیا

ڈاکٹر سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

ہوٹل مینجمنٹ کورس

انسٹی ٹیوٹ آف ہوٹل مینجمنٹ کیٹرنگ ٹکنالوجی اینڈ اپلائیڈ نیوٹریشن ، مرکزی وزارت سیاحت کا ایسا ادارہ ہے ، جو ملک کے کئی حصوں کے بشمول حیدرآباد میں ودیانگر میں واقع ہے ۔ اس کا آغاز 1972ء میں فوڈ کرافٹ انسٹی ٹیوٹ کی طرح مرکزی وزارت زراعت کے تحت کیا گیا ۔ لیکن ایک قلیل مدت بعد اسے ریاستی حکومت کے تعاون سے بڑھتی ہوئی صنعتی ضرورتوں سے مطابقت پیدا کرنے کی غرض سے ڈپلوما انسٹی ٹیوٹ کا درجہ دیدیا گیا ۔ اسی انسٹی ٹیوٹ میں ہوٹل کے انتظامی امور ، پکوان ، دیکھ بھال ، سپلائی ، سروس ، آداب استقبالیہ ، غرض ہوٹل یا ریسٹورنٹ کے انتظامی امور میں مرد و خواتین (گھریلو خواتین) میں مہارت پیدا کرنے کی غرض سے کئی کورسس رائج ہیں ۔ ملک میں ان دنوں سیاحتی مراکز اور خصوصیت کے ساتھ آرام دہ اور جدید و عصری طریقوں کی آرام و آسائش کی حامل ہوٹلوں اور رسٹورنٹس کی تعداد میں روز افزوں اضافہ ہورہا ہے اور اس کی ضرورتیں بھی دن بدن بڑھ رہی ہیں جس کے لئے تربیت یافتہ عملہ کی ضرورت شدید ہوتی جارہی ہے جس کی تکمیل کے لئے یہ کورسس بے حد مفید ہیں ۔ یہ کورسس مرد اور گھریلو خواتین کے لئے روزگار کے نقطہ نظر سے بھرپور اہمیت کے حامل ہیں ۔ خانگی شعبوں میں روزگار کے حصول کے علاوہ ان کورسس کی تکمیل کے بعد خانگی شعبے کے اداروں میں بہترین ملازمتوں کا حصول آسان اور گنجائش وسیع ہیں ۔

اس انسٹی ٹیوٹ میں دو طرح کے کورسس رائج ہیں ۔ ایک ریگولر اور دوسرا جزو وقتی ۔ ریگولر کورسس میں ہوٹل مینجمنٹ اینڈ کیٹرینگ ٹکنالوجی میں تین سالہ ڈپلوما ، سفر و سیاحت میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما ، پکوان میں کرافٹ سرٹیفکٹ کورس اور بیکری و کنفکشنری ، ریسٹورنٹ و کاونٹر سروس ہاوز کیپنگ ، ہوٹل رسیپشن اور تحفظ تغذیہ (Canning and Food Preservation) میں تمام سرٹیفکٹ کورسس رائج ہیں ۔ اس کے علاوہ جزو وقتی کورسس گھریلو خواتین کے لئے رائج ہیں اور یہ پکوان ، بیکری اینڈ کنفکشنری اور غذاؤں کے تحفظ کے شعبے سے متعلق ہیں ۔ اس کے علاوہ ہوٹل اینڈ کیٹرنگ آپریشن (Hotel and Catering Operation) میں تین سالہ ڈپلوما کورس بھی اس انسٹی ٹیوٹ میں پڑھایا جارہا ہے ۔ ان تمام کورسس کی اہمیت یوں بھی ہے کہ ہوٹل اور کیٹرنگ ان دنوں صنعت کا درجہ اختیار کرچکی ہے ۔ اس صنعت میں زمانے کے ساتھ ساتھ جو نئی تبدیلیاں ہورہی ہیں ان سے واقفیت ، آگہی اور اس میں تعلیم و تربیت فراہم کرنا اور طلبہ کو خود روزگار کی حد تک باصلاحیت و ہنرمند بنایا جارہا ہے ۔ ان کورسس میں باقاعدہ تعلیم و تربیت کے ساتھ چھ ماہ کی صنعتی ٹریننگ بھی شامل رکھی گئی ہے جو طلبہ کو بہتر طور پر ہنرمند بنانے کے لئے تعلیمی استحکام و پختگی کے فطری اصول Theory and Practical کی نشاندہ ہے ۔

مذکورہ کورسس میں داخلے کے لئے طلبہ کو انٹرمیڈیٹ (2 + 10) یا اس کے مماثل کورس میں سائنس ، آرٹس یا کامرس مضامین کے ساتھ 50 فیصد نمبرات سے کامیابی ضروری ہے ۔ عمر کم سے کم 17 اور زیادہ سے زیادہ 22 سال ہونی چاہئے ۔ داخلوں کے لئے انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے انٹرنس ٹسٹ منعقد کیا جاتا ہے جس میں کامیابی ضروری ہے ۔ یہ امتحان آبجیکٹیو طرز کے سوالات پر مبنی ہوتا ہے ۔ طلبہ کو ہوٹل مینجمنٹ ، اغذیہ کے تحفظ اور سفر و سیاحت کے عام امور سے ابتدائی واقفیت اس امتحان میں کامیابی اور داخلے کے لئے مددگار ثابت ہوتی ہے ۔ سفر و سیاحت میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کورس میں داخلے کے لئے انٹرنس ٹسٹ اور انٹرویو میں کامیابی ضروری ہے ۔ یہ ٹسٹ انسٹی ٹیوٹ کی جانب سے منعقد کیا جاتا ہے ۔ ان میں بنیادی تعلیمی اہلیت گریجویشن کی تکمیل ہے ۔ تاہم تاریخ کے طالب علموں اور بیرون ہند زبانوں کے جاننے والوں کو ترجیح دی جاتی ہے ۔ اس کورس کی مدت ایک سال ہے اور نشستوں کی تعداد 20 ہے ۔ پکوان کرافٹ سرٹیفکٹ کورس کے لئے بنیادی تعلیمی قابلیت ایس ایس سی یا اس کے مماثل امتحان میں کامیابی ہے ۔ اس ایک سالہ کورس میں نشستوں کی تعداد 20 ہے ۔ اسی طرز مذکورہ تمام سرٹیفکٹ کورسس کی مدت ایک سال ہے ۔ تعلیمی قابلیت دسویں جماعت یا اس کے مماثل امتحان میں کامیابی اور نشستوں کی تعداد 20 ہے ۔ البتہ House Keeping سرٹیفیکٹ کورس میں داخلے کے لئے تعلیمی قابلیت ایس ایس سی یا اس کے مماثل اور نشستوں کی تعداد 15 ہے ۔ اس کورس کی مدت ایک سال ہے ۔ اسی طرح تغذیہ کے تحفظ سے متعلق سرٹیفیکٹ کورس میں بھی نشستوں کی تعداد 15 ہے ۔

انسٹی ٹیوٹ میں تغذیہ وغیرہ سے متعلق عملی کام کے لئے بہترین عصری سہولتیں دستیاب ہیں ۔ ماہر اساتذہ کی نگرانی میں تعلیم و تربیت کا انتظام اس انسٹی ٹیوٹ کی خصوصیت ہے ۔ موجودہ دور میں یہ کورسس طلبہ کے لئے بے حد مفید اور کارآمد ہیں ۔ داخلوں کے لئے قومی مسابقت اور محدود نشستوں کے پیش نظر نشستوں کے حصول کے لئے طلبہ کو متعلقہ سبجیکٹ کی ابتدائی معلومات اور کڑی محنت مفید ہوسکتی ہے ۔ ان کورسس کی اپنی اہمیت مسلمہ ہے ۔ ان کورسس میں کامیابی کے بعد پوسٹ گریجویشن سطح کے مزید متعلقہ کورسس میں داخلہ حاصل کیا جاسکتا ہے ۔ یا پھر اسی کی بنیاد پر فائیو اسٹار ہوٹلوں میں مختلف درجات اور پرکشش عہدوں پر روزگار سے جڑا جاسکتا ہے ۔ سرکاری ملازمتوں پر تکیہ کئے بغیر اور ملازمت کے حصول کے لئے سرکاری طور پر حد عمر جیسی پابندیوں کے پیش نظر بھی خانگی شعبوں میں ملازمتوں کی وسیع تر گنجائش کے پیش نظر ان کورسس سے استفادہ بے حد کارآمد ہے ۔

ایشیا ایک بار پھر معاشی ترقی کی راہ پر

جنوبی ایشیا پانچ سال قبل مالیاتی بحران میں مبتلا ہونے کے بعد اب سنبھل گیا ہے ۔مگر یہاں بینکنگ سمیت کئی مالیاتی شعبوں میں اصلاحات کی اب بھی ضرورت ہے ۔ تھائی لینڈ میں 1997ء میں سکے کی قیمت میں کمی کے بعد اس علاقے سے سرمایہ باہر جانا شروع ہوگیا تھا اور تنزل شروع ہوگیا تھا ۔ اس کے نتیجے میں پیدا ہونے والی افراتفری جنوبی ایشیاء سے باہر دیگر نئی مارکیٹوں میں پہنچ گئی ۔ ایک وقت ایسا بھی آیا کہ اس سے عالمی معیشت کو بھی خطرہ لاحق ہوگیا ۔ لیکن یہ بھی اہم بات ہے کہ پانچ سال کے بعد ان میں سے کئی ممالک عالمی معیشت کی ڈگمگاتی صورتحال کے باوجود ترقی کررہے ہیں ۔ گزشتہ سال جنوبی کوریا کا جی ڈی پی 1996ء کے مقابلے میں ایک چوتھائی زیادہ ہوگیا ۔ کئی ممالک کے لئے 97 ۔ 1996ء کا بحران ایک اہم موڑ ثابت ہوا ۔ 1997ء تک دو عشروں میں اس علاقے نے اہم کامیابی حاصل کی اور اس کی خاص وجہ یہ تھی کہ انہوں نے برآمدات کی ترقی کے سلسلے میں جاپان کی پیروی کی تھی ۔ ترقی کی دوڑ میں ان سے ہر معیشت شامل ہوگئی تھی ۔ یہ ہنسوں کی اڑان تھی جو تیز تر دوڑ رہے تھے ۔ مگر 98 ۔ 1997ء کے واقعات نے واضح کردیا کہ اس اڑان کو روکا بھی جاسکتا ہے ۔ لیکن ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ترقی کی یہ پرواز دوبارہ شروع ہوگئی ہے اور اس میں عالمی مالیاتی فنڈ کا کردار بھی نمایاں ہے ۔ اگرچہ شروع میں مالی بحران کا اندازہ کرنے میں ناکام ہوگیا تھا ۔ عالمی مالیاتی فنڈ کی طرف سے سخت مالیاتی پالیسی اختیار کرنے کے بارے میں اختلاف پایا جاتا تھا ۔ لیکن ثابت یہ ہوا کہ پھنسے ہوئے قرضوں سے نجات پانے کی اس کی پالیسی درست تھی ۔ آئی ایم ایف کی پالیسی سے انحراف کرنے والا ملک ملیشیا تھا ۔ مگر عملی طور پر اس نے بھی فنڈ سے رقم لئے بغیر اس کے مشورے پر عمل کیا ۔ اگرچہ ملیشیا میں سرمائے پر کنٹرول کی خبریں اخبارات کی سرخیاں بنیں مگر سکے کی قیمت کم ہونے لگی تھی اور غیر ملکی سرمایہ ملک سے جاچکا تھا اس لئے یہ کنٹرول غیر اہم ہوگیا ۔

مشرقی ایشیا اپنی ترقی کے لئے اب غیر ملکی عوامل کا زیادہ محتاج نہیں ہے ۔ امریکہ کی طرف سے ٹکنالوجی کے شعبے میں سرمایہ کاری میں ہونے والی کمی نے اس علاقے کو اتنا متاثر نہیں کیا جتنا خطرہ تھا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایشیائی ممالک کی معیشتیں جو بحرانی کیفیت سے دوچار ہوچکی ہیں ، اب باہمی تجارتی روابط بڑھارہی ہیں ۔ اگرچہ جاپان کی رفتار ترقی تو بدستور ہے ، مگر چین کی تجارت میں تیز رفتار ترقی طلب میں مزید اضافہ کررہی ہے ۔ ان ہی رجحانات کی وجہ سے 2001ء میں درآمدی شعبے میں ہونے والی کمی میں دوبارہ اضافہ ہونے لگا ہے ۔ اس سال ملیشیا ، فلپائن اور جنوبی کوریا میں برآمدات میں بیس فیصد سے زیادہ اضافہ ہوا ہے ۔

لیکن اچھی خبر یہ ہے کہ بحران میں مبتلا ممالک کی میکرو اکنامکس کی صورتحال ڈرامائی انداز میں بہتر ہوگئی ہے ۔ جی ڈی پی میں اضافے کے ساتھ غیر ملکی سرمائے کی صورت حال بھی حوصلہ افزاء ہوگئی ہے ۔ 98 ۔ 1997ء کے بحران کو جنم دینے والے غیر ملکی زرمبادلہ کے قرضے ادا کردئے گئے ہیں یا انہیں ری شیڈول کردیا گیا ہے ۔ کئی مرکزی بینکوں میں غیر ملکی کرنسی کے ذخائر میں بھی اضافہ ہوگیا ہے ۔ سیاسی طور پر بھی مغربی ایشیا کسی حد تک مستحکم ہوگیا ہے ۔ بحران کے بعد ، طویل عرصے سے قائم جنوبی کوریا ، تائیوان اور انڈونیشیا کی حکومتیں ختم ہوگئی تھیں ۔ تھائی لینڈ میں نیا آئین نافذ کیا گیا اور نئی حکومت بھی قائم ہوگئی ۔ ملیشیا میں ایسے ہنگامے پھوٹ پڑے جن کے بارے میں پہلے تصور بھی نہیں کیا جاسکتا تھا ۔ یہ ہنگامے گزشتہ سال تک جاری رہے ۔ ملیشیا اور فلپائن میں بھی صدور کو ان کے عہدے کی مدت کے درمیان ہی ہٹادیا گیا ، لیکن اب اس علاقے کی سیاسی صورتحال بھی ٹھیک ہوگئی ہے ۔

اس علاقے کی اکثر ممالک کی کرنسی اب ڈالر سے مربوط نہیں ۔ البتہ ملیشیا اور ہانگ کانگ اس سے مستثنیٰ ہیں اور اپنے سکے پر ہونے والے حملوں کا انہیں کئی بار مقابلہ کرنا پڑا ہے ۔ مجموعی طور پر اس علاقے میں قلیل المدت سرمایہ کاری اور سیاسی استحکام کی وجہ سے شرح مبادلہ میں تبدیلی کم ہوئی ہے ۔ سود کی شرح اور افراط زر بھی کم ہے ۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں کہ ایشیا اپنی اقتصادی پریشانیوں سے آزاد ہوگیا ۔ بینکنگ کے کئی اہم مسائل حل کے منتظر ہیں ۔ تجارتی قرضوں میں اضافے کی بھی ضرورت ہے ۔ تھائی لینڈ ، انڈونیشیا اور فلپائن پبلک فینانس کے اعتبار سے مستحکم ہورہے ہیں ۔

مشرقی ایشیا اپنی ترقی کے لئے اب غیر ملکی عوامل کا زیادہ محتاج نہیں ہے ۔ امریکہ کی طرف سے ٹکنالوجی کے شعبے میں سرمایہ کاری میں ہونے والی کمی نے اس علاقے کو اتنا متاثر نہیں کیا جتنا خطرہ تھا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ایشیائی ممالک کی معیشتیں جو بحرانی کیفیت سے دوچار ہوچکی ہیں ، اب باہمی تجارتی روابط بڑھارہی ہیں ۔ اگرچہ جاپان کی رفتار ترقی تو بدستور ہے ، مگر چین کی تجارت میں تیز رفتار ترقی طلب میں مزید اضافہ کررہی ہے ۔ ان ہی رجحانات کی وجہ سے 2001ء میں درآمدی شعبے میں ہونے والی کمی میں دوبارہ اضافہ ہونے لگا ہے ۔ اس سال ملیشیا ، فلپائن اور جنوبی کوریا میں برآمدات میں بیس فیصد سے زیادہ اضافہ ہوا ہے ۔

سنگاپور میں معاشی ماہرین کا خیال ہے کہ جلد ہی برآمدات کم ہوجائیں گی ۔ کیوں کہ کاروباری شعبے میں سرمایہ کاری کی طلب میں اضافہ نہیں ہوا ہے ۔ مشرقی ایشیا کے کئی ممالک

کی معیشتیں خاص طور پر جنوبی کوریا کی معیشت نے امریکی کساد بازاری کا بہت اچھا مقابلہ کیا اور ملکی کھپت میں اضافہ کرلیا ہے ۔ ملکی اور بین ایشیائی طلب میں اضافے کی وجہ سے عالمی کساد بازاری کے باوجود ان میں اعتماد پیدا ہوا ہے اور بیرونی سرمایہ بھی آرہا ہے ۔ یورپ اور امریکہ کے مقابلے میں ایشیا کی کچھ اسٹاک مارکیٹوں میں تیزی آئی ہے ۔

98 ۔ 1997ء کے بعد ایسی سرمایہ کاری کو خوش آمدید نہیں کہا جارہا ہے ۔ یہ بھی نہیں کہا جاسکتا کہ ایشیا کی افراط زر کی کم شرح کوئی اچھا شگون ہے ۔ کچھ ممالک افراط زر کی شرح میں اضافے کا کامیابی سے مقابلہ کررہے ہیں ۔ چین کے پڑوسی ممالک کی برآمدات میں مقامی کرنسی کے اعتبار سے اضافہ ہورہا ہے مگر ڈالر میں ان کی قیمت برقرار ہے ۔ سابقہ جی ڈی پی حاصل کرنے کے لئے اپنی برآمدات میں اضافہ کرنا ہوگا ۔ ان کے حالیہ اکاؤنٹ میں بچت ہورہی ہے جس کی وجہ سے وہ اپنے قرضے ادا کرسکتے ہیں ، مگر اس کی وجہ یہ ہے کہ ان کی درآمدات کم ہوگئی ہیں ۔

اس بحران کا مقابلہ کرنے کے لئے کوریا نے عالمی مالیاتی فنڈ کی مالیاتی اصلاحات پر عمل درآمد شروع کردیا ۔ نئی حکومت اس کے اقتصادی شعبوں کے سربراہوں اور یونین لیڈروں نے بھی تبدیلیوں کو خوش آمدید کہا ۔ یہ طرز عمل جاپان کے 1990ء کی دہائی کے طرز عمل سے مختلف ہے ۔ کوریا کی حکومت نے بینکوں کو سرمایہ فراہم کرنا شروع کردیا اور پھنسے ہوئے قرضے خریدنے کے لئے ایک پبلک اسٹیٹ مینجمنٹ کمپنی قائم کردی ۔ حکومت نے اس سلسلے میں 129 بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے ۔ اسے توقع ہے کہ وہ بینکوں میں ایکویٹی فروخت اور پھنسے ہوئے قرضوں کے کچھ حصوں کی واپسی سے چھپن فیصد رقم حاصل کرے گی ۔ اس نظام کی وجہ سے بینک آزادانہ طور پر اپنا کام کرسکیں گے ۔

بینکنگ شعبہ اس لئے مطمئن ہے کہ انہیں نیا سرمایہ حاصل ہوگیا ہے اور وہ بہتر شرائط پر قرضے دے رہے ہیں ۔ کوریا سے بینکوں نے اپنا طریقہ کار بہتر بنالیا ہے اور اب قرضوں کا استعمال بہتر طریقے سے کیا جائے گا ۔ کیوں کہ اس سے پہلے حکومت انہیں ایسے تاجروں کو قرض دینے کے لئے ہدایت دیتی تھی جو سیاسی اثر و رسوخ رکھتے تھے ۔ اس طرح برآمدات میں اضافے سمیت کسی معاشی اصلاح پر عمل ممکن نہیں تھا اور یہ قرضے غلط طور پر استعمال ہوتے تھے ۔ حکومت نے بینکوں کی بیلنس شیٹس درست کرتے ہوئے ایسے قرضے روک دئے اور اہم تبدیلیوں کے لئے بھی فوری اقدامات کئے ۔ قرضے دینے کے لئے راہ نمائی فراہم کی گئی ۔ قرضے منظور کرنے کے لئے کمیٹیاں بنائی گئیں جو دخل اندازی سے آزاد تھیں ۔ حکومت نے تاجروں پر زور دیا کہ وہ قرضے ادا کرنے کے لئے اپنے اثاثے فروخت کردیں ۔ اپنا کاروبار محدود کریں یا کاروباری شعبے سے باہر نکل جائیں ۔ اس طرح بینکوں کے لئے بھی ممکن ہوگیا کہ وہ درمیانے یا چھوٹے پیمانے پر کام کرنے والے تاجروں کو قرضے دے سکیں ۔

بینکوں میں دوسری اہم تبدیلی مسابقتی دباؤ کا مقابلہ کرنے کے سلسلے میں وجود میں آئی ۔ اگرچہ کچھ بڑے سودے تو مکمل نہیں ہوسکے ، مگر نجی ایکویٹی سرمایہ کاروں اور غیر ملکی بینکوں نے کورین بینکوں کے حصص حاصل کرلئے اور صارفین کو قرضے دئے جانے لگے جن کی تعداد اس وقت کل قرضوں کی نصف کے مساوی ہے ۔ جس سے ملکی معیشت کو فائدہ پہنچا ۔

دیگر مشرقی ایشیائی ممالک نے ان کامیابیوں کو دیکھا ، لیکن اس میں یہ خطرہ موجود ہے کہ اس سے غلط نتائج بھی اخذ کئے جاسکتے ہیں ، کیوں کہ یہ تبدیلیاں ان ممالک کے معروضی حالات میں فائدہ مند نہیں ہوسکتیں ۔ جنوبی کوریا کی معاشی ترقی نے اسے عالمی کساد بازاری سے محفوظ بھی رکھا اور اس کے صارفین کو اعتماد بخشا ۔ جنوبی کوریا کے پڑوسی بھی اپنے مالیاتی نظام میں اصلاح کرنے کی کوشش کررہے ہیں ، یہ درست ہے کہ وہ اپنے پھنسے ہوئے قرضوں پر پوری طرح قابو نہیں پاسکے ، لیکن وہ اپنی معیشت کو براہ راست ترقی دینے کی کوشش کررہی ہیں ۔ جنوب مشرقی ایشیائی ممالک کے لئے قرضوں میں اضافے کی بحالی مشکل امر ہے ۔ تھائی لینڈ اور انڈونیشیا میں جب تک عدالتیں فیصلہ کردیں قرض خواہوں کے دعووں کو صحیح نہیں سمجھا جاتا ۔ بدعنوانیوں کے بارے میں بھی اصلاحات کی جارہی ہیں ۔ ملیشیا نے بھی انڈونیشیا کی مانند کارپوریٹ قرضوں کے معاملات طے کرنے کی کوشش کی ہے ، مگر بعض معاملات میں حکومت کی کوششیں انڈونیشیا اور تھائی لینڈ کے طریقہ کار سے بہت مختلف ہیں ۔ ملیشیا میں بزنس کے ساتھ سیاست کو ملوث کرنے سے حکومت نے اعتماد کھودیا ہے ۔

جس وقت معاشی بحران رونما ہوا ملیشیا کی معیشت نسبتاً ترقی یافتہ تھی اور اس کے قرضے بھی کم تھے ۔ ملیشیا اب بھی جنوبی کوریا کی ترقی کا مقابلہ کرسکتا ہے ۔ بحران کے زمانے میں ہاؤسنگ قرضوں کی ہمت افزائی کار کے لئے قرضوں کی طلب میں اضافے اور دیگر اخراجات میں اضافے کی وجہ سے ملکی طلب بحال ہوگئی تھی ، مگر پھر بھی ملیشیا اس رفتار کو جاری نہ رکھ سکا ۔

مشرقی ایشیائی ممالک کی ترقی سے امیدیں وابستہ کرنے کی سب سے اہم وجہ یہ ہے کہ ان ممالک نے گزشتہ پانچ برس کو اپنے احتساب کے لئے استعمال کیا ہے ۔ اس علاقے میں نئی حکومتیں وجود میں آگئیں ، کیوں کہ ان ممالک کے عوام معاشی زوال کے سبب خوش آئند وعدوں سے تنگ آچکے تھے ۔ سیاسی احتساب میں اضافے کے ساتھ اس بحران نے مقامی سرمایہ کاروں میں بھی شعور پیدا کردیا ۔ یہ لوگ ان کمپنیوں میں شفافیت اور گورنینس بہتر بنانے کی خواہش کرنے لگے جن میں وہ سرمایہ کاری کررہے تھے ۔ اس طرح سرمائے کی مارکیٹ میں اصلاحات ہوئیں جن میں غیر ملکیوں نے بھی مدد کی ، مگر مقامی سرمایہ کار اصلاحات کے زیادہ خواہش مند تھے ۔ معاشی استحکام نے ان اصلاحات کے نفاذ میں بڑی مدد کی ہے ۔ اس وقت اس علاقے میں معاشی تنزلی کا کم از کم خطرہ ہے ۔ بحران کے بعد مشرقی ایشیائی ملکوں کے لئے یہ ایک شاندار موقع ہے کہ وہ اپنی معیشتوں کی از سر نو تعمیر سے ترقی کے بھرپور ثمرات حاصل کرسکیں ۔

OOOO

صلاح الدین نیر

غزل

ہمارے سامنے قاتل ہے کیا کیا جائے
وہ اب بھی زینت محفل ہے کیا کیا جائے

تمام عمر دیا میں نے جس کو درس جنوں
وہ آج میرے مقابل ہے کیا کیا جائے

تمام شہر ہے پیاسہ دھواں دھواں منظر
یزید اپنے مقابل ہے کیا کیا جائے

حصار ذات سے آگے نکل گیا ہوتا
نظر میں صاحب منزل ہے کیا کیا جائے

وہ چاہتا ہے کہ اسکی نظر کی حد میں رہوں
یہ اختیار اسے حاصل ہے کیا کیا جائے

وہ جسکو ہم سبھی دہشت پسند کہتے ہیں
وطن پرستوں میں شامل ہے کیا کیا جائے

میں جانتا ہوں مجھے تم بھلا نہیں سکتے
یہی تو میری بھی مشکل ہے کیا کیا جائے

تمام ڈوبنے والے تو بچ گئے نیر !
ہمارا گھر لب ساحل ہے کیا کیا جائے

●●●●●

ہٹلر کا ایک اور روپ، صدی کا امیر ترین شخص

ایڈولف ہٹلر نے خفیہ طور پر اتنا ذاتی خزانہ جمع کیا ہوا تھا جس سے اس کا شمار 20 ویں صدی کی امیر ترین افراد میں ہوتا ہے۔ یہ انکشاف ابھی حال ہی میں سامنے آنے والی دستاویزوں اور عینی شاہدین کے انٹرویوز سے ہوا ہے اس پر جرمنی ٹیلیویژن نے ایک ڈاکومینٹری پیش کی ہے۔

دستاویزی فلم کے خالق نے بتایا کہ وہ لوگوں کو اپنی میٹھی میٹھی باتوں سے اور زور زبردستی سے ان کی وصیتیں اپنے نام کرا لیتا تھا اور لوگ جائیدادیں، زیورات اور دیگر فنی اشیاء اسے "چندے" میں دے دیتے تھے اس کے علاوہ اس نے مطلق العنان ہونے کی وجہ سے خود کو ہر قسم کے ٹیکس سے مستثنیٰ کر رکھا تھا اور نہ ہی وہ کسی کو اپنی آمدنی کے بارے میں بتانے کا پابند تھا۔

یہ تمام انکشافات "ہٹلر منی" نام کی دستاویزی فلم میں ہیں۔ ہٹلر کی دولت کے بارے میں یہ تمام تفصیلات تو نئی نہیں ہیں مگر پروڈیوسر انگو ہیلم کا کہنا ہے کہ اسے پہلی مرتبہ یکجا کر کے پیش کیا گیا ہے اس فلم میں دکھایا گیا ہے کہ ہٹلر کو نہ صرف لامحدود طاقت حاصل کرنے کا جنون تھا اسے دولت اکٹھا کرنے کا بھی بہت لالچ تھا۔

ہیلم نے کہا ہم نے ثبوت پیش کیا ہے کہ ایک غربت کا شکار آرٹسٹ کس طرح شہرت حاصل کرنے کی تڑپ اور معاشرے سے انتقام لینے کی آرزو دل میں رکھتا تھا۔

اس نے اپنا لوہا منوانے اور طاقت حاصل کرنے کا عہد کیا تھا اور پیسہ کی بھی اسے بے پناہ خواہش تھی۔ وہ دولت خوبصورتی اور طاقت کی دنیا میں داخل ہونا چاہتا تھا۔ وہ کسی بھی طرح امیر بننا چاہتا تھا۔

دولت پانے کی تمنا تو اس کے دل میں بہت پہلے سے تھی 1933ء میں اقتدار میں آنے سے بھی بہت پہلے۔ مگر اس نے اپنی اس ہوس کو لوگوں کے سامنے نہیں آنے دیا حالانکہ اس نے جرمنی پر حکومت کرنے کے ارادے کو کبھی راز میں نہیں رکھا تھا۔

اسے راز میں رکھنے کے لئے کافی جد و جہد کرنی پڑی۔ میونخ کی ناکام بغاوت کے بعد 1924ء میں ہٹلر نازی کاز کی حمایت میں جیل سے باہر آیا اور اس نے دعویٰ کیا کہ وہ بالکل ٹوٹ چکا ہے اور اس کی مالی حالت بھی بہت خراب ہے۔

اس کا جملہ بہت مشہور ہوا تھا۔ جب میں لینڈ شٹ جیل سے باہر آیا ہوں تو میری جیب میں ایک پائی بھی نہیں تھی۔ دراصل وہ پروپگنڈے کے ذریعہ اپنے آپ کو عام انسانوں میں سے ایک بتانا چاہتا تھا تاکہ مقبولیت میں اضافہ ہو۔

ویسے دیکھا جائے تو جب وہ جیل سے باہر آیا تو واقعی اس کی جیب میں ایک پیسہ بھی نہیں تھا مگر اس کے بنک میں 45000 مارک موجود تھے جو ایک ممتاز پبلشر کی بیوی ایلنا بروکسین نے جمع کرائے تھے وہ اس سے بے حد متاثر تھی اور اپنے جذبہ کے اظہار کے طور پر یہ پیسہ دیا تھا۔

رچرڈ ویگنر کی بہو ونی فریڈ ویگنر اور امیر و کبیر ہیلنا بیکسٹن نے بھی اس طرح ہٹلر پر پیسہ نچھاور کیا تھا۔

عوام کے سامنے شراب و کباب سے دور رہنے والا سبزی خور تھا جو سادہ لباس پہنتا تھا اور شان و شوکت سے کوسوں دور تھا۔ مگر درحقیقت ہٹلر دولت کی نمائش کا دلدادہ تھا اور اس نے اپنے گرد قیمتی اشیاء اکٹھی کر رکھی تھیں۔

ہیلم کا کہنا ہے۔ اس نے بویرین ایلپس کے پہاڑی تفریحی مقام پر اپنے گھر کی تزئین پر ایک ارب مارک خرچ کئے تھے جس میں سے چند کروڑ مارک اس نے اپنی جیب سے دئے تھے۔ اس نے اپنے اس مکان اور دیگر رہائش گاہوں کو بیش قیمت آرائشی چیزوں اور آرٹ کے نمونوں سے پر کیا ہوا تھا۔

ہیلم نے کہا۔ اس نے صرف مصوری کے نمونوں پر 10 کروڑ مارک کی خطیر رقم خرچ کی تھی۔

اسے جائیداد کا خاص طور سے شوق تھا۔ وہ دھوکہ سے چاپلوسی سے خرید کر یا ہڑپ کر جائیدادیں بناتا رہا۔

ooo

دل

کس کا ہے جگر جس پہ یہ بیداد کروگے
لو ہم تمہیں دل دیتے ہیں کیا یاد کروگے

میر جعفر علی حسرت

مصحفی ہم تو یہ سمجھتے تھے کہ ہوگا کوئی زخم
تیرے دل میں تو بہت کام رفو کا نکلا

مصحفی

باوجود دل نظر آؤ نہ تم حیرت ہے یہ
آئینہ پاس اور ہم دیدار کو ترسا کریں

داغ

انٹرنیٹ ٹو: انفارمیشن ٹکنالوجی کی ایک انقلاب انگیز سمت

ڈیٹا کی فراہمی پہلے سے زیادہ بہتر، جلد اور درست انداز میں ہوسکے گی

اگر کوئی آپ سے یہ کہے کہ بہت جلد انٹرنیٹ ختم ہوجائے گا تو شاید آپ کو یقین نہ آئے۔ ساٹھ کی دہائی میں امریکی محکمہ دفاع کے ایک ذیلی ادارے "آرپا" کی لیبارٹری میں انتہائی اہم اور خفیہ تجربات جاری تھے۔ دفاع کے شعبے سے متعلق سائنسداں ایک انتہائی اہم مشن کی تکمیل میں مصروف تھے جو انسانی تاریخ ارتقاء کا انتہائی اہم موڑ ثابت ہونے والا تھا۔ مشن یہ تھا کہ ایک کمپیوٹر سے دوسرے کمپیوٹر تک پیغام رسانی ممکن بنائی جائے۔ آخر کار 1968ء میں ایک کمپیوٹر نے دوسرے کمپیوٹر سے اپنے دل (سی پی یو) کی بات کہہ دی اور یوں پوری انسانی تاریخ دو حصوں میں تقسیم ہوگئی۔ ایک حصہ وہ جس میں انسان کمپیوٹروں کا باہمی رابطہ قائم نہیں کرسکا تھا اور دوسرا وہ جس میں یہ رابطہ ممکن ہوگیا۔ اس نو دریافت شدہ رابطے کو آرپا نیٹ (ArpaNet) کا نام دیا گیا۔ اس وقت اگر کوئی یہ کہتا کہ ایک دن آئے گا جب آرپانیٹ ختم ہوجائے گا تو شاید اس وقت بھی کوئی یقین نہ کرتا۔ لیکن چونکہ انسانی ایجاد میں بہتری اور ترقی کا عمل کبھی نہیں رکتا، اس لئے کچھ عرصے بعد ہر انسانی دریافت کا بہتر متبادل دستیاب ہوجاتا ہے اور غالباً یہی وجہ ہے کہ انسان کی جدت طبع نئی سے نئی ایجاد کی طرف متوجہ دکھائی دیتی ہے۔

آرپانیٹ نے ابتدائی طور پر لوگوں کو چند کمرشیل کنکشن فراہم کئے لیکن ہر گزرتے لمحے کے ساتھ ان کنکشنز کی مانگ اور تعداد میں اضافہ ہوتا چلا گیا۔ اس بڑھتی ہوئی طلب کے پیش نظر "ورلڈ وائیڈ ویب" کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس نئے سسٹم کو انٹرنیٹ کا نام دے دیا گیا۔ جب کہ سابقہ آرپا نیٹ اس نئے نظام میں ریڑھ کی ہڈی بن گیا۔ تاہم انٹرنیٹ وجود میں آنے کے بعد امریکہ کے دفاعی

اداروں نے "نیشنل سائنس فاؤنڈیشن" کے نام سے ایک نیا ادارہ قائم کیا جس نے NSFNet کے نام سے کام کرنا شروع کیا۔ نوے کی دہائی کے شروع میں آرپانیٹ کی جگہ این ایس ایف نیٹ کو انٹرنیٹ کے بنیادی اور مرکزی ڈھانچے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوگئی اور پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد این ایس ایف نیٹ کی جگہ VBNS کو متبادل کے طور پر لایا گیا۔ انسانی ذہن کا تخلیقی سفر جاری رہا اور منزل کی جانب چلتے چلتے پہلے سے زیادہ جدید، زیادہ بہتر اور زیادہ بڑا نیٹ ورک دریافت کرلیا گیا۔ اس نئے انٹرنیٹ کو "انٹرنیٹ ٹو" کا نام دیا گیا۔ یہ انٹرنیٹ ٹو اپنی ہئیت کے اعتبار سے ہمارے حالیہ انٹرنیٹ سے اس قدر مختلف، موثر اور بڑا ہے کہ اسے انٹرنیٹ کی نئی صورت کے بجائے مکمل طور پر ایک نئی دریافت کہنا زیادہ مناسب ہے۔

انٹرنیٹ ٹو دراصل امریکی تعلقی اور تحقیقی اداروں، صنعت و حرفت کے اداروں اور امریکی حکومت کا مشترکہ پروجیکٹ ہے۔ اس منصوبے پر دو سو کے لگ بھگ امریکی سائنسی ادارے اور یونیورسٹیاں، ساٹھ سے زائد امریکی کمپنیاں اور سائنسی تحقیق کے ادارے کام کررہے ہیں۔ 1996ء میں یہ منصوبہ یونیورسٹی ایڈوانس انٹرنیٹ ڈیولپمنٹ کی زیر نگرانی شروع ہوا۔ انٹرنیٹ ٹو ہمارے حالیہ انٹرنیٹ کی طرح اکہری مرکزی ریڑھ کی ہڈی کا حامل نہیں ہوگا بلکہ اس میں بیک وقت کئی ریڑھ کی ہڈیاں (Back Bones) کام کررہی ہوں گی۔ انٹرنیٹ ٹو کے ڈھانچے میں شامل ایک بنیادی اہمیت کی ریڑھ کی ہڈی Back Bones Network Plus Very High Performance ہوگی۔ انٹرنیٹ ٹو کی (دوسری ریڑھ کی ہڈی البائین (Albine) ہے جو دس ہزار میل لمبی ریڑھ کی ہڈی پر مشتمل ہے اور اسے خاص طور پر انٹرنیٹ ٹو کے لئے ڈیزائن کیا گیا ہے۔ البائن نظام مختلف جغرافیائی خطوں میں بنے ہوئے گیگا پوپس سے منسلک ہوگا جو علاقائی نیٹ ورک کو مجموعی نظام کے ساتھ مربوط کرے گا۔

انٹرنیٹ پر ڈیٹا کے بہاؤ کو کنٹرول کرنے والے سافٹ ویر پروٹوکول کے ورژن 6 کو فی الوقت ٹیسٹ کیا جارہا ہے۔ یہ پروٹوکول سافٹ ویر PV6 انٹرنیٹ ٹو کے لئے استعمال کیا جائے گا۔ انٹرنیٹ کے لئے سافٹ ویرز اور ہارڈویرز فراہم کرنے کی غرض سے سسکو سسٹمز، نورٹل نیٹ ورک اور کوئیسٹ کمیونی کیشن جیسی کمپنیاں اپنا کردار ادا کررہی ہیں۔ ایک اور اہم پیش رفت "نیکسٹ جنریشن نیٹ

ورک" ہے جس پر تحقیق کا آغاز کلنٹن کے دور میں ہوا تھا۔ تاہم یہ پروگرام UCAID کے انٹرنیٹ ٹو سے مختلف تھا۔ یہ انٹرنیٹ کی اپ گریڈنگ کا خالصتاً ایک سرکاری پروگرام تھا، جس کا مقصد ناسا، امریکی محکمہ دفاع اور امریکی محکمہ توانائی کی ضرورت پوری کرنا تھا۔ تاہم ہمارے

نوے کی دہائی کے شروع میں آرپانیٹ کی جگہ این ایس ایف نیٹ کو انٹرنیٹ کے بنیادی اور مرکزی ڈھانچے میں ریڑھ کی ہڈی کی حیثیت حاصل ہوگئی اور پھر کچھ عرصہ گزرنے کے بعد این ایس ایف نیٹ کی جگہ VBNS کو متبادل کے طور پر لایا گیا۔ انسانی ذہن کا تخلیقی سفر جاری رہا اور منزل کی جانب چلتے چلتے پہلے سے زیادہ جدید، زیادہ بہتر اور زیادہ بڑا نیٹ ورک دریافت کرلیا گیا۔ اس نئے انٹرنیٹ کو "انٹرنیٹ ٹو" کا نام دیا گیا۔ یہ انٹرنیٹ ٹو اپنی ہیئت کے اعتبار سے ہمارے حالیہ انٹرنیٹ سے اس قدر مختلف، موثر اور بڑا ہے کہ اسے انٹرنیٹ کی نئی صورت کے بجائے مکمل طور پر ایک نئی دریافت کہنا زیادہ مناسب ہے۔

لئے اطمینان بخش پہلو تو یہ ہے کہ مستقبل میں ہمیں جو انٹرنیٹ دستیاب ہوگا انٹرنیٹ ٹو کے انفرادی کوائف کے ساتھ البائین +VBNS این جی آئی پروجیکٹ بھی شامل ہوگا۔ چنانچہ انٹرنیٹ ٹو اپنے صارفین کو سروس میں نئی اور اہم سہولتیں فراہم کرے گا۔ انٹرنیٹ ٹو کے کنکشن کی رفتار 10 گیگا بائٹس فی سیکنڈ ہوگی اور یہ رفتار ہمارے حالیہ 56 ڈائل اپ موڈیم سے 200,000 گنا زائد ہوگی۔ جب یہ نظام پوری طرح کام کرنے لگے گا تو کنکشن کی بینڈوتھ 155 ایم بی پی ایس سے 622 ایم بی پی ایس تک ہوجائے گی۔ انٹرنیٹ ٹو کی ایک اور اہم خصوصیت اس کی ملٹی کاسٹنگ ہے۔ یعنی اکہری ڈیٹا اسٹریم۔ مثال کے طور پر ویڈیو براڈکاسٹ وغیرہ نہ صرف انٹرنیٹ پر بہتر انداز میں دیکھی جائیں گی بلکہ ان کی نقول بھی بن سکیں گی جو بیک وقت مختلف منازل پر پہنچ سکیں گی۔ اس طرح فرد کا فرد سے یا بہت سے افراد کا آپس میں ریئل ٹائم رابطہ ممکن ہوسکے گا۔ تاہم انٹرنیٹ ٹو کا سارا زور رفتار اور بینڈوتھ پر نہیں ہے۔ بلکہ IPV6 کے پروٹوکولز کے ساتھ ایک نیا معیار، کوالٹی آف سروس بھی وضع کیا گیا ہے، تاکہ انٹرنیٹ کے ذریعہ آواز کی ترسیل بغیر کسی خرابی اور ٹوٹ پھوٹ کے ہوسکے۔ اس طرح ڈیٹا کی فراہمی پہلے سے زیادہ بہتر، جلد اور درست انداز میں ہوسکے گی۔

انٹرنیٹ ٹو میں اختیار کی جانے والی ڈیجیٹل ویڈیو کی نئی تکنیک کا سب سے زیادہ اثر تعلیمی منصوبوں پر پڑے گا اور یوں پڑھنے پڑھانے اور تحقیق کے ضمن میں حائل ہونے والی رکاوٹیں ختم ہوجائیں گی۔ طلباء اور اساتذہ کو ہزاروں میل دور لائبریریوں سے استفادے کی سہولت حاصل ہوجائے گی اور اس نئے انٹرنیٹ کی وساطت سے 30 جلدوں پر مشتمل انسائیکلوپیڈیا ایک جگہ سے دوسری جگہ تک منگوانے میں ایک سکنڈ کا کچھ حصہ صرف ہوا کرے گا۔ اس تیز رفتاری کو مدنظر رکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ بہت جلد تعلیم دینے کا یہ نیا طریقہ اتنا ہی عام ہوجائے گا جتنا فی الوقت ای میل عام ہے۔ انٹرنیٹ ٹو کی مدد سے ایک ڈاکٹر ہزاروں میل دور بیٹھ کر مشینوں اور روبوٹس کی مدد سے آپریشن کرسکے گا۔ روبوٹ ڈاکٹر سے ہدایات لے کر پلک جھپکتے ہی تصاویر کی مدد سے منظر ڈاکٹر کو دکھا دے گا تاکہ وہ ڈاکٹر سے مزید ہدایات حاصل کرسکے۔

انٹرنیٹ ٹو کی مدد سے آپ ہزاروں میل دور نصب کئے گئے آلات کا کنٹرول حاصل کرسکیں گے۔ اسی طرح ہزاروں میل دور نصب دوربینوں یا خردبینوں کے رخ اور حد کو بھی کنٹرول کیا جاسکے گا۔ انٹرنیٹ کے لئے کچھ ایپلیکیشن پروگرام ابھی سے تیار کرلئے گئے ہیں۔ ان میں سمعی اور بصری کام کی ایک آرٹ گیلری بھی شامل ہے جو تعلیمی مقاصد کے لئے کام میں لائی جائے گی۔ اس کے علاوہ سہ ابعادی برین پینٹنگ کے کورسز وغیرہ بھی بنالئے گئے ہیں۔ لیکن اگر ایک مرتبہ انٹرنیٹ چل پڑا تو انٹرنیٹ ایپلیکیشن پروگرام کے لامحدود مواقع پیدا ہوتے چلے جائیں گے۔

UCAID کے چیرمین ڈافج وان کا کہنا ہے "ہمیں انٹرنیٹ ٹو کے بعد انٹرنیٹ تھری اور انٹرنیٹ فور کے لئے بھی تیار رہنا چاہئے، جو لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ انٹرنیٹ نے دنیا کو بدل کر رکھ دیا ہے وہ یہ بھی جان لیں کہ اب انٹرنیٹ ٹو ایک مرتبہ پھر دنیا بدلنے والا ہے"۔

امریکہ نے عراق پر حملے کی تیاری کرتے ہوئے اتحادی ممالک اور دنیا بھر میں اس کے لئے ماحول تیار کرنا شروع کردیا ہے لیکن ابھی تک اس نے امریکی باشندوں کو اس کے لئے تیار نہیں کیا ہے۔

امریکہ ابھی تک اس بارے میں بھی کوئی ٹھوس وجہ نہیں بتاسکا ہے کہ وہ بلااشتعال، بین الاقوامی برادری کی حمایت کے بغیر اور عرب ممالک کی طرف سے عراق پر حملہ نہ کرنے کی اپیل کے باوجود عراق پر کیوں حملہ کرنا چاہتا ہے۔

امریکی صدر جارج ڈبلیو بش ابھی تک اس حقیقت کا اعتراف بھی نہیں کرسکے ہیں کہ ایسی جنگ شروع کرنے سے پہلے انہیں امریکی کانگریس کی حمایت بھی حاصل کرنی ہوگی۔

امریکہ کی طرف سے اعلان جنگ کا اختیار صرف کانگریس کے پاس ہے۔ اس کی منظوری کے بغیر اگر صدر بش جنگ کا اعلان کرتے ہیں تو اس حلف کی خلاف ورزی ہوگی جس میں انہوں نے وعدہ کیا تھا کہ وہ امریکی آئین کا تحفظ کریں گے۔ مجموعی طور پر امریکہ نے پہلے اپنے گھر میں اس کے لئے کوئی تیاری اور انتظام نہیں کیا لیکن دنیا بھر کے ممالک سے حمایت حاصل کرنے کی مہم شروع کرچکا ہے۔

مسٹر بش نے واضح کردیا ہے کہ جب تک مسٹر صدام حسین اقتدار میں ہیں امریکہ کے لئے مسلسل خطرہ رہے گا۔ مسٹر حسین کو ہٹانے کے لئے انہوں نے فوجی کارروائی واحد راستہ کے روپ میں پیش کیا ہے۔ بین الاقوامی امور کے ماہرین کا کہنا ہے کہ صدر بش اپنے والد اور امریکہ کے سابق صدر بش سینئر کے ادھورے کام کو پورا کرنا چاہتے ہیں۔ جنہوں نے پہلے خلیجی جنگ میں عراق پر فوجی کامیابی تو حاصل کرلی لیکن وہ صدر صدام حسین کو اقتدار سے بے دخل کرنے میں ناکام رہے۔

پچھلی خلیجی جنگ کے برعکس اس بار عرب لیگ میں شامل ممالک نے عراق کو نشانہ بنانے کی امریکی کوششوں کی مخالفت کی ہے۔

خلیج میں امریکی حکمت عملی میں شریک سعودی عربیہ کے وزیر خارجہ سعود الفیصل نے واضح طور پر کہا ہے کہ ان کا ملک عراق کے خلاف جنگ میں اپنی زمین استعمال کرنے کی اجازت نہیں دے گا۔ سعودی عربیہ کے اس اعلان سے امریکہ کو عراق کے خلاف جنگ میں کافی دشواری پیش آئے گی کیونکہ ریاض میں واقع فضائی اڈہ ہی خلیج میں امریکی فضائیہ کا اہم کمانڈ پوسٹ ہے۔

عمان، بحرین اور اردن نے بھی عراق پر حملے کی امریکی اسکیم کی سخت مخالفت کی ہے۔ بحرین نے واضح کیا ہے کہ عراق پر امریکی حملہ پورے خطہ میں تباہی کا پیش خیمہ ثابت ہوگا۔ عمان نے تو متوقع حملہ کی مخالفت کرنے میں دوسرے ممالک کی حمایت حاصل کرنے کے لئے کوششیں تیز کردی ہیں۔ عمان کے وزیر خارجہ نے حال ہی میں ایران کا دورہ کیا اور دونوں ملکوں نے مشترکہ اعلان جاری کرکے کہا ہے کہ عراق پر حملہ کے امریکی منصوبہ کے نتائج برعکس سامنے آئیں گے۔

برطانیہ بھی عراق پر حملے کے حق میں نہیں ہے۔ برطانوی وزیر خارجہ جیک اسٹرا نے کہا ہے کہ ہتھیاروں کے معائنہ کاروں کو اجازت دینے کی عراقی پیشکش پر سنجیدگی سے غور کیا جانا چاہئے۔

برطانوی عوام بھی عراق پر متوقع حملے میں امریکہ کا ساتھ دینے کے خلاف نظر آتے ہیں۔ 5 اگست کو تقریبا 3 ہزار برطانوی شہریوں نے لندن میں واقع ڈاؤننگ اسٹریٹ پر مظاہرہ کرکے امریکہ کے خلاف غصہ کا اظہار کیا۔ انہوں نے وزیراعظم ٹونی بلیئر کو دئے گئے ایک میمورنڈم میں جنگ کو خارجہ پالیسی کا طے شدہ راستہ ماننے کے بارے میں آگاہ کیا ہے۔

یوروپی یونین کے ممالک بھی عراق کے مسئلہ پر امریکہ کے ساتھ نہیں ہیں۔ جرمنی نے واضح طور پر کہا ہے کہ عراق پر حملہ کی صورت میں امریکہ کو مالی یا فوجی مدد نہیں دی جائے گی۔ جرمنی کے چانسلر گرے ہارڈ شیوڈر نے عراق پر متوقع حملے سے دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی اتحاد میں پھوٹ پڑنے کا خدشہ ظاہر کیا ہے۔

فرانس، چین اور روس پہلے ہی عراق کے معاملہ میں نرم رویہ اختیار کرنے کے حق میں ہیں۔ ان ممالک نے عراق پر عائد پابندیاں انسانی بنیاد پر ختم کرنے کی وکالت کی ہے۔

دراصل افغانستان پر حملے کے بعد امریکہ کی طرف سے شمالی کوریا کے ساتھ ایران اور عراق کو "بدی کا محور" بتانا۔ اسرائیل۔ فلسطینی تنازعہ میں کھلم کھلا اسرائیل کا ساتھ دینا سوڈان، شام، لبنان، جیسے ممالک کے خلاف پابندیاں عائد کرنا وغیرہ کچھ ایسے معاملات ہیں جن سے اس طرح کا پیغام گیا کہ امریکہ کی دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم نہیں ہے بلکہ اسلام کے خلاف امریکہ مہم چلائے ہوئے ہے۔

دوسری طرف عراق پر متوقع حملے کے حامیوں اور مخالفوں کی پرواہ نہ کرتے ہوئے عراقی صدر صدام حسین نے کسی بھی کارروائی کا منہ توڑ جواب دینے کا اعلان کیا ہے۔ ایران عراق جنگ (88-1980) ختم ہونے کی برسی پر 7 اگست کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ دنیا کی کوئی بھی طاقت اگر عراق پر حملہ کرتی ہے تو ان کے ملک میں بھی حملہ آوروں کی قبر تیار ہوگی۔ ان کا واضح اشارہ امریکہ کی طرف تھا۔ انہوں نے کہا کہ کسی بھی عرب ملک پر بیرونی حملہ پوری عرب دنیا پر حملہ تصور کیا جائے گا اور جیت آخر کار عرب ممالک کی ہی ہوگی۔

●●●●●

غربت اور جمہوریت ایک ساتھ نہیں چل سکتے۔ اس بات کا انکشاف اقوام متحدہ نے اپنی حالیہ رپورٹ میں کیا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے کہ دنیا کے تقریباً 200 ممالک میں سے 140 ممالک میں کثیر الجماعتی انتخابات منعقد ہوتے ہیں اور صرف 82 ممالک مکمل طور پر جمہوری ہیں جہاں جمہوری ادارے مثلاً آزاد پریس اور آزاد عدلیہ موجود ہیں۔ رپورٹ میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ 1980ء اور 1990ء کے عشروں میں بہت سے ممالک نے جمہوریت کی طرف پیش قدمی کی ہے لیکن اب یہ پیش قدمی رک گئی ہے۔ غربت میں اضافے کے باعث یہ ممالک دوبارہ آمرانہ طرز حکومت کی طرف واپس جا رہے ہیں۔ یو این ڈی پی نے اپنی رپورٹ میں اپنے موقف کی دلیل میں کہا ہے کہ غربت میں اضافہ کس طرح جمہوریت سے دور لے جاتا ہے اس کیلئے اکثر پاکستان کی مثال دی جاتی ہے جہاں 1990ء کے عشرے میں کرپٹ اور نااہل منتخب حکومتیں عوام کے سامنے بے نقاب ہوئیں اور پریس نے انہیں تنقید کا نشانہ بنایا جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ 12 اکتوبر 1999ء کو جنرل پرویز مشرف نے اقتدار پر قبضہ کیا تو عوام کی طرف سے اس کی بہت کم مخالفت کی گئی۔ جس ملک میں مہنگائی اور بیروزگاری میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہو وہاں جمہوریت کیسے پنپ سکتی ہے۔ رپورٹ میں پاکستان کو مثال بنانے کا مطلب یہ ہے کہ ہمارے ملک میں فوجی حکومت کو اس لئے قبول کر لیا گیا ہے کہ یہاں غربت ہے اور جمہوری حکومتیں غربت کے خاتمے میں ناکام رہی ہیں۔ اگر لوگ غریب نہ ہوتے تو کسی بھی صورت جمہوری حکومت کے خاتمے پر خاموش نہ رہتے۔

اقوام متحدہ نے تو جمہوریت کی نشو و نما اور ترقی کے حوالے سے یہ انکشاف کیا ہے کہ غربت ایک لعنت ہے جبکہ ہمارے ہادی اور رہبر اور بے کسوں کے ملجا و ماوی پیغمبر حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چودہ سو سال پہلے دنیا کو یہ بات بتا دی تھی کہ غربت ایک لعنت ہے۔ عہد جدید میں آج جب دنیا کے مہذب معاشرے اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ ان کی ترقی کا راز صرف جمہوریت میں ہے اور بدترین جمہوریت اور بہترین آمریت سے اچھی ہوتی ہے لیکن اب انہیں احساس ہو رہا ہے کہ غربت کے ہوتے ہوئے جمہوریت کی نشو و نما ممکن نہیں ہے۔ اگر جمہوریت نہیں ہوگی تو پھر افراتفری اور انتشار ہوگا اور وہ لوگ بھی سکھ اور چین سے نہیں رہ سکیں گے جن کے پاس اطمینان سے زندگی گزارنے کیلئے دولت موجود ہے۔ غربت ہر دور میں لعنت رہی ہے لیکن موجود عہد میں غربت کا خاتمہ پرامن بقائے باہمی کا بنیادی اصول بن چکا ہے۔ یو این ڈی پی کی رپورٹ میں بھی یہی کہا گیا ہے کہ ضرورت اس بات کی ہے کہ سیاست کو دوبارہ غربت کے خاتمے کے مقصد پر لگا دیا جائے۔ جہاں جہاں بھی غربت ہوتی ہے وہاں وہاں آمرانہ اور تحکمانہ (Authoritarian) نظام اپنی پوری وحشت اور درندگی کے ساتھ موجود ہوتا ہے۔ پاکستان کے جن علاقوں میں غربت اور پسماندگی زیادہ ہے وہاں جاگیردار ایک مکمل اتھارٹی ہوتا ہے۔ جاگیردارانہ نظام عملاً اس ملک میں ختم ہو چکا ہے لیکن جاگیردارانہ اقدار اپنی پوری شدت کے ساتھ موجود ہیں۔ سیاسی جماعتوں سے لے کر سرکاری انتظامیہ تک ہر جگہ تحکمانہ نظام اپنی دہشت اور بے رحمی کے سنگ جلوہ افروز ہے اور تو اور شہری علاقوں کی غریب بستیوں میں پولیس کے ایک سپاہی کی مکمل حکمرانی چلتی ہے۔ غریب لوگ نہ تو اپنے حقوق کیلئے لڑ سکتے ہیں نہ اپنے اوپر ہونے والے ظلم اور زیادتی کے خلاف آواز بلند کر سکتے ہیں اور نہ ہی اپنی قسمت کا خود فیصلہ کر سکتے ہیں۔ یہی بات اقوام متحدہ کی رپورٹ میں بھی کہی گئی ہے کہ نہ تو انہیں ظالمانہ اطلاعات اور مارکیٹ تک رسائی ہوتی ہے اور نہ ہی ان کی زندگی میں کوئی چوائس ہوتی ہے جو جمہوریت کا جزو لاینفک ہیں۔ اس بات کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ حقیقت سمجھنا مشکل نہیں کہ تیسری دنیا میں آمرانہ اور فوجی حکومتوں کا بنیادی سبب صرف اور صرف غربت ہے۔ اگر غربت نہ ہوتی یا کم از کم مڈل کلاس مضبوط ہوتی تو کسی آمر کو یہ جرات نہ ہوتی کہ وہ عوام کے اقتدار اعلیٰ پر قبضہ کرتا۔ بالفاظ دیگر ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ اگر سیاسی حکومتیں کرپٹ اور نااہل نہ ہوتیں اور انہوں نے غربت کے خاتمے پر توجہ دی ہوتی تو آج پاکستان جمہوریت کی پٹڑی سے نہ اترتا۔

صدر جنرل پرویز مشرف مسلسل یہ کہہ رہے ہیں کہ وہ ملک میں ایسی جمہوریت قائم کرنا چاہتے ہیں جو پائیدار اور مستحکم ہو اور فوج کو بار بار مداخلت کی ضرورت نہ پڑے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا ایسا ممکن ہے؟ جس ملک میں عالمی مالیاتی فنڈ (آئی ایم ایف) اور عالمی بینک کی ڈکٹیشن پر آنکھیں بند کر کے عمل کیا جاتا ہو وہاں تو غربت ختم ہی نہیں ہو سکتی۔ جس ملک میں ڈاؤن سائزنگ اور رائٹ سائزنگ کے نام پر لوگوں کو بیروزگار کیا جاتا ہو اور روزگار کی فراہمی کو قومی خزانے پر بوجھ تصور کیا جاتا ہو وہاں غربت کے وحشیانہ رقص کو کیوں کر روکا جا سکتا ہے۔ جس ملک میں پٹرولیم مصنوعات، بجلی، گیس، ٹیلیفون، آٹے، دال، چاول اور گھی کے نرخوں میں آئے دن اضافہ کیا جاتا ہو اور اسے معمولی اقدام سمجھ کر نظر انداز کیا جاتا ہو وہاں غربت کے آسیب کو افراتفری اور انتشار پھیلانے سے کیسے باز رکھا جا سکتا ہے۔ جس ملک میں نوجوانوں کو روزگار ملنے کی دور دور تک کہیں امید نہ ہو بھوک اور مفلسی سے تنگ آکر لوگ خودکشیاں کر رہے ہیں اور ان خودکشیوں کی شرح میں مسلسل اضافہ ہو رہا ہو، وہاں لوگوں سے یہ توقع کیسے کی جا سکتی ہے کہ وہ انتخابات میں اہل اور ایماندار لوگوں کا انتخاب کریں اور اپنی قسمت کے فیصلے اپنی مرضی سے کریں۔

موجودہ حکمرانوں کو یہ سوچنا چاہئے کہ انہوں نے اپنے دور حکومت میں کتنے لوگوں کو روزگار فراہم کیا یا روزگار کے مواقع فراہم کئے، انہوں نے مہنگائی پر کس قدر قابو پایا، انہوں نے آئی ایم ایف

اور عالمی بینک کی ڈکٹیشن کے خلاف کتنی مزاحمت کی اور انھوں نے ملک کا کتنا قرضہ کم کیا یا اس میں کس قدر اضافہ کیا؟ بیوروکریسی کے اعداد و شمار اپنی جگہ لیکن یہ دیکھنا ضروری ہے کہ زمینی حقائق کیا ہیں۔ اقتصادی ماہرین کے مطابق 12 اکتوبر سے اب تک غربت میں 3 تا 5 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ بیروزگاری میں تقریبا 20 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ غربت مکاؤ پروگرام کے نام پر غربت تو کم نہیں ہوسکی البتہ پاکستان کے قرضوں میں اضافہ ہوا، لوگوں کو کسی قسم کی ریلیف نہیں ملی ہے۔ سرکاری شعبہ جو ملک میں روزگار فراہم کرنے والا سب سے بڑا شعبہ تھا اس نے لوگوں کیلئے روزگار کے دروازے بند کردئے ہیں۔ نجی شعبے میں پہلے سے برسر روزگار لوگوں کی چھانٹیاں کی جارہی ہیں۔ کوئی قابل ذکر ایسی سرمایہ کاری نہیں ہوئی جس سے روزگار کے مواقع پیدا ہوئے۔ صنعتی تجارتی اور خدمات کے شعبے میں بیروزگار نوجوانوں کی ایک بہت بڑی کھیپ کو کھپانے کی صلاحیت پیدا نہیں ہوئی۔ زراعت کا شعبہ بری طرح تباہ ہوا ہے۔ زرعی اجناس کی قیمتیں 1990ء کے عشرے سے کم رہی ہیں۔ ملک کی اکثریتی دیہی آبادی جس کا انحصار زراعت پر تھا غربت اور مایوسی کی اتھاہ گہرائیوں میں چلی گئی ہے۔ روز افزوں منگائی نے لوگوں کی قوت خرید کم کردی ہے۔ بیروزگاری اور گرانی میں اضافے نے خط غربت سے نیچے لوگوں کو دھکیلنے کی رفتار میں بھی اضافہ کردیا ہے۔

اس مرحلے پر یہ سوالات پیدا ہوتے ہیں کہ جس ملک میں جمہوریت کا خاتمہ غربت کی وجہ سے ہوا ہو کیا وہاں غربت میں مزید اضافے سے پائیدار اور مستحکم جمہوریت قائم ہوسکتی ہے؟ کیا وہاں بعض لوگوں کا یہ خدشہ درست تو ثابت نہیں ہوگا کہ اس ملک میں غیر جمہوری قوتوں کا عمل دخل بڑھے گا اور انتشار اور افراتفری کا ایک نیا دور شروع ہوگا۔ اقوام متحدہ کی رپورٹ سے ہمیں کچھ نہ کچھ ضرور سبق حاصل کرنا چاہئے کہ جہاں غربت آمریت کا باعث ہے وہاں آمریت بھی غربت کا سبب ہے۔ تیسری دنیا کے تجربے نے یہ ثابت کیا ہے کہ غیر جمہوری قوتوں کے اقتدار میں رہنے کی خواہش تب ہی پوری ہوسکتی ہے جب غربت میں اضافہ ہو اور غربت میں اضافہ صرف افراتفری اور انتشار کو جنم دیتا ہے۔

اظہر حسن صدیقی

محصور پاکستانی کب تک محصور رہیں گے؟

یہ بھی بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ دنیا میں جس قدر چرچا حقوق انسانی کا ہوتا ہے شاید ہی کسی دوسرے حقوق کا ہوتا ہو اور اس کے برعکس اس حقیقت سے بھی انکار کرنا قطعی ناممکن ہے کہ جس قدر انسانی حقوق کو پامال کیا جاتا ہے جتنا ان کا استحصال ہوتا ہے کسی اور کا نہیں ہوتا بلکہ بعض اوقات تو ٹی وی اور اخبارات دیکھ کر یہ احساس ہوتا ہے کہ ان کے مقابلے میں تو جانوروں کے حقوق نہ صرف بہت زیادہ ہیں بلکہ جو خاطر تواضع آؤ بھگت ان کی ہوتی ہے اور جو ٹھاٹھ باٹ ان کو میسر ہیں ان کا تو انسان خواب و خیال میں بھی تصور نہیں کرسکتے ہیں۔ حقوق کے معاملے میں قوموں اور مختلف نسلوں میں بھی بڑا فرق روا رکھا جاتا ہے اور ساتھ ہی گورے کالے اور مختلف نسلوں اور مذاہب کے ماننے والے بھی اس نسلوں کے تعصب سے آج تک مبرا نہ ہوسکے بلکہ حقیقت تو یہ ہے کہ وقت کے ساتھ اس تعصب میں بجائے کمی کے اور زیادہ ہی اضافہ ہورہا ہے۔ پچاس سے زیادہ ملک ہونے کے باوجود مسلمانان عالم جس تعصب اور ظلم و ستم کا آج کل شکار ہیں اس کی تاریخ میں نظیر نہیں ملتی ہے اور اس میں بھی روز بروز اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ عالمی تنظیموں میں خواہ مرحوم لیگ آف نیشن ہو یا موجودہ بیکار محض اقوام متحدہ ہو جب بھی اور جہاں بھی مسلمانوں کا معاملہ ہو ان کا سلوک ہمیشہ ہی ایک سا اور مسلمانوں کے خلاف ہوگا۔ ویسے تو بظاہر بڑی اور عالمی طاقتوں میں ایک دوسرے سے بہت سے اختلافات بھی ہوتے ہیں کبھی کبھی چھوٹی موٹی لڑائیاں بھی ہوجاتی ہیں مگر جب بھی اور جہاں بھی مسلمانوں کا سوال ہوتا ہے اور ان پر ظلم و ستم کرنا ہوتا ہے تو سب میں نہ صرف ایکاد ہوجاتا ہے بلکہ چھوٹے چھوٹے ملکوں پر حملہ آور بھی ہوتے ہیں۔ افغانستان کتنا چھوٹا سا ملک ہے جس پر حملہ کرنے کیلئے تو کوئی بھی چھوٹا سا یورپی ملک بھی کافی تھا مگر اس کے خلاف انسانی تاریخ کا سب سے بڑا اتحاد بنایا گیا اور لاکھوں کے لشکر تیار کئے گئے اور سینکڑوں ہزاروں بے گناہ اور معصوم لوگوں کو تباہ و برباد کردیا گیا حد تو یہ ہے کہ شادی بیاہ کے جلوس پر بھی بمباری کرکے سینکڑوں لوگوں کو ہلاک اور زخمی کردیا گیا اور اپنی غلطی کا اعتراف بھی نہیں کیا گیا۔

انسانی حقوق اور رحم و کرم کا ایک دیرینہ مسئلہ 31 سال سے حل ہونے کا محتاج ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس کی سنگینی میں مزید اضافہ ہوتا جارہا ہے اس سلسلے کی سب سے بڑی بدنصیبی یہ ہے کہ اس کے تینوں ہی فریق مسلمان ہیں اور کلمہ گو ہیں۔ بنگلہ دیش اس بات پر مصر ہے کہ محصور پاکستانیوں کو واپس جانا ہوگا اور وہ اب پاکستان کی مشکلات کے خاتمے کا مزید انتظار نہیں کرسکتے ہیں لیکن یہ انسانی مسئلہ ہے جسے جلد از جلد طے ہوجانا چاہئے۔ محصورین کا خود یہ کہنا ہے کہ ہم نے تو پاکستان جب ہجرت کی تھی تو بنگلہ دیش پاکستان کا ایک بہت ہی اہم حصہ تھا اور ہم تو پاکستانی ہیں ہمارا حق ہے کہ ہم پاکستان جائیں۔ جب بھی پاکستان اور بنگلہ دیش کے لیڈروں میں گفتگو ہوتی ہے یا ملاقات اور مذاکرات ہوتے ہیں یہ مسئلہ سرفہرست ہوتا ہے اور بہت زیادہ اہمیت اختیار کرلیتا ہے کچھ دنوں تک اخبارات کی خبروں کا موضوع بنتا ہے اور پھر خاموشی چھا جاتی ہے ایک دو دفعہ کچھ لوگ ادھر بلائے بھی گئے اور پاکستان کے کچھ علاقوں میں آباد بھی کئے گئے مگر حقیقت تو یہ ہے کہ ہمارے سابق حکمرانوں کی اپنی بہت سی ذاتی ترجیحات تھیں جن میں سرفہرست ان کے ہاتھ اور کرسی مضبوط سے مضبوط تر کرنے کا ایجنڈا تھا اور حقیقت تو یہ ہے کہ ان تمام تر کوششوں کے باوجود نہ تو کرسی مضبوط ہوسکی اور نہ ہاتھ جب وقت آیا تو تمام کوششیں بیکار ہوگئیں۔ حالانکہ اگر صحیح معنوں میں اگر کوششیں کی گئی ہوتیں تو دو ڈھائی لاکھ لوگوں کا بسانا قطعی مشکل کام نہیں تھا۔ دعائیں اس کے علاوہ ملتیں۔ اس سلسلے کی سب سے زیادہ دلچسپ اور اہم بات تو یہ ہے کہ ہم نے اپنے مظلوم بھائیوں کو پاکستان میں واپس

آنے سے روکے رکھا مگر لاکھوں افغانیوں کو نہ صرف پاکستان آنے سے نہ روک سکے اور نہ ہی بنگلہ دیشیوں کو جو ہزاروں لاکھوں کی تعداد میں نہ صرف اب بھی ملک میں موجود ہیں بلکہ اب بھی برابر آرہے ہیں اور اپنی آبادیاں بنارہے ہیں اور گھروں میں مختلف اداروں اور جگہوں میں ملازمتیں حاصل کررہے ہیں۔ ان دونوں طبقوں کی جو تعداد پاکستان میں آئی ہے مسلسل آرہی ہے اور مستقل رہائش پذیر ہے وہ اس تعداد سے کہیں زیادہ ہے جو بنگلہ دیش میں محصور پاکستانیوں کی ہے جبکہ وہ پڑھے لکھے بھی ہیں اور مختلف کام بھی جانتے ہیں اور کسی صورت میں بھی ملک پر بار نہیں ہونگے اور نہ ملکی مسائل میں اضافہ کا باعث ہوں گے ان کی صحیح تعداد تو معلوم ہوگی ابھی تو یہ حال ہے کہ غیر قانونی طور پر آنے والے لوگوں کی آج تک صحیح تعداد نہیں معلوم ہوسکی ہے اور مزید دلچسپ بات یہ ہے کہ نہ صرف ہمارے ملک ہمارے شہر کراچی میں غیر قانونی طور پر داخل ہونے اور یہاں پر رہائش پذیر لوگوں میں تقریبا ہر ملک کا باشندہ مل جائے گا تھوڑے سے خرچہ ہی کی تو بات ہے۔ ان غیر قانونی طور پر آنے والوں پر اور یہاں پر بسنے والوں کی وجہ سے امن و امان کی صورتحال کس قدر متاثر ہوئی ہے اور اس سلسلے میں کتنے مزید مسائل پیدا ہوتے ہیں ان کا نہ کوئی اندازہ ہے اور نہ حد و حساب ہے اسی طرح مختلف نوعیت کے جرائم میں اضافہ کا باعث بھی اکثر وہی لوگ ہوتے ہیں جو غیر قانونی طور پر یہاں رہ رہے ہیں۔ صرف یہی نہیں ہے بلکہ ان لوگوں کی وجہ سے شہری سہولتوں پر کس قدر دباؤ پڑتا ہے کیونکہ پانی بجلی اور دیگر بہت سی سہولتیں استعمال کرنے والے اکثر لوگ ان سہولتوں سے بغیر خرچہ کئے ہوئے پوری طرح فیضیاب ہوتے ہیں۔ نہ صرف یہ بلکہ یہ لوگ مقامی اور ملکی کسی قسم کے بھی کوئی ٹیکس نہیں ادا کرتے ہیں جبکہ تمام ہی سہولتوں سے جو حکومتیں اور مقامی شہری ادارے مہیا کرتے ہیں ان سے پورا پورا فائدہ اٹھاتے ہیں۔ ان باہر سے غیر قانونی طور پر آنے والوں کی وجہ سے سب سے بڑا نقصان جو ملک کو پہنچا ہے وہ ہیروئن کلچر سے ہوا ہے جس شہر میں کبھی کبھی ہی کہیں پر چرس یا ہیروئن کا نشہ کرنے والا کوئی ایک آدہ آدمی دکھائی دیتا تھا آج اس شہر کی بڑی بڑی سڑکوں اور چوراہوں پر لوگ باگ اکٹھے ہو کر کام کررہے ہیں جو علی الاعلان ہورہا ہے اور قانون کے رکھوالے بھی بڑے آرام سے اس باجماعت کام کا نظارہ کرتے ہوئے گزر جاتے ہیں۔

قدرت کا نظام بھی عجیب ہے ہم اپنے پاکستان کے شہریوں کو تو 31 سال میں اپنے ملک میں لا نہ سکے جن کی تعداد صرف ڈھائی لاکھ بتائی جاتی ہے قدرت نے اس سے کہیں زیادہ لاکھوں غیر قانونی طور پر داخل ہونے والے غیر ملکی مع ہیروئن کلچر کے ہم پر مسلط کردئے۔ قانونی طور پر پاکستانی ہونے والے بنگالی تو ہمارے ہاں داخل نہ ہوسکے مگر اس سے زیادہ غیر قانونی طور پر آنے والے بنگالی ہمارے ہاں نہ صرف موجود ہیں بلکہ برابر ہی آرہے ہیں اس سے بھی زیادہ دلچسپ بات یہ ہے کہ جن بیچاروں کو ہم لوگ قطعی فراموش کرچکے ہیں اور اب تو ان غریبوں کا ذکر تک کبھی کبھار ہی اخبارات میں آتا ہے بنگلہ دیش کی ہر حکومت کی جانب سے سب سے پہلا اور اہم مسئلہ یہی اٹھایا جاتا ہے جب بھی ان دونوں ملکوں کے سربراہان کی ملاقات ہوتی ہے تو بنگلہ دیش کی جانب سے یہ اہم ترین مسئلہ سرفہرست ہوتا ہے۔ ہم جتنی بھی کوشش اس مسئلے کو پس پشت ڈالنے کی کرتے ہیں وہ ہمیشہ ہی ناکام ہوتی ہے۔ قدرت کی ستم ظریفی ملاحظہ ہو کہ اس دفعہ بھی ان کی طرف سے سرفہرست یہ مسئلہ تھا۔ یہ درست ہے کہ پاکستان کو مشکلات کا سامنا ہے لیکن یہ انسانی مسئلہ ہے جسے جلد از جلد طے کیا جانا چاہئے۔

ارشاد احمد حقانی

جب انسان اسفل سافلین کے درجے تک گر جاتا ہے

صدر مشرف نے مجوزہ آئینی ترامیم پر چند ہفتے قبل جب صحافیوں سے طویل مشاورت کی تو نشست کے اختتام پر انہوں نے اخبار نویسوں سے کہا کہ آپ لوگ خبریں اور تبصرے شائع کرتے وقت حکومت پر بے شک تنقید کریں لیکن ملکی مفاد اور دنیا میں پاکستان کے امیج کے تقاضوں کو کسی حال میں نظر انداز نہ کریں۔ انہوں نے دو تین مثالیں بھی دیں کہ فلاں فلاں خبروں کی اشاعت سے ہمارے قومی مفاد کو شدید نقصان پہنچا ہے۔ انہوں نے میر والا کے المیے کا بطور خاص ذکر کیا اور کہا کہ جو کچھ ہوا قابل مذمت اور المناک تھا لیکن دوسرے ممالک میں بھی اس طرح کے واقعات ہوتے رہتے ہیں اور اس کی رپورٹنگ میں اخبارات نے توازن اور تناسب کے تقاضوں کو ملحوظ نہیں رکھا جس سے بلاوجہ بیرونی دنیا میں یہ تاثر پیدا ہوا ہے کہ پاکستان میں کسی عورت کی عزت محفوظ نہیں ہے اور سارا معاشرہ ہی کرپٹ ہے۔ صدر نے یہ بھی کہا کہ اس قسم کے خبروں کو ضرورت سے زیادہ اچھالنے سے خود اندرون ملک پاکستانی بھی مایوسی، قنوطیت اور افسردگی کا شکار ہوجاتے ہیں۔ صدر مشرف کا یہ مشورہ اور تبصرہ بے جواز نہ تھا۔ امر واقعہ یہ ہے کہ پاکستانی دانشوروں کی ایک بہت بڑی تعداد اپنی قومی کمزوریوں اور خامیوں پر ضرورت سے زیادہ بے رحمانہ تنقید کرتی ہے اور بعض لوگوں کو تو پاکستان اور پاکستانی قوم اور معاشرے میں خرابیوں اور برائیوں کے سوا کچھ دکھائی ہی نہیں دیتا۔ یہ رویہ عدم توازن کا مظہر ہے۔ میری اپنی صحافتی جد و جہد معاشرے کو ہر قسم کی خرابیوں سے پاک کرنے کے لئے ہے۔ پاکستانی خواتین کے ساتھ ہونے والے سلوک پر میں ہمیشہ انتہائی سخت لفظوں میں تنقید کرتا ہوں اور اس کے ازالے کے لئے میں نے ہمیشہ سماجی اور معاشی نظام میں تبدیلیوں کی ضرورت پر زور دیا ہے اس لئے میرا والا یا میانوالی جیسے واقعات پر میرا انتہائی دکھی ہونا سراسر قابل فہم ہونا چاہئے لیکن پاکستانی قارئین کی سوچ میں کچھ توازن پیدا کرنے کے لئے میں آج ایک دو دوسرے معاشروں کی چند بالکل تازہ جھلکیاں آپ کی خدمت میں پیش کررہا ہوں۔ مقصد اپنی غلطیوں کی پردہ پوشی نہیں ہے بلکہ ضرورت سے زیادہ مایوس پاکستانیوں کی سوچ کو متوازن بنانے کی کوشش کرنا ہے۔

ایک ممتاز ترین امریکی پیشہ ورانہ طبی تنظیم نے حال ہی میں بتایا ہے کہ 2000ء میں امریکہ میں 30 لاکھ نوجوان لڑکے اور لڑکیوں نے خودکشی کرنے کی کوشش کی یا کم از کم خودکشی کرنے کا سنجیدہ ارادہ کیا۔ ان میں سے صرف 36 فیصد کو علاج اور مشورے کے لئے کسی سائیکاٹرسٹ سے ملنے کا

موقع ملا۔ 64 فیصد کو اس قدر سہولت بھی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ تعداد صرف 13 سے 19 سال کے لڑکوں اور لڑکیوں کی تھی۔ ان سے بڑی عمر کے ایسے مردوں اور عورتوں کو اس سروے میں شامل نہیں کیا گیا جنہوں نے خودکشی کی کوشش کی یا سنجیدگی سے ایسا کرنے کا ارادہ کیا یا واقعی خودکشی کر ڈالی۔ سال 2001ء کے اعداد و شمار بھی مرتب کئے جا رہے ہیں اور اندیشہ ہے کہ اس سال کے متعلقہ نوجوانوں کی تعداد اس سے پہلے کے سال سے زیادہ ہوگی۔ آپ اندازہ کریں کہ کوئی معاشرہ مادی اور روحانی لحاظ سے منصفانہ اور صحتمند ہو تو وہاں کے نوجوان کبھی اتنی بڑی تعداد میں خود اپنی جان دینے کی خواہش یا کوشش نہیں کر سکتے۔ پورے مغرب کا خاندانی نظام شکست و ریخت کی گرفت میں ہے اور بعض ممالک میں تو 40 فیصد تک بچے شادی کے بندھن کے بغیر پیدا ہو رہے ہیں۔ اتنی بڑی تعداد جس قسم کے نفسیاتی اور اخلاقی مسائل پیدا کر سکتی ہے ان کی موجودگی میں صرف امریکہ میں 30 لاکھ نوجوانوں (بچوں اور بچیوں) کا خود کو ہلاک کرنے کا ارادہ کرنا تکلیف دہ ہونے کے باوجود ناقابل فہم نہیں ہونا چاہئے۔ ماں باپ کی شفقت اور نگہداشت اور خاندان کے تحفظ سے محروم بچے اور بچیاں جس ذہنی عذاب میں مبتلا ہو سکتے ہیں اور معاشرے میں جو تباہی لا سکتے ہیں معاشرتی علوم کا کوئی ادنیٰ طالب علم بھی اسے بآسانی سمجھ سکتا ہے۔ اقبال نے غلط نہیں کہا تھا

تمہاری تہذیب آپ اپنے خنجر سے خودکشی کرے گی
جو شاخ نازک پہ آشیانہ بنے گا ناپائیدار ہوگا

مغرب کی سائنسی اور سیاسی ترقیوں سے انکار نہیں لیکن وہ جس جنسی اور معاشرتی انارکی کی گرفت میں ہے اس کے نقصانات سے صرف نظر بھی نہیں کیا جا سکتا۔

ایک اور تازہ سروے میں بتایا گیا ہے کہ امریکہ میں ہر سال زنا بالجبر (Rape) کے دو لاکھ واقعات رپورٹ ہوتے ہیں خیال ہے کہ اتنے ہی کیس بوجوہ رپورٹ ہوئے بغیر رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ واقعات ہیں جن میں جبر اور تشدد کا عنصر شامل ہوتا ہے۔ فریقین کی رضامندی سے ہونے والے غیر اخلاقی جنسی واقعات کی تعداد جبر کے نتیجے میں ہونے والے واقعات سے کم از کم 10 گنا زیادہ ہے اور کوئی تدبیر اس سیلاب کو روکنے میں کامیاب نہیں ہو رہی۔ امریکی معاشرے کی ایک اور جھلک دیکھئے اس ملک میں ہر سال دو ہزار عورتیں خاوندوں، سابق خاوندوں یا مرد دوستوں کے ہاتھوں قتل ہوتی ہیں۔ حال ہی میں افغانستان میں فوجی ڈیوٹی دے کر واپس آنے والے چار امریکی فوجیوں نے صرف ایک چھاؤنی میں تین ہفتے کے اندر اپنی بیویوں کو قتل کر دیا جس کی کوئی وجہ تاحال متعلقہ حلقے معلوم نہیں کر سکے۔ ہندوستان میں حال ہی میں گجرات میں مسلمانوں کا جو قتل عام ہوا ہے اس کی تفصیلات اتنی لرزہ خیز اور رونگٹے کھڑے کر دینے والی ہیں کہ ان کا تذکرہ بھی آسان نہیں۔ ہندوستان کے غیر انسانی ذات پات کے نظام کے نتیجے میں وہاں کروڑوں انسانوں پر آج بھی جو مظالم ہو رہے ہیں وہ لرزہ دینے والے ہیں لیکن بدقسمتی سے وہاں آج بھی کالی دیوی کو خوش کرنے اور اس کے نتیجے میں دولت اور دوسری کامیابیاں حاصل کرنے کے لئے انسانوں کی قربانی دی جاتی ہے۔ اس قسم کا ایک واقعہ حال ہی میں جھاڑکھنڈ صوبے کے ایک گاؤں میں سامنے آیا ہے۔ وہاں ایک شخص غدو کرمکار نے کالی دیوی کو خوش کرنے کے لئے ایک 15 سالہ بچی مانجو کماری کو ایک انتہائی ہولناک طریقے سے ذبح کیا۔ پولیس کے سامنے اس نے اعتراف کیا ہے کہ اس نے اس کی بیوی اور بیٹی اور تین دوسرے افراد نے مقتولہ بچی کو پہلے نشہ آور مشروب پلایا لیکن وہ بے ہوش نہ ہوئی پھر اسے مندر کے باہر مٹی کے فرش پر لٹا کر اس کے منہ میں کپڑا ٹھونسا گیا تاکہ وہ چیخ نہ سکے۔ پھر اس کے کپڑے پھاڑ کر اتار دئے گئے، سر کے بال صاف کر دئے گئے، اس پر گنگا کا پانی چھڑکا گیا، اس کے جسم پر چربی ملی گئی پھر کالی دیوی کو خوش کرنے کے لئے بھجن گاتے ہوئے آری سے بچی کے دونوں بازو کاٹے گئے پھر چھاتیاں اور بایاں پاؤں کاٹ کر انہیں کالی دیوی کی خون میں لت پت تصویر کے آگے رکھ دیا گیا۔ پولیس کا کہنا ہے کہ دیواروں پر خون کے چھینٹوں سے معلوم ہوتا تھا کہ یہ 15 سالہ بچی چند ہی منٹ میں ہلاک ہو گئی۔ یہ واقعہ تین ماہ پہلے پیش آیا۔ ہندوؤں کے ایک طبقے کا خیال ہے کہ اگر کالی دیوی کو انسانی جان کا نذرانہ پیش کیا جائے تو ایسا کرنے والے کو دولت ملتی ہے، بے اولاد کو اولاد مل جاتی ہے یا پھر کسی دشمن سے انتقام لینے میں آسانی ہوتی ہے۔ مذکورہ واقعے سے تین ماہ پہلے جنوری میں آندھرا پردیش کے صوبے میں ایک 24 سالہ ماں نے اپنے تین سالہ بیٹے کو کالی دیوی کی بھینٹ چڑھایا اور اپنے ہاتھ سے اسے ذبح کیا کیونکہ کسی پروہت نے اسے بتایا تھا کہ ایسا کرنے سے اسے بے پناہ دولت ملے گی۔ فروری میں تریپورہ کی ریاست میں دو مردوں نے ایک عورت کو ذبح کیا کیونکہ ان کے بقول خواب میں انہیں ایک دیوتا نے کہا تھا کہ اس طرح کی قربانی دینے سے انہیں ایک خزانہ ملے گا۔ گزشتہ مئی میں پولیس کو بہار میں 18 اور 13 سال کی دو بہنوں کی گلی سڑی نعشیں ملیں جنہیں خود ان کے باپ نے قتل کیا تھا اس خیال سے کہ ایسا کرنے سے وہ مالدار ہو جائے گا۔ پچھلے ہفتے ممبئی کے مضافات میں 33 سالہ انیل لکشمی کانت سنگھ نے اپنے ایک ہمسائے کے نو سالہ بیٹے کو ذبح کر دیا کیونکہ کسی پنڈت نے اسے بتایا تھا کہ اس کے گھر میں جو ناچاقی ہے اس سے وہ دور ہو جائے گی۔ ہندوستان کے مشرقی صوبوں میں اب بھی دو بڑے مرکز ہیں جہاں انسانوں کی قربانیاں دی جاتی ہیں۔ ان میں سے ایک مرکز تاراپتھ کے ایک خادم نے سرگوشی کے انداز میں ایک زائر کو بتایا کہ یہاں خون کا جو دریا بہتا ہے وہ کبھی خشک نہیں ہوتا۔ 64 سالہ بابا سوامی دیوی کانند نے پولیس کو بتایا کہ میں نے ایک بچی کو خود پالا تھا لیکن کالی دیوی کو خوش کرنے کے لئے میں نے اس کا سر قلم کیا اس کے جسم کو دفن کر دیا لیکن اس کا سر میں گھر لے آیا اسے پکایا اور کھا لیا۔ ہندوستان میں انسانی جان کے نذرانے کے واقعات کو روکنے کے لئے سرکاری اور غیر سرکاری سطح پر بہت کچھ ہو رہا ہے لیکن ان رسوم اور توہمات کی جڑیں اس قدر گہری ہیں کہ ان کے زائل ہونے میں ابھی اور وقت لگے گا۔ اللہ تعالیٰ سے پناہ اور دعا مانگنی چاہئے کہ وہ ہمیں اس قسم کے ہولناک مظالم کے ارتکاب سے بچنے کی توفیق دے اور جو خرابیاں موجود ہیں ان کو دور کرنے کی بھی ہمت، طاقت اور عقل دے۔

●●●●

کلیاتِ اقبال

پھر بھی اے ماہِ مبیں! میں اور ہوں تو اور ہے
درد جس پہلو سے اٹھتا ہو وہ پہلو اور ہے
گرچہ میں ظلمت سراپا ہوں، سراپا نور تو
سیکڑوں منزل ہے ذوقِ آگہی سے دور تو
جو مری ہستی کا مقصد ہے مجھے معلوم ہے
یہ چمک وہ ہے جبیں جس سے تری محروم ہے!

بلالؓ

چمک اٹھا جو ستارہ ترے مقدّر کا — حبش سے تجھ کو اٹھا کر حجاز میں لایا
ہوئی اسی سے ترے غمکدے کی آبادی — تری غلامی کے صدقے ہزار آزادی
وہ آستاں نہ چھٹا تجھ سے ایک دم کے لیے — کسی کے شوق میں تو نے مزے ستم کے لیے

جفا جو عشق میں ہوتی ہے وہ جفا ہی نہیں
ستم نہ ہو تو محبت میں کچھ مزا ہی نہیں

نظر تھی صورتِ سلمانؓ ادا شناس تری — شرابِ دید سے بڑھتی تھی اور پیاس تری

تجھے نظارے کا مثلِ کلیم سودا تھا
اویس طاقتِ دیدار کو ترستا تھا

مدینہ تیری نگاہوں کا نور تھا گویا
ترے لیے تو یہ صحرا ہی طور تھا گویا

تری نظر کو رہی دید میں بھی حسرتِ دید
خنک دلے کہ تپید و دمے نیاسائید

گری وہ برق تری جانِ ناشکیبا پر
کہ خندہ زن تری ظلمت تھی دستِ موسیٰ پر

تپش ز شعلہ گرفتند و بر دلِ تو زدند
چہ برقِ جلوہ بخاشاکِ حاصلِ تو زدند!

ادائے دید سراپا نیاز تھی تیری
کسی کو دیکھتے رہنا نماز تھی تیری

اذاں ازل سے ترے عشق کا ترانہ بنی
نماز اُس کے نظارے کا اک بہانہ بنی

خوشا وہ وقت کہ یثرب مقام تھا اس کا!
خوشا وہ دَور کہ دیدارِ عام تھا اس کا!

سرگزشتِ آدم

سنے کوئی مری غربت کی داستاں مجھ سے
بھلایا قصۂ پیمانِ اوّلیں میں نے

لگی نہ میری طبیعت ریاضِ جنت میں
پیا شعور کا جب جامِ آتشیں میں نے

رہی حقیقتِ عالم کی جستجو مجھ کو
دکھایا اوجِ خیالِ فلک نشیں میں نے

ملا مزاج تغیر پسند کچھ ایسا
کیا قرار نہ زیرِ فلک کہیں میں نے

نکالا کعبے سے پتھر کی مورتوں کو کبھی
کبھی بتوں کو بنایا حرم نشیں میں نے

کبھی میں ذوقِ تکلم میں طور پر پہنچا
چھپایا نورِ ازل زیرِ آستیں میں نے

کبھی صلیب پہ اپنوں نے مجھ کو لٹکایا
کیا فلک کو سفر چھوڑ کر زمیں میں نے

کبھی میں غارِ حرا میں چھپا رہا برسوں
دیا جہاں کو کبھی جامِ آخریں میں نے

سنایا ہند میں آکر سرودِ ربانی
پسند کی کبھی یوناں کی سرزمیں میں نے

دیارِ ہند نے جس دم مری صدا نہ سنی
بسایا خطۂ جاپان و ملکِ چیں میں نے

بنایا ذروں کی ترکیب سے کبھی عالم
خلافِ معنیِ تعلیمِ اہلِ دیں میں نے

لہو سے لال کیا سیکڑوں زمینوں کو
جہاں میں چھیڑ کے پیکارِ عقل و دیں میں نے

سمجھ میں آئی حقیقت نہ جب ستاروں کی
اسی خیال میں راتیں گزار دیں میں نے

ڈرا سکیں نہ کلیسا کی مجھ کو تلواریں
سکھایا مسئلۂ گردشِ زمیں میں نے

کشش کا راز ہویدا کیا زمانے پر
لگا کے آئنۂ عقلِ دوربیں میں نے

کیا اسیر شعاعوں کو، برقِ مضطر کو
بنا دی غیرتِ جنت یہ سرزمیں میں نے

مگر خبر نہ ملی آہ! رازِ ہستی کی
کیا خرد سے جہاں کو تہِ نگیں میں نے

ہوئی جو چشمِ مظاہر پرست وا آخر
تو پایا خانۂ دل میں اسے مکیں میں نے

ترانۂ ہندی

سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا
ہم بلبلیں ہیں اس کی یہ گلستاں ہمارا

غربت میں ہوں اگر ہم، رہتا ہے دل وطن میں
سمجھو وہیں ہمیں بھی دل ہو جہاں ہمارا

پربت وہ سب سے اونچا ہمسایہ آسماں کا
وہ سنتری ہمارا، وہ پاسباں ہمارا

گودی میں کھیلتی ہیں اس کی ہزاروں ندیاں
گلشن ہے جن کے دم سے رشکِ جناں ہمارا

اے آبِ رودِ گنگا! وہ دن ہیں یاد تجھ کو؟
اترا ترے کنارے جب کارواں ہمارا

مذہب نہیں سکھاتا آپس میں بیر رکھنا
ہندی ہیں ہم، وطن ہے ہندوستاں ہمارا

یونان و مصر و روما سب مٹ گئے جہاں سے
اب تک مگر ہے باقی نام و نشاں ہمارا

کچھ بات ہے کہ ہستی مٹتی نہیں ہماری
صدیوں رہا ہے دشمن دورِ زماں ہمارا

اقبالؔ! کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا!

گلوبلائزیشن۔ منصفانہ قوانین کی ضرورت

موجودہ دور میں سرمایہ دارانہ نظام اپنے عروج پر نظر آتا ہے اور گلوبلائزیشن یا عالم گیریت کی اصطلاح تیزی سے فروغ پارہی ہے۔ عالم گیریت کا عمل یوں تو ہر شعبہ زندگی میں نمایاں ہے۔ سائنس کی ترقی نے دنیا کو گلوبل ویلج بنادیا ہے۔ خصوصا انٹرنیٹ کے نظام نے انسان کو بہ یک وقت دنیا کے تمام خطوں سے منسلک کردیا ہے۔ لیکن عالم گیریت کی یہ اصطلاح آج کل خصوصا۔ اقتصادی قربتوں کے معنوں میں استعمال ہورہی ہے۔ جو آزاد تجارت کی آئینہ دار ہے۔ اکیسویں صدی کو عالم گیریت کی صدی کہا جارہا ہے اور اس عمل میں عالمی مالیاتی اداروں اور ڈبلیو ٹی او (WorldTrade Organisation) کے کردار کو خاص اہمیت دی جارہی ہے۔ سرمایہ دارانہ نظام اور عالم گیریت کے درمیان گہرا رشتہ ہے۔ جس کا جائزہ لینے کے لئے ہمیں ماضی میں جھانکنا پڑے گا۔

1880 سے 1914ء کا دور۔ جدید زمانے میں سرمایہ دارانہ نظام کی کامیابی کی پہلی سیڑھی ثابت ہوا۔ اس دور کی مالیات اور اقتصادی ترقی کی وجہ گولڈ اسٹینڈرڈ (Gold Standard) کا نظام تھا۔ اس زمانے میں کرنسی کی مالیت کا تعین اس کے ذریعے خریدے گئے سونے کی مقدار سے ہوتا تھا۔ سونے کو اس زمانے کی مشترکہ کرنسی بھی کہہ سکتے تھے۔ کیوں کہ اس کے بدلے میں ہر طرح کی تجارت ممکن تھی۔ اس زمانے میں تمام کرنسیوں کی قدر سونے کی مقدار کے مطابق طے تھی اور تمام کرنسیاں فکسڈ ایکسچینج ریٹ کے نظام کے تحت ایک دوسرے سے منسلک تھیں۔ اس نظام کو اشیاء کا معیار مالیت (Commodity Money Standard) بھی کہا جاتا تھا۔ اس زمانے میں ایک اونس سونے کی امریکی ڈالر میں قیمت $20.67 تھی۔ یعنی ایک ڈالر کی مالیت تقریبا 1/21 اونس سونے کے برابر تھی۔ اسی طرح برطانوی پونڈ۔ جو اس زمانے میں سب سے مضبوط کرنسی تھا۔ اس کی مالیت 1/5 اونس سونے کے برابر تھی۔ یعنی 5 برطانوی پونڈز سے ایک اونس سونے کی خریداری ممکن تھی اور یہ ہی مقدار اس زمانے میں سونے کی قیمت خرید اور فروخت بھی تھی۔

پہلی جنگ عظیم نے دنیا کے معاشی حالات پر بہت برا اثر ڈالا اور گولڈ اسٹینڈرڈ کو بھی نقصان پہنچا۔ اس زمانے میں ممالک نے اقتصادی فوائد کے حصول کے لئے منفی حربے اپنانا شروع کردیئے۔ درآمدی اشیاء پر ٹیرف میں بے پناہ اضافے کئے گئے اور دوسری اقتصادی رکاوٹیں کھڑی کی گئیں۔ 1930ء میں امریکہ نے ٹیرف کی بلند ترین شرح نافذ کی۔ اس زمانے میں مالیاتی و تجارتی فوائد کے لئے کرنسی کی قدر میں کمی کرنے کا خطرناک رجحان شروع ہوچکا تھا اور چہار طرف سے فوائد حاصل کرنے کی کوشش کی جارہی تھی۔ لیکن اس زمانے میں تمام ممالک کی طرف سے یکساں اقدامات اٹھائے جانے کے بعد یہ حربے ناکارہ ہوگئے اور دنیا ایک عظیم اقتصادی بحران سے دوچار ہوگئی۔ جس کو Great Depression کے نام سے یاد کیا جاتا ہے۔ چنانچہ دنیا کو اقتصادی بدحالی کے عذاب سے نکالنے کے لئے بین الاقوامی ضابطوں کی تیاری کا کام بہت ضروری ہوگیا تھا۔ چنانچہ 1934ء میں امریکی رویے میں تبدیلی آئی اور اس نے اقتصادی نظام کو آزاد بنانے میں دلچسپی لینا شروع کی۔

اس زمانے میں سرمایہ دارانہ نظام کے متوازی۔ جو نظام فروغ پارہا تھا۔ وہ کمیونسٹ نظام حکومت تھا۔ بیسویں صدی کے آغاز میں جدید دنیا کمیونسٹ خیالات سے بہت اچھی طرح واقف ہوچکی تھی اور اقتصادی ماہرین کی ایک بہت بڑی تعداد ان سے متاثر تھی۔ اس زمانے میں سوویت یونین میں کمیونسٹ انقلاب برپا ہوچکا تھا اور 1917ء کے انقلاب کے بعد سوویت یونین ایک نئے نظام کا پیغام لے کر دنیا کے سامنے آیا تھا جو تمام دنیا خصوصا مغرب میں اپنے خیالات پہنچانے کی سرتوڑ کوشش کررہا تھا۔ یہ نظام معیشت مارکسسٹ نظریات پر مبنی تھا اور آزاد تجارت۔ منڈی کی معیشت اور ذاتی ملکیت کے سخت خلاف تھا۔ جنگ عظیم دوم میں سوویت یونین کے ہاتھوں جرمنی کی شکست کے بعد سوویت یونین کو وسطی اور مشرقی یوروپ پر قبضہ حاصل ہوگیا اور وہاں سوویت نواز کمیونسٹ حکومتیں قائم ہوگئیں۔ جس کے بعد مغرب نے کمیونزم کو محض ایک نظام معیشت کے بجائے اپنی سلامتی کے لئے خطرہ سمجھنا شروع کردیا اور اس کے خلاف فوجی اتحاد تشکیل دیا جسے ناٹو (NATO) کہا جاتا ہے۔ جواب میں سوویت یونین اور کمیونسٹ یورپی ممالک نے معاہدہ وارسا (Warsaw Pact) تشکیل دیا۔ یوں دنیا میں ایک سرد جنگ کا آغاز ہوا۔ جو تقریبا نصف صدی جاری رہی۔ جنگ عظیم دوم کے آخری دنوں میں مغربی ممالک بڑی سنجیدگی سے اپنی معاشی بقا کے بارے میں سوچ رہے تھے۔ کیونکہ نوآبادیاتی دور کا خاتمہ ہورہا تھا اور آہستہ آہستہ دنیا میں آزادی کی لہر دوڑ رہی تھی۔ لیکن نوآبادیاتی طاقتیں کسی نہ کسی شکل میں ان ممالک پر اپنا اثر قائم رکھنا چاہتی تھیں۔ چنانچہ دنیا میں ایک نئے رجحان نے جنم لیا اور نوآزاد شدہ ممالک ایک مرتبہ پھر مغرب پر تکیہ کرنے پر مجبور ہوگئے۔

اس ضمن میں 1944ء میں دنیا کی مارکیٹ اکانومی پر یقین رکھنے والے ممالک کی کوششوں سے نیو ہمپشائر (امریکہ) میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی۔ جو بریٹن وڈز (Bretton Woods) کانفرنس کے نام سے مشہور ہے۔ اس کانفرنس میں کرنسیوں کے آزاد تبادلے پر زور دیا گیا اور تمام کرنسیوں کی قدر کو آپس میں منسلک کردیا اور فیصلہ ہوا کہ تمام کرنسیوں کی قدر سونے کے مطابق مقرر کی جائے گی اور اس کے ساتھ ہی تمام کرنسیوں کو فکسڈ ایکسچینج ریٹ کے نظام

کے تحت ایک دوسرے سے منسلک کردیا گیا، جو کہ اس لحاظ سے پرانے گولڈ اسٹینڈرڈ نظام سے مختلف تھا۔

بریٹن ووڈز کانفرنس کے نتیجے میں انٹرنیشنل مانیٹری فنڈ (IMF) اور انٹرنیشنل بینک فار دی کنسٹرکشن اینڈ ڈیولپمنٹ (IBRD) یا ورلڈ بینک کا قیام عمل میں آیا۔ IMF نے دسمبر 1945ء سے باقاعدہ اپنے کام کا آغاز کیا اور اس کا آفس واشنگٹن ڈی سی میں بنایا گیا۔ اس کے قیام کے وقت دو ممالک اس کے رکن تھے، جن کی تعداد موجودہ دور میں لگ بھگ 160 ہوچکی ہے۔ اس کا بنیادی مقصد ملکی معیشتوں کو خسارے کی صورت میں بجٹ کی تیاری کے لئے فنڈز کی فراہمی ہے۔ اس ضمن میں رکن ممالک کو مختلف مدتوں کے لئے قرضے مہیا کئے جاتے ہیں۔

آئی ایم ایف کی جانب سے کسی ملک کو قرضے کی فراہمی کا عمل فنڈز دینے والے رکن ممالک کے ووٹ کی "مقدار" سے مشروط ہے۔ ووٹ کی مقدار کا تعین آئی ایم ایف کے فنڈز میں اس ممالک کے طے شدہ حصے کی مقدار کے برابر ہوتا ہے۔ یہ فنڈ امداد کی فراہمی کے لئے استعمال ہوتے ہیں۔ مثال کے طور پر آئی ایم ایف کے فنڈز میں سب سے بڑا حصہ امریکہ کا ہے۔ اسی طرح G-8 ممالک، جن میں امریکہ بھی شامل ہے، اپنے فنڈز کی بنا پر 48 فیصد ووٹوں کا اختیار رکھتے ہیں، چنانچہ غریب ممالک کو قرضوں کے حصول میں مشکلات کا سامنا کرنا پڑتا ہے اور امداد کے حصول کے لئے ان ممالک کی سخت شرائط ماننا پڑتی ہیں۔ اس طرح آئی ایم ایف سے امداد کا حصول ترقی پذیر ممالک کے لئے اب اقتصادی و مالیاتی مسئلے کے بجائے سیاسی مسئلہ بن کر رہ گیا ہے۔

ان اداروں کے قیام کے بعد ضرورت تھی کہ ایک ایسا ادارہ دنیا میں ہو، جو آزاد تجارت کے اصولوں اور عالمی اقتصادیات کے قواعد و ضوابط طے کرنے کے لئے اقوام عالم کو ایک پلیٹ فارم مہیا کرے، چنانچہ 1947ء میں ایک تنظیم جنرل ایگریمنٹ آن ٹیرف اینڈ ٹریڈ (GATT) کا قیام عمل میں لایا گیا۔ اس تنظیم کا بنیادی مقصد ایسا آزاد اقتصادی نظام وضع کرنا تھا، جو عالمی اقتصادیات کو ترقی کی سمت گامزن کرے اور 1930ء کے عشرے جیسے اقتصادی حالات دنیا میں دوبارہ نہ پیدا ہونے پائیں۔ گیٹ کے قیام کے بعد اس تنظیم کے متعدد مذاکراتی دور منعقد ہوئے، جن میں 1986ء کے یوروگوئے کے دور کو بڑی اہمیت حاصل ہے، جو یوروگوئے کے شہر "پنتادیل استا" میں منعقد ہوا تھا، جس میں اس وقت 105 رکن ممالک نے شرکت کی تھی۔ یوروگوئے راؤنڈ GATT کا سب سے جامع مذاکراتی دور کہا جاتا ہے، جس میں صنعت و زراعت ایکسپورٹ سبسڈیز، امپورٹ ڈیوٹیز اور نان ٹیرف بیریئرز کے امور پر اتفاق رائے ہوا۔

یوروگوئے راؤنڈ میں گیٹ کو ایک فعال تجارتی تنظیم میں بدلنے کا فیصلہ کیا گیا، جو کہ نئے عالمی تقاضوں کے مطابق عالم گیریت کے عمل کو آگے بڑھا سکے، چنانچہ گیٹ کے نویں اجلاس میں جو مراکش میں منعقد ہوا، گیٹ کی جگہ ڈبلیو ٹی او کا قیام عمل میں آیا، جس نے 1995ء سے باقاعدہ کام شروع کردیا۔ ڈبلیو ٹی او کے ارکان کی تعداد اس وقت 135 ہوچکی ہے اور مزید 34 ممالک اس کے رکن بننے کے خواہش مند ہیں، جن میں چین اور روس بھی شامل ہیں۔ 1999ء میں امریکی ریاست سیاٹل میں منعقدہ ڈبلیو ٹی او کا اجلاس عوامی احتجاج کی نذر ہوگیا، امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ عوام نے سرمایہ دارانہ نظام کے خلاف سخت مظاہرے کئے۔ ان مظاہروں میں مختلف تنظیموں کے علاوہ عام افراد کی بڑی تعداد نے شرکت کی، جو آزاد تجارت کے خلاف نعرے لگارہے تھے اور سڑک پر دھرنا دیئے بیٹھے تھے۔ WTO کے رکن ممالک میں چند امور پر اختلافات اور عوامی احتجاج کی وجہ سے یہ اجلاس بغیر کسی نتیجے کے ختم ہوگیا۔

اکیسویں صدی کو عالم گیریت کی صدی خیال کیا جاتا ہے اور اس عمل میں آزاد تجارت کے لئے کوشاں تنظیم WTO کے کردار کو بڑی اہمیت دی جارہی ہے۔ ماہرین کے خیال میں آزاد تجارت صرف بڑی ملٹی نیشنل کمپنیوں کے لئے ہی فائدہ مند ثابت ہوسکتی ہے، کیونکہ مقابلے کی دوڑ میں چھوٹی یا درمیانے درجے کی کمپنیاں دیوہیکل اداروں کا مقابلہ نہیں کرسکتیں، کیونکہ بعض بڑی کمپنیاں صرف اپنی تشہیری مہم پر اتنا خرچ کرڈالتی ہیں جتنا ایک چھوٹی یا درمیانی کمپنی کا کل اثاثہ بھی نہیں ہوتا۔ اسی طرح بعض کمپنیوں کا سالانہ بجٹ دنیا کے 150 غریب ممالک کے بجٹ سے زیادہ ہے۔ اقتصادی و تجارتی مقابلے بازی میں کسی اخلاقی اصول پر عمل نہیں ہوتا ہے بلکہ خریداروں کی تعداد میں اضافے کے لئے کسی شے کی اچانک قیمتوں میں کمی، غیر معمولی تشہیر اور انعامات کے اعلان جیسی اسکیموں پر عمل ہوتا ہے جن کی بنا پر چھوٹے سرمایہ کار دھڑام سے نیچے آگرتے ہیں، کیونکہ وہ زیادہ عرصے میں کم شرح منافع پر اشیاء بیچ کر ملٹی نیشنل کمپنی سے مقابلے کی پوزیشن میں نہیں ہوتے ہیں۔ چنانچہ خدشہ ہے کہ آزاد تجارت کے دور میں لاکھوں مزدور بے روزگار ہوجائیں گے اور سرمائے کا ارتکاز موجودہ دور سے بھی زیادہ چند ہاتھوں میں ہونے لگے گا۔ دنیا کے بہت سے ممالک عالمگیریت کے عمل سے توقع لگائے بیٹھے ہیں کہ آزاد تجارت کی بہتی گنگا سے ہاتھ دھونے کا موقع میسر آئے گا، خصوصاً امیر صنعتی ممالک اس میں شرکت کے لئے بھرپور طریقے سے تیار ہیں، اس ضمن میں وہ اپنی مارکٹ کو بہت عرصے قبل ہی علاقائی اقتصادی اتحاد کی شکل میں عالم گیریت سے روشناس کراچکے ہیں، جب کہ غریب ممالک اپنی ان چند مصنوعات پر بھروسہ کئے بیٹھے ہیں، جن کی پیداوار میں انہیں امتیازی حیثیت حاصل ہے، لیکن سوال یہ ہے کہ کسی غریب ملک کی کوئی خاص برآمدی شے کیا تجارت کا توازن اس کے حق میں کرسکے گی، ایک شے برآمد کرکے سو اشیاء درآمد کرنے والا ملک کیا اپنے پاؤں پر کھڑا ہوسکے گا اور کیا تجارتی توازن کبھی اس کے حق میں ہوسکے گا؟ یقیناً ایسے میں غریب ممالک صرف خریدار بن کر رہ جائیں گے۔

ماہرین کے خیال میں آزاد تجارت بھی اقتصادیات کو انتہا پسندی کی طرف لے جائے گی اور جس طرح ماضی میں کمیونسٹ نظام حکومت چند اصلاحات نہ کرنے کی وجہ سے ختم ہوگیا، اسی

طرح سرمایہ دارانہ نظام بھی اب اصلاحات کا محتاج ہے ۰ ورنہ دوسری صورت میں دنیا کے چند حصوں میں غریب اور معاشی بدحالی میں تیزی سے اضافہ ہوگا ۰ جس کی بنا پر موجود سیاسی بے چینی بڑھ کر دنیا کو نئی جنگ کی طرف دھکیل سکتی ہے ۔ اس وقت پوری دنیا کی مجموعی دولت کا 80 فیصد صرف ایک ہزار ملٹی نیشنل کمپنیوں کے ہاتھ میں ہے ۰ جو دولت کے ارتکاز کی بدترین مثال ہے ۔

البتہ اس ضمن میں ایک بات بالکل واضح ہے کہ اگر آزاد تجارت کے اصول و ضوابط صرف ترقی یافتہ ممالک پر لاگو کئے جائیں ۰ جن کی معیشت تقریبا یکساں ہے اور ٹکنالوجی کے میدان میں انہیں کسی محتاجی کا سامنا نہیں ہے تو یقینا ایک عمدہ مقابلہ دیکھنے کو ملے گا ۔ مصنوعات کا معیار مزید بہتر ہوگا اور عوام اس سے فائدہ حاصل کریں گے ۰ یہ اور بات ہے کہ اس صورت میں بھی چھوٹے درجے کی کمپنی کے لئے اپنا وجود برقرار رکھنا مشکل ہوگا ۰ لیکن ممالک کے اعتبار سے مقابلے بازی کی اس فضا کو منصفانہ کہا جاسکتا ہے ۰ کیونکہ مقابلہ صرف ترقی یافتہ ممالک کے درمیان ہوگا ۔ اس کی ایک مثال دنیا یورپی یونین کے علاقائی اتحاد کی شکل میں دیکھ چکی ہے ۰ جہاں پندرہ ممالک تمام اقتصادی رکاوٹیں ختم کرکے آزاد تجارت کے اصولوں پر پچھلی کئی دہائیوں سے عمل کررہے ہیں ۰ لیکن یہاں سوال یہ پیدا ہورہا ہے کہ جس عالمی نظام اور عالمگیریت کا چرچا ساری دنیا میں ہورہا ہے ۰ اس میں آزاد تجارت کے یہ قواعد و ضوابط WTO کے تمام ارکان پر لاگو کرنے کی بات ہورہی ہے ۰ یعنی تقریبا تمام دنیا اس میں شامل ہے لہذا یہ عمل اس لحاظ سے غیر منصفانہ نظر آرہا ہے کہ اس میں غریب اور امیر ممالک کو بھی اس فارمولے کے تحت لایا جارہا ہے ۰ جس پر عمل کرنے کی اہلیت ابھی ان کی معیشت میں نہیں ہے ۔ اس نظام میں ۰ جس میں کسی ترقی یافتہ ملک کی چھوٹی کمپنی کا برقرار رہنا مشکل ہوجاتا ہے وہاں غریب ملک کا بھلا ترقی یافتہ ممالک اور ان کی دیوہیکل کثیر القومی کمپنیوں کا کیا مقابلہ کرسکے گا ؟ نتیجتا اپنی مارکٹ اور معیشت گنوا بیٹھے گا اور دوسروں کا محتاج ہوجائے گا ۔

بعض معاملات میں غریب ممالک کا اقتدار اعلی بھی خطرے میں نظر آرہا ہے ۰ کیونکہ ابھی بھی غریب ممالک نو آبادیاتی طاقتوں کے چنگل سے پوری طرح آزاد نہیں ہوسکے ہیں اور بہت سارے معاملات میں ان پر تکیہ کرنے پر مجبور ہیں ۰ اس طرح IMF وغیرہ میں بھی چند امیر ممالک کی اجارہ داری قائم ہے ۰ جو قرضوں کے حصول کے سلسلے میں غریب ممالک کی درخواست کو اپنے مفادات سے مشروط کردیتے ہیں ۔

ضرورت اس امر کی ہے کہ عالم گیریت کے عمل کو صرف آزاد تجارت تک محدود نہ کیا جائے بلکہ ایسے منصفانہ قوانین بنائے جائیں ۰ جن کی بنا پر غریب ممالک کو سائنس اور ٹکنالوجی کے میدان میں آگے لایا جائے اور برآمدات کو تحفظ دیا جائے اور ان کے تجارتی خسارے کو کم کیا جائے ۰ اسی طرح ان ممالک میں تعلیم و صحت کے مسائل جنگی بنیادوں پر حل کرکے ۰ ان ممالک کے عوام کی فی کس آمدنی میں بھی اضافے کے اقدامات کئے جائیں ۔ جب یہ ممالک اپنے پاؤں پر کھڑے ہوتے دکھائی دیں تو ان کو عالم گیریت کے عمل میں شمولیت کا اہل مانا جائے ۔ اس ضمن میں کوئی معیار بھی مقرر کیا جاسکتا ہے ۔ قوموں کو غلام بنالینے اور سرنگوں رکھنے کی روایت اب ختم ہوجانی چاہئے ۔ اکیسویں صدی بھی اقوام عالم سے یہ ہی تقاضا کررہی ہیں ۰ اگر ایسا نہ ہوا تو تاریخ اپنے آپ کو ایک مرتبہ پھر دہرائے گی اور بیسویں صدی کے اوائل کے حالات دوبارہ پیدا ہوسکتے ہیں ۔

●●●●

سید محمد حسین محسن حیدر آبادی

"سارے جہاں سے اچھا ہندوستاں ہمارا"......اقبال

1984ء میں جب ہمارے خلاباز راکیش شرما زمین چھوڑ کر فضائے بسیط میں پہنچ گئے تو انہوں نے اس وقت کی وزیرأعظم محترمہ اندرا گاندھی سے سٹلائٹ ٹیلی فون نظام کے ذریعہ بات کی اور جب وزیراعظم نے راکیش شرما سے سوال کیا کہ خلاء سے ہمارا بھارت کیسا دکھائی دے رہا ہے؟ تو انہوں نے نہایت فخر سے جواب دیا تھا کہ "سارے جہاں سے اچھا"۔ اقبال کے الفاظ ملک اور بیرون ملک میں تو گونج ہی رہے تھے خلائے بسیط سے بھی دوہرائے گئے ۔ نہ جانے کتنی شدید محبت اور گہری عقیدت میں ڈوب کر اقبال نے یہ ترانہ لکھا تھا کہ وہ سواد اعظم کے دل کی آواز بن گیا۔ سچ کہا ہے۔

بات جو دل سے نکلتی ہے اثر رکھتی ہے
پر نہیں طاقت پرواز مگر رکھتی ہے

اقبال کا پورا نام شیخ محمد اقبال تھا۔ ان کا خاندان قدیم کشمیری پنڈتوں کا خاندان تھا۔ ان کے جد اعلیٰ مشرف بہ اسلام ہوئے تھے اور توفیقات الٰہی اس حد تک شامل حال تھیں کہ اقبال کے والد نے اقبال کو یہ ہدایت کی کہ قرآن شریف اتنے استغراق اور غور سے پڑھو گویا یہ تم ہی پر نازل ہوا ہے۔

اقبال 1875ء میں بہ مقام سیال کوٹ پیدا ہوئے جو اب مغربی پنجاب پاکستان میں ہے ۔ ابتدائی تعلیم ایک مکتب میں ہوئی اس کے بعد انگریزی تعلیم کا سلسلہ شروع ہوا اور انٹرنس کا امتحان امتیاز کے ساتھ پاس کیا۔ اس کے بعد مشن اسکول سیالکوٹ میں داخلہ لیا جہاں سید میر حسن مشرقی ادبیات کے معلم تھے ۔ ایف اے کا امتحان اس کالج سے بدرجہ اول کامیاب کیا پھر گورنمنٹ کالج لاہور میں داخلہ لے کر بی اے (فلسفہ) کی ڈگری لی۔ انگریزی اور عربی زبان میں میرٹ حاصل کی تو طلائی تمغے عطا ہوئے۔ پھر جب پنجاب یونیورسٹی سے ایم اے پاس کیا تو وہاں بھی پورے پنجاب میں سب سے زیادہ نمبر حاصل کرنے پر طلائی تمغہ ملا۔ گورنمنٹ کالج لاہور میں ، علی گڑھ کی بزم اساتذہ کے ایک سرگرم رکن پروفیسر آرنلڈ تھے جو فلسفہ کے مشہور پروفیسر تھے ۔ ان ہی کی ترغیب سے اقبال نے بی اے میں فلسفہ کا مضمون لیا تھا۔ اقبال آرنلڈ کے سب سے ممتاز اور ذہین شاگرد تھے اور ان کو بے حد چاہتے تھے۔ اسی ذہانت کے سبب ان دونوں کے درمیان شاگردی اور استادی کا رشتہ مٹ گیا اور ایک دوسرے کے عزیز ترین دوست بن گئے ۔ آرنلڈ جب لاہور سے واپس اپنے وطن انگلستان چلے گئے تو اقبال کو بہت دکھ ہوا۔ اکثر ان کے بنگلے کے پاس جاکر آنکھوں ہی آنکھوں میں ان کو ڈھونڈا کرتے تھے۔ ایسے ہی احساسات پر مبنی ان کی ایک نظم "نالہ فراق" ہے۔

تعلیم سے فراغت پانے کے بعد اقبال لاہور میں رہنے لگے ۔ اورینٹل کالج لاہور میں تاریخ، فلسفہ اور سیاسیات کے پروفیسر ہوگئے ۔ اس کے بعد گورنمنٹ کالج لاہور میں جہاں انہوں نے طالب علمی کے دن گزارے تھے انگریزی اور فلسفہ کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ ان کے درس و تدریس کا انداز اس قدر عالمانہ تھا کہ ارباب دانش کی نظریں ان پر پڑنے لگیں اور ان کا شمار لاہور کے معززین شہر میں ہونے لگا۔

ابتداء میں اقبال نے صاحب عالم مرزا عبدالغنی ارشد گورگانی سے جو خاندان مغلیہ کی چند باقیات میں سے ایک تھے مشورہ سخن کیا۔ ارشد دہلی چھوڑ کر تلاش معاش میں لاہور آکر رہنے لگے تھے اور ان کا شمار اساتذہ فن اور مشاہیر میں تھا۔ اسکے بعد وہ بذریعہ مراسلت داغ دہلوی کو اپنا کلام دکھانے لگے جو اس زمانے میں حیدر آباد دکن میں استاد شاہ تھے۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ اقبال کو کسی استاد کی ضرورت نہ تھی۔

شوق در ہر دل کہ باشد رہبرے درکار نیست

کے مطابق خود ان کا مطالعہ نظر کی گہرائی، جذبات کا جوش اور تخیل کا حسن ایسا تھا کہ وہ نہایت عمدہ اشعار کہتے تھے۔ لاہور کے مشاعرے میں اپنی نوجوانی کے عالم میں جب پہلی غزل پڑھی جسکا ایک شعر ہے

موتی سمجھ کے شان کریمی نے چن لئے
قطرے جو تھے مرے عرق انفعال کے

تو حاضرین مشاعرہ اس کلام کی بلاغت اور ان کی کم سنی کو دیکھ کر دنگ رہ گئے اور خوب داد دی۔ یہیں سے ان کی شاعری کا سکہ سب کے دلوں پر بیٹھ گیا۔ اقبال مشاعروں میں جایا کرتے تھے اور غزلیں ہی پڑھتے تھے جو

بے حد پسند کی جاتی تھیں۔ لیکن ان کے نت نئے خیالات کی لہر کا طولِ موج حالاتِ مشاعرہ سے مطابقت نہیں رکھتا تھا۔ وہ کچھ اور چاہتے تھے۔ وہ غزل سے کوئی با مقصد کام لینا چاہتے تھے کہ جس سے زندگی میں فراز اور ترقی پیدا ہو۔ یہ ایک فلسفیانہ سوچ تھی کہ ہر شئے کی قدر و قیمت کا اندازہ اس لحاظ سے کیا جائے کہ اس میں حیات بخشی کی کتنی صلاحیت ہے یا یہ کہ وہ بنی نوع انسان کو کیا خوبی عطا کر سکتی ہے۔ ظاہر ہے کہ روایتی غزل گوئی میں ایسا کچھ نہ تھا۔ لاہور کی انجمن حمایت الاسلام سالانہ مشاعرے منعقد کیا کرتی تھی۔ 1899ء میں دوستوں کے اصرار پر انہوں نے انجمن کے پندرہویں سالانہ اجلاس میں ایک نظم "نالہ یتیم" پڑھی۔ مشاعرہ میں اس کا ایک ایک بند کئی کئی بار پڑھوایا گیا اور بے حد داد و تحسین ملی۔ اس نظم کا سارے ہندوستان میں شہرہ ہوا۔ یہاں پر اقبال کی شاعری نے ایک نیا موڑ لیا۔ اب انہوں نے مشاعروں میں جانا ترک کر دیا۔ ہر سال نئی نظمیں پڑھتے تھے۔ تصویر درد۔ فریاد امت۔ ہمارا دیس۔ نیا شوالہ۔ ترانہ ہندی اور شکوہ اسی زمانے کی یادگار ہیں۔ ان نظموں کو لاہور کا اخبار " مخزن " چھاپتا تھا اور پھر سارے ہندوستان کے اردو اخباروں میں شائع ہوتی تھیں۔ اس کی وجہ سے اقبال کو خوب شہرت ملی اور ہر تعلیم یافتہ سوسائٹی اور دانشوروں میں ان کا نام لیا جانے لگا۔

اس زمانے میں انگریزی زبان کا چرچا عام تھا اور مغربی خیالات ادبیات میں داخل ہونے لگے تھے انگریزی منظومات کو اردو میں منتقل کیا جا رہا تھا تاکہ نئے خیالات سے شاعری کے میدان میں مزید وسعتیں پیدا ہوں۔ اس سلسلے میں محمد حسین آزاد، حالی، نظم طباطبائی پیش پیش تھے۔ اقبال نے بھی اس طرف توجہ کی اور ابتداء کی ان کی تقریباً سولہ نظمیں ایسی ہیں جو یا تو انگریزی نظموں کا آزاد ترجمہ ہیں یا ان نظموں کا مرکزی خیال انگریزی منظومات سے اخذ کیا گیا ہے۔ ان کی مشہور نظم "بچے کی دعا" "لب پہ آتی ہے دعا بن کے تمنا میری" میٹیلڈ بنھم ایڈورڈس (A کی نظم M. Benham Edwards (Child's HYMN کا آزاد ترجمہ ہے اور اصل سے کسی قدر مختصر ہے۔ اس طرح اقبال کی منظومات ایک مکڑا اور مکھی۔ ایک پہاڑ اور گلہری۔ ماں کا خواب۔ رخصت اے بزم جہاں اور ایک پرندہ اور جگنو وغیرہ ان کے نہایت کامیاب تراجم ہیں جو خود اردو ادب میں اپنی ایک اہمیت رکھتے بلکہ اردو شاعری کا ایک جزو بن گئے ہیں۔ اسی طرح سنسکرت کے گائیتری منتروں کا اردو ترجمہ " آفتاب" ان کی نہایت شاندار نظم ہے جس کا مطلع ہے:

اے آفتاب روحِ رواں جہاں ہے تو
شیرازہ بند دفتر کون و مکاں ہے تو

اقبال کی شاعری کا پہلا دور 1897ء سے 1905ء تک یعنی ان کے یوروپ جانے سے پہلے تک کا ہے۔

1905ء میں اقبال لندن کے لئے روانہ ہوئے۔ کیمبرج میں داخلہ لیا اور ڈاکٹر میک ٹاگارٹ، براؤن، نکلسن اور سارلی کی نگرانی میں فلسفہ اور اخلاقیات میں ڈگریاں حاصل کیں۔ پھر جرمن گئے اور فنون اور ادبیات کے مطالعہ میں منہمک ہو گئے۔ جب امتحان میں ایک ماہ رہ گیا تو میونخ یونیورسٹی کے پرنسپل سے داخلے کی خواہش جرمنی زبان میں گفتگو کر کے ظاہر کی تو فوراً داخلہ مل گیا۔ جرمنی میں فلسفہ عجم پر تنقیح اور تحقیق شروع کی اور ان کا مقالہ "Metaphysics of persia" فارس کی مابعد الطبیعات " کے نام سے لندن سے شائع ہوا جو پروفیسر آرنلڈ کے نام سے معنون تھا۔ لندن میں رہ کر انہوں نے قانون میں بیرسٹری کی ڈگری حاصل کی پھر اسکول آف پولیٹیکل سائنس میں داخل ہوئے اور بڑے بڑے دانا یان فرنگ کی صحبت میں رہے۔ لندن میں جب پروفیسر آرنلڈ تین ماہ کی رخصت پر گئے تو اقبال وہاں عربی کے پروفیسر مقرر ہوئے۔ یہاں ان کو مشرق اور مغرب کی تہذیبوں کا فرق شدت سے محسوس ہوا۔ اس طرح ڈھائی برس یوروپ میں رہنے کے بعد اور وہاں کی دانشگاہوں سے بھرپور استفادہ کر کے 26 جولائی 1908ء کو ہندوستان واپس آ گئے۔ اب ان کی شاعری کا طرز بدل چکا تھا۔ وہ فارسی نظم "اسرار خودی" میں ذہنی طور سے معروف تھے اگرچہ اردو کلام کا سلسلہ بھی جاری تھا۔ ہندوستان واپس آنے کے بعد ملازمت ترک کر دی اور لاہور میں وکالت شروع کر دی۔ قانون کا پیشہ ان کے مذاق کے موافق نہ تھا لیکن کسب معاش کے لئے ان کو اپنا عزیز وقت اس طرح صرف کرنا پڑا۔

1911ء میں آل انڈیا محمڈن ایجوکیشنل کانفرنس نے دہلی میں اقبال کیلئے ایک تہنیتی جلسہ منعقد کیا جس میں گلپوشی کا کام شبلی نعمانی نے کیا اور زعمائے ہند نے اقبال کو بھرپور خراج عقیدت پیش کیا۔ یہ اقبال کی خدمات اور قابلیت کا سب سے بڑا قومی اعتراف تھا۔

اقبال کی شاعری کا رجحان روایتی غزلوں اور نظموں سے ہٹ کر اب پیامی صورت اختیار کر چکا تھا وہ مسلمانوں کی بحیثیت قوم بیداری کے خواہاں تھے اور وہ یہ بات جتانا چاہتے تھے اسلام میں فرد کے کردار کی ہی اہمیت ہے اور اسکی اصل روح یہ ہے کہ باوجود دولت اور امارت کے وہ اس دار فانی کی کوئی حقیقت نہ سمجھے۔ اقبال کے کلام کے بارے میں اتنا کچھ کہا جا چکا ہے کہ مزید کچھ کہنا تحصیلِ حاصل ہے۔ ان کے فکر و فلسفہ سے متعلق اردو میں پورا ایک دفتر "اقبالیات" موجود ہے پھر بھی ان کے کلام کی خصوصیات میں سے چند ایک یہ ہیں کہ اس میں اسلامیت کی روح جس کا مقصد اعلیٰ وارفع زندگی ہے ہر جگہ موجود ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ ان کے کلام میں لذت پرستی نہیں ہے تیسرے یہ کہ اقبال کی شاعری غیر تقلیدی ہے۔ ترسیل خیالات اور اپنے پیغام کو پہنچانے میں ان کی تشبیہات اور استعارات انوکھے اور اچھوتے ہیں جو سخن سنجوں کو وجد میں لے آتے ہیں۔ ان کا کلام حشو و زوائد سے پاک ہے جس میں پیکر تراشی، ترنم موسیقیت، منظر نگاری کے نہایت دلکش نمونے دیکھنے کو ملتے ہیں۔ یوں تو ان کے کلام کا ہر شعر ایک مثال ہے اور معانی کے اعتبار سے ایسا ہے کہ ایک پوری کتاب اس پر لکھی جا سکتی ہے پھر بھی غزلیات کے دل کو چھو جانے والے کچھ اشعار درج ذیل ہیں۔

ستاروں سے آگے جہاں اور بھی ہیں
ابھی عشق کے امتحاں اور بھی ہیں
اے طائر لاہوتی اس رزق سے موت اچھی
جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی
اسلام کے دامن میں بس اسکے سوا کیا ہے
اک سجدہ شبیری اک ضرب ید اللہی
اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبان عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے
ہے دل کے لئے موت مشینوں کی حکومت
احساس مروت کو کچل دیتے ہیں آلات
جمہوریت اک طرز حکومت ہے کہ جس میں
بندوں کو گنا کرتے ہیں تولا نہیں کرتے
بے خطر کود پڑا آتش نمرود میں عشق
عقل ہے محو تماشائے لب بام ابھی
اقبال کوئی محرم اپنا نہیں جہاں میں
معلوم کیا کسی کو دردِ نہاں ہمارا

اقبال کی تصنیفات میں علم الاقتصاد (1896ء) فلسفہ عجم، اسرار خودی کار موز بے خودی پیام مشرق، کلیات میں بانگ درا، بال جبریل اور ضرب کلیم شامل ہیں۔

قوم کا یہ دیدہ بینا 21 اپریل 1938ء کو ہمیشہ کے لئے بند ہو کر ابدی نیند سو گیا۔ لاہور آخری آرام گاہ قرار پایا۔ ہر چند اس شاعر رنگین نوا کی زبان خاموش ہو چکی ہے لیکن اس کے افکار پر ملت کے غور و فکر، علم و عمل کا سلسلہ ہنوز جاری ہے۔ ان کی دوررس آنکھوں میں جو منظر سمائے تھے وہ ان کے ہر شعر میں ہم آج بھی دیکھ رہے ہیں۔

اقبال کی یوں تو بہت سی تصویریں ہیں لیکن مجھے جو سب سے زیادہ اچھی لگی وہ ان کا ایک سائڈ پوز ہے جس میں وہ ایک شال اوڑھے ہوئے ہیں اور چہرے سے مفکروں کی سی عالمانہ شان عیاں ہے یہ تصویر حسن اتفاق سے اور مجنگ کی مشقِ ستم سے بچی ہوئی تھی ہاف ٹون بلیک اینڈ وہائٹ میں مجھے مل گئی جو رنگوں کے ساتھ پیش کی جا رہی ہے۔

ناظرین اس مضمون کو پڑھ کر تشنگی محسوس کر رہے ہونگے۔ چوں کہ ان کالموں کا دامن اتنا وسیع نہیں ہے کہ اقبال کے تمام لعل و گہر اس میں ڈال دیئے جائیں اس لئے صرف اہم سوانحی واقعات کے بیان پر اکتفا کرنی پڑی۔ اقبال کی شخصیت اور فکر و خیال کا کینوس اسقدر عظیم ہے کہ اس کو بہ یک نظر نہیں دیکھا جا سکتا۔

سیاست پندرہ روزہ انٹرنیشنل

محمد بن عبداللہ رفاعی

لیڈس پر ہندوستانی ٹیم کا شاندار مظاہرہ

23 جون 1986ء کو لیڈس ٹسٹ کے پانچوں روز کپل دیو کی زیر قیادت ہندوستانی ٹیم نے انگلینڈ کو 279 رنز سے شکست فاش دیدی اور ہندوستانی ترنگا اپنی پوری آب و تاب سے لہرانے لگا۔ 16 سال دو ماہ اور تین دن بعد سورو گنگولی کی زیر قیادت ہندوستانی ٹیم نے لیڈس کے میدان پر اپنی دوسری تاریخی کامیابی درج کی جب اس نے انگلینڈ کو ایک اننگز اور 46 رنز سے ہرا کر پھر ایک بار ہندوستانی شائقین کو جھوم اٹھنے کا موقع فراہم کیا۔

اس تاریخی کامیابی کی بنیاد سنجے بانگر اور راہول ڈراویڈ نے رکھی۔ دونوں نے 68 اوورس میں 170 رنز بنا کر پرانے ٹسٹ دور کی یاد تازہ کردی۔ راہول ڈراویڈ نے شاندار 143 رنز بنائے۔ یہ ڈراویڈ کی لگاتار دوسری سنچری ہے۔ ڈراویڈ جب اس شاندار اننگز کے دوران 30 رنز پر پہونچے تو وہ ہندوستان کے ساتویں بیٹسمین بن گئے جنہوں نے 5000 رنز کے نشانے کو پار کیا۔ ڈراویڈ ہندوستانی بیٹنگ لائن اپ کی ریڑھ کی ہڈی مانے جاتے ہیں اور انہیں ان کے لاجواب ڈیفنس کی وجہ سے "دیوار" کا لقب عطا کیا گیا ہے ان کی خاص خوبی یہ ہیکہ وہ اچھی گیندوں کو عزت بخشتے ہیں اور خراب گیندوں پر رنز بناتے ہیں۔ اس سال ڈراویڈ کا ستارہ عروج پر ہے اور اب تک وہ 856 رنز بنا چکے ہیں۔ سنجے بانگر جن کا اس سیزن میں پہلا ٹسٹ میچ تھا حد سے زیادہ محتاط نظر آئے خاص طور پر اس وقت سے جب سہواگ 8 رنز کے انفرادی اسکور پر ایک غیر ضروری شاٹ پر آوٹ ہو کر پویلین لوٹ گئے۔ بانگر کے آوٹ ہونے کے بعد سچن تنڈولکر نے اپنی شاندار 193 رنز کی اننگز کے ذریعہ سر ڈان براڈمین کے ریکارڈ کو توڑتے ہوئے ایک اور سنگ میل کو پار کیا۔ تنڈولکر اور گنگولی نے چوتھی وکٹ کی رفاقت میں 59.3 اوورس میں 249 رنز بنائے۔ ہندوستانی ٹسٹ کرکٹ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہیکہ 150 رنز کی ایک ٹسٹ میں تین رفاقتیں ہوئی۔ پہلی رفاقت (پارٹنر شپ) سنجے بانگر۔ ڈراویڈ، دوسری رفاقت ڈراویڈ۔ سچن اور تیسری رفاقت تنڈولکر اور گنگولی کے درمیان ہوئی جس کی وجہ سے دو دن تک ہندوستانی بیٹسمن انگلینڈ کے بولروں پر چھائے رہے۔ دو دن تک وکٹ کی تلاش میں سرگرداں انگلینڈ کے بولروں نے تیسرے دن کچھ راحت محسوس کی جب انہوں نے رنوں کی تلاش کر رہے ہندوستانی بیٹسمنوں کو یکے بعد دیگرے پویلین کا رخ دکھایا اور ہندوستان نے اپنی اننگز 8 وکٹ کے نقصان سے 628 رنز پر ڈکلیر کردی۔

جواب میں جب انگلینڈ نے اپنی اننگز کا آغاز کیا تو اسے فالو آن سے بچنے کیلئے 429 رنز بنانے تھے۔ مائیکل آسان کیچ دیدیا۔ اس کے بعد ناصر حسین ظہیر خان کی گیند پر ایل بی ڈبلیو ہو کر پویلین لوٹ گئے۔ یہ وکٹ انگلینڈ کی ناکامیوں کا نقطہ آغاز اور ہندوستان کی کامیابی کی مضبوط بنیاد ثابت ہوئی۔ ظہیر خان کا یہ وار اور مہلک ثابت ہوتا اگر بانگر دوسری ہی گیند پر الیک اسٹیورٹ کا کیچ ڈراپ نہیں کرتے۔ ابھی انگلینڈ اس صدمہ سے سنبھل ہی رہا تھا کہ امپائر نے متنازعہ انداز میں فلطاف کو ایل بی ڈبلیو قرار دیا۔ جائیلس اور اسٹیورٹ نے بگڑتی صورتحال کو کچھ حد تک بہتر بنانے کی کوشش کی اور 70 رنز کی شاندار رفاقت نبھانے کے بعد جائیلس کمبلے کا شکار بنے۔ ہربھجن نے کیڈک کو بولڈ کردیا اسطرح انگلینڈ پہلی اننگز میں 273 رنز پر سمٹ گئی اور اسے فالو آن پر مجبور ہونا پڑا۔ فالو آن کے بعد اپنی دوسری اننگز میں انگلینڈ مستحکم شروعات کرنے میں ناکام رہی۔ مائیکل وان 15 رنز بنا کر اگرکر کا شکار بنے جبکہ آر کی، کرالی اور مارک باؤچر کچھ خاص نہیں کرسکے اور انگلینڈ چائے کے وقفہ تک 4 وکٹ گنوا کر 166 رنوں پر سسک رہا تھا۔ اس موقعہ پر ناصر حسین اور الیک اسٹیورٹ نے صورتحال کو بہتر بنایا اور چوتھے روز کا کھیل ختم ہونے تک اسکور کو 239 رنز تک پہنچادیا۔

لیڈس ٹسٹ کے پانچویں روز لیگ اسپنر انیل کمبلے نے مہلک جھٹکے لگاتے ہوئے سنچری بنانے والے ناصر حسین اور اسٹیورٹ کو آوٹ کرکے ہندوستان کی فتح کی مضبوط بنیاد رکھی۔ کمبلے نے پہلے حسین کو ایک خوبصورت گیند پھینکی جو سانپ کی طرح پھنکارتی ہوئی حسین کے بیاٹ کی طرف بڑھی اور اس کا کنارا لیتے ہوئے سہواگ کے ہاتھوں میں جا پہنچی۔ دوسرے اور میں کمبلے نے اپنی لیگ بریک کا شکار اسٹیورٹ کو بنا کر انگلینڈ کی بیٹنگ کی کمر توڑدی۔ ناصر حسین اپنے آوٹ ہونے پر اس قدر مایوس ہوئے کہ انہوں نے مجمع کی طرف جو ان کے استقبال کیلئے کھڑا ہو گیا تھا، نظر اٹھا کر بھی دیکھنا گوارا نہیں کیا۔ ناصر کے آوٹ ہونے کے بعد انگلینڈ کی بیٹنگ لڑکھڑا گئی اور 3 وکٹ 10 گیندوں کے اندر محض 2 رنوں کے اضافہ کے بعد گر گئے۔ اس کے بعد لوور آرڈر کو آوٹ کرنا ہندوستانی بولرس کیلئے

وان اور آرکی نے اس نشانے کا تعاقب محتاط مگر جارحانہ انداز سے کیا اور پانچ مختلف گیندبازوں کو لنچ کے وقفہ تک 12 چوکے لگاتے ہوئے بغیر کسی نقصان کے 61 رنز بنائے۔ لنچ کے بعد آرکی ظہیر خان کا شکار بنے۔ یہ ظہیر خان کی 50 ویں ٹسٹ وکٹ تھی جبکہ انیل کمبلے نے مارک باؤچر کو ایل بی ڈبلیو آوٹ کرتے ہوئے 326 ویں وکٹ حاصل کی۔ وان اس وقت خوش قسمت رہے جب اگرکر کی گیند پر پارتھیو پاٹل کے ہاتھ سے گیند اچھل کر لکشمن کی طرف آئی، لکشمن بھی اسے تھپک نہیں سکے اور گیند ڈراویڈ کی کوششوں کے باوجود زمین پر گر گئی۔ لیکن وان ہندوستانی فیلڈروں کی جانب سے مہیا کیے گئے اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھا نہیں سکے اور دوسری ہی گیند پر سہواگ کو ایک

کوئی مسئلہ نہیں رہا۔ کمبلے کی گیند پر جب گنگولی نے آخری کھلاڑی کا کیچ لپکا تو ہندوستانی کھلاڑیوں نے فتح کے نشہ سے سرشار ہو کر ایک دوسرے کو گلے لگالیا۔ ڈراویڈ کو ان کے شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" دیا گیا۔ ہندوستانی کھلاڑیوں نے کھیل کے ہر شعبے میں اپنے حریف پر سبقت حاصل کی۔ اب اس سیریز کا آخری میچ اوول میں ہوگا اور اگر ہندوستان اس میچ میں بھی کامیابی حاصل کرلیتا ہے تو 1986ء کے بعد برصغیر سے باہر سیریز میں اس کی پہلی فتح ہوگی۔

حسین نے ہندوستانی ٹیم کے مظاہرہ کی ستائش کرتے ہوئے کہا "ہندوستانی ٹیم نے مجموعی طور پر بہتر مظاہرہ کیا، خاص طور پر راہول ڈراویڈ نے جسطرح کا کھیل پیش کیا وہ میری اب تک دیکھی گئی اننگزوں میں سب سے بہتر اننگز تھی"۔ حسین نے اس شکست کی ذمہ داری بولروں اور فیلڈروں کے کاندھوں پر یہ کہتے ہوئے ڈالدی کہ وہ بہتر گیند بازی اور فیلڈنگ (انگلینڈ نے ہندوستانی اننگز میں 6 کیچس ڈراپ کیے) کرنے میں ناکام رہے۔

ہندوستانی ٹیم کی برصغیر کے باہر یہ عظیم الشان کامیابی ٹیم ورک کاں تیجہ ہے۔ ہندوستانی ٹیم کے تین اہم ستونوں نے پہلے بیاٹنگ میں اپنا اہم کردار ادا کیا پھر اس کے بعد بولرس نے غضب ناک مظاہرہ پیش کیا۔ سہواگ نے حالانکہ بیاٹ سے کوئی قابل قدر کارنامہ انجام نہیں دیا لیکن انہوں نے مائیکل وان کو پہلی اننگز میں اور حسین کو دوسری اننگز میں شاندار طریقے سے کیچ آؤٹ کرکے سیریز کو مساوی کرنے میں اپنا تعاون پیش کیا۔ ہندوستان کی برصغیر کے باہر حالیہ کامیابیوں میں پچھلے سال زمبابوے اور اس سال ویسٹ انڈیز میں کامیابی شامل ہے۔ لیکن قابل غور بات یہ ہیکہ ہندوستان نے ان ٹسٹوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد دوسرے ہی ٹسٹ میں شکست کا سامنا کیا۔ اب اس کیلئے آخری ٹسٹ اس لحاظ سے بھی اہمیت کا حامل ہیکہ یہ ماسٹر بلاسٹر کا 100 واں ٹسٹ ہے اور اس ٹسٹ میں کامیابی حاصل کرتے ہوئے ہندوستانی ٹیم ماسٹر بلاسٹر کو ان کے 100ویں ٹسٹ کا تحفہ پیش کرسکتی ہے۔

سچن: بلندیاں جس کے دامن میں سمٹ آتی ہیں

کوئینس پارک اوول (پورٹ آف اسپین) میں جمعہ 19 اپریل کو سچن تنڈولکر نے 29ویں سنچری بنا کر سر ڈونالڈ براڈمین کے ریکارڈ کو برابر کیا تھا۔ سچن نے یہ یادگار سنگ میل اپنی 29 ویں سالگرہ سے 4 روز قبل اور 93 ویں ٹسٹ میں حاصل کیا جبکہ براڈمین جنہیں متفقہ طور پر تاریخ کا سب سے بہترین بیٹسمن مانا جاتا ہے 52 ٹسٹ میں 29 سنچریاں بنائی۔ براڈمین کا اوسط 99.94 ہے۔ سچن نے اس سنچری کی تکمیل کے بعد کہا تھا کہ "یقینی طور پر سر ڈونالڈ براڈمین کے ریکارڈ کو برابر کرنا اعزاز کی بات ہے لیکن کوئی ان کے مقام تک نہیں پہنچ سکتا"۔ یہ سچن کی ویسٹ انڈیز کی سرزمین پر ساتویں ٹسٹ میں پہلی سنچری تھی جس کی تکمیل پر انہوں نے بے ساختہ کہا تھا "ویسٹ انڈیز میں سنچری بنانا میرا ایک خواب تھا جو پورا ہوا"۔ سچن کے اکثر و بیشتر خواب پورے ہی ہوئے ہیں۔ لیکن کبھی کبھی وہ پریشانیوں کے بھنور میں گھر بھی گئے جس کی تازہ مثال ہند۔ انگلینڈ ٹسٹ سیریز ہی ہے۔ گزشتہ پانچ ٹسٹوں میں سچن کے بلے نے رنز اگلنا بند کردیا تھا اور چاروں طرف سے ان پر تنقیدیں شروع ہوگئی تھی اور تو اور بشن سنگھ بیدی نے یہاں تک کہدیا کہ "تنڈولکر میں اب وہ چمک دمک باقی نہیں رہی"۔ غور طلب بات یہ ہیکہ بیدی اس وقت ٹیم کے کوچ تھے جب 30 سنچریاں بنانے والے سچن نے اپنی پہلی سنچری انگلینڈ کے خلاف بنائی تھی۔

سچن شاید لارڈس پر کھیلی گئی اپنی 2 ناکام اننگز اور اس واقعہ کو کبھی فراموش نہیں کرسکیں گے جب تنڈولکر پہلے ٹسٹ میچ کے چوتھے روز ہوگارڈ کی گیند پر آوٹ ہوکر پویلین کی طرف جانے لگے تو کہیں سے ایک شخص میدان کے اندر گھس آیا اور ان کے ساتھ پویلین جانے لگا۔ اس نے تنڈولکر کو کوئی گزند نہیں پہونچائی البتہ ان کی سراہنا کرتے ہوئے کہا "آپ دنیا کے عظیم بلے باز ہیں"۔

سچن نے ناٹنگھم میں بہتر مظاہرہ کیا لیکن بدقسمتی سے وہ سنچری بنا نہیں سکے اور 93 رنز پر پویلین لوٹ گئے تبھی سے ان کے رنوں کی بھوک بڑھ چکی تھی۔ اور اب لیڈس میں سچن تنڈولکر نے اپنی شاندار 193 رنز کی اننگز کے ذریعہ سر ڈان براڈمین کے ریکارڈ کو توڑتے ہوئے ایک اور سنگ میل کو پار کیا۔ انگلینڈ کے خلاف تنڈولکر کی یہ چھٹی سنچری ہے جبکہ انہوں نے آسٹریلیا اور سری لنکا کے خلاف بھی اتنی ہی سنچریاں بنا چکے ہیں۔ سچن نے اس ٹسٹ میں نہ صرف سر ڈان براڈمین کے سنچریوں کے ریکارڈ کو عبور کیا بلکہ ڈیوڈ گاور کے 8231 رنز کے نشانے کو عبور کرکے ٹسٹ کرکٹ کے ساتویں بیٹسمین کا اعزاز حاصل کیا۔ سچن اس شاندار اننگز کی مدد سے تازہ ترین ٹسٹ رینکنگ میں جست لگاتے ہوئے دوسرے مقام پر پہونچ گئے۔ براڈمین جنھوں نے 52 ٹسٹ میں 99.94 کی اوسط سے رنز بنائے اپنی وفات سے قبل سچن کو خراج پیش کرتے ہوئے کہا تھا "سچن بلاشبہ اس دور کا سب سے بہتر کھلاڑی ہے"۔ سچن کے بارے میں ایک اور مشہور انگلش کھلاڑی Fred Trueman نے ٹھیک ہی کہا ہیکہ "سچن ورلڈ کلاس بیٹسمین ہے اور وہ خود اپنی غلطی سے آؤٹ ہوتے ہیں"۔ سچن کا 30 سنچریوں کے کلب میں داخلے کا دلی خیر مقدم کیا گیا کیونکہ گزشتہ 18 سال سے 30 کلب پر گواسکر اکیلے قابض تھے۔ اب سچن سے آگے صرف سنیل گواسکر ہیں جنھوں نے 34 سنچریاں بنائی ہیں اور سچن کے فارم کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ یہ ریکارڈ بھی سچن ایک یا دو سال کے اندر توڑ لیں گے اور خود ایک نیا سنچریوں کا ریکارڈ بنائیں گے جس تک پہونچنے کی حسرت آنے والی صدی کا ہر بیٹسمین کریگا۔ سچن اب 100 ویں ٹسٹ سے صرف ایک ٹسٹ دور ہیں اور وہ 100 ٹسٹ کھیلنے والے چوتھے ہندوستانی بن جائیں گے۔ تمام ہندوستانی شائقین کی یہ دلی تمنا ہیکہ ہندوستانی ٹیم آخری ٹسٹ میں بہتر مظاہرہ کرتے ہوئے تنڈولکر کو 100 ویں ٹسٹ کا تحفہ بطور کامیابی پیش کرے۔

ہند۔انگلینڈ دوسرا ٹسٹ اتار چڑھاؤ کے بعد بالآخر ڈرا

ہندوستانی ٹیم جو پہلے ہی ٹسٹ میں 170 رنوں سے شکست سے دوچار ہوئی اس عزم و حوصلے کے ساتھ ناٹنگھم (ٹرینٹ برج) میں دوسرا ٹسٹ شروع کیا کہ وہ انگلینڈ کو اس ٹسٹ میں شکست دیتے ہوئے سیریز کو مساوی کردیگی جبکہ اس کے برعکس انگلینڈ کی ٹیم اپنے کپتان ناصر حسین کی قیادت میں لگاتار 3 ٹسٹ میچوں میں کامیابی کے بعد بلند عزم و حوصلہ کے ساتھ اپنی کامیابیوں کا سفر جاری رکھنے کیلئے میدان میں اتری۔ لگاتار 3 ٹسٹوں میں کامیابی 1981ء کے بعد اپنی سرزمین پر یہ انگلینڈ کی سب سے بہتر کارکردگی ہے۔

پہلی اننگز میں شاندار سنچری بنانے والے سہواگ

اس کے برعکس لارڈس میں کھیلے گئے پہلے ٹسٹ میں 170 رنوں سے شکست کے باوجود گنگولی پرامید تھے کہ ان کے کھلاڑی بہتر مظاہرہ کریں گے۔ میچ کے آغاز سے قبل ٹرینٹ برج کے گراؤنڈس مین اسٹیو برکس نے پچ کے بارے میں کہا کہ اس پچ پر گیندیں اِدھر اُدھر جائیں گی اور یقیناً ہندوستانی بلے بازوں کو جو چاہتے ہیں کہ گیند سیدھے ان کے بلے پر آئے یہ پچ یقیناً مشکلات پیدا کرے گی۔ انہوں نے مزید کہا کہ ناٹنگھم میں زبردست بارش کے سبب پچ بھی جگہ جگہ سے ٹوٹ پھوٹ گئی ہے اور مزید بارش پچ کو اور بھی خراب کرسکتی ہے۔ اس قیاس آرائی کو ہندوستانی ٹیم کے بیٹسمنوں نے پہلی اننگز میں صحیح ثابت کرنے کی حتی المقدور کوشش اس وقت کی جب ہندوستان نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن وسیم جعفر جنہوں نے پہلے ٹسٹ کی دوسری اننگز میں بہترین بلے بازی کی تھی، اپنے اس شاندار مظاہرہ کو دوہرا نہیں سکے اور بغیر کوئی رن بنائے پویلین لوٹ گئے۔

ابھی ہندوستان اس صدمے سے سنبھلا بھی نہیں تھا کہ ڈراویڈ بھی ہوگارڈ کا شکار ہوگئے۔ اب ساری نگاہوں کا مرکز سچن تنڈولکر بن گئے اور ہمیشہ کی طرح سچن پر ایک مرتبہ پھر اچھا کھیل پیش کرنے کا دباؤ پڑ گیا۔ یہ سچن کا 98 واں ٹسٹ تھا۔ اس سے قبل انگلینڈ کے تیز گیند باز سچن کے سینے کی طرف اچھلتی ہوئی گیند پھینک کر ماسٹر بلاسٹر کو اپنا شکار بنانے میں کامیاب ہورہے تھے۔ جب سچن کی توجہ اس جانب مبذول کرائی گئی تو انہوں نے ایک انٹرویو میں اسطرح کا خیال ظاہر کیا "مجھے پتہ ہے کہ میں کیا کررہا ہوں،

غضب کا مظاہرہ : مائیکل وان :

میرا خیال ہیکہ لوگ ضرورت سے زیادہ ردعمل کا اظہار کررہے ہیں، لوگ کیا لکھ رہے ہیں مجھے اس کی قطعی فکر نہیں، مجھے کیا کرنا چاہئے میں اس کے بارے میں فکرمند ہوں۔ میں میدان پر جاکر اپنا فطری کھیل پیش کرنا چاہتا ہوں"۔ لیکن سچن تنڈولکر جن سے کافی امیدیں وابستہ

ماہر وکٹ کیپر اور بلے باز الیک اسٹیورٹ

تھیں وہ اس بار پھر ناکام رہے اور کورک کی گیند پر بولڈ ہوگئے۔ ہندوستان کو اس نازک صورتحال سے نکالنے کی بھرپور کوشش سہواگ نے کی۔ سہواگ اور گنگولی ان نازک حالات کو استحکام دینے کی کوشش میں جٹ گئے۔ سہواگ نے اس دوران اپنی سنچری مکمل کی۔ ویریندر سہواگ کی یہ دوسری اور ٹرینٹ برج پر کسی ہندوستانی کی بنائی ہوئی تیسری سنچری ہے۔ لیکن ابھی وہ اپنی سنچری کی تکمیل کا جشن منا ہی رہے تھے کہ وائٹ نے انہیں بولڈ کرکے ہندوستان کی امیدوں کو دھکہ پہونچایا۔ اس نقصان کی تلافی ہربھجن نے کی جنہوں نے شاندار ہاف سنچری بنائی اور اسطرح ہندوستان 357 رنز پر آل آؤٹ ہوگئی۔

انگلینڈ نے اپنی اننگز کا آغاز دھواں دھار انداز میں کیا۔ خاص طور پر مائیکل وان غضبناک فارم میں دکھائی دیے۔ وان نے ہندوستانی بولروں کی جم کر پٹائی کی لیکن وہ ڈبل سنچری بنانے سے محروم رہے۔ اس کے بعد مڈل آرڈر نے انگلینڈ کی اننگز کو مزید استحکام بخشا خاص طور پر فلنٹاف اور اسٹیورٹ ظہیر خان کا شکار بننے سے قبل ہندوستانی مشکلات میں اضافہ کرتے رہے۔ ان تمام بیٹسمنوں کی مدد سے انگلینڈ 617 رنز کا ہمالیائی اسکور کھڑا کرنے میں کامیاب رہا۔

انگلینڈ کے وکٹ کیپر بیٹسمین الیک اسٹیورٹ اپنے

لک کیلئے سب سے زیادہ ٹسٹ رن بنانے والے چوتھے بلے باز بن گئے ۔ ہندوستان کے خلاف دوسرے ٹسٹ کے چوتھے دن 87 رنز بناکر یہ اعزاز حاصل کیا ۔ اسطرح اسٹیورٹ نے مائیک آتھرٹن کوپانچویں نمبر پر ڈھکیل دیا۔ انگلینڈ کی طرف سے سب سے زیادہ ٹسٹ رن بنانے والے بلے باز گراہم گوچ ہے جنہوں نے 8900 رنز بنائے اس

۔ ڈراویڈ اس وقت خوش قسمت رہے جب 73 رنز کے انفرادی اسکور پر ایمپائر نے انہیں ہوگارڈ کی گیند پر کیچ کی اپیل کو رد کردیا۔ اس موقع کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے ڈراویڈ نے انگلینڈ کے خلاف اپنی پہلی سنچری مکمل کی ۔ ڈراویڈ 115 رنز بناکر کورک کا شکار بنے۔ لکشمن ناصر حسین کے فیلڈنگ کی سجاوٹ کے جال میں پھنس گئے اور

شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" دیا گیا۔
گنگولی ہندوستان کی دوسری اننگز میں بنائے گئے 424 رنز اور ٹسٹ ڈرا ہوجانے پر بھی مسکرائے نہیں۔ حالانکہ دوسری اننگز میں راہول ڈراویڈ (115)، تنڈولکر (92) اور گنگولی نے (99) رنز بنائے لیکن یہاں گنگولی کے لئے مسئلہ بولنگ کا تھا جو انہیں پریشان کر رہا تھا۔ یقیناً یہ پچ

کے بعد ڈیوڈ گاور اور جیف بائیکاٹ کا نمبر ہے ۔ ٹسٹ کرکٹ کی تاریخ میں سب سے زیادہ 11174 رن آسٹریلیا کے ایلن باڈر نے بنائے ہیں۔ اسٹیورٹ کرکٹ کی عالمی تاریخ میں سب سے زیادہ رن بنانے والے بلے بازوں کی فہرست میں بارہویں نمبر پر آگئے ہیں۔
انگلینڈ کی پہلی اننگز 617 رنز کے جواب میں ہندوستان نے دوسری اننگز کا بہت خراب آغاز کیا اور اپنے پہلے 2 وکٹ صرف 11 رنوں پر گنوادیے ۔ پہلی اننگز میں شاندار سنچری بنانے والے سہواگ بغیر کوئی رن بنائے اننگز کی دوسری گیند پر ایل بی ڈبلیو ہوگئے۔ اس کے بعد وسیم جعفر بھی دیر تک ٹک نہیں سکے اور وہ بھی دوسرے اوور میں صرف 5 رنوں پر ایل بی ڈبلیو ہوگئے۔ سچن تنڈولکر جب راہول ڈراویڈ کا ساتھ دینے کیلئے آئے تو اس وقت اسکور 2 وکٹوں کے نقصان سے صرف 11 رنز تھا۔ بالآخر ہندوستان ان حالات سے نکلنے میں کامیاب رہا اور ٹسٹ ڈرا ہوا۔ پانچویں اور آخری دن ٹرینٹ برج پر کئی سنسنی خیز اتار چڑھاؤ آئے ۔ گنگولی ، تنڈولکر اور ڈراویڈ کی بہترین بیٹنگ کے بعد درمیان میں وکٹوں کے ایک دم لڑکھڑانے سے ہندوستانی خیمے میں مایوسی اور انگلینڈ کے خیمے میں کامیابی کی امیدیں روشن ہونے لگیں ۔ لیکن 17 سالہ نوجوان کھلاڑی پارتھیو پاٹل اور ظہیر خان نے اس نازک صورتحال سے اپنی ٹیم کو نکالکر ٹسٹ ڈرا کرنے میں کامیاب رہے۔
ہندوستان نے کھیل کے آخری دن پہلے دو سیشن میں صرف دو وکٹیں کھوئیں۔ سچن تنڈولکر شاندار 92 رنز 113 گیندوں میں 17 چوکوں کی مدد سے بنانے کے بعد مائیکل وان کی ایک گیند پر بولڈ ہو کر پویلین لوٹ گئے

پویلین لوٹ گئے۔ اس کے فوری بعد 99 رنز پر گنگولی بولڈ ہوگئے، اگرکر 32 رنز بناکر وان کا شکار بنے۔ اس کے بعد ہربھجن بھی ہرمنس کی گیند پر بولڈ ہوگئے اس مرحلے پر ایسا لگ رہا تھا کہ شاید انگلینڈ دوبارہ جیت کی راہ پر چل پڑا ہے لیکن ظہیر اور پارتھیو پاٹل جدوجہد کے بعد بالآخر ٹسٹ ڈرا کرنے میں کامیاب رہے۔ مائیکل وان کو ان کے

بیٹنگ کیلئے سازگاری تھی لیکن یہ بھی حقیقت ہیکہ ہندوستان کو انگلینڈ کے بولرس نے دو دفع قریب قریب آل آؤٹ کیا ۔ جبکہ انگلینڈ نے ایک اننگز میں 617 رنز بنائے۔
ہندوستانی اننگز ڈکلیر کیے جانے کے بعد انگلینڈ کی ٹیم نے اسپورٹس مین شپ کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوستان کے 17 سالہ وکٹ کیپر کی قیادت میں پویلین کا سفر کیا۔

ناٹنگھم (ٹرینٹ برج) میں ہند۔انگلینڈ ٹسٹ میچس۔ایک جائزہ

ہندوستان نے اس ٹسٹ سے قبل ناٹنگھم میں اپنے 13 دوروں میں صرف دو ٹسٹ میچ کھیلے، اس گراؤنڈ پر ہندوستان کا یہ تیسرا ٹسٹ میچ تھا۔ ہندوستان نے اس گراؤنڈ پر اپنا پہلا ٹسٹ میچ 1959ء میں کھیلا۔ اس وقت ہندوستانی ٹیم ناتجربہ کار تھی اور اس کی قیادت ڈی کے گائیکواڈ کر رہے تھے۔ انگلینڈ نے اس ناتجربہ کار ٹیم کو چار دن کے اندر ہی ایک اننگز اور 59 رنز سے شکست دیکر اس گراؤنڈ پر کامیاب شروعات کی۔
دوسری بار جب انگلینڈ نے 1996ء میں اس میدان پر ہندوستان کا سامنا کیا تب ہندوستانی ٹیم تجربہ کی بھٹی میں تپ کر کندن بن چکی تھی اور اس کی قیادت ہندوستان کے سب سے باصلاحیت اور کامیاب کپتان اظہرالدین کر رہے تھے۔ اس ٹسٹ میں دونوں ٹیموں کی جانب سے بیٹنگ کا شاندار مظاہرہ دیکھنے کو ملا۔ اس وقت ہندوستانی ٹیم کی قیادت کرنے والے گنگولی نے اپنے ٹسٹ کیریئر کا اسی میدان سے آغاز کیا۔ گنگولی اور تنڈولکر نے ہندوستانی اننگز کو اپنی سنچریوں سے استحکام بخشا جبکہ ناصر حسین اور مائیک آتھرٹن نے جواب میں سنچریاں بنائی اور اسطرح یہ ٹسٹ ڈرا ہوگیا۔

نمبر	سیزن رٹسٹ	ٹیمیں	اسکورس	کپتان	نتیجہ
1.	1959 (پہلاٹسٹ)	انگلینڈ* ہندوستان	422 206 & 157	پی بی ایچ مئے ڈی کے گائیکواڈ	انگلینڈ نے ہندوستان کو فالو آن پر مجبور کرتے ہوئے یہ میچ ایک اننگز اور 59 رنز سے جیتا۔
2.	1996 (تیسراٹسٹ)	ہندوستان* انگلینڈ	521 & 211 564	محمد اظہرالدین مائیک آتھرٹن	دونوں ہی ٹیموں کی جانب سے بہترین بلے بازی کے مظاہرہ کے سبب یہ ٹسٹ ڈرا ہوگیا۔
3.	2002 (دوسراٹسٹ)	ہندوستان* انگلینڈ	357&424/8 617	سورو گنگولی ناصر حسین	انگلینڈ کی ٹیم کے بہتر مظاہرہ کے باوجود اس ٹسٹ کا کوئی نتیجہ نہیں نکل سکا۔

* پہلے بیٹنگ کرنے والی ٹیمیں۔

سریش کلمڈی کی خدمات قابل تعریف ہیں

مانچسٹر کامن ویلتھ (دولت مشترکہ) میں شرکت کرنے والے وفد کے پاس اپنی کامیابیوں کا جشن منانے کیلئے اتنی وجوہات موجود ہیں جتنی اس شہر (مانچسٹر) کے دوستانہ شہریوں اور اس کھیل کے انتظامیہ کے پاس ہوسکتی ہیں۔ گزشتہ ماہ جب ملکہ الزبتھ ثانی کے ہاتھوں ان کھیلوں کا اختتام ہوا تو بلا تفریق سبھی نے یہ قبول کیا کہ 11 دنوں پر مشتمل یہ اسپورٹس میلہ انتہائی غیر معمولی طور پر کامیاب رہا۔ خیال رہے کہ یہ ملکہ الزبتھ کی تاجپوشی کا گولڈن جوبلی سال ہے اور شاید اس سلسلے کا یہ سب سے بڑا جشن ثابت ہوگا۔ ہندوستانی اتھیلیٹوں نے دولت مشترکہ کھیلوں میں ہندوستان کی اب تک کی سب سے بہترین کارکردگی پیش کی۔ دولت مشترکہ کھیلوں میں ہندوستان نے کل 72 میڈل، 32 گولڈ، 21 سلور اور 19 برونز حاصل کیے اور
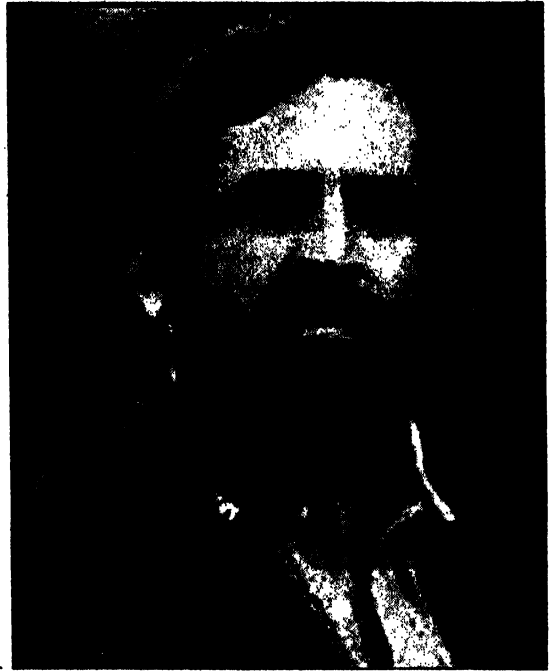
میڈلوں کی فہرست میں وہ صرف آسٹریلیا اور انگلینڈ سے پیچھے رہا۔ حالانکہ کناڈا نے کل 114 میڈل (31 گولڈ، 41 سلور اور 19 برونز) حاصل کیے مگر اسے ہندوستان کے بعد چوتھے مقام پر رکھا گیا۔ خیال رہے کہ فہرست میں ٹیموں کی آخری پوزیشن گولڈ میڈلوں کی بنیاد پر طے کی جاتی ہے۔ یہاں اس بات کا تذکرہ کیا جاسکتا ہے کہ اولمپکس، دولت مشترکہ اور ایشیائی کھیلوں جیسے بین الاقوامی مقابلوں کی پوزیشن Unofficial ہوتی ہے اور بین الاقوامی اولمپک کمیٹی (آئی او سی)، بین الاقوامی اولمپک کی نگراں باڈی اسے قبول نہیں کرتی۔ ان سب حقائق کے باوجود اس کامیابی کیلئے انڈین اولمپک اسوسی ایشن (آئی او سی) کے صدر سریش کلمڈی کی تعریف نہ کی گئی جس کے وہ حقدار ہیں تو یہ ان کے تئیں ناانصافی ہوگی۔ جب پونے کے اس سیاستداں نے آئی او سی کا کام کاج سنبھالا تو یہ ادارہ انتہائی بدنظمی کا شکار تھا۔ سریش کلمڈی لائق ستائش ہیں کہ انہوں نے اپنی ذمہ داری بحسن وخوبی انجام دی۔ ہم اس موقع پر سریش کلمڈی کو مبارکباد پیش کرتے ہیں مگر ساتھ ہی ایک مشورہ یہ بھی ہے کہ وہ 2010ء کے دولت مشترکہ گیمز کی میزبانی جیسے کہ اطلاع ملی ہے حاصل ہو نمائشی کام ترک کرکے اپنی کامیابیوں کو مزید استحکام بخشنے کا کام کریں۔

سریش کلمڈی کے ساتھ ساتھ مانچسٹر گیمز کی کامیابی میں مددگار ثابت ہونے والے انڈین اولمپک اسوسی ایشن کے ذمہ داران بھی مبارکباد کے مستحق ہیں، جن کی شب و روز کی محنت نے ہندوستان کو دولت مشترکہ کھیلوں میں عروج پر پہونچایا۔

دولت مشترکہ کھیلوں میں ممنوعہ دواؤں کا تنازعہ

ہندوستان کی دولت مشترکہ میں عظیم الشان کامیابیوں کا جشن ابھی شروع بھی نہیں ہوا تھا کہ ممنوعہ دواؤں کے استعمال کے تنازعہ نے گویا اس کامیابی کے مزہ کو کرکرا کردیا۔ اس تنازعہ پر برہم کھیلوں کی وزیر اوما بھارتی نے کہا ہے کہ وہ اس معاملہ کی اعلی سطحی جانچ کرائیں گی اس تنازعہ کے نتیجہ میں ہندوستان 2 طلائی تمغوں اور 17 ویں دولت مشترکہ کھیلوں میں تیسری پوزیشن سے محروم ہوسکتا ہے۔ اوما بھارتی نے کہا کہ اگرچہ ابھی فائنل رپورٹ آنی باقی ہے لیکن مجھے لگتا ہے کہ کہیں کچھ گڑبڑ ہے۔ اس کی تفصیلی جانچ ہوگی۔ 2 طلائی تمغے جیتنے والے ستیش رائے دوسرے ہندوستانی ویٹ لفٹر ہے جنہیں ممنوعہ دواؤں کے استعمال کا قصوروار ٹھہرایا گیا ہے۔ رائے نے 77 کلوگرام کے زمرہ میں 2 طلائی اور ایک کانسے کا تمغہ جیتا ہے۔ اس سے پہلے 62 کلوگرام کے زمرہ میں کرشنن مدسائی کو ممنوعہ دوا کے استعمال کیلئے تین نقرئی تمغوں سے محروم کیا گیا تھا۔ اوما بھارتی نے کہا کہ انڈین

اولمپک اسوسی ایشن اور اسپورٹس اتھارٹی آف انڈیا نے کھلاڑیوں کے ممنوعہ دوائیں استعمال کرنے کے سلسلہ میں ہر طرح کی احتیاط برتی تھی اور ضروری قدم اٹھائے تھے۔ اوما بھارتی نے کہا کہ ہندوستانی کھلاڑیوں کی شاندار کارکردگی کو دیکھتے ہوئے یقین نہیں آتا کہ ایسا ہوا ہوگا۔ انہوں نے کہا کہ شاید کچھ حلقوں کو یہ بات اچھی نہیں لگی کہ ہندوستان ان بلندیوں تک پہنچنے میں کامیاب رہا۔ انڈین اولمپک اسوسی ایشن کے صدر سریش کلمڈی نے اس کے برعکس یہ کہا کہ اگر کوئی قصوروار ثابت ہوا تو اس کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ کھلاڑیوں نے بہرحال اس تنازعہ پر حیرت اور صدمے کا اظہار کیا ہے اور کہا کہ 2 طلائی تمغوں سے محرومی اور کھسک کر چوتھے مقام پر آجانا مایوس کن ہوگا۔

سری لنکا کا مراقش میں بہتر مظاہرہ

کہتے ہیں جب انسان نے پہلے پہل پرندوں کو فضاء کی لامحدود وسعتوں میں اڑان بھرتے ہوئے اور ہوا کے دوش پر اٹھکیلیاں کرتے ہوئے دیکھا تو اس کے من میں بھی یہ خواہش جنم لینے لگی کہ وہ بھی ان پرندوں کی طرح فضاء میں ہواؤں کے راگ پر رقص کرتے ہوئے پرواز کرے۔ اس خواہش کو دو انسانوں نے عملی جامہ پہنایا اور پہلی بار کسی انسان نے پرندوں کی طرح پرواز کی۔ ان دو میں سے ایک شخص سمجھ دار تھا اور اپنے پرواز کی حد بخوبی جانتا تھا جب کہ دوسرے شخص نے اپنے مومی پروں کا خیال کیے بغیر فضاء کی لامحدود وسعتوں میں گم ہونے کی خواہش میں اتنی اوپر پہونچ گیا کہ جہاں سے کوئی واپس نہیں لوٹتا۔ ایسا ہی کچھ حال مراقش میں پاکستانی ٹیم کا بھی ہوا جس نے ایک آسان میچ میں بونس پوائنٹ کی دھن میں درکار پوائنٹس بھی گنوا دیے اور ٹورنمنٹ سے آؤٹ ہو گئی۔

براعظم افریقہ کے حسین ترین ملک مراقش کے شہر تنجیر میں پاکستان، سری لنکا اور جنوبی افریقہ کے درمیان دلچسپ اور سنسنی خیز سہ فریقی ٹورنمنٹ کھیلا گیا۔ جس کا اہتمام شارجہ میں کرکٹ کا میلہ سجانے والے اور سی بی ایف ایس کے روح رواں عبدالرحمٰن بخاطر نے کیا۔ بخاطر نہ صرف شارجہ اور مراقش بلکہ دیگر ممالک میں بھی کرکٹ ٹورنمنٹ منعقد کروا کر اس کھیل کو مزید وسعت دینا چاہتے ہیں۔ شارجہ کی طرح یہاں بھی بینفشریز کیلئے رقم مختص کی گئی۔ بخاطر نے اس ٹورنمنٹ کو دلچسپ بنانے کی ہر ممکن کوشش کی اور مراقش کو 18 واں ملک بنادیا جہاں ونڈے کرکٹ کھیلی گئی۔ ونڈے کرکٹ کی مقبولیت کو مد نظر رکھتے ہوئے انہوں نے مراقش میں دو کرکٹ اسٹیڈیم کی تعمیر پر اب تک 15 ملین ڈالر خرچ کیے ہیں۔ ٹورنمنٹ کے آغاز سے قبل پاکستان کو اس کپ کی مضبوط دعویدار سمجھا جا رہا تھا لیکن نتیجہ بالکل اس کے برعکس رہا۔ مراقش ٹورنمنٹ میں شریک تینوں ٹیموں پاکستان، سری لنکا اور جنوبی افریقہ نے ایک ساتھ کسی ٹورنمنٹ میں آخری مرتبہ سری لنکا میں منعقدہ سنگر ٹرافی ٹرائینگولر ٹورنمنٹ میں شرکت کی تھی جس کے فائنل میں سری لنکا نے جنوبی افریقہ کو ہرا کر ٹورنمنٹ جیتا تھا۔ اس ٹورنمنٹ کے بعد ان تینوں ٹیموں نے دیگر آٹھ ٹیموں کے ہمراہ اکتوبر 2000ء میں نیروبی میں کھیلے گئے 11 ملکی آئی سی سی ناک آؤٹ ٹورنمنٹ میں شرکت کی تھی اور ٹورنمنٹ کا فائنل نیوزی لینڈ اور ہندوستان کے درمیان کھیلا گیا جس میں نیوزی لینڈ نے کامیابی حاصل کر کے اپنا پہلا انٹرنیشنل ٹورنمنٹ جیتا تھا۔ حیرت انگیز طور پر مراقش میں بھی نتیجہ کچھ اسی طرح کا ہے لیکن اب کی بار سری لنکا کو آئی سی سی چیمپئنس ٹرافی میں اپنے ملک میں ہی حصہ لینا ہے۔ مراقش میں کھیلے گئے میچوں کے مختصر حالات پیش ہے۔

مراکش کے شہر طنجہ میں 12 سے 21 اگست تک دنیائے کرکٹ کی تین بہترین ٹیمیں پاکستان جنوبی افریقہ اور سری لنکا ایک دوسرے کی مدمقابل رہیں اور دو بہترین ٹیمیں فائنل کیلئے کوالیفائی ہو گئی۔ شمالی افریقہ کے اس اسٹیڈیم میں پہلا ونڈے انٹرنیشنل ایک دوسرے کی طاقت سے بہ خوبی واقف پاکستان اور جنوبی افریقہ کے درمیان 12 اگست کو کھیلا گیا۔ جنوبی افریقہ نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ اوپنر ہرشل گبز اننگز کے ہیرو رہے۔ انہوں نے ونڈے انٹرنیشنل میں اپنی ساتویں سنچری 8 چوکوں اور 3 چھکوں کی مدد سے 130 گیندوں میں مکمل کی۔ نکی بوئے نے 45 گیندوں پر 52 رنز 2 چھکے اور 5 چوکوں کی مدد سے بنائے۔ ہرشل گبز اور جونٹی رہوڈز نے چوتھے وکٹ کی رفاقت میں 120 رنز کا اضافہ کیا جبکہ گبز اور نکی بوئے نے تیسری وکٹ کی شراکت میں 85 رنز بنائے۔ رہوڈز 46 رنز بنا کر رن آؤٹ ہوئے۔ ایک مرحلے پر جنوبی افریقہ کا اسکور 3 وکٹ پر 256 رنز تھا لیکن وقار یونس نے 12 گیندوں پر 3 وکٹ حاصل کر کے رنز کی رفتار کم کی۔ وقار یونس نے 38 رنز دے کر 5 وکٹ حاصل کیے اسطرح جنوبی افریقہ نے مقررہ 50 اوورز میں 9 وکٹ پر 283 رنز بنائے۔ جواب میں بیٹسمنوں کی مایوس کن کارکردگی کے باعث پاکستانی ٹیم 43.2 اوورز میں 229 رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی۔ لانس کلوسنر نے بیٹنگ کی ناکامی کا ازالہ بولنگ میں کیا۔ انہوں نے 45 رنز دے کر 3 وکٹ حاصل کیے۔ جیک کیلس نے 18 ڈونالڈ نے 27 اور نکی بوئے نے 44 رنز کے عوض 2-2 کھلاڑیوں کو آؤٹ کیا۔ پاکستانی بیٹسمنوں کی ناکامی کا اندازہ اس بات سے لگایا جا سکتا ہے کہ اننگز میں کوئی بیٹسمین نصف

سنچری اسکور نہ کر سکا۔ جنوبی افریقہ کے بولروں اور فیلڈروں نے عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستانی بیٹسمینوں کو زیادہ مواقع نہیں دیا اور تین قومی مراقش کپ کرکٹ ٹورنمنٹ کے افتتاحی میچ میں پاکستان کو 54 رنز سے ہرادیا۔ آل راؤنڈر وسیم اکرم جنہوں نے سب سے زیادہ 335 ونڈے کھیلنے کا ریکارڈ قائم کیا ایک بھی وکٹ لینے میں ناکام رہے۔ اکرم نے سب سے زیادہ ایک روزہ میچ کھیلتے ہوئے ہندوستان کے مایہ ناز کھلاڑی اظہرالدین کا 334 ونڈوں کا ریکارڈ توڑدیا۔ دولاکھ 50 ہزار ڈالرز کا ٹورنمنٹ مایوس کن انداز میں شروع ہوا۔ دنیا کی دوصف اول کی ٹیموں کو ایکشن میں دیکھنے کیلئے صرف 500 تماشائی گراؤنڈ میں موجود تھے۔ جنوبی افریقہ کے سابق کپتان ہنسی کرونئے کے انتقال کے باعث کھلاڑیوں نے سیاہ پٹیاں باندھیں اور ایک منٹ کی خاموشی اختیار کی۔

پہلے ہی میچ میں شکست کی وجہ سے پاکستان کیلئے ٹورنمنٹ کا دوسرا میچ اہمیت کا حامل ہوگیا جہاں اس کا مقابلہ سری لنکا سے ہوا۔ پاکستان کے یوم آزادی کے روز کھیلا جانے والا یہ میچ پاکستان کیلئے خوش قسمت ثابت ہوا اور اس کے بلے بازوں نے اس میچ میں بہتر کھیل کا مظاہرہ کیا۔ ابتداء میں سلامی بلے باز سعید انور نے بہتر کھیل کا مظاہرہ پیش کرتے ہوئے شاندار 70 رنز بنائے اس کے بعد انضمام الحق (63)، یوسف یوحنا (32) نے مڈل آرڈر میں اننگز کو استحکام بخشا۔ اس میچ کی خاصیت پاکستانی بیٹسمنوں کی آخری لمحات میں کی گئی تیز رفتار بیٹنگ رہی۔ یونس خان اور عبدالرزاق نے سری لنکائی بولروں کی لین اور لینتھ بگاڑ کر رکھ دی جس کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ یونس خان نے اپنے 56 رنز 39 گیندوں میں اور رزاق نے اپنے 29 رنز صرف 11 گیندوں میں بنائے۔ ان دونوں کھلاڑیوں نے واس کے ایک اوور میں 25 رنز بنائے۔ اسطرح پاکستان نے سری لنکا کے آگے جیت کیلئے 280 رنز کا نشانہ رکھا۔ جواب میں سری لنکا آٹھ وکٹوں کے نقصان سے صرف 251 رنز بنا سکی اور اس طرح پاکستان نے یہ میچ اٹھائیس رنز سے جیت لیا۔ سری لنکا کے بلے بازوں نے ابتداء میں بہتر کھیل کا مظاہرہ کیا لیکن کوئی بھی کھلاڑی وکٹ پر زیادہ دیر جم نہیں سکا اور اس طرح پوری ٹیم پچاس اوورں کے اختتام پر آٹھ وکٹ کے نقصان سے صرف 251 رنز بنا سکی۔ سری لنکا کی طرف سے جئے سوریا 36 ' اٹاپٹو 42 ' سنگاکارا 48 ' جیاوردھنا 32 اور آرنالڈ نے 37 ناٹ آؤٹ رنز بنائے جو سری لنکا کو درکار نشانہ تک پہنچانے میں ناکام رہے۔

پاکستان کے ہاتھوں شکست نے سری لنکا کو چوکنا کردیا۔ اب اسے ٹورنمنٹ میں دلچسپی برقرار رکھنے کیلئے افریقہ کے خلاف کامیابی حاصل کرنا ضروری تھا ورنہ اس کے ٹورنمنٹ سے باہر ہونے کے خطرات بھی پیدا ہوسکتے تھے۔ ان حالات کو پیش نظر رکھتے ہوئے سری لنکائی کپتان جئے سوریہ نے پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا اور تجربہ کار کرکٹر اروندا ڈی سلوا کی ناقابل شکست 73 رنز کی اننگز کی مدد سے 50 اوورز میں 7 وکٹ پر 267 رنز اسکور کئے۔ 1996ء ورلڈ کپ کے 37 سالہ ہیرو ڈی سلوا کا یہ 280 واں ونڈے میچ تھا جس میں انہوں نے اپنی 58 ویں نصف سنچری مکمل کی۔ اس ہمالیائی اسکور کو کھڑا کرنے کیلئے ڈی سلوا کا ساتھ کپتان سنت جئے سوریہ (49)، اٹاپٹو (35)، کمار سنگاکارا (41) اور جیاوردھنے (32) نے دیا۔ جئے سوریہ نے پوائنٹ پوزیشن پر ٹیلی میکاس کو دو چھکے اور شان پولاک کو ایک چھکا لگایا اور اٹاپٹو کے ساتھ پہلی وکٹ کی شراکت میں 84 رنز بنائے۔ ان کھلاڑیوں کی شاندار بیٹنگ کی مدد سے سری لنکا افریقہ کے آگے جیت کیلئے 268 رنز کا نشانہ رکھنے میں کامیاب رہا۔ جواب میں جنوبی افریقہ کی ٹیم 45 اوورز میں 174 رنز پر ڈھیر ہوگئی۔ گیری کرسٹن 55 اور لانس کلوسنر 32 ہی سری لنکائی بولروں کا سامنا کرنے میں کامیاب رہے۔ کپتان جئے سوریہ نے 3 وکٹ، گناوردھنے، دلہارا فرنانڈو اور اپل چندنا نے دو دو وکٹ لئے جبکہ سحر انگیز بولر متیا مرلی تھرن نے 10 اوور میں 12 رنز دیکر 1 وکٹ حاصل کی۔ اروندا ڈی سلوا کو ان کے شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" دیا گیا۔

مراقش کپ کے چوتھے میچ میں پاکستان کے خلاف سری لنکا نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن اس کے 3 وکٹ صرف 53 رنز پر گرگئے۔ ان جھٹکوں سے سنبھلتے ہوئے سری لنکا نے کپتان جئے سوریہ کے 97 نائب کپتان مہیلا جیاوردھنے کے 43 رنز اور رسل آرنالڈ کے قابل قدر 34 رنز کی مدد سے 242 رنز بنائے۔ جواب میں پاکستان 43.4 اوورس میں 203 رنز بنا کر آل آؤٹ ہوگئی۔ سوائے یوسف یوحنا (80) کے کوئی اور بیٹسمین قابل قدر مظاہرہ نہ کرسکا۔ جئے سوریہ کو ان کے شاندار مظاہرے پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔ اب پاکستان کو اس ٹورنمنٹ میں برقرار رہنے کیلئے افریقہ کے خلاف کامیابی حاصل کرنا ضروری تھا۔ پانچویں میچ میں شان پولک نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا لیکن گبس وسیم اکرم کی پہلی ہی گیند پر راشد لطیف کو کیچ دے بیٹھے۔ اگلے اوور میں وقار یونس نے جیک کیلس (3) کو بولڈ کردیا۔ گرہم اسمتھ (5) وسیم اکرم کی گیند پر ایل بی ڈبلیو ہوئے۔ جسٹن اونٹوگ (10) وقار یونس کی گیند پر انہی کے ہاتھوں کیچ آؤٹ ہوئے اور افریقہ 29 رنز پر 4 وکٹ کھوکر بحران میں مبتلا ہوگئی۔ ابھی وہ سنبھل ہی رہی تھی کہ 49 کے مجموعی اسکور پر جانٹی رہوڈز (11) اظہر محمود کا شکار بنکر پویلین لوٹ گئے۔ لیکن ڈیپنار اور مارک باؤچر نے حالات کو مزید بگڑنے سے روک دیا اور چھٹی وکٹ کی شراکت میں 78 رنز کا اضافہ کیا۔ ڈیپنار نے 55 اور مارک باؤچر نے 57 رنز بنائے۔ جب کہ لانس کلوسنر نے آخری لمحات میں 28 ناٹ آؤٹ رنز بنائے جس کی مدد سے آفریقہ 8 وکٹ پر 196 رنز بنا پائی۔ جواب میں پاکستانی ٹیم 48.3 ویں اور میں 188 رنز پر سمٹ گئی اور اس شکست کے ساتھ ہی وہ ٹورنمنٹ سے باہر ہوگئی۔ اس اہم میچ میں پاکستانی مڈل آرڈر بیٹسمین ذمہ دارانہ انداز میں نہیں کھیل سکے حالانکہ پاکستانی ٹیم نے بولنگ اور بیٹنگ کے شعبوں میں ابتدائی مرحلوں میں غیر معمولی کارکردگی کا مظاہرہ کیا اس کے باوجود وہ میچ میں کامیابی حاصل نہیں کرپائی۔ پاکستانی

اننگز کی شروعات مایوس کن رہی جب اننگز کی پانچویں ہی گیند پر عمران نذیر بولڈ ہوگئے۔ لیکن اس کے بعد شاہد آفریدی نے دھواں دھار اننگز کھیلی اور 40 گیندوں پر 62 رنز بنائے۔ ان کی شاندار اننگز میں 4 چھکے اور 6 چوکے شامل تھے۔ اور جب آفریدی کھیل رہے تھے تو ایسا لگ رہا تھا کہ پاکستان نہ صرف اس میچ میں کامیابی حاصل کرلے گا بلکہ درکار پوائنٹس کے علاوہ اسے بونس پوائنٹ بھی مل جائیگا لیکن آفریدی کے آؤٹ ہونے کے بعد لانس کلوسنر نے یوسف یوحنا (22) اور یونس خان کو دو مسلسل گیندوں پر آؤٹ کرکے پاکستانی جیت کی امیدوں پر سوالیہ نشان لگادیا۔ اگلے اوور میں عبدالرزاق کو نکی بوئے نے بولڈ کرکے پاکستان کو مزید بحران میں مبتلا کردیا۔ ایسے وقت میں پھر ایک بار مرد بحران انضمام الحق نے کامیابی کیلئے انتھک جدوجہد کی اور 75 گیندوں پر 2 چوکوں کی مدد سے 41 رنز بنائے۔ بدقسمتی سے وہ چھکا مارنے کی کوشش میں ہٹ وکٹ آؤٹ ہوگئے۔ اس کے بعد وسیم اکرم (11)، راشد لطیف (22) وقار یونس (1) رنز اور اظہر محمود (16) ناٹ آؤٹ پاکستان کو کامیابی نہیں دلاسکے اور جنوبی افریقہ کے ہاتھوں ڈرامائی انداز میں 8 رنز کی شکست کے بعد پاکستانی کرکٹ ٹیم مراقش کپ کرکٹ ٹورنمنٹ سے باہر ہوگئی۔ فاسٹ بولر ایلین ڈونالڈ کو جنہوں نے 43 رنز دیکر 4 وکٹ حاصل کیئے "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔ اور اسطرح ان فارم سری لنکا اور جنوبی افریقہ کے درمیان تین قومی مراقش کپ کا فائنل مقرر ہوا۔ لیگ میچوں میں افریقہ کو شکست دینے کے بعد سری لنکا کی ٹیم فائنل کی مضبوط دعویدار تھی۔ سری لنکا نے افریقہ کے خلاف پہلا میچ 93 رنز اور دوسرا 6 وکٹ سے جیتا تھا۔ لیکن پھر بھی اس کیلئے ایک لاکھ 20 ہزار ڈالرز کے ٹورنمنٹ کا فائنل آسان نہیں تھا۔ اس سے قبل شارجہ کپ میں بھی سری لنکا نے لیگ میچوں میں عمدہ کارکردگی دکھائی تھی لیکن فائنل میں پاکستانی ٹیم نے سری لنکا کو بہ آسانی شکست دی تھی۔ سری لنکا کے کپتان جئے سوریہ نے فائنل سے قبل چار اننگز میں 97,49,36 اور 47 رنز بنائے جو سری لنکا کیلئے حوصلہ افزا تھا جبکہ اس کے برعکس ہرشل گبس پاکستان کے خلاف پہلے میچ میں 114 رنز بنانے کے بعد ٹورنمنٹ کی دیگر تین اننگز میں صرف 12 رنز ہی بناپائے تھے اور یہ بات افریقہ کیلئے پریشانی کا باعث بن سکتی تھی۔ افریقی امیدوں اور سری لنکا کے بلند حوصلوں کے درمیان مراقش کپ کا فائنل شروع ہوا۔ سری لنکا کے کپتان سنت جئے سوریہ نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا اور خود 71 گیندوں پر 71 رنز 10 چوکے اور ایک چھکے کی مدد سے بنائے۔ جئے سوریہ 33 ویں اوور میں آؤٹ ہوئے اس وقت سری لنکا کا اسکور 2 وکٹ پر 167 رنز تھا لیکن اس کے بعد مڈل آرڈر بری طرح ناکام رہی اور 42 رنز پر 5 وکٹ گر گئے۔ حالانکہ جئے سوریہ اور اتاپٹو نے پہلی وکٹ کی رفاقت میں 15 اوورس میں 78 رنز بنائے۔ اتاپٹو 25 اور کمار اسنگا کارنے 40 رنز کی اننگز کھیلی۔ اروندا ڈی سلوا 33، جیاوردھنے 5، رسل ارنالڈ 13 اور چندنا نے 18 رنز اسکور کیئے۔ چمندا واس نے 18 گیندوں پر 18 (ناٹ آؤٹ) اور مرلی دھرن نے 11 (ناٹ آؤٹ) رنز بنائے۔ دونوں نے آٹھویں وکٹ کی شراکت میں قیمتی 26 رنز کا اضافہ کیا۔ اسطرح سری لنکا نے 50 اوورز میں 7 وکٹ پر 235 رنز بنائے۔ جواب میں جنوبی افریقہ کی ٹیم 48.3 اوورس میں 208 رنز بناکر آؤٹ ہوگئی اور سری لنکا نے جنوبی افریقہ کو دلچسپ مقابلے کے بعد 27 رنز سے شکست دیکر تین قومی مراقش کپ کرکٹ ٹورنمنٹ جیت لیا۔ ایک مرحلے پر سری لنکا کی یقینی کامیابی کو ٹالتے ہوئے مارک باؤچر اور ڈیپنار نے افریقہ کو فتح کے قریب کردیا تھا لیکن آخری لمحات میں پھر ایک بار سری لنکا نے میچ پر اپنی گرفت مضبوط کرلی اور مراقش کپ پر اپنی فتح کے نقوش درج کردیئے۔ پھر بھی ڈیپنار اور مارک باؤچر کی مزاحمت سے بھرپور اننگز ہمیشہ یادرکھی جائے گی۔ جنوبی افریقہ کی اننگز تباہ کن انداز میں شروع ہوئی ہرشل گبس (6) واس کا شکار بنے اوپنر کی حیثیت سے آنے والے لانس کلوسنر (13) کو دلہارا فرنانڈو نے ایل بی ڈبلیو کردیا۔ 52 کے اسکور پر چمندا واس نے گریم اسمتھ (15) کو بولڈ کردیا۔ جے کیلس نے 24 رنز بنائے۔ جانٹی رہوڈز (6) اور نکی بوئے (3) رن بناکر آؤٹ ہوئے۔ 91 رنز پر 6 وکٹ گرنے کے باوجود ڈیپانار اور مارک باؤچر نے میچ پر افریقہ کی گرفت مضبوط کرنے کی کوشش کی اور ساتویں وکٹ کی رفاقت میں 18.4 اورز میں 101 رنز بنائے۔ ڈیپنار 98 گیندوں پر 53 رنز بناکر گنارتنے کی گیند پر کیچ آؤٹ ہوئے اور اسطرح سری لنکا نے جنوبی افریقہ کو دلچسپ مقابلے کے بعد 27 رنز سے شکست دیکر تین قومی مراقش کپ کرکٹ ٹورنمنٹ پر اپنا قبضہ جمالیا۔ فاتح ٹیم کے کپتان جئے سوریہ کو میان آف دی میچ اور مین آف دی سیریز قرار دیا گیا۔ مراقش کپ کے ابتدائی پانچ میچوں میں پہلے بیٹنگ کرنے والی ٹیم نے کامیابی حاصل کی۔

جنوبی افریقہ نے مجموعی طور پر اب تک 26 ٹورنمنٹ میں شرکت کی اور 12 ٹورنمنٹ جیتے جب کہ سری لنکا نے 58 ٹورنمنٹس میں حصہ لیا اور اس نے 14 ٹورنمنٹس میں کامیابی حاصل کی۔

جنوبی افریقہ نے اپنا آخری ٹورنمنٹ ورلڈ ٹرائنگولر سیریز 8 فبروری 2002ء کو آسٹریلیا میں جیتا تھا، جس میں اس نے بسٹ آف تھری فائنل میں نیوزی لینڈ کو شکست دی تھی۔ سری لنکا نے اپنا آخری ٹورنمنٹ سری لنکا میں کھیلی گئی ٹرائنگولر سیریز 19 ڈسمبر 2001ء کو جیتا۔ فائنل میں اس نے ویسٹ انڈیز کو ہرایا تھا۔

اس ٹورنمنٹ کو ملاکر اب تک 114 ٹورنمنٹ دنیا کے 15 ملکوں میں ہوئے۔ شارجہ (متحدہ عرب امارات) میں 31، آسٹریلیا 25، سری لنکا 10، ہندوستان 9، انگلینڈ 8، جنوبی افریقہ 6، بنگلہ دیش 5، کینیا 4، سنگاپور 3، کینیڈا 3، نیوزی لینڈ 2، پاکستان 2، ویسٹ انڈیز، زمبابوے اور مراقش میں ایک ٹورنمنٹ ہوا جبکہ 2 ٹورنمنٹ مشترکہ طور پر پاکستان۔ ہندوستان اور آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ میں اور ایک ٹورنمنٹ مشترکہ طور پر تین ممالک پاکستان، ہندوستان اور سری لنکا میں انعقاد پذیر ہوا۔ ان تمام ٹورنمنٹس میں دنیا کے صرف 16 ممالک پاکستان، آسٹریلیا، ہندوستان، ویسٹ انڈیز، سری لنکا، جنوبی افریقہ، انگلینڈ، زمبابوے، نیوزی لینڈ، بنگلہ دیش، کینیا، متحدہ عرب امارات، مشرقی افریقہ، کینیڈا، ہالینڈ اور اسکاٹ لینڈ کی کرکٹ ٹیموں کو شرکت کا اعزاز حاصل ہوا۔

امیتابھ بچن کے کیریئر کی سنچری مکمل!

محمد عبدالسلام: فلم جرنلسٹ

امیتابھ بچن امسال اپنی فلم "کانٹے" کی ریلیز کیساتھ ہی اپنے کیریئر کی سنچری مکمل کرلینگے۔ یہ فلم سپٹمبر میں ریلیز کی جارہی ہے اس طرح امیتابھ بچن کی یہ فلم انکے کیریئر کی سوویں فلم ہوگی۔ ویسے امیتابھ بچن نے کل 118 فلموں میں کام کیا ہے لیکن ان میں 18 فلموں میں وہ مہمان اداکار رہے۔ امیتابھ بچن نے 1969ء میں ہی خواجہ احمد عباس کی فلم "سات ہندوستانی" سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا۔ امیتابھ بچن لمبی اننگز کھیلنے والا ایسا اداکار رہا ہے جس نے پہلی بار ہندوستانی پردہ سیمیں کے ہیرو کی امارت پرستی کو توڑا تھا وہ کبھی پردے کا بنا سنوارا گڈا نہیں رہا اور نہ ہی بہت اونچائی سے بولنے والا ہیرو جسے عام آدمی دیکھ تو سکتا ہے لیکن اپنے قریب محسوس نہیں کرسکتا۔ امیتابھ بچن نے عام طور پر لاوارث، غریب، زمانے کے ستائے ہوئے انسان کا کردار ادا کیا جو روز مرہ کی زندگی میں دیکھنے کو ملتا ہے اور عام انسان کے نزدیک ہے اس میں ایک خاص بات یہ بھی ہے کہ وہ کمزور تو ہے لیکن مجبور نہیں ہے وہ عام فلم بینوں کو ایک پیغام دینے والا ہیرو ثابت ہوا۔ ہمارے سماج میں متوسط اور اس سے نچلی سطح کے کچھ اصول رہے ہیں امیتابھ بچن ان اصولی کسوٹی پر کھرا اترا ہے۔ یہ اور بات ہے کہ امیتابھ بچن کا ستارہ ڈوبتا ابھرتا رہا ہے مگر ایسا کبھی نہیں ہوا کہ اسکے فلمی صنعت سے باہر ہونے کا خطرہ پیدا ہو۔ امیتابھ بچن کو فلمی دنیا کی چوٹی پر کھڑے ہوئے ایک لمبی مدت گذر چکی ہے اس اثنا میں کئی بار ایسا لگا کہ تیز اور تند ہوا کے جھکڑ اسے اسکے مقام سے ہٹادینگے مگر اسکی بے پناہ کشش اور زبردست فن اداکاری نے فلم بینوں کو باندھے رکھا اور شائقین کو ایسی روشنی میں رکھا جو اندھیرے کا احساس نہ دلاتی ہو خود امیتابھ بچن نام کے معنی بھی یہی ہے (کبھی ختم نہ ہونے والی روشنی) اور آج اپنے کیریئر کے 33 سال کی لمبی مدت گذرنے کے بعد بھی وہ اپنا مقام برقرار رکھنے کی خاطر اپنے فن اور اپنی صلاحیتوں کے بہتر سے بہتر مظاہرہ کے ذریعہ فلم بینوں کو اپنا پرستار بنائے رکھنے کے لئے کوشاں ہے۔ 1969 سے 2002ء کی انکی فلموں کا جائزہ لیں۔

1969ء سات ہندوستانی۔ 1971ء میں ریشماں اور شیرا، آنند، پیار کی کہانی، پروانہ، 1972ء میں بنسی برجو، ایک نظر، راستے کا پتھر، بامبے ٹو گوا، سنجوگ۔ 1973ء میں بندھے ہاتھ، گہری چال، سوداگر، زنجیر، ابھیمان۔ 1974ء میں کسوٹی، نمک حرام، روٹی کپڑا اور مکان، بے نام، مجبور۔ 1975ء میں دیوار، ضمیر، چپکے چپکے، ملی، شعلے، فرار۔ 1976ء کبھی کبھی، ہیرا پھیری، دو انجانے، عدالت، 1977ء میں ایمان دھرم، خون پسینہ، آلاپ، امر اکبر انتھونی، پرورش۔ 1978ء میں گنگا کی سوگندھ، بے شرم، ترشول، قسمیں وعدے، ڈان، مقدر کا سکندر، 1979ء میں دی گریٹ گیمبلر، جرمانہ، منزل، مسٹر نٹور لال، کالا پتھر، سہاگ۔ 1980ء میں دو اور دو پانچ، دوستانہ، رام بلرام، شان۔ 1981ء میں برسات کی ایک رات، نصیب، لاوارث، سلسلہ، یارانہ، کالیہ۔ 1982ء میں ستے پہ ستہ، بے مثال، دیش پریمی، نمک حلال، خوددار، شکتی۔ 1983ء میں ناستک، اندھا قانون، میان، پکار، قلی۔ 1984ء میں انقلاب، شرابی۔ 1985ء گرفتار، مرد۔ 1986ء میں آخری راستہ۔ 1988ء میں شہنشاہ، گنگا جمنا سرسوتی۔ 1989ء میں طوفان، جادوگر، میں آزاد ہوں۔ 1990ء میں

اگنی پتھ آج کا ارجن ۔ 1991ء میں ہم، محبوبہ، اندر جیت، اکیلا ۔ 1992ء خدا گواہ ۔ 1994ء میں انسانیت ۔ 1997ء مرتیوداتا ۔ 1998ء میجر صاحب، بڑے میاں چھوٹے میاں ۔ 1999ء لال بادشاہ، سوریہ ونشم، ہندوستان کی قسم، کہرام، سال 2000 محبتیں ۔ 2001ء میں ایک رشتہ، عکس، کبھی خوشی کبھی غم ۔ 2002ء میں آنکھیں، ہم کسی سے کم نہیں۔

امیتابھ بچن نے جن فلموں میں مہمان اداکار کا رول کیا ان میں گڈی، کنوارا باپ ۔ دوست، چھوٹی سی بات، کھٹا میٹھا، چرن داس، احساس، گول مال، چشم بدور، کمانڈر، جلوہ، ہیرو ہیرالال، کون جیتا کون ہارا، کرودھ، چاچا چا، پروفیسر پڑوسن، گھاتک، بیوی نمبر ون، امیتابھ بچن کی آنے والی فلموں میں کانٹے، ضمانت، اگنی ورشا، فریاد، اپرشوتم، ارمان، اعتبار وغیرہ شامل ہیں۔

شوٹنگ رپورٹ

امیتابھ بچن اور ہیما مالنی کی "باغبان" سات ریل مکمل

بی آر فلمس کے بیانر پر روی چوپڑہ کی ہدایت میں بنی فلم "باغبان" اس ہفتہ سات ریل مکمل ہوگئی ہے ۔ اتم سنگھ کی موسیقی سے سجی اس فلم میں امیتابھ بچن، ہیما مالنی، سمیر سونی، دیویا دتہ، ناصر خان، نکل، اوتار گل، ریمی سن اور اسرانی کام کررہے ہیں۔

"جانشین" مکمل

یف کے فلمس پرائیوٹ لمیٹڈ کی پیشکش "جانشین" اس ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے ۔ فیروز خان کی ہدایت میں بنی فلم کی موسیقی آنند راج آنند نے دی ہے ۔ فلم میں فیروز خان کے علاوہ فردین خان، سلینا جیٹلی، جانی لیور، پنکی پروانی، کشمیرا شاہ، ہرش چھایا، ارچنا پورن سنگھ شامل ہیں۔

تشار، کرینہ کی "جینا صرف میرے لئے" ریلیز کے لئے تیار

پوجا فلمس کے بیانر پر بنی پروڈیوسر واشو بھگنانی کی نئی فلم "جینا صرف میرے لئے" تمام مراحل کی تکمیل کے بعد ریلیز کے لئے تیار ہے ۔ طلعت جانی کی ہدایت میں بنی اس فلم میں کرینہ کپور اور تشار کپور نے مرکزی کردار نبھائے ہیں جبکہ دھنیں بنائیں ہیں ندیم شراون نے ۔

"دل ہے تمہارا" کی 6 ستمبر کو شاندار ریلیز

ٹپس فلمس لمیٹڈ نے اپنی فلم "دل ہے تمہارا" کو سارے ملک میں شاندار پیمانے پر یکساں طور پر ۶ ستمبر کو ریلیز کرنے کا اعلان کیا ہے ۔ کندن شاہ کی ہدایت میں بنی اس فلم میں ریکھا، پریتی زینٹا، ارجن رامپال، مہیمان چودھری، جمی شیرگل نے اہم کردار نبھائے ہیں ۔ موسیقی ندیم شراون نے دی ہے اس فلم کے آڈیو کی شاندار فروخت ہے ۔

اجئے دیوگن اور ارملا کی "بھوت"

ریکھا، اجئے دیوگن، ارملا ماتونڈکر، ودیک اوبرائے کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل ورما کارپوریشن کی نئی فلم "بھوت" کی شوٹنگ کا آغاز کردیا گیا ۔ فلم کی موسیقی سلیم ساگر دے رہے ہیں جبکہ فلم کو رام گوپال ورما ڈائرکٹ کررہے ہیں۔

ایشا پٹیل کی نئی فلم "دل دھڑکے بار بار"

وشاکا فلمس نے انیس بزمی کی ہدایت میں ندیم شراون کی دھنوں پر مشتمل ایک رومانی کہانی پر مشتمل فلم "دل دھڑکے بار بار" کی شوٹنگ کا آغاز کردیا ہے ۔ فلم کے اہم فنکار ہیں کرن ناتھ، ایشا پٹیل اور گریسی سنگھ۔

نئی فلمیں جو سیٹ پر گئیں

مارکیٹ ۔ ڈائرکشن پرکاش شاہ، موسیقی جتن دیپ سدیپ ۔ فنکار منیشا کوائرالا، آرین ویدیہ، یکتا مکھی، شویتا مینن۔

مسکان ۔ ڈائرکشن منش روہت، موسیقی نکھل ونئے، فنکار آفتاب شودسانی، گریسی سنگھ

قیامت ۔ ڈائرکشن ہری باویجہ، موسیقی ندیم شراون، فنکار اجئے دیوگن، سنیل شیٹی، ارباز خان سنجے کپور، چنکی پانڈے، گریسی سنگھ، ایشا کوپیکر۔

یہ دل ۔ ڈائرکشن تیجا، موسیقی اتم سنگھ،

فنکار تغار ۔ انیتا ۔ اکھیلندر مشرا ۔ شرد سکسینہ ۔ مشتاق خان ۔ سپریا کارنک ۔ سوربھ شکلا

زندگی بن گئے ہو تم ۔ ڈائرکشن ایم راجیش ۔ موسیقی نکھل ونئے ۔ فنکار ادتی گواتریکر ۔ انوپما ورما ۔ ارشد وراثی ۔ شکتی کپور ۔

بس یونہی ۔ ڈائرکشن راجیو راجہ ۔ موسیقی راجہ متین ۔ فنکار تندیتا داس ۔ پورب کوہلی ۔ راجیو ۔

فلمی خبریں

کلکتہ میں سوپر اسٹار امیتابھ بچن کی پوجا

کلکتہ اور بنگال کے پرستاران امیتابھ بچن نے وہاں امیتابھ بچن کے نام پر ایک مندر بنوائی اور امیتابھ بچن کی مورتی کی پوجا کا آغاز کیا ۔ یہاں ہر روز سوپر اسٹار کے سینکڑوں مداح انکی پوجا اور درشن کے لئے آرہے ہیں ۔ سوپر اسٹار

کے پوجنے والوں میں زیادہ تعداد نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کی بتائی جاتی ہے ۔

حیدر آباد میں مزید پانچ سنیما گھروں کی تعمیر

اب جبکہ حیدر آباد میں 83 سکندر آباد میں 14 اور رنگا ریڈی میں 57 سنیما گھر موجود ہیں بہت جلد مزید پانچ نئے سنیما گھروں کی تعمیر ہونے والی ہے ۔ چار سنیما گھر نکلیس روڈ پر واقع این ٹی آر گارڈن سے متصل ہونگے جن میں کلاس فلمیں چلائی جائیں گی اور ان سنیما تھیٹرس میں شائقین کی محدود تعداد کی گنجائش ہوگی جبکہ جوبلی ہلز میں بھی ایک عالیشان سنیما گھر کی تعمیر کا منصوبہ ہے جو کافی کشادہ ہوگا ۔

دلیپ کمار اور شاہ رخ خان ایکساتھ ، امیتابھ کی شمولیت متوقع

شومین سبھاش گھئی اکتوبر میں اپنی نئی فلم کی شروعات کرینگے جو بھاری لاگت سے بنائی جائیگی اس فلم میں دلیپ کمار اور شاہ رخ خان مد مقابل ہونگے ۔ فلم میں سیف علی خان اور پریتی زنٹا بھی اہم کردار نبھارہے ہیں ۔ قریبی ذرائع کے مطابق سبھاش گھئی نے پھر ایک بار اس فلم کی اسکرپٹ میں ردو بدل کا ارادہ کیا ہے اور کافی غور کے بعد انہوں نے فلمی دنیا کے تین عظیم فنکاروں دلیپ کمار ، امیتابھ بچن اور شاہ رخ خان کو ایکساتھ پیش کرنے پر غور کیا ہے ۔ اس خصوص میں کوئی قطعی فیصلہ نہیں کیا گیا لیکن سبھاش گھئی ان فنکاروں سے بات چیت کررہے ہیں ۔

موسمی چٹرجی کی بیٹی یش چوپڑہ کی اگلی فلم کی ہیروئن

جھیل کے اس پار جیسی کامیاب فلم کی سابقہ کامیاب اداکارہ موسمی چٹرجی جنکے ہزاروں دیوانے تھے اب اپنی جوان اور خوبصورت بیٹی کو فلموں میں لارہی ہے ویسے تو موسمی کو دوسری اداکاراؤں کی طرح اپنی بیٹی کو بھی فلمی پارٹیوں میں ساتھ گھماتے دیکھا تھا لیکن پچھلے دنوں انڈین ٹیلی

وژن اکیڈیمی کی پارٹی میں جہاں کئی نامور فلمساز بھی شریک تھے اپنی بیٹی کے ساتھ شرکت کی ۔ اس موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے یش چوپڑہ نے اپنی فلم کیلئے موسمی سے انکی بیٹی کی بات کی جو اشاروں تک رہی لیکن پریس والوں نے پتہ چلالیا کہ یش موسمی کی بیٹی کو اپنی فلم میں کاسٹ کررہے ہیں ۔

6 ستمبر سے 11 اکتوبر تک ریلیز ہونے والی فلمیں

6 ۔ سنو سسر جی ۔ بنتی کی شادی ہنی مون گبر کا ۔ رات کے سوداگر ۔ خوبصورت ۔ کھلاڑی ۔ لیڈی ٹارزن ۔ دل ہے تمہارا ۔ روڈ ۔ ایک چھوٹی سی لو اسٹوری ۔

13 ستمبر ۔ سسر ۔ ایسا کیوں

20 ستمبر ۔ شکتی دی پاور ۔ یہ کیا ہورہا ہے

27 ستمبر ۔ انصاف کی جنگ

11 اکتوبر ۔ دل دل پیار ویار ۔ ہتھیار ۔ یہ کیسی محبت ۔ دشمنی مارشل ۔ ایک ہندوستانی ۔ پیاسا ۔ ہندوستان واہ تیرا کیا کہنا ۔ کانٹے ۔ جال دی ٹراپ ۔

ہم بے چینی کیوں محسوس کرتے ہیں؟

بشیر محمود

ہم میں سے ہر ایک فرد ایک انجانے خوف واضطراب میں مبتلا نظر آتا ہے۔ وسوسے اسے گھیرے میں لئے رکھتے ہیں۔ انسان ہر وقت ڈرا ڈرا اور سہما سہما رہتا ہے۔ یہ انسان کی اندرونی کیفیت ہے جس کے باعث وہ بے چین رہتا ہے ہم یہ تو نہیں کہہ سکتے کہ ہر انسان اس کیفیت سے دوچار ہوتا ہے مگر ہم میں سے اکثر اس صورت حال سے ضرور دوچار ہیں۔

بعض لوگ اپنے آپ کو خواہ مخواہ بیمار سمجھتے ہیں۔ ایسے حضرات جو بیماریوں والے اشتہارات کا مطالعہ کرتے ہیں وہ اپنے آپ کو ہر قسم کی بیماری کا شکار محسوس کرتے ہیں۔ یہ لازما ایک سخت نفسیاتی صورتحال ہے جس سے مفر ممکن نہیں انسانی دماغ کی بناوٹ اس قسم کی ہے جس کو کمپیوٹر سے تشبیہہ دی جاسکتی ہے۔ بلکہ کمپیوٹر سے بھی زیادہ پیچیدہ جب کمپیوٹر میں کوئی ذرا سی خرابی پیدا ہوجائے یا کیلکولیٹر آزاد ہوجائے تو وہ غلط سلط ریزلٹ دینا شروع کردیتے ہیں۔ یہی حال انسانی دماغ کا ہے۔ دماغ کے سیل اگر ڈس آرڈر کا شکار ہوجائیں تو انسان کو مختلف انجانے خوف لاحق ہوسکتے ہیں۔ یا یوں کہہ لیجئے جب دماغ شارٹ سرکٹ کا شکار ہوجائے تو پیچیدہ صورتحال پیدا ہوسکتی ہے۔

صبح کے ابھی تین بجے ہوتے ہیں کہ بعض لوگ جاگ اٹھے ہیں ایسے میں کہ ہاتھ پاؤں پسینے سے شرابور ہوتے ہیں اور دل مسلسل دھک دھک کررہا ہوتا ہے۔ انجانے خوف کے سائے انسان کو گھیرے میں لئے ہوتے ہیں اور نیند کوسوں دور ہوتی ہے۔ حتیٰ کہ صبح ہوجاتی ہے اس دوران انسان کبھی اپنے بچوں کے متعلق پریشانی محسوس کرتا ہے کبھی اسے اپنے بوڑھے والدین کی فکر کھائے جارہی ہوتی ہے۔ اپنی ریٹائرمنٹ کے بعد زندگی کے متعلق وہ گہری سوچوں میں گم ہوتا ہے اپنی صحت کے متعلق اسے تشویش لاحق ہوتی ہے۔ کبھی وہ سوچتا ہے کہ دنیا افراتفری کا شکار ہے اس کا اور اس کے بال بچوں کا کیا بنے گا۔ ان سوچوں کے ساتھ ہی دن چڑھ جاتا ہے۔ اس بے خوابی سے اس کا سر بھاری ہوجاتا ہے اور وہ سخت بے قراری محسوس کرتا ہے۔ یہ سب کچھ دماغ کے سیلوں کے شارٹ سرکٹ کا کیا دھرا ہے۔

بعض لوگوں کی طبائع ہی ایسی ہوتی ہیں جو ہر وقت خوف ڈر اور وہم کا شکار رہتے ہیں۔ ایسے لوگ زندگی میں ناکام رہتے ہیں یہ لوگ حوصلے کے ساتھ زندگی میں پیش آنے والے مصائب کا مقابلہ کرنے میں ناکام رہتے ہیں۔ یہ ایک جذباتی کیفیت ہوتی ہے اس پر قابو بھی پایا جاسکتا ہے۔ نفسیاتی ماہر انسان کو حوصلہ دے کر اس کیفیت سے نکال سکتا ہے۔ اضطراب، ڈر اور خوف ایک احساس ہے جس کے پیچھے کچھ بھی کارفرما نہیں ہوتا یہ صرف ذہن کی پیداوار ہوتی ہے۔ جس سے چھٹکارا حاصل کیا جاسکتا ہے۔ بشرطیکہ انسان خود چھٹکارے کا تہیہ کرلے۔ اگر وہ ان احساسات و کیفیات کی بالکل پروا نہ کرے اور ان پر توجہ نہ دے اور انہیں محض وہم سمجھے تو کوئی وجہ نہیں کہ ان سے چھٹکارا نہ ہوسکے۔

بچپن کی حالت میں جب مائیں بچے کو کسی کام سے باز رہنے کے لئے جھوٹا ڈراوا دیتی ہیں تو بچے پر نفسیاتی اثر ہوتا ہے جس چیز جانور یا حشرات الارض کا اسے ڈراوا دیا جاتا ہے وہ بچے کے ذہن پر سوار ہوجاتی ہیں چنانچہ بچہ بڑا ہوکر ان سے خوف اور ڈر محسوس کرتا ہے۔ ہمارے ہاں والدہ بچے کو بھوت چڑیل کا ڈراوا دیتی ہیں جن سے پھر ساری عمر خوف زدہ رہتا ہے اور ان کے ڈر سے چھٹکارا حاصل نہیں کرپاتا لہذا کبھی بھی بچے کو ان چیزوں سے خوفزدہ نہیں کرنا چاہیئے۔

اب ذرا غور کیجئے کہ دنیا میں سانپ کی ہزاروں اقسام پائی جاتی ہیں۔ جن میں سے صرف چند ایک اقسام زہریلی ہیں مگر ہمیں سانپ سے اس قدر خوفزدہ کردیا گیا ہے کہ ہم اسے دیکھتے ہی بھاگ اٹھتے ہیں۔ یا مرنے مارنے پر تل جاتے ہیں اگر خدانخواستہ کسی کو سانپ کاٹ لے تو خواہ وہ بالکل زہریلا نہ ہو متاثرہ شخص صرف خوف اور دہشت سے ہی ہلاک ہوجاتا ہے۔ اس کا تجزیہ یہ کیا جاسکتا ہے کہ کسی کو سانپ کاٹ لے مگر اسے یہ علم نہ ہوسکے کہ اسے سانپ نے نہیں کاٹا ہے تو اسے کچھ بھی نہیں ہوگا۔ وہ اسے معمولی زخم سمجھ کر نظرانداز کردے گا اور اچھا ہوجائے گا۔ جونہی اسے بتایا جاتا ہے کہ اسے سانپ نے ڈسا ہے تو نفسیاتی طور پر اپاہج ہوجاتا ہے اور اکثر اوقات دل فیل ہوجانے کے سبب اس کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے۔

امریکہ میں گیارہ ستمبر کو جو ہولناک واقعہ رونما ہوا اس کے زخم اب کسی حد تک مندمل ہورہے ہیں مگر پورا ملک ایک انجانے خوف سے دوچار ہے۔ جس نے ان کی نیندیں حرام کر رکھی ہیں کہ کب کوئی پاگل دوبارہ جہاز کسی بلڈنگ سے ٹکرا کر تباہی وبربادی کا موجب بن جائے۔ یہ انجانا خوف لوگوں کو نفسیاتی اور جسمانی بیمار بنارہا ہے کہتے ہیں کہ دودھ کا جلا چھاچھ بھی پھونک کر پیتا ہے۔ یہی اب امریکیوں کی مثال ہے کہ وہ اس قدر ڈرے اور سہمے ہوئے ہیں ماہرین کے مطابق اضطراب اور خوف و ڈر کی وجہ ہمارے دماغ کے اندر چھپا ہوا ایک احساس ہے جو بچپن میں یا بعد میں کسی واقعے کے پیش نظر ہمارے دماغ کے اندر جاگزیں ہوگیا تھا اور پھر ایک وقت میں وہ عفریت بن کر سامنے آگیا ہے جو ہماری پریشانی کا باعث بن رہا ہے بعض واقعات ہمارے دماغ خوابیدہ ہوجاتے ہیں پھر ایک وقت آنے پر وہ کلبلانے لگتے ہیں اور ظاہر ہوجاتے ہیں جو ہمیں خوفزدہ کرتے رہتے ہیں۔

بعض لوگ پیدائشی طور پر بڑے وہمی حساس خوفزدہ اور سہمے سہمے واقع ہوتے ہیں۔ اس کے پیچھے کوئی جینیٹک وجہ نہیں ہوتی۔ ماہرین نفسیات ان دونوں کا معائنہ کرکے ان کا نفسیاتی علاج کرنے میں کامیاب بھی ہوجاتے ہیں۔ دماغ میں موجود انفاریشن پراسسنگ سسٹم کے

شارٹ کٹ کے باعث ہم وقوع پذیر ہونے سے پہلے ہی بعض خطرات سے آگاہ ہوجاتے ہیں۔ دباؤ یا خوف و ہراس ایک بیرونی کیفیت کے باعث وقوع پذیر ہوتا ہے جو خطرات کا احساس دلاتا ہے یہ احساسات نہ صرف انسانوں بلکہ حیوانوں میں بھی ظہور پذیر ہوتا ہے۔ اس کے بھی وہی آثار ہوتے ہیں جو خوف کے ہوتے ہیں۔ خوف و خطر خواہ زائل بھی ہوجائے مگر اس کے باوجود اس کے اثرات انسانی ذہن پر تادیر قائم رہتے ہیں اور ان سے پیچھا چھڑانا ناممکن ہوجاتا ہے۔

بعض لوگوں کو خود پتہ نہیں ہوتا کہ وہ ڈر اور خوف کے احساس کا کیوں شکار ہیں۔ انجانے خوف کے سبب بعض اوقات ہم پسینے سے شرابور ہوجاتے ہیں ہمارے ہاتھ پاؤں سن ہوجاتے ہیں دماغ ماؤف محسوس ہوتا ہے دل زور سے دھک دھک کرنے لگتا ہے بلڈ پریشر میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے اب یہ ماہرین کا کام ہے کہ دیکھیں کہ کیونکر انسان اس کیفیت سے دوچار ہے جب اس کی مادی وجوہات موجود ہی نہیں ہیں ماہرین انسان پر ایک عارضی کیفیت پیدا کرکے اس کا تجزیہ کرکے اس کا علاج کرسکتے ہیں۔ تاہم یہ عام ڈاکٹروں کے بس کا روگ ہرگز نہیں ہے۔ یہ رائے امریکی نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف مینٹل ہیلتھ کے ڈاکٹر وائن ڈریوٹ کی ہے ان کا کہنا ہے کہ جانوروں پر تجربہ کرکے معلوم کیا جاسکا ہے کہ وہ کس طرح خوف و ہراس کی کیفیت سے نکل پاتے ہیں۔ پھر اس کا تجربہ انسان پر کیا جاسکتا ہے۔ ماہرین نے اس کا تجربہ کرکے دیکھا انہوں نے خوفزدہ چوہوں کا آپریشن کرکے ان کے ہراس کی وجہ دریافت کرنے میں کامیابی حاصل کی ہے۔ روسیوں نے بھی چوہوں پر اس کا تجربہ کیا ہے۔ چوہوں کو خوفزدہ کرکے پھر ان کے دماغ کا آپریشن کیا گیا ہے اور اپنے خیال کے مطابق دماغ کا وہ حصہ جس کے متعلق ان کا خیال تھا کہ وہ ڈر اور سہم و خوف کا موجب ہورہا ہے اسے نکال باہر کیا ہے جس کے مثبت نتائج برآمد ہوئے تاہم یہ تجربہ انسان پر کیا جانا مشکل ہے۔ کیونکہ اس سے دماغ بالکل مفلوج ہوکر انسان کی موت بھی واقع ہوسکتی ہے تاہم سائنسدان یہ معلوم کرنے میں کامیاب ہوگئے ہیں کہ کس طرح خوف چوہے کے دماغ میں سرایت کرتا ہے پھر اس کی نقل و حرکت کی کیا صورت حال ہے؟

دماغ کے سیلوں کی پیوند کاری کے متعلق بھی سوچا جارہا ہے کہ دماغ کا آپریشن کرکے خوفزدہ سیلز نکال کر دوسرے سیلز شامل کردئے جائیں۔ یہ امید ضرور بندھی ہے کہ عصبی سیل جن کو دماغ میں امپلانٹ کیا جاتا ہے ضرور اور ضرور دماغ کے تباہ شدہ سیلز کی جگہ لے سکتے ہیں اور ریڑھ کی ہڈی کے زخم اور دماغی حملے کی وجہ سے دماغ کو پہنچا ہوا نقصان ضرور پورا کیا جاسکتا ہے اسی طرح پارکنسن جو ایک عصبی مرض ہے نیز الزہیمر کا بھی افاقہ ہوسکتا ہے۔ سیلز کی دماغ میں پیوند کاری بالکل اسی طرح ہے جس طرح آپ اپنے لان میں نرسری سے پودے لے کر دوبارہ لگاتے ہیں۔ یہ نظریہ بوسٹن کے بچوں کے ہسپتال نیز ہارورڈ میڈیکل اسکول کے عصبی فزیشن ایون سنڈر کا ہے۔ یاد رہے کہ ایوب سنڈر نے چوہوں پر اس قسم کے مرض کے حملے کے علاج کے لئے یہی طریقہ کار اختیار کیا تھا حال ہی میں دو نئی اختراعات نے دماغ کے عصبی کنکشن کی بحالی کو مہمیز دی ہے یہ سسٹم سیلز کو عصب سے علحدہ کرتا اور پھر ان کو امپلانٹ کرتا جس کے لئے ایک جدید طریقہ اختیار کرلیا گیا ہے۔ اس کے تجربات پہلے جانوروں پر کئے گئے تھے جہاں سیلز امپلانٹ کردئے جاتے ہیں یہاں ایک پیشرفت یہ ہوئی کہ سائنس دانوں نے معلوم کرلیا کہ نوجوان اشخاص کے دماغ خود بخود نئے سیل پیدا کرلیتے ہیں۔ حالانکہ اس سے پہلے یہ سمجھا جاتا تھا کہ برین سیلز کی کمی پورا ہونا ناممکن ہے اب ایسے کئی ادارے معرض وجود میں آنے لگے ہیں جو خود سیل ڈیولپ کرکے اس کی فروخت کا کاروبار شروع کریں گے اور اس کو ایک میڈیسن کی حیثیت دے دی جائے یعنی بازار سے تیار شدہ سیلز دوائی کی شکل میں دستیاب ہوں گے اسے ابھی کچھ تکنیکی چیلنجوں کا سامنا ہے کیونکہ سسٹم سیلز کا اکثر حصہ جنین سے حاصل کیا جاتا ہے۔

مگر نوجوان انسان کے دماغ کے سسٹم سیلز میں وہ لچک نہیں جو جنین کے مردہ سیلوں میں ہوتی ہے۔ ابھی تک اعصابی سسٹم سیلز اور جنین کے سسٹم سیلز کے سلسلہ میں کچھ تکنیکی مشکلات موجود ہیں جن کو حل کرنے میں وقت لگ سکتا ہے کیونکہ اس ضمن میں کئی تجربات کرنا مقصود ہوتے ہیں۔

بہرحال سیلز کی پیوند کاری صرف اس صورت میں کی جائے گی جب تجربے کے دوران انسانی دماغ کے خوف کے حصے کو نکالنے سے کوئی مسئلہ پیدا ہونے کا امکان موجود ہوگا۔

کیا یہ برین شارٹ سرکٹ کا نتیجہ ہے؟

دیکھنا یہ ہے کہ ہمارے دماغ کے اندر خوف و ہراس دہشت اور اضطراب کی جو کیفیت پیدا ہوتی ہے اس کا سبب آخر کیا ہے؟ اس کے مطابق یہ معلوم ہوا ہے کہ جب دماغ کے سیل کوئی دھمکی یا اونچی آواز سنتے ہیں یا کوئی برا اور ڈراؤنا نظارہ کرتے ہیں تو اس کی اطلاع دماغ کے دو مختلف روٹ اسے اخذ یا جذب کرتے ہیں۔ پہلا روٹ شارٹ کٹ روٹ کہلاتا ہے۔ اس میں جب کسی انسان کو ڈرایا دھمکایا جاتا ہے تو انسان کے دماغ میں ہاٹ لائن اسے وصول کرکے "خوف کے سنٹر" میں پہنچادیتی ہے۔ اسے امئ گیڈلا کا نام دیا جاتا ہے یہ حصہ اب پورے دماغ کو اس دھمکی سے مطلع کردیتا ہے۔ جس طرح ایک بلیٹن خبروں کی شکل میں ہمیں مطلع کرتا ہے جس کے نتیجے میں پورا نظام جسمانی اس سے متاثر ہوتا ہے اور ایسی صورت میں انسان کو ٹھنڈے پسینے آتے ہیں۔ ہاتھ اور پاؤں گیلے ہوجاتے ہیں۔ دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے۔ نارمل بلڈ پریشر میں اضافہ ہوجاتا ہے اور جسم کی حرارت کم ہوجاتی ہے۔

دوسری دماغ کی بائی روڈ ہے جہاں دھمکی یا خوف کا پیغام پہنچتا ہے یہ نالی سیلز کی قطار بلکہ پورے دماغ کو اس سے مطلع کرتی ہے۔ یہ دماغ کے سیلز کی اوپر والی سطح کو اطلاع فراہم کرتی ہے اور خود دماغ کا یہ حصہ فیصلہ کرتا ہے کہ اس ڈر یا دھمکی کو قبول کرے یا نہ کرے۔ جس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ جسم متحرک ہوکر خطرے کا مقابلہ کرنے کیلئے تیار ہوجاتا ہے۔

●●●●

نفیس بانو شمع

خالی کمان

کھلونے تو ہوتے ہی ہیں ٹوٹنے اور بکھرنے کیلئے اور پھر۔ مٹی کے کھلونے ان کی بساط ہی کیا۔ ذرا سی ٹھیس لگی اور ٹوٹ گئے۔ ویسے بھی ہر چیز اپنی اصل کی جانب لوٹتی ہے۔ لوٹنا چاہتی ہے۔ ہر شے کی حقیقت فنا ہے۔ مگر چودھری حسین اپنے داللان کے وسیع و عریض تخت پر بیٹھے سوچ رہے تھے کیا واقعی یہ تخت کبھی فنا نہیں ہوگا؟ کیا اسے کبھی موت نہیں آئے گی۔ یہ تخت جس کے اردگرد ہر پل یادوں کا بازار سجا رہتا ہے۔ پچھلے آٹھ سالوں سے وہ اس تخت پر مسلسل بیٹھا رہتا ہے۔ یہ تھکتا نہیں، ٹوٹتا نہیں اور مرتا بھی نہیں۔ شاید یہ کبھی نہیں مرے گا۔ کیونکہ فنا ہونے والے کچھ لوگ لافانی اشیاء چھوڑ جاتے ہیں۔ جنھیں کبھی موت نہیں آئے گی۔

اس تخت سے چودھری حسین کا رشتہ کیا تھا یہ تو وہی جانتے تھے یا پھر وہ، جو تعمیر و تخریب پر قادر ہے۔ وہ تو بس اتنا جانتے تھے کہ اب سے ساٹھ برس پہلے جب وہ شکوری کو بیاہ کر لائے تھے تو اس کے جہیز میں چاندی کے پاؤں والا یہ تخت بھی شامل تھا۔

اپنے کچے مکان میں چاندی کا تخت انہیں ہر لمحہ اپنی کم مائیگی کا احساس دلاتا رہتا اور انہیں یہ تخت دیکھ کر کوفت ہوتی۔ مگر ایک روز اچانک ہی انہوں نے محسوس کیا وہی ناپسندیدہ تخت ان کے دل سے گزرنے لگا ہے۔ ہوا یوں کہ اس روز چودھری حسین میاں نے اپنی نوبیاہتا بیوی شکوری کو تخت پر کچھ اس طرح دراز دیکھا کہ دیکھتے ہی رہ گئے۔ اسکی آنکھیں بند تھیں۔ سرہانے کی جانب لمبے اور ریشمی بال تخت کے نیچے فرش پر بکھرے پڑے تھے۔ رخسار پر سیاہ تل غلاف کعبہ کی طرح لپٹا ہوا تھا اور گلابی پاؤں میں چاندی کی پازیب اپنے خوابیدہ نغموں کو تھپک رہی تھی۔ حسن و جمال سے مزین شکوری پر کمسنی مزید قیامت ڈھا رہی تھی۔

منظر نگاہوں سے پھسل کر باطن میں اتر جائے تو کبھی دھندلا نہیں پڑتا ... یہ انہیں حسین لمحوں کا کرشمہ تھا کہ حسین میاں کے لئے گھر کی تمام اشیاء سے زیادہ محبوب صرف وہ تخت تھا جس پر شکوری کی شبابی یادیں کسی شہزادی کی طرح آج بھی براجمان تھیں۔

عمر کی اسی سیڑھیاں طے کرنے کے بعد صحت، بینائی، حافظہ سب بیگانے ہوجاتے ہیں۔ مگر چودھری حسین کے حافظہ میں گزرے ہوئے دن پل پل زندہ تھے اور شکوری جگنو کی طرح ان کی پلکوں پر سجی رہتی تھی۔ محبت کا یہ عالم تھا کہ چودھری حسین کی ہر گفتگو میں شکوری کا ذکر ضرور شامل ہوتا۔ کئی بار تو بیٹیاں چڑ کر کہتیں۔

"بابا، اس عورت کا ذکر بار بار کیوں کرتے ہیں جو آپ سے بیوفائی کرکے ایک غیر مرد کے ساتھ فرار ہوگئی"۔

"بیٹی! وہ اس کا اپنا فعل تھا، اور یہ میرا ... ماں کو کچھ نہ کہو ماں تو پھر ماں ہوتی ہے۔ اولاد پر اس کے بڑے حقوق ہیں"۔

"مجھے تو نفرت ہے اس ماں سے جو ہم دونوں جڑواں بہنوں کو پالنے میں چھوڑ کر بھاگ گئی"۔

"قسمت کا لکھا کون ٹال سکا ہے بیٹی"

وہ ہر بار شکوری کی بدچلنی کو قسمت کے خانے میں ڈال کر بیٹیوں کو چپ کروادیتے۔

چودھری حسین کبھی کبھی سوچتے جو کچھ ہوا اس میں شکوری کا کیا قصور تھا .. اندھیروں سے روشنی کا سمجھوتہ ہر کسی کے بس کی بات نہیں۔

اور ... اب تو شکوری کے ہاتھوں لگائے ہوئے آنگن کے تمام درخت بلند ہوچکے تھے اور درخت کے ہر پتے، ہر پھول، ہر شاخ پر شکوری کا بسیرا تھا۔ اس کی حکومت تھی، اسی کا راج تھا۔

"اری او نگینہ، دیکھ میری چلم کی آگ بجھ گئی"۔

"آئی بابا، بوڑھی ملازمہ ہاتھ میں کرچھل کر دہکتے کوئلے لئے حسین میاں کے سامنے ہانپتی کانپتی آکھڑی ہوئی۔

"لا بیٹی لا" چلم کو آگے بڑھاتے ہوئے چودھری حسین بولے "اس میں بھردے"

"بابا کیوں پیتے ہو اتنا حقہ؟ جانتے ہو نا پچھلے دنوں وید جی نے کیا کہا تھا۔ سخت نقصان دہ ہے تمہارے لئے"۔

"نقصان! بیٹی انسان تو روز اول سے خسارے میں ہے"۔

"کیسی باتیں کرتے ہو بابا، میری تو کچھ سمجھ میں نہیں آتا"

"وقت سب کچھ سکھادے گا جا اپنا کام کر اور ہاں سن طاہرہ سے ایک گلاس پانی بھجوا"۔

خادمہ بغیر جواب دئے خاموشی سے سر جھکائے داللان سے باہر نکل گئی۔ ہر وقت ایک ہی سوال کا جواب دے دے کر وہ تھک چکی تھی۔ وہ ہر وقت بیٹیوں کو صدا لگاتے اور خادمہ انہیں بتاتی کہ اب ان کی بیٹیاں یہاں نہیں پرائی ہو کر اپنا اپنا گھر آباد کرچکی ہیں۔

چودھری حسین کی دھندلائی آنکھیں ہزار گز کے وسیع و عریض آنگن کا گوشہ گوشہ تلاش کرتیں اور پھر انگنت چیختے سائے منظر میں اجاگر ہوجاتے۔ شکوری اپنے سنہرے ریشمی بالوں کو سکھاتی ہوئی تخت پر جلوہ نما ہوجاتی۔ کہیں مٹی کے گھروندے بناتی ہوئی طاہرہ اور نگینہ کی بچکانہ نوک جھونک سماعت کو جھنجھوڑتی۔ آنگن کے ایک سرے پر چھوٹی سی کوٹھری میں مصلے پر بیٹھی بوڑھی ماں بادل کے سفید ٹکڑے کی طرح چمکتی ہوئی دکھائی دیتی۔ یہ ساری سفیدی باپ نے ماں کو سوغات میں دی تھی۔ جس پر ماں نے آخری دم تک کوئی رنگ نہ چڑھنے دیا۔ وہ اپنی ماں کا اکلوتا بیٹا تھا اور ماں نے ایک پھول کے لئے اپنی جوانی کا پورا گلشن قربان کیا تھا۔۔

شکوری بیاہ کر آئی تو ماں کی خوشی کا ٹھکانہ نہ رہا۔ حسین و جمیل بہو پاکر اس کے خوابوں کی تعبیریں ہر لمحہ رقص کرتیں۔ چاند کا ٹکڑا کہتے منہ نہ تھکتا اور حسین میاں تو چاند کہہ کر ہی مخاطب کرتے مگر دل ہی دل میں یہ بھی کہتے۔

"شکوری تم میرے آنگن کا وہ چاند ہو جسے دیکھ کر میرے طاق کا دیا ہر لمحہ شرمندہ رہتا ہے" شادی کو ایک سال گذر گیا تھا۔ شکوری اب سولہ سال کی ہو گئی تھی۔ سولہ سال کی عمر جذبوں کی زبان سمجھنے لگتی ہے۔ یہی سوچ کر حسین میاں پر ایک خوف طاری تھا۔

کئی دنوں سے شکوری اداس اداس اور سنجیدہ نظر آرہی تھی۔

"کیا مجھ سے کوئی غلطی ہو گئی چاند! حسین میاں شکوری کے قریب آکر بولے تو شکوری نے انہیں اس طرح چونک کر دیکھا جیسے کہہ رہی ہو میں بچی نہیں ہوں۔ سب سمجھتی ہوں۔

"کیا کہنا چاہتی ہو بولو؟ جواب میں شکوری کی نظریں اٹھیں اور جھک گئیں۔ حسین میاں کو لگا کوئی تیر تھا جو سیدھے ان کے دل میں اتر گیا۔ وہ تلملا کر رہ گئے۔

تھوڑے ہی دنوں میں چودھری حسین میاں نے محسوس کیا کہ شکوری کی زلفوں کی خوشبو ان کے گھر کی چہاردیواری پار کرنے لگی ہے اور ان کے آنگن کے پیڑ پودوں اور پھولوں پر نت نئے بھنورے منڈلانے لگے ہیں۔ وہ سخت الجھن میں تھے۔ خوشبوئیں قید نہیں کی جاتیں۔ بھنورے گرفتار نہیں ہوسکتے کئی بار ارادہ کیا کہ اس بارے میں شکوری کو تنبیہ کریں مگر یہ سوچ کر سہم گئے کہ اگر شکوری نے یہ پوچھ لیا کہ جوان بیوی کے بستر پر ہوتے ہوئے اس سے منہ موڑ کر کیوں سوتے ہو؟ کیوں بغیر غسل کے نماز فجر ادا کرتے ہو تو کیا جواب دیں گے۔ مگر یہ آنکھ مچولی آخر کب تک چلے گی۔ ایک دن تو یہ بات ظاہر ہو کر رہے گی۔

مگر آج حسین میاں نے اپنی تمام تر خود اعتماد کیساتھ یہ فیصلہ کر ہی لیا کہ اب شکوری کو مزید اندھیرے میں نہ رکھیں

"غور سے سنو! جو میں کہہ رہا ہوں شکوری میں کسی عورت کے قابل نہیں۔ تم سے اس لئے چھپایا کہ میں تم سے بے حد پیار کرتا ہوں۔ میں تمہیں کسی حال میں کھونا نہیں چاہتا" اس انکشاف کے بعد شکوری پر ایک ہذیانی کیفیت طاری ہو گئی اور کافی دیر تک وہ بے ہوش رہی۔

شکوری کے نرم بالوں میں انگلیاں پھیرتے ہوئے حسین میاں بولے "تمہارا غم میرا غم ہے۔ شکوری آؤ آج ایک فیصلہ کریں"۔

"میں سمجھی نہیں!"

"تمہارے پاس جوانی ہے اور میرے پاس خواب۔ میں مجبور ہوں مگر تم تو مختار ہو میری جان، میں اپنے آنگن میں ننھے منوں کی کلکاریاں سننا چاہتا ہوں۔ اب تم یہ پوچھو گی کہ یہ کیسے ممکن ہے۔ تو سنو! میں تمہاری مدد کروں گا۔ مرد عورت کے لئے ایک سایہ ہے، ایک آڑ ہے، ایک ڈھال ہے۔ کوئی تم پر شک بھی نہیں کرے گا اور ہم صاحب اولاد ہو جائیں۔ لیکن ایک بات دھیان سے سن لو جو مرد تمہارے جسم تک آئے کبھی دل تک نہ پہنچے۔ تمہارے دل تمہاری روح پر صرف میرا حق ہے۔

اس روز حسین میاں نے اپنے ہاتھوں سجا سنوار کر شکوری کو تیار کیا تھا اور ان کا دوست صدر دروازے سے گھر میں داخل ہوا تھا اور وہ پچھلے دروازے سے باہر نکل گئے تھے۔

پھر... پورے نو مہینے بعد۔ حسین میاں کے گھر میں دو جڑواں بیٹیوں کی پیدائش کا جشن منایا گیا تھا۔ باپ بن جانے کی خوشی میں تھوڑی سی اداسی بھی گھلی ہوئی تھی جسے شکوری بھی محسوس کررہی تھی۔ کبھی کبھی اسے حسین میاں پر ترس آتا اور قدرت کی محرومی پر روتی بھی اور گلہ بھی کرتی۔

حسین میاں کے دوست الطاف کا اب بھی شکوری کے بستر سے رشتہ قائم تھا۔ بلکہ اور مضبوط ہو گیا تھا۔ کیونکہ شکوری کو ایک ساتھ دو بیٹیوں کا تحفہ دے کر اب عاشق ہی نہیں اس کا محسن بھی بن گیا تھا اور شکوری کا الطاف کی طرف دل و جان سے مائل ہونا فطری تھا کیونکہ اس کی بیٹیوں کا باپ تھا...... دو دن بعد الطاف کی شادی تھی۔ شکوری نے رو رو کر اپنا حال برا کرلیا تھا اور حسین میاں اسے دیکھ دیکھ کر کڑھ رہے تھے۔ تو اب شکوری الطاف سے محبت کرنے لگی ہے؟ ان کے سینے میں ایک آگ دہکنے لگی تھی اور آج انہیں اپنا وجود اپنا حقیر ذرہ سے بھی کم تر لگ رہا تھا۔

"دل بھی دوسرے کا اور جسم بھی۔ ہائے شکوری پھر میرے لئے تو نے کیا رکھا؟ شکوری بھی کیا کرتی۔ دل اپنی بستیاں بسانے کے لئے کسی حکم کسی پابندی کا محتاج نہیں ہوتا اور پھر جسموں کے سفر میں دل کا بچنا اتنا آسان بھی تو نہیں ہوتا۔

اس رات شکوری اور الطاف ایک دوسرے کے بانہوں میں سمٹ کر صبح ہونے تک روتے رہے اور حسین میاں اپنے کمرے کے روشن دان سے لگے اپنے پتھر ہونے کا احساس کرتے رہے اور انہیں لگا وہ اسی درخت کی جڑ کو کاٹ رہے ہیں جس پر وہ بیٹھے ہیں... مگر اب کرتے بھی کیا تیر کمان سے نکل چکا تھا۔ اگلے روز الطاف اور شکوری کے بھاگ جانے کی خبر پورے گاؤں میں پھیل چکی تھی۔

اور اب طوفان گذرے دیر ہو چکی تھی۔ بیٹیاں جوان ہو گئیں۔ چھوٹی بیٹی نگینہ بالکل ماں کے مشابہ تھی عادات و اطوار میں بھی ماں سے ملتی جلتی وہ جب بھی حسین میاں کے سامنے آتی۔ ان کا دل انجانے خوف سے لرز اٹھتا۔ وہی چال وہی ڈھال آواز میں وہی نغمگی ایسا لگتا نگینہ کی روح نے شکوری کا جسم پہن لیا ہو۔

نگینہ حسین میاں کی سب سے لاڈلی بیٹی تھی مگر اس کی ایک بات انہیں بالکل پسند نہ تھی کہ وہ ماں کو برا بھلا کہتی تھی۔ ہر روز کہتی

"بابا آپ ماں کو بھول کیوں نہیں جاتے۔ بات بات پر ماں کا ذکر کرتے ہیں"

"بیٹی محبتوں کے مسافر قیام نہیں کرتے۔ وہ تو مسلسل سفر میں رہتے ہیں"۔

"بابا آج تک آپ کی کوئی بات میں سمجھ نہ سکی۔ جب سے ہوش سنبھالا ہے آپ کو ہر وقت ماں کا ہی قصیدہ پڑھتے سنا ہے اور سب سے زیادہ دکھ تو اس بات کا ہے کہ آپ نہ اچھا کھاتے ہیں، نہ اچھا پہنتے ہیں۔ آرام دہ کمروں اور بستروں کو ترک کرکے دالان میں دھوپ کی لپک

اور تنہائی میں تخت پر پڑے رہتے ہیں۔ میں پوچھتی ہوں کہ کیا دیا ہے اس تخت نے اور تخت والی نے آپ کو؟ کیوں اتنی محبت کرتے ہیں۔ اس تخت سے کیوں اس پر بیٹھے ہوئے اپنی بوڑھی ہڈیوں کو اذیت دیتے ہیں؟

"بس کر بیٹی! تجھے کیسے سمجھاؤں کہ کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جن میں سکھ کا احساس ہوتا ہے اور پھر بیوفائی کرنے والوں سے کیا گلہ۔ جیون کے اس لمبے سفر میں کون کس کا ساتھ دیتا ہے۔ تو بھی تو ایک دن اس بوڑھے باپ کو چھوڑ کر اپنے گھر چلی جائے گی، ہم سب ٹرین کے مسافر کی طرح ہیں۔ اپنے اپنے اسٹیشنوں پر اترتے رہیں گے۔ یہی نظام قدرت ہے"۔

اور جب بیٹیاں اپنے اپنے گھر چلی گئیں تو حسین میاں کو ان کے چلے جانے کا جیسے یقین ہی نہ آیا ہو۔ ہر وقت پکارتے رہتے۔ کبھی طاہرہ کو کبھی نگینہ کو۔ مگر اس وسیع و عریض حویلی میں صرف ایک بوڑھی خادمہ ڈولتی پھرتی نظر آتی اور وہ ہر پانچ دس منٹ بعد حسین میاں کو یقین دلانے کی کوشش کرتی کہ یہاں نگینہ اور طاہرہ اب نہیں رہتیں۔

ایک صبح جب آسمان پر پرندوں نے سفر کا آغاز کیا، بھونرے پھولوں کے نزدیک آئے۔ ہواؤں نے گلشن کو صبح بخیر کہی اور مشرق کی جانب سورج کی پاکیزہ کرنوں نے لجاتے شرماتے مناظر کا گھونگھٹ کھولا۔ تبھی ایک کوا آنگن کی منڈیر پر آکر بیٹھ گیا مگر روز کی طرح آج اس کی کائیں کائیں میں صرف شور نہ تھا بلکہ ایک پیغام تھا۔ تخت پر لیٹے ہوئے چودھری حسین کے چہرے پر ایک معنی خیز مسکراہٹ پھیل گئی۔ دوسرے ہی لمحے دور کہیں ریل کی سیٹی سنائی دی۔ کوا منڈیر سے اڑ گیا۔ ٹرین کسی اسٹیشن پر رک گئی تھی۔ منظر ساکت ہوگئے۔ حسین میاں کا ایک ہاتھ تخت سے نیچے اس طرح جھول رہا تھا جیسے تصور میں وہ شکوری کے سنہرے بالوں کو چھونے کی کوشش کر رہے ہوں۔

کتنی عجیب بات ہے کہ جب انسان کو ساتھی کی ضرورت ہوتی تو لوگ اسے تنہا کردیتے ہیں اور جب اسے کوئی حاجت نہیں رہتی تو ہر کوئی اس کی طرف دوڑا چلا آتا ہے۔ دیکھتے ہی دیکھتے چودھری حسین میاں کے گھر لوگوں کا ہجوم اکٹھا ہوگیا۔ میت کو غسل دے کر جب تیار کیا گیا اور جنازہ لے جانے کی تیاری ہی تھی کہ نگینہ حسین میاں کا ایک وصیت نامہ لے کر آگئی۔ جس میں انہوں نے لکھا تھا کہ مرنے کے بعد ان کی تدفین اسی تخت کے نیچے دالان میں کردی جائے۔

نگینہ نے آج اس تخت کو غور سے دیکھا جسے دیکھ کر وہ ہمیشہ نفرت سے منہ موڑ لیا کرتی تھی۔ آج اسے لگا کہ بابا صحیح کہتے تھے "کچھ دکھ ایسے ہوتے ہیں جن میں سکھ کا احساس ہوتا ہے"۔ ماں کی یادوں سے جڑے ہوئے اس تخت نے جس پر نفرتیں درج تھیں آج اچانک اس سے ایک رشتہ قائم کرلیا تھا۔ باپ کی میت فرش پر رکھی ہوئی تھی مگر نگینہ تو اسی تخت پر باپ کو دیکھ رہی تھی۔

"بابا آپ کی ہر الجھی ہوئی بات اب میں سمجھنے لگی ہوں۔ میں سمجھ گئی ہوں بابا تم نے کیوں اپنی پوری زندگی اسی تخت پر گذاردی۔ نگینہ کا رو رو کر برا حال تھا۔

ستر برسوں بعد پہلی بار وہ تخت اپنی جگہ سے ہٹایا گیا۔ تاریخی حیثیت کا حامل وہ تخت جس نے سرد و گرم تمام موسم دیکھے تھے۔ زر، زمین، زن، دنیا کے یہ تینوں معرکے سر کرلئے تھے اب وہ بھی اداس نظر آرہا تھا۔

تھوڑی دیر بعد، قبر کی کھدائی شروع ہوگئی، پھاوڑے کی ہر ضرب طاہرہ اور نگینہ کے دل پر پڑرہی تھی۔ تبھی جیسے آسمان سے کوئی بجلی ماحول پر گری۔

"یہ کیا۔۔" گورکن کے ہاتھوں سے کدال چھوٹ گئی اور آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں "ہائے اللہ یہ سب کیا ہے" عورتوں کی چیخیں نکل گئیں۔ طاہرہ اور نگینہ کو تو جیسے سانپ سونگھ گیا تھا۔

"ہٹ جاؤ سب لوگ" گاؤں کے پردھان اپنی دھوتی سمیٹے ہوئے قبر میں اترے اور بڑی احتیاط سے منظر کا جائزہ لینے لگے۔ اب گاؤں والوں پر یہ راز کھل رہا تھا کہ چودھری حسین میاں نے اپنی ساری زندگی تخت کے ساتھ کیوں گذاری۔ ایک ہی جگہ پر ہر وقت کیوں بیٹھے رہتے تھے۔

پولیس بھی آچکی تھی اور اب قبر سے ان دو انسانی ڈھانچوں کو نکالا جارہا تھا جو ایک مرد کا تھا اور، دوسرا عورت کا۔

●●●●

نیویارک میں ہندوستانی طلباء کیلئے روزگار کا حصول دشوار ہوگیا ہے

great conquerors do their conquering when fairly young. This also reminds us that Chengiz did not simply dash across Asia in a fit of youthful enthusiasm. He was a cautious and careful middle-aged man, and every big thing he did was preceded by thought and preparation.

The Mongol were nomad, hating cities and the ways of cities. Many people think that because they were nomads they must have been barbarians. But this is not a mistaken idea. they did not known, ofcourse, many of the city arts but they had developed a way of life of their own and had an intricate organisation. If they won great victories on the field of battle, it was not because of their number, but because of their discipline and organisation. and above all it was due to the brilliant captainship of Chengiz. For Chengiz is, without doubt, the greatest military genius and leader in the history. Alexander and Caesar seem petty before him. Chengiz was not only himself a great commander, but he trained many of his generals and made them brillant leaders. Thousands of miles away from their homelands, surrounded by enemies and a hostile populations, they carried on victorious warface against super numbers.

Chengiz prepared carefully for his conquests. He trained his army and, above all, he trained his horses.

Chengiz even then wanted peace and sent ambassadors asking that the governor be punished. But the foolish Shah, vain and full of his own importance insulted these ambassadors and put them to death.

...To Persian and Arab historians Chengiz is a monster the "Scourge of God" as he is called. He is painted as a very cruel person. He was very cruel, no doubt, but he was not very different from many rulers of his day.

... There was another motive behind Chengiz's destruction of towns. He had the spirit of a nomad, and hated towns and cities. He liked living in the steppes or great plains. At one time Chengiz considered the desirability of destroying all the cities in China, but fortunately he desisted: His idea was to combine civilization with a nomadic life. But this was not, and is not possible. You may perhaps think from Chengiz Khan's name that he was a Mohammedan, but this was not so. The name's a Mongol name. Chengiz was a very tolerant person in religion. His religion, such as it was, Shamanism, a worship of the "Everlasting Blue Sky".

... You must have noticed, earlier in this letter that chegiz was 'elected' Great Khan by an assembly of Mongols.

... I have given you more details and information about Chengiz Khan that was perhaps necessary. But the name fascinated me. Strange, is it not, that this fierce and cruel and violent feudal chief of a nomadic tribe fascinate a peaceful and non-violent and mild person like me, who an a deweller of cities and a hater of everything feudal."

******

****

cheek bones and narrow eyes.

... In China, these small states soon gave place to a great big state an empire. It was in the days of this empire that the Great Wall of China was built. You have read about this Great Wall and what an enormmous thing it is. It was built from the sea to the high mountains in the north to keep off other Mongolian tribes from breaking into China.

ON CHENGIZ KHAN : ... All Asia seems to have been brought low by these nomads from Mongolia. And not Asia only, but half Europe too.

... Suddendly they seemed to gain power. Their scattered tribes joined together and elected a single leader, the Great Khan, and sware allegiance and obedience in him. Under him they marched to Peking and put an end to the Han Empire. They marched west and swept away the great kingdoms they found on their way. They went to Russia and subdued it. Later they wiped off completely Bughdad and its empire and went right up to Poland and central Europe. There was none to stop them. India escaped by sheer chance.

One can well imagine what the amazement of the Europian world must have been at this volcanic eruption. It almost seemed like a great natural calamity, like an earthquake, before which man can do little.

Strong men and women they were, these nomad from Mongolia, used to hardship and living in tents on the wide steppes of northern Asia. But their strength and hard training might not have availed them much if they had not produced a chief who was a most remarkable man. This was the person who is known as Chengiz Khan (or Genghis or Jenghiz Khan there are many ways of spelling it). He was born in 1155 AD and his original name was Timuchin His father Yesugei -Bagatur, died when he was a little boy. "Bagatur", by the way, was a favourate name for Mongol nobles. It means "hero" and I suppose the urdu "Bahadur" comes from it.

Although just a little boy of ten, with no one to help him, he struggled on and on, and utlimately made good. Step by step, he advanced till at last the great Mongol Assembly, called Kurultai, met and elected him the Great Khan or Kagan or Emperor. A few years before he had been given the name of Chengiz.

A secret history of the Mongol People written in the thirteenth century, and published in China in the fourteenth century, describes this election :

" And so, when all the generations living in felt tents became united under a single authority, in the year of the Leopard, they assembled near the sources of the Onon, and raising the White Banner on Nine Legs, they conferred on Chengiz the title of Kagan.

Chengiz was already fifty one years of age when he became the Great Khan or Kagan. He was not very young, and most poeple at this age want peace. But this was only the beginning of his career of conquest. This is worthy of notice, as most

The mausoleum keeper is a 37th generation descendent of Genghis Khan. He tells visitors stories of the life of Genghis Khan.

OTHER VIEWS OF GENGHIS KHAN : The above details are based on the information provided by "China Today". Let us go through the views and details by Pandit Jawahar Lal Nehru on Mongolia and Genghis Khan, recorded in this Book " Glimpses of World History", and "Letters from a father to his Daughter".

NEHRU'S VIEWS ON MONGOLIA : ... I have told you of the Great Khan at Karakorum. How crowds of merchants and artisans and learned men and missioneries came there, attracted by the fame of Mongols and glamour of their victories. They came also because the Mongols encourages them to do so. They were strange people, These Mongols, highly efficient in some ways, and almost childish in other matters. Even their ferocity and cruselty, shocking as it was, has a childish element in it.

It is this childishness in them, I think, that makes these fierce warriors rather attractive. Some hundred years later, a Mongol, or a Moghul, as they were called in India, conquered this country. He was Babar, and his mother was descendant of Chengiz Khan.

MONGOL RACE : ... Another great race is the Mongolian. This is spread out all over Eastern Asia - in China, Japan, Tibet, Siam and Burma. They are sometimes called the yellow race and you will find that they usually have high

the Ordos tribe in Inner Mongolia and the grazing

land on which the tribe lived 600 years ago. From that time onwards, it has become the local habit to refer to today's city area as Ordos.

Ordos is also related to a great name. Genghis Khan. The Mongolian people are known as brave and diligent, and Genghis Khan is their greatest hero. Born on the Mongolian grasslands in 1162, he conformed to his people's wishes, fought numerous battles, and united the tribes of Mongolia in 1206, all of which constituted a great contribution to the formation of the Mongolian ethnic groups and development of its society.

Genghis Khan and his descendants made five expeditions and founded an empire stretching across Asia and Europe and at the same time introduced Western civilization to China. He died of illness in 1227 on an expedition. His followers transported his body back to Ordos and buried
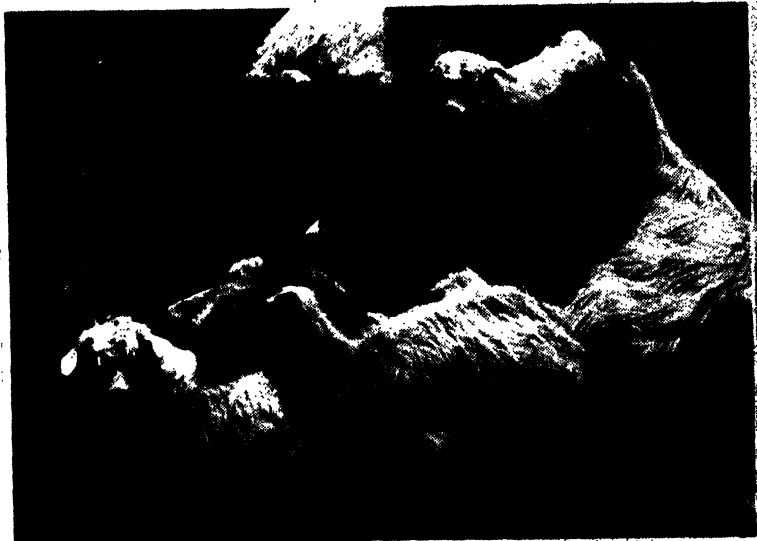
him there.

THE GENGHIS KHAN MAUSOLEUM : The Genghis Khan Mausoleum was built in 1954 and has since been repaired several times. Covering an area of 55,000 square meters, the mausoleum consists of a magnificent courtyard in the style of a Yuan Dynasty gate tower as its main architectural component, and three continuous halls in Mongolian yurt style. In the main hall stands a five meter-high statue of Genghis Khan.

It is reported that the mausoleum area will be expanded to 80 square kilometers, and that a Genghis Khan mausoleum tourism and development zone will be established to meet the needs of studying Genghis Khan and developing the tourism industry.

GENGHIS KHAN
Greatest Hero of Mongols

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

ORDOS is perhaps the youngest of 600 or so cities in China. On February 26, 2001, the State Council approved the establishment of Ordos City, formerly known as IH Ju Meng.

The Erdos Cashmere (Group) Ltd. is the largest cashmere processing enterprise group in the world, and is the first enterprise in the Chinese cashmere textile industry to be awarded the "Chinese Famous Brandname" title.

Thanks to the beneficence of nature, there are abundant mineral deposits beneath this mysterious land, making Ordos the main resource treasurehouse of western China. the people of Ordos have built up the four pillar industries of cashmere, chemicals, coal power, and construction materials through utilization of these precious deposits. The industrials comprehensive efficiency has been the highest throughout Inner Mongolia Autonomous Region for the seven consecutive years since 1994.

GENGHIS KHAN : Ordos, and old name, is taken from
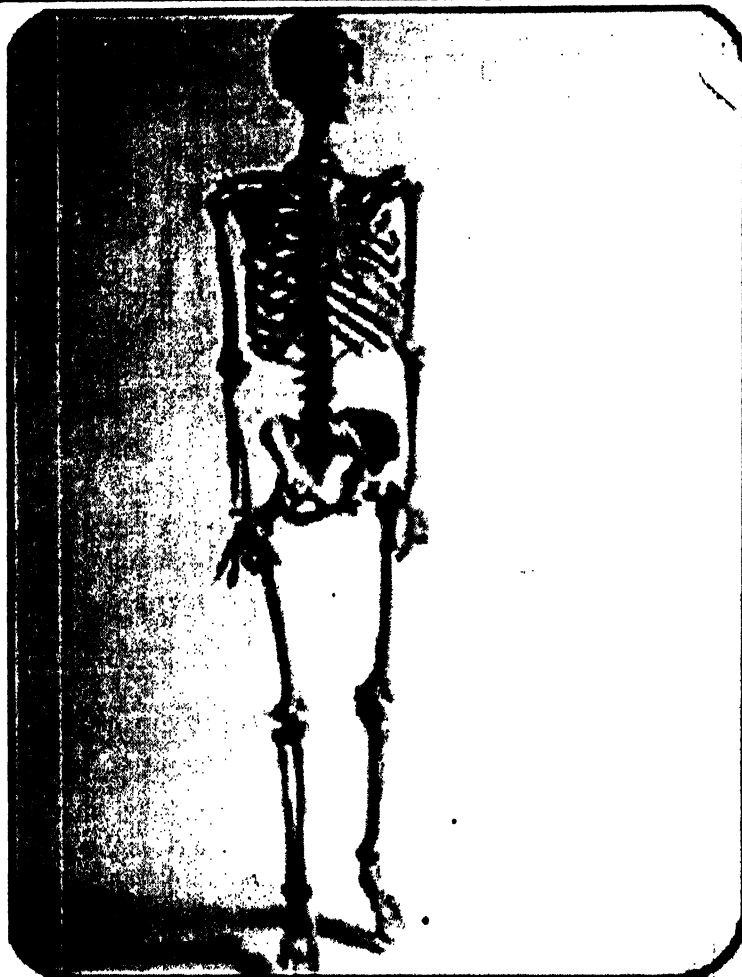
milkshake (just blend unsweetened yoghurt or milk with fruit juice).

- 200 g plain or flavoured yoghurt (preferably unsweetened).
- 2 slices of grilled cheese on toast.
- Chopped fruit in 300 g custard.
- Breakfast cereal with 250 ml milk and fruits Pancakes with fruit jam and
- 200g of yogurt 2 cheese slices with crackers.

Keep the ingredients handy in your refrigerator for you to prepare a handy snack when you want one. It's much better than chips or aerated drinks, you know.

And here are other helpful tips you could use:

- You could add skimmed milk powder or grated cheese to mashed potato, stews or baked pasta.
- 200 g plain yoghurt could go as a salad dressing, with added flavours like mint or garlic.

Each of the following foods contain 300 mg calcium:

- 250 ml (1 cup) milk.
- 36 g hard cheese
- 200 g yogurt
- 5 cups Chinese vegetables (carrots, cabbages and capsicums)
- 6 oranges
- 1 kg broccoli.

Recent studies show that people who are active, and those indulging in weight-bearing activities at least thrice a week are resistant to osteoporosis. Exercise under medical supervision is recommended for patients already suffering from the disease.

Weight-bearing exercises prevent osteoporosis because they build denser, stronger bones. A greater bone mass built before 25 years of age helps you out during the years of gradual bone decay.

Healthy people too should consult a doctor before taking up an exercise programme. You should warm up before you begin and cool down at the end of an exercise session. And don't forget to drink plenty of water - wash it all down and cleanse yourself from within.

Beauty in the Bones

Mohd. Younus Ahmed Irfani

Remember the old adage that spoke about people with beauty in their bones? It's medically true, you know. Because powerful bones form the framework of your body. Your bones need foods rich in calcium and lots of weight-bearing physical activity to keep well.

Adult humans have more than 200 bones that hold up the body,

and, along with the muscles, keeps us moving. Bones are mostly made of collagen, a kind of protein that is like a soft framework for bones, and calcium phosphate, a mineral that gives bones a hard feel. Collagen and calcium together make bones strong and flexible. More than 99% of our body's calcium is contained in our bones and teeth. Besides calcium and collagen, bones also contain water, minerals, and cells that grow and change. Bones keep growing until we're in our twenties.

Osteoporosis could catch you young, unless of course, you're dead serious about preventive measures. The disease could set in early, with the effects evident later in life. Osteoporosis means weak, porous bones caused by inadequate calcium, genetic reasons, inactivity, certain medications and lifestyle choices. Most people don't know this can be prevented and treated.

One in two women and one in eight men suffer osteoporosis in the USA, according to statistics. Osteoporosis causes pain, disability, and the loss of independence.

A healthy lifestyle is the way out. A diet replete with high-calcium foods helps strengthen bones. Weight-bearing exercise (those that work against gravity, unlike swimming) including jogging, stair-climbing, hiking and strength-training also help build strong muscles and bones.

Act now to prevent osteoporosis.

Here's a list of calcium-rich foods that are tasty, affordable and easy to obtain:

- A 250 ml glass of ice-cold milk.
- A fruit smoothie or

mended as a means of stress reduction:

❖ **Sit up**, with your back straight (eventually you'll be able to do this exercise in any position).

❖ **Place** your tongue against the ridge of tissue just behind

your upper front teeth and keep it there throughout the exercise.

❖ **Exhale** completely through your mouth, making a whoosh sound.

❖ **Close** your mouth and inhale quietly through your nose to a mental count of four.

❖ **Hold** your breath for a count of seven.

❖ **Exhale** completely through your mouth, making a whoosh sound to a count of eight.

❖ **Repeat** this cycle three more times for a total of four breaths.

❖ **Try** to do this breathing exercise at least twice a day. You can repeat the whole sequence as often as you wish, but don't do more than four breaths at one time for the first month of practice. (This exercise is fairly intense and has a profound effect on the nervous system—more is neither necessary nor better for you).

This "relaxing breath" is the most powerful tool I know for stress management. In addition to breathing exercises, I recommend regular aerobic activity to help eliminate stress. A brisk walk qualifies. Work up to exercising for thirty minutes, five days a week. Biking, swimming, jumping rope, or bouncing on a trampoline, are alternatives for keeping an aerobic workout from becoming boring.

Antioxidants Neutralize Ill Effects of Fast Food

A high-calorie, high-fat fast food meal can set off an inflammatory reaction in the blood that increases the risk of

heart disease and boosts levels of damaging free radicals in the body. But taking Vitamin E and C with your fast food meal can counteract the danger. Results of a study found that free radicals increased up to 175 per cent within three hours after healthy people at a 900-calorie fast-food breakfast of a ham-and-egg sandwich and hash browns. But this didn't happen when study participants took 1,200 International Units of Vitamin E and 500 milligrams of vitamin C with their meals. The fast food meals prompted an increase in the inflammatory components of blood that lasts up to four hours. Earlier, studies have shown that heavy or high fat meals can quadruple the risk of a heart attack.

TENNIS ANYONE?

Forget Football and Golf. To ward off heart disease as you get older, you're better off learning to play tennis. A study that followed 1,300 male medical students to middle age found that the tennis players were most likely to stick with their sport as they got older. And unlike golf, which some of the men took up eventually, tennis gives you a good aerobic workout: it was the only sport linked to a lower risk of cardiovascular disease, particularly heart attacks. Not surprisingly, few men who played football and other team sports when they were young continued as they got older. Golfing wasn't associated with better heart health, even among those who played when they were young. If you want an alternative to tennis, the researchers picked jogging and biking as your best bets for life-time sports.

Stomach Acid Acting Up?

Mohd. Mushtaq Ahmed

❖ "DO you know of any herb or vitamin that controls acid reflux? I've tried many over-the-counter medicines and also have seen two doctors who can't find a solution. Any suggestions?"

— *An Anonymous*

On my list of most commonly asked questions, acid reflux, also called 'gastroesophageal reflux disease' (GERD) is way up there. Normally, during digestion, stomach contents stay in the stomach until they are pushed into the small intestine. With reflux, the cardiac sphincter (the muscular ring at the junction of the esophagus and stomach) permits stomach acid to reflux backward up into the esophagus, causing inflammation, pain and, over the long term, tissue damage that can increase risk of esophageal cancer. Most digestive problems, including acid reflux, seem to be rooted in stress. Don't underestimate the mind's capacity to interfere with normal operation of the gastrointestinal system. By disturbing the balance of the autonomic (involuntary) nerves that regulate it, stress can trigger a host of digestive disorders. Examine areas of stress in your life and work on relieving them. Breathing exercises, meditation, guided imagery and yoga are a few techniques to explore. Combine

stress relief with dietary changes if you have poor eating habits. Do you eat a lot or irregularly? Are there certain foods that trigger flare-ups? Do you drink a lot of coffee (regular or decaffeinated)? Do you smoke? Do you go to sleep soon after you've eaten? Answering yes to any or all of these questions should give you a clue as to where to find a solution to the problem. It may be time to take a long, hard look at your life-style.

* * * * *

Tax Season: Breathing Stress away?

❖ *"I hate tax season? My money situation is really stressing me out. Are there any herbs or supplements I can take that would help me relax?*

— *An Anonymous*

I know what you mean. Tax season is a stressful time for all of us. Kava and passionflower are herbs that can help combat stress, but I think breathing exercises and physical exercise are more important first steps. Practicing regular, mindful breathing can be calming and energizing and can even help with stress-related health problems ranging from panic attacks to digestive disorders. Here is a yogic breathing exercise recom-

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No. 17 1-15, **Sep.** 2002
REGD.No.H/HD 850 REGD.NO.R.N.63767/96

سر محمد اقبال

کلونجی

جناب ظہیر احمد (حکیم کلونجی والا) پروپرائٹر محمدیہ پراڈکٹس کریم نگر آندھرا پردیش نے ہندوستان میں سب سے پہلے بڑے پیمانے پر کلونجی کا تیل کئی برسوں کی محنت کے بعد کشید کرنے میں کامیابی حاصل کی کلونجی کے تیل سے ہندوستان کے بڑے شہروں میں لاکھوں بندگان خدا مختلف پیچیدہ امراض میں شفایاب ہو رہے ہیں۔ کلونجی کے تیل سے سر سے لیکر پیر تک جسم کے جملہ امراض کا کامیاب علاج کیا جا رہا ہے

خواتین کیلئے قیمتی تحفہ

زیادہ سے زیادہ خواتین ہمارے بیوٹی پروڈکٹس کی منفرد کوالٹی کو محسوس کر رہی ہیں آپکی بہتر سے بہتر انداز میں خدمت پر ہمیں فخر ہے آپکے حسن کیلئے اس سے بہتر کچھ نہیں

خواتین کا من پسند اور آزمودہ نسخہ

آپ بھی آزما کر دیکھئے

کوئی بھی آپکی ضرورتیں اتنا بہتر نہیں سمجھ سکتا جتنا کہ ہم سمجھ سکتے ہیں

ہمارے بیوٹی پروڈکٹس کا رینج

- بالوں کا جھڑنا روکتا ہے ● سر میں بفا دور کرتا ہے
- بالوں میں تازگی پیدا کرتا ہے ● بالوں کو لمبا کرتا ہے
- بالوں کی جملہ شکایات کے لئے مفید ہے
- سر درد و دماغی سکون کے علاوہ چین کی نیند کے لئے مفید ہے

- چہرے سے داغ دھبے
- جھائیوں اور زائد تیل کو نکالنا
- چہرے کی جلد کی رنگت کو گورا، ملائم اور خوبصورت بناتا ہے

- چہرے کے کیل مہاسے ● باریک داغ
- چہرے کے جملہ داغ مٹاتا ہے ● چہرے پر پیدا ہونے والی جھریوں کو ختم کرتا ہے
- آنکھوں کے نیچے کالے حلقوں کو دور کرتا ہے

حسن بے مثال کی شان

جو دیکھے یہی کہے، بہت حسین لگتی ہے

کلونجی ہربل ٹوتھ پاؤڈر

دانتوں کے جملہ امراض: دانت کا ہلنا، دانت میں تکلیف دانت کا کیڑا، منہ سے بدبو آنا وغیرہ میں نہایت مفید ہے

ہمارے دیگر پراڈکٹس

● کلونجی تیل ● کلونجی مساج آئیل ● کلونجی پین بام ● سفوف ظہیر ● اکسیر معدہ ● سفوف اپسرا ● سفوف دمہ ● کلونجی شوگر پاؤڈر ● کلونجی چیون پراش ● اکسیر جگر ● معجون کلونجی ● کلونجی شیمپو پاؤڈر ● مرہم کافوری ● روغن گیسو دراز

Super Stokist:
S J AGENCIES
Opp : Ramakrishna Theatre
Abids, Hyd.1. Ph: 6501834

Manufacturer:
MOHAMMADIA PRODUCTS Unani Medicines
KARIMNAGAR (A.P.) Ph: 08722-47710

سارک چوٹی اجلاس

ہند پاک تعلقات میں نمایاں تبدیلی

ایودھیا میں کارسیوک پورم کے مقام پر رکھا گیا رام مندر کا ماڈل

وزیر دفاع جارج فرنانڈیز ایک سرحدی چوکی پر

Siasat Fortnightly International

A publication of The Siasat Daily

بیاد عابد علی خاں

Vol. 7. HYDERABAD Issue :2 Rs.10/- (2) شمارہ (7) جلد

Editor: ZAHID ALI KHAN 16-31 January - 2002

19/1/02

Offices:

Head Office: J.N. Road, Hyd-1. Andhra Pradesh INDIA. Tel: 4744180, 4603666, 4744109. Tel. Fax: 0091-40-4603188

NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang, 606, INS Building, Rafi Marg, New Delhi - 110 001. Phone: 011-3715995.

MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande, M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi Marg Fort, Mumbai 400 001. Phone: Off: 2870800, Res: 569625.

CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das, 7, Falguni Das Lane, Thakurbari, Calcutta-700 012

CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan, 79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam, Chennai -600 073. Phone:2274457.

BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy, No. 125/1, 21st Main, J.P. Nagar 2nd Phase, BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.

AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43, Shankar chambers Nr.H.K House, Ashram Road, Ahmedabad - 380 009. Phone: 6581232.

PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex, 1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372

NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide, "Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar, Nagpur -440015 Ph:223396.

USA: Syed Zainulabedin, 6720. N.Sheridan Rd, APT 304, Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.

UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb, 26. Croft House, Third Avenue, London W10 4SN, England, Tel: 0181-9645724.

SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader, P.O. Box 873, Jeddah - 21421. SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.

KUWAIT: Sina Book Shop. P.Box No.27325, SAFAT , 13134, Kuwait. Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

سرورق

سارک چوٹی اجلاس

ہند پاک تعلقات کی بہتری میں معاون

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

ہند۔پاک سرحد پر کشیدگی

ہندوستانی مسلح افواج کے سربراہ نے ہند پاک سرحدات پر صورتحال کو انتہائی کشیدہ قرار دیا ہے۔ انھوں نے واضح الفاظ میں بتایا کہ جب دونوں ملکوں کی افواج پورے ساز و سامان سے لیس سرحدات پر ایک دوسرے کے مدمقابل صف آراء ہوں تو یہ صورتحال حسب معمول نہیں بلکہ غیر معمولی اور نازک ہی تصور کی جاتی ہے۔ شاید یہ پہلا موقع ہے جبکہ مسلح افواج کے سربراہ نے باقاعدہ طور پر صحافتی نمائندوں سے بات چیت کے دوران حقیقت حال بیان کی جو صورتحال کی سنگینی اور نزاکت کی مظہر ہے۔ ادھر واشنگٹن میں امریکی وزیر خارجہ کولن پاول نے وزیر داخلہ مسٹر ایل کے اڈوانی سے برصغیر کی صورتحال کے بارے میں صلاح و مشورہ کے دوران اپنے اس تاثر کا اظہار کیا کہ ہند۔ پاک سرحدات پر فوجوں کی صف آرائی سے صورتحال کافی کشیدہ ہوگئی ہے۔ پاکستان میں بھی مسلح افواج کی ساری طاقت بین الاقوامی سرحدات اور مقبوضہ کشمیر میں حقیقی خط قبضہ پر جمع کردی گئی ہے۔ حکومت پاکستان نے امریکی فضائیہ سے پاکستانی فوجی اڈوں کو جو افغانستان کی جنگ کے دوران انکے حوالے کئے گئے تھے فی الفور خالی کردینے کی خواہش کی ہے۔ دونوں جانب یہ فوجی سرگرمیاں یقینا حالات کی نزاکت کی آئینہ دار اور باعث تشویش ہیں۔ گذشتہ ایک ماہ سے برصغیر میں جنگ کے اندیشے عوام میں موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ اس مرتبہ عوام کی تشویش ماضی کے مقابلہ میں زیادہ پریشان کن ہوئی ہے کیونکہ آج دونوں ایٹمی اسلحہ سے لیس ہیں۔

دیرینہ تجربہ کار مبصرین کا خیال ہے کہ خدا نخواستہ اگر ہند و پاک کے درمیان ایک اور جنگ چھڑ جائے تو کسی بھی جانب سے نیوکلیئر ہتھیاروں کا استعمال ممکن نہیں ہے۔ کیونکہ ان ہتھیاروں کے استعمال کا مطلب دونوں جانب ناقابل قیاس تباہی کے سوا کچھ نہیں ہوسکتا۔ نیوکلیئر تجربات کے موقع پر ہی دونوں ملکوں کی حکومتوں نے واضح طور پر اقوام عالم کو یقین دلایا تھا کہ ایٹمی طاقت جنگوں میں استعمال کے لئے نہیں بلکہ یہ ایک سیاسی حربہ ہے جو کسی نیوکلیئر حملہ سے حریف کو باز رکھنے کے لئے ہے۔ موجودہ حالات میں مروجہ ہتھیاروں سے بھی جنگ کے انتہائی سنگین نتائج و عواقب ہوسکتے ہیں اور دونوں ملکوں کا نقصان ناقابل برداشت حد تک پہونچ سکتا ہے۔

اسی لئے سفارتی سطح پر سرگرمیوں کے ذریعے مسائل کو حل کرنے کی بھرپور کوششیں جاری ہیں اور امریکہ اور برطانیہ اس سلسلہ میں اہم رول انجام دے رہے ہیں، مسئلہ یہ ہے کہ پاکستان اپنی سرزمین اور پاکستان مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردوں اور انکے مراکز اور وسائل کو تباہ کردے اور اس طرح کشمیر میں سرحد پار سے دہشت گردی کا سلسلہ ختم کردیا جائے۔ اس کے بعد دونوں ممالک باہمی مذاکرات سے اپنے تمام اختلافی مسائل کو حل کرسکتے ہیں۔ 13 ڈسمبر کو پارلیمنٹ ہاوس پر دہشت گردوں کے حملے کی سنگین واردات کے بعد ساری قوم کے جذبات کو سخت ٹھیس پہونچی ہے اور واجپائی حکومت پر دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ ہندوستانی فوج کو سرحد عبور کرکے دہشت گردوں کے مراکز نشانہ بنانا چاہیئے جیسا کہ امریکہ نے ۱۱ ستمبر کے واقعہ کے بعد افغانستان پر یلغار کردی تھی۔

ہندوستان پاکستان سے دو انتہائی اہم مطالبات کررہا ہے اول تو یہ کہ اس بارڈر دہشت گردی کا مکمل طور پر خاتمہ کردیا جائے پاکستان اور مقبوضہ کشمیر میں سرگرم عمل تمام انتہاء پسند اور دہشت گردوں کی تنظیموں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے دوسرے یہ کہ ان 20 افراد کو جو گذشتہ 10 سال کے دوران ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بڑے پیمانے پر دہشت پھیلانے بم دھماکوں اور قتل و غارت گری، طیاروں کے اغواء کے واقعات میں ملوث رہے ہیں اور جو پاکستان میں پناہ گزین ہیں انھیں تحویل مجرمین کے قانون کے تحت ہندوستانی حکام کے حوالے کیا جائے۔

جنرل پرویز مشرف جنھیں امریکہ برطانیہ اور دوسرے ممالک کے سخت دباؤ کا سامنا ہے۔ اندرون ملک ہند دشمن اور مخالف امریکہ انتہاء پسند عناصر کا سخت دباؤ بھی انکے لئے پریشان کن بنا ہوا ہے۔ اسلئے وہ درکار اقدامات سے گریز کے بہانے تلاش کررہے ہیں۔ ایک بہانہ یہ ہے کہ انتہاء پسندوں سے ہندوستانی پارلیمنٹ پر حملہ میں ملوث ہونے کا ثبوت مہیا کیا جائے۔ حکومت ہند نے جو واضح ثبوت پیش کئے ہیں انہیں قبول کرنے سے انکار کیا جارہا ہے۔ جنرل مشرف نے یہ حکمت عملی اختیار کی ہے کہ سرزمین پاکستان پر سرگرم عمل انتہاء پسندوں کو دہشت گرد قرار دیا جاسکتا ہے لیکن وہ مقبوضہ کشمیر میں سرگرم عناصر کو دہشت گرد تسلیم کرنے سے انکار کرتے ہیں اور انھیں "مجاہدین آزادی" تصور کیا جانا چاہیئے۔ اس لئے مخالف دہشت گردی قانون کے تحت انکے خلاف کارروائی نہیں کی جاسکتی۔

حکومت ہند نے 13 ڈسمبر کے واقعہ کے بعد سفارتی سطح پر موثر سرگرمیوں کا صحیح فیصلہ کیا ہے اور عالمی رائے عامہ کی بھرپور تائید حاصل ہورہی ہے۔ حکومت کو ادارہ اقوام متحدہ کا تعاون حاصل کرنا چاہیئے کیونکہ اس عالمی ادارہ میں منظورہ قرارداد 1373 کے تحت یہ واضح کیا گیا ہیکہ دہشت گردی کو جس کے مقاصد چاہے کچھ ہی کیوں نہ ہو ختم کرنے کے لئے تمام رکن ممالک کو باہمی تعاون کے ساتھ سخت اور موثر اقدامات کرنا چاہیئے۔ اقوام متحدہ سلامتی کونسل کے حرکت میں آجانے سے سفارتی سطح پر مسائل کی یکسوئی کی راہ ہموار ہوسکتی ہے اور ایک اور ہند۔ پاک جنگ کی نوبت نہیں آئے گی۔

زاہد علی خان

کتنا بلند ہے یہ کلمہ

محمد رضوان القاسمی

کلمہ طیبہ لا الہ الااللہ ایک ایسا عظیم کلمہ ہے کہ جس کی شان و حقیقت الفاظ اور بیان کے احاطہ میں نہیں آسکتی۔ کتب احادیث میں آتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے اللہ تعالیٰ سے دعا مانگی کہ یا اللہ مجھے کچھ ایسے کلمات سکھلائیں کہ جس کے ساتھ میں دعا کروں اور فورا میرا کام ہوجائے ۔ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! اگر تم کو سیکھنا ہے تو یہی سیکھو لا الہ الا اللہ کہ کوئی الہ نہیں مگر اللہ ۔ تو حضرت موسیٰ نے عرض کیا۔ یا اللہ! یہ کلمہ تو میں پہلے سے کہتا ہوں اور میری امت بھی کہتی ہے اور مجھ سے پہلی امتیں بھی کہتی آئی ہیں۔ مجھے کوئی خاص کلمہ سکھائیں۔ تو اللہ تعالیٰ نے فرمایا: اے موسیٰ! تمہیں معلوم ہے کہ سات آسمان اور اس میں بسنے والی مخلوق اور سات زمینیں اور ان میں بسنے والی مخلوق کو ترازو کے ایک پلڑے میں اور کلمہ لا الہ الا اللہ دوسرے پلڑے میں رکھا جائے تو لا الہ الا اللہ والا پلڑا بھاری ہوجائے گا۔

اسی طرح ایک روایت میں آتا ہے کہ قیامت کے دن ایک شخص کے گناہ اتنے زیادہ ہوں گے کہ ترازو کا پلڑا بھر جائے گا۔ اب اللہ حکم دیں گے۔ فرشتو! اس کے اچھے عمل لاکر دوسرے پلڑے میں رکھو۔ فرشتے ایک چھوٹا سا کارڈ لا رہے ہوں گے تو وہ شخص ندامت سے پکار اٹھے گا کہ یا اللہ اب مزید رسوانہ کریں۔ میرے گناہ بہت ہیں۔ آپ کی مرضی رحم کردیں۔ آپ تو بڑے کریم ہیں۔ اگر آپ سزا دیں تو آپ جیسا عادل کوئی نہیں۔ اللہ فرمائیں گے نہیں۔ بندے آج عدل کا دن ہے۔ جب وہ کارڈ رکھیں گے تو تمام گناہ اس کارڈ کے مقابلے میں ہلکے ... پڑجائیں گے اور وہ خوشی سے چلا اٹھے گا۔ یا اللہ۔ یہ ایسا کونسا عمل ہے جو اتنے عظیم گناہوں پر بھاری پڑگیا۔ اللہ فرمائیں گے بندے یہ کلمہ شہادت ان لا الہ الا اللہ کیوں کہ تونے میرے ساتھ شرک نہیں کیا اس لئے آج ہم نے اس کلمہ کو اتنا بھاری کردیا۔

تقدیر اور توکل کا صحیح مفہوم

تقدیر اللہ تعالیٰ کے علم اور اندازہ کا نام ہے کہ کوئی شے اس کے علم اور اندازے سے باہر نہیں ہے ۔ اسی طرح توکل کامل جد و جہد کے ساتھ اللہ پر اعتماد اور بھروسہ کو کہتے ہیں۔

ان دونوں کی صحیح حقیقت نہ تو انسان کو بے عمل بناتی ہے اور نہ ہی سستی و کاہلی پیدا کرتی ہے بلکہ ایک خاص قسم کا زاویہ نگاہ دے کر انسان کو میدان کارزار میں سرگرم عمل رکھتی ہے۔ نیز زندگی کے بہت سے فتنے ان دونوں کے ذریعے دفع ہوتے رہتے ہیں مثلا کامیابی و کامرانی کی صورت میں غرور نہیں پیدا ہوتا ہے ۔ اسی طرح نفس پر اعتماد کرنے سے جتنے مفاسد پیدا ہوتے ہیں ان سب کا مکمل انسداد ہوجاتا ہے اور بزدلی و کم ہمتی وغیرہ جراثیم سے حفاظت رہتی ہے۔

توکل اور تقدیر کے اس مفہوم کو اگر آپ اپنے ذہن میں رکھیں گے تو اس غلط مفہوم کی تردید ہوسکے گی جس کی معاشرے میں اشاعت ہوگئی ہے اور جس کی بنا پر قوائے عملی مفلوج ہوجاتے ہیں۔ ناعاقبت اندیشی وغیر مستعدی طبیعت ثانیہ بن جاتی ہے اور بلا جد و جہد یہ خیال پیدا ہوجاتا ہے کہ جو کچھ تقدیر میں تھا وہ ہوا اور آئندہ بھی وہی ہو گا جو تقدیر میں ہو گا۔ گویا تقدیر کی حیثیت ان کے لئے آہنی زرہ کی ہے جو انہیں پہنادی گئی ہے۔ وہ دن بدن بھنچتے جاتے ہیں اور زرہ قبضہ کرتی جاتی ہے۔

آپ توکل اور تقدیر کے اس غلط مفہوم سے نکلئے۔ جو مقصود ہے اس کے حصول کے لئے جہد مسلسل اور سعی پیہم کیجئے۔ پھر نتیجہ جو کچھ سامنے آئے اس کو منجانب اللہ سمجھئے۔ اور اللہ کی رضا میں اپنی رضا کو گم کردیجئے۔ ایک بندہ اور غلام کا یہی کام ہے اور یہ کام آپ کو کرنا چاہئے۔ اس سے آپ کو اپنی زندگی میں سکون کی دولت ملے گی اور اطمینان کا سرمایہ ہاتھ آئے گا اور کون نہیں جانتا کہ یہ دولت اور یہ سرمایہ ہر دولت اور ہر سرمایہ سے بہتر ہے۔

یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا

شیوخ اور اولیاء کی ساری تاریخ میں حضرت شیخ عبدالقادر جیلانیؒ (متوفی 571 ھ) سے بڑھ کر مسلم و معروف ہستی اور کس کی ہوئی ہے۔ وقت وفات مشائخ عصر کے مجمع میں اپنے فرزند سیف الدین عبدالوہابؒ کو مخاطب کرکے بطور وصیت ارشاد فرمایا کہ علیک بتقوی اللہ وطاعتہ (یعنی اللہ کے تقوی اور اس کی اطاعت کو اپنے اوپر لازم رکھنا) اور وصیت کے آخر میں شدید تاکید فرمائی کہ خذ التوحید التوحید، التوحیدا جماع الکل (اپنے اوپر لازم رکھنا توحید کو۔ توحید کو۔ توحید کو اس پر سب کا اجماع ہے)

نگاہ میں رکھئے موحد کامل کی اس آخری اور تاکیدی وصیت کو اور دل سے سوال کیجئے کہ خود اسی شیخ المشائخ سے نسبت کا دعوی کرنے والے کہاں تک اس پر عامل ہیں؟ ... "محی الدین" (دین کو زندہ کرنے والا) لقب حضرت کو معاصرین کاملین کی زبان سے اسی بناء پر تو ملا تھا کہ حضرتؒ کے ہاتھوں دین کا احیاء اور تجدید ہوئی تھی۔ پھر اسی محی الدین اور مجدد اعظم کے نام لیوا آج دین کی پیروی کس حد تک کررہے ہیں؟ کوئی آج اگر موحد اعظم ابراہیم خلیل اللہؑ کی مورتی بنا کر خود اسی کو پوجنے لگے تو اسے ابراہیمی کہنا کیوں کر صحیح ہوگا؟ بقول اکبر الہ آبادی۔

یاروں نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا

اور جس کی اس قسم کی تعلیم سے اس کی کتابیں بھری پڑی ہیں کہ اوصیک بتقوی اللہ وطاعتہ ولزوم ظاہر الشرع (کہ میں وصیت کرتا ہوں تم کو اللہ تعالیٰ کے تقوی اور طاعت کی اور شریعت ظاہرہ کی پابندی کی) اور جس نے درویشی کی حقیقت اس جامع و مانع دو لفظی فقرہ میں بیان کردی ہو کہ

وحقیقۃ الفقر ان لا تفتقر الی من ہو مثلک (یعنی درویشی کی حقیقت یہ ہے کہ تو اپنی ہی جیسی ہستی یعنی کسی بندہ کا محتاج نہ رہ)

آہ! کہ آج توحید کے اس مبلغ اعظم کی تعلیمات بھی چند رسوم اور خود تراشیدہ بدعات کی نذر ہو کر رہ گئی ہیں۔

مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن

(وما ابریٔ - سورہ یوسف)

۷۰۔ پھر جب یوسفؑ نے ان لوگوں کا سامان ان کی روانگی کے لئے مہیا کیا تو اپنے بھائی (بن یمین) کی بوری میں اپنا کٹورا رکھ دیا (تاکہ بطور نشانی کے اس کے پاس رہے) پھر ایسا ہوا کہ (جب یہ لوگ روانہ ہوگئے اور شاہی کارندوں نے پیالہ ڈھونڈھا اور نہ پایا تو ان پر شبہ ہوا اور) ایک پکارنے والے نے (ان کے پیچھے) پکارا: اے قافلے والو (ٹھیرو!) ہو نہ ہو تم ہی چور ہو۔

۷۱۔ وہ پکارنے والے کی طرف پھرے اور پوچھا: تمہاری کونسی چیز کھو گئی ہے؟

۷۲۔ (شاہی کارندوں نے) کہا: ہمیں شاہی پیمانہ نہیں ملتا۔ جو شخص اسے لادے اس کے لئے ایک بار شتر (غلہ) انعام ہے اور (کارندوں کے سردار نے کہا:) میں اس بات کا ضامن ہوں۔

۷۳۔ انھوں نے کہا: اللہ جانتا ہے ہم اس لئے نہیں آئے کہ ملک میں شرارت کریں اور یہ بات تم اچھی طرح جانتے ہو (کہ پہلے بھی ایک مرتبہ آچکے ہیں) اور ہمارا کبھی یہ شیوہ نہیں رہا کہ چوری کریں۔

۷۴۔ (کارندوں نے) کہا: اچھا! اگر تم جھوٹے نکلے تو بتلاؤ! چور کی سزا کیا ہونی چاہئے؟

۷۵۔ انھوں نے کہا: چور کی سزا یہ کہ جس کی بوری میں چوری کا مال نکلے وہ آپ اپنی سزا (یعنی اپنے جرم کی پاداش میں پکڑا جائے) ہم زیادتی کرنے والوں کو اسی طرح سزا دیتے ہیں۔

۷۶۔ پس (کارندوں کے سردار نے) ان کی بوریوں کی تلاشی شروع کی قبل اس کے کہ یوسفؑ کے بھائی (بن یمین) کی بوری کی تلاشی لیتے (اور کچھ نہ پایا)۔ پھر یوسفؑ کے بھائی کی بوری (دیکھی اور اس میں) سے پیالہ نکال لیا۔ (تو دیکھو!) اس طرح ہم نے یوسفؑ کے لئے (بن یمین کو پاس رکھنے کی) تدبیر کردی۔ وہ بادشاہ (مصر) کے قانون کی رو سے ایسا نہیں کرسکتا تھا کہ اپنے بھائی کو روک لے (اگرچہ ایسا کرنے کے لئے اس کا دل بے قرار تھا) مگر ہاں! اسی صورت میں کہ اللہ کو (اس کی راہ نکال دینا) منظور ہوتا (سو اس نے غیبی سامان کرکے راہ نکال دی) ہم جسے چاہتے ہیں مرتبوں میں بلند کردیتے ہیں اور ہر علم والے کے اوپر ایک علم والی ہستی ہے (جسکا علم سب کو احاطہ کئے ہوئے ہے۔ یعنی اللہ کی ہستی)۔

۷۷۔ (جب بن یمین کی بوری سے کٹورا نکل آیا تو) بھائیوں نے کہا: اگر اس نے چوری کی تو یہ کوئی عجیب بات نہیں۔ اس سے پہلے اس کا (حقیقی) بھائی بھی چوری کرچکا ہے۔ تب یوسفؑ نے (جس کے سامنے اب معاملہ پیش ہوا تھا (یہ بات اپنے دل میں رکھ لی اور ان پر ظاہر نہ کی کہ میرے منہ پر مجھے چور بنا رہے ہو اور صرف اتنا) کہا: سب سے بری جگہ تمہاری ہوئی (کہ اپنے بھائی پر جھوٹا الزام لگا رہے ہو) اور جو کچھ تم بیان کرتے ہو اللہ اسے بہتر جاننے والا ہے۔

۷۸۔ انھوں نے کہا: اے عزیز! اس کا باپ بہت بوڑھا آدمی ہے (اور اس سے بہت محبت رکھتا ہے) پس اس کی جگہ ہم میں سے کسی کو رکھ لیجئے (مگر اسے نہ روکئے)۔ ہم دیکھتے ہیں کہ آپ ان لوگوں میں سے ہیں جو احسان کرنے والے ہیں۔

۷۹۔ یوسفؑ نے کہا: اس بات سے اللہ کی پناہ کہ ہم اس آدمی کو چھوڑ کر جس کے پاس ہمارا سامان نکلا کسی دوسرے کو پکڑلیں۔ اگر ایسا کریں تو ہم ظالم ٹھیریں۔

۸۰۔ پھر جب وہ یوسف سے مایوس ہوگئے (کہ یہ ماننے والا نہیں) تو مشورے کے لئے (ایک جگہ) اکیلے میں بیٹھ گئے۔ جو ان میں بڑا تھا اس نے کہا: تم جانتے ہو کہ باپ نے (بن یمین کے بارے میں) اللہ کو شاہد ٹھیرا کر تم سے عہد لیا ہے اور اس سے پہلے یوسفؑ کے معاملے میں بڑی تقصیر ہوچکی ہے۔ پس میں تو اب اس ملک سے ٹلنے والا نہیں۔ جب تک خود باپ مجھے حکم نہ دے۔ یا پھر اللہ میرے لئے کوئی دوسرا فیصلہ کردے اور وہ سب سے بہتر فیصلہ کرنے والا ہے۔

۸۱۔ تم لوگ باپ کی طرف لوٹ جاؤ اور اس سے جاکر کہو: اے ہمارے باپ! (ہم کیا کریں) تیرے بیٹے نے (پرائے ملک میں) چوری کی۔ جو بات ہمارے جاننے میں آئی وہی ہم نے ٹھیک ٹھیک کہہ دی اور ہم غیب کی باتوں کی خبر رکھنے والے نہ تھے (کہ پہلے سے جان لیتے بن یمین سے ایسی بات سرزد ہونے والی ہے)۔

۸۲۔ اور (یہ بھی کہہ دینا کہ) آپ اس بستی سے دریافت کرلیں جہاں ہم ٹھیرے تھے اور اس قافلے کے آدمیوں سے پوچھ لیں جس میں ہم آئے ہیں۔ ہم (اپنے بیان میں) بالکل سچے ہیں۔

۸۳۔ (چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور کنعان آکر یہ ساری باتیں باپ سے کہہ دیں) اس نے (سن کر) کہا: نہیں! یہ تو ایک بات ہے جو تمہارے جی نے تمہیں سجھادی ہے (یعنی بن یمین کا چوری کرنا) خیر! میرے لئے صبر کے سوا چارہ نہیں، ایسا صبر کہ خوبی کا صبر ہو۔ اللہ (کے فضل) سے کچھ بعید نہیں ہے کہ وہ (ایک دن) ان سب کو میرے پاس جمع کردے۔ وہی ہے جو (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے تمام کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

۸۴۔ اور اس نے ان لوگوں کی طرف سے رخ پھیر لیا اور (چونکہ اس نئے زخم کی خلش نے پچھلا زخم تازہ کردیا تھا اس لئے (پکار اٹھا) "آہ یوسفؑ کا درد فراق"! اور شدت غم سے (روتے روتے) اس کی آنکھیں سفید پڑگئیں اور اس کا سینہ غم سے لبریز تھا۔

۸۵۔ (باپ کا یہ حال دیکھ کر بیٹے) کہنے لگے: بخدا! تم تو ہمیشہ ایسے ہی رہوگے کہ یوسفؑ کی یاد میں لگے رہو یہاں تک کہ (اسی غم میں) گھل جاؤ یا اپنے کو ہلاک کردو۔

۸۶۔ باپ نے کہا: میں تو اپنی حاجت اور اپنا غم اللہ کی جناب میں عرض کرتا ہوں (کچھ تمہارا شکوہ نہیں کرتا) میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں۔

۸۷۔ (پھر انھوں نے کہا:) اے میرے بیٹو! (ایک بار پھر مصر) جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے

بھائی کا سراغ لگاؤ۔ اللہ کی رحمت سے مایوس نہ ہو۔ اس کی رحمت سے مایوس نہیں ہوتے مگر وہی لوگ جو منکر ہیں۔

۸۸۔ پھر جب (باپ کے حکم کی تعمیل میں یہ لوگ مصر پہنچے اور) یوسفؑ کے پاس گئے تو (اپنے پھر آنے کی وجہ بیان کرتے ہوئے) کہا: اے عزیز! ہم پر اور ہمارے گھر کے آدمیوں پر بڑی سختی کے دن گزر رہے ہیں (پس مجبور ہو کر غلے کی طلب میں ہمیں پھر نکلنا پڑا) ہم تھوڑی سی پونجی لے کر آئے ہیں (اسے قبول کر لیجئے) اور غلے کی پوری تول عنایت کیجئے اور (اسے خرید و فروخت کا معاملہ نہ سمجھئے، بلکہ) ہمیں (محتاج سمجھ کر) خیرات دے دیجئے۔ اللہ خیرات کرنے والوں کو ان کا اجر دیتا ہے۔

۸۹۔ (یہ حال سن کر) یوسفؑ (کا دل بھر آیا اس) نے کہا: تمہیں یاد ہے تم نے یوسفؑ اور اس کے بھائی کے ساتھ کیا کیا تھا جب کہ تمہیں سمجھ بوجھ نہ تھی؟

۹۰۔ (یہ سن کر بھائی چونک اٹھے اور اب جو عزیز کی صورت اور آواز پر غور کیا تو ایک نیا خیال ان کے اندر پیدا ہو گیا) انھوں نے کہا: کیا فی الحقیقت تم ہی یوسفؑ ہو؟ یوسفؑ نے کہا: ہاں! میں یوسفؑ ہوں اور یہ (بن یمین) میرا بھائی ہے۔ اللہ نے ہم پر احسان کیا۔ اور حقیقت یہ ہے کہ جو کوئی (برائیوں سے) بچتا اور مصیبتوں میں ثابت قدم ہے تو اللہ (کا قانون یہ ہے کہ وہ) نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتا۔

۹۱۔ (یہ سن کر بھائیوں کے سر شرم و ندامت سے جھک گئے) انھوں نے کہا: بخدا! اس میں کچھ شک نہیں کہ اللہ نے تجھے ہم پر برتری دی اور بلاشبہ ہم سر تا سر قصوروار تھے۔

۹۲۔ یوسفؑ نے کہا: آج کے دن (میری جانب سے) تم پر کوئی سرزنش نہیں (جو ہونا تھا وہ ہو چکا) اللہ تمہارا قصور بخش دے۔ وہ تمام رحم کرنے والوں سے بڑھ کر رحم کرنے والا ہے۔

۹۳۔ (اب تم یوں کرو کہ) میرا یہ کرتا (بطور علامت کے) اپنے ساتھ لے جاؤ اور میرے باپ کے چہرے پر ڈال دو کہ اس کی آنکھیں روشن ہو جائیں۔ اور (پھر) اپنے گھرانے کے تمام آدمیوں کو لے کر میرے پاس آ جاؤ۔

۹۴۔ اور پھر جب (یہ لوگ یوسفؑ کے حکم کے مطابق کرتا لے کر روانہ ہوئے اور) قافلے نے مصر کی سرزمین چھوڑ دی تو (ادھر کنعان میں) ان کا باپ کہنے لگا: اگر تم لوگ یہ نہ کہنے لگو کہ بڑھاپے سے اس کی عقل ماری گئی تو میں کہوں گا مجھے یوسفؑ کی مہک آ رہی ہے (اور مجھے اس کا یقین ہے)

۹۵۔ سننے والوں نے کہا: بخدا! تم تو اب تک اپنے (اسی) پرانے خبط میں پڑے ہو (یعنی یوسفؑ کا تو نام و نشان بھی نہ رہا اور تمہیں اس کی واپسی کے خواب آ رہے ہیں!)

۹۶۔ لیکن پھر جب (قافلہ کنعان پہنچ گیا اور) خوشخبری سنانے والا (دوڑتا ہوا) آیا تو اس نے آتے ہی یوسفؑ کا کرتا یعقوبؑ کے چہرے پر ڈال دیا اور اس کی آنکھیں پھر سے روشن ہو گئیں۔ تب اس نے کہا: کیا میں نے تم سے نہیں کہا تھا کہ میں اللہ کی جانب سے وہ بات جانتا ہوں جو تمہیں معلوم نہیں؟

۹۷۔ وہ (شرم و ندامت میں ڈوب کر) بولے: اے ہمارے باپ! ہمارے گناہوں کی مغفرت کے لئے (اللہ کے حضور) دعا کر۔ فی الحقیقت ہم سے سراسر قصور ہی ہوتے رہے۔

۹۸۔ باپ نے کہا: وہ وقت دور نہیں کہ میں اپنے پروردگار سے تمہارے لئے دعاء مغفرت کروں۔ وہ بڑا بخشنے والا، بڑی ہی رحمت والا ہے۔

۹۹۔ پھر (جب ایسا ہوا کہ یوسفؑ کی خواہش کے مطابق) یہ لوگ کنعان سے روانہ ہو گئے اور شہر کے باہر) یوسفؑ سے ملے تو اس نے اپنے باپ اور ماں کو (عزت و احترام سے) اپنے پاس جگہ دی اور کہا: اب شہر میں چلو۔ خدا نے چاہا تو تمہارے لئے ہر طرح کی سلامتی ہے۔

۱۰۰۔ اور (جب شہر میں داخل ہوئے تو) اس نے اپنے والدین کو تخت پر اونچا بٹھایا (باقی سب کے لئے نیچے نشستیں رکھیں) اور (دیکھو!) اس وقت ایسا ہوا کہ سب اس کے آگے سجدے میں گر پڑے (اور مصر کے دستور کے مطابق اس کے منصب حکومت کی تعظیم بجا لائے) اس وقت (اسے اپنے بچپنے کا خواب یاد آ گیا اور بے اختیار) پکار اٹھا: اے باپ! یہ ہے تعبیر اس خواب کی جو مدت ہوئی میں نے دیکھا تھا۔ میرے پروردگار نے اسے سچا ثابت کر دیا۔ یہ اسی کا احسان ہے کہ مجھے قید سے رہائی دی۔ تم سب کو صحرا سے نکال کر میرے پاس پہنچا دیا اور یہ سب کچھ اس واقعے کے بعد ہوا کہ شیطان نے مجھ میں اور میرے بھائیوں میں اختلاف ڈال دیا تھا۔ بلاشبہ میرا پروردگار ان باتوں کے لئے جو کرنی چاہے بہتر تدبیر کرنے والا ہے۔ بلاشبہ وہی ہے کہ (سب کچھ) جاننے والا (اور اپنے سارے کاموں میں) حکمت رکھنے والا ہے۔

۱۰۱۔ (پھر یوسفؑ نے دعا کی:) پروردگار! تو نے مجھے حکومت عطا فرمائی اور باتوں کا مطلب اور نتیجہ نکالنا تعلیم فرمایا اے آسمان و زمین کے بنانے والے! تو ہی میرا کارساز ہے دنیا میں بھی اور آخرت میں بھی تو (اپنے فضل و کرم سے) ایسا کیجیو کہ دنیا سے جاؤں تو تیرے فرماں برداری کی حالت میں جاؤں اور ان لوگوں میں داخل ہو جاؤں جو تیرے نیک بندے ہیں۔

تفسیر

۷۰ تا ۷۹۔ حضرت یوسفؑ کا چاہنا کہ بن یمین کو اپنے پاس رکھ لیں، لیکن اس کی کوئی راہ نہ پانا اور رخصت کر دینا، لیکن حکمت الٰہی سے ایک عجیب و غریب حادثے کا پیش آ جانا اور بن یمین کا ان کے پاس رہ جانا۔

۱۔ بن یمین حضرت یوسفؑ کا حقیقی بھائی تھا۔ اتنی مدت کے بعد دیکھا تو کسی طرح دل نہیں مانتا تھا کہ اسے جدا ہونے دیں۔ لیکن مشکل یہ آ پڑی کہ روک بھی نہیں سکتے تھے۔ اس بارے میں مصر کا قانون بہت سخت تھا۔ بلاوجہ کسی آدمی کو خصوصاً اجنبی کو روک لینا جائز نہ تھا اور ابھی اس کا وقت بھی نہیں آیا تھا کہ اپنی شخصیت بھائیوں پر ظاہر کریں۔ مجبور ہو کر رخصت کر دیا اور اس غرض سے کہ اپنی ایک نشانی اسے دے دیں اس کے سامان میں اپنا چاندی کا کٹورا رکھ دیا۔ چونکہ بھائیوں پر اس بات کا اظہار خلاف مصلحت تھا اس لئے یہ بات پوری پوشیدگی کے ساتھ عمل میں آئی۔

لیکن جب یہ لوگ روانہ ہو گئے تو حضرت یوسفؑ کے محل کے کارندوں نے پیالہ ڈھونڈھا اور جب نہ ملا تو ان لوگوں کے تعاقب میں نکلے۔ انہیں پیالے کا حال معلوم نہ تھا اور چوں کہ ان لوگوں کے سوا کوئی اور آدمی محل میں ٹھیرا نہیں تھا، اس لئے

گئے ہو نہ ہو انھیں اجنبیوں کی کارستانی ہے ۔ پھر جب کارندوں کے سردار نے تلاشی لی (جس کی موجودگی کا پتہ آیت ۷۲ کے اس جملے سے ملتا ہے کہ "انا بہ زعیم") تو بن یمین کی خرجی سے یہ پیالہ نکل آیا ۔ اب کوئی وجہ نہ تھی کہ اس کے چور ہونے میں انھیں شبہ ہوتا ۔ وہ ان سب کو لے کر حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچے۔

جب حضرت یوسفؑ نے یہ معاملہ سنا تو سمجھ گئے کہ اس حادثے میں خدا کا ہاتھ کام کر رہا ہے اور اس نے بن یمین کو روک لینے کا خود بخود سامان پیدا کر دیا ہے ۔ وہ خاموش ہو رہے اور کہا تو صرف یہی کہا کہ ہم اور کسی کو روک نہیں سکتے ۔ اسی کو روکیں گے جس کے پاس ہماری چیز نکلی۔ یہ دراصل وہی بات تھی جو خود ان لوگوں کی زبان سے نکل چکی تھی۔ ان سے جب کارندوں نے پوچھا تھا "اگر مال نکل آیا تو چور کی کیا سزا" تو انھوں نے کہا تھا: جس کے پاس سے نکلے وہ خود اپنی سزا ہو، یعنی بطور قیدی کے یا غلام کے اسے صاحب مال رکھ لے۔

یہی وجہ ہے کہ آیت ۷۶ میں اسے معاملے کے ذکر کے بعد ہی فرمایا "کذلک کدنا لیوسف" یوسف ملک کے قانون کے مطابق بن یمین کو نہیں روک سکتا تھا اور اس نے روکنا چاہا بھی نہیں ۔ اگرچہ دل اس کے لئے بے قرار تھا ۔ لیکن حکمت الٰہی نے ایک مخفی اور دقیق تدبیر پیدا کر دی جو انسان کے کئے نہیں ہو سکتی تھی ۔ اور "کید" کے معنی مخفی اور دقیق تدبیر ہی کے ہیں۔

(ب) جھوٹوں کا قاعدہ ہے کہ کوئی موقع کوئی بات ہو جھوٹ بولنے سے نہیں رکتے ۔ اگر مدح کا موقع ہو تو جھوٹی مدح کر دیں گے ۔ مذمت کا موقع ہو تو کوئی جھوٹا الزام لگا دیں گے ۔ جب بن یمین کی خرجی میں سے پیالہ نکل آیا تو بھائیوں کا سوتیلے پن کا حسد جوش میں آ گیا ۔ جھٹ بول اٹھے "اگر اس نے چوری کی تو کوئی عجیب بات نہیں ۔ اسکا بھائی یوسفؑ بھی چور تھا ۔ پس یہ بغض و حسد کی ایک بات تھی ۔ اس کا مطلب یہ نہیں سمجھنا چاہیئے کہ واقعی کوئی ایسی بات ہوئی بھی تھی ۔ قرآن نے خصوصیت کے ساتھ انکی یہ بات اس لئے نقل کی کہ واضح ہو جائے بغض و حسد انسان کو کیسی کیسی غلط بیانیوں کا عادی بنا دیتا ہے۔

۸۰ تا ۸۷ ۔ حضرت یعقوبؑ کا بن یمین کی گمشدگی میں بازیافتگی کی ایک نئی امید محسوس کرنا اور بیٹوں کو جستجوئے مقصود میں روانہ کرنا، بالآخر پردہ راز کا ہٹنا اور کرشمہ حقیقت کا سامنے آجانا۔

ا ۔ اب یہ سرگذشت عبرت اپنی آخری منزل سے قریب ہو رہی ہے ۔ جب یوسفؑ کے بھائی بن یمین کے معاملے میں مایوس ہو گئے تو آپس میں مشورہ کرنے لگے کہ اب کیا کرنا چاہیئے ۔ تورات میں ہے کہ جب حضرت یعقوبؑ راضی نہیں ہوتے تھے کہ بن یمین کو جدا کریں تو روبن نے خصوصیت کے ساتھ اس کی حفاظت کا ذمہ لیا تھا (پیدائش ۴۲ : ۳۷) اور روبن ہی ان سب سے بڑا تھا ۔ پس اس نے کہا: یوسفؑ کے معاملے میں ہم سے جو بدعہدی ہو چکی ہے اس کا داغ اب تک باپ کے دل سے مٹا نہیں ۔ اب بن یمین کے لئے ہم نے قول و قرار کیا تھا اس کا نتیجہ یہ نکلا ۔ میری ہمت تو پڑتی نہیں کہ باپ کو جا کر منہ دکھاؤں ۔ تم جاؤ اور جو کچھ گزرا ہے بے کم و کاست سنا دو ۔ چنانچہ بھائیوں نے ایسا ہی کیا اور گھر آکر تمام سرگذشت باپ کو سنا دی۔

ب ۔ غور کرو! قرآن واقعہ کی جزئیات نقل کرتے ہوئے کس طرح دقیق سے دقیق پہلو فطرت انسانی کے ملحوظ رکھتا ہے ۔ بن یمین ان سب کا بھائی تھا ۔ ماں ایک نہ سہی مگر باپ تو ایک ہی تھا ۔ لیکن انھوں نے یہ نہیں کہا کہ ہمارے بھائی نے چوری کی ، بلکہ کہا: تیرے لڑکے نے چوری کی ۔ اس ایک بات میں کتنی باتیں چھپی ہوئی ہیں ۔ اس میں طعن ہے ، تحقیر ہے ، ملامت ہے ، اپنی بڑائی ہے ۔ مغرورانہ براءت ہے اور پھر حد درجے کی سنگ دلی ہے کہ ایسے موقع پر بھی جب کہ بوڑھے باپ کے دل پر ایک نیا زخم لگنے والا تھا ، طعن و تشنیع سے باز نہ رہ سکے اور کہا: یہ ہے تیرا چہیتا بیٹا جس نے چوری کا ارتکاب کیا اور ہم سب کو مصیبت میں ڈالا۔

ج ۔ معلوم ہوتا ہے حضرت یعقوبؑ نے بن یمین کی گمشدگی میں یوسفؑ کی بازگشت کی جھلک دیکھ لی تھی اور یہ ان کی فراست نبوت کا کرشمہ تھا ، اس لئے فرمایا: "عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا" اور یہ قرب وصال کے تصور کا نتیجہ تھا کہ درد فراق کی شدتیں بڑھ گئیں اور بے اختیار "یااسفی علی یوسف" کی صدا نکل گئی ، اور اسی لئے آخر میں اشارہ کیا "واعلم من اللہ مالا تعلمون"

د ۔ اس کے بعد حضرت یعقوبؑ کا کہنا کہ "مایوس ہو کر نہ بیٹھ جاؤ ۔ جاؤ اور یوسفؑ اور اس کے بھائی کا سراغ لگاؤ" واضح کر دیتا ہے کہ وحی الٰہی کا اشارہ ہو چکا تھا اور وہ سمجھ چکے تھے کہ شمیم یوسف اسی رخ سے آنے والی ہے ، ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ یوسفؑ کا نام ان کی زبان سے نکلتا ، کیونکہ جو معاملہ پیش آیا تھا بن یمین کا تھا ، یوسفؑ کا نہ تھا ، چنانچہ آگے چل کر آیت ۹۶ سے بھی اس کی تصدیق ہوتی ہے ۔ جب حضرت یوسفؑ کا کرتا اور پیام پہنچا تو انھوں نے کہا: "الم اقل لکم انی اعلم من اللہ مالا تعلمون"۔

۸۸ تا ۹۳ ۔ (ہ) ایک طرف تو یہ حالات پیش آ رہے تھے ، دوسری طرف قحط کی شدتیں بھی روز بروز بڑھتی جاتی تھیں ۔ پس بھائیوں نے مصر آکر جو کچھ حضرت یوسفؑ سے کہا وہ اپنے دوبارہ آنے کا بہانہ نہ تھا ، بلکہ واقعی مصیبت کی سچی داستان تھی ۔ جب حضرت یوسفؑ نے یہ حالات سنے اور دیکھا کہ ان کے بھائی ان کے سامنے کھڑے خیرات کی بھیک مانگ رہے ہیں تو جوش رحم و محبت سے بے اختیار ہو گئے اور اب اپنے آپ کو ظاہر کر دیا ۔ جب انھوں نے کہا: تمہیں یاد ہے تم نے یوسفؑ کے ساتھ کیا کیا تھا؟ تو بھائی چونک اٹھے کہ عزیز مصر یوسفؑ کا ذکر اس طرح کیوں کر رہا ہے؟ اور اب جو اس کی صورت اور آواز پر غور کیا تو صاف نظر آ گیا کہ یہ تو بالکل یوسفؑ کی سی ہے ۔ پس حیران ہو کر بول اٹھے: "ائنک لانت یوسف؟"

قرآن نے اس موقع کا سارا مکالمہ صرف دو جملوں میں بیان کر دیا ہے: ایک حضرت یوسفؑ کا ہے ، دوسرا بھائیوں کا ، لیکن غور کرو! موقع کی طبیعت حال کا کونسا پہلو ہے جو ان دو جملوں کے اسلوب بیان اور لب و لہجہ میں نہیں آ گیا؟ بھائیوں نے یہ نہیں کہا "کیا تم یوسفؑ ہو؟" بلکہ کہا "ائنک" اور "لانت یوسف" یعنی کیا فی الحقیقت کیا تم ہی یوسف ہو؟ اس اسلوب استفہام نے وہ ساری حالتیں واضح کر دیں جو ان کے ذہن و فکر پر اس وقت طاری ہو گئی

تھیں اور اس طرح کے موقع میں قدرتی طور پر طاری ہوا کرتی ہیں۔

و۔ جب بھائیوں نے یوسفؑ کی ہلاکت کی خبر باپ کو سنائی تھی تو خون آلود کرتا جاکر دکھایا تھا۔ اب وقت آیا کہ زندگی و اقبال کی خوشخبری سنائی جائے تو اس کے لئے بھی کرتے ہی نے نشانی کا کام دیا۔ وہی چیز جو کبھی فراق کا پیام لائی تھی، اب وصال کی بشارت بن گئی۔

۹۴ تا ۹۶۔ حضرت یعقوبؑ کے خاندان کا مصر پہنچنا، خواب کی تعبیر کا ظہور میں آنا اور سرگذشت کا خاتمہ:

ا۔ ادھر کاروان بشارت نے کوچ کیا اور ادھر کنعان میں حضرت یعقوبؑ نے کہنا شروع کردیا: انی لاجد ریح یوسف "مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے:

ولقد تھب لی الصبا من ارضھا
فیلذ مس ھبوبھا و یطیب

اس سے معلوم ہوا کہ وحی الٰہی نے انھیں مطلع کردیا تھا کہ اب ایام فراق قریب الاختتام ہیں اور مژدہ وصال جلد پہنچنے والا ہے۔

ب۔ جب بھائیوں نے حضرت یوسفؑ کے آگے عجز و اعتراف کا سر جھکایا تو انھوں نے بلا تامل کہہ دیا: "لاتثریب علیکم الیوم، یغفر اللہ لکم وھو ارحم الرحمین"۔ لیکن جب حضرت یعقوبؑ سے دعا مغفرت کے طلب گار ہوئے تو کہا: "سوف استغفر لکم ربی" میں عنقریب تمہارے لئے دعا مغفرت کروں گا۔ یعنی طلب مغفرت کی دعا کو کسی آئندہ وقت پر ملتوی کردیا۔ یہ اختلاف حال غالباً اس بات کا نتیجہ ہے کہ بھائیوں نے جو کچھ ظلم کیا تھا وہ حضرت یوسفؑ کی ذات خاص پر کیا تھا، اس لئے انھیں عفو و درگذر میں تامل نہیں ہوا، کیونکہ معاملہ خود ان کا معاملہ تھا، لیکن حضرت یعقوبؑ کو تامل ہوا، کیونکہ معاملہ صرف انھیں کا نہیں بلکہ حضرت یوسفؑ کا بھی تھا۔ پس فرمایا: میں عنقریب ایسا کروں گا، یعنی عنقریب وہ وقت آنے والا ہے کہ سب یکجا ہوں گے اور عفو و بخشش کا آخری فیصلہ ہوجائے گا۔ پھر میری دعائیں ہوں گے اور تم ہوگے۔

۹۹ تا ۱۰۱۔ (ج) تورات میں ہے کہ جب یوسفؑ نے اپنے بھائیوں پر اپنے آپ کو ظاہر کردیا تو وہ گھبرا گئے، لیکن یوسفؑ نے انھیں تسلی دی اور کہا: اپنے دلوں میں پریشان نہ ہو، یہ خدا کی مصلحت تھی کہ اس نے مجھے تم لوگوں سے پہلے اس سرزمین میں بھیج دیا۔ دو برس سے زمین پر کال ہے اور ابھی پانچ برس اور کال رہے گا۔ پس خدا نے مجھے اس لئے مصر کا حاکم بنادیا کہ تمہاری اولاد باقی رہے اور تمہیں غموں سے نجات ملے۔ تم اب فوراً میرے باپ کے پاس جاؤ اور اسے مع اپنے پورے گھرانے کے میرے پاس لے آو۔ میں اسے جشن کی زمین میں رکھوں گا (پیدائش ۴۵: ۴ تا ۱۰)

تورات سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جب فرعون کو معلوم ہوا یوسفؑ کے بھائی آئے ہیں تو وہ بہت خوش ہوا اور اس نے یوسفؑ کو کہا: اپنے بھائیوں سے کہہ اپنے باپ اور اپنے گھرانے کو میرے پاس لے آئیں۔ میں انھیں مصر کی ساری اچھی چیزیں دوں گا۔ نیز حکم دیا کہ ان کے لانے کے لئے مصر کے رتھ اپنے ساتھ لے جائیں اور جو اسباب وہاں چھوٹ جائے اس کا افسوس نہ کریں۔ مصر کی ساری خوشیاں ان کے لئے ہوں گی (پیدائش ۴۵: ۱۶ تا ۱۸)

د۔ چنانچہ کنعان سے حضرت یعقوبؑ کا گھرانہ روانہ ہوگیا۔ تورات میں ہے کہ وہ سب ۶۷ تھے اور اگر یوسفؑ اور اس کے لڑکوں کو جو مصر میں پیدا ہوئے تھے ملالیا جائے تو خاندان کی پوری تعداد ستر ہوجاتی ہے (پیدائش ۴۶: ۲۷)

ہ۔ جب قافلہ مصر کے قریب پہنچا تو حضرت یوسفؑ نے ان کا استقبال کیا۔ اس زمانے میں مصر کا دارالحکومت رعمسیس (Ramses) تھا اور اسے جشن کا شہر کہتے تھے، کیونکہ سالانہ جشن وہیں ہوا کرتا تھا (۵۴)۔ پس یہ لوگ دارالحکومت میں آئے جہاں حضرت یوسفؑ نے دربار منعقد کیا اور اپنے والدین کے لئے بلند مسند بچھائی۔ اب وہ وقت آگیا تھا جس کا موقع سالہا سال پہلے حضرت یوسفؑ نے خواب میں دیکھا تھا۔ جونہی حضرت یوسفؑ دربار میں نمودار ہوئے تمام درباریوں نے مصر کے دستور کے مطابق تعظیم دی اور تعظیم یہ تھی کہ سجدے میں گر پڑے۔ جب حضرت یوسفؑ کے والدین اور بھائیوں نے یہ دیکھا تو وہ بھی سجدے میں جھک گئے اور درباریوں کا ساتھ دیا۔ تب حضرت یوسفؑ کو اپنے خواب کی بات یاد آگئی۔ وہ بے اختیار پکار اٹھے: "ھذا تاویل رءیای من قبل قد جعلھا ربی حقا" انھوں نے خواب میں دیکھا تھا کہ سورج، چاند اور گیارہ ستارے ان کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔ تو سورج اور چاند ان کے والدین تھے اور گیارہ ستارے گیارہ بھائی تھے آج یہ سب ان کی عظمت و جلال کے آگے جھک گئے اور وقت کی سب سے بڑی مملکت کے اوج و اقبال نے اپنا تخت ان کے لئے خالی کردیا!

و۔ حضرت یعقوبؑ اور ان کے بیٹوں کا یہ سجدہ تعظیم کا سجدہ تھا۔ دنیا میں قدیم سے یہ دستور چلا آتا ہے کہ حکمرانوں اور پیشواؤں کے آگے سجدے کرتے ہیں اور اسے تعظیم و احترام کی خاص علامت سمجھتے ہیں۔ مصر، بابل، ایران، ہندوستان اور سلاطین بنی اسرائیل سب کے یہاں تعظیم و احترام کا یہی طریقہ رائج تھا اور ہندوستان میں اب تک رائج ہے۔ لیکن قرآن نے توحید کے اعتقاد و عمل کا جو اعلیٰ معیار قائم کیا۔ وہ اس طرح کے رسوم و اشکال کا متحمل نہیں ہوسکتا تھا۔ اس نے سجدے کی ہر قسم اور ہر صورت صرف اللہ ہی کی عبادت کے لئے مخصوص کردی اور کسی حال میں جائز نہ رکھا کہ کسی دوسری ہستی کے لئے سرنیاز جھکایا جائے۔ اس نے صرف سجدے ہی کو نہیں روکا جو پیشانی کے زمین پر رکھنے کا نام ہے، بلکہ یہ بھی جائز نہ رکھا کہ کوئی انسان کسی دوسرے ہستی کے آگے اپنا جسم دہرا کرے۔ ہر جھکاؤ ہر خمیدگی ہر رکوع جو اسکی قامت پر طاری ہوسکتا ہے، وہ کہتا ہے صرف اللہ ہی کے لئے ہے اور کوئی دوسری ہستی اس میں شریک نہیں ہوسکتی۔

پس یاد رہے کہ یہاں جو کچھ بیان کیا گیا ہے وہ محض ایک گزشتہ واقعے کی حکایت ہے۔ اسلامی احکام کی تشریح نہیں ہے۔

ز۔ اسطرح یہ سرگذشت جس خواب کے ذکر سے شروع ہوئی تھی اسی کی تعبیر کے ظہور پر ختم ہوگئی۔

ح۔ حضرت یوسفؑ نے اس موقع پر جو کچھ فرمایا اور اس کے بعد جو دعا فرمائی وہ ان کی سیرت مطہرہ کا سب سے زیادہ اہم مقام ہے اور اس کی مختصر تشریح آگے آئے گی۔

..... سلسلہ جاری ہے

سارک چوٹی اجلاس

ہندو پاک کشیدگی کم کرنے میں معاون

ہندوستان اور پاکستان کے مابین جنگ جیسی صورتحال ہر دو طرف جنگی تیاریاں اور دونوں ممالک کے سفارتی اقدامات نے بین الاقوامی سطح پر تشویش کی لہر دوڑادی تھی۔ امریکہ و برطانیہ کے بشمول دیگر ممالک کی جانب سے دونوں ملکوں کو مل بیٹھ کر آپسی تنازعات کی یکسوئی کے لئے رضامند کرنے سرگرمیاں تیز ہوگئیں اور ان غیر یقینی حالات میں نیپال کے دارالحکومت کھٹمنڈو میں سارک چوٹی اجلاس منعقد ہوا۔ ابتداء میں اس چوٹی اجلاس کے انعقاد سے متعلق بھی کافی اندیشے پلئے جارہے تھے تاہم سارک میں شامل تمام سات رکن ممالک نے چوٹی اجلاس میں شرکت سے اتفاق کیا۔ اس طرح اجلاس کا انعقاد ممکن ہوسکا ورنہ حالات عین برعکس تھے۔ سارک چوٹی اجلاس اپنے مقصد میں کس حد تک کامیاب رہا یہ ایک الگ بحث ہے لیکن صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے اپنے خطاب کے بعد وزیراعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی کے پاس آکر "دوستی کا ہاتھ" بڑھایا جسے غیر معمولی اہمیت دی گئی۔ دونوں قائدین کے اس مصافحہ کا جہاں بین الاقوامی برادری نے خیر مقدم کیا وہیں ہندوستان نے واضح موقف اپنایا کہ اسے دوستی کے ہاتھ کی نہیں بلکہ دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے عملی اور ٹھوس اقدامات کی ضرورت ہے۔ وزیراعظم مسٹر واجپائی نے اپنی تقریر میں اس مصافحہ کا ذکر کرتے ہوئے ہندوستان کے موقف کو واضح کردیا۔ اس طرح یہ مصافحہ اگرچہ دونوں ممالک میں تعلقات کو بہتر بنانے میں حسب توقع معاون نہ ہوسکا لیکن سرحد پر ہونے والی تشویشناک سرگرمیوں اور کشیدگی کو قدرے کم کرنے میں مدد ملی۔ اس وقت ساری توجہ سارک کانفرنس کی سمت مبذول تھی۔ دراصل سارک جنوبی ایشیاء کے سات ممالک کی تنظیم ہے جو 17 سال قبل علاقائی اتحاد، باہمی تعاون کے فروغ، آزادانہ تجارت اور غربت کے خاتمہ کے مقصد سے قائم کی گئی۔ لیکن اس طویل عرصہ میں سارک نے کوئی قابل قدر رول انجام نہیں دیا۔ سارک کو فعال بنانے کی سنجیدہ کوشش بھی نہیں کی گئیں۔ اس کے باوجود ان حالات میں جبکہ ہند و پاک کشیدگی کے دور سے گزر رہے ہیں اس کانفرنس کا انعقاد خوش آئند ہے۔ دہشت گردی اس کانفرنس کا اصل موضوع رہا۔ 11 ستمبر 2001ء کو امریکہ پر ہوئے حملے اور 13

ڈسمبر 2001 ، کو ہندوستانی پارلیمنٹ پر دہشت گردوں کے ناکام حملے نے ساری توجہ اس اہم اور سنگین مسئلہ دہشت گردی کی سمت مبذول کردی ہے ۔ ہندوستان نے اس کارروائی کا سخت نوٹ لیتے ہوئے پاکستان سے مطالبہ کیا کہ وہ ہندوستان کو مطلوب 20 مجرمین حوالے کرے ۔ اس فہرست میں جیش محمد کے سربراہ مسعود اظہر ، انڈر ورلڈ ڈان داؤد ابراہیم ، ایوب میمن ، ٹائیگر میمن ، سید صلاح الدین ، چھوٹا شکیل اور دوسرے شامل ہیں۔ ہندوستان نے سفارتخانہ کے اسٹاف میں 50 فیصد تخفیف کردی جس کے نتیجہ میں عملہ کو خصوصی طیارہ کے ذریعہ پاکستان واپس جانا پڑا ۔ پاکستان کی طرف سے یہی اقدام کیا گیا۔ دونوں ممالک کے مابین ریل اور بس رابطہ منقطع ہوگیا۔ اس وقت حالات اگرچہ کشیدہ ہیں لیکن صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کے اقدامات سے بین الاقوامی برادری مطمئن ہے ۔ انھوں نے ہر قسم کی دہشت گردی کی مذمت کی اور پاکستان میں اسے ختم کرنے کے لئے عملی اقدامات شروع کردئے ہیں۔ پاکستان کے سیاسی حالات کچھ اس طرح سے تبدیل ہورہے ہیں کہ امریکی دباؤ میں آکر صدر پرویز مشرف کو وہ سب کچھ کرنا پڑرہا ہے جو شائد عوام کی اکثریت کے لئے ناقابل قبول ہو۔ تاہم جنرل پرویز مشرف ان باتوں کی پرواہ کئے بغیر دہشت گردی کو ختم کرنے کا عزم کئے ہوئے ہیں۔ انھوں نے پڑوسی ملک افغانستان میں اپنے دیرینہ حلیف اور اسی کی پشت پناہی سے اقتدار پر آنے والے طالبان کے خلاف امریکی تائید کو ترجیح دی۔ جنرل پرویز مشرف پر اب یہ دباؤ ہیکہ وہ کشمیر میں دہشت گردی کی تائید کا سلسلہ بند کریں ۔ اس خصوص میں انھوں نے بعض مثبت اقدامات بھی کئے ہیں۔ ایک اطلاع یہ بھی ہیکہ جنرل پرویز مشرف نے آئی ایس آئی کو سختی سے ہدایت دی ہیکہ وہ دہشت گردوں کی تائید بند کرے ۔ اس کے علاوہ کشمیر میں سرگرم عسکریت پسند تنظیموں کی مدد نہ کی جائے ۔ ان اقدامات سے صدر امریکہ جارج ڈبلیو بش بھی مطمئن ہیں۔ چنانچہ انھوں نے ہندوستان کو صبر و تحمل کے مظاہرہ کی ہدایت دی ہے ۔ جہاں تک 20 افراد کی حوالگی کا ہندوستان کا مطالبہ ہے پاکستان نے اسے نظرانداز کردیا ہے ۔ وزیر خارجہ پاکستان عبدالستار نے واضح طور پر کہا کہ محض ہندوستان کے مطالبہ پر ان سب کو حوالہ نہیں کیا جاسکتا ۔ ہندوستان کو سب سے پہلے ٹھوس ثبوت فراہم کرنا چاہئے ۔ صدر مشرف نے تو اس سے بھی زیادہ سخت موقف اپناتے ہوئے سارک چوٹی اجلاس میں شرکت کے لئے روانگی سے قبل منعقدہ نیشنل سیکورٹی کونسل اور کابینہ کے اجلاس میں واضح طور پر کہا کہ اگر دہشت گرد سرگرمیوں کے خلاف ٹھوس ثبوت بھی پیش کئے جائیں تو ان کی حوالگی کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ حکومت قانون کے مطابق ان سے نمٹے گی ۔ اس کے ساتھ ساتھ پاکستان نے فوج کو بھی الرٹ کردیا ہے اور سرحد پر اس کی سرگرمیاں تیز ہوگئیں ۔ دوسری طرف ہندوستان نے بھی پاکستان کے خلاف اپنا موقف انتہائی سخت کردیا ۔ فوجی سرگرمیاں تیز کردی گئیں اور جنگ کے لئے قوم کو ذہنی طور پر تیار کرنے کا عمل بھی شروع ہوگیا تھا ۔ وزیراعظم واجپائی نے سال نو کے موقع پر قوم سے خطاب کرتے ہوئے واضح

الفاظ میں کہا کہ عرصہ دراز سے اسلام آباد کے حکمرانوں نے جنگی تصادم پر ہی بھروسہ کیا جس کا ثبوت 1948ء، 1965ء اور 1971ء کی تین جنگیں ہیں۔ ان کے ذریعہ پاکستان نے اس مسئلہ کو اپنے حق میں کرنا چاہا۔ اس کوشش میں بری طرح ناکام ہونے کے بعد پاکستان میں ہندوستان مخالف قوتوں نے دہشت گردی کی پرورش شروع کرنے کا فیصلہ کیا اور مذہبی انتہاء پسندی اور دہشت گردی کا راستہ اپنایا اور ان دونوں اہم طریقوں سے ہمارے ملک میں علحدگی پسند رجحانات کو ہوا دینی چاہی۔ مجھے واضح طور پر یہ کہنا ہے کہ وہ ایک انتہائی خطرناک سراب سے گزر رہے ہیں جس چیز کو وہ کھلی فوجی جارحیت کے ذریعے حاصل نہ کرسکے اسے وہ کبھی بھی سرحد پار کی دہشت گردی سے نہیں پاسکیں گے۔

پنجاب میں وہ اپنے مذموم عزائم میں بری طرح ناکام ہوتے۔ دہشت گردی سے پنجاب میں خون بہایا گیا لیکن آخر میں وہ پنجاب سے بھاگ گئے۔ وہ ہندو سکھ اتحاد کو نہیں توڑ سکے۔ جموں و کشمیر میں بھی ناکام ہوکر رہیں گے۔

البتہ ناکامیوں کا ان کا یقین انہیں ایک ایسے مایوس کن راستے پر لے جارہا ہے جس پر چل کر وہ اور بھی خطرناک ایجنڈے سے دوچار ہوں گے۔ ۱۳ دسمبر کو ہماری پارلیمنٹ پر حملہ سے یہ واضح ہوگیا ہے کہ بلاشبہ پاکستان میں ہندوستان مخالف قوتیں ہماری سرزمین پر تباہی مچانے اور برباد کرنے پر تلی ہیں۔

یہ ہماری خود مختاری اور ہماری عزت پر حملہ تھا۔ یہ ہماری جمہوریت کیلئے چیلنج تھا۔

حالانکہ ہندوستان پچھلی دو دہائیوں سے سرحد پار کی دہشت گردی کا شکار ہورہا ہے۔ جس میں ہمارے ہزاروں بے گناہ مرد اور عورتیں اور سلامتی عملے کے ارکان مارے جاچکے ہیں۔ تاہم ۱۳ دسمبر کے حملے نے قوم کی برداشت کی حدوں کو پار کردیا ہے۔

اگرچہ یہ حقیقت ہے کہ وہ دہشت گرد جنہوں نے پارلیمنٹ کی حدوں میں حملہ کیا، اپنے اصل مقصد میں ناکام ہوگئے۔

اس طرح کے حملوں سے اپنی حفاظت کا واحد طریقہ یہ ہے کہ ہم پاکستان پر اس بات کیلئے زور دیں کہ وہ سرحد پار سے دہشت گردی ختم کرے۔

۱۳ دسمبر کے بعد ہم نے جو متعدد سیاسی اور سفارتی اقدامات کئے وہ اسی حکمت عملی کا ایک حصہ ہیں۔ ہندوستان جنگ نہیں چاہتا لیکن یہ ایک درپردہ جنگ ہے جو پہلے ہی ہم پر تھوپی گئی ہے۔ ہندوستان کے خلاف دہشت گردی کو اکسانے کے نتائج کی تمام تر ذمہ داری پاکستان پر ہوگی۔ وہ جب ضروری خیال کرتا ہے تو دہشت گرد گروپوں کے خلاف اپنی آنکھیں موند لیتا ہے اور اس کی سرزمین سے پاکستان سے باہر کے

وزیراعظم برطانیہ مسٹر ٹونی بلیئر اہلیہ چیری بلیئر کے ساتھ

ملکوں تک دہشت گردی کے رابطے ہیں۔

انہوں نے اس بات پر بھی خطرہ اور تشویش ظاہر کی ہے کہ پاکستان کی اس پالیسی نے اسے وہاں کے سماجی تانے بانے اور اس کے اداروں کو بری طرح متاثر کیا ہے، جس کے تحت طالبان کو منظم طور پر آگے بڑھایا گیا جس کا بظاہر مقصد یہ تھا کہ افغانستان میں جنگی حکمت عملی کا فائدہ ہو اور وہاں سے جموں و کشمیر میں ہندوستان کے خلاف [illegible] دہشت گردی میں اضافہ کیا جائے۔ پہلی حکمت عملی کا کھیل پہلے ہی ختم ہوچکا ہے اور دوسری حکمت عملی کا بھی یہی حشر ہونے والا ہے۔

پاکستان کی قیادت نے قابل تعریف فیصلہ یہ کیا کہ وہ بھی افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی جنگ میں شریک ہوگیا۔ اس کا یہ قدم اس بات کا مظہر تھا کہ اب تک اس نے افغانستان میں طالبان کی حکومت کی جو حمایت کی تھی اس میں اس نے یکایک پلٹی مار دی لیکن ان کا حقیقی ارادہ کیا تھا؟ اگر یہ وہی تھا جو بین الاقوامی برادری کا تھا یعنی کہ دہشت گردی اور انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنا، تو میں ان کے [illegible] ہاتھ بڑھانا چاہتا ہوں۔

میں ابھی بھی اپنے اس عہد پر قائم ہوں۔ فروری ۱۹۹۹ء میں لاہور تک بس کے ذریعہ سفر، صدر پرویز مشرف کو جولائی میں آگرہ آنے کی دعوت دینا، جموں و کشمیر میں ہماری کئی بار بڑھائی گئی جنگ بندی امن کی تلاش کے نت نئے طریقے تھے۔ کارگل میں ہمارے ساتھ جو بدعہدی کی گئی تھی، اس کے باوجود یہ تلاش جاری رہی ہم ان کوششوں کو مزید تقویت دیں گے بشرطیکہ پاکستان بھی ہندوستان کے ساتھ قیام امن کے معاملہ میں اسی قدر اخلاص کا ثبوت دے۔

۱۳ دسمبر کے واقعات کے بعد ہم نے پاکستان کے سامنے اپنی کچھ جائز مانگیں رکھی ہیں، ان مانگوں کو پورا کرنے میں وہ کتنا مخلص ہے۔ اس کی اس ایک بات سے اس کی سچائی ظاہر ہوجائے گی۔ ہمیں امید ہے کہ بین الاقوامی برادری بھی ہمارے دوست پاکستان پر ضرور دباؤ ڈالیں گے تاکہ وہ دہشت گردی کے حوالے سے اپنے دوہرے معیار کو ترک کردے۔

دہشت گردی کے خاتمہ کا عزم لئے سارک کانفرنس اختتام کو پہنچی۔ توقع ہیکہ سارک کو بامقصد بنایا جاسکے گا اور وہ علاقہ میں امن کے ساتھ ساتھ باہمی تعاون کو فروغ دینے کے اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکے گی۔

وزیراعظم برطانیہ مسٹر ٹونی بلیئر نے بھی ہند و پاک کا دورہ کرکے دونوں ممالک کے مابین تعلقات کو بہتر بنانے کی کوشش کی۔ اس کے علاوہ وزیر داخلہ مسٹر ایل کے اڈوانی امریکہ کے دورہ پر ہیں جہاں وہ برصغیر کی صورتحال کے بارے میں امریکی قائدین سے بات چیت کررہے ہیں۔ ہندوستانی مسلح افواج کے سربراہ نے ہند پاک سرحدات پر صورتحال کو کشیدہ قرار دیا ہے اور یہ صورتحال تشویشناک ہے تاہم دونوں ممالک کو چاہئے کہ وہ بات چیت کے ذریعہ مسائل کی یکسوئی کی کوششیں تیز کردیں۔

●●●●

افغانستان میں امن
عبوری سربراہ کا پہلا امتحان

جرمنی کے شہر بون میں افغانستان کے چار گروپوں کے درمیان تاریخ ساز سمجھوتہ ہوا جس کے مطابق پشتون لیڈر حامد کرزئی نے ۲۲ دسمبر کو افغانستان کی عبوری انتظامیہ کی حیثیت سے اپنے عہدہ کا چارج سنبھالا ۔ بون معاہدہ کو عالمی برادری نے خوش آئند قرار دیا جبکہ معاہدے کے اگلے ہی روز طالبان نے قندھار بھی خالی کردیا اور یوں طالبان کا افغانستان میں پانچ سالہ اقتدار بھی ختم ہوگیا اب افغانستان کی عبوری حکومت کے نامزد سربراہ حامد کرزئی کی زندگی کا اہم دور شروع ہونے والا ہے اور وہ ہے افغانستان میں امن و امان کا مسئلہ ۔ حامد کرزئی 1957 ء میں قندھار میں پیدا ہوئے ۔ انہوں نے ابتدائی تعلیم کابل کے ایک ہائی اسکول سے حاصل کی۔ حامد کرزئی کے سات بھائی اور ایک بہن ہے ۔ طالبان کے لیڈر ملا عمر کا بھی یہی علاقہ ہے ۔ وہ جدید علوم سے آگاہ اور روانی سے انگریزی بولتے ہیں ، انہیں اردو پر بھی عبور حاصل ہے ۔ انہوں نے 20 سال پاکستان میں گزارے ہیں ۔ ان کے والد عبدالاحد کرزئی ظاہر شاہ کے دور میں افغان سینیٹ کے رکن تھے لیکن روسی فوج کے کابل میں داخل ہونے کے ساتھ ہی ان کا خاندان افغانستان سے نکل گیا ۔ وہ پہلے امریکی ریاست ورجینیا کے شہر ارلنگٹن میں

آباد ہوئے جہاں حامد کرزئی کے چھوٹے بھائی احمد کرزئی انگلش پڑھتے تھے بعد ازاں وہ شکاگو منتقل ہوگئے جہاں انہوں نے پہلا افغان ریسٹورنٹ کھولا ۔ اس کا نام افغانستان کے صوبہ ہلمند کے نام پر رکھا گیا ۔ اس کے بعد سان فرانسسکو میں اور پھر بوسٹن اور بالٹی مور میں ہلمند نام کے ریسٹورنٹ قائم کئے ۔ حامد کرزئی 1980 ء کے عشرے میں روس کے خلاف مجاہدین کی جنگ میں شامل ہوئے اگرچہ انہوں نے خود جنگ نہیں لڑی لیکن وہ پوپلزئی قبیلہ کے کمانڈروں کو اسلحہ اور پیسہ فراہم کرتے رہے ۔ 1990 ء کے عشرے کی ابتداء میں مجاہدین نے کابل کا کنٹرول سنبھالا تو حامد کرزئی نائب وزیر خارجہ بنائے گئے ۔ 1992 ء میں ان کے خاندان کے اکثر ارکان کوئٹہ منتقل ہوگئے جہاں سیٹلائیٹ ٹاؤن کے مشہور علاقہ میں ان کا گھر تھا ۔ جب 1996 ء میں طالبان نے اقتدار سنبھالا تو ان کے قبیلہ کے اکثر قوم پرست لوگ ان کے ساتھ شامل ہوگئے ۔ حامد کرزئی اکثر طالبان لیڈروں کو روس کے خلاف جد و جہد سے جانتے تھے لیکن اعتدال پسند حامد اور طالبان کے تعلقات جلد ہی خراب ہوگئے اور انہوں نے اقتدار میں شامل ہونے سے انکار کردیا ۔ طالبان انہیں اقوام متحدہ

افغانستان میں عام زندگی معمول پر آرہی ہے

میں سفیر بنانا چاہتے تھے ۔ لیکن انہوں نے یہ پیشکش مسترد کردی ۔ حامد کرزئی طالبان کے علاوہ اسامہ بن لادن اور عربوں اور دوسری قومیتوں کے افغانستان میں نیٹ ورک کے بھی خلاف ہوگئے ۔ 1997ء میں حامد کرزئی اور ان کے والد عبدالاحد نے طالبان مخالف اتحاد قائم کرنے کی کوشش کی، دو سال بعد عبدالاحد کرزئی کو کوئٹہ میں ان کے گھر کے ،عقب میں قتل کردیا گیا۔

حامد کرزئی نے شملہ (انڈیا) میں تعلیم حاصل کی اور 1980ء میں انٹرنیشنل ریلیشنز میں ایم اے کیا ۔ وہ افغانستان پر امریکی بمباری سے چند ہفتے قبل لوٹے وہ کمانڈر عبدالحق طالبان کے خلاف تحریک منظم کرنا چاہتے تھے ۔ حامد کرزئی 8 اکتوبر کو قندھار کے علاقہ میں داخل ہوئے ان پر قاتلانہ حملہ کی کوشش کی گئی لیکن انہیں امریکی ہیلی کاپٹر بچاکر لے آئے لیکن کرزئی نے اس کی تردید کی وہ نہیں چاہتے تھے کہ امریکہ کے ساتھ ان کا تعلق ثابت ہو ۔ گلبدین حکمت یار نے اس واقعے کے بعد حامد کرزئی کو " امریکہ کا ببرک کارمل " قرار دیا تھا ۔ حامد کرزئی پروگریسو سوچ رکھتے ہیں افغانستان میں جمہوریت چاہتے ہیں وہ خواتین کے حقوق کے حامی ہیں اور تعلیم عام کرنا چاہتے ہیں۔

انہوں نے 22 دسمبر کو اپنا عہدہ سنبھالا لیکن عملی طور پر وہ پہلے سے افغانستان میں حالات کو کنٹرول کرنے کی جد و جہد کررہے ہیں تاکہ صورتحال مکمل طور پر ان کے قابو میں آجائے اس سلسلے میں ان کو پہلی کامیابی قندھار میں ملی جب طالبان نے سابق کمانڈر ملا نقیب سے بات چیت کے نتیجے میں قندھار کا کنٹرول انہیں دے دیا اور پھر ملا نقیب اور دوسرے طاقتور گروپ گل آغا کی فوجوں میں جھڑپیں ہوئیں تھیں کہ حامد کرزئی نے دونوں میں مصالحت کروادی یوں گل آغا اور ملا نقیب کے گروپوں کے درمیان بڑے تصادم کا خطرہ ٹل گیا مگر ابھی تک پورے افغانستان کی صورتحال غیر یقینی ہے کابل میں امن فوج کی آمد اور حامد کرزئی اور اس کی کابینہ کے سامنے بہت بڑے چیلنج ہیں ۔ سب سے بڑا تو علاقہ میں مکمل امن کا قیام اور دوسرے چھ ماہ بعد کیا صورتحال ہوتی ہے اور دوسرے صوبوں کے حالات کیا رخ اختیار کرتے ہیں حالانکہ دوستم نے بھی بظاہر حالات سے سمجھوتہ کرلیا ہے اور غالبا وہ ابھی تک حالت کا بغور جائزہ لے رہے ہیں اسی طرح طالبان کے افغانستان پر چھا جانے کے بعد برہان الدین ربانی بھی کاغذی صدر رہ گئے تھے ، فی الحال پس

ہندوستانی فلمیں یہاں کافی مقبول ہیں ،لوگ فلمی اداکاروں کی تصاویر دیکھتے ہوئے

منظر میں چلے گئے ہیں یا اس کا تجزیہ یوں بھی کیا جاسکتا ہے کہ روس کے خلاف جد و جہد کرنے والے زیادہ تر رہنما جن میں گلبدین حکمت یار سابق افغان صدر صبغت اللہ مجددی بھی شامل ہیں پس منظر میں چلے گئے ہیں اور افغانستان پر امریکہ اور اسکے اتحادیوں کے حملوں سے قبل ہی شمالی اتحاد کے سب سے فعال اور طاقتور لیڈر احمد شاہ مسعود کی بم دھماکے میں ہلاکت کے بعد شمالی اتحاد کے اندر بھی طاقت کا توازن بگڑ گیا تھا اور اسی کا نتیجہ ہے کہ بون کانفرنس میں حامد کرزئی کو آگے لایا گیا۔

افغانستان ایک نظر میں

قومی نام ؛ دولت اسلامیہ افغانستان ۔ رقبہ ؛ ڈھائی لاکھ مربع میل (647,500 مربع کیلو میٹر) آبادی ؛ تقریبا دو کروڑ ستر لاکھ (سالانہ شرح اضافہ 2.49 فیصد) فی مربع میل آباد آبادی ؛ 103 افراد ۔ دارالحکومت ؛ کابل ۔ بڑے شہر ؛ کابل (آبادی 16 لاکھ سے زائد) ،قندھار (ڈھائی لاکھ) ،ہرات (2 لاکھ) ، مزار شریف (ڈیڑھ لاکھ) ۔ کرنسی ؛ افغانی ۔ زبانیں ؛ پشتو، دری ، فارسی اور دیگر ترک زبانیں ۔ نسلیں ؛ 40 فیصد پشتون، 25 فیصد تاجیک ، 6 فیصد ازبک ، 19 فیصد ہزارہ اور دیگر چھوٹے اقلیتی گروہ (ترکمان ، بلوچ وغیرہ) ۔ مذہب ؛ اسلام ۔ (84 فیصد سنی ، 15 فیصد شیعہ) شرح خواندگی ؛ 30 فیصد

خام قومی آمدنی ؛ 20 ارب ڈالر ، فی کس آمدنی ؛ 800 ڈالر ۔ افراط زر ؛ 240 فیصد ۔ قابل کاشت رقبہ ؛ 12 فیصد ، زرعی پیداوار ؛ گندم ، پھل ، مغزیات ، قراقلی کھالیں ، اون اور گوشت ۔ افرادی قوت ؛ تقریبا 72 لاکھ (65 فیصد زراعت ، مویشیوں کی پرورش ، 10 فیصد صنعت ، 10 فیصد نجی و سرکاری ملازمت ، 10 فیصد تعمیرات اور 5 فیصد تجارت سے وابستہ ہیں) بیروزگاری ؛ 80 فیصد ۔ صنعت ، ٹکسٹائل ، صابن ، فرنیچر ، جوتے ، کھاد ، سمنٹ ، ہاتھ سے بنے قالین ، قدرتی گیس ، تیل ، کوئلہ اور تانبا ۔ قدرتی وسائل ؛ قدرتی گیس ، تیل ، تانبہ ، ٹالک ، برائیٹ ، گندھک ، سیسہ ، زنک ، کچ لوہا ، نمک اور قیمتی ، نیم قیمتی پتھر ۔ برآمدات ؛ تقریبا 10 کروڑ ڈالر (پھل اور مغزیات ، قالین ، اون ، کپاس ، کھالیں اور قیمتی پتھر) درآمدات ؛ 15 کروڑ ڈالر (غذا ، پٹرولیم کی مصنوعات اور عام سامان)

جنگ سے کیا سبق ملا

جنگوں کی تاریخ میں افغانستان کی جنگ ایک منفرد مقام رکھتی ہے۔ اس جنگ سے دنیا نے کئی اسباق سیکھے۔ سب سے بڑا سبق جو سیکھا وہ یہ تھا کہ فضائی قوت اب کسی بھی جنگ میں ایک فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ وہ پرانا مفروضہ کہ پیادہ فوج کی پیشقدمی کے بغیر فضائی طاقت غیر موثر ہوجاتی ہے اب بڑی حد تک غلط ثابت ہوچکا ہے اس میں کوئی شک نہیں کہ پیادہ فوج بالآخر قبضہ کرنے کے لئے ضروری ہے لیکن یہ کردار اب بنیادی اور فیصلہ کن کردار نہیں ہے فضائی طاقت زمینی لڑائی کا پانسہ پلٹ دیتی ہے اور اس کے بعد زمینی فوج جو کہ شکست خوردہ ہوچکی ہوتی ہے وہ بھی فضائی کامیابی کے بل بوتے پر آگے بڑھ کر زمینی قبضہ حاصل کرکے ہاری ہوئی جنگ کو فتح میں تبدیل کردیتی ہے۔ پیادہ فوج کتنی ہی بہادر اور جانباز کیوں نہ ہو لیکن مسلسل فضائی حملوں کے دباؤ میں آکر تتر بتر ہوجاتی ہے۔ اور انکی فرنٹ لائن ان حملوں کی تاب نہیں لاسکتی ہے۔

افغانستان کی جنگ جب شروع ہوئی تو طالبان ہر فرنٹ پر کامیاب تھے اور جلد ہی اتحادی فوج کو شکست آشنا کردیتے تھے حتیٰ کہ عبدالحق جیسے کمانڈر کو بھی نرغے میں لینے میں کامیاب ہوگئے اور امریکی فضائی قوت انکی مدد کو نہ پہنچ سکی لیکن اس کے بعد فضائی قوت نے طالبان کے مورچوں کو اور آگے بڑھتی ہوئی افراد قوت کو سخت جانی نقصان سے دوچار کردیا اور چند دن میں یہ سلسلہ اس قدر بڑھ گیا کہ نوے فیصد علاقہ پر قابض طالبان دیکھتے ہی دیکھتے منتشر ہونے لگے اور یہ سب کچھ چند دنوں میں ہوگیا۔ کابل فضائی قوت کے دباؤ سے ہی فتح ہوگیا۔ طالبان وہاں کوئی قابل ذکر دفاع نہ کرسکے۔ انہیں پیچھے ہٹنے کے لئے اس وجہ سے مجبور ہونا پڑا کہ انہیں کابل کے معرکہ کے وقت تک فضائی قوت کا اچھی طرح اندازہ ہوگیا تھا اور وہ اس نتیجہ پر پہنچ چکے تھے کہ بے پناہ امریکی فضائی قوت کے سامنے ٹھہرنا ممکن نہیں تھا۔ بہادر اور جوشیلے طالبان لڑنے کے لئے تیار تھے لیکن اس لڑائی کا نتیجہ صرف اپنا قتل عام ہی ہوسکتا تھا۔ لہذا عقلمندی کا تقاضہ یہ تھا کہ خواہ مخواہ اپنی پیادہ فوج کو دشمن کے ہاتھوں نیست و نابود نہ کیا جائے۔ ان واقعات کے پیش نظر کابل سے پسپائی اتنی عجلت میں ہوئی کہ سب محو حیرت تھے۔

افغانستان کی لڑائی میں کبھی کبھی ایسا ہوا کہ فضائی حملوں کے گولے خود اپنی فوجوں پر گرے لیکن آجکل مشینی کمپیوٹر سے منضبط گولوں کی استعداد ایسی ہوتی ہے کہ وہ بالکل ٹھیک نشانہ پر لگتے ہیں۔ غلطی بہت کم ہوتی ہے لیکن بہرحال ہوتی ہے جس کا تناسب ایک اور سو کے قریب ہوتا ہے۔ اس قدر صحیح فضائی گولہ باری نے فضائی قوت کو ایک برتری عطا کی ہے جس کا توڑ زمینی فوج کے پاس نہیں ہے۔ مندرجہ بالا وجوہات کی بنا پر طالبان کی فرنٹ لائن جلد ہی شکست وریخت کا شکار ہوگئی اور ان کے اندر یہ صلاحیت بھی باقی نہیں رہی کہ وہ شکست خوردہ اتحادی فوجوں کو دباؤ میں لاسکیں۔ ہوا یہ کہ اتحادی فوجیں آگے بڑھتی رہیں اور طالبان اپنی بے پناہ بہادری اور ذاتی جوانمردی کے باوجود ہٹتے رہے جو علاقے طالبان نے اپنی طاقت اور اپنے جذبہ ایمانی کے زور پر کئی ماہ میں فتح کئے تھے وہ چند دنوں میں انکے ہاتھ سے نکل گئے اور انکی افواج کے کافی افراد دشمن کے نرغے میں آکر بری طرح غیر انسانی برتاؤ کی زد میں آگئے۔

آج بھی صورتحال یہ ہے کہ اسامہ بن لادن اور ملا عمر کو ابھی تک گرفتار نہیں کیا جاسکا۔ بہرحال اس بہادری کی لازوال داستان کا اختتام اب ہم سب کے سامنے ہے بس آخری پردہ گرنے والا ہے لیکن اس کے دور رس نتائج کے متعلق کچھ نہیں کہا جاسکتا کیونکہ اس خاکستر میں ابھی بھی بہت بڑے بڑے شعلے چھپے ہوئے ہیں۔

فضائی قوت کی برتری کی موجودہ جنگ میں ایک وجہ یہ بھی ہے کہ اس کو زمینی ہوائی اڈہ کے بغیر بھی استعمال کیا جاسکتا ہے۔ آجکل ایسے سمندری جہاز بنالئے گئے ہیں جہاں سے ہوائی جہاز اڑا کر سینکڑوں میل کی دوری پر بمباری کرکے واپس آسکتے ہیں۔ اور پٹرول اور بموں کا ذخیرہ بھی ان ہی بڑے سمندری جہازوں میں جمع کیا جاتا ہے جسکی وجہ سے حملہ آور جہاز اپنا نشانہ اور اپنے اہداف پر جاکر اپنے مقاصد کو پورا کرسکتے ہیں اور پھر بخوبی اور حفاظت سے واپس آسکتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ امریکی فضائی طاقت نے ایک طرف تو جنگ کا پانسہ پلٹ دیا اور دوسری طرف ان کا اپنا نقصان کم سے کم ہوا۔

امریکی طاقت کو پوری طرح سمجھنے کیلئے دو عناصر کو سمجھنے کی ضرورت ہے ایک تو انکی فضائی قوت کو توانائی اور ساز و سامان مہیا کرنے والی انکی بحری طاقت ہے جسکا کوئی موثر توڑ کسی بھی ملک کے پاس نہیں ہے۔ پھر انکی فنی کارکردگی اور کارگزاری بھی بے مثال ہے۔ انکی صلاحیتیں ابھی تک ان تمام میدانوں میں ناقابل تقلید ہیں۔

دوسرا عنصر جو امریکیوں کو ناقابل تسخیر بنادیتا ہے وہ انکی قائدانہ صلاحیتیں ہیں۔ وہ ہر میدان میں اس قدر آگے نکل چکے ہیں کہ کوئی ملک ان سے ٹکر لینے کے لئے تیار نہیں ہے اور تقریباً دنیا کے ہر ملک کو انکی فنی، اقتصادی، سیاسی اور مالی امداد کی ضرورت ہے جسکی وجہ سے جب امریکہ اکھاڑے میں اتر آتا ہے تو باقی لوگ کوئی تاویل نکال کر فرار کا راستہ اختیار کرتے ہیں۔ یہ بھی ایک عجوبہ ہے کہ ان حالات میں اور آجکل کی دنیا میں ملا عمر اور اسامہ بن لادن اپنی بے بضاعتی کے باوجود خم ٹھونک کر ان کے مقابلے پر آگئے لیکن جب صفیں سجیں تو دیکھا گیا کہ صرف یہ دونوں لوگ ہی ایک دوسرے کے معاون اور مددگار تھے۔ باقی سارے ترکیبیں بتاکر ایک طرف ہوگئے۔ کچھ امریکیوں کے ہمنوا بن گئے کچھ اصولی باتیں کرنے لگے اور کچھ ترکیبیں بتانے لگ گئے۔ میدان جنگ میں ایک طرف صرف دو بہادر لوگ تھے جن میں سے ایک نے اصولوں اور دوستی کی خاطر اپنا تخت و تاج ٹھکرادیا۔ باقی سارے لوگ یہ سوچنے میں مصروف رہے کہ ان کا فائدہ کس طرف جانے میں ہے۔

0000

ایک واقعے نے دنیا کو ہلا دیا
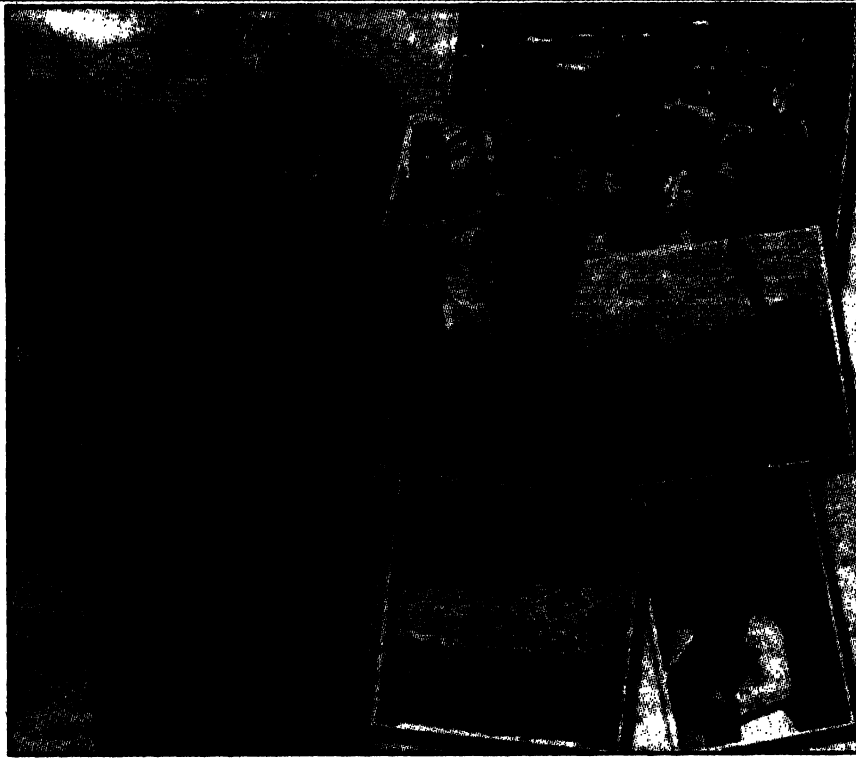
عالمی سیاست کے افق پر ۲۰۰۱ء نہایت اہمیت کا حامل تھا اور بعض ایسے واقعات اور مسائل سامنے آئے جنہوں نے عالمی سیاست کے تمام تر نظریات کو یکسر بدل دیا۔ اس برس نے جہاں بین الاقوامی سیاست پر گہرے اثرات مرتب کئے، وہاں یہ امریکہ کی داخلی اور خارجہ پالیسیوں میں زبردست تبدیلی کا سبب بھی بنا۔ امریکہ اس برس اپنے اعلان آزادی کے 225 سال پورے ہونے کی خوشی منا رہا تھا، لیکن یہ خوشی اسے راس نہ آئی اور 2001ء اس کی تاریخ کا سیاہ ترین سال بن گیا۔ 11 ستمبر 2001ء کا سورج امریکہ کے لئے بدترین تباہی کا پیغام لے کر طلوع ہوا۔ اس واقعے کے بعد امریکہ نے طالبان حکومت کے خاتمہ اور اسامہ بن لادن کو پکڑنے کے لئے افغانستان کے خلاف مکمل جنگ کا اعلان کر دیا۔

یہاں یہ بات قابل ذکر ہے کہ وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ امریکہ کی ترجیحات میں تبدیلیاں رونما ہونے لگی ہیں۔ ابتداء میں اسامہ بن لادن اور ان کے ساتھیوں کو پکڑنا، ان حملوں کا بنیادی مقصد تھا لیکن پھر اس کے سب سے اہم مقصد طالبان حکومت کا خاتمہ اور من پسند حکومت کو لانا بن گیا تاکہ علاقے میں طویل عرصے تک رہنے کا جواز موجود رہے۔ افغانستان میں نئی وسیع البنیاد حکومت کے قیام کے لئے جرمنی کے شہر بون میں اقوام متحدہ کے زیر نگرانی کانفرنس کا انعقاد ہوا، جس میں افغانستان سے تعلق رکھنے والے چار مختلف گروپوں کے مندوبین نے شرکت کی۔

مشرق وسطی میں اسرائیلی سرکاری دہشت گردی 2001ء میں بھی جاری رہی۔ اسرائیلی فوج نے فلسطینی مسلمانوں کی آزادی کی تحریک کو کچلنے کے لئے اپنی کارروائیوں کو مزید تیز کر دیا۔ تاہم 11 ستمبر کے واقعے کے بعد اسرائیلی دہشت گردی عروج پر پہنچ گئی اور اس کی افواج نے نہتے فلسطینی مسلمانوں کے خلاف وحشیانہ مظالم کر کے متعدد مسلمانوں کو شہید و زخمی اور بڑی تعداد میں نوجوانوں کو گرفتار کر لیا۔ ان حملوں میں ٹینک، بکتر بند گاڑیاں، گن شپ ہیلی کاپٹر بھی استعمال کئے گئے۔ حملوں میں حماس اور الفتح کے کئی ممتاز رہنما بھی شہید ہو گئے۔

دوسری طرف فلسطینیوں نے بھی اسرائیلی جارحیت کے خلاف فدائی حملے جاری رکھے، جس میں اسرائیلی وزیر سیاحت سمیت متعدد اسرائیلی فوجی بھی مارے گئے۔ 14 ماہ سے جاری انتفادہ تحریک میں تادم تحریر 900 سے زائد افراد ہلاک ہو چکے تھے، جس میں زیادہ تعداد فلسطینی مسلمانوں بشمول عورتوں اور بچوں کی ہے۔ حال ہی میں فلسطینیوں کی جانب سے خودکش بم دھماکوں اور فائرنگ سے 28 اسرائیلی ہلاک اور 210 زخمی ہوئے ہیں، جس کی دونوں جانب سے مذمت کی گئی۔ تاہم یورپی یونین اور امریکہ نے فریقین کو امن برقرار رکھنے اور صبر کی تلقین کی ہے اور مذاکرات کے ذریعے مسئلے کا حل تلاش کرنے پر زور دیا ہے۔

چیچن جاں بازوں اور روس کے درمیان فوجی کشمکش اس برس بھی چلتی رہی۔ تادم

تحریر موصولہ اطلاعات کے مطابق روس کے صدر ولادیمیر پوتین کے نمائندوں اور چیچنیا کے علحدگی پسندوں کے مابین امن مذاکرات پہلی مرتبہ براہ راست شروع ہوگئے۔

یوروپ میں اس برس مقدونیہ کے مسلمانوں کا تنازعہ سب سے اہم رہا۔ البانوی نژاد مسلمانوں نے اپنے بنیادی حقوق کے تحفظ کے لئے سابق یوگوسلاویہ کی جمہوریہ مقدونیہ کے خلاف مسلح جد و جہد کا آغاز کیا۔ اس تحریک کو کچلنے کے لئے مقدونیہ کے فوجی طیارے شمالی مقدونیہ میں مسلمان آبادی والے علاقوں پر بم باری میں مصروف رہے۔ اس عمل میں مقدونیہ کو یوگوسلاویہ کے سربوں کا مکمل سیاسی فوجی اور معاشی تعاون حاصل تھا، جو ملک کی سب سے بڑی اقلیت (آبادی کا 25 فیصد) البانوی نژاد افراد کی نسل کشی میں مصروف تھے۔ ان البانوی نژاد مسلمانوں نے مقدونیہ کی نسل پرستی اور تعصب پر مبنی جارحانہ پالیسی سے تنگ آکر ہتھیار اٹھا کر جد و جہد کا آغاز کیا، جس کا بنیادی مقصد اپنے ثقافتی، دینی اور سیاسی تشخص کا دفاع کرنا تھا اور اپنی زبان میں تعلیم حاصل کرنے کے حق کا مطالبہ تھا۔ تاہم یوروپی یونین اور ناٹو کی مداخلت کے بعد اس مسئلے کو کافی حد تک حل کردیا گیا اور ایک معاہدے کے بعد البانوی حریت پسند ناٹو کے سامنے ہتھیار ڈالنے پر راضی ہوگئے۔ اس کے جواب میں مقدونیہ کے صدر ٹرائے کودسکی نے البانوی حریت پسندوں کے متعدد مطالبات ماننے اور مراعات دینے پر رضامندی کا اظہار کیا، جس سے یہ مسئلہ وقتی طور پر حل ہوگیا ہے۔

گزشتہ برس یوگوسلاویہ کے سابق صدر میلاسووچ کو اقوام متحدہ کے جنگی جرائم کے ٹربیونل میں پیش کیا گیا۔ ان پر کوسوو اور بوسنیا کے لاکھوں مسلمانوں کے منظم اور اجتماعی قتل کا الزام تھا۔ یہ مقدمہ کسی بھی سربراہ مملکت کے حوالے سے اپنی نوعیت کا پہلا مقدمہ تھا، جس کی سماعت تادم تحریر جاری تھی۔

ہمارے ملک ہندوستان کی اندرونی سیاست اس برس بھی کشمکش کا شکار رہی۔ حکمران جماعت بھارتیہ جنتا پارٹی (بی جے پی) کو اس وقت نہایت پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، جب ۱۳ مارچ کو تہلکہ ڈاٹ کام کے صحافیوں کی طرف سے فلموں کے کچھ حصے ایک پریس کانفرنس میں پیش کئے گئے، جس میں یہ دھماکہ خیز انکشاف کئے تھے کہ متعدد سیاستداں اور حاضر سروس فوجی جرنیل کس طرح ملک کے اقتصادی اور سیاسی نظام کو کھوکھلا کررہے ہیں۔ اس سارے کھیل میں اٹل بہاری واجپائی اور فوج کا امیج بری طرح متاثر ہوا۔ اس سے قبل فوج میں اسلحے کی خریداری میں ملوث اعلی افسران کے خلاف تحقیقات آخری مراحل میں تھیں۔ اس میں جہاں متعدد فوجی افسران ملوث پائے گئے، وہیں سیاستدانوں کے نام بھی سامنے آئے۔ اس رپورٹ کے نتیجے میں وزیر دفاع جارج فرنانڈیز کو اپنی وزارت سے ہاتھ دھونا پڑا، لیکن بعد ازاں پارٹی کے دباؤ پر دوبارہ اسی وزارت پر فائز کردئے گئے۔ سیاسی انتشار کے ضمن میں واجپائی حکومت کو اس وقت مزید پریشانی کا سامنا کرنا پڑا، جب حالیہ ریاستی انتخابات میں بی جے پی کو کانگریس اور اس کے حامیوں کے مقابلے میں شکست ہوگئی۔ پانچ ریاستی اسمبلیوں مغربی بنگال، آسام، کیرالا، تاملناڈو اور پانڈیچری میں بی جے پی اور اس کے حامی اتحادیوں کو شکست ہوئی۔

نیپال میں ۲۰۰۱ء زیادہ خوش گوار ثابت نہیں ہوسکا۔ اس برس نیپال کے شاہ کا قتل ہوا اور ملک پورے سال اندرونی خلفشار اور کشمکش کا شکار رہا۔ نیپال حکومت کی ماؤنواز تحریک کے حامیوں کے ساتھ شدید ترین جھڑپیں پورے سال ہوتی رہیں، جس کی وجہ سے نہ صرف نیپال کی سیاسی اور معاشی زندگی متاثر ہوئی بلکہ بہت زیادہ جانی و مالی نقصان بھی ہوا۔

بنگلہ دیش میں یکم اکتوبر ۲۰۰۱ء کو نگراں حکومت کے تحت پارلیمانی انتخابات ہوئے، جس میں سابق وزیراعظم حسینہ واجد کی عوامی لیگ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ جنہوں نے 299 میں سے صرف 37 نشستیں حاصل کیں۔ ان کی مخالف خالدہ ضیاء نے دوتہائی اکثریت کے ساتھ زبردست کامیابی حاصل کی۔ خالدہ ضیاء اور ان کے اتحادیوں نے 203 نشستیں حاصل کیں۔ ابتداء میں حسینہ واجد نے الیکشن کو جانب دار قرار دیتے ہوئے اقتدار کی منتقلی کے حوالے سے رکاوٹ ڈالی، تاہم بعد میں زبردست عوامی احتجاج کے بعد حسینہ واجد نے وزارت عظمی بیگم خالدہ ضیاء کے حوالہ کردی۔

اقتدار کی تبدیلیوں کے ضمن میں دنیا کا سب سے بڑا اسلامی ملک انڈونیشیا بھی سیاسی کشمکش کا شکار رہا۔ ملک کے صدر عبدالواحد کو پارلیمنٹ نے مواخذے کی تحریک کے بعد برطرف کردیا۔ اور نائب صدر میگاوتی سوئیکارنو پتری کو ملک کا نیا صدر منتخب کرلیا۔ سابق صدر عبدالواحد پر بدعنوانی کے الزامات لگائے گئے تھے۔ ملک کی نئی صدر میگاوتی بنیادی طور پر مغرب نواز سمجھی جاتی ہیں اور اس کی پالیسیوں کی حمایت بھی کرتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مغربی ممالک نے انہیں فوراً تسلیم کرلیا، تاہم ملک کے بعض مکتبہ فکر ان کی مغرب نواز پالیسیوں سے نالاں ہیں۔

سال ہائے گزشتہ کی طرح 2001 میں بھی عراق، امریکی اور برطانوی حملوں کی زد میں رہا، جس سے نہ صرف عراقی فوجی بلکہ معصوم اور بے گناہ شہری بھی ہلاک ہوئے۔ امریکہ میں حالیہ دہشت گردی کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادی عراق پر مزید حملے کا ارادہ رکھتے ہیں، کیونکہ وہ عراق کو مشرق وسطی کے لئے ایک خطرہ سمجھتے ہیں۔ اگر ایسا ہوا تو اس سے عراق کے پہلے سے پریشان حال عوام مزید مصائب کا شکار ہوجائیں گے۔

نائیجیریا میں اس سال عیسائی مسلم فسادات عروج پر رہے جن میں سیکڑوں افراد زخمی ہوگئے اور ہزاروں افراد نقل مکانی پر مجبور ہوگئے۔ 120 ملین آبادی والے افریقی ملک نائیجیریا میں یہ کشیدگی کافی عرصے سے پرورش پارہی ہے، اس کی بنیادی وجہ وہاں کے سیاسی رہنماؤں کا طرز عمل ہے، جو اپنا بینک بیلنس بڑھانے میں مصروف رہے ہیں اور عوام کے

مسائل حل کرنے پر کوئی توجہ نہیں دیتے۔ اس وجہ سے وہاں عدم استحکام پیدا ہوا ہے، جو بعدازاں مذہبی فسادات کا سبب بنا۔ گزشتہ دو تین سالوں سے جاری فسادات کی وجہ سے 6 ہزار سے زائد افراد ہلاک اور زخمی ہوچکے ہیں۔

چین کے لئے 2001ء کافی خوش آئند رہا۔ کیونکہ اس سال قطر میں منعقد ہونے والے عالمی تجارتی تنظیم کے سالانہ اجلاس میں چین کو باقاعدہ طور پر عالمی تجارت تنظیم کا رکن منتخب کرلیا گیا۔ چین اس ضمن میں طویل عرصے سے جد و جہد کررہا تھا۔ ایک امریکی جریدے کے مطابق چین کو 15 سال کے طویل مذاکرات کے بعد رکنیت دی گئی ہے، اس مقصد کے لئے چین نے امریکہ اور یورپی یونین سے متعدد سمجھوتے کئے، جن کے تحت چین غیر ملکی کمپنیوں کو ٹیلی مواصلات، انشورنس، مالیاتی اور دیگر شعبوں میں مراعات دے گا۔ اس تنظیم میں چین جیسی بڑی مارکیٹ کی شمولیت سے نہ صرف چین بلکہ پورے عالمی نظام میں زبردست اقتصادی تبدیلیاں رونما ہوں گی۔

مختلف مذاہب کے مابین افہام و تفہیم کی فضا پیدا کرنے کے حوالے سے بھی سال گزشتہ نہایت اہمیت کا حامل تھا۔ اس سال ہالینڈ سے تعلق رکھنے والے رومن کیتھولک چرچ کے سربراہ 80 سالہ پوپ جان پال دوم دمشق کی تاریخی مسجد امیہ میں ننگے پاؤں داخل ہوئے اور اپنے 95 منٹ کے قیام کے دوران قرآن پاک کی قرات سماعت کی۔ یہ اپنی نوعیت کا ایک غیر معمولی واقعہ تھا کیونکہ 2 ہزار برس میں یہ پہلا موقع تھا جب کسی عیسائی فرقے کے پیشوا پوپ نے پوری فراخ دلی کے ساتھ مسجد میں جاکر تمام مذاہب کے مابین اخوت اور بھائی چارے کا درس دیا۔ اس کے علاوہ انہوں نے خطے کے استحکام اور پائیدار امن کے لئے تمام فریقین یعنی مسلمان، عیسائی اور یہودیوں پر زور دیا کہ وہ اخلاقی جرات کا مظاہرہ کرتے ہوئے تعصب کے زہر آلود جذبات کو خیرباد کہہ دیں اور امن اور مصالحت کی راہ اختیار کریں۔ عیسائیوں اور مسلمانوں نے پوپ کے اس دورے کو خوش آئند قرار دیا۔ لیکن اسرائیل نے اس پر ناراضی کا اظہار کیا۔

کیونکہ پوپ نے بالواسطہ طور پر اسرائیل پر زور دیا کہ وہ 1967ء کے فلسطینی مقبوضہ علاقوں سے اپنی افواج واپس بلائے، ان کے حق خود ارادیت کو تسلیم کرے اور اقوام متحدہ کی قراردادوں اور جنیوا کنونشن کی پاس داری کرے۔ ستمبر میں نسل پرستی اور غلامی کے خلاف اقوام متحدہ کے زیر اہتمام جنوبی افریقہ کے ساحلی شہر ڈربن میں تیسری عالمی کانفرنس کا انعقاد ہوا۔ اس آٹھ روزہ کانفرنس کا بنیادی مقصد نسل پرستی اور نسلی امتیاز کا خاتمہ اور دنیا میں پائے جانے والے معاشی اور طبقاتی امتیازات اور ناانصافی کے رجحانات کے تدارک کے لئے واضح اور مربوط طریقہ کار وضع کرنا تھا۔ اس ضمن میں 1978ء اور 1982ء میں جنیوا میں پہلی اور دوسری کانفرنس ہوچکی تھی۔ 2001ء کو اقوام متحدہ نے نسل پرستی کے خاتمے کا سال قرار دیا تھا۔ ڈربن کانفرنس میں فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کی کارروائیوں کو نازی ازم کے مترادف قرار دیا گیا۔ جس کی وجہ سے امریکہ اور اسرائیل نے ڈربن کانفرنس کا بائیکاٹ کیا۔ اس کانفرنس میں افریقی ممالک نے سابقہ مغربی ممالک کی طرف سے کی جانے والی غلاموں کی تجارت کے حوالے سے بھی شدید احتجاج کیا اور مغربی ممالک سے معذرت کرنے اور تاوان دینے کا مطالبہ کیا جس کے جواب میں جرمنی اور اسپین نے غیر مشروط طور پر افریقی ممالک سے غلاموں کی تجارت کے حوالے سے اپنے کردار پر معافی مانگی۔ تاہم تاوان کی ادائیگی کے حوالے سے کوئی بات نہیں کی گئی۔ ان تمام حالات و واقعات کا مجموعی طور پر جائزہ لینے کے بعد ہم یہ بات کہہ سکتے ہیں کہ عالمی سطح پر مجموعی طور پر 2001ء میں حالات کشمکش کا شکار رہے اور بہت سی ریاستیں اندرونی خلفشار اور بیرونی سازشوں کی وجہ سے شکست و ریخت کے عمل سے گزریں اور یہ سلسلہ ہنوز جاری ہے جن کے بہت گہرے اثرات آئندہ عالمی سیاست پر مرتب ہوں گے۔

بھوبنیشور میں دو فنکاروں نے جارج بش اور اسامہ بن لادن کے مٹی سے مجسمہ تیار کئے

سید زین العابدین

ایفمی کی سالانہ بین الاقوامی کانفرنس

مہاراشٹرا کے شہر پونے میں 29/اور 30/ڈسمبر کو منعقدہ امریکن فیڈریشن آف مسلمس فرام انڈیا (AFMI) کا دسواں سالانہ کنونشن ہر اعتبار سے بے مثال اور کامیاب رہا۔ زندگی کے مختلف شعبوں کی نمائندگی کرنیوالی ممتاز شخصیتوں بشمول ممتاز عالم دین و صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی، سابق رکن پارلیمنٹ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ، ماہر تعلیم و چانسلر جامعہ ہمدرد جناب سید حامد، وائس چانسلر مولانا آزاد اردو یونیورسٹی جناب شمیم جیراجپوری، جناب زاہد علی خان ایڈیٹر سیاست کی شرکت اور اجلاس سے خطاب اس کنونشن کی کامیابی کی علامت تھی جہاں ان مقررین کرام نے اپنی تقاریر میں ہندوستانی مسلمانوں کی تعلیمی معاشی و سماجی ترقی کے لئے مبسوط اور ٹھوس تجاویز پیش کیں اور ایفمی کو نیا ویژن دیا۔

مولانا مجاہد القاسمی کو ممتاز صنعت کار نوشاد پدمسی ایوارڈ دیتے ہوئے

مولانا مجاہد الاسلام قاسمی نے اپنی بصیرت افروز تقریر میں مسلم خواتین کے حصول تعلیم کی اہمیت اور اس کی افادیت پر زور دیا اور کہا کہ اسلام نے خواتین کے حصول تعلیم پر کہیں پابندی عائد نہیں کی اور نہ ہی کوئی ممانعت رکھی۔ ناسازی مزاج کے باوجود مولانا قاسمی کی اس کنونشن میں شرکت خود اس بات کا ثبوت فراہم کر رہی تھی کہ انھیں مسلمانوں کے تعلیمی مسائل سے گہری دلچسپی ہے اور ایفمی کی سرگرمیوں کے معترف ہیں۔

ایفمی جس نے مسلمانوں کی تعلیمی ترقی کو اپنی سرگرمیوں کا بنیادی مقصد بنالیا اس مرتبہ اپنے کنونشن کا موضوع یا مرکزی خیال "تعلیم - ترقی کی کنجی" (Education - key to Progress) رکھا تھا اور تعلیم کے تعلق سے مختلف عنوانات جیسے جدید تعلیم، اخلاقی تعلیم، تعلیم نسواں، انفارمیشن ٹکنالوجی کی تعلیم پر خصوصی مذاکرے منعقد کئے۔ مسلم بچوں کو تعلیم کی طرف راغب کرنے کے مقصد سے ایفمی ایسے طلباء و طالبات کو جنہوں نے مختلف بورڈ کے ایس ایس سی اور ایچ ایس سی کے امتحانات میں نمایاں کامیابی حاصل کی ہے انھیں گولڈ سلور اور براونز کے میڈلس سے نوازتی ہے اور اس مرتبہ بھی 15 ایسے طلباء کو جنہوں نے ملک بھر میں امتیازی کامیابی حاصل کی یہ ایوارڈز پیش کئے گئے۔ ایفمی کے پونے کنونشن میں بشمول مہاراشٹرا کے مختلف حصوں سے ایک ہزار سے زائد مندوبین نے جن میں اساتذہ، لکچررس، پروفیسرس اور تعلیمی و سماجی تنظیموں کے نمائندے شامل تھے شرکت کی۔ علاوہ ازیں امریکہ کے مختلف شہروں میں مقیم ہندوستانیوں اور ایفمی کے ارکان، سعودی عرب، قطر، نیوزی لینڈ اور کینڈا کے مندوبین بھی شریک رہے۔

کنونشن کا افتتاح نہرو میموریل ہال میں عمل میں آیا صبح 9 بجے ہی ہال

«صحافت کی اہمیت اور رول» کے زیر عنوان سشن میں جناب زاہد علی خان ایڈیٹر سیاست، جناب سراج ترمذی

مندوبین اور شرکاء سے پر ہو چکا تھا تلاوت کلام پاک سے کنونشن کا آغاز ہوا۔ شہ نشین کو بڑی خوبصورتی کیساتھ سجایا گیا تھا اور وہ مہمانوں سے پر ہی نہیں بلکہ با رونق ہو گیا تھا۔ ایفمی نے مہاراشٹرا کے چیف منسٹر ولاس راؤ دیشمکھ کو کنونشن میں بہ حیثیت مہمان خصوصی شرکت اور افتتاح کی دعوت دی تھی لیکن اچانک ہائی کمان کی طرف سے دہلی کو طلبی کے باعث وہ شرکت سے قاصر رہے۔ پونے کے مرد آہن اور سیکولر لیڈر کانگریس (آئی) رکن پارلیمنٹ سریش کلماڈی نے مہمان خصوصی کی حیثیت سے شرکت کی۔ نامور صنعت کار اور بینکر نوشاد پدمسی نے کنونشن کا افتتاح کیا۔ ایفمی کا یہ کنونشن پونے کی دو سرکردہ مسلم تنظیموں و اداروں حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ اور مہاراشٹرا کاسموپولیٹن ایجوکیشن سوسائٹی کے اشتراک و تعاون سے منعقد کیا گیا تھا۔

جناب منور پیر بھائی صدر نشین حاجی غلام محمد اعظم ایجوکیشن ٹرسٹ نے خیر مقدمی تقریر کی اور پونے میں جسے Oxford of East بھی کہا جاتا ہے جیسے اہم موضوع پر اس کنونشن کے انعقاد کو فال نیک قرار دیا۔ مہاراشٹرا کاسموپولیٹن ایجوکیشن سوسائٹی کے صدر جناب پی اے انعامدار نے مہمانوں کا تعارف کروایا۔

ایفمی کے سکریٹری جنرل ڈاکٹر عبدالرحمن ناکیدار نے اپنے کلیدی خطبہ میں ایفمی کی 10 سالہ سرگرمیوں کا احاطہ کیا اور کہا کہ ان کی تنظیم 2010 تک ہندوستانی مسلمانوں میں صد فیصد خواندگی کے نشانہ کی تکمیل کی خواہاں ہے۔ ایفمی ہندوستان کی مختلف ریاستوں گجرات، اترپردیش، بہار اور مغربی بنگال کی تعلیمی پراجکٹوں کی اخلاقی و مالی اعانت کر رہی ہے اور وہ اسے دوسری ریاستوں میں بھی وسعت دینے کی خواہاں ہے انہوں نے بتایا کہ اب تک 200 سے زائد ایسے طلباء و طالبات کو جنہوں نے ایس ایس سی اور میٹرک میں نمایاں طور پر کامیابی حاصل کی ہے طلائی تمغات دے چکی ہے لیکن اب ایسے باصلاحیت طلباء کی حوصلہ افزائی کے لئے اسکالرشپس دئے جائیں

مسٹر ابراہیم سلیمان سیٹھ کو «فرزند» ایوارڈ پیش کیا گیا

ڈاکٹر سید حامد کو سریش کلماڈی نے سرسید ایوارڈ پیش کیا

گے ۔ سریش کلماڈی نے کہا کہ تعلیمی میدان میں پونے شہر کو ملک بھر میں نمایاں مقام حاصل ہے ۔ یہی نہیں بلکہ وہ اب دوسرے شعبوں میں بھی اپنے ہمسایہ شہروں سے آگے ہے ۔ افتتاحی تقریب کے دوران ایفمی کا سالانہ فخر ہند ایوارڈ سابق رکن پارلیمنٹ و صدر انڈین یونین لیگ جناب ابراہیم سلیمان سیٹھ کو دیا گیا۔ ایفمی چونکہ یہ ایوارڈ امریکہ میں ہونے والے اپنے سالانہ کنونشن میں دیتی ہے گذشتہ سال ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے واقعہ کے سبب ماہ اکٹوبر میں لاس اینجلس میں منعقد ہونے والا کنونشن منسوخ کردیا گیا تھا چنانچہ یہ ایوارڈ پونے میں دیا گیا۔ ایفمی نے اس سال بانی علیگڑھ مسلم یونیورسٹی سرسید احمد خان اور عالم دین مولانا ابوالحسن علی ندوی علیہ الرحمہ (علی میاں) کی یاد میں دو نئے ایوارڈس قائم کئے ۔ سرسید احمد خان ایوارڈ ڈاکٹر سید حامد کو تعلیمی میدان میں ان کی نمایاں خدمات کے اعتراف میں جبکہ صدر آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ مولانا مجاہد الاسلام قاسمی کو ملت اسلامیہ کی رہنمائی اور مسلم پرسنل لاء کے تحفظ کے لئے ان کی گرانقدر خدمات کے اعتراف میں مولانا علی میاں ایوارڈ دیا گیا ۔ وائس چانسلر مولانا آزاد اردو یونیورسٹی نے ساونیر کی رسم اجرائی انجام دی ۔ محترمہ عابدہ انعامدار نے شکریہ ادا کیا۔ دوپہر کے وقفہ کے بعد پہلا ذیلی سیشن شروع ہوا جس کا موضوع " تعلیم کی اہمیت اور اس کے لئے کیا کیا جائے گا " ڈاکٹر سید حامد چانسلر ہمدرد یونیورسٹی نے صدارت کی ۔ پروفیسر شمیم جیراجپوری وائس چانسلر مولانا آزاد اردو یونیورسٹی ، راشد سلام (شکاگو) حمید واگلے ، پروفیسر اے اے منشی اور سلیم دوا والا (آرکٹیکٹ) نے مذاکرہ میں حصہ لیا ۔ دوسرے ذیلی سیشن میں امتیازی کامیابی حاصل کرنے والے طلباء میں انعامات تقسیم کئے گئے ۔ کنونشن کے دوسرے دن 30 ڈسمبر کو تیسرا ذیلی سیشن " انفارمیشن ٹکنالوجی / بائیو ٹکنالوجی " کے زیر عنوان منعقد ہوا سابق وائس چانسلر پونے یونیورسٹی ڈاکٹر رام ٹاکے والا نے صدارت کی ۔ مسز شہزاد چھتری والا (سعودی عرب) اقبال انصاری اور میر علی نے اپنے اپنے خیالات پیش کئے چوتھا سیشن " دستور کے تحت اقلیتوں کے حقوق " کے عنوان پر منعقد ہوا صدر مہاراشٹرا کاسمپولیٹن ایجوکیشن سوسائٹی جناب پی اے انعامدار نے صدارت کی ۔ جناب حسن کمال سابق ایڈیٹر اردو بلٹز اور شبیر انصاری صدر آل انڈیا او بی سی آرگنائزیشن نے اقلیتوں کو مسلمہ حقوق و اختیارات پر تفصیلی روشنی ڈالی ۔
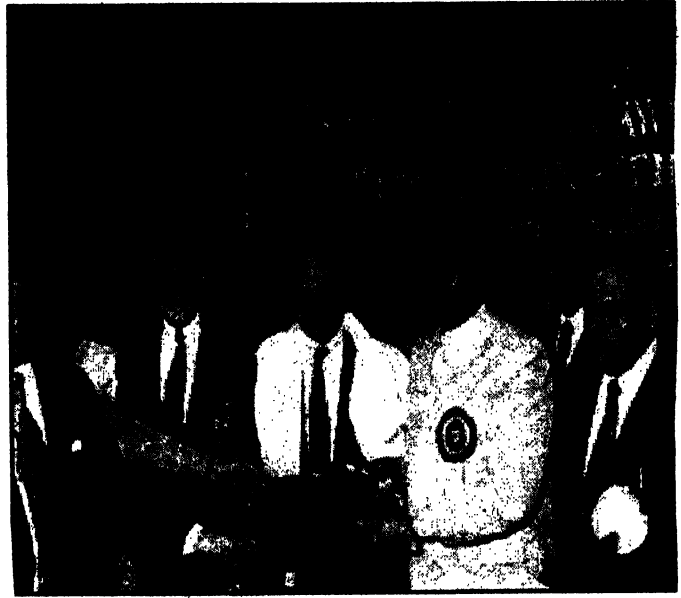
دوپہر کے کھانے کے وقفہ کے بعد 5 واں اجلاس ایڈیٹر سیاست جناب زاہد علی خان کی زیر صدارت " صحافت کی اہمیت اور اس کا رول " کے عنوان پر منعقد ہوا ۔ جناب زاہد علی خان نے اپنی تقریر میں کہا کہ مسلمانوں کی سماجی و معاشی ترقی تعلیم کے ذریعہ ہی ممکن ہے اور صحافت مسلمانوں کے تعلیمی شعور کی بیداری میں ایک مؤثر رول ادا کرسکتی ہے ۔ انہوں نے ادارہ سیاست ، ادبی ٹرسٹ اور عابد علی خان ایجوکیشنل ٹرسٹ کی طرف سے حیدرآباد اور ملک کے مختلف حصوں میں جاری تعلیمی پراجکٹوں کو سلائیڈس کی مدد سے پیش کیا۔ شرکاء کنونشن نے ان کی تقریر کی بڑے انہماک سے سماعت کی اور ستائش کی اس اجلاس کو راقم الحروف کے علاوہ روزنامہ گجرات ٹوڈے کے پبلشر سراج ترمذی اور طیب پوناوالا (نیویارک) نے بھی مخاطب کیا۔ ایفمی کے سابق صدر سید سلمان نے ماڈریٹر کے فرائض انجام دیئے ۔ جناب زاہد علی خان نے اس موقع پر مختلف سوالات کے جوابات بھی دیئے۔

اوپن سیشن میں شرکاء کنونشن کو اپنے اپنے خیالات کے اظہار کا موقعہ دیا گیا۔ شاکر مکھی (نیویارک) اس سیشن کے کو آرڈینیٹر تھے۔

اختتامی تقریب سے قبل جناب زاہد علی خان ایڈیٹر سیاست کی اس پیشکش کو کہ ایمی کا 11واں سالانہ کنونشن حیدرآباد میں منعقد کئے جانے کی صورت میں وہ میزبانی کے لئے تیار ہیں۔ متفقہ طور پر قبول کر لیا گیا اور ڈاکٹر اے آر ناکیدار نے اعلان کیا کہ یہ کنونشن ڈسمبر 2002ء میں حیدرآباد میں جناب زاہد علی خان کی سرپرستی میں ہوگا۔ اختتامی تقریب کی صدارت جناب زاہد علی خان ایڈیٹر سیاست نے کی اور مباحث میں حصہ لینے والے مندوبین کو تحائف پیش کئے۔ محترمہ ممتاز پیر بھائی نے آخر میں شکریہ ادا کیا۔ رات میں اعظم کامپلکس میں عید ملن مشاعرہ ہوا جس میں زندہ دلان حیدرآباد کے شعراء طالب خوندمیری، مصطفےٰ علی بیگ، رؤف رحیم فرید سحر، وحید اختر، مختار یوسفی، فرید انجم، وحید پاشاہ اور دوسروں نے کلام سنایا اور خوب داد حاصل کی۔ منور پیر بھائی، پی اے انعامدار کی سرکردگی میں سینکڑوں والینٹروں نے کنونشن کے کامیاب انعقاد کو ممکن بنایا۔ ہوسٹ کمیٹی کے دیگر ارکان میں محترمہ عابدہ انعامدار، محترمہ ممتاز پیر بھائی کے علاوہ ڈاکٹر اے آر شیخ ڈاکٹر امین وائی قاضی، محمد صاحب ایف اے شیخ، ایس ایم خان، ڈاکٹر ایس این کوتوال، اختر امین شیخ، لطیف مخدوم، ایوب شیخ، مزمل حیدر، اقبال انصاری وغیرہ شامل تھے۔ مہمانوں کے قیام و طعام کا معقول انتظام کیا گیا تھا۔

کنونشن سے ایک دن قبل جمعہ 28 ڈسمبر کو مریڈین ہوٹل میں ایک پریس کانفرنس کا اہتمام کیا گیا تھا۔ جناب پی اے انعامدار اور منور پیر بھائی نے 28 اور 29 ڈسمبر کو علی الترتیب پونے ٹرف کلب اور اعظم کیمپس میں پرتکلف عشائیہ ترتیب دیا۔ ایمی اس سے قبل ہندوستان کے جن شہروں میں اپنے کنونشن منعقد کر چکی ہے ان میں نئی دہلی، ممبئی، بنگلور، بھوپال، پٹنہ علی گڑھ اور کلکتہ قابل ذکر ہیں۔ ہندوستان کے تین سابق وزرائے اعظم وی پی سنگھ، ایچ ڈی دیوے گوڑا، اندر کمار گجرال کے علاوہ چیف منسٹر ڈگ وجے سنگھ، لالو پرساد یادو، مرکزی وزیر رام ولاس پاسوان، فلمسٹار دلیپ کمار، سائرہ بانو، شبانہ اعظمی، فاروق شیخ وغیرہ امریکہ اور ہندوستان میں منعقدہ ایمی کے سالانہ کنونشن میں شرکت کر چکے ہیں۔ ایمی نے بوسنیا کے مظلوم مسلمانوں، گجرات میں زلزلہ کے متاثرین کے لئے فنڈز بھی اکٹھا کئے۔ ایڈس کے خلاف تشہیری مہم کے علاوہ ایک یتیم خانہ کی تعمیر اور ممبئی کے سلم بستیوں میں رہنے والوں کی امداد کے پراجکٹس میں بڑھ چڑھ کر حصہ لیا ہے۔

ایمی کی قراردادیں

ایمی کی سالانہ بین الاقوامی کانفرنس کے اختتام پر جملہ 7 قراردادیں منظور کی گئیں۔ سب سے پہلی قرارداد میں کانفرنس نے 13 ڈسمبر کو ملک کی پارلیمنٹ اور 11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ہوئے حملوں کی سخت مذمت کی اور اس سنگین جرم کا ارتکاب کرنے والوں کے ساتھ پورا پورا انصاف کرنے کی حمایت کی۔ دہشت گردی کی تمام شکلیں خواہ وہ انفرادی، گروپ کی شکل میں یا کسی ملک کی طرف سے ہو قابل مذمت ہیں۔ مذہب اسلام نے انسانیت کا جو درس دیا ہے وہ اس کے مغایر ہے۔ ایک اور قرارداد کے ذریعہ مسلمانوں کی تعلیمی حالت کو بہتر بنانے مرکزی و ریاستی حکومت کی جانب سے مؤثر اقدامات کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ تاکہ تمام مسلمان بالخصوص دیہی علاقوں میں بسنے والوں کو تعلیمی سہولیات مہیا ہو سکیں۔ خواتین کی تعلیم کو اولین ترجیح دی جانی چاہئے اور ان کی بھرپور حوصلہ افزائی کی ضرورت ہے۔ خواتین کو تعلیم سے محروم رکھنے کے نتیجہ میں مسلمانوں کی سماجی و معاشی ترقی پر منفی اثرات مرتب ہوتے ہیں۔ یہ کانفرنس مذہبی، سماجی و سیاسی قیادت کی جانب سے اس پسماندگی کو دور کرنے کیلئے اقدامات کی حوصلہ افزائی کرے گی۔ کانفرنس کی چوتھی قرارداد میں اقدار پر مبنی تعلیم کی ضرورت پر زور دیا گیا۔ ایسی تعلیم جو دین سے قریب کرے ساتھ ہی ساتھ وہ سماج میں کارآمد فرد بن سکے۔ تمام مسلم قائدین سے اپیل کی گئی کہ وہ ناخواندگی کو ختم کرنے کا عملی کام کریں۔ مسلمانوں کو او بی سی زمرہ میں شامل کرنے کی حمایت کا اعلان کیا گیا تاکہ وہ مراعات سے فائدہ اٹھا سکے اور تحفظات کے ذریعہ انہیں تعلیمی میدان میں تمام حقوق مل سکیں، جن سے اب تک محروم رہے۔ کانفرنس نے تاریخ کو بدلنے اور مسلمانوں کے عظیم ورثہ کو من گھڑت انداز میں پیش کرنے کی کوشش کی مذمت کی اور حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ اس طرح کے اقدامات سے گریز کرے۔ قرارداد میں کہا گیا کہ ہندوستانی دستور میں مسلمانوں کے حقوق کا بھرپور تحفظ کیا گیا ہے اور انہیں ہر طرح آزادی حاصل ہے۔ مرکزی اور ریاستی حکومتوں کو چاہئے کہ وہ ان دستوری حقوق کا تحفظ یقینی بنائے۔

کیریئر گائیڈنس

ڈاکٹر سلمان عابد

گزشتہ سے آگے برلا انسٹی ٹیوٹ

خصوصیات ۱۔ Multiple Point Entry۔ ایک پروگرام سے دوسرے پروگرام میں تبدیلی۔ ایک ساتھ ڈگری کرنے کی سہولتیں وغیرہ۔

۲۔ MSc پروگرام میں داخلہ حاصل کرنے کے بعد امیدوار گروپ A کے ایک پروگرام میں گریجویٹ ڈگری اسکیم کے تحت کام کرنے کے مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ پہلے سال کے آخری حصے میں Assignment کی تیاری ضروری ہوتی ہے۔ BITS میں طلباء کی ذاتی دلچسپی اور قابلیت کی بنیاد پر یہ Assignment دیا جاتا ہے۔

۳۔ A.B.C. گروپس ڈگریوں میں بائیر ڈگری میں تمام طلباء کے لئے پریکٹس اسکول کا تعاون حاصل رہتا ہے۔

۴۔ انجینئرنگ یا دیگر ٹکنیکل سبجکٹس میں ڈپلوما کئے ہوئے امیدواروں کے لئے مناسب گروپ سی پروگرام میں داخلہ کے لئے غور کیا جاتا ہے۔

۵۔ ذات، مذہب یا طبقہ کی کوئی تفریق کے بغیر داخلہ دیا جاتا ہے۔ تاہم ایس سی اور ایس ٹی امیدواروں کو بعض رعایتیں دی جاتی ہیں۔

آپٹومیٹری OPTOMETRY

ہندوستان میں آپٹومیٹری میں ۱۹۵۸ء میں اسکولس کھولے گئے جس سے اس شعبہ میں تعلیم و تربیت کا باقاعدہ آغاز ہوا۔ پہلا اسکول حیدرآباد میں سروجنی دیوی آئی ہاسپٹل میں اور دوسرا علی گڑھ میں گاندھی آئی ہاسپٹل میں کھولا گیا۔ بعد میں ملک بھر میں کئی اسکولس کھولے گئے۔ اس کے علاوہ فیڈریشن آف آپتھالمک ریسرچ اینڈ ایجوکیشن کی جانب سے ملک کے مختلف مقامات میں Opthalmic Techniques میں ڈپلوما کورسس رائج رکھے ہوئے ہیں۔

تقریباً ہر کورس میں میاتھس، فزیکل آپٹکس، آرگینک کیمسٹری، اناٹومی، سائیکالوجی، کارہ کالوجی، بیو کیمسٹری، میڈیکل سائیکالوجی، اسٹاٹسٹکس جیسے سبجکٹس پڑھائے جاتے ہیں۔

ہندوستان میں دہلی اور مدراس میں قائم اسکولس کے کورسس کو بہت زیادہ اہمیت دی جاتی ہے۔ مدراس میں شنکر آئی بینک کی جانب سے اپلائیڈ اسکول آف آپٹومیٹری آفر کر رہے ہیں بی ایس (آپٹومیٹری کورس ان میں سے ایک اہم ترین کورس ہے نئی دہلی میں آل انڈیا انسٹی ٹیوٹ آف میڈیکل سائنس آپتھالمک ٹکنکس میں تین سالہ بی ایس سی (آنرز) کورس آفر کر رہا ہے۔

تعلیمی اہلیت۔۔۔ ڈگری ہو یا ڈپلوما کورس ہو ایم پی سی سے انٹر تعلیمی اہلیت ضروری ہے۔ عام طور سے انٹرنس ٹسٹ کے ذریعہ داخلہ دیا جاتا ہے۔

اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدرآباد میں ایل وی پرساد آئی انسٹی ٹیوٹ آف فیلوشپ پروگرام فراہم ہے۔ اسی شعبہ میں ڈگری یا ڈپلوما رکھنے والوں کے لئے فیلوشپ ہوتی ہے۔

مدراس میں ایلیمانٹ اسکول ایم فل اور ایم میں آپٹومیٹری کورس آفر کر رہا ہے۔ اس اسکول کے کورس کو BITS پلانی کی منظورہ و مسلمہ حیثیت حاصل ہے۔ مزید تفصیلات کے لئے

Advancement of Eyecare Section
L.V. Prasad Eye Institute
Jubili Hills Hyderabad

آپٹومیٹری میں ڈگری یا ڈپلوما کورس فراہم کرنے والے ادارے

۱۔ اسکول آف آپٹومیٹری، گاندھی آئی ہاسپٹل علی گڑھ۔ 202001
(آپٹومیٹری میں دو سالہ ڈپلوما)

۲۔ پریمیر اسکول آف آپٹومیٹری و کنٹاکٹ لینسس ریسرچ اینڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ، علی گڑھ (یوپی) (آپٹومیٹری میں دو سالہ ڈپلوما)

۳۔ میونسپل آئی ہاسپٹل تھمبس پرو شرم سینٹ۔ آپوزٹ (opp) نارتھ بروک گارڈن کاساتھی پورا، ممبئی۔ 400008
(آپٹومیٹری دو سالہ ڈپلوما)

۴۔ سردتھل داس ودیا دبار، پریملا وٹھل داس پالی ٹکنیک ایس این ڈی ٹی اسکول آف آپٹومیٹری، جوہو روڈ، سانتا کروز (ویسٹ) ممبئی۔ 400049
(آپٹالک ٹکنکس میں دو سالہ ڈپلوما)

۵۔ کالج آف آپٹومیٹریکل سائنس دی انڈین آپٹیکل انسٹی ٹیوٹ کلکتہ۔
(چار سالہ ڈپلومیٹ آف ڈاکٹرس)

۶۔ اسٹیٹ میڈیکل فیکلٹی آف ویسٹ بنگال، ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف اپتھالوجی، کلکتہ (دو سالہ پیرا میڈیکل آپٹالک اسسٹنٹ ڈپلوما کورس)

۷۔ ڈاکٹر راجندر پرساد سنٹر فار میڈیکل سائنس، انصاری نگر۔ نئی دہلی 110029
تین سالہ بی ایس سی (آپٹالک ٹکنکس)

۸۔ گجراجہ میڈیکل کالج، ڈپارٹمنٹ آف آپتھالوجی، گوالیار (مدھیہ پردیش)
(دو سالہ پیرا میڈیکل آپٹالک اسسٹنٹ کورس)

۹۔ اسکول آف آپٹومیٹری، سروجنی دیوی آئی ہاسپٹل اینڈ انسٹی ٹیوٹ آف آپتھالوجی، حیدرآباد۔ 500001 (اے پی) دو سالہ آپٹومیٹری ڈپلوما۔

۱۰۔ ڈپارٹمنٹ آف آپٹومیٹری اینڈ ریٹریکشن، شری ویشنو پالی ٹکنیک کالج ایم او جی۔ لائنس، دھار روڈ، اندور (ایم پی)
آپٹومیٹری اور ریفراکشن میں دو سالہ کورس

۱۱۔ انڈین اسکول آف آپٹومیٹری (یونٹ آف میڈیکل ریسرچ فاؤنڈیشن) 8 جی ایس ٹی روڈ، سینٹ تھامس ماؤنٹ مدراس۔ 600016
(بیاکولاریٹ آف آپٹومیٹری چار سالہ ڈگری کورس)

۱۲۔ ریجنل انسٹی ٹیوٹ آف اپتھلمالوجی، اسکول آف آپٹومیٹری گورنمنٹ آپتھلمک ہاسپٹل۔ اگمور۔ (آپٹومیٹری میں ڈپلوما)

۱۳۔ ایس سی بی میڈیکل کالج کٹک (دو سالہ آپٹالک اسسٹنٹ ٹریننگ کورس

۱۴۔ اسکول آف آپٹومیٹری آئی ہاسپٹل سیتاپور۔ 261001 (یوپی) آپٹومیٹری میں ڈپلوما

۱۵۔ ڈپارٹمنٹ آف آپٹومیٹری۔ کرسٹن میڈیکل کالج، شیل آئی ہاسپٹل ارنی روڈ، ویلور۔ 632001 (ٹی این)
آپٹومیٹری میں دو سالہ ڈپلوما۔

بلدی انتخابات کے لئے زبردست مہم

دونوں شہروں حیدرآباد و سکندرآباد میں مجلس بلدی انتخابات کے سلسلہ میں زبردست مہم جاری ہے بہت جلد نتائج بھی سامنے آجائیں گے ۔ اس بار میئر اور کونسلر کے لئے علحدہ رائے دہی ہوگی اور ہر سیاسی جماعت کامیابی کے لئے ایڑی چوٹی کا زور لگارہی ہے تاہم مقابلہ میں جو اہم جماعتیں میدان میں ہیں ان میں مجلس اتحاد المسلمین ، تلگو دیشم ، کانگریس ، بی جے پی ، ٹی آر ایس ، ایم بی ٹی ، ٹی ایس ایس شامل ہیں ۔ اصل مقابلہ تو مجلس ، تلگو دیشم ۔ بی جے پی اتحاد اور کانگریس کے مابین ہے ۔ تاہم دیگر جماعتیں بھی بعض ڈویژن پر اپنا اثر دکھا سکتی ہیں ۔ علحدہ تلنگانہ تحریک کے پرچم تلے دو سیاسی جماعتیں ٹی آر ایس اور ٹی ایس ایس مقابلہ کررہی ہیں ۔ تمام بڑی سیاسی جماعتوں نے انتخابی منشور جاری کردیا ہے اور مہم میں تیزی پیدا کردی گئی ہے ۔ مجلس بلدیہ کے میئر اور 100 بلدی وارڈس کے کونسلرس کے لئے رائے دہی 22 جنوری کو مقرر ہے ۔ ان 100 ڈیویژنوں میں 62 محفوظ قرار دیئے گئے اور صرف 38 ڈیویژن پر عام زمرہ کے تحت مقابلہ ہیں ۔ خواتین کے لئے 20 ، پسماندہ طبقات کے لئے 33 ، درج فہرست طبقات کے لئے 8 اور درج فہرست قبائل کے لئے ایک نشست محفوظ کی گئی ۔ دونوں شہروں کے 100 کے منجملہ 62 بلدی حلقوں کو محفوظ قرار دیئے جانے سے کئی اہم دعویداروں کی امیدوں پر پانی پھر گیا ۔ اس بار بلدی انتخابات دلچسپ ہوں گے ۔ ہر جماعت اپنے امیدوار کی کامیابی کا دعوی کررہی ہے اور انتخابی مہم زور و شور سے جاری ہے ۔ بہت جلد نتائج سامنے آجائیں گے اور پتہ چل جائے گا کہ عوام کا فیصلہ کس کے حق میں تھا ۔

مختلف سیاسی جماعتوں کے پرچم جسے بنا اجازت آویزاں کرنے پر بلدی عملے نے نکال دیا

معیشت ..... غیر ملکی امداد کب تک؟

احسان اللہ خان

پاکستانی معیشت کے زوال کے اسباب کا ذکر کرنے لگیں تو مایوسی کے سوا کچھ نہیں ملتا کون سی قوتیں ہیں جو ملک کی بربادی کا باعث بن رہی ہیں باہر کے دشمن سے زیادہ ہمارے اندر کے دشمن معاشی ناہمواریوں کا موجب رہے ہیں تاہم موجودہ حکومت نے بہتر حکمت عملی کے عوض ملک کو ترقی کی راہ پر ڈال دیا ہے ضروری ہے کہ ہم اپنے وسائل کو بڑھانے کیلئے جنگی بنیادوں پر کام کریں وفاقی وزیر خزانہ شوکت عزیز نے کہا کہ پیرس کلب کے اجلاس میں پاکستان کو بہت زیادہ ریلیف ملنے کی توقع ہے ۔ یہ تاثر درست نہیں کہ حکومت قرضے معاف کرانے پر زور نہیں دے رہی اور صرف ری شیڈول کرانا چاہتی ہے وزیر خزانہ نے بتایا کہ اٹلی نے پاکستان کے ذمہ 85 ملین ڈالر کے قرضے قلم زد کرتے ہوئے پاکستان کو مزید مالی امداد اور تجارت کے فروغ دینے کا بھی وعدہ کیا ہے جرمنی نے پاکستان کیلئے 300 ملین ڈالر کی رقم مختص کی ہے ، جس کا 75 فیصد حصہ امداد پر مشتمل ہو گا جبکہ باقی رقم قرضوں کی معافی اور دیگر مدوں کیلئے خرچ ہوگی ایشین ڈیولپمنٹ بینک ہمارے ترقیاتی منصوبوں کیلئے ایک ارب ڈالر فراہم کرے گا ۔ جبکہ ورلڈ بینک سے بھی اتنی ہی رقم ملنے کی توقع ہے 11 ستمبر کے واقعات کے باعث ہماری معیشت کو تین ارب ڈالر سے زیادہ خسارہ پیش ہے ۔ دریں اثناء اسٹیٹ بینک آف پاکستان نے مالی سال 02 ۔ 2001 جولائی تا ستمبر کی سہ ماہی رپورٹ میں جہاں بعض مثبت آثار کی نشاندہی کی وہاں خبردار کیا ہے کہ جب تک مسئلہ افغانستان حل نہیں ہوتا پاکستانی معیشت پر بے یقینی کے بادل منڈلاتے رہیں گے ۔ گزشتہ سہ ماہی میں بیرون ملک پاکستانیوں کی طرف سے زرمبادلہ کی ترسیل میں اضافہ ہوا اور افراط زر اور تجارتی خسارے میں کمی واقع ہوئی لیکن واررسک پریمیم اور ٹرانسپورٹ کے اخراجات میں اضافے کی وجہ سے برآمدی تجارت بری طرح متاثر ہوئی ہے ۔ علاوہ ازیں اس دوران میں روپے کی قیمت میں اضافے اور امریکی اور یورپی درآمد کنندگان کی طرف سے درآمدی آرڈروں میں کمی کے باعث بھی برآمدی تجارت میں کمی واقع ہوئی ۔ 11 ستمبر کے واقعات نے پاکستانی معیشت کو جو پہلے ہی بحرانی کیفیت سے گزر رہی تھی ایک نہایت مشکل صورتحال میں مبتلا کر دیا ۔ اس صورتحال سے عہدہ برآ ہونے کے لئے توقع کی جا رہی تھی کہ ترقی یافتہ ملک 11 ستمبر کے واقعات سے ہونے والے تقریبا 3 ارب ڈالر کے نقصانات کو پورا کرنے کیلئے معقول مالی امداد فراہم کرینگے اپنے قرضوں کو قلم زد کرنے کے بارے میں ہمدردی سے غور کرینگے اور پی آر ایف جی کے تحت کم از کم 2.5 ارب ڈالر کا قرضہ جاری کیا جائے گا لیکن آئی ایم ایف نے پی آر ایف جی کے تحت آئندہ تین مالی سالوں کیلئے صرف 1.3 ارب ڈالر کی منظوری دی ہے گویا آئندہ تین سالوں میں ہر سال 43 ملین ڈالر کی رقم فراہم کی جائے گی البتہ آئی ایم ایف کی جانب سے اس قرضے کیلئے معاہدے کی منظوری سے پیرس کلب کے اجلاس پر مثبت اثرات کی توقع کی جاسکتی ہے پاکستان کے نقطہ نظر سے پیرس کلب کے تحت لئے گئے دو طرفہ قرضوں کا معاملہ نہایت اہم ہے جس کے تحت پاکستان کے ذمہ تقریبا 12.5 ارب ڈالر کے قرضے واجب الادا ہیں پاکستان نے 11 ستمبر کے بعد خصوصا ان قرضوں کو قلم زد کرانے کیلئے کوششیں کیں لیکن تاحال اس کا کوئی حوصلہ افزاء جواب نہیں ملا ۔ جاپان کی طرف سے یہ موقف اختیار کیا گیا ہے کہ قرضوں کی معافی کی صورت میں دوسرے قرض دہندگان بھی یہی مطالبہ کرسکتے ہیں بہرحال وفاقی وزیر خزانہ کا یہ بیان امید افزاء ہے کہ قرضوں کو قلم زد کرانے کی کوششیں ترک نہیں کی گئیں ۔ ہمیں ترقی یافتہ دنیا کو یہ باور کرانے کی کوششیں جاری رکھنی چاہئیں کہ پاکستانی معیشت کے بحران کا حل مزید قرضوں کا اجراء نہیں بلکہ اس کا مستقل حل یہ ہے کہ سابقہ قرضوں کو قلم زد کر دیا جائے تاکہ عالمی مالیاتی اداروں کی مالی امداد کو مستقبل میں بہبود عامہ کے اور ترقیاتی منصوبوں کی طرف منتقل کیا جاسکے اور اسے بجٹ کا خسارہ پورا کرنے کیلئے ہی خرچ کرنا مجبوری نہ بنا رہے ۔ اگر پیرس کلب کے ارکان بوجوہ قرضے قلمزد کرنے کیلئے تیار نہیں تو کم از کم انہیں برائے نام شرح سود پر اتنی طویل مدت کیلئے موخر کر دیا جانا چاہئے کہ واجب الادا قرضوں کی قسطوں کی ادائیگی کیلئے مزید قرض اٹھانے کے شیطانی چکر سے نکلنا ممکن ہوسکے ۔ 11 ستمبر کے واقعات اور افغانستان کے خلاف جنگی کارروائیوں کے نتیجہ میں پاکستان کے مالی خسارے کا اندازہ 3 ارب ڈالر کے لگ بھگ لگایا گیا ہے لیکن تاحال امریکہ کی طرف سے 600 ملین ڈالر گرانٹ دینے کا اعلان کیا گیا ہے ۔ اب جرمنی نے پاکستان کیلئے 300 ملین ڈالر مختص کرنے کا فیصلہ کیا ہے اس رقم میں سے 75 فیصد یعنی 225 ملین ڈالر کی رقم مالی امداد کے طور پر دی جائیگی اور باقی رقم کا بڑا حصہ بھی گزشتہ قرضوں کی ادائیگی پر صرف کیا جائیگا ۔ 11 ستمبر کے واقعات سے پاکستانی معیشت پر وارد ہونے والے منفی اثرات کے تناظر میں یہ مالی امداد قطعی ناکافی ہے ۔ پاکستان کو کم از کم اتنی مالی امداد ضرور دی جانی چاہئے جو حالیہ خسارے کو پورا کرسکے اور خسارے سے بچنے کیلئے ترقیاتی پروگراموں کو بند نہ کرنا پڑے ۔ یہ خبر خوش آئند ہے کہ ایشین ڈیولپمنٹ بینک اور ورلڈ بینک بھی ترقیاتی منصوبوں کے لئے ایک ارب ڈالر کے قرضے فراہم کرینگے ۔ لیکن انہیں فی الواقع ترقیاتی کاموں ہی پر صرف کرنے کا امکان اسی صورت میں بروئے کار آسکے گا کہ ترقی یافتہ ممالک موجودہ خسارے کو پورا کرنے کیلئے فراخ دلی سے تعاون کریں عالمی مالیاتی اداروں اور امیر ممالک کے مجموعی رویئے کی روشنی

میں حکومت کی پالیسی کے ناقدین یہ کہہ سکتے ہیں کہ امریکہ کی حمایت سے ہمیں معاشی طور پر بھی کچھ حاصل نہیں ہوا لیکن حقیقت یہ ہے کہ بصورت دیگر حالات معیشت کیلئے تباہ کن بھی ہوسکتے تھے تاہم اس سے یہ حقیقت ایک بار پھر نمایاں ہو کر سامنے آئی ہے کہ ہمیں اپنے حالات بدلنے کیلئے خود ہی کمر ہمت کسنی ہوگی۔ بحالی معیشت کی راہ پر گامزن ہونے کیلئے لازم ہے کہ ترجیحات کا از سر نو جائزہ لیا جائے ، کفایت شعاری اور لاچاری دیکھ کر پاؤں پھیلانے کی روش اختیار کی جائے اور شاہ خرچیوں کو ہمیشہ کیلئے خیرباد کہہ دیا جائے ۔ اس حقیقت سے کوئی انکار نہیں کرسکتا ہے کہ موجودہ حکومت نے اپنے کم و بیش دو سالہ اقتدار میں ملک کو صحیح سمت پر گامزن کیا ہے خارجی تشویشناک صورتحال ہو یا ملک کی مجموعی اندرونی خرابیاں ہوں اس میں نظام کی تبدیلی کا عمل ہو یا کرپشن بدعنوانی کے خاتمہ کیلئے کی گئی کوششیں ہوں حقیقی جمہوریت کی بحالی ہو یا غیر ضروری اخراجات پر کنٹرول کی پالیسی ہوتمام مسائل سے پاکستان کونکالنے میں درست سمت کا تعین ضرور ہوا ہے جس کیلئے جنرل پرویز مشرف اور ان کے رفقاء کی کارکردگی کو مثبت زمرے میں لیا جاسکتا ہے معیشت کی بحالی کیلئے کی گئی کوششیں عملی طور پر نظر آنے لگی ہیں جس سے عام آدمی کی زندگی میں مثبت اثرات مرتب ہوسکتے ہیں ہمارے ریزرو جو 0.06 تھے جب موجودہ حکومت ایک غیر معمولی واقع کے نتیجے میں برسر اقتدار آئی تھی اور اب مثبت پالیسیوں کی بدولت یہ ریزرو پانچ بلین ڈالر سے تجاوز کرگئے اور یہ پاکستانی تاریخ میں پہلی بار ایسا ہوا ہے لیکن ضرورت اس بات کی ہے ہمیں کشکول کو توڑنے کیلئے اپنے وسائل پر ملک کو چلانا ہوگا اور اس کیلئے ہر محب وطن پاکستانی کو خواہ وہ ملک میں ہے یا بیرون ملک ہے ملک کی تعمیر و ترقی کیلئے کام کرنا ہوگا ٹیکس کلچر کو فروغ دے کر مستحکم معیشت کو پروان چڑھانا ہوگا۔

نذیر ناجی

ٹوٹے

آج کچھ ٹوٹے پیش خدمت ہیں

"آپ کے صدر بش ایک کتاب کتنی دیر میں پڑھ لیتے ہیں؟"

"کتنے صفحات کی کتاب؟"

"فرض کرو دو سو صفحات"

اب میں کیا جواب دوں؟

"اس میں پریشانی کی کیا بات ہے ، اندازے سے بتادیں"

"اندازہ بھی نہیں لگاسکتا"

"وہ کیوں ....؟"

"میں ۲۰ سال سے ان کے ساتھ ہوں ، میرے سامنے ایسا کوئی واقعہ نہیں ہوا کہ وہ کتاب پڑھتے پائے گئے ہوں"۔

ooo

"عجیب صورتحال ہے"

"کیا ....؟"

"بیگم بھٹو کی طبیعت کافی خراب ہے اور خدا نخواستہ انہیں کچھ ہوگیا تو بے نظیر بھٹو ان کے ساتھ آئیں گی اور کراچی سے لاڑکانہ تک سڑک کے ذریعے سفر کریں گی اور گڑھی خدا بخش تک پہنچتے پہنچتے پورے سندھ میں طوفان کھڑا ہوجائے گا"۔

"یہ تو میر شاہ نواز بھٹو کے وقت بھی ہوا تھا مگر اب کے شائد زیادہ ہو"۔

"دوسرا مسئلہ نواز شریف کا ہے"

"وہ کیا ...؟"

"ان کے والد محترم میاں محمد شریف کی طبیعت بھی خراب ہے اور خدا نخواستہ انہیں کچھ ہوا تو نواز شریف لاہور کے ہوائی اڈے پر اتریں گے اور رائے ونڈ تک پہنچتے پہنچتے عوام کا سیلاب امڈ پڑے گا"۔

"مسئلہ تو یہ بھی اہم ہے ، ایسی صورت میں ان دونوں کو روکنا بھی مشکل ہوگا ، آپ کے خیال میں صدر پرویز مشرف کیلئے کیا مناسب ہوگا"

"ان کیلئے جو مناسب ہے وہ کررہے ہیں"

"وہ کیا کررہے ہیں ...؟"

"وہ بیگم نصرت بھٹو اور میاں محمد شریف کی زندگی کیلئے دعائیں کررہے ہیں"۔

ooo

"ہیلو میں جارج بش بات کررہا ہوں اور آپ سے دوٹوک جواب چاہتا ہوں"

"فرمایئے کیا ....؟"

"آپ کو ابھی فیصلہ کرکے یہ بتانا ہوگا کہ آپ ہمارے ساتھ ہیں یا دہشت گردوں کے؟"

"جناب ہم دہشت گردوں کے ساتھ ہیں"

"تو پھر آپ کو ہماری طرف سے جوابی کارروائی کیلئے بھی تیار رہنا ہوگا"

"وہ کیوں جناب؟ میں نے کہہ دیا ہے کہ دہشت گردوں کے ساتھ ہیں"

"اسی پر تو مجھے اعتراض ہے"

"جناب آپ کو تو خوش ہونا چاہئے کہ ہم نے دہشت گردوں کی حمایت کا فیصلہ کیا ہے ، دنیا کے سب سے بڑے دہشت گرد آپ ہیں اور ہم آپ کے ساتھ ہیں"

ooo

"پہلا ایکٹر بہت اچھا تھا"

"کس فلم میں ...؟"

"فلم نہیں ویڈیو میں ، اسامہ بن لادن کے اعتراف جرم کی ویڈیو"

"یہ کس نے بنائی ....؟"

"سی آئی اے نے"

"تو پہلے ایکٹر والی کیا بات ہے؟"

"اسامہ بن لادن کا کردار پہلے ایک دوسرا ایکٹر ادا کررہا تھا ، شوٹنگ کے دوران وہ اسامہ کے گیٹ اپ میں چائے پینے کیلئے اسٹوڈیو کی کینٹین میں چلا گیا ، وہاں پر لوگوں نے اسامہ بن لادن سمجھ کر اس کی پٹائی کردی اور اسے ہسپتال جانا پڑا"۔

"پھر ....؟"

"اس کی عدم موجودگی میں جلدی سے دوسرا ایکٹر ڈھونڈا گیا مگر وہ اسامہ بن لادن کے کردار میں فٹ نہیں بیٹھا اور ویڈیو بیکار گئی"۔

ooo

"آدم خور شیر بستی میں آجائے تو ....؟"

"انجام ظاہر ہے"

"کیا ....؟"

"شیر مرے گا یا بستی اجڑے گی۔"

OOO

"آج کل نہیں آنے دیں گے پر بہت زور ہے۔"

"مثلاً"

"امریکی کہتے ہیں کہ ہم طالبان اور القاعدہ کے لوگوں کو پاکستان میں نہیں آنے دیں گے اور ....."

"اور کیا ...؟"

"بھارت والے کہتے ہیں کہ ہم مجاہدین کو مقبوضہ کشمیر میں نہیں آنے دیں گے اور صدر مشرف ..."

"اور صدر مشرف کیا کہتے ہیں ...؟"

"صدر مشرف کہتے ہیں کہ وہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کو پاکستان نہیں آنے دیں گے۔"

"تو کیا ہوگا، سب رک جائیں گے؟"

"یہی تو مشکل ہے اس سوال کا جواب کسی کے پاس نہیں۔"

OOO

مجھے اپنے پاکستانی ہونے پر شرم آتی ہے"

"پاکستان بھی اس پر شرمندہ ہے ...."

"پاکستان کس بات پر شرمندہ ہے؟"

"

"آپ کے پاکستانی ہونے پر ....."

OOO

واجپائی کہتے ہیں، بھارت جنگ نہیں چاہتا"

"اور صدر پرویز مشرف کہتے ہیں، پاکستان جنگ نہیں چاہتا"

"تو جنگ کون چاہتا ہے ...؟"

"مالدیپ"

OOO

"ذوالفقار علی بھٹو نے کہا تھا کہ "مجھے قتل کیا گیا تو ہمالیہ خون کے آنسو روئے گا" اس پیش گوئی کو ایک نصف یا تہائی صدی نہیں ہوئی، چوتھائی صدی پوری ہونے میں بھی دو سال باقی ہیں"۔

زاہدہ حنا

زمینی حقیقتوں کا سامنا کیجئے

افغان دارالحکومت پر شمالی اتحاد کا قبضہ ہوچکا، جلال آباد اور ہرات بھی طالبان کے ہاتھوں سے نکل چکے، قندوز، قندھار، غزنی اور دوسرے کئی علاقوں کے بارے میں بھی یہی خبریں ہیں۔ افغانستان پر طالبان مخالف قوتوں کا تسلط مکمل ہوچکا ہے اور صرف پچھلے چند دنوں کے اندر پورے افغانستان کا سیاسی منظر بدل گیا ہے۔ اس بات پر سب متفق تھے کہ طالبان ملیشیا بھیانک امریکی بمباری کا زیادہ دنوں تک تاب نہیں لاسکے گی۔ ایٹم بم کے سوا ہر قسم کے خطرناک بموں اور میزائلوں کے مسلسل اور تباہ کن حملوں نے طالبان کے مورچوں اور دفاع کو تس نس کردیا تھا۔ طالبان روایتی طرز کی زمینی جنگ لڑنے کے قابل بھی نہیں رہے تھے۔ انتظار صرف اس بات کا تھا کہ طالبان کی پسپائی سے پیدا ہونے والے فوجی اور سیاسی خلا کو کون پورا کرے گا۔

پاکستان کی فوجی حکومت سمیت بہت سے حلقوں کو یہ خوش گمانی تھی کہ فوجی اقتدار سے طالبان کی کمر توڑنے کے بعد امریکہ منحرف اور باغی طالبان فوجی کمانڈروں کی مدد سے کابل کا کنٹرول حاصل کرلے گا۔ دوسرے مرحلے میں وہ جنوبی اور مشرقی افغانستان سے طالبان کا صفایا کرے گا اس کے بعد طالبان کے زیر قبضہ 95 فیصد افغانستان پر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کا تسلط مکمل ہوجائے گا۔ شمالی اتحاد کو مزار شریف سے آگے بڑھنے کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ اس طرح افغانستان میں امریکہ جو نئی حکومت تشکیل دے گا اس میں شمالی اتحاد کو معمولی نمائندگی حاصل ہوگی۔ ظاہر شاہ واپس لائے جائیں گے اور نئی حکومت کو کسی امکانی خطرے یا مزاحمت سے بچانے کے لئے اتحادی افواج افغانستان میں طویل عرصے کے لئے تعینات کی جائیں گی یہ خوش گمانیاں اب بڑی حد تک دم توڑ چکی ہیں۔ سقوط کابل کے بعد کھیل کی بساط نئے سرے سے بچھائی جارہی ہے۔ کئی مہرے جن سے کام لیا جاچکا ہے اب اٹھا کر ایک طرف رکھ دیئے گئے ہیں میدان میں نئے کھلاڑی اتر چکے ہیں۔

یہ تلخ بات کسی کو پسند آئے یا نہ آئے مگر حقیقت یہی ہے کہ پاکستان کی حکومت کھیل سے بڑی حد تک باہر ہوچکی ہے۔ ڈیڑھ مہینے پہلے افغان پالیسی کو سر کے بل کھڑا کرتے ہوئے یہ دلیل دی گئی تھی کہ ملکوں کی پالیسیاں زمینی حقائق کے مطابق بنائی جاتی ہیں چونکہ زمینی حقائق بدل چکے ہیں لہذا ہم نے اپنی پالیسی تبدیل کرلی ہے۔ کیا اس دلیل کو حکومت پاکستان اب بھول چکی ہے؟ زمینی حقیقت تو یہ ہے کہ کابل پر شمالی اتحاد کا قبضہ ہوچکا ہے برہان الدین ربانی صدر کی حیثیت سے کابل واپس آچکے ہیں۔ اقوام متحدہ سمیت دنیا کے تقریباً تمام ملک آج سے نہیں برسوں پہلے سے انہیں افغانستان کی قانونی حکومت کا صدر تسلیم کرتے ہیں۔ کیا زمینی حقیقت کا تقاضہ آج یہ نہیں ہے کہ جناب برہان الدین ربانی کو افغانستان کا صدر تسلیم کیا جائے؟ آج بار بار یہ مطالبہ کیوں ہورہا ہے کہ کابل پر شمالی اتحاد کا قبضہ ختم کرایا جائے؟ امریکی وزیر خارجہ جنرل کولن پاول تازہ ترین انٹرویو میں کہہ چکے ہیں کہ ہم نے جنرل پرویز مشرف سے کہہ دیا تھا کہ وہ یہ فیصلہ کرلیں کہ انہیں کس کا ساتھ دینا ہے۔ انہوں نے چوبیس گھنٹوں کے اندر ہمارا ساتھ دینے کا فیصلہ کرلیا۔ کولن پاول کے بیان کے بعد اس بات کی رسمی طور پر تصدیق ہوگئی ہے کہ پاکستان کی فوجی حکومت نے افغانستان کے خلاف بین الاقوامی اتحاد کا حصہ بننے کا فیصلہ زمینی حقائق کی بنیاد پر نہیں بلکہ امریکی دباؤ اور دھمکی کے نتیجے میں کیا تھا۔ کولن پاول عراق میں امریکی فوجوں کی قیادت کرچکے ہیں۔ پیشہ ور جنرل ہونے کے ناطے سیاسی آداب اور اس کے روایتی تقاضوں کو خاطر میں لانا ان کے مزاج کا حصہ نہیں۔ کابل کے فتح ہوتے ہی انہوں نے یہ بیان دے دیا اور اس بات کی کوئی پروا نہیں کی کہ ان کے اس بیان سے اس اہم حلیف ملک کی حکومت کو کتنی پریشانی اور شرمندگی کا سامنا ہوگا۔ دباؤ میں کئے جانے والے فیصلے زمینی حقائق کے عین

مطابق نظر تو آسکتے ہیں لیکن وہ دیرپا ثابت نہیں ہوتے۔ افغانستان کی اپنی پسندیدہ حکومت کا راتوں رات ساتھ چھوڑ کر اس پر حملہ آور ہونے والے امریکہ کا حلیف بن جانا ایک ناقابل فہم بات تھی۔ جنرل صاحب نے بدلے ہوئے زمینی حقائق کی دلیل دے کر واشگاف لفظوں میں یہ اعلان کیا تھا کہ انہوں نے یہ فیصلہ کسی دباو میں آکر نہیں کیا ہے۔ وہ دو جنگوں میں لڑ چکے ہیں لہذا کسی سے ڈرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا لیکن کولن پاول کا بیان کچھ اور کہانی سناتا ہے۔ دکھ کی بات یہ ہے کہ حکومت پاکستان کو اب بھی اس بات پر اصرار ہے کہ اس نے جو فیصلہ کیا وہ پاکستان کے مفادات کے عین مطابق تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت پاکستان ۰۰امریکی دباؤ کے باعث ایک فیصلہ کرنے پر مجبور ہوئی لیکن اس کے ساتھ وہ غلط طور پر یہ امیدیں بھی وابستہ کر بیٹھی کہ امریکہ اس حمایت سے خوش ہو کر معاشی اور سیاسی سطح پر پاکستان کے مفادات کو تحفظ فراہم کرے گا۔ سقوط کابل کے بعد امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے جو رویہ اختیار کیا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہیں پاکستان یا اس کی حکومت کے مسائل اور مفادات سے کوئی غرض نہیں ہے۔ افغانستان کی بدلی ہوئی صورتحال میں پاکستان فرنٹ لائن اسٹیٹ ہونے کے باوجود اب عملی طور پر امریکہ کے لئے زیادہ سودمند نہیں رہا یہی وجہ ہے کہ جنرل پرویز مشرف کی حکومت کی صرف اتنی ہی نازبرداری کی جائے گی جتنی امریکہ کی ضرورت ہوگی۔ شمالی اتحاد کی کامیابیوں سے پہلے یہ تاثر دیا جارہا تھا کہ امریکہ پاکستان میں معاشی انقلاب برپا کرنے کا خواہاں ہے۔ امریکی سفیر کا کہنا تھا کہ ہم پاکستان کے لئے 50 سالہ اقتصادی پروگرام تیار کریں گے۔ اس بات کے اشارے دیئے گئے کہ 38 ارب ڈالر کے قرضوں کا ایک حصہ معاف بھی کیا جاسکتا ہے۔ کشمیر کے مسئلے کو حل کرانے کی باتیں بھی کی گئیں اور بڑے واضح انداز میں یہ اعلان کیا گیا کہ افغانستان میں جو بھی حکومت تشکیل دی جائے گی اس میں پاکستان کے مفادات کا پورا خیال رکھا جائے گا۔ صدر بش نے جنرل پرویز مشرف کے ساتھ مشترکہ پریس بریفنگ میں کھل کر کہا کہ شمالی اتحاد کو کابل میں داخل ہونے کی اجازت نہیں ہوگی۔ لیکن صرف 72 گھنٹوں کے اندر سب کچھ تبدیل ہوگیا اور شمالی اتحاد نے جب کابل پر قبضہ کیا تو صدر بش نے فرمایا کہ اس صورتحال سے انہیں خوشی محسوس نہیں ہوئی ہے۔ اسی دوران برطانوی وزیر دفاع نے ہندوستان میں اعلان کیا کہ کشمیر میں بیرونی مداخلت اور دہشت گردی برداشت نہیں کی جائے گی۔ امریکی وزارت خارجہ کی طرف سے یہ بیان بھی آیا کہ کشمیر ایک دو طرفہ معاملہ ہے اور امریکہ اس میں ثالثی کرانے کا کوئی ارادہ نہیں رکھتا۔ ایف سولہ طیارے دینا تو دور کی بات تھی اس مسئلے کو جس کا محض ایک حصہ توازن ادائیگی پر خرچ کیا جاسکے گا جو شاید ایک مہینے کے تجارتی خسارے کو پورا کرنے کے لئے بھی کافی نہیں ہے۔ ڈالروں کی بارش برسانے والے بادل تین ہفتوں تک پاکستان پر منڈلانے کے بعد کسی اور طرف کا رخ کرچکے ہیں۔ اگر حکومتی نقطہ نظر سے بھی سود و زیاں کا حساب لگایا جائے تو صورتحال کچھ یوں ہے کہ پاکستان کی مغربی سرحدوں پر ایک ایسی حکومت برسر اقتدار آچکی ہے جس کی اعلی شخصیات کھلے عام یہ کہتی ہیں کہ افغانستان میں اب روس ، ایران اور ہندوستان کا اثر ورسوخ کہیں زیادہ بڑھ گیا ہے کیونکہ ان ملکوں نے پچھلے 5 برسوں کے دوران اس اتحاد کی بھرپور مدد کی تھی۔ امریکہ اب افغانستان کے اندر اپنی فوجی مہم کسی مدد کے بغیر جاری رکھ سکتا ہے۔ پاکستان پر اس کا انحصار بہت کم ہوگیا ہے۔ 11 ستمبر کے بعد جب امریکہ کا مکمل انحصار پاکستان پر تھا تب بھی اس نے بقول کولن پاول دباؤ ڈال کر پاکستان کی حمایت حاصل کی تھی۔ انحصار کم ہونے کے بعد امریکہ کا کیا رویہ ہوگا اس کے بارے میں اندازہ لگانا زیادہ مشکل نہیں ہے۔ یہ باتیں ابھی سے کہی جانے لگی ہیں کہ پاکستان نے جو ہوائی اڈے دیئے تھے ان پر موجود سازو سامان اور فوجیوں کی حفاظت کے سوا پاکستان نے بھلا اور کون سی خدمات انجام دی ہیں؟ برطانوی اور امریکی بیانات کی روشنی میں تجزیہ کیا جاسکتا ہے کہ موجودہ صورتحال سے کشمیر کاز کو کتنا فائدہ پہنچا ہے؟ افغانستان اور پاکستان کے سرحدی علاقوں میں آئندہ جو صورتحال پیدا ہوسکتی ہے اسے داخلی استحکام کے حوالے سے مثبت نہیں کہا جاسکتا۔ یہ بات اب کھل کر کہی جانے لگی ہے کہ افغان پالیسی کی طرح حکومت کی کشمیر پالیسی بھی ناکام ہونے والی ہے۔ ان حالات میں ان امریکی دھمکیوں کو فراموش نہیں کرنا چاہئے کہ امریکہ دہشت گردوں کا تعاقب کرے گا اور وہ جس ملک میں بھی ہوں گے وہاں انہیں نیست و نابود کرے گا۔ اس طرح "دہشت گردی کے دوسرے مراکز" کو بھی تباہ کرنے کی بات کی جارہی ہے۔ یہ وہ زمینی حقائق ہیں جن کا سامنا ہمیں آنے والے دنوں میں کرنا ہوگا۔ ان خطرات کے پیش نظر اس بات کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ ملک میں فوری طور پر جمہوریت بحال کی جائے تاکہ عوام کی منتخب حکومت وسیع تر سیاسی افہام و تفہیم کے ذریعے نئی خارجہ پالیسی وضع کرے اور ملک کو اس دلدل سے نکالے جس میں وہ پھنس چکا ہے۔

وکیل انجم

ملکی معیشت اتار چڑھاؤ کی شکار رہی

گزشتہ سال ڈرامائی تبدیلیوں کا حامل رہا ۔ بے روزگاری میں اضافہ عالمی کساد بازاری کے باعث ادائیگیوں کے توازن میں کمی۔ ڈالر کی قدر میں رد و بدل ، عالمی مالیاتی اداروں کے قرضوں کی ری شیڈولنگ اور مہاجرین کی افغانستان سے آمد ، افغانستان میں جنگ جیسے مسائل کے باعث پاکستان کی معیشت میں بڑے اتار چڑھاو آئے۔ پاکستان کا امریکی اتحاد کا حصہ بننا بھی اقتصادی صورتحال پر اثرانداز ہوا ، زر مبادلہ کے ذخائر میں ریکارڈ اضافہ بھی سال کا اہم موضوع رہا ، کچھ اہداف بھی پورے نہ ہوسکے۔ کارپوریٹ فارمنگ کے ذریعے زراعت کا قومی ترقی میں حصہ بڑھانے کی حکمت عملی بھی کامیاب نہ ہوسکی جبکہ بارش کی کمی کے باعث کئی علاقوں میں قحط کی وجہ سے

فصلیں متاثر ہوئیں۔

افغان جنگ میں عالمی اتحاد کا حصہ بننے سے زر مبادلہ کے ذخائر 4 ارب 40 کروڑ ڈالر تک پہنچ گئے۔ البتہ عالمی تجارت میں اگست سے دسمبر تک کے 5 ماہ میں 43.5 کروڑ ڈالر کا خسارہ ہوا صرف نومبر میں جنگ کی وجہ سے برآمدات 5.8 فیصد اور درآمدات 11.1 فیصد کم ہوگئیں۔ مجموعی طور پر سال میں درآمدات میں 25 فیصد کمی آئی۔

جنوری سے دسمبر تک ڈالر کی قیمت میں کئی بار کمی بیشی ہوئی پاکستانی روپے کی قدر میں استحکام پیدا کرنے کے لئے اسٹیٹ بینک نے بھی کچھ اقدامات کئے۔ گیارہ ستمبر تک ڈالر کی قیمت روپے کے مقابلے میں خاصی مستحکم تھی۔ البتہ سال کے آخری چار مہینوں میں عالمی کساد بازاری اور تجارتی مندی کے رحجانات کے باعث ڈالر 59 روپے تک آگیا اور یوں دسمبر تک پاکستانی روپے کی قدر میں 9 فیصد تک اضافہ ہوا تھا۔ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے ملک کی اقتصادی ترقی و خوشحالی کے لئے 20 بڑے ترقیاتی منصوبے شروع کرنے کا اعلان کیا جس میں گومل زام ڈیم، میرانی ڈیم، گریٹر تھل کینال، رائٹ لنک آوٹ فال ڈرین، کوسٹل ہائی وے، چشمہ رائٹ لنک کینال، کوئٹہ واٹر پروجیکٹ، شمالی علاقہ جات میں سیاحت کے فروغ کے لئے تین سڑکیں اور کوئٹہ مند روڈ کے منصوبے نمایاں تھے اس کے علاوہ خوشحال پاکستان اور غربت کے خاتمہ جیسے پروگرام بھی شروع کئے گئے۔ حکومت نے کئی ترقیاتی اسکیمیں شروع کرنے کا اعلان بھی کیا جس سے 9 لاکھ افراد کو روزگار دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ افغانستان میں جنگ کی وجہ سے ترقیاتی اسکیمیں بری طرح متاثر ہوئیں۔ بلکہ بے روزگاری میں بھی اضافہ ہوا۔ صنعتی سرگرمیاں ماند رہیں اور مختلف اداروں سے عملہ پر کشش مراعات کے ذریعے فارغ کیا گیا۔ 2002-2001ء کے لئے پاکستان کا مالیاتی بجٹ 751.7 ارب روپے کا تھا جو گزشتہ مالی سال کے بجٹ سے سات اشاریہ سات فیصد زیادہ تھا۔ اندرونی و بیرونی قرضوں کی ادائیگی پر 43.7 فیصد دفاع پر 17.5 فیصد حکومتی اخراجات 10.7 فیصد اور ترقیاتی اخراجات کے لئے 17.29 فیصد رقم رکھی گئی۔ بجٹ میں ریلیف کی ایک فہرست بنائی گئی بجٹ میں ٹیکسوں کی تعداد میں بھی اضافہ کیا گیا۔ سیلز ٹیکس کی شرح میں 15 سے 20 فیصد تک اضافہ ہوا۔ ریونیو کا ہدف 457 ارب رکھا گیا۔ پچھلے مالی سال میں ریونیو میں 30 ارب روپے کی کمی تھی۔ حالانکہ وزیر خزانہ نے بجٹ پیش کرتے ہوئے دعویٰ کیا تھا کہ وہ سرکاری اخراجات کو محدود کریں گے اور خام خسارے کو 4.7 فیصد تک محدود کریں گے۔ عالمی مالیاتی اداروں سے ملنے والے ریلیف کی وجہ سے بجٹ خسارے میں بہتری کی امید پیدا ہوئی۔ سی بی آر سال 2001-2000ء میں ٹیکس ریونیو کا ٹارگٹ پورا نہ کرسکا جس کی وجہ سے سی بی آر کے سربراہ ریاض نقوی کو مستعفی ہونا پڑا اور ان کی جگہ ریاض ملک کو سی بی آر کا نیا چیرمین بنایا گیا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ گزشتہ سال کے ٹارگٹ سے بھی دو ارب 50 کروڑ روپے وصول کریں گے۔ سی بی آر نے 460 ارب روپے 2002-2001ء میں پورا کرنے کا یقین دلایا۔ گزشتہ سال یہ ٹارگٹ 436 ارب تھا جو پورا نہ ہوسکا صرف 394 ارب روپے وصول ہوئے تھے۔ حکومت نے 23 صنعتی یونٹوں کو فروخت کرکے 4 ارب ڈالر حاصل کرنے کا اعلان کیا تھا حکومت کا یہ ٹارگٹ بھی پورا نہ ہوسکا۔

سرکاری ملازمین کی مشکلات کے پیش نظر بجٹ 2002-2001ء میں سرکاری ملازمین کے لئے پے اسکیلوں پر نظر ثانی کی گئی اور ملازمین کو مراعات دینے کا وعدہ کیا گیا۔ سیول و فوجی ملازمین کی تنخواہیں یکم دسمبر 2001ء سے بڑھانے کا اعلان کیا گیا عملی طور پر گریڈ 17 سے گریڈ 22 کے افسروں کی تنخواہوں میں جس اضافے کی نوید سنائی گئی تھی وہ پوری نہ ہوسکی۔ البتہ گریڈ ایک سے سولہ تک کے ملازمین کی تنخواہوں میں معمولی اضافہ ہوا جس سے حکومتی اخراجات میں 20 ارب روپے کا اضافہ ہوا۔ وزیر تجارت عبدالرزاق داؤد نے جولائی میں 2002-2001ء کے لئے نئی تجارتی پالیسی کا اعلان کیا جس میں برآمدات کا ہدف 10.1 ارب ڈالر مقرر کیا گیا جبکہ درآمدات کا ہدف گیارہ ارب ڈالر مختص کیا گیا۔ برآمدات کے لئے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے لئے وزیر تجارت نے بعض ترغیبات اور سہولتوں کا اعلان کیا جس کا تجارتی حلقوں نے خیر مقدم کیا۔ رواں مالی سال میں برآمدات کا ہدف گزشتہ سال سے 7.6 فیصد زیادہ تھا۔ گزشتہ سال کی برآمدات کا تخمینہ دس ارب ڈالر لگایا گیا تھا پھر نظر ثانی ہدف 9.33 ارب ڈالر کردیا گیا جو پورا نہ ہوسکا۔ برآمدات بڑھانے کے لئے حکومت نے 150 ملین ڈالر کے زرمبادلہ کی سہولت فراہم کرنے کا اعلان بھی کیا تھا لیکن گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کو ملنے والے کئی آرڈر نہ صرف منسوخ ہوگئے بلکہ جو آرڈر بحال رہے اس پر بھی وار رسک ٹیکس عائد ہونے کی وجہ سے اخراجات بری طرح متاثر ہوئیں۔ جنگ کی وجہ سے کراچی کی بندرگاہ ویران رہی اور گزشتہ تین ماہ میں وار رسک انشورنس کی وجہ سے پاکستان کی جانب آنے والے بحری جہازوں کے چارجز میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ کارگو کے بڑھتے ہوئے اخراجات کی وجہ سے تجارت میں مزید کمی آئی۔ جبکہ رواں سال میں درآمدات میں سوا ارب روپے کی کمی اور برآمدات میں دو ارب ڈالر کمی کا اندیشہ ہے۔ پاکستان کی برآمدات میں کمی ایسے موقع پر ہورہی تھیں جب امریکہ نے کوٹہ کا خاتمہ اور یورپی یونین نے پاکستان پر درآمدی ڈیوٹیز میں 15 فیصد کمی کردی اور پاکستان کی ٹکسٹائل کی مصنوعات سے بہت سی پابندیاں اٹھالی تھیں۔ افغانستان میں جنگ شروع ہونے کے فوراً بعد افغان جنگ کے دوران پاکستان کے اعلیٰ حکام اس کوشش میں رہے کہ جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کا صلہ عالمی مالیاتی اداروں کی قرضوں کی معافی کی صورت میں ملنا چاہئے۔

00000

اختر علوی

جنگ

(۱)

جنگ نفرت بھری اک کوکھ سے لیتی ہے جنم
ناف سے جس کو تعصب کے غذا ملتی ہے
جنگ چنگاری کے مانند دبی ایک صفت
شر کی پھونکوں سے سلگنے کو ہوا ملتی ہے

(۲)

چھاتیاں بغض و حسد کی جو پلادیتی ہیں دودھ
زہر بن بن کے وہی دودھ اثر کرتا ہے
بڑھنے لگتے ہیں اسی دودھ سے اعضائے بدن
اک وہی زہر رگ و پے میں گزر کرتا ہے

(۳)

جنگ قابیل نے ہابیل سے کی تھی لیکن
بن کے قاتل ہوا قابیل پشیمان و ذلیل
جنگ نمرود و فراعین کہ شداد و یزید
جنگ تخریب رساں، جنگ جہالت کی دلیل

(۴)

یوں تو دیکھی ہیں زمانے نے ہزاروں جنگیں
دو بڑی جنگوں کا انجام مگر یاد تو ہے
درد باقی ہے ابھی، زخم ہرے ہیں اب تک
دل بیداد کے لب پر ابھی فریاد تو ہے

(۵)

خوب آسان تو ہے جنگ کا اعلان مگر
اٹھ کے ایوان سے سرحد پہ بھی جاکر دیکھو
گولیاں کرتی ہیں کس طرح سے سینے چھلنی
ہاتھ میں اپنے بھی بندوق اٹھا کر دیکھو

(۶)

جنگ کردیتی ہے ہنستے ہوئے بچوں کو یتیم
جنگ پہناتی سہاگن کو ہے بیوہ کا لباس
جنگ کردیتی ہے ممتا کا کلیجہ زخمی
جنگ آباد مکانوں کو کرے پل میں اداس

(۷)

جنگ شہروں کو بنادیتی ہے ویران کھنڈر
جنگ لمحوں میں عمارات کو ڈھادیتی ہے
مفلسی، قرض، مرض، بھیک، اپاہج، مجرم
جنگ پھر اس کے سوا قوم کو کیا دیتی ہے

(۸)

چھوڑیئے جنگ کی، اب امن کی باتیں کیجئے
جنگ سے ہو نہیں سکتا ہے کسی غم کا علاج
کچھ تو تاریخ کے اوراق سے لینا ہے سبق
ٹھیک ہوگا جو ڈھلے امن کے سانچے میں مزاج

کلیاتِ اقبال

بانگِ درا

(مجموعۂ کلامِ اُردو مرتبۂ مصنّف)

اقبال

کلیاتِ اقبال

بانگِ درا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

حصّہ اوّل

ہمالہ

اے ہمالہ! اے فصیلِ کشورِ ہندوستاں
چومتا ہے تیری پیشانی کو جھک کر آسماں

تجھ میں کچھ پیدا نہیں دیرینہ روزی کے نشاں
تو جواں ہے گردشِ شام و سحر کے درمیاں

ایک جلوہ تھا کلیمِ طورِ سینا کے لیے
تو تجلی ہے سراپا چشمِ بینا کے لیے

امتحانِ دیدۂ ظاہر میں کوہستاں ہے تو　　پاسباں اپنا ہے تو، دیوارِ ہندستاں ہے تو

مطلعِ اوّل فلک جس کا ہو وہ دیواں ہے تو　　سوئے خلوت گاہِ دل دامن کشِ انساں ہے تو

برف نے باندھی ہے دستارِ فضیلت تیرے سر

خندہ زن ہے جو کلاہِ مہرِ عالم تاب پر

تیری عمرِ رفتہ کی اک آن ہے عہدِ کہن　　وادیوں میں ہیں تری کالی گھٹائیں خیمہ زن

چوٹیاں تیری ثریا سے ہیں سرگرمِ سخن　　تو زمیں پر اور پہنائے فلک تیرا وطن

چشمۂ دامن ترا آئینۂ سیال ہے

دامنِ موجِ ہوا جس کے لیے رومال ہے

ابر کے ہاتھوں میں رہوارِ ہوا کے واسطے　　تازیانہ دے دیا برقِ سرِ کہسار نے

اے ہمالہ کوئی بازی گاہ ہے تو بھی، جسے　　دستِ قدرت نے بنایا ہے عناصر کے لیے

ہائے کیا فرطِ طرب میں جھومتا جاتا ہے ابر

فیلِ بے زنجیر کی صورت اڑا جاتا ہے ابر

جنبشِ موجِ نسیمِ صبح گہوارہ بنی　　جھومتی ہے نشۂ ہستی میں ہر گل کی کلی

یوں زبانِ برگ سے گویا ہے اس کی خامشی　　دستِ گلچیں کی جھٹک میں نے نہیں دیکھی کبھی

کہہ رہی ہے میری خاموشی ہی افسانہ مرا

کنجِ خلوت خانۂ قدرت ہے کاشانہ مرا

آتی ہے ندی فرازِ کوہ سے گاتی ہوئی — کوثر و تسنیم کی موجوں کو شرماتی ہوئی
آئنہ سا شاہدِ قدرت کو دکھلاتی ہوئی — سنگِ رہ سے گاہ بچتی گاہ ٹکراتی ہوئی

چھیڑتی جا اس عراقِ دلنشیں کے ساز کو
اے مسافر! دل سمجھتا ہے تری آواز کو

لیلیٔ شب کھولتی ہے آکے جب زلفِ رسا — دامنِ دل کھینچتی ہے آبشاروں کی صدا
وہ خموشی شام کی جس پر تکلم ہو فدا — وہ درختوں پر تفکر کا سماں چھایا ہوا

کانپتا پھرتا ہے کیا رنگِ شفق کہسار پر
خوشنما لگتا ہے یہ غازہ ترے رخسار پر

اے ہمالہ! داستاں اُس وقت کی کوئی سُنا — مسکنِ آبائے انساں جب بنا دامن ترا
کچھ بتا اُس سیدھی سادی زندگی کا ماجرا — داغ جس پر غازۂ رنگِ تکلف کا نہ تھا

ہاں دکھا دے اے تصور! پھر وہ صبح و شام تُو
دَوڑ پیچھے کی طرف اے گردشِ ایام تُو

محمد ناظم علی

عالمی برادری اور امن.....امریکہ چاہے تو.....

۱۱ ستمبر دو ہزار ایک کی تاریخ دنیا میں Global Terrorism سے معنون و عبارت ہوگئی ہے اور اسکی بیخ کنی اور معدوم کرنے کے لئے امریکہ کی جانب سے کوششوں کا آغاز ہوگیا حالانکہ اس سے قبل مختلف ممالک میں دہشت گردی جلوہ گر تھی اور ہر ملک کسی نہ کسی دہشت گردی سے دوچار تھا خود امریکہ سیاسی دہشت گردی کے لئے اساسی اہمیت کا حامل تھا اور جب اپنے پر ناگہانی واقعہ جو رونما ہوا اسکو دہشت گردی سے معنون کرکے تمام عالم سے دہشت گردی کو ختم کرنا چاہتا ہے۔ پتہ نہیں دہشت گردی کی اصطلاح عصری عالمی سماج میں اتنی کیوں مشہور ہوگئی اور اسکے تعلق سے پروپگنڈہ اور تشہیر بھی کی جارہی ہے کہ دہشت گردی بری بلا ہے۔ اس کا انسداد ناگزیر ہے۔ اب تو جنوبی ایشیا سے اسکو ختم کرنے کی باتیں ہورہی ہیں میری دانست میں ایشیا نہیں تمام ترقی پسند و ترقی پذیر ممالک سے بھی دہشت گردی کا خاتمہ ضروری ہے لیکن امریکہ یہ سمجھتا ہے کہ دہشت گردی ان ہی ممالک سے سرزد ہورہی ہے جو افلاس و غربت اور پسماندگی کا شکار ہیں۔ بھوک اور غریبی ابنائے وطن سے ہر وہ کام کرواتی ہے جو عالمی برادری کو ناپسند ہے اکثر افریقی اور ایشیائی ممالک کے ساتھ عالمی برادری کا رویہ بھی امتیازی اور تفرقہ پرور ہوتا ہے وہ یہ سمجھتے ہیں کہ ترقی پذیر اقوام ابھی بنیادی مسائل کا شکار ہیں وہاں مذہب و روحانیت کا غلبہ ہے اور مذہبی تقاضوں پر پوری طرح عمل پیرا ہیں۔ ویسے مغرب مذہب پر عمل پیرا ہونے کو بنیاد پرست گرداتنا ہے۔ دنیا نے یہ دیکھا کہ وہی شخص سچا اور دیانت دار ہوتا ہے جو مذہب پر سالم عمل پیرا ہو لیکن بنیاد پرست اور بنیاد پرستی اور انسانی اقدار پر عمل پیرا اقوام و سماج کو امریکہ آج بھی شک کی نظروں سے دیکھتا ہے کیونکہ انکی سوسائٹی اور سماجی اقدار مشرق سے علحدہ ہیں مشرق کی زندگی میں اخلاقی روحانی اقدار کی پاسداری ہوتی ہے لیکن مغربی ممالک کو مذکورہ اقدار سے وحشت ہوتی ہے اسلئے وہاں کے سماجی اعمال و افعال بظاہر ہی مشاہدہ میں اچھے معلوم ہوتے ہیں لیکن مغربی سماج کے باطن میں عفونت گندگی عیاں ہے وہاں انسانی آزادی کی حدیں مقرر نہیں Liberty کے نام سے اور روشن خیال کی آڑ میں باطن مسموم ہوجاتا ہے۔ یہ تو رہی مغربیت کی حالت اور مشرقیت کے تقاضے تو پھر دونوں میں اتنا بڑا تفاوت ہے تو کیا ایسے حالات عالمی امن قائم کرنے میں ممد و ثابت ہوتے ہیں۔ مذکورہ حالات کے علاوہ ان اجزا و محرکات پر غور کریں کہ آخر عالمی برادری کیا چاہتی ہے۔

انگلینڈ۔ روس، امریکہ اور دوسرے ممالک اس ملینیم میں دہشت گردی کو ختم کرنے کی بات کرکے ہیں ماضی میں کئی ایسے دفاعی معاہدات بھی طے پائے CTBT بھی طے پایا۔ Disarmament ترک اسلحہ اور تخفیف اسلحہ کا شور شرابا سننے کو ملا سب کچھ ہونے کے باوجود پھر بھی ہر ملک اپنے اپنے دفاع کے لئے خوب سے خوف ترکی جستجو میں منہمک معلوم ہوتا ہے۔ ترک اسلحہ تخفیف اسلحہ سوائے کاغذی معاہدہ کے کچھ نہیں رہا نہ اس کا اثر و نتیجہ ظاہر ہوا۔

بین الاقوامی تعلقات International Relation کی رو سے دو نظریئے عام ہیں۔ Idealist Theory اور Realist theory لیکن عصری دور میں خیال و تخلیق نظریئے پر حقیقت غالب ہے دوسرے نظریئے کے تحت ہر ملک اپنی حفاظت کرے گا اور اسکی بقا و ترقی کے لئے وہ سب کچھ کرکے جس سے بین ملکی و قومی معاہدہ ٹوٹ کیوں نہ جائے تو ایسے عالم میں عالمی امن کیسے قائم ہوگا۔ ماضی میں World Peace اور عالمی امن کی کوشش کی گئی لیکن ہر عمل دیوانہ کی بڑ ثابت ہوا۔ کئی امن summit بھی کسی جغرافیائی خطہ میں امن قائم کرسکے اور نہ بحال کرسکے ہمیشہ سے علاقائی تقاضے اور غاصبانہ قبضہ جنگ کا موجب بنے۔ اسرائیل اور فلسطین، ایران، عراق، امریکہ۔ افغان، امریکہ۔ روس کے درمیان کیا جنگیں نئی بات ہیں۔ ان کے درمیان جنگیں ہوتی رہیں تو پھر کس سے توقع و امید کرتے ہیں۔

آج دنیا میں سیاست کا اہم عمل دخل ہوگیا ہے۔ زندگی و کائنات کے ہر شعبہ میں جاری و ساری ہے اور یہ سیاست کا ہی کھیل ہے کہ معصوم کو گناہ گار اور گناہ گار کو بے گناہ ثابت کررہی ہے اور امریکہ کا سیاسی کھیل ہی تو تھا جو جنگ کی شکل پر افغانستان پر نازل ہوا نہتے معصوم لوگ زندہ درگور ہوگئے۔ ان کا خون رنگ لائے گا۔ قدرت ہر عمل کا بدلہ دنیا میں بھی عطا کرتی ہے کسی نہ کسی شکل میں عمل کا بدلہ ظاہر ہوگا ہی۔

جب سائنس و ٹکنالوجی اور انفاریشن ٹکنالوجی کے ذریعے سے دنیا Global Village میں تبدیل ہورہی ہے اور عالمگیریت کا عمل دخل شروع ہوچکا ہے کائناتی نقوش لمحوں میں نظروں سے سامنے آرہے ہیں تو کیا ہم عالمی امن قائم نہیں کرسکتے۔ جسکو ہم Global Peace کہیں تو بے جا نہ ہوگا۔ اسکے لئے مغرب ہو یا ایشیائی ممالک اور افریقی ممالک اپنے ملک کے سماجی مسائل بھوک اور غربت اور سماجی محرکات و اسباب پر غور کرکے حل کرنے کی کوشش کرے اور انسانی قدروں و رشتوں کو مستحکم و مضبوط کریں اور انسانیت کے جو تقاضے و اصول ہیں اسکو بروئے کار لائیں اور ملکی سیاست و اقتدار کے طور طریقے میں اصولی قدروں اور انسانی قدروں کو متعارف کروائیں اور بین قومی و بین ملکی تعلقات کو انسانی تناظر میں محسوس کریں تو عالمی امن کا خواب شرمندہ تعبیر ہوگا۔ اور حقیقی امن و آسودگی مختلف اقوام کو حاصل ہوگی۔

صادق حسین

خون کی پگڈنڈی

سجاول چلتے چلتے وہاں پہنچ کر رہ گیا جہاں لہلہاتے ہوئے کھیتوں کا سلسلہ ختم اور سرخ مٹی کا ڈھالو راستہ شروع ہوتا تھا۔ سامنے نشیبی زمین پر درختوں کے جھنڈ کے جھنڈ نظر آرہے تھے، اور کہیں کہیں آک اور جنگلی بیر کی جھاڑیاں ہری ہری گھاس کے پس منظر میں سرسوں کے زرد رنگ کے پھول بڑے خوشنما لگ رہے تھے۔ ادھر ادھر گائیں چررہی تھیں۔ ایک جوہڑ کی کیچڑ میں بھوری اور کالی بھینسیں لوٹ رہی تھیں، بکریاں جھاڑیوں پر لگے بیر رکھے کانٹے دار پتوں کو چبارہی تھیں۔ چرواہے مختلف کاموں میں جٹے ہوئے تھے۔ کیکر کی چھال سے نکلا ہوا گوند اکٹھا کیا جارہا تھا۔ شہد کی مکھیوں کے چھتے سے شہد نکالنے کا بندوبست کیا جارہا تھا۔ اور برگد کا بوڑھا پیڑ اپنے مضبوط اور موٹے تنے پر چوڑے چوڑے پتوں، ڈالوں، شاخوں، جٹاؤں اور سرخ برڈولیوں کا بوجھ اٹھائے جوں کا توں کھڑا تھا۔ طوطے برڈولیاں کتر کتر کر زمین پر پھینک رہے تھے۔ سرخ مٹی کے ڈھالو راستہ کی بلندی سے برگد کے بوڑھے پیڑ تک کوئی دو سو قدم کا فاصلہ تھا اور وہ فاصلے ایک دن سجاول نے بجلی کی سی تیزی سے طے کیا تھا۔ اس دن سجاول نے زندگی کی سب سے بڑی چوٹ کھائی تھی۔ اس روز فضلو نے اچانک وار کیا تھا۔ سجاول خوب جانتا تھا کہ وار اچانک بھی ہوا کرتے ہیں۔ چھوی کے ایک بھرپور وار سے تنی ہوئی گردن زمین پر جا پڑتی ہے۔ یہ تو گاؤں میں آئے دن ہوتا ہی رہتا تھا۔ ایک خون دوسرے خون کی وجہ سے بن جاتا تھا اور دوسرا خون تیسرے خون کی۔ اس طرح انتقام کا یہ سلسلہ پشت درپشت چلتا رہتا تھا۔ اسی قبیل کی خوفناک کڑیوں نے سجاول اور فضلو کے خاندانوں کو جکڑ رکھا تھا۔ دو سال پہلے فضلو کے بڑے بھائی کو سجاول کے منجھلے بھائی کریم نے قتل کیا تھا۔ اس لئے فضلو کے بڑے بھائی نے چار برس پہلے کھیت میں سجاول کے بڑے بھائی کی بوٹی بوٹی کرکے رکھ دی تھی۔ اسی کھیت میں جس کی بس اتنی سی زمین کے لئے برسوں پہلے خون کی ندی بہہ گئی تھی اس دن سے یہ ندی رک رک کر بہتی چلی آرہی تھی۔ اور اس لہو کی یلغار میں گزشتہ سال اسی برگد کے بوڑھے پیڑ کے نیچے فضلو کی چھوی ہوا میں بلند ہوئی تھی۔

آج سرخ مٹی کے ڈھالو راستے کی بلندی پر سجاول بت بنا کھڑا تھا اور بیتے ہوئے خونی لمحوں کو یاد کرکے دل ہی میں پیچ و تاب کھارہا تھا۔ اس کے دائیں ہاتھ کی سخت اور کھردری انگلیوں میں سان چڑھی چھوی چمک رہی تھی۔ اس کے پٹھوں میں اینٹھن ہونے لگی اور غیر ارادی طور پر اس کے بائیں ہاتھ کی متحرک انگلیوں نے پودے کے چند پتے مسل ڈالے۔ اس کے ہونٹ بھنچ گئے۔ آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اس کے خاندان نے ہمیشہ للکار کر حملہ کیا تھا۔ دھڑلے سے کھلم کھلا باقاعدہ پیغام بھجوا کر فلاں دن اور فلاں وقت ہم وار کریں گے۔ تیار رہنا، اور پھر اس معین دن کو صافے سروں پر لپیٹ کر، مونچھوں کو تاؤ دے چھویاں ہاتھوں میں لے، بپھرے ہوئے جاٹ ہلہ بول دیتے۔ ندی کا بند ٹوٹ جاتا۔ ضربوں کی خوفناک آوازیں گونج اٹھیں۔ سجاول کے سکڑ دادا کی روح کو سکون آجاتا۔ سجاول کا وہ جری سکڑ دادا جو خالص جاٹ تھا اور اپنے زمانے کا نامی لٹھ باز۔ اس کے لٹھے کی لکیر تمام گاؤں میں مشہور تھی۔ وہ واقعہ عدالت کے عین سامنے ہوا تھا۔ دونوں خاندانوں میں دیوانی کا مقدمہ چل رہا تھا۔ دوسری حاضری تھی۔ سماعت شروع ہونے سے پہلے دونوں فریقین دوبدو ہوگئے۔ سجاول کے سکڑ دادا نے بڑھ کر اپنے لٹھ سے زمین پر ایک لکیر کھینچ دی اور پھر اس لکیر کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بولا "یہ ہے میرے کھیت کی منڈ، کوئی ہے مائی کا لال جو اس پر پاؤں رکھ سکے۔ فضلو کے سکڑ دادا نے ایک قہقہہ لگایا اور پھر سینہ تان کر لکیر پر پاؤں رکھ دیا۔ اسی لمحہ سجاول کے سکڑ دادا کا اٹھا ہوا لٹھ دھائیں دھکائیں برس پڑا۔ آن کی آن میں فضلو کے سکڑ دادا کا بھیجا کھوپڑی سے الگ ہوکر مینڈ کے اس پار جا پڑا۔ نتیجہ دیوانی مقدمہ کے دوش بدوش فوجداری کا لاوا بھی پھوٹ پڑا۔ سجاول کا دادا ایک خونی مستقبل کی بنا ڈال کر خود پھانسی پاگیا۔ انتقام کی آگ بھڑک کر دوگنی تیز ہوگئی۔ اس کے برعکس فضلو کے خاندان نے ہمیشہ بزدلانہ حملے کئے تھے۔ گزشتہ سال جب کریم برگد کے بوڑھے پیڑ کی گھنی چھاؤں میں پڑا بے خبر سورہا تھا تو فضلو نے چھپاک سے حملہ کیا تھا۔ اس دن بھی دھوپ آج کی طرح سنہری تھی۔ اس روز بھی فضا میں فصلوں کی بو باس رچی ہوئی تھی۔ برگد کے بوڑھے پیر کے مضبوط اور موٹے تنے کے پاس کریم کی لاش خون میں لت پت پڑی تھی۔ جب سجاول کو اپنے بھائی کے قتل کی خبر ملی تھی تو وہ چھوی ہاتھوں میں بلند کئے کوندے بھرتا گاؤں کی گلیوں سے گذر رہا تھا۔ سرخ مٹی کے ڈھالو راستہ کی بلندی سے دو سو قدم کا فاصلہ بجلی کی سی تیزی کے ساتھ عبور کرکے جائے وقوع پر جا پہنچا تھا۔ اس وقت اس کی آنکھوں سے خون ابل رہا تھا۔ بند بند دہکتے انگاروں پر لوٹ رہا تھا۔ سانس کی تیز آمد و رفت نتھنوں سے سنائی دے رہی تھی۔ غیر ارادی طور پر اس کے بائیں ہاتھ کی متحرک انگلیوں نے برگد کا ایک پتہ مسل ڈالا تھا۔ اور ڈنٹھل سے دودھ کے قطرے رس کر کریم کے گرم لہو میں ٹپ ٹپ گر پڑے تھے۔

"بزدل کمینے !!" سجاول نے حقارت سے ہونٹ بھینچ لئے۔

مگر اب وہ بدلہ لے تو کس سے لے۔

فضلو جیل سے رہا ہونے کے چند ماہ بعد اپنی موت آپ مرگیا تھا۔ اس کا باپ اور بھائی ہمیشہ کی نیند سو رہے تھے۔ لے دے کے فضلو کا اکلوتا بیٹا نیازو باقی رہ گیا تھا۔ اور اس پر ابھی ہاتھ اٹھانا آئین جوانمردی کے خلاف تھا۔ نیازو کا ابھی کنٹھ نکل رہا تھا۔ مسیں بھیگ رہی تھیں۔ ہاں جب وہ

صین عالم شباب میں ہوگا۔ سینہ تان کر چلے گا۔ ترچھا صافہ باندھے گا، مونچھوں کو تاؤ دے ۔ چھوی ہاتھ میں لئے گاؤں کی گلیوں میں گھومے گا۔ للکار کر جواب دے سکے گا۔ اس وقت سجاول کی پیاسی چھوی نیازو کے گرم اور جوان لہو میں نہا کر سرخروئی حاصل کرسکے گا۔

دفعتاً سرخ سرخ چونچوں اور ہرے ہرے پروں والے طوطے ٹائیں ٹائیں کرتے مشرق کی طرف نکل گئے ۔ ایک دیہاتی لکڑیوں کا گٹھا کشبیی زمین پر رکھ کر تھکی لے رہا تھا ۔ چرواہے ریوڑیوں کو ہانک رہے تھے ۔ سجاول کی پرچھائیں طویل ہو کر مشرق کی طرف پھیلنے لگی تھی۔

" چاچا سجاول تیرے کھیتوں میں بچھیا گھس گئی ہے ۔ پیچھے سے ایک آواز آئی۔

سجاول نے پلٹ کر دیکھا۔ سامنے گاؤں کا ایک لڑکا کھڑا تھا۔ سجاول لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا اپنے کھیت میں پہنچا ایک سفید بچھیا دم ہلا ہلا کر پودے چبارہی تھی ۔ پاؤں کی چاپ سنتے ہی بچھیا نے گردن اٹھا کر سجاول کی طرف دیکھا ۔ ہوا میں اٹھی ہوئی چھوی بچھیا کو چھوئے بغیر لوٹ آئی ۔ وہ بچھیا بھی تو گونگی تھی، سجاول کی اپنی بیٹی گلشن کی طرح ۔ وہ بھی چپ چاپ دیکھے جارہی تھی سیاہ اور چمکیلی آنکھوں والی بچھیا جس کی جلد کے سفید بالوں کو گائے نے چاٹ چاٹ کر چمکار کھا تھا ۔ بچھیا پھر پودوں کے اوپری حصے جھپ جھپ کھانے لگی۔ اس کے چھوٹے چھوٹے پھٹے ہوئے سم پودوں کو روندتے جارہے تھے ۔ بجائے اس کے کہ سجاول اسے مار بھگادیتا۔ وہ اپنی فصل کو پامال ہوتے دیکھ کر خوش ہونے لگا ۔ اس طرح جس طرح وہ اپنی ننھی گلشن کو دیکھ کر باغ باغ ہوجایا کرتا تھا۔ جب گلشن کوئی مٹی کا برتن توڑ دیا کرتی تھی تو وہ اپنی بیوی زیناں سے کہا کرتا تھا گلشن کی امی پیسے وصول ہوگئے "۔

چھویوں کے وار روکنے والے سخت اور مضبوط ہاتھوں میں گلاب کی پتیوں کی نرمی آگئی ۔ خونی آنکھوں میں محبت کی لو چمکنے لگی۔ سجاول نے چمکارتے ہوئے بچھیا کی پیٹھ تھپتھپائی بچھیا کلیلیں بھرتی ہوئی گاؤں کی طرف بھاگ گئی ۔

سجاول کھیت سے نکل کر کچے راستہ پر ہولیا ۔ یکایک فاختاؤں کا جوڑا ایک درخت سے اڑ کر دوسرے درخت پر جا بیٹھا۔ ایک سرمئی رنگ کی فاختہ جس کے گلے میں کنٹھا تھا۔ جسے سجاول نے اپنے گھر کے آنگن میں ایک نوکیلے پتھر کا نشانہ بنا کر گھائل کرڈالا تھا۔ وہ روح فرسا منظر دیکھ کر زیناں کے سنسنیاں چھوٹ گئی تھیں۔ ان دنوں زیناں کے کچے پکے دن تھے ۔ اس کے عقیدے کے مطابق فاختا کا مارنا تو درکنار اسے چھیڑنا بھی گناہ تھا۔ چنانچہ اس دن سے زیناں کے دل میں چور بیٹھ گیا اور اس کا اندر والا پکار پکار کر کہنے لگا " تجھے اس گناہ کی سزا ضرور ملے گی " دردزہ کی چیخوں میں بھی زیناں وہ منظر نہ بھول سکی۔ لیکن جب ننھی گلشن کا چاند سا مکھڑا آنکھوں کے سامنے آگیا تو رفتہ رفتہ ماضی کی اور بہت سی وابستگیوں کے ساتھ فاختہ والی بات بھی تحت الشعور کی بھول بھلیوں میں گم ہوگئی۔ گلشن سیانی ہوگئی۔ پر اس کی زبان نہ کھلی ۔ ہاں اس کی قوت سامعہ بلا کی تیز تھی ۔ گاؤں کی بڑی بوڑھیوں کے لئے یہ اچنبھے کی بات تھی۔ اس علاقے میں دو چار اور بھی پیدائشی گونگے تھے ، جو ساتھ ہی ساتھ مکمل طور پر بہرے بھی تھے ۔ مگر گلشن صرف گونگی تھی ۔ اور اس عارضہ کو دور کرنے کے لئے گلشن کے ماں باپ نے ہزاروں جتن کئے ۔ منتیں مانیں ۔ تعویذ گنڈے کئے ۔ زیناں مزاروں پر آنچل پھیلا پھیلا کر روئی۔ سجاول نے فقیروں سے لمبی چوڑی دعائیں خریدیں۔ ماں باپ کی اس ذہنی اور فکری افراتفری میں گلشن قد نکال کر زیناں جتنی لمبی ہوگئی۔ اور ایک دن گلشن نے جب اپنی ماں کی قمیص پہنی تو زیناں کو اچانک اپنی بیٹی کی بھرپور جوانی کا شدید احساس ہوا۔ چھینٹ کی وہ قمیص گلشن کے کورے پنڈے پر اس قدر بھینچ کر آئی کہ بغلوں کے نیچے کپڑا دھجی ہو کر رہ گیا۔ گلشن خود تو گونگی ہی رہی مگر اس کا جسم باتیں کرنے لگا۔

اور اب جب کہ سجاول کچے راستے پر چلتا ہوا اپنے گاؤں کی طرف جارہا تھا تو اس کی آنکھوں کے سامنے وہی سرمئی رنگ کی فاختہ گھوم رہی تھی جس کے گلے میں کنٹھا تھا جس کا برسوں پہلے اس نے خون کیا تھا۔

گاؤں کی پہلی گلی میں داخل ہونے سے پہلے ایک چھوٹا سے میدان پڑتا ہے ۔ وہاں سبز گھاس اگی ہوئی تھی ۔ اس گھاس پر گھورے نظر آرہے تھے ۔ وہ بھی گاؤں کی دولت تھی جو گل سڑ کر کھاد بن جاتی تھی ۔ یہ گاؤں کا پچھواڑہ تھا ۔ گاؤں کا اگواڑا کچے راستے سے شروع ہو کر شہر کو جانے والی پکی سڑک سے جا ملتا تھا۔ پکی سڑک کے دونوں طرف شیشم کے درخت کھڑے تھے ۔ وہیں سے دن میں پانچ مرتبہ لاری شہر کو جاتی تھی ۔ سڑک کے اس پار ایک پگڈنڈی تھی جو سیدھی شہر کی منڈی میں جانکلتی تھی۔

سجاول ابھی میدان سے کچھ دور تھا کہ گھوروں کے پیچھے سے عورتوں کی ایک ڈار نمودار ہوئی ۔ وہ پانی بھرنے کنویں کی طرف چل رہی تھیں۔ ہر ایک کے سر پر اینڈوا تھا اور اس کے سر پر گھڑے اور گھڑولیاں ۔ وہ ننگے پاؤں چلی جارہی تھیں۔ انھوں نے رنگ برنگ کے دوپٹے اوڑھ رکھے تھے ۔ ان میں زیناں بھی تھی ۔ سرخ و سفید، لانبی مضبوط اور تندرست دیہاتن ۔ ایک خالی گھڑا اس کے سر پر تھا اور دوسرا کولھے پر ۔ پہلے گلشن پانی بھرنے جایا کرتی تھی۔ مگر کچھ عرصہ سے یہ کام زیناں نے سنبھال لیا تھا۔ سجاول جب پہلے گھورے کے پاس پہنچا تو گوبر کی بدبو اس کے نتھنوں میں گھسنے لگی۔ رنگین پروں والے مرغ جن کے سروں پر سرخ کلغیاں تھیں۔ اپنے پنجوں سے کوڑا کرکٹ کرید کرید کر کیڑے مکوڑے کھارہے تھے ۔ ایک مرغی کٹ کٹ کرتی چوزوں کو جگارہی تھی ۔ یکایک ایک چیل آسمان کی بلندیوں سے غوطہ لگا کر نیچے آئی اور ایک گھورے کو چھو کر شائیں شائیں کرتی اوپر اٹھ گئی ۔ مرغی بہت زور سے چیخی اور پھر اس نے پر پھیلا کر چوزوں کو اپنے نیچے چھپالیا۔

سجاول جب گاؤں کی پہلی گلی میں داخل ہوا تو مغرب میں شفق کی سرخی پھیل چکی تھی ۔ گلی کے دونوں طرف کچے مکان کھڑے تھے ۔ زندگی روپ روپ میں حرکت کررہی تھی ۔ نمبردار کے گھر کے آنگن میں محفل جمی ہوئی تھی ۔ حقے کے دور چل رہے تھے ۔ پٹواری کی کلف لگی پگڑی کا طرہ ہوا میں لہرارہا تھا۔ وہ نہایت رعب

داب سے پلنگ پر بیٹھا قانون ارضی کی گتھیاں سلجھا رہا تھا۔ ایک شخص نمبردار کے بانکے صاحبزادے کے گھوڑے کو ادوارہ کھلا رہا تھا۔ اور اندر سے سوجی بھننے کی خوشبو تیزی سے آرہی تھی۔ ایک انگن میں ایک دیہاتن کے پاس کھڑی آٹے کے پیڑے بنا رہی تھی اور اس کی کانچ کی چوڑیوں کی جھنکار گلی میں سنائی دے رہی تھی۔ حاتم والے آنگن میں ایک گنڈاسے سے چری کاٹ رہا تھا۔ ایک عورت چھاج میں غلہ پھٹک رہی تھی۔ اگلے صحن میں ایک گٹھے ہوئے بدن والا گوجر، پاؤں کے بل بیٹھا، بالٹی گھٹنوں میں بائے بھینس کا دودھ دوہ رہا تھا۔ ایک نوخیز لڑکی کٹیا کی گلے میں بندھی ہوئی رسی ہاتھ میں پکڑے کچھ سوچ رہی تھی۔ بھینس کٹیا کے بدن کو چاٹ رہی تھی۔ گھر گھر سے دودھ دوہنے کی آوازیں سجاول کے ساتھ چلتی گئیں۔ لوگوں کی آمد و رفت بڑھتی جارہی تھی۔ بیل گاڑیاں شہر کی طرف سے لوٹ کر آرہی تھیں۔ صبح سے جتے ہوئے بیل اپنے اپنے ٹھکانوں کی طرف کھنچے چلے آرہے تھے۔ گاڑی بانوں کے چہرے گرد سے اٹے ہوئے تھے۔ پر ان کے ہونٹوں پر ایک سکون آمیز مسکراہٹ کھیل رہی تھی۔ گلی کا موڑ کاٹ کر سجاول نے اپنے گھر کے صحن میں قدم رکھا۔ گلشن ناند کے پاس جھکی ہوئی بالٹی کا دودھ مٹکی میں الٹا رہی تھی۔ کٹرا بھینس کی کھیری کو ٹکریں مار مار کر تھنوں کو چوس رہا تھا۔ تنور میں لکڑیاں دھڑ دھڑ جل رہی تھیں۔ صحنک میں رکھے ہوئے آٹے کے پیڑے چنگیری سے ڈھکے ہوئے تھے۔ ایک کونے میں بھڑولے کے پاس سہاگہ ہل اور پنجابی کھڑی تھی۔ چھت پر سوکھی چری کی پولیوں کا انبار لگا ہوا تھا۔ بھینس نے دوسری مرتبہ دودھ اتارا گلشن نے کٹرے کو کھونٹے سے باندھا اور پھر پیڑھی پر بیٹھ کر دودھ دوہنے لگی۔ گلشن اپنے کام میں مگن تھی۔ پر اس نے کنکھیوں سے دیکھ لیا تھا کہ اس کا باپ چپکے سے اندر چلا آیا ہے۔ اس نے چھوی دیوار کے ساتھ کھڑی کر دی ہے، اس نے اپنا صافہ اتار کر کھٹولے کے پائے پر رکھ دیا ہے اور اب وہ گھڑے سے پیالہ بھر کر پانی پی رہا ہے۔ دوسری مرتبہ دودھ دوہ کر گلشن نے کٹرے کو چھوڑ دیا۔ پھر دوسرے کونے میں گائے کو بھوسہ، کھلی اور بنولے کی سانی ڈالنے لگی۔ سجاول آنگن میں بچھے ہوئے کھٹولے پر بیٹھ گیا۔ دالان کے ایک کونے میں چکی کے پاس اڈا کھڑا تھا۔ جس پر نارنجی رنگ کے ریشمی دھاگے چڑھے ہوئے تھے۔ آج صبح جب سجاول گھر سے نکلا تھا تو گلشن اس نارنجی رنگ کے دھاگوں سے ازار بند بن رہی تھی۔ بڑولی کے پاس مٹی کے پیالے جوں کے توں پڑے ہوئے تھے۔ وہ پیالہ اتفاق سے نہیں ٹوٹا تھا بلکہ سجاول نے غصے میں زمین پر دے مارا تھا۔ اس لئے کہ آج صبح جب سجاول چھوی ہاتھ میں لے کر دروازے سے نکل رہا تھا تو زیناں بے خیالی میں اسے عقب سے پکار بیٹھی۔ دوسرے دیہاتیوں کی طرح وہ بھی ایسے بلانے کو بری فال سمجھتا تھا۔ خصوصا اس وقت جب کہ وہ بیلوں کی جوڑی خریدنے کے لئے منڈی جارہا تھا۔ زیناں آواز دے کر خود پریشان ہوگئی تھی۔ گلشن کی لانبی لانبی سپید انگلیاں نارنجی رنگ کے ریشمی دھاگوں اور تیلیوں سے کھیلتے کھیلتے دفعتاً رک گئی تھیں، اس نے گھبرائی ہوئی نظروں سے اپنی ماں کی طرف دیکھا تھا اور سجاول طیش میں مٹی کا پیالہ زمین پر پھینک کر کھیتوں کی طرف نکل گیا تھا۔

گلشن نے گائے کو سانی دے کر ہاتھ دھوئے۔ چڑھی ہوئی آستیں کو کھینچ کر کلائیاں ڈھانپیں اور پھر اپنا منقش والا سیاہ دوپٹہ قرینے سے اوڑھ کر حقہ تازہ کرنے بیٹھ گئی۔ لانبی لانبی سپید انگلیوں نے ضامن تمام کر پنجہ نکالا باسی پانی انڈیل کر تازہ پانی فرشی میں ڈالا۔ پھر گلشن حقہ باپ کے سامنے رکھ کر تمباکو لینے اندر چلی گئی۔ سجاول نے حقہ کی لے منہ میں لے کر پھونک ماری۔ پانی کا فوارہ نکل کر فرش پر جا پڑا۔ گلشن تمباکو لے آئی۔ سجاول نے گٹی نکال کر چلم کو جھاڑا اور پھر اس میں میٹھے تمباکو کی تہہ جمانے لگا۔ اتنے میں زیناں آگئی۔ اس کے سر پر دو گھڑے تھے۔ پانی کے ننھے ننھے قطرے اس کے رخساروں پر سے پھسل پھسل کر نیچے گر رہے تھے۔ زلفوں کی ایک لٹ اس کے ماتھے پر کنڈل مارے بیٹھی تھی۔ چاندی کے بالے کانوں میں جھول رہے تھے۔ اوپر کو اٹھے ہوئے بازوؤں نے دو سڈول تکونوں کی صورت اختیار کر رکھی تھی۔ تنی ہوئی گردن اور کھنچے ہوئے شانوں نے جسم کے بالائی حصے میں بلا کساوٹ پیدا کر رکھی تھی۔ سجاول نے اٹھ کر اوپر والا گھڑا اتارا۔ زیناں نے مسکراتے ہوئے دوسرے گھڑے کو دونوں ہاتھوں سے پکڑا۔ آہستہ سے گھڑونچی پر رکھ دیا۔ سجاول بھی مسکرا پڑا۔ گلشن نے اندر جا کر لالٹینیں روشن کر دی۔ جھلملاتی لو کے ساتھ ہی گھریلو زندگی عود کر آئی۔ سجاول نے اپلے کی آگ چمٹے سے پکڑ کر چلم پر رکھی۔ کڑکڑا کے دم مارا۔ تمباکو کی بھینی بھینی خوشبو چاروں طرف پھیل گئی۔ زیناں نے دوپٹہ اتار کر الگنی پر ڈال دیا۔ آستینیں چڑھا کر ہاتھ دھوئے۔ کریدنی سے تنور کی آگ کو الٹ پلٹ کیا۔ اور پھر تنور کے اندر پانی کے چھینٹے مار کر روٹیاں لگانے لگی۔

سجاول ہاتھ دھو کر کھٹولے پر آلتی پالتی مارے منتظر بیٹھا تھا۔ روٹیاں پک چکیں تو زیناں نے گرم روٹیوں پر مکھن ڈال ہنڈیا سے سرسوں کا ساگ لے کر رکابی بھری اور پھر چنگیری سجاول کے سامنے رکھ کر خود پیڑھی پر بیٹھ گئی۔

"گلشن بیٹا! آج کل تیرے ابا کو غصہ بہت آتا ہے۔ زیناں بولی۔ پیڑھی پر بیٹھی ہوئی گلشن نے آنکھیں جھکا لیں۔

"گلشن بیٹا! تیرے ابا کے دماغ میں خشکی زیادہ ہوگئی ہے نا۔ تیری امی اسے مکھن جو نہیں کھلاتی"۔

سجاول منہ کے نوالے کو چباتے اور ہاتھ کے نوالے سے مکھن کو سمیٹتے ہوئے بولا۔ اس کی آواز حلق میں اٹک اٹک کر کچھ اس انداز سے نکلی کہ زیناں بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑی۔ گلشن کے ہونٹوں پر بھی ایک تبسم کھیلنے لگا۔ سجاول کو احساس ہوا جیسے گلشن بھی کچھ کہنا چاہتی ہو۔ یہ احساس سجاول کو ہزاروں بار ہوا تھا۔ وہ گلشن کے متعلق اکثر سوچا کرتا تھا۔ ہل چلاتے وقت بیج بوتے وقت اور خصوصاً اس وقت جب گرمیوں کی رات میں اس کی آنکھ کھل جاتی اور وہ چھت پر بچھی ہوئی چارپائی پر لیٹے تاروں بھرے آسمان کی طرف دیکھتا اور سوچتا رہتا۔ اس وقت اسے ایسا محسوس ہوتا جیسے چاند تارے بھی گونگے

ہیں۔ آسمان بھی گونگا ہے۔ کبھی کبھی وہ درانتی چلاتے وقت سوچنے لگتا کہ یہ سنہرے خوشوں والے لانبے گیہوں کے پودے بھی گونگے ہیں۔ ہر شے چپ ہے۔ اگر گلشن بولتی تو اس کی آواز کیسی ہوتی۔ اس کی پہلی بات کیا ہوتی وہ کون سی چیز مجھ سے مانگتی۔ ڈھیر سے کھلونے۔ یہ بڑا طباخ جلیبیوں کا۔ اور پھر دفعتاً ماضی کا تصور درانتی کی ساڑساڑ میں ڈوب جاتا۔ اور اس کے خیالات کروٹ بدل کر حال کی پگڈنڈیوں پر دوڑنے لگتے۔ وہ سوچتا :" شاید گلشن مجھ سے سونے کی کانی مانگتی۔ زری کی پوٹھوہاری جوتی کی فرمائش کرتی " پھر اسے خیال آتا " گیہوں کے پودے جو لانبے اور جوان ہو جاتے ہیں تو کاٹ کر دھرتی سے جدا کردئے جاتے ہیں مگر گلشن تو ان پودوں سے کہیں زیادہ لانبی ہوگئی ہے " اس کا ذہن ایک دوراہے پر پہنچ کر ڈانواں ڈول ہوجاتا۔ وہ کھلونوں اور جلیبیوں کی دنیا کو بہت پیچھے چھوڑ کر وہاں پہنچ جاتا جہاں سامنے سے آتی ہوئی گلشن کو دیکھ کر اس کی نظریں خود بہ خود جھک جاتیں۔ آج بھی روٹی کے نوالے نگلتے ہوئے وہ ایسی ہی باتیں سوچ رہا تھا جیسے عموماً ہوا کرتا تھا اس کا فرض اسے پکارنے لگا۔ انتقام ..... خون کا بدلہ خون .... اور جب اسے یہ خیال آتا تو باقی تمام خیالات پس پشت چلے جاتے۔ اور پھر وہ اپنے جسم کی گرمی کو خود محسوس کرنے لگتا۔ یہ نہ بجھنے والی آگ تو اس کے ذہن میں ہر وقت موجود رہتی ہی تھی۔ ہاں جیتی جاگتی زندگی میں دوسرے خیالات بھی آتے اور چلے جاتے۔ پرچھائیاں پھیلتیں اور گم ہوجاتی۔ بوندا باندی ہوتی اور تھم جاتی۔ لیکن کریم کے لہو کی یاد ایک آندھی بن کر آتی اور اس آندھی کی زد میں زندگی کی چھوٹی چھوٹی دلچسپیاں خس و خاشاک کی طرح اڑ کر کہیں دور چلی جاتی اور زیناں تو اس سلسلے میں بہت کچھ سوچتی تھی۔ خصوصاً اس وقت جب وہ چرخہ کات رہی ہوتی۔ تکلے پر پونیاں بنارہی ہوتی مسلسل گھوں گھوں کی آوازوں میں اس کے خیالات کہاں سے کہاں نکل جاتے دہی بلوتے یا چکی پیستے ہیں۔

گنڈاسے سے چری کاٹتے یا اپلے تھاپتے ہیں، غرضیکہ روز مرہ کی زندگی کے ہر اس رخ میں جہاں فعل اور صوت مل کر ذہن کو سوچنے پر اکساتے، زیناں اپنے خیالات کے ذروں سے ایک وسیع و بسیط صحرا پیدا کرلیتی۔ آج بھی نہ جانے کسی خیال کو بھول جانے کی کوشش میں وہ پیڑھی سے اٹھ کر پلنگڑی کی اودوائن کسنے لگی۔ گلشن بھی اٹھ کر اندر چلی گئی۔

دفعتاً کہیں دور سے جوڑی کی پرسوز آواز بلند ہوئی۔ کسی کی مخصوص لے میں مرزا صاحبان کے بول الاپ کر فضا میں ہلچل مچادی۔ گلشن نے مچان پر سے توشک اٹھا کر پلنگ کی طرف اٹھایا۔ مگر لمحہ بھر کے لئے اس کے پاؤں حرکت کرنا بھول گئے۔ اور نہ جانے کیوں اسے یوں لگا جیسے وہ خود اپنے وجود سے الگ ہو کر ہوا کی لہروں پر تڑپتے ہوئے نغمے کو پکڑنے کی کوشش کررہی ہو۔ جوڑی کی آواز سن کر سجاول کی آنکھیں چمک اٹھیں۔ برسوں پہلے وہ بھی جوڑی بجایا کرتا تھا اس وقت اس کے سینے میں بے پناہ دم تھا۔ جوڑی بجاتے وقت اس کی گردن کی نسیں اس قدر پھول جایا کرتی تھیں کہ ایک ایک گن لو۔ یہی رت تھی۔ ایسا ہی سماں تھا جب اس کی جوڑی سے نکلے ہوئے نغمے نے نقطہ عروج پر پہنچ کر کسی کو پکارا تھا اور گاؤں کی ایک کھلنڈری دیہاتن وہ پکار سن کر بے تاب ہوگئی تھی۔ وہ سرخ و سفید اور مضبوط جسم کے جثے کی دیہاتن اب اس کی زندگی کی شریک تھی۔ سجاول کے خیالوں نے آنکھ جھپکتے میں حال کے ڈانڈے ماضی سے ملا کر مسرت کی ایک ہلکی سی چسکی لے لی۔

رات کے پچھلے پہر زیناں کی آنکھ کھل گئی۔ لالٹین بجھ چکی تھی۔ سجاول خراٹے لے رہا تھا۔ زیناں نے اٹھ کر دروازے کھولا۔ چاند کی ترچھی کرنیں مستطیل صورت میں دروازے کی سردل سے لے کر سامنے دیوار تک پھیل گئیں۔ سجاول کے سرہانے رکھی ہوئی چھوی چمک اٹھی۔ گلشن کی چارپائی خالی پڑی تھی۔ زیناں تیز تیز قدموں سے بھوسے والی کوٹھری میں چلی گئی۔

" گلشن " زیناں نے اندھیرے میں آہستہ سے پکارا۔ کوئی جواب نہ پا کر اس نے اپنا دایاں ہاتھ پھیلا کر دیوار کو چھوا اور پھر جیسے کوئی اندھا راستہ ٹٹول رہا ہو۔ اس نے کوٹھری کا کونہ کونہ چھان مارا۔ جب وہ باہر نکل کر آنگن میں آئی تو اناج کے پودوں کا چورا اس کے سر کے بالوں، کپڑوں، گردن اور اس کے چہرے پر چپکا ہوا تھا۔ اس نے چاروں طرف متجسس نگاہوں سے دیکھا اس کے قدم خود بخود چھت پر جانے والی سیڑھی کی طرف بڑھنے لگے۔ کوئی دو ماہ پہلے زیناں نے گلشن کو کنوئیں پر جانے سے منع کیا تھا اس دوران میں گلشن کسی نہ کسی بات پر تین مرتبہ روٹھ چلی تھی۔ پہلی مرتبہ گلشن کی چارپائی خالی پاکر زیناں کے پاؤں تلے کی زمین نکل گئی تھی۔ ڈھونڈتے ڈھونڈتے اس نے بھوسے والی کوٹھری میں جا کر دیکھا تھا تو گلشن زار و قطار رو رہی تھی۔ دوسری مرتبہ رات میں زیناں نے گلشن کو بچھیا کے گلے میں باہیں ڈالے سسکیاں لیتے دیکھا تھا تو اس کا اپنا گلا رندھ گیا تھا اور اس کا جی چاہا تھا کہ وہ گلشن کو کنویں پر جانے کی اجازت دے دے مگر اگلے دن اس نے اپنے پہلے خیال کو دوسرے خیال پر ترجیح دینے ہی میں مصلحت سمجھی تھی۔ اس لئے کہ گلشن بیٹھا سال پار کرچکی تھی اور اب وہ اپنی کنگھی چوٹی اور سرمے دانی میں گہری دلچسپی لیتی تھی۔ قدرت نے اسے گویائی عطا نہ کی تھی مگر اس کی دو بڑی بڑی سیاہ آنکھیں ہر آن بولتی رہتی تھیں۔ اس بات پر تو گاؤں کی بڑی بوڑھیوں نے اشاروں کنایوں سے زیناں کو چوکنا کردیا تھا اور زیناں جیسی سگھڑ عورت کو چوکس ہونے میں بھلا دیر ہی کیا لگتی۔

تیسری مرتبہ جب گلشن روٹھی تھی تو اس نے کھانا کھانے سے انکار کردیا تھا۔ اس رات گلشن کی چارپائی خالی پاکر جب زیناں تلاش کرتے کرتے چھت پر پہنچی تو گلشن چری کی پولیوں پر پڑی بے خبر سو رہی تھی۔ چنانچہ زیناں اکثر رات کو اٹھ کر گلشن کی چارپائی دیکھ لیا کرتی تھی۔ لیکن آج جب وہ چھت پر پہنچی تو گلشن کی بجائے ایک کالی بلی چری کی پولیوں پر پڑی سو رہی تھی۔ پاؤں کی چاپ سن کر بلی منڈیر سے کود کر گلی میں چلی گئی۔ زیناں کا کلیجہ دھک سے رہ گیا۔ ایسے وقت کالی بلی کا نظر آنا بدشگونی تھی۔ صبح اس کی

بائیں آنکھ بھی پھڑکی تھی۔ اسے وہ سرمئی رنگ کی فاختہ یاد آگئی۔ جس کی گلے میں کنٹھا تھا۔ جسے برسوں پہلے سجاول نے اپنے گھر کے آنگن میں ایک نوکیلے پتھر کا نشانہ بنا کر گھائل کر ڈالا تھا۔ زیناں پر ایک نامعلوم خوف طاری ہوگیا۔ واردات کی نوعیت اتنی اچانک تھی کہ اس کی عقل جواب دینے لگی۔ وہ پاگلوں کی طرح گھور گھور کر خلاء میں دیکھنے لگی گلشن گلشن اس نے اضطراری حالت میں سرگوشی کی۔ اس کا حلق سوکھ گیا۔ رواں رواں کانپنے لگا۔ جب سجاول کو پتہ چلے گا تو ہوسکتا ہے اس کی چھوی سب سے پہلے میری گردن اڑا کر رکھ دے " زیناں سوچنے لگی "مگر میری گونگی بچی جا ہی کہاں سکتی ہے یہاں کہیں ہوگی" زیناں اپنے دل کو ڈھارس دینے لگی۔

دفعتاً زیناں کی نگاہ کچے راستے پر پڑی جو شہر کو جانے والی سڑک سے جا ملتا تھا۔ سڑک کے دونوں طرف شیشم کے پیڑ کھڑے تھے۔ سڑک کے اس پار شہر کو جانے والی پگڈنڈی ایک سفید لکیر کی طرح نظر آرہی تھی۔ کچے راستے پر دو سائے تیز تیز قدموں سے شہر کی سمت بڑھتے جارہے تھے۔ سیاہ دوپٹے پر مقیش کے ننھے ننھے جگنو چمک رہے تھے۔ زیناں کے سینے میں ایک درد سا ہونے لگا۔ اسے محسوس ہوا کہ جن ہونٹوں نے اس کی چھاتیوں کو چوس چوس کر زندگی کی رونق حاصل کی تھی وہی ہونٹ آج اس سے جدا ہورہے تھے۔

"گلشن" زیناں نے بھرائی ہوئی آواز سے پکارا اور پھر اپنے دوپٹے کا آنچل پکڑنے کے لئے دائیں ہاتھ کو حرکت دی۔ یکایک وہ پتھر کا مجسمہ بن کر رہ گئی۔ اس کی کہنی چٹان سے ٹکرا گئی۔ وہ چٹان جس کی آنکھوں سے شعلے نکل رہے تھے جس کے ہاتھ میں سان چڑھی ہوئی چھوی چمک رہی تھی۔ سجاول اس کے پیچھے کھڑے تھا۔ زیناں گردن موڑ کر پیچھے نہ دیکھ سکی اس کے منہ سے ایک لفظ بھی نہ نکلا۔ دفعتاً چٹان نے جنبش کی اور زیناں کو یوں معلوم ہوا جیسے زلزلہ آگیا ہو۔ سجاول کے بھاری قدموں نے چھت کا سینہ ہلادیا۔ اور پھر وہ منڈیر سے کود کر گلی میں چلا گیا۔ وہ ننگے پاؤں تھا وہ بجلی کی سی سرعت کے ساتھ گلی سے دوڑ کر کچے راستے پر پہنچا۔ چاند کی کرنوں میں اس کی چھوی کوندے بھرنے لگی۔ آوارہ کتے بھوں بھوں کرکے خاموش ہوگئے۔ کچے راستے پر سجاول کا تن آوارہ جثہ گرد کے بادل اڑاتا ہوا آگے بڑھتا گیا جیسے اب کوئی شے بھی اس کی زد میں آکر سلامت نہ رہ سکے گی۔ اس نے چھوی کے دستے کو ہوا میں بلند کر رکھا تھا۔ اس کے پاؤں ببرشتے کو روندتے ہوئے آگے بڑھتے جارہے تھے ایک آک کے پودے کی شاخیں اس کی کھردرے پاؤں کے نیچے دب کر سفید سفید لعاب ٹپکانے لگیں۔ مٹی کے ڈھیلے اس کی ایڑیوں کے نیچے آکر چور چور ہوگئے۔ شیشم کے پیڑوں کے قریب اس نے دائیں بائیں نظر دوڑائی۔ اس کی تیز تیز اور بلند سانس کی آمد و رفت چاروں طرف پھیلی ہوئی خاموشی میں وحشت ناک معلوم ہورہی تھی۔ یکایک اس کی نگاہ ایک پیڑ کے تنے پر پڑی جس کی آڑ میں مقیش کے ننھے ننھے جگنو چمک رہے تھے۔ سڑک کے دونوں طرف شیشم کے بلند و بالا درختوں کی قطاریں کھڑی تھیں جن کی پرچھائیں آپس میں گڈمڈ ہو کر ایک طویل سائے کی صورت میں یہاں سے وہاں تک پھیلی ہوئی تھیں۔

سجاول کی خوفناک للکار سن کر دو سائے وہاں سے بھاگ کر دوسرے درخت کے پیچھے چھپ گئے۔ سجاول نے پھر آواز دی۔ اس مرتبہ اس کی گرج اس قدر بلند اور ڈراؤنی تھی کہ الامان۔ دو کانپتے ہوئے سائے تیزی سے بھاگ کر شہر جانے والی پگڈنڈی پر ہولئے۔ اب وہ درختوں کے سائے سے نکل کر چاندنی میں چلے گئے تھے۔ آن واحد میں سجاول ان کے قریب پہنچ گیا۔ سامنے گلشن کھڑی تھی۔ اس کی لال لال جیب نے ایک محشر بپا کردیا۔ اور اپنے دونوں بازو پھیلا کر نیازو کو چھپارہی تھی بالکل اسی طرح جس طرح گھورے کے پاس مرغی نے پر پھیلا کر اپنے چوزوں کو چھپالیا تھا۔

گلشن اور نیازو قدم قدم پیچھے ہٹنے لگے۔

"ہٹو سامنے سے بدذات" سجاول نے غصے سے کانپتے ہوئے کہا۔

گلشن کی لال لال جیب منہ سے باہر نکل کر یوں حرکت کرنے لگی جیسے وہ ابھی کھنچ کر گدی سے الگ ہو جائے گی۔ گلشن کا سانس پھولنے لگا۔ چہرے پر پسینے کے قطرے تھرتھرانے لگے جیسے اس کی گونگی آواز پکار پکار کر کہہ رہی ہو "بابل اس چھوی سے مجھے مار ڈالو مگر نیازو کو کچھ نہ کہنا وہ جوڑی بجاتا ہے۔ اس کے گیتوں میں جادو ہے"۔

"ہٹ جاؤ ناگن ورنہ میں تمہاری کھوپڑی کو پہلے چکنا چور کردوں گا" سجاول نے گرج کر کہا۔ گلشن بدستور اپنی لال لال جیب کو شدت کے ساتھ گھمارہی تھی۔ اس کے ہاتھوں کے پیہم اشاروں نے فضا میں ایک جوار بھاٹا پیدا کردیا۔ اس کے بال بکھر گئے۔ سیاہ دوپٹا زمین پر گر پڑا۔ سجاول کی نگاہوں میں کریم کی لاش گھومنے لگی۔ اس کے رگ و ریشے میں چنگاریاں دوڑنے لگیں۔ اس نے چمکتی ہوئی چھوی کو بلند کرلیا۔ یکایک سجاول کو یوں لگا جیسے گلشن کی آنکھوں کے ڈھیلے ابھی پھٹ پڑیں گے۔

وہ ایک لمحہ بیک وقت ماضی حال اور مستقبل کا لمحہ بن کر گزرا۔ اس ایک لمحہ کے بطن سے لمحات کے قافلے پیدا ہو کر ادھر ادھر بکھر گئے۔

گلشن اپنے کورے پنڈے کی چادر نیازو کو اوڑھا کر چھوی کی طرف اسی طرح دیکھنے لگی جس طرح سرمئی رنگ کی فاختہ نے آخری بار سجاول کی طرف دیکھا تھا۔

ماضی کے غار سے نوجوان سجاول ابھر کر جوڑی بجاتا ہوا زیناں کے گاؤں کی طرف نکل گیا۔

یکایک سجاول کے ہاتھ کانپنے لگے۔ نہ جانے کیوں یک دم اس کا گلا بھر آیا۔ اس کی آنکھوں میں آنسوؤں کے دو بڑے بڑے قطرے چمکے اس نے چھوی زور سے پرے پھینک دی۔ اور پھر لمبے لمبے ڈگ بھرتا ہوا چاندنی سے نکل کر درختوں کے طویل سائے میں گم ہوگیا۔

●●●●

۲۰۰۱ میں امریکہ میں دہشت گردی

ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی: ایک عالمگیر المیہ

یوں تو گزرنے والا ہر دن، کرہ ارض کی کتاب زیست کے ہر ورق پر اپنے ان مٹ نقوش چھوڑ جاتا ہے لیکن 11 ستمبر 2001ء کو امریکی شہر نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹرز کی تباہی کی صورت میں جو حادثہ رونما ہوا اس کے اثرات برسوں نہیں دہائیوں پر محیط ہوں گے اس بات سے قطع نظر کہ دنیا کے سب سے بڑے تجارتی مراکز کی بربادی کی صورت میں کم از کم 60 ارب ڈالر کا نقصان ہوا اور یورپی دنیا کی اقتصادیات متاثر ہوئی، اتلاف کا درد ہر شخص نے محسوس کیا مرنے والے صرف امریکی ہی نہیں تھے ان کا تعلق 80 سے زائد ممالک سے تھا دوسرے لفظوں میں یہ ایک ایسا دھماکہ تھا جس کی آواز دنیا کے ہر ملک میں سنی گئی۔ کروڑوں افراد نے اسے ٹی وی پر بچشم خود دیکھا۔

11 ستمبر کو جو کچھ ہوا اس کے واقعات کی ترتیب کچھ اس طرح سے ہے۔

1۔ صبح 8 بجکر 45 منٹ: امریکن ایئر لائنز کا مسافر بردار طیارہ جس میں 81 مسافر اور عملے کے 11 ارکان سوار تھے اور جو بوسٹن سے 7 بجکر 59 منٹ پر روانہ ہو کر کیلیفورنیا جا رہا تھا اسے راستے میں اغوا کر کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے شمالی ٹاور سے ٹکرا دیا گیا۔

2۔ 9 بجکر 3 منٹ: یونائیٹڈ ایئر لائنز کا بوئنگ 767 جسے بوسٹن سے ہی اغوا کیا گیا اور جس پر عملے کے 9 ارکان کے علاوہ 56 مسافر سوار تھے ورلڈ ٹریڈ سنٹر کے جنوبی ٹاور سے ٹکرایا گیا یہ طیارہ بھی کیلیفورنیا جا رہا تھا۔

3۔ 9 بجکر 21 منٹ۔ نیویارک میں تمام پل اور سرنگیں بند کر دی گئیں۔

4۔ 9 بجکر 30 منٹ۔ امریکی صدر بش نے اس حادثے کو دہشت گردوں کی کارروائی قرار دیا۔

5۔ 9 بجکر 43 منٹ امریکی ایئر لائنز کی فلائٹ 77 کا 757 بوئنگ جو کہ 8 بجکر 10 منٹ پر واشنگٹن کے ڈلاس ایئر پورٹ سے لاس اینجلس جا رہا تھا اور جس پر 58 مسافروں کے علاوہ دو پائلٹ تھے امریکی محکمہ دفاع کے ہیڈ کوارٹر کے ایک حصے سے ٹکرا گیا جس سے عمارت میں آگ لگ گئی۔

6۔ اس سے قبل تقریباً اسی وقت امریکی ایوی ایشن اتھارٹی نے تمام امریکی ہوائی اڈوں سے ہر قسم کی پروازیں بند کر دیں ایسا امریکہ کی تاریخ میں پہلی مرتبہ ہوا۔

7۔ 9 بجکر 45 منٹ: وائٹ ہاؤس کو خالی کرا لیا گیا۔

8۔ 9 بجکر 57 منٹ: صدر بش فلوریڈا سے روانہ ہو گئے۔

9۔ 10 بجکر 5 منٹ: ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا جنوبی ٹاور زمین بوس ہو گیا۔

10۔ 10 بجکر 10 منٹ: پنٹاگن کی عمارت میں ایک حصہ گر گیا۔
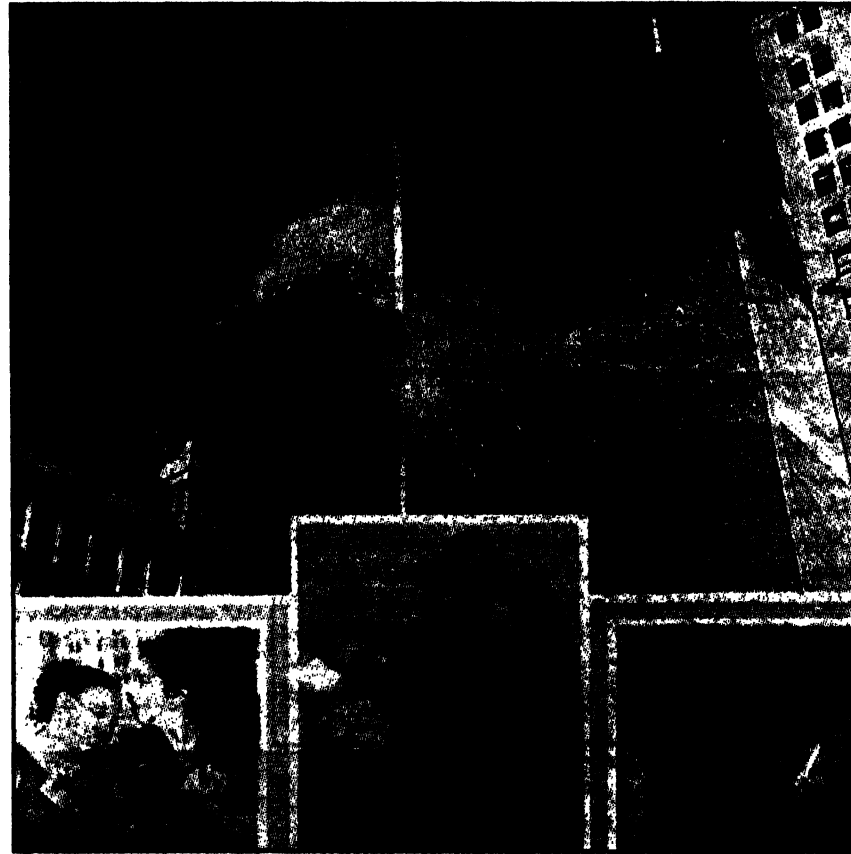
11۔ 10 بجکر 10 منٹ: یونائیٹڈ ایئر لائنز کی فلائٹ 93 کا ایک طیارہ جسے اغوا کر لیا گیا تھا پٹسبرگ کے جنوب مشرق میں گر کر تباہ ہو گیا اس پر 38 مسافر اور عملے کے 7 افراد سوار تھے یہ طیارہ سان فرانسسکو جا رہا تھا۔

12۔ 10 بجکر 28 منٹ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کا شمالی ٹاور مکمل طور پر زمین بوس ہو گیا۔

10 بجکر 45 منٹ: سی این این نے رپورٹ دی کہ واشنگٹن اور نیویارک کو خالی کرایا جا رہا ہے اس سے کچھ ہی دیر پہلے اقوام متحدہ کے

ہیڈ کوارٹر کو بھی جہاں 7000 افراد کام کررہے تھے خالی کرالیا گیا۔

صدر بش 11 ستمبر کی صبح کو فلوریڈا میں ایک تقریب سے خطاب کررہے تھے کہ اس دوران وائٹ ہاؤس کے چیف آف اسٹاف انڈریو کارڈ نے ان کے کان میں اس حادثے کے بارے میں خبر سنائی جس پر وہ فوراً تقریب چھوڑ کر چلے گئے اس کے فوراً بعد قوم سے خطاب کیا اس دوران وائٹ ہاؤس کو خالی کرالیا گیا اور صرف 50 افراد پر مشتمل ایک کمانڈ پوسٹ قائم کردی گئی مسز لارا بش اس حادثے کے وقت کیپٹل ہل میں تھیں انہیں فوراً محفوظ مقام پر پہنچادیا گیا۔ سکریٹریٹ سروس کے ایجنٹوں نے صدر بش کی بیٹیوں کو بھی اپنی تحویل میں لے لیا نائب صدر ڈک چینی بھی محفوظ مقام پر منتقل ہوگئے امریکی صدر بش نے قوم سے خطاب کے دوران اس واقعہ کو قومی المیہ قرار دیا اور اسے دہشت گردوں کی کارروائی قرار دیتے ہوئے ان کے خلاف جنگ کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ دنیا میں جہاں کہیں بھی ہیں ان کا تعاقب کرکے انصاف کے کٹہرے میں لایا جائے گا لیکن امریکی صدر کی تقریر دہشت زدہ امریکی عوام کی بے چینی نہ دور کرسکی۔ پورے امریکہ پر خوف و ہراس طاری تھا امریکی تاریخ میں پہلی مرتبہ تمام ہوائی اڈوں سے مسافر بردار طیاروں کی پروازیں بند تھیں ایک بجکر 27 منٹ پر واشنگٹن میں ایمرجنسی کا اعلان کردیا گیا تھا کینیڈا اور میکسیکو کی سرحدوں پر ہائی الرٹ کی صورتحال تھی امریکی عوام اور خاص طور پر سینٹ کے ارکان کے ذہنوں میں بے شمار سوال مچل رہے تھے جن کا فوری جواب کسی کے پاس نہیں تھا دوپہر کو جب وائٹ ہاؤس کے ایک ترجمان نے واشنگٹن میں قوم کو یقین دلایا کہ صدر بش محفوظ اور خیریت سے ہیں تو ایک سینٹر نے غصے میں کہا کہ "ہمیں یہ بتانے کی ضرورت نہیں کہ وہ خیریت سے ہیں یا نہیں ہمیں یہ بتایا جائے کہ عوام محفوظ ہیں یا نہیں؟" امریکی صدر نے اسے دہشت گردوں کی کارروائی قرار دیتے ہوئے اسامہ بن لادن اور اس کی تنظیم القاعدہ کو اس کا ذمہ دار ٹھہرایا جس کے فوراً بعد پوری دنیا کی توجہ افغانستان کی طرف مبذول ہوگئی جہاں اسامہ بن لادن نے پناہ لے رکھی تھی۔

اس دوران جبکہ پوری دنیا اس حادثے پر غم و غصے کا اظہار کررہی تھی امریکی ماہرین ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی تباہی سے ہونے والے جانی اور مالی نقصانات کا اندازہ لگانے میں مصروف تھے لیکن کئی روز تک حتمی نتائج مرتب نہ کئے جاسکے خاص طور پر یہ معلوم نہ ہوسکا کہ کتنے افراد مارے گئے اور ان کا تعلق کس کس ملک سے تھا ان اعداد و شمار میں روزانہ رد و بدل ہوتا رہا 23 اکتوبر کو جو رپورٹ جاری ہوئی اس کے مطابق 4339 افراد ہلاک اور 8786 زخمی ہوئے۔ لاشوں میں 425 افراد کو شناخت کیا جاسکا مرنے والوں میں 400 فائر فائٹرز بھی شامل تھے طیاروں میں مرنے والے مسافروں کی تعداد 260 تھی۔ 3788 ٹرکوں میں ورلڈ ٹریڈ سنٹرز کی دونوں عمارتوں کا 12 لاکھ ٹن ملبہ اٹھایا گیا۔ مرنے والوں میں 80 سے زیادہ ممالک کے لوگ شامل تھے 40 ہزار سے زائد افراد ہنگامی صورتحال کے بعد دونوں عمارتوں سے فوری طور پر نکل کر محفوظ مقامات پر چلے گئے۔

ورلڈ ٹریڈ سنٹر نہیں یہ ملیشیا میں دنیا کے طویل ترین پٹروناز ٹوئن ٹاورس ہیں

مرنے والوں میں جن قومیتوں کے لوگ شامل تھے ان میں ارجنٹائن ، آسٹریلیا ، بنگلہ دیش ، برازیل ، کینیڈا ، چین ، کولمبیا ، ڈنمارک ڈومینیکن ریپبلک ، مصر ، السلواڈار ، فن لینڈ ، فرانس ، جرمنی ، انڈونیشیا ، آئرلینڈ ، اسرائیل ، اٹلی ، جاپان ، لبنان ، ملیشیا ، میکسیکو ، نیوزی لینڈ ، ناروے ، پاکستان ، پیراگوئے ، پیرو ، فلپائن ۔ جنوبی افریقہ ، اسپین ، سویڈن ، سوئٹزرلینڈ ، تائیوان ، برطانیہ ، زمبابوے وغیرہ شامل تھے غیر ممالک سے تعلق رکھنے والوں میں جرمنی کے سب سے زیادہ افراد ہلاک ہوئے اس اعتبار سے یہ ایک عالمگیر سانحہ تھا۔

نیویارک نہ صرف امریکہ بلکہ دنیا کے اہم ترین شہروں میں سے ایک ہے یہ امریکہ کا سب سے بڑا شہر ہے جس کی آبادی 80 لاکھ سے زائد ہے لیکن اگر تمام میٹروپولیٹن ایریا کو شامل کیا جائے تو یہ 2 کروڑ سے زیادہ ہوجاتی ہے لوگ اس شہر کو پیار سے BIGAPPLE بھی کہتے ہیں یہ مین ہیٹن ، برونکس ، بروکلین ، کوئینز اور اسٹیٹین آئی لینڈ نامی 5 کاؤنٹیز پر مشتمل ہے امریکہ میں جرائم کی مجموعی صورتحال کے حوالے سے یہاں جرائم کی شرح نسبتاً زیادہ تھی لیکن گزشتہ دس سال سے اس میں بہتری کا رجحان پیدا ہوا ہے 1624ء میں یہاں پہلی بار ہالینڈ کے باشندے آکر آباد ہوئے تاہم 1664ء میں برطانیہ نے قبضہ کرلیا اور برطانویوں نے ہی اس کالونی کا نام NIEUW AMSTERDAM سے بدل کر نیویارک رکھا انقلابی جد و جہد کے دوران یہاں کئی جنگیں لڑی گئیں نیویارک 1789 اور 1790ء میں مختصر عرصے کیلئے امریکہ کا دارالحکومت بھی رہا۔ جارج واشنگٹن نے صدارت کا حلف اسی شہر میں اٹھایا تھا جدید نیویارک کی بنیادیں 1898ء میں رکھی گئی ۔ اس کی مشہور عمارات میں (تباہ ہونے والے) ورلڈ ٹریڈ سنٹر ایمپائر اسٹیٹ بلڈنگ راک فیلر سنٹر ، فلیپر ٹن بلڈنگ کرائسلر بلڈنگ اور مجسمہ آزادی شامل ہیں۔

دہشت گردی کے نتیجے میں تباہ ہونے والی تینوں عمارتیں یعنی ورلڈ ٹریڈ سنٹرز کے دونوں ٹاورز اور امریکی محکمہ دفاع کا ہیڈ کوارٹرز پنٹاگن ، بین الاقوامی شہرت یافتہ تھیں ورلڈ ٹریڈ سنٹرز کی عمارتیں جب 1973ء میں مکمل ہوئیں تو ان کا شمار اس وقت دنیا کی بلند ترین عمارتوں میں ہوتا تھا ۔ 605 ہیکٹرز پر محیط اور 110 منزلوں پر مشتمل ان عمارتوں کی اونچائی 1368 فٹ تھی اور یہاں تقریباً 50 ہزار افراد رہتے تھے جبکہ روزانہ ڈیڑھ لاکھ افراد کی آمد و رفت تھی فولاد اور کنکریٹ کے بنے ہوئے یہ (Twin Towers) جو کہ پوری دنیا میں تجارت کا مرکز اور تعمیراتی ٹکنالوجی کا شاہکار تصور کئے جاتے تھے اب صفحہ ہستی سے اس طرح نابود ہوچکے ہیں جیسے ان کا وجود ہی نہیں تھا۔ واشنگٹن میں امریکی محکمہ دفاع کے ہیڈ کوارٹرز پنٹاگن کی عمارت 1943ء میں مکمل ہوئی تھی 29 ایکڑ پر محیط اس 5 تکونی عمارت میں 23 ہزار سے زائد لوگ کام کرتے ہیں اور اگر اس کے برآمدوں کی مجموعی لمبائی کا اندازہ لگایا جائے تو یہ 17 میل سے زائد بنتی ہے طیارے کے ٹکرانے سے اس عمارت کا شمالی مغربی حصہ تباہ ہوگیا اور 125 افراد ہلاک ہوگئے ۔

جہاں تک اس حادثے کے ذمہ دار عناصر کا تعلق ہے امریکی حکام شروع ہی سے اسے اسامہ بن لادن کی تنظیم القاعدہ کی کارروائی قرار دیتے رہے اور اب بھی ان کا اصرار ہے کہ یہ دہشت گردی اس تنظیم کے ہائی جیکروں نے کی ہے جنہوں نے جہاز اڑانے کی باقاعدہ تربیت حاصل کی تھی ان ہائی جیکروں کا طیارہ کے مسافروں کی فہرست سے سراغ لگایا گیا امریکی حکام کے مطابق اس کارروائی میں کل 19 ہائی جیکر ملوث تھے اکثر ہائی جیکر جعلی ناموں اور پاسپورٹوں پر سفر کررہے تھے تاہم ان میں اکثریت عرب نوجوانوں کی تھی جن کی عمریں 20 سے 30 سال کے درمیان تھیں اکثر نے اپنی تعلیم مغربی ممالک میں مکمل کی تھی ۔ عطا نامی ایک ہائی جیکر کی تصویر سی این این پر بار بار دکھائی جاتی رہی کہا جاتا ہے چاقوؤں اور کٹرز سے مسلح تھے جن کی مدد سے انہوں نے جہاز کے عملے پر قابو پالیا باکس کٹر چاقو سبزی کے اسٹورز اور گھروں میں عام استعمال ہوتا ہے ۔

ان عمارتوں کی تباہی کے نتیجے میں ہونے والا نقصان اتنا زیادہ تھا کہ اس کے اثرات نہ صرف امریکہ بلکہ پوری دنیا کی معیشت پر مرتب ہوئے ہیں حادثے کے فوراً بعد امریکی اسٹاک ایکسچینج بند کردیا گیا جو کہ امریکی تاریخ میں پہلی مرتبہ اتنی طویل مدت کیلئے معطل رہا ۔ امریکہ میں اس نقصان کا اندازہ 60 ارب ڈالر لگایا گیا جبکہ ایئر لائنز اور اس کی ذیلی صنعتوں میں ایک لاکھ سے زائد لوگ بے روزگار ہوگئے ۔ تاجروں اور صنعتکاروں نے سرمایہ کاری سے ہاتھ کھینچ لیا ۔ کانگریس نے متاثرین کی امداد کیلئے 15 ارب ڈالر منظور کئے ۔ حادثے کی وجہ سے 2002ء میں امریکی معیشت کیلئے "منفی ترقی" کی پیشگوئی کی گئی بے روزگاری کی شرح 6 فیصد تک ہونے کا خدشہ ظاہر کیا گیا ہے اس دہشت گردی کے نتیجے میں امریکہ نے اتحادیوں کے ساتھ مل کر افغانستان پر جو حملہ کیا اس کے اربوں ڈالر کے جنگی اخراجات علیحدہ ہیں ۔ اقتصادی اور معاشی سرگرمیوں میں بے یقینی اور ٹھہراؤ کی وجہ سے دنیا کے اکثر ممالک اس حادثے سے متاثر ہوئے ۔ امریکہ میں اس حادثے سے سیاحت کی صنعت کو بے پناہ نقصان پہنچا اس صنعت سے 2 لاکھ 80 ہزار افراد وابستہ تھے اور سالانہ 25 ارب ڈالر کی آمدنی ہوتی تھی ۔ حادثے کے بعد ایک ہفتے کے دوران ہوٹلوں میں آنیوالے سیاحوں کی تعداد 40 فیصد کم ہوگئی جبکہ 3000 ملازمین بے روزگار ہوگئے ۔ نیویارک سٹی کے 2002ء کے بجٹ کا تخمینہ پہلے 2.5 بلین ڈالر لگایا گیا تھا اب یہ بڑھ کر 4 بلین ڈالر ہوگیا ہے فضائی مسافروں میں پایا جانے والا عدم اعتماد اب تک دور نہیں ہوسکا۔

جہاں تک اس دہشت گردی کے سیاسی اثرات کا تعلق ہے اس کے نتیجے میں بین الاقوامی سطح پر کئی سیاسی تبدیلیاں رونما ہوئیں جن کا عمل اب تک جاری ہے دوسری جنگ عظیم کے بعد پہلی مرتبہ واشنگٹن میں ناٹو معاہدے کی اس شق کا اعلان کیا گیا کہ اگر دنیا میں کسی بھی ملک نے دہشت گردی کی حمایت کی تو اسے تمام ناٹو رکن ممالک کے خلاف حملہ تصور کیا جائے گا دنیا کے 136 ممالک نے دہشت گردی کے خلاف امریکہ کے فوجی ، سیاسی اور مالیاتی اقدامات کی حمایت کا اعلان کیا۔

☆☆☆☆

کرکٹ میری پہلی اور آخری خواہش ہے: ڈونالڈ

محمد بن عبداللہ رفاعی

جنوبی افریقی ٹیم جو حالیہ آسٹریلیا۔ آفریقہ سیریز سے قبل کسی بھی بین الاقوامی مقابلے میں ہارٹ فیورٹ قرار دی جاسکتی تھی آسٹریلیا کے خلاف سیریز میں تین صفر سے شکست کھاچکی ہے پھر بھی کرکٹ کے مبصرین کی نظر میں آج بھی وہ کرکٹ کی چند بہترین ٹیموں میں سے ایک ہے۔ اس کا بنیادی سبب جہاں اس کے کھلاڑیوں کی صلاحیت ہے وہیں اپنی صلاحیتوں کو بروئے کار لانے، انہیں موثر اور کار آمد بنانے نیز انہیں مزید جلا بخشنے کی وہ قوت ہے جس نے جنوبی افریقہ کی ٹیم کو امتیاز عطا کیا ہے۔ یوں تو اس کے کئی کھلاڑی ایسے ہیں جن کی صلاحیت اور کھیلنے کی تکنیک پر کرکٹ کے مبصرین طویل تر مقالے لکھ سکتے ہیں۔ لیکن ان میں سے چند ایک ایسے ہیں جن پر قلم اٹھاتے ہوئے کرکٹ کے مبصرین خوشی محسوس کرتے ہیں۔ ان کالموں میں ہم ایسے ہی ایک کھلاڑی کا ذکر کرنا چاہیں گے۔ جو ایلین ڈونالڈ کے نام سے شائقین کرکٹ کے دلوں میں جگہ بنا چکے ہیں۔

ڈونالڈ کا شمار دنیا کے ان تیز گیند بازوں میں ہوتا ہے جو مخالف سمت سے گیند پھینکنے کیلئے دوڑتے ہوئے نظر آتے ہیں تو بلے بازوں کی پریشانیوں میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ اپنی گیندوں سے بلے بازوں کو خوفزدہ کرنے والے ایلین ڈونالڈ کے بارے میں اکثر کہا جاتا ہے کہ وہ بجلی ہے جو بلے بازوں کی آنکھوں کو خیرہ کردیتی ہے۔ لیکن اپنی بولنگ کے ذریعہ بلے بازوں کو دہشت زدہ کرنے والا یہ کھلاڑی ذاتی زندگی میں انتہائی شائستہ، نرم گو اور دل خوش کن رویہ کا مالک ہے۔ وہ بڑا محب وطن بھی واقع ہوا ہے چنانچہ میدان میں اترنے کے بعد اس کی ہر حرکت اس بات کی غماز ہوتی ہے کہ وہ اپنی ٹیم کو فتح سے ہمکنار کرنے کیلئے ہی کھیل رہا ہے۔ 1992ء کا یہ واقعہ اس کے کئی ساتھیوں کو بھولے نہیں بھولتا جب ویسٹ انڈیز سے جنوبی افریقہ کی شکست کے بعد ڈریسنگ روم میں ڈونالڈ زار و قطار رونے لگا تھا۔ بہترین کارکردگی کے مظاہرے کے باوجود اس کی انکساری اور خاکساری کا یہ عالم ہے کہ جب بھی اس کی تعریف کیجئے وہ یہ باور کرانے کی کوشش کرتا ہے کہ دنیا میں کئی بولرز ایسے ہیں جو بے حد عظیم ہیں اور وہ ان کی خاک پا بھی نہیں ہے۔

بڑھتی ہوئی عمر کے سبب ڈونالڈ کی بولنگ میں اب پہلے جیسا دم خم نہیں رہ گیا ہے تاہم اس کی کاٹ آج بھی برقرار ہے۔ جس کا مظاہرہ اس نے تین ماہ سے زائد عرصہ تک کرکٹ سے دور رہنے کے بعد آسٹریلیا کے خلاف اپنی آمد کے فوری بعد کیا۔ ڈونالڈ اپنی ٹیم کی شکست کے سلسلے کو روکتے ہوئے اسے کامیابیوں سے ہمکنار کرانا چاہتے ہیں۔

ڈونالڈ 35 سال کے ہوچکے ہیں جو کم و بیش ریٹائرمنٹ کی عمر ہوتی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ کاؤنٹی کرکٹ نے ان کا خون پسینہ دونوں طلب کیا لیکن وہ کاؤنٹی کھیلنے سے باز بھی نہیں رہ سکتے تھے کیونکہ روزی روٹی کا مسئلہ بھی اہمیت کا حامل تھا۔ بین الاقوامی کرکٹ میں ان کا داخلہ کافی تاخیر سے ہوا لیکن عمر کے اس مرحلے میں انہیں کسی چیز کا پچھتاوا نہیں ہے۔ اس بات کا بھی نہیں کہ 12-10 سال کے بین الاقوامی کیریئر کے باوجود 3 سو وکٹوں کا نشانہ انھوں نے ابھی حال میں پار کیا ہے۔ اس سلسلے میں ڈونالڈ کہتے ہیں کہ اگر میرا انٹرنیشنل کیریئر 18 سال کی عمر میں شروع ہوتا تو میں اب تک 4 سو سے زیادہ وکٹ لے چکا ہوتا لیکن ٹسٹ کرکٹ کے 9 برسوں میں، میں نے جو کچھ بھی حاصل کیا وہ میرے لئے اطمینان بخش ہے۔ 63 میچوں میں 325 وکٹ حاصل کرنا کوئی ایسی کارکردگی تو نہیں جسے نظرانداز کردیا جائے۔ ڈونالڈ ان سینیر کھلاڑیوں میں سے ایک ہیں جنہیں بڑھتی ہوئی عمر پریشان نہیں کرتی۔ فی الحال ان کی نگاہیں 2003ء کے ورلڈ کپ پر ہیں۔ ان ہی کے بقول "بہت ممکن ہے کہ میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے خلاف میچ کھیلنے کے بعد فیصلہ کروں کہ میں آگے اور کیا کرسکتا ہوں۔ میری خواہش ہوگی کہ میں زیادہ سے زیادہ ونڈے کھیلوں"۔

جنوبی افریقہ کے کرکٹ حلقوں میں یہ بات کہی سنی جاتی ہے کہ ایلین ڈونالڈ کا کوئی نعم البدل نہیں ہے۔ ایسا سوال جب ان سے دریافت کیا جاتا ہے کہ "کیا واقعی ایسا ہے؟" تو اس سوال کا جواب ڈونالڈ صاف لفظوں میں یہ دیتے ہیں کہ ایسی باتوں میں کوئی دم نہیں "نئے کھلاڑی بہت اچھا پرفارمنس پیش کررہے ہیں"۔ مثال کے طور پر نتینی ہیورڈ ہے جسے اب کسی بھی قسم کی رہنمائی کی ضرورت نہیں ہے کیونکہ وہ ٹیم میں رچ بس گیا ہے۔ میں ایسے کھلاڑیوں کے ساتھ کھیلنا چاہتا ہوں۔ ڈونالڈ، نتینی ہیورڈ کے علاوہ فنگیو گیم کی بھی ستائش کرتے ہیں۔ "اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ ایک پرجوش اور نوجوان فاسٹ بولر ہے۔ اسے آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے خلاف ونڈے سیریز میں شامل کرنا چاہئے"۔ اگر ڈونالڈ سے دریافت کیا جائے کہ کیا آسٹریلیا جنوبی افریقہ سے بہتر ٹیم ہے؟ اس سوال کے جواب میں ڈونالڈ کہتے ہیں کہ اس قسم کا موازنہ کوئی معنی نہیں رکھتا۔ اگر عالمی معیار کے چند کھلاڑی ان کے پاس ہیں تو ہمارے پاس بھی ہیں۔ ذہنی اعتبار سے ان دو ٹیموں میں کوئی فرق نہیں ہے، ہم بھی اتنے ہی جوش و خروش کے ساتھ کھیلتے ہیں جتنے جوش و خروش کے ساتھ وہ لوگ میدان میں اترتے ہیں، ہم بھی اتنے ہی ڈسپلنڈ ہیں جتنے کہ وہ"۔

ڈونالڈ کے حوصلے بلند ہیں اور ان کا کہنا ہے کہ "میرے لئے کوئی چیز ایسی نہیں جو کرکٹ کا متبادل ہو۔ میں کھیلنا چاہتا ہوں فی الوقت یہی میری پہلی اور آخری خواہش ہے"۔

پاکستان میں کھیلنے سے ویسٹ انڈیز کا انکار، ٹسٹ اور ونڈے سیریز شارجہ میں

ویسٹ انڈیز کو پاکستان میں کھیلنے کیلئے آمادہ کرنے کی خاطر پاکستان کرکٹ بورڈ کی تمام تر کوششیں اور مذاکرات ناکام ہوگئے ہیں اور ویسٹ انڈین کرکٹ بورڈ نے فیصلہ کیا ہے کہ اس کی کرکٹ ٹیم پاکستان میں نہیں کھیلے گی۔ ویسٹ انڈیز کرکٹ بورڈ کی غیر واضح پالیسی کے باعث پاکستانی شائقین دنیا کی دو بڑی ٹیموں کو ایکشن میں نہیں دیکھ سکیں گے۔ پی سی بی نے منگل کو سرکاری طور پر اعلان کیا ہے کہ پاکستان اور ویسٹ انڈیز کے درمیان سیریز پاکستان کی بجائے نیوٹرل سنٹر شارجہ کرکٹ گراؤنڈ پر ہوگی۔ ویسٹ انڈیز نے پاکستان اور ہندوستان کے درمیان جاری کشیدگی کے باعث پاکستان آنے سے انکار کردیا۔ پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیرمین لیفٹننٹ جنرل توقیر ضیاء نے کہا کہ دونوں کرکٹ بورڈز کی باہمی رضامندی سے سیریز کو شارجہ منتقل کیا جارہا ہے۔ پاکستان اور ویسٹ انڈیز کے درمیان دو ٹسٹ اور تین ونڈے انٹرنیشنل میچ ہوں گے۔ 181 ریکارڈ ونڈے انٹرنیشنل میچوں کی میزبانی کرنیوالے شارجہ اسٹیڈیم میں پہلی بار ٹسٹ میچ ہوگا۔ اس گراؤنڈ پر آج تک فرسٹ کلاس میچ کا انعقاد بھی نہیں ہوسکا ہے۔ سابقہ پروگرام کے مطابق ویسٹ انڈیز نے پاکستان میں تین ٹسٹ اور تین ونڈے انٹرنیشنل کے علاوہ دو سائیڈ میچ کھیلنا تھے تاہم شارجہ میں دونوں ٹیموں کیلئے کوئی سائیڈ میچ نہیں رکھا گیا۔ پاکستان کرکٹ بورڈ سیریز کے پروگرام کو ویسٹ انڈیز کے مشورے سے حتمی شکل دیگا۔ البتہ سیریز جنوری کے تیسرے ہفتے میں ہوگی۔ دورہ ایک ماہ میں مکمل ہوگا۔ واضح رہے کہ ستمبر میں نیوزی لینڈ نے پاکستان کا دورہ کرنے سے انکار کردیا۔ پی سی بی کوششوں کے باوجود ہوم گراؤنڈ پر سری لنکا کے خلاف سیریز کے انتظامات کو بھی حتمی شکل نہ دے سکا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد دوسرا موقع ہے جب ٹسٹ میچ کسی تیسرے ملک میں کھیلا جائیگا۔ پی سی بی کے چیرمین جنرل توقیر ضیاء کے مطابق صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف کی منظوری سے ہم سیریز تیسرے ملک میں کھیل رہے ہیں۔ صدر پاکستان کرکٹ کا فروغ چاہتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میچ کسی بھی ملک میں ہوں کرکٹ ہونی چاہئے۔ 2001ء میں مختلف سیریز نہ ہونے سے پی سی بی کو 25 ملین ڈالرز کا خسارہ ہوا۔ اگست میں پاکستان نے ہوم گراؤنڈ پر واحد ٹسٹ بنگلہ دیش کے خلاف کھیلا تھا۔ پی سی بی کے چیرمین نے کہا کہ ویسٹ انڈیز کی سیریز شارجہ منتقل ہونے سے پی سی بی کو مزید 10 لاکھ ڈالرز کا نقصان ہوگا۔ 1911ء میں پہلی نیوٹرل سیریز انگلینڈ میں ہوئی تھی۔ آسٹریلیا اور جنوبی افریقہ نے انگلینڈ میں سہ فریقی ٹسٹ سیریز میں حصہ لیا تھا۔ 1999ء پی سی بی کے ترجمان کے مطابق ویسٹ انڈیز کے خلاف سیریز نیوٹرل سنٹر پر کھیلنے کا فیصلہ کھیل کے وسیع تر مفاد میں کیا گیا ہے۔ ہمارا اب بھی موقف ہے کہ پاکستان غیر ملکی ٹیموں کیلئے محفوظ ہے۔ سری لنکا کی انڈر 19 ٹیم پاکستان میں سیریز کھیل چکی ہے۔ کلائیو لائیڈ نے پاکستان میں جونیر ٹیم کے ساتھ کوچنگ اسائنمنٹ کامیابی سے مکمل کیا۔ پی سی بی کے سربراہ نے مشکل صورتحال میں پاکستان کو تعاون فراہم کرنے پر بنگلہ دیش کرکٹ بورڈ اور امارات کرکٹ بورڈ کا شکریہ ادا کیا۔ انہوں نے کہا کہ ہم کھیلنے کے مواقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔

انگلینڈ کی [illegible] دورہ ہندوستان میں اضافی [illegible] پر رضامند

انگلش کرکٹ [illegible] ہندوستان میں مزید ایک بین الاقوامی [illegible] رضامند ہوگئی ہے۔ ہندوستانی کرکٹ [illegible] مطابق انگلینڈ کے کرکٹ بورڈ نے دورہ کے اختتام سے قبل [illegible] کو چھٹا ایک روزہ ونڈے [illegible] کی پیشکش کی ہے۔ ہندوستانی بورڈ نے 22 جنوری کو کولکتہ میں کھیلے جانے والے پہلے ایک روزہ میچ سے قبل 19 جنوری کو ونڈے کھیلنے کی پیشکش کی تھی۔ انگلینڈ کی کرکٹ ٹیم طے شدہ شیڈول کے مطابق 22 جنوری کو کولکتہ، 25 جنوری کو چنائی، 28 جنوری کو کانپور، 31 جنوری کو دہلی اور 3 فروری کو ممبئی میں ونڈے میچ کھیلے گی۔ بی سی سی آئی کے سکریٹری نرنجن شاہ نے صحافیوں کو بتایا ہے کہ انگلینڈ ویلز کرکٹ بورڈ نے چھٹے ونڈے کھیلنے کی پیشکش قبول کرلی ہے۔ مہمان ٹیم کرسمس کی وجہ سے تیسرے ٹسٹ کے بعد وطن واپس ہوچکی ہے اور 12 جنوری کو ہندوستان واپس آئے گی۔ انگلش کرکٹ بورڈ نے جنوری میں دو فاضل ونڈے کھیلنے کی ابتدائی پیشکش مسترد کردی تھی۔ نرنجن شاہ کے مطابق ہندوستان کی کوشش ہے کہ 2006ء میں انگلینڈ کی ٹیم دورہ ہندوستان کے موقع پر پانچ ٹسٹ میچوں کی سیریز میں حصہ لے۔

ویسٹ انڈیز کے انکار کا مسئلہ آئی سی سی کے اجلاس میں اٹھایا جائیگا: توقیر ضیاء

پاکستان کرکٹ بورڈ کے چیرمین نے کہا ہے کہ پاکستان میں سیریز کھیلنے سے ویسٹ انڈیز کے انکار کا مسئلہ آئی سی سی کے اجلاس میں اٹھایا جائیگا۔ جنرل ضیاء نے کہا کہ ویسٹ انڈیز نے ایسے وقت میں سیریز کھیلنے سے انکار کیا ہے جب انگلینڈ کی ٹیم ہندوستان میں ونڈے سیریز کھیلنے والی ہے۔ میں ویسٹ انڈیز کرکٹ بورڈ کے فیصلے پر احتجاج کرتا ہوں۔ شارجہ میں 3 کی بجائے 2 ٹسٹ اس لئے کیے گئے ہیں تاکہ اخراجات میں کمی کی جاسکے کیونکہ تیسرے ملک میں کھیلنا مہنگا کام ہے۔ انہوں نے کہا کہ آئندہ پاکستان کسی تیسرے ملک میں سیریز نہیں کھیلے گا۔ وقت کم تھا اس لئے عین وقت پر تیسرے ملک میں سیریز کرانا مشکل ہوتی۔ اس لئے سیریز سے دو ہفتے قبل انتظامات کو حتمی شکل دیدی گئی ہے۔ انہوں نے کہا کہ دونوں ملکوں کے کرکٹ بورڈ کے حکام آئندہ چند دن میں 2 ٹسٹ اور 3 ونڈے کا پروگرام جاری کردیں گے۔ جنرل ضیاء نے کہا کہ پاکستان ویسٹ انڈیز سیریز کا ٹائٹل اسپانسر پیپسی ہے۔ البتہ سی بی ایف ایس کی مدد سے ہمیں دیگر اداروں سے اسپانسر شپ بھی ملنے کی توقع ہے۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان آئی سی سی سے شدید احتجاج کریگا کیونکہ ہماری یقین دہانی کے باوجود ویسٹ انڈیز نے پاکستان آنے سے انکار کردیا۔ ویسٹ انڈیز بورڈ کے صدر ویزلے ہال کا کہنا ہے کہ ہمیں ہند پاک تنازعہ سے زیادہ خوف افغانستان میں جاری لڑائی سے ہے۔ ان کا خیال ہے کہ اسامہ بن لادن ابھی تک گرفتار نہیں ہوسکا ہے۔ ممکن ہے وہ کوئی بڑی کارروائی کرے۔ جنرل ضیاء نے واضح کیا کہ آسٹریلیا کے خلاف ستمبر میں ہونیوالی سیریز نیوٹرل گراؤنڈ پر کھیلنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا اگر آسٹریلیا نے بھی ایسی کوشش کی تو سیریز نہیں ہوگی۔

شارجہ کرکٹ اسٹیڈیم میں کلب قائم کرنے کا فیصلہ

کرکٹرز بینفٹ فنڈ سیریز نے شارجہ اسٹیڈیم میں کلب قائم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ جس میں سوئمنگ اور جمنازیم کی سہولتیں بھی ہونگی۔ ہندوستان اور پاکستان کے کوچز کلب کے اراکین کے بچوں کو کوچ کریں گے۔

پیس بھوپتی نے ٹاٹا اوپن ڈبلز خطاب جیت لیا

ہندوستان کی مایہ ناز ٹینس جوڑی لینڈر پیس اور مہیش بھوپتی نے چیک جوڑی ٹامس سیبولیک اور اناتوکاریک کی جوڑی کو 5-7,2-6,7-5 سے شکست دیکر ٹاٹا اوپن کے ڈبلز فائنل پر قبضہ کرلیا۔ اسٹیڈیم تماشائیوں سے بھرا ہوا تھا اور یہاں موجود تقریباً سبھی لوگ پیس اور بھوپتی کا کھیل دیکھنے کیلئے آئے ہوئے تھے۔ ہندوستانی جوڑی پہلا سیٹ تو ہار گئی مگر دوسرے 2 سیٹوں میں اس نے اپنے حریفوں کو شکست دیکر ڈبلز ٹائٹل جیت لیا اور اس طرح انہوں نے اس سیزن کا آغاز بڑے مثبت انداز میں کیا۔

اپریل 1997ء میں اس ہندوستانی جوڑی کو دنیا نے پہلی مرتبہ پہچانا تھا۔ اس میچ کو جیتنے کیلئے ہندوستانی جوڑی کو بہت پسینہ بہانا پڑا۔ پہلے سیٹ میں چیک جوڑی نے زبردست ٹیم ورک کا مظاہرہ کیا اور کھیل ہندوستانی جوڑی کے ہاتھ سے نکل گیا۔ مگر دوسرے سیٹ میں ہندوستانی جوڑی نے کئی گیم بریک کئے اور سیٹ پر قابض ہوگئے۔ تیسرے سیٹ کا فیصلہ ٹائی بریکر سے ہوا۔ چیک جوڑی نے جو پہلے سیٹ میں بہت طاقتور نظر آرہی تھی۔ ہندوستانی جوڑی کے سامنے گھٹنے ٹیک دیئے۔ پیس اور بھوپتی نے ایک دوسرے کے باڈی لینگویج کو بہتر طریقے سے سمجھا اور تال میل کے ساتھ پوائنٹ کے بعد پوائنٹ بناتے رہے۔ پیس کی سروس پر چیک جوڑی اکثر بے بس نظر آئی۔ 2 سیٹوں کے بعد اسکور برابری پر تھا۔ جب تیسرا سیٹ شروع ہوا تو ہندوستانی کھلاڑی پہلے سے بہتر نظر آرہے تھے اور تماشائی اپنے نعروں سے ان کا حوصلہ بڑھا رہے تھے۔ پیس نے چیک کھلاڑیوں کے سروں کے اوپر سے چند اچھے شاٹس کھیلے۔ ارجنٹینا کے موکیناس نے تھائی لینڈ کے پی سری چھپن کو 6-4,7-2 2-7 سے شکست دیکر ٹاٹا اوپن کے سنگلز ٹائٹل پر قبضہ کرلیا۔ اس مقابلے میں تھائی لینڈ کے کھلاڑی نے کئی غلطیاں کیں جس کا خمیازہ اسے بھگتنا پڑا۔ کیناس کو 35 ریس پوائنٹس اور 175 پوائنٹس کے علاوہ 51 ہزار امریکی ڈالر کی انعامی رقم بھی ملی۔

آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ۔ آفریقہ سہ رخی سیریز کا پروگرام

ملبورن میں آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے مقابل 11 جنوری کو پہلے میچ سے جو ہندوستانی معیار وقت کے مطابق 8.55 صبح راست ٹیلی کاسٹ ہوا آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ اور افریقہ کے درمیان سہ رخی سیریز کا آغاز ہوا۔ ہوبرٹ اور پرتھ میں منعقدہ مقابلوں کو چھوڑ کر تمام مقابلے ڈے اینڈ نائیٹ ہوں گے۔ سیریز کا پروگرام حسب ذیل ہے۔

تاریخ	مقابلے	مقام
11 جنوری	آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ	ملبورن (ڈے/نائیٹ)
13 جنوری	آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ	ملبورن (ڈے/نائیٹ)
15 جنوری	جنوبی افریقہ۔ نیوزی لینڈ	ہوبرٹ
17 جنوری	آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ	سڈنی (ڈے/نائیٹ)
19 جنوری	جنوبی افریقہ۔ نیوزی لینڈ	برسبین (ڈے/نائیٹ)
20 جنوری	آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ	برسبین (ڈے/نائیٹ)
22 جنوری	آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ	سڈنی (ڈے/نائیٹ)
26 جنوری	آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ	اڈیلیڈ (ڈے/نائیٹ)
27 جنوری	جنوبی افریقہ۔ نیوزی لینڈ	اڈیلیڈ (ڈے/نائیٹ)
29 جنوری	آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ	ملبورن (ڈے/نائیٹ)
یکم فبروری	جنوبی افریقہ۔ نیوزی لینڈ	پرتھ (ڈے/نائیٹ)
03 فبروری	آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ	پرتھ
06 فبروری	پہلا فائنل	ملبورن (ڈے/نائیٹ)
08 فبروری	دوسرا فائنل	سڈنی (ڈے/نائیٹ)
10 فبروری	تیسرا فائنل (اگر ضرورت ہو)	سڈنی (ڈے/نائیٹ)

ثانیہ۔ سمولینا کوف نے ڈبلز خطاب جیت لیا

ہندوستانی جونیر ٹینس کھلاڑی ثانیہ مرزا اور سلوواکیہ کی لنڈا سمولینا کوف نے وکٹورین گریڈ 2 گرلز ٹینس چمپین شپ کا ڈبلز خطاب جیت لیا ہے۔ آسٹریلیا کے ترارلگون میں کھیلے جانے والے اس ٹورنمنٹ میں یہ ہند۔ سلوواکیائی جوڑی دوسرے سیڈ کے طور پر داخل ہوئی تھی۔ اس جوڑی نے نینا براجیکووا اور جولیا دوروبیوا کی روسی جوڑی کو 6-4,6-2,6-4 سے شکست دی۔ پہلے سیٹ میں زبردست کوشش اور مزاحمت کے بعد بھی ثانیہ اور لنڈا اس پر قابض نہ ہوسکیں ۔ حالانکہ دوسرے سیٹ میں ان پر پہلے ہاف کی شکست کا دباؤ تھا مگر انہوں نے دوسرے سیٹ پر بڑی آسانی سے قبضہ کرلیا۔ تیسرا ہاف جیتنے میں بھی انہیں کوئی خاص دقت نہیں ہوئی۔ آئی ٹی ایف درجہ بندی کے ڈبلز میں ثانیہ کا مقام 43 واں ہیں جبکہ سنگلز رینکنگ میں وہ 29 ویں نمبر پر ہیں۔ اس سے قبل سیمی فائنل میں اس جوڑی نے جرمنی کی کورمیحابلا کر اور سویڈن کی جانانونی کو 5-7,2-6 سے ہرایا تھا۔

سیاسی عدم استحکام سے اسپورٹس کو نقصان

سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے کھیلوں کو نقصان پہنچ رہا ہے۔ ان خیالات کا اظہار مشہور گولف کھلاڑی مکیش کمار نے کیا جنہیں مہندرا چیمپین گولفر آف دی ایئر کے خطاب سے نوازا گیا۔ انہوں نے اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے کہا کہ "سیاسی عدم استحکام کی وجہ سے بازار میں مندی آجاتی ہے جس کے سبب کارپوریٹ ہاؤزیز کھیلوں کی کفالت کرنے سے کتراتے ہیں"۔ انہوں نے بتایا کہ ماضی میں بہت سی کمپنیوں نے وعدہ کرنے کے باوجود عین موقعوں پر اسپانسر شپ واپس لے لی۔

مرلی تھرن نے نیا ریکارڈ بنایا

مرلی تھرن کی سحر انگیزی جاری ہے اور وہ اپنے کھاتہ میں ریکارڈوں پر ریکارڈ رقم کراتے جارہے ہیں ان ریکارڈوں کے سفر میں متھیا مرلی

تھرن نے اپنے سابقہ ریکارڈوں کی فہرست میں ایک اور ریکارڈ جوڑلیا اور ایک ٹسٹ میچ میں 10 یا اس سے زائد وکٹیں 10 مرتبہ حاصل کرنے کا ریکارڈ مرتب کیا۔ انہوں نے یہ کارنامہ زمبابوے کے خلاف دوسرا ٹسٹ میچ کھیلتے ہوئے انجام دیا۔ اس میچ میں مرلی کی سحر انگیز بولنگ کا زمبابوین کھلاڑی سامنا نہیں کرسکے۔ اس سے قبل نیوزی لینڈ کے رچرڈ ہیڈلی نے ٹسٹ میں 9 مرتبہ 10 یا اس سے زائد وکٹیں حاصل کی تھیں۔

آسٹریلیائی جونیر اوپن میں اسٹیفن امرت راج

ڈیوس کپ کے سابق کھلاڑی آنند امرت راج کے بیٹے اسٹیفن امرت راج ملبورن میں ہونے والے آئندہ آسٹریلیائی اوپن جونیر چیمپین شپ میں شرکت کریں گے۔ برٹانیا امرت راج ٹینس اسکیم کی پریس ریلیز کے مطابق یہ ٹورنمنٹ 13 سے 19 اور 20 سے 27 جنوری تک جاری رہے گا۔ اسٹیفن جنہوں نے کوسٹاریکا اور میکسیکو سٹی میں ڈبلز ٹائٹل جیتا تھا، آئی ٹی ایف عالمی جونیر ڈبلز رینکنگ میں تیسرے نمبر پر ہیں۔

گنگولی بلے بازی کی مشق میں مصروف

بین الاقوامی کرکٹ میچوں میں لگاتار خراب کارکردگی کرنے والے ہندوستانی کپتان سورو گنگولی نے

انگلینڈ کے خلاف کھیلے جانے والی ایک روزہ سیریز سے قبل زوردار پریکٹس شروع کردی ہے۔ گنگولی جنہوں نے حال ہی میں ختم ہونے والی ٹسٹ سیریز میں صرف 68 رن بنائے تھے ایڈن گارڈن میں پریکٹس کی جہاں 4 جونیر گیند بازان کیلئے خاص طور پر گیند بازی کررہے تھے۔ مشق کے دوران بہت سے مداح انہیں دیکھنے کیلئے جمع ہوگئے تھے اور گنگولی نے انہیں مایوس نہیں کیا حالانکہ انہوں نے پریس سے گفتگو کرنے سے انکار کردیا مگر وہ اپنے مداحوں کو آٹوگراف دینا نہیں بھولے۔

فٹبال کی عالمی رینکنگ میں فرانس ٹاپ پر

عالمی اور یوروپی چیمپین فرانس کی ٹیم 812 پوائنٹس کے ساتھ فٹبال کی عالمی رینکنگ میں ٹاپ پر ہے۔ ارجنٹائن دوسرے، برازیل تیسرے، پرتگال چوتھے، کولمبیا پانچویں، اٹلی چھٹے اور اسپین ساتویں نمبر پر ہے۔

مائیک ٹائیسن نے صحافیوں کی پٹائی کی

دنیا کے مشہور باکسر مائیک ٹائسن کو غصہ آتا ہے تو وہ کسی کو نہیں بخشتے۔ گزشتہ ہفتہ اچانک انہوں نے صحافیوں کو اپنے غصے کا نشانہ بنایا۔ کیوبا میں چھٹیاں گذارنے کیلئے آئے ٹائسن یہاں کے ایک ہوٹل میں صحافیوں پر اچانک چلانے لگے اور ان پر سامان پھینکنا شروع کیا۔ اس ہنگامے میں ایک فوٹوگرافر معمولی زخمی بھی ہوگیا۔ عینی شاہدوں نے بتایا کہ ٹائیسن اس وقت بے قابو ہوگئے جب انہوں نے لفٹ سے باہر نکلتے ہی 5 نامہ نگاروں کو ان کا منتظر پایا۔ ٹائیسن نے نامہ نگاروں کو دیکھتے ہی مکا تان کر انہیں دھمکایا اور بے عزتی شروع کردی۔ ہوٹل میں رکھی گئی کرسٹل کی گیندیں اٹھا کر نامہ نگاروں کی طرف پھینکنی شروع کردیں جس سے خبر ایجنسی رائٹر کا ایک فوٹوگرافر زخمی ہوگیا۔ فوٹوگرافر فلپ بورینگو نے بتایا کہ ٹائیسن ایک دم بوکھلا گیا۔ بورینگو نے بتایا کہ وہ اس سے انٹرویو لینا چاہتا تھا لیکن اس نے مجھے بولنے کا موقع ہی نہیں دیا اور ہنگامہ شروع کردیا۔

دوسری اداکاراوں کی کامیابی انہی کو مبارک۔ سندلی سنہا

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

سال 2001ء میں 157 فلمیں ریلیز ہوئیں جن میں لگان کو نمبرون پوزیشن حاصل ہوئی ہے جبکہ غدر نے بزنس تو اچھا کیا لیکن متنازعہ ہونے کی وجہ شائقین نے اپنی رائے میں ناراضگی ظاہر کی کبھی خوشی کبھی غم کو چھ اسٹار کی بڑی کاسٹ والی فلم ہونے کی وجہ سے باکس آفس پر کامیابی دلوائی یہ سال کے اختتام پر ریلیز ہوئی۔ ان سب میں کم بجٹ یعنی ساڑھے چار کروڑ میں بنائی گئی فلم "تم بن" نے کافی بزنس کیا۔ اور اس ہفتہ اس فلم نے ملک کے کئی بڑے شہروں میں سلور جوبلی منائی اس فلم کے تین ہیروز کی اکیلی ہیروئن سندلی سنہا نے حالیہ ایک انٹرویو میں اپنے خیالات کا اظہار کیا جسکا خلاصہ یہاں پیش ہے۔

س۔ اپنے بارے میں؟

ج۔ میرا اصلی نام سندلی سنہا ہی ہے۔ ایم بی بی ایس کے داخلے میں ایک دن کی تاخیر کی وجہ داخلہ لینے سے محروم ہوگئی اور چھوٹے پردے پر اداکاری کو ترجیح دینے کے علاوہ ماڈلنگ کرنے لگی۔

س۔ فلموں میں داخلہ کیسے ہوا؟

ج۔ فلم تم بن جو ٹی سیریز گروپ کی جانب سے بنائی جارہی تھی ٹی وی سیریلیس (سی باکس) اور کئی البمس کے ہدایتکار انوبھو سنہا جو اس فلم کو ڈائرکٹ کررہے تھے انہیں نئے چہروں کی ضرورت تھی جب کئی لڑکے اور لڑکیوں کے اسکرین ٹسٹ کے بعد فلم کے تین ہیروز پریانشو، ہمانشو اور راکیش کے ساتھ ساتھ میرا بھی انتخاب ہوا۔

س۔ ایک ہی فلم سے اتنی بڑی انڈسٹری میں پل بھر میں آپ کی شناخت بن گئی اب آپ کو کیسا لگتا ہے؟

ج۔ ناگپور میرا آبائی وطن ہے لیکن ہم دہلی منتقل ہوگئے۔ مجھے احساس ہوتا ہے کہ آج میں ایک گوشہ سے ساری دنیا میں عام ہوگئی ہوں۔ فطری بات ہے ایسی کامیابی کسی دوسرے کے حق میں بھی ہوتی تو وہ ساتویں آسمان پر اڑتا اور میں بھی اب ایسا ہی محسوس کررہی ہوں۔

س۔ اس فلم کی کامیابی کے بعد یقیناً آپ کو اور بھی کئی پیشکش تو آئی ہوں گی؟

ج۔ یہاں ہر کامیاب اداکار یا اداکارہ کو ہاتھوں ہاتھ سائن کیا جاتا ہے۔ لیکن جلد بازی میں، میں بھٹکنا نہیں چاہتی۔ میں پھونک پھونک کے قدم رکھنا چاہتی ہوں۔

س۔ جہاں تک خبریں ہیں آپ کو کم بجٹ کی۔ بی گریڈ۔ فلموں کی آفر آرہی ہیں ایسا کیوں؟

ج۔ میرے کیریئر کا آغاز بھی تو ایسا تھا

لوگ آج کروڑوں کما کر لاکھوں حاصل کرنا نہیں چاہتے۔ آج فلمسازوں کی سوچ اسکے برعکس ہے کم بجٹ میں فلم بنے کم معاوضہ کے قابل اداکار کام کریں اور زیادہ نفع کمائیں۔

س۔ فلم کی کامیابی کے بعد شاید آپ نے بھی اپنے معاوضہ میں اضافہ کیا ہوگا؟

ج۔ میں کام کو اور کردار کو ترجیح دیتی ہوں میں یہاں روپیہ کمانے نہیں آئی اگر روپیہ کمانا ہی ہوتا تو ٹی وی سیریلس کی ایک لمبی قطار میرے لئے تیار تھی۔

س۔ آج کی اداکاراؤں میں آپ اپنے آپ کو کتنا محفوظ اور مقابلہ سے دور رکھنا چاہتی ہیں؟

ج۔ فلم کامیاب ہو اور اداکاری پسند آجائے تو عوام ہی اسے نمبرون کا اعزاز ادا کردیتے ہیں۔ ہمیں کسی سے مقابلہ آرائی کی ضرورت نہیں اور نہ ہی مجھے گر پڑکر نمبرون کی دوڑ میں آگے نکلنا ہے۔ کیا سمیتا پاٹل نے نمبرون پوزیشن حاصل کی تھی؟ دیکھئے آج بھی وہ امر ہے۔ تاریخ انہیں آج بھی یاد کرتی ہے۔

س۔ ہمارا مطلب ہے ایک فنکارہ کے طور پر کیا آپ اپنا موازنہ خود کرسکتی ہیں؟

ج۔ میں مقابلہ آرائی میں شامل ہونا بالکل پسند نہیں کرتی میرا فن میری اپنی صلاحیت ہے۔ دوسروں کی صلاحیت انہی کو مبارک ہو۔ مجھے بڑا بیانر اور بڑے ہیرو متوجہ نہیں کرتے میں صرف اپنا کام اور ڈائرکٹر کا نام دیکھتی ہوں۔ میں نے اپنی پہلی فلم تم بن محض انوبھو سنہا کے لئے سائن کی تھی اگر اسکے ڈائرکٹر یہ نہ ہوتے تو شاید میں فلموں میں آتی ہی نہیں۔

شوٹنگ رپورٹ

رشی کپور، منیشا کوئرالا کی "کنیادان" ریلیز کیلئے تیار

دویا فلمس انٹرنیشنل کی فلم "کنیادان" تمام مراحل کی تکمیل کے بعد ریلیز کیلئے تیار ہے۔ راجو سبرامنیم کی ہدایت میں بنی اس فلم میں رشی کپور اور منیشا کوئرالا نے مرکزی کردار نبھائے ہیں۔ انوا گروال، انوپم کھیر، کرن کمار، فریدہ جلال، سعید جعفری نے بھی اہم کردار نبھائے ہیں۔ موسیقی آدیش سریواستو کی ہے۔

رام گوپال ورما کی نئی فلم "کمپنی" کی شوٹنگ

ورما کریئشنس پرائیوٹ لمیٹڈ کے بیانر پر رام گوپال ورما کی نئی فلم کی شوٹنگ کا شاندار پیمانہ پر ممبئی کے مختلف مقامات پر آغاز ہوا فلم کے اہم کردار ادا کررہے ہیں اجئے دیوگن، منیشا کوئرالا، انترامالی، وویک اوبرائے، اور موہن لال فلم کے اگلے شیڈول کا فبروری کے اوائل میں حیدرآباد میں آغاز ہوگا۔

اجئے دیوگن اور ایشا پٹیل کی "پروانہ" مکمل

بہری فلمس کی فلم "پروانہ" اس ہفتہ مکمل کرلی گئی اس فلم میں اجئے دیوگن اور ایشا پٹیل نے مرکزی کردار ادا کئے ہیں۔ دیپک سہاری کی ہدایت میں بنی اس فلم کے دیگر فنکار ہیں گلشن گرور، پریش راویل، سایاجی شنڈے، قادر خان اور ڈینی موسیقی دی ہے سنجیو درشن نے۔

"آوارہ پاگل دیوانہ" پچاس فیصد مکمل

بیس انڈسٹریز گروپ کے بیانر پر بنائی جارہی میگا اسٹار کاسٹ فلم "آوارہ پاگل دیوانہ" پچھلے ہفتہ ممبئی کے فلم سٹی اسٹوڈیو میں ایک گیت اور چند رومانی مناظر کی فلمبندی کے بعد پچاس فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔ وکرم بھٹ کی ہدایت میں بن رہی اس فلم میں اکشے کمار، سنیل شیٹی، آفتاب شیوداسانی، پریتی جھنگیانی، امریتا اروڑہ، پریش راویل، اوم پوری، جانی لیور، راہل دیو شامل ہیں فلم کی موسیقی انوملک دے رہے ہیں۔

امیتابھ بچن کی "آنکھیں" کی مارچ میں نمائش

امیتابھ بچن ، اکشے کمار ، سشمیتا سین ، ارجن رامپال ، آدیتی گواتیکر ، ایشا کوپیکر ، آدتیہ پنچولی اور پریش راویل کی اسٹار کاسٹ پر مبنی وی آر پکچرس کی "آنکھیں" توقع ہے مارچ میں ریلیز کردی جائیگی۔ جتن للت کی دھنوں سے سجی اس فلم کی ہدایت دی ہے وپل شاہ نے فلم کی ایڈیٹنگ ، ڈبنگ اور ری ریکارڈنگ کا کام پچھلے ہفتہ مکمل کرلیا گیا۔

"نہ تم جانو نہ ہم" ریلیز کی تاریخ کی منتظر

پی ایف ایچ ای انٹرٹنمنٹ لمیٹڈ کی فلم "نہ تم جانو نہ ہم" جو بالکلیہ طور پر ریلیز کیلئے تیار ہے بہت جلد اسکی نمائش کی تاریخ کا اعلان کردیا جائیگا۔ رتھک روشن ، ایشا ڈیول ، سیف علی خان ، اچلہ سچدیو ، موسمی چٹرجی ، رتی اگنی ہوتری کی اسٹار کاسٹ پر مبنی فلم کو ارجن سبلوک نے ڈائرکٹ کیا ہے جبکہ دھنیں بنائی ہیں راجیش روشن نے۔

گوبندا کے برے دن شروع ہوگئے

گوبندا کی لگاتار کئی فلموں کی ناکامی اور ایک ہی طرز کی انکی بھونڈیا کامیڈی سے شائقین اکتا گئے ہیں اور فلمساز بھی انھیں اپنی فلموں میں کاسٹ کرنے سے کترا رہے ہیں اور ہدایتکار بھی ایک ہی طرز کی اداکاری کی ہدایت دیتے دیتے بیزار نظر آتے ہیں اور جبکہ ڈسٹری بیوٹرس نے انکی فلمس خریدنے میں ہچکچاہٹ محسوس کی تو انکے چہیتے ہدایتکار ڈیوڈ دھون نے بھی انھیں اپنی فلموں سے آوٹ کرنا شروع کردیا ہے ، نمبرون ٹائیٹل کو تک ڈیوڈ دھون نے گوبندا کی منحوسی کے ساتھ چھوڑدیا ہے۔ اب ڈیوڈ دھون نے اپنی نئی فلم "چور مچائے شور" کے لئے شیکھر سمن کو مرکزی کردار میں سائن کیا ہے انکے علاوہ فلم میں بابی دیول ، بپاشا باسو ، شلپا شٹی ، پریش راویل ، آشیش ودیارتھی بھی شامل ہیں۔ واضح ہو کہ ڈیوڈ دھون کی یہ فلم رشی کیش مکرجی کی مشہور کامیڈی فلم گول مال کے ساتھ کچھ گول مال کرکے بنائی جارہی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ گوبندا کی فلمیں مکمل ہیں لیکن اب انکا خریدار نہیں مل رہا ہے۔

سنی کی ہیروئن یکتا مکھی مصروف

حسینہ عالم یکتا مکھی اب کافی خوش دکھائی دیتی ہے ابتداء میں اسے اپنے دراز قد کی وجہ مشکلات پیش آرہی تھیں لیکن اب فلمسازوں نے اس مرض کی دوا بھی ڈھونڈھ لی ہے

یکتا کی پہلی بطور ہیروئن فلم پیاسا (جسکے ہیرو آفتاب شیودسانی ہیں) ریلیز کے لئے تیار ہے۔ اور دوسری فلم "دا ہیرو" جسے انیل شرما بنارہے ہیں سیٹ پر پہنچ چکی ہے اس فلم میں سنی دیول یکتا مکھی کے ہیرو ہیں غدر کی کامیابی کے بعد سنی کی بھی کافی مانگ ہے۔

سونالی بیندرے اب ایٹم گیتوں تک محدود

جب سے سونالی بیندرے کے اسٹار پلس کے ڈانس پر مبنی پروگرام "کیا مستی کیا دھوم" اور "لجا" کے گیت "مجھے ساجن کے گھر جانا ہے" نے دھوم مچائی ہے جب سے سونالی

بیندرے کو فلمساز صرف ایٹم گیتوں کے آفر ہی دے رہے ہیں لیکن سونالی ، ارملا ماتونڈکر اور سشمیتا کی طرح اپنے اوپر ایٹم گرل کا ٹھپہ لگانا نہیں چاہتی لیکن یہ بھی دیکھا جارہا ہے سونالی مرکزی کردار والی فلم سے زیادہ موٹی رقم والے ایٹم گیتوں میں کام کرنے پر رضامندی ظاہر کررہی ہے ۔ کیونکہ پیسہ ہی آج کی سب سے بڑی ضرورت ہے ۔

فلمی خبریں
18 جنوری تا یکم مارچ تک ریلیز ہونے والی فلمیں

18 جنوری ۔ یہ دل عاشقانہ

25 جنوری ۔ ماں تجھے سلام ، راز ، کھلم کھلا پیار کرینگے ۔ بھارت بھاگیہ ودھاتا

یکم فبروری ۔ سنو سسر جی ، کرانتی ، پیاسا ، فی الحال ، شرارت ، کتنے دور کتنے پاس ، یہ ہے جلوہ ، انگار دی فائر ، گہراو ، دی ٹراپ ، دل ڈھونڈتا ہے ، چاندنی بنی چڑیل ، لٹل جان ، تم کو نہ بھول پائینگے

14 فبروری ۔ ہاں میں نے بھی پیار کیا

22 فبروری ۔ چوری چوری

یکم مارچ ۔ آپ مجھے اچھے لگنے لگے ، کمپنی ، یہ ہے جلوہ ، کشمپ ، کاش آپ ہمارے ہوتے ، چلو عشق لڑائیں ، آنکھیں ، پانچ ، نہ تم جانو نہ ہم ۔

راج ببر کی بیٹی جوہی ببر کی زور آزمائی

اداکار و رکن پارلیمان راج ببر نے اپنی بیٹی " جوہی ببر " کو لیکر فلم " کاش آپ ہمارے ہوتے " کی شوٹنگ تو شروع کردی ہے اسکے باوجود اسے کوئی خاص پیشکش نہیں آئی ہے ۔ جسکی وجہ جوہی کی ماں نادرہ ظہیر ببر (راج ببر کی سابقہ بیوی) اپنی بیٹی کو فلمی پارٹیوں میں لیکر گھوم رہی ہے ۔ ویسے نادرہ ببر بھی ایک کامیاب اسٹیج اداکارہ ہے اور راج ببر کامیاب فلمی اداکار ، جوہی کی رگوں میں بھی خون دوڑ رہا ہے لیکن اسکی پہلی فلم کی ریلیز کے بعد ہی اسکے مستقبل کے بارے میں کچھ کہا جاسکتا ہے ۔ جوہی ببر کے مقابل اس فلم میں پلے بیک سنگر سونو نگم پہلی بار ہیرو بنے ہیں جبکہ اسکے ڈائرکٹر رویندر پیٹ ہیں ۔

شاہ رخ ، ایشا ، ابھشیک ایکساتھ

بہت جلد ایک اور میگا اسٹار کاسٹ والی فلم سیٹ پر چلی جائیگی جسے مشہور ڈانس ڈائرکٹر فرح خان نے بنانے کا اعلان کیا ہے تکون محبت کی کہانی پر بنائی جانے والی اس فلم کے تین اہم کردار شاہ رخ خان ، ایشا پٹیل اور ابھشیک بچن ہونگے ۔ فلم کی کاغذی تیاریاں مکمل کرلی گئیں ہیں دیگر فنکاروں کا انتخاب باقی ہے ۔ توقع ہے اس فلم کی باقاعدہ شوٹنگ کا اگلے ماہ سے آغاز ہوگا ۔

شترو گھن سنہا ہوم منسٹر بن گئے

سیاست میں اپنی دال نہ گلتی دیکھ کر شتروگھن سنہا دوبارہ فلموں میں لوٹ آئے ہیں ۔ یہ ٹی پی اگروال کی فلم بھارت بھاگیہ ودھاتا میں ہوم منسٹر کا رول نبھارہے ہیں اب انکے بیٹے لو اور کش بھی جوان ہوچکے ہیں انکی جانب سے انکے بیٹوں کو فلموں میں اداکاری کرنے کی اجازت مل گئی ہے ۔

شاہ رخ خان نئے مکان "منت" میں منتقل

سوپر اسٹار شاہ رخ خان جو حال ہی میں بونی کپور اور سری دیوی کی مشترکہ بے نام فلم کی شوٹنگ میں مصروف تھے پچھلے ہفتہ ایک گیت کی فلمبندی کے دوران معمولی زخمی ہوگئے ۔ انکی ایک انگلی شدید زخمی ہے وہ اس ہفتہ اپنے ذاتی مکان "منت" میں منتقل ہوچکے ہیں انہوں نے یہ بنگلہ 5 کروڑ کی لاگت میں خریدا ہے جسکی رجسٹری کے لئے شاہ رخ نے ایک کروڑ دو لاکھ اسٹامپ ڈیوٹی ادا کی۔

دلیپ کمار تیزی سے روبصحت

شہنشاہ جذبات دلیپ کمار جو ڈائرکٹر کوکو کوہلی کی فلم "اثر" کی شوٹنگ میں مصروف تھے اچانک علیل ہوگئے جنہیں ۲۶ دسمبر کو بمبئی کے لیلاوتی ہاسپٹل میں داخل کروایا گیا تھا وہ ۲۹ ستمبر کو دواخانہ سے ڈسچارج ہوگئے ۔ قریبی ذرائع کے مطابق وہ اب اپنی قیامگاہ پر آرام کررہے ہیں ۔ بتایا جاتا ہے کہ وہ تیزی سے روبصحت ہورہے ہیں ۔ توقع ہے کہ اگلے ماہ سے شوٹنگ میں بھی حصہ لینگے ۔

آنجہانی اداکار راجکمار کے دوسرے فرزند بھی سلولائیڈ پر

اپنے وقت کے نامور فنکار راجکمار کے دوسرے فرزند پنینی راجکمار کی فلم - بمبئی مستی - اب ریلیز کیلئے تیار ہے جسے سنیل دیپ کھوسلہ نے ڈائرکٹ کیا ہے ستیم انٹرٹینمنٹ کے بیانر پر بنائی گئی اس فلم میں پنینی راجکمار پہلی بار سلولائیڈ پر اپنی فنکارانہ صلاحیتیں دکھائینگے ۔ فلم کے دیگر اہم فنکاروں میں سراجی ، وبھارت ، شامل ہیں ۔ یہ اپنے بڑے بھائی پرو راجکمار سے شکل و صورت کے مقابل بالی ووڈ اداکار لگتے ہیں۔

عامر خان کی "لگان" 2001 کی 200 فلموں میں سب سے آگے

فلم انڈسٹری کی ایک سروے رپورٹ میں عامر خان کی فلم "لگان" کلکشن ، شائقین ، تشہیر ، عوامی دلچسپی ، موضوع کے انتخاب ، نئے طرز ، غیر متنازعہ ، حب الوطنی کے اعتبار سے گزشتہ سال یعنی 2001ء میں ریلیز کردہ دوسری 199 فلموں میں سب سے آگے قرار دی گئی ۔ اسے انفرادیت کے اعتبار سے خاص اہمیت بھی دی گئی ۔ آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد اس فلم سے عامر خان کو بہت کم عمر میں "انڈین فلم ہسٹری" میں عوام اور انڈسٹری کو غیر معمولی اور ریکارڈ کلکشن فلم دینے کا اعزاز بھی حاصل ہوگیا۔

☆☆☆☆

arrangement that is tenuous at best.

For the Islamic movement, the Taliban experiment yields important lessons. First, a movement must transcend sectarian, tribal and nationalist barriers in order to be called Islamic. Some of the opposition the Taliban faced within Afthanistan from the disparate groups could have been neutralized if the minorities - Tajiks, Uzbeks, Hazaras and Turkmen had been accommodated in some kind of a dispensation. This the Taliban failed to do. More counterproductive was their sectarian outlook. this is something their friends and supporters in Pakistan must also share the blame for. Sectarianism is a scourge like tribalism and nationalism: it is easily exploited by outsiders. At the opposite end of the spectrum, the most heartening examples of nonsectarian behaviour are demonstrated by Hizbullah in Lebanon and by Islamic Iran. Both have won praise from Muslims world wide for this quality.

And now to the more touchey subject of getting involved with military establishments in the Muslim world. One must distinguish between being a Muslim and being committed to Islam: the two are not necessarily the same thing. The rank and file of all the armies in the Muslim world are Muslim, but it is simplistic to assume that they are automatically committed to the goals of Islam. The military establishment are in fact the most pericious purveyors of secular values in Muslim societies beause of their greater contact with the outside world and their need for western-manufactured weapons. the Muslims's experience with their armies is grim: in Egypt, for instance, the ikhwan were used by the Free Officers to seize power, but then decimated once they (the Free Officers) had achieved their objective. The armies in Turkey and Algeria have been used to crush the legitimate aspirations of Muslims. In Sudan, Muslims have had a similarly unfortunate experience. the list goes on.

In Pakistan, the higher echelons of the army are staffed by officers who invariably have Washington's approval. If an Islamically-inclined officer reaches anywhere near the top, he is soon isolated and weeded out before he can influence the thinking of the military establishment. The Afghans in general and the Taliban in particular have found this out at great cost. The Taliban experience is particularly instructive: they were abandoned at the most critical juncture by those whose policies they had advanced since their emergence on the scene. and this was done for the sake of a country, the US, whose policies have caused great harm to Muslims in the last 50 years.

The most crucial test for the Taliban will be whether they are able to survive as a movement now that they have been eliminated as a government. Muslims are required to live in an Islamic state, but if it is destroyed then their Islamic identity must find expression in the movement. The Taliban may be able to appeal to a core group of supporters, but this may no longer be on the basis f Islam : rather, tribal affiliation is likely to be the motivating factor. This is clearly a weakness, as it will divide them from the non-Pashtoons. Even among the Pashtoons, however, there are tribes that have been bribed by Washington to fight against the Taliban.Equally powerful will be the desire of the Pashtoons in Pakistan to avenge the Taliban's defeat, for they will see this as a personal slight. The rebirth of tribal nationalism will surely prove costly for Pakistan once Washington washes its hands of Afghanistan and its quarrelsome tribal leaders.

the Achehnese, who have suffered far more at the hands of successive Indonesian regimes.

But we need to consider the Taliban from another perspective. Were they a government or a movement, or both? They were certainly not a political party in the conventional sense, as many Islamic parties in the Muslim world are; their "backwardness" had made them immune to such divisive constructs of the West The Taliban emerged at a peculiar time in Afghan history : the failure of various Afghan factions to establish even a modicum of stability in the country after the defeat and retreat of the Red Army from Afghanistan. They fought bloody feuds against each other until the Taliban emereged to sweep them away. The much-touted Northern Alliance was bottled up in the North, from where they shelled the outskirts of Kabul but posed no serious threat to the Taliban's hold on power. The alliance's disparate groups are also not united by anything but their hatred of the Taliban. Along came the US in search of mercenaries; the Northern Alliance were more than willing to oblige.

When they first emerged from their base in Qandahar in late 1994, the Taliban made impressive territorial gains, but much of their success was owed to their ability to appeal to various commanders, rather than fighting them. but it must be said that, not being a political party, the Taliban also enjoyed a certain degree of flexibility. As a government they were not very successful, concentrating on the small things (beards and burqas) rather than understanding issues of good governance by providing relief to their traumatized people, but such failures did not cause their misfortune directly. For instance, it would have made not an iota of difference how they treated women, provided they had been willing to become pawns in America's geostrategic and economic plans. After all, Saudi Arabia treats women just as harshly, yet it is a trusted US ally (or was until recently).

The Taliban had other qualities as well; their simple down-to-earth lifestyle appealed to many Muslims around the world. As a movement, they were open, hence willing to accommodate others in their midst. Since the Taliban had little to offer materially except hospitality, those who came from outside, especially from the Middle East, Pakistan and as far afield as Indonesia, did not do so for a free ride ; rather, they were motivated by ideals of Islamic brotherhood and defending an " Islamic Emirate". In fact many of them, especially from the Middle East, had gone there during the war against the Soviets. Their own governements (Egypt, Jordan, Saudi Arabia, Kuwait etc.) were glad to get rid of these troublesome young Muslims and though most of them would get killed there; they also believed that the war in Afghanistan would never end, at least not with the defeat of the Soviet Union.

Depending on how much the Taliban have maintained them selves as a movement - their leader,Mullah Omar, did not abandon his base in Qandahar throughout the Taliban's five-year rule they may yet emerge from the coils of their currenty predicament. This depends partly upon their ability to exercise influence on a singificant number of people. If this happens, they will be a source of trouble for any future government installed by outsiders. Few Afghans take kindly to outside meddling in their affairs. Nor would the disparate groups, brought together under US prodding to form an interim government, last very long. They have been bribed into agreeing to a future

Reflections on the Taliban's Performance as an Islamic Movement

By Zafar Bangash

In the two-month period from October 7 to December 7, the Taliban's world has been turned upside down; from controlling more than 90 percent of Afghanistan's territory they were forced to surrender their last stronghold of Qandahar to tribal elders on December 7. Whether the Taliban survive in any form at all is not critical; what is important from the Islamic movement's point of view is to examine the Taliban phenomenon and what lessons can be derived from their experience.

It would not serve much purpose to go over details of the military conflict; these are well known and incidental to our discussion. What we need to consider are the circumstances leading to the emergence of the Taliban, why they appealed to some Muslims - at home and abroad - and what lessons can be derived from their experience as they went about trying to build a state structure. First, we must be clear about one basic point ; regardless of the events of September 11, the US attack on Afghanistan was expected. Enough information has emerged to establish that the US had planned much earlier to attack Afghanistan; only a pretext had been lacking. It has more to do with US geostrategic and economic objectives than the alleged crimes of Osama bin Ladin or his Taliban hosts. A recent book (Bin Ladin : La Verite Interdite; (Bin Ladin : The Forbidden Truth'), by two French writers with close links with French intelligence, sheds light on this.

While the US has not provided convincing evidence of Osama bin Ladin's involvement in the attacks on September 11, it continues to act as if its self-serving allegations constitute proof of his guilt. The Taliban were even more removed from the event, since not one of the alleged perpetrators of the September 11 attacks was an Afghan : so there is and was no justification under any law - western or other - for the US to attack Afghanistan. The US-led attacks constitute war crimes and crimes against humanity, inthe words of Francis Boyle, professor of International Law at the Unviersity of Illinois at urbana - Champaign in the US. Professor Noam Chomsky of MIT has also given a similar opinion.

Theoretically all this sounds good, but the world obviously does not really operate on the basis of legality; as far as the US government is concerned, only might is right. Who is going to pursue America's rulers to bring them to justice, and which court of law in the world will entertain a case against them? In 1984, when Nicaragua won a case at the World Court against the US mining of its harbours, Washington simply refused to accept the court's authority. With no warships or cruise missiles at its disposal, the court could not enforce its verdict. So, regardless of the merit of the Taliban's case againt the US, there is little they can do under the present world order. Similarly Israel, India and Russia continue to brutalize the Palestinians, Kashmiris and Chechens repectively without any constraints legal, moral or military. All this is well known. East Timor gained "independence" from Indonesia because it is a Christian majority area and the West watned to cut indonesia down to size. No such help has been forthcoming for

Swiss households are careful to reserve an average of 16% of their budget for insurance of one kind or another. A nice head start, but in fact Swiss insurance and reinsurance companies look abroad for most of their revenues. Over half the premiums are paid by policy-holders in other countries, and in the case of the reinsurance companies it's 90% . The world market obviously has a great impact on this sector of the economy, which contributes mightly to the Swiss balance of payments.

Tourism : Tourism is one of Switzerland's older industries, with roots that go back about 200 years to a time when the tourist 'season' limited to summer. Only in the later half of the 19th century did winter acquire its own attractions. And it was not until after the first world war that foreign tourist, and the Swiss became tourists in their own home-land.

This industry employs 350,000 people, directly or indirectly. In 1987 it ranked third as an export earner with SFr 10.1 billion or 15% of all currency receipts. If we include money spent by the Swiss themselves, tourism brought in total of SFr 16.7 billion. On the other Swiss touring abroad spent a total of SFr 7.8 billion.

The appeal of Switzerland is its central location, the variety of scenery, the climate and its rich and varied culture. Contributing factors are it role as an international organisation and congresses to which it plays host. The Swiss tourist industry has a very diversified infrastructure, with facilities at altitude varying between 200 to over 4000 metres. Hotels and other types of accommodation total led 75 million overnights in 1987.

Neutrality as a principal: At the Congress of Vienna in 1815 the European power promised Switzerland "recognition and sanction of everlasting neutrality" ; politically every Swiss thinks along his own lines, and in his outlook on life none need be neutral. Neutrality is a state policy; the country interferes in no foreign conflicts and enters into no pacts. In the eyes of many people this makes Switzerland a spectator beside the world's stage, while the individual Swiss is free to move where he wishes.

Swiss foreign policy rest on four pillars: neutrality, solidarity, availability and universality. Switzerland often represents the interests of other states when their diplomatic relations have broken down. It plays host to numerous international organisations and to mulitlateral negotioations, particularly in Geneva. This readiness to tender its good offices is what is meant by availability. In a popular vote, however, Switzerland declines to become a member of the Unites Nations (UN) (16th March 1986). It nevertheless works in most international organisations, especially in the area of cooperation with developing nations. It gives technical and financial assistance to many countries of the Third World. It has a volunteer corps to help out in the wake of disaster. All this is done not only as a mark of solidarity, but also in the cause of universality.

Further details : For further details about Switzerland, the Embassy of Switzerland in India, Nyaya Marg, Chanakyapuri, New Delhi-110 021 (P.O.Box 392) may be contacted.

*****

about 450,000 people (1986). This industry alone accounts for 45% of Swiss exports. The biggest customer is the European community.

The chemical industry : The second most important industry, chemical manufacturing, has likewise put alone all through of mass production, prefering to concentrate on developing new products. In 1986 this industry employed 74,000 people. This was also the first Swiss industry to "internationalise" it production opening branches abroad.

Textile and clothing : Woven cloth and lace are equally products for which Switzerland is well known. Swiss production of basic textile materials has increased by about 90% in the past 20 years. In the same period the number employed in this industry fell from 68,000 to 31,000 The same trend is found in the clothing industry. an indication that in both areas a process of restructuring has imposed efficiency with high-performance machinery.

Watchmaking : When people think of Switzerland they think of banks, or watches, the two sectors of the economy best known to foreigners. Clock and watch manufacturing began as a cottage industry in the Jura mountains in the 18th century, and is still concentrated there and in Geneva. The recession which occured in the middle of the 1970s, combined with conversion to the quartz movement through on a crisis which led to restructing and a great reduction in the work force. The industry reemerged greatly strengthening by this shake-down. Always a great exporter to all parts of the world, in 1988 this sector had receipts of SFr 5.05 billion from export out of a total turnover of SFr 5.3 billion. The most notable successes are gold watches, on the one hand, and inexpensive watches with high turnover on the other. High precision remains the unique selling point of Swiss watches.

The Swiss Banks : Swiss banks are very densely spread in their home market which count 4200 banking or finance outlets. Five majors dominate with over half of the total budget (SFr 963 billion) but in all there are 622 banking and finance houses. These include 214 regional banks and saving banks, and 23 private banking establishments, to be found mainly in Geneva and Zurich.

The major banks concentrate their activities on the investment of funds and short-term credits in trade and industry. They also handle the administration and management of private capital and thus have a great influence on the capital market and on the success of issues of stocks both Swiss and foreign. Their activities are similar to those of multinational companies.

Traditionally, Swiss political stability and banking secrecy have made this an extremely attractive market for foreign investors and those seeking a safe haven for their savings. this leads to periodic outrise from parties in other countries. It should be realised however that this code of secrecy can be set aside, especially when criminal proceedings are involved, and furthermore that laws concerning the origins of funds deposited in Swiss Banks become stricker with every that passes.

Insurance : Here again the Swiss hold the record, for

economy to grow, is the role played by the many foreigners who have found refuge here, and have been able to develop their ideas and know-how. On the other hand, the Swiss have also travelled much and learned a great deal, especially about ways to improve the marketting of Swiss products around the world. However, if Swiss firms have been able to win a place among the leaders of world industry, it is thanks to hard work in the area of technology, and specialisation in the small batch production of products which are distinguished by their quality and reliability, and result from a spirit of innovation guided by an understanding of what the customer wants. Only by adhering strictly to this credo has Swiss industry prospered in the face of a strong Swiss franc and fierce international competition.

continues to function admirably. For example with relatively low level of inflation (just 1.9% in 1988) and unemployment, the average annual income on the other hand grows steadily, leaping from SFr 19,039 in 1975 to SFr 34,122 in 1987.

A prosperous industrial nation: The historical roots of today's prosperiy do not go very deep. Right up until the end of the 19th Century, this was a land of emigration. It was not possible to feed the population with the resources available. Indeed though in first half of the last century when farming and handicrafts were the mainstays of the economy, famines were an all too frequent occurrence.

A dramatic change in this state of affairs took place about 150 years ago, with the development in circa 1850 in eastern Switzerland the textile industry, tapping into the abundunt hydropower. Industrailisation of the Swiss economy can be traced back to this first success. The birthplace of Swiss mechanical engineering is to be found in the repairs shops that grew up to serve the spinning mills. As for the first Swiss chemical products, these were also for the textile industry, a great consumer of dyes.

Key sectors of Swiss economy : The main factor which has helped the Swiss

The machinery & metal sector : Machine manufacturing and metal-working is the single largest sector of the Swiss economy, employing

except to chair meetings of the Federal Council and carry out a few representative duties. Federal Councillors are elected individually for a four-year period of office by the joint houses of parliament and no Federal Councillor may be removed from his post before this four-year period is up. Each Federal Councillor is responsible for a department (ministry) and represents this department's interest within the Federal Council. Government decisions, however, are made collectively through majority decisions and promoted with a united front. This government practice, which is also carried out at cantonal and communal level, is known in Switzerland as the collegial system.

A prosperous industrial nation : One cannot really say that Switzerland was predestined to become an industsial success story. Drawbacks included its smallness, with just 41,300 km of territory, about 110 in size on the world map. Moreover, most of it is difficult terrain, mountains over two thirds of Switzerland, and limit the size of its population. Today there are about 6.5 million inhabitants - not really a very promising home market.

to complete the picture, this mountainous little country has no natural resources worth mentioning in the strictly economic sense. And with no direct access to the sea, Switzerland has had none of the benefits of the maritime trading routes. Yet Switzerland has developed into one of the great western industrial national Year in and year out its robust economy

Tourist Office Grindelwald
Grindelwald/Switzerland
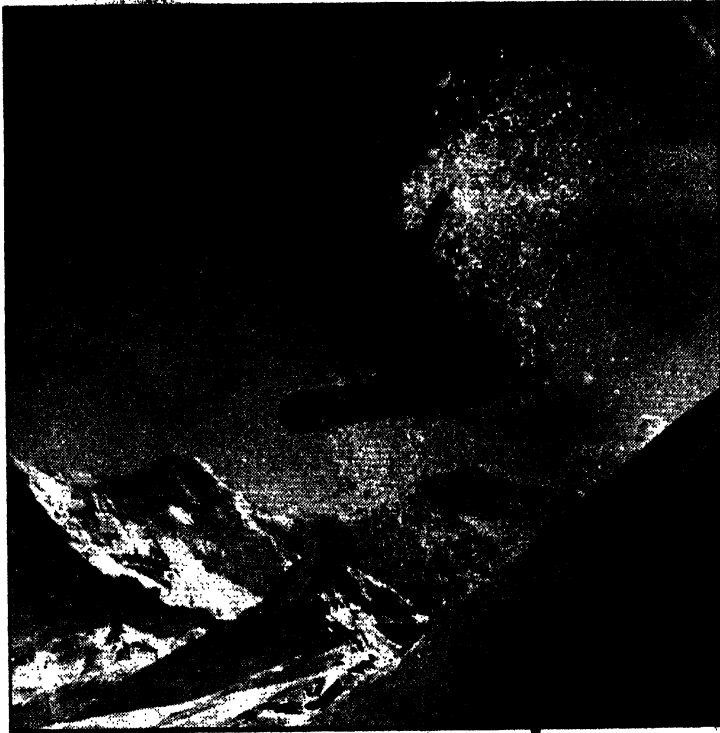
The Cantons are member states of the Swiss Confederation. The Federal Constitution calls Switzerland a "League of the people of the 23 sovereign Cantons of the Swiss Confederation (three cantons are subdivided into Half-Cantons).

The supreme executive body is the Federal Council. the supreme judicial body is the Federal Court. It acts as the supreme Civil Court. It Judges of fences against the state and is responsible for seeing that the cantons observe the provisions of the constitution.

A Swiss passport bears the words "Swis Confederation". It is made out by the Chancellery of the canton concerned on the basis of papers issued by the commune. This is the way in which the three entities Federal government, Canton and Commune - mesh inpublic affairs.

All the Swiss are equal before law. there are no privileges.

Government : At the apex of the Swiss federal state there is body of seven equally-ranking ministers, the Federal Council, which represents the executive at federal level. Each year the Federal Assembly (Parliament) elects one member of the Federal Council to the post of Federal President. This does not give him any extra responsiblities
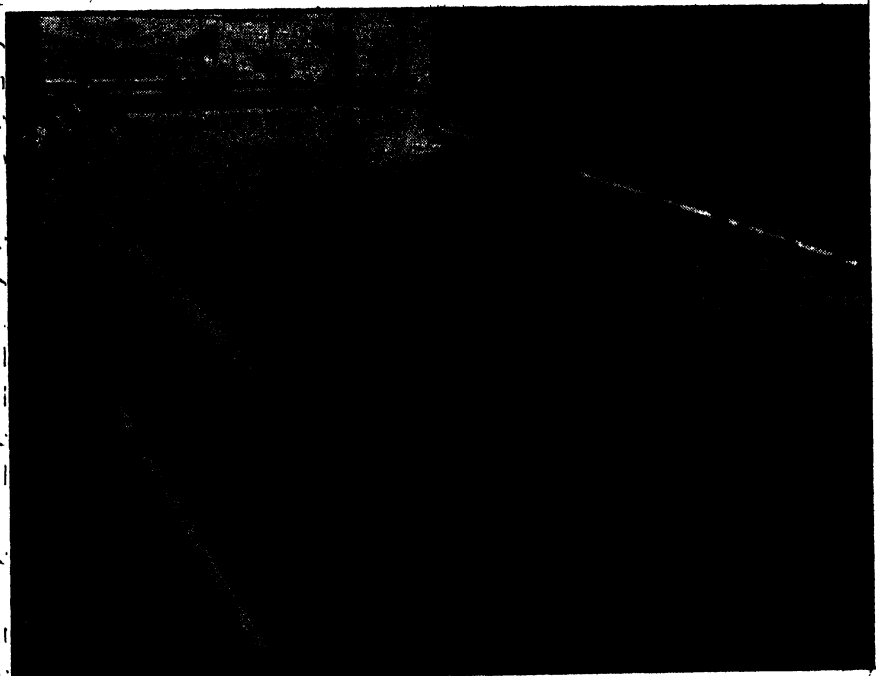
space. The basic principle that holds the country together is a political will to remain culturally independent, and not just a collection of peculiarities in the heart of Europe.

Much of 700-year-old Switzerland remains from early times, not just in museums and restored town centres, but also in the people themselves: in their reserved attitude towards the outside world, in their sobriety, and in their industriousness. This industriousness is often over estimated because, although in earlier times such diligence was vital in a country which possessed hardly any mineral resources, Switzerland's were today depends mainly on international trade relations. Many Swiss are no longer aware that only one hundred years ago thousands of people were forced to emigrate in order to feed themselves.

Schynige Platte

Swiss Confederation: The Swiss have repeatedly adopted their constitution in changing circumstances. Contemorary Switzerland is a league of democracies, otherwise known as cantons. Federal Government, cantons, communes - these are the three levels of the state. The canton is independent. It has its own constitution and a vote in certain governmental decisions. The Federal Government is the highest level of political rule. It helds a monopoly in the area of customs, postal services and telephones and has the right to issue banknotes.

The Federal Assembly or Parliament consists of two chambers, the National Council comprising of 200 representatives of the people and the States Council comprising 46 delegates from the Cantons.

equal rights is never disputed.

The Federal Constitution stipulates that German. French and Italian are Switzerlands official languages.. They enjoy equal status in Parliament, the federal administration and the army. In 1938 Romansh was declared the fourth ' national language', but it is not an official one.

The most recent census produced the following picture of how the language groups are divided: German 65% French 18.4%, Italjan 9.8% and Romansh 0.8%. Schools play a key role in bringing the languages closer together, for contonal- school regulations require that every child learn a second language from his or her seventh school year at the latest.

Cultural diversity: Switzerland's official title, the 'Swiss Confederation' (Latin: Confoederato Holvetica or CH for short), indicates that it is a union of individual allies and recalls the fact that Switzerland is not a homogeneous linguistic and cultural community. The Helvetians were among the Celtic tribes who inhabited the region of present-day Switzerland in Roman times, and numerous names of mountains, rivers and places are still reminiscent of the Helvetic and roman cultures that helped to shape the country. In later times now, younger peoples such as the Burgudians and Alemanni settled in what is now Switzerland. Ethnographically speaking, there is no Swiss people and no homogeneous Swiss nation. Nor can one talk about a Swiss culture, because various cultures came into contact with one another and even today still overlap. Switzerland has remained a mosaic of world and regional history, religions, languages and dialects, all confined in a very small

Climate: The climate of Switzerland is influenced by the ocean from the west, by the continental land mass from the east. Artic air flows to it from the north, warm and moist air from the south. A typical wind is a dry, warm katabatic wind knows as the ' fohn '. It blows down the Alpine valleys from time to time, putting the Swiss out of humour.

There is no all-Swiss climate. The topographical relief of the country is too varied to permit of such a thing. There are three main divisions: The Alps, the Swiss Plateau, the Jura. The Alps are formed of masses of granite and gneiss, of crystalline massifs and limestone, the Swiss plateau of Molasse strata, the Jura of Chalk. "The Swiss are proud to have made such fine mountains", said Ludwig Hohl, a writer living in Geneva.

Cities: Bern is the official capital of Switzerland, or as the swiss put up, the federal city. It is the seat of Government and administration, home of the diplomatic corps. Important cities of Switzerland with population (1990) are: Zurich 3,41,300 - Basel 1,71,000 Geneva 1,67,200 - Bern 1,34,600 - Lausanne 1,23,200 - Winterthur 86,700 and St. Gallen 73,400.

Languages: There are four languages spoken in Switzerland: German, French, Italian and Romansh. In Principal all four languages have equal rights. In practice, however, things sometimes work out rather differently and the smaller groups often have to struggle to assert their political and economic influence, although in purely cultural matters the ideal of

SWITZERLAND

The Land of Neutrality, Solidarity, Availability & Universality

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

Switzerland is a Republic, which is situated in the heart of Europe. With an

area of 41,293 Km. its population is 68,20,000. Out of this total population, the Swiss people are 56,20,000 and the remaining 12,00,000 are foreigners. The density is 165 persons per kilometres.

Two third of the country consists of snow-covered mountains, ice, rock, scree, forest and Alpine pastures. Only a quarter is arable, comprising the Swiss Plateau and parts of the Jura. This is where Swiss everyday life chiefly takes place. Geology decides the economy. There are 165 inhabitants to each square Kilometre, so that the population is dense. In theory Switzerland has only 11,680 square kilometres suitable for living on, and that is about quarter of the country's total area. Geographically speaking, Switzerland is a rather cramped country and is becoming more so as buildings advance. Statisticians estimate that in the last few years 20 to 30 square metres of ground has been built upon every minute.

The longest distance from North to south is 220 km and East to West is 348 Km. The highest point in Switzerland is Dufour peak (Monte Rosa) 4,634 metres and lowest point is Maggiore (Ticino) 193 metres. The major rivers are: Rhine, Rhone, Inn, Ticino, Aare, Reuss and Limmat. There are 1,848

lakes here.

دیا مرزا

لبیک اللهم لبیک، لبیک لا شریک لک لبیک
ان الحمد والنعمة لک والملک، لا شریک لک

Vol. 7. HYDERABAD Issue : 4 Rs.10/- شمارہ (4) جلد (7)

Editor: ZAHID ALI KHAN 16-28 February - 2002

Offices:

Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188

NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.

MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.

CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012

CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.

BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.

AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.

PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372

NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.

USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.

UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.

SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.

KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

21/2/2002

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہرلال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

تحویل مجرمین کا مسئلہ

ہندوستان اور پاکستان کے تعلقات کو خوشگوار بنانے دوستانہ روابط کو فروغ دینے میں صرف مسئلہ کشمیر ہی رکاوٹ نہیں ہے بلکہ دوسرے کئی متنازعہ مسائل ہیں جو تعلقات میں تلخیاں پیدا کرتے ہیں ۔ تازہ ترین تنازعہ تحویل مجرمین کے بین الاقوامی قانون کے تحت ہندوستان کی پولیس کو مطلوب مجرمین کی حوالگی کا ہے ۔ گزشتہ 20 سال سے جموں و کشمیر میں دہشت گردی کے واقعات کے بعد سے ہندوستان پاکستان میں پناہ لینے والے دہشت گردوں اور مجرمین کو حوالے کرنے کا مسلسل مطالبہ کرتا آرہا ہے ۔ گزشتہ سپٹمبر میں نیو یارک پر دہشت گردوں کے حملے اور ادارہ اقوام متحدہ میں انسداد دہشت گردی سے متعلق تاریخ ساز قرارداد 1373 کی منظوری کے بعد ہندوستان نے دہشت گردی اور بڑے پیمانے پر لاقانونیت کے لئے ذمہ دار افراد کو جنہوں نے پاکستان کو اپنی پناہ گاہ بنا رکھا ہے ۔ حوالے کردینے کا شدت سے مطالبہ شروع کیا ہے کیونکہ اقوام متحدہ کی قرارداد کے مطابق تمام رکن ممالک انسداد دہشت گردی کے اقدامات اور اس سلسلہ میں باہمی تعاون و اشتراک کے پابند ہیں ۔ حکومت ہند نے ایسے 20 دہشت گردوں اور مجرمین کی فہرست پیش کی ہے جو ہندوستان میں طیاروں کے اغواء ، دہشت گردی ، بم اندازی اور عام دہشت پھیلانے کی مختلف سنگین وارداتوں کے لئے ذمہ دار ہیں ۔ حکومت ہند نے ان ملزمین سے متعلق مکمل شہادتوں کے ساتھ پاکستانی حکومت سے مطالبہ کیا ہے کہ انہیں حکومت ہند کے حوالے کیا جائے تاکہ ان کے خلاف قانونی کارروائی کی جاسکے ۔ ہندوستان اب پاکستان سے کسی بھی قسم کے مذاکرات کے آغاز اور باہمی تعلقات کو بہتر بنانے کی سمت کسی اگلے اقدام سے قبل تحویل مجرمین کی کارروائی کی تکمیل کو لازمی قرار دے رہا ہے ۔ اس سلسلہ میں پاکستان کا موقف انتہائی مبہم اور متضاد قسم کا ہے ۔ جنرل پرویز مشرف نے اپنی 12 جنوری کی تاریخ ساز تقریر میں جو کہ پاکستان کی موجودہ حکومت کا پالیسی بیان تھا ، تحویل مجرمین کے لئے ہندوستان کے مطالبہ کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ پاکستان دہشت گردی کے انسداد کے مقصد سے مجرمین کے خلاف کارروائی کا پابند ہے ۔ ہندوستان کو مطلوب اگر کوئی غیر پاکستانی ان کی سرزمین پر موجود ہو تو انہیں ہندوستان کے حوالے کیا جائے گا لیکن ہندوستان کی فہرست میں شامل مجرمین پاکستانی باشندے ہیں یا ان کے پاس پاکستانی پاسپورٹ ہوں ، ان کے خلاف پاکستان ہی میں قانونی کارروائی کی جائے گی ۔ انہیں کسی دوسرے ملک کے حوالے کرنے کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا ۔ حکومت پاکستان کا یہ موقف ہندوستان میں دہشت گردی کے لئے ذمہ دار افراد کی پاسبانی کے مترادف ثابت ہورہا ہے ۔ بیشتر مجرمین نے کسی نہ کسی طرح پاکستانی پاسپورٹ حاصل کرلئے ہیں اور اب وہ پاکستانی شہری کی طرح عرب ممالک اور دوسرے ممالک میں مقیم ہیں یا سیر و تفریح میں مصروف ہیں ۔ گزشتہ ہفتہ متحدہ عرب امارات کی حکومت نے ہندوستان کو مطلوب ایک دہشت گرد آفتاب انصاری کو دوبئی میں گرفتاری کے بعد ہندوستانی حکام کے حوالے کردیا ۔ امارات کی حکومت نے اس سلسلہ میں طولانی پیچیدہ قانونی مراحل کو بالائے طاق رکھتے ہوئے انتہائی جرات اور معقولیت پسندی کا ثبوت دیا ہے اور ساری دنیا پر یہ واضح کردیا ہے کہ متحدہ عرب امارات اب دہشت گردوں اور مجرمین کی پناہ گاہ نہیں بن سکے گا ۔ آفتاب انصاری کولکتہ کے امریکن سنٹر پر حالیہ حملہ کے علاوہ دہشت گردی کے کئی اہم اور بھیانک واقعات میں ملوث رہا ہے ۔ بتایا جاتا ہیکہ نیو یارک کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کی سازش میں بھی اس کا اہم رول رہا ہے ۔ اسی دوران پاکستانی پولیس نے ایک اور دہشت گرد عمر شیخ کو لاہور میں گرفتار کیا ہے ۔ اس پر ایک امریکی صحیفہ نگار ڈانیل پرل کے اغواء کا الزام ہے ۔ صدر مشرف کے صدر بش سے مذاکرات کے لئے واشنگٹن کی روانگی سے ایک دن قبل عمر شیخ کو گرفتار کیا گیا ۔ شاید پاکستان صدر بش کو اس بات کا قائل کرانے کی کوشش کررہا ہے کہ دہشت گردوں کے خلاف موثر کارروائی کا سلسلہ شروع ہوچکا ہے ۔

عمر شیخ ہندوستان کو مطلوب دہشت گردوں کی فہرست میں شامل ہے ۔ عمر شیخ ان 3 دہشت گردوں میں شامل ہے جس میں ڈسمبر 1999ء میں انڈین ایر لائینز کے طیارہ کے اغواء کے بعد طیارہ کے مسافرین کے بدلے ان دہشت گردوں کو رہا کیا گیا تھا ۔ عمر شیخ 1994ء میں 4 دہشت گردوں کے اغواء کے سلسلہ میں بھی گرفتار ہوا تھا اور اس نے تہار جیل میں چند سال گزارے ۔ رہائی کے بعد عمر شیخ جیش محمد کے بانیوں میں شامل ہوگیا تھا ۔

حکومت ہند فطری طور پر یہ مطالبہ کرے گی کہ جس طرح حکومت متحدہ عرب امارات نے آفتاب انصاری کو حوالے کیا ہے ، حکومت پاکستان بھی معقولیت پسندی سے کام لیتے ہوئے عمر شیخ اور دیگر دہشت پسندوں کو حوالے کردے کیونکہ حکومت پاکستان اقوام متحدہ میں منظورہ قرارداد کے لحاظ سے وہ اس کے لئے پابند ہے ۔ اس قسم کے خیرسگالی اقدامات سے دونوں ملکوں کے درمیان بہتر تعلقات استوار کرنے کی راہیں ہموار ہوسکیں گی ۔

زاہد علی خان

مولانا رضوان القاسمی

اسلام کی بنیادیں!

کلمہ شہادت:

لا اله الا الله محمد رسول الله

کہنا اس بات کا اقرار کرنا ہیکہ آدمی صرف اللہ کو اپنا سب کچھ بنائے گا اور اپنی زندگی میں پوری طرح پیغمبر خدا کی تعلیمات کی پابندی کرے گی۔ اب جو شخص کلمہ پڑھنے کے باوجود اپنی سوچ اور اپنی توجہ کا مرکز خدا کے سواء دوسری چیزوں کو بنائے اور اپنی زبان اور اپنے ہاتھ پاؤں کو رسولؐ کے طریقہ کا پابند نہ کرے اس کا کلمہ پڑھنا محض فرضی تھا۔ اس کا کلمہ پڑھنا ایسا ہی تھا جیسے کوئی شخص زبان سے کہے کہ میں مسجد جارہا ہوں ، حالانکہ وہ عملاً کلب کی طرف جارہا ہے تاکہ وہاں کلب کے ممبروں کے ساتھ تفریح کرے۔

نماز:

نماز آدمی کو اللہ سے ڈرنے والا بناتی ہے ، نماز اس لئے فرض کی گئی ہے کہ وہ آدمی کو متواضع بنائے اور اس کو بری باتوں سے روکے ، اب جو شخص نماز پڑھنے کے بعد بھی متکبر بنا رہا ہے اور بری باتوں کو چھوڑنے پر راضی نہ ہو ، اس نے صرف نماز کی شکل کو لیا اور اس کی روح کو چھوڑ دیا اس کی مثال ایسی ہے جیسے کوئی بھوکا آدمی برتن چبا جائے مگر برتن کے کھانے میں منہ نہ ڈالے۔

روزہ:

روزہ اس بات کا ایک سالانہ سبق ہے کہ آدمی خدا کی منع کی ہوئی چیزوں سے بچ کر زندگی گزارے ، ایسی حالت میں جو شخص کھانے پینے کا روزہ رکھے اور حسد اور بغض اور جھوٹ اور بے انصافی کو نہ چھوڑے اس نے روزہ رکھ کر بھی روزہ نہیں رکھا۔ اس نے گویا خدا کی جائز کی ہوئی چیزوں سے روزہ رکھا اور خدا کی حرام کی ہوئی چیزوں کو بدستور کھاتا رہا۔

زکوٰۃ:

زکوٰۃ کا مقصد آدمی کے دل کو حرص اور بخل اور تنگ ظرفی سے پاک کرنا ہے اور ایک آدمی کو دوسرے آدمی کا خیر خواہ بنانا ہے۔ زکوٰۃ کا پیغام یہ ہے کہ تم دوسروں سے بے تعلق نہ رہو بلکہ ان کے معاملات میں ان کے مددگار بنو ، اب اگر زکوٰۃ دینے کے بعد بھی آدمی کے دل سے خود غرضی اور تنگ ظرفی ختم نہ ہو ، وہ بدستور اپنے بھائی کا بدخواہ بنا رہا ہے تو گویا کہ اس نے زکوٰۃ نہیں دی بلکہ زکوٰۃ کے نام پر محض ایک قسم کا ٹیکس ادا کیا۔

حج:

حج خدا کی طرف سفر ہے ، حج آدمی کو اس دن کی یاد دلاتا ہے جب کہ وہ دنیا سے نکل کر آخرت کی طرف چلا جائے گا ، اب اگر حج کرنے کے بعد بھی آدمی دنیا کی مصلحتیں ، دنیا کے فائدے ، دنیا کے تقاضے ، اس کی دلچسپیوں کا مرکز بنے رہیں تو اس نے حج کے نام پر ایک دنیوی سیاحت کی نہ کہ خدا کی طرف سفر جس کے بعد آدمی ہمہ تن اللہ والا ہوجاتا ہے۔

چند دعائیں

حفاظت:

گھر سے باہر نکلتے وقت یا سفر میں جاتے وقت بسم اللہ الرحمن الرحیم۔ **بسم الله توکلت علی الله علی کل حال** پڑھیں ، اللہ تعالی حفاظت فرمائیں گے۔

عافیت:

طلوع آفتاب کے وقت سورہ **قل یا ایھا الکافرون** پڑھیں ، اس کے پڑھنے سے ثواب تو ہوگا ہی مگر اسکے ساتھ انشاء اللہ آپ کا دن بخیر گزرے گا اور دنیا کے شر سے آپ محفوظ رہیں گے۔

دشمنوں سے نجات:

ہر نماز کے بعد (۲۱) بار صرف اتنی آیت **والله یعصمک من الناس** پڑھا کریں ، اللہ کریم دشمنوں سے محفوظ رکھے گا۔

چوروں سے محفوظ رہنے کی تدبیر:

نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ جو شخص سورہ بنی اسرائیل (۱۵پ) کی آخری دو آیتیں " **قل ادعوا الله اواد عوا الرحمن ایا ما تدعوافله الاسماء الحسنی ولاتجھر بصلوتک ولا تخافت بھا وابتغ بین ذلک سبنیلا و قل الحمدلله الذی لم یتخذولد اولم یکن له شریک فی الملک ولم یکن له ولیء من الذل و کبره تکبیرا** " اکثر اوقات جو گھر میں پڑھتا رہے گا اس کے گھر میں چور نقصان نہ کرسکیں گے۔

حسب خواہش بیداری کیلئے:

مسند دارمی میں حضورؐ کا ارشاد ہیکہ سوتے وقت سورہ کہف (۱۶پ) کی آخری تین آیتیں **ان الذین امنوا تاختم سورۃ** احدا پڑھ کر دعا کریں کہ یا اللہ ان آیات کی برکت سے مجھے فلاں وقت (۲ بجے یا ۳ بجے وغیرہ) بیدار کردیجئے۔ انشاء اللہ جس وقت کی نیت کریں گے اسی متعینہ وقت پر آنکھ کھل جائے گی۔ نیز بعض بزرگوں نے یہ بھی لکھا ہے کہ نیک شخص اتنا ہی کہدے یا اللہ مجھے (اپنا نام لے) جگادیجئے ، انشاء اللہ اس وقت وہ جاگ جائے گا۔

مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن

(سورہ یوسف)

(ہ) لیکن یہ معاملہ کتنا ہی عجیب معلوم ہوتا ہو اور کیسی ہی عجیب حالتوں میں پیش آیا ہو ۔ قرآن کہتا ہے کہ قوانین الہی کے قدرتی نتائج کا ظہور تھا اور حقیقت شناسیوں کے لئے اس میں کوئی اچنبھے کی بات نہیں یہ سب کچھ ٹھیک اسی طرح ہوا جس طرح آگ کے جلانے سے گرمی نکلے یا پانی پینے سے پیاس بجھ جائے ۔ کیوں کہ اللہ نے اشیاء کی طرح اعمال کے بھی خواص و نتائج ٹھیرا دئے ہیں اور جب کبھی ایک خاص طرح کا عمل وجود میں آتا ہے ایک خاص طرح کا نتیجہ بھی ضرور ظہور میں آجاتا ہے ۔ یہاں ہر گوشے میں علت کے ساتھ معلول کا دامن باندھ دیا گیا ہے ۔ بھائیوں نے جو کچھ یوسفؑ کے ساتھ کیا وہ اس کے سوا کیا تھا کہ ایک خاص طرح کا انسانی عمل تھا اور جب خاص طرح کا عمل تھا تو خاص طرح کا نتیجہ نکلنا ہی تھا اور نتیجہ نکلا ۔ حضرت یوسفؑ زندگی کی مختلف آزمائشوں میں جو کچھ کرتے رہے اس کی حقیقت بھی اس کے سوا کیا تھی کہ ایک خاص سیرت کے خاص اعمال تھے ۔ اور جب اعمال تھے تو ضروری تھی کہ جیسے کچھ اعمال ہوں ویسا ہی نتیجہ بھی نکلے اور ویسا ہی نتیجہ نکلتا رہا ۔ اسی طرح سرگذشت کی تمام سیرتوں پر نظر ڈالو ۔ ہر سیرت ایک خاص طرح کے عمل میں لگی ہوئی ہے اور ہر عمل ایک خاص طرح کا نتیجہ تیار کر رہا ہے ۔ سب نے اپنے اپنے بیج بوئے تھے ۔ اس لئے سب کو اپنے اپنے پھل ملنے تھے اور سب نے اپنے اپنے پھل پالئے ۔ پس جہاں تک اعمال و نتائج کا تعلق ہے ۔ یہ تاریخ انسانیت کا کوئی مستثنیٰ حادثہ نہ تھا ۔ بلکہ سنت الہی کی وہی کارفرمائی تھی جو ہمیشہ سے کارفرما ہے اور ہمیشہ کارفرما رہے گی ۔ جب کبھی ایسے احوال و ظروف میں ایسے اعمال ظہور پذیر ہوں گے ضروری ہے کہ اسی طرح کے نتائج بھی ظہور میں آئیں : " سنته الله فى الذين خلوا من قبل، ولن تجد لسنته الله تبديلا " (۳۳ : ۶۲)

بلاشبہ حوادث کی نوعیت عجیب تھی اور نتائج بھی عجیب طرح کے نکلے ۔ لیکن سنت الہی کی کرشمہ سازیوں کا تو ہمیشہ ایسا ہی حال رہتا ہے ۔ وہ اپنی کسی بات میں عجیب نہیں ؟ وہ تو سر تا سر معجزہ ہے ۔ تم جب چاہو اپنے حسن عمل کی قوت سے ہر طرح کے کرشمے اور اچنبھے پیدا کر دے سکتے ہو ۔ لیکن مشکل یہ ہے کہ تم چاہتے ہی نہیں اور اسی لئے قانون عمل کے کرشمے تم پر کھلتے بھی نہیں ۔ دنیا میں یوسفؑ کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ گزری ۔ لیکن یوسفؑ کے حسن عمل کی سرگذشت ایک ہی مرتبہ کے لئے نہ تھی ۔ بلاشبہ مصر کا بازار اب باقی نہیں رہا ۔ لیکن دنیا کا بازار کس نے بند کیا ہے ؟ آج بھی جس کا جی چاہے شان یوسفیت پیدا کر کے دیکھ لے ۔ دنیا کے تخت عظمت و جلال اس کا استقبال کرتے ہیں یا نہیں :

نیست در ہیچ سرے خواہش سودا ورنہ
این زماں ہم بجہاں یوسف و بازارے ہست (۵۲)

یہی وجہ ہے کہ سورت میں جا بجا اس حقیقت کی طرف اشارت کئے گئے کہ ارباب دانش کے لئے اس میں عبرتیں ہیں ۔ موعظتیں ہیں ۔ نشانیاں ہیں ۔ سرگذشت کی ابتدا ہی اس اعلان سے ہوتی ہے کہ " لقد كان فى يوسف واخوته آيت للسائلين " (آیت ۷) پھر خاتمہ بھی اسی پر ہوتا ہے کہ " لقد كان فى قصصهم عبرة لاولى الالباب " (آیت ۱۱۱) نیز جا بجا اہم واقعات کے ظہور کے بعد وضاحت کر دی ہے کہ " كذلك تجزى المحسنين " (آیت ۲۲) " انه لا يفلح الظلمون " (آیت ۲۳) " انه من يتق ويصبر فان الله لا يضيع اجر المحسنين " (آیت ۹۰) یعنی یہ سب کچھ جو ظہور میں آیا عمل کا نتیجہ ہے ۔ بدلا ہے ۔ مکافات ہے ۔ اور جب نتیجہ ہے تو ضروری ہے کہ ہمیشہ کام کرنے والوں کو ملے ۔ حسد و بغض کا نتیجہ وہی ہے جو بھائیوں نے پایا ۔ راست بازی اور نیک عملی کا نتیجہ وہی ہے جو حضرت یوسفؑ کو ملا ۔ صبر جمیل کبھی اس نتیجے سے محروم نہیں رہ سکتا جو حضرت یعقوبؑ کے حصے میں آیا تھا ۔ معصیت کے بیج سے ہمیشہ وہی پھل پیدا ہوگا جو امراۃ العزیز کو نصیب ہوا تھا ۔ جھوٹ کتنا ہی سوچ سمجھ کر بنایا گیا ہو سچ نہیں ہو جا سکتا ۔ سچ کتنے ہی ناموافق حالات میں اپنے کو پلائے لیکن جھوٹ نہیں ہو جا سکتا ۔ علم و فضیلت ہر حال میں ایک حکمراں قوت ہے ۔ سب کو اس کے آگے جھکنا پڑے گا ۔ حسن عمل ہر حال میں ایک فتح مند حقیقت ہے ۔ سب کو اس کا لوہا ماننا پڑے گا ۔

(و) سرگذشت کی اصلی عبرت اس کی خاص خاص شخصیتیں ہیں اور ضروری ہے انھیں اچھی طرح پہچان لیا جائے ۔

سب سے پہلے حضرت یعقوب (علیہ السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے ۔ اس میں درد و غم کی انتہا ہے ۔ مگر ساتھ صبر اور یقین کی روح بھی چھائی ہوئی ہے ۔ اور اس طرح چھائی ہوئی ہے کہ معلوم ہوتا ہے درد و غم کے طوفان اٹھ رہے ہیں لیکن صبر و یقین سے ٹکرا کر رہ جاتے ہیں ۔ اس پر غالب نہیں آسکتے ۔ اور یہی صورت حال اس سیرت مقدس کا اسوہ حسنہ ہے ۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت یہ ہے کہ وہ داستان سرائی نہیں کرتا ۔ ایک دو لفظوں کے اندر سب کچھ کہہ دیا کرتا ہے ۔ پس غور کرو ! صورت حال کے یہ تینوں عنصر کس طرح اپنی انتہائی اور کامل صورتوں میں نمایاں ہوئے ہیں ؟ درد و غم کی شدت جب نمایاں ہوتی ہے تو معلوم ہوتا ہے آتش فراق کے شعلوں کا دھواں آنسو بن کر آنکھوں سے بے اختیار بہہ رہا ہے ۔ (۵۴) آنکھوں کا یہ حال ہے کہ شدت گریہ وزاری سے بے نور ہو گئی ہیں : " وتولى عنهم وقال يا اسفى على يوسف وابيضت عينه من الحزن فهو كظيم " (آیت ۸۴) اور یہ حالت ایک دن کی حالت نہ تھی بلکہ اس مدت فراق کی ہر صبح اور ہر شام اسی عالم میں بسر ہوئی تھی : " قالو تالله تفتؤا تذكر يوسف حتى تكون حرضا او تكون من الهلكين " (آیت ۸۵)

یذکرنی طلوع الشمس صخرا
واذکرہ لکل غروب شمس (۵۵)

لیکن پھر جب یقین کی روشنی چمکتی ہے تو اس کی نمود کا یہ حال ہے کہ دنیا کے سارے سہارے جواب دے چکے ہیں، امید کے سارے رشتے یک قلم ٹوٹ چکے ہیں، ہر طرف سے صدا اٹھ رہی ہے کہ یوسفؑ کی اب کوئی امید نہیں۔ لیکن ان کے دل کے ایک ایک ریشے کی صدا یہ ہے کہ "انما اشکوا بثی و حزنی الی اللہ واعلم من اللہ مالاتعلمون" (آیت ۸۶) اور "اذھبوا فتحسسوا من یوسف واخیہ ولا تایئسوا من روح اللہ" (آیت ۸۷) حتیٰ کہ ہر زبان جھٹلا رہی ہے اور ہر نگاہ دیوانہ سمجھ رہی ہے۔ لیکن ان کی زبان سے بے اختیار نکل رہا ہے "انی لاجد ریح یوسف" (آیت ۹۴) مجھے یوسف کی مہک آرہی ہے

تفاوت است میان شنیدن من و تو
تو بستن در و من فتح باب می شنوم

پھر دیکھو! جب صبر کا مقام نمایاں ہوتا ہے تو اس کی مضبوطی کیسی غیر متزلزل، کیسی اٹل ہے! جب یوسفؑ کے فراق کا داغ لگا تو اس وقت بھی زبان سے یہی نکلا کہ "بل سولت لکم انفسکم امرا، فصبر جمیل، واللہ المستعان علی ماتصفون" (آیت ۱۸) اور پھر جب بن یمین کی جدائی کی خبر سنی تو اس وقت بھی اس کے سوا کچھ زبان سے نہ نکلا کہ "فصبر جمیل، عسی اللہ ان یاتینی بھم جمیعا، انہ ھو العلیم الحکیم" (آیت ۸۳)۔ پھر باوجودیکہ بے خبر نہ تھے، علم و یقین کے ساتھ سمجھ چکے تھے کہ یوسفؑ کے خلاف سازش کی گئی ہے۔ لیکن پوری سرگزشت میں کہیں کوئی اشارہ اس کا نہیں ملتا کہ دو باتوں سے زیادہ اس باب میں کچھ زبان سے نکلا ہو؛ ایک یہ تو "بل سولت لکم انفسکم امرا" اور دوسرا وہ جو اس وقت زبان سے نکل گیا جب بھائیوں نے بن یمین کو ساتھ لے جانا چاہا: "ھل امنکم علیہ الا کما امنتکم علی اخیہ من قبل" (آیت ۶۴) اور ان دو جملوں میں بھی نہ تو ملامت کی سختی ہے نہ شکایت کی تیزی، بلکہ صورت حال کی ایسی تعبیر ہے جس سے زیادہ نرم اور دھیمی تعبیر ہو ہی نہیں سکتی۔ پہلے جملے میں صرف اس کا اظہار تھا کہ جو بات کہہ رہے ہو اصلیت اس کے خلاف ہے لیکن خیر! صبر کے سوا چارہ نہیں۔ دوسرے میں صرف پہلے واقعہ کا نتیجہ یاد دلایا ہے۔ کسی طرح کا الزام نہیں دیا ہے۔ یعنی مجھے بھروسا کرنے کے لئے کہتے ہو۔ لیکن اگر بھروسا کروں تو کیا اسی طرح کروں جس طرح پہلے کرچکا ہوں اور اس کا جو نتیجہ نکل چکا ہے تمہیں معلوم ہے!

اتنا ہی نہیں، بلکہ اگر غور کیا جائے تو پہلے جملے کا اسلوب ایسا واقع ہوا ہے کہ سرزنش سے کہیں زیادہ رحم و تاسف پر مبنی ہے اور مخاطبوں کے لئے ایک طرح کی معذرت کا پہلو پیدا کررہا ہے۔ یعنی یہ نہیں فرمایا کہ تم جھوٹ بول رہے ہو یا تم نے یوسفؑ کے خلاف سازش کی ہے۔ بلکہ کہا: تمہارے جی نے تمہارے لئے ایک بات بنادی ہے اور اسے تمہارے خیال میں خوش نما دکھادیا ہے۔ کیوں کہ "تسویل" کے معنی یہ ہیں کہ کسی بات کا جما دینا، خوش نما بنا کر دکھا دینا اور اس کے لئے طمع و خواہش کا پیدا ہوجانا پس گویا یہ ایک ہم درد دل کا تاسف تھا کہ افسوس! تم نفس کے دام میں پھنس گئے اور اس کے دھوکے سے بچ نہ سکے۔ پھر ساتھ ہی ان کے اس طرز عمل کے لئے معذرت کے پہلو کا بھی اعتراف ہے کہ طمع نفس میں آکر ایسا کر بیٹھے ہو اور انسان نفس کے ہاتھوں بے بس ہوجاتا ہے!

ایک ایسے صدمہ جاں کاہ میں جیسا کہ حضرت یعقوبؑ کو ناگہاں پہنچا تھا اور کسی طرح کی بات کا زبان پر نہ آنا صرف اسی جملے کا نکلنا صبر کا کیسا عظیم الشان مظاہرہ ہے! یہ ممکن ہے کہ صدمے کے فوری تاثر کے بعد ایک ضابط اور متحمل آدمی اپنے دل و زبان کی نگرانی کرلے۔ لیکن عین اس وقت جب صدمے کی پہلی چوٹ لگ رہی ہو اور دل کی بے تابیاں بے اختیار زبان کی طرف اٹھنے لگی ہوں، ممکن نہیں کہ دل و زبان کی نگہداشت کی جاسکے۔ ضابطہ سے ضابطہ دل بھی اس عالم میں چیخ اٹھتا ہے۔ مضبوط سے مضبوط طبیعتیں بھی بے اختیار متزلزل ہوجاتی ہیں۔ لیکن حضرت یعقوبؑ کا مقام صبر ایسا نہ تھا جو کسی حال میں بھی متزلزل ہوسکے۔ اس عالم میں بھی زبان کھلتی ہے تو ایسا سنبھلا ہوا جملہ نکلتا ہے گویا بے حالی و جاں کاہی کا کوئی معاملہ پیش ہی نہیں آیا ہے!

یہی وہ صبر ہے جسے "صبر جمیل" فرمایا۔

بظاہر خیال ہوتا ہے کہ یہ تینوں باتیں بیک وقت جمع نہیں ہوسکتیں۔ اگر صبر کامل ہے تو پھر درد و غم کی شدتیں کیوں ہوں؟ اور اگر یقین موجود تھا تو درد و غم کو محو ہوجانا چاہئے تھا۔ یہی وجہ ہے کہ بعض مفسرین نے اس مقام میں مشکلات محسوس کیں اور طرح طرح کی توجیہوں کی جستجو میں نکلے۔ لیکن اگر دقت نظر سے کام لیا جائے تو معاملہ بالکل واضح ہے اور کسی ایسی توجیہ کی ضرورت نہیں۔ جو بتکلف پیدا کی جائے۔ یہ ظاہر ہے کہ حضرت یعقوبؑ کا مقام صبر کا مقام تھا اور صبر جبھی ہوسکتا ہے جب بے صبری کے اسباب موجود ہوں اور زیادہ سے زیادہ موجود ہوں۔ اگر درد و غم کی ٹیسیں نہیں اٹھ رہی ہیں تو تم کیسے کہہ سکتے ہو کہ جھیلنے اور اف نہ کرنے کی حالت موجود ہے؟ جھیلنا تو اسی کا جھیلنا ہوگا جو برابر آگ کی جلن محسوس کررہا ہو۔ لیکن پھر بھی زبان سے اف نہ نکالے۔ اگر حضرت یعقوبؑ کا درد و غم اس طرح محو ہوجاتا کہ اس کی جلن باقی ہی نہ رہتی یا رہتی تو بہت دبی دبائی رہتی تو یہ مقام صبر کا مقام نہ ہوتا، موجبات غم سے متاثر نہ ہونے کا مقام ہوتا۔ اور ایسی حالت یا تو فرشتوں کی سی مخلوق کی ہوسکتی ہے یا ایسے انسان کی جس کے احساسات یک قلم معطل ہوچکے ہیں۔ لیکن حضرت یعقوبؑ انسان تھے فرشتہ نہ تھے اور اسی حیثیت سے قرآن نے ان کا اسوہ حسنہ پیش کیا ہے۔ ان کی روح صبر و یقین سے معمور تھی۔ وہ یوسفؑ کے خواب میں اس کا مستقبل دیکھ چکے تھے۔ وہ جانتے تھے کہ کسی نہ کسی دن یہ جدائی ختم ہونے والی ہے۔ تاہم دل کے ہاتھوں مجبور تھے۔ جس کی جدائی ایک گھڑی کے لئے شاق تھی وہ برسوں کے لئے ان سے جدا ہوگیا تھا۔ یہ جاننے پر بھی کہ وہ زندہ و سلامت موجود ہے، اس کے فراق کا زخم بھر نہیں سکتا تھا۔ بلکہ اس بات کے تصور نے کہ وہ زندہ و موجود ہے مگر مجھ سے دور ہے، درد فراق کی چبھن اور زیادہ کردی تھی۔

بلاے ہجر دارد انتظار پیر کنعانی
کے داند کہ چوں یوسف عزیزے در سفر دارد

فی الحقیقت اس صورت حال کی ساری عظمت اسی میں ہے کہ یہ ایک ماوراء انسانیت سیرت نمودار نہیں کرتی، بلکہ (۵۶) ایک کامل

انسانی سیرت سامنے لا کھڑا کرتی ہے دل آتش فراق میں پھنکا جارہا ہے اور ہزار کوشش کی جائے لیکن یہ آگ اس طرح بجھنے والی نہیں، لیکن ساتھ ہی روح ایمان ویقین سے معمور ہے اور دماغ صبر جمیل کا عزم کرچکا ہے ۔پس غم کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے ۔صبر ویقین کو دیکھا جائے تو وہ اپنی جگہ ہے ۔اگر دل اپنی بے قراریوں میں کبھی کمی نہیں کرتا تو دماغ بھی اپنے شیوہ صبر و رضا میں کبھی متزلزل نہیں ہوسکتا۔ کبھی کبھی ایسا بھی ہوتا ہے کہ دل کی بے تابیاں حد سے گزر جاتی ہیں اور " یا اسفی علی یوسف " بے اختیار زبان سے نکل جاتا ہے ۔ لیکن یہ بھی نکلتا ہے تو کس کے آگے نکلتا ہے ؟ اس کے آگے جس کے آگے اپنا درد و غم پیش نہ کیجئے تو یہ بھی شان عبودیت کے خلاف ہے :

" انما اشکوا ثبی و حزنی الی اللہ و اعلم من اللہ مالاتعلمون " (آیت ۸۶)

مکن تغافل ازین بیشتر کہ می ترسم
گمان برند کہ این بندہ بے خداوند است

(ز) پھر حضرت یعقوبؑ کے بعد حضرت یوسف (علیہما السلام) کی شخصیت نمایاں ہوتی ہے اور یہی سرگذشت کی اصلی شخصیت ہے ۔یہاں پہنچتے ہی ایک خاص حقیقت کی جلوہ نمائی شروع ہوجاتی ہے اور جس جس رخ سے دیکھئے اور جہاں کہیں دیکھئے اسی کی نمود سامنے آتی رہتی ہے ۔ یعنی انسان کی سیرت (کیریکٹر Character) کی فضیلت اور اس فضیلت کی اٹل کامرانیاں ۔ان کی سیرت کا مطالعہ ہمیں بتلاتا ہے کہ انسانی زندگی کی سب سے بڑی قوت اس کی سیرت کی فضیلت ہے اور اگر یہ فضیلت موجود ہو تو پھر اس کے لئے فتح و کامرانی کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا ۔ دنیا کی ساری رکاوٹیں اس کی راہ روک لیں جب بھی وہ اپنی راہ نکال لے گا ۔دنیا کے سارے سمندر اور پہاڑ اس کی راہ میں حائل ہوجائیں جب بھی اس کی رفتار نہیں رکے گی ۔ حوادث و وقائع اس پر قابو نہیں پاسکتے ۔ احوال و ظروف اس پر غالب نہیں آسکتے ۔ افراد و جماعات کی کوششیں اسے مسخر نہیں کرسکتیں ۔اس کے لئے ہر حال میں کامرانی ہے اس کے لئے ہر گوشے میں فتح مندی ہے ۔اس کے لئے ہر طاقت پر فرماں روائی ہے ۔ وہ اعمال و نتائج کی اس امتحان گاہ میں صرف اسی لئے ہے کہ سربلند ہو ، عجز و درماندگی کی آلودگی کبھی اسے چھو نہیں سکتی !

سترہ برس کا ایک کم سن لڑکا باپ کی آغوش محبت سے جبرا چھین لیا جاتا ہے اور اچانک اپنے آپ کو کن لوگوں میں پاتا ہے ؟ ان میں جو چند سکوں کے بدلے اسے غلام بنا کر بیچ رہے ہیں ۔ دنیا کی بے شمار انسانی طبیعتیں ایسی حالت میں کیا کرتیں ؟ مگر غور کرو اس نے کیا کیا ؟ اچانک ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے ایک تجربہ کار دانش مند کی طرح اس نے صورت حال کا پورا جائزہ لے لیا ہو اور پھر فیصلہ کرلیا ہو کہ جو حالت بھی پیش آجائے اسے صبر و سکون کے ساتھ جھیل لینا چاہئے اور اسی کے مطابق کام کئے جانا چاہئے ۔قافلے والوں نے اسے غلام کی حیثیت میں پیش کیا ، وہ ایک غلام کی طرح پیش ہوگیا ۔ عزیز مصر نے غلام کی طرح خرید لیا ، اس نے غلام کی طرح اس کی خدمت شروع کردی اور اس کے ساتھ اسی طرح پیش آیا جس طرح ایک اطاعت شعار اور وفادار غلام کو اپنے آقا کے ساتھ پیش آنا چاہئے ۔ کہیں سے بھی کوئی ایسی بات ٹپکتی نہیں کہ ایسا کرنے میں اسے کوئی تامل ہوا ہو ۔گویا ناگہانی مصیبت جو ہزاروں لاکھوں انسانوں کے لئے پوری زندگی کی سوگواری بن جاتی اس کے لئے کوئی مصیبت ہی نہ تھی ۔ باپ کی آغوش محبت سے نکل کر اچانک ایک اجنبی ملک میں ایک اجنبی غلام بن جانا اس کے لئے ایسی ہی بات ہوئی جیسے اپنی مرضی سے زندگی کا ایک عیش چھوڑ کر دوسرا عیش اختیار کرلینا ، نہ پچھلی حالت کا ماتم ہے ، نہ موجودہ حالت سے جھجک ، نہ گزشتہ کی یاد میں سوگواری ہوئی نہ آئندہ کے اندیشے میں بے حالی ۔ اس عازم اور بے پروا ملاح کی طرح جسے نہ تو کنارے چھوٹنے کا غم ستاتا ہے نہ آنے والے طوفان کا اندیشہ ، اس نے اپنی کشتی چلانی شروع کردی اور دیکھو ! بالآخر ساحل مقصود تک پہنچ کر رہی ۔ حوادث و انقلاب کے ترکش میں اس سے بڑھ کر اور کون تیر ہوسکتا ہے جو اس پر چلایا گیا تھا ؟ لیکن اس کے صبر و عزم نے اسے پر کاہ کے برابر بھی نہ سمجھا اور اس طرح بے داغ نکل گیا گویا گردش حوادث کا ہاتھ اس کے خلاف اٹھا ہی نہ تھا ،

چیں بر جبیں ز جنبش ہر خس نمی رسد
دریا دلاں چو موج گہر آرمیدہ اند

غور کرو ! ہر اس انسان کے لئے جو دنیا کی مصیبتوں اور ناموافقتوں میں اپنی راہ نکالنا چاہتا ہو ، اس معاملے میں کیسی عظیم الشان عبرت ہے ! اگر حضرت یوسفؑ نے مصائب و محن کی پہلی ہی منزل میں صبر ، عزم ، اعتماد نفس اور توکل علی اللہ کی یہ روح عظیم اپنے اندر نہ پیدا کرلی ہوتی تو کیا ممکن تھا کہ اس منزل مقصود تک پہنچ سکتے جو بالآخر ان کی منزل مقصود ثابت ہوئی ؟

پھر دیکھو ! زمانے کی گردشیں کس طرح آزمائشوں پر آزمائشیں پیدا کرتی رہیں اور ان کی غیر متزلزل اور بے داغ سیرت کس طرح فتح مندیاں حاصل کرتی گئی ؟

سب سے پہلے عزیز مصر کے ساتھ ان کا معاملہ سامنے آتا ہے ، اس نے بحیثیت غلام کے انھیں خرید لیا تھا اور مصر کے آثار و نقوش ہمیں بتلا رہے ہیں کہ مصریوں کا سلوک غلاموں کے ساتھ کیسا ہوا کرتا تھا ۔ وہ غلاموں کے لئے اتنے ہی سنگدل تھے جتنی سنگ دل دنیا کے تمام پرانی قومیں رہ چکی ہیں ۔ تاہم انھوں نے تھوڑے ہی عرصے کے اندر اپنے حسن سیرت سے اس کا دل ایسا مسخر کرلیا کہ غلامی کی جگہ آقائی کرنے لگے اور اس نے اپنی بیوی سے کہا : " اکرمی مثوئہ عسی ان ینفعنا او نتخذہ ولدا " (آیت ۲۱)

غور کرو ! یہ انقلاب حال کیوں کر پیدا ہوا ہوگا ! وہ کیسی وفاداری و دیانت اور راست بازی و امانت شعاری ہوگی جس نے ایک مصری امیر کو اس درجہ متاثر کردیا کہ ایک عبرانی غلام کو اپنے فرزند کی طرح چاہنے لگا اور اپنے تمام گھربار اور علاقے کا مختار کل بنادیا !

پھر امراۃ العزیز کا معاملہ رونما ہوتا ہے ۔ پچھلی آزمائش ذہن و دماغ کی آزمائش تھی یہ جذبات کی تھی اور انسان کے لئے سب سے بڑی آزمائش جذبات ہی کی آزمائش ہوتی ہے وہ سمندر کی موجوں سے ہراساں نہیں ہوتا ، پہاڑ کی چٹانوں سے نہیں گھبراتا ، آسمان کی بجلیوں سے نہیں لرزتا ، درندوں کے مقابلے سے منہ نہیں موڑتا ،

تلواروں کے سایے میں کھیلنے لگتا ہے ۔ لیکن نفس کی ایک چھوٹی سی ترغیب اور جذبات کی ایک ادنی سی کشش کا بھی مقابلہ نہیں کرسکتا ۔ لیکن حضرت یوسفؑ کی سیرت کی چٹان یہاں بھی متزلزل نہ ہوسکی ۔ ان کی بے داغ فضیلت پر نفس انسانی کا سب سے بڑا فتنہ بھی دھبا نہ لگاسکا۔

قرآن کی معجزانہ بلاغت نے چند لفظوں کے اندر صور تحال کی پوری تصویر کھینچ دی ہے اور اگر ان اشاروں کو تشریح و بیان کا پورا جامہ پہنایا جائے تو کئی صفحوں کی داستان بن جائے ۔ تم چشم تصور سے کام لو اور دیکھو! ترغیبات کی قہر و سلطانی کا کیا حال تھا اور عیش نفس کی یہ دعوت کیسے شکیب آزما سامانوں اور صبر ربا حالتوں کے ساتھ پیش آئی تھی ! عمر عین عروج شباب کی عمر اور معاملہ محبت کا نہیں محبوبیت کا ۔ طلب کا نہیں مطلوبیت کا ! پھر طلب بھی ہوئی تو کیسی طلب ! دیوانگی کی طلب اور دل باختگی کا تعاقب ! پھر سب سے بڑھ کر یہ کہ موانع بکلی مرتفع ہوگئے ۔ کوئی انسانی آنکھ دیکھنے والی نہیں ۔ کوئی پردہ حجاب حائل نہیں۔ کون ہے جو ایسی حالت میں بھی اپنے آپ کو قابو میں رکھ سکتا ہے ؟ عفت و پاکی کا کونسا پہاڑ ہے جو ان بجلیوں کی تاب لاسکتا ہے ؟ لیکن ایک پہاڑ تھا جسے یہ بجلیاں بھی نہ ہلاسکیں ، یہ حضرت یوسفؑ کی سیرت تھی جو کسی حال میں بھی متزلزل نہیں ہوسکتی تھی ۔ خود امراۃ العزیز کے لفظوں میں (اور اس سے بڑھ کر اس معاملے کا کون شاہد ہوسکتا ہے) " ولقد راودته عن نفسه فاستعصم " (آیت ۳۲) وہ اس حال میں بھی اپنی جگہ سے بے جگہ نہ ہوا ۔ اس کو عصمت کے لئے ذرا سی بھی جنبش نہ تھی!

پھر دیکھو ! امراۃ العزیز کی دعوت عیش کے جواب میں جو کچھ ان کی زبان سے نکلا وہ کیا تھا ؟ " معاذ الله انه ربي احسن مثواى " (آیت ۲۳) تیرا شوہر میرا آقا ہے ۔ اس نے مجھ پر اعتماد کیا ، عزت و احترام کے ساتھ رکھا ، پھر یہ کیسے ہوسکتا ہے کہ اس کے حسن سلوک کا بدلا میں یہ دوں کہ اس کی امانت میں خیانت کرنے لگوں ۔ غور کرو ! یہ برائی ایسی برائی تھی کہ اسے برائی دکھلانے کے لئے کتنی ہی باتیں کہی جاسکتی تھیں ۔ لیکن ان کا ذہن اسی بات کی طرف گیا اور اسی کو قرآن نے بھی نمایاں کرکے دکھایا ۔ اس سے معلوم ہوا کہ ان کی سیرت کا اصلی جوہر یہیں ڈھونڈھنا چاہئے ۔ امانت داری ۔ راست بازی اور اداء فرض کی روح اس طرح ان پر چھائی ہوئی تھی کہ ہر موقع پر سب سے پہلے وہی سامنے آتی تھی۔

پھر اس کے بعد لائمات کا معاملہ پیش آتا ہے ۔ اب صرف ایک امراۃ العزیز ہی کا فتنہ نہ تھا ۔ دارالحکومت مصر کے تمام فتنہ گران حسن جمع ہوگئے تھے کہ ان کی متاع ضبط و تحمل کی غارت گریوں میں حصہ لیں ؛

واے بر صید کہ یک باشند و صیادے چند

مگر یہاں بھی کیسا نتیجہ نکلا ؟ " وقلن حاش لله ماهذا بشرا ، ان هذا الا ملك كريم " (آیت ۳۱)

ہزار دام سے نکلا ہوں ایک جنبش میں
جسے غرور ہو آئے کرے شکار مجھے

پھر دیکھو! راست بازی و حق پرستی کی آزمائش نے اچانک کیسی صورت اختیار کرلی! دنیا میں انسانوں کو سزائیں اس لئے بھگتنی پڑتی ہیں کہ جرم و معصیت سے اپنے کو نہیں روک سکتے ۔ لیکن اب حضرت یوسفؑ کے سامنے قید کی سزا اس لئے لائی جارہی ہے کہ جرم و معصیت سے کیوں اپنے آپ کو روک رہے ہیں ۔ لوگوں کو قید و بند کی مصیبت اس لئے برداشت کرنی پڑتی ہے کہ عیش حیات ڈھونڈھتے ہیں اور جب نہیں ملتا تو جبرا لینا چاہتے ہیں ۔ لیکن حضرت یوسفؑ کو اس لئے قید خانے کی دھمکی دی جارہی ہے کہ عیش حیات نے اپنی ساری دل فریبیوں اور رعنائیوں کے ساتھ انھیں دعوت دی ، انھوں نے اس سے منہ موڑلیا!

یہ حضرت یوسفؑ کی سیرت کا سب سے زیادہ عظیم الشان مظاہرہ ہے ۔ یہ عشق حق کا نمونہ ہے ۔ یہ پرستاری صدق کا دستور العمل ہے ، یہ ایمان کامل کا معیار ہے ۔ جب ان کے سامنے دو باتیں پیش کی گئیں ؛ زندگی کا عیش مگر معصیت حق کی راہ میں ، زندگی کے شدائد مگر راست بازی کی راہ میں تو ان کا فیصلہ قطعی اور بغیر کسی تامل کے یہ تھا کہ " السجن احب الى مما يدعونني اليه " (آیت ۳۳) قید خانہ مجھے محبوب ہے ، مگر وہ بات نہیں جس کی مجھے دعوت دی جارہی ہے۔

ہمارے مفسرین لکھتے ہیں کہ یہ حضرت یوسف کی بدشگونی تھی کہ خود قید خانے کی بات بول اٹھے ۔ اگر جلدی میں آکر ایسا نہ کہہ دیتے تو یہ ابتلاء پیش نہ آتی ۔ افسوس ، کس درجہ حقیقت فراموشی ہے ! حضرت یوسفؑ کی جو بات ان کی پاکی و عظمت کا سب سے بڑا جوہر تھی وہی ان حقیقت نا آشناؤں کی نظر میں ان کی لغزش ہوگئی ۔ گویا حضرت یوسفؑ کا قید خانے کو معصیت پر ترجیح دینا اور اسے خوشی خوشی اختیار کرلینا ، کوئی ایسی بات تھی جو نہ ہونی چاہئے تھی اور صرف اس لئے ہوگئی کہ حضرت یوسفؑ نے بدشگونی کی بات کہہ دی تھی ۔ غور کرو ! قرآن کہاں ہے اور اس کے شارح کہاں پہنچ گئے ہیں!

نزلوا بمكة في قبائل هاشم
ونزلت بالبيداء ابعد منزل

پھر دیکھو ! حضرت یوسفؑ کی یہی سیرت ہے جو قید خانے کی تنگ و تاریک کوٹھری کو بھی اسی طرح روشن کردیتی ہے جس طرح عزیز مصر کے ایوان عزت و اقبال کو اس نے روشن کردیا تھا ۔ کیوں کہ چراغ جہاں کہیں بھی رکھ دیا جائے روشنی ہی دے گا اور ہیرے کی چمک اس سے کم نہیں ہوجائے گی کہ جواہر خانہ شاہی میں رہنے کی جگہ کوڑے کرکٹ میں ڈال دیا گیا ۔ تورات کی تصریح پڑھ چکے ہو کہ قید خانے کا افسر ان کا معتقد ہوگیا تھا اور قید خانے میں انھیں کی افسری قائم ہوگئی تھی۔

پھر دیکھو ! عین قید خانے کی زندگی میں دعوت حق کا داعیہ ان کے قلب مبارک میں اٹھتا ہے ۔ اس وقت تک انھوں نے مصر میں دین حق کی تبلیغ نہیں کی تھی اگرچہ خود اسی پر قائم تھے ، لیکن اب وقت آگیا تھا کہ خاندانی نبوت کا ان میں ظہور ہو ، چنانچہ اسی کا نتیجہ ہے کہ اب یکایک اپنے قلب کو ولولہ تبلیغ سے معمور پایا ۔ لیکن یہاں کون تھا جو اس تبلیغ کا مخاطب ہوتا ؟ صرف قید خانے کے چند ساتھی تھے جو طرح طرح کے جرموں کی پاداش میں یہاں پہنچادئے گئے تھے مگر غور کرو ! انھوں نے رہائی کا انتظار نہیں کیا ۔ انھیں قیدیوں میں تبلیغ حق شروع کردی اور اب مصر کا قید خانہ دعوت حق کی تعلیم و تربیت کی ایک درس گاہ بن گیا۔

..... سلسلہ جاری ہے

حج ... عبادت خاص۔ فریضہ دین۔ رکن اسلام

ڈاکٹر سید محمد حمید الدین شرفی

حج اسلام کے پانچ احکام میں پانچواں اور بنیادی فرائض میں چوتھا فریضہ ہے۔ حج شرط استطاعت کے ساتھ تمام عمر میں ایک بار فرض ہے۔ حج کی فرضیت نصوص قطعی سے ثابت ہے حج کی عمر بھر میں ایک بار صاحب استطاعت پر فرضیت کا انکار کفر ہے۔ " وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا "۔ " اور اللہ کے لئے لوگوں پر بیت اللہ کا حج ہے جو (وہاں تک پہنچنے) راستہ کی استطاعت رکھتے ہیں " (ق سورہ ۳ آیت ۹۷) یوں بھی فرمایا ہے " واتموا الحج والعمرۃ للہ "۔ " اور پورا کرو حج و عمرہ اللہ تعالی کے لئے " (ق سورہ ۲ آیت ۱۹۶) قرآن پاک میں متعدد مقامات لفظاً حج " آیا ہے۔ متعلقات اور احکام، شعائر و مناسک کے بارے میں کئی جگہوں پر علحدہ و تفصیلات ملتی ہیں۔ علاوہ ازیں مختلف آیات میں مسجد حرام کا ذکر ہے۔ حج کے لغوی معنی قصد و ارادہ اور زیارت کے ہیں۔ حج عبدیت کے کمال کا آئینہ دار ہے۔ حج وہ عبادت خاص ہے جس میں عبد عاجز اپنے معبود و مالک کے ارشاد کی تعمیل میں وہ تمام مخصوص اعمال انجام دیتا ہے جو مختص جگہوں، مخصوص اوقات اور خاص لباس سے متعلق ہیں۔ بندہ اپنے مزاج، پسند، حیثیت اور مرضی سے دست بردار ہوکر اپنے خالق و مالک کی خوشنودی چاہتا ہے یہی تو عبدیت کی سعادت ہے۔ اصطلاح شریعت مطہرہ میں احرام، وقوف عرفات اور طواف زیارت کو حج سے موسوم کیا جاتا ہے۔ مسلمانوں پر سنہ ۹ ہجری میں حج فرض ہوا حالانکہ عرب صد قدیم سے حج کیا کرتے تھے مگر ان کے پاس حج ایک سالانہ میلہ یا تجارتی موقع بن گیا تھا عبادت کا کوئی پہلو باقی نہ رہا تھا یا عبادت کا تصور اس قدر مدھم پڑگیا تھا کہ ان کے پاس اس کا کوئی اثر نظر نہیں آتا تھا دور دور سے آنے والے محض تفریحاً آتے اور چلے جاتے۔ شعراء اور خطباء اپنے اپنے کمالات فن اور فخر و مباہات کے ذریعہ مرعوب کیا کرتے ان کی فصاحت و بلاغت داد تحسین یا دوسری طرف تجارت زوروں پر ہوتی۔ ان ہی سرگرمیوں اور ہنگاموں کے ساتھ ایام حج گزر جاتے اور بیت اللہ شریف حاضری اور عبادت کا بنیادی مقصد

دبا جاتا۔ جب کہ یہ ارشاد باری تعالی ہے کہ حج اور عمرہ کرو محض عبادت الہی کے لئے اور صرف اللہ کی رضا کے حصول کے لئے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ حج پورے احکام شرائط، آداب و احترام اور خلوص و حسن نیت کے ساتھ ادا کرو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور اس میں ارشاد فرمایا " اے لوگو! تم پر حج فرض کیا گیا لہذا حج کرو "۔ ایک شخص نے عرض کیا " کیا ہر سال یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم)؟ "۔ حضور اقدس صلی اللہ علیہ وسلم نے سکوت فرمایا۔ اس شخص نے تین مرتبہ ایسا ہی دریافت کیا، لیکن ہر بار رسول اللہ علی اللہ علیہ وسلم خاموش رہے۔ آخر کار یوں ارشاد فرمایا " اگر میں ہاں کہہ دیتا تو تم پر (ہر سال) واجب ہوجاتا اور تم سے یہ نہ ہوسکتا۔ جب تک میں کسی بات کو بیان نہ کروں تم مجھ سے سوال نہ کرو۔ اگلے لوگ کثرت سوال اور انبیاء کرام کی مخالفت سے ہلاک ہوتے۔ لہذا جب میں کسی بات کا حکم دوں تو جہاں تک ہوسکے اسے بجا لاؤ اور جب میں کسی بات سے منع کروں تو اسے چھوڑ دو " (صحیح مسلم شریف) فرمایا " جس شخص کو زاد راہ اور سواری کی مقدرت ہو جو اس کو خانہ کعبہ تک پہنچا سکے اور پھر ایسا شخص حج نہ کرے تو خدا کو اس کی کچھ پرواہ نہیں ہے کہ ایسا شخص یہودی یا نصرانی ہوکر مرے " (ترمذی) حضرت اقرع بن حابس رضی اللہ عنہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ " حج ہر سال (فرض ہوتا ہے) یا (عمر بھر میں) ایک دفعہ؟ "۔ آپ نے فرمایا " (ہر سال فرض نہیں ہوتا) بلکہ (عمر بھر میں) ایک ہی مرتبہ (فرض ہے) اور جو شخص ایک سے زیادہ حج کرے وہ نفل ہوگا " (ابو داؤد) فرمایا " جس شخص کا حج کا ارادہ ہو اس کو جلدی کرنا چاہئے (ایسا نہ ہو کہ مرجائے یا مفلس ہوجائے) "۔ صرورہ " ایسے شخص کو کہتے ہیں جس نے حج نہیں
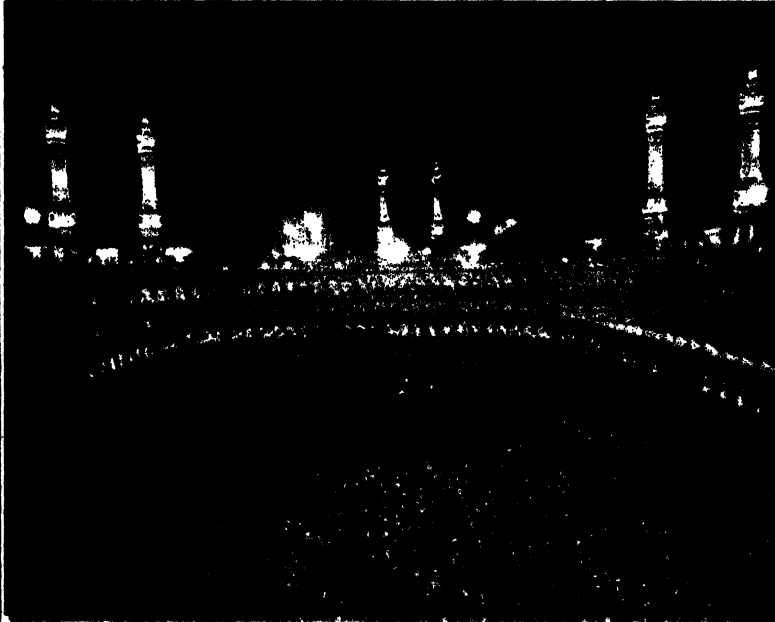
کیا مرد ہو یا عورت " (ابو داؤد) ۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عمرہ کی نسبت دریافت کیا گیا کہ " کیا (عمرہ) واجب ہے ؟ " ۔ آپ نے فرمایا کہ " نہیں ، اور اگر تم عمرہ کرو تو بہتر اور افضل ہے واجب نہیں ہے " (ترمذی) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما عمرہ کو واجب فرماتے تھے (ترمذی) حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ فرماتے تھے کہ اگر لوگوں کو ہرج نہ ہوتا تو میں یہی کہتا کہ عمرہ واجب ہے ، لیکن چوں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کہ عمرہ واجب نہیں ہے ، اس لئے میں عمرہ کو واجب قرار نہیں دیتا ۔ (زرین)

فریضہ حج نہایت بابرکت ، اللہ تعالی کا پسندیدہ اور خالص عبادت ہے ۔ حج ہر مسلمان (خواہ مرد ہو یا عورت) ، عاقل (مجنون دیوانہ پاگل کے لئے نہیں) ، بالغ (نابالغ پر فرض نہیں لیکن اگر نابالغ حج کرے تو وہ نفل حج ہو گا) ، آزاد (غلام پر فرض نہیں اگر وہ اپنے مولی کے ساتھ حج کرے تو بجائے فرض کے نفل ادا ہو گا) ، تندرست (اپاہج ، فالج زدہ ، پاؤں کٹے ہوئے اور انتہائی ناتواں ضعیف پر فرض نہیں ۔ اسی طرح نابینا پر بھی واجب نہیں تاہم اگر کرلے تو ادا ہوجائے گا) ، مستطیع (حاجت اصلیہ سے اتنا زائد مال رکھنے والا جو اخراجات حج ، کرایہ آمد و رفت ، خورد و نوش کے علاوہ اہل و عیال کے نفقہ کے لئے مال رکھتا ہو) پر فرض ہے ۔ خاص عورتوں کے لئے چند خاص شرائط ہیں یعنی عورت (جوان ہو یا بوڑھی) کے ساتھ شوہر یا محرم (جس سے ہمیشہ کے لئے نکاح حرام ہو) کا ہونا و نیز عورت کا عدت وفات یا عدت طلاق میں نہ ہونا ضروری ہے ۔ اس ضمن میں یاد رہے کہ بعض مقامی یا ملکی قوانین مثلاً چنگی ، ٹیکس ، کسٹم ، ٹیکہ ، فوٹو ، پاسپورٹ یا شناختی کارڈ کا لزوم ترک حج کے لئے عذر نہیں ہیں ، ان پابندیوں کے باوجود حج فرض ہے ۔

حج کے فرائض میں احرام داخل ہے جس کے بغیر حج نہیں ہوتا ۔ اسی طرح حج کے لئے جو زمانہ مقرر ہے اسی میں حج ہو گا اس سے پہلے یا بعد افعال حج نہیں جیسے طواف قدوم و سعی حج کے مہینوں سے پہلے نہیں ، یونہی عرفات کا وقوف نویں ذی الحجہ کے زوال سے پہلے یا دسویں ذی الحجہ کی صبح ہونے کے بعد نہیں ہوسکتا اور طواف زیارت دسویں ذی الحجہ سے پہلے نہیں ۔ طواف کے لئے مخصوص جگہ یعنی خانہ کعبہ کے اطراف مطاف مسجد حرام شریف ہے ، وقوف کے مکان عرفات اور مزدلفہ ہیں ، کنکری مارنے کی جگہ منی اور قربانی کا محل منحر ہے ۔ احرام کے بعد اور وقوف سے پہلے قربت نہیں۔

احرام : (یہ شرط ہے) کے بشمول فرائض حج تین ہیں ۔ دوسرا فرض وقوف عرفات ہے (وقوف کا وقت نویں ذی الحجہ کے زوال آفتاب سے دسویں ذی الحجہ کے صبح صادق سے پہلے تک کسی بھی وقت میدان عرفات میں ٹھہرنا) ۔ تیسرا فرض طواف زیارت ہے (دسویں ذی الحجہ کو رمی ، قربانی اور حلق یا قصر کے بعد سے طواف زیارت کا وقت ہے) وقوف اور طواف زیارت جسے طواف افاضہ بھی کہتے ہیں حج کے ارکان ہیں ، ان فرائض سے متعلق امور بھی بمنزلہ فرض ہیں یعنی نیت حج ، ترتیب یعنی ہر فرض کا اپنے وقت پر ہونا مثلاً پہلے احرام باندھنا ، پھر وقوف اور پھر طواف زیارت ، اسی طرح مقامات کا التزام یعنی وقوف کے لئے عرفات اور طواف کے لئے مسجد حرام۔

واجبات حج : میں میقات سے احرام باندھنا ہے اگر میقات سے پہلے باندھ لیں تو بھی جائز ہے لیکن بغیر احرام کے میقات سے گزرنا نہیں ہے ۔ سعی کرنا ، یعنی صفا و مروہ کے درمیان دوڑنا ، سعی صفا سے شروع کرنا ، پیدل سعی کرنا ، سعی کا طواف کے بعد (کم از کم طواف کے چار پھیروں کے بعد ہی) کرنا ۔ عرفات میں غروب آفتاب تک ٹھہرنا (خواہ زوال آفتاب کے فوری بعد سے ٹھہرے یا کسی قدر دیر سے) وقوف میں رات کا کچھ حصہ آجانا ۔ مزدلفہ میں ٹھہرنا ، مزدلفہ پہنچ کر بوقت عشاء " مغرب اور عشاء " کی نمازیں ادا کرنا ۔ تینوں جمروں پر دسویں ، گیارہویں اور بارہویں ذی الحجہ کو رمی کرنا (کنکر مارنا) ، دسویں کو صرف " جمرۃ العقبہ " پر حلق (سر منڈانے) قصر (بال کترانے) سے پہلے اور گیارہویں اور بارہویں کو تینوں جمروں کی رمی کرنا ، ہر روز کی رمی اسی دن کرنا ۔ حلق (سر منڈانا) قصر (بال کترانا) خاص ایام نحر (قربانی کے ایام) اور حرم شریف (اگرچہ منی میں نہ ہو) میں ہونا ۔ قران یا تمتع والے کا قربانی کرنا جو ایام نحر اور حرم میں ہونا ، طواف افاضہ کا اکثر حصہ ایام نحر میں ہونا ، طواف حطیم کے باہر سے ہونا ، کعبہ معظمہ طواف کرنے والے کے بائیں جانب ہو ، طواف پاک اور باوضوء کرنا ، طواف کرتے وقت ستر چھپانا یا ستر کا چھپا ہونا ۔ رمی ذبح (قربانی) ، حلق یا قصر اور طواف میں ترتیب ۔ طواف رخصت ۔ احرام کے ممنوعات مثلاً سلا ہوا کپڑا پہننے ، منہ اور سر چھپانے سے بچنا ، واجب کے ترک سے دم لازم آتا ہے خواہ قصداً ، سہواً ، خطا و نسیان یا واجبات حج سے واقف ہو یا نہ ہو ۔ قصداً ترک واجب ہو تو گنہگار بھی ہے ۔ واجب کے ترک سے حج باطل نہیں ہوتا البتہ دم دینا ضروری ہوجاتا ہے تاہم بعض واجبات اس حکم سے مستثنی ہیں کہ جن کے ترک سے دم نہیں جیسے طواف کے بعد کی دو رکعتیں یا کسی عذر سے سر کا نہ منڈانا یا مغرب کی نماز عشاء تک مؤخر نہ کرنا یا کسی معتبر عذر کے باعث واجب کا ترک کہ جس کی شرع نے اجازت دی ہے اور کفارہ ساقط کردیا ہے ۔

طواف قدوم : یعنی میقات کے باہر سے آنے والے کا پہلا طواف (افراد اور قران والوں کے لئے) سنت ہے ۔ حجر اسود سے آغاز طواف سنت ہے یونہی طواف قدوم طواف فرض میں رمل کرنا ۔ صفا اور مروہ کے درمیان سبز علامات کے بیچ میں دوڑنا ۔ آٹھویں کی فجر کے بعد مکہ سے روانہ ہونا تاکہ منی میں پانچ نمازیں پڑھ لیں ۔ نویں ذی الحجہ کی رات منی میں گزارنا ۔ طلوع آفتاب کے بعد منی سے عرفات کو جانا ۔ وقوف عرفہ کے لئے غسل کرنا عرفات سے واپسی پر مزدلفہ میں شب بسری اور طلوع آفتاب سے قبل مزدلفہ سے منی روانگی ۔ گیارہویں اور بارہویں کی راتیں منی میں گزارنا وغیرہ حج کی سنتیں ہیں۔

حج کی تین قسمیں ہیں : " افراد ، قران " اور " تمتع " ۔ افراد میں حج کے لئے احرام باندھا جاتا ہے اس میں حج سے پہلے عمرہ نہیں ہے حج کے ختم ہونے تک محرم رہے گا۔

قران : میں اگرچہ کہ حج اور عمرہ کا احرام باندھا جاتا ہے لیکن عمرہ کی ادائیگی کے بعد بھی حلال نہیں ہوتے حج تک احرام کی حالت میں رہنا ہوتا ہے البتہ ضرورتا احرام تبدیل کیا جاسکتا ہے۔

تمتع : میں پہلے عمرہ کی نیت سے احرام باندھا جاتا ہے ۔ عمرہ کی ادائی کے بعد محرم حلال ہوجاتا ہے احرام کی جگہ معمول کا لباس زیب تن کرسکتا ہے اور احرام کی پابندیاں باقی نہیں رہتیں البتہ یوم ترویہ یعنی ۸ / ذی الحجہ کو حج کی نیت کے ساتھ احرام باندھا جاتا ہے جو حج کی تکمیل تک نہیں اترتا۔

میقات : یعنی مکہ معظمہ جانے والے کو جس مقام سے بغیر احرام جانا جائز نہیں اسے میقات کہتے ہیں ۔ میقات پانچ ہیں ۔ (۱) " ذوالحلیفہ " مدینہ منورہ والوں کے لئے میقات ہیں۔ (۲) " ذات عراق " اہل عراق کے لئے میقات ہے ۔ (۳) " جحفہ " شام والوں کی میقات ہے آج کل رابغ سے احرام باندھا جاتا ہے ۔ (۴) " قرن " یہ نجد والوں کی میقات ہے اور (۵) " یلملم " یمن والوں کی میقات ہے ۔ دنیا بھر کے مسلمان اور حجاج جس سمت سے آئیں ان کے لئے ان پانچ جگہوں یا ان کے محاذی حصے میقات ہیں۔

مذاہب عالم میں اسلام کی یہ خصوصیت ہے جس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد یعنی عبادات و معاملات کی اہمیت کو اجاگر کرتے ہوئے ساری انسانیت کے لئے ایک منضبط دستور اور بہترین ضابطہ حیات پیش فرمایا ہے ۔ نماز اور روزہ جیسی بدنی عبادات کے ساتھ زکوٰۃ اور حج جیسی مالی عبادات کا فرض کیا جانا اللہ تعالی کی حکمت بالغہ اور فضل و کرم ہے ۔ ان عبادات سے بندوں کا روحانی ارتقاء ہی نہیں بلکہ مادی فوائد کا سامان مقصود ہے ۔ نماز اور روزہ اصلاح نفس ، تزکیہ باطن اور تصفیہ قلب کے ساتھ ظاہر بدن کی درستگی و بہتری ، منظم اوقات اور حرکت و عمل کے موجب ہیں تو زکوٰۃ کے ذریعہ مال کی پاکیزگی ، حفاظت و ترقی کی ضمانت مل جاتی ہے علاوہ ازیں زکوٰۃ سی مالی عبادت کے ذریعہ سماج میں اعتدال و توازن کا قیام یقینی ہوجاتا ہے ۔ معاشرہ کا ایک خاص طبقہ جو مخصوص مقدار مال کا مالک ہو مقررہ شرح سے سماج کے ضرورت مند ، مستحق اور بے چارگان کی مالی اعانت کرتا ہے جو انسانیت کی اعلی قدر ، اخوت و غمگساری کی مؤثر علامت ہے ۔ اس وسیلہ سے بندہ ، بندوں کے کام آتا ہے لیکن اطاعت گزار بندوں کے اس عمل کو فرض عبادت کی حیثیت دے کر خالق کونین نے زکوٰۃ ادا کرنے والوں کو سند اطاعت عطاء فرما دی ہے ۔ اسی طرح استطاعت رکھنے والوں پر عمر بھر میں ایک بار خانہ کعبہ کا حج فرض کرکے جہاں مقصد عبادت کو پورا کیا ہے ، وہیں ایک خاص انداز سے مخلوق کی بھلائی ، آسودگی اور معاشی سرگرمیوں کے مثبت مواقع مہیا فرمادیئے گئے ہیں ۔ اگر عبادت حج کے ان گنت پہلوؤں پر نظر ڈالیں یا محض اقتصادی پہلو پر غور و خوض کیا جائے تو حج کی ادائیگی کے ذریعہ یہ مستطیع مؤمن جہاں فرض عبادت کی تکمیل کرتا ہے وہیں ایک منضبط ڈھنگ سے معاشرہ کے ایک بڑے طبقہ کی خاموش معاشی راحت رسانی کا کام انجام دیتا ہے ۔ لاکھوں حاجیوں کا دنیا کے چپے چپے سے حجاز مقدس تک سفر کرنا طالب توجہ ہے کہ اس وسیلہ سے وہ کتنے ہزاروں لوگوں کے لئے روزگار کی فراہمی کا خاموش کام کررہے ہوتے ہیں ۔ سواریوں ، سامان سفر ، لباس ، قیام و طعام ، حج کے دوران حمل و نقل ، منی و عرفات میں وقوف کے انتظامات ، مکہ مکرمہ سے مدینہ دورہ حاضری اور وطن واپسی تک قدم قدم پر جو مالی ایثار کیا جاتا ہے اس کے ذریعہ لاکھوں لوگوں کا سامان پرورش ہوتا ہے یہ عمیق حقیقت بادی النظر میں سمجھ میں نہیں آتی ۔ عید الفطر کے موقع پر صدقۃ فطر کے ذریعہ معاشرہ کا ایک بڑا طبقہ اپنے ضرورت مند دینی بھائیوں کے لئے اسباب راحت مہیا کرتا ہے تاکہ اس خوشی کے دن کوئی بھوکا اور حقیر نہ رہے ۔ خالق کونین نے صدقۃ فطر کو واجب کرکے امیروں کو غریبوں کے لئے ایثار کرنے کی توفیق عطاء فرمائی ہے تو یونہی عید الاضحی کے موقع پر قربانی کے وجوب کے باعث بالواسطہ یا بلا واسطہ معاشرہ کے ایک معتدبہ حصے کے لئے آسودگی اور معاشی منفعت کا بندوبست فرمادیا۔

قربانی خالص اللہ کے لئے ہے لیکن اس کی ادائیگی کے باعث ہزاروں لاکھوں بندے اپنی طرف سے اپنے معاشرہ کے بے شمار افراد کی بنیادی ضروریات کی تکمیل میں خاموش مددگار ثابت ہوتے ہیں ۔ ساری دنیا میں کی جانے والی قربانیوں سے قطع نظر اگر صرف حج کے موقع پر منی میں ہونے والی قربانیوں کا اندازہ کیا جائے تو سمجھا جاسکتا ہے کہ اتنی بڑی تعداد میں ذبح کئے جانے والے جانوروں کی نشو و نما ، پرورش ، انہیں مختلف جگہوں سے منی لائے جانے پھر قربانیوں کی شبانہ روز سرگرمیوں وغیرہ سے وابستہ ہزاروں لاکھوں افراد کے مستقل روزگار ہی نہیں بلکہ قربانی کے گوشت اور کھال سے پوری دنیا کے ضرورت مند ، غرباء ، مساکین اور مستحق مسلمانوں کی امداد کا سعودی پراجکٹ یقینا اسلام کے جامع ، مفید اور مؤثر اقتصادی تصور کی دلچسپ جھلک پیش کرتا ہے ۔

حج کے دوران ایک واجب کی اجتماعی افادیت کا یہ حال ہو تو پورے حج کی مبارک سرگرمیوں کا مجملہ روحانی و مادی فائدہ کا احساس و اندازہ کیا جاسکتا ہے ۔ حج فرض عبادت بھی ہے اور حق تعالی کی خاص رحمت بھی ہے ، جو شہور حرام میں یعنی حج کے مہینوں میں خاص مکہ مکرمہ و مدینہ منورہ کے ساتھ ساتھ تمام دنیا کے اہل ایمان پر اترتی ہے ۔ خلیل الرحمان حضرت ابراہیم علیہ السلام اور آپ کے جذبہ ایمان و اطاعت کاملہ کی یادگار جگہیں مقامات حج کے طور پر تعظیم و تکریم و تقدیس کے مراکز بن گئے ۔ خانہ کعبہ کی تعمیر ، طواف ، مقام ابراہیم ، چاہ زم زم ، صفا و مروہ کی مقدس پہاڑیاں ، منی کا قیام ، عرفات و مزدلفہ کا وقوف ، رمی جمار اور قربانی ، یہ سب کے سب ایک عبد پاکباز کے جذبہ عشق الہی ، اطاعت و خود سپردگی ، تسلیم و رضا ، ذکر و فکر ، عبادت و ریاضت اور راہ حق میں سب کچھ لٹا دینے یہانتک کہ اولاد کو قربان کردینے کے مظہر ہیں ، جنھیں خالق کونین نے بطور یادگار باقی رکھا ہے ۔ (اخذ و استفادہ : کتب احادیث ، تفاسیر ، کتب فقہ ، مسائل حج سے متعلق معتبر کتب ، مقالہ جات و مضامین وغیرہ)

☆☆☆☆☆

مولانا حمید الدین شرفی

مسجد حرام کی توسیع

قرآن مجید میں مسجد حرام کا ذکر ہے ۔ مسجد حرام یعنی عزت و حرمت والی مسجد ۔ مکہ مکرمہ کی وہ مسجد اعظم جس کے اندر بیت اللہ شریف یعنی خانہ کعبہ ہے ۔ حدیث شریف سے ثابت ہے کہ مسجد حرام زمین پر سب سے پہلی مسجد ہے جس کی حد مسعی تک ہے ۔ اس کی ابتدائی تعمیر بھی حضرت ابراہیم علیہ السلام کے ہاتھوں ہوئی اور کعبہ اور مطاف کے اطراف اس قسم کی کوئی عمارت موجود نہ تھی حتی کہ کوئی دیوار بھی بنی ہوئی نہیں تھی۔

زمانہ قدیم میں یہاں رات کے وقت بہ نظر احترام واکرام کعبہ کوئی ٹھہرتا نہ تھا اور نہ یہاں پختہ مکانات بنائے جاتے تھے ۔ سب سے پہلے قصی بن کلاب نے قریش کے متفرق قبائل کو جو مکانات بنانے کی اجازت دی خود قصی بن کلاب نے بھی اپنا مکان حد حرم سے قریب بنایا اور دیگر لوگوں کے گھر کعبۃ اللہ کے اطراف دائرہ کی شکل میں بنے اور ان کے درمیان طواف کرنے والوں کے لئے راستے چھوڑے گئے تھے ۔ ایک نظریہ یہ بھی ہے کہ موجودہ مطاف ، قصی بن کلاب کے وقت کے حرم کی نشاندہی کرتا ہے ۔ قصی بن

حضرت اسماعیل علیہ السلام اس مبارک کام میں معاون تھے ۔ صحن حرم میں خانہ کعبہ کے اطراف مطاف سے لگی ہوئی جملہ عمارت جو طویل و عریض دالانوں ، درجہ بہ درجہ کشادہ حصوں ، عظیم الشان ستونوں اور دو تین منزلہ دیدہ زیب اور وسیع گنجائش کے حامل طبقات پر مشتمل ہے وہ سب مسجد حرام ہی ہے ، جب کہ ابتدائی دور میں خانہ ایک جگہ نہ تھے صحرا ، پہاڑوں ، وادیوں اور غاروں وغیرہ میں رہا کرتے تھے انھیں وادی مکہ میں جمع کیا اور سب کو یہاں رہنے کے لئے مکانات کی جگہ دی اس بناء پر لوگ کعبہ معظمہ سے قرب کی برکتوں سے بہرہ مند ہونے کے لئے جوار کعبہ میں بسنے لگے ۔ قصی بن کلاب نے حرم شریف کی باضابطہ حد بندی کرکے اس کے اطراف لوگوں کو کلاب اور ان کے بعد کے دور میں جتنے مکانات اطراف کعبہ بنائے گئے تھے ان کی بلندی کعبہ معظمہ سے زیادہ نہ ہوتی تھی ۔ کفار مکہ کعبہ معظمہ کی عظمت کے پیش نظر مربع عمارت بھی تعمیر نہیں کرتے تھے ۔

ظہور اسلام کے وقت خانہ کعبہ اور مطاف کے اطراف کوئی دیوار نہ تھی ۔ فتح مکہ کے

وقت اور بعد میں مسلمان کعبہ کے اطراف صف بندی کرکے نماز ادا کرتے رہے۔ اس وقت حرم کو توسیع دینے کی کوئی خاص ضرورت محسوس نہیں کی گئی بلکہ خلیفہ اول حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے عہد مبارک میں بھی توسیع نہ ہوئی۔

توسیع حرم شریف بعہد خلیفہ دوم

امیر المومنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے امور خلافت کی بے پناہ مشغولیات کے باوجود حرم شریف کی توسیع کے کام کی طرف بھرپور توجہ فرمائی کیونکہ مسلمانوں کی کثرت کے سبب مسجد حرام کو وسعت دینا ناگزیر ہو گیا تھا۔ اسی دوران بارش کے سبب مکہ کی پہاڑوں سے اترنے والا پانی سیلاب کی شکل میں حرم میں جمع ہوکر شدید نقصانات کا سبب بنا۔ سنہ ۱۷ھ مطابق ۶۳۸ء میں امیر المومنین حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ عمرہ کے لئے مکہ مکرمہ آئے، آپ نے صورت حال پر نظر غائر ڈالی اور محسوس فرمایا کہ موسمی حالات کے علاوہ مصلیوں کی کثرت اور جگہ کی تنگی بہت بڑا مسئلہ بن گئی ہے۔ چنانچہ آپ نے توسیع کا ارادہ کرلیا اور اس کام کو سر انجام دینے کے لئے اطراف و اکناف کے مکانات قیمتاً خرید فرمائے اور انھیں منہدم کرکے شامل کیا۔ حرم کے اطراف ایک حفاظتی دیوار کی تعمیر کروائی اس میں داخلہ کے لئے دروازے لگوائے۔ اس توسیع کے باعث احاطہ حرم میں نمازیوں کے لئے بہت زیادہ گنجائش پیدا ہو گئی۔ یہ تاریخ حرم شریف کی پہلی توسیع تھی اور اس کا رقبہ ۲۰ فیصدی بڑھ گیا جو ۳۶۳ مربع میٹر تھا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ شریف اور حرم محترم کو سیلاب کے نقصانات سے محفوظ کرنے کے لئے مکہ کے اوپری حصہ میں ایک ڈیم کی تعمیر کا بھی حکم دیا اور بہاؤ کا رخ دوسری طرف موڑنے کے انتظامات کی ہدایات دیں، جس کی حسب ارشاد تعمیل ہوئی۔

توسیع حرم شریف بعہد خلیفہ سوم

پہلی توسیع کے نو سال بعد یعنی ۲۶ھ م ۶۴۶ء میں دوسری توسیع ہوئی۔ اس کا سبب تھا دن بہ دن مصلیوں کی تعداد میں اضافہ اور سالانہ حجاج کی آمد میں غیر معمولی زیادتی اور موجودہ جگہ کی تنگی۔ خلیفہ سوم حضرت امیر المومنین سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے دیوار حرم سے باہر مزید مکانات خریدے اور انھیں منہدم کرواکر شامل مسجد حرام کردیا۔ پہلی مرتبہ حرم شریف میں محرابیں بہ شکل قطار بنائی گئیں۔ حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ نے اپنی توسیع میں ۸۶۹ مربع میٹر کا اضافہ کرکے جملہ رقبہ ۴۳۸۲ مربع میٹر کردیا۔

تیسری توسیع بعہد حضرت عبد اللہ بن زبیر

توسیع عثمانی کے ۳۹ سال بعد حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے کعبۃ اللہ کی تعمیر جدید کے ساتھ ساتھ مسجد حرام کی اس زمانے کے اعلی تعمیری معیار کے مطابق توسیع کا کام انجام دیا۔ انھوں نے سنگ مرمر کے ستون بنائے اور مسجد حرام کو مسقف کیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ نے پہلی مرتبہ مطاف کو سنگی فرش سے آراستہ کیا۔ انھوں نے مسجد حرام سے متصل دار ارزق اور دیگر کئی مکانات خرید کر داخل مسجد کیا۔ حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی توسیع کا کام سنہ ۶۵ھ میں ہوا۔

بعہد عبد الملک بن مروان تجدید و مرمت

حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ اور اموی افواج میں محاربہ اور حرم شریف کے محاصرہ کے دوران مسجد حرام اور خانہ کعبہ کو جو شدید نقصانات ہوئے اس کی تلافی کے لئے عبد الملک بن مروان نے متاثرہ حصوں کی مرمت اور حسب ضرورت جدید تعمیر کے احکام دیئے۔ دیواروں اور چھت میں چوبی کام کیا گیا۔ ساج کی لکڑی اور قیمتی اشیاء تعمیر سے مسجد حرام کے ستون اور چھت کو آراستہ کیا گیا۔ ہر ستون پر ۵۰ مثقال سونے سے ملمع کیا گیا تاہم اس نے رقبہ میں کوئی اضافہ نہیں کیا۔ یہ کام سنہ ۷۵ھ م ۶۹۴ء میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔

توسیعی کام بعہد الولید بن عبد الملک

الولید بن عبد الملک نے اپنے توسیعی کام کے ضمن میں مسجد حرام کے رقبہ میں ۲۸۰۵.۰۴ مربع میٹر کا اضافہ کرکے جملہ رقبہ کو ۱۰۲۷۰ میٹر تک بڑھا دیا۔ اس نے اپنے والد کے بنا کردہ حصوں کو گرا کر ایک نہایت مستحکم عمارت تعمیر کی۔ اس نے مصر و شام سے سنگ مرمر کے ستون منگوائے منقش ساگوان کی لکڑی چھت میں لگائی ستونوں پر خالص سونے کے پتر چڑھائے۔ زمین حرم کو سرخ سبز اور سفید سنگ مرمر سے مزین کیا۔ یہ کام سنہ ۹۱ھ م ۷۰۹ء میں ہوا۔

توسیعی کام بعہد ابو جعفر المنصور

الولید کی توسیعات کے ۴۴ سال بعد جب کہ بنو عباس تخت خلافت پر فائز ہوئے تو سنہ ۱۳۷ھ م ۷۵۴ء میں ابو جعفر المنصور نے فریضہ حج ادا کیا اور اس وقت اس نے حجاج کی کثرت کو دیکھ کر حرم شریف کی توسیع کا ارادہ کرلیا۔ اس نے ۵۲۲۱ مربع میٹر کا اضافہ کیا جس کے باعث حرم کا جملہ رقبہ ۱۵۴۹۱ مربع میٹر ہو گیا۔ المنصور کا توسیعی کام شمال اور جنوب کی طرف ہوا تھا، اس نے ایک منار شمال مغربی کونے پر تعمیر کیا۔

توسیعی کام بعہد محمد المہدی عباسی

خلیفہ المہدی عباسی نے اپنے توسیعی کام میں ۱۲۵۱۲ مربع میٹر کا اضافہ کرکے مسجد حرام کے رقبہ کو ۲۸۰۰۳ مربع میٹر تک بڑھا دیا۔ مہدی کا توسیعی کام دو مراحل میں ہوا۔ پہلا مرحلہ ۱۶۰ھ میں اور دوسرا ۱۶۸ھ میں شروع ہوا۔ مسجد حرام کی عمارت کو وسیع پیمانے پر مربع شکل دی گئی، پانچ نئے دروازے لگائے گئے۔ تعمیر میں شامی ستون استعمال کئے گئے۔ دوسرے تعمیری مرحلہ کی تکمیل سے پہلے ہی مہدی نے وفات پائی۔ اس کے فرزند موسی الہادی نے زیر تکمیل کام کو جاری رکھا۔ مہدی کی توسیعات تاحال کی گئیں جملہ توسیعات میں سب سے بڑی اور وسیع تر تھیں۔ مسجد حرام کی عمارت میں ۴۸۴ مرمری ستون

لگائے گئے جن میں ہر ایک کھمبا ۸ء۰۴ میٹر بلند تھا اور ۱ء۴۴ میٹر گولائی لئے ہوئے تھا۔ دیواروں کی بلندی ۹ء۰۶ میٹر تھی۔ جملہ تعمیری خرچ ۴۵۰۸۵۰ دینار آیا۔

راہداری، ابواب کی تعمیر اور ضروری حصوں پر ساج کی لکڑی کا چھت۔

توسیع بعہد خلیفہ المقتدر

البیباق الظاہری تھا۔ ۸۸۲ھ میں سلطان قیتبائی نے مسجد حرام سے متصل مدارس کی مرمت کروائی جہاں چاروں مسالک کے علماء و طلبہ کو درس فقہ دیا کرتے تھے۔ قیتبائی نے کئی

توسیع و مرمت بعہد خلیفہ المعتمد

مسجد حرام سے متصل بیت زبیدہ بنت جعفر بن المنصور کے بکھر جانے کے سبب عمارت حرم کی چھت کا ایک حصہ اور دو ستون متاثر ہوئے۔ گورنر مکہ ابو احمد جعفر کی توجہ دہانی پر خلیفہ المعتمد نے فوراً مرمت و توسیع کا فرمان جاری کیا۔ چنانچہ تعمیل ارشاد میں شایان شان مرمتی کام انجام پایا۔ یہ واقعہ ۲۷۶ھ کا ہے۔

توسیع بعہد خلیفہ المعتضد

۲۸۱ھ سے ۲۸۴ھ تک خلیفہ المعتضد کے عہد میں توسیع کا کام ہوا۔ مسجد سے متصل

۳۰۶ھ میں خلیفہ المقتدر نے باب ابراہیم کی توسیع کی، اس نے ملکہ زبیدہ کے دو مکانات شامل مسجد حرام کئے۔ یہ عباسی خلفاء کے توسیعی کاموں میں آخری کام تھا۔

مسجد حرام اور مملوک حکمراں

مملوکوں نے خدمت حرم شریف کو سعادت عظمیٰ جانتے ہوئے ممکنہ خدمات انجام دیں۔ الناصر محمد قلاؤون نے سنگ مرمر کے کام میں جہاں جہاں ضرورت تھی مرمت و تجدید کی۔ البرقوق (۸۰۱ھ) نے مروہ کی کمان کی تجدید اور سیڑھیوں کو بنوایا۔ آتش زدگی کے باعث متاثرہ ۱۳۰ ستونوں کو از سر نو بنوایا گیا۔ اس کام کا ذکر دار

جائیدادیں ان مدارس کے اخراجات کے لئے وقف کردیں۔ اس نے تعلیم القرآن کے لئے ۲، جدید مدارس قائم کئے۔

تعمیر و مرمت بعہد سلاطین عثمانیہ

۹۷۲ھ م ۱۵۶۷ء میں سلطان سلیم نے مسجد الحرام میں وسیع پیمانے پر تعمیرات اور مرمت و ترمیم کا کام شروع کیا۔ مسعی کی گلی کی جانب مسجد حرام کی مرمت، دالانوں کی چھتوں پر گنبد اور کعبہ شریف کے گرد اور تمام دالانوں میں اعلیٰ درجہ کا فرش کروایا۔ سلطان سلیم کا تعمیری توسیعی و مرمتی کام خلیفہ مہدی کے وسیع تر کام سے کسی طرح کم نہ تھا، بلکہ حقیقت یہ ہے کہ سلطان سلیم

نے مسجد حرام کی جملہ عمارت کو از سر نو بنوا دیا۔ جملہ ۵۸۹ ستون پوری عمارت میں مختلف حصوں میں مساویانہ طور پر قائم تھے جو ۸۸۱ کمانوں اور چھت پر بنے ۱۵۲ گنبدوں کو سنبھالے ہوئے تھے۔ یہ توسیع ۲۸۰۰۰ مربع میٹر پر تھی۔ یہ کام ۹۸۴ھ میں پایہ تکمیل کو پہنچا۔ سلطان سلیم کے انتقال کر جانے کے باوجود توسیعی کام رکا نہیں بلکہ اس کے لائق فرزند سلطان مراد خاں ثالث نے اسے، مکمل کیا۔

اس کے بعد بھی متعدد مرتبہ مسجد حرام کی مرمت کا کام ہوا۔ سلطان محمد خاں نے ۱۰۰۵ھ میں تعمیری کام انجام دیا۔ سلطان عبدالعزیز نے ۱۲۷۸ھ میں مرمت کروائی۔ سلطان عبدالحمید نے ۱۳۱۴ھ اور سلطان محمد راشد نے ۱۳۲۷ھ میں مرمت کے کام کی سعادت پائی۔ تاریخ عمارت مسجد الحرام نے لکھا ہے کہ حضرت امیر المؤمنین سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ سے سلطان مراد کی تعمیرات و توسیعات مسجد حرام پر جملہ رقم ایک کروڑ دینار کا خرچ ہوا۔ اس میں سب سے زیادہ ۴۵۰۸۷۵۰ دینار خلیفہ المہدی نے صرف کئے۔

سلطان عبد العزیز عبد الرحمن آل سعود نے ۱۳۴۴ھ م ۱۹۲۶ء میں مسجد الحرام کی مرمت کے متعلق ایک فرمان جاری کیا اور ناظم اوقاف شیخ محمد سعید ابو الخیر کو اس کا ذمہ دار بنایا جنھوں نے مسجد حرام کی مرمت طلب دیواروں، فرش، ستون اور راہداریوں کو از سر نو ٹھیک کروایا۔ ابواب داخلہ سے مطاف تک، صحن حرم، مقام ابراہیم اور مطاف کے اطراف کے حصوں کی صفائی، رنگ آمیزی وغیرہ کا کام موسم حج سے پہلے مکمل کرلیا۔ سلطان عبدالعزیز نے ۱۳۴۶ھ میں مزید ایک حکم کے ذریعہ حرم شریف کے اندرون اور بیرون میں مکمل مرمتی کام کی ہدایت دی اور اس کے لئے مخصوص طور پر سرمایہ نذر کیا۔ یہ کام شیخ عبد اللہ دہلوی کے تفویض کیا گیا۔ مکمل فرش پر دریوں کے بچھانے کے کام سے اس کا آغاز ہوا۔ مرمتی اور توسیعی کام کیا گیا۔ دار الندوہ اور باب ابراہیم کے علاوہ راہداریوں اور مقامات کے اطراف سنگی فرش کا انتظام ہوا۔ بیرونی دیوار سے چاروں طرف سائبان بنائے گئے۔ اس کام پر تین سال لگ گئے تاہم اس کے بعد سے ہر سال موسم حج سے پہلے تمام حرم شریف کی مرمت و صفائی وغیرہ کی روایت قائم ہو گئی۔

پہلی سعودی توسیع

پہلی سعودی توسیع کا کام مختلف اہم پہلوؤں پر مشتمل تھا۔ ساتھ ہی حجاج کرام کے آرام اور سہولتوں کے لئے ضروری انتظامات بھی اس میں شامل رکھے گئے۔ پہلی سعودی توسیع کا کام چار مراحل میں پورا کیا گیا۔

پہلا حصہ: ۱۳۸۱ھ سے ۱۳۸۹ھ کے دوران تکمیل پایا۔ اس میں مسعیٰ پر دو منزلہ عمارت کی تعمیر ہوئی۔ جو ۳۹۴.۵ میٹر طول اور ۲۰ میٹر عرض کے رقبہ پر کی گئی۔ پہلی منزل ۱۲ میٹر بلند کی گئی اور دوسری منزل کی بلندی ۹ میٹر رکھی گئی۔ نچلی منزل میں مسعیٰ کو دو حصوں میں طولاً منقسم کیا گیا تاکہ سعی میں حجاج کو تکلیف نہ ہو سکے۔ دو علحدہ زینے بنائے گئے۔ باب السلام اور باب صفا کی طرف دو لفٹ لگائے گئے۔

دوسرا حصہ: (۱۳۸۲ھ سے ۱۳۸۹ھ) حرم شریف کے بیرونی حصہ میں مرمتی کام کا سلسلہ اور نئی تعمیرات کا آغاز ہوا۔ مطاف کے حصہ کو توسیع دی گئی اور بئر زمزم پر زینہ لگایا گیا۔

تیسرا حصہ: ۱۳۹۳ھ سے ۱۳۹۶ھ) عمارت ماذن کی جدید تعمیر اور حرم شریف کے اطراف سڑکوں کی تعمیر و مرمت اور کھلے حصوں پر تحدیدات کی برخاستگی اور ان کی صفائی کا کام ہوا۔

چوتھا حصہ: (۱۳۹۳ھ سے ۱۳۹۶ھ) قدیم مسجد الحرام کی تزئین اور اس کے چاروں پہلوؤں کو نمازیوں کے لئے صاف کیا گیا۔ پہلی سعودی توسیع کے اس کام کے سبب مسجد حرام اور متعلقہ حصوں کی مرمت، تزئین اور آرائش ہوئی بلکہ اندرونی اور بیرونی حصہ میں مزید گنجائش فراہم کی گئی۔ حرم شریف سے متصل مدارس، رہائشی مکانات وغیرہ کو خرید کر منہدم کیا گیا اور اس جگہ کو جدید توسیع میں شامل کیا گیا۔ مصلیوں کے لئے بہت بڑی گنجائش مہیا کی گئی۔ اعلیٰ ترین تعمیری خوبیوں کے ساتھ حرم کی عمارت بنائی گئی۔ حرم شریف کی قدیم اور جدید عمارتوں کو بہت عمدگی کے ساتھ مربوط کر دیا گیا۔ قدیم مسجد الحرام کے اطراف سعودی توسیع میں بننے والی عمارت ہشت پہلو ہے، یہ عمارت دو منزلہ اور کہیں کہیں سہ منزلہ ہے۔ سمنٹ، ریت، لوہے اور کنکریٹ سے تعمیر شدہ اس عمارت کے نیچے تہہ خانے بنائے گئے۔ پائیداری، تعمیری حسن اور وضعی دیدہ زیبی بے مثال ہے۔ اس میں حجاج کرام اور مصلیوں کے لئے بے پناہ سہولتیں بہم پہنچائی گئی ہیں۔ جدید توسیع کے بعد رقبہ ۱۳۹۴۰۰ مربع میٹر ہو گیا۔ جس کے منجملہ ۱۲۲۰۰۰ مربع میٹر حصہ پر سنگ مرمر بچھایا گیا۔

توسیعی کام بعہد شاہ فہد بن عبدالعزیز

حرم شریف کی تعمیرات اور توسیعات کی تاریخ میں سب سے عظیم الشان فقید المثال اور بے نظیر کام خادم حرمین شریفین شاہ فہد بن عبد العزیز نے انجام دیا۔ جس کا اعتراف تمام دنیا کے کروڑہا مسلمانوں کو ہے۔ مسجد الحرام کی توسیع، تعمیر، مرمت، تزئین و زیبائش کے ضمن میں بہت سارے محترم نام ملتے ہیں۔

تعمیرات و توسیعات: امیر المؤمنین حضرت سیدنا عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ (۱۷ھ م ۶۳۸ء) ، امیر المؤمنین حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ (۲۶ھ م ۶۴۶ء) ، حضرت عبد اللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ (۶۵ھ م ۶۸۴ء) ، الولید بن عبد الملک (۹۱ھ م ۷۰۹ء) ، ابو جعفر المنصور (۱۳۷ھ م ۷۵۴ء) ، خلیفہ محمد المہدی (۱۶۰ھ م ۷۷۶ء ۔ ۱۶۴ھ م ۷۸۰ء) ، المعتضد (۲۸۱ھ م ۸۹۴ء) مع دار الندوہ۔ المقتدر (۳۰۶ھ م ۹۱۸ء) مع باب ابراہیم۔ شاہ عبدالعزیز السعود (۱۳۷۵ھ م ۱۹۵۵ء) ، شاہ فہد بن عبد العزیز (۱۴۰۹ھ م ۱۹۸۹ء)

صرف تعمیری کام: خلیفہ عبد الملک بن مروان (۷۵ھ م ۶۹۴ء) ، المعتمد عباسی (۲۷۱ھ م ۸۸۴ء) ، شہزادہ بیباق الظاہری (۸۰۳ھ م ۱۴۰۰ء) ، فرج برقوق بن قبوا (۸۰۷ھ م ۱۴۰۴ء) ، سلطان قیتبائی (۸۸۲ھ م ۱۴۷۷ء) ، سلطان سلیمان بالقانونی، سلطان سلیم ثانی، سلطان مراد، شریف الحسین اور شاہ عبدالعزیز السعود۔ بلاشبہ ان تمام تعمیرات اور توسیعات میں حالیہ عظیم ترین توسیعی کام شاہ فہد بن عبد العزیز کا زندہ و جاوید کارنامہ ہے۔

وی ایچ پی کی ایودھیا تحریک اور اتر پردیش اسمبلی انتخابات

ہندو فسطائی طاقتوں کے لئے بابری مسجد واحد موضوع ہے جس کے ذریعہ وہ ہندو طاقتوں کو کی تیاری کا کام پورا ہوچکا ہے اور 12 مارچ کے بعد کسی بھی وقت وہ رام مندر تعمیر کرسکتے ہیں۔ پریشد قائدین کی واجپائی سے ملاقات پر اعتراض یا مخالفت کریں گی لیکن ان سب نے خاموشی اختیار

کانپور میں منعقدہ انتخابی جلسہ میں سونیا گاندھی اور دوسرے۔

متحدہ کرنے کی کوشش کرسکتے ہیں۔ طویل عرصہ تک خاموشی کے بعد پھر ایک بار وشوا ہندو پریشد نے چیتاونی یاترا کے ذریعہ اس معاملہ کو تازہ کردیا ہے۔ انہوں نے مرکزی حکومت کو الٹی میٹم دیا ہیکہ 12 مارچ کے بعد کسی بھی وقت ایودھیا میں رام مندر کی تعمیر شروع ہوجائے گی اور اس کے لئے تمام تیاریاں پوری کرلی گئی ہیں۔ وشوا ہندو پریشد کا یہ ادعا ہیکہ ستونوں کو تراشنے اور مورتیوں انہوں نے چتاونی یاترا کے اختتام پر وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی سے ملاقات کرکے انہیں بابری مسجد کے مقام کے اطراف واقع اراضی جو حکومت کی تحویل میں، اسے حوالے کرنے کا مطالبہ کیا اور واجپائی نے اس معاملہ کو وزارت قانون سے رجوع بھی کردیا تھا تاکہ وہ اس کا جائزہ لے سکے۔ ابتداء میں یہ توقع کی جارہی تھی کہ این ڈی اے میں شامل دیگر سیکولر جماعتیں وشوا ہندو کی۔ واجپائی کے وفد کو دیئے گئے تیقن پر بھی کوئی خاص ردعمل دیکھنے میں نہیں آیا جب کہ سپریم کورٹ کی ہدایت پر مرکز نے اطراف کی 67 ایکر اراضی اپنے قبضہ میں لی ہے۔ وشوا ہندو پریشد ایودھیا مسئلہ پر اپنا موقف سخت کرتی جارہی ہے۔ یہاں تک کہ اشوک سنگھل، گری راج کشور نے وزیر اعظم واجپائی اور وزیر داخلہ ایل کے اڈوانی کو بھی تنقید کا نشانہ بنایا۔ وی ایچ پی کے ایک لیڈر

سماج وادی پارٹی کے لئے امیتابھ بچن انتخابی مہم چلارہے ہیں۔

کا کہنا ہیکہ واجپائی اس مسئلہ سے کبھی بھی سنجیدگی سے وابستہ نہیں رہے جبکہ ایل کے اڈوانی نے رتھ یاترا نکال کر توجہ اس مسئلہ کی سمت مبذول کرائی تھی تاہم ان قائدین کو بخوبی اندازہ ہیکہ بی جے پی کے مرکزی قائدین فی الحال ان کی مدد سے قاصر ہیں کیونکہ ان کی سیاسی مجبوریاں ایسا کرنے کی اجازت نہیں دے رہی ہیں ۔ این ڈی اے میں شامل جماعتوں نے مشترکہ طور پر ایجنڈہ تیار کیا ہے جس میں متنازعہ موضوعات کو الگ تھلگ رکھا گیا ۔ چنانچہ وہ اس معاملہ میں کھل کر وشوا ہندو پریشد کی تائید نہیں کرسکتے ۔ چنانچہ اس وقت یہ تحریک وشوا ہندو پریشد سادھو ، سنتوں کے ساتھ ملکر آگے بڑھارہی ہے ۔ بتایا جاتا ہیکہ 12 مارچ کے بعد تقریباً دس لاکھ کارسیوک ایودھیا پہنچ جائیں گے اور رام مندر کی تعمیر کا آغاز کردیا جائے گا ۔ اس سلسلہ میں عدالتی احکامات کی ان تنظیموں کو کوئی پرواہ نہیں ۔ بابری مسجد رابطہ کمیٹی اور بابری مسجد ایکشن کمیٹی نے مرکزی حکومت کو ایسی کسی بھی کوشش کے خلاف خبردار کیا ہے ۔ دیگر سیاسی جماعتوں کانگریس ، کمیونسٹ جماعتوں کو بھی اس صورتحال پر تشویش ہے ۔ مسٹر واجپائی کا کہنا ہیکہ ایودھیا مسئلہ کی یکسوئی کے لئے کوششیں جاری ہیں ۔ تاہم انہوں نے یہ وضاحت نہیں کی کہ کن مسلم نمائندوں سے بات چیت کی جارہی ہے ۔ کیونکہ مسلمانوں کا مجموعی طور پر یہ واضح موقف ہیکہ بابری مسجد کے مقام پر مندر کی تعمیر کی ہرگز اجازت نہیں دی جاسکتی کیونکہ جس مقام کو ایک مرتبہ مسجد بنادیا جائے وہ تاقیامت مسجد ہی رہتی ہے ۔ وشوا ہندو پریشد کے رام مندر کا مسئلہ اٹھانے کے پس پردہ ایک اور وجہ اتر پردیش میں اسمبلی انتخابات ہیں ۔ ملک کی چار ریاستوں اتر پردیش ، پنجاب ، اترانچل اور منی پور میں انتخابات ہونے جارہے ہیں اور اس وقت ساری توجہ بالخصوص ریاست اتر پردیش پر مرکوز ہے ۔ بی جے پی نے اپنے دور اقتدار میں یہاں جو کچھ کیا اس کا سب کو بخوبی اندازہ ہے ۔ بی جے پی کے پاس ایسا کوئی کارنامہ نہیں ہے جسے لیکر وہ عوام کے روبرو پیش ہو ۔ گزشتہ پانچ سال کے دور اقتدار میں صرف جوڑ توڑ کی سیاست اپنائی گئی ۔ بی جے پی جو خود کو ڈسپلن پارٹی کہتے تھکتی نہیں تھی ، اقتدار کی خاطر وہ کس قدر نیچے جاسکتی ہے اس کا اندازہ اتر پردیش میں اس کی گزشتہ پانچ سالہ کارکردگی کو دیکھ کر بخوبی کیا جاسکتا ہے ۔ انتخابی مہم کے دوران بھی واضح طور پر عوامی رجحان سامنے آیا جس سے شاید بی جے پی کو امکانی شکست کا اندازہ ہوگیا ہے چنانچہ وزیر اعظم مسٹر واجپائی نے قبل از وقت یہ کہہ دیا کہ اتر پردیش کے اسمبلی انتخابات مرکزی حکومت کے بلئے ریفرنڈم نہیں ہیں ۔ دوسری طرف سماج وادی پارٹی کی انتخابی مہم میں اس بار فلمی اداکاروں بالخصوص " کون بنے گا کروڑ پتی " کے شہرت یافتہ امیتابھ بچن نے حصہ لیکر نئی جان ڈال دی ۔ ریاستوں کی انتخابی مہم میں فلمی ستاروں کی کہکشاں بھی خصوصیت رہی جس میں مختلف جماعتوں کو فائدہ ہونے کی توقع ہے ۔ اسمبلی انتخابات کے پیش نظر ہی وشوا ہندو پریشد نے ایودھیا مسئلہ کو پھر ایک بار تازہ کردیا ہے کیونکہ یہ واحد انتخابی حربہ ہے جس کی بنیاد پر وہ ہندو ووٹوں کو متحد کرنے کی کوشش کرسکتی ہیں ۔ اب اتر پردیش میں رائے دہندوں کے سیاسی شعور کا یہ امتحان ہیکہ وہ آئندہ کس پارٹی کو اقتدار سونپتے ہیں ۔

چناوی یاترا کے موقع پر اشوک سنگھل اور سادھو سنت دیکھے جاسکتے ہیں

شعیب واحد

یورو کا اجراء۔ ایک تاریخ ساز فیصلہ

کچھ عرصے بعد یورپ، اقتصادی میدان میں امریکہ کو پیچھے چھوڑ دے گا

دو ہزار برس قبل سلطنت روم میں بحیرہ روم سے شمالی یورپ تک ایک ہی سکہ چلتا تھا اور اشیاء کی خرید و فروخت اور خدمات کے حصول کیلئے اس کا استعمال یورپ میں عام تھا۔ اس کے زوال کے بعد مالی اتحاد کا نظریہ پس پردہ چلا گیا۔ تاہم نویں صدی عیسوی میں فرانس میں چارلی میگنے نے اس تصور کو دوبارہ زندہ کیا اور "چارلی میگنے پاؤنڈ" نامی سکے کا اجراء عمل میں لایا گیا جو یورپ میں بطور مشترکہ کرنسی چار سو برس تک زیر استعمال رہا جس نے یورپی اقوام کو ایک لڑی میں پروئے رکھا۔ کیونکہ مالیاتی اتحاد، سیاسی اتحاد کا بھی ضامن ہوتا ہے۔ یورپ کے قدیم دانشور سیاسی اتحاد کی کوششوں میں پیش پیش تھے۔ سن 1306 میں ایک فرانسیسی قانون دان نے ایسی کونسل کے قیام کی تجویز پیش کی جس میں یورپی حکومتوں اور بادشاہوں کی نمائندگی ہو اور مختلف ممالک کے ججوں کا ایسا پینل قائم کیا جائے جو یورپی ریاستوں کے باہمی تنازعات کا فیصلہ کراسکے۔

قرون وسطیٰ میں اس بارے میں مزید دو نظریات پیش کئے گئے۔ 1465ء میں بوہیمیا کے بادشاہ نے یورپی ممالک میں کنفیڈریشن قائم کرنے کے لئے ایسی کونسل کے قیام کی تجویز پیش کی جس میں یورپ کے تمام بادشاہوں اور شاہ زادوں کو نمائندگی حاصل ہو۔ دوسری تجویز فرانس کے بادشاہ ہنری چہارم نے پیش کی جس میں کہا گیا کہ یورپ کو پندرہ ریاستوں میں مساوی درجے پر تقسیم کردیا جائے اور تمام ریاستوں سے نمائندے چن کر مشترکہ سینیٹ میں بھیجے جائیں جس کو بالآخر مقتدر قانون ساز ادارے کی حیثیت دی جائے۔

تاہم سیاسی نوعیت کے نظریات وہاں پنپ نہیں سکے۔ کیونکہ اس کے پس پشت بڑی طاقتوں کے مفادات تھے۔ مثلاً ہینری ڈیونس کی پیش کردہ تجویز کا مقصد یورپ میں اپنے ملک کے اثر و رسوخ میں اضافہ کرنا تھا جبکہ بوہیمین بادشاہ اپنے علاقے میں ترک اثر و رسوخ سے خوف زدہ تھا۔ اسی طرح یورپ کو پندرہ ریاستوں میں تقسیم کرنے کی تجویز کے پیچھے ہیپسبرگ خاندان کا اثر و رسوخ کم کرنے کی سوچ کارفرما تھی۔

1963ء میں ایک انگریز دانشور نے یورپی پارلیمنٹ کے قیام کی تجویز پیش کی۔ 1710ء میں ولیم پین کے ہم عصر جان بیلرز نے سوئس نظام سے ملتا جلتا کینٹونل نظام کا نظریہ پیش کیا جس کے مطابق یورپ کو 100 کینٹنز Cantans میں تقسیم کیا جانا چاہیے تھا۔ 1814ء میں ایک فرانسیسی شخص سینٹ سائمن نے برطانوی نظام کی طرح تمام یورپ میں پارلیمنٹس کے قیام کی تجویز پیش کی اور اس کے علاوہ ایک مشترکہ پارلیمنٹ کا نظریہ دیا جس میں رکن ممالک کے نمائندے شامل ہوں، ان نظریات کو جوزف میزینی اور وکٹر ہیوگو جیسے راہ نماؤں کی حمایت حاصل تھی۔ 1920ء میں دانشوروں اور سیاست دانوں کی سطح پر یورپی تحریک کا آغاز ہوا اور برلن اور پیرس میں اقتصادی کونسلیں قائم کی گئیں۔

1929ء میں فرانس کی طرف سے مشہور برائنڈ میمورنڈم پیش کیا گیا جس کی خاص بات یورپی فیڈرل یونین کے قیام کی تجویز تھی۔ اسی طرح جنگ عظیم دوم کے زمانے میں 1941ء میں دو اطالوی شخصیات اسپنلی اور روسی نے فیڈرل یورپ کا نظریہ پیش کیا جبکہ 1944ء میں یورپی ممالک نے فیڈرل یورپ کے سلسلہ میں ڈرافٹ ڈیکلریشن تیار کیا۔ جنگ عظیم دوم کے بعد یورپ زخم خوردہ تھا اور یورپی ممالک مالیاتی و معاشرتی لحاظ سے تباہ ہوچکے تھے۔ حتیٰ کہ برطانیہ جیسی عظیم طاقت دیوالیہ ہونے کے قریب پہنچ چکی تھی اور پورے یورپ کے عوام مایوسی کا شکار تھے۔

1948ء میں امریکہ کی طرف سے تباہ حال یورپ کی اقتصادی بحالی کے لئے مارشل پلان کا اعلان کیا گیا۔ اس امدادی پروگرام نے یورپ کے لئے اکسیر کا کام کیا۔ اسی دوران فرانس کے ایک دانشور جین مونیٹ جو فرانس کے پلاننگ کمیشن کے سربراہ تھے۔ نے یورپی تعاون کی ابتداء کے سلسلہ میں وفاقیت پر مبنی ادارے کے قیام کا نظریہ پیش کیا۔ ان کی سوچ یہ تھی کہ یورپی ممالک ایک دوسرے کے مفادات سے منسلک ہوکر ان کے نگراں بن جائیں۔ ان نظریات کو رابرٹ شومین جو فرانس کے وزیر خارجہ بھی تھے۔ نے آگے بڑھایا اور یورپی کول اینڈ اسٹیل کمیونٹی (ECSC) کے قیام کا منصوبہ پیش کیا جس کے تحت 1952ء میں ای سی ایس سی کا قیام عمل میں آیا۔ اس کی بناء پر جرمنی اور فرانس کے درمیان کوئلے اور لوہے کے ذخائر پر مبنی سرحدی علاقوں روہر Ruhr اور زار Saar سے متعلق اختلافات کا خاتمہ ہوا اور یورپی کمیونٹی کی داغ بیل پڑ گئی۔ اس وقت اس تنظیم کے ارکان کی تعداد 6 تھی جن میں جرمنی، فرانس، اٹلی، بلجیم، نیدرلینڈ اور لکسمبرگ شامل تھے۔

21 جون 1948ء، پیر کا یہ دن ایک

تاریخی اہمیت کا حامل تھا ۔ اس دن جرمنی میں ایک نئی کرنسی کا جنم ہوا ، اس کے ساتھ ہی وہاں نئی مالی پالیسیوں پر عمل شروع ہوا ۔ جرمن مارک کا اجراء جرمنی کے لئے اقتصادی اور مالیاتی لحاظ سے ہوا کے تازہ جھونکے کی مانند تھا ، اس دن سے نئی جرمنی کی بنیاد پڑی ۔ جرمنی کی اقتصادی و مالیاتی ترقی دنیا کو حیران کر گئی ۔

4 جنوری 1999 ء : اس تبدیلی کے پچاس برس بعد پیر ہی کے روز یورپی عوام نے ایک مرتبہ پھر مالیاتی نظام میں تبدیلی ہوتے دیکھی ، یہ یورپ کی سنگل کرنسی یورو کی ابتداء تھی ۔ جرمنی سمیت یورپی یونین کے پندرہ میں سے بارہ ممالک کا نظام معیشت مشترکہ کرنسی کے مطابق ڈھال لیا گیا ، یہ مشترکہ کرنسی عوام کے ہاتھوں میں پہنچنے سے قبل حکومتی لین دین کی سطح پر مقامی کرنسیوں کی جگہ سنبھال چکی تھی ، اس کے ساتھ ساتھ عوام بھی خود کو نئی کرنسی کے استعمال کے لئے ذہنی طور پر تیار کر رہے تھے ۔

31 ڈسمبر 2001 ء : یہ بھی پیر کا ہی دن ہے جب یورپی اکنامک اور مانیٹری یونین کے عوام نے اپنی مقامی کرنسیوں کو خیرباد کہا اور یکم جنوری 2002 ء سے یورو کرنسی پہلی بار استعمال کے لئے عوام کے ہاتھوں میں آ گئی ۔ یکم جنوری 2002 ء سے 31 جون 2002 ء کے چھ ماہ کے دوران یورو اور مقامی کرنسیاں یورپی مارکٹ میں قابل قبول ہوں گی ۔ تاہم اس دوران تبادلہ کا عمل جاری رہے گا اور مقامی کرنسیوں کا اجراء بند ہوجائے گا لیکن یہ کرنسیاں بینکوں اور مارکٹوں میں قابل قبول ہوں گی ۔ اس دوران عوام نہ صرف مقامی کرنسیوں کو یورو میں تبدیل لاسکیں گے بلکہ اس دوران انہیں یورو کے استعمال کی عادت بھی پڑتی رہے گی جس کے متعلق عوام خاصے مخمصے کا شکار ہیں ۔ تاہم جولائی 2002 ء سے مقامی کرنسیاں منسوخ قرار پائیں گی اور یورو ہی یوروز یا ان ممالک میں جو یورو کرنسی کو قبول کرچکے ہیں ، میں قابل قبول کرنسی ہوگی ۔

1952 ء میں ای سی ایس سی کے قیام کے بعد یورپی یونین نے مالی اتحاد کی منزل کے حصول میں پچاس سال کا عرصہ صرف کیا ۔ ابتداء میں یورپی کمیونٹی کی کامیابیوں سے متاثر ہوکر 1972 ء میں برطانیہ ، آئرلینڈ اور ڈنمارک نے بھی یورپی کمیونٹی میں شمولیت اختیار کرلی ۔ 1972 ء میں ایک مالیاتی نظام جسے SNAKE کا نام دیا گیا ، کے تحت رکن ممالک کی کرنسیوں کی اتار چڑھاؤ کی شرح 2.25 فیصد مقرر کی گئی ۔ 1979 ء میں نئے مالیاتی نظام یورپی مانیٹری سسٹم EMS کے تحت یورپی کرنسی یونٹ ECU کا قیام عمل میں آیا ۔ 1981 ء میں یونان اور 1986 ء میں اسپین اور پرتگال یورپی کمیونٹی کے رکن بنے جبکہ 1995 ء میں آسٹریا ، سویڈن اور فن لینڈ نے یورپی یونین میں شمولیت اختیار کی ۔ 1986 ء میں سنگل یورپی ایکٹ منظور ہوا جبکہ 1992 میں کمیونٹی نے اگلے دس برس میں اکنامک اور مانیٹری یونین EMU کے قیام کی منظوری دی جس کا مقصد سنگل کرنسی یورو کا نفاذ تھا ۔

" اصل میں یورپ اس دن وجود میں آئے گا جس دن اس کی اپنی کرنسی وجود میں آئے گی " یہ الفاظ ایک فرانسیسی معیشت دان جیکوئس روئلف کے تھے جنہوں نے 1950 ء میں یورپی یونین کے قیام کی سمت پیش رفت کرنے کی کوشش کی اور اسی سال جب یورپ میں یورپی پے منٹ یونین قائم ہوئی تو ان کوششوں کو جلا ملی ۔

یورو زون میں مالی امور کے کنٹرول اور پالیسیوں کے نفاذ کے لئے ایک مالیاتی اتھاریٹی کا قیام بے حد ضروری تھا چنانچہ 1994 ء میں یورپی مانیٹری انسٹی ٹیوٹ قائم کیا گیا جس کو آخر کار 1998 ء میں یورپی سنٹرل بینک ECB کی شکل دی گئی جس کا ہیڈ کوارٹر فرینکفرٹ (جرمنی) میں ہے ۔ اس کا کام یورو زون میں مالیاتی استحکام پیدا کرنا اور شرح سود کو کنٹرول کرنا ہے ۔ یورو کرنسی کے نفاذ سے قبل جرمن مارک ہی سب سے زیادہ متاثر ہوگا کیونکہ جرمن مارک کے 40 فیصد کرنسی نوٹ جرمنی سے باہر استعمال ہورہے ہیں جو ایک مقبول و مضبوط کرنسی ہونے کا ثبوت ہے ۔ یورو کا نشان لاطینی زبان کے حرف EPISOLE سے اخذ شدہ ہے ۔ یورو کرنسی کو یہ نام یورو 1995 ء میں میڈرڈ میں دیا گیا ۔

30 اگسٹ 2001 ء کو یورو نوٹوں اور سکوں کی تقریب رونمائی منعقد ہوئی جس سے ECB کے صدر ردوم دوئسنبرگ نے خطاب کیا اور نوٹوں اور سکوں کو پہلی مرتبہ میڈیا اور عوام کے سامنے پیش کیا گیا ۔ اس موقع پر انہوں نے خطاب کرتے ہوئے یورو کے اجراء کے عمل کو تاریخی اور ناقابل واپسی عمل قرار دیا ۔ یورو کرنسی کے اجراء کے سلسلہ میں سات مختلف مالیتوں کے نوٹ تیار کئے گئے ہیں جن میں 5 ، 10 ، 20 ، 50 ، 100 ، 200 اور 500 یورو کی مالیت کے نوٹ شامل ہیں ۔ ان نوٹوں کے نقش و نگار سے کسی قسم کی ثقافتی ، علاقائی یا قومیتی شناخت نہیں ہوتی کیونکہ ان نوٹوں پر نہ کسی بادشاہ یا ملکہ کی تصویر ہے نہ کسی آرٹسٹ کی بنائی ہوئی شاہ کار پینٹنگ کہ اس آرٹسٹ سے اس ملک کی شناخت ہوسکے ۔ نہ ہی کسی مفکر یا لیڈر کی تصویر ہے بلکہ نوٹوں پر کھڑکیوں ، عمارتوں اور پلوں کی تصویر ہیں جو روشن خیالی اور ترقی کے سفر کی عکاس ہیں ۔ عمارتوں میں بھی کسی ایسی عمارت کو شامل نہیں کیا گیا جو کسی ایک ملک کی ترجمانی کرتی ہے ۔ درحقیقت یہ نئی کرنسی صرف اس کی اصل قیمت ظاہر کرتی ہے ۔

یورو کا آغاز دنیا میں کرنسی کی تبدیلی کا سب سے بڑا واقعہ ہوگا ۔ یورو کی چھپائی کا کام یونین کے کئی ممالک میں جاری ہے ۔ 14.5 بلین مالیت کے نوٹ چھاپے گئے ہیں جن کی مجموعی مالیت 650 ارب (6.5 کھرب) یورو بنتی ہے ۔ کرنسی نوٹوں کی تعداد کے بارے میں ایک دلچسپ اندازہ لگایا گیا ہے کہ اگر زمین سے لیکر چاند تک ان نوٹوں کی لڑی بنائی جائے تو اس لمبائی کی کل چار لڑیاں وجود میں آجائیں گی ۔ صرف جرمنی میں تقسیم کے لئے مختلف مالیت کے 2.5 بلین کرنسی نوٹ جاری ہوں گے جن کی مالیت 150 بلین یورو ہوگی جبکہ 4.8 بلین کی لاگت سے سکے تقسیم ہوں گے جن کی مجموعی تعداد 15.5 بلین ہوگی ۔ ان کا وزن 70,000 ٹن کے مساوی ہوگا ۔ مجموعی طور پر 50 بلین سکے ڈھالے گئے ہیں جو یونین کے ممبر ممالک میں تقسیم ہوں گے ۔ یکم جنوری 2002 ء سے تمام بینکوں کے ڈپازٹ خود بہ خود یورو میں

بدل جائیں گے ۔ یہ تبدیلی فکسڈ ایکس چینج ریٹ کی شرح کے مطابق عمل میں آئے گی۔ جس کا تعین ہوچکا ہے مثلاً جرمنی کے لئے یورو کی مالیت 1.9558 جرمن مارک کے برابر مقرر کی گئی ہے ۔ 1999ء میں یورو کے اجراء کے پہلے مرحلے کے بعد سے اب تک یورو کی قدر میں ایک چوتھائی کمی واقع ہوچکی ہے ۔اس سلسلہ میں ECB کو ہی مورد الزام ٹھہرایا جارہا ہے تاہم اس کی ایک وجہ رکن ممالک کی وہ مالیاتی پالیسیاں ہیں جو وہ اپنے مفادات کے مطابق ترتیب دیتے ہیں ۔ یہ عالمی معیشت سے اس قدر ہم آہنگ نہیں جتنی ضرورت ہے تاہم یورو کو اب کم از کم وہ مقام ضرور حاصل ہے جتنا اس سے قبل جرمن مارک کو حاصل تھا ، چنانچہ اس وقت یورو دنیا کی دوسری بڑی کرنسی ہے ۔ اسی طرح یورپی اسٹاک ایکس چینج بھی امریکہ کی عالمی فینانس مارکٹ کے ہم پلہ ہوگیا ہے ۔ یورو کے باقاعدہ اجراء کے وقت یورپ کے 300 ملین عوام اس تبدیلی سے متاثر ہوں گے اور ماہرین نفسیات کے مطابق شروع میں عوام ان نوٹوں کا استعمال کرتے ہوئے تذبذب کا شکار رہیں گے ۔ معمولی اشیاء کی خریداری کے وقت بھی ان کی قیمت کا موازنہ سابقہ مقامی کرنسی کی قیمت سے کریں گے کہ آیا کہیں زیادہ رقم نہ دے بیٹھیں ۔ اسی طرح ابتدائی کئی ماہ تک خریداری کے لئے کیلکولیٹر کا استعمال کرنا پڑے گا حالانکہ اشیاء پر دونوں قیمتیں درج ہوں گی اسی طرح دوکان دار اور دوسرے کاروباری حضرات بھی تذبذب کا شکار رہیں گے ۔ صدیوں سے استعمال کردہ کسی کرنسی کو ترک کردینا ایسا ہی ہے جیسے اپنی اصل زبان کو ترک کرنا پڑجائے ۔ اس کے اثرات اور استعمال کی عادت سے چھٹکارا پانے کے لئے طویل عرصہ درکار ہے ،ویسے بھی عوام اور تاجر پہلے چھ ماہ کے دوران اس لئے زیادہ مخمصے کا شکار رہیں گے کیونکہ اس عرصے میں دونوں کرنسیاں قابل قبول ہوں گی ۔ اسی طرح تمام سرکاری و غیر سرکاری اداروں کو اپنا حساب کتاب کا نظام بدلنا پڑے گا اور تمام دستاویزات تبدیل کی جائیں گی۔

یورو ، یورو زون کے علاوہ کچھ علاقوں پر براہ راست اثر انداز ہوگا ۔ ان علاقوں میں بھی [illegible] ہوگا جو غیر یورپی ہیں لیکن جہاں قانون و حکمرانی ان ممالک کی ہے جو یورو زون کے رکن ہیں یعنی کہ گوادی لوپ کا علاقہ جہاں فرانسیسی سکہ چلتا تھا ، ازوریس جو پرتگال کی حکمرانی میں ہے اور جزائر کیناری جو اسپین کی عمل داری کا حامل ہے ۔ یہ علاقے یورو کے استعمال میں موناکو ، سان مرینو اور ویٹی کن سٹی اسٹیٹ کے شانہ بہ شانہ ہوں گے جہاں یورو ہی استعمال ہوگا ،اس کے علاوہ کوسوو اور مانٹی نیگرو نے بھی اپنی کرنسیوں کو یورو سے منسلک کرنے کا فیصلہ کرلیا ہے ۔ اس کے علاوہ ایک مضبوط کرنسی کے طور پر یورو غیر سرکاری طور پر بلقان اور مشرقی یورپ میں رائج رہے گی ، اسی طرح ترکی میں بھی یہ بطور اہم کرنسی استعمال ہوگی۔

یورپی یونین کے تین ارکان یعنی برطانیہ ، ڈنمارک اور سویڈن ابھی تک یورو زون میں شمولیت کا فیصلہ نہیں کرسکے ہیں جس کی وجہ ان کے اپنے سیاسی ، اقتصادی اور مالی تحفظات ہیں ۔ اس انکار نے یورو کرنسی کو دھچکا پہنچایا ہے ۔ 1992ء میں ڈنمارک کے عوام نے معاہدہ ماسٹرخ کو بذریعہ ریفرنڈم تسلیم نہ کرکے یورو زون میں شمولیت سے انکار کردیا تھا ، اسی طرح پچھلے سال ایک مرتبہ پھر ریفرنڈم میں ڈنمارک کے عوام نے یورو زون میں شمولیت سے انکار کردیا تھا ۔ برطانوی حکومتیں بھی یورو کے بارے میں تذبذب کا شکار رہیں ۔ برطانیہ کی موجودہ حکومت زبانی طور پر یورو میں شمولیت کو برطانیہ کے لئے ضروری تسلیم کرچکی ہے ۔ تاہم عملاً اس معاملے میں کچھ کرنا ان کے لئے آسان نہیں۔

ڈوئچے بینک کی تحقیق کے مطابق مستقل یورو کی بین الاقوامی ساکھ کا تعلق کئی عوامل سے ہے ۔ یعنی یورپی یونین جیسی وسیع اقتصادی یونین کا عالمی تجارت میں نہایت قابل قدر حصہ ہونا چاہیے ۔اس کے علاوہ یونین کی حدود میں اور اس کی سرحدوں پر سیاسی و جغرافیائی استحکام بہت ضروری ہے ، اسی طرح خود یورو کی شرح تبادلہ کا معین رہنا (کم از کم) بہت ضروری ہے تاکہ اسے عوام الناس کا اعتماد حاصل رہے ۔ جنگ عظیم دوم کے بعد ڈالر کی برتری نے امریکہ کو برتر ثابت کیا ہے ۔ نہ صرف تجارت و سرمائے کی نقل و حمل میں بلکہ عالمی بحرانوں میں بھی اس کی پوزیشن مضبوط رہی ۔ چنانچہ ڈالر کو بجاطور پر عالمی کرنسی کہا جاسکتا ہے ۔ تاہم یورو کے اجراء کے بعد یہ واحد کرنسی ہوگی جو ڈالر کی برتری کو چیلنج کرسکے گی ، اجراء کے فوری بعد یہ دنیا کی دوسری اہم اور مضبوط کرنسی ہوگی ،اس کے اجراء کے بعد ، امریکہ کا تقریباً مساوی اقتصادی علاقہ وجود میں آئے گا جو عالمی تجارت میں خاصے بڑے حصے کا حق دار ہوگا۔

یورو کا اجراء اپنی ذات میں ایک تاریخ کی حیثیت رکھتا ہے ۔ یورپی اقوام جنہوں نے دوسری جنگ عظیم میں دو کروڑ انسانوں کا خون بہادیا تھا ، آج اپنے اختلافات بھلاکر شیر و شکر ہوچکی ہیں ۔ یہ حقیقت ہے کہ دنیا سے ایک محوری نظام کا خاتمہ قریب ہے اور دنیا مستقبل میں کئی طاقتوں کو برابری کی بنیاد پر عالمی سیاست و اقتصادیات پر راج کرتا دیکھے گی ۔ مستقبل میں جب یورپی یونین کے دیگر ممالک یورو زون میں شامل ہوجائیں گے اور اس کے بعد جب مزید ممالک یعنی مشرقی یورپ کے ممالک کو یونین اور یورو زون کی رکنیت ملے گی تو یہ اقتصادی خطہ امریکہ کو پیچھے چھوڑ جائے گا ۔ اس وقت یونین کی آبادی 45 کروڑ سے تجاوز کرجائے گی اور اس کا رقبہ چالیس لاکھ مربع میل سے زائد ہوکر روس کی سرحدوں کو چھونے لگے گا ۔ وسطی اور مشرقی یورپ کے جن ممالک کو یونین کی رکنیت ملے گی ان میں پولینڈ ، جمہوری چیک ، سلوانیہ ، اسٹونیا ، ہنگری اور قبرص شامل ہیں ۔ جنگ عظیم دوم کے بعد اگر کسی بات کو معجزے سے تشبیہ دی جائے تو وہ یورپ کی تعمیر نو اور اتحاد ہی ہوگا ۔ جنگ سے تباہ حال یورپ کی ترقی اور اتحاد باقی دنیا کے لئے سبق کی حیثیت رکھتا ہے ۔ موجودہ دور میں جب عالمی تجارت کو آزاد کرنے کی باتیں ہورہی ہیں ، علاقائی اقتصادی اتحاد کی اہمیت مزید بڑھ جاتی ہے ۔ چنانچہ ضرورت اس امر کی کہ یورپی یونین کے نقش قدیم پر چلتے ہوئے تیسری دنیا خصوصاً وسطی اور جنوبی ایشیاء کے ممالک بھی اپنے اختلافات کا خاتمہ کریں اور آزاد تجارت کی لہر سے نبرد آزما ہونے کے لئے علاقائی اقتصادی اتحاد قائم کریں۔

صومالیہ ، امریکہ کا اگلا ہدف ؟

امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے دہشت گردی کے خلاف جس جنگ کا آغاز کیا ہے ، اس کے حوالے سے یہ سوال ہر طرف سے اٹھایا جارہا تھا کہ افغانستان کے بعد اگلا ہدف کون سا ملک ہوگا ؟ گزشتہ دنوں امریکا کے نائب وزیر دفاع پال وولف وودز نے " نیویارک ٹائمز " کو انٹرویو دیتے ہوئے اس سوال کا جواب فراہم کردیا۔ انہوں نے کہا کہ امریکا ، افغانستان کے بعد صومالیہ ، یمن ، انڈونیشیا اور فلپائن میں دہشت گرد گروہوں کا خاتمہ کرے گا ۔ تاہم انہوں نے صومالیہ کے بارے میں خاص طور پر کہا کہ وہ ایک ایسا ملک ہے جہاں لاقانونیت ہے اور یہ ملک دہشت گردوں کے لئے کشش رکھتا ہے ، کیوں کہ صومالیہ میں حکومت کم زور یا نہ ہونے کے برابر ہے ۔ پال وولف وودز کا کہنا تھا کہ وہاں ایسے لوگوں کی تلاش جاری ہے ۔ جنہیں امریکا بالواسطہ قوت کے طور پر استعمال کرسکے ۔

اس بیان کے منظر عام پر آنے سے قبل ہی عالمی ذرائع ابلاغ یہ شبہ ظاہر کر رہے تھے کہ امریکا کا اگلا ہدف صومالیہ ہوگا ۔ یہ ہی وجہ ہے کہ برطانیہ کے ممتاز اخبار " دی ٹائمز " نے گزشتہ دنوں اپنی ایک اشاعت میں اس خانماں برباد ملک کے بارے میں گائلز ویٹل کی ایک رپورٹ شائع کی تھی ۔ موجودہ حالات کے تناظر میں قارئین کی دلچسپی کے لئے اس رپورٹ کی تلخیص اور ترجمہ ذیل میں پیش کیا جارہا ہے۔ رپورٹ میں کہا گیا ہے ،

دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اگلا نشانہ افریقا کا ایک ایسا ملک بھی ہوسکتا ہے جو گزشتہ کئی عشروں سے قحط ، بھوک اور خانہ جنگی کا شکار ہے ۔ صومالیہ ، امریکا کے لئے گزشتہ برسوں سے فوجی کارروائی کے اعتبار سے شرمندگی کا باعث بنا ہوا ہے ۔ یہاں بھیجی جانے والی امریکا کی امن فوج پر حملے ہوئے اور ایک امریکی ہوا باز کی لاش ۱۹۹۳ ء میں موغادیشو کی سڑکوں پر گھسیٹی گئی۔ اس ملک کے بارے میں امریکا کو کئی حوالوں سے تشویش ہے ۔ صدر بش نے گزشتہ دنوں صومالیہ کے ساحلوں کے ساتھ گشت کے لئے ایک جنگی جہاز بھیجا تھا۔ انہوں نے اس ملک کے سب سے بڑے بینک کے اثاثے منجمد کردیے ہیں اور امریکی فوجی ۱۹۹۳ ء کے بعد ایک بار پھر صومالیہ کے ساحل پر اترنے کی تیاری کر رہے ہیں۔

سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کیا صومالیہ دہشت گردی کے خلاف جنگ کا اگلا نشانہ ہوگا ؟ اگر ایسا ہوا تو یہاں اس فوجی کارروائی کی جزوی وجہ مبینہ طور پر القاعدہ کا نیٹ ورک اور صومالیہ کے متحارب قبائل اور جنگ جو سرداروں سے اس کا تعلق ہوگا ۔ دوسری جانب یہ کارروائی اس خطے میں جغرافیائی اور سیاسی تبدیلیوں کو روکنے کی ایک کوشش ہوسکتی ہے ۔ صومالیہ افریقا کا ایک ایسا خطہ ہے جو گزشتہ برسوں کے دوران خشک سالی ، خانہ جنگی اور حکومتوں کے ناکام تجربات کی آماج گاہ رہا ہے ۔ انیسویں صدی کے دوران یہ ملک سرمایہ دارانہ نظام کے تحت رہا ہے اور تقریبا دس سال قبل اپنی نوعیت کی ایک انوکھی آمریت کی وجہ سے یہ ملک اب تباہی کے قریب پہنچ گیا ہے۔

خلیج کی جنگ کے بعد امریکا کو اس علاقے میں سب سے زیادہ خفت اٹھانا پڑی ۱۹۹۳ ء میں صومالیہ کے دارالحکومت موغادیشو میں ایک چھاپے کے دوران ۱۸ امریکی رینجرز ہلاک اور ۷۰ زخمی ہوگئے تھے ۔ اس چھاپے کو اقوام متحدہ کی مکمل حمایت حاصل تھی۔ امریکی فوجیوں کی ہلاکت کا یہ منصوبہ صومالیہ کے ایک جنگ جو رہنما محمد فرح عدید نے بنایا تھا ۔ منصوبے کے مطابق اقوام متحدہ کی امن فوج میں شامل جو بھی فوجی فرح عدید کے حامیوں کے ہاتھ آجائے ۔ اسے ہلاک کردیا جانا تھا ۔ یہ مشن اس وقت اور بھی خطرناک صورت اختیار کرگیا جب امریکی رینجرز کے دو ہیلی کاپٹر مار گرائے گئے ۔ ان میں سے ایک ہیلی کاپٹر کے ہوا باز کی لاش صومالیہ کے دارالحکومت کی سڑکوں پر گھسیٹی گئی اور اس طرح امریکا کے خلاف شدید ترین نفرت کا اظہار کیا گیا۔

۱۹۹۳ ء میں پیش آنے والے واقعات کے بعد امریکا نے صومالیہ سے اپنی امن فوج کو فوری طور پر واپس بلالیا تھا ۔ اب امریکا نے اس علاقے میں ایک بار پھر کارروائی کا فیصلہ کیا ہے ۔ یہ کارروائی بی ۵۲ طیاروں کی مدد سے ہوسکتی ہے اور اس میں سی آئی اے کے مشیر بھی شریک ہوسکتے ہیں۔ نئے ورلڈ آرڈر کے تحت ہونے والی اس تبدیلی کا آغاز صدر بش کے والد کے دور میں سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ہوا تھا

زیادہ عرصے کی بات نہیں ہے کہ مغربی ممالک اپنی دفاعی صلاحیتوں کے بل بوتے پر سیکیورٹی کی ضمانت حاصل کرتے تھے ۔ تاہم اب اسٹار وار پروگرام ، میزائل ڈیفنس فیلڈ اور دیگر دفاعی نظام منظر عام پر آگئے ہیں اور امریکا کا سیکیورٹی کا ایجنڈا درہم برہم ہوگیا ہے ۔ جن علاقوں میں امریکی مفادات داؤ پر لگے ہوئے نہیں ہیں وہاں سے امریکی فوجوں کی واپسی صدر بش اور وہائٹ ہاؤس کی نئی پالیسی کا ایک حصہ ہے

۱۹۹۰ ء میں سابق سفارت کار رابرٹ کوپر نے ، جو اب برطانوی وزیر اعظم ٹونی بلیئر کے افغانستان کے مستقبل کے حوالے سے مشیر ہیں ۔ کہا تھا کہ افغانستان اور صومالیہ ایسی ناکام ریاستیں ہیں جہاں قانون کی حکم رانی کی بجائے جنگ جو سرداروں کا حکم چلتا ہے ۔ ان ممالک میں حکومتیں ناکام ہیں اور دہشت گردی کی جڑیں مضبوط ہیں کوپر نے گزشتہ ستمبر میں ہونے والی دہشت گردی سے کچھ عرصے قبل اپنی ایک تحریر میں عراق کو بھی ان ممالک کی فہرست میں شامل کیا تھا ۔ جسے عالمی سطح پر ناکام ریاست قرار دیا جاسکتا ہے ۔

صومالیہ کی ناکامی اور بربادی پر اسرار صورت اختیار کیئے ہوئے ہے ۱۹۹۰ ء تک اس ملک کو کافی اہمیت حاصل تھی۔ ۱۹۹۱ ء میں بغاوت

اور شورش کے بعد یہ ملک سمٹنا شروع ہوا اور اس کے بعد اب تک اس کی تعمیر نو نہیں ہو سکی ہے۔ اس ملک میں ایک عارضی حکومت قائم ہے۔ مگر اس کی عمل داری موغادیشو کے جنوبی مضافاتی علاقے تک بھی نہیں ہے۔ دارالحکومت سے باہر ملک کی آبادی کا پانچواں حصہ شدید بھوک کا شکار ہے۔ بحیرہ ہند میں ساحلی علاقوں کے ساتھ رہنے والے لاکھوں افراد انتہائی غیر محفوظ ہیں۔ ان علاقوں میں کاریں خال خال ہی نظر آتی ہیں۔ اس کی بجائے پک اپ ٹرک سڑکوں پر نظر آتے ہیں جن پر اینٹی ایئر کرافٹ گنیں نصب نظر آتی ہیں۔ اپنی ذاتی حفاظت کے لئے یہ گنیں علاقے کے بااثر لوگوں کا سب سے پسندیدہ ہتھیار ہیں۔ ان گاڑیوں پر کوئی نمبر پلیٹ بھی نظر نہیں آتی۔ یہاں غیر ملکی صرف چند ڈالر خرچ کر کے پاسپورٹ حاصل کر سکتے ہیں۔ تعلیم اور صحت کی سہولتیں اس ملک اس اب یاد ماضی بن چکی ہیں۔ مصائب کے اس دور میں امریکی بم باری کی وجہ سے مزید اضافہ ہوا۔ اس بمباری میں صومالیہ میں مبینہ طور پر موجود القاعدہ کے سیل کا بہت زیادہ قصور تھا۔ امریکیوں نے اس سیل پر الزام لگایا ہے کہ ۱۹۹۸ء میں کینیا اور تنزانیہ میں اس کے سفارت خانوں پر جو حملے ہوئے اس کی منصوبہ بندی میں اس کا ہاتھ تھا۔ ایک اور تنظیم "الاتحاد الاسلامی" نے بھی صومالیہ کو اپنا مرکز قرار دیا ہے۔ صومالیہ جو اس وقت افریقا میں ایک بڑا سوالیہ نشان بنا ہوا ہے۔ اسے "ہارن آف افریقا" بھی کہا جاتا ہے یہ ملک سمندر کے ذریعے ایتھوپیا سے علیحدہ ہوتا ہے اس ملک کا رقبہ برطانیہ اور آئر لینڈ کے مجموعی رقبے کے برابر ہے۔ اس کے زیادہ تر علاقوں میں موسم خشک رہتا ہے۔ صومالیہ کے شمالی پہاڑی علاقوں کی آب و ہوا نسبتاً بہتر ہے۔ یہ پہاڑی علاقے سطح سمندر سے ۰۰۰، فٹ بلند ہیں۔ صومالیہ کے دو ہزار میل طویل ساحلی علاقے پر علاقائی جنگ جو سرداروں کی حکم رانی ہے ان افراد کو ہتھیاروں اور غلاموں کی تجارت کے علاوہ مختلف معیاری اشیاء کی نقل تیار کرنے کی مکمل آزادی ہے۔ یہ اشیاء زیادہ تر مشرق وسطی اور بعض دیگر علاقوں کو برآمد کی جاتی ہیں۔ صومالیہ کی دو مشہور ماڈلز ایمان اور وارث کو بھی اس ملک کی "برآمدات" میں شامل کیا جاتا ہے۔

۱۹۲۰ء میں برطانیہ اور اٹلی نے اس ملک کی تقسیم کی تھی۔ اس علاقے میں اس وقت کاشت کاری اور کان کنی بھی ہوتی تھی اور خیال تھا کہ یہاں سونے اور یورینیم کے ذخائر بھی موجود ہیں۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران اس ملک کو اٹلی کی حکومت نے اپنے انتظام میں مختصر عرصے کے لئے متحد کیا تھا۔ مگر جلد ہی یہ اتحاد ختم ہو گیا اور مسولینی کی فوجیں "ہارن آف افریقا" میں اتر گئیں۔ جنگ کے خاتمے کے بعد برطانوی فوجی انتظامیہ نے ایک بار پھر اٹلی کو اس علاقے کا انتظام سونپ دیا۔ اس سلسلے میں اقوام متحدہ نے بھی ایک منشور کی منظوری دی تھی ۱۹۵۰ء میں صومالیہ میں پہلی نمائندہ حکومت قائم ہوئی۔ اس ملک کو ۱۹۶۰ء میں مکمل آزادی ملی اور عبداللہ عثمان صومالیہ کے پہلے صدر بنے۔ وہ تقریباً ایک عشرے تک اپنے عہدے پر برقرار رہے۔ مگر انہیں بھی ملک کے متحارب شمالی اور جنوبی قبائل میں صلح کرانے میں ناکامی ہوئی۔ اس کے علاوہ انہیں اپنے پڑوسی ملکوں ایتھوپیا اور کینیا سے پرامن تعلقات

کے قیام میں بھی کامیابی نہیں ہوئی۔

۱۹۶۹ء میں محمد سعید برے نے ملک میں بغاوت کردی جس کے بعد صومالیہ میں مارکسٹ انقلاب آگیا انہوں نے اعلان کیا کہ ہم نے ملک سے ایسی اقتصادیات کا سلسلہ ختم کردیا ہے۔ جس کا انحصار صرف درآمدات پر تھا۔ انہوں نے اعلان کیاکہ اب ہم اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے کے لئے آزاد ہیں۔ اس دور میں سوویت یونین اور اٹلی سے تعلق رکھنے والے بائیں بازو کے مشیروں نے زراعت کو جدید خطوط پر استوار کرنے پر توجہ دی۔ صنعتوں، بینکوں، انشورنس کمپنیوں اور پٹرول کی تقسیم کے نظام کو قومیایا گیا۔ پانچ سال تک "سائنٹفک سوشل ازم" کے نظام کے قیام کے باوجود صومالیہ کارکنوں کی جنت نہیں بن سکا۔ اپنی صدارت کے دوسرے عشرے میں سعید برے نے سوویت یونین کی سرپرستی قبول کرنے سے انکار کردیا اور امریکی امداد قبول کرنی شروع کردی۔ اس کے علاوہ انہوں نے عرب ریاستوں سے بھی قریبی تعلقات قائم کئے۔ ۱۹۹۱ء میں سعید برے کی حکومت کا خاتمہ ہوگیا۔

سعید برے کی حکومت کے خاتمے کا نتیجہ یہ نکلا کہ ملک کے مختلف علاقوں پر بارہ قبائل کا کنٹرول قائم ہوگیا۔

ان قبائل کے دعوؤں کا تصفیہ آج تک نہیں ہوسکا ہے۔ حال ہی میں ایک تاریخ داں نے لکھا کہ سعید برے کے بعد صومالیہ انتہائی پستی کا شکار ہوگیا ہے۔ قبائل کے درمیان لڑائی نے دارالحکومت موغادیشو اور ملک کے دوسرے شہر پورٹ آف بربیرا کو کھنڈرات میں تبدیل کردیا۔ صومالیہ میں مسلسل خانہ جنگی پر قابو پانے کے لئے اقوام متحدہ نے ۱۹۹۳ء میں قیام امن کے لئے کوششوں کو آغاز کیا۔ ان کوششوں کا نتیجہ "آپریشن ایرین" کی ٹریجڈی کی صورت میں برآمد ہوا۔ بش سینیر نے اقوام متحدہ کے اس مشن میں امریکی فوجوں کی شمولیت کے حوالے سے کہا تھا کہ صومالیہ کے سب سے بڑے جنگ جو سردار فرح عدید نے اپنی قوم کے مصائب میں اضافہ کردیا ہے اور یہاں ۳ لاکھ افراد قحط کی وجہ سے ہلاک ہوچکے ہیں۔

فرح عدید کے حامیوں نے جب اقوام متحدہ کی امن فوج میں شامل ۲۴ پاکستانی فوجیوں کو ہلاک کردیا تو اس وقت کے امریکی صدر کلنٹن نے فرح عدید کے ٹھکانے کا پتا چلانے کا حکم دیا۔ انہوں نے اسے گرفتار کرنے کے لئے رینجرز روانہ کئے مگر امریکی فوجی اسے گرفتار نہیں کرسکے۔ اپنی کارروائی کے دوران امریکن رینجرز نے ۵۰۰ صومالی باشندوں کو ہلاک کردیا۔ امریکا کو اپنی اس کارروائی کا نتیجہ اس صورت میں بھگتنا پڑا کہ اس کے ایک ہلاک شدہ فوجی کی لاش موغادیشو کی سڑکوں پر گھسیٹی گئی۔ مبصرین کا کہنا ہے کہ اگر یہ صومالیہ میں قیام امن کے لئے کی جانے والی کوششوں کا صلہ تھا تو اس کا پھر اعادہ نہیں ہونا چاہئے ۱۹۹۵ء کے بعد صومالیہ میں قومی تعمیر نو کے سلسلے میں کوئی اور کوشش نہیں کی گئی۔

امریکی سی آئی اے کا خیال ہے کہ القاعدہ نے مبینہ طور پر اسی صورت حال سے فائدہ اٹھاتے ہوئے صومالیہ کے جنوبی ساحلی علاقے میں واقع جزیرے راس کمبونی میں اپنے اڈے قائم کرلئے ہیں۔ سی آئی اے کے مطابق "الاتحاد اسلامی" نے بھی صومالیہ کی بندرگاہوں پر کنٹرول حاصل کرنے کے بعد اپنے آپ کو مستحکم کیا ہے۔ گزشتہ دنوں امریکا کی جانب سے صومالیہ کے سب سے بڑے بینک "البرکات" کے غیر ممالک میں موجود اثاثے منجمد کردئے گئے تھے۔ امریکا کو اس سلسلے میں اس بات کا شبہ تھا کہ اس بینک کی مختلف شاخوں کے ذریعے ۲۰ کروڑ ڈالر کی رقم دہشت گرد گروہوں کو فراہم کی گئی تھی۔

ایک سال قبل صومالیہ کے ۱۲ قبائل کے نمائندوں نے جبوتی میں ہونے والے اجلاس میں صدر عبدالقاسم صلاد حسن کی سربراہی میں عبوری حکومت قائم کی تھی۔ صدر قاسم نے امریکا سے اپیل کی تھی کہ وہ صومالیہ کو اپنا اگلا نشانہ نہ بنائے۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر اسامہ بن لادن صومالیہ میں پناہ لیتے ہیں تو اس ملک کی غربت ان کی موجودگی کو فوری طور پر ظاہر کردے گی کیوں کہ امریکا نے ان کے سر کی جو قیمت رکھی ہے اسے ہر شخص حاصل کرنا چاہے گا۔

ایودھیا میں حکومت کی مسلمہ اراضی

ٹی آر ایس آفس اور کونڈہ لکشمن باپوجی کے مکان کا تخلیہ

ضلع کلکٹریٹ حیدرآباد کے حکام نے پولیس کی مدد سے اچانک اور برق رفتار کاروائی میں تلنگانہ راشٹرا سمیتی کے ریاستی دفتر اور مجاہد آزادی سابق وزیر کونڈا لکشمن باپوجی کے مکان واقع جل درشیم کو زبردستی خالی کرادیا۔ فرنیچر اور دوسرے سامان کو منتقل کرتے ہوئے گھر اور دفتر کو مہر بند کردیا۔ اس کارروائی کے وقت زبردست کشیدگی پیدا ہوئی۔ پولیس نے ٹی آر ایس کے احتجاجی کارکنوں کو منتشر کرنے لاٹھی چارج کیا اور بعض کارکنوں کو گرفتار بھی کیا گیا۔ کارروائی کے وقت ٹینک بنڈ کے کنارے واقع جل درشیم اور اسکے اطراف کے سارے علاقہ کو پولیس نے عملاً گھیر لیا تھا اور سارے علاقہ کو پولیس چھاونی میں تبدیل کردیا گیا۔ پولیس کی اس اچانک کارروائی کے وقت کونڈا لکشمن باپوجی مکان میں نہیں تھے اور ٹی آر ایس کے سینئر قائدین بھی موجود نہیں تھے۔ پولیس نے مکان اور ٹی آر ایس آفس کے ٹیلیفون منقطع کردیا اور وہاں موجود افراد کے سیل فون ضبط کرلیا۔

سارے علاقہ کی ناکہ بندی کردی گئی اور کسی کو باہر نکلنے کی اجازت نہیں دی گئی۔ اخباری نمائندوں کو بھی اس کارروائی کی رپورٹنگ کے لئے اندر جانے کی اجازت نہیں دی جارہی تھی۔ جل درشیم میں مجاہد آزادی کونڈا لکشمن باپوجی کا مکان ہے اور اسکے ایک حصہ میں چندر شیکھر راؤ کی زیر قیادت ٹی آر ایس کا ریاستی دفتر قائم ہے۔ اس 6 ایکر اراضی کے بارے میں کونڈا لکشمن باپوجی اور ریاستی حکومت کے درمیان تنازعہ سپریم کورٹ میں جاری تھا اور ۲۹ جنوری کو سپریم کورٹ نے ریاستی حکومت کے حق میں فیصلہ سنایا اور اسے اراضی کا مالک قرار دیا۔ تخلیہ کی کارروائی کے وقت مسٹر کے چندر شیکھر راؤ نظام آباد میں تھے جبکہ کونڈا لکشمن باپوجی سپریم کورٹ میں اپیل دائر کرنے نئی دہلی میں مقیم تھے۔ باپوجی کے مکان میں انکی 82 سالہ شریک حیات شکنتلا دیوی اور ملازم بالاکرشنا موجود تھے۔ شکنتلا دیوی پولیس کی اس کارروائی پر حیرت زدہ تھیں اور زار و قطار رورہی تھیں۔ چند گھنٹوں کے اندر پولیس نے مکان اور ٹی آر ایس آفس کے سارے فرنیچر اور سامان کو لاریوں کے ذریعہ یم سی ایچ آفس منتقل کردیا۔ اس کارروائی کے لئے شہر کے مختلف پولیس اسٹیشنوں سے زائد پولیس فورسس کو طلب کرلیا گیا تھا۔ ٹی آر ایس کارکنوں کو اپنے سینئر قائدین سے ربط پیدا کرنے کا بھی موقع نہیں دیا گیا۔ ٹی آر ایس کارکنوں نے احتجاج کیا اور چیف منسٹر اور پولیس کے خلاف نعرے لگائے۔ کارکنوں نے راستہ روکو احتجاج بھی منظم کیا۔ پولیس نے انہیں گرفتار کرلیا۔

اظہر اور کرکٹ بورڈ کو تنازعہ آپس میں حل کرلینے عدالت کا مشورہ

آندھرا پردیش ہائیکورٹ نے ہندوستانی کرکٹ ٹیم کے سابق کپتان محمد اظہرالدین اور کرکٹ کنٹرول بورڈ کو مشورہ دیا کہ وہ آپس میں مل بیٹھ کر اس تنازعہ کو عدالت سے باہر ہی حل کرلیں۔ عدالت نے اس خیال کا اظہار کیا کہ عدالتیں اسپورٹس جیسے خصوصی معاملات سے نمٹنے کے لئے موزوں نہیں ہیں۔ ہائیکورٹ کے جسٹس موتی لعل بی نائیک نے اظہرالدین کی دائر کردہ سیول درخواست پر یہ خیال ظاہر کیا اور کہا کہ اظہرالدین پر امتناع اور انکے عدالت سے رجوع ہونے سے پیداشدہ تنازعہ سے نہ صرف کھیل متاثر ہوا بلکہ شائقین کرکٹ کا اعتماد بھی متزلزل ہوگیا ہے۔ اظہرالدین نے سٹی سیول

محبوب نگر میں تاجر کو پولیس زدوکوب کے خلاف شہر میں تاجر برادری کا احتجاج

کورٹ کے سکنڈ ایڈیشنل چیف جج کے احکام کے خلاف یہ اپیل دائر کی ہے ۔ سٹی سیول کورٹ نے سال گذشتہ نومبر میں اظہرالدین کو ہدایت دی تھی کہ وہ اپنی درخواست کے کچھ حصوں کو حذف کریں ۔ کیونکہ وہ اسکینڈل کی نوعیت کے ہیں ۔ اظہرالدین نے ان پر عائد تاحیات امتناع کے خلاف سیول درخواست دائر کی تھی ۔ ان پر میچ فکسنگ کے الزامات عائد کرکے یہ امتناع عائد کیا گیا۔ اظہرالدین کا استدلال ہے کہ مسٹر مادھون کی جانب سے جو تحقیقات کی گئی وہ اغراض پر مبنی ہیں کرکٹ کنٹرول بورڈ انہیں اپنا موقف واضح کرنے کی اجازت دئے بغیر نشانہ بنارہا ہے ۔ جج نے مزید غور و خوص کے لئے یکم مارچ کو آئندہ سماعت مقرر کی ہے ۔

دہلی کابل تہران پرواز کے لئے عنقریب سہ فریقی معاہدہ

جمہوریہ اسلامی ایران کے قونصل جنرل متعینہ حیدرآباد مسٹر علی حکان قمی نے کہا ہے کہ دہلی کابل اور تہران کے درمیان طیاروں کی پرواز کے لئے عنقریب ہندوستان ، افغانستان اور ایران کے درمیان سہ فریقی معاہدہ پر دستخط کئے جائیں گے ۔ انقلاب اسلامی ایران کی ۲۳ ویں سالگرہ کے سلسلہ میں اخباری نمائندوں سے بات چیت کرتے ہوئے مسٹر علی قمی نے کہا کہ تہران تا حیدرآباد اور حیدرآباد تا تہران پرواز کو یقینی بنانے کے لئے بہت جلد اقدامات کئے جائیں گے ۔ انہوں نے کہا کہ ایران ہمیشہ ہی دہشت گردی کا مخالف رہا ۔ اور اسلام بھی دہشت گردی کی ہرگز اجازت نہیں دیتا ۔ انہوں نے ہند پاک صورتحال کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ ایران ہمیشہ ہی امن کا خواہاں ہے اور وہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان بات چیت کے ذریعہ امن کی بحالی کا خواہاں ہے کیونکہ کوئی بھی مسئلہ بات چیت کے ذریعہ آسانی سے حل کیا جاسکتا ہے ۔ انہوں نے کہا کہ جنگ مسائل کا حل نہیں اور جنگ سے صورتحال اور بھی پیچیدہ ہوجائے گی۔

اوقافی املاک پر ناجائز قبضوں کے خلاف وقف بورڈ کی مہم

• آندھرا پردیش ریاستی وقف بورڈ نے

نمس ریزیڈنٹ ڈاکٹرس کا احتجاجی جلوس جو تقریباً ایک ماہ سے ہڑتال پر ہیں۔

مقررہ مدت تک کرایہ دار نہ بننے والوں کے خلاف سخت کارروائی کی جائے گی۔ مسٹر محمد سلیم نے بتایا کہ وہ ایک سال میں بورڈ کی آمدنی کو 50 لاکھ تا ایک کروڑ کرنے کی کوشش کریں گے۔

منتخب میئر بلدیہ حیدرآباد مسٹر ٹی کرشنا ریڈی نے جناب زاہد علی خاں ایڈیٹر سیاست سے ملاقات کی۔ تصویر میں جناب عامر علی خاں نیوز ایڈیٹر بھی دیکھے جاسکتے ہیں۔

سرکاری ملازمین کو بینکوں سے تنخواہ کی ادائیگی

ریاست کے تمام سرکاری ملازمین کو آئندہ ماہ سے بینکوں کے ذریعہ تنخواہوں کی ادائیگی عمل میں آئے گی۔ اس سلسلہ میں ریاستی حکومت نے فیصلہ کرتے ہوئے سرکاری ملازمین کو بینکوں سے تنخواہوں کی ادائیگی کے لئے محکمہ فینانس سے جی او 90 مورخہ 31 جنوری جاری کیا بتایا جاتا ہے کہ بینکوں سے تنخواہوں کی ادائیگی

مضافاتی علاقہ عطاپور، کشن باغ، ملک علی، پہاڑی میر محمود اور متصل علاقوں کی 668 ایکر موقوفہ اراضی کا معائنہ کیا اور اس علاقہ میں 5 ہزار سے زائد قابضین کو اندرون 15 یوم اپنے ان قبضوں کو باقاعدہ وقف بورڈ کے ساتھ لیز پر بدلنے کی ہدایت دی۔ 22 فبروری تک قبضوں کو لیز میں تبدیل نہ کرنے والوں کو بیدخل کردیا جائے گا۔ صدر نشین وقف بورڈ مسٹر محمد سلیم نے کمشنر پولیس مسٹر پی رامولو کلکٹر رنگاریڈی مسٹر اے جین، ایس پی رنگاریڈی مسٹر رامچندر راجو، ڈپٹی کمشنر پولیس ساؤتھ زون مسٹر گووند سنگھ اور دوسرے عہدیداروں کے ساتھ عطاپور، راجندر نگر، کشن باغ، وادی میر محمود پہاڑی اور اس سے متصل اوقافی اراضیات کا معائنہ کیا۔ ناجائز قابضین کو آگاہ کیا گیا کہ وہ وقف بورڈ میں اپنے اقرار نامے داخل کرتے ہوئے باقاعدہ کرایہ دار بن جائیں۔

عثمانیہ یونیورسٹی میں تیار کیا جارہا سائیکلنگ ویلوڈرم۔

کے فیصلہ پر موثر عمل آوری کے لئے ریاستی حکومت نے مختلف بینکوں کے نمائندوں سے بات چیت کی 20 بینکوں نے سرکاری ملازمین کی تنخواہیں اپنے بینک سے ادا کرنے سے اتفاق کیا۔ ان بینکوں میں سرکاری ملازمین کو کسی اڈوانس ڈپازٹ کے بغیر اپنے نئے اکاؤنٹس کھول لینے کی سہولت فراہم کی جائے گی۔ اس سہولت سے ریاست کے 10 لاکھ ملازمین کو فائدہ پہونچے گا۔

☆☆☆☆

چیف منسٹر نیویارک میں 11 ستمبر 2001 کے مہلوکین کو خراج پیش کرتے ہوئے۔

ملکی معیشت

اتار چڑھاؤ کا شکار

وکیل انجم

امریکی اتحاد کا حصہ بننے اقتصادی صورتحال پر اثر انداز ہوا، زر مبادلہ کے ذخائر میں ریکارڈ اضافہ

گزشتہ سال ڈرامائی تبدیلیوں کا حامل رہا بے روزگاری میں اضافہ عالمی کساد بازاری کے باعث ادائگیوں کے توازن میں کمی۔ ڈالر کی قدر میں رد و بدل، عالمی مالیاتی اداروں کے قرضوں کی ری شیڈولنگ اور مہاجرین کی افغانستان سے آمد، افغانستان میں جنگ جیسے مسائل کے باعث پاکستان کی معیشت میں بڑے اتار چڑھاؤ آئے۔ پاکستان کا امریکی اتحاد کا حصہ بننا بھی اقتصادی صورتحال پر اثرانداز ہوا، زر مبادلہ کے ذخائر میں ریکارڈ اضافہ بھی سال کا اہم موضوع رہا، کچھ اہداف بھی پورے نہ ہوسکے۔ کارپوریٹ فارمنگ کے ذریعہ زراعت کا قومی ترقی میں حصہ بڑھانے کی حکمت عملی بھی کامیاب نہ ہوسکی جبکہ بارش کی کمی کے باعث کئی علاقوں یں قحط کی وجہ سے فصلیں متاثر ہوئیں۔

افغان جنگ میں عالمی اتحاد کا حصہ بننے سے زر مبادلہ کے ذخائر 4 ارب 40 کروڑ ڈالر تک پہنچ گئے۔ البتہ عالمی تجارت میں اگست سے دسمبر تک کے 5 ماہ میں 43.5 کروڑ ڈالر کا خسارہ ہوا، صرف نومبر میں جنگ کی وجہ سے برآمدات 5.8 فیصد اور درآمدات 11.1 فیصد کم ہوگئیں۔ مجموعی طور پر سال میں درآمدات میں 25 فیصد کمی آئی۔ جنوری سے دسمبر تک ڈالر کی قیمت میں کئی بار کمی بیشی ہوئی، پاکستانی روپئے کی قدر میں استحکام پیدا کرنے کے لئے اسٹیٹ بینک نے بھی کچھ اقدامات کئے۔ گیارہ ستمبر تک ڈالر کی قیمت روپئے کے مقابلے میں خاصی مستحکم تھی۔ البتہ سال کے آخری چار مہینوں میں عالمی کساد بازاری اور تجارتی مندی کے رجحانات کے باعث ڈالر 59 روپئے تک آگیا اور یوں دسمبر تک پاکستانی روپئے کی قدر میں 9 فیصد تک اضافہ ہوا تھا۔ صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے ملک کی اقتصادی ترقی و خوشحالی کے لئے 20 بڑے ترقیاتی منصوبے شروع کرنے کا اعلان کیا جس میں گومل زام ڈیم، میرانی ڈیم، گریٹر تھل کینال، رائیٹ لنک آوٹ فال ڈرین، کوسٹل ہائی وے، چشمہ رائیٹ لنک کینال، کوئنڈ واٹر پروجیکٹ، شمالی علاقہ جات میں سیاحت کے فروغ کے لئے تین سڑکیں اور کوئنڈ مند روڈ کے منصوبے نمایاں تھے، اس کے علاوہ خوشحال پاکستان اور غربت کا خاتمہ جیسے پروگرام بھی شروع کئے گئے۔ حکومت نے 5900 ترقیاتی اسکیمیں شروع کرنے کا اعلان بھی کیا جس سے 9 لاکھ افراد کو روزگار دینے کا وعدہ کیا گیا تھا۔ افغانستان میں جنگ کی وجہ سے ترقیاتی اسکیمیں بری طرح متاثر ہوئیں بلکہ بے روزگاری میں بھی اضافہ ہوا۔ صنعتی سرگرمیاں ماند رہیں اور مختلف اداروں سے پالتو عملہ پرکشش مراعات کے ذریعہ فارغ کیا گیا۔ 2002-2001ء کے لئے پاکستان کا مالیاتی بجٹ 751.7 ارب روپئے کا تھا جو گزشتہ مالی سال کے بجٹ سے سات اشاریہ سات فیصد زیادہ تھا۔ اندرونی و بیرونی قرضوں کی ادائیگی پر 43.7 فیصد دفاع پر 17.5 فیصد حکومتی اخراجات 10.7 فیصد اور ترقیاتی اخراجات کے لئے 17.29 فیصد رقم رکھی گئی۔ بجٹ میں ریلیف کی ایک فہرست بنائی گئی بجٹ میں ٹیکسوں کی تعداد میں ' اضافہ کیا گیا۔ سیلز ٹیکس کی شرح میں 15 سے 20 فیصد تک اضافہ ہوا۔ ریونیو کا ہدف 457 ارب رکھا گیا۔ پچھلے مالی سال میں ریونیو میں 30 ارب روپئے کی کمی تھی۔ حالانکہ وزیر خزانہ نے بجٹ پیش کرتے ہوئے دعوی کیا تھا کہ وہ سرکاری اخراجات کو محدود کریں گے اور بجٹ خسارے کو 4.7 فیصد تک محدود کریں گے۔ عالمی مالیاتی اداروں سے ملنے والے ریلیف کی وجہ سے بجٹ خسارے میں بہتری کی امید پیدا ہوئی۔ سی بی آر سال 2001-2000ء میں ٹیکس ریونیو کا ٹارگٹ پورا نہ کرسکا جس کی وجہ سے سی بی آر کے سربراہ ریاض نقوی کو مستعفی ہونا پڑا اور ان کی جگہ ریاض ملک کو سی بی آر کا نیا چیرمین بنایا گیا۔ انہوں نے یقین دلایا کہ گزشتہ سال کے ٹارگٹ سے بھی دو ارب 50 کروڑ روپئے وصول کریں گے۔ سی بی آر نے 460 ارب روپئے 2002-2001ء میں پورا کرنے کا یقین دلایا۔ گزشتہ سال یہ ٹارگٹ 436 ارب تھا جو پورا نہ ہوسکا۔ صرف 394 ارب روپئے وصول ہوئے تھے۔ حکومت نے 23 صنعتی یونٹوں کو فروخت کرکے 4 ارب ڈالر حاصل کرنے کا اعلان کیا تھا۔ حکومت کا یہ ٹارگٹ بھی پورا نہ ہوسکا۔

سرکاری ملازمین کی مشکلات کے پیش نظر بجٹ 2002-2001ء میں سرکاری ملازمین کے لئے پے اسکیلوں پر نظرثانی کی گئی اور ملازمین کو مراعات دینے کا وعدہ کیا گیا۔ سیول و فوجی ملازمین کی تنخواہیں یکم دسمبر 2001ء سے بڑھانے کا اعلان کیا گیا، عملی طور پر گریڈ 17 سے گریڈ 22 کے افسروں کی تنخواہوں میں جس اضافے کی نوید سنائی گئی تھی وہ پوری نہ ہوسکی۔ البتہ گریڈ ایک سے سولہ تک کے ملازمین کی تنخواہوں میں معمولی اضافہ ہوا جس سے حکومتی اخراجات میں 20 ارب روپئے کا اضافہ ہوا۔ وزیر تجارت عبدالرزاق داؤد نے جولائی میں 2002-2001ء کے لئے نئی تجارتی پالیسی کا اعلان کیا جس میں برآمدات کا ہدف 10.1 ارب ڈالر مقرر کیا گیا جبکہ درآمدات کا ہدف گیارہ ارب ڈالر مختص کیا گیا۔ برآمدات کے لئے خوشگوار ماحول پیدا کرنے کے لئے وزیر تجارت نے بعض ترغیبات اور سہولتوں کا اعلان کیا جس کا تجارتی حلقوں نے خیر مقدم کیا۔ رواں مالی سال میں برآمدات کا ہدف گزشتہ سال سے 7.6 فیصد زیادہ تھا۔ گزشتہ سال کی برآمدات کا تخمینہ دس ارب ڈالر لگایا گیا تھا پھر نظرثانی ہدف 9.33 ارب ڈالر کردیا گیا جو پورا نہ ہوسکا۔ برآمدات بڑھانے کے لئے حکومت نے 150 ملین ڈالر کے زر مبادلہ کی سہولت فراہم کرنے کا اعلان بھی کیا تھا لیکن گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کو ملنے والے کئی آرڈر نہ صرف منسوخ ہوگئے بلکہ جو آرڈر بحال رہے اس پر بھی

وار رسک ٹیکس عائد ہونے کی وجہ سے اخراجات بری طرح متاثر ہوئیں۔ جنگ کی وجہ سے کراچی کی بندرگاہ ویران رہی اور گزشتہ تین ماہ میں وار رسک انشورنس کی وجہ سے پاکستان کی جانب آنے والے بحری جہازوں کے چارجز میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا۔ کارگو کے بڑھتے ہوئے اخراجات کی وجہ سے تجارت میں مزید کمی آئی۔ جبکہ رواں سال میں درآمدات میں سوا ارب روپے کی کمی اور برآمدات میں دو ارب ڈالر کمی کا اندیشہ ہے۔ پاکستان کی برآمدات میں کمی ایسے موقع ہورہی تھیں جب امریکہ نے کوٹہ کا خاتمہ اور یورپی یونین نے پاکستان پر درآمدی ڈیوٹیز میں 15 فیصد کمی کردی اور پاکستان کی ٹیکسٹائیل کی مصنوعات سے بہت سی پابندیاں اٹھالی تھیں۔ افغانستان میں جنگ شروع ہونے کے فورا بعد افغان جنگ کے دوران پاکستان کے اعلی حکام اس کوشش میں رہے کہ جنگ میں امریکہ کا ساتھ دینے کا صلہ عالمی مالیاتی اداروں کی قرضوں کی معافی کی صورت میں ملنا چاہیے اس سلسلہ میں صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے امریکی صدر جارج واکر بش سے اپنی ڈھائی گھنٹے کی ملاقات میں اس مسئلہ کو بھی اٹھایا تھا کہ پاکستان کو اقتصادی مشکلات سے نکالنے میں مدد دی جائے۔ پاکستان میں امریکی سفیر وینڈی جے چیمبرلین نے حکومت پاکستان کو واضح طور پر یقین دلایا کہ پاکستان پر 37 ارب ڈالر کے قرضے کی معافی کا معاملہ امریکہ کے اختیار میں نہیں ہے۔ پاکستان پر امریکی قرضہ صرف تین ارب 20 کروڑ ڈالر ہے اس لئے پورے قرضے کی معافی کے لئے امریکہ دیگر ممالک اور پیرس کلب کے ساتھ مذاکرات کرے گا۔ عالمی مالیاتی اداروں کی طرف سے ملنے والے ریلیف کے باوجود ملک کے مالیاتی خسارے کو 2002 ۔ 2001 ء کو پورا کرنے کے لئے ڈھائی سے تین ارب ڈالر کی ضرورت ہے۔ آئی ایم ایف کی طرف سے پاکستان کو خاصی مراعات دی گئیں ، خاص طور پر ڈسمبر میں پاکستان کو غربت کے خاتمے اور پیداوار میں اضافے کے لئے اگلے تین سال میں ایک ارب تیس کروڑ ڈالر کا قرضہ ملے گا۔ یہ قرضہ پاکستان کو 0.5 فیصد شرح سود پر 12 مساوی قسطوں میں ملے گا۔ ناروے نے بھی امداد میں دوگنا اضافہ کیا۔ پاکستان کے وزیر خزانہ نے ڈسمبر کو یورپی یونین اور امریکہ کا خصوصی دورہ کیا۔ دورہ کا بنیادی مقصد پاکستان کی ان معاشی مشکلات سے آگاہ کرنا تھا جو پاکستان کو عالمی اتحاد کا حصہ بننے کی وجہ سے اٹھانا پڑا تھا۔ اس سلسلہ میں پاکستان کے وزیر خزانہ شوکت عزیز نے لندن میں پریس کانفرنس میں تسلیم کیا کہ افغانستان کی جنگ کی وجہ سے پاکستان کی برآمدات متاثر ہوئی ہیں۔ اور سرمایہ کاری رک گئی ، نج کاری میں کمی واقع ہوئی۔ اس موقع پر انہوں نے پاکستان کی اقتصادی مشکلات کی طرف پیرس کلب کی توجہ دلائی۔ پیرس کلب کے کل قرضے 12.5 بلین ڈالر ہیں۔ وزیر خزانہ نے پیرس کلب کے قرضوں کو تیس چالیس سال تک ملتوی کرنے کے لئے بھی مذاکرات کئے۔ مجموعی طور پر پاکستان کو جنگ کی وجہ سے تین ارب ڈالر کا خسارہ ہوا۔ البتہ امداد سے زر مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ ہوگیا۔ زر مبادلہ کے ذخائر میں اضافہ کی ایک وجہ یہ بھی تھی کہ بیرون ملک مقیم پاکستانیوں کی طرف سے بھیجی گئی رقوم میں 44 فیصد اضافہ ہوا ہے۔ سپٹمبر سے ڈسمبر تک کے چار ماہ میں اس مد میں 44.90 کروڑ ڈالر بھیجے گئے۔ پاکستان کے ایک ارب ڈالر کے منظور شدہ قرضے میں سے 60 کروڑ ڈالر مل گئے ہیں۔ افغانستان کی جنگ سے پہلے جنوری تا جون 2001 ء کی ششماہی رپورٹ میں اسٹیٹ بنک نے ملک کی معیشت کا جو نقشہ کھینچا تھا اس میں گورنر اسٹیٹ نے اعتراف کیا کہ غربت ، بے روزگاری اور بیرونی قرضوں کا بوجھ مالیاتی خسارے میں اضافہ اور سرمایہ کاری میں کمی ہوئی ہے۔ گورنر اسٹیٹ بنک نے اس حقیقت کا اعتراف بھی کیا کہ عالمی کساد بازاری اور گیارہ سپٹمبر کے حملوں کی وجہ سے حکومتی توقعات کا پورا ہونا مشکل ہوگیا ہے۔ رپورٹ میں تسلیم کیا گیا کہ خشک سالی کے باعث زرعی ترقی کی شرح منفی 2.5 فیصد رہی جو گزشتہ مالی سال میں 6.1 فیصد تھی۔ ملک پر کل واجب الادا قرضے جو جی ڈی پی کا 107.3 فیصد تھے ، بڑھ کر 115.3 فیصد ہوگئے۔ اسی طرح بیرونی قرضوں کی شرح میں 7.8 فیصد اضافہ ہوا۔ قومی بچت کی شرح جی ڈی پی کے 13.8 فیصد سے کم ہوکر 12.7 فیصد ہوگئی۔ گزشتہ سال گوادر پورٹ کا منصوبہ 1419 ملین ڈالر میں چین کے ساتھ مل کر مکمل کرنے کا سمجھوتہ ہوا۔ اس منصوبہ کی تکمیل سے پاکستان کو بھاری اقتصادی فوائد ملنے کی توقع تھی۔ افغان جنگ کی وجہ سے یہ منصوبہ بھی متاثر ہوا۔

سال کا آخری مہینہ (ڈسمبر) پاکستان کے لئے معاشی حوالے سے خاصا پرامید رہا۔ پیرس کلب نے پاکستان کے 12.5 ارب ڈالر مالیت کے قرضے 38 سال کے لئے ری شیڈول کردئے ہیں جس میں 5 برس کی مزید رعایتی مدت بھی ملے گی جبکہ کمرشیل قرضے 25 سال میں ادا کرنے ہوں گے ، اس فیصلے سے پاکستان کو آئندہ تین سال میں 2.7 ارب ڈالر کا فائدہ پہنچے گا۔ اس کے علاوہ ایشیائی ترقیاتی بنک نے بھی پاکستان کے لئے 35 کروڑ ڈالر کا قرضہ منظور کرلیا ہے۔ گزشتہ سال 2001 ء میں پٹرولیم کی قیمتوں کے حوالے سے اتار چڑھاؤ کا شکار رہا حکومت پاکستان نے پٹرولیم کی قیمتوں کو بین الاقوامی منڈی اور انٹر بنک ڈالر ریٹ کی قیمتوں کے اتار چڑھاؤ کے ساتھ منسلک کردیا۔ حکومت نے پٹرولیم کی قیمتوں کا جائزہ لینے کے لئے آئیل کمپنیز ایڈوائزری کمیٹی مقرر کی جو ہر 15 دن کے بعد پٹرولیم کی قیمتوں کا جائزہ لیتی ہے۔ 11 سپٹمبر کے بعد عالمی منڈیوں میں تیل کی قیمتوں میں کمی کا رجحان رہا جس سے قیمتیں 2000 ء کی قیمتوں کے برابر ہوگئیں۔

نئے سال کا بجٹ جو یکم جولائی سے شروع ہوا تھا۔ پٹرولیم کی قیمتوں میں اضافے کا پیغام لیکر آیا حکومت پاکستان کے اعلان کردہ طریق کار کے مطابق آئل کمپنیز ایڈوائزری کمیٹی نے 15 روزہ نظر ثانی کے مطابق یکم جولائی 2001 ء سے پٹرولیم کی مصنوعات کی قیمتوں میں اضافہ کردیا۔ اس اضافے کے مطابق پٹرولیم میں 2.82 فیصد مٹی کے تیل میں 1.44 فیصد ہائی اسپیڈ ڈیزل کی قیمت میں 1.69 فیصد ، لائیٹ ڈیزل 1.77 فیصد اور ہائی اوکٹین کی قیمت میں 4.78 فیصد اضافہ ہوا۔ 16 جولائی کو پٹرولیم کی قیمتوں میں خاصی کمی ہوئی

پٹرول 33.81 روپے فی لیٹر سے کم ہو کر 32.76 فیصد (3.11 فیصد کمی) ہائی اوکٹین 38.86 روپے فی لیٹر سے 37.82 (2.68 فیصد کمی) تیل 17.85 سے 17.49 روپے (2.02 فیصد کمی) ہائی اسپیڈ ڈیزل 18.26 روپے سے کم ہو کر 17.80 (2.52 فیصد کمی) لائیٹ ڈیزل کی قیمت 16.13 روپے سے کم ہو کر 15.95 روپے فی لیٹر ہوگیا۔ افغانستان کی جنگ کے بعد پٹرول کی قیمتیں پہلے اکتوبر اور پھر نومبر میں کم ہوئیں۔ اکتوبر میں پٹرولیم کی مصنوعات میں 5.5 فیصد سے 11.5 فیصد تک کمی واقع ہوئی۔

صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے سی بی آر کو خود مختاری دینے اور ملک کے اقتصادی اور مالیاتی ڈھانچے میں ٹیکس اصلاحات نافذ کرنے کے لئے وزیر خزانہ کی سربراہی میں سی بی آر کی سپروائزری کونسل مقرر کی جس کا نام کیبنٹ کمیٹی برائے سی بی آر رکھا گیا اس کا مقصد سی بی آر کو اپنے دائرہ عمل میں خود مختاری دینا تھا۔ ملک کی اقتصادیات کو مضبوط بنانے کے لئے بینک کمپنیز ایکٹ مجریہ 1997ء کو ختم کر کے قرضوں کی ریکوری کا ایک نیا آرڈی نینس جاری ہوا۔ منگائی بیروزگاری اور کم آمدنی کی وجہ سے عوام کی حالت خاصی تپلی رہی۔ ایک سال میں واپڈا نے اکتوبر تک چار بار بجلی کے نرخوں میں اضافہ کیا۔ افغانستان میں دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی فورم کا حصہ بننے کا ملک کو کسی حد تک فائدہ ہوا۔ گیارہ ستمبر کے بعد پاکستان کو تقریبا 40 ارب روپے میں سے 15 ارب روپے صوبائی حکومتوں کے حوالے کئے گئے تاکہ ضلعی حکومتوں کے ذریعہ غربت کے خاتمے صحت کی سہولتوں کی توسیع، تعلیم کے بنیادی ڈھانچے کی تعمیر اور بے روزگاری کے خاتمہ اور خوشحال پاکستان پروگرام کے لئے مختص رقوم 8 ارب سے بڑھا کر 15 ارب روپے کردی گئی تعلیم اور صحت پر بھی دو ارب روپے کا اضافہ کیا گیا۔ معاشی حوالے سے 2001ء میں پاکستان کو سب سے بڑا فائدہ یہ ہوا کہ 1990ء سے عائد اقتصادی پابندیاں ختم ہوگئیں۔ افغانستان کے تعمیر نو کے عمل میں بھی پاکستان کو فائدہ ہوگا۔

افغانستان کے عبوری لیڈر حامد کرزئی نے عہدہ سنبھالنے کے بعد پہلی مرتبہ پاکستان کا دورہ کیا۔ صدر جنرل پرویز مشرف راولپنڈی میں ان سے پہلی ملاقات کے موقع پر بغلگیر ہوگئے۔ دونوں ممالک نے مل جل کر کام کرنے سے اتفاق اور افغانستان کی تنظیم جدید کا عہد کیا۔

صلاح الدین نیرؔ

غزل

ہرات میں ایسے لوگ متاع چمن رہے
جو اپنے گھر میں رہ کے غریب الوطن رہے

☆☆

ہر زخم اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں
ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے

☆☆

خاک وطن نے ان کو گلے سے لگالیا
جو لوگ قتل ہوکے یہاں بے کفن رہے

☆☆

اس طرح کج کلاہی کو اپنی نبھایئے
دشمن سے گفتگو میں بھی اک بانکپن رہے

☆☆

ہم نے لہو دیا ہے نئی روشنی کے نام
ہم بھی تمہاری طرح سے زخمی بدن رہے

☆☆

ہم اپنی وضع داری پہ قائم تو ہیں مگر
کچھ مرحلوں پہ ہم بھی رعایت شکن رہے

☆☆

نیرؔ رہوگے جب بھی صلیبوں کے درمیاں
مٹی وطن کی ہاتھ میں سر پہ کفن رہے

کلیاتِ اقبال

غم زدائے دلِ افسردۂ دہقاں ہونا رونقِ بزمِ جوانانِ گلستاں ہونا

بن کے گیسو رُخِ ہستی پہ بکھر جاتا ہوں

شانۂ موجۂ صرصر سے سنور جاتا ہوں

دور سے دیدۂ امید کو ترساتا ہوں کسی بستی سے جو خاموش گذر جاتا ہوں

سیر کرتا ہوا جس دم لبِ جُو آتا ہوں بالیاں نہر کو گرداب کی پہناتا ہوں

سبزۂ مزرعِ نوخیز کی امید ہوں میں

زادۂ بحر ہوں، پروردۂ خورشید ہوں میں

چشمۂ کوہ کو دی شورشِ قلزم میں نے اور پرندوں کو کیا محوِ ترنّم میں نے

سر پہ سبزہ کے کھڑے ہو کے کہا قم میں نے غنچۂ گل کو دیا ذوقِ تبسّم میں نے

فیض سے میرے نمونے ہیں شبستانوں کے

جھونپڑے دامنِ کہسار میں دہقانوں کے

ایک مکڑا اور مکھی

(ماخوذ)

بچّوں کے لیے

اِک دن کسی مکھی سے یہ کہنے لگا مکڑا
اِس راہ سے ہوتا ہے گذر روز تمھارا

لیکن مری کٹیا کی نہ جاگی کبھی قسمت
بھولے سے کبھی تم نے یہاں پاؤں نہ رکھا

غیروں سے نہ ملیے تو کوئی بات نہیں ہے
اپنوں سے مگر چاہیے یوں کھنچ کے نہ رہنا

آؤ جو مرے گھر میں تو عزّت ہے یہ میری
وہ سامنے سیڑھی ہے جو منظور ہو آنا

مکھی نے سنی بات جو مکڑے کی تو بولی
حضرت! کسی نادان کو دیجے گا یہ دھوکا!

اِس جال میں مکھی کبھی آنے کی نہیں ہے
جو آپ کی سیڑھی پہ چڑھا، پھر نہیں اُترا

مکڑے نے کہا: واہ! فریبی مجھے سمجھے
تم سا کوئی نادان زمانے میں نہ ہوگا

منظور تمھاری مجھے خاطر تھی، وگرنہ
کچھ فائدہ اپنا تو مرا اس میں نہیں تھا

اُڑتی ہوئی آئی ہو خدا جانے کہاں سے
ٹھیرو جو مرے گھر میں تو ہے اس میں بُرا کیا؟

اِس گھر میں کئی تم کو دکھانے کی ہیں چیزیں
باہر سے نظر آتا ہے چھوٹی سی یہ کٹیا

لٹکے ہوئے دروازوں پہ باریک ہیں پردے
دیواروں کو آئینوں سے ہے میں نے سجایا

مہمانوں کے آرام کو حاضر ہیں بچھونے / ہر شخص کو ساماں یہ میسّر نہیں ہوتا
مکھی نے کہا خیر! یہ سب ٹھیک ہے لیکن / میں آپ کے گھر آؤں، یہ امّید نہ رکھنا!

ان نرم بچھونوں سے خدا مجھ کو بچائے
سو جائے کوئی ان پہ تو پھر اُٹھ نہیں سکتا!

مکڑے نے کہا دل میں سنی بات جو اس کی / پھانسوں اسے کس طرح یہ کمبخت ہے دانا
سو کام خوشامد سے نکلتے ہیں جہاں میں / دیکھو جسے دنیا میں خوشامد کا ہے بندا
یہ سوچ کے مکھی سے کہا اُس نے بڑی بی! / اللہ نے بخشا ہے بڑا آپ کو رتبا!
ہوتی ہے اُسے آپ کی صورت سے محبّت / ہو جس نے کبھی ایک نظر آپ کو دیکھا
آنکھیں ہیں کہ ہیرے کی چمکتی ہوئی کنیاں / سر آپ کا اللہ نے کلغی سے سجایا
یہ حُسن، یہ پوشاک، یہ خوبی، یہ صفائی! / پھر اس پہ قیامت ہے یہ اُڑتے ہوئے گانا
مکھی نے سنی جب یہ خوشامد تو پسیجی، / بولی کہ نہیں آپ سے مجھ کو کوئی کھٹکا
انکار کی عادت کو سمجھتی ہوں برا میں / سچ یہ ہے کہ دل توڑنا اچھا نہیں ہوتا
یہ بات کہی اور اُڑی اپنی جگہ سے / پاس آئی تو مکڑے نے اچھل کر اسے پکڑا

بھوکا تھا کئی روز سے اب ہاتھ جو آئی
آرام سے گھر بیٹھ کے مکھی کو اُڑایا

ایک پہاڑ اور گلہری

(ماخوذ از ایمرسن)

بچّوں کے لیے

کوئی پہاڑ یہ کہتا تھا اک گلہری سے — تجھے ہو شرم تو پانی میں جا کے ڈوب مرے

ذرا سی چیز ہے، اس پر غرور! کیا کہنا! — یہ عقل اور یہ سمجھ، یہ شعور! کیا کہنا!

خدا کی شان ہے ناچیز چیز بن بیٹھیں! — جو بے شعور ہوں یوں باتمیز بن بیٹھیں!

تری بساط ہے کیا میری شان کے آگے؟ — زمیں ہے پست مری آن بان کے آگے

جو بات مجھ میں ہے تجھ کو وہ ہے نصیب کہاں — بھلا پہاڑ کہاں، جانور غریب کہاں!

کہا یہ سن کے گلہری نے، منہ سنبھال ذرا — یہ کچی باتیں ہیں دل سے انھیں نکال ذرا!

جو میں بڑی نہیں تیری طرح تو کیا پروا! — نہیں ہے تو بھی تو آخر مری طرح چھوٹا

ہر ایک چیز سے پیدا خدا کی قدرت ہے — کوئی بڑا، کوئی چھوٹا، یہ اس کی حکمت ہے

بڑا جہان میں تجھ کو بنا دیا اس نے — مجھے درخت پہ چڑھنا سکھا دیا اس نے

قدم اٹھانے کی طاقت نہیں ذرا تجھ میں — نری بڑائی ہے! خوبی ہے اور کیا تجھ میں

جو تو بڑا ہے تو مجھ سا ہنر دکھا مجھ کو — یہ چھالیا ہی ذرا توڑ کر دکھا مجھ کو

نہیں ہے چیز نکمی کوئی زمانے میں — کوئی برا نہیں قدرت کے کارخانے میں

ڈاکٹر سلمان عابد

صنعتی و ٹکنالوجی شعبہ میں ضامن روزگار کورسس

نیشنل اسمال انڈسٹریز کارپوریشن لمیٹیڈ (NSIC حکومت ہند کا ادارہ) کا قیام 1955ء میں اس مقصد کے ساتھ عمل میں لایا گیا کہ چھوٹی صنعتوں کو تکنیکی و مالی مدد دیکر انہیں ترقی دی جاسکے ۔ اس کے پیش نظر صنعتوں کے تکنیکی ترقی کے لئے مدارس میں پروٹو ٹائپ ڈیولپمنٹ اینڈ ٹریننگ سنٹر کا قیام 1974ء میں مدارس میں لایا گیا۔ اس کے قیام میں ڈنمارک کی رائل گورنمنٹ کا آزادانہ تعاون شامل رکھا گیا تھا۔

PDTC مدارس اقوام متحدہ کے ترقیاتی پروگرام یونائیٹیڈ نیشن ڈیولپمنٹ پروگرام (UNDP) کے تعاون سے فٹ ویر مشینوں کی ایجاد و تشکیل میں جدید ترین ٹکنالوجی کے استعمال میں ممتاز حیثیت کا حامل ہے۔

اس ادارہ میں کوئی 20 ٹریننگ کورسیں مختلف تکنیکی و صنعتی شعبوں میں فراہم ہیں جن کی تفصیل اس طرح ہے۔

NTA - Maintenance (1)
Mechanic for leather Machinery

اس کورس کا آغاز اکٹوبر سے ہوتا ہے جس میں 18 سال عمر کے دسویں جماعت (ریاضی ، سائنس) کامیاب طلباء داخلہ لے سکتے ہیں۔ اس کورس کی مدت دو سال ہے ۔ نشستوں کی تعداد صرف 8 ہے ۔ اس کے لئے اسٹائی فنڈ 530 روپئے سال اول کے لئے اور دوسرے سال کے لئے 610 روپئے مقرر ہے۔

Turner, Mechanist, Dmans (2)
(Mech.) Painter, Electrician
Ex_ITI_APP

اس کورس کی مدت ایک سال ہے ۔ نشستوں کی تعداد 17، کورس کا آغاز اکٹوبر سے 18 سال عمر کے دسویں جماعت یا اس کے مماثل کامیاب طلباء داخلہ لے سکتے ہیں۔ اسٹائی فنڈ 610 روپئے مقرر ہے۔

Welder (Ex ITI Opp) (3)

اس تربیتی کورس کا آغاز بھی اکٹوبر سے ہوتا ہے ۔ مدت ایک سال ، صرف ایک امیدوار ہی کو داخلہ دیا جاتا ہے ۔ 18 سال کے میٹرک کامیاب طلباء داخلہ کے اہل ہیں ۔ اس کے لئے ماہانہ اسٹائی فنڈ 530 روپئے دیا جاتا ہے۔

Graduate Engineer Trainee (4)

کورسس کا آغاز جنوری سے ہوتا ہے ۔ نشستوں کی تعداد 4 ہے اور مدت دو سال: گرائجویٹس ، پوسٹ گرائجویٹس (میکانیکل ، الکٹرانکس ، لیدر ٹکنالوجی اور ایم بی اے کامیاب طلباء داخلہ کے اہل ہیں ہیں ۔ طلباء کی عمر 21 ہو ، گرائجویٹس کے لئے پہلے سال میں 1500 روپئے ، دوسرے سال 2000 روپئے ، اسٹائی فنڈ مقرر ہے ۔ پوسٹ گرائجویٹس کے لئے پہلے سال 1700 روپئے اور دوسرے سال 2000 روپئے مقرر ہے۔

Graduate apprentics Trainee (5)

آغاز جنوری میں ، نشستوں کی تعداد 4 ، ایک سالہ مدت ، میکانیکل ، الکٹریکل انجینئرنگ گرائجویٹس 21 سالہ اس میں داخلہ کے اہل ہیں۔ اسٹائی فنڈ 1120 روپئے مقرر ہے۔

Technician Apprentics (6)

کورس کا آغاز جنوری سے ، نشستوں کی تعداد 7 ایک سالہ کورس میکانیکل ، الکٹریکل انجینئرنگ میں ڈپلوما کے حامل 18 سال عمر کے طلباء درخواست دے سکتے ہیں ۔ 800 روپئے اسٹائی فنڈ مقرر ہے۔

Technician (Vocational) (7)
Apprentice

نشستوں کی تعداد 8 ، ایک سالہ کورس ، اسٹائی فنڈ 610 روپئے ، عمر 18 سال ہے اور ووکیشنل گروپ 2 + 10 کامیاب ہو ، اس کورس کا آغاز اپریل ، اکٹوبر سے ہوتا ہے۔

CAD Techniques in (8)
Footwear Design

کورس کا آغاز فبروری ، مئی ، اگسٹ ، نومبر میں کیا جاتا ہے ۔ اس میں 10 نشستیں فراہم ہیں۔ اس کورس کے لئے فیس لی جاتی ہے ۔ ڈگری ، ڈپلوما (انجینئرنگ) کے حامل طلباء درخواست دے سکتے ہیں۔ عمر 18 سال ہو۔

Data Preperation and (9)
Computer Software (CTS_NCVT)

20 نشستوں اور ایک سالہ مدت والے اس کورس میں 10+2 یا ڈگری کامیاب 17 سال عمر کے طلباء داخلہ لے سکتے ہیں۔ کورس کا آغاز اگسٹ سے ہوتا ہے۔ اس میں بھی فیس لی جاتی ہے۔

Leather Goods Market (10)
(CTS_NEVT)

15 سال عمر کے ، ایس ایس ایل سی ، میٹریکولیشن یا اس کے مماثل امتحان میں کامیاب طلباء شرکت کے اہل ہیں۔ کورس کا آغاز اگسٹ سے ہوتا ہے۔ 16 نشستیں ہیں اور فیس مقرر ہے۔

Manufacture of Footwear (11)
(CTS_NCVT)

15 سال عمر کے ، ایس ایس ایل سی ، میٹریکولیشن یا اس کے مماثل کامیابی ضروری ، کورس کا آغاز اگسٹ سے ہوتا ہے ، نشستیں 16 ہیں ، فیس مقرر ہوتی ہے۔

Clicking Die Makingand (12)
Sharpening

کورس کا آغاز جنوری اور جولائی میں ہوتا ہے ۔ 4 نشستیں ہیں ، 6 مہینے کا کورس ہے ، 18 سال عمر کے ایس ایس ایل سی ایس ایس آئی کے اسپانسر طلباء داخلے کے اہل ہیں ۔ اس میں فیس مقرر ہے۔

Short Term Course in (13)
Footwear Manufacture

4 مہینوں کی مدت پر مشتمل یہ کورس ہر مہینہ منعقد کیا جاتا ہے ۔ اس میں صرف 5 نشستیں فراہم ہیں ۔ 18 سال عمر کے VII کلاسیں پاس طلباء داخلہ لے سکتے ہیں ۔ فیس مقرر ہے۔

عبدالقادر حسن

لرزتی شمعیں

کچھ زیادہ عرصہ تو نہیں گزرا، یہی کوئی اسی سال کے لگ بھگ جب ایشیاء اور یورپ کے سنگم پر مسلمانوں کے اتحاد کی آخری شمع گل ہو گئی۔

داغ فراق صحبت شب کی جلی ہوئی
اک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے

یہ شمع اسلامی خلافت کی بجھتی لرزتی شمع تھی جو استنبول میں کمال اتاترک کے ہاتھوں نے گل کر دی۔ برصغیر کے مسلمانوں نے اس پر بہت واویلا کیا، بہت چیخے چلائے مگر کچھ مسلمان عرب قومیت کے زہر میں مست تھے اور کچھ سوائے چیخ و پکار کے اور کچھ نہ کر سکتے تھے۔ خلافت اپنے وقت کی ایک انتہائی ناکام حکومت تھی لیکن اس کے وجود کے ساتھ عالم اسلام کی وحدت کا کمزور تار ضرور جڑا ہوا تھا جب یہ تار ٹوٹا تو غلامی کی زنجیروں میں جکڑے ہوئے برصغیر کے مسلمان اس لئے بھی سب سے زیادہ روئے کہ ان بے بس مسلمانوں کی آخری امید بھی ٹوٹ گئی تھی۔ ان کے توشہ خانے میں کچھ بھی باقی نہیں رہا تھا لیکن اسی مایوسی کے عہد میں ایک مسلمان طلوع ہوا اور اس نے برصغیر کے مسلمانوں کو سنبھال لیا۔ انہیں ایک ملک دے دیا اسلامی دنیا کا سب سے بڑا ملک انسانی تاریخ کا ایک بے مثال کارنامہ ظہور میں آیا مگر یہ دور مسلمانوں کا نہیں مغربی دنیا کا دور تھا۔ سو نئے ملک کے حکمران مغربی طاقتوں کے جاسوس اور کارندے تھے۔ انہوں نے اس ملک کو ایک نئی غلامی میں دے دیا اور مسلمانوں کے حصہ میں ایک نام نہاد آزادی کے سوا کچھ نہ آیا۔ چنانچہ آج پچاس سے زائد ملکوں میں پھیلے ہوئے ایک ارب سے زیادہ تعداد میں مسلمان نئے مغربی سامراج کے غلام ہیں۔ نیا سامراج اس قدر بے رحم سفاک اور سفلہ ہے کہ انسانیت کم از کم احترام کے معیار پر بھی پورا نہیں اترتا اور مسلمان اس قدر کمزور ناتواں اور بے حمیت ہیں کہ زبان تک نہیں کھولتے۔ بالکل چپ ہیں وہ مسلمانوں کے ایک گروہ کو افغانستان

امریکی افواج کی جانب سے گرفتار القاعدہ کے جنگی قیدی

سے پکڑتا ہے۔ ان کے ہاتھ پیچھے باندھتا ہے، منہ پر پھانسی پانے والے مجرموں کی طرح ایک غلاف چڑھاتا ہے اور انہیں کئی سمندر پار ہزاروں میل کے فاصلے پر کیوبا لے جاتا ہے۔ انگریزی سامراج اس علاقے کے غلام مجرموں کو کالے پانی لے جاتا ہے، یہ اسے آگے لے جاتے ہیں، کوئی سو برس پہلے امریکیوں نے چار ہزار ڈالر کے عوض کیوبا کا یہ حصہ خریدا تھا۔ ان قیدیوں کو یہاں پنجروں میں ڈال دیا جاتا ہے، خاردار تاروں کا جنگل آباد ہوتا ہے اور اعلان ہوتا ہے کہ یہ جنگی مجرم نہیں۔ دہشت گرد ہیں اس لئے انسانی حقوق کے اہل نہیں ہیں۔ پوری مسلمان دنیا سے ایک آواز بھی ان کے حق میں نہیں اٹھتی لیکن مغربی دنیا جسے آج سب پر بالادستی حاصل ہے اس پر احتجاج کرتی ہے، انسانی حقوق کے ادارے خصوصاً ریڈ کراس شدید اعتراض کرتی ہے اور ان قیدیوں کو انسانوں کے زمرے میں لانے کی بات کی جاتی ہے، دنیا کی حکمرانی کے لئے صرف فوجی طاقت ہی نہیں کچھ دوسرے اوصاف بھی ضروری ہوتے ہیں۔ یہی وہ ایک وصف ہوگا جس نے مظلوم بے بس اور بے کس انسانوں کی فریاد سن لی لیکن کسی مسلمان ملک نے تو اف تک نہیں کی۔ ایسے مسلمان غلامی اور اس طرح کے غیر انسانی سلوک کے قابل نہیں تو اور کیا ہیں۔

مغربی دنیا آج جس طرح انتہائی عروج پر ہے، مسلمان دنیا آج اسی طرح انتہائی زوال پر ہے۔ آنے والے زمانوں میں پتہ نہیں کیا ہوگا لیکن ایک بات ضروری لکھی جائے گی کہ مسلمانوں کی اس پستی کی مثال ماضی کی کسی قوم میں نہیں ملتی۔ گئے گزرے زمانوں میں بھی جمال الدین افغانی اور محمد عبدہ جیسے رہنما موجود تھے جو بین الاقوامی اتحاد (پین اسلام ازم) کے لئے مارے مارے دنیا میں پھرا کرتے تھے۔ محمد عبدہ اسلامی دنیا کے ثقافتی اور علمی مرکز قاہرہ میں ڈٹے رہے لیکن افغانی ماسکو، استنبول، قاہرہ، پیرس اور نہ جانے کہاں کہاں بھٹکتے پھرے۔ ان لوگوں کے پاس ایک پیغام اور ایک عزم تھا۔ دنیا کے مشہور ترین فرانسیسی ناول نگار وکٹر ہیوگو نے کہا کہ میں اس افغانی نام کے مسلمانوں کی آنکھوں کی چمک کی تاب نہیں لا سکتا۔ شاعر کی زبان میں اس کے سواء کیا عرض کیا جا سکتا ہے کہ یہ دور اپنے براہیم کی تلاش میں ہے۔

غزل

جگا سکے نہ ترے لب ، لکیر ایسی تھی
ہمارے بخت کی ریکھا بھی میر ایسی تھی

یہ ہاتھ چومے گئے ، پھر بھی بے گلاب رہے
جو رت بھی آئی ، خزاں کے سفیر ایسی تھی

شہادتیں مرے حق میں تمام جاتی تھیں
مگر خموش تھے منصف ، نظیر ایسی تھی

کتر کے جال بھی صیاد کی رضا کے بغیر
تمام عمر نہ اڑتی ، اسیر ایسی تھی

پھر اس کے بعد نہ دیکھے وصال کے موسم
جدائیوں کی گھڑی چشم گیر ایسی تھی

بس اک نگاہ مجھے دیکھتا ، چلا جاتا
اس آدمی کی محبت فقیر ایسی تھی

ردا کے ساتھ لٹیرے کو زاد راہ بھی دیا
تری فراخ دلی میرے ویر ایسی تھی

نہ سر کو پھوڑ کے تو مر سکا تو کیا شکوہ
وفا شعار کہاں میں بھی ہیر ایسی تھی

کبھی نہ چاہنے والوں کا خوں بہا مانگا
نگار شہر سخن بے ضمیر ایسی تھی

(پروین شاکر کی "خوشبو" سے)

سہ ملکی وی بی سیریز: سنسنی خیز لیگ میچز، یکطرفہ فائنلز

جنوبی افریقہ ٹورنمنٹ پر قابض

جنوبی افریقہ، نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے درمیان وی بی سیریز کے لیگ میچز دلچسپ اور سنسنی خیز ہوئے مگر دونوں ہی فائنلز مقابلے یکطرفہ ثابت ہوئے جس میں جنوبی افریقہ نے بہ آسانی فتح حاصل کرلی۔ پہلے فائنل میں بہ آسانی فتح کے بعد نیوزی لینڈ کی ٹیم سے توقع کی جا رہی تھی کہ وہ کم از کم دوسرے فائنل میں افریقہ کو شکست سے دوچار کردیگا لیکن جنوبی افریقہ نے یک روزہ میچوں میں نیوزی لینڈ پر اپنی برتری قائم رکھتے ہوئے سڈنی کرکٹ گراؤنڈ میں ہونے والے بسٹ آف تھری فائنلز کا دوسرا فائنل جیت کر سہ ملکی وی بی سیریز کے خطاب پر 2 صفر سے قبضہ کرلیا۔ نیوزی لینڈ نے دوسرے فائنل میں ٹاس جیت کر پہلے بلے بازی کا فیصلہ کیا لیکن اس کے بیٹسمین خاطر خواہ مظاہرہ نہیں کرسکے اور پوری ٹیم صرف 175 رن بنا کر ڈھیر ہوگئی۔ بارش سے متاثرہ اس میچ میں افریقہ کو جیت کیلئے 172 رنز بنانے کا نشانہ دیا گیا جسے اس نے بہ آسانی 4 وکٹ گنوا کر پورا کرلیا۔ اس فتح کے ساتھ ہی جنوبی افریقہ نے نیوزی لینڈ کے خلاف ہونے والے اپنے سابق 15 میچوں میں سے 14 واں میچ جیت لیا۔ اس سیریز میں جنوبی افریقہ نے نیوزی لینڈ کے خلاف 6 میچوں میں حصہ لیکر 5 میچ میں کامیابی حاصل کی۔ نیوزی لینڈ جس نے آسٹریلیا کو لگاتار 3 مرتبہ شکست دیکر فائنل میں اپنی نشست محفوظ کی تھی آخری پانچواں میچ ہار گیا۔ اس فائنل میں جنوبی افریقہ کے اوپنر ہرشل گبس نے 46 اور جانٹی رہوڈس نے غیر مفتوح 61 رنز بنائے۔ نیوزی لینڈ نے اپنی اننگز کا آغاز اچھا نہیں کیا۔ ایسٹل ایک بار پھر ناکام رہے اور انہوں نے صرف 7 رن بنائے۔ دوسرے سلامی بلے باز لوونسنٹ نے شان پولاک اور مکھیا این ٹینی کی گیندوں پر لگاتار چھکے مارے۔ ایسٹل کے علاوہ آڈمس اور کریک میک ملن بھی ان کے شایان شان مظاہرہ نہیں کرسکے۔ جنوبی افریقہ بسٹ آف تھری فائنل کا پہلا میچ آسانی سے 8 وکٹ سے جیت چکا ہے۔ آل راؤنڈر کرس کینس نے 73 گیندوں میں سب سے زیادہ 57 رنز بنا کر افریقی گیند بازوں کو کچھ پریشانی میں ضرور ڈال دیا لیکن کوئی بھی بیٹسمین ان کا زیادہ دیر تک ساتھ نہیں دے سکا۔ جیک کیلس اور ایلن ڈونالڈ نے تین تین وکٹ لئے جبکہ لانس کلوسنر اور ڈونالڈ دونوں نے لگاتار گیندوں پر وکٹ لئے۔ نیوزی لینڈ نے اس وقت تھوڑی سی راحت محسوس کی جب بارش نے (17 اوور کی تکمیل کے بعد آسمان پر کالے بادل چھاگئے اور زبردست طوفانی بارش ہوئی جس میں اولے بھی گرے اور بجلی غائب ہوگئی) گراؤنڈ پر اپنا ڈیرہ ڈال لیا تھا اور سارے کھلاڑی ڈریسنگ روم میں آرام کررہے تھے۔ نصف گھنٹے تک

افریقی کھلاڑی کامیابی کے نشے سے سرشار گروپ فوٹو کھنچواتے ہوئے۔

پیش ہے اس سیریز کے 5 بہترین بیٹسمین اور بولرز کا ریکارڈ۔

بہترین بیٹسمین

نام	میچز	اننگز	رنز	اوسط	سنچری	ہائی اسکور	ناٹ آؤٹ
جانٹی روڈس	10	09	345	57.50	01	107	03
جیک کیلس	08	08	322	53.67	01	104	02
کرس کینس	09	09	314	44.86	01	102	02
اسٹیفن فلیمنگ	09	09	309	34.33	00	85	00
ہرشل گبس	10	10	293	29.30	00	89	00

بہترین بولرس

نام	میچس	وکٹس	رنز	اوورس	اوسط	بہترین بولنگ	3+W/1
شین بانڈ	09	21	342	82.2	16.29	5-25	04
گلین میک گرا	07	14	226	69.4	16.14	4-30	02
مکایا این ٹینی	09	14	338	81.2	24.14	5-31	01
شان پولک	10	13	334	87.1	25.69	3-25	01
الن ڈونالڈ	07	12	301	65.0	25.08	3-29	02

مسلسل بارش کی وجہ سے کھیل کی منسوخی یقینی نظر آرہی تھی۔ میدان میں پانی بھر گیا تھا لیکن طوفان گذر جانے کے بعد ڈیڑھ سال قبل 1.3 ملین ڈالر کی لاگت سے نصب کیے گئے نئے ڈرینج نظام کی بدولت سڈنی کرکٹ گراؤنڈ جھٹ پٹ سوکھ گیا۔ کور ہٹائے جانے کے بعد امپائروں نے کھیل دوبارہ شروع کیا اور ہر اننگز میں 4 اوور کم کردیئے گئے اور چائے کا وقفہ 15 منٹ مختصر کردیا گیا جس کے بعد ہی نیوزی لینڈ کی مکمل تباہی کا آغاز ہوا۔ اس فائنل میں جانٹی رہوڈس کو ان کے شاندار مظاہرہ پر مین آف دی میچ سے سرفراز کیا گیا۔ سہ ملکی وی بی سیریز کا آغاز 11 جنوری 2002ء کو نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے درمیان ملبورن کرکٹ گراؤنڈ پر منعقدہ میچ سے ہوا۔ جس میں نیوزی لینڈ نے عالمی چمپین آسٹریلیا کو 23 رنز سے شکست دیدی۔ ابھی آسٹریلیا اس حادثہ سے سنبھل بھی نہ پائی تھی کہ دوسرے ہی میچ میں جنوبی افریقہ نے اسے 4 وکٹوں سے روند دیا۔ افریقہ اور نیوزی لینڈ کے مابین مقررہ تیسرے میچ میں افریقہ نے اپنی برتری برقرار رکھتے ہوئے نیوزی لینڈ کو بہ آسانی 26 رنز سے شکست دیدی۔ چوتھے میچ میں جو آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے مابین سڈنی کرکٹ گراؤنڈ پر منعقد ہوا، نیوزی لینڈ نے پھر ایک بار آسٹریلیا کو 23 رنز سے شکست دیکر سنسنی پھیلادی۔ افریقہ اور نیوزی لینڈ کے مابین مقررہ پانچویں میچ میں نیوزی لینڈ نے افریقہ کو 4 وکٹ سے شکست دیکر پوائنٹس ٹیبل میں اپنی برتری کو برقرار رکھا۔ افریقہ کی اس شکست کے بعد تمام کرکٹ شائقین کی نظریں آسٹریلیا اور افریقہ کے درمیان برسبن میں منعقدہ چھٹے میچ پر ٹک گئی جہاں آسٹریلیا نے افریقہ کو 27 رنز سے شکست دیتے ہوئے ٹورنمنٹ کی پہلی کامیابی درج کی۔ افریقہ اور آسٹریلیا کے مابین منعقدہ ساتویں میچ میں بھی عالمی چمپین نے اپنی برتری برقرار رکھی اور بہ آسانی افریقہ کو 8 وکٹ سے شکست دیدی لیکن اس کی یہ خوشیاں عارضی ثابت ہوئی جب نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا کے مابین اڈیلیڈ میں منعقدہ آٹھویں میچ میں اسے 77 رنز سے شکست فاش ہوگئی۔ نیوزی لینڈ کی کامیابی کے اس نشہ کو افریقہ نے نویں میچ میں چور چور کردیا جب کیوی ٹیم کو اڈیلیڈ میں ہی منعقدہ میچ میں 93 رنز سے بدترین شکست ہوگئی۔ اس سیریز کا سب سے سنسنی خیز اور کئی نشیب و فراز سے بھرپور میچ آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے درمیان ملبورن کرکٹ گراؤنڈ پر منعقد ہوا۔ وی بی سیریز کے دسویں میچ میں آسٹریلیا کو فائنل میں رسائی کی امید برقرار رکھنے کیلئے کامیابی کی سخت ضرورت تھی لیکن ایک مرحلہ پر اس کے تمام اہم بیٹسمین ایک حقیر اسکور پر آؤٹ ہوگئے تھے لیکن آسٹریلیا کے مرد آہن مائیکل بیون نے وکٹ کے ایک سرے پر تن تنہا جدوجہد کرتے ہوئے آسٹریلیا کو 2 وکٹ سے کامیابی دلائی۔ ان کی جدوجہد میں شین وارن اور بریٹ لی نے مدد کی۔ اس کامیابی کے ساتھ ہی آسٹریلیا فائنل میں رسائی کی دوڑ میں برقرار رہا لیکن بونس پوائنٹ اس کیلئے دردِ سر ثابت ہوا۔ جنوبی افریقہ اور نیوزی لینڈ کے مابین گیارہواں میچ پرتھ میں منعقد ہوا جہاں افریقہ نے بہ آسانی نیوزی لینڈ کو 67 رنز سے شکست دیتے ہوئے فائنل میں داخلہ حاصل کرلیا۔ اب آسٹریلیا کے سامنے سب سے بڑا سوال بونس پوائنٹ کا رہا۔

اسے افریقہ کے خلاف آخری لیگ میچ میں جو پرتھ میں کھیلا گیا نہ صرف کامیابی حاصل کرنا تھا بلکہ اسے واضح فرق سے شکست دیتے ہوئے بونس پوائنٹ بھی لینا تھا۔ اس میچ میں آسٹریلیا نے کامیابی ضرور حاصل کرلی لیکن وہ درکار بونس پوائنٹ کے حصول میں ناکام رہی اور اس طرح آسٹریلیا وی بی سیریز سے باہر ہوگیا اور نیوزی لینڈ اور افریقہ کے درمیان بسٹ آف تھری فائنل مقابلے منعقد ہوئے۔

شان پولاک فاتحانہ مسکراہٹ کے ساتھ ٹرافی تھامے ہوئے۔

نیوزی لینڈ کی اس ٹورنمنٹ میں شاندار کامیابیوں کو دیکھتے ہوئے یہ توقع کی گئی تھی کہ فائنل مقابلے بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز ہوں گے لیکن 6 فبروری کو ملبورن کرکٹ گراؤنڈ پر منعقدہ پہلے فائنل میں افریقہ نے نیوزی لینڈ کو بہ آسانی 8 وکٹ سے روند دیا۔ دوسرا فائنل مقابلہ جو سڈنی کرکٹ گراؤنڈ پر کھیلا گیا اس میں یہ توقع رکھی گئی تھی کہ نیوزی لینڈ کم از کم اس میچ میں کامیابی حاصل کرلے گی لیکن توقعات کے برعکس افریقہ نے دوسرا فائنل بھی جو سڈنی کرکٹ گراؤنڈ پر 8 فبروری کو کھیلا گیا بہ آسانی 6 وکٹ سے جیت کر وی بی سیریز پر اپنا قبضہ جمالیا۔

وقار یونس نے جمنازیم کا افتتاح کیا

شارجہ کرکٹ اسٹیڈیم میں پاکستان کرکٹ ٹیم کے کپتان وقار یونس نے جدید جمنازیم کا افتتاح کیا۔ اس منصوبے پر 3 کروڑ 40 لاکھ روپے کی لاگت آئی ہے۔ جمنازیم میں جدید سوئمنگ پول کے علاوہ ٹریننگ کے آلات موجود ہیں۔ سی بی ایف ایس کے زاہد نورانی نے بتایا کہ منصوبے کے اگلے مرحلے میں ٹینس اور اسکواش کورٹس اور غیر ملکی کلب ٹیموں کیلئے ہاسٹل تعمیر کیا جائے گا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان اور ہندوستان کے کرکٹ کلب جو ہر سال شارجہ آتے ہیں انہیں رہائش کی سہولت بلا معاوضہ فراہم کی جائے گی۔

آئی سی سی کا صدر دفتر منتقل نہیں ہو رہا ہے

کرکٹ کی نگراں باڈی بین الاقوامی کرکٹ کونسل (آئی سی سی) نے اس بات سے انکار کیا کہ وہ اپنا صدر دفتر موناکو منتقل کر رہا ہے۔ قبل ازیں آئی سی سی کے ذرائع نے بتایا تھا کہ آئی سی سی دفتر منتقل کرنے کیلئے موناکو حکومت کی اجازت کا انتظار کر رہا ہے۔ فی الوقت آئی سی سی کا صدر دفتر لندن میں واقع ہے۔ خیال رہے کہ اس سے قبل بین الاقوامی اسوسی ایشن آف اتھلیٹکس فیڈریشن نے بھی لندن سے اپنا صدر دفتر منتقل کر لیا تھا۔

ایک گیند سات رن

رانجی ٹرافی کی تاریخ میں غالباً ایسا پہلی مرتبہ ہوا جب کسی بلے باز کے ایک شاٹ پر اسے 7 رن ملے ہوں۔ یہ کارنامہ بڑودہ اور حیدر آباد کے درمیان کھیلے جا رہے رانجی ٹرافی کوارٹر فائنل میں انجام پایا۔ یہ میچ حیدر آباد ایک اننگز 256 رنوں سے ہار گیا۔ امپائر سدھیر استانی نے حیدر آباد کے ٹیل اینڈر نریندر پال سنگھ کو 7 رنوں سے اس وقت نوازا جب بڑودہ کے کپتان جیکب مارٹن خود ہی گیند کو دھکیلتے ہوئے تھرڈ مین باؤنڈری کی طرف لے گئے۔ سنگھ نے گیند تھرڈ مین کی طرف کھیل دی اور بھاگ کر 3 رن لئے جبکہ مارٹن کے گیند کو باؤنڈری لائن کے باہر ڈھکیل دینے کی وجہ سے مزید 4 رن ملے۔ مارٹن نے ایسا سنگھ کو اسٹرائیک پر رکھنے کیلئے کیا۔

بالآخر...... کرونئے کو ملازمت مل گئی

جنوبی افریقہ کے سابق کپتان ہنسی کرونئے کو جوہانسبرگ اسٹاک ایکسچینج کی ایک کمپنی نے اپنا فینانشیل منیجر مقرر کیا ہے۔ یہ اطلاع اخبارات نے دی۔ اخبارات کے مطابق بیل اکوپٹل نے 32 سالہ کرونئے کو جنہیں میچ فکسنگ میں ملوث ہونے پر جنوبی افریقہ کرکٹ بورڈ نے تاحیات پابندی عائد کر دی ہے اپنا مالیاتی منیجر مقرر کیا ہے۔ اس کمپنی کے چیف ایکزیکیٹو گیری بیل نے بتایا کہ جب تک کسی عدالت میں کرونئے کا جرم ثابت نہیں ہو جاتا انہیں معصوم سمجھا جانا چاہئے۔ کرونئے نے کنگ کمیشن کے سامنے جو کرکٹ میں بدعنوانی کی چھان بین کر رہا تھا، اپنے حلفیہ بیان میں یہ اعتراف کیا تھا کہ انہوں نے ایک میچ کے سلسلے میں سٹے بازوں سے تقریباً ایک لاکھ 30 ہزار ڈالر وصول کئے تھے۔ کرونئے پر تاحیات پابندی کے بعد انہیں کرکٹ سے کسی بھی طرح وابستہ ہونے سے منع کر دیا گیا تھا۔ حتیٰ کہ انہیں ایک تبصرہ نگار بننے کی اجازت بھی نہیں دی گئی۔ گیری بیل نے بتایا کہ کرونئے کو کمپنی کے 99 فیصد گاہکوں کی حمایت حاصل ہے۔ خیال رہے کہ کرونئے بزنس لیڈر شپ کا ڈپلومہ کر رہے تھے اور اس سال وہ کورس کے دوسرے اور آخری سال میں ہیں۔ بیل نے کہا "مجھے امید ہے کہ کرونئے کو مالیاتی منیجر مقرر کرنے کے بعد کمپنی کے شیئروں کے دام نہیں گریں گے کیونکہ جنوبی افریقہ سے باہر ہنسی کرونئے کو زیادہ لوگ نہیں پہچانتے"۔ انہوں نے مزید کہا "اندرون ملک ان کا شاندار ماضی کمپنی کے کام اور نام کو پہلے سے بہتر بنانے میں مددگار ثابت ہوگا"۔

جان ریڈ: آئی سی سی میچ ریفری

15 فروری سے شروع ہونے والی ہند۔ زمبابوے سیریز کیلئے نیوزی لینڈ کے جان ریڈ کو بین الاقوامی کرکٹ کونسل کا میچ ریفری مقرر کیا گیا ہے۔ بی سی سی آئی کے ایکزیکیٹو سکریٹری شرد دیواکر نے بتایا کہ 21-25 فروری کو ہونے والے پہلے ٹسٹ میچ میں انگلینڈ کے ڈیوڈ شیفرڈ امپائرنگ کے فرائض انجام دیں گے اور ہندوستانی امپائر کے نام کا اعلان بعد میں کیا جائیگا۔

مارٹینا ہنگس چین پیسفک اوپن چمپئن

زمرہ بندی میں سر فہرست سوئیزر لینڈ کی مارٹینا ہنگس نے امریکہ کی مونیکا سلیس پر اپنی برتری ثابت کرتے ہوئے اسے 6-3,4-6,7-6 سے ہرا کر چوتھی مرتبہ چین پیسفک اوپن ٹینس خطاب جیت لیا۔ دنیا میں چوتھے نمبر کی کھلاڑی ہنگس یہ خطاب اس سے پہلے 1999,1997 اور 2000ء میں جیت چکی ہیں صرف ایک میں انہیں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ وہ آسٹریلیائی اوپن مقابلہ میں جنیفر کیپریاتی سے ہار گئی تھیں۔

ہوٹل کے کمرے اب بھی خالی

سرمائی اولمپکس کے منتظمین نے کہا ہے کہ اس وقت جبکہ اولمپکس شروع ہونے میں بہت کم وقت رہ گیا ہے، بہت سے ٹکٹیں اور ہوٹل کے کمرے بک نہیں ہو سکے ہیں۔ سالٹ لیک سٹی میں، جہاں ان کھیلوں کا اہتمام ہونا ہے، ہوٹل کے اب بھی ایک لاکھ 20 ہزار کمرے بک ہونا باقی ہیں جبکہ ٹکٹیں اب بھی اسٹیڈیم پر آسانی سے دستیاب ہیں۔ ہوٹل مالکان کا خیال ہے کہ شراب نوشی سے متعلق سخت ضابطوں کی وجہ سے بھی بہت سے لوگ ہوٹل بک نہیں کرا رہے ہیں۔

آئی سی سی ایلیٹ امپائرنگ پینل میں کوئی ہندوستانی نہیں

انٹرنیشنل کرکٹ کونسل کے ایلیٹ امپائرنگ پینل میں ہندوستان، پاکستان اور نیوزی لینڈ کے کسی امپائر کو جگہ نہیں مل سکی۔ کرکٹ کی عالمی تنظیم نے دنیا کے 8 صف اول کے امپائروں کے ناموں کو حتمی شکل دیدی ہے جس میں انگلینڈ اور ویسٹ انڈیز کے دو، دو امپائر شامل ہیں۔ باخبر ذرائع کے مطابق نئے پینل کا اعلان آئندہ ماہ ہوگا۔ یکم اپریل سے ٹسٹ میچوں کو دونوں نیوٹرل امپائر سپر وائز کریں گے۔ آئی سی سی کا پینل ان امپائروں پر مشتمل ہوگا۔ اسٹیو بکنر، ایڈی نکلس (ویسٹ انڈیز)، ڈیوڈ شیفرڈ اور پیٹر ولی (انگلینڈ)، ڈیرل ہیئر (آسٹریلیا)، روڈی کوئٹزن (جنوبی افریقہ)، رسل ٹفن (زمبابوے) اور اشوکا ڈی سلوا (سری لنکا)۔ ونڈے میچوں کو ایک مقامی اور ایک نیوٹرل امپائر سپر وائز کریں گے۔

ہند۔انگلینڈ ونڈے سیریز دلچسپ اور سنسنی خیز مقابلے

ہندوستان اور انگلینڈ کے درمیان منعقدہ ونڈے سیریز کا دلچسپ اختتام 3 فروری کو وانکھیڈے اسٹیڈیم میں عمل میں آیا جہاں انگلینڈ نے ایک دلچسپ اور سنسنی خیز میچ میں اپنے حواس پر قابو رکھتے ہوئے آخری لمحات میں 5 رنز سے کامیابی حاصل کرتے ہوئے سیریز کو 3-3 سے ڈرا کرنے میں کامیاب رہی۔ اس سیریز کا پہلا میچ 19 جنوری کو ایڈن گارڈن (کولکتہ) میں کھیلا گیا جہاں ہندوستان نے انگلینڈ کو 22 رنز سے شکست دی۔ دوسرا میچ جو 22 جنوری کو باراہتی اسٹیڈیم (کٹک) میں کھیلا گیا انگلینڈ نے 16 رنز سے کامیابی حاصل کرتے ہوئے سیریز 1-1 سے مساوی کرلی۔ تیسرے میچ میں جو ایم اے چدمبرم اسٹیڈیم (چینائی) میں کھیلا گیا ہندوستان نے بہ آسانی 6 وکٹ سے کامیابی حاصل کرلی۔ چوتھے میچ میں جو 28 جنوری کو گرین پارک (کانپور) میں کھیلا گیا ہندوستان نے 8 وکٹ سے کامیابی حاصل کرکے سیریز میں ناقابل شکست 3-1 کی سبقت حاصل کرلی۔ لیکن اس کے بعد کامیابی اس سے روٹھی رہی اور انگلینڈ نے باقی کے دو میچس میں کامیابی حاصل کرکے گنگولی کے سیریز جیتنے کے خواب کو چکنا چور کردیا۔ ہندوستان کی اس شکست میں اہم ہاتھ بیٹسمینوں کا رہا جنہوں نے آخری لمحات میں یقینی کامیابی کو اپنی نااہلی کی وجہ سے ناکامی میں بدل دیا۔ اس سیریز کا پانچواں میچ جو فیروز شاہ کوٹلہ گراؤنڈ (دہلی) پر کھیلا گیا اس کا نہایت سنسنی خیز اختتام عمل میں آیا۔ اس میچ میں ہندوستان کامیابی کی دہلیز تک پہونچ گیا تھا لیکن آخری لمحات میں انگلینڈ نے اس کے منہ سے یہ کامیابی چھین لی اور 2 رنز سے فاتح قرار پایا۔ چھٹا اور آخری ونڈے میچ بھی کئی دلچسپ موڑ لیتا ہوا سنسنی خیز انداز میں ہندوستان کی 5 رنز سے شکست پر اختتام پذیر ہوا۔ یہ دلچسپ اور سنسنی خیز ونڈے سیریز تو ڈرا ہوگئی لیکن کرکٹ کو اس سیریز نے کئی بلندیاں عطا کی۔

ہماری بھی جے جے، تمہاری بھی جے جے۔ نہ ہم ہارے نہ تم ہارے

اجیت اگرکر شادی کے بندھن میں بندھ گئے

اجیت اگرکر اور نئی نویلی دلہن کو سچن اور انجلی تنڈولکر مبارکباد دیتے ہوئے۔

ہندوستانی ہاکی ٹیم ملائیشیا روانہ

ہندوستانی ہاکی ٹیم کے چیف کوچ سیڈرک ڈیسوزا اور کپتان بلجیت سنگھ ڈھلون نے وعدہ کیا ہے کہ ہندوستانی ہاکی ٹیم دسویں عالمی کپ میں جو 24 فبروری سے 9 مارچ تک کوالالمپور میں کھیلا جائیگا بہتر کارکردگی کا مظاہرہ کرے گی۔ ملائیشیا روانگی سے قبل نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے ڈیسوزا اور ڈھلون نے کہا کہ "ہم نے بڑی محنت کی ہے اور ہمیں بھروسہ ہے کہ ٹیم کوئی تمغہ حاصل کرکے لوٹے گی"۔ ٹیم کی طاقت اور کمزوریوں کے بارے میں پوچھے جانے پر انہوں نے کہا کہ ہم نے بڑی محنت کی ہے اور ہمیں اپنی طاقت معلوم ہے۔ چیف کوچ نے کہا کہ کوالالمپور پہنچنے سے پہلے ہندوستانی ٹیم ایپوہ میں دس روزہ ٹریننگ کیمپ میں شرکت کرے گی۔ سیڈرک ڈیسوزا نے کہا کہ ٹیم میں 22 کھلاڑیوں کو لے جانے کا مقصد یہ ہے کہ ہم سبھی 11 کھلاڑی کے ساتھ آپس میں مشق کے میچ کھیل سکیں اور ہمیں مشق کیلئے دوسری ٹیموں پر انحصار نہ کرنا پڑے۔ انہوں نے کہا کہ وہ ٹورنمنٹ میں شریک دوسری ٹیموں کے ساتھ مشق کے زیادہ میچ کھیلنے کے خلاف ہیں۔ میں نہیں چاہتا کہ عالمی کپ ٹورنمنٹ سے پہلے ہی کھلاڑی اپنی ساری طاقت خرچ کرچکے ہوں۔ ہمیں 13 دن میں 9 میچ کھیلنے ہیں۔ اس لئے ہمیں طاقت بچاکر رکھنی ہوگی۔ عالمی کپ میں ہندوستانی ٹیم کی حکمت عملی کے بارے میں پوچھے جانے پر سیڈرک نے کہا ہماری حکمت عملی اور تدبیر ہر میچ میں جداگانہ ہوگی۔ عالمی کپ میں کسی طے شدہ حکمت عملی سے کام نہیں چلے گا۔ انہوں نے کہا کہ کھلاڑیوں نے دوسری ٹیموں کے گیم پلان کا مطالعہ کیا ہے لیکن ہم کسی ٹیم کو کمزور مان کر نہیں چل رہے ہیں۔ سبھی ٹیموں نے اچھی تیاری کی ہے ہمیں اگر کامیابی حاصل کرنا ہے تو نصف موقعوں کو بھی گول میں بدلنا ہوگا۔

اسپورٹس کو سیاست سے نہ جوڑا جائے: پرویز مشرف

ہندوستان اور پاکستان کے مابین سیاسی سطح پر تعلقات اگرچہ تعطل کا شکار ہیں اس کے باوجود صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے دونوں ممالک کے مابین کرکٹ تعلقات کے احیاء کی اپیل کا اعادہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ پاکستان، ہندوستان کے ساتھ کسی بھی وقت اور کسی بھی مقام پر کرکٹ کھیلنے کیلئے تیار ہے۔ جنرل پرویز مشرف کوالالمپور میں حالیہ منعقدہ چھ قومی ہاکی ٹورنمنٹ میں کامیابی حاصل کرنے والی ہاکی ٹیم کی تہنیتی تقریب کے بعد اخبار نویسوں سے خطاب کررہے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ہندوستان کے خلاف ہندوستان میں کھیلنے کے لئے بھی تیار ہیں۔ انہوں نے ہندوستان پر زور دیا کہ وہ اسپورٹس کو سیاست سے نہ جوڑیں۔ ہندوستان نے 1999ء کی کارگل جنگ کے بعد پاکستان کے ساتھ کرکٹ میچس کھیلنے سے انکار کیا ہے۔

ٹائسن - لیوس مقابلہ لاس اینجلس میں ہوسکتا ہے

سابق ہیوی ویٹ چمپین مائیک ٹائیسن نیواڈا اتھلیٹکس کمیشن کی طرف سے مقابلہ کیلئے لائسنس دیئے جانے سے انکار کرنے کے بعد دفاعی چمپین لیناکس لیوس کے ساتھ لاس اینجلس میں یہ مقابلہ لڑسکتے ہیں۔ ٹائسن کے منیجر شیلی فنکلے نے نیویارک میں بتایا کہ ممکن ہے کہ مکے بازی کی تاریخ میں سب سے زیادہ انعامی رقم کا یہ مقابلہ لاس اینجلس میں ہو۔ گوکہ وہ یہ نہیں کہہ سکتے کہ لاس اینجلس ہی ان کی پہلی پسند ہوگی لیکن یہ ضرور ہیکہ وہ اسے ترجیح دیں گے۔ فنکلے نے بتایا کہ ٹائسن کو اس مقابلے کیلئے کیلی فورنیا کے افسران سے لائسنس حاصل کرنا ہوگا اور وہ اس کیلئے درخواست دے سکتے ہیں۔

کے پی ایس گل انڈین ہاکی فیڈریشن کے صدر منتخب

کے پی ایس گل کو متفقہ طور پر انڈین ہاکی فیڈریشن کا صدر منتخب کرلیا گیا جبکہ ٹمل ناڈو کے جیوتی کمرن کو جنرل سکریٹری کی حیثیت سے منتخب کیا گیا۔ منتخب ہونے کے بعد اخبار نویسوں سے گفتگو کرتے ہوئے گل نے کہا کہ انتخاب بغیر کسی جھگڑے کے متفقہ طور پر ہوا اور آئی او اے کے آبزرور انتخاب کے دوران یہاں موجود تھے۔ فیڈریشن کے نئے خزانچی کے طور پر جے این تیاگی کا انتخاب کیا گیا جبکہ آسام پہلی مرتبہ آئی ایچ ایف کی ایکزیکیٹیو کمیٹی کی رکنیت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگیا۔

ہربھجن سنگھ پنجاب پولیس کے ڈپٹی ایس پی مقرر

ہندوستان کے نوجوان آف اسپنر ہربھجن سنگھ کا پنجاب میں ڈپٹی سپرنٹنڈنٹ آف پولیس (ڈی ایس پی) کی حیثیت سے تقرر کیا گیا۔ اب ہربھجن انڈین ایرلائنز کی اپنی نوکری چھوڑ دیں گے۔ ہربھجن کی بہن امرت پال نے بتایا کہ ریاستی حکومت نے ہربھجن کو تقرری نامہ بھیج دیا ہے۔ وہ ان دنوں موہالی میں اڑیسہ کے خلاف رانجی ٹرافی میچ کھیل رہے ہیں۔ پنجاب حکومت نے اسپورٹس کوٹہ کے تحت اتھلیٹ سنیتا رانی اور ہاکی کھلاڑی گگن اجیت سنگھ کو بھی ڈپٹی ایس پی کا عہدہ دیا ہے۔

شارجہ سہ ملکی ٹورنمنٹ کا 8 اپریل سے آغاز

اپریل میں منعقدہ ہونے والے سہ ملکی شارجہ کپ کی تین ٹیمیں نیوزی لینڈ، پاکستان اور سری لنکا ہوں گی۔ ٹورنمنٹ کے منتظمین نے کہا کہ یہ ٹورنمنٹ 8 اپریل سے 17 اپریل تک کھیلا جائیگا۔ نیوزی لینڈ اور پاکستان اپریل اور مئی میں تین ٹسٹ میچوں کی ایک سیریز پاکستان میں کھیلیں گے۔ گزشتہ سال نیوزی لینڈ کو پاکستان کے دورہ پر جانا تھا لیکن امریکہ پر 11 ستمبر کے حملہ کے بعد اس نے اپنا پاکستان کا دورہ رد کردیا تھا۔

اسٹیفن فلیمنگ پر 40 فیصد جرمانہ عائد

ہندوستان کے آئی سی سی میچ ریفری ہنومنت سنگھ نے ملبورن میں کھیلے گئے آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ میچ کے دوران امپائر کے فیصلے کے خلاف رد عمل کا اظہار

کرنے کی پاداش میں نیوزی لینڈ کے کپتان اسٹیفن فلیمنگ پر میچ فیس کا 40 فیصد جرمانہ عائد کیا ہے۔ ہنومنت سنگھ نے یہ جرمانہ امپائروں سائمن طفیل اور ڈیرل ہیر کی شکایت اور فلیمنگ کی سنوائی کے بعد عائد کیا۔ اس سنوائی کے دوران امپائروں اور کپتان کے علاوہ نیوزی لینڈ کے نائب کپتان کرس کینس اور ٹیم منیجر جیف کرو بھی تھے۔ آسٹریلیا۔ نیوزی لینڈ میچ کے 15ویں اوور میں شین وارن کی ایک گیند پر چوکا مارنے کے بعد فلیمنگ نے تقریباً چیختے ہوئے امپائر ڈیرل ہیر کو مخاطب کیا اور انہیں بتایا کہ ضرورت سے زیادہ آسٹریلوی کھلاڑی اندرونی دائرے سے باہر ہیں۔

مارک مسکر ینہس میرے بڑے بھائی کی طرح تھے: سچن

اپنے عزیز دوست اور ورلڈ ٹیل کے مالک مارک مسکر ینہس کو جن کی سڑک حادثہ میں موت ہو گئی تھی، خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے سچن تنڈولکر نے کہا "وہ میرے بڑے بھائی کی طرح تھے۔ انہوں نے میرے ساتھ ہمیشہ برادرانہ سلوک اختیار کیا"۔ سچن نے اپنی بیوی ڈاکٹر انجلی کے ساتھ مارک کی دعائیہ تقریب میں شرکت کی۔ سچن نے بیتی باتوں کو یاد کرتے ہوئے کہا "انہوں نے ہمیشہ مجھ سے کاروباری باتوں سے بے نیاز ہو کر کرکٹ پر توجہ دینے کی بات کہی"۔ اس موقع پر سچن کے ساتھ روی شاستری بھی موجود تھے۔

کیا آپ جانتے ہیں!

☆ پاکستان کے تیز گیند باز وسیم اکرم کے نام ایک اننگز میں سب سے زیادہ چھکے لگانے کا ٹسٹ ریکارڈ

ہے۔ یہ چھکے انہوں نے 97-1996ء میں شیخ پورہ میں زمبابوے کے خلاف 257 رنز بناتے ہوئے لگائے تھے۔

☆ راجیش چوہان ہندوستان کے واحد گیند باز ہیں جنہوں نے ایک ٹسٹ اننگز میں 250 سے زائد رن بنائے۔ 98-1997ء میں کولمبو میں سری لنکا کے خلاف کھیلتے ہوئے چوہان نے 276 رن بنائے تھے اور اس دوران وہ 78 اوور تک کریز پر ٹکے رہے۔

☆ ویسٹ انڈیز کے روہن کنہائی ہندوستان کی سرزمین پر سب سے زیادہ رن بنانے والے کھلاڑی ہیں۔ 57-1956ء میں انہوں نے کولکتہ میں 258 رن بنائے تھے۔

☆ 33-1932ء میں آکلینڈ میں نیوزی لینڈ کے خلاف کھیلتے ہوئے انگلینڈ کے والٹر ہیمنڈ نے 288 منٹ تک بلے بازی کرتے ہوئے اپنی ٹرپل سنچری مکمل کی۔ اس اننگز میں انہوں نے 336 غیر مفتوح رن بنائے تھے۔ ٹسٹ کرکٹ کی تاریخ میں یہ سب سے تیز رفتار ٹرپل سنچری ہے۔

☆ 1924ء میں لارڈس کے میدان پر انگلینڈ نے صرف 2 وکٹ گنوا کر جنوبی افریقہ کو ایک اننگز اور 18 رنوں سے شکست دی تھی۔ دراصل یہ شکست انگلینڈ نے اسطرح دی کہ اس نے پہلے بلے بازی کرتے ہوئے 2 وکٹ گنوا کر 531 رن بنائے جس کے جواب میں جنوبی افریقہ اپنی دونوں اننگز میں 273 اور 240 رن ہی بنا سکا۔

انگلینڈ ٹیم نیوزی لینڈ میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کریگی: ناصر حسین

انگلینڈ کی کرکٹ ٹیم 8 ہفتوں کے دورے پر نیوزی لینڈ روانہ ہوئی۔ مہمان ٹیم تین ٹسٹ اور پانچ ونڈے انٹرنیشنل پر مشتمل سیریز کھیلے گی۔ کپتان ناصر

حسین نے نیوزی لینڈ کی آسٹریلیا میں شاندار کارکردگی پر اپنی ٹیم کی تعریف کی۔ تاہم انہوں نے کہا کہ موجودہ دورے میں ہماری ٹیم نیوزی لینڈ میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کرے گی۔ انہوں نے کہا کہ گزشتہ 97-1996ء کے دورے میں اچھی کرکٹ کھیلی تھی۔ ہمارے درمیان میچز ہمیشہ مقابلے کے رہے ہیں۔ ناصر حسین اور کوچ ڈنکن فلیچر نے اس عزم کا اظہار کیا کہ ان کی ٹیم نوجوان کھلاڑیوں پر مشتمل ہے جس نے ہندوستان میں ونڈے سیریز میں عمدہ کارکردگی کا مظاہرہ کیا اور ہمیں امید ہے کہ ہمارے کھلاڑی اس سال بھی اپنی گزشتہ کارکردگی دہرائیں گے۔ ناصر حسین نے اس بات کا اعتراف کیا کہ نیوزی لینڈ کی ٹیم بہترین کھلاڑیوں پر مشتمل ایک اچھی ٹیم ہے اس کے کھلاڑیوں نے کافی متاثر کیا ہے۔ پانچ ونڈے انٹرنیشنل پر مشتمل سیریز کا پہلا میچ 13 فبروری، دوسرا 16، تیسرا 20، چوتھا 23 اور پانچواں 26 فبروری کو کھیلا جائیگا جبکہ تین ٹسٹ میچوں پر مشتمل سیریز کا پہلا ٹسٹ 13 سے 17 مارچ تک ہوگا۔

افغانستان میں کرکٹ سرگرمیوں کا آغاز

طالبان حکومت کے خاتمے کے بعد افغانستان میں ایک مرتبہ پھر کرکٹ کی ترقی اور فروغ کیلئے کام شروع ہو گیا ہے۔ 1995ء میں قائم ہونے والی افغانستان کرکٹ فیڈریشن کے جنرل منیجر داؤد خان نے کہا کہ اگلے ماہ تھائی لینڈ میں کرکٹ ٹورنمنٹ کیلئے افغانستان کرکٹ فیڈریشن کو اسپانسر شپ کی ضرورت ہے۔ انہوں نے افغانستان میں کھیلوں کے فروغ کیلئے تعاون کی درخواست کی ہے۔

حمید اختر

مفاد عامہ

ابھی کل کی بات ہیکہ کمال پور کے اڈہ پر خاک اڑتی تھی۔ اب جناب ٹرانسپورٹ کمپنی کی نئی بسوں سے اترنے والے مسافر یہ خیال بھی نہیں کرسکتے کہ چھ ماہ بیشتر اس اڈے پر کوئی لاری نہیں آتی تھی، نہ انہیں یہ ہی معلوم ہوسکتا ہے کہ فضلا ٹھیکیدار اور علیا حلوائی ایک سال پہل کھدر کا کرتہ اور تہمد پہن کر دن بھر اس اڈے پر شکر پارے، بھنے ہوئے چنے اور لیمپ کے سگریٹ بیچا کرتے تھے اور فاقے کرتے تھے۔ اب تو اس اڈے کی چہل پہل ہی نرالی ہے، دن بھر جناب ٹرانسپورٹ کمپنی کی نئی بسیں پوں پوں کرتی اڈے میں آتی جاتی ہیں اور بسوں کے ڈرائیور اور کلینر فضلا ٹھیکیدار کی چار پائی کے گرد لکڑی کی کرسیوں پر بیٹھ کر حقے کی کش لگاتے ہیں۔ اکثر شوقین مزاج اور تندرست ڈرائیور ہر چکر پر علیے حلوائی کی دکان سے دودھ اور دہی کی لسی پینا بھی ضروری خیال کرتے ہیں۔

اس چھ مہینے میں کوئی پندرہ نئی دکانیں کھل گئی ہیں اور یہ سب کی سب فضلا ٹھیکیدار کی ملکیت ہیں۔ اس نے حالات کو سمجھتے ہوئے سال ڈیڑھ سال پہلے بہت سی سفید زمین ٹھیکے پر حاصل کرکے چھوٹی چھوٹی دکانیں تعمیر کرلی تھیں جنہوں نے اس کو سال بھر کے عرصہ ہی میں کچھ سے کچھ بنادیا ہے۔

سال بھر پہلے کوئی اجنبی اگر اس اڈے پر آتا تو اسے سوائے بمبو کارنگ تانگوں کے اور کوئی سواری نظر نہ آتی۔ اس زمانے میں یہاں دن بھر خاک اڑتی تھی، صبح سویرے دیہاتی کسان اپنے مقدموں کے سلسلہ میں کچہری اور تحصیل تک جانے کے لئے اپنے گھروں سے نکلتے اور ارد گرد کے دیہات سے پیدل چلتے ہوئے اڈے تک پہنچتے جہاں سے تحصیل اور کچہری تک جانے کے لئے کچی سڑک پر ٹانگے چلتے تھے۔ دیہاتی کسان اپنے لمبے تہبندوں کے ڈبوں میں جو رقم باندھ کر لاتے وہ عام طور پر ٹانگے کے کرایہ سے زیادہ نہیں ہوتی تھی۔ اس لئے فضلا ٹھیکیدار اور علیے حلوائی کے شکر پارے اور لیمپ کے سگریٹ بہت کم بکتے تھے۔ کبھی کسی نے دو پیسے کے سگریٹ خرید لئے یا پھر کسی نے فاقے سے مجبور ہوکر آدھ آنہ کے چنے خرید لئے تو اس سے دکان داری تھوڑی ہی ہوتی ہے۔ کبھی کبھی یہ ضرور ہوتا تھا کہ تحصیل کچہری سے مقدمہ جیت کر آنے والی کوئی ٹولی روپئے آٹھ آنے کے شکر پارے خرید کر گاؤں لے جاتے تاکہ مقدمہ جیتنے کے سلسلہ میں لوگوں کا منہ میٹھا کراسکیں اور دشمنوں کے سینوں پر مونگ دلنے کا بہانہ بھی ہوجائے۔ ایسا سنہری دن فضلا ٹھیکیدار کے لئے یادگار دن ہوتا، ایسے موقعوں پر وہ کان بردھانے کے بعد شام کے وقت علیے کے گھر ضرور جاتا اور علیے کو جو اس زمانے میں بے کار تھا، تسلی دیکر کہتا، فکر نہ کرو! آخر کسی نہ کسی وقت اچھے دن ضرور آئیں گے۔ کہنے والے کہتے تھے کہ فضلا کو علیے کی بے کاری سے زیادہ علیے کی جوان بہن رحمتے کی زیادہ فکر ہے کیونکہ رحمتے اس ریگ زار میں شبنم آلود پھول کی طرح کھلی ہوئی تھی۔ وہ علیے کے ساتھ کچی جھونپڑی میں رہتی تھی لیکن جب وہ اس جھونپڑی سے نکلتی تو ٹانگے کے جوانوں، اڈے کے مسافروں اور اجنبی راہ گیروں کے قدم رک جاتے اس کے میلے لباس میں سے اس کا شفاف جسم اس طرح جھلکتا تھا جیسے بجلی کے انڈے پر سیاہ کاغذ چڑھاکر اسے روشن کیا ہوا ہے۔ وہ زمین پر چلتی نہیں بلکہ تیرتی تھی اور اسے دیکھنے والے اس کے بارے میں گفتگو بھی آنکھوں ہی آنکھوں میں کرتے تھے۔ کبھی کبھی جب وہ اڈے میں سے گزرتی تو کوئی کوچوان دوسرے سے سرگوشی میں کہتا "یا رویہ کس نصیبوں والے کے گھر جائے گی" اور دوسرا جواب دیتا "علیے کو جو مال کھلائے گا وہی لے جائے گا"۔

کوئی اور بیچ میں بول اٹھتا "یار مال کھلانے کی بات ہوتی تو میں گھر بار تانگہ گھوڑا سب کچھ بیچ دیتا مگر علیے کا کچھ پتہ بھی تو نہیں چلتا۔ وہ تو اس بارے میں کھلتا ہی نہیں ہے۔ کیا اسے نہیں معلوم کہ وہ آگ سے کھیل رہا ہے"۔

رحمتے کے حسن اور اس کی معصومیت اور اس کی اٹھتی جوانی نے مل کر اسے ایسا رنگ دے دیا تھا کہ دنوں میں اس کی شہرت ہوگئی۔ وہ اڈے میں سے گزرتی تو آنکھیں اوپر اٹھاکر اور بڑے رعب سے گزرتی تھی۔ اس کی شکل کی طرف دیکھتے وقت یہ محسوس ہوتا گویا وہ بولنا بھی نہیں جانتی ہے لیکن جب وہ بات کرتی تھی تو ورق کھلتے تھے۔ اور دل ڈوبنے لگتے تھے۔ فضلو علیے کے گھر جاتا تو رحمتے حقہ بھر کر اس کے سامنے رکھ دیتی اور کہتی بھائی فضلو اب کے تو بہت دنوں کے بعد آئے ہو۔ مگر بھائی فضلو کبھی رحمتے سے آنکھ ملاکر بات نہیں کرسکتا تھا، وہ جب اس کی طرف دیکھتا اس کی نظریں جھک جاتیں۔ وہ تو چاہتا تھا کہ کسی نہ کسی طرح رحمتے کی آواز اس کے کانوں میں آتی رہے اور وہ دور بیٹھ کر اسے چلتا ہوا تیرتا ہوا دیکھتا رہے۔

مگر یہ اس وقت کی بات ہے جب کمال پور کے اڈے پر خاک اڑتی تھی۔ اب تو اس جگہ کا نقشہ ہی بدل گیا ہے۔ مہری شاہ فقیر کو چھوڑ کر اب یہاں کی ہر چیز بدل گئی ہے۔ مہدی شاہ فقیر پر اس تغیر و تبدل کا کوئی اثر نہیں ہوا۔ وہ تین سال پہلے جس نیلے رنگ کے تہمد میں آیا تھا، آج بھی اسی قسم کے نیلے رنگ کے تہمد میں نظر آتا ہے۔ جب وہ یہاں آیا تھا تو اس علاقے میں بارش نہ ہونے کی وجہ سے خاک اڑتی رہتی تھی اور لوگوں کو پینے کا پانی نہیں ملتا تھا۔ دور دور سے آنے والے مسافر، ننھے ننھے بچے اور نازک اندام دیہاتی حسینائیں پیاس سے تڑپتی رہتیں لیکن پانی کا کوئی انتظام نہیں تھا۔ پیاسے لبوں کو پانی کے بجائے خاک پھانکنی پڑتی اور فضاء میں اڑتے ہوئے مٹی کے ڈھیر مسافروں کے منہ اور ناک کے راستے ان کے

جسم میں داخل ہوتے رہتے۔

مہدی شاہ فقیر نے یہاں آتے ہی اپنی کل اثاثہ یعنی چار سو روپیہ خرچ کرکے ایک پمپ لگوالیا اور مٹی کے بڑے بڑے مٹکے خرید کر جھونپڑی میں رکھ لیئے۔ جست کی بالٹی اور المونیم کا گلاس ہاتھ میں لیکر وہ ہر آنے والے تانگے اور دیہات سے آنے والے مسافروں کے گروہ کی طرف بھاگتا اور ٹھنڈے پانی کا گلاس بڑھا دیتا۔ خود پیاسا کھڑا ہوکر وہ پیاسے خشک ہونٹوں کو تر ہوتے دیکھتا رہتا۔ وہ بہت کم بات کرتا تھا۔ کوئی بھی اس کے ماضی، اس کی شخصیت اور اس کے خیالات سے واقف نہیں تھا مگر سب اس کی بزرگی اور بڑائی کے قائل تھے حتیٰ کہ چار سو روپئے خرچ کرکے اس نے جو پمپ لگوایا تھا اسے بھی اس کی بزرگی کا ایک کرشمہ شمار کرکے لوگوں کو بتایا جاتا۔

دو سال تک مہدی شاہ فقیر اسی طرح پیاسوں کو پانی پلاتا رہا اور کسی کو اس کے بارے میں کچھ بھی معلوم نہ ہوسکا۔ کسی کو یہ پتہ نہ چلا کہ مہدی شاہ فقیر نے اپنی جوانی اور جاگیر شراب اور شاہد بازی کی زندگی کی ہے۔ کوئی نہیں جانتا تھا کہ مہدی شاہ جب پیدا ہوا تھا تو اپنے ساتھ پارہ کی سی مضطرب طبیعت بھی لایا تھا۔ شروع جوانی میں وہ کبھی کبھی کسی پھول کو دیکھ کر تڑپتا کبھی کسی رنگ کو دیکھ کر اس پر جذب کی سی کیفیت طاری ہوجاتی۔ اس زمانے میں اس میں اتنی سمجھ نہ تھی کہ وہ اپنے دل میں پیدا ہونے والے ان پراسرار گمبھیر جذبوں کے بارے میں کوئی فیصلہ کرسکے۔ وہ تو بس ایک پھول، ایک رنگ یا کسی میٹھی رسیلی تان سن کر بے خود ہوجاتا اور پہروں گم رہتا۔ پھر ایک ایسا زمانہ آیا جب ہر حسین عورت کو دیکھ کر اس نے محسوس کیا کہ اس سے اس کا ازلی رشتہ ہے اور پھول اور رنگ اور آواز کے بجائے حسین اور خوبصورت جسم پر جان دیتا تھا لیکن حسن کے شعلے کو پکڑنے کی قوت اس میں موجود نہیں تھی۔ ہر حسین عورت خیال کی طرح اس کے پہلو سے گزرتی اور وہ پہروں بیٹھا سر پیٹتا رہتا۔

پھر ایک زمانہ ایسا آیا۔ اور یہ اس کی بھرپور جوانی کا زمانہ تھا۔ جب مہدی شاہ فقیر نے شراب اور معشوق کے علاوہ دنیا کی ہر چیز سے تعلق توڑلیا۔ جب نشہ اترنے لگتا تو وہ اور پیتا اور پی کر بچوں کی طرح بلک بلک کر اپنا سر کسی نرم اور گرم آغوش میں ڈال دیتا مگر جوں ہی وہ اپنا تپتا ہوا سر کسی کی آغوش میں ڈالتا اور نرم اور لمبی مخروطی انگلیاں اس کے بالوں میں کنگھی کرنے لگتیں اور معطر سانس اس کے کانوں کی لووں کو چھوتے تو اسے محسوس ہوتا یہ وہ شئے نہیں جس کی طلب اس نے کی تھی۔ اس ایک لمحے میں اسے اتنی اذیت برداشت کرنی پڑتی۔ اتنا دکھ، اتنا رنج اور اتنی مایوسی ہوتی کہ وہ بھاگ کر کمرے میں جاتا اور اپنا سر دیوار کے ساتھ پٹختا اور دھاڑیں مار مار کر رونے لگتا۔ عورت جنس کی صورت میں جس قیمت پر ملی مہدی شاہ نے سودا کیا مگر جس جنس کی تلاش میں وہ تھا اسے کہیں نہیں ملی۔

اسی طرح جوانی کے دن گزر گئے اور جب اس کے اعصاب کمزور پڑگئے تو ایک دن یکایک اس نے محسوس کیا کہ وہ بالکل کھوکھلی بالکل مصنوعی اور بے کار زندگی گزار رہا ہے۔ اس نے گھر بار، بچی کچی جاگیر، عزیز و اقارب سب کو چھوڑ دیا اور وہ چار سال اسی طرح فقیروں کے تکیوں اور ڈیروں پر گھومتا رہا۔ اس طرح پھرتا پھراتا وہ کمال پور پہنچا اور ایک جھونپڑا ڈال کر بیٹھ گیا۔

جب سے اس نے پیاسوں کو پانی پلانا شروع کیا تھا اس وقت سے اسے کچھ ایسا سکون مل رہا تھا جو اس سے پہلے کبھی حاصل نہ ہوا تھا۔ پہلے پہل اس نے اس سکون کو محسوس نہیں کیا۔ مگر آہستہ آہستہ اسے اپنی پرانی زندگی کا ایک ورق بھول گیا۔ کمال پور کے اڈے پر بیٹھ کر اسے یوں معلوم ہوتا گویا وہ انم جنم سے یہیں موجود ہے اور پانی کی یہ بالٹی اور المونیم کا یہ گلاس ہمیشہ ہمیشہ سے اس کے پاس ہے۔ اب اس کے سامنے ہر وقت موٹے موٹے پیاسے، خشک اور بے روح ہونٹ کھلے رہتے۔ جب دور سے وہ مسافروں کی ٹولی یا کوئی تانگہ آتا ہوا دیکھتا تو مٹکے سے ٹھنڈا پانی ڈال کر بھاگتا۔ خشک لٹکتی ہوئی زبانوں اور موٹے ہونٹوں پر جب ٹھنڈے پانی کی بارش ہوتی تو مہدی شاہ فقیر کو یوں معلوم ہوتا گویا اس کی روح سیراب ہورہی ہے۔ اس کی پیاس جو کبھی نہیں بجھی تھی، بجھ رہی ہے اور اس کی روح خوشی اور سرور اور محبت سے جھوم اٹھتی۔ کبھی تنہائی میں بیٹھے بیٹھے بھولے ہوئے خواب کی طرح اسے اپنی پرانی زندگی یاد آتی تو اسے یقین نہیں آتا تھا کہ کبھی اس نے ایسی زندگی بھی گزاری ہے۔ اسے یہ داستان کسی اور شخص کی معلوم ہوتی۔ ایسا شخص جس کا موجودہ مہدی شاہ فقیر سے کوئی تعلق نہیں ہے۔

کمال پور کے اڈے پر مہدی شاہ فقیر کے کمال کا سب سے بڑا معترف خود فضلو ٹھیکیدار تھا کیونکہ عینی شاہدوں کا بیان ہیکہ فضلو جب ایک رات کمال پور کے اڈے پر پہنچا تو اسے لوگوں نے رات گزارنے کی ایک ہی جگہ کا راستہ دکھایا اور وہ مہدی شاہ فقیر کا جھونپڑا تھا۔ فضلو جب مہدی شاہ کے پاس پہنچا تو فقیر نے کہا "فضلو تیری تقدیر تجھے یہاں لائی ہے۔ اب یہاں سے آگے جانے کا نام نہ لینا۔ فضلو پہلے تو پردیس میں ایک بزرگ خضر صورت کی زبان سے اپنا اصلی نام سن کر حیران ہوا۔ پھر بزرگ کا اشارہ سمجھ کر یہیں کا ہورہا۔ اس وقت اس کے وہم و گمان میں بھی یہ بات نہ تھی کہ ایک دن اسے بھی ٹھیکیدار کے معزز نام سے پکارا جائے گا۔ وہ اب بھی فخر سے کہتا تھا کہ جو کچھ اس نے حاصل کیا ہے وہ شاہ جی کے قدموں کی برکت سے ہے اور گرد و نواح کے لوگ اکثر حقے کی نے کے گرد بیٹھ کر اس کا ذکر چھیڑتے ہیں اور کہتے ہیں " بزرگ بھی پہنچا ہوا ہے، فضلو پر مہربان ہوا تو اسے کیا سے کیا بنادیا ہے اور خود ابھی تک اسی گدڑی ہی میں ہے۔ بھائیو یہ فقیر لوگ مرضی کے بادشاہ ہیں۔ ان کو مجبور نہیں کیا جاسکتا"۔

بات بھی کچھ ایسی ہی تھی۔ بھلا اس میں کسے کلام ہوسکتا ہے کہ فقیر اپنی مرضی کا آپ مالک ہے۔ دیکھتے دیکھتے کمال پور کے اڈے کی ہر چیز بدل گئی مگر مہدی شاہ بالکل اسی طرح اپنے کام میں مگن ہے جس دن لاٹ صاحب نے نئی سڑک کا افتتاح کیا۔ مہدی شاہ اس دن بھی اسی طرح پانی پلاتا رہا۔ اس روز اڈے پر ہزاروں آدمیوں کا ہجوم دم بہ خود کھڑا لاٹ صاحب کی طرف دیکھ رہا تھا۔ ان کی عمر کوئی پچاس سال کے لگ بھگ تھی مگر ان کے چہرے پر اس قسم کی

تنگی موجود تھی جو جسم میں کیلشیم کی کافی مقدار ہونے سے پیدا ہوتی ہے اور اس کے کم ہونے سے مرجاتی ہے۔ انہوں نے اپنے مضبوط ہاتھ میں قینچی پکڑ کر اس رسی کو کاٹ دیا جو سڑک کے سرے پر راستہ روکے ہوئے تھی۔ اس کے بعد وہ اپنی شاہی موٹر میں سوار ہوکر ایک فرلانگ تک بہت کم رفتار سے چلتے گئے، تمام مجمع حیرت اور استعجاب سے اس سارے منظر کو دیکھتا رہا۔ ہزاروں دیہاتی جنہیں ان کے علاقے کے نمبردار صبح سویرے ہانکتے ہوئے آج کی تقریب میں حصہ لینے کے لئے آئے تھے، خوف و حیرت کے ملے جذبات سے یہ تماشہ دیکھتے رہے۔ ان کی حیرت اس وجہ سے تھی کہ سڑک بن چکنے کے بعد اس پر تانگے، ریڑھے، چھکڑے اور پہیوں کے چلنے کے بجائے اس پر لاٹ صاحب چل رہے تھے اور خوف اس وجہ سے تھا کہ چپے چپے پر پولیس اور فوج کے باوردی سپاہی گھوم رہے تھے۔ کبھی کبھی جب نوجوان پولیس کے حلقے کو بھول کر لاٹ صاحب کی زیارت کے لئے آگے بڑھتے اور اس منظر کو دیکھنے کی کوشش کرتے تو پولیس والوں کے ڈنڈے ہوا میں لہراتے۔ پگڑیاں سروں سے اچھل کر زمین پر گرتیں اور سب لوگ دو قدم پیچھے ہٹ کر کھڑے ہوجاتے۔ جب کسی سادہ لوح اور بے خبر نوجوان کے سر پر پولیس والوں کا ڈنڈا پڑتا تو مجمع کے کونوں سے دبی دبی ہنسی کی آواز بلند ہوتی مگر تھوڑی دیر کے بعد پھر سناٹا ہوجاتا اور لوگ اسی حیرت اور پریشانی سے اپنے سامنے دیکھنے لگتے۔

افتتاح کے بعد قومی رضاکاروں کی سلامی لینے کے لئے لاٹ صاحب اونچے پلیٹ فارم پر تشریف لائے۔ قومی رضاکاروں کی سلامی لینے کے بعد انہوں نے حاضرین کو ضبط و نظم اور مساوات پر ایک لیکچر دیا اور اپنی شاہی موٹر میں بیٹھ کر پولیس اور فوج کے پہرے میں نظروں سے اوجھل ہوگئے۔

نئی سڑک کوئی تیس میل لمبی تھی اور اس کے کھلنے سے دو بڑے شہروں کے درمیانی فاصلے میں چالیس میل کی کمی واقع ہوگئی تھی۔ پہلے جہاں ایک بڑے شہر سے چل کر دوسرے بڑے شہر تک جانے کے لئے ڈھائی سو میل کا فاصلہ طے کرنا پڑتا تھا وہاں اب دو سو میل سے کچھ ہی زیادہ کا سفر باقی رہ گیا تھا۔ فاصلہ کی کمی کی اہمیت سے جناب ٹرانسپورٹ کمپنی کا مالک بہت اچھی طرح واقف تھا۔ اس لئے افتتاح کی تقریب کے روز وہ صبح سویرے ہی سے اپنی کلف دار پگڑی کا طرہ ہوا میں لہراتا ہوا ادھر ادھر گھوم رہا تھا چونکہ افتتاحی تقریب کے لئے اس نے ایک ہزار روپیہ چندہ بھی دیا تھا اس لئے وہ ان خوش نصیب لوگوں میں سے تھا جن سے لاٹ صاحب نے سب سے پہلے ہاتھ ملائے تھے۔

جناب موٹر ٹرانسپورٹ کمپنی کے مالک کے بعد فضلو ٹھیکیدار اور علیا سب سے زیادہ خوش نظر آتے تھے۔ دونوں اپنے سامنے کام کرنے کا کھلا اور بڑا میدان دیکھ رہے تھے۔ اسی دن سے علیا بھی فضلو کی تجارت میں اس سے قرض لیکر شامل ہوگیا تھا۔

سڑک کے افتتاح کے بعد آہستہ آہستہ ایسا معلوم ہونے لگا گویا کمال پور کے پرانے اڈے کا نئے اڈے سے کوئی تعلق ہی نہیں ہے۔ جس طرح بے روح اور دم توڑتے ہوئے مریض کے جسم میں خون دیکر اس کو زندہ کرلیا جاتا ہے بالکل اسی طرح اڈہ کی صورت بدل گئی۔ لاٹ صاحب کے ہاتھوں میں پکڑی ہوئی قینچی نے گویا کمال پور کے اڈے کو رواں دواں زندگی کی حرکت سے چلادیا تھا اور کمال پور کے اڈے کی ہر چیز تبدیل ہوگئی تھی۔ اب تانگے کے کوچوانوں نے تانگے گھوڑے بیچ کر ٹرانسپورٹ کمپنی میں نوکریاں کرلیں۔ پہلے پہل انہوں نے موٹروں کے ٹائر پھاڑنے اور سڑک پر گڑھے کھودنے کی کوششیں کیں مگر جب طوفان گزر گیا تو انہوں نے ہتھیار ڈال دیئے۔ اب ہر چیز بدل گئی تھی اس لئے وہ بھی بدل گئے تھے۔ طلیے کی دکان پر اب کھوے کے پیڑے، برفی، جلیبیاں اور دودھ کے کڑاہے ابلتے رہتے۔ فضلو اب کرایہ وصول کرنے میں سختی سے کام لیتا۔ اب اس کے اپنے اثر میں بساطی اور منیاری کی دکانیں کھل گئی تھیں اور آہستہ آہستہ دیہاتی نوجوان عورتیں چھینٹ کی شلواریں پہن کر اور ہونٹوں پر مسی مل کر اڈے پر آتیں اور شیشہ کنگھی اور چوڑیاں خرید کر چلی جاتیں۔ کبھی کبھی کوئی چھیل چھبیلا کسی کنواری کو کانچ کی چوڑیاں خرید کر دینے کے بہانے ساتھ لے آتا، کنواریاں چادروں میں لپٹی ہوئی آتیں اور اڈے سے ضرورت کی چیزیں خرید کر واپس ہوجاتیں۔

دیکھتے دیکھتے کمال پور کے اڈے کی حیثیت اس علاقے کے مرکز کی سی ہوگئی۔ کون جوان اس گاؤں سے کسی لڑکی کو ساتھ لیکر چوڑیاں چڑھانے لاتا ہے۔ اس کی اطلاع سب سے پہلے اس اڈے پر ہوتی۔ موٹر بس سے اتر کر ہر گاؤں کا نمبردار اور علاقے کے تمام اہم آدمی اڈے پر لسی یا چائے پینے کے لئے رکتے اور فسروں کی پارٹی بازی اور دیہات کے شریکے برادری کی لڑائیوں پر تبصرہ کرتے۔ اس طرح اڈہ ایک ایسی جگہ بن گیا جہاں ہر چیز کھلی ہوئی کتاب کی طرح سامنے پڑی تھی۔

سب سے زیادہ تبدیلی طلیے کی بہن رحمتے میں ہوئی تھی۔ نئی سڑک کے کھلنے سے پہلے وہ نازک سبک اور معصوم سی لڑکی تھی لیکن موٹر بسوں کی آمد و رفت کے ساتھ اس کے چہرے کی معصومیت غائب ہوگئی اور اس کی جگہ پکے ہوئے پھل کا سا رنگ پیدا ہوگیا۔ اب اس کے پاؤں میں چھانجن، ہاتھوں میں چوڑیاں اور گلے میں ویل کی قمیص ہوتی۔ وہ مٹک مٹک کر چلتی اور راہ چلتے لوگوں کو اس طرح دیکھتی کہ مسافر مدہوش ہوجاتے۔ کڑاہی کا بچا ہوا دودھ پی پی کر اس کا جسم اس قدر متناسب اور سڈول ہوگیا تھا کہ سردار حلوائی کہتا تھا وہ اب بھی ایک انگوٹھی میں سے گزر کر نکل سکتی ہے۔

سب سے بڑی تبدیلی اس اڈے پر یہ ہوئی کہ اب ہر پانچویں ساتویں روز اڈے پر پولیس والوں کا آنا ضرور ہوتا تھا۔ کلیم الدین اے ایس آئی جو تھانے کا انچارج تھا، چند سپاہیوں کو ساتھ لیکر ہر ہفتے گھوڑے کی پیٹھ پر سوار اڈے پر پہنچ جاتا۔ کلیم الدین تھانیدار کا تھانہ اڈے سے چھ میل کے فاصلے پر تھا لیکن وہ کہتا تھا موٹر بسوں کی آمد و رفت سے اڈے پر جوے کی بیماری پھیل گئی ہے اور علاقے کو ایسی لعنتوں سے بچانا اس کے ضروری فرائض میں داخل ہے۔ وہ یوپی کا

رہنے والا تھا اور اردو زبان بولتا تھا ۔ اس لئے اڈے پر اس کی آمد سے خوف کچھ زیادہ ہی پھیل جاتا۔ وہ جب بھی آتا تیز ، تیز ، لفظوں اور اپنی زبان میں ہر سامنے آنے والے کو گالیاں دیتا ۔ کبھی کبھی اس کی تیز رفتاری کا ساتھ دینے کے لئے اس کے سپاہی کسی کلینز کو پکڑ لیتے اور ٹھکائی شروع کردیتے جس سے پورے اڈے میں دہشت پھیل جاتی ۔ اس کام سے فارغ ہوکر وہ سیدھا طلیے کی دکان پر پہنچتا اور گھنٹوں اس دکان پر بیٹھا مقدمات کی تفتیش کرتا رہتا ۔ البتہ بے اور دس نمبر کے بدمعاش ارد گرد کے دیہات سے بلائے جاتے اور تفتیش دن بھر جاری رہتی ۔ ایسے موقعوں پر رحمتے کو بار بار دکان پر کوئی کام پڑتا اور وہ کئی کئی چکر لگاتی ۔ بہت دنوں تک تھانیدار رحمتے کو دیکھتا اور اس پر مرتا رہا لیکن اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اسے کیا کرنا چاہیے ۔ آخر ایک پرانے سپاہی کے مشورے سے اس نے ایک بڑھیا کے ذریعہ رحمتے کو یہ پیغام بھیج دیا "پیاری کب تک ظلم کرتی رہوگی۔ میں تو تم پر مرا ہوا ہوں "۔

لیکن کلینزوں اور ڈرائیوروں کی آمد سے رحمتے بھی وہ نہ رہی تھی۔ پہلے اسے دیکھ کر لوگ آنکھوں میں اشارے کرتے تھے ۔ مگر آج کل جب وہ اڈے سے گزرتی تھی تو ادھر ادھر سے جانی مارڈالا قسم کی بازاری آوازیں آیا کرتی تھیں جنہیں سن کر رحمتے کا خون بڑھ جاتا اور وہ اپنی دراز پلکیں اٹھاکر ادھر ادھر دیکھتی اور مسکراتی ہوئی نکل جاتی تھی۔ اس لئے اس نے بڑھیا سے تھانیدار کا پیغام سن کر جواب دیا۔ اس سے کہہ دینا یاری لگانے کے لئے تھانیداری کا رعب نہیں چلے گا جناب ! " تھانیدار یہ جواب سن کر چپ ہوگیا۔ اس نے اپنے پرانے سپاہی سے کہا " پنجاب میں بڑی خوفناک عورتیں ہوتی ہیں میرے یار " لیکن اس روز کلیم الدین تھانیدار کے سینے میں عشق کی ایسی آگ بھڑک اٹھی کہ اڈے پر ہر تیسرے چوتھے روز آنے لگا اور اسے دور سے آتا دیکھ کر پورے علاقے میں خوف اور دہشت کی لہر دوڑ جاتی۔

اس کے اڈے پر آنے سے اگر کسی آدمی پر کوئی اثر نہیں ہوتا تھا تو وہ مہدی شاہ فقیر تھا۔ تین سال اس کے معمولات میں کبھی کوئی فرق نہیں آیا ۔ وہ اسی طرح ننگے بدن ، نیلا تہمد باندھے ، بالٹی اور گلاس ہاتھ میں لئے پیاسوں کو پانی پلاتا رہتا اور جب پانی کا گلاس پیاسے لبوں تک پہنچتا تو اس پر گھنٹوں نشے کی کیفیت طاری ہوجاتی ۔ اس تین سال کے عرصے میں اس کی شخصیت اور زندگی میں ایک ایسا رچاؤ ، ایک ایسی کیفیت پیدا ہو گئی تھی کہ وہ اب ہر چیز کو بھول گیا ۔ زندگی میں پہلی بار اس نے محسوس کیا کہ اس کی تشنگی بجھ رہی ہے اور اس کی خشک پیاسی روح سیراب ہورہی ہے ۔ وہ اپنے جذبے اور خدمت میں اس قدر مست تھا کہ اس کے علاوہ وہ ساری دنیا اور اس کی آرائشوں کو بھول گیا۔

مہدی شاہ فقیر کی شہرت پچاس پچاس میل تک پھیل گئی تھی ۔ وہ گویا اس سارے علاقے کا روحانی پیشوا تھا ۔ پیاسے پانی پینے سے پہلے اس کی زیارت کرتے ۔ بہت سے کسان اس کے گھٹنوں کو چھوکر مرادیں پوری کرنے کی خواہش کرتے ۔ شاہ جی نے پہلے پہل جھک کر گھٹنوں کو چھونے والوں سے دست بستہ عرض کی کہ وہ ان کو شرمندہ نہ کریں۔ انہوں نے بار بار کہا " میں ایک گناہ گار بندہ ہوں ، مجھے اور گناہ گار نہ کرو بھائیو " مگر معتقدین نے اس بات کو ان کی کسر نفسی پر محمول کیا اور زیارت عقیدت سے ان کی پرستش کرنے لگے ۔ انہوں نے بھی اس طوفان کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے اور اس میں ان کو مزہ آنے لگا۔ اب عورتیں دور دراز سے بیمار بچوں اور مریضوں کو اٹھاکر لاتیں۔ مرادیں حاصل کرنے والوں نے ان کو تعویذ لکھنے پر مجبور کیا جسے انہوں نے تھوڑی سی مدافعت کے بعد مجبوراً قبول کرلیا۔

شاہ جی کا اثر و رسوخ جوں جوں بڑھتا گیا ، طلیا حلوائی پریشان ہوتا تھا ۔ اس نے چھوٹے چھوٹے چھوکروں کو ملازم رکھا ہوا تھا ۔ جو بالٹیوں میں شکر کا شربت اور دودھ کی لسی لیکر اڈے پر آنے والی بسوں کے گرد چکر لگاتے اور " ٹھنڈے میٹھے شربت کا گلاس دو پیسے میں "۔ کی صدا لگاتے لیکن طلیے کو چند دنوں ہی میں معلوم ہوگیا کہ شاہ جی کے مفت کے ٹھنڈے پانی کے مقابلے میں اس کی دوکان داری نہیں چل سکتی ۔ شروع شروع میں اسے شاہ جی کے خلاف کچھ کہنے کی جرات نہیں ہوئی بلکہ وہ مسافروں پر برستا اور کہتا " دیکھو تو سہی یہ بے وقوف کسان تحصیل میں جاکر مقدموں میں بیسیوں روپئے خرچ کردیتے ہیں مگر اپنی جان کے آرام کے لئے دو پیسے خرچ کرتے ہوئے بھی ان کو موت پڑتی ہے " پھر ارد گرد دیکھتے ہوئے وہ کہتا " سچ تو یہ ہے مفت پیاس بجھتی ہو تو پھر پیسہ کون خرچ کرتا ہے بھائی "۔

کچھ دنوں ایسی گفتگو چلانے کے بعد اس نے شاہ جی کی باقاعدہ مخالفت شروع کردی ۔ وہ کہتا " معلوم نہیں یہ کون شخص ہے ۔ مجھے تو شک ہے کہ کہیں سے قتل کرکے مفرور ہوا ہے اور یہیں چھپ کر آ بیٹھا ہے " پھر وہ کہتا " بھلا کسی آدمی کو دوکاندار کی دکان داری خراب کرنے کا کیا حق ہے ۔ خواہ کوئی بھی آدمی ہو جناب! "۔

طلیے کا کام اس طرح نہ بنا تو اس نے فضلو کی مدد حاصل کرنے کی کوشش کی مگر فضلو ابھی تک شاہ جی سے بگاڑ پیدا کرنے کی ہمت اپنے میں نہیں پاتا تھا ۔ اس لئے اس نے فوراً اپنی غیر جانبداری کا اعلان کردیا۔ طلیا اچھی طرح سے جانتا تھا کہ اڈے پر مسافروں کو پانی دو ہی جگہ سے مل سکتا ہے ۔ ایک اس کی دکان پر سے جہاں دام خرچ کرنے پڑتے ہیں ۔ دوسرے شاہ جی کے پاس سے جہاں مفت پیاس بجھتی ہے اور وہ یہ بھی جانتا تھا کہ جب تک شاہ جی موجود ہیں اس کا کام نہیں چل سکتا۔

آخر ایک روز سر شام وہ اپنی دوکان سے اٹھا اور چپ چاپ تھانے کی طرف روانہ ہوگیا۔

تھانے میں جاکر اس نے کلیم الدین تھانیدار سے دو گھنٹے علیحدہ کمرے میں گفتگو کی۔ رات کو وہیں قیام کیا اور اگلی صبح تھانے سے روانہ ہوکر واپس اڈے پر پہنچ گیا۔ اس کے راز میں کوئی دوسرا شریک نہیں تھا۔

دو روز کے بعد جب کلیم الدین گھوڑے پر سوار ہوکر کمال پور کے اڈے کے پاس پہنچا تو اس کے ساتھ ایک حوالدار ، چھ سپاہی ، چار چوکیدار اور علاقے کے بعض اہم لوگ بھی تھے۔ تھانیدار نے حوالدار سے پوچھا " آج یہاں کوئی میلہ وغیرہ ہے ؟"۔

" جی جناب یہاں ہر سال ایک عرس

ہوتا ہے۔ اسی سلسلہ میں یہ میلہ لگا ہوا ہے" حوالدار نے جواب دیا۔

پولیس پارٹی نے دیکھا کہ اڈے کے ارد گرد میلوں تک دیہاتی کسان لمبی لمبی تیل پلائی ہوئی لاٹھیاں کندھوں پر رکھے گھوم رہے ہیں۔ بچے جھولے جھول رہے تھے۔ اور دیہاتی عورتیں پساطی اور منیاری کے دکان داروں سے شیشہ، کنگھی، خوشبو دار تیل اور چوڑیاں لڑ جھگڑ کر خرید رہی تھیں۔ چاروں طرف پگڑیاں اور دو پٹے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ اس مجمع میں علیے نے لسی اور شربت کی رنگ دار بوتلیں تیار کرکے رکھی ہوئی تھیں اور اس مجمع میں مہدی شاہ فقیر نیلا تہمد باندھے بالٹی اور گلاس ہاتھ میں لئے پیاسے مسافروں کی اور خود اپنی پیاس بجھاتے پھر رہے تھے۔

تھانیدار تیر کی طرح مہدی شاہ کے سامنے پہنچا اور گرج کر بولا بالٹی ہاتھ سے رکھ دو۔

مہدی شاہ فقیر نے بالٹی ہاتھ سے رکھ دی۔

تھانیدار نے ایک سپاہی کی طرف دیکھتے ہوئے حکم دیا۔"اس کو گرفتار کرلو"

سپاہی آگے بڑھا۔ مجمع دم بخود کھڑا یہ نظارہ دیکھ رہا تھا۔ سپاہی نے ایک لمحہ کے توقف کے بعد مہدی شاہ فقیر کے ہاتھ میں ہتھکڑی پہنادی۔

ہزاروں کی تعداد میں دیہاتی کسان پولیس پارٹی کے گرد جمع ہوگئے۔ میلہ کے میدان کی طرف سے لوگ بھاگ بھاگ کر جائے وقوع پر پہنچ رہے تھے۔ وہ بھاگے ہوئے آتے لیکن موقع پر پہنچ کر سانس روک کر کھڑے ہوجاتے۔ کہیں سے کوئی آواز نہ آتی تھی مگر لوگوں کے دل اندر ہی اندر دھڑک رہے تھے۔ ان پر حیرت اور خوف کا غلبہ تھا۔ کسی کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ اس صورتحال میں کیا کرنا چاہیے۔ سب لوگ یہ سوچ رہے تھے کہ کچھ نہ کچھ کرنا چاہیے۔ سب کو یہ احساس تھا کہ جو کچھ ہورہا ہے وہ نہیں ہونا چاہیے مگر انہیں کیا اگلا قدم اٹھانا چاہیے یہ وہ نہیں جانتے تھے۔

سپاہی مہدی شاہ کو ہتھکڑی لگاکر تھانیدار کے پاس پہنچ گیا۔

تھانیدار ابھی گھوڑے پر سوار تھا۔ اس نے آنکھیں اوپر اٹھائیں اور مجمع کی طرف دیکھا۔ مجمع بڑھ رہا تھا، عورتیں، مرد، بچے، بوڑھے، جوان سب کے سب حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہے تھے اور بے حس و حرکت کھڑے تھے۔

تھانیدار خاموش اور پریشان نظر آرہا تھا۔ اس نے دوبارہ اپنی آنکھیں اوپر اٹھائیں مگر پھر جھکالیں۔ اس کے سامنے انسانوں کا ہجوم سمندر کی طرح پھیلا ہوا تھا مگر اس کی سمجھ میں کچھ نہیں آتا تھا۔ وہ یہ فیصلہ نہیں کرسکتا تھا کہ مجمع کو کس طرح قابو میں رکھا جاسکتا ہے۔ اسے صرف یہ احساس تھا کہ کچھ نہ کچھ ہونے والا ہے۔ سپاہیوں نے تھانیدار کی طرف دیکھا۔ وہ حکم کے منتظر تھے۔

مجمع بالکل خاموش بے حس و حرکت لیکن مشتعل سا نظر آرہا تھا۔ چند منٹ اسی طرح گزر گئے۔ یکایک کلیم الدین تھانیدار نے یوں محسوس کیا کہ وہ عام لوگوں کے غیر منظم گروہ کے نہیں بلکہ عدالت میں جیوری کے سامنے فیصلے کا منتظر کھڑا ہے۔

اچانک مجمع کے ایک کونے میں حرکت ہوئی اور ایک نوجوان نے لاٹھی ہوا میں بلند کرتے ہوئے صرف اتنا کہا "آخر ہمارے شاہ جی کو کیوں پکڑا گیا"۔

اس آواز کے سنتے ہی پورے مجمع میں حرکت کی لہر دوڑ گئی۔ آرام سے بیٹھا ہوا سانپ جس طرح چلنے سے پہلے اپنے جسم کے مختلف حصوں کو حرکت میں لاتا ہے، بالکل اسی طرح پورے مجمع کے بعض حصے حرکت کرنے لگے اور شاہ جی کو کیوں گرفتار کیا گیا ہے؟" کا فقرہ ایک پل سے دوسرے اور دوسرے سے تیسرے پر پھیل گیا۔

کلیم الدین خاں تھانیدار نے لوگوں کی طرف دیکھا۔ انہیں یوں معلوم ہورہا تھا گویا ان کے سامنے کوئی مغلوب الغضب درندہ حملہ کرنے کے لئے تیار کھڑا ہے۔ پہلے تو وہ سخت گھبرائے ہوئے نظر آتے تھے لیکن بہت جلد اپنے حواس پر قابو پاتے ہوئے اور گلا صاف کرتے ہوئے لوگوں سے مخاطب ہوکر کہا "برادران اسلام آپ گھبرایئے نہیں۔ اس علاقے میں انصاف اور قانون کی حفاظت کرنا میرا فرض ہے اور یقین کیجئے شاہ جی کو گرفتار کرنے میں یہی مقصد کارفرما ہے"۔

لوگوں نے تھوڑی دیر تک سرگوشیاں کیں۔ تھانیدار نے منجھے ہوئے کھلاڑی کی طرح ایک دفعہ پھر اس مجمع کی طرف دیکھا۔

ایک طرف سے آواز آئی "مگر ان کو پکڑنے کی وجہ کیا ہے؟"

تھانیدار نے گلا صاف کرتے ہوئے کہا "بھائیو! آپ نہیں جانتے۔ حالات بہت خراب ہیں۔ دشمن کے جاسوس جگہ جگہ پھیلے ہوئے ہیں اس لئے میں مجبور ہوں کہ شاہ جی کی گرفتاری کی وجوہات آپ کے سامنے بیان نہ کروں۔

مجمع میں سے اکثر سمجھدار لوگوں نے محسوس کیا کہ تھانیدار کا رویہ حاکموں کا نہیں بلکہ ملزموں کا سا ہے۔ وہ لوگوں کے سوالات سے اس طرح گھبرایا ہوا نظر آتا تھا جس طرح عدالت میں ملزم عدالت کے سوالات سے گھبراتا ہے۔

ایک سمجھدار آدمی نے کہا "کیا مہدی شاہ دشمن کا جاسوس ہے"۔

تھانیدار نے اپنے بازو اوپر اٹھاتے ہوئے کہا "برادران ملت! یہ بتلانا مفاد عامہ کے خلاف ہے"۔ یہ کہتے ہوئے تھانیدار نے بڑے ڈرامائی انداز میں گھوڑے کی باگ کھینچی اور سپاہیوں سے کہا "چلو"۔

لوگ کھڑے تھے۔ جب تھانیدار کا گھوڑا مڑ کر چلا تو لوگوں نے خود بخود راستہ صاف کردیا۔ اور اسے رخصت ہوتے ہوئے دیکھتے رہے۔ ان کی سمجھ میں کچھ نہیں آرہا تھا۔ کئی منٹ تک مجمع اسی طرح کھڑا رہا اور پھر آہستہ آہستہ لوگ ادھر ادھر بکھر گئے۔

شام کو میلے سے واپس آتے ہوئے چک نمبر سترہ کے پرائمری اسکول ماسٹر جمال الدین سے خوشیا نمبر دار نے پوچھا "منشی جی! مفاد عامہ کیا ہوتی ہے"

منشی جمال الدین کچھ دیر سوچتے اور خاموشی سے قدم بڑھاتے رہے۔ آخر انہوں نے کہا "مجھے اچھی طرح تو معلوم نہیں ہے بھائی تم شام کو میرے پاس آنا میں لغات دیکھ کر تمہیں بتاؤں گا"۔

☆☆☆☆☆

ندیم شراون بام عروج پر

محمد عبدالسلام :: فلم جرنلسٹ

ہندی فلم انڈسٹری میں اپنی ایک علحدہ اور مخصوص پہچان بنانے کے بعد موسیقار جوڑی ندیم شراون نے پھر ایکبار فلمی دنیا کے موسیقاروں میں اپنی جوڑی کو سرفہرست پر لایا ہے۔ دھڑکن، تصور، ایک رشتہ کے گیتوں کی مقبولیت کے بعد ندیم شراون نے اس سال یہ دل عاشقانہ، دراز، ہاں میں نے بھی پیار کیا سے مقبولیت اللہ کامیابی کی بلندیوں کو چھولیا ہے۔

آج یہ فلمی دنیا کی سب سے مہنگی موسیقار جوڑی تصور کی جارہی ہے۔ لگاتار کئی فلموں کی دھنوں کو ان موسیقاروں نے کامیابی دلائی ہے۔ دراصل ندیم شراون نے شائقین موسیقی کی نبض کو ٹٹول لیا ہے۔ ان موسیقاروں نے صرف سریلی دھنوں کو ترجیح دی ہے۔ دھوم دھڑاکے والی موسیقی سے ہمیشہ پرہیز کیا ہے کیونکہ انھیں احساس ہے کہ سریلی میلوڈی دھنیں عرصہ دراز تک سنی جاسکتی ہیں جبکہ شور شرابہ دہرایا نہیں جاسکتا۔ ندیم لندن میں مقیم ہیں تو شراون ہندوستان میں لیکن ان کی دھنیں سارے عالم میں دھوم مچارہی ہیں۔ کامیاب موسیقاروں نے اپنی موسیقی سے فلمسازوں کو فلمی حقوق سے زیادہ آڈیو حقوق میں دولت کمانے کا موقع دیا ہے۔ فی الحال یہ موسیقار ایک درجن سے بھی زائد فلموں میں کام کررہے ہیں۔ ندیم شراون نے ہمیشہ گہری لگن سے موسیقی کا ریاض کیا ہے، کسی بھی فلم کی موسیقی ترتیب دینے سے قبل یہ موسیقار فلم کے موضوع پر بھرپور توجہ دیتے ہیں اور اس پر ہوم ورک کا آغاز کرتے ہیں۔ اگر یہ دولت کمانا چاہتے تو آج ڈھیر ساری فلمیں سائن کرکے کروڑہا روپیہ اکٹھا کرسکتے تھے لیکن یہ تو تاریخ بنانا چاہتے ہیں۔ قومی یکجہتی کی اس مثالی اور اٹوٹ دوستی پر مبنی جوڑی فی الحال کرن اور منوہر پرساد کی "یہ دل"، راہل راویل کی ایک بے نام فلم، ٹپس انڈسٹریز کی "دل ہے تمہارا"، ایشوریہ رائے کی پروڈیوس کردہ دل کا رشتہ" کے علاوہ دوسری کئی فلموں کے لئے ان کی بات چیت جاری ہے۔ یہ موسیقار کوانٹیٹی سے زیادہ کوالٹی کو ترجیح دیتے ہیں۔ ماضی سے آج تک کا ان کا سفر کامیاب قرار دیا جاسکتا ہے۔ درمیانی عرصہ میں غلل نے ان موسیقاروں کی مصروفیات اور ذاتی الجھنوں میں اضافہ کیا تھا لیکن آج یہ پھر اپنی حقیقی پوزیشن میں برقرار ہے۔ ندیم شراون نے اپنی سابقہ روایات کو قائم رکھتے ہوئے دیگر موسیقاروں میں اپنی برتری برقرار رکھی ہے۔ یہ اپنی پسند کی چند منتخبہ فلموں میں موسیقی دینا چاہتے ہیں تاکہ وہ ہٹ قرار دی جاسکے۔ انھیں ایوارڈس کی اہمیت نہیں، شائقین موسیقی کی جانب سے اپنی بنائی ہوئی دھنوں کی پسندیگی کو ہی اعزاز سمجھتے ہیں۔ ندیم شراون کی آنے والی دھنوں کے کافی چرچے ہیں۔ ندیم شراون کے ساتھ گیت کار سمیر کا نام بھی جڑا ہے جن کی شائستہ شاعری نے عوامی ذہنوں کو مکمل طور پر اپنی جانب متوجہ کرکے رکھا ہے۔ سمیر کے گیت آج کی فلمی تاریخ میں اہمیت کے حامل ہوگئے ہیں۔ سمیر کو اس بات کا

اعزاز ہے کہ ان کے لکھے گیتوں میں ساٹھ فیصد گیت سوپر ہٹ ہوا کرتے ہیں۔ بیس فیصد ہٹ میں شامل ہیں تو باقی کو معمولی سہی لیکن مقبولیت اور پسندیدگی تو حاصل ہوتی ہے۔ ان تین فنکاروں کا سکہ آج فلمی دنیا میں کھرے سکہ کی مانند اپنی اہمیت رکھتا ہے۔

آڈیو ریلیز

"سہوتاس" نمبر ون بھنگڑا بینڈ

ٹپس انڈسٹریز لمیٹیڈ نے اس ہفتہ دنیا کے نمبر ون بھنگڑا بینڈ کو لیکر ایک یادگار اور پر ہنگم آڈیو البم "سہوتاس" ریلیز کیا ہے۔ جو اس سال کے بھڑکتے ویسٹرن دھنوں سے لیس پنجابی

اور ہندی گیتوں کا ایک خوبصورت البم ہے۔ پانچ عالمی شہرت رکھنے والے موسیقاروں کی اس ٹیم نے اپنی دھنوں کو یادگار بنادیا ہے۔ اس البم میں کل پانچ گیت سائیڈ اے میں اور پانچ گیت سائیڈ "بی" میں شامل ہیں جو دل و دماغ میں ہلچل پیدا کررہے ہیں۔ اس البم میں شامل گیتوں کو چمن لال چمن، دلویندر سانگھا، ایچ ایس اپاشکتا بلدیو دیپ نے لکھا ہے۔ مجموعی اعتبار سے ٹپس کی جانب سے ریلیز کیا گیا یہ کیسٹ اپنی منفرد اور دلچسپ خصوصیات کی وجہ نوجوان طبقہ میں بہت پسند کیا جارہا ہے۔

"ہاں میں نے بھی پیار کیا"

ابھیشیک بچن، اکشے کمار اور کرشمہ کپور کی اسٹار کاسٹ پر بنی فلم "ہاں میں نے بھی پیار کیا" کے مسحور کن گیت شائقین کے دل میں اپنی جگہ بنارہے ہیں۔ اس فلم کی موسیقی ندیم شراون نے دی ہے اور پروڈیوسر سنیل درشن ہیں۔ اس فلم کے گیت "ہم یار ہیں تمہارے، زندگی کو بناء پیار کوئی کیسے گزارے، تیری آنکھوں کا انداز" مقبول ہوتے جارہے ہیں۔ توقع ہے کہ ندیم شراون کی موسیقی ہٹ ثابت ہوگی۔

شلپا شیٹی اور سندیپ چوٹا کی شادی

لکشے کمار سے عشق میں ناکامی کے بعد

شلپا شیٹی نے موسیقار سندیپ چوٹا سے شادی کا ارادہ ظاہر کیا ہے اور سندیپ چوٹا بھی شلپا سے جلد از جلد شادی کے لئے تیار ہے۔ چند ایک فلموں کی تکمیل کے بعد شلپا شیٹی اپنی شادی کی تاریخ کا اعلان کریں گی۔

فروری سے مئی تک ریلیز ہونے والی فلمیں

22 فروری : تم کو نہ بھول پائینگے ، کرانتی، رات کے سوداگر۔
یکم مارچ : ودھ ، گھوڑا ہو۔
8 مارچ : گووش، انکار۔
15 مارچ : بدمعاش نمبر ون۔
22 مارچ : چوری چوری۔
29 مارچ : آپ مجھے اچھے لگنے لگے ، سنو سسر جی، بلاک ہاک ڈاؤن، لال سلام۔

5 اپریل، آنکھیں۔

12 اپریل، کمپنی۔

26 اپریل، رولر بال۔

15 مئی، تم جانو نہ ہم۔

اس ماہ شروع کی گئی نئی فلمیں

■ ہم بھی خوش تم بھی خوش: پروڈیوسر راجیش بھالیہ، ڈائرکٹر ستیش کوشک، ستارے انیل کپور، گریسی سنگھ، پرینکا چوپڑہ، موسیقی انو ملک، گیت سمیر۔

■ کاش: پروڈیوسر ٹینو پانڈے، ڈائرکٹر انیر بان، ستارے سنجے سودی، گوتم کپور، موسیقی وشال شیکھر۔

■ کوئی میرے دل میں ہے: پروڈیوسر تلسی رامسے، ڈائرکٹر دیپک رامسے، ستارے پرنشو، سلینا جیٹلی، موسیقی نکھل ونئے، گیت فیض انور۔

■ کشمہ: پروڈیوسر اے جی نڈیاڈ والا، ڈائرکٹر مہیش منجریکر، ستارے امیتابھ بچن، لکشے کمار، ابھیشک بچن۔

■ کیا میں اب بھی تم سے پیار کرتا ہوں: پروڈیوس لائٹ ہاؤس انٹرٹینمنٹ گروپ، ستارے رویینہ ٹنڈن، لکی علی، لزارے، موسیقی لکی علی۔

■ پنجرہ: پروڈیوس لکی اسٹار انٹرٹینمنٹ، ڈائرکٹر ڈاکٹر چندرا پرکاش دویدی، ستارے منوج باجپائی، ارملا ماتونڈکر، سنجے سوری، پریانشو، سندلی سنہا، اشا کوپیکر، فریدہ جلال، سیما بسواس، کرن کمار، گیت گلزار، موسیقی اتم سنگھ۔

■ راجہ بھیا: پروڈیوسر کلیان سنگھ، ڈائرکٹر انیس بزمی، ستارے گوندا، پرینکا چوپڑہ، چندر چوڑ سنگھ، گیت سمیر، موسیقی ندیم شراون۔

■ شیشہ: پروڈیوسر ڈائرکٹر گڈو دھنوا، ستارے سنی دیول اور چار ہیروئنیں، موسیقی دلیپ سین سمیر سین۔

■ سوچا نہ تھا: پروڈیوسر دھرمیشور، ڈائرکٹر امتیاز علی، ستارے ابھئے دیول، ایشا کاکیہ، دپتی شرما، کبیر بیدی، رتی اگنی ہوتری، آئشہ جلکا، گیت سبرت سنہا، موسیقی سندیش سندلیا۔

■ دی ہیرو: پروڈیوسر دھیرج لال شاہ، پراوین شاہ، ہنس مکھ شاہ، ستارے سنی دیول، پریتی زینٹا، پرینکا چوپڑہ، امریش پوری، کبیر بیدی، راہل دیو، شہباز خان اور خالد محمد، گیت آنند بخشی، موسیقی اتم سنگھ۔

تشار کپور، گریسی سنگھ اور امریتا اروڑہ "انام" میں

گریسی سنگھ کی لگان کے بعد ایک اور فلم "انام" کی شروعات عمل میں لائی گی جس میں تشار کپور اور امریتا اروڑہ مرکزی اداکار ہیں۔ گزشتہ دنوں ممبئی میں اس فلم کا دو ہفتے طویل شوٹنگ شیڈول مکمل کیا گیا۔ اس فلم کو ٹی تروک مارروا پروڈیوس کر رہے ہیں۔ یہ فلم تلگو کی ہٹ فلم "بدری" کا چربہ ہے۔ فلم کو پی جگناتھ ڈائرکٹ کر رہے ہیں۔ اس فلم کی بیشتر شوٹنگ حیدر آباد کے خوبصورت مقامات پر کی جائے گی۔

دیا مرزا "اوم جئے جگدیش" سے خارج

بڑے بجٹ کی واشو بھگنانی کی نئی فلم سے دیا مرزا کو کئی امیدیں وابستہ تھیں لیکن اس کے گھمنڈ نے اسے اس فلم سے ہاتھ دھونا پڑا۔ بڑے پیمانے پر مہورت سین اور کئی ایک مناظر کی فلمبندی کے بعد واشو بھگنانی نے انوپم کھیر کی ہدایت میں بن رہی اپنی فلم "اوم جئے جگدیش" سے دیا مرزا کو نکال باہر کیا ہے۔ واشو نے دیا مرزا پر الزام عائد کیا کہ کروڑہا روپیہ لگا کر فلم بنانے والے

فلمسازوں کو اس نے اہمیت دینی بند کردی اور فلمساز کی فلموں کی پبلسٹی مہم میں حصہ لینا بند کردیا۔ انہوں نے کہا کہ لوگوں کا ایشوریہ رائے سے اس کے تقابل کرنے سے اس کا دماغ خراب ہوگیا تھا۔

شوٹنگ رپورٹ

انیل کپور، منیشا کی "کلکتہ میل" تیار

ساوتھن اسٹارس کمبائن کی فلم "کلکتہ میل" تمام مراحل کی تکمیل کے بعد ریلیز کے لئے تیار ہے۔ سدھیر مشرا کی ہدایت میں بنی اس فلم میں انیل کپور، منیشا کوائرالا، رانی مکرجی، اوم پوری، ٹیکو تلسانیہ، بریش پٹیل، سوربھ شکلا، سایاجی شنڈے نے اہم کردار نبھائے ہیں۔ دجو شاہ کی دھنوں اور جاوید اختر کے گیتوں پر بنی اس فلم کی ہدایت سدھیر مشرا نے دی ہے۔

بابی دیول، بپاشا کی "چور مچائے شور" اسی فیصد مکمل

بابی دیول، شلپا شیٹی، بپاشا باسو، پریش راویل، اوم پوری، شیکھر سمن، رجت بیدی، اشیش ودیارتھی کی اسٹار کاسٹ پر بن رہی گپتا انٹر پرائزس کی "چور مچائے شور" اس ہفتہ اسی فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔ ڈیوڈ دھون کی ہدایت میں بنی اس فلم کی کہانی یونس سجاول نے لکھی ہے جبکہ گیت دیو کوہلی اور دھنیں انو ملک نے بنائی ہیں۔

"دل چرا کے چل دیئے" سلمان خان، شلپا شیٹی کی نئی فلم

سلمان خان، شلپا شیٹی، ریما، سپریا کارنک، کونیکا، منیش بہل کی اسٹار کاسٹ پر کرشمہ انٹر نیشنل کی نئی فلم کا آغاز ہوا۔ کے ایس رتھیا مان کی ہدایت میں شروع کی گئی اس فلم کی موسیقی ڈبو ملک، اور ساجد واجد دے رہے ہیں۔ گیت سلیم بجنوری اور جلیس شیروانی نے لکھے ہیں۔ کہانی رومی جعفری کی ہے۔

سنی دیول، پرینکا چوپڑہ کی نئی فلم "گاندھی"

گڈو دھنوا نے وجیتا فلمس کے بیانر پر اپنی فلم "گاندھی" کی شروعات کی ہے۔ سنی دیول، پرینکا چوپڑہ، شہباز خان، سایاجی شنڈے، فریدہ جلال اس فلم کے اہم ستارے ہیں۔ کہانی دلیپ شکلا اور گڈو دھنوانے لکھی ہے۔ موسیقی آنند راج آنند کی ہے۔ گیت سمیر نے لکھے ہیں۔

امیتابھ، سنجے دت کی "کانٹے" نوے فیصد مکمل

وائیٹ فیور فلمس کی کانٹے اس ہفتہ نوے فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔ سنجے گپتا کی ہدایت میں بن رہی اس فلم میں امیتابھ بچن، سنجے دت، سنیل شیٹی، کمار گورو، مہیش منجریکر، لکی علی، جبو، ملکہ اروڑہ اہم کردار نبھا رہے ہیں۔ موسیقی آنند راج آنند کی ہے۔

فلمی خبریں

امیتابھ بچن اور انیل کپور ایکساتھ

پروڈیوسر دنیش گاندھی نے اپنی نئی فلم کا اس ہفتہ سے آغاز کیا جس کا ابھی نام نہیں رکھا گیا ہے۔ اس فلم میں امیتابھ بچن، پریتی زینٹا اور گریسی سنگھ مرکزی کردار نبھا رہے ہیں۔ فلم کی کہانی منظر نامہ اور ہدایت سنی ایرانی دے رہی ہیں، گیت جاوید اختر نے لکھے ہیں۔ موسیقی شنکر احسن اور لائے کی ہے۔

سبھاش گئی نے اپنی نئی فلم کا آغاز کیا

شومین سبھاش گھئی نے مکتا آرٹس کے بیانر پر اپنی بے نام فلم کی شوٹنگ کا آغاز کیا جس میں سنجے دت اور گوبندا کی جوڑی کو دہرایا جارہا ہے۔ کہانی اور ہدایتکاری ڈیوڈ دھون کی ہے۔ گیت آنند بخشی نے لکھے ہیں تو دھنیں بنائی ہیں انو ملک نے، مکالمے یونس سجاول کے ہیں۔

اکبر خان ایک اور تاج محل بنا رہے ہیں

پروڈیوسر ڈائرکٹر ایکٹر اکبر خان نے تاریخی محبت کی داستان تاج محل کا مہورت 7 فروری کو جودھ پور میں کیا۔ مشرق کمیونکیشن پرائیویٹ لمیٹیڈ کے بیانر پر شروع کی گئی اس رومانی اچھوتی داستان کی موسیقی نوشاد دے رہے ہیں۔ گیت نقش لال پوری کے زور قلم کا نتیجہ ہیں۔ فلم کی کہانی نامور مصنفہ فاطمہ میر اور اکبر خان نے لکھی ہے۔ بیاک گراؤنڈ موسیقی بین الاقوامی شہرت یافتہ موسیقار "یانی" کی ہے۔ مکالمے محافظ حیدر (ٹیپو سلطان) نے لکھے ہیں۔ اس تاریخی فلم کو چھ ماہ میں مکمل کرنے کا اکبر خان نے اعلان کیا ہے۔ جس کے لئے کروڑہا روپئے کے مصارف سے تاریخی سیٹس بھی بنائے گئے ہیں۔ اس فلم سے اکبر خان کو توقع ہے کہ تاریخی فلمسازوں میں شمار کیا جائے گا۔

چیف منسٹر مہاراشٹرا کے فرزند راموجی راؤ کی فلم کے ہیرو

چیف منسٹر مہاراشٹرا ولاس راؤ دیشمکھ کے فرزند رتیش دیشمکھ راموجی راؤ کی فلم "تم کو میری قسم" کے ہیرو ہیں۔ انہوں نے ریک روشن کی کمپنی سے ایکٹنگ اور ڈانسنگ کورس پورا کیا ہے۔ راموجی راؤ جو آندھرا پردیش میں حیدرآباد فلم سٹی آڈیو کے مالک ہیں رتیش دیشمکھ کے ساتھ مزید فلمیں کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں۔

OOOO

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

toys or an incredible assortment of sandalwood, rosewood and ivory arts and crafts - there is so much to shop for, in Mysore.

MYSORE DASARA FESTIVAL

Every October, Mysore gets ready for the "Dasara Festival". Streets are decorated. The Palace is illuminated with thousands of tiny, shimmering bulbs. And the entire town wears a festive look.

The 10 day - long Dasara festivities in Mysore bring back the glory and grandeur of a bygone era. For nine full days prayers are offered to the deities of learning, power and wealth, the nine sacred incarnations of Goddess Shakti. Music concerts, dance programmes, sports competitions and other cultural events are held. The Dasara Exhibition is another popular event.

Houses still follow the tradition of "bombe Habba", where children display their colourful and attractive dolls and invite friends over. Students worship Saraswathi, the Goddess of learning. Ayudha Pooja is also a part of the Dasara celebrations. All vehicles and implements are worshipped on this day. The nine-day celebrations culminate inthe grand Dasara procession on Vijayadashmi, the day of victory.

The Dasara procession begins at the Palace with uniformed soldiers, horses, caprisioned elephants, dancers and floats accompanied by brass bands playing evocative Indian melodies. The Palace Guard and Mysore Lancers march by as graceful folk-dancers twirl and swirl between the floats. The majestic elephant adorned by golden anklets, bells and chains carries the city's Patron Goddess Chamundeswari in a 'howdah'. This extravagant celebration come to an end with a torchlight parade by the State Police, as fireworks light up the night sky. During Dasara Festival thousands of tourists visit Mysore to witness the grand celebrations.

*****

****
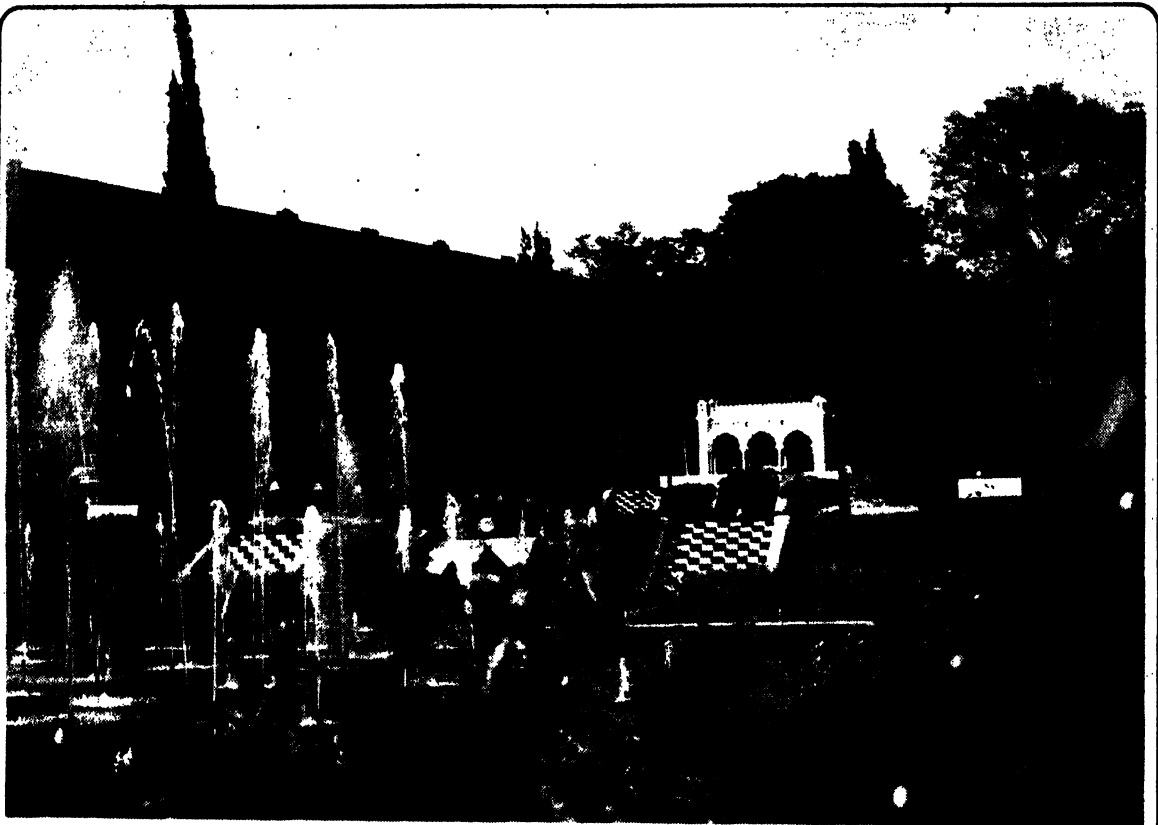
hills, you will encounter a 4.8 m monolith of Nandi, Shiva's sacred Bull. On these hills is also the statue of the buffalo-headed demon Mahishasure with a cobra in one hand and a scimitar in the other. Right on the top of the hills, resides the Patron Goddress of the Royal Family, in the 2000-year-old "Chamundeshwari Temple" with a 400 m high gopuram.

The "Mysore Zoo" recently celebrated its hundredth anniversary and is home to some rare animals and exotic plants.

The "Mysore Univerity" is the oldest in Karnataka. Nearby is the Kukkana Halli Kere (Lake) which has inspired modern poets and renowned writers like Kuvempu and R.K.Narayan.

'The Krishnaraja Sagar Dam " and the scenic, ornamental "Brindavan Gardens" are 19 kms north west of Mysore. The Ornamental bridavan Gardens were inspired by the Mughal Gardens in Kashmir. the sprawling lawns, fascinating. flowerbeds, the tall trees, the many fountains and ponds that dot these beautiful gardens attract thousands of visitors everyday. Come in the evening, when colourful lights transform the terraced gardens into a magical fairyland. And the Musical Fountains dance to the tunes of either Ananda Shankar or Paul Mauriat, mesmerising you.

SHOPPING : Aromatic incense stikcs, the famous Mysore Silk renowned for their excellent quality and everlasting lusture, delightful Mysore wooden

India. The Golden Royal elephant throne with diamonds and other precious stones, the Darbar Hall, the Kalyana Mandap with detailed murals and the Gallery, are the main attractions. On weekend evenings the Palace comes alive with a million glittering lights, truly a sight to behold!

Jayachamarajendra Art Gallery : The Jaganmohan Palace houses a collection of exquisite paintings dating back to 1875. This celebrated collection includes paintings by Raja Ravi Varma, the Russian Svetoslav Roerich and the traditional Mysore gold leaf style of painting. And that is not all. An amazing array of musical instruments, curios, medieval playing cards and other antiques will leave you enchanted.

St. Philomena's Church : One of the largest churches in India, this Church is built in the Neo-Gothic style. This 18th century church has beautiful stained - glass windows.

The Folk Art Museum : it holds an interesting collection of implements, dolls, costumes, furniture and other articles.

Oriental Research Institute : Over 60,000 palm-leaf manuscripts in Sanskrit, Kannada and other major South Indian languages are preserved here. Some date back to 3rd century B.C. with dissertations on philosophy, statesmanship and the sciences.

In the commanding "State Square" stand the former kings Krishnaraja and Chamaraja Wodeyar under a golden canopy.

The smaller palaces, "Lalitha Mahal Palace" at the foot of Chamundi Hills and "Rajendra Mahal vilas" at the top, are now luxury hotels. A stay at either one, is a memorable experience.

The 1000 ft. high "Chamundi Hills " can be seen from any part of the city. As you climb the granite steps, or drive up the
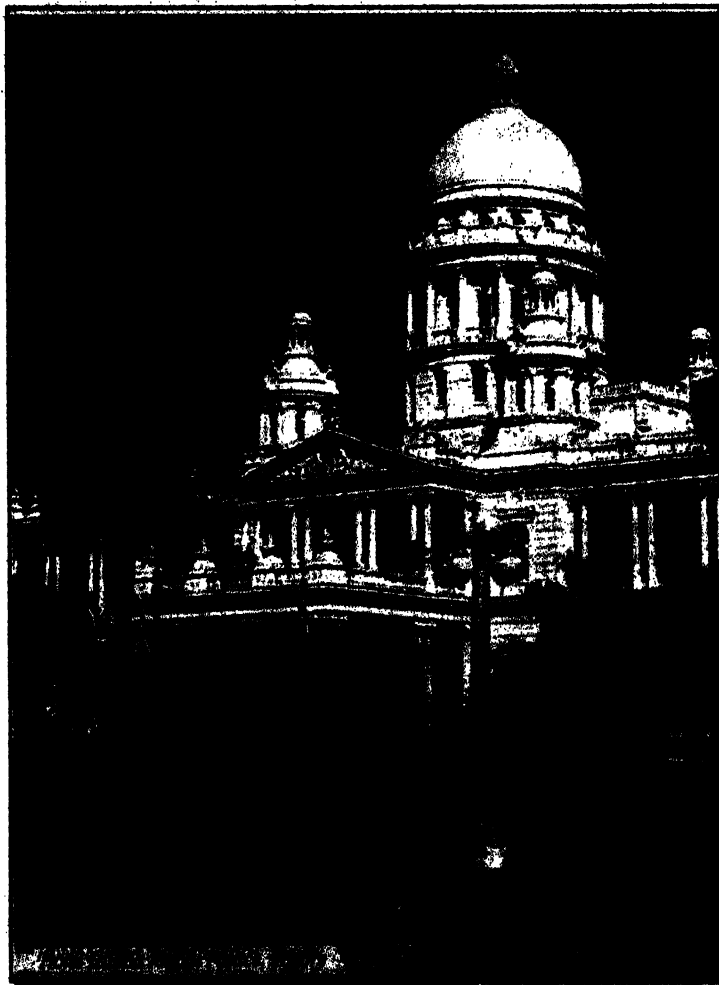
defence constructed by Kempe gowda. Later, Hyder Ali, aware of his avaricious neighbours and the colonial powers, rebuilt this in stone. Though most of it was destroyed during the wars, you can still view its ruins. The crumbling walls of the Fort form a backdrop for the hustle of the busy City Market.

SHOPPING : Banaglore is a shoppers delight. You will find here some of the exquisite silks in India. Whether it's a pure Mysore Silk that you are looking at, a traditional Bangalore Silk Saree or Silk dresses and scarves, you will find them in abundance at any of the exclusive stores on M.G. Road or at the Mysore Silk Showrooms. Bangalore also offers you a wide Choice of handicrafts in sandalwood, rosewood and bronze.

M.G. Road, Brigade Road, Residency Road and Commercial Street are popular shopping areas.

MYSORE

Maharajas and palaces, silks and sandalwood, the lingering aroman of incense, the delicious flavour of Mysore Park, the pomp and pageantry of Dasara .. Welcome to Mysore, the city of palaces. 140 km from Bangalore, this imperial city was the erstwhile capital of the Wodeyars and continues to be one of the most popular tourist destinations in India.

'Mahishasura Ooru' (Mysore as we know it now) was named after demon 'mahishasura' who was slain by Goddess Chamundeswari, the patron deity of the royal family. The hills dedicated to her stand at the eastern end of this charming town.

PLACES TO VISIT :

Mysore Palace : Built in 1912 in the IndoSaracenic style, the Mysore Palace - the residence of the Wodeyar Kings - is one of the largest of its kind in

train.

At the entrance to the Cubbon Park is the Acquirum with a variety of sea-life in different shapes and sizes.

Visvesvaraya Technological and Industrial Museum : A favourite with school children, the exhibits at this Museum reflect India's technological progress.

Government Museum : Established in 1886, the government Museum has on display ancient weapons, stone carvings, pottery, paintings and relics of the 5,000 year old Mohenjo - Daro civilization.

Lalbagh : Sprawled across 240 acres of land is Lalbagh - a beautiful park begun by Hyder ali in 1760 and completed by Tipu Sultan. It houses over 1,8000 species of rare herbs, plants and centuries - old trees. The glass House here, was inspired by the Crystal Palace in London and is venue of the colourful Flower Show.

Bangalore Palace : Modelled on the lines of the Windsor Castle, it was build in the tudor style, by a Wodeyar king in 1887.

The Bull Temple : It is said to have been constructed in the 16th century. It has a 15 feet high monoligh Nandi, the sacred bull that carries Lord Shiva.

Gavi Gangadeshwara Cave Temple : In Gavipuram, it is dedicated to Lord Shiva and parvathi, has 33 idols. On the day of Makara Shankranti (the harvest festival in January), a large number of devotees gather to witness the last rays of the evening sun passing through an archway and window, between the horns of the nandi bull to alight on Shiva's image.

The ISKCON Temple : It was built recently by the International Society for Krishna Conscioussness. As you climb the granite steps you will encounter three small shrines before the main temple. The three idols of Lord Krishna in the main shrine are made of brass.

Tipu's Fort : It was orignally a mud-brick

place, the gracious lady misunderstood and said, 'Bendakalu', meaning bioled beans. The Prince thanked here for her hospitality.Refreshed he found his way home and decided to name that place which gave him hope and led him home, Benda kala uru'. And thus, Bangalore got its name.

Today the "town of boiled beans' has evolved into an energetic city with a perpetual holiday atmosphere, thanks mainly to its picnic weather. Founded in 1537 by the Hoysala King - Kempe Gowda, Bangalore has grown far beyond the four towers built by him to mark the city's boundaries.

As Asia's fastest growing City, Bangalore has so much to offer a tourist. From music and dance concerts (Western and Indian), to dramas, exhibitions and carnivals. You can tickle your taste buds at the many restaurants the city has, watch movies, window shop or just relax with a round of golf.

PLACES TO VISIT :

Vidhana Soudha : This

magnificient building was conceived and exucuted by Chief Minister Kengal Hanumanthaiya in 1956, in the neo-Dravidian style and built entirely from Bangalore granite. On weekend evenings and public holidays, the building is floodlit, illuminating the Surrounding gardens.

Attara Kacheri : Across the Vidhana Soudha is the attara kacheri or the '18 Courts', built in 1864. This elegant two-storied building with fluted Corinthian columns, houses the High Court.

Cubbon Park : In the heart of the city is the Cubban Park, 300 acres of lush grean Laid out by Lieutenant General Sir Mark Cubbon in 1864.

Jawaharlal Nehru Bal Bhavan : Children screaming with delight on the Giant Wheel or the Merry-go-round, swining high up like little birds in the sky or sliding down. Taking a boat ride or trotting up on horses ... this is the Bal bhavan in Cubbon Park. Most popular here, of course, is a ride in the "Puttani Express' - a toy

BANGALORE AND MYSORE GARDEN CITIES OF INDIA

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

The Garden City of India. The Pensioner's Paradise. The Silicon Valley

of the East. the fastest growing city of Asia ... Bangalore wears its many titles with ease. It's a city that is content with its identity.

Bangalore is known for its salubrious climate. Its sprawling parks and gardens. Its stately buildings. Despite being one of the fastest growing cities in the part of world, Bangalore still retains its old charm. People still find time to take long strolls in Cubbon Park or Lal Bagh. Window-shop on M.G.road. Make coffee the old traditional way. Cool elaborate meals during festivals.

Bangalore has a lot to offer the tourists, Plenty of sightseeing. Lovely spots where on can go for a fun-filled picnic. Restaurants offering every conceivable variety of cuisine. and some excellent shopping.

MYSORE - the City of Palaces - is different from Bangalore. It has no big city pretensions. In fact, it reveals in its " small town" ambience celebrated and immortalised by R.K. Narayan in his 'Malgudi Days'. Mysore with its palaces and its famed Brindavan Gardens, is a must-see for all tourists. They go there and enjoy southern charm in Bangalore and Mysore.

BANGALORE

History : Tired and hungry, the Hoysala Prince, separated from his soldiers, was lost in the forest. As he travelled slowly through the tall trees and thick brush he spotted a little hut and with renewed energy moved on. He knocked hopefully and the door was opened by an old woman, who welcomed the exhausted Prince into here humble home and offered him some "Bendakalu', boiled beans which he ate hungrily. He asked here the name of

because this is permitted by Islam. But deviant Muslims still insist that Malaysia is secular and the Government must be overthrown, by violence preferably.

The problem that is faced by Muslim countries is actually due to deviation from Islamic fundamentals. People are fond of equating fundamentalists with fanatical and extreme orthodoxy. But the fundamentals of Islam are simple and basic and good. This is because Islam preaches peace and the brotherhood of Muslims.

Islam abhors wards of aggression and the killing of innocent people. Defensive wars are permitted but should the enemy sue for peace, Muslims must respond positively.

Islam promotes the acquisition of knowledge and skills. But the ulamas later interpreted learning as learning religion only. Bereft of non-religious knowledge the great Islamic civilisation declined and faded away.

If the Muslims stick to the fundamentals of Islam they would not be divided into a multitude of different sects, race and nations each claiming to be the true Muslims or more Muslims than the others.

Not only do they oppose each other but frequently they make war on each other.

If Muslims return to the fundamentals of Islam, then the religion will ensure the development of the Muslims and their nations, and their being at peace with each other and with non-Muslims nations.

The Muslim nations would be well administered by trained and skilful people and would be able to complete within the global community. They would then have a vested interest in international stability and peace and would want to maintain it.

In multi-racial and multi-religious Malaysia we have tried to practise the fundamentals of Islam. But the extremist deviants are always sniping at us. Still, Malay Muslims have largely refused to be deviated from the fundamentals of Islam and to give power to self-appointed ulamas incompetent in administration and development.

Malaysia is a reasonably developed modern nation not in spite of Islam but because it tries to adhere to the fundamentals of Islam.

Islam is not just a religion. It is a way of life. It should bring about peace stability and success. It is a way of life which does not neglect spiritual values. It is a way of life which can bring greatness to the followers of Islam, as it once did.

If today Islam is perceived to be a religion of backward, violent and irrational people, it is not because of Islam itself as a faith and way of life.

It is because Muslims have deviated from the fundamentals of Islam, have abused the teachings in order to justify their personal greed and ambitions.

Islam, fundamental Islam, does not have just a role in the modern Islamic state.

In this grossly materialistic age, Islam can instill the spiritual values which distinguish man from the lower creatures. Malaysia is comfortable with Islam and we can become a modern developed country.

****

"DEVIANT MUSLIMS"
Threat of Overthrowing Moderate Malaysia

By : YAB Prime Minister's Statement at the world Economic Forum

Islam is a religion of peace and moderation. If it does not appear to be so today, it is not because of the teachings of Islam but the interpretations made by those apparently learned in Islam to suit their patrons or their own vested interest.

Islam differs from the other monotheistic religions, Judaism and Christianity, because it has no system of priests. Muslims believe that the Hebrew and Christian priests had changed the original religions. They do not want priests to change Islam.

But over the centuries those learned in Islam, the ulama, gained such authority over the Muslim laity that many of them tended to use their considerable influence to gain power for themselves. They became like the priests of other religions.

The early ulamas were knowledgeable in many disciplines besides Islamic theology. Today political ulamas are only knowledgeable about those parts of the teachings of Islam which seemingly support their political views.

Many misinterpret and distort Islam in order to legitimise their political creed. A favourite one is that only ulamas may rule a country, democracy notwithstanding.

These political ulamas reject knowledge that is not specifically religious for fear that such people might challenge their authority. Although the early Muslims were great scholars, excelling in mathematics and the sciences, today's Muslims are generally backward in most fields of learning. They are also not knowledgeable in Islam.

Every time an attempt is made to bring Muslim nations to the development levels of non-Muslim countries, Muslims groups would emerge demanding a return to Islam.

These groups are usually violent and often declare holy wars against Muslim Governments trying to develop the country. And because Muslim countries are backward, instead of helping themselves as enjoined by the Quran, they tend to depend solely on divine help, led by the deviant ulamas.

In Malaysia, the Government which I lead is labelled secular and un-Islamic by the opposition Pan Malaysian Islamic Party, led by people who claim they are ulamas. Hatred for the so-called secular Government is fostered from the kindergarten onwards. Fighting against this hate campaign absorbs much of the time of the Government and hinders development.

Actually Malaysia is already an Islamic country. The State religion is Islam and Muslims can practise their religion and apply the syariah laws as family laws.

All the religious needs of Muslims are provided by the Government. At the same time non-Muslims are free to practise their religions

evey revolution, there are two visages, the first is blood and the second is message".

Muslims in India have a message to convey. The message is the liberation of the oppressed masses from the stranglehold of Brahminical hegemony. The scavenger in India, for instance, acquires his profession not by choice or poverty, but by birth. This is the enslaving theory that the Brahminical class has imposed for centuries; it is one of the oppressions that Muslims are intended to crush. The scavenger can be elevated to the honour and dignity of worshipping only one god, serving only the eternal truth. Bilal Habshi (ra) an Abyssinian slave, being liberated and elevated to the roof of the Ka'ab, is the first historical example of this phenomenon. Islam has thus come with a message of dignity and respect. The oppressed peoples living under the Brahminical tyranny have two options: either continue living as untouchables, or liberate themselves through Islam.

Indian society needs to be reorganized in accordance with a new vision. Millions cannot continue to live under the slavery of the caste system. Casteism, the sanctioned slavery, the sanctified racism prevailing in the Indian social structure, has to be buried. Dignity, freedom, creativity and respect for all should prevail. The existing society should be revivified by a new purpose; Islam is the way to initiate this process. This is why the usurpers of human beings' rights try to resist it. What they tried to accomplish on December 6, 1992, was not the destruction of a 464-year=old Muslim place of worship. Their satanic strategy was intended to proclaim the supremacy of kufr over Islam. They are in vain. The power of Kufr can never really overcome power of Islam. They have succeeded, not in demorlizing more than 200 million Muslims in India but only the spineless status quo-preferring Muslim "leaders'. The memory of 6 December 1992 is thus a disgrace for those who interpret the event as the destruction of a mosque. But for Muslims who read what happened that day as the 'shahadat of Babri Masjid, the event has produced hope and optimism. What a transformation in perception! Muslims are prepared for confrontation, not necessarily a military one, but definitely ideological. If the demolition of the mosque is a symbolic victory for the oppressors, then the liberation of the mosque from the usurpers is a symbolic endeavour for the justice-loving Muslims in India.

So the Islamic movement in India should take a new turn. The liberation of Babri Masjid from the oppressors should form the nucleus of the movement. All other issues can revolve on the pripheries. At the moment, at least, it seems unlikely that a new leadership will emerge with this vision. But there is one aspiration that Islam has given the Muslims who are committed to truth and justice. This aspiration can overcome any uncertainty and any impossibility : shahadat.

Shahadat is the only weapon that can triumph on any battlefield of truth and kufr.

*****

Nine Years After the Martyrdom of The Babri Mosque, Indian Muslims Remember

By M.Z. Abdul Rahman

December 6 is a black day for Muslims. Nine years ago it was a milestone in Muslim history in India. On that day in 1992 what was destroyed was not merely a monument of the Mughal era, nor just a place of worship for Muslims. The enemies of Islam tried not just to shake the Muslim will-power but uproot their foundations. They have celebrated this day as a day of victory for the past nine years. Muslims have remained silent, and at times frustrated. For a Muslim the experience is demoralizing. And for a Muslim committed to truth and justice, it is a disgrace. And for a Muslim to live for these crucial nine years as a mere spectator is absolutely unacceptable.

Muslim "leaders" have been begging the judiciary, the media and the government to get the "humiliated' structure (Babri Masjid) liberated. This has gone on for nine long years. The usurpers of the 464-year-old mosque have overcome all such attempts. They have "successfully"" declared an "ideological" war, a war between ideological and ideological Islam. Their 'leaders' have warned the Muslims that it is not realistic to regain the disgraced structure by force. The Muslims, on the other hand, are yet to realize that with a rejuvenated confidence this war can be fought. Victory need not necessarily be military, but the military might of the usurpers can be overcome. The oppressive motives of the enemies can be defeated.. How? Definitely not by averting a bloodbath; there can be no revolution without shedding blood. As Ali Shari'ati, the renowned Iranian revolutionary, said, "For
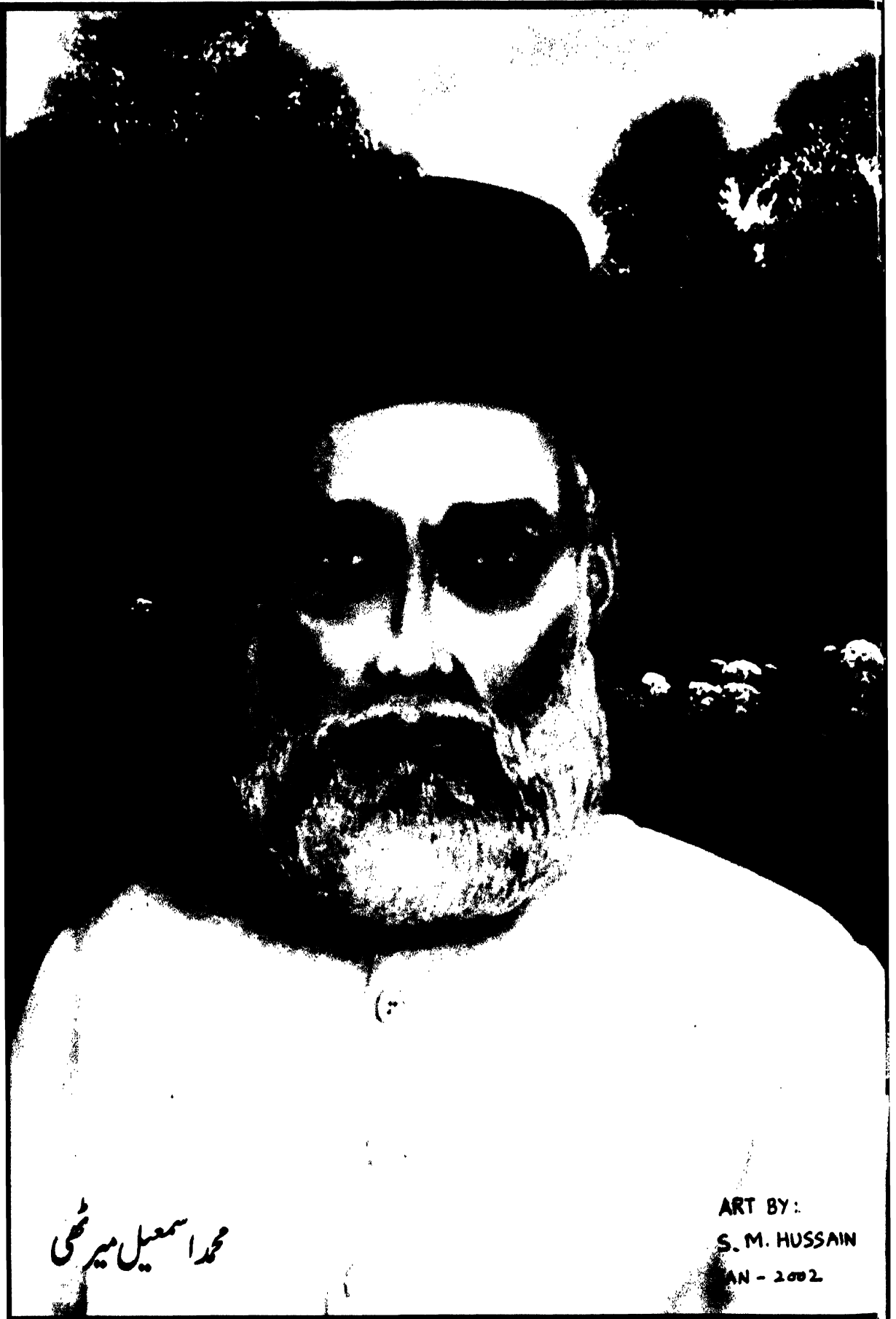
محمد اسمٰعیل میرٹھی
ART BY:
S. M. HUSSAIN
AN - 2002

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A P INDIA **Rs.10/-** Volume-7, No 4, 16-28, Feb, 2002
REGD No H/HD 850
REGD NO R.N 63767/96

اب یہ رسوائی کے دھبے جا کے ہم دھوئیں کہاں
سرخ لب والوں سے اپنی دوستی مہنگی پڑی

واجپائی اور نریندر مودی

صدر سری لنکا چندریکا کمار اتنگا نے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی سے نئی دہلی میں ملاقات کی
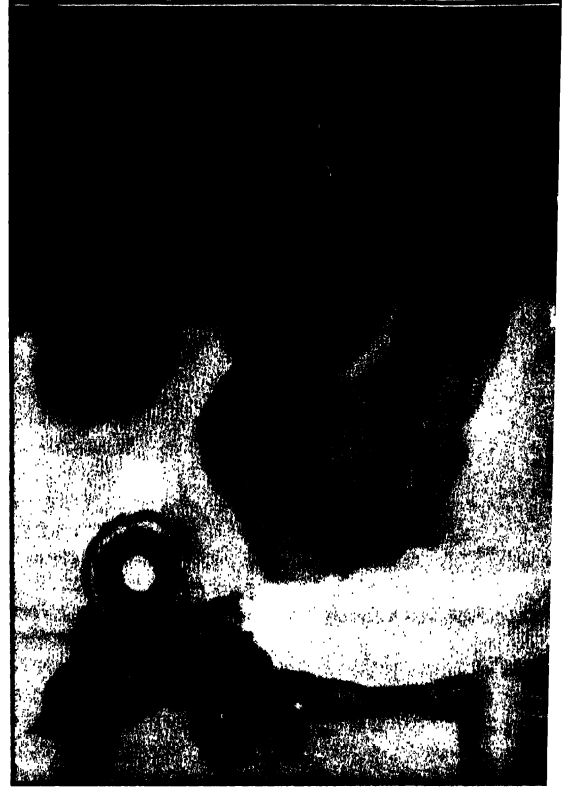
کانگریس کا نریندر مودی کے خلاف احتجاج
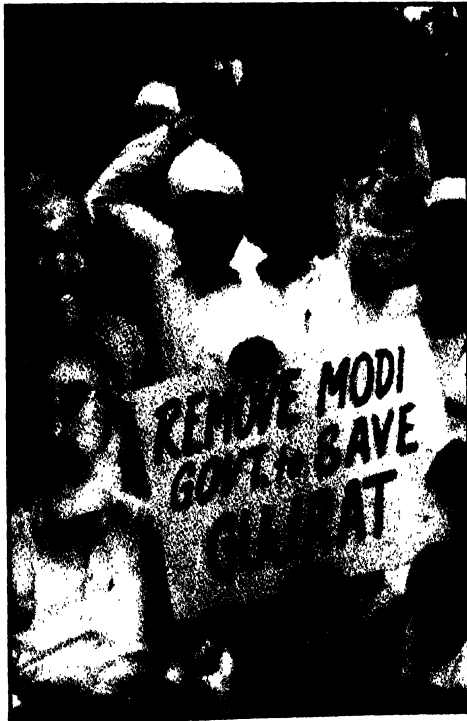
مودی کی برطرفی کا مطالبہ کرتے ہوئے لندن میں ہندوستانی ہائی کمیشن کے روبرو احتجاجی مظاہرہ

Vol. 7. HYDERABAD Issue : 9 Rs. 10/- شمارہ (9) جلد (7)

Editor: ZAHID ALI KHAN 1-15 May - 2002

Offices:

Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188

NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.

MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.

CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012

CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.

BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.

AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.

PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372

NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.

USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.

UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.

SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.

KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

سرورق

نریندر مودی

واجپائی، کانشی رام، چندرا بابو نائیڈو اور ممتا بنرجی

زیر اہتمام روزنامہ سیاست، ایڈیٹر، پرنٹر، پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس، جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

قارئین سے اپیل

گجرات کے فسادات میں سینکڑوں معصوم افراد کی جانیں گئیں
کروڑوں روپئے کی املاک تباہ ہوگئیں۔ کئی غریب اور نادار بے گھر ہوگئے
ان کا سب کچھ چھن گیا، وہ بے یار و مددگار ہیں ۔ ان نازک حالات میں
سیاست
متاثرین کی امداد اور باز آبادکاری کیلئے اپنے قارئین سے تعاون کی اپیل کرتا ہے
آپ سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے

زاہد علی خان
ایڈیٹر سیاست

نوٹ:
جو حضرات اپنے
عطیئے ذریعہ ڈرافٹس
روانہ کرنا چاہتے ہیں وہ

سیاست
ریلیف فنڈ
A/c No. 55905

کے نام روانہ فرمائیں

عطیئے: دفتر روزنامہ **سیاست**
جواہر لال نہرو روڈ، عابڈز، حیدرآباد پر روانہ فرمائیں

گجرات عالمی تشویش کا موضوع

گجرات میں قتل و خون اور غارت گری کے واقعات جن کا سلسلہ گزشتہ دو ماہ سے جاری ہے ساری قوم کے لئے باعث تشویش و تردد بن گئے ہیں۔ اب تو یہ مسئلہ ساری دنیا کے لئے مرکز توجہ بن گیا ہے۔ مغربی ممالک خاص طور پر یوروپی یونین اور اس سے وابستہ ممالک نے ۶ ہفتے کے انتظار کے بعد اپنی بے انتہا تشویش کا اظہار کیا ہے۔ ان ممالک کو سب سے زیادہ اس بات پر سخت تشویش ہے کہ گجرات میں مسلمانوں کی نسل کشی ہورہی ہے۔ ایک مخصوص طبقہ کو اسکی فرقہ وارانہ شناخت کی بناء پر تشدد کا نشانہ بنایا جارہا ہے۔ قتل و غارت گری انتہاء کو پہونچ چکی ہے اور ریاستی نظم ونسق کا طرز عمل جانبدارانہ بن گیا ہے اور مرکزی حکومت بھی اپنی ذمہ داریوں کی تکمیل سے قاصر نظر آرہی ہے۔ امن و ضبط کی بحالی تمام شہریوں کی سلامتی اور تحفظ اور اعتماد کی بحالی ایک سنگین مسئلہ بن گیا ہے۔

یوروپین یونین اور بعض ممالک کے ذمہ داروں نے گجرات کی موجودہ صورتحال کو "نسلی امتیاز" قرار دیا ہے۔ ہندوستان جیسے ملک میں جس کے معمار گاندھی جی کی قیادت میں نسلی امتیاز کے خلاف عالمی سطح پر تاریخی رول ادا کیا آج ایک طبقہ کو محض اسکی مذہبی شناخت کی بناء پر نشانہ بنایا جارہا ہے۔ قتل عام کیا جارہا ہے معیشت تباہ کردی جارہی ہے۔ بنیادی انسانی حقوق کی خلاف ورزی ہورہی ہے۔

برطانیہ، کناڈا، جرمنی، سوئٹزرلینڈ، فن لینڈ، آسٹریلیا اور بعض دیگر مغربی ممالک نے گجرات کے بحران کو خطرناک قرار دیا ہے۔ آسٹریلیا کے وزیر خارجہ الگزینڈر ڈونر نے حالیہ دورہ ہند کے موقع پر وزیر خارجہ مسٹر جسونت سنگھ سے ملاقات کے دوران گجرات میں قتل و غارت گری کے موجودہ رحجان کو باعث تشویش قرار دیتے ہوئے یہاں تک کہہ دیا کہ یہ نئے طرز کی نسل پرستی 1930ء کے نازی جرمنی کے تشویشناک اور انسانیت سوز مظالم کی یاد دلاتی ہے۔

سوئٹزرلینڈ کے وزیر خارجہ مسٹر جوزف نے مسٹر جسونت سنگھ سے بات چیت کے بعد بتایا کہ گجرات کے واقعات بدبختانہ ہیں۔ سوئٹزرلینڈ کے عوام کو سخت تشویش ہے جرمنی کے دہلی مشن نے بھی ان ہی خیالات کا اظہار کیا۔ کناڈا کے وزیر خارجہ نے گجرات میں بحالی امن پر خصوصی توجہ اور فوری اقدامات پر زور دیا۔ گذشتہ چند سال سے امریکہ سے انتہائی خوشگوار تعلقات کے باعث امریکی نظم و نسق کسی سخت تنقید سے احتراز کررہا ہے تاہم امریکی سفیر رابرٹ بلیک نے گجرات میں بی جے پی حکومت کے طرز عمل پر تنقید کی اور امن اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کی بحالی کے لئے فوری اقدامات کو ناگزیر قرار دیا ہے۔ برطانوی سفیر نے اپنے ملک کے عوام اور حکومت کی تشویش کو حق بجانب قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ برطانیہ میں ہزاروں [illegible] ہیں [illegible] بھارتی سرگرمیوں میں انکی بڑی تعداد مصروف ہے۔ یہ لوگ اپنے وطن کے حالات پر سخت پریشان ہیں حکومت برطانیہ سے یہ خواہش کررہے ہیں کہ وہ قتل و خون کو بند کرانے میں دلچسپی لے اس لئے انسانی ہمدردی کے ناطے حکومت برطانیہ موجودہ حالات پر اپنے تاثرات کے اظہار کو اپنی ذمہ داری تصور کرتی ہے۔

عالمی برادری کی یہ عام رائے ہے کہ مذہب زبان اور نسل کی بنیاد پر قتل و غارت گری کا یہ رحجان عالمی امن کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ اسلامی ممالک جن کے ہندوستان کے ساتھ بڑے خوشگوار تعلقات اور دوستانہ مراسم ہیں گجرات کے واقعات پر تشویش میں مبتلا ہیں لیکن برسرعام رائے زنی سے فی الحال احتراز کررہے ہیں۔ لیکن سیاسی مبصرین کا خیال ہے کہ یہ تشویش برہمی اور غصہ میں تبدیل ہوسکتی ہے۔ ان ممالک نے حالات پر گہری نظر رکھی ہے اگر قتل و غارت گری کا یہ سلسلہ ختم نہ ہو تو وہ دن دور نہیں جبکہ دوست اسلامی ممالک بھی واجپائی حکومت کے طرز عمل پر سخت تنقید کرتے ہوئے عالمی رائے عامہ کو توجہ دلانے میں پہل کریں۔

اسلامی ممالک کو یہ اعتماد رہا ہے کہ ہندوستان میں سیکولرازم پر سختی سے عمل کیا جائے گا انہیں مسٹر واجپائی کی قیادت پر بھی اعتماد ہے مسٹر واجپائی نے ایک سال قبل ہی ایران کی پارلیمنٹ (مجلس) سے خطاب کرتے ہوئے بڑے فخریہ انداز میں کہا تھا کہ ہندوستان میں جمہوریت اور سیکولرازم مستحکم ہے۔ اسلام ہندوستان کا جزو لاینفک ہے۔ وزیراعظم کے اس انداز فکر نے اسلامی ممالک میں اعتماد کو مستحکم کیا ہے لیکن گجرات میں جس انداز سے مسلمانوں کو نشانہ بنایا جارہا ہے۔ اس سے یہ اعتماد متزلزل ہورہا ہے۔

بیرونی ممالک کے شدید ردعمل پر حکومت ہند کی وزارت خارجہ کی برہمی ایک حد تک واجبی ہے اور بیرونی مداخلت کو سفارتی آداب اور اصولوں کی خلاف ورزی تصور کیا جارہا ہے لیکن اس حقیقت کو بھی فراموش نہیں کیا جاسکتا کہ گجرات میں جس قابل اعتراض انداز سے بڑے پیمانہ پر خون خرابہ ہورہا ہے اس پر ان تمام عناصر کا مشتعل ہونا فطری ہے جنھیں بنیادی انسانی حقوق کی پاسبانی سے دلچسپی ہے۔ خود مسٹر واجپائی ایک مرحلہ پر اس قدر ملول اور برہم ہوگئے تھے انھوں نے دورہ گجرات کے موقع پر یہ سوال کیا تھا کہ میں کس منہ سے بیرونی ممالک کے عوام کا سامنا کرسکتا ہوں۔ گجرات کے واقعات ہندوستانی قوم کے ماتھے پر کلنک بن گئے ہیں۔

مسٹر اٹل بہاری واجپائی پر اب یہ ذمہ داری عائد ہوگئی ہے کہ وہ قوم کے وقار کو بحال کرنے کے لئے گجرات میں امن و سلامتی اور متاثرین میں اعتماد کی بحالی کے موثر اقدامات کریں۔ اسکے لئے گجرات کی قیادت میں تبدیلی پہلا ناگزیر اقدام ہونا چاہئے۔

زاہد علی خان

محمد رضوان القاسمی

سینما: خلقت چلی ہے اس بت کافر ادا کے ساتھ

شام ہوئی رات کا اندھیرا چھایا اور یہ آپ کے شہر میں غول کے غول کدھر نکل پڑے ؟ یہ خلقت انبوہ در انبوہ کہاں کیلئے نکل پڑی ؟ ان میں بڑے بھی چھوٹے بھی ۔ امیر بھی غریب بھی ۔ ادھیڑ بھی ۔ بچے بھی ۔ عورتیں بھی مرد بھی ۔ مائیں بھی لڑکیاں بھی ۔ باپ بھی بیٹے بھی ۔ بھائی بھی بہنیں بھی ۔ شوہر بھی بیویاں بھی ۔ سیٹھ صاحب بھی ۔ منیجر صاحب بھی اور مل کے سب مزدور بھی ۔ موٹریں بھی اور تانگے بھی ۔ سیکلیں بھی اور پیدل بھی ۔ کالجوں کے طالب علم بھی اور کارخانوں میں کام کرنے والے بھی ۔ صاحب بھی اور صاحب کے خانساماں اور بٹلر بھی ۔ تعداد ان میں سب سے زیادہ ۔ آبادی کے لحاظ سے سب سے زیادہ آپ ہی کی قوم و ملت والوں کی یہ سب کے سب آخر کدھر ... ؟ کیا سینما شریف سے آپ واقف نہیں ؟ آپ کے شہر میں ایک چھوڑ کئی کئی سینما ہیں ۔ شامیں وہیں بسر ہوں گی ۔ راتوں کا خاصا بڑا حصہ وہیں گذرے گا ۔ سگریٹ کے دھوئیں وہیں چھوڑے جائیں گے ۔ بیڑیاں وہیں پی جائیں گی ۔ پان وہیں چبائے جائیں گے ۔ گلوں میں ہار پڑیں گے ۔ چائے کے دور چلیں گے ۔ آئسکریم کی قدردانی ہوگی ۔ گانا سنا جائے گا ۔ آنکھوں کو حسن عریاں کے نظاروں سے محظوظ کیا جائے گا ۔ مغرب اور عشاء کے وقت آئیں گے اور چلے جائیں گے اور زندہ دل ۔ قوم کی ٹولیوں کی ٹولیاں چراغ جلے سے آدھی رات تک اپنی زندہ دلی ۔ آرٹ نوازی اور شب بیداری کا ثبوت دیتی رہیں گی۔

سنتے ہیں کہ اس کے قبل تھیٹر اور تھیٹریکل کمپنیوں کا دور رہ چکا ہے اور صاحب کے دور سے قبل ناچ ۔ مجرے کی محفلوں اور زنانہ و مردانہ طائفوں کا دور دورہ تھا لیکن توجہ کیجئے ان بے چاروں کو بھی یہ عروج بخت کبھی نصیب ہوا تھا ؟ آج جس آزادی اور بے تکلفی سے گھر گھر یہ چرچے ہورہے ہیں اور جس فنی مہارت کے ساتھ باپ بیٹوں کے درمیان یہ تبصرہ ہورہے ہیں کہ فلاں اداکار مٹکتا تھرکتا خوب ہے اور فلاں ایکٹریس بھاؤ خوب بتاتی ہے ۔ یہ دن ان پرانے استادوں ۔ سازندوں ۔ بھانڈروں ۔ ڈوم ڈھاڑیوں ۔ ڈیرہ داروں کے نصیب میں کب آتے تھے

جیسی اب ہے تری محفل کبھی ایسی تو نہ تھی

کبھی آپ نے یہ حساب لگایا ہے کہ سارے ہندوستان نہ سہی صوبہ بھر میں بھی نہ سہی اکیلے آپ ہی کے شہر میں اتنا روپیہ آپ کی جیبوں سے نکل نکل کر ان تماشہ والوں کی تجوریوں میں منتقل ہوتا رہتا ہے ؟ کبھی اندازہ کیا ہے کہ سال بھر میں نہ سہی مہینہ بھر میں نہ سہی ۔ صرف ایک شب میں کتنی دولت آپ اس کار خیر میں لٹاتے رہتے ہیں ؟

شب برات کی آتشبازیاں اور حلوے ۔ محرم کے جلوس اور تعزیئے ۔ فلاں عرس کے میلے اور فلاں جلوس کے باجے گاجے ۔ یہ ساری بدعتیں مل کر بھی پردہ سیمیں والی ایک بڑی بدعت کا مقابلہ کرسکتی ہیں ۔ جو کبھی کبھی نہیں سال کے بارھوں مہینے اور مہینہ کے تیسوں دن آپ پر مسلط رہتی ہے ؟ .... اور مضرتیں ۔ ہلاکتیں ۔ بربادیاں کیا نرے مال کی حد تک محدود ہیں ؟ آنکھوں کی صحت پر جگمگاتی تصویروں سے متعلق ڈاکٹروں کا کیا بیان ہے ؟ مجمع کی سگریٹ نوشی کا اثر سینہ اور پھیپھڑے پر کیا پڑ کر رہتا ہے ؟ قتل اور ڈاکہ اور سفاکی اور جرائم سے متعلق کون سے سبق ہیں جو اس مدرسہ میں جا کر نہیں سیکھے جاسکتے ؟ اخلاق کا کوئی شیرازہ ان روز مرہ کے حیا سوز نظاروں کے بعد گھروں میں باقی رہ سکتا ہے ؟ خانگی پاکیزگی کے تخیل تک اس مسلسل ہیجان آفرین فضاء کے بعد قائم رہ سکتا ہے ؟

لڑنے اور جھگڑنے کے لئے بیسیوں اور دوسرے مسائل موجود ہیں ۔ کیا یہ ممکن نہیں کہ اس ایک نکتہ پر نرم اور گرم اصلاحی اور انقلابی پارٹیاں فراغ دلی کے ساتھ جمع ہوجائیں۔

(مولانا عبدالماجد دریابادی)

بچے اور ٹیلی ویژن

ماہرین نفسیات کہتے ہیں کہ بالغوں کی بہ نسبت بچہ ٹیلی ویژن کے برے اثرات کا شکار بہت جلد ہوتا ہے وہ ٹی وی کے ڈراموں اور فلموں کو حقیقت سمجھ لیتا ہے ۔ بچے ٹی وی کی خاطر نیند کا خاصا وقت قربان کردیتے ہیں ۔ یہ بچوں کی صحت کے لئے نہایت مضر ہے ۔ صبح کو بچے وقت پر جاگتے نہیں ۔ اسکول ماسٹروں نے ہمیں بتایا ہے کہ اکثر بچے کلاس روم میں اونگھتے رہتے ہیں وہ ہوم ورک بھی کرکے نہیں لاتے ۔ ایسے بچوں کی تعداد بھی کم نہیں جو کلاس روم میں بیٹھے تصویروں میں کھوئے رہتے ہیں ۔ پڑھائی میں انکا دھیان نہیں ہوتا۔

بچوں کی نفسیات سمجھنے والے تین حضرات اور خاتون نے بتایا ہے کہ جن بچوں کے ذہنوں پر ٹی وی کا طلسم طاری ہوتا ہے وہ ہر اس کام سے اور ہر اس انسان سے نفرت کرتے ہیں جو انہیں اس طلسم سے اور تصوروں سے نکالنے کی کوشش کرتا ہے۔ انہیں والدین سے ۔ اسکول کے ماسٹروں سے ۔ پڑھائی سے اور مذہب سے بھی نفرت ہوجاتی ہے ۔ اس نفرت کا زیادہ نقصان دہ پہلو یہ ہے کہ بچہ اس نفرت کا اظہار نہیں کرسکتا ۔ نتیجتہ دبائی ہوئی نفرت اس کے کردار کو دیمک کی طرح کھاتی رہتی ہے ۔ وہ مزاج کا چڑچڑا اور غصیلا ہوجاتا ہے ۔ اس کے اثرات اس کے جسم پر بھی پڑتے ہیں اور نفسیات پر بھی۔ ایسے بچے ایسے جسمانی امراض کے مریض بن جاتے ہیں جن کے اسباب نفسیاتی ہوتے ہیں۔ انہیں " Phychosomatic " امراض کہتے ہیں مگر اناڑی معالج اسباب سمجھنے کی بجائے

علامت کو پیش نظر رکھتے ہیں اور دوائیوں سے جسم کو مزید نقصان پہنچاتے ہیں۔

رومانی ڈرامے اور فلمیں دیکھ دیکھ کر بچہ جنسی لحاظ سے وقت سے پہلے بالغ ہوجاتا ہے اور جنسی انحراف کا عادی ہوجاتا ہے۔ جوانی میں داخل ہونے تک وہ جسمانی لحاظ سے بیکار ہوجاتا ہے۔ یہ جسمانی تباہی اسے نفسیاتی مریض بنادیتی ہے۔ بچوں کی نفسیات کے ماہرین کہتے ہیں کہ بچوں کے لئے کہانیاں پڑھنا اور اپنے ہاتھوں کچھ نہ کچھ بناتے رہنا مثلاً کاغذ کے جہاز، دیا سلائی کی خالی ڈبیوں سے فرنیچر اور مکان اور مٹی یا گوندھے ہوئے آٹے سے جانور وغیرہ بنانا، اس کی صلاحیتوں اور تخیل کو ابھارنے کے لئے ضروری ہوتا ہے مگر ٹی وی نے انہیں کہانیوں کی کتابوں اور دیگر مشاغل سے ہٹادیا ہے۔ اب بچے اپنا تصور اور تخیل پیدا نہیں کرتے، ان کی تخلیقی صلاحیت پر ٹی وی کا قبضہ ہوگیا ہے۔ اب اگر بچوں سے کہا جائے کہ اسکول کی سالانہ تقریب پر کچھ نہ کچھ بنا کر لائیں تو وہ نہیں بناسکتے، بنانے کے لئے انہیں کوئی چیز سوجھتی ہی نہیں، بچوں میں جسمانی اور ذہنی مستعدی بھی نہیں رہتی۔ ان ماہرین نے کہا ہے کہ پہلے بچے رات میں سونے سے پہلے ماں باپ کے ساتھ ہنستے کھیلتے ان سے کہانیاں سنتے اور ان سے وہ باتیں پوچھتے تھے جو انہیں معلوم نہیں ہوتی تھیں، اس طرح بچہ سیکھتا اور اس کا دماغ سوچنے کے قابل بنتا تھا، اب والدین اور بچوں کا مل بیٹھنا ٹی وی کی نذر ہوگیا ہے اور بچے کے سیکھنے کے ذریعہ پر ٹی وی غالب آگیا۔

کینیڈا کے بورڈ آف ایجوکیشن کے سروے میں لکھا ہے کہ "ٹی وی نے بچوں کے اندر ایک ٹائم بم رکھ دیا ہے جو لڑکپن کے آخر اور جوانی کے آغاز میں پھٹے گا" کمیشن نے لکھا ہے "بیشتر اس کے کہ ٹی وی، آپ کے بچے پر قابو پالے آپ ٹی وی پر قابو پالیں"۔

(حکایت، ڈائجسٹ لاہور کے ایک سروے رپورٹ سے ماخوذ، مرتبہ عنایت اللہ)

معاشرتی بے راہ روی اور اس کے اسباب

آج کل ہمارے معاشرے میں نوجوانوں میں بڑھتی ہوئی بے راہ روی ہمارا نہایت ہی سنگین معاشرتی مسئلہ بنتا جارہا ہے۔ آئے دن اخبارات میں نوجوانوں سے متعلق چوری، ڈاکہ، اغوا، گھروں سے فرار ہونے کی خبریں شائع ہوتی رہتی ہیں۔ ان افسوسناک خبروں کو پڑھ کر حیرت کے ساتھ ساتھ افسوس بھی ہوتا ہے۔ دنیا کے دوسرے معاشروں کی طرح ہمارے ملک میں ایسے نوجوانوں کی تعداد میں روز بروز اضافہ ہوتا جارہا ہے جو ایک سنگین معاشرتی مسئلہ بنتا جارہا ہے۔ نوجوانوں کے بے راہ رو ہونے کے بہت سے اسباب ہیں جیسے والدین کے بے جا لاڈ پیار بھی ان کی عادتیں بگاڑ دیتے ہیں اور وہ اپنی بات منوانے کے اس قدر عادی ہوجاتے ہیں کہ جب معاشرتی زندگی میں ان کی من مانی نہیں چلتی تو وہ نامناسب طریقوں سے اپنی بات منوانے کی کوشش کرتے ہیں۔ بے جا ڈانٹ ڈپٹ بھی نوجوانوں اور بچوں کی بے راہ روی کا سبب ہے اس لئے بہتر ہے کہ بچوں کی تربیت میں درمیانہ رویہ رکھا جائے بگڑے ہوئے نوجوان عموماً ٹوٹے گھروں کو آتے ہیں۔ والدین کے درمیان جھگڑا بھی بچوں کو گھر سے دور کردیتا ہے اور وہ گھر کے ناخوشگوار ماحول سے دور رہنے کیلئے غیروں کی صحبت اختیار کرتے ہیں اور بعض اوقات غلط لوگوں کے ہتھے چڑھ کر آوارہ ہوجاتے ہیں۔

نوجوانوں اور بچوں کی بے راہ روی کا مطالعہ یہ ثابت کرتا ہے کہ خاندان کے بڑے بزرگوں میں کوتاہی، خواتین کا اپنی ذمہ داریوں کو نہ نبھانا، بکھرے خاندان نوجوانوں کی بے راہ روی کے ذمہ دار ہیں۔ والدین اپنی ذمہ داریاں پوری کریں، مائیں بچوں کی تربیت میں دلچسپی لیں اور بچوں کی ہمت بڑھائیں۔ حوصلہ شکنی نہ کریں پیار و محبت سے ان کی بری عادتوں کو ختم کرنے کی کوشش کریں۔ آپس میں لڑائی جھگڑا نہ کریں اور بچوں کے سامنے اپنے کردار کے نمونے بہتر بنانے کی کوشش کریں۔ بچوں کو صحت مند تفریح فراہم کی جائے۔ اس کی ذمہ داری بڑی حد تک حکومت پر عائد ہوتی ہے کہ وہ بچوں کے لئے پارک، کھیل کے میدان اور کتب خانے بنائے، جہاں نوجوان بچے اپنی فرصت کے اوقات میں تفریح کرسکیں۔ خراب پڑوسیوں کی وجہ سے بچے بری عادات سیکھتے ہیں، کوشش کریں کہ بچے کے ساتھیوں پر کڑی نظر رکھیں اور بچوں کو خراب پڑوسیوں کے گھر آنے جانے سے منع کریں۔ آجکل ڈش کلچر اور کیبل بھی بے راہ روی کی بڑی وجہ ہیں لہذا نوجوانوں اور بچوں کو ان مضر ذریعوں سے دور رکھنے کی کوشش کرنی چاہئے۔ اگر ٹی وی چینلز اخلاقی قدروں کے حامل ٹی وی پروگرامز پیش کریں تو ہمارے معاشرے کے نوجوانوں پر اچھے اور خوشگوار اثرات پڑیں گے اور وہ بے راہ روی سے بڑی حد تک محفوظ رہیں گے مثبت انداز میں زندگی گزاریں گے اور معاشرہ ترقی کرے گا۔

لیکن موجودہ حالات میں یہ ممکن نظر نہیں آتا۔ لہذا بہتر یہ ہے کہ بچوں کو ٹی وی کے منفی اثرات سے بچایا جائے۔

☆☆☆

سید علمدار رضا

یاسر عرفات کا جذبہ شہادت

طاقتور کے ساتھ مسلسل مصلحت پسندی کرتے رہنا اور آنے والے فیصلہ کن مرحلہ کے لئے تیاری نہ کرنے کا وہی نتیجہ ہوتا ہے جو آج فلسطین میں ہورہا ہے۔ یاسر عرفات ایک بہادر انسان ہیں۔ لیکن نہ معلوم کس مرحلہ پر وہ اس نتیجہ پر آپہنچے کہ مسئلہ کا حل تصادم نہیں ہے بلکہ امن و آشتی سے اس کو سلجھانے کی کوشش ہے۔ یہ فیصلہ نہایت دانشمندانہ ہے لیکن جس بات کا یاسر عرفات نے خیال نہ رکھا وہ یہ ہے کہ آپ کو اپنے دشمن کی امن پسندی کے اعلانات پر بھروسہ کرنے کے علاوہ اس کے ارادوں پر بھی نظر رکھنا چاہئے اور اس سے بھی زیادہ یہ ضروری ہے کہ اسکی قوتوں اور صلاحیتوں پر نظر رکھنا چاہئے۔ بات اصل میں یہ ہے کہ اگر دشمن کی قوت فیصلہ کن حد تک غیر مساویانہ ہے تو اس کے نیک ارادے اسکی اپنی مرضی کے مطابق تبدیل ہو کر دشمنی میں تبدیل ہوسکتے ہیں اور اگر آپ نے اپنی حکمت عملی میں اس صورتحال سے نمٹنے کے لئے مناسب وقت پر تیاری نہ کی تو دشمن اپنی طاقت سے اپنے ارادوں اور اپنے کئے ہوئے فیصلوں کو اپنی مرضی کے مطابق بدل سکتا ہے۔ اور ایسی صورت میں آپ کے پاس صرف یہی طریقہ کار رہ جاتا ہے کہ آپ دنیا سے ہمدردی کی بھیک مانگیں اور ان لوگوں کے پاس جائیں جنھوں نے فیصلے کروائے تھے اور ان سے انصاف طلب کریں۔ عام طور پر دنیا میں طاقت کا توازن طاقتور کے ہاتھ میں ہوتا ہے نیوکلیائی طاقت کے حصول کے بعد اور انتہائی طاقتور ہتھیاروں کے وجود میں آنے کے بعد یہ توازن بالکل بگڑ گیا ہے طاقت اپنے ہی زور پر اپنا حق بھی پیدا کرلیتی ہے جیسا کہ ہم دیکھ رہے ہیں کہ آجکل امریکہ تمام فیصلے خود ہی کررہا ہے۔ اقوام متحدہ اس کا ذیلی ادارہ بن چکا ہے اور باوجود اس کے کہ بہت سی اقوام اسکے بعض فیصلوں کے سخت خلاف ہیں لیکن پھر بھی اس کے مدمقابل آنے کے لئے تیار نہیں ہیں۔ صرف احتجاج پر اکتفا کررہی ہیں۔

میں تاریخ کو دہرانا نہیں چاہتا صرف یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ یاسر عرفات اوسلو کے معاہدہ پر اس امید پر دستخط کرنے پر راضی ہوگئے کہ معاہدہ کی تمام شقوں پر عمل درآمد ہوجائے گا۔ انھوں نے یہ نہ سوچا کہ اگر اسرائیل نے ان پر عمل نہ کیا تو کونسی طاقت ان پر عمل کروائے گی۔ اسرائیل بتدریج اس معاہدہ سے ہلتا رہا ہے اور بالاخر اب صورتحال یہ ہوگئی ہے کہ فلسطین کے عوام بالخصوص نوجوان نسل سڑک پر نکل آئی ہے اور اپنی جانوں کا نذرانہ پیش کرکے اسرائیل کے اندر افراتفری مچارہی ہے۔ نوجوان لڑکے اور لڑکیاں اپنے جسموں سے بم باندھ کر مختلف جگہوں پر حملے کررہے ہیں۔ سینکڑوں اسرائیلی مارے جاچکے ہیں اور اس دلیرانہ اقدام سے ہزاروں فلسطینی بھی شہید ہوچکے ہیں۔ اسرائیل ان حالات کا ذمہ دار یاسر عرفات کو گردانتا ہے اور انکی عقل ٹھکانے لگانے کے لئے اسرائیلی ٹینکوں اور توپوں نے ان کا محاصرہ کررکھا تھا۔ بجلی، پانی اور ٹیلی فون منقطع کردیئے اور ان کے محافظوں کو بے دردی سے شہید کردیا گیا جنکی لاشیں بے گوروکفن پڑی ہوئی تھیں۔ اخبار کے رپورٹروں کو وہاں سے نکال دیا اس کے علاوہ اسرائیلی فوج اور بھی بہت سے علاقوں میں داخل ہوگئی جن میں قلقیلہ بیت اللحم اور تلکرام بھی شامل ہیں۔ اسرائیلی آگے بڑھتے وقت فلسطینیوں کو ڈھال بنا کر آگے رکھتے ہیں اور اس طرح اپنے عزائم پورا کرنے کے لئے بے یار و مددگار فلسطینیوں کی جانوں سے کھیل رہے ہیں۔

ان حالات میں اسرائیلیوں نے یاسر عرفات کو ایک تو دھمکی دی ہے کہ ایک آدھ گولی ناگہانی طور پر انھیں بھی لگ سکتی ہے پھر ان کو یہ رعایت بھی بخشی ہے کہ انہیں کسی اور جگہ جانے کی اجازت بھی دی جاسکتی ہے بشرطیکہ وہ یکطرفہ ٹکٹ لے کر جائیں اور واپس نہ آئیں۔ اسرائیل کے سرپرست اعلیٰ یعنی امریکہ کا خیال ہے کہ اسرائیل جو کچھ کررہا ہے وہ اسکی مجبوری اور موت و زندگی کا سوال ہے۔ یاسر عرفات کو فلسطین سے نکل جانے کا مطالبہ ناقابل قبول ہے۔ ان کو فلسطین میں رہنے سے کوئی نہیں روک سکتا اور ابھی ان سے بہت سے کام لینے ہیں۔

مندرجہ بالا حالات میں یاسر عرفات کے سامنے کیا کیا امکانات موجود ہیں۔ پہلا یہ کہ وہ اسرائیلیوں کی بات مان کر بھاگ بھی سکتے ہیں
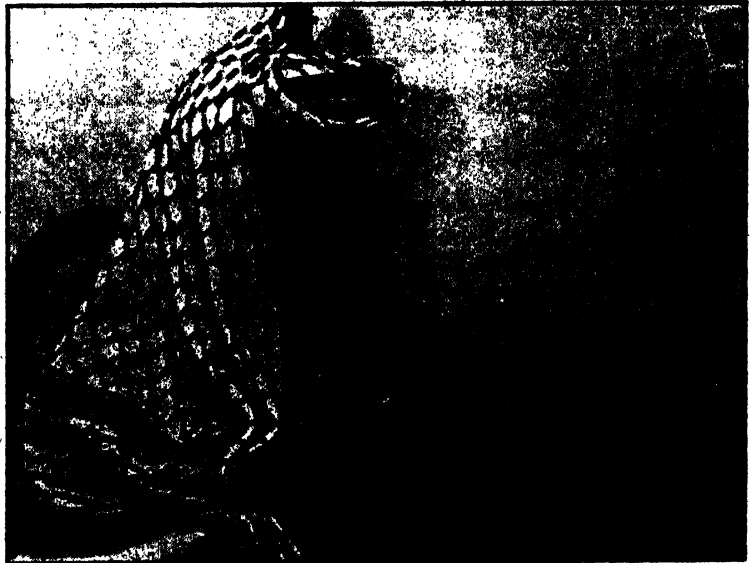
لیکن ان کے گرد انکے محافظین کا جو دستہ موجود ہے اور جس کے بہت سے افراد بے دردی سے شہید اور گرفتار کئے جاچکے ہیں وہ شاید ان کو ایسا نہ کرنے دیں۔

دوسری بات یہ ہے کہ فلسطینیوں کی مڈل کلاس اور نچلے طبقہ کے نوجوان لوگ اب میدان عمل میں نکل آئے ہیں۔ وہ اپنی جان کی بازی لگا کر لڑائی لڑ رہے ہیں۔ یہ لوگ عیاشی کے پروردہ نہیں ہیں بلکہ وہ اپنے مقصد کے حصول میں اتنی دور جاچکے ہیں کہ انکی زندگی ان کے لئے ثانوی حیثیت رکھتی ہے اور شہادت ان کا مقصد اولی ہے۔

شہید بریگیڈ کے حوالے سے یہ بات کہی جارہی ہے کہ ان فدائیوں کی فہرست اتنی طویل ہے کہ وہ پچاس برس تک اپنی کارروائیاں جاری رکھ سکتے ہیں ان کی یہ بات صداقت کے اس قدر قریب ہے کہ اب دوسرے بھی اس کو سننے پر مجبور ہیں اور فرانس کے وزیر اعظم نے تو یہاں تک کہہ دیا ہے کہ شیرون نے جتنے یہودی مروائے ہیں اتنے کبھی بھی نہیں مارے گئے تھے۔

بہرحال اب جبکہ یاسر عرفات نے بھی راہ شہادت پر چلنے کی حامی بھرلی ہے اسے پوری پوری سنجیدگی سے لینا ناگزیر ہے اس لئے کہ یہ فیصلہ بذات خود فلسطینیوں کی تحریک کو نئی جہت اور نیا ولولہ بخش دے گا ورنہ اب تک تو محترم یاسر عرفات عرب قومیت کی باتیں کیا کرتے تھے۔

ساتھ ہی ساتھ میں یہ بھی عرض کرنا چاہتا ہوں کہ آج جب کہ فلسطین کی سرزمین فلسطینیوں کے خون سے لالہ زار بنی ہوئی ہے تو اس کی بڑی حد تک ذمہ داری جناب یاسر عرفات پر ہی عائد ہوتی ہے۔ وہ فلسطینیوں کی جنگ آزادی کے تقریبا نصف صدی سے سربراہ ہیں۔ عرب سربراہان کے مفادات کے پیش نظر ان کو پندرہ بیس سال قبل یہ اندازہ ہوگیا تھا کہ فلسطین کا مسئلہ ریاستی جنگ سے حل نہیں ہوسکتا بلکہ اس کے لئے عوامی جد و جہد ناگزیر ہے اور جب فلسطین کے نوجوان انتفاضہ تحریک چلاتے ہوئے باہر نکل آئے تھے تو یاسر عرفات کو ان کو منظم کرنا چاہئے تھا ان کو گوریلا جنگ کی تربیت دینا چاہئے تھی تاکہ وقت ضرورت وہ اپنا دفاع کرسکیں۔ صرف اوسلو معاہدہ پر اکتفا کرنا اور فلسطینی عوام بالخصوص نوجوانوں کو بے یار و مددگار چھوڑ دینا ایک بہت بڑی لغزش ہے کیا آج یاسر عرفات کا ضمیر انھیں ملامت نہیں کرتا ہوگا کہ ایک طرف تو اسرائیلی دنیا کے مہلک ترین ہتھیار استعمال کررہے ہیں اور دوسری طرف فلسطینی نوجوان غلیلوں سے مقابلہ کررہے ہیں اور ان کو اسرائیلی انسانی ڈھال بنا کر استعمال کررہے ہیں جب فلسطینی نوجوان گھر سے نکل کر انتفاضہ کے لئے آیا تھا تو یاسر عرفات کو اس تحریک کو پہلے تو منظم کرنا چاہئے تھا اور پھر اس کو مسلح کرنا چاہئے تھا ساتھ ہی نوجوانوں کو یہ بھی سکھانا چاہئے تھا کہ آگے کب بڑھا جاتا ہے اور پیچھے کب ہٹا جاتا ہے۔ دشمن کو کس طرح تھکایا جاتا ہے اور پھر تھکے ہوئے دشمن پر ضرب کاری کیسے لگائی جاتی ہے۔ اسرائیل ایک چھوٹا سا ملک ہے اور اسکی مٹھی بھر آبادی کو تھکا کر بے بس کردینا کوئی مشکل کام نہیں تھا بالخصوص جب کہ فلسطینی نوجوان سڑک پر نکل آیا تھا اور اسے صرف تنظیم اور ہتھیاروں کی ضرورت تھی لیکن نہ اس کو منظم کیا گیا اور نہ ہی مسلح۔

بہرحال میں جناب یاسر عرفات کے اس جذبہ کا بہت احترام کرتا ہوں کہ انھوں نے شہادت کا راستہ اختیار کرنے کا ارادہ ظاہر کیا ہے۔ یہ راستہ بہت ہی پرخطر ہے۔ ہر لمحہ ایک بڑے خطرے کا سامنا ہوتا ہے اور ہر وقت عزم آہنی کی ضرورت ہوتی ہے۔ دشمن نہ صرف کاری ضرب لگاتا رہتا ہے بلکہ اشیائے خورد و نوش بھی بند کردیتا ہے۔ خدا کرے کہ یاسر عرفات ان سب کا مقابلہ کرسکیں۔ میں ان کے لئے دعا کرتا ہوں۔

پاکستان میں ریفرنڈم

جنرل پرویز مشرف نے پاکستان میں اقتدار سنبھالنے کے بعد اپنی گرفت مضبوط کرلی ہے ۔ اس مختصر دور میں بین الاقوامی سطح پر جو حالات پیدا ہوئے اور جنرل پرویز مشرف نے موثر حکمت عملی اپنائی اسکی وجہ وہ ملک کی عوام میں کافی مقبول ہوچکے ہیں۔ انھوں نے بہت جلد جمہوری حکومت کو اقتدار حوالہ کرنے کا پہلے اعلان کیا تھا لیکن اب اپنا موقف بدلتے ہوئے ملک میں ماہ مئی کے پہلے ہفتہ میں ریفرنڈم کروانے کا اعلان کیا ہے ۔ جنرل پرویز مشرف کا یہ ماننا ہیکہ ملک کی عوام کو ایک بہتر مستقبل کا فیصلہ کرنا چاہئے ۔ وہ اس متنازعہ ریفرنڈم کے ذریعہ آئندہ پانچ سال تک اقتدار پر برقرار رہنے کے خواہاں ہیں۔ اس وقت جنرل پرویز مشرف کے پاس نہ صرف ملک کا صدارتی عہدہ ہے بلکہ چیف آف آرمی اسٹاف بھی وہی ہیں اور پاکستانی قوانین کے مطابق اس طرح دو عہدے ایک شخص کے پاس غیر قانونی ہے ۔ اسی بنیاد پر جماعت اسلامی جنرل پرویز مشرف کے خلاف سپریم کورٹ سے رجوع ہوئی ہے تاہم یہ ایک حقیقت ہے کہ صدارتی عہدہ پر رہتے ہوئے جنرل پرویز مشرف کو قانون میں موافق ترمیم کے لئے زیادہ دشواری پیش نہیں آئے گی ۔ انھوں نے قوم سے خطاب کرتے ہوئے ریفرنڈم کی اہمیت بھی واضح کی۔ انھوں نے کہا کہ عوام بتائیں کہ پاکستان کو میری ضرورت ہے یا نہیں ؟ اگلا وزیر اعظم بااختیار ہوگا مگر میں اسے من مانی نہیں کرنے دوں گا ۔ اسے ہماری اصلاحات ختم کرنے کی جرات نہیں ہوگی۔

سیاسی و مذہبی جماعتوں ، قومی ذرائع ابلاغ اور جمہوری قوتوں کی مخالفت کے باوجود جنرل پرویز مشرف نے نہ صرف اپنی صدارت برقرار رکھنے کے لئے ریفرنڈم کرانے کا فیصلہ کیا ہے بلکہ نئی منتخب پارلیمنٹ اور حکومت کو قابو میں رکھنے کے لئے آئین میں ترمیم اور بالاتر از آئین نیشنل سیکورٹی کونسل تشکیل دینے کا عزم

بھی ظاہر کیا ہے جس سے نہ صرف وفاقیت کو نقصان پہنچے گا بلکہ پارلیمانی جمہوریت کی جگہ صدارتی نظام مسلط ہوجائے گا۔

سپریم کورٹ نے ۱۲ اکتوبر کے اقدام کے خلاف رٹ پٹیشنوں پر فیصلہ سناتے ہوئے حکومت کو جہاں اکتوبر ۲۰۰۲ ، میں عام انتخابات کرانے کا پابند کیا تھا ، وہاں روزمرہ معاملات چلانے کے لئے ترمیم کا محدود اختیار دیتے ہوئے یہ بھی واضح کردیا تھا کہ آئین کے اسلامی ، وفاقی اور پارلیمانی تشخص کو مجروح کرنے والی کوئی ترمیم نہیں کی جائے گی۔ اگرچہ آئینی اور قانونی حلقوں کی یہ پختہ رائے ہے کہ سپریم کورٹ کو بذات خود یہ حق حاصل نہیں کہ وہ آئین میں ترمیم کرسکے کجا کہ وہ کسی حکومت کو اس کا اختیار دے لیکن اگر بالفرض یہ حق تسلیم کربھی لیا جائے تو اسے لامحدود اور آئین کے بنیادی ڈھانچے میں تبدیلی کی حد تک سمجھ لینا دانشمندی نہیں۔

اصول کی بات یہ ہے کہ کوئی شخص بھی اپنی ذات کے حوالے سے انصاف اور غیر جانبداری کے تقاضے پورے نہیں کرسکتا ۔ صدر صاحب بار بار قوم کو یقین دلاتے رہے ہیں کہ ۱۲ اکتوبر کو انھیں اقتدار سنبھالنے پر مجبور کردیا گیا۔

سپریم کورٹ اور قوم نے ان کے اس عذر کو تسلیم کیا مگر اب جبکہ اکتوبر میں انہیں برضاء و رغبت اور عزت و احترام کے ساتھ اقتدار منتقل کرنے کا موقع مل رہا ہے تو وہ مزید پانچ سال اقتدار میں رہنے کا ارادہ ظاہر کررہے ہیں اور ایک ایسا ریفرنڈم کرارہے ہیں جس میں نہ تو ان کے کوئی مدمقابل ہے اور نہ ریفرنڈم کے مخالفین کو یہ حق دیا جارہا ہے کہ وہ رائے عامہ ہموار کرسکیں۔

صدر صاحب تو عوام کو اپنا ہمنوا بنانے کے لئے ریڈیو اور ٹی وی کے علاوہ دیگر قومی وسائل استعمال کریں گے۔ ان کے جلسوں میں حاضری کیلئے پولیس سمیت سرکاری ملازمین کو سختی سے پابند کیا جارہا ہے۔ گورنر صاحبان، وفاقی اور صوبائی وزراء، ضلعی ناظمین، بلدیاتی ارکان کی فوج ظفر موج اور سرکاری مشنری کے کل پرزے عوام کو جلسوں کے علاوہ پولنگ اسٹیشنوں پر لانے اور انہیں صدر پرویز مشرف کے حق میں ووٹ ڈالنے کا اہتمام کریں گے مگر کسی کو آئین اور جمہوری اقدار و روایات کے مطابق مخالفت کرنے کی اجازت نہیں ہوگی جس کی وجہ سے یہ سارا عمل مذاق بن جائے گا۔

دولت مشترکہ نے ریفرنڈم کو مسترد کردیا ہے اور اسے بحالی جمہوریت سے عین متصادم قرار دیا ہے۔ امریکہ نے اسے پاکستان کا داخلی معاملہ قرار دیتے ہوئے کہا ہے کہ اس کے جواز کا فیصلہ عدالتیں کریں گی۔

صدر نے جمہوریت کے ضمن میں برطانیہ اور زمبابوے کا حوالہ دیا ہے۔ کوئی معقول شخص بھی یہاں برطانیہ اور زمبابوے کی طرز کا نظام حکومت نہیں چاہتا لیکن وہ مصر، اردن اور برما کی طرح شخصی حکمرانی کے حق میں بھی نہیں جہاں ایک ہی شخص ملک کا آئینی سربراہ، فوج کا چیف اور نیشنل سیکورٹی کونسل کے ذریعے پارلیمنٹ کا نگران ہو اور اس کی خواہش آئین اور قانون کا درجہ رکھتی ہو۔ پاکستانی عوام یہاں پاکستانی طرز کی پارلیمانی جمہوریت کے حق میں بار بار اپنی رائے ظاہر کرچکے ہیں۔ ایوب خان، یحیی خان، بھٹو خان اور ضیاء الحق اور ان کی طرف سے مسلط کردہ اصلاحات و طرز ہائے حکومت کی ناکامی اس بات کا ثبوت ہے کہ وہ خود نہ تو محدود اور آمریت کی آمیزش والی جمہوریت کو پسند کرتے ہیں اور نہ کسی فرد واحد کا یہ حق تسلیم کرتے ہیں کہ وہ انہیں اپنی مرضی کے مطابق چلانے کی کوشش کرے۔ وہ ملاوٹ سے پاک اسلامی بنیادوں پر استوار جمہوری نظام چاہتے ہیں جس میں وہ اپنے فیصلے اپنی آزادانہ مرضی سے کرسکیں۔

ان حالات میں اگرچہ سب کو علم ہے کہ صدر مشرف اپنے فیصلوں پر نظرثانی نہیں کریں گے اور انہوں نے آئین میں ترامیم، صدارتی ریفرنڈم کے انعقاد، نیشنل سیکورٹی کونسل کی تشکیل اور پارلیمنٹ کے علاوہ نئی منتخب حکومت و کابینہ کو عملاً صدر کے ماتحت رکھنے کا جو فیصلہ کرلیا ہے، اس پر عملدرآمد کا اہتمام کرکے رہیں گے۔ بعد میں جو نتیجہ نکلے اس کی انہیں پرواہ نہیں۔

جنرل پرویز مشرف کے ریفرنڈم کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے یہ سب کو معلوم ہے۔

آر سی راجہ منی

ہند۔جاپان اقتصادی تعاون کو فروغ

سال ۲۰۰۲ ، ہند ۔ جاپان سفارتی تعلقات کی ۵۰ ویں سالگرہ کا سال ہے ۔ دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی اور دو طرفہ تعاون میں مزید اضافہ ہونے کی توقع ہے اور آنے والے برسوں میں دونوں ہی ملک اس سمت میں اہم تعاون کریں گے ۔ ہند ۔ جاپان دو طرفہ تعاون کی موجودہ صورتحال نے مئی ۱۹۹۸ ، میں ہندوستان کے نیوکلیائی تجربات کے نتیجے میں محسوس کردہ خاموشی کے بعد اہمیت اختیار کرلی ہے ۔ ٹوکیو نے نیوکلیائی تجربات کے بعد اقتصادی اور تکنیکی تعاون کے بعض شعبوں میں ہندوستان پر پابندیاں عائد کرنے کا فیصلہ کیا تھا ۔ کچھ اہم شعبوں میں پابندیاں اٹھائے جانے کے نتیجے میں گزشتہ سال ۲۶ اکتوبر کو جاپان کے ذریعہ لگائی گئی اقتصادی پابندیوں کو ختم کئے جانے تین برس کے وقفے کے بعد ین میں قرض اور گرانٹ ان ایڈ والے پروجیکٹوں کو دوبارہ شروع کرنے کے لئے دونوں ممالک کے مابین بات چیت کا سلسلہ دوبارہ شروع ہوا ہے ۔

دسمبر ، ۲۰۰۱ ، میں وزیراعظم ، شری اٹل بہاری واجپائی کے اہم دورہ جاپان کے دوران ، دونوں ممالک کے رہنماؤں کے ذریعہ ایک مشترکہ اعلامیہ جاری کیا گیا تھا ، جس میں ہند ۔ جاپان عالمی ساجھے داری کو مستحکم بنانے ، دو طرفہ تعلقات کو وسیع تر بنانے اور مزید فروغ دینے اور عالمی چیلنجوں کا مقابلے کرنے کے لیے عزم مصمم کا اظہار کیا گیا تھا ۔ تبادلہ خیالات پر عمل درآمد کرتے ہوئے حکومت جاپان اقتصادی تعاون کے بارے میں ایک پالیسی بات چیت مشن کو اسپانسر کررہی ہے ۔ یہ مشن ، جس میں دس نمائندے ہیں ، دونوں ممالک کے درمیان اقتصادی تعاون کے بارے میں ہندوستانی رہنماؤں اور پالیسی سازوں کے ساتھ وسیع تبادلہ خیال کرے گا ۔

امداد دینے والے دولت مند اور ترقی یافتہ ممالک میں سے جاپان ایک ایشیائی ساجھے دار نیز تجارتی اور ثقافتی تعلقات کی طویل تاریخ کے ساتھ روایتی دوست ہونے کی وجہ سے ہندوستان کے سب سے قریب ہے ۔ جبکہ نئی دلی میں جاپان کے سفیر دونوں ممالک کے درمیان سیاسی اور سفارتی تعلقات کی دیکھ بھال کرتے ہیں ، جاپان انٹرنیشنل کوآپریشن ایجنسی (جے آئی سی اے) کا مقیم نمائندہ جاپان کی آفیشل ڈیولپمنٹ اسسٹینس (او ڈی اے) کے تکنیکی تعاون کے پہلو کے لئے ذمہ دار ہے ۔

ہندوستان اور جاپان کے مابین تاریخی تعلقات چھٹی صدی سے چلے آرہے ہیں ، جب جاپان میں بدھ مذہب کا آغاز ہوا تھا ۔ بدھ مذہب کے ساتھ ساتھ ، لکشمی ، سرسوتی اور اندرا جیسی متعدد ہندو دیویاں بھی منظر عام پر آئی تھیں ، جنھیں گوتم بدھ کی سرپرستوں کے طور پر پیش کیا گیا تھا ۔ بیسویں صدی میں نوبل انعام یافتہ ، رابندر ناتھ ٹیگور اور جاپان کے معروف تہذیبی نظریہ ساز ، اوکاکورا تنشن کے درمیان دوستی دونوں ممالک کے درمیان یادگار تہذیبی تال میل رہی ہے ۔ یہ کہنا مبالغہ آرائی نہیں ہوگا کہ 05 ۔ 1904 میں زار کے روس کے خلاف اپنی جنگ میں جاپان کی فتح نے ہندوستانیوں سمیت ایشیا کے لوگوں کو ترغیب عمل دی تھی ، جو نوآبادیاتی نظام کے خلاف لڑائی لڑرہے تھے ۔ ہندوستان کی جد و جہد آزادی کے سلسلے میں مدد اور حمایت حاصل کرنے کے لئے راس بہاری بوس اور نیتا جی سبھاش چندر بوس کا دورہ جاپان دونوں ممالک کے درمیان دوستانہ تعلقات کی تاریخ میں ایک اہم سنگ میل تھا ۔

ہند ۔ جاپان دو طرفہ تجارت میں جمود ، جو کئی برسوں سے دیکھنے میں آیا تھا 1990 کی دہائی کی ابتداء میں اس وقت ختم ہوگیا ، جب ہندوستان نے ایک جرات مندانہ نئی پالیسی کا آغاز کرتے ہوئے اہم اقتصادی اصلاحات کا عمل شروع کیا ، جس کے نتیجہ میں دونوں ممالک کے درمیان کاروباری تعلقات میں رفتہ رفتہ تیزی آئی ۔ جاپان نے بخوشی یہ تسلیم کیا کہ ہندوستان کے پاس زبردست انسانی اور قدرتی وسائل کی پیشکش کرنے کیلئے کافی بڑی منڈی ہے ۔ مالی سال 1998 ، کے دوران ، ہندوستان اور جاپان کی دو طرفہ تجارت کی مالیت تقریبا 169.8 ارب روپئے کے بقدر تھی ۔ اہم اشیاء جو جاپان ہندوستان سے درآمد کرتا ہے ، ان میں سمندری پیداوار ، جواہرات اور زیورات نیز خام لوہا شامل ہیں ۔ اہم اشیا جو ہندوستان کے لئے جاپان سے برآمد ہوتی ہیں ، ان میں عام مشنری ، فولاد ، بجلی کا سامان نیز پیشہ ورانہ اور ٹرانسپورٹ کا سازو سامان شامل ہیں ۔

98 ۔ 1991 ، مدت کے دوران ، ہندوستان میں جاپانی سرمایہ کاری کی مالیت 75.1 ارب روپئے کے بقدر تھی اور صرف سال 1998 ، میں حکومت ہند نے 12.8 ارب روپئے کی مالیت کی سرمایہ کاری کی منظوری دی تھی ۔ جاپان کے ایگزم بینک کے ذریعہ 1998 میں کرائے گئے سروے کے مطابق ، ہندوستان جاپانی سرمایہ کاروں کے ذریعہ طویل مدتی تناظر (10 سال) میں سرمایہ کاری کے سلسلے میں تیسرا سب سے زیادہ پرکشش نیز درمیانہ مدتی تناظر (تین سال) میں سرمایہ کاری کے لئے پانچواں سب سے زیادہ پرکشش مقام تھا ۔ اس وقت دلی اور اس کے اطراف میں 90 جاپانی پروجیکٹ چل رہے ہیں ، جس کے بعد ممبئی میں 44 ، چینائی میں 41 ، اور کولکتہ میں 13 جاپانی پروجیکٹ زیر عمل ہیں ۔

اقتصادی امداد کے سلسلے میں ، جاپانی او ڈی اے کے تحت سالانہ ایک ارب ڈالر سے زیادہ کی امداد فراہم کرتا رہا ہے ۔ سب سے زیادہ جاپانی امداد حاصل کرنے والے ممالک میں ہندوستان کا نمبر چین اور انڈونیشیا کے بعد تیسرا ہے ۔ جاپان کے ذریعہ سب سے پہلا غیر ملکی ین قرض 1958 ، میں ہندوستان کو فراہم کیا گیا تھا ۔

ہے آئی سی اے کے پروجیکٹوں کے تحت تین اہم شعبے ہیں۔ غریبی کی روک تھام، ماحولیات کا تحفظ اور اقتصادی اصلاحات کے لئے امداد۔
غریبی کی روک تھام کے پروگرام کے تحت 1991ء میں تکنیکی تعاون کے ایک پروجیکٹ کے طور پر بائی وولٹائین سیریکلچر ٹکنالوجی ڈیولپمنٹ پروجیکٹ شروع کیا گیا تھا۔ پروجیکٹ کے پہلے مرحلہ (1991 - 97) میں پروجیکٹ نے ہندوستان کے ماحول کے لئے سازگار بائی وولٹائین سیریکلچر کے لئے مطلوبہ عملی ٹکنالوجیاں تیار کی تھیں۔ عملی بائی وولٹائین سیریکلچر ٹکنالوجی کو مقبول عام بنانے (پی پی پی بی ایس ٹی) کے لئے پروجیکٹ کا دوسرے مرحلہ اپریل 1997ء میں شروع کیا گیا تھا۔ اس مرحلے میں پہلے مرحلہ میں تیار کی گئی بائی وولٹائین سیریکلچر ٹکنالوجی کی منظم طور پر تصدیق کی گئی تھی، اس کا مظاہرہ کیا گیا تھا نیز کسان اور دھاگہ بنانے کی سطح پر اسے بہتر بنایا گیا تھا۔ نئی ٹکنالوجی کو اپنانے سے کوکون کی کاشت کرنے والے کسانوں کی آمدنی میں کافی اضافہ ہوا ہے۔ حکومت ہند تیسرے مرحلہ کو شروع کرنے کا ارادہ رکھتی ہے۔ یہ پروجیکٹ جاپانی ماہرین کی مدد سے بڑے پیمانے پر بائی وولٹائین ٹکنالوجی کی تشہیر کے سلسلے میں بائی وولٹائین سیریکلچر کے لئے توسیعی نظام کو مستحکم کرنے سے متعلق ہے۔ حکومت جاپان اب تیسرے مرحلہ کے لئے تکنیکی تعاون دینے کی تجویز پر غور کر رہی ہے۔

اسہال کی بڑھتی ہوئی بیماریوں کی روک تھام کرنے کے لئے بھی پروجیکٹ ہے۔ کولکتہ میں نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف کالرا اور انٹریک ڈیزیز (این آئی سی ای ڈی) کی تحقیق کی صلاحیت کو مستحکم بنانے کے لئے 1997ء میں یہ پروجیکٹ شروع کیا گیا تھا۔ یہ پروجیکٹ اسہال کی بیماریوں کی تیزی سے اور صحیح تشخیص، علاج اور موثر طور سے روک تھام کرنے کے طریقے وضع کرسکا ہے۔

بجلی کے شعبہ میں اصلاحات کو ہندوستان کے اقتصادی تشکیل نو کے پروگرام کے ایک اہم جزو کے طور پر تسلیم کیا گیا ہے۔ آندھرا پردیش ٹرانسمیشن کمپنی (اے پی ٹی آر اے این ایس سی او) کے تقسیمی نظام کو بہتر بنانے کے سلسلے میں ترقیاتی مطالعہ کرنے کی غرض سے ایک درخواست پر جاپان میں پروجیکٹ تیار کرنے والی ایک ٹیم نے حال ہی میں ہندوستان کا دورہ کیا ہے۔ اس کے نتیجہ میں منتخب سب اسٹیشنوں میں کمی سے متعلق احیائی منصوبے کا جائزہ لینے، کام کاج اور دیکھ بھال کا تجزیہ کرنے، بل سازی کے سافٹ ویئر کی تیاری نیز انجینئروں اور افسران کی تربیت کے لئے مطالعہ کیا جاسکا ہے۔

چونکہ دونوں ممالک اپنے سفارتی تعلقات کے قیام کی گولڈن جوبلی منا رہے ہیں، اقتصادی، سائنسی اور تکنیکی جیسے متعدد شعبوں میں ہند۔ جاپان تعاون کے امکانات بہت زیادہ نظر آتے ہیں۔ اس لئے دونوں کو باہمی مفاد کے لئے ان مواقع سے بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔ اس خاطر میں وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے گزشتہ دسمبر میں جاپان کے شہر اوساکا میں منعقدہ تجارتی میٹنگ سے خطاب کرتے ہوئے جو بات کہی تھی، وہ یاد رکھنے کے قابل ہے۔ ہمیں اس موقع کو ایسے چند اہم پروجیکٹوں کو شروع کرنے کے لئے استعمال کرنا چاہئے، جن کے لئے مشترکہ طور سے فنڈ فراہم کیا گیا ہو، جو دونوں کے لئے مفید ہوں نیز جو نئی صدی میں عالمی ساجھے داری شروع کرنے کے سلسلے میں ہمارے عزم کا اظہار کرنے کے لئے کافی ہوں۔

جموں و کشمیر میں پوٹا کے تحت گرفتار ملزمین

دنیا بھر میں کساد بازاری اور بے روزگاری کو فروغ

11 ستمبر کے بعد عالم گیریت کو زبردست دھچکا لگا

نجم الحسن عطا

2001ء میں اگر مارکس اور لینن کے نظریات کے حامیوں کو حالات کے چیلنج کا سامنا ہا تو دوسری طرف یہ آدم اسمتھ، ڈیوڈ ریکارڈو، الفریڈ مارشل اور لارڈ کینسیز کے معاشی مبادیات کے ساتھ ساتھ عالمی مالیاتی اداروں، منڈی کی معیشت اور سرمایہ دارانہ نظام چلانے والے ساہوکاروں کا کساد بازاری اور بے روزگاری کے ہاتھوں زچ ہونے کا سال تھا۔ نومبر 2001ء میں امریکہ میں 8 لاکھ افراد کو بے روزگار کردیا گیا۔ نجکاری کا غل مچانے والوں کے سب سے زیادہ ترقی یافتہ ایشیائی ملک جاپان کے ہزاروں بھی بینک دیوالیہ ہوگئے اور وہاں پچھلے ایک عشرے میں چوتھی مرتبہ کساد بازاری کا طوفان آیا ہوا ہے۔ نجی بجلی گھروں کی امریکی ریاست کیلی فورنیا میں جولائی 2001 میں ڈی ریگولیشن کے نتیجے میں بجلی کی قیمتوں میں انتہائی اضافہ ہوا تو لوگوں نے بجلی کا استعمال بہت کم کردیا۔ یہ سارا نتیجہ نجکاری اور ڈی ریگولیشن سے برآمد ہوا چنانچہ بجلی گھر بھی دیوالیہ ہونے لگے۔

جاپانی معیشت ترقی کے صفر شرح کے ساتھ چوتھے کساد بازاری کے دور میں داخل ہوچکی ہے۔ بے روزگاری کا تناسب 1953ء کے بعد پہلی مرتبہ نومبر 2001ء تک 5 فیصد تک پہنچ چکا تھا۔ سب سے بری خبر مالیاتی منڈیوں سے متعلق ہے۔ جن کے بارے میں ماہرین فکرمند ہیں اور ان کا خیال ہے کہ اسٹاک مارکیٹ میں مسلسل مندی کا رجحان اس طرف اشارہ کرتا ہے کہ بینک کاری نظام جو کہ درہم برہم ہوگیا ہے، کا بحال ہونا مزید دشوار ہوگیا ہے۔ جاپان کی معروف اسٹاک ایکسچینج "نکائی" انتہائی نچلی سطح پر ہے۔ کارپوریٹ سرمایہ کاروں کے پورٹ فولیو سرمایہ کاری ڈوبنے کے عمل کا آغاز ہوچکا ہے۔ یہ رجحان بچے کچے بینکوں کے لئے بدشگونی کی علامت ہے۔ کیونکہ اس وقت جاپان کی اسٹاک مارکیٹ میں بڑے حجم کے شیئر ہولڈرز بینک سے جڑے ہیں۔ دوسری طرف بینکوں کے ساتھ یہ المیہ بھی ہے کہ تین ٹریلین ین کی مالیت کے قرضہ جات کی واپسی ممکن نہیں ہے۔ یہ حالات 2001ء میں جون کے ماہ میں رونما ہوئے تھے۔ اب بات اس سے بھی آگے بڑھ چکی ہے۔

11 ستمبر کے بعد عالمی کساد بازاری نے مزید جست لی، اور لوٹ مار کی منڈی کی معیشت، عالمی تجارتی تنظیم اور عالم گیریت کے عمل کو زبردست زک پہنچی۔ سیاحت، یورپ اور امریکہ میں ختم ہو کر رہ گئی۔ ہوائی کمپنیاں، انشورنس اور ہوٹلوں کا کاروبار ٹھپ ہوچکا ہے۔ عالمگیر معیشت کی وجہ سے اس کے اثرات دنیا بھر میں ہر جگہ مرتب ہوئے۔ اس واقعے کے بعد آئی ایم ایف کا کہنا تھا کہ عالمی معیشت کو جتنا نیچے گرنا تھا وہ گر گئی۔ 1980ء اور 1992ء میں بھی ایسے بحران آئے تھے اور عالمی شرح نمو 2 فیصد سے بھی کم ہوگئی تھی۔ لیکن آئی ایم ایف کے معاشی دانشوروں نے یہ نہیں بتایا کہ 1980ء کے بعد عالمی کساد بازاری اب تک کیوں جاری ہے اور ایشین ٹائیگر بحران کا شکار کیوں ہیں؟ آئی ایم ایف کے دانشور یہ بتانے سے بھی قاصر ہیں کہ چین کی شرح ترقی اوسطاً 8 فیصد کیوں رہی ہے؟ نجکاری کا علم بردار آئی ایم ایف یہ بتانے سے بھی قاصر ہے کہ چین نے پبلک سیکٹر میں میٹلرجی، پٹرولیم اور کمیونیکیشن میں 50 جائنٹ کمپنیاں کیسے لانچ کردیں اور اب وہ عالمی تجارتی تنظیم میں شامل ہونے کو تیار ہے۔ پبلک سیکٹر کا یہ کمال اس بات کی غمازی کرتا ہیکہ دنیا کو اس کی موجودہ معیشت کے نعم البدل کی شدید ضرورت ہے۔ صورت حال کی سنگینی کا اندازہ یوں لگایئے کہ 1968ء میں ملٹی نیشنل کمپنیوں کی تعداد سات ہزار سے کم تھی جو 2001ء میں بڑھ کر 60 ہزار

> ایشیائی معیشتوں میں سب سے زیادہ بحران برآمدات کے شعبے میں ہے۔ اس کی وجہ امریکی معیشت میں زبردست کساد بازاری ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ درآمدات میں کمی کا شکار ہے۔ چونکہ طلب میں مندی کا رجحان ہے اس لئے ایشیا کے مرکزی بینک مالیاتی پالیسیوں کو از سر نو مرتب کررہے ہیں یہ بھی دیکھنے میں آرہا ہے کہ دنیا بھر میں عام صارف کی قوت خرید میں کمی ہوئی ہے اور اشیائے صرف ضرورت سے زیادہ مقدار میں پوری ہوئی ہیں۔ اس لئے ماہرین معاشیات کا اندازہ ہے کہ ایشیائی ممالک کی برآمدات [illegible] میں [illegible] اندازہ لگایا گیا ہے کہ امریکی درآمدات کی 2001ء کی سطح 2002ء میں بحال ہونا ممکن نہیں ہے البتہ 2003ء میں توقع کی جا سکتی ہے

سے زائد ہو چکی ہے اور یہ عالمی تجارت کے 75 فیصد حصے پر قابض ہیں۔ دنیا میں ورکنگ کلاس اس قدر باشعور ہو گئی ہے کہ ایلین برگ، سیٹل، جنیوا اور دیگر مقامات پر زبردست مظاہروں کی وجہ سے عالمی تجارتی تنظیم کو دوحہ میں کانفرنس کا انعقاد کرنا پڑا۔ ارجنٹائن میں لاکھوں افراد گاہے بگاہے آئی ایم ایف خلاف مظاہرے کر رہے ہیں۔ دنیا میں اس وقت ارجنٹائن ایک ایسا ملک ہے جو دیوالیہ ہونے کے قریب ہے اور آئی ایم ایف نے 8 ارب ڈالر قرض فراہم کرنے کی تجویز دی ہے۔ تاہم 11 ستمبر سے پہلے آئی ایم ایف نے 2001ء کے لئے عالمی شرح نمو کا اندازہ 2.6 فیصد لگایا تھا اور اگلے سال کے لئے پیش گوئی کی تھی کہ شرح 3.5 فیصد ہوگی۔ لیکن عالمی سطح پر ماہرین کی رائے ہے کہ امریکہ کی سست رو معیشت کا فوری طور پر بحال ہونا محال ہے۔

یوروپی (یورو) معیشتوں میں ان کے مرکزی بینک نے عندیہ دیا ہے، کہ یورو زون بہت جلد کساد بازاری سے نکل آئے گا، خاص طور پر 11 ستمبر کی کساد بازاری سے۔ طویل مدت سے یوروزون کو اعتماد ہے کہ وہ امریکی بحران کے اثرات سے جلد نکل آئے گا۔ دوسری جانب امریکی حکومت نے 38 ارب ڈالر کے ٹیکس ری بیٹ کا اعلان کیا ہے۔ اس کے باوجود صارف کا رجحان قوت خرید میں کمی کی طرف مائل ہے۔ امریکہ میں آٹوموبائیل سیکٹر میں گیارہ ستمبر کے بعد نئی گاڑیاں خریدنے کے بجائے استعمال شدہ گاڑیوں کو خریدنے اور بیچنے کا رجحان زیادہ ہو گیا ہے۔ مزید براں ہیوسٹن اور سینٹ لوئس میں ہائی ٹیک کے شعبے میں سب سے زیادہ منفی اثرات مرتب ہوئے ہیں۔

11 ستمبر سے پہلے ہی فرانس کی معیشت کی کارکردگی بہتر نہیں تھی۔ خاص طور پر وہ 1997ء میں سوشلسٹ مخلوط حکومت کے برسر اقتدار آنے کے بعد سے اب تک بحال نہیں ہو سکی ہے۔ فرانس کے وزیر مالیات نے دو ٹوک الفاظ میں کہا ہے کہ امریکہ میں ہونے والی دہشت گردی نے فرانس کو زیادہ متاثر کیا ہے۔ اضافی دشواریوں کو انہوں نے دہشت گردی کا نتیجہ قرار دیا ہے۔ اس کے باوجود یوروزون میں سب سے بہتر لیبر مارکٹ کے حالات ہیں۔ ملازمین کو سہولتیں فراہم کرنے میں فرانس پیش پیش رہا ہے تاہم 11 ستمبر کے بعد سرمایہ کاری کم ہونے کی وجہ سے لیبر مارکٹ جمود کا شکار ہو گئی ہے۔ مالیاتی منڈیاں نروس ہیں، ایئرلائن اور سیاحت کے شعبے ٹھپ ہو چکے ہیں۔ کمپنیوں کا ادغام رک گیا ہے اور بینکوں میں نادہندگی کی شرح بڑھ گئی ہے۔ چنانچہ ان حالات کے پیش نظر فرانس کی حکومت نے نجکاری کا عمل منجمد کر دیا ہے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ 2002ء کے وسط میں پارلیمانی انتخابات بھی ہونے والے ہیں۔ رواں مالی سال

میں ریونیو میں 30 ارب فرینک کی کمی ہوئی ہے۔ ان تمام معاشی کمزوریوں کے باوجود ماہرین کا کہنا ہیکہ یورپی یونین کے تمام ممالک کی اوسط شرح نمو سے فرانس کی شرح نمو زیادہ ہے۔

ایشیائی معیشتوں میں سب سے زیادہ بحران برآمدات کے شعبے میں ہے۔ اس کی وجہ امریکی معیشت میں زبردست کساد بازاری ہے۔ 11 ستمبر کے بعد امریکہ درآمدات میں کمی کا شکار ہے۔ چونکہ طلب میں مندی کا رحجان ہے۔ اس لئے ایشیا کے مرکزی بینک مالیاتی پالیسیوں کو از سر نو مرتب کررہے ہیں۔ یہ بھی دیکھنے میں آیا ہے کہ دنیا بھر میں عام صارف کی قوت خرید میں کمی ہوئی ہے اور اشیائے صرف ضرورت سے زیادہ منڈیوں میں پڑی ہوئی ہیں۔ اس لئے ماہرین معاشیات کا اندازہ ہے کہ ایشیائی ممالک کی برآمدات کاری بانڈ التوا میں پڑگیا ہے۔ یہ بھی اندازہ لگایا گیا ہے کہ امریکی درآمدات کی 2001ء کی سطح 2002ء میں بحال ہونا ممکن نہیں ہے۔ البتہ 2003ء میں توقع کی جاسکتی ہے۔

ہندوستان اور چین پر زیادہ اثرات اس لئے مرتب نہیں ہوئے کہ ان کی معیشتیں بند ہیں۔ بہر کیف ماہرین کا خیال ہے کہ ایشیائی ملکوں میں اشیائے صرف کی قیمتوں میں کمی آئے گی اور افراط زر بھی کم رہے گا۔ ویسے بھی ایشیائی ممالک کے لوگ اخراجات میں بہت کمی کرچکے ہیں۔ البتہ یہ مشاہدے میں آیا ہے کہ انڈونیشیا اور فلپائن میں افراط زر کی شرح بلند ہے۔ اس کی وجہ گھریلو قیمتوں کا دباؤ نہیں ہے بلکہ ان ملکوں کی کرنسیاں نہایت کمزور ہوچکی ہیں۔ ہانگ کانگ میں پہلے ہی قیمتوں میں کمی واقع ہوچکی ہے۔ چین بھی تفریط زر کا شکار تھا لیکن 2001ء کے دوسرے نصف میں حکومت نے سرکاری شعبے کی جانب سے زبردست سرمایہ کاری کی جس سے چین کی صورتحال بگڑنے سے بچ گئی۔ چین کو سب سے زیادہ فائدہ یہ ہے کہ اس کی گھریلو طلب بہت زیادہ ہے، اس لئے اس کی نمو کی شرح مستحکم ہے۔ لاطینی امریکہ کے معاشی حالات دو عشروں سے بحران کا شکار ہیں۔ نکاراگوا کے بچے، جو کافی کے پودے اکٹھے کرتے ہیں، آج بحران کی وجہ سے خوراک کے لئے بڑی شاہراہوں پر کھڑے ہو کر بھیک مانگ رہے ہیں۔ پیرو میں بہت سے خاندانوں نے اراضی فروخت کردی ہے۔ بہت سے افراد نے کولمبیا کی طرح نشہ آور فصلیں اگانی شروع کردی ہیں۔ میکسیکو سے برازیل تک لاکھوں دیہی مزدور بے روزگاری کا شکار ہوچکے ہیں۔ کام کی تلاش میں شہر کے ملحقہ علاقوں میں دیہاتیوں نے ڈیرے ڈال دئے ہیں۔ ٹکنالوجی کی ترقی سے یہ بات بھی سامنے آرہی ہے کہ بے روزگاری کے بجائے workless معاشرے سامنے آرہے ہیں۔ لاطینی امریکہ کی مرکزی فصل کافی ہے۔ عالمی منڈی میں اس کی قیمتوں پر زبردست دباؤ ہے، جس کے نتیجے میں پورے لاطینی امریکہ کے دیہی علاقوں میں غربت کی لہر میں زبردست اضافہ ہوگیا ہے۔ البتہ برازیل اور ویتنام کی کافی کی فصلیں اچھی ہوئی ہیں۔ ان کے منفی اثرات بھی باقی لاطینی امریکی ممالک پر مرتب ہورہے ہیں۔ وسطی امریکہ ایک طرف کافی کی فصل میں بحران کا شکار ہے تو دوسری طرف خشک سالی نے گھیر رکھا ہے۔ لاطینی امریکہ میں سرفہرست بحران کے شکار ممالک میں ارجنٹائن اور میکسیکو ہیں۔ برازیل بھی تقریبا ان کے نقش قدم پر چل رہا ہے۔ 2001ء کے دوسرے نصف میں ان ممالک کا جی ڈی پی 4 فیصد کم ریکارڈ کیا گیا۔ ارجنٹائن کا سب سے بڑا مسئلہ اس کی کرنسی، پیسو، ڈالر، پیریٹی کا ہے۔ جس کے نتیجے میں وہ عالمی منڈی میں مقابلہ کرنے کے قابل نہیں رہا ہے۔ لہذا قرضوں کا انبار لگ چکا ہے۔

سب سے اہم گلوبل انفارمیشن ٹکنالوجی کا دو سال پہلے مروج تھا۔ اس کا بم پھٹ چکا ہے اور انفارمیشن ٹکنالوجی کی ترقی پانی کا بلبلہ ثابت ہوئی ہے۔

اسٹاک مارکیٹوں کا حال بھی نرم گرم رہا۔ بعض ترقی یافتہ اور ترقی پذیر ملکوں کی اسٹاک مارکیٹیں بھی ڈھیر ہوگئیں، اس سے ان ملکوں کی دولت زنگ آلود ہوگئی۔ لندن اکنامسٹ کے مطابق 2000ء سے نومبر 2001ء کے دوران حصص کی اوسط قیمت میں 28 فیصد کمی آئی ہے۔ اس کے نتیجے میں 10 ٹریلین ڈالر عالمی دولت سے صاف ہوگئے۔ تاہم 11 ستمبر سے پہلے امریکہ سے زیادہ یورپ اور ایشیا میں اسٹاک مارکیٹوں کے حصص کی قیمتوں میں کمی ریکارڈ کی گئی تھی۔ حصص کی قیمتوں میں کمی کی وجہ سے منصوبہ سازی میں رخنے پڑے اور سرمایہ کاری میں کمی نے کساد بازاری کو بڑھایا۔ اس بارے میں آئی ایم ایف کا کہنا ہے کہ یورپ میں ہائی ٹیک کی قدر میں کمی نے صارف کے اخراجات کے رحجان پر زیادہ اثر نہیں ڈالا لیکن اس کے شدید اثرات امریکہ میں محسوس کئے گئے۔

مسلم دنیا ہمیشہ کی طرح اس برس بھی بحران اور پسماندگی کا شکار رہی۔ تیل پیدا کرنے والے ملکوں نے سال کے پہلے نصف میں تیل سے دولت کمائی۔ تاہم سعودی عرب کا بجٹ 12 ارب ڈالر خسارے میں رہا۔ 2001ء میں اسلامی دنیا 650 ارب ڈالر کی مقروض رہی لیکن اس قرضے کے حجم سے کہیں زیادہ رقوم، اسلامی دنیا کے مالداروں کی ترقی یافتہ ملکوں کے بینکوں میں جمع ہیں۔

دسمبر 2001ء کے پہلے ہفتے تک تیل کی قیمتوں میں اتار چڑھاؤ رہا۔ اوسطا 21 ڈالر فی بیرل تیل کی قیمت عالمی منڈی میں رہی۔ نومبر میں قیمتوں میں کمی ریکارڈ کی گئی۔ 11 ستمبر کے بعد خام تیل پیدا کرنے والوں کے لئے بری خبر یہ رہی کہ ان کی برآمدات سے حاصلات کم رہے۔ عراق کو نہ شامل کرتے ہوئے یہ اندازہ لگایا گیا ہے کہ تیل پیدا کرنے والے ملکوں کو 36 ارب ڈالر کی کمی کا سامنا کرنا پڑا ہے۔

2001ء میں یہ بات ثابت ہوچکی ہے کہ اقوام عالم ایک نعم البدل معاشی نظام کی تلاش میں ہیں۔ لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیا میں ترقی یافتہ ملکوں کی لوٹ کھسوٹ بڑھ چکی ہے اور تیسری دنیا ایک ہیجانی کیفیت میں ہے۔ تاہم ترقی یافتہ ملکوں میں عالمی مالیاتی اداروں کے خلاف 2001ء میں مسلسل زبردست مظاہرے دیکھنے میں آئے۔ اس سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ موجودہ معیشت کی منڈی کے ضابطے انصاف کے تقاضے پورے نہیں کرتے اور ترقی یافتہ ملکوں اور عالمی ساہوکاروں نے حلقہ اثر بڑھانے کے لئے دنیا کو تباہی کی طرف دھکیل دیا ہے۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

واجپائی جی کے بدلتے چہرے

گجرات ایک ہندو ماڈل ریاست ۔ مسلم نسل کشی ۔ فرقہ پرستوں کو کھلی چھوٹ ۔

اسی مقصد کے لئے رکھا گیا ہے اور جب تک یہ مقصد پورا نہ ہو بی جے پی انھیں اقتدار سے

علاقائی جماعتوں میں عدم اتحاد کا بھرپور فائدہ اٹھارہی ہے ۔ اسے اندازہ ہیکہ اگر ایک جماعت

پولیس کی جانبداری ۔ ظلم کی انتہا ..... گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے یہی کچھ ہوتا آیا ہے اور یہ سلسلہ بدستور جاری ہے ۔ حالات معمول پر آتے ہی نہیں ۔ آئیں گے بھی کیسے ۔ حکمراں طبقہ خود نہیں چاہتا کہ جب تک اس کے عزائم کی تکمیل نہ ہو حالات معمول پر نہ آئیں ۔ چیف منسٹر گجرات نریندر مودی کو اقتدار پر

برطرف کرنے کے حق میں نہیں اس کے بجے وہ مرکز میں اقتدار سے محرومی کے لئے بھی تیار ہے ۔ بی جے پی نے اچانک اپنا موقف اتنا سخت کیسے کرلیا ۔ یعنی مرکز میں اپنی حکومت کی قربانی دینے پر بھی وہ رضامند ہے ۔ اگر اس بات کا سنجیدگی سے جائزہ لیں تو یہ صاف ظاہر ہیکہ بی جے پی صرف

اسکی تائید سے دستبردار ہوتی ہے تو دوسری جماعت تائید کی پیشکش کے لئے تیار ہے ۔ اسی پس منظر میں بی جے پی عاملہ کے گوا اجلاس میں وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کے بدلتے چہروں کو دیکھا جاسکتا ہے ۔ اس لحاظ سے واجپائی جی کے طویل سیاسی کیریئر میں ان کے دو چہرے سامنے

گئے ہیں۔ ایک چہرہ تو سیکولرازم اور اعتدال پسندی کا ہے جس کے ذریعہ وہ عام لوگوں اور سیکولر جماعتوں کو خوش و مطمئن رکھ سکتے ہیں۔ واجپائی کا دوسرا چہرہ سوئم سیوک کا ہے۔ جو سنگھ پریوار کو خوش رکھنے کے لئے اپنایا گیا۔ مسٹر واجپائی اپنے چہروں کو بدلتے رہنے میں غیر معمولی مہارت رکھتے ہیں لیکن اس حقیقت کو لوگ بخوبی جان چکے ہیں۔ انھوں نے گجرات کے فسادات اور چیف منسٹر نریندر مودی کی مدافعت کرتے ہوئے کہا کہ اگر گودھرا میں بے گناہ افراد کو زندہ نہ جلایا جاتا تو یہ فسادات رونما نہ ہوتے۔ بی جے پی کی قومی عاملہ کا گوا میں اجلاس منعقد ہوا اسوقت واجپائی نے مسلم دشمنی کا جو ثبوت دیا وہ بحیثیت وزیر اعظم ان کے لئے بالکل ناموزوں تھا۔ مسٹر واجپائی نے یہاں کہا تھا کہ اسلام کے دو روپ ہیں جن میں ایک جہاد ہے اور آج کے دور میں جہاد کے ذریعہ ہی اسلام کو پھیلایا جارہا ہے۔ انھوں نے مسلم ممالک اور وہاں کی آبادی کا بھی تذکرہ کرتے ہوئے اسے تنقید کا نشانہ بنایا۔ مسلمانوں کے خلاف اس طرح کے ریمارکس ایک

بی ایس پی صدر کانشی رام اور مایاوتی

ملک کے وزیر اعظم کیلئے ناموزوں ہے۔ اور بالخصوص ایسے وزیر اعظم کے لئے جو کئی جماعتوں کی تائید کے ساتھ اقتدار پر ہے اور ان تمام جماعتوں نے مل کر متنازعہ موضوعات سے الگ رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس کے باوجود وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی ایودھیا جیسے متنازعہ موضوع پر ہندو تنظیموں کا ساتھ دیتے ہیں۔ جب معاملہ عدالت میں پیش ہوا تو اٹارنی جنرل ہندو تنظیموں کی سرگرمیوں کی وکالت کرتے ہیں۔ کیا ایک وزیر اعظم کے لئے یہ مناسب ہیکہ ان کی حکومت مخصوص طبقہ کی نمائندگی کرے اور وہ اس جلیل القدر عہدہ پر فائز رہتے ہوئے مخصوص طبقہ کے جذبات کو ٹھیس پہنچائیں۔ گوا کے اجلاس میں نریندر مودی نے استعفیٰ کی پیشکش کی تو اسے مسترد کردیا گیا۔ اس سے بی جے پی کی ہٹ دھرمی کا ثبوت ملتا ہے۔ مسٹر واجپائی اپنا چہرہ بدل کر کبھی سیکولرازم کا گیت گاتے ہیں۔ این ڈی اے کی تشکیل کے وقت تمام سیکولر جماعتوں نے صرف واجپائی کی اعتدال پسندی اور انھیں موزوں وزیر اعظم تصور کرتے ہوئے تائید کا اعلان کیا تھا لیکن اب حالات اتنے بدل گئے ہیں کہ بی جے پی کو ہندوتوا کے موقف پر واپس آنا ضروری ہوگیا ہے کیونکہ حالیہ اسمبلی انتخابات نے بی جے پی کو یہ پیام دیدیا ہیکہ اسکی مقبولیت کا گراف بالکل نیچے چلا گیا۔ چنانچہ بی جے پی ہندو ووٹ بینک کو مستحکم کرنے کی کوشش میں لگی ہوئی ہے۔ دیگر سیکولر جماعتیں فی الحال انتخابات

الحال این ڈی اے کی تائید نہیں کررہی ہے لیکن
اس نے بھی رائے دہی میں غیر حاضر رہنے کا
فیصلہ کیا ہے۔ بی جے پی کے لئے مضبوط سہارا
بہوجن سماج پارٹی لیڈر کانشی رام ثابت ہورہے
ہیں۔ انھوں نے اتر پردیش میں بی ایس پی حکومت
کو تائید کی شرط پر مرکز میں این ڈی اے کی تائید کا
فیصلہ کیا ہے۔ چنانچہ اتر پردیش میں بی ایس پی
لیڈر مایاوتی چیف منسٹر ہوں گی اور وہ بی جے پی کی
تائید سے حکومت تشکیل دیں گی۔ جواب میں بی
ایس پی کے 14 ارکان پارلیمنٹ این ڈی اے کی
تائید کریں گے۔ اس کے علاوہ دیگر آزاد ارکان
اور چھوٹی جماعتوں سے بھی بی جے پی تائید کی
حصول کے لئے کوشاں ہے۔ اور اسے یقین ہیکہ

Jai Shri Ram

Wake up! Arise! Think! Enforce! Save the country! Save the religion!

Economic boycott is the only solution! The anti-national elements use the money earned from the Hindus to destroy us! They buy arms! They molest our sisters and daughters! The way to break the backbone of these elements is: An economic non-cooperation movement.

Let us resolve:

1. From now on I will not buy anything from a Muslim shopkeeper!
2. I will not sell anything from my shop to such elements!
3. Neither shall I use the hotels of these anti-nationals, nor their garages!
4. I shall give my vehicles only to Hindu garages! From a needle to gold, I shall not buy anything made by Muslims, neither shall we sell them things made by us!
5. Boycott wholeheartedly films in which Muslim hero-heroines act! Throw out films produced by these anti-nationals!
6. Never work in offices of Muslims! Do not hire them!
7. Do not let them buy offices in our business premises, nor sell or rent out houses to them in our housing societies, colonies or communities.
8. I shall certainly vote, but only for him who will protect the Hindu nation.
9. I shall be alert to ensure that our sisters-daughters do not fall into the 'love-trap' of Muslim boys at school-college-workplace.
10. I shall not receive any education or training from a Muslim teacher.

Such a strict economic boycott will throttle these elements! It will break their backbone! Then it will be difficult for them to live in any corner of this country. Friends, begin this economic boycott from today! Then no Muslim will raise his head before us! Did you read this leaflet? Then make ten photocopies of it, and distribute it to our brothers. The curse of Hanumanji be on him who does not implement this, and distribute it to others! The curse of Ramchandraji also be on him! Jai Shriram!

A true Hindu patriot

ہندو فرقہ پرستوں کی جانب سے تقسیم کیا جانے والا اشتعال انگیز پمفلٹ

کا سامنا کرنے تیار نہیں اس لئے سب خاموش
ہیں اور سیاسی حالات میں اندرونی طور پر جو اتھل
پتھل ہورہی ہے اس کا اندازہ نہیں کیا جاسکتا۔
گجرات کے واقعات پر پارلیمنٹ میں مسلسل
ایک ہفتہ تک کارروائی چلنے نہیں دی گئی۔
آخر کار اپوزیشن جماعتوں کے مطالبہ کو تسلیم کرتے
ہوئے ان واقعات پر قاعدہ 184 کے تحت بحث
کرانے سے اتفاق کرلیا گیا جس میں رائے دہی
ہوگی۔ این ڈی اے کی کلیدی حلیف تلگو دیشم
پارٹی نے نریندر مودی کے استعفیٰ کا مطالبہ
کرکے سیاسی سطح پر ہلچل پیدا کردی۔ اس جماعت
کی این ڈی اے کو باہر سے تائید حاصل ہے
لیکن وقتی طور پر تلگو دیشم کے اس مطالبہ کو بی
جے پی نے بے اثر کردیا کیونکہ اسے اتر پردیش

میں بی ایس پی کی شکل میں نئی حلیف جماعت مل
چکی ہے۔ بی جے پی کو توقع ہیکہ اگر رائے دہی میں
تلگو دیشم مخالفت میں ووٹ دیتی ہے تب بھی
اسے درکار اکثریت سے زائد ووٹ ملیں گے۔
اس بھروسہ کی بنیاد پر واجپائی نے اپوزیشن
جماعتوں کو حکومت کے خلاف تحریک عدم اعتماد
پیش کرنے کا چیلنج کیا۔ صدر تلگو دیشم پارٹی و
چیف منسٹر آندھرا پردیش مسٹر این چندرا بابو
نائیڈو نریندر مودی کے برطرفی کے مطالبہ پر قائم
ہیں۔ پارلیمنٹ میں بھی اس مسئلہ پر تلگو دیشم
ارکان اپوزیشن جماعتوں کے ساتھ ہوگئے تھے۔
این ڈی اے میں شامل ایک اور حلیف جماعت
ترنمول کانگریس نے رائے دہی میں غیر حاضر
رہنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انا ڈی ایم کے اگرچہ فی

اگر تلگو دیشم و ترنمول کانگریس مخالفت میں ووٹ
دیں تب بھی مرکزی حکومت کے لئے کوئی خطرہ
نہیں۔ بی جے پی کسی بھی طرح اپنی حکومت کو
بچانے اور ساتھ ہی نریندر مودی کو اقتدار پر برقرار

رکھنے ہر ممکن کوشش کررہی ہے اور اب سیکولر جماعتوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہیکہ اس ہندو فرقہ پرست جماعت کو نہ صرف اقتدار سے بے دخل کریں بلکہ چیف منسٹر گجرات کی برطرفی یقینی بنائیں ۔ملک کی جمہوریت پر جو کلنک گجرات میں لگا ہے اسے دھونا ممکن نہیں۔ ظلم و جبر کی انتہا کردی گئی سیکولر جماعتوں کو چاہئے کہ وہ حالات کا حقیقت پسندانہ جائزہ لیں اور اپنی ذمہ داریوں کی ادائیگی سے غفلت نہ برتیں۔ ان کی ذرا سی غفلت ایک بڑی تباہی کا پیش خیمہ ہوسکتی ہے بقول شاعر کے۔

اب یہ رسوائی کے دھبے جا کے ہم دھوئیں کہاں
سرخ لب والوں سے اپنی دوستی مہنگی پڑی

گجرات میں نہ تھمنے والا فساد

گجرات کے موجودہ حالات فوری توجہ کے متقاضی ہیں۔ مسلمانوں پر مظالم کی انتہا ہوچکی ہے یہاں تک کہ ان ہندو فرقہ پرستوں اور جنونیوں کو ریلیف کیمپس میں بھی سکون نہیں۔ وہ یہاں اشیائے ضروریہ کی فراہمی میں رکاوٹ پیدا کررہے ہیں۔ ریلیف کیمپس کو برخواست کرنا انکا مقصد ہے ۔ گجرات کے موجودہ حالات نے یہ بات واضح کردی یہ ساری کارروائی منصوبہ بند طور پر کی گئی ہے جسکا نشانہ صرف اور صرف مسلمان ہیں۔ وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل، آر ایس ایس، بی جے پی اور پولیس نے یہاں جس طرح مسلمانوں کے خون کی ہولی کھیلی اس سے ہٹلر کے دور کی یادیں تازہ ہوگئیں۔ یہ ہندو فرقہ پرست طاقتیں کسی کی بات ماننے تیار نہیں ۔ انھیں حکومت کی بھرپور سرپرستی حاصل ہے اور انکا مقصد ہی مسلمانوں کو نشانہ بنانا ہے ۔ قومی اقلیتی کمیشن نے ریاست میں عام حالات کی بحالی کے لئے وشوا ہندو پریشد آر ایس ایس اور بجرنگ دل کے نمائندوں کو بات چیت کی دعوت دی۔ یہاں پر بھی ہٹ دھرمی کا مظاہرہ کرتے ہوئے مسلمانوں سے گائے کا گوشت نہ کھانے کا مطالبہ کیا گیا۔ جموں و کشمیر کے موضوع کو چھیڑنے کی کوشش کی گئی۔ اس طرح یہ کوشش بھی ناکام ہوگئی ۔ بین الاقوامی برادری نے گجرات کے حالات پر تشویش کا اظہار کیا تو اسے ہندوستان کا داخلی معاملہ قرار دیا گیا ۔ امریکہ، یوروپی یونین، برطانیہ، سوئزرلینڈ کے علاوہ دیگر کئی ممالک نے گجرات کے حالات کو تشویشناک قرار دیا ۔ یہاں احتجاجی مظاہرے بھی کئے گئے ۔ اس کے باوجود حکومت عملی اقدامات سے گریز کررہی ہے ۔
گجرات میں ہندو فرقہ پرستوں کو اس قدر آزادی دے دی گئی ہیکہ وہ کسی قانون کے پابند نہیں۔ فسادات کے ذمہ دار افراد کی حوصلہ افزائی کی جارہی ہے ۔فرقہ پرست تنظیمیں یہاں متنازعہ پمفلٹ تقسیم کررہی ہیں۔ ہندوؤں کو یہ باور کیا جارہا ہیکہ اگر وہ حقیقی محب وطن ہیں تو مسلمانوں

کا معاشی بائیکاٹ کریں۔ اس کے علاوہ یہ عزم کرلیں کہ وہ مسلمانوں کی دکان سے سامان کی خریداری نہیں کریں گے۔ اپنی دکان سے مسلمانوں کو کوئی چیز فروخت نہیں کریں گے۔ اپنے پاس مسلمان کو ملازم نہیں رکھیں گے۔ مسلم دفاتر میں وہ کام نہیں کریں گے۔ اس طرح کی اور بھی کئی مخالف مسلم باتیں اس پمفلٹ میں کی گئی ہیں۔ ہندو فرقہ پرستوں نے ملک کے سیکولرازم کی دھجیاں بکھیر دیں اور ذی فہم اور سیکولر شہری بلا لحاظ مذہبی وابستگی ان حالات پر تشویش کا شکار ہے۔ ہر کوئی فکرمند ہے اس کے لئے عملی کام کرنے کی ضرورت ہے۔ سب سے پہلے ہندو فرقہ پرست طاقتوں کو ان کے عزائم میں ناکام بنانا ہوگا۔ انھیں اقتدار سے بے دخل کرنا ہوگا۔ اور چیف منسٹر گجرات نریندر مودی کو برطرف کرکے وہاں متاثرین میں اعتماد بحال کرنا ہوگا۔ یہ ذمہ داری تمام سیکولر جماعتوں پر عائد ہوتی ہے۔ وہ متحد ہو کر ہندوستان کے ماتھے پر لگے اس کلنک کو دھوڈالیں۔ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے بھی ان واقعات کو ملک کے ماتھے پر کلنک قرار دیا تھا لیکن عملی طور پر ان کے اقدامات برعکس ہیں۔ ان کے قول و فعل میں تضاد ہے۔ وہ ایک مرتبہ ان واقعات کو کلنک کہتے ہیں تو دوسری مرتبہ گودھرا ٹرین سانحہ کا نتیجہ قرار دیتے ہیں۔ مسٹر واجپائی کو بحیثیت وزیراعظم ملک کی آن کا اولین ترجیح ہونی چاہئے وہ دنیا بھر میں گجرات کی وجہ ہندوستان کو ہونے والی رسوائی ختم کرنے کے لئے عملی اور سنجیدہ اقدامات کریں۔ اس ضمن میں پہلا قدم نریندر مودی کی برطرفی ہونا چاہئے۔

ڈاکٹر سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

گیٹ GATE

کیاٹ، میاٹ، گیٹ یہ تمام ایسے مسابقتی امتحان ہیں، جو قابل سے قابل طلباء کے معیاری انتخاب میں شہرت رکھتے ہیں تاکہ قومی نامور اداروں کا وقار و معیار اور اثر تعلیم برقرار رہے۔ کیاٹ اور میاٹ امتحانات مینجمنٹ شعبہ تعلیم کے خواہشمندوں کے انتخاب کی غرض سے منعقد کئے جاتے ہیں، جبکہ گیٹ انجینئرنگ کے طلباء سے متعلق ہے۔

گریجویٹ، اپٹی ٹیوڈ ٹسٹ ان انجینئرنگ ملک بھر میں موجود انجینئرنگ کالجوں، اداروں، انجینئرنگ / ٹکنالوجی / آرکیٹکچر / فارمیسی میں اسکالرشپ یا اسسٹنٹ شپ کے ساتھ پوسٹ گریجویٹ کورس میں داخلے کے لئے گیٹ میں اہلیت حاصل کرنا لازم ہوتا ہے۔ یہ قومی سطح کا ٹسٹ ہوتا ہے۔

ممبئی، نئی دہلی، کانپور، کھرگ پور، چینائی میں موجود انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی (IIT) بنگلور میں موجود انڈین انسٹی ٹیوٹ آف سائنس مل کر گیٹ کا اہتمام کرتی ہیں۔

مرکزی حکومت کے وزارت فروغ انسانی وسائل کے تحت نیشنل کو آرڈینیٹنگ بورڈ اس کے انتظام و نگرانی کرتا ہے۔ اس وزارت کے قوانین کے مطابق انجینئرنگ کالجس / ادارے متعلقہ پوسٹ گریجویٹ کورس اسکالر شپ / اسسٹنٹ شپ کے لئے امیدواروں کی پرسنالٹی کو 70 فیصد اہمیت دینا ضروری ہوتا ہے۔ باقی 30 فیصد امیدواروں کی قابلیت پر منحصر ہوتا ہے۔ بعض کالج ایسے ہیں جو پوری طرح گیٹ اسکور ہی پر انحصار کرتے ہیں۔ اسکالرشپ کی فراہمی میں گیٹ کی کوئی ذمہ داری نہیں ہوتی البتہ یہ انحصار کالج پر ہوتا ہے

اہلیت: (1) انجینئرنگ / ٹکنالوجی / آرکیٹکچر / فارمیسی بیچلرس ڈگری کامیاب گیٹ میں شرکت کے اہل ہیں۔ سال آخر امتحان میں شریک طلبا بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

(2) سائنس میں ماسٹرس ڈگری کامیاب، ایم اے میتھمیٹکس یا ان دونوں کورسس میں کسی ایک کے سال دوم میں پڑھ رہے طلبا بھی درخواست دے سکتے ہیں۔ اگر طلباء نے ماسٹرس ڈگری کمپیوٹر اپلیکیشن میں کی ہو تو میتھمیٹکس ایک سبجکٹ کی طرح سائنس میں بیچلرس ڈگری کامیاب ہوں۔

(3) پوسٹ بی ایس سی میں سکنڈ / ہائر ایر طلباء انجینئرنگ / ٹکنالوجی میں چار سال انٹیگریٹڈ میں ماسٹرس ڈگری کامیاب انجینئرنگ / ٹکنالوجی میں پانچ سالہ انٹیگریٹڈ ماسٹرس ڈگری چوتھے / ہائر ایر میں زیر تعلیم طلبا بھی درخواست دے سکتے ہیں

(4) اے ایم آئی ای جیسے پیشہ ورانہ یا اس طرح کی پروفیشنل ڈگری کورس میں سکشن اے مکمل کئے ہوئے طلبا بھی درخواست دے سکتے ہیں۔

طریقہ امتحان: انگریزی میڈیم میں ہونے والے اس امتحان میں فی پرچہ 150 مارکس کا ہوتا ہے۔ گیٹ مندرجہ ذیل سبجکٹس (امور) میں ہوتا ہے۔

اگریکلچر، انجینئرنگ، آرکیٹکچر، سیول انجینئرنگ، کمیکل انجینئرنگ، کمپوٹر سائنس اینڈ انجینئرنگ کیمسٹری، الیکٹرانکس اینڈ کمیونکیشن، انسٹرومنٹیشن انجینئرنگ، میتھمیٹکس، میکانیکل انجینئرنگ، ، مائننگ انجینئرنگ، مٹلرجیکل انجینئرنگ، فزکس، فارما سوٹیکل انجینئرنگ، ٹکسٹائلس انجینئرنگ اینڈ فائبر سائنس، انجینئرنگ سائنس، لائف، سائنس، فزیکل سائنس، ان تمام انجینئرنگ سائنس میں انجینئرنگ میتھمیٹکس (لازمی) کمپوٹیشنل سائنس، الیکٹریکل سائنس، فلوئیڈ سائنس، میٹریلس سائنس، سالڈ مشینس، تھرموڈائنامکس، وغیرہ شامل ہیں۔ لائف سائنس کے تحت۔ کیمسٹری (لازمی) بائیو کیمسٹری، باٹنی، مائیکرو بائیولوجی، زوالوجی شامل ہیں۔ فزیکل سائنس میں میتھمیٹکس (لازمی) کیمسٹری، کمپوٹیشنل سائنس، میٹرئلس سائنس، فزکس کے امور شامل ہیں۔

مذکورہ امور میں انجینئرنگ سائنس، لائف سائنس، فزیکل سائنس کو لازمی سبجکٹس کی طرح اور اس کے ساتھ دو دیگر امور بھی منتخب کرنا ہوتا ہے۔

ان تینوں میں کامیابی کے بعد منتخب امیدواروں کو متعلقہ اداروں کی جانب سے انٹرویو کے لئے طلب کیا جاتا ہے۔ داخلے کا طریقہ کار اور اہلیت وغیرہ کے اصول ادارے کے مطابق کچھ تبدیل ہوتے ہیں۔ امیدوار جس ادارے میں داخلہ حاصل کرنا چاہتے ہوں اس ادارے سے مزید معلومات حاصل کرسکتے ہیں۔

گیٹ امتحان کے لئے مذکورہ سبجکٹس میں انتخاب کے وقت چند امور کا لحاظ ضروری ہے۔ جن طلبا نے پلاننگ میں ڈگری کی آرکیٹکچر کا انتخاب کرسکتے ہیں۔ اور جنھوں نے ایم ای / ایم ٹیک انٹیگریٹڈ پروگرام دوسرے سال (یا ہائر ایر) میں زیر تعلیم ہوں وہ انجینئرنگ سائنس کا انتخاب کرسکتے ہیں۔

درخواست: GATE کا انفریشن بلیٹن متعلقہ بنکوں سے مقررہ روپئے ادا کرکے حاصل کریں۔ مکمل درخواستوں کے ساتھ پے ان سلپ منسلک کرنا ضروری ہے۔ آندھرا پردیش کے امیدوار کاکی ناڈا، وشاکھا پٹنم، اننت پور، بھیماورم، کڈپہ، گنٹور، نیلور، حیدرآباد، تروپتی موجنے واڑہ ورنگل، مچھلی پٹنم، سکندرآباد میں SBI کی شاخوں سے یہ بلیٹن حاصل کرسکتے ہیں۔ یا ذریعہ ڈاک بھی حاصل کرسکتے ہیں۔ مقررہ رقم کا ڈی ڈی ادارے کے نام پر نکال کر (جس ادارے میں تعلیم حاصل کرنا چاہتے ہوں) ساتھ میں دو خود کا پتہ لکھے لفافے روانہ کرکے حاصل کی جاسکتی ہیں۔ ان پتوں سے

1۔ چیرمین گیٹ، آئی آئی ایس سی بنگلور۔ 560012
2۔ IIT ممبئی، پوائی، ممبئی۔ 400076
3۔ IIT دہلی، حوض خاص، نئی دہلی۔ 110016
4۔ IIT کانپور۔ کانپور 208016
5۔ IIT کھرگ پور۔ 721302
6۔ IIT مدراس، چینائی۔ 600036

آندھرا پردیش میں کاکی ناڈا اور وشاکھاپٹنم مراکز میں امتحان میں شرکت کرنے کے خواہشمند امیدوار چیرمین گیٹ، انڈین انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی، کھرگ پور۔ 721302 کو درخواست روانہ کرنا چاہئے۔ باقی تمام مراکز (آندھرا پردیش کے) یہ امتحان لکھنے کی خواہش رکھنے والے امیدوار اپنی درخواست چیرمین گیٹ۔ IIT مدراس چینائی 600036 کے پتہ پر روانہ کرنا چاہئے۔

☆☆☆

مفتی ظفیر الدین قاسمی

کون اور کب چلا گیا

اب بجائے دوام کی تلاش ہمیشہ لوگ کرتے رہے ہیں لیکن کل من علیہا فان کی تلخ حقیقت ہمیشہ غالب رہی ہے ۔ یہی کل من علیہا فان کی پیش نظر مشہور فقیہ نامور عالم دین، مفکر اور سرگرم ملی قائد آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے صدر آل انڈیا ملی کونسل کے سکریٹری جنرل ، اسلامک فقہ اکیڈیمی کے بانی و سکریٹری جنرل ، مجمع الفقہ الاسلامی ، جدہ میں ہندوستان کے واحد رکن ۔ رابطہ عالم اسلامی کے تحت قائم مجمع الفقہ الاسلامی مکہ مکرمہ کے رکن ۔ بہار و اڑیسہ کے قاضی القضات المجمع العلمی العالی دمشق کے رکن ۔ آئی او ایس کی گورننگ کونسل اور علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ممبر کے علاوہ عالم اسلام اور ہندوستان کے بہت سارے علمی اور اصلاحی اداروں سے وابستہ حضرت مولانا قاضی مجاہد الاسلام قاسمی عالم فانی کو چھوڑ کر عالم جاودانی کو سدھار گئے (انا للہ و انا الیہ راجعون)

حضرت قاضی مجاہد الاسلام قدس سرہ کی وفات کی خبر نے صبر و شکیبائی کے عمل کو زمین بوس کردیا ۔ میں بڑا سخت دل اپنے آپ کو سمجھتا تھا مگر اس اطلاع سے صبر کے تمام بند ٹوٹ گئے اور بے اختیار آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ۔ ایسا معلوم ہوا کہ دل ڈوب گیا اور آفتاب استقامت غروب ہوگیا ۔ ملت اسلامیہ کے اس دور میں سب سے بڑے اور اہم سپہ سالار تھے ۔ بہار و اڑیسہ کے تو وہ سرپرست تھے ہی پورے ملک کی سرپرستی کا فریضہ انجام دیتے تھے ۔ حضرت کے وصال کا حادثہ فرد خاندان یا کسی ایک شہر کا نہیں بلکہ پوری ملت کا ہے ۔ ملی قیادت آج جب کہ سب سے زیادہ اس بیدار فکر صاحب بصیرت اور عزیمت سے بھرپور شخصیت کی محتاج تھی اس کا داغ فراق ہمیں سہنا پڑا ۔ امارت شرعیہ ، فقہ اکیڈیمی مسلم پرسنل لاء بورڈ مولانا ابوالمحاسن محمد سجاد رحمۃ اللہ کا چمن تحفظ قانون شریعت کی تحریک سبھی چمن اجڑ گئے

اور اب علماء کی صفوں میں ان جیسا موتی نایاب دکھائی دیتا ہے سچ ہے ۔ قیس کی موت فرد کی موت نہیں اس سے ملت کی بنیاد ڈہ گئی بلاشبہ قاضی صاحب رحمۃ اللہ کا حلیہ بڑا عالم باعمل علم و تفقہ میں بے نظیر دنیا کے حالات پر نگاہ رکھنے والا مضبوط قوت ارادی اور بے پناہ جرات عزیمت کے مالک وہ شخصیت ہمارے درمیان سے اٹھ گئی ۔ قاضی کی وفات سے نہ صرف امارات شرعیہ بہار و اڑیسہ جیسی فعال موثر و مبارک تحریک و تنظیم اور ریاست ہائے بہار و اڑیسہ کے دینی ملی قیادت میں ایک ایسا خلا پیدا ہوگیا ہے جس کا پر ہونا دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ اور نہ صرف آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ جیسا فعال اور فقہ اکیڈیمی اپنے بانی و محرک و روح رواں شخصیت سے محروم ہوا بلکہ ہندوستان کی دینی ، ملی اور فکری قیادت میں ایک خلا پیدا ہوا جس کا قحط الرجال کے اس دور میں پر ہونا بہت دشوار معلوم ہوتا ہے ۔ قاضی صاحب کی شخصیت اپنی ریاست اور ملک ہندوستان میں ہی نہیں اس عہد کے عالم اسلام کی ممتاز ترین شخصیتوں میں تھی ۔ اللہ تعالی نے علم و اخلاق ۔ اخلاص عزم و قوت ارادی ۔ اصابت رائے ۔ توازن و اجتماعیت کی ان کی ذات میں ایسی متعدد خصوصیتیں پیدا فرمادی تھیں جن کا ایک شخصیت میں بہت مشکل سے اجتماع ہوتا ہے ۔

اس کا نتیجہ تھا کہ اللہ تعالی نے ان سے ایسے متعدد دینی و ملی تاریخی کام لئے جن کی نظیر ملنی مشکل ہے ۔ قاضی مرحوم بڑی خوبیوں کے مالک تھے علماء کی جماعت میں ایک مضبوط و فعال عالم مفکر اور امارت شرعیہ و مسلم پرسنل لاء بورڈ کے روح رواں تھے ۔ مسلمانوں کی دینی و اصلاحی معاشرتی سدھار میں نمایاں خدمات انجام دیں امت مسلمہ پر جب کوئی ناگہانی مصیبت آئی تو ان کی امداد میں پیش پیش رہے بلاشبہ حضرت مرحوم کی وفات موت العالم موت العالم کا مصداق ہے ۔

حضرت اقدس محترم جناب قاضی مجاہد الاسلام صاحب رحمۃ اللہ علیہ جنرل سکریٹری آل انڈیا مسلم پرسنل لاء بورڈ کے حادثہ وفات کی خبر سن کر دل و دماغ پر حزن و ملال اور رنج الم کی جو کیفیت طاری ہوتی وہ ناقابل بیان ہے ۔ مسلمان ایک عظیم رہنما کی خدمات سے محروم ہوگئے ۔ جس نے ان کی فلاح و بہبودی اور مفاد عامہ کیلئے اپنا سب کچھ قربان کردیا انہوں نے ایثار و اخلاص نیک نفسی اور نیک دلی ، صبر و استقامت فہم و فراست ، زہد و اتقاء ، تواضع و انکساری ، امانت داری و راست بازی کے ایسے نمونے چھوڑے ہیں جو صدیوں تک لوگوں کی رہنمائی کرتے رہیں گے ۔ ان کی وفات سے علماء و صلحاء کے طبقہ کا ایک گل سربستہ اٹھ گیا ۔ تاریکی میں روشنی اور گمراہی میں رشد و ہدایت کی کرن باقی نہ رہی ۔ ان کی علمی و تاریخی اور اصلاحی خدمات کئی نسلوں کے لئے سامان ہدایت ہیں ۔ حضرت قاضی صاحب کا حادثہ بڑا جانکاہ ہے مگر یہ آج نہیں کل ہونا ہی تھا اور سخت گھڑی ملت پر آنی تھی ۔ افسوس یہ ہے کہ دفعتہ آگئی اسلئے مرحوم کے سانحہ ارتحال کی خبر سے دیر تک دل و دماغ مفلوج رہا ۔ امارات شرعیہ ، مسلم پرسنل لاء بورڈ ، فقہ اکیڈیمی اور ہزاروں ادارہ جو آپ کی نگرانی میں حسن و خوبی کے ساتھ منزل طے کررہے تھے ان تمام کا اب کیا بنے گا ؟ اس کے علاوہ ملت کے ہزاروں کام جو صرف مولانا کی

علمی و فکری رہنمائی کی رہین منت تھے اب ان کا کیا حال ہوگا۔ مولانا ساجری اور ذہین عالم اب ملت کو کہاں نصیب ہوگا؟ حضرت کی وفات سے تمام حضرات پر بڑی ذمہ داری آپڑی ہے۔ اب آنے والے مسائل کو تمام حضرات مل جل کر حل فرمائیں گے اور امارت شرعیہ کی حیات کیلئے مسیحا بن کر کام کریں گے یہ دور فتنہ و فساد کا دور ہے۔ بڑی دور اندیشی معاملہ فہمی اور مضبوطی سے کام کرنے کا زمانہ ہے۔ حضرت ایسے وقت میں دنیا سے آخرت کی طرف سدھار گئے جب کہ گجرات میں مسلمانوں پر قیامت برپا کی جارہی ہے۔ بجا طور پر توقع ہے کہ آپ حضرات اس رول کو بڑی خوش اسلوبی سے نباہ لے جائیں گے اور کوئی آنچ نہیں آنے دیں گے۔ امارت شرعیہ بہار مسلمانوں کیلئے ایک قلعہ ہے جہاں سے برابر دین و ملت کی خدمات انجام پارہی ہیں اور انشاء اللہ آئندہ بھی انجام پاتی رہیں گی۔ آپ حضرات کی زندگی کا بڑا حصہ اسی ادارہ کی حفاظت و ترقی پر صرف ہوا ہے اور بلاشبہ یہ ادارہ آپ حضرات کو بہت زیادہ عزیز ہے۔ میں محسوس کرتا ہوں کہ یہ سانحہ بطور خاص آپ تمام حضرات کیلئے بڑا دل گداز ہے اور اس سے بڑا سانحہ انشاء اللہ آپ کو پیش نہ آئے گا۔ میں صمیم قلب سے دعاگو ہوں کہ پروردگار عالم ان کی ہر منزل پر مغفرت فرمائے۔ اللہ تعالی مرحوم کو جنت الفردوس میں اعلی سے اعلی مقام عطا فرمائے۔ مرحوم کو اللہ تعالی رفع درجات فرمائے۔ اور ان کے بعد ان کے شروع کئے ہوئے کاموں اور ترقی دیتے ہوئے اداروں کو باقی اور پھولتا پھلتا رکھے۔ خدائے عزوجل ان کے بال بال مغفرت فرمائے۔ باری تعالی اس مرد آہن مجاہد ملت اور قوم کے غم خوار کا نعم البدل عنایت فرمائے۔ نیز تمام پسماندگان اور متوسلین کو صبر جمیل سے نوازے اور امارت شرعیہ بہار و اڑیسہ نیز جن جن اداروں کی خدمات ان کے سپرد تھیں ان کو نعم البدل عطا فرمائے۔

درحقیقت کل نفس ذائقۃ الموت کا پیالہ ہر فرد بشر کو پینا پڑے گا۔ یہ قانون خداوندی ہے جو بھی اس دنیا میں آیا ہے اس کی موت کا تلخ اور موت کا گھونٹ اپنے سینے میں چھپانا پڑے گا۔ دنیا جو دنیا ہونے کے باوجود حکم الہی اور اسرار ربانی کی ایک عظیم الشان اور باعظمت جلوہ گاہ ہے۔ اس کے دامن پر زندگی کے نقوش اس لئے ظہور میں آئے ہیں کہ خود کو مٹا کر کسی قادر مطلق ہستی کا پتہ دیں اور اگر سچ پوچھئے تو ساز ہستی کی ہر صدا اسی وجود کل کا ایک نسخہ عبرت ہے۔ آنکھیں اگر دیکھنے والی ہوں تو دیکھ سکتی ہیں کہ کائنات کے ہر ذرہ کی پیشانی پر کل من علیہا فان کا نوشتہ ازل موجود ہے۔ جو نہ کبھی مٹے گا جو دنیا میں آیا سب نے یہی شہادت دی ہے کہ کل نفس ذائقۃ الموت یہ ایک آنے والی خبر ہے اسلئے کوئی روک نہیں قضائے جرم جس میں تخلف کی گنجائش نہیں۔ سنت الہی ہے جس میں تبدیلی کا ذرہ برابر امکان نہیں۔ ولن تجد لسنۃ اللہ تبدیلا۔ موت و حیات کا یہ رشتہ ایسا رشتہ ہے کہ ادنی اور اعلی کوئی بھی اس سے مستثنی نہیں۔ ہر جاندار کو اس منزل سے گذرنا ہے۔ قاضی صاحب نور اللہ مرقدہ بھی اس دنیا کے رہنے والے انسان تھے لہذا آپ کیلئے بھی وقت آیا کہ تمام فرائض دنیوی و دینی کے بعد اس آخری فریضہ فطرت کو بھی پورا کریں۔ جیسے اب تک سب پورا کرتے آئے ہیں۔ اور تاقیامت کرتے رہیں گے۔ چنانچہ 4 اپریل 2002ء مطابق 20 محرم الحرام 1423ھ بروز جمعرات شام 6 بجکر 45 منٹ پر آسمان فرشتہ رفیق اعلی کا بلاوا۔ روح و ایمان اور جنت نعیم کی خوش خبری لے کر آیا جس کیلئے حضرت کی روح ہر وقت بے چین رہا کرتی تھی۔ روح قفس عنصری سے پرواز کرکے اسی عالم روحانیت میں جا پہنچی جہاں ان کا حقیقی نشیمن تھا۔ روح پر فتوح نے پیام الہی کا استقبال اس ذوق و شوق اور لقائے محبوب کے تمنا کی سوزش انگیزیوں سے بے خود ہو کر اس طرح گیا کہ اس تشنہ بے خودی سے بڑھ کر محبوب کی بارگاہ میں شاید کوئی اور چیز گراں قدر نہیں۔

قاضی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جس تاریخی لمحہ میں اپنے عملی سفر کا آغاز کیا تھا وہ لمحہ ان کی آمد کا منتظر تھا۔ اور انہوں نے ان لمحوں میں اپنا کردار نبھایا وہ صرف انہی کا حصہ تھا۔ آج قاضی صاحب ہمارے درمیان نہیں رہے لیکن ان کی علمی اور عملی روایت کی قدریں آنے والوں کیلئے راہ کی دشواریوں میں نشان منزل کی حیثیت سے رہنمائی کریں گی۔

قاضی صاحب اپنے دور کا ایک بے مثال و لاجواب فقیہ اپنی روایت کی خود ابتدا تھا اور خود انتہا۔ مجتہدیہ مسائل میں فکری اعتدال کے اس دور انتشار میں جو روایت قائم کی ہے وہ ہمیشہ یاد رکھی جائے گی۔

مرحوم کے کارناموں میں سے ایک اسلامی فقہ اکیڈمی کے قیام کو بڑی اہمیت حاصل ہے۔ اس میں اس وقت ملک بھر کے ذہین اور باصلاحیت اصحاب علم شریک ہیں اور نہایت اہم موضوعات پر تحقیقی اور تصنیفی خدمات انجام دی جارہی ہیں۔ اسلامی عدالت جیسی منفرد کتاب کی تصنیف کے علاوہ آپ نے قضاء کے موضوع پر نہایت ہی اہم کتاب صنوان القضاء کی تعلیق و تحقیق کا نہایت اہم کام مکمل کیا جو چار جلدوں میں کویت کی وزارت اوقاف سے طبع ہو کر منظر عام پر آچکی ہے۔ دوسرا اہم کام وزارت اوقاف کویت سے طبع ہونے والی "الموسوعۃ الفقہ" کے ترجمے کا ہے۔ جسے ان کی نگرانی میں انجام دیا جارہا تھا اور جس کی تقریبا دس ضخیم جلدیں اب تک بالکل تیار ہو چکی ہیں۔ یہ عظیم فقہی ذخیرہ اگر حضرت کی زندگی میں اردو میں مکمل طور پر تیار ہو جاتا تو چار چاند لگ جاتے۔ توقع کی جاتی ہے کہ ان کے علمی جانشین اس کام کو پایہ تکمیل تک پہنچائیں گے اور عربی کی دو اہم کتابیں "الوقف" اور "النظام القضا یا الاسلامی" شائع ہو کر اہل فکر و نظر میں کافی مقبول ہو چکی ہیں۔ حضرت کی تصنیفی اور فقہی خدمات میں حضرت کے زیر ادارت شائع ہونے والے فقہی مجلہ "بحث و نظر" کو ایک منفرد مقام حاصل تھا اس میں فقہ کی اصولی بحثیں، فقہی مسائل پر تحقیقی مقالات اہم فتاوی و مقدمات کے فیصلے اور ملکی و ملی مسائل پر ان کے تجزیاتی شذرات شائع کئے جاتے تھے۔ جس کو اب دستاویزی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔

قاضی صاحب کی فکر کا امتیاز دراصل مجتہدیہ مسائل میں ان کا فکری اعتدال ہے۔ اختلاف رائے کے باوجود امت کی اجتماعیت کی خاطر مسلمانوں کے مشترکہ مسائل کیلئے زیادہ سے زیادہ قوت کی فراہمی کا جو سلسلہ انہوں نے شروع کیا تھا۔ وہ وقت کی نہایت اہم ضرورت تھی اور یہی وجہ ہے کہ ان کی کوششوں کو نہ صرف قبول عام حاصل ہوا بلکہ ان کے اس کارنامے کو دنیا کے دوسرے ممالک میں بطور سند پیش کیا گیا۔

●●●●

گجرات میں مسلمانوں کا قتل عام ایک چیلنج

محمد عنایت اللہ خان

ساری دنیا کی نظریں گجرات پر لگی ہوئی ہیں، جہاں مسلمانوں کے قتل عام اور ملک کی بربادیٔ کی ایک ایک پل کی خبریں پہنچ رہی ہیں۔ اگرچیکہ ساری دنیا سے اس ظالمانہ فعل کی مذمت کی جارہی ہے، لیکن نہ گجرات کے وزیراعلیٰ پر اسکا کوئی اثر ہوتا ہے اور نہ واجپائی سرکار اسکو کوئی اہمیت دیتی ہے۔ بہرحال وہ خوش ہیں کہ "امریکی اور اسرائیل انداز" کے منصوبے کامیاب ہورہے ہیں۔ لیکن ایسی بربریت اور قتل کی سنگین اور سنگدلانہ وارداتیں اسرائیلوں نے کبھی سوچا بھی نہ ہوگا۔ اس نو سالہ دور میں زندگی نے بہت سے نشیب و فراز دکھائے ہیں۔ لیکن کرسی اور عہدہ بچاؤ کی خاطر ایسے گھناؤنے منصوبے اور ہندو مسلم بھائی بھائی کا نعرہ لگانے والوں نے بھائی چارگی کا خوب حق ادا کررہے ہیں۔

اڈوانی صاحب جمہوریہ ہند کے وزیر داخلہ فرماتے ہیں کہ "یہاں انتقام کی کوئی گنجائش نہیں ہے" جناب والا سے عرض ہے کہ آپ کے منصوبوں کے مطابق گجرات میں جو قتل عام اور بربریت کا دور جاری ہے یہ بھی تو گودھرا کے نام سے ایک انتقام ہی تو ہے۔ مسلمانوں کے ساتھ ایسا کئی بار ہوا ہے لیکن گجرات کے قتل عام میں بہادری کے ایسے کرتب دکھائے ہیں کہ بہادری کے حقیقی سورماؤں کے بھی آنسو نکل پڑے ہیں۔ یہ قتل عام اور بربریت ابھی جاری ہے۔

ہمارے وزیر دفاع صاحب جارج فرنانڈیز ایک منتخب عوامی جلسہ کو خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ ہمیں ان واقعات کو بھول جانا چاہئے۔ امریکہ اور ویتنام کی لڑائی کی مثال دیکر فرماتے ہیں کہ لاکھوں ویتنامی مارے گئے اور جب لڑائی ختم ہوئی تو انھوں نے اپنے بگڑے ہوئے حالات کو سدھارا اور پھر امریکہ سے دوستی کرلی۔ لہٰذا تم بھی حکومت سے کسی قسم کی امداد کی توقع کئے بغیر اپنے حالات کو خود سدھارلیں اور حکومت سے مل لیں۔ واہ تباہ حال لوگوں کو سمجھانے کا بھی کیا انداز ہے۔ مثل مشہور ہے "

جس کی لاٹھی اسکی بھینس" یعنی بات وہی ہوگی جو لاٹھی والا چاہے گا۔ یعنی مقتدر اعلیٰ چاہے وہ چیف منسٹر ہو یا وزیراعظم یا این ڈی اے، ان حالات میں اگر یہ مطالبہ کیا جائے کہ مسٹر مودی کو ہٹایا جائے تو سوچنے کا مقام ہے کہ جس شخص کو ایک خاص منصوبہ کے تحت چیف منسٹر بنا کر بھیجا گیا ہے، اسے وہاں سے منصوبہ کی تکمیل کے بغیر کیسے ہٹایا جاسکتا ہے۔ پھر کہا جاتا ہے کہ وزیراعظم کو مستعفی ہونا چاہئے، یہ بھی کوئی بات نہ ہوئی اسلئے کہ واجپائی حکومت کو این ڈی اے کی تائید حاصل ہے، پھر یہ مطالبہ کیا جاتا رہا ہے کہ این ڈی اے کو ایسی غیر منظم اور جابر حکومت کی تائید سے دستبردار ہوجانا چاہئے۔ لیکن بے چاروں کو پھر ایسے موقع کی امید کم ہے۔ اس لئے وہ ایسے کرتے ہوئے گھبرا جاتے ہیں۔ اب ایک فوجداری ضابطہ کے تحت اس حکمران کرسی کا جائزہ لیا جاتا ہے۔ چیف منسٹر مودی کو گجرات کے قتل و غارتگری کے تحت مجرم قرار دیا جاسکتا ہے۔ اب چونکہ یہ مجرم وزیراعظم کی پناہ میں محفوظ ہے، مجرم کو پناہ دینے والا بھی مجرم ہوا۔ اس لحاظ سے وزیراعظم سے استعفیٰ کا مطالبہ ایسی مجرمانہ حکومت کی بنا پر کیا جارہا ہے۔ اب اس دوسرے مجرم کو (این ڈی اے) کی مجرمانہ تائید حاصل ہورہی ہے۔ ان حالات میں جبکہ پولیس ناکام ہوچکی ہے، عدالتیں بے بس ہیں، صدر مجبور ہے، کس سے درد فریاد کریں۔

ہم جانتے ہیں کہ آج کا ماحول حریصانہ اور خودغرض اور سیاسی ہوگیا ہے۔ بہرحال ہم کو صبر و تحمل سے کام لیتے ہوئے اللہ کی ذات سے ناامید نہیں ہونا چاہئے۔ غلطیاں ہورہی ہیں۔ اب بھی موقع ہے خلوص و محبت کے جذبات کو ابھارنے کا اور آپسی بھائی چارگی کو فروغ دینے کا۔ عفو و درگذر کی اور دریا دلی کی بھی ضرورت ہے۔ آج جو لوگ ہماری مخالفت پر کمربستہ ہیں، از خود برے نہیں ہیں، ان میں بھی دوسروں کے ساتھ پیار محبت کا جذبہ ہے۔ مفاد پرست سیاستدانوں کے بہکاوے میں آگئے ہیں۔ انھیں راہ راست پر لانے کی ضرورت ہے۔ وہ نہیں جانتے کہ ملک کو طاقتور بنانے میں قوموں کی یکجہتی کی بڑی اہمیت ہوتی ہے۔ ہندوستان میں مسلمانوں کی (25، 30) کروڑ کی آبادی دوسری بڑی اکثریت کا درجہ رکھتی ہے۔ ہندوستان میں حالت امن ہو یا حالت جنگ کا زمانہ ہو مسلمانوں نے بے داغ، وفادارانہ اور جانبدارانہ کردار ادا کیا ہے۔ اور وہ اپنے اس مزاج کو کبھی بدل نہیں سکتا۔ کاش ہمارے حکمران کرسی اور دولت کی پرستش کی بجائے قومی یکجہتی کے عشق میں مبتلا ہوجاتے۔ اب بھی وقت ہے کہ ہمارا ملک گہوارہ امن بن سکتا ہے۔ صرف ایک شرط پر وہ یہ کہ ہم "خود غرضی، ہٹ دھرمی" سے دور رہ کر، کرسی اور عہدہ کا احترام کریں۔ "دستور ہند" پر عمل پیرا رہیں۔ دل میں خدا کا خوف رہے۔ اور جنکے ووٹوں سے کرسی اور عہدہ ملا ہے انکا بھی خیال رہے۔

پاکستان کے خلاف امریکی سازشیں!

علی جاوید نقوی

پاکستان میں امریکی مداخلت اب کوئی خفیہ بات نہیں رہی۔ امریکی فوجیں پاکستان میں موجود ہیں۔ امریکہ اپنے مفادات کے تحفظ کے لئے پاکستان پر مسلسل دباؤ ڈال رہا ہے۔ ایٹمی پروگرام، ایٹمی ہتھیاروں پر کنٹرول، جہادی تنظیموں، دینی جماعتوں پر پابندی سے لیکر طالبان اور القاعدہ کے ارکان کی گرفتاری تک پاکستان امریکہ سے مکمل تعاون کررہا ہے۔ اس تعاون کے عوض ہمارے ایک ارب ڈالر کے قرضے مشروط طور پر معاف ہوچکے ہیں جبکہ نئے قرضے اور امداد ملنا شروع ہوگئی ہے۔ امریکہ کو پہلے پاکستان کے ایٹمی پروگرام سے خطرہ تھا اور اب یہ خطرہ ہے کہ پاکستان کے ایٹمی ہتھیار اور ایٹمی فارمولے "انتہا پسندوں" کے ہاتھ نہ لگ جائیں۔ بین الاقوامی جرائد کا ان دنوں موضوع ہی یہ ہے کہ اگر ایٹمی ہتھیار طالبان اور القاعدہ کے حامیوں کے ہاتھ لگ گئے تو کیا ہوگا۔ بعض جرائد نے تو اپنی رپورٹوں میں یہ تک لکھ دیا ہے کہ طالبان اور القاعدہ کے ارکان ملکے ایٹمی ہتھیار اور ایٹمی مواد حاصل کرچکے ہیں، جنہیں کسی وقت بھی امریکہ پر پھینکا جاسکتا ہے۔ سی آئی اے کی رپورٹوں کے مطابق امریکہ کے مخالفین امریکہ پر ۱۱ ستمبر سے بڑا حملہ کرنے کی تیاریاں کررہے ہیں اور یہ حملہ صرف ایٹمی حملہ ہوسکتا ہے۔ اس حملے سے بچنے کے لئے امریکیوں نے زیر زمین محفوظ بنکر بنالئے ہیں ایک کابینہ بھی تشکیل دے لی ہے جو ایٹمی حملوں کی صورت میں حملہ آوروں کا مقابلہ کرے گی اور امریکہ کے نظم و نسق کو چلانے کی ذمہ دار ہوگی۔ دہشت گردوں کے خوف سے دنیا بھر میں موجود امریکی سفارتخانوں اور سفارتکاروں کو بھی انتہائی چوکس کردیا گیا۔ عام آدمی کے لئے امریکی سفارتخانہ کے قریب سے گزرنا بھی ممکن نہیں۔

سفارتکار ایک طرف تو سفارتی امور انجام دیتے ہیں اور دوسری طرف متعلقہ ملک کے داخلی معاملات پر بھی گہری نظر رکھتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ پاکستان میں رونما ہونے والے ہر بڑے سیاسی غیر سیاسی واقعہ اور سانحہ میں امریکہ کا بالواسطہ یا بلاواسطہ ہاتھ رہا ہے۔ اس کا کچھ کچھ اندازہ امریکی سفارتکاروں کے خفیہ خطوط سے ہوتا ہے جو وہ اسلام آباد اور کراچی میں تعیناتی کے دوران اپنی حکومتوں کو لکھتے رہے۔ امریکی پالیسی کے مطابق ان خفیہ خطوط میں سے ایسے خطوط جن سے امریکی مفادات کو نقصان پہنچنے کا خدشہ نہ ہو 30 سال بعد منظر عام پر آجاتے ہیں۔ اسکا مقصد دیگر ممالک کو امریکی پالیسیوں اور مفادات سے آگاہ کرنا بھی ہوتا ہے۔

امریکی سفارتکار پاکستان کے ایٹمی پروگرام اور مشرقی پاکستان کی صورتحال میں براہ راست ملوث رہے ہیں۔ امریکی عہدیداروں نے متعدد فورموں پر یہ بات تسلیم کی ہے کہ وہ مشرقی پاکستان کو ایک علیحدہ ریاست بنانا چاہتے تھے۔ ان کے بھی وہی ارادے تھے جو بھارت کے تھے۔ لیکن بھارت نے جلد بازی کا مظاہرہ کیا۔ بعض امریکی عہدیدار امریکہ کی سابقہ پالیسیوں پر اظہار ندامت بھی کرچکے ہیں، مگر انہیں محض مگرمچھ کے آنسو ہی کہا جاسکتا ہے۔ یہاں ہم پاکستان میں متعین امریکی سفارتکاروں کے بعض خفیہ خطوط سے اقتباسات پیش کررہے ہیں جو 1965ء سے 1973ء کے درمیان امریکی وزارت خارجہ کو لکھے گئے۔ ان خطوط سے پاکستان میں امریکی مفادات اور کردار کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔

جنوبی ایشیا میں بگڑتی ہوئی صورتحال کے بارے میں امریکی سفارتکار لکھتے ہیں "برصغیر میں واقعات کا تسلسل امریکہ کے لئے روز بروز پیچیدہ ہوتا جارہا ہے۔ ہم تک نہیں جانتے کہ چین اس تنازعہ میں کس حد تک ملوث ہوگا۔ وہ مزید لکھتے ہیں ہر حوالے سے پاک بھارت جنگ امریکی مفادات کو شدید نقصان پہنچارہی ہے۔ یوتھانٹ مشن کی پیشکش سے دونوں ممالک کے تعلقات کے درمیان حائل خلیج دور کرنے میں مدد ملے گی۔ اس مشن کی کامیابی سے ہمیں ناسامد حالات سے چھٹکارہ ملنے کی توقع ہے۔ لیکن قدرے محفوظ انداز میں اور دونوں ملک مسئلہ کشمیر پر اپنے موقف کے لئے ابھی تک امریکہ کی حمایت کے متمنی ہیں۔ بصورت دیگر صورتحال خراب ہے۔ جنگ دونوں ملکوں یا کسی ایک میں اندر تک پھیل سکتی ہے اور مسئلہ بھارت میں رہنے والے پانچ کروڑ مسلمانوں اور پاکستان میں آباد ایک کروڑ ہندوؤں کا ہے۔ تصادم کی صورت میں ناقابل یقین خونریزی ہوسکتی ہے ... ہم دونوں ملکوں کو جنگ بندی پر آمادہ کرسکتے ہیں۔ اگر ہم ان کے اہم تنازعات بشمول کشمیر کو حل کرنے کے لئے مذاکرات کی طرف لانے کی بھرپور کوشش کریں۔ ہماری اس مداخلت سے پاکستان اور بھارت کو مغربی دنیا سے تعلقات بنانے میں مدد ملے گی اور چین کی خطے میں بڑھتی ہوئی مداخلت کو بھی کم کیا جاسکے۔

پاک بھارت کشیدگی نے دونوں ممالک کے درمیان خوشگوار تعلقات برقرار رکھنے کو غیر معمولی طور پر مشکل بنادیا ہے۔ آج اگر ہمیں ان دونوں ممالک میں سے کسی ایک کا انتخاب کرنے پر مجبور ہونا پڑے تو بھارت کی آبادی بہت زیادہ ہے اس کی صنعتی بنیادیں ہیں، جیسی تیسی جمہوریت ہے اور دیگر شعبہ جات میں پوٹنشیل بھی اہم ہوسکتا ہے تاہم بھارت یا پاکستان کی پالیسی اہداف کی حمایت نہیں کرسکتے۔ (9 ستمبر 1965ء کو امریکی سفارتکار کی طرف سے سیکریٹری آف اسٹیٹ واشنگٹن کو لکھا جانے والا خط)

1965ء کی جنگ میں چین کے کردار کے حوالے سے خفیہ خط (اے 78 مورخہ 23 ستمبر 1965ء) میں امریکی سفارتکار لکھتے ہیں۔ "پاکستانی جانتے ہیں کہ کھیل اس وقت ختم ہوا جب چین کی بھارت کو فوری حملے کی دھمکی محض نری دھونس ثابت ہوئی۔ بیشتر پاکستانیوں کو اس امر کا احساس ہے کہ جنگ ختم کرنے میں ہی

وووووو پاکستان کی بہتری ہے تاہم ابھی تک یہ واضح نہیں ہوسکا کہ آیا چین نے پاکستانیوں سے کوئی معاہدہ کیا تھا یا نہیں۔ تاہم کسی معاہدے کے وجود اور عدم وجود کا کچھ کچھ اندازہ چینی عمل یا عمل کے فقدان سے لگایا جاسکتا ہے۔ اگر چین یہ سمجھتا ہے کہ وہ فوجی قوت کے بل بوتے پر کامیابی کے ساتھ برصغیر پر حملہ کرسکتا ہے جبکہ پاکستان اور بھارت کی فوجیں آمنے سامنے کھڑی ہوں تو پاکستان کے ساتھ معاہدے سے قطع نظر ایسا کرسکتا تھا ... امریکہ اور سوویت یونین کی مشترکہ فوجی مخالفت کے باعث چین بھارت پر حملہ کرنے سے ڈرتا ہے۔ چین پاکستان اور بھارت کے درمیان ثالث نہیں ہوگا۔ گو چین امریکہ اور روس کے مقابلے میں خطے کے قریب واقع ہے، لیکن امریکہ اور سوویت یونین دونوں برصغیر میں چین کی مداخلت کے مخالف ہیں"۔

13 جنوری 1966ء کو لکھے جانے والے ایک خط میں امریکی سفارتکار لکھتے ہیں کہ " 12 جنوری کی شام وزیر خارجہ بھٹو سے ملاقات میں، میں نے معاہدہ تاشقند کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ یہ قابل تحسین کامیابی ہے تاشقند کانفرنس کے بعد آئندہ چند روز تک قائم تلخی میں کمی واقع ہوجائے گی۔ بھٹو نے کہا کہ اگر امریکہ پاک ۔ بھارت کشیدگی کی آگ میں براہ راست اپنی انگلیاں جلانا نہیں چاہتا تو اسے اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں نئے سرے سے کوششیں کرنا چاہئے گو یہ بات ڈپلومیسی کے لئے نقصان دہ ہے۔ بھٹو نے مشورہ دیا امریکہ، پاکستان اور بھارت کو معاہدہ تاشقند میں طے کردہ اصولوں کی روشنی میں تنازعات حل کرانے پر کام کرے۔ 5 مئی کو لکھے جانے والے ایک خط میں امریکی سفارتکار اس بات کو تسلیم کرتے ہیں کہ بھارت مشرقی پاکستان کے علیحدگی پسندوں کو سپورٹ کررہا ہے "گذشتہ دس روز سے ہمیں اطلاعات مل رہی ہیں اور صحافی بھی آگاہ کررہے ہیں کہ بھارت، بنگالی علیحدگی پسندوں کی مدد کررہا ہے اور پوری طرح اس میں ملوث ہے۔ بھارت اپنے طور پر پاکستان سے جنگ کی تیاری کررہا ہے بھارت نے بارڈر سیکورٹی فورس کے یونٹوں اور باقاعدہ فوج کو سرحدوں پر بھیجنا شروع کردیا ہے۔ اور وہ سرحد سے تین کیلو میٹر کے فاصلے پر موجود ہیں۔ بھارتی سیکورٹی فورس کے دو ہزار کیمپ قائم کئے ہیں جو بنگالیوں کو گوریلا اور سبوتاژ ٹریننگ دے رہے ہیں۔ محدود پیمانے پر اسلحہ اور ایمونیشن بنگالی علیحدگی پسندوں کو فراہم کیا جارہا ہے۔ ان کو باقاعدہ تربیت فراہم کی جارہی ہے ان سرگرمیوں سے ظاہر ہورہا ہے کہ بنگالی علیحدگی پسندوں کو بھارت کی مکمل حمایت حاصل ہے وہاں کا حوصلہ بڑھارہا ہے۔

کہوٹہ کی جاسوسی کے حوالے سے سکریٹری اسٹیٹ واشنگٹن کے نام ایک خط میں جس کا موضوع "فرانسیسی آفیسر کے ساتھ ایٹمی معاملات پر بحث تھا" میں سفارتکار ہمل لکھتے ہیں "جین فور لوٹ فرانس کے سفارتخانہ میں فرسٹ افسر ہے اور ہم ایٹمی معاملات پر اس سے باقاعدہ اطلاعات لیتے رہتے ہیں۔ 19 دسمبر کو ہمارے پولیٹیکل قونصل کے ساتھ باتیں کرتے ہوئے اس نے بتایا کہ کہوٹہ کے قریب عجیب قسم کی عمارتیں بہت تیز رفتاری سے تعمیر کی جارہی ہیں۔ کہوٹہ اسلام آباد کے جنوب، جنوب مشرق میں ایک گاؤں ہے جہاں تقسیم ہند کے وقت بہت سے ہندو مارے گئے تھے۔ فورلوٹ کا کہنا ہے کہ اس نے اس جگہ کا بخوبی مطالعہ کیا ہے اور یہ ایٹمی تنصیبات والی عمارت لگتی ہے۔ پچھلے چھ ماہ کے دوران تیزی سے دس عمارتیں تعمیر ہوچکی ہیں، جس میں ایک مستطیل شکل کی بہت بڑی عمارت ہے، پاکستان میں عموماً اتنی تیزی سے کام نہیں ہوتا جس تیزی سے اس عمارت پر ہورہا ہے۔ فورلوٹ کا کہنا ہے کہ اس نے کافی معلومات حاصل کی ہیں اور یہ پتہ چلا ہے کہ کراچی کی ایک فرم کو 50 لاکھ ڈالر کا ائرکنڈیشنگ کا ٹھیکہ ملا ہے۔ فورلوٹ نے ہمارے پولیٹیکل قونصلر کو بہت سی تصاویر بھی دکھائی ہیں جو اس نے اور اس کے آسٹریلوی سفارتکار دوست نے اتاری تھیں (یہی ویسی ہی تصاویر ہیں جو آسٹریلیا کے سفارتکار نے ہمیں دی تھیں اور ہم بیگ میں بھجوا چکے ہیں) یہ ایٹمی تنصیبات کی تصاویر ہیں۔ فرانسیسی سفیر نے فورلوٹ سے بھی کہا کہ وہ یہ تصاویر پہلے ہمیں دکھائے پھر ملٹری اتاشی کے ذریعے فرانس بھجوادے۔ ہماری پولیٹیکل قونصلر نے کہا کہ اس نے بھی سنا ہے کہ کہوٹہ میں کچھ کام ہورہا ہے۔ لیکن اس سے زیادہ اسے بھی معلوم نہیں، بہرحال اس نے اس کا شکریہ ادا کیا ... فورلوٹ کا ذاتی خیال ہے کہ پاکستان از خود ری پروسیسنگ پلانٹ بنانے کی کوشش کرے گا، جس میں شاید بہت وقت اور پیسہ لگے۔

رشید ملک

ہم نے اس عشق میں کیا کھویا ہے کیا پایا ہے

11 ستمبر کو نیویارک میں پینٹاگون میں دہشت گردی کے ہولناک واقعات کے بعد جس پر ہر پاکستانی اور کشمیری نے گہرا دکھ محسوس کیا تھا ہم نے اس دہشت گردی کے خلاف عالمی کولیشن بالخصوص امریکہ سے اپنے عشق و وفا کی گرہیں از سر نو باندھی تھیں۔ جس طرح کا چیلنج ہمیں امریکہ کی طرف سے دیا گیا تھا۔ ہم نے اپنے اعلیٰ قومی مفاد کے تحفظ کے لئے اس چیلنج کے سامنے سرنڈر کردیا تھا اور اپنی مغربی سرحد پر اپنے پہلو میں موجود طالبان کی اپنی دوست حکومت کو ختم کرنے کے لئے اپنا فراخدلانہ تعاون پیش کیا۔ اس تعاون پر عالمی قوتوں خاص کر امریکہ، برطانیہ اور یورپی یونین کی طرف سے صدر جنرل پرویز مشرف پر تعریفوں کے پھول نچھاور کئے گئے۔ انہیں ایک جرات مند اور مدبر لیڈر قرار دیا گیا وفود پر وفود آکر ان پر تحسین کے ڈونگرے برساتے رہے۔ کچھ قرضوں کی کلب نے ری شیڈولنگ کی نئے قرضوں کے لئے عالمی بینک اور مالیاتی ادارے (آئی ایم ایف) نے اپنی شرائط کی گرہیں ڈھیلی کیں ہنڈی کے کاروبار پر پابندی لگنے سے بیرون ملک پاکستانیوں نے بینکوں کے ذریعہ رقوم بھیجنی شروع کیں تو ہمارے زر مبادلہ کے ذخائر بڑھے۔ اس بڑھوتی میں نہ ہماری برآمدی پالیسی اور نہ درآمدی پالیسی کا کوئی حصہ ہے۔ نہ ہماری صنعتوں کا پہیہ چلا نہ اندرونی اور بیرونی سرمایہ کاری کے آثار پیدا ہوئے ہم بیرونی امداد اور قرضوں کی ادائیگی میں سہولت پر اپنی معاشی ترقی کے سہانے خواب دیکھ رہے ہیں۔

صدر جنرل پرویز مشرف کا امریکہ میں غیر معمولی شان و شوکت سے استقبال کیا گیا۔ مشترکہ پریس کانفرنس میں صدر بش نے انہیں اپنا دوست کہا اسٹیٹ آف دی یونین ایڈریس میں ان کے اور پاکستان کے دہشت گردی کے خلاف تعاون پر خاص طور پر ذکر کیا۔ سینٹ اور کانگریس دونوں ایوانوں نے صدر جنرل پرویز مشرف کے تعاون کے اعتراف اور تعریف میں قرارداد منظور کی صدر بش نے مشترکہ پریس کانفرنس میں پاکستان اور صدر جنرل پرویز مشرف کے اس خدشہ کا خاص طور پر ذکر کیا کہ سوویت یونین کے خلاف جہاد میں پاکستان نے فرنٹ لائن اسٹیٹ کا کردار ادا کیا تھا سوویت یونین کی شکست اور بکھر جانے کے بعد امریکہ نے پاکستان سے آنکھیں پھیر لی تھیں اور یقین دلایا کہ ماضی کو پاکستان بھول جائے۔ اب ہمارے تعلقات مضبوط اور پائیدار ہوں گے۔ ہم اس خوشگوار خاطر اور دلفریب وعدوں کے سحر میں کھوگئے تھے کہ امریکی انتظامیہ کے سینئر آفیسر کی بیک گراؤنڈ بریفنگ نے پاکستانیوں اور کشمیریوں کو جھنجوڑ کر رکھ دیا ہے۔ ان پر وعدوں کے سحر ٹوٹتے محسوس ہوئے ہیں۔ اس سینئر آفیسر نے صدر بش کی پالیسی بیان کرتے ہوئے کہا ہے۔

۱۔ مقبوضہ کشمیر میں ہونے والے انتخابات ایسے آزادانہ اور شفاف ہوں کہ ان میں کل جماعتی حریت کانفرنس بھی کسی رکاوٹ کے بغیر حصہ لے سکے۔ گویا امریکہ نے مقبوضہ کشمیر میں ہندوستانی آئین کے تحت ہونے والے انتخابات کی تائید اور حمایت کی ہے اور حریت کانفرنس کے اس موقف کی جڑ کاٹ دی ہے کہ ہم ہندوستان کے آئین کے تحت ہونے والے انتخابات میں حصہ نہیں لے سکتے۔ یہ انتخابات کشمیر اسمبلی کے لئے حکومتی امور نپٹانے کے لئے منعقد کئے جاتے ہیں کشمیر میں جاری تحریک تو رائے شماری کا حق حاصل کرنے کے لئے ہے اس مقصد کے لئے انہوں نے قربانیوں کے انبار لگادئے ہیں پاکستان نے افغانستان پر حملوں کے لئے جو فراخدلانہ تعاون پیش کیا تھا اس کے صلے میں ہمیں انگوٹھا دکھادیا گیا ہے۔ پاکستان کی ساری سفارتی سرگرمیوں اور عالمی سطح پر "دہشت گردی" کے خلاف سٹریٹجک تعاون پیش کرنے پر پالیسی کا محور صرف اور صرف کشمیر کا مسئلہ رہا ہے اس مسئلہ میں ایسے وقت میں جبکہ ہندوستان نے "کراس بارڈر" فائرنگ کا عذر لے کر سرحدوں پر میزائیلوں سے لیس اپنی فوج کا بڑا حصہ جمع کر رکھا ہے اور پاکستان پر دباؤ ڈالا جارہا ہے کہ وہ "کراس بارڈر" دہشت گردی یعنی کشمیر میں جہادی سرگرمیوں کو ختم کردے امریکی انتظامیہ کی طرف سے اس پالیسی بیان نے ہماری امیدوں پر مایوسی کی برف ڈال دی ہے۔

۲۔ امریکی انتظامیہ کے سینئر آفیسر نے آگے چل کر کہا "ہم نے نوٹ کیا ہے کہ کشمیر میں کراس بارڈر دہشت گردی" میں کمی آئی ہے لیکن صدر بش چاہتے ہیں کہ صدر مشرف اپنے الفاظ کا پاس کرتے ہوئے اسے ختم کردیں۔ گویا امریکی انتظامیہ کے نزدیک بھی کشمیر میں جاری مقامی جہاد "کراس بارڈر دہشت گردی" ہے اور وہ اسے ختم ہوتے دیکھنا چاہتی ہے۔

۳۔ امریکی انتظامیہ کے سینئر آفیسر نے امریکہ کی طرف سے پاک و ہند تنازعہ میں کسی ثالثی کے امکان کو رد کردیا اور مذاکرات شروع کرانے کے لئے کنارے پر بیٹھ کر اس صورت میں معاونت کرنے کی حامی بھری اگر دونوں فریق اس پر رضامند ہوں۔ ہندوستان ثالثی اور کسی تیسرے ملک کی معاونت کے ذکر پر بدکتا ہے اس کی وزیر اطلاعات سشما سوراج نے پاکستان ٹیلی ویژن کے پروگرام "نیوز نائٹ" میں اس طرح کی ثالثی اور معاونت کو خارج از امکان قرار دیا اور دو طرفہ مذاکرات کے معاہدوں پر عمل کرنے پر زور دیا ہے۔

۴۔ امریکی انتظامیہ کے سینئر آفیسر نے صدر بش کی طرف سے ہندو پاکستان میں کشمیر کے مسئلہ پر بامقصد مذاکرات پر زور دینے کے ذکر پر ستم ظریفانہ جواب میں کہا "کراس بارڈر دہشت گردی" ختم کرنے اور کشمیر میں آزادانہ انتخابات سے مذاکرات کے لئے بنیاد مہیا ہوجائے گی گویا کشمیریوں کی 53 سالہ جدو جہد جس میں 70 ہزار کشمیری جانوں کا نذرانہ پیش کرچکے ہیں۔ کشمیر اسمبلی کے انتخابات کے لئے جاری تھیں۔ کشمیریوں کے حق خودارادیت کو جو تنازعہ کشمیر کی اصل بنیاد ہے امریکی انتظامیہ بالکل گول کرجاتی ہے

۵۔ امریکی انتظامیہ کے سینئر آفیسر نے یہ انکشاف بھی کیا کہ صدر بش نے صدر جنرل پرویز مشرف کے ایف 16 طیارے اور فوجی اسلحہ کی سپلائی کے مطالبہ پر صاف انکار کردیا البتہ کچھ اسپیئر پارٹس کی سپلائی بعض فنی اور قانونی مراحل طے ہونے کی صورت میں 2003ء تک ممکن ہوسکے گی۔ امریکی انتظامیہ کی اس پریس بریفنگ نے یہ راز کھول دیا ہے کہ ہمیں چند ملین ڈالرز کی امداد اور قرضوں کی ری شیڈولنگ کی چند گولیوں پر مطمئن کردیا گیا ہے۔ جنوبی ایشیا کے لئے امریکہ کی اسٹریٹجک پالیسی ہندوستان کی پالیسی سے ہم آہنگ ہے امریکی انتظامیہ کے متذکرہ پالیسی بیان سے ہندوستان اور زیادہ اکڑ گیا ہے۔ چنانچہ اس نے صدر جنرل پرویز مشرف کی طرف سے سارک کے وزرائے اطلاعات کی کانفرنس منعقدہ اسلام آباد میں فضائی حدود پر پابندیاں اٹھانے کی پیشکش کو بھی مسترد کردیا اور اس کے وزیر داخلہ ایل کے اڈوانی نے پاکستان آنے کی دعوت کو بھی مسترد کردیا۔ ہم نے اپنی کشتیاں جلا کر دہشت گردی کے خلاف امریکہ کی وفادارانہ حمایت کی تھی اب یہی دہشت گردی پاکستان اور کشمیریوں کے دفاعی اور سیاسی مفادات کے خلاف استعمال کی جارہی ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد امریکہ کے کھلے چیلنج کے سامنے پاکستان مجبوری کی حالت میں تھا اب یہی مجبوری ہمارے پاؤں کی زنجیر بن گئی ہے۔

اخبارات پر تنقید

صدر جنرل پرویز مشرف نے اپنے خطاب میں اخبارات میں مضامین لکھنے والوں پر تنقید کرتے ہوئے کہا کہ اخبارات زیادہ تر میرے خلاف لکھ رہے ہیں حالانکہ انہیں خود کچھ پتہ نہیں۔ افسوس کہ پڑھے لکھے لوگ بھی عجیب انداز سے لکھ رہے ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ حکومت کو پریس کی حقیقت پسندانہ تصویر کشی کی بابت غلط انداز میں بتایا جاتا ہے جبکہ اخبارات

حکومتی کارکردگی کا آئینہ ہوتے ہیں اور صحافی کے قلم سے وہی کچھ کاغذ پر منتقل ہوتا ہے جو زمینی حقائق کے مطابق ہوتا ہے۔ حکومت کو اس لحاظ سے پریس کو لینے لئے ایک بے لاگ اور آزاد رہنما کے طور پر دیکھنا چاہئے اور اپنے ہر فیصلے کو اس کی رائے کے آئینے میں پرکھنا چاہئے۔ اس وقت کیا وطن عزیز کے طول و عرض میں لاء اینڈ آرڈر، ٹرانسپورٹ، بجلی، گیس، پیٹرول کی قیمتوں میں اضافے اور عام آدمی کی معاشی بدحالی جیسے مسائل موجود نہیں؟ کیا پریس ایسے مسائل کو اپنے کالموں میں ظاہر نہ ہونے دے؟ پریس اگر آزاد ہو تو اس کی اپنی ایک رائے ہوگی جسے وہ منظر عام پر لائے گا۔ اگر عوامی تکلیف و مشکلات اور ان کے حل پر پریس روشنی ڈالے گا تو یہ اس کو دی گئی آزادی ہی کا ثمر ہوگا جس سے حکومت کو گڈ گورننس کے لئے استفادہ کرنا چاہئے نہ کہ پریس کو صرف حکومت کی تعریف کرنے میں آزاد سمجھا جائے۔ تمام آزاد اور مہذب جمہوری معاشروں میں حکومتوں کے اہم قومی فیصلے پریس کے آئینے میں جھانکنے کے بعد ہی کئے جاتے ہیں بلکہ پریس کے بعض آرگن تو اس قدر اہمیت اختیار کر جاتے ہیں کہ حکومت ان کی روشنی میں اپنی پالیسیاں وضع کرتی ہے۔ توقع کی جاتی ہے کہ صدر مملکت پریس کی حقیقت بیانی کو خوش آئند علامت سمجھیں گے کیونکہ پریس پر تنقید اس آزادی اظہار پر تنقید ہوگی جو انہوں نے خود پریس کو دے رکھی ہے۔

صدر جنرل پرویز مشرف نے قوم سے خطاب کے دوران کہا کہ غربت پریشان کرتی ہے۔ غریب کو دیکھ کر دل روتا ہے۔ چاہتا ہوں غربت کے گھر جیل جا کر اسے گلے لگاؤں اور پریشانی دور کردوں۔ سیدھی سی بات تو یہ ہے کہ خود صدر مملکت نے 5 ارب ڈالر ملک میں آنے کی نوید سنائی ہے اور اس کے باوجود وہ غریب کیلئے کچھ نہ کرسکنے کے باعث پریشان ہیں، اب بھی اگر وہ چاہیں تو عام غریب آدمی کو ریلیف پہنچانے کیلئے کم از کم بجلی کا ایک بلب، گیس کا ایک چولہا ہی مفت فراہم کرنے کا اعلان کردیں، اس طرح ہندہ نادار کیلئے ان کے گریہ دل میں کچھ تو کمی آئے گی اور ان کا غربت کیلئے پریشان دل قدرے قرار پالے گا۔

یہ بات خوش آئند ہے کہ ان کے احساس میں غریب کیلئے اتنی جگہ ہے اور وہ ان کیلئے کچھ کرنے کا جذبہ نیک بھی رکھتے ہیں۔ اگرچہ انہوں نے اپنی تقریر میں اپنی حکومت کے چند کارنامے گنوائے ہیں لیکن تلخ حقیقت یہ ہے کہ ملک و قوم ہنوز آئی ایم ایف کے جال میں بری طرح جکڑی ہوئی ہے، عام ضروریات زندگی خاص کر بجلی، پانی، گیس اور تیل کے نرخوں میں ایک بار نہیں کئی بار اضافہ ہوا ہے، اگر موجودہ حکومت کے ڈھائی سال پورا ہونے پر بھی غربت بڑھ رہی ہے اور مہنگائی میں اضافہ ہوتا رہا ہے تو عوام کیسے حکومت کے کارناموں کا یقین کرینگے۔

یہ ایک واضح المیہ ہے کہ پوری قوم قرضوں اور آئی ایم ایف کی شرطوں کے دباؤ میں ہے، اگر گڈ گورننس کا کوئی ادنیٰ سا کرشمہ بھی دکھانا ہے تو عوام کو اس دباؤ سے باہر نکالا جائے۔ صدر گرامی نے فرمایا ہے کہ وہ انفرادی طور پر تین تین ہزار تو نہیں دے سکتے لیکن انہوں نے اس مد میں بہت کچھ کرڈالا ہے، سوال یہ ہے کہ اگر فی الواقع ایسا ہے تو معاشرے میں یہ غربت کیوں اس قدر بڑھ رہی ہے کہ خود وہ بھی اس پر اشکبار ہیں، ہم سمجھتے ہیں کہ تین تین ہزار کی جگہ ایک بلب، ایک گیس کا چولہا مفت دینے کی اسکیم بہت مناسب رہے گی۔

ایم ایم حسن

افغانستان میں خون کی ہولی

جب امریکہ نے افغانستان پر حملہ کیا تھا تو ہمارے صدر مملکت، جنرل پرویز مشرف کو یہ عندیہ دیا گیا تھا کہ یہ جنگ مختصر ہوگی اور شہری آبادی بمباری سے محفوظ رہے گی مگر اب ایک ماہ سے زیادہ کا عرصہ ہوگیا ہے اور دور تک جنگ بندی کے کوئی آثار نظر نہیں آتے بلکہ بمباری نے شدت اختیار کرلی ہے اور بے شمار امن پسند شہری اس کی زد میں آچکے ہیں۔

اب تو یہ نوبت آگئی ہے کہ طالبان کے خلاف امریکہ نے دنیا کا سب سے بڑا بم استعمال کیا ہے۔ جس کا وزن 6.750 کیلو گرام ہے اور جو ڈیزی کٹر کہلاتی ہے۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اس میں امونیم نائٹریٹ اور المونیم کا رقیق مادہ ہوا کے ساتھ شامل ہے۔ اس کا دھماکہ اس قدر شدید ہوتا ہے کہ یہ چھ سو کیلو میٹر کے رقبہ میں ہر شے کو جلاکر خاک کردیتا ہے اور اس کی لہریں طویل فاصلے تک محسوس کی جاسکتی ہیں۔ یہ بتایا جاتا ہے کہ اس کی قیمت 2700 ڈالر فی بم ہے۔ امریکی صدر بش نے یہ اعلان کیا ہے کہ یہ جنگ اس وقت تک جاری رہے گی جب تک کہ طالبان کی حکومت اور القاعدہ کا گروہ نیست و نابود نہیں ہوجاتا اور اسامہ بن لادن انکے ہاتھ میں نہیں آجاتا۔ مگر فی الحال اس بات کا کوئی امکان نظر نہیں آتا۔ طالبان کے حوصلے بلند ہیں اور الجزیرہ ٹی وی نے جو افغانستان کے مناظر دکھائے ہیں ان سے معلوم ہوتا ہے کہ افغان عوام پر سکون ہیں اور معمول کے مطابق کاروبار چل رہا ہے۔ اس سے قبل جنرل ٹونی فرینکس نے ایک پریس کانفرنس منعقد کی تھی۔ یہ جنرل امریکی سنٹرل کمانڈ کے کمانڈر انچیف ہیں اور انکے تحت افغانستان کا علاقہ بھی آتا ہے۔ انہوں نے جنوبی ایشیا کے دورے کے آغاز سے قبل یہ کہا تھا کہ نہ تو پینٹاگون اور نہ افغانستان کے شمالی اتحاد کے حلقوں میں امریکہ کی سست رفتاری پر کوئی تشویش ہے۔ جب ایک نامہ نگار نے جنرل فرینکس سے یہ دریافت کیا کہ پینٹاگون کو تو یہ امید تھی کہ موسم سرما کے آغاز سے قبل کابل پر قبضہ ہوجائے تو انہوں نے کوئی تبصرہ کرنے سے انکار کیا اور یہ کہا کہ ہم اپنے ٹائم ٹیبل کے مطابق یہ مہم چلا رہے ہیں۔

اس خاک و خون کی ہولی کے ختم ہونے کے کوئی آثار نظر نہیں آتے۔ جس طرح امریکہ شمالی اتحاد کی امداد کررہا ہے اس سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی فوجیں افغانستان میں اتارنا چاہتا اور اس کی یہ خواہش ہیکہ شمالی اتحاد کی فوج طالبان کو شکست دے۔ اگر ایسا ممکن ہوگیا تو افغانستان میں وسیع البنیاد حکومت کا خواب کبھی شرمندہ تعبیر نہ ہوگا بلکہ اگر پختون اکثریت سے ملک میں ایک اقلیت اقتدار حاصل کرلے گی تو خون خرابے کا بازار گرم رہے گا۔

خالد یزدانی

مادر ملکہ بچپن، جوانی، بڑھاپا

برطانیہ کی مادر ملکہ 30 مارچ کو سوتے ہوئے انتقال کر گئیں۔ ان کی عمر تقریباً 101 سال تھی۔ ان کی میت کو آخری دیدار کے لئے ایک کھلی جگہ پر رکھا گیا جہاں لوگوں کی بڑی تعداد قطار میں ان کے تابوت کے پاس سے گزرتے رہے جبکہ مادر ملکہ کے محل کے باہر بڑی تعداد میں لوگوں نے پھولوں کے ڈھیر لگادیئے جو ان سے محبت کا ثبوت ہے۔ مادر ملکہ تین سو سے زیادہ سماجی، فلاحی اور خیراتی تنظیموں سے منسلک رہیں اور انہوں نے اپنی زندگی بھرپور انداز میں گزاری۔

مادر ملکہ موجودہ ملکہ الزبتھ کی والدہ تھیں۔ مادر ملکہ کو ان کے والد جارج ششم کے پہلو میں سپرد خاک کیا جائے گا اور ان کا مرقد سیاہ سنگ مرمر سے بنایا گیا۔ ان کی آخری رسوم میں دنیا کے مختلف ممالک کے سربراہان اور وفود بھی شریک ہوئے۔

مادر ملکہ کے انتقال پر الیکٹرانک میڈیا اور پرنٹ میڈیا دونوں نے بڑی اہمیت دی خصوصی ایڈیشن شائع کئے گئے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم ٹونی بلیئر نے مادر ملکہ کو خراج عقیدت پیش کرتے ہوئے کہا کہ وہ شائستگی اور بہادری کی علامت تھیں جبکہ امریکی صدر بش نے بھی مادر ملکہ کے انتقال پر گہرے دکھ کا اظہار کیا۔ نیوزی لینڈ کی وزیر اعظم ہیلن نے اور آسٹریلیا کے وزیر اعظم جان ہاورڈ نے بھی مادر ملکہ کے انتقال پر اظہار افسوس کیا۔ ہندوستان کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے بھی شاہی خاندان سے تعزیت کا اظہار کیا۔ تاریخ کے تناظر میں دیکھا جائے تو معلوم ہوتا ہے کہ برطانیہ کے شاہی خاندان کا شمار دنیا کے قدیم شاہی خاندانوں میں ہوتا ہے ایک وقت تھا جب برطانوی حکومت نے اتنی وسعت حاصل کرلی تھی کہ اس کی سلطنت میں سورج غروب نہیں ہوا کرتا تھا۔ اب صورت یہ ہے کہ برطانیہ خود معاشی طور پر دگرگوں حالات کا شکار ہے۔ مگر یہ بات بھی قابل ذکر ہے کہ اس کے شاہی خاندان کی حیثیت برقرار ہے اور ایک ہزار سال میں صرف ایک بار شاہی خاندان کا اقتدار ختم ہوا تھا۔

برطانیہ کے شاہی خاندان میں شاہ کے بڑے بیٹے کو اس کے مرنے کے بعد شہنشاہ منتخب کرلیا جاتا تھا۔ کسی تاجدار کے کوئی بیٹا نہ ہوتو وراثت بیٹی کو بھی منتقل ہو سکتی ہے۔ برطانیہ کے غیر تحریری آئین اور روایات کے مطابق ملکہ کے شوہر کو خصوصی مراعات حاصل نہیں ہوتی ہیں۔ کسی تاجدار کے انتقال پر کسی توقف یا وقفہ کے بغیر اگلے وارث تخت (ولی عہد) کی تخت نشینی بلاتاخیر عمل میں آتی ہے اس مقصد کے لئے ایک کونسل کا اجلاس بلایا جاتا ہے تاہم تاج پوشی کی تقریب نئے تاجدار کی تخت نشینی کے ایک سال بعد تک بھی منعقد کی جاسکتی ہے۔

برطانیہ کے شاہی خاندان کو مورث اعلیٰ ملکہ وکٹوریہ (1910-1865) کو قرار دیا گیا تھا اس کے جانشین جارج ہفتم مقرر ہوئے تھے ان کی جگہ تخت و تاج ملکہ الیگزینڈر (1844 - 1925) نے سنبھالا تھا۔ ملکہ الیگزینڈر کی موت کے بعد جانشین شاہ ایڈورڈ ششم مقرر ہوئے تھے۔ وہ 1936ء میں بادشاہ بنے تھے مگر چند ماہ بعد ہی ایک عام امریکی خاتون سے شادی کرنے کی پاداش میں انہیں تخت سے دستبردار ہونا پڑا اور یوں ان کے چھوٹے بھائی جارج ششم بادشاہ بنے۔ جن کا 1952ء میں انتقال ہوا ان کی شادی مادر ملکہ (کوئین مدر) لیڈی الزبتھ بورس لین سے ہوئی تھی۔ برطانیہ کی موجودہ فرمانروا ملکہ الزبتھ دوم 1926ء میں پیدا ہوئیں اور 1952ء میں تخت نشین ہوئیں ان کی صرف ایک بہن شہزادی مارگریٹ تھیں، جن کا حال ہی میں انتقال ہوا۔

گزشتہ صدی میں پیدا ہونے والی الزبتھ بورس لین برطانیہ کی مادر ملکہ کہلواتی تھیں۔ وہ اس لحاظ سے بھی خوش نصیب تھیں کہ نئی ہزاری میں انہوں نے اپنی زندگی کی 100 ویں سالگرہ منائی۔ مادر ملکہ کا خطاب بھی ان کے لئے بڑا اعزاز تھا اور اس بات کا ثبوت بھی کہ برطانوی عوام شاہی خاندان سے آج بھی پیار کرتے ہیں اور عوام کی اکثریت شاہی خاندان کو پسند کرتی ہے۔

جارج ششم کی شادی مادر ملکہ سے ہوئی تھی جن کے بطن سے برطانیہ کی موجودہ ملکہ الزبتھ اور شہزادی مارگریٹ کی پیدائش ہوئی لہذا جارج ششم کا جب چھ فروری 1952ء کو انتقال ہوا تو بڑی بیٹی ہونے کے ناطے الزبتھ کو ملکہ بنادیا گیا۔ مادر ملکہ نے 49 سال بیوہ کی حیثیت سے بھی گزارے۔ انہیں آخری وقت تک انہیں وہ لمحات بخوبی یاد تھے۔ جب وہ اپنے خاوند جارج ششم کے ساتھ تخت پر جلوہ افروز ہوا کرتی تھیں اور سولہ سال متواتر انہیں یہ اعزاز حاصل رہا۔ مادر ملکہ مکمل طور پر صحت مندانہ زندگی گزار رہی تھیں۔ وہ اپنے کام خود اپنے ہاتھوں سے انجام

دیتی تھیں۔ ان کی بیٹی ملکہ الزبتھ دوم ان سے باقاعدہ صلاح مشورہ بھی لیتی تھی۔ مادر ملکہ طویل العمری میں بھی اپنی زندگی کو انجوائے کرتی رہی تھیں۔ بڑھاپا ان کیلئے کوئی مسئلہ نہیں تھا وہ خود کو چاق و چوبند سمجھتی تھیں، وہ ہر صبح ہلکی پھلکی ورزش کرتی تھیں اور سارا دن معمولات زندگی انجام دیتی رہتی تھیں۔ مادر ملکہ نے شاہی خاندان کو اکٹھا رکھنے میں ایک اہم کردار انجام دیا تھا۔ انہوں نے پورے شاہی خاندان کو یکجا رکھا۔ وہ خاندان میں رخنہ پیدا ہونے نہیں دینا چاہتی تھیں۔ مادر ملکہ کا مشورہ ہمیشہ درست ہوتا تھا۔ کیونکہ ان کا تجربہ پوری صدی پر محیط تھا۔

مادر ملکہ نے بچپن سے ہی نمایاں زندگی گزاری ان کا خاندان تین سو برس سے ہاؤس آف لارڈز میں مخصوص نشست کا مالک چلا آرہا ہے۔ وہ اسکاٹ لینڈ کے شاہی خاندان کے لارڈ گلیمر کی صاحبزادی تھیں۔ مادر ملکہ 14 اگست 1900ء میں پیدا ہوئیں۔ اس طرح اس صدی کے ایک سو سے زائد سال مادر ملکہ نے بھرپور انداز میں گزارے۔ گھر میں علمی ماحول ہونے کی وجہ سے تعلیم میں دلچسپی کا یہ انداز تھا کہ مادر ملکہ نے دس سال کی عمر میں فرانسیسی زبان پر عبور حاصل کرلیا تھا اس کے علاوہ مادر ملکہ بہت چھوٹی عمر میں نرس بن کر مریضوں کی دیکھ بھال کرنے کے علاوہ مریضوں کی فلاح و بہبود کی انجمنوں میں رضاکارانہ طور پر خدمات سرانجام دیتی رہیں۔ پہلی جنگ عظیم کے وقت ان کو ایک بڑے صدمے سے بھی دوچار ہونا پڑا جب بڑے بھائی جنگ میں مارے گئے جس سے مادر ملکہ انتہائی سنجیدہ ہوگئیں۔ آپ کے والد نے اپنی بیٹی کی پریشانی کا حل یہ نکالا کہ ڈیوک آف یارک ہیرٹ کے بیٹے سے مادر ملکہ کی منگنی کردی، بعد ازاں 16 اپریل 1926ء کو مادر ملکہ کی شادی ہوگئی۔ شادی کے بعد لیڈی الزبتھ بوزلائن کے خطاب سے پکارا جانے لگا۔ مادر ملکہ کی زندگی کا اہم موڑ اس وقت آیا جب ان کے جیٹھ نے ایک امریکن خاتون سے شادی کا اعلان کردیا تو برطانوی پارلیمنٹ نے بادشاہ کی ایک طلاق یافتہ خاتون سے شادی کی منظوری نہ دی جس پر ملکہ کے شوہر کے بھائی نے پارلیمنٹ کی اس تجویز کو قبول نہ کیا اور اپنی محبوبہ کی خاطر تخت چھوڑ دیا اس طرح مادر ملکہ کے شوہر بادشاہ بن گئے تاج و تخت پر جلوہ افروز ہونے کے پانچ سال بعد دوسری جنگ عظیم کا آغاز ہوگیا تھا۔ مادر ملکہ نے اپنے شوہر کو جنگ کے اعصاب شکن ماحول کا مقابلہ کرنے میں بھرپور تعاون دیا آپ نے اپنے خاوند کے ساتھ ساتھ برطانوی حکومت کو بھی مفید مشورے دیئے جس سے متاثر ہوکر عوام نے ملکہ سے مطالبہ کیا کہ وہ عوام کو دیدار کرائیں عوام کے اس مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے انہوں نے پہلی مرتبہ بکنگھم پیلس کی بالکونی سے عوام کو اپنا دیدار کرایا۔ مادر ملکہ کے لئے 1950ء کی دہائی انتہائی مشکلات کا پیغام لے کر آئی جب ان کے شوہر کینسر کے مرض سے انتقال کرگئے تو شاہی آداب کے

ملکہ الزبتھ دوم

مطابق موجودہ ملکہ الزبتھ دوم ملکہ منتخب ہوگئیں عین جوانی میں مادر ملکہ کے شوہر کا انتقال ہوا تھا لیکن ان کی موت کے بعد آپ نے کبھی دوسری شادی کے بارے میں نہ سوچا حالانکہ اس وقت ناروے کے بادشاہ نے آپ کو شادی کی پیشکش کی تھی جسے ملکہ نے ٹھکرادیا تھا آپ نے تقریباً 49 سال اپنے خاوند کی حسین یادوں کے سہارے گزاردیئے۔ برطانیہ کے سابق وزیراعظم ونسٹن چرچل نے مادر ملکہ کو ایک بہادر عورت کا خطاب دیا تھا۔

1992ء میں ملکہ الزبتھ اور شاہی خاندان کو برطانوی پارلیمنٹ اور اخبارات میں تنقید کا نشانہ بنایا گیا تو مادر ملکہ بھی اس سے متاثر ہوئیں۔ پریس اور عوام میں شاہی خاندان پر کی جانے والی تنقید سے مادر ملکہ بہت پریشان تھیں۔ سارہ فرگوسن کے ایک عرب پتی کے ساتھ معاشقے اور عریاں تصاویر کی اشاعت شہزادی ڈیانا کی پرنس چارلس سے علیحدگی اور شہزادی این کی طلاق نے بھی مادر ملکہ کو بہت پریشان کئے رکھا۔ مادر ملکہ کی شاہ خرچیوں کی وجہ سے ان پر بھی تنقید ہوئی۔ مادر ملکہ کی سالانہ آمدنی چھ لاکھ 43 ہزار پونڈ تھی۔ جو مملکت برطانیہ مادر ملکہ کو وظیفہ کی صورت میں دیتی تھی لیکن اس وظیفے کا بہت سا حصہ ٹیکس کی ادائیگی میں چلا جاتا تھا باقی رقم کو شاہانہ طرز زندگی گزارنے کی وجہ سے خرچ کردیتی تھیں۔ دو سال پہلے برطانوی شاہی خاندان نے مادر ملکہ کے بڑھتے ہوئے اخراجات کو کم کرنے اور فضول خرچیوں سے اجتناب کا مشورہ دیا تھا یہ صورت اس لئے پیدا ہوئی تھی کہ مارچ 98ء میں مادر ملکہ نے ایک بینک سے 6.4 ملین ڈالر کا اوور ڈرافٹ لیا تو اخبارات نے مادر ملکہ کے اس اقدام کو پسند نہ کیا اس وقت مادر ملکہ کے پانچ محل، دس ریس کے گھوڑے اور درجنوں ایسی قیمتی گاڑیاں تھی جو کبھی استعمال نہیں ہوئیں۔ مادر ملکہ نے شہزادی ڈیانا کی المناک موت کے وقت شاہی خاندان کو حوصلہ اور انتہائی مفید مشورے دیئے تھے کیونکہ شہزادی ڈیانا کی موت کو اخبارات شاہی خاندان کے سخت رویہ کے حوالے سے اچھال رہے تھے جس کی وجہ سے شاہی خاندان کا وقار خطرے میں پڑگیا تھا۔ مادر ملکہ کی کوششوں سے ہی شاہی خاندان شہزادی ڈیانا کے غم میں شریک ہوا تھا بلکہ شاہی فرمان کے ذریعے لیڈی ڈیانا کے لئے ایک خاص فنڈ بھی قائم کیا۔

مادر ملکہ کا گزشتہ سال ہی سو سالہ جشن منایا گیا تھا جس میں شاہی خاندان کے ساتھ برطانوی عوام کے جذبات کا بھی کھل کر اظہار ہوا تھا کہ وہ آج بھی شاہی خاندان کے مختلف افراد کے اسکینڈلز کے باوجود ان کے لئے اچھے جذبات رکھتے ہیں اور اب جبکہ مادر ملکہ انتقال کرگئیں ہیں۔ یورپ بالخصوص برطانیہ، کینیڈا، آسٹریلیا کے عوام میں ان کی مقبولیت اور ان کے فلاحی اداروں کے ساتھ وابستگی نے وقت گزرنے کے ساتھ ان کی قدر و منزلت میں اضافہ ہی کیا ہے۔ آج وہ اس جہاں فانی میں نہیں لیکن ان کی یاد ہمیشہ تاریخ کے صفحات میں زندہ رہے گی کہ وہ خود تاریخ کا ایک حصہ تھیں۔

کمپیوٹر کا دشمن: وائرس

امریکہ پر ہوئے حملوں سے جن دنوں دہشت کا ماحول تھا، اسی وقت کمپیوٹر کی دنیا میں بھی ایک زوردار حملہ ہوا۔ یہ حملہ W32 NIMDA وائرس کا تھا۔ یہ وائرس اتنی تیزی سے اور اس نئے انداز میں پھیلا دنیا بھر میں کمپیوٹر استعمال کنندہ دیکھتے رہ گئے۔ یہ حملہ امریکہ یورپ اور ایشیا میں ایک ساتھ ہوا۔ اس سے بہت سی کمپنیوں کے کمپیوٹر نیٹ ورک جام ہوگئے اور ان کی فائلیں اور دوسری اشیاء اڑ گئے اور سب کچھ ٹھیک کرنے میں کافی وقت لگا۔ اس وائرس کو نکالنے کا پروگرام چونکہ پہلے سے موجود نہیں تھا اس لئے کافی وقت تو اس میں ہی لگ گیا کہ پہلے یہ پروگرام کہاں سے آئے؟ جب تک سافٹ ویئر کمپنیوں نے یہ پروگرام پیش کیا، کافی نقصان ہوچکا تھا۔

اس وائرس کے ساتھ کئی باتیں پہلی بار ہوئیں۔ جانکاروں کے مطابق یہ اب تک سب سے تیز رفتاری سے پھیلنے والا وائرس تھا۔ اس کی رفتار اس کوڈ ریڈ وائرس سے بھی زیادہ تھی جس کی حال کے وقت میں کافی چرچا رہی ہے۔ اس کے علاوہ یہ شاید پہلا وائرس تھا جو سائٹ سرفنگ سے بھی کمپیوٹر سسٹموں یا نیٹ ورکوں میں داخل ہوگیا۔ عام طور پر وائرس کا داخلہ ای میل فائلوں کے ذریعہ ہوتا ہے۔ اس لئے اس کا اثر دنیا بھر میں پہلے کے کسی وائرس کے مقابلے میں سب سے زیادہ ہوا۔ کمپنیوں کا اندازہ یہ رہا کہ ایک بار وائرس کے نیٹ ورک میں آجانے کے بعد ان کے پاس روک تھام کے حل نہیں تھے۔ وائرس اپنی مرضی سے نیٹ ورک میں پھیلتا گیا۔

گزشتہ سال جولائی اگست میں جب کوڈ ریڈ اچانک پھیلا تھا تو امریکہ میں اس سے دو ارب ساٹھ کروڑ ڈالر کا نقصان ہوا تھا۔ ریڈ کوڈ تک وائرس خاص طریقے سے سروس پر حملہ کرتے تھے لیکن NIMDA کی بناوٹ ایسی تھی کہ وہ نیٹ ورک میں آنے کے بعد ایک ایک کمپیوٹر میں تیزی سے داخل ہوتا چلا گیا اور جس کمپیوٹر میں داخل ہوا سمجھئے وہاں کے ڈیٹا کا کام تمام! ریڈ کوڈ اور NIMDA کے حملوں سے دنیا بھر میں کمپیوٹر کی حفاظت پھر موضوع بحث بنے ہوئے ہیں۔ ان حملوں سے کیسے بچا جائے، اس پر گہرائی سے غور و خوض ہورہا ہے۔

اب یہ مانا جارہا ہے کہ صرف حفاظت کے ہارڈویئر اور سافٹ ویئر پروڈکٹ کو رکھنا ہی کافی نہیں رہ گیا ہے بلکہ ہر کمپنی کے پاس حفاظتی انتظامات کو چلانے کے طریقہ کار اور عمل ہونا چاہئے، اب اس پر زور دیا جارہا ہے۔ کیلیفورنیا کے مرکز تحقیق فارم کمپیوٹر ایکونومکس نے اندازہ لگایا ہے کہ ۲۰۰۰ء میں دنیا بھر میں اطلاعاتی ذرائع پر وائرس کے حملوں سے ساڑھے سترہ ارب ڈالر کا نقصان ہوا۔ بین الاقوامی ڈیٹا کونسل (IDC) کی ایک رپورٹ کے مطابق گزشتہ سال امریکی کمپنیوں نے کمپیوٹر حفاظت کے طریقوں پر بائیس ارب اٹھاون کروڑ ڈالر خرچ کئے لیکن ایشیا براعظم علاقوں میں اس مقصد سے صرف ساڑھے چالیس کروڑ ڈالر خرچ کئے گئے لیکن اندازہ لگایا گیا ہے کہ ۲۰۰۴ء تک اس میدان میں ان ذرائع (حل) پر خرچ کافی بڑھے گا۔ یہاں اس خرچ میں اٹھائیس اعشاریہ نو فیصدی کا اضافہ ہوگا، جبکہ امریکہ میں یہ اضافہ اکیس اعشاریہ ایک فیصدی ہی ہوگا۔

یہ اعداد بتاتے ہیں کہ کمپیوٹر وائرس کا خطرہ کس حد تک پہنچ رہا ہے۔ لگ بھگ روز ہی کسی نہ کسی نئے وائرس کی خبر آجاتی ہے۔ حالت تو یہاں تک پہنچ چکی ہے کہ اینٹی وائرس (وائرس کو روکنے والا) پروگرام بنانے والی کمپنیوں کو لگ بھگ روزانہ کے سطح پر اپنے اینٹی وائرس کو تازہ کرنا پڑتا ہے۔ وائرس کے ان بڑھتے خطرات کے مدنظر اب کمپیوٹر اور نیٹ ورک حفاظت اب ہر فرد اور کمپنی کی اولین ضرورت بنتی جارہی ہے لیکن بہت سے لوگ آج بھی اس خطرے سے واقف نہیں ہیں اور ان سسٹم میں پرانے ڈھنگ کے اینٹی وائرس پڑے ہوئے ہیں جبکہ اینٹی وائرس کوئی بہت مہنگے پروگرام نہیں ہیں کئی معاملوں میں تو انہیں مفت میں انٹرنیٹ سے ڈاؤن لوڈ کیا جاسکتا ہے۔ پیسے بغیر خرچ کئے آپ اپنے سسٹم کو بچائیں، اس بارے میں کچھ حفاظتی اقدامات ہم یہاں بتارہے ہیں۔

کئی بار وائرس حملہ نقصان پہنچانے کے مقصد سے بھیجی گئی ویب اسکرپٹ کے ذریعہ ہوتا ہے، ان اسکرپٹ کو اس وقت کسی استعمال کنندہ کے کمپیوٹر میں پہنچادیا جاتا ہے جب وہ یا تو نیٹ پر براؤزنگ کررہا ہوتا ہے یا پھر ای میل کا منسلکہ (Attachment) کھولتا ہے۔ جیسے ہی وائرس کمپیوٹر میں سرگرم ہوتا ہے ہیکر (اطلاعاتی سارق) اس کمپیوٹر تک پہنچ بنانے میں کامیاب ہوجاتا ہے۔ وائرس کمپیوٹر میں موجود اعداد پر ہر طرح کے قہر ڈھانے لگتا ہے، جب ایسا حملہ ہوجائے تو دھیان رکھئے، صرف اس منسلکہ کو مٹادینے سے کام نہیں چلے گا۔ منسلکہ مٹانے تک اسکرپٹ کی شکل میں آئے وائرس کمپیوٹر کے کئی حصوں میں پھیل چکے ہوتے ہیں اور نقصان پہنچانا جاری رکھتے ہیں۔ ایسے زیادہ تر اسکرپٹ سب سے زیادہ استعمال ہونے والے ای میل و براؤزنگ آلات، انٹرنیٹ، ایکسپلورر آوٹ لک ایکسپریس اور آوٹ لک کو نقصان پہنچانے کے مقصد سے تیار کئے گئے ہوتے ہیں۔

تو آپ کے سامنے تو پہلا سوال یہی ہے کہ ان اسکرپٹ کو اپنے پی سی میں پہنچنے سے پہلے کیسے روکا جائے؟ اس کا جواب ان سافٹ وائرس پروگرام میں ہے جو اسکرپٹ کو آپ کے پی سی میں پہنچاتے ہیں۔ یہ پروگرام ہیں ویب براؤزر اور ای میل کلائنٹ۔ ان براؤزر اور ای میل کلائنٹ میں سب سے زیادہ استعمال آج انٹرنیٹ ایکسپلورر، آوٹ لک ایکسپریس اور آوٹ لک کا ہورہا ہے، اس لئے ہم ان تینوں کو

مرکز میں رکھ کر ہی آپ کو بچاؤ کے طریقے بتا رہے ہیں۔

شاید یہ جان کر آپ کو حیرت ہو انٹرنیٹ ایکسپلورر اور آوٹ لک ایکسپریس دونوں کے اندر ہی محفوظ طریقے سے سرفنگ اور ای میل کے انتظام ہیں لیکن دونوں میں ہی نہ جانے کیوں ایسی ڈیفالٹ سیٹنگ ہے۔ جس کی وجہ سے کارگر اسکرپٹ خودکار طریقے سے چلنے لگتی ہے۔ جس سے وائرس حملے کیلئے بہتر ماحول بن جاتا ہے لیکن اچھی بات یہ ہیکہ اس ڈیفالٹ سیٹنگ کو بدلا جاسکتا ہے اور ایسا کرنے کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ آپ پروگراموں کے ماہر ہوں۔ یعنی ایک عام استعمال کنندہ بھی ایسا کرسکتا ہے۔

تو اپنے کو خطرناک ای میل پیغامات سے بچانے کے لئے آپ کو یہ کرنا ہے کہ ای میل کلائنٹ میں حفاظت اور رکاوٹی (Restricted) سائٹ سیٹنگ کو بدل ڈالیں۔ آوٹ لک میں حفاظتی سیٹنگ کو بدلنے کا طریقہ یہ ہے۔

آوٹ لک کے ٹولس میں جائیں۔ آپشنز پر کلک کریں اور سیکورٹی ٹیب کو چنیں (یعنی سلیکٹ کریں) اس ٹیب میں زون نام کے پینل کے درمیان میں ایک ڈراپ ڈاؤن فہرست ہوگی۔ اس فہرست میں سے Restricted سائٹس کو سلیکٹ کریں اس کے بعد سیکورٹی ٹیب کے اندر Attachment Security کے نام کے بٹن پر کلک کریں اس کے بعد ہائی آپشن پر کلک کریں تاکہ یہ مکمل ہوجائے کہ جب کبھی کوئی خطرناک ای میل Attachment آئے گا آپ کو اس کے تئیں ہوشیار کردیا جائے گا (اس آپشن کو آفس میں دیکھنا ہے)

اب آوٹ لک ایکسپریس میں Security Setting کے اندر بدلاؤ پر غور کرتے ہیں۔ اس کیلئے Tools میں جائیں Options پر کلک کریں Security Tab کو سیلکٹ کریں اور وہاں پہنچنے کے بعد Restricted Sites نام کے ریڈیو بٹن پر کلک کریں۔ اس کے ساتھ ہی ای میل کلائنٹ کے سب سے زیادہ حفاظت والے حصے میں پہنچ جاتے ہیں۔

اس کے بعد آپ کو کارگر سبھی اسکرپٹ کو بیکار یا ناکارہ کرنے کے طریقے سیکھنا ہے۔ اگر آپ آوٹ لک کا استعمال کر رہے ہوں تو ایسا ٹولس، پھر آپشنز، پھر سیکورٹی اور پھر ZoneSettings میں جاتے ہوئے کیا جاسکتا ہے۔ یہاں تک جانے کے بعد آپ کے سامنے ایک انتباہ کا باکس کھل جاتا ہے۔ جو آپ کو بتاتا ہے کہ اب آپ کئی پروگراموں میں اسکرپٹ اور کارگر Content کے طریقہ عمل میں تبدیلی کرنے والے ہیں۔ اس باکس میں OK پر کلک کردیں۔ اب جو Security ونڈو آپ کے سامنے کھلتی ہے۔ اس میں Restricted Sites اور پھر Custom Level پر کلک کریں اس کے بعد نیچے جاتے ہوئے Scripting ہیڈنگ کے تحت (Scroll Down) Active Scripting تک پہنچیں اور Disable پر کلک کریں اس کے بعد OK پر کلک کرتے ہوئے اس عمل کو پورا کریں۔

آوٹ لک ایکسپریس اور انٹرنیٹ ایکسپلورر میں آپ اسکرپٹوں کو انٹرنیٹ ایکسپلورر کے ذریعہ ہی ناکارہ کرسکتے ہیں۔ اس کے لئے انٹرنیٹ ایکسپلورر کو کھولیں پھر Tools میں جائیں۔ Internet Options پر کلک کریں اور پھر Security Tab پر کلک کریں۔ یہاں Restricted Sites آپشنز کو سیلیکٹ کریں اور پھر Custom Level پر کلک کریں۔ Security Settings ونڈو میں ایک نیچے کی طرف کھلنے والی فہرست آئے گی اس میں Scripting میں جائیں اور Active Scripting کو Disable کردیں۔

آیئے اب انٹرنیٹ ایکسپلورر کو محفوظ بنانے کے طریقے پر دھیان دیں۔ اس کے لئے اس طرح بڑھئے:۔ پہلے Tools پھر Internet Options پھر Security Tab اور اس کے بعد Internet Zone کو سیلیکٹ کریں، پھر Custom Level آپشنز پر کلک کریں۔ Security Settings Panal میں Reset Custom Settings تحت آنے والی فہرست میں سے High کو سیلیکٹ کریں اب پہلے Reset اور پھر OK پر کلک کریں اسکے ساتھ ہی آپ نے اپنے لئے ویب براؤزنگ کو زیادہ محفوظ بنا لیا ہے، لیکن ابھی بھی کچھ اقدام ہیں جو آپ کو کرنے چاہئے۔ اس میں پہلا ہے PreviewPane سہولت کو ناکارہ Disable بنانا۔ یہ سہولت آوٹ لک اور آوٹ لک ایکسپریس دونوں میں ہے۔ یہ سہولت آپ کو ای میل کے ذریعے آئے پیغامات کو پورا پڑھنے سے پہلے اس کا ایک حصہ دیکھنے کا موقع دیتی ہے۔ اس طرح یہ سہولت آپ کو فائدہ مند لگ سکتی ہے لیکن حقیقت یہ ہے کہ اگر ای میل پیغام میں وائرس ہے تو وہ لیے Preview کے دوران بھی کارگر ہوسکتے ہیں۔ اس لئے سمجھداری اسی میں لگتی ہے کہ اس سہولت کو ناکارہ کردیا جائے۔

آوٹ لک میں اس سہولت کو ناکارہ کرنے کے لئے View میں جائیں اور PreviewPane آپشنز کو ان چیک کردیں۔ ان چیک کرنے کا مطلب ہے کہ اس آپشنز کے سامنے خانے میں لگے صحیح کے نشان کو کلک کرکے ہٹادیں۔

آوٹ لک ایکسپریس میں PreviewPane کو ناکارہ کرنے کے لئے View میں جائیں، Layout پر کلک کریں اور Show PreviewPane کے آگے باکس کو ان چیک کردیں اس کے بعد آپ آئے ای میل پیغامات کو بے دھڑک دیکھ سکتے ہیں۔

اگر اپنے سسٹم کو اس سے بھی زیادہ محفوظ بنانا ہے تو آپ ونڈوز Scripting Host کو اپنی مشین سے پوری طرح نکال سکتے ہیں۔ اس کے بعد تو کسی طرح کی غلطی سے بھری اسکرپٹ کا آپ کی مشین میں چلنے اور آپ کے ڈیٹا و مشین کو نقصان پہنچانے کا اندیشہ ختم ہوجائے گا۔ اگر آپ کا سسٹم ونڈوز 98 پر چل رہا ہے تو Windows Scripting Host کو ہٹانے کیلئے Control Panel کے اندر Add / Remove، Programs میں جائیں یعنی اس پر ڈبل کلک کریں۔ جس سے ایک باکس کھل جائے گا۔ اس باکس میں ونڈوز Setup Tab پر کلک کریں اس سے

Components نام کی ڈراپ ڈاؤن فہرست کھلے گی اس میں نیچے جاتے ہوئے Windows Scripting Host کو تلاش کریں اگر وہ ان چیک کیا ہوا ہے تو اسے چیک کریں یعنی اس کے سامنے والے باکس میں صحیح کا نشان لگادیں اس کے بعد OK پر کلک کریں اور کنٹرول پینل کو بند کردیں۔

لیکن دھیان رکھنے کی بات ہے کہ Scripting Host کو پوری طرح سے ہٹادینا ایک بیحد مشکل قدم ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ اسے ہٹانے کے بعد براؤزنگ پہلے جیسی آسان نہیں رہ جاتی ہے اور آپ ویب پر موجود بہت سی موضوعات / مشمولات (contents) سے مبرا رہ جاتے ہیں۔ اس لئے مشورہ یہ دیا جاتا ہے کہ اگر آپ Scripting Host کو ہٹانے کا ارادہ رکھتے ہیں تو ایسا حقیقت میں کرنے سے پہلے یہ ٹھیک رہے گا کہ کسی جانکار سے اس بارے میں رائے مشورہ کرلیں۔

غور کرنے کی اگلی بات یہ ہے کہ براؤزر و ای میل کلائنٹ کی حفاظت بڑھانا اور اسکرپٹس کو ناکارہ کرنا زیادہ تر وائرس سے بچاؤ کے موثر اقدامات ہیں لیکن سسٹم میں اینٹی وائرس پروگرام رکھنے کا کوئی بدل نہیں ہے۔ یعنی پروگرام آپ کو رکھنے ہی ہوں گے اور وقت وقت پر انہیں اپ ڈیٹ کرنا ہوگا۔ بازار میں ANTI VIR 9X, AVG, ESCAN, F-SECURE, INOCULATEIT, MCAFEE 5.1, NORTON ANTIVIRUS 2001, QUICKHEAL 6.0.1 وغیرہ جیسے اینٹی وائرس پروگرام موجود ہیں۔ ان میں سے آپ جس کا چاہیں اپنی ضرورت کے مطابق انتخاب کرسکتے ہیں لیکن صرف انہیں خرید کر اپنے سسٹم میں ڈال دینا ہی کافی نہیں ہے۔ یہ بھی بہت ضروری ہے کہ انہیں وقت وقت پر چلایا جائے۔ انہیں چلانا آسان ہے اور اس میں زیادہ وقت بھی نہیں لگتا۔ چونکہ کمپیوٹر پر کام کرتے وقت ساتھ ساتھ انہیں چلایا جاسکتا ہے۔ اس لئے اس کیلئے کوئی علحدہ وقت نہیں نکالنا پڑتا۔ صورت حال چاہے جو بھی ہو وائرس کے حملوں کے بارے میں زیادہ ہوشیار ہونے کی ضرورت ہے۔ خاص طور پر آن لائن رہتے وقت پورا دھیان رکھنا چاہئے۔

☆☆☆

☆☆☆☆

☆☆☆☆☆

نعیم احسن

بجلی پیدا کرنے کیلئے جوہری توانائی کا استعمال

اب تک انسان جن اقسام کی توانائیوں کو استعمال میں لاچکا ہے نیوکلیائی توانائی یا نیوکلیئر پاور ان سب میں سے زبردست بھی ہے اور سب سے زیادہ متنازعہ بھی ہے۔ یہ توانائی یا قوت اٹامک نیوکلیس یعنی ایٹم کے جوہر سے حاصل کی جاتی ہے۔ جب کسی بھاری مرکزے (ہیوی ایٹم) کو دو حصوں میں تقسیم کیا جاتا ہے تو اس عمل میں جسے فژن کہتے ہیں، توانائی کی بڑی مقدار حاصل ہوتی ہے۔ اس توانائی کا حصول دو طرح سے ہوتا ہے۔ ایٹم بم کے ذریعے یہ توانائی فوراً اور ایک ساتھ خارج ہوتی ہے جبکہ ایک ایٹمی ری ایکٹر میں یہ آہستہ آہستہ اس طرح خارج ہوتی ہے کہ اسے پوری طرح کنٹرول کرلیا جاتا ہے ایٹمی ری ایکٹر میں اس توانائی کو بھاپ کی صورت میں ٹربائن چلانے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے جن سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔

نیوکلیئر پاور اسٹیشن فیول کیلئے جو عنصر استعمال کرتے ہیں وہ یورینیم ہے۔ یہ دو آئسوٹوپس کے مخلوبہ پر مشتمل ہوتا ہے جو کہ یورینیم 235 (U ـ 235) اور یورینیم 238 (U ـ 238) ہیں۔ آئسوٹوپس ایک عنصر کی دو مختلف شکلیں ہیں جن کی ایٹمی کمیت اور دوسری طبعی خصوصیات مختلف ہوتی ہیں لیکن کیمیائی خصوصیات ایک جیسی ہوتی ہیں۔ ان دو قسم کے آئسوٹوپس میں سے صرف U ـ 235 سے ایسا فوراً اور تیز ترین فژن ہوتا ہے جس سے مفید توانائی پیدا ہوتی ہے۔ یورینیم کا قدرتی ذریعہ (اورس) U ـ 235 کی 0.7 فیصد مقدار پر مشتمل ہوتا ہے اور بعض ایٹمی ری ایکٹر اس کمپوزیشن کے ساتھ ملنے والے فیول کے ساتھ کام کرنے کیلئے ڈیزائن کئے گئے ہیں۔ دیگر ری ایکٹرز میں U ـ 235 کا اس سے زیادہ تناسب درکار ہوتا ہے اور فیول میں اس کے تناسب کو 5 فیصد تک بڑھانے کیلئے ایک خاص عمل کیا جاتا ہے۔

یورینیم اپنی اصل یعنی دھاتی شکل میں بھی استعمال ہوسکتا ہے لیکن زیادہ تر ری ایکٹرز فیول کے طور پر یورینیم آکسائیڈ استعمال کرتے ہیں۔ دونوں ہی صورتوں میں ایندھن دھات کی پتلی اور لمبی ٹیوبوں میں رکھا جاتا ہے، اسی جگہ ایندھن کے عناصر تشکیل پاتے ہیں۔ فیول کے عناصر کو عام طور پر عمودی انداز میں سپورٹ کیا جاتا ہے جس وجہ سے ان ٹیوبوں کے درمیان پانی اور گیس کا بہاؤ بھی ہوسکتا ہے۔ فیول کے گرم عناصر کے گزرنے اور ان کی حرارت جذب کرنے کے بعد کولینٹ (گیس یا پانی) کو بھاپ بنانے کیلئے ٹربائن جنریٹر تک لے جایا جاتا ہے جن سے بجلی پیدا ہوتی ہے۔

زیادہ تر ایٹمی ری ایکٹرز کو محض فیول اور کولینٹ سے زیادہ چیزوں کی ضرورت ہوتی ہے U ـ 235 کے فژن میں نیوکلیس کو ایک نیوٹرن کے ذریعے متحرک کیا جاتا ہے جو نیوکلیس سے ٹکراتا ہے اور اسے محض اتنا ہی ڈسٹرب کرتا ہے کہ یہ سہولت سے دو حصوں میں تقسیم ہوجائے۔ نیوکلیس کی تقسیم کے عمل میں دو یا تین تازہ نیوٹرون پیدا ہوتے ہیں جو اڑ کر U ـ 235 کے دوسرے مرکزوں سے ٹکراتے ہیں۔ اس طرح ایک زنجیری ردعمل پیدا ہوتا ہے۔

ایک ایٹمی ری ایکٹر اس طرح ڈیزائن کیا جاتا ہے کہ زنجیری ردعمل یا چین ری ایکشن میں نیوٹرونز کے ذریعے یورینیم کے ایٹموں کے پوری طرح کنٹرول کئے گئے فژن سے حرارت بھی خارج ہوسکے اور زیادہ نیوٹرونز بھی بن سکیں۔ ایٹمی ری ایکٹر کے طاقت پیدا کرنے کے نظام میں بنیادی طور پر یہی عمل ہوتا ہے۔ اس میں فیول اتنا خالص نہیں ہوتا کہ دھماکہ پیدا ہوسکے۔ اس کے علاوہ نیوٹرونز پیدا ہونے اور ان نیوٹرونز کی وجہ سے ہونے والے نئے فژن میں وقت اوسطاً اتنا زیادہ ہوتا ہے جو دھماکہ پیدا کرنے کیلئے بہت ناکافی ہوتا ہے۔

ہر فژن ری ایکشن کے ذریعے پیدا ہونے والے نیوٹرونز اتنی زیادہ تیز رفتاری سے سفر کرتے ہیں کہ ان کی رفتار 16 ہزار کیلو میٹر فی سکینڈ تک پہنچ جاتی ہے۔ اضافی فژن کا سبب بننے سے پہلے وہ ایک ساتھ ری ایکٹر سے باہر نکلنے کی کوشش بھی کرتے ہیں۔ ری ایکٹر کو اس قابل بنانے کیلئے کہ وہ درست طور پر اپنا کام کرسکے ان نیوٹرونز کی رفتار کو کم کرنے کی کوشش کی جاتی ہے۔ اس کیلئے جو میٹریل استعمال کیا جاتا ہے اسے موڈریٹر کہتے ہیں۔ اس سے ان کے پیداوار طریقے سے U ـ 235 کے نیوکلیس سے متصادم ہونے کے امکانات بڑھ جاتے ہیں اور اس طرح یہ ایک اور فژن کا سبب بھی بنتے ہیں۔

موڈریٹر ہلکے ایٹم ہوتے ہیں جو نیوٹرونز کو تصادموں کی ایک سیریز کے ذریعے سست کرتے ہیں۔ کمرشیل ڈیزائنوں میں تین قسم کے موڈریٹر استعمال کئے جاتے ہیں جو کہ پانی، گریفائٹ اور بھاری پانی ہیں۔ بھاری پانی یا ہیوی واٹر عام پانی ہی ہوتا ہے جس میں ہائیڈروجن کے ایٹموں کو یا تو ہیوی ہائیڈروجن سے یا پھر ڈیوٹیریم کے ایٹموں سے بدل دیا جاتا ہے۔ ہیوی واٹر کا طریقہ منگا پڑتا ہے۔ اس کے بجائے زیادہ تر گریفائٹ جو ایک قسم کی کاربن ہے، استعمال کی جاتی ہے۔ ری ایکٹر کو نیوٹرونز برداشت کرلینے والے راڈز یا سلاخوں کے ذریعے کنٹرول کیا جاتا ہے جو ضرورت کے مطابق مرکزی حصے میں ڈالی یا نکالی جاسکتی ہیں۔ جب کنٹرول راڈز نکال لئے جاتے ہیں تو نیوٹرونز کے جذب ہونے کی تعداد کم ہوجاتی ہے لہٰذا فژن کیلئے زیادہ نیوٹرونز دستیاب ہوتے ہیں اور اس طرح ردعمل میں تیزی آجاتی ہے۔ ری ایکٹر کو جلدی سے روکنے کیلئے ایک طریقہ کار استعمال ہوتا ہے جسے "Scramming it" کہا جاتا ہے۔ اس میں راڈز کو جتنی جلدی ممکن ہوسکے مرکزی حصے میں ڈالا جاتا ہے۔ یہ راڈز زیادہ تر نیوٹرونز کو جذب کرلیتے ہیں اور چند نیوٹرونز کو باقی چھوڑتے ہیں جو کہ فژن

میں حصہ لیتے ہیں ، اس طرح رد عمل کی رفتار کم ہو جاتی ہے۔

ری ایکٹر کے گرد کنکریٹ اور اسٹیل کی موٹی دیواریں بنائی جاتی ہیں۔ یہ اس قدر موٹی ہوتی ہیں کہ کسی حادثے کی صورت میں ریڈی ایشن کو باہر جانے سے روک سکیں اور اس بات کو یقینی بنانے کیلئے کہ پورا نظام محفوظ ہو ، ری ایکٹر میں لازمی طور پر ایمرجنسی سسٹم رکھا جاتا ہے۔ یہ سسٹم اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ فیول کے عناصر یا کولنگ سسٹم کو غیر متوقع ناکامی سے کامیابی کے ساتھ نمٹا جاسکے۔

جب ایندھن یا فیول کے عناصر ایگزاسٹ ہوتے ہیں تو انہیں ری ایکٹر سے باہر نکال لیا جاتا ہے اور ان کی جگہ نئے عناصر آجاتے ہیں۔ پرانے عناصر جو ابھی تک قدرے غیر استعمال شدہ U-235 پر مشتمل ہوتے ہیں انہیں ایک ری پروسیسنگ پلانٹ میں لے جایا جاتا ہے جہاں پر ان سے غیر مستعمل حصہ نکال لیا جاتا ہے۔ اس جگہ پر نیوکلیئر ری ایکٹر ایک اور بونس پیدا کرتا ہے۔ فیول کے پرانے عناصر کے اندر سے دوسرے پروڈکٹس کے ساتھ ایک نیا ، انسان کا بنایا ہوا ایٹم پلوٹونیم 239 نکلتا ہے جو کہ U-238 سے بنتا ہے ، پلوٹونیم 239 بھی بالکل U-235 کی طرح فژن دیتا ہے لہذا یہ ایٹم بم بنانے یا نئے نیوکلیئر ری ایکٹرز کیلئے فیول کے طور پر استعمال ہوسکتا ہے۔ پلوٹونیم کے تابکاری اثرات نہایت شدید ہوتے ہیں اور اسی وجہ سے دنیا بھر میں اس کے بارے میں لے دے ہورہی ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس عنصر کی پیداوار میں عالمی سطح پر بہت زیادہ اضافہ ہوا ہے۔ اس بات کا تو ہمیں پتہ چل چکا ہے کہ فژن شروع ہونے کے بعد ایک زنجیری سلسلہ چل نکلتا ہے جسے چین ری ایکشن کہتے ہیں لیکن سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس سلسلے کو شروع کرنے کیلئے پہلا نیوٹرون کہاں سے آتا ہے۔ ریڈیم اور بریلیئم جیسی دھاتوں کی آمیزش سے نیوٹرون پیدا کئے جاتے ہیں۔ ابتدائی عمل کو جاری رکھنے کیلئے ان نیوٹرونز کی پیدائش کو قابو میں رکھا جاتا ہے ، ایٹمی ری ایکٹر میں جو حرارت پیدا ہوتی ہے اسے ری ایکٹر سے نکال کر پانی گرم کرنے کیلئے استعمال کیا جاتا ہے۔ اس حرارت کی وجہ سے یہ پانی بھاپ میں تبدیل ہوجاتا ہے اور اس بھاپ کی قوت سے ٹربائن چلائے جاتے ہیں۔ دیگر بجلی گھروں میں عام طور پر کوئلہ ، گیس یا معدنی تیل کو جلا کر بوائلرز میں پانی کو گرم کرکے بھاپ پیدا کی جاتی ہے اور پھر یہ بھاپ ٹربائن چلانے کیلئے استعمال ہوتی ہے۔ اس حوالے سے ایک عام بجلی گھر اور ایٹمی بجلی گھر میں صرف یہی فرق ہے کہ ایٹمی بجلی گھر میں حرارت حاصل کرنے کیلئے جوہری توانائی استعمال ہوتی ہے باقی کا تمام عمل ایک جیسا ہوتا ہے۔

اگرچہ جوہری توانائی کو استعمال کرکے بہت بہتر نتائج لئے جاسکتے ہیں اور پیداوار زیادہ ہوتی ہے لیکن اس کے مضر اثرات کی بدولت دنیا بھر کے دانشور اسے تنقید کا نشانہ بناتے ہیں کیونکہ تابکاری سے جس قدر بھی بچاؤ کیا جائے اس کے مضر اثرات کے امکانات پھر بھی موجود رہتے ہیں۔ اس وقت دنیا بھر میں درجنوں جوہری توانائی کے حامل بجلی گھر استعمال کئے جارہے ہیں۔ جہاں تک ان کی مخالفت کا تعلق ہے تو یہ ایک الگ موضوع ہے جس کے تفصیلی مطالعہ کے بعد ہی کوئی حتمی رائے قائم کی جاسکتی ہے۔

OOOO

ویسٹ انڈیز کی سرزمین پر ہندوستان کی 26 سال بعد تاریخی فتح

محمد بن عبداللہ رفاعی

ایک انتہائی دلچسپ ٹسٹ میچ کے پانچویں دن ہندوستان نے ویسٹ انڈیز کو اس کی ہی سرزمین پر 26 برس بعد شکست دینے میں کامیاب ہوگیا۔ اس سنسنی خیز مقابلے میں 313 رنوں کا تعاقب کرتے ہوئے ویسٹ انڈیز کی پوری ٹیم 275 رن بنا کر آؤٹ ہوگئی اور ہندوستان نے یہ میچ 37 رنوں سے جیت کر سیریز پر 0-1 کی برتری حاصل کرلی۔ ویسٹ انڈیز کی سرزمین پر ہندوستان کی یہ صرف تیسری فتح ہے اور دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ سبھی فتوحات اسے کوئنس پارک اوول پر ہی ملی ہیں۔ 1976ء میں ہندوستان نے چوتھی اننگز کھیلتے ہوئے 404 رنز بنا کر فتح حاصل کی جو ایک ریکارڈ ہے۔ چوتھے دن کے اسکور کو دیکھ کر ایسا لگ رہا تھا کہ شاید اس بار ویسٹ انڈیز کا اس گراؤنڈ پر پلڑا بھاری ہوجائے کیونکہ چوتھے دن کا کھیل ختم ہونے تک ویسٹ انڈیز نے 2 وکٹ کھو کر 131 رنز بنالئے تھے۔ اور اس کے 2 انتہائی اہم بلے باز برائن لارا اور کارل ہوپر کریز پر موجود تھے مگر آشیش نہرا کے پہلے 2 اوورں نے کھیل کا نقشہ ہی بدل دیا۔ نہرا نے اپنے دونوں اوورں میں لارا اور ہوپر کو آؤٹ کرکے کھیل پر ہندوستان کی گرفت مضبوط کردی۔ مگر ویسٹ انڈیز کی جیت کی امید ابھی ختم نہیں ہوئی تھی کیونکہ وکٹ پر چندرپال موجود تھے۔ چندرپال جو 67 رنز بنا کر آخر تک کریز پر موجود تھے انہوں نے کرس گیل کو ساتھ لیکر پانچویں وکٹ کی شراکت میں 73 رنز جوڑے۔ اس وقت جب ایسا محسوس ہونے لگا تھا کہ یہ جوڑی ہندوستان کو فتح سے دھیرے دھیرے دور کرتی جارہی ہے اس لمحہ کپتان گنگولی نے ظہیر خان کے ہاتھوں میں گیند تھمائی۔ گنگولی جنہوں نے اس ٹسٹ میں کم ہی مواقعوں پر ظہیر خان سے گیند بازی کرائی انہیں پھر ایک بار وکٹ حاصل کرنے کیلئے ظہیر خان کا سہارا لینا پڑا۔ ظہیر خان نے ان پر کیے گئے اعتماد پر کھرے اترتے ہوئے گیل کو گلی میں ہربھجن کے ہاتھوں کیچ آؤٹ کرواکے کھیل کا نقشہ ایک مرتبہ پھر بدل دیا۔ اس کے بعد سے ویسٹ انڈیز کا کوئی بلے باز جم کر نہیں کھیل پایا۔ اس دوران پھینکے گئے 1.3 اوورں میں ویسٹ انڈیز نے ایک رن کے عوض 3 وکٹ گنوادیئے۔ گیارہویں نمبر پر بلے بازی کیلئے آئے کیمرون کفی 4 رن بنا کر ایک گھنٹے تک کریز پر ٹکے ضرور رہے مگر وہ ٹیم کی فتح کیلئے درکار رن نہیں بناسکے۔ ہندوستان کی جانب سے آشیش نہرا اور سری ناتھ سب سے کامیاب گیند باز رہے۔ انہوں نے 3, 3 وکٹیں حاصل کیں جبکہ ظہیر خان نے 2 اور ہربھجن سنگھ نے ایک ایک وکٹ حاصل کیا۔ اس وقت جب ویسٹ انڈیز کا اسکور

ہندوستانی ٹیم کامیابی کے نشے سے سرشار میدان سے واپس آتے ہوئے۔

کپتان گنگولی مین آف دی میچ لکشمن کے ساتھ۔

9 وکٹ پر 265 رنز تھا سری ناتھ کی ایک باہر جاتی ہوئی گیند پر یہ شبہ ہوا جیسے وہ گیند چندرپال کے بلے سے ٹکرا کر وکٹ کیپر اجے راترا کے ہاتھوں میں گئی ہو مگر تیسرے امپائر کی مداخلت کے بعد فیصلہ چندرپال کے حق میں ہوا۔ ٹسٹ کی دونوں اننگز میں نصف سنچریاں بنانے کیلئے وی وی ایس لکشمن کو "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

ویسٹ انڈیز پر فتح ایک یادگار لمحہ: گنگولی

سورو گنگولی نے دوسرے ٹسٹ میں ویسٹ انڈیز پر ہندوستان کی 37 رنوں سے فتح کو ایک یادگار لمحہ بتایا۔ گنگولی 2000ء کے شروع میں جنوبی افریقہ کے خلاف سیریز میں سچن کی جگہ کپتان بنے تھے۔ انہوں نے کہا کہ اب تک بحیثیت کپتان یہ میرے لئے سب سے خوشی کے لمحات ہیں "مگر ابھی سیریز ختم نہیں ہوئی ہے۔ اہمیت اس بات کی ہے کہ ہم سیریز جیت کر واپس جائیں"۔ ہندوستان نے 26 سال کے بعد ویسٹ انڈیز میں جیت کا ذائقہ چکھا ہے۔ اپنی ٹیم کے 0-1 سے برتری حاصل کرنے کے بعد گنگولی نے کہا" ظاہر ہے کہ یہ بڑی خوشی کی بات ہے 'تقریباً ایک سال کے عرصہ میں ہم نے ملک سے باہر یہ چوتھی جیت حاصل کی ہے جو باعث اطمینان ہے"۔ ہندوستان جس نے جنوبی ایشیا کے باہر 16 سال سے کوئی سیریز نہیں جیتی ہے۔ سری لنکا میں ایک ٹسٹ جیت لیا تھا مگر سیریز 1-2 سے ہار گئی تھی۔ گنگولی نے تیز گیند بازوں نہرا' جواگل سری ناتھ اور ظہیر خان کی تعریف کی جنہوں نے دوسری اننگز میں 8 وکٹ لئے۔ تیز گیند بازوں نے سدھی ہوئی گیند بازی کی' سری ناتھ جب بھی گیند بازی کرتے ہیں اچھی کارکردگی دکھاتے ہیں اس بار ظہیر اور نہرا نے بھی ان کی اچھی مدد کی۔

ایک روزہ ہندوستانی ٹیم کا 14 مئی کو انتخاب

[illegible]

ظہیر خان اور آشیش نہرا کی پذیرائی ضروری ہے

ہندوستان نے ویسٹ انڈیز میں 26 سال بعد دو نوجوان گیند بازوں کی مدد سے کامیابی حاصل کی۔ مگر افسوس کی بات ہے کہ یہ دو نوجوان ایسے ملک کی نمائندگی کرتے ہیں جہاں صرف ایک کرکٹر کو اہمیت دی جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بہتر کارکردگی کے باوجود ان کی ایسی پذیرائی نہیں ہوئی جس کے وہ مستحق تھے۔ ظہیر خان نے پہلی اننگز میں جہاں کارل ہوپر اور برائن لارا کی اہم وکٹیں حاصل کیں اور ہندوستان کو ایک قابل قدر سبقت حاصل کرنے کا موقع فراہم کیا وہیں نہرا نے دوسری اننگز میں برائن لارا اور کارل ہوپر کی قیمتی وکٹیں حاصل کرتے ہوئے ویسٹ انڈیز کو فتح سے بہت دور کر دیا۔ رہی سہی کسر ظہیر نے گیل اور کنگ کو آؤٹ کرتے ہوئے پوری کر دی۔ گیل کافی اچھی بلے بازی کر رہے تھے اور وہ چندرپال کے ساتھ مل کر دھیرے دھیرے فتح کو ہندوستان سے دور لے جا رہے تھے تبھی ظہیر خان کی ایک باہر جاتی ہوئی گیند کو کھیلتے ہوئے انہوں نے ہربھجن کو کیچ دے دیا۔ ایک خراب شاٹ کے انتخاب کے سبب ویسٹ انڈیز کو دوسرے ٹسٹ میں شکست کا منہ دیکھنا پڑا۔ وہ شاٹ خراب اس لئے تھی کہ گیند گیل سے دور جا رہی تھی اور اس گیند پر شاٹ لگانے کیلئے انہیں اس کا تعاقب کرنا پڑا۔ گیل کا وکٹ ان کی ناتجربہ کاری کی وجہ سے گرا' یا شاید اس وجہ سے کہ ذاتی کامیابی ملنے کے بعد آدمی اکثر مطمئن ہو کر کھیلنے لگتا ہے۔ ویسٹ انڈیز کو اس بات کا بھی سخت افسوس ہوگا کہ اس کا کوئی بھی اسٹار بلے باز طویل اننگز نہیں کھیل سکا' وہ طویل اننگز جو میچ کا نقشہ بدل سکے۔ سروَن 'لارا' ہوپر سبھی نے اچھا کھیل ضرور پیش کیا مگر وہ بڑا اسکور بنانے میں ناکام رہے۔ شاید یہی ہمیشہ ایک فاتح اور شکست خوردہ ٹیم میں فرق ہوتا ہے۔

ہمارے لئے کسی ترغیب یا تحریک کی ضرورت نہیں: زیدان

دنیا بھر کے شائقین کھیل ان دنوں ورلڈ کپ فٹبال کا بے چینی سے انتظار کررہے ہیں - اپنی پسندیدہ ٹیموں اور کھلاڑیوں کو ' ان ایکشن ' دیکھنا فی الحال ان کی اولین ترجیح ہے - زین الدین زیدان کے اس انٹرویو سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ خود مختلف ٹیموں کے کھلاڑی کتنے بے چین ہیں - زیدان کی بات چیت سے فرانس کی تیاریوں پر بھی روشنی پڑتی ہے - زین الدین نے ذرائع ابلاغ کو دیئے اپنے انٹرویو میں خیال ظاہر کیا کہ سنیگال سے فرانس کا پہلا مقابلہ ہی سب سے بڑا مقابلہ ہوگا - پیش ہے اس انٹرویو کے مختصر اقتباسات :

◀ ورلڈ کپ 2002ء کیلئے آپ کی تیاری کیا ہے؟

☆ ہمارے پاس کچھ ایسا ریکارڈ حاصل کرنے کا موقع ہے جو اس سے پہلے کسی ٹیم نے حاصل نہیں کیا ہے۔ اگر ہم یوروپی چمپین شپ اور کنفیڈریشن کپ کے ساتھ ساتھ ورلڈ کپ بھی جیت جاتے ہیں تو اس سے بڑی کوئی بات اور کیا ہو سکتی ہے۔ ہماری کوشش ہوگی کہ ہم اپنے مخالف آنے والی ہر ٹیم پر غالب آجائیں۔ اسی عزم کے ساتھ ہم ورلڈ کپ دوبارہ جیت سکیں گے۔

◀ ٹورنمنٹ میں کون سی ٹیمیں ایسی ہیں جن سے آپ خوفزدہ ہیں؟

☆ میرے خیال میں کوئی ایک ٹیم بھی ایسی نہیں ہے جسے ہم خطرناک قرار دے سکیں۔ البتہ آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ کوئی بھی خطرناک نہیں اور سب خطرناک ہیں۔ ایسا کہنے کی وجہ یہ ہے کہ مقابلے میں حصہ لینے والی ہر ٹیم جیتنے ہی کے مقصد سے میدان میں اترے گی ۔ یہی نہیں بلکہ ایشیا روانگی سے قبل وہ اچھی طرح مشق بھی کر چکے گی اور ہر ٹیم سے لوہا لینے کیلئے تیار ہوگی۔ اس کا واضح مطلب یہ ہے کہ مقابلہ سخت ہوگا ۔ ایک بات اور ہے۔ انگلینڈ' برازیل یا ارجنٹینا جیسی فیوریٹ ٹیموں کے ساتھ ساتھ آپ کو سنیگال جیسی ٹیم کو بھی پیش نظر رکھنا ہوگا۔ سچ پوچھئے تو سنیگال کے خلاف افتتاحی میچ ہی ہمارے لئے سب سے زیادہ اہمیت کا حامل ہے۔

◀ سنیگال کی ٹیم کے بارے میں آپ کے تاثرات؟

☆ میرا خیال ہے کہ انہیں اچھی ترغیب ملی ہے اور وہ فرانس کو شکست دینے کے انتظار میں ہیں۔ ان کے مصمم ارادوں کے پیش نظر کہا جاسکتا ہے کہ انہیں شکست دینا واقعی بڑا کام ہوگا۔ انہوں نے اپنے کھیل کو بہتر بنانے پر کافی محنت کی ہے اور اس محنت کے ذریعہ کامیابی بھی حاصل کی ہے۔ اس کا اندازہ اس حقیقت سے لگایا جاسکتا ہے کہ وہ افریقن کپ کے فائنل تک پہنچے اور بہت ممکن تھا کہ جیت بھی لیتے۔ میں پورے وثوق سے یہ بات کہہ رہا ہوں کہ سنیگال کے کھلاڑی ایشیاء میں اپنی صلاحیتوں کا لوہا منوانے میں کوئی کسر باقی نہیں رکھیں گے۔ سنیگال کی اس پیش رفت 'محنت' کوشش اور جدوجہد سے مجھے خوشی ہوئی ہے کیونکہ اس ٹیم میں میرے کئی دوست ہیں۔ ہمیں یقیناً بہت چوکنا رہنا ہوگا۔

◀ اب تک کی کامیابیوں سے آپ کو کیا تحریک ملی؟

☆ ہمارے لئے کسی ترغیب یا تحریک کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ورلڈ کپ دوبارہ جیتنے کیلئے یہ ضروری نہیں۔

◀ سرما میں آپ کا فارم متاثر تھا۔ کیا ورلڈ کپ کے موقع پر فارم میں نہ رہنا فکر کی بات نہیں؟

☆ جی نہیں۔ کسی سیزن میں 60 تا 70 میچ کھیلنے کے باوجود بھی کوئی کھلاڑی فارم میں رہے یہ تو ممکن نہیں ہے۔ فبروری' مارچ کے دوران میرا فارم متاثر ضرور تھا لیکن جب کبھی ایسا ہوتا ہے میں پریشان ہونے کی بجائے زیادہ حوصلہ پاتا ہوں۔ آپ یقین رکھیں' میں عنقریب عالمی کپ کیلئے تیار ہو جاؤں گا۔

◀ بچپن میں دیکھا ہوا کون سا ایسا ورلڈ کپ ہے جس کی یادیں اب بھی آپ کے ذہن میں محفوظ ہیں؟

☆ 1986ء کا فرانس۔ برازیل میچ۔ زبردست میچ تھا۔ برازیل کی ٹیم کے کھلاڑی اپنی مثال آپ تھے جنہیں فرانس نے شکست دی۔

◀ کس کھلاڑی نے آپ کو سب سے زیادہ متاثر کیا؟

☆ ایزو فرانسسکولی۔ وہ میرے پسندیدہ کھلاڑی کل بھی تھے' آج بھی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ انہیں بہترین کھلاڑیوں میں کم کم ہی شامل کیا جاتا ہے۔ میرے نزدیک وہ نمبر ون تھے۔

☆☆☆

شارجہ میں پاکستان کی برتری برقرار

صحرائے عرب میں پاکستان نے پھر ایک بار اپنی برتری ثابت کرتے ہوئے سری لنکا کو شارجہ کپ کے فائنل میں 217 رنوں سے شکست دیتے ہوئے سارے اندیشوں کو غلط ثابت کیا اور لیگ میچوں میں سری لنکا کے ہاتھوں ہوئی ساری شکستوں کو قصہ پارینہ بنادیا۔ کرکٹ کے مبصرین فائنل میں سری لنکا کی کامیابی کی امیدیں لگائے بیٹھے تھے کیونکہ سری لنکا نے لیگ میچس میں عمدہ کھیل کا مظاہرہ کرتے ہوئے پاکستان اور نیوزی لینڈ کو بہ آسانی شکست سے دوچار کیا تھا۔ فائنل کے آغاز سے قبل بھی یہی امید تھی کہ سری لنکا پاکستان کو شکست دیکر اکتوبر میں ہوئی ہار کا بدلہ لے لیگا۔ خود پاکستانی کوچ مدثر نذر نے فائنل سے قبل کہا کہ "سری لنکا فیورٹ ضرور ہے لیکن فائنل میں صورتحال مختلف ہوگی اور ہم ٹائٹل کے حصول کیلئے سر دھڑ کی بازی لگادیں گے"۔ مدثر نذر کی کہی ہوئی بات سچ ثابت ہوئی پاکستان نے فائنل میں سر دھڑ کی بازی لگادی اور سری لنکائی ٹیم ایک ہمالیائی اسکور کے تعاقب کے دوران تاش کے پتوں کی طرح بکھر گئی۔

20,000 سے زائد تماشائیوں کی موجودگی میں جب پاکستانی کپتان وقار یونس نے عبدالرحمٰن بخاطر کے ہاتھوں شارجہ کپ اور 1,20,000 ڈالر کی رقم حاصل کی تب ان کے چہرے کی مسکراہٹ دیکھنے لائق تھی۔ وقار نے کپ حاصل کرنے کے بعد جب اسے اپنے دونوں ہاتھوں میں تھام کر اوپر کی جانب اٹھایا تو سارا میدان تالیوں سے گونج اٹھا۔ اس موقع پر رمیز راجہ نے جب وقار کو اپنے خیالات کے اظہار کیلئے بلایا تو سب سے پہلے وقار نے اس کامیابی پر خدائے واحد کا شکر بجالایا جس نے یہ اعزاز ان کی قسمت میں لکھ دیا پھر انھوں نے اپنے کھلاڑیوں کے کارناموں کی تعریف کی اور کہا کہ اجتماعی کوشش کی بدولت ہی پاکستان نے یہ کامیابی حاصل کی۔

وقار نے سچ کہا کہ یہ کامیابی کھلاڑیوں کی اجتماعی کوشش کی مرہون منت ہے یہ کامیابی ہی کیا ہر کھیل میں کامیابی کیلئے کھلاڑیوں کے درمیان تال میل اور اجتماعیت ضروری ہے۔ لیکن یہ بات غور طلب ہے کہ پاکستانی ٹیم کی

شارجہ سیریز کے 5 بہترین بیٹسمین:

کھلاڑی	میچس	اننگز	رنز	اوسط	سنچری	ہائی اسکور	ناٹ آوٹ
مارون اٹاپٹو	05	05	233	58.25	00	82	01
عمران نذیر	05	05	226	45.20	00	63	00
یوسف یوحنا	05	05	2[illegible]6	41.20	01	129	00
شاہد آفریدی	05	05	183	45.75	01	108	01
یونس خان	05	04	174	43.50	00	66	00

شارجہ روانگی سے قبل ہی سرگوشیاں شروع ہو چکی تھیں کہ پاکستانی کھلاڑیوں میں اختلافات ہیں اور وہ کپتان اور کوچ سے خوش نہیں ہیں۔ ٹیم کے منیجر ان کیلئے قابل قبول نہیں اور وہ تبدیلی کی لہر چلا رہے ہیں۔ پھر پاکستانی ٹیم کی بدقسمتی ہیکہ پچھلے 15 - 20 سال کے عرصہ میں وہاں کھلاڑیوں کا دباؤ اس قدر بڑھ گیا ہیکہ کھلاڑی اپنی مرضی سے کپتان، کوچ یا منیجر تبدیل کرا لیتے ہیں۔ وہ اتنے بااختیار ہو گئے ہیں کہ اپنی مرضی سے کامیابی حاصل کرتے ہیں اور اپنی خواہش کے مطابق جیتا ہوا میچ ہار جاتے ہیں۔ ان تمام حقائق کے باوجود اچانک فائنل میں پاکستانی کھلاڑیوں کا اجتماعی مظاہرہ قابل غور ہے۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ جنرل توقیر ضیاء کی موجودگی نے پاکستانی ٹیم میں ایک نئی جان ڈال دی ہو۔ جنرل توقیر ضیاء عبدالرحمٰن بخاطر کی خصوصی دعوت پر شارجہ فائنل کے مشاہدہ کیلئے اسٹیڈیم میں موجود تھے۔

فائنل کے آغاز سے قبل امیدیں کی جا رہی تھی کہ ایک دلچسپ اور سنسنی خیز مقابلہ ہو گا مگر ساری امیدوں کے برخلاف یہ فائنل یک طرفہ رہا۔ اس کی ایک اہم وجہ سری لنکا کے اسٹار گیند باز مرلی دھرن کا زخمی ہو جانا ہے جو اس میچ کا افسوسناک پہلو رہا۔ پتہ چلا ہے کہ مرلی دھرن کے کندھے کی ہڈی ٹوٹ چکی ہے۔ مرلی نے اپنی 30 ویں سالگرہ کیلئے نہ جانے کیا کیا سپنے دیکھے ہوں گے اور وہ اپنی 30 ویں سالگرہ کو اس فائنل میں شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے یادگار بنانے کے منصوبہ بنا ہی رہے تھے کہ 11 ویں اوور میں فیلڈنگ کے دوران ان کے کندھے کی ہڈی ٹوٹ گئی انہیں فوراً ہسپتال لے جایا گیا اسطرح وہ کھیل سے دستبردار ہو گئے۔ یہیں سے سری لنکا کی تباہی کا اغاز ہوا۔ متھیا اپنے ہاتھوں پر پلاسٹر باندھے جب دواخانہ سے واپس ہوئے تو وہ اپنی ٹیم کی بے بسی دیکھکر افسوس کرتے رہے۔ وہ ڈریسنگ روم میں ساکت و جامد بیٹھے یوسف یوحنا اور یونس خان کی پارٹنر شپ اور پاکستانی بولروں کے غضب ناک مظاہرہ کے آگے سری لنکائی بیٹسموں کی بے بسی دیکھتے رہے۔ پاکستانی بلے بازوں نے لنکا کے جادوئی اسپنر متھیا مرلی تھرن کی عدم موجودگی کا بھرپور فائدہ اٹھاتے ہوئے 50 اوورس میں 295 رنز کا عظیم الشان اسکور کھڑا کیا۔ جس میں قابل ذکر تعاون یوحنا کا رہا۔ یوسف یوحنا نے اپنے 100 ویں ونڈے انٹرنیشنل میں شاندار 129 رنز کی اننگز کھیلی جو صرف 131 بال پر مشتمل رہی۔ یوحنا نے یونس خان (66 رنز 71 گیندوں میں) کے ساتھ ملکر پانچویں وکٹ کی شراکت میں 155 رنز بنائے۔ یوحنا نے اپنی اننگز کے دوران 8 چوکے اور 3 چھکے لگائے۔ یوحنا جو اس سے قبل لیگ میچس میں مسلسل ناکام ہو رہے تھے شارجہ کپ کے آخری مراحل میں زبردست فارم میں واپس آ گئے اور ان سے وابستہ تمام توقعات کو پورا کیا۔ زوئسا جو اپنے آخری اوورس میں مسلسل دو گیندوں میں یوحنا اور یونس خان کی وکٹیں حاصل کرتے ہوئے ہیٹ ٹرک پر تھے ہیٹ ٹرک حاصل نہیں کر سکے۔ عبدالرزاق نے چوکا لگا کر انہیں ہیٹ ٹرک سے محروم رکھا۔ اس طرح پاکستان نے 50 اوورس میں 295 رنز کا عظیم الشان اسکور کھڑا کیا۔ جواب میں سری لنکائی بیٹسمین ان سے وابستہ کی گئی توقعات پر پورے نہیں اتر سکے اور وہ پاکستانی بولرس کے آگے بے بس ہو گئے اور سری لنکا کی ٹیم 16.5 اوور میں صرف 78 رن پر سمٹ گئی۔ سری لنکا کی جانب سے صرف 3 کھلاڑی ہی دوہندسی اسکور بنا سکے جبکہ اس کے 3 بلے باز صفر پر پویلین لوٹ گئے۔

پاکستان کیلئے فائنل کے آغاز سے قبل ایک خوش آئند پہلو یہ تھا کہ اس کے تمام اہم بولرس ردھم میں واپس آ چکے تھے۔ آف اسپنر ثقلین مشتاق اور وسیم اکرم نے آخری لیگ میچ میں 3 وکٹیں حاصل کر کے سری لنکائی بیٹنگ لائن اپ کو خبردار کر دیا تھا جبکہ عمران نذیر اور شاہد آفریدی نے نیوزی لینڈ کے خلاف دھواں دھار اننگز کی شروعات کی تھی جبکہ یوسف یوحنا اور انضمام بھی بدستور اپنے فارم میں واپس آ رہے تھے جس کی وجہ سے پاکستانی بیٹنگ لائن اپ مضبوط ہو گئی تھی۔ یوحنا نے ان سے وابستہ کی گئی امیدوں پر کھرے اترتے ہوئے فائنل میں شاندار مظاہرہ کیا جس کی بنا انہیں مین آف دی میچ سے سرفراز کیا گیا جبکہ مارون اٹاپٹو کو اس سیریز میں ان کے شاندار مظاہرہ پر مین آف دی سیریز ایوارڈ دیا گیا۔

شارجہ اسٹیڈیم میں فائنل میں کامیابی کا ا[illegible] ریکارڈ پاکستان نے برقرار رکھا۔ پاکستان نے اس گراؤنڈ پر 104 ونڈے میچس کھیلے 70 میں اسے کامیابی حاصل ہوئی جبکہ 33 میں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا اور ایک میچ ٹائی رہا۔ سری لنکا نے اس گراؤنڈ پر 72 میچ کھیلے 28 میں وہ کامیاب رہی اور 42 میں اسے شکست کا سامنا کرنا پڑا جبکہ اس کے دو میچ ٹائی رہے۔

اس کامیابی سے جہاں پاکستان کو اپنے ہوم گراؤنڈ پر نیوزی لینڈ کا سامنا کر[نے] میں آسانی ہو گی وہیں سری لنکا کو دورہ انگلینڈ کے موقع پر مصیبتوں کا سامنا کرنا پڑیگا۔ سری لنکا ٹیم کے آگے اب سب سے بڑا سوال متھیا مرلی تھرن کی صحت یابی کا کھڑا [ہے]۔ اگر مرلی تھر[ن] دورہ انگلینڈ [تک] صحت یاب ہو سکیں گے [تو] پھر کیا ہو گا کیو[نکہ] سری لنکا [ایک] عرصہ میں [...] اس قدر [...] کر رہا تھا کہ وہ متیا کے بغیر انگلینڈ جیسی طاقتور ٹیم کے مقابلہ کے بارے میں سوچ نہیں سکتا۔ پاکستان کو اب اپنے ہوم گراؤنڈ پر نیوزی لینڈ کا سامنا کرنا ہے اور یہ کا[میابی] اسے ایک نیا حوصلہ عطا کریگی۔

شارجہ سیریز کے 5 بہترین بولرس:

کھلاڑی	میچس	وکٹس	رنز	اوورس	اوسط	بہتر مظاہرہ	3+W/I
شعیب اختر	05	10	166	43.00	16.60	3-11	02
متھیا مرلی تھرن	04	09	091	40.00	10.11	5-09	02
اسکاٹ اسٹائرس	04	09	148	32.00	16.44	4-30	02
وسیم اکرم	05	09	193	46.00	21.44	3-43	01
وقار یونس	05	09	220	43.05	24.44	3-33	02

فٹبال ورلڈ کپ

جرمنی کی ٹیم نے تمام دعوے غلط ثابت کردیئے

فتح ہمیشہ سب سے بہترین ٹیم حاصل کرتی ہے۔

یہ کلیہ ہمیشہ جرمنی کی ٹیم نے غلط ثابت کیا ہے۔ سب جانتے ہیں کہ جرمنی کے پاس برازیل جیسی خداداد صلاحیت ہے نہ اٹلی جیسی مہارت، انگلینڈ جیسا جنون ہے نہ ارجنٹائن جیسی قسمت، لیکن پھر بھی یہ ٹیم 3 بار ورلڈ کپ جیت چکی ہے۔ 2006ء ورلڈ کپ کی میزبان جرمنی نے 2002ء ورلڈ کپ کیلئے مشکل سے کوالیفائی کیا۔ یورپی گروپ 9 میں دوسری پوزیشن کے بعد اسے یوکرین سے پلے آف میچ کھیلنا پڑا۔ ورلڈ کپ گروپ ای میں اسے کیمرون اور آئرلینڈ سے سخت مقابلہ درپیش ہوگا۔ اسے 1998ء ورلڈ کپ کے کوارٹر فائنل میں کروشیا کے ہاتھوں 3 صفر سے شکست ہوئی تھی۔ اس بار اولیور بائر ہوف کپتان ہیں جو کیریئر کے اختتامی مرحلے پر ہیں جب کہ انہیں دنیا کے بہترین گول کیپر اولیور کین کے علاوہ ہمت شول، چیز جیر ہیز، سیباسٹائن ڈیزلر اور مائیکل بیلک جیسے اچھے کھلاڑیوں کی خدمات حاصل ہیں۔

افریقی اور اولمپک چیمپئن کیمرون بدقسمتی سے فرانس ورلڈ کپ کے دوسرے مرحلے کیلئے کوالیفائی نہیں کرسکی تھی۔ ورلڈ کپ 2002ء میں اس نے افریقی گروپ اے چیمپئن کی حیثیت سے کوالیفائی کیا۔ کیمرون واحد افریقی ٹیم ہے جو مسلسل 5ویں بار ورلڈ کپ کھیلے گی۔ 1990ء ورلڈ کپ میں اس نے کوارٹر فائنل کھیلا تھا اور کہا جاتا ہے کہ اس کی عمدہ کارکردگی سے متاثر ہوکر عالمی کپ کے افریقی نشستوں میں اضافہ کیا گیا۔ اس ٹیم میں افریقی فٹبالر آف دی ایئر پیٹرک ایمبوما کے علاوہ ونگر لورین ایتانا میئر اور اسٹرائیکر سیموئیل ایمو تماشائیوں کی دلچسپی کا مرکز ہوں گے۔

گروپ ای کی ایک اور اہم ٹیم آئرلینڈ ہے جو گزشتہ مرتبہ ورلڈ کپ نہیں کھیلی تھی۔ اس بار اس نے یورپی گروپ 2 میں ہالینڈ جیسی ٹیم کا راستہ روک کر کوالیفائی کیا۔ اس کے کپتان مڈفیلڈر روئے کین مانچسٹر یونائیٹڈ جیسی ٹیم کے مقبول کھلاڑی ہیں۔ ان کے عمدہ کھیل کی وجہ سے آئرلینڈ 1994ء ورلڈ کپ کے دوسرے مرحلے میں پہنچا جہاں اسے ہالینڈ نے ہرادیا تھا۔ اس شکست کا بدلہ آئرش کھلاڑیوں نے اس بار کوالیفائنگ راؤنڈ میں چکادیا۔

سعودی عرب نے ایشین گروپ اے چیمپئن کی حیثیت سے مسلسل تیسری بار ورلڈ کپ کیلئے کوالیفائی کیا۔ 1994ء ورلڈ کپ میں اس ٹیم نے پہلی شرکت میں دوسرے مرحلے کیلئے کوالیفائی کرلیا تھا تاہم فرانس میں اسے گروپ میچوں میں ناکامی کا سامنا کرنا پڑا۔ یہ ٹیم 1984ء سے ایشین کپ کے مسلسل 5 فائنل کھیل چکی ہے اور 3 بار چیمپئن بنی ہے۔ مقبول ترین اسٹرائیکر سمیع عبدالجبار کے علاوہ گھٹنے کی تکلیف

2002 FIFA WORLD CUP
KOREA JAPAN
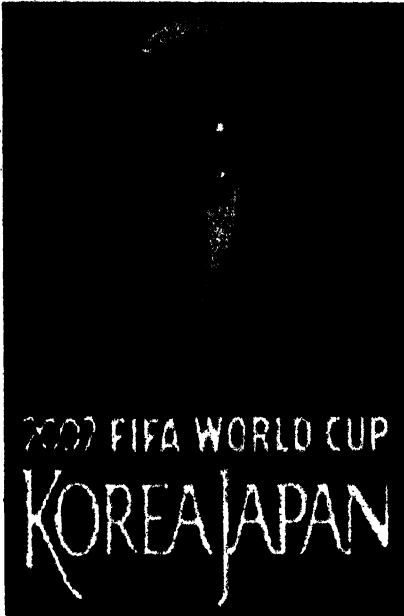
کے باعث کوالیفائنگ راؤنڈ نہ کھیلنے والے نواف التمیمت کی واپسی سعودی ٹیم کو مضبوط بنائے گی۔ اس ٹیم کیلئے فکر کی واحد وجہ یہ ہے کہ 1996ء کے بعد سے 8 کوچ تبدیل کئے جاچکے ہیں۔

گروپ ای کوالیفائی کرنے والی 2 بہترین ٹیموں کا دوسرے مرحلے میں گروپ بی کی ٹیموں سے سامنا ہوگا جن میں سپین، پیراگوئے، سلوانیہ اور جنوبی افریقہ شامل ہیں۔ دنیا کی بہترین ڈومیسٹک لیگ کی مالک ہسپانوی ٹیم کا اب تک ورلڈ کپ نہ جیتنا افسوس ناک ہے۔ بدقسمتی سے یہ ٹیم 1998ء ورلڈ کپ کے ناک آؤٹ راؤنڈ میں بھی نہیں پہنچ سکی تھی۔ اولمپک ونرز اپ ٹیم یورپی گروپ 7 چیمپئن کی حیثیت سے ورلڈ کپ میں پہنچی ہے۔ اسے راول گونزالیز بانکو جیسے شاندار کھلاڑی کا تعاون میسر ہے جو دنیا کا سب سے خطیر معاوضہ پانے والا کھلاڑی ہے۔ یورو 2000ء میں سب سے زیادہ 11 گول کرنے والے ریئل میڈرڈ کے اس کھلاڑی کی آمدنی 3 لاکھ پونڈ ماہانہ ہے۔

اتفاق سے 1998ء ورلڈ کپ میں بھی اسپین کے گروپ میں پیراگوئے شامل تھی، تاہم اس بار جنوبی امریکی اسکواڈ ہسپانوی ٹیم کو دوسرے مرحلے تک پیش قدمی سے نہیں روک سکے گا، کیوں کہ اس کے کپتان اور اسٹار گول کیپر جوزے لوئس چیلاورٹ پابندی کی وجہ سے پہلے 2 میچ نہیں کھیل سکتے تھے۔ ان کی ٹیم فرانس میں میزبان ٹیم سے دوسرے مرحلے کا میچ ہاری تھی اور اس بار اس نے لاطینی امریکہ گروپ کی نمبر 4 ٹیم کی حیثیت سے ورلڈ کپ کیلئے کوالیفائی کیا ہے۔

1991ء میں یوگوسلاویہ سے الگ ہونے والی ریاست سلوانیہ نے پہلی بار ورلڈ کپ کیلئے کوالیفائی کیا ہے۔ اس کیلئے اس پورے یوروپ میں نمبر 2 پوزیشن لینے کے بعد رومانیہ سے پلے آف میچوں میں کامیابی حاصل کرنی پڑی۔ اس کے کوچ سریکو کیٹانک کی محنت کی بدولت اس کی عالمی رینکنگ 1993ء میں 126 ویں سے 26 ویں پوزیشن پر آگئی ہے۔ اس ٹیم کو جارج مڈ فیلڈر زیلکوز یوچ کی خدمت حاصل ہیں جنھوں نے اتفاق سے کبھی اپنے وطن میں فٹبال نہیں کھیلا۔

گروپ بی کی چوتھی ٹیم جنوبی افریقہ ہے جو جرمنی سے 2006ء ورلڈ کپ کی میزبانی ہار گئی تھی۔ اس ملک نے 10 سال قبل نسلی امتیاز کی پالیسی کے خاتمے کے بعد عالمی فٹ بال میں حصہ لینا شروع کیا اور اس کی ٹیم افریقی گروپ ای چیمپئن کی حیثیت سے دوسری بار ورلڈ کپ کھیلے گی۔ 1998ء ورلڈ کپ میں یہ ناک آؤٹ مرحلے تک نہیں پہنچ سکی تھی۔ اس کے کپتان شون بارٹلیٹ نیمیارک اور زیوریخ کے بعد اب چارلٹن اتھلیٹک کی جانب سے انگلش لیگ کھیل رہے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ورلڈ کپ جیت بھی جاؤں تو وہ میرے لئے اہم دن نہیں ہوسکتا۔ یہ سنہرا دن میری زندگی میں میری شادی کے موقع پر آیا جب نیلسن منڈیلا میرے مہمان بنے تھے۔

روپیہ کمانا مشکل لیکن خرچ کرنا ایک آرٹ ہے

جاوید علوی

زندگی کی گاڑی پیسے کے بغیر نہیں چل سکتی اور پیسہ کمانا ایک مشکل کام ہے۔ حلال و حرام کی تمیز روا رکھی جائے تو یہ کام اور بھی دشوار ہوجاتا ہے۔ تیسری دنیا کے ترقی پذیر ممالک میں روزی کمانے کا سب سے آسان ذریعہ ملازمت ہے۔ ملازم آدمی کو لگی بندھی، آمدنی میں گزارہ کرنے کی عادت ہوجاتی ہے۔ محدود آمدنی میں گزارہ نہ ہو تو پیسہ کمانے کی نئی راہ ڈھونڈتا ہے۔ اضافی آمدنی کی راہ وقت کے ساتھ ساتھ مسدود ہوتی جارہی ہے کیونکہ ترقی پذیر ملک نصف صدی گزرنے کے باوجود ترقی پذیر ہی ہیں اور شاید دو تین نسلیں انہیں ترقی پذیر ہی کہتی رہیں گی۔ وسائل میں اضافے کے بجائے دستیاب وسائل کی لوٹ کھسوٹ، آبادی میں اضافہ اور اندھا دھند غیر ترقیاتی اخراجات کے باعث ملکی معیشت ترقی معکوس کے چکر سے نہیں نکل سکی۔ لوگوں کو روزگار نہیں ملتا اور نہ ہی اپنا کام شروع کرکے روزگار کمانے کے مواقع میسر ہیں۔ پڑھے لکھے نوجوان وائٹ کالر جاب کی تلاش میں مارے مارے پھرتے ہیں۔ حالت یہ ہے کہ اعلیٰ درجے کی فنی تعلیم حاصل کرنے والے ڈاکٹر، انجینئر، سائنس داں اور معیشت دان بھی بے روزگاری کے عذاب میں مبتلا ہیں۔ تنگی حالات کا یہ شکوہ لاعلاج بیماری بن چکا ہے۔ ایسے میں نوجوان نسل بیرون ملک روزگار کی تلاش کے لئے کوشاں ہے۔ ہر کوئی کوشش کررہا ہے کہ جائز و ناجائز طریقے سے ایسی جگہ جانکلے جہاں ہر طرف خوشحالی کا دور دورہ ہو، رزق کی فراوانی ہو اور زندگی کی تمام سہولتیں میسر ہوں۔ اس طرح کے مواقع ہر کسی کو نہیں ملتے۔ یہاں بھی قسمت کی دیوی کا مہربان ہونا ضروری ہے۔

تنگی حالات کی یہ داستان اب پرانی ہوتی جارہی ہے۔ حالات سدھرنے کی کوئی صورت نظر نہیں آتی۔ لوگوں نے اپنے طور پر جینے کے نئے طور طریقے اختیار کرلئے ہیں۔ جائز و ناجائز کی زیادہ پرواہ نہیں کی جاتی اور نہ ہی دوسرے حقداروں کے بارے میں سوچا جاتا ہے۔ ہر کوئی اپنی بہتری اور سہولت کی سوچتا ہے۔ ہر کسی کے پاس ناجائز کام کا جواز موجود ہے۔ لوگ غلط کو صحیح ثابت کرنے کے لئے ٹھوس دلائل دیتے ہیں۔ اگر کوئی ڈاکہ زنی کرتا ہے تو اپنے اس فعل کے حق میں وزنی قسم کے دلائل دیتا ہے کہ اس کے پاس اور کوئی چارہ نہیں کہ دوسروں کے مال سے اپنا حصہ زبردستی چھین لے۔ یہی حال ان سب لوگوں کا ہے جو اپنی زندگی آسان کرنے کیلئے دوسروں کا عرصہ حیات تنگ کرنے کے درپے رہتے ہیں۔ رشوت، سفارش اور حق تلفی اب زیادہ ناپسندیدہ عمل نہیں رہے بلکہ ان ذرائع سے ملنے والی کامیابی پر فخر کیا جاتا ہے۔ جن لوگوں نے حلال و حرام کی تمیز روا رکھی اور محدود وسائل میں جینا سیکھ لیا ہے وہ گھٹن زدہ اور بیمار زندگی بسر کررہے ہیں۔ تھوڑے میں گزارہ کرنا دشوار ہوگیا ہے۔ بجلی، پانی، ایندھن، جیسی ضروریات سے پہلو تہی نہیں کی جاسکتی۔ پیٹ پالنے کو بہت کم بچتا ہے۔ صبر و قناعت کے اصول موثر نہیں رہے، قناعت پسند طبقہ ذہنی بیماریوں میں مبتلا ہوگیا ہے اور اسی طبقے میں شرح اموات بھی زیادہ ہے۔ بیماری، غم اور خوشی سب ایک سے لگتے ہیں۔ تینوں مواقع پر پیسے کی ضرورت ہوتی ہے اور پیسہ کمانا بہت مشکل کام ہے، جتنا کمایا جاتا ہے اس میں زندہ نہیں رہا جاسکتا اور زیادہ کمانے کا کوئی ذریعہ نہیں۔

تعلیم یافتہ لوگ اگر کم درجے کا کام شروع کریں تو لوگوں کی نظر میں انکی وقعت کم ہوجائے گی۔ یہ لوگ اس حقیقت سے مسلسل نظر چرارہے ہیں کہ لوگوں کی نظر میں انکی وقعت کبھی تھی ہی نہیں۔ لوگ یا عزیز رشتہ دار روپے پیسے والے کو معتبر جانتے ہیں۔ انہیں اس بات سے غرض نہیں ہوتی کہ کمائی کا ذریعہ کیا ہے بلکہ اس بات کا خوف رہتا ہے کہ ان کے طبقے کا کوئی فرد ان سے مدد نہ مانگ لے۔ مشکل کے وقت لوگ آنکھیں چراتے ہیں، راستہ بدل لیتے ہیں اور دوسروں کی پریشانی کا مذاق اڑاتے ہیں۔ جو لوگ سفید پوشی کے سحر سے نکل جاتے ہیں، کسی کام کو حقیر نہیں جانتے انکے لئے آسانی رہتی ہے۔ ایسے لوگ دوسروں کی پروا کئے بغیر محنت مزدوری کرلیتے ہیں۔ چھوٹے درجے کا کاروبار کرلیتے ہیں، کرائے کا رکشہ لے کر سو سے ڈیڑھ سو روپے کمالیتے ہیں۔ اشیائے خورد و نوش تیار کرنے والے اداروں کے سیلز ایجنٹ کے طور کام کرتے ہیں اور رزق حلال کمانے کیلئے کسی بھی کام کو حقیر نہیں سمجھتے۔ یہ لوگ معاشی طور پر زیادہ پریشانی کا شکار نہیں ہوتے۔ انہیں سماجی اعتبار سے بھی کسی مشکل کا سامنا نہیں کرنا پڑتا اس لئے کہ یہ لوگوں کے کہنے سننے کی پروا نہیں کرتے۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ ایسے لوگوں کو دوسرے لوگ کچھ نہیں کہتے شاید اس لئے کہ لوگ اپنے جیسے لوگوں کو اسی صورت میں طعن و تشنیع کا نشانہ بناتے ہیں جب ان کی پرواہ کی جائے۔

روپیہ کمانا مشکل کام ہے مگر روپیہ خرچ کرنا بھی ایک آرٹ ہے۔ پیسے خرچ کرنے کا یہ ہنر ہر کسی کے پاس نہیں ہے۔ ایسے لوگ بھی ہیں جو پورا دن بغیر ایک پیسہ خرچ کئے گزار لیتے ہیں۔ اپنی تنخواہ یا آمدنی سے بچت بھی کرلیتے ہیں۔ یہ ہنرمند بھی لوگوں کی زیادہ پروا نہیں کرتے۔ صبح دفتر آتے وقت ٹرانسپورٹ کا کرایہ بچاتے ہیں۔ دفتر یا جائے کار پر چائے پانی یا کھانے کی بچت کرلیتے ہیں۔ انہیں لوگوں کے ریمارکس کی پروا نہیں ہوتی اور سلسلہ چلتا رہتا ہے۔ کام زیادہ تر ان لوگوں کا رکتا ہے جو دوسرے لوگوں کے ریمارکس سے گھبراتے ہیں۔ جائے کار پر پہنچنے کیلئے کسی سے لفٹ کا بندوبست پکا کرلیتے ہیں،
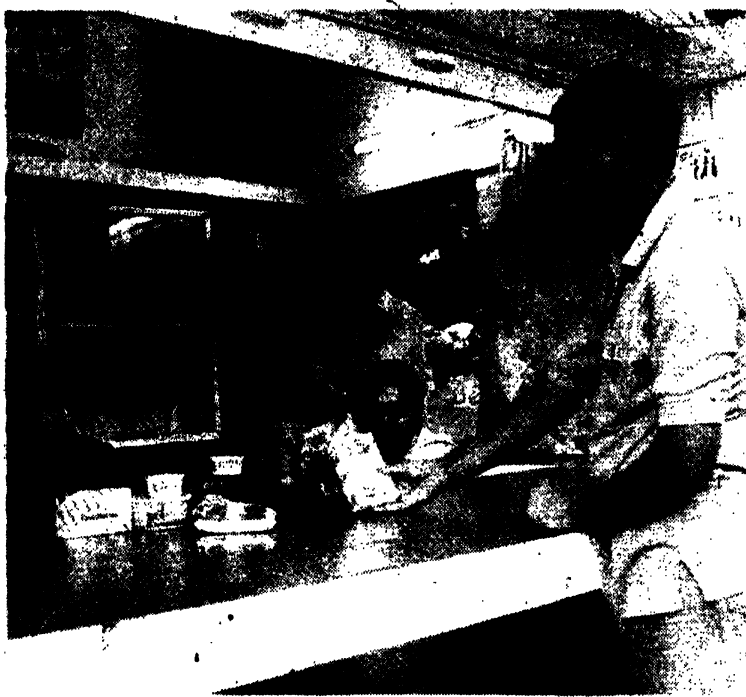
سگریٹ اپنے ساتھی سے مانگ کر پی لیتے ہیں۔ چائے بھی کوئی نہ کوئی پلا دیتا ہے۔ دوپہر کا کھانا بھی ساتھیوں کے ساتھ کھا لیتے ہیں۔ گھر واپسی کیلئے بھی اپنے تعلقات استعمال کرتے ہیں۔ چائے یا کھانا اسے پیش کرتے ہیں جس سے فائدے کی توقع ہو اور یہ فائدہ کئی روز کے کھانے کی قیمت سے زیادہ ہوتا ہے۔ ہر وقت اپنے فائدے کا سوچتے ہیں۔ کھانے کا لفظ انکی لغت میں نہیں ہوتا۔ ایسے لوگوں کو ڈپریشن یا ذہنی دباؤ سے بہت کم واسطہ پڑتا ہے۔ اپنی ہنرمندی سے روزمرہ اخراجات دوسروں کی جیب سے پورے کرتے ہیں۔ خالی جیب پورے شہر کی سیر کر لیتے ہیں۔ تفریح بھی بغیر پیسے کی ہو جاتی ہے۔ بات فقط اتنی ہے کہ لوگوں کی پرواہ نہیں کرتے۔ سفید پوش لوگوں کی ایک لڑی ایسی ہے جو بہترین تراش خراش کے فیشن کے عین مطابق لباس پہننے پر یقین رکھتی ہے۔ یہ طریقہ بھی خاصا کارآمد ہے۔ دوسرے لوگ انکے لباس سے مرعوب ہو جاتے ہیں، آؤ بھگت کرتے ہیں۔ ایسے لوگ بہت خوش اخلاق ہوتے ہیں، دوسروں کے مسائل میں دلچسپی لیتے ہیں اور زبانی کلامی خوب ہمدردی جتاتے ہیں۔ لوگ ان سے متاثر ہو کر دوستی کر لیتے ہیں۔ یہ لوگ اپنی ہنرمندی سے دوسروں کے پیسوں پر دن گزار دیتے ہیں۔ شام کو تفریح بھی دوسروں کی جیب سے کرتے ہیں۔ ان کا حلقہ احباب خاصہ وسیع ہوتا ہے۔ خوش کلامی کا فن جانتے ہیں۔ پتہ ہی نہیں چلتا کہ انکی جیب پیسوں سے بھری ہوئی ہے یا خالی جیب ہیں۔ جب بھی کہیں پیسوں کی ادائیگی کا موقع ہوتا ہے "میں دیتا ہوں" کہہ کر جیب کو ہاتھ لگاتے ہیں مگر بٹوا نہیں نکالتے۔ اتنی دیر میں ساتھی ادائیگی کر چکا ہوتا ہے۔ یہ لوگ زیادہ سوشیل قسم کے ہوتے ہیں۔ تقریبا ہر جگہ ان کی جان پہچان کے لوگ ہوتے ہیں۔ دوسروں کے کئی کام اپنے تعلقات کے بل بوتے پر نکلوا دیتے ہیں۔ ایسے شرفاء بھی ہیں جو اپنی خالی جیب کا بھرم رکھتے ہیں۔ اگر کوئی دعوت دے تو چائے وغیرہ پی لیتے ہیں ورنہ کسی کو احساس ہی

نہیں ہونے دیتے کہ انکی جیب خالی ہے۔ بہت سے کام خالی جیب بھی ہو سکتے ہیں جن سے طبیعت پر خوشگوار اثر پڑتا ہے۔ ضروری نہیں کہ کسی ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں بیٹھ کر پیسے خرچ کئے جائیں۔ سنیما دیکھا جائے یا کسی اور تفریح پر پیسے خرچ کئے جائیں، پارک میں سیر کرنے دوسروں کو خوش و خرم دیکھنے تازہ ہوا کا لطف لینے کیلئے پیسوں کی ضرورت نہیں ہوتی تاہم زندگی خالی جیب نہیں گزر سکتی۔

روپیہ پیسہ خرچ کرنے کا اپنا اپنا انداز ہے۔ کچھ لوگ بھاؤ تاؤ کرتے وقت اس بات کی پرواہ نہیں کرتے کہ آس پاس کھڑے دوسرے خریدار یا دکاندار کیا سوچے گا۔ دس روپے کی چیز کی قیمت اڑھائی روپے لگاتے ہیں۔ دکاندار کے ریمارکس کی پرواہ نہیں کرتے۔ پورا بازار گھومتے ہیں۔ اچھی خاصی محنت کے بعد مطلوبہ چیز دس روپے کی بجائے پانچ روپے میں خرید ہی لیتے ہیں۔ ایسے بھی خریدار ہیں جو معصوم سی صورت بنا کر دکاندار سے منمناتے ہوئے رعایت کی درخواست کرتے ہیں جو عام طور پر رد کر دی جاتی ہے یا پھر دکاندار ازراہ ترحم برائے نام رعایت کرنے کا اعلان کر دیتا ہے۔ یہ لوگ عام طور پر شرمیلے ہوتے ہیں اور اسی مشکل میں مبتلا رہتے ہیں کہ کہیں لوگ انکا مذاق نہ اڑائیں۔ پارکنگ کی فیس اگر چار روپے ہے اور پانچ روپے وصول کر کے ایک روپیہ واپس نہیں کیا جاتا تو اکثر لوگ ایک روپیہ طلب نہیں کرتے اس لئے کہ آس پاس کھڑے دوسرے لوگ یا پارکنگ فیس وصول کرنے والا کیا سوچے گا کہ محض ایک روپے کیلئے تکرار کی جا رہی ہے۔ بعض لوگ ایک روپیہ بہرحال طلب کرتے ہیں چاہے سو روپے کی ریزگاری حاصل کرنے میں کتنی ہی محنت کیوں نہ کرنی پڑے۔ ایسے لوگ روپے کی قدر جانتے ہیں کہ ایک کروڑ روپے میں سے ایک روپیہ کم ہو جائے تو رقم کروڑ نہیں رہتی لاکھوں میں گنی جاتی ہے۔ ان لوگوں کے پاس روپیہ پیسہ جمع نہ ہو تو کم از کم مالی تنگی کا شکار نہیں ہوتے۔ مہمان سے چائے پانی کا پوچھتے ہیں، اگر جوابا انکار ہو جائے تو اصرار نہیں کرتے۔ اشد ضرورت کے تحت ایسے خرچ کرتے ہیں مگر حد درجہ احتیاط کے ساتھ۔

☆☆☆

ہیروئن محض شوپیس بن کر رہ گئی ہے۔ امریتا اروڑہ

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

ملکہ اروڑہ کی بہن امریتا اروڑہ نے فلم "کتنے دور کتنے پاس" سے اپنے کیریئر کا آغاز تو کیا ہے لیکن اس فلم کو باکس آفس پر بھاری کامیابی نہ مل سکی لیکن باوجود اسکی ابتدائی فلم کے ساتھ ہی اسے کئی فلمیں ملیں شروع ہو گئی کتنے دور کتنے پاس میں امریتا نے اپنی صلاحیتوں کی انفرادیت چھوڑی اب اسکی اگلی فلموں کا شائقین کو انتظار ہے۔ حالیہ ایک انٹرویو میں امریتا اروڑہ نے اپنے مستقبل کے منصوبے بتائے۔

س۔ سنا جارہا ہے کہ آپ نے کیریئر کے آغاز سے ہی نمبرون ہیروز کیساتھ کام کرنے کو ترجیح دی ہے؟

ج۔ ویسے مجھے کئی ایک آفر ملے لیکن بیانر، ہدایتکار اور ہیرو اچھا ہو تو اداکاراؤں کو بھرپور تعاون مل جاتا ہے کیونکہ آج جو بھی فلمیں بن رہی ہیں وہ ہیرو اورینٹڈ ہوتی ہیں۔ شائقین ہیرو کی خاطر سنیما گھروں کا رخ کرتے ہیں کیونکہ ٹرینڈ بدل چکا ہے۔

س۔ کیا اداکاراؤں کے نام پر فلمیں نہیں چلتی؟

ج۔ یہاں ہر روز تین سو پچیس لڑکیاں ہیروئن بننے کی غرض سے فلموں میں داخلہ لے رہی ہیں ایسے میں انکے مقابل شاہ رخ، سلمان، گوبندا، اکشے کو ہی مواقع فراہم ہوتے ہیں۔

س۔ کیا آپ ایسا کچھ کرنا نہیں چاہتی جس طرح مادھوری ڈکشٹ اور سری دیوی نے اپنے بل پر شائقین کو تھیٹرس کی کھڑکی تک کھینچ لایا تھا؟

ج۔ یہ ممکن ہے لیکن فلمسازوں کا ذہن اب کچھ اس طرح بن گیا ہے کہ وہ ایسی کہانیوں پر ہی فلمیں بنا رہے ہیں کہ ہیرو کو زیادہ سے زیادہ کچھ کر دکھانے کا موقع ملے آج کے ماحول میں ہیروئن تو بس شوپیس بن کر رہ گئی ہے۔ اب تیزاب یا چاندنی جیسی فلمیں بننا بہت مشکل سا ہو گیا ہے۔

س۔ آپ کو انوکھی ہیروئن کہا جارہا ہے اسکے کیا معنی ہیں؟ اور کیوں؟

ج۔ انوکھی ہیروئن کے معنی رسک نہ لینے والی ہیروئن اور ایسی ہیروئن ہمیشہ بڑے ہیرو اور بڑے بینر والی فلمیں ہی کرنا چاہتی ہے اور فلمی دنیا کی کوئی ایسی ہیروئن نہیں جو اپنی دوسری ہی فلم میں ماں کا کردار نبھائے۔ میں ایسے ڈائرکٹرس کی فلمیں نہیں کرنا چاہتی جو صرف ٹائم پاس کی فلمیں بناتے ہیں۔ مجھے غیر معیاری کامیڈی سے اکتاہٹ ہوتی ہے۔

س۔ آپ کی نظر میں اچھی فلم سے کیا مراد ہے؟

ج۔ میں فی الحال خود کو اتنا مکمل نہیں سمجھتی کے اچھی فلم کے بارے میں آپ کو سمجھا سکوں لیکن اس بات پر یقین کرتی ہوں کہ جو فلم ہم بناتے ہیں وہ ایسی ہونی چاہئے جو ہنسائے، رلائے اور دل کو چھولے لیکن اسکا مطلب یہ نہیں کہ ایک جیسے لوگ ہی ہر وقت نظر آئیں۔ میرے لئے اچھی فلم وہ ہوگی جس میں ایک الگ کہانی ایک الگ طرح کا رول، ایسی سیٹنگ جو ہندی فلموں میں کبھی استعمال نہ کی گئی ہو۔

س۔ آپ کو گھمنڈی اداکارہ بھی کہا جانے لگا ہے؟

ج۔ ہوسکتا ہے آپ مجھ سے مل رہے ہے تب آپ کو اسکا احساس ہوجائے گا کہ اس میں سچائی کہاں تک ہے۔ میں عادت سے مجبور ہوں میں زیادہ میل جول نہیں بڑھاتی۔ میں کافی محتاط واقع ہوئی ہوں۔ شائد میری یہی عادت اور فطرت مجھے انجان اجنبی بنائے رکھے ہوئے ہے۔ اس لائن میں کافی گھلنا ملنا پڑتا ہے۔ خیر میں اپنی فطرت کو نہیں بدل سکتی اب جو ہوگا وہ دیکھا جائے گا۔

س۔ آپ کی ساتھی اداکاراوں میں آپ کا مقابلہ؟

ج۔ یہاں اداکاراوں نے اپنی پوزیشن کی خاطر روز نئے بیانات جاری کرنا مشغلہ بنالیا ہے۔ مجھے ایسی حرکتوں سے کوئی دلچسپی نہیں میں یہاں اپنا مستقبل بنانے اور کچھ نام اور روپیہ کمانے آئی ہوں مجھے کسی سے مقابلہ آرائی کی ضرورت نہیں۔

فلمی خبریں

یش چوپڑہ کی نئی تلاش سنجنا

یش چوپڑہ کی پروڈیوس کردہ اور سنجے گادھوی کی ڈائرکٹ کی گئی فلم "میرے یار کی شادی" میں ایک نئی لڑکی سنجنا بھی مرکزی کردار ادا کررہی ہے۔ اس فلم میں بپاشا باسو بھی ایک اہم رول ادا کررہی ہے۔ واضح ہو کہ یش چوپڑہ کی ایک دوسری فلم "مجھ سے دوستی کروگے؟" میں رہتک روشن، رانی مکرجی اور کرینہ کپور ہیں جسکو کنال کوہلی ڈائرکٹ کر رہے ہیں۔

اکشے کمار نے پچاس فلمیں مکمل کیں

ایکشن کنگ اپنی حالیہ ریلیز فلم "آنکھیں" سے اپنی پچاس فلمیں مکمل کی ہیں انہوں نے ۱۹۹۱ میں ڈائرکٹر راج این سپی کی فلم سوگندھ سے اپنے

کیریئر کا آغاز کیا تھا اسکے بعد انکی ریلیز ہونے والی فلموں میں ڈانسر، مسٹر بانڈ، کھلاڑی، دیدار، دل کی بازی، قاعدہ قانون، وقت ہمارا ہے، سینک، اشانت، اعلان، یہ دل لگی، جئے کشن، مہرہ، میں کھلاڑی تو اناڑی، امانت، اکیلے پہ اکا، سہاگ، زخمی دل، ظالم، ہم ہیں بے مثال، پانڈو، میدان جنگ، نظر کے سامنے، سب سے بڑا کھلاڑی، تو چور میں سپاہی، کھلاڑیوں کا کھلاڑی، سپوت، لہو کے دو رنگ، انصاف، دعوی، ترازو، مسٹر اینڈ مسز کھلاڑی، دل تو پاگل ہے، افلاطون، قیمت، انگارے، بارود، آرزو، انٹرنیشنل کھلاڑی، ظلمی، سنگھرش، جانور، ہیرا پھیری، دھڑکن، کھلاڑی ۴۲۰، ایک رشتہ، اجنبی، ہاں میں نے بھی پیار کیا اور آنکھیں شامل ہیں۔

پریتی زینٹا کی چالاکی

پریتی زینٹا کو فلمی دنیا کی چالاک اداکارہ کہا جاسکتا ہے اس نے رہتک روشن اور سوزان خان سے دوستی کرکے راکیش روشن کی فلم "کوئی مل گیا" حاصل تو کرلی لیکن اب پچاس فیصد فلم کی تکمیل کے بعد راکیش روشن اور رہتک روشن کو سات گھاٹ کا پانی پلارہی ہے۔ راکیش روشن اپنے بیٹے کے ڈوبتے کیریئر کو لیکر پریشان ہیں اور فلم کو جلد ریلیز کرنا چاہتے ہیں تو دوسری طرف پریتی زینٹا اپنے بھائی کی شادی کا بہانہ کرتے ہوئے ایک ماہ سے شملہ میں قیام کئے ہوئے ہے۔ قریبی لوگوں کا کہنا ہے کہ وہ شادی میں نہیں گئی بلکہ اٹالین پریمی لارک کیساتھ شملہ میں وقت گذار رہی ہے۔

دلیپ کمار کی "آگ کا دریا" کی چوتھی بار دوبارہ شروعات

نریندر بیدی کی شروع کردہ فلم "آگ کا دریا" واقعی آگ کا دریا بن گئی، بیدی صاحب کے انتقال کے بعد پانچ سال بعد دلیپ کمار نے اس فلم کی شروعات کی تب تک اس فلم کی کاسٹ میں موجود فنکاروں کی ہیئت ہی بدل گئی تھی۔ دلیپ صاحب نے مشکلات کا سامنا کرتے ہوئے تیسری مرتبہ فلم کی شروعات کی پھر ایک وقفہ کے بعد اسے روکدینا پڑا۔ اب یہ فلم دس

پندرہ سال بعد پوری ہوئی ہے۔ اب فلم کی ریلیز کے بارے میں غور کیا جارہا ہے۔

رانی اور شاہ رخ کی تیسری فلم

"کچھ کچھ ہوتا ہے" اور "کبھی خوشی کبھی غم" کے بعد شاہ رخ خان اور رانی مکرجی اب تیسری مرتبہ ودھو ونود چوپڑہ کی نئی فلم میں ایکساتھ دیکھے جائینگے۔ رانی مکرجی سے قبل ونود چوپڑہ نے ایشوریہ کو اس فلم کے لئے سائن کیا تھا لیکن بعد میں رانی کو لے لیا گیا۔ اس فلم کی ہدایت ودھو ونود چوپڑہ کے اسسٹنٹ راجو ایرانی دے رہے ہیں۔

بپاشا باسو بھٹ فیملی کی مستقل ہیروئن

راز کی کامیابی کے بعد وکرم بھٹ نے بپاشا باسو کو اپنی اگلی فلم اعتبار کے لئے سائن کرلیا اب تو سننے میں آرہا ہے کہ بپاشا بھٹ فیملی کی مستقل ہیروئن ہوگئی ہے کیونکہ خبریں گرم ہیں کہ بپاشا بھٹ فیملی کی مزید دو تین فلمیں سائن کرر کھی ہیں۔ یوں بالی ووڈ میں لوگ بپاشا کی اس کامیابی کو کئی معنوں میں لے رہے ہیں۔ کچھ کا کہنا ہے کہ بپاشا کا جس سے کام ہوتا ہے وہ اسے اپنے جال میں پھانس ہی لیتی ہے جیسے پہلے ملند سومن پھر دینو موریہ اور اب وکرم بھٹ اس جال میں پھنسے ہوئے ہیں۔

مدھوشری کے البم "لے جا میرا سندیش" کی ریکارڈنگ

مدھوشری کے نئے البم "لے جا میرا سندیش" کی ریکارڈنگ پچھلے ہفتے مکمل کرلی گئی جسے رائیش روشن موسیقی دے رہے ہیں یہ البم زی میوزک کی جانب سے تیار کیا جارہا ہے۔ مدھوشری مزید دو آڈیو البمس کی تیاری میں مصروف ہے جن میں سے ایک کی دھنیں اے آر رحمن بنارہے ہیں کلکتہ یونیورسٹی کی گریجویٹ مدھوشری نے اشوک مہتہ کی فلم موکشا میں منیشا کوئرالا کو ایک گیت کے ذریعہ اپنی آواز دی تھی وہ فی الحال چار بڑے بیانرز کی فلموں کے لئے گیت گارہی ہیں۔

گجرات ریلیف فنڈ کے لئے فلمی ستاروں نے کیا کیا؟

گجرات میں فساد زدگان پر کیا گذری یہ دنیا جانتی ہے فلمی ستاروں نے ایسے مواقع پر ریلیف کے کاموں میں فلمی ستارے بڑھ چڑھ کر حصہ لیا کرتے تھے۔ زلزلہ ہو کہ طوفان فلمی ستاروں نے پدیاترا پھر کرکٹ میچ کے ذریعے فنڈ اکٹھا کئے لیکن اس بار گجرات میں فسادات سے متاثرین کے لئے فلمی دنیا کی کسی بھی شخصیت نے فنڈ اکٹھا کرنے کی کوشش نہیں کی۔ واحد فلمی شخصیت دلیپ کمار صاحب نے ان متاثرین کی بازآبادکاری کے لئے مختلف انجمنوں اور جماعتوں کے تعاون سے فنڈ اکٹھا کئے ایڈیٹر سیاست جناب زاہد علی خان صاحب اور دلیپ کمار صاحب کی شخصی دلچسپی اور اپیلوں نے گجرات کے متاثرین کو ایک بار پھر قارئین سیاست کے مالی تعاون سے کمر کسنے کی ہمت جٹائی۔ کاش کے ہمارے فلمی ستارے بھی اس مہم میں اپنا تعاون دیتے۔

شوٹنگ رپورٹ

آریا ببر اور امریتا راؤ کی "اب کے برس" شوٹنگ جاری

یکساں طور پر ۲۵ پراڈکٹس کی کامیاب

ماڈل امریتا راؤ اور اداکار راج ببر کے فرزند آریا ببر کی فلم "اب کے برس" کی شوٹنگ ان دنوں بمبئی کے مختلف مقامات پر جاری ہے جسے ٹپس فلمس پروڈیوس کر رہے ہیں۔ امریتا راؤ نے بروکانی، کیڈبری پرک، کلوزاپ، کلین اینڈ کلیر، فیر اینڈ لولی فیرنس کریم، پیپسی وتھ مادھون اور کوک کی تشہیر کی تھی اب پہلی بار بڑے پردے پر آریا ببر کیساتھ دکھائی دینگی۔ اس فلم کو راج کنور ڈائرکٹ کر رہے ہیں موسیقی انو ملک کی ہے۔ فلم کے دیگر اہم فنکاروں میں اشیش ودیارتھی، شکتی کپور اور ڈینی شامل ہیں۔

گوبندا ایشا کی "دل لگا کے دیکھو" مکمل

امیت انٹرپرائزس کی "دل لگا کے دیکھو" اس ہفتہ مکمل کر لی گئی ہے۔ نریش ملہوترا کی ہدایت میں بنی اس فلم میں گوبندا، منیشا کوئرالا کے علاوہ روہیت رائے، ستیش شاہ، جسپال بھٹی اہم کردار نبھا رہے ہیں۔ فلم کی موسیقی دلیپ سین اور سمیر سین نے فراہم کی ہے۔

سنیل شیٹی ایشوریہ کی "ہم پنچھی ایک ڈال کے" نمائشی حقوق فروخت

دیپک بہاری کی ہدایت میں بنی مونالیسا فلمس کی "ہم پنچھی ایک ڈال کے" کے نمائشی حقوق فروخت کردئے گئے ہیں اور ریلیز کی تاریخ کا عنقریب اعلان کردیا جائیگا۔ فلم کے اہم کردار ہیں سنیل شیٹی، ایشوریہ رائے، موہن بھنڈاری، دراج زتشی، آنند بلراج

آفتاب اور پریتی جھنگیانی کی "جانے ہوگیا کیا" تکمیل کے مراحل میں

پی کے آرٹس کریشن کی فلم "جانے ہوگیا کیا" ان دنوں تکمیل کے مراحل میں قدم رکھ چکی ہے۔ کلین انکلش کی ہدایت میں بن رہی اس فلم میں آفتاب شیودسانی، پریتی جھنگیانی، ماریہ گوڈیٹ، راہل دیو، پریش راویل اہم کردار ہیں موسیقی ساجد واجد کی ہے۔

پریتی زنٹا اب اشتہارات پر توجہ

امیتابھ بچن کی "ضمانت" اگلے ماہ ریلیز

رام راج کلامندر کے بینر پر ایک عرصہ سے بن رہی فلم "ضمانت" توقع ہے اگلے ماہ ریلیز کردی جائیگی۔ یس راماناتھن کی ہدایت میں بنی اس فلم کی موسیقی وجوشاہ نے ترتیب دی ہے فلم میں امیتابھ بچن اور وجئے شانتی نے مرکزی کردار نبھائے ہیں دیگر معاون اداکاروں میں ارشد وارثی، کرشمہ کپور، شیواجی ستیم، ٹینو آنند، راجیش جوشی شامل ہیں۔

وینس کی "تم سے اچھا کون ہے" ریلیز کے لئے تیار

وینس ریکارڈس کی "تم سے اچھا کون ہے" ایڈیٹنگ، ڈبنگ اور ری ریکارڈنگ کے بعد اب ریلیز کے لئے تیار ہے دیپک آنند کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کی موسیقی ندیم شراون نے ترتیب دی ہے فلم میں نکل کپور، کم شرما، آرتی چھابریا، رتی اگنی ہوتری، دلیپ تاہل، سنجے کپور، دیپتی ناول نے اہم کردار نبھائے ہیں۔

قمر جہاں

انتظار

آنکھ کھلی تو اسکا بستر خالی تھا۔ اسے یاد آیا بچی تو شاید رات دادی کے ساتھ ہی سو گئی تھی۔ اس نے لیمپ کی ہلکی زرد روشنی میں دیوار گھڑی پر نظر ڈالی۔ ابھی تو رات کے بارہ ہی بجے ہیں۔ اتنی جلدی وہ سو بھی گئی تو جاگ بھی گئی۔ اب بھلا نیند کیسے آئے گی .... ؟ اپنی اداسی اور تنہائی اسے کھلنے لگی۔ کچھ دیر پہلے وہ کیسی خوشگوار نیند سو رہی تھی۔ وہ کہاں پہنچ گئی تھی۔ اپنے گھر میں ... جو اب اس سے کافی دور ہو چکا ہے۔ جب سے جنگ کے بگل بج گئے تھے۔ اسے اپنا مائیکہ .. وہاں کے لوگ ہمیشہ کے لئے بچھڑتے ہوئے نظر آرہے تھے۔ کوئی ہندوستانی بھلا کب یہ چاہے گا ... کون اپنے سر کو اس کی خاطر اکھلی میں ڈالے گا .. شاید وہ بھی نہیں چاہے گی کہ ایسے منتشر ماحول میں وہ اس دیس کو اپنا وطن کہے جو اس کا وطن ہوتے ہوئے اب اس کے لئے پرایا ہی نہیں، اجنبی ہی نہیں، دشمن ہوا جارہا ہے ... مگر یہ بات اس کی سمجھ میں نہیں آتی کہ ان دو قریبی دیسوں میں دشمنی آخر کس بات کی ہے .. ؟ یہ رشتے سلجھتے سلجھتے پھر کیوں الجھ گئے۔ وقتی طور پر یہ سن کر وہ کیسی مسرور ہوئی تھی۔ اسکا خاوند بھی کتنا ہشاش بشاش تھا۔ اسی نے اسے بتایا تھا۔

"سنتی ہو تہمینہ ! اب ویزا اور پاسپورٹ اٹھ جائے گا۔ جب جی چاہے گا تم اپنے میکے گھوم آؤگی ... "مگر یہ خواب، خواب ہی رہ گئے۔ آج سویرے جب ٹیلیفون کی گھنٹی بجی تو وہ کچن سے دوڑ کر لپکی، وہ اپنے ابا حضور (خسر صاحب) کے لئے ٹی پاٹ سے چائے انڈیل رہی تھی۔ اسے اتنا بھی برداشت نہیں ہوسکا کہ چائے ٹھنڈی ہوجائے گی، پہلے چائے تو دے لے۔ گھنٹی تو بجتی ہی رہے گی اور اگر کٹ بھی گئی تو پھر آجائے گی۔ مگر ایسے موقعوں پر پتہ نہیں کیوں وہ ایسی بے اختیار ہوجاتی ہے کہ کبھی کبھی بچوں کی سی حرکت کر جاتی ہے۔ شاید ایک بچی کی ماں بن کر بھی وہ ابھی تک بچہ ہے۔ ریسیور اس کے ہاتھ میں تھا۔ ممی کی نحیف آواز اس کی سماعت کو چھو رہی تھی۔ "بیٹی! تمہارے ابو کی حالت بہت سیریس ہے۔ بیمار تو وہ برابر تھے مگر اس بار ... "ممی پھپک پھپک کر رو رہی تھیں اور دوسری طرف بیٹی نزدیک ہوتے ہوئے بھی، اتنی دور، اتنی مجبور تھی کہ صرف تڑپ کر رہ گئی۔

چائے ملنے میں جب کافی دیر ہوگئی تو سسر جی بستر سے اٹھ کر کچن میں پہنچ گئے تھے اور خود سے چائے بنانے کی کوشش کر رہے تھے .. انہیں حیرت اور غصہ بھی آرہا تھا کہ "یہ کیسی لاپرواہی آگئی ہے۔ بہو میں کہ دودھ اور چینی کا بھی کچھ خیال نہیں۔ اور اللہ جانے وہ کیا کیا سوچ رہے تھے کہ اسے دیکھ کر ٹھٹک گئے .. بہو کی آنکھوں سے آنسو کی لڑیاں بن بن کر ٹوٹ رہی تھیں جنہیں وہ اپنے دوپٹے کے پلو میں چھپانے کی ناکام کوشش کر رہی تھی ... "کیوں کیا ہوا۔ ؟ خیریت تو ہے ... ؟"

"بابا کی حالت .... بہت سیریس ہے ... وہ ہسپتال میں ... "وہ ٹھہر ٹھہر کر بتا رہی تھی اور دوبارہ چائے بنانے میں مصروف ہو چکی تھی۔ وہ اس کے سر پر شفقت کے ہاتھ پھیرتا ہوا تسلی دے رہا تھا "کیا کروگی بیٹی! ہر آدمی کی عمر کا ایک وقت ہوتا ہے ہم لوگ اب پکے ہوئے آم ہیں، کب پیڑ سے گر جائیں کچھ کہنا مشکل ہے ... "پھر کچھ وقفے کے بعد "آج میں زاہد سے تمہارے ویزا پاسپورٹ کے سلسلہ میں بات کرتا ہوں ... ذرا مجھے دفتر میں یاد دلا دینا"

"شکریہ ابا حضور!" اس نے تشکر نگاہوں سے انہیں دیکھتے ہوئے چائے کی پیالی ان کے ہاتھوں میں تھما دی۔ اس گھر میں اس کے جذبات کا لحاظ سب سے زیادہ شاید ابا حضور کو ہی ہے۔

شام میں جب اس نے ویزا کے لئے پوچھا تو انھوں نے متفکر لہجہ میں جواب دیا:

"بیٹی ان دنوں دونوں ممالک کے رشتے پھر بگڑ گئے ہیں، ابھی وہاں جانا دانشمندی نہیں ہے .. لوگ بتا رہے تھے کشمیر کو لے کر"

"بھاڑ میں جائے یہ کشمیر ... "اس نے جھنجھلا کر دل ہی دل میں سوچا "کشمیر سبھوں کے لئے "جنت نشان" ہے مگر میرے لئے تو جہنم زار ہے۔ جس کو لے کر دونوں ملک کے Relation برابر گڑبڑ رہتے ہیں۔ کاش! ابو نے شادی سے پہلے اس پہلو پر بھی غور کیا ہوتا ... "

ادھر کچھ دنوں سے اپنے والدین کی جدائی اسے بہت کھل رہی تھی، خاوند بھی اکثر چڑچڑا رہتا۔ نوکری پیشہ کے لئے تو اور بھی آفت ہے۔ وہ بھی سرکاری ملازم دونوں ملکوں کے بیچ جب عام خطوط سنسر ہوتے ہیں تو بھلا فون کا آئے دن آنا اور اس کی بیوی کا وہاں برابر جانا کیا شک و شبہات کے جال نہیں پھیلا سکتا ؟" وہ اکثر سوچتا کبھی کبھی بیوی پر اظہار بھی کر دیتا "دوست دشمنوں کا کیا ٹھکانہ ہے ... کب کس کو کس بہانے پھنسا دے ... اسے اپنے بے قصور دوست کا محض شک کی بنا پر Suspend ہوجانا اکثر یاد آجاتا، نوکری سے برطرفی اور مسلسل جرح و تکرار سے بے چارہ ابنارمل سا ہوگیا تھا۔ کتنے دن لگ گئے، اسے اپنی صفائی پیش کرنے میں ... وہ اکثر بیوی کو سمجھاتا "تم سمجھدار ہو، ان پہلوؤں پر بھی ذرا غور کرو تہمینہ! عام عورتوں کی طرح صرف جذبات میں نہ بہو .. "وہ کبھی ان باتوں کو سمجھتی اور کبھی سمجھ کر بھی سمجھنا نہیں چاہتی .. وہ اندر سے ایسی بے اختیار ہوجاتی کہ ... عقلمندی کی ساری باتیں لمحے بھر کو بھول جاتی، اس کی خواہش ہوتی کاش! وہ اڑتی ہوئی مخلوق ہوتی اور جب سب لوگ سوجاتے تو وہ اڑ کر وہاں پہنچ جاتی اور سبھی اپنوں سے مل ملا کر اڑان بھر کر پھر واپس اپنے گھر کو آجاتی۔ اسے کہانی کی وہ پری

یاد آجاتی جو سوتے ہوئے خاوند کو چھوڑ کر ہر رات راجہ اندر کی محفل میں جا کر ناچتی تھی اور صبح ہوتے ہی واپس آکر بستر میں سوجاتی مگر شہزادی کا انجام کتنا کربناک تھا۔ وہ ٹھنڈی آہیں بھر کر انجام پر غور کرتی مگر کچھ ہی دیر میں پھر پرانی ڈگر پر سوچنے لگتی:

"بابل کے گھر اور پیا کے گھر میں تو پیار اور اپنا پن کا رشتہ ہونا چاہئے تھا مگر وہ بدنصیب تو شروع سے ہی ..." اسے اپنے نکاح کا وہ مبارک دن یاد آیا جب دو دیسوں کے درمیان دولہا دلہن دونوں سجائے گئے۔ بارات آئی، ڈھول باجے بجے مگر دولہا دلہن میں ملاپ ہوا تو کہاں، بھلا ٹیلیفون کے دائرے پر ... لوگ باگ قہقہے لگا رہے تھے اور وہ اداس تھی، سنجیدہ تھی جذبات اتھل پتھل ہو رہے تھے مگر صرف الفاظ ایک دوسرے کو سنائی پڑ رہے تھے ... "قبول کیا ... ؟ ہاں میں نے قبول کیا ..." دونوں فریقین کے رشتے کو قبول کر لینے کے بعد ہر طرف سے مبارکباد دی جانے لگی تھیں مگر وہ اس روز بھی رو رہی تھی .. اور آج بھی اس کی آنکھوں میں پچھتاوے کے آنسو ہیں ... صبح کے نو بج رہے تھے۔ بیٹی بستر سے اتر کر "امی امی" کہہ کر رونے لگی تھی۔ وہ اپنا رونا بھول کر اپنی بیٹی کے آنسو پونچھنے لگی، نہلا دھلا کر اس کے منہ میں دودھ کی بوتل دے کر وہ خود بننے سنورنے لگی تھی کہ اس گھر میں کوئی اسے اداس دیکھنا نہیں چاہتا ہے۔ اسے اداس اور غم زدہ دیکھ کر پورے گھر کا مزاج درہم برہم ہوجاتا ہے۔ دراصل اس گھر میں اب اس کی حیثیت اس اہم پرزے کے جیسی تھی جس کے ذرا دیر بیٹھ جانے سے خانہ داری کی مشین ہی گھڑگھڑانے لگتی ہے۔ کوئی دوسرا پرزہ گھرداری کی اس مشین کو اس طرح بحسن و خوبی چلا ہی نہیں پاتا ... اس کے خاوند سے زیادہ اس کے گھر کے اور لوگ اس کے محتاج ہوگئے تھے۔ خاوند تو برابر باہر ہی باہر رہتا ہے۔ نوکری ہی ایسی جو تھی۔ اپنے ساتھ بھی نہیں رکھ پاتا کہ ہر وقت ٹور میں وہ بیوی کو کہاں کہاں ڈھوتا چلتا۔

شاید گھریلو ذمہ داری سے بھاگنے کا یہ بھی ایک اچھا طریقہ تھا۔ وہ کبھی کبھار جاتی بھی تو ہوٹل میں ایک ڈیڑھ ہفتہ رہ کر اسے واپس اصلی گھر آنا پڑتا جہاں ساس اور سسر اس کے انتظار میں آنکھیں بچھائے ہوتے۔ اب وہ انہیں لوگوں کے پیار میں اپنا ہر غم غلط کرنا سیکھ گئی تھی مگر آج تو ... آج تو ... پھر وہ بے اختیار ہو رہی تھی۔ "ابو، میرے اچھے ابو، اپنی بیٹی کا انتظار کرنا، وہ ہر باندھ کو توڑ کر تم سے ملنے ضرور آئے گی ... ابو میرے پیارے ابو ..." وہ آپ ہی آپ بڑبڑا رہی تھی اور آنکھیں موسلا دھار بارش کا سماں پیش کر رہی تھیں .. اس نے سوچا وہ اپنے خاوند کو فون کر کے بتا دے کہ "بھئی! ایک بار تو ساتھ چل کر ابا اماں کو خوش کر دو، ہم دونوں کی جوڑی کو انہوں نے صرف تصویر میں ہی دیکھا ہے۔ اب تو ایک بچی کے باپ بھی ہوگئے، ایک باپ کے جذبات کو سمجھنے کی ..." پھر اسے لگا یہ سب احمقانہ باتیں ہیں۔ اس کا خاوند بڑے مضبوط دل گردے کا آدمی ہے یا پھر اس کی مجبوری نے اسے پتھر دل انسان بنا دیا ہے۔ اسے یاد آیا شادی کے فوراً بعد وہ کتنے پیار سے اسے اپنی مجبوری بتاتا تھا لیکن ان دنوں تو وہ فوراً گرم ہوجاتا ہے۔ اچھی سی اچھی بات گرم توے پر گرتی ہوئی بوند کی طرح بخار بن کر اڑ جاتی ہے اور کہنے والا اپنا سا منہ لے کر رہ جاتا ہے۔ اس کی ماں نے ایک بار کچھ کہا تھا تو کس قدر تلخی سے اس نے جواب دیا تھا:

"آپ لوگوں کو بچپن میں لگی ہوئی منسوب کا اگر اتنا ہی لحاظ تھا تو پھر ان تمام لوگوں کو ہی یہاں بسا لیتے یا پھر خود ہی وہاں جا بستے۔ یہ تو آسان نہیں تھا، آسان تو صرف شادی کر دینا ہے۔ دل ملے یا نہ ملے۔ مگر شادی ضرور ہو ..." وہ اکثر غصے کی حالت میں ایسی بہکی بہکی باتیں اپنی بیوی کو بھی بلا جھجک کہہ سناتا تھا۔ شاید اسی لئے اب وہ اپنا درد کسی سے بانٹتی نہیں، وہ جانتی تھی کہ یہ درد، اسی کا مقدر ہے۔ اس لئے جب کبھی والدین کے فون آتے تو تھوڑی دیر وہ چھپ کر آنسو بہا لیتی۔ پھر نارمل ہی نہیں بالکل نارمل ہوجاتی .. مگر آج اپنے ابا حضور کی سیریس بیماری کا سن کر وہ بے قابو ہو رہی تھی۔ اور فوراً پنکھ لگا کر اڑ جانے کو تیار تھی۔ گھر والے بھی جانے کی اجازت فوراً ہی دے چکے تھے مگر پاسپورٹ ویزا۔ ساتھ کون جائے۔ چھوٹی بچی۔ یہ سب اڑنگت بکھیرے تھے جن کو حل کرتے کرتے بھی تقریباً بیس دن لگ ہی گئے۔ ساتھ جانے کے لئے بھی خاوند کا چھوٹا بھائی تیار ہوگیا تھا۔ وہ اپنی بچی کے ساتھ جانے کی پوری تیاری کر چکی تھی، کبھی خوش ہوتی کبھی اداس، کبھی موجودہ ملکی حالت کو محسوس کر کے خوف کھاتی اور کبھی نڈر ہو کر سوچتی "جانا تو ہے ہی۔ ماں باپ سے بھی بڑی کوئی چیز ہے دنیا میں .."

ادھر ایک مدت سے ان لوگوں کے خطوط بھی یہاں نہیں آرہے تھے، دراصل اس نے خود ہی منع کر دیا تھا اور بظاہر خود بھی ترک تعلق بنا رکھا تھا۔ دراصل جب سے اس کے خاوند کا دوست محض شک کی بنا پر مبتلائے بلا ہوا تھا، گھر کے تمام لوگ چوکنا ہوگئے تھے۔ کونے کھدرے میں جہاں جہاں اس کے مائیکے کے خطوط چھپے ہوئے تھے۔ کئی روز کی کھوج کھاج کے بعد ان تمام خطوط کو یکجا کر کے جلا دیا گیا۔ اس وقت اس کی عجیب کیفیت ہو رہی تھی لیکن وہ سب کچھ بڑے صبر سے سہہ گئی تھی کہ اس کے علاوہ اور چارہ بھی کیا تھا ... پیار کو دھوئیں اور سیاہی میں بدلتے دیکھ کر اس کے دل سے آہ نکلی تھی۔ "کاش! وہ ان دونوں پڑوسی ملکوں کے رشتے کو خوشگوار بنا سکتی۔ اس نے کبھی سوچا تھا اس کے جب دو بیٹے ہوں گے تو ایک کا نام وہ ہندوستان رکھے گی اور دوسرے کا پاکستان۔ کتنی مماثلت ہے دونوں ناموں میں، مانو واقعی دونوں بھائی لڑ جھگڑ کر پھر ایک ہوجاتے ہوں .. مگر اب تو ایسا لگتا ہے اس کی یہ حسرت ... حسرت ہی رہ جائے گی"۔

کل صبح اسے دہلی کے لئے روانہ ہونا ہے اور پرسوں شام میں ہی وہاں کے لئے فلائٹ

کا ٹکٹ لیا جا چکا ہے۔ وہ اپنے سسر، ساس اور دیور کی بیحد ممنون و مشکور تھی جن کی انتھک کوششوں سے سب کام جلدی جلدی ہو گیا تھا ... ننھی بچی کو بار بار دادی پیار سے چوم رہی تھیں اور بہو کو مستقل سمجھا رہی تھیں۔ "جلدی آجانا بیٹی، تمہارے بغیر تو یہ گھر... گھر ہی نہیں لگتا ہے..." وہ ہنس کر جواب دیتی۔

ہاں ممی! میں خود اس بات کو سمجھتی ہوں مگر اس بار پتہ نہیں کیوں میں اندر سے بہت نروس ہوں۔ ارشد آئیں گے تو آپ لوگ بھی کوشش کیجئے گا کہ کم از کم ایک بار وہ ابا حضور کی موجودگی میں اپنی سسرال ہو لیں۔ ابا کی بے حد خواہش ہے انہیں دیکھنے کی..." اس کا جملہ مکمل بھی نہ ہوا تھا کہ دیور نے ڈانٹ پلائی۔ "آپ پھر بچوں جیسی باتیں کرنے لگیں بھابی! کیا آپ نہیں جانتیں ... ؟" تلخ جواب سن کر اسے برا تو لگا مگر وہ تو اس کی عادی ہو چکی تھی، اس نے شرمندگی سے سر جھکا لیا اور اپنے خوابوں کی دنیا کو ایک بار پھر اپنے ہاتھوں سے ادھیڑ رہی تھی کہ اچانک ٹیلیفون کی گھنٹی بجنے لگی.. اس نے ہڑبڑا کر بے وقت آئی ہوئی گھنٹی کو لبیک کہا اور ٹیلیفون کا چونگا ہاتھ میں سنبھالتے ہوئے ہی وہ بے بسی سے رونے لگی تھی: "ہائے ابا حضور چل بسے ... اب تو میں مرا ہوا چہرہ بھی نہ دیکھ پاؤں گی، اللہ میاں کم از کم تین دن کی زندگی تو اور دے دئے ہوتے ..." جھڑ جھڑ آنسو اس کی آنکھوں سے گر رہے تھے۔

دوسری جانب سے درد بھری آواز آرہی تھی۔ مرتے وقت بھی ان کی آنکھیں دروازے پر ہی لگی ہوئی تھیں .. اور زبان پر تمہارا نام ..." روتے روتے اس کی ہچکیاں بندھ گئیں، وہ ٹیلیفون اپنی ساس کے ہاتھوں میں تھما کر خود نہایت بے صبری کے عالم میں مصلی بچھا کر دعائے مغفرت کے لئے ہاتھ اٹھا چکی تھی، اس کے کانوں میں باپ کی پیاری آواز گونج رہی تھی اور دماغ شائیں شائیں کر رہا تھا۔

چہرے بدل گئے

میر ظفر حسن

اب زندگی کو پھر سے نئی زندگی ملے
تم تو نہیں ملے ، مجھے تم سا کوئی ملے
آنسو مرا سراغ ہیں ، آنسو میرا یقیں
یہ اعتبار ہو گیا ، وہ مجھ میں رہتا ہے
میں کچھ نہیں کہوں گا ، مگر جان لیں گے لوگ
جیسا میں پہلے تھا ، کبھی ویسا نہیں رہا
اک رقص ناتواں ہوئی اب زندگی مری
کوئی دریچہ وا ہو کہ پروائیاں چلیں
شوق وصال بھی نہیں ، نئے آرزو کوئی
اک موج بے کراں تھی ، جو ساحل پہ آگئی
خوشبو سے یاد آتے ہیں کتنے پرانے نام
اک پل میں دھند وقت کے چہروں سے چھٹ گئی
اک تشنگی کا جام جو بھرتا نہیں کبھی
میں تم کو دیکھتا رہا ، چہرے بدل گئے
آزاد بے خیال ہوں اور مشکلوں میں ہوں
مجھ پر برستا کیوں نہیں میں الجھنوں میں ہوں

at special events. The Royal Bedroom and private sun lounge will also be on view, along with Britannia's bridge.

Edinbrugh's other landmarks, such as Edinburgh Castle, Palace of Holyroodhouse, and the Showdome will also be opened to the public. Edinburgh Castle is home to scotland's Crown Jewels the oldest Royal regalia in the UK. Holyroodhouse, apart from being the Queen's official residence in Scotland, is perhaps best known as the home of Mary, Queen of Scotland.

THE BRITISH MONARCHY : In 50 years of accelerating change in so many spheres since her accession to the throne in 1952 and her coronation the following year, the queen has constantly had to face the challenge of representing stability and continuity while keeping the monarchy abreast of the times even into a new century.

Popular financial initiatives by the queen that have broken with tradition have included her decision in April 1993 to pay income tax and take all members of the Royal Family except herself, the Duke of Edinbrugh and Queen Elizabeth, the late Queen Mother, off the Civil List which pays official Royal cost from public funds. Taking advantage of the scope for photography and film being more available to her than her predecessors, one of the main ways in which the Queen has tried to modernise the monarchy is to make herself, her family, her daily work, her homes and her art treasures more accessible, both visually and physically. Perhaps the most obvious manifestation was the launch of the royal website (www.royal.gov.uk) in March 1997.

In order to contribute to the great cost of repairs to Windsor Caslte, near London, after the 1992 fire, the Queen decided to open the 19 state rooms of Buckingham Palace to the paying public for a period each summer. This arrangement has continued annualy and the revenue is now used to help pay for the conservation, acquisiton and display of the Royal collection of art treasures, one of the biggest private collections in the world, which receives no public money.

For the past three years the Royal Family has commissioned an annual public opinion poll, for its private use in decision making on the monarchy and the Royal Family, the Track prevailing views among different ages, gender and regional groups. For instance, in 1998 the queen said that the Lord Chancellor need no longer walk backwards down the few stairs from her throne in the House of Lords after presenting her speech at the State Opening of the Parliament.

Thus the British Monarch is abreast of the time.

COURTESY : BRITAIN TODAY - BRITISH HIGH COMMISSION. NEW DELHI.

****

****

sculptrues, ceramics and other artworks from the Royal Collection, developed during the last 500 years of the British Monarchy, will re-open the Queen's Gallery at Buckingham Palace,London, on 22 May 2002.

The Total Collection reflects the individual tastes of former kings, Queens and other members of the Royal Family who have built it. The exhibits will include works from the collection of Charles I (1600-49), including Van Dyck's great equestrain portrait of Charles I with M de St Antoine, and Hans Holbein the Younger's Moli Me Tangere.

Old Master's drawing in the collection will be represented by some works by Holbein of the court of Henry VIII (1491-1547), as well as studies by Leonardo da Vinic. Decorative art in the exhibition will include English and French furniture of the highest quality, and some of the most impressive English pocelain in the Royal Collection. A dazzling array of gold snuf boxes will demonstrate the royal taste for technicial virtuosity and luxurious materials. Also on display will be pieces of magnificent personal jewellery.

Among the new specially commissioned works to be exhibited in the gallery will be a sculpture of the Queen by Scottish artist Alexander Stoddart, commissioned by Buckingham Palace, and a portrait by Lucien Freud.

ROYAL YACHT BRITANNIA : The Royal Yacht Britannia - one of the world's most famous ships which served the British Royal Family for more than 40 years will be a leading attraction in the Jubilee celebrations in the city of Edinburgh, Scotland.

Plains to built Britannia began during the reign of King George VI. In April 1953, Britannia rolled down the slipway of John Brown's Shipyard in Scotland's Clydeside, destined to sail the oceans for 43 years and 334 days. She undertook 968 official visits, calling at more than 600 ports in 135 countries. Of special interest for Jubilee visitors abroad will be the Royal Apartment built to cater for 250 guests

termed a 'String of Pearls" linked by the great waterway stretching from Windsor Castle in the west to Woolwich in the east. Besides offering sightseeing opportunities,

the institutions will also stage lectures, debates, exhibitions, concerts, dramas and sporting events throughout the year.

Opening at various times throughout the year, the String of Pearls events will welcome visitors to the beautiful secret gardens of Eton College and to what used to be Winston Churchill's bachelor flat in Admiralty House. In Whitehall, it will take visitors to a military exhibition at Horse Guards highlighting contributions made by Commonwealth service people in the history of British Army during the 20th century. Other architectural pearls on show will be Inigo Jone's Banqueting House with it Rubens ceiling, the Cabinet Office, the Foreign and Commonwealth Office, Westminister Hall, Westministe Abbey the gotic Royal Courts of Justice and the Inner and Middle Inns of Court and Lincoln's Inn.

The City of London's livery companies, dating from the 14th century, will also receive visitors to their ancient halls, as will be College of Arms. Its 50 years of Heraldry exhibition will illustrate how coats of arms have been granted and designed during the Queen's reign. Another attraction will be the three-day Windsor Horse show opening on 16 May, which will celebrate the queen's lifelong interest in equestrain sports.

QUEEN'S GALLERY : A Special exhibition of royal treasures from the world's greatest art collections will form part of Queen Qlizabeth II's golden Jubilee celebrations.

The exhibition of 450 pictures, furnitures,

pottery and fine china companies in the Uk are creating special ranges of collectible items to mark the Golden Jubilee. Moorcroft, for instance, one of the most highly respected names in the history of Britain pottery, has produced a fine-piece set which includes a year plate and a ginger jar. The designer is Emma Bossons. Using a cobalt-blue background and soft shades of pink, yellow, purple and green, the design encompasses the emblematic flowers of the countries of the UK. It shows the rose of England, the daffodil of Wales, the thistle of Scotland and the shamrock of Northern Ireland.

QUEEN'S JUBILEE BATON RELAY : An unprecedented showcase of culture, sport and society will see millions of people in hundreds of countries around UK celebrating both the 2002 Commonwealth Games - the biggest multi-sports event staged in the UK - and Queen Elizabeth II's Golden Jubilee year. The Queen's Jubilee Baton Relay - where the world's first interactive baton will be carried for the Games - will pass through 500 towns, cover more than 8,050 km, travel for 50 days, involve 5,000 realy runners, and igve more than 50 million people the opportunity to involved in the Commonwealth Games which run from 25 July to 4

August. The interactive baton truly reflects the spirit of competition as it can convert the carrier's heart-beat into a pulsating blade of blue light. It will contain a message from the Queen which she will read at the Games opening ceremony on 25 July. Many of the UK's unsung heroes individuals who have made a special contribution to their community, improved the lives of others or achieved a personal goal against the odds - will also be celebrated in the relay.

The relay beings in the UK in northern Ireland on 6 June and end its epic journey on 25 July in Manchester. This high-tech baton is expected to reach India on 28 May 2002.

PEARLS ON SHOW : More than 80 buildings of special interest along the River Thames will open their doors to the public between March and December 2002 to celebrate the Golden Jubilee. All associated with the monarchy, they constitute what has been

tuesday evening audience to 10 Prime Ministers. They

are : Sir Winston Churchill (1951-55), Sir Anthony Eden (1955-57), Herabld Macmillan (1957-63), Sir Alec Douglas - Home (1963-64), Harold Wilson (1964-70) and (1974-76) Edward Heath (1970-74), James Callaghan(1976-79), Margaret Thatcher (1970-90) John Major (1990-97) and Tony Blair (1997-present). Mr. blair is the first Prime Minister to have been born during the Queen's reign,

An important innovation during the Queen's reign was the opening in 1962 of a new gallery at the Buckingham Palace to display item from the Royal Collection. The brainchild of Duke of Edinbrugh, the new Queen's Gallery occupied the space of the Palace's bombdamaged private chapel. It was the first time that parts of the palace had been opened to the general public. The New queen's Gallery is currently being redeveloped and will be opened in May 2002 for the Golden Jubilee.

The queen has introduced a new breed of dog known as the 'dorgi' when one of Her Majesty's corgis was mated with a dachshund.

COIN TO MARK THE JUBILEE : A five ponds sterling coin to mark the Golden Jubilee of Queen Elizabeth II has been unveiled to collectors by the royal Mint. It bears the inscription, "Amor Populi Praesidium Reg" meaning, ' the love of the people is the Queen's protection'. The obverse of the Jubilee crown features an elegant equestrian portrait of the Queen in keeping with the design of the crown struck previously to celebrate the Queen's Coronation in 1953 and her Silver Jubilee in 1977.

Sculptor Ian Rank - Broadly designed and modelled both sides of what is likely to become the most coveted Jubilee keepsake. The coin will be

available from May 2002.

JUBLEE DESIGNS :

Prestigious porcelain,

GOLDEN JUBILEE OF QUEEN ELIZABETH II

50 Years on The throne

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

UK is celebrating Queen Elizabeth II's 50 years on the throne, this year. Therefore, some facts about the Queen, the British Monarchy and details of Golden Jubilee Celebrations are given below.

The Queen was born at 17 Bruton St, London on 21st April 1926. She was christened on 29 May 1926 in the Private Chapel at the Buckingham Palace. The Queen and the Duke of Edinbrugh have been married for 54 years. They were married on 20 November 1947 in Westminister Abbey. With the birth of Prince Andrew in 1960, she became the first reigning sovereign have a child since Queen victoria.

Queen Elizabeth II is the fifth congest serving British Monarch after queen Victoria (63 years), George III (59 years), Henry III (56 years) and Edward III (50 years). She is 40th monarch since William the Conqueror obtained the crown of England.

The Queen's first Commonwealth tour began on 24 November 1953. The Queen has undertaken 251 official overseas visits to 128 different countries in these 50 years. Many of these offical tours were undertaken on the Royal yacht Britannia.

Over the reign, Her Majesty has given regular

the American special envoy, has been in Palestine for nearly a month, but his mandate is limited only to secure a ceasefire - without any proposal to end the zionist occupation, so there is little incentive for the Palestinians to respond. The earlier Mitchell and Tenet Plans also suffered from the same law. There is nothing in them for the Palestinians, only a rescue package for the zionists. Sharon has said that he will consider when to hold negotiations about what Israel may be prepared to concede to the Palestinians. These nonsensical proposals are peddled as "peace" initiatives under the equally derisory rubric of a "peace process."

What the second intifada has shown, with increasing numbers of young Palestinians eager to become martyrs, is that the zionists can be made to pay a much higher price for their occupation of Palestine. When this cost is increased to the point that it out weighs its benefits or becomes more than the Israelis are willing and able to pay (or both), the zionists will be forced to go. Neither negotiations nor diplomacy mean anything to the zionists. After all, the Oslo accords were designed to favour the Israelis, who used them simply to trick the Palestinians into doing the zionists' dirty work, without the Israelis fulfilling any of their obligations. So why should anyone at all, let alone the besieged, betrayed Palestinians, trust them to behave differently in the future?

Beirut the following day when they asked; " If the attack on Iraq is an attack on every Arab state, why not the attacks on Palestinians?" in response to the Arab League communique that had been issued two days earlier.

Every law, international instrument, and convention or article of the UN charter allows the victims of aggression to defend themselves. These are laws crafted not by Muslims or Palestinians but by the very governments, especially in Washington, that are today underwriting Israel's crimes. The violation of these laws is compounded by the daily humiliations to which the zionists subject the Palestinians. The military checkpoints are typical examples: they are invariably manned by young gun-toting soldiers, often recent immigrants from America or Russia; these unruly Israelis insult elderly Palestinian men by forcing them to walk barefoot, or deliberately delay taxis carrying Palestinian women in labour to hospital. Many have had to suffer the indignity of giving birth in cars in the presence of strangers; some mothers and babies have died. It is such degradations and abasements that have forced the Palestinians to use the means at their disposal, in this case only their bodies, to fight back. They have neither tanks nor missiles nor planes; that the Israelis use US-supplied tanks and helicopter-gunships makes their crimes even worse: they constitute state terrorism, aided and abetted by a "superpower".

Much noise has been made about Bush's statement on April 4 in which he said that he wanted Israel to pull its troops out of Palestinian territories; Bush also repeated the mantra that Palestinian leader Yasser Arafat must do more to end the violence. Arafat has been under "room arrest" for several weeks; his HQ in Ramallah is besieged by tanks, which have destroyed most of its buildings. He cannot even use his cell phone, because there is no electricity to charge its battery, yet Bush insists that Arafat must end the violence. There is barely a hint that Israel must end its murderous occupation and barbarism.

Bush dispatched Colin Powell, his secretary of state, to the region on April 8, ostensibly to secure a ceasefire and Israel's military withdrawal from the reoccupied Palestinian towns, but without ending the occupation. Anthony Zinni,

food is allowed in. Even ambulances are shot at to prevent them from reaching the wounded, who often bleed to death. In one gruesome act reported by Ha'aretz, a Hebrew newspaper, on April 3, the bodies of Samiya Abda, a 60-year-old son were prevented from being moved from the family apartment for burial. Both had been killed by an Israeli tankshell. Relatives, including children, were forced to live with the corpses for days. When the bodies began to decompose, the children were moved by the adults to the bathroom.

Similar gruesome scenes took place in Ramallah, which was under curfew for several days. The curfew was lifted for three hours on April 2 so that some of the bodies in the overflowing morgue could be buried in temporary graves in the hospital's parking lot. Ariel Sharon, prime minister of Israel, has said repeatedly that his aim is to inflict "heavy casualties" on the Palestinians, yet he remains

a close friend of US president George Bush, who dined and feted the indicted war criminal at the White House last month.

American officials readily accept the plea that Israel is fighting in "self-defence" or is fighting "terrorism". It is the Palestinians who have been dispossessed of their homes and land, not just once but twice or three times over by the invaders. It is intellectually dishonest and morally repugnant to equate the Palestinians' struggle for self-determination with "terrorism." Equally despicable is the attempt to delegitimize the martyrdom - seeking operation of the Palestinians by describing them as "suicide" missions or bombers sent for money. Such lies have been exposed in studies conducted by Dr Eyad Sarraj, head of the Mental Health Clinic Programme in Ghazzah. According to Dr Sarraj, these martyrdom - operations are perceived as empowering the Palestinians. Far from recruiting them, the more difficult problem facing the Palestinian leaders is how to control the eager seekers of martyrdom. A recent example was that of 18 year old Ayat Akhras, who left a telling message before here martyrdom on March 29. ' I am going to fight instead of the sleeping Arab armies, who are watching Palestinian girls fight alone. It is intifada until victory." Similar sentiments were repeated by marchers in

COURAGE OF THE PALESTINIAN PEOPLE AND MUJAHIDEEN

By Zafar Bangash

Israel's murderous attacks on Palestinian towns and refugee camps, which intensified on March 29 and were continuing at Crescent International Press time (April 9), have set the Muslim masses on fire. Massive demonstrations have been held in such places as Cairo, Amman, Beirut, Rabat and Jakarta. In Egypt student protests, going on for more than 10 days, resulted in clashed with the police. Similar scenes took place in Jordan, where the regime of Abdullah II is particularly vulnerable because of its close ties with Israel as well as total subservience to Washington. Egypt is little better, although as a sop to the Egyptians' growing anger Mubarak temporarily downgraded diplomatic relations with Tel Aviv. Massive demonstrations have also been held in several Western capitals, some of the largest rallies having been in such places as Rome and Madried.

At least 50 Palestinian refugees were murdered in Jenin alone on April 6. There were also grim scenes in other Palestinian towns, as the Israeli army rampaged through narrow alleys, shooting everyone in sight. Ramallah, Bethlehem, Qilqilya, Nablus and Jenin have been especially hard hit. Water and electricity have been cut off and no
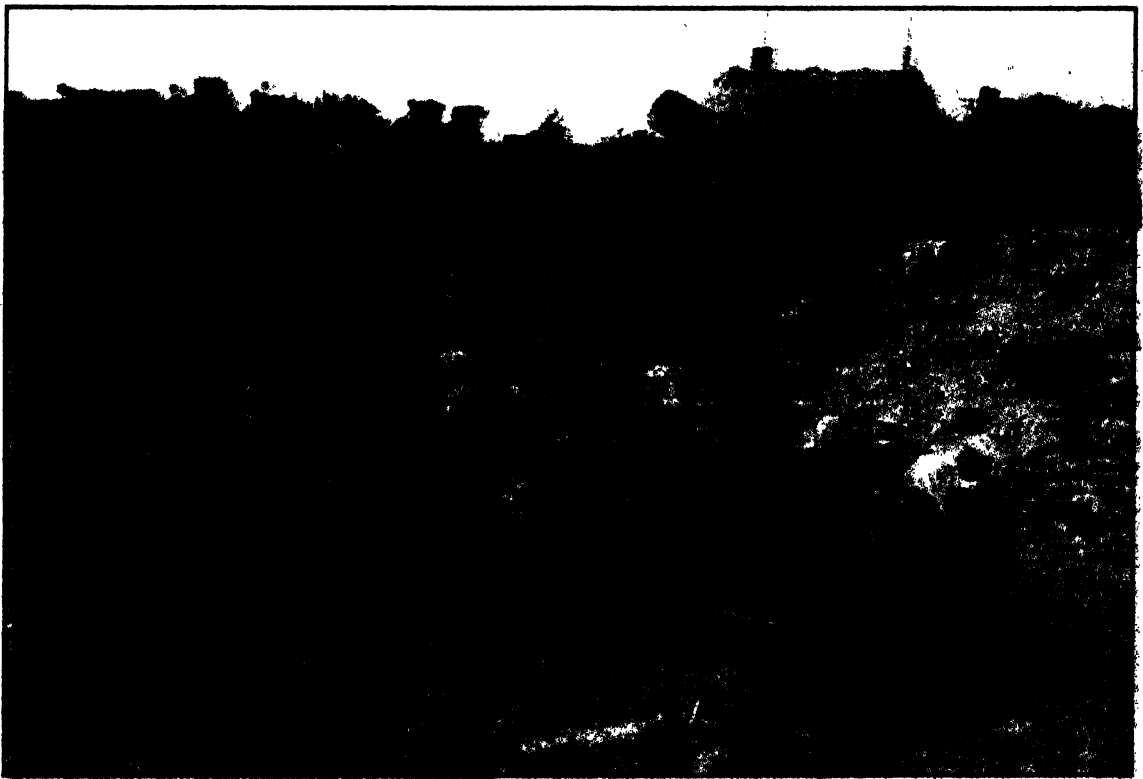
کانگریس کے 14 چیف منسٹرس کو امن و فرقہ وارانہ ہم آہنگی برقرار رکھنے سونیا گاندھی نے
خصوصی ہدایت دی

ASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL HYDERABAD A P INDIA **Rs.10/-** Volume 7 No 9 1 15 May 2002
3D No.H/HD850
REGD NO R N 63767/96

18/11/02

اسرائیلی مظالم اور فلسطینیوں کا جذبۂ شہادت

ماں اور بیٹا تباہ حال مکان دیکھتے ہوئے

شاہ عالم ریلیف کیمپ میں نومولود بچے

کمسن لڑکی ہاتھ میں بم پکڑے ہوئے جو پھٹا نہیں
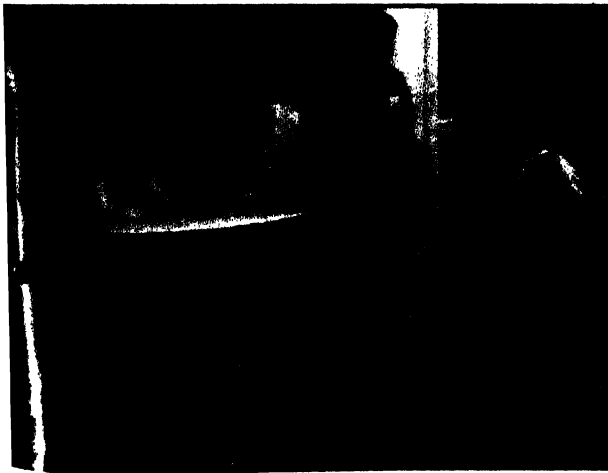
وزیراعظم واجپائی گجرات فسادات کے متاثرین کی بپتا سن کر رہے

Siasat Fortnightly International

سید عابد علی خان

Vol. 7. HYDERABAD Issue : 8 Rs.10/- (8) شمارہ

Editor: ZAHID ALI KHAN 16-30 April - 2002

Offices:

Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA:
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188

NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.

MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.

CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012

CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.

BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.

AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.

PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372

NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.

USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.

UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.

SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.

KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

18|4|02

سرورق

اسرائیل کے مظالم اور فلسطینیوں کا جذبہ شہادت

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

قارئین سے اپیل

گجرات کے فسادات میں سینکڑوں معصوم افراد کی جانیں گئیں
کروڑوں روپئے کی املاک تباہ ہوگئیں۔ کئی غریب اور نادار بے گھر ہوگئے
ان کا سب کچھ چھن گیا، وہ بے یار و مددگار ہیں ۔ ان نازک حالات میں

سیاست

متاثرین کی امداد اور بازآبادکاری کیلئے اپنے قارئین سے تعاون کی اپیل کرتا ہے
آپ سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے

زاہد علی خان
ایڈیٹر سیاست

نوٹ:
جو حضرات اپنے
عطیئے ذریعہ ڈرافٹس
روانہ کرنا چاہتے ہیں وہ

سیاست
ریلیف فنڈ
A/c No. 55905

کے نام روانہ فرمائیں

عطیئے: دفتر روزنامہ **سیاست**
جواہر لال نہرو روڈ، عابڈز، حیدرآباد پر روانہ فرمائیں

اسرائیل کی جارحانہ روش

مشرقِ وسطیٰ میں دائمی امن کے قیام اور فلسطین اور اسرائیل کے درمیان خوشگوار تعلقات کے قیام کے لئے گذشتہ 20 سال سے جاری مساعی پر وزیر اعظم ایریل شیرون نے پانی پھیر دیا ہے۔ اب متنازعہ مسائل کی یکسوئی کے لئے مذاکرات کے دوبارہ آغاز کے امکانات بھی موہوم ہوگئے ہیں۔ اس خطہ ارض میں مشتعل فلسطینیوں خاص طور پر سرفروش نوجوانوں کے خودکشی دستوں کی جانب سے تشدد کے واقعات کوئی نئی بات نہیں ہیں یہ نوجوان اسرائیلی فوجوں کے مظالم سے تنگ آکر اس طرح کا انتہائی اقدام کرتے رہے ہیں لیکن گذشتہ ماہ اسرائیلی علاقہ میں ایک بم دھماکہ کی واردات کو جس میں چند اسرائیلی ہلاک ہوئے بہانہ بنا کر وزیر اعظم شیرون نے مملکت فلسطین کے علاقوں میں فوج کی یلغار شروع کردی۔ فوج نے بڑے پیمانے پر قتل و غارت گری شروع کردی، سارے فلسطینیوں کو دہشت گرد قرار دیدیا۔

حد تو یہ ہے کہ عظیم قائد حریت یاسر عرفات کو جنہیں ساری دنیا معقولیت اور مذاکرات اور مفاہمت کے ذریعہ تنازعات کی یکسوئی اور امن پسند تسلیم کرتی ہے۔ وزیر اعظم اسرائیل نے "دہشت گرد" قرار دیدیا۔ ایک اور ذمہ دار اسرائیلی قائد نے انھیں طالبان کے قائد ملا عمر کی طرح کی شخصیت ظاہر کرنے کی کوشش کی۔

ایسا محسوس ہوتا ہے کہ امریکہ نے ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر دہشت گردوں کے حملہ کے انتقام کے طور پر افغانستان میں جو جنگی کارروائی کی اور اسامہ بن لادن اور ملا عمر کو زندہ یا مردہ حاصل کرنے کے لئے جو حملے کئے ایریل شیرون فلسطین میں امریکہ کے اسی طرح کے اقدامات کے عزائم رکھتے ہیں وہ چاہتے ہیں یاسر عرفات اور انکی تنظیم الفتح کو ہر لحاظ سے کمزور کردیا جائے اور فلسطینیوں کی نئی نسل کو ان سے بدظن کردیا جائے تاکہ اسرائیل فلسطین امن مذاکرات میں کوئی پیش رفت ہی نہ ہوسکے۔ فوجی کارروائی کے ذریعہ فلسطینیوں کو ہی محکوم بنالیا جائے۔ یہ مسٹر شیرون کا خیال خام ہے۔ ان کا ایسا کوئی خواب شرمندہ تعبیر نہیں ہوسکتا۔ فلسطینی نئی نسل صیہونیت سے زبردست نفرت کرتی ہے۔ اسرائیلی فوج کی کارروائیوں اور نظم و نسق کی انتقامی کارروائی کے خلاف انکا جذبہ انتقام اس نقطہ عروج پر پہونچ گیا ہے کہ آج ہزاروں فلسطینی ایک آزاد اور خودمختار مملکت فلسطین کے حق کو جسے ساری دنیا جائز تصور کرتی ہے، حاصل کرنے کے لئے جاں کی بازی لگانے تیار ہیں۔ مسٹر شیرون کی ناعاقبت اندیشی پر مبنی حکمت عملی نے سمجھوتے کے امکانات کو کوسوں دور کردیا ہے۔ اسحاق رابن اور شمعون پیریز کے دور میں مساعی امن میں تیز رفتار پیش رفت امید کی کرن ثابت ہوئی لیکن جب سے مسٹر شیرون نے اقتدار سنبھالا ہے مذاکرات کی راہ میں رکاوٹیں پیدا ہوئیں بلکہ جارحانہ روش نے فلسطینیوں کو دہشت پھیلانے پر مجبور کردیا۔ نوجوانوں میں اس بات کے لئے غصہ ہے کہ امن معاہدہ کے تحت حکومت اسرائیل نے آزاد مملکت فلسطین اور مختلف علاقوں میں اسکی عملداری کے سلسلے میں جو وعدے کئے گئے ان کی ایک چوتھائی کی بھی تکمیل نہیں ہوئی۔

وزیر اعظم اسرائیل نے جو جارحانہ روش اختیار کی ہے ساری دنیا اس کی مذمت کرتی ہے۔ امریکہ کے صدر بش نے بھی تاخیر سے سہی اسرائیل کی اس حکمت عملی کی سخت مخالفت کی اور اسرائیل کو مغربی کنارے سے فوجوں کو ہٹالینے کا مشورہ دیا۔ مسٹر شیرون نے اپنے آقا کے احکام کی تعمیل میں محض برائے نام کچھ فوج ہٹائی لیکن بڑے حصہ پر آج بھی اسرائیلی فوج کا قبضہ ہے۔

مسٹر شیرون نے سب سے زیادہ قابل مذمت حرکت کی۔ فلسطین کے قائد بے بدل یاسر عرفات کو رام اللہ میں انکے صدر دفتر کی تباہ و تاراج عمارت میں محصور کردیا۔ پانی اور برقی کی سربراہی بند کردی۔ انھیں ایک طرح سے اسیر بنادیا گیا اور ملک بدر کردینے کی دھمکیاں دی گئیں۔ اپنی اس حرکت سے شیرون ساری دنیا میں رسوا ہوگئے۔ انکے ناپاک عزائم کی تکمیل ناممکن ہوگئی کیونکہ ساری دنیا جانتی ہے کہ یاسر عرفات ہی واحد شخصیت ہے جو اسرائیل فلسطین مفاہمت اور اس علاقہ میں قیام امن کو ممکن بناسکتے ہیں۔ ان کے سوائے اسرائیل یا امریکہ کو فلسطینی عوام کی جانب سے بات چیت کرنے والا کوئی صلح پسند قائد نہیں ملے گا۔ اسرائیل کا مفاد یاسر عرفات کی سلامتی میں مضمر ہے۔ بیت اللحم میں فوج کے داخلے نے بھی اسرائیل کے ہمدرد عیسائیوں کو بھی غیض و غضب میں مبتلا کردیا ہے۔

حالات کے بگڑ جانے پر ساری عرب دنیا کو فطری طور پر تشویش لاحق ہوگئی اور سعودی عرب نے مداخلت کرتے ہوئے ایک امن منصوبہ پیش کیا اور ولیعہد عبداللہ نے جو عرب دنیا میں نمایاں مقام رکھتے ہیں مصالحت کے لئے منصوبہ پیش کیا جس میں اسرائیلی فوج کے ان سارے فلسطینی مقبوضہ علاقوں سے تخلیہ کو لازمی قرار دیا گیا ہے جن پر 1967ء کی عرب اسرائیل جنگ کے دوران قبضہ کرلیا گیا تھا۔ سعودی عرب نے اسرائیل کو آج تک تسلیم نہیں کیا ہے اسکے باوجود پرنس عبداللہ نے خیرسگالی کا مظاہرہ کرتے ہوئے اسرائیلی حکومت کو بات چیت کی پیشکش کی جسے عرب ممالک کی تنظیم کی حمایت حاصل تھی۔

لیکن وزیر اعظم اسرائیل نے جو اپنی جارحانہ حکمت عملی کو روبہ عمل لانے پر بضد ہیں ان معقولیت پر مبنی تجاویز کو مسترد کرتے ہوئے قیام امن کے امکانات کو موہوم بنادیا ہے۔

ساری دنیا اس ناقابل انکار حقیقت کو تسلیم کرتی ہے کہ فلسطینی عوام کے جائز حقوق کی تکمیل میں ہی اسرائیل کی بقاء اور یہودی عوام کی سلامتی مضمر ہے۔ شیرون سعودی عرب کے منصوبے کی بنیاد پر مذاکرات کے آغاز اور مقبوضہ مغربی بینک اور غزہ سے اپنی فوج کے تخلیہ کے ذریعہ ہی امن کی راہیں ہموار کرسکتے ہیں۔ اسکے سواء کوئی متبادل نہیں۔ امریکہ اور اسکے حلیف ممالک مسٹر شیرون کو راہ راست پر لانے کی ذمہ داری سے پہلوتہی نہیں کرسکتے۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

افواہ طرازی

سورہ حجرات کی آیت ۶ میں مسلمانوں کو جو ہدایت دی گئی ہے وہ معاشرتی زندگی میں نہایت اہمیت کی حامل ہے۔ اس ہدایت کا حاصل یہ ہے کہ کبھی ایسا نہیں ہونا چاہئے کہ ادھر تم سے کسی نے بات کی اور ادھر تم نے اسے سچ مان لیا، بالخصوص ایسے معاملات میں تو تمہیں بہت ہی احتیاط کرنی چاہئے جن کا تعلق قومی اور اجتماعی نقصان سے ہو۔ ان معاملات میں بسا اوقات ذرا سی بے احتیاطی بے حد سنگین اور خطرناک غلطیوں کا باعث بن جاتی ہے۔ اس لئے تم پر لازم ہے کہ جب بھی کوئی ایسی خبر سنو، اسے مان لینے سے قبل خوب اچھی طرح اس کے بارے میں تحقیق کرلیا کرو۔

افواہ پھیلانے والوں کا مزاج یہ ہوتا ہے کہ وہ ہمیشہ ان کا آغاز سرگوشیوں، کانا پھوسیوں سے کیا کرتے ہیں۔ ان کا مجرم ضمیر انہیں ذمہ دارانہ انداز میں پورے اعتماد کے ساتھ برسرعام بات کرنے کی اجازت نہیں دیتا، یہی وجہ ہے کہ ایسے لوگ ہمیشہ رازدارانہ لب و لہجہ کے ساتھ دوسرے کے کانوں میں بات کرتے اور اس طرح دلوں میں وسوسہ ڈالنے کی کوشش کرتے ہیں۔

قرآن حکیم نے اس طرز کلام کو شیطانی فعل قرار دیتے ہوئے معاشرے میں سرگوشی اور کانا پھوسی کرنے والوں کی سخت مذمت کی ہے (سورہ المجادلہ آیت ۱۰)

سرگوشی کے علاوہ افواہ جھوٹ بھی ہوتی ہے اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے کہ مسلمان اور سب کچھ ہوسکتا ہے مگر جھوٹا نہیں ہوسکتا۔ یہی نہیں کہ افواہ پھیلانے والا جھوٹا ہوتا ہے بلکہ جو آدمی تحقیق و تصدیق کے بغیر اسے صحیح مان کر آگے پھیلانا شروع کردیتا ہے، اسلام کے نزدیک وہ بھی جھوٹا ہوتا ہے۔ آپؐ کا ارشاد ہے کہ ایک آدمی کے جھوٹا ہونے کے لئے یہی بات کافی ہے کہ وہ جو بات سنے اسے بغیر تحقیق اور تصدیق کے دوسروں سے بیان کرنا شروع کردے۔

قرآن حکیم مسلمانوں کو یہ تعلیم دیتا ہے کہ وہ یونہی کسی بات کے پیچھے نہ ہولیا کریں، فرمایا: "اور جس بات کا تجھے علم نہیں اس کے پیچھے نہ ہولیا کر، کیوں کہ کان، آنکھ اور دل ان سب سے قیامت کے دن پوچھ ہوگی" (سورہ بنی اسرائیل آیت: ۳۶)

افواہ عموماً سرگوشی اور جھوٹ کے ساتھ غیبت اور بہتان پر بھی بنی ہوتی ہے اور اسلامی شریعت میں ان دونوں کو بہت بڑا گناہ قرار دیا گیا ہے۔ قرآن حکیم میں ارشاد ہوا ہے "اے ایمان والو! بدگمانی سے اکثر و بیشتر بچو، بیشک کئی بدگمانیاں گناہ ہوتی ہیں اور کسی کے معاملات کی کھوج نہ کرو اور ایک دوسرے کو پیٹھ پیچھے برا نہ کہو۔ کیا تم میں سے کوئی شخص اس بات کو پسند کرے گا کہ وہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے، پس اس سے نفرت کرو اور اللہ تعالی سے ڈرتے رہو، بیشک اللہ تعالی معاف کرنے والا مہربان ہے" (الحجرات آیت ۱۲)

قرآن حکیم اور ارشادات رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی ان تصریحات سے ثابت ہوا کہ اسلام افواہ بازی اور افواہ طرازی کا سخت مخالف ہے وہ کسی مسلمان کے لئے کسی حالت میں بھی یہ بات پسند نہیں کرتا کہ وہ اس نجاست سے آلودہ ہو۔ اس گناہ کی شدت اور اس کا نقصان اس صورت میں تو کئی گنا بڑھ جاتا ہے جب ملت ہنگامی دور سے گذر رہی ہو اور اس کا دشمن اس کے دروازے پر دستک دے رہا ہو۔ ایسے حالات میں افواہیں پھیلانا یقیناً دشمن کے ہاتھ مضبوط کرنا ہے، ایسے لوگ عوام کے حوصلے پست کرکے جذبہ جہاد" (وسیع معنی و مفہوم میں) کو مجروح کرنے کے مرتکب ہوتے ہیں۔

ہمارا فرض ہے کہ ہم ایسے لوگوں سے خبردار رہیں اور معاشرے میں ایسا شعور اور احساس بیدار کردیں کہ وہ ایسے عناصر کا وجود ہی برداشت کرنے سے انکار کردے۔

مسلمان کی پردہ پوشی

شعبی سے روایت ہے کہ ایک شخص نے حضرت عمر فاروقؓ کی خدمت میں حاضر ہوکر بیان کیا کہ میری ایک بیٹی تھی، میں نے زمانہ جاہلیت میں اسے زندہ درگور کردیا تھا مگر مرنے سے پہلے اسے قبر سے نکال لایا اور اس نے ہمارے ساتھ زمانہ اسلامی پایا اور اسلام لے آئی جب وہ اسلام لے آئی تو اس نے ایک ایسے گناہ کا ارتکاب کیا جس سے اس پر حدود اللہ عائد ہوتی تھی۔ اس لڑکی نے چھری اٹھائی تاکہ اپنے آپ کو ذبح کردے، اتنے میں ہم نے اس کو پکڑلیا اور وہ اپنی گردن کی بعض رگیں تراش بھی چکی تھی ہم لوگوں نے اس کا علاج کیا یہاں تک کہ وہ اچھی ہوگئی، اس کے بعد پھر وہ توبہ کی طرف متوجہ ہوئی اور بڑی اچھی توبہ کی، جب قوم میں سے اس کا رشتہ آیا تو میں نے اس کی وہ حالت جس پر وہ پہلے تھی ان کو بتادی۔

یہ سن کر حضرت عمر فاروقؓ نے فرمایا، جس چیز کی اللہ پاک نے پردہ پوشی کی ہے تو اس کے ظاہر کرنے کا قصد کرتا ہے؟ خدا کی قسم! اگر تو نے کسی شخص سے بھی اس کی حالت کا اظہار کیا تو میں تجھے سزا دوں گا جو تمام شہر والوں کے لئے باعث عبرت ہوجائے۔ جا اس کا نکاح کر جس طرح کہ ایک پاکدامن مسلمان عورت کا نکاح کیا جاتا ہے۔

ایک حدیث میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے "مسلمانوں کی غیبت نہ کرو اور ان کے عیوب کی جستجو نہ کرو، کیونکہ جو شخص مسلمانوں کے عیوب کی تلاش کرتا ہے اللہ تعالی اس کے عیب کی تلاش کرتا ہے اور جس کے عیب کی تلاش اللہ تعالی کرے اس کو اس کے گھر کے اندر بھی رسوا کردیتا ہے (قرطبی)

بہرحال عیوب کی پردہ پوشی اور انسان کی عزت نفس کا خیال، اعلی انسانی اقدار میں سے ہے، سماجی زندگی میں بہر طور اس کا خیال رکھنا چاہئے۔

اسرائیلی مظالم اور فلسطینیوں کا جذبہ شہادت

مشرق وسطیٰ میں صورتحال دن بدن دگرگوں ہوتی جارہی ہے۔ اسرائیل کے مظالم اور فلسطینیوں کے جذبہ شہادت کی یہ ایک انوکھی مثال ہے۔ ایک طرف اسرائیل اپنے جنگی طیاروں اور مزائیلس کے ساتھ فلسطینی عوام اور ان کے مکانات کو تباہ کررہا ہے تو دوسری طرف فلسطینی نہتے عوام سر پر کفن باندھے اس ظالم فوج کا مقابلہ کررہے ہیں۔ ایسا لگتا ہیکہ اسرائیل کا واحد مقصد کسی بھی طرح فلسطین پر مکمل قبضہ کرلینا ہے۔ چنانچہ وزیراعظم اسرائیل ایریل شیرون کا یہ اعلان بھی کافی اہمیت رکھتا ہیکہ "فلسطینیوں پر اس قدر ظلم کرو کہ وہ رحم کی بھیک مانگنے لگیں" اس نظریہ کو لے کر اسرائیل اپنی کارروائی کررہا ہے اور اس کے حلیف امریکہ کو یہ دہشت گردی بالکل نظر نہیں آتی اس کے برعکس جارج ڈبلیو بش مسلسل فلسطینی رہنما یاسر عرفات سے یہ مطالبہ کرتے آرہے ہیں کہ وہ دہشت گردی کو ختم کریں جبکہ اسرائیل نے خود ان کے ہیڈ کوارٹر کا محاصرہ کررکھا ہے اور اس قدر شدید بمباری کی ہیکہ ہیڈ کوارٹر کے دفاتر تباہ اور مسٹر یاسر عرفات کے کئی سپاہی شہید ہوگئے۔

یہاں تک کہ یاسر عرفات اپنے ہی ہیڈ کوارٹر میں عملاً محروس تھے موصولہ اطلاع کے بموجب انھوں نے ایک دن تو صرف اسنیکس پر گزارا۔ انھیں عرب وزرائے خارجہ کے اجلاس میں شرکت کا موقع نہیں دیا گیا۔ یاسر عرفات نے اس عزم کا اظہار کیا ہیکہ وہ فلسطینی مملکت کی جدوجہد کرتے ہوئے شہید ہونے سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ عرب وزرائے خارجہ نے صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے فلسطینی مزاحمت کی حمایت کا اعلان کیا تاہم اسرائیل کا کٹر حلیف امریکہ اس دہشت گردی کو روکنے میں مکمل ناکام رہا جارج بش کی اسرائیل سے اپنی افواج کو واپس بلالینے کی اپیل بھی کارگر ثابت نہ ہوئی اور ایریل شیرون نے واضح طور پر یہ کہدیا کہ موجودہ حالات میں وہ ایسا نہیں کرسکتے۔ اس طرح امریکہ کی بات کو اسرائیل نے بالکلیہ مسترد کردیا۔ اس کے باوجود امریکہ اس کے خلاف کسی کارروائی کے موقف میں نہیں ہے۔ حالیہ عرصہ میں افغانستان کے خلاف امریکی افواج کی کارروائی ابھی سب کے ذہنوں میں تازہ ہے۔ امریکہ نے طالبان سے صرف اتنا مطالبہ کیا کہ

اسامہ بن لادن کو اس کے حوالہ کردے اور طالبان نے جائز استدلال پیش کیا کہ بنا ثبوت کی فراہمی کے ایسا ممکن نہیں۔ اگر امریکہ کسی بھی دہشت گردی کی کارروائی میں اسامہ بن لادن کے ملوث ہونے کا ایک بھی ثبوت پیش کرتا ہے تو وہ اس کے مطالبہ کو تسلیم کرنے کے لئے تیار ہیں لیکن امریکہ نے ایک نہ سنی اور افغانستان پر فضائی حملہ شروع کردیا۔ جب صدر امریکہ بش کا کوئی مطالبہ اسرائیل تسلیم نہ کرے تو وہ اس کے خلاف کسی بھی کارروائی کے موقف میں نہیں ہیں۔ امریکہ کے اس طرز عمل کی وجہ عرب ممالک میں اسرائیل اور امریکہ کی مخالفت دن بدن بڑھتی جارہی ہے۔ چنانچہ امریکی وزیر خارجہ کولن پاول کو وسط ایشیا کے مشن کے آغاز پر عرب ممالک کے غصہ کا سامنا کرنا پڑا۔ ضرورت اس بات کی ہیکہ عرب ممالک متحد ہو کر اسرائیلی جارحیت کے خلاف آواز اٹھائیں۔ حالیہ لڑائی میں اسرائیل نے بڑے پیمانہ پر تباہی مچائی۔ اس نے نابلس، مغربی کنارہ، حبرون، اور دیگر فلسطینی شہروں پر فضائی حملے کئے۔ عرب ممالک میں اسرائیل کی اس کارروائی کے خلاف بڑے پیمانہ پر احتجاجی مظاہرے کئے جارہے ہیں۔

1967ء سے امریکہ نے اسرائیل کو 92 ارب ڈالر کی مالی اور فوجی امداد فراہم کی ہے اور مکمل سیاسی حمایت بھی تاکہ اسرائیل اپنی مرضی کے مطابق جو چاہے کرسکے۔ برطانیہ نے جس کی خارجہ پالیسی بالکل واشنگٹن کے نقش قدم پر چلتی ہے، اسرائیل کو فوجی ساز و سامان دیا جو سیدھا مغربی کنارے اور غزہ پہنچتا ہے تاکہ فلسطینیوں کو مارنے میں آسانی ہو۔ دنیا کے کسی ملک کو آج تک اتنی بیرونی امداد نہیں ملی جتنی اسرائیل کو ملی۔ امریکہ کے علاوہ اسرائیل دنیا کا وہ واحد ملک ہے جس نے اتنے مسائل پر اتنے طویل عرصے تک بین الاقوامی برادری کی تجاویز اور احکامات کی خلاف ورزی کی۔ اگر الگور امریکہ کے صدر منتخب ہوجاتے تو اس پالیسی میں کوئی تبدیلی نہ ہوتی۔ وہ بے شرمی کی حد تک اسرائیل کے حامی ہیں اور مارٹن پیریز کے قریبی رفیق کار ہیں۔ مارٹن اخبار "دی نیو ری پبلک" کے مالک ہیں اور امریکہ میں سب سے زیادہ عرب مخالف بیانات دینے کے ساتھ وہ فلسطینیوں کے وجود کو قطعی طور پر مسترد کرتے ہیں۔ جارج بش نے کم از کم اپنی انتخابی مہم میں عربوں کے بارے میں امریکی تشویش کا اظہار تو کیا تھا مگر ہر ری پبلکن صدر کی طرح جارج بش بھی اسرائیل کی حمایت میں بمشکل ایک آدھ فیصد سے زیادہ کمی نہیں کریں گے۔

گزشتہ سات برس سے یاسر عرفات اسرائیل کے ساتھ امن کی کارروائی سے متعلق سمجھوتوں پر دستخط کررہے ہیں، ظاہر ہے کہ کیمپ ڈیوڈ واضح طور پر اس سلسلے کی آخری کوشش تھی۔ عرفات کی مایوسی اب انتہا کو پہنچ چکی ہے۔ بلاشبہ اب ان کی آنکھیں کھلی ہیں کہ ان کے ساتھ کتنا بڑا دھوکہ ہوا ہے اور وہ کیسی کیسی ضرررساں دستاویز پر دستخط کرچکے ہیں۔ وہ یقینا بھیانک خوابوں میں اپنے آپ کو ان راستوں سے

گزرتا دیکھتے ہوں گے جن پر اسرائیلی فوجی کھڑے ہیں ۔ انہیں پوری طرح احساس ہے کہ ان کی مقبولیت میں کس قدر کمی آگئی ہے ۔ وہ فلسطینی اتھارٹی میں بدعنوانی اور اقربا پروری اور دوسری طرف بڑھتی ہوئی بے روزگاری کو جو کہ 25 فیصد تک جا پہنچی ہے نظر انداز کردیں تب بھی فلسطین کے بیش تر عوام کی تیزی سے بڑھتی ہوئی غربت ، ان کی پریشانی کا سب سے بڑا سبب ہے ۔ وہ اب بہ خوبی سمجھ گئے ہیں کہ اسرائیل اور امریکہ نے انہیں ابھی تک باقی رکھا ہے اور اب یہی دونوں انہیں حرم الشریف اور حقیقی ریاست یا ایک قابل عمل ریاست کے امکانات کے بغیر ہی فلسطینیوں کے حوالے کردیں گے ۔ نوجوان فلسطینی اب تھک چکے ہیں ، انہیں کنٹرول کرنے کی یاسر عرفات کی کمزور سی کوششوں کے باوجود وہ اسرائیلی مرکاواز Merkavas اور کوبراز Cobras پر پتھراؤ کرنے اور غلیلوں سے مارنے کے لئے سڑکوں پر نکل آئے ہیں۔

ماضی میں اسرائیل کا انحصار غیر ملکی صحافیوں کی ناواقفیت ، ساز باز اور سستی شہرت پر تھا لیکن اب انٹرنیٹ پر بے اندازہ ، درست اور متبادل معلومات کا ایک ذخیرہ دستیاب ہے ۔ کمپیوٹر سے مخفیہ معلومات حاصل کرنے والوں نے ایسے نئے معلوماتی مواد کے ذخیرے کا دروازہ کھول دیا ہے جہاں سے معمولی سے لکھنا پڑھنا جاننے والا انسان بھی معلومات حاصل کرسکتا ہے ۔ انٹرنیٹ پر برطانوی پریس کے صحافیوں کی رپورٹیں ہیں ، جن کی مثال امریکہ کے سرکاری ذرائع ابلاغ میں کہیں نہیں ملتی بلکہ یوروپ میں قائم عرب اور اسرائیلی پریس کی رپورٹیں بھی ہیں۔ فلسطین اور اسرائیل کے مسئلے پر ایسی ریسرچ کا کام بھی ہے ، جنہوں نے انفرادی طور پر کام کیا ہے ۔ پھر اقوام متحدہ کے اداروں ، بین الاقوامی تنظیموں اور قدیم دستاویزات کے ذخیروں ، غرض یہ کہ سب تک آپ کی پہنچ ہے ۔ فلسطین ، اسرائیل ، یوروپ ، آسٹریلیا اور امریکہ میں غیر سرکاری تنظیموں یا این جی اوز نے مجموعی طور پر فلسطین اور اسرائیل کے لئے جو کام کیا ہے ، آپ اس سے بھی پوری طرح واقف ہوسکتے ہیں۔ دنیا کے دیگر واقعات کی طرح فلسطین کے معاملے میں بھی حقیقت ہے کہ ظلم ، زیادتی اور ناانصافی کی سب سے بڑی دشمن قابل بھروسہ معلومات ہیں۔

صیہونی اور فلسطینی تنازعے کا سب سے مایوس کن پہلو یہ ہے کہ فلسطینیوں کے نقطہ نظر اور اسرائیلی آراء کے حاوی رجحان کے درمیان کسی قسم کی مطابقت نہیں ہے ۔ مقامی لوگوں کو 1948ء میں دیس نکالا ملا اور انہیں اپنی ہی زمین سے بے دخل کیا گیا۔ اسرائیل کا خیال ہے کہ انہیں آزادی ملی اور اسرائیل کو بسانے کے لئے جو طریقے اپنائے گئے وہ منصفانہ تھے ۔ ہمارا کہنا ہے کہ جو زمین ہم نے چھوڑی اور جن علاقوں کو ہم اسرائیل کے فوجی قبضے سے آزاد کرانا چاہتے ہیں وہ سب ہماری قومی وراثت کا حصہ ہیں ۔ ان کا خیال ہے یہ علاقہ انہیں انجیل کے ایک فرمان کے تحت ملا ہے اور ساری دنیا میں بکھرے ہوئے یہودیوں کو یکجا کرنے کے لئے اس علاقے کو حاصل کرنا ان کا حق ہے ۔ ہر قابل فہم معیار کے لحاظ سے آج فلسطینی دہشت اور بربریت کا شکار ہیں لیکن اسرائیلیوں کا خیال ہے کہ وہ دہشت کا نشانہ بنے ہیں۔ وہ سادہ سی بات یہ ہے کہ نہ کوئی مشترک موقف ہے اور نہ کوئی باہمی روایت یا کہانی اور نہ کسی ایک پہلو پر مصالحت کا امکان ہے ۔ دونوں کے دعوے بالکل مختلف ہیں اور یہ خیال کہ دونوں اس چھوٹی سی زمین پر مل جل کر زندگی بسر کرسکتے ہیں ناقابل تصور ہے ۔ ہر ایک علیحدگی کا سوچتا ہے ، غالبا یہ کہ بالکل ہی الگ ہوجائے اور دوسرے کو فراموش کردے ۔

اس صورت حال کو تبدیل کرنے کی اخلاقی ذمہ داری زیادہ تر اسرائیل پر عائد ہوتی ہے ، کیونکہ اسرائیل اس حقیقت کو تسلیم کرنے سے منکر ہے کہ اس کی فوجی کارروائیوں اور امن کی غیر دانش مندانہ حکمت عملی نے سال ہا سال سے عربوں اور مسلمانوں کے دل میں نفرت اور حقارت بھردی ہے ۔ قدیم یا تاریخی فلسطین میں آج سے دس سال بعد آبادی کے لحاظ سے یہودیوں اور عربوں کے اعداد و شمار مساوی ہوں گے ، پھر کیا ہوگا ؟ کیا اس وقت بھی ٹینکوں کے حملے ، راستوں کی رکاوٹیں اور گھروں کو مسمار کرنا آج کی طرح جاری رہے گا ؟ اس وقت شاید اس کارروائی کو قابل عزت مورخوں اور دانش مندوں کا کوئی ایسا گروپ غلط اور بے مقصد قرار دے

جس میں اسرائیل اور فلسطینی دونوں برابر شامل ہوں ۔ اور اس تنازع کی تھوڑی سی سچائی پر متفق ہونے کی کوشش میں ملاقاتیں کریں اور یہ معلوم کریں کہ کیا ایسے ذرائع ۔ جو اس تنازع سے بہ خوبی واقف ہیں ۔ بعض اہم حقائق پر اتفاق کرنے کے لئے ان کی راہ نمائی کرسکتے ہیں ۔ مثلاً یہ کہ کس نے کس سے کیا چھینا تھا اور کس نے کس کے ساتھ کیا کیا وغیرہ وغیرہ ؟ شاید اس کارروائی کے نتیجے میں بالآخر اس تعطل کو دور کرنے کی کوئی صورت نکل آئے ؟ ابھی سچائی اور مصالحت کے کمیشن کے قیام کی امید قبل از وقت ہے لیکن تاریخی سچائی اور سیاسی انصاف کی کمیٹی زیادہ مناسب رہے گی۔

بنیادی طور پر ہر شخص پر یہ بات واضح ہے کہ اوسلو کا یہ پرانا سمجھوتا اب قابل عمل نہیں ہے ۔ Birzeit یونیورسٹی نے حال ہی میں رائے عامہ کے جو جائزے حاصل کئے تھے ان میں صرف 3 فیصد ایسے لوگ تھے جو پرانے مذاکرات پر پھر جانا چاہتے تھے ۔ ان مذاکرات کے لئے عرفات کی قیادت میں جانے والی فلسطینیوں کی ٹیم کو اب نہ مذاکرات میں مرکزی حیثیت حاصل ہوسکتی ہے اور نہ اب فلسطین میں حاصل ہے ۔ ہر شخص کا کہنا ہے کہ اب بہت ہوچکا ۔ قبضے کا عرصہ بہت زیادہ طویل ہوگیا ہے امن مذاکرات کسی نتیجے کے بغیر طول پکڑتے رہے اور اس کارروائی کا مقصد آزادی کا حصول ہے تو وہ کہیں بھی قریب نہیں دکھائی دیتی ۔ اس ناکامی کا سہرا اسحق رابن ، شمعون پیریز اور ان کے شریک کار فلسطینیوں کے سر ہے ۔ غریب آدمیوں کی مصیبتیں اب برداشت کی حد سے گزر چکی ہیں ۔ چنانچہ سڑکوں پر پتھراؤ کی کارروائی جس کے نہایت تکلیف دہ نتائج برآمد ہوتے ہیں ۔ ایک اور بے مقصد اور بے نتیجہ سرگرمی ہے ۔ ایک واحد امید جس کے لئے کوشش جاری رکھنی چاہئے ۔ بجائے باہمی پر انحصار ہے ۔ تاکہ ایک زمین پر دو قومیں رہ سکیں۔ لیکن فی الوقت جب فلسطینیوں کو رہنمائی کی بے انتہا ضرورت ہے اور اس سے زیادہ جسم اور جان کا تحفظ درکار ہے ۔ ایہود بارک نے انہیں سزا دینے ۔ ایک جگہ بند رکھنے اور ان کا گلا گھونٹنے کا منصوبہ بنا رکھا ہے جس کے پہلے ہی تباہ کن نتائج برآمد ہوچکے ہیں لیکن یہ ساری کوشش فلسطینیوں کو گھٹنے ٹیکنے پر مجبور نہیں کرسکی جیسا کہ اسرائیل اور اس کے شریک کار امریکی سوچتے تھے ۔ بیش تر اسرائیل اس بات کو کیوں نہیں سمجھتے ؟ حالانکہ چند ایک سمجھتے ہیں کہ ایک ایسے علاقے میں جہاں 30 کروڑ عرب اور 1.2 ارب مسلمان آباد ہیں ۔ عربوں کے خلاف ظلم اور زیادتی کی پالیسی ایک یہودی ریاست کو کس طرح محفوظ رکھ سکتی ہے ؟

محمد ظفر الحق

امت مسلمہ کے لئے لمحہ فکریہ

ہماری قوم میں اس وقت بھی بڑی تعداد ایسے حضرات کی موجود ہے جو کلمہ حق کہنے کی جرات رکھتے ہیں اور یہ کوئی آسان کام نہیں ہے ۔ یہی وہ لوگ ہوتے ہیں جنہیں اللہ تعالی نے اس کام پر مامور کیا ہوتا ہے کہ جہاں وہ کوئی کمزوری کوئی جھول یا گمراہی دیکھتے ہیں اسے سیدھا کرنے کی کوشش کرتے ہیں یہ وہی فریضہ ہے جس کے متعلق حضرت سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے اپنے پہلے خطاب میں فرمایا تھا کہ اے لوگو! اگر میں صحیح راستے پر ہوں کتاب و سنت کے راستے پر ہوں تو میری پیروی کرو اور اگر میں نہ ہوں تو مجھے چھوڑ دو تو ایک صحابیؓ کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں کہ ایسا ممکن نہیں ہے اگر تم صحیح راستے پر رہے تو تمہاری اتباع کریں گے اور اگر تم نے غلط قدم اٹھایا تو اس تلوار سے تمہیں ہم سیدھا کر دیں گے ۔ اس لحاظ سے میں سمجھتا ہوں کہ یہ بہت بڑا فریضہ ہے جو آج بھی اہل علم و دانشور ادا کر رہے ہیں ۔ اور یہ بات ایسی نہیں ہے جس کو آدمی کوئی جماعتی یا حکومتی یا غیر حکومتی نقطہ نگاہ سے لے ، یہ ایک سرمایہ ہے اگر یہ لوگ بھی نہ رہے تو کون ہو گا جو یہ فریضہ ادا کرے گا ۔ میں یہ سمجھتا ہوں کہ مسلمانوں کی یہ جو اپنی شناخت ہے تشخص ہے اس کے لئے انہیں بہت قربانیاں دینی پڑیں گی اور شروع سے لے کر یہ سلسلہ جاری رہا ۔ حضرت امام حسینؓ کی قربانی بھی اسی راستے کا بہت بڑا مینار ہے ۔ آج کے اس دور میں دیکھیں تو انتہائی ابتلاء کا دور ہے ۔ اور یہ عمل ابھی تک جاری ہیں لیکن اسے نام کیا دیا جاتا ہے نام دیا جاتا ہے Globalization کا کہ ساری دنیا کے اوپر ایک ہی کلچر ہونا چاہئے یہ ایک نیا انداز ہے ایک نئے استعمار کا ایک نیا ورلڈ آرڈر ہے کہ جو کچھ مغربی معاشرے کے اصول ہیں ۔ ان کے ہی اقدار ہیں باقی ملکوں کو بھی اپنانی چاہئیں ورنہ وہ کہتے ہیں کہ یہ تہذیبوں کا ٹکراؤ ہو گا ۔ روس کے جانے کے بعد مسلمانوں کو یہ سمجھا جاتا ہے کہ یہ ایک Green Mehance ہے یہ ایک سبز خطرہ ہے جس سے نمٹنے کے لئے سارے مذاہب کو اکٹھا ہو جانا چاہئے جس میں یہودی بھی ہیں جس میں دوسری مغربی حکومتیں بھی ہیں ۔ ان سب نے مل کر ایسا محاذ قائم کیا ہے مسلمانوں کے خلاف وہ یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک اس خطرے کا مقابلہ نہ کیا جائے اس وقت تک ان کی اپنی تہذیب بچ نہیں سکے گی اور اس بات سے اتفاق کرتا ہوں کہ ہم میں سے کون اور کوئی کیا کردار ادا کرتا ہے ۔ وہ الگ بات ہے ۔ اللہ تعالی جس کو توفیق دے گا وہ کردار وہی ادا کر سکے گا اس کے بغیر تو ہو نہیں سکتا لیکن خوش قسمت ہوں گے وہ لوگ جو اس اسلامی ملت کے اندر امت کے اندر کھڑے ہو کے اپنے آپ کو خدا کے راستے کے لئے گنوائیں گے اور یہ ثابت کریں گے کہ وہ وہی کردار ادا کر سکتے ہیں جو حضرت مجدد الف ثانی شیخ احمد سرہندی نے ادا کیا تھا اور یقین کیجئے اسلام آج بھی سب سے تیزی سے پھیلتا ہوا دین ہے باوجود ہماری بے پناہ کمزوریوں کے پینسٹھ لاکھ سے زیادہ مسلمان امریکہ کے اندر ہیں ۔ 26 لاکھ سے زیادہ برطانیہ کے اندر ہیں ۔ فرانس کے اندر ہیں کسی اسکول میں پانچ چھ سال کی بچی اپنا سر ڈھانپ کر اگر چلی جائے تو اسے اسکول سے خارج کر دیتے ہیں ۔ یہ حال اس فرانس کا ہے جس کا دعوی ہے کہ وہ آزادی اظہار کا اور آزادی رائے کا گہوارہ ہے انسانی حقوق کا چیمپئن ہے ۔ وہاں NUNS بھی ہیں جو ان بچیوں کو پڑھاتی ہیں وہ اپنے سر بھی ڈھانپے ہوتی ہیں اور پاؤں تک ان کے لباس بھی ہوتے ہیں جیسے اٹلی ، یہاں بھی کانونٹ اسکولوں میں ہوتی ہیں ۔ پڑھانے والی ٹیچرز اور راہبات وہ سارا اپنا جسم ڈھانپتی ہیں ان پر کسی کو کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مسلمان بچی اپنا سر ڈھانپ لے تو وہ سمجھتے ہیں کہ یہ بہت بڑا جرم ہو گیا ۔ جو ناقابل برداشت ہے ۔ یہ ہے ان کی اپنی کیفیت لیکن یہ جو Globalization ہے اس کا مقابلہ عوام کو کرنا ہے ۔ لیکن جو لہر میں نے دیکھی ہے ایک سرے سے لے کر دوسرے سرے تک نوجوانوں میں پڑھے لکھے نوجوانوں میں یعنی وہ نوجوان نسل جن کے بارے میں لوگ سمجھتے ہیں کہ ان کے اندر پہلوں جیسا جذبہ نہیں ہے ۔ میں یقین سے کہہ سکتا ہوں کہ ان کے اندر اس قدر مضبوط ایمان ہے جو شاید اس سے پہلے ہماری جو غلام نسلیں تھیں ان کے اندر نہیں تھا ۔ اکثریت کے اندر نہیں تھا لیکن یہ سلسلہ اس طریقے سے آگے بڑھ سکتا ہے کہ اس کو مجتمع کیا جائے اور اسے اجاگر کیا جائے کئی لوگ کہتے ہیں اسلامی ممالک کے حالات ایسے ہیں کہ مغرب کے ساتھ بنا کر رکھنا چاہئے اس معاملے میں آپ یہاں کوئی مفاہمت یا سمجھوتہ کریں گے آپ کو آگے چل کر کئی اور مفاہمتیں اور سمجھوتے کرنے پڑیں گے کیونکہ وہ راضی نہیں ہوں گے یہ قرآن کے الفاظ ہیں

ترجمہ ... یہود اور نصاری کبھی خوش نہیں ہو سکتے جب تک آپ مکمل طور پر انہیں اپنا آقا تسلیم نہ کر لیں۔

اچھے دماغ رکھنے والے جو لوگ ہیں دل و دماغ کی روشنی رکھنے والے جو لوگ ہیں جو مستقبل بینی کر سکتے ہیں انہیں آئندہ نسل تیار کرنے کے لئے ان کو ان ذمہ داریوں سے عہدہ برآ ہونے کے لئے خواہ وہ قرآن حکیم کو سامنے رکھیں احادیث کو سامنے رکھیں ان کے ذریعہ اپنی نوجوان نسل کی دینی تیاری کریں۔

OOOO

ریڑھ کی ہڈی سے جڑی ہوئی بچیوں کا برطانیہ میں پہلا آپریشن

اکثر جڑواں بچوں میں تمیز کرنا مشکل ہوتا ہے خصوصاً اگر ان کی شکلیں ایک جیسی ہوں تو بہت کم لوگ ان میں فرق کر پاتے ہیں۔ اسی طرح کی دو جڑواں بچیاں سنچیا اور ایمن ہیں، یہ برطانیہ میں پیدا ہوئی ہیں۔ ان دونوں کے درمیان تمیز کرنا بہت مشکل ہے۔ اس وقت ان کی عمر چار ماہ ہے، دونوں کی بڑی بڑی بھوری آنکھیں ہیں اور دونوں کے بالوں کا اسٹائل بھی ایک ہے۔ دونوں کو ایک ہی جیسے کپڑے بنائے جاتے ہیں۔ اگر ان کے ساتھ کچھ دیر رہا جائے تو ان کی شخصیتوں کا فرق واضح ہونے لگتا ہے۔ سنچیا ہنس مکھ ہے، جب وہ کسی اجنبی کو دیکھتی ہے تو مسکرانے لگتی ہے، جب کہ ایمن جلد بے تکلف نہیں ہوتی۔ جب کسی اجنبی کو بھی دیکھتی ہے تو پہلے اس کا خاموشی سے جائزہ لیتی ہے۔ ان دونوں بچیوں کے بارے میں ایک اہم بات یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے کے وجود کو نظر انداز کرتی ہیں۔ ان کے والدین کے خیال میں اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ ایک دوسرے سے آزاد رہنا چاہتی ہیں، کیونکہ انہوں نے اپنی زندگی کے شروع کے تین ماہ ایک دوسرے سے جڑے ہوئے گزارے ہیں۔

جب یہ بچیاں پیدا ہوئی تو ان کی ریڑھ کی ہڈی ایک دوسرے کے ساتھ جڑی ہوئی تھی۔ چودہ گھنٹے کے طویل آپریشن کے بعد ان دونوں بچیوں کو ایک دوسرے سے جدا کیا گیا۔ ریڑھ کی ہڈی کے ذریعے جڑے ہوئے بچوں کا برطانیہ میں پہلا، دنیا میں تیسرا آپریشن تھا۔ برمنگھم چلڈرن اسپتال میں کامیاب آپریشن کے ذریعے سرجنوں کی ایک ٹیم نے ان دونوں بچیوں کو علحدہ کیا۔

برطانیہ کے اس تاریخ ساز آپریشن کے چھ ہفتے کے بعد ان بچیوں کو گھر جانے کی اجازت دی گئی۔ ان کے والدین ڈیوڈ اور ایما کو نہایت فخر تھا اور انہیں یقین نہیں آرہا تھا کہ اب وہ دونوں ایک ایک بچے کو گود میں لے سکتے ہیں۔ ۲۷ سالہ ایما ایک بینک میں ملازمت کرتی ہیں۔ وہ کہتی ہیں "ہماری بیٹیاں ہمارے لئے ایک قیمتی تحفہ ہیں اور یہ بات ہمارے لئے ایک معجزے سے کم نہیں کہ وہ اپنی زندگی علحدہ علحدہ گزار سکتی ہیں۔ گزشتہ چند ماہ ہمارے لئے جذباتی ہیجان کا باعث رہے ہیں، لیکن ہم ان ڈاکٹروں کے ہمیشہ مشکور ہیں، جنھوں نے یہ ممکن کر دکھایا"۔

ان کے ۳۰ سالہ شوہر ڈیوڈ کہتے ہیں "یہ بچیاں ایک دوسرے کے فراموش کئے ہوئے ہیں۔ آپریشن سے پہلے وہ ایک دوسرے کے بہت قریب رہی ہیں اور اب وہ پھر اتنے قریب ہونا نہیں چاہتیں"۔

ان والدین کی پریشانی، مایوسی اور آخر میں خوشی سے بھرپور کہانی اس طرح شروع ہوتی ہے۔ شادی کے چار سال کے بعد اس جوڑے نے فیصلہ کیا کہ وہ اپنے خاندان میں اضافہ کریں گے۔ ایما کہتی ہیں "جب پتا چلا کہ ہمارے گھر نیا مہمان آنے والا ہے تو میرے شوہر بہت خوش ہوئے اور خوشی سے ناچنے لگے۔ ۱۲ ہفتے کے بعد چیک اپ ہوا تو ڈاکٹر نے بتایا جڑواں بچے ہیں۔ میں بالکل مطمئن تھی اور خود کو بالکل ٹھیک محسوس کررہی تھی۔ مجھے آنے والے وقت کا سوچ کر بہت خوشی محسوس ہوتی تھی۔ کچھ ہفتے کے بعد پھر ٹسٹ ہوا تو ڈاکٹر نے پریشانی ظاہر کی۔ میں نے ڈاکٹر سے پوچھا، سب کچھ ٹھیک ہے؟ اس نے کہا اس وقت کچھ کہنا مشکل ہے، اس کے بعد ایک اور ڈاکٹر آیا اس نے رپورٹ دیکھی اور ہمیں اپنے کمرے میں لے گیا۔ میں نے سوچا شاید بچوں کے گردوں کا کوئی مسئلہ ہوگا جس کا بعد میں علاج ہوجائے گا، لیکن جب اس نے کہا، کیا آپ نے کبھی ایک دوسرے سے جڑے ہوئے بچوں کے بارے میں سنا ہے؟ تو ہمیں دھچکا سا لگا۔ ہمارے لئے یہ خبر برداشت کرنا مشکل تھا۔ ڈاکٹر نے ہمیں تفصیل بتائی کہ ہزاروں میں سے ایک کیس میں ایسا ہوتا ہے۔ اس نے بتایا کہ ایک ہفتے بعد ہمیں مزید ٹسٹ کے لئے آنا ہے تاکہ اس کی تصدیق کی جاسکے۔ ہم ایک خوف کے عالم میں اسپتال سے روانہ ہوئے اور گھر پہنچ کر یہ خوف کم ہونا شروع ہوا۔ ہم نے جڑے ہوئے بچوں کے بارے میں پروگرام دیکھے تھے۔ ہمیں افسوس تھا کہ چند ہی گھنٹوں میں سب کچھ تبدیل ہوگیا۔ میرے دماغ میں خیالات آرہے تھے کہ کہیں انہیں غلط فہمی تو نہیں ہوئی یا میں نے تو کوئی غلطی نہیں کردی۔ کوئی غلط چیز تو نہیں کھالی"۔ ایک ہفتے بعد جو ہماری زندگی کا طویل ترین ہفتہ تھا۔ کوئین ایلزبتھ ویمنس اسپتال میں تفصیلی چیک اپ کیا گیا اور ہمیں بتایا گیا کہ صرف ۱۹ فیصد کیسس میں جڑواں بچے کمر سے جڑے ہوئے ہوتے ہیں"۔

"اچھی بات یہ تھی کہ ان بچیوں کی ریڑھ کی ہڈی کا صرف نچلا حصہ مشترک تھا، مزید کوئی اعضا مشترک نہیں تھے۔ اس لئے ان کو علحدہ کرنا ممکن تھا اور دونوں کے زندہ رہنے کا امکان بھی تھا لیکن ایک خطرہ تھا کہ اس طرح کے پیچیدہ آپریشن کے نتیجے میں دونوں بچیاں فالج زدہ ہوسکتی تھیں، لیکن ڈیوڈ اور ایما نے کبھی یہ نہیں سوچا کہ وہ اپنے بچوں کو ضائع کردیں۔ وہ اپنی پیدا ہونے والی بچیوں سے محبت بھی کرتے تھے جنہیں وہ خدا کی دین سمجھتے تھے۔ اس حوالے سے ایما نے بتایا "ان ٹسٹوں کے بعد تین ہفتوں تک ہمارے لئے رات کو سونا بھی مشکل ہوگیا تھا مگر ہمیں معلوم تھا کہ ہماری بچیوں کو ہماری ضرورت ہے۔ جڑے ہونے کے باوجود وہ دو زندگیاں تھیں۔ ہم انہیں کوئی مصیبت نہیں سمجھ رہے تھے بلکہ رحمت سمجھتے تھے"۔

ڈیوڈ نے اس صورتحال کے بارے میں بتایا "ہماری توجہ بچیوں کی ولادت اور ان کو علحدہ کرنے کے امکان پر مرکوز تھی۔ لہذا ایما کو یہ امید دلانا کہ کل خوش آئند ہوگا، نہایت ضروری تھا۔ ہر ہفتے نیا اسکین ہمت افزا پیغام دیتا تھا۔

ڈاکٹروں کی ایک ٹیم اس بارے میں

غور کررہی تھی کہ بچیوں کو علحدہ کرنے کا آپریشن کب کیا جائے ۔ ایما نے ایم آر آئی اسکین کرایا ۔ جس سے نہایت وضاحت کے ساتھ یہ معلوم ہوا کہ بچیاں کس طرح جڑی ہوئی ہیں ۔ سرجنوں کو ریڑھ کی ہڈی کا جڑا ہوا حصہ نہایت احتیاط کے ساتھ علحدہ کرنا تھا تاکہ اعصاب کو کم از کم نقصان پہنچے "۔

یہ مرحلہ ابھی دور تھا ۔ اس وقت تو ڈیوڈ اور ایما کو یہ فکر تھی کہ وہ اپنی بیٹیوں کو دیکھ لیں ۔ اسپتال والوں کے لئے یہ ایک اہم موقع تھا ۔ عملے سے یہ معاملہ خفیہ رکھنے کا وعدہ کیا گیا تھا ۔

تیرہ ستمبر کو دس بجے صبح دونوں بچیوں نے اس دنیا میں آنکھ کھولی ۔ ڈاکٹر مس گیبریلے ڈونے نے یہ آپریشن کیا تھا ۔ دونوں بچیوں کا مجموعی وزن دس پونڈ تھا ۔ ایما کہتی ہیں بچیوں کی پیدائش سے ایک رات پہلے میں بہت پریشان تھی ۔ یہ ہی سوچتی رہتی تھی کہ کیا ہوگا ۔ مگر جب ڈاکٹر نے میری بچیوں کو ہاتھ میں لے کر اوپر اٹھاتے ہوئے کہا " یہ رہیں تمہاری عظیم بیٹیاں " تو مجھے اپنی آنکھوں پر یقین نہیں آرہا تھا اور میری آنکھوں سے آنسو جاری ہوگئے ۔ میں بہت خوش تھی ، اگرچہ وہ جڑی ہوئی تھیں ، مگر وہ بہت خوبصورت تھیں ۔ انہیں دیکھ کر مجھے کچھ اطمینان ہوا "۔ ڈیوڈ کہتا ہے کہ " انہیں اپنے بازوؤں میں لے کر میں بہت خوش ہوا "۔ ولادت کے چند منٹ بعد انہیں ایک دوسرے آپریشن تھیٹر میں لے جایا گیا ۔ دوسرے دن ایما نے پہلی دفعہ اپنی بچیوں کو گود میں لیا اور یہ اس کی زندگی کے خوشگوار لمحات میں سے ایک لمحہ تھا ۔ دو ہفتوں کے بعد انہیں گھر جانے کی اجازت دے دی گئی ۔ وہ اپنے گھر جانے کے بجائے ایما کی والدہ انیٹا کے ہاں چلے گئے ، کیونکہ انہیں خطرہ تھا ، ان کی خیریت پوچھنے والے بڑی تعداد میں ان کے گھر آتے رہیں گے ۔ یہاں پر انہیں جڑواں بچیوں کی دیکھ بھال کرنے کی مشکلات کا علم ہوا ۔ ایما ایک بچی کو اپنا دودھ پلاتی اور دوسری کو بوتل سے دودھ پلاتی تھی ۔ دونوں ایک باسکٹ میں اس طرح سوتیں کہ ایک کا سر دوسری کے سر سے دبا ہوتا ، دن میں ان بچیوں کو ٹرام میں گھمایا جاتا اور انہیں کمبل سے ڈھک دیا جاتا تاکہ کسی کو یہ پتہ نہ چلے کہ وہ جڑی ہوئی ہیں ۔ آپریشن سے پہلے وہ ایک دوسرے سے آزاد رہتی تھیں ، اگر ایک بچی رورہی ہوتی تھی تو دوسری آرام سے سوتی رہتی ۔

سرجنوں کا ارادہ تھا کہ دسمبر میں ان کا آپریشن کردیا جائے مگر اس سے پہلے پلاسٹک سرجن کو ایک سیلیکون بیلون اندر داخل کرنا تھا تاکہ بچیوں کی جلد پھیل جائے اور ان بچیوں کے زخم جلد اچھے ہوسکے ۔ دس دسمبر کو ایما اور ڈیوڈ نے صبح ساڑھے نو بجے آنکھوں میں آنسو بھر کر ان بچیوں کو آپریشن کے لئے روانہ کیا ۔ اپنے ذہن کو اس طرف سے ہٹانے کے لئے وہ آپریشن کے دوران سنیما چلے گئے ۔ اس ٹیم میں کافی ڈاکٹر شامل تھے ۔ جڑے ہوئے بچوں کو علحدہ کرنے کے ماہر پروفیسر لیوزا سپٹز بھی ہر مرحلے پر شامل رہے ۔ ڈاکٹر ہانی نے یہ پیچیدہ آپریشن انجام دیا ، وہ پہلے بھی بچوں کی ریڑھ کا آپریشن کرچکے تھے ۔ ریڑھ کی نالی علحدہ کرنے کے بعد انہوں نے یہ کام پیٹرگورنال کے حوالے کردیا ، جنہوں نے ہڈی کو علحدہ کیا اور اس طرح یہ دونوں بچیاں علحدہ ہوگئیں ۔ اس آپریشن میں جلد کو بھی سیا جانا تھا ۔

ڈیوڈ نے بتایا " شام کو سات بجے اسپتال سے فون آیا کہ آپریشن ختم ہونے والا ہے اور یہ کامیاب رہا ہے " ہم نو بجے اسپتال پہنچے لیکن رات کو ساڑھے گیارہ بجے ہم اپنی بچیوں کو دیکھ سکے ۔ انہیں علحدہ دیکھ کر ہم حیرت زدہ رہ گئے ۔ آپریشن کے بعد بچیوں کی ٹانگوں کو ہلاکر بھی دیکھا گیا کہ کہیں فالج کا اثر تو نہیں ہوا ۔ دونوں بچیوں کو علحدہ علحدہ بازوؤں میں لینا اہم ، مگر عاجزانہ تجربہ تھا ۔ آپریشن کے بعد بچیوں کی ایک ایک ٹانگ کمزور ہوگئی تھی ۔ ہم ہر ہفتے بچیوں کو اسپتال لے جاتے رہے لیکن ہمیں امید ہے کہ ہماری بچیاں صحیح طور پر چلنے لگیں گی "۔

آج ان کے گھر میں کھلونے ، کپڑے ، بوتلیں وغیرہ بکھرے رہتی ہیں اور عام والدین کی طرح انہیں بھی امید ہے کہ انکی بچیاں آزاد اور صحت مند زندگی گزاریں گی ۔

☆☆☆☆

سولی جے سوراب جی

پریس۔ سیاست اور عدلیہ

ہمارے آئین کے حصہ سوئم میں، جو کہ چند بنیادی حقوق کی ضمانت دیتا ہے، پریس یعنی چوتھی ریاست کی آزادی کا کوئی ذکر نہیں کیا گیا ہے۔ دوسرے ملکوں کے دستوروں کی طرح پریس کی آزادی کی کوئی واضح ضمانت ہندوستان کے آئین میں موجود نہیں ہے۔

آئین ساز اسمبلی میں بحث کے دوران اس فروگذاشت کو محسوس کیا گیا تھا اور پریس کی آزادی کا ایک امتیازی بنیادی حق کے طور پر آئین میں شامل کرنے کی تجویزیں پیش کی گئی تھیں۔ آئینی مشیر، ڈاکٹر بی این راؤ کے مطابق، اس کو خاص طور پر آئین میں شامل کرنا بمشکل ضروری تھا، کیونکہ اظہار خیال کی آزادی میں پریس کی آزادی شامل ہوگی۔ آئین ساز اسمبلی میں بحث کے دوران، ڈاکٹر بی آر امبیڈکر نے بھی انہی خیالات کا اظہار کیا تھا اور کہا تھا، پریس کی آزادی کا خاص طور پر ذکر کرنے کی قطعی کوئی ضرورت نہیں ہے"۔

ہمارے سپریم کورٹ نے ۱۹۵۰ء میں رمیش تھاپر کے مقدمہ سے لے کر بعد کے فیصلوں تک اس نقطہ نظر کی توثیق کی تھی اور یہ فیصلہ دیا تھا کہ پریس کی آزادی ہمارے آئین کی دفعہ 19 (1) (اے میں دی گئی تقریر اور اظہار خیال کی آزادی کی ضمانت میں شامل ہے۔ دوسرے لفظوں میں اسے یوں کہا جاسکتا ہے کہ کسی شہری کے اظہار خیال کی آزادی کے حق میں پریس کی آزادی کا حق موجود ہے، جس میں معلومات حاصل کرنے نیز معلومات، نظریات اور خیالات کی تشہیر کرنے اور دینے کا حق شامل ہے۔ ہر ایک دوسرے بنیادی حق کی طرح، یہ حق لامحدود نہیں ہے، بلکہ اسے کسی قانون کے ذریعہ محدود کیا جاسکتا ہے، جو کہ دفعہ (2) 19 میں مذکورہ پابندیوں کے محدود عنوانات پر مناسب پابندیاں عائد کرتا ہے۔

یہ بات دلچسپی سے خالی نہیں ہے کہ آئین کی کارکردگی پر نظرثانی کے لئے جو قومی کمیشن مقرر کیا گیا ہے، اس نے سفارش کی ہے کہ بنیادی حق کے طور پر پریس کی آزادی کی واضح طور پر اور نمایاں انداز میں ضمانت دی جائے۔

پریس کی آزادی کا مفہوم کیا ہے، گہرے جائزے سے معلوم ہوگا کہ یہ مختلف حقوق پر مشتمل ہے۔ جس حق کی ضمانت دی گئی ہے، وہ محض اخبار کے مالک یا ایڈیٹر یا صحافی کا انفرادی حق نہیں ہے۔ اس میں برادری کا اجتماعی حق شامل ہے۔ اس میں شہریوں کے پڑھنے اور باخبر رہنے اطلاع دینے اور لینے کا حق شامل ہے۔ درحقیقت یہ عوام کا باخبر رہنے کا حق ہے۔

کسی جمہوریت میں جو کہ کھلے معاشرے کا احترام کرتی ہے اور حکومت میں کھلے پن کی قدر کرتی ہے، شہریوں کو اپنے ملک کے انتظامیہ کے بارے میں حقائق سے باخبر ہونے کا حق ہوتا ہے۔ ہر عوامی اقدام کے متعلق معلومات حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔ انہیں عوامی کارکنوں کے ذریعہ عوامی طور پر کئے جانے والے ہر کام کے بارے میں معلومات حاصل کرنے کا حق ہوتا ہے۔ لہذا پریس ایک عوامی فورم کے طور پر کام کرتا ہے، جس کے ذریعہ لوگوں کو یہ معلوم ہوسکتا ہے کہ حکومت اور عوامی اداروں میں کیا ہورہا ہے۔ اس سے شہریوں کو دانشمندی اور باخبری کے ساتھ مختلف امور کے بارے میں فیصلہ کرنے میں مدد ملتی ہے اور اس طرح وہ حکومت کو قابو میں رکھنے کے سلسلہ میں اپنا کردار ادا کرتا ہے اور ان لوگوں کو جو اقتدار میں ہیں، جوابدہ بناتا ہے۔ جمہوریت میں عوامی حکومت کا یہ ایک لازمی پہلو ہے۔

مختصر طور پر یہ کہا جاسکتا ہے کہ پریس کی آزادی جواب دہی کا نفاذ کرتی ہے اور پریس کو جمہوری کنٹرول کا ایک ذریعہ بناتی ہے۔ پریس کی آزادی کی حقیقی معنویت سرکاری اور عوامی امور پر عوامی بحث کو آزادانہ، منصفانہ اور معلومات افزا بنانے کے سلسلے میں موثر طور سے اپنا سماجی کردار ادا کرنے کی اس کی صلاحیت اور خواہش میں مضمر ہے اور اس سلسلہ میں تمام لوگوں، پارٹیوں اور مفادات کو اپنے نظریات و خیالات کے اظہار کا موقع دینا ضروری ہے نیز کسی ایک سیاسی پارٹی کے ایجنڈے کو پیش کرنا سماجی کردار ادا کرنے کی اس کی ذمہ دارانہ صلاحیت کے منافی ہے۔ اس طرح پریس جمہوریت میں خیالات کا وسیع منظر نامہ پیش کرکے عوامی مفاد کو پورا کرتا ہے۔ اگر ہم نے اس بنیادی حقیقت کا ادراک نہیں کیا ہے، تو پھر پریس کی آزادی ایک کھوکھلا نعرہ تنگ نظری پر مبنی اپنی خدمت کرنے کا نظریہ بن کر رہ جاتی ہے اور اس کی تعریف کے پل باندھنے کا کوئی فائدہ نہیں رہ جاتا ہے۔

سیاست میں پریس کا کردار کیا ہے؟ حکومت، سیاسی پارٹیوں اور سیاستدانوں کے تئیں پریس یا پریس سے وابستہ کسی شخص کا رویہ کیا ہونا چاہئے؟ صحافت کے پیشے کی مشہور و معروف شخصیت والٹر لپ مین کے مطابق، اس پیشہ کے لئے پوشیدہ خطرات میں سے ایک پوشیدہ خطرہ ایک حلقہ کے لئے جس کے لئے وہ ذمہ دار ہیں، خود کو حکمراں سمجھنے کی ذہنیت ہے۔ لپ مین کے مطابق شراب کے مقابلے میں، خود پسندی کی وجہ سے مرنے والے اخبار نویسوں کی تعداد زیادہ ہوتی ہے۔ انہیں ان دونوں اقسام کے نشوں کے اثرات کا مشاہدہ کرنے کا موقع ملا تھا۔

دوسرا خطرہ یہ ہے، کہ جب کسی اخبار کا مالک یا ایڈیٹر کسی سیاسی پارٹی کی بولی بولنے لگتا ہے، تو اس کی اخلاقی طاقت کا خاتمہ ہوجاتا ہے۔ جب کوئی اخبار کسی سیاسی پارٹی سے قریبی رابطہ قائم کرلیتا ہے تو، لازمی طور سے وہ باقاعدہ طور پر اور جان بوجھ کر اطلاعات کو دباتا یا توڑ مروڑ کر پیش کرتا ہے، اطلاع کے مواد کو محدود کردیتا ہے اور عوام کو جو اس کے قاری ہیں اطلاع تک رسائی

نہیں حاصل کرنے دیتا۔ جب ایسا ہوتا ہے تو اخبار عوامی خدمت کے شاندار امکانات ہی سے محروم نہیں ہوجاتا بلکہ سماج کے لئے ایک خطرہ بھی بن سکتا ہے۔

پریس کے لئے پہلا اصول یہ ہے کہ وہ سرکاری عنایات سے دور رہے۔ جو غیر ممالک کی مفت سیر، سرکاری تقریبات اور عصرانوں میں شرکت کے دعوت ناموں، رہائش گاہ کے الاٹمنٹ وغیرہ کی شکل میں پیش کی جاتی ہیں۔ لپ مین نے بجا طور پر متنبہ کیا ہے کہ پریس کو حقیقی خطرہ اس پر ڈالے جانے والے دباؤ اور اسے دی جانے والی دھمکیوں سے اتنا زیادہ نہیں ہے، جتنا کہ اس افسوسناک حقیقت سے ہے کہ صحافیوں کو وہ گرفتار کرسکتا ہے اور اپنا قیدی بناسکتا ہے، جو اقتدار کی راہداریوں میں اقتدار کی نزاکتوں سے روبرو رہنے سے عبارت ہے۔

اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ پریس حکومت اور اس کے حکام کو اچھوت سمجھے اور حکومت سے قطعی کوئی تعاون ہی نہ کرے۔ اس کی کوئی وجہ نہیں ہے کہ پریس اور حکومت رہتی دنیا تک ایک دوسرے کے سخت دشمن بنے رہیں۔ اس سب کا انحصار کسی خاص صورت حال سے تعلق رکھنے والے متعدد عناصر سے ہوتا ہے۔ پریس کی جانب سے حکومت کی مسلسل حمایت بھی ویسی ہی تشویش کی بات ہے جیسی کہ حکومت کی مسلسل نکتہ چینی۔ اس سے یہ ظاہر ہوگا کہ نظریے کی گوناگونی کا فقدان ہے اگر رائے میں لچک نہ ہو تو اس مکالمہ کی راہ نہیں نکل سکتی، جس پر جمہوری معاشرے قائم ہوتے ہیں۔ اس سے ظاہر ہوگا کہ کچھ گروپوں اور افراد کو اپنے خیالات اور نظریات کی تشہیر کے لئے پریس تک رسائی نہیں مل پارہی ہے۔ اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ پریس کی یہ ذمہ داری ہے کہ وہ فریب، پردہ پوشی اور بدعنوانی کا پردہ فاش کرے اور حکومت کے احتساب کا شکار ہونے کی بجائے حکومت کا احتساب کرے۔ مگر اس کے ساتھ ہی شہریوں کے تئیں اپنی سیاسی اور شہری ذمہ داریوں کی انجام دہی کے سلسلے میں حکومت کی حقیقی کامرانیوں کی خبریں دینا بھی اتنا ہی اہم ہے، جتنا کہ حکومت کی پالیسیوں اور پروجیکٹوں کی ناکامی کے بارے میں خبریں دینا۔ جو اخبار جان بوجھ کر اس خبر کو چھپاتا ہے جو کہ حکومت کے حق میں ہوتی ہے، وہ اپنی حقیقی سماجی ذمہ داری نہیں ادا کرتا ہے۔ اگر کوئی اخبار کسی خاص سودے کے تعلق سے حقائق کی پوری تفتیش اور چھان بین کرنے کے بعد حکومت کو بے گناہ قرار دیتا ہے، تو اس کی نگرانی رکھنے والے کی حیثیت ختم نہیں ہوجاتی ہے۔ سب کی مسلسل نکتہ چینی کرتے رہنا نگرانی رکھنے کا مظاہرہ نہیں ہے، بلکہ دیوانگی کا مظاہرہ ہے۔

ہماری عدلیہ نے پریس کی فراخدلانہ حمایت کی ہے اور اس کو بھرپور تحفظ فراہم کیا ہے۔ اگرچہ ہمارا آئین بنیادی حقوق میں کسی برتری کو تسلیم نہیں کرتا ہے، تاہم سپریم کورٹ نے پریس کی آزادی کو اونچا درجہ دیا ہے، جس نے اس آزادی کو کسی جمہوریت کی عظیم ترین اور قیمتی آزادی سے تعبیر کیا ہے۔ سپریم کورٹ نے پریس کی آزادی کو جمہوریت کا ایک ستون، جمہوریت کی میثاق کی محافظ اور ہمارے آئین کی جانب سے دی گئیں تمام آزادیوں میں سے سب سے زیادہ قیمتی آزادی قرار دیا ہے۔

سپریم کورٹ نے انڈین ایکسپریس کے مقدمہ میں اپنے مشہور فیصلہ میں یہ واضح یقین دہانی کرائی تھی کہ جب تک "یہ عدالت موجود ہے اس وقت تک اخبار والوں کو اس بات سے ڈرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ غیر آئینی طریقوں سے ان کی آزادی سلب کرلی جائے گی"۔

ایمرجنسی کے سیاہ دنوں کے دوران بھی، ہائی کورٹ نے سنسر کے ذریعہ لگائی گئی یک طرفہ پابندیوں کو مسترد کردیا تھا اور اختلاف کرنے کے حق کو برقرار رکھا تھا۔

انسانی حقوق کا تحفظ کرنے اور انہیں فروغ دینے کے کام میں پریس اور عدلیہ سرگرم حصہ دار رہے ہیں۔ ایک قومی روزنامہ میں عرصہ دراز سے جیلوں میں بند زیر سماعت قیدیوں کے تعلق سے شائع ہونے والی ایک خبر پر عدالت نے توجہ دیتے ہوئے حکام کو نوٹس جاری کئے تھے اور اس کے بعد وہ ہدایات دی تھیں جن کے نتیجہ میں بہت سے زیر سماعت قیدیوں کو رہائی مل گئی تھی۔ ایسی دیگر مثالیں بھی ہیں، جب پریس نے انسانی حقوق کی خلاف ورزیوں کا ذکر کیا اور عدالت نے فوری کارروائی کی۔

پریس اور عدلیہ دونوں سرکاری اختیارات کے غلط استعمال کو روکنے اور ان پر قابو پانے کا کام اپنے اپنے طریقے سے انجام دیتے ہیں۔ یہ کام پریس حکومت کی کارکردگی میں فریب کاری اور رازداری کا پردہ فاش کرکے انجام دیتا ہے، چاہے وہ واٹر گیٹ ہو یا بوفورس یا سینٹ کٹس یا ہاوزنگ یا چارہ گھٹالہ ہو۔ عدالتیں مناسب ہدایات جاری کرکے اور عدالتی احکامات پر عمل درآمد کئے جانے کے کام کی نگرانی کرتے ہوئے برسراقتدار لوگوں کی جوابدہی کو نافذ کرکے اپنا کام انجام دیتی ہیں۔ عدلیہ اور پریس قدرتی حلیف ہیں۔ لیکن بدقسمتی سے ظاہر یہ ہوتا ہے کہ وہ قدرتی طور پر ایک دوسرے کے حریف ہیں۔ یہ ایک خاص طرح کا محبت و نفرت کا تعلق ہے۔ اس تعلق میں تلخی اس وقت پیدا ہوجاتی ہے جب توہین کے سلسلے میں عدالتوں کے ذریعہ اپنے اختیارات کا استعمال کیا جاتا ہے۔

توہین عدالت کے سلسلے میں موجودہ ناواقفیت حیرت انگیز ہے۔ یہ بات طے شدہ ہے کہ پریس سمیت کوئی بھی شخص کسی بھی فیصلہ کے بارے میں تنقید کرنے اور اس پر رائے زنی کرنے کے لئے آزاد ہے۔ کیونکہ تنقید کا راستہ ایک عام راستہ ہے۔ انصاف کو خانقاہی راست بازی کا درجہ حاصل نہیں ہے اور اسے گمراہ ذہن رکھنے والے اور غلط معلومات رکھنے والے لوگوں کی ہیجانی کیفیات سے بھی متاثر ہونا پڑسکتا ہے۔ مگر یہ بالکل دوسری بات ہے کہ فیصلہ دینے والے ججوں پر تہمت لگائی جائے، ان پر بے ایمانی کرنے کا الزام لگایا جائے اور یہ الزام لگایا جائے کہ انہوں نے بیرونی دباؤ کے پیش نظر یہ فیصلہ دیا ہے، کیونکہ ایسا کرنے سے انصاف کے نظام اور عدلیہ کے ادارہ پر عوام کا اعتماد متزلزل ہوتا اور اس کے نتیجہ میں جمہوریت کے ایک ستون کو نقصان پہنچتا۔

لیکن بے ایمانی کرنے کا الزام اگر صحیح ہو اور صحافی اس الزام کو مستند دستاویزی ثبوت

سے صحیح ثابت کرنے کے لئے تیار ہو تو کیا ہوگا ؟ یہ ایک حقیقی مسئلہ ہے ۔ آج توہین سے متعلق جو قانون ہے اور ہندوستان میں اس کی جو تشریح کی گئی ہے اور جو ستیہ میو جیتے کا اعلان کرتا ہے ، اس کے تحت سچ توہین کے لئے کارروائی کے سلسلے میں دفاع کی حیثیت نہیں رکھتا ہے ۔ اگر کوئی شخص کسی جوڈیشیل افسر کے خلاف اپنے الزامات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتا ہے ، تو اسے توہین میں اضافہ کے مترادف سمجھا جائے گا۔

یہ ایک سنگین بے ضابطگی ہے ۔ یہ بات بہت زیادہ قابل بحث ہے کہ الزامات کو جاننا اظہار رائے کی آزادی اور پریس کی آزادی پر ایک نامناسب پابندی کے نفاذ کے مترادف ہے ۔ یہ چیز عدلیہ میں غلط کاریوں اور بدعنوانی کا پردہ فاش کرنے سے روکتی ہے ، جو کہ افسوس ناک طور سے کچھ عدالتوں میں رائج ہے ۔ اس کے نتیجہ میں ذرائع ابلاغ سے وابستہ لوگ خود احتسابی کا شکار ہوجاتے ہیں اور ان چند خراب لوگوں کی غلط کاری کا پردہ فاش کرنے سے باز رہتے ہیں ، جو عدلیہ کی شبیہ کو داغ دار کرتے ہیں ۔ یہ بات ایماندار اور باضمیر ججوں کے تعلق سے انتہائی غلط ہے ۔ برطانیہ میں ، جہاں کہ آئین نے بنیادی حقوق کی کوئی ضمانت نہیں دی ہے ، عوامی مفاد کے ساتھ سچ ایک تسلیم شدہ دفاع ہے ۔ توہین سے متعلق ہمارے قانون میں عوامی مفاد کے ساتھ سچ کو دفاع فراہم کرنے کے لئے ترمیم کرنی ہوگی ۔ جو شخص اپنے الزامات ثابت کرنے میں ناکام رہتا ہے ، اس کے خلاف چھان بین کرنے نیز اس پر سخت دیوانی اور فوجداری تعزیرات عائد کرنے کا اہتمام کیا جانا چاہئے ۔

آئین کی کارکردگی پر نظرثانی کرنے کے لئے قائم کئے گئے قومی کمیشن نے آئین اور توہین عدالت کے قانون میں مناسب ترمیم کرکے اس طرح کے دفاع کا انتظام کرنے کی سفارش کی ہے ۔

فی الوقت ہمارے ملک کو جس سنگین ترین خطرہ کا سامنا ہے وہ سماج میں فرقہ واریت اور سیاست میں مذہب کو شامل کرنے سے پیدا ہوا ہے ۔ بنیادی وجوہات تعصب اور عدم رواداری ہیں ۔ نارواداری اس ناقابل تسخیر عقیدہ سے پیدا ہوتی ہے کہ ایک گروپ یا افراد کی جماعت کو ان معاملات کے متعلق سچائی اور معلومات کے سلسلہ میں اجارہ داری حاصل ہے ، جن کے بارے میں حقیقی اختلافات ہوسکتے ہیں ۔ نارواداری کی ایک اور وجہ بعض طبقات یا فرقوں کے بارے میں تعصب اور ایک طے شدہ نقطہ نظر ہے ۔ پریس کی یہ اخلاقی ذمہ داری ہے کہ وہ ذات پات پر مبنی یا فرقہ وارانہ تشدد کے لئے اشتعال پیدا نہ کرے نیز خاص طبقات اور فرقوں کے خلاف نفرت اور تعصب نہ پھیلائے یا نفرت پیدا کرنے والی تقریر کی تشہیر کے لئے کسی بھی طرح سے ذریعہ نہ بنے ۔ اس کے برخلاف عمل کرکے پریس جمہوریت کی خدمت نہیں کرتا بلکہ اسے نقصان پہنچاتا ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہے کہ لوگوں کو تقریر کی آزادی اور اختلاف کرنے کی اہمیت کا احساس دلانے کی مسلسل کوششیں کی جائیں۔

ذرائع ابلاغ کو یہ بھی چاہئے کہ وہ فرقہ وارانہ فسادات اور دیگر اشتعال انگیز واقعات کی خبریں دیتے وقت اعتدال سے کام لیں ۔ سرکاری مشنری ، بالخصوص قانون کو نافذ کرنے والی ایجنسیوں کی ناکامیوں اور خامیوں کو ظاہر کرتے ہوئے ، ان واقعات کی خبریں دیتے وقت قدرے ضبط و تحمل سے کام لینا چاہئے ، جن سے اشتعال بڑھ سکتا ہے نیز قانون اور امن کی صورت حال مزید خراب ہوسکتی ہے ۔ ان کا یہ عمل عقل مندانہ ہوگا ۔ یہ بات خود احتسابی کا شکار ہونے کے مترادف نہیں ہوگی۔

ہم بجا طور پر پریس کی آزادی کی قدر کرتے ہیں نیز ہمیں اس قیمتی آزادی پر براہ راست یا بالواسطہ طور پر ہونے والے حملوں سے ہوشیار رہنا چاہئے ۔ پریس کی آزادی بلاشبہ قانون کی حکمرانی پر مبنی کسی جمہوری معاشرے کی ایک بنیادی آزادی ہے ۔ پریس کی آزادی اپنے آپ میں ایک اختتام نہیں ہے ۔ یہ اس بات کو یقینی بنانے کا ایک ذریعہ ہے کہ جمہوری معاشرہ میں اچھی حکمرانی ہو ، انتظامیہ میں کھلا پن ہو ، برسر اقتدار لوگ جواب دہ ہوں نیز انسانی وقار اور دیگر انسانی حقوق کا احترام کیا جائے ۔ ہمیں اس آزادی کو پوری قوت کے ساتھ متعصب لوگوں کے حملوں سے بچانا چاہئے اور اس کے سلسلے میں کسی کو تعصب سے کام نہیں لینا چاہئے نیز اسے یہ نہیں بھولنا چاہئے کہ پریس جو عوامی خدمت انجام دیتا ہے ، وہ پوری ذمہ داری کے ساتھ اس خدمت کو انجام دینے کے اعزاز کا حقدار ہوتا ہے ۔

پریس کو ہمت ، حقیقت پسندی ، ایمانداری اور پوری سوجھ بوجھ کے ساتھ اپنا کردار ادا کرنا چاہئے اور ہمیشہ اس بات کو یاد رکھنا چاہئے کہ اس کا قطعی مقصد اچھی حکمرانی اور ہندوستان کے تمام لوگوں کے لئے اچھی زندگی کو یقینی بنانا ہے ۔

برطانیہ کی کوئن مدر کا 30 مارچ کو 101 سال کی عمر میں انتقال ہوگیا جنھوں نے عظیم جنگیں دیکھیں

نریندر مودی کی برطرفی ناگزیر

گجرات کے مسلم کش فسادات نے یہ ظاہر کردیا ہیکہ یہاں عملاً کوئی حکومت نہیں ہے ۔ کیونکہ چیف منسٹر نریندر مودی صرف مخصوص فکر و ذہنیت رکھنے والوں کی نمائندگی کررہے ہیں ۔ فسادات کا سلسلہ گزشتہ ڈیڑھ ماہ سے جاری ہے اس کے باوجود انھوں نے ان پر قابو پانے کے سلسلہ میں کوئی ٹھوس اقدامات نہیں کئے ۔ صاف ظاہر ہیکہ نریندر مودی کو فسادات پر قابو پانے میں کم اور اپنے مقاصد کی تکمیل میں زیادہ دلچسپی ہے ۔ یہی وجہ ہیکہ ہندو فرقہ پرستوں کو یہاں مکمل آزادی فراہم ہے اور ان کے خلاف کسی طرح کی کوئی قانونی کارروائی بھی نہیں کی جارہی ہے ۔ وزیراعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی نے فسادات سے متاثرہ علاقوں کا دورہ کیا جس سے کچھ امید بندھی نظر آئی تھی کہ روزانہ کی خونریزی کا سلسلہ رک جائے گا اور متاثرین کی بازآبادکاری کے سلسلہ میں ٹھوس اقدامات کئے جائیں گے ۔ مسٹر واجپائی فسادات سے اس قدر متاثر ہوئے کہ متاثرین کی بپتا سن کر رو پڑے ۔ لیکن حیرت اس بات کی ہیکہ واجپائی جسوقت متاثرہ علاقوں کا دورہ کررہے تھے اسی وقت دیگر مقامات پر تشدد جاری تھا ۔ مسٹر واجپائی نے متاثرین کی بازآبادکاری کے سلسلہ میں بھی کوئی خاص احکامات نہیں دیئے ۔ تاہم انھیں یہ خدشہ ضرور تھا کہ ان فسادات کے بعد ریاست میں سرمایہ کاری پر اثرات مرتب ہوسکتے ہیں چنانچہ انھوں نے یہ وضاحت ضروری سمجھی کہ سرمایہ کاروں کو کسی اندیشے کا شکار ہونے کی ضرورت نہیں ہے ۔ حد تو یہ ہوگئی کہ فسادات کے خلاف احتجاجی مظاہرے کرنے کا حق بھی اس ریاست میں چھین لیا گیا ہے ۔ گاندھی جی جنھوں نے امن کی خاطر بڑی قربانیاں دی ہیں اور زندگی بھر اہنسا کی تعلیم دیتے رہے انہی کے سابرمتی آشرم میں جس نوعیت کے واقعات رونما ہوئے وہ ریاست میں انتظامی مشنری کی ناکامی کا منہ بولتا ثبوت ہیں ۔ مشہور گاندھیائی لیڈر میدھا پاٹکر یہاں ایک اجلاس منعقد کررہی تھی ۔ بی جے پی کارکنوں نے صحافیوں کو بری طرح زدوکوب کیا اور اس اجلاس میں افراتفری پیدا کردی ۔ ان تمام حالات کی روشنی میں کیا یہ سمجھ لیا جائے کہ گجرات کو ہندو ماڈل ریاست کے طور پر پیش کرنے کے مقصد سے اسے سنگھوں کا اڈہ بنادیا گیا ہے ۔ جنھیں ہر طرح کی آزادی اور چھوٹ ملی ہوئی ہے ۔ مسلمانوں کو چن چن کر نشانہ بنانا اور تاریخ کو مسخ کرنا ان کا مقصد ہے ۔ سرکاری مشنری نے دانستہ طور پر جس لاپرواہی کا مظاہرہ کیا ۔ اس سے یہی ظاہر ہوتا ہیکہ یہاں حقیقت میں کوئی حکومت نہیں ہے ۔

ان تمام حالات کے باوجود چیف منسٹر نریندر مودی اخلاقی طور پر استعفیٰ دینا بھی گوارا نہیں کرتے کیونکہ ان کی نظر میں یہ کوئی اہم واقعات نہیں ہیں ۔ دنیا بھر میں گجرات فسادات کی وجہ ہندوستان کا وقار متاثر ہوا ہے ۔ لیکن نریندر

وزیراعظم واجپائی شاہ عالم ریلیف کیمپ میں مخاطب کرتے ہوئے۔ نریندر مودی بھی دیکھے جاسکتے ہیں

مودی کو اسکی کوئی پرواہ نہیں ۔ انھیں وشوا ہندو پریشد، بجرنگ دل اور آر ایس ایس کی بھرپور تائید حاصل ہے ۔ اور وہ حکومت کی برقراری کے لئے انہی کے تائید کو ضروری سمجھتے ہیں ۔ ذرائع ابلاغ کے ہر گوشہ سے نریندر مودی کو ہدف ملامت بنایا جارہا ہے ۔ ایسے میں وشوا ہندو پریشد کے ماہانہ رسالہ "وشوا ہندو سماچار" میں نریندر مودی کی ستائش کی گئی اور اور انھیں "چھوٹے سرکار" کا لقب دیا گیا یعنی انھوں نے سردار ولبھ بھائی پٹیل کی طرح گودھرا واقعات کے بعد صحیح قدم اٹھایا ہے ۔ وشوا ہندو سماچار گجرات وشوا ہندو پریشد کے صدر کے کے شاستری کی ادارت میں شائع ہوتا ہے ۔ اس تازہ ترین شمارہ میں صرف نریندر مودی کی تعریف کی گئی ہے ۔ تشدد کے واقعات کے بعد گجرات اسمبلی میں چیف منسٹر کی تقریر کو من و عن شائع کیا گیا ۔ اور یہی ایک سہارا ہے جس پر نریندر مودی کی بقا کا انحصار ہے ۔ مرکزی حکومت بھی ان کے خلاف کسی کارروائی سے عملاً گریز کررہی ہے کیونکہ اسے ہندو ووٹ بینک کی فکر ہے ۔ حالیہ اسمبلی انتخابات اور دہلی کے بلدی انتخابات میں بی جے پی کو عوام نے جس بری طرح مسترد کردیا وہ بھی پارٹی حلقوں میں تشویش کا باعث ہے ۔ وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی پر نریندر مودی کی برطرفی کے لئے ہر طرف سے دباؤ ہے لیکن انھوں نے یہ کہتے ہوئے معاملہ کو دبانے کی کوشش کی کہ گوا میں ہونے والے بی جے پی قومی عاملہ اجلاس میں اس تعلق سے غور کیا جائے گا۔ تاہم این ڈی اے کی باہر سے تائید کرنے والی کلیدی حلیف تلگو دیشم نے واضح طور پر مرکز سے نریندر مودی کی برطرفی کا مطالبہ کرتے ہوئے دباؤ میں اضافہ کردیا ہے ۔ صدر تلگو دیشم و چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو نے کہا کہ جب تک نریندر مودی کو برطرف نہیں کیا جاتا عوام میں اعتماد کی بحالی ممکن نہیں ۔ تلگو دیشم پولٹ بیورو کے اجلاس کی صدارت کرتے ہوئے انھوں نے کہا کہ اس وقت عوامی اعتماد کی بحالی ناگزیر ہے اور نریندر مودی کو برطرف کئے جانے تک ایسا ممکن نہیں ۔ انھوں نے بی جے پی پر گجرات قیادت میں فی الفور تبدیلی کے لئے زور دیا ۔ اس طرح این ڈی اے کی ایک اور حلیف ترنمول کانگریس نے بھی نریندر مودی کی برطرفی کا مطالبہ کیا ہے ۔ این ڈی اے میں اس تعلق سے بڑھتے دباؤ کے پیش نظر امکان ہیکہ گوا اجلاس میں بی جے پی نریندر مودی کی برطرفی کے بارے میں کوئی فیصلہ کرے ۔ گجرات کی قیادت میں تبدیلی کے لئے جہاں دباؤ بڑھ رہا ہے وہیں دوسری طرف ریاست کے تشدد سے متاثرہ علاقوں میں حالات ابھی تک معمول پر نہیں آئے ۔ روزانہ گڑبڑ کی خبریں ہے ۔ متاثرین کے ریلیف کیمپس میں راحت کاری اقدامات غیر اطمینان بخش ہیں ۔ ان کیمپس میں متاثرین جن مشکل حالات سے دوچار ہیں اسے الفاظ میں بیان نہیں کیا جاسکتا ۔ عوام کی بنیادی ضروریات جیسے غذا اور رہائش کا انتظام تک ایک مسئلہ بنا ہوا ہے ۔ کئی لوگ طبی خدمات سے محروم ہیں اور کئی خواتین کو ان کیمپس میں ہی بچوں کی ولادت ہوئی ۔ عوام میں خوف و دہشت کا عالم ہے اور حکومت کی جانب سے امدادی یا باز آباد کاری کاموں کے سلسلہ میں کسی طرح کے کوئی اقدامات نہیں کئے گئے ۔ ملک بھر سے کئی مسلم ادارے و تنظیمیں اپنے بل پر ریلیف کے کام انجام دے رہے ہیں ان میں شہر حیدرآباد کو یہ خصوصیت حاصل ہیکہ یہاں سے متاثرین کی امداد و باز آباد کاری کے لئے عوام نے جس ایثار اور فراخدلی کا مظاہرہ کیا وہ اپنی مثال آپ ہے ۔ روزنامہ سیاست کی اپیل پر انتہائی کم وقفہ میں ایک کروڑ روپئے سے زائد کی رقم اکٹھا ہوئی اور اسے الائنس فاؤنڈیشن کے حوالے کیا جارہا ہے جس کے روح رواں ممتاز فلمی اداکار و افسانوی شخصیت دلیپ کمار ہیں ۔ الائنس فاؤنڈیشن کے ذریعہ گجرات میں متاثرین کو حتی المقدور نقد امداد کے علاوہ انھیں کپڑا اشیائے ضروریہ فراہم کئے جارہے ہیں اور متاثرین کی باز آباد کاری کے لئے منصوبہ بند طور پر کوششیں جاری ہیں ۔ دلیپ کمار نے حیدرآبادی عوام کے اس غیر معمولی جذبہ کی سراہنا کی انھوں نے ایڈیٹر سیاست جناب زاہد علی خان کو موسومہ مکتوب میں کہا کہ اگر حیدرآبادی مسلمانوں کی طرح ہندوستان کے سارے مسلمان اسی جذبہ سے آگے بڑھیں تو گجرات کے متاثرین کو پھر ایک بار ان کے کاروبار سے منسلک کیا جاسکتا ہے ۔ اس کے علاوہ دیگر اداروں و تنظیموں کی جانب سے ریلیف فنڈس جمع کئے جارہے ہیں اور کوشش یہ کی جارہی ہیکہ مصیبت کی اس گھڑی میں کم از کم انھیں سہارا دیا جاسکے ۔

مسلمانوں نے واجپائی کے دورہ کے موقع پر مخالف مودی نعرے لگائے

عالمی معاشی نظام اصلاحات کا متقاضی

لاطینی امریکہ، شمالی امریکہ کے پڑوس میں ہونے کے باوجود ناانصافی اور پس ماندگی کا شکار رہا ہے۔ یہاں زیادہ تر وہ ممالک ہیں جو ماضی میں اسپین اور پرتگال کی نوآبادی رہے ہیں۔ یہاں اکثریت بھی اسپینی اور پرتگالی زبان بولنے والوں کی ہے۔ خصوصا اس علاقے کا سب سے بڑا ملک جو دنیا کے چند بڑے ممالک میں سے ایک ہے، برازیل بھی پرتگال کی نوآبادی رہا ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز پر جب نوآبادیاتی طاقتوں کا سحر ٹوٹ رہا تھا اور مغربی ممالک اپنی ایشیائی نوآبادیوں کو بچانے کی فکر میں تھے تو لاطینی امریکہ کی طرف ان کی توجہ کم سے کم ہوتی چلی گئی اور ان کی تمام تر توجہ کا مرکز ایشیا بن گیا جو قدرتی وسائل سے مالا مال تھا اور جہاں اس کالے سونے کے ذخائر تھے جو آئندہ ایک صدی تک صنعتی معاشرے کی روح فراہم کرنے کا سبب بن گئے تھے۔ یعنی لہٰذا یہ صنعتی معاشرہ تیل کے بغیر اپنے اہداف حاصل نہیں کرسکتا تھا، چنانچہ ایشیا خصوصا مشرق وسطی کی اہمیت بڑھتی چلی گئی اور جنگ عظیم دوئم کے خاتمے کے بعد ترقی یافتہ مغربی صنعتی دنیا کی سیاسی و اقتصادی توجہ کا مرکز مشرق وسطی کا علاقہ بن گیا۔

لاطینی امریکی ممالک اس دور میں کسی حد تک صنعتی ترقی اور نسبتا بلند شرح خواندگی کے باعث اپنے پاؤں پر کھڑے ہونے کی کوشش کررہے تھے، تاہم اس مقام سے کوسوں دور تھے جو ان کے ترقی یافتہ ہم سائے ریاست ہائے متحدہ امریکہ کو حاصل تھا۔ چنانچہ معاشیات کے میدان میں ملے جلے اثرات کے باعث اس خطے میں کمیونسٹ نظریات کا فروغ شروع ہوگیا اور غیر سرکاری سطح پر معاشی نظام میں تبدیلیوں پر بحث شروع ہوگئی۔ یہ صورت حال مغربی ممالک خصوصا امریکہ کے لئے باعث تشویش تھی کیونکہ وہ ناٹو کے قیام کے ذریعے کمیونزم کے پھیلاؤ کو روکنے کا بیڑا اٹھا کر سرد جنگ کا آغاز کرچکا تھا، لہٰذا مغربی ممالک نے خصوصا لاطینی امریکہ سے اپنے معاشی تعلقات استوار کرنے شروع کئے اور کچھ پیداوار اور مصنوعات کی درآمدات میں انہیں ترجیح دینا شروع کی۔ تاہم کمیونسٹ نظریات سے سب سے زیادہ متاثر ہونے والا ملک کیوبا رہا، جہاں کمیونسٹ حکومت قائم ہوگئی اور وہاں صدر فیڈل کاسترو کو عالم گیر شہرت حاصل ہوئی جو کئی دہائیوں سے وہاں کرسی صدارت پر فائز ہیں۔ مغربی ممالک اور امریکہ ہمیشہ ان کے خلاف منفی پروپگنڈا کرتے آئے ہیں اور انہیں ڈکٹیٹر اور عوام کی فلاح و بہبود کا دشمن قرار دیا جاتا ہے، اس ضمن میں مغربی ممالک اکثر کیوبا کی تباہ حال معیشت کی مثال دیتے آئے ہیں۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ کیوبا کی معیشت کی یہ صورتحال (جو اتنی گئی گزری بھی نہیں) انہیں عالمی معیشت میں تنہا کردینے کی پالیسیوں کا نتیجہ ہے۔ یہی صورتحال شمالی کوریا، لیبیا، شام، عراق، ایران، ویتنام اور چین وغیرہ کو درپیش رہی۔ تاہم مذکورہ ممالک میں چین اپنی عظیم آبادی، اقتصادی اصلاحات اور جغرافیائی محل وقوع کی بنیاد پر معاشی بحران سے نکل آیا اور اس نے سرمایہ دارانہ مخالف نظام کی کامیابی کی مثال قائم کردی۔ اسی طرح مغربی یورپ میں، یونان میں ۱۹۴۰ء کی دہائی کے آخر میں ابھرنے والے کمیونسٹ نظریات کو فوجی کارروائی کے ذریعے دبا کر مغربی یورپ کو اس "خطرے" سے محفوظ کیا گیا۔

جنگ عظیم دوئم کے خاتمے کے بعد سے مشرق وسطی کا علاقہ عالمی سیاسی گٹھ جوڑ کا محور بنا رہا۔ مغربی ممالک کو اس علاقے میں ایک ایسے بیس کیمپ کی ضرورت تھی جس کے ذریعے وہ تیل سے مالا مال اس علاقے کو اپنی مرضی کے مطابق استعمال کرسکیں اور عرب ممالک کو اپنی فوجی طاقت سے مرعوب رکھ سکیں، چنانچہ جنگ عظیم کے خاتمے کے چند سال بعد یہودیوں کے لئے آزاد وطن کے نام پر مملکت اسرائیل کا قیام عمل میں لایا گیا، اس کے ذریعے عربوں کو اپنے دفاع کی فکر میں الجھا کر اپنے اہم ہتھیار تیل کی اہمیت سے دھیان ہٹانے کی کوشش کی گئی۔ ۱۹۶۷ء کی عرب اسرائیل جنگ کے بعد عرب ممالک تیار شدہ ہتھیار خریدنے کی دھن میں لگ گئے اور سوویت یونین اور مغربی ممالک کو ہتھیاروں کی فروخت کے لئے بہت بڑی منڈی ہاتھ آگئی اور ہتھیار فروخت کرنے والے ممالک کے کارخانے چوبیس گھنٹے پیداوار دینے لگے۔ دوسری طرف مشرق وسطی میں جمہوریت نہ ہونے کے سبب وہاں کے عوام تیل کی دولت سے بنیادی فوائد اٹھانے میں ناکام رہے اور خریدی جانے والی تمام اشیاء اور سہولتیں قابل استطاعت ہونے کی وجہ سے ان کی پہنچ میں آگئیں اور وہاں کے عوام اور حکمراں دولت سے حاصل عیش و آرام کو ہی سب کچھ سمجھ بیٹھے اور اس طرح اشیائے ضروریات کے سب سے بڑے خریدار بن کر سامنے آئے مغربی مالک کی ملٹی نیشنل کمپنیاں وہاں کی معیشت پر گرفت حاصل کرنے میں کامیاب ہوگئیں۔ اور عرب شہزادوں کی ضیافتوں کی داستانیں دنیا میں عام ہوگئیں۔

دوسری طرف مغربی دنیا اپنے ممالک میں سیاسی نظام کو آہستہ آہستہ ان خطوط پر استوار کررہی تھی کہ وہاں کے عوام ان کی خارجہ پالیسیوں سے زیادہ ان کے نظام معیشت کا حصہ بنیں اور صنعتی ترقی اور فلاح و بہبود کا باعث ان پالیسیوں اور خارجہ تعلقات کے اصولوں کو صحیح سمجھیں جو ان کی حکومتیں اپنائے ہوئے تھیں۔ یہ پالیسی خاصی حد تک کامیاب رہی۔ امریکی عوام کی اکثریت اسرائیل کو حق پر سمجھتی ہے اور نتیجتا اس ناانصافی کے خلاف امریکہ کی عوام کی طرف سے کوئی ردعمل دیکھنے میں نہیں آتا۔ یہی حال یوروپی ممالک کا ہے جہاں اسرائیل کے بارے میں بہ ظاہر دو رائے پائی جاتی ہے، لیکن خارجہ پالیسی کا مجموعی فائدہ بہ ہر حال اسرائیل کو ہی ملتا

ہے اور وہاں کے عوام مسئلہ فلسطین کو سمجھنے کے بجائے اسے صرف ایک تنازع سمجھتے ہیں۔

موجودہ دور میں جاری عالمی معاشی نظام کی ناہمواریت کی مثال لاطینی امریکہ کے ملک ارجنٹائن میں سامنے آئی جہاں قرض فراہم کرنے والے ممالک، جو آئی ایم ایف میں مکمل اثر و رسوخ کے حامل ہیں، کی دہری پالیسیوں کے سبب معاشی بحران پیدا ہوا اور ارجنٹائن پر بیرونی قرضوں کی مالیت ۱۳۵ ارب ڈالر تک پہنچ گئی۔ چنانچہ ان حالات میں وہاں کی حکومت کی کرنسی پر گرفت مضبوط رکھنے کی پالیسی ناکام ہو گئی اور وہاں کی مقامی کرنسی پیسو (PESO) کی قیمت گرنے سے ملکی معیشت عدم استحکام کا شکار ہو گئی۔ دوسری طرف ارجنٹائن کے ڈیفالٹ کر جانے کے خطرے کے سبب آئی ایم ایف نے مزید امداد دینے سے معذوری ظاہر کر دی اور ملک میں افراتفری عروج پر پہنچ گئی۔ عوام سڑکوں پر نکل آئے اور انہوں نے اشیائے ضروریات کے حصول کے لئے لوٹ مار شروع کر دی۔ یہ فسادات اب بھی جاری ہیں، حکومت کو پچھلے دنوں ملک میں ایمرجنسی نافذ کرنی پڑی اور سیاسی طور پر بھی ملک میں عدم استحکام پیدا ہو گیا۔ یہ مسئلہ اس حد تک بڑھا کہ ایک ماہ کے اندر اندر وہاں کی حکومت کے پانچ سربراہ تبدیل ہوئے اور آخر کار وہاں کی حکومت کو باضابطہ طور پر "پیسو" کی ڈی ویلیو ایشن کا اعلان کرنا پڑا۔

اس صورتحال سے مغربی ممالک کے اس دہرے کردار کا چہرہ سامنے آتا ہے کہ وہ غریب ممالک کو امداد دیتے وقت ایک طرف تو اپنی شرائط مسلط کرتے ہیں اور دوسری طرف تجارت کے میدان میں قرض دار ملک کو کوئی رعایت نہیں دیتے جس کی بنا پر وہ امداد صرف بجٹ کا خسارہ پورا کرنے میں خرچ ہو جاتی ہے اور برآمدات میں اضافہ نہ ہونے کے سبب قرض دار ممالک اپنے ترقیاتی منصوبے شروع کرنے سے محروم رہ جاتے ہیں۔ چنانچہ وہ امداد ان کے مسائل کے حل کے بجائے ان کے لئے وبال جان بن جاتی ہے۔ برآمدات میں اضافہ نہ ہونے کا واحد سبب مغربی ممالک کی وہ تحفظاتی اقتصادی پالیسیاں ہیں جن سے وہ اپنے بعض شعبوں مثلاً ٹیکسٹائل اور زراعت کو مصنوعی سہارا دیئے ہوئے ہیں۔

اس ضمن میں امریکہ اور مغربی ممالک خصوصاً یورپی یونین کو عالمی سطح پر چند حلقوں یعنی کمیونسٹوں، مزدور رہنماؤں، ماحولیاتی تنظیموں اور معاشی اصلاح پسندوں کی طرف سے زبردست تنقید کا سامنا ہے جو ترقی یافتہ ممالک کی طرف سے اپنی بعض صنعتوں اور زراعت کو دی جانے والی سبسڈی اور درآمدات پر کوٹا پالیسی، مزدور دشمن قوانین، بعض صنعتوں سے خارج ہونے والی گیسوں اور فضلے سے ماحول کو پہنچنے والے نقصان کے خلاف احتجاج کر رہے ہیں۔

عالمی معاشی نظام کی اصلاح کی یہ تحریکیں آہستہ آہستہ زور پکڑ رہی ہیں۔ حالانکہ یہ افراد امریکہ اور یورپ میں اقلیت میں ہیں اور ان کے نظریات وہاں کے عوام کی اکثریت پر کوئی خاص اثر ڈالنے میں ناکام رہے ہیں، تاہم موجودہ دور کے تیز رفتار میڈیا نے انہیں پوری دنیا میں متعارف کرا دیا ہے اور اصلاح پسندوں کا یہ گروپ ڈبلیو ٹی او، جی سیون، یورپی یونین، آئی ایم ایف، ورلڈ بینک اور ورلڈ اکنامک فورم کے اجلاسوں کے مواقع پر مظاہرے کر کے اپنے جذبات اور نظریات کا اظہار کر رہا ہے۔ ۱۹۹۹ میں سیاٹل (امریکہ) میں ڈبلیو ٹی او کے اجلاس کے موقع پر اس تحریک کے زبردست مظاہرے کے باعث یہ اجلاس ناکامی سے دوچار ہوا اور اس کے بعد جب بھی اور جہاں بھی مذکورہ بالا تنظیموں کے اجلاس منعقد ہوئے، اس تحریک نے شدید مظاہرے کئے جس کے لئے دنیا بھر سے مظاہرین کانفرنس کے مقام تک پہنچتے ہیں۔

تاہم پچھلے سال دوحہ (قطر) میں منعقدہ ڈبلیو ٹی او کے اجلاس کے موقع پر قطر کی حکومت کی سخت ویزا پالیسی اور حفاظتی اقدامات کے باعث یہ اجلاس مظاہروں سے محفوظ رہا۔ کیونکہ یہ اجلاس ۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد منعقد ہوا تھا، لہٰذا اس تناظر میں بھی حفاظتی اقدامات انتہائی سخت تھے۔

پچھلے ماہ پورٹو الیگرے، برازیل میں منعقدہ ورلڈ سوشل فورم کا اجلاس بڑی اہمیت کا حامل ہے کیونکہ عالم گیریت مخالف تحریکیں جو اب تک مظاہرے کرتی آئی تھیں، ورلڈ سوشل فورم کے جھنڈے تلے جمع ہوئیں۔ اس اجلاس میں تقریباً چھ ہزار افراد شریک ہوئے۔ جن میں عالم گیریت مخالف تنظیمیں، سوشلسٹ تنظیمیں، انسانی حقوق اور ماحولیات سے متعلق کام کرنے والی تنظیمیں، مزدوروں کے حقوق سے متعلق تنظیمیں اور جنگ مخالف تنظیمیں شامل تھیں۔ اس کانفرنس کا سب سے بڑا مقصد دنیا کے لئے نئے منصفانہ معاشی نظام پر غور کرنا تھا جہاں دنیا کے تمام ممالک کو برابری کی بنیاد پر اقتصادی مواقع میسر آسکیں اور کوئی ملک مالیاتی اور تجارتی میدان میں دوسرے ملک کو بلیک میل نہ کر سکے۔ اجلاس میں ڈبلیو ٹی او کے متبادل کسی ایسی دوسری تنظیم کے قیام پر بھی غور کیا گیا جو دنیا میں آزاد تجارت کے بجائے منصفانہ تجارت کے فروغ کے لئے کام کرے۔ اجلاس میں سرمایہ دار دنیا خصوصاً امریکہ کو شدید تنقید کا نشانہ بنایا گیا کیونکہ اس کی تحفظاتی معاشی پالیسیاں غریب ممالک کے لئے نقصان کا باعث بن رہی ہیں اور اس کی جانب سے دہشت گردی کے خلاف جنگ اور اسکا دائرہ پھیلانے کے ارادے سے دنیا کو شدید خطرات لاحق ہیں۔ اس کانفرنس کے ساتھ پورٹو الیگرے میں عالمگیریت کے خلاف شدید مظاہرے بھی دیکھنے میں آئے۔ جن میں تیس ہزار مظاہرین نے شرکت کی۔

جنوبی امریکہ میں اس قسم کے بڑے اجتماع نے عالمی سطح پر سرمایہ دارانہ نظام کے حامیوں میں کھلبلی مچا دی ہے اور ماہرین لاطینی امریکہ میں اسے نئے رجحان کے طور پر دیکھ رہے ہیں اور اس ضمن میں رائے ہے کہ اب منصفانہ عالمی معاشی نظام کے بارے میں اقوام متحدہ کے زیر اہتمام بحث کا آغاز ہونا چاہئے جس میں دنیا کے تمام ممالک اپنے اپنے موقف کے ساتھ شریک ہوں اور اس بحث کے مسلسل کئی دور ہونے چاہئیں تاکہ آئندہ چند برس میں سرمایہ دارانہ نظام کی خرابیوں سے پاک معاشی نظام قائم ہو سکے جس میں ایک مخصوص عرصے تک غریب ممالک کے ساتھ ترجیحی سلوک کیا جائے تاکہ ان کا معاشی استحکام انہیں نئی صدی کے تقاضوں سے ہم آہنگ کر دے اور دنیا نئے نظام کے تحت اپنا سفر شروع کر سکے۔

محمد ناظم علی

مسلمانوں کی عصری علوم سے بے حسی

تاریخ شاہد ہے کہ جن قوموں نے اپنے عصر سے دانستہ چشم پوشی کی وہ قصہ پارینہ بن گئی اور سماجی تاریخ میں ان کو جگہ نہیں ملی اور نہ وہ ترقی کے زینہ طے کرسکی۔ مسلمانوں کا ماضی شاندار رہا اور قوم و ملکوں کی تسخیر کا عمل چلتا رہا۔ کردار کے غازی بنے اور سیرت و کردار کے بل بوتے پر ہی انھوں نے عروج حاصل کیا اور کئی ایسے کارنامے انجام دئے جو رہتی دنیا تک یاد رکھے جائیں گے۔ انکی ترقی و عروج کا راز صرف تعلیم و علم ہی تھا۔ علم سے لگاؤ کی وجہ سے وہ عالم کہلائے۔ اور علم طب، ریاضی، نجوم، ہندسہ، فلکیات اور دوسرے علوم میں دوسروں سے سبقت لے جاتے رہے۔ مسلمانوں کی اس علمی ترقی و شوکت کو دیکھ کر یوروپی قومیں بیدار ہوئی۔ اور وہ جہاں بھی گئے پہلے وہاں کے علوم و فنون کو حاصل کرنے جد و جہد کی۔ اس سلسلے میں کئی جامعات اور اعلی تعلیمی ادارے قائم کئے۔ علوم و فنون کے سیکھنے میں وہ دوسروں پر سبقت لے جاتے تھے۔ یاد رکھیں جس قوم میں علم و تعلیم کا جذبہ نہ ہو وہ اپاہج قوم بن جائے گی اور تاریخی تجزیہ بھی شاہد ہیں۔ شاید مسلمانوں کے ماضی کو پیش نظر رکھ کر ہی اقبال نے کہا تھا

عروج آدم خاکی سے انجم سہمے جاتے ہیں
ٹوٹا ہوا تارہ مہ کامل نہ بن جائے

آج عالم کے مسلمانوں میں ایک قسم کی بے چینی ہے یا سوپر پاور انہیں بے چینی و انتشار کا شکار بنادیا ہے۔ چاہے خلیجی ممالک ہوں یا عربی ممالک کہیں سے بھی بین الاقوامی سطح پر باصلاحیت اور نامی گرامی مسلمانوں کا فقدان ہے۔ اور نہ کسی شعبہ حیات میں وہ اتنا نام کمائے ہیں اسکی کیا وجہ ہوسکتی ہے بالراست دہشت گردی کا عنوان دے کر مسلم قوم و ممالک کو رسوا و بدنام کیا جارہا ہے۔ انکو تعلیم سے محروم کہا جاتا ہے میری دانست میں مسلمانوں کے عالمی موقف پر نظر ڈالیں تو ان میں آپسی اتحاد کی کمی ہے اور دانشورانہ منصوبے کا فقدان ہے مسلم ممالک کا جو تعلیمی نظام ہے وہاں روایاتی نظام غالب ہے۔ نیا رجحان اور نیا انقلابی انداز پیدا ہونا ضروری ہے اعلی اور عصری تعلیم کے لئے امریکہ اور روس کا رخ کرنا پڑتا ہے۔ جدید علم کی رسائی ابھی تک ترقی پذیر ممالک میں نہ ہوسکی۔ ایشیا میں خاص کر ہندوستان میں عصری علوم کے ثمرات مکمل طور پر حاصل نہیں ہوئے ابھی بتدریج نئے مضامین و جدید علوم سے یہاں کے تعلیمی نظام کو روشناس کروایا جارہا ہے۔ ہندوستانی ماحول میں ابھی کمپیوٹر کی عمر بہت کم ہے۔ ٹی وی اور کمپیوٹر سے بتدریج سماجی انقلاب آرہا ہے سماجی ترقی کی طرف ہندوستانی معاشرہ گامزن ہے لیکن جتنے عصری و جدید علوم آتے ہیں ان پر مالدار طبقہ کو اجارہ داری حاصل ہے اوسط اور ادنی طبقہ فیض اٹھانے سے محروم ہیں کیونکہ عصری علوم میں تربیت کے لئے لاکھوں روپئے درکار ہوتے ہیں۔ ہر طبقہ و فرقہ کے لوگ استفادہ کرنے کی خواہش رکھتے ہیں ہندوستانی جمہوریت میں مسلمان بھی ایک اہم طبقہ تصور کیا جاتا ہے انکو جمہوری و دستوری حقوق حاصل ہیں۔ تعلیم کے بارے میں تو دفعات کا ذکر ہے خاص کر اقلیت کا لفظ استعمال کیا گیا ہے اور مسلم اقلیت کی تعلیم، مذہب، تہذیب و تمدن کی ترقی و فروغ کی باتیں کی گئی ہیں انکو اپنے اپنے تعلیمی ادارے قائم کرنے کی اجازت حاصل ہیں۔ شمالی ہند میں جتنے تعلیمی ادارے قائم ہیں ان میں روایاتی علوم کی تدریس کا انتظام ہے وہاں کے اقلیتی تعلیمی اداروں میں عصری علوم کا موقف بہت کمزور ہے البتہ اسکے برعکس جنوبی ہند میں آندھرا پردیش کرناٹک اور کیرالا میں اقلیتی تعلیمی ادارے قائم کئے گئے ہیں وہاں علم طب و انجینیرنگ کی تعلیم کا انتظام ہے اور مزید نئے کورسس آنے کی امید ہے۔

آزادی کے بعد مسلمانوں کو معاشی سکون میسر نہیں۔ مسلم طبقہ کئی اکائیوں میں منقسم ہوگیا انکی معاشی و سیاسی بساط الٹ گئی۔ زندگی کے ہر شعبہ میں انکی نمائندگی صفر کے برابر ہوگئی۔ معاشی پستی کی وجہ سے مسلم طبقہ عصری علوم سے بے بہرہ ہوتا جارہا ہے کسی کو فکر نہیں۔

ایسے عالم میں مسلم طبقہ کس طرح سے اپنے عصر سے ہم آہنگ ہوسکے۔ کیا مسلمانوں میں اتحاد کا فقدان ہے یا دانشوری کی کمی ہے۔ حرکیاتی منصوبے عدم تخلیق ہیں۔ معاشی پستی کی وجہ سے کئی مسلم طلبا و نوجوان تعلیم ترک کررہے ہیں اسکے ذمہ دار ماں باپ نہیں مسلم طبقہ کے سماجی و سیاسی رہنما ہیں۔ کیا مسلم طبقہ میں صنعت کار نہیں ہیں دولت مند طبقہ کا کال ہے۔ دولت مند سیاست کا فقدان ہے مذکورہ طبقات اور سماجی سیاسی صحت مند فکر رکھنے والے رہنما آگے آئیں تو یقیناً وہ دن دور نہیں جبکہ مسلم طبقہ بھی عصری علوم سے بہرہ ور ہوگا اور قوم و طبقہ کو ترقی و عروج حاصل ہوگا۔ مسلم طبقہ میں Common Cause، Goal کے لئے علاقائی و قومی نوعیت کی مالیاتی تنظیم کا احیاء عمل میں لانا ہوگا۔ مسلم طبقہ کے لئے سہولیات و مراعات سیاسی و قانونی اور سماجی کا شکوہ و شکایت کرتے کرتے قانون ساز اداروں کے کان بہرے ہوگئے۔ اسمبلی میں تادم تحریر مراعات کے تعلق سے بحث و مباحثہ نہیں ہوسکا لہذا مسلم قوم کے دانشور مفکر اور مالدار طبقہ قوم کو خوش حال اور عصری علوم سے ہمکنار کرنے کے لئے آگے آئیں تو ان کو ہر دو جہاں میں سرخ روئی حاصل ہوگی اور قوم کو سماج میں رتبہ و مقام حاصل ہوگا۔

●●●●●

صلاح الدین نیّر

غزل

ہر رت میں ایسے لوگ متاعِ چمن رہے
جو اپنے گھر میں رہ کے غریب الوطن رہے

ہر زخم اپنی ذات کا آپس میں بانٹ لیں
ہم میں کم از کم اتنا تو دیوانہ پن رہے

خاکِ وطن نے ان کو گلے سے لگالیا
جو لوگ قتل ہو کے یہاں بے کفن رہے

اس طرح کج کلاہی کو اپنی نبھایئے
دشمن سے گفتگو میں بھی اک بانکپن رہے

ہم نے لہو دیا ہے نئی روشنی کے نام
ہم بھی تمہاری طرح سے زخمی بدن رہے

ہم اپنی وضع داری پہ قائم تو ہیں مگر
کچھ مرحلوں پہ ہم بھی روایت شکن رہے

نیّر! رہو گے جب کبھی صلیبوں کے درمیان
مٹی وطن کی ہاتھ میں سر پہ کفن رہے

●●●●

دیہی طلباء کے لئے زرعی پالی ٹکنک کورسس

ڈاکٹر سلمان عابد

Agricultural Polytechnic Courses

آندھرا پردیش زرعی یونیورسٹی کے زیر اہتمام ریاست آندھرا پردیش کے محبوب نگر ضلع پالیم ٹاون میں پہلی مرتبہ 1989ء میں زرعی پالی ٹکنک کالج کا قیام عمل میں لایا گیا۔ یہ ریاست بھر میں صرف ایک زرعی پالی ٹکنک کالج ہے اور اس میں دیہاتی طلباء کو داخلہ فراہم کیا جارہا ہے۔ دیہی زرعی ضرورتوں کی تکمیل کی خاطر دیہی نوجوانوں کو تعلیمی سہولتوں کی فراہمی کی غرض سے پہلی مرتبہ زرعی پالی ٹکنک کورس کا آغاز کیا گیا۔ اس کورس کی تکمیل کے بعد سرکاری و پرائیوٹ اداروں میں ملازمت کے وسیع مواقع حاصل ہیں۔

ریاست کو مختلف زرعی حیثیتوں بارش کے اوسط وغیرہ کے مطابق 7 منڈلوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ ہر زون میں علاقائی زرعی تحقیقی مرکز قائم ہے۔ فی الحال صرف ایک ضلع محبوب نگر میں ہی زرعی پالی ٹکنک کام کررہا ہے۔ تاہم ماقی 6 زون میں بھی ان کالجوں کے قیام کے منصوبے ہیں۔ طلباء کو اس کالج میں تدریس کے ساتھ ساتھ پریکٹیکلس بھی کرائے جاتے ہیں۔

90۔1989 سے دو سالہ زرعی پالی ٹکنک ڈپلوما کورسس چلایا جارہا ہے۔ یہ کورسس مکمل کرنے کے بعد محکمہ زراعت میں سب اسسٹنٹ، ولیج ڈیولپمنٹ آفیسر کی جائیدادوں پر تقررات کے اہل ہوں گے۔ سرکاری ملازمت نہ ملنے کی صورت میں پرائیوٹ سیکٹر میں اچھی ملازمتیں حاصل ہیں۔ اس کے علاوہ خود روزگار اسکیمات وزیراعظم روزگار یوجنا، جواہر روزگار یوجنا، ٹورازم جیسے اسکیمات سے تعاون دیا جارہا ہے۔

سیٹس: پالیم زرعی پالی ٹکنک میں جملہ نشستوں کی تعداد 100 ہے۔ پہلے سال 50 اور دوسرے سال 50۔

داخلہ: ہر سال 50 طلباء کو پہلے سال میں داخلہ دیا جارہا ہے۔ دسویں جماعت یا اس کے مماثل امتحان میں کامیاب طلبا درخواست دے سکتے ہیں۔ (اعلیٰ تعلیم یافتہ اس کورس کے لئے اہل نہیں) اس کالج کی جملہ نشستیں صرف انہی طلباء کے لئے مختص اور محفوظ ہیں جن کا تعلق دیہاتوں سے ہے یعنی طلب علم کم از کم گاؤں میں چار سال تعلیم حاصل کیا ہوا ہو۔ میونسپل علاقوں کے طلبا کے لئے اس کورس میں داخلہ نہیں دیا جاتا۔

طریقہ انتخاب: SSC امتحان میں حاصل کئے مارکس کی بنیاد پر داخلہ کے لئے انتخاب کیا جاتا ہے۔ کم از کم 55 فیصد نشانات حاصل کرنے والے امیدوار ہی درخواست دینے کے اہل ہیں۔ داخلہ جس سال میں حاصل کریں اس سال امیدوار کی عمر 15 سال مکمل ہو۔

جملہ نشستوں میں 25 فیصد BC کے لئے، 15 فیصد SC، اور 6 فیصد ST کے لئے 85 فیصد نشستیں مقامی طلبا کے لئے مختص ہیں۔ کورس کی مدت دو سال ہے۔ چھ مہینے میں ایک سمسٹر کے حساب سے جملہ 4 سمسٹر ہوتے ہیں۔ تلگو میڈیم میں تعلیم دی جاتی ہے اور یہ Co۔Ed کالج ہے۔

فیس: ٹیوشن فیس ایک سمسٹر کے لئے 50 روپئے۔ ایڈمیشن فیس صرف 10 روپئے، پہلے سال کے لئے، لیبارٹری ڈپازٹ 20 روپئے قابل واپسی۔ لائبریری ڈپازٹ 10 روپئے قابل واپسی ہیں۔ گیمس فیس 10 روپئے فی سمسٹر۔ زائد مصروفیات فیس 5 روپئے فی سمسٹر، امتحان کی فیس 20 روپئے فی سمسٹر۔ امتحان کی ضروری اشیاء کے لئے فیس 10 روپئے فی سمسٹر۔

ہاسٹل فیس: ڈپازٹ 100 روپئے، کھانے کی فیس 300 روپئے، روم کا کرایہ 75 روپئے فی سمسٹر۔ (فیس پر نظرثانی ممکن ہے۔ تفصیلات متعلقہ کالج سے معلوم کی جاسکتی ہیں)

اسکالرشپ: ایس سی، ایس ٹی، بی سی طلباء کے ساتھ ساتھ معاشی طور پر پسماندہ طلبا کے لئے بھی اسکالرشپ فراہم ہیں۔

درخواست: 15 روپئے کے ڈیمانڈ ڈرافٹ جو کمپٹرولر، آندھرا پردیش، اگریکلچر یونیورسٹی، حیدرآباد 500030 کے نام پر حیدرآباد کی اسٹیٹ بینک آف حیدرآباد، آندھرا بینک سے حاصل کردہ ہو جس کے ساتھ سادہ کاغذ پر درخواست بھیجنے سے درخواست فارم حاصل ہوسکتا ہے یا پھر درخواست فارم ان پتوں سے حاصل کئے جاسکتے ہیں۔

1) Principal College of Veternery Science,
Rajendar Nagar, HYD.30

2) Principal College of Veternery Science,
Tirupati 517302

3) Principal Agriculture College, Bapatla 522101

ان کے علاوہ اگریکلچر یونیورسٹی آندھرا پردیش کے جہاں جہاں کالجس ہیں ان پر درخواست فراہم کی جاتی ہے۔ عام طور سے درخواست کے لئے مرضی جولائی تک حاصل کی جاتی ہے۔ اور اس مہینہ تک درخواست داخل کی جاسکتی ہے۔

☆☆☆

امریکنوں کیلئے ایک مشورہ

حسن نثار

میں جانتا ہوں کہ عنوان اور نفس مضمون دونوں ہی انتہائی منطقی ہونے کے باوجود انتہائی مضحکہ خیز بھی ہیں کیونکہ جن کی باتوں پر ان کی اپنی حکومتیں کان نہ دھرتی ہوں، ان میں سے ایک امریکہ جیسی سپر پاور کو مشورہ دینے بیٹھ جائے تو ... میری اپنی ہنسی نہیں رک رہی لیکن ایک "مفروضہ" ہے کہ ترقی یافتہ ممالک اور ان کی حکومتیں مانیں نہ مانیں ... کسی بھی منطقی بات اور تاریخی حقائق کے ساتھ ساتھ بنیادی حقائق پر غور ضرور کرتی ہوں گی، کسی بھی سچویشن پر "تھرڈ ڈائمنشن" کی طرف ان کی توجہ مبذول کرائی جائے تو سوچتی ضرور ہوں گی۔

امریکن سپر پاور کو سمجھ لینا چاہئے کہ "طاقت" بھی "دولت" کی طرح ہوتی ہے جو "خرچ" یعنی spend کرنے سے کم ہوتی ہے اور سرمایہ کاری یعنی invest کرنے سے بڑھتی ہے۔

میرا اندازہ ہے کہ امریکہ ایک مدت سے اپنی بے تحاشہ طاقت کو Invest نہیں بلکہ صرف Spend کررہا ہے ورنہ امریکن صدر کو انتہائی دردناک معصومیت کے ساتھ یہ نہ پوچھنا پڑتا کہ ... "دنیا ہم سے اس قدر نفرت کیوں کرتی ہے؟"

اس سوال کا ایک سادہ سا جواب تو یہ بھی ہوسکتا ہے کہ طاقتور سے نفرت کرنا کمزور کی نفسیات میں شامل ہوتا ہے۔ بالخصوص ایسے حالات میں جب طاقتور اپنی تنگی طاقت کی نمائش کیلئے ہر وقت کسی نہ کسی بہانے کی تلاش میں رہتا ہو .... اور بیشک امریکہ یہی کچھ کررہا ہے اور اسی کو میں نے محتاط ترین لفظوں میں Spending کا نام دیا ہے جو بالآخر طاقت کی کمی اور پھر بیحد کمی پر منتج ہوگا جبکہ دوسری طرف Investment of Power سے طاقت میں اضافہ ہوتا ہے لیکن انویسٹمنٹ کا بلکہ یوں کہئے کہ کامیاب انوسٹمنٹ کا بنیادی اصول "انصاف ... میرٹ اور جینوئین نیس" ہوتا ہے، کریڈیبلٹی اس کی بنیادی شرط ہے، یہی وجہ ہے کہ "صارف" ساکھ والی کمپنیوں کی منگی اشیاء بھی ہنسی خوشی خرید لیتے ہیں جبکہ بے ساکھ کمپنیوں کی سستی اشیاء سے گریز کرتے ہیں۔

سیاست کی بین الاقوامی منڈی میں سپر پاور امریکہ اپنے "صارفین" کے ساتھ انصاف نہیں کرپارہا "اجارہ داری" کی طرح "بلیک میل" کررہا ہے جو ایک غیر فطری بات ہے۔ بڑی سے بڑی زمینی طاقت بھی "زمین کے اصول" تو بدل سکتی ہے (؟) قدرت کے قوانین تبدیل نہیں کرسکتی۔

تہذیبوں کے عروج و زوال کی ایک طویل تاریخ ہمارے سامنے ہے جس کی جتنی سمجھ مجھے آئی ہے، اس کی باٹم لائن یہی بنتی ہے کہ تہذیبوں کی بقا ارتقا اور انتہا کے پیچھے اصل قوت "انصاف" کی ہوتی ہے اور یہ انصاف اپنوں تک ہی محدود نہیں ہوتا .... غیر بلکہ حریفوں اور دشمنوں تک لامحدود ہوتا ہے۔

افسوس امریکہ اپنی تمام تر فکری سائنسی فوجی تکنیکی اور تخلیقی مائٹ Might کے باوجود اس سے محروم ہوتا چلا جارہا ہے جو آخر کار باقی طاقتوں سے محرومی کا سبب بنے گی۔

سپر پاور رہنا چاہتے ہیں تو جسٹس کی بنیاد پر بین الاقوامی برادری سے ڈیل کرنا ہوگی ورنہ "برادری .... خوفناک ... شریکے" میں تبدیل ہوجائے گی اور بعض اوقات بہت ہی کمزور "شریکا" پورے کے پورے خاندان کا صفایا کرسکتا ہے ... خود چاہے پھانسی چڑھ جائے۔

فلسطینی شہید ہو تو .... دفاع

اسرائیلی ہلاک ہو تو .... دہشت گردی

اس misuse بلکہ Abuse آف پاور کا ہی ردعمل ہے کہ کراؤن پرنس شہزادہ عبداللہ کو کہنا پڑا۔

"میں اس تعصب کو مسترد کرتا ہوں کہ اسرائیلی بچے کا خون کسی فلسطینی بچے کے خون سے قیمتی اور مہنگا ہوتا ہے"۔

یہ صرف ایک مثال ہے سپر پاور امریکہ اپنے گریبان میں جھانکے تو اسے ایسی درجنوں مثالیں دکھائی دیں گی۔ خود امریکہ کا ایک ریٹائرڈ جنرل کہتا ہے "ہم امریکیوں کو خود اپنے آپ سے پوچھنا چاہئے کہ آخر "اس قسم کے گروپ" ہم سے اتنی نفرت کیوں کرتے ہیں؟ آخر یہ لوگ ہماری سرزمین پر دہشت گردی کیلئے اپنی زندگیوں کو داؤ پر کیوں لگاتے ہیں؟ آخر ان کی یہ دہشت گردی امریکہ کے خلاف ہی کیوں ہے؟" یہی جنرل آگے چل کر کہتا ہے "اس دہشت گردی کی اصل وجہ ہماری اسرائیلی حکومت کے مجرمانہ رویہ کی حمایت اور اس میں شمولیت ہے"

اور شاید اصلی کہانی بھی یہی ہے کہ یہودیوں نہیں بلکہ صیہونیوں نے امریکہ جیسے جن کو اپنی "مالیاتی" اور "میڈیاتی" بوتل میں قید کررکھا ہے اور وہ امریکہ جو پوری دنیا کیلئے سپر پاور ہے، درحقیقت صیہونیوں کیلئے چراغ کا وہ جن ہے جو ان کے ہر حکم کی تعمیل پر بری طرح مجبور ہے۔

امریکہ پوری دنیا کو "غلام" بنانے سے پہلے خود "آزادی" حاصل کرے ورنہ وہ "انتہائی طاقتور جن" ہونے کے باوجود ان کیلئے "کیچوا" بھی نہیں جو "چراغ" رگڑتے ہیں اور چشم زدن میں یہ جن دست بستہ حاضر ہوکر پوچھتا ہے۔

کیا حکم ہے میرا آقا؟

دنیا کی نفرت کا نشانہ امریکہ ہے جبکہ صیہونی پردے کے پیچھے بیٹھے ٹھیک ٹھیک نشانوں کو ہدف بنارہے ہیں لیکن کیا یہ "امریکی جن" اپنے اس آقا سے نجات حاصل کرسکتا ہے جس کے پاس وہ چراغ ہے جسکا مالک ... جن کی تمام تر جناتی قوتوں کا حقیقی مالک ہے؟

یہ سوچنا میرا نہیں .... امریکنوں کا کام ہے۔

امریکن جن بوتل میں بند ہے اور بوتل صیہونیوں کے قبضہ میں!

"القاعدہ" نہیں ... اصل فائدہ یہ "بوتل" توڑنے سے ہوگا۔ جو ٹوٹتی نظر نہیں آتی میری پیاری مائنر (minor) سپر پاور! سچ تو یہ ہے کہ مجھے امریکہ کی طاقت پر ترس آتا ہے کیونکہ اس عظیم الجثہ ہیبت ناک تباہ کن اور طاقتور "روبوٹ" کا ریموٹ کنٹرول تو کسی اور کے پاس ہے اور بیچارے سپر پاور امریکہ کا اصل ترانہ تو یہ غزل ہونی چاہئے۔

"میں خیال ہوں کسی اور کا مجھے سوچتا کوئی اور ہے"۔

نریندر مودی کو برطرف کرنے تلگو دیشم پارٹی کا مطالبہ

مرکز میں برسر اقتدار این ڈی اے حکومت کی اہم حلیف جماعت تلگو دیشم پارٹی نے آخر کار گجرات میں مسٹر نریندر مودی کی قیادت کو فی الفور اثر کے ساتھ تبدیل کردینے کا بی جے پی سے مطالبہ کیا۔ تلگو دیشم نے کہا کہ جب تک قیادت تبدیل نہیں کی جاتی تب تک گجرات حکومت پر عوام کا اعتماد بحال نہیں ہوسکے گا۔ تلگو دیشم کے سربراہ چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو کی صدارت میں اعلیٰ اختیاری پولٹ بیورو کا اجلاس منعقد ہوا جس میں متفقہ طور پر قرارداد منظور کرتے ہوئے نریندر مودی کی برطرفی کا مطالبہ کیا گیا۔ اجلاس میں گجرات کی صورتحال کا تفصیلی جائزہ لیا گیا اور وہاں جاری پرتشدد واقعات پر تفصیلی غور کیا گیا۔ صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد اجلاس کی متفقہ رائے یہ تھی کہ نریندر مودی کی برطرفی تک وہاں صورتحال قابو میں نہیں آسکتی۔ قرارداد میں کہا گیا کہ اگر نریندر مودی کو علحدہ نہ کیا جائے تو ہم عوامی اعتماد کو ٹھیس پہونچانے کے قصوروار ہوں گے اور ملک کے عوام کو صاف ستھری حکومت فراہم کرنے سے قاصر رہیں گے۔ تلگو دیشم پولٹ بیورو کی قرارداد میں کہا گیا کہ جب تک ہم عوام کے اعتماد کو دھکا پہونچانے اور اپنے ملک کے شہریوں کو ایماندارانہ و منصفانہ حکمرانی مہیا کرنے میں ناکام رہنے کے قصوروار ٹہریں گے۔ اس وقت جو بات ضروری ہے وہ یہ ہے کہ زخموں پر مرہم رکھا جائے اور حکمرانی کے اداروں پر عوام کے اعتماد کو بحال کیا جائے۔ تلگو دیشم پارٹی نے یہ مطالبہ ایسے وقت کیا جبکہ بی جے پی کی قومی عاملہ کا اجلاس گجرات میں شروع ہونے والا ہے۔ تلگو دیشم نے سیکولرازم پر اپنے اٹوٹ ایقان کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ فرقہ وارانہ ہم آہنگی ہی قوم کا مستقبل ہے اور تلگو دیشم پارٹی نے سیکولرازم کی برقراری کی شرط پر مکمل طمانیت حاصل کرنے کے بعد ہی این ڈی اے حکومت کی تائید کی ہے اور اس سے انحراف ناقابل قبول ہوگا۔ گجرات کے واقعات ہر کسی کے لئے تشویش کا باعث بنے ہوئے ہیں جس سے ملک کے سیکولر ڈھانچہ اور اسکے وقار کو شدید دھکا پہونچا ہے۔ پولٹ بیورو کے اجلاس میں مسرز ٹی دیویندر گوڑ، ایس ایم لعل جان پاشا، ڈاکٹر راما ریڈی، وینکٹیشورلو، ڈاکٹر وینو گوپال چاری، آر

آٹوز کے رجسٹریشن بند کئے جانے کے خلاف اے پی آٹو اینڈ ٹرالی ڈرائیورس یونین نے احتجاجی مظاہرہ کیا

دونوں شہروں حیدرآباد و سکندرآباد میں پانی کی قلت کے خلاف آبرسانی بورڈ دفتر کے روبرو خواتین کا دھرنا

برقی شرحوں میں اضافہ کے خلاف بی جے پی کا ودیوت سودھا کے روبرو احتجاجی مظاہرہ

پرکاش ریڈی اور دوسروں نے شرکت کی۔

مطالبہ مسترد کئے جانے پر تلگو دیشم کا غور

تلگو دیشم پارٹی کی جانب سے نریندر مودی کی برطرفی کے مطالبہ کو بی جے پی کی جانب سے مسترد کئے جانے پر تلگو دیشم پارٹی نے افسوس کا اظہار کیا ہے اور کہا کہ اس معاملہ میں انتظار کرو اور دیکھو کی پالیسی پر وہ قائم ہیں۔ بی جے پی کی جانب سے نریندر مودی کی برطرفی کے مطالبہ کو مسترد کئے جانے کے فوری بعد تلگو دیشم کا ایک ہنگامی اجلاس منعقد ہوا جس میں تازہ ترین صورتحال کا جائزہ لیا گیا۔ تلگو دیشم پارٹی کے صدر چندرا بابو نائیڈو نے اگرچہ کوئی ردعمل ظاہر نہیں کیا ہے لیکن پارٹی کے دوسرے قائدین کا خیال ہے کہ چیف منسٹر اس مسئلہ پر وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کے جواب کے منتظر ہیں۔ اس دوران ریاست میں تلگو دیشم کی حلیف بی جے پی نے بھی نریندر مودی کی برطرفی کے مطالبہ کو مسترد کئے جانے پر اطمینان کی سانس لی ہے۔ بی جے پی کے ریاستی قائدین نے اس مطالبہ پر اپنا ردعمل ظاہر نہیں کیا تھا۔

فرقہ پرستی کے خلاف، جمعیتہ علماء ہند کی مہم

ملک میں فرقہ پرست طاقتوں کے خلاف مشترکہ جد و جہد کرنے جمعیت علما ہند نے ملک گیر سطح پر مہم چلانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس سلسلہ میں ملک کے مختلف حصوں میں کنونشن منعقد کئے جائیں گے۔ جمعیت علماء ہند جنرل سکریٹری مولانا محمود مدنی نے پریس کانفرنس میں بتایا کہ تمام مشہور جماعتوں کا تعاون حاصل کیا جائے گا۔ مولانا محمود مدنی نے گجرات کے چیف منسٹر نریندر مودی کو ہٹائے جانے کے قیاس آرائیوں پر کہا کہ چیف منسٹر گجرات کا عہدے سے ہٹایا جانا ہی کافی نہیں بلکہ انہیں انصاف کے کٹہرے میں لا کھڑا کرنا چاہئے اور ساتھ میں گجرات کے متاثرین کو انصاف ملنا چاہئے۔ انہوں نے کہا کہ فرقہ پرست جماعتیں ملک کو برباد کرنے کوشاں ہیں ملک اس وقت مشکل حالات سے دوچار ہے۔ چند مٹھی بھر فرقہ پرست عناصر ملک میں بدامنی پھیلا رہے ہیں۔ ملک کی اکثریت سیکولر اور یہ اکثریت خاموش ہے۔ تمام ہم خیال سیکولر افراد کو فرقہ پرستوں کے خلاف مجتمع کرنے حیدرآباد سے پہل کی جارہی ہے۔ جمعیت ملک کے دوسرے شہروں میں بھی اس طرح کے کنونشن منعقد کئے جائیں گے۔ انہوں نے جمعیت کی تعلیمی معاشی سرگرمیوں اور ملک کے مسائل کے حل کے لئے کی جانے والی تحریکات کا تذکرہ کیا۔

تاریخی چومحلہ پیلس میں آہک پاشی و رنگ و روغن کا کام شروع کیا گیا ہے

کونڈاپلی سیتارامیا کا انتقال

نکسلائیٹس تنظیم و پیپلز وار گروپ کے بانی کامریڈ کونڈا پلی سیتارامیا کا وجے واڑہ میں انتقال ہوگیا۔ وہ 87 برس کے تھے۔ مسٹر سیتارامیا 1995 میں جیل سے رہائی کے بعد اپنی نواسی سدھا کے مکان میں مقیم تھے جو کہ وجے واڑہ میں لاء کالج کی لکچرر ہیں۔ سدھا کے شوہر گنگادھر نے بتایا گذشتہ 3 ماہ سے سیتارامیا کی صحت ٹھیک نہیں تھی۔ انتقال کی اطلاع ملتے ہی کونڈا پلی کے محبان اور نکسلائیٹس تنظیم کے ہمدردوں نے کونڈا پلی سیتارامیا کو خراج عقیدت پیش کیا۔ سیتارامیا 1993 میں گرفتار ہوئے تھے۔

شہر کے مختلف علاقوں یوسف گوڑہ وغیرہ میں نامعلوم افراد نے اقلیتی فرقہ کے تقریباً 12 آٹوز نذر آتش کردئے

تعلیمی نظام پھر انتشار کی زد میں!

اطہر حسن صدیقی

کسی بھی نوزائیدہ مملکت کے لئے خاص طور پر ایسی مملکت کے لئے جس کی اساس ہی نظریہ کی بنیاد پر قائم ہوئی ہو اس ملک میں قائم کیا جانے والا یا رائج ہونے والا نظام تعلیم سب سے زیادہ اہمیت اختیار کرلیتا ہے ہماری یہ بدنصیبی رہی ہے کہ اس اہم ترین کام کے لئے کمیشن اور کمیٹیاں تو بہت سی بنیں اور سب کی ضخیم رپورٹیں اور سفارشات بھی تیار ہوئیں اور اس وقت کے حکمرانوں کو بڑے دھوم دھام سے پیش بھی کی گئیں اور ان پر فوری عمل کے احکامات بھی وقتاً فوقتاً جاری ہوتے رہے مگر عملی طور پر صرف وزارت تعلیم کی الماریوں میں ان ضخیم رپورٹوں کا اضافہ ہی ہوتا رہا۔ ہر نئی حکومت نے جو بھی کسی تبدیلی کے بعد آئی ہے اور کچھ کیا ہو یا نہ کیا ہو نظام تعلیم کی اصلاح اور اسے بہتر بنانے کے لئے ایک کمیٹی یا کمیشن ضرور بنایا ہے۔ ہم بھی اب تک نہ صرف حیران تھے بلکہ پریشان بھی تھے کہ اب تک ایسا کیوں نہیں ہوا اور یہ خلاف روایت بات کیوں ہورہی ہے۔ ہمیں خوشی ہے کہ زیادہ دیر انتظار نہیں کرنا پڑا اور انتظار کی گھڑیاں طویل نہیں ہوئیں پچھلے چند روز کے اخبارات تعلیم، نظام تعلیم، تعلیمی اداروں کے معاملات ان کی اصلاح، ان میں سے بعض اہم اداروں کی نجکاری اور اساتذہ کے احتجاج کی خبروں سے بھرے پڑے ہیں۔ اس سے چند ہفتے پہلے میٹرک کے امتحان کے کارڈوں کے وقت پر جاری نہ ہونے کے سلسلے میں زبردست ہنگامہ بھی ہوچکا ہے۔ خدا کرے یہ سلسلہ آگے نہ بڑھے ہمیں امید ہے کہ متعلقہ اہلکار طلبا اور اساتذہ میں اس بڑھتی ہوئی بے چینی کے سدباب کی کوشش کریں گے اور ان مسائل کا مناسب اور ایسا حل تلاش کریں گے جو سب کے لئے قابل قبول ہوگا۔

وزیر تعلیم زبیدہ جلال صاحبہ نے ملک میں تعلیم کے سلسلہ میں حکومت پاکستان کی جانب سے اہم اصلاحات کا اعلان کرتے ہوئے یہ بتایا کہ اس شعبہ میں کارکردگی کو بہتر بنانے کے لئے بہت سے اصلاحات کی جارہی ہیں جن میں اعلی تعلیمی کمیشن کے قیام اور قومی تعلیمی فاؤنڈیشن کی دوبارہ بہتر طور پر تشکیل بھی شامل ہے۔ اس کے ساتھ ہی صوبائی ایجوکیشن فاؤنڈیشن کو بھی دوبارہ از سر نو تشکیل دیا جائے گا۔ اس سلسلے میں جو سب سے اہم بات انہوں نے بتائی وہ یہ ہے کہ ان اداروں کے سربراہ آئندہ وفاقی وزیر تعلیم اور صوبائی وزیر اعلی نہیں ہوں گے بلکہ نجی شعبے کے ماہرین ہوں گے ہمیں یقین ہے کہ اس طرح ان شعبوں کی کارکردگی میں بہت اضافہ بھی ہوگا اور فیصلے بھی صحیح اور وقت پر ہوں گے۔ وزرائے کرام اور وزرائے اعلی کی تو اپنی بہت سی اور اتنی مصروفیات ہوتی ہیں کہ وہ ان کاموں پر توجہ ہی نہیں دے سکتے۔ ہمارا تجربہ ہے کہ جن اداروں کے سربراہ اتنے بڑے عہدیدار ہوتے ہیں ان کی اکثر تو میٹنگ ہی نہیں ہوتی اور جب کبھی اتفاقاً ہوتی ہے تو ان کا کورم ہی پورا نہیں ہوتا ہے کیونکہ کسی نہ کسی اہم عہدیدار کو یا تو کوئی ضروری کام ہوتا ہے یا پھر اس سے بڑے عہدیدار نے اسے بلایا ہوتا ہے اور اس طرح میٹنگ ملتوی ہوتی رہتی ہے۔ ایک اور بہت ہی اہم فیصلہ جس کا انہوں نے اعلان کیا وہ یہ ہے کہ حکومت نے یونیورسٹی گرانٹس کمیشن کو ختم کردیا ہے جس نے اب تک تعلیمی اداروں کے قائم ہونے میں ہر قسم کی رکاوٹ ڈالی ہوئی تھی اور اکثر باوجود تمام وسائل موجود ہونے کے انہیں چارٹر دینے میں غیر معمولی دیر کی جاتی تھی اس سلسلے کی اہم اور اچھی بات یہ ہے کہ کابینہ نے نجی اور سرکاری شعبے کی یونیورسٹیوں کے لئے اور دیگر اس قسم کے انسٹی ٹیوشنز کے لئے معیار کی منظوری دے دی ہے اور اس طرح اب ایسے تمام اداروں کو یہ بات معلوم ہوگی کہ یونیورسٹی کا چارٹر حاصل کرنے کے لئے انہیں کیا کچھ کرنا ہے اور بار بار آنے جانے اور بے ضرورت خط و کتابت کے طویل جھنجھٹ سے محفوظ رہیں گے۔ بہتر ہوگا کہ اس سلسلے میں ایک کتابچہ چھاپ دیا جائے تاکہ لوگوں کو پہلے ہی یہ تمام ضروری معلومات حاصل ہوجائیں اور بار بار اسلام آباد کے چکروں سے بچ سکیں۔

ہمیں اس بات کی خوشی ہے کہ اس دفعہ حکومت نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ ۲۰۰ روپے ماہانہ تک فیس وصول کرنے والے اسکولوں کو پلاٹ اور وہ دوسری سہولتیں مہیا کی جائیں گی اور ساتھ ہی تعلیمی اداروں کے لئے چیکس اینڈ بیلنس کا نظام نافذ کیا جائے گا ملک میں تعلیم کو عام کرنے اور عوام تک پہنچانے کے لئے یہ دونوں باتیں بہت ہی زیادہ اہم تھیں ہم ان کالموں میں بار بار ان باتوں کی نشاندہی کرچکے ہیں اور متعلقہ اعلی حکام کی خدمت میں بھی بار بار گزارشیں کرچکے ہیں کہ ہزاروں لاکھوں روپے فیس لینے والے اداروں پر بھی حکومت کا کنٹرول ہونا ضروری ہے جو جب چاہتے ہیں اور جتنی چاہتے ہیں تعلیم کی فیس اور دیگر اخراجات میں اضافہ کردیتے ہیں کوئی روکنے والا نہیں ہے بالکل شتر بے مہار کا ماحول ہے۔ تعلیم کو عام کرنے اور عوام تک پہنچانے کے سلسلے میں حکومت نجی تعلیمی اداروں کے کنٹرولر کے فرائض چھوڑ کر ان کے لئے زیادہ سے زیادہ سہولتیں فراہم کرنے کی ذمہ داری نبھائے گی اور خوشحال بینک کم فیس لینے والے اسکولوں کو قرضے دے گی اور اس کے ساتھ ہی جہاں جہاں اور جس جگہ بھی ممکن ہوسکے گا انہیں اسکول اور درسگاہیں بنانے کے لئے

مفت یا نہایت ہی کم قیمت پر پلاٹ بھی مہیا کئے جائیں گے تعلیمی فاؤنڈیشن میں ایک سے دو سو روپے ماہانہ فیس والے نجی شعبے کے اسکولوں کو زیادہ نمائندگی دی جائے گی۔ اس کے علاوہ کم فیس لینے والے نجی اسکولوں کے اساتذہ کو انکم ٹیکس میں پچاس فیصد رعایت دی جائے گی ان اساتذہ کے لئے ہماری پرخلوص دعا ہے کہ خدا کرے انھیں اتنی تنخواہ تو ملے کہ وہ حکومت کو ٹیکس دینے کے قابل تو ہوں۔ ہمیں امید ہے کہ ہماری وزیر تعلیم کے علم میں یہ بات ضرور ہوگی کہ نجی اسکولوں میں بہت سی جگہوں پر استانیوں کو کیا تنخواہ ملتی ہے اور چھٹیوں میں وہ بھی نہیں ملتی ہے!
ان اقدامات کے علاوہ حکومت پاکستان نے اعلیٰ تعلیم کے حصول کے سلسلے میں ایک اعلیٰ اختیاراتی کمیٹی ڈاکٹر شمس قاسم لاکھا صدر آغا خان یونیورسٹی کی سربراہی میں بنائی ہے۔

یہ تو وہ تمام باتیں ہیں جن کا دارومدار آئندہ کے عمل پر منحصر ہے۔ ہماری دعا ہے کہ خدا کرے ایسا ہی ہو اور اس ملک کے لئے اہم ترین شعبہ کی کارکردگی میں اضافہ ہو۔ سردست کیا ہورہا ہے اس کی طرف توجہ دینا بہت ہی ضروری ہے۔ سرکاری تعلیمی اداروں کی کارکردگی اور جو ان کا حال ہے اس طرف فوری توجہ دینا بہت ضروری ہے تعلیمی اداروں کو قومیائے جانے کے بعد جو ان کی حالت ہوگئی تھی اور جو ان کی کارکردگی تھی وہ کسی سے پوشیدہ نہیں ہے کتنے اچھے اچھے تعلیمی ادارے جو اپنی کارکردگی کے لئے مشہور تھے وہ اپنی ساکھ قائم نہ رکھ سکے حکومتوں کی لاپروائی نے اس کو اور خراب کیا اور اب پہلے سے پوری تیاری کئے بغیر اور اساتذہ اور تعلیمی ماہرین سے مشورے کئے بغیر ایک دم سے سینٹ پیٹرک اور سینٹ جوزف کالجوں کی نجکاری کا فیصلہ کرلیا گیا ہے جس کے اثرات فوری طور پر ظاہر ہونا شروع ہوگئے ہیں صرف ایک دو روز کے "جنگ" کی بڑی بڑی سرخیوں سے اندازہ ہوسکتا ہے کہ حالات کس نہج پر جارہے ہیں سینٹ جوزف اور سینٹ پیٹرک کالجوں کے اساتذہ اور ملازمین نے نجکاری کو مسترد کردیا، پرائیوٹ انتظامیہ کے تحت کام کرنے کو تیار نہیں۔ فیصلہ واپس لیا جائے، کالجوں کی نجکاری کے خلاف احتجاجی ریلی نکالیں گی، سندھ بھر کے کالج اساتذہ یوم سیاہ منائیں گے۔ یہ تو صرف ایک اخبار کی سرخیاں ہیں اصلی بات یہ ہے کہ نجکاری کا فیصلہ ہی غلط اور بدنیتی سے کیا گیا تھا اور اب اسے بیک جنبش قلم موقوف کرنا اس سے بڑی غلطی ہے۔
مشہور کہاوت کے مطابق.....اور پھر کیا!

عباس مہکری

کیا کراچی کا یہی مقدر ہے؟

ایک خونی حادثے نے کراچی کو پھر سے جھنجھوڑ کر رکھ دیا ہے۔ ویسے تو کراچی حادثات اور سانحات کا شہر بن گیا ہے روزانہ اس بدقسمت شہر میں کسی نہ کسی واقعہ میں بے گناہ لوگ خون میں نہلادئے جاتے ہیں لیکن گزشتہ دنوں کریم آباد چورنگی پر ایک بے قابو بس نے اپوا کالج کی دو طالبات ندا افضال اور ربیعہ موش کے ساتھ ساتھ ایک موٹر سیکل سوار راشد کو جس طرح کچل کر ہلاک کیا کئی طالبات کو زخمی کیا اس سے شہر میں زبردست بے چینی پیدا ہوئی ۔ لوگوں کو پھر سے بشریٰ زیدی کیس یاد آگیا جس کے بعد کراچی میں کئی سالوں تک آگ اور خون کا کھیل کھیلا جاتا رہا۔

بشریٰ زیدی کی ہلاکت بھی گولیمار چورنگی پر بس کے کچلنے کی وجہ سے ہوئی تھی۔ اس واقعہ سے کریم آباد کے واقعہ تک ہزاروں افراد حادثات میں اپنی جانیں گنوا بیٹھے ہیں مگر ٹریفک کا نظام ابھی تک سدھر نہیں سکا ہے بلکہ اس میں مزید ابتری آئی ہے۔ اب تو ایسے لگتا ہے کہ کراچی Managable نہیں رہا۔ ایک طرف فرقہ وارانہ اور لسانی دہشت گردی ہے اور دوسری طرف بسوں اور ویگنوں کی صورت میں موت سڑکوں پر دندناتی پھر رہی ہے۔ بس اسٹاپ پر کھڑے ہوئے بچے محفوظ نہیں، سڑکوں پر سفر کرنے والے لوگوں کو موت آدبوچتی ہے، بسوں اور ویگنوں میں بیٹھے ہوئے لوگ اگر زندہ اپنی منزل مقصود پر پہنچ جائیں تو غنیمت ہے۔ بے ہنگم ٹریفک نے کراچی کو پاگلوں کے شہر میں تبدیل کردیا ہے۔ ہمارے معاشرے کا جو ذہنی انتشار ہے وہ ہمارے ٹریفک کے نظام میں پوری طرح جلوہ افروز ہے۔

امریکہ اور مغربی ممالک میں کوئی جاتا ہے تو سب سے پہلے وہاں کے ٹریفک قوانین سے متاثر ہوتا ہے اور صرف اسی بات کو مدنظر رکھ کر اسے احساس ہوتا ہے کہ وہ کسی مہذب دنیا میں آگیا ہے۔ واپس آکر وہ اس مہذب دنیا کے بارے میں جو واقعات سناتا ہے ان میں سب سے اہم بات یہی ہوتی ہے کہ وہ قومیں کس طرح ٹریفک قوانین کی پابندی کرتی ہیں یعنی ان کا ٹریفک کا نظام ان کی اعلیٰ و ارفع تہذیب کی شناخت بن گیا ہے۔ اس کے برعکس مغربی دنیا سے یہاں آنے والے شاید ہمارے بے ہنگم ٹریفک کی وجہ سے ہمیں غیر مہذب گردانتے ہیں ۔ ہمارے ہاں کسی کو اس بات کا احساس ہی نہیں ہے کہ سڑکوں پر رواں دواں ٹریفک کو کسی قانون یا قاعدے کے مطابق چلانا کس قدر اہم ہے، ڈرائیوروں کی ذہنی تربیت اور تعلیم کیونکر اہم ہے اور انہیں لائسنس جاری کرنا کتنی بڑی قومی ذمہ داری ہے۔ پاکستان خصوصاً کراچی میں آئے دن کریم آباد جیسے واقعات رونما ہوتے رہتے ہیں۔ ندا اور ربیعہ کے والدین نے تو انہیں اپنی زندگی بنانے کے لئے کالج بھیجا تھا۔ ان پر اس وقت کیا گزری ہوگی جب انہیں یہ اطلاع دی گئی ہوگی کہ ان کی بچیوں کی خون میں لت پت لاشیں سڑک پر پڑی ہیں۔ ندا تو اپنے والدین کی اکلوتی بیٹی تھی۔ نئی کلاس میں اس کا پہلا دن تھا اور اس روز وہ بہت خوش نظر آرہی تھی۔ لاش کے انتظار میں اس کی ماں عباسی شہید اسپتال کے مردہ خانے کے باہر کئی بار بے ہوش ہوگئی۔ ربیعہ موش اپنی ماں کے ساتھ

رہتی تھی۔ اس کی ماں نے کن مشکلوں سے اسے پالا ہوگا اور اس کے کیا کیا خواب ہوں گے۔ دونوں طالبات کی کلاس فیلوز دھاڑیں مار مار کر رو رہی تھیں۔ کراچی میں روزانہ کسی نہ کسی سانحہ پر کہیں نہ کہیں لوگ رو رہے ہوتے ہیں۔ یہ بے وقت کی حادثاتی اموات کا شہر بن گیا ہے۔ کراچی کا کیا یہی مقدر ہے۔

میں نے اپنے ایک دوست سے جو مختلف عہدوں پر بطور انتظامی افسر کام کرتے رہے ہیں پوچھا کہ کراچی کا ٹریفک سسٹم درست نہیں ہوسکتا، تاکہ ہم ایسے سانحات سے بچ سکیں۔ وہ کہنے لگے کہ مجھے نہیں لگتا کہ یہ سسٹم درست ہوجائے گا کیونکہ اس پر مافیا کا کنٹرول ہے۔ بسوں اور ویگنوں کے اکثر ڈرائیور کے بارے میں انہوں نے بتایا کہ پہلے یہ لوگ ٹرانسپورٹ کے اڈوں پر واشر (گاڑیاں دھونے والے) کی حیثیت سے آتے ہیں۔ پھر کچھ عرصے بعد کنڈکٹر بن جاتے ہیں بعد ازاں ڈرائیور بن جاتے ہیں۔ ڈرائیور کی حیثیت سے ان کی کوئی باقاعدہ ٹریننگ نہیں ہوتی ان میں سے ۳۵ تا ۴۰ فیصد ڈرائیور نشہ کرتے ہیں کیونکہ انہیں سولہ سولہ گھنٹے گاڑیاں چلانی پڑتی ہیں۔ اگر وہ نشہ نہ کریں تو ان کے لئے گاڑیاں چلانا مشکل ہوجائے گا۔ پولیس ماہانہ بھتہ وصول کرتی ہے۔ بھتہ کی وصولی کے بعد پولیس ان پر کسی قسم کا کنٹرول نہیں کرسکتی۔ انہوں نے بتایا کہ ڈرائیونگ لائسنس اور گاڑیوں کے فٹنس سرٹیفکیٹ کے حصول تک ہر چیز میں رشوت چلتی ہے ان حالات میں ٹریفک سسٹم کیسے درست ہوسکتا ہے۔ جہاں ڈرائیور سولہ سولہ گھنٹے ڈیوٹی کرتے ہوں، وہاں ان کی تھکن یا نشے کی حالت کے باعث حادثے ہوتے رہیں گے جہاں بسوں اور ویگنوں کی فٹنس چیک نہ کی جاتی ہو وہاں کسی وقت بھی ٹائی راڈ کھل سکتا ہے یا بریک فیل ہوسکتے ہیں۔ گاڑیوں کو لین میں چلانے کا بھی کوئی رواج نہیں ہے۔ بڑی بسیں اور ویگنیں جب چاہیں سڑک کی آخری لین میں چلی جائیں اور جب چاہیں کٹ مار کے پہلی لین میں آجائیں۔ ایسی صورتحال میں جو بچ گیا سو بچ گیا اور جو حادثے کا شکار ہوگیا اس کا نصیب۔ ایک مکینک کا بیان اخبار میں شائع ہوا ہے جس میں اس نے بتایا ہے کہ کراچی میں چلنے والی ہزاروں بسیں ۴۰ سال پرانی ہیں ان بسوں کے پرزے بھی کمپنیوں نے بنانا بند کردئے ہیں۔ مقامی طور پر غیر معیاری پرزے بن رہے ہیں جو ٹھیک طرح سے کام نہیں کرتے جس سے بسوں کے بریک فیل ہوجاتے ہیں کریم آباد والے حادثے میں ملوث قاتل بس کے ساتھ یہی ہوا۔ اس کے بریک بھی فیل ہوگئے تھے۔ وہ معصوم طالبات اور نوجوان کو کچلتے ہوئے آگے بڑھتی رہی اور ڈرائیور نے چلتی بس سے چھلانگ لگادی۔

ماہانہ بھتے کے علاوہ ٹریفک پولیس والے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی پر موقع پر ہی جوڑ توڑ کرلیتے ہیں۔ وہ ٹریفک کو کنٹرول کرنے سڑک پر نہیں کھڑے ہوتے بلکہ اس لئے کھڑے ہوتے ہیں کہ کوئی ٹریفک قوانین توڑے اور وہ اس سے اپنی دہاڑی کھری کرلیں، مذکورہ قاتل بس نے بھی لیاقت آباد پر سگنل توڑا تھا۔ ٹریفک پولیس والا آیا اخباری اطلاعات کے مطابق اس نے معنی خیز مسکراہٹ کے ساتھ ڈرائیور سے ہاتھ ملایا اور اسے جانے دیا یعنی اس کا معاملہ طے ہوگیا تھا اگر وہ ٹریفک پولیس والا اسے روک لیتا تو ندا، ربیعہ اور راشد کے والدین کو قبر تک کا دکھ نہ ملتا۔ اس ٹریفک پولیس پولیس اہلکار کو دس یا بیس روپے مل گئے ہوں گے لیکن تین گھروں کا ایسا نقصان ہوا جو کروڑوں اور اربوں روپے سے بھی پورا نہیں کیا جاسکتا۔ لیاقت آباد چوک پر معاملہ طے کرنے کے بعد قاتل بس کے ڈرائیور نے ٹریفک قوانین کی خلاف ورزی نہیں چھوڑی اور آگے والی بس کے ساتھ ریس لگانا شروع کردی۔ جب بسوں کی ریس شروع ہوتی ہے تو پھر کوئی نہ کوئی حادثہ ہو کر رہتا ہے۔ ڈرائیوروں کو یہ بات سمجھانے والا کوئی نہیں ہے کہ ریس لگانا ان کی انا کی تسکین کا مسئلہ لیکن لوگوں کی زندگیوں کا مسئلہ بھی تو ہے۔ موٹر سائیکل سواروں، چھوٹی گاڑی والوں اور اسٹاپ پر کھڑے ہوئے لوگوں کا تو اس وقت اللہ ہی وارث ہوتا ہے۔

اپوا کالج کی طالبات کے جاں بحق ہونے پر سندھ کے کالجوں نے یوم سوگ بھی منایا ہے سوگ ضرور منانا چاہئے تھا کیونکہ سوگ کی ہی بات تھی۔ ایک یوم سوگ ہمیں اپنے قومی رویوں پر منانا چاہئے۔ کرپشن، بےروزگاری، نااہلی، رشوت ستانی، حکمرانوں کی لوٹ مار، غربت، جہالت، ذہنی انتشار گردی، بے حسی، عدم یکجہتی اور نفاق پر مل کر منانا چاہئے۔ ممکن ہے اس طرح کا یوم سوگ منانے سے ہم سب میں اپنی ذمہ داریوں کا احساس پیدا ہو اور بحیثیت قوم ہم اپنے رویوں کو درست کرسکیں اور اس طرح کا یوم سوگ منانے کے لئے ہمیں سال میں ایک دن مختص کرلینا چاہئے اور کئی سالوں تک اسے قومی یوم سوگ کے طور پر مناتے رہنا چاہئے۔ شاید ہم اس طرح روز روز کا سوگ انفرادی طور پر منانے سے بچ سکیں۔

امتیاز رفیع بٹ

پاک امریکہ تعلقات کا نیا دور

۱۱ ستمبر کے واقعات کے بعد، پاک امریکہ تعلقات کا نیا دور شروع ہوا، جو آج کل اپنے شباب پر ہے۔ ان دونوں ملکوں کے تعلقات گزشتہ پچاس برسوں میں مختلف النوع نشیب و فراز کا شکار رہے، قیام پاکستان سے ۱۹۵۴ء تک ان کے مابین دو طرفہ تعلقات کا متوازن دور رہا اور پاکستان نے برابری کی بنیاد پر امریکہ سے اقتصادی اور فوجی امداد لی۔ امریکہ کی کوئی ایسی شرط قبول نہ کی جس سے پاکستان کی خودمختاری، قومی مفاد یا دوسری اقوام سے تعلقات پر منفی اثر پڑتا ہو۔ مثال کے طور پر امریکہ کی آغاز سے ہی خواہش تھی کہ پاکستان امریکہ کے مجوزہ دفاعی بلاک (جو بعد ازاں سیٹو

اور سیٹو) کا ممبر بن جائے ۔ لیکن وزیراعظم لیاقت علی خان نے اس تجویز کو رد کردیا۔امریکہ کی دوسری خواہش کہ سوویت یونین کی جاسوسی کرنے ،اور اس کی فوجی سرگرمیوں پر ہمہ وقت گہری نگرانی کے لئے پاکستان میں امریکی فوجی اڈے قائم کرنے کی اجازت دی جائے بھی مسترد کردی گئی ۔ امریکہ کی تیسری اور حساس نوعیت کی درخواست ۱۹۵۱ء میں پاکستان نے رد کردی جس میں امریکہ نے پاکستان نے کہا تھا کہ وہ جزیرہ نمائے کوریا Penninsula of Korea میں جاری چین امریکہ جنگ میں اپنی فوج اس کی حمایت میں بھیجے ۔ یہ جمہوریت اور سیاسی قیادت ہی کی بدولت تھا کہ پاکستان جسکے بارے میں پٹیل اور دوسرے ہندو قوم پرستوں کا خیال تھا کہ پاکستان اقتصادی لحاظ سے زندہ (Survive) نہیں رہ سکے گا ، نے ابتدائی مختصر سے عرصے میں ہی ہمالیائی نوعیت کے مسائل پر قابو پالیا۔ جن میں سرِدست ایک کروڑ مہاجرین کے آبادکاری کا مسئلہ تھا۔

دوسرا دور ۱۹۵۴ سے شروع ہوتا ہے جب ایک سال بیوروکریٹ غلام محمد کی حکمرانی میں ، ایک ملٹری بیوروکریٹ جنرل ایوب خان کی پشت پناہی اور حمایت سے (جسکا اعتراف ایوب خان نے اپنی کتاب " جس رزق سے آتی ہو پرواز میں کوتاہی " میں کیا ہے کہ گورنر جنرل غلام محمد کو تمام اقدامات میں میری حمایت حاصل تھی (پاکستان امریکی خواہش کے مطابق فوجی معاہدوں سیٹو اور سینٹو کا رکن بن گیا۔اس طرح پاکستان امریکہ کا Strategic Partners حصہ بن گیا اور دو طرفہ تعلقات Bilateraliam پر Bloc Politics غالب آ گئی ۔ فوجی اور اقتصادی امداد تو ہمیں پہلے بھی مل رہی تھی اب قدرے زیادہ ملنی شروع ہوگئی ۔امریکہ کو سوویت یونین کے خلاف پشاور کے قریب فوجی اڈے کے قیام کی منظوری دی گئی اور دوسرے ایوب خان نے ۱۹۵۸ میں انتخابات سے پہلے اقتدار پر قبضہ کرلیا تاکہ پارلیمنٹ کی بجائے شخصی حکومت جاری رہ سکے ۔ بلاک پالیٹکس کا حصہ بننے سے سوویت یونین ہمارے خلاف ہوگیا اور وہ انڈیا کی حمایت میں چلا گیا۔ نہرو نے جب دیکھا کہ اسے ایک عظیم اور Veto پاور کی اعلانیہ حمایت حاصل ہوگئی ، اس نے کشمیر پر استصواب رائے کی پالیسی بدل لی۔ جب پاکستان نے کشمیر کا مسئلہ سلامتی کونسل میں اٹھایا تو روس نے اسے ویٹو کردیا اور دوسری طرف پاکستان جمہوریت سے محروم ہوگیا اور اس طرح یہ ملک ایک سول سوسائٹی Civil Society نہ بن سکا۔

اب ہم ان دونوں ادوار کا تجزیہ کرتے ہوئے یہ نتیجہ بآسانی اخذ کرسکتے ہیں کہ اس تمام صورت حال کے پیدا ہونے اور قومی مفادات کو نقصان پہنچنے کا ذمہ دار امریکہ نہیں ۔ بلکہ پاکستان کے وہ حکمراں ہیں ۔ جنہوں نے پاکستان کو امریکہ کے ساتھ فوجی معاہدوں میں منسلک کیا اور بعد ازاں ان تعلقات کو انتہاؤں سے آشنا کردیا ۔ ورنہ پہلے دور کے سیاسی حکمرانوں نے بھی امریکہ سے اقتصادی اور فوجی امداد لی اور خارجہ پالیسی کو اعتدال کے دائرہ میں بھی رکھا اور جیسی تیسی جمہوریت بھی قائم رہی اور پارلیمنٹ کی بالادستی بھی۔ اسکا ایک اور پہلو بھی غور طلب ہے کہ پہلے دور تعلقات میں عوام کے جذبات امریکہ کے ضمن میں معتدل تھے بلکہ ایک طبقہ تو امریکہ کا مشکور نظر آتا تھا لیکن اب دوسرے دور میں ہم کمیونزم کے خلاف امریکی اڈا بن گئے تو پاکستان کے عوام کی توقعات امریکہ سے حد سے زیادہ بڑھ گئیں۔

یہی غیر حقیقت پسندانہ توقعات تھیں جن سے عوام میں جذباتیت پیدا ہوگئی اور ۱۹۶۵ کی جنگ میں امریکہ کی غیر جانبدارانہ پالیسی نے پاکستانی عوام میں شدید ردعمل پیدا کیا اور پاکستان میں امریکہ مخالف جذبات Anti American Sentiments عوام میں سرایت کرگئے ۔ایشیا میں وہ ویتنام وار کی وجہ سے پہلے ہی امریکہ مخالف لابی ہر ملک میں موجود تھی۔ تو ایسی ہی علمی اور سیاسی لابی نے پاکستانی عوام میں دلائل کی بنیاد فراہم کی ۔ ۱۹۶۷ میں اسرائیل نے عرب علاقوں اور بالخصوص بیت المقدس پر قبضہ کرلیا تو ہمارے مذہبی طبقہ نے عوام کے مذہبی جذبات کو امریکہ کے خلاف برانگیختہ کردیا ۔ سو ۱۹۵۴ سے شروع ہونے والا دور عملی طور پر ۱۹۶۵ میں ختم ہوگیا ۔ اس کے بعد پاک امریکہ تعلقات انتہائی ضروریات کی بنا پر تو گرمجوشی کی شکل تو اختیار کرگئے جیسے روس کی افغانستان میں مداخلت کے موقع پر ، وگرنہ یہ تعلقات عموماً سردمہری کا ہی شکار رہے ۔میں اعتدال بھی نہیں کہوں گا ۔اس لئے کہ افغانستان سے روسی فوج کے انخلا کے بعد ،امریکہ نے پاکستان پر کئی قسم کی پابندیاں عائد کردیں۔

۱۱ ستمبر کے بعد پاک امریکہ تعلقات نے ایک نئی کروٹ لی اور پاکستان امریکہ کی اہم ضرورت بن گیا ۔ مشرف حکومت کا دہشت گردی کے خلاف عالمی اتحاد کا حصہ بننے کا فیصلہ دانش عملی Practical Wisdom کا ایک شاندار نمونہ ہے ۔امریکہ نے پاکستان پر عائد ہر قسم کی پابندی ختم کردی ہیں ۔ عالمی مالیاتی ادارے فراخدلی سے پاکستان کو امداد ،قرضے اور ریلیف دے رہے ہیں۔

پاکستان بھارت کی فوجی قوت کے اثرات کو زائل کرنے کیلئے State of the Art اسلحہ امریکہ سے خرید رہا ہے اور خاص طور پر پاک فضائیہ کے ایف سولہ طیاروں کا فلیٹ جو پابندیوں کے باعث غیر موثر ہوگئے تھے ۔ فالتو پرزے اور جدید و حساس آلات کی بدولت ازسرنو نہ صرف موثر ہوجائیں گے بلکہ بھارت کی فضائی برتری بھی ختم ہوجائے گی۔ مغربی امداد کے باعث پاکستان اس قابل ہوگیا ہے کہ فرانس سے State of the Art میراج 2005E طیارے خرید سکے جس میں فرانس سے توقع ہے کہ آگسٹا 90B آبدوز کی طرح پاکستان کو ان طیاروں کی مکمل ٹکنالوجی بھی ٹرانسفر کرے گا۔ اس طرح یہ مستقبل میں دفاعی خود کفالت

کے پہلو بہ پہلو ہماری زر مبادلہ کمانے کا ذریعہ بنے گا۔ امریکہ غربت کو کم کرنے کے پروگرام Poverty Alleviation Programme میں بھرپور امداد دینا چاہتا ہے کیونکہ انتہا پسندی کے پیدا ہونے میں متعدبہ کردار غربت کا بھی ہوتا ہے حالانکہ انتہا پسندی جس سے دہشت گردی جنم لیتی ہے اس کو ختم کرنے میں بنیادی کردار حقیقی جمہوری عمل کا ہوتا ہے۔ لیکن میں یہ سمجھتا ہوں کہ امریکہ کو مکمل جمہوریت کی بحالی میں دلچسپی کم کم نظر آتی ہے۔ اس کی وجہ جو میں سمجھ سکا ہوں وہ یہ ہے کہ امریکہ سمجھتا ہے کہ پاکستان میں جہادی گروپوں کی تربیت اور انہیں منظم اور مسلح کرنے میں بنیادی کردار جنہوں نے ادا کیا وہی انہیں ختم کرنے کے طریقوں اور اہلیت سے آراستہ ہے۔ سیاسی حکمراں اس کردار کو کم Minimise بھی نہیں کر سکے اس حکومت پر فی الحال غلبہ موجودہ قیادت کا ہی رہنا چاہئے۔ خواہ وہ کسی بھی شکل میں ہو۔ قومی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس دہشت گردی نے ہمارے جسد قومی کو لہولہان کر رکھا ہے۔ یہ ہماری اولین ترجیح ضرور ہونی چاہئے۔

اگر ایسا ہو تو بہتر ہوگا کہ مقبول سیاسی قیادتیں جو ملک سے باہر ہیں انہیں آنے کی اجازت دی جائے۔ جماعتی بنیادوں پر منصفانہ اور شفاف الیکشن کرایا جائے۔ منتخب حکومت کی قیادت میں عسکری قیادت پوری یکسوئی کے ساتھ انتہا پسندی اور دہشت گردی کے خلاف فیصلہ کن قدم اٹھائے۔

ہمیں چاہئے کہ پاک امریکہ تعلقات کے نئے دور سے ہم بھرپور فائدہ اٹھائیں اور اس نئے دور کو عارضی ضرورت کا ایک تقاضا سمجھنا چاہئے۔ اس لئے پالیسی یہ ہونا چاہئے کہ کل کا کام آج اور آج کا کام ابھی کر لو۔ اسی میں پاکستان کی بہتری ہے۔ یہی دانشمندی کا تقاضا ہے۔

نون الف صدیقی

وحدانیت اور جمہوریت

سوال یہ کیا گیا ہے کہ کیا وحدانیت اور جمہوریت ایک دوسرے کی ضد ہیں اور کیا ان میں سے کسی ایک یا دوسری خصوصیت پر ایمان رکھنے والا اسکے مقابل خصوصیت پر ایمان نہیں رکھ سکتا یا اسکی افادیت اور مطلوبیت کا قائل نہیں ہو سکتا؟ اگر جواب نفی میں ہے تو انکے درمیان تو افق کس طرح پیدا کیا جا سکتا ہے۔ اگر جمہوریت سے مراد مغربی جمہوریت ہے اور جیسا کہ واقعتاً ہے تو یہ بات بالکل عیاں ہے کہ وحدانیت پر ایمان رکھنے والا جمہوریت پر نہ تو ایمان رکھ سکتا ہے اور نہ اسکی افادیت اور مطلوبیت کا قائل ہو سکتا ہے کیونکہ یہ ایک دوسرے کی ضد ہیں۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ ان میں بنیادی تضاد کیا ہے مغربی جمہوریت عوام کو طاقت کا سرچشمہ قرار دیتی ہے اور پارلیمنٹ کو دین پر بھی بالادست سمجھتی ہے۔ اسکی واضح مثال یہ ہے کہ شراب حرام ہے۔ ہمارے دین میں تو ہے ہی، یہودیت اور عیسائیت میں بھی یہ مباح نہیں لیکن امریکی پارلیمنٹ ووٹوں کی اکثریت سے شراب کی حرمت ختم کر دیتی ہے لیکن جب شراب کو عام استعمال کی خباثتیں معاشرے میں اپنا رنگ جماتی ہیں تو پھر وہی پارلیمنٹ اس کی حرمت کا قانون منظور کر لیتی ہے۔ اسی طرح ہم جنس پرستی کسی مذہب میں بھی جائز نہیں لیکن آج مغرب نے پارلیمنٹ کے ذریعے ہم جنس پرستی کی اجازت دے رکھی ہے اور وہ مرد ہو یا عورتیں میاں بیوی کی حیثیت سے رہ سکتے ہیں اور معاشرہ انہیں اس حیثیت میں قبول کرنے پر مجبور ہے۔ یہ سب اس کا نتیجہ ہے کہ جمہوریت میں طاقت کا سرچشمہ عوام ہیں۔ عوام ووٹوں کی بنیاد پر جو قانون سازی کرنا چاہیں کر سکتے ہیں۔ مذہب کا ریاستی امور میں کوئی دخل نہیں بلکہ یہ فرد کا انفرادی معاملہ ہے۔ ہمارے دین میں باہمی مشاورت کی اہمیت مسلمہ ہے کیونکہ ہمیں اپنے باہمی امور کو مشاورت کے ذریعہ طے کرنے کا حکم دیا گیا ہے لیکن کوئی مشاورت ان امور میں موثر نہیں ہو سکتی جنکے بارے میں قرآن و حدیث کا واضح حکم موجود ہو کیونکہ ہمارے دین میں طاقت کا سرچشمہ عوام نہیں بلکہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہے اگر ہم اسکے طے کردہ امور کے علاوہ دیگر باتوں میں مشوروں کے پابند ہیں تو یہ بھی اسلئے کہ اس نے ہمیں یہ حکم دیا ہے۔ اسلام میں شراب نوشی اور ہم جنس پرستی حرام ہے اور اسکے بارے میں قانون سازی کرنے کا ہمیں کوئی اختیار نہیں۔ اگر اسلامی ریاست کے سارے کے سارے ارکان پارلیمنٹ مل کر بھی انکی حرمت کو ختم کرنے پر اتفاق کر جائیں تو بھی وہ ایسا نہیں کر سکتے۔ پس یہ ثابت ہوا کہ وحدانیت دو متضاد حقیقتیں ہیں اور دونوں پر بیک وقت ایمان نہیں رکھا جا سکتا۔ قیام پاکستان کے فوراً بعد سے ہی جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کرنے کی کوششیں شروع کر دی گئیں لیکن قرارداد مقاصد کی منظوری سے فیڈرل شریعت کورٹ کے قیام تک اور اسلامی مشاورتی کونسل کے انتھک کوششوں کے باوجود دستور میں شامل غیر شرعی قوانین کو مشرف بہ اسلام کرنے میں کامیابی حاصل نہیں ہو سکی حالانکہ دستور میں یہ شق موجود ہے کہ کوئی قانون سازی قرآن و سنت سے ماورا نہیں کی جا سکتی۔ حد تو یہ ہے کہ بینک کے تمام لین دین کو سود پر مبنی قرار دیکر شریعت کورٹ نے حرام قرار دے رکھا ہے اور حکومت اور اسکے اشاروں پر اشاروں کی اپیل کے باوجود سپریم کورٹ کے شریعت اپیلیٹ بنچ نے اس فیصلے کو برقرار رکھا ہے لیکن اب تک متبادل قانون سازی سے حکومت گریزاں ہے اور مستقل ٹال مٹول سے کام لے رہی ہے۔ مغربی جمہوریت کو اسلامی بنانے کی ہر کوشش ناکام رہی ہے اور آئندہ بھی ناکامی ہی مقدر ہے لہذا یہ کہنا کہ مغربی جمہوریت کو مشرف بہ اسلام کر لیا جائے تو وحدانیت پر ایمان کے ساتھ جمہوریت پر ایمان رکھنے سے کوئی تضاد واقع نہیں ہوگا خود فریبی کے سوا اور کچھ نہیں ہے۔ ہمارے تمام مسائل کا حل نظام خلافت میں مضمر ہے لیکن اس کیلئے جس عزیمت کی ضرورت ہے ہماری قوم میں اس کا فقدان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہم مغربی فکر و فلسفے سے مرعوب ہیں اور دنیا کی آواز میں آواز ملا کر جمہوریت کا راگ الاپتے رہتے ہیں۔

☆☆☆☆

کلیاتِ اقبال

ہے محفلِ وجود کا ساماں طراز تو　　　یزدانِ ساکنانِ نشیب و فراز تو
تیرا کمال ہستیِ ہر جاندار میں　　　تیری نمود سلسلۂ کوہسار میں
ہر چیز کی حیات کا پروردگار تو　　　زائیدگانِ نور کا ہے تاجدار تو

نے ابتدا کوئی، نہ کوئی انتہا تری
آزادِ قیدِ اوّل و آخر ضیا تری

شمع

بزمِ جہاں میں میں بھی ہوں اے شمع! دردمند　　　فریاد در گرہ صفتِ دانۂ سپند
دی عشق نے حرارتِ سوزِ دروں تجھے　　　اور گل فروشِ اشکِ شفق گوں کیا مجھے

ہو شمعِ بزمِ عیش کہ شمعِ مزار تو
ہر حال اشکِ غم سے رہی ہمکنار تو

یک بیں تری نظر صفتِ عاشقانِ راز　　　میری نگاہ مایۂ آشوبِ امتیاز
کعبے میں، بتکدے میں ہے یکساں تری ضیا　　　میں امتیازِ دیر و حرم میں پھنسا ہوا

ہے شان آہ کی ترے دودِ سیاہ میں
پوشیدہ کوئی دل ہے تری جلوہ گاہ میں؟

جلتی ہے تو کہ برقِ تجلی سے دور ہے
بے درد تیرے سوز کو سمجھے کہ نور ہے

تو جل رہی ہے اور تجھے کچھ خبر نہیں
بینا ہے اور سوزِ دروں پر نظر نہیں

میں جوشِ اضطراب سے سیماب وار بھی
آگاہِ اضطرابِ دلِ بے قرار بھی

تھا یہ بھی کوئی ناز کسی بے نیاز کا
احساس دے دیا مجھے اپنے گداز کا

یہ آگہی مری مجھے رکھتی ہے بے قرار
خوابیدہ اس شرر میں ہیں آتش کدے ہزار

یہ امتیازِ رفعت و پستی اسی سے ہے!
گل میں مہک، شراب میں مستی اسی سے ہے!

بستان و بلبل و گل و بو ہے یہ آگہی
اصلِ کشاکشِ من و تو ہے یہ آگہی

صبحِ ازل جو حسن ہوا دلستانِ عشق
آوازِ کُن ہوئی تپش آموزِ جانِ عشق

یہ حکم تھا کہ گلشنِ کُن کی بہار دیکھ
ایک آنکھ لیکے خوابِ پریشاں ہزار دیکھ

مجھ سے خبر نہ پوچھ حجابِ وجود کی
شامِ فراق، صبح تھی میری نمود کی

وہ دن گئے کہ قید سے میں آشنا نہ تھا
زیبِ درختِ طور مرا آشیانہ تھا

قیدی ہوں اور قفس کو چمن جانتا ہوں میں
غربت کے غمکدے کو وطن جانتا ہوں میں

یادِ وطن فسردگیِ بے سبب بنی
شوقِ نظر کبھی، کبھی ذوقِ طلب بنی

اے شمع! انتہائے فریبِ خیال دیکھ — مسجودِ ساکنانِ فلک کا مآل دیکھ

مضموں فراق کا ہوں، ثریّا نشاں ہوں میں — آہنگِ طبعِ ناظمِ کون و مکاں ہوں میں

باندھا مجھے جو اس نے تو چاہی مری نمود — تحریر کر دیا سرِ دیوانِ ہست و بود

گوہر کو مشتِ خاک میں رہنا پسند ہے — بندش اگرچہ سست ہے، مضموں بلند ہے

چشمِ غلط نگر کا یہ سارا قصور ہے — عالم ظہورِ جلوۂ ذوقِ شعور ہے

یہ سلسلہ زمان و مکاں کا، کمند ہے — طوقِ گلوئے حسنِ تماشا پسند ہے

منزل کا اشتیاق ہے، گم کردہ راہ ہوں — اے شمع! میں اسیرِ فریبِ نگاہ ہوں

صیاد آپ، حلقۂ دامِ ستم بھی آپ! — بامِ حرم بھی، طائرِ بامِ حرم بھی آپ!

میں حسن ہوں کہ عشقِ سراپا گداز ہوں! — کھلتا نہیں کہ ناز ہوں میں یا نیاز ہوں!

ہاں، آشنائے لب ہو نہ رازِ کہن کہیں
پھر چھڑ نہ جائے قصۂ دار و رسن کہیں

ایک آرزو

دنیا کی محفلوں سے اکتا گیا ہوں یا رب! — کیا لطف انجمن کا جب دل ہی بجھ گیا ہو

شورش سے بھاگتا ہوں، دل ڈھونڈتا ہے میرا — ایسا سکوت جس پر تقریر بھی فدا ہو!

کلیاتِ اقبال — بانگِ درا

مرتا ہوں خامشی پر، یہ آرزو ہے میری — دامن میں کوہ کے اک چھوٹا سا جھونپڑا ہو

آزاد فکر سے ہوں، عزلت میں دن گزاروں — دنیا کے غم کا دل سے کانٹا نکل گیا ہو

لذت سرود کی ہو چڑیوں کے چہچہوں میں — چشمے کی شورشوں میں باجا سا بج رہا ہو

گل کی کلی چٹک کر پیغام دے کسی کا — ساغر ذرا سا گویا مجھ کو جہاں نما ہو

ہو ہاتھ کا سرہانا سبزہ کا ہو بچھونا — شرمائے جس سے جلوت خلوت میں وہ ادا ہو

مانوس اس قدر ہو صورت سے میری بلبل — ننھے سے دل میں اس کے کھٹکا نہ کچھ مرا ہو

صف باندھے دونوں جانب بوٹے ہرے ہرے ہوں — ندی کا صاف پانی تصویر لے رہا ہو

ہو دل فریب ایسا کہسار کا نظارہ — پانی بھی موج بن کر اٹھ اٹھ کے دیکھتا ہو

آغوش میں زمیں کی سویا ہوا ہو سبزہ — پھر پھر کے جھاڑیوں میں پانی چمک رہا ہو

پانی کو چھو رہی ہو جھک جھک کے گل کی ٹہنی — جیسے حسین کوئی آئینہ دیکھتا ہو

مہندی لگائے سورج جب شام کی دلہن کو — سرخی لیے سنہری ہر پھول کی قبا ہو

راتوں کو چلنے والے رہ جائیں تھک کے جس دم — امید ان کی میرا ٹوٹا ہوا دیا ہو

بجلی چمک کے ان کو کٹیا مری دکھا دے — جب آسماں پہ ہر سو بادل گھرا ہوا ہو

پچھلے پہر کی کوئل، وہ صبح کی مؤذن — میں اس کا ہمنوا ہوں، وہ میری ہمنوا ہو

کانوں پہ ہو نہ میرے دیر و حرم کا احساں — روزن ہی جھونپڑی کا مجھ کو سحر نما ہو

پھولوں کو آئے جس دم شبنم وضو کرانے — رونا مرا وضو ہو، نالہ مری دعا ہو

"صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں" - داغ دہلوی

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں

ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

یہ جگمگاتا ہوا حسین شعر مرزا داغ کا ہے جس میں محبوب کے حسن و جمال کی تعریف میں ایک نہایت بلیغ تمثیل استعمال کی گئی ہے۔ اس تمثیل کا کوئی نتیجہ نکلنے سے پہلے ہی بات ختم کردی گئی اور اخذِ مطلب کا کام پڑھنے والے کی قوت متخیلہ پر چھوڑ دیا یہ سسپنس ایک عجب لطف دے گیا۔ قدمائیں محبوب کے حسن کے لئے ایک بہت مشہور شعر میر تقی میر کا ہے۔

وہ آئے بزم میں اتنا تو میر نے دیکھا

پھر اسکے بعد چراغوں میں روشنی نہ رہی

اس شعر میں میر نے محبوب کے حسن و جمال کو یوں بیان کیا ہے کہ اس کے بزم میں آنے کے بعد کوئی چیز اتنی نمایاں نہیں رہی کہ دکھائی دیتی یہاں تک کہ چراغوں کی روشنی بھی ختم ہو گئی۔ میر کا یہ شعر محبوب کے پورے سراپا کے لئے ہے اور داغ کا شعر صرف رخ روشن کو بیان کرتا ہے جو سراپا نہیں بلکہ اس کا ایک جزو ہے۔ یہی اس شعر کی بلاغت ہے کہ حسن کے جزو کی طرف اشارہ کرکے اور شمع کے نور کو سامنے رکھ کر فیصلہ پروانے کے اوپر چھوڑ دیا گیا۔ اب پڑھنے والے کا ذہن یہ فیصلہ کرے گا کہ اگرچہ فطرتاً پروانے کو شمع کی طرف جانا چاہئے لیکن محبوب اتنا حسین ہے اور ایسا حسین ہے کہ وہ شمع پر جان دینے کے بجائے محبوب کے رخ روشن پر مر مٹے گا۔ داغ غزل کے وہ شاعر ہیں جنہوں نے غزل کو اس کے لفظی معنوں یعنی عورتوں سے بات کرنا اور روایتی اور اصطلاحی معنوں دونوں میں خوب خوب استعمال کیا ہے۔ ان کا انداز بیان اور اسلوب خود ان ہی کا ایجاد کردہ تھا جو ان ہی کے ساتھ ختم ہو گیا۔ زبان کی لطافت اور محاورات کا چٹخارہ ان کے بعد کسی شاعر کی غزلوں میں اتنی فراوانی سے نہیں پایا جاتا۔

داغ دہلوی کے آباواجداد سمرقند اور بخارا میں آباد تھے۔ ہندوستان میں عالمگیر ثانی کے عہد حکومت میں ان کے پردادا نواب عارف خاں اور ان کے بھائی نواب قاسم خاں اور دیگر ہم قوم افراد دہلی میں وارد ہوئے۔ اس زمانے میں شاہ عالم بادشاہ صوبہ بنگال کی مہم پر تھے۔ چونکہ یہ دونوں بھائی بھی فن سپہ گری اور حرب و ضرب میں ماہر تھے اس لئے اس مہم میں شریک ہوگئے اور سیف زنی کے وہ کارنامے دکھائے کہ بادشاہ خوش ہو گیا اور خطابات اور جاگیرات سے سرفراز کیا۔ داغ کے دادا نواب احمد بخش خاں حکومت برطانیہ کے بڑے خیرخواہوں میں تھے۔ جنرل لیک بہادر کے زمانے میں ان کو بھی فخر الدولہ رستم جنگ کے خطابات سے نوازا گیا اور ریاست فیروز پور (ہریانہ) ان کو انعام میں عطا کی گئی۔ احمد بخش کا تعلق ریاست الوار سے بھی تھا اور لوہارو کی ریاست بھی اسی خاندان میں تھی۔

نواب مرزا خاں داغ بتاریخ 5 مئی 1831ء روز چہار شنبہ شہر دہلی کے محلہ چاندنی چوک میں پیدا ہوئے۔ داغ کے والد کا نام شمس الدین خاں تھا جنہیں ولیم فریزر، ریذیڈنٹ دہلی کے قتل کے شبہ پر انگریزی حکومت نے اکتوبر 1835ء کو پھانسی دیدی، اور ان کی ساری جائداد ضبط کرلی۔ ان کی والدہ نے صاحب عالم مرزا محمد سلطان ولیعہد شاہ دہلی کے دامن میں پناہ لی۔ اور نواب شوکت محل بیگم خطاب پایا۔ اس طرح داغ چونکہ بچپن ہی سے قلعہ معلی میں داخل ہوگئے تھے جہاں ہر طرف شعر و شاعری کا چرچا تھا اس لئے ان کی طبیعت بھی چمک اٹھی۔ فارسی اور دیگر علوم کی تعلیم انہوں نے مولوی احمد حسین سے حاصل کی۔ تعلیم کے ساتھ ساتھ حسب رواج انہوں نے فنون سپہ

گری میں بھی مہارت حاصل کی۔ قلعہ معلّی میں ولی عہد کے استاد حضرت ابراہیم ذوق تھے جن کے آگے داغ نے بھی اپنے زانوئے ادب تہہ کیئے اور شرف تلمذ حاصل کیا۔ اس وقت ان کی عمر گیارہ برس کی تھی۔ اس زمانے میں نواب مصطفےٰ خاں شیفتہ کے ہاں مشاعرے میں پہلی بار اپنی غزل پڑھی۔ اس غزل کا مطلع تھا:

شرَر و برق نہیں شعلہ و سیماب نہیں
کس لئے پھر یہ ٹھہرتا دل بیتاب، نہیں

حالانکہ یہ واقعہ تذکروں میں درج ہے لیکن یہ غزل ان کے دیوان میں شامل نہیں ہے۔ اس طرح کبھی کبھی داغ اپنے بزرگوں کے ساتھ مشاعروں میں شرکت کرتے رہے۔ پہلی بار جس غزل پر ان کو داد ملی اس کا مطلع تھا۔

لگ گئی چپ تجھے اے داغ حزیں کیوں ایسی
مجھ کو کچھ حال تو کم بخت بتا تو اپنا

ابھی ان کی عمر 26 برس کی تھی ہندوستان پر 1857ء میں انگریزی سامراج کا تسلط ہوگیا۔ قلعہ معلّی اجڑ گیا۔ بادشاہ دہلی بہادر شاہ ظفر قید کرکے رنگون بھیج دئے گئے اور قلعہ میں رہنے والے جو قتل و غارت گری سے بچ گئے تھے ادھر ادھر منتشر ہوگئے۔ محافل شعر و سخن کی بھی بساط الٹ گئی اور وہ شعراء جو دربار سے وابستہ تھے ان کا ذریعہ معاش ختم ہوگیا۔ ایسے ابتر حالات میں رام پور کی چھوٹی سی ریاست نے ان خانماں برباد شعراء کو اپنے دامن عاطفت میں لے لیا۔ والی ریاست نواب یوسف علی خاں نے داغ کو اپنے ہاں بلالیا۔ ان کے بعد نواب کلب علی خاں نے بھی ان کی سرپرستی جاری رکھی۔ داغ کو رامپور میں مختلف امور کے محکموں کی نگرانی اور منتظمی کا کام سپرد کیا گیا۔ اس طرح 24 برس گزر گئے۔ انہوں نے شعر و سخن کی محفلوں میں اپنے خصوصی انداز بیان سے لوگوں کو مسحور کیا۔ اسی زمانے میں رام پور میں جن شعراء کی پذیرائی ہوئی ان میں داغ کے علاوہ حضرت امیر مینائی اور جلال کے نام آتے ہیں۔ ان شعراء نے جن کا تعلق دہلی اور لکھنؤ دونوں دبستانوں سے تھا رام پور میں ایک نیا ادبی سنگم بنایا اور وہاں کے ذوق سخن کے مطابق انداز کلام اختیار کیا۔ دونوں دبستانوں کو ملا کر بہ حیثیت مجموعی زبان میں اصلاح ہوچکی تھی، مستند کلام کا وافر ذخیرہ قدماء سے لیکر اس وقت تک کا موجود تھا، محاورات اور روزمرہ پر مہر تصدیق ثبت ہوچکی تھی الفاظ کے ترک و اختیار کا عمل بھی کم و بیش مکمل ہوچکا تھا۔ اب بات صرف انداز بیان کی رہ گئی جس پر رام پور میں خوب خوب طبع آزمائی ہوئی۔ یہاں زبان میں خیالات کی اتنی ترقی نہیں ہوئی جتنی زور بیان اور انداز ادائے مطلب پر قدرت کی ہوئی۔ جو روایات شاعری میں قائم ہوچکی تھیں ان کی من و عن پابندی کی گئی۔ محبوب کا جو تصور تھا وہ وہی رہا۔ اس کی وفا اور بے وفائی، ہجر و وصال کے مراحل، بزم اور رقیب کی کشمکش شراب اور سرمستی، جلوہ نمائیاں اور پردہ نشینی وغیرہ وغیرہ کا بیان کسی قدر ندرت کے ساتھ کیا گیا۔

داغ دہلوی کے کلام میں سب سے نمایاں خصوصیت ان کے مضامین کی شوخی اور رنگینی، معاملہ بندی زبان کی صفائی، تشبیہات کا حسن وغیرہ سب کچھ ہے جو ان کی غزلوں میں ملتا ہے۔ بے باکانہ انداز بیان زبان کی لطافت اور محاوروں کی چاشنی ان کا وہ کمال تھا جو انہی پر ختم ہوگیا۔ چونکہ انہوں نے رامپور کے قیام کے دوران اور مابعد ہندوستان کے مختلف شہروں، آگرہ، متھرا، علی گڑھ، امرتسر اور ادھر مشرق میں کلکتہ اور جنوب میں بنگلور میں ان کا جانا اور قیام کرنا ہوا، اس لئے ان مستقروں پر برابر مداحوں سے ملاقات ہوتی رہی ساتھ ساتھ ان کے شاگردوں کی تعداد بڑھتی رہی۔ شعراء میں غالباً داغ کے شاگردوں کی تعداد سب سے زیادہ ہے اور ان میں سب سے نامور علامہ اقبال تھے۔ رام پور سے کہیں زیادہ دولت مند ریاست حیدر آباد دکن کی تھی جہاں اس زمانے میں نواب میر محبوب علی خاں کی حکمرانی تھی۔ 12 اپریل 1888ء کو داغ حیدر آباد آئے اور محلہ سدی عنبر بازار میں قیام کیا۔ ان کی آمد سے پہلے ہی ان کی شہرت یہاں پہنچ چکی تھی۔ انہوں نے نظام سادس کو راجہ گردھاری پرشاد کی معرفت ایک معروضہ پیش کیا۔ حیدر آباد میں آبسنے کے سلسلے میں کچھ دنوں تک بڑی جدوجہد کی۔ 12 جنوری 1889ء کو دہلی واپس ہوئے۔ 29 مارچ 1890ء کو پھر حیدر آباد آئے۔ سدی عنبر بازار کے بعد محلہ افضل گنج میں رہے۔ اس محلہ میں داغ نے قریب قریب 14 برس گزارے آخر میں انہوں نے ترپ بازار میں مکان لے لیا۔ 6 فروری 1891ء کو نظام نے ایک مہر بند لفافے میں اپنی غزل اصلاح کے لئے داغ کو بھیجی۔ دربار میں حاضری ہوئی اور اسی دن سے وہ ملک الشعراء بن گئے۔ 450 روپیہ سکہ حالی ماہانہ وظیفہ مقرر ہوا جو آگے چل کر ایک ہزار روپیہ حالی کردیا گیا۔ 1894ء میں ان کو ناظم یار جنگ، دبیر الدولہ، فصیح الملک کے خطابات سے نوازا گیا۔ داغ نے دہلی، رام پور اور حیدر آباد کے درباروں سے اپنی وابستگی کے سبب نہایت فارغ البالی کی زندگی بسر کی جسکا عکس جابجا ان کے کلام میں ملتا ہے۔ آخر 74 برس عمر عزیز گزارنے کے بعد یہ خوش گو چہکتا ہوا شاعر دنیا کے باغ کو چھوڑ کر چلا گیا۔ حیدر آباد نامپلی میں واقع درگاہ یوسف صاحبؒ شریف صاحبؒ میں مدفون ہوئے۔ علامہ اقبال نے فی البدیہہ تاریخ کہی۔ "نواب مرزا داغ" (۱۳۲۲ھ)۔ مدفن پر لگے کتبے پر یہ تاریخ وفات درج ہے "مدفنِ پاک داغ نامئی ہند" (۱۳۲۲ھ) مطابق ۱۶ فروری ۱۹۰۵ء۔

داغ کے کچھ اشعار اتنے زباں زد ہیں کہ وہ بے اختیار حسب موقع پڑھے اور لکھے جاتے ہیں۔

خوب پردہ ہے کہ چلمن سے لگے بیٹھے ہیں
صاف چھپتے بھی نہیں سامنے آتے بھی نہیں

☆

لطف مئے تجھ سے کیا کہوں زاہد
ہائے کم بخت تونے پی ہی نہیں

☆

ہوش و حواس تاب و تواں جاچکے ہیں داغ
اب ہم بھی جانے والے ہیں سامان تو گیا

☆

رخ روشن کے آگے شمع رکھ کر وہ یہ کہتے ہیں
ادھر جاتا ہے دیکھیں یا ادھر پروانہ آتا ہے

☆

حضرتِ داغ جہاں بیٹھ گئے بیٹھ گئے
اور ہوں گے تری محفل سے ابھرنے والے

☆

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

☆

نہ جانا کہ دنیا سے جاتا ہے کوئی
بہت دیر کی مہرباں آتے آتے

☆

خط ان کا بہت خوب عبارت بہت اچھی
اللہ کرے حسن رقم اور زیادہ

☆

جلوے مری نگاہ میں کون و مکاں کے ہیں
مجھ سے کہاں چھپیں گے وہ ایسے کہاں کے ہیں

مرزا داغ کی تصویر مجھے ڈاکٹر حمایت علی صاحب کے کتب خانے سے ملی مگر یہ رنگین نہیں تھی اور پورے قد کی تھی میں نے صرف بسٹ بنا کر رنگوں کا اضافہ کیا ہے ضروری ترمیمات کے ساتھ۔ اب یہ ایک پورٹریٹ کی شکل میں ہے اس تصویر کے بارے میں خود داغ کا یہ شعر پیش ہے:

داغ کہتے ہیں جنہیں، دیکھئے وہ بیٹھے ہیں
آپ کی جان سے دور آپ پہ مرنے والے

****

جینیاتی تحقیق: ترجیحات بدل رہی ہیں؟

گزشتہ چند عشروں سے سائنسی تحقیق کے میدان میں حیرت انگیز پیش رفت دیکھنے میں آئی ہے ۔ سائنسی علم کی کتنی ہی نئی شاخیں دریافت ہوئیں، وراثت دن کی تحقیق کے نتیجے میں پہلے سے موجود بہت سے نظریات رد ہوگئے ۔ نئے نظریات قائم ہوئے ۔ سائنس دانوں کے قیاسات غلط بھی ثابت ہوئے اور بہت سے اندازے وقت نے درست ثابت کئے ۔ طبی تحقیق کے میدان میں بھی اتنی ہی سرگرمی دیکھنے میں آئی ۔ جینیاتی سائنس میں انقلابی تبدیلی رونما ہوئی ۔ انسان کا جینیاتی خاکہ تیار کیا گیا اور اس کے ساتھ ہی یہ امید ظاہر کی گئی کہ مستقبل میں مزید حیران کن پیش رفت کا امکان ہے ۔

یو ایس نیشنل جینوم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور پبلک سیکٹر ہیومن جینوم کے بانی ، فرانسس کولنز کی پیش گوئی کے مطابق ۲۰۱۰ ، تک سائنس دان بہت سی بیماریوں کے علاج کے طریقے دریافت کرچکے ہوں گے ۔ اس پر مزید ایک عشرے تک کام کرنے کے بعد ذیابطیس ، خون کے دباؤ ، دل کی بیماریوں اور شیزوفرینیا کے علاج کے سلسلے میں انتہائی موثر ادویات دستیاب ہوں گی ۔ سرطان کے علاج میں انقلابی تبدیلی آجائے گی ۔ مریض کو اس کے اپنے جینیاتی کوڈ کی مناسبت سے دوائیں دی جائیں گی ۔ آئندہ تیس برس میں برطانوی باشندوں کی اوسط عمر نوے برس تک جا پہنچے گی ۔ انسان جینیاتی انجینئرنگ کی مدد سے اپنی عمر طویل کرنے پر قادر ہوجائے گا " ۔

کچھ سائنس دانوں کا کہنا ہے کہ کولنز نے اپنی پیش گوئیوں کے پورا ہونے کی جو مدت بتائی ہے اس کے دوران ایسا ہوجانا بہ ظاہر ناممکن ہے ۔ چند ناقدین نے ایسے منصوبوں پر کام کرنے والے سائنس دانوں کی سوچ کے بارے میں اپنے تحفظات کا اظہار کرتے ہوئے اس کے طبی ثمرات کے حصول کے سلسلے میں خدشات ظاہر کئے ہیں ۔ انہیں اس شعبے میں مصروف کار سائنس دانوں کی صلاحیتوں کے بارے میں ہرگز شبہ نہیں ہے اور وہ اس بات سے بھی بہ خوبی واقف ہیں کہ اس منصوبے پر کام کرنے والے سائنس داں جینیاتی تحقیق کے میدان میں عملی طور پر بہت سی خدمات انجام دے سکتے ہیں ، مگر وہ خوف زدہ ہیں کہ منافع کے حصول کی توقع نے ترجیحات کو بہت حد تک تبدیل کردیا ہے اور اس سے کسی حد تک تحقیق کے کام کو دھچکا لگا ہے جو کسی طرح بھی مستحسن قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ وہ محسوس کرتے ہیں کہ اس صورت حال سے لوگ سائنسی تحقیق سے برگشتہ ہوجائیں گے اور چونکہ وہ اس کے بارے میں پہلے ہی شک میں مبتلا ہیں ، لہٰذا وہ جینیاتی تحقیق کے ثمرات سے پوری طرح بہرہ مند نہیں ہوسکیں گے

گزشتہ دنوں کیمبرج کے نزدیک واقع سینگر سنٹر کے ڈائرکٹر نے ٹرینیٹی کالج ، آکسفورڈ میں لیکچر کی ایک سیریز کے دوران اس منصوبے پر اپنے شدید تحفظات کا اظہار کیا ۔ انہوں نے کہا کہ جینیاتی سائنس کو آج کئی طرف سے خطرہ لاحق ہے اور بڑی بڑی کمپنیاں منفعت کے لئے اسے استعمال کررہی ہیں ۔ اس طرح اس میں انسانی فلاح اور معلومات کا پہلو اہم نہیں رہا اور یوں اس سے جینیاتی ٹکنالوجی کی بنیاد کو تقویت نہیں ملے گی ۔ اس میدان میں فعال ایک ادارے سیلیرا نے ، جو دراصل ہیومن جینوم پروجیکٹ کی نجی شعبے میں حریف ہے ، ملنے والے ڈیٹا کے باوجود اپنی تحقیق کو آگے نہیں بڑھایا ۔ ڈائرکٹر نے اس خیال کا بھی اظہار کیا کہ اس منصوبے کے باصلاحیت سائنس دانوں کو مبہم راستوں پر چلنے کے لئے مجبور کیا جارہا ہے ۔ یہ کمپنیاں اس طرح بنیادی تحقیق پر قابو پانا چاہتی ہیں اور یوں اس کے ثمرات سے عام لوگوں کو محروم رکھنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ اکثر لوگ اس صورت حال سے خوف زدہ ہیں کیونکہ اس طرح یہ ادارے حاصل ہونے والے جینیاتی مواد سے اپنے منافع کو بڑھانا چاہتے ہیں ۔

اس شعبے کے ایک اور ماہر سرجان کا کہنا ہے " سالماتی حیاتیات (وہ علم جس میں تولیدی نظام اور ذی حیات عضویوں میں حیاتی کیمیائی عنصر کی تکوین کی منصوبہ بندی کا مطالعہ کیا جاتا ہے) کو ایک انقلاب سے تعبیر کیا جاسکتا ہے اور یہ اتنی ہی وسعت رکھتی ہے جتنی ہماری کائنات ۔ کائنات سے متعلق تحقیق کے نتیجے میں ہم پر یہ انکشاف ہوا کہ کائنات میں ہمارا مقام کیا ہے یا خود علم حیاتیات ، جس نے جاندار اجسام میں ہمارے مقام کا تعین کیا ۔ اب ہم چند لمحوں میں جسم کے پیچیدہ نظام کو سمجھ سکتے ہیں ۔ یہ بھی سمجھ سکتے ہیں کہ دماغ کس طرح ہدایات دیتا ہے ، اس کی پابندی کس طرح کی جاتی ہے اور ان ہدایات کا اطلاق کس کس طرح ممکن ہوتا ہے ؟ بلاشبہ یہ ایک غیر معمولی ترقی ہے ، لیکن متعدد افراد ایسے ہیں جو ابھی اس حوالے سے بے اطمینانی محسوس کرتے ہیں ۔ سرجان کے کہنے کے مطابق " ہم کوئی ایسی صورتحال نہیں چاہتے جس میں لوگ جینیاتی تحقیق کے لئے خود کو پیش کرتے ہوئے اس خوف میں مبتلا رہیں کہ یہ معلومات ان کے خلاف استعمال ہوسکتی ہیں ۔ اگرچہ حاصل ہونے والی معلومات خفیہ رکھی جاتی ہیں لیکن صحیح معنوں میں کوئی ایسی چیز نہیں ہے جس سے ان معلومات کو بالکل خفیہ رکھا جاسکے ۔ ہم طویل عرصے کے لئے مریض کے ریکارڈ کو خفیہ رکھنے پر انحصار نہیں کرتے لیکن ایسے قانون کی حمایت کرتے ہیں جس میں کوئی شخص لوگوں کی موروثی خصوصیات کی معلومات سے کبھی فائدہ نہ اٹھا سکے تاکہ اس کا منفی پہلو بالکل چھپ کر رہ جائے ۔ دیکھنے میں آیا ہے کہ زیادہ تر افراد خود پر

طاری ہونے والی کیفیات کو اپنے ماں باپ، بہن بھائیوں، اولاد اور دوستوں سے بیان کردیتے ہیں لہذا گھر کے ایک فرد سے متعلق معلومات فوراً ہی گھر سے باہر نکل جانے کے امکانات کو بڑھا دیتی ہیں۔ چنانچہ ہمیں حقوق انسانی کی قانون سازی کے تحت ہر قسم کے جینیاتی امتیاز کو ختم کردینا چاہئے ورنہ ایسے کسی قانون کی عدم موجودگی کے بغیر انسان اور معاشرہ دونوں ہی نقصان میں رہیں گے۔

ایجاد اور دریافت سے متعلق ملکیت کے قانون میں اصلاحات کی ضرورت ہے۔ سرجان کے ایک ساتھی مائیک اسٹراٹن کا تعلق کینسر جینیوم پروجیکٹ سے ہے۔ انہوں نے ایک جین پر تحقیق کی ہے جسے ایک امریکی کمپنی نے پیٹنٹ کرایا ہے۔ سائنسداں اور کمپنیاں جو اپنی دریافت کو پیٹنٹ کرانا چاہتی ہیں، اکثر اپنے کام اور تحقیق کو ہر قیمت پر دوسری سے پوشیدہ رکھنا چاہتی ہیں۔ ان کے کہنے کے مطابق یہ ایک تجارت ہے لیکن یہ سوچ تحقیق کے امکانات کو کم کررہی ہے اور لامحالہ اس سے بیماریوں کے علاج کی کوششوں میں رکاوٹ پیدا ہورہی ہے۔ نئے رحجان کو الزام دینے کے لئے وسیع میدان موجود ہے۔ مشتبہ دریافتوں اور ان کے اطلاق نے سائنسی تحقیق کے بارے میں شبہات کو جنم دیا ہے کیونکہ ابھی تک اس بارے میں بہترین قانون سازی کی گنجائش موجود ہے لہذا اس ضرورت کو جلد پورا ہونا چاہئے۔ مسئلے کی سنگینی میں خاصی شدت پیدا ہوگئی ہے اور شاید اس کا سب سے بڑا سبب زیادہ منافع کا حصول ہے۔ آج کل کی عمومی تحقیق منافع کے پہلو کو نظر میں رکھتے ہوئے کی جارہی ہے۔ سرجان کے مطابق "اس میں کوئی شک نہیں کہ اگر اچھا کام اور تحقیق سامنے آئے تو ہمیں ہر لحاظ سے اس کا خیر مقدم کرنا چاہئے۔ بغیر نتیجے کے سامنے آنیوالی تحقیق پر توجہ مرکوز کرنا غلط ہے۔ نجی شعبے کو یو ایس نیشنل جینوم ریسرچ انسٹی ٹیوٹ کے ڈائرکٹر اور پبلک سیکٹر ہیومن جینوم کے بانی، فرانسس کولنز کے منصوبے کو روبہ عمل لانے میں ہر قیمت پر اپنا اہم کردار ادا کرنا چاہئے، کیونکہ اس منصوبے کو تنہا پایہ تکمیل تک نہیں پہنچایا جاسکتا اور اسی کے ساتھ عام آدمیوں کے شبہات کا ازالہ کرنا بھی ضروری ہے۔ یہ کوئی انفرادی معاملہ نہیں ہے بلکہ ایک مشترکہ مفاد ہے اور ہمیں اس کے لئے مل جل کر کام کرنا چاہئے"۔

سائنس دانوں اور سائنسی تحقیق کی حوصلہ افزائی کرنے والے اداروں کا فرض ہے کہ وہ انسانی فلاح اور معاشرے کی بہتری کے مقصد کو ہر چیز پر فوقیت دیں تاکہ سائنس، سائنس دانوں اور سائنسی اداروں کے بارے میں عام لوگوں کی توقعات کو ٹھیس نہ لگے۔

چکنی غذائیں مضر نہیں؟

طبی تحقیق کا دائرہ موجودہ دور میں بہت وسیع ہوچکا ہے۔ سائنس دانوں اور طبی ماہرین کی مسلسل تحقیق اور جستجو کے نتیجے میں متعدد امراض پر قابو پایا جاچکا ہے۔ جینیاتی تحقیق کے میدان میں حیرت انگیز پیش رفت دیکھنے میں آئی ہے۔ ادویہ اور اغذیہ کے خواص پر تحقیق کا سلسلہ بھی پوری رفتار سے جاری ہے۔

مانچسٹر یونیورسٹی، برطانیہ کے ایک سابق ماہر حیاتیات، ڈاکٹر راہن بیکر نے اپنی تحقیق کی روشنی میں بتایا ہے کہ برگر اور کریم کیک طویل عمر کی کلید ثابت نہیں ہوسکتے ہیں۔ ان کی تحقیق کے مطابق "چکنی غذاؤں کے استعمال سے دل کی بیماریوں کا تعلق ثابت نہیں ہوتا ہے" اس تحقیق کو طبی ماہرین کے خیالات کے برعکس قرار دیا جاسکتا ہے۔ ڈاکٹر راہن کئی عشروں کی تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں جس میں کہا گیا ہے کہ یہ ضروری نہیں کہ چکنی غذائیں جسم میں کولسٹرول بڑھادیں۔ ان کے مشاہدے میں متعدد افراد ایسے ہیں جو انتہائی چکنی غذائیں استعمال کرتے رہے ہیں مگر ان کے جسم میں کولسٹرول کی کوئی علامت نہیں پائی گئی۔

ڈاکٹر راہن بیکر کے دعوے کے مطابق اس بات کی کوئی شہادت نہیں ملتی کہ چکنی اشیاء کے استعمال سے دل کی بیماریوں کا خطرہ بڑھ جاتا ہے۔ جاپان میں کئے گئے مطالعوں سے یہ بات سامنے آئی ہے کہ بڑے گوشت اور دودھ سے تیار کی جانے والی اشیاء کا استعمال گزشتہ بیس برس میں بہت بڑھ گیا ہے مگر اس عرصے کے دوران دل کی بیماریوں کے نتیجے میں ہونے والی اموات میں خاصی کمی ہوئی ہے۔ ڈاکٹر راہن کے مطابق "اس بات کی شہادت کہ اکثر دل کے دورے سے ہونے والی اموات ہائی کولسٹرول کے نتیجے میں ہوتی ہیں، بعید از قیاس ہے۔ کولسٹرول ایک بے ضرر ضمنی پیداوار ہے۔ جو شریانوں کی سوجن کا نتیجہ ہے۔ ڈاکٹر راہن بیکر نے اپنی نئی کتاب میں تحریر کیا ہے "سگریٹ نوشی، مٹاپا، دباؤ اور بے خوابی دل کی بیماریوں کے خطرات کو چکنی غذاؤں کے استعمال کے مقابلے میں کہیں زیادہ بڑھادیتے ہیں۔

برٹش ہارٹ فاؤنڈیشن سے وابستہ بیلنڈ الینٹن کا کہنا ہے "فکرمندی کی بات یہ ہے کہ اس کتاب میں بتایا گیا ہے کہ چکنی اشیاء کا استعمال مضر نہیں ہے۔ ہماری غذا میں چکنائی کا استعمال پہلے ہی بہت ہے اور ہمیں اس میں مزید اضافہ کرنے کی ہرگز ضرورت نہیں ہے"۔

تحقیق سے یہ بات بھی سامنے آئی کہ دل کی بیماریوں میں مبتلا افراد کے لئے اینٹی بائیوٹک ادویہ کا استعمال مفید ہے۔ یوروپین سوسائٹی آف کارڈیالوجی، لندن میں کئے گئے ایک مطالعے کے بعد بتایا گیا کہ بیکٹریا اور مختلف وائرس شریان کی نادرستی کی بنا پر جنم لیتے ہیں۔ جن مریضوں کو دل کے دورے کے بعد اینٹی بائیوٹک ادویہ استعمال کرائی گئیں ان میں چالیس فیصد مریض ایسے تھے جنہیں ایک سال تک دل کا دورہ نہیں پڑا۔

ڈاکٹر راہن بیکر کی تحقیق کے بعد سامنے آنے والے نتیجے نے بحث کا ایک دروازہ کھول دیا ہے۔ اس تحقیق کے ناقدین کا کہنا ہے کہ ڈاکٹر راہن کے نظریے کو پذیرائی حاصل نہیں ہوسکے گی۔

●●●●●

ایک چنگاری جو شعلہ بن رہی ہے

محمد بن عبداللہ رفاعی

نیوزی لینڈ کی ٹیم گزشتہ سال آسٹریلیا میں ٹسٹ سیریز میں بہتر مظاہرہ کرتے ہوئے اور سہ رخی سیریز میں لیگ میچس میں اسے شکست سے دوچار کرنے کے بعد فائنل سے خارج کرتے ہوئے کرکٹ کے چاہنے والوں میں اپنے لئے ایک خاص مقام بنانے میں کامیاب رہی۔ کرکٹ کے مبصرین نے نیوزی لینڈ ٹیم کی اس جدوجہد کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگالیا تھا کہ "ایک طوفان" سر ابھارنے کی کوشش کررہا ہے۔ "ایک چنگاری" شعلہ بننے کیلئے بے تاب ہے۔ ان حالات میں انگلینڈ نے راکھ میں دبی چنگاری کو ہوا دی اور نیوزی لینڈ۔ انگلینڈ کے درمیان ونڈے سیریز کا پہلا میچ Jade Stadium کرائسٹ چرچ میں میں کھیلا گیا۔ یہ میچ نیوزی لینڈ نے بہ آسانی 4 وکٹ سے جیت لیا۔ دوسرا میچ جو ویلنگٹن میں کھیلا گیا اس میں نیوزی لینڈ نے ٹاپ کلاس مظاہرہ کرتے ہوئے انگلینڈ کو تمام شعبوں میں مات دیدی اور اسے 155 رنز سے ذلت آمیز شکست سے دوچار کیا۔ دو میچوں میں کامیاب کے بعد نیوزی لینڈ کے کھلاڑی خود اعتمادی کا شکار ہوگئے جس کے نتیجے میں انہیں تیسرے اور چوتھے ونڈے میچ میں شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ تیسرا میچ جو میکلین پارک نپئر میں کھیلا گیا۔ انگلینڈ نے 43 رنز سے جیت لیا۔ چوتھے ونڈے میں بھی جو ایڈن پارک آکلینڈ میں کھیلا گیا، انگلینڈ نے 33 رنز سے کامیابی حاصل کرکے سیریز کو 2-2 سے مساوی کردیا۔ اس طرح پانچواں اور آخری میچ سیریز کا عملاً فائنل بن گیا۔ اس مرحلے میں نیوزی لینڈ کے کھلاڑی چوکنا ہوگئے۔ انہوں نے اپنی خامیوں کو پرکھا اور اس کی اصلاح کرتے ہوئے اس میچ میں بہتر مظاہرہ کیا اور درکار رنز کا کامیابی سے تعاقب کرتے ہوئے بہ آسانی 5 وکٹ سے کامیابی حاصل کرلی اور سیریز پر 2-3 سے قابض ہوگئی۔

استیفن فلیمنگ اور ناصر حسین ٹرافی تھامے۔

ونڈے سیریز کے اختتام کے بعد دلچسپ اور سنسنی خیز نیشنل بنک ٹسٹ سیریز کا آغاز ہوا۔ اتفاق کی بات ہے کہ ونڈے سیریز کا آغاز Jade Stadium کرائسٹ چرچ پر ہوا تھا اور ٹسٹ سیریز کا آغاز بھی اسی میدان سے ہوا۔ قارئین جانتے ہیں اور انہی کالموں میں اس ٹسٹ کے سنسنی خیز اتار چڑھاؤ کے بارے میں پڑھ چکے ہیں کہ کس طرح ایسٹل اور کرس کینز نے نیوزی لینڈ کی کامیابی کیلئے جدوجہد کی اور بالآخر انگلینڈ یہ ٹسٹ 98 رنز سے جیتنے میں کامیاب رہا۔ اس ٹسٹ میں کامیابی کے بعد اس سیریز میں انگلینڈ نے 0-1 کی سبقت حاصل کرلی۔ دوسرا ٹسٹ جو ویلنگٹن میں کھیلا گیا۔ موسم کی خرابی سے متاثر رہا اور آخرکار وہ ڈرا ہوگیا۔

ارے میں تو گر پڑا

جیمس فوسٹر تیسرے ٹسٹ کے آخری روز گیند سے بچنے کی کوشش میں گر پڑے۔

ناصر حسین ایک شاندار پل شاٹ کھیلتے ہوئے

آڈمس ناصر حسین کا شاندار کیچ لینے کے بعد مسرت کا اظہار کرتے ہوئے۔

اب ساری توجہ کا مرکز تیسرا اور آخری ٹسٹ بن گیا۔ نیوزی لینڈ کو سیریز ڈرا کرنے کیلئے تیسرا اور آخری ٹسٹ جیتنا ضروری تھا۔ انگلینڈ کیلئے ٹسٹ ڈرا کرلینا بھی کافی تھا کیونکہ وہ سیریز کا پہلا ٹسٹ جیت چکا تھا۔ لیکن نیوزی لینڈ کے کھلاڑیوں نے تیسرے اور آخری ٹسٹ میں جو آکلینڈ میں کھیلا گیا بہتر مظاہرہ کرتے ہوئے یہ
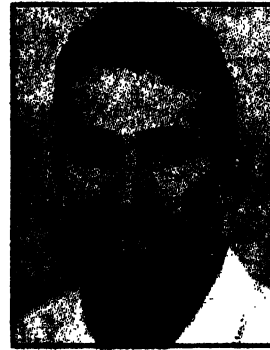
اس کامیابی نے فلیمنگ کو کئی اعزازات بخشے۔ یہ نیوزی لینڈ کی انگلینڈ کے خلاف گھریلو میدان پر 1984ء کے بعد پہلی کامیابی ہے ۔ بحیثیت کپتان فلیمنگ کی یہ 16 ویں کامیابی اور مجموعی طور پر یہ نیوزی لینڈ کی 50 ویں کامیابی ہے۔

ٹسٹ 78 رنز سے جیت لیا اور سیریز کو 1-1 سے مساوی کردیا۔ اس کامیابی کا سہرا جہاں نیوزی لینڈ کے بولروں کے سر جاتا ہے وہیں یہ کامیابی فلیمنگ کے چند دلیرانہ فیصلوں کی بھی مرہون منت ہے۔ فلیمنگ نے اس اہم میچ میں کرس ہیرس ،ڈیرل ٹفی اور آڈمس کو کھلانے کا فیصلہ کیا اور ان کھلاڑیوں نے اس فیصلے کی لاج ان سے وابستہ کی گئی توقعات پر پوری طرح کھرے اترتے ہوئے رکھ لی۔ ہیرس نے پہلی اننگز میں شاندار 71 رنز بناتے ہوئے نیوزی لینڈ کی لڑکھڑاتی اننگز کو سہارا دیا۔ ٹفی نے تباہ کن گیند بازی کرتے ہوئے ٹسٹ میں 9 وکٹ حاصل کیں۔ جبکہ آڈمس نے دوسری اننگز میں انگلینڈ کی بیٹنگ کو تہس نہس کردیا۔ فلیمنگ نے ٹسٹ سیریز ڈرا کرنے کی غرض سے انگلینڈ کے آگے آخری دن 105 اوورس میں جیت کیلئے 312 رنز کا نشانہ رکھا جسے انگلش کھلاڑی حاصل نہیں کرسکے اور اس طرح نیوزی لینڈ یہ ٹسٹ 78 رنز سے جیتنے میں کامیاب رہا۔ اس سیریز میں بہتر مظاہرہ پر میتھو ہیسٹل کو مین آف دی سیریز کا ایوارڈ دیا گیا۔

ٹسٹ سیریز کے 5 بہترین بیٹسمین

کھلاڑی	میچس	اننگز	رنز	اوسط	سنچری	ہائی اسکور
میتھو ہیسٹل	3	6	314	62.80	1	222
ناصر حسین	3	6	280	56.00	1	106
گراہم تھورپ	3	6	274	68.50	1	200
اینڈریو فلنٹاف	3	6	243	40.50	1	137
کریگ میکملن	3	6	213	53.25	0	50

ٹسٹ سیریز کے 5 بہترین گیندباز

کھلاڑی	میچس	وکٹس	رنز	اوورس	اوسط	بہترین
اینڈریو کیڈک	3	19	377	124.3	19.84	6-62
میتھو ہوگارڈ	3	17	402	119.2	23.65	7-63
کرسٹوفر ڈرم	3	12	426	112.2	35.50	3-36
ڈیرل ٹفی	1	09	116	35.0	12.89	6-54
آئی جی بٹلر	2	09	288	63.3	32.00	4-60

نیوزی لینڈ کے وکٹ کیپر آڈم پرورے کرکٹ سے ریٹائر

نیوزی لینڈ کے 31 سالہ وکٹ کیپر آڈم پرورے نے انگلینڈ کے خلاف تیسرے اور آخری ٹسٹ میچ کے بعد اپنے ریٹائر منٹ کا اعلان کردیا۔ پرورے نے اپنا پہلا ٹسٹ میچ 1990ء میں برمنگھم میں انگلینڈ کے خلاف کھیلا تھا۔ اس کے بعد سے انہوں نے اب تک 78 ٹسٹ میچوں میں 2 سنچریوں اور 14 نصف سنچریوں کی بدولت 28.26 کی اوسط سے 2865 رن بنائے اور وکٹ کے پیچھے 200 کیچ لیے اور 7 کھلاڑیوں کو اسٹمپ کیا۔ ٹسٹ کرکٹ میں صرف 7 وکٹ کیپر ہی ایسے ہیں جنہوں نے 200 یا اس سے زائد شکار لیے ہیں۔ انہوں نے کہا "ایک وکٹ کیپر کیلئے اس سے اچھی بات کیا ہو سکتی ہے کہ وہ 200 وکٹ کا شکار کرنے والوں میں شامل ہو جائے۔ میں اس فہرست میں ان لوگوں کے ساتھ موجود ہوں جو ایک زمانے میں میرے لئے باعث تحریک ہوا کرتے تھے۔ یہ میرے کیریئر کی سب سے بڑی کامیابی ہے"۔ 1999ء میں پرورے نے ایک کیلنڈر سال میں 39 کھلاڑیوں کو وکٹ کے پیچھے کیچ کرکے ایک نیا ریکارڈ بنایا تھا۔ پرورے نے کرکٹ سے علیحدگی کے بعد کہا کہ انہیں خوشی ہے کہ اس وقت ریٹائر ہو رہے ہیں جب ان میں کچھ کرپانے کی طاقت ہے اور یہ طاقت رہنے تک کھیلتے رہنے سے بہتر ہے۔ پرورے نے کہا "ایسا نہیں ہے کہ میں مزید کرکٹ نہیں کھیلنا چاہتا بلکہ میں اب دوسرے کاموں میں زیادہ دلچسپی لینے لگا ہوں"۔ انہوں نے کہا کہ نیوزی لینڈ کے لئے کھیلنا ان کی زندگی کا سب سے بہترین اور ناقابل فراموش واقعہ ہے۔ پرورے نے کہا "میری عمر اب 31 برس ہے اور میرے پاس نہ تو نوکری ہے نہ ہی میں نے شادی کی ہے۔ میں صرف کرکٹر کی حیثیت سے ہی لوگوں کی یادوں میں محفوظ نہیں ہونا چاہتا، اس لئے میں ریٹائر ہو رہا ہوں"۔

زخمی بیکھم کی عالمی کپ میں شمولیت مشکوک

انگلینڈ کے کپتان ڈیوڈ بیکھم کا عالمی کپ میں کھیلنا مشکوک ہے کیونکہ مانچسٹر یونائیٹڈ کی جانب سے چمپینز لیگ میں ڈیپورٹیوا کورونا کے خلاف کھیلتے ہوئے وہ اپنے پیر کی ہڈی تڑوا بیٹھے۔ یہ پوچھے جانے پر کہ کیا بیکھم عالمی کپ میں کھیل سکتے ہیں، مانچسٹر یونائیٹڈ کے منیجر الیکس فرگسن نے کہا "مجھے شبہ ہے"۔ انہوں نے کہا "اس کے پیر کی ایک ہڈی ٹوٹ گئی ہے اور انہیں 6 - 8 ہفتے تک آرام کرنا ہوگا۔ اس بات سے بیکھم کو یقیناً مایوسی ہوئی ہوگی۔ انہیں شدید تکلیف ہے۔ یہ افسوسناک ہے مگر وہ ابھی نوجوان ہیں عالمی کپ ان کے کیریئر کا آخری ٹورنمنٹ نہیں ہے۔ اس کے بعد وہ یوروپین کپ میں شرکت کر سکیں گے"۔ اولڈ ٹرافورڈ میں ہونے والے اس میچ کے 16 ویں منٹ میں ڈیپورٹیوا کے ایلڈوڈوچر کے ساتھ ٹکرانے کے بعد بیکھم زخمی ہو گئے تھے۔ یونائیٹڈ نے میچ 2-3 سے جیت لیا۔ یوں تو انگلینڈ کا پہلا میچ 2 جون کو سویڈن کے خلاف سائی تاما (جاپان) میں ہوگا مگر فیفا کے نئے ضابطے کے مطابق عالمی کپ میں شامل ہر ٹیم کو اپنے 23 کھلاڑیوں کا اعلان 21 مئی تک کرنا ہوگا۔ اس دوران انگلینڈ فٹبال ٹیم کے کپتان ڈیوڈ بیکھم کے زخمی ہونے اور عالمی کپ میں نہ کھیل پانے کی خبر سن کر چین کے فٹبال مداحوں کو بڑا افسوس ہوا۔ اس دن وہ فٹبال سے متعلق کئی ویب سائٹس پر دن بھر سرفنگ کرتے رہے اور بیکھم کی صحت سے متعلق خبریں پڑھتے رہے۔ چین کے ایک مشہور ویب سائٹ پر ایک مداح نے جو اپنے آپ کو اس اسٹائلش فٹبالر کا "سوپر مداح" بتاتا ہے لکھا "وہ شخص جس نے بیکھم کو زخمی کیا جہنم میں جائے"۔ ایک اسپورٹس اخبار نے تو یہاں تک لکھا "بیکھم کے بغیر عالمی کپ کیسے ہوگا؟"

2001/20 نیشنل بنک نیوزی لینڈ کرکٹ ایوارڈس

نتھن ایسٹل سال کا بہترین کھلاڑی

کرائسٹ چرچ کنونشن سنٹر میں 4 اپریل کو 2001/02ء نیشنل بنک نیوزی لینڈ کرکٹ ایوارڈس کی تقریب منعقد ہوئی جہاں 2000/01 اپریل سے 2001/02ء تک بہترین کھیل کا مظاہرہ کرنے والے نیوزی لینڈ کے کھلاڑیوں کا انتخاب کیا گیا۔ شین بونڈ کو آسٹریلیا میں ایک روزہ ٹرائی سیریز کے دوران بہترین گیند بازی کا مظاہرہ کرنے پر بہترین گیند باز کے ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا اور انہیں والٹر ہیڈلی ٹرافی دی گئی۔ 26 سالہ بونڈ کے اس مظاہرہ کو دیکھتے ہوئے انہیں مئی اور جون میں ویسٹ انڈیز کے دورے کیلئے ٹیم میں شامل کیے جانے کی امیدیں ہیں۔ 02-2001ء کے سیزن میں انگلینڈ اور آسٹریلیا کے بولروں کی ناک میں دم کرنے والے بلے باز نتھن ایسٹل اس ایوارڈ تقریب میں شروع سے آخر تک چھائے رہے ان کے حصہ میں تین ایوارڈ آئے انہیں والٹر ہیڈلی ٹرافی، ریڈپاتھ کپ اور نیشنل بنک پلیئر آف دی ایر ایوارڈ سے نوازا گیا۔ سینٹر بری کے اس حیرت انگیز بلے باز نے ابھی حال ہی میں انگلینڈ کے خلاف کرائسٹ چرچ کے پہلے ٹسٹ میں کرکٹ تاریخ کی تیز ترین ڈبل سنچری بنائی تھی۔ ایسٹل نے محض 153 گیندوں کا سامنا کرتے ہوئے یہ کارنامہ انجام دیا تھا۔ انگلینڈ کے خلاف 3 ٹسٹ کی سیریز میں ایسٹل کا اوسط 80.26 تھا۔ گزشتہ سال آسٹریلیا کے خلاف پرتھ میں غیر مفتوح 156 رن بناکر تیسرے ٹسٹ میں نیوزی لینڈ کو فتح دلائی تھی۔ انگلینڈ کے خلاف 5 ویں اور فیصلہ کن ایک روزہ میچ میں ایسٹل نے 122 ناٹ آوٹ رنز بناکر نیوزی لینڈ کو انگلینڈ کے خلاف 3-2 سے سیریز میں فتح دلائی۔ ان ایوارڈس کی دوڑ میں کرس کینز اور اسٹیفن فلیمنگ بھی شامل تھے لیکن قرعہ ایسٹل کے حق میں نکلا۔ بہترین گیند باز (فرسٹ کلاس کرکٹ) کیلئے ونسر کپ کرس ڈرم کو دیا گیا۔ ڈرم نے 9 میچس میں 53 وکٹیں حاصل کیں۔ ان کھلاڑیوں کے انتخاب کیلئے جو پیانل بنایا گیا تھا اس میں سر رچرڈ ہیڈلی، ایان اسمتھ اور جان ایف ریڈ شامل تھے۔ نیوزی لینڈ کرکٹ کیلئے غیر معمولی خدمات انجام دینے پر جان آر ریڈ کو سنکلاف میڈل دیا گیا۔ ریڈ نے 1949ء سے 1965ء تک مسلسل نیوزی لینڈ کی نمائندگی کی اور اس دوران انہوں نے 58 ٹسٹ کھیلے۔ اس وقت وہ آئی سی میچ ریفری کی حیثیت سے خدمات انجام دے رہے ہیں۔

ایک دن قومی ٹیم میں ضرور شامل ہوں گا: عرفان پٹھان

"اگر خدا نے چاہا اور میرا فارم برقرار رہا تو ہندوستانی ٹیم میں شامل ہونے کا میرا خواب ایک نہ ایک دن ضرور پورا ہوگا"۔ اس امید کا اظہار نوعمر تیز گیند باز ازار عرفان خاں محمود خاں پٹھان نے کیا جو بڑودہ کی طرف سے رانجی ٹرافی کھیل رہے ہیں۔ عرفان پٹھان کے نام سے مشہور یہ برق رفتار گیند باز اپنے پہلے فرسٹ کلاس کرکٹ سیزن میں ہی لوگوں کی توجہ کا مرکز بن گئے تھے جب انہوں نے گزشتہ سیزن میں رانجی ٹرافی میں بڑودہ کی نمائندگی کی تھی۔ عرفان پٹھان نے جو دنیا کے خوفناک ترین تیز گیند باز وسیم اکرم کو اپنا آئیڈیل تصور کرتے ہیں کہا کہ میچ کی پریکٹس بہت ضروری ہے میں سخت محنت کرتا ہوں اور محسوس کرتا ہوں کہ میری گیند بازی روز بروز بہتر ہورہی ہے اور اگرچہ یہ ان کے کیریئر کا آغاز ہے مگر امید ہے کہ ہندوستانی ٹیم کی طرف سے کھیلنے کا ان کا خواب ضرور پورا ہوگا۔ پٹھان نے دلیپ ٹرافی میں اس سیزن میں ویسٹ زون کی نمائندگی کی اور سنٹرل زون کے خلاف پہلے میچ میں 10 وکٹ اور دوسرے میں 7 وکٹ لئے۔ 18 سالہ عرفان کے نام پہلے سے ہی 2 ہٹ ٹرک درج ہے۔ انہوں نے پہلی ہٹ ٹرک ملائشیا میں انڈر 15 ایشیا کپ میں تھائی لینڈ کے خلاف کی تھی۔ جب انہوں نے 7 میچوں میں 11 وکٹ لئے تھے جبکہ دوسری ہٹ ٹرک نیوزی لینڈ میں گزشتہ جونیر عالمی کپ میں سری لنکا کے خلاف کی تھی جب انہوں نے 6 میچوں میں 12 وکٹ حاصل کئے تھے۔

شارجہ میں پاکستان کے میچوں کی سنچری

صحرائے عرب (شارجہ) میں کرکٹ کا گل کھلے گا یہ کوئی سوچ بھی نہیں سکتا تھا لیکن عبدالرحمٰن بخاطر اور آصف اقبال کی انتھک جدوجہد کے بعد شارجہ کرکٹ گراؤنڈ پر پہلا مقابلہ یکم مارچ کو پاکستان اور سری لنکا کے مابین روتھمنس ایشیاء کپ 1983/84 سیریز کے تحت کھیلا گیا جس میں سری لنکا نے پاکستان کو 5 وکٹ سے شکست دیتے ہوئے اس گراؤنڈ پر پہلی کامیابی اپنے نام درج کی۔ پاکستان کو پہلے مقابلے میں شکست ضرور ہوئی لیکن اس نے اس شکست کو پس پشت ڈالتے ہوئے اس گراؤنڈ پر کامیابیوں کی ایک نئی تاریخ رقم کی۔ بعض مرحلوں پر تو اس نے مخالف ٹیم کی یقینی کامیابی کو ناکامی میں بدل دیا۔ پاکستان نے اس گراؤنڈ پر 100 میچز کھیلے اور اس نے 67 بار اس گراؤنڈ پر مخالف ٹیم کو شکست کا جام پینے پر مجبور کیا۔ 32 بار اسے بھی یہ جام پینا پڑا جب کہ ایک میچ ٹائی ہوا۔ کوئی بھی ٹیم آج تک ایک ہی گراؤنڈ پر اتنی کامیابیوں کا ریکارڈ پیش نہیں کر سکی۔

عجب اتفاق ہے کہ پاکستان نے پہلے اور 100 ویں ونڈے میچ میں سری لنکا سے مقابلہ کیا اور دونوں ہی بار اسے ناکامی ہاتھ لگی۔

اس گراؤنڈ پر یوں تو آپس میں کئی مشہور ٹیمیں ایک دوسرے سے ٹکرائی لیکن جب بھی ہند۔پاک مقابلہ ہوتا ہے شائقین کی کافی تعداد میچ کے مشاہدہ کیلئے امنڈ آتی ہے۔ صحرائے عرب میں کرکٹ کا گل کھلانے کا سہرا بھی انہیں ٹیموں کے سر جاتا ہے لیکن کچھ عرصہ سے ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کرکٹ تعلقات میں سیاست کی دخل اندازی کی وجہ سے اور شارجہ میں پاکستان کے حق میں امپائر کے کچھ جانبدار فیصلوں کی وجہ سے ہندوستان نے شارجہ کپ میں حصہ نہ لینے کا فیصلہ کیا۔ اس فیصلے کا شارجہ کپ کے منتظمین پر بہت اثر پڑا اور شارجہ کرکٹ گراؤنڈ پر شائقین کی تعداد میں کمی نوٹ کی گئی۔ پھر انتظامیہ نے ہندوستان کی کمی کو پورا کرنے کیلئے سری لنکا سے معاہدہ کیا اور یوں ہندوستان کی کمی کو سری لنکا سے پوری کرنے کی کوشش کی جارہی ہے۔ سری لنکا شارجہ کیلئے کوئی نووارد ٹیم نہیں ہے۔ سری لنکا کو شارجہ گراؤنڈ پر پہلی کامیابی حاصل کرنے کا اعزاز حاصل ہے۔ اور اسے یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ اس نے پاکستان کے ساتھ شارجہ میں ایک ٹائی میچ کھیلا۔ کوکا کولا چمپین ٹرافی 1990ء کا تیسرا میچ جو سری لنکا اور پاکستان کے درمیان کھیلا گیا تھا دلچسپ انداز میں ٹائی ہوگیا۔

پاکستان کا شارجہ گراؤنڈ پر 1984ء سے اب تک کا مظاہرہ اس طرح رہا:

کھیلے	جیتے	ہارے	ٹائی
100	67	32	01

شارجہ گراؤنڈ کے ہیرو جاوید میاں داد جنہوں نے ایک ناممکن کامیابی کو ممکن بنایا۔

پاکستان کا شارجہ گراؤنڈ پر یہ واحد میچ ہے جو ٹائی ہوا۔ اس میچ میں پاکستان نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا لیکن پاکستان ابتدائی اچھی شروعات کے بعد سنبھل نہیں سکا۔ چمندا واس نے عامر سہیل اور سعید انور کی وکٹیں حاصل کرتے ہوئے پاکستان کی تباہی کا آغاز کیا دونوں اوپنرس صرف 38 رنز کے اسکور پر پویلین لوٹ گئے۔ اس کے بعد انضمام الحق اور یوسف یوحنا نے پاکستانی باری کو سنبھالنے کی جاندار کوشش کی۔ ان دونوں کے درمیان تیسری وکٹ کی رفاقت میں 93 رنز بنے اس کے بعد پھر ایک بار پاکستانی بیٹنگ کو متیا مرلی دھرن نے تہس نہس کردیا۔ متیا نے انضمام الحق (42)، اور حسن رضا (6) کی وکٹیں حاصل کی جبکہ یوسف یوحنا (48) کو رن آؤٹ کرنے میں اہم رول ادا کیا۔ اس طرح پاکستانی ٹیم ان صدموں سے سنبھل نہیں سکی اور 49.4 میں صرف 196 رنز پر سمٹ گئی۔ جواب میں درکار نشانہ کا تعاقب کرتے ہوئے سری لنکا نے بہترین شروعات کی۔ رمیش کالو وتھرنا اور مارون اٹاپٹو کے درمیان پہلی وکٹ کیلئے 42 رنز کی رفاقت ہوئی۔ اس رفاقت کو اکرم نے معین خان کے ہاتھوں اٹاپٹو کو 8 رنز کے اسکور پر کیچ آؤٹ کراتے ہوئے توڑ دیا۔ اس کے بعد رسل آرنالڈ اور رمیش کالو وتھرنا نے پاکستانی بولنگ کو تہس نہس کرنا شروع کیا اور دونوں کے درمیان 115 رنز کی شاندار رفاقت ہوئی۔ اس مرحلہ پر سری لنکا کا اسکور 35.3 اوورس کے اختتام کے بعد 157 رنز تھا اور سری لنکا کو باقی 14.3 اوورس میں صرف 40 رنز بنانے تھے اور اس کے 9 وکٹ باقی تھے۔ ہر شخص یہی سمجھ رہا تھا کہ سری لنکا بہ آسانی اس میچ میں کامیابی حاصل کرلے گی۔ تبھی عبدالرزاق نے سری لنکائی کھلاڑیوں پر اپنے عتاب کا

آغاز کیا۔ سب سے پہلے عبدالرزاق نے رمیش کالووتھرنے کی قیمتی وکٹ حاصل کی جنہوں نے 108 گیندوں پر 75 رنز بنائے تھے۔ اس کے بعد سری لنکا کو ایک جھٹکا شعیب اختر نے پہونچایا اختر نے 173 رنز کے اسکور پر رسل آرنالڈ (61) کو بولڈ کرکے تیسری وکٹ گرائی۔ چوتھی وکٹ صرف ایک رنز کے اضافہ کے بعد 174 رنز پر جئے سوریہ کی گری۔ انہیں اکرم نے اپنا شکار بنایا۔ اکرم نے پھر ایک بار سری لنکائی بیٹنگ کی ریڑھ کی ہڈی پر اس وقت وار کیا جب انہوں نے 177 رنز کے اسکور پر ڈی سلوا کو بولڈ کرتے ہوئے سری لنکا کی پانچویں وکٹ گرائی۔ اس وکٹ کے گرتے ہی پاکستانی خیمہ میں امید کی کرن جاگی جب کہ سری لنکا نے محتاط انداز میں رنوں کا تعاقب شروع کیا۔ سری لنکا کو 6.4 اوورس میں کامیابی کیلئے صرف 20 رنز درکار تھے اور اس کے پاس 5 وکٹ ابھی باقی تھے اور وکٹ پر سری لنکا کی امید جیاوردھنے ٹکے ہوئے تھے۔ لیکن سری لنکا کی امید کو عبدالرزاق نے اس وقت دھکا لگایا جب 186 رنز کے اسکور پر جیاوردھنا صرف ایک رن بناکر معین خان کے ہاتھوں کیچ آؤٹ ہوکر پویلین لوٹ گئے۔ ابھی سری لنکا اس صدمہ سے سنبھلا بھی نہیں تھا کہ عبدالرزاق نے ایک اور وکٹ گرادی۔ اس مرتبہ رزاق کا شکار سریش پریرا بنے۔ عبدالرزاق نے انہیں کوئی مہلت نہیں دی اور آتے ہی صفر پر بولڈ کرکے پویلین کا رخ دکھایا۔ اس طرح سری لنکا کی ساتویں وکٹ 186 رنز کے اسکور پر گر گئی اور میچ سنسنی خیز موڑ اختیار کر گیا۔ سری لنکا کو جیت کیلئے صرف 11 رنز بنانے تھے اور اس کے تین وکٹ ابھی باقی تھے۔ یہ ایسا کوئی بڑا نشانہ نہیں تھا اور گیندیں بھی کافی باقی تھیں اور امید کی جارہی تھی کہ سری لنکا درکار نشانہ مشکل سے ہی سہی لیکن پار تو کرلیگا۔ امید و یقین کا دامن سری لنکا نے اپنے ہاتھوں سے نہیں چھوڑا تھا۔ اس کے دو مشہور آل راؤنڈر چمندا واس اور متیا مرلی دھرن ابھی بیٹنگ کیلئے آنے باقی تھے اور یہی اس کی امیدیں تھی۔ لیکن درکار امیدوں پر چمندا واس کھرے نہیں اتر سکے۔ انہوں نے پی سلوا کے ساتھ 8 رنز کی رفاقت ضرور نبھائی لیکن وہ خود کا کھاتہ نہیں کھول سکے اور عبدالرزاق کا شکار بن گئے۔ عبدالرزاق نے انہیں صفر پر بولڈ کرکے پھر ایک بار سری لنکائی خیمہ میں ہلچل مچادی اور پاکستان کی جیت کی امیدوں کو بندھائے رکھا۔ رزاق نے سری لنکا کی آٹھویں وکٹ 194 رنز پر حاصل کی۔ اب سری لنکا کے آگے جیت کیلئے صرف 3 رنز کا نشانہ تھا اور اس کے پاس اب صرف اس کے دو ہتھیار مرلی تھرن اور پی سی سلوا کے روپ میں بچے تھے جب کہ زوئسا بھی وقت ضرورت کام آنے کی صلاحیت رکھتے تھے۔ متیا مرلی تھرن اور پی سلوا نے محتاط انداز میں کھیلنا شروع کیا اور اسکور دو رنز بناکر برابر کردیا۔ اب جیت کیلئے سری لنکا کو صرف ایک رنز درکار تھا لیکن اس وقت متیا مرلی تھرن کامیابی کا رن حاصل کرنے میں چوک گئے اور شعیب ملک نے انہیں رن آؤٹ کردیا۔ اس طرح سری لنکا کامیابی کے قریب پہونچ کر بھی کامیابی سے دور رہا۔ سری لنکا کی نویں وکٹ 49 ویں اوور کی آخری گیند پر رن آؤٹ کی شکل میں گری تھی اب سری لنکا کو کامیابی کیلئے آخری اوور میں صرف ایک رنز درکار تھا اور اس کے پاس صرف ایک وکٹ باقی تھی۔ آخری اوور کی گراں بار ذمہ داری عبدالرزاق کے کاندھوں پر ڈالی گئی۔ رزاق نے گیند ہاتھوں میں لی اور تمام فیلڈروں کا ایک بار جائزہ لیا اور انہیں ضروری ہدایت دینے کے بعد اپنے بولنگ رن اپ پر چلے گئے اور دوڑنا شروع کیا سارا اسٹیڈیم دم سادھے آنے والے لمحہ کا انتظار کرنا شروع کردیا۔ سری لنکائی کھلاڑی درکار رنز کی امیدیں لگائے پی سلوا کی جانب دیکھنے لگے جو کریز پر رزاق کا سامنا کرنے کیلئے کھڑے تھے۔ تمام کھلاڑی دم سادھے کھڑے تھے تبھی رزاق نے گیند کی اور پی سلوا اسے ہٹ کرنے کی کوشش میں بولڈ ہوگئے اور سارا اسٹیڈیم نعرے تحسین سے گونجنے لگا۔ پاکستانی کھلاڑیوں نے رزاق کو سینے سے لگایا اور اس طرح یہ دلچسپ اور سنسنی خیز میچ شارجہ گراؤنڈ کی امانت اور تاریخ بن گیا جہاں پاکستانی گیند بازوں نے مشکل حالات سے سمجھوتہ نہیں کیا اور اپنی یقینی شکست کو ٹالنے میں کامیاب رہے۔

اسی طرح گزشتہ سال 4 نومبر 2001ء کو خلیج ٹائمس ٹرافی کے فائنل میں پاکستان نے سری لنکا کو 5 وکٹ سے شکست دیکر شارجہ گراؤنڈ میں اپنی برتری برقرار رکھتے ہوئے 13 ویں بار ٹائٹل کے حصول میں کامیاب رہی۔ اس وقت اس کے تین مشہور گیند باز (وسیم اکرم، وقار یونس، شعیب اختر) پوری ردھم میں تھے اور انہوں نے سری لنکائی بیٹنگ کے پرخچے اڑادیئے۔ وقار یونس نے فائنل میں 31 رنز دیکر 3 قیمتی وکٹ لئے۔ اس مظاہرہ پر انہیں مین آف دی میچ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ ان تینوں بولروں کا سری لنکائی بیٹسمینوں پر عتاب کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہے کہ ان تینوں نے صرف 84 رنز خرچ کرکے سری لنکا کے 8 بیٹسمینوں کو پویلین کا رخ کرنے پر مجبور کیا۔

سری لنکا جس نے ٹاس جیت کر بیٹنگ کا فیصلہ کیا تھا ابتداء ہی سے پریشان کن حالات سے دوچار رہی۔ اس نے ابتدائی 9 اوورس میں صرف 21 رنز کے مجموعی اسکور پر اپنے 2 وکٹ کھودیئے تھے۔ سنت جئے سوریہ، مہیلا جیاوردھنے اور رسل آرنالڈ نے اس صورتحال کو بہتر بنانے کی بھرپور کوشش کی لیکن وہ اپنی اس محنت میں کامیاب نہیں ہوسکے پھر بھی سری لنکا نے مڈل آرڈر کے گرانقدر تعاون سے 44.2 اوورس میں 173 رنز بنائے۔ جواب میں پاکستان نے درکار رنز 43.5 اوورس میں 5 وکٹ کے نقصان سے بنالئے۔ جس میں آفریدی نے 35، یوحنا نے 40 اور انضمام نے 28 رنز کا تعاون کیا۔ سری لنکا کے متیا مرلی دھرن نے سحر انگیز بولنگ کا مظاہرہ کیا اور 10 اوورس میں صرف 22 رنز دیکر پاکستان کے 3 بیٹسمینوں کو پویلین کی راہ دکھائی۔ اگر متیا کا ساتھ سری لنکا کا کوئی اور بولر بھی دیدیتا تو شاید پاکستان ٹائٹل کے حصول میں ناکام رہتا لیکن پاکستان نے متیا کی سحر انگیزی کے باوجود ٹائٹل پر اپنی گرفت مضبوط رکھی اور بہ آسانی درکار نشانہ 5 وکٹ کھوکر حاصل کرلیا۔ پاکستان نے اپنی کامیابیوں کا سلسلہ اس گراؤنڈ پر برقرار رکھا اور حال ہی میں جب ویسٹ انڈیز اور پاکستان کے درمیان ونڈے سیریز منعقد ہوئی تو اس نے ویسٹ انڈیز کو بہ آسانی 1-2 سے شکست دیکر سیریز پر اپنا قبضہ برقرار رکھا۔

لیکن جس طرح ہر ناکامی کو بھلاکر لوگ کامیابی کی تلاش میں نکل پڑتے ہیں اسی طرح کامیابی کا نشہ بھی اگر زیادہ دیر تک سرچڑھا رہے تو نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے۔ ہر دن ایک نئی تاریخ اپنے سینے میں لئے کر آتا ہے۔ لوگ پرانی تاریخ کو ماضی بنادیتے ہیں اور نئی تاریخ کو اپنے ذہنوں میں سجالیتے ہیں۔ کیا پاکستان شارجہ گراؤنڈ پر اپنی کامیابی کی تاریخ برقرار رکھ پائے گا؟ یہ ایک ایسا سوال ہے جس کا جواب آنے والا وقت ہی دے سکے گا۔

فیاض رفعت

گریہ

اندھیرے میں کوئی چپکے چپکے رو رہا تھا۔ رونے کی آواز سے میری نیند ٹوٹ جاتی تھی اور اکثر یوں بھی ہوا کہ وہ سوتی رہتیں اور میں نیم خواب کی کیفیت میں دیکھتا کہ ان کے آنسوؤں سے ایک سرخ دریا بن گیا ہے جس کی خوفناک موجیں چیختی چنگھاڑتی میری طرف دوڑتی چلی آرہی ہیں اور پھر یاقوت رنگ پانی سر سے اونچا ہوجاتا۔ میری سانسیں گھٹنے لگتیں اور حبکبوتی اندھیرے میں میرے دیدے پھیل جاتے۔ وہ مجھے اپنے بازوؤں میں سمیٹ لیتیں اور گجر بجنے تک قل پڑھ کر مجھ پر دم کرتی رہتیں۔ میرے دوبارہ سونے تک ان کا یہ عمل جاری رہتا۔ سویرا ہوتے ہوتے میں رات کا خواب بھول جاتا۔ مگر اس دن ایسا نہیں ہوا تھا۔ پہلی آندھی کے غبار میں سب کچھ کھو گیا تھا۔ انہوں نے ڈیوٹ پر رکھا چراغ جلا کر اس کی لو بڑھادی تھی۔ رات کا خواب مجھے رہ رہ کر خوفزدہ کررہا تھا اور میں شاخ سے ٹوٹے ہوئے تتلپتے کی طرح لرز رہا تھا۔ انہوں نے میری حالت غیر ہوتے دیکھ کر ستری کو جلدی سے حافظ جی کے پاس روانہ کیا۔ جو عامل بھی تھے اور زائچہ کھینچ قسمت کا حال بتاتے تھے۔ ویسے وہ شغل کے طور پر اپنے حجرے میں بیٹھ کر بچوں کو قرآن شریف حفظ کراتے تھے۔ وہ گنڈے تعویذ کے علاج جراحی کے کام میں بھی ید طولیٰ رکھتے تھے اور جب کسی کا ناسور لاعلاج ہوجاتا تو وہ چٹکی بجا کر اپنی آنکھوں کے پانی سے اعجاز مسیحائی کا کرشمہ دکھاتے۔

حافظ جی ہرکارے کیساتھ جلد آگئے۔ انہوں نے چینی کی شفاف رکابی پر زعفران کے پانی سے زائچہ کھینچا۔ عربی میں "ھوالشافی اللہ کافی" رقم کیا اور زعفران کا پانی گھول کر میرے منہ میں انڈیل دیا اور اضطراب کی حالت میں الہ خیر اللہ خیر کا ورد کرتے گردن جھکائے واپس چلے گئے۔ اس دن انہوں نے کسی بھی طرح کی ضیافت کو قبول کرنے سے انکار کردیا تھا۔ حد یہ ہے کہ دودھ اور الائچی کا شربت بھی نہیں پیا تھا

مجھے خیال پڑتا ہے ہمارے گھر کے دروازے پر ٹاٹ کا مضبوط پردہ پڑا رہتا تھا۔ گھر کا آنگن کچا ہوتے ہوئے بھی بہت بڑا تھا۔ بارش کے دنوں میں ہمارا آنگن پانی سے بھر جاتا۔ اماں بار بار مجھے آنگن میں جانے سے روکتیں۔ مگر مجھے بارش میں بھیگنا اور کاغذ کی کشتیاں بنا کر پانی میں چھوڑنا اچھا لگتا تھا۔ بارش سے پہلے اکثر ہمارے گھر کی کعبہ رخ فصیل پر ایک سبز پرندہ آکر بیٹھ جاتا اور میری ماں اور وہ خاموش نگاہوں کے ساتھ ایک دوسرے سے باتیں کرتے رہتے۔ اماں کو پرندوں، پیڑ، پودوں اور پھولوں سے بڑی رغبت تھی۔ شاید اس کے گھر کے آنگن میں جامن، انار، شہتوت اور امرود کے درخت ایستادہ تھے۔ چنبیلی کا اکلوتا پیڑ بھی تھا جس پر رات بھر شبنم برستی رہتی اور صبح ہونے تک سفید پھولوں سے سارا آنگن پٹ جاتا۔ اکثر سفید پھولوں کے آویزے میری ماں کے کانوں میں جھولتے رہتے۔ آنگن کی دیوار کے سہارے ایک چھوٹا سا سائبان تھا۔ جہاں سرخ اینٹوں کی گھڑونچی بنی ہوئی تھی۔ جس پر کوری مٹی کے گھڑے رکھنے کا اہتمام کیا گیا تھا۔ گرمیوں میں گھڑوں کو سرخ رنگ کے کپڑے سے باندھ دیا جاتا اور ان کی پیندیوں کے نیچے خس کی بھیگی شاخیں بچھادی جاتیں۔ ٹھنڈا اور خوشبودار پانی پی کر آب زم زم کی یاد تازہ ہوجاتی۔ چنبیلی کے منڈوے تلے میں رات کے اترنے کا انتظار کرتا۔ جہاں مونجھ کی چارپائی پر میں تاروں بھرا آسمان دیکھتے دیکھتے ماں کی نرم آغوش میں سما جاتا اور نیند کے رتھ پر بیٹھ کر سبز پری کی تلاش میں کھو جاتا۔

پولیس کوتوالی سے ملحق ہمارے گھر کے بالکل سامنے کے رخ شاہجہانی مسجد کے بلند و بانگ نقرئی مینار جلوہ افروز رہتے، جن کی خوشنما کنگوروں میں سید کبوتر سایہ فگن رہتے اور اذان ہوتے ہی وسیع و عریض حوض پر نمازیوں کے ساتھ وضو کرتے ہوئے دیکھے جاتے۔ جہاں ابن بطوطہ نے صدیوں پہلے آنکھوں آنکھوں میں رات بسر کی تھی۔

مسجد کے عقب میں ایک قدیم مدرسہ قائم تھا۔ جہاں صبح سویرے ملتانی مٹی سے پتی ہوئی تختی اور سفید اور کالی روشنائی کا لور کا لیکر میں بے دلی سے چٹائی پر جا کر بیٹھ جاتا۔ بوٹے قد کے جھلاسے شاستری جی ہاتھ میں قمچی لئے ہوئے گول پتھر کے چبوترے پر بیٹھے حقہ گڑگڑاتے رہتے۔ جب ذرا مزے میں آتے تو چبوترہ چھوڑ کر چاک ہاتھ میں پکڑتے اور کالے تختے پر لکھ دیتے "رب نام اللہ کا" جسے ہم حروف کی آڑے ترچھی لکیریں بنا کر سرکنڈے کے قلم سے اپنی تختیوں پر لکھنے کی مشق کرتے رہتے۔ بعد میں ادھے، ڈیوڑھے اور ڈھائی کے پہاڑے یاد کراتے اور خود گھنٹی بجا کر چھٹی کا اعلان کردیتے۔ سبھی گھروں سے انکا کھانا بندھا ہوا تھا۔ چھٹی ہوتے ہی وہ دسترخوان بچھاتے اور کان میں جنیؤ اڑستے ہوئے بسم اللہ کہہ کر ماحضر تناول فرماتے۔ مٹی کے کوزے میں صراحی کا ٹھنڈا پانی انڈیلتے، غٹاغٹ کرتے اور وہیں چٹائی پر قیلولہ کے لئے دراز ہوجاتے۔ عصر کی اذان پر ان کے کان لگے رہتے کہ یہ وقت ان کے اشنان کا ہوتا تھا۔ شام کو وہ مسجد کی سیڑھیوں پر دیکھے جاتے۔ راتوں کو وہ اکثر عشائیہ کے بعد حافظ جی کے ٹھئے پر گنجفہ کھیلتے ہوئے نظر آتے جہاں لوگوں کی بھیڑ لگی رہتی اور پیچوان کا خمیرہ مہکتا رہتا۔

دادا، اپنے وقتوں کے پرانے سپاہی تھے۔ کہا جاتا ہے کہ نجیب آباد کے قلعہ سے ڈاکو کو گرفتار کرنے میں انہوں نے انگریز افسر نیگ صاحب کی مدد کی تھی اور وکٹوریا کراس سے سرفراز ہوئے تھے۔ ابھی ریکھیں بھی نہیں پھوٹی

تھیں کہ دادا نے ابا کو پولیس میں بھرتی کرادیا۔ اس وقت سولہ برس کے تھے اور انہوں نے مڈل پاس کیا تھا۔ ابا جب پولیس میں بھرتی ہوئے تو بہت روتے تھے۔ انہیں اپنا گاؤں بکھریا اور بوا بہت یاد آتی تھیں۔ وہاں کے باغ بغیچے کھیت کھلیاں ندی نالے نہریں اور تالاب انہیں بلاتے تھے۔ بھیڑ بکریاں، گائیں بھینسیں، بیلوں کی جوڑیاں، رتھ اور بیلی سبھی کچھ وہ گاؤں میں چھوڑ آئے تھے اور بڑ کا وہ بوڑھا درخت بھی جس کی چھاؤں میں انہوں نے اپنا بچپن اور لڑکپن گزارا تھا اور اکھاڑے کی بھربھری مٹی جہاں بچن ماموں کے ساتھ انہوں نے ڈنڈ بیٹھک لگانا سیکھے تھے اور وہ میلوں ٹھیلوں کے دنگل بھی جہاں انہوں نے لنگر گھما کر کشتیاں جیتی تھیں اور نام کمایا تھا۔

ان کی شہرت صندل کی خوشبو کی طرح جب چار دانگ پھیلی تو ان کی کشتی دانی سے خوش ہو کر ہمارے نانا نے انہیں اپنی فرزندی میں لینا قبول کرلیا تھا جن کے بارے میں مشہور تھا کہ اپنی جوانی کے زمانے میں انہوں نے گڑ سے بھری ہوئی گاڑی کو اپنی پشت پر اٹھالیا تھا۔

ابا تفتیشوں میں اور اماں نمازوں میں کھوئی رہتیں۔ ابا کوتوالی سے کب گھر آتے اور کب جاتے، یہ مجھے ٹھیک سے یاد نہیں۔ تیج تیوار کے موقعوں پر میرے ابا مجھے پولیس کی گاڑی میں گھمانے لے جاتے تو سڑک پر چلتی بھیڑ رک جاتی۔ دوکاندار کھڑے ہو کر بندگی اور آداب بجا لاتے، نامی بدمعاش اور چھٹے ہوئے غنڈے کنی کترا کر گلیوں، کھدروں میں چھپتے پھرتے۔ گھر میں مٹھائیوں اور پھلوں کے ٹوکروں کا ڈھیر لگ جاتا۔ اماں ان سوغاتوں پر نظر ڈالتی اور ہرکارے کے ہاتھوں محلے میں تقسیم کرادیتی۔

کبھی ابا موج میں آجاتے تو ناڈیا، جان کاؤس کی بولتی فلم دیکھنے کے لئے سپاہی ساتھ کردیتے جو ہمیں یکے میں بٹھا کر سینما لے جاتا۔ فلم میں ناچ گانا اور لڑائی دیکھ کر میں حیران رہ جاتا۔ کبھی بجلی فیل ہوجاتی تو اگلی صفوں کے تماش بین تھیٹر کے مالک منگل سین کا نام لے کر زور زور سے گالیاں بکتے اور بجلی آتے ہی منہ سے سیٹیاں بجا کر تانبے کے سکے پھینک کر اپنی خوشی کا اظہار کرتے۔

اماں کو بس محفل سماع سے دلچسپی تھی۔ سنا ہے کہ ریلوے لائن کے متوازی بابا برچھی بہادر کے سالانہ عرس میں اماں شریک ہوتیں جہاں بیٹھ کر وہ قوالیاں سنتیں۔ پردے کا معقول انتظام رہتا۔ حبیب قوال سے سلطان جی کے چہیتے خسرو کا قول ترانہ سن کر محفل وجد میں آجاتی۔ اماں پھولوں کی چادر چڑھاتیں، نذر نیاز گزارتیں اور میرے انگلی تھام کر گھر آجاتیں۔ قوالی کی اس محفل میں میں نے شاستری جی، حافظ سمیع الدین اور مکھن والے صوفی جی کو دیکھا تھا۔ اکثر شاستری جی کو حال آجاتا اور رقص بسمل شروع کردیتے۔ انہیں سنبھالنے والوں میں حافظ جی اور مکھن والے صوفی جی پیش پیش رہتے۔

شام کو میں اکثر دروازے پر کھڑے ہو کر چلتی ہوئی سڑک کا منظر آنکھوں میں اتارتا رہتا۔ سڑک پر ڈھکیلیں اور ڈولیاں چلتی تھیں جن میں پردے دار بیبیاں بیٹھتی تھیں۔ ایک آدھ تانگہ بھی ناہموار سڑک پر کھڑکھڑاتا ہوا گزر جاتا۔ ہمارے گھر کے نکڑ میں سامنے والی اٹاری میں پرکاش رہتا تھا۔ جس کے ساتھ خالی وقت میں کنچوں سے کھیلنا میرا شغل تھا۔ وہ اتنا کم بولتا تھا کہ مدرسے کے سبھی لڑکے اسے گونگا کہہ کر چڑاتے تھے مگر اس کی کم گوئی کی عادت مجھے بہت بھاتی تھی۔ اٹاری کے جنگلوں کے پیچھے سیاہ لباس میں ایک عورت نظر آتی تھی۔ جو کبھی ہنستی تھی اور کبھی روتی تھی۔ مجھے دیکھ کر وہ اکثر اشاروں سے بلاتی۔ جہاں تک میرا قیاس جاتا ہے وہ ہو نہ ہو، پرکاش کی ماں تھی۔

کوتوالی کے باہر پینٹھ کا بازار لگتا تھا۔ جہاں سبزیاں ترکاریاں کوڑیوں کے مول بکتی تھیں۔ حلیم اور بریانی کی دیگیں اہتمام سے سجائی جاتیں۔ یہیں بھگوان داس کے دہی بڑے بھی ملتے تھے۔ سلام سوڈے والے کی دوکان تھی جہاں میمن سوڈے کی بوتل دو پیسے میں آتی تھی۔ بوتل کے اندر شیشے کی گولی ہوتی تھی جسے انگوٹھے سے دبا کر کھولا جاتا تھا۔ عبدالرحمن جلیبی والے کی دوکان سے ایک پیسے میں دونہ بھر جلیبی آتی تھی۔ بازار کی سیر کو میں جب بھی جاتا، پرکاش میرے ساتھ ہولیتا۔ اپنی طرح میں نے اسے بھی چٹورا بنادیا تھا۔ کھانے پہننے کی سبھی چیزیں مفت ملتی تھیں۔ پیسے دو تب بھی کوئی نہیں لیتا تھا۔ ابا کی سارے علاقہ میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی۔

مجھ پر عجیب اضطراب کا عالم تھا۔ کئی دنوں سے پرکاش دکھائی نہیں پڑا تھا۔ وہ مدرسے سے بھی غیر حاضر تھا۔ شام کے جھٹپٹے کی ایک خاص ساعت میں سیڑھیاں پھلانگتا ہوا میں اوپر چڑھ گیا۔ اس کے نرغرے سے آئی ہوئی آوازوں پر مجھے گمان ہوا جیسے اسے کوئی ذبح کررہا ہے۔ جنگلے والی عورت اس کے سر پر ٹھنڈی پٹیاں بدل رہی تھی۔ اندر کے کمرے میں کوئی تلاوت کررہا تھا۔ جب میں واپس جانے کے لئے اٹھنے لگا تو میں نے ایک ادھیڑ عمر شخص کو باہر آتے دیکھا جس کے جھاڑ جھنکار سر پر پھندنے والی ترکی ٹوپی ٹکی ہوئی تھی۔ اٹنگے پجامے اور چاک گریباں ڈوری کے کرتے میں اس کی ہئیت گدائی دیکھتے بنتی تھی۔ منہ سے پان کی پیک بہتی ہوئی میلے ململی کرتے پر شفق رنگ لالی پھیلارہی تھی۔ اگر یہ مکھن والے صوفی جی تھے تو ان کے ماتھے پر چندن کا ٹیکا کیوں لگا ہوا تھا۔ کیا انہوں نے شاستری جی سے اپنی جون بدل لی تھی؟ عجب ماجرائی کیفیت تھی کہ خواب اور حقیقت میں امتیاز کرنا دشوار ہورہا تھا۔

اکثر وہ مجھے اپنے بڑے سے گھر میں لے جاتی جس کی اوپری منزل میں گول کمروں کی بھول بھلیاں تھی۔ وہ کسی ایک کمرے میں چھپ جاتی اور جب میں اسے ڈھونڈ ڈھونڈ کر تھک جاتا تو وہ دھیمی آواز میں ہنستے ہوئے کہتی۔ فیاض ہم یہاں ہیں اور جب کسی طرح میں آواز کا تعاقب کرتا ہوا عود وعنبر میں بسے کمرے تک پہنچتا تو وہ "ہا" کی آواز کرکے مجھ سے لپٹ جاتی۔ میں خود کو چھڑانے کی جس قدر کوشش کرتا وہ اسی قدر زور سے مجھے

بھینچتی کہ میرے پسلیاں چیخ جاتیں ۔ جب ہم دونوں بھول بھلیاں سے باہر آتے تو اس کا چہرہ گلنار ہوجاتا اور وہ نظریں جھکالیتی ۔ میں تقریباً کھسیانہ ہو کر کہتا ۔ میں تمہارے ساتھ نہیں کھیلوں گا ۔ اب مجھے جانے دو ۔ ورنہ بابو جی کو تمہاری شیطانی بتادوں گا ۔

" ہاں جاؤ بتادو ، مگر یاد رکھنا ، میں بھی تمہیں مکھن کی ٹکیا نہیں دوں گی "

ایسے ہی تکرار کے ایک دن میں نے بابو جی کو دیکھا تھا ۔ جو صوفی جی کے نام سے جانے جاتے تھے اور جن کا گائے چھاپ مکھن ہمارے شہر میں مشہور تھا ۔

کوتوالی کی بڑی میز پر کرسی ڈالے اٹھی ہوئی مونچھوں والے کوتوال شہر بیٹھے تھے ۔ ان کا چہرہ بیر بہوٹی کی طرح سرخ تھا ۔ وہ ہونٹوں میں چرٹ دبائے انجن کی طرح دھواں نکالتے رہتے اور ان کے گھوڑے کا سائیس ان کی ٹانگیں دباتا رہتا ۔ میں نے انہیں بہت کم بولتے دیکھا تھا ۔ پولیس کے اہلکار روزنامچہ لئے مودب کھڑے رہتے اور آنے جانے والے ملزموں کا احوال ان کے گوش گزار کرتے رہتے ۔ وہ پورے صوبے کے اکیلے ناخواندہ انسپکٹر تھے ۔ کبھی کوئی انگریز افسر معائنہ کے لئے آتا تو خوشدلی کے ساتھ ان سے ہاتھ ملاتا ۔ انہوں نے آمنے سامنے کی لڑائی میں آدم خور شیر کو مار گرایا تھا ۔

ایک دن میں سو کر اٹھا تو میں نے دیکھا لمبی کرسی پر ان کی جگہ کوئی اور بیٹھا ہوا تھا ۔ میں جلیبی کی بٹرک میں عبدالرحمن جلیبی والے کی دوکان پر جارہا تھا ۔ ابھی میں کوتوالی کے پھاٹک تک ہی پہنچا تھا کہ پہرے دار اور سپاہی نے مجھے ڈپٹ کر آنے جانے سے روک دیا ۔ میں کچھ سمجھا نہیں ۔ میں نے بس زور زور سے رونا شروع کردیا ۔ وہ مجھے سمجھا بجھا کر گھر چھوڑ گیا ۔ اماں مصلی پر بیٹھی ہوئی فی امان اللہ کا ورد کررہی تھیں ۔

اس دن میں بہت رویا اور روتے روتے کب سوگیا مجھے یاد نہیں ۔ شام کو اندھیرا ہوا تو میری آنکھ کھل گئی ۔ اماں نے لالٹین جلادی تھی جس کا چمنی کا بڑا حصہ دھوئیں سے کالا پڑچکا تھا ۔ کوتوالی والے گھر کی ایک کھڑکی سڑک کی طرف کھلتی تھی ۔ میں نے کھڑکی کے جنگلے سے سر لگا کر دیکھا ۔ ہو حق سناٹا تھا ۔ سڑک ویران پڑی تھی ۔ مسجد کی سیڑھیاں سونی نظر آرہی تھیں ۔ دور دور تک نمازی دکھائی نہیں دے رہے تھے ۔ حالانکہ اذان کی آواز میرے کانوں میں گونجی تھی ۔

ابا جب بہت دیر تک کوتوالی سے نہیں لوٹے تو میں اماں سے اجازت لئے بغیر نکل کھڑا ہوا کہ ابا کو دیکھ آؤں آخر میں کس حال میں ہیں ۔ میں بلی کی طرح آہستہ آہستہ پنجوں کے بل گھر سے باہر نکلا ۔ ہنڈے کی ملگجی روشنی ہانپ رہی تھی ۔ ہلکی ہلکی بوندا باندی کالی بارش میں بدل چکی تھی ۔ ہنڈے کی دم توڑتی ہوئی روشنی میں دکھائی پڑا کہ کوتوالی کے صحن میں کچھ لوگ پانی میں پڑے بھیگ رہے تھے ۔ حوالات میں لوگوں کا اژدہام تھا ۔ اندر سے عجب سی پراسرار آوازیں آرہی تھیں ۔ جیسے انہوں نے عفریت دیکھ لیا تھا اور اسے دیکھ کر ڈر گئے تھے ۔

نزدیک جا کر میں نے دیکھا ۔ اوندھے منہ پڑے لوگوں کے چہرے دکھائی نہیں پڑرہے تھے ۔ مجھے دھیان پڑتا ہے کچھ لوگوں کے چہرے تھے ہی نہیں ۔ دھڑ سے ان کے سر غائب تھے ۔

میں تیزی سے دوڑتا ہوا کوتوالی سے باہر نکل گیا ۔ کسی انجانے خوف سے میرا دل کبوتر کی طرح لرز رہا تھا ۔ گہرا سناٹا میرے قدموں کی آواز سے شکست ہورہا تھا ۔ سامنے نظر آنے والی اٹارنی سونی پڑی تھی ۔ مجھے لگاوٹ سے اشارے کرنے والی عورت غائب تھی ۔ تو پھر پرکاش کا کیا ہوا ؟ ہر سوال تشنہ کامی کی حدوں کو چھوتا ہوا میرا منہ چڑا رہا تھا ۔ مکھن والی بلڈنگ ہیبت ناک سناٹے میں ڈوبی ہوئی تھی ۔ میں سیڑھیاں پھلانگتا ہوا بھول بھلیاں تک جا پہنچا ۔ اپنے پھیپھڑوں کی پوری قوت سے میں نے آواز لگائی ۔ تم کہاں ہو تم کہاں ہو ۔

" ڈھونڈ سکو تو ڈھونڈ لو ۔ ہم یہاں ہیں ۔ ہم یہاں ہیں " تلاش میں ناکام ہو کر بیحد سراسیمگی کے عالم میں میرے قدم خود بخود مدرسے کی طرف اٹھتے گئے ۔ اور پھر وہ خونچکاں منظر دیکھ کر میرا دل دہل گیا ۔ شاستری جی کا سر ، خوان پوش میں سجا رکھا تھا اور حافظ جی اور مکھن والے صوفی جی گریہ میں مصروف تھے ۔

سامنے سیاہ تختے پر تحریر تھا ۔ رب نام اللہ کا ۔

صدر انڈونیشیا میگاوتی سکارنوپتری نے حیدرآباد کے دورہ کے موقع پر گورنر ڈاکٹر رنگاراجن سے ملاقات کی

مجھ میں بھی صلاحیتیں موجود ہیں!

دینو موریہ سے انٹرویو

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

ماڈلنگ کے میدان میں اپنے آپ کو منوانے کے بعد کامیاب ماڈل اب فلموں کا رخ کرنے لگے ہیں جہاں وہ فلموں میں بھی اپنا سکہ جمانا چاہتے ہیں۔ ایسا ہی ایک ماڈل دینو موریہ ہے فلموں میں آنے سے قبل اسکے معاشقے اکثر کئی ماڈلس کے ساتھ اخبارات میں چھپتے رہے ہیں۔ بپاشا باسو سے اسکے رومان کے چرچے بھی رہے۔ اینگلو انڈین نژاد کے دینو موریہ کا جنم بنگلور میں ہوا۔ کالج کے دنوں سے ہی اسے ماڈلنگ کے آفرز آنے لگے تھے اسے فلموں میں کام حاصل کرنے کے لئے کوئی خاص جد و جہد نہیں کرنی پڑی۔ دینو موریہ نے اپنے فلمی کیریئر کا آغاز فلم "پیار میں کبھی کبھی" سے کیا۔ جس میں انکی ہیروئن رنکی کھنہ تھی اسکے بعد وکرم بھٹ کی "راز" ریلیز ہوئی جس نے باکس آفس پر کامیابی کا ایک غیر معمولی ریکارڈ قائم کیا۔ آج دینو موریہ کافی مصروف ہے پچھلے دنوں بندھک کے سیٹ پر ان سے ملاقات کا ایک موقع حاصل ہوا جسکا خلاصہ یہاں پیش ہے۔

س۔ پیار میں کبھی کبھی اور راز کے دینو موریہ میں کیا فرق ہے؟

ج۔ پیار میں کبھی کبھی میری پہلی فلم تھی اس وقت تک میرے تجربے کچھ نہیں تھے۔ راز کی کامیابی کے بعد مجھے اس بات کا احساس ہوچکا ہے کہ مجھ میں صلاحیتیں ہیں۔ بہتر رول مل جائے تو میں اپنی ایک علحدہ پہچان بنا پاؤں گا۔

س۔ راز کی کامیابی کا کریڈٹ آپ کس کو دینا چاہتے ہیں؟

ج۔ کامیابی یا ناکامی کا ذمہ دار یونٹ کا ہر فرد ہوتا ہے لیکن راز کی کامیابی کا حقیقی حقدار وکرم بھٹ، ندیم شراون اور سمیر ہیں۔ بپاشا کی اداکاری متاثر کن تھی میں اپنے منہ میاں مٹھو نہیں بننا چاہتا۔ یہ آپ پریس والے جانتے ہیں۔

س۔ بپاشا سے آپ کا رومانس چل رہا ہے ایسے میں راز میں ایکساتھ کام کرنا کیسا لگ رہا تھا؟

ج۔ ہم نے اپنی دوستی کا بھرپور فائدہ اٹھایا ہم ایک دوسرے سے اس قدر مانوس ہیں کہ شوٹنگ کے دوران ہمیں کچھ نئے پن کا احساس نہیں ہوا۔ اس فلم میں بپاشا کی جگہ کوئی دوسری اداکارہ ہوتی تو شاید مجھے بلا خوف آزادانہ مناظر کرتے ہوئے یقینا دقت اٹھانی پڑتی۔

س۔ آپ کی فلم "بندھک" کے بارے میں کچھ بتائیں؟

ج۔ بندھک ایک سچا واقعہ ہے جس میں ایک آئی اے ایس گھرانے کی عصمت ریزی کی گئی تھی اس فلم میں، میں ایک پولیس انسپکٹر ہوں جو آپ دیکھ رہے ہیں۔

س۔ فی الحال آپ کے پاس کتنی فلمیں ہیں؟

ج۔ وکرم بھٹ کی "کل یگ"، سنے ویسٹا کی "سیمائیں" جسے پونیت ایسر ڈائرکٹ کررہے ہیں۔ کل یگ کی کہانی انڈر ورلڈ مافیا ڈان کے اردگرد گھومتی ہے۔ اسکے علاوہ مزید چار چھ فلموں کی پیشکش ہے جس پر غور کررہا ہوں۔

س۔ مستقبل میں آپ کو اپنے دینو موریہ سے کتنی امیدیں ہیں؟

ج۔ بس امید کا ہی سہارا ہے ورنہ سب بے سہارے ہیں۔ میں نے کوشش کا آغاز کیا

ہے۔ توقع ہے رفتہ رفتہ میری یہ کوششیں پختگی اختیار کرتی جائینگی۔ ایک سے دو فلمیں ہٹ ہوتی ہیں تو مجھو میری محنت اور صلاحیت رنگ لانے لگی ہیں۔

س۔ آپ کس اداکار کو اپنا حریف ملتے ہیں؟

ج۔ میری کسی ایکٹر سے مقابلہ آرائی نہیں ہے میں تین چار فلموں میں کام کرکے مطمئن رہنا چاہتا ہوں۔ میں فلمیں زبردستی حاصل کرنے کے لئے یہاں نہیں آیا شہرت اور دولت میری پاس ہے ہی میں تو اپنے کام سے انجوائے کررہا ہوں۔

س۔ فلم انڈسٹری میں کامیاب ہونے کے لئے آپ ایک اداکار میں کن خوبیوں کا ہونا ضروری سمجھتے ہیں؟

ج۔ میرے اصول بہت واضح ہیں میرا خیال ہے کہ اگر آپ کا مقصد اچھا ہے تو آپکی تعریف ضرور ہوگی اسکے علاوہ انڈسٹری میں پروفیشنل ہونا کافی مددگار ثابت ہوتا ہے۔

س۔ کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ فلم انڈسٹری کیریئر کافی غیر محفوظ ہوتا ہے آپ کا اس بارے میں کیا خیال ہے؟

ج۔ میں نے ابھی تک اپنے کیریئر میں عدم تحفظ محسوس نہیں کیا جب میں اپنے ماڈلنگ کیریئر کی بلندی پر تھا تب میں نے فلموں کی راہ لی پھر یہاں اپنے کام سے کام رکھے خوش ہوں۔

آڈیو ریلیز

"درگا" اس سال کے بہترین رومانی نغمے

فلم ستیہ کے بعد ہیرو جے ڈی چکرورتی کی فلم "درگا" کے گیتوں کے خوب چرچے ہیں جسے خود انھوں نے پروڈیوس اور ڈائرکٹ کیا ہے۔ ایک حساس رومانی کہانی پر بنائی گئی اس فلم کے گیت بھی اس سال کے بہترین رومانی گیت ثابت ہورہے ہیں۔ "درگا" کے آڈیو کیسٹس یونیورسل کمپنی نے ریلیز کئے ہیں جسکی موسیقی ودیا ساگر نے ترتیب دی ہے جبکہ گیت سدھاکر شرما کے ہیں فلم میں کل آٹھ دل کو چھولینے والے

گیت ہیں جن میں "کل تک میں، تھوڑی سی شرارت، دو دل ہم نے تمکو، کرو کرو سلام" سائیڈ بی میں "ہم اور تم، ہے چھما، بارہ سے کلاس" میں شامل ہیں جنہیں شان، سونو نگم، سادھنا سرگم، کے کے، ہری ہرن، ہیما سردیسائی، ادت نارائن، جسپندر نرولا جیسے چوٹی کے گلوکاروں نے آوازیں دی ہیں جو تمام شہروں میں کامیابی کے اعتبار سے سرفہرست ہے۔

"ہلڑ کا ہلڑ" مزاحیہ مشاعرہ کا ایک یادگار کیسٹ

نامور ہندی شاعر ہلڑ مرادآبادی کا ایک مزاح سے بھرپور مزاحیہ مشاعرہ کا آڈیو کیسٹ پہلی بار وینس ریکارڈس کمپنی نے جاری کیا ہے۔ جو طنز و مزاح سے بھرپور ہے۔ انہوں نے مزاح کے ذریعہ موجودہ حالات مسائل واقعات، ماحول کو بھرپور نشانہ بنایا ہے اور بے پناہ داد بھی حاصل کی ہے اس کیسٹ میں کل بیس مزاحیہ کلام شامل ہیں جن میں "سال آیا ہے نیا، نیا سال، غریب داس کے چار بیٹے، بنا ٹکٹ، ڈاک، لطیفے سنے بھائی، ددار دو ہے، غلط انگریزی، جیوتش کا چمتکار، کیا کریگی چاندنی، عشق مت کرنا، اچھا ہے پر کبھی کبھی، چھند، بوتلوں سے کیا کہ، جھری تلیا، گلی میں گلی، انکم ٹیکس کوئی جیسے متاثر کن کلام ہے یہ کیسٹ پر ہے جنہیں نان اسٹاپ

قہقہوں کے ساتھ سنا جاسکتا ہے۔ اس کیسٹ کے بارے میں اتنا کہا جاسکتا ہے کہ ایسے کیسٹس برسوں میں کبھی کبھی ریلیز ہوتے ہیں۔

"سوچ" ایک اور دل لبھاتے گیتوں کا کیسٹ

جتن للت کی دھنوں اور سمیر کے گیتوں سے مزین فلم کے آڈیو کیسٹ "سوچ" کو

یونیورسل کمپنی نے جاری کیا ہے جسکے سبھی گیت متاثر کرتے ہیں اس فلم میں کل چھ گیت شامل ہیں جو متاثر کرتے ہیں جس میں "تو ہے لیکے سنوریا، ہنستا ہے رلاتا ہے، یادیں بنیں پرچھائیاں، دل ڈھونڈے، اے میرے صنم" شامل ہیں جو شائقین موسیقی کا دل جیت لیتے ہیں ان گیتوں کو سونو نگم، رچا شرما، شوبتیا، شاردا، الکا یاگنک، کمار شانو، آشا بھونسلے، کے کے، نے آوازیں دیکر اور بھی مدھر بنادیا ہے۔

میں اپنے کیریئر سے مطمئن نہیں ہے۔ اس لئے اس نے علاقائی فلموں میں اپنی قسمت آزمانے کا فیصلہ کیا ہے۔ اس نے حال ہی میں ایک بنگالی فلم "سودیش" سائن کی ہے جس میں اسکا مرکزی کردار ہے۔ تندیتا کو اب احساس ہوچکا ہے کہ آرٹ فلموں کی اس اداکارہ کو کوئی ہندی فلمساز گھاس نہیں ڈال رہا ہے کبھی وہ بوڑھے امیتابھ کی بیوی بنی ہے تو کبھی سنجے دت کی تین بچوں کی ماں۔

سیتن کیا تھا اب ماں کا رول کیسے نبھائیگی۔

سلمان خان اور ایشوریہ رائے پھر ایکساتھ

اسٹائل کے بعد این چندرا بہت جلد اپنی نئی فلم کا آغاز کرنے جارہے ہیں جس کا نام انہوں نے "ایکسکوز می" ExcuseMe رکھا ہے لیکن بتایا جاتا ہے کہ سلمان اور ایشوریہ کے اختلافات نے این چندرا کی ناک میں دم کرر کھا ہے اور وہ بہت جلد اپنی اس فلم کے لئے متبادل فنکاروں کے بارے میں غور کررہے ہیں۔

ریکھا نے سب کو حیرت زدہ کردیا

واقعی ریکھا کو آٹھواں عجوبہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔ ریکھا کی ہمعصر اداکارائیں تو دور کی بات ہے مادھوری ڈکشٹ اور آجکل کی اداکارائیں بھی ریکھا کے سامنے ریکھا سے بڑی عمر کی نظر آتی ہیں۔ پچھلے دنوں مشہور فلمی فوٹوگرافر جگدیش مالی کے تصاویر کی نمائش تھی جسکا اہتمام جہانگیر آرٹ گیلری بمبئی میں کیا گیا تھا جہاں ریکھا نے اسکا افتتاح کیا۔ ریکھا کو دیکھ کر لوگوں

فلمی خبریں

ایشوریہ کا رجنی کانت کو جھٹکا

کل کی اداکارہ ایشوریہ رائے نے تمل، کنڑ اور تلگو فلموں کے معروف اداکار و سوپر اسٹار کو اس وقت زور کا جھٹکا دیا جب رجنی کانت نے ایشوریہ رائے کو اپنی فلم میں کام کرنے کے عوض اسے ۴۵ لاکھ روپیئے معاوضہ ادا کرنے کا پیشکش کیا۔ بادثوق ذرائع کا کہنا ہے کہ ایشوریہ رائے نے رجنی کانت کو یہ کہتے ہوئے انکی فلم میں کام کرنے سے انکار کردیا کہ وہ اس فلم میں کام کرنے کا معاوضہ کم از کم ایک کروڑ لیگی۔ واضح ہو کہ رجنی کانت کی یہ فلم تمل، تلگو، کنڑ کے علاوہ ہندی میں ڈب کرکے ریلیز کی جانے والی تھی۔

تبو نے بابی دیول کی ماں بننے سے انکار کردیا

جیسے چاندنی بار کے ہٹ ہوتے ہی تبو نے اپنا معاوضہ ایک کروڑ کردیا ہے کی ختم ہوچکی اداکاری کو دیکھ کر سبھی پروڈیوسر ڈائرکٹر نخرے باز تبو کی قیمت سن کر اس سے بدکنے لگے ہیں۔ پچھلے دنوں یہ بات معلوم ہوئی کہ سنی دیول نے اپنی فلم شہید بھگت سنگھ میں تبو کو بابی دیول کی ماں کا رول پیش کیا تھا جسے قبول کرنے سے تبو نے انکار کردیا۔ تعجب ہے تبو نے حال ہی میں بابی کے ساتھ کافی گرما گرم فوٹو

تندیتا داس اب علاقائی فلموں میں قسمت آزمائیگی

بلیک بیوٹی تندیتا داس کی فلم "لال سلام" ریلیز ہونے کو ہے لیکن وہ ہندی فلموں

نے اپنی انگلیاں دانتوں میں دبالی۔

رانی مکرجی فلم پروڈیوس کررہی ہے

اداکارہ رانی مکرجی بحیثیت فلمسازہ اپنی ہوم پروڈکشن فلم کی شروعات کرنے جارہی ہے جسکی باقاعدہ شوٹنگ کا اپریل کے اواخر سے آغاز ہوگا اس فلم کے لئے تمام کاغذی تیاریاں مکمل کرلی گئیں ہیں اسٹار کاسٹ کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔ اتنا ضرور کہا جاسکتا ہے کہ رانی کی اس فلم

میں گووندا نہیں ہوگا۔

بپاشا بنی یش چوپڑہ کے فلم کی ہیروئن

جب سے راز ہٹ ہوئی ہے بپاشا باسو کے آگے پیچھے فلمسازوں کی قطار لگی ہوئی ہے۔ بتایا جاتا ہے کہ راز کو سائن کرنے کے بعد اس نے آدھا درجن فلمیں سائن کی ہے آنکھیں اسکی ایک اور فلم ہے اعتبار کی شوٹنگ جاری ہے۔ اب یش چوپڑہ کی انگریزی سے ہندی میں بنائی جارہی انگریزی کی ہٹ فلم " مائی بسٹ فرینڈز ویڈنگ " میں جولیا رابرٹ کا کردار بپاشا باسو نبھارہی ہیں اس فلم میں یش چوپڑہ کے فرزند ادے چوپڑہ ہیرو ہونگے۔

شوٹنگ رپورٹ

سنجے کپور، رویینہ ٹنڈن کی "سوچ" مکمل

زی کے فلمس پرائیوٹ لمیٹڈ کے بیانر پر بنائی جانے والی " سوچ " اس ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے جسے سوشین بھٹناگر ڈائرکٹ کررہے ہیں۔ جتن للت نے اس فلم کی موسیقی دی ہے فلم میں سنجے کپور، رویینہ ٹنڈن، آدتی گوتریکر، ارباز خان اور ڈینی نے اہم کردار نبھائے ہیں۔

چندر چوڑ سنگھ، دپتی بھٹناگر کی "شیوا" پچاس فیصد مکمل

چندر چوڑ سنگھ، دپتی بھٹناگر، شرد کپور، سلیل انکولہ، گلشن گرور، قادر خان کی اسٹار کاسٹ پر بن رہی دی فائن آرٹ کی فلم " شیوا " اس ہفتہ پچاس فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔ سنیل بوہرہ کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کی موسیقی سنجیو درشن دے رہے ہیں۔

گووندا، مہیما کی "مستانہ" ریلیز کے لئے تیار

یونائیٹڈ فلمس کمبائن کی فلم " مستانہ " تمام مراحل کی تکمیل کے بعد ریلیز کے لئے تیار ہے۔ پارتھو گھوش کی ہدایت میں بنی اس فلم میں گووندا، مہیما چودھری، جیکی شراف، ٹیکو تلسانیہ، جسپال بھٹی نے اہم کردار نبھائے ہیں موسیقی راجیش روشن کی ہے۔

رہتک روشن، پریتی زینٹا کی "کوئی مل گیا" تیزی سے شوٹنگ جاری

فلم کرافٹس پروڈکشن کی نئی فلم " کوئی مل گیا " کی بمبئی کے مختلف مقامات پر تیزی سے شوٹنگ جاری ہے اس فلم میں رہتک روشن، پریتی زینٹا، ریکھا، پریم چوپڑہ، راجیو ورما، مکیش رشی، رجت بیدی، جانی لیور اہم کردار نبھارہے ہیں۔ فلم کو راکیش روشن ڈائرکٹ کررہے ہیں جبکہ موسیقی راجیش روشن کی فراہم کردہ ہے۔

مانک چند فلم فیئر ایوارڈس کی تقریب میں سنجے دت اور رتیک روشن نے کاجول کو "کبھی خوشی کبھی غم" کے بہترین اداکارہ اور اظہر الدین و سنگیتا بجلانی نے ایشا پٹیل کو فلم "غدر ایک پریم کتھا" کے لئے خصوصی ایوارڈ پیش کیا

"آوارہ پاگل دیوانہ" مکمل

اکشے کمار ، سنیل شیٹی ، آفتاب شیوداسانی ، پریتی جھنگیانی ، امریتا اروڑہ ، پریش راویل ، اوم پوری ، جانی لیور ، راہل دیو کی کاسٹ پر مشتمل بھیں انڈسٹریز گروپ کی فلم "آوارہ پاگل دیوانہ" اس ہفتہ ڈبنگ ایڈیٹنگ کے بعد مکمل کرلی گئی ہے جسے وکرم بھٹ نے ڈائرکٹ کیا ہے فلم کی موسیقی انو ملک نے فراہم کی ہے ۔

سمیتا ٹھاکرے کی نئی فلم میں گوبندا

روینہ

حسینہ مان جائیگی کے بعد سمیتا ٹھاکرے نے اپنی نئی فلم کا گوبندا اور روینہ ٹنڈن کو لیکر آغاز کیا ہے ۔ انکی پہلی فلم کو ڈیوڈ دھون نے ڈائرکٹ کیا تھا لیکن اس بار انکی یہ فلم انیس بزمی ڈائرکٹ کررہے ہیں گذشتہ ایک ہفتہ سے اس فلم کی شوٹنگ ممبئی کے سویرا اسٹوڈیو میں رات دن جاری ہے ۔ جہاں گوبندا اور روینہ پر ایک رومانٹک گیت بھی فلمایا گیا۔

سنی اور شلپا شیٹی کی قرض کی ڈبنگ

آشنا

آرٹس کی فلم "قرض" اس ہفتہ فلمبندی کی تکمیل کے بعد ڈبنگ کے لئے دے دی گئی ہے ۔ ہیری باویجا کی ہدایت میں بنی اس فلم کی موسیقی سنجیو درشن نے فراہم کی ہے ۔ فلم میں سنی دیول ، سنیل شیٹی ، شلپا شیٹی ، اشوتوش رانا ، سایاجی شنڈے ، کرن کھیر ، جانی لیور نے اہم مرکزی کردار نبھائے ہیں۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل ودماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

impatience with differences of belief and lifestyle. As a policital agenda for education, it upturns all previous policies, including the national education policy approved by Parliament in 1986.

By telling the ministry of HRD and the NCERT to hold on for a minute, the Supreme Court has granted the nation a breather to contemplate education - both is nature and logic. That there is no consensus today about the aims of education is obvious enough; not everybody thinks that education should broaden the mind. What is not so obvious is how vulnerable the system is to political appropriation. It is worth asking why the NCERT and the CBSE are in such a tearing hurry to introduce a massive change in the curriculum of all subjects and at all stages of school education. Surely they know that any process of curriculum renewal depends for its success on teachers awareness and cooperation. Countries which spend far more on education and have higher standards of instruction go through curricular change step by step and after taking their teachers through elaborate preparation. In the present case, neither the NCERT nor CBSE has so much as announced a plan, let alone allocate resources for this purpose.

There is just one satisfactory explanation for their hurry. The volatility of political circumstances seems to have impelled the government to demand speedy work from NCERT and CBSE. The assumption is that once a new curriculum policy is in place in the Centre, the states will follow. As it is, the sphere of NCERT's influence extends to many states in several school sujbects. The ministry of HRD is fully aware of the wideranging opposition to the national curriculum framework and the new syllabi voiced from across the system of education. Despite the lack of even a semblance of consensus, the ministry has chosen to go ahead with its plans. All criticism has been set aside as being politically motivated. Neither the poor professional quality of the exercise, nor its philosophical underpinnings have been acknowledged to be problematic. The fact is that even technical subjects like the sciences and mathematics, from which the Supreme Court has withdrawn its stay order, are being used for ideological objectives.

The fact that a professional matter like curriculum designing has reached the apex court says something about the state of the nation. Institutions established for civil governance and development are today afflicated by incompetence, nepotism and politicisation. Decision-making has lost its sanctity, redressal against wrong measures already taken is all that seems possible, and for that the judiciary is being sought after in the context of a formidable range of problems How the judiciary will cope with the avalanche is not a relevant question. What we should ask is how the nation will cope with such a situation. Gujarat represents a dramatic breakdown of state institutions. Both in terms of their moral basis and functions. If Gujarat is a pointer to the future, it only underscores the need to take education more seriously, for education is a bridge to the future. At this political juncture, we cannot afford to define the goals of education differently from how the Constitution defines the goals of the Indian state. That is what the National Curriculum framework attempts to do.

Commun_alised Curriculum

Sowing Seeds of future Gujarats

By KRISHNA KUMAR

It is hard not to feel like Sisyphus these days, especially if you belong to one of the persuasive professions like teaching and writing. Attainments arduously made by a few generations seem to have slipped out of our hands and fallen into a familiar, deep ditch. Violence continues in Gujarat; its details convey a socio-political situation unmatched in terms of a state government's behaviour. If the goal of democracy is to enhance social efficiency, then both the Gujarat and the Central governments have performed quite poorly. Modern Indian has taken a huge beating in one of its most modernised states. A great project stands broken and bruised.

The president's refusal to take part in the Holi festival has made a moral statement that millions will understand. On the other hand, a statement made by the prime minister remains a puzzle. On the evening of March 13, I heard him say to the press that the country was going through a transition. Naming a crisis as transition smacks of ominous moral indifference. No one seems equipped these days to describe what postsecular India will be like. Without someone actually holding up that vision, it seems a little silly to say that the vision lacks sanity, that it will break the country even if the patient Telugu Desam and others don't break the government. No one needs to be reminded that India lives because it is diverse, that no single order howsoever terrorisingly imposed, can work.

That is commonplace knowledge, but in the times we are in even those who have the charge of planning our children's education have contrary thoughts. The Supreme Court has extended its stay order on the enforcement of the new curriculum and textbooks for the social sciences, including history, and Hindi. The case originated from a writ filed in public interest by Aruna Roy, B. G Verghese, and M.Radhakrishna Tyabji. The petition argues that the new national curriculum has been implemented without the approval of the Central Advisory Board of Education (CABE), the prime agency for facilitating Centre-state cooperation. Participation of the states in any decision - making is essential because education is on the concurrent list. Apart from the grave procedural lapse implied in bypassing CABE, the petition cites the anti-secular perspective of the new curriculum as a reason for seeking its rejection.

The court's decision to maintain its stay order on social sciences and Hindi came a few days before the beginning of the new academic session. Principals and teachers felt relieved that they won't have to negotiate hastily assembled syllabi and textbooks. Across the country, the court's intervention has been appreciated as a much-needed reminder of the meaning of federalism, but its real significance lies deeper. The new national curriculum framework prepared by NCERT is a clever blueprint for ideological indoctrination of the young into a culture of homogeneity and

Denmark. A high standard characterises Danish hotels, most of which offer private facilities with their rooms. Some of the Danish country inns have preserved their old-world charm in the restaurants section, while rooms usually are up-to-date. Holiday centres are apartment hotels sleeping 2 to 8 persons in each apartment or bunglow.

Food & Restaurants : Denamrk offer the traveller a rich variety of delicate food for almost every taste and budget. From local specialities in cosy restaurants or country inns to French 'nouvelle" cuisine in elegent hotels or sophisticated restaurants of International standard.

What to Wear : The four seasons are distinct in Denamrk, so dress accordingly : warm coat and warm clothing are needed for late autumn, winter and early spring. Lighter apparel is fine for the rest of the year. It is always good idea to travel with a raincoat, umbrella and sturdy, comfortable walking shoes.

Currency : The monetary unit in Denmark is the krone (pronounced krona), which is divided into 100 ore (ore-a). The international symbol is DKK, but prices are posted simply as "km" in Denmark.

Language : Most Danes have a working knowledge of English, some speak German and a few French.

Sightseeing : Group sightseeing tours with multingual guides are organised in Copenhagen, Aarhus, Odense and Aalorg. Client can also join regular scheduled tours on an individual basis. The tours are arranged by the Agent.

Taxi : There are taxis available in all the cities and most town in Denmark and drivers usually speak English. A vacant taxi carries the sigh "FRI" (free) in the window.

Passport & Visa : For a stay up to 3 months, travellers require a valid passport. An entry or transit visa is required by some nationalities. Consult the Danish Embassy or Consulate in your home country for further details.

By Bicycle : The gently rolling countryside, good bicycle paths and the quiet side roads make Denmark an ideal country in which to hike. You can rent a bicycle at a number of place in Denmark.

Shopping : Denmark is noted for its exquisite design in handicrafts, porcelain, silver, steel, glass, furs, furniture and, even stereo equipment bearing the hall-mark of Danish craftmanship : simple yet elegant.

Tax Free Shopping : If you buy more than DKK 300 worth of merchandise from one of the hundreds of stores in Denmark displaying the Tax free shopping sign, you will save as much as 20% (less a handling fee) off the purchase price. Refunds are paid on departure from the last EU country you visit, or they are mailed to you. You will also save the Danish value-added tax by having purchases mailed to the address outside Scandinavia, although a shipping charge is added to the price. Ask the shop assistant for details about the tax-free shopping system and always have your passport handy when shopping.

For further details about **Denamrk :** Kindly contact the Royal Danish Embassy, 11-Aurangzeb Road, New Delhi - 110 001.

******

The (then much smaller) town's streets and surrounding countryside inspired a rich pool of images in the writer's head, leading him to produce perhaps the most famous children's stories on earth: the Ughly Duckling and the Emperors New Clothes, in addition to The Little mermaid.

With their steep-roofed half-timbered houses, cobbled town squares, still forests, and mist-dusted sea coves, many places in Denamrk evoke the otherworldly landscapes of a fairtytales.

In south Fyn (funen), which Andersen called "the garden of Denmark" for its rich soil and profuse flora, on little island, is a place that seems hardly touched by the 20th century.

Like fairytales, these small towns have a timeless appeal, an element of fun - and a palce in history.

GREENLAND

Like giant aquatic animals, ancient icerbergs drift languidly in the sea. The sun stays up for many months in summer, and the winter sky is streaked with Northern Lights - which local people believe are connected to the spirits of their ancestors.

If you are looking for the last frontier. It is here, in Greenland, It is the largest island on earth - and North Americas very close neighbour. When the channel freezes, you can walk to Canada.

Self-ruling but politically connected with Denmark, the Greenlandic people are 80% Inuit, related to Canada's Artic populations. Most Greenlanders (including 20% ethnic Danes) are deeply attach to their enormous, unspoiled land, where the waters are chilled by glaciers upto five mile in girth.

The Greenlanders still hunt and fish across the vast spaces here which they want to open up to adventurers who share their love of wild places. Hiking camping, ice-fishing, ski treks, dog sledding, kayaking, and ice golf are some of the ways you can experience.

See it while tourism is in its infancy. Cruise or fly here from Denmark, Iceland, or North America.

How to get Denmark :

By Air : Copenhagen is the gateway to Scandinavia and the Baltic region. SAS (Scandinavian Airlines System) and other airlines operate flights between Copenhagen Airport (Kastrup) and all major airports in the world. Besides, Kastrup is starting point for flights to 11 domestic Danish airports, each of them reached within one four.

By Rail : Denmark can be reached by rail from Germany and Sweden, and domestic routes cover the country with a dense network of services run by DSB (Danish State Railways). Trains are modern, swift, punctual and comfortable. The recent completion of the 11-mile Great Belt bridge and tunnel linking the islands of Funen and Sealand created the first seamless surface connection all the way from the European continent to Copenhagen, at the same time revolutionizing the infrastructure of Danish domestic travel. This technical masterpiece includes the world's second longest suspension bridge (more than 4 miles).

Accommodation : The Danish Tourist Board's annually revised hotel guide lists about 1100 hotels, inns and holiday centres in

there is Nyhavn Canal, lined with old merchants, quarterns (the name Conpenhagen means "merchants" harbour"). At Langelinie quay, the Little Mercmaid of Hans Christian Andersem fame sits perched on a boulder, there are also historic warehouses buildings here, with inviting shops and cafes. And across Sydhavnen is the handsome, residential Christians - havns Canal district, where city dwellers can keep their private boats.

Historic landmarks near the waterfront include : the Danish Royal family's elegant Amalienborg Palace, the baroque Gefion Fountain; and the Danish Resistance Museum (Frihedsmuseet), which portays the Danes' brave efforts against Hitler's occupying Nazis during World War II.

FAIRY TALE TOWN : Denmark's world renowned fairytale writer, Hans Christian Andersen, hailed from Odense, on Funen.

December 1996), have an area of 1,399 miles and the fishing is the main commercial activity. The islands have had Home Rule since 1948, and have never been a member of the Europen community.

Production : Denmark was long considered to be devoid of natural resources but the discovery of oil and gas has made the country, self-sufficient in both, and export started in 1991. There are no metals. However Danes have always had to cultivate the soil and sail the sea. That created an extremely efficient agricultural sector and industries, trade and transport business, which had to compensate, for the lack of resources by well-trained staff, ingenuity and a strong sense of quality.

Industry is highly diversified and has shown a special talent for developing niche products that are competative and in demand on the world market. Danish industry is a reliable contributor to the main growth sectors of international industry, such as biotechnology and information technology.

The Danish business community invests heavily in other countries and the Danish Government has a policy that encourages business in other countries to establish in Denmark.

VIKINGS : The Vikings have a reputation for being a bit rough. The Viking era in Denamrk lasted about 250 years (the 8th to 10th centuries) and these sailors' exploits as plunderers and warriors were fearsome. But for every Norseman that landed a heavy boot on foreign soil (for example, on the shores of North America 500 years before Christopher Columbus), many more stayed at home working as farmers.

Nationwide there are many excavated Viking sites, including battlements and elaborate burial monuments. Many Danish museums, including Copenhagen's National Museum, display troves of Viking treasures, armor clothing, and striking ornamental jewellry (Replicas of Jewellry are on sale at the museum).

CASTLES AND MINOR HOUSES : Some have moats. Some keep sheep and goats. Denmark's thousand - year - old history has left a legacy of more than 800 castles and minor houses sprinkled across the countryside, each one with a unique character and traditions. Today, more than 50 are open to the public, most as museums. But about two dozen castles and mansions open their doors for overnight guests, some are available for meetings and parties.

Visitors will get a rare change to see the grand domestic furnishing and art collections, the great architecture - especially that of the period 1596-1648, when the architecture - loving Christian IV was king and pretty gardens and zoos of the Danish greathouses. You will also get a taste of the comforts that come with living, even if only temporarily, like a Danish country squire.

WATER - FRONTS : Copenhagen harbour, gateway to the Baltic countries, is the biggest cruise port in Europe. Ships churn back and forth between Danish ports, and across the Baltic to St. petersburg, connecting western and eastern Europe.

Long a seafairing people, Danes have crossed oceans to trade, emigrate and get a taste of other cultures. So danish port area is steeped in history. First,

advertisements directed solely to one of the sexes.

Heart disease is the commonest cause of death (28% of deaths among males and 26% among women). Suicide is a frequently mentioned cause of death, but in 1994 it was responsible for only 2.2% of deaths among men and 1.0% among women. The populations general state of health is good.

Denamark in the North Atlantic : The Kingdom of Denmark also includes the world's largest island, Greenland and the Faroe Islands, both in the North Atlantic. Greenland has an ice-free area of 342,000 miles, or the eight times the size of Denamrk. Greenland's population was 55,971 on 1 January 1997, and commercial fishing with the associates processing industries are the mainstay of the economy. Greenland has promising mineral deposits that have been administered jointly by the Greenland Home Rule government and Denmark since 1979 in accordance with the Home Rule Act. Greenland joined the European Community together with Denmark but withdraw on 1 February 1985 after a referendum in 1982.

The Faroe Islands, with a population of 43,747 (31

Castles and Manor Houses

highest standards of living in the world.

Government : Denmark is a constitutional monarchy, with Queen Margrethe II as the head of the state. A popularly elected parliament, Folketinget, governs the country and the

Prime Minister, the nation's chief political officer, usually. comes from the rank of the majority party. The Faroe Islands and Greenland comes under nominal rule from Denmark.

Interesting facts about Danish People : Danes are industrious. Even children want to earn money, and at one time 26% of those aged 7 to 14 years started working their way to the top, especially by delivering newspapers. These opportunities have been restricted somewhat by a European Union directive.

Almost all the households have a television and refrigerator, often also a freezer, of 100 families, 62 have their own dwelling, 8 a summer cottage, 57 one car, 11 two or more cars, 34 a clothes drier, 75 a washing machine, 39 a dishwash, 41 a microwave oven, 75 a video cassette recorder 73 a compact Disc player 45 a personal computer, 33 a telephone answering machine, 38 a mobile telephone, 7 a telex, 10 a modem, 17 a video camera, 21 a CD ROM unit for a computer and 5 private access to the internet.

Female succession to the crown of Denmark is only one of the many examples of women's equal status with men. Danish women were given the right to vote in 1915. Equal pay was introduced as a principle at an early stage, and legislation prohibits
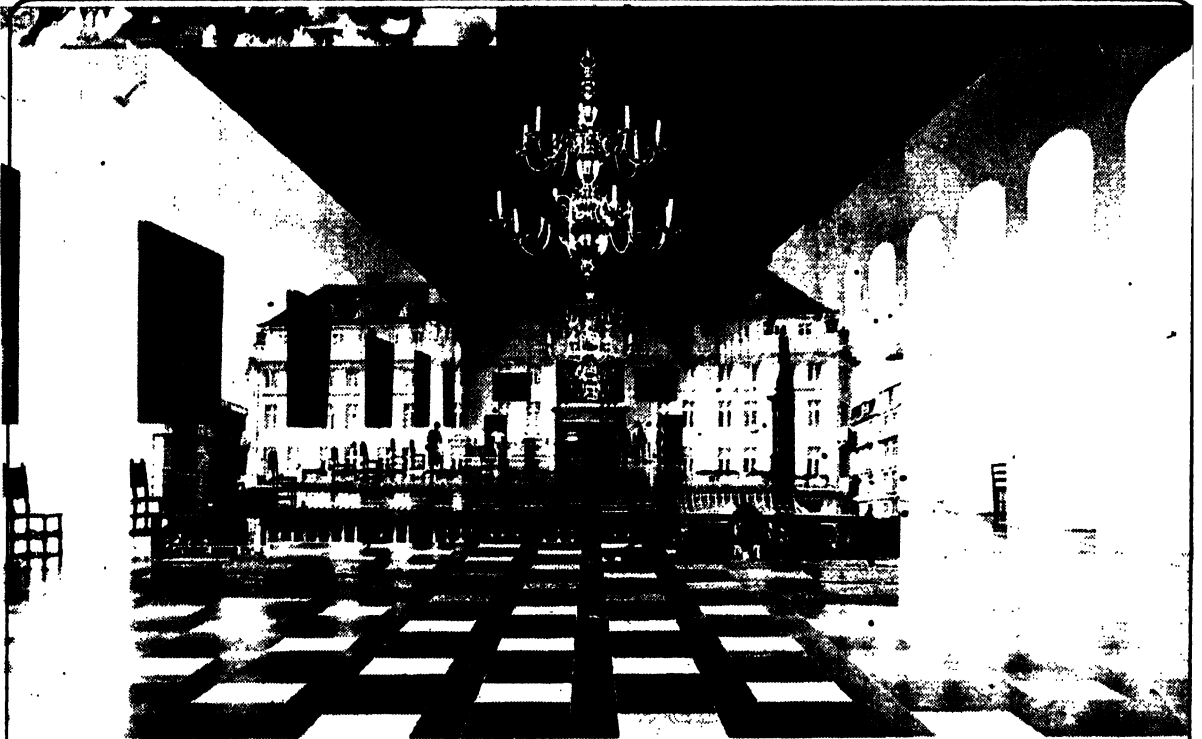
trying to manage auto traffic through their medieval streets, they have simply for bidden it. Much of the city centre is given over to pedestrian streets. The effect is that of a charming but modern town.

But make no mistake : Despite the easy atmosphere, copenhagen is a vivid cultural and political capital. With 63 museums, the royal castle, excellent shopping, casino and a vibrant might life and Tivoli, that magical pleasure garden Copenhagen is a city of beauty and good times. Try the Royal Theatre for ballet, drama, and music. or the pedestrian street, "Stroget" for fashionable, royal tax-free shopping. Other important cities of Denmark are : Arhus (Pop. 281,000), odense (POP. 184,000) and Aalborg (POP.160,000).

History : Danish Vikings ruled the land 1000 years ago. but Demark's History can be traced to prehistoric times. Denamark formed a union with Sweden and Norway in the 14th century, but all three countries are now independent. Denmark was occupied by the Germans in World War II. Today it is an industrialised society with one of the

received Danish Citizenship yearly during the 1980s and 4,000 to 6,000 yearly during the 1990s. New born Danish girls can expected to live to 78 years and boys 73 years.

Climate : Denmark has a temperate coastal climate, which means that temperatures are seldom extremely high or extremely low. February is the coldest month of the year, with an average temperature of -0.4 C, and July is the warmest with an average of 16.6C - a typical temperate island climate. There is usually a fresh wind in Denmark: the average wind speed throughout the year 7.6 m sec. throughout the year which is ideal for generating electricity by wind power. Wind turbines made by Danish companies have become a significant export article to many countries, including major wind parks projects in California.

Capital : Copenhagen, with a metropolitan population of 1.7 million, is the capital of Denmark, as well as the nation's financial and cultural centre. Most capital cities are large, and Copenhagen is no exception. But Copenhagen keeps itself on a manageable scale. Copenhageners prize parks and lakes and canals over tall buildings. And instead of

DENMARK
A Land of Constitutional Monarchy

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

Denamark is in Northern Europe, between the North Sea and Baltic. It is just across the North Sea fromthe United Kingdom, less than 2 hours by air, or an overnight cruise.

Lying just west of Sweden, and bordering Germany to the south, Demark is the bridge - physically and culturally - between Scandinavia and the rest of Europe. Partly Continental, partly Scandinavian and full of experience and fun. There is constitutional monarchy here.

Denmark may be a small country, but it is rich in natural beauty and history with 406 islands and 3,000 miles of sandy beaches, lapped by clean, sparkling seas, it is unique in Northern Europe.

Land & People : The country's total area is about 43,000 sq. km the jylland peninsula is connected to the Continent and has a 68 km. land border with Germany. The rest of the country is made up of 406 islands giving a total coastline of 7,300 km. or one-sixth of the circumference of the Earth. No one in Denmark is more than 52 km. from the sea. No wonder that the Danes were Vikings a few generations ago.

With a population of about 5.3 million, Denmark is not a significant centre of world population, but population has not prevented Denmark from becoming a significant force in science, social organisation and international trade.

The total population on January 1, 1997, was 5,275,121 of which 237,695 or 4.5% are non-Danish citizens, with one third of them from the other Nordic or European countries or from North America. About 3,000 citizens of other countries

داغ دہلوی

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No. **8**, **16-30**, **April, 2002**

REGD.No.H/HD850 REGD.NO.R.N.63767/96

سیاست

کیا یہ دہشت گردی نہیں؟

چیف منسٹر مغربی بنگال بدھا دیب بھٹا چارجی اور چیف منسٹر آندھرا پردیش این چندرا بابو نائیڈو کی ملاقات

لناڈو میں شری کانچی کماکوٹی پیتم مندر اور پیریہ کانچی پورم جامع مسجد بازو واقع ہے اور یہاں دونوں مذاہب کے لوگ مل جل کر رہتے ہیں

جنوبی ممبئی میں شیو سینا بی جے پی کی ریالی کے موقع پر بال ٹھاکرے مائیک کے قریب بیٹھ گئے اور اس منظر کو کیمرہ میں قید کرنے والے شیلیش کو بہترین فوٹوگرافی" کا ایوارڈ دیا گیا

سابق مرکزی وزیر نٹور سنگھ کی بہو اور سابق ماڈل تاشا کی دہلی میں پراسرار موت. تصویر میں دونوں؟ ساتھ ے

Siasat

Vol. 7. HYDERABAD Issue : 7

Editor: ZAHID ALI KHAN 1-15 April - 2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188
NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.
MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT. 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.
SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

سرورق
اڑیسہ اسمبلی پر دہشت گردوں کا حملہ

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

قارئین سے اپیل

گجرات کے فسادات میں سینکڑوں معصوم افراد کی جانیں گئیں
کروڑوں روپئے کی املاک تباہ ہوگئیں۔ کئی غریب اور نادار بے گھر ہوگئے
ان کا سب کچھ چھن گیا، وہ بے یار و مددگار ہیں ۔ان نازک حالات میں

سیاست

متاثرین کی امداد اور بازآبادکاری کیلئے اپنے قارئین سے تعاون کی اپیل کرتا ہے
آپ سے خصوصی تعاون کی درخواست ہے

زاہد علی خان
ایڈیٹر سیاست

نوٹ:
جو حضرات اپنے
عطئے ذریعہ ڈرافٹس
روانہ کرنا چاہتے ہیں وہ

سیاست
ریلیف فنڈ
A/c No. 55905

کے نام روانہ فرمائیں

عطیے: دفتر روزنامہ **سیاست**
جواہرلال نہرو روڈ، عابڈز، حیدرآباد پر روانہ فرمائیں

ایودھیا۔ پوٹو۔ گجرات

وزیراعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی اپنے جاریہ دور اقتدار کے انتہائی سنگین بحران کو ٹال دینے میں فی الحال کامیاب ہوگئے ۔ ماہ مارچ کے آغاز سے ہی بعض ایسے مسائل کا سامنا کرنا پڑا جو نہ صرف حکومت بلکہ ساری قوم کے لئے باعث تشویش بن گئے ۔ ایودھیا میں سپریم کورٹ کے احکام کو بالائے طاق رکھتے ہوئے مندر کی تعمیر کے آغاز کی تیاریاں ، انسداد دہشت گردی قانون POTO کی منظوری کے لئے حکومت کی جلد بازی اور پھر کارسیوکوں کی گودھرا میں ہلاکت کے ساتھ ہی گجرات میں فرقہ وارانہ بنیاد پر نسل کشی کی لہر جسے وزیراعظم نے ہندوستانی قوم کے ماتھے پر کلنک قرار دیا۔ ایسے واقعات تھے جن سے ملک کے سیاسی اتحاد کو خطرہ لاحق ہونے کے اندیشے پیدا ہوگئے تھے اور 24 جماعتی قومی جمہوری محاذ میں شامل چند جماعتوں کے علاوہ بعض حمایتی جماعتوں مثلاً تلگو دیشم نے بھی اس شکوہ کا برسر عام اعلان کیا کہ بی جے پی اپنے ہندوتوا کے پوشیدہ ایجنڈے پر عمل کررہی ہے ۔

وشوا ہندو پریشد اور رام مندر کی تعمیر کے لئے قائم کردہ ٹرسٹ کی جانب سے گذشتہ ایک ماہ سے بہ بانگ دہل یہ اعلان کیا جارہا تھا کہ 15 مارچ کو ایودھیا میں ملک بھر سے 10 لاکھ کارسیوکوں کو جمع کیا جائے گا اور اس مقام پر جہاں بابری مسجد تھی مندر کی تعمیر کے لئے سنگ بنیاد اور تراشیدہ ستون نصب کردئے جائیں گے ۔

حکومت نے سنگھ پریوار کو قابو میں رکھنے میں اپنی بے بسی کو محسوس کرتے ہوئے سپریم کورٹ کا سہارا لیا لیکن یہاں بھی ہندوتوا کے حامیوں میں اپنی عزت آبرو بچانے کی خاطر حکومت نے علامتی شیلانیاس کی وکالت کرنے کی کوشش کی۔ حکومت کے اس طرز عمل پر حلیف جماعتوں کی سخت برہمی اور تائید سے دستبرداری کے انتباہ پر حکومت نے ساری ذمہ دار اٹارنی جنرل سولی سہراب جی پر عائد کرتے ہوئے اپنا پہلو بچانے کی کوشش کی۔ ہندوتوا کے ایجنڈے پر عمل نہ کرنے کے عہد واثق کی تجدید کے ذریعہ حلیف جماعتوں کو تائید برقرار رکھنے پر رضامند کرلیا۔ اس طرح ایک بحران ٹل گیا ۔ وشوا ہندو پریشد نے یہ محسوس کرتے ہوئے کہ واجپائی حکومت کو خطرہ لاحق ہوجائے گا اپنے معلنہ پروگرام سے مصلحتاً دستبرداری اختیار کرلی۔ اس سلسلہ میں سپریم کورٹ کا فیصلہ عدلیہ پر عوام کے اعتماد کو مستحکم بنانے کا باعث ہوا۔ اپنے آپ کو بے بس محسوس کرنے والوں کو یہ احساس ہوا کہ کم از کم عدلیہ تو ہمارے مفادات کا نگہبان ہے ۔

پوٹو بل کے سلسلے میں حکومت پارلیمنٹ کے مشترکہ اجلاس کی دستوری گنجائش کے باعث اپنے مقصد میں کامیاب ہوسکی لیکن لوک سبھا اور راجیہ سبھا کے علاوہ اس مشترکہ اجلاس کے مباحث سے یہ واضح ہوگیا کہ پوٹو قانون قوم کا متفقہ فیصلہ نہ بن سکا بلکہ اس مسئلہ پر رائے عامہ منقسم ہوگئی ۔ جہاں تک دہشت گردی کے انسداد کا سوال ہے تمام سیاسی جماعتوں بشمول اپوزیشن نے سخت اقدامات کی بھرپور تائید کی اور ساری قوم اس معاملہ میں جسد واحد کی طرح متحد رہی لیکن قانون کی محض اس بناء پر مخالفت کی گئی کہ اس سخت گیر قانون کے استعمال بیجا خاص طور پر مسلم اقلیت ، سیاسی حریفوں اور احتجاجیوں کے خلاف انتقامی کارروائی کے طور پر اس "جابرانہ" قانون کے استعمال کے اندیشوں کا اظہار کیا گیا بعض مخالفین نے یہ تک کہا کہ موجودہ حکومت کے طرز عمل کے باعث اسکی نیک نیتی مبینہ طور پر مشتبہ ہے ۔ اس لئے حکام کے ہاتھوں میں یہ ہتھیار ملک کے اتحاد ، فرقہ وارانہ ہم آہنگی اور یکجہتی کے لئے خطرہ بن سکتا ہے ۔

گجرات میں جو کچھ ہوا اور جس کا سلسلہ آج بھی جاری ہے اس پر ملک کی فسطائی طاقتوں کے سوا ساری قوم شرمسار ہے ۔ ساری دنیا فرقہ پرست جنونیوں کی اس بربریت پر لعنت ملامت کررہی ہے ۔ ملک کے انتہائی باوقار اور قانونی موقف کے حامل قومی حقوق انسانی کمیشن کے سربراہ مسٹر جے ایس ورما نے گجرات کے تفصیلی دورہ کے بعد اپنی جو ابتدائی رپورٹ دی ہے وہ صورتحال کا انتہائی غیر جانبدارانہ تجزیہ ہے ۔ مسٹر ورما نے دوٹوک انداز میں کہا ہے کہ گجرات میں قتل و غارت گری اور انتہائی بہیمانہ مظالم کے لئے گجرات کی بی جے پی حکومت ذمہ دار ہے جس کی نااہلی دانستہ بے عملی اور بے اعتنائی کے باعث اشرار کو قتل عام اور غارت گری کی کھلی چھوٹ مل گئی ۔ احمد آباد میں دو دن تک اشرار کو بربریت کا ننگا ناچ کی کھلی چھوٹ دیدی گئی مسلمانوں کو منظم طریقہ پر نشانہ بنایا گیا۔ قانون کے محافظ پولیس یا تو خاموش تماشائی رہی اور بعض مقامات پر لوٹ مار میں خود بھی شامل رہی اور ایسا محسوس ہورہا تھا کہ محافظین قانون اور اشرار کی ملی بھگت سے یہ سارا شرمناک کھیل کھیلا گیا۔

آج سارے گجرات میں امن پسند عوام خاص طور پر اقلیتوں پر خوف و دہشت طاری ہے ۔ اقلیتوں میں عدم سلامتی کا احساس شاید آنے والے کئی برسوں تک بھی ختم نہیں ہوسکے گا کیونکہ سرکاری مشنری میں فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والوں کو بالادستی حاصل ہوگئی ہے ۔ مرکزی حکومت اگر واقعی گجرات کے عوام میں اعتماد بحال کرنے میں سنجیدہ ہے تو اسے نریندر مودی حکومت کو برخاست کرنا ہوگا اور سرکاری مشنری سے فرقہ وارانہ ذہنیت رکھنے والوں کو نکال باہر کرنا ہوگا۔ وشوا ہندو پریشد بجرنگ دل اور آر ایس ایس جیسی تنظیموں پر امتناع کے ذریعہ ہی عوام میں سلامتی کا احساس پیدا کیا جاسکتا ہے ۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

مفلس کون؟

آنحضرت صلی اللہ علیہ و سلم نے ایک بار اپنے صحابہؓ سے پوچھا کہ کیا تم جانتے ہو مفلس کسے کہتے ہیں؟ صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم تو مفلس اسی کو کہتے ہیں جس کے پاس مال و اسباب اور روپیہ پیسہ نہ ہو۔ نبی صلی اللہ علیہ و سلم نے ارشاد فرمایا کہ "میری امت میں اصل مفلس وہ ہے جو قیامت کے دن اس حال میں آئے کہ اس کے پاس نماز، روزہ اور زکوٰۃ جیسے نیک اعمال کا ذخیرہ تو ہو لیکن ساتھ ہی اس کے نامہ اعمال میں یہ بھی ہو کہ اس نے کسی کو گالی دی، کسی پر تہمت لگائی، کسی کا مال کھایا، کسی کا خون بہایا اور کسی کو مارا پھر ایک ایک مظلوم کو اس کے حق کے بدلے میں اس کی نیکیاں دے دی جائیں اور اگر سارے مطالبات پورے ہونے سے پہلے اس کی نیکیاں ختم ہوجائیں تو پھر حقداروں کی برائیاں لے کر اس پر لاد دی جائیں اور پھر اسے جہنم میں پھینک دیا جائے" (مجمع الفوائد)

اس ارشاد سے صاف ظاہر ہے کہ اللہ تعالیٰ کی رضا و رحمت حاصل کرنے کے لئے اور سچا مسلمان بننے کے لئے جس طرح نماز روزہ وغیرہ عبادات ضروری ہیں، اسی طرح شرعی ہدایات کے مطابق معاملات اور معاشرت کی اصلاح و درستی کا بھی اہتمام ضروری ہے، ورنہ نماز روزہ اور دوسرے نیک کام سب خطرے میں پڑجائیں گے۔

بدگمانی پھیلانے والے

دوستوں میں نفرت پھیلانا، ان میں بدظنی قائم کرنے کی کوشش کرنا، ایک بھائی کی طرف سے دوسرے بھائی کے دل میں میل پیدا کرنا، میاں بیوی کے دل میں رنجش کے بیج بونا، مالک اور آقا کے تعلقات خراب کرنا، ایک ادارہ اور جماعت کے افراد میں بدمزگی اور تلخی پیدا کرکے اپنا الو سیدھا کرنے کی سعی کرنا وہ بدترین حرکت ہے جس کا کرنے والا اسلامی سوسائٹی میں بدسے بدتر ہے اور انسانوں کے درمیان نفرت و دشمنی کا بیج بوکر شیطان کا کام کرتا ہے، اسلامی نظام معاشرت میں ایسوں کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔

حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم کا ارشاد ہے

"جو شخص کسی کی عورت یا کسی کے نوکر کو بہکائے اور دھوکہ دے تو وہ ہم میں سے نہیں ہے" (ابو داؤد)

اس وعید میں وہ عورتیں بھی آتی ہیں جو دوسروں کے گھروں میں جاکر میٹھی میٹھی باتیں کرتی ہیں، اور عورتوں سے اپنے مطلب کی بات سن کر اس کا پروپیگنڈہ کرتی ہیں اور شوہر اور دوسرے لوگوں کی نظر میں اس طرح عورت کو ذلیل کرنے کی کوشش کرتی ہیں۔

اسی طرح جو مرد بیٹھکوں میں جاکر محلہ بھر کے لوگوں کی گھریلو باتیں کرتے ہیں اور ہر طرح کی باتیں کرتے ہیں وہ مسلمانوں کے بدترین دشمن ہیں اور آپس میں لڑا کر تماشہ دیکھنے والے ہیں۔

شہروں میں تو مالکوں اور ملازموں کے درمیان ایسی حرکت کرنے والے بہت ہوتے ہیں جو اپنی دشمنی نکالنے یا اپنے آدمی کو رکھنے کیلئے بے گناہ ملازم کی شکایت کرتے کراتے ہیں۔

کچھ ناعاقبت اندیش ایک ادارہ یا جماعت کے افراد میں لگائی بجھائی کا مذموم سلسلہ جاری رکھتے ہیں ایسے تمام لوگوں کو اپنی حرکت سے باز آنا چاہئے اور انسانوں کی خیر خواہی اور بھلائی کرنے میں عین سعادت مندی سمجھنا چاہئے۔

اتحاد کی برکتیں!

ایک حدیث ہے: "اللہ تعالیٰ نے فرمایا "میں دو شریکوں کے ساتھ تیسرا ہوتا ہوں جب تک ان کا ایک ساتھی دوسرے کے ساتھ خیانت نہ کرے"۔ مطلب یہ ہے کہ کوئی گروہ اسی وقت تک خدا کی مدد کا مستحق رہتا ہے جب تک اس کے افراد باہم ایک دوسرے کے خیر خواہ ہوں۔ اس کے برعکس جب وہ ایک دوسرے کے بدخواہ بن جائیں اور ان کے درمیان خیانت کی فضا پیدا ہوجائے تو خدا کی مدد ان سے اٹھ جاتی ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ خدا سے تعلق کا معیار بندوں سے تعلق ہے، اگر خدا کے ساتھ کسی کا تعلق درست ہے تو لازما بندوں کے ساتھ بھی اسکا تعلق درست ہوگا۔ جس کا تعلق بندوں کے ساتھ درست نہ ہو سمجھنا چاہئے کہ خدا کے ساتھ بھی اس کا تعلق درست نہیں۔ خواہ وہ بظاہر کتنا ہی زیادہ خدا کی باتیں کرتا ہو..... دین و ملت کا کوئی بھی کام ہو اگر اس کو مشترکہ طور پر انجام دینے والے افراد چاہتے ہیں کہ یہ کام پروان چڑھے اور خدا کی نصرت شامل حال رہے تو اس کے لئے اولین شرط یہ ہیکہ یہ افراد باہم مربوط و متحد رہیں، ایک دوسرے کا احترام ملحوظ رکھیں۔ شکوہ شکایت اور غیبت سے اپنا دامن پاک رکھیں، ورنہ اللہ کی نصرت و رحمت منہ موڑ لے گی۔

☆☆☆☆

اسرائیل کو امن سے نہیں جنگ سے دلچسپی

مشرق وسطی میں اسرائیل کی خونریزی اور معصوم و نہتے فلسطینی عوام کو نشانہ بنانے کا سلسلہ بدستور جاری ہے اور حالیہ فضائی حملوں میں صدر فلسطین یاسر عرفات کے دفتر اور دیگر سرکاری عمارتوں کو نشانہ بنایا گیا۔ اس کے باوجود ساری دنیا اسرائیلی مظالم پر خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ امریکہ نے اس ساری کارروائی کے لئے فلسطینی رہنما کو ذمہ دار قرار دیتے ہوئے گویا یہ عملی ثبوت پیش کردیا ہیکہ وہ اسرائیل کی کارروائیوں کی بھرپور تائید و حمایت کرتا ہے۔ امریکی نائب صدر ڈک چینی نے جب مشرق وسطی کا دورہ کیا تو انہوں نے فلسطینی رہنما یاسر

ہوجاتا ہیکہ غزہ کے مغربی کنارہ و تلکرم کے علاقوں میں ایک فلسطینی کمانڈر سمیت 20 فلسطینیوں کو شہید کردیا گیا۔ فلسطین کی نیشنل سیکوریٹی فورس کے سربراہ میجر جنرل احمد مفرج کو غزہ کے جنوبی علاقے میں ایک بڑے حملے کے دوران شہید کیا گیا جہاں اسرائیلی جنگی ہیلی کاپٹروں کے ذریعہ بھی شدید گولہ باری کی گئی اور بہت سی عمارتیں تباہ کردی گئیں، بیت اللحم میں فلسطینی انٹلی جنس کے ہیڈکوارٹر پر اسرائیلی ایف 16 طیاروں نے میزائل فائر کئے۔ رملہ میں یاسر عرفات کے دفتر کے احاطے میں دوسرے روز بھی حملہ کیا گیا۔ ان حملوں کی شدت سے برافروختہ ہوکر ایک

فلسطینیوں کے خلاف اسرائیل کی تازہ خون آشام مہم پر عالمی احتجاج کے پیش نظر امریکہ کو لامحالہ اس بار مداخلت کرنا پڑے۔ امریکی انتظامیہ اب تک اپنے مصالحانہ عمل میں اسرائیل کی کسی شدت پسندی کے باعث ناکام رہی ہے یا خود اسرائیلی حملوں کو شہ دیتی رہی ہے۔ یہ امرواقعہ کہ اسرائیل کی بربریت بے نقاب ہوجانے کے بعد دہشت گردی کے خلاف ساری امریکی کوششیں بے سود ثابت ہوں گی اور بالخصوص مسلم دنیا بار بار یہ سوال اٹھائے گی کہ کیا امریکہ کو مشرق وسطی میں اتنی لرزہ خیز خونریزی محض اس لئے نظر نہیں آتی کہ اس کا نشانہ بے چارے فلسطینی بن رہے

فلسطینی نوجوان اسرائیلی ٹینکوں کا مقابلہ پتھروں سے کر رہے ہیں

عرفات سے ملاقات کرنے سے یہ کہتے ہوئے انکار کردیا کہ امن کے لئے جو شرائط امریکہ نے رکھی ہیں وہ ان پر پورے نہیں اترتے۔ دوسری طرف اسرائیل کے حملوں کا سلسلہ بدستور جاری رہا اور اسرائیل اور فلسطینیوں کے درمیان بڑھتی ہوئی خونریزی کا اندازہ ان خبروں سے بخوبی

فلسطینی طالب علم نے بھی فائرنگ کرکے 6 اسرائیلی مار ڈالے اور مغربی کنارے میں ایک ہوٹل کے باہر بھی فدائی حملے میں 4 یہودی زخمی ہوئے۔

اسرائیل نے اپنے وحشیانہ حملوں میں تیزی یونہی پیدا نہیں کی بلکہ جلاد صفت اسرائیلی وزیر اعظم ایریل شیرون کو اندازہ ہوگیا ہے کہ

ہیں آخر اسرائیل نے ان 17 مہینوں میں غیر مسلح فلسطینیوں پر اپنے اسلحہ خانے کا کون سا جدید اور مہلک ہتھیار نہیں آزمایا اور اب جبکہ اسرائیل کی وحشت و بربریت میں زیادہ شدت آگئی ہے تو کیا فلسطینی نوجوانوں کا خون جوش نہیں مار سکتا۔ اس سے بڑی ستم ظریفی اور کیا

ہوسکتی ہیکہ امریکی انتظامیہ نے فلسطینیوں کی ہلاکت پر کبھی زیادہ توجہ نہیں دی مگر کسی فلسطینی فدائی کے ہاتھوں ایک اسرائیلی کے ہلاک ہوجانے پر بھی ہمیشہ یہی دہائی دی کہ یاسر عرفات اپنے فدائیوں کو اس دہشت گردی سے روکیں۔ گویا فلسطینیوں کی معمولی سی جوابی کارروائی بھی دہشت گردی ہے جبکہ اسرائیل کے انتہائی خونریز حملوں میں بھی امریکی مبصرین کو کبھی دہشت گردی کا شائبہ تک نظر نہیں آیا۔

ظاہر ہے اگر امریکہ نے صیہونیت کی در پردہ یا علانیہ حمایت و اعانت کا یہی انداز جاری رکھا تو عالم اسلام اور عرب دنیا میں کوئی بھی یہ باور کرنے کو تیار نہیں ہوگا کہ امریکہ کو سچ مچ دہشت گردی کے خاتمے سے کوئی دلچسپی ہے۔ شرم الشیخ کے مذاکرات سے لیکر اب تک امریکہ کی کوئی ایک مصالحانہ کوشش بھی کارگر نہیں ہوئی اب پھر صدر بش نے مشرق وسطی کی صورتحال پر تشویش کا اظہار کیا ہے تو انہیں یہ بھی جائزہ لینا چاہیے کہ خالی تشویش کے چند الفاظ فلسطینیوں کے غم و غصے کا مداوا نہیں کرسکتے۔ فلسطینی امن اور انصاف چاہتے ہیں جبکہ اسرائیل نے اپنی ریاستی دہشت گردی سے ان کی زندگی اجیرن کر رکھی ہے اس لئے اگر صدر بش دل سے یہ چاہتے ہیں کہ دہشت گردی کے خلاف عالمی مہم میں انہیں عرب دنیا اور عالم اسلام کی حمایت حاصل ہوتو دہشت گردی کے خاتمے کے حوالے سے ہی ان کا یہ بھی فرض بنتا ہیکہ فلسطینیوں کو اسرائیلی درندوں سے بچانے کی کوئی موثر تدبیر کریں۔

اسرائیل اور امریکہ دونوں کو یہ امر بھی ملحوظ رکھنا چاہیے کہ سعودی عرب کے ولی عہد شہزادہ عبداللہ نے مشرق وسطی کے بحران کی حالیہ شدت کے دوران امن کا جو مصالحتی فارمولا پیش کررکھا ہے اس کا خود مغربی دنیا میں بھی بڑا مثبت ردعمل ہوا ہے حتی کہ امریکہ، یورپ اور اسرائیل تک میں اس فارمولے کو مصالحانہ مذاکرات کی بنیاد بنالینے کی خواہش کا اظہار ہورہا ہے۔ عرب وزرائے خارجہ نے قاہرہ میں شہزادہ عبداللہ کے امن فارمولا پر تفصیلی غور و خوض کے لئے اپنا اجلاس کیا مگر یہ کتنے ستم کی بات ہیکہ عرب وزرائے خارجہ تو مشرق وسطی کے بحران کے مستقل خاتمے کے لئے سعودی عرب کی تجاویز کو مصالحت کے کسی وسیع تر عمل کی بنیاد بنانے پر تیار ہیں جبکہ شیرون نے ٹھیک اسی جمعہ کے روز پہلے سے بھی زیادہ ترستم رانی اور جارحیت کا مظاہرہ کردیا ہے گویا اسرائیل کے نئے حملے امریکہ کے نئے امن مشن کو ناکام بنانے کے علاوہ عربوں کی مصالحانہ کوششوں پر بھی پانی پھیردینے کی کوشش ہیں۔ مصر کے احمد ماہر، پی ایل او کے فاروق قدومی اور فلسطین کے بین الاقوامی تعاون کے وزیر نبیل شعث بھی عرب لیگ کے 22 ممالک کے وزراء اور نمائندوں میں شامل ہیں۔ فلسطینی رہنما یاسر عرفات کو اسرائیلی فوجوں نے ڈسمبر کے اوائل سے رملہ میں محصور کررکھا۔ ورنہ وہ خود عرب لیگ کے اس وزارتی اجلاس میں شریک ہوتے۔ جہاں تک سعودی ولی عہد کے امن فارمولے کا تعلق ہے تو اسے عرب مبصرین کی اکثریت نے قابل عمل تسلیم کرلیا ہے اور اگر اسرائیل بھی معقولیت اور اعتدال کا ثبوت دے تو اس فارمولے کو فلسطینی مسئلہ کے ساتھ پورے مشرق وسطی کے بحران کے حل کی بنیاد بنایا جاسکتا ہے۔ بہرحال اب دیکھنا یہی ہیکہ امریکہ اس بار اسرائیل کو راہ راست پر لانے کے لئے کسی حد تک آگے بڑھنے کو تیار ہے۔

اسرائیل و فلسطین میں حالیہ لڑائی کا ایک خاص پہلو قابل ذکر ہے وہ یہ کہ گزشتہ ماہ (فروری) کے کم و بیش وسط میں دیکھنے میں آیا کہ وہ فلسطینی نوجوان جو جدید ترین اسلحہ سے آراستہ اسرائیلی فوجیوں کی جارحیت کا جواب اینٹوں اور پتھروں سے دیا کرتے تھے انہوں نے دفعتا اپنا انداز بدلا اور معمول کے بالکل برعکس اسرائیلی ٹینک پر بم سے حملہ کیا جس سے اسرائیل کے جدید ترین ٹینک کے پرخچے اڑگئے اور ایک اسرائیلی کمانڈر تین یہودی فوجی واصل جہنم ہوگئے اور ایک فوجی شدید زخمی ہوا۔ ٹینک مرکاوا۔3 (ساختہ اسرائیل) کے بارے میں امریکہ میں یہ تاثر عام ہے کہ یہ ناقابل شکست و ریخت ہے لیکن تقریبا سو کیلوگرام وزنی بم نے اپنا کام کر دکھایا تفصیل اس اجمال کی کچھ یوں ہے کہ جمعرات کی شب (۱۴ فروری) کو اسرائیل نے غزہ کے علاقے میں ایک نہایت منظم حملہ کیا۔ فلسطینیوں نے یہودی نوآبادکاروں کے ایک قافلے کو اپنے نرغے میں لے لیا بظاہر اس چھاپے کا مقصد یہ تھا کہ وہ اس بہانے اسرائیلی ٹینک کو قافلے کے بچاؤ کی دعوت دیں چنانچہ ایسا ہوا اسرائیل نے قافلے کے تحفظ کیلئے اپنا جدید ترین ٹینک مرکاوا۔3 موقعہ پر بھیج دیا جونہی ٹینک پہلے سے نصب شدہ بم پر چڑھا بم پھٹا اور ٹینک کے پرخچے اڑگئے۔

یہ پہلا موقعہ تھا کہ فلسطینیوں نے مرکاوا۔3 کو تباہی کے گھاٹ اتاردیا۔ یہ معرکہ سر کرنے کا دعوی صلاح الدین بریگیڈ نے کیا اور اس نے حزب اللہ کے ان کارناموں کی یاد تازہ کردی جن کی وجہ سے اسرائیل مئی ۲۰۰۰ء میں لبنان سے ذلت آمیز پسپائی پر مجبور ہوا۔ اسرائیلی ٹینک کی بربادی کے باعث ایسے حالات پیدا ہوگئے ہیں کہ اسرائیل کو نوشتہ دیوار پڑھنے اور اپنی فوجی حکمت عملی بدلنے پر مجبور ہونا پڑے گا۔ گزشتہ سترہ ماہ کے دوران اسرائیل کے عرب علاقوں پر غاصبانہ قبضہ کے خلاف فلسطینیوں نے جو جدو جہد شروع کررکھی ہے اور اسرائیل نے ان علاقوں میں جس دیدہ دلیری کے ساتھ ٹینکوں کی جو بھرمار کررکھی ہے۔ اس کا جاری رہنا کار دشوار نظر آتا ہے۔ حمص کے ایک اعلی افسر کے خیال کے مطابق ٹینکوں کے خلاف یہ نئی کارروائی ایک نیا اقدام ہے اور یہ اس وقت تک جاری رہے گا جب تک کہ اسرائیلی فوجی فلسطینیوں کی سرزمین خالی نہ کردیں۔ اسرائیلی فوج کے ایک ترجمان نے محولہ بالا بم کو ایک پیشہ وارانہ بم کہا اور یہ خدشہ ظاہر کیا کہ بم سازی کی ترکیب حزب اللہ نے لبنان سے بھیجی ہوگی کہ اس سے پہلے فلسطینی نسبتا پرانی اور فرسودہ ساخت کے راکٹ چلاتے تھے جو اسرائیلی شہروں تک پہنچ جایا کرتے تھے۔

●●●●●

ہندو تنظیموں کی دہشت گردی اور سرکاری سرپرستی

وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کی زیر قیادت این ڈی اے حکومت کی جانب سے فرقہ

...یسہ اسمبلی عمارت پر وی ایچ پی کارکنوں کا حـ...

پرست ہندو جماعتوں کو جس طرح کی آزادی فراہم کی گئی ہے اس کی مثال ماضی میں نہیں ملتی۔ آج ان جماعتوں کو فرقہ پرستی کا زہر پھیلانے اور ملک

کو فرقہ وارانہ فسادات کی آگ میں جھونک دینے کے لئے بھرپور سرپرستی حاصل ہے۔ یہی وجہ ہیکہ گجرات جسے کبھی ہندو ماڈل ریاست کہا جاتا تھا اب حقیقی ماڈل ریاست بن کر سامنے آئی ہے اور یہی وہ ماڈل ہے جس کے ذریعہ وشوا ہندو پریشد سارے ہندوستان میں مسلمانوں کے وجود کو مٹانا یا پھر انھیں اپنے مذہب سے دور کرنے کوشاں ہے جو کسی بھی صورت میں ناممکن سی بات ہے۔ گجرات میں جس طرح فرقہ وارانہ فسادات سرکاری سرپرستی میں کئے گئے اور جسکا سلسلہ بدستور جاری ہے یہاں مسلمانوں کی جان و مال کو چن چن کر نشانہ بنایا جارہا ہے۔ انھیں ہر طرح سے پریشان کیا جارہا ہے اور ان کا جینا دوبھر کردیا گیا۔ اس کے باوجود حکومت خواہ وہ مرکزی ہو یا ریاستی ٹس سے مس نہیں ہوئی۔ ان فسادات کی تحقیقات کے معاملہ میں بھی جب کمیشن قائم کرنے کی بات کی گئی تو وشوا ہندو پریشد کا یہ اصرار تھا کہ ان کی پسند کے امیدوار کو تحقیقاتی کمیشن کا سربراہ مقرر کیا جائے۔ اور حکومت اس مطالبہ کو بلا چوں وچرا قبول کررہی ہے۔ ظاہر ہیکہ یہ کمیشن کس نوعیت سے تحقیقات کرے گا اور اسکی رپورٹ کیا ہوگی اسکا اندازہ کرنا کوئی مشکل کام نہیں ہے۔ وشوا ہندو پریشد کو سرکاری سرپرستی کا ہی نتیجہ ہیکہ وہ ہر غیر قانونی حرکت کرگزرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کررہے ہیں۔ جسکی تازہ مثال ریاست اڑیسہ میں اسمبلی عمارت پر وی ایچ پی کارکنوں کا حملہ ہے۔ انھیں اس طرح کی آزادی حاصل ہے کہ ہتھیاروں سے مسلح یہ گروپ دستور کی دھجیاں اڑانے کے لئے اسمبلی عمارت پر حملہ آور ہوتا ہے تو سیکورٹی فورسس انھیں روکنے کی کوشش بھی نہیں کرتے۔ ان کے خلاف کارروائی کو ضروری نہیں سمجھا جاتا۔ کیا ہمارے ملک کا یہی انصاف ہے۔ پارلیمنٹ پر ۱۳ ڈسمبر کو جب حملہ ہوا تو اسے ملک پر حملہ کے مترادف قرار دیا گیا۔ لیکن اڑیسہ اسمبلی عمارت پر حملہ کے بعد ذمہ دار افراد کے خلاف کارروائی بھی

وی ایچ پی لیڈر اشوک سنگھل اور سوامی پرم ہنس

نہیں کی گئی اور یہ کام اس جماعت نے کیا ہے جو خود کو ہندوتوا کا حقیقی وارث قرار دیتی ہے ۔ اس کے پاس عدلیہ و دستور کا کوئی احترام نہیں ۔ یہ تو ایک مثال ہے وشوا ہندو پریشد کو کھلی چھوٹ کی ورنہ ریاست گجرات میں ہندو تنظیموں کی کارستانی سب کے سامنے عیاں ہے ۔ انھوں نے جس طرح بے قصور عوام کو موت کے گھاٹ اتارا اس سے یہی اندازہ ہوتا ہیکہ ان جماعتوں کے پاس انسانیت نام کی کوئی چیز نہیں ۔ انھوں نے اس بے دردی سے معصوم بچوں اور خواتین کو گھر کے دروازے بند کرکے نذر آتش کردیا ۔ اگر یہ واقعات تفصیل سے بیان کئے جائیں تو شاید کئی صفحات کم پڑجائیں ۔ انسانیت سے عاری یہ ہندو فرقہ پرست تنظیمیں ہی ملک میں حقیقی دہشت گردی پھیلارہی ہیں ۔ سیکولر جماعتوں کی جانب سے وشوا ہندو پریشد ، آر ایس ایس اور بجرنگ دل پر امتناع کا مطالبہ کیا جارہا ہے ۔ لیکن ایسا لگتا ہیکہ مرکزی حکومت کو ان مطالبات کی کوئی پرواہ نہیں ۔ این ڈی اے میں شامل حلیف اور خود کو سیکولر قرار دینے والی جماعتوں کی خاموشی بھی معنی خیز ہے ۔ این ڈی اے حکومت کی تشکیل سے قبل جو ایجنڈہ برائے حکمرانی تیار کیا گیا اس میں متنازعہ موضوعات کو شامل نہیں رکھا گیا تھا ۔ اس کے باوجود گجرات کے حالات پر سیکولر جماعتوں کی جانب سے صرف مذمتی بیانات دئے جارہے ہیں ۔ بی جے پی دراصل اپنے ہندو ووٹ بینک کو مستحکم کرنا چاہتی ہے اور حالیہ اتر پردیش و دیگر تین ریاستوں کے اسمبلی انتخابات کے نتائج سے اسے اندازہ ہوگیا ہیکہ عوام کی اکثریت بی جے پی سے دور ہوتی جارہی ہے ۔ اسی لئے انتخابات سے عین قبل ایودھیا معاملہ کو ابھارنے کی کوشش کی گئی ۔ اس کے باوجود بی جے پی کو خاطر خواہ فائدہ نہ ہوا ۔ وشوا ہندو پریشد کے ۱۵ مارچ کو ایودھیا میں محصلہ اراضی پر شیلا پوجا کے اعلان سے جو کشیدگی پیدا ہوگئی تھی اس میں بھی بی جے پی نے وشوا ہندو پریشد کی بالراست تائید کی جو کوشش کی وہ عیاں ہوگئی ہے ۔ مسٹر واجپائی نے پہلے یہ اعلان کیا تھا کہ ۱۵ مارچ کو وی ایچ پی کے پروگرام کے تعلق سے سپریم کورٹ جو بھی فیصلہ کرے گی حکومت اس کی پابندی کرے گی ۔ لیکن ۱۳ مارچ کو اٹارنی جنرل سولی سوراب جی نے سپریم کورٹ کی جانب سے شیلا پوجا کی اجازت نہ دینے کے باوجود یہ خواہش کی کہ عدالت کچھ وقت کے لئے ہی غیر محصلہ اراضی پر وی ایچ پی کو پوجا کرنے کی اجازت دے ۔ اس درخواست کو بھی عدالت نے یہ کہتے ہوئے مسترد کردیا کہ اگر ایسا ہوسکتا ہے تو کیا حکومت اس اراضی پر مسلمانوں کو نماز کی اجازت دینے کے لئے بھی تیار ہے ۔ اس طرح عدالت نے وشوا ہندو پریشد کی ایودھیا کے تعلق سے سرگرمیوں کے بارے میں استفسار کرکے یہ جاننا چاہا کہ اس تنظیم کا آخر مقصد کیا ہے ۔ اس مقدمہ میں اٹارنی جنرل کے شیلا پوجا کی اجازت طلبی سے حکومت کے موقف کا پھر ایک بار اظہار ہوگیا ۔ تاہم عدالت نے اس کی اجازت نہیں دی ۔ یہاں سوال یہ پیدا ہوتا ہیکہ حکومت کو اس مقدمہ میں کسی مخصوص فریق کی حمایت کیا ضروری تھی ۔ اور اس نے ایسا کیا ہے تو پھر این ڈی اے میں

منگلور اجلاس میں آر ایس ایس کے پرچارک

شامل حلیف جماعتیں خاموش کیوں ہیں۔ بی جے پی کے بعض لیڈرس کا یہ احساس ہیکہ حالیہ اسمبلی انتخابات کے نتائج سے یہ ظاہر ہیکہ پارٹی کی حالت 1984ء سے بھی بری ہے جبکہ اس کے

لوک سبھا میں صرف 2 ارکان تھے۔ گجرات میں جو فسادات ہورہے ہیں وہاں بھی بی جے پی جس طرح وشوا ہندو پریشد کی مدد کررہی ہے وہ سب پر عیاں ہے۔ تشدد میں ملوث ہندو فرقہ پرستوں کے خلاف کوئی مقدمات درج نہیں کئے جارہے ہیں۔ انھیں مکمل چھوٹ دیدی گئی اور پولیس خاموش تماشائی بنی بیٹھی ہے۔ وشوا ہندو پریشد کا انتظامیہ میں اثر و رسوخ اس قدر بڑھ گیا ہیکہ حکومت کا ہر اہم فیصلہ اسی کی مرضی کے مطابق ہورہا ہے۔

وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی سے چیف منسٹر گجرات نریندر مودی نے ملاقات کی تو انھوں نے تشدد سے نمٹنے ریاستی حکومت کے طریقہ کار پر اطمینان ظاہر کیا اور کہا کہ نریندر مودی کو چیف منسٹری سے ہٹایا نہیں جائے گا۔

احمد آباد میں مقامی متاثرین کی شکایت پر انتظامیہ نے مجبوراً ایک پولیس ملازم کے خلاف مقدمہ درج کیا اور چارج شیٹ تیار کی۔ متاثرین کو یہ توقع تھی کہ ان کے ساتھ انصاف ہوگا لیکن کچھ ہی دیر میں تقریباً دو ہزار افراد کا ہجوم پولیس اسٹیشن عمارت کے روبرو جمع ہوگیا اور وہ پولیس ملازم کے خلاف چارج شیٹ سے دستبرداری کا مطالبہ کررہے تھے۔ انتظامیہ نے ان کے اس مطالبہ کو تسلیم کرلیا۔ اس فسادات میں پولیس کی جانب سے اشرار کی بھرپور مدد کی کئی مثالیں ہیں۔

کئی مسلم علاقوں میں حملہ آوروں کی مدد سے بے قصور افراد کو بچانے کی بجائے پولیس خود بھی حملہ آوروں کے ساتھ شامل ہوگئی۔ یہ خود اس بات کا ثبوت ہیکہ سنگھ پریوار گجرات انتظامیہ کو کنٹرول میں رکھے ہوئے ہے۔ اس طرح اڑیسہ میں جب وشوا ہندو پریشد کے بیانر تلے کارسیوکوں نے حملہ کیا اس وقت اسمبلی عمارت کے اطراف سخت سیکورٹی انتظامات کے باوجود پولیس خاموش تماشائی بنی بیٹھی رہی۔ ۱۳ ڈسمبر کو پارلیمنٹ پر حملہ کے بعد سے نہ صرف پارلیمنٹ بلکہ تمام ریاستی اسمبلی عمارتوں کے اطراف سخت سیکورٹی انتظامات کئے گئے ہیں۔ اڑیسہ اسمبلی کی عمارت کو بھی عملاً سیکورٹی حصار میں لے لیا گیا اس کے باوجود یہ انتظامات وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل کارکنوں کو اپنے مقصد سے روک نہیں سکے۔ ان واقعات کے پیش نظر تمام سیکولر جماعتوں کی یہ ذمہ داری بنتی ہیکہ وہ ملک میں اس بڑھتی ہوئی دہشت گردی کو روکنے فوری اقدامات کریں ورنہ یہ دہشت گردی ملک کی سلامتی کے لئے نقصان دہ ہوجائے گی اور تب تک بہت دیر ہوچکی ہوگی۔ اسی تسلسل میں پارلیمنٹ میں انسداد دہشت گردی قانون کی منظوری کا معاملہ ہے۔ لوک سبھا میں اسے منظور کرلیا گیا لیکن راجیہ سبھا میں بری طرح شکست ہوئی۔ حکومت نے دستور کی ایک سہولت سے استفادہ کرتے ہوئے دونوں ایوان کا مشترکہ اجلاس طلب کرکے اس قانون کو منظور کروایا جس کے بارے میں ہر سیکولر شہری کے ذہن میں یہ اندیشے پائے جاتے ہیں کہ یہ صرف ٹاڈا کا متبادل ہوگا۔ اس قانون کو مخصوص طبقہ کو نشانہ بنانے منظور کیا گیا ہے اور مفادات حاصلہ اس قانون کے ذریعہ اپنے مقاصد کی تکمیل کریں گے۔

اسلامی ممالک: بے پناہ وسائل، خوشحال پھر بھی نہیں

دنیا کے 23 فیصد رقبے پر مسلمانوں کی حکومت ہے ۔ انڈونیشیا سے مراکش تک پھیلی ہوئی 57 ریاستیں مادی اور انسانی وسائل سے تو مالا مال ہیں لیکن اس کے استعمال کا ہنر اور منصوبہ بندی ان کے آڑے آتی ہے ۔ اسلامی ممالک کی ایک خوبی یہ ہے کہ تقریبا تمام ممالک بندر گاہوں کے قریب ہیں لیکن اس کے باوجود بھی وہ اپنے وسائل کے مطابق خوشحال نہیں ہیں۔

پاکستان اس حوالے سے اہم ہے کہ پاکستان اسلامی دنیا کی واحد ایٹمی قوت ہے لیکن اقتصادی طور پر اس کی حالت زیادہ اچھی نہیں ہے ۔ اس وقت پاکستان تقریبا 38 ارب ڈالر کا مقروض ہے ۔

پاکستان کا ہمسایہ ملک افغانستان ، جو اپنی شاندار تاریخ رکھتا ہے خوفناک خانہ جنگی اور بیرونی حملوں کی وجہ سے معاشی حوالے سے تقریبا تباہ ہوگیا ہے رہی سہی کسر امریکہ اور اس کے اتحادیوں کی طرف سے مسلط کی ہوئی ہے جنگ نے پوری کردی ۔ اس کے 32 صوبے اور تقریبا چار لاکھ فوج تھی ۔ یہاں کے تمام لوگ غربت سے بھی نیچے کی زندگی گزار رہے ہیں ۔ اکتوبر 2000ء میں ایک ڈالر 4750 افغانی کرنسی کے برابر تھا لیکن اب افغان کرنسی کی کوئی وقعت نہیں رہی ۔ فی کس آمدنی سے یہاں کی غربت کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔ یہاں کی برآمدات اور درآمدات گزشتہ دو دہائیوں سے تقریبا تباہ ہو کر رہ گئی ہیں ۔ دسمبر 1979ء میں جب روس نے افغانستان پر قبضہ کیا تو اس وقت افغانستان کی معاشی حالت بہت اچھی تھی ۔ روسی فوجوں کو نکالنے کے لئے افغانستان کے عوام نے اس کے خلاف گوریلا جنگ لڑی جس میں تقریبا 15 ہزار روسی مارے گئے جبکہ 2 لاکھ افغانی باشندے اس جنگ میں جاں بحق ہوئے ۔ 1979ء کے بعد پاکستان کی معیشت پر بھی اس وقت ناگوار بوجھ پڑا جب تقریبا 20 لاکھ افغان مہاجرین پاکستان آئے روس نے کابل کو فتح کرلیا تھا لیکن اسے جاتے جاتے 12 سال لگ گئے اس عرصہ میں افغانستان معاشی طور پر بالکل تباہ ہوگیا تھا ۔ شکست روس کے بعد 28 جون 1992ء کو پہلی مرتبہ عوام کی نمائندہ حکومت پروفیسر برہان الدین ربانی کی قیادت میں بنی لیکن چار سال تک روس سے زیادہ اس حکومت نے ملک کو خانہ جنگی کے دوراہے پر لا کھڑا کیا ۔ اس خانہ جنگی کو ختم کرنے کے لئے طالبان نے ملک کے تقریبا 90 فیصد حصے پر قبضہ کرلیا اور امن و امان کسی حد تک قائم ہوگیا ۔ ملا عمر کی قیادت میں حکومت تعمیر نو کررہی تھی کہ اسامہ بن لادن کے افغانستان آنے کے بعد لگنے والی اقتصادی پابندیوں نے صورتحال خراب کردی ۔

افغانستان کی خوشحالی کا اندازہ اس کی معدنیات سے لگایا جاسکتا ہے ۔ اقوام متحدہ کی ایک رپورٹ کے مطابق افغانستان کے پہاڑوں میں ایک لاکھ ٹن سونا ہے ۔ ایٹمی ہتھیار خاص طور پر ہائیڈروجن بم بنانے کے لئے لیتھیم کی ضرورت ہوتی ہے ۔ افغانستان دنیا کا واحد ملک ہے مستقبل میں اس کے سوا کسی اور کے پاس لیتھیم نہیں ہوگا ۔ لیتھیم توانائی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے ۔ افغانستان میں ٹائی ٹینیم کی بھی خاصی مقدار ہے جو میزائل بنانے میں استعمال ہوتا ہے ۔ افغانستان کا کل رقبہ تقریبا چھ لاکھ مربع میل ہے اس میں ایک لاکھ پچاس ہزار زرعی زمین ہے ۔ افغانستان کے پھل دنیا بھر میں مشہور ہیں ۔ انار، انگور، سردا، گرما، سیب، خوردنی تیل، ٹماٹر وغیرہ ذائقے میں اپنی مثال آپ ہیں ۔

افغانستان میں تیل کے آٹھ کنویں ایسے ہیں جن میں سے کئی سو سال تک تیل اپنے پریشر سے نکل سکتا ہے ۔ افغانستان میں سترہ جگہ پر لوہے کے دس ارب ٹن سے زیادہ کے ذخائر ہیں ۔ افغانستان میں کاپر کے ذخائر دنیا بھر میں سب سے زیادہ ہیں ۔ یہی حال گیس کا ہے ۔ روس نے افغانستان پر قبضے کے دوران اربوں ڈالر کی گیس نکال لی تھی اس کے باوجود قدرتی گیس کے ذخائر سینکڑوں سال بھی ختم نہیں ہوں گے ۔

سوڈان اسلامی دنیا کا ایک نمایاں ملک ہے جو عالمی معاشی ترقی میں 142 ویں نمبر پر ہے اس کی آبادی تین کروڑ پچاس لاکھ انہتر ہزار آٹھ سو چودہ ہے ۔ جبکہ رقبہ چھیانوے ہزار سات سو پچاس مربع کیلو میٹر ہے ۔ سوڈان کو مجموعی قومی آمدنی کا 4.8 فیصد دفاع پر خرچ کرنا پڑتا ہے ۔ جننگ، ٹکسٹائل، کاٹن، اور سمینٹ اہم انڈسٹری ہے جبکہ کیلشیم، تیل، پٹرولیم کی مصنوعات اور تانبہ بھاری مقدار میں نکلتے ہیں ۔ جی ڈی پی 31.2 بلین ڈالر سالانہ ہے ۔ درآمدات 1.42 بلین جبکہ برآمدات 594 ملین ڈالر سالانہ کے برابر ہیں ۔

انڈونیشیا قرضوں میں پھنسا ہوا ایک اہم اسلامی ملک ہے ۔ جس کی معیشت مسلسل ہنگاموں کی وجہ سے روبہ زوال ہے اور اس کے سابق صدر سوہارتو جو تقریبا تیس سال سے زائد عرصہ تک انڈونیشیا کے صدر رہے وہی ملک کے معاشی بحران کے ذمہ دار ہیں ۔ سوہارتو کے خاندان نے اربوں ڈالر کی کرپشن کرکے ملک کو جو نقصان پہنچایا اس کا مقدمہ الگ سے چل رہا ہے ۔ معاشی ترقی کے حوالے سے دنیا میں اس کا مقام 105 ویں نمبر پر ہے ۔ اس کی آبادی بائیس کروڑ سنتالیس لاکھ چوراسی ہزار دو سو نفوس پر مشتمل ہے ۔ یہاں کی کرنسی کی شرح تبادلہ میں استحکام نہیں ہے ۔ فی کس سالانہ آمدنی 2830 امریکی ڈالر ہے ۔ تیل، فوڈ پراسیسنگ، ٹکسٹائل اور سیمنٹ یہاں کی اہم صنعتیں ہیں اور بادام، چاول، ربر، کوکا اہم فصلیں ہیں معدنیات میں نکل، تیل، تانبہ، گیس اور خام تیل معاشی ترقی کے اہم ذرائع ہیں ۔ یہاں کی درآمدات 24 بلین ڈالر سالانہ کی ہیں جبکہ برآمدات 49 بلین ڈالر سالانہ ہے ۔ ٹورازم

انڈسٹری سے بھی تقریباً 4.05 ملین ڈالر سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔

بنگلہ دیش کا قیام 1971ء میں عمل میں آیا۔ آبادی کے لحاظ سے اسے مسلم ممالک میں اہم حیثیت حاصل ہے۔ اس کی آبادی 12 کروڑ 91 لاکھ 94 ہزار کے قریب ہے۔ وہاں 98 فیصد لوگ بنگلہ زبان بولتے ہیں۔ یہاں کی صنعتی ترقی میں جوٹ، ٹکسٹائل، کھادیں، اسٹیل، چائے اور چاول اہم کردار ادا کرتے ہیں۔ بنگلہ دیش کی کرنسی ٹکہ ہے۔ اکتوبر 2000ء میں 54 ٹکے ایک ڈالر کے برابر تھے۔ مجموعی قومی پیداوار سالانہ 175.5 بلین ڈالر کے برابر تھی۔ البتہ یہاں غربت کی وجہ سے فی کس سالانہ آمدنی بہت کم ہے اکثر لوگ غربت کی لکیر سے بھی نیچے زندگی بسر کرتے ہیں۔ فی کس سالانہ آمدنی 1380 امریکی ڈالر ہیں۔ ترقی کے حوالہ سے بنگلہ دیش 150 ویں نمبر پر ہے۔ بنگلہ دیش کی سالانہ درآمدات 7.1 بلین ڈالر ہیں۔ زیادہ تر تجارت ہندوستان اور چین سے کی جاتی ہے جبکہ ان کی درآمدات کی منڈی مغربی یورپ اور امریکہ ہے۔ بنگلہ دیش کی برآمدات 4.4 بلین ڈالر سالانہ ہے۔ دنیا بھر کی این جی اوز اور بنگلہ دیش کی معاشی حالت اور عوام کا طرز زندگی بہتر بنانے میں اہم کردار ادا کررہی ہیں۔

ترکی اسلامی ممالک میں نمایاں مقام رکھتا ہے۔ کسی زمانے میں سلطنت عثمانیہ کے حوالے سے ترکی کو ایک مخصوص مقام حاصل تھا۔ پہلی جنگ عظیم کے بعد اس کے کئی حصے کردئے گئے اور ترکی کو جرمن کا اتحادی ہونے کی کڑی سزا ملی۔ معاشی طور پر بھی ترکی کو سنبھلنے میں بہت وقت لگا۔ ترکی کی آبادی 68,359,979 نفوس پر مشتمل ہے اور اس کا رقبہ 386,700 مربع میل ہے۔ قومی پیداوار 188 بلین ڈالر سالانہ ہے جبکہ فی کس سالانہ آمدنی 2850 ہے جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ عوام بہتر زندگی بسر کررہے ہیں۔ کیمیکل، تیل، فوڈ پراسیسنگ، سمنٹ کی انڈسٹری نے قومی پیداوار میں اہم کردار ادا کیا ہے اس کے علاوہ گندم، مکئی اور سبزیاں بھی وافر مقدار میں برآمد کی جاتی ہیں۔ درآمدات 16.7 بلین ڈالر کی ہیں۔ ان میں امریکہ سے تقریباً 20 فیصد اور جرمنی سے دس فیصد منگوائی جاتی ہے جبکہ برآمدات تقریباً 5.5 بلین ڈالر سالانہ ہیں۔ ٹورازم انڈسٹری سے بھی سالانہ 9 بلین ڈالر کے قریب حاصل ہوتے ہیں۔

برونائی ایک چھوٹی سی اسلامی ریاست ہے جس کا رقبہ صرف 2200 مربع میل ہے اور اس کی آبادی ایک اندازے کے مطابق چار لاکھ کے قریب ہے۔ برونائی کی مجموعی پیداوار کا تقریباً 60 فیصد تیل سے حاصل ہوتا ہے۔ آئل اور گیس انڈسٹری نے برونائی کو خوشحالی سے ہمکنار کردیا ہے۔ قومی پیداوار سالانہ تقریباً 5.5 بلین ڈالر تک ہے۔ عوام انتہائی خوشحالی کی زندگی بسر کررہے ہیں۔ یہاں فی کس سالانہ آمدنی 17000 امریکی ڈالر ہیں۔ یہاں کی درآمدات 2.65 بلین ڈالر اور برآمدات 2.62 بلین ڈالر سالانہ ہیں۔ ٹورازم انڈسٹری سے تقریباً 40 ملین ڈالر سالانہ آمدنی ہوتی ہے۔ برونائی کا شمار دنیا کے امیر ممالک میں ہوتا ہے۔

سعودی عرب کی آبادی 2.20 کروڑ سے زائد ہے جو ترقی کے اعتبار سے 78 ویں نمبر پر ہے۔ اسلامی ممالک میں اسے بہت نمایاں مقام حاصل ہے۔ سعودی عرب نے تیل کے علاوہ صنعتی ترقی کی طرف بھی توجہ دی ہے۔ 1997ء میں مجموعی سرمایہ کاری 222.7 بلین ریال تھی۔ یہاں لائسنس یافتہ فیکٹریوں کی تعداد 2303 ہے ان میں 152.7 ارب سعودی ریال کی سرمایہ کاری ہوتی ہے۔ معاشی حوالے سے حکومت اس قدر مضبوط ہے کہ 1975ء سے 1987ء تک سعودی عرب نے 148 ارب ریال غیر ملکی امداد کی مد میں خرچ کئے۔ سعودی عرب فنڈ برائے ڈیولپمنٹ پروگرام کے تحت 1975ء سے 1992ء تک دنیا کے 60 ممالک کو 273 منصوبوں کے لئے قرضہ اور امداد فراہم کرچکا ہے۔

عراق کسی زمانے میں برطانیہ کی کالونی تھا اور اسے کافی عرصہ بعد آزادی دی گئی۔ تیل کی دولت سے مالا مال عراق ہمیشہ بڑی طاقتوں کے جبر کا نشانہ بناہا ہے۔ فرانس اور برطانیہ کے درمیان محض اس وجہ سے طویل عرصہ تک محاذ آرائی رہی کیونکہ دونوں ممالک یہاں سے تیل نکالتے تھے۔ عراق کی معاشی حیثیت کا اندازہ اس سے لگایا جاسکتا ہے کہ اس نے 1942ء میں ایک کروڑ دینار کی مصنوعات درآمد کی ہیں۔ جب کہ اس کی برآمدات 47 لاکھ دینار تھی۔ آج عراق کی پوزیشن معاشی طور پر بہت کمزور ہے اسے اقوام متحدہ کی طرف سے معاشی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے۔ کوئی ملک اقوام متحدہ کے علم میں لائے بغیر اس سے تجارت نہیں کرسکتا۔ 1970ء کی دہائی میں عراق کے عوام کا معیار زندگی قابل رشک تھا اور 1990ء میں عراق 130 ممالک کے ہیومن ڈیولپمنٹ انڈیکس پر 55 ویں نمبر پر تھا۔ 1995ء میں یہ 106 ویں اور اب یہ اس سے بھی نیچے چلا گیا ہے۔

عراق کی آبادی 22675616 نفوس پر مشتمل ہے جب کہ رقبہ 168,754 مربع میل ہے۔ 0.31 دینار ایک ڈالر کے برابر ہے۔ ایک دینار ایک برطانوی پاؤنڈ کے برابر تھا سب سے چھوٹا سکہ فلوس تھا۔ عراق کے سکوں کی ایک خصوصیت یہ تھی کہ ان کے نام وہی رکھے گئے جو پرانے زمانے میں رائج تھے۔

1998ء کے اعداد و شمار کے مطابق عراق کی مجموعی قومی پیداوار 52.3 بلین ڈالر تھی اور فی کس سالانہ آمدنی 2400 ڈالر اور اس کی درآمدات 3 بلین ڈالر اور برآمدات 5.0 بلین ڈالر تھیں۔ عراق ایران جنگ پھر خلیجی جنگ نے عراق کو معاشی حوالے سے تباہی کے کنارے پر لاکھڑا کیا۔ ان دونوں جنگوں میں اس کی افرادی قوت بری طرح متاثر ہوئی۔ تقریباً 15 سے 20 لاکھ عراقی جنگ میں ہلاک ہوچکے ہیں۔ اسی وجہ سے شرح اموات بھی 3.7 فیصد سے بڑھ کر 12 فیصد ہوگئی ہے۔ جنگ خلیج میں عراق کے خلاف ڈی یورینیم سے ملمع کئے ہوئے 40 ہزار ٹینک شکن ہتھیار استعمال کئے گئے اور تقریباً 35 ہزار ڈی یورینیم کوٹیڈ گولے طیاروں سے پھینکے گئے۔ اقوام متحدہ کی رپورٹس میں درج ہے کہ بے رحم

پابندیوں نے عراقی عوام کے معیار زندگی پر خوفناک اثرات مرتب کئے ہیں۔

ان پابندیوں سے معاشی ڈھانچہ تباہ ہوگیا۔ عراق کی صنعت، سائنس اور روزگار پر بہت برے اثرات مرتب ہوئے ہیں تقریبا چھ لاکھ سے زائد افراد عراق میں روزگار کے مناسب مواقع نہ ہونے کی وجہ سے ملک چھوڑ گئے۔ 1997ء میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل نے عراق کونسل برائے خوراک پروگرام کے تحت محدود مقدار میں تیل برآمد کرنے کی اجازت دی۔ اس رقم سے عراقی عوام کے لئے خوراک دوائیں اور اسکولوں کیلئے ضروری سامان اور زرعی آلات کے علاوہ چھوٹی صنعت کے لئے آلات کی خریداری کی گئی۔ حکومت نے اپنی معیشت بہتر بنانے کے لئے خفیہ طور پر (اسمگلنگ) تیل فروخت کرنا شروع کردیا۔ مارچ 2000ء میں ایک امریکی ایڈمرل نے اپنی حکومت کو یہ رپورٹ دی تھی کہ عراق تیل اسمگلنگ میں زبردست اضافہ کررہا ہے۔ اس سلسلے میں تیل کی ایک عالمی ایجنسی کو 20 لاکھ ڈالر جرمانہ بھی ہوا تھا۔ اگست 2001ء میں 1300 ٹن تیل لے جانے والے عراق کے جہاز کو امریکہ نے روک لیا تھا پھر وہ جہاز حادثاتی طور پر (34 دن کے بعد) ڈوب گیا۔ امریکہ افغانستان پر حملے کے بعد عراق پر حملہ کرنے کا ارادہ رکھتا ہے۔ اس سلسلے میں اس نے اپنے اتحادیوں سے صلاح و مشورے بھی کئے۔ امریکی وزیر دفاع کا کہنا ہے کہ عراق کے صدر صدام حسین کی موجودگی میں عراق ترقی نہیں کرسکتا۔

صومالیہ ایک چھوٹا سا ترقی پذیر اسلامی ملک ہے جس کا رقبہ 246200 مربع میل اور آبادی 7253137 نفوس پر مشتمل ہے۔ مکئی اور آم یہاں کی اہم فصلیں ہیں۔ یورینیم، آئرن، ٹن اور جپسم کے ذخائر بھی موجود ہیں۔ اس کی مجموعی قومی پیداوار چار بلین ڈالر سالانہ ہے۔ درآمدات 60 ملین ڈالر اور برآمدات 123 ملین ڈالر ہیں۔

5 اکتوبر 1991ء کو آزاد ہونے والی مسلم ریاست بوسنیا ہرزیگوینا کی مجموعی قومی پیداوار تقریبا 6 بلین ڈالر سالانہ ہے۔ اس مسلم ریاست کی آبادی 3835,777 ہے جب کہ رقبہ 19781 مربع میل ہے۔ ابھی یہ ملک تعمیر نو کے مرحلے سے گزر رہا ہے۔ 1996ء کے اعداد و شمار کے مطابق اس کی درآمدات 1.88 بلین ڈالر اور برآمدات 171 ملین ڈالر تھیں۔ فی کس آمدنی بھی غربت کی سطح کو ظاہر کرتی ہے۔ البتہ بوسنیا طویل المیعاد منصوبوں پر عمل پیرا ہے۔ ایران مسلم دنیا کا نمایاں ترین ملک ہے۔

ایران کی معاشی حالت کا نقشہ ایک مغربی مفکر اے ٹی ولسن نے اپنی کتاب "پرشیا" میں آج سے ساٹھ سال پہلے یوں کھینچا تھا کہ "ایران کا معیار زندگی ہندوستان سے بلند ہے اگرچہ یوروپ کا مقابلہ نہیں کرتا۔ ایران کے معمولی خوشحال کسان اور دیہاتی بھی خمیری روٹی، پنیر، گوشت، چاول، مرغ اور انڈے استعمال کرتے ہیں۔ البتہ بہت غریب دیہاتوں کی گزر صرف جو کی روٹی پر ہوتی ہے۔ شکر اور چائے کا استعمال ایران میں بیحد ہے۔ لوگ عموما اچھے لباس میں ملبوس نظر آتے ہیں اور بہت کم چہروں پر مفلسی نظر آتی ہے۔ ایران میں انتہائی غربت اور انتہائی دولت کے مناظر کم نظر آتے ہیں جیسا کہ یوروپ میں دیکھے جاتے ہیں یہاں کا عام معیار زندگی سادہ ہے مگر ایسا جو انسانی ضروریات کی تکمیل کرتا ہے لیکن آج بھی ایران عالمی پابندیوں کے باوجود عالمی سطح پر بڑا اہم مقام رکھتا ہے نہ تو اسلامی ممالک اور نہ ہی اسے اس کے علاقائی محل وقوع کے نقطہ نظر سے نظر انداز کیا جاسکتا ہے۔

اقتصادی ترقی کے حوالے سے ایران دنیا میں پچاسویں نمبر پر کھڑا ہوا ہے۔ اس کی آبادی 6 کروڑ 55 لاکھ 636 نفوس سے زیادہ ہے (65,619,636) اس کا رقبہ 636,000 مربع میل ہے۔ تیل کی دولت سے مالا مال یہ ملک کسی زمانے میں بہت خوشحال تھا لیکن عراق کے ساتھ ہونے والی جنگ اور امریکہ کی عالمی پالیسیوں پر تنقید کی وجہ سے اسے اقتصادی پابندیوں کا سامنا کرنا پڑرہا ہے لیکن یہاں کے عوام اور حکمران اپنے ملک کو خوشحال بنانے کے لئے دن رات کوشاں ہیں۔ قومی خوشحالی میں تیل، پٹرولیم، شکر اور سمینٹ اہم کردار ادا کررہے ہیں۔ قومی پیداوار 339.7 بلین ڈالر ہے۔ سالانہ برآمدات 13.8 بلین ڈالر ہیں اور درآمدات 12.2 بلین ڈالر آمدنی ہوتی ہے۔ حال ہی میں ایران نے ہندوستان کے ساتھ گیس کا جو معاہدہ کیا ہے اس کے مثبت اثرات ایران کی معیشت پر پڑیں گے۔

لبنان اہم عرب اسلامی ملک ہے۔ تقریبا 807 ملین ڈالر تک سالانہ مل جاتے ہیں۔ عوام کا معیار زندگی نہ تو بہت بہت بلند ہے اور نہ ہی پست۔

خلیجی ریاستوں میں ایک چھوٹی سی ریاست شارجہ ہے۔ جو ایک امیر ریاست تصور ہوتی ہے۔ تیل کے علاوہ بزنس اور ٹورازم بھی حکومت کی آمدنی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے۔ شارجہ کی تجارتی اہمیت ہمیشہ مسلمہ رہی ہے کیونکہ اس کو اس کے محل وقوع کی وجہ سے نظر انداز نہیں کیا جاسکتا۔

1932ء میں یہاں ایئر پورٹ بنایا گیا تھا۔ انگلینڈ اور انڈیا کے درمیان امریکی ایئر لائن چلا کرتی تھی۔ شارجہ کو متحدہ عرب امارات میں بھی اہم مقام حاصل ہے اس کا رقبہ 83600 مربع میل ہے (متحدہ امارات) ریاستوں کے اس اتحاد میں پندرہ بندرگاہیں اور چھ ہوائی اڈے شامل ہیں۔ متحدہ عرب امارات میں پچاس ملکوں کی 450 کے قریب کمپنیوں اور فیکٹریوں کے دفاتر ہیں۔ نو ٹریڈ فری زون ہیں۔ یو اے ای تقریبا ایک ارب لوگوں کی مارکیٹ ہے۔ ہر سال دوبئی شاپنگ فیسٹیول منعقد ہوتا ہے جس میں دنیا کی بڑی بڑی تجارتی کمپنیاں اسٹال لگاتی ہیں۔ انفرادی طور پر بھی ریاستوں کی معاشی حالت بہت اچھی ہے۔

قطر جس کا رقبہ صرف 4416 مربع میٹر ہے اس کی مجموعی قومی پیداوار 12 بلین ڈالر ہے جب کہ اس کی برآمدات 5.6 بلین ڈالر سالانہ اور درآمدات 4.4 بلین ڈالر سالانہ کے قریب ہیں۔ توازن تجارت قطر کے حق میں ہے اور عوام کا معیار زندگی بہت بلند ہے۔

کویت عراق سے ملحقہ چھوٹی مگر خوشحال

اسلامی ریاست ہے ۔اس کی آبادی تقریبا بیس لاکھ ہے ۔ جو 6900 مربع میل پر پھیلی ہوئی ہے ۔ ریاست کا شمار انتہائی امیر ریاست میں ہوتا ہے ۔ تیل کے علاوہ گیس بھی کویت کی آمدنی کا سب سے اہم ذریعہ ہے ۔ یہاں کی کرنسی دینار ہے جو دنیا کی سب سے مہنگی کرنسی ہے ۔ 0.31 دینار ایک ڈالر کے مساوی ہے ۔ عوام کی حالت سے اندازہ ہوتا ہے کہ حکومت کس حد تک خوشحال ہے ۔فی کس سالانہ آمدنی 22700 امریکی ڈالر کے مساوی ہے ۔ مجموعی قومی پیداوار 43.7 بلین ڈالر ہے جب کہ درآمدات 7.8 بلین ڈالر ہے ۔ تجارتی لین دین زیادہ تر جاپان ، امریکہ ، ہندوستان اور یوروپی ممالک سے کیا جاتا ہے ۔

1990ء کی خلیجی جنگ میں عراق نے کویت پر قبضہ کرلیا ۔ امریکہ نے عراق کو کویت سے نہ صرف نکلنے پر مجبور کیا بلکہ یہاں مستقل اپنے فوجی اڈے قائم کرلئے جن سے کویت کی معیشت بری طرح متاثر ہوئی۔

لیبیا بھی عالمی سطح پر اہم اسلامی ملک ہے اقتصادی طور پر اب بہت زیادہ مستحکم نہیں ہے مگر اس کی معیشت درست خطوط پر استوار کی گئی ہے ۔ امریکی پالیسیوں پر تنقید کرنے کے باعث بڑے ممالک اس سے لین دین نہیں کرتے ۔ 7 جولائی 1986ء کے بعد سے لیبیا پر لگنے والی اقتصادی پابندیوں نے معیشت پر منفی اثرات مرتب کئے ہیں حالانکہ قذافی کی قیادت میں معاشی طور پر لیبیا نے خاصی ترقی کی تھی ۔ لیبیا کی فی کس آمدنی 6700 ڈالر سالانہ کے مساوی ہے جب کہ قومی پیداوار 38 بلین ڈالر کے قریب ہے ۔

معمر قذافی دفاع پر جی ڈی پی کا 5.3 فیصد سے زائد خرچ کرتے ہیں ۔ قومی آمدنی کا ذریعہ تیل ، ٹکسٹائل ، کھجوریں ، زیتون ، گندم اور گیس شامل ہے ۔ ایک زمانے میں تیسری دنیا کے مزدور بہتر مستقبل کے لئے لیبیا جاتے تھے ۔ عالمی اقتصادی پابندیوں کی وجہ سے بیشمار لیبر فورس کو سرپلس کرنا پڑا ۔ لیبیا کی درآمدات سالانہ 6.5 بلین ڈالر ہے جو کہ زیادہ تر اٹلی اور جرمنی سے کی جاتی ہے جب کہ برآمدات 6.5 بلین ڈالر ہیں جس سے اندازہ ہوتا ہے کہ لیبیا کا تجارتی توازن کس کے حق میں ہے ۔

لیبیا بارہ سال سے اقتصادی پابندیوں کی زد میں ہے ۔ یہ پابندیاں اس وقت لگائی گئی تھیں جب (1988ء) امریکہ کا ایک مسافر طیارہ (آئرلینڈ) میں لاکربی کے عین اوپر پھٹ گیا تھا ۔ امریکہ اور برطانیہ نے اسے لیبیا کی سازش قرار دیا تھا ۔ امریکہ نے دو لیبیائی شہری حوالے کرنے کا مطالبہ کیا تھا ۔ اس حادثے کے بعد لیبیا نے تمام غیر ملکی ایرلائن کمپنیوں کو اپنے دفاتر بند کرنے کا حکم دیا ۔ اس وقت کرنل قذافی نے کہا تھا کہ یہ دفاتر اس وقت تک بند رہیں گے جب تک دو لیبیائی باشندوں کا مقدمہ عالمی عدالت میں نہیں چلایا جاتا ۔ معاشی مشکلات سے نکلنے کے لئے لیبیا نے مصر کے صدر حسنی مبارک کے ذریعے برطانیہ ، فرانس اور امریکہ کے ساتھ تعلقات کا عندیہ دیا تھا تو عین انہی دنوں امریکہ نے لیبیا کے خلاف فوجی کارروائی کی دھمکی دے دی ۔ نومبر 1993ء میں لیبیا کے صدر نے اقوام متحدہ کو دھمکی دی تھی کہ اگر ان پر پابندیاں برقرار رہیں تو ہم تیل کے کنویں جلادیں گے ۔ مغربی ممالک لیبیا کے اس لئے خلاف ہیں کہ ایک طرف لیبیا کے پاس دنیا کا بہترین تیل ہے ۔ دوسرا وہ اسرائیل کے خلاف سخت کارروائی کے حق میں ہے ۔ اقوام متحدہ کی پابندیوں کے باوجود لیبیا پروقار انداز میں جی رہا ہے ۔

ایک اور اہم اسلامی ملک اردن پر شاہ حسین نے طویل عرصہ تک حکمرانی کی ۔ اردن عرب ریاستوں میں اہم ہے ۔ اس کی آبادی 4998564 نفوس پر مشتمل ہے جب کہ اس کا رقبہ 34445 مربع میل ہے ۔ اس کی کرنسی دینار ہے ۔ 0.71 دینار ایک امریکی ڈالر کے مساوی ہے ۔ جی ڈی پی 15.5 بلین ڈالر ہے ۔ جب کہ عوام کی فی کس آمدنی 3500 ڈالر کے قریب ہے ۔ اس کی درآمدات 3.7 بلین ڈالر اور برآمدات 1.53 بلین ڈالر ہیں ۔ نئے بادشاہ عبداللہ حسین اردن کو جدید خطوط پر استوار کررہے ہیں ۔ اس سلسلے میں انہوں نے ملٹی نیشنل کمپنیوں کو اردن میں انڈسٹری لگانے کی اجازت دی ہے ۔

الجزائر بھی ایک اسلامی ریاست ہے جو عرب ممالک میں نمایاں ہے ۔ اس کی آبادی 31,193,917 نفوس پر مشتمل ہے جس میں 99 فیصد مسلمان آباد ہیں ۔ یہ تیل کی دولت سے مالا مال ملک ہے ۔ قدرتی ذخائر کی دریافت نے ملک کی کایا پلٹ دی ہے ۔ لوہا ، تیل ، گیس ، زنک ، خام تیل ، وغیرہ کافی مقدار میں موجود ہیں ۔ یہاں کی کرنسی دینار ہے ۔ 78.46 دینار کی قدر ایک ڈالر کے مساوی ہے ۔ قومی پیداوار 140 اعشاریہ دو بلین ڈالر کے برابر ہیں ۔ جس سے الجیریا کی خوشحالی کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے ۔ فی کس آمدنی تقریبا 4600 ڈالر سالانہ ہے ۔ یہاں انڈسٹری زیادہ نہیں ہے اس لئے بہت سی اشیاء درآمد کرنا پڑتی ہیں ۔ ایک اندازے کے مطابق سالانہ 8.5 بلین ڈالر کی اشیاء فرانس ، اسپین اور دیگر یوروپی ممالک سے درآمد کی جاتی ہیں ۔ برآمدات تقریبا 15 بلین ڈالر سالانہ کے برابر ہیں زیادہ تر تجارت اٹلی ، امریکہ ، فرانس اور اسپین سے ہوتی ہے ۔

مسلم ممالک کے پاس وسائل کی کمی نہیں ہے اس وقت مسلمانوں کی معاشی ترقی میں سب سے بڑی رکاوٹ تعلیم کی کمی ہے ۔ اس وقت مسلم ممالک کے چالیس فیصد عوام ان پڑھ ہیں ۔ تعلیم کی کمی کی وجہ سے ہی تمام ممالک کی مجموعی پیداوار بہت کم ہے ۔ رقبے اور آبادی کے لحاظ سے کہیں چھوٹے ممالک فرانس ، جرمن اور جاپان کی مجموعی قومی پیداوار اسلامی ممالک سے کہیں زیادہ ہے ۔ دنیا کی مجموعی برآمدات میں اسلامی ممالک کا حصہ صرف ساڑھے سات فیصد اور مجموعی عالمی معیشت میں ان کا حصہ 5 فیصد سے بھی کم ہے ۔ اس وقت اسلامی ممالک پر سات سو بلین ڈالر سے زائد عالمی مالیاتی اداروں کا قرضہ ہے جو دنیا کے مجموعی قرضہ کا 26 فیصد ہے ۔ اگر منصوبہ بندی کی جائے تو عالمی معیشت میں اسلامی ممالک نمایاں مقام حاصل کرسکتے ہیں ۔

●●●●●

آر سی راجہ منی

مرکزی بجٹ میں دفاع کے لئے تخصیص زر

مرکزی بجٹ میں دفاع کے لئے تخصیص زر قومی سلامتی کے سلسلے میں ایک اہم عمل ہے ۔ گزشتہ ایک دہے کے دوران جموں و کشمیر میں پاکستان کی در پردہ جنگ سے بہت زیادہ جانی و مالی نقصان ہوا ہے ۔ گیارہ ستمبر کو نیویارک میں ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر اور ۱۳ دسمبر کو نئی دہلی میں پارلیمنٹ ہاؤس پر حملہ کی وجہ سے ہندوستان کی سلامتی کے تعلق سے تشویش میں اضافہ ہوگیا ہے ۔ ان دو المناک واقعات کے علاوہ، جموں و کشمیر اسمبلی پر بھی دہشت گردوں کا ایک حملہ ہوچکا ہے ۔ مگر ان واقعات کا کم از کم ایک مثبت پہلو یہ برآمد ہوا ہے اور وہ یہ کہ باقی ماندہ دنیا ، بالخصوص مغربی ممالک نے ، جن میں امریکہ بھی شامل ہے ، ہندوستان کی آواز پر توجہ دینی شروع کردی ہے ۔ راجدھانی میں بین الاقوامی ذرائع ابلاغ عام طور پر بجٹ کے صرف ایک پہلو کے بارے میں خبریں دیتے ہیں کہ ملک اپنی دفاعی ضروریات پر کتنا خرچ کرے گا ۔ بلاشبہ ، جن ملکوں سے ان صحافیوں کا تعلق ہے ، ان پر اس کے اقتصادی اور تجارتی اثرات بھی پڑتے ہیں ، کیونکہ ہندوستان متعدد ممالک سے دفاعی آلات اور ساز و سامان خریدتا ہے ۔

حالیہ عرصہ میں دفاع کے لئے تخصیص زر میں اضافہ کی مخالفت کرنے والے لوگوں کی تعداد میں کمی آئی ہے ۔ اس سے ان حالات پر روشنی پڑتی ہے ، جن سے ہم دوچار ہیں اور جن میں سلامتی کے تعلق سے چوکسی میں کمی کرنا خودکشی کے مترادف ہوگا۔

02 ۔ 2001 کے مقابلے میں 03 ۔ 2002 کے لئے دفاع کے لئے تخصیص زر میں اضافہ کو زیادہ بہتر طور پر انکسار پر مبنی قرار دیا جاسکتا ہے ۔ وزیر خزانہ ، شری یشونت سنہا نے 65000 کروڑ روپئے کے دفاعی بجٹ کی تجویز رکھی ہے ، جبکہ ختم ہورہے رواں سال کے لئے 62000 کروڑ روپئے کا دفاعی بجٹ تجویز کیا گیا تھا ۔ رواں مالی سال کی ایک قابل ذکر بات یہ ہے کہ دفاعی اخراجات کے لئے مختص کی گئی 62000 کروڑ روپئے کی رقم میں سے وزارت دفاع صرف 57000 کروڑ روپئے ہی خرچ کرے گی اور پانچ ہزار کروڑ روپئے کی رقم بچ جائے گی ۔ اس طرح رواں مالی سال میں حقیقی اخراجات کے مقابلے میں بجٹ میں صرف آٹھ ہزار کروڑ روپئے کا اضافہ کرنے کی تجویز ہے ۔

بجٹ کے بمشکل ایک ہفتہ قبل ، وزیر دفاع شری جارج فرنانڈیز نے کہا تھا کہ دفاع کے لئے مختص کی گئی رقم میں سے بارہ ہزار کروڑ روپئے جنوری کے آخر تک خرچ ہونے سے رہ گئے تھے ۔ مگر ایسا لگتا ہے کہ اس رقم میں سے سات ہزار کروڑ روپئے وزارت دفاع نے خرچ کردئے ہیں ، جن سے یہ اشارہ ملتا ہیکہ فروری میں کچھ خریداریاں کی گئی ہیں ۔

عام طور پر پوری دنیا میں اور خاص طور پر جنوبی ایشیا میں سلامتی کے سلسلے میں نئی تشویش پیدا ہونے سے دفاعی پیداوار اور دفاعی خریداریوں کے دائرہ میں ایک نئی جہت پیدا ہوگئی ہے ۔ اس پس منظر میں راجدھانی میں جنوری میں پانچ روزہ دفاعی نمائش ڈیف ایکسپو 2002 کا انعقاد ہوا ، جس میں بڑھتے ہوئے عالمی بازار پر نظر رکھتے ہوئے ملک کی دفاعی پیداوار کی نمائش کی گئی ۔ یہ نمائش دو وجہ سے اہم تھی ۔ ایک وجہ یہ ہے کہ اس میں دنیا بھر کے 20 ملکوں کی 140 کمپنیوں نے شرکت کی اور دوسری وجہ یہ ہے کہ اس کا انعقاد حکومت کے اس اعلان کے پس منظر میں ہوا کہ وہ لائسنس کی بنیاد پر اپنی پیداوار کے سلسلے میں 26 فیصد تک غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری کی اجازت دے گی ۔

اس اعلان کے بعد مشکل سے ہی کوئی مخالفانہ لہر پیدا ہوئی ۔ 15 سے 20 سال قبل اس طرح کے اعلان سے ایک ہنگامہ کھڑا ہوجاتا ۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ملک تیزی سے عالمی معیشت کے ساتھ مربوط ہورہا ہے ۔ ڈبلیو ٹی او کے جرات مندانہ نئے عالمی نظام کے تحت ہر ایک ملک کے مفاد کی اساس اقتصادی اور تجارتی تشویش پر ہے ۔ ہندوستان اس سے مستثنیٰ نہیں ہے ۔ خاموش تماشائی بن کر کھڑا رہنے کی بجائے ، حکومت اور ملک کے صنعت کاروں کو اس موقع سے فائدہ اٹھا کر معیاری دفاعی مصنوعات تیار کرنی چاہئیں اور ترقی پذیر عالمی بازار کو اپنی دسترس میں لینا چاہئے ۔

1999 میں کارگل کی لڑائی کے بعد ، دفاعی افواج مختص کی گئی رقم سے کم خرچ کررہی ہیں ۔ 2000 ۔ 1999 کے دوران دفاعی افواج نے 48504 کروڑ روپئے خرچ کئے تھے ۔ یہ رقم مختص کی گئی رقم 45694 کروڑ روپئے سے تقریباً تین ہزار کروڑ روپئے زیادہ تھی ۔ 01 ۔ 2000 میں دفاعی افواج نے مختص کی گئی 58587 کروڑ روپئے کی رقم میں سے 54461 کروڑ روپئے خرچ کئے تھے ۔ یعنی مختص کی گئی رقم سے چار ہزار کروڑ روپئے سے کچھ کم ۔ 02 ۔ 2001 میں دفاعی افواج کے اخراجات کا تخمینہ 57 ہزار کروڑ روپئے لگایا گیا ہے ، جبکہ نظرثانی شدہ مختص رقم 65 ہزار کروڑ روپئے تھی ، یعنی آٹھ ہزار کروڑ روپئے کا بڑا فرق باقی رہ جائے گا ۔

نئی تجاویز میں تینوں سرویسز کے لئے مالیہ جاتی تخصیص زر تقریباً 43331 کروڑ روپئے ہے اور سرمایہ جاتی اخراجات 21569 کروڑ روپئے ہیں ۔ سرمایہ جاتی (آلات) اخراجات کے لئے سب سے زیادہ رقم فضائیہ کو دی گئی ہے (7402 کروڑ روپئے) ۔ اس سلسلے میں ماہرین دفاع کا خیال ہے کہ ملک ایڈوانسڈ جیٹ ٹرینر (اے جے ٹی) خریدنے والا ہے جن کا عرصہ سے انتظار تھا ۔ بحریہ کو طیارہ بردار گورشکوف ملنا چاہئے اور بری فوج کو اسرائیل سے فالکون اے ڈبلیو اے سی ایس ، روس سے ٹی 90 ٹینک ، جنوبی افریقہ اور سویڈن سے 155 ایم ایم توپیں اور امریکہ سے ہتھیاروں کا سراغ لگانے والے راڈار ملنے

چاہئیں۔

تینوں سروسز اب حملہ کرنے کی اپنی صلاحیتوں کی کمی کو دور کرنے کے لئے بڑے پیمانے پر خریداری کرنے کے لئے تیار ہیں۔ زیادہ توجہ اس بات پر ہے کہ لمبے فاصلے تک حملہ کرنے کی صلاحیت اور طاقت کو بڑھانے والے جدید ترین آلات حاصل کئے جائیں، قابل اعتبار نیوکلیائی مزاحمت حاصل کی جائے اور خطے میں روایتی برتری برقرار رکھی جائے۔

بری فوج سیلف پراپلڈ توپوں اور نشانہ لگانے والے گائیڈیڈ بموں کی خریداری کے لئے تیار ہے اور فضائیہ ایڈوانسڈ جیٹ ٹرینرز (اے جے ٹی) ری فیولر، اور ایئر بورن وارننگ سسٹم (اے ڈبلیو اے سی ایس) کے ذریعہ خود کو مستحکم بنانے گی نیز بحریہ ایک طیارہ بردار جہاز حاصل کرنے کے علاوہ آبدوز بھی خریدنے کے لئے تیار ہے۔

اس سال دفاعی سرمایہ جاتی اخراجات میں 4454 کروڑ روپئے کے اضافہ سے مسلح افواج کے لئے ان آلات اور ساز و سامان کی خریداری کے سلسلے میں ادارے کھل جائیں گے، جو وہ عرصہ سے خریدنے کی خواہاں تھیں۔ اس سے جنوبی افریقہ سے سیلف پراپلڈ توپیں، امریکہ سے گن لوڈنگ راڈار اور مواصلاتی سیٹ نیز روس سے کراسانوپول ٹرمنل گائیڈیڈ بموں کی خریداری میں مدد ملے گی۔ بری فوج عرصہ سے طویل فاصلہ تک نشانہ لگانے والی توپیں اور بکتر بند پرسونل کیریئرز خریدنے کی خواہاں تھی۔ دفاع کے لئے تخصیص زر میں اضافہ سے فضائیہ کے لئے برطانیہ سے ہاک اے جے ٹی طیاروں کی خریداری کا راستہ کھل جائے گا۔ فضائیہ کو 16 سال سے خریداری کی اجازت ملنے کا انتظار تھا۔ ہندوستانی فضائیہ کو اپنے لڑاکا طیاروں کے حادثات کی تعداد میں اضافہ کا سامنا ہے اور وہ اپنے ہوا بازوں کی تربیت کے لئے اے جے پی طیاروں کی خریداری کی خواہاں تھی۔ اے جے پی کا سودا ہونے میں مسلسل تاخیر ہندوستانی فضائیہ اور اس کے عملہ کے لئے کوئی اچھی بات نہیں ہے۔

دفاعی پیداوار، تحقیق اور ترقی کے لئے ہندوستانی بنیادی ڈھانچہ میں سال بہ سال اضافہ ہوا ہے اور اب ٹکنالوجی لینے والے ملک کی بجائے ہندوستان نئی مصنوعات کی تیاری میں حصہ دار بننا چاہتا ہے۔ وزیر دفاع نے نجی شعبہ کو دعوت دی ہے کہ ہندوستانی صنعت کو مضبوط اور مقابلہ جاتی بنانے کے کام میں شریک ہوں۔ وزیر موصوف نے اس بات پر زور دیا ہے کہ وہ نجی کمپنیاں دفاعی شعبہ میں لائسنس کی بنیاد پر 26 فیصد تک غیر ملکی براہ راست سرمایہ کاری کی اجازت دینے کے فیصلے سے فائدہ اٹھائیں۔

امریکہ اور دیگر ممالک کی جانب سے پابندیاں اٹھائے جانے کے بعد، ہندوستان کی دفاعی خریداری میں اضافہ ہوگا اور دفاعی افواج کو امید ہے کہ دفاع کے لئے 03 ۔ 2002 کے بجٹ میں مختص کی گئی رقم زیادہ بہتر طور پر استعمال کرکے آسانی سے خریداری کرنے کا عمل شروع کیا جائے گا جس میں تینوں سروسز کے لئے دفاعی خریداری کے مربوط بورڈ کا قیام بھی شامل ہوگا۔

بری فوج کے لئے 35368.72 کروڑ روپئے کی رقم مختص کی گئی ہے، یعنی اس رقم میں 6.69 فیصد کا اضافہ ہوا ہے۔ لیکن افراط زر کی روشنی میں یہ اضافہ گھٹ کر 2.59 فیصد رہ جائے گا۔ یہ اضافہ بہت سے شعبوں کا احاطہ کرتا ہے جن میں ٹینک، توپ خانہ اور الیکٹرانک آلات مثلاً ہتھیاروں کا پتہ لگانے والے راڈار، بہبود، مکانات و اسٹورز (موجودہ اثاثوں کی بہتری) شامل ہیں۔ دیگر آلات کے لئے اضافہ 1400 کروڑ

فلم نگلن کو آسکر ایوارڈ ملنے پر یونٹ میں مایوسی

روپئے کی بڑی رقم کا ہوا ہے، جن سے بری فوج کو جدید جنگی آلات فراہم کرنے کے حکومت کے منصوبے پر روشنی پڑتی ہے۔

فضائیہ کو 15589 کروڑ روپئے کی رقم ملی ہے۔ یہ رقم نظرثانی شدہ تخمینوں سے تیس فیصد زیادہ ہے۔ اس رقم کا لڑاکا طیاروں (مگ 21۔ بی آئی ایس) کو بہتر بنانا ایس یو 30 لڑاکا طیاروں کی تیاری کے لئے لائسنس کی ادائیگی اور ہندوستان ایروناٹکس لمیٹڈ سے جیگوار طیاروں کی خریداری شامل ہے۔ ہندوستانی فضائیہ ایئر ٹو ایئر ری فیولر کی شکل میں مزید تین ملٹی پلائرز خریدنے کا منصوبہ بھی بنارہی ہے۔ ایڈوانسڈ جیٹ ٹرینرز (اے جے ٹی) اور اے ڈبلیو اے سی ایس کے حصول کے لئے بھی اہتمام کیا گیا ہے۔ دفاعی تحقیق اور ترقی کی تنظیم میں ایک لائٹ کمبیٹ طیارے (ایل سی اے) کے لئے امریکی انجنوں کی خریداری کے لئے بھی رقم مختص کی گئی ہے۔

حکومت کی جانب سے دفاعی خریداری میں اضافہ کے پیش نظر اب ضرورت اس بات کی ہے کہ ملک کے سرکاری اور نجی شعبے اپنی دفاعی پیداوار نیز اپنے گھریلو اور سمندر پار کے بازاروں پر از سر نو غور کریں، تاکہ وہ اپنے لئے ایک مضبوط بنیاد حاصل کرسکیں۔ آئندہ مالی سال میں دفاعی برآمدات کے لئے حکومت کا نشانہ تین سو کروڑ روپئے کی موجودہ سطح سے بڑھاکر ایک ہزار کروڑ روپئے کرنے کا ہے۔ اس موقع سے ہمارے پیداوار کنندگان کو بھرپور فائدہ اٹھانا چاہئے۔

ڈاکٹر سلمان عابد

آندھرا پردیش میں پالی ٹکنک کالجس

ریاست آندھرا پردیش کے تمام پالی ٹکنک کالجوں میں داخلوں کے لئے کامن انٹرنس ٹسٹ منعقد کیا جاتا ہے ۔ انٹرنس ٹسٹ میں کامیاب پالی ٹکنک کورسس میں داخلوں کے خواہشمند طلباء و طالبات کی معلومات کے لئے ہم یہاں ریاست میں موجود سرکاری و خانگی پالی ٹکنک کالجس ، ان میں مروج کورس ، نشستوں کی تعداد اور داخلہ کے طریقہ کار سے متعلق تذکرہ کریں گے ۔

آندھرا پردیش میں جملہ 70 پالی ٹکنک کالجس قائم ہیں ۔ تین کمرشیل انسٹی ٹیوٹنس اور دس ریاستی ادارے ہیں ۔ آندھرا یونیورسٹی کی حدود میں 17 گورنمنٹ اور 11 پرائیوٹ پالی ٹکنک کالجس قائم ہیں ۔ سری وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی کی حدود میں 14 گورنمنٹ اور 5 پرائیوٹ کالجس ہیں ۔ اس طرح عثمانیہ یونیورسٹی کے حدود میں 20 گورنمنٹ اور 3 پرائیوٹ کالجس کام کررہے ہیں ۔ خانگی انتظامیہ کے تحت 3 کمرشیل ادارے اس یونیورسٹی کے حدود مین قائم ہیں ۔ پالی ٹکنک کورس کے موضوعات اور ان کے محاذی نشستوں کی تعداد دیکھی جائے تو سیول انجینئرنگ (ڈی سی آئی) کے لئے آندھرا یونیورسٹی میں جملہ نشستیں 940 ہیں ۔ اس طرح وینکٹیشورا یونیورسٹی تروپتی میں 670 ، عثمانیہ یونیورسٹی میں 830 اور ریاستی اداروں میں 60 نشستیں فراہم ہیں ۔ میکانیکل انجینئرنگ (ڈی یو ایم ای) شعبے میں آندھرا یونیورسٹی میں ، 1295 وینکٹیشورا یونیورسٹی میں 840 اور عثمانیہ یونیورسٹی 770 نشستیں فراہم ہیں ۔ الیکٹریکل اینڈ الیکٹرانکس انجینئرنگ (ڈی ای ای ای) شعبہ میں آندھرا میں 485 ، وینکٹیشورا میں 400 اور عثمانیہ میں 600 نشستیں ہیں ۔ الیکٹرانکس اینڈ کمیونکیشن انجینئرنگ (ڈی ای سی ای) شعبے میں آندھرا میں 1175 ، وینکٹیشورا میں 785 ، عثمانیہ میں 660 اور ریاستی اداروں میں 40 نشستیں ہیں ۔ کمپیوٹر انجینئرنگ (ڈی سی اے ایم ای) میں آندھرا میں 330 وینکٹیشورا میں 110 ، عثمانیہ میں 200 اور ریاستی اداروں میں 80 نشستیں فراہم ہیں ۔ آٹومو بائیل انجینئرنگ (ڈی اے ای) شعبے میں آندھرا میں 140 ، وینکٹیشورا میں 70 اور عثمانیہ میں 120 نشستیں ہیں ، مائننگ انجینئرنگ (ڈی ایم ای) شعبے میں آندھرا میں 40 وینکٹیشورا میں 100 اور عثمانیہ میں 90 نشستیں رکھی گئی ہیں ۔ آرکیٹکچر انجینئرنگ (ڈی آرک ای) شعبے میں آندھرا میں 80 ، وینکٹیشورا میں (نامعلوم) عثمانیہ میں 80 اور ریاستی اداروں میں 60 نشستیں ہیں ۔ میٹالرجی انجینئرنگ (ڈی میٹ ای) شعبے میں آندھرا میں 100 ، وینکٹیشورا میں (نامعلوم) اور عثمانیہ میں 70 نشستیں ہیں ، کیمیکل انجینئرنگ (ڈی کیم ای) شعبے میں آندھرا میں 30 ، وینکٹیشورا میں (نامعلوم) عثمانیہ میں 30 نشستیں ہیں ۔ کمرشیل اینڈ کمپیوٹر پریکٹیس (ڈی سی سی پی) شعبے میں آندھرا میں 220 ، وینکٹیشورا میں 175 ، اور عثمانیہ 585 نشستیں ہیں ۔ ان کے علاوہ ریاستی اداروں میں خصوصی کورسس میں نشستوں کی تعداد اس طرح ہے ۔

اسپیشل ڈپلوما ان الیکٹرانکس (120) نشستیں پرنٹنگ ٹکنالوجی (60 نشستیں) لیدر ٹکنالوجی (30) ٹکسٹائیل ٹکنالوجی (30) سیرامک ٹکنالوجی (60) شوگر ٹکنالوجی (60) فوڈ ٹکنالوجی (40) نشستیں الیکٹرانکس اینڈ انسٹرو مینٹیشن ٹکنالوجی میں 40 نشستیں ۔

گورنمنٹ اور پرائیوٹ کالجوں میں 85 فیصد اس یونیورسٹی کے طلبہ کے لئے مختص کی گئی ہیں ۔ جس یونیورسٹی کی حدود میں یہ کالج قائم ہیں اور 15 فیصد نشستیں دیگر جامعات کے طلبہ کے لئے مختص ہیں ۔ پالی ٹکنک کے کامن انٹرنس ٹسٹ میں رینک کے علی الحساب نشستوں کی تقسیم عمل میں لائی جاتی ہے ۔ ریاستی اداروں 36 ، غیر امدادی ، خانگی اداروں ، آندھرا ، عثمانیہ وینکٹیشورا یونیورسٹیوں کی حدود میں طلبہ کو 22 ، 42 کے تناسب سے داخلہ دیا جاتا ہے ۔ حیدرآباد میں قائم قلی قطب شاہ گورنمنٹ پالی ٹکنک کالج ایک ایسا کالج ہے ، جہاں داخلہ انہی طلبہ کو دیا جاتا ہے جو قلی قطب شاہ شہری ترقیاتی حدود میں کم از کم چار سال مسلسل گزار چکے ہوں ۔

غیر امدادی پالی ٹکنک کالجوں میں نشستوں کی تقسیم اس طرح کی گئی ہے کہ ان میں 50 فیصد نشستوں کو فری نشستوں کی طرح رکھا گیا ہے ۔ اور 50 فیصد نشستوں کا ادائیگی نشستوں کی طرح تعین کیا گیا ہے ۔ مفت نشستوں کے حامل طلبہ کو 800 روپئے اور ادائیگی نشستوں میں داخلہ حاصل کرنے والے طلبہ کو 12200 روپئے ٹیوشن فیس کے طور پر ادا کرنا ہوتے ہیں ۔ جب کہ گورنمنٹ اور امدادی کالجوں میں یہ فیس صرف 800 روپئے ہے ۔

داخلوں کا طریق کار یہ ہے کہ انٹرویو کے لئے طلب کئے جانے والے امیدواروں کے رینک نمبرس ، ہال ٹکٹ نمبرس ، انٹرویو کا مقام ، وقت ، تاریخ وغیرہ سے متعلق تمام تر تفصیل سرکردہ تلگو ، انگریزی اور اردو روزناموں میں شائع کی جاتی ہے ۔ اس کے علاوہ انفرادی طور پر یہ تفصیل امیدواروں کو ذریعہ ڈاک روانہ کی جاتی ہے ۔

آندھرا یونیورسٹی کی حدود میں واقع کالجوں میں داخلوں کے لئے کاکی ناڈا میں قائم آندھرا پالی ٹکنک میں عثمانیہ یونیورسٹی کی حدود میں واقع کالجوں میں داخلہ کے لئے سکندرآباد ایسٹ ماریڈ پلی میں واقع گورنمنٹ انسٹی ٹیوٹ آف ٹکنالوجی میں ، سری وینکٹیشورا یونیورسٹی کی حدود میں واقع کالجوں میں داخلوں کے لئے تروپتی میں واقع سری وینکٹیشورا گورنمنٹ پالی ٹکنک کالج میں داخلہ کیمپ منعقد کئے جاتے ہیں ۔

(نوٹ : نشستوں کی تعداد اور فیس میں تبدیلی ہوتی رہتی ہے تفصیلات راست متعلقہ اداروں سے معلوم کی جائیں) ۔

.... سلسلہ جاری ہے

محمد عبدالسمیع۔ پربھنی

ایم ایل سی کیلئے فوزیہ خان کی نامزدگی

اقلیت کے حقوق کی بازیافت ہے!

"وجود زن سے ہے تصویر کائنات میں رنگ" کے مصداق عورت کا وجود اس کائنات رنگ و بو اور اس دنیائے ہست و بود میں رحمت خداوندی سے کم نہیں۔ یہ ان معنی میں کہ طبعا حلیم و برد بار عورت مہر وفا کی مورت، خلوص کی صورت پیکر محبت ہوتی ہے۔ وہ ماں، بہن، بیٹی اور بیوی ہر حیثیت سے لائق تکریم و واجب التعظیم ہے۔ کیونکہ ماں کی حیثیت سے وہ اگر ممتا کے خزانے لٹاتی ہے تو بہن اور بیٹی کی حیثیت سے محبت و چاہت کے پھول کھلاتی اور بیوی کی حیثیت سے مرد کا "نصف بہتر" ہے۔ گویا آدم تا ایں دم اور تا قیام قیامت وہ مرد کی ہمدم بلکہ دم ساز ہی ہے۔ عصر حاضر ہو یا عہد عتیق عورت مرد کا سرچشمہ تو رہی ہے لیکن بذات خود مرد سے کم تر نہیں۔

تاریخی پس منظر میں حسینہ عالم قلوپطرہ کا نام آتا ہے جو مصر پر حکومت کرتی تھی اور جس نے حاکم مطلق کی حیثیت سے مردوں پر عورت کی برتری کا سکہ جمادیا تھا۔ ایک نام بلقیس کا بھی ہے جو ملک صبا کی حکمراں تھیں اور جنہوں نے تاریخ عالم میں عورت کی فوقیت کے نشان ثبت کئے ہیں۔

ماضی سے ہٹ کر کچھ ادھر آیئے تو مہارانی جھانسی، مہارانی لکشمی بائی، رانی کرناوتی، رانی روپ متی اور خاتون آہن چاند سلطانہ کے ساتھ ساتھ رضیہ سلطانہ کے نام تاریخ کے صفحات پر روشن و تابندہ نظر آتے ہیں۔ جنگ آزادی میں بڑھ چڑھ کر حصہ لینے والی ارونا آصف علی اور بلبل ہند سروجنی نائیڈو و رانیاں تو نہ تھیں مگر تاریخ ہند ادھوری اور ناتمام ہی رہے گی اگر ان محترم اور قابل خواتین کے تذکرہ سے خالی ہو۔

اندرا گاندھی بھی ایک نام ہے جسے جہاں گیر و جہاں دار قسم کے ناموں کے ساتھ لکھا جاسکتا ہے اور آج کے حالات میں بیگم خالدہ ضیاء ایک نام ہے۔ یہ نام علامت ہے ہمت و

جرات کا، استقلال و پامردی کا، بصیرت و بصارت کا، تدبر و تبحر کا، غرض سیاسی میدان ہو یا سماجی، ہر میدان میں عورت نمایاں مقام کی مالک رہی ہے اور ہر طور سے انسانیت کی خدمت انجام دیتی رہتی ہے۔

پربھنی کے سیاسی افق پر آج ایک ایسی ہی خاتون کا نام جلوہ گر ہے جس نے انتہائی قلیل عرصہ میں تعلیمی خدمات کے شاندار ریکارڈ قائم کئے اور سماجی خدمات کی نئی تاریخ مرتب کی ہے اور وہ فوزیہ تحسین احمد خان ہیں۔ حلیم و بردبار اور دوررس نگاہ رکھنے والی ایک دلیر خاتون۔ ویسے فوز کے معنی کامیابی، کامرانی، فتح و ظفر اور بخوبی مقصد کو پہونچنا ہیں۔

روشن خیال، کشادہ ذہن اور نسبتا وسیع المشرب فوزیہ خان کی بڑی اور نمایاں خوبی یہ ہیکہ وہ جدید دور سے ہم آہنگ ایک اعلی تعلیم یافتہ خاتون ہیں۔ انہیں تعلیم و تدریس سے خصوصی لگاؤ ہے۔ وہ سمجھتی ہیں کہ اعلی تعلیم ہی ہے جو کسی فرد یا معاشرہ کو سرخرو سربلند کرسکتی ہے یا جس کے ذریعہ کوئی فرد یا معاشرہ کامیابی و کامرانی سے ہمکنار ہوسکتا ہے۔

ان کا خیال ہیکہ علم ہی وہ وصف ہے جو انسان کو جینے کا سلیقہ سکھاتا اور اسے آداب زندگی سے واقف کراتا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ تمام تر مدارج اعلی تک پہنچنے کا واحد ذریعہ صرف اور صرف تعلیم ہے۔ یہی وجہ ہیکہ انھوں نے تعلیم کو عام کرنے کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ "کوئنس انگلش اسکول" ان کی اسی خواہش کی عملی تفسیر ہے جہاں بچوں کو عصری خطوط پر معیاری تعلیم دی جاتی ہے اور انہیں جدید دور سے ہم آہنگ کیا جاتا ہے۔ با الفاظ دیگر انہیں نئے زمانہ کے ساتھ قدم سے قدم ملاکر چلنا سکھایا جاتا ہے۔

فوزیہ خان "کاسموپالیٹن ایجوکیشنل اینڈ ویلفیر سوسائٹی" کی سکریٹری ہیں اس کے علاوہ "انڈین اسوسی ایشن فار پری اسکول ایجوکیشن" کی وہ نیشنل سکریٹری ہیں۔ یہ ادارہ کل ہند سطح پر تعلیمی خدمات انجام دیتا ہے۔ اس کی کل 20 شاخیں ہیں جبکہ پربھنی اس کا سنٹر ہے۔ فوزیہ خان ایم اے، ایم فل ہونے کے باوجود سماجی بہبود کے کاموں سے گہرا لگاؤ رکھتی ہیں۔ یہی وجہ

ہے کہ فلاحی انجمنوں اور تعلیمی اداروں سے نہ صرف یہ کہ وہ منسلک ہیں بلکہ عملاً سرگرم بھی۔ بہبودی اطفال ہو یا بہبودی نسواں ان کاموں میں وہ ہمیشہ پیش پیش رہتی ہیں۔

آج وہ میدان سیاست کی شہ سوار ہیں یعنی انہیں پربھنی کے لئے ایم ایل سی نامزد کیا گیا ہے۔ ایم ایل سی ممبر آف لیجسلیٹیو کونسل کا مخفف ہے جسے قانون ساز ادارہ یا مجلس مقننہ بھی کہا جاتا ہے۔ ہندی میں اسے ودھان پریشد کہتے ہیں۔

ایم ایل سی کے لئے ممبران کا انتخاب ہوتا ہے جس کے طریقہ جدا جدا ہیں۔ مثلاً گراجویٹ حلقہ کے ارکان، اعلیٰ تعلیمی حلقوں سے چنے جاتے ہیں۔ جیسے کوکن حلقے سے مشتاق انتولے یا ممبئی سے اسحاق جمخانہ والا، جو ارکان اسمبلی کے ذریعہ منتخب ہوئے تھے یا سابق میں پربھنی سے رجنی تائی ساتو اور حال ہی میں رام پرساد بورڈی کر جنہیں ارکان بلدیہ نے منتخب کیا تھا۔

اس کے علاوہ ایک طریقہ نامزدگی کا بھی ہے جس کے ذریعہ مختلف اہلیتوں کے حامل اشخاص اور فن دانوں مثلاً شاعر، ادیب، دانشور، محقق، کھلاڑی، آرٹسٹ، فنکار، اداکار، موسیقار، گلوکار یا سماجی خدمت گار کو رکنیت سے سرفراز کیا جاتا ہے۔ واضح رہے کہ راجیہ سبھا اور ودھان سبھا کے لئے صدر جمہوریہ اور گورنر کی جانب سے اس طرح کی نامزدگیاں عمل میں آتی ہیں۔

ماضی میں مشہور فلمی اداکار پرتھوی راج، اداکارہ نرگس دت، شاعر بیکل اتساہی بلرام پوری، ڈرامہ نگار حبیب تنویر، دہلی سے شائع ہونے والے اخبار "تیج" کے مدیر وشو بندھو گپتا، اردو تصنیف "میری حدیث عمر گریزاں" کے لئے ساہتیہ اکیڈیمی سے ایوارڈ یافتہ ڈاکٹر آنند نرائن ملا، ہاکی کے مشہور کھلاڑی اسلم شیر خان اور جواہر لعل نہرو یونیورسٹی کے پروفیسر اور بین الاقوامی سیاست کے ماہر ڈاکٹر رشید الدین خان کو راجیہ سبھا کے لئے نامزد کیا گیا تھا اور حال ہی میں دنیائے فلم کی شہرہ آفاق ہستی جناب یوسف خان عرف دلیپ کمار اور اداکارہ شبانہ اعظمی کو راجیہ سبھا کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔ 25 فبروری 2002ء کو مہاراشٹرا کے گورنر عزت ماب پی سی الیگزنڈر کی جانب سے نامزد کئے جانے والے بارہ ارکان مقننہ میں ممبئی سے ڈاکٹر ایم اے عزیز اور پربھنی سے فوزیہ تحسین احمد خان، دو مسلم نمائندے شامل ہیں جن کی نامزدگی نے عوام کے دلوں میں امیدوں کے چراغ روشن کردئے اور ان کے دامن کو گلہائے مسرت سے بھردیا ہے۔

آج ہر صاحب فہم و ذکا، ہر صاحب عقل و دانش اس نامزدگی پر شاداں و فرحاں ہے اور اس یقین سے سرشار کہ این سی پی قائد جناب شرد پوار کا یہ ایک تاریخ ساز فیصلہ اور عہد آفرین اقدام ہے جو نہ صرف اقلیت کے آئینی حقوق کی بازیافت ہے بلکہ این سی پی کے سیکولر امیج اور اس کی غیر متعصبانہ پالیسی کا بھی آئینہ دار ہے۔ اس سے ثابت ہوتا ہیکہ پارٹی رواداری اور غیر جانب داری کی راہ پر گامزن ہے اور سب کو ساتھ لیکر چلنا چاہتی ہے۔

اورنگ آباد اور ناندیڑ کے بعد غالباً پربھنی ہی ایک ایسا ضلع ہے جو مسلم ووٹرس کی قابل لحاظ تعداد رکھتا ہے اور یہ تعداد سیاسی نقطہ نظر سے طاقت کا توازن قائم کرتی ہے لہذا ووٹرس کی اتنی بڑی تعداد کو نظرانداز کرکے کوئی پارٹی اپنی طاقت کا مظاہرہ نہیں کرسکتی نہ کامیابی کے مقام تک پہنچ سکتی ہے۔

بلدی انتخاب میں شیوسینا کی حالیہ کامیابی کو منفی ووٹوں کے پس منظر میں دیکھا جائے تو مسلمان ایک فیصلہ کن طاقت کی حیثیت سے سامنے آتے ہیں۔ لہذا اس طاقت کو اپنے ساتھ رکھنے کے لئے ضروری تھا کہ پربھنی کو مسلم نمائندگی دی جاتی۔ قطع نظر اس کے کہ وہ کس کے حصے میں آتی، یہ خوش آئند ہے کہ پربھنی کے مسلم ووٹرس کے جذبات کا احترام کیا گیا اور قرعہ فال محترمہ فوزیہ خان کے نام نکلا۔ وہ مجلس مقننہ کی رکنیت سے سرفراز کی گئیں کہ اس کا استحقاق رکھتی تھیں چنانچہ جب ان سے دریافت کیا گیا کہ اپنی نامزدگی پر وہ کیا محسوس کرتی ہیں تو وہ بولیں! "یہ نامزدگی کسی کی عطا یا کسی کا وردان نہیں بلکہ جناب شرد پوار صاحب کا ذاتی انتخاب ہے جنہوں نے مجھے سماجی خدمت کا اہل سمجھا اور ذمہ داری ڈال دی اور میں سمجھتی ہوں کہ یہ ایک صحیح فیصلہ تھا۔ کیونکہ آج کے استحصالی نظام سیاست میں غریبوں کے لئے انصاف طلبی اور حقوق کی بہم رسانی دونوں دشوار ہیں۔ تاہم میری دیرینہ خواہش رہی ہیکہ محروم طبقات کے لئے کچھ کروں اور شرد پوار صاحب نے مجھے اس کا موقع دیا ہے۔

جب یہ پوچھا گیا کہ ہر طرح کی ترقی سے محروم اس علاقہ کے عوام کے لئے آپ کیا کرنا چاہتی ہیں تو انہوں نے کہا "بنیادی طور پر میں تعلیم سے وابستہ ہوں۔ اس لئے لہذا تعلیم ہی میری ترجیح رہے گی یعنی اس علاقہ کی تعلیمی پسماندگی دور کرنے کی عملاً کوشش کروں گی اور ڈگری کالج، میڈیکل کالج یا فنی شعبہ جات کی جامعہ کا قیام میری ترجیحات ہوں گی کہ اکثر نوجوان لڑکے، لڑکیاں جو رسمی تعلیم کے بعد بیکار ہوجاتے ہیں اس کی ضرورت محسوس کرتے ہیں"۔

ان سے کہا گیا کہ آپ کی نامزدگی پر کچھ لوگ ناخوش و ناراض ہیں اور اخباری بیانات کے ذریعہ اپنی ناراضگی کا برملا اظہار کررہے ہیں تو انہوں نے کہا "پارٹی لیڈر کے فیصلے پر ناخوشی کا کوئی جواز نہیں۔ مناسب ہے کہ تمام لوگ مل جل کر کام کریں اور پارٹی کو مضبوطی عطا کریں کہ یہی ہمارا فرض منصبی ہے۔

پھر کہا گیا کہ آپ محسوس کرتی ہیں کہ آپ کی نامزدگی سے کچھ لوگوں کی حق تلفی ہوئی ہے؟

انہوں نے کہا۔ ہرگز نہیں! کیونکہ انتخابی کرائیٹریا میں تین باتیں ملحوظ رکھی گئیں۔ ایک 33 فیصد کے دستوری تحفظات کے تحت خواتین کا کوٹہ، دوسرا اقلیتی نمائندگی کا حق اور تیسرا تعلیمی لیاقت، لہذا اس میں کسی کی حق تلفی کا سوال ہی کہاں؟ یہ تو تین نامزدگیوں کی ایک نامزدگی ہے جو خود پارٹی لیڈر نے کی ہے۔

تو کیا آپ مطمئن ہیں!

انہوں نے کہا جی ہاں! میں پوری طرح مطمئن ہوں۔ عوام کا اطمینان ہی میرا اطمینان ہے اور عوام نہ صرف مطمئن ہیں بلکہ وہ بے حد خوش ہیں اور میں ان کی خوشیوں میں مزید اضافہ کروں گی اپنی خدمات کے ذریعہ اپنی کارکردگی کے ذریعہ۔ یوں سمجھیں میں صرف کام کرنا چاہتی ہوں صرف کام۔

خواتین کے لئے قومی کمیشن

اکثر کہا جاتا ہے کہ سماج میں خواتین کی حیثیت اور صورت حال کسی بھی تہذیب، اس کے ارتقاء اور اس کی خامیوں کو سمجھنے کا بہترین طریقہ ہے ۔ ہندوستان کے معاملے میں، خواتین نے رگ وید کے زمانے میں عالموں اور داناؤں کی حیثیت سے لے کر مسلح افواج، اطلاعاتی ٹکنالوجی، سیاست، صنعت اور دیگر اہم شعبوں تک ایک طویل سفر طے کیا ہے ۔ اسی کے ساتھ ساتھ انہوں نے ایک بیٹی، بیوی اور ماں کی حیثیت سے بھی اپنے کردار میں توازن قائم رکھا ہے ۔ جدید کاری کے سلسلے میں یہ سفر آسان نہیں رہا ہے ۔ خود کو مضبوط بنانے اور اپنی ایک الگ شناخت قائم کرنے کے لئے خواتین کو مردوں کی بالادستی والے ہندوستان کے روایتی سماج سے برسر پیکار ہونا پڑا ہے ۔ اگرچہ یہ سب مثبت واقعات ہیں تاہم آبرو ریزی، کام کرنے کی جگہ پر ہراساں کرنے اور جہیز کی سبب اموات کے معاملات اب بھی بہت زیادہ ہیں ۔ ناخواندگی اور اپنے حقوق کے بارے میں ناواقفیت اب بھی خواتین کی اکثریت میں موجود ہے ۔ اسی پس منظر میں، تقریبا دو دہائی قبل ہندوستان میں خواتین کی حیثیت کے بارے میں کمیٹی (سی ایس ڈبلیو آئی) نے شکایات کے ازالہ کے کام میں سہولت بہم پہنچانے کی نگرانی کے فرائض انجام دینے نیز خواتین کی سماجی اور اقتصادی ترقی کی رفتار میں تیزی لانے کی غرض سے خواتین کے لئے ایک قومی کمیشن کے قیام کی سفارش کی تھی ۔

جنوری، 1992 میں خواتین کے لئے قومی کمیشن سے متعلق ایکٹ 1990 (حکومت ہند کے 1990 کے ایکٹ نمبر 20) کے تحت خواتین کے لئے آئینی اور قانونی تحفظات کا جائزہ لینے، ازالہ جاتی قانونی اقدامات کی سفارش کرنے، شکایات کے ازالہ کے سلسلے میں سہولت بہم پہنچانے اور خواتین کو متاثر کرنے والے تمام پالیسی امور کے بارے میں حکومت کو مشورہ دینے کے لئے ایک قانونی ادارہ کے طور پر خواتین کے لئے قومی کمیشن (این سی ڈبلیو) کا قیام عمل میں آیا تھا ۔

> خواتین کے ساتھ امتیازی سلوک کا سلسلہ آج بھی جاری ہے ۔ جہیز کے سبب اموات، ناخواندگی اور حقوق سے ناواقفیت کی بناء اس سماج میں، خواتین کے ساتھ ناانصافی ہورہی ہے ۔ ضرورت اس بات کی ہیکہ ان میں بیداری لائی جائے، تعلیم کو عام کیا جائے اور خواتین اپنے حقوق سے واقف ہوں ۔

چونکہ خواتین کے خلاف تشدد کے مسائل کثیر جہتی ہیں ۔ اس لئے این سی ڈبلیو نے ان مسائل سے نمٹنے کے لئے ایک کثیر رخی حکمت عملی اپنائی ہے ۔ کمیشن نے خواتین میں قانونی بیداری پیدا کرنے کا سلسلہ شروع کیا ہے، تاکہ انہیں اپنے قانونی حقوق کے بارے میں معلومات فراہم کی جائے اور ان میں اپنے حقوق کا استعمال کرنے کی صلاحیت پیدا کی جائے ۔ خواتین کو تیزی سے انصاف دلانے کے سلسلے میں سہولت بہم پہنچانے کے لئے خواتین کو متاثر کرنے والے آئین کے موجودہ ضابطوں اور دیگر قوانین کا جائزہ لینے اور ایسے قوانین میں کسی بھی قسم کے رخنوں، خامیوں کو دور کرنے کے سلسلے میں ترامیم کی سفارش کرنے کے لئے ملک کے مختلف حصوں میں میلا لوک عدالتوں کا اہتمام کیا جاتا ہے ۔ یہ خواتین کو یکجا کرنے، ان کی صورت حال کے بارے میں معلومات حاصل کرنے اور خواتین کو با اختیار بنانے کے سلسلے میں تبدیلی لانے کی سفارش کرنے کے لئے ترقیاتی سرگرمیوں کا اہتمام کرتا ہے ۔ کمیشن میں شکایات اور صلاح و مشورے کا شعبہ این سی ڈبلیو ایکٹ کی دفعہ 20 کے تحت زبانی، تحریری طور پر موصول ہونے والی یا شخصی شکایات پر کارروائی کرتا ہے ۔ موصول ہونے والی شکایات کا تعلق گھریلو تشدد، ہراساں کرنے، جہیز، اذیت، علحدگی، دو زوجیت، آبرو ریزی، ایف آئی آر درج کرنے سے انکار کرنے ۔ شوہر کے مظالم محروم کردینے، جنسی بنیاد پر امتیاز اور کام کرنے کی جگہ پر جنسی طور سے ہراساں کرنے سے ہے ۔

این سی ڈبلیو پولیس کے ذریعہ تحقیقات میں تیزی لانے اور ان کی نگرانی کو یقینی بناکر مسائل سے نمٹتا ہے ۔ خاندانی جھگڑوں کو صلاح و مشورے کے ذریعہ حل کیا جاتا ہے یا فریقین میں مصالحت کرائی جاتی ہے ۔

کام کرنے کی جگہ پر جنسی طور سے ہراساں کرنے کے بارے میں سپریم کورٹ کے ۱۹۹۰ کے فیصلے کے مطابق (وشاکھا بنام حکومت راجستھان) ہر ایک آجر کے لئے متاثرہ خواتین کو شکایات کرنے کے سلسلے میں موثر طور سے سہولت بہم پہنچانا اور معاوضہ دینے سمیت ان کا ازالہ کرنا ضروری ہے ۔ جنسی طور سے ہراساں کرنے کے بارے میں شکایتوں کے سلسلے میں، متعلقہ اداروں پر مقدمات کی سماعت میں تیزی لانے کے سلسلے میں زور دیا جاتا ہے اور ان کے یکسوئی کرنے کے کام کی نگرانی کی جاتی ہے ۔ سنگین نوعیت کے جرائم کے سلسلے میں، کمیشن ایک تحقیقاتی کمیٹی تشکیل دیتا ہے ۔ جو موقع پر جاکر پوچھ تاچھ کرتی ہے ۔ مختلف گواہوں کے بیانات کا جائزہ لیتی ۔ ثبوت اکٹھا کرتی ہے اور سفارشات کے

ساتھ اپنی رپورٹ پیش کرتی ہے ۔ رپورٹ پر عملدرآمد کے کام کی نگرانی این سی ڈبلیو کرتا ہے ۔

این سی ڈبلیو کے ذریعہ موصول شکایات سے خواتین کے خلاف جرائم کے رجحان کا پتہ چلتا ہے ۔ جس سے انہیں کم کرنے کے سلسلے میں درکار منظم تبدیلیاں کرنے کے بارے میں رہنمائی ملتی ہے ۔ خواتین کے خلاف تشدد سے نمٹنے کے سلسلے میں حکومت کے حسب معمول کام کاج میں خامیوں اور کوتاہیوں کو سمجھنے کے لئے اصلاحی اقدامات تجویز کرنے کے لئے شکایات کا تجزیہ کیاجاتا ہے ۔ شکایات کو پولیس ، عدلیہ ، وکلائے استغاثہ ، فارنسک سائنسدانوں ، دفاع کے وکلاء اور دیگر انتظامی کارکنان کے لئے بیداری پیدا کرنے کے پروگراموں کے سلسلے میں معاملے کا جائزہ لینے کے طور پر بھی استعمال کیاجارہا ہے ۔

کمیشن وقتاً فوقتاً سیمیناروں ، ورکشاپوں اور کانفرنسوں کا انعقاد کرتا ہے اور تحقیق کرنے والے اداروں اور غیر سرکاری اداروں (این جی او) کو مالی امداد فراہم کر کے ایسی سرگرمیوں کو اسپانسر کرتا ہے ۔ اہم شعبوں میں جن کا اب تک احاطہ کیا جاچکا ہے ۔ زیر حراست خواتین ، خواتین کے خلاف تشدد ، کام کرنے کی جگہ پر جنسی طور سے ہراساں کرنا ۔ تعلیم ، صحت اور روزگار کے پہلو ، زراعت اور پنچایتی راج کے شعبوں میں خواتین ، حراستی انصاف اور دماغی صحت سے متعلق ادارے شامل ہیں ۔

این سی ڈبلیو بیشتر خواتین کو متاثر کرنے والے امور ، جیسے خواتین کے خلاف جرائم ، مزدوروں کے غیر منظم شعبے میں خواتین ، زراعت میں خواتین اور اقلیتی گروپوں کی خواتین وغیرہ کے بارے میں عوامی سماعت کرتا ہے ۔ اس طرح کی تحقیقات میں اظہار خیال سے مسائل کو سمجھنے اور تدارک کی اقدامات کرنے کے سلسلے میں مدد ملتی ہے ۔ عوامی بیداری پیدا کرنے اور افسر شاہی کی بے حسی کو ختم کرنے کے ایک اقدام کے طور پر ، جسٹس وی آر کرشنا ایئر اور سوامی اگنی ویش جیسے محتاط سرگرم لوگوں کی نگرانی میں عوامی سماعتیں ، بندیل کھنڈ کی کول خواتین ، یو پی کے پہاڑی اضلاع میں قطع تعلق کی گئی خواتین ، تمل ناڈو میں چھوٹی بچیوں کی آبرو ریزی ، غیر منظم خاتون کارکنان اور تمل ناڈو کے اقلیتی فرقوں ، کریچ کے کارکنوں کے بارے میں معلومات اور تمل ناڈو کے ڈنڈی گل کی قبائلی خواتین کے مسائل کو سمجھنے اور ان کا تیزی سے حل نکالنے کے لئے منعقد کی گئی تھیں ۔

این سی ڈبلیو سماجی بیداری ، دیکھ بھال اور مطلقہ خواتین ، پنچایتی راج کی بے عملی ، ٹھیکہ کے تحت مزدور خواتین ، عدالتی فیصلوں میں جنسی امتیاز ، خاندانی عدالتوں ، خواتین کے بارے میں مختلف کمیشنوں کی رپورٹوں میں جنسی تشدد ، خواتین کے خلاف تشدد ، گندی بستیوں میں صحت اور تعلیم تک خواتین کی رسائی کے بارے میں خصوصی معلومات کراتا ہے ۔ تاکہ سفارشات کے لئے این سی ڈبلیو کی پالیسیاں وضع کرنے میں مدد مل سکے ۔ این سی ڈبلیو کے خصوصی مطالعات میں درج فہرست قبائل سے تعلق رکھنے والی خواتین نیز کمزور طبقوں سے تعلق رکھنے والی خواتین کے لئے حتمی سہولیات میں اضافے ، درج فہرست ذاتوں اور ذہنی طور پر معذور خواتین کی سماجی اور اقتصادی ترقی خواتین کی قرضہ جاتی ضروریات ۔ گرامین بینک اور ورندا بن کی بیواؤں پر توجہ دی جاتی ہے ۔

این سی ڈبلیو ایسے خصوصی مسائل سے نمٹنے کے لئے ، جن پر کمیشن وقتاً فوقتاً غور کرسکتا ہے ، ماہرین کی کمیٹیاں بھی تشکیل دیتا ہے ۔ این سی ڈبلیو نے جن اہم مسائل پر غور کیا ہے ۔ ان میں کام کرنے کی جگہ پر جنسی طور سے ہراساں کرنے ، حراست میں خواتین ، شراب پینے کے خلاف تحریک ، جسم فروشی ، زراعت کے شعبے میں خواتین کو سیاسی اور تکنیکی طور سے با اختیار بنانے سے متعلق مسائل شامل ہیں ۔

کمیشن ، دلچسپی رکھنے والے مختلف افراد اور اداروں کو مطلوبہ معلومات فراہم کرنے کے لئے این سی ڈبلیو نے 1994 میں خود اپنی لائبریری قائم کی تھی ۔ یہ لائبریریاں اب خواتین کی ترقی سے متعلق مختلف موضوعات کا احاطہ کرنے والی تقریباً 2300 کتابوں کے ذخیرے کے ساتھ ریسرچ اسکالروں اور سرگرم لوگوں کے لئے معلومات حصول کا ایک اہم مرکز بن گئی ہیں ۔ اس کے علاوہ ، لائبریری کے ذخیرے میں اہم حوالہ جاتی کتابیں ، جیسے انسائیکلو پیڈیا ، این جی او کی ڈائریکٹریاں ، انگلینڈ کے ہالسبری قوانین (چوتھا ایڈیشن) کا مکمل سیٹ شامل ہے ۔

وقتاً فوقتاً خود اپنی کتابیں شائع کرنے کے علاوہ این سی ڈبلیو خواتین کے مسائل سے متعلق مختلف پہلوؤں کے بارے میں تحقیقی مطالعات کو اسپانسر کرتا ہے اور ان کی اشاعت میں مدد کرتا ہے ۔ ہندی اور انگریزی میں اب تک تقریباً ایک سو کتابیں شائع ہوچکی ہیں ۔

کمیشن مختلف ریاستوں میں خواتین کی ترقی کے سلسلے میں کئے گئے کاموں کی پیش رفت کا جائزہ لینے کے لئے دورے کرتا ہے ۔ اس نے اب تک تمل ناڈو ، آندھرا پردیش ، راجستھان ، اترپردیش ، اڑیسہ ، سکم ، مدھیہ پردیش ، آسام ، تریپورہ اور منی پور کا احاطہ کیا ہے ۔ این جی او کی کوششوں سے ملک میں خواتین کی تحریک اجاگر ہوئی ہے ۔ کمیشن جنسی مساوات اور خواتین کو بااختیار بنانے کو یقینی بنانے کے لئے غیر سرکاری اداروں اور ریاستی کمیشنوں کے ساتھ رابطہ قائم کرتا ہے اور تال میل کرتا ہے ۔ کمیشن تمام شعبوں میں خواتین کی مناسب نمائندگی کو یقینی بنانے کے طریقے تجویز کرنے کے لئے ذرائع ابلاغ ، سماجی کارکنوں اور ماہرین تعلیم سے بھی رابطہ قائم کرتا ہے ۔

کمیشن سے رابطہ قائم کرنے کے خواہاں افراد شکایات سے متعلق اس کے شعبے سے رابطہ قائم کرسکتے ہیں ۔

☆☆☆☆

اقتصادی گلوبلائزیشن بہ مقابلہ اخلاقی گلوبلائزیشن

انسانی تاریخ کے وہ چار ہزار سال جو صفحہ قرطاس پر موجود ہیں۔ تلواروں کی جھنکار اور بارود کی گھن گرج کے حصار میں نظر آتے ہیں۔ اس لئے انسان کے ہاتھوں جنگوں کے تباہی کے نتیجے میں نقصان کا اندازہ کھربوں ڈالر سے کہیں زیادہ ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ انسانی تاریخ کے اوراق جنگ کے شعلوں سے خاکستر ہورہے ہیں۔ یہ بھی دیکھا گیا ہے کہ جنگوں کے کارنامے اور فتوحات کو شاندار لفظوں میں بیان کیا گیا ہے۔ گویا انسانی تاریخ میں ہمیشہ جنگ اور استحصال ہی "گلوبلائز" رہا ہے۔ جنگوں کی تاریخی تباہی عصر حاضر میں نظریوں کی وجہ سے مرکب عفریتی شکل میں کرہ ارض کے خاتمے کے لئے تیار بیٹھی ہے۔ اس کی بنیادی وجہ معاشرے کا معاشی بحران میں مبتلا ہونا ہے، جیسے آبادی کی تیزی سے بڑھتی ہوئی شرح مزید خطرناک بنارہی ہے اور آلودہ ماحول، زندگی کے آثار پر مسلسل منفی اثرات مرتب کررہا ہے۔ دوسری طرف منڈی کی معیشت نے غربت اور امارت میں نہ مٹنے والا فاصلہ پیدا کردیا ہے، چنانچہ معاشروں نے نسلی، گروہی مذہبی اور قومی نفرت کی صورت اختیار کرلی ہے۔ جس سے طاقتور ملکوں کو اسلحہ فروشی سے سرمایہ کمانے کے مواقع حاصل ہورہے ہیں۔ دوسری طرف لوک تاریخ (Folk History) کے مطالعے سے پتہ چلتا ہے کہ لوک کہانیوں کے تمام ہیرو سنہرے اور پرامن دور کے خواب دکھاتے ہیں۔ مثلاً افلاطون اور ارسطو کے فلسفے کی مبادیات ہیلی نیسٹک سوسائٹی کے امن و خوش حالی کے خد و خال کا اظہار کرتی ہیں، گویا ان کا تمام تر فلسفہ امن اور خوش حالی کا "یوٹوپیا" ہے۔ اسی طرح ساتویں صدی میں چین کے فلاسفروں نے جنگ کے خلاف ایک خیالی دنیا کا تصور پیش کیا ہے جس میں معاشی انصاف کو اولیت دی گئی ہے۔ بائبل میں جگہ جگہ تحریر ہے کہ امن پرستوں پر خداوند کی رحمتوں کا نزول ہو اور اسلام کے معنی ہی سلامتی ہیں۔

یونانی ڈرامہ نگاروں نے تمام تنازعات اور جنگوں کی جڑ دولت کو قرار دیا ہے اور اسے ہی موضوع سخن بنایا ہے۔ ڈرامہ "لی سسٹرا" (LYSISTRA) جسے ارسٹوفینیز نے لکھا تھا، اس نے اپنی تحریروں میں اپنا سارا غیظ و غضب مفاد پرستوں پر اتارا، جن کے منافع کا ذریعہ انسانی خون ہے۔ ڈرامے کے مرکزی خیال میں بتایا گیا ہے کہ یونان کی عورت کا خواب جنگوں کا خاتمہ ہے۔ اس ڈرامے کو یونانی ادب میں ترقی، خوشحالی ثقافت اور اقدار کے فروغ کا ورثہ سمجھا جاتا ہے۔ اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ امن اور خوشحالی کا خیال ہمیشہ انسان کے دل میں موجزن رہا ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ امن اور خوشحالی کے کیا معنی ہیں؟ ظاہر ہے کہ اس کے معنی زمینی حقائق پر مبنی اقدار، جو برداشت اور محبت کے جذبے سے سرشار ہوں۔ تب ثقافت کی زرخیزی اس وقت نمو پذیر ہوگی، جب اس کی جڑیں مذکورہ اقدار میں پیوست ہوں۔ لیکن بد قسمتی سے کمرشیل ازم اور سرمایہ دارانہ نظام کی اجارہ داری کے نتیجے میں ثقافتی شعبہ کمزور ہوچکا ہے۔ اس کے معنی معاشرتی کمزوری ہے، کیونکہ اقدار پر انتہا پسندی، کٹرپن، تعصب، ہٹ دھرمی، مصلحت اور کمرشیل ازم چھا گیا ہے۔ منڈی کی معیشت کے ساہوکاروں نے جن اقدار کو جبری نافذ کردیا ہے، وہ صارف اور تصرف کی اقدار ہیں، جس میں انسانی محنت کی فروخت انتہائی ارزاں ہوگئی۔ منڈی کی معیشت، اسلحہ فروشی اور منافع خوری کی اقدار کو فروغ دے رہی ہے، لہذا عصری تقاضا ہے کہ معیشت، سیاست اور فلسفے کو ذہانت اور احتیاط سے سمجھا جائے تاکہ طرز زندگی، معیشت اور ثقافت کو معروضی حالات کے مطابق دریافت کیا جائے، جس میں کرہ ارض کے رہنے والے عوام الناس کی خواہش بھی شامل ہو جس کا ذکر ہوچکا ہے ورنہ اکیسویں صدی اپنی سائنسی ہولناکیوں کی وجہ سے کرہ ارض کی موجودگی کے لئے آخری صدی بھی ثابت ہوسکتی ہے۔ اس تناظر کو سامنے رکھ کر یوروپی یونین کے صدر اور بیلجیم کے وزیراعظم Guy Verhofstadt کے اخلاقی گلوبلائزیشن کے مبہم استحصال کے نئے نظریے کو دیکھنا ہوگا۔ دراصل سیٹل، گوٹن برگ اور جینوا میں ہزاروں لوگوں کے احتجاج نے مغرب کو چونکا دیا ہے۔ روشن خیال افراد نے نظریاتی دنیا کے خاتمے کے بعد اسے ہوا کا تازہ جھونکا سمجھا۔ طویل عرصے سے دنیا کی سیاسی فضا میں یکسانیت پیدا ہوگئی اور ٹیکنوکریٹک دنیا سے اکتاہٹ محسوس ہونے لگی۔ یوروپی یونین کے صدر نے اخلاق گلوبلائزیشن کا نعرہ لگا کر یہ ثابت کردیا ہے کہ موجودہ گلوبلائزیشن کا نظریہ غلط ہے۔ یوروپی یونین کے صدر اپنے ایک مضمون میں یہ موقف بھی اختیار کرتے ہیں کہ گلوبلائزیشن کے خلاف احتجاج جمہوریت کے لئے نیک فال ہے۔ اس احتجاج میں کیا پیغام دیا جارہا ہے اس میں بھی ملکیت کی زبردست مخالفت کیوں کی جارہی ہے؟ اس سوال سے گلوبلائزیشن کا پول کھل جاتا ہے، پھر وہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اچانک گلوبلائزیشن کو کیا ہوگیا ہے؟ کچھ عرصے پہلے تمام ترقی پسند دانشور اس کے گیت گارہے تھے۔ یہاں یہ بات سمجھ سے بالاتر ہے کہ ترقی پسند دانشوروں سے ان کی کیا مراد ہے؟ خود ان کے اپنے روشن خیال دانشور جن میں نوم چومسکی اور جوناتھن پاور قابل ذکر ہیں، گلوبلائزیشن امریکی اور جی ایٹ کے ممالک کی پالیسیوں کی زبردست مخالفت کرتے ہیں۔ جوناتھن پاور اپنے ایک مضمون "رعونت کی قیمت کی ادائیگی" میں لکھتے ہیں "امریکہ نے نئے ملینیم کے آغاز پر دنیا پر یہ ثابت کردیا ہے کہ وہ دنیا کی سب سے بڑی فوجی طاقت ہے، اس کی مثال دیتے ہوئے وہ لکھتے ہیں کہ جنگ عظیم دوم کے خاتمے کے وقت امریکہ کی عسکری افرادی قوت 1,74.000 نفری پر مشتمل تھی اور اب 14

لاکھ افراد پر مشتمل ہے، جب کہ مجموعی فوجی طاقت 25 لاکھ افواج پر مشتمل ہے۔ حالانکہ سرد جنگ بھی ختم ہوچکی ہے اور نیٹو کو روسی سرحدوں تک پہنچادیا گیا ہے۔ بش نے اینٹی بیلسٹک میزائل معاہدہ توڑنے کی بات بھی کی ہے، جو نکسن اور برزنیف کے درمیان طے پایا تھا" جوناتھن پاور کی اس تحریر کے بعد یوروپی یونین کے صدر کا موقف متنازع ہوجاتا ہے اور یہ بات بھی سامنے آتی ہے کہ دنیا کو کس سمت لے جایا جارہا ہے، اس لئے اب اخلاقی گلوبلائزیشن کا نعرہ بھی کارآمد ثابت نہیں ہوگا۔ سرمایہ دارانہ نظام کی آخری شکل کے بارے میں کارل مارکس نے ڈیڑھ صدی پہلے بڑی خوبصورت بات کہی تھی، بہ قول ان کے "سرمایہ دارانہ نظام اپنی حتمی صورت میں انسان کو معاشرے سے بیگانہ کردے گا" برنارڈ شا کہتے ہیں کہ "میں جب لندن آیا تو لندن نے کسی شرط پر مجھے قبول کرنے سے انکار کردیا، اپنی اہمیت کو قبول کروانے کے لئے مجھے لندن کا دماغ بدلنا پڑا"۔ کیا یوروپی یونین کے صدر اخلاقی گلوبلائزیشن سے برنارڈ شا بناسکتے ہیں، نہیں! تو پھر کن ترقی پسند دانشوروں کی بات کررہے ہیں، جنھوں نے گلوبلائزیشن کے گیت گائے ہیں، وہ یہ بھی دعویٰ کرتے ہیں کہ گلوبلائزیشن نے غربت میں کمی کی ہے اور خوش حالی آئی ہے، یہ بھی کہتے ہیں کہ تجربے سے یہ ثابت ہوگیا ہیکہ کسی ملک کی فی کس آمدنی میں اسی وقت اضافہ ہوا جب اس کی معیشت آزاد ہوئی" دوسری طرف نوم چومسکی کہتے ہیں کہ منڈی کی معیشت کے ناظمین نے غربت اور امارت میں نہ مٹنے والا فاصلہ پیدا کردیا ہے، پھر یہ مثال بھی پیش کی جاتی ہے کہ سنگاپور کی دولت دیکھئے اور پابند معیشت رکھنے والے برما کی حالت دیکھئے، حالانکہ برما تو اب بھی استعماری طاقتوں کے حواریوں کا ملک ہے لیکن یوروپی یونین کے صدر کہتے ہیں سنگاپور پر گلوبلائزیشن کے سبب خوش حالی کا دور دورہ ہے اور سیٹل اور دیگر یوروپی شہروں میں اٹھنے والی مخالفانہ آوازیں غربت کاشت کرنے اور بربادی پھیلانے کے لئے ہیں، حالانکہ ملٹی نیشنلز نے دنیا میں ایسی اجارہ داری قائم کردی ہے کہ خود یوروپ کے خدشات بڑھ گئے ہیں۔ گلوبلائزیشن کے نتیجے میں عالمی ساہوکار قومی ریاست کی سرحدوں کو عالمی تجارتی تنظیم کے ضابطوں کی پشت پناہی پر توڑ رہے ہیں، جس سے امن عالم خطرے میں پڑگیا ہے اور اس بات کا ادراک یوروپی دانشور کو بھی ہے، ان کا کہنا ہے کہ منڈی کی معیشت کی پشت پر وہ منافع خوری اور لالچ ہے، جو سرحدوں پر اپنا تسلط جمارہی ہیں، لیکن یوروپی یونین کے صدر کا کہنا ہے کہ یوروپ کے مختلف حلقوں نے سوال تو ٹھیک اٹھائے ہیں، تاہم ان کے جوابات درست کرنے کی ضرورت ہے، اس لئے وہ سمجھتے ہیں کہ اخلاقی گلوبلائزیشن کی ضرورت ہے۔ اس موقف سے یہ ثابت ہوگیا ہے کہ اس گلوبلائزیشن کے تحت جس پر عصر حاضر میں زور دیا جارہا ہے۔ تجارتی حدود مقرر کرنے والے بڑے ممالک کی حکمت عملی یہ ہے کہ ٹکسٹائل اور شکر کو تیسری دنیا سے منگوانے کی ضرورت نہیں ہے۔ یہ وہ آزاد تجارت ہے جس کا گلوبلائزیشن میں اہم کردار ہے۔ آزاد تجارت کا سفر شمالی علاقوں کے مال دار ممالک سے جنوب کے غریب ممالک کی طرف جاری ہے اور یوروپی یونین کے صدر کہتے ہیں کہ "تم کہتے ہو کہ امریکی برگر کی چین (Chain) توڑو، سویا (جسے جینیاتی طور پر تبدیل کیا گیا ہے) نہیں کھاؤ اور برانڈ ناموں کی مخالفت کرو، کیونکہ اس سے خریداری کی عادتیں خراب ہورہی ہیں۔ تم لوگ چاہتے ہو کہ کاروبار زندگی مقامی اور چھوٹی سطح پر رہے" اس موقف پر تبصرہ کرنا بے کار ہے، کیونکہ انھوں نے گلوبلائزیشن کو خود کھوکھلا ثابت کردیا ہے، گلوبلائزیشن میں لیبر مارکیٹ کے بارے میں کوئی بات نہیں کی جاتی۔ سماجی تحفظ کی بات گراں گزرتی ہے، لاطینی امریکہ، افریقہ اور ایشیائی ملکوں کو کس نے لوٹا اور دولت شمال کی جانب کس طرح سفر کررہی ہے اس پر کوئی تبصرہ نہیں، لوگوں کی ہجرت کے بارے میں غیر اخلاقی گلوبلائزیشن کی حمایت کرتے ہوئے ان کا کہنا ہے "لوگ سرمایہ کاری کی مخالفت کرتے ہیں اور امید رکھتے ہیں کہ وہ مغرب کی خوش حالی میں ہجرت کرکے حصے دار بنیں"۔ یہاں وہ یہ بتانے سے قاصر ہیں کہ اس سرمائے کو کس طرح اکٹھا کیا گیا ہے اور غیر اخلاقی گلوبلائزیشن کے بجائے اخلاقی گلوبلائزیشن کا نعرہ وہ کیوں بلند کررہے ہیں؟ پھر بھی وہ کہتے ہیں کہ گلوبلائزیشن کی مخالفت کرنے والے مزاجیت پسند، برداشت کرنے والی سوسائٹی کو اس لئے مسترد کررہے ہیں، کیونکہ وہ "نسٹلجیا" کا شکار ہیں، وہ شاندار ماضی میں کھوئے ہوئے ہیں اور اپنی نسلی و مذہبی برتری کے خواب دیکھ رہے ہیں، حالانکہ ایسی بات نہیں ہے، وہ تو یہ جانتے ہیں کہ ان کا مستقبل گلوبلائزیشن کے غیر اخلاق ضابطوں نے تاریک کردیا ہے۔ اخلاقی گلوبلائزیشن کے حامی یوروپی یونین کے صدر کہتے ہیں کہ بعض مقامی سرمایہ داروں نے اپنی معاشی دکان چمکانے کے لئے اسے استعمال کیا ہے، مثلاً فرانس میں "لی پن" کا کہنا ہے کہ ملٹی نیشنلز کمپنیاں یوروپ کے لئے خطرہ ہیں وہ کہتے ہیں کہ "وہ اپنی سرمایہ کاری کا تحفظ کررہے ہیں"۔ لیکن جب "گلوبل وارمنگ" کا سوال اٹھتا ہے تو اس کا جواب نہ تو مقامی سرمایہ دار دیتا ہے اور نہ ہی عالمی ساہوکار اس بارے میں فکرمند ہیں اور نہ ہی قیاس آرائیوں کی معیشت کے بارے میں یوروپی یونین کے صدر تبصرہ کرتے ہیں، جس نے کساد بازاری اور بے یقینی کے ذریعے سرمایہ دار ملکوں کو خدشات کے حصار میں لے لیا ہے۔ تاہم وہ اخلاقی گلوبلائزیشن میں اس سوال کو خود ہی اٹھاتے ہیں کہ موجودہ گلوبلائزیشن کی آسائشوں میں غریبوں کو کس طرح شریک کیا جائے، اس کے جواب میں اخلاقی گلوبلائزیشن کی ترقی کا راز مضمر ہے۔ وہ یہ کہتے ہیں کہ مزاجیوں کی موجودہ گلوبلائزیشن کے بارے میں تشویش جائز ہے، لیکن گلوبلائزیشن پر انگلی اٹھانے والوں کو مسئلے کا حل بھی پیش کرنا چاہئے۔ یوروپ کے پاس اس کا حل "مزید گلوبلائزیشن ہونی چاہئے" کا نعرہ ہے۔ وہ خود ہی کہتے ہیں کہ ہمیں اخلاقی گلوبلائزیشن کے لئے

جاپان میں ان دنوں بہت سے ادارے روبوٹکس پر کام کررہے ہیں اور ان کی تحقیق اور کام کی بدولت مختلف طرح کے روبوٹ دیکھنے میں آرہے ہیں جو اپنی کارکردگی اور نفاست و خوبصورتی کے باعث پچھلے روبوٹس سے کہیں بہتر نظر آتے ہیں۔ ایسے ہی روبوٹس میں سے ایک PINO ہے جس کی لمبائی ستر سنٹی میٹر اور وزن محض ساڑھے چار کیلوگرام ہے۔ PINO کو ڈیزائن کرتے وقت اس میں مڑجانے کی صلاحیت کا خاص خیال رکھا گیا ہے۔ جس کی وجہ سے اس میں ایک نئی شان پیدا ہوگئی ہے۔

PINO کو Nitano Symbiotic System Project نامی ادارے نے تجرباتی طور پر انسان سے مشابہ نظر آنے والے انداز میں تیار کیا تھا، جسے جاپان سائنس اینڈ ٹکنالوجی کارپوریشن کے زیر اہتمام Exploratory Research for Advanced Technology کے اشتراک سے بنایا گیا۔

PINO کی تیاری کا مقصد یہ تھا کہ ایک ایسا ارزاں روبوٹ تیار کیا جائے، جس سے روبوٹکس کے میدان میں تحقیق کرنے والے ادارے خاطر خواہ فائدہ اٹھاسکیں اور یوں اس کے دائرہ کار کو وسعت دی جاسکے۔ یہ ہی عمل کمپیوٹر کی دنیا میں قبل ازیں ہوچکا تھا، جب لینکس نے مائیکرو سوفٹ ونڈوز او ایس کو مارکیٹ کی سب سے بڑی حصے دار کمپنی بنادیا۔ اس منصوبے کی غرض و غایت روبوٹ ڈیزائننگ کے کام کو وسعت دینا ہے۔ جاپان کے ایک روبوٹ ڈیزائنر تاتسویا میٹسوئی کا کہنا ہے، اس قسم کی کوئی مثال قبل ازیں نظر نہیں آتی، جس میں کوئی ڈیزائنر بالکل ابتدائی مرحلے سے روبوٹ کے میکینکل ڈیولپمنٹ (میکانیاتی ارتقاء) کے ساتھ کام کررہا ہو۔ روبوٹکس کے میدان میں تحقیق کا دائرہ گزشتہ بیس برس سے بہت بڑھ گیا ہے۔ آج روبوٹکس ایسی صنعت کی شکل اختیار کر گئی ہے۔ جو بہت تیزی سے اپنی جگہ بنارہی ہے، اس میں ڈیزائنر کا کردار بہت اہمیت اختیار کرگیا ہے۔ اب وہ ان خطوط پر بھی راہ نمائی کرتا ہے کہ روبوٹ کو کس طرح کام کرنا چاہئے اور انہیں انسانوں کے ساتھ کیسا رویہ اختیار کرنا چاہئے۔

اس وقت دنیا بھر میں تقریباً سات لاکھ چالیس ہزار صنعتی روبوٹس کام کررہے ہیں، جن میں چار لاکھ کے قریب روبوٹس صرف جاپان میں مختلف خدمات انجام دینے پر لگائے گئے ہیں۔ یعنی دنیا کے نصف روبوٹس صرف جاپان میں موجود ہیں۔ اس لحاظ سے یہ کہا جاسکتا ہے کہ جاپان صنعتی روبوٹس استعمال کرنے والا دنیا کا سب سے بڑا ملک ہے۔ مگر اب بات یہیں تک محدود نہیں رہی ہے، آج یہ روبوٹس فیکٹریوں سے نکل کر گھروں کی دہلیز تک پہنچ چکے ہیں۔ تخیل کو حقیقت کا روپ دھارنے میں وقت، محنت، ذہانت اور اشتراک کار نے مساوی حصہ لیا۔ بہت سے اداروں نے باہمی تعاون سے مفید نتائج حاصل کئے، ایک دوسرے کے تجربات سے استفادہ کیا اور یوں کامیابی اور ترقی کی شاہراہیں طویل ہوتی چلی گئیں۔

ASIMO انسان سے مشابہ روبوٹ ہے جسے 2000ء میں تیار کیا گیا ہے۔ دو پیروں سے چلنے والے (Advanced step in innovative Mobility) کی لمبائی 120 سنٹی میٹر اور وزن 43 کیلوگرام ہے۔ اس کی پشت پر بیٹریاں لگائی گئی ہیں، جو بستے کی طرح نظر آتی ہیں۔ اس حلیے میں ASIMO کو دیکھ کر فوری طور پر اسکول کے طالب علم کا خیال آتا ہے، جو اپنا بستہ پیٹھ پر لادے اسکول سے گھر آرہا ہے۔ اسے انسانوں کی طرح چلتا پھرتا بنانے کے لئے ایڈوانسڈ کنٹرول ٹکنالوجی استعمال کی گئی ہے جس کی مدد سے یہ بہت آسانی کے ساتھ مڑسکتا ہے۔ اس کی حرکات و سکنات عضویاتی دکھائی دیتی ہیں۔ ایک مشین سے یہ عمل حیرت انگیز ہے۔ اس سے ایک ایسے مستقبل کی تصویر نظروں کے سامنے آجاتی ہے، جب انسان اور روبوٹ باہم اشتراک کار سے روز مرہ امور انجام دیں گے۔

ASIMO پیچیدہ صنعتی روبوٹ سے مختلف ہے۔ ابتداء سے اسے اس افادی پہلو کو نظر میں رکھ کر تیار کیا ہے کہ یہ انسانوں کے ساتھ مل کر کام کرے گا اور انہیں گھریلو اور روز مرہ امور کی تکمیل میں مدد دے گا۔ ہنڈا کے تکنیکی ماہرین کا کہنا ہے کہ، رواں دواں اور متحرک رہنے والی ٹکنالوجی کار، موٹر سیکل کے مقابلے میں ASIMO کا کردار یکسر مختلف ہوگا۔

جاپان میں اس وقت دو کروڑ افراد ایسے ہیں جو 65 برس یا اس سے زائد عمر کے ہیں۔ 2030ء تک یہ تعداد بڑھکر تین کروڑ افراد تک جاپہنچے گی۔ پروفیسر ہیروشی کا، جو ڈپارٹمنٹ آف میکانو انفارمیٹکس میں تدریس کے فرائض انجام دیتے ہیں، کا کہنا ہے، مستقبل کی ایسی صورت حال کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ پیداوار، تقسیم اور خدمات میں بلکہ بنیادی طور پر صنعت کے تمام شعبوں میں محنت کشوں کی بہت بڑی کمی واقع ہوگی۔ جاپان میں فی الوقت شرح پیدائش میں کمی کی صورتحال ہے۔ معمر افراد کی تعداد میں خاصا اضافہ ہورہا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ
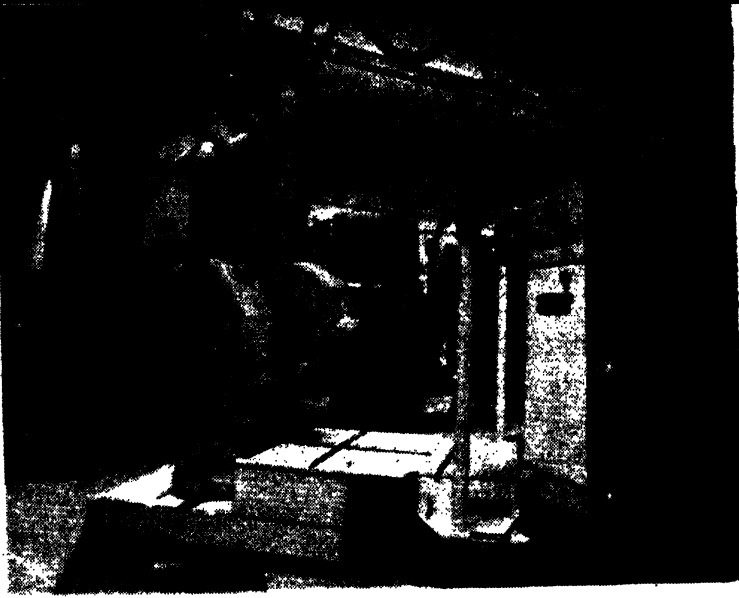
اس اہم مسئلے سے نمٹنے میں ٹکنالوجی کس حد تک مدد دے سکتی ہے ؟ پروفیسر ہیروشی کا کہنا ہے کہ انسان سے مشابہ روبوٹ ہی اس مسئلے کا ایک حل ثابت ہوسکتا ہے ۔ ان کے کہنے کے مطابق " روبوٹ کے استعمال ہی سے یہ امکان پیدا ہوسکتا ہے کہ ہم اپنے سماجی ڈھانچے میں افرادی قوت کی کمی سے پیدا ہونے والے خلاء کو دور کرسکیں ۔ اسی کے ساتھ یہ بات بھی اہم ہے کہ ہم روبوٹس کو فیکٹریوں کے علاوہ بھی استعمال کریں ، جیسا کہ ان دنوں تجربہ کیا جارہا ہے ۔ اب ضرورت اس امر کی ہے کہ ہم روبوٹ کو اپنی روزمرہ زندگی کے ایک ساتھی کی طرح اپنے ماحول کا ایک حصہ بنالیں " ۔

پروفیسر ہیروشی کا دکھایا جانے والا مستقبل کا منظر نامہ روبوٹ کے تشکیلی کردار سے بڑھ کر اس کے بنیادی استعمال میں تبدیلی کی طرف اشارہ کرتا ہے ۔ پروفیسر ہیروشی اپنی رائے کا اظہار کرتے ہوئے کہتے ہیں " سماجی ڈھانچے میں ہونے والی تبدیلی سے نمٹنے کا سب سے بہترین راستہ روبوٹ تیار کرنا تھا ۔ موجودہ ماحول میں تبدیلی کی سب سے بڑی وجہ یہ ہے کہ ہماری سماجی زندگی کا بنیادی ڈھانچہ لوگوں کے گرد گھومتا ہے اور شروع سے آخر تک افراد ہی اس میں اہم ترین کردار ادا کرتے ہیں " ۔

پروفیسر ہیروشی (HRP) Humaniod Robotics Project کے نگراں ہیں ۔ یہ ایک قومی سطح کا منصوبہ ہے ، جسے وزارت خزانہ ، تجارت اور صنعت کے زیر اہتمام چلایا جارہا ہے ۔ یہ منصوبہ پانچ سالہ کاوشوں کا ثمر ہے ، جسے 1998 ء میں شروع کیا گیا تھا اور اب تک اس منصوبے پر پانچ ارب ین خرچ ہوچکے ہیں ۔ فی الوقت جاپان میں کئی ادارے اور یونیورسٹیاں ایسی ہیں ، جو National Institute of Advanced Industrial Science and Technology (AIST) کے ساتھ مل کر روبوٹکس کی اطلاقی تحقیق کے کئی منصوبوں پر کام کررہی ہیں ۔ AIST ایک آزاد انتظامی ادارہ ہے ، جسے وزارت معیشت ، تجارت اور صنعت کے تحت چلایا جارہا ہے ، اس

ادارے کی تحقیق کا بنیادی محور P3 رہا ہے ، جو ASIMO کی طرح کا روبوٹ ہے ۔ یہ مشترکہ منصوبہ انسان سے مشابہ روبوٹ کے کثیر الاطراف استعمال پر غور کررہا ہے ، جس میں الیکٹرک پاور پلانٹ کا معائنہ ، معمر افراد کی دیکھ بھال ، گھر یا عمارت کی نگرانی اور مشینوں کی درستی کے لئے کیا جانے والا آپریشن شامل ہیں ۔ اس منصوبے پر کام کرنے والے افراد اس بات پر بھی غور کررہے ہیں کہ ان کاموں سے ہٹ کر بھی روبوٹ سے کون کون سی خدمات لی جاسکتی ہیں ، یا انہیں کون کون سے فرائض تفویض کئے جاسکتے ہیں ۔

ایسا نظام بنانے کے لئے جس میں ایک طرح کے روبوٹ مختلف خدمات انجام دے سکیں ، یہ ضروری ہے کہ روبوٹ کے کمپیوٹر میں اسی طرح کے پروگرام رکھے جائیں ، لیکن اگر مختلف قسم کے روبوٹ ہوں تو ان کے سوفٹ ویئر پروگرامز میں ہم آہنگی برقرار رکھنا ایک مسئلہ بن سکتا ہے ۔ اگر کوئی سوفٹ ویئر کسی مخصوص روبوٹ کے لئے تیار کیا گیا ہے تو اسے دوسری قسم کے روبوٹ کے لئے استعمال نہیں کیا جاسکتا ۔ اس سے روبوٹ کی تحقیق اور ترقی میں خوش گوار تاثر سامنے نہیں آتا ۔ AIST کے اس منصوبے کا حقیقی مقصد روبوٹکس میں کی جانیوالی تحقیق اور ترقی کے کاموں کی حوصلہ افزائی ہے ۔ جسے ایک مشترکہ آپریٹنگ سسٹم (OS) کے ذریعے حاصل کیا جائے گا اور دراصل یہ ہی وہ پروگرام ہے جو روبوٹ کو کنٹرول کرتا ہے ۔

پروفیسر ہیروشی کا کہنا ہے ، انسان سے مشابہ روبوٹ کو ایسے سادہ کمپیوٹر سے تعبیر کیا جاسکتا ہے ، جو دیکھنے میں انسانی پیکر نظر آتے ہیں ۔ بالکل ابتدائی کمپیوٹروں سے محض اعداد و شمار کا کام لیا گیا ۔ پھر ورڈ پروسیسنگ پروگرام کی مدد سے انہیں لکھنے کے لئے استعمال کیا گیا ۔ اب اس پر موسیقی سننا اور ویڈیو دیکھنا بھی ممکن ہے ۔ ان میں اب تک حرکت اور چلنے پھرنے کی کمی تھی ، لہٰذا انسان سے مشابہ یہ روبوٹ حقیقی طور پر کمپیوٹر کی ترقی کی معراج کہے جاسکتے ہیں ۔ آج اصل چیلنج سوفٹ ویئر کے میدان میں ہے ۔ قومی منصوبے کے لئے سوفٹ ویئر تیار کرتے ہوئے مینوفیکچررز کے لئے اس میں شرکت کرنا بہت آسان ہوتا ہے ۔

روبوٹکس کی صنعت میں جاری حیرت انگیز کام کو دیکھتے ہوئے یہ کہا جاسکتا ہے کہ وہ دن دور نہیں جب روبوٹ انسانوں کے شانہ بہ شانہ روز مرہ امور کی انجام دہی میں مصروف ہوں گے اور دنیا کا منظر نامہ پیکر انسانی کے ساتھ ساتھ انسان سے ملتی جلتی مشینوں کو بھی کارزار حیات میں سرگرم سفر دیکھ سکے گا ۔

☆☆☆☆

حکومت کی ذمہ داری

آل پارٹیز کانفرنس نے بحال جمہوریت کے حق اور آئینی ترامیم کے خلاف مغربی ممالک سے رابطوں اور رائے عامہ منظم کرنے کا اعلان کیا ہے اور قرار دیا ہے کہ مطالبات منظور ہونے تک سیاسی جدوجہد کو جاری رکھا جائے گا۔ یہ فیصلہ بھی کیا گیا کہ حکومت کی طرف سے مجوزہ آئینی ترامیم کو عدلیہ میں چیلنج کیا جائے گا۔ کئی روز تک لاہور سیاسی سرگرمیوں کا مرکز بنا رہا اور مذہبی جماعتوں کی متحدہ مجلس عمل، اے آر ڈی اور اے پی سی کے اجلاسوں میں ملک کی موجودہ صورتحال پر غور و خوض کے بعد کچھ فیصلے اور چند مطالبات کئے گئے جن میں سے جمہوریت کی غیر مشروط بحالی، عام انتخابات کے غیر جانبدارانہ اور شفاف انعقاد کے علاوہ آئین میں ترامیم نہ کرنے پر اتفاق رائے کی کیفیت نظر آتی ہے اور ان اجلاسوں میں شریک کم و بیش سبھی سیاسی و مذہبی قوتوں کا یہ متفقہ مطالبہ ہے کہ حکومت آئینی ترمیم کرنے اور ان ترامیم کی روشنی میں مرضی کے انتخابات کرانے سے باز رہے۔

اے آر ڈی کے اس مطالبہ میں بھی وزن ہے کہ عام انتخابات میں تمام سیاسی قوتوں اور افراد کی شرکت کو یقینی بنایا جائے تاکہ نہ صرف ان انتخابات کی ساکھ برقرار رہے بلکہ شفاف سیاسی عمل کے ذریعہ وجود میں آنے والی پارلیمنٹ قومی زندگی کے اس نازک ترین مرحلے پر اپنا کردار بھی ادا کرسکے۔ ملک اس وقت بہت سے اندرونی اور بیرونی مسائل و مشکلات سے دوچار ہے۔ سرحدوں پر ہندوستانی فوجیں اسلحہ بارود سے لیس کھڑی ہیں، ہندوستان نے اپنے فوجی بجٹ میں اضافہ کرکے دفاعی بجٹ کو ہمارے قومی بجٹ کے برابر کردیا ہے۔ وہ میزائلوں کے تجربے کرچکا ہے اور اب صدر جنرل پرویز مشرف کے بقول مصدقہ رپورٹوں کے مطابق مزید ایٹمی تجربات کا پروگرام بناچکا ہے۔ ملک میں فرقہ وارانہ دہشت گردی پھر شروع ہوگئی ہے اور امن و امان کی عمومی صورتحال کو بھی تسلی بخش قرار نہیں دیا جاسکتا۔ قومی جماعتوں اور حکومت کے مابین محاذ آرائی کا فائدہ اٹھاکر علاقائی، نسلی اور لسانی تنظیموں نے سرگرمیاں تیز کردی ہیں اور طے شدہ ایشوز اٹھائے جارہے ہیں۔ حکومت نے خود بھی آئینی اصلاحات کے نام پر انتشار کا دروازہ کھول دیا ہے جس کی وجہ سے نت نئے مطالبات سامنے آرہے ہیں۔ سابق وزیر خزانہ اور ورلڈ بنک کے نائب صدر شاہد جاوید برکی نے اپنے دوسرے ساتھیوں سے مل کر ایک رپورٹ مرتب کی ہے جس میں ملک کی سنگین صورتحال کا اعتراف کرنے کے ساتھ مسائل کے حل کے لئے بعض تجاویز پیش کی گئی ہیں۔ ان میں سرفہرست نیشنل سیکورٹی کونسل کی تشکیل ہے جسے مسلح افواج کے سربراہوں، چیف جسٹس اور چیف الیکشن کمشنر کے تقرر کا اختیار ہونا چاہیے، قومی اسمبلی کی نشستوں میں مزید اضافے صوبہ پنجاب کی تین صوبوں میں تقسیم اور انتخابات کے بعد ایک آئینی کمیشن کی تشکیل شامل ہے جو بنیادی نوعیت کے مسائل بالخصوص مذہب و سیاست اور اقتصادیات میں کردار، صوبوں کی تنظیم نو اور جمہوری نظام کے استحکام کے لئے تجاویز پر غور کرے۔

اس طرح کے مطالبات بے سروپا تجاویز اور طے شدہ معاملات کو متنازعہ بنانے والی رپورٹوں سے قوم کو کنفیوژن کے سواء کچھ حاصل نہیں ہوتا اور اتحاد و یکجہتی کی فضاء کو سخت نقصان پہنچتا ہے۔ یہ سب کچھ محض اس لئے ہورہا ہے کہ ملک ایک عبوری دور سے گزر رہا ہے اور کسی کو کچھ معلوم نہیں کہ اگلا نظام حکومت کس قسم کا ہوگا۔ حکومتی اور پارلیمانی ڈھانچہ کیسا ہوگا اور ملکی معاملات کون، کس انداز میں چلائے گا؟ اس بناء پر متحدہ مجلس عمل، اے آر ڈی اور اے پی سی نے حکومت سے بعض مطالبات کئے ہیں اور اے پی سی نے اپنے مطالبات منوانے کے لئے عالمی رائے عامہ کو ہموار اور مغربی ممالک کو قائل کرنے کے لئے رابطوں کا فیصلہ کیا ہے۔ لیکن اس سے پہلے بھی ایک ایسے ہی سیاسی محاذ کے اجتماع میں مقامی امریکی سفارت کاروں کا جوڑا بھی ایک تصویر میں دکھائی دیا ہے۔

اپنے قومی معاملات کو مل بیٹھ کر حل کرنے کی عادت اور حکومت و اپوزیشن کی باہمی مشاورت نہ ہونے کی وجہ سے یہ نوبت آگئی ہے کہ اب سیاسی و مذہبی جماعتیں اپنے مطالبات منوانے کے لئے باہر کی طرف دیکھ رہی ہیں جو کوئی نیک فال نہیں۔ کبھی بھی محب وطن شہری اس فیصلے کو پسندیدگی کی نگاہ سے نہیں دیکھ سکتا لیکن حکومت نے سیاسی اور مذہبی قوتوں کے لئے کوئی راستہ بھی نہیں چھوڑا، وہ کسی مشاورت اور سیاسی و مذہبی قوتوں بلکہ قومی پریس کو بھی اعتماد میں لئے بغیر جو یکطرفہ اقدامات کررہی ہے اور اپنی مرضی کی آئینی ترامیم کے علاوہ سیاسی و انتخابی نظام میں ردوبدل اور من پسند جماعتوں کو آگے بڑھانے کی جو پالیسی اختیار کررکھی ہے، اس کا مقابلہ کرنے کے لئے ملک کی سیاسی و مذہبی جماعتیں بھی ہر حربہ اختیار کریں گی اور وہ اپنے اس طرح کے اقدام کا یہی جواز پیش کرسکتی ہیں کہ وہ یہ بھی نہ کریں تو کیا کریں؟

لہذا حکومت کا فرض ہے کہ جہاں وہ حقیقی جمہوریت کی بحالی کے لئے قومی مصالحت و مفاہمت کی راہ ہموار کرے، آئین کے بنیادی ڈھانچہ اور اسکیم کو چھیڑنے سے باز رہے، اپنی ساری توجہ آزادانہ، غیر جانبدارانہ اور منصفانہ انتخابات پر مرکوز کرے اور اس امر کو یقینی بنائے کہ کوئی سیاسی یا مذہبی جماعت اکتوبر میں ہونے والے انتخابات پر انگلی نہ اٹھاسکے۔ آخر ہمیں ہر انتخابات سے قبل باہر سے یہ تلقین سننے کی کیا ضرورت ہے کہ وہ شفاف ہو اور دھاندلی سے پاک انتخابات کی سند ہمیں بین الاقوامی مبصرین اور اداروں سے کیوں حاصل کرنی پڑتی ہے۔ قوم

پر کیوں انحصار نہ کیا جائے اور اس کی سند اور خوشنودی کو ہی حرف آخر کیوں سمجھا جائے ؟ حکومت کوشش کرے کہ نہ تو کوئی سیاسی انتخابی عمل سے باہر رہے اور نہ کسی کو بائیکاٹ کا فیصلہ کرنا پڑے ۔ آئینی ترامیم کے لئے پارلیمنٹ کا حق تسلیم کیا جائے تاکہ کوئی پنڈورا باکس نہ کھلے اور اگلی پارلیمنٹ پر کسی قسم کا دباؤ نہ ہو ۔ جس طرح کہ جنرل پرویز مشرف قوم سے وعدہ کرچکے ہیں ، وہ اکتوبر میں انتخابات کرانے کا پکا ارادہ رکھتے ہیں ، اس لئے انتخابی کاموں کو خوشگوار بنانے اور انتخابی عمل خوش اسلوبی سے مکمل کرنے کے لئے قومی سطح پر اتحاد و یگانگت کی فضاء پیدا کی جائے ، مصالحت اور مفاہمت کو فروغ دیا جائے اور حکومت و سیاسی قوتوں میں کھینچا تانی کی کیفیت ختم کی جائے ظاہر ہے کہ بنیادی ذمہ داری حکومت کی ہے جس کے پاس ملک کی باگ ڈور ہے ۔

الکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھاریٹی کا قیام

صدر مملکت جنرل پرویز مشرف نے پاکستان الکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھاریٹی (پیمرا) کا آرڈیننس جاری کردیا ہے جو فوری طور پر نافذ العمل ہوگا ۔ یہ ادارہ ملک میں پرائیویٹ ریڈیو ، ٹی وی چینلز کے قیام کے لئے درخواستیں طلب کرے گا ۔ پیمرا کا قیام خوش آیند ہے لیکن اسے صرف ریڈیو اور ٹی وی چینلز کے اجازت نامے دینے کا مرکز بنانا درست نہ ہوگا ، ضروری ہے کہ اس کے ساتھ یہ اہم نوعیت کا ابلاغی ادارہ الکٹرانک ذرائع ابلاغ کو ملک کی ضروریات اور تقاضوں کے مطابق اخلاقی ، دینی ، سیاسی اور ثقافتی حوالے سے ایک مربوط ضابطے کا بھی پابند کرے ، تاکہ یہ نہ ہو کہ سرکاری تحویل میں چلنے والے ٹی وی چینلز کی طرح غیر سرکاری چینلز اور انڈین چینلز کے درمیان فرق ہی مٹ جائے ۔ سرکاری ٹیلی ویژن جو براہ راست حکومت کے زیر انتظام ہونے کے باوجود ان دنوں ہندوستان الکٹرانک میڈیا کی نقالی میں اس طرح جتا ہوا ہے کہ اسے سرکار کی پرواہ ہے اور نہ عوام کی ۔ تو جو نئے پرائیویٹ چینلز جاری ہوں گے وہ کہاں تک ہماری قومی و ملی شناخت کو برقرار رکھنے کی پابندی کریں گے ؟ ٹی وی اور ریڈیو بالترتیب نہایت موثر ذرائع ابلاغ ہیں اور قوم کی تربیت میں ان کا بڑا دخل ہے ، اب تک تو یہ صورتحال ہے کہ نئی نسل بھی ٹی وی پر ہمارے قومی تقاضوں سے غیر ہم آہنگ پروگرام اور ہندوستانی ٹیلی ویژن کی اندھادھند تقلید کو پسند نہیں کرتی لیکن اس سے پہلے کہ ان کی قومی شناخت متاثر ہو حکومت کو الکٹرانک میڈیا ریگولیٹری اتھاریٹی کے ذریعہ سرکاری اور مستقبل کے پرائیویٹ چینلز کے لئے ایک ضابطہ اخلاق مرتب کرلینا چاہیے تاکہ اس اہم ادارے کی حیثیت محض ٹی وی چینلز کے لائیسنس جاری کرنے کی نہ ہو بلکہ وہ ملک کی تہذیب و تمدن اور قومی سلامتی کے تقاضوں کی حفاظت بھی کرسکے ، بالخصوص اسلام اور نظریہ پاکستان کے حوالے سے الکٹرانک میڈیا کی حد بندی ازحد ضروری ہے ۔ تفریح کے نام پر فحاشی و عریانی اور اسے پاکستانی کلچر کا حصہ بنانے کی مذموم کوشش اگر کامیاب ہوگئی تو ہماری نظریاتی اساس بھی کمزور پڑجائے گی ۔ جس کا فوری منفی اثر ہماری قومی و ملکی سلامتی پر پڑے گا ۔ خبر تک پہنچنا اور لوگوں کو معلومات فراہم کرنے کا مطلب انہیں غیر اخلاقی معلومات بہم پہنچانا ہرگز ابلاغ عامہ کا فروغ قرار نہیں دیا جاسکتا ۔ توقع ہے کہ صدر پاکستان " پیمرا " کے قیام کو بامقصد اور قومی ابلاغ عامہ کا ایک مانٹیرنگ مرکز بنائیں گے اور کسی بھی سرکاری یا پرائیویٹ ٹی وی ، ریڈیو چینل کو ادارے کے ضابطہ اخلاق سے باہر جانے پر اس کا اجازت نامہ منسوخ کردیا جائے گا ۔ بصورت دیگر یہ ادارہ اپنی افادیت و مقصدیت کھودے گا اور یہاں فحاشی و عریانی پھیلانے میں سرکاری چینلز کے ساتھ پرائیویٹ چینلز بھی شامل ہوجائیں گے ۔

عام آدمی کیلئے اعلی تعلیم کے دروازے بند

خود مختار اعلی تعلیمی اداروں نے اپنی فیسوں میں کئی گنا اضافہ کردیا ہے ۔ پاکستان جب سے معرض وجود میں آیا ہے اس کی سب سے اہم اور بنیادی ضرورت تعلیم عام کرنا رہا ہے ۔ ہر حکومت اپنے دور میں عام خواندگی اور اعلی تعلیم کے حصول کو سستا معیاری اور عام کرنے کے دعوے کرتی رہی ہے لیکن عملا جو نتائج سامنے آئے ہیں ان کے مطابق تعلیم عام ہوسکی اور نہ اعلی تعلیم کے دروازے عام سفید پوش لوگوں پر کھل سکے ہیں البتہ یہ ضرور ہوا ہے کہ تعلیم باقاعدہ ایک خالص کاروبار بن چکا ہے اور عالیشان اونچی دکانوں کی طرح تمام بڑے شہروں میں پرشکوہ اور دیدہ زیب عمارتیں رکھنے والے اسکول کھل گئے ہیں جہاں امیروں کی اولاد مغربی طرز زندگی کی تربیت حاصل کرتی ہے اور ان کے والدین اسے اپنے لئے قابل فخر سمجھتے ہیں ۔ ہر سفید پوش شہری بھی چاہتا ہے کہ اس کے بچے اعلی تعلیمی اداروں میں پڑھیں لیکن ستم ظریفی یہ ہے کہ گورنمنٹ کالج لاہور ، ایف سی کالج لاہور اور لاہور کالج برائے خواتین جیسے اعلی تعلیمی ادارے جب سے خود مختار ہوئے ہیں والدین آزاد ہوگئے ہیں اور وہاں عام آدمی کے لئے اپنی اولاد کو پڑھانا مشکل ہی نہیں ناممکن ہوچکا ہے ۔ ظاہر ہے کہ 5 ہزار یا 10 ہزار رزق حلال کمانے والا ، 2 یا 3 ہزار ماہانہ فیس کیسے ادا کرسکتا ہے ، گویا ہمارے ہاں تعلیم کے ذریعہ ناانصافی ، عدم مساوات اور طبقاتی اونچ نیچ پیدا کرنے کا کام انجام دیا جارہا ہے ۔ فیسوں ، بلڈنگوں ، تشہیر اور ظاہری نمود و نمائش کے لحاظ سے تعلیمی ادارے اوپر ہی اوپر جارہے ہیں لیکن معیار اس سے کہیں زیادہ تیز رفتاری سے نیچے گررہا ہے ۔ حکومت کم از کم ملک کے معروف اعلی تعلیمی اداروں کی عام آدمی کی دسترس سے باہر نکلی ہوئی فیسوں کو کم کرائے اور خود مختاری کے نام پر انہیں صرف امرا کے بچوں کو تعلیم دینے کے مراکز نہ بننے دے ۔ پرائیویٹ اسکولوں کی فیسوں کو بھی معقولیت کے دائرے میں لایا جائے اور کوشش کی جائے کہ پورے ملک کے لئے یکساں نظام تعلیم رائج کیا جائے تاکہ محمود و ایاز سبھی کے بچے ایک ہی چھت تلے سستی ، معیاری تعلیم حاصل کرسکیں ۔

میرا بھی وزیر اعظم

نذیر ناجی

پاکستان میں عام انتخابات کے لئے معینہ تاریخ آنے کے دن کم ہوتے جارہے ہیں اور وزیر اعظم کے امیدواروں کی تعداد بڑھتی چلی جارہی ہے حالانکہ ابھی کسی کو یہ بھی پتہ نہیں کہ آئندہ وزیر اعظم کس طرح کا ہوگا ؟ اسے کرسی پر بیٹھنے کی اجازت ہوگی یا اس کے دفتر میں صرف اسٹول رکھا جائے گا ؟ وہ صدر مملکت سے ملاقات کے دوران کھڑا رہے گا یا زمین پر بیٹھے گا ؟ اس کے اختیارات کیا ہوں گے ؟ اسے مرسیڈیز کار ملے گی یا سوزوکی دے کر اس سے محمد خان جونیجو کے ایک جملے کا حساب لیا جائے گا ؟ غرض کسی کو معلوم نہیں کہ آئندہ پانچ سال کے لئے پہلے سے منتخب ہوجانے والے صدر جناب پرویز مشرف کے سامنے آنے والے وزیر اعظم کی حیثیت کیا ہوگی ؟ اس کے باوجود امیدوار ہیں کہ امڈے ہی چلے آرہے ہیں ۔ ابھی ایک نام پر تبصرے ختم نہیں ہوتے کہ دوسرا نام سامنے آجاتا ہے ۔

اس فہرست میں تازہ نام عمران خان کا ہے ۔ امیدوار تو یہ بھی پرانے ہیں لیکن ان کے ہسپتال میں صدر پرویز مشرف کی آمد اور وہاں پر ان کی جانب سے عمران خان کی تعریف سے وہ باقی امیدواروں کے مقابلے میں آگے نکلتے ہوئے نظر آرہے ہیں ۔ سنا ہے کہ ابرار الحق اپنے ہسپتال کے لئے صدر پرویز مشرف کو دعوت دینے کی کوشش کررہے ہیں اگر وہ اس میں کامیاب رہے اور صدر نے ان کے ہسپتال کی تقریب میں شرکت کرلی تو پھر وزیر اعظم کے منصب کے امیدواروں میں تازہ ترین نام ابرار الحق کا ہوگا ۔ وہ براہ راست سیاست میں نہیں آئے ۔ ان کے بھائی میدان میں ضرور اترے البتہ انہوں نے سیاسی صدہ ضلعی سطح کا لے لیا مگر ابرار الحق ، عمران خان کی طرح عوام سے چندہ لیکر ہسپتال تعمیر کررہے ہیں اور ہمارا مشاہدہ ہے کہ ہسپتال بنانے کے بعد وزارت عظمیٰ کی توقع کی جاتی ہے ۔ ابرار الحق یہ دعویٰ کریں گے تو اعتراض کی گنجائش نہیں ہوگی البتہ سال رواں میں ان کا نمبر آنا مشکل ہے کیونکہ اکتوبر تک ان کا ہسپتال مکمل نہیں ہوپائے گا ۔ اس لئے وہ آئندہ مدت کے لئے امیدوار بن سکیں گے ۔

اب تک مارکیٹ میں وزارت عظمیٰ کے جن امیدواروں کے نام آئے ہیں ان کی فہرست چھوٹی نہیں اور آپ ان ناموں کو پڑھیں گے تو میری طرح مشکل میں پڑجائیں گے کیونکہ ہر امیدوار اپنی اپنی جگہ مستحق نظر آتا ہے ۔ سب سے بھرپور اور زوردار امیدوار ہمارے لاہور کے میاں محمد اظہر ہیں ۔ کچھ دنوں تک تو انہیں شیڈو وزیر اعظم کی حیثیت حاصل رہی لیکن اب فرق پڑگیا ہے اور وہ باقی امیدواروں میں سے "ایک" ہوتے جارہے ہیں ۔ مخدوم امین فہیم کے وزیر اعظم بننے میں سب سے بڑی رکاوٹ ان کی اپنی لیڈر بے نظیر بھٹو ہیں ۔ وہ مان جائیں تو مخدوم صاحب سب سے طاقتور امیدوار تھے ۔ اعجاز الحق کی امیدواری پر بڑھاپا آتا جارہا ہے ۔ وہ اصولی طور سے پرانے امیدوار ہیں ۔ ان کا حق نواز شریف نے چھین لیا تھا اور جب تک جنرل ضیاء الحق کا نظام چلتا رہا ، نواز شریف ان کے حصے کی وزارت عظمیٰ پر قبضہ جمائے بیٹھے رہے ۔ اب نئی فوجی حکومت آگئی ہے ۔ وہ اپنا نظام اور اپنا وزیر اعظم لائے گی اور ظاہر ہے اس میں اعجاز الحق اجنبی ہوں گے ۔ محترم دوست الٰہی بخش سومرو بھی بہت مضبوط امیدوار ہیں اور ان کے حق میں سب سے زیادہ یہ بات جاتی ہے کہ وہ جتنے مضبوط امیدوار ہیں اتنے ہی کمزور وزیر اعظم بننے کے پوری طرح اہل ہیں ۔ ان کی یہ خوبی ان کی کامیابی کے امکانات میں اضافہ کرتی ہے ۔

سرحد کے اسفند یار ولی بھی وزارت عظمیٰ کے امیدوار ہیں مگر ان کی مشکل یہ ہے کہ وہ زیادہ دیر حکومت کے حامی بن کر نہیں رہ سکتے ، خواہ وہ اپنی ہی کیوں نہ ہو ۔ آفتاب احمد خان شیر پاؤ جس دھوم دھڑکے سے گرفتاری دینے کے لئے لندن سے پشاور آئے ۔ اس کی ساری آن بان بڑے لیڈروں والی تھی اور آفتاب شیر پاؤ سیاسی ہنرمندی میں بڑے ماہر ہیں اگر حکومت کرنے والوں نے وزارت عظمیٰ کی کرسی پر کرنے یا بقول صدر پرویز مشرف "ٹھپہ" لگانے کے لئے انہیں چنا تو اچھا انتخاب ثابت ہوں گے لیکن افتخار گیلانی بھی برا انتخاب نہیں ۔ وہ بھی بڑی امیدوں کے ساتھ میدان میں اترے ہیں اور آتے ہی شرف بازیابی بھی مل گیا ۔ مسئلہ یہ ہے کہ ان کی مہارت سفارت کاری کے شعبے میں زیادہ مشہور ہے اور اس کام میں صدر پرویز مشرف خود بہت آگے نکل گئے ہیں اور عالمی شہرت حاصل کرچکے ہیں ۔ وہ اپنے میدان کے آدمی کو وزیر اعظم کیوں بنائیں گے ؟

کچھ لوگوں کے نزدیک باقی سارے امیدوار وقت ضائع کررہے ہیں اصل میں فیصلہ خورشید محمود قصوری کے حق میں ہوچکا ہے اور اسی لئے وہ سب سے خاموش لیکن پراعتماد امیدوار ہے ۔ ایک اور امیدوار سندھ کے گورنر محمد میاں سومرو بھی ہیں ۔ وہ کسی کو اپنی امیدواری کی ہوا نہیں لگنے دیتے لیکن سننے میں آیا ہے کہ اندر ہی اندر وہ اپنی جڑیں مضبوط کررہے ہیں اور بطور گورنر انہوں نے فوجی قیادت کے ساتھ جو ہم آہنگی پیدا کی ، وہ انہیں ایک آزمودہ ساتھی کی حیثیت دے دیتی ہے ۔ عین ممکن ہے یہی چیز ان کے حق میں مفید ثابت ہو ۔ وزارت عظمیٰ کے امیدواروں کی فہرست میں خواتین کی نمائندگی زیادہ نہیں لیکن وہ موجود ضرور ہیں ۔ سیاسی پنڈتوں نے محترمہ زبیدہ جلال کو سب سے زیادہ نمایاں کیا ہے لیکن اگر وزیر اعظم کو قومی اسمبلی کے اندر قائد ایوان بننا ہے تو پھر سمجھ نہیں آتی وہ کس طرح ایوان کا سامنا کریں گی ؟ ہوسکتا ہے نئی آئینی ترمیم میں حزب اختلاف کی تشکیل پر ہی پابندی لگادی جائے اور حکومتی اراکین اسمبلی کے لئے بھی یہ حکم جاری ہوجائے کہ وہ ایوان کے اندر منہ بند رکھیں گے اور وقت ضرورت صرف ہاتھ کھڑے کیا کریں گے ۔ اس طرح کا ایوان ہوا تو زبیدہ جلال کا وزیر اعظم بننا قرین قیاس ہے ۔ اگر جمہوریت کا ہلکا پھلکا ٹھپہ بھی لگانا ہے تو حزب اختلاف کی ضرورت پڑے گی ۔ خواہ اسے نامزد ہی کیوں نہ کیا جائے اور حزب اختلاف نامزد بھی ہو تو بہت منہ پھٹ اور عناں گیر ہوتی ہے ۔ زبیدہ جلال جیسی خاتون کے لئے اس کا سامنا کرنا مشکل ہوگا ۔ دوسری امیدوار محترمہ غنویٰ بھٹو ہیں ۔ اگر

محترمہ بے نظیر بھٹو کو دباؤ میں لانے کی پالیسی اختیار کی گئی تو وہ ایک طاقتور امیدوار کی حیثیت سے سامنے آسکتی ہیں۔

میں نے صرف سول امیدواروں کے نام دیئے ہیں، اگر وزارت عظمٰی اور دیگر سیاسی مناصب آزاد کشمیر اور پنجاب کی طرز پر دینے کا فیصلہ ہوا تو پھر سب اندازے دھرے رہ جائیں گے۔اور آج ہم جن باوردی شخصیتوں کو اخباروں اور ٹیلی ویژن پر مختلف حیثیتوں میں دیکھتے ہیں، انہی میں سے کوئی اچانک ریٹائرمنٹ لیکر بطور وزیر اعظم ہمارے سامنے آجائے گا۔ پنجاب کے گورنر خالد مقبول بڑے زور و شور سے یہ ثابت کررہے ہیں کہ "جنرل" بھی عوامی ہوسکتے ہیں ان سے پہلے جنرل اعظم خان مشرقی پاکستان میں عوامی مقبولیت کی مثال قائم کرچکے ہیں اور گورنر پنجاب کے تو نام میں ہی مقبول شامل ہے۔ میں کہیں نادانستہ آپ کو اصلی وزیر اعظم کا پتہ تو نہیں دے گیا؟۔

عرفان صدیقی

موج میلہ

صدر پرویز مشرف نے اچھا کیا کہ عریانی و فحاشی کے منہ زور سیلاب، بے لگام لبرل ازم اور بے مہار آزاد روی کو بریک لگانے کی طرف توجہ دی۔ اخباری اطلاعات کے مطابق وفاقی کابینہ کے اجلاس کے دوران انہوں نے وزراء، سکریٹریوں اور دوسرے سرکاری عہدیداروں کو ہدایت کی کہ ایسی تقریبات میں شریک نہ ہوں جہاں فحاشی و عریانی کا مظاہرہ ہو اور جہاں معاشرتی اقدار و قومی روایات کی خلاف ورزی ہو۔ انہوں نے کہا کہ ہم معاشرے میں توازن قائم کرنا چاہتے ہیں اور اپنی ثقافتی اقدار و روایات کے مطابق تحمل و برداشت اور جدید طرز فکر کو فروغ دینا چاہتے ہیں تاہم مجھے دوسری انتہا کی طرف بڑھنے کے رجحان پر بھی تشویش ہے۔

صدر نے یہ پیغام دینے میں کچھ دیر کردی جس کا نتیجہ یہ نکلا کہ معاشرے کی نفیس اقدار اور اجلی روایات کو ناروا بوجھ خیال کرنے والے عناصر اپنے بلوں سے باہر نکل آئے اور رفتہ رفتہ ثقافتی محاذ پر چھاتے چلے گئے۔ انہی دنوں "کمال اتاترک" کا تذکرہ بھی کچھ اس انداز سے آیا کہ نظریاتی حلقوں میں تشویش کی لہر دوڑ گئی۔ ذرا دیر بعد ناموس رسالت کے قانون میں تبدیلی کا غوغا اٹھا۔ کابینہ میں این جی اوز کی بھاری نمائندگی نے مخصوص فکر و فلسفہ کے حامل افراد کو پالیسی سازی کے معتبر فورم تک پہنچادیا۔ آزادی نسواں کا تذکرہ حدوں سے باہر چھلکنے لگا۔ محفلوں کے رنگ روپ تبدیل ہونے لگے۔ ممکن ہے ان متفرق اقدامات کے پیچھے کوئی مربوط سوچ کارفرما نہ ہو لیکن ایک خاص نوع کا تاثر پھیلتا چلا گیا۔ کچھ لوگوں نے اسے بدلتے موسموں کا جانفزاء پیغام سمجھا اور اپنے پروں کو جھاڑنے لگے۔ اخبارات میں ایسے مضامین شائع ہونے لگے جن میں جنرل ضیاء الحق اور جنرل مشرف کو تہذیبی شناخت اور نظریاتی تشخص کے حوالے سے دو مختلف راستوں کے مسافر قرار دیا گیا۔ حکمرانوں کے دلوں میں بیوروکریسی اپنے مخصوص کرتب دکھانے لگی۔ ضیاء الحق کے دور میں خشوع و خضوع کے ساتھ شبینوں، مقابلہ ہائے حسن قرا، محافل نعت، مجالس ذکر و فکر اور میلاد کی محفلوں کا اہتمام کرنے والے سرکاری اعمال نے بدلتی رت کو خود ہی مخصوص معنی پہنائے اور والہانہ ذوق و شوق کے ساتھ پتنگ بازی، محافل موسیقی، فیشن شوز، جشن بہاراں، گرمجوش پارٹیوں اور مجالس رنگ و نور کا اہتمام کرنے لگے۔ جس طرح وضو خانوں، مصلوں ہجائے نمازوں، خوش الحان قاریوں اور شیریں آواز موذنوں کیلئے انتظامات بولائی پھرتی تھی اسی طرح خوش جمال ثقافتی اجتماعات کے لئے ہلکان رہنے لگی۔ ٹیلی ویژن پہلے ہی کمرشیل ازم کی راہ پر چل نکلا تھا اور اس کا حسن فتنہ پرور سات پردوں سے چھلکا پڑرہا تھا۔ اب اسکی بن آئی، زی ٹی وی کو نمونہ بنا کر اس نے ایسی طرحداری اور عشوہ طرازی دکھائی کہ اچھے اچھے خوش خیالوں کو بھی پسینہ آگیا۔ جب بسنت کی تقریبات کے دعوت نامے سرکاری مونوگرام کے ساتھ سرکاری دفتروں کی طرف سے جاری ہونے لگے اور صف اول کی بیوروکریسی سمیت وزرائے کرام بھی ان محفلوں میں جلوہ افروز ہونے لگے تو حجابات اٹھتے چلے گئے۔ گلی محلوں کی لجائی شرمائی فضاؤں کو بھی نظربازی کا چسکا پڑنے لگا۔ ثقافت کی خوش فعلیاں بڑھتی چلی گئیں۔ رقص، موسیقی، مجرے، فحاشی، عریانی، حیا سوز اسٹیج ڈراموں، بے حجاب ٹیلی ویژن پروگراموں اور ہر قدغن سے پاک مخلوط محفلوں کا چلن یوں عام ہوا کہ روایتی ثقافتی اقدار، گنوار دیہاتن کی طرح منہ چھپاتی پھریں۔

۱۱ستمبر کے بعد امریکہ کی کوکھ سے ایک نئی دنیا نے جنم لیا۔ ہمارے تعاون سے افغانستان میں "فتح" پانے کے بعد اس نے استروں کی زد میں آئی داڑھیوں، بے نقاب ہوتے چہروں، موسیقی کے احیاء، مرغوں کی لڑائیوں اور مخلوط پارٹیوں کو انقلاب نو کے ثمرات کے طور پر پیش کیا۔ ہمارے خلوص کو اپنی توقعات سے بھی زیادہ دیکھ کر اس نے جہادی کلچر کے خاتمے اور اسلامی تشخص کا گلا گھونٹنے کے لئے ہماری معاشرتی اقدار اور فلسفہ تہذیب و ثقافت کی تراش خراش ضروری سمجھی۔ خواتین کے حقوق، ترقی پسندی، روشن خیالی اور لبرل ازم کے نام پر ہمیں مغربی تہذیبی اقدار کے حصار میں لانے کی منظم کوششیں شروع ہوگئیں۔ مولوی اور مدرسہ قدامت پرستی کے اڈے اور ہر برائی کی جڑ ٹھہرے۔ ہم جبر کی بھاری سل تلے سسکتے ہوئے، مغرب کے ہر اسلوب کو خوش آمدید کہنے اور اسکے تہذیبی رویوں کی پاسداری کو اپنا قد بڑھانے کا ذریعہ سمجھنے لگے۔ وہ آزادی جو پچھلے ڈیڑھ دو سال میں پروان چڑھی اسے گیارہ ستمبر کے بعد نئے بال و پر مل گئے۔ یہ تاثر قوی ہوتا گیا کہ اس ثقافتی انقلاب کو حکومت کی حمایت اور سرپرستی حاصل ہے۔ حکومت میں شامل این جی او مافیا اور سرکاری ذرائع ابلاغ نے اسے مزید تقویت بخشی۔ نچلی سطح کے میلہ بازاروں نے اسے بیوروکریسی کی ضیافت طبع کا ذریعہ جانا۔ بیوروکریسی نے اسے حکمرانوں کی خوشنودی خاطر کا زینہ سمجھا اور شاید حکمرانوں کی سطح پر اسے امریکہ اور مغرب کی دلداری کا بہانہ خیال کیا گیا۔

OOOO

کلیاتِ اقبال

کیا جہنم معصیت سوزی کی اک ترکیب ہے؟ آگ کے شعلوں میں پنہاں مقصدِ تادیب ہے؟
کیا عوض رفتار کے اس دیس میں پرواز ہے؟ موت کہتے ہیں جسے اہلِ زمیں، کیا راز ہے؟
اضطرابِ دل کا ساماں یاں کی ہست و بود ہے علم انساں اُس ولایت میں بھی کیا محدود ہے؟
دید سے تسکین پاتا ہے دلِ مہجور بھی؟ لن ترانی کہہ رہے ہیں یا وہاں کے طور بھی؟
جستجو میں ہے وہاں بھی روح کو آرام کیا؟ واں بھی انساں ہے قتیلِ ذوقِ استفہام کیا؟
آہ! وہ کشور بھی تاریکی سے کیا معمور ہے؟ یا محبت کی تجلی سے سراپا نور ہے؟

تم بتا دو راز جو اس گنبدِ گرداں میں ہے
موت اک چبھتا ہوا کانٹا دلِ انساں میں ہے

شمع و پروانہ

پروانہ تجھ سے کرتا ہے اے شمع! پیار کیوں؟ یہ جانِ بے قرار ہے تجھ پر نثار کیوں؟
سیماب وار رکھتی ہے تیری ادا اسے آدابِ عشق تو نے سکھائے ہیں کیا اسے؟
کرتا ہے یہ طواف تری جلوہ گاہ کا پھونکا ہوا ہے کیا تری برقِ نگاہ کا؟
آزارِ موت میں اسے آرامِ جاں ہے کیا؟ شعلے میں تیرے زندگیِ جاوداں ہے کیا؟

کلیاتِ اقبال — بانگِ درا

غم خانۂ جہاں میں جو تیری ضیا نہ ہو — اس تفتہ دل کا نخلِ تمنّا ہرا نہ ہو
گرنا ترے حضور میں اس کی نماز ہے — ننھے سے دل میں لذتِ سوز و گداز ہے
کچھ اس میں جوشِ عاشقِ حسنِ قدیم ہے — چھوٹا سا طور تُو، یہ ذرا سا کلیم ہے
پروانہ اور ذوقِ تماشائے روشنی!
کیڑا ذرا سا اور تمنّائے روشنی!

عقل و دل

عقل نے ایک دن یہ دل سے کہا — بھولے بھٹکے کی رہنما ہوں میں
ہوں زمیں پر، گذر فلک پہ مرا — دیکھ تو کس قدر رسا ہوں میں
کام دنیا میں رہبری ہے مرا — مثلِ خضرِ خجستہ پا ہوں میں
ہوں مفسّر کتابِ ہستی کی — مظہرِ شانِ کبریا ہوں میں
بوند اک خون کی ہے تو لیکن — غیرتِ لعلِ بے بہا ہوں میں
دل نے سن کر کہا یہ سب سچ ہے — پر مجھے بھی تو دیکھ کیا ہوں میں!
رازِ ہستی کو تو سمجھتی ہے — اور آنکھوں سے دیکھتا ہوں میں!

ہے تجھے واسطہ مظاہر سے — اور باطن سے آشنا ہوں میں
علم تجھ سے، تو معرفت مجھ سے — تو خدا جو، خدا نما ہوں میں
علم کی انتہا ہے بے تابی — اس مرض کی مگر دوا ہوں میں
شمع تو محفلِ صداقت کی — حسن کی بزم کا دِیا ہوں میں
تو زمان و مکاں سے رشتہ بپا — طائرِ سدرہ آشنا ہوں میں

کس بلندی پہ ہے مقام مرا
عرش ربِ جلیل کا ہوں میں

صدائے درد

جل رہا ہوں کل نہیں پڑتی کسی پہلو مجھے — ہاں ڈبو دے اے محیطِ آبِ گنگا تو مجھے
سرزمیں اپنی قیامت کی نفاق انگیز ہے — وصل کیسا یاں تو اک قربِ فراق انگیز ہے
بدلے یک رنگی کے یہ ناآشنائی ہے غضب — ایک ہی خرمن کے دانوں میں جدائی ہے غضب
جس کے پھولوں میں اخوت کی ہوا آئی نہیں — اس چمن میں کوئی لطفِ نغمہ پیرائی نہیں

لذتِ قربِ حقیقی پر مٹا جاتا ہوں میں
اختلاطِ موجہ و ساحل سے گھبراتا ہوں میں

کلیاتِ اقبال — بانگِ درا

دانۂ خرمن نما ہے شاعرِ معجز بیاں — ہو نہ خرمن ہی تو اس دانے کی ہستی پھر کہاں

حسن ہو کیا خود نما جب کوئی مائل ہی نہ ہو — شمع کو جلنے سے کیا مطلب جو محفل ہی نہ ہو

ذوقِ گویائی خموشی سے بدلتا کیوں نہیں — میرے آئینے سے یہ جوہر نکلتا کیوں نہیں

کب زباں کھولی ہماری لذتِ گفتار نے

پھونک ڈالا جب چمن کو آتشِ پیکار نے

آفتاب

(ترجمہ گایتری)

اے آفتاب! روح و روانِ جہاں ہے تو — شیرازہ بندِ دفترِ کون و مکاں ہے تو

باعث ہے تو وجود و عدم کی نمود کا — ہے سبز تیرے دم سے چمن ہست و بود کا

قائم یہ عنصروں کا تماشا تجھی سے ہے — ہر شے میں زندگی کا تقاضا تجھی سے ہے

ہر شے کو تیری جلوہ گری سے ثبات ہے — تیرا یہ سوز و ساز سراپا حیات ہے

وہ آفتاب جس سے زمانے میں نور ہے — دل ہے، خرد ہے، روحِ رواں ہے، شعور ہے

اے آفتاب! ہم کو ضیائے شعور دے — چشمِ خرد کو اپنی تجلی سے نور دے

سید محمد حسین محسن حیدر آبادی

"گجر شامِ غریباں کا" ...... نظم طباطبائی

جناب نظم طباطبائی کی عظیم المرتبت او بھاری بھر کم شخصیت دنیائے ادب اور خاص کر اہل حیدر آباد کیلئے محتاج تعارف نہیں ہے۔ یہ وہ صاحب قلم ہیں جنہوں نے اردو کو نہایت متین اور عالمانہ گفتگو سے نہ صرف روشناس کرایا بلکہ ایسے اصول و ضوابط وضع کئے کہ ہر قسم کے دقیق اور جدید سائنسی مضامین ادب کی چاشنی کے ساتھ بہ آسانی تحریر کئے جاسکتے ہیں۔ نظم طباطبائی حیدر آباد کے دارالترجمہ اور مجلس وضع اصطلاحات کے قیام کے روز اول سے تاحیات وابستہ رہے اور دارالترجمہ کے ناظر ادبی کی حیثیت سے دیکھئے تو کوئی کتاب ایسی نہ تھی جس کے ترجمہ ہونے کے بعد اس کے ہر ہر لفظ کو اور جملوں کی ساخت کو انہوں نے دیکھا اور پرکھا نہ ہو۔ یوں سمجھئے کہ جامعہ عثمانیہ کے اردو میں تمام تدریسی مواد کی صحتِ زبان پر نظم طباطبائی کی مہر تصدیق ثبت تھی۔ ان کی اسکریننگ کے بعد ہی کوئی ترجمہ لائق طباعت واشاعت سمجھا جاتا تھا۔
نقد و نظر، شاعری، نثر نگاری، ترجمہ، قواعد، عروض، صنائع بدائع یا اور کوئی شعبہ زبان ایسا نہ تھا جس میں نظم صاحب کا اجتہاد داخل نہ ہو۔ ان کے زبان سے متعلق کسی بھی فیصلے کو ادبیات کی دنیا میں کسی کی جرات نہیں تھی کہ اس کی تردید کرتا یا اس کے برخلاف رائے دیتا۔ ہماری زبان میں جناب نظم طباطبائی ایک طرح سے مجتہد جامع الشرائط تھے۔ جناب نظم طباطبائی کا سلسلہ نسب حسنی سادات سے ملتا ہے۔ امام حسنؑ کے پوتے جناب اسمٰعیل تھے جن کا لقب "طباطبا" تھا اس لئے یہ سلسلہ طباطبائی کے نام سے موسوم ہے۔ ان کے اجداد ایران سے ہندوستان آئے اور لکھنؤ میں آکر آباد ہوئے۔ ان کی والدہ نواب معتمد الدولہ سید محمد خان عرف آغا میر کے خاندان کی تھیں اور ان کے والد سید مصطفٰے حسین دربار اودھ سے وابستہ تھے۔ 18 نومبر 1853ء کو محلہ حیدر گنج قدیم میں بروز جمعہ نظم طباطبائی پیدا ہوئے۔ سید علی حیدر نام تھا۔ کبھی نظم اور کبھی حیدر تخلص کرتے تھے۔ علم و فضل میں یہ خاندان لکھنؤ میں مشہور تھا۔ نظم صاحب کی تعلیم ایک مکتب میں ہوئی جہاں ملا طاہر اور ملا باقر جیسے جید عالم ان کو پڑھاتے تھے عربی ادب اور فقہ میں استعداد علمی کا آغاز انہیں بزرگ اساتذہ کی بدولت ہوا۔ فارسی اور علم عروض کی تعلیم انہوں نے میندو لال راز سے حاصل کی۔ 1868ء میں پندرہ برس کی عمر میں یہ اپنی والدہ کے ساتھ مٹیا برج (کلکتہ) چلے آئے جہاں واجد علی شاہ کی بدولت ایک چھوٹا لکھنؤ آباد ہو گیا تھا۔ یہاں مولانا محمد علی مجتہد العصر سے درسِ نظامی، منطق اور فلسفہ پڑھا اور اس طرح اپنی تعلیم مکمل کی۔ پھر وہ مٹیا برج میں ہی واقع شہزادگانِ اودھ کے لئے قائم کردہ مدرسہ میں ملازم ہو گئے۔ مدرسہ کے انگریزی کے استاد محمد عسکری سے انہوں نے انگریزی زبان سیکھی اور اسکے بدلے عسکری صاحب کو عربی پڑھائی۔ واجد علی شاہ کے انتقال کے بعد مدرسہ ٹوٹ گیا تو ان کا ذریعہ معاش ختم ہو گیا۔ پھر مولوی سید افضل حسین لکھنوی، چیف جسٹس حیدر آباد کی دعوت پر 1887ء میں نظم صاحب حیدر آباد آگئے۔ افضل حسین صاحب سے ان کی ملاقات اس وقت ہوئی تھی جب وہ اس سے قبل تقریباً حیدر آباد آئے تھے۔ کسی مستقل معاشی وسیلہ کے فراہم ہونے تک افضل حسین صاحب نے اپنے فرزند آغا سید حسین کی اتالیقی ان کے سپرد کی۔ 1889ء میں نواب عماد الملک سید حسین بلگرامی نے جو ناظم تعلیمات تھے نظم صاحب کو مدرسہ اعزہ میں عربی کا استاد مقرر کر دیا۔ 1890ء میں کتب خانہ آصفیہ کے

پہلے مہتمم بنائے گئے۔ اس کی تنظیم اور توسیع میں نظم صاحب نے بڑی دلچسپی لی۔ اس وقت یہ کتب خانہ اس جگہ تھا جہاں پر اب صدر تپہ خانہ عابد روڈ سرکل پر ہے۔ اسکے بعد مدرسہ عالیہ میں عربی فارسی کے استاد کی حیثیت سے ان کا تقرر ہوا۔ پھر ان کا تبادلہ نظام کالج کردیا گیا جہاں پہلے عربی اور فارسی پڑھاتے رہے پھر اردو کے پروفیسر بنادئے گئے۔ 1912ء میں ایک سال سے کچھ زیادہ عرصہ تک شہزادگان آصفیہ کے اتالیق رہے پھر نظام سابع کے حکم سے 1918ء نظم صاحب کو صرف خاص مبارک سے جامعہ عثمانیہ کے دارالترجمہ منتقل کردیا۔ یہاں پر ان کی تدریسی مشغولیات ختم ہوئیں اور علمی اور ادبی تحقیقات کی زندگی کا آغاز ہوا۔

1921ء میں وظیفہ پر علحدہ ہونے کے بعد ان کو دوبارہ ملازمت پر بلالیا گیا کیونکہ ان کے بغیر بہت سے کام رک گئے تھے۔ ملازمت کا یہ سلسلہ ان کے انتقال 1933ء تک جاری رہا۔ سرکاری وظیفہ کے علاوہ ان کو دارالترجمہ کی خدمت اور تاریخ طبری کے اردو ترجمے پر انعام واکرام سے نوازا گیا تھا۔ 1927ء کو انہیں سرکار نظام کی طرف سے حیدر یار جنگ کا خطاب عطا کیا گیا۔ شاعری میں ان کے شاگردوں میں سلطنت اودھ اور سلطنت آصفیہ کے شہزادگان کے علاوہ اور بھی بہت سے ایسے لوگ ہیں جو دنیائے ادب میں نامور ہوئے۔ مرزا آسماں جاہ انجم، پرنس جہاں قدر نیر (داماد واجد علی شاہ)، عبدالحلیم شرر، پنڈت رتن ناتھ سرشار، منشی فیاض الدین فیاض، سید غلام مصطفے ذہین، سید ناظر حسین ہوش بلگرامی، مہاراجہ کرشن پرشاد شاد، نواب تراب یار جنگ سعید، حکیم محمد عابد غیور، شہید یار جنگ شہید، اصغر یار جنگ اصغر اور میرے والد سید علی محمد اجلال۔ بہ نسبت دیگر ماہرین زبان کے نظم صاحب کی شہرت یوں عام نہیں ہے ان کے رشحات قلم اتنے بلند ہیں کہ ان کو پڑھنے والا اپنی بے بضاعتی کی وجہ سے گھبراتا ہے اور اس لئے صرف نظر کرلیتا ہے۔ جب نظم صاحب نے دیوان غالب کی شرح اعلیٰ جماعتوں میں پڑھنے والے اور ریسرچ کے طالب علموں کی مدد کے لئے لکھی تو عام ادیبوں نے یہ اعتراض کیا کہ یہ شرح ایسی ہے جس کے لئے ایک اور شرح کی ضرورت ہے۔ یہ بالواسطہ اعتراف کم علمی تھا۔ یہ نظم طباطبائی کی ہی جلالتِ علمی تھی کہ انہوں نے غالب کے ہر شعر پر نگاہ ڈالی اور اسکے محاسن اور معائب پر بے لاگ تبصرہ کیا اور جو فیصلہ انہوں نے سنادیا وہ آج تک حرف آخر کی حیثیت رکھتا ہے۔ یہ شرح عوام کے لئے نہیں لکھی گئی تھی۔ ویسے بھی دیکھا جائے تو غالب کا کلام باوجود شہرت کے جس قدر عام آدمی کے لئے ہے وہ صرف چند ہی اشعار پر مشتمل ہے۔ غالب کے کلام کے دیگر شارحین نے نظم صاحب کی شرح کو ہی پیش نظر رکھا ہے یا ان ہی کے اشارات کو تفصیل یا اجمال یا تکرار سے بیان کیا ہے۔ اور اختلاف وہاں کیا ہے جہاں انہوں نے غالب کے خلاف لکھا ہے۔ غالب کے بعد شاعری میں جو تجربے کئے گئے وہ موضوع کے اعتبار سے تھے جس میں ردیف، قافیہ اور بحر کی ساری رائج الوقت پابندیاں سامنے رکھی گئی تھیں لیکن نظم صاحب نے یہ اجتہاد کیا کہ نظم اور شعر کی "ہیئت" میں نئے نئے تجربات کئے۔ غزل، مثنوی، رباعی وغیرہ کی عام ہیئت سے ہٹ کر انہوں نے اردو میں اسٹینزا (Stanza) کو رائج کیا اور انگریزی ساخت کی نظمیں لکھیں جو ایک بالکل نئی چیز تھی۔ انہوں نے انگریزی منظومات کے اردو منظومات میں انگریزی نہج پر ترجمے کئے اور ایک نئی بات یہ کی کہ ردیف اور قافیہ انگریزی اصولوں کی بناء پر متعین کئے۔ نظم صاحب کے بعد ہی اردو میں اسٹینزا نویسی کا آغاز ہوا۔ نظم طباطبائی کے انگریزی منظومات سے کئے گئے یوں تو بہت سے ترجمے اردو میں موجود ہیں لیکن جو مرتبہ انگلستان کے نامی شاعر طامس گرے کی ایلجی Elegy کے ترجمہ "گور غریباں" کو حاصل ہے اس درجہ کو آج تک کوئی نہ پہنچ سکا۔ "گور غریباں" کی کامیابی کا راز یہ ہے کہ نظم صاحب نے مفہوم کا ترجمہ کیا ہے اور اردو زبان کے اسلوب اور مقامی ماحول کا پورا پورا لحاظ رکھا ہے۔ یہ لفظی ترجمہ نہ ہونے کے باوجود اس میں اصل ایلجی کی تمام خوبیاں موجود ہیں۔ اگر اس کے لئے لفظ ترجمہ استعمال نہ کیا جائے تو یہ کلاسکی ادب اردو کی بلند پایہ منظومات میں شمار کیا جاسکتا ہے۔ بقول پروفیسر سروری کے یہ ان چند ترجموں میں سے ایک ہے جو اصل سے بڑھ گئے ہیں۔ اس ساری نظم میں الفاظ کے وہ موتی پروئے گئے کہ عروسِ شاعری کا حسن دمک اٹھا ہے۔ یہ نظم اس طرح شروع ہوتی ہے:

وداع روز روشن ہے گجر شام غریباں کا
چراگاہوں سے پلٹے قافلے وہ بے زبانوں کے
قدم کس شوق سے گھر کی طرف اٹھتا ہے دہقاں کا
یہ ویرانہ ہے میں ہوں اور طائر آشیانوں کے

چونکہ یہ ایک مرثیہ کا ابتدائی بند ہے اسلئے اگر آپ اسکی لفظیات پر غور کریں تو معلوم ہوگا کہ الفاظ وداع، شامِ غریباں، بے زبانی، ویرانہ وغیرہ ایسے ہیں جو نوحہ گری کا ماحول پیدا کررہے ہیں اس کے علاوہ بحر میں بھی ایک دھیمے قسم کا سوز پایا جاتا ہے۔ یہی تاثرات کم و بیش آخر تک موجود ہیں۔ اس مختصر مضمون میں تحسین کی زیادہ گنجائش نہیں ہے صرف ایک بند کی طرف توجہ دلانا دلچسپی سے خالی نہ ہوگا بے نام، غریب اور معصوم زندگی جی کر گاؤں کے قبرستان میں دفن ہوجانے والوں کے لئے کتنی خوبصورت تشبیہیں استعمال کی گئی ہیں:

بہت سے گوہر شہوار باقی رہ گئے ہونگے
کہ جن کی خوبیاں سب مٹ گئیں تہہ میں سمندر کی
ہزاروں پھول دشت و در میں ایسے بھی کھلے ہونگے
کہ جن کے مسکرانے میں ہے خوشبو مشک اذفر کی

(اذفر۔ تیز خوشبو)

طباطبائی کی شعری تخلیقات صرف دو۔ دواوین کی صورت میں ہیں۔ ایک دیوان قصائد اور منظومات کا ہے جو "نظم طباطبائی" کے نام سے موسوم ہے اور دوسرا دیوان "صوتِ تغزل" ہے۔ غزلیں ساری فرمائشی ہیں یا کسی مصرعہ طرح پر ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے ارادے سے کبھی کوئی غزل نہیں کہی۔ ان کے کچھ اشعار یہ ہیں۔

عبث ہے آپ کی تغیر حال کا رونا
جناب نظم رہی ایک سی سدا کس کی
اے صبا! تذکرہ وطن کا [illegible] کر
رہنے والے ہیں دشتِ غربت کے
آدمی آدمی کے کام آئے
یہی معنی ہیں آدمیت کے
تقدیر کے لکھے کو نہ ہرگز برا سمجھ
لغزش محال ہے قلم کارساز میں

نظم صاحب دراز قد، کسی قدر مٹاپے کی طرف مائل جسم، کتابی چہرہ، بھرے بھرے گال، گھنی داڑھی اونچی ناک، غلافی آنکھیں (مطالعہ کی کثرت کی وجہ سے آنکھوں کے پپوٹے ڈھلک گئے تھے) اور سرخ و سفید رنگ کے مالک تھے شیروانی زیب تن کرتے تھے۔ بھی ایرانی کبھی ترکی ٹوپی پہنتے تھے۔ آصف جاہی دربار میں ان پر درباری لباس کی پابندی نہیں تھی۔ ان کی تصویر ہاف ٹون بلیک اینڈ وہائٹ میں تھی جس کو مناسب رنگوں کے ساتھ باز آفریدہ کیا گیا ہے۔

1928ء میں رفیقہ حیات کے انتقال کے بعد ان کی عام تندرستی بہت خراب ہوگئی مگر ان کی مصروفیات میں کوئی خلل نہیں آسکا چنانچہ انتقال سے دو دن قبل تک وضع اصطلاحات کی مجلس میں شریک رہے۔ 23 مئی 1933ء بروز سہ شنبہ داعی اجل کو لبیک کہا۔ باغ مرلی دھر کے عقب میں تکیہ موسیٰ شاہ قادری میں مدفون ہوئے۔ ان کے مدفن پر جو کتبہ لگا ہے اس پر ان کا یہ شعر کندہ ہے۔

مل گئی قبر کی جگہ اے نظم
ہوگئی ختم عمر بھر کی تلاش

اور اسی لوح کی دوسری طرف "گور غریباں" کے آخری بند درج ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ طامس گرے کے مزار پر بھی یہی اشعار انگریزی میں تحریر ہیں۔ سچ ہے کہ غم ہستی کے افسانے میں ساری انسانیت شریک ہے۔

عرفان صدیقی

تہ خانہ حکومت

امریکی اخبار "واشنگٹن پوسٹ" نے خبر دی ہے کہ القاعدہ کی طرف سے ایٹم بموں کے مہلک حملوں کی صورت میں وفاقی حکومت کے نظام کو جاری رکھنے کیلئے ایک متبادل حکومت (Shadow Government) تشکیل دی گئی ہے جو نائب صدر ڈک چینی کی قیادت میں واشنگٹن سے دور کسی گمنام مقام پر زمین دوز مورچوں کے اندر کام کررہی ہے۔ سو کے لگ بھگ سینئر سرکاری اہلکار اس حکومت سے منسلک کئے گئے ہیں جو اپنے خاندانوں سے کوسوں دور تہہ خانوں میں حکومتی فرائض سرانجام دے رہے ہیں۔ تین ماہ بعد ان کی ڈیوٹیاں تبدیل ہوتی ہیں۔ امریکی ایجنسیوں کا خیال ہے کہ القاعدہ کا "ایٹم بم" واشنگٹن کو مکمل طور پر ختم کرسکتا ہے، لہذا وفاقی نظام کے تسلسل کو یقینی بنانے کیلئے اس زیر زمین حکومت کا اہتمام ضروری سمجھا گیا ہے۔

یہ صورتحال زبردست خوف اور شدید اعصابی تناؤ میں مبتلا قوم کے ذہن و فکر کی ترجمانی کرتی ہے۔ اس خوف کی بنیاد بظاہر وہ انٹیلی جنس رپورٹیں ہیں جو مسلسل یہ باور کراتی رہتی ہیں کہ القاعدہ اور طالبان کا پھن پوری طرح نہیں کچلا جاسکا۔ ان انٹیلی جنس رپورٹوں کے پس منظر میں ٹھوس معلومات سے کہیں زیادہ یہ سوچ کارفرما ہے کہ انسان کی جبلت انتقام بہر طور زندہ رہتی ہے لہذا جب بھی موقع ملا، وہ عناصر ضرور اپنے رد عمل کا اظہار کریں گے۔ اپنے آپ کو کسی انہونی کی ذمہ داری سے بچانے کے لئے ایسی رپورٹیں بڑے اہتمام سے تیار کی جاتی ہیں تاکہ کسی ناگہانی افتاد کی صورت میں کہا جاسکے کہ ہم نے تو پہلے ہی بتادیا تھا۔ بلاشبہ آج امریکی اقتدار کا سورج نصف النہار پر ہے اور ساری دنیا کے در و دیوار اس کی تیز دھوپ کی زد میں ہیں۔ بالخصوص چھوٹے، کمزور اور ترقی پذیر ملکوں کے گھروندے اس دھوپ کی تپش سے پگھلنے لگے ہیں۔ امریکہ اسے اپنی عسکری اور اقتصادی قوت کی کارفرمائی خیال کرتا ہے۔ یہ بات بڑی حد تک درست بھی ہے کیونکہ بے محابا فوجی طاقت کے حامل کسی ملک کے سامنے صرف اس کا اپنا احساس ذمہ داری اور تہذیبی و اخلاقی رویہ ہی بند باندھ سکتا ہے۔ ان زنجیروں کو توڑ ڈالنے کے بعد وہ ایک عفریت کی شکل اختیار کرلیتا ہے جس کے سامنے کوئی ضابطہ، کوئی قانون، کوئی دلیل اور کوئی اپیل موثر نہیں رہتی۔ اس سے بچاؤ کی واحد صورت یہی ہوتی ہے کہ اس کی مرضی و منشا کے سامنے سر تسلیم خم کردیا جائے یا پھر اس کی قاہری کے حضور سر جھکانے سے انکار کر کے بدترین نتائج کو قبول کرلیا جائے۔ اسی طرح معیشت کا ہتھیار بھی نہایت کارگر ہے۔ قدیم زمانے کے ساہوکاروں سے آج کے ورلڈ بنک، آئی ایم ایف اور پیرس کلب جیسے اداروں تک ایک ہی خوں آشام روح کارفرما چلی آرہی ہے۔ بیشتر عالمی مالیاتی اداروں کی ڈور امریکہ کے ہاتھ میں ہے اور وہ انہیں اپنے مقاصد کے لئے استعمال کرتا ہے۔ غریب ممالک اپنے نان نفقہ کے لئے کڑی شرائط ماننے اور دباؤ کے زیر اثر اپنی قومی پالیسیوں کی تراش خراش پر مجبور ہوجاتے ہیں۔

دہشت زدہ دنیا اور دباؤ میں آئے ہوئے ممالک فوری طور پر امریکہ کی کلائی تو نہیں مروڑ سکتے لیکن ان کے عوام کے دلوں میں نفرت اور انتقام کی چنگاریاں سلگتی رہتی ہیں۔ سی این این کے حالیہ جائزے کے مطابق نو اسلامی ممالک کے 77 فیصد عوام نے افغانستان میں امریکی کارروائی کو اخلاقی طور پر غلط اور غیر منصفانہ قرار دیا ہے۔

امریکہ، شعوری یا غیر شعوری طور پر اپنے طرز عمل کی زہر ناکی اور اپنے رویے کی نشتر زنی سے خوفزدہ ہے۔ وہ دنیا بھر میں جو فصل بو رہا ہے اس کے جوان ہونے اور پھل لانے کے تصور سے ہراساں ہے۔ وہ افغانستان میں کھیلے جانے والے کھیل کے منظروں کو بھول نہیں سکتا۔ گوانتا نامو کے قیدیوں سے روا رکھے جانے والے طرز عمل کا خیال اس کے اعصاب پر سوار رہتا ہے۔ اسے معلوم ہے کہ ظلم کی حکمرانی زیادہ طویل نہیں ہوتی اور مظلوم جب زندگی اور موت کے خرخشے سے آزاد ہوکر جوابی وار کرتا ہے تو ظلم کی قوتوں کی روح تک لرز جاتی ہے۔ قوت کے نشے میں سرشار شخص یا قوم کی سب سے بڑی کمزوری، زندگی سے پیار ہے۔ مظلوم شخص کی سب سے بڑی قوت موت سے بے خوفی ہے۔ جب مظلوم کی قوت برداشت آخری حدوں کو چھونے لگتی ہے تو وہ پلٹ کر ایسا وار کرتا ہے کہ متکبر اور مغرور گردنوں کے مہرے سرمہ ہوجاتے ہیں۔

امریکہ اسی خوف میں مبتلا ہے کہ ظلم کی انتہا تو ہوچکی۔ اس سے زیادہ بربریت اور درندگی کا مظاہرہ ممکن ہی نہیں۔ شرف انسانی کی اس سے زیادہ تحقیر کا تصور بھی نہیں کیا جاسکتا۔ 21 ویں صدی میں انسانیت کی ایسی تذلیل کسی ذی روح کیلئے ممکن ہی نہیں۔ بش اور اس کے حواریوں کا لب و لہجہ کائنات پر خدائی کے دعوے کا عکاس ہے۔ کمزور ملکوں کی آزادی و خود مختاری، بالا خانوں کے آداب سے بھی حقیر تر سمجھی جارہی ہے۔ اور امریکہ کو خبر ہے کہ اتنا کچھ کرنے کے بعد کچھ نہ کچھ سہنے کیلئے تیار رہنا چاہئے۔

واشنگٹن سے کوسوں دور گمنام علاقوں کی سرنگوں اور تہہ خانوں میں پناہ گزین متبادل امریکی حکومت اس امر کا ثبوت ہے کہ جرم کی خلش نے امریکہ کو خوف کی صلیب پر لٹکا رکھا ہے۔ جارج بش کیلئے تالیاں بجانے والی امریکی قوم بھی اس آسیبی دہشت کی گرفت میں ہے۔ ایک عالم کی نیندیں حرام کرنے والی فتنہ خو قوم اپنے اندر کے خوف سے ٹوٹتی جارہی ہے۔

غارتگروں کے لئے یہ چھوٹی سی سزا اس آفاقی انصاف کی ادنی سی جھلک ہے جو کسی وقت، کسی آن، تنی ہوئی گردنوں کے منکے توڑ کر انہیں نمونہ عبرت بنا سکتا ہے۔

نشے کی عادت

مجیب الرحمان خاں

منشیات میں سگریٹ نسوار سے لیکر مارفین اور ہیروئن تک افیون، چرس، بھنگ، شراب، میری جوانا، کوکین، ایل ایس ڈی، وغیرہ جیسی بہت سی اشیاء شامل ہوتی ہیں۔

منشیات کا مسئلہ جہاں ایک فرد کا مسئلہ ہے وہاں یہ پوری قوم بلکہ بنی نوع انسان کا مسئلہ بھی ہے۔ منشیات کے استعمال سے جنسی بے راہ روی اور سماج دشمن سرگرمیوں کا ایسا سیلاب امڈ آتا ہے جو اخلاقی، معاشرتی، مذہبی، قانونی بلکہ ہر انسانی قدر کو بہالے جاتا ہے۔

نشہ آور شخص کے عزائم جارحانہ ہوتے ہیں۔ امریکہ میں کئے گئے ایک جائزہ میں بتایا گیا ہے کہ 243 نشہ آوروں نے گیارہ سال کے عرصہ میں پانچ لاکھ جرائم کئے۔

نشہ آور شخص کی زندگی کا اسٹائل غیر مہذب اور غیر دوستانہ ہوتا ہے اسے تعلقات اور رشتہ داریوں کی پرواہ نہیں ہوتی یہاں تک کہ وہ نشے کی خاطر اپنے گھر والوں کی عزت تک کو داؤ پر لگادیتا ہے۔ اس وجہ سے لوگ اس سے نفرت کرتے ہیں چنانچہ وہ اس نفرت کا انتقام ان کے خلاف جارحانہ اقدام کرکے لیتا ہے اور سماج دشمن سرگرمیوں میں ملوث ہوجاتا ہے۔ وہ قانون کا احترام نہیں کرتا اور جرائم کو اپنی زندگی کا معمول بنالیتا ہے اور اسے حلال حرام کی کوئی تمیز نہیں ہوتی۔ دہشت گردی اور خاص طور پر بین الاقوامی دہشت گردی میں نشہ کے تاجروں کا بڑا ہاتھ ہوتا ہے۔

انٹرنیشنل نارکوٹکس بورڈ نے 1986ء میں اپنی ایک رپورٹ میں بیان کیا کہ بین الاقوامی دہشت گردی اور باغیانہ سرگرمیوں میں منشیات کے تاجروں کا گہرا تعلق ہے۔ برما کے باغیوں کی امداد افیون کے تاجر کرتے ہیں۔ کولمبیا میں کوکین تیار کرنے والی فیکٹریوں کی حفاظت باغی چھاپہ مار گوریلے کرتے ہیں۔ پیرو اور کولمبیا کی سیاسی بے چینی میں منشیات کے تاجروں کا ہاتھ ہے۔ 1980ء میں بولیویا کی منتخب حکومت کو ختم کرنے میں منشیات کے ناخداؤں کا ہاتھ تھا۔ غرض یہ کہ منشیات کے استعمال کی وجہ سے جرائم کی شرح میں بہت زیادہ اضافہ ہوگیا ہے چنانچہ نسل انسانی کی فکر لیکر ایک مقام پر سروے کیا تاکہ معلوم ہوسکے کہ انسان کن کن وجوہات کی بناء پر نشے کا عادی بنتا ہے اس طرح وکلاء، پولیس افسروں، امور انتظامیہ، پروفیسر حضرات اور طالب علموں سے آراء اکٹھی کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا کہ نشے کا سبب بننے والی وجوہات ناخواندگی، غربت، بری صحبت، ذہنی پریشانی، بیروزگاری، نشہ آور ادویات کا استعمال، والدین کی عدم توجہی، اسلام سے دوری، محبت میں ناکامی، بطور فیشن، دولت کی فراوانی، نشے کی تشہیر بازی، فلمیں اور ڈرامے انتقامی کارروائی اور نشہ آور خون کی منتقلی وغیرہ ہیں۔ لیکن سب کی آراء کے مطابق نشے کی عادت کا سبب بننے والی سب سے بڑی وجوہات بری صحبت اور والدین کی عدم توجہی ہیں۔

غرض یہ کہ منشیات ایک سنگین مسئلہ ہے جس کا سدباب ضروری ہے ورنہ یہ ہمارے معاشرے کو گھن کی طرح کھاجائے گی۔ مندرجہ ذیل اقدامات سے کافی حد تک اس لعنت سے چھٹکارہ حاصل کیا جاسکتا ہے۔

1۔ منشیات کے تاجر موت کے سوداگر ہیں۔ منشیات کے کاروبار میں بااثر شخصیات ملوث ہیں، موت کے یہ سوداگر سیاست میں اپنا مقام رکھتے ہیں۔ منشیات فروشی کی سزاء موت ہونی چاہیے کیونکہ نہ رہے گا بانس اور نہ بجے گی بانسری۔

2۔ رضا کارانہ تنظیمیں، ادارے اور ذرائع مواصلات منشیات کو ختم کرنے میں اہم کردار ادا کرسکتے ہیں مثلاً درج ذیل اشتہار سے اس کی حوصلہ شکنی کی جاسکتی ہے۔ منشیات کا عادی خون کے آنسو روتا ہے، منشیات کے عادی افراد کا وقار خاک میں مل جاتا ہے، تباہی و بربادی ان کا مقصد بن جاتا ہے۔

3۔ ٹی وی پر سگریٹ کے اشتہار بند کردئے جائیں کیونکہ یہ تو منہ میں لقمہ دیکر چھیننے کے مترادف ہے۔

4۔ والدین کو چاہیے کہ وہ اپنی اولاد پر مکمل طور پر توجہ دیں کیونکہ ہمارے ہاں خاص کر دیہاتوں میں یہ خیال عام ہے کہ والدین کی ذمہ داری صرف بچے پیدا کرنا ہے۔ [illegible] وہ جانیں اور ان کا کام۔

5۔ انسان کو بری صحبت سے بچنا چاہیے کیونکہ یہ یقینی بات ہے کہ جیسی اس کی صحبت ہوگی ویسا ہی وہ خود ہوگا اس لئے یہ کہنے میں کوئی حرج نہیں۔ ایک شخص نشی سے مل کر نشی ہی بنے گا شاید اس لئے کہا جاتا ہیکہ آدمی اپنی صحبت سے پہچانا جاتا ہے۔

6۔ اگر عالمی فرقہ وارانہ تنظیمیں ایک دوسرے سے الجھنے اور اقوام کو لڑانے کی بجائے اپنی تمام تر توانائیاں اور طاقتیں منشیات فروشوں کے خلاف استعمال کریں تو پھر کوئی وجہ نہیں کہ منشیات فروشوں کا قلع قمع ہوسکے۔

7۔ معاشرے میں کمیونٹی سماج کے عملی منصوبوں کے ذریعہ مواقع پیدا کئے جائیں جن کے ذریعہ نوجوانوں میں صحت کی نشوونما کے لئے شعور بیدار ہوسکے۔

آیئے اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس مل کر پیدا کریں اسی لئے شاعر مشرق علامہ محمد اقبال نے فرمایا:

خدا نے آج تک اس قوم کی حالت نہیں بدلی
نہ ہو جس کو خیال آپ اپنی حالت بدلنے کا

☆☆☆

مغربی عالمی غلبہ۔ اکیسویں صدی کے انسان کی بد قسمتی

ارشاد احمد حقانی

جرمنی کے ایک نوبل انعام یافتہ مصنف کی ایک تازہ کتاب جرمنی میں شائع ہوئی ہے جس میں جنگ عظیم دوم کے آخری مراحل میں تباہ ہونے والے ایک بہت بڑے جرمن بحری جہاز کی کہانی نصف صدی بعد پہلی دفعہ بیان کی گئی ہے جس وقت اسٹالن کی فوجیں نازی جرمنی میں تیز رفتار پیش قدمی کررہی تھیں، ملک کے ایک بہت بڑے بحری جہاز پر 10 ہزار عورتوں، بچوں اور بوڑھے لوگوں کو سوار کرایا گیا تاکہ وہ سرخ فوجوں کی گرفت سے محفوظ ہوسکیں لیکن ایک سوویت سب میرین نے سطح سمندر سے بہت نیچے جاکر اس بحری جہاز کو تارپیڈو کیا اور آن کی آن میں جہاز غرق ہونے لگا۔ اس وقت سردی عروج پر تھی۔ کچھ مسافروں نے جہاز پر موجود لائف بوٹس (جان بچانے والی کشتیاں) جو منجمد ہوچکی تھیں، اکھاڑ کرانہیں استعمال کرنے کی کوشش کی لیکن چند ایک کے سواء کوئی اس کوشش میں کامیاب نہ ہوسکا اور جہاز ڈوب گیا۔ 10 ہزار میں سے بمشکل 1200 افراد کسی نہ کسی طرح بچ سکے۔ یہ حادثہ اس قدر المناک تھا کہ 50 سال تک کسی خبر یا تبصرے، مضمون، تاریخ کی کتاب یا ناول میں اس کا تذکرہ نہ ہوا۔ مبصرین کہتے ہیں کہ مغربی جرمنی کے لکھنے پڑھنے والے لوگ اپنے اندر اتنی ہمت اور جرات نہ پاسکے کہ اتنے بڑے المیہ کی یاد تازہ کریں۔ عربی کا ایک مقولہ ہے "ذکر تلک المصائب مصائب اخری" یعنی مصائب کا تذکرہ خود ایک بہت بڑی مصیبت بن جاتا ہے۔ مغربی جرمنی کے لوگ تو مذکورہ خوف سے اس واقعہ کا ذکر نہ کرسکے، مشرقی جرمنی والوں نے اس لئے ذکر کرنے کا حوصلہ نہ پایا کہ وہ بحری جہاز کو تباہ کرنے والی طاقتوں یعنی سوویت یونین کے حلیف بھی تھے اور اس کے زیر اثر بھی۔ وہ اگر اس کا ذکر کرتے تو اپنے ہی ہم وطنوں کی تباہی کی کالک اپنے منہ پر ملتے چنانچہ نصف صدی تک اس سوال پر مکمل خاموشی رہی۔ اب ایک ادیب نے دنیا کو

اس عظیم المیہ سے آگاہ کرنے کی جرات دکھائی ہے۔ جنگ کے آخری مرحلے میں جب سوویت فوج پولینڈ اور چیک جمہوریہ میں پیش قدمی کررہی تھی تو اس کے مظالم کے نتیجہ میں 20 لاکھ شہری صرف ان دو ملکوں میں ہلاک ہوئے۔ اس وقت ان علاقوں پر جرمنی کا قبضہ تھا اور ہلاک ہونے والوں کی اکثریت بھی جرمن تھی۔ اس سے پہلے ہٹلر 60 لاکھ کے قریب یہودیوں کو انتہائی اذیت ناک انداز میں ہلاک کرچکا تھا۔ یہ محض دو "مہذب" مغربی اقوام کے بہیمانہ ریکارڈ کا صرف ایک حصہ ہے۔ دوسری جنگ عظیم کے دوران مغرب کی "مہذب" اقوام نے ایک دوسرے کے کروڑوں انسان ہلاک کئے۔ امریکہ دوسری جنگ کے عین آخری مراحل میں اس میں شامل ہوا اور جب جاپان قریب قریب شکست کھاچکا تھا تو اس نے ہیروشیما اور ناگاسا کی پر جوہری بم گرائے اور انسانی تاریخ کا ایک انتہائی المناک باب (بغیر ضرورت) رقم کیا۔ دوسری جنگ عظیم کے بعد امریکہ نے عالمی اسٹیج پر ایک فعال کردار اختیار کیا جس کا صرف ایک رخ یہ ہے کہ اس نے 1950ء سے 1963ء تک چین اور کوریا کے خلاف جنگ کی اور بمباری کی۔ گوئٹے مالا پر 1954 اور پھر 1967ء تا 69ء، انڈونیشیا کے خلاف 1958ء کیوبا کے خلاف 60۔ 1959ء، کانگو 70ء، غرناطہ 1983ء، لیبیا 1986ء، السلواڈور اور نکاراگوا 1980ء، پانامہ 1989ء، عراق 1991ء تا 1999ء، بوسنیا 1995ء، سوڈان 1998ء اور یوگوسلاویہ 1999ء اور 2001ء افغانستان۔ ان تمام ملکوں کے خلاف جنگ کی اور اکثر پر تباہ کن بمباری کی اس سے پہلے سترویں، اٹھارہویں، اور 19 ویں صدی کی "مہذب" استعماری اقوام مغرب نے اقصائے عالم میں اپنا غلبہ قائم کرنے کے لئے ہر غیر اخلاقی حربہ اور دستیاب ہتھیار استعمال کئے۔ ان اقوام کی "انسانی دوستی" کی ایک مثال ہے کہ جب کلنٹن کی وزیر خارجہ میڈم البرائیٹ سے کہا گیا کہ عراق کے پانچ لاکھ بچے خوراک اور ادویات نہ ملنے کی وجہ سے ہلاک ہوچکے ہیں تو ان کا جواب تھا کہ دہشت گرد حکومت کو دبانے کی یہ کچھ ایسی زیادہ قیمت نہیں ہے اور حالیہ جنگ افغانستان کے دوران خود مسٹر بش اور ان کے وزیر جنگ (میں نے دانستہ انہیں وزیر دفاع نہیں لکھا) مسٹر رمزفیلڈ افغانوں اور القاعدہ کے ارکان کی ہلاکتوں کا ذکر جس طرح لذت لیکر کرتے رہے ہیں، وہ تو بالکل حال کی بات ہے۔ مزید براں صدر بش بزعم خود ایک "محور شر" کا تعین بھی کرچکے ہیں۔ یہ ابھی صرف پہلا قدم ہے اور اس "محور شر" کو تباہ کرکے سرخاب کا ایک اور پر اپنی ٹوپی میں لگانے کے بعد وہ مزید فتوحات کا ارادہ رکھتے ہیں اور اپنی دانست میں پوری دنیا کے "شرپسندوں"

بالخصوص مسلمان شرپسندوں کا خاتمہ کرنا ان کے آئندہ پروگرام کا حصہ ہے۔

ذرا اس ریکارڈ کو ذہن میں رکھئے اور یہ امر ملاحظہ فرمائیے کہ حال ہی میں سی این این اور گیلپ انٹرنیشنل نے جو سروے کئے ہیں ان کے مطابق 863 امریکیوں سے پوچھا گیا کہ مسلمان ممالک کو اپنے حالات کی اصلاح کے لئے کیا کرنا چاہیے تو 68 فیصد نے کہا (دل تھام کر بیٹھئے) کہ "انہیں مغربی اقدار اپنا لینی چاہئیں" ان سے پوچھا گیا کہ مسلمان ممالک کے عوام امریکہ کے بارے میں کیا رائے رکھتے ہیں۔ 82 فیصد نے جواب دیا کہ مسلمان امریکہ کے بارے میں اچھی رائے نہیں رکھتے۔ ان سے مزید پوچھا گیا کہ ایسا کیوں ہے تو صرف 11 فیصد نے کہا کہ یہ مخالفانہ رائے ہمارے برے اعمال کی وجہ سے ہے جبکہ 78 فیصد نے رائے دی کہ مسلمانوں کو ہمارے بارے میں صحیح معلومات نہیں پہنچتیں۔ آج کے سب سے بڑے امریکی شہری یعنی صدر بش افغانستان کے بحران کے آغاز پر ایک سے زیادہ دفعہ کہہ چکے ہیں کہ عالم اسلام یا اس سے باہر کے جو لوگ امریکہ کو ناپسند کرتے ہیں تو اس کی وجہ یہ ہے کہ ہمارے ہاں جو آزادیاں ہیں، جمہوریت ہے، دولت ہے، یہ لوگ اس سے حسد کرتے ہیں۔ جس ملک کا صدر اتنا بڑا "فلسفی" ہو اس کے عوام کی غالب اکثریت اگر یہ سمجھتی ہو کہ مسلمان عوام محض لاعلمی یا غلط اطلاعات کی وجہ سے ہمیں برا سمجھتے ہیں تو اس پر کسی کو حیرت نہ ہونی چاہیے۔ میری دانست میں دور حاضر کا سب سے بڑا المیہ (ایک خاص مفہوم میں) یہ ہے کہ دنیا کا سب سے طاقتور ملک طاقت کے نشے میں چور ہو چکا ہے اور اسے اپنی سرحدوں سے باہر انسانی اقدار کے احترام کی ضرورت کا کوئی شعور نہیں۔ دوسری مغربی اقوام کی اکثریت کا بھی یہی المیہ ہے کہ اپنی سرحدوں کے اندر وہ جن اصولوں اور اقدار کو مقدس مانتی ہیں، اپنی سرحدوں سے باہر ان کو پامال کرنے میں کوئی عار محسوس نہیں کرتیں۔ یہ 21 ویں صدی کی دنیا کی بہت بڑی بدقسمتی ہے۔ اقوام مغرب کی منافقت کا جب تک علاج نہیں ہوگا، دنیا امن اور انصاف سے محروم رہے گی۔

غزل

کاش تو بھی مری آواز کہیں سنتا ہو
پھر پکارا ہے تجھے دل کی صدا نے میرے

کاش تو بھی کبھی آجائے مسیحائی کو
لوگ آتے ہیں بہت دل کو دکھانے میرے

کاش اوروں کی طرح میں بھی کبھی کہہ سکتا
بات سن لی ہے مری، آج خدا نے میرے

تو ہے کس حال میں اے زود فراموش مرے
مجھ کو تو چھین لیا عہد وفا نے میرے

چارہ گر یوں تو بہت ہیں مگر اے جان فراز
جز ترے اور کوئی زخم نہ جانے میرے

(احمد فراز کے شعری مجموعے "درد آشوب" سے)

ooo

ایسٹل کی لاجواب ڈبل سنچری

نیوزی لینڈ کی شکست کو ٹال نہیں سکی

محمد بن عبداللہ رفاعی

نیوزی لینڈ۔ انگلینڈ کے درمیان نیشنل بنک ٹسٹ سیریز کا پہلا ٹسٹ اپنے اندر ڈرامائی اتار چڑھاؤ کے درمیان انگلینڈ کی 98 رنز سے شاندار کامیابی پر اختتام پذیر ہوا۔ انگلینڈ نے دوسری اننگز میں گراہم تھورپ کی تیز رفتار ڈبل سنچری اور فلنٹاف کی شاندار سنچری کی مدد سے نیوزی لینڈ کے آگے جیت کیلئے 550 رنز کا ہمالیائی اسکور کھڑا کیا۔ اس ہمالیائی اسکور کو حاصل کرنے کیلئے نیوزی لینڈ کے بیٹسمینوں خاص طور پر نتھن ایسٹل نے سر دھڑ کی بازی لگادی اور انگلینڈ کو ناکوں چنے چبوانے پر مجبور کردیا اور ایک موقع پر ایسا لگ رہا تھا کہ نیوزی لینڈ 550 رنز کا نشانہ پار کرتے ہوئے ورلڈ ریکارڈ قائم کریگا لیکن ایسٹل کی جارحانہ بیٹنگ اور کرس کینز کے قابل قدر 23 رنز اور ان دونوں کے درمیان 10 ویں وکٹ کیلئے 118 رنز کی تیز رفتار شراکت جو صرف 69 گیندوں میں بنائی گئی انگلینڈ کی 98 رنز سے کامیابی کو روک نہیں سکی۔ ایسٹل نے جارحانہ بیٹنگ کرتے ہوئے ٹسٹ کرکٹ میں کم گیندوں پر ڈبل سنچری بنانے کا ریکارڈ قائم کیا۔ ایسٹل نے 200 رنز کا نشانہ صرف 153 گیندوں میں 27 چوکوں اور 9 چھکوں کی مدد سے حاصل کیا۔ ایسٹل نے اپنی دھواں دھار اننگز کے ذریعہ Jade Stadium کرائسٹ چرچ میں موجود تماشائیوں کو لطف اندوز ہونے کا بھرپور موقع فراہم کیا۔ ایسٹل نے اپنی 222 رنز کی اننگز کے دوران جو صرف 168 گیندوں پر مشتمل رہی 11 ہمالیائی چھکے اور 28 چوکے لگائے۔ اس اننگز کے دوران ایک موقع پر ایسٹل نے ہوگارڈ کو مسلسل تین گیندوں پر تین چھکے لگائے بالآخر ہوگارڈ نے ہی انہیں فوسٹر کے ہاتھوں کیچ آؤٹ کراکر انگلینڈ کو قیمتی وکٹ دلاتے ہوئے کامیابی دلائی۔ ایسٹل نے اس دھواں دھار اننگز کے ذریعہ آڈم گلکرسٹ کے حال ہی میں قائم کیے گئے تیز رفتار ڈبل سنچری کے ریکارڈ کو توڑ دیا۔

16 مارچ 2002ء کرکٹ تاریخ میں ہمیشہ نیتھن ایسٹل کی لاجواب تیز رفتار بیٹنگ کیلئے یاد رکھا جائیگا۔ اس دن ایسٹل نے نیوزی لینڈ کرکٹ ٹیم کو بلندیوں پر پہونچایا۔ اپنے ہوم گراؤنڈ Jade Stadium کرائسٹ چرچ پر کھیلتے ہوئے ایسٹل نے نیوزی لینڈ کی

یقینی شکست کو ٹالنے کی بھرپور کوشش کے دوران ایسی لاجواب اور شاندار بیٹنگ کا مظاہرہ پیش کیا جس کا نظارہ شائقین کرکٹ شاید ہی پھر کبھی کر سکیں۔ ایسٹل کی اس اننگز نے نیوزی لینڈ کو کامیابی کی منزل تک تو نہیں پہونچایا پھر بھی اس نے مخالف گیند بازوں کے چہروں پر ہوائیاں بکھیر دی اور وہ حسرت بھری نظروں سے گیند کو باؤنڈری کے باہر جاتے ہوئے دیکھ رہے تھے۔ ناصر حسین دم سادھے بھی سوچ رہے تھے کہ کس بولرس سے بولنگ کرائی جائے جو ایسٹل کے قہر سے بچ سکے اور انگلینڈ کو درکار یہ قیمتی وکٹ دلا سکے۔ بالآخر یہ دھواں دھار اننگز کا خاتمہ ہوگارڈ نے کیا۔ ہوگارڈ نے ایسٹل کو فوسٹر کے ہاتھوں کیچ آؤٹ کرا کر انگلینڈ کو قیمتی وکٹ دلاتے ہوئے ایسٹل اور کرس کینز (23 رنز) کے درمیان 10 ویں وکٹ کیلئے 118 رنز کی تیز رفتار شراکت جو صرف 69 گیندوں میں بنائی گئی تھی کو توڑدیا اور انگلینڈ کو 98 رنز سے کامیابی دلائی۔

ایسٹل نے 200 رنز کا نشانہ پار کرنے کیلئے اسطرح گیندوں کا استعمال کیا:

1 سے 50 رنز 54 گیندوں میں بنائے

50 سے 100 رنز 60 گیندوں میں

100 سے 150 رنز 22 گیندوں میں اور

150 سے 200 رنز صرف 17 گیندوں میں بنائے۔

ایسٹل نے اپنی 222 رنز کی اننگز کے دوران انگلینڈ کے بولروں کی اس حساب سے مہمان نوازی کی۔

ہوگارڈ کی 60 گیندوں پر 90 رنز

اینڈی کیڈک کی 34 گیندوں پر 66 رنز

اینڈریو فلنعاف کی 32 گیندوں پر 43 رنز اور

ایشلے جائیلس کی 42 گیندوں پر 23 رنز بنائے۔

قابل ذکر بات یہ ہے کہ جس وقت نیوزی لینڈ کی نویں وکٹ گری اس وقت ایسٹل 134 رنز پر کھیل رہے تھے۔ ان کے سامنے سب سے بڑا سوال کرس کینز کی شکل میں کھڑا تھا وہ نہیں جانتے تھے کہ کینز بیٹنگ کیلئے آئیں گے یا نہیں کیونکہ کینز کے گھٹنے میں زخم ہونے کی وجہ سے وہ باقی میچوں میں حصہ نہیں لے رہے ہیں۔ لیکن کینز نے گراؤنڈ پر آکر سارے سوالات کا جواب دیدیا اور پھر شروع ہوئی ایک یادگار شراکت جو کرکٹ تاریخ میں ہمیشہ سنہری الفاظ میں لکھی جائیگی۔ اس شراکت کے دوران ایسٹل نے چند دلکش شاٹس لگائے خاص طور پر جب نیا بال لیا گیا تو اس نئے بال کا اسطرح سے استقبال کیا کہ اسے نمبر 2 اسٹینڈ کی چھت پر دے مارا جہاں وہ کھو گیا۔ پھر دوسری گیند لی گئی اس کا بھی حشر پہلی والی گیند کی طرح ہوا۔ اسے بھی ایسٹل نے نمبر 1 اسٹینڈ پر مارا جہاں پر یہ بھی کھو گئی۔ ایسٹل نے اس اننگز کے اختتام کے بعد اظہار رائے کرتے ہوئے کہا کہ "میں نے اس سے قبل بھی اس گراؤنڈ پر کئی میچز کھیلے لیکن آج جس طرح سے جارحانہ بیٹنگ میں نے کی اس سے پہلے کبھی نہیں کی اور تو اور میں نے پہلی بار گیند اسٹیڈیم کے چھت پر ماری"۔ 16 مارچ کا دن ایسٹل کیلئے ایک تاریخ ساز دن رہا جہاں انہوں نے کئی ریکارڈ قائم کیئے اس ریکارڈ اننگز کا فاصلہ انہوں نے کسطرح طئے کیا اس کی تفصیلات اسطرح ہیں:

ایسٹل نے اس دھواں دھار اننگز کے ذریعہ ٹسٹ کرکٹ میں کم گیندوں پر ڈبل سنچری بنانے کا ریکارڈ قائم کیا اور آڈم گلکرسٹ کے حال ہی میں قائم کیے گئے تیز رفتار ڈبل سنچری کے ریکارڈ کو توڑدیا۔ درج ذیل جدول میں تیز رفتار ڈبل سنچری بنانے والوں کی تفصیلات پیش ہے:

گیندیں	کھلاڑی	ٹیمیں	مقام	سیزن
153	نیتھن ایسٹل	نیوزی لینڈ۔ انگلینڈ	کرائسٹ چرچ	2001-02
212	آڈم گلکرسٹ	آسٹریلیا۔ جنوبی افریقہ	جوہانسبرگ	2001-02
220	ایان بوتھم	انگلینڈ۔ ہندوستان	دی اوول	1982
231	گراہم تھورپ	انگلینڈ۔ نیوزی لینڈ	کرائسٹ چرچ	2001-02
232	گارڈن گرینج	ویسٹ انڈیز۔ انگلینڈ	لارڈس	1984
240	کلائیو لائیڈ	ویسٹ انڈیز۔ ہندوستان	بمبئی	1974-75
241	ظہیر عباس	پاکستان۔ ہندوستان	لاہور	1982-83
242	ڈان براڈمین	آسٹریلیا۔ انگلینڈ	دی اوول	1934
242	ویوین رچرڈز	ویسٹ انڈیز۔ آسٹریلیا	ملبورن	1984-85

ایسٹل نے 222 رنز کی اننگز کے دوران اسطرح گیندوں کو خرچ کیا:

94 گیندوں پر ایسٹل کوئی رنز نہیں بنا پائے۔

27 گیندوں پر ایک رن بنایا 07 گیندوں پر 2 رنز بنایا

01 گیند پر 3 رن 28 گیندوں پر 4 رنز اور

11 گیندوں پر 6 رنز بنائے۔

ایسٹل نے اس دھواں دھار اننگز کے ذریعہ آڈم گلکرسٹ کے حال ہی میں قائم کیے گئے تیز رفتار ڈبل سنچری کے ریکارڈ کو توڑدیا۔ اس اننگز کے دوران ایسٹل نے انگلینڈ کے خلاف بنائے گئے Martin Donnelly's کے 206 رنز کے ریکارڈ کو توڑدیا جو کسی بھی نیوزی لینڈ کے بیٹسمین کا انفرادی اعظم ترین اسکور تھا۔ اس اننگز کی مدد سے ایسٹل ڈبل سنچری بنانے والے Donnelly, Bert Sutcliffe, Graham Dowling, Glenn Turner(2), Martin Crowe, Bryan Young اور میتھو سنکلیر (2) کی فہرست میں شامل

ہوگئے۔ ایسٹل اس اننگز کے دوران جب 87 رنز پر پہونچے تو وہ 3000 رنز بنانے والے 7ویں بیٹسمین بن گئے۔

ایسٹل نے اپنا شاندار 222 رنز کے سفر کے دوران 200 رنز کا سفر اسطرح طئے کیا:

رنز	منٹ	گیندیں	چوکے	چھکے
50 رنز	74 منٹ میں	54 گیندوں میں	10x4	—
100 رنز	148 منٹ میں	114 گیندوں میں	16x4	2x6
150 رنز	185 منٹ میں	136 گیندوں میں	25x4	3x6
200 رنز	217 منٹ میں	153 گیندوں میں	27X4	9x6

اس ٹسٹ کی دوسری اننگز میں نیوزی لینڈ کی پارٹنرشپ اسطرح رہی:

شراکت	درمیان	رنز	منٹ	گیندیں
1st وکٹ	رچرڈسن۔ہارن	42	75	107
2nd وکٹ	رچرڈسن۔ونسنٹ	11	08	12
3rd وکٹ	رچرڈسن۔فلیمنگ	66	93	145
4th وکٹ	فلیمنگ۔ایسٹل	70	55	72
5th وکٹ	ایسٹل۔میک ملن	53	52	72
6th وکٹ	ایسٹل۔پرورے	10	09	12
7th وکٹ	ایسٹل۔ویٹوری	48	32	55
8th وکٹ	ایسٹل۔ڈرم	01	05	08
9th وکٹ	ایسٹل۔بٹلر	32	17	25
10th وکٹ	ایسٹل۔کیمز	118	55	69

اس طرح ایسٹل نے چوتھی وکٹ گرنے کے بعد رفاقتوں کا سلسلہ شروع کیا اور آخر میں کیمز کو ساتھ لیکر ایک ناممکن نشانے کو پار کرنے کی حتی المقدور کوشش کی۔

☆☆☆

ابھرتے آل راؤنڈر بین ہولیوک حادثہ میں چل بسے

انگلینڈ کے ابھرتے ہوئے آل راؤنڈر بین ہولیوک صرف 24 سال کی عمر میں سڑک حادثے میں چل بسے۔ ہولیوک 19 سال کی عمر میں اس وقت کرکٹ کی دنیا میں منظر عام پر آئے جب انہوں نے آسٹریلیا کے خلاف تیسرے ونڈے میں جو 1997ء میں کھیلا گیا قابل قدر 63 رنز بنائے۔ اس کے بعد بینسن اینڈ ہیجز (فرسٹ کلاس کرکٹ) کے فائنل میں انہوں نے 98 رنز بنائے جس کیلئے انہیں مین آف دی میچ ایوارڈ سے سرفراز کیا گیا۔ بین ہولیوک نے 20 میچوں میں حصہ لیکر 309 رنز 20.60 کی اوسط سے 2 ہاف سنچریوں کی مدد سے بنائے۔

ہولیوک کا مختصر تعارف اور کیریئر کا ریکارڈ اسطرح ہے:

پورا نام: بنجامن کین ہولیوک

تاریخ پیدائش: 11 نومبر 1977ء، ملبورن، آسٹریلیا

تاریخ وفات: 23 مارچ 2002ء جنوبی پرتھ، آسٹریلیا

بڑی ٹیمیں: سرے، انگلینڈ Surrey, England

جانے جاتے: بین ہولیوک

بیٹنگ اسٹائیل: رائیٹ ہینڈ بیٹسمین

بولنگ اسٹائیل: رائیٹ آرم فاسٹ میڈیم

ٹسٹ کیریئر	میچس کی تفصیلات	مقام	سال
پہلا ٹسٹ	انگلینڈ۔آسٹریلیا	ناٹنگھم	1997ء
آخری ٹسٹ	انگلینڈ۔سری لنکا	دی اوول	1998ء
ونڈے کیریئر			
پہلا ونڈے	انگلینڈ۔آسٹریلیا	لارڈس	1997ء
آخری ونڈے	انگلینڈ۔ہندوستان	کانپور	2001-02

ٹسٹ کیریئر۔بیٹنگ:

میچ	اننگز	ناٹ آؤٹ	رنز	ہائی اسکور	اوسط	SR	100s	50s
02	04	00	44	28	11.00	37.28	00	00

ٹسٹ کیریئر۔بولنگ:

اوورس	میڈن	رنز	وکٹس	اوسط	BBI
42	04	199	04	49.75	2-105

ونڈے کیریئر۔بیٹنگ:

میچ	اننگز	ناٹ آؤٹ	رنز	ہائی اسکور	اوسط	SR	100s	50s
20	17	02	309	63	20.60	81.10	00	02

ونڈے کیریئر: بولنگ:

اوورس	میڈن	رنز	وکٹس	اوسط	BBI
107	02	532	08	66.50	2-37

آسٹریلیا میں جنوبی افریقہ کی ٹسٹ سیریز میں 3-0 سے بدترین شکست کے بعد امید کی جا رہی تھی کہ دنیا کی نمبر دو ٹیم اپنے ہوم گراؤنڈ پر آسٹریلیا سے اپنی شکست کا بدلہ لے گی۔ کرکٹ کے مبصرین اور تجزیہ نگار بھی امید کر رہے تھے کہ شاید افریقہ کچھ کر جائے اور آسٹریلیا کو نمبر ون کے مقام سے نیچے اترنا پڑے لیکن افریقی کپتان شان پولک کے زخمی ہونے اور ان کے اہم بیٹسمین آؤٹ آف فارم ہونے کا آسٹریلیا نے بھرپور فائدہ اٹھایا اور پہلے ٹسٹ میں جو 22 فروری سے جوہانسبرگ میں کھیلا گیا آسٹریلیا نے افریقہ کو ایک اننگز اور 360 رنز سے روند کر 3-0 کی شکست کا بدلہ لینے کی امیدوں پر پانی پھیر دیا۔ اس ٹسٹ میں آڈم گلکرسٹ نے افریقی بولروں کی جم کر دھنائی کی اور شاندار 204 رنز بنائے۔ پہلے ٹسٹ میں شکست کے بعد امید کی جا رہی تھی کہ افریقہ شاید دوسرے ٹسٹ میں واپس آجائے اور سیریز ایک ایک سے برابر ہو جائے لیکن کیپ ٹاؤن میں جہاں دوسرے ٹسٹ کا 8 مارچ کو آغاز ہوا، اسپن کے جادوگر شین وارن نے افریقی بیٹسمینوں کو تگنی کا ناچ نچایا جہاں افریقہ نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ افریقی ٹیم صرف 239 رنز پر سمٹ گئی، جواب میں آسٹریلیا نے 382 رنز بنا کر 143 رنز کی سبقت حاصل کی۔ دوسری اننگز میں افریقی بیٹسمین نے محتاط انداز میں کھیلنا شروع کیا اور ایک مرحلہ پر ایسا لگ رہا تھا کہ وہ آسٹریلیا کے سامنے جیت کیلئے ایک بڑا نشانہ رکھیں گے لیکن پھر ایک بار میڈل آرڈر بلے باز، جادوئی اسپنر وارن (جنھوں نے دوسری اننگز میں 6 وکٹ لیے) اور دوسرے آسٹریلیائی بولروں کے آگے ہتھیار ڈال کر پویلین لوٹ گئے اور ساری افریقی ٹیم 473 رنز پر سمٹ گئی۔ یوں آسٹریلیا کے آگے

اس سیریز کا یہ ایک نظر جائزہ یوں ہے:

ٹسٹ	تاریخ (افتتاحی یوم)	مقام	نتیجہ	مین آف دی میچ
پہلا ٹسٹ	22 فروری 2002	جوہانسبرگ	آسٹریلیا ایک اننگز اور 360 رنز سے کامیاب	آڈم گلکرسٹ
دوسرا ٹسٹ	08 مارچ 2002	کیپ ٹاؤن	آسٹریلیا 4 وکٹ سے کامیاب	شین وارن
تیسرا ٹسٹ	15 مارچ 2002	ڈربن	افریقہ 5 وکٹ سے کامیاب	ہرشل گبس

ذیل میں سیریز میں سب سے زیادہ رنز بنانے والے 5 بیٹسمینوں کا ریکارڈ دیا جا رہا ہے۔

کھلاڑی	میچس	اننگز	رنز	اوسط	سنچری	ہائی اسکور	ناٹ آؤٹ
آڈم گلکرسٹ	03	05	473	157.67	02	204	02
میتھیو ہیڈن	03	05	309	61.80	01	122	00
رکی پونٹنگ	03	05	309	77.25	01	100	01
ہرشل گبس	03	06	287	47.83	01	104	00
گیری کرسٹن	03	06	192	32.00	00	87	00

اس سیریز کے 5 بہترین گیند باز

کھلاڑی	میچس	وکٹس	رنز	اوورس	اوسط	بہترین	5+W/I
شین وارن	03	20	442	162.0	22.10	6-161	01
میک گرا	03	12	227	110.3	18.92	5-21	01
جیک کیلس	03	11	373	88.0	33.91	3-29	00
مکایا این تینی	03	11	459	116.5	41.73	4-93	00
پال آڈمس	02	10	290	63.1	29.00	4-102	00

جیت کیلئے 330 رنز کا نشانہ رکھا گیا۔ اس نے 6 وکٹ کھو کر بنا لئے۔ اس کامیابی کے ساتھ ہی آسٹریلیا نے ٹسٹ سیریز پر قبضہ کر لیا۔ اس سیریز کا تیسرا اور آخری ٹسٹ میچ 15 مارچ سے ڈربن میں کھیلا گیا جہاں افریقہ نے ٹاس جیتا اور آسٹریلیا کو پہلے بیٹنگ کرنے کی دعوت دی۔ آسٹریلیا نے اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے 315 رنز بنائے۔ جواب میں افریقی ٹیم ایک بار پھر آسٹریلیائی بولروں کے آگے صرف 167 رنز پر سمٹ گئی۔ آسٹریلیا کو تیسرے ٹسٹ میں بھی پہلی اننگز کی بنیاد پر 148 رنز کی سبقت حاصل ہوئی۔ افریقہ کے اس مظاہرہ کو دیکھتے ہوئے اندازہ لگایا جا رہا تھا کہ آسٹریلیائی ٹیم اپنے مایہ ناز کپتان اسٹیو وا کو جنہیں ونڈے ٹیم سے خارج کر دیا گیا ہے 0-3 سے سیریز میں کامیابی کے ساتھ وداع کرے گی۔ لیکن جیسے کہا جاتا ہے کہ کرکٹ ایسا کھیل ہے جس میں آخری گیند تک کوئی حتمی رائے ظاہر نہیں کی جا سکتی چنانچہ آسٹریلیائی بلے بازوں نے سیریز میں پہلی بار افریقی بولروں کے آگے گھٹنے ٹیک دیئے اور صرف 186 رنز پر آسٹریلیائی ٹیم ڈھیر ہو گئی اور پہلی بار سیریز میں افریقی ٹیم کی کامیابی کے امکانات روشن ہوئے جسے ہرشل گبس اور گیری کرسٹن نے پہلی وکٹ کیلئے اپنی سنچری رفاقت کے ذریعہ مستحکم کیا اور بالآخر افریقہ تیسرا ٹسٹ 5 وکٹ سے جیتنے میں کامیاب ہو گیا۔

☆☆☆

ورلڈ کپ فٹبال 2002ء

انعامی رقم میں اضافہ

ورلڈ کپ فٹ بال 2002ء میں مجموعی طور پر 62 میچ کھیلے جائیں گے۔ لیکن ٹورنمنٹ میں شریک ٹیمیں اس سے قبل ڈھائی ماہ کے دوران 63 کھیلیں گی۔ عالمی مقابلوں کے انعقاد سے قبل ہر ٹیم کی خواہش ہے کہ زیادہ سے زیادہ بین الاقوامی میچ کھیل کر پریکٹس حاصل کر لیں۔ اس غرض سے گھبراہٹ میں دورے طے کئے جا رہے ہیں اور صرف ایک دن میں یعنی 27 مارچ کو 28 ممالک کی ٹیمیں دوستانہ میچ کھیلیں گی۔ ورلڈ کپ سے قبل جو اہم میچ طے کئے گئے ہیں، ان میں 27 مارچ کو اٹلی بمقابلہ انگلینڈ، اسپین بمقابلہ ہالینڈ، 17 اپریل کو جرمنی بمقابلہ ارجنٹائن اور اٹلی بمقابلہ یوراگوئے شامل ہیں۔ 31 مئی سے قبل ارجنٹائن ایک، برازیل، یوراگوئے اور اسپین 2,2، اٹلی 3، فرانس اور انگلینڈ 4,4، جرمنی 5 اور کوریا اور جاپان 6,6 دوستانہ بین الاقوامی میچ کھیلیں گے۔ ورلڈ کپ سے پہلے آخری مقابلہ 26 مئی کو میزبان کوریا اور دفاعی چمپین فرانس کے درمیان ہوگا۔

ورلڈ کپ کا پہلا میچ گروپ اے میں فرانس اور سینیگال کے درمیان 31 مئی کو ہوگا۔ یہ میچ سیئول میں کھیلا جائے گا جہاں دوسرے 19 میزبان اسٹیڈیمز کی طرح ایک کے بجائے 2 بڑی اسکرینیں لگائی گئی ہیں۔ فٹ بال کی عالمی تنظیم فیفا نے حال میں ٹورنمنٹ منتظمین کو پابند کیا ہے کہ وہ ان اسکرینوں پر ریپلے نہیں دکھائیں گے۔ اس فیصلے کا مقصد کسی بدمزگی سے بچنا ہے، کیوں کہ بعض اوقات ریفری کا فیصلہ غلط ثابت ہونے پر کھیل متاثر ہو جاتا ہے۔ بعض حلقوں نے فیفا کو تجویز پیش کی کہ کھیل کے دوران اضافی وقفے دیئے جائیں، کیوں کہ موسم گرم ہونے کی وجہ سے کھلاڑی نڈھال ہو جائیں گے۔ یہ تجویز منظور کرنے کیلئے فیفا کو قوانین تبدیل کرنا پڑتے، اس لئے اسے مسترد کر دیا گیا۔

فیفا نے تمام شریک ٹیموں کو ہدایت کی ہے کہ 30 اپریل تک 35 اور 21 مئی تک حتمی 23 کھلاڑیوں کے نام فراہم کر دیئے جائیں۔ ان کے علاوہ ٹیم آفیشلز کی تعداد 22 سے بڑھا کر 27 کرنے کی اجازت بھی دے دی گئی ہے۔ اس بار ورلڈ کپ کی انعامی رقم میں مجموعی طور پر 51 فیصد اور چمپین کیلئے 70 فیصد اضافہ کیا گیا ہے۔ ہر ٹیم کو کم از کم 20 لاکھ ڈالر دیئے جائیں گے اور یہ رقم ہر کامیابی کے ساتھ بڑھتی جائے گی۔ فاتح ٹیم کو 50 لاکھ ڈالر انعام ملے گا۔

ورلڈ کپ کو 15 بڑے اداروں نے اسپانسر کیا ہے جن میں اوایا، کوکا کولا، فیوجی فلم، ہیونڈائی، کوریا ٹیلی کام، میکڈونلڈ، یاہو، ایڈیڈاس، بڈویزر، فیوجی زیراکس، جیلٹ، جے وی سی، ماسٹر کارڈ، فلپس اور توشیبا شامل ہیں۔ ان میں کئی ادارے پہلے بھی ورلڈ کپ فٹ بال کو اسپانسر کر چکے ہیں۔ یاہو نے ورلڈ کپ کی آفیشل ویب سائیٹ بھی بنا دی ہے۔

ٹورنمنٹ کیلئے ایڈیڈاس کی گیند فیورنووا کا انتخاب کیا گیا ہے۔ اس کے بارے میں کہا جا رہا ہے کہ حجم کے اعتبار سے اس کا وزن انتہائی مناسب ہے اور آج تک اس قدر تیز اور ایکوریٹ گیند تیار نہیں کی گئی۔ اس کے اطراف سنتھیٹک فوم لگایا گیا ہے اور گیس سے بھرے غبارے اندرونی طور پر بند رکھے گئے ہیں۔ اب مختصر الوجود کھلاڑی بھی حسب منشاء نتائج حاصل کر سکیں گے اور گول کیپروں کو مشکلات کا سامنا کرنا پڑے گا۔

فٹ بال شائقین کیلئے خوشی کی خبر یہ ہے کہ برازیل کے اسٹار اسٹرائیکر رونالڈو فٹ ہو گئے ہیں اور انہوں نے پریکٹس شروع کر دی ہے۔ وہ اکتوبر 1999ء میں ہالینڈ کے خلاف میچ کے بعد سے بین الاقوامی فٹ بال نہیں کھیل سکے۔ 2 سال کے دوران ان کے گھٹنے کے 2 آپریشن ہو چکے ہیں اور گزشتہ ہفتے پٹھے کی تکلیف نے انہیں 3 بار بے حال کیا۔ ان کی عدم موجودگی میں برازیل نے بڑی مشکل سے ورلڈ کپ کیلئے کوالیفائی کیا۔ رونالڈو کے ساتھی اور 1994ء ورلڈ کپ کے ہیرو روماریو بھی فارم میں واپس آ گئے ہیں اور ڈومیسٹک لیگ میں ان کا اوسط فی میچ ایک گول سے زیادہ ہے۔ وہ آؤٹ آف فارم ہونے کی وجہ سے گزشتہ سال یوراگوئے کے خلاف کوالیفکیشن میچ کے بعد سے سلیکٹروں کی توجہ حاصل نہیں کر سکے۔ امکان ہے کہ انہیں 27 مارچ کو یوگوسلاویہ کے خلاف میچ میں آزمایا جائے گا اور اس میچ سے رونالڈو بھی ایکشن میں آ سکتے ہیں۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑجاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل ودماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

میں اپنے کیریر سے مطمئن نہیں ہوں۔ آفتاب

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

آفتاب شیودسانی مصروف اداکار ہے لیکن اسے کامیاب اداکار نہیں کہا جاسکتا۔ مست، قصور، پیار عشق اور محبت نے اوسط درجہ کا بزنس کیا لیکن انہیں باکس آفس پر کامیاب قرار نہیں دیا جاسکتا اس کے باوجود آفتاب کے پاس بڑے بیانر کی فلمیں ہیں۔ جن میں حالیہ "کیا یہی پیار ہے" اور بہت جلد ریلیز ہونے والی فلموں میں پی کے آرٹس کرئشنس کی "جانے ہوگا کیا" (بپاشا باسو) ٹرپل آر موویز کی (پیاسا، یکتا مکھی کے ساتھ) شیوم چترے کی "سنو سسرجی" (ایشا پٹیل کے ساتھ) شامل ہیں ان فلموں سے امیدیں آفتاب کو لگی ہیں پچھلے ہفتہ حیدرآباد میں فلم "کیا یہی پیار ہے" کی تشہیری مہم کے سلسلہ میں آئے ہوئے آفتاب سے ہم نے ہوٹل گرین پارک میں ملاقات کی جس کا خلاصہ یہاں پیش ہے۔

س۔ کیا آپ کو ایسا نہیں لگتا کہ آپ صرف مخصوص کردار ہی کرسکتے ہو؟

ج۔ میں ایسا نہیں سمجھتا کیونکہ جسمانی ساخت کوئی مسئلہ نہیں ہے۔ ہماری فلم انڈسٹری کے کسی بھی کامیاب اداکار کو لے لیجئے ان کو اداکاری کی وجہ سے جانا جاتا ہے جسمانی ساخت کی وجہ سے نہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ میں کسی بھی کردار میں فٹ ہوسکتا ہوں اور یہ میرا پیشہ ہے۔

س۔ سنا جارہا ہے کہ آپ کو فلمیں ملنے کی وجہ معروف اداکاروں یا خان برادرس (خان اداکاروں) کے وقت نہ ملنے کی وجہ ہے؟

ج۔ جی نہیں یہ سراسر غلط ہے کوئی فلمساز سلمان خان یا عامر خان کا کردار مجھے نہیں دے سکتا کیونکہ کردار کا ڈیمانڈ پورا کرنے کے لئے کام چلاؤ معاملہ تو نہیں کیا جاسکتا۔
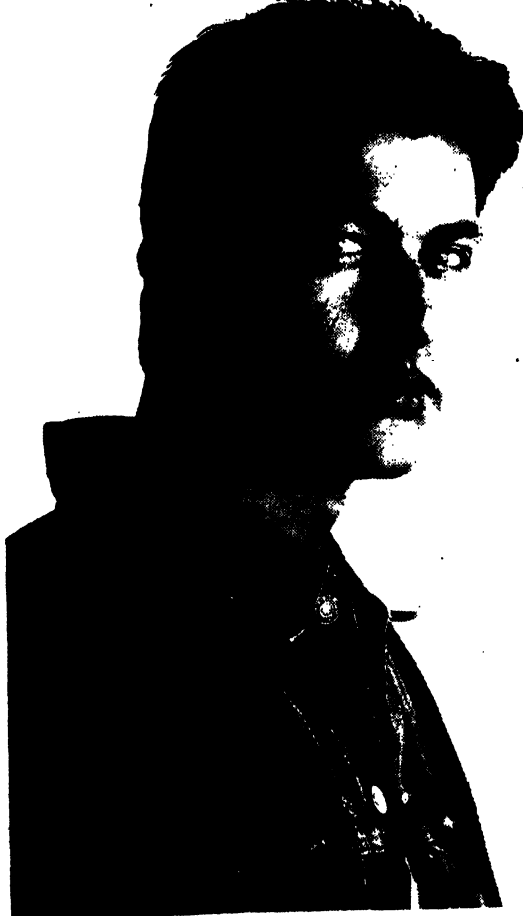
س۔ آج کل آپ کا مقابلہ شاہ رخ خان سے بھی کیا جارہا ہے اسے کہاں تک واجبی سمجھتے ہیں آپ؟

ج۔ شاہ رخ خان سے میرا مقابلہ کرنا ایک بے تکی سی بات ہے کیونکہ وہ سوپر اسٹار ہیں۔ اور آج ہندی سنیما کے بہترین اداکاروں میں ان کا شمار ہوتا ہے۔

س۔ اسے تیمو کی "پیاسا" کے خوب چرچے ہیں؟

ج۔ جی ہاں یہ فلم کافی اچھی بن رہی ہے اس فلم میں میرا نگیٹیو رول ہے "کیا یہی پیار ہے" میں ایک ضدی پریمی کا رول کیا ہے جو محبت میں اپنی جان کی بازی لگا دیتا ہے سنو سسرجی میں بہت ہی الگ کامیڈی رول کررہا ہوں۔

س۔ آپ کیریر کے جس مرحلہ میں ہیں یہاں آکر آپ کیسا محسوس کرتے ہیں؟

ج۔ ابھی میری جدوجہد جاری ہے جس میں مطمئن ہوجانا کسی انسان کے کیریر کیلئے خطرناک ہوتا ہے اس لئے میں کہہ سکتا ہوں کہ ابھی میں اپنے کیریر سے مطمئن نہیں ہوں لیکن مجھے یقین ہے کہ ایک دن میں اس مقام پر ضرور پہنچوں گا۔ جب ایشوریہ رائے اور کرینہ کپور میری ہیروئینس ہوں گی۔ ایک دن میرے فن کو سب تسلیم کریں گے۔

س۔ حقیقت میں قصور ہی آپ کی کامیاب فلم تھی مست کے بعد رامو نے بھی آپ کو کمپنی میں دوبارہ سائن نہیں کیا اس کی وجہ؟

ج۔ رامو نے مجھے پہلے ہی بتادیا تھا کہ ابھی جو بھی کردار ان کے ذہن میں ہے ان میں سے میں کسی کیلئے فٹ نہیں ہوں اسی لئے انہوں نے موہن لال، اجئے دیوگن، اور وکی اوبرائے کو لیا ہے۔

س۔ آپ کے لئے سب سے بڑی خوشی کیا ہوگی؟

ج۔ کہنا مشکل ہے کیونکہ خوشی الگ الگ چیزوں سے حاصل ہوتی ہے آپ کو جس

چیز کی ضرورت ہو اور اگر وہ چیز آپ کو وقت پر مل جائے تو خوشی ہونا فطری ہے۔ ویسے خوشی بھی بدلتی رہتی ہے۔ آج جس بات پر مجھے خوشی محسوس ہوتی ہے۔ آئندہ ممکن ہے کہ اس بات پر مجھے خوشی نہ ہو موڈ پر بھی خوشی کا انحصار ہوتا ہے۔

س۔ آپ کو اپنی فلموں کی ناکامی اور اپنے ساتھی اداکاروں کی فلموں کی کامیابی پر حسد تو ہوتی ہوگی؟

ج۔ کبھی نہیں۔ ہر کسی کو اپنے نصیب کا ملتا ہے میرے بھی مقدر میں جو لکھا ہے وہ مجھے ہر حال میں ملے گا اور مجھے اس بات پر یقین ہے۔

فلمی خبریں

منیشا کو ترالا رنگے ہاتھوں پکڑی گئی

منیشا کوائرلہ کے رومانس کے قصے کافی مشہور ہیں وہ مرد بدلنے میں ماہر بھی سمجھی جاتی ہے حال ہی میں لوگوں نے منیشا کو گوا میں ایک نوجوان کے ساتھ گھومتے پھرتے دیکھ لیا تحقیقات پر پتہ چلا کے منیشا کے ساتھ اس کا اٹلی والا بوائے فرینڈ سیشل اینتھنی تھا۔ ان دونوں نے گوا کی "لیلا بیچ" ہوٹل میں قیام کیا تھا۔

ابھئے دیول کا شاندار استقبال

جیسے ہی اداکار باپ دھرمیندر نے اعلان کیا کہ وہ بہت جلد اپنی ہوم پروڈکشن فلم میں اپنے تیسرے بیٹے ابھئے دیول کو متعارف کروانے جارہے ہیں ان کے گھر پر ابھئے کو سائن کرنے کے لئے فلمسازوں کے کئی فون کالس وصول ہورہے ہیں ابھئے دیکھنے میں سنی اور بابی سے کچھ خوبصورت ضرور ہے۔ لیکن سنی کے ستارے ہی عروج پر ہیں بابی تو سدا بہار ہے اب دیکھنا دھرم جی کا تیسرا بیٹا کیا کمال دکھاتا ہے۔

ہیما دھرم جی کی دوسری بیٹی بھی فلموں میں

ہیما مالنی نے اپنی پہلی بیٹی ایشا دیول کو باوجود دھرمیندر کی ناراضگی کے فلموں میں لایا اب کوئی میرے دل سے پوچھے کی ناکامی کے بعد وہ چند فلموں کی ہو کر رہ گئی ہے شائقین نے ایشا کے تئیں کوئی دلچسپی نہیں دکھائی تب ہیما مالنی نے اپنی دوسری بیٹی آہانا دیول کو فلموں میں لانے کا اعلان کیا ہے۔ وہ اپنی دوسری بیٹی کے کیریر کے لئے کسی اچھے فلمساز و اسکرپٹ کی تلاش میں ہے۔ آہانا خدوخال کے اعتبار سے ایشا سے کئی گناہ جاذب نظر ہے۔

ویلن کا مقابلہ ویلن سے

اب وقت آگیا ہے کہ فلمی ویلن کا مقابلہ حقیقی ویلن سے ہورہا ہے بتایا جاتا ہے کہ انڈر ورلڈ ڈان ابوسالم کے گروپ نے فلمی ویلن امریش پوری کو دھمکیاں دی ہیں۔

جس کی وجہ ممبئی پولیس نے انہیں پولیس سکیوریٹی فراہم کی ہے۔

ساریکا اپنی بیٹی کی نمائش کرنے لگیں

فلمی دنیا ایک ایسی جگہ ہے جہاں اداکاروں اور اداکاراؤں کو آرام اور آسائش کی چیزیں آسانی سے مہیا ہو جاتیں ہیں۔ لیکن پتہ نہیں کمل ہاسن اور ساریکا کو کس بات کی کمی ہے کہ وہ اب اپنی بیٹی کو فلموں میں متعارف کروانا چاہتے ہیں کامیاب اداکار جنہوں نے فلموں میں اپنی غیر معمولی اداکاری سے ایک تاریخ بنائی ہے اپنی سابقہ بیوی وانی گنپتی سے طلاق کے بعد اداکارہ ساریکا سے شادی کی تھی اب وہ بچوں کے ماں باپ بھی ہے ساریکا اپنی جوان لڑکی کو لیکر اکثر فلمی پارٹیوں میں گھومتی دکھائی دیتی ہے تاکہ کوئی اچھے فلمساز کی نظر اس پر پڑ جائے واضح ہو کہ کمل ہاسن خود فلمساز ہیں۔

منیشا نے حقیقت کا رنگ بھرنے بال کٹوائے

جس طرح واٹر کیلئے شبانہ آعظمی اور نندیتا داس نے اپنے بال منڈوائے تھے ٹھیک

اسی طرح اپنے کردار میں حقیقت کا رنگ بھرنے کے لئے منیشا کورالا نے رام گوپال ورما کی فلم کمپنی کے لئے اپنے بال حقیقت میں کٹوالئے ہیں اور دیگر فلموں کے لئے دوسرے فلمسازوں کو منیشا کیلئے بھاری قیمتوں پر وگ بنانی پڑ رہی ہیں۔

بیس فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔ جسے راجکمار سنتوشی ڈائرکٹ کررہے ہیں، فلمساز ہیں کمار ایس تورانی اور رمیش ایس تورانی منظر نامہ انجم رجب علی کا ہے سنیما آٹوگرافی کے وی آنند کی ہے۔ گیت سمیر نے لکھے ہیں تو دھنیں بنائی ہیں اے آر رحمان نے۔ راجکمار سنتوشی نے بھگت سنگھ کے کردار کو حقیقت سے قریب کرنے کے لئے بھگت سنگھ کے حقیقی بھائی اسی سالہ کلتار سنگھ کی خدمات حاصل کی ہیں۔

"کتنے دور کتنے پاس" چند حقوق فروخت ریلیز میں رکاوٹ

ایم کے پکچرس کی "کتنے دور کتنے پاس"

شوٹنگ رپورٹ

سلمان، شلپا کی "دل چرا کے چل دیئے" ریلیز کے لئے تیار

کرشمہ انٹرنیشنل کے بیانر پر بنی سلمان خان اور شلپا شیٹی کی فلم "دل چرا کے چل دیئے" ریلیز کے لئے تیار ہے۔ کے ایس ادھیامان کی ہدایت میں بنی اس فلم کے دیگر اہم کرداروں میں ریما لاگو، پریا، کونیکا، اور منیش بہل شامل ہیں موسیقی ڈبو ملک اور ساجد واجد نے ترتیب دی ہے۔

آفتاب، بپاشا باسو کی "جانے ہوگیا کیا" شوٹنگ جاری

آفتاب شیودسانی، بپاشا باسو، پریتی جھنگیانی، راہول دیو، اور پریش راویل کی اسٹار کاسٹ پر بنی بی کے آرٹس کریئشنس کی فلم "جانے ہوگیا کیا" کی مختلف مقامات پر شوٹنگ جاری ہے۔ انکش کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کی موسیقی ساجد واجد نے دی ہے۔

اجے دیوگن کی شہید بھگت سنگھ بیس فیصد شوٹنگ

تاریخ اپنے آپ کو دہراتی ہے ٹھیک اسی طرح شہید بھگت سنگھ پر اجے دیوگن کے مرکزی کردار والی فلم کی شوٹنگ

مسل کمار کی ہدایت میں بنی ہے نمائش کی تاریخ مقرر ہونے کے باوجود چند علاقوں میں اس کے نمائشی حقوق فروخت نہ ہونے پر روک دی گئی تھی اس کی بہت جلد ریلیز عمل میں آئیگی فلم میں فردین خان، امریتا اروڑہ، ناصر خان پریش راویل، گوبند نامدیو نے اہم کردار نبھائے ہیں موسیقی سنجیو درشن کی فراہم کردہ ہے۔

"کیا پیار کروگے مجھ سے" شوٹنگ جاری

شری سدی ونائک فلمس کے بیانر پر بنائی جارہی فلم "کیا پیار کروگے مجھ سے" شوٹنگ ممبئی کے مختلف مقامات پر جاری ہے جسے انوراگ باسو ڈائرکٹ کررہے ہیں موسیقی انو ملک نے فراہم کی ہے فلم کے اہم کردار تشار کپور، ایشا دیول، نتاشا، جانی لیور، رزاق خان جیتندر، رشی کپور بھی مہمان اداکار ہیں۔

اکشے کمار، کرینہ کی "تلاش" اس ہفتہ چالیس فیصد مکمل

اکشے کمار، کرینہ کپور اور پوجا بترہ کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل ڈائرکٹر بسلاج نیلانی کی فلم "تلاش" اس ہفتہ چالیس فیصد مکمل کردی گئی ہے فلم کے گیت اسمائیل دربار کے ہیں۔

سنجے دت، رشیتا بھٹ کی "تیرے پیار کی قسم" گیتوں کی فلمبندی

سنجے دت، رشیتا بھٹ، سنیل شیٹی، میما چودھری، اوم پوری، کبیر بیدی کی اسٹار کاسٹ پر بن رہی بھپی سونی پروڈکشن کی فلم "تیرے پیار کی قسم" کے تین گیتوں کی فلمبندی ۱۶ روزہ شیڈول میں مکمل کردی گئی ہے فلم کو مہیش منجریکر ڈائرکٹ کررہے ہیں موسیقی انو ملک کی ہے

۵ اپریل سے ۲ اگسٹ تک ریلیز ہونے والی فلمیں

۵ اپریل ۔ آنکھیں، ہم تمہارے ہیں صنم

۱۲ اپریل ۔ آپ مجھے اچھے لگنے لگے

۱۹ اپریل ۔ آنچ

۲۶ اپریل ۔ تم سے اچھا کون ہے

۳ مئی ۔ ہم کسی سے کم نہیں، کچھ تم کہو کچھ ہم کہیں

اپریل / مئی (تاریخ کا اعلان نہیں ہوا) کاش، آپ ہمارے ہوتے، چلو عشق لڑائیں، پیاسا، اگنی ورشا، یہ کیسی محبت ہے، سنو سسر جی، آنکھوں سے گولی مارے، دل ڈھونڈتا ہے

۱۰ مئی ۔ نہ تم جانو نہ ہم

۲۴ مئی ۔ ہمراز، میں نے دل تجھکو دیا، اسپائیڈرمین، بدھائی ہو بدھائی

۳۱ مئی ۔ یہ ہے جلوہ، شکتی،

۷ جون ۔ کانٹے، ساتھیا

۱۴ جون ۔ دیوداس

۲ اگسٹ ۔ مجھ سے دوستی کروگے

فوٹوگرافر و آرٹسٹ شاہ علی

شہروں میں لوگوں کا رہن سہن آج کل کچھ اس قدر تنگ ہوگیا ہے کہ دم گھٹنے لگتا ہے کیونکہ انسان قدرتی ماحول و مناظر سے دور ہوتا جارہا ہے۔ ایسے دور میں ممتاز فوٹوگرافر و آرٹسٹ شاہ علی نے Summerhut کا نظریہ پیش کیا ۔ خاص بات یہ ہیکہ شاہ علی نے گھاس، ٹی، مٹی کے برتن اور بیکار اشیاء کو استعمال میں لاتے ہوئے یہ جھونپڑی تیار کی جو ہر موسم کے لئے موزوں ہے۔

کنواں

بلراج کومل

جب میونسپل کارپوریشن کی طرف سے شہر کے بیشتر حصوں میں پانی کے نل مہیا کر دیئے گئے تو شہر کے اکثر کنوئیں بے مصرف ہو گئے اور کافی عرصہ تک بے مصرف رہے۔ آخر ایک ذہین شہری نے ان کا ایک انوکھا مصرف ڈھونڈ نکالا۔ اس نے ایک جست میں کنواں پھلانگنے کا شغل باقاعدہ اختیار کر لیا۔ جب وہ ایک کنواں پھلانگ چکتا تو اس کی خواہش ہوتی کہ وہ اور کنواں پھلانگے۔ ہر بار وہ پہلے سے زیادہ مشکل صورت حال کا انتخاب کرتا اور تماشائیوں کی تالیوں اور واہ واہ کے درمیان کنواں پھلانگنے میں کامیاب ہو جاتا۔ اس کی مقامی شہرت رفتہ رفتہ قومی شہرت کا درجہ اختیار کر گئی اور اب اس کا نام بیرونی مالک کے اخبارات میں بھی کہیں کہیں نظر آنے لگا۔ کسی بھی فرد کا کوئی دعوی ایسا نہیں ہے جس کو چیلنج کرنے کے لئے کوئی دوسرا فرد موجود نہ ہو۔ چنانچہ گولنکر کے سلسلہ میں بھی یہی ہوا۔ ایک روز اسے ڈاک سے ایک خط ملا۔ یہ خط ایک اجنبی کی طرف سے تھا جس نے گولنکر کو کنواں پھلانگنے کے مقابلہ کے لئے چیلنج بھیجا تھا۔ گولنکر نے خط پڑھا اور خط پڑھتے ہی اس کے مردانہ وقار نے تقاضا کیا کہ وہ چیلنج منظور کرے۔ چنانچہ گولنکر نے فورا چیلنج کرنے والے کو تحریری اطلاع دی کہ وہ کسی وقت بھی باہمی خط و کتابت کے ذریعہ طے شدہ شرائط کے مطابق مقابلہ کے لئے تیار ہے۔ اگلے چند ہفتوں کے اندر شرائط طے ہو گئیں اور مقابلے کی تاریخ مقرر کر دی گئی۔ مقامی اور قومی اخبارات میں مقابلہ کی تفصیلات کا اعلان کر دیا گیا۔

اگرچہ گولنکر کہنہ مشق کھلاڑی تھا اور بہت سے کنوئیں پھلانگ چکا تھا۔ جوں جوں مقابلہ کی تاریخ قریب آتی گئی۔ اس کے دل میں خدشات پیدا ہونے لگے۔ ان خدشات پر قابو پانے کے لئے گولنکر نے فیصلہ کیا کہ چوں کہ سوال اپنی شہرت اور وقار کو برقرار رکھنے کا ہے اس لئے مقابلہ سے قبل کنواں پھلانگنے کی کچھ مشق ضروری ہوگی جو مقابلے کا فیصلہ نتیجہ کن انداز سے اس کے حق میں کرنے میں مفید ثابت ہوگی۔

یہ فیصلہ کرنے کے بعد گولنکر نے شہر کے تمام کنوؤں کا (جس میں سے اکثر کو وہ پھلانگ چکا تھا) بغور جائزہ لیا۔ ہر ایک کنوئیں کا قطر ناپا۔ پھلانگنے کے زاویوں کا مطالعہ کیا۔ ظاہر ہے کہ گولنکر جیسی شہرت کے مالک کے لئے شہر کے کنوؤں پر مشق کرنا مناسب نہیں تھا۔ اس لئے اس نے اس کام کے لئے شہر سے باہر ایک ویران کنوئیں کا انتخاب کیا۔ یہ کنواں چاروں طرف سے درختوں سے گھرا ہوا تھا۔ باہر سے گزرنے والا آدمی اس بات کا اندازہ نہیں کر سکتا تھا کہ درختوں کے جھنڈ کے اندر کنواں ہے۔ اس کنوئیں کی ایک خوبی یہ بھی تھی کہ اس کی منڈیر، اس کا قطر اور اس کے چاروں طرف سے خالی زمین کا حدود اربعہ اس کنوئیں کے مماثل تھا جو آخری مقابلہ کے لئے منتخب کیا گیا تھا۔ کنوئیں کا انتخاب کرنے کے بعد مناسب تیاری کی ضرورت تھی۔ گولنکر نے تمام تیاری دو چار روز میں مکمل کر لی اور ایک صبح کو کنوئیں کی طرف روانہ ہو گیا۔

مارچ کی یہ صبح بڑی خوبصورت تھی۔ ہوا میں موسم بہار کا اثر تھا۔ لوگوں کے چہرے پر مسرت تھی۔ بچے آنگنوں میں کھیل رہے تھے۔ زندگی کا کاروبار معمول سے زیادہ حسن اور خوش اسلوبی سے چلتا ہوا نظر آ رہا تھا۔ گولنکر رنگ و بو کی اس محفل سے لطف اندوز ہوتا ہوا شہر کے دھیرے دھیرے تیز ہوتے ہوئے ہاؤ ہو میں سے گذر کر درختوں کے اس جھنڈ کی طرف جا رہا تھا جہاں اسے کنواں پھلانگنے کی مشق کرنی تھی۔ اس کا دل، اس کا دماغ، اس کا پورا وجود زندگی کے نشے سے سرشار تھا۔ اس کے قدم اعتماد سے اٹھ رہے تھے اور اس کے چہرے پہ کامرانی کا وہ نور تھا جیسے وہ مقابلہ میں شامل ہونے سے پہلے ہی مقابلہ جیت چکا ہو۔

شہر کی ایک نواحی بستی میں وہ ایک پارک کے قریب سے گذرا۔ سبزے پر کچھ لڑکے کھیل رہے تھے۔ ٹھیک اسی وقت کھیلنے والے لڑکے نے ایک شاندار چھکا لگایا۔ گولنکر کا دل مسرت سے چھلک اٹھا۔ نواحی بستی سے نکل کر وہ اس سڑک پر آ گیا۔ جہاں خوبصورت بنگلوں کی ایک لمبی قطار دور تک چلی گئی۔ ایک مکان کے باہر ایک گول مٹول سرخ و سپید بچہ ٹافی کھا رہا تھا۔ گولنکر نے اس کے ملائم، صحت مند گالوں کو تھپ تھپایا اور آگے بڑھ گیا۔ اب وہ درختوں کے جھنڈ کے بالکل قریب تھا۔ وہ رک گیا اور اس نے اپنے چاروں طرف نگاہ دوڑائی۔ فطرت کا سارا حسن کھیتوں کی ہریالی اور سونے میں سمٹ آیا تھا۔ گولنکر کچھ دیر اس حسن سے سرشار ہوتا رہا۔ پھر جھنڈ کے اندر داخل ہو گیا۔ کنوئیں کے قریب پہنچ کر اس نے جو منظر دیکھا اسے دیکھنے کا امکان اس کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ کنوئیں کی منڈیر پر سوکھا مارا چیتھڑوں میں لپٹا ہوا ایک نوجوان بیٹھا ہوا تھا اور بڑے انہماک سے کنوئیں کے اندر جھانک رہا تھا۔ اجنبی گولنکر کی آمد سے بالکل بے خبر تھا۔ اس لئے جب گولنکر اس کے قریب پہنچا تو وہ چونک پڑا۔ گولنکر نے اپنے رد عمل کا اظہار ایک سوال کی صورت میں کیا۔

"تم کون ہو؟"

اجنبی اب بھی کنوئیں کی منڈیر پر بیٹھا ہوا تھا اور گولنکر پر ایک تحقیر آمیز نظر ڈال کر کنوئیں کے اندر جھانکنے کے عمل میں دوبارہ مصروف ہو گیا تھا۔

گولنکر کے سوال کا اس پر کوئی اثر نہیں ہوا۔

گولنکر نے اپنا سوال دہرایا۔

"میں پوچھتا ہوں، تم کون ہو؟"

اجنبی دوسری بار بھی خاموشی سے گولنکر کا سوال ہضم کر گیا۔ گولنکر نے تیسری بار

کوشش کی اس بار اس کے لہجے میں تلخی تھی۔

"میں پوچھتا ہوں تم کون ہو؟" کیا کرتے ہو اور یہاں کس لئے آئے ہو؟"

اجنبی نے اپنی آنکھیں کنوئیں کے پیندے سے ہٹائیں اور گولنکر کے چہرے پر گاڑدیں۔ گولنکر کو یکایک محسوس ہوا کہ اجنبی اس کی روح کے اندر جھانک رہا ہے اور اس کے ہر راز سے واقف ہوتا جارہا ہے۔ گولنکر کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار ہوئے لیکن اس سے پیشتر کہ گولنکر اپنے غصہ کا اظہار کرپاتا، اجنبی کے ہونٹ آہستہ آہستہ ہلے۔

"دو انسانوں کے درمیان ہمدردی اس وقت پیدا ہوسکتی ہے جب ان کے مفاد ایک جیسے ہوں"۔

"تو تم ہمدردی کی تلاش میں ہو"

"شاید میں نے غلط لفظ استعمال کیا۔ مجھے رشتہ یا تعلق یا اسی قسم کا کوئی عام لفظ استعمال کرنا چاہئے تھا۔ بہرحال میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا ہوں"۔

گولنکر چکر میں آگیا۔ عجیب آدمی سے واسطہ پڑا تھا۔ وہ اجنبی کو کچھ دیر بے بسی کے عالم میں دیکھتا رہا اور پھر بولا۔

"دیکھو میں یہاں ایک خاص مقصد سے آیا ہوں۔ تم یہاں سے چلے جاؤ"۔

"میں واپس جانے کے لئے تیار نہیں ہوں۔ تم چاہو تو یہاں سے جاسکتے ہو"۔

"آخر تم کیا چاہتے ہو؟" گولنکر نے پوچھا

"میں چاہنے یا نہ چاہنے کے عمل سے بہت دور نکل چکا ہوں"۔

گولنکر کے ذہن میں ایک اور سوال کوندے کی طرح لپکا۔

"کیا تم خودکشی کرنا چاہتے ہو؟"

"مجھے زندگی اور موت میں کوئی فرق محسوس نہیں ہوتا" اجنبی نے جواب دیا

گولنکر کے چہرے پر مسرت اور اعتماد کی روشنی نمودار ہوئی۔ وہ اجنبی کی پراسرار شخصیت کے ایک گوشے کو بے نقاب کرنے میں کامیاب ہوگیا تھا۔

"کیا تم جانتے ہو کہ میں کس مقصد سے یہاں آیا ہوں"۔

"مجھے اب دوسروں کے مسائل سے کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ مجھے کسی مسئلے سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

گولنکر کی حیرت میں ہر لمحہ اضافہ ہوتا جارہا تھا۔

"یقیناً تمہارا گھر ہوگا۔ تمہاری بیوی ہوگی، بچے ہوں گے۔

"تھے، اب نہیں ہیں"۔ اجنبی نے ایک بار پھر کنوئیں میں جھانکتے ہوئے کہا

"کہاں گئے؟"

"مرگئے"

"کس طرح مرگئے؟"

"جس طرح انسان مرتے ہیں۔ بھوک سے، بیماری سے، قتل سے"

"یہ تو عام بات ہوئی، خاص طور پر، تمہاری بیوی اور تمہارے بچے کیسے مرے؟"

اجنبی شاید گولنکر کے ضرورت سے زیادہ سوالوں کا جواب دے چکا تھا۔ اس لئے برہم ہو کر بولا۔

"میں تمہارے کسی سوال کا جواب دینا نہیں چاہتا۔ تم مجھے مجبور کیوں کررہے ہو؟"

"کچھ سوالوں کا جواب تم نے اپنی خوشی سے دیا ہے۔ ویسے بھی مجھے تمہارے ساتھ دلچسپی ہوگئی ہے۔ میں تمہارے ساتھ دوستی کرنا چاہتا ہوں"۔

دوستی کے نام پر اجنبی کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ وہ اٹھ کھڑا ہوگیا اور پورے زور سے چیخا۔

"چلے جاؤ یہاں سے۔ تم کون ہوتے ہو میرے ساتھ دوستی کرنے والے۔ گولنکر مسکرایا۔

"میں تمہارا دشمن نہیں ہوں"۔

"تو پھر تم کون ہو؟" اجنبی سوال پوچھ کر اپنے سوال پر خود حیران ہوگیا۔

"ابھی کچھ دیر پہلے ٹھیک یہی سوال میں نے تم سے پوچھا تھا۔ جس کا جواب دینے سے تم نے انکار کردیا تھا۔ لیکن میں انکار نہیں کروں گا میرا نام گولنکر ہے، میرے نام سے اس شہر کے تمام لوگ واقف ہیں۔ میں مشہور کنواں پھلانگنے والا ہوں"۔

"مجھے تمہارے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

"تمہیں میرے ساتھ دلچسپی ہے۔ اسی لئے تم نے مجھ سے پوچھا ہے کہ میں کون ہوں؟"

اجنبی کی آنکھوں میں غصے کی بجلی ایک پل میں لہرائی، اس کے بعد اس نے آہستہ آہستہ کہا۔

"مجھے کنواں پھلانگنے والوں سے کوئی دلچسپی نہیں ہے"۔

"نہ سہی۔ لیکن میں کنواں پھلانگنے کے علاوہ بھی بہت کچھ کرتا ہوں"۔

"میں جانتا ہوں تم جو کچھ کرتے ہو۔ جھوٹ، چوری، ڈاکہ زنی، قتل، زنا بالجبر ....."

اجنبی کے یہ الفاظ سن کر گولنکر سناٹے میں آگیا۔

"شاید تم اپنے کارناموں کی تفصیل پیش کررہے ہو"۔

"جی ہاں، اپنے تمہارے، تمام انسانوں کے"

"لیکن تمہارے بیوی بچے کیا ہوئے؟"

اجنبی کی آنکھوں سے ظاہر تھا کہ وہ اس سوال کے جواب سے بھی گزر جانا چاہتا ہے۔

"جھوٹ، چوری، ڈاکہ زنی، قتل ....."

"لیکن انسان کی زندگی صرف اس کی ذات تک محدود نہیں ہے" گولنکر نے اسے درمیان میں ٹوک دیا۔

"میں تمام فلسفوں سے بخوبی واقف ہوں۔ یہ مت سمجھو کہ تم کنوئیں پھلانگتے پھلانگتے زندگی کے رازداں بن گئے ہو"۔

"خودکشی سے صرف تمہارا مسئلہ حل ہوتا ہے"

"ہر انسان اپنا ہی مسئلہ تو حل کرتا ہے"

گولنکر کو اجنبی کی باتوں سے جو دلچسپی پیدا ہوگئی تھی۔ مزید گہری ہوگئی۔

"لیکن اس زندگی کے دوسرے اہم مسائل بھی تو ہیں جو میری اور تمہاری ذات کے مسائل سے زیادہ اہم ہیں"۔

"جی ہاں! میں ان سے بھی واقف ہوں۔ ان پر بھی جھوٹ، چوری، ڈاکہ زنی، قتل، زنا بالجبر حاوی ہیں۔ فرد سے اجتماع تک پہنچتے پہنچتے تفصیلات میں فرق پیدا ہوجاتا ہے۔

"فرض کرو تم خودکشی کرنے میں کامیاب ہوجاتے ہو، جس کا امکان بہت کم ہے۔ کیونکہ میں تمہیں ہرگز، ایسا کرنے نہیں دوں گا تو کیا تمہارے ذاتی مسائل اور دنیا کے مسائل حل ہوجائیں گے"۔

"مجھے اس سوال کے ساتھ کوئی دلچسپی نہیں ہے۔ مسائل حل ہوں یا نہ ہوں میں اپنا آخری فیصلہ کرچکا ہوں اور پھر میں تو یہ بھی جانتا ہوں کہ دنیا کا کوئی اجتماعی مسئلہ فیصلہ کن طریقہ سے ہمیشہ کے لئے بھی حل نہیں ہوتا۔ صرف عارضی طور پر حل ہوتا ہے۔ میں صرف اپنا مسئلہ حل کرنا چاہتا ہوں"۔

"تم نادان ہو"۔

"کون جانتا ہے کون نادان ہے"۔

دونوں آدمی اپنے اپنے سوالات اور جوابات میں الجھ گئے تھے۔ تھوڑی دیر کے لئے دونوں خاموش ہوگئے۔ گفتگو کا دوبارہ آغاز اجنبی نے کیا۔

"تم یہاں سے چلے جاؤ۔ میں اپنے آخری فیصلے پر عمل کرنا چاہتا ہوں"۔

"اس کا مطلب ہے کہ تم اس سے پہلے اپنے کسی فیصلے پر عمل نہیں کرسکے۔ اجنبی کے چہرے پر جھلاہٹ پیدا ہوئی۔

"میں اپنے ہر فیصلے پر عمل کرتا رہا ہوں"۔

"تو پھر اس فیصلے پر عمل کرنے کے لئے ہچکچاہٹ کیوں۔ تم اپنا فیصلہ ملتوی کیوں کرنا چاہتے ہو"۔

اجنبی کے چہرے پر مزید غصے کے آثار پیدا ہوئے۔

"میں نے کہا نا کہ میں اپنے آخری فیصلے پر فوراً عمل کرنا چاہتا ہوں۔ میں صرف یہ چاہتا ہوں کہ تم یہاں سے چلے جاؤ"۔

"اگر یہ فیصلہ تمہارا آخری فیصلہ ہے اور تم اس پر عمل بھی فوراً کرنا چاہتے ہو تو میری موجودگی سے تمہیں کیا زحمت ہے؟"

"میں اپنی موت کے عمل میں تنہا شامل ہونا چاہتا ہوں۔ تم میری موت کے گواہ نہیں بن سکتے۔ میں یہ حق تمہیں کبھی نہیں دے سکتا"۔

"میں تمہیں ایک بار پھر کہتا ہوں کہ زندگی خوبصورت ہے۔ زندہ رہنے کی کوشش کرو"۔

"مجھے تمہارے امید افزا الفاظ بے معنی نظر آتے ہیں۔ بفرض محال اگر زندگی خوبصورت بھی ہے تو تمہیں اس سے لطف اندوز ہونے کی پوری آزادی ہے۔ تم میرے معاملے میں ٹانگ کیوں اڑا رہے ہو؟"

"اس کا مطلب ہے تم اپنے آخری فیصلہ پر عمل کرنے پر بہ ضد ہو۔ تم بہ خوشی خودکشی کرو میں یہاں سے چلتا ہوں"۔

یہ کہہ کر گولنکر وہاں سے چل پڑا۔ اجنبی کنوئیں کی منڈیر پر چڑھ گیا اور کنوئیں کے اندر کودنے کے لئے تیار ہوگیا۔

گولنکر دو چار قدم چلنے کے بعد رک گیا اور واپس اسی جگہ آگیا جہاں وہ چند لمحے پہلے کھڑا تھا۔

"میرا ایک آخری سوال باقی ہے"

"پوچھو"۔ اجنبی نے فاتحانہ انداز میں کہا۔

"تم نے خودکشی کے لئے یہ کنواں کیوں منتخب کیا؟"

"تم نے پھلانگنے کے لئے یہ کنواں کیوں منتخب کیا؟"

"میرے لئے یہ کنواں مناسب تھا"۔

"ٹھیک یہی بات میں کہتا ہوں یہ کنواں میرے لئے مناسب تھا"۔

اس جواب سے گولنکر کے دل کی دھڑکن تیز ہوگئی۔ لمحہ بھر سوچنے کے بعد اس نے اجنبی سے پوچھا۔

"کیا تم اپنی خودکشی چند منٹوں کے لئے ملتوی کرسکتے ہو؟"

"آخر تم کیا چاہتے ہو؟"

"میں یہاں کنواں پھلانگنے کی مشق کے لئے آیا تھا کیوں کہ مجھے دو روز بعد کنواں پھلانگنے کے لئے ایک مقابلہ میں حصہ لینا ہے"۔

"تو میں کیا کروں۔ تم سمجھتے ہو، اس مسخرے پن سے تم مجھے متاثر کرلوگے"۔

"تمہیں کچھ نہیں کرنا ہے۔ میں چاہتا ہوں میں جس کام کیلئے یہاں آیا ہوں اسے پورا کرکے جاؤں۔ جہاں تک تمہیں متاثر کرنے کا تعلق ہے تم جہنم میں جاؤ، تم پر لعنت بھیجتا ہوں"۔

"شوق سے پورا کرو لیکن جلدی، کیوں کہ میں اپنا فیصلہ زیادہ دیر کے لئے ملتوی نہیں کرسکتا۔ میں اپنے صبر کی انتہا تک پہنچ چکا ہوں"۔

یہ کہہ کر اجنبی کنوئیں کی منڈیر سے ہٹ کر ایک طرف کھڑا ہوگیا۔ گولنکر نے کنوئیں کی منڈیر سے مخصوص فاصلہ ناپ کر زمین پر کچھ نشان لگائے۔ ایک نشان پر کھڑے ہو کر اس نے اپنی قوتوں کو ایک مرکز پر جمع کیا، اپنے جسم کو تولا اور اس کے بعد دوڑتا ہوا کنوئیں کی جانب بڑھا۔ راستے میں ایک دوسرے نشان سے اس نے بھرپور جست لگائی۔ اجنبی کے دل کی دھڑکن اس دوران میں تیز ہوگئی۔ جست لگاتے ہی گولنکر کا جسم ہوا میں ایک قوس سی بناتا ہوا کنوئیں کے اوپر سے گزرنے لگا اور عین اس لمحہ اجنبی کو توقع تھی کہ گولنکر کنوئیں کے دوسری طرف ہوگا۔ ایک پرزور دھماکہ ہوا۔ گولنکر کا جسم کنوئیں کی منڈیر کی اندرونی سطح کے ساتھ زور سے ٹکرایا اور پھر کنوئیں کی پوری گہرائی کا فاصلہ طے کرتا ہوا دھم سے پانی میں جاگرا۔

اجنبی کی آنکھیں پھیل کر روزن بن گئیں۔ اس کا پورا وجود فوری فطری ردعمل کی زد میں آگیا اور وہ ڈوبنے والے کی تقدیر سے غافل، اپنے ارادوں اور فیصلوں سے غافل درختوں کے جھنڈ کو چیرتا سرسبز و شاداب کھیتوں کو اپنے پاؤں تلے روندتا شہر کی جانب بھاگ نکلا۔

○○○○○

PM : I would like to ask those spreading these news. is there any proof to substantiate them?

AJ : You say your family members have made business their career and some have been successful. But how about your son and relatives who have several business deals with 200 companies worth US$5 billion?

PM : This is nonsense and I am prepared for my wealth to be audited, the same goes to those owned by my family.

AJ : Are you prepared to make a public declaration to dismiss all allegations.

PM : I have informed my people that I do not have that kind of wealth.

AJ : You do not own the wealth but your children and relatives do.

PM : They have to provide proof to justify allegations that my children and relatives have billions. Making such a claim is easy but how about the proof. They do not have that much wealth; the Opposition is fond of discrediting the Government so that its image will be affected.

AJ : It has been said that Malaysia's success hinges on the Chinese whereas the Malaysare lazy, unproductive and dependent on the Government.

PM : Yes, we have to admit that the Chinese have contributed much. The Malays have also contributed but they must change their atitude towards work and knowledge. We think the Malays have the same capabilities as the Chinese.

AJ : Have the riots in indonesia and the Philippines affected Malaysia's stability?

PM : In a certain context, it has. In Indonesia for instance, riots have caused their people to lose their livelihood and many have emigrated to Malaysia. Malaysia provides them many job opportunities but their numbers are too large and there are not enough jobs. This has given us problems.

AJ : Malaysia has suggested the introduction of an Islamic dinar in Islamic countries. Can this be realised?

PM : This is not a dream, it can be realised. An Islamic dinar is a gold dinar with its own value. We must use this dinar for overseas trade. When we conduct trade overseas, we should pay with the Islamic dinar. For those who want to use the dinar as gold, they can do so beause gold has its own value unlike paper money.

AJ : What has other Islamic countries said about the proposal?

PM : Some have agreed with it. We want this to become reality. We have urged Islamic countries to discuss how this suggestion can be realised.

AJ : What are your ideas for the OIC (Organisation of the Islamic Conference)?

PM : We hope the conference next year will be able to come up with more concrete decisions to overcome the problems of Muslims worldwide, especially accusations that Muslims are terrorists, irresponsible, and unable to develop a country. Suggestions on how to enhance the image of Islamic countries can also be forwarded.

*****

PM : Many people have committed similar offences. If I can pardon, I should pardon all. In Malaysia, everyone must abide by the law, even the Prime Minister. If he commits a crime, he will also be brough to court and punished in accordance with the law.

AJ : Who will take over if Datuk Seri resigns?

PM : In Malaysia, the Prime Minister is succeeded by the Deputy Prime Minister. The Deputy Prime Minister now is (Datuk Seri) Abdullah Badawi. He is my deputy. If I resign, he will take over my palce.

AJ : Observers say you are always suspicious of those around you, your prévious deputies and now Abdullah. We do not know whether he will be retained?

PM : I do not know why they have this view. (Tan Sri) Musa Hitam resigned. (Tun) Ghafar Baba and (Tengku) Razaleigh (Hamzah) have nothing to do with all this. Razaleigh tried to contest against me during party elections but failed and left the Cabinet. Ghafar was appointed after Musa Hitam. Anwar appointed and resigned. I did not ask him to resign. He was my deputy but when I saw that he had committed immoral acts which cannot be accepted by society, I had no other choice but to get rid of him. Thereafter, he was hauled before the court and was punished. It was the court which decided, not me.

AJ : Datuk Seri, you have been expressing an intention to resign since 1997. Do you really want to resign?

PM : I do want to resign but in 1998, the economic crisis hit us. I wanted to resign now but I must ensure all internal matters are resolved. If I resign while there is a crisis or when the economy is not very good, it willappear as if I am running away from my responsiblities.

AJ : Will you be contesting in the 2004 general election?

PM : I have not decided.

AJ : When will you decide?

PM : When the time comes. I also need to get the views of the other Umno members. If they want me to step down, I will do so. If they want me to stay, I will continue with my duties, I will heed the party's wishes.

AJ : There are claims that your cronies and family members have controlled the country's wealth.

PM : My family and cronies have nothing to do with the Government administration. Nevertheless, they are free to conduct business and pursue their own careers. They are not rich. They are successful. The country has always given support to those in the business sector. Those who work hard will get the Government's support.

AJ : But there have been many allegations in Western media that your son Mirzan has amassed a fortune, the government has given him a loan of US$409 million and he is also said to be involved in malpractices in Tabung Haji and in the pruchase of shares in Petronas. Many quarters are talking about this.

take this stand. US internal politics also influences its international politics.

AJ : The US has named two Islamic countries, Iraq and Iran, as the 'axis of evil'.What are your views on that? What is Malaysia's stand on Iraq which has been made an American target?

PM : We support efforts to eradicate terrorism but we did not support the attack against Afghanistan. I do not support attacks against any country. We are against violence and we won't go along with efforts to overthrow the Government of any country.

AJ : What is Malaysia's stand on America's attack against Iraq?

PM : I am not against a change in leadership but it must be for the good of the ummah, not an outside country.

AJ : Would America's methods in combating terrorism succeed?

PM : I feel their strategy is not correct. We tried to share our experience in combating terrorists. We identified the source and then fought to vanquish the source. I have stated that the source (of the problem) here is the Palestine issue. As long as this issue is not resolved, they will not be able to annihilate terrorists. We are sure many more will commit acts of terrorism because they are not willing to put up with the calamity that has befallen them like in Palestine.

AJ : Will the services of Chief justice Tan Sri Mohd Dzaiddin Abdullah be retained until the end of Datuk Seri Anwar Ibrahim's case or will you appoint a judge who will bow to your needs as claimed by the Opposition?

PM : When appointed to court, he is free to pass judgements; the Government will not interfere. The judge makes judgements and passes death penalties and jail sentences even against members of the Government. There are those among my Cabinet who have been sentenced by the court. The judge does not see whether the accused is in the Government or not. He is free to come to his own decision and we will not interfere. However, the Opposition views whatever they don't like as cruel.

AJ : So will Datuk Seriretain Dzaiddin's services?

PM : He has the right to remain until he is 56 years old. I will not be doing anything in this case. If he has reached retirement age, he can retire.

AJ : There are rumours that you secretly met Anwar in prison and that his release from prison was disucssed while you both rode in a car. What actually happned?

PM : That story is without basis. Why should explain, I am not at all involved in this matter. This is like a Hollywood film. I did not do such a thing.

AJ : Has it ever crossed Datuk Seri's mind to pardon Anwar on certain conditions?

PM : I cannot be invoved in the court trial process. If he wants to be freed, It must be brought to court as only the court can decide who should be jailed or not, not me. I do not have the authority in this matter.

AJ : What about people waiting for Anwar to be pardoned?

Besar Datuk Nik Aziz Nik Mat has been arrested.

PM : The US did not ask us to do such a thing. I feel Pas too does not support the actions of some of its young members, including Nik Aziz's son. The action is committed by a number of the party's young members, that's the information we received. Therefore, there is no reason why we should rid the country of the party. We are a democratic Government; they have a right to form a party and express their views. That is why we leave it to the people to choose the Government.

AJ : Therefore, does this mean rumours saying Datuk Seri is working to rid the country of the party is untrue?

PM : It is untrue, I think Pas made up the story purposely to cultivate hatred among the rakyat towards the Government.

AJ : Last Friday's issue of the Los Angeles Times carried a statement from Datuk Seri criticising Muslim ulama of being the cause of the ummah being left behind and for misinterpreting the religion. Was this to boost your own image and that of Malaysia in the eyes of the West?

PM : That's not true. This has been my stand for a long time, I do not make enemies of all ulama. Nevertheless, there are some ulama who have views that can adversely affect the development of the ummah. For example, there are those whose views are that we should only pursue religious knowledge and secular knowledge is not necessary as it has nothing to do with religion.

AJ : Shouldn't the Government be responsible for preventing ulama from going astry? the government makes moves to be close to ulama who support the Government but distances itself or jails the true ulama.

PM : These ulama are not the authority. They are the political ulama. They have joined Opposition parties and those who do not represent their interests have been accused of being not knowledgeable.

AJ : As the leader of an Islamic country, is Datuk Seri ready to defend ulama whose views are in line with the interests of the religion and the development of the race?

PM : Yes, we will co-operate with them. Many of them support our views that an Islamic country must progress, not regress.

AJ : It is as if Datuk Seri is accusing them of being the cause of the race extremists.

PM : They are not in the minority, their numbers are large, they do not deserve to be called ulama because their religious knowledge is shallow. But they claim they are ulama and what is sad is that many among those who are ignorant recognise these people as ulama and accept their views.

AJ : Dautk Seri is not only a leader of an Islamic country but also a thinker and writer. It cannot be denied that Datuk Seri has strategic views. In short, what is the reason for American and the West's pressure against Islamic countries.

PM : I think the American people's misunderstanding of the situation has caused their own Government to

TERRORISM NOT CONFINED TO PARTICULAR RELIGION

EXCERPTS OF AN INTERVIEW BETWEEN YAB DATO' SERI DR MAHATHIR MOHAMAD PRIME MINISTER OF MALAYASIA AND AL-JAZEERA TV (AHMED MANSOUR) 28 FEBRUARY 2002, LONDON.

AL-JAZEERA : Do you agree with the US view that Muslims are terrorist and linking Muslims solely with terrorist activities without inference to terrorist acts conducted by other races?

PRIME MINISTER : I totally reject this general perception that Muslims are terrosits. There are terrorists from all races and religions. there are Christian terrorists in Northern Ireland, Buddhist terrorists in Japan, Hindu terrorists in India. therefore, I do not agree with that perception. For me, we should define a person by his acts. If they are extremists and violent towards innocent members of the public, then we call them terrorists no matter who they are and from where they come from.

AJ : What would you say to refute US allegations against Malaysia?

PM : Their allegations are without basis. We demand that they furnish proof that the Sept 11 attacks originated from Malaysia. Until now there is no proof. We will definitely not allow our people to be questioned by outside parties. We will do it ourselves. Until now, there is nothing to convince us that our people and our youth had anything to do with the Sept 11 attacks.

AJ : The US has asked Islamic countries to do something to combat terrorism. What has the US asked of Malaysia?

PM : Actually, American has not demanded anything specific from us. Only after the Sept 11 attacks, they stressed that the world in general should unite against terrorism. We have agreed to campaign against terrorism. When I spoke to the President of the United States through the telephone, he thanked me for Malaysia's support in the campaign. We had also expressed our condolences to the victims of the attacks. They did not make any specific demands but we have made a decision to support the campaign against terrorism.

AJ : President Bush had given an ultimatum to President Pervez Musharraf that either Pakistan is with or against the US. What did Bush tell Datuk Seri?

PM : Bush did not say so to me even though I was expecting it.

AJ : What is the proof of Malaysia's support towards the US?

PM : We are with them in the campaign against terrorism, so we are ready to help whenever required.

AJ : There are reports saying that the US has asked Malaysia to rid the country of Pas even though some of the party's supporters like the son of Kelantan Menteri

fascinating, Mexican geography, a perfect addition to a world that, at the dawn of twenty - first century, mixes traditional and modern, and centuries of hosting visitors in its many tourist destinations. such is the case of Queretaro, San Miguel de Allende, Guanajuato and Morelia, just a few of the cities that offer both citil and religious Colonial architecture from the sixteenth, seventeenth and eighteenth centrueis, as well as artistic treasures held in its shurches and pations.

There is large and ample cultural and historic heritage, alive throughout Mexico, which generates great public interest. Every epoch of Mexican history left a monumental heritage well worth visiting such as the archaeological sites where the foot prints of great pre-Hispanic cultures can still be seen. On the other hand, Mexico's food and beverages are wide ranging, offering ancient recipes taught by word-of-mouth, both traditional, as well as the most sophisticated international cuisine.

Several handicrafts. including all types of artistic expressions, can be found in Mexico. Among them are the exact reproductions of pre-Hispanic pieces, seashells, pink coral, and silver jewellery, leather, crystal, wood products, handmade paper, tropical clothing and famous black coral jewellery, embroided clothing, woven hammocks and stuffed animals.

Mexican people are highly creative and they use many types of materials to make beautiful handicrafts and souvenirs that visitors can take home. Mexico is also the ideal place to listen to Mariachi serenade a great spectacle full of nostalgia and joy and an unforgetalbe experince.

<u>Embassy of Mexico in India :</u> Following is the address of the Embassy of Mexico in India, in New Delhi.

Embassy of Mexico,
26-D, Sardar Patel Marg,
Chanakyapuri, New Delhi - 110 021.

******

routine diet of India.

Tourism - Visit Mexico : Mexico is known all over the world for being one of the most important tourist destination. It offers a wide variety of natural resources, as well as a great history and cultural diversity, along with the everyday roll of its people in preserving those riches and continuing its growth.

Mexico is one of world's richest countries as far as natural .wonders. folklore, history. celebrations, fairs and endless list of attractions that will surely satisfy every desire. And, due to the fact that every year new types of tourism emerge, all types of tourism to satisfy every taste and need, such as cultural, ecologic, health, sun beach, nautical, cruise and religious types of tourism, are offered.

Mexico is surrounded by four of the warmest seas on earth. It has beautiful bays, such as Acapulco - the most beautiful in the world - located in the State of guerrero.

Apart from all its cultural, architiectural and antural wealth, Mexico is a country rich in architecture and festivities. Just one example would be one of the most important festivals in the world, the "Festival International Cervantions" held in the beautiful Guanajuato. This State, like many others, has happy, hospitable people.

Fiestas are ever-present year-round. They are based on a mixture of old religious and pre-Hispanic traditions, as well as civic ceremonies. They include as explosion of colour in the traditional clothing of men and women, luxury, dance, food and decorations, as well as music and movement.

Colonise cities on the other hand, are part of the

A Mexican Mural Painting

Constitution was promologated on February 5th, 1917, incorporating ideas from all the revolutionary groups. It included freedom and citizen's rights, as well as the democratic and federal ideals. It also recognised the social rights, like strikes and workers unions, the education right and nation's right to regulate private property according to the community interests.

Mexico-India Bilateral Relations : In 2001, Mexico celebrated the golden jubilee of the establis-h ment of its Diplomatic Mission in India. Mexico and India established diplomatic relations on August 1, 1950. On this date, the announcement was made simulataneously in Mexico City and New Delhi by the two Governments. Mexico also announced its agreement to the appointment of H.E. Vijayalakshmi Pandit, as Ambassador of India to Mexico. Later on, the Mexican Government appointed former President Mr. Emilio Portes Gil as Ambassador to India.

Even diplomatic relations commenced during the early fifties, contacts between the people of the territories, which presently constitute Mexico and India, started centuries before. The details of the initial contacts that united the American Continent with Asia through the Pacific Ocean are lost. However, through the voyages of the Galleon of Manila from Philippines to the New World, to the Mexican part of Acapulco, the first contancts between Mexico and India are believed to have begun.

According to the Mexican historian Silvio Zavala, it was common to call the people who came from India or were originally from the East as "Chinese" in New Spain. Doctor Zavala found close similarities between the women dresses from Gujarat with those used by the women of the highlands of Mexico during the colonial period, mainly in the State of Puebla. Eastern products were very popular in New Spain such as silk, spices, perfumes and cremic clay and, similarly, products of Mexican origin were spead all over Indian subcontinent such as avocado, tomato, peanuts and chilly, and were incorporated into the

years BC. They were primitive. strong and agile hunters, wearing loincloths made of animal fur. Their weapons were lances, darts, knives, flints, punches, bone

scrappers, sticks and batons. The central and southern regions of the current Mexican territory had already been densley populated for many years, due to the agriculture initiated several millennia before Christ, of some of Mesoamerica own species - corn, pumpkin and beans.

The first complex societies belonged to the Omeca culture. Around 100 years BC they built ceremonial centres on the plain coasts of Veracruz and Tabasco.

Later history : Mexico's history falls into four epochs: the era of the Indian empire (before 1521), the Spanish colonial phase (1521-1810), the period of national formation (1810-1910), which includes the war of independence (1810-21) and the long presidency of Porfirio Diz (1876-80, 1884-1991) and the present period which began with the social revolution of 1910-21 and is regarded by Mexicans as the period of social and national consolidation.

The Constitution : At the end of 1916, the revolutionary men got together in queretaro to reform the 1857 Constitutions. They finally decided to write a new one, since the circumstances in Mexico at that time were quite different from those in Jaurez's time. The New

many Mexicos.

With an area of 1,964,375 sq, km and castline of 11,122 km, Mexico has a population of 97,483,412 (according to 2000 census). Among them are 89.7% Roman Catholic, 4.9% Protestant and 5.4% are other.

Mexico city is the capital. Languages spoken here are Spanish and about 66 indigenous languages. Independence Day, 16 September, is the National Day. the currency of the country is Mexican pesos (MXP). Natural resources are - Petroleum, silver, copper, gold, lead, zinc, natural gas and timber. Among the agricultural products are Corn, wheat, soybeans, rice, beans, cotton, coffee, fruits, tomatoes, beef, poultry, dairy products and wood products. Industries of the country are - Food and beverages, tobacco, chemicals, iron and steel, petroleum, mining, textiles, clothing, motor vehicles, consumer durables and tourism. Export products are - Non-oil 90.2%, (agriculture 2.5%, mineral 0.3%, manufactures 87.3% and Oil 9.8% Import products are - Consumer goods 9.6%, Intermediate goods 76.6 % and capital goods 13.8%

On July 2, 2000, Mexico voted for change. From that movement Mr.Vicente Fox Quesada, assumed the histroic responsibility of the President of Mexico to lead the country down a new path.

History : The proven presence of the first human beings in the Valley of Mexico dates from 8,000

MEXICO
GATEWAY TO AMERICA

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

United Mexican States, whose short form is Mexico, is a Federal Republic. It is located in the mid-northern part of the American continent, and its closest neighbours are to the south. Gautemala and Belize ; to the east, the Gulf of Mexico and the Caribbean Sea ; to the west, the Pacific Ocean; and to the north, the United States of America.

The land are a encompasses almost 2,000,000 square kilometres, where several mountain ranges are piled one on the top of the other. These include the Sierra Madre oriental, Sierra Madre Occidental, Sierra Madre del Sur and Sierra Madre de Chiapas, along with the Eje volcanico, where the tallest mountains in the country are located. Among these great mountains, the Central Mesa occupies 60 percent of the territory. Mexico City - the Centre of economic and human activity of the country is situated in the Central Mesa.

Thirteen thousand kilometres of borders limit the North and South of Mexico, with 10,000 kilometres of ocean front, these ocean borders meet four seas - the Gulf of Mexico, Sea of Cortes, Caribbean Sea and Pacific Ocean. The Mexican territory is divided into six regions : Central, Western, Pacific, Gulf of Mexico, Southeast and North, each with a different weather. Thus it is said that Mexico's geography is made up of different weathers freezing, mountain, and cook tropical rain and desert.

In Mexico, the saying that goes, "Geography makes Destiny" comes true, since the mixture of weathers and types of soil result in a diversity and wealth of natural resources, a melting pot of populated areas and opportunities for life. In many ways, Mexico's geography is the basis for

نظم طباطبائی

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. Rs.10/- Volume-7, No. 7, 1-15, April, 2002
EGD.No.H/HD850 REGD.NO.R.N.63767/96

سیاست

انٹرنیشنل

میزائیل ٹیکنالوجی میں ہندوستان کی نمایاں پیشرفت

ٹی کرشنا ریڈی میئر حیدرآباد

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL HYDERABAD.A.P.INDIA Rs. 10/- Volume-7 No.3 1-15 Feb 2002

آندھرا پردیش اسمبلی کی عمارت پر ترنگا پرچم لہراتا ہوا

مجلس بلدیہ حیدرآباد کے نو منتخب میئر ٹی کرشنا ریڈی نے گورنر آندھرا پردیش ڈاکٹر رنگاراجن سے ملاقات کی
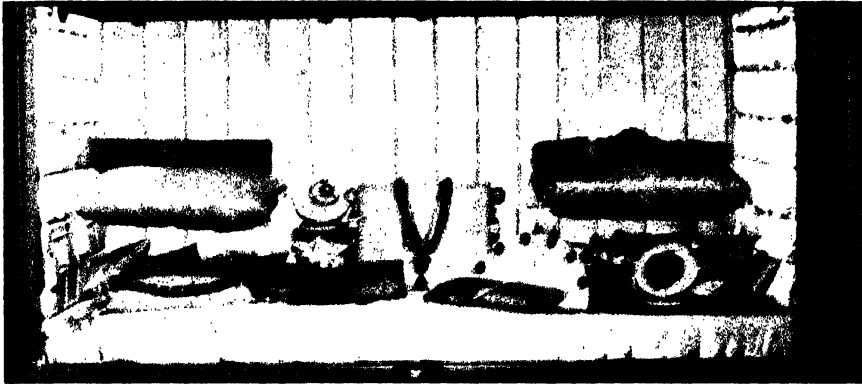
حضور نظام کے جواہرات کی نمائش میں رکھا گیا ایک نادر گلکش
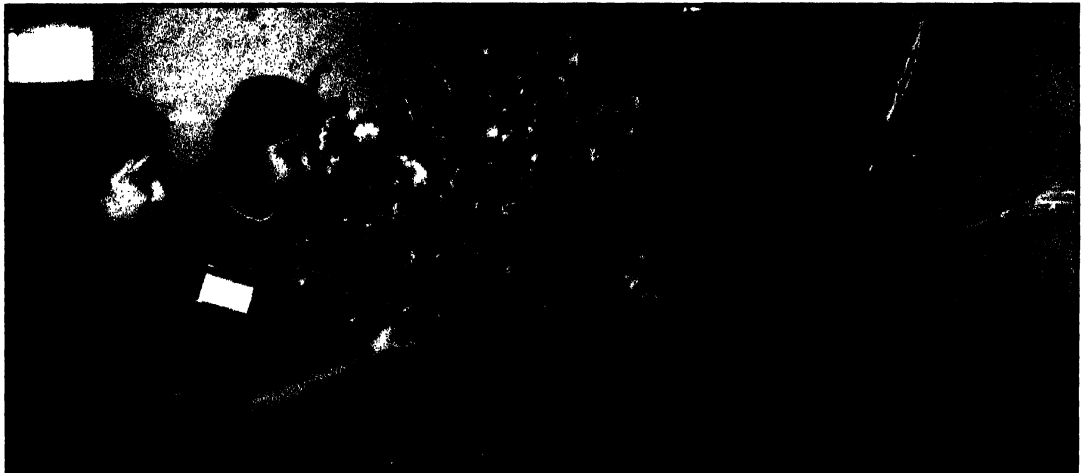
ہاٹیکلچر شو میں رکھے گئے دیدہ زیب اور خوبصورت پھول

Siasat Fortnightly International

سید عابد علی خان

Vol. 7. HYDERABAD	Issue : 3	Rs.10/-	شمارہ (3)	جلد (7)

Editor: ZAHID ALI KHAN

1-15 February - 2002

Offices:

Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188

NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.

MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.

CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012

CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.

BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.

AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.

PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372

NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.

USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.

UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.

SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.

KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

سرورق

میزائل ٹکنالوجی میں ہندوستان کی نمایاں پیشرفت

کولکتہ میں امریکن سنٹر پر حملہ

ٹی کرشنا ریڈی میئر حیدرآباد

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر ، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

SPECIAL DRIVE FOR CLEARANCE OF OUTSTANDING BILLS

(for advertisements published upto 31.12.2001)

Attention of all newspapers on DAVP panel is invited to paras 19-23 of the New Advertising Policy. As per para 21, all newspapers are required to submit bills within 30 days of publication of an advertisement. Further as per Para 20, all newspapers are required to send one voucher copy to the client(s). It is noticed that guidelines given in the Advertising Policy are not being fully observed. Bills for advertisements continue to trickle in very late causing delay in release of payment and clients do not get voucher copies in time.

Newspapers are requested to submit all outstanding bills for DAVP advertisements published after March 1996 and upto 31.12.2001, by 15.2.2002. After that, provisions of para 21 of the Advertisement Policy will be strictly followed and only those bills received within stipulated period of 30 days of publication of advertisement will be passed for payment. Before sending bills to DAVP, Newspapers may please **certify boldly on the copy of the bill that one voucher copy has been sent to the client.** Failure to do so will make passing of the bills difficult.

With effect from 10-1-2002, newspapers may deposit their bills at a special counter in DAVP reception between 11.00 a.m. to 4.00 p.m. on all working days and obtain a receipt. Newspapers can also send details of pending bills through e-mail at: **blstatus@davpmib.nic.in** and replies will be given on e-mail. Status of pending bills can also be checked from our website: **http.www.nic.in/davp.**

Directorate of Advertising & Visual Publicity
Ministry of Information& Broadcasting

davp 2001/603

جنرل مشرف کا ”اصلاح معاشرہ“ ایجنڈا

جنرل پرویز مشرف نے عالمی برادری میں پاکستان کے رسوا کن موقف کو ختم کرنے اور عالم اسلام میں ایک مثالی مملکت بنانے کے مقصد سے بعض انتہائی مثبت اقدامات کا بیڑہ اٹھایا ہے۔ ۱۱ ستمبر کو نیویارک اور واشنگٹن پر دہشت گردوں کے حملے، کشمیر اسمبلی پر دہشت گردوں کی یلغار کے چند ماہ بعد ہندوستانی پارلیمنٹ پر خود کش دستہ کے حملہ کی جسارت پاکستان کی رسوائی کا سبب بن گئی۔ افغانستان میں طالبان کی پسپائی نے پاکستان کو امریکہ کا مکمل اسیر بنا دیا۔ صدر پاکستان نے ۱۲ جنوری کو جبکہ ملک کو انتہائی پر آشوب حالات کا سامنا تھا ہند پاک سرحد اور کشمیر میں حقیقی خط قبضہ کے دونوں جانب دونوں ممالک کی فوجیں اپنی پوری دفاعی اور جارحانہ طاقت کے ساتھ ایک دوسرے کے مقابل صف آراء تھیں اور ہندوستانی مسلح افواج کے سربراہ جنرل ایس پدمنابھن نے برسر عام اعلان کر دیا تھا کہ ہندوستانی افواج کسی بھی اقدام کے لئے پوری طرح تیار ہیں۔ قوم سے خطاب کرتے ہوئے صورتحال کا سامنا کرنے کے لئے بعض انتہائی اہم اور تاریخ ساز فیصلوں کا اعلان کیا جن کا بنیادی مقصد اصلاح معاشرہ ہے۔ انکی ایک گھنٹہ طویل تقریر کا بڑا حصہ داخلی مسائل اور پاکستانی شہریوں کی عام زندگی میں پیدا شدہ خطرناک قسم کی خامیوں کی نشاندہی اور ان سے ملک کو نجات دلانے کی بعض موثر تجاویز اور اقدامات کے عزائم سے متعلق تھا۔ صدر مملکت اگر اپنے ان عزائم میں کامیاب ہو جائیں تو پاکستان یقیناً ایک مثالی اسلامی مملکت کا مقام حاصل کر سکتا ہے۔

جنرل پرویز مشرف نے اسلام کے نام پر تشدد، دہشت گردی اور مسلکی تعصب و تنگ نظری کی لعنت کو ختم کرنے کو اپنی اولین ترجیح کے عزائم کا اظہار کرتے ہوئے دو ٹوک انداز میں اعلان کیا کہ سرزمین پاکستان کو کسی بھی قسم کے تشدد اور دہشت گردی کے لئے استعمال کرنے کی ہرگز اجازت نہیں دی جائیگی۔ بعض دہشت گرد تنظیموں پر امتناع عائد کرنے کے علاوہ دیگر تنظیموں اور اداروں کا عرصہ حیات تنگ کر دینے کا اعلان کیا۔ ان مدرسوں کو بند کر دینے کا انتباہ دیا جو اسلامی تعلیمات کے نام پر بچوں میں بنیاد پرستی انتہاء پسندی اور تعصب و تنگ نظری کا رجحان پیدا کرنے کے لئے سرگرم عمل ہیں۔ مساجد کو سیاسی اور مسلکی پروپگنڈہ کے لئے استعمال کرنے کو ممنوع قرار دیتے ہوئے سخت اور موثر کارروائی کے لئے نظم و نسق کو مکمل اختیارات دینے کا اعلان کیا۔ انھوں نے اسلام کے عظیم ماضی اور اقوام عالم میں اسلامی مملکتوں کے مثالی رول اور اسلامی تعلیمات کی عظمت کا تذکرہ کرتے ہوئے بتایا کہ لاقانونیت، تشدد، قتل و غارت گری کی اسلام ہرگز اجازت نہیں دیتا۔ اسلام کے نام پر ایسی سرگرمیوں میں ملوث عناصر اسلام کو رسوا کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔ ایسی حرکتیں سارے مسلمانوں کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ صدر مملکت نے گذشتہ ۲۰ سال سے جاری لاقانونیت کو ختم کرنے اور دستور کے احترام کا ہر ایک شہری کو پابند بنانے کا عزم مصمم کا اعلان کیا۔

جنرل مشرف کی اس تقریر کے بعد سرحد پر پیدا شدہ کشیدگی میں نمایاں کمی ہوئی ہے لیکن سرحدات پر فوجوں کا اجتماع برقرار ہے۔ ہندوستان نے دہشت گردی کے خاتمہ کے جذبے اور مثبت اقدامات کا خیر مقدم کیا ہے لیکن اسکے مثبت نتائج کا منتظر ہے۔ ہندوستان یہ دیکھنا چاہتا ہے کہ صدر پاکستان اپنے ان عزائم میں کس حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں اور سرحد پار سے دہشت گردی اور مداخلت کاری کا خاتمہ کرنے میں کس حد تک مدد ملتی ہے۔

صدر مشرف کے کھٹمنڈو میں سارک کانفرنس کے موقع پر وزیر اعظم اٹل بہاری کی جانب دوستی کا ہاتھ بڑھانے میں خود پہل کرنے کے علاوہ اپنے اس خطاب میں کشمیر کے مسئلہ پر مذاکرات کے دوبارہ آغاز کی پیشکش بھی کی ہے لیکن ہندوستان اپنے اس معقولیت پر مبنی موقف پر اٹل ہے کہ جب تک سرحد پار سے دہشت گردی کا عملی طور پر خاتمہ نہ ہو اور جنرل صاحب کے فیصلوں کی عمل آوری کے مثبت نتائج سامنے نہ آئیں دونوں ملکوں کے مذاکرات بے معنی بے مقصد ہوں گے۔

امریکہ جو دونوں ممالک کے درمیان کشیدگی کو کم کرنے کے لئے اپنے اثر و رسوخ کا بھرپور استعمال کر رہا ہے پہلی مرتبہ ہندوستان کے اس موقف کی حمایت کر رہا ہے کہ ہندوستان اور پاکستان کے درمیان کسی بھی مسئلہ کی یکسوئی اور تعلقات کو معمول پر لانے کے لئے دہشت گردی کا خاتمہ ناگزیر ہے۔ یہ بات بھی غور طلب ہے کہ صدر پاکستان نے دبے الفاظ میں یہ ظاہر کر دیا ہے کہ کشمیر کے مسئلہ پر ان کا موقف اٹل ہے وہ یہ کہتے ہوئے اپنے ملک کے عوام کی مخالفت اور تنقید سے بچنے کی کوشش کر رہے ہیں کہ کشمیر پاکستانی عوام کی رگوں میں دوڑنے والے خون میں شامل ہے۔ یہ انداز فکر شملہ سمجھوتے اور لاہور اعلامیہ کے مقاصد اور جذبہ کے مغائر ہے۔ کشمیر کے مسئلہ پر پاکستان کو آج کے حالات کے حقائق کی مناسبت سے معقولیت پر مبنی طرز عمل اختیار کرنا ہوگا۔ جنرل مشرف پاکستانی عوام کے رجحان میں تبدیلی لانے اور معاشرہ کی اصلاح میں کس حد تک کامیاب ہو سکتے ہیں۔ یہ آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ ہم اس وقت نیک تمناؤں کا اظہار ہی کر سکتے ہیں۔

زاہد علی خان

مولانا رضوان القاسمی

تین سوال، ایک جواب

تین آدمی ایک بزرگ کے پاس آئے۔ ان میں سے ایک آدمی نے جو خدا کا منکر تھا کہا: "آپ لوگ کہتے ہیں کہ خدا کا وجود ہے اگر یہ صحیح ہے تو دکھایئے خدا کہاں ہے؟"

دوسرے شخص نے جو قیامت میں آگ کا عذاب دیئے جانے کا منکر تھا کہا۔ "آپ لوگ کہتے ہیں کہ قیامت میں لوگوں کو آگ کا عذاب دیا جائے گا اور جن آگ سے پیدا کئے گئے ہیں تو بھلا ان کو آگ سے کیسے عذاب دیا جائے گا؟"

تیسرے شخص نے جو قضا و قدر کا منکر تھا اور انسان کو اپنے افعال پر مجبور محض سمجھتا تھا کہا۔ "آپ لوگ کہتے ہیں کہ ہر چیز قضا و قدر سے ہوتی ہے۔ اگر یہ بات صحیح ہے تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ انسان جو بھی کام کرتا ہے اس کے کرنے پر مجبور ہوتا ہے اور ایسے کام پر جس کے کرنے پر انسان مجبور ہے اس کی گرفت کرنا اور اس کی سزا دینا کہاں تک درست ہے؟"

بزرگ نے تینوں کے سوال سن کر ایک مٹھی مٹی اٹھائی اور تینوں پر پھینک دی اور کہا یہی میرا جواب ہے۔ بزرگ کا یہ جواب سن کر تینوں بہت غصہ ہوئے اور یہ طے کیا کہ حاکم سے اس کی شکایت کی جائے، چنانچہ تینوں حاکم کے پاس پہنچے اور ان سے سارا قصہ بیان کر دیا، حاکم نے بزرگ کو طلب کیا اور پوچھا جو کچھ یہ تینوں کہہ رہے ہیں کیا یہ صحیح ہے؟

بزرگ نے جواب دیا۔ "ہاں بالکل صحیح ہے"

حاکم نے کہا۔ تم نے ایسا کیوں کیا۔ اس کی کیا وجہ ہے؟"

بزرگ نے جواب دیا۔ "پہلے شخص نے مجھ سے کہا، اگر خدا کا وجود ہے تو مجھے دکھادو، کیونکہ اس کے نزدیک ہر موجود چیز کا نظر آنا ضروری ہے۔ اگر یہی بات ہے تو مجھے یہ وہ تکلیف دکھائے جو اس کو میری مٹی پھینکنے سے ہوئی یہ" پہلے شخص نے کہا۔ "میں تکلیف تو نہیں دکھا سکتا، البتہ اس کا اثر دکھا سکتا ہوں"۔

بزرگ نے جواباً کہا۔ "تو پھر خدا بھی دکھایا نہیں جا سکتا۔ البتہ اس کی ہزاروں نشانیاں دیکھی جا سکتی ہیں جس کا انکار کوئی پاگل شخص بھی نہیں کر سکتا۔

دوسرے شخص نے مجھ سے کہا کہ جنوں کو آگ سے کیسے عذاب دیا جائے گا جب کہ وہ آگ ہی سے پیدا کئے گئے ہیں، اس کا مطلب یہ ہو کہ کسی چیز کو اس کی اصل سے یہ عذاب نہیں دیا جا سکتا۔ اگر یہ درست ہے تو اسے مٹی سے کیوں تکلیف ہوئی، کیوں کہ وہ بھی تو مٹی سے پیدا کیا گیا ہے اور کیا اس شخص نے یہ مثل نہیں سنی کہ "لوہا لوہے کو کاٹتا ہے"

تیسرے شخص نے قضا و قدر کا انکار کیا اور مجھ سے اس بات کا طالب ہوا کہ میں یہ تسلیم کر لوں کہ انسان اپنے افعال پر مجبور ہے، اس لئے اس کا محاسبہ کرنا اور اس پر اس کو سزا دینا درست نہیں ہے۔ اگر یہ صحیح ہے اور وہ یہ سمجھتا ہے کہ انسان اپنے افعال پر مجبور ہے تو پھر یہ شخص مجھ کو آپ کے پاس کیوں لایا، کیوں کہ میں اس پر مٹی پھینکنے پر مجبور تھا"۔

بزرگ کے یہ جوابات سن کر تینوں آدمی بہت شرمندہ ہوئے اور اپنے عقیدہ کی اصلاح کی، حاکم بھی بزرگ کے حکیمانہ جواب اور فراست ایمانی سے متاثر ہوئے بغیر نہ رہ سکا۔

ایک بزرگ کی بیش بہا تعلیم

حضرت سہل بن عبداللہ التستریؒ کو ان کے شیخ نے یہ تعلیم دی کہ تم ہمیشہ یہ پڑھا کرو:

اللّٰہ شاھدی، اللّٰہ ناظری، اللّٰہ معی

اللّٰہ شاھدی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ مجھے دیکھ رہا ہے۔ ظاہر ہے کہ اگر یہ بات کسی کے ذہن میں بیٹھی ہوئی ہو تو ہر قول اور عمل کے وقت یہ نہیں بھولے گا کہ اللہ موجود ہے اور مجھے ہر حال میں دیکھ رہا ہے، وہ اس سے ڈرے گا اور اس کی کوئی معصیت اس سے سرزد نہ ہو سکے گی۔

اللّٰہ ناظری کا مطلب بھی یہی ہے کہ میں اللہ کی نظر میں ہوں، میں اچھے عمل کروں یا برے، سب میرا خدا دیکھ رہا ہے، یہ تصور بھی انسان کو کسی معمولی سے معمولی غلط روش پر جانے سے روک دے گا نہ کہ کوئی بری حرکت ایسی ہو جائے جو خدا کی ناخوشنودی کی موجب ہو۔

اللّٰہ معی کا مطلب یہ ہے کہ اللہ میرے ساتھ ہے، اگر یہ تصور دل میں بیٹھ جائے تو پھر اللہ کے سوا کسی اور سے خوف کھانے کا سوال ہی کیا رہتا ہے۔ ایسا شخص جری بھی ہوگا اور نڈر بھی۔ وہ حق کی خاطر سب کچھ کر ڈالے گا۔ اللہ کی معیت کا یقین مومنانہ زندگی کی اصل تقویت اور روح ہے۔

☆☆☆☆

مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن

(سورہ یوسف)

۱۰۲۔ (اے پیغمبرؐ!) یہ غیب کی خبروں میں سے ہے جس کی ہم تجھ پر وحی کررہے ہیں۔ ورنہ (ظاہر ہے کہ) جس وقت یوسفؑ کے بھائی سازش میں مضمم ہوگئے تھے اور پوشیدہ تدبیریں کررہے تھے تو تم اس وقت کچھ ان کے پاس کھڑے نہ تھے (کہ سب کچھ دیکھ سن لیا ہو)

۱۰۳۔ اور (اس پر بھی یاد رکھو!) اکثر آدمیوں کا حال یہ ہے کہ تم کتنا ہی چاہو (اور کتنی ہی دلیلیں پیش کرو) کبھی ایمان لانے والے نہیں۔

۱۰۴۔ حالانکہ تم ان سے اس بات کے لئے کوئی مزدوری نہیں مانگتے۔ یہ تو اسکے سوا کچھ نہیں ہے کہ تمام جہاں کے لئے پند و وعظ ہے۔

۱۰۵۔ اور (دیکھو!) آسمانوں میں اور زمین میں (اللہ کی قدرت و حکمت کی) کتنی ہی نشانیاں ہیں جن پر سے لوگ گزر جاتے ہیں اور نظر اٹھاکر دیکھتے بھی نہیں۔

۱۰۶۔ اور ان میں سے اکثروں کا حال یہ ہے کہ اللہ پر یقین لاتے ہیں تو اس حال میں لاتے ہیں کہ اس کے ساتھ شریک بھی ٹھیرائے جاتے ہیں۔

۱۰۷۔ پھر کیا یہ لوگ اس بات سے مطمئن ہوگئے ہیں کہ اللہ کے عذاب میں سے کوئی آفت ان پر آئے اور چھا جائے یا اچانک قیامت آجائے اور وہ بے خبری میں پڑے ہوں؟

۱۰۸۔ (اے پیغمبرؐ!) تم کہہ دو: میری راہ تو یہ ہے۔ میں اس روشنی کی بنا پر جو میرے سامنے ہے اللہ کی طرف بلاتا ہوں اور (اس راہ میں) جن لوگوں نے میرے پیچھے قدم اٹھایا ہے وہ بھی (اسی طرح) بلاتے ہیں۔ اللہ کے لئے پاکی ہو ۔میں شرک کرنے والوں میں نہیں ہوں۔

۱۰۹۔ اور (اے پیغمبرؐ!) ہم نے تم سے پہلے کسی رسول کو نہیں بھیجا ہے مگر اسی طرح کہ وہ باشندگان شہر ہی میں سے ایک آدمی تھا اور ہم نے اس پر وحی اتاری تھی (ایسا کبھی نہیں ہوا کہ آسمان سے فرشتے اترے ہوں) پھر کیا یہ لوگ (جو تمہارے اعلان رسالت پر متعجب ہورہے ہیں) زمین میں چلے پھرے نہیں کہ دیکھتے ان لوگوں کا انجام کیسا کچھ ہوچکا ہے جو پہلے گزر چکے ہیں؟ اور جو لوگ (برائیوں سے) بچتے ہیں تو یقینا آخرت کا گھر ان کے لئے کہیں بہتر ہے۔ پھر (اے گروہ مخاطب!) کیا تم سمجھتے بوجھتے نہیں؟

۱۱۰۔ (اور ان گزری ہوئی قوموں پر فورا عذاب نہیں آگیا تھا، انہیں مہلت ملتی رہی) یہاں تک کہ جب اللہ کے رسول (ان کے ایمان لانے سے) مایوس ہوگئے اور لوگوں نے خیال کیا ان سے جھوٹا وعدہ کیا گیا تھا۔ تو (پھر اچانک) ہماری مدد ان کے پاس آپہنچی۔ پس ہم نے جسے بچانا چاہا بچالیا اور (جو مجرم تھے تو) ایسا کبھی نہیں ہوسکتا کہ مجرموں سے ہمارا عذاب ٹل جائے۔

۱۱۱۔ یقینا ان لوگوں کے قصے میں دانش مندوں کے لئے بڑی ہی عبرت ہے۔ یہ کوئی جی سے گھڑی ہوئی بات نہیں ہے۔ بلکہ اس کتاب کی تصدیق ہے جو اس سے پہلے آچکی ہے۔ نیز ان لوگوں کے لئے جو یقین رکھتے ہیں (ہدایت کی) ساری باتوں کی تفصیل ہے (یعنی الگ الگ کرکے واضح کردینا ہے) اور رہ نمائی ہے اور رحمت ہے۔

تفسیر

۱۰۲ تا ۱۰۴۔ سورت کا خاتمہ

سرگذشت ختم ہوگئی۔ اب آیت ۱۰۲ سے خطاب پیغمبر اسلامؐ کی جانب ہے اور دعوت حق کی بعض مہمات واضح کی ہیں:

(۱) اس سرگذشت میں جو کچھ بیان کیا گیا ہے یہ سرتاسر غیب کی باتیں ہیں۔ اگر وحی الہی کا فیضان نہ ہوتا تو ممکن نہ تھا کہ اس واقعے کی ایک ایک جزئیات پر تم مطلع ہوتے اور دنیا کے آگے اس طرح پیش کردیتے۔ یہ ظاہر ہے کہ واقعہ تم سے دوہزار سال پہلے کا ہے اور دنیا میں گزشتہ واقعات کے علم و سماعت کے جتنے وسائل ہوسکتے ہیں، ان میں سے کوئی وسیلہ بھی تمہارے لئے موجود نہیں اور اگر موجود بھی ہو تو یہ قطعی ہے کہ اس باب میں کچھ مفید نہیں ہوسکتا۔

(ب) لیکن کیا منکرین حق تمہاری سچائی کی یہ دلیل واضح دیکھ کر ایمان لے آئیں گے؟ نہیں! تم کتنا ہی چاہو، جو ماننے والے نہیں ہیں وہ کبھی ماننے والے نہیں۔

۱۰۵۔ (ج) خدا کی کائنات تو سرتاسر حقیقت کی نشانی ہے۔ آسمان و زمین کا کونسا گوشہ ہے جو اس کی نشانیوں سے خالی ہے اور شب و روز انسان کو دعوت فکر و عبرت نہیں دے رہا ہے؟ با ایں ہمہ بندگان غفلت کا کیا حال ہے؟ یہ ہے کہ ان پر سے گزر جاتے ہیں اور نگاہ اٹھاکر دیکھتے بھی نہیں۔

قرآن نے یہاں اور دوسرے مقامات میں آسمان و زمین کی نشانیوں پر توجہ دلائی ہے اور ان کے مطالعہ و تفکر کو معرفت حق کا سرچشمہ ٹھیرایا ہے۔ اور یہی بات اس کے تمام استدلال کا مبدا اور اساس ہے۔ چنانچہ پچھلی سورتوں کے نوٹوں میں اس طرف اشارات گزرچکے ہیں اور تفصیل کے لئے تفسیر فاتحہ کا مطالعہ کرنا چاہیئے۔

۱۰۶۔ (د) آیت ۱۰۶ کے پانچ چھ لفظوں میں وہ سب کچھ بیان کردیا جو باب توحید میں دعوت قرآنی کا ماحصل ہے۔ فرمایا: اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ خدا کی ہستی پر یقین بھی رکھتے ہیں اور ساتھ ہی دوسروں کو اس کا شریک بھی ٹھیراتے ہیں یعنی ان کا خدا کا ماننا ایسا نہیں ہے جو شرک سے انھیں باز رکھے۔

دنیا کی تمام قوموں کی دینی ذہنیت کی یہ کیسی مکمل تعبیر ہے جو چند لفظوں کے اندر بیان کردی گئی ہے! نزول قرآن کے وقت دنیا کی تمام خدا پرست جماعتوں کی خدا پرستی کا یہی حال تھا اور

اب بھی دیکھ لو یہی حال ہے ۔ وہ خدا پر ایمان رکھتے تھے لیکن ان کا ایمان طرح طرح کے مشرکانہ عقائد و اعمال سے آلودہ ہوگیا تھا ۔ وہ نہیں سمجھتے تھے کہ ایمان صحیح کے ساتھ شرک جمع نہیں ہوسکتا ۔ عرب کے بت پرستوں کو بھی اس سے انکار نہ تھا کہ آسمان و زمین کا پیدا کرنے والا اللہ کے سوا کوئی نہیں : " ولئن سالتھم من خلق السموت والارض و سخر الشمس والقمر لیقولن اللہ، فانی یوفکون " (۲۹ : ۶۱) لیکن یہ بات ان کی سمجھ میں نہیں آتی تھی کہ کیوں صرف اسی کی ایک ہستی ہر طرح کی بندگیوں کی مستحق سمجھ لی جائے ؟ کیوں دوسری ہستیوں کی بھی بندگی نہ کی جائے ؟ کیوں خدا اور بندے کے درمیان کوئی درمیانی قوت وسیلہ تقرب و تزلف نہ ہو۔

لیکن قرآن کی دعوت توحید یہ تھی کہ اس طرح کی خدا پرستی سچی خدا پرستی نہیں ہے ۔ سچی خدا پرستی یہ ہے کہ نہ صرف اسے مانا جائے ، بلکہ جو کچھ اس کے لئے مانا جائے اس میں کسی دوسری ہستی کو شریک نہ کیا جائے ۔ اس نے کہا : ہر طرح کی بندگی و نیاز کی مستحق صرف اسی کی ذات ہے ۔ پس اگر تم نے عابدانہ عجز و نیاز کے ساتھ کسی دوسری ہستی کے سامنے سر جھکایا تو سچی خدا پرستی باقی نہ رہی ۔ اس نے کہا : دعا، استعانت ، رکوع و سجود ، عجز و نیاز ، اعتماد و توکل اور اسی طرح کے تمام عبادت گزارانہ اور نیاز مندانہ اعمال وہ اعمال ہیں جو خدا اور اس کے بندوں کا باہمی رشتہ قائم کرتے ہیں ۔ پس اگر ان اعمال میں دوسروں کو بھی شریک کرلیا تو خدا کے رشتہ عبودیت کی یگانگت باقی نہ رہی اور جب یگانگت باقی نہ رہی تو سچی خدا پرستی بھی نہ ہوئی ۔ اسی طرح عظمتوں ، کبریائیوں ، کارسازیوں اور بے نیازیوں کا جو تصور تمہارے اندر خدا کا اعتقاد پیدا کرتا ہے وہ صرف خدا ہی کے لئے مخصوص ہونا چاہئے ۔ اگر تم نے ویسا ہی اعتقاد کسی دوسری ہستی کے لئے پیدا کرلیا تو تم نے اسے خدا کا شریک بنادیا اور جب شریک بنادیا تو صرف اسی کو نہیں مانا ، دوسروں کو بھی مان لیا ، حالانکہ اس کے ماننے کے معنی تو یہ تھے کہ صرف اسی کو مانا جائے ۔

۱۰۸ ۔ (ھ) آیت ۱۰۸ میں جو بات کہی گئی ہے قرآن کے مہمات معارف میں سے ہے ۔ فرمایا : تم اعلان کردو میری راہ یہ ہے کہ علم و یقین کی بنا پر خدا پرستی کی دعوت دیتا ہوں اور کہتا ہوں : میری راہ شرک کرنے والوں کی راہ نہیں ہے ۔ برخلاف اس کے تمہارا حال یہ ہے کہ شرک کے داعی ہو اور بنیاد دعوت علم و یقین نہیں ہے ، جہل و ظن ہے ۔ اب فیصلہ اللہ کے ہاتھ ہے اور ایسے ہی فیصلے پچھلی قوموں کے لئے بھی ہوچکے ہیں۔

یہاں " بصیرۃ " کا لفظ فرمایا ۔ بصیرۃ کے معنی علم ، معرفت اور یقین کے ہیں اور اسی لئے دلیل و حجت پر بھی اس کا اطلاق ہوتا ہے ۔ پس قرآن کہتا ہے : میں جس راہ کی طرف بلاتا ہوں اس کے لئے میرے سامنے علم و یقین ہے ، پھر کیا تمہارے پاس بھی علم و یقین میں سے کچھ ہے ؟ اگر نہیں ہے تو اتباع یقین و عرفان کا کرنا چاہئے یا جہل و کوری اور شک و گمان کا ؟ اس مقام کی تشریح پچھلی سورتوں کی تشریحات میں بار بار گزر چکی ہے ۔

۱۱۱ ۔ (و) آخری آیت میں فرمایا : قرآن انسان کی بناوٹ نہیں ہے بلکہ وحی الٰہی کی سچائی ہے ۔ اور پھر اس کے چار وصف بیان کئے ہیں جو کبھی کذب و افتراء کے اوصاف نہیں ہوسکتے :

اولا ، وہ پچھلی صداقتوں کی تصدیق ہے ۔ اگر بناوٹ ہوتی تو پچھلی کڑیوں کے ساتھ اس طرح نہ جڑجاتی گویا ایک زنجیر کی مختلف قدرتی کڑیاں ہیں اور ہر کڑی دوسری کڑی کو سہارا دے رہی ہے۔

ثانیا ، ارباب یقین کے لئے اس میں دین کی ساری باتوں کی تفصیل ہے ۔ یعنی ہر بات اس طرح الگ الگ کرکے بیان کردی گئی ہے کہ شبہ و التباس کی کوئی گنجائش نہیں رہی ہے ۔

ثالثا ، ارباب یقین کے لئے سر تا سر رہ نمائی ہے ۔ یعنی انسان کو کامیابی و سعادت کی منزلوں تک پہنچاتی اور ہر طرح کی گم راہیوں سے بچاتی ہے ۔

رابعا ، ارباب یقین کے لئے رحمت ہے ۔ یعنی ہر طرح کی شقاوتوں اور نامرادیوں سے نجات دلانے والی ہے ۔

......

سورت کی ضروری تشریحات ختم ہوچکیں ، لیکن ضروری ہے کہ اب حضرت یوسفؑ کی سرگذشت پر بحیثیت مجموعی ایک نظر ڈال لی جائے تاکہ اس کی موعظتیں اور عبرتیں پوری وضاحت کے ساتھ واضح ہوجائیں ۔ اس سلسلے میں حسب ذیل امور قابل غور ہیں :

(۱) حضرت مسیح (علیہ السلام) سے تقریبا دو ہزار سال پہلے دنیا کے نقشے کا یہ حال تھا کہ سرزمین مصر وقت کے تہذیب و تمدن کا مرکز بن چکی تھی ، لیکن اس کے اطراف و جوانب کی قومیں ابھی تمدن و حضارت سے آشنا نہیں ہوئی تھیں اور صحرا نشینی و بدویت کی زندگی بسر کررہی تھیں ۔ مصر سے ایک قریب تر علاقہ وہ تھا جو آگے چل کر فلسطین کے نام سے مشہور ہوا اور جسے خاک نائے سینا نے سرزمین افریقہ سے ملادیا ہے ۔ اس علاقے کی تمام پچھلی آبادیاں مٹ چکی تھیں ۔ اب محض ایک صحرائی علاقہ تھا جو مویشی کے لئے چراگاہوں کا کام دیتا تھا اور مختلف بدوی قبائل وہاں بود و باش رکھتے تھے ۔ انھیں قبائل میں ایک چھوٹا سا قبیلہ حضرت ابراہیم (علیہ السلام) کے خاندان کا بھی تھا ۔

حضرت ابراہیمؑ کا ظہور تمدن قدیم کے ایک دوسرے مرکز یعنی سرزمین دجلہ و فرات میں ہوا تھا ۔ انھوں نے وہاں سے ہجرت کی اور کنعان میں مقیم ہوگئے ۔ کنعان سے مقصود وہ علاقہ ہے جو بحر میت (Dead Sea) کی مغربی جانب واقع ہے اور دریائے یردن سے سیراب ہوتا ہے ۔ تورات میں ہے کہ انھوں نے یہ علاقہ وحی الٰہی سے منتخب کیا تھا اور اللہ نے فرمایا تھا : تو جس جگہ کھڑا ہے اس کے چاروں طرف دیکھ یہ تمام ملک میں تجھے اور تیری نسل کو دوں گا اور تیری نسل کو میں خاک کے ذروں کی مانند بنادوں گا ۔ اگر کوئی خاک کے ذروں کو گن سکتا ہے تو تیری نسل بھی گن لی جائے گی (پیدائش ۱۳ : ۱۵) ۔ قرآن نے بھی جابجا اس بشارت کی طرف اشارہ کیا ہے ۔

جب حضرت ابراہیمؑ یہاں مقیم ہوگئے تو وقتاً فوقتاً انھیں اور بشارتیں بھی ملتی رہیں ۔ ان تمام بشارتوں کا ماحصل یہ تھا کہ اللہ نے انھیں

امتوں کا پیشوا، نسلوں کا مورث اور بادشاہوں کا جد بنایا ہے اور ان کی نسل کو اپنی برکتوں کے لئے چن لیا ہے۔ جب تک ان کی نسل ظلم و ضلالت سے آلودہ نہ ہوگی وعدے کی برکتوں کی مستحق رہے گی۔ یہ بشارتیں اس خاندان میں اللہ کا "عہد" سمجھی جاتی تھیں، یعنی اللہ کا وعدہ جو کبھی ٹل نہیں سکتا۔ خاندان کا ہر بزرگ اسے محفوظ رکھتا اور پھر اپنے وارث کو اس کی وصیت کرتا۔ یہ "عہد" دو باتوں پر مشتمل تھا۔ ایک یہ کہ نسل ابراہیمؑ اللہ کے دین پر قائم رہے گی اور اس کی دعوت دے گی۔ دوسری یہ کہ اللہ اسے برکت دے گا اور اس کی دعوت کامیاب ہوگی۔ قرآن نے ان تمام بشارتوں کا جابجا ذکر کیا ہے۔ چنانچہ سورہ بقرہ کی آیت ۱۲۴ اور ہود کی آیت ۷۱ میں دو بشارتیں گزر چکی ہیں۔

تورات سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہے کہ ایک موقع پر حضرت ابراہیمؑ کو ایک خاص واقعے کی خبر دی گئی تھی۔ یعنی یہ کہ تیری اولاد ایک ایسے ملک میں جائے گی جو ان کا ملک نہ ہوگا۔ وہاں لوگ اسے غلام بنالیں گے۔ وہ چار سو برس تک وہاں رہے گی (پیدائش ۱۵: ۱۳)

حضرت ابراہیمؑ سے حضرت اسماعیلؑ اور حضرت اسحاقؑ پیدا ہوئے۔ حضرت اسماعیلؑ حجاز میں بس گئے اور حضرت اسحاقؑ کنعان میں خاندان کے جانشین ہوئے۔ حضرت اسحاقؑ سے یعقوبؑ پیدا ہوئے۔ یہ پہلے حاران گئے تاکہ اپنی خالہ زاد بہن سے نکاح کریں۔ پھر بیس برس کے بعد کنعان واپس آئے اور وہیں مقیم ہوگئے۔ تورات میں ہے کہ اللہ نے نسل ابراہیمؑ کا "عہد" ان سے تازہ کیا تھا اور قرآن اس کی تصدیق کرتا ہے۔

فلسطین کے تمام علاقے کی طرح حضرت یعقوبؑ کے خاندان کی زندگی بھی بالکل بدویانہ زندگی تھی۔ مویشی چراتے تھے اور ان کے گوشت، اون اور دودھ پر گزارا کرتے تھے۔

لیکن اس علاقے سے تھوڑا فاصلے پر مصر کی سرزمین تمدن و حضارت میں شہرہ آفاق ہورہی تھی اور ایک بڑی مملکت کی پایۂ تخت تھی۔ اس کا دارالحکومت رعمسیس وقت کے علوم و صنائع کا مرکز تھا اور وہاں کے باشندوں میں شہریت و امارت کی خصوصیتیں نشو و نما پاچکی تھیں۔ جیسا کہ قاعدہ ہے، مصر کے لوگ اپنے آپ کو متمدن اور ترقی یافتہ سمجھتے اور اطراف و جوانب کی بدویوں کو حقارت کی نظر سے دیکھتے، خصوصا کنعانی اور عبرانی ان کی نگاہوں میں بڑے ہی ذلیل تھے۔ وہ انھیں "چرواہا" کہہ کر پکارتے اور اس قابل نہ سمجھتے کہ اپنی مجلسوں میں جگہ دیں۔ یہ بات بھی ان میں عام تھی کہ کوئی مصری کنعانی کے ساتھ ایک دسترخوان پر بیٹھ کر کھانا نہ کھاتا (پیدائش ۴۳: ۳۲) اور مصر کے دیہاتی بھی انھیں اس درجہ برا سمجھتے کہ اپنی آبادیوں میں ان کا بسنا گوارا نہ کرتے (پیدائش ۴۶: ۳۴)

(ب) لیکن قدرت الہی سے ایک عجیب و غریب واقعہ پیش آیا۔ کنعان کے اس بدوی قبیلے کا ایک کم سن لڑکا بغیر اپنی خواہش اور مرضی کے مصر پہنچ گیا اور کچھ عرصے کے بعد دنیا نے دیکھا کہ اس عظیم الشان مملکت کی حکومت کی باگ ڈور اسی کنعانی کے ہاتھوں میں ہے اور بادشاہ سے لے کر مصر کی ادنی رعایا تک سب اسی کی عظمت و فضیلت کے آگے جھکے ہوئے ہیں۔

گویا وقت کی سب سے بڑی پرشوکت، سب سے بڑی متمدن، سب سے بڑی مغرور مملکت کے تخت حکمرانی پر اچانک کون پہنچ گیا؟ اسی بدوی قبیلے کا ایک چرواہا جسے اس متمدن آبادی کا ہر فرد نفرت و حقارت کی نظر سے دیکھتا تھا۔

اور پھر یہ عجیب و غریب معاملہ کن حالات میں ظہور پذیر ہوا؟ ایسے حالات میں جو اصل معاملے سے بھی کہیں زیادہ عجیب و غریب تھے۔

اس سوتیلے بھائیوں نے ہلاک کرنے کے لئے کنویں میں ڈال دیا۔ کنواں خشک تھا اور شاہ راہ سے الگ، اس لئے انھیں یقین تھا کوئی انسان وہاں نہیں پہنچ سکے گا۔ لیکن اتفاق سے ایک قافلہ راہ بھول کر وہاں آنکلتا ہے اور پانی کے لئے ڈول ڈالتا ہے۔ لڑکا سمجھتا ہے میرے بھائیوں کو رحم آگیا۔ اب مجھے نکالنے کے لئے ڈول ڈال رہے ہیں۔ وہ اس میں بیٹھ جاتا ہے اور اس طرح اس کی رہائی کا سامان ہوجاتا ہے۔

لیکن کیسی رہائی؟ ایسی رہائی جس میں ایک ہلاکت سے جو تھوڑی دیر کی تھی نجات مل گئی، لیکن دوسری ہلاکت جو عمر بھر جاری رہنے والی ہلاکت تھی نمودار ہوگئی۔ یعنی بھائیوں نے اسے اپنا بھاگا ہوا غلام ظاہر کرکے قافلے والوں کے ہاتھ بیچ ڈالا۔ وہ اسے کسی دوسرے گاہک کے ہاتھ بیچنے کے لئے مصر لے آئے۔

اس طرح مصر میں اس کا داخلہ ایک غلام کا داخلہ تھا۔ اور غلام بھی ایسا جو کم سے کم قیمت میں خریدا گیا اور اب کم سے کم قیمت پر فروخت کیا جارہا ہے۔ نہ تو بیچنے والے اس کی قدر و قیمت بڑھانے کے خواہش مند تھے، نہ اب بازار مصر میں اس جنس کی گرانی کا کوئی سامان ہے:

> لے جائیے دکھلانے اسے مصر کا بازار
> خواہاں نہیں پر کوئی وہاں جنس گراں کا

بہرحال ایک خریدار کی نظر پڑجاتی ہے۔ یہ اس کے گھر میں ایک نو خرید غلام کی حیثیت سے داخل ہوتا ہے، مگر اپنے حسن عمل سے خواجگی و آقائی کا درجہ حاصل کرلیتا ہے۔ یہ انقلاب حال بجائے خود عجیب و غریب تھا، لیکن اس سے بھی عجیب و غریب تر معاملہ وہ تھا جب اس زر خرید غلام کے سامنے بیک وقت دو باتیں پیش کی گئیں کہ دونوں میں سے جسے چاہے اپنے لئے پسند کرلے: "ولئن لم یفعل ما آمرہ لیسجنن و لیکونا من الصغرین" (آیت ۳۲) نفسانی زندگی کی سب سے بڑی عشرت و کامرانی اور انسانی زندگی کی سب سے بڑی محرومی و نامرادی۔ پہلی میں نفس کی عشرت مگر حق کی معصیت تھی۔ دوسری میں نفس کی محرومی مگر حق کی اطاعت تھی۔ وہ پہلی سے بھاگتا ہے اور دوسری کے لئے آرزوئیں کرتا ہے۔ پہلی سے اس طرح بھاگتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی مصیبت نہیں، دوسری کے لئے اس طرح التجائیں کرتا ہے گویا اس سے بڑھ کر کوئی محبوب شئے نہیں: "رب السجن احب الی مما یدعوننی الیہ" (آیت ۳۳):

> تمنت سلیمی ان نموت بحبھا
> واھون شی ء عندنا ما تمنت

مصر میں کسی انسان کی ذلت و نامرادی

کے جتنے سامان ہوسکتے تھے اب وہ سب جمع ہوگئے : اول تو عبرانی قبیلے کا ایک فرد، پھر کیسا فرد؟ زر خرید غلام۔ کیسا غلام؟ جسے آقا نے ایک بڑے جرم کا مرتکب پایا اور سزا کا مستحق تصور کیا۔ کیسی سزا؟ قید خانے میں ڈالے جانے کی سزا جو ذلت و خواری اور تعذیب و عقوبت کی بڑی سے بڑی سزا سمجھی جاتی تھی۔ اب وہ مصریوں کی نگاہ میں قابل نفرت عبرانی بھی ہے غلام بھی ہے، مجرم بھی ہے اور قیدی بھی!

لیکن پھر غور کرو! دنیا کی کونسی بات اس سے زیادہ عجیب ہوسکتی ہے کہ اسی قیدی کے لئے اچانک قید خانے کے دوازے کھول دئے جاتے ہیں اور کھولنے والا کون ہوتا ہے؟ خود مصر کا بادشاہ اور پھر کیوں کھولتا ہے؟ اس لئے کہ ایک عبرانی قیدی کو قید خانے سے نکالے اور مصر کے تخت فرماں روائی پر بٹھادے۔ گویا مصر کے قید خانے اور مصر کے تخت حکومت کا درمیانی فاصلہ ایک قدم سے زیادہ نہ تھا۔ اس نے قیدخانہ سے قدم اٹھایا اور اس نے تخت فرماں روائی پر قدم رکھ دیا۔

طے می شود ایں رہ بدرخشین برقے
ما بے خبراں منتظر سمع و چراغیم

پھر اس عجیب و غریب انقلاب کا نتیجہ کیا نکلا؟ ایسا کہ ان ساری باتوں سے بھی زیادہ عجیب ہے اور جسے قرآن کی ایجاز بلاغت نے صرف ایک جملے میں واضح کردیا ہے "وکذلک مکنا لیوسف فی الارض، یتبوا منها حیث یشاء" (آیت ۵۶) اللہ نے سرزمین مصر میں اس کے قدم اس طرح جمادئے کہ اس کے جس حصے کو چاہے اپنے کام میں لائے۔ چنانچہ اس نے اپنے تمام خاندان کو کنعان سے مصر بلالیا اور عین دارالحکومت میں کہ جشن کی سرزمین تھی، عزت و احترام کے ساتھ وہ بسائے گئے۔ اب وہی صحرا کے بودی جو مصر میں قابل نفرت سمجھے جاتے تھے، مصری دارالحکومت کے معزز باشندے ہوگئے اور وہاں ان کی نسل میں اس درجہ برکت ہوئی کہ جب چار سو برس کے بعد مصر سے نکلے تو کئی لاکھ تک تعداد پہنچ چکی تھی!

کئی لاکھ انسانوں کی یہ قوم جو مصر سے نکلی، کن لوگوں کی نسل سے بنی تھی؟ اسی لڑکے کی نسل سے جو غلام بن کر آیا تھا اور فرماں روا بن کر چمکا تھا۔ اور اس کے گیارہ بھائیوں کی نسل سے جنھوں نے اسے ہلاک کرنا چاہا تھا لیکن اس نے انھیں زندگی اور زندگی کی کامرانیاں بخش دیں

(ج) اس طرح اس "عہد" کی کرشمہ سازیوں کا ظہور شروع ہوگیا جس کی بشارتیں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو دی گئی تھیں اور پھر حضرت اسحاقؑ اور حضرت یعقوبؑ سے بھی ان کی تجدید ہوئی تھی۔

(د) سب سے پہلی بات جو اس سلسلے میں سامنے آتی ہے وہ روحانی صداقت اور مادی ترقیات کا مقابلہ ہے۔

حضرت یعقوبؑ کا گھرانا دین حق کی امانت رکھتا تھا، وحی الہی کی برکتوں سے فیضیاب تھا، لیکن مادی ترقیوں اور دنیوی شوکتوں میں سے کوئی بات بھی اسے میسر نہ تھی، حتی کہ شہری زندگی کی ابتدائی خصوصیات سے بھی آشنا نہیں ہوا تھا۔ اس کے تمام افراد صحرا میں رہتے تھے۔ مویشی چراتے تھے اور قدرتی زندگی کی سادگی پر قانع تھے

لیکن مصر کی حالت بالکل اس سے مختلف تھی۔ وہ دین حق کے علم و عمل اور وحی الہی کے فیضان سے محروم تھا، لیکن وقت کی تمام مادی ترقیوں کا سرمایہ دار تھا۔ اس کے دارالحکومت کے لوگ لکھنے پڑھنے میں ماہر تھے۔ اس کے امراء و اشراف حکمرانی و دانشوری میں ترقی یافتہ تھے، اس کے مندروں کے کاہن حقائق اشیاء کے بھید جاننے والے تھے اور اس کے حکیم علوم وصنائع کے عجائب و غرائب سکھلانے والے تھے۔ آج اثریات مصر نے ایک مدون علم کی حیثیت اختیار کرلی ہے۔ اس کے مطالعے سے معلوم ہوتا ہے کہ اس عہد کا فرعون غالبا وہ شخص تھا جسے آثار مصر میں "آبونی" (Aboni) کے نام سے پکارا گیا ہے، اس کے عہد میں مصری تمدن پوری طرح ترقی کرچکا تھا۔

لیکن جب عجیب و غریب اتفاقات نے اس صحرائی گھرانے کے ایک فرد کو مصر پہنچادیا اور ایسی حالتوں میں پہنچایا جو کسی حال میں بھی عزت و کامرانی کا ذریعہ نہیں ہوسکتی تھیں تو پھر کیا نتیجہ نکلا؟ یہ نکلا کہ دونوں قوتوں میں مقابلہ ہوا اور بالآخر دین حق کے علم و عمل اور وحی الہی کے فیضان نے وقت کی تمام مادی فضیلتوں کو مسخر کرلیا!

حضرت یوسفؑ کے پاس دین حق کے سوا اور کچھ نہ تھا۔ مصریوں کے پاس دین حق کے سوا اور سب کچھ تھا۔ یہ صرف دین حق کی فضیلت سے آراستہ تھے۔ وہ ہر طرح کی مادی فضیلتوں میں تفرق رکھتے تھے۔ بااین ہمہ ہر مقابلے میں فتح مندی حضرت یوسفؑ ہی کی سیرت و عمل کو ہوئی اور قدم قدم پر مادی فضیلتوں کو اپنے تفوق سے دست بردار ہونا پڑا۔ حتی کہ جب مملکت کی سلامتی خطرے میں پڑگئی تو اس کی نجات کے لئے مادی فضائل کی کوئی پیداوار بھی کام نہ دے سکی، اسی عبرانی نوجوان کے آگے مصر کو جھکنا پڑا کہ اس کی سلامتی کی راہ نکال دے!

جب حضرت یوسفؑ نے بادشاہ مصر سے کہا تھا: "اجعلنی علی خزائن الارض، انی حفیظ علیم" (آیت ۵۵) تو فی الحقیقت یہ دین حق اور فیضان وحی کا ایک اعلان تھا جو وقت کے سب سے بڑے مرکزی تمدن کے مقابلے میں کیا گیا تھا، یعنی آج مملکت کی نجات کے لئے ایسے شخص کی ضرورت ہے جو علم و کاردانی کے ساتھ حفاظت کرنے والا ہو۔ لیکن ایسا شخص پیش کرنے سے مصر کی پوری مدنیت عاجز ہوگئی۔ اس کا عظیم الشان دارالحکومت جو کارفرماؤں، دانش مندوں اور کاہنوں سے بھرا ہوا ہے۔ ایک فرد بھی پیش نہ کرسکا جو یہ بوجھ اٹھانے کا اہل ہو، لیکن میں تیار ہوں کہ یہ بوجھ اٹھالوں۔ میں دنیا کی سب سے بڑی مملکت کو اس کی ہلاکت کی گھڑیوں میں بچالوں گا۔ کیونکہ میں حفاظت کرنے والا، علم رکھنے والا ہوں۔

متمدن مصر نے کنعان کے صحرائی کا یہ اعلان سنا اور اس کے آگے سر نیاز خم کردیا۔ یہی معنی ہیں اس آیت کے: "وکذلک مکنا لیوسف فی الارض، یتبوا منها حیث یشاء نصیب برحمتنا من نشاء ولا نضیع اجر المحسنین ولا جر الاخرة خیر للذین امنوا و کانوا یتقون" (آیت ۵۶ و ۵۷)

..... سلسلہ جاری ہے

ڈاکٹر عقیل ہاشمی
سابق صدر شعبہ اردو عثمانیہ یونیورسٹی

نعت شریف

توقیر بندگی کی روایت ہے اور کیا
ذکر رسولؐ پاک عبادت ہے اور کیا

نور ازل کہ باعث کون و مکاں حضورؐ
سچ پوچھئے تو جان مشیت ہے اور کیا

یٰس بشیر طٰہ مدثر نذیر و نور
قرآن سارا آپؐ کی مدحت ہے اور کیا

ہر اک بڑائی ہیچ ہوئی آپؐ کے روبرو
بعد از خدا ، وہ صاحبؐ عزت ہے اور کیا

اللہ کا کرم ہیکہ کل کائنات میں
سرکارؐ کا وجود ہی رحمت ہے اور کیا

ارشاد حق ہے اس میں تذبذب نہیں نہیں
طاعت نبیؐ کی ، حق کی اطاعت ہے اور کیا

تاریکی کیوں نہ چھپتی پھرے کفر و شرک کی
روشن جہاں میں شمع رسالتؐ ہے اور کیا

باطل پرست کہہ اٹھے ہو کر بیک زباں
صادق امینؐ وہ پیکر الفت ہے اور کیا

سب کچھ نثار آپؐ پہ تصدق ہوں جان و دل
دراصل یہ دلیل محبت ہے اور کیا

ورد زباں ہے نام محمدؐ جو صبح و شام
دل کا سکون روح کی راحت ہے اور کیا

سوچوں بھلا میں خلد کے بارے میں کس لئے
نظروں میں جب سے طیبہ کی جنت ہے اور کیا

مسرور ہے عقیل بڑا مطمئن بھی ہے !
اسکا وسیلہ ہاشمی نسبت ہے اور کیا

کولکتہ میں امریکن سنٹر پر حملہ

ہندوستان میں ۱۳ ڈسمبر ۲۰۰۱ کو پارلیمنٹ پر حملہ کے بعد دہشت گردی کے خلاف اقدامات مزید سخت کردئے گئے ہیں ۔ اس کے باوجود کولکتہ میں امریکن سنٹر پر ۲۲ جنوری کو حملہ کا واقعہ پیش آیا اس کی وجوہات اور سراغ لگانے میں حکام کو بھی دشواریاں پیش آرہی تھیں ۔ یہ واقعہ ہوئے ایک ہفتہ ہوگیا لیکن پولیس کسی ملزم کو گرفتار نہیں کرپائی۔

۲۲ جنوری کو جواہر لال نہرو روڈ پر واقع امریکن سنٹر کی گیٹ پر دو افراد موٹر سیکل پر سوار آئے ۔ وہ ہیلمٹ پہنے تھے ۔ ان میں پیچھے سوار شخص سفید شال اوڑھے ہوا تھا ۔ گیٹ کے قریب پہنچتے ہی انھوں نے گاڑی روک دی اور وہاں موجود کانسٹیبل سریش ہیمبرم کو ایک چٹھی دی ۔ ایسے معلوم ہورہا تھا جیسے وہ کوئی پتہ معلوم کرنا چاہتے ہوں سریش نے چٹھی لیکر پڑھنی شروع کی دیکھتے ہی دیکھتے دوسرا شخص جو شال اوڑھے تھا اپنی بندوق نکال کر پولیس مین پر گولیاں چلادیں ۔ چار پولیس ملازمین بشمول سریش برسر موقع ہلاک اور ۱۴ پولیس والے زخمی ہوگئے ۔ پولیس کو اس مقام سے 54 خالی گولیاں ۰ اور ایک رائفل دستیاب ہوئی ۔ تحقیقات پر پتہ چلا کہ دہشت گردوں نے تقریبا چالیس سکنڈس تک یہ کارروائی کی اس کے بعد وہ ڈلٹن روڈ کی سمت فرار ہوگئے ۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ اطلاع سارے شہر میں جنگل کی آگ کی طرح پھیل گئی اور عوام میں خوف و دہشت پیدا ہوگئی تھی ۔ پولیس نے اگرچہ انتہائی سخت چوکسی اختیار کرتے ہوئے حملہ آوروں کو پکڑنے کی کوشش کی تاہم انھیں فوری طور پر کامیابی نہیں ملی ۔ تحقیقاتی حکام ابھی تک یہ مسئلہ حل نہیں کرپائے کہ پولیس والوں کو نشانہ بنانا کوئی انتقامی کارروائی تھی یا امریکن سنٹر پر حملہ کرنا ان کا مقصد تھا ۔ اس سلسلہ میں شبہ کی بنیاد پر حکام نے کئی افراد کو حراست میں لیا ہے اور ان سے پوچھ تاچھ جاری ہے ۔ انڈر ورلڈ کی کارروائی کو بھی خارج از امکان قرار نہیں دیا جارہا ہے ۔ تاہم ایک بات واضح ہوگئی کہ پولیس ایسے کسی امکانی واقعہ سے نمٹنے کے لئے امریکن سنٹر پر پوری طرح تیار نہیں تھی ۔ تحقیقات مکمل ہونے کے بعد ہی حقائق منظر عام پر آسکتے ہیں ۔ ۲۸ جنوری کو دہلی اور جھار کھنڈ پولیس کی مشترکہ کارروائی میں دو پاکستانی دہشت گرد ہلاک ہوگئے ۔ بتایا جاتا ہیکہ یہ امریکن سنٹر پر حملہ میں ملوث تھے ۔ حکام کا یہ دعوی ہے کہ ان دونوں کی ہلاکت سے تحقیقات کے عمل میں رکاوٹ پیدا ہوئی ہے۔

ooooo

دنیش سی شرما

دیسی طریقہ علاج سے استفادے کی جانب

ہندوستان میں سیکڑوں سال سے حفظان صحت اور بہبود کے قدرتی اور بہترین نظام کی مالا مال روایت موجود ہے۔ یہ طریقہ علاج ہیں: آیورویدہ، سدھ اور نیچوروپیتھی، جو ہمیشہ لوگوں کی حفظان صحت کی ضروریات اطمینان بخش طور پر پوری کرتے ہیں۔ ملک کے مختلف حصوں میں آج بھی یہ طریقہ علاج آسانی سے قابل رسائی، قابل استطاعت اور موثر ہونے کی وجہ سے کافی مقبول ہیں۔
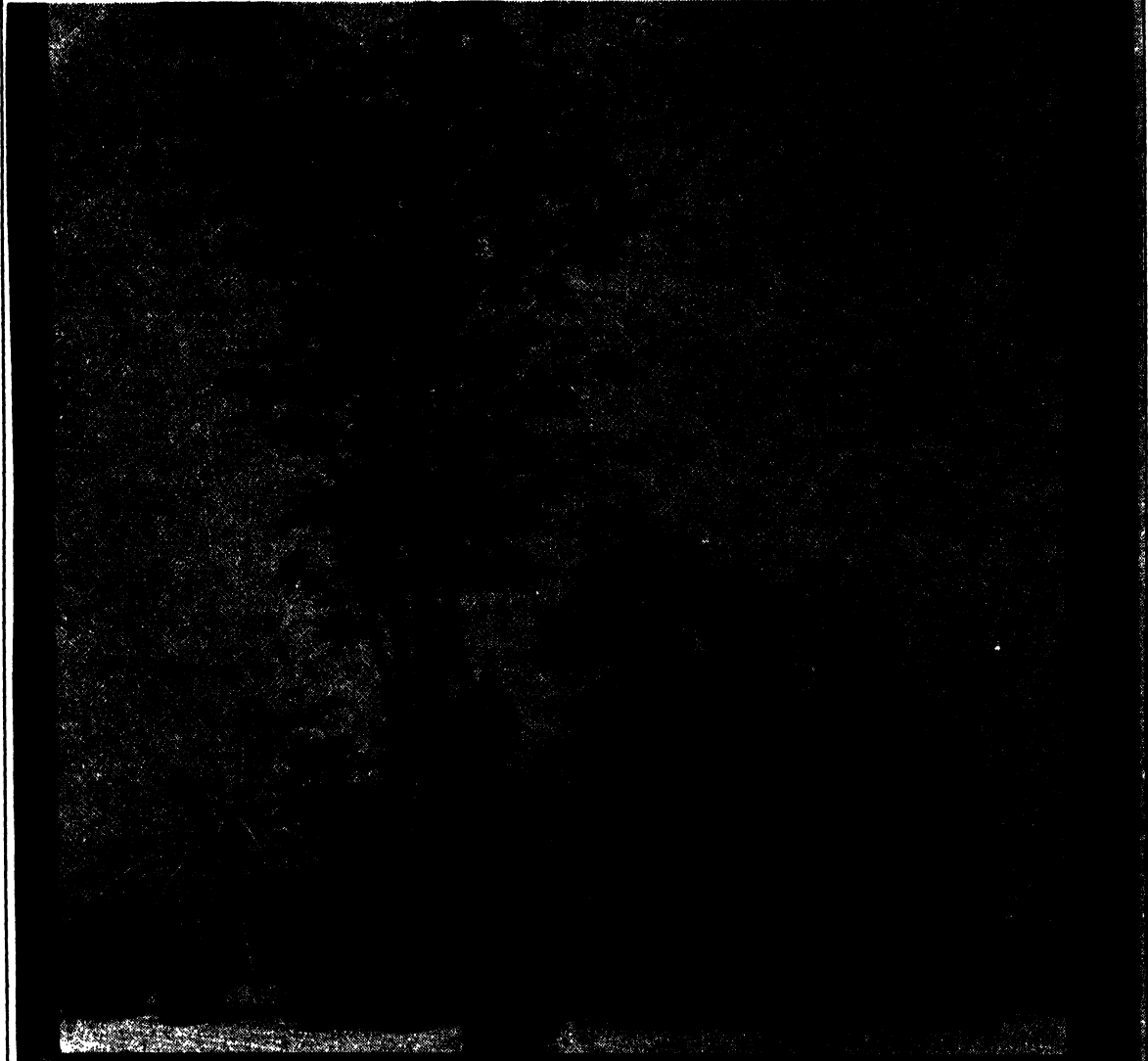
صرف حالیہ دہائیوں میں یہ ہی نظام نام نہاد مغربی یا جدید طریقہ علاج، جو ایلوپیتھی طریقہ علاج کے نام سے جانا جاتا ہے، کی بڑھتی مقبولیت کی وجہ سے کچھ عرصے کے لئے پس منظر چلے گئے تھے۔ لیکن ادویہ کی بڑھتی ہوئی غیر اثر پذیری اور مغربی طریقہ علاج کے مضر اثرات کی وجہ سے ہم پوری دنیا میں روایتی طریقہ علاج کا احیاء دیکھ رہے ہیں۔ زیادہ سے زیادہ ممالک یوگا اور آیوروید کے نظام کو اپنا رہے ہیں۔ مغربی طبی اسکولوں نے متبادل طریقہ علاج (سی اے ایم) کی تعلیم شروع کردی ہے۔ لیکن فطری طور پر ہندوستان اس سلسلے میں آگے ہے اور یہ اپنے مختلف طریقہ علاج کو بھی بروئے کار لارہا ہے۔

ہندوستان جیسے ملک کے لئے اپنے روایتی طریقہ علاج کو اپنانے کے ناگزیر اسباب ہیں۔ باقی دنیا کے برخلاف خاص طور سے مغرب کے برخلاف، جہاں "قدرت کی جانب واپسی" کا نظریہ ایک فیشن ہے، ہندوستان میں یہ وقت کی

ضرورت ہے ۔ حفظان صحت کے اخراجات میں اضافہ اور کیمیاوی اجزا کے منفی اثرات کی وجہ سے جدید طریقہ علاج " 2000ء تک سب کے لئے صحت " کے نشانے کو حاصل کرنے کے سلسلے میں ہندوستان کی مدد کرنے میں ناکام رہا ہے ۔ میڈیکل کالجوں کی کثیر تعداد ہونے کے باوجود ، دیہی علاقوں میں ڈاکٹروں اور نیم طبی عملہ کی کمی ہے ، جہاں ان کی سب سے زیادہ ضرورت ہے ۔ دوسری جانب ، شہری علاقوں میں ضرورت سے زیادہ ڈاکٹر اور ماہرین موجود ہیں ۔ ساتھ ہی ساتھ ہندوستان میں آیوروید ، سدھ ، یونانی نیز ہومیوپیتھی جیسے ہندوستانی طریقہ علاج میں تربیت یافتہ طبی عملہ بڑی تعداد میں موجود ہے ۔

اس عدم توازن کو ختم کرنے اور ضرورت مند لوگوں کے لئے معقول حفظان صحت کو یقینی بنانے کے لئے وزارت صحت نے حال ہی میں ہندوستانی طریقہ علاج سے متعلق پہلی قومی پالیسی کی تجویز پیش کی ہے ۔ اگرچہ حکومت ایک عرصہ سے ہندوستانی طریقہ علاج (آئی ایس ایم) کو فروغ دیتی رہی ہے ، تاہم یہ پہلا موقع ہے کہ ہندوستانی طریقہ علاج کو حفظان صحت کے قومی نظام سے مربوط کرنے کے لئے ایک پالیسی مسودہ تیار کیا گیا ہے ۔ اس میں ہندوستانی طریقہ علاج اور ہومیوپیتھی کو حفظان صحت کے مختلف قومی پروگراموں اور ترسیلی نظاموں میں مربوط کرنے کی تجویز پیش کی گئی ہے ۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ عوام کی صحت کی دیکھ بھال اسی وقت بہتر طور پر کی جاسکتی ہے ، جب صرف روایتی طریقہ علاج بنام مغربی حیاتیاتی ادویہ پر گفتگو کرنے کی بجائے مختلف طریقہ علاج سے استفادہ کے لئے ایک پالیسی وضع کرنے کی حمایت کی جائے گی ۔ پالیسی میں کہا گیا ہے کہ " رابطہ کو بڑھانے اور تمام طریقہ علاج کے سلسلے میں اخلاقی اشتراک اور تعاون کے لئے تال میل پیدا کرنا ہوگا " ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے پالیسی میں بعض اقدامات کی نشاندہی کی گئی ہے ۔ ہندوستانی طریقہ علاج کے تعلیمی نظام پر پورے طور پر نظر ثانی کرنے کی تجویز کے علاوہ پالیسی میں جدید طریقہ علاج کے گریجویٹ کو ہندوستانی طریقہ علاج کے اصول بھی پڑھانے کی بات کہی گئی ہے ۔ دوسری جانب ، ہندوستانی طریقہ علاج کے گریجویٹ کو بھی ان بیماریوں کی تشخیص اور علاج کے ضمن میں پڑھایا جانا چاہئے ، جن پر ایلوپیتھی میں بہت کم توجہ دی گئی ہے ۔ اس سے یہ سمجھنے میں مدد ملے گی کہ کن بیماریوں کے سلسلے میں آئی ایس ایم جدید طریقہ علاج کی مدد کرسکتا ہے ، تاکہ دوا کے استعمال کو کم سے کم کیا جاسکے ۔

حفظان صحت کی سہولیات کی فراہمی کے نظام میں ابتدائی حفظان صحت کے ہر ایک مرکز میں کم از کم ایک آئی ایس ایم معالج کی تقرری کی سفارش کی گئی ہے ۔ دیہی علاقوں میں ایلوپیتھی ڈاکٹروں کی عدم دستیابی کے سبب خالی پڑی جائیدادوں کو بھی آئی ایس ایم کے معالجوں سے پر کیا جانا چاہئے ۔ علاوہ ازیں ، تمام دیہی اور ضلعی اسپتالوں میں ہندوستانی طریقہ علاج (آئی ایس ایم) کا ایک علحدہ شعبہ قائم کیا جانا چاہئے ۔ ابتدائی طور پر پالیسی میں کہا گیا ہے کہ ہندوستانی طریقہ علاج سے استفادہ کرتے ہوئے ، دیہی علاقوں میں آئی ایس ایم معالجوں کو پین کلر Pain Killer جیسی ادویہ تجویز کرنے کی اجازت دی جانی چاہئے ۔ کچھ ریاستیں پہلے ہی دیہی علاقوں میں ڈاکٹروں کی خالی پڑی آسامیوں کو پر کرنے کے لئے آئی ایس ایم معالجوں کی تقرری کررہی ہیں ۔ اس سلسلے میں پالیسی نے صرف صحت اور خاندانی بہبود کی مرکزی کونسل کے ذریعہ منظور کردہ قراردادوں نیز ابتدائی اور ثانوی صحت کے بنیادی ڈھانچے میں آئی ایس ایم کے منظم استعمال کی حمایت کی ہے ۔

اس بات کو یقینی بنانے کے لئے کہ آئی ایس ایم کے شعبے کی ترقی کی راہ میں حائل تمام رکاوٹیں دور ہوں ، متعدد عملی اقدامات کئے جارہے ہیں ۔ جڑی بوٹیوں سے بنی ادویہ کو شامل کرنے کے لئے ڈرگس اینڈ کاسمیٹکس ایکٹ ترمیم کی جائے گی نیز آئی ایس ایم کی مصنوعات کے بارے میں معلومات ، ان کے فروغ اور ضابطہ بندی سے متعلق ایک نیا قانون وضع کیا جائے گا ۔ وزارت نے آئی ایس ایم کی ادویہ کے معیار اور اثر پذیری کو بہتر بنانے کے لئے اشیاء تیار کرنے کے طریقوں سے متعلق قواعد و ضوابط پہلے ہی تیار کرلئے ہیں نیز جڑی بوٹیاں اگانے والے لوگوں ، جڑی بوٹیوں کا کاروبار کرنے والے لوگوں اور جڑی بوٹیوں پر مبنی ادویہ تیار کرنے والے لوگوں کا اندراج کرنے کا فیصلہ کیا ہے ۔

چونکہ روایتی طریقہ علاج کو علاج و معالجہ کے نقلی طریقوں کے ساتھ خلط ملط کرنے کا عام رجحان پایا جاتا ہے اس لئے اس نظریے کو بدلنے کے لئے ہندوستانی طریقہ علاج (آئی ایس ایم) کی وقعت کو فروغ دینے کی ضرورت ہے ۔ یہ کام آئی ایس ایم کی تعلیم کے معیار کو بہتر بنا کر اور آئی ایس ایم میں تحقیق کو فروغ دے کر شروع کرنا ہوگا ۔ ہمیں آئی ایس ایم کی ادویہ کے معیار اور اثر پذیری کو تصدیق اور معیار کی یقین دہانی کے ایک سخت نظام کے ذریعے یقینی بنانا ہوگا ۔ حکومت نے آیوروید ، سدھ اور یونانی (اے ایس یو) فارمیسیوں میں تیار کردہ ادویہ کے معیار اور اثر پذیری کو بہتر بنانے کی غرض سے ہندوستانی طریقہ علاج کے لئے گڈ مینوفیکچرنگ پریکٹیز (جی ایم پی) رولز کا اعلان کیا ہے ۔ یہ قواعد و ضوابط اے ایس یو ادویہ کی جانچ کے سلسلے میں غیر ملکی حکومتوں کے لئے ایک معیار کے طور پر بھی کام آئیں گے ۔

اس کا مقصد ادویہ سازی میں صرف معیاری ، قابل بھروسہ اور بغیر ملاوٹ والے خام مال کے استعمال کو یقینی بنانا ہے ۔ ادویہ ساز یونٹوں کو ادویہ سازی کے مقررہ طریقوں پر عمل کرنے کے لئے ضابطے اور طریقہ کار وضع کرنے ہوں گے ، جن کی ایک جریدے کے طور پر دستاویز بندی کرنی ہوگی نیز انہیں جانچ اور حوالے کے لئے محفوظ رکھنا ہوگا ۔

☆☆☆☆☆

یوروپ میں جڑی بوٹیوں سے علاج

بشیر محمود

لندن کی ویسٹ منسٹر یونیورسٹی ہربل شعبہ میں حال میں زبردست پیش رفت ہوئی ہے ۔ جڑی بوٹیوں کی طبی افادیت پر ریسرچ زوروں پر ہے ۔ پرنس آف ویلز شہزادہ چارلس اس سلسلے میں بے حد دلچسپی لے رہے ہیں یہاں پر شہزادہ چارلس نے جڑی بوٹیوں سے ادویات کی تیاری کے کمرشیل کام کی بھی ابتداء کردی ہے ۔ بعض ادویات تیار کی جاچکی ہیں اور ان سے بیماریوں کا علاج بھی شروع ہوچکا ہے ۔ جونہی ہم یونیورسٹی کے شعبہ باغبانی کے اس حصے میں پہنچتے ہیں تو عجب خوشگواری مسرت اور خوشبوؤں کا احساس ہوتا ہے ۔ اس سے یونیورسٹی کو بھی خاطر خواہ مالی فائدہ حاصل ہوگا ۔ جڑی بوٹیوں سے طریقہ علاج بے حد قدیم ہے اور انکی افادیت سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا اب بھی طب یونانی یا طب جدید میں جڑی بوٹیوں کے ذریعے ہمارے ہاں اور افریقہ کے بعض ممالک میں ہر مرض کا بہتر بدف علاج موجود ہے ۔ یہ علاج فطرت کے عین مطابق ہے اس طریقہ علاج میں کسی قسم کی مضرت موجود نہیں بلکہ فائدہ ہی فائدہ ہے بعض جڑی بوٹیاں طبی فائدے کے ساتھ غذائیت بھی مہیا کرتی ہیں ۔ ایک وقت اس طریقہ علاج پر اعتماد کیا جاتا تھا مگر وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ ایلوپیتھی ادویات جس میں جڑی بوٹیوں کا بھی نچوڑ ہوتا ہے اسے بہتر طریقے سے جمع کرکے گولیوں یا شربتوں کی صورت میں ڈھال لیا جاتا ہے سہل الحصول ہونے کے باعث یہ طریق علاج چل نکلا ۔ مگر ان ادویات کو کیونکہ ایک پراسیس کے ذریعہ تیار کیا جاتا ہے اور بعض کیمیکلز بھی اس میں شامل کئے جاتے ہیں لہذا ان کی مضرت رسائی بڑھ جاتی ہے اور مابعد کے اثرات بعض اوقات بہت خراب برآمد ہوتے ہیں مگر جڑی بوٹیوں سے علاج بے حد مفید ثابت ہوچکا ہے ۔

ایلوپیتھی اور ہومیوپیتھی کے اس مقابلے کے دور میں جڑی بوٹیوں کی طرف توجہ معنی خیز اور ایک ٹھوس قدم ہے ۔ جڑی بوٹیوں کو بہت کم سرمایہ لگا کر اگایا جاسکتا ہے اور برائے نام خرچ کے بعد ان سے ادویات تیار کرلی جاتی ہے ۔ یہ ادویات ایلوپیتھی ادویات کے مقابلے میں بے حد سستی اور سہل الحصول ہیں ۔ یورپ اور امریکہ میں ہزاروں قسم کی جڑی بوٹیاں خودرو ہیں ۔ مگر ان سے استفادہ نہیں کیا جاتا تھا نہ ہی ان پر کسی قسم کی تحقیق ہوتی تھی ۔ مگر اب لندن کی متذکرہ یونیورسٹی میں شہزادہ چارلس نے یہ کام اپنی نگرانی میں کیا ۔ ایک بہت خوبصورت روایت قائم کی ہے یقینا اب بے شمار جڑی بوٹیوں پر ریسرچ ہوگی اور پھر نئی نئی ادویات منظر عام پر آجائیں گی ۔

ایک بوٹی اکنشا کے نام سے جانی جاتی ہے اسے انگریزی میں کون فلاور کا نام دیا جاتا ہے ۔ بعض اسے سنیک روٹ کا نام بھی دیتے ہیں یہ کئی صدیوں سے استعمال ہورہی ہے زخموں کے انفکشن کے لئے اسے بے حد مفید پایا گیا ہے ۔ سردی لگ جانے کی صورت میں بھی اسکا استعمال بے حد مفید پایا گیا ہے اس طرح ایک اور بوٹی ڈینڈرلین کے نام سے منسوب ہے اس کی خشک اور تازہ جڑوں کو استعمال کیا جاتا ہے یہ جگر کے لئے بے حد مفید ہیں معدے کی سوجن کے لئے بھی اسے استعمال کیا جاتا ہے بلڈ پریشر کے دفیعے کے لئے یہ بوٹی بے مثال ہے یہ دوا جڑی بوٹیاں ویسٹ منسٹر یونیورسٹی کے جڑی بوٹی کے شعبے میں موجود ہیں اس کے علاوہ دیگر کئی جڑی بوٹیاں بھی اگائی گئی ہیں جن میں شہزادہ چارلس دلچسپی لے رہے ہیں اور ان سے ادویات کی تیاری کا کام شروع ہے ۔

00000

"چیتاونی یاترا" ہندو فرقہ پرست تنظیمیں پھر سرگرم

اترپردیش اسمبلی انتخابات جیسے جیسے قریب آرہے ہیں ہندو فرقہ پرست تنظیموں وشوا ہندو پریشد اور بجرنگ دل نے ایودھیا مسئلہ کو پھر سے تازہ کردیا ہے۔ اس بار انھوں نے اترپردیش سے چیتاونی یاترا نکالی جو 26 جنوری کو نئی دہلی پہنچی وہاں ریالی کے قائیدین نے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی سے ملاقات کرکے ایودھیا کی متنازعہ اراضی جو مرکزی حکومت کی تحویل میں ہے اسے حوالہ کرنے کا مطالبہ کیا تاکہ وہاں رام مندر کی تعمیر کے لئے راہ ہموار ہوسکے۔ مرکز میں بی جے پی حکومت کی تائید کرنے والی این ڈی اے میں شامل دیگر جماعتوں نے متنازعہ مسائل کو اپنے ایجنڈہ سے نکال، دیا تھا۔ اور بی جے پی کو بھی اس کا پابند کیا گیا۔ اس کے باوجود جب وشوا ہندو پریشد قائدین نے وزیراعظم واجپائی سے ملاقات کی اجازت طلب کی این ڈی اے میں شامل دیگر جماعتوں نے بخوشی اسکی اجازت دیدی۔ اس سے یہ بات بھی معلوم ہوتی ہیکہ دیگر نام نہاد سیکولر جماعتوں کو صرف اقتدار عزیز ہے اور وہ اسکی خاطر اپنے اصولوں پر سمجھوتہ کرنے کے لئے تیار ہیں۔ چنانچہ جب وشوا ہندو پریشد قائدین کے وفد نے اشوک سنگھل کی قیادت میں واجپائی سے ملاقات کی تو مرکزی حکومت نے فیصلہ کیا کہ متنازعہ مقام کے اطراف کی غیر متنازعہ اراضی کی حوالگی کے قانونی و دستوری پہلوؤں کا جائزہ لیا جائے۔ اس سے یہ بات خود ظاہر ہوتی ہیکہ مرکز میں بی جے پی حکومت دھیرے دھیرے مندر کی تعمیر کے لئے راہ ہموار کررہی ہے۔ وشوا ہندو پریشد نے چیتاونی یاترا کے اختتام پر اس موقف کا اعادہ کیا ہیکہ مرکز کو مندر کی تعمیر میں حائل رکاوٹوں کو دور کرنے کے لئے ۱۲ مارچ تک مہلت دی جارہی ہے۔ اس کے بعد مرکز خواہ کچھ بھی کرے مندر تعمیر ہو کر رہے گا۔ چنانچہ مہنت رامچندر پرم ہنس نے یہ کہا ہیکہ آخری مہلت ختم ہونے کے لئے ابھی کافی وقت ہے اس لئے ہم نے مرکزی حکومت پر زیادہ دباؤ نہیں ڈالا ہے۔ اس وفد نے واجپائی سے ملاقات میں اپنا موقف واضح کرنے کے بعد کہا کہ ۱۲ مارچ کی تاریخ گزرنے کے بعد کسی بھی دن رام مندر کی تعمیر شروع ہوجائے گی۔ رامچندر پرم ہنس نے کہا کہ کوئی بھی حکومت یا عدالت رام مندر کی تعمیر سے روک نہیں سکتی۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا کہ فرقہ پرست ہندو تنظیمیں رام مندر کا موضوع پھر ایک بار منظر پر لاکر کس طرح اتر پردیش کے اسمبلی انتخابات میں فائدہ حاصل کرتی ہیں۔ اس کے ساتھ ساتھ مرکز کی بھی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ محصلہ اراضی کسی بھی صورت میں حوالے نہ کرے۔ مسلمانوں کا یہ واضح موقف ہیکہ کسی بھی جگہ ایک بار مسجد تعمیر ہوجائے تو وہ تاقیامت مسجد ہی رہے گی اور کوئی بھی طاقت اسے بدل نہیں سکتی۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی
قیام کے چار سال مکمل

رشید الدین ایم اے (عثمانیہ)

شہر حیدرآباد کو یہ فخر حاصل ہے کہ دنیائے اردو کی پہلی یونیورسٹی جامعہ عثمانیہ تقسیم ہند سے برسوں پہلے یہیں قائم ہوئی تھی اور جمہوریہ ہند کی پہلی اردو یونیورسٹی بھی اس شہر میں قائم ہوئی حالانکہ اس کے ملک کے کئی شہر مثلاً دلی، بمبئی، لکھنو اور پٹنہ بھی دعویدار تھے۔ جامعہ عثمانیہ 1917ء میں قائم ہوئی جس کا آف انڈیا بھی رہے۔ وہ مشہور عالم دین اور مورخ اسلم جیراجپوری کے پوتے ہیں۔ ان کے والد ڈاکٹر معظم جیراجپوری بھی ذی علم آدمی تھے۔ ان کی اہلیہ ڈاکٹر ثریا جیراجپوری بھی علی گڑھ یونیورسٹی میں سائنس کی پروفیسر ہیں۔

اردو والوں کی یہ خوش قسمتی ہے کہ انھیں شمیم جیراجپوری جیسا شخص پہلا وائس چانسلر ملا جو ایک سنجیدہ بردبار اور علمی شخصیت کا حامل شخص ہے جن کی چار سالہ معیاد میں ایک قابل شخصیت بطور رجسٹرار ملے جنھوں نے ہر ہر قدم پر وائس چانسلر کا ساتھ دیا۔ 6 جنوری 2002ء ایسی تاریخ ہے جس پر اس یونیورسٹی نے اپنے قیام کے چار سال مکمل کرلئے ہیں۔

اردو یونیورسٹی کی اعلیٰ کارکردگی کا اس سے بڑا ثبوت کیا ہوسکتا ہے کہ اس نے چار سال کی قلیل مدت میں اپنی ذاتی وسیع و عریض

ذریعہ تعلیم مکمل اردو تھا اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی 6 جنوری 1999ء کو قائم ہوئی جس کے پہلے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر شمیم جیراجپوری مقرر ہوئے جیسا کہ ہندوستان کے بہت سے اہم لوگ اس کے متمنی تھے۔ ڈاکٹر شمیم جیراجپوری تقرر سے قبل علی گڑھ یونیورسٹی میں نباتات کے پروفیسر تھے اور اس سے قبل چند سال کے لئے ڈائرکٹر جیالوجیکل سروے جمہوریہ ہند کی پہلی اردو یونیورسٹی نے اپنے ابتدائی چار سال کامیابی کے ساتھ پورے کئے۔ انھیں ان چار سالوں میں کن مشکلات اور رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑا یہ ان کی تصنیف "ابھرتے نقوش" میں موجود ہے جو جامعہ اردو کی پہلی پیشکش ہے اور جس کے بعد اس کی تصنیفات کا لامتناہی سلسلہ شروع ہوجائے گا۔

اہل اردو اس لحاظ سے بھی خوش قسمت ہیں کہ انھیں پروفیسر ڈاکٹر سلیمان صدیقی کی شکل میں عمارت تیار کرلی ہے اور یونیورسٹی کسی بھی لمحہ اس میں منتقل ہوسکتی ہے۔ اب تک یہ گچی باؤلی میں کرائے کے مکانوں میں تھی۔ اس علاقہ میں اس کی ذاتی عمارت بن کر تیار ہے یونیورسٹی کی وسیع و عریض زمین پر ناجائز قبضہ نہ ہو اس لئے سب سے پہلے اس کی چاردیواری کا کام مکمل کیا گیا پھر اندر مختلف فیکلٹیز کی عمارتیں تعمیر ہونا شروع ہوئیں اور اب یہ کام

اردو یونیورسٹی کے زیر اہتمام مولانا ابوالکلام آزاد تقریب میں سابق وزیراعظم اور چانسلر یونیورسٹی جناب آئی کے گجرال، صدر جمہوریہ جناب کے آر نارائنن اور وائس چانسلر پروفیسر شمیم جیراجپوری

بھی مکمل ہوچکا ہے اردو والوں کو ان کی اپنی یونیورسٹی اپنی ذاتی عمارت میں مبارک ہو ۔ اس سلسلہ میں پروفیسر ڈاکٹر شمیم جیراجپوری کا نام یونیورسٹی کی تاریخ میں بطور پہلے وائس چانسلر کے ثبت ہوچکا ہے ۔ توقع ہے کہ وہ اپنی مابقی ایک سال کی مدت بھی نہایت کامیابی سے پوری کرلیں گے ۔

ہمت مرداں مدد خدا

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی باضابطہ پارلیمنٹ کے ایک قانون کے ذریعہ قائم ہوئی جس پر صدر جمہوریہ ہند کے دستخط موجود ہیں اور ہر کام قانونی طور پر کیا گیا ہے ۔ اس کی حیثیت ایک اوپن یونیورسٹی کی بھی ہے جس میں ناظم فاصلاتی تعلیم کی پوسٹ کی بڑی اہمیت ہے ۔ یہ اردو والوں کی خوش قسمتی ہی ہے کہ اس پوسٹ کے لئے ایک سال تک پروفیسر ڈاکٹر مجیب الدین انور کی خدمات یونیورسٹی کو حاصل ہوئی جو ایک فعال اور پرجوش نوجوان تھے ۔ جن میں کام کرنے کا جذبہ کوٹ کوٹ کر بھرا ہوا تھا ۔ ایک سال کی تکمیل کے بعد وہ اپنی پرانی پوسٹ پر واپس ہوگئے لیکن فاصلاتی تعلیم کی جڑیں کافی مضبوط کرگئے ۔ اب یونیورسٹی میں بڑے پیمانہ پر تقررات کل ہند سطح پر ہونے والے ہیں جن میں ناظم ٹرانسلیشن سیل ، ناظم فاصلاتی تعلیم اور ایسی ہی دیگر جائیدادوں پر تقررات ہونے والے ہیں ۔ سردست ترجمہ کا کام ڈاکٹر مصطفی کمال ، ڈاکٹر داؤد اشرف ، ڈاکٹر مصطفی علی خان اور ڈاکٹر نسیم الدین وغیرہ نے کامیابی کے ساتھ انجام دیا ۔ دارالترجمہ عثمانیہ یونیورسٹی حیدرآباد کی طرح آج ان لوگوں کی خدمات بھی یاد رکھی جائیں گی ۔ یہ بھی ایک یادگار بات ہے کہ اس یونیورسٹی کے پہلے چانسلر ممتاز دانشور اندر کمار گجرال ہیں ۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کا دائرہ کار بہت وسیع ہے ۔ اس میں وہ تمام علاقے شامل ہیں جو اردو کے ہیں اور یہ سرحدیں ہندوستان سے باہر تک پہنچی ہوئی ہیں ۔ دوبئی میں بھی اس یونیورسٹی کی ایک شاخ موجود ہے اور جلد ہی دیگر اردو کے مقامات پر بھی اس کی شاخیں قائم کی جائیں گی ۔ داغ کا ایک مشہور شعر تھا

اردو ہے جس کا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
ہندوستاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

لیکن یہ اس طرح رواج پاگیا تھا

اردو ہے جسکا نام ہمیں جانتے ہیں داغ
سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے

لیکن غلط العام صحیح کے مطابق اسی طرح رواج پاگیا تھا ۔ آج یہ غلط شعر ایک حقیقت بن گیا ہے اور ساری دنیا میں اردو کی دھوم ہے ۔ اسے چار چاند ٹی وی کے اردو چینل نے بھی لگادیئے ہیں جو اتفاق سے حیدرآباد ہی میں کام کررہا ہے اور " اردو ہے جس کا نام " کے عنوان ہے اس پر ایک ہفتہ واری سیریل بھی دکھایا جارہا ۔

بہرحال اہل اردو کو اپنی پہلی یونیورسٹی کے چار کامیاب سال مبارک ہوں ۔ خدا کرے کہ یہ اسی طرح کامیابی کی منازل طے کرے ۔ اس یونیورسٹی کا ڈول کانگریس دور حکومت میں ڈالا گیا تھا جب کہ آندھرا پردیش کے ہی ایک سپوت پی وی نرسمہاراؤ ، ہندوستان کے وزیراعظم تھے لیکن یہ بھی عجیب اتفاق ہے کہ اس کا قیام بی جے پی کے پہلے وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی کے دور وزارت عظمی میں عمل میں آیا جو ہندی کے ایک شاعر بھی ہیں اور ایک اعتدال پسند لیڈر ہیں ۔ مرکز میں آئندہ خواہ کسی پارٹی کی حکومت ہو اردو یونیورسٹی اسی طرح کام کرتی رہے گی اور ترقی کی منازل طے کرتی رہے گی ۔ اس کے قیام اور چار سالہ ترقی میں جن جن لوگوں کا ساتھ رہا ہے جس میں وائس چانسلر سے لے کر ایک معمولی کارکن تک شامل ہے وہ سب اہل اردو کے شکریہ کے مستحق ہیں ۔ خدا کرے کہ یہ کارواں یوں ہی چلتا ہے چلتا رہے اور کبھی نہ رکے قیامت تک ۔

00000

پرویز مشرف کے مثالی اقدامات

ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر ۱۱ ستمبر ۲۰۰۱ کو ہوئے حملوں کے بعد دنیا بھر میں صرف ایک ہی موضوع زیر بحث ہے اور وہ ہے دہشت گردی ۔ یہ سارے عالم کیلئے ایک بڑا چیلنج بن کر ابھرا ہے اور اس سے نمٹنے کے لئے امریکہ کی زیر قیادت دنیا بھر کے ممالک متحد ہورہے ہیں۔ افغانستان پر حملہ اور وہاں طالبان کا زوال بھی اسی کارروائی کا ایک حصہ ہے جس میں پاکستان نے امریکہ کا پورا پورا ساتھ دیا ۔ اس کے بعد ۱۳ ڈسمبر کو ہندوستانی پارلیمنٹ پر حملہ کے بعد صورتحال مزید پیچیدہ ہوگئی اور ہندو پاک کے مابین حالات انتہائی

اس نے نہ صرف دونوں ممالک کے مابین کشیدگی کو کم کیا بلکہ پاکستان میں بھی اس کے اچھے اور مثبت نتائج سامنے آرہے ہیں ۔ جنرل پرویز مشرف نے واضح الفاظ میں دہشت گردی کی مذمت کی اور انھوں نے یہ بھی کہا کہ ملک میں دہشت گرد تنظیموں اور ان مدارس کے خلاف جو بنیاد پرستی کو فروغ دے رہی ہیں سخت کارروائی کی جائے گی ۔ جنرل پرویز مشرف نے جو کچھ کہا اسے کرکے بھی دکھارہے ہیں ۔ چنانچہ دوسرے ہی دن ہزاروں گرفتاریاں عمل میں آئیں ۔ کئی تنظیموں کے دفاتر کو سربند کردیا گیا ۔ یہاں تک کہ

کسی بھی طرح کی تخریبی سرگرمیوں کو برداشت نہ کرنے کا اعلان کیا ۔ جنرل پرویز مشرف کی اس تقریر کا نہ صرف سارے عالم بلکہ ہندوستان نے بھی خیر مقدم کیا ۔ اس کے نتیجہ میں دونوں ممالک کے مابین کشیدگی میں کافی کمی آئی تاہم بعض امور پر ابھی اختلافات برقرار ہیں ۔ ہندوستان نے جن بیس دہشت گردوں کی حوالگی کا مطالبہ کیا ہے اس تعلق سے پاکستان کا ردعمل کیا ہوگا ۔ ابھی واضح نہیں ہوسکا ابتدا میں اگرچہ اس نے یہ مطالبہ مسترد کردیا تھا پھر ایسی اطلاعات مل رہی ہیں کہ بیس کے منجملہ 16 افراد کی حوالگی پر پاکستان غور

کوئٹہ میں پولیس ایک مذہبی دفتر کا سائن بورڈ نکال رہی ہے

کشیدہ ہوتے گئے ۔ دونوں نیوکلیئر طاقتیں سرحد پر اپنی فوج اکٹھا کرچکی تھیں اور ساری دنیا میں امکانی جنگ کے تعلق سے اندیشے سر ابھار رہے تھے ۔ دونوں ممالک کو صبر و تحمل کا مظاہرہ کرنے بین الاقوامی دباؤ بڑھتا گیا ۔ ایسے میں صدر پاکستان جنرل پرویز مشرف نے ۱۲ جنوری ۲۰۰۲ کو قوم سے خطاب کرتے ہوئے جو باتیں کی ہیں

دوسرے ناموں سے دوبارہ اپنی سرگرمیاں شروع کرنے کی کوشش کرنے والی تنظیموں سے بھی موثر ڈھنگ سے نمٹا گیا ۔ جنرل پرویز مشرف نے معاشرتی اصلاح کا جو تصور پیش کیا اس میں دہشت گردی یا بنیاد پرستی کے لئے کوئی جگہ نہیں ہے ۔ انھوں نے پاکستان کو ایک ماڈرن ملک بنانے کا عہد کیا ہے اور اس کے ساتھ ساتھ

کررہا ہے ۔ ان حالات میں جبکہ کشیدگی اپنی انتہا کو پہنچ چکی تھی اور دونوں ممالک جنگ کے دہانے پر پہنچ گئے ایسے وقت جنرل پرویز مشرف نے قوم کی اصلاح کے ساتھ ساتھ جس دانشمندی کے ساتھ صورتحال کو قابو میں کرلیا وہ یقیناً ایک کارنامہ ہے۔

●●●●●

کیریئر گائیڈنس

ڈاکٹر سلمان عابد

اڈوانسڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ آف الیکٹرانکس

(ATIE) راما نتا پور۔ تحت مرکزی وزارت لیبر

ایڈوانسڈ ٹریننگ انسٹی ٹیوٹ حکومت ہند کی وزارت لیبر کے تحت راما نتا پور، حیدرآباد میں قائم اس انسٹی ٹیوٹ میں 6 الیکٹرانکس اینڈ پروسس انسٹرومنٹیشن سے متعلق مختصر مدتی تربیتی کورسس رائج ہیں۔ یہ کورسس مختلف مختصر مدت یعنی چند ہفتوں کی تربیت پر مشتمل ہیں جو کورس مختصر مدتی ہیں ان میں الکٹرانکس کے تین مختلف شعبوں کنزیومر الکٹرانکس، الکٹرانکس کمپیوٹر پروگرامنگ اور میڈیکل الیکٹرانکس میں مختلف تربیتی کورسس پڑھائے جاتے ہیں الیکٹرانکس کے چار شعبوں میں ان شعبوں کی نوعیت کے مطابق مختصر مدتی تربیتی کورسس اس طرح ہیں۔

۱۔ کنزیومر الکٹرانکس۔ الکٹرانکس کے اس شعبے میں ریڈیو ٹکنیشین کورس کی مدت تربیت دو ہفتے رکھی گئی ہے۔ اس کورس میں داخلے کے لئے بی ایس سی (MP/E) میں کامیابی کے ساتھ کام کا تجربہ یا الکٹرانکس اور کمیونکیشن انجینئرنگ میں ڈپلوما یا آئی ٹی آئی ریڈیو ٹی وی میکانک یا جنرل الکٹرانک میکانک ہونا ضروری ہے

۲۔ اسی طرح مینٹننس اینڈ سرویسنگ آف کلر ٹی وی ریسیورس کورس کی مدت چار ہفتے رکھی گئی ہے۔ اس کورس میں شرکت کے لئے NCYT سرٹیفکیٹ، (ریڈیو اور ٹی وی میکانک) اس کے ساتھ تین سالہ تجربہ اس کے علاوہ ٹی وی رسیورس یا ATI EPI سرٹیفکیٹ ہو یا الکٹرانک اور کمیونکیشن انجینئرنگ میں ڈپلوما یا ریڈیو انجینئرنگ یا اس کے مماثل امتحان میں کامیابی کے ساتھ ٹی وی سرویسنگ میں ایک سالہ تجربہ ضروری ہے۔

۳۔ اوپی اینڈ مینٹننس آف ٹی وی کیمرہ۔ اس کورس میں مدت صرف ایک ہفتہ ہوگی۔ اس میں شرکت کے لئے ٹی وی اور ریڈیو میکانزم میں این سی وی ٹی سرٹیفکٹ اور کم سے کم تجربہ ریڈیو انجینئرنگ یا اس کے مماثل اہلیت کے ساتھ ٹی وی سرویسنگ میں ایک سالہ تجربہ ضروری ہے۔ انڈسٹریل الکٹرانکس شعبے میں (۱) مائیکرو پروسس کورس میں داخلہ کے لئے ڈپلوما الکٹرانکس یا الکٹرانک انجینئرنگ میں یا اس کے مماثل امتحان میں کامیابی ہو تو ترجیح دی جائے گی۔ اس کورس کی مدت چار ہفتے ہوگی۔ (۲) مینٹیننس اینڈ ریپر آف الکٹرانک ٹسٹ آلہ۔ اس کورسس میں داخلے کے لئے میکانیکل جنرل الکٹرانک میں ڈپلوما لیکن الکٹرانک آلات کی مرمت کا تجربہ رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اس تربیتی کورس کی مدت چار ہفتے مقرر کی گئی ہے (۳) ریپر اینڈ مینٹیننس آف CRO اس کورس میں داخلے کے لئے میکانیکل جنرل الکٹرانکس یا ریڈیو اور ٹی وی این سی وی ٹی سرٹیفکٹ ہو یا اس کے مماثل قابلیت۔ یا الکٹرانکس میں ڈپلوما اور الکٹرانک آلات کی مرمت کا تجربہ رکھنے والوں کو ترجیح دی جائے گی۔ اس کورس کی مدت ایک ہفتہ ہے الکٹرانکس کا تیسرا شعبہ میڈیکل الکٹرانکس کا ہے۔ جس میں داخلے کے لئے ایم بی بی ایس یا اس کے مماثل امتحان میں کامیابی ضروری ہے۔ اس میں دواخانوں میں ڈاکٹرس کے کام میں استعمال ہونے والے آلات کے استعمال وغیرہ سے متعلق تربیت دی جاتی ہے۔ مدت دو ہفتے مقرر کی گئی ہے۔ ٹکنیشین سے متعلق تربیتی کورس بھی رائج ہے۔ جس میں داخلہ کے لئے بی ایس سی اور الکٹرانکس یا الکٹریکل انجینئرنگ میں ڈپلوما ہونا ضروری ہے۔ اس کورس میں دواخانوں کی جانب سے اسپانسرڈ امیدواروں کے لئے ایس ایس سی میں کامیابی اور دل کے امراض کے معالجہ میں استعمال ہونے والے آلات کے استعمال کا تجربہ ضروری ہے۔ اس کورس کی مدت بھی دو ہفتے رکھی گئی ہے۔ اس طرح ایک اور کورس او پی منٹ آف اکسرے آلات رائج ہے۔ اس کی مدت چار ہفتے مقرر کی گئی ہے۔ داخلے کے لئے بی ایس سی یا الکٹرانکس یا الکٹریکل انجینئرنگ میں ڈپلوما ضروری ہے۔ البتہ دواخانوں کی جانب سے اسپانسر کردہ طلبا کے لئے ایس ایس سی اور اکسرے شعبے میں سرٹیفکیٹ میں کامیابی ضروری ہے۔ Chemical Instrumentation میں تربیتی کورسس میں داخلے کے لئے بھی مذکورہ تعلیمی قابلیت ضروری ہے اس کورس کی مدت چار ہفتے رکھی گئی ہے۔ پروسس انسٹرومنٹیشن، الکٹرانک شعبے میں پروسس کنٹرول سسٹم کورس میں شرکت کے لئے الکٹریکل الکٹرانک یا انسٹرومنٹیشن انجینئرنگ میں ڈپلوما کامیاب اور ایک سالہ کام کا تجربہ ضروری ہے۔ اس تربیت کی مدت چار ہفتے ہوگی اس کے علاوہ Process Instrumentation and Control تربیتی کورس میں بی ایس سی یا الکٹرانک مکمل یا انسٹرومنٹیشن انجینئرنگ میں ڈپلوما اور تجربہ کے حامل طلبا شرکت کرسکتے ہیں۔ کورس کی مدت چھ ہفتے مقرر کی گئی ہے۔ اس طرح Digital Circents in Process Instrumentation تربیتی کورسس کی مدت چار ہفتے ہے اور اس میں شرکت کے لئے مذکورہ الکٹرانک شعبوں میں سرٹیفکیٹ یا ڈپلوما میں کامیابی کے ساتھ الکٹرانکس پروسسنگ میں تجربہ ضروری ہے۔ مذکورہ مختصر مدتی تربیتی کورس ادارہ کی جانب سے مختلف الکٹرانکس شعبوں میں ڈپلوما یا سرٹیفکٹ کورسس کی کامیابی کے بعد تربیت اور سند کی مسلمہ حیثیت تسلیم شدہ ہے۔ مذکورہ مختصر مدتی کورسس کی فیس برائے نام چند سو روپیہ رکھی گئی ہے۔ انسٹی ٹیوٹ میں محدود طلبہ کے لئے ہاسٹل کی سہولت بھی فراہم ہے۔

☆☆☆☆

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

مجلس بلدیہ کے انتخابات

تلگو دیشم کا میئر کی کرسی پر قبضہ۔ مجلس کو بڑی جماعت کا موقف

۱۶ سال کے وقفہ کے بعد ہوئے مجلس بلدیہ حیدرآباد کے انتخابات میں برسر اقتدار تلگو
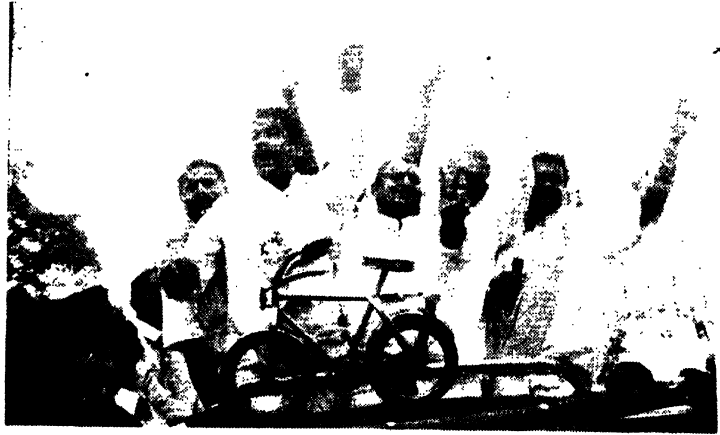
تلگو دیشم امیدوار ٹی کرشنا ریڈی

دیشم پارٹی نے میئر کے باوقار عہدہ پر قبضہ جمالیا جبکہ مجلس اتحاد المسلمین کو بلدیہ میں سب سے بڑی جماعت کا موقف حاصل ہوا۔ اس طرح میئر کے عہدہ پر قبضہ کے لئے مجلس اتحاد المسلمین کی کوششوں کو دھکا لگا۔ گذشتہ بلدیہ میں میئر کا عہدہ مجلس اتحاد المسلمین کے پاس تھا تاہم اس بار میئر کے لئے راست انتخابات کے پیش نظر بھی مجلس کو اس عہدہ پر کامیابی حاصل نہ ہوسکی۔ میئر کے عہدہ کے لئے تلگو دیشم امیدوار مسٹر ٹی کرشنا ریڈی کو منتخب قرار دیا گیا جنہوں نے اپنے قریبی حریف مجلس کے مسٹر میر ذوالفقار علی کو 21,534 ووٹوں کی اکثریت سے شکست دیدی۔ کرشنا ریڈی کو جملہ 3 لاکھ 62 ہزار 119 ووٹ حاصل ہوئے جبکہ انکے قریبی حریف مجلس کے امیدوار کو 3 لاکھ 40 ہزار 585 ووٹ ملے۔ کانگریس کے امیدوار مسٹر ڈی ناگیندر نے 2 لاکھ 26 ہزار 975 ووٹ حاصل کئے اور وہ تیسرے نمبر پر رہے۔ رائے دہی میں 26 لاکھ 78 ہزار 9 رائے دہندوں کے منجملہ 11 لاکھ 8 ہزار 235 رائے دہندوں نے حق رائے دہی سے استفادہ کیا۔ ان میں 50 ہزار 73 ووٹ مسترد کردئے گئے۔ تلنگانہ راشٹریہ سمیتی کے امیدوار مسٹر این نرسمہا ریڈی کو 61,214 ووٹ حاصل ہوئے اور ٹی آر ایس نے چوتھا مقام حاصل کیا۔ مجلس بچاؤ تحریک کے امیدوار ڈاکٹر قائم خان نے 38 ہزار 816، تلنگانہ سادھنا سمیتی کے امیدوار مسٹر پی راماسوامی کو 28,875 اور ایک آزاد امیدوار اے سری سیلم کو 11 ہزار 434 ووٹ حاصل ہوئے۔ ریٹرننگ آفیسر مسٹر جے سی شرما نے کرشنا ریڈی کو کامیابی کا سرٹیفکٹ حوالہ کیا۔ اس موقعہ پر کمشنر و اسپیشل آفیسر مسٹر پی کے موہنتی بھی موجود تھے۔ ووٹوں کی گنتی کی تکمیل کے بعد بھی مسٹر کرشنا ریڈی کو سرٹیفکٹ کی اجرائی میں تاخیر ہوئی کیونکہ مجلس اتحاد المسلمین نے ووٹوں کی گنتی میں بے قاعدگیوں کا الزام عائد کرتے ہوئے دوبارہ گنتی کا مطالبہ کیا۔ مجلس کے اعتراضات کا جائزہ

ابراہیم بن عبداللہ مسقطی کی نو منتخب میئر کو مبارکباد

لینے کے بعد ریٹرننگ آفیسر نے اعتراضات کو مسترد کردیا اور مسٹر کرشنا ریڈی کو سرٹیفکٹ جاری کردیا ۔ سرٹیفکٹ حاصل کرنے کے بعد اخبار نویسوں سے بات چیت کرتے ہوئے مسٹر کرشنا ریڈی نے حیدرآباد کو ایک عالمی شہر کی طرح ترقی دینے کے عہد کا اعادہ کیا اور رائے دہندوں نے اظہار تشکر کیا۔ انھوں نے اندرون تین سال کرشنا سے شہر کو پانی کی سربراہی کے اقدامات کا بھی وعدہ کیا۔ مسٹر کرشنا ریڈی ایک بڑے جلوس کی شکل میں این ٹی آر بھون پہونچے جہاں چیف منسٹر چندرا بابو نائیڈو نے ان کا استقبال کیا اور مبارکباد دی۔

مجلس کو بڑی جماعت کا موقف

کل ہند مجلس اتحاد المسلمین کو بلدی انتخابات میں بڑی جماعت کا موقف حاصل ہوگیا ۔ اس نے 100 کے منجملہ 36 نشستوں پر کامیابی حاصل کی جبکہ گذشتہ بلدیہ میں اسکی نشستوں کی تعداد 38 تھی۔ تلگو دیشم پارٹی جسے گذشتہ بلدیہ میں 24 نشستیں حاصل ہوئی تھیں اس بار اسے 22 نشستیں حاصل ہوئیں جبکہ اسکی حلیف بی جے پی کو 15 نشستیں ملیں۔ گذشتہ بلدیہ میں بی جے پی ارکان کی تعداد 12 تھی۔ کانگریس کو 20 نشستوں پر کامیابی حاصل ہوئی اس طرح گذشتہ کے مقابلہ اسے 4 نشستیں کم حاصل ہوئیں۔ مجلس بچاؤ تحریک ، تلنگانہ راشٹریہ سمیتی کو 2 ، 2 ، بی ایس ایس کو ایک اور آزاد امیدوار کو ایک نشست حاصل ہوئی۔ مجلس بلدیہ میں ڈپٹی میئر اور صدر نشین اسٹینڈنگ کمیٹی کے عہدوں پر قبضہ کے لئے مجلس اور کانگریس میں مفاہمت کا امکان ہے ۔ اس سلسلہ میں ابتدائی مرحلہ کی بات چیت کا آغاز ہوچکا ہے ۔ مجلس اتحاد المسلمین نے کہا کہ وہ بی جے پی اور تلگو دیشم کو چھوڑ کر کسی بھی جماعت سے مفاہمت کے لئے تیار ہے ۔ مجلس کو اس بار نئے شہر کے بعض حلقوں میں کامیابی حاصل ہوئی جن میں چنچل بستی ، خیریت آباد ، کاچی گوڑہ شامل ہیں۔ انتخابی نتائج اور خاص طور پر شہر کے نتیجہ میں یہ بات سامنے آئی ہے کہ پرانے شہر میں بھی تلگو دیشم کے حق میں بہتر رائے دہی ہوئی اور کراس ووٹنگ بھی کی گئی۔ میئر

مجلس کے نومنتخب کارپوریٹرس کا اجلاس ، جناب اویسی صاحب خطاب کرتے ہوئے

کے لئے تلگو دیشم اور کارپوریٹرس کے لئے دوسری جماعتوں کو ووٹ ڈالے گئے۔ کراس ووٹنگ کے نتیجہ میں پرانے شہر سے ہی تلگو دیشم کو اکثریت حاصل ہوئی۔

مجلس بلدیہ میں جماعت واری موقف

جملہ نشستیں۔ 100
چناؤ ہوا۔ 99
مجلس۔ 36
تلگو دیشم۔ 22
بی جے پی۔ 15
کانگریس۔ 20
ایم بی ٹی۔ 2
ٹی آر ایس۔ 2
ٹی ایس ایس۔ 1
آزاد۔ 1

مجلس کو میئر کا نتیجہ قبول نہیں دوبارہ گنتی کا مطالبہ الیکشن کمیشن کی جانب سے مسترد

مجلس اتحاد المسلمین نے میئر کے انتخابی نتیجہ کو قبول کرنے سے انکار کرتے ہوئے الزام عائد کیا کہ ووٹوں کی گنتی میں دھاندلی ہوئی ہے۔ مجلس اتحاد المسلمین کا کہنا ہے کہ چیف منسٹر کے دباؤ میں آکر عہدیداروں نے منصوبہ بند انداز میں مجلس کے ووٹوں کو کم دکھا کر تلگو دیشم کی کامیابی کا اعلان کردیا۔ امیدوار میئر مسٹر ذوالفقار علی اور مسٹر اسد الدین اویسی قائد مقننہ مجلس نے بتایا کہ حکام نے 50 ہزار ووٹوں کو مسترد کردیا۔ ان میں 40 ہزار ووٹ مجلس کے حق میں تھے اور جان بوجھ کر یہ کہا گیا تاکہ مجلس کو کامیابی سے روکا جاسکے۔ مجلس کے وفد نے سکریٹری الیکشن کمیشن کو ایک یادداشت پیش کرتے ہوئے ووٹوں کی دوبارہ گنتی کا مطالبہ کیا۔ الیکشن کمیشن نے نمائندگی کی سماعت کے بعد اس مطالبہ کو یہ کہہ کر مسترد کردیا کہ نتیجہ کے اعلان کے بعد کمیشن ایسا کوئی حکم نہیں دے سکتا۔ اس دوران مجلس اتحاد المسلمین نے اس مسئلہ کو عدالت سے رجوع کرنے کا اعلان کیا اور کہا کہ وہ انصاف کے حصول کے لئے عدالت سے رجوع ہوں گے۔ مجلس اتحاد المسلمین کا الزام ہے کہ رائے شماری کی گنتی کی مراکز پر مجلس کے ایجنٹس کو پاسس ہونے کے باوجود اندر جانے کی اجازت نہیں دی گئی۔ 70 فیصد مراکز پر مجلس کے ایجنٹس موجود نہیں تھے۔ انہوں نے کہا کہ پرانے شہر میں میئر اور کارپوریٹرس کے ووٹوں میں فرق بہت زیادہ ہے۔

میئر کیلئے ووٹوں کی دوبارہ گنتی کا مطالبہ کرتے ہوئے مجلسی وفد نے الیکشن آفیسر کو یادداشت پیش کی

پرانے شہر کے ووٹوں سے کامیابی چیف منسٹر کا ردعمل

چیف منسٹر این چندرا بابو نائیڈو نے کہا کہ پرانے شہر کے ووٹوں کے سبب ہی تلگو دیشم پارٹی کو میئر کے عہدہ کے لئے کامیابی حاصل ہوئی۔ مسٹر کرشنا ریڈی کی کامیابی کے بعد منعقدہ تقریب سے خطاب کرتے ہوئے چیف منسٹر نے کہا کہ بلدی نتائج سے یہ ثابت ہوچکا ہے کہ اب کوئی بھی طاقت شہر کی ترقی میں رکاوٹ پیدا نہیں کرسکتی۔ انہوں نے کہا کہ تلگو دیشم حکومت نے شہر کی ترقی کے لئے جو اقدامات کئے ہیں عوام نے انہیں سراہا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ بلدی انتخابات میں تلگو دیشم کو میئر کے عہدہ کے لئے منتخب کیا گیا۔ انہوں نے پرانے شہر کی ترقی کے اقدامات کا اعلان کرتے ہوئے کہا کہ پرانے شہر کے عوام کو اب تک تاریکی میں رکھا گیا لیکن اب عوام میں شعور بیدار ہوچکا ہے۔

ابراہیم مستقطی اور وزارت رسول خان کی تلگو دیشم میں شمولیت

مجلس اتحاد المسلمین کے سابق فلور

ڈاکٹر وزارت رسول خان نے تلگو دیشم کی شاندار کامیابی پر چیف منسٹر کو مبارکباد دی

یوم جمہوریہ کے موقع پر چیف منسٹر چندرا بابو نائیڈو اور ڈی جی پی مسٹر ایچ جے دورا

لیڈر مسٹر ابراہیم بن عبداللہ مسقطی اور سابق رکن اسمبلی ڈاکٹر وزارت رسول خان نے تلگو دیشم میں شمولیت اختیار کرلی جبکہ ایک اور سابق رکن اسمبلی مسٹر باقر آغا نے کانگریس میں شمولیت اختیار کرنے کا اعلان کیا۔ چیف منسٹر مجلس بلدیہ کے انتخابات کے سلسلہ میں پارٹی کی انتخابی مہم کے دوران پرانے شہر کے دورہ کے موقع پر مسٹر ابراہیم مسقطی کی قیامگاہ پہونچے اور انہیں پارٹی میں شمولیت کی ترغیب دی۔ مسٹر مسقطی نے چیف منسٹر کی اس دعوت کو قبول کرتے ہوئے تلگو دیشم میں شمولیت کا اعلان کردیا۔ اس طرح چیف منسٹر ڈاکٹر وزارت رسول خان کی قیامگاہ بھی گئے اور انہیں پارٹی میں شامل کرنے کا اعلان کیا۔ کانگریس قائدین بشمول صدر پردیش کانگریس مسٹر باقر آغا کی قیامگاہ گئے اور انہیں کانگریس میں شمولیت کی کامیاب ترغیب دی۔ تینوں قائدین نے اپنی اپنی پارٹی کی انتخابی مہم میں بھی حصہ لیا۔

ریاست میں یوم جمہوریہ تقاریب

ریاست بھر میں یوم جمہوریہ ہند کی تقاریب روایتی جوش و خروش کے ساتھ منائی گئی۔ گورنر ڈاکٹر سی رنگاراجن نے پریڈ گراؤنڈ پر قومی پرچم لہرایا اور رنگارنگ پریڈ کی سلامی لی۔ گورنر نے اس موقعہ پر خطاب کرتے ہوئے نکسلائیٹس سے تشدد کا راستہ ترک کرتے ہوئے قومی دھارے میں شامل ہوجانے کی اپیل کی۔ اس موقعہ پر چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو، ریاستی وزراء، پولیس اور سیول کے اعلی عہدیدار بھی موجود تھے۔ پریڈ میں مختلف محکمہ جات کی جانب سے تیار کردہ جھانکیاں بھی پیش کی گئیں۔ مختلف سیاسی جماعتوں کے دفاتر پر بھی قومی پرچم لہرائے گئے۔

گورنر رنگاراجن اور چیف منسٹر چندرا بابو نائیڈو یوم جمہوریہ تقریب میں حصہ لینے آتے ہوئے

ہیں کواکب کچھ نظر آتے ہیں کچھ

کمانڈر (ریٹائرڈ) تمیل احمد

۱۱ ستمبر کے بعد تمام دنیا خصوصاً ہمارا خطہ ایک گوگو کی کیفیت سے دوچار ہے۔ بے نظیر اور نواز شریف سے لیکر ہر آدمی چوپال میں بیٹھا پیشگوئی کرتا رہتا ہے یا معلوم کرنا چاہتا ہے کہ کل کیا ہونے والا ہے۔ اس کی وجہ ایک تو یہ ہے کہ امریکہ نے بہت جلد بازی سے اسامہ بن لادن پر دہشت گردی کا الزام رکھ کر افغانستان پر ایک بے رحمانہ بمباری کا سلسلہ شروع کر دیا۔ ہر آدمی یہ سوچتا ہے کہ کیا یہ کوئی سوچا سمجھا منصوبہ تو نہیں۔ لیبیا کے دو باشندوں کو لاکربی کے ہوائی حادثہ کے الزام میں امریکہ کو انہیں حاصل کرنے میں کئی سال لگے تھے اور وہ بھی شرائط کے ساتھ۔ لیکن اسامہ بن لادن کے بارے میں جبکہ طالبان بات چیت کیلئے تیار تھے امریکہ نے ان کی درخواست کو درخور اعتنا نہ سمجھا۔ کیا یہ پہلے سے طے شدہ ایجنڈے کا حصہ ہے جسے ۱۱ ستمبر کے واقعے نے سند عطا کر دی اور امریکہ نے اسے عملی جامہ پہنچانے میں کسی توقف کا مظاہرہ نہیں کیا۔ امریکہ کے یہ اعلانات کہ یہ جنگ ۱۰ یا ۵۰ سال جاری رہ سکتی ہے۔ شکوک و شبہات کو جنم دیتے ہیں اور تیسری عالمی جنگ کا پیش خیمہ بھی ہو سکتے ہیں۔ حالات جس نہج پر جا رہے ہیں کچھ بھی ہو سکتا ہے۔

آنکھ جو کچھ دیکھتی ہے لب پہ آ سکتا نہیں
محو حیرت ہوں کہ دنیا کیا سے کیا ہو جائیگی

پچھلے ۵۰ سال میں امریکہ اور پاکستان کے تعلقات مد و جزر کی طرح گھٹتے بڑھتے رہے ہیں۔ اب پاکستان کولیشن پارٹنر ہے۔ دونوں طرف توقعات بہت ہیں اور توقعات کے ساتھ خدشات اور خطرات بھی۔ امریکہ کی سفیر جو خوش مزاج، خوش گفتار، ذہین اور متین خاتون ہیں۔ امریکہ کی دوستی کا یقین دلاتی رہتی ہیں۔ لیکن نئی دہلی میں امریکہ کے سفیر اور دوسرے امریکی عہدیداروں کے بیانات متضاد ہوتے ہیں۔ صدر پرویز مشرف نے آگرہ کانفرنس میں یہ موقف اختیار کیا تھا کہ کشمیر میں جاری جد و جہد دہشت گردی نہیں بلکہ آزادی کی تحریک ہے۔ اس بیان کا پوری قوم اور تمام سیاسی جماعتوں نے خیر مقدم کیا تھا اور انہیں اس جرات مندانہ اقدام پر زبردست خراج تحسین پیش کیا تھا۔ پرویز مشرف نے اقوام متحدہ اور ہر فورم پر اس کا اعادہ کیا اور یہی پچھلے ۵۰ سال میں پاکستان کا استدلال رہا ہے۔

امریکہ کی اپنی عالمی حکمت عملی ہے ہم اس پر کوئی تبصرہ نہیں کر سکتے لیکن کچھ باتیں غور طلب ہیں۔ امریکہ صدام حسین کو دہشت گرد گردانتا ہے جبکہ صدام حسین نے کویت پر حملہ کیا۔ امریکہ نے صدام حسین کے خلاف جنگ لڑی اور اسے شکست دی۔ لیکن عراق کی سرحد تک جا کر رک گیا اور آگے نہیں بڑھا۔ جنگ عظیم دوم کے وقت امریکہ نے تمام یورپ کو جرمنی سے آزاد کرانے کے بعد ہٹلر کے بنکر تک پہنچ کر دم لیا۔ صدام حسین کی وجہ سے امریکہ خلیج تک آ گیا اور اسامہ کی وجہ سے پاکستان کے قریب اب روپوش ہے۔ معلوم نہیں امریکہ اسے کہاں تلاش کرے گا۔

۱۱ ستمبر کو ۴ ہوائی جہاز جو ہائی جیک ہوئے ان میں ایک 93 Flight تھی۔ Newsweek نے اپنی پچھلی اشاعت (Dec10) میں فلائٹ 93 کے اندر کے حالات کے ساتھ ایک فیملی کی کہانی دی ہے جس کا سربراہ اس فلائٹ میں موجود تھا۔ اس کی اس زندگی میں تصویر کشی کی ہے اور اپنے میگزین کے ۸ صفحات صرف کر دیئے۔ یہ پڑھ کر ہر انسان کا دل بھر آئے گا اور اداس ہو جائیگا لیکن یہ صرف ایک فیملی کی کہانی ہے۔ فلسطین، افغانستان اور کشمیر کے سیکڑوں، ہزاروں خاندانوں کا کیا بنا جو دہشت گردی کا شکار ہوئے اور ان کے عزیز و اقارب ان سے چھوٹ گئے۔ ایک اور میگزین کی ضرورت ہے جو ان کی دل سوز داستان رقم کرے اور معاملہ کی تہہ میں جا کر اسے حل کرنے کی کوئی صورت نکالی جائے۔

آج کے پیچیدہ حالات میں مسلمانوں کو یہ فیصلہ کرنا ہے کہ امریکہ سے محاذ آرائی اچھی ہے یا دوستی۔ کچھ لوگ یہ سمجھتے ہیں کہ ویتنام نے امریکہ جیسی سپر پاور کو شکست دی اور افغانستان نے روس کو۔ اصل میں ایسا نہیں ہے ویتنام کی پشت پر دو سپر پاورز چین اور روس تھے اور افغانستان کی پشت پر امریکہ۔ اس طرح یہ سپر پاورز کا آپس میں ٹکراؤ تھا جس کی وجہ سے یہ نتائج برآمد ہوئے۔ اس کا یہ مطلب ہرگز نہیں ہے کہ ویتنام اور افغانستان کے لوگوں کی قربانی ہمت و جرات کے بغیر یہ کامیابیاں ممکن ہو سکتی تھیں۔

یہ بات غور طلب ہے کہ اگر سب مسلمان ملک اپنا تمام اسلحہ ایک جگہ جمع کر لیں تو بھی وہ ایک امریکہ کے اسلحہ کا عشر عشیر بھی نہیں ہوگا۔ یہ کیسا مقابلہ۔ ایک طرف یہ ایک Mightis Right (جس کی لاٹھی اس کی بھینس) کی ترغیب دیتا ہے تو دوسری طرف مایوسی اور انتہا پسندی کو جنم دیتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ امریکہ اور مغرب کی قوت سے مرعوب ہو کر مسلمان ملکوں کے صاحب اقتدار لوگ اور لیڈر عدم تحفظ کا شکار ہو جاتے ہیں۔ دولت جمع کرنے اور اسے مغرب کے بینکوں میں جمع کرنے میں لگ جاتے ہیں۔ وہ اقتدار میں رہنے کی ہر جائز و ناجائز کوشش کرتے ہیں کہ کہیں ان کے عیش و آرام میں فرق نہ آ جائے۔ دوسری طرف بے بس عوام قربانی کے جذبے سے سرشار ہو کر اپنی جان تک قربان کرنے کیلئے تیار رہتے ہیں۔ ہم دوسرے ملکوں سے سبق سیکھ سکتے ہیں کیوبا نے سالہا سال تک امریکہ کا مقابلہ کیا لیکن روس کی پشت پناہی سے اس کے لئے قوم کا اتحاد اور حکمت عملی کی ضرورت ہے اس کا کریڈٹ ان کے لیڈر فیڈرل کاسترو کو جاتا ہے۔ دوسری مثال جاپان کی ہے۔ جاپان نے ہتھیار تو ڈال دیئے لیکن اس کے بعد حیرت انگیز ترقی کی۔ معاشی میدان میں ایک مفتوح قوم نے فاتح کو پیچھے چھوڑ دیا۔ اس کا کریڈٹ قوم کے اتحاد۔ محنت و لگن کا جذبہ اور سب سے بڑھ کر ان کی دیانتدارانہ قیادت کو جاتا ہے۔

مسلمانوں میں اتحاد اولین ضرورت ہے

۔او آئی سی کو اس کے لئے کام کرنا چاہئے ۔ کیا یہ حقیقت نہیں کہ کویت اور افغانستان دونوں جگہ مسلمان آپس میں برسرپیکار تھے اور اس طرح امریکہ کو مداخلت کرنے اور اپنے پیر جمانے کا موقع مل گیا۔ جہاں تک پاکستان کا تعلق ہے ہمیں اپنے دیرینہ دوست چین کو نظر انداز نہیں کرنا چاہئے اور امریکہ کو ناراض کئے بغیر یہ مقصد حاصل کرنا چاہئے ۔اس کے ساتھ ہی مناسب طریقہ سے سب کو یہ باور کرادیا جائے کہ ہم پر اگر اندرونی یا بیرونی سازشوں کی وجہ سے برا وقت آیا تو ہم اپنے اہداف حاصل کرکے چھوڑیں گے۔

امریکہ کو چاہئے کہ وہ مسلمانوں کو من حیث القوم اپنا دشمن تصور نہ کرے ۔ اسلام امن کا دین ہے اور ہر مذہب کے ساتھ صلح و آشتی کے ساتھ رہنے کی تعلیم دیتا ہے اور انصاف پر مبنی معاشرہ قائم کرنے کی تلقین کرتا ہے ۔ مسلمانوں کو بھی چاہیئے کہ آج کے دور میں اسلام کے ابدی اصولوں کے مطابق طالبان جیسے شدت پسند گو نیک نیت لیکن سادہ لوح مسلمانوں کو اجتہاد کے ذریعے اپنے رویہ میں تبدیلی لانی چاہئے ۔ عورتوں پر پابندیاں لگانے سے ان کی تعلیم متاثر ہوئی ہے ۔ مجسمہ توڑنا اور ٹی وی سیٹ توڑ دینا آج کے ترقی یافتہ دور میں وقت کا ضیاع اور ترقی میں رکاوٹ ہے۔

ہمیں امریکہ سے دوستی کے ساتھ امریکہ کو یاد دلانا چاہئے کہ وہ اپنی تہذیبی اقدار ، جمہوریت ، انصاف اور مساوات کی طرف رجوع کرے اور دنیا میں ان اقدار کو رواج دے۔

عباس مہکری

اجتماعی رویوں پر نظرثانی کی ضرورت

فرانس کے عظیم دانشوار ، فلسفی اور ادیب ژاں پال سارتر کے ایک افسانے میں ایک شخص کسی عجیب و غریب بستی میں داخل ہوتا ہے جہاں سب لوگ ایک جیسی بولی بولتے ہیں۔ یوں لگتا ہے کہ سارے لوگ ٹیپ ریکارڈر ہیں اور سب میں ایک ہی کیسٹ چل رہی ہے ۔ کوئی شخص مختلف بات نہیں کرتا ان کا حاکم دجال ہے وہ جو کہتا ہے سب وہی کرتے ہیں لوگوں کو اپنی آزادی ، عزت نفس اور حیثیت کا کوئی احساس نہیں۔ انہیں اپنے دکھوں اور مسائل سے کوئی سروکار نہیں آج جو چیز برائی ہے وہ اچانک اچھائی بن جاتی ہے اس تبدیلی پر کوئی سوال بھی نہیں کرتا ہے بس کیسٹ تبدیل ہوجاتی ہے پھر نئی کیسٹ بجنے لگتی ہے کیونکہ سوال کرنا اور سوچنا ، وہاں گناہ ہے اور کوئی شخص گناہ کرنے کی جسارت نہیں رکھتا۔

پتہ نہیں آج یہ کالم لکھتے وقت اچانک یہ خیال کیسے ذہن میں آگیا ہے کہ ہم سب پاکستانی اسی عجیب و غریب بستی کے باسی ہیں۔ خبر چھپی ہے کہ امریکہ نے پاکستان کی بعض مذہبی تنظیموں کو دہشت گرد قرار دے دیا ہے اس کے ساتھ یہ خبر بھی ہے کہ پاکستان ان تنظیموں کو دہشت گرد قراد دینے یا ان کی سرگرمیوں پر پابندی عائد کرنے کے بارے میں سوچ رہا ہے ۔ پاکستان اور بھارت کے درمیان کشیدگی میں خطرناک حد تک اضافہ ہوا ہے تو ہمارے حکمرانوں نے جہادی تنظیموں کے بارے میں سوچنا شروع کردیا ہے حالانکہ جہادی تنظیموں کا مسئلہ بہت پہلے حل کرنے کی ضرورت تھی جب ہم نے افغانستان میں امریکہ کا ساتھ دیا تھا تو اس وقت ہی ہمارے سامنے یہ سوال پیدا ہوگیا تھا کہ جہادی گروپوں کا اب کردار کیا ہوگا ؟ جب امریکہ کو سوویت یونین کے خلاف جہادی تنظیمیں اور گروپ پیدا کرنے کی ضرورت تھی تو ہمارے پالیسی ساز ادارے ان جہادی گروپوں کو پاکستان کی سلامتی کے تحفظ کیلئے ضروری قرار دے رہے تھے اور بڑی بڑی دلیلیں اور تاویلیں پیش کی گئیں رائے عامہ پر حاوی مقتدر حلقوں میں ایک ہی کیسٹ بج رہی تھی پھر اچانک کیسٹ تبدیل ہوگئی کل جو اچھا تھا وہ برا ہوگیا اور جو برا تھا وہ اچھا ہوگیا کسی کو اس تبدیلی پر سوال کرنے کی اجازت نہیں۔ کہا جاتا ہے کہ موجودہ حکمرانوں نے پالیسی میں "یوٹرن" لیا ہے اور بڑی جرات کا مظاہرہ کیا ہے شاید یہ ادبی اور سفارتی زبان کا فرق ہے ورنہ "کیسٹ کی تبدیلی" اور "یوٹرن" ہم معنی الفاظ نہیں ہیں۔

ہم نے کبھی اس بات پر سنجیدگی سے غور نہیں کیا کہ افغانستان میں امریکہ کا ساتھ دینے کے بعد ہمیں اپنے ہاں کے جہادیوں کا کیا کرنا ہوگا ہمارے لئے بھی بہت سے مسائل پیدا ہوگئے تھے لیکن ہم نے ان مسائل کو صرف اس وقت توجہ کا مستحق گردانا ، جب امریکہ نے ہمیں ایسا کرنے کے لئے کہا ایک آزاد اور خود مختار قوم کی حیثیت سے ہمیں اپنے قومی مفادات بھی دیکھنے چاہئیں صرف امریکہ کے کہنے پر سب کچھ نہیں کرنا چاہئے جب تک ہم اپنے قومی مفادات کی روشنی میں اپنی پالیسیاں نہیں بنائیں گے تب تک ہم ایک آزاد اور خود مختار قوم نہیں ہوسکتے۔

افغانستان کا سفارتخانہ بند کرنے کے حالیہ اعلان کو ہی لے لیجئے اس سے ہی اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ہم کس طرح اپنی پالیسیاں بناتے ہیں ایک دن امریکی ڈپٹی وزیر خارجہ کا اس معاملے پر بیان آیا اس سے اگلے دن افغان سفارتخانہ بند کرنے کا فیصلہ آگیا حالانکہ صدر جنرل پرویز مشرف نے امریکہ کے دورے سے آنے کے بعد یہ کہا تھا کہ طالبان حکومت چونکہ ختم ہوگئی ۔ لہذا افغان سفارتخانہ بند کردیا جائے گا اگر اس وقت یہ فیصلہ ہوجاتا ہے تو یہ ہمارا اپنا فیصلہ ہوتا شاید ہماری وزارت خارجہ نے اس فیصلے پر عملدرآمد میں دیر لگائی یا تاخیر کے کچھ دیگر اسباب پیدا ہوگئے اور ہمارا فیصلہ اس وقت آیا جب امریکہ نے کہا اس طرح کی صورتحال سے یہ تاثر پیدا ہوتا ہے کہ امریکہ صبح کہتا ہے تو دوپہر کو اس پر عملدرآمد ہوجاتا ہے ۔ کیا ہم بحیثیت قوم یہ فیصلہ کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتے کہ ہمارا نفع و نقصان کیا ہے ؟ کوئی تنظیم یا گروپ یا ان کی کارروائیاں پاکستان کے مفاد کے خلاف ہیں تو اس پر ہمیں خود کارروائی کرلینی چاہئے آخر ہم دوسروں کے کہنے پر سب کچھ کیوں کرتے ہیں ؟ امریکہ کی ہدایت پر ہم دوستی اور دشمنی کرتے ہیں صرف خارجہ امور میں نہیں ہر معاملے میں ہمارا رویہ یہی ہے فرقہ واریت اور نسلی تشدد نے وطن عزیز میں خون کی ندیاں بہادیں ہمارے پالیسی سازوں نے کبھی اس بارے میں واضح پالیسی اختیار نہیں کی ہم نے ہزاروں بے گناہ لوگوں کی لاشیں اٹھائیں لیکن دہشت گردوں کے خلاف کبھی ایسی کارروائی نہیں کی جو ہماری قومی سوچ کی عکاسی کرتی ہو اور بحیثیت قوم دنیا میں ہمارے موقف کو اجاگر کرتی ہو ۔اسی طرح ملک میں شرح خواندگی شرمناک حد تک

کم ہے بدنظمی اور افراتفری ہمارے معاشرے کا خاصہ بن چکی ہے صحت اور تعلیم کے لئے ضروری سہولتیں میسر نہیں ہیں۔ بے روزگاری نے ایسا ہیجان پیدا کر دیا ہے جو قومی سلامتی کے لئے خطرہ بن سکتا ہے۔ مہنگائی پر کسی کا کنٹرول نہیں ملک کی اکثریتی آبادی کو پینے کا صاف پانی دستیاب نہیں۔ ٹاؤن پلاننگ اور بنیادی سہولتیں نہ ہونے سے پاکستان بیمار لوگوں کا ملک بن گیا ہے ہم نے ان تمام مسائل پر سنجیدگی سے توجہ نہیں دی ان کے لئے بھی ہم اقوام متحدہ، عالمی بینک، آئی ایم ایف، امریکہ یا مغربی حکومتوں کے فیصلوں کا انتظار کرتے رہتے ہیں وہ ان شعبوں میں جو پالیسی بنا کر دیتے ہیں ان پر ہم آنکھیں بند کر کے عمل کرتے ہیں اس اندھی اطاعت میں ہمارے ادارے تباہ ہوجاتے ہیں۔ لوگوں میں سیاسی بے چینی پیدا ہوتی ہے عام آدمی کو کوئی ریلیف نہیں ملتا بلکہ الٹا ملک قرضوں کے مزید بوجھ تلے دب جاتا ہے پھر بھی ہم اپنے قومی مفاد کے مطابق پالیسی نہیں بناتے اور ہم ایسے ٹیپ ریکارڈرز ہیں وہ جو کیسٹ لگادیتے ہیں وہ بجانا شروع کر دیتے ہیں۔

ہمارا اپنا کوئی ایجنڈا نہیں ہے پاکستان کے قبائلی علاقوں کا معاملہ آج تک طے نہیں کرسکے وہ جو چاہے اس کا قانون چلتا ہے انہیں کبھی ریگولر ایریاز نہیں بنا سکتے شمالی علاقہ جات کا مسئلہ بھی پچاس سال سے جوں کا توں ہے پورے ملک میں مدرسوں کا جال پھیلتا گیا ہم نے اس پر کبھی توجہ نہ دی ہمارا بارے میں یہ تاثر پختہ ہوچکا ہے کہ ہم اپنے مسائل کا نہ ادراک رکھتے ہیں اور نہ ہی انہیں خود حل کرنے کی کوشش کرتے ہیں بس ہر چیز کے لئے باہر کے فیصلوں کا انتظار ہوتا ہے اب تو عام لوگ بھی مذاق اڑاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ٹریفک کنٹرول بھی امریکیوں کے حوالے کر دیا جائے ہم تو بس اسٹاپ پر بسیں کھڑی کرنے کا فیصلہ بھی نہیں کرسکتے ہر معاملے مصلحت کا شکار ہوتے ہیں قبائلی اور جاگیردارانہ نظام و اقدار ابھی تک مضبوط ہے شہروں میں بھی صورتحال مختلف نہیں ہے قتل، چوری کی وارداتوں اور دیگر جرائم میں پولیس خود لوگوں کو مشورہ دیتی ہے کہ فلاں بااثر شخص سے بات کرلیں کیونکہ یہ اس کا علاقہ ہے پولیس اپنی کاروائی نہیں کرتی قانون کا نفاذ کیوں نہیں کیا جاتا۔

ہمیں اپنے اجتماعی قومی رویوں پر نظرثانی کرنے کی ضرورت پہلے سے کہیں زیادہ ہے اس وقت ہم ایک بہت بڑے بحران کا شکار ہیں یہ بحران صرف اقتصادی اور سیاسی نہیں فکری، سماجی اور تہذیبی بحران بھی ہے اسکی وجہ یہ ہے کہ ہم نے نہ صرف بیرونی معاشی امداد پر انحصار کیا ہے بلکہ سوچ، بصیرت اور پالیسیاں بھی ادھار اور مستعار لی ہیں بحیثیت قوم ہم نے اپنی قومی فکر کو اجاگر کیا نہ ہی اپنی قومی پالیسیاں وضع کرسکے ہم کب تک اس عجیب و غریب بستی کے باسی بنے رہیں گے اور دجال کی حاکمیت کا عذاب سہتے رہیں گے۔

حسیب احمد

تیل کے ذخائر اور سامراجی اجارہ داریاں

۱۹ ویں صدی کے اختتام تک سرمایہ داری نے سامراج کا روپ دھار لیا۔ جدید صنعت نے عالمگیر منڈی قائم کرلی جس کے لئے امریکہ کی دریافت سے راہ کھل چکی تھی۔ اس منڈی نے تجارت، جہاز رانی اور خشکی کے وسائل آمدورفت کو زبردست ترقی دی۔ سرمایہ دار طبقے نے دنیا بھر کی منڈی کا استحصال کیا اور اپنی اس لوٹ کے ذریعے ہر ملک میں پیداوار اور کھپت کو بین الاقوامی رنگ دے دیا۔ جدید سرمایہ دارانہ سماج نے گویا جادو کے زور سے پیداوار اور تبادلے کے عظیم الشان وسیلے کھڑے کرلئے ہیں مگر پیداوار، تبادلے اور ملکیت کے اپنے تعلقات کی بدولت اس سماج کی حالت اس شعبدہ گر کی سی ہے جس نے اپنے جادو سے شیطانی طاقتوں کو جگا تو لیا ہے مگر اس پر قابو نہیں رکھ سکتا۔ آج تو ساری دنیا کساد بازاری کے لپیٹ میں ہے۔ پھر سرمایہ دار طبقہ ان بحرانوں پر قابو کیسے پاتا ہے؟ اس کے لئے ایک طرف تو پیداوار کا بڑا حصہ زبردستی برباد کر دیا جاتا ہے دوسری جانب منڈیوں پر قبضہ کیا جاتا ہے اور پرانی منڈیوں کا استحصال اور بھی شدت اور وسیع پیمانے سے ہونے لگتا ہے۔ ہمارا آج کا عہد سامراجی اجارہ داریوں کا عہد ہے۔ یہ اجارہ داریاں بڑے بڑے ادغام کرکے دنیا کی منڈیوں کو اپنے منافع کے لئے حاصل کرنا چاہتی ہیں۔ ان کو دنیا کی نہ صرف تیل و گیس بلکہ تمام معدنیات و خام مال پر تسلط حاصل کرنا ہے۔ اس ہوس گیری کے لئے ان کے پاس کسی اخلاقی قدروں کی کوئی وقعت نہیں ہے۔ دنیا کے ہر کونے پر انہوں نے اپنی اطاعت گزار حکومتیں قائم کرلیں ہیں۔ ان کے حکم کی بجاآوری سے کوئی حکمراں بھی آزاد نہیں جبکہ ان کا دوسرا ہتھیار IMF ورلڈ بینک اور WTO کی شکل میں موجود ہے۔ جس کے وہ بلاشرکت غیرے مالک ہیں۔ سوویت روس کی موجودگی میں دو طاقتی نظام میں یہ اجارہ داریاں توازن کا ایک خاص معیار بنائے رکھتی تھیں۔

سوویت یونین کی تباہی کے بعد وسطی ایشیائی ریاستوں میں معاشی، سیاسی اور سماجی بحران میں شدت آئی ہے۔ یہ نو آزاد ریاستیں ابتری اور بدحالی کا منہ بولتا ثبوت ہیں جبکہ یہ ریاستیں معدنی وسائل ہیں کہ وہ ان معدنی خزانوں کو نکال کر خود استعمال کرسکتے ہیں اور نہ ہی اس کو نکال کر عالمی منڈی میں فروخت کرسکتے ہیں۔ یہ پورا خطہ ایک بار پھر "گریٹ گیم" کا حصہ بنتا جارہا ہے لیکن اس مرتبہ یہ کھیل خطے میں تیل و گیس کی اجارہ داری کیلئے ملٹی نیشنل کمپنیوں کے درمیان کھیلا جارہا ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد ملٹی نیشنل کمپنیوں کے بڑھتے ہوئے مفادات نے اس خطے کو خانہ جنگی کی کیفیت میں مبتلا کر دیا ہے۔ وسطی ایشیائی ریاستیں غیرملکی سرمایہ کاری کے حصول کے لئے پاگل ہیں۔ انہوں نے بہت سی مغربی امریکی تیل کمپنیوں سے اپنے تیل و گیس کے ذخائر کے لئے بات شروع کر رکھی ہے۔ ان کے درمیان تمام معاہدے نہایت کمزور اور نازک ہیں جو کسی وقت بھی ٹوٹ سکتے ہیں۔ تمام کمپنیاں مستقل سازشوں میں مصروف ہیں اور ان حکومتوں کو ہدایت دیتی اور بلیک میل کرتی ہیں۔ ۱۹ ویں صدی میں عظیم کھیل برطانیہ اور زار روس کے درمیان خطے پر قبضہ کے لئے کھیلا گیا۔ ان دونوں طاقتوں کیلئے کشش کا مرکز افغانستان تھا۔ روسی حکمران وسطی ایشیا کی ریاستوں کو شک بھری نگاہوں سے دیکھ رہا ہے۔ سابقہ ریاست اور پڑوسی ہونے کے ناطے وہ گاہے گاہے ان کو ہدایت بھی دیتا رہتا ہے جبکہ اس خطے میں امریکہ کی

موجودگی، روس کو ایک آنکھ نہیں بھارہی ہے۔ اس صورتحال میں وہ امریکہ کو اس خطے سے دور بھی نہیں رکھ سکتا۔ اس لئے وہ امریکہ کا اس موقع پر ساتھ دیکر اس مال مفت میں اپنا حصہ وصول کرنے کی فکر میں ہے۔

آج یہ عظیم کھیل امریکہ یوروپ اور ایشین آئل اور گیس کمپنیوں کے درمیان وحشیانہ جنگ کی صورت میں سامنے آرہا ہے جس کا پہلا ایکٹ افغانستان پر امریکی فضائی حملوں اور طالبان کی حکومت کے خاتمے کے ساتھ انجام پذیر ہوا۔ ترکی، ایران اور پاکستان اس کھیل میں دوسرے درجے کے نئے متحارب ملک ہیں جو خطے میں اپنے مفادات کے حصول کیلئے کوشاں ہیں۔ ۱۹۹۲ء سے ۱۹۹۸ء کے دوران ترکی کی کمپنیوں نے اس خطے میں 1.5 بلین ڈالر کی سرمایہ کاری کی ہے جو کہ سب سے بڑی سرمایہ کاری ہے دسمبر ۱۹۹۷ء میں ایرانیوں نے 119 میل لمبی گیس پائپ لائن تعمیر کی جو کہ مغربی ترکمانستان کے کاپیڈزی (Karpedzho) گیس فیلڈ سے کورڈکوئے (Kordkuy) جو کہ شمال مشرقی ایران میں واقع ہے۔ پاکستان بھی افغانستان سے کراچی کے ساحلوں اور انڈیا تک تیل و گیس کی پائپ لائنیں ڈالنے پر رضامند ہے تاکہ اس کے علاقے سے گزرنے والے تیل و گیس کی رائلٹی حاصل کرسکے جو کہ سالانہ 5 ارب ڈالر کے قریب بنے گی۔

روس دیوالیہ غیر مستحکم، کرپٹ اور کمزور ہونے کے باوجود سنجیدگی سے کیسپئن تیل (CaspionOil) کی پائپ لائن سے تیل کی مسلسل فراہمی کنٹرول کرنے کیلئے وسطی ایشیا پر اپنی گرفت کو مضبوط رکھنے کی پوری کوشش کررہا ہے۔ سرد جنگ کے خاتمے کے بعد امریکہ اس خطے کے تیل اور گیس کے ذخائر تک اپنے تاثرات کو بڑھانے کی کوشش کررہا ہے اور یہی وجہ ہے کہ پچھلے 12 سال سے وسط ایشیا اور کاکیشیا (Caucasas) میں جنگ جاری ہے۔ وہاں پر جنگوں کی تیاری کا پورا ایک سلسلہ موجود ہے اور اس جھگڑے کا مرکز تیل کی پائپ لائن پر قبضے کی جد و جہد ہے۔ آذر بائیجان اور آرمینیا کے درمیان جنگ میں روس، ایران اور یونان آرمینیا کی مدد کررہے ہیں جبکہ امریکہ کی ہمت افزائی کی وجہ سے ترکی آذر بائیجان کی حمایت کررہا ہے۔ امریکی تیل کمپنیاں آذر بائیجان اور ترکمانستان کے تیل میں خاص طور پر دلچسپی رکھتی ہیں۔ جارجیا اور آذر بائیجان کھلے بندوں مغرب اور امریکہ کے ساتھ تعلقات کو بہتر بنارہے ہیں اور یہی وجہ ہے کہ روس خطے میں امریکہ کی تمام حرکات کو برداشت نہیں کرسکتا۔ چیچنیا میں جنگ اور کوہ قاف میں موجودہ ابتری اسی ارادے کا نتیجہ ہے۔ جارجیا، آذر بائیجان، یوکرائن، ازبکستان اور مال دیوا پہلے ہی سے مغرب نواز گوام GUAM گروپ کے ممبر ہیں جو ایک معاشی اتحاد سے شروع ہوا اور پھر سیکورٹی تعاون بھی شامل ہوگیا۔ وہ باکوسپا (Bakusupsa) پائپ لائن کا دفاع کررہے ہیں۔ باکوسپا پائپ لائن جو جارجیا سے ترکی تک ہے روس کے کنٹرول سے باہر وسط اشیائی ممالک کیلئے ایک روٹ بنے گا۔ روس اس خطے میں اپنے اثر کو برقرار رکھنے کیلئے جوابی کارروائی کررہا ہے۔

افغانستان میں طالبان کے زمانے میں امریکی تیل کمپنی یونوکال (UNOCAL) کا منصوبہ تھا کہ وہ وسط ایشیا سے افغانستان کے ذریعے پاکستان کے ساحل تک ایک بہت بڑی گیس اور تیل کی پائپ لائن بنانے کے لئے دروازہ کھولا جائے پائپ لائن کے بڑے امیدوار امریکہ اور سعودی کمپنیوں (UNOCAL) اور ڈیلٹا (DALTA) کا اختلاط اور ارجنٹائن کی بریڈاس (BRIDAS) تھے۔ 1996ء کے موسم گرما میں کولوریڈو (Colorado) میں امریکی سینٹر ہینکس براؤن نے افغانستان کے بارے میں ایک میٹنگ کی صدارت کی اس میں سب سے قابل ذکر موجودگی یونوکال کے نائب صدر میری ملر کی تھی جو افغان پائپ لائن کے مجوزہ منصوبے کا انچارج تھا۔ ملر نے گیس اور تیل کی پائپ لائن کے روٹ کی وضاحت کی۔ اس نے کہا کہ افغانستان کے ذریعے تیل کی پائپ لائن یومیہ ایک ملین بیرل تیل پہلے دن سے مہیا کرے گی اور اگلے چند سالوں میں وسط ایشیا کے دوسرے آئل فیلڈ سے منسلک ہونے کے بعد یومیہ 5 بلین بیرل تیل مہیا کرے گی۔ گو آخر تک یونوکال اور طالبان کے درمیان مذاکرات ہوتے رہے مگر یہ مذاکرات کسی حتمی نتیجے تک پہنچنے میں ناکام رہے۔ جس میں سعودی عرب کا کردار نمایاں رہا کیونکہ طالبان حکومت کو سب سے زیادہ سعودی فنڈ حاصل ہوتا تھا۔ بریڈاس تیل کمپنی جسے ترکمانستان میں بہت زیادہ سہولتیں حاصل تھیں افغانستان میں نئی پائپ لائن بچھانے کی تجویز دی جو کہ پاکستان کے ذریعے انڈیا کو گیس فراہم کرتی۔ پائپ لائن بچھانے کی دو کمپنیوں کے درمیان مفادات کی جنگ نے افغانستان میں لڑائی میں شدت پیدا کی۔ آخر تک طالبان کے اس مجوزہ منصوبہ پر رضامندی کے تعطل نے ان تیل کی بڑی اجارہ داریوں نے طالبان کو آخری سبق سکھانے کا منصوبہ بنالیا۔ جس میں نیویارک کے ٹریڈ سنٹر کی تباہی اور پنٹاگن کی عمارت کی تباہی شامل تھی۔ ان تیل و گیس کی بڑی اجارہ داریوں کو دنیا بھر کے عوام کی غربت، افلاس، دکھ، بیماری اور ذلت آمیز زندگی کا دور کا واسطہ بھی نہیں۔ ان کو صرف اپنے حاصل ہونے والے منافع اور ہوس ملک گیری سے مطلب ہے وہ ساری دنیا کی دولت چند ہاتھوں میں سمیٹ لینا چاہتے ہیں۔ اقوام متحدہ ایمنسٹی انٹرنیشنل اور ایشیا واچ جیسے بین الاقوامی ادارے امریکی غلامی میں خاموش تماشائی بنے ہوئے ہیں اور اپنی منافقت دکھا رہے ہیں۔ ان کو کشمیر سے فلسطین تک، افغانستان سے چیچنیا تک اور روانڈا سے لیکر انڈونیشیا تک غریب و محکوم عوام کی سسکیں، خواتین پر جبر، بچوں کی چیخیں اور اذیتیں نظر نہیں آتیں۔ آج نہ صرف غریب و محکوم ریاستوں بلکہ خود یوروپ اور امریکہ میں IMF، WTO اور ورلڈ بینک کے خلاف عوام اٹھ کھڑے ہوئے ہیں اور ان کو احساس ہوگیا ہے کہ یہی ادارے اور ان کے پیچھے مٹھی بھر اجارہ داریاں ان کی ترقی اور ذلت آمیز زندگی کے ذمہ دار ہیں۔

مسرت جبیں

صدر مملکت کا شکریہ

کراچی کی ہر چیز مجھے اچھی لگتی ہے سوائے سردیوں کی اس بیہودہ ہوا کے۔ معاف کیجئے گا۔ اس کھردری، روکھی اور قطعی بے حس ہوا کے لئے اس

سے بہتر کوئی دوسرا لفظ نہیں ہوسکتا۔ مجال ہے جو ذرا سی محبت کی نرمی اور چاؤ اس میں ہو، انسان تو انسان ہر چیز کو اکڑا کر رکھ دیتی ہے۔ حتیٰ کہ سل سلے، مردہ اور سڑے ہوئے کرنسی نوٹ بھی کر کرے ہو کر اکڑنے لگتے ہیں۔

ایسے موسم میں دنیا کی ہر چیز، ہر بات بری لگنے لگتی ہے۔ یوں بھی آجکل اچھا لگنے کے لئے رہ ہی کیا گیا ہے چاروں طرف تو تباہی، بربادی، مایوسی، دہشت گردی اور متوقع جنگ کی گرم بازاری ہے۔ انسان کی طبیعت بحال ہو تو کیسے؟ لیکن یہ انسان بھی بڑی عجیب شئے ہے اس پژمردگی اور اعصابی تناؤ کے باوجود گملے میں لگی بوگن ویلیا کی بیل پر کھلنے والا پہلا بنفشی پھول میری ساری کوفت کو زائل کر دیتا ہے بالکل اسی طرح جیسے انتہائی مایوسی کے عالم میں کسی کی کہی ہوئی ایک میٹھی اور حوصلہ افزا بات دل میں امیدوں کے چراغ روشن کر دیتی ہے۔

کچھ ایسے ہی چراغ پچیس دسمبر کی شام میرے دل میں بھی اچانک ہی روشن ہوگئے تھے۔ بہت دنوں سے طاری طبیعت کی آزردگی اور بے چینی کو کچھ قرار سا آگیا تھا۔ باغ قائد میں منعقدہ تقریب میں اگر آپ نے صدر مملکت کی تقریر سنی تھی تو شاید آپ بھی اس تجربے سے گزرے ہوں۔ یقین جانیں میں شیخ سعدی کی ہمنوائی میں اقتدار کے ایوانوں اور وہاں کے مسند نشینوں اور ان کی باتوں سے دور بھاگتی ہوں لیکن یہ پہلا موقع تھا کہ لگا جو کچھ کہا جارہا ہے، خلوص نیت اور دل کی سچائی سے کہا جارہا ہے لفظوں میں کہیں کھوٹ نہیں تھا۔ شاید اس لئے کہ بقول کمپئیر یہ تقریر کسی اور نے نہیں لکھی تھی بلکہ صدر مملکت نے خود اپنے خیالات کو لفظوں کا روپ دیا تھا۔ یہ وجہ تھی یا ماحول اور قائد کی شخصیت کا اثر تھا کہ مجھے لگا میں ۱۹۴۷ کے پاکستان میں زندہ ہوں۔ میرے دل میں اپنے ملک کے لئے وہی جذبہ وہی لگن اور کچھ کر لینے کی تمنا بیدار ہوگئی۔ میں نے دیکھا نہیں محسوس کیا کہ سب لوگ پاکستان کی تعمیر نو کا حوصلہ پیدا کر رہے ہیں اس امر کے لئے طریق کار طے کر رہے ہیں، اپنی ترجیحات کا تعین کر رہے ہیں۔ سب سے بڑھ کر اپنے آپ کو سدھارنے کی بات کر رہے ہیں کم از کم صدر مملکت کے الفاظ اور ان کے لہجہ سے یہی ہویدا تھا۔ یہ تقریر آپ نے اگر سنی نہیں تو پڑھ تو ضرور لی ہوگی۔ میرے لئے اس میں علاوہ دوسری اچھی اور حوصلہ دلانے والی باتوں کے دو باتیں خاص طور پر قابل توجہ ہیں اور یہ دو نکتے ہیں جن پر میرے خیال میں کسی نے پہلی بار، میرا مطلب ہے اس منصب پر ہوتے ہوئے اتنے واضح اور دوٹوک لہجے میں بات کی ہے۔ پہلا مسئلہ تو مذہبی منافرت پھیلانے والوں اور انتہا پسندوں کا ہے جن کے لئے صدر صاحب نے بڑی سیدھی اور صاف زبان استعمال کی ہے کہ "ایسے لوگوں کا راستہ روکیں جو خود کو دوسروں سے بہتر مسلمان سمجھتے ہیں" یہ بڑی اہم اور بنیادی بات ہے کیونکہ یہ کچھ لوگوں کے رویے اور ذہنیت کو ظاہر کرتا ہے۔ صرف اسی ایک مسئلہ پر ہمارے ہاں آئے دن خون خرابہ ہوتا رہتا ہے۔ کوئی کسی دوسرے کی سوچ اور عقیدے کو سمجھنے اور برداشت کرنے کا حوصلہ نہیں رکھتا لیکن ایسی باتوں کو ہوا دینے والے بہت تھوڑے لوگ ہوتے ہیں۔ یعنی وہ لوگ جن کا کوئی نہ کوئی مفاد ایسی باتوں سے وابستہ ہوتا ہے باقی لوگ یعنی اکثریت تو خاموش تماشائی بنی رہتی ہے کیونکہ ان میں ٹکر لینے کی ہمت نہیں ہوتی اور یہ توقع بھی نہیں ہوتی کہ انتظامی سطح پر کوئی ان کا ساتھ دے گا یا ان کا ہمنوا ہوگا۔ یہ صرف ہمارے ہاں ہی نہیں دنیا بھر میں یہ محسوس کیا جارہا ہے کہ مذہب اور خدا کے نام کو موت اور تباہی پھیلانے کے لئے استعمال کیا جارہا ہے۔ کرسمس کے موقع پر پوپ جان پال کے خطبے کا موضوع بھی یہی تھا اور صدر صاحب کا کہنا بھی یہی ہے کہ "لوگ دوسروں کی زندگی اور معاملات میں بے وجہ دخل نہ دیں"۔ ہمیں اپنے معاملات کی فکر کرنی چاہئے۔ دوسروں کے لئے ضابطہ اخلاق یا Code of Ethics طے کرنا ہمارا منصب اور دردسری نہیں ہونی چاہئے لیکن اس کے ساتھ ہی یہ بھی ضروری ہے کہ زیادتی اور ظلم ہوتے دیکھیں تو خاموش تماشائی بھی نہ بنے رہیں اور اسی کو بنیاد بنا کر صدر صاحب نے خاموش اکثریت کو ایک اور ذمہ داری بھی سونپی ہے کہ معاشرے کا فرض ہے کہ وہ بدعنوان افراد کو نفرت کی نگاہ سے دیکھے تاکہ غلط طریقوں سے دولت اکٹھی کرنے والے اپنی دولت یا کم از کم اس کی نمائش پر تو شرمندہ ہوں"۔ ذرا سوچیں اگر یہ دونوں باتیں معاشرے کا حصہ بن جائیں یعنی کوئی مذہب کے نام پر اپنی دکان چمکانے کی کوشش نہ کرے اور نہ خدا کا نام لیکر دنیاوی فوائد حاصل کرنے کی سعی کرے اور نہ اتنا انتہا پسند ہوجائے کہ اپنے سوا ہر دوسرا فرد اسے کافر لگنے لگے اور اس کے ساتھ ہی نیک ذرائع سے حاصل کی ہوئی محنت کی کمائی ہی اس کے لئے باعث فخر ہو، بدعنوانی اور ہیر پھیر کرنے والے قابل نفرت ٹھہریں، معاشرہ انہیں پوری طرح دھتکار دے۔ پھر بھلا ایسے معاشرے میں دوسری کونسی خرابیاں پنپ سکتی ہیں؟؟

لیکن میں سمجھتی ہوں یہ کام صرف معاشرہ یعنی لوگ اپنے طور پر نہیں کرسکتے اس کے لئے انتظامی مشنری یعنی حکومت کا تعاون بے حد ضروری ہے۔ میں مانتی ہوں حکومتی ترجیحات میں تعلیم، معیشت اور دفاع کو بنیادی اہمیت حاصل ہے لیکن لوگوں کے سکون قلب اور جان و مال کے تحفظ کے لئے ہر قسم کی انتہا پسندی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کی ضرورت ہے ہمارا اصل جہاد یہی ہونا چاہئے۔ اسے ہی بنیادی اہمیت اور اولیت دی جانی چاہئے۔ اب جبکہ ملکی سرحدوں پر بے اطمینانی اور خطرے کے بادل منڈلا رہے ہیں، اندرونی طور پر معاملات کو پرسکون رکھنا اور بھی ضروری ہوجاتا ہے۔ مذہب اور علاقائیت کے نام پر پیدا کی جانے والی منافرت اور دہشت گردی کو اگر آج ختم نہ کیا گیا تو شاید پھر کبھی یہ موقع ہمارے ہاتھ نہیں آئے گا۔ آج پوری دنیا ہماری ہمنوا ہے اور خاموش اکثریت کچھ کر لینے کے جذبے سے سرشار ہے۔ ماحول اور حالات جیسے بھی ہوں، ہوائیں کتنی ہی تند اور بے رحم کیوں نہ ہوں، امید کا چراغ جلائے رکھنا بے حد ضروری ہوتا ہے۔ ہم اس کے لئے صدر مملکت کے شکر گزار ہیں جنہوں نے ان مشکل حالات میں قوم کو نہ صرف حوصلہ اور ہمت دلائی ہے بلکہ یہ وعدہ بھی کیا ہے کہ وہ ہمیں کبھی مایوس نہیں کریں گے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔

☆☆☆☆☆

کلیاتِ اقبال

کلیاتِ اقبال

بانگِ درا

مرزا غالب

فکرِ انساں پر تری ہستی سے یہ روشن ہوا
ہے پرِ مرغِ تخیل کی رسائی تا کجا
تھا سراپا روح تو، بزمِ سخن پیکر ترا
زیبِ محفل بھی رہا محفل سے پنہاں بھی رہا
دید تیری آنکھ کو اُس حسن کی منظور ہے
بن کے سوزِ زندگی ہر شے میں جو مستور ہے
محفلِ ہستی تری بربط سے ہے سرمایہ دار
جس طرح ندی کے نغموں سے سکوتِ کوہسار
تیرے فردوسِ تخیل سے ہے قدرت کی بہار
تیری کشتِ فکر سے اُگتے ہیں عالم سبزہ وار
زندگی مضمر ہے تیری شوخیِ تحریر میں
تابِ گویائی سے جنبش ہے لبِ تصویر میں
نطق کو سو ناز ہیں تیرے لبِ اعجاز پر
محوِ حیرت ہے ثریا رفعتِ پرواز پر
شاہدِ مضموں تصدق ہے ترے انداز پر
خندہ زن ہے غنچۂ دلی گلِ شیراز پر
آہ! تو اُجڑی ہوئی دلی میں آرامیدہ ہے
گلشنِ ویمر میں تیرا ہم نوا خوابیدہ ہے
لطفِ گویائی میں تیری ہمسری ممکن نہیں
ہو تخیل کا نہ جب تک فکرِ کامل ہم نشیں

ویمر - جرمنی کا مشہور شاعر گوئٹے اس جگہ مدفون ہے۔

آہ! اے نظارہ آموزِ نگاہِ نکتہ بیں! ہائے! اب کیا ہوگئی ہندوستاں کی سرزمیں!

گیسوئے اردو ابھی منت پذیرِ شانہ ہے
شمع یہ سودائیِ دل سوزیِ پروانہ ہے

ہیں سراپا نالۂ خاموش تیرے بام و در اے جہان آباد! اے گہوارۂ علم و ہنر
ذرّے ذرّے میں ترے خوابیدہ ہیں شمس و قمر یوں تو پوشیدہ ہیں تیری خاک میں لاکھوں گہر

دفن تجھ میں کوئی فخرِ روزگار ایسا بھی ہے؟
تجھ میں پنہاں کوئی موتی آبدار ایسا بھی ہے؟

ابرِ کوہسار

ابرِ کہسار ہوں گل پاش ہے دامن میرا ہے بلندی سے فلک بوس نشیمن میرا
کبھی صحرا، کبھی گلزار ہے مسکن میرا شہر و ویرانہ مرا، بحر مرا، بن میرا

کسی وادی میں جو منظور ہو سونا مجھ کو
سبزۂ کوہ ہے مخمل کا بچھونا مجھ کو

مجھ کو قدرت نے سکھایا ہے دُر افشاں ہونا ناقۂ شاہدِ رحمت کا حُدی خواں ہونا

یہ تلاشِ متصل شمعِ جہاں افروز ہے
توسنِ ادراکِ انساں کو خرام آموز ہے

عہدِ طفلی

تھے دیارِ نو زمین و آسماں میرے لیے
وسعتِ آغوشِ مادر اک جہاں میرے لیے
تھی ہر اک جنبش نشانِ لطفِ جاں میرے لیے
حرفِ بے مطلب تھی خود میری زباں میرے لیے
دردِ طفلی میں اگر کوئی رلاتا تھا مجھے
شورشِ زنجیرِ در میں لطف آتا تھا مجھے
تکتے رہنا ہائے! وہ پہروں تلک سوئے قمر
وہ پھٹے بادل میں بے آوازِ پا اس کا سفر
پوچھنا رہ رہ کے اس کے کوہ و صحرا کی خبر
اور وہ حیرت دروغِ مصلحت آمیز پر!
آنکھ وقفِ دید تھی، لب مائلِ گفتار تھا
دل نہ تھا میرا، سراپا ذوقِ استفسار تھا

گُلِ رنگیں

تُو شناسائے خراشِ عقدۂ مشکل نہیں
اے گُلِ رنگیں ترے پہلو میں شاید دل نہیں
زیبِ محفل ہے، شریکِ شورشِ محفل نہیں
یہ فراغت بزمِ ہستی میں مجھے حاصل نہیں

اس چمن میں مَیں سراپا سوز و سازِ آرزو
اور تیری زندگانی بے گدازِ آرزو

توڑ لینا شاخ سے تجھ کو مرا آئیں نہیں
یہ نظر غیر از نگاہِ چشمِ صورت بیں نہیں
آہ! یہ دستِ جفا جُو اے گُلِ رنگیں نہیں
کس طرح تجھ کو یہ سمجھاؤں کہ مَیں گل چیں نہیں

کام مجھ کو دیدۂ حکمت کے الجھیڑوں سے کیا
دیدۂ بلبل سے میں کرتا ہوں نظارہ ترا

سو زبانوں پر بھی خاموشی تجھے منظور ہے
راز وہ کیا ہے ترے سینے میں جو مستور ہے
میری صورت تو بھی اک برگِ ریاضِ طور ہے
میں چمن سے دُور ہوں تو بھی چمن سے دور ہے

مطمئن ہے تو، پریشاں مثلِ بُو رہتا ہوں میں
زخمیِ شمشیرِ ذوقِ جستجو رہتا ہوں میں

یہ پریشانی مری سامانِ جمعیت نہ ہو
یہ جگر سوزی چراغِ خانۂ حکمت نہ ہو
ناتوانی ہی مری سرمایۂ قوت نہ ہو
رشکِ جامِ جم مرا آئینۂ حیرت نہ ہو

ڈاکٹر ابرار رحمانی

قصہ نائپال کے نوبل انعام کا

انعام خواہ کوئی بھی ہو اس کا جب بھی اعلان کیا جاتا ہے ، اختلاف رائے ضرور ہوتا ہے ۔ نوبل انعام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں۔ لیکن نوبل انعام کے صدی سال میں خاص طور پر ادب (Literature) اور امن (Peace) کے لئے جس طرح کے ناموں کا اعلان کیا گیا ہے ، اس سے ایک طوفان اٹھ کھڑا ہوا ہے ۔ اب یہ ڈھکی چھپی بات نہیں رہ گئی ہے کہ گرچہ یہ انعام سوئڈش اکیڈمی دیتی ہے لیکن ان انعامات کے لئے ناموں کے انتخاب کے پیچھے امریکی اور یہودی لابی کا سب سے بڑا ہاتھ ہوتا ہے ۔ کیونکہ نوبل انعام کی ابتداء جس الفریڈ نوبل کے نام سے ہوئی تھی وہ خود بھی یہودی تھا ۔ امن کے لئے اقوام متحدہ اور اس کے سکریٹری جنرل کوفی عنان کے نام کا اعلان بھی ہماری اس بات کی تائید کرتا ہے ۔ ایک عام انسان بھی آج کھلی آنکھوں سے مشاہدہ کررہا ہے کہ کوفی عنان امن عالم قائم کرنے میں بری طرح ناکام رہے ہیں اور تنظیم ، اقوام متحدہ (U.N.O.) امریکہ کی رکھیل بن چکی ہے ۔

اسی طرح ادب کا نوبل انعام ایک ایسے وقت میں ایک ایسے شخص کو دیا جانا جو اپنی دشنام طرازی اور اسلام مخالفت کے لئے مشہور ، ہو ، ایک خاص معنی رکھتا ہے ۔ لہٰذا اس وجہ سے کہ نائپال کے آباء و اجداد ہندوستانی تھے یا یہ کہ نائپال ہندی نژاد ہیں ، خوشی منانا اور نائپال کی قصیدہ خوانی کرنا کچھ عجیب سا لگتا ہے ۔ واضح ہو کہ اسی نائپال نے ہندوستان جنت نشان کو عفونت ، سڑانڈ اور پیشاب خانہ سے تعبیر کرکے اس ملک کی تذلیل کی ہے ۔

وی ایس نائپال نے جب ہندوستان کا ذکر کرتے ہوئے کہا تھا کہ "پٹنہ سے لے کر پورا ملک پیشاب گھر ہے " تو ایک ہنگامہ سا برپا ہوگیا ۔ ہم ہندوستانیوں نے خاص طور پر بڑی لے دے کی ۔ عام طور پر اس معاملہ کو لے کر اس وقت ان کی مذمت کی گئی ۔ لیکن بین الاقوامی سطح پر عموماً ایسی چیزوں کو زیادہ پسند کیا جاتا رہا ہے جس میں کسی ملک کی غریبی ، بھکمری ، اور پستی و ضلالت کا ذکر ہو ۔ بالفاظ دیگر کسی ملک ، جگہ ، قوم ، انسان یا مذہب کو ننگا کرکے دکھایا گیا ہو ۔ انسان فطری طور پر عیاش واقع ہوا ہے اور اسے ایسی باتوں میں نہ صرف مزہ آتا ہے بلکہ یک گونہ سکون بھی ملتا ہے ۔ ہمارے نام نہاد ، مصنف اور دانشور انسان کی اس فطری کمزوری کا فائدہ اٹھاتے رہے ہیں ۔ نوبل کمیٹی نے انعام کے لئے ان کے نام کا اعلان کرتے ہوئے کہا ہے کہ " وہ ایک الگ دبے کچلے طبقے کا تعارف کراتے ہیں " ۔ اب اگر مسٹر نائپال نے بھی ذہنی عیاشی کی ہے تو اس میں حیرت کی کیا بات ہے ؟ (واضح ہو کہ نائپال نے اپنی شکل کے بارے میں صاف لفظوں میں کہا ہے کہ یہ کسی عیاش کی شکل نظر آتی ہے) نائپال بھی آخر ایک انسان ہی ٹھہرے ، ہم آپ کی طرح ۔ لیکن اب انہیں ایک " نشان امتیاز " عطا کردیا گیا ہے ۔ اب وہ نوبل انعام یافتہ ادیب اور دانشور ہیں اور یقیناً اب وہ ہم سے " ممتاز " ہیں۔

ودیادھر سورج پرساد ایک معروف مصنف ہیں لیکن انہوں نے اپنے قلم کو صیقل کرنے کے لئے دیگر باتوں کے علاوہ ہندوستان کی غریبی اور بدحالی کو بیچنے کا کام کیا ہے ۔ اس سلسلہ میں ان کی تین کتابیں خاص طور پر اس بات کی گواہ ہیں۔

An Area of Darkness (1964)

India: A Wounded Civilization (1977)

India: A Million Mutinies now (1990)

آپ مذکورہ تینوں کتابیں پڑھ جائیے ، پھر ٹھنڈے دماغ سے بیٹھ کر سوچئے ۔ اب آپ جس نتیجہ پر پہنچیں گے وہ کچھ میرے احساسات سے الگ نہ ہوگا ۔ کسی بات کو جوں کا توں پیش کردینا ہرگز فنکاری نہیں ہے ۔

وی ایس نائپال کی تحریروں سے عریاں بیانی (جسے عام طور پر راست بیانی یا حقیقت بیانی سے موسوم کیا جاتا ہے) ظاہر ہوتی ہے اور وہ بین السطور میں اپنی اس " راست بیانی " کو جائز ٹھہرانے پر بضد ہیں ، ٹھیک گالز وردی کی طرح ۔ گالز وردی نے اپنے بھونڈے پن کا دفاع کرتے ہوئے ایک من گھڑت واقعہ بیان کیا تھا ؛

" کسی جگہ لوگ نہایت آرام و سکون کی زندگی بسر کرتے تھے کہ ایک صاحب کو خبط سوار ہوا ۔ آپ نے ایک لالٹین لے کر شہر کی سڑکوں پر اور اگلی کوچوں میں ٹہلنا شروع کیا ۔ نتیجہ یہ ہوا کہ سڑکوں اور گلیوں پر ہر جگہ گندگیاں نظر آنے لگیں ۔ اس حرکت سے لوگ بہت خفا ہوئے اور خفا ہونا فطری تھا ۔ جہاں انہیں صفائی نظر آتی تھی اب گندگی نظر آنے لگی ۔ حسن کی جگہ بدنمائی نے لے لی ۔ جس شہر کو وہ دنیا کا سب سے زیادہ خوبصورت شہر سمجھتے تھے وہ بدنمائی اور گندگی کا گہوارہ نکلا ۔ ان لوگوں کا خفا ہونا برحق تھا ۔ بھلا یہ کسی سمجھ دار شخص کا کام تھا کہ اس حسین اور صاف شہر میں گندگی پھیلائے ۔ اس کو پکڑ کر لوگ قاضی کے پاس لے گئے تو اقبال جرم کے عوض فرمانے لگے " میں بے قصور ہوں اور یہ لالٹین بھی بے قصور ہے ۔ میں تو صرف لالٹین لے کر شہر میں چکر لگاتا ہوں ۔ لالٹین کی روشنی سڑکوں پر پڑتی ہے ، تاریک گوشوں کو روشن کرتی ہے ، اب اس روشنی میں گندگیاں جو پہلے سے موجود نظر آنے لگیں تو اس میں میرا یا اس لالٹین کا کیا قصور ہے " ۔

اب کوئی بھلا گالزوردی سے پوچھے کہ صاحب ادب اور تنقید لالٹین کیوں کر ہے ؟ چمکتا ہوا سورج کیوں نہیں ؟ اور بھلا آپ شہر کی گندگی رات کی تاریکی میں ہی کیوں دیکھنے نکلتے ہیں ؟ دن کا انتظار کیوں نہیں کرلیتے ؟ اگر شہر واقعی گندہ ہے یا گندگیوں کا ڈھیر ہے تو سورج کی روشنی میں زیادہ نمایاں نظر آئے گا ۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ آپ خود دن کی روشنی سے نظر چرانے لگے ہیں ؟

یا آپ میں نظر ملانے کی ہمت نہیں؟ یاد رکھیں ادب فن اور شعور سے عبارت ہے۔ گالزوردی کی طرح وی ایس نائپال بھی اس ذہنیت کے شکار نظر آتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ پورا ہندوستان ہی

اہمیت نہیں۔ نائپال کی نظر میں گاندھی جی جاہل اور فہم و تدبر سے نابلد تھے۔

ہندوستان میں آزادی کے تعلق سے گاندھی جی کی اہمیت سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔

نام پر دیش توڑنے کا کام کرتے ہیں، ایسے لوگ ناقابل معافی ہیں۔

ولیم فالکنز کا خیال ہے کہ "ادیب کے لئے 99 فیصد فطانت، 99 فیصد ضبط و نظم اور 99

نائپال کو پیشاب گھر نظر آتا ہے۔ جدید ہندوستان کے معمار گاندھی جی کی بھی ان کی نظر میں کوئی

جو کوئی بھی اس ذہنیت کے حامل ہیں یقینا ایک خاص نظریے کے حامل ہیں اور دیش بھگتی کے

فیصد ریاضت درکار ہے"۔ ادب اور فن کے لئے یہ ریاض، دانشورانہ سوجھ بوجھ اور فنکارانہ گرفت

نائپال کے یہاں ملتا ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر نائپال کی چیزیں بین الاقوامی سطح پر ہاتھوں ہاتھ لی جارہی ہیں اور انہیں سر آنکھوں پر بٹھایا جارہا ہے تو کچھ تو ہے جس کی پردہ داری ہے۔ میں یہاں انسان کی ایک دوسری فطری کمزوری کا ذکر کرنا چاہوں گا اور وہ ہے تعصب۔ آج دنیا میں ہر سطح پر عصبیت کا بول بالا ہے۔ کہیں مذہب کی بنیاد پر، کہیں قومیت کے نام پر کہیں رنگ اور نسل کے نام پر، کہیں ملک اور قوم کی بنیاد پر اور کہیں صرف انسان کے اپنے ذاتی مفاد کے نام پر۔ اس اجمال کی تفصیل مسٹر نائپال کی شخصیت اور ان کا ادب ہے۔

یقینا وی ایس نائپال خود ایک دبے کچلے طبقے سے تعلق رکھتے تھے لیکن انہوں نے اس ابھیشاپ سے پیچھا چھڑانے کے لئے جو طریقہ اپنایا اسے کسی طور پر بھی قابل تعریف نہیں کہا جاسکتا۔ وی ایس نائپال کے دادا 1880ء میں ہندوستان سے ایک بندھوا مزدور کے طور پر ٹرینیڈاد گئے تھے۔ جہاں انتہائی کسمپرسی کے عالم میں انہوں نے زندگی گزاری تھی۔ نائپال کے والد شیو پرساد نائپال نے پڑھ لکھ کر صحافت کا پیشہ اختیار کیا اور ان کی تحریروں میں جد و جہد اور احتجاج کی جھلک واضح طور پر محسوس کی جاسکتی ہے۔ یہ انہی شیو پرساد کی محنت، لگن اور تربیت کا ثمرہ ہے کہ ودیادھر اب "سرودیا" کے خطاب سے پکارے جاتے ہیں۔ بہرحال یہاں ہمارا موضوع شیو پرساد نائپال نہیں اور یہاں اس جملہ معترضہ کی ضرورت اس لئے آپڑی کہ ودیا دھر نائپال نے جتنی بھی کتابیں تصنیف کی ہیں ان میں A House for Mr. Biswas ایک اہم تصنیف ہے۔ کہانی کے ہیرو ودیا دھر کے والد شیو پرساد ہیں اور ضمنی کردار کے طور پر خود ودیادھر بھی نظر آتے ہیں۔ اس میں بنیادی طور پر نائپال نے غیر مقیم ہندوستانیوں کو موجودہ معاشرے میں رہتے ہوئے اپنی جڑوں کو پکڑے رہنے کی جد و جہد کرتے دکھایا ہے۔

کہانی بظاہر بہت عام سی ہے۔ ٹرینیداد میں ایک ہندوستانی برہمن جابسا ہے۔ وہاں تنہائی کی کسک اور اپنی جڑ سے اکھڑ جانے کا غم اسے بری طرح ستاتا ہے۔ کہانی کے ہیرو مسٹر بسواس کو یہ بات اکثر کچوٹتی رہتی ہے کہ جڑ سے اکھڑ کر بھی اسے اپنا ایک گھر نہیں ملا۔ اس کی ساری تگ و دو، ساری جد و جہد اسی ایک گھر، اپنے اسی جڑ کی تلاش کے لئے ہوتی ہے۔

کہانی یقینا عام سی ہے لیکن اس کا ٹریٹمنٹ اتنا اچھا ہے کہ پڑھنے والے کو مسٹر بسواس سے ایک لگاؤ سا پیدا ہوجاتا ہے اور وہ بھی اس سے ہمدردی کرنے لگتا ہے۔ یہی اس ناول کی کامیابی ہے۔ سچا فن اور فنکار وہی ہے جو قصہ تو بیان کرے کسی ایک شخص کا لیکن اس میں عکس نظر آئے پوری ایک جماعت کا، پوری ایک قوم کا بلکہ پوری دنیا کا۔ اپنا گھر چھوڑ کر پردیس میں جابسے ایک انسان کا غم، اس کی پریشانیاں، اپنی جڑوں کی تلاش ایک ایسا موضوع ہے جو نائپال کی تخلیقات میں بار بار مختلف شکلوں میں نمایاں ہوتا ہے۔ یہ ناول اپنے موضوع، اسلوب اور ٹریٹمنٹ کے لحاظ سے اہم ہے لیکن تعجب ہے کہ انہیں نوبل انعام اس کتاب کے لئے نہیں بلکہ ان کی ایک دوسری تصنیف An Enigma of Arrival کے لئے دیا گیا ہے۔

اپنی جڑ کی اسی تلاش میں نائپال کئی بار ہندوستان بھی آئے۔ لیکن ہندوستان کے تئیں انہوں نے جس طرح کے جذبات و احساسات اور مشاہدات کا اظہار کیا ہے اور جن الفاظ میں کیا ہے وہ ان کی دانشورانہ حیثیت پر حرف لاتا ہے۔ یہی وجہ ہے کہ ہندوستان سے متعلق ان کی کتابوں پر منفی تاثرات کا اظہار کیا گیا اور اکثر انہیں ناپسندیدگی کی نظر سے بھی دیکھا گیا۔

"این ایریا آف ڈارکنس، انڈیا: اے وونڈڈ سیویلائزیشن اور انڈیا: اے ملین میوٹنز ناؤ" ان کی مشہور کتابیں ہیں۔ ان کتابوں کے نام سے ہی ظاہر ہے کہ ان میں کیا کچھ ہوگا۔ اندھیر نگری، زخمی تہذیب اور بغاوت ہی بغاوت۔ شاید انہیں الفاظ سے نائپال کی نظر میں ہندوستان عبارت ہے۔ نائپال کی پیدائش ٹرینیداد میں ہوئی لیکن ان کی تربیت برطانیہ میں ہوئی۔ انہوں نے شہریت بھی برطانیہ کی ہی اختیار کی اور اب وہ اس کا حق نمک ادا کررہے ہیں۔ ان کی تحریروں کا یہ انداز و اسلوب بہت کچھ اسی تربیت کی دین معلوم ہوتا ہے۔ ان کی تازہ ترین کتاب "ہاف اے لائف" بھی اسی بات کا ثبوت ہے۔ یہ ایک سوانحی ناول ہے جس کا ہیرو خود نائپال ہے۔ اس ناول میں ولی چندرن (نائپال) ایک افرد پرتگالی لڑکی "انا" سے عشق کرتا ہے پھر شادی۔ اس میں چندرن طوائفوں سے جنسی تعلقات قائم کرنے کا اعتراف بھی کرتا ہے۔ نائپال کی یہ کہانی اس کی آدھی زندگی پر مشتمل ہے جو اس کی پہلی بیوی پٹریشیا ہیل کے ساتھ گزری تھی جسے اس کتاب میں نائپال نے "انا" کا نام دیا ہے۔

جدید ہندوستان اور ہندوستانی نظریات کی بات جب آتی ہے تو یہ بات پہاڑ بن کر ہمارے سامنے کھڑی ہوتی ہے کہ جدید ہندوستان کے معمار مہاتما گاندھی کے بارے میں اس مصنف کے خیالات کیا ہیں۔ یہاں یہ دیکھ کر تعجب ہوتا ہے کہ نائپال اور نائپال کی ہندوستانیت کی تشہیر کرنے والوں کو ان کے گاندھی مخالف خیالات و نظریات آخر کیوں نظر نہیں آتے ہیں۔ کیا گاندھی واقعی 1948ء میں مارا جاچکا؟

ان سب باتوں کے باوجود ہمیں اس بات پر فخر ہے کہ ایک ہندوستانی نژاد مصنف کو نوبل انعام سے نوازا گیا۔ اس مصنف کو جس نے ہندوستانی نژاد ہوتے ہوئے بھی انگریزی ادب کی وسعت میں "بیش بہا کارنامے" انجام دئے۔

نائپال کو نوبل انعام دینے کا اعلان کرتے ہوئے نوبل کمیٹی نے جن باتوں کے لئے نائپال کی تعریف کی ہے وہ کچھ اس طرح ہیں:

"نائپال کی تحریریں ہمیں دبائی ہوئی تاریخ کی موجودگی سے آنکھ ملانے کے لئے مجبور کرتی ہیں۔ نائپال ایسے رائٹر ہیں جو وقت کی نبض کو تھامے ہوئے ہیں۔ نائپال نے ادب کے موجودہ رجحان اور آدرش سے خود کو الگ رکھتے ہوئے ایک الگ راہ نکالی ہے۔ ایسی راہ جس میں فکشن اور نان فکشن کے درمیان روایتی فرق کافی کم ہوگیا ہے"۔

نوبل انعام کمیٹی کی ان باتوں میں کتنی سچائی ہے؟ اس کے لئے نائپال کی تمام تر

تصانیف کا تفصیلی اور تنقیدی و تجزیاتی مطالعہ درکار ہے ۔ البتہ ہم یہاں ان کی کم و بیش 25 کتابوں میں سے دس اہم کتابوں کے نام لکھتے ہیں جن کے مطالعے سے نائپال کے خیالات ونظریات کو سمجھنے میں مدد مل سکتی ہے :

1- A house for Mr. Biswas - 1961
2- An Area of Darkness - 1964
3- India: A Wounded Civilization - 1977
4- Among the Belivers - 1981
5- Finding thocentre - 1984
6- An Enigma of Arrival - 1987
7- India: A Million Mutinies now - 1990
8- A way in the World - 1994
9- Beyond Belief - 1998
10- Half a Life - 2001

وی ایس نائپال کی دوسری شناخت ان کی اسلام مخالف تحریریں ہیں۔ حقیقت بیانی اور حقیقت نگاری کے پردے میں نائپال نے اسلام پر ایسی ایسی تہمتیں لگائی ہیں جن کا حقیقت سے دور دور کا کوئی واسطہ نہیں رہا۔

وہ بات جس کا سارے فسانے میں ذکر نہ تھا
وہ بات ان کو بہت ناگوار گزری ہے

نائپال کی اسلام مخالف تحریروں سے ان کی عصبیت اور تنگ نظری کا صاف اظہار ہوتا ہے ۔ بابری مسجد شہادت پر نائپال نے کہا تھا:

" مجھے نہیں لگتا کہ بھارت کے لوگ صدیوں پہلے کی اسلامی تخریب کاری سے ابھی تک نکل پائے ہیں۔ تب کیا ہوا تھا، یہ وہ ٹھیک سے سمجھ بھی نہیں سکے ہیں۔ ایودھیا آندولن کچھ کچھ اسے سمجھنے کی کوشش ہی ہے ۔ یہ تھوڑا گمراہ کن ہوسکتا ہے لیکن ہے ایک تاریخی عمل کا حصہ۔ اسے فاشزم کہنے والے یہ نہیں سمجھ پارہے ہیں کہ کیوں پورے ہندوستان میں اسے لوگوں کے دلوں میں جگہ ملی ہے ۔"

یہاں نائپال کی اس بات کا کافی و شافی جواب حاصل نہیں ہوگا اور یہ تضیع اوقات بھی ہے ۔ ایودھیا اور بابری مسجد کے تعلق سے کافی بحث ہوچکی ہے ۔ اب یہ بات روز روشن کی طرح عیاں ہے کہ یہ تنازعہ نہ تو "قومی فخر" کا معاملہ ہے اور نہ ہی مذہبی جذبات کا۔ بلکہ اس کے پیچھے سیاست اور مذہبی عصبیت کارفرما ہے اور جو لوگ بھی اس کی پشت پناہی یا حمایت کررہے ہیں وہ فاشزم کو بڑھاوا دے رہے ہیں اور ایسے لوگوں کو چاہئے کہ وہ نائپال کی ہندوستان پر لکھی کتاب "اے وونڈڈ سویلائزیشن" ضرور پڑھ لیں، ان کی آنکھیں کھل جائیں گی۔ جہاں تک نائپال کے خیال کا تعلق ہے تو نائپال کا یہ خیال اسلام اور ہندوستان کی بھائی چارگی اور فرقہ وارانہ ہم آہنگی کے خلاف ہے ۔

جو لوگ بھی نائپال کو نوبل انعام ملنے پر خوشی سے پھولے نہیں سمارہے ہیں، وہ ان حقائق سے نابلد ہیں اور صرف ایک خاص ذہنیت کے تحت نائپال کی قصیدہ خوانی کررہے ہیں ۔ نائپال نے اسلام سے متعلق جو گل افشانیاں کی ہیں، ان کا نچوڑ کچھ اس طرح ہے :

" اسلام آج بھی ہزار سال پہلے کے عرب میں پیغمبر (حضور اکرمؐ) کے بنائے ہوئے اٹل اصولوں کا غلام ہے ۔ اس میں تاناشاہی بھری ہوئی ہے اور عقل و شعور کے جذبات کے فروغ کا کوئی موقع نہیں ۔ وہ تاریخ کو اپنے مذہبی اعتقادات کی توثیق کے علاوہ اور کسی روپ میں دیکھنا ہی نہیں چاہتا ۔ نہ اس کی اجازت دیتا ہے ۔ آج کی دنیا میں سماج ، سائنس اور تکنیکی طور پر مسلم سماج کے پچھڑے پن کا صرف یہی سبب ہے ۔ اسلام کا ظہور عقل و دانش پر مبنی ایک عظیم تحریک کی شکل میں ہوا تھا لیکن آج اس کے پاس سیاسی یا روزمرہ کے مسائل کا حل نہیں ہے ۔ دینے کے لئے اس کے پاس محض مذہبی ایقان اور پیغمبر ہیں، جو سب کچھ ٹھیک کردیں گے ۔ لیکن اب وہ ہیں نہیں۔ اس لئے آج کا سیاسی اسلام اتنا غضب ناک اور پرتشدد ہوا اٹھتا ہے " وغیرہ وغیرہ۔

صاف ظاہر ہے کہ یہاں نائپال کی اسلام دشمنی کام کررہی ہے ۔ ورنہ اگر وہ فہم و فراست اور عقل و شعور سے کام لیتے تو ہرگز اس نتیجہ پر نہیں پہنچتے ۔ نائپال نے آج کے مسلمانوں اور مسلم حکومتوں کو بادی النظر میں دیکھ کر ہی یہ نتیجہ نکالا ہے ۔ ورنہ اگر اصل اسلام کا انھوں نے ٹھنڈے دل سے مطالعہ کیا ہوتا تو نتیجہ کچھ اور ہی نکلتا۔

برنارڈ شا نے کہا تھا: "Islam is a best religion but Muslim isa Worst Community" یعنی اسلام سب سے اچھا مذہب ہے لیکن مسلمان ایک بدترین قوم ہے ۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ مسلمانوں نے اپنے اعمال و افعال سے اسلام کو کافی بدنام کیا ہے ۔ مسلمانوں کی تباہ حالی اور ضلالت و گمراہی کی ایک خاص وجہ یہ بھی ہے ۔ کاش کہ ہم آج بھی اللہ کی رسی کو مضبوطی سے تھام لیں اور خود بھی سرخرو اور کامیاب ہوں اور اس دین فطرت اسلام کو بھی سربلند کریں ۔ نائپال جیسے " دانشوروں" کے لئے برنارڈ شا کا یہ قول مشعل راہ ہوسکتا تھا، اگر ان میں حق و صداقت کی قبولیت کی صلاحیت ہوتی ۔ لیکن جہاں تعصب اور اسلام دشمنی کار فرما ہو، وہاں حق و صداقت کی قبولیت کا کوئی گزر نہیں ہوسکتا۔

ہندی کے مشہور ادیب پروفیسر نامور سنگھ نے نائپال کو نوبل انعام ملنے پر اپنے تاثرات کا اظہار کرتے ہوئے کہا کہ نائپال کا ادب اس معیار کا نہیں ہے کہ انہیں نوبل انعام دیا جاسکے ۔ انھوں نے صاف لفظوں میں کہا ہے کہ " نائپال کو یہ انعام اسلام دشمنی کے سبب دیا گیا ہے " آخر میں معاصر انگریزی روزنامہ " دی ٹائمز آف انڈیا " کی رائے نقل کرنا مناسب سمجھتا ہوں ۔ ٹائمس آف انڈیا لکھتا ہے :

" نائپال کے نظریات پختہ نہیں ہیں ۔ اکثر ان میں جذباتیت کی جھلک ملتی ہے ۔ اسلام کے بارے میں وہ معاندانہ جذبہ رکھتے ہیں لیکن نوبل انعام ان حالات میں دیا گیا جب پورا عالم اسلام بے چینی اور بے قراری کے عالم میں مبتلا ہے ۔ اس لئے سویڈش اکیڈمی کا فیصلہ ایک بار پھر اختلافات کا شکار ہو کر رہ گیا ہے " ۔

●●●●●

ایک عظیم کھلاڑی اور ایک عظیم انسان: مرلی دھرن

محمد بن عبداللہ رفاعی

ماضی میں طاقتور ٹیموں کے لئے ترنوالہ ثابت ہونے والی سری لنکن کرکٹ ٹیم جسے بے بی آف کرکٹ کے نام سے جانا جاتا ہے آج کرکٹ کی دنیا کی طاقت ور ٹیموں میں سے ایک ہے اور اس ٹیم کی اصل طاقت آف اسپنر مرلی دھرن ہے جن کی حالیہ مصروفیات میچوں کے دوران ماسوائے بیٹسمینوں کو آؤٹ کرنے کے کچھ اور نظر نہیں آتی۔ گزشتہ سال مرلی دھرن نے جنوبی افریقہ کے خلاف کھیلتے ہوئے 58ویں ٹسٹ میں اپنی 300ویں وکٹیں مکمل کیں، پھر 66 ویں ٹسٹ میں مرلی نے بنگلہ دیش ٹیم کے کھلاڑی محمد شریف کو آؤٹ کرکے ٹسٹ میچوں میں 350 وکٹوں کے کلب کا ممبر بن گیا۔ گزشتہ ہفتہ گال میں زمبابوے کے مقابلے میں سیریز کے تیسرے اور آخری ٹسٹ میچ میں مرلی نے ہنری اولنگا کو بولڈ کرکے ٹسٹ کرکٹ کی 125 سالہ تاریخ میں پہلے آف اسپنر کی حیثیت سے 400 وکٹوں کا سنگ میل عبور کرلیا۔ مرلی دھرن ڈسمبر 2000ء سے مسلسل نان اسٹاپ کرکٹ کھیل رہے ہیں۔ اس عرصے میں انہوں نے 300 سے 350 وکٹوں تک پہنچنے کیلئے 8 ٹسٹ میچوں کا سہارا لیا پھر 350 سے 400 وکٹوں تک پہنچنے کیلئے انہوں نے صرف چھ میچوں کا سہارا لیا۔ مرلی دھرن کا کہنا ہے کہ وہ ریکارڈ کے بارے میں نہیں سوچ رہے تھے ان پر صرف وکٹیں حاصل کرنے کا جنون سوار تھا۔ سری لنکا کے اس انتہائی باصلاحیت گیند باز متھیا مرلی دھرن کے بارے میں یہ تک کہا جاچکا ہے کہ وہ جادوگار ہیں اور اپنی ربر کی کلائی سے بلے بازوں کے چھکے چھڑا سکتے ہیں، دنیا کے سب سے کم عمر بولر ہیں جنہیں ٹسٹ کرکٹ میں چار سو وکٹیں لینے کا اعزاز حاصل ہوا ہے۔ 15 جنوری کو جب سری لنکا زمبابوے کے خلاف تیسرا اور آخری ٹسٹ میچ کھیل رہا تھا، مرلی دھرن نے مخالف ٹیم کے ہنری اولنگا کو بولڈ کرکے اپنا چار سوواں وکٹ حاصل کیا۔ 8 سال کی عمر میں، اسکول کرکٹ سے گمفاڈسٹرکٹ الیون کیلئے منتخب کئے جانے والے آف اسپنر مرلی دھرن کو اپنے کیریئر کی ابتداء میں یہ اندازہ شاید نہ رہا ہو کہ اس میں دنیائے کرکٹ کا کتنا بڑا کھلاڑی چھپا ہوا ہے۔ سری لنکا جو کل تک کرکٹ کھیلنے والے ملکوں میں سب سے کمزور ٹیم جانی جاتی تھی اب ایسا وقت آگیا ہیکہ ناقابل تسخیر بن چکی ہے اور اب صورت حال یہ ہے کہ اسے دنیا کی اہم ٹیموں میں شمار کیا جاتا ہے۔ سری لنکا کی اس کامیابی کا راز کیا ہے؟ اس سوال کے جواب میں کہا جاسکتا ہے کہ سری لنکا اس لئے کامیاب ہے کہ ان کے یہاں اسکول کرکٹ کو خاصی اہمیت دی جاتی ہے۔ وہ اسکول کرکٹ کے کوچ اور انچارج ماسٹرس کی محنت ہی ہوتی ہے جس کے نتیجے میں کرکٹ کی بڑی اچھی صلاحیتیں سری لنکا میں پیدا ہوتی ہیں۔ مرلی دھرن انہی قابل رشک صلاحیتوں میں سے ایک ہیں۔ اسکول کرکٹ سے ابھرنے اور پھر شائقین کرکٹ میں مقبول ہوجانے والے بہت سے کھلاڑی ایسے ہوتے ہیں جو شہرت اور مقبولیت حاصل کرنے کے بعد اپنی جڑوں کو بھول جاتے ہیں۔ مرلی دھرن کی خصوصیت یہ ہے کہ انہوں نے اس بات کو اب تک یاد رکھا ہے اور شاید زندگی بھر نہ بھول پائیں کہ ان کی بنیادی تربیت ان کے اسکول نے کی ہے۔ وہ اسکول کی کاوشوں کے اعتراف ہی کا جذبہ تھا کہ ایک بار مرلی دھرن نے اپنے اسکول کے کوچ سنیل فرنانڈو کیلئے نہ صرف یہ کہ ایک اعزازی تقریب منعقد کی بلکہ ان کی خدمت میں 50 ہزار روپئے کا چیک بھی پیش کیا تھا۔ بتایا جاتا ہے کہ کنوگا سٹونا (سری لنکا) کے سینٹ انتھونی کالج میں جب سنیل فرنانڈو اپنے شاگرد سے اعزاز حاصل کررہے تھے، ان کی آنکھوں میں آنسو تھے۔ انہوں نے متھیا کو گلے لگالیا تھا۔ سری لنکا کے دیگر کرکٹروں میں مارلون وونہاگٹ، اور پی وجئے تنگا بھی سنیل فرنانڈو ہی کے شاگرد رہے ہیں۔ مذکورہ بالا واقعہ سے مرلی دھرن کی انسانی خوبی کا پتہ چلتا ہے۔ ان کے بارے میں اسپورٹس کے کئی صحافیوں نے لکھا ہے کہ ان میں اچھے کرکٹر کی

جتنی خوبیاں موجود ہیں، اتنی ہی یا اس سے زیادہ شخصی خوبیاں ان میں پائی جاتی ہیں۔ یہ الگ بات ہے کہ اس کالم میں ہمیں ان کے حالیہ ریکارڈ سے بحث مقصود ہے۔

اوپر یہ بات لکھی گئی ہے کہ مرلی چار سوواں ٹسٹ وکٹ حاصل کرنے والے سب سے کم عمر کھلاڑی ہیں لیکن یہی ان کا طرہ امتیاز نہیں ہے بلکہ انہوں نے ایک اور ریکارڈ قائم کیا ہے۔ واضح رہے کہ ریکارڈز میں یہ بھی دیکھا جاتا ہے کہ کس نے کتنی تیزی اور کتنے کم عرصہ میں ریکارڈ قائم کیا ہے۔ ٹسٹ کرکٹ کے چار سو وکٹوں کے بارے میں اب تک کا ریکارڈ یہ تھا کہ نیوزی لینڈ کے رچرڈ ہیڈلی نے سب سے کم مدت میں چار سو وکٹوں کا کارنامہ انجام دیا تھا لیکن مرلی دھرن نے یہ ریکارڈ بھی توڑدیا۔ ہیڈلی نے یہ اعزاز 80 ٹسٹ میچوں میں حاصل کیا تھا لیکن مرلی نے صرف 72 ٹسٹ میچوں میں یہ کارنامہ انجام دیکر ایک نئی تاریخ بنائی ہے۔

مرلی دھرن نے 1992ء میں آسٹریلیا کے خلاف کولمبو میں کریگ میکڈرمٹ کا وکٹ لیکر اپنے ٹسٹ کیریئر کا شاندار آغاز کیا تھا۔ میکڈرمٹ کے پہلے وکٹ سے لیکر ہنری اولنگا کے 4 سوویں وکٹ تک مرلی دھرن کا پورا سفر انتہائی آب و تاب کے ساتھ جاری رہا۔ وہ 4 سو وکٹ حاصل کرنے والے ساتویں کھلاڑی ہیں۔ ان سے پہلے یہ اعزاز جن کھلاڑیوں کو حاصل ہوا ان کے نام اس طرح ہیں، رچرڈ ہیڈلی، کپل دیو، کورٹنی والش، وسیم اکرم، کرٹلی امبروز اور شین وارن۔

متھیا مرلی ترن نے اپنے نام کے ساتھ کئی ریکارڈ درج کروا رکھے ہیں۔ وہ ٹسٹ کرکٹ کے اولین کھلاڑی ہیں جنہوں نے ایک میچ میں دس یا دس سے زیادہ وکٹ لینے کا اعزاز و امتیاز ایک نہیں بلکہ پورے دس مرتبہ حاصل کیا ہے۔ انہوں نے 3 سو وکٹوں کا ریکارڈ بھی انتہائی کم عرصہ میں قائم کیا تھا۔ 3 سو وکٹ لینے کے لئے انھیں صرف 58 ٹسٹ میچ درکار ہوئے۔ ایک ہی مقام پر سب سے زیادہ وکٹ حاصل کرنے کا اعزاز بھی مرلی دھرن ہی کو حاصل ہے۔ انہوں نے کولمبو میں 100 وکٹ لئے ہیں جبکہ صرف 66 میچوں میں 350 وکٹیں لینے کا ریکارڈ بھی انہیں کے نام کے ساتھ درج ہے۔

مرلی دھرن نے ٹسٹ کیریئر کے 400 وکٹوں تک کے سفر میں جنوبی افریقہ کے خلاف 10 ٹسٹ میچ کھیل کر 21.37 رنوں کے اوسط سے سب سے زیادہ (70) وکٹ لئے۔ جنوبی افریقہ ہی کے خلاف ان کا ایک میچ میں 171 رن دیکر 13 وکٹیں لینے کا ریکارڈ بھی ہے۔ زمبابوے کے خلاف ان کا سب سے اچھا پرفارمنس بھی اسی میچ میں رہا جب انہوں نے 51 رن دیکر 9 وکٹ لئے تھے۔ سری لنکا کے اس مایہ ناز بولر نے پاکستان کے خلاف 24.91 رن کی اوسط سے 60 وکٹ اکٹھا کئے۔ ویسٹ انڈیز کے خلاف 18.86 رن کے اوسط سے انہوں نے 44 وکٹ لئے۔ نیوزی لینڈ کے خلاف انہوں نے 23.38 رن کے اوسط سے 39 وکٹ حاصل کئے۔

مرلی دھرن نے ایک ٹسٹ میچ میں 220 رن دیکر سب سے زیادہ 16 وکٹ لینے کا ریکارڈ انگلینڈ کے خلاف 1998ء میں اوول کے میدان پر قائم کیا تھا۔ انگلینڈ کے خلاف انہوں نے 23.25 رن کے اوسط سے 35 وکٹ لئے ہیں۔

مرلی دھرن نے ایک ٹسٹ میچ میں 220 رن دیکر سب سے زیادہ 16 وکٹ لینے کا ریکارڈ انگلینڈ کے خلاف 1998ء میں اوول کے میدان پر قائم کیا تھا۔ انگلینڈ کے خلاف انہوں نے 23.25 رن کے اوسط سے 35 وکٹ لئے ہیں۔

مرلی دھرن کا پہلا شکار کریگ میکڈورمٹ، 50 واں شکار نوجوت سنگھ سدھو (بنگلور۔ 94-1993)، 100 واں شکار نیوزی لینڈ کے کرس کیرنس (ہیملٹن۔ 97-1996)، 150 واں شکار زمبابوے کے وہٹل (کولمبو۔ 98-1997)، 200 واں شکار انگلینڈ کے بین ہالیوک (لندن۔ 1998)، 250 واں شکار پاکستان کے نوید اشرف (کراچی۔ 2000-1999)، 300 واں شکار جنوبی افریقہ کے شان پولاک (01-2000)، 350 واں شکار بنگلہ دیش کے محمد شریف اور 400 واں شکار ہینری اولنگا تھے۔

ہیڈلی نے 400 واں وکٹ اپنے 80 ویں ٹسٹ میں کپل دیو نے 115 ویں ٹسٹ میں، والش نے 107 ویں ٹسٹ میں، وسیم اکرم نے 96 ویں ٹسٹ میں، امبروز نے 97 ویں ٹسٹ میں، شین وارن نے 92 ویں ٹسٹ میں اور مرلی نے (جیسا کہ اوپر درج کیا گیا ہے) اپنے 72 ویں ٹسٹ میں حاصل کیا۔

ویسے تو مرلی دھرن کا پورا کیریئر صاف ستھرا رہا ہے لیکن اس شاندار کیریئر کے دوران ایک وقت ایسا بھی آگیا تھا جب امپائر رائے ایمرسن نے انہیں تھرو گیند باز قرار دیدیا تھا۔ مرلی دھرن نے اس واقعہ کو کسی برے خواب کی طرح فراموش تو کر ہی دیا ہے لیکن اپنی صلاحیتوں کے بھرپور استعمال کے ذریعہ عالم کرکٹ کو یہ باور کرانے کی بھی کوشش کی ہے کہ وہ ایک سنجیدہ کھلاڑی اور سنجیدہ انسان ہیں۔ ہندوستانی ٹیم کے کوچ جان رائیٹ کے خیال میں مرلی دھرن بیٹسمینوں کیلئے کسی ماؤنٹ ایورسٹ سے کم نہیں ہے اور مرلی دھرن کو کھیلنا بیٹسمینوں کیلئے اتنا ہی مشکل ہے جتنا کسی کوہ پیما کیلئے کسی بلند پہاڑی چوٹی پر پہنچنا۔ سنہالیز اسپورٹس کلب کرکٹ گراؤنڈ کولمبو پر سری لنکا کا یہ ریکارڈ ساز اسپنر اپنی ٹسٹ وکٹوں کی سنچری مکمل کرچکا ہے۔ اس کے معنی یہ ہیں کہ آسٹریلوی بولر ڈینس للی کا کسی ایک میدان پر سب سے زیادہ ٹسٹ وکٹیں لینے کا عالمی ریکارڈ بھی ماضی کا قصہ بن گیا ہے۔ ڈینس للی نے ملبورن کی وکٹ پر 82 وکٹیں حاصل کی تھیں۔

سحر انگیز بولر مرلی تھرن کا مختلف ممالک کے خلاف ریکارڈ درجہ ذیل ہے۔

حریف	ٹسٹ	اوورس	رنز	وکٹس	BBI	BBM	اوسط	5-WI	10-WM
آسٹریلیا	07	306.2	922	22	5/71	7/128	41.90	01	00
بنگلہ دیش	01	45.1	111	10	5/13	10/111	11.10	02	01
انگلینڈ	05	410.5	814	35	9/65	16/220	23.25	02	01
ہندوستان	12	637	1680	51	8/87	11/196	32.94	03	01
نیوزی لینڈ	08	374.1	912	39	5/30	9/227	23.38	03	00
پاکستان	11	564.5	1495	60	6/71	10/148	24.91	04	01
جنوبی افریقہ	10	653.1	1496	70	7/84	13/171	21.37	08	02
ویسٹ انڈیز	06	351.3	830	44	6/81	11/170	18.86	05	02
زمبابوے	12	687.1	1224	69	7/94	12/117	17.74	05	02

مرلی دھرن نے 50 ہزار کا چیک پیش کر کے ایک فرد یعنی اپنے استاد فرنانڈو کا دل جیتا تھا لیکن پچھلے سال انہوں نے بنگلہ دیش کے ہزاروں کرکٹ شائقین کا دل اس وقت جیت لیا جب "مین آف دی میچ" ایوارڈ کے ساتھ ملنے والی پوری انعامی رقم انہوں نے بنگلہ دیش کے نوجوان کرکٹر محمد اشرف اللہ کی نذر کر دی تھی ۔ مرلی دھرن کی متعدد خوبیوں میں سے ایک یہ بھی ہے کہ وہ نئے کھلاڑیوں کو حوصلہ دینے کیلئے کسی بھی حد سے گزرنے کو تیار رہتے ہیں ۔ یہ جذبہ کوئی معمولی جذبہ نہیں ہے ۔ کسی نے سچ ہی کہا ہے "مرلی دھرن نہیں جانتے کہ وہ کتنے عظیم ہیں" ۔ سچ مچ مرلی ایک عظیم کھلاڑی اور ایک عظیم انسان ہے ۔ مرلی دھرن ٹسٹ کرکٹ میں 400 وکٹوں کا سنگ میل عبور کرنے والے دنیا کے ساتویں بولر ہیں ۔ ویسٹ انڈیز کے کورٹنی والش 132 ٹسٹ میچوں میں 519 وکٹوں کے ساتھ ٹاپ پر ہیں ۔ ہندوستان کے کپل دیو نے 131 میچوں میں 434، نیوزی لینڈ کے رچرڈ ہیڈلی نے 86 میچوں میں 431، آسٹریلیا کے شین وارن نے 98 میچوں میں 430، پاکستان کے وسیم اکرم نے 103 میچوں میں 414، ویسٹ انڈیز کے کرٹلی امبروز نے 98 میچوں میں 405 وکٹیں حاصل کی ہیں ۔

مرلی دھرن 72 ٹسٹ میچوں میں 24120 گیندوں پر 9417 رنز کے عوض 404 وکٹیں حاصل کر چکے ہیں ۔ اگر مرلی دھرن کی فتوحات کا یہی سلسلہ جاری رہا تو کوئی وجہ نہیں کہ آئندہ دو برس میں صرف 31 سال کی عمر میں وہ کورٹنی والش کی 519 وکٹوں کا عالمی ریکارڈ توڑ کر آگے نکل جائیں اور 2003ء میں ایسا ہونا قرین قیاس دکھائی دیتا ہے ۔

☆☆☆

آسٹریلین اوپن پر جوہانسن کا قبضہ

خواتین سنگلز کا خطاب کپریاٹی کے پاس

ٹورنمنٹ کے فیوریٹ کھلاڑی مرات سافن کو شکست دیکر سویڈن کے تھامس جوہانسن نے پہلی مرتبہ آسٹریلین اوپن پر قبضہ کر لیا ۔ گزشتہ 14 برسوں میں آسٹریلین اوپن پر قبضہ کرنے والے جوہانسن پہلے سویڈش کھلاڑی ہیں ۔ 26 سالہ جوہانسن نے پہلے سیٹ میں پیچھے رہنے کے باوجود 2000ء امریکی اوپن چمپین سافن کو 3-6,6-4,6-4,7-6 سے ہرادیا اور اس کیلئے انہیں 2 گھنٹے 53 منٹ تک سخت جدوجہد کرنی پڑی ۔ واضح ہو کہ جوہانسن 1976ء میں آسٹریلیائی مائیک ایڈ مونڈس کے بعد اس خطاب پر قبضہ کرنے والی فہرست کے سب سے کمتر کھلاڑی ہیں ۔ اس سے قبل خواتین کے سنگلز فائنل میں امریکہ کی جنیفر کپریاٹی نے سوئیزرلینڈ کی مارٹینا ہنگز کو شکست دیکر خطاب پر قبضہ کر لیا ۔ کپریاٹی ہنگس کے ہاتھوں پہلا سیٹ ہار گئیں تھیں مگر اس کے بعد انہوں نے

جوہانسن کپ تھامے مسکراتے ہوئے ۔

دونوں سیٹوں پر آسانی سے قبضہ کر لیا ۔ کپریاٹی نے یہ میچ 4-6,7-6,6-2 سے جیت لیا ۔ اس ٹورنمنٹ میں پٹ سمپراس اور ٹامی ہاس کو شکست دینے والے روس کے نویں سیڈ سافن کو اس خطاب کا سب سے مضبوط دعویدار مانا جارہا تھا مگر جیسا کہ جنوبی افریقہ کے ایک کھلاڑی نے ان کے بارے میں کہا تھا کہ وہ اکثر بہت اچھا کھیل پیش کرتے ہیں اور اکثر وہ اہم مواقعوں پر بہت خراب کھیل بھی پیش کرتے ہیں ان میں ذہنی پختگی کی کمی ہے اور وہی ہوا جس کا ڈر تھا ۔ وہ پہلے سیٹ پر قابض ہونے کے باوجود بقیہ دونوں سیٹ ہار گئے ۔ جوہانسن نے کھیل کی جو حکمت عملی تیار کر رکھی تھی اسی پر عمل کیا اور کھیل کے دوران ایک لمحے کیلئے بھی اپنا دھیان بٹنے نہیں دیا ۔ کسی سویڈش کھلاڑی نے آخری مرتبہ

کپریاتی کامیابی کے بعد۔

آسٹریلین اوپن پر قبضہ 1988ء میں کیا تھا۔ یہ فتح میٹس ولانڈر نے پٹ کیش کو شکست دیکر حاصل کی تھی۔ دلچسپ بات یہ ہیکہ وہی ولانڈر آج کل سافن کے کوچ ہیں۔ کھیل کے بعد جوہانسن نے کہا "میں مرات کو مبارکباد دیتا ہوں کہ اس نے اچھی ٹینس کا مظاہرہ کیا۔ میں خوش قسمت تھا، جیت گیا"۔ سافن نے اس شکست کو خوش دلی سے قبول کرتے ہوئے تماشائیوں سے کہا "تھامس کو مبارکباد اس نے اعلیٰ درجے کا کھیل پیش کیا۔ میں کچھ نہ کرسکا۔ یہ بہت ضروری ہے کہ آپ اس فتح کا جس قدر جشن منا سکتے ہوں منائے"۔ جوہانسن کو یہ فتح 25 ویں گرینڈ سلم میں شرکت کے بعد ملی اور انہوں نے اس فتح سے 5 لاکھ امریکی ڈالر کی رقم کمائی۔ اس سے قبل وہ کبھی بھی کوارٹر فائنل سے آگے تک نہیں جاسکے تھے۔ سافن کیلئے فائنل کے روز موقع تھا کہ وہ اپنی 22 ویں سالگرہ جو اسی روز منعقد تھی جوہانسن کو شکست دیتے ہوئے منائے لیکن یہ سالگرہ ان کیلئے خوشیوں کا سوغات نہیں ثابت ہوسکی۔

کیف لکشمن کی جگہ ٹیم میں شامل

انگلینڈ کے خلاف جاری یکروزہ سیریز کے بقیہ میچوں کیلئے وی وی ایس لکشمن کو خارج کرتے ہوئے ہندوستانی سلیکٹرس نے محمد کیف کو موقع فراہم کیا ہے۔ محمد کیف اپنی صلاحیتوں کے بل بوتے پر کئی بار سلیکٹرس کو اپنی جانب متوجہ کرنے میں کامیاب رہے لیکن عجیب اتفاق ہے کہ انہیں ٹیم میں شامل تو کرلیا جاتا ہے لیکن انہیں گراؤنڈ پر اپنے کھیل کو پیش کرنے کا موقع فراہم نہیں کیا جاتا۔ اس بار انہیں انگلینڈ کے خلاف لکشمن کو خارج کرتے ہوئے موقع فراہم کیا گیا ہے۔ لکشمن کا اخراج کرکٹ کی تاریخ کا ایک اہم واقعہ ہے کیونکہ ابھی گزشتہ برس ہی انہوں نے کولکتہ میں آسٹریلیا کے خلاف 281 رنوں کی ایک شاندار اننگز کھیلی تھی۔ بی سی سی آئی کے سکریٹری نرنجن شاہ نے بتایا کہ لکشمن کی جگہ اتر پردیش کے آل راؤنڈر محمد کیف کو ہندوستان کی 14 رکنی ٹیم میں شامل کیا گیا ہے۔ لکشمن اس سال امیدوں کے برخلاف اچھی کارکردگی پیش کرنے میں ناکام رہے۔ ٹسٹ اور یکروزہ دونوں ہی میچوں میں وہ 30,20 رن سے زیادہ نہیں بناسکے۔

ورلڈ ٹیل کے مالک مارک سڑک حادثے میں چل بسے

سچن تنڈولکر کے مارکیٹنگ ایجنٹ مارک مسکر یہنس ناگپور سے 80 کیلو میٹر دور کھربی کے پاس ایک سڑک حادثے میں ہلاک ہوگئے۔ ان کے پسماندگان میں بیوی، 2 بیٹے اور 2 بیٹیاں ہیں۔ 44 سالہ مارک ایک ٹاٹا سومو میں 3 غیر ملکی باشندوں کے ساتھ سفر کررہے تھے۔ وہ ممبئی سے ناگپور ہوتے ہوئے کانہا نیشنل پارک (مدھیہ پردیش) جارہے تھے۔ تبھی ان کی گاڑی کا اگلا پہیہ کھربی کے قریب پھٹ گیا۔ گاڑی پلٹ گئی اور مارک زخموں کی تاب نہ لاکر جائے واردات پر ہی دم توڑ گئے۔ مارک کے ساتھ بیٹھے تینوں مسافروں کا جھنڈارا سیول اسپتال میں علاج جاری ہے۔ مارک نے 1996ء میں سچن تنڈولکر کے ساتھ کروڑ ڈالر کا ایک معاہدہ کرکے شہرت حاصل کی تھی۔ اس معاہدے نے سچن کو دنیا کا مہنگا کرکٹر بنادیا تھا۔ گزشتہ برس مارک کی کمپنی ورلڈ ٹیل اور سچن کے درمیان اس معاہدے کی تجدید کی گئی۔ بتایا جاتا ہے کہ یہ معاہدہ لگ بھگ 50 کروڑ روپئے کے عوض ہوا۔ مارک سچن کے نام سے دنیا بھر میں ہوٹل بھی قائم کرنا چاہتے تھے۔ بی سی سی آئی کے صدر جگموہن ڈالمیا نے مارک کی موت پر افسوس کا اظہار کیا ہے۔ سچن نے مارک کی موت پر اظہار افسوس کرتے ہوئے کہا کہ ان کی موت سے وہ بہت دل برداشتہ ہوئے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ مارک "گھر کے ایک فرد" جیسے تھے۔ سچن نے کہا "میں بہت دل برداشتہ ہوں۔ ہمارے درمیان ایک ایجنٹ اور کلائنٹ کا رشتہ نہ تھا بلکہ ہم بہت گہرے دوست بھی تھے، اس نے میری مدد کی وہ میرا خیر خواہ تھا"۔

امپائر کے متنازعہ فیصلوں کے خلاف آئی سی سی میں ناصر حسین کی شکایت

ہندوستانی کرکٹ بورڈ اور انٹر نیشنل کونسل (آئی سی سی) کے درمیان تعلقات کی کشیدگی اب سنگین رخ اختیار کر سکتی ہے کیونکہ انگلینڈ ٹیم کے کپتان ناصر حسین نے ایڈن گارڈن کولکتہ میں کھیلے گئے ہند۔انگلینڈ ایک روزہ میچ کے دوران امپائر کے بعض متنازعہ فیصلوں کے خلاف کرکٹ کی عالمی تنظیم میں شکایت درج کی ہے۔ انگلش ٹیم کے کوچ ڈنکن فلیچر نے بھی آج اس کی تصدیق کردی کہ ہندوستان کے خلاف پہلے ایک روزہ انٹر نیشنل میچ میں مارکوس ٹریسکو تھک کے متنازعہ ایل بی ڈبلیو سے متعلق میچ

ریفری ڈینس لنڈسے کے خلاف آئی سی سی میں باقاعدہ شکایت درج کی ہے۔ جیت کیلئے 282 رنوں کے نشانے کو پورا کرنے کیلئے انگلش ٹیم پوری کوشش کررہی تھی لیکن ٹریسکو تھک کے 121 رن کے انفرادی اسکور پر ایل بی ڈبلیو آؤٹ ہونے کے بعد ٹیم کی حالت خراب ہوگئی اور وہ 22 رنوں سے ہار گئی۔ انگلینڈ کے کپتان ناصر حسین نے ریڈیو فائیو لائیو کو بتایا کہ انہوں نے میچ ریفری سے دریافت کیا ہے کہ 2 ایل بی ڈبلیو کے سلسلے میں وہ اپنے فیصلے کو ثابت کریں۔ انہوں نے کہا "مجھے امید ہے کہ آئی سی سی میچ ریفری اس معاملے پر غور کریں گے"۔ انہوں نے مزید کہا "میں ہر دوسرے میچ کے بعد امپائر کے فیصلوں پر تبصرہ کرتے کرتے تھک گیا ہوں۔ یہاں میری ٹیم نے یقینی طور پر شکست نہیں کھائی ہے بلکہ کرکٹ کی ایک حد تک شکست ہوئی ہے"۔ میچ کے بعد نامہ نگاروں سے بات کرتے ہوئے ناصر حسین نے کہا کہ "ایسا ہوتا ہے کہ فیصلے آپ کے خلاف ہوتے ہیں لیکن آپ انہیں لیکر اڑ نہیں سکتے اور ان کے متعلق پریشان نہیں رہ سکتے۔ آپ کو میچ کا مثبت پہلو دیکھنا ہوگا"۔ حسین نے کہا "ہمیں اپنے آپ کو اگلے میچ کیلئے تیار کرنا ہے۔ ٹیم نے بہت اچھی گیند بازی کی۔ مجھے اپنی ٹیم پر فخر ہے"۔ ایڈن گارڈن کے وکٹ کے تعلق سے حسین نے کہا کہ ایک روزہ میچوں کیلئے یہ ایک بہترین وکٹ ہے۔ اس پر تیزی سے رن بنائے جاسکتے ہیں۔ میدان کی حالت لاجواب ہے۔ انہوں نے کہا "اس میچ کی شاندار یادوں کے ساتھ میں واپس گھر جاؤنگا۔ یہ میچ بہت لمبے عرصہ تک میرے ذہن میں رہے گا۔ ٹاس جیتنا اہم نہیں تھا کیونکہ ایسی کوئی وجہ نہیں تھی۔ وکٹ میچ کے آخر تک جاندار بنی رہی"۔ حسین نے کہا کہ گراہم تھورپ کی کمی محسوس ہوئی انہوں نے مارکس کی تعریف کرتے ہوئے کہا کہ اس نے کرکٹ زندگی کی سب سے شاندار اننگ کھیلی۔ اسے میچ میں ساجھیداری کیلئے ایک اور ساتھی کی ضرورت تھی۔

سن 2001ء بھی اچھا ھی تھا : سچن

سچن تنڈولکر نے اپنے کیریئر کے دوران بہت سے ایسے سال دیکھے جو ان کے گراف کو اوپر اٹھانے کیلئے کافی تھے لیکن سن 2001ء ایک عجیب وغریب سال ثابت ہوا۔ اس سال کے دوران ان کا گراف کبھی بہت اوپر اٹھا اور کبھی ایسے واقعات پیش آئے جنھیں بھول جانا ان کی اولین ترجیح ہوگی۔ سب سے زیادہ قابل ذکر بات یہ تھی کہ 2001ء کے دوران انہوں نے ایک روزہ میچوں میں 10 ہزار رن بنانے کا نشانہ پار کیا۔ اسی طرح آسٹریلیا کا وہ دورہ بھی یاد رہے گا جس میں ہندوستان نے کامیابی حاصل کی اور اس کامیابی میں تنڈولکر کا بڑا ہاتھ تھا۔ لیکن اسی 2001ء کے دوران تنڈولکر کے انگوٹھے میں چوٹ لگی۔ یہ

اس وقت کی بات ہے جب وہ زمبابوے کے خلاف کھیل رہے تھے۔ قابل فراموش واقعات میں سے ایک واقعہ یہ بھی تھا کہ تنڈولکر اپنی بے پناہ صلاحیتوں کے باوجود ہندوستان کو زمبابوے کے ہاتھوں شکست کھانے سے بچا نہیں سکے۔ تنڈولکر سے جب 2001ء کے بارے میں دریافت کیا گیا تو انہوں نے اس بات کو ماننے سے انکار کیا کہ یہ سال ان کیلئے مایوس کن رہا "میں نے دونوں طرح کے میچوں میں رن اسکور کیے ہیں"۔ تنڈولکر نے کہا اور اس بات پر اصرار کیا کہ 2001ء کو وہ کسی قیمت پر قابل فراموش قرار نہیں دے سکتے۔ واضح رہے کہ اس سال کے دوران تنڈولکر نے 17 ایک روزہ میچوں میں 904 رنز اور 10 ٹسٹ میچوں میں 1003 رن بنائے۔ انہوں نے ایک بات چیت کے دوران کہا کہ وہ سال کی شروعات کو کوئی خاص اہمیت نہیں دیتے۔ اس موقع پر کوئی خاص دعا مانگنا اس لئے ضروری نہیں کہ ہم دعا تو روز ہی کرتے ہیں میرے لئے اس بات کی کوئی اہمیت نہیں کہ تاریخ یکم جنوری ہے یا 28 ڈسمبر۔ کپتانی کے دوبارہ حاصل ہونے کے امکان پر تبصرہ کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ میں نے اس منصب سے علیحدگی اس لئے اختیار نہیں کی تھی کہ اس کے بارے میں دوبارہ سوچنا شروع کردوں۔ میں نے کافی سوچ سمجھ کر کپتانی سے علیحدگی اختیار کی تھی اور جس دن میں نے فیصلہ کیا اس دن وہ معاملہ ختم ہوگیا تھا۔

بنگلہ دیش فٹبال فیڈریشن کی فیفا نے رکنیت ختم کی

بین الاقوامی فٹبال فیڈریشن (فیفا) نے ضوابط کی خلاف ورزی کیلئے بنگلہ دیش فٹبال فیڈریشن کو اپنی رکنیت سے معطل کردیا ہے۔ اس معطلی کے نتیجہ میں بنگلہ دیش کسی بین الاقوامی فٹبال سرگرمی میں حصہ نہیں لے سکے گا اور نہ ہی فیفا یا ایشین فٹبال کنفیڈریشن کانگریس میں ووٹ دے سکے گا۔ فیفا نے یہ کارروائی اس لئے کی کہ بنگلہ دیش فٹبال فیڈریشن کے صدر ایس اے سلطان نے گزشتہ ڈسمبر میں وجہ بتائے بغیر بنگلہ دیش فٹبال فیڈریشن کی منتخب مجلس عاملہ کو معطل کردیا تھا۔ سلطان کو جو پارلیمنٹ کے ممبر ہیں، بنگلہ دیش نیشنلسٹ پارٹی نے اکتوبر میں برسراقتدار آنے کے بعد فیڈریشن کا صدر مقرر کیا تھا۔

کرکٹ میں تیسرے امپائر اور میچ ریفری کی ضرورت نہیں: مشتاق علی

سابق ٹسٹ کھلاڑی اور اپنے دور میں جارحانہ بلے بازی کیلئے مشہور مشتاق علی نے کہا کہ کرکٹ میں تیسرے ایمپائر اور میچ ریفری کی ضرورت نہیں ہے۔ ہندوستان کی طرف سے انگلینڈ میں سب سے پہلے سنچری بنانے والے پہلے ہندوستانی بلے باز مشتاق علی نے کہا "جب ہم لوگ کرکٹ کھیلتے تھے تو ہمیں امپائروں سے کوئی شکایت نہیں ہوتی تھی۔ ان کا فیصلہ آخری سمجھا جاتا تھا مگر اب میں یہ نہیں سمجھ سکتا کہ اب ایسا کیوں نہیں ہونا چاہئے"۔ انہوں نے کہا کہ تیسرے ایمپائر اور میچ ریفری کا کوئی فائدہ نہیں ہے۔ کھلاڑیوں کو کھیل کے جذبہ کے ساتھ کھیلنا چاہئے پھر کوئی پریشانی نہیں ہوگی۔ 86 سالہ بلے باز نے ان خیالات کا اظہار اس وقت کیا جب وہ برابورن اسٹیڈیم میں اسپرٹ آف کرکٹ فیسٹیول ٹورنمنٹ دیکھنے آئے تھے۔ مشتاق علی نے کہا کہ اگرچہ ایک روزہ میچ شائقین کیلئے بڑے دلچسپ اور سنسنی خیز ہوتے ہیں مگر محدود اوورز کے کرکٹ میں کھلاڑیوں کی حقیقی صلاحیت کا مظاہرہ نہیں ہوتا۔ تاہم انہوں نے کہا کہ پہلے کھلاڑی کھیل کو مزید دلچسپ بنانے کیلئے ٹسٹ کرکٹ میں بھی ایک روزہ میچوں کے بعض ضوابط نافذ کئے جاسکتے ہیں مثلاً پہلی اننگز میں اووروں کی تعداد مقرر کی جاسکتی ہے۔ ماضی اور حال کے کرکٹ کھلاڑیوں کے درمیان فرق کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے کہا کہ لطف اندوز ہونے کیلئے کھیلتے تھے جبکہ آج کرکٹ کھلاڑی فیلڈ میں دھوپ کی عینک لگاتے ہیں جو کہ ان کے خیال سے مناسب نہیں ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ چشمہ ٹوٹنے کی صورت میں کھلاڑی کی آنکھ بھی جاسکتی ہے۔

عابد علی کی امریکہ واپسی

آندھرا پردیش کی ٹیم نے آخر کار اپنے کوچ عابد علی کو الوداع کہہ دیا۔ الوداع کہنے کا یہ طریقہ شاندار تھا۔ ٹیم نے کے ایس سبیا پلائی ٹرافی ٹورنمنٹ میں اپنے حریف کرناٹک کو پانچ وکٹوں سے ہرا کر اپنے کوچ سے گویا یہ کہا کہ ہم نے آپ کی تربیت میں کافی کچھ سیکھ لیا ہے۔ "جب ہمارے رہنما سید عابد علی نے اعلان کیا کہ وہ امریکہ واپس جانا چاہتے ہیں تو ہم نے فیصلہ کرلیا کہ ہم میچ جیت کر انہیں الوداع کہیں گے۔ ہم نے ایسا ہی کیا۔ ہم نے اپنی اس جیت کو عابد علی ہی سے منسوب کیا ہے"۔ یہ بات آندھرا کے کپتان ایم ایس کے پرساد نے میچ جیتنے کے بعد کہی۔ وشاکھاپٹنم کے ایم سی وی اسٹیڈیم پر کھیلے گئے اس میچ کی اہمیت اس لئے بھی بڑھ گئی تھی کہ کرناٹک نے 7 جنوری کو کیرالا کو ہرا کر تقریباً یہ سمجھ لیا تھا کہ اس بار بھی ٹرافی پر اسی کا قبضہ ہوگا۔ لیکن آندھرا نے اس کے اس یقین پر پانی پھیر دیا۔ اس طرح اب عابد علی کی رہنمائی آندھرا کی جونیئر ٹیم کو حاصل نہیں ہوگی۔ واضح رہے کہ عابد علی اپنے وقت کے انتہائی کامیاب اور مشہور کھلاڑیوں میں سے تھے۔ ان کے بارے میں مشہور تھا کہ انہوں نے جس وقت اپنے ٹسٹ کیریئر کا آغاز کیا تھا اس وقت تک ایک بھی میچ دیکھا نہیں تھا۔ یہی نہیں بلکہ 68-1967ء میں آسٹریلیا کے خلاف چھ وکٹ حاصل کرکے بھی انہوں نے کافی نام کمایا تھا۔ گزشتہ سال ستمبر میں انہوں نے آندھرا کرکٹ اسوسی ایشن کی پیشکش کو قبول کرکے رانجی ٹرافی کیلئے آندھرا کے کھلاڑیوں کی رہنمائی اپنے سر لے لی تھی۔

مایہ ناز ٹینس اسٹار وسنت گووندجی کی رحلت

سابق ڈیوس کپ کھلاڑی اور اپنے زمانے کے مشہور ٹینس اسٹار وسنت گووندجی مانک کی رحلت ہوگئی۔ ان کی عمر 78 سال تھی۔ یہ اطلاع ان کے خاندان والوں نے دی۔ کراچی (پاکستان) میں پیدا ہونے والے وسنت گووندجی نے 16 برس کی عمر میں سندھ کی چمپئن شپ جیتی تھی اور 1956ء میں ڈیوس کپ میں ہندوستان کی نمائندگی کی تھی۔ وہ نیشنل کوچ بھی رہ چکے تھے اور انہوں نے امرت راج، آنند امرت راج، رمیش کرشنن اور اپنی بیٹی نروپما مانکڈ جیسے کھلاڑیوں کی تربیت کی تھی۔ وسنت گووندجی ایک مایہ ناز کھلاڑی تھے اور 9 مرتبہ نیشنل چمپئن رہ چکے تھے۔ ان کے نواسے اور نروپما کے بیٹے ہرش مانکڈ بھی ہندوستان کی طرف سے ڈیوس کپ میں نمائندگی کرچکے ہیں۔

آسٹریلین اوپن ڈبلز مقابلے میں پیس اور بھوپتی کی جوڑی ہار گئی

آسٹریلین اوپن ٹینس ٹورنمنٹ کے ڈبلز مقابلے میں لینڈر پیس اور مہیش بھوپتی کی تیسری سیڈ ہندوستانی جوڑی کو مائیکل للورڈا اور فیبرس سانتورو کی فرانسیسی جوڑی نے شکست دیدی۔ اس شکست کے ساتھ ہی ہندوستانی جوڑی 86 لاکھ ڈالر کی آسٹریلیائی اوپن چمپئن شپ سے باہر ہوگئی۔ فرنچ جوڑی نے دوسرے راؤنڈ میں ہندوستانی جوڑی کو جس نے گزشتہ سال فرنچ اوپن جیتا تھا 6-4، 6-3 سے ہرایا۔ ہندوستانی جوڑی نے افتتاحی مقابلہ میں آسٹریلیا کے جولین نولے اور جرمنی کے مائیکل کولیمن کی غیر سیڈ جوڑی کو 7-5، 5-7، 6-2 سے ہرایا تھا۔

محمد علی 60 برس کے ہوگئے

سابق ہیوی ویٹ باکسنگ چمپئن محمد علی 60 سال کے ہوگئے۔ اپنا جنم دن انہوں نے مشی گن میں اپنے فارم ہاؤس میں خاموشی کے ساتھ منایا۔ محمد علی 17 جنوری 1942ء کو لوئس ولے، کین ٹکی میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کا نام کیسیس مارسیلس کلے تھے۔ بعد ازاں قبول اسلام کے بعد انہوں نے اپنا نام محمد علی رکھا تھا۔ محمد علی نے اولمپک میں مکے بازی کا گولڈ میڈل جیتا تھا۔ وہ تین بار ہیوی ویٹ باکسنگ کے عالمی چمپئن رہ چکے ہیں۔ 1964ء میں پہلی مرتبہ ہیوی ویٹ کا خطاب جیتنے کے دوسرے دن وہ حلقہ بگوش اسلام ہوئے تھے۔

عوض سعید

رات والا اجنبی

بس پل بھر میں جیسے سب کچھ ہوگیا

کہر اور دھند میں چھپی ہوئی رات کے آخری زینے سے کوئی آہستہ آہستہ اتر رہا تھا۔ اس نے اپنے دبلے پتلے مخنی جسم کو اولن کے گرم کوٹ میں اس طرح چھپالیا تھا جیسے اگر سرد ہوا کا ایک جھونکا بھی اس کے جسم کو چھولے تو وہ وہیں ڈھیر ہوکر رہ جائے گا۔ اس نے سستے داموں خریدے ہوئے مفلر کو کانوں اور گلے سے کچھ اس طرح جوڑ لیا تھا کہ اس کے چہرے اور ناک کے علاوہ کوئی چیز ننگی نہ تھی۔ اس پر ہول سناٹے میں ٹھٹری ہوئی رات کے سینے پر وہ کسی فاتح سپہ سالار کی طرح چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں خون سے بھرا ایک لانبا چاقو تھا۔ چاقو کی دھار س پر پھیلے ہوئے خون کے قطروں کو وہ احتیاط سے سنبھالے ہوئے تھے گویا وہ اس رات کا تنہا مسافر تھا جس کے دائیں بائیں آگے پیچھے کوئی اور آدمی نہ تھا۔ کوئی اور ہوتا بھی کیوں ؟ قاتل کے آگے بھلا کوئی سر اونچا کرکے چلا بھی ہے۔

سنسان اور خاموش سڑک پر وہ بے خوف و خطر چل رہا تھا۔ اس کے ہاتھ میں چاقو ابھی تک تھما ہوا تھا لیکن وہ سردی سے گھبرا رہا تھا۔ اس نے یکبارگی محسوس کیا جیسے موٹے موٹے گم بوٹوں کی دھمادھم سے زمین تڑخ رہی تھی۔ اس کے سامنے وہ پولیس کے جوان ہاتھ میں ہاتھ ڈالے آگے بڑھ رہے تھے۔ اس کے ہاتھ میں خون سے بھرا چھرا دیکھ کر بھی وہ چپ تھے پولیس کو سامنے سے جاتا دیکھ کر بھی اسے خوف نہ آیا۔

اس کے لئے بس ایک خون ہی کافی تھا ..... ایک قتل ..... جو ہزاروں ، لاکھوں قتل پر بھاری تھا۔ کتنا ارمان تھا اسے اس قتل کا۔

قاتل کتنا پیارا اور خوبصورت لفظ ہے ۔اس کے دبلے پتلے جسم پر چڑھے ہوئے لمبے اوور کوٹ پر جب قاتل کا تمغہ لگ جائے گا تو وہ کتنا خوش ہوگا۔

اس کی یہ کتنی خواہش تھی کہ یہ رات اچانک دن میں تبدیل ہوجائے اور لوگ اسے اس عالم میں دیکھ کر چونک پڑیں۔ خاص طور پر اس کے دوست اس کے چاہنے والے عزیز۔

لیکن رات کی ٹھٹری ہوئی سیڑھی سے اترنے والا یہ آخری مسافر تھا۔

اور سارا شہر گہری نیند کے پنگوڑے میں پڑا موت کی نیند سو رہا تھا۔

وہ سوچنے لگا یہ لوگ کروٹ بدل کر اپنے خوابیدہ کواڑوں کو اس لئے وا نہیں کرسکتے کہ وہ اس سے بے پناہ خوف کھاتے ہیں جیسے ذرا کسی نے دریچے سے جھانکا تو وہ اس پر حملہ آور ہوجائے گا۔ مگر اس نے جو قتل کیا تھا وہ ہزاروں قتل کے برابر تھا۔

اب اگر کوئی اسکا پیچھا بھی کرے تو وہ اپنے ہاتھ خون میں رنگنا نہیں چاہتا تھا۔ وہ تو صرف اتنا چاہتا تھا کہ اچانک کوئی اس کے سامنے آئے اس کارنامے پر اس کی پیٹھ ٹھونکے اور کہے - یار تو نے تو آج کمال کردیا۔ مگر رات کی تاریکی نے جیسے سب کو ڈس لیا تھا۔ یہاں تک کہ پولیس کے جوانوں کو بھی جو اسے دیکھ کر چپکے سے کھسک گئے تھے۔

لمبے لمبے وحشیانہ بوٹوں کی گھن گرج سے زمین لرز سکتی ہے۔ زمین سے چمٹے ہوئے ذرے موت سے گھبرا کر پناہ گاہوں کی طرف بھاگ سکتے ہیں لیکن وہ سینہ تانے قاتل ہونے کے باوجود سڑک پر فاتحانہ انداز سے چل رہا تھا۔

سڑک نیند کی گہری چادر میں لپٹی ہوئی تھی۔ سڑک پر آوارہ گھومنے والے بے گھر کتے دور ہی دور سے اسے آتا دیکھ کر بھونک رہے تھے بھوں بھوں ..... مگر آوارہ کتوں کے بھونکنے کی آواز میں خوف کے بطن سے جنم لینے والی تیز لرزش تھی۔ وہ ہر قدم پر ناپتا ہوا محسوس کر رہا تھا۔ اب تو کتے بھی اسے قریب آتا دیکھ کر دم دبا کر بھاگ رہے تھے۔ سردی ہولے ہولے بڑھ رہی تھی اب اسے علانیہ محسوس ہو رہا تھا جیسے گرم اوور کوٹ کو پھلانگتے ہوئے سرد ہوا کے چبھتے ہوئے جھونکے اس کے بدن میں سرایت کرتے جارہے ہوں۔

پتہ نہیں رات کے طلسم ٹوٹنے کی خواہش اب اس کی ذات میں کیوں باقی نہیں رہی تھی۔ اس نے جو ابھی تھوڑی دیر پہلے اپنی معصومانہ خواہش کا اظہار آپ ہی آپ کرتے ہوئے سوچا تھا کہ رات اچانک دن میں تبدیل ہوجائے۔۔ کہر میں ڈوبی ہوئی صبح میں لوگ اسے دیکھ کر .....

مگر یہ کیا وہ تو رات کے زینے سے اترنے والا آخری مسافر تھا۔ وہ تو شکست کے لبادہ کو تار تار کرکے فاتح بن چکا تھا۔ زندگی کو موت کی وادی میں ڈھکیل آنے والا مسافر۔

وہ سوچ رہا تھا۔

یہ رات آگے جارہی ہے یا پیچھے۔ کوئی اس کا تعاقب نہیں کرتا۔ کیا زندگی نے پھر ایک بار موت پر فتح پالی ہے یا پھر موت نے زندگی کا منہ نوچ لیا ہے۔

اس لانبی سڑک پر چلتے چلتے وہ تھک سا گیا تھا۔

اچانک بے ارادہ جب وہ سامنے والی گلی میں مڑ گیا تو اسے سامنے سے ایک جنازہ آتا ہوا دکھائی دیا۔ جنازہ کے ساتھ چار خستہ حال آدمی ڈولے کو سہارے منہ ہی منہ میں کچھ پڑھتے ہوئے گلی پار کر رہے تھے۔

رات کے سناٹے میں وہ اسے بھوتوں کی مانند لگ رہے تھے۔

اسے یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ چاروں آدمی آنکھیں بند کئے سڑک پار کر رہے تھے جیسے وہ پیدائشی نابینا ہوں۔

یہ منظر اسے عجیب لگا۔ وہ سوچنے لگا۔ اس کی جگہ کوئی اور ہوتا تو شاید چیخ مار کر وہیں ڈھیر ہوجاتا مگر وہ بزدل نہیں ہے ..... وہ بزدل نہیں تھا۔

وہ تو رات کے زینے سے اترنے والا ..... وہ آپ ہی آپ مسکرایا۔ کتنے دنوں بعد اس کے ہونٹوں نے مسکراہٹ کا مزہ چکھا تھا۔ زندگی

کا چہرہ کیا اتنا حسین بھی ہوسکتا ہے ۔ کیا رات کے زینے سے اترنے والا مسافر مسکرا بھی سکتا ہے ۔ لیکن رات کی بانہیں سمٹ رہی تھیں اور اس کے ساتھ ساتھ اس کے لبوں پر آئی ہوئی مسکراہٹ مٹ رہی تھی۔

اب اسے بھی خوف تھا کہ کہیں سرما کی یہ طویل تھرتھراتی ہوئی رات صبح کی روشنی کو گلے سے نہ لگالے ۔مگر سڑک پر پھیلے ہوئے اونچے اونچے مکانوں کے کمرے بند تھے ۔ کھڑکیوں پر گہرے کالے رنگ کے ماتھے پر پردے لہرارہے تھے ۔ لیکن یہ اس کی بدبختی تھی کہ رات سسکتی ہوئی مررہی تھی ۔ اور صبح کی سپیدی کے آثار آہستہ آہستہ ظاہر ہورہے تھے ۔ آسمان سے سیاہی کا غلاف دھیرے دھیرے اتر رہا تھا ۔ کہیں کہیں آسمانی کلس پر دو ایک مدھم ستارے رات کے خاتمہ کا جیسے اعلان کررہے تھے۔

وہ صبح کی سپیدی سے بغلگیر ہونے سے پہلے موت کو ترجیح دینا چاہتا تھا۔

اب تو رات واقعی ڈھل رہی تھی اور فیکٹریوں میں کام کرنے والے لوگ سڑک پر تیز تیز چلنے لگے تھے ۔ وہ اپنی دھن میں مست تھے ۔ انہیں ذرا بھی فرصت نہیں تھی کہ وہ اس کی طرف دیکھتے ۔ وہ سڑک کے بیچوں بیچ تیزی سے چل رہا تھا اسے یہ جان کر شدید صدمہ ہوا کہ خون میں بھرا ہوا ننگا چاقو ہاتھ میں تھامے رہنے کے باوجود وہ کسی کو اپنی طرف متوجہ نہ کرسکا تھا ۔ لوگ اسکے سامنے یوں گذررہے تھے جیسے اس کا وجود اس کے لئے کوئی اہمیت نہ رکھتا ہو ۔ لوگوں کا اس طرح خاموشی سے گزر جانا اس کے لئے حد درجہ اذیت کوش تھا ۔ اس کا وجود اب اسے گندی نالی میں پرورش پانے والے حقیر کیڑے کی طرح لگ رہا تھا ۔ سڑک پر لوگوں کا ایک جال سا پھیلتا جارہا تھا ..... رات بھاگ رہی تھی اور وہ لوگوں کے ہجوم میں بھی خود کو تنہا محسوس کررہا تھا ۔ اسے کچھ سجھائی نہیں دے رہا تھا ۔ گھر میں لپٹی ہوئی رات کی آغوش بھی اب اس کے لئے خالی تھی ..... وہ دیوانہ وار سڑک پر بھاگ رہا تھا۔

ارے اس آدمی کو تو دیکھو ۔ کیسے تیز بھاگ رہا ہے جیسے ریل چھوٹنے ہی والی ہو ۔ اب سارے لوگوں کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوچکی تھی۔

اب اپنی عقل اور بساط کے مطابق ہر آدمی کوئی نہ کوئی فقرہ اس پر کس رہا تھا ۔ یکبارگی اسے ایسا لگا جیسے اس کا بکھرا ہوا وجود تکمیل پاچکا ہو .....!!

شفیع مشہدی

سبز پرندوں کا سفر

اس نے آنکھیں کھولیں تو سیاہ ہیبت ناک پیکر اپنے بھاری پروں کے ساتھ پتھر کی چوکور عمارت کی جانب جارحانہ انداز سے بڑھ رہے تھے اور ایسا لگتا تھا جیسے چند لمحوں میں وہ اس چوکور عمارت کو خاک میں ملادیں گے کہ اچانک آسمان پر پرندوں کا سیل بے اماں اپنی چونچ اور پنجوں میں تین تین کنکریاں لے کر نمودار ہوا ۔اور دیکھتے دیکھتے سیاہ ہیبت ناک پیکر مانند بھوس کھائے زمین بوس ہوگیا ۔ اس نے سیاہ ہیبت ناک پیکروں کے ڈھیر کی طرف اور پھر چھوٹے سبز پرندوں کی طرف حیرت و مسرت سے دیکھا اور آنکھیں بند کرلیں۔

نہ جانے وہ کتنی صدیوں تک روتا رہا تھا کہ اچانک اگر کی خوشبو اور روح پرور آوازوں نے اس کی آنکھیں کھول دیں۔

پتھروں کی ایک بلند و بالا پتھر کی عمارت کے گرد زائرین کا ہجوم ٹھاٹھیں مار رہا تھا ۔ اور عمارت کے اندر سیاہ عبا اور سبز عمامہ پہنے ہوئے سجادہ نشین شاہ ظاہر حسین جاہ و جلال کا غازہ لگائے مریدان کے سامنے کھڑے تھے اور شجرہ خواں فاتحہ خوانی میں مصروف تھا۔

بہ ارواح پاک سلطان عالم پناہی ۔ در تاج کج کلاہی ، صاحب فیوض لامتناہی سیدنا حضر ..... بہ ارواح پاک محبت الغربا و فخرالفقراء سیدنا سلطان ..... بہ ارواح پاک تاج الاولیاء سلطان السالکین ، معارج العارفین ..... بہ ارواح پاک ..... تمام فضا میں ایک عجیب سی لہر پھیل رہی تھی ۔ وہ گھٹن سے باہر صحن کی طرف چلا گیا ۔ سوکھی ندی کے کنارے بنے صحن کی طرف چلا گیا ۔ سوکھی ندی کے کنارے بنے صحن میں مریدوں کا بے پناہ ہجوم ، ہاتھ باندھے سر نیاز خم کئے کھڑا تھا ۔ صحن کے بیچ میں ایک سیاہ گول پتھر نصب تھا اس سیاہ پتھر کے گرد آسیب زدہ عورتیں اپنے سیاہ بالیں کھولے جھوم رہی تھیں ۔ بوڑھے مجاور نے حضرت کے سرہانے جلتے چراغ سے کاجل لے کر ان جوان عورتوں کی سرخ انگارہ جیسی آنکھوں میں لگادیا تو آنکھیں اور بھی سرخ ہوگئیں ۔ اور وہ "ہرنے" لگیں ان کے چہرے سرخ ہوگئے ۔

گھنے سیاہ بال کھل گئے ۔ کپڑوں کا ہوش باقی نہ رہا ۔ وہ مجنونانہ انداز میں چیخ رہی تھیں اور کربناک آواز میں چلا رہی تھیں ۔ اب چھوڑ دو ..... دہائی ہے دہائی ہے ..... حضرت سلطان کی ..... چھوڑ دو تمہیں پیر کا واسطہ ..... چھوڑ دو توبہ کی ..... اب چھوڑدو۔

تب مجاور کی کرخت آواز گونجی۔

بول تو کیوں اس پر آیا ہے ابھی حضرت تجھے جلا کر خاک کردیں گے ۔ اور اس کی چھڑی شڑاپ سے نوجوان عورت کی ننگی پیٹھ پر نیلا نشان چھوڑ گئی ۔ وہ بلبلا اٹھی اور بولنے لگی۔

معاف کردو اب نہیں آؤں گا ۔ یہ جمعرات کے دن شام ڈھلے چھت پر بال کھولے کھڑی تھی ۔ اس نے ہار سنگھار کے پھولوں سے رنگی ہوئی ساری پہن رکھی تھی میرا کوئی قصور نہیں میں عاشق ہوگیا ۔ دہائی ہے غلطی ہوئی چھوڑ دو چھوڑ دو۔

اتنے میں سجادہ نشین سیاہ عبا اور سبز عمامہ پہنے اس خوبصورت عورت کے پاس آکھڑے ہوئے ۔ انھوں نے عورت کی سرخ آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر کچھ پڑھا اور سارے مجمع کو سانپ سونگھ گیا اور وہ عورت بل کھا کر زمین پر گر گئی ۔ ایک سفید چادر اس پر ڈال دی گئی اور چاروں طرف جل گئی ، جل گئی کا شور اٹھا ۔ وہ حیرت سے سارا تماشہ دیکھ رہا تھا کہ پاس کھڑے ہوئے ایک نوجوان نے کہا کہ یہ واقعی جل گئی ہے ۔اس کے انداز میں طنز تھا ۔ اس نے سوالیہ نگاہوں سے اس نوجوان کی طرف دیکھا تو اس نے مسکراتے ہوئے کہا ..... یہ کالے لوگ اس مقدس عمارت کو پامال کررہے ہیں ۔ غیر ارادی طور پر اس کی نگاہیں آسمان کی طرف اٹھیں جہاں

سبز پرندے ہوا میں اڑ رہے تھے مگر نہ ان کی چونچ میں کوئی کنکر تھا نہ پنجوں میں۔

اس نے گرد و پیش کی طرف دیکھا تو اس کا دم گھٹنے لگا۔ اس کے جسم پر وقت کی کائی دبیز تہوں میں جمی ہوئی تھی۔ جسے وہ کھرچ بھی نہیں سکتا تھا۔ اس نے ہتھیلی پر جمی ہوئی کائی کو کھرچنا چاہا تو چھل چھل تازہ خون رسنے لگا اور وہ درد کی شدت سے بلبلا اٹھا۔ اس نے پھر آنکھیں بند کرلیں۔ تھوڑی ہی دیر بعد ہی شور سے آنکھیں کھلیں۔ سامنے بہت بڑا پنڈال لگا ہوا تھا۔ جس پر لوگوں کا ہجوم نعرے لگا رہا تھا اور چھوٹے بڑے، عورت، مرد سب چلا رہے تھے۔

طاہر حسین زندہ باد۔ سبز پرندہ زندہ باد
جیتے گا بھئی جیتے گا، سبز پرندہ جیتے گا۔

وہ حیرت سے ان لوگوں کی طرف دیکھنے لگا۔ جن میں سفید پوش بھی تھے اور میلے کچیلے کپڑوں میں ملبوس بھی۔ سامنے اسٹیج پر طاہر حسین سیاہ عبا اور سبز عمامہ پہنے ہوئے بڑی شان سے سفید پوشوں کے درمیان بیٹھے ہوئے تھے اور پنڈت شیو موہن مائیک پر تقریر کر رہے تھے۔

طاہر حسین صاحب انسان نہیں دیوتا ہیں۔ سماج سیوک اور غریبوں کے مسیحا ہیں۔ ایسے مہان پرش کو ووٹ دے کر سپھل بنانا ہمارا کرتویہ ہے۔ ہمارا انوردھ ہے کہ شاہ طاہر حسین کے چناؤ نشان "سبز پرندہ" پر مہر لگا کر انہیں کامیاب بنائیں۔ اس کی سپھلتا لوک تنتر کی سپھلتا ہے۔ بولئے طاہر حسین کی جئے۔

ساری فضا طاہر حسین کی جئے سبز پرندہ کی جئے سے گونج اٹھی۔

اس کی سمجھ میں کچھ بھی نہ آیا کہ یہ لوگ کیا کہہ رہے ہیں مگر پیاس کی شدت سے وہ تڑپ رہا تھا۔ پانی کی تلاش میں گھومنے لگا۔ پنڈال کی پشت پر گپھا نما کمرے کے پاس اسے پانی کا ایک مٹکا دکھائی دیا۔ اور وہ تیزی سے اس کی طرف بڑھنے لگا۔ مٹکے کے پاس پہنچ کر اس کی مایوسی اور بڑھ گئی۔ اس لئے کہ مٹکا خالی تھا۔

کمرے میں طاہر حسین، پنڈت شیو موہن اور دوسرے لوگ بیٹھے الیکشن کی مہم پر گفتگو کر رہے تھے۔ پنڈت شو موہن کہہ رہے تھے کہ شاہ صاحب آپ وشواس کیجئے سارے ہندو آپ کو ووٹ دیں گے۔ اس لئے کہ انھیں منور علی کو ہرانا ہے۔ منور علی کے آدمیوں نے پچھلے سال درگا پوجا کے جلوس میں لوگوں پر جو پتھراؤ کیا تھا اس سے سارے ہندو اس کے دشمن ہیں۔

طاہر حسین حیرت سے بولے لیکن وہ منور علی کے آدمی کب تھے؟

پنڈت شیو موہن اور دوسرے لوگ ہنسنے لگے۔ پھر پنڈت جی بولے حضرت وہ آدمی تو یقینا ہمارے ہی تھے مگر دنیا تو یہی جانتی ہے کہ وہ منور علی کے آدمی تھے۔

طاہر حسین بولے تو کیا اتنے ہی سے کام چل جائے گا بہت سے مسلمان بھی تو ہمیں ووٹ نہیں دیں گے۔ وہ منور علی کو دیدیں گے۔

پنڈت جی بولے اس کا جواب شمشیر خاں اور جگدیش سنگھ دیں گے۔ پنڈت جی نے سامنے بیٹھے دو پہلوانوں کو اشارہ کیا، جگدیش سنگھ بولا! حضور کی دعا چاہئے، ہم دس پندرہ شاگردوں کو کچھ کھلا پلا دیں بس جیت آپ کی ہے۔

شاہ صاحب ہنسنے لگے، روپیوں کی فکر مت کرو، کام پکا ہونا چاہئے۔ یہ کہتے ہوئے ایک بند لفافہ جگدیش سنگھ کی طرف بڑھا دیا۔

جگدیش سنگھ نے لفافہ لیتے ہوئے کہا کہ حضور فکر نہ کریں، ہم پرانے کھلاڑی ہیں۔ کس کی جان بھاری ہے جو ووٹ دینے آئے گا۔ اتنے میں موذن کی اذاں سے فضا گونج اٹھی۔ حی علی الفلاح کے الفاظ اس کی سماعت سے ٹکرا کر چور چور ہوگئے۔

طاہر حسین نے اٹھتے ہوئے کہا ہاں بھئی تمہیں لوگوں پر بھروسہ ہے۔ اب میں چلا نماز کا وقت ہوگیا ہے۔ بقیہ باتیں کل ہوں گی۔

پیاس کی شدت سے اس کا دم نکلا جا رہا تھا مگر دو روز تک کہیں پانی کا نشان نہ تھا۔ وہ نڈھال ہو کر زمین پر گر گیا۔ دوبارہ اس کی آنکھیں کھلیں، وہ پتھروں کی ایک بلند عمارت کے سامنے کھڑا تھا۔ سرخ رنگ کی اس پروقار عمارت کے سامنے ہزاروں کا ہجوم ٹھاٹھیں مار رہا تھا جسے خاکی وردی میں ملبوس سپاہی قابو میں رکھنے کی کوشش کر رہے تھے۔ جب سامنے کے گیٹ پر کوئی کار آکر رکتی اور کوئی شخص اترتا تو پوری فضا اس کے نام سے جے جے کار سے گونج اٹھی۔

سیٹھ دھنا مل! زندہ باد
کامریڈ گپتا! زندہ باد
سوامی جی! زندہ باد
طاہر حسین! زندہ باد

نعروں سے گونج رہی تھی۔ وہ حیرت سے یہ تماشا دیکھ رہا تھا کہ طاہر حسین زندہ باد کے نعروں پر وہ چونک اٹھا۔ سامنے موٹر سے طاہر حسین سیاہ عبا اور سبز عمامہ باندھے بڑی ہی شان سے اتر رہے تھے، مجمع پر جیسے جنون طاری ہوگیا۔

سبز پرندہ زندہ باد، طاہر حسین زندہ باد، طاہر ہاتھوں کی جنبش سے نعروں کا جواب دیتے ہوئے فاتحانہ انداز میں پتھر کی بلند و بالا عمارت کی طرف بڑھنے لگے۔ ان کے آگے پیچھے بے شمار لوگ تیزی سے عمارت کی طرف بڑھتے جا رہے تھے۔ دفعتا اسے ایسا لگا کہ پتھر کی وہ گول عمارت چوکور ہوگئی ہے اور سیاہ عبا میں شاہ طاہر حسین کے بھاری بھرکم جسم نے ہاتھی کی شکل اختیار کرلی ہے۔

بے شمار ہاتھی اپنی سونڈ اٹھائے پتھر کی اس متبرک عمارت کو پامال کرنے کے لئے خوف ناک انداز سے بڑھتے جا رہے تھے۔ خوف سے ان کا دل کانپ اٹھا، وہ چیخ اٹھا۔

ابابیلو! کہاں ہو تم! سبز پرندو! کہاں ہو تم! دوڑو، بچاؤ دیکھو، سیاہ ہیبت ناک پرندوں نے پھر حملہ کیا ہے۔

مگر اس کی آواز حلق سے باہر نہ نکل سکی۔ اس نے مایوس نظروں سے آسمان کی طرف دیکھا مگر دور دور تک سبز پرندوں کے غول کا کہیں پتہ نہ تھا۔ اور سیاہ ہیبت ناک پیکر عمارت کے دروازوں تک پہنچ چکے تھے۔ اس نے حسرت سے دوبارہ عمارت کی طرف دیکھا کہ سیاہ عبا میں ملبوس شاہ طاہر حسین فاتحانہ انداز میں عمارت کے بلند دروازے میں داخل ہو رہے تھے، اور ان کے سر پر سبز پرندہ تاج کی طرح بیٹھا تھا، مگر اس کی چونچ میں سفید کنکریوں کی جگہ موتی تھی اور پنجوں میں سرخ خون چمک رہا تھا۔

●●●●●

میں اور بپاشا صرف اچھے دوست ہیں۔ دینو موریا

محمد عبدالسلام :: فلم جرنلسٹ

دینو موریا ارجن رامپال کے بعد ابھرنے والا ماڈل اداکار ہے جسے فلمی دنیا میں ہاٹ اسٹار بپاشا باسو کے بوائے فرینڈ کی حیثیت سے مقبولیت حاصل ہے۔ دینو موریا نے کئی پروڈکٹس کی انٹرنیشنل سطح پر ماڈلنگ کی ہے لیکن اب بحیثیت اداکار فلموں میں قسمت آزمانا چاہتا ہے۔ اس ماڈل اداکار نے اپنے کیریئر کا آغاز پروڈیوسر مکیش بھٹ اور وکرم بھٹ کی ہدایت میں بنی دلچسپ فلم "راز" سے کیا۔ فلم کی میکنگ، انداز، پیشکش، اور موسیقی نے اس فلم کو مقبولیت دلائی ہے۔ دینو موریا کی ایک اور فلم "راج" ہے جو سیٹ پر ہے دینو موریا کے آگے مستقبل پڑا ہے خوبصورت قابل اس نئے فنکار کے فلمی دنیا میں خوب چرچے ہیں۔ دیکھئے ارادے کیا ہیں۔

س۔ راز کا راز کیا ہے؟

ج۔ راز کو دیکھیں تو اس راز کا راز فاش ہوگا (ہنس کر) پھر بھی یہ ایک ایسا موضوع ہے جو ہر انسان کے دل میں موجود ہوتا ہے یعنی ایک انجانا خوف جو آپ بھی اپنے ہی گھر میں تنہائی میں محسوس کرتے ہیں۔ ایک سچائی کو ڈائرکٹر وکرم بھٹ نے دلچسپ انداز میں پیش کیا ہے۔ پراوین بھٹ کی سنیماٹوگرافی اس پر ندیم شراون کی موسیقی اور سمیر کے گیت سونے پر سہاگہ ہے۔

س۔ راز سے آپ کیا توقعات رکھتے ہیں؟

ج۔ کھل کر یہی کہوں گا کہ یہ فلم ہٹ ضرور ہوگی۔ فلم میں بپاشا باسو کو میرے مقابل پیش کیا گیا ہے جسے توقع ہے لوگ پسند کرینگے۔ اس فلم کی ریلیز سے قبل ہی مجھے کئی ایک آفرز آچکے ہیں۔ قدم سوچ سمجھ کر رکھ رہا ہوں۔

س۔ کیا یہ سچ ہے کہ بپاشا پروڈیوسروں سے آپ کی سفارش کرتی ہیں؟

ج۔ آپ سوچئے کیا ایسا ہوسکتا ہے۔ اگر میں نااہل ہوں اور بپاشا میری سفارش کرتی ہیں تو کیا پروڈیوسرس بپاشا کی خاطر مجھے فلموں میں سائن کرینگے کیونکہ انہیں تو سینکڑوں لڑکیاں مل جائینگی جان بوجھ کر کوئی بھی اپنا کیریئر دوسروں کے لئے داؤ پر نہیں لگاتا۔

س۔ اسکے باوجود آپ کے اور بپاشا کے تعلقات موضوع بحث بنے ہوئے ہے؟

ج۔ میں دوسرے اداکاروں کی طرح مبالغہ آرائی سے کام نہیں لیتا ہوں۔ سچائی میرے شکایت کا باعث بنی ہوئی ہے میں اور بپاشا کامیاب ماڈل اور اچھے دوست ہیں اسکے سوا کچھ بھی نہیں۔

س۔ راز کے کردار میں آپ کہاں تک انصاف کرپائے؟

ج۔ یہ تو وکرم بھٹ ہی بتاسکتے ہیں اور پھر جب فلم ریلیز ہوجائے تو ناظرین بتائینگے کہ میں اس رول میں کیا کرپایا ہوں۔ میں اتنا ضرور کہہ سکتا ہوں کہ اس رول کو کرنے کے بعد میں بہت خوش ہوں۔

س۔ کیا آپ اسے اپنے کیریئر کی بہترین فلم مانیں گے؟

ج۔ میں کہوں گا کہ یہ میری یادگار فلموں میں سے ایک ہوگی اس فلم میں کام کرنے کے بعد میں خود کو بہت مطمئن محسوس کرتا ہوں۔

س۔ ڈھیر سارے اداکاروں میں آپ کیسا محسوس کرتے ہیں؟

ج۔ ہر میدان میں صلاحیت دکھانی پڑتی ہے جد و جہد بھی کرنی پڑتی ہے۔ کامیابی دینا نہ دینا اوپر والے کی مرضی ہے۔ ہر حال میں بھرپور محنت کرنی ہے دیکھنا ہے کیا ہوتا ہے۔ چیلنج مجھے پسند نہیں۔

س۔ آپ کے آئیڈیل اداکار کون ہیں؟

ج۔ یہ کہنا مشکل ہے میں سبھی کی فلمیں دیکھتا ہوں۔ میں کسی سے زیادہ متاثر نہیں رہا۔ میں نئے طرز پر اپنے فن کو پیش کرنا چاہتا ہوں۔ میرا نظریہ ہے کہ دنیا میں جو بھی کام پہلے کیا

جائے اسے اوریجنل کہتے ہیں پھر ڈپلیکٹ کہا جاتا ہے اور میں کسی کی اداکاری کو اپنے آپ میں ڈھال کر یہ اعزاز حاصل کرنا نہیں چاہتا۔

س۔ شادی کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ج۔ ابھی تو کیریئر کا آغاز ہے مجھے ابھی بہت کچھ کرنا ہے ابتداء ہی میں قصے کہانیاں لکھی جارہی ہیں اگر اس کا اشارہ دیتا ہوں تو لوگ اسے بھی کہانی کا روپ دے دینگے۔

س۔ آپ اپنی کامیابی کو کس بلندی پر دیکھنا پسند کرتے ہیں؟

ج۔ دعوے بیکار سی بات ہے۔ قابلیت کا امتحان دیا جاسکتا ہے فیصلہ شائقین کرتے ہیں دوسرا یہ کہ میں یہاں سوپر اسٹار بننے کی تمنا لیکر نہیں آیا ہوں میں تو صرف اپنی فنکاری کے نقش چھوڑنا چاہتا ہوں۔

آڈیو ریلیز

"ہاں میں نے بھی پیار کیا"
ٹپس کی سوپر ہٹ گیتوں کا کیسٹ

ٹپس انڈسٹریز لمیٹڈ نے اس ہفتہ کامیاب فلم "دھڑکن" کے ہدایتکار دھریش

درشن کی فلم "ہاں میں نے بھی پیار کیا" کے آڈیو کیسٹس ریلیز کئے ہیں۔ پروڈیوسر سنیل درشن کی

اس فلم کی موسیقی ندیم شراون نے دی ہے گیت لکھے ہیں سمیر نے اس فلم میں کل آٹھ رومانی گیت شامل ہیں۔ جن میں "ہم یار ہیں تمہارے، زندگی کو بنا پیار، ہر کسی کے دل میں، تیری آنکھوں کا انداز" اور سائیڈ بی میں "ہم پیار ہیں تمہارے، مبارک مبارک، زندگی کو بنا پیار" شامل ہیں۔ جنہیں ادت نارائن، الکا یاگنک، کمار شانو، ساریکا کپور نے آوازیں دی ہیں۔ اکشے کمار، کرشمہ کپور اور ابھیشیک بچن کی اسٹار کاسٹ پر بنی تکون محبت کی کہانی پر مشتمل یہ فلم گیتوں اور موسیقی کے اعتبار سے اس سال کے آغاز پر بہترین تحفہ ہے۔

"تازہ ہوا لیتے ہیں"
الطاف راجہ کے ہٹ گیتوں کا کیسٹ

پرائیوٹ البمس کے کامیاب گلوکار الطاف راجہ کے ہٹ گیتوں کا ایک اور پرائیوٹ

البم "تازہ ہوا لیتے ہیں" اس ہفتہ وینس ریکارڈس کمپنی نے جاری کیا ہے۔ جو سریلی دھنوں، اور مکمل شاعرانہ گیتوں کا ایک یادگار انداز ہے۔ عاشقانہ گیتوں پر مبنی اس البم میں کل آٹھ گیت شامل ہیں جن میں "تازہ ہوا لیتے ہیں، آنے لگی ہے ہچکی، حال ہوگیا بے حال، ذرا دھیرے دھیرے آ، گاڑی نہ چھوٹ جائے، تیری طرح تیرا گاؤں، میری لیلی، آ جا تو بیٹھ جا سیکل پہ" شامل ہیں جنہیں حامد انصاری، جمیل مجاہد، امان، ظہیر عالم، شکیل جمالی نے لکھا ہے۔ موسیقی الطاف راجہ اور وشنو دیوا نے بنائی ہے۔ ایک وقفہ کے بعد ریلیز الطاف راجہ کا یہ البم تازہ ہوا کا جھونکا ہے۔

"تم یاد نہ آیا کرو"
وینس کا رومانی گیتوں پر مبنی یادگار کیسٹ

وینس ریکارڈ کمپنی نے اس ہفتہ رام شنکر کی آواز میں ریکارڈ "تم یاد نہ آیا کرو" البم ریلیز کیا ہے۔ جو ریلیز کے ساتھ ہی دلوں کو چھولینے والے

رومانی گیتوں کی وجہ مقبول عام ہوتا جارہا ہے۔ اس البم میں سات بہترین گیت گائے ہیں جو کانوں کے راستے سے راست دلوں میں گھر کر جاتے ہیں۔ اس البم میں شامل گیتوں میں "تم یاد نہ آیا کرو، چاند کا تجھ کو دیدار، کیا کہتی تھی" "سائیڈ بی میں "یہ ہم سے نہ ہوگا، جو تم ساتھ ہوتے، اسے گاؤں سے آنے والے، تنہائی تنہائی، کالی کالی آنکھوں" شامل ہیں جنہیں ساجد دھیری، منوج منتشر، بھیرو اردن، ابراہیم اشک نے لکھا ہے۔ آواز اور موسیقی رام شنکر کی ہے۔ توقع ہے یہ البم ہٹ ثابت ہوگا۔

شوٹنگ رپورٹ

سنجے دت، کرشمہ کپور کی "بیوی آئی لو یو" مکمل

ڈائرکٹر ٹوٹو شرما کی فلم "بیوی آئی لو یو" تقریباً مکمل ہو چکی ہے۔ ستیش کوشک کی ہدایت میں بنی اس فلم میں سنجے دت، کرشمہ کپور اور نمرتا شیرودکر اہم رول نبھائے ہیں اس فلم کو ابتدائی طور پر "بیوی تجھے سلام" کے نام سے شروع کیا گیا تھا۔ توقع ہے کہ یہ فلم اگلے ماہ ریلیز کردی جائیگی۔

بھگت سنگھ پر کئی فلموں کی شروعات

شہید بھگت سنگھ پر یکساں کئی فلمساز ٹوٹ پڑے ہیں مختلف اداکاروں کو لیکر بنائی جارہی اس موضوع کی فلموں میں کافی مقابلہ آرائی ہے۔ ان میں پروڈیوسر ڈائرکٹر رامانند ساگر کی بھگت سنگھ اور ٹپس فلمس کی بھگت سنگھ جسے راجکمار سنتوشی ڈائرکٹ کررہے ہیں اور جسکے بھگت سنگھ ہیں اجئے دیوگن۔ یہی موضوع بحث بنی ہوئی ہیں۔

فیروز خان کی نئی فلم "جانشین" کی لگاتار شوٹنگ

ڈائرکٹر پروڈیوسر فیروز خان کی نئی فلم "جانشین" کی لگاتار شوٹنگ ان دنوں بنگلور ایر پورٹ سے پندرہ کیلومیٹر دور فیروز خان کے فارم ہاوز میں جاری ہے۔ فلم کی کہانی ہندوستان اور افغانستان کی ہے۔ جس میں فیروز خان عرصہ بعد پھر فردین خان کے والد کا کردار نبھارہے ہیں جو اس فلم میں بزنس ٹائیکون بنے ہوئے ہیں۔ فلم کے دیگر اہم کرداروں میں سلینا جیٹلی اور جانی لیور شامل ہیں۔ اس فلم میں فیروز خان ایکبار پھر چھائے ہوئے ہیں۔

دیو آنند کی ایک اور نئی فلم "لو ایٹ ٹائمز اسکوائر" امریکہ میں

برسوں بعد دیو آنند بحیثیت پروڈیوسر

ڈائرکٹر ایکٹر اپنی نئی فلم "لو ایٹ ٹائمز اسکوائر" سے شائقین کے درمیان آرہے ہیں اس فلم کی زیادہ تر شوٹنگ وہ امریکہ میں کررہے ہیں۔ شائقین کو

گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ دیو صاحب اس بار فلم میں ہیروئن کے پتا کا رول کررہے ہیں فلم کے دیگر اہم کردار سب نئے چہرے ہیں فلم کے لئے لکی علی نے گیت گائے ہیں۔ امریکہ سے واپسی کے بعد وہ آر کے اسٹوڈیو میں اپنی فلم مکمل کرینگے۔

"ہم تمہارے ہیں صنم" میں سلمان اور مادھوری پھر ایکساتھ

کے سی بوکاڈیہ پھر ایکبار فلمسازی کے میدان میں لوٹ آئے ہیں وہ ان دنوں اپنی زیر تکمیل فلم "ہم تمہارے ہیں صنم" کی آخری مراحل کی شوٹنگ میں دہلی میں مصروف ہیں اس شیڈول کی تکمیل کیساتھ ہی فلم کی ریلیز کی تاریخ کا اعلان کردیا جائے گا۔ بی ایم بی پروڈکشن کے بیانر پر بنی اس فلم کو کے ایس ادھیامان نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ انو ملک کی دھنوں سے سجی اس فلم کے اہم ستارے ہیں سلمان خان، شاہ رخ خان، مادھوری ڈکشٹ، اتل اگنی ہوتری، سمن رنگاناتھن، الوک ناتھ، لکشمی کانت برڈے، ارونا ایرانی

گوبندا، رانی مکرجی کی "چلو عشق لڑائیں" ریلیز کیلئے تیار

وجئے پروڈکشن کے بیانر پر بنائی گئی ڈائرکٹر عزیز سجاول کی فلم "چلو عشق لڑائیں" ریلیز

کے لئے تیار ہے ۔ گوبندا ، رانی مکرجی نے مرکزی کردار ادا کئے ہیں فلم کے دیگر اہم کرداروں میں ارباز خان ، منک ، جانی لیور ، موہن جوشی ، شکتی کپور ، عشرت علی ، قادر خان ، سنجے سوری شامل ہیں ۔ فلم کو ہمیش ریشمیا نے دھنیں فراہم کی ہیں ۔

ارجن رامپال اور سونالی بیندرے کی "جڑ" (دی روٹ) مکمل

ارجن رامپال ، سونالی بیندرے ، سمرتی مشرا ، جیکی شراف ، پریم چوپڑہ ، رنجیت کی اسٹار کاسٹ پر مبنی جڑ اس ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے ۔ فلم کو شانتانو شورے نے ڈائرکٹ کیا ہے جبکہ دھنیں بنائی ہیں لیسکی لیوس نے ۔

فلمی خبریں

میناکشی شیشادری کیریکٹر کردار کی تلاش میں

اپنے وقت کی کامیاب اداکارہ میناکشی شیشادری جس نے سبھاش گھئی کی فلم "ہیرو" سے اپنے کیریئر کا آغاز کیا تھا اپنے شوہر سے طلاق کے بعد فلموں میں کیریکٹر رولز کی تلاش میں ہے وہ درمیانی عمر کی سلمان خان ، شاہ رخ خان ، عامر خان ، رہتک روشن اور انہی کی عمر کے اداکاروں اور اداکاراؤں کی ماں بننا چاہتی ہے وہ فی الحال رہتک کی ماں کا ایک رول بھی کررہی ہے کئی فلمسازوں کی پیشکش بھی اسکے پاس محفوظ ہیں ۔

ابھیشک کرشمہ کی مارچ میں شادی متوقع

ناکام ہیرو ابھیشک بچن اور کامیاب اداکارہ کرشمہ کپور کی شادی توقع ہے مارچ میں ہوجائیگی ۔ باوثوق ذرائع کے مطابق دونوں سمدھیوں اور سمدنوں یعنی امیتابھ بچن ، رندھیر کپور ، جیا بچن اور ببیتا نے آپس میں طے کیا ہے کہ کرشمہ کے پاس فی الحال دھرمیش درشن کی فلم ہے ۔ جسکی تکمیل مارچ کے اوائل میں ہوجائیگی ۔ اس کے ساتھ ہی شادی کی تاریخ کا اعلان بھی کردیا جائے گا ۔ اسی وجہ کرشمہ کپور جگموہن مونڈا ، شیام بنیگل ، اندر کمار ، مدھر بھنڈارکر کی فلموں کے آفرز ٹھکرا چکی ہے ۔

پانچ بڑے اسٹارس کی کم بجٹ والی فلم

پچھلے دنوں پروڈیوسر بھاردواج اور

ڈائرکٹر آر کے کھنہ نے اپنی نئی سی کلاس فلم " شمشان " میں پانچ بڑے اسٹارس والے چہروں کی کم بجٹ فلم کی شروعات کی ہے جس میں دھرمیندر ، پریم چوپڑہ ، محمود ، سنجے دت ، گوبندا کو یکجا کیا گیا ہے ۔ یہ پڑھ کر آپ کو بھی حیرت ہورہی ہوگی کہ اتنے بڑے فنکار ایک چھوٹی فلم میں کیسے ؟ لیکن ہم آپ کو بتادیں کہ یہ بات بالکل صحیح ہے مگر یہ فنکار اصلی نہیں بلکہ ڈپلیکٹ ہیں ۔

یکم فروری سے اپریل تک ریلیز ہونے والی فلمیں

یکم فروری ۔ راز ، فی الحال
8 فروری ۔ کرانتی ، تم کو نہ بھول پائینگے
14 فروری ۔ ہاں میں نے بھی پیار کیا
22 فروری ۔ کھلم کھلا پیار کرینگے ، بھارت بھاگیہ ودھاتا ، یہ کیسی محبت ہے ، سنو

سسرجی • پیاسا • ودھ • شرارت • کتنے دور کتنے پاس • انگار دی فائیر • گمیراو • دل ڈھونڈتا ہے • لٹل جان • چوری چوری

29 فروری ۔ کمپنی

4 اپریل ۔ ہم کسی سے کم نہیں • آپ اچھے لگنے لگے

25 اپریل ۔ نہ تم جانو نہ ہم • یہ ہے جلوہ • کاش آپ ہمارے ہوتے • چلو عشق لڑائیں • آنکھیں پانچ

آشوتوش گواریکر عامر خان کی فلم کے ہیرو ہونگے

ایکٹر پروڈیوسر عامر خان جنکی ہوم پروڈکشن فلم لگان کو آشوتوش گواریکر نے ڈائرکٹ کیا تھا اب عامر خان بحیثیت ہدایتکار فلمی دنیا میں اپنا داخلہ لینگے اور انکی ہدایت میں بنائی جانے والی فلم کے ہیرو آشوتوش گواریکر ہونگے ۔

امیتابھ بچن اپنا ذاتی کروڑ پتی چینل شروع کرینگے

" کون بنے گا کروڑ پتی " کے بند ہونے کے بعد امیتابھ بچن نے اعلان کیا ہے کہ وہ خود ایک کروڑ پتی چینل کا قیام عمل میں لائنگے جسکے صدر وہ خود ہوں گے ۔

اشوکا کے بعد شاہ رخ خان کی سمراٹ چندر گپت

باکس آفس پر بری طرح ناکامی کے باوجود اداکار شاہ رخ خان " اشوکا " کے بعد اب اپنی نئی فلم " سمراٹ چندر گپت " کی شروعات کرنے جارہے ہیں ۔ اس فلم کا مرکزی کردار وہی نبھائینگے ۔ فلم کی ہیروئن کا بہت جلد اعلان کیا جائے گا ۔

یش چوپڑہ کارنامہ کرینگے

رومانی فلموں کے خالق یش چوپڑہ اب ایک نئے منصوبے کیساتھ اپنی نئی فلم کا آغاز کرینگے جس میں ستر سال کی عمر کا اداکار ہیرو ہوگا ۔ ہیروئن کی عمر کو انھوں نے راز میں رکھا ہے ۔ انکے اس اعلان کیساتھ ہی فلمی دنیا کے عمر رسیدہ فنکاروں کے کان کھڑے ہوچکے ہیں ۔

کرشمہ کپور آرٹ فلم کی اسکرپٹ کی تلاش میں

شیام بنیگل کی فلم زبیدہ میں کرشمہ کپور نے روپیہ لگایا تھا اب وہ بطور فلمساز اپنے کیریئر کا آغاز کرینگی ۔ اس فلم کیلئے انھیں ایک آرٹ فلم کی اسکرپٹ کی تلاش ہے ۔

مہیش منجریکر اس سال ایک درجن فلمیں بنائینگے

ڈائرکٹر مہیش منجریکر نے دعوی کیا ہے کہ وہ امسال ایک درجن فلمیں بنا کر اپنا ایک منفرد ریکارڈ قائم کرینگے ۔ ویسے انکی جھولی میں بہت سے فلمساز بیٹھے ہیں ۔

نندیتا داس دلیپ کمار کی بیوی بننے کی آرزومند

نندیتا داس کو بولڈ اداکارہ ہونے کا اعزاز حاصل ہے وہ کسی بھی فلم میں دلیپ کمار کی پتنی کے کردار میں اسکرین پر آنے کو ترجیح دینگی یہ اسکی دیرینہ خواہش ہے ۔

دیو آنند کے پاس کئی رومانی کہانیوں کے اسکرپٹ موجود

سدا بہار دیو آنند جو اپنی نئی فلم " لو ان نیویارک " کی فلمبندی میں مصروف ہیں کہا کہ اسکے فوری بعد وہ " لو ان لندن ، لو ان پیرس ، لو ان روم ، لو ان سنگاپور ، لو ان کابل اور لو ان لاہور " بنائینگے ۔ اب انکی فلمیں ریلیز ہوں یا نہ ہوں لیکن وہ لگاتار فلموں کے ذریعہ اس عمر میں ایک عالمی ریکارڈ ضرور قائم کرینگے ۔

☆☆☆☆☆

سپرہٹ فلم کبھی خوشی کبھی غم کا ایک منظر

Airlines link Kota Bharu to the major town in the Peninsula. Trains are available at the Bakaf Bharu station and Sungai Golok Station. These are adequate taxis and buses play between the capital and outlying districts. Carrental agencies are plentiful. Travel Agents can easily plan a hassle-free holiday for you.

BY AIR: Daily flights are available to and from Penang, Kuala Lampur and Johore Bahru. For reservation please contact Malaysia Airport.

BY TAXI: Taxi services are available on a basis of four passenger to a taxi. Time of departure depends on its full load.

BY RAIL: There are two stations in Kotal Bharu. Both stations are accessible by Bus No. 19 or 27. Visitors are advised to use Wakaf Bharu Station; Express trains depart daily for various destinations throughout Kelantan and major towns in Peninsular Malaysia right upto Singapore. Trains schedules are subject to alteration at short notice. Please contact the nearest-Station Master for further details.

BY BUS: Air-Conditioned bus services are available from Kota Bharu to various major towns within Peninsular Malaysia and upto Singapore at reasonable rates.

ACCOMMODATION: Accommodation is available (in Kota Bharu) in different types of hotel, Hostels and Guest Houses. For further details Tourist Information Centre and Travel Agents may be contacted.

For Further Details:

Please Contact the following offices:

1. Tourism Malaysia (Head Office), 17th Floor, Menara Dato Onn, Putra World Trade Centre, 45, Jalan Tun Ismail, 50480 Kula Lumpur (Malaysia). Tel (03) 293-5188. Fax: (03) 293-5884, 293-0207.

2. State Tourist Information Office. Jalan Sultan Ibrahim, 15050 Kota Bharu, Kelantan, Malaysia. Tel: (09), 7485534 - 7483543.

3. Marketing Manager (South India). Tourism Malaysia, Office of the Assistant High Commissioner of Malaysia in Chennai, 6-Sriram Nagar, North Street, Alwarpet, Chennai 600 018. Tel: 4343048, 4348624, Dr. Telefax : 4342893 - Fax: 091 - 44- 4343049 - Tlx. 041-23062 MAHC IN - E.MAIL: TMCHENNAI MANTRAMAIL.COM.

****

a proud legacy of the Kelantan and Pattani courts. Once strictly reserved for royalty, songket is now used for ceremonial occasion and weddings. Richly woven with gold or silver threads, songket was the dramatic consequence of the region's early trade with China (which supplied silk) and India (gold and silver threads).

Other Industries: Other main Industries are : Batik Printing, Wood , Carving and Kite Making.

NIGHT FOOD STALLS: Dining out in the open, under stars, makes a pleasant change. Night food stall situated opposite the main bus terminal are open from 5.30 PM to midnight and serve a delectable array of dishes. If you want to saviour a truly Malaysian dining atmosphere, this is it!

EATING OUT: Kelantan boasts unique cuisine with specialities like ayam percik, nasi kerbu and masi dagang enjoying pride of the place, Be adventurous and try the local fare. Restaurants and food stalls abound, and hawkers selling snacks can be found almost anywhere.

At the junction of Jalan Padeng Gerong and Jalan Pengkalam Chepa, you will find Kota Bharu's China town. Wan Tan mee curry mee, fried kway teow, etc are readily available here.

KAMPUNG EXPERIENCE: Savour the hospitality of a typical Kelantanese family by opting to stay with a family of your choice, This unique home stay programme enables you to get an insight into the culture and life-style of these simple folks. You can choose to be "adopted" by any of these: potter, fisherman, kite maker, batik manufacturer, silversmith, topspiming craftsman.

Get in touch with the Tourist Information Centre or your hotel receptionist who will be able to make the necessary arrangements.

TRAVEL TIPS: Malaysia

ket to Kuala Besar every half an hour.

WATER FALLS : Kelantan's emerald forests is home to a number of pic- tures que waterfall. Many of them are in the pasir puteh district, about 35 km from Kota Bharu.

JERAM PASU is by far the most popular. It is situated off the Kota Bharu - Pasir Puteh road at Kampung Pak Amast and is accessible by car. Or board Bus No. 3 from the main terminal to Padang Pak Amat. Then take a taxi from there to the wa- terfalls, about 8 km away. A dip in the crystal clear icy water does wonders to the spirit.

Jeram Lenang and Lata Beringin are the other favourite waterfalls to visit.

RIVER CRUISE AND JUNGLE TREKKING : The ecotourist will find much to delight him to take an unriver cruise of Sangai Kelantan into the virgin rain forests of Kelantan. The se- cret of the Jungle will un- fold itself if he looks and listens; and the little villages along the bank is an added bonus. Trips to such places are organised by the Tour- ist Information Centre in Kota Bharu. But you are ad- vised to book in advance.

SHOPPING: Kelantan is a shopper's place with not only traditional handicrafts on sale but a wide selection of goods from across the Thai border as well.

Gergeous silk kaftans, batik, scarves, silver trin-

kets and rich songkets all vie for attention. Baskets of every hue, hand-bags woven from mengkuang and place mats are also on sale.

The shopper will find endless delight to captivate him. Bargaining is part of the excitement. Often, a little patience will get you the best prices. You can shop at the bazar, shopping com- plexes and the new central market.

Kelantan silver is re- nowned for its intricacy of design and superior work- manship. Silversmiths use two kinds of techniques fili- gree and repose. Item range from functional to the purely ornamental and in- clude fruit bowls, tea sets, ash trays, brooches and bracelets. You can visit the Silver factory at Kampung Sireh along Jalan, Sultanah Zainab, Kampung Mark or at Kampung Badang on the road to Pantal Cinta Berahi. Open from 8.30 am to 5.00 daily except Friday.

SONGKET WEAVING: Songket, aptly dubbed Malaysia's cloth of gold is

ing. They should be properly attired and should remove their shoes.

BEACHES:

PENTAI CAHYA BULAN (PCB): The lovely stretch of Shimmering sand is perhaps Kelantan's most famous beach. Fringed by swaying casuarinas and coconut palms, it is the perfect getaway for the world-weary.

It is 10 Km north of Kota Bharu and is accessibly by taking SKMK Bus No. 10 which departs from the Central Market every 20 to 25 minutes.

PANTAI IRAMA (Beach of Melody) : Situated in the district of Bachok about 25 Km south of Kotas Bharu, Pantai Irama is believed by some to be the most beautiful beach along the entire exist coast! It is a hit with picnickers and campers alike.

PENTAI BISIKAN BAYU (Beach of the whispering Breeze): This beach is located near Semerak in the district of Pasir Puteh, about 50 Km away from Kota Bharu. It is also known as Pental Dalam Rhu. Tall Casuarinas offer restful shade where families can enjoy a picnic.

From the main terminal, take Bus No. 3 to Pasir Puteh. Then take Bus No. 96 to Kuala Besut.

PANTAI SERI TUJUH (Beach of Seven Lagoons): Venue of the international kite Festival, this beach lies on the border of Thailand and Kelantan at Kampung Tujuh in Tumpat, about 7 Km from Kota Bharu.

Take Bus No. 43 from the main terminal and enjoy the scenic ride along the way.

FISHING VILLAGE : No Visit to Kelantan would be. Complete without a trip to a fishing village dubbed "the soul of Malaysia's East Coast". Two of the most wekk-onown villages are the sabak Beach (approx. 14 Km from Kota Bharu) and Kuala Besar (15 Km from Kota Bharu).

If you wish to fully capture the moment, you should arrive no later than 2.30 pm when the boats laden with the day's catch are first spotted on the horizon. As they come ashore, their intricately carved prows are a riot of colors. Then the bargaining begins between wholesalers and the fishermen - a noisy but interesting ritual.

You will also be able to witness either related activities such as fish-curing and the mending of nets, Buses No. 8 and 9 depart every half hour from the old market terminal to Sabak Beach. Bus No. 28 leaves from the new central mar-

Museum where regalia and palace items belonging to former Sultans are on display. These include silverware, bedroom items and furniture from the royal household. There is also a photographic exhibition on the life of the late Sultan of Kelantan.

MUSEUM OF ROYAL TRADITION & CUSTOMS: Built in 1887 by Sultan Muhamad II for his grandson Long Kundur, this former palace, Istana Jahar, is now a museum. The intricate wood carvings are testimony to the superb craftsmanship of the Kelantanese. Photographs, artifacts and exhibits on Kelantan's rich cultural heritage will keep visitor enthralled.

ISLAMIC MUSEUM/ SYURA HALL: The history of Islam in Kelantan is well documented in the artefacts and inscriptions exhibited here. The setting up the Islamic Museum is timely as Kelantan is one of the centres of Islamic Learning.

WAR MUSEUM: The War Museum occupies the oldest brick building in Kelantan, dating back to 1912. This historic building now houses Japanese memorabilia and documents relating to the World War Two.

HANDICRAFT VILLAGE & CRAFT MUSEUM: Kelantan's exquisite range of handicrafts is on display here. Silverware, Songket, batik and woodcarvings are exhibited and are for sale as well.

ISTANA BALAI BESAR: This Palace was built by Sultan Muhamad II in 1840 to replace is riverine palace on the Kelantan river. It now serves as the venue for ceremonial functions and investiture ceremonies.

MERDEKA SQUARE: The site of many historical events, Merdeka square, rose to prominence in 1844 after the completion of the Istana Besar. It is also known as Padang Bank.

STATE MOSQUE: This mosque took ten years to build, i.e. from 1916 - 1926 during the reign of Sultan Ismail. Visitors are required to seek the permission of the caretaker before enter-

tion of the state under an ambitious multimillion dollar development project. With a myriad of attractions at hand, tourists are often at a loss to where to begin. Therefore it is suggested Kota Baru, the State capital. The sights and sounds of this bustling town is proof of the Kelantanese penchant for free enterprise. Modern buildings jostle alongside landmarks from another era while colorfully decorated trishaws ply the streets.

The Cultural Centre: Kelantan is hailed as the cultural haven of Malaysia. It is here, at the Cultural Centre or Gelanggang Seni that you can witness Kalantan's rich culture heritage. Watch giant kites Chase each other playfully in the azure sky, see tops the size of dinner plates spin rantically for hours and listen to the rich resonance of the 'rebana ubi' (drums).

In the evening, cultural performances much as the mak yong, wayang kulit and main puteri take centrestage. The wayang kulit or shadow play, is a unique form of theatre inspired by the great Hindu epics, the Ramayana and Mahabharata. The tok dalang manipulates the puppets (made from baffalo hide and mounted on rattan (sticks) and modulates his voice to create drama and suspense. Showtime 3.30 PM - 5.30 PM (Sat, Mon & Wed) 9.00 PM - 10.30 PM (Sat & Wed)

Admission Free.

CULTURAL ZONE: Many of the tourist attractions in Kota Bharu are conveniently located in the cultural zone, thus making it easily accessible. Take a leisurely stroll down Jalan Sultan and Jalan Hilir Kota and check out these places. They offer an invaluable insight into the history of Kelantan.

Opening hours are from 10.30 AM to 5.45 PM daily except Fridays. Admission is free, except for the Royal Museum, Islamic Museum, Syura Hall Royal Customs Museum, War Museum and Craft Museum. The admission fee is RM 2.00 for adults and RM 1.00 for children. Please note that the Istana Balai does not admit visitors.

ROYAL MUSEUM/ ISTANA BATU: Istana Batu was designed and built in 1939 during the reign of Sultan Ismail I. It was used as venue for royal weddings as well as to house royal guests. Today, it has been converted into the Royal

KELANTAN DARUL NAIM (MALAYSIA)

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

Kelantan which translates as the "Land of Lightening" is a veritable treasure trove of delight - rustic fishing villages, verdant paddy fields and languid, palm-fringed beaches.

Tucked away in the northeastern corner of Peninsular Malaysia, the

people of Kelantan have managed to keep alive age old customs and traditions, thus earning the State a reputation as the Cradle of Malay Culture.

Here, colourful kites soar upward defying gravity and giant drums reverberate. Shadow puppets mesmerise audiences and giant tops provide hours of endless fun.

Kelantan has a population of about 1.4 million; 95% is Malay with Chinese, Indians, Thais and Orang Asli making up the rest. Kelantanese are renowned for their warmth and friendliness.

Kelantan Darul Naim is a world of gracious beauty, retaining an old-world charm that few can resist. Her natural attributes work their magic on the visitor.

History: Kelantan's history dates back to between 8000 to 3000 BC. Chinese historical documents chronicle the existence of a government which maintained links with China. Kelantan was subsequently referred to as " Ho-lo-ton", " Chih-Tu" and "Tan-Tan" in these records.

In the 18th Century, the provinces came under a powerful warrior, Long Yunus, whose descendants presently make up the Royal House of Kelantan. Kelantan came under Thai and British influence before becoming part of the Federation of Malaysia in 1957 and Malaysia in 1963.

Economy: Kelantan's economy is chiefly agrarian with the Land yeilding paddy, rubber and tobacco. Fishing along its 96 - Kilometer coastline is also an important economic activity while livestock learning is gaining importance.

Cottage Industries which employ traditional skill such as batik-pointing, woodcarving and songket weaving are also evident. In recent year toursism has also become a major money spinner.

Kota Bharu, the capital, is the major urban centre but there are plans to open up the southern por-

and admire his writings as well as the quality of his mind tremendously. I find it impossible to think that the introduction could have been devoid of their serious professionalism. The episode is puzzling and deeply disturbing.

* No one would claim that whatever the 'secular' school of historians has done from Sushobhan sarkar onwards is flawless. In fact, quite a few critiques have been levelled against secularism per se and you have examined them in your essay 'Secularism and its discontents'. But do these offer a better alternative in the Indian context?

I wouldn't describe these historians as primarily 'secular'. They are primarily probing and conscientious historians. The fact that they also happen to be secular is interesting, but I don't believe that this dominates their writting of history. I can speak certainly about professor Sushobhan Sarkar. He was a historian of impeccable scholarship, with great insistence on rigour and scrutiny. So I would describe him first as a terrific historian rather than as primarily a 'secular historian'.

The second point is, as far as secularism itself is concerned, it is of course really a political belief and as such a subject matter of history, rather than a method of dealing with history. I think that if one has to look at India, one has to see the interactive presence of different religious as well as the presence of non-religious thoughts - sciences and mathematics for example. Aryabhatta, for instance, is quite sceptical of the received doctrines about eclipses and also about the belief that the sun goes round the earth. He didn't think that eclipses were caused by Rahu but by the earth's shadow over the moon and the moon obscuring the sun. He talked of the diurnal motion of the earth and the appearance of the sun going round us. So, a historian of Indian ideas has to look at non-religious thought as well as anti-religious thoughts like Charvaka and Loayata. The subject matter of Indian history cannot be just Hinduism. The historian has to take note of different religious and non-(or-anti) religious ideas. Recognising these varieties does not require any special political belief in secularism.

* It has been proposed that religious leaders, like sadhus and imams, should vet history texts so that unpalatable facts - that could injure impressionable minds and specific communities - can be carefully eliminated from text books?

I am appalled to hear about this proposal. I hope you don't vet this interview by a Sadhu or an imam!

* HRD minister Dr Murli Manohar Joshi has described those he calls 'Marxist' historians, like Irfan Habib, Sumit Sarkar and Liberals like Romila Thapar, as worse than terrorists'......

If the report is correct, we must react with horror. First, there is what in Philosophy is called a category mistake here in thinking that comparison with terrorists can be a cogent way of assessing historians. Second, the historians mentioned are, of course, leading historians, and so acknowledged across the world. It is difficult to think how anyone could have made a remark of that kind least of all the minister in charge of education. I have to believe that he has been misreported and will no doubt issue a corrective.

India revered the cow as ' gomata' and did not consume beef; that Akbar was a foreigner, despot and sectarian?

Well, I think if one has a particular way of looking at the past and if there are uncomfortable facts which do not fit into that narrow way of looking, then the proponents of that way of looking would naturally tend to deny the facts. It's fairly easy to point out that these are not half-truths; these are not truths at all. Actually, I can give you many other examples of this kind.

* Could you give just one?

The introduction of European scholars to Hindu scriptures, in particular the Upanishads, was to a great extent based on the Persian translation of the Upanishads done by Dara Shikoh, the first-born son of Shah Jahan. Dara Shikoh was not great Sanskrit scholar but he did work hard with the help of Hindu pundits to learn Sanskrit and he translated parts of the Upanishads into Persian. It is this translation that William Jones (Pioneering Indologist) first read which attracted him to India and to the study of the Hindu religion. Quite a lot of the revival of our understanding of our Hindu past was based on Jones' efforts and those of others at the Royal Asiatic Society of Bengal. I have not seen any mention in the Hindutva literature of the contribution of this Mughal prince to the spread of understanding of Hinduism at home and abroad.

* The Publication of the towards freedom volume edited by sumit Sarkar and K.N. Panikkar has been thwarted by the ICHR, apparently because it exposes the 'loyalist' role of the RSS in the 1940s.

Well I can't comment on why the ICHR has held up the Publication of this volume. It could well be that the RSS figures in a rather negative light as a pro-British force in some of the documents. It could have been something else, I don't know. I have also not read the introduction Sumit Sarkar and K.N. Panikkar have written. But I can definitely say that the two are not only among the top historians in India, they would be regarded as major historians anywhere in the world. I personally happen to know Sarkar very well

have not worked together. You cannot think of Hindus and Muslims as somehow mechanically mixed together, rather than being chemically compounded in an integrated civilisation.

* Isn't there an affinity between the saffron version of Hindutva and Samuel Huntington's categorisation of Indian civilisation as Hindu?

I think you are right there that Huntington's description of Indian civilisation as Hindu civilisation almost seems to be taken out of the writings of the Hindutva champions. In Huntington's case, the problem was what he wanted to classify the world according to one principle only and that was what he called ' civilisation' which in his case ended up being primarily religion. So he had to contrast Islamic civilisation with Western, Christian civilisation or Buddhist civilisation, etc. Then, well, how do I accommodate India? Since Islamic was already spoken for, he classified India as just a Hindu civilisation. Well, that's a serious mis-description. India has more Muslims than any country in the world with the

Rabindranath Tagore
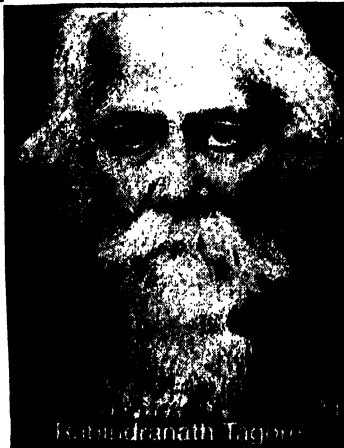
exception of Indonesia and marginally Pakistan. Also, the entire cultural and intellectual history of India has been an integrated one, as we just discussed.

* Historian romila Thapar has described Hindutva's history as propaganda where the past is manipulated as political instrument. What is the political goal in question - a Hindu rashtra?

Well, I dont' really know what the political goal in question is. Romila Thapar, of course, is one of our leading historians. I haven't seen this particular writing of hers, but I guess what she's pointing out is that a lot of writing on history by people who are champions of Hindutva seems to have an underlying political agenda. Whether this is meant to be a preparation for a Hindu rashtra or whether it is just a misunderstanding of the nature of India, I don't know. You have to ask them.

India was never a Hindu rashtra, even before Muslims came to India. In the first millennium BC as well as the millennium that followed, the Gupta period for example, India had a powerful presence of Buddhism along with Hinduism and Jainism. Christians came to India by the 4th century AD latest, and there were Christians here well before there was a single Christian in Britian. Similarly, Jews came to India very early. Parsis came when persecution began in Iran. Also, Muslims came first as traders across the Arabian Sea, well before the Muslim military conquests in the north. India has had a variety of religious influences all this time. Just to mention one thing - if you are thinking of the two greatest emperors of India, you would tend to think of Ashoka and Akbar. One was a Buddhist and the other a Muslim.

* Must a Hindutva history necessarily depend on half-truths, lies and legends to sustain itself?

For example, that ancient

Obviously blacking out the Muslim period-what you are describing as the "Muslim period" - as an age of darkness would be just a gross mistake. Textbooks should contain truths rather than falsehoods. It's not just a matter of understanding our past, but also our present. If you look at anything today-Indian painting, music, literature, philosophy, history itself as a discipline- the great contributions of Muslim scholars, intellectuals and artists are part and parcel of the richness of Indian civilisation. I think it's also important to emphasise that we cannot talk about the history of this period as if it could be split into Muslim activities and Hindu activities. They were interactive. Really, in every branch of art or intellectual study, you will find Hindu and Muslim activists and scholars working side by side and interactive with each other. So, there's no way we can talk about the period without taking into account the massive contribution made in an interactive way by those who happened to be Muslims by religion as opposed to others who were Hindus or

Irfan Habib Romila Thapar

Sikhs or Parsis or Christians.

* Your grandfather Kshitimohan Sen wrote the classic text Hinduism (Penguin Books, 1960). In what basic sense does his vision of Indian history and civilisation, or for that matter the vision of Rabindranath Tagore, differ from the saffron family's version?

I shouldn't really comment on this as I am not a great expert on Hindutva of any kind, and my role in my grandfather's book on Hinduism was primarily that of a translator. I think the remarkable difference between the book and a sectarian view of Hindutva is that my grandfather's as well as Tagore's vision is not combative at all. They were both keen on seeing what different influences operated on Hinduism. Both authors locate themselves in an interactive environment. In The Religion of Man, the lectures that Tagore gave at Oxford, he mentions that his family was situated at the confluences of three sets o influences - Hindu, Muslim and European. The same would apply to my grandfather. As a Sanskritist, he was educated in Benares, in traditional centres of learning, which were, at that time, open and non-sectarian.

I should also mention that one of my grandfather's books-which I don't think is available in English, only in Bengali, called Hindu Musalmaner Jukta Sadhana (The Joint Work of Hindus and Muslims) is quite a major work in the cultural history of India, showing that there is no substantial area of artistic or intellectual activity in which Hindus and Muslims

"INDIA'S TWO GREAT EMPERORS WERE BOTH NON-HINDU"

Nobel Laureate Professor Amartya Sen talk to Outlook, Magazine and articulate his views on the Hindutva version of Indian history. Sen had condemned the Babri Masjid demolition in Threat To Secular India' published in the New York Review

shortly after the epoch-changing incident. Here he describes the Hindutva version of Indian history as sectarian and combative, and argues that India was never a Hindu rashtra. Excerpts from an exclusive interview with Subhoranjan Dasgupta:

* In your address to the Calcutta History congress last year, you described the spirit and discipline of history as capacious heterodoxy. That's a wonderful expression. Could you please elaborate on it?

Well, I'am glad you like the expression. What I intended to say by that is that in order to study history, we have to have a sense of space-that there could be different ways of looking at past events and in case there are differences, we should be able to argue it out. Heterodoxy is important because understanding history requires different approaches. Furthermore, heterodoxy itself is somethimes among the most interesting things to study in the history of a civilisation or a culture. So, for both these points of view-heterodoxy as a method and as well as a subject matter to be studied - history has to be deeply concerned, I believe, with it. If you want to know what exciting things are happening at a certain period in a certain country, you look not just at what the ongoing tradition is, but where people are disagreeing and in what way. I am not a his torain but that is the way I tend to see history, a subject on which I occasionally try to write and which I greatly like reading.

* If the study of Indian history is infused by this spirit, what sort of textbooks should our schoolgoers be reading? Because there is a current effort, for instance, to portray the Muslim period as an age of darkness.

کرتا پائجامہ: سبز اور زری کرتہ پر ایمبرائیڈری کا کام آپ کی شخصیت کو چار چاند لگادیں گے

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No. 3, 1-15, Feb., 2002
REGD.No.H/HD 850
REGD.NO.R.N.63767/96

سیاست

تابوت اسکام: جارج فرنانڈیز کیلئے مشکلات
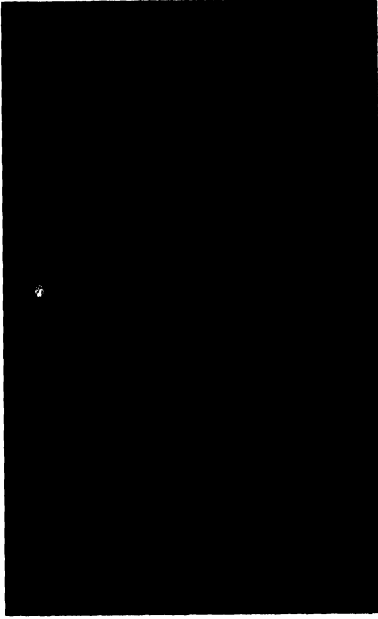
Vol: 7. HYDERABAD Issue:1 Rs.10/- (1) شمارہ (7) جلد

Editor: ZAHID ALI KHAN

1-15 January - 2002

سال نو مبارک

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188
NEW DELHI: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.
MUMBAI: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
CALCUTTA: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
BANGALORE: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
AHMEDABAD: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chembers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
2025, W.Granville, Suite # 102,
Chicago (IL.) 60659. U.S.A. Tel./Fax: (312)743-1255.
UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.
SAUDI ARABIA: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
KUWAIT: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدرآباد سے شائع ہوا۔

دہشت گردی کا سال

اکیسویں صدی کا پہلا سال انتہائی سنگین واردآتوں کی تلخ یادوں اور انتہائی خطرناک نتائج و عواقب کے اندیشوں کے ساتھ رخصت ہوا۔ 2001ء کے دوران بعض ایسے منفرد نوعیت کے حیرت انگیز واقعات رونما ہوئے جس نے عالمی سیاست، معیشت، اور ثقافت کو ایک موڑ دیدیا۔ 11 ستمبر 2001ء نے دنیا کو ایک نئے خطرہ سے روشناس کرایا جو کسی جنگ یا بڑے پیمانے پر آفات سماوی کے خطرات سے کم نہیں۔ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کی فلک بوس عمارت اور دنیا کی سب سے بڑی طاقت کے دفاعی ہیڈکوارٹر پر دہشت گردوں کے حملہ سے سارا عالم سکتے میں آگیا۔ زندگی سے مایوس یا اپنے کسی مقصد کی تکمیل کے لئے جان قربان کردینے کے جذبے سے سرشار چند نوجوانوں نے یہ ثابت کردیا کہ حفاظت و سلامتی کے سارے جتن ناکام اور بے سود ثابت ہوسکتے ہیں۔ منظم سازش منصوبہ بند خودکشی کے لئے آمادہ افراد کی مدد سے محفوظ ترین علاقے میں بھی ہولناک تباہی پھیلائی جاسکتی ہے۔ ایٹمی ہتھیاروں کے اس دور میں جبکہ دنیا کے کئی ممالک میں ایٹمی اسلحہ کے پوشیدہ ذخائر موجود ہیں اس قسم کے تخریب کاری کے اندیشوں سے کس قدر تباہی پھیل سکتی ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔

دہشت گردوں کی اس کارستانی کی ساری دنیا نے بہ یک آواز سخت مذمت کی اور دہشت گردی کے خاتمے کو وقت کا اولین تقاضہ قرار دیا گیا۔ عالمی رائے عامہ کے اس اتفاق رائے نے امریکہ کے صدر بش کو کسی بھی کارروائی کی کھلی چھوٹ دیدی۔ افغانستان پر امریکہ اور اسکے اتحادی چند ممالک کا قہر نازل ہوا۔ ہزاروں معصوم ہلاک ہوئے اس انتہائی پسماندہ ملک کی معیشت تباہ ہوگئی تمام بڑے شہر امریکی میزائیل حملوں اور بمباری سے مٹی کے ڈھیر میں تبدیل ہوگئے۔

امریکہ کی آتش انتقام ابھی سرد نہیں ہوئی۔ افغانستان میں طالبان کے اقتدار کے خاتمے کا مقصد تو حاصل ہوگیا لیکن اسامہ بن لادن اور ملا عمر کو جنھیں امریکہ عالمی دہشت گردی کے سارے واقعات کا ذمہ دار تصور کرتا ہے زندہ یا مردہ حاصل کرنے میں اب تک کامیابی نہیں ہوئی۔

دہشت گردوں اور انکے مراکز کو تباہ کرنے کے لئے فوجی طاقت کے بھرپور استعمال کی نئی حکمت عملی اسرائیل کے لئے قابل تقلید ثابت ہوئی جس نے فلسطین کی انتہاء پسندوں کے ایک حملے میں چند اسرائیلی سپاہیوں کی ہلاکت کا انتقام لینے کے لئے فلسطینی علاقوں پر بمباری کی اور امن و مفاہمت کے لئے جاری مذاکرات کو سبوتاج کردیا۔ دہشت گردی یقینا قابل مذمت اور اسکا قلع قمع کرنا وقت کی ضرورت ہے لیکن انتقامی کارروائی کے طور پر جنگی کارروائی ہرگز منصفانہ نہیں ہوسکتی۔

آج دنیا کے مختلف علاقوں میں دہشت گردی جاری ہے۔ ترقی یافتہ ممالک میں مہلک وبائی بیماریاں پھیلانے والے جراثیم سے فضا کو مسموم کردینے کی خطرناک کوششیں جاری ہیں۔ حال ہی میں انتھراکس کے کئی واقعات سامنے آئے ہیں۔ یہ رجحان انتہائی خطرناک ہے جس سے نمٹنے کے لئے ساری عالمی برادری کو مشترکہ مساعی شروع کردینی چاہئے۔

ہندوستان گذشتہ 20 سال سے دہشت گردی کا سامنا کررہا ہے۔ 2001 کے دوران دہشت گردوں کی تخریب کاری اور قتل و غارت گری میں اضافہ ہوا اسکے ساتھ ساتھ دہشت گردوں نے جو ایک عرصہ سے کشمیر کو ہی اپنی سرگرمیوں کا مرکز بنائے ہوئے تھے ملک کے دوسرے علاقوں تک ان سرگرمیوں کو وسعت دی اور دارالحکومت دہلی تک پہونچ گئے۔ سری نگر اسمبلی پر دہشت گردوں کی یلغار کے چند ماہ بعد ہی ان انتہا پسندوں نے ہندوستانی پارلیمنٹ کو نشانہ بنانے کی جسارت کی ایوان پارلیمنٹ کے باب الداخلہ پر متعین سیکورٹی عملہ نے دہشت گردوں کے مقاصد کو ناکام بنادیا اور انھیں گولیوں کا نشانہ بنادیا لیکن ان دہشت گردوں کا پارلیمنٹ کامپلکس میں داخلہ ہی ہماری حفاظت و سلامتی کے انتظامات کو ایک چیلنج اور چنوتی ثابت ہوا۔ اس واقعہ نے ساری قوم کو تشویش میں مبتلا کردیا ہے۔ یہ واقعہ ہماری انٹیلیجنس ایجنسیوں کی کارکردگی کو غیر موثر ثابت کرتا ہے۔ ان تلخ تجربات سے استفادہ کرتے ہوئے انٹیلیجنس اور سیکورٹی کے شعبوں کی تنظیم جدید اور کارکردگی کے طریقہ کار پر نظرثانی کی ضرورت ہے۔

سال 2001 کے دوران تہلکہ ڈاٹ کام کے بعض انکشاف نے ملک میں سیاسی ہلچل پیدا کردی۔ اعلی سطح پر رشوت اور دفاعی سامان کی خریدی کی معاملت بدعنوانیوں کے عام رجحان کے انکشاف کے نتیجے میں بعض سرکردہ سیاسی قائدین اور مرکزی وزراء کو عہدوں سے مستعفی ہونا پڑا۔ حکومت نے تہلکہ الزامات کے حقائق کا جائزہ لینے کے لئے کمیشن قائم کیا ہے۔ تہلکہ کا اہم نشانہ اور محور وزیر دفاع جارج فرنانڈیز تھے جنھوں نے اخلاقی طور پر استعفی دیدیا تھا اور پھر اپنے آپ کو بے قصور قرار دیتے ہوئے دوبارہ کابینہ میں شامل ہوگئے لیکن چند ہی دن بعد انھیں کارگل کی لڑائی کے دوران ہلاک سپاہیوں کی نعشوں کے لئے صندوقوں کی خریدی کی معاملت میں بدعنوانیوں کا ذمہ دار قرار دیا گیا پارلیمنٹ میں اس مسئلہ پر اپوزیشن کی ہنگامہ آرائی کا زور شور محض دہشت گردوں کے حملہ کے سنگین واقعہ کے موضوع بن جانے کے باعث قدرے کم ہوگیا۔ بدعنوانیوں کے الزامات میں ملوث بہار کے قائد لالو یادو کے خلاف قانونی کارروائی میں شدت اور ٹاملناڈو کی قائد مس جئے للیتا کا بعض سنگین الزامات سے بری کردیا جانا بھی اس سال کے اہم واقعات میں شامل ہے۔

سال 2001ء بعض سنگین واقعات کا سال ثابت ہوا توقع ہے کہ نیا سال ان واقعات سے سبق حاصل کرنے اور اصلاحی اور انسدادی اقدامات کا سال ثابت ہوگا۔

زاہد علی خان

اسلام کا دہشت گردی سے کیا تعلق

محمد ناظم علی

بنیادی پرستی اور دہشت گردی مغرب کی دین ہے

اسلام ایک آفاقی مذہب ہے اس میں کائناتی و فطری قدریں موجود ہیں فطرت اور قدرت نے قرآن اور حضورؐ کی سیرت و حیات کے ذریعہ دنیا و انسانیت کو دستور حیات، ضابطہ حیات قاعدہ مدون کیا ہے۔ تمام عالم میں اسکے پیرو موجود ہیں اور مغرب ہو کہ مشرق کہیں نہ کہیں یہ لوگ آباد ہیں اور اسلامی اصولوں و قوانین کے تحت زندگی گذار رہے ہیں۔ اسلام میں اسکے ارکان و اصولوں میں انسانیت کی فلاح و بھلائی اور فروغ کے لئے سب کچھ موجود ہے جس سے پوری دنیا استفادہ کررہی ہے جتنے علوم و فنون دنیا میں ہیں اس کا سرچشمہ قرآن ہے اور اس میں اشاروں سے کائنات کی آگہی کا سبق ملتا ہے اور انسان اپنے عقل سلیم کو بروئے کار لاکر دنیا کو مسخر کرسکتا ہے۔ اب رہا سوال کہ اسلام کا دہشت گردی سے کیا تعلق ہے اسکے اسباب و محرکات میں یہ بات سب پر عیاں ہے کہ اسلام کے ماننے والوں کو مختلف ممالک کے قوانین اور سماجی ڈھانچہ کے تحت زندگی گذارنا پڑتا ہے وہاں وہ اس کا پابند ہوجاتا ہے کیونکہ مختلف ممالک کا دستور اسکے تقاضے منفرد اور علحدہ ہوتے ہیں ایک دوسرے ممالک سے میل نہیں کھاتے شائد چند دفعات و دفعات میں مماثلت ہو۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ وہاں بسنے والے طبقات اور انکے سماجی حالات اور جرائم کی نوعیت بھی بدل جاتی ہے اگر ہندوستان میں سرقہ یا چوری پراسرار طور پر یا چھپ کرکی جاتی ہے تو دوسرے ممالک میں کچھ اور طرز پر چوری یا سرقہ کیا جاتا ہے اس کے تعلق سے جزا یا سزا بھی الگ نوعیت کی ہوتی ہے سزا کے طور طریقہ ہر ملک میں الگ الگ ہیں لیکن اسلامی مملکتیں جہاں شرعی اور اسلامی قانون نافذ ہیں وہاں شرعی احکام پر مبنی فیصلے صادر ہوتے ہیں اور سزا کی نوعیت دوسرے ممالک کے قوانین سے الگ ہیں چوری کی نوعیت اور اسکی کیفیت پر سزا بھی ویسی ہی ہوتی ہیں دیگر ابنائے وطن کہتے ہیں کہ اسلامی قوانین **Inhuman** کے مماثل ہیں۔ تعجب ہوتا ہے انکی عقل پر کہ یہ اتنے اچھے قوانین ہیں جس کی بدولت جرائم کے فیصد میں کمی نہیں بلکہ جرائم ہونے نہیں پاتے اگر اسلامی مملکت میں قصاص قتل کے بدلے قتل کا فیصلہ ہوتا ہے تو مقتول کو منظر عام پر لاکر قتل کیا جاتا ہے تاکہ دوسروں کو عبرت حاصل ہو اور اس طرح کے جرم کا ارتکاب نہ کرسکے عبرت اور سبق آموز قوانین آفاقی قدروں کے مماثل ہیں۔ آپ دنیا کے تمام ممالک میں جرائم کے فیصد کا تقابل کریں سوائے اسلامی ممالک جہاں جرائم کی شرح بہت قلیل انداز میں ملے گی اس کے برعکس دوسرے ممالک میں جرائم کے فیصد میں اضافہ ہی ملے گا۔ بہرحال مغرب ایسے قوانین سے نالاں و بے زار نظر آتا ہے اور اسلام کے ماننے والوں کو بنیاد پرست اور دہشت گرد گردانتا ہے۔ دراصل تاریخ شاہد ہے کہ مغربی اقوام اسلام سے معاندانہ رویہ کا اظہار کرتے ہیں۔ اگر جارج ڈبلیو بش نے ۱۱ ستمبر کے حملے کے وقت صلیبی جنگ کا اعلان کیا تو ان کا یہ عمل نادانی و نا سمجھی پر محمول ہوتا ہے۔

دنیا میں دہشت گردی کہاں نہیں ہے کہیں خانہ جنگی کی صورت میں جلوہ گر ہے تو کہیں اپنے ہی ملک کے اندر داخلی دہشت گردی جلوہ افروز ہے تو داخلی اور خارجی دہشت گردی ہر جگہ موجود ہے۔ البتہ اسکی نوعیت و طور طریقے الگ الگ ہیں اقطاع عالم میں کہیں بھی کچھ واقعہ (ناخوشگوار) تو اسلام اور اسلام کے ماننے والوں پرالزام لگایا جاتا ہے اور اس موقع پر یہ کہا جاتا ہے یہ سرگرمیاں بنیاد پرستوں کی ہے اور دہشت گردوں کی کارستانی ہے۔ مشرق ہو یا مغرب یا مشرق وسطی وہاں اضطراب و بے چینی کیوں ہے دراصل ان ممالک میں جو سیاسی و سماجی اور معاشی نظام قائم ہیں اس میں کچھ نہ کچھ نقائص و خرابیاں ہیں عدم مساوات ناانصافی اور عدم رواداری موجود ہے اسلئے وہاں کی حکومتیں و مملکتیں داخلی انتشار و کرب سے دوچار رہتی ہیں۔ اگر ان ممالک میں اسلامی مساوات اور اسلام معاشی نظام لاگو و مسلط ہوجائے تو خوشحال معاشرہ قائم ہوسکتا ہے لیکن کئی ممالک کے سربراہ اسلامی قدروں کی تعریف و توصیف تو کرتے ہیں اور اچھے مذہب ہونے کی دلیلیں پیش کرتے ہیں اسکو اپنانے سے اجتناب کرتے ہیں۔ اور امریکہ تو اسلام کے خلاف عملی سرگرمیاں شروع کرچکا ہے۔ ۱۱ ستمبر سے قبل سے ہی اسکی سرگرمیاں عروج پر تھی امریکہ کا عتاب عراق، فلسطین، ایران اور کئی مسلم ممالک پرہمیشہ سے ہی نازل رہا۔ ہندوستان اور پاکستان تو حلیف ممالک میں شمار ہوتے ہیں اسکی امداد و رحم و کرم پر زندہ ہیں اس طرح کے عمل سے ملک کی سالمیت و حفاظت خطرہ میں پڑسکتی ہے لہذا ہمیں اپنے وسائل کے تحت اور تخلیقی واختراعی قوتوں کے عوض مختلف ممالک کے برابر مقام حاصل کرنا ہوگا۔

۱۱ ستمبر کا واقعہ نہ ہونا تھا ہوگیا اور امریکہ اسکو اپنی توہین اور اہانت سمجھ کر بدلا لینے پر اٹل ہوگیا کیونکہ دنیا میں **Superpower** کا اعزاز اسی کو ملا تھا کئی ممالک کے معاشی سیاسی نظام کے مقدرات اسی کے ہاتھوں میں تھے جہاں چاہے اپنی مرضی کی حکومت مسلط کرتا تھا اور اپنی مرضی سے حکومتیں معزول کرسکتا تھا تو ایسے میں طالبان کی حکومت اور انکی اسلامی سرگرمیاں اسکو مشکوک محسوس ہونے لگی۔ ۱۱ ستمبر کا واقعہ تو ایک بہانہ ہے۔

●●●●●

ooooo

●

مولانا ابوالکلام آزاد

ترجمان القرآن

۳۶ ۔ اور (دیکھو !) ایسا ہوا کہ یوسفؑ کے ساتھ دو جوان آدمی اور بھی قید خانے میں داخل ہوئے ۔ ان میں سے ایک نے (یوسفؑ سے) کہا : مجھے (خواب میں) ایسا دکھائی دیا ہے کہ شراب (بنانے) کے لئے (انگور کا عرق) نچوڑ رہا ہوں ۔ دوسرے نے کہا : مجھے ایسا دکھائی دیا ہے کہ سر پر روٹی اٹھائے ہوئے ہوں اور پرند اسے کھا رہے ہیں ۔ (ان دونوں نے درخواست کی کہ) ہمیں بتلادو اس بات کا نتیجہ کیا نکلنے والا ہے ؟ ہم دیکھتے ہیں کہ تم بڑے نیک آدمی ہو ۔

۳۷ ۔ یوسفؑ نے کہا : (گھبراؤ نہیں) قبل اس کے کہ تمہارا مقررہ کھانا تم تک پہنچے ، میں تمہارے خوابوں کا مآل تمہیں بتلادوں گا ۔ اس بات کا علم بھی من جملہ ان باتوں کے ہے جو مجھے میرے پروردگار نے تعلیم فرمائی ہیں ۔ میں نے ان لوگوں کی ملت ترک کی جو اللہ پر ایمان نہیں رکھتے اور آخرت کے بھی منکر ہیں ۔

۳۸ ۔ میں نے اپنے باپ دادوں (یعنی) ابراہیمؑ اور اسحاقؑ اور یعقوبؑ کی ملت کی پیروی کی ۔ ہم (اولاد ابراہیمؑ) ایسا نہیں کرسکتے کہ اللہ کے ساتھ کسی چیز کو بھی شریک ٹھیرائیں ۔ یہ (ملت) اللہ کا ایک فضل ہے جو اس نے ہم پر اور لوگوں پر کیا ہے ، لیکن اکثر آدمی ہیں جو (اس نعمت کا) شکر نہیں بجالاتے ۔

۳۹ ۔ اے یاران مجلس ! (تم نے اس بات پر بھی غور کیا کہ) جدا جدا معبودوں کا ہونا بہتر ہے یا اللہ کا جو یگانہ اور سب پر غالب ہے ۔

۴۰ ۔ تم اس کے سوا جن ہستیوں کی بندگی کرتے ہو ان کی حقیقت اس سے زیادہ کیا ہے کہ محض چند نام ہیں جو تم نے اور تمہارے باپ دادوں نے رکھ لئے ہیں ، اللہ نے ان کے لئے کوئی سند نہیں اتاری ۔ حکومت تو اللہ ہی کے لئے ہے ۔ اس کا فرمان یہ ہے کہ صرف اسی کی بندگی کرو اور کسی کی نہ کرو ۔ یہی سیدھا دین ہے مگر اکثر آدمی ایسے ہیں جو نہیں جانتے ۔

۴۱ ۔ اے یاران مجلس ! (اب اپنے اپنے خوابوں کا مطلب سن لو) تم میں ایک آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ انگور نچوڑ رہا ہے) تو وہ (قید سے چھوٹ جائے گا اور بدستور سابق) اپنے آقا کو شراب پلائے گا اور دوسرا آدمی (وہ ہے جس نے دیکھا کہ اس کے سر پر روٹی ہے اور پرند روٹی کھا رہے ہیں) تو وہ سولی پر چڑھایا جائے گا اور پرند اس کا سر (نوچ نوچ کر) کھائیں گے ۔ جس بات کے بارے میں تم سوال کرتے ہو وہ فیصل ہو چکی اور فیصلہ یہی ہے " ۔

۴۲ ۔ اور یوسفؑ نے جس آدمی کی نسبت سمجھا تھا کہ نجات پائے گا اس سے کہا : "اپنے آقا کے پاس جب جاؤ تو مجھے یاد رکھنا (یعنی میرا حال اس سے ضرور کہہ دینا ") لیکن (جب تعبیر کے مطابق اس نے نجات پائی تو (شیطان نے یہ بات بھلادی کہ اپنے آقا کے حضور پہنچ کر اسے یاد کرتا ۔ پس یوسف کئی برس تک قید خانے میں رہا ۔

۴۳ ۔ اور (پھر ایسا ہوا کہ ایک دن) بادشاہ نے (اپنے تمام درباریوں کو جمع کرکے) کہا : میں (خواب میں) کیا دیکھتا ہوں کہ سات گائیں ہیں موٹی تازی انھیں سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں اور سات دوسری سوکھی ۔ اے اہل دربار ! اگر تم خواب کا مطلب حل کرلیا کرتے ہو تو بتلاؤ میرے خواب کا حل کیا ہے ؟

۴۴ ۔ درباریوں نے (غور و فکر کے بعد) کہا : یہ پریشان خواب و خیالات ہیں (کوئی ایسی بات نہیں جس کا کوئی خاص مطلب ہو) اور ہم (سچے خوابوں کا مطلب تو حل کرسکتے ہیں لیکن) پریشان خوابوں کا حال نہیں جانتے ۔

۴۵ ۔ اور جس آدمی نے (ان) دو قیدیوں میں سے نجات پائی تھی اور جسے مدت کے بعد (یوسفؑ کی) بات یاد آئی ، وہ (خواب کا معاملہ سن کر) بول اٹھا : میں اس خواب کا نتیجہ تمہیں بتلادوں گا ، تم مجھے (ایک جگہ) جانے دو ۔

۴۶ ۔ (چنانچہ ، وہ قید خانے میں آیا اور کہا : اے یوسفؑ ! اے کہ مجسم سچائی ہے ! اس (خواب) کا ہمیں حل بتا کہ سات موٹی تازی گایوں کو سات دبلی پتلی گائیں نگل رہی ہیں اور سات بالیں ہری ہیں ، سات سوکھی ، تاکہ (ان) لوگوں کے پاس واپس جاسکوں (جنھوں نے مجھے بھیجا ہے) کیا عجب ہے وہ (تمہاری قدر و منزلت) معلوم کرلیں ۔

۴۷ ۔ یوسفؑ نے کہا : (اس خواب کی تعبیر اور اسکی بنا پر تمہیں جو کچھ کرنا چاہئے وہ یہ ہے کہ) سات برس تک تم لگاتار کھیتی کرتے رہو گے (ان برسوں میں خوب بڑھتی ہوگی) پس (جب فصل کاٹنے کا وقت آیا کرے تو) جو کچھ کاٹو اسے اس کی بالوں ہی میں رہنے دو (تاکہ اناج سڑنے گلے نہیں) اور صرف اتنی مقدار الگ کرلیا کرو جو تمہارے کھانے کے لئے (ضروری) ہو ۔

۴۸ ۔ پھر اس کے بعد سات بڑے سخت مصیبت کے برس آئیں گے جو وہ سب ذخیرہ کھاجائیں گے جو تم نے (اس طرح) پہلے سے جمع کر رکھا ہوگا ۔ مگر ہاں تھوڑا سا جو تم روک رکھوگے (بچ رہے گا)

۴۹ ۔ پھر اس کے بعد ایک برس ایسا آئے گا کہ لوگوں پر خوب بارش بھیجی جائے گی ۔ لوگ اس میں (پھلوں اور دانوں سے) عرق اور تیل خوب نکالیں گے " ۔

۵۰ ۔ (جب اس آدمی نے یہ بات بادشاہ تک پہنچائی تو) بادشاہ نے کہا ، یوسفؑ کو (فورا) میرے پاس لاؤ " ۔ لیکن جب (بادشاہ) کا پیامبر یوسفؑ کے پاس پہنچا تو اس نے کہا : (میں یوں نہیں جاؤں گا) تم اپنے آقا کے پاس واپس جاؤ اور میری طرف سے دریافت کرو ، ان عورتوں کا معاملہ کیا تھا جنھوں نے اپنے ہاتھ کاٹ لئے تھے ؟ (میں چاہتا ہوں پہلے اس کا فیصلہ

ہوجائے) ۔ جیسی کچھ مکاریاں انھوں نے کی تھیں میرا پروردگار اسے خوب جانتا ہے "۔

۵۱ ۔ (اس پر) بادشاہ نے (ان عورتوں کو بلایا اور) کہا "(صاف صاف بتلادو) تمہیں کیا معاملہ پیش آیا تھا جب تم نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے تھے کہ اسے اپنی طرف مائل کرلو؟" وہ بولیں: حاشاللہ! ہم نے اس میں برائی کی کوئی بات نہیں پائی " (یہ سن کر) عزیز کی بیوی بھی (بے اختیار) بول اٹھی "جو حقیقت تھی وہ اب ظاہر ہوگئی۔ ہاں! وہ میں ہی تھی جس نے یوسفؑ پر ڈورے ڈالے کہ اپنا دل ہار بیٹھے ۔ بلاشبہ وہ (اپنے بیان میں) بالکل سچا ہے ۔

۵۲ ۔ یہ میں نے اس لئے کہا کہ اسے معلوم ہوجائے (یعنی یوسفؑ کو معلوم ہوجائے) میں نے اس کے پیٹھ پیچھے اس کے معاملے میں خیانت نہیں کی ۔ ۔ نیز اس لئے کہ (واضح ہوجائے) اللہ خیانت کرنے والوں کی تدبیروں پر کبھی (کامیابی کی) راہ نہیں کھولتا۔

۵۳ ۔ میں اپنے نفس کی پاکی کا دعوی نہیں کرتی ۔ آدمی کا نفس تو برائی کے لئے بڑا ہی ابھارنے والا ہے (اس کے غلبے سے بچنا آسان نہیں) مگر ہاں! اسی حال میں میرا پروردگار رحم کرے ۔ بلاشبہ میرا پروردگار بڑا ہی بخشنے والا، بڑا ہی رحم کرنے والا ہے "۔

۵۴ ۔ اور (پھر) بادشاہ نے حکم دیا یوسفؑ کو میرے پاس لاؤ کہ اسے خاص اپنے (کاموں کے) لئے مقرر کروں "۔ پھر جب (وہ آیا تو بادشاہ نے) کہا "آج کے دن تو ہماری نگاہوں میں بڑا صاحب اقتدار اور امانت دار انسان ہے "۔

۵۵ ۔ یوسفؑ نے کہا: "مملکت کے خزانوں پر مجھے مختار کردیجئے ۔ میں حفاظت کرسکتا ہوں اور میں اس کام کا جاننے والا ہوں " (چنانچہ بادشاہ نے اسے مملکت کا مختار کردیا)

۵۶ ۔ اور (دیکھو!) اس طرح ہم نے سرزمین مصر میں یوسف کے قدم جمادئے کہ جس جگہ سے چاہے حسب مرضی رہنے سہنے کا کام لے ۔ ہم جسے چاہتے ہیں (اسی طرح) اپنی رحمت سے فیضیاب کردیتے ہیں اور نیک عملوں کا اجر کبھی ضائع نہیں کرتے ۔

۵۷ ۔ اور جو لوگ (اللہ پر) ایمان لائے اور (بد عملیوں سے) بچتے رہے، ان کے لئے تو آخرت کا اجر اس سے کہیں بہتر ہے ۔

۵۸ ۔ اور (پھر قحط کے سالوں میں ایسا ہوا کہ) یوسفؑ کے بھائی (کنعان سے غلہ خریدنے مصر) آئے ۔ یوسف نے انھیں (دیکھتے ہی) پہچان لیا، لیکن انھوں نے نہیں پہچانا۔

۵۹ ۔ اور جب یوسفؑ نے ان کا سامان مہیا کردیا تو (جاتے وقت) کہا: اب کے آنا تو اپنے سوتیلے بھائی (بن یمین) کو بھی ساتھ لانا ۔ تم نے اچھی طرح دیکھ لیا ہے کہ میں تمہیں پوری تول (غلہ) دیتا ہوں اور (باہر سے آنے والوں کے لئے) بہتر مہمان نواز ہوں۔

۶۰ ۔ لیکن اگر تم اسے میرے پاس نہ لائے تو پھر یاد رکھو! نہ تو تمہارے لئے میرے پاس کچھ خرید و فروخت ہوگی، نہ تم میرے نزدیک جگہ پاؤگے ۔

۶۱ ۔ انھوں نے کہا: ہم اس کے باپ کو اس بات کی ترغیب دیں گے اور ہم ضرور ایسا کریں گے ۔

۶۲ ۔ اور یوسفؑ نے اپنے خدمت گاروں کو حکم دیا: ان لوگوں کی پونجی (جس کے بدلے میں انھوں نے غلہ مول لیا ہے) انھیں کی بوریوں میں رکھ دو۔ جب یہ لوگ اپنے گھر کی طرف لوٹیں گے تو بہت ممکن ہے اپنی پونجی دیکھ کر پہچان لیں (کہ لوٹادی گئی) اور پھر عجب نہیں کہ دوبارہ آئیں۔

۶۳ ۔ پھر جب یہ لوگ اپنے باپ کے پاس لوٹ کر گئے تو کہا: اے ہمارے باپ! آئندہ کو غلے کی فروخت ہم پر بند کردی گئی ہے ۔ پس ہمارے بھائی (بن یمین) کو ہمارے ساتھ بھیج دے کہ غلہ خرید لائیں اور ہم اس کے نگہبان ہیں۔

۶۴ ۔ باپ نے (یہ سن کر) کہا: کیا میں اس کے لئے اسی طرح تمہارا اعتبار کروں جس طرح پہلے اس کے بھائی (یوسفؑ) کے بارے میں کرچکا ہوں؟ سو خدا ہی سب سے بہتر حفاظت کرنے والا ہے اور اس سے بڑھ کر رحم کرنے والا کوئی نہیں۔

۶۵ ۔ اور جب ان لوگوں نے اپنا سامان کھولا تو دیکھا کہ ان کی پونجی انھیں کو لوٹادی گئی ہے ۔ تب انھوں نے (اپنے باپ سے کہا): اے ہمارے باپ! اس سے زیادہ ہمیں اور کیا چاہئے ؟ دیکھا یہ ہماری پونجی ہے جو ہمیں لوٹادی گئی ہے ۔ (ہمیں غلہ بھی اس نے دے دیا اور قیمت بھی واپس کردی ۔ پس ہمیں اجازت دے کہ بن یمین کو ساتھ لے کر پھر جائیں) اور اپنے گھرانے کے لئے رسد لے آئیں ۔ ہم اپنے بھائی کی حفاظت کریں گے اور ایک اونٹ کا بوجھ اور زیادہ لے لیں گے ۔ یہ غلہ (جو اس مرتبہ لائے ہیں) بہت تھوڑا ہے ۔

۶۶ ۔ باپ نے کہا: میں کبھی اسے تمہارے ساتھ بھیجنے والا نہیں جب تک کہ اللہ کے نام پر مجھ سے عہد نہ کرو (تم عہد کرو کہ) بجز اس صورت کے کہ ہم خود گھیر لئے جائیں (اور بے بس ہوجائیں) ہم ضرور اسے تیرے پاس واپس لے آئیں گے جب انھوں نے باپ کو (اس کے کہنے کے مطابق) اپنا پکا قول دے دیا تو اس نے کہا: ہم نے جو قول و قرار کیا اس پر اللہ نگہبان ہو۔

۶۷ ۔ اور باپ نے انھیں (چلتے وقت) کہا: اے میرے بیٹو! دیکھو! جب مصر پہنچو تو شہر کے) ایک ہی دروازے سے داخل نہ ہونا، جدا جدا دروازوں سے داخل ہونا، میں تمہیں کسی ایسی بات سے نہیں بچاسکتا جو اللہ کے حکم سے ہونے والی ہو (لیکن اپنی طرف سے حتی المقدور احتیاط کی ساری تدبیریں کرنی چاہئیں) فرماں روائی کسی کے لئے نہیں ہے ۔ مگر اللہ کے لئے ۔ (دنیا کے سارے حکمرانوں کی طاقت اس کے آگے ہیچ ہے) میں نے اسی پر بھروسہ کیا اور وہی ہے جس پر تمام بھروسا کرنے والوں کو بھروسا کرنا چاہئے ۔

۶۸ ۔ (پھر) جب یہ لوگ (مصر میں) داخل ہوئے اسی طرح جس طرح باپ نے حکم دیا تھا تو (دیکھو!) یہ بات اللہ (کی مشیت) کے مقابلے میں کچھ بھی کام آنے والی نہ تھی، مگر ہاں! یعقوبؑ کے دل میں ایک خیال پیدا ہوا تھا جسے

اس نے پورا کردیا۔ اور بلاشبہ وہ صاحب علم تھا کہ ہم نے اس پر علم کی راہ کھول دی تھی۔ لیکن اکثر آدمی (اس بات کی حقیقت) نہیں جانتے۔

۶۹۔ اور جب ایسا ہوا کہ یہ لوگ یوسفؑ کے پاس پہنچے تو اس نے اپنے بھائی (بن یمین) کو اپنے پاس بٹھالیا اور اسے (پوشیدگی میں) اشارہ کردیا کہ میں تیرا بھائی (یوسفؑ) ہوں۔ پس جو (بدسلوکی) یہ (لوگ تیرے ساتھ) کرتے آئے ہیں اس پر غمگین نہ ہو (اور خوش ہوجا کہ اب زمانہ پلٹ گیا)

تفسیر

تورات میں ہے کہ "جب یوسفؑ قید خانے میں ڈالا گیا تو قید خانے کا داروغہ اس پر مہربان ہوگیا اور تمام قیدیوں کا انتظام اس کے سپرد کردیا۔ وہ قید خانے کا بالکل مختار ہوگیا تھا اور خداوند نے وہاں بھی اسے اس کے تمام کاموں میں اقبال مند کیا (پیدائش ۳۹: ۲۲ و ۲۳)

قرآن کی آیت ۳۶ میں بھی اس کے اشارات موجود ہیں۔ اول تو دو قیدیوں کا خواب کی تعبیر پوچھنا ہی اس کی دلیل ہے کہ انھیں غیر معمولی علم و فضیلت کا آدمی سمجھا جاتا تھا۔ پھر ان دونوں کا یہ کہنا کہ "ہم دیکھتے ہیں تم بڑے نیک آدمی ہو" صاف طور پر واضح کردیتا ہے کہ قید خانے میں ان کا تقدس عام طور پر تسلیم کیا جاتا ہے۔

تورات میں ہے کہ ان دو قیدیوں میں ایک بادشاہ کے ساقیوں کا سردار تھا، دوسرا روٹی پکانے والوں کا بادشاہ ان پر ناراض ہوا اور قید خانے میں بھیج دیا۔ یوسفؑ ہر روز قیدیوں کا معائنہ کیا کرتا تھا۔ ایک دن انھیں دیکھا کہ بہت اداس بیٹھے ہیں۔ سبب پوچھا تو انھوں نے کہا: ہم نے آج رات کو ایسی ایسی باتیں خواب میں دیکھی ہیں (پیدائش ۴۰: ۱ تا ۱۱ و ۱۶ و ۱۷)

۴۱ و ۴۲۔ حضرت یوسفؑ کا دو قیدیوں کو ان کے خواب کی تعبیر بتلانا اور اسی کے مطابق ظہور میں آنا۔ پھر بادشاہ مصر کا ایک عجیب و غریب خواب دیکھنا اور مصر کے تمام دانش مندوں اور جادوگروں کا تعبیر سے عاجز ہونا اور بالآخر حضرت یوسفؑ کو قید خانے سے طلب کرنا۔

تورات میں ہے کہ حضرت یوسفؑ نے ساقیوں کے سردار کو اس کے خواب کی تعبیر یہ بتلائی تھی کہ تین دن کے اندر فرعون تجھے تیرے منصب پر بحال کردے گا اور آگے کی طرح تو اس کے ہاتھ میں شراب کا جام دے گا۔ اور کہا تھا کہ جب تو خوش حال ہو تو مجھے یاد رکھیو اور فرعون سے میرا ذکر کیجیو کہ لوگ عبرانیوں کے ملک سے مجھے چرا کر لائے اور یہاں بھی بغیر کسی قصور کے قید خانے میں ڈال دیا۔ اور نان پزوں کے سردار سے کہا تھا کہ تین دن کے اندر تیری موت کا فیصلہ ہوجائے گا اور تیری لاش درخت پر لٹکائی جائے گی، چنانچہ ایسا ہی ہوا۔ تیسرے دن فرعون کی سالگرہ کا دن تھا۔ اس دن سردار ساقی بحال کردیا گیا۔ مگر نان پزوں کے سردار کو سزا ہوئی۔ لیکن سردار ساقی نے بحال ہو کر یوسفؑ کو یاد نہ رکھا۔ وہ یہ معاملہ بھول گیا (پیدائش ۴۰: ۱۲ تا ۱۵ و ۱۸ تا ۲۳)

چنانچہ حضرت یوسفؑ کے حالات میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی، وہ کئی سال تک قید خانے میں پڑے رہے۔

۴۳ تا ۴۹۔ اس کے بعد وہ معاملہ پیش آیا جس کی طرف آیت ۴۳ میں اشارہ کیا ہے، یعنی بادشاہ مصر نے ایک عجیب طرح کا خواب دیکھا اور جب دربار کے دانش مندوں سے تعبیر دریافت کی تو کوئی تشفی بخش جواب نہ دے سکے۔ تورات میں ہے کہ بادشاہ نے مصر کے تمام حکیموں اور جادوگروں کو جمع کیا تھا۔ مگر کوئی اس کی تعبیر بتلا نہ سکا (پیدائش ۴۱: ۱ تا ۷)

یہاں قرآن نے درباریوں کا جو جواب نقل کیا ہے اس کا مطلب یہ معلوم ہوتا ہے کہ جب کوئی تشفی بخش بات معلوم نہ کرسکے تو کوشش کی کہ بادشاہ کے دل سے اس خواب کی اہمیت کا خیال نکال دیں۔ پس انھوں نے کہا: یہ کوئی روحانی بات نہیں ہے۔ ویسے ہی پریشان خیالی سے طرح طرح کی باتیں سوتے میں نظر آگئی ہیں۔ لیکن سردار ساقی کو خواب کی بات سن کر اپنے خواب کا معاملہ یاد آگیا اور ساتھ ہی یہ بات بھی یاد آگئی کہ حضرت یوسفؑ نے کیا کہا تھا۔

تب اس نے اپنا واقعہ بادشاہ کے گوش گزار کیا اور قید خانے میں جا کر حضرت یوسفؑ سے ملا۔ حضرت یوسفؑ نے فرمایا: سات گایوں سے مقصود زراعت کے سات برس ہیں۔ آئندہ سات برس تک بہت اچھی فصلیں ہوں گی، یہ گویا سات موٹی گائیں ہوں گی۔ اس کے بعد سات برس تک متواتر قحط رہے گا، یہ سات دبلی گائیں ہوئیں۔ انھوں نے موٹی گائیں نگل لیں، یعنی فراوانی کو قحط نے نابود کردیا۔ سات ہری بالوں اور سات سوکھی بالوں میں بھی یہی بات واضح کی گئی ہے، پھر فرمایا: اس آنے والی مصیبت سے ملک کو کیوں کر بچایا جاسکتا ہے؟ اس کی تدبیر یہ ہے کہ بڑھتی کے سات برسوں میں قحط کے لئے اناج ذخیرہ کیا جائے اور اسے اس طرح محفوظ رکھا جائے کہ آنے والے سات برسوں میں ملک کے لئے کفایت کرے۔

یہ قرآن کی ایجاز بلاغت میں سے ہے کہ تعبیر اور تدبیر کو الگ الگ بیان نہیں کیا، ایک ساتھ ہی بیان کردیا، تاکہ تکرار بیان کی حاجت نہ رہے۔

جب سردار ساقی نے حضرت یوسفؑ کا جواب بادشاہ کو سنایا تو تعبیر اس درجہ واضح اور چسپاں تھی کہ اس نے سنتے ہی اس کی تصدیق کی اور ان کی ملاقات کا مشتاق ہوگیا۔ چنانچہ حکم دیا: فوراً انھیں قید خانے سے نکالا جائے اور دربار میں لایا جائے۔

۵۰ و ۵۱۔ حضرت یوسفؑ کا مژدہ رہائی سننا مگر قید خانے چھوڑنے سے انکار کردینا اور بادشاہ کو کہلانا کہ پہلے میرے قضیے کی تحقیقات کرلی جائے۔ بادشاہ کا تحقیق کرنا اور ان کی پاکی و راستی کا آشکارا ہوجانا اور عزیز کی بیوی کا اعلان کرنا کہ وہ سچا ہے، سارا قصور میرا تھا۔

تعبیر سن کر بادشاہ کے دل میں حضرت یوسفؑ کا اس درجہ احترام پیدا ہوگیا کہ اس نے ایک خاص پیام بر ان کے لانے کے لئے بھیجا جسے آیت ۵۰ میں "رسول" سے تعبیر کیا ہے لیکن حضرت یوسفؑ نے تعمیل حکم سے انکار کردیا۔ انھوں نے کہا: میں اس طرح رہا ہونا پسند نہیں کرتا۔ پہلے میرے معاملے کی تحقیقات کرلی جائے

کہ مجھے قید میں کیوں ڈالا گیا؟ اگر میں مجرم ہوں تو رہائی کا مستحق نہیں۔ اگر مجرم نہیں ہوں تو بلاشبہ مجھے رہا ہونا چاہئے۔

اس سلسلے میں انھوں نے عزیز کی بیوی کی جگہ ان عورتوں کا ذکر کیوں کیا جنھوں نے مکاری سے ہاتھ کاٹ لئے تھے؟ اس لئے کہ

ا۔ قید کے معاملے میں ان عورتوں کا بھی ہاتھ تھا۔ انھوں نے اپنی ناکامیابی کی ذلت مٹانے کے لئے جھوٹے الزام تراش لئے ہوں گے۔ یہی وجہ ہے کہ قید کا معاملہ ان کے معاملے کے بعد ظہور میں آیا۔

ب۔ عزیز کی بیوی کی ان سب کے سامنے ان کی بے گناہی اور اپنی طلب و سعی کا اعتراف کیا تھا جیسا کہ آیت ۳۲ میں گزر چکا ہے۔ پس یہ سب اس بات کی گواہ تھیں کہ عزیز کی بیوی کے معاملے میں ان کا دامن بے داغ ہے۔

ج۔ ان سب کے ساتھ جو معاملہ پیش آیا تھا خود اس سے بھی عزیز کی بیوی کا الزام بے اصل ثابت ہوتا تھا۔ کیونکہ جس شخص کی پاکی طبع کا یہ حال ہو کہ ان تمام فتنہ گران شہر اور خوب رویان عہد کا متفقہ اظہار عشق بھی اسے مسخر نہ کرسکا۔ کیوں کہ باور کیا جاسکتا ہے کہ ایسا آدمی اپنے آقا کی بیوی پر ہاتھ ڈالے اور ایسی حالت میں ہاتھ ڈالے کہ وہ متنفر اور گریزاں ہو؟

اس معاملے میں ایک اور دقیق نکتہ بھی ہے۔ آیت ۲۹ میں گزر چکا ہے کہ جب عزیز پر اپنی بیوی کا قصور ثابت ہوگیا تھا تو اس نے کہا تھا "یوسف اعرض عن ھذا" یوسف! اس بات سے درگزر کر۔ یعنی جو ہوا سو ہوا۔ اب اسکا چرچا نہ کیجئو کہ اس میں میری بدنامی ہے۔ بعد کو اگرچہ عزیز اپنی بات پر نہ رہا اور حضرت یوسفؑ کو قید میں ڈال دیا۔ لیکن حضرت یوسفؑ کا اخلاق ایسا نہ تھا کہ یہ بات بھول جاتے۔ عزیز نے انھیں غلام کی حیثیت سے خریدا تھا اور پھر اپنے عزیزوں کی طرح عزت و آرام کے ساتھ رکھا تھا۔ وہ اس کا احسان نہیں بھول سکتے تھے۔ پس ان کی طبیعت نے گوارا نہیں کیا کہ اس موقع پر اس کی بیوی کا ذکر کرکے اس کی رسوائی کا باعث ہوں۔ صرف ہاتھ کاٹنے والی عورتوں کا ذکر کردیا کہ ان میں کوئی نہ کوئی ضرور نکل آئے گی جو سچائی کے اظہار سے باز نہیں رہے گی۔

لیکن عزیز کی بیوی اب وہ عورت نہیں رہی تھی جو چند سال پہلے تھی۔ اب وہ ہوس کی خام کاریوں سے نکل کر عشق کی پختگی و کمال تک پہنچ چکی تھی۔ اب ممکن نہ تھا کہ اپنی رسوائی کے خیال سے اپنے محبوب کے سر الٹا الزام لگائے۔ جب عورتوں نے یوسفؑ کی پاکی کا اقرار کیا تو اس نے بھی خود بخود اعلان کردیا کہ سارا قصور میرا تھا۔ وہ بے جرم اور راست باز ہے۔

۵۴ تا ۵۷۔ حضرت یوسفؑ کا بادشاہ سے ملنا، تمام مملکت کے انتظام کا ذمہ دار قرار پانا، پھر تعبیر کے مطابق قحط کے سالوں کا نمودار ہونا، بھائیوں کا غلے کی طلب میں مصر آنا اور بن یمین کا حضرت یوسفؑ کے پاس پہنچ جانا۔

ا۔ جب تحقیقات کا نتیجہ آشکارا ہوگیا تو حضرت یوسفؑ بادشاہ سے ملنے کے لئے تیار ہوگئے، کیوں کہ اب ان کی رہائی بادشاہ کی بخشش نہ رہی، ان کا حق ہوگئی۔

ب۔ اس معاملے نے بادشاہ کا اشتیاق اور زیادہ کردیا۔ اس نے خیال کیا کہ جس شخص کی راست بازی، امانت داری اور وفائے عہد کا یہ حال ہے، اس سے بڑھ کر مملکت کے کاموں کے لئے کون موزوں ہوسکتا ہے۔ پس کہا: فوراً میرے پاس لاؤ، میں اسے اپنے کاموں کے لئے خاص کرلوں گا۔ چنانچہ حضرت یوسفؑ آئے اور پہلی ہی ملاقات میں اس درجہ مسخر ہوا کہ بول اٹھا: مجھے تم پر پورا بھروسہ ہے۔ تم میری نگاہ میں بڑا مقام رکھتے ہو۔ مجھے بتلاؤ اس آنے والے مصیبت سے جس کی خبر خواب میں دی گئی ہے، مملکت کیوں کر بچائی جاسکتی ہے؟ حضرت یوسفؑ نے کہا: اس طرح کہ ملک کی آمدنی کے تمام وسائل میرے ماتحت کردئے جائیں۔ میں علم و بصیرت کے ساتھ اس کی حفاظت کرسکتا ہوں۔ چنانچہ بادشاہ نے ایسا ہی کیا اور جب وہ دربار سے نکلے تو تمام مملکت مصر کے حکمران و مختار تھے۔

ج۔ تورات میں ہے کہ فرعون نے یوسفؑ کی باتیں سن کر درباریوں سے کہا: ہم ایسا آدمی کہاں پاسکتے ہیں جیسا یہ ہے اور جس میں خدا کی روح بول رہی ہے! پھر یوسفؑ سے کہا: دیکھ! میں نے ساری زمین مصر پر تجھے حکومت بخشی، فقط ایک تخت نشینی ہی میں تجھ سے اوپر رہوں گا۔ اور اس نے اپنی انگوٹھی اتار کر یوسفؑ کو پہنادی اور گلے میں سونے کا طوق ڈالا اور کتان کا لباس عطا کیا اور اپنی رتھ سواری کو دی کہ شاہی رتھوں میں دوسری رتھ تھی۔ پھر جب وہ نکلا تو اس کے آگے آگے نقیب پکارتے تھے "سب ادب سے رہو" اور فرعون نے حکم دیا: یوسفؑ کو صاحب مملکت کے لقب سے پکارا جائے۔ (پیدائش ۴۱: ۳۷ تا ۴۵)

د۔ حضرت یوسفؑ کی مصری زندگی کے دو انقلاب انگیز نقطے تھے۔ ایک وہ جب غلام ہوکر بکے اور پھر عزیز کی نظروں میں ایسے معزز ہوئے کہ اس کے علاقے کے مختار ہوگئے۔ دوسرا یہ کہ قید خانے سے نکلے اور نکلتے ہی وہاں پہنچ گئے کہ حکمرانی کی مسند اجلال پر جلوہ آرا نظر آئے۔ پس جب پہلی انقلاب تک سرگذشت پہنچی تو آیت ۲۱ میں حکمت الٰہی کی کرشمہ سنجیوں پر توجہ دلائی تھی کہ "کذلک مکنا لیوسف فی الارض"۔ اور اب کہ دوسرا انقلاب پیش آیا تو اسی طرح آیت ۵۶ میں فرمایا: "کذلک مکنا لیوسف فی الارض" وہاں چوں کہ معاملہ مصر کی ابتداء ہوئی تھی اور ابھی حضرت یوسفؑ کو حکمرانی کی دانش سیکھنی باقی تھی اس لئے فرمایا تھا: "ولنعلمه من تاویل الاحادیث واللہ غالب علی امرہ" یہاں چونکہ تکمیل کار کے بعد اس کا نتیجہ ظاہر ہوگیا تھا اسلئے فرمایا: "لانضیع اجر المحسنین" یہ اس لئے ہوا کہ ہمارا قانون ہے نیک عملی کا بیج کبھی ضائع نہیں ہوتا۔ ضروری ہے کہ پھل لائے۔

ہ۔ تورات میں ہے کہ یوسفؑ جب بادشاہ کے پاس آیا تو اس کی عمر تیس برس کی تھی (پیدائش ۴۱: ۴۶)

و۔ اس کے بعد جو حالات پیش آئے قرآن نے ان کی تصریح نہیں کی۔ کیونکہ خواب کی تعبیر میں ان کا بیان آچکا تھا اور چونکہ تعبیر سچی تھی اس لئے ظاہر تھا کہ ویسے ہی حالات پیش آئے ہوں گے اور یہ ایجاز بلاغت کی انتہا ہے۔

چنانچہ پہلے سات برس [illegible] گزرے اور جو تدبیر تجویز کی تھی اسی کے مطابق انھوں نے غلے کے ذخیرے جمع کرلئے۔ پھر جب [illegible] شروع ہوئے تو وہی ذخیرے کام میں [illegible] اور حکومت کی جانب سے غلہ تقسیم ہونے لگا۔

تورات میں ہے کہ تمام روئے زمین پر کال تھا (پیدائش ۴۱: ۵۶) تمام روئے زمین کا مطلب یہ ہوگا کہ مصر کے اطراف و جوانب میں بھی کال تھا اور وہاں کے باشندے بھی مصر آکر حضرت یوسفؑ کی بخشش سے فائدہ اٹھاتے تھے۔ کیونکہ یقینا اس بات کا شہرہ دور دور تک پہنچ گیا ہوگا کہ مصر میں غلے کے وافر ذخیرے موجود ہیں۔

۵۸ تا ۶۹۔ (ز) اسی زمانے کی بات ہے کنعان سے یوسفؑ کے بھائی بھی غلہ مول لینے مصر آئے اور اس طرح اس سرگذشت کا آخری باب اپنی عجیب و غریب موعظتوں اور عبرتوں کے ساتھ ظہور میں آنا شروع ہوگیا۔ آیت ۵۸ سے اسی کا بیان شروع ہوتا ہے۔

(ح) یوسفؑ انھیں دیکھتے ہی پہچان گئے۔ لیکن وہ کیوں کر پہچان سکتے تھے؛ اول تو یوسفؑ جب گھر سے جدا ہوئے سترہ برس کے لڑکے تھے اور اب چالیس کے لگ بھگ عمر تھی۔ پھر اس بات کا کسے گمان ہوسکتا تھا کہ چند سکوں کا بکا ہوا غلام مصر کا حکمراں ہوگا۔

حضرت یوسفؑ نے جب انھیں دیکھا تو باپ کی اور اپنے ماں جائے بھائی بن یمین کی صورتیں سامنے آگئیں۔ ان سے کھود کھود کر گھر کے حالات پوچھے اور چلتے وقت کہا: تمہارے [illegible] ہوا ہے، تم غلہ لینے پھر آؤ گے۔ [illegible] اب کے میں غلہ جبھی دوں گا کہ اپنے بھائی [illegible] کو بھی ساتھ لاؤ۔

([illegible]) [illegible] میں ہے کہ یہ صورت اس طرح پیش آئی کہ [illegible] نے انھیں جاسوس کہا تھا۔ جب انھوں نے اپنی برأت میں اپنے گھرانے کے حالات سنائے تو ان کی بات پکڑلی اور کہا: تم کہتے ہو تمہارا ایک بھائی اور بھی ہے۔ اچھا! اسے بھی اپنے ساتھ لاؤ، تاکہ تمہارے بیان کی تصدیق ہوجائے اور اس وقت تک کے لئے ایک آدمی یہاں چھوڑ جاؤ (پیدائش ۴۲: ۱۰ تا ۲۰)

معلوم ہوتا ہے کہ ان لوگوں پر جاسوسی کا شبہ ضرور کیا گیا تھا اگرچہ خود حضرت یوسفؑ کی طرف سے نہ ہوا ہو۔ اسی لئے حضرت یعقوبؑ جب مجبور ہوئے کہ بن یمین کو ان کے ساتھ بھیج دیں تو نصیحت کی کہ ایک دروازے سے شہر میں داخل نہ ہونا کہ کنعانیوں کا ایک پورا جتھا دیکھ کر مصریوں کو شبہ ہوگا۔ الگ الگ دروازوں سے ایک ایک دو دو کرکے داخل ہونا۔ نیز فرمایا: "ان الحکم الا للہ" اصلی فرماں روائی تو اللہ ہی کے لئے ہے۔ وہ نہ چاہے تو مصر کا حکمراں کیا کرسکتا ہے؟ پس جو کچھ بھروسا ہے اسی پر ہے، البتہ اپنی طرف سے تدبیر و احتیاط ضرور کرنی چاہئے۔

لیکن جو کچھ پیش آنے والا تھا وہ دوسرا ہی معاملہ تھا۔ جاسوسی کی بنا پر نہیں بلکہ ایک دوسری مصلحت کی بنا پر بن یمین کو روک لیا گیا اور جس بات کی احتیاط کی تھی وہی پیش آگئی۔ یہی وجہ ہے کہ آیت ۶۸ میں فرمایا: یہ احتیاط کچھ کام نہ دے سکی۔ ہاں! حضرت یعقوبؑ نے ایک خطرہ محسوس کیا تھا سو اپنی جگہ اس کی پیش بندی کرلی۔ پھر ان کی علم و دانش مندی کا بھی اظہار کردیا۔ تاکہ واضح ہوجائے انھوں نے جو احتیاط کی تھی وہ گو کام نہ دے سکی۔ لیکن یہ قصور علم کی وجہ سے نہیں ہوا، علم کا مقتضا تو یہی تھا کہ تدبیر و احتیاط میں کمی نہ کرتے اور پھر سب کچھ اللہ پر چھوڑ دیتے جیسا کہ فی الحقیقت انھوں نے کیا۔

(ی) بہرحال بن یمین کو لے کر جب دوبارہ گئے تو حضرت یوسفؑ نے اس پر اپنی حقیقت ظاہر کردی۔ اور چونکہ جانتے تھے سوتیلے بھائی ضرور اس کے ساتھ بدسلوکی کرتے ہوں گے، اس لئے کہا: اب دن پھرنے والے ہیں۔ اس لئے آزردہ خاطر نہ ہو۔

..... سلسلہ جاری ہے

کیا افغانستان عملاً امریکہ کی کالونی بن جائے گا؟

"بون کانفرنس" میں وہی ہوا جو امریکہ چاہتا تھا۔ امریکہ معاملات کو اپنے مفادات کے ترازو میں تول کر فیصلے کرتا ہے اور پھر انہیں عملی شکل دیتا ہے۔ افغانستان میں اپنی پسند اور مرضی کی حکومت بنانے کے عمل میں بھی امریکہ نے اپنے مفادات کو ہر بات پر ترجیح دی اور ایسی حکومت بنانے کی ابتدا کردی ہے جو اس ڈکٹیشن کو بلا چوں وچرا کے قبول کرسکے اور اس کے تابع مرضی بن کر رہے امریکہ، افغانستان کی نئی حکومت کو داخلی معاملات میں تو شائد کسی حد تک "خود مختاری" دیدے لیکن امور خارجہ میں اسے امریکی پالیسی اور ہدایات پر عمل کرنا ہوگا جو ظاہر ہے کہ امریکہ کے اپنے مفاد میں ہونگی۔ اس طرح افغانستان عملاً امریکہ کی کالونی بن کر رہ جائے گا۔ جیسا کہ بعض دوسرے ممالک ہیں۔ افغانستان میں اذان دینے، نماز پڑھنے، روزے رکھنے اور روایتی لباس کے ساتھ ہاتھ میں تسبیح رکھنے پر تو کوئی پابندی نہیں ہوگی لیکن "اسلامی نظام" نافذ کرنے کی اجازت نہیں دی جائیگی۔ اس لئے کہ جہاں عملاً اسلامی نظام نافذ ہو۔ وہاں سود، بے حیائی اور ظلم کی گنجائش نہیں ہوتی جبکہ امریکہ اور مغرب کا معاشرہ ان ہی کے سہارے کھڑا ہے۔ طالبان کا ایک جرم یہ بھی تھا کہ انہوں نے

قندھار میں طالبان اسلحہ چھوڑ کر چلے گئے

... کے سپاہی ... امریکی بمباری کا نظارہ کر رہے ہیں

افغانستان میں "اسلامی نظام" نافذ کرنے کی کوشش کی تھی جس سے امریکہ اور اس کے یورپی اتحادی خوفزدہ ہوگئے تھے۔ اگر ۱۱ ستمبر کے واقعات نہ بھی ہوتے تو طالبان کا حشر یہی ہونا تھا۔ امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان میں "اسلامی نظام" کی جڑیں مضبوط کرنے کی طالبان کو مہلت دینے کو ہرگز تیار نہ تھے کیونکہ اسلامی غلبے کا مطلب ہی کفر کا مغلوب ہونا ہے۔ تاریخ میں ۲۰۰۱ء کا ذکر جہاں بھی ہوگا وہاں، اکتوبر سے، دسمبر تک کے دو ماہ نمایاں نظر آئیں گے جب امریکہ اور اس کے اتحادیوں نے تباہ حال افغانستان کے مفلوک الحال عوام پر ظلم و تشدد کی انتہا کردی اور نہتے افغان عوام نے ثابت قدم رہ کر اپنی بہادری اور شجاعت کا ناقابل فراموش باب رقم کیا۔ جرمنی میں جنم لینے والی امریکہ نواز حکومت افغانستان میں چل سکے گی یا نہیں؟ طالبان خاموش ہوکر بیٹھ جائیں گے۔ نئے نظام کا حصہ بنیں گے یا گوریلا جنگ کی صورت میں نئی تحریک اور نئی جد و جہد کا آغاز کرینگے؟ اس بار میں کچھ وقت انتظار کرنا ہوگا یہ انتظار برسوں کا نہیں مہینوں کا ہوگا جس کے بعد صورتحال واضح ہوجائے گی۔ جہاں تک اسامہ بن لادن کا تعلق ہے بعض حلقوں میں یہ شکوک و شبہات پیدا ہونے لگے ہیں کہ وہ زندہ ہیں بھی یا نہیں؟ ان حلقوں کا خیال ہے کہ موجودہ حالات میں اگر اسامہ بن لادن انتقال کرجاتے ہیں تو ان کے ساتھی اسے مخفی رکھیں گے اور کسی خفیہ جگہ پر عام قبر بنا کر دفن کردینگے تاکہ ان کا جسد خاکی دشمنوں کے ہاتھ نہ لگ سکے۔ یہی صورت ملا عمر کے ساتھ ہے۔ ملا عمر کی کوئی مستند تصویر کسی کے پاس نہیں ہے صرف وہی لوگ ان کو پہچانتے ہیں جنہوں نے انہیں دیکھ رکھا ہے۔ جو شخص اپنی تصویر بنانے کی اجازت نہ دیتا ہو وہ کس طرح خود کو دشمنوں کے حوالے کردے گا کہ وہ ٹیلی وژن پر اسے دکھائیں؟ ملا عمر قندھار سے کسی نامعلوم خفیہ مقام پر چلے گئے ہیں۔ نئے حکمرانوں کی یہ خواہش دل ہی میں رہ گئی ہے کہ وہ ملا عمر کے سامنے بیٹھ کر ان سے بات چیت کرسکیں۔ ملا عمر جب تک حیات ہیں اس بات کا امکان کم ہی ہے کہ وہ طالبان کی قیادت سے دستبردار ہوں۔ طالبان کی تنظیم اور تحریک اب شاید کسی اور شکل میں سامنے آئے اور اس کا طریقہ بھی مختلف ہو۔ "بون کانفرنس" کے فیصلے کے تحت حامد کرزئی کو چھ ماہ کے لئے

تورا بورا کے غار کا اندرونی منظر

حامد کرزئی کابل میں حلف لیتے ہوئے۔ پس منظر میں احمد شاہ مسعود کا پورٹریٹ

عبوری انتظامیہ کا سربراہ بنادیا گیا ہے اور بون کانفرنس میں شریک چاروں گروپوں نے اس سلسلے میں معاہدے پر دستخط بھی کردیئے ہیں۔ رشید دوستم صحیح حصہ نہ ملنے پر ناراض ہیں ادھر حامد کرزئی کے ساتھی اور قندھار کے سابق گورنر گل آغا شیرزئی شاکی ہیں کہ تمام فیصلے انہیں اعتماد میں لئے بغیر کئے جارہے ہیں۔ جب عبدالحق کو قتل کیا گیا تھا تو حامد کرزئی اور گل آغا کوئٹہ سے قندھار چلے گئے تھے تاکہ طالبان کو قندھار میں بغیر مزاحمت کے اپنے حوالے کرنے پر آمادہ کرسکیں لیکن ایسا نہیں ہوسکا تو ان دونوں نے طاقت کے ذریعے ان علاقوں پر قبضہ کی کوشش کی جو کامیاب نہ ہوسکی۔ کمانڈر عبدالحق مرحوم ظاہر شاہ کے سب سے بااعتماد ساتھی تھے اور عام تاثر یہی تھا کہ جب طالبان کے اقتدار کا سورج غروب ہوگا تو ظاہر شاہ کی کوشش اور خواہش پر عبوری حکومت کا سربراہ عبدالحق کو ہی بنایا جائے گا۔ ان کے قتل کے بعد حامد کرزئی کی اہمیت میں اچانک اضافہ ہوگیا۔ بون کانفرنس کے آخری مرحلے میں عبوری انتظامیہ کے سربراہ کے لئے دو نام رہ گئے تھے ایک عبدالستار سیرت اور دوسرے حامد کرزئی۔ یہ دونوں ظاہر شاہ کے ساتھیوں میں ہیں۔ عبدالستار سیرت ظاہر شاہ کے دیرینہ رفیق کار ہیں لیکن وہ ازبک ہیں جبکہ حالات کا تقاضا تھا کہ کسی پشتون کو سربراہ بنایا جائے اس طرح حامد کرزئی کے نام پر اتفاق ہوگیا اور وہ چیئرمین بنادیئے گئے جبکہ سیما ثمر کو وائس چیئرمین بنایا گیا ہے۔ افغانستان سے ہجرت (۱۹۸۱ء) کے بعد حامد کرزئی اور سیما ثمر دونوں نے پاکستان میں اپنا مسکن کوئٹہ کو بنایا اور پاکستان میں ان کی پہچان کوئٹہ کے حوالے سے ہے۔ اس طرح عبوری انتظامیہ کے دو اعلیٰ عہدے کوئٹہ میں مقیم شخصیات کو ملے ہیں۔ حامد کرزئی پشتون ہیں جبکہ سیما ثمر ہزارہ قبیلے سے تعلق رکھتی ہیں۔ یہ دونوں ہی اچانک عالمی سطح پر اہم شخصیات کے طور پر ابھرے ہیں اس سے پہلے کسی حد تک "گمنامی" میں تھے۔

حامد کرزئی کا تعلق پوپلزئی (درانی) قبیلے سے ہے وہ قندھار میں ۱۹۵۷ء میں پیدا ہوئے۔ ان کے آبائی گاؤں کا نام "کرز" ہے جس کی نسبت سے وہ کرزئی کہلاتے ہیں۔ ان کے والد عبدالاحد کرزئی مرحوم افغانستان کی اسمبلی (شوریٰ) کے ممبر رہ چکے تھے۔

سیما ثمر ۱۹۵۴ء میں افغانستان کے صوبے غزنی کے گاؤں جاگوری میں پیدا ہوئیں۔ لشکر گاہ (غزنی) میں تعلیم حاصل کی ۱۹۸۱ء میں کابل یونیورسٹی سے میڈیسن کی ڈگری حاصل کی ۱۹۸۲ء میں جاگوری میں ایک ہیلتھ سنٹر قائم کیا اور مہاجرین کی حیثیت سے ۱۹۸۴ء میں پاکستان آگئیں اور کوئٹہ میں رہائش اختیار کی۔ افغان مہاجرین کے لئے مخصوص ایک مشنری ہسپتال میں خدمات انجام دیتی رہیں۔ ۱۹۹۸ء میں انہوں نے کوئٹہ کے علاقے مری آباد میں "شہدا کلینک" قائم کیا۔ اس وقت وہ دو کلینک اور دو اسکول چلارہی ہیں۔ انہوں نے ایک اسکول کوئٹہ سے باہر ازبک مہاجرین کے لئے قائم کیا ہے۔

ویسے وہ چار ہسپتالوں اور ۴۸ اسکولوں کی انتظامیہ میں شامل ہیں۔ سیما ثمر نے کئی ایوارڈ حاصل کئے ہیں جن میں فلپائن، سوئزرلینڈ، نیویارک (امریکہ) سے حاصل کئے جانے والے ایوارڈز بھی شامل ہیں۔

افغانستان کی پہلی ضرورت ۔۔۔ خوراک

افغانستان میں جس نئے انسانی المیے نے جنم لیا ہے ، اس کی بازگشت عرصے تک سنائی دیتی رہے گی۔ اس المیے کا شکار صرف فوجی ہی نہیں وہ عام شہری بھی ہیں جن کا قصور صرف یہ تھا کہ وہ اس چھوٹے سے غریب ملک کے باشندے تھے ۔ ملک کی شہری آبادی کا ایک بہت بڑا حصہ جنگ سے متاثر ہوا ہے ۔ متاثرہ افراد میں مردوں کے علاوہ بچے اور عورتیں بھی شامل ہیں۔ افغان خواتین کے حوالے سے مغربی ذرائع ابلاغ کا ایک مخصوص نقطہ نظر ہے ، جس سے اختلاف کیا جاسکتا ہے مگر بعض ذرائع نے موقع پر پہنچ کر جو انٹرویوز کئے اور اعداد و شمار جمع کئے ان سے صرف نظر بھی نہیں کیا جاسکتا۔ اس وقت افغان خواتین کن مسائل اور مصائب سے گزر رہی ہیں اس کا جائزہ ایک برطانوی این جی او کی سربراہ آیلس تھامسن نے پیش کیا ہے جو افغانوں کے لئے خوراک اور دیگر امداد جمع کرنے کی کوشش کررہی ہیں۔ "گلف نیوز" میں شائع ہونے والی رپورٹ میں لکھا ہے۔

"گزشتہ دو ماہ کے دوران میں افغان مہاجرین کے لئے فنڈ جمع کرنے کی غرض سے مسلسل سفر میں ہوں۔ اپنے سفر کے پہلے مرحلہ میں ، میں ایران پہنچی تھی جہاں تقریباً 25 لاکھ مہاجرین مٹی کے بنے ہوئے گھروں اور خیموں میں رہ رہے ہیں۔ یہاں زارا نے مجھے ان بستیوں کا دورہ کرایا۔ زارا ہرات کی رہنے والی ہے اور وہاں ایک موقع پر بھوک کی وجہ سے اس کی حالت اتنی خراب ہوگئی تھی کہ وہ اپنی بال چبانے لگی۔ اسی دوران سیکورٹی والوں نے اسے دیکھ لیا۔ انھوں نے اسے پکڑ لیا اور اس پر الزام لگایا کہ وہ چیونگم کھارہی ہے ۔ انھوں نے اسے مارا پیٹا اور اس کی سخت توہین کی۔ زارا کہتی ہے کہ میں خوش نصیب ہوں کہ یہاں ایران میں خوارک اور پانی تو میسر ہے "۔

ایلس کے مطابق تاجکستان کے افغان کیمپوں کے حالات بہت خراب ہیں۔ یہاں میں نے سفید برقعوں میں ملبوس دو عورتوں کو دیکھا جو بھوک سے نڈھال تھیں اور میرے پاس موجود آنکھوں میں لگانے والا مرہم مانگ رہی تھی تاکہ اس سے "کھانا" پکاسکیں۔ ازبکستان میں افغان بیوائیں مہاجرین کے لئے جیکٹس سی کر اپنے جینے کا سامان کررہی ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس کوئی روپیہ پیسہ نہیں ہے ہم اس طرح محنت مزدوری کرکے ہی اپنا پیٹ پال سکتی ہیں"۔

"پاکستان میں افغان سرحد کے قریب میں نے ایک افغان خاتون سے بات چیت کی جو برقعے میں ملبوس تھی اور بہت کم اجرت پر شال بننے کا کام کررہی تھی۔ اس عورت کے پانچ بچے ہیں ۔ جن میں سب سے بڑے بچے کی عمر دس برس ہے ۔ یہ بچے قالین بانی کا کام کرتے ہیں۔ یہ عورت اپنے اور اپنے بچوں کا تحفظ چاہتی ہے ۔ دوسری جانب مغربی ذرائع ابلاغ افغان خواتین کی ایسی تصویر کشی میں مصروف ہیں کہ انھوں نے پردہ ترک کرکے پارٹیوں میں جانا شروع کردیا ہے اور وہ جینز پہننے لگی ہیں۔ بعض اخبارات نے کابل کے پہلے بیوٹی پارلر کی تصاویر بھی شائع کی ہیں لیکن حقیقت یہ ہے کہ افغان خواتین کو اس وقت صرف خوراک اور دواؤں کی ضرورت ہے ۔ اس کے علاوہ وہ اپنے ملک میں امن چاہتی ہیں۔ اس وقت افغانستان میں بیوائیں بہت بڑی تعداد

افغانستان میں لوگ اپنے ساز و سامان کے ساتھ نقل مقام کرتے ہوئے
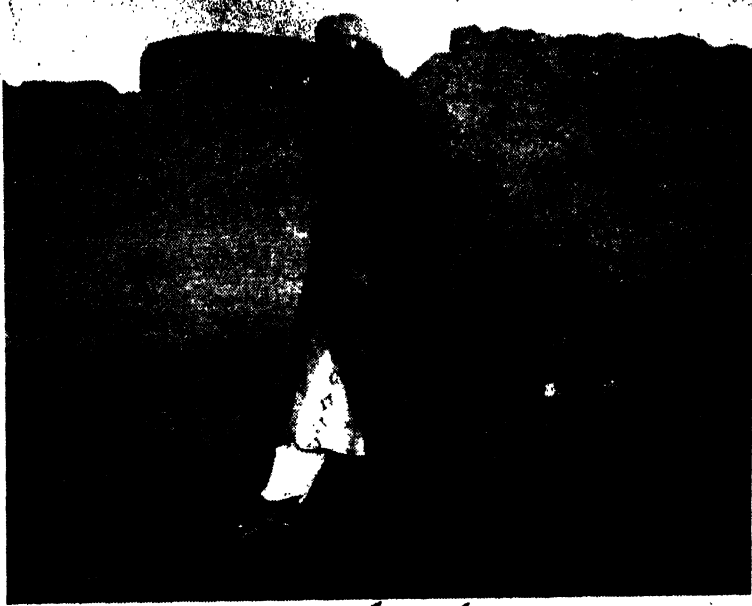
میں موجود ہیں۔ یہ خواتین اپنے خاندانوں کی کفالت کے لئے کھیتوں اور بازاروں میں کام کرنے کو بھی تیار ہیں"۔

• گزشتہ دنوں امریکی خاتون اول لارا بش اور برطانوی وزیراعظم کی اہلیہ چیری بلئیر نے افغان خواتین پر پردے کے حوالے سے عائد پابندیوں کے بارے میں بات کی۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ دیہی علاقوں کی افغان خواتین برقعے میں رہنا پسند کرتی ہیں۔ اس طرح وہ اپنے آپ کو زیادہ محفوظ سمجھتی ہیں۔ مغربی خواتین اپنی بہنوں کو "آزادی" تو دلانا چاہتی ہیں مگر اس کے ساتھ وہ افغانستان پر بم باری کی حامی بھی ہیں لارا بش اور چیری بلیئر نے اپنی نشری گفتگو میں مثال دے کر کہا کہ اگر کوئی خاتون اپنے ناخن پر نیل پالش لگاتی تھی تو طالبان اس کا ناخن کھینچ لیتے تھے۔ ان کا خیال ہے کہ کلسٹر بم ناخن کھینچنے کی اس سزا کا بہترین جواب ہیں۔ اس تمام تر پروپگنڈے کے باوجود حقیقت یہ ہے کہ کابل میں تعلیم یافتہ خواتین کی ایک مختصر سی تعداد اونچی ہیل کی جوتی پہنتی ہے یا جوگنگ کے لئے باہر نکلتی ہے۔ بعض ترقی پسند مسلمان بھی ان کی اس حرکت کو پسندیدگی کی نظر سے نہیں دیکھتے ہیں"۔

ایلس تھامسن کے مطابق "لارا بش اور چیری بلیئر کے افغان خواتین کے بارے میں جو بھی خیالات ہوں، حقیقت یہ ہے کہ امریکی افغانستان پر صرف اس لئے بم باری کر رہے ہیں کہ انہیں اسامہ بن لادن کو پکڑنا ہے۔ انھیں اس بات کی کوئی فکر نہیں کہ اس سال موسم سرما میں افغان خواتین اور بچوں پر کیا گزرے گی۔ گزشتہ سال ہرات کی خیمہ بستیوں میں موسم سرما کے دوران 1000 کم سن بچے کم غذائیت یا سردی کی وجہ سے ہلاک ہوگئے تھے۔ اس سال اس سے زیادہ تعداد میں بچوں کی ہلاکت کا خطرہ ہے۔ گزشتہ سال تاجکستان میں پیدا ہونے والے ہر 10 بچوں میں سے ایک ہلاک ہوگیا تھا۔ گزشتہ دو دہائیوں کی جنگوں اور تین سال کی قحط سالی کی وجہ سے بھی افغانستان اس وقت دنیا کا غریب ترین ملک بن گیا ہے۔ اس ملک میں شیر خوار بچوں کی اموات کی شرح بھی بہت زیادہ ہے۔ ایک اندازے کے مطابق پورے ملک میں ہر ایک ہزار میں سے 165 بچے ہلاک ہوجاتے ہیں اور پانچ سال کی عمر کو پہنچنے تک ہر چار بچوں میں سے ایک بچہ ہلاک ہوجاتا ہے"۔

ایک خاتون غذا کی تلاش میں

• ایران اور پاکستان کے مہاجرین کیمپوں میں موجود افغان، خوش نصیب انسانوں میں سے ہیں۔ ان کے پاس فرار ہونے کے لئے رقم موجود تھی۔ وہ سواری کے لئے گدھا خرید سکتے تھے اور سرحدی محافظوں کو رشوت دے سکتے تھے۔ ان مہاجرین کو امدادی جماعتوں کی جانب سے خوراک، رہائش اور تعلیم کی سہولتیں میسر ہیں۔ ایران اور پاکستان آنے والے افغان خاندان سڑکوں کے کنارے بھی آباد ہیں۔ وہ اپنے بچوں کو کوڑا کرکٹ جمع کرنے کے لئے بھی بھیجتے ہیں۔ اگر ان کے بچے ہفتے میں سات دن کام نہ کریں تو وہ بھوک کا شکار ہوسکتے ہیں۔ 70 لاکھ سے زائد افغان جنگ کی وجہ سے بے گھر ہوچکے ہیں اور ان میں سے بیشتر افراد وہاں خیمہ بستیوں میں رہ رہے ہیں۔ قندھار کے قریب شیخ رشید کے علاقے میں بہت سے افراد پھنسے ہوئے ہیں۔ ان افراد کو خوراک اور دوائیں میسر نہیں ہیں اور نہ ہی صحت و صفائی کی سہولتیں حاصل ہیں"۔

• خوراک کے عالمی پروگرام کے مطابق اس وقت افغانستان کے 60 لاکھ افراد میں سے نصف تک خوراک پہنچ رہی ہے۔ سردی کی شدت میں اضافے سے قبل ان افراد کے لئے خوراک کی فراہمی بہت ضروری ہے۔ امداد فراہم کرنے والی ایجنسیوں کو بھی اس وقت زمینی افواج سے تحفظ فراہم کرنے کی ضرورت ہے۔ گزشتہ ہفتوں میں جلال آباد میں یونیسیف کے دفاتر پر کئی حملے ہوچکے ہیں، مزار شریف میں امداد لے جانے والے ٹرک ڈرائیور لاپتہ ہوچکے ہیں اور مسلح افراد کے گروہ امداد لے جانے والی گاڑیوں کو لوٹ رہے ہیں۔ اس وقت ضرورت اس بات کی ہے کہ ازبکستان سے مزار شریف کے راستے شمالی افغانستان تک پہنچنے کا ایک محفوظ راستہ بنایا جائے۔ دوسری جانب جنوب میں پشاور سے کابل تک ایسا ہی راستہ بنانے کی ضرورت ہے۔ اس وقت افغانوں خصوصا خواتین کو کسی پروپگنڈے کی نہیں بلکہ خوراک کی ضرورت ہے۔ برقعے جلانے کی نصیحت کرنے کے بجائے خوراک، حفاظت اور تعلیم کی فراہمی کے ذریعے ان کی مدد کی جانی چاہیے۔

☆☆☆☆☆

ایڈز موت کا رقص جاری ہے

اگر آپ زیر نظر صفحے کو دیکھنے میں صرف دس سکنڈ صرف کرتے ہیں تو اتنی دیر میں ایڈز کا ایک مریض اس دنیا سے کوچ کر جاتا ہے۔ یعنی ایک منٹ میں اوسطاً ۶ مریض اور ایک گھنٹے میں تقریباً ۳۰۰ افراد ایڈز کے سبب لقمہ اجل بنتے ہیں۔ ایڈز کی تباہ کاری نئی صدی کے لئے ایک چیلنج ہے۔ عالمی ادارہ صحت کے اعداد و شمار کے مطابق اس وقت دنیا کی سب سے بڑی قاتل بیماری یہی ہے جو گزشتہ دو عشروں میں دو کروڑ ۲۰ لاکھ افراد کو نگل چکی ہے اور اس سے بھی زیادہ ہولناک پہلو یہ ہے کہ تادم تحریر تقریباً ۵ کروڑ افراد اس مرض میں مبتلا ہو چکے ہیں۔ لوگوں کی اتنی بڑی تعداد خاموشی سے موت کے گلے لگ جائے گی۔ دنیا انھیں تڑپتا دیکھے گی مگر کچھ نہیں کر سکے گی۔ عجیب بات یہ نہیں کہ صرف یہی ۵ کروڑ افراد خوفزدہ ہیں، پریشانی یہ بھی ہے کہ دنیا بھر کے ۶ ارب افراد مجبور ہیں۔ وہ پانچ کروڑ افراد کو بچانے کے لئے اب تک کچھ بھی نہیں کر سکے ہیں۔

افسوسناک امر یہ ہے کہ موت نے نہ صرف جنوبی افریقہ، ہندوستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، چین، نیپال سنگاپور، تھائی لینڈ، برما اور جنوبی ایشیا کے دیگر ممالک میں موجود ایڈز کے ان گنت مریضوں کا گھر دیکھ لیا ہے بلکہ امریکہ، آسٹریلیا، کینیڈا، پاکستان، ترکی، اٹلی، برطانیہ اور وسط ایشیائی ریاستوں میں بھی اپنی جھولی پھیلا لی ہے۔ چین میں ۱۰ لاکھ افراد ایڈز کے مرض میں مبتلا ہیں۔ تشویشناک بات یہ ہے کہ چین کے تمام ۳۱ صوبوں میں اس موذی مرض کے شکار موجود ہیں۔

ایڈز پھیلنے کی ایک اہم وجہ غیر محفوظ اور غیر سائنسی طریقے سے خون کی منتقلی ہے۔ ہندوستان، سری لنکا، بنگلہ دیش، پاکستان، مالدیپ، نیپال، میانمار میں خون کی جانچ پڑتال یا اس کی اسکریننگ کے مناسب انتظامات یا تو سرے سے موجود ہی نہیں اور اگر ہیں تو اس پر اتنے زیادہ اخراجات آتے ہیں کہ عام آدمی انہیں برداشت کرنے سے قاصر ہے، لہٰذا ان ممالک میں خون کی منتقلی انتہائی خطرناک عمل ہے اور بڑے پیمانے پر ایڈز پھیلنے کا سبب بن رہا ہے۔

ایڈز کے متعلق لوگوں میں آگاہی کے حوالے سے کئے گئے ایک مطالعے سے انکشاف ہوا ہے کہ دنیا کے ۸۹ فیصد افراد ایڈز سے باخبر ہیں۔ انہیں اس بات کا بہ خوبی ادراک ہے کہ ایڈز کس طرح پھیلتا ہے اور اس سے بچاؤ کے لئے کیا احتیاطی تدابیر اختیار کرنی چاہئیں، اس کے باوجود وہ جذباتی لمحات میں حفاظتی اقدامات کو نظر انداز کر دیتے ہیں، لاپروائی کا مظاہرہ کرتے ہیں اور نتیجتاً بھیانک مرض انہیں قبر تک پہنچا دیتا ہے۔

یورپ ہو یا امریکہ وہاں جسمانی ضرورت کو حیاتیاتی ضرورت تسلیم کیا گیا ہے، اس لئے بے راہ روی کو غلط سمجھتے ہوئے بھی اس پر پابندی عائد نہیں کی جاتی، حد تو یہ ہے کہ دنیا کے لاتعداد ممالک میں اسے تجارت کی حیثیت حاصل ہے۔ تھائی لینڈ، سنگاپور، پیرس، ہانگ کانگ، وغیرہ ایسی ہی مثالیں ہیں، ایسا ہرگز نہیں ہے کہ صرف مشرق بعید کے ممالک میں ہی یہ کھیل، کھیلا جاتا ہے بلکہ امریکہ، برطانیہ، کینیڈا، ترکی، اٹلی، لاؤس، جنوبی امریکہ، جرمنی، فرانس، ہالینڈ، آسٹریلیا، نیوزی لینڈ، پورے افریقہ اور روس، یورپ جیسے ممالک میں بھی ایسا ہی ہوتا ہے۔ بعض ممالک نے خود کو "فری سیکس زون" کا نام بھی دیا ہوا ہے۔ دنیا بھر کے سیاح ان ممالک میں آتے ہیں اور جب بے راہ روی کا شکار ہوتے ہیں تو ایڈز ان سے لپٹ کر ان کے ممالک تک جا پہنچتا ہے۔ ایڈز کے تیز رفتار پھیلاؤ کے پیچھے یہی راز پنہاں ہے۔ ایڈز کے خلاف آواز بلند کرنے کے لئے دنیا بھر میں یکم دسمبر کو ایڈز کا عالمی دن منایا جاتا ہے۔ لہٰذا ضرورت اس امر کی ہے کہ لوگوں میں یہ احساس بیدار کیا جائے کہ وہ اپنے شریک سفر سے بے وفائی نہ کریں۔ علاوہ ازیں جسم فروشی پر مکمل پابندی لگنی چاہئے۔ دنیا کے کسی بھی ملک میں بے راہ روی کی اجازت نہ ہو۔ اگر ایڈز کے خلاف مزاحمتیں کھڑی نہ کی گئیں اور احتیاطی تدابیر کے بند نہ باندھے گئے تو یہ ویسی ہی تباہی پھیلائے جس کا مظاہرہ دنیا ہیروشیما اور ناگاساکی میں دیکھ چکی ہے۔ ان جزیروں میں تباہی ایٹم بموں کی وجہ سے پھیلی تھی اور صرف دو شہروں تک محدود تھی لیکن اگر ایڈز کا سلگتا ہوا ایٹم بم پھٹا تو ساری دنیا ہیروشیما اور ناگاساکی کا منظر پیش کرے گی، پھر کیا عام آدمی اس منظر کی تاب لا سکے گا ؟ ہرگز نہیں۔

ہمارے ملک ہندوستان میں ایڈز کے ۴۰ لاکھ مریض موجود ہیں۔ یہاں کی معاشرتی اقدار کچھ اس طرح کی ہیں کہ ہر قسم کا آزاد ماحول میسر ہے۔ غربت، آبادی، ناخواندگی اور بیماریوں کی بہتات ہے۔ اس ملک کی آبادی کا ۳۰ فیصد حصہ غریبی سے نجات حاصل کرنے کے لئے دنیا کے ان گنت ملکوں میں رہائش پذیر ہے۔ اس کے علاوہ ہر سال لاکھوں سیاح بیرون ملک سے یہاں آتے ہیں اور لوگوں کی یہی آمد و رفت اس موذی مرض کے پھیلنے کا ایک بڑا ذریعہ ہے۔

سری لنکا میں ایڈز کے مرض کی تشخیص کا کوئی بھی اسکریننگ سنٹر نہیں ہے، جس سے ایچ آئی وی سے متاثرہ اشخاص یا ایڈز کی نشاندہی ہو سکے، نہ ہی وہاں ایسی کوئی شرط ہے کہ شادی سے قبل ایچ آئی وی، ایس ٹی ڈی یا ایڈز سے متعلق بیماریوں کی لازماً جانچ کرانا ضروری ہو۔ ان دونوں اسباب کی وجہ سے اس مرض کے بڑے پیمانے پر پھیلنے کے امکانات بہت زیادہ ہیں۔ اس ملک کے لوگوں کو ایڈز سے زیادہ آگاہی نہیں ہے۔ اس کی وجہ وہاں کی ثقافت اور بدھ مت ہے جو اس

بات کی اجازت نہیں دیتا کہ لوگوں کو ایڈز کے بارے میں الیکٹرانک میڈیا کے ذریعے باخبر کیا جائے۔ سری لنکا میں ایڈز پھیلنے کا سبب ۵۵ لاکھ لڑکیاں اور خواتین ہیں جو بیرون ملک مقیم ہیں اور زیادہ تر گھریلو خادماؤں کے طور پر کام کرتی ہیں۔ پانچ لاکھ خواتین مشرق وسطی، اٹلی، قبرص، سنگاپور اور ہانگ کانگ (چین) میں مقیم ہیں۔ ۳ لاکھ مرد بھی گھریلو خادم، خاکروب، ڈرائیورز اور ہوٹل اسٹیورڈز کے طور پر بیرون ملک مقیم ہیں۔ یہ ۸ لاکھ افراد بلا کسی اسکریننگ کے ملک میں آتے جاتے رہتے ہیں اور ایڈز پھیلانے کا سبب ہیں۔

سری لنکا میں خواتین کے ساتھ ساتھ نوعمر لڑکے بھی غیر فطری فعل کرتے ہیں پوری دنیا میں سب سے زیادہ شراب بھی سری لنکا میں استعمال کی جاتی ہے۔ بدقسمتی سے کولمبو کے نیشنل اسپتال میں ایڈز کے مریضوں کے لئے کوئی خصوصی وارڈ نہیں ہے، نہ ہی یہ سہولت دیگر صوبوں یا شہروں میں ہے۔ ایڈز کے مریضوں کو یہ سہولت کسی امتیاز کی غرض کے پہنچائی جانی ضروری نہیں ہے بلکہ اس کی ضرورت اس لئے بھی ہے کہ دیگر مریض ایڈز کے مریض کو ساتھ ٹھہرانے پر آمادہ نہیں ہوتے۔ نرس مرد ہو یا عورت، کوئی پاس نہیں پھٹکتا۔ خاکروب ایڈز کے مریض کے بستر کی چادریں تک بدلنے پر آمادہ نہیں ہوتا۔ ان تمام باتوں کے نتیجے میں مریض بالکل ہی تن تنہا ہوجاتا ہے۔ سری لنکا میں ایڈز کے ٹسٹ کرنے والے آلات کی بھی بہت کمی ہے اور یہ آلات صرف ایک دو اسپتالوں میں دستیاب ہیں۔ ایڈز کی دوائیں بہت مہنگی ہیں اور تقریباً ایک مریض پر ماہانہ ایک لاکھ روپیہ خرچ ہوتے ہیں جسے صرف 0.1 فیصد لوگ ہی برداشت کرسکتے ہیں۔

بنگلہ دیش میں ایچ آئی وی سے متاثر ہونے والے شخص کی پہلی خبر ۱۹۸۹ میں آئی تھی اور ایڈز کا پہلا کیس ۱۹۹۰ میں سامنے آیا۔ تاہم گزشتہ برس تک ایڈز کے مریضوں کی تعداد ۱۲۶ تھی۔ ان میں سے ۸۳ فیصد (۱۰۴) مرد اور ۳۶ فیصد (۲۲) خواتین تھیں۔ ان میں ۳ خواتین کی عمر ۱۴ سال سے بھی کم تھی۔ وہاں نشہ کرنے والے کل افراد کی ڈھائی فیصد تعداد ایچ آئی وی سے متاثر ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ لوگ نشے کی خاطر خون بیچتے ہیں اور نشہ کرنے کے لئے جو سرنج استعمال کرتے ہیں اس سے ایڈز کے جراثیم تیزی کے ساتھ پھلتے پھولتے ہیں۔ وہاں ایڈز پھیلنے کی وجہ اس ملک کے ساتھ ہندوستان اور میانمار کی سرحدوں کا ملنا ہے۔ بنگلہ دیش کے تقریباً ۴، ہزار افراد کام کی خاطر ان پڑوسی ممالک میں رہتے ہیں جو پہلے ہی ایڈز سے بری طرح متاثر ہیں۔

بنگلہ دیش میں سالانہ دو لاکھ یونٹ خون کی ضرورت پڑتی ہے۔ جن کا ۸۰ فیصد حصہ غیر پیشہ ور خون کا عطیہ دینے والے اداروں سے حاصل کیا جاتا ہے۔ وہاں جسم فروشوں کی تعداد تقریباً ایک لاکھ ہے۔ ان کی ایک بڑی تعداد اس بیماری سے متاثر ہوگئی ہے کیونکہ ان کا ۹۰ فیصد پیچیدہ اور خفیہ بیماریوں میں مبتلا ہے جو ایڈز کی طرح ہی خطرناک ہوسکتی ہیں۔

بنگلہ دیش کی خواتین کام کرنے کی غرض سے اپنے وطن سے ہجرت کرتی ہیں تو ان پر تشدد کے امکانات بڑھ جاتے ہیں۔ اور وہ ایڈز کے مسائل سے دوچار ہوجاتی ہیں۔

نیپال میں ایڈز کا پہلا مریض ۱۹۸۸ میں منظر عام پر آیا۔ وہاں ایڈز کی ۱۲ سالہ تاریخ میں ایک ہزار ۳۱ افراد ایچ آئی وی سے مکمل طور پر متاثر ہوئے اور ۱۹۹۹ء تک وہاں ایڈز کے مریضوں کی کل تعداد ۲۹۰ تھی جو اب ۴۰۰ سے بھی زیادہ ہوگئی ہے۔ نیشنل سنٹر برائے ایڈز اور ایس ٹی ڈی کنٹرول کے مطابق ایچ آئی وی سے متاثرہ افراد کی تعداد کا اندازہ ۵۰ ہزار لگایا گیا ہے اور یہ تعداد حتمی نہیں ہے۔

نیپال میں روزگار کے مواقع بہت محدود ہیں، جس کے سبب ہر سال ہزاروں نیپالی باشندے ہندوستان کا رخ کرتے ہیں۔ یہ لوگ ممبئی کلکتہ اور نئی دلی اور دیگر شہروں میں اپنا آشیانہ بناتے ہیں۔ جب یہ لوگ جسمانی تعلق کے لئے مقامی افراد سے رابطہ کرتے ہیں تو بدلے میں ایڈز ان کا [illegible] ہندوستان کے ان [illegible] میں ایڈز کی وبا عام ہے۔ ایک محتاط اندازے کے مطابق تقریباً ۲ لاکھ نیپالی لڑکیاں اور عورتیں طوائف کے طور پر کام کررہی ہیں اور ان میں ہر سال پانچ ہزار نئی نیپالی لڑکیوں کا اضافہ ہوتا ہے۔

براعظم افریقہ دنیا کا وہ خطہ ہے جہاں ایڈز کے مریضوں کی سب سے زیادہ تعداد موجود ہے۔ براعظم افریقہ میں بہت سے چھوٹے بڑے ممالک ہیں جن میں جنوبی افریقہ بھی شامل ہے جس کی ۱۰ فیصد سے بھی زائد آبادی ایڈز کا شکار ہوچکی ہے۔ ایک اندازے کے مطابق آئندہ برسوں میں یہاں صحت مند لوگوں کا قحط ہوگا، کیونکہ ۸ ملین افراد چند سالوں میں موت کا کڑوا زہر پی چکے ہوں گے۔ حیران کن امر یہ ہے کہ وہاں پیدا ہونے والے سوا تین ملین بچے اپنا وجود بڑھتا ہوا نہیں دیکھ سکیں گے۔ علاوہ ازیں یوگینڈا کے 1.7 ملین بچے ایسے بھی ہیں جو ایڈز کے سبب یتیم ہوگئے ہیں۔

اقوام متحدہ کے ایک مطالعہ کے مطابق انگولا، موزمبیق، یوگینڈا، بوٹسوانہ، کینیا، تنزانیہ، مڈغاسکر، گنی، لائبیریا، گیمبیا، نائجیریا، روانڈا، سوڈان اور تیونس جیسے افریقی ممالک کی ۷۰ فیصد آبادی یعنی 33.6 ملین لوگ ایچ آئی وی سے متاثر ہیں۔ یہاں ہر روز ۱۶ ہزار افراد اس بیماری کا شکار ہوتے ہیں۔ یہ ایڈز پھیلنے کی تیز ترین شرح ہے۔ وہاں ایڈز کے علاج کے لئے ماہانہ تقریباً ۴۴۰ ڈالر کی ضرورت ہوتی ہے اور وہاں بسنے والے افراد کی آمدنی ۱۰۰ ڈالر بھی نہیں ہے۔ یہی نہیں بلکہ یہاں مہنگائی کے سبب دواؤں کی قلت بھی سرچڑھے جادو کی طرح ہے۔ کم یابی کے سبب دوا کے لئے مریضوں کے درمیان قرعہ اندازی کی جاتی ہے۔ مثلاً اگر کل پانچ مریضوں کے نام سے قرعہ اندازی ہوتی ہے تو صرف ایک کے نام قرعہ نکلنے پر اسے دوائی دی جاتی ہے اور باقی چار افراد صرف خون تھوکنے کے لئے زندہ رہتے ہیں۔

●●●●●

پارلیمنٹ پر حملہ

ہندو پاک جنگ کے دہانے پر

ہندوستان کی تاریخ میں 13 دسمبر ایک یادگار دن رہے گا جس دن پانچ دہشت گرد پارلیمنٹ کی عمارت میں داخل ہوگئے لیکن سیکورٹی فورسس نے بروقت کارروائی اور چوکسی کا مظاہرہ کرتے ہوئے ایک بڑے امکانی سانحہ کو ٹال دیا۔ اس کے لئے انھیں جتنی بھی مبارکباد دی جائے کم ہے۔ کیونکہ دہشت گرد اگر اپنے مقصد میں کامیاب ہوجاتے تو پتہ نہیں ہندوستان میں موجودہ صورتحال کیا ہوتی۔ اس کے لئے سیکورٹی فورسس اور پارلیمنٹ میں ڈیوٹی انجام دینے والے ملازمین کو اپنی جان کی قربانی بھی دینی پڑی۔ سیکورٹی فورسس کی کارروائی میں تمام پانچ دہشت گرد ہلاک ہوگئے۔

جولائی ۲۰۰۱ء میں آگرہ میں وزیر اعظم واجپائی اور صدر پاکستان پرویز مشرف کی ملاقات

اس طرح صورتحال پر فوری قابو پالیا گیا لیکن اس واقعہ نے ہر ذی شعور شخص کے ذہن میں کئی سوالات پیدا کردئے ہیں۔ ملک کی پارلیمنٹ جو ہماری جمہوریت و سیکولرازم کی مثال ہے وہ بھی محفوظ نہیں تو بھلا عام شہریوں کا کیا حال ہوگا۔ اسے حسن اتفاق ہی کہئے کہ وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کو حسب پروگرام اس وقت پارلیمنٹ میں ہونا چاہئے تھا تاہم وہ دیگر مصروفیات کی بنا وہاں موجود نہیں تھے۔ پارلیمنٹ کے اندر مرکزی وزراء ارکان پارلیمنٹ کی کثیر تعداد موجود تھی کیونکہ اس وقت پارلیمنٹ کا سرمائی سیشن جاری تھا اور کئی اہم امور پر بحث ہونے والی تھی۔ سرمائی سیشن کو اس لحاظ سے بھی کافی اہمیت تھی کہ اس میں انسداد دہشت گردی سے متعلق آرڈیننس پوٹو کو بل کی شکل میں منظور کروانے مرکزی حکومت بے چین تھی لیکن اپوزیشن کے سخت موقف نے اسے اپنے مقصد میں ابھی تک کامیاب ہونے نہیں دیا۔ اس کے ساتھ ساتھ تابوت اسکام بھی منظر عام پر آگیا تھا جس میں مرکزی وزیر دفاع جارج

فرنانڈیز پھر ایک بار اپوزیشن کا ہدف بن گئے۔ وہ پہلے ہی بڑی مشکل اور طویل عرصہ کے بعد کابینہ میں اپنی واپسی یقینی بناسکے تھے۔ تابوت اسکام سے تو پھر ایک بار ان کے پیروں تلے زمین کھسک گئی۔ مگر انھوں نے فوری طور پر خود کو سنبھال لیا۔ یہ ایک الگ بحث ہیکہ وزارت دفاع جسکی ذمہ داری ملک کی سالمیت و حفاظت کرنا ہے اسی نے کارگل میں شہید ہونے والے ہمارے بہادر سپاہیوں کو اس قدر موثر ڈھنگ سے خراج پیش کیا کہ ان کی روح بھی تڑپ گئی ہوگی۔ وزارت دفاع نے ایک بیرونی کمپنی سے انتہائی مہنگے داموں المونیم کے تابوتوں کی خریدی کے لئے آرڈر دے دیا اور اس وقت جبکہ تمام ہلوکین کو ان کے ورثاء تک پہنچادیا گیا اور ان کی آخری رسومات بھی انجام دیدی گئیں یہ تابوت ابھی ملک پہنچے ہی نہیں تھے۔ شائد چند تابوت پہنچ گئے جن میں سیکورٹی فورسس کی نعشیں رکھ کر بھیجی گئیں۔ اسلحہ کی خریداری میں بھی یہی صورتحال پیش آئی۔ خود کمپٹرولر اینڈ آڈیٹر جنرل نے ان خامیوں اور نقصانات کی نشاندہی کی جس کے بعد پارلیمنٹ میں زبردست ہنگامہ آرائی شروع

دلی۔ لاہور بس (بائیں تصویر) واگھا سرحد پر وزیر اعظم واجپائی (بس کے اندر) ہاتھ ہلاتے ہوئے

مئی ۱۹۹۹ء میں کارگل لڑائی کا ایک منظر

ہوگئی۔ ان الزامات اور حقائق کا وزیر دفاع جارج فرنانڈیز کے پاس صرف ایک ہی جواب ہیکہ دفاعی سامان کی خریداری دیوالی یا کرسمس کی شاپنگ نہیں ہے۔ ان حالات میں پارلیمنٹ پر دہشت گردوں نے حملہ کردیا اور پھر حکومت و اپوزیشن جماعتوں نے اس حملہ کو ملک پر حملہ متصور کرتے ہوئے دیگر اہم موضوعات کو پس پشت ڈالدیا اور ملک کی سلامتی کے بارے میں غور و فکر میں مصروف ہوگئے۔ ہندوستان نے اس واقعہ کے لئے پاکستان کو ذمہ دار قرار دیا ہے۔ اور اس کے جواب میں پاکستان نے ہندوستان ہی کی انٹیلیجنس کو منصوبہ بند طور پر اس کارروائی کا ذمہ دار بتایا۔ الزامات و جوابی الزامات دونوں ممالک کے مابین اکثر ہوتے رہتے ہیں لیکن یہاں معاملہ چونکہ پارلیمنٹ پر حملہ کا ہے اس لئے تمام ہندوستانی شہری بے چین اور متفکر ہیں۔ ہندوستان نے یہ واضح کردیا کہ پارلیمنٹ پر حملہ کے پس پردہ آئی ایس آئی کا ہاتھ ہے۔ اور اس نے پاکستان سے اپنے ہائی کمشنر نمبیار کو واپس طلب کرلیا۔ لاہور سے سمجھوتہ ایکسپریس اور بس سرویس بند کردی۔ دوسری طرف پاکستان نے ایسا کوئی جوابی اقدام نہیں کیا۔ اس کے بعد سرحد پر دونوں ممالک کی فوجی تیاریاں شروع ہونے کی اطلاع ہے۔ ان تیاریوں نے دونوں ممالک ہندوستان و پاکستان کو جنگ کے دہانے پر پہنچادیا ہے۔ کیا دونوں پڑوسی ممالک کے مابین جنگ ہوگی؟ یہ سوال ہر شخص کے ذہن میں ابھر رہا ہے۔ گزشتہ پچاس سال کے دوران یہ نویں مرتبہ ہے جب ہندوستان و پاکستان کی افواج سرحد کے قریب جمع ہوئی ہیں لیکن اس وقت صورتحال پہلے کے مقابلہ کافی مختلف ہے۔ دونوں ممالک نیوکلیئر ہتھیاروں سے لیس ہیں ایسے میں یہ سوال نہایت اہمیت کا حامل ہیکہ اگر جنگ ہوجائے تو امکانی صورتحال کیا ہوسکتی ہے۔ سب سے پہلا امکان تو یہ ہیکہ ہندوستان پاکستان مقبوضہ کشمیر میں موجود دہشت گردی کے اڈوں پر حملہ کا فیصلہ کرے۔ ایسا صرف فضائی حملے ہوسکتے ہیں۔ اس کے جواب میں پاکستان بھی حملہ کرسکتا ہے اور پھر اندیشہ ہیکہ صورتحال مزید پیچیدہ ہوجائے۔ جنگ دیگر علاقوں تک بھی وسعت اختیار کرسکتی ہے۔ دوسری امکانی صورتحال دونوں ممالک کے مابین مکمل طور پر جنگ چھڑجانا ہے۔ یہ صورتحال اور بھی زیادہ خطرناک ہوگی۔ تیسرا امکان کارگل کی طرح حالات پیدا کرتے ہوئے لائن آف کنٹرول پر حملہ کرنا ہے۔ ایسی صورت میں بھی پاکستان لامحالہ جواب دے گا اور جنگ سنگین صورتحال اختیار کرسکتی ہے۔ سب سے آخری اور خطرناک امکان نیوکلیئر اسلحہ کا استعمال ہے۔ ہندوستان نے اپنا یہ موقف واضح کیا ہیکہ وہ نیوکلیئر اسلحہ پہلے کبھی استعمال نہیں کرے گا۔ لیکن پاکستان کی جانب سے ایسی کوئی واضح پالیسی کا اعلان نہیں کیا گیا ہے۔ اگر یہ جنگ نیوکلیئر جنگ میں تبدیل ہوجائے تو ہر دو طرف تباہی ہوگی۔ اس طرح جنگ کے جتنے بھی امکانات ہیں تبدیل شدہ حالات یعنی دونوں ممالک کے نیوکلیئر اسلحہ سے لیس ہونے کے بعد انتہائی خطرناک اور تباہ کن ہیں۔ امکانی جنگ کو ٹال دیا جائے تو ایسی صورت میں بھی ہندوستان کے پاس تین راستے ہیں۔ جسکی بنیاد پر

پارلیمنٹ پر حملہ کے بعد شروع ہونے والے پہلے سیشن سے قبل سیکورٹی چوکسی

وہ پاکستان پر [illegible] اس سلسلہ میں ماہرین کی رائے [illegible] اپنا اثر و رسوخ استعمال کر کے دونوں ممالک ہندوستان و پاکستان [illegible] امکانی جنگ سے روک سکتا ہے۔ [illegible] پاکستانی صدر پرویز مشرف پر دہشت گردوں کے کیمپس بند کرنے اور سرحد پار سرگرمیاں روکنے کے لئے دباؤ ڈال سکتا ہے۔ اس کے برعکس اگر جنگ ہو تو نتائج جلد برآمد نہیں ہوں گے۔ امریکہ کی اس کوششوں کو سوویت یونین کی سفارتی تائید حاصل ہو تو نتائج جلد سامنے آسکتے ہیں۔ چنانچہ ہندوستان کو جنگ کا فیصلہ کرنے سے قبل تمام تر حالات کا جائزہ لینا چاہئے۔ سابق فوجی سربراہ وی این شرما کا کہنا ہیکہ ہندوستان جنگ کا جوکھم نہیں لے سکتا۔ اس کے برعکس اسے اپنا مقصد پیش نظر رکھنا چاہئے۔ دہشت گردی کو ختم کرنے کے لئے وہ سفارتی کارروائی کرے۔ پاکستانی ہائی کمیشن کو بند کردیا جائے۔ ویزا کی اجرائی روکدی جائے اور وفود کے دوروں کی اجازت نہ دی جائے۔ ان کا کہنا ہیکہ ہندوستان کو چاہئے کہ وہ افغانستان میں امریکی کارروائی کے ختم ہونے کا انتظار کرے اس کے بعد ہم جو چاہتے ہیں وہ کام بین الاقوامی دباؤ کے تحت کیا جاسکتا ہے۔ دفاعی تجزیہ نگار ادئے بھاسکر کی بھی یہی رائے ہیکہ ہندوستان کو فی الحال صبر و تحمل سے کام لینا چاہئے۔ پاکستان بین الاقوامی دباؤ کے تحت افغان پالیسی تبدیل کرسکتا ہے تو اسے کشمیر پالیسی تبدیل کرنے کے لئے بھی مجبور کیا جاسکتا ہے۔ اور جب یہ ہوجائے تو ہمارا مقصد بھی پورا ہوجائے گا۔ ۱۳ ڈسمبر کو پارلیمنٹ پر حملہ کے بعد ہندوستان کو بین الاقوامی تائید و حمایت حاصل ہے۔ اس کے برعکس اگر ہندوستان جنگ کی راہ اختیار کرے تو اسے بین الاقوامی برادری کے سامنے اپنے اغراض و مقاصد واضح کرنے پڑیں گے۔ انھیں یہ بتانا ہو گا کہ ہمارا مقصد دہشت گردی کا صفایا ہے پاک مقبوضہ کشمیر کو حاصل کرنا نہیں چنانچہ کشمیر اور دہشت گردی کا سیاسی و سماجی حل ہی بہتر ہے [illegible] دفاعی تجزیہ [illegible] ہیں ان کی نظر میں ہندوستان کا مسئلہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر میں دہشت گردی کے تربیتی کیمپس نہیں ہیں کیونکہ اگر ہندوستان ان میں چند کو تباہ کردے تو مزید نئے کیمپس قائم ہوجائیں گے۔ سب سے اہم مسئلہ پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی ہے۔ جنھوں نے بالواسطہ جنگ کے ذریعہ ہندوستان کو پریشان کرر کھا ہے۔ تاہم ہندوستان پاکستان کے خلاف مکمل جنگ شروع نہیں کرے گا۔ ایسا کرنے کی اسے ضرورت بھی نہیں ہے۔ ہندوستان کو وہ کام کرنا چاہئے جس سے پاکستانی فوج اور آئی ایس آئی کو زیادہ سے زیادہ نقصان پہنچایا جاسکے۔ ان کا کہنا ہیکہ ادھر پاکستان بھی حال ہی میں امریکہ اور چین سے اسلحہ کے حصول کے باوجود بین الاقوامی دباؤ کے باعث جنگ شروع نہیں کرسکتا۔ اس کے علاوہ دونوں ممالک کی جانب سے نیوکلیئر ہتھیار استعمال کرنے کا بھی کوئی امکان نہیں ہے۔

جنوبی ایشیا میں جنگ سے متعلق پنٹاگان کا یہ تجزیہ ہیکہ اگر پاکستان پہلے نیوکلیئر حملہ کرے تو اس کے جواب میں ہندوستان بھی حملہ کرے گا۔ پاکستان کی نیوکلیئر صلاحیت محدود ہے اس کے برعکس ہندوستان کی صلاحیت وسیع ہے اور پاکستان کے پہلے نیوکلیئر حملہ کے باوجود ہندوستان اسکا موثر جواب دینے کے موقف میں ہو گا۔ اگر پاکستانی فوجی اداروں کو کمزور کیا جائے تو کشمیر میں دہشت گردی باقی نہیں رہ سکتی۔ یہ تو تھی دفاعی ماہرین و تجزیہ نگاروں کی رائے۔ ہند و پاک کے مابین کشیدہ حالات کے تناظر میں

فروری ۱۹۹۹ء میں وزیر اعظم واجپائی اور معزول وزیر اعظم پاکستان میاں نواز شریف لاہور میں (فائل تصویر)

سیاسی رائے بھی منقسم ہے۔ سابق وزیراعظم وی پی سنگھ کا کہنا ہیکہ اگر امریکہ کو دہشت گردی کے خاتمہ کیلئے افغانستان پر حملہ کا حق ہے توہم بھی پورا پورا حق رکھتے ہیں کہ پاکستانی مقبوضہ کشمیر پر حملہ کریں۔ اس بارے میں کوئی بھی فیصلہ انٹیلیجنس رپورٹ اور پاکستان کی جوابی تیاری کو پیش نظر رکھ کر کیا جانا چاہئے۔ اس کے برعکس کمیونسٹ جماعتیں حملہ کے شدید خلاف ہیں۔ کانگریس نے بھی اگرچہ دہشت گردی کے خلاف سخت کارروائی کی حمایت کی ہے تاہم اس کی پالیسی سے یوں لگتا ہیکہ وہ پاکستان پر حملہ یا جنگ کے خلاف ہے۔
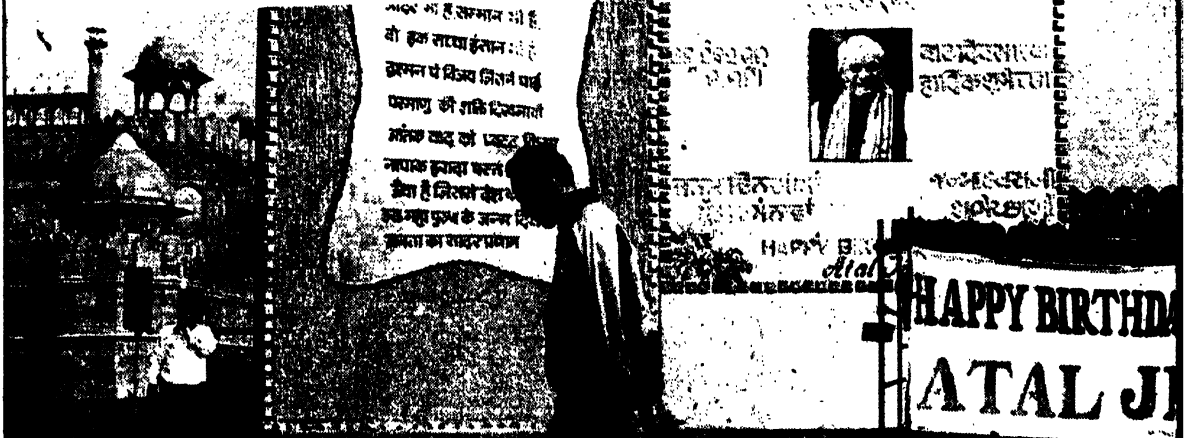
واجپائی کی سالگرہ کے موقع پر دنیا کا طویل ترین 30 فیٹ طویل اور 40 فیٹ عریض گریٹنگ کارڈ ان کے بہی خواہوں نے پیش کیا۔ لال قلعہ پر چسپاں یہ کارڈ دیکھا گیا تھا سیکورٹی سخت کردی گئی تھی

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کی یوم ابوالکلام آزاد تقریب: ایک رپورٹ

ڈاکٹر محمد ظفر الدین

زندہ قوموں کی علامت ہے کہ وہ اپنے اسلاف اور اکابرین کا دل و جان سے احترام کرتی ہیں اور ان کی یادوں کو نہ صرف سینے سے لگائے رہتی ہیں بلکہ گاہے گاہے ان کی یادوں کا جشن بھی مناتی ہیں تاکہ نئی نسل ان کے کارناموں سے کماحقہ واقف ہوسکے اور انھیں ان کے شایان شان خراج عقیدت پیش کرسکے۔ ممتاز مجاہد آزادی اور آزاد ہندوستان کے پہلے وزیر تعلیم مولانا ابوالکلام آزاد کی شخصیت محتاج تعارف نہیں۔ ان کی حیات اور کارنامے جدید ہندوستان کی تاریخ کا ایک اہم باب ہے۔ وہ ہمارے ان رہنماؤں میں شامل ہیں جن کی کتاب زندگی کا ایک ایک ورق مشعل راہ ہے۔ ان کی کثیر الجہات شخصیت کا ایک اہم پہلو یہ ہے کہ ان میں بچپن ہی سے تنظیم کاری اور ادارہ سازی کی صلاحیتیں موجود تھیں۔ علمی، ادبی اور تاریخی نوعیت کے رسائل کی اشاعت اور کانگریس پارٹی میں ان کی سرگرمیاں اس بات کی غماز ہیں کہ شروع ہی سے ان کا مزاج کسی بھی کام کے لئے پہل کرنے کا تھا۔ وہ جو سوچتے تھے اور جسے مناسب سمجھتے تھے اسے عملی جامہ پہنانے کی قدرت بھی رکھتے تھے۔ ملک کی پہلی کابینہ میں جب انھیں محکمہ تعلیمات کا وزیر بنایا گیا تو انھوں نے یکے بعد دیگر ایسے بے شمار ادارے قائم کرڈالے جن کی معنویت اور افادیت تب بھی تھی اور آج بھی ہے بلکہ یہ کہنا بے جا نہ ہوگا کہ ان کی اہمیت میں روز افزوں اضافہ ہی ہوتا جارہا ہے۔ نئے اداروں کے قیام کے ساتھ ہی ان کا ایک کارنامہ یہ بھی ہے کہ انھوں نے علمی اور تہذیبی و ثقافتی نوعیت کے بے شمار پرانے اداروں میں نئی جان بھی ڈالی۔ مولانا کے سانحہ ارتحال کے بعد سے لے کر اب تک متعدد نجی اور سرکاری ادارے ان کے نام سے موسوم کئے جاچکے ہیں۔

مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی انھیں اداروں میں سے ایک ہے۔ اس یونیورسٹی نے اپنے قیام کے ساتھ ہی یہ صالح روایت ڈالی کہ ہر سال مولانا کے یوم پیدائش یعنی ۱۱ نومبر کو "یوم ابوالکلام آزاد" کے طور پر منایا جائے گا۔ تین سال تک لگاتار یونیورسٹی نے یوم ابوالکلام آزاد کا اہتمام اپنے ہیڈ کوارٹر حیدرآباد میں کیا لیکن چونکہ یہ ایک قومی یونیورسٹی ہے۔ اس کے لئے مقام کی قید نہیں ہے اور پورا ہندوستان اس کا احاطہ کار ہے اس لئے ۱۱ نومبر ۲۰۰۱ء کو یوم آزاد کا جشن نئی دہلی میں منعقد کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ اس کا ایک مقصد یہ بھی تھا کہ ملک کے دارالسلطنت میں مقیم دانشور طبقہ اور محبان اردو اس یونیورسٹی کو قریب سے سمجھ سکیں۔ جشن کے انعقاد کے لئے نئی دہلی کے قلب میں واقع بہادر شاہ ظفر مارگ پر انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی کے انتہائی بارونق اور پروقار کمپلکس کا انتخاب کیا گیا۔ چھ ماہ سے بھی زائد عرصہ پہلے سے تیاری شروع کردی گئی۔ یونیورسٹی کے چانسلر سابق وزیراعظم جناب اندر کمار گجرال اور وائس چانسلر پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری نے ملک کی سب سے بڑی شخصیت صدر جمہوریہ ہند عالیجناب کے آر نارائنن سمیت تقریبا نصف صد انتہائی اہم افراد سے رابطہ قائم کیا اور انھیں مختلف حیثیتوں سے مجوزہ ایک روزہ جلسے میں شرکت کے لئے مدعو کیا۔ غالبا مولانا آزاد کے نام کی برکت تھی یا ان دو شخصیتوں کا خلوص کہ تقریبا سبھی مدعو حضرات نے اپنی اپنی شرکت کی منظوری دے دی جن میں صدر جمہوریہ ہند، بہار و مغربی بنگال کے سابق گورنر پروفیسر اخلاق الرحمن قدوائی، سابق چیف جسٹس آف انڈیا جناب اے ایم احمدی، جامعہ ہمدرد کے چانسلر جناب سید حامد، جامعہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب شاہد مہدی، جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر جناب سراج حسین، سابق سکریٹری حکومت ہند جناب موسی رضا، سابق ممبر پارلیمنٹ سید شہاب الدین، جسٹس سید شاہ محمد قادری، پروفیسر امریک سنگھ، پروفیسر نامور سنگھ اور خواجہ حسن ثانی نظامی وغیرہ شامل تھے۔ رفتہ رفتہ وقت گزرتا گیا اور جلسے کا دن قریب آتا گیا۔ وائس چانسلر نے پروگرام کو آخری شکل دیتے ہوئے اسے چار اجلاس میں تقسیم کیا۔ صدر جمہوریہ اور جناب اندر کمار گجرال صاحب نے اطلاع دی کہ وہ دونوں بارہ بجے دن میں جلسہ گاہ پہنچیں گے۔ لہذا ان کی آمد سے قبل ایک سیشن منعقد کرلئے جانے کا فیصلہ کیا گیا۔ پہلے سیشن کی صدارت کے لئے ملک کے ممتاز ماہر قانون جسٹس اے ایم احمدی کا نام طے ہوا جبکہ دوسرے سیشن یعنی جلسے کے کلیدی سیشن کی صدارت یونیورسٹی کے چانسلر جناب اندر کمار گجرال کو سونپی گئی۔ یونیورسٹیز کی یہ روایت ہے کہ جس کسی جلسے میں اگر چانسلر موجود ہو تو کرسی صدارت پر اسے ہی جلوہ افروز کیا جاتا ہے۔ مہمان خصوصی فطری طور پر صدر جمہوریہ قرار پائے اور خطبہ استقبالیہ پیش کرنے کا قرعہ فال وائس چانسلر پروفیسر جیراجپوری کے نام نکلا۔ تیسرے اور چوتھے سیشن کی صدارت کے لئے بالترتیب بلند پایہ دانشور پروفیسر اخلاق الرحمن قدوائی اور ملک کے انتہائی ممتاز ماہر تعلیم جناب سید حامد سے گزارش کی گئی۔ جلسہ گاہ کو باذوق حضرات کی نگرانی میں سلیقے سے آراستہ کیا گیا۔ صدر جمہوریہ اور جناب گجرال صاحب کی وجہ سے سیکورٹی کے سیکڑوں افسران و جوان انڈین نیشنل سائنس اکیڈمی کی پرشکوہ عمارت میں تعینات تھے جس سے جلسے کے تزک و احتشام کا بھی اندازہ ہورہا تھا۔

حسن اتفاق سے ۱۱ نومبر ۲۰۰۱ء کو اتوار کا دن تھا۔ یعنی عام تعطیل کا دن۔ لوگ روزمرہ کی مصروفیات سے فارغ تھے۔ موسم بھی خوشگوار تھا۔ موسم سرما کی آمد آمد تھی۔ صبح کی تمازت بھلی معلوم ہورہی تھی۔ پہلے اجلاس کا وقت دس بجے سے طے کیا گیا تھا مگر لوگ ساڑھے نو بجے سے ہی آنا

شروع ہوگئے۔ مہمانوں کے استقبال کے لئے صدر دروازے پر دہلی سنٹر کے اسسٹنٹ ریجنل ڈائرکٹر ڈاکٹر شاہد پرویز موجود تھے جہاں دعوت نامے کی جانچ ہورہی تھی۔ اس سے ذرا فاصلے پر راقم الحروف یعنی یونیورسٹی کے پی آر او انچارج اور پھر اسسٹنٹ رجسٹرار جناب سید عبدالواجد موجود تھے۔ آڈیٹوریم کے باب الداخلہ پر وائس چانسلر پروفیسر جیراجپوری بنفس نفیس مہمانوں کا استقبال کررہے تھے۔ باب الداخلہ کے قریب ہی یونیورسٹی نے ڈی اے وی پی، وزارت اطلاعات و نشریات کی جانب سے "مولانا ابوالکلام آزاد: سیکولر قوم پرستی کے نقیب" کے عنوان سے ایک نمائش کا اہتمام کیا تھا جس میں مولانا آزاد کی حیات و خدمات سے متعلق کافی معلومات اردو، ہندی اور انگریزی میں فراہم کی گئی تھیں اور اسے قریب پانچ درجن نادر تصاویر سے مزین کیا گیا تھا۔ ان تصاویر پر بھی تینوں زبان میں کیپشن درج کئے گئے تھے۔ اسی نمائش سے متصل یونیورسٹی کے تمام کورسز کی کتابوں کی نمائش بھی لگائی گئی تھی۔ نمائش کے لئے اس جگہ کے انتخاب کا منطق یہ تھا کہ سبھی آنے والے پہلے نمائش دیکھ لیں اور پھر آڈیٹوریم کے اندر داخل ہوں۔ اور واقعتا ایسا ہی ہوتا رہا۔ اس ایک روزہ جلسے میں صدر جمہوریہ کے ہاتھوں یونیورسٹی کے بروشر کی رسم اجراء انجام دی گئی جو اردو اور انگریزی میں شائع کی گئی ہے۔

پہلا اجلاس

وائس چانسلر کے چند تمہیدی جملوں کے ساتھ جسٹس اے ایم احمدی کی صدارت میں پہلے اجلاس کی کارروائی وقت مقررہ پر شروع ہوگئی۔ سب سے پہلے جامعہ ملیہ اسلامیہ کے وائس چانسلر جناب شاہد مہدی کو اظہار خیال کی دعوت دی گئی۔ انہوں نے اپنی تقریر میں افسوس کا اظہار کیا کہ گزرتے ہوئے وقت کے ساتھ مولانا آزاد کی یادوں کا سلسلہ مدھم پڑتا جارہا ہے۔ یہ ضرور ہے کہ ان کی سوویں یوم پیدائش کے موقع پر حکومت کی جانب سے کئی پروگرام منعقد کئے گئے اور کچھ پہلے بھی کئے گئے تھے مگر ان کا سلسلہ جاری نہ رہ سکا حالانکہ بیسویں صدی کے ابتدائی پچاس برسوں میں پورے ملک پر چھائی رہنے والی اس عظیم شخصیت کے یادوں کے چراغ مزید روشن کرنے کی ضرورت ہے۔ مولانا آزاد کے تعلق سے پہلی رکاوٹ یہ ہے کہ ان کی کم و بیش تمام تحریریں اردو میں ہیں اور ان میں سے بیشتر کا ترجمہ ہندی یا انگریزی میں نہیں کیا گیا۔ لہذا غیر اردو داں لوگ ان کے خیالات اور دانشورانہ فکر سے پوری طرح واقف ہی نہیں ہیں۔ جبکہ مولانا کے مخاطب سماج کا کوئی مخصوص طبقہ نہیں تھا بلکہ انہوں نے عموماً عوام کو مخاطب کرکے اپنی باتیں کہی یا لکھی ہیں۔ جناب شاہد مہدی نے کہا کہ مولانا کے نام پر ادارے تو بہت قائم ہیں مگر ان کی خدمات پر تحقیق کے لئے کوئی ادارہ وقف نہیں ہے۔ جس کی بہت ضرورت ہے۔ مولانا نے ملک کو اپنی گیارہ سالہ دور وزارت میں تعلیم اور سائنسی ترقی کا بڑا بامعنی، دوررس اور متوازن منظر نامہ فراہم کیا۔

جامعہ ہمدرد کے وائس چانسلر جناب سراج حسین نے سروجنی نائیڈو کے اس قول کو دہرایا کہ مولانا تو اپنی پیدائش کے وقت ہی پچاس سال کے تھے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا اس بات پر زور دیتے تھے کہ حب الوطنی مسلمانوں کے لئے دینی فریضے کی حیثیت رکھتی ہے۔ ان کے یہاں تعلیم کا ایک رومانی تصور تھا۔ انہوں نے سکنڈری سطح پر مفت تعلیم کی تجویز پیش کی تھی جس پر اب قریب پچاس برسوں بعد عمل ہوا ہے۔ انہوں نے تعلیم کے لئے بجٹ کے ایک فیصد کو بڑھا کر دس فیصد کردینے کی بھی تجویز رکھی تھی۔ مگر آج دن بدن تعلیم اور خاص طور پر اعلی تعلیم سے بجٹ کی کٹوتی کی کوششیں ہورہی ہیں۔ جناب سراج حسین نے موجودہ تعلیمی نظام پر روشنی ڈالتے ہوئے کہا کہ سب سے بڑی مثال یہ ہے کہ آج کم آمدنی والے لوگ بھی اپنے بچوں کو سرکاری اسکولوں کے بجائے پرائیوٹ اسکولوں میں داخل کرانے کے خواہشمند رہتے ہیں۔

جواہر لال نہرو یونیورسٹی میں سی آئی ایل کے سابق چیئرمین پروفیسر نامور سنگھ نے مولانا آزاد کی کتابوں کے حوالے سے ان کی خوبصورت نثرنگاری اور ملک و قوم سے ان کی محبت پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے مولانا کے اس قول کو دہرایا کہ ہندی کو جو جگہ ملنی تھی وہ مل چکی۔ ہم نے اس پر آئین کی مہر بھی لگادی۔ اب اردو کا جو واجب مقام ہے وہ اسے ملنا چاہئے۔ کسی زبان کو ملنے کا مطلب یہ ہے کہ اسے سرکار بھی مانے اور لوگ بھی مانیں۔ پروفیسر نامور سنگھ نے اکتوبر ۱۹۴۷ء میں دہلی کی جامع مسجد سے دئے گئے مولانا کے یادگار خطبے کا تذکرہ کرتے ہوئے کہا کہ آج یہ ثابت ہوچکا ہے کہ تقسیم ہند کا فیصلہ غلط تھا مگر اس وقت یہ بات کہنے والے صرف دو تھے ایک گاندھی جی اور ایک مولانا آزاد۔ پروفیسر سنگھ نے مزید کہا کہ قومی جنگ میں بے شمار مذہبی لوگوں نے حصہ لیا۔ ایسے لوگ جو روزہ نماز کے پابند تھے وہ جن کے ہاتھوں میں گیتا ہوتی تھی اور وہ لوگ جو گرو گرنتھ کے ماننے والے ہوتے تھے۔ کیا ہم ان کے مذہبی ہونے کی وجہ سے ان کے سیکولرازم پر شک کرسکتے ہیں۔ دراصل ہماری لڑائی لڑنے والوں میں لاتعداد صوفی سنت فقیر اور بھگت شامل تھے۔ مولانا نے زندگی بھر قرآن کی قوت پر سماج کو جگانے کا کام کیا۔

سابق ممبر پارلیمنٹ جناب سید شہاب الدین نے اپنی تقریر میں کہا کہ مولانا آزاد بلاشبہ آزادی ہندوستان کے لئے کوشاں تھے مگر اس سے بھی زیادہ انہیں ہندو مسلم اتحاد کی فکر رہتی تھی۔ سماجی برابری اور معاشی ترقی ان کے خاص موضوعات تھے۔ مولانا نے انڈیا ونس فریڈم میں ملک کی تقسیم کے خطرے، ہندوستان میں اکثریت کے غلبہ اور پاکستان میں نسلوں اور قبیلوں کی بنیاد پر رسہ کشی کی طرف اشارہ کیا تھا۔ انہوں نے ملک کو تقسیم سے بچانے اور اسے پوری طرح متحد رکھنے پر ہمیشہ زور دیا۔ انہوں نے گاندھی جی کو لکھے گئے ایک خط میں تجویز رکھی تھی کہ سنٹرل لیجسلیٹر اور سنٹرل ایگزیکیٹیو میں ہندو اور مسلم کی اس وقت تک مساوی رکنیت ہونی چاہئے جب تک کہ فرقہ پرستی کے شبہات دور نہ ہوجائیں۔

سابق چیف جسٹس آف انڈیا جسٹس اے ایم احمدی نے اپنے مختصر صدارتی خطبے میں اظہار افسوس کیا کہ مولانا آزاد کی کافی تحریریں انگریزی اور ہندی میں ترجمہ نہیں کی جاسکی ہیں۔

مولانا نے زیادہ تر اردو یا عربی میں لکھا اور ایسے لوگوں کے لئے جو اردو نہیں جانتے ہیں اسے سمجھنا مشکل ہے۔ انہوں نے کہا کہ ہمارے ملک میں سیکولرازم کے عجیب و غریب تصورات ہیں۔ مثلاً ایک صحافی نے ڈاکٹر ذاکر حسین کے صدر جمہوریہ بننے کے بعد ان سے سوال کیا تھا کہ یہ کیسا سیکولرازم ہے کہ ایک مسلمان ملک کا صدر جمہوریہ بن گیا۔ اس سوال کے جواب میں ڈاکٹر ذاکر حسین نے کہا تھا کہ مجھے خوشی ہوتی اگر آپ نے میرے مذہب کا ذکر نہیں کیا ہوتا اور مجھے ملک کا ایک شہری ہی سمجھا ہوتا۔ جسٹس احمدی نے کہا کہ ملک کے سچے شہری کو وفاداری اور حب الوطنی کے سرٹیفکیٹ کی ضرورت نہیں ہے۔ اس ملک میں رہنا اپنے آپ میں اس ملک سے محبت اور سیکولرازم کا کھلا ثبوت ہے۔

دوسرا اجلاس

طے شدہ پروگرام کے عین مطابق ٹھیک بارہ بجے دن میں صدر جمہوریہ جناب کے آر نارائنن تشریف لائے۔ اس سے پہلے گجرال صاحب وہاں آچکے تھے۔ اندر کمار گجرال اور پروفیسر شمیم جیراجپوری یعنی یونیورسٹی کے چانسلر اور وائس چانسلر نے صدر جمہوریہ یعنی اپنے وزیٹر کا استقبال کیا۔ انہیں مولانا آزاد سے متعلق نمائش دکھائی اور پھر جلسہ گاہ میں لے آئے۔ مہمان ذی وقار کے پہنچتے ہی قومی ترانے کی آواز سے پورا ہال گونج اٹھا جس کے بعد یونیورسٹی کا ترانہ "نیشنل اردو یونیورسٹی جس کا نام نامی ہے۔ جس میں شامل مولانا آزاد کا اسم گرامی ہے" پیش کیا گیا۔ اس اجلاس میں سب سے پہلے وائس چانسلر پروفیسر محمد شمیم جیراجپوری نے استقبالیہ خطبہ پیش کیا جس میں انہوں نے یونیورسٹی کے چار سالہ دور کی تفصیلات بیان کیں اور ہر ایک محاذ پر کی جانے والی کوششوں کی وضاحت کی۔ انہوں نے اس عزم کا اظہار کیا کہ اردو یونیورسٹی کا ہر قدم سائنسی مزاج سے ہم آہنگ رہے گا۔ کیونکہ وقت کی ضرورت بھی یہی ہے کہ اس تیزی سے آگے بڑھتی ہوئی یونیورسٹی کو عصری تقاضوں کے سانچے میں ڈھالا جائے اور دم توڑتی ہوئی اردو کو ایک نئی زندگی اور توانائی بخشنے کے لئے اس کا سائنسی مزاج بنایا جائے۔ وائس چانسلر نے مزید کہا کہ چونکہ یونیورسٹی کا آغاز عملاً صفر سے ہوا تھا اس لئے ابتدا ہی سے ان کے دماغ میں یونیورسٹی کے لئے چار باتیں بہت اہم تھیں۔ پہلی بات یہ کہ جلد از جلد تعلیمی سلسلہ شروع ہو تاکہ لوگ اسے ایک متحرک اور فعال ادارہ تصور کریں۔ دوسری بات یہ کہ آگے بڑھنے کے لئے اس کی اپنی ایک طے شدہ سمت ہو جس پر اسے منصوبہ بند طریقے سے آگے بڑھایا جاسکے۔ اس کے علاوہ اپنے عملے کی فراہمی اور اپنے کیمپس کی تعمیر ان کی ترجیحی فہرست میں شامل تھیں۔ یہ تمام باتیں وہ اپنی پانچ سالہ مدت میں ہی پوری کرلینا چاہتے تھے۔ وائس چانسلر نے اظہار اطمینان کیا کہ وہ یونیورسٹی کو صحیح رخ دینے میں کامیاب ہورہے ہیں۔

سابق وزیراعظم ہند اور مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی کے چانسلر جناب اندر کمار گجرال نے اپنی تقریر کا آغاز یونیورسٹی کے لئے توصیفی کلمات سے کیا اور پھر مولانا آزاد کی ہمہ جہت شخصیت پر بھرپور روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ مولانا آزاد ہندوستان کے ایسے واحد رہنما تھے جو انڈین نیشنل کانگریس کے لگاتار سات برسوں تک صدر بنے رہے۔ وہ ہندوستان کے لئے بڑا نازک دور تھا۔ ملک نے کروٹ لینی شروع کردی تھی اور صبح آزادی کی تمازت محسوس ہونے لگی تھی۔ اس وقت مولانا جیسے رہنما ہی کی ضرورت تھی۔ کانگریس کے صدر ہونے کی حیثیت سے وہی انگریز حکمراں کی طرف سے آنے والے اہم مشن سے بات چیت کرتے تھے۔ جناب گجرال نے مولانا کے اس بیان کو یاد دلایا کہ اگر ان سے قدرت یہ سوال کرے کہ انہیں آزادی چاہئے یا ہندو مسلم اتحاد تو میں ہندو مسلم اتحاد کو ترجیح دوں گا۔ یہی مولانا آزاد کی شخصیت کی سب سے خاص بات تھی۔ مولانا آزاد بڑے سخت مذہبی انسان تھے مگر علاحدگی پسند نہیں تھے۔ انہوں نے تقسیم ہند کی آخری حد مخالفت کی اور کہا جاسکتا ہے کہ کیبنٹ مشن پلان کے صحیح معنوں میں وہی خالق تھے جس کے تحت اراضی کی تقسیم نہیں ہوتی تھی مگر ظالم وقت کو کچھ اور ہی منظور تھا۔ سابق وزیراعظم نے مزید کہا کہ مجھے یقین ہے کہ آنے والے دنوں میں مولانا آزاد کے خیالات، نظریات، تصنیفات اور تعلیمات کو عام کرنے میں مولانا آزاد یونیورسٹی اہم کردار ادا کرے گی اور تاریخ ان کے ساتھ انصاف کرے گی۔

صدر جمہوریہ ہند اور یونیورسٹی کے وزیٹر جناب کے آر نارائنن نے اپنے کلیدی خطبے میں کہا کہ مولانا آزاد ہماری طویل جد و جہد آزادی کی ایک انتہائی قدآور شخصیت ہیں۔ وہ انتہائی دور اندیش انسان تھے۔ انہوں نے پچاس سال پہلے ہی ہندوستان کی سنگین صورتحال کا اندازہ کرلیا تھا اور انہوں نے ملک و قوم کو اس سے آگاہ بھی کردیا تھا۔ صدر جمہوریہ نے اردو یونیورسٹی اور اردو زبان کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے کہا مولانا آزاد نیشنل اردو یونیورسٹی فروغ اردو کے سلسلے میں نہ صرف قومی بلکہ بین الاقوامی سطح پر گرانقدر خدمات انجام دے رہی ہے۔ انہوں نے آنجہانی وزیراعظم پنڈت نہرو کے اس قول کی یاد دہانی کرائی کہ اردو مغربی ایشیا اور ایسے ممالک کے درمیان رابطے کی زبان ہے جن سے دوستی کرنا ہندوستان کے لئے اہمیت کا حامل ہے۔ صدر جمہوریہ نے کہا کہ اردو مختلف تہذیبوں کی نمائندگی کرتی ہے اور یہ خالص ہندوستان کی زبان ہے۔ جناب کے آر نارائنن نے ہندی ساہتیہ سمیلن منعقدہ اندور ۱۹۱۸ء میں راشٹریہ پتا گاندھی جی کے دیئے گئے اس بیان کا ذکر کیا کہ اردو کے بغیر ہندی نامکمل ہے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مہاتما گاندھی اور پنڈت نہرو کی طرح مولانا آزاد بھی تعلیم نسواں کے زبردست حامی تھے اور کہا کرتے تھے کہ تعلیم کسی کا انتظار نہیں کرتی اور ہمارے تعلیمی پروگرام کی کامیابی بہرحال موزوں تعلیم نسواں کے انتظام پر ہی منحصر ہے۔ وائس چانسلر پروفیسر جیراجپوری نے مہمانوں کا شکریہ ادا کرتے ہوئے اس اجلاس کے اختتام کا اعلان کیا۔

تیسرا اجلاس

بہار و مغربی بنگال کے گورنر پروفیسر اخلاق الرحمن قدوائی کی صدارت میں لنچ کے بعد تیسرے سیشن کا آغاز ہوا۔ اس اجلاس کی سب

سے پہلی تقریر دارالمصنفین اعظم گڑھ کے ناظم مولانا ضیاء الدین احمد اصلاحی نے کی۔ "مولانا آزاد اور رواداری کا مفہوم" کے عنوان سے اظہار خیال کرتے ہوئے مولانا اصلاحی نے کہا کہ ترجمان القرآن میں مولانا نے سورہ فاتحہ کی جو تفسیر بیان کی ہے وہ ان کا شاہکار ہے۔ اس سورہ میں بالترتیب خدا کی تین صفتیں ربوبیت، رحمت اور عدل بیان کی گئی ہیں۔ ان تینوں صفات کی حقیقت اور ماہیت کی مولانا نے وضاحت کی ہے۔ مولانا آزاد کے خیال میں ہم کسی ایک گوشے کے ہو کر نہیں رہ سکتے بلکہ ہمیں دوسرے گوشوں کی بھی خبر رکھنی پڑتی ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا مذہبی تنگ نظری کے مخالف اور رواداری کے حد درجہ قائل تھے۔

سابق سکریٹری حکومت ہند جناب موسی رضا نے اپنی تقریر میں مولانا کے مذہبی نظریات کا احاطہ کیا۔ انہوں نے کہا کہ حالانکہ وہ ہندوستانی کلچر اور تاریخ کے طالب علم رہے ہیں اور انہوں نے اقبال، سرسید اور غالب کے بارے میں بہت کچھ پڑھا ہے مگر اتفاق سے مولانا آزاد سے متعلق ان کی معلومات محدود رہی ہے۔ انہوں نے کہا کہ جواہر لال نہرو اور گاندھی جی نے جب اپنی خدمات کا آغاز کیا اس سے پہلے ہی سے مولانا آزاد ہندوستانی کلچر اور سیاست میں یوگ دان کر رہے تھے۔ انہوں نے اپنے والد سے پرانی قدروں کی پاسداری اور احترام کرنا سیکھا مگر بعد میں انہیں کے نظریات تقلید اور پیری مریدی سے اختلاف کیا۔ انہیں دنوں وہ سرسید کے مقلد بن گئے۔ سرسید نے انہیں انگریزی، سائنس، فلسفہ اور اردو عربی فارسی کے علاوہ دیگر ادبیات کے مطالعے پر توجہ دلائی۔ وہ شاہ ولی اللہ سے بھی متاثر ہوئے۔ انہوں نے اور بھی کئی مذاہب کا گہرائی سے مطالعہ کیا۔ مذاہب اور علوم کا مطالعہ ہی ان کی سب سے بڑی دولت تھی۔

درگاہ نظام الدین کے سجادہ نشین خواجہ حسن ثانی نظامی نے اپنی تقریر کی ابتدا اس فخریہ اعلان سے کیا کہ انہیں مولانا آزاد کی رفاقت میں بیس سال گزارنے کا شرف حاصل ہے۔ انہوں نے کہا کہ مولانا کے ذہن کی رسائی، دور اندیشی اور دور بینی کشف کے درجے تک پہنچی ہوئی تھی۔ جو لوگ ان کے پائے کے تھے وہ ان کے ساتھ چلے اور جو نہیں تھے وہ نہیں چل سکے۔ مولانا کی دور اندیشی اور کشف کی ایک مثال دیتے ہوئے انہوں نے اپنے والد خواجہ حسن نظامی کے نام ان کے ۱۹۰۶ء کے ایک خط کا ذکر کیا جب پاکستان کا کوئی مطالبہ تھا نہ ذکر۔ مگر اس خط میں مولانا آزاد نے لکھا تھا کہ زمین کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑے مسلمانوں کو فائدہ نہیں پہنچا سکیں گے۔ انہوں نے مزید کہا کہ مولانا اپنے جذبات سے مغلوب ہو کر عملی سیاست میں آگئے۔ اگر وہ عملی سیاست میں نہ آتے تو شاید ان کی قدر زیادہ ہوتی۔ ان کے عرفان اور شناخت میں جو کمی رہی اس کا سبب ان کا عملی سیاست میں آنا ہے۔

پروفیسر اخلاق الرحمن قدوائی نے اپنی صدارتی تقریر میں مولانا کی کانگریس پارٹی سے وابستگی کا مفصل ذکر کیا اور بتایا کہ مولانا اس جماعت کے ایک انتہائی اہم لیڈر تھے جسے خود کانگریس پارٹی بھی تسلیم کرتی تھی۔ اس کا ایک ثبوت اس وقت سامنے آیا جب ۱۹۲۳ء میں کانگریس نے مولانا کو اپنا سب سے کم عمر قومی صدر منتخب کیا۔ اس کی وجہ خلافت تحریک اور عدم تعاون تحریک میں ان کا رول اور الہلال اور البلاغ کے ایڈیٹر کی حیثیت سے ان کی شناخت تھی۔ مولانا کی سوجھ بوجھ اور ان کی فکر کی گہرائی ان کی شخصیت کو بلند کرتی ہے۔ وہ چونکہ ہر موقع پر بیان نہیں دیتے تھے۔ تنازعات میں نہیں پڑتے تھے اس لئے ہم انہیں صحیح طور پر سمجھ نہیں سکے۔ اگر آج بھی ہم انہیں صحیح طریقے سے سمجھنے کی کوشش کریں تو آج بھی ان کی معنویت قائم ہے۔

چوتھا اجلاس

چوتھے اور آخری اجلاس کا انعقاد جامعہ ہمدرد کے چانسلر جناب سید حامد کی صدارت میں عمل میں آیا۔ سب سے پہلے پروفیسر اختر الواسع نے "مولانا آزاد، فہم و ادراک کے انفرادی پہلو" کے عنوان پر اپنا مقالہ پیش کرتے ہوئے ان کی شخصیت کی باریکیوں پر روشنی ڈالی۔ انہوں نے کہا کہ یہ بالکل درست کہا گیا ہے کہ ان کے بارے میں بات کرنا بیک وقت کئی لوگوں کے بارے میں بات کرنے کے مترادف ہے جن کی ذہنی اور دانشورانہ توانائیاں اتنی شدید اور وسعت آشنا ہوتی ہیں کہ وہ کسی ایک شناخت، راہ اور سمت میں محدود نہیں رہ سکتیں۔ ایسی شخصیتیں دراصل شخصیتوں کا ایک مجموعہ ہوتی ہیں اور وہ ہر لمحے خود اپنے آپ کو اور اپنے اطراف کی دنیا کو تراشیدم، پرستیدم اور شکستم کی رو میں بناتی توڑتی اور پھر بناتی رہتی ہیں۔ مولانا آزاد بیک وقت ایک بے پناہ عالم دین، دیدہ ور اور نکتہ رس مفسر قرآن، انسان شناس مفکر، سیاسی و سماجی ادراک کے ملتقی، نہایت جری اور بے باک صحافی، عربی و فارسی شعر و ادب کے پارکھ، اردو کے منفرد انشاء پرداز، سحر طراز خطیب، سیاستداں مدبر، منتظم، ادارہ ساز اور سب سے بڑھ کر نفیس ترین انسانی و اخلاقی اقدار کی حامل ایک ایسی تہذیبی شخصیت تھے جسے قدرت کی طرف سے اشیاء اور افکار و حالات کی ماہیت کی گہرائیوں تک نہایت برق رفتاری سے پہنچ سکنے والی نورانی ذہانت اور بصیرت بخشی گئی تھی۔

انجمن ترقی اردو (ہند) کے جنرل سکریٹری ڈاکٹر خلیق انجم نے اردو یونیورسٹی اور بطور خاص وائس چانسلر کی کارکردگی کی ستائش کے ساتھ اپنی تقریر شروع کی اور اس یونیورسٹی کے قیام کا پس منظر بیان کیا۔ اس سلسلے میں انہوں نے مولوی عبدالحق، خواجہ احمد فاروقی اور عزیز قریشی کی خدمات کو یاد کیا۔ انہوں نے مولانا آزاد کے حوالے سے کہا کہ مسلم لیگ اور کانگریس کے سیاسی جھگڑے کی قیمت بے شمار لوگوں کو چکانی پڑ رہی ہے۔ اس میں مولانا آزاد ہی نہیں بلکہ حکیم اجمل خاں اور آصف علی وغیرہ بھی شامل ہیں۔ انہوں نے مولانا کو فراموش کئے جانے کا بہت شدت کے ساتھ گلہ کرتے ہوئے کہا کہ انہیں خود کانگریس پارٹی نے بھلا دیا ہے جس کے وہ نہ صرف صدر رہے بلکہ انتہائی کلیدی کردار ادا کرنے والے رہنما کی حیثیت سے سرگرم رہے۔ ان کا نظریہ یہ تھا کہ اگر دیش کو آگے بڑھانا ہے تو ذاتی اختلافات کو نظر انداز کرنا ہوگا۔ ڈاکٹر خلیق انجم نے اردو یونیورسٹی میں مولانا آزاد کے نام کا ایک ریسرچ انسٹی ٹیوٹ قائم کئے

جانے کی طرف توجہ دلائی اور کہا کہ یہ انسٹی ٹیوٹ ایک الگ شعبے کی حیثیت سے بھی قائم کیا جاسکتا ہے اور اسے شعبہ تاریخ، شعبہ سیاسیات اور شعبہ اردو سے بھی جوڑا جاسکتا ہے۔

اس اجلاس کی آخری تقریر ازبکستان میں ہندوستان کے سابق کلچرل ڈائرکٹر پروفیسر قمر رئیس نے کی۔ انھوں نے کہا کہ مولانا نے ۱۹۰۳ء میں لسان الصدق میں لکھا تھا کہ سائنس و ٹکنالوجی کی تعلیم اردو میڈیم میں بھی ہونی چاہیئے۔ اردو یونیورسٹی کے قیام کے ساتھ ان کا یہ خواب شرمندہ تعبیر ہوگیا ہے۔ انھوں نے اردو یونیورسٹی کے حوالے سے کہا کہ ایسا ادارہ اور ایسی سربراہی اس دور میں کہیں نظر نہیں آتی ہے۔ مولانا آزاد کی روشن خیالی اور دانشوری کے کئی پہلو اور ان کی فکر کے اساسی نکتوں کو آج بھی ایک معنویت حاصل ہے۔ انھوں نے بتایا کہ تاشقند میں حال ہی میں قائم ایک اسلامی یونیورسٹی کے نصاب میں مولانا کی تفسیر ازبک زبان میں ترجمہ کرکے شامل کی گئی ہے۔ پروفیسر قمر رئیس نے تجویز رکھی کہ اردو یونیورسٹی دنیائے اسلام سے وابستہ دوسرے ملکوں کے ایسے طلبہ کو جو ہندوستان کا یا اردو زبان کا مطالعہ کررہے ہیں اسکالرشپ دے کر بلاسکتی ہے اور یہاں مولانا کی کتابوں کے ذریعے اسلامیات کا ایک ایسا روپ تلاش کیا جاسکتا ہے جو بہت عقلی ہو اور آج کی زندگی کے پیچیدہ تقاضوں سے ہم آہنگ ہو۔ دراصل مولانا نے ابتداء ہی سے اسلام کا جو رنگ روپ پیش کیا وہ انتہائی ترقی یافتہ اور روشن خیالی کے اصولوں پر مبنی تھا۔

جامعہ ہمدرد کے چانسلر جناب سید حامد کا صدارتی خطاب دراصل چاروں اجلاس کا ایک نچوڑ تھا جسکا آغاز انھوں نے پروفیسر جیراجپوری کی خدمت میں ہدیہ تبریک پیش کرتے ہوئے کیا اور کہا کہ اردو یونیورسٹی کا تصور جس وقت فضا میں گشت کررہا تھا اس وقت مجھے دو تین معروضات ملک کے سامنے پیش کرنے کا موقع ملا تھا۔ اول تو یہ کہ چونکہ یہ یونیورسٹی مختلف علوم کو اردو میں پڑھانے کے لئے قائم کی جارہی ہے اس لئے اس کا پہلا وائس چانسلر بہرحال ایک سائنس داں ہونا چاہیئے۔ پھر یہ کہ پہلے وائس چانسلر کی حیثیت بعد میں آنے والے وائس چانسلروں سے مختلف ہوتی ہے اسلئے اگر ملک نے پہلے وائس چانسلر کا انتخاب صحیح کیا تو ہمیں یونیورسٹی کے مستقبل سے متعلق اطمینان ہوجائے گا۔ یونیورسٹی کا قد و قامت ویسا ہی ہوگا جیسا اس کے پہلے وائس چانسلر کا قد و قامت ہوگا۔ ہمیں خوشی ہے کہ ہم نے جیسی توقعات باندھی تھیں ویسا ہی پایا ہے۔ انھوں نے ایگزیکیٹیو کونسل کی میٹنگ میں کئی بار حیدرآباد آنے کا ذکر کرتے ہوئے کہا کہ ممبران وہاں سے ہر بار مطمئن و مسرور لوٹے ہیں۔ اس مختصر مدت میں پروفیسر جیراجپوری نے یونیورسٹی کی ہمہ جہت تاسیس تعمیر و ترقی کے لئے جو کام کئے ہیں وہ یقیناً تعریف کے قابل ہیں۔ جناب سید حامد نے یونیورسٹی کے بارے میں مزید کہا کہ یہ یونیورسٹی ابھی کئی مراحل سے گزرے گی مگر اس کی پہلی آزمائش تب ہوگی جب اس کے فارغین عملی میدان میں آئیں گے۔ دیکھنا یہ ہے کہ روزگار کے بازار میں ان کی پذیرائی کیسے کی جاتی ہے۔ جس کمیٹی نے یونیورسٹی کی سفارشات پیش کی تھیں اس کمیٹی نے اسی پہلو کو مدنظر رکھتے ہوئے یہ بھی کہا تھا کہ طلبہ کو تعلیم گرچہ اردو میں دی جائے گی مگر انہیں ہندی اور انگریزی کی بھی معلومات فراہم کی جائے گی۔ اس کے بعد روزگار کے میدان میں اردو یونیورسٹی کے فارغین کو کسی دوسرے یونیورسٹی کے فارغین سے فروتر قرار نہیں دیا جاسکے گا۔ جناب سید حامد نے یہ بھی کہا کہ یونیورسٹی کے قیام کے لئے اردو کی دنیا ارجن سنگھ اور عزیز قریشی صاحبان کی مرہون منت ہے۔ اس کے علاوہ اگر کوئی تیسرا شخص اس کی دعویداری کرتا ہے تو وہ غلط ہے۔

مولانا کے تعلق سے جناب سید حامد نے کہا کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ مولانا مجموعہ البحرین تھے۔ وہ مشرق کے ادب سے براہ راست واقف تھے اور انھوں نے مغرب کے ادب کا مطالعہ اپنی حیرت انگیز کاوش سے کیا۔ ان کی وسعت نظر اور ارتکاز فکر ایسی تھی کہ پنڈت نہرو ان کا شمار نشاۃ الثانیہ کے بڑے بڑے عالموں میں کرتے تھے اس لئے کہ نشاۃ الثانیہ کے عالموں کا جو شعار اور شیوہ تھا وہی مولانا آزاد میں نظر آتا تھا۔ مولانا آزاد کا جو ذہنی ارتقا ہوا ہے وہ بھی حیرت انگیز ہے۔ ان کی قوت ارادی اور ذہنی پرواز کی ایک علامت اور ثبوت یہ بھی ہے۔ وہ بے تاب اور بے خواب روح لائے تھے جس نے ان کو علم کے سارے میدان چھاننے پر مجبور کیا۔

سب سے آخر میں یونیورسٹی کے دہلی ریجنل سنٹر کے ڈائرکٹر شمس الاسلام فاروقی نے شکریہ کی تحریک پیش کی اور اسی کے ساتھ جلسہ اختتام پذیر ہوا جسے بلاشبہ دہلی کے اعلیٰ اور باذوق حلقۂ علم و ادب میں مدتوں یاد رکھا جائے گا۔

حیدرآباد میں مجلس بلدیہ کے دفتر میں نئے موسیقی ریز فوارے عوام کی توجہ مرکز بنے ہوئے ہیں۔

ڈاکٹر سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

داخلہ شرائط

FIRST INTEGRATED DEGREE PROGRAMME

فزکس، کیمسٹری، میتھمیٹکس کے ساتھ سنٹرل بورڈ 2 + 10 اسکول سسٹم میں 12 سالہ تدریس یا اس کے مماثل قابلیت کے حامل امیدوار درخواست دینے کے اہل ہوں گے ۔ امیدواروں کو انگریزی سے واقفیت ضروری ہے ۔ فزکس، کیمسٹری، میاتھس موضوعات کے ساتھ 2 + 10 (سنٹرل بورڈ آف سکنڈری ایجوکیشن) مکمل کئے ہوئے ، یا دیگر مسلمہ بورڈ کے 2 + 10 یا 2 + 11 سطح کے کورس مکمل کئے ہوئے ، انٹرمیڈیٹ یا دو سال PUC (فزکس، کیمسٹری میاتھس کے ساتھ) مکمل کئے ہوئے افراد درخواست دینے کے اہل ہوں گے ۔

HIGHER DEGREE PROGRAMME

ایم ای (اشتراک) اینڈ ایم ایس انڈسٹریل پروڈکشن اینڈ مینجمنٹ ، فرسٹ ڈگری آف بٹس یا پھر اس کے مماثل قابلیت ضروری ہے ۔ کور سائنس ، انجینئرنگ سائنس ، کور میتھمیٹکس ٹکنیکل آرٹس، اے اے او سی میں تمام Package مکمل کئے ہونا ضروری ہے ۔ ایم ای کیمیکل ، سیول ، کمپیوٹر سائنس ، میکانیکل ، ڈسپلن میں BITS انٹیگریٹڈ فرسٹ ڈگری یا اس کے مماثل قابلیت ضروری ہے ۔ الیکٹرانکس اینڈ کنٹرول ، الیکٹریکل اینڈ الیکٹرانکس یا پھر انسٹرومنٹیشن میں بٹس انٹیگریٹڈ فرسٹ ڈگری یا اس کے مماثل قابلیت ضروری ہے ۔ مائکرو الیکٹرانکس ، الیکٹریکل اینڈ الیکٹرانکس / انسٹرومنٹیشن / کمپیوٹر سائنس / فزکس میں بٹس انٹیگریٹڈ فرسٹ ڈگری یا اس کے برابر قابلیت ضروری ہے ۔ سسٹم اینڈ انفارمیشن ، سافٹ ویر سسٹمس ، بٹس کی جانب سے دی جانے والی کسی بھی انٹیگریٹڈ فرسٹ ڈگری کا حامل ہونا ضروری ہے ۔ ایسے افراد درخواست دینے کے اہل ہوں گے ۔

OffCampusDistanceProgrammes

فرسٹ ڈگری پروگرامس ۔ یہ تین سالہ پروگرام ہے ۔ اس پروگرام کی تکمیل کے بعد بی ایس قابلیت کے حامل ہوسکتے ہیں ۔ دو سالہ تجربہ کے ساتھ ٹکنیکل یا بی اے ، بی ایس سی ، بی کام وغیرہ جیسے انڈر گریجویٹ قابلیت رکھنے والے ملازمین درخواست دینے کے اہل ہوں گے ۔

تین سمسٹر پر مبنی ہائر ڈگری پروگرامس ۔ یہ پروگرام کرنے کے بعد ایم ایس قابلیت حاصل ہوسکتی ہے ۔ بٹس کی جانب سے دی جانے والی متعلقہ انٹیگریٹڈ فرسٹ ڈگری یا پھر اس کے مماثل قابلیت رکھنے والے ملازمین اس کورس کے لئے درخواست دینے کے اہل ہوں گے ۔ امیدوار جس جگہ ملازمت کررہا ہو اس ادارے کی جانب سے دی جانے والی اسپانسر شپ پر تمام آف کیمپس پروگرامس میں داخلہ منحصر ہوتا ہے ۔

حصول درخواست کا طریقہ ۔ بتائے جانے والے نمونے کے مطابق درخواست دی جاسکتی ہے ۔

۱۔ اے بی سی گروپس میں انٹیگریٹڈ فرسٹ ڈگری پروگرامس

۲۔ ہائر ڈگری پروگرام

۳۔ بی ایس ڈگری (غیر روائتی) (نان فارمل)

۴۔ ایم ایس ڈگری (نان فارمل) کو چار علحدہ خصوصی درخواستوں کا نمونہ بنایا گیا ہے ۔ ہر درخواست کے لئے علحدہ گزارش نامہ روانہ کیا جانا چاہئے ۔ پلانی پوسٹ آفس میں قابل ادا اڈیشن آفیسر کے نام پر بنائے گئے ۳۰۰ روپے (غیر ممالک کے افراد کے لئے ۳۵۰ روپئے) انڈین پوسٹل آرڈر لیا جانا چاہئے ۔ اور اسے گزارش نامے کے ساتھ منسلک کیا جانا چاہئے ۔ بٹس کے نام پر UCO بنک ودیا وہار ، پلانی (کوڈ نمبر 0150) یا پھر اسٹیٹ بنک آف بیکانیر اینڈ جے پور پلانی (کوڈ نمبر 1398) پر ادا ہونے کے قابل کراسڈ ڈیمانڈ ڈرافٹ بھی روانہ کیا جاسکتا ہے ۔ گزارش نامے میں یہ تفصیلات ضروری ہیں (۱) نام، مکمل پتہ (۲) پروگرام کا نام ، کوڈ نمبر (۳) فیس کی تفصیلات

عام طور پر مکمل کی ہوئی درخواستیں ۳۰ جون تک قبول کی جاتی ہیں ۔

اسکالرشپس ۔ طلباء کے لئے بڑی تعداد میں اسکالرشپس یا فیلوشپس اردو دیگر مالی امداد کے وسائل موجود ہیں ۔ (۱) انسٹی ٹیوٹ آف میرٹ یا میرٹ کم نیڈز ایوارڈز ۸۴ ۔ ۱۹۸۳ء تعلیمی سال سے داخلہ حاصل کرنے والے طلباء کو یہ ایوارڈ دیا جاتا ہے ۔ پہلے دس طلبا کو پوری طرح فیس ، داخلہ فیس واپس لوٹادی جاتی ہے Merit cum needs Award کے لئے منتخب امیدواروں کے لئے ٹیوشن فیس ، داخلہ فیس میں ۵۰ فیصد یا ۷۵ فیصد قابل واپس ہوتی ہے ۔ طلبا کا تقریبا ۲۰ فیصد اسی اسکالرشپ سے استفادہ حاصل کرتا ہے ۔

۲۔ National talent Search / National Science talent Search Scheme Scholarships

۳۔ National Loan Scholarship to Undergraduate Student from Govt. of India

۴۔ Govt. of India National Scholarship

۵۔ Merit Scholarships

۶۔ Schlorships from Charitable trusts

۷۔ National Scholarships for Childrens of Primary and Secondary School teachers

۸۔ Govt. of India SC/ST Scholarships وغیرہ

......سلسلہ جاری ہے

سید محمد حسین محسن حیدر آبادی

"ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں" ...... حالی

حالی عام طور پر اپنے مسدس کی وجہ سے مشہور سمجھے جاتے ہیں لیکن واقعہ یہ ہے کہ وہ شاعر کم اور دانشور زیادہ تھے۔ انیسویں صدی کے اواخر میں ہندوستانی قوم کی حالتِ زار دیکھ کر انہوں نے اپنے خیالات کی ترسیل کے لئے وقت کی بہترین زبان میں بہترین طریقہ سے اپنے دل کی بات عوام تک پہنچائی۔ غالباً حالی وہ واحد مفکر ہیں جنہوں نے مسائل بیان کرنے کے بعد ان مسائل کا حل بھی پیش کیا ہے۔ مسدس کا نام "مدوجزر اسلام" رکھا ہے لیکن دراصل یہ مدوجزر اہل اسلام ہے۔ اسلام تو روزِ اول سے جو تھا وہی اب بھی ہے اس میں کبھی جوار بھاٹا نہیں آیا البتہ اہلِ اسلام ہی عروج و زوال کا شکار ہوتے رہے ہیں۔ چنانچہ تیرہ سو برس کے بعد جب ہندوستان میں اہل اسلام کے حالات ابتر ہوئے تو زمانے کی ضرورت نے چند مصلح، مفکر، اہل قلم اور صاحبان ہمت پیدا کئے جنہوں نے صورت حال کا گہری نظر سے جائزہ لیا اور قوم کے سامنے پیش کیا تاکہ وہ خواب سے جاگیں اور عمل کے میدان میں اتریں۔ ان زعماء میں سے ایک سربر آوردہ شخصیت مولانا خواجہ الطاف حسین حالی کی ہے۔ یہ عجیب ستم ظریفی ہے کہ جو مسائل آج سے ڈیڑھ سو برس پہلے حالی نے بیان کئے تھے وہی مسائل آج بھی باقی ہیں۔ ہر نیک کام کی ابتداء قربانی سے ہوتی ہے۔ ہمارے ملک کا ایک بڑا طبقہ ذہنی جمود کی قربانی دینے کو تیار نہ ہو سکا اسلئے یہ مسئلے "حل" نہیں ہونے پائے۔ تمام مفکرین اس بات پر متفق ہیں کہ فرد ہو یا جماعت اس کی ترقی کا راز علوم جدیدہ یعنی رائج الوقت علوم رائج الوقت زبان میں حاصل کرنے میں مضمر ہے اور اس تحصیل علم میں اتنی دستگاہ ہونی چاہئے کہ زمانے کو اس کی ضرورت پڑتی رہے۔ دنیا میں افادیت کا نظریہ صرف نظریہ نہیں رہا بلکہ قانون بن چکا ہے۔ اس لئے ہر غیر افادی یا غیر مفید شئے کو راستے سے ہٹا دیا جاتا ہے، مجہول فرد یا جماعت کو نظر انداز کر دیا جاتا ہے اس حقیقت کا "مسدس" میں نہایت خوبی سے اظہار کیا گیا ہے کہ اگر آپ دنیا کے لئے کار آمد نہیں ہیں تو آپ کچھ نہیں ہیں۔ مسدس پڑھا تو خوب گیا لیکن اس میں جو پیغام تھا وہ بہت کم قبول کیا گیا۔

حالی کا دوسرا ادبی کارنامہ ان کے دیوان پر لکھا ہوا خود ان کا مقدمہ ہے جو "مقدمہ شعر و شاعری" کے نام سے موسوم ہے۔ اس میں شعر گوئی کا ابتداء سے جائزہ لیا گیا ہے اور یہ ہندوستان میں مروجہ اردو شاعری کا ایک مکمل تنقیدی مطالعہ ہے۔ یہ صرف ان کے دیوان کا مقدمہ نہیں بلکہ کہنا چاہئے کہ اردو فن تنقید کا پہلا مقدمہ ہے۔ یہ حالی کی برسوں کی چھان بین، غور و مطالعہ کا نتیجہ ہے۔ حالی کا انداز فکر ہمیشہ مثبت رہا ہے۔ وہ رجائیت پسند تھے اس لئے چاہے وہ مسدس ہو یا مقدمہ شعر و شاعری ان کی فکر کسی نہ کسی رجائی پہلو کو لئے ہوئے عمل کی دعوت پر ختم ہوئی ہے۔ اصلاح کا یہی ایک آزمودہ اور کار آمد پہلو ہے۔ وہ بلاشبہ ہندوستان میں مسلمانوں کی نشاۃ ثانیہ کے شاعر تھے۔ حالی پہلے نثر نگار ہیں جنہوں نے سوانح نگاری کے فن کے تمام لوازمات پورے کرتے ہوئے سرسید کی زندگی پر حیات جاوید اور غالب کی زندگی پر یادگار غالب مرتب کی ہے اور شیخ سعدی پر حیات سعدی۔ بہ حیثیت شاعر کے ان کا کلام حقیقت پسندانہ ہے اور اس میں رطب و یابس دونوں ہیں۔ رومانی شاعری بھی کی ہے لیکن وہ اس وقت کی گئی جب بقول ان کے ریعانِ جوانی کی بہار آخر ہو چکی تھی۔ ان کی غزلوں کے کچھ خوبصورت اشعار یہ ہیں:

ہے جستجو کہ خوب سے ہے خوب تر کہاں
اب دیکھئے ٹھہرتی ہے جا کر نظر کہاں
ہوتی نہیں قبول دعا ترک عشق کی

جی چاہتا نہ ہو تو زباں میں اثر کہاں
اپنی جبینوں سے رہیں سارے نمازی ہشیار
اک بزرگ آتے ہیں مسجد میں خضر کی صورت
یاران تیزگام نے محمل کو جالیا
ہم محو نالہ جرس کارواں رہے
اب بھاگتے ہیں سایہ عشق بتاں سے ہم
کچھ دل سے ہیں ڈرے ہوئے کچھ آسماں سے ہم
قفس میں جی نہیں لگتا کسی طرح
لگادو آگ کوئی آشیاں میں
شکوہ کرنے کی خو نہ تھی اپنی
پر طبیعت ہی کچھ بھر آئی آج

اس صاف ستھرے شریف النفس شاعر کا مزید تعارف یہ ہے کہ وہ دہلی کے قریب واقع موضع پانی پت میں 1837ء میں پیدا ہوئے تھے۔ ان کے والد کا نام خواجہ ایزد بخش تھا جن کا سلسلہ نسب انصاریوں کے ایک معتزز خاندان سے تھا جو یہاں سات سو برس قبل آکر آباد ہوا تھا۔

حالی ابھی نو ہی برس کے تھے کہ باپ کا سایہ سر سے اٹھ گیا اور تربیت کی ذمہ داری بھائی بہنوں نے لے لی۔ قرآن شریف حفظ کرنے کے بعد انہوں نے میر ممنون کے بھانجے سید جعفر علی سے فارسی اور مولوی ابراہیم حسین انصاری سے عربی کی تعلیم حاصل کی۔ ابھی تعلیم کا سلسلہ جاری تھا کہ 17 برس کی عمر میں ان کی شادی کردی گئی۔ اہل خاندان کی خواہش تھی کہ وہ کہیں ملازمت تلاش کریں لیکن وہ بھاگ کر دہلی آگئے اور میر نوازش علی سے عربی کی تعلیم مکمل کی۔ اس کے ساتھ ساتھ صرف و نحو اور عروض میں بھی دستگاہ حاصل کی۔ ڈیڑھ برس کے بعد ان کو پھر دہلی سے پانی پت واپس آنا پڑا لیکن انہوں نے مطالعہ اور کتب بینی کا شوق جاری رکھا۔ دہلی میں قیام کے دوران حالی کی ملاقات مرزا غالب سے ہوگئی۔ حالی کے کلام کو سن کر غالب نے کہا تھا کہ "اگر تم شعر نہ کہوگے تو اپنی طبیعت پر ظلم کروگے" یہ ایک استاد کی پیشین گوئی تھی جو آگے چل کر درست ثابت ہوئی۔ اہل خاندان کی توقع کے مطابق انہوں نے 1856ء میں حصار کی کلکٹری میں ملازمت اختیار کرلی لیکن 1857ء میں آزادی کی پہلی لڑائی کی شورش شروع ہوگئی تو حالی پھر پانی پت آگئے۔ حالات کو اعتدال پر آتے آتے 4 برس بیت گئے۔ اس عرصہ میں انہوں نے منطق، فلسفہ، حدیث اور تفسیر کا گہرا مطالعہ کیا۔ اس کے بعد یوپی کے ضلع بلند شہر کے رئیس جناب مصطفےٰ خاں شیفتہ نے ان کو اپنے یہاں بلالیا۔ شیفتہ خود بہت اچھے اور باذوق شاعر تھے۔ حالی کے شعر گوئی کے شوق کو شیفتہ کی صحبت سے اور جلا مل گئی۔ اصلاح کیلئے حالی اپنی غزلیں مرزا غالب کو بھیجتے رہتے تھے۔ آٹھ برس یہاں رہنے کے بعد جب شیفتہ کا انتقال ہوگیا تو 1871ء میں وہ لاہور چلے گئے اور وہاں ان کو گورنمنٹ بک ڈپو میں ترجموں کی عبارت درست کرنے کا کام مل گیا۔ چار برس کام کیا اور اس عرصہ میں ان کی نظر انگریزی اور انگریزی ادب کی خوبیوں پر پڑی تو ان کو یہ احساس ہوا کہ مشرقی زبانوں یعنی اردو، فارسی اور عربی ادب میں بعض وہ بلندیاں نہیں جو انگریزی شعر و ادب میں ہیں۔ یہ ایک نیا احساس تھا۔ اس زمانے میں محمد حسین آزاد نے لاہور میں ایسے مشاعروں کا انعقاد کیا جس میں بجائے مصرع طرح کے کوئی عنوان دے دیا جاتا تھا اور شرکائے بزم اس پر طبع آزمائی کرتے تھے۔ چنانچہ حالی کی نظم برسات، امید کی خوشی، زخم و انصاف، اور حب وطن پر لکھی گئی مثنویاں اسی زمانے کی یادگار ہیں جب اردو ایک انقلابی کروٹ لے رہی تھی۔ چار برس لاہور میں قیام کرنے کے بعد وہ دہلی آگئے اور ایک اینگلو عربک اسکول میں مدرس ہوگئے۔ دہلی میں ان کی ملاقات سرسید احمد خاں سے ہوئی اور سرسید ہی کی فرمائش پر حالی نے مسدس "مدوجزر اسلام" لکھا جسکو سرسید اپنے لئے وسیلہ نجات سمجھتے تھے۔ 1887ء میں سرسید نے حالی کا تعارف حیدر آباد دکن کے مدار المہام سر آسمان جاہ سے علی گڑھ میں جب کرایا تو از راہ قدردانی انہوں نے مبلغ 75 روپیہ ماہانہ کا وظیفہ حالی کے نام جاری کردیا۔ اسکے بعد جب وہ علی گڑھ کالج کا ایک وفد لیکر حیدر آباد گئے تھے تو وہاں سر آسمان جاہ نے وظیفہ کی رقم 75 روپیہ سے بڑھا کر سو روپیہ ماہانہ کردی۔ معاشی فراغت حاصل ہوجانے کے بعد حالی نے ملازمت ترک کردی اور مستقلاً پانی پت میں رہنے لگے اور اپنی ادبی خدمات کا سلسلہ جاری رکھا جس کے نتیجہ میں انہیں 1904ء میں سرکار انگریزی کی جانب سے "شمس العلماء" کا خطاب دیا گیا۔ عمر عزیز کے 77 برس پورے کرنے کے بعد 1914ء میں وفات پائی۔

ان کا طرز نگارش جداگانہ تھا۔ خود فرماتے ہیں:

مال ہے نایاب اور گاہک ہیں اکثر بے خبر
شہر میں کھولی ہے حالی نے دکاں سب سے الگ

حالی کی سب سے بڑی خوبی ان کی بصیرت اور دانشوری ہے۔ وقت کا تقاضہ تھا کہ شاعری کو ذہنی عیاشی کے لئے نہیں بلکہ ذہنوں کی صحیح تربیت کے لئے استعمال کیا جائے۔ اس کے لئے انہوں نے کامجوئی اور بوالہوسی سے بھرپور مضامین، حسن و عشق کے فرضی خیالات سے مملو اشعار کو یکسر ترک کردیا جن کی وجہ سے ہماری شاعری میں سوائے گندگی اور پراگندگی کے کچھ نہیں رہ گیا تھا۔ حالی نے پھکڑپن، بازاری اور مبالغہ آمیز شاعری کو نہ صرف اپنا ہدف ملامت بنایا بلکہ خود نہایت صاف ستھرے پاکیزہ اشعار نظمیں اور غزلیں کہہ کر ثابت کردیا کہ ایک با اخلاق سوسائٹی کی شاعری کس معیار کی ہونی چاہئے۔ مثال کے لئے پورا دیوان حالی موجود ہے۔ اس میں ایک بھی شعر ایسا نہیں ہے جس کو خیال کی پاکیزگی کے لحاظ سے خالی کہا جاسکے۔ عملی اور سماجی زندگی گزارنے کے لئے حالی کے مندرجہ ذیل اشعار ایسے ہیں جن کو جلی حروف میں لکھ کر ہر گھر میں (MOTO) کے بطور آویزاں کرنا چاہئے اور ہر شریف آدمی کو اس پر عمل کرنا چاہئے۔

بڑھاؤ نہ آپس میں الفت زیادہ
مبادا کہ ہوجائے نفرت زیادہ
کرو دوستو! پہلے آپ اپنی عزت
جو چاہو کریں لوگ عزت زیادہ
کرو علم سے اکتساب شرافت
نجابت سے یہ ہے شرافت زیادہ
فراغت سے دنیا میں دم بھر نہ بیٹھو
اگر چاہتے ہو فراغت زیادہ
مصیبت کا اک اک سے احوال کہنا
مصیبت سے ہے یہ مصیبت زیادہ
ہے الفت بھی وحشت بھی دنیا سے لازم
نہ الفت زیادہ نہ وحشت زیادہ
فرشتے سے بہتر ہے انسان بننا
مگر اس میں پڑتی ہے محنت زیادہ

حالی گوناگوں شرافتوں کا مجموعہ تھے۔ نہایت شفیق باپ، نہایت شریف فرد خاندان، بے حد مہماں نواز، بے حد نرم گفتار، انتہائی دوست دار اور انتہائی وضع دار۔ دل کے غنی اور قلم کے دھنی۔ حالی کی دو تین طرح کی تصاویر عموماً ان کے دیوان، مسدس اور دیگر کتابوں رسالوں میں ملتی ہیں جو سب بلیک اینڈ وہائیٹ میں ہیں۔ ان میں جو سب سے اچھا پوز تھا وہ میں نے پسند کرکے اسکو مناسب رنگوں میں بنایا ہے۔ اس تصویر کو دیکھ کر حالی کا یہ شعر ضرور پڑھئے:

بہت جی خوش ہوا حالی سے مل کر
ابھی کچھ لوگ باقی ہیں جہاں میں

خواجہ شفیع الدین صادق

غزل

اک درد پرانا ہو یا رنج نیا چاہو
اک رنگ الگ دیکھو اک روپ جدا چاہو

پہچان تمہاری ہے اردو کے حوالے سے
گر اپنی بقا چاہو ۰ اردو کی بقا چاہو

ہر جنگ میں اردو بھی خود ایک سپاہی تھی
تاریخ میں اردو کی ۰ اک باب لکھا چاہو

آزادی کے متوالے ۰ اردو کے جیالے تھے
غداری تو یہ ہوگی اردو کا گلہ چاہو

پھیلائی نہیں اردو نے برگد کی طرح شاخیں
اب چاہے برا ہو اب چاہے بھلا چاہو

اردو کے پرندے کی چہکار میں اردو ہے
صیاد پرانا ہو یا جال نیا چاہو

ہر پھول سے اک تازہ پھر پھول نکلتا ہے
اس پھول کو مٹی میں تم لاکھ ملا چاہو

اردو کے مخالف بھی خود اردو کے قائل ہیں
بجھتی نہیں یہ شمع تم لاکھ بجھا چاہو

اردو کے ہی دم سے تو زینت ہے گلستاں کی
ہر پھول کی پتی پر یہ بات لکھا چاہو

تہذیب میں اردو کی شامل ہے سلیقہ ہی
ہے شرط ۰ ادب بیٹھو یا در سے اٹھا چاہو

دامن میں میرے صادق اردو کے سوا کیا ہے
میں خادم اردو ہوں پہلو یہ ذرا چاہو

وائرلیس نیٹ ورکنگ

اگر ہم مستقبل میں وائرلیس اور موبائل نیٹ ورکس کے خواب کو حقیقی روپ میں دیکھنا چاہتے ہیں تو ہمیں ڈیزائن، پاور، ڈیجیٹل ٹکنالوجی کا اعلیٰ معیار قائم کرنا ہوگا۔

چند عشرے قبل ڈیجیٹل ٹکنالوجی اس قدر عام نہیں تھی جتنی اب ہے۔ کیوں کہ نئی وائرلیس ٹکنالوجی نے بہت تیزی سے جگہ بنانے والی چھوٹی ایجادات، مثلاً لیپ ٹاپ، کمپیوٹر، ڈی وی ڈی پلئر اور ڈیجیٹل میوزک پلیئر وغیرہ کو بہت پھیلادیا ہے۔ اس کے باوجود تیزی سے عام ہونے والے یہ نیٹ ورکس ابھی فقط ابتدائی مراحل میں ہیں۔ یہ صورتحال وائرلیس نیٹ ورکس الیکٹرانک مصنوعات تیار کرنے والوں کے لئے بھی ایک آزمائش ہے تاکہ وہ اپنی مصنوعات کو مزید بہتر اور سہل بناسکیں۔ مثال کے طور پر الیکٹرانک کتابوں کے لئے ہمیں ایک ایسی اسکرین کی ضرورت ہوتی ہے جو عام کمپیوٹر نوٹ بک میں استعمال ہونے والی لیکویڈ کرسٹل اسکرین سے بہتر ہو اور ساتھ ہی کم جگہ میں زیادہ سے زیادہ ڈیٹا محفوظ رکھنے والی ڈیوائس بھی درکار ہے۔ کیونکہ فلم، موسیقی اور دیگر مواد کو محفوظ کرنے کے لئے موجود ڈیوائسز کی گنجائش انتہائی کم ہے۔ زیادہ سے زیادہ مواد کو محفوظ کرنے کے رجحان میں روز بہ روز اضافہ ہورہا ہے۔ موجودہ اسٹوریج ڈیوائسز اس کمی کو پورا کرنے کے لئے ناکافی ہیں۔ اس کے ساتھ ہی ان وائرلیس مصنوعات کو چلانے کے لئے طاقتور اور دیرپا بیٹریوں کی بھی ضرورت ہے۔

ہانگ کانگ کی ٹکنالوجی ریسرچ کمپنی آئی ڈی سی کی تجزیہ نگار، سنتھیالیم کا کہنا ہے کہ "وائرلیس مصنوعات کے استعمال میں بیٹری کی اہمیت بہت بڑھ گئی ہے۔ لوگ رنگین اسکرین پر فلم دیکھنا اور بہترین میوزک سننا چاہتے ہیں، لہذا ان مصنوعات کے لئے بہترین بیٹریوں کا ہونا اشد ضروری ہے" اس وقت بیٹری بنانے والوں

کو زیادہ طاقتور، دیرپا کارکردگی اور کم سے کم وزن کی بیٹریاں تیار کرنے کا مرحلہ درپیش ہے۔ ہارڈویئر کی متذکرہ رکاوٹوں کے ساتھ دوسرے مسائل بھی درپیش ہیں۔ مثلاً ویڈیو سگنل اور موبائل فون کی ایک دوسرے پر صاف شفاف نشریات وغیرہ۔ اس لئے الیکٹرانک مصنوعات اور موبائل فون بنانے والوں کو ایک ہی ڈیجیٹل فارمیٹ پر کام کرنا ہوگا لیکن وہ فارمیٹ کیا ہوگا؟ یہ ایک سوالیہ نشان ہے۔

صرف ایک منٹ کی ڈیجیٹل ویڈیو فلم محفوظ کرنے کے لئے پچاس سے ساٹھ میگا بائٹ میموری کی ضرورت ہوتی ہے، لہذا ایک بڑی فلم کو انتہائی محفوظ کرنے والی ڈیوائسز مہنگی سے مہنگی ہوتی جائیں گی یہاں تک کہ الیکٹرانک ڈیوائسز کی قیمت کا بیس فیصد اسٹوریج پر خرچ ہوگا، لہذا یہ ضروری ہے کہ ہر بائٹ کی لاگت کم ہونے کے ساتھ ساتھ اس میں زیادہ سے زیادہ مواد محفوظ کیا جاسکے۔

سونی کمپنی کے فلیش کارڈز، پورٹ ایبل ڈیجیٹل ڈیوائسز میں اسٹوریج کی عمدہ مثال ہیں۔ لیکن اس کی قیمت تقریباً ایک ڈالر فی میگا بائٹ ہے، جو بہت زیادہ ہے۔ ایک اور سستا طریقہ ہارڈ ڈسک میں مقناطیسی طور پر معلومات کا ذخیرہ ہے۔ فلیش میموری کارڈ، پورٹ ایبل ڈیجیٹل ڈیوائسز مثلاً کیمروں وغیرہ کے لئے ایک اچھی اسٹوریج ڈیوائس ہے لیکن جیسے جیسے ڈیوائسز کا استعمال بڑھتا جائے گا، ساتھ ہی ساتھ ان کی اسٹوریج کا مسئلہ درپیش ہوگا۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے آئی بی ایم نے ایک مائیکرو ڈرائیور بنایا ہے جو ایک ہزار میگا بائٹ یا ایک گیگا بائیٹ کو محدود کرنکے ایک ماچس کی ڈبیا کے برابر کردیتا ہے اور اسے بہ آسانی ایک کمپیکٹ فلیش میں لگایا جاسکتا ہے۔ یہ ڈرائیور فلش میموری کارڈ کی قیمت کے مقابلے میں چالیس فیصد کم ہے۔ مستقبل میں آنے والے مائیکرو ڈرائیورز کو دو گیگا بائٹ کے برابر کردیا جائے گا اور امید ہے کہ وہ آئندہ سال سے مارکیٹ میں موجود ہوں گے۔ ابھی یہ مائیکرو ڈرائیورز اتنے عام نہیں ہوتے ہیں کیونکہ ان کو صرف پیشہ ور لوگ ہی استعمال کررہے ہیں۔ لیکن جیسے جیسے ڈیجیٹل ڈیوائسز استعمال کرنے لگیں گے اور جب انہیں بہت سا مواد ایک چھوٹی جگہ میں محفوظ کرنے کی ضرورت پیش آئے گی تو اس کے ساتھ ہی یہ مائیکرو ڈرائیورز عام ہوجائیں گے۔

مارکیٹ میں اصل مقابلہ فلش میموری اور ڈسک کے درمیان ہے۔ میموری کارڈز زیادہ تر میوزک اور تصاویر کے لئے استعمال ہوتے ہیں جب کہ ویڈیو فلموں کے لئے ڈسکس ہی استعمال کرنا ہوں گی۔ امید ہے کہ آئندہ پانچ برسوں کے دوران معلومات کو محفوظ کرنے کا رجحان عروج پر ہوگا اور اس کے بعد نینو ٹکنالوجی کا دور شروع ہوگا۔

بیٹری کے بغیر وائرلیس ٹکنالوجی کا مستقبل تاریک ہے۔ لہذا بیٹری تیار کرنے والے اداروں کا مستقبل سخت مقابلے کا ہوگا۔ کیونکہ صارف کم وزن میں زیادہ طاقت کی دیرپا بیٹریاں طلب کرے گا تاکہ وہ سفر کے دوران بھی ڈیجیٹل

مواد سے محفوظ رہے گے۔ لیکن ابھی تک بیٹری بنانے والے اداروں نے کوئی [illegible] قدم نہیں اٹھایا ہے۔ دنیا کی سب سے بڑی ری چارج ایبل بیٹری بنانے والی کمپنی سانیو سوفٹ انرجی کے سینئر مینجر کے مطابق "ابھی تک صحیح راستہ ہمارے سامنے نہیں آیا ہے۔ ایک پی سی کو فقط تین گھنٹے مسلسل چلایا جاسکتا ہے۔ اس کے ساتھ ہی اس بات کا بھی خیال رکھنا چاہیے کہ اس پر کام بھی کم کیا جائے۔ لیکن لوگ پی سی پر، ڈی سی ڈی مووی دیکھنا چاہتے ہیں، جس کے باعث بیٹری بہت مختصر مدت میں جواب دے جاتی ہے"

عام ری چارج ایبل بیٹریوں میں لیتھیم آئن ٹکنالوجی استعمال ہوتی ہے۔ لیتھیم بہت ہلکا اور سریع الاثر ہوتا ہے۔ بیٹریوں کے اندر اس کی بہت پتلی پتلی پلیٹیں استعمال کی جاتی ہیں جو بجلی کو محفوظ کرتی ہیں۔ لیتھیم کے ساتھ سب سے بڑا مسئلہ توانائی کی کثافت کا ہے۔ سانیو سافٹ کے سینئر مینجر، ایمازیٹسوی کے مطابق "ہم بہت زیادہ طاقت کو سیکڑ کر ایک بیٹری میں جمع کرسکتے ہیں، لیکن زیادہ طاقت کا مطلب زیادہ حرارت ہے، لہٰذا لیتھیم بیٹریاں محدود طور پر ہی استعمال کی جاسکتی ہیں" آئندہ دو برسوں میں لیتھیم پولیمر بیٹریاں مارکیٹ میں موجود ہوں گی جو طاقت میں تو زیادہ ہوں گی لیکن حرارت کم پیدا کریں گی اور انکا سائز بھی چھوٹا ہوگا۔ آئندہ پانچ سے دس سال تک ری چارج ایبل بیٹریوں میں لیتھیم ہی بنیادی عنصر ہوگا، جس کے باعث اس میں ترقی بہت سست رفتاری سے ہوگی جس کی شرح تقریباً پانچ فیصد کمپنی سالانہ کے برابر ہوگی۔

روایتی بیٹری کا متبادل تلاش کرنے کی بھی کوشش جاری ہے۔ موٹرولا کمپنی نے ایک "ڈسپوزایبل میتھول سل کارٹریج" بنایا ہے جو الیکٹرو کیمیکل ری ایکشن کے ذریعے بجلی پیدا کرتا ہے، لیکن ابھی یہ صرف گاڑیوں میں استعمال ہوتے ہیں اور بہت مہنگے بھی ہیں۔ توقع ہے کہ آئندہ برسوں میں یہ الیکٹرانک ڈیوائسز میں بھی استعمال ہونے لگیں گے، اگر موجودہ ڈیوائسز کی برقی قوت استعمال کرنے کی صلاحیت کم کردی جائے تو ہم کم توانائی سے بھی زیادہ کام لے سکتے ہیں۔

کچھ لوگ ویڈیو موبائل فون پر ایک دوسرے کی تصویر دیکھنا نہیں چاہتے۔ اس کے بجائے وہ یہ چاہتے ہیں کہ فون کرنے والے کی تصویری فلم ڈاؤن لوڈ کرلی جائے، لیکن اس کام کے لئے ہر ایک کو ایک ہی ڈیجیٹل معیار مقرر کرنا ہوگا، لہٰذا یہ ضروری ہے کہ فلم محفوظ کرنے، اس کی ترسیل اور چلانے کا طریقہ کار ایک ہی ہو۔ امریکہ کی ایک وائرلیس نیٹ ورک پر فلم دکھانے، بنانے اور تقسیم کرنے والی کمپنی کے مطابق "گاہک مختلف طریقوں سے اپنی دلچسپی کا اظہار کرتے ہیں"۔ اسکینڈے نیویا میں لوگ پیغامات بھیجنے میں بہت دلچسپی لیتے ہیں۔ جاپان اور کوریا میں ویڈیو گیم، خبریں، کھیل اور معاشی معلومات حاصل کرنے کے لئے لوگ بے چین رہتے ہیں۔ امریکہ میں لوگ کیمروں کے ذریعے براہ راست اپنے بچوں کو ڈے کیئر سنٹر میں دیکھ سکتے ہیں۔

آئندہ ٹیلی فون بھی ایک کیمرا بن جائے گا۔ لیکن وائرلیس نیٹ ورک پر ویڈیو دکھانا اتنا آسان کام نہیں ہے۔ کیونکہ کوئی بھی دو نیٹ ورکس ایک ساتھ کام نہیں کرسکتے، جس کی وجہ ٹیلی فون نیٹ ورکس کا جال ہے، جو آپ کی تصویر کی کوالٹی اور اس کی ترسیل خراب کرتے ہیں۔ اس مسئلے کو حل کرنے کے لئے اسرائیل کی ایک کمپنی نے ہینڈ سیٹ کے لئے ایک ڈی کوڈنگ چپ بنائی ہے جس سے اس قسم کے مسائل میں خاطر خواہ کمی واقع ہوئی ہے۔ یہ ہینڈ سیٹ ایک نجی کمپنی کی وساطت سے مارکیٹ میں دستیاب ہے۔ اس معاملے میں ایک کمپنی MPEG4 آگے ہے، جسے اول تو یہ معلوم ہے کہ وہ کس نیٹ ورک پر ہے اور وائرلیس کنکشن کتنا کم ہے؟ دوسرے یہ ہے کہ خود ہی وائرلیس کنکشن کی کمی کے باعث تصویر کی کوالٹی کو کنٹرول کرتی ہے۔

وائرلیس نیٹ ورک ٹکنالوجی کے ساتھ ہی لوگ چھوٹی سے چھوٹی چیزیں استعمال کرنے لگے ہیں۔ مثلاً اب وہ وائرلیس ہینڈ سیٹ استعمال کرتے ہیں تاکہ ان کے ہاتھ آزاد رہیں۔ یا چھوٹا سا میوزک سسٹم جسے قمیص پر لٹکایا جاسکے۔ لہٰذا نئی نئی ساخت کی ڈیوائسز مارکیٹ میں آرہی ہیں اور ان میں دن بہ دن تیزی ہوتی جارہی ہے۔

ہارڈ ویئر انڈسٹری میں ہر کوئی یہ چاہتا ہے کہ ایسی اسکرین بنائی جائے جو کم پاور استعمال کرنے کے ساتھ ہلکی پھلکی ہو اور اسے پڑھنا یا دیکھنا اتنا ہی آسان ہو جتنا کاغذ پر لکھی ہوئی تحریر یا تصویر۔ لیکن ابھی تک اس مقصد کے حصول میں کوئی خاطر خواہ پیش رفت نہیں ہوسکی ہے۔ عام اسکرین کی جگہ لیکوئیڈ کرسٹل اسکرین نے لے لی ہے لیکن وہ بھی مطلوبہ معیار پر پوری نہیں اتر رہی ہے۔ اب اس کی جگہ دو نئی ٹکنالوجی لے رہی ہیں۔ اور گینک لائٹ ایمیٹنگ ڈائیوڈ اور پلاسٹک پیپر ایلیمنٹ جو میکینکل ہوسکتی ہے۔ لائٹ ایمیٹنگ ڈائیوڈ میں اگر کرنٹ دیا جائے تو وہ روشن ہوجاتے ہیں جب کہ لیکوئیڈ کرسٹل ڈسپلے میں بہت زیادہ بیک لائٹ کی ضرورت ہوتی ہے اور یوں انرجی کا بہت زیاں ہوتا ہے۔

لائٹ ایلیمنٹ ڈائیوڈ، ایل سی ڈی سے دس گنا زیادہ مہنگے پڑتے ہیں اور ان کی چمک بھی کاغذ کے مقابلے میں کم ہے۔ اخباری کاغذ عموماً ۶۰ سے ۷۰ فیصد تک روشنی منعکس کرتا ہے جب کہ ایل سی ڈی اسکرین پر یہ شرح ۲۰ سے ۳۰ فیصد تک ہے۔ توشیبا کمپنی نے ہزاروں چھوٹے چھوٹے پلاسٹک فلامنٹ کو جوڑ کر ایک الیکٹرو مکینکل ڈیوائس بنائی ہے جو ایک سکنڈ کے ۳۰ ہزارویں حصے میں سیاہ یا سفید پکسل پیدا کرتا ہے۔ کلر پکسل مستقبل میں بنائے جائیں گے۔ اس مکینکل ڈیوائس سے بننے والے نقش بہت ہی اچھے اور دیرپا ہوتے ہیں۔ اگر آپ اپنے مانیٹر کو بند بھی کردیں تو یہ امیج برقرار رہتے ہیں اور یوں آپ بجلی کی غیر موجودگی میں بھی اسکرین کو پڑھ سکتے ہیں۔ امریکہ کی دو کمپنیوں نے لاکھوں چھوٹے چھوٹے سیاہی کے کیپسول پر مبنی ایک ڈسپلے بنایا ہے جو ایک پلاسٹک شیٹ پر مشتمل ہے۔ یہ بلیک اینڈ وائٹ امیج بناتا ہے اور کسی قسم کی بجلی استعمال نہیں کرتا اس کو کسی بھی جگہ بہ آسانی لگایا جاسکتا ہے۔ آئندہ چار سے پانچ سال میں یہ عام ہوجائیں گے اور لوگ ان ہی مطلوبہ سائز کی اسکرین کو رول کرکے اپنے ساتھ رکھنے کے قابل ہوسکیں گے۔

00000

ورلڈ ٹریڈ سنٹر تباہ

11/ستمبر کو امریکی معیشت میں ریڑھ کی ہڈی کی اہمیت کے حامل 110 منزلہ ورلڈ ٹریڈ سنٹر کو دو طیاروں کا اغواء کر کے زمین بوس کر دیا گیا۔ اس میں ہزاروں افراد ہلاک ہو گئے اور امریکی معیشت کو ناقابل تلافی نقصان پہنچا
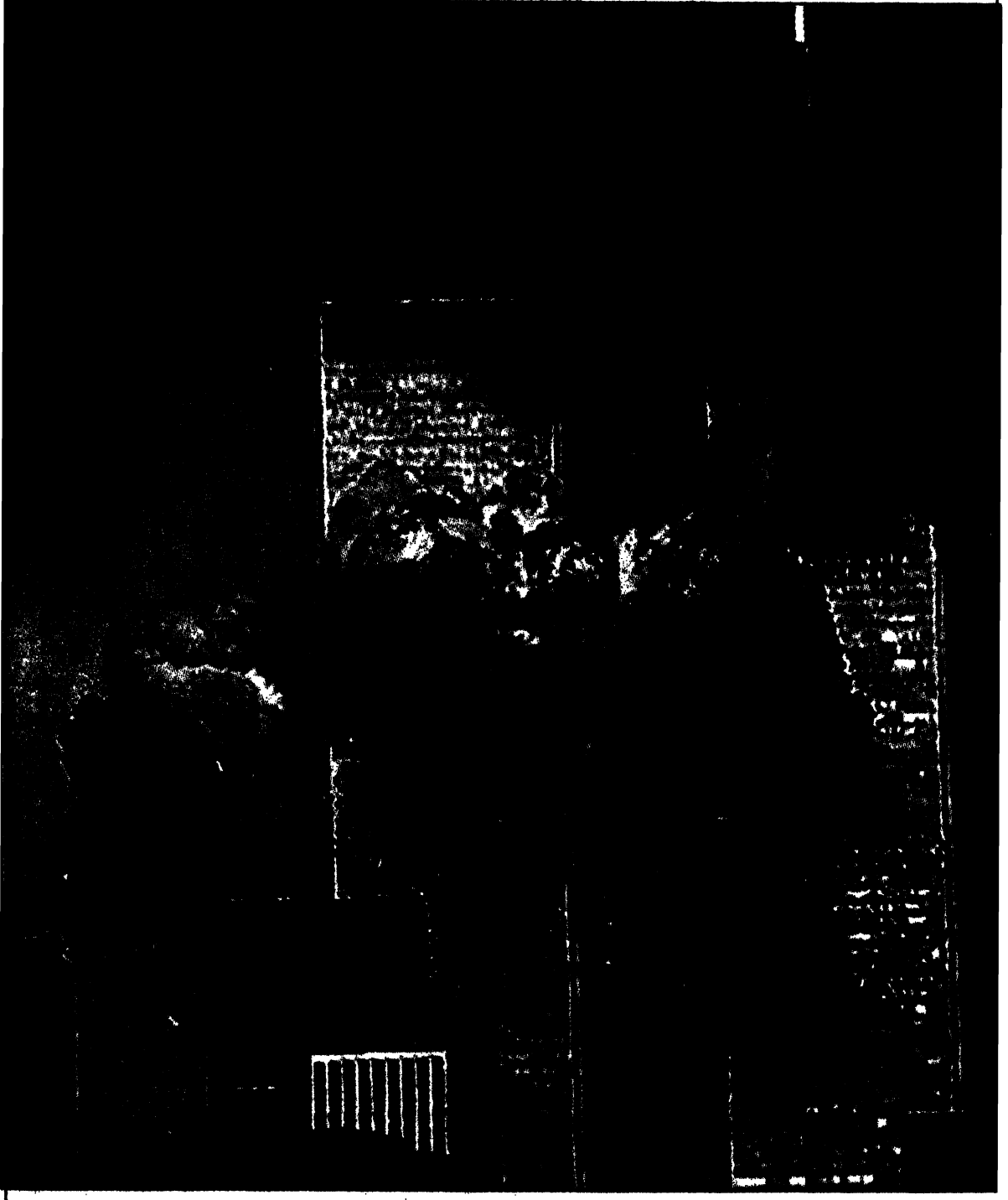
گجرات میں بھیانک تباہی

26/جنوری کو گجرات میں آئے زلزلے میں 20 ہزار سے زائد افراد ہلاک 50 ہزار سے زائد زخمی اور دس ہزار کروڑ روپئے کا نقصان ہوا۔ زلزلہ کی شدت ریکٹر اسکیل پر 6.9 تھی اور ملک کے تاریخ کی یہ بدترین تباہی تھی

نیپال کے شاہی خاندان کا خاتمہ

یکم جون کو پرنس دیپندر نے اپنے ہی خاندان کے 9 افراد اور خود کو گولی مار کر شاہی خاندان کا [illegible] کر دیا۔ دیپندر کے چچا گیانندر ملک کے نئے بادشاہ بن گئے

...سپورٹس اور فلمس

عامر خان نے عام روایتی کہانیوں سے ہٹ کر ... کے لئے پیش کی جسے غیر معمولی مقبولیت حاصل ہوئی اور اس فلم کو آسکر ایوارڈ کے لئے نامزد کیا گیا ہے۔
اسپورٹس کے شعبہ میں آف اسپنر ہربھجن سنگھ ... ہیٹ ٹرک لینے والے ملک کے پہلے کھلاڑی بن گئے۔ اور انھوں نے تین ٹسٹوں میں جملہ 32 وکٹس لئے۔

مسرت لغاری
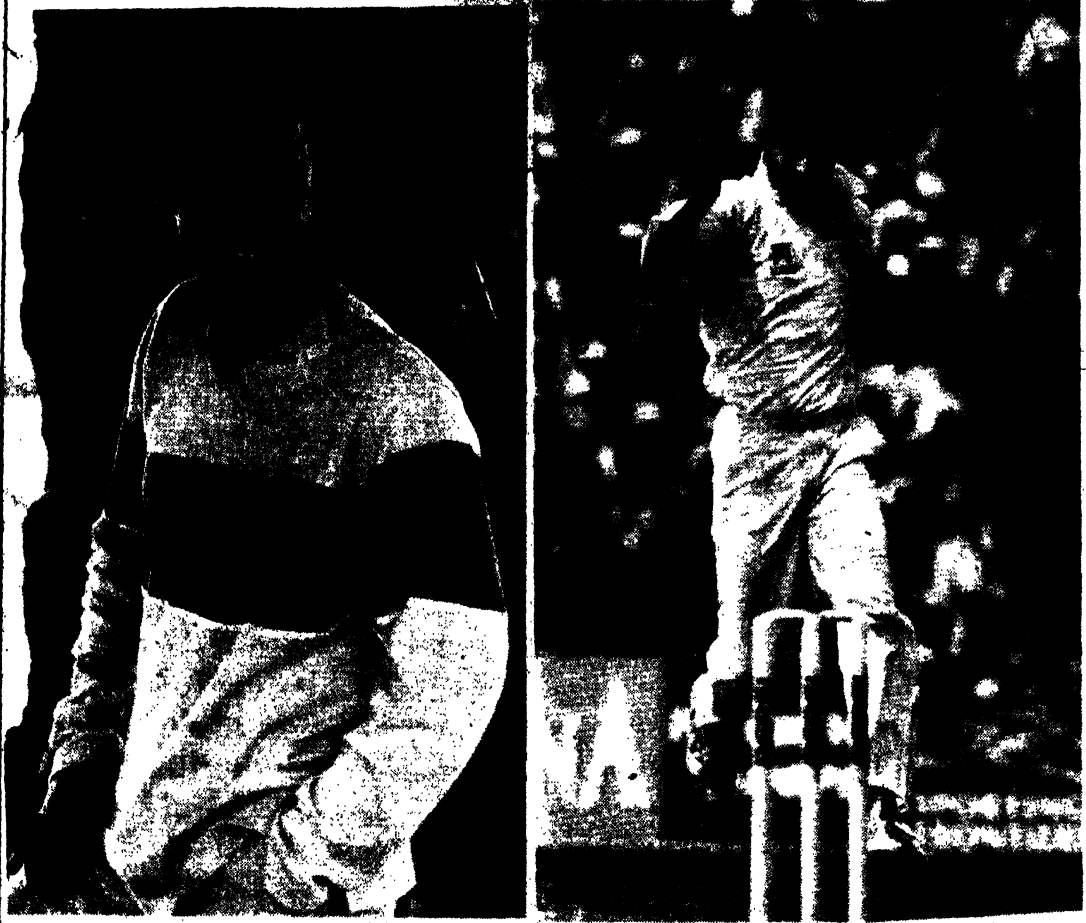
امریکہ قول و فعل کے آئینے میں

ہمارا خیال تھا آج کے کالم میں امریکہ کو اس کے کردار کے آئینے میں اتار کر دنیا کو اس کا بھیانک چہرہ دکھایا جاتا خاص طور پر اس کی دوستی کے ترانے گانے والوں کو اس کا مکروہ اور منافقانہ کردار الٹ پلٹ کر چاروں جانب سے دکھایا جاتا بلکہ آئندہ احتیاط برتی جاتی لیکن جو نام نہاد سپر پاور اس انتہا کی بدکردار بلکہ بے کردار اور اخلاق باختہ ہو۔ جسے اخلاق یا شائستگی کا طعنہ بھی نہ دیا جاسکے تو اس سے بہتر ہے اسے اس کے قول و فعل کے تضاد پر رکھ کر دیکھا جائے۔ زیادہ دور یا دیر کے حوالے سے بھی نہیں محض اور صرف دو ماہ کے حوالے سے! قارئین ایسے منافق اعظم کی دوستی یا محبت کے بیانات کی صحت کی گارنٹی کون دے سکتا ہے جو کہتا کچھ ہو کرتا کچھ ہو۔ دکھائے دایاں چلائے بایاں۔ پچھلے دو ماہ سے یہ عالمی دہشت گرد۔ دہشت گردی ختم کرنے کے بہانے جس طرح اسامہ کے نام پر اسلام کے پیچھے پڑا ہوا ہے بے بس و نہتے افغانیوں سے جو لاز متھا لگایا ہوا ہے وہ کوئی ڈھکا چھپا عمل نہیں ہے۔ دنیا بھر کے اتحادیوں کی مدد سمیت ان کا قتل عام کر رہا ہے۔ کوئی پوچھنے والا نہیں ہے خاص طور پر پاکستان کی زبان تالو سے لگی ہوئی ہے کیونکہ جانتا ہے اس کا ہر بچہ آنکھوں آنکھوں کی عمر سے لیکر درندے کے پنجہ استبداد میں پھنس جانے کی عمر تک اسی کے قرضوں میں پھنسا اور دھنسا ہوا ہے نتیجہ یہ نکلا ہے کہ اس نے ہمیں افغان بھائیوں کی بیخ کنی کیلئے احکامات کی الٹی قد آدم فہرست پکڑائی ہے کہ اب وہ طویل ہوتے ہوتے ہماری شہ رگ تک آگئی ہے اور ہماری شہ رگ کھوٹہ ہے۔ جس کے قرب و جوار میں وہ اپنی کالونیاں بنا رہا ہے جبکہ ہم پڑوس میں ہونے والی تیر اندازی کیلئے تیر اٹھا اٹھا کر اس کو پکڑا رہے ہیں اس کو اور کیا چاہئے؟ او آئی سی نے سارا رمضان چپ کا روزہ رکھا گویا سب مسلمان اپنی اپنی کھال بچا رہے ہیں صرف اور محض طالبان اپنی قوت ایمانی کے بل پر انتقام سے بھری اندھی اور جاتی طاقت سے ٹکراتے رہے۔ چودہ سو سال پہلے کی اپنی سنہری روایات اور تاریخ کا علم بلند کئے رکھا۔ بش کے سر کی قیمت مقرر کی۔ ہزاروں جانوں کا نذرانہ دیکر اپنے مسلک کے اردگرد چھائے رہے۔ کیا ہوا؟ آخر کار بدی۔ بم اور بارود کی صورت ان پر چھا گئی درندے کے قول و فعل کا تضاد کھل کر سامنے آگیا۔ شروع میں اس نے دہائی ڈالی کہ صرف اسامہ کی ضرورت ہے لیکن عراق۔ بوسنیا۔ چیچنیا اور فلسطین کے مسلم اسکے منہ کو لگ چکا تھا لہٰذا شکار ہر صورت مطلوب تھا اس نے ایک اسامہ کے بجائے پچاس ہزار افغانی مسلمانوں کا قتل عام کر ڈالا۔ اصل میں اسکا بس نہیں چلتا کہ خون مسلم میں جذب اللہ اور رسول صلعم کے اسم پاک، جذبہ جہاد اور جذبہ شہادت کو کسی سائنسی ارتقاء کے ذریعے نچوڑ لے وہ مسلمانوں کی زندگی کے ان اربعہ عناصر کو ختم کرنے کیلئے ان کے اجسام مار رہا ہے۔ مارتا چلا جا رہا ہے۔ پنٹاگان اور ورلڈ ٹریڈ سنٹر میں سات ہزار ہلاک شدگان کے ایک ایک سر کے بدلے میں وہ سات سات ہزار افغانیوں کا سر لے رہا ہے۔ مطمئن پھر بھی نہیں ہے اور اس لئے نہیں ہے کیونکہ اس کے مقاصد اور مفادات کچھ اور ہیں۔ جن کے پورا ہونے کی کوئی حد مقرر نہیں ہے جہاں تک اسکے قول و فعل میں تضاد کا تعلق ہے تو وہ صرف یہ عالمی درندہ ہی پیش کر سکتا ہے ایک طرف غریب و لاچار افغانیوں پر مارے محبت اور انسانیت کے بریڈ پھینکتا رہا دوسری طرف بم گراتا رہا۔ ایک طرف دہشت گردی کی تلاش محض پہاڑیوں میں کرنے کا دعوی دوسری طرف شہری آبادی۔ ہسپتال۔ بچوں سے بھرے اسکولوں پر بمباری۔ ایک طرف اپنے مفادات پورے ہونے تک انڈیا کو چپ کرا دینے کے بیانات دوسری طرف ورکنگ باؤنڈری پر پاکستانی علاقوں پر حملوں کا حکم۔ ایک طرف اسرائیل کو فلسطینی ریاست قائم کرنے کی اجازت کا ڈھونگ۔ دوسری طرف فلسطین پر ہوائی حملوں کا اشارہ بلکہ انہوں کو انہوں سے مروانے کی روایت پر عمل کرتے ہوئے یاسر عرفات کو حکم ہے کہ اسرائیل پر حالیہ خودکش حملوں کی ذمہ دار فلسطینی تنظیم کو خود وہ سزا دلوائیں اور گرفتار کریں۔ فلسطینیوں کو کس کر رکھنا یاسر عرفات کا کام ہے۔ فلسطین پر اسرائیلی حملے برحق ہیں اور وہ ضرور بدلہ لیں گے امریکہ تائید کرتا ہے۔ ایک طرف افغانستان کو راکھ کا ڈھیر بنانے کا عزم۔ دوسری طرف نئے افغانستان کی آبیاری کیلئے کروڑوں ڈالرز کا لارا۔ ایک طرف پاکستان کو دہشت گردی کے خلاف افغان بھائیوں کا خون بہانے کی اجازت پر تھپکی۔ دوسری طرف یہ اشارہ کہ کشمیر میں جاری پچاس سالہ حق خودارادیت کی تحریک کو دہشت گردی تسلیم کرلو۔ ایک طرف مزار شریف اور قلعہ جنگی میں ہزاروں انسانوں کو ٹینکوں تلے دبا کر کچل ڈالا۔ مٹی کا تیل چھڑک کر آگ لگا دی۔ دوسری طرف تین عدد امریکیوں کی ہلاکت پر باہر سے سفید اور اندر سے کالا سیاہ وائٹ ہاؤس لرز گیا۔ حکم دیا فوراً تحقیق کی جائے یہ ظلم کس طرح سرزد ہوا؟

ایک طرف یہ تسلیم و رضا کہ پاکستان کی مدد کے بغیر افغانستان میں دہشت گردی کی جنگ جیتی نہ جاسکتی تھی۔ دوسری طرف افغانستان کی قسمت کا فیصلہ کرنے کے سلسلے میں اسے پوچھا تک نہیں گیا۔ اسی طرح دو ماہ پہلے یہ کہا گیا کہ اب ہر طرف امریکہ امن ہی امن پھیلا دے گا۔ دہشت گردی کو افغانستان میں ختم کرکے ایک نئی دنیا بسائے گا۔ پھر یہ فرمایا ہے کہ ہمارے پاس تمام آپشن کھلے ہیں دنیا میں کہیں بھی حملے کریں گے۔ ایک طرف یہ وعدہ کہ صرف اسامہ ٹارگٹ ہیں دوسری طرف یہ بیان کہ تمام طالبان کو چن چن کر ہلاک کریں گے۔ وہ زیر زمین چلے گئے تو زمین اور پہاڑ اکھیڑ لیں گے۔ ایک طرف رمضان

کے مقدس مہینے کا یہ احترام کرتی ہے کہ مسلمین کی افطاری کرائی گئی۔ دوسری طرف [illegible] کو سحری کے وقت بم کے دھماکوں سے جگا کر [illegible] بارود سے سحری کرائی گئی اور بم کے ٹکڑے چبانے پر مجبور کرکے افطاری کرائی گئی۔ غرضیکہ قارئین .... درندے کے قول و فعل کا کون کون سا تضاد سامنے لایا جائے۔ گنتی ناممکن ہے۔ بش سے یہ کون کہے کہ سنو سانپ بھی سانپ کو نہیں ڈستا تم انسان ہو کر انسانوں کو کیوں چبارہے ہو؟ مت نگلو دنیا کو۔ ہر طرف مسلمانوں کا قتل عام ہورہا ہے۔ یہ بند کرو۔ خدا مت بنو۔ سپر اور سپریم میں جو فرق ہے وہ تاقیامت برقرار رہے گا۔ خون کے دریا بہنے بہانے پر چپ کرلینے والے کوفی عنان کے گلے سے بجائے اس کے کہ سکریٹری جنرل کا پٹہ اتارلیتے اس کے گلے میں امن مالا کا انعام مت ڈالو۔ جب لاکھوں مسلمانوں کو تم نے سڑکوں پر ہنکادیا ہے پھر امن کو ایوارڈ کیسا؟ تم دہشت گردی ہی نہیں وحشت کررہے ہو۔ لاچار و مجبور چھوٹی قوموں کے ساتھ بیک وقت زہر و تریاق کا کھیل مت کھیلو۔ یہ دنیا بے حساب نہیں چل رہی تمہارا حساب قریب آپہنچا ہے۔ بے آواز لاٹھی کا انتظار کرو۔

دوسری طرف اپنے بڑوں سے یہ کہنا ہے کہ خدارا اس ازلی دشمن پر مزید اعتبار مت کریں اسے اپنے گھر سے نکالنے کا چارہ کریں اس کی دوستی دشمنی سے بھی زیادہ نقصان رساں ہے۔ گرگٹ سے یاری سانپ کی دوستی سے زیادہ بری ہوتی ہے۔ انگریزی کا ایک محاورہ ہے انسان اپنے دوستوں سے پہچانا جاتا ہے ایسا نہ ہو کہ ہماری آنے والی نسلیں اپنے وطن کی شناخت امریکہ کی دوستی کے حوالے سے کریں جس کی انسان و انسانیت دشمنی کی تاریخ ناگاساکی اور ہیروشیما کی تباہی سے لیکر درجنوں مسلمان ممالک میں قتل عام سے ہوتی ہوئی افغانستان کی راکھ سے لکھی گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ ہمیں اس درندے کی دوستی دشمنی دونوں سے اپنے امان میں رکھے بجائے اس کے کہ اسکی تمام تر زیادتیوں پر اس سے پرسش کی جائے۔ اس کی پرستش کی جارہی ہے نتیجتاً ہماری خاموشی اور اسکے ہر حکم پر تسلیم و رضا اسے گیدڑ سے شیر بناتی جارہی ہے اور تو اور ہندوستان بھی اب امریکی نعرے "دوستی یا دشمنی" جیسے لب و لہجے میں کہہ رہا ہے کہ پاکستان (کشمیر کاز سے ہٹ کر) مذاکرات یا تحریک آزادی کو دہشت گردی تسلیم کرنے میں سے کسی ایک کا انتخاب کرلے۔ [illegible]

کیا مسلمان اب بھی ہوش کے ناخن نہیں لیں گے؟

پروفیسر رشید احمد انگوی

ظلم کے پہاڑ اور قلب حزیں کی پکار

دنیا ظلم سے بھر گئی ہے ظالم دندناتے معصوم و مظلوم انسانیت کو اپنے شیطانی بموں تلے رات دن کچلتے پھرتے ہیں۔ کوئی پوچھنے والا نہیں۔ کیا روئے زمین سے انصاف کلی طور پر ختم ہوچکا ہے؟ کیا کتابوں (آسمانی و زمینی) میں لکھی جانے والی صداقتیں متروک اور فرسودہ قرار پاچکی ہیں؟ کیا انسانی ترقی معکوس یا اینٹی ایولیوشن (الٹے ارتقاء) کا شکار ہوکر ڈارون کے بندروں کی بگڑی ہوئی کوئی درندہ مخلوق بن چکا ہے؟ کیا مشرقی و مغربی قانون کے تصورات بم سار کردیئے گئے ہیں؟ کیا دنیا مصلحین کے دم قدم سے مکمل طور پر محروم ہوچکی ہے؟ کیا نسل آدم کے معدوم ہونے کا لمحہ پہنچ چکا ہے؟ کوئی سننے والا ہو۔ کوئی بولنے والا ہو۔ کوئی جواب دینے والا ہو۔ کوئی مفکر ہو۔ کوئی مدبر ہو۔ کوئی پوپ ہو۔ یا کیا زمین و آسمان صرف بشوں اور ٹونیوں سے بھر چکے ہیں۔ خداوند۔ اے رب کریم۔ ہم نہیں جانتے یہ سب کچھ کیا ہورہا ہے۔ تیری بے بس مخلوق نے ایسا کیا جرم کرڈالا کہ صور اسرافیل سے پہلے قیامت و جہنم برپا کرڈالی گئی۔ تیرے کلمہ پر جانیں چھڑکنے والے بہادر مجاہدوں کی کب تک آزمائش ہوتی رہیگی؟ کیا تیری پاک کتاب کے پاک سوال "متیٰ نصر اللہ" کی تکمیل کا لمحہ ابھی نہیں آیا۔ استغفراللہ استغفراللہ استغفراللہ ہوتا کوئی دانائے راز کو آج شکووں اور جواب شکووں کا نیا کلام رقم ہوتا۔ اس سب کچھ کے باوجود شکر ہے کہ آج ملا عمر اور اسامہ کی شکل میں کم از کم کسی سچے مسلمان کا وجود تو ہے۔ الحمدللہ ثم الحمدللہ۔

ہوشربا صداقتوں نے عقل و شعور کے چھکے چھڑادیئے ہیں۔ یہود و نصاریٰ کی ایسی جراتیں ہنود و ہنود کے لیے گٹھ جوڑ۔ اہل وفا کے لیے حوصلے اہل جفا کی ایسی بزدلی ناقابل یقین تصورات سچ مچ ان آنکھوں سے دکھائی دے رہے ہیں۔ سنتے تھے انسان بہت ترقی کررہا ہے سائنس نے بہت میدان مارلئے ہیں یہ کردیا وہ کردیا۔ مگر اب تو حقیقت یہ سامنے آئی کہ "انسان نے کیا خاک ترقی کی ہے" اپنے انسانی بھائیوں کے لئے کوبرے سانپ سے کروڑوں گنا زیادہ مہلک اور زہریلا بن جانے کو کیوں کر ترقی کہا جاسکتا ہے۔ کیا مشینوں میں زیادہ زہر بھرنے والا دماغ پستیوں کی انتہاؤں تک اس طرح بھی پہنچ سکتا ہے۔ ہاں کس قدر سچ ہے رب کریم کا فرمان کہ "ہم نے انسان کو احسن تقویم بنایا اور پھر اسے گرا کر اسفل السافلین تک جاپہنچایا" بے شک آج دنیا کی مظلوم و مقہور انسانیت جہنم کے اسفل السافلین تک پہنچنے والے جہنمیوں کے "شاندار تہذیبی کارناموں اور کروسیڈوار" کا نظارہ کررہی ہے۔ کہا جاسکتا ہے کہ دہشت گردی کا لفظ تو بے چارے ہلاکو اور چنگیز سے آگے نہیں جاسکتا تھا جب کہ آج امت مظلومہ پر ظلم کے بم برسانے والے "مشین بردار وحشیوں" کے مقابلے میں تو ہلاکو و چنگیز امن کے پیامبر اور معصوم دکھائی دینے لگے ہیں۔ یاالٰہی یہ ماجرا کیا ہے۔ اف اللہ۔

ایسے میں ایک نسخہ شفا ہمارے قلب حزیں سے نکلنے کو مچل مچل رہا ہے کہ اسلامی فضاؤں میں گولے۔ کلسٹر بم۔ کارپٹ بم (اور ....) برسانے والوں کا ایک ہی جواب ہے کہ فی الفور مغربی تہذیب کو پائے حقارت سے ٹھکرانے کا عزم کیا جائے۔ چوبیس گھنٹے کے اندر اندر ملک کے تمام دفاتر میں انگریزی لکھنا بولنا اور "پہننا" ممنوع قرار دیا جائے۔ یقین جانئے وہ جو ہمیں مردہ سمجھ کر دفنانے کے لئے آئے ہوئے ہیں ہمیں زندہ دیکھ کر بھاگنے کو تیار ہوں گے۔ مگر اس کیلئے ایمان، فکر اقبال کا شعور اور "اردو اردو اردو" کہنے والے عظیم قائد کی سچی فرمابرداری بنیادی شرط ہے۔

آج دنیائے اسلام کے عظیم داعی الی

اللہ، معلم، صوفی، ادیب، مورخ، مصلح، مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کی کتاب " عالم انسانیت پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر " (جس کا مقدمہ سید قطب شہید نے لکھا) کے وسیع پیمانے پر مطالعہ کی ضرورت ہے۔ ہر مسلمان دانشور، ادیب، استاد، خطیب، ابلاغی دنیا کے کارکن کا فرض ہے کہ ملت اسلامیہ پر طاری ان رقت آمیز لمحات کا ادراک پیدا کرے اور ملت کی لٹتی ہوئی آبرو کی حفاظت کے لئے سربکف ہوجائے۔ دشمن نے اپنے آپ کو بے نقاب کردیا ہے۔ امن کے نام پر دنیا میں فساد برپا کرنے اور بنی نوع انسان کو اپنی درندگی و وحشت سے دہشت زدہ کرنے والوں کی چالیں الٹانے کا وقت آچکا ہے۔ بالخصوص برصغیر میں فرنگی سامراج کے انسانیت سوز جرائم کی تفصیلات منظر عام پر لاکر فریب خوردہ شاہینوں کی آنکھیں کھولنے کا اہتمام کیا جانا ازحد ضروری ہے۔ رب کریم سے امت مظلومہ کی نصرت کی التجا ہے۔

سعید آسی

۱۱ ستمبر کی یاد

یہ مرنے والوں کا سوگ تھا یا بدمست ہاتھی کی محکوم اقوام پر فتح کا جشن تھا۔ ہاں یہ بدمست ہاتھی کی فتوحات کا جشن ہی تھا جس میں زیر دستوں پر فتح پانے والے امریکی صدر جارج ڈبلیو بش نے دہشت گردوں کے خلاف جنگ میں نہ صرف مزید فتوحات کی پیشگوئی کی بلکہ یہ دعویٰ بھی کیا کہ آج غلط چیزوں کو ٹھیک کیا جارہا ہے۔ یہ جشن امریکی صدر کی اپیل پر پاکستان سمیت دنیا کے ۹۰ ممالک میں منایا گیا جسے امریکہ میں گیارہ ستمبر کے خودکش حملوں میں ہلاک ہونے والے انسانوں کی یاد منانے کی تقریب کا نام دیا گیا۔ امریکی ترجمان کے مطابق دنیا کے ۹۰ ممالک میں صبح آٹھ بجکر ۴۰ منٹ پر یہ تقریب شروع ہوئی جس میں ان ممالک کے قومی ترانے پڑھے گئے اور قومی پرچم لہرائے گئے اور اس طرح تین ماہ قبل نیویارک امریکہ کے ورلڈ ٹریڈ سنٹر اور واشنگٹن کے پینٹاگان پر خودکش حملوں میں تباہی کی ضمن اس وقت یاد تازہ کی گئی جس وقت یہ سانحات رونما ہوئے تھے۔ واشنگٹن میں منعقدہ ایسی ہی ایک تقریب میں صدر بش اپنی اہلیہ کے ہمراہ غمگین چہرہ بنائے شریک ہوئے اور افغانستان میں انسانی تباہی کا سامان کرنے والے امریکی فوجیوں کی بہادری پر انہیں داد و تحسین دیتے ہوئے ان کے چہرے پر موجود بناوٹی غم کی جگہ ان کی فاتحانہ مسکراہٹ نے لے لی۔ صدر بش نے اس تقریب میں اپنی فاتح قوم کو خوشخبری سنائی کہ آج انصاف ہورہا ہے اور غلط چیزوں کو ٹھیک کیا جارہا ہے۔ یقیناً یہ اسی انصاف کی فتح کا جشن تھا جس میں انسانوں کو ذلت و رسوائی کی انتہاؤں تک پہنچانے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی گئی اور شرف انسانیت کا تصور ہی ختم کردیا گیا ہے۔ ۱۱ ستمبر کے خودکش حملوں میں مرنے والوں کا سوگ منانے کے لئے انسانی لاشوں کے ڈھیر لگانا اور زندہ انسانوں کو لاشوں میں تبدیل کرنے سے پہلے انہیں اذیت دینے کی نئی نئی ایجادات کرنا غالباً اسی جشن کی تمہید تھی جس کا اہتمام دنیا کے ۹۰ ممالک میں صبح آٹھ بجکر ۴۰ منٹ پر کرایا گیا اور غلط چیزوں کو ٹھیک کرنے کا مژدہ سنایا گیا۔ شاید آج کا ورلڈ آرڈر یہی ہے کہ جو امریکہ سوچے گا، کہے گا، پسند کرے گا اور حاصل کرے گا، وہی ٹھیک ہے اور جو امریکہ کی سوچ اور پسند کے بارے میں ہلکا سا سوال بھی اٹھائے گا، تنقید کا خیال دل میں لائے گا۔ محکوموں کی وکالت کا اپنے اندر معمولی سا جذبہ پیدا کرے گا، وہ غلط ہے جسے ٹھیک کرنا ضروری ہے۔ امریکی صدر نے ایسی غلط چیزوں کو ٹھیک کرنے کا ہی پیغام دیا ہے کیونکہ امریکہ کا یہی انصاف ہے کہ سر اٹھانے والوں کے سر قلم کرکے انہیں ایسی ہی سوچ کے حامل دنیا کے دیگر انسانوں کے لئے عبرت کا نشان بنادیا جائے۔ افغانستان میں اس امریکی انصاف کی کھلے عام تشہیر اور نمائش کی گئی ہے۔ طالبان کے از خود سرنڈر کے بعد ان کے حامی انسانوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا، وہ شاید تاریخ انسانی میں کربلا کی ایک نئی داستان رقم ہونے کا باعث بن جائے۔ کوئی انسان کسی دوسرے انسان کے ساتھ سفاکی کی کس انتہا تک جاسکتا ہے، اس کی نشاندہی ۱۱ ستمبر کے بعد کی افغانستان کی دھرتی پر کسی بھی جگہ کھڑے ہوکر کی جاسکتی ہے۔ انسانی بے بسی کی شاید ہی ایسی کوئی مثال ہوگی جو اس وقت افغانستان میں موجود نہیں ہوگی، پھر کیا گیارہ ستمبر کے ہلاک شدگان کی یاد منانے والوں کو افغانستان میں مارے گئے انسانوں اور ان کے بے یار و مددگار لواحقین کے ساتھ اتنی سی ہمدردی بھی نہیں ہوئی کہ ان کی یاد منانا تو کجا ان کا ذکر ہی کرلیا جاتا۔ کیا وہ انسان نہیں تھے جنہیں شمالی اتحاد کے سامنے ہتھیار ڈالنے کے بعد ۴۰ گھنٹے سے محروم کنٹینروں میں بند کردیا گیا اور انہیں سسکا سسکا کر عین اس دن مارا گیا جس روز ۱۱ ستمبر کے حملوں کی یاد میں دنیا کے ۹۰ ممالک میں تقاریب کا اہتمام کیا گیا تھا، کنٹینروں میں مرنے والے ان ایک سو انسانوں کی اکثریت کا تعلق پاکستان سے تھا مگر ہمارے حکمرانوں نے بھی انسانی سفاکی کے اس واقعہ پر افسوس کا اظہار کرنے کے بجائے دنیا کے ان ۹۰ ممالک کی صف میں شریک ہونا ضروری سمجھا جنہیں صدر بش نے جشن فتح منانے کا حکم دیا تھا کیونکہ اس نئے ورلڈ آرڈر کی تعمیل لازمی قرار دی جاچکی ہے جس کے تحت طاقت کا سرچشمہ صرف امریکہ کو بنالیا گیا ہے۔ ۱۱ ستمبر کے بعد انسانی حقوق کی صورتحال کا جائزہ لیتے ہوئے ایک تقریب میں ہمارے ملک کے اہم دانشوروں اور سابقہ حکومتی عہدیداروں نے نئے ورلڈ آرڈر کے منبع کو بدمست ہاتھی کا نام دیا جسے دنیا کے کسی بھی کھیت میں کماد کی فصل اپنے پاؤں تلے روندنے کی کھلی چھوٹ مل چکی ہے۔ مجھے اس وقت سخت حیرت کا سامنا کرنا پڑا جب اس تقریب میں حکومتی ترجمان اور صوبائی وزیر بریگیڈیئر حامد سعید نے بھی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہوئے بدمست ہاتھی کو ہی اس دہشت گردی کا موجب قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ اگر آج ہم ۱۱ ستمبر کی دہشت گردی کی مذمت کرتے ہیں تو ہمیں یہ بھی سوچنا چاہئے کہ یہ دہشت گردی کس چیز کا ردعمل ہے۔ پھر انہوں نے خود ہی وضاحت کی کہ ایسی دہشت گردی ہمیشہ ناانصافی کا ردعمل ہوتی ہے اور جب تک ناانصافی موجود ہے، ایسی دہشت گردی بھی ہوتی رہے گی۔ مجھے تو ان کی اس بات سے سو فیصد اتفاق ہے کہ دہشت گردی کے خاتمہ کے لئے امریکہ نے افغانستان میں جو کارروائیاں کیں، وہ بذات خود دہشت گردی کے زمرے میں آتی ہیں۔ کاش ہمارے دوسرے حکومتی عہدیداروں کو بھی اس بات کی سمجھ آجاتی اور وہ افغانستان میں دہشت

گردی کا نشانہ بننے والے انسانوں کی بے بسی پر چند قطرے آنسو بہا کر ان کی یاد میں بھی کسی تقریب کا اہتمام کرلیتے مگر وہ شاید نئے عالمی آرڈر کی تابع فرمانی کا عہد کرچکے ہیں اس لئے اب ان کی بے بسی پر آنسو بہانے اور ان کی یاد میں کوئی تقریب منعقد کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ شاید ایسی کسی تقریب کے انعقاد کا حکم بھی اس نئے عالمی آرڈر کے خالق کی جانب سے ہی آئے گا۔

عباس اطہر

ترے وعدے پر جئے ہم

اسامہ بن لادن اور طالبان کی بے سر و سامانی کا مظاہرہ تو ساری دنیا نے دیکھ لیا ہے۔ چند امریکی فوجی قدرتی حادثات کا شکار ہوگئے۔ کچھ جاسوس طیارے اتفاقاً گرے اور باقی ساری لڑائی میں امریکہ کا ایک بمبار بھی نہیں گرایا جاسکا۔ اسامہ بن لادن کی تباہ شدہ قیام گاہ پر میزائیلوں کے ڈھیر ضرور دکھائے گئے لیکن کوئی میزائل اپنے ہدف پر نہیں پہنچا۔ امریکہ اپنے وحشت و بربریت کا جواز مہیا کرنے کیلئے مسلسل یہ پروپگنڈہ کرتا رہا کہ اسامہ کے پاس ایٹمی کیمیاوی اور جراثیمی ہتھیار موجود ہیں۔ یہ ہتھیار کہاں تھے اور کہاں گئے کوئی نہیں جانتا۔ امریکی اسلحہ کے مقابلے میں اسامہ اور طالبان کے جنگجو عملی طور پر نہتے تھے۔ تاہم عراق کی طرح انہیں بھی میڈیا کے ذریعے مبالغہ آرائی کرکے اتنا بڑھا چڑھا کر پیش کیا گیا کہ نہ صرف حملے بلکہ پورے افغانستان کی اینٹ سے اینٹ بجانے کا جواز بن گیا۔ انتھراکس اسکینڈل اس کے علاوہ تھا۔ جس کا مقصد امریکی رائے عامہ کو خوفزدہ کرکے اس بات کا قائل کرنا تھا کہ افغانستان اور القاعدہ کو نیست و نابود کئے بغیر امریکہ چین کی نیند نہیں سوسکتا۔ اسامہ بن لادن اور ملا عمر کو زندہ یا مردہ گرفتاری کے سوا افغانستان میں امریکہ کے تقریباً تمام مقاصد پورے ہوگئے ہیں۔ ایک نئی انتظامیہ بھی وجود میں آچکی ہے اور وہ اپنے آپ کو اتنا خود مختار سمجھتی ہے کہ روس سے براہ راست تعلقات قائم کرنے کی پالیسی پر کاربند ہے۔ انہیں کابل میں اقوام متحدہ کی فوج محض علامتی طور پر قبول ہے تاہم صدر بش کا کہنا ہے کہ امریکہ اور اس کے اتحادی افغانستان کی تعمیر نو میں حصہ لیں گے۔ وہ ایک ایسا افغانستان چاہتے ہیں جہاں آئندہ کبھی دہشت گردی نہ ہو۔ افغانستان جیسے ملک کے بارے میں اس قسم کا خواب صدر بش ہی دیکھ سکتے ہیں۔ کیونکہ مختلف نسلوں اور قبیلوں میں بٹی ہوئی اس سرزمین کا محبوب مشغلہ خونریزی ہے۔ ایک دوسرے کے گلے کاٹنا، عورتیں، بوڑھے اور معصوم بچوں کو قتل کرنا شاید اس دھرتی کے خمیر میں شامل ہے۔ امریکہ تباہی و بربادی کے حوالے سے اپنے ابتدائی کام سے فارغ ہونے کے بعد جب تعمیر نو کی طرف آئے گا تو اسے پتہ چلے گا کہ طالبان نے جبراً انتظامی صلاحیت یا طاقت کے استعمال سمیت جس طریقے سے بھی افغانستان کے ۹۰ فیصد علاقے میں امن قائم کیا تھا۔ وہ کتنا بڑا معجزہ تھا۔ اقوام متحدہ کی فوج تعینات کرانے کے بعد شاید امریکہ کو پتہ چلے کہ اس نے کس قسم کی اوکھلی میں سر دے دیا ہے۔

القاعدہ کی حد تک افغانستان امریکہ کی پہلی منزل ہے اور وہ مستقبل میں دنیا بھر میں اس تنظیم کا تعاقب کرنا چاہتا ہے۔ امریکی نائب صدر ڈک چینی صومالیہ کو دہشت گردوں کی جنت قرار دے چکے ہیں اور عراقی صدر صدام حسین کو بھی دنیا کیلئے خطرہ سمجھتے ہیں۔ اب دیکھنا ہے کہ دوسری باری کس کی ہے۔ قتل و غارت گری کے اس کھیل میں امریکی اور یوروپی رائے عامہ کو ساتھ رکھنے کیلئے "سنڈے ٹائمز" نے افغانستان سے گرفتار ہونے والے امریکی طالبان عبدالحمید (جان واکر) سے یہ بات منسوب کی ہے کہ القاعدہ تنظیم رمضان کے اختتام پر امریکہ کے خلاف کارروائی کے دوسرے مرحلے کا آغاز کرے گی۔ جس میں امریکہ پر بائیولاجیکل حملے کا خطرہ ہے۔ تیسرے مرحلے کی نشاندہی کرتے ہوئے عبدالحمید نے بتایا ہے کہ القاعدہ ایسے حملے کرے گا جس سے پورا امریکہ تباہ ہوجائے گا۔ خود وائٹ ہاؤز بھی اپنے عوام کو خبردار کرچکا ہے کہ امریکہ پر کسی بھی وقت دہشت گرد حملے ہوسکتے ہیں۔ القاعدہ کی طاقت کا اندازہ تو ساری دنیا کو افغانستان میں ہوچکا ہے۔ امریکی بمبار تو بہت اونچائی پر اڑتے تھے اور ممکن ہے کہ القاعدہ کے "تباہ کن" ہتھیاروں کی رینج میں نہ آتے ہوں لیکن شمالی اتحاد کے دس بارہ ہزار فوجی تو امریکہ کے مقابلے میں القاعدہ کے بہت قریب تھے۔ جس تنظیم کے پاس تباہ کاری کی بے انداز صلاحیت کا پراپگنڈہ کیا جارہا ہے۔ وہ شمالی اتحاد کی مٹھی بھر فوج کو کوئی خاص نقصان نہیں پہنچا سکی۔ مزار شریف اور کابل خالی کرنے کے بعد قندوز میں امریکی بموں کا ایندھن بنی اور پھر قندھار چھوڑنے پر مجبور ہوگئی۔ امریکی اور یوروپی رائے عامہ کو، جس انداز سے مسلسل خوفزدہ کیا جارہا ہے اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ کوئی ایک افغانستان یا کوئی ایک صومالیہ امریکہ کا ٹارگٹ نہیں پورا عالم اسلام امریکہ کے نشانے پر ہے۔ ایک ایک دو دو کرکے تمام مسلمان ملکوں کی باری آئیگی۔ انہیں نظام اور طرز زندگی تبدیل کرنے کیلئے کہا جائے گا فوجیں کم کرنے کا مطالبہ ہوگا اور ایسے تمام ہتھیار چھین لئے جائیں گے جو غیر ملکی حملے کے خلاف دفاع کے لئے استعمال ہوسکتے ہوں۔ البتہ امریکہ اپنی پسند کی حکومتوں کو فراوانی کے ساتھ ایسے ہتھیاروں کی پیشکش ضرور کرے گا جن کی مدد سے وہ حقوق مانگنے والے اپنے عوام کی جارحیت کا مقابلہ کرسکیں۔

پاکستان کا معاملہ فی الحال تھوڑا سا مختلف ہے۔ امریکی سفیر وینڈی چیمبرلین نے یقین دلایا ہے کہ پاکستان ایک خود مختار ملک ہے اور امریکہ اس کی خود مختاری کا احترام کرتا ہے۔ افغانستان کے خلاف فرنٹ لائین اسٹیٹ کا مقام حاصل کرتے وقت ہم اپنی خود مختاری کا مظاہرہ بھی کرچکے ہیں اس لئے سفیر صاحبہ کی اس یقین دہانی کو نیک نیتی سے ماننے میں کوئی حرج نہیں کہ افغانستان کے بعد پاکستان کی باری نہیں آئیگی۔ انہوں نے یہ نہیں بتایا کہ افغانستان کے بعد کس کی باری ہے تاہم ایسے ملکوں کی تعداد ۶۰ بیان کی ہے جن میں دہشت گردی کا نیٹ ورک پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے بارے میں امریکہ کے نیک عزائم کا اندازہ اس بات سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ افغان جنگ میں صدر پرویز مشرف کی پرخلوص اور غیر مشروط حمایت کی باوجود پاکستان میں امریکہ کی پہلی ترجیح جمہوریت ہے اور وہ ہماری ایٹمی تنصیبات میں گھسنے کا پروگرام بھی نہیں رکھتا۔

غالب نے کہا ہے اور ٹھیک ہی کہا ہے

تیرے وعدے پر جئے ہم تو یہ جان جھوٹ جانا
کہ خوشی سے مر نہ جاتے اگر اعتبار ہوتا

●●●●●

مجلس بلدیہ حیدر آباد کے انتخابات۔ 22 جنوری کو رائے دہی

مجلس بلدیہ حیدر آباد کے میئر اور 100 بلدی ڈیویژنوں کے انتخابی پروگرام کا اعلان کردیا گیا ہے۔ اب وہاں 22 جنوری کو رائے دہی ہوگی۔ پرچہ جات نامزدگی 29 ڈسمبر سے 5 جنوری تک داخل کئے جاسکتے ہیں۔ اسٹیٹ الیکشن کمیشن نے سیاسی جماعتوں کے ساتھ منعقدہ ایک اجلاس کے بعد انتخابی پروگرام کا اعلان کردیا۔ اعلامیہ کی اجرائی کے ساتھ انتخابی ضابطہ اخلاق پر عمل آوری کا بھی آغاز ہوگیا۔ امکان ہے کہ الیکشن کمیشن 2 جنوری سے شروع ہونے والے جنم بھومی پروگرام کو بھی روک دینے کی سفارش کرے گا۔ اسٹیٹ الیکشن کمشنر مسٹر مادھوراؤ نے کل جماعتی اجلاس کے بعد

جائیں گے۔ حلقوں کی اساس پر متعلقہ حلقوں کے الیکشن آفیسرس / ریٹرننگ آفیسرس 29 ڈسمبر کو اعلامیہ جاری کرتے ہوئے اس دن سے نامزدگیوں کو قبول کریں گے۔ پرچہ جات نامزدگی داخل کرنے کی آخری تاریخ 5 جنوری ہوگی۔ 6 جنوری کو انکی تنقیح کی جائے گی۔ 9 جنوری تک نام واپس لئے جاسکتے ہیں۔ اس دن امیدواروں کی قطعی فہرست جاری کردی جائے گی۔ 22 جنوری کی صبح ۷ تا شام ۵ بجے بلا وقفہ رائے دہی ہوگی۔ اگر کسی حلقہ میں دوبارہ رائے دہی ضروری ہو تو وہ 23 جنوری کو ہوگی اور 24 جنوری کی صبح 8 بجے سے ووٹوں کی گنتی شروع ہوگی۔ 1995 کے بعد

انتخاب نہیں کرپائے گی۔ سیاسی جماعتوں نے انتخابی اخراجات میں اضافہ کی درخواست کی جسے قبول نہیں کیا گیا تاہم انتخابی جلسوں کے لئے وقت کو رات 10 بجے سے بڑھا کر 11 بجے کرنے کا فیصلہ کیا گیا۔ ہر بلدی وارڈس میں تین ویڈیو گرافرس کو رکھا جائے گا۔ تین ہزار پولنگ اسٹیشنوں کا احاطہ کیا جائے گا۔ بوگس اور دھاندلیوں کی روک تھام کے لئے ووٹ دیتے وقت رائے دہندوں سے انگوٹھے کا نشان لیا جائے گا۔ مسٹر مادھوراؤ نے بتایا کہ 1995 کے عام انتخابات کے دوران انتخابی اخراجات کی اعظم ترین حد 2.5 لاکھ روپے تھی اس میں اضافہ

مجلس بلدیہ حیدر آباد کے علاوہ راجمندری کارپوریشن گنٹور انارم تروپتی اور ہندوپور بلدیات کے انتخابات کا بھی اعلان کردیا پروگرام کے مطابق 22 جنوری کو میئر اور 100 بلدی کارپوریٹرس کے انتخاب کے لئے ووٹ ڈالے

سے دو سے زائد بچوں کے حامل افراد انتخابات میں حصہ لینے کے اہل نہیں ہوں گے۔ الیکشن کمشنر نے بتایا کہ اعلامیہ کی اجرائی کے بعد سے حکومت انتخابات منعقد ہونے والے کسی بھی علاقہ میں سنگ بنیاد یا کسی سرکاری اسکیم کا

کرکے میئر کے امیدوار کے لئے 10 لاکھ کردیا گیا جبکہ مجلس بلدیہ حیدر آباد کے وارڈ نمبر کے اخراجات کو 8 ہزار سے بڑھا کر 20 ہزار کیا گیا۔ شہر کے ۱۰۰ بلدی وارڈس میں رائے دہندوں کی تعداد 26 لاکھ 64 ہزار 206 ہے۔ کل جماعتی

اجلاس میں [illegible] ...و کیا گیا تھا جن میں سے 28 نے [illegible] ...یس نے درج فہرست اقوام و قبائل کے [illegible] کمی کے فیصلہ کے خلاف بطور [illegible] آؤٹ کیا۔ مجلس اتحاد المسلمین نے [illegible] پروگرام کو ملتوی کرنے کے ساتھ ساتھ [illegible] اخراجات میں اضافہ اور انتخابی جلسوں کی 10 بجے شب کے بعد بھی اجازت دینے کی مانگ کی۔

انتخابی پروگرام

اسٹیٹ الیکشن کمیشن سے اعلامیہ کی اجرائی۔ 26 ڈسمبر 2001

نامزدگیوں کی وصولی۔ 29 ڈسمبر 2001 تا 5 جنوری 2002۔ (11 بجے دن سے سہ پہر تین بجے تک)

نامزدگیوں کی جانچ۔ 6 جنوری 2002 (11 بجے دن سے)

پرچہ نامزدگی واپس لینے کی آخری تاریخ۔ 9 جنوری (سہ پہر تین بجے تک)

امیدواروں کی فہرست کی اشاعت۔ 9 جنوری (سہ پہر تین بجے کے بعد)

تاریخ رائے دہی۔ 22 جنوری (صبح 7 تا 5 بجے شام)

دوبارہ رائے دہی (اگر ضرورت ہو تو) 23 جنوری (صبح 7 تا شام 5 بجے)

ووٹوں کی گنتی۔ 24 جنوری 2002 (صبح 8 بجے سے)

سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں کا آغاز

مجلس بلدیہ حیدرآباد کے چناؤ کے لئے اعلامیہ کی اجرائی کے ساتھ ہی سیاسی جماعتوں کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوچکا ہے۔ سیاسی جماعتوں کے دفاتر پر ٹکٹ کے خواہشمندوں کا ہجوم دیکھا جارہا ہے۔ تلگو دیشم، کانگریس، مجلس اتحاد المسلمین، بی جے پی، ٹی آر ایس کے دفاتر پر امیدواروں کا ہجوم دیکھا گیا۔ سیاسی جماعتوں نے اعلامیہ کی اجرائی سے قبل ہی اپنی انتخابی مہم کا عملاً آغاز کردیا۔ تلگو دیشم اور بی جے پی متحدہ مقابلہ کی تیاریاں کررہے ہیں۔ میئر کے عہدہ پر تلگو دیشم امیدوار کے مقابلہ کا امکان ہے جبکہ نشستوں کی تقسیم کے مسئلہ پر دونوں میں بات چیت جاری ہے۔ کانگریس، مجلس اور ٹی آر ایس نے تنہا مقابلہ کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔ انکے علاوہ دوسری تقریباً 20 چھوٹی جماعتیں بھی انتخابات میں حصہ لے رہی ہیں۔

راج بھون میں کرسمس تقاریب۔ گورنر ڈاکٹر رنگاراجن اور اہلیہ ہری پریہ رنگاراجن

حکومت نکسلائٹس سے بات چیت کے لئے تیار

ریاستی حکومت نے کہا کہ وہ ممنوعہ پیپلز وار گروپ کے نکسلائیٹس سے بات چیت کے لئے تیار ہے تاکہ انہیں قومی دھارے میں شامل کیا جاسکے۔ ریاستی اسمبلی میں ٹی آر ایس کے رکن مسٹر کے چندر شیکھر راؤ کی توجہ دہانی پر وزیر داخلہ مسٹر ٹی دیویندر گوڑ نے کہا حکومت کو نکسلائیٹس سے بات چیت میں کوئی اعتراض نہیں ہے تاہم وہ اس مسئلہ پر کل جماعتی اجلاس طلب کرکے سیاسی جماعتوں کی رائے حاصل کرے گی۔ کل جماعتی اجلاس بہت جلد طلب کیا جائے گا جس میں بات چیت کے طریقہ کار کو قطعیت دی جائے گی۔ مسٹر گوڑ نے کہا کہ نکسلائیٹس کو تشدد کا راستہ ترک کرنا ہوگا کیونکہ تشدد کے ذریعہ مسائل کا حل ممکن نہیں۔ انہوں نے بتایا کہ حکومت کی جانب سے کی جارہی کوششوں کے سبب بڑی تعداد میں نکسلائیٹس قومی دھارے میں شامل ہورہے ہیں۔ ٹی آر ایس کے رکن نے حکومت سے مطالبہ کیا کہ وہ بات چیت کے لئے نکسلائیٹس کی پیشکش کو قبول کرے۔ انہوں نے انکاؤنٹر کے نام پر خون خرابے کو روکنے کا بھی مطالبہ کیا۔

چیف منسٹر نے عازمین حج کے لئے میڈیکل کیمپ کا افتتاح کیا

چیف منسٹر مسٹر این چندرا بابو نائیڈو نے حج ہاؤز کی نو تعمیر شدہ عمارت میں عازمین حج کے میڈیکل کیمپ کا افتتاح کیا اس طرح حج ہاؤز

کی سرگرمیوں کا بھی آغاز ہوگیا۔ آئندہ سال عازمین حج اب حج ہاؤز کے ذریعہ ہی روانہ ہوں گے۔ چیف منسٹر میڈیکل کیمپ کے افتتاح کے موقعہ پر تقریب سے خطاب کرتے ہوئے اقلیتوں کی فلاح و بہبود کے لئے حکومت کے اقدامات کا ذکر کیا۔ انہوں نے اردو مدارس کے لئے 30 کروڑ کی گرانٹ کا بھی اعلان کیا۔ اس موقعہ پر ریاستی وزیر مسٹر این محمد فاروق، صدر نشین وقف بورڈ مسٹر محمد سلیم، رکن اسمبلی مسٹر یوسف علی کے علاوہ علماء مشائخین، ارکان وقف بورڈ اور معززین شہر کی کثیر تعداد موجود تھی۔ وقف بورڈ کے آفس کو نئی عمارت میں منتقل کردیا گیا۔

بیروزگاری کے خاتمہ میں حکومت کی ناکامی پر کانگریس اور سی پی ایم کا اسمبلی سے واک آوٹ

ریاستی قانون ساز اسمبلی میں کانگریس اور سی پی ایم نے حکومت کی جانب سے ریاست میں بیروزگاری کے خاتمہ کے اقدامات میں ناکامی پر ایوان سے واک آوٹ کردیا۔ ایوان میں روزگار کی فراہمی کے موضوع پر مباحث کے دوران کانگریس اور سی پی ایم ارکان نے الزام عائد کیا کہ گذشتہ 5 برسوں میں بیروزگاری کے خاتمہ پر کوئی توجہ نہیں دی گئی۔ نئے تقررات پر پابندی عائد کردی گئی اور خالی جائیدادوں پر بھی تقررات نہ کرنے پر حکومت پر تنقید کی۔ وزیر فینانس مسٹر وائی رام کرشنوڈو نے بتایا کہ جن محکمہ جات میں ضرورت ہو وہاں تقررات کئے جارہے ہیں۔ انہوں نے کہا کہ تقررات پر امتناع عائد نہیں کیا گیا۔ وزیر فینانس نے بتایا کہ 31 لاکھ افراد ایمپلائمنٹ ایکسچینج میں درج رجسٹر ہیں۔

امدادی کالجس کے لکچررس کے تقررات کا تیقن

وزیراعلی تعلیم مسٹر کرنم رامچندر راؤ نے ریاست میں امدادی کالجس کے لکچررس کی مخلوعہ جائیدادوں پر تقررات کا آئندہ سال سے انکی تنخواہوں کی باقاعدہ ادائیگی کے اقدامات کا تیقن دیا۔ ریاستی اسمبلی میں قاعدہ 74 کے تحت امدادی کالجس کے لکچررس کے مسائل پر توجہ دہانی کا جواب دیتے ہوئے وزیراعلی تعلیم نے بتایا کہ جاریہ سال بجٹ کی اجرائی میں تاخیر کے سبب تنخواہوں کی ادائیگی میں بعض دشواریاں پیش آئیں تاہم آئندہ سال سے ہر ماہ کی تنخواہ اسی ماہ جاری کردی جائے گی۔ انہوں نے بتایا کہ ایس سی ایس ٹی کی 200 مخلوعہ جائیدادوں پر تقررات کی اجازت دیدی گئی ہے جبکہ عام زمرہ کی مخلوعہ جائیدادوں پر تقررات پر امتناع ہے۔ انہوں نے ارکان کے اصرار پر تیقن دیا کہ عام زمرہ کی مخلوعہ جائیدادوں پر تقررات کے امتناع کو برخواست کرنے پر غور کیا جائے گا۔ انہوں نے امدادی لکچررس کے مسائل پر انکی یونین سے بات چیت کا بھی تیقن دیا۔

گولکنڈہ قلعہ میں مالہ کی تعمیر کے لئے قدیم دیوار کو منہدم کردیا گیا

حیدرآباد میں جرائم دوسرے شہروں سے کم

ملک کے 11 بڑے شہروں کے مقابلہ سال حیدرآباد میں جرائم کی شرح کافی کم رہی۔ کمشنر پولیس مسٹر پی رامولو نے کلکتہ، دہلی، ممبئی، چینائی، بنگلور، اور پٹنہ میں جرائم کے اعداد و شمار پیش کرتے ہوئے بتایا کہ حیدرآباد میں قتل، اغوا، ڈکیتی، رہزنی، سرقہ بالجبر، تشدد اور سرقہ کی وارداتیں کم ہوئی ہیں۔ حیدرآباد میں قتل کی 115، اغوا کی 76، ڈکیتی 6، رہزنی 52، سرقہ بالجبر 2179، تشدد 141، اور سرقہ کی 3007 وارداتیں ہوئیں جبکہ یہ واقعات کلکتہ، ممبئی، دہلی، بنگلور، چینائی اور دوسرے شہروں میں کافی زیادہ ریکارڈ کئے گئے۔ انہوں نے بتایا کہ پولیس کی چوکسی اور موثر انتظامات کے سبب جرائم کی شرح میں تیزی سے کمی آرہی ہے۔

۲۹ نکسلائیٹس کی خودسپردگی

ممنوعہ پیپلز وار گروپ کو اس وقت شدید دھکہ لگا جبکہ اسکے 29 کارکنوں بشمول ضلع کمیٹی رکن رودا پتی کمانڈروں نے خود کو پولیس کے حوالے کردیا۔ اضلاع ورنگل، عادل آباد، اور کریم نگر سے تعلق رکھنے والے 29 نکسلائیٹس جن میں 5 خواتین بھی شامل ہیں ڈائرکٹر جنرل پولیس مسٹر ایچ جے دورا کے سامنے ہتھیار ڈال دیئے۔ ان میں آر سدھاکر عرف جیون رکن ضلع کمیٹی ورنگل جس پر 3 لاکھ روپے کا انعام تھا۔ عادل آباد کا ڈپٹی کمانڈر پیپلز گوریلا آرمی ایم سمپت، کریم نگر کا کے رنگیا عرف رندھیر پر فی کس 50 ہزار روپے کا انعام تھا۔ دو نکسلائیٹس پر 20، 20 ہزار روپے کا اعلان تھا۔ ڈائرکٹر جنرل پولیس نے بتایا کہ یہ نکسلائیٹس کئی ایک پرتشدد کارروائیوں میں ملوث تھے۔ یہ 6 تا 10 سال تک نکسلائیٹس تحریک سے وابستہ رہے۔ ان میں بیشتر ناخواندہ ہیں اور معاشی مسائل اور بیروزگاری کے سبب نکسلائیٹس تحریک میں شمولیت اختیار کی تھی۔

☆☆☆☆☆

جمیلہ ہاشمی

بن باس

پرندے تیز تیز پر مارتے اڑتے جاتے ہیں اور دھوپ پیلی ہو کر اجل کے بڑے تالاب کی سیڑھیوں پر اتر آئی ہے گردوارے کے کلس کا رنگ ڈوبتی کرنوں میں سنہری مائل سفید لگ رہا ہے ۔ اور بڑے میدان سے دوسرے طرف میلہ بکھرنے لگا ہے اب تھوڑی دیر میں دسہروں کو آگ لگادی جائے گی۔ لوگ شور کریں گے ۔ دور کر دور بھاگیں گے اور شام کے نیلے دھندلکے میں چنگاریاں اڑتی ہوئی پھلجھڑیاں لگیں گی۔ دیر تک آگ کے شعلے اٹھیں گے ۔ اردگرد کے لوگوں کے چہرے اس آگ کی روشنی میں بڑے بھیانک لگیں گے جیسے ان میں سے ہر ایک راون کا روپ دھارے سیتا کو جدائی سے ولاپ کرتے دیکھنے اور دوسری بار بن باس بھوگتے پاکر خوش ہونے یہاں آیا ہو۔

بن باس کتنی کٹھن بات ہے پر کسی کے بس میں تو کچھ نہیں۔ کون اپنی خوشی سے دکھ قبول کرتا ہے ؟

بھائی کہا کرتے تھے " بی بی تم یہ سارا وقت خواب میں کیوں دیکھتی ہو۔ یہ پیار جو تمہیں اب ملتا ہے یہ رونق جو گرد نظر آرہی ہے ہولے کم ہوجائے گی۔ وقت ہر شے میں کمی کردیتا ہے ۔ پر یہ بربادی اتنا آہستہ ہوتی ہے کہ ہم اس کے عادی ہوجاتے ہیں " آج بھائی کہاں ہیں ۔ اگر جنم بھومی کی باس کو اٹھائے جاسوس کی طرح میرے ساتھ چلنے والی ہوا جاسکتی اور انہیں کہیں ڈھونڈھ سکتی تو میں کہتی " جاکر پوچھو تو سہی۔ یہ دکھ میں کمی کیوں نہیں ہوتی۔ برسوں بوجھ اٹھائے اور کٹھن راہوں سے گزرنے پر بھی انسان سپنے کیوں دیکھتا ہے۔ سکھ کی آس کیوں کرتا ہے ۔ اور روشنی سے اتنا پیار کیوں کرتا ہے ؟"

سیتا جی نے بن باس بھوگ کر بس یہی دعا کیوں کی تھی کہ رام چندر سے مل سکیں۔ کیا مصیبت انسان کو اتنا سخت نہیں کردیتی کہ وہ اچھے دنوں کی امید ہی چھوڑ دے ۔ اندھیرے سے آخر پیار کیوں نہیں ہوسکتا آخر کیوں ؟ ناکو کے درخت میں تین سال سے پھول آرہے ہیں۔ جس سال منی پیدا ہوئی تھی۔ رت بدلتی ہے تو شاخیں پھولوں سے بھر جاتی ہیں اور پیڑ پھلوں کے بوجھ سے جھک جاتا ہے ۔ پیڑ اور دھرتی کا سمبندھ اور گہرا ہوجاتا ہے ۔ اس کی جڑیں زمین میں اور گہری گرتی چلی جاتی ہیں اس رشتے کو کوئی نہیں توڑ سکتا۔

منی اب بڑی ہوگئی ہے ۔ سال کتنے دبے پاؤں میرے قریب سے نکلتے چلے گئے ہیں۔

آج بڑی ماں نے کرپال سے کہا تھا " کاکا ، بہو اور بچوں کو ذرا دسہرے میں گھما لا ۔ کتنے برس سے وہ گاؤں سے باہر ہی نہیں گئی۔ کرپال نے بہت تیزی سے کہا تھا " ماں تو نے یہ بھی کہا کب تھا۔ یہ برسوں سے کہیں نہیں گئی تو میرا کیا دوش ہے بھلا اس میں کسی کا دوش ہوسکتا ہے ۔ جب کوئی مجھے بہو کہتا ہے تو لگتا ہے گالی دے رہا ہو۔ برسوں سے سن رہی ہوں ۔ اس رات سے سنتی آئی ہوں۔ جب کرپال نے مجھے آنگن میں دھکیلا تھا اور چوکی میں بیٹھی ہوئی بڑی ماں سے کہا تھا۔

" ماں دیکھ تیرے لئے بہو لایا ہوں بانکی اور سندر۔ آج جتنی لڑکیاں ہماری ہاتھ لگیں ، ان میں سے اچھی ہے " اور دیے کی لو اونچا کرکے ماں میری طرف آئی تھی۔ بھوک اور خوف سے میری آنکھیں پھٹی ہوئی تھیں۔ میلوں تھکے پاؤں چل کر مجھ میں انگلی اٹھانے کی سکت بھی نہ رہی تھی ۔ میں ان کے قدموں میں ڈھیر ہوگئی تھی ۔ آنگن میں بندھی گائے اور بھینس ٹکر ٹکر مجھے تکتی رہیں تھیں اور چارہ چھوڑ کر کھڑی ہوگئی تھیں۔ ماں نے سر سے پاؤں تک کئی بار مجھے دیکھا تھا اور پھر کہا تھا۔

" تو اگر اچھے کام کرتا تو آج یہ حال نہ ہوتا میرا۔ دیکھ چولہا جھونکتے جھونکتے میری آنکھیں اندھی ہوچلی ہیں اور ساری کہاریوں نے فصل پر اناج نہ ملنے کی وجہ سے ہمارے گھر آنا بند کردیا ہے۔ بتا مجھ سے یہ گھر کا بوجھ کیسے سنبھلے گا۔ کھیتی باڑی کرے تو کیا ہی سکھ ہو مجھے "۔

کرپال نے کہا " دیکھ تو سہی۔ اب مہریوں اور کہاریوں کے نخرے اٹھانے کی کیا ضرورت ہے۔ بھلا یہ جو تیری داسی ہے ۔ بس اس سے چکی پسوا ، پانی بھروا جو مرضی ہو کروا اس کا کیا علاقہ ۔ میں نے تجھے بہو لادی ہے "۔

سارے سنگراؤں میں بہوئیں آئیں ۔ نہ کوئی باجہ بجا ۔ نہ کسی نے ڈھولک پر لنک لنک کر گیت گائے ۔ نہ ناچنے والیوں نے سوانگ بھرے اور نہ کولہے مٹکا کر نقلیں کیں۔

میرے دھول سے اٹے ہوئے بالوں میں نہ کسی نے تیل ڈالا نہ کسی نائن نے سنگار کیا۔ کورے ہاتھوں اور اجڑی مانگ سے سہاگن بن گئی۔ کسی نے دروازے پر سر سے تیل ، ماش نہ وارے اور بڑی ماں نے کرپال کی بات سن کر یوں میری طرف دیکھا۔ گویا میں مصیبت ہوں جسے اس کا پوتا کہیں سے اٹھا لایا ہے ۔ پھر دیا اس طرح ہاتھ میں لئے وہ چوکے میں چلی گئی اور مجھ سے کسی نے کچھ نہ پوچھا بہو کا کیسا سواگت ہورہا تھا ؟

تب سے آج تک میں بھی سیتا جی ہوں ۔ میں بن باس بھوگ رہی اور میں سنگراؤں میں قید ہوں ۔ جھولے اکھاڑنے بیڑیاں بیچتے جھولوں والے ایک دوسرے سے گالی گلوچ کررہے ہیں اور گدھوں پر سامان لدتے زور سے پٹتے ہیں جیسے گدھے لکڑی کے ہوں۔ رام لیلا کی رتھیں ایک طرف کھڑی ہیں اور روپ دھارے لڑکے چمکیلے کپڑوں کی پروا کئے بنا ملائی کی قلفیاں اور چٹنی والے پکوڑے کھارہے ہیں۔ دودھ اور چٹنی کے دھبے ان رنگ برنگے پوشاکوں پر کوڑھ کے داغ لگتے ہیں۔ منی کھڑی انہیں تکتی جارہی ہے ۔ اسے اس بات کا ہوش نہیں کہ وہ گم ہوجائے گی۔ بے ہوش ہونے سے کیا ہوتا ہے ۔ جسے گم ہونا ہو وہ بھرے گھر سے کھوجاتا ہے ۔

کرپال اسے کھینچ رہا ہے اور دونوں

لڑکے تھک کر روتے ہر بیچنے والے کو دیکھ کر چیز کے لئے ضد کرنے لگتے ہیں یہ میلہ ہے؟

مائیں بچوں سے بے پروا بھیڑ میں دھکے کھا کر ادھر ادھر ہو جاتی ہیں اور چھوٹے بچے ایک چہرے کو تکتے زور زور سے روتے۔ آگے ہی آگے بھاگے جاتے ہیں۔ بھلا میلے میں بچھڑنے والے کہیں پھر ملتے ہیں؟ یہ بجوگ جنم جنم کے لئے چاہنے والوں کے درمیان اوٹ بن جاتا ہے۔ وہ صورتیں جن پر ہم انھیں ایک بار پھر دیکھ سکیں کہیں نظر نہیں آتیں۔ راستے لہروں پر تانا بانا بننے والے کیڑوں کو نشانوں کی طرح ہمارے پیچھے مٹ جاتے ہیں۔ ہم جن راہوں سے چل کر آتے ہیں ان سے لوٹ نہیں سکتے کچھ بھی تو واپس نہیں آتا۔ اور میلے کی بھیڑ آگے ہی آگے چلتی رہتی ہے۔

وقت کبھی لوٹ کر نہیں آتا۔ بھیا کہا کرتے تھے "بی بی جو لمحہ بیت جاتا ہے وہ مٹ جاتا ہے۔ دھول بن جاتا ہے جب اس پڑھنے میں بے دھیانی سے کام لیتی اور گڑیا گھر کو سجانے میں اسکول سے آکر سہیلیوں کے ساتھ لگی رہتی تو بھیا مجھے سمجھایا کرتے۔

یہ گڑیا گھر مجھے بابا نے لاکر دیا تھا۔ بابا یہ کھلونا میرے لئے کسی نمائش میں سے خرید کر لائے تھے۔ منی دونوں ہاتھوں سے بڑی بڑی سے کپڑے کی گڑیا سنبھالے ہوئے ہے۔ گرپال اوپر بھیڑ کو دیکھ رہا ہے۔ اور منی جھک جھک کر گھڑی گھڑی اپنی گڑیا کو دیکھتی ہے۔ دونوں لڑکے راون کے بت لئے ہوئے ہر چہرے کی طرف حیرت سے دیکھ رہے ہیں۔ منی کی آنکھوں میں اپنی گڑیا کے لئے کتنا پیار ہے۔ کپڑے کے چیتھڑے سے منہ پر بے ڈھنگے ٹانکوں سے ناک اور آنکھیں بنی ہیں۔ ناک میں نتھلی ہے۔ گوٹے کی چنری سر پر رکھے اپنے لہنگے کو سنبھالے یہ کٹھپتلی لگتا ہے ابھی ناچے گی۔ اجل کے تالاب کے کنارے ہو کر کھیتوں میں سے ہمارا سنگراؤں کو جاتا ہے۔ زندگی کا کارواں چلتا ہی رہتا ہے۔ سیدھے ٹیڑھے راستوں اور اجنبی پگڈنڈیوں سے کسی منزل پر پہنچنے کی تمنا ہو تو بھی سدا چلتے رہنا پڑتا ہے۔ سدا سدا چاہے پاؤں چاہے زخمی ہوں اور دل میں کچھ نہ ہو۔

شام کا نیلا دھندلکا اور نیچے اتر آیا ہے۔ شامیں نہ جانے کیوں مجھے بے حد اداس کر دیتی ہیں۔ میرا دل دھڑکتا کانپتا۔ دیئے کی لو کی طرح تھرتھراتا اور نیلاہٹ کے خالی سمندر میں اس کی تنہائی مجھے اپنے بن باس کی یاد دلاتی ہے۔ تنہائی کے اس ویرانے میں اس تنہا پیڑ کی طرح ہوں جس پر نہ پھول آتے ہیں اور نہ پھل۔

یہ تارا مجھے اس جہاز کی یاد دلاتا ہے جس میں بھائی سمندر پار گئے تھے۔ وہ اپنے ڈھیروں سامان کے ساتھ جب دور دیس کو جانے کے لئے تیار ہو رہے تھے تو اماں کی آواز میں آنسوؤں کی رندھن تھی۔ مگر وہ بڑی تسلی سے چیزیں ٹھیک کرتی اور دعائیں پڑھ رہی تھیں۔ باہر بابا کئی طرح کے انتظامات میں لگے تھے اور بھیا اداس تھے۔ آپا چپ چاپ گم سم آنگن میں دبے پاؤں چلتی ادھر ادھر آجا رہی تھیں۔ میں سارے گھر میں چہکتی پھرتی تھی۔ چوٹ جب تک نہ لگے زخم کی تکلیف کا کیا پتہ چلتا ہے۔

بندرگاہ تک ہم سب انہیں پہنچانے گئے تھے۔ بھیا بھائی کا سامان رکھوانے کا کاغذ ٹھیک کرنے گینگ وے پر اوپر سے ادھر آجا رہے تھے اور میں جنگلے پر جھکی مٹیالے سبزی مائل پانی کو دیکھتی بھائی سے پوچھ رہی تھی۔ یہ پانی ایسا کیوں ہے؟ اس پر تیل کے دھبے کیوں ہیں؟ کشتیاں کیوں ہیں؟ چپو کیوں ہیں؟ لنگر کیوں ہیں؟ اونچی نیچی لہروں پر کشتیاں ڈولتی ہیں تو ہول نہیں آتا کیا؟ سوالوں سے پریشان ہو کر بھائی کہہ رہے تھے "جب تو بڑی ہو جائے گی تو ساری باتیں آپ سے آپ معلوم ہو جائیں گی بی بی"۔

اور آج مجھے معلوم ہے جس کشتی کے چپو نہ ہوں وہ ڈوب جاتی ہے۔ کشتیاں ساحل پر بھی ڈوب جاتی ہیں۔ پانی کی ایک لہر بھی انہیں ڈبونے کے لئے کافی ہوتی ہے۔ بڑے ہونے پر جب باتوں کا پتہ چلا ہے تو بھائی نہیں ہیں۔

پھر جہاز کی سیٹیاں سنائی دیں اور بابا نے بھائی کو گلے لگا کر سر پر ہاتھ پھیر کر "اچھا بھئی سپرد خدا" کہا تھا۔ بھیا بھائی سے لپٹ گئے تھے۔ آپا بڑے کمزور دل کی بات بات پر رو دینے والی تھی۔ اسے ہچکیوں سے روتے دیکھ کر بھائی نے کہا تھا۔ "بی بی [illegible] کیسی خوش ہے۔ بھلا اس میں رونے کی کیا بات ہے؟ دو سال میں تو میں لوٹ آؤں گا۔ کوئی میں سدا کے لئے بچھڑ رہا ہوں؟" پھر مجھے سینے سے لگا کر بولے "بی بی میں تیرے لئے پیرس سے تحفے لاؤں گا۔ بس تو مجھے خط لکھتی رہا کرنا" اور میں نے زور سے سر ہلا دیا۔ پھر جب آخری سیٹی سنائی دی تو وہ بڑے مطمئن سے بہت لاپروائی سے قدم اٹھاتے جیسے کہیں قریب ہی جا رہے ہیں، چلے گئے۔ جب تک جہاز نظر آتا رہا ہم رومال ہلاتے رہے۔ پھر شام کے دھندلکوں میں بندرگاہ کی ساری روشنیوں کا عکس پانی میں ڈولنے لگا۔ اور جہاز کی بتی اکیلے تارے کی طرح کانپتی رہی اور پھر اوجھل ہو گئی اور اس کے بعد ساری روشنیاں میرے گرد سدا کے لئے ڈوب گئیں۔ لہروں میں سے کبھی کوئی کرن نہیں نکلی۔

میں اماں سے لپٹ کر کتنی زور سے چیخ پڑی تھی۔ میرے دل میں کوئی کہہ رہا تھا اب یہ صورت پھر کبھی نظر نہ آئے گی۔ اب تو بھائی کو کبھی دیکھ نہ سکے گی۔ میرا دل زور زور سے کانپ رہا تھا۔ جیسے مغرب میں خالی آکاش پر اکیلا تارا نیلے دھندلکے سے اوپر تھرتھراتا اور ڈرتا ہے۔

دور باغوں میں رات کی سیاہی اپنے پر پھیلا رہی ہے۔ گرپال نے دونوں لڑکوں کو کندھوں پر بٹھا لیا ہے اور وہ کھیتوں کے درمیان سفید لکیروں کی سی پگڈنڈیوں پر ہم سے آگے آگے جا رہے ہیں اور منی دھیرے دھیرے چل رہی ہیں۔ بالوں کو پھلانگ کر وہ اس کھیت پرے ہمارا انتظار کرے گا۔ اور دونوں لڑکوں کو راون کی کہانی سنائے گا۔ اسے کیا معلوم سیتا اس کے پیچھے آ رہی ہے اور خود راون ہے۔

منی مجھ سے کہتی ہے "ماں سروپ کے ماما نے اسے دسہرے پر اچھے رنگ والے کپڑے بھیجے ہیں۔ ریشمی ہیں۔ ہاتھ لگانے سے بہت اچھے لگتے ہیں۔ ماں میرے کوئی ماما نہیں ہیں۔ جو مجھے اچھی اچھی چیزیں دے سکیں۔ ماں تم بولتی کیوں نہیں ہو؟ میلہ اچھا نہیں لگا تمہیں۔ تم تھک گئی ہو ماں؟"

"ہاں منی میں تھک گئی ہوں۔ میں

بوڑھی ہو گئی ہو [illegible] کوئی بھی نہیں [illegible] ہو گئی۔ منی بڑے یقین سے میری طرف دیکھ کر [illegible] تم تو دیوی کی مورتی لگتی ہو ماں۔ بڑی ماں جی بھی [illegible] ہے "۔

منی کو کیا معلوم مجھے کتنا چلنا پڑا ہے۔ ایک زندگی سے دوسری زندگی کا فاصلہ کتنا بہت ہوتا ہے اور جب انسان اینٹھ جاتا ہے۔ اس کے من میں کوئی آشا نہیں رہتی۔ جب وہ پوچھنے کے قابل ہو جاتا ہے۔ سنگراؤں کی راہوں پر بچھڑے ہوؤں کا انتظار کرتے کرتے میری آنکھیں پتھرا گئی ہیں۔ میرا من خالی ہے میں لکشمی رہوں پھر بھی دکھ کا ناطہ کتنا اٹوٹ ہے۔ گہرا اور پکا کبھی ساتھ نہ چھوڑنے والا۔

منی پھر پوچھ رہی ہے "ماں کیا میرے کوئی ماما نہیں ہیں!"

میں اسے کیا کہوں۔ میں اسے کیا جواب دوں۔ دوراہے پر کھڑی سوچ رہی ہوں۔

بھیا مجھے کتنے پیارے تھے پر میں ان سے ڈرتی بھی بہت تھی۔ وہ گھر میں گھستے تو چنری خود بہ خود سر پر آجاتی۔ چال میں ٹھہراؤ اور ہنسنے کی آواز میں روک کی کوشش ہوتی۔ جب میں ان کے قریب کھڑی ہوتی تو لگتا۔ دنیا میں ان سے لمبے قد کا کوئی نہیں ہو سکتا۔ سنبھل کر چلنے اور سلیقے سے بات کرنے والے میرے بھیا کتنا اچھا لکھتے تھے۔ صاف سیدھی لکیریں۔ نہ صفحے گندے کرتے اور نہ ہاتھوں میں سیاہی بھرتے۔ مجھے کہتے "بی بی! جب تو بڑی ہو جائے گی تو تو بھی ایسا ہی لکھا کرے گی۔ سیدھی سطریں اور بنا دھبے کے بھیا آج مجھے دیکھیں تو کیا کہیں۔ میرے نصیب کے لکھے پر اتنی سیاہی ہے کہ سارے صفحے پر ایک بھی تو سیدھی لائین دکھائی نہیں پڑتی۔ مجھے تو کبھی لکھنا نہ آیا۔

ان دنوں گڑیا گھر سجا کر میں سوچا کرتی تھی۔ ہم اس میں رہ سکتے ہیں: اماں اور بابا اور میں بھیا اور بھائی اور آپا بھی بس یہاں رہیں گے۔ زندگی رس بھرا گیت ہے۔ کسی شے کی ضرورت نہیں۔ کوئی کمی نہیں۔

بھیا کی شادی ہوئی تو میں نے کہا تھا۔ ہمارا گھر جنت ہے۔ مکمل اور آسمانی جنت۔ ان دنوں میں اگر دعا مانگنے کے لئے ہاتھ اٹھاتی تو سمجھ ہی نہ سکتی کہ کیا چاہوں۔ آج کی طرح ان دنوں بھی میں نے خدا سے کچھ نہیں مانگا۔ سکھ اور دکھ کی انتہا زندگی کے چکر میں ایک ہی مقام پر ہے۔

بھائی سمندر پار چلے گئے اور میرے جنت کے خواب چور چور ہو گئے۔ ساری زندگی کی کرچیں نوکیلے کناروں والے کانچ کے ٹکڑوں کی طرح ادھر ادھر پھیل کر گزرنے والوں کو زخمی کر رہی ہیں۔ سب کے پاؤں معذور ہو گئے ہیں۔ راہ کے دوسری طرف جانے والا کوئی بھی تو نہیں رہا۔ راستہ یوں سونا ہے جیسے شمشان میں سے ہو کر گزرتا ہو۔ دور دور تک کوئی نہیں۔ سیتا جی کے راگ کو اس دیس میں کون سنتا ہے۔ اکیلے پن کا دکھ کتنا کٹھور ہے۔ زندگی کتنی مشکل ہے۔ کرپال دور کھڑا مجھے پکار رہا ہے۔ منی کو پکار رہا ہے۔ ہم دونوں ہولے ہولے چل رہی ہیں۔ کپاس کے کھیتوں میں صرف سوکھی لکڑیاں کھڑی ہیں۔ ہنستے پھول سمیٹ کر لوگ لے جاتے ہیں۔ گندم کے کھیتوں میں ابھی نہ بالیں پھوٹی ہیں اور نہ ان میں دانے پڑے ہیں۔ ہوا کے جھونکے نرم لچکیلے پودوں کو جھکا لیتے ہیں۔ ہوا کے سامنے جھکنا پڑتا ہے ہر ایک جھکتا ہے ہر ایک جھکتا ہے۔

بڑی ماں بہت بے چین ہو گی۔ میری طرف سے ایک انجانا خوف نہ جانے کیوں ہر وقت اسکے کلیجے کو دھڑکاتا رہتا ہے جس دیس کا وہ سوچتی ہے اس کا راستہ کٹھن ہے۔ اور میں کرپال کے ساتھ جتنا راستہ چل کر آئی ہوں۔ اس سے آگے چلنے کی مجھ میں ہمت نہیں۔ آخر کوئی کہاں تک چلتا جائے اور پھر جب کہیں جانا ہی نہ ہو۔ زخمی دل کو لے کر اجڑی مانگ کے ساتھ میں بھلا کہاں جا سکتی ہوں۔ منی میری راہ میں کھڑی ہے۔ منی میرے اور ان کے درمیان اوٹ ہے کتنے فاصلے میرے اور ان کے درمیان ہیں۔ بھلا میں اس سے پرے کیسے جھانک سکتی ہوں؟

گانے والوں کی ٹولیاں بھجن گاتی پیچھے آرہی ہیں۔ اچل کے تالاب کے پاس جما ہوا میلہ اب بٹ کر پھیل کر راہوں میں بکھر آیا ہے۔ بچے روتے جاتے ہیں۔ مرد زور زور سے باتیں کرتے ہوئے میرے اور منی کے پاس سے گزرے ہیں۔ عورتیں اچھے اچھے کپڑے پہنے دوپٹوں کو سنبھالتی۔ ذرا ذرا سے گھونگھٹ ماتھوں تک سرکائے میلے میں خریدی مٹھائیوں کی پوٹلیاں ہاتھوں میں پکڑے۔ بچوں کو کندھے سے چمٹائے تھکے پاؤں تیز تیز چل رہی ہیں۔ ان کے جوتے دوپٹوں کے پلوؤں میں بندھے ان کے پیچھے جھول رہے ہیں۔ زمین اور جسم کا گہرا رشتہ ہے۔ اس کے اور انسان کے درمیان کوئی پردہ کیوں ہو۔

دور چلتے لوگ سفید دھبے لگ رہے ہیں۔ اکتارہ بجاتا ایک سادھو سنگراؤں جانے والی راہ پر ہمارے پیچھے مڑ گیا ہے اس کی آواز میں کتنا درد ہے۔ ٹھیک ہی تو کہتا ہے۔ جب روشنی کا کوئی وجود نہ ہو اس کے بعد روشنی کی تمنا باقی رہتی ہے۔ اس کے تاروں کی جھنکار مجھے سنائی نہیں دیتی صرف گیت کے بول ہوا کے ساتھ کبھی کبھار میرے کانوں میں پڑ جاتے ہیں۔

"ماں! تم چپ کیوں ہو؟ کوئی بات کرو مجھے ڈر لگتا ہے" منی بڑھتے اندھیرے میں میرے ہاتھ کو اور زور سے پکڑنے کی کوشش میں اپنی گڑیا کو سنبھال نہیں سکتی۔ اس کی آواز آنسوؤں سے بھیگ رہی ہے۔ اسے کسی اور سوال پوچھنے کا ہوش نہیں۔

منی کو بھی بڑے ہونے پر آپ سے آپ پتہ چل جائے گا کہ اندھیرے سے ڈرنا بے کار ہے۔ جب اس کا جادو چل جاتا ہے۔ پھر کچھ کئے نہیں بنتا۔ بھائی کہا کرتے تھے "بی بی پانی میں زور ہے اپنا راستہ خود بنا لیتا ہے" مجھے ان دنوں میں یہ بات کبھی سمجھ میں نہیں آئی کہ پانی میں زور کہاں سے آتا ہے۔ حالات کا دھارا راہیں خود پیدا کر لیتا ہے۔ بڑی ماں اب مجھے پکارتی ہیں تو میں پھلکاری کو ماتھے تک سرکائے ہولے سے "جی" کہتی ہوں۔ ہر کام کو اتنی جلد نمٹانے کی کوشش کرتی ہوں کہ مصروف رہوں اور اپنے ساتھ اکیلے ہونے، سوچنے بچارنے کا وقت نہ مل سکے۔

جب سے تھا تو سوچ نہ تھی، اب سوچ ہے تو سے نہیں۔ ہر جگہ کچھ نہ کچھ کمی رہ جاتی ہے۔ یہ کمی کہیں بھی پیچھا نہیں چھوڑتی۔ کبھی کچھ

نہیں ہوتا اور کبھی کچھ۔ آج آنکھیں بند کرتی ہوں تو دل کہتا ہے "وہ سب ابھی آئیں گے۔ اور بھیا مجھے دیکھتے ہی کہیں گے "بی بی یہ کیا بہروپ ہے۔ پھلکاری تمہارے سر پر ذرا اچھی نہیں لگتی اتار اس کو پرے کر یہ دیکھ میں تیرے لئے کیا لایا ہوں۔ چھوڑ دے سارے کام ادھر آ ہمارے پاس بیٹھ چھٹیاں کم ہوتی ہیں اور پھر گزر کتنی تیزی سے جاتی ہیں جب ہم گھر آیا کریں تو بس تو کہیں بھی نہ جایا کر"۔

بڑے کمرے میں صوفوں پر بیٹھے تصویروں کی طرف دیکھتے، باتیں کرتے، چائے پیتے، آتش دان کے سامنے آگ تاپتے جب ہم سب زور زور سے قہقہے لگاتے تو اماں سوئی ہوئی آواز میں کہتیں "صبح بھی اٹھنا ہے اب سو جاؤ بچو" تو بھیا زور سے پکار کر جواب دیتے۔ اماں گھر سے دور ہی تو رہتے ہیں۔ سارا سال اداس ہو کر سویا کرتے ہیں۔ ایسی بھی کیا جلدی ہے۔ سو جائیں گے اماں" اور میں سوچا کرتی تھی، خوابوں کی طرح یہ ساری باتیں دھول میں مل جائیں گی۔ محبت کے سہارے جو جنت آباد کی ہے اس پر اس طرح گرد و غبار چھا جائے گا کہ کہیں بھی شادابی نظر نہیں آئے گی۔ ہم تصویروں کی طرح حقیقت کی پرچھائیں ہیں۔ میرا دل تو سدا سے باولا تھا۔ الٹی باتیں سوچنے والا اور بڑا ہی مورکھ۔

دل سدا سے انہونی باتوں کے سپنے دیکھتا اور یوں ہی دھڑکتا ہے۔ جب اس سے بات کرتی ہوں تو کہتا ہے۔ آخر تیرا کیا جاتا ہے بی بی! سپنوں پر تو کسی کا اختیار نہیں اور پھر اس سپنے میں کیا برائی ہے کہ کھلے کواڑوں کے اندر کسی دن وہ سب آجائیں جن کا تمہیں انتظار ہے۔

میں کہتی ہوں "میرے لئے سوائے اندھیکار کے کچھ باقی نہیں رہا"

دل کہتا ہے "ناامید ہونا بہت بڑا پاپ ہے" پر امید آخر کس شئے کی کروں؟

منی میرا آنچل پکڑے پوچھ رہی ہے "ماں بتا ہمارے ماما ہمارے گھر کیوں نہیں آتے؟ کیا۔ دیوالی میں ہم ماما کے پاس نہیں جائیں گے ماں۔ ساری لڑکیاں ہی تو جا رہی ہیں۔ ماں میرا دل اب اس گاؤں میں نہیں لگتا۔ میرا دل میلے میں بھی نہیں لگا۔ بس میرا جی تو اداس ہے۔ میں ماما کے گھر جاؤں گی"۔ کس سے پوچھوں، اس کے ماما کا گھر کس نگر میں ہے۔ سنگراؤں سے باہر سارے گاؤں مجھے گڑیا گھر لگتے ہیں جن کی کوئی اصلیت نہیں۔ سنگراؤں بھی پرچھائیں ہے۔ سب کچھ پرچھائیں ہے۔

اور پھر بھی نہ جانے کیوں آتما بھٹکتی ہی رہتی ہے۔ ایسی چیزوں کو ڈھونڈتی پھرتی ہے جو کہیں بھی نہ تھیں۔ ایسی آوازوں کو سننے کی آشا لئے جو پھر کبھی سنائی نہ دیں گی۔ سر پر گوبر کے ٹوکرے اٹھاتے اٹھاتے۔ دودھ دھوتے، اپلے تھاپتے نہ جانے کیوں چند مہینوں سے میرا دل کیوں دھڑکا کرتا تھا۔ ہوا میں اچانک جانی بوجھی خوشبو ہوتی اور مجھے سارے باجوں کے سر اپنے قریب آتے جان پڑتے۔ مجھے اپنے سے دور لے جاتے ہوئے۔ پر اب مجھے معلوم ہے۔ جہاں وہ سب ہیں وہ دیس میری پہنچ سے باہر ہے۔ سنگراؤں کو جانے والے راستوں کی طرح سارے لہراتے راستے ایک دوسرے کو کاٹتے گزرتے ہیں۔ کہانیوں کے اس شہر کا کھوج لگا کر میں کیا کروں گی۔

آباد گھروں کے کھلے کواڑوں سے اندر جلتے دیوں کی کانپتی روشنیاں پریوں کے دیس کی تصویر سی جان پڑتی ہیں۔ گرپال اور لڑکے، میں اور منی اب ساتھ ساتھ چل رہے ہیں۔ سرکنڈوں کے ریشمی بور میرے بالوں سے چھو رہے ہیں۔ ہوا اپنا ریشمی آنچل سنبھالے دھیرے دھیرے سونے لگی ہے۔

اکیلے سے دور ہوں تو راستہ آسان ہو جاتا ہے۔

منی کہتی ہے "ماں میں تھک گئی ہوں۔ مجھ سے اب اور نہیں چلا جاتا" لڑکے رو رہے ہیں اور ان کی آنکھیں نیند سے بند ہوئی جاتی ہیں۔ راون ان سے سنبھالے نہیں سنبھلتے۔ ہم راہ سے ذرا ہٹ کر ایک کھیت کی اونچی منڈیر پر بیٹھ گئے ہیں۔ منی نے میری گود میں اپنا سر رکھ لیا ہے، گرپال کہہ رہا ہے "دیکھو تو سہی، عورتیں کتنی بے وقوف ہیں، آج کتنے بچے گم ہو گئے ہیں، میلے میں انھیں ہوش ہی نہیں رہتا کہ سنبھال سکیں۔ پاگلوں کی طرح رام لیلا کی راس دیکھتے اپنے بچوں سے [illegible]۔ [illegible] کے بنا بھی تو بچے ماؤں سے بچھڑ جاتے ہیں" میں اس کی طرف دیکھے بنا منی کے سر پر ہاتھ پھیر کر کہتی ہوں:

"تم کبھی بھول بھی سکوں گی اس بات کو کہ وہ وقت اور تھا یہ اور ہے" گرپال ہولے سے کہتا ہے۔

گرپال کو میں کیسے سمجھاؤں کہ وقت کبھی اور نہیں تھا۔ اور انسان کے نصیب میں دکھ اس لئے ہے کہ وہ بھول نہیں سکتا میری یاد میں وہ نظارہ اسی طرح زندہ ہے۔ ہر طرف آگ لگی تھی۔ ملک آزاد ہو گیا تھا۔ ملک بٹ گیا تھا۔ درمیان میں کبھی کسی کو کوئی دکھ چھو سکتا ہے۔ اماں اور بابا کتنے بھولے تھے۔ دکھ تو سدا اپنوں ہی سے ملتے ہیں۔ اس پریشانی کی کیا اصلیت ہے جو بے گانوں کے ہاتھوں میں پہنچتی ہے۔ ساری زندگی نے اپنی خوبصورتی کھو دی اور ہر شے کا چہرہ خون کے غبار میں چھپ گیا۔ بھگوان، گرو اور اللہ کے نام پر دینے والوں نے ایک دوسرے کے گلے پر تلواریں چلائیں۔ بہنوں بیٹیوں کے لئے کٹ مرنے والے عورت کی عزت اور عصمت کو جھوٹا بول سمجھنے لگے۔ بھائی اور بہنوں کے لفظ صدیوں کی بیڑیوں کی طرح اس آزاد اور بٹوارے میں کٹ گئے۔ اور جتھے بنا کر گھومنے والوں کے قدموں میں دھول بن کر مل گئے۔ اماں نے بابا سے کہا تھا "ہم بھی لڑکیوں کو لے کر چلتے ہیں۔ میرا جی تو ہول کھاتا ہے۔ اس وقت کسی پر بھروسہ کرنا بے کار ہے"۔

اور بابا نے اپنی طمانیت سے کہا تھا "بی بی کی اماں تم بھی عام لوگوں کی طرح ناحق جان گھلاتی ہو۔ بھلا ہمیں بھی کوئی تکلیف ہو سکتی ہے۔ بٹوارے کے بنا چارہ نہ تھا۔ یہ شور تو چند دنوں میں ختم ہو جائے گا۔ گھبراؤ نہیں سب ٹھیک ہو جائے گا سب کچھ"۔

اماں عام زندگی میں تو ایسے جواب سے مطمئن ہو جایا کرتی تھیں پر اس دن نہ ہوئیں بولیں "جان کے ساتھ عزت کا خطرہ ہے۔ جوان لڑکیوں کا ساتھ ہے۔ میری مانو تو ہم سب کو بھیا کے پاس بھیج دو"۔

بابا بولے ۔ راہوں پر ہر طرف گاؤں کے آوارہ لوگ بھاگتے پھرتے ہیں۔ گاڑیاں ہی گاڑیاں کاٹ کر پھینک رہے ہیں۔ ایسے میں جانا بہت ہی زیادہ خطرے کی بات ہے ۔ بس تم خاموشی سے اپنے گھر میں رہو۔ خدا ہماری حفاظت کرے گا۔ بابا حالات کی وجہ سے پریشان ہوں گے مگر انھوں نے وقت کے گزرنے پر سوائے خدا کے بھروسے کے اور کسی کی مدد کا واسطہ ہمیں نہیں دیا۔ یوں وقت تو کب سے گزر چکا تھا۔ بابا کی بھول یہی تھی کہ انھوں نے پرانی زندگی اور قدروں کا سہارا لیا تھا اور اسی بھول کے بدلے تو جب کرپال مجھے گھسیٹ کر گھر سے باہر لا رہا تھا۔ میں نے بابا کے سفید سر کو نالی کے کنارے پڑے دیکھا۔ ان کا جسم نالی میں تھا۔ بند آنکھوں اور خون آلود سر کو بھول کر وہ جانے کس طاقت سے پرارتھنا کر رہے تھے ۔ دعا کے قبول ہونے کا وقت تھا بھلا؟ اماں کے سینے سے ایک چمکتا ہوا برچھا آر پار ہو گیا تھا۔ اور وہ اسی جگہ گر گئیں جہاں انھوں نے خدا سے اپنی حفاظت اور عزت کے محفوظ رہنے کی دعا مانگی تھی۔ آپا کی چیخیں آج بھی مجھے آندھی کے شور میں کبھی کبھار سنائی دے جاتی ہیں۔ پر آج کی طرح تب بھی میں کیا کر سکتی تھی۔ کرپال مجھے کھینچے لئے جا رہا تھا۔ میرے سر پر چنری نہ تھی۔ پر مجھے ان راہوں پر بھیا کے ملنے کی آس کب تھی۔ اگر بھیا میرے پاس ہوتے تو بھلا کوئی مجھے چھو سکتا؟ کوئی یوں تنکے سر مجھے جنم بھومی کی ان راہوں پر گھسیٹ سکتا تھا۔ جہاں کا ہر ذرہ ہمیں پیارا تھا۔ ان راہوں پر میرے بابا کا خون گرا ہے ۔ اس دھول میں ان کا سفید سر گھسیٹا گیا تھا۔ وہ کون دیس ہے اگر اس دھول کی ایک جھلک دیکھ سکوں تو آج بھی اس کی ماتھے پر چڑھاؤں۔ وہ مٹی مجھ سے تو خوش قسمت ہے۔

میں نے اپنے بابا سے کتنی باتیں ابھی کرنا تھیں۔ اماں کو میں نے کتنا ستایا تھا اور بھائی کو کتنا تنگ کیا تھا اور جب میرا وجود ڈولی کے بنا سنگراؤں تک کھینچا گیا تو کوئی ماں جایا نہیں تھا جس سے میں رو رو کر التجا کرتی کہ بابل کا دیس چھٹ رہا تھا اور کوئی مجھے وداع نہیں کر رہا تھا۔

دکھ سہنے کے بعد اگر سکھ کی آس ہو۔ اور دور کوئی امید ہو تو دکھ کا بوجھ ہلکا ہو جاتا ہے اور میرا راستہ کبھی نہ کٹ سکا بھولوں اور یاد کروں کرپال تم نے کبھی مجھے پیچھے مڑ کر دیکھنے ہی نہیں دیا۔

بڑی ماں کی مار ۔ کرپال کی گالیاں ۔ بھوک کی گھڑیاں میں نے دور ٹمٹماتے دیئے کی طرح اس کی طرف دیکھ کر برداشت کر لی تھیں کہ شاید بھائی اور بھیا مجھے کھوجتے ہوئے کسی دن سنگراؤں میں آجائیں۔ پھر میں بڑی ماں کی طرف دیکھ کر مسکراؤں گی اور کرپال کی طرف دیکھے بنا اپنے بھیا کے ساتھ چلی جاؤں گی۔ اس دن نیم کے پتوں میں کھلبلی ہوا۔ گیت گائے گی اور سارے گاؤں میں خوشیاں ہوں گی۔ انسان اپنے کو ساری کائنات کا مرکز کیوں سمجھتا ہے نہ جانے کیوں۔ جب تک اندھیرے سے آنکھیں مانوس نہیں ہوتیں ۔ انسان اجالے کے لئے آنکھیں جھپکاتا رہتا ہے اور سپنے دیکھتا رہتا ہے ۔ امیدیں آوارہ خیالوں کی طرح دل کے گرد چکر لگاتی رہتی ہیں۔ منی پیدا ہوئی ہے تو میرے سینے کی کڑیاں ڈھیلی ہو گئیں۔ دل کے گرد آشاؤں کا گھیرا بکھر گیا میں نے سپنوں میں جاگنا شروع کیا۔ سنگراؤں کے گیتوں میں کبھی کبھار میرا ایک بول بھی گونج اٹھتا۔

جب دونوں ملکوں میں صلح ہوئی تو کرپال بہت اداس رہتا ۔ سہما سہما اور پریشان ۔ بڑی ماں اور وہ چوکے میں بیٹھے ہولے ہولے جانے کیا باتیں کیا کرتے ۔ پر مجھ سے دونوں کچھ نہ کہتے ۔ ان دنوں منی پاؤں پاؤں چلتی تھی اور توتلی باتیں کرتی تھی ۔ خبریں زور شور سے گھومتی رہیں اور پھر بگولے کی طرح بیٹھ گئیں۔ مجھے کوئی فوج لینے نہ آئی۔

پھر میں نے سنا پاس کے گاؤں سے دوسرے ملک کے سپاہی لڑکیوں کو ڈھونڈھ کر لے جا رہے ہیں ۔ کس دیس کو؟ آخر کہاں؟ کن لوگوں کے درمیان ان دنوں میں نے سوچا تھا ۔ شاید بھیا اور بھائی بھی مجھے ڈھونڈنے آئیں گے ۔ جادو کے شہر کے دروازوں کے باہر وہ کب سے میری راہ دیکھ رہے ہوں گے ۔ مجھے جانا چاہئے ضرور ۔ میں ہر روز اپنی امیدوں کی پوٹلی کی گرہیں باندھتی اور آس لگائے گلی کے موڑ کی طرف دیکھتی رہی۔

اس سال سردیوں میں ہمارے سنگراؤں میں سپاہی مجھے لینے آئے ۔ میں بھیا اور بھائی کی بی بی ہونے کے ساتھ ساتھ منی کی ماں بھی ہوں اور میں نے سوچا جانے یہ کون لوگ ہیں۔ وہ کون دیس ہو ۔ زندگی میں پہلی بار میرا یقین ڈگمگایا۔ سپنوں کا شہر دھول بن کر میرے سامنے سے ہٹ گیا۔ میری جڑیں سنگراؤں کی زمین میں گہری ہو گئی ہیں۔ سوکھنا، مرجھانا اور برباد ہونا کسے اچھا لگتا ہے ۔ ہر کسی لڑکی کو مائکے سے وداع ہو کر سسرال جانا ہوتا ہے ۔ ہر دلہن بیاہ کر کہیں نہ کہیں جاتی ہے میرے بیاہ میں بھیا اور بھائی نہ ملے تو کیا ہوا۔ کرپال نے میرے لئے لاشوں کا فرش بچھایا تھا۔ خون سے راہیں سرخ کی تھیں۔ شہروں کے شہر جلا کر روشنیاں کی تھیں۔ لوگ چیختے چلاتے بھاگتے میری شادی کی خوشیاں منا رہے تھے ۔ ساری فضا میں بدلے رواجوں کے مطابق دھوئیں اور آگ اور خون کی بو تھی ۔ مجھے وہ سنگراؤں لایا تھا۔ گندم کے کھیتوں کے درمیان کچے گھر کی کوٹھری میں میری باقی زندگی بیتنے والی تھی ۔ اپلے کے نیلے دھوئیں سے بھرے گھر میں۔

میں کتنی دیر اس کتاب کے حرفوں کو دیکھتی رہی تھی جو کرپال اتنے برسوں بعد منی کو پڑھانے کے لئے لایا تھا ۔ اور لفظ میری آنکھوں میں دھڑکن بن گئے تھے ۔ مجھے وہ ساری کہانیاں یاد آگئی تھیں جو بھیا اور بھائی نے مجھے سنائی تھیں اور پھر کہا تھا ۔ بی بی اس سے بھی اچھی کہانیاں کتابوں میں ہیں ۔ بس ذرا بڑی ہو جا ، پھر دیکھنا کتنے مزے کی باتیں پڑھے گی ۔ کہانیوں کی شہزادی کی طرح جب فوج مجھے چھڑانے آئی ہے تو میں چھپ گئی ۔ میں کسی اور کے ساتھ کیوں جاتی بھلا ۔ مجھے بلوانے اور وداع کرانے بھیا اور بھائی کیوں نہیں آئے ۔ میں دل ہی دل میں بھیا اور بھائی سے روٹھ گئی میں ان سے آج تک خفا ہوں۔

منی جب پاس لیٹتی ہے تو مجھ سے پوچھتی ہے ۔ ماں تم دیوالی میں بھی ماما کے گھر کیوں نہیں جاتیں؟ ماں ہمیں کبھی کوئی مٹھائی کیوں نہیں بھیجتا؟"

ماما کبھی کھوجنے ہی نہیں نکلے منی ۔ تیرے ماما مجھے کبھی وداع کرانے نہیں آئے ۔

بھلا زندگی میں کسے اتنی فرصت ہوتی ہے کہ کسی کو ڈھونڈتا پھرے ۔ ہولے ہولے محبتیں، سہارے ڈھونڈ لیتی ہیں ۔ بھیا کے بچے اب منی کے برابر بڑے ہوں گے ۔ وہ جب اپنی ماں سے ماما کے گھر کی باتیں پوچھتے ہوں گے تو اسے چپ رہ کر یا دھیان بٹانے کے لئے ادھر ادھر کی باتیں نہیں کرنی پڑتی ہوں گی ۔ کبھی کبھار دل میں کہانیاں ہوتی ہیں پر زبان پر ایک لفظ نہیں آتا ۔ گلی کی بہوئیں جب نیم کی چھاؤں میں چرخے کاتتی گیت گاتی ہیں تو میں چپ رہتی ہوں ۔ ہمارے آنگن میں کتنی رونق ہوتی ہے ۔ مائکے کے گیتوں میں کتنا رس ہے رتیں بدلتی ہیں ۔ سال بہ سال کبھی کسی کو ان کے باپ بھائی وداع کرانے آتے ہیں جب آشا، ریکھا پورا اور چندر کے پاؤں زمین پر نہیں ٹکتے ۔ وہ ہر ایک کے گلے میں مائکے جاتی ہیں ۔ ان کے بول گیت ہیں رتیں بدلتی رہتی ہیں ۔

لڑکیاں کوے کو چھت سے اڑا کر اپنے ویروں کے آنے کا پوچھتی ہیں ۔ میرا دل گلے کے قریب یونہی دھڑکنے لگتا ہے اور کلیجے کے قریب ایک نس ایسی پھڑکتی ہے مانو پھٹ جائے گی میں کوے کو اڑانے کے لئے ہاتھ اٹھاؤں تو بے جان ہوکر وہ میرے پہلو میں گر جاتا ہے ۔

بڑی ماں کو مجھ سے آس بندھ گئی ۔ جب میں نے اپنی پچھلی زندگی سے سارے ناطے توڑ لئے تو میرا اور بڑی ماں کا ناطہ اور گہرا ہوگیا ۔ میں اس کی لکشمی بہو بن گئی ہوں ۔ میرے ہاتھ کا سوت وہ بڑے چاؤ سے لوگوں کو دکھاتی ہے اور دوسری عورتیں جب ان سے اپنی بہو کے گلے کرتی ہیں تو وہ میری باتیں کرکے ان کا دل اور بھی جلاتی ہے ۔

کھیتوں میں گھومتی اناج کی خوشبو اور سبز گندم کی بالوں کی باس دور تک پھیلے نیلے دھوئیں میں مل کر ایک گیت بن جاتے ۔ ان پر جھکا اکے دکے تاروں سے بھرا آکاش اور نہر کا ننھی منی لہروں میں بل کھاتا پانی سب اس کے بول ہوں ۔ اگر بیلوں کے لئے سر پر چارے کے گٹھے اٹھائے کسانوں کے پیچھے کسی دن گھوڑے پر سوار ایک جوان میرے کھلے کواڑوں کے سامنے آن کر اترے اور میں بھیا کہہ کر اس سے لپٹ جاؤں ۔ میں دروازے میں کھڑی کھڑی بھلا کس کی راہ تکا کرتی ہوں ۔ آشاؤں کے مرنے کے بعد ان کی لاشوں کو اٹھائے مجھے کب تک گھومنا ہوگا ؟ ان اونچی نیچی راہوں کو دیکھتے دیکھتے آنسو آپ سے آپ میری آنکھوں میں کیوں آگئے ہیں ۔ منی کے سر پر اگر یہ آنسو گر گئے تو وہ گھبرا کر اٹھے گی ۔ اور پوچھے گی "ماں ! تم روتی کیوں ہو ؟" میں اس سے اپنا دکھ کیسے کہوں ؟

منی اگر پوچھے "ماں تمہاری آنکھیں بھیگی ہوئی کیوں ہیں ۔ تم دسہرے کی رات بھی روتی ہو ماں ۔ کیا تم تھک گئی ہو ؟"

گرپال نے دونوں بچوں کو کندھے پر اٹھالیا ہے ۔ منی اور میں سنگراؤں جا رہے ہیں ۔ ستیاجی نے دوسری بار بن باس پر جانے کے بدلے راون کے گھر کو قبول کرلیا ہے ۔ مجھ میں اتنی ہمت کہاں سے آئے گی کہ میں دوسری بار کسی بے یقینی کا سہارا لے کر اندھیکار سے باہر قدم دھر سکوں ۔

زندگی کی ساری روشنیاں پیچھے شہر کی طرح مجھ سے دور ہٹ گئی ہیں مگر مجھے پھر بھی اس اندھیرے سے پیار نہیں ہو پاتا نہ جانے کیوں ؟

مجھے چلتے ہی جانا ہے ۔ تھکن میرے انگ انگ میں دشمن بن کر پھیلی ہے ۔ پر پھر بھی مجھے چلتے ہی جانا ہے ۔ زندگی کے میلے میں باسی اور بن باسی سب قدم بڑھائے چلنے پر مجبور ہیں اور میں قدم بڑھاتی سوچتی ہی رہتی ہوں، کبھی بھائی اور بھیا بھی میرے لئے اداس ہوتے ہوں گے ؟

سب سے زیادہ ڈر تو مجھے منی سے لگتا ہے ۔ وہ پھر کل مجھ سے یہ سوال پوچھے گی ۔ اور پھر کوئی بھی اس کی بات کا جواب نہیں دے سکے گا نہ گرپال اور نہ میں اور نہ شاید بڑی ماں ۔

کئی سوال ایسے کیوں ہوتے ہیں اتنے کٹھن اور ایسے مشکل جن کا جواب کوئی بھی نہیں دے سکے ۔

سردیوں کی لمبی راتوں میں دکھ الاؤ جلا کر بیتے سپنوں کو بلاتا اور کہانیاں سنتا ہے ۔ کہانیاں بھلا سچی ہو سکتی ہیں ۔ من بڑا ہٹیلا ہے ۔ اسے بیتے دن نہ جانے کیوں یاد آتے ہیں ؟

سنگراؤں کے پرے بھی کوئی فکر ہے کیا ؟

گاؤں کی اونچی نیچی گلیوں میں گوبر اور موت کی باس اناج کی باس کے ساتھ ملی زندگی کے دھارے کی طرح بہتی چلی جاتی ہے آج کا دن بھی ختم ہوگیا ۔ ہوا کے جھونکوں کی طرح دن ختم ہوجاتے ہیں ۔ جانے ابھی کتنا راستہ باقی ہے ۔

11 ستمبر کو ورلڈ ٹریڈ سنٹر پر حملہ کے وقت 16 خواتین حاملہ تھیں اور اس حادثہ میں ان تمام کے شوہر ہلاک ہوگئے ۔

تمام خواتین اپنے نومولود بچوں کے ساتھ

ونڈے کرکٹ کی تاریخ میں سری لنکا کی سب سے تیز رفتار جیت

واس نے عالمی ریکارڈ [illegible] ہیٹ ٹرک بنانے والے پہلا سری لنکائی بولر کا اعزاز

محمد بن عبداللہ رفاعی

ایل جی ابانس ٹرائی سیریز کے پہلے میچ میں جو سنہالیز اسپورٹس کلب میدان کولمبو پر کھیلا گیا سری لنکائی کیپٹن سنت جے سوریہ نے ٹاس جیت کر زمبابوے کو پہلے بیٹنگ کرنے کی دعوت دی۔ اس کے ساتھ ہی زمبابوے کی تباہی کا آغاز ہوا۔ واس نے اپنے کیریئر کا بہترین مظاہرہ کرتے ہوئے ورلڈ ریکارڈ قائم کیا اور زمبابوے کی بیٹنگ کو ہیٹ ٹرک کے ساتھ تہس نہس کر دیا۔ یہ ونڈے کرکٹ تاریخ کا 1776 واں میچ تھا جس میں سری لنکا نے زمبابوے کو 15.4 اوورس میں صرف 38 رنز پر آل آؤٹ کرتے ہوئے اور درکار رنز صرف 4.1 اوورس میں بناتے ہوئے ریکارڈ قائم کیا۔ زمبابوے کا اس سے قبل کم ترین اسکور پاکستان کے خلاف شارجہ میں 97-1996ء میں 94 رنز تھا۔

اس میچ میں چمندا واس نے ایک روزہ کرکٹ میں گیند بازی کا عالمی ریکارڈ بنایا اور سری لنکا نے سہ رخی سیریز کے پہلے میچ میں زمبابوے کو ایک روزہ تاریخ کے سب سے کم اسکور یعنی محض 38 رن پر آؤٹ کرنے کے بعد اسے آسانی سے روند دیا۔ واس نے 8 اوور میں 19 رن دیکر ہیٹ ٹرک سمیت 8 وکٹ لیکر زمبابوے کو محض 15.4 اوورس میں 38 رنز پر سمیٹ دیا۔ سری لنکا نے محض 14.2 اوورز میں ایک وکٹ پر 40 رنز بنا کر یہ میچ جیت لیا۔ کپتان جے سوریہ 13 اور مارون [illegible] 23 رن بنا کر ناٹ آؤٹ رہے۔ واس کو ایک روزہ [illegible] سے بہترین گیند بازی کیلئے "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔ واس نے بہترین گیند [illegible] تار آٹھ اوور پھینکے اور زمبابوے کے پہلے آٹھ بلے بازوں کو آؤٹ کر کے [illegible] واس ہیٹ ٹرک بنانے والے سری لنکا کے پہلے کھلاڑی بن گئے۔ واس نے [illegible] 8 [illegible] کپتان اسٹیورٹ کارلیل، کریگ وشارٹ اور ٹینڈ ٹیبو کو بالترتیب تیسری، چوتھی [illegible] گیند پر آؤٹ کیا۔ اس نے اپنی بہترین گیند بازی کے ذریعہ زمبابوے کے بلے بازوں کو فرنٹ فٹ پر آکر [illegible] کیلئے مجبور کر دیا۔ واس کے آٹھ شکاروں میں سے چار ایل بی ڈبلیو آؤٹ ہوئے۔ واس نے [illegible] اسی فارم کا مظاہرہ کیا جس کی بدولت اس نے اسی میدان پر [illegible]

درج ذیل میں بولرس کے 6 وکٹ سے زیادہ کے ریکارڈ مظاہروں کو دیا جارہا ہے۔

مظاہرہ	کھلاڑی	ٹیمیں	مقام	سیریز	میچ نمبر
8/19	چمندا واس	سری لنکا۔ زمبابوے	کولمبو	ایل جی سیریز 2001/02	1776
7/30	متیا مرلی دھرن	سری لنکا۔ انڈیا	شارجہ	چیمپیئنس ٹرافی 2000/01	1650
7/36	وقار یونس	پاکستان۔ انگلینڈ	لیڈس	نیٹ ویسٹ سیریز 2001	1724
7/37	عاقب جاوید	پاکستان۔ ہندوستان	شارجہ	ولیس ٹرافی 1991/92	685
7/51	ڈبلیو ڈیوس	ویسٹ انڈیز۔ آسٹریلیا	لیڈس	ورلڈ کپ 1983	203
6/12	انیل کمبلے	ہندوستان۔ ویسٹ انڈیز	کلکتہ	ہیرو کپ 1993/94	858
6/14	جی گلمور	آسٹریلیا۔ انگلینڈ	لیڈس	ورلڈ کپ 1975	31
6/14	عمران خان	پاکستان۔ ہندوستان	شارجہ	رتھمنس کپ 1984/85	321
6/15	سی کرافٹ	ویسٹ انڈیز۔ انگلینڈ	کنگس ٹاؤن	پہلا ونڈے 1980/81	115
6/18	اظہر محمود	پاکستان۔ ویسٹ انڈیز	شارجہ	چیمپیئنس ٹرافی 1999/00	1517
6/19	ہنری اولنگا	زمبابوے۔ انگلینڈ	کیپ ٹاؤن	اسٹینڈرڈ بینک سیریز 1999	1551
6/20	بی سی اسٹرانگ	زمبابوے۔ بنگلہ دیش	نیروبی	پریسیڈنٹس کپ 1997/98	1242
6/23	ایلن ڈونالڈ	جنوبی افریقہ۔ کینیا	نیروبی	KCA ٹورنمنٹ 1996/97	1124
6/26	وقار یونس	پاکستان۔ سری لنکا	شارجہ	آسٹریلیشیا کپ 1989/90	627
6/29	بی پیٹرسن	ویسٹ انڈیز۔ ہندوستان	ناگپور	پہلا ونڈے۔ 1987/88	481
6/29	جے سوریہ	سری لنکا۔ انگلینڈ	Moratuwa	دوسرا ونڈے۔ 1992/93	818
6/30	وقار یونس	پاکستان۔ نیوزی لینڈ	آکلینڈ	چوتھا ونڈے۔ 1993/94	894
6/35	شان پولاک	افریقہ۔ ویسٹ انڈیز	ایسٹ لندن	دوسرا ونڈے۔ 99-1998	1393
6/39	K.Macleay	آسٹریلیا۔ ہندوستان	ناٹنگھم	ورلڈ کپ 1983	207
6/41	ویوین رچرڈس	ویسٹ انڈیز۔ ہندوستان	دہلی	نہرو کپ 1989/90	582
6/44	وقار یونس	پاکستان۔ نیوزی لینڈ	شارجہ	چیمپیئنس ٹرافی 1996/97	1144
6/49	لانس کلوسنر	جنوبی افریقہ۔ سری لنکا	لاہور	ولیس کپ 1997/98	1252
6/50	اے ایچ گرے	ویسٹ انڈیز۔ آسٹریلیا	پی اے اسپین	دوسرا ونڈے۔ 1990/91	672
6/59	وقار یونس	پاکستان۔ آسٹریلیا	ناٹنگھم	نیٹ ویسٹ سیریز 2001	1725

ویسٹ انڈیز کے خلاف تیسرے ٹسٹ میں 14 وکٹ لیے تھے۔ چمندا واس کی بہترین گیند بازی کی جتنی تعریف کی جائے کم ہے کیونکہ انھوں نے ساتھی کھلاڑی مرلی دھرن کا بھی ایک روزہ انٹر نیشنل میچوں میں ورلڈ ریکارڈ توڑ دیا۔ مرلی دھرن نے یہ ریکارڈ شارجہ میں 01-2000ء میں ہندوستان کے خلاف بنایا تھا۔ جب انھوں نے 30 رن دیکر 7 وکٹیں حاصل کی تھیں ۔ آف اسپنر مرلی دھرن نے بھی چار گیندوں میں زمبابوے کی اننگز کی آخری دو وکٹیں حاصل کیں ۔ زمبابوے نے اپنی اننگز صرف 87 منٹ تک کھیلی اور سبھی کھلاڑی کل 38 رن پر آؤٹ ہوگئے۔ جبکہ انٹر نیشنل میچوں میں سابقہ ریکارڈ 43 رنز کا ہے جو پاکستان نے 93-1992ء میں کیپ ٹاؤن میں ویسٹ انڈیز کے خلاف قائم کیا تھا۔ یاد رہے کہ تین ملکوں کی سیریز میں ویسٹ انڈیز تیسری ٹیم ہے۔ بعد میں چمندا واس نے کہا کہ وہ اپنی کارکردگی سے بے حد خوش ہیں کیونکہ انھوں نے ایک ہیٹ ٹرک بنائی اور عالمی ریکارڈ قائم کیا۔ انھوں نے کہا کہ سبھی فاسٹ بولروں کی کارنامہ انجام دینے کی تمنا ہتی ہے تو میری بھی آج تمنا پوری ہوگئی اور میں سمجھتا ہوں کہ یہ سب سے بہترین کارکردگی رہی جو میں نے انجام دی۔ یاد رہے کہ چمندا واس نے زمبابوے کی پہلی آٹھ وکٹیں خود حاصل کیں جس میں پہلی ہیٹ ٹرک بھی شامل ہے۔ انھوں نے کہا کہ مجھے ریکارڈ کی پرواہ نہیں بلکہ میں اپنے ملک اور ٹیم کیلئے عمدہ کھیل کا مظاہرہ کرنا چاہتا ہوں۔

نشانے تک نہیں پہنچ سکے گی۔ لیکن فلاور نے ٹیم کو نازک حالات کو سنبھالتے ہوئے کامیابی تک پہونچایا۔ انہوں نے 47 رنوں میں صرف 2 چوکے لگائے۔ ان کا ساتھ زمبابوے کے ایک اور سابق کپتان ہیتھ اسٹریک نے دیا۔ فلاور اور اسٹریک نے 39 گیندوں پر 30 رنز بنائے [illegible] وکٹ کی غیر مفتوح پارٹنر شپ تھی۔ مین آف دی میچ کا ایوارڈ زمبابوے کے کپتان اسٹیورٹ کارلیل کو دیا گیا جنہوں نے 93 گیندوں پر 5 چوکوں کے ساتھ 47 رنز بنائے۔ ٹاس جیتنے کے بعد ہی زمبابوے نے ویسٹ انڈیز کو بیٹنگ کرنے کی پیشکش کی لیکن ویسٹ انڈیز کبھی بھی کھل کر نہیں کھیل پائی۔ برائن لارا 2 رن بنا کر اسٹریک کی ایک گیند پر ایل بی ڈبلیو ہوگئے ۔ لارا کا وکٹ جانا ویسٹ انڈیز کیلئے زبردست جھٹکا ثابت ہوا۔ البتہ دوسرے سلامی بلے باز ڈارین گنگا نے زمبابوے کے بولروں کا مستعدی سے سامنا کیا اور 89 گیندوں پر 59 رنز بنائے۔ اس کے بعد گنگا کا ساتھ دینے کیلئے مارلون سیموئلس آئے جنہوں نے 65 گیندوں پر 32 رنز بنائے اور پھر گرانٹ فلاور کی ایک گیند پر ڈ وکٹ پر کیچ کرلئے گئے۔ ٹیم کا اسکور جسوقت 152 تھا اس وقت گنگا بھی گرانٹ فلاور کی گیند پر انہیں کو ایک آسان کیچ دیکر پویلین لوٹ گئے۔ گرانٹ فلاور نے 10 اوور میں 33 رنز دیکر 2 وکٹ حاصل کیے۔ ویسٹ انڈیز کی اننگز آخری اوور میں اس وقت ختم ہوئی جب 20 رنوں پر کھیلتے ہوئے ریڈلی جیکبس نے ٹراوس فرینڈ کی گیند پر رن بنانے کی کوشش کی مگر ڈیپ مڈ وکٹ پر اسٹریک نے ان کا کمال ہوشیاری سے کیچ لے لیا۔
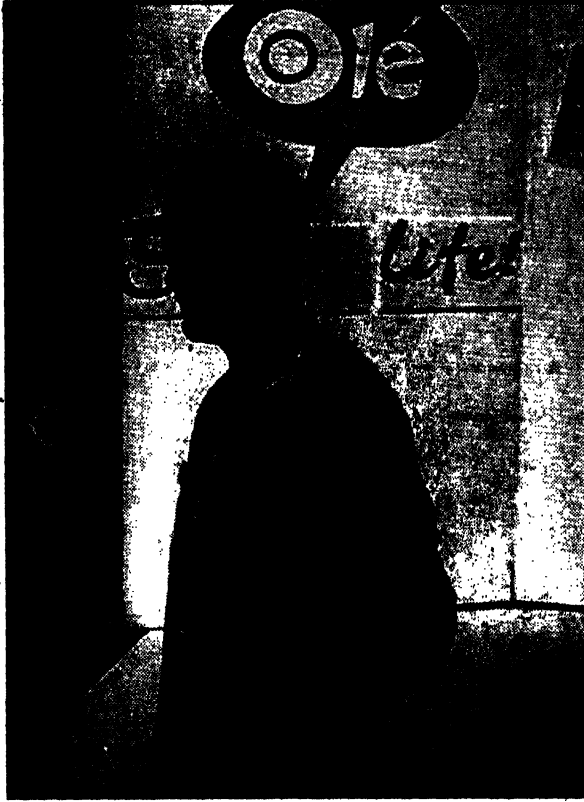
زمبابوے پر ویسٹ انڈیز کی آسان فتح

ویسٹ انڈیز نے سہ ملکی ایک روزہ سیریز میں زمبابوے پر آسان فتح درج کی اور صرف 34 اوور میں 2 وکٹ گنوا کر مقررہ 155 رن بنالئے ۔ کرس گیل نے 17 چوکوں اور ایک چھکا کی مدد سے شاندار 89 رنز بنائے جبکہ رام نارائن سروَن (3) اور ہائینڈس (16) نے ٹیم کو فتح سے ہمکنار کیا۔ زمبابوے آج یہاں سہ ملکی سیریز کے فائنل لیگ میچ میں 154 رن بنا کر اوٹ ہوگیا۔ ڈیرل براؤنڈ نے اپنے پہلے ایک روزہ انٹر نیشنل میچ میں موثر گیند بازی کرتے ہوئے 21 رن دیکر 3 وکٹ لئے ۔ 27 سالہ براؤنڈ جنہوں نے ابھی تک صرف 5 فرسٹ کلاس میچ کھیلے ہیں ٹریور گریپر (4)، اینڈی فلاور (21) اور ڈگلس میریلر (5) کو آوٹ کیا۔ اس موثر کارکردگی کے نتیجہ میں ویسٹ انڈیز کے اس میچ میں فتح یاب ہونے کی وجہ سے چہارشنبہ کو فائنل میں سری لنکا کے خلاف صف آرا ہونے کا امکان یقینی ہوگیا۔

زمبابوے ٹیم سری لنکا سے ذلت آمیز شکست کے صدمے سے نکل آئی، دوسرے میچ میں ویسٹ انڈیز کو 4 وکٹ سے شکست دیدی

سہ رخی ٹورنمنٹ کے دوسرے میچ میں زمبابوے نے ویسٹ انڈیز کو 4 وکٹوں سے ہرادیا۔ حالانکہ ہفتہ کے روز سری لنکا کے خلاف زمبابوے کو ذلت آمیز شکست کا سامنا ہوا تھا لیکن آج کے مقابلے میں ایسا لگا کہ اس شکست کے صدمے سے ٹیم نکل گئی ہے۔ زمبابوے نے ویسٹ انڈیز کو 173 رنوں پر سمیٹ دیا تھا اور جب اس کی اپنی باری آئی تو 11 گیندیں قبل ہی اس نے 6 وکٹ گنوا کر 175 رنز بنالئے جن میں 75 گیندوں پر اینڈی فلاور کے 47 رنز شامل ہیں۔ فلاور آخر تک ناٹ آؤٹ رہے ۔ پہلے میچ میں اسی میدان پر زمبابوے کو سری لنکا نے 38 رنوں پر سمیٹ دیا تھا۔ یہ ایک روزہ بین الاقوامی میچوں کی تاریخ کا سب سے کم اسکور تھا اور آج بھی جب صرف 145 رنوں پر زمبابوے کا چھٹا وکٹ گر گیا تو ایسا محسوس ہونے لگا کہ ٹیم

مجھے ہمیشہ اپنے ساتھیوں کا تعاون دستیاب رہتا ہے: جے سوریہ

حال ہی میں سری لنکا نے سنت جے سوریہ کی قیادت میں ویسٹ انڈیز کو ایل جی ابانس ٹرائی سیریز میں شکست دیکر کامیابی حاصل کی۔ اس کامیابی کے ساتھ ہی جے سوریہ نے اپنی کامیاب قیادت کا ناقدین سے پھر ایک مرتبہ لوہا منوایا۔ جے سوریہ کو جس وقت رانا تنگا کی جگہ کپتان بنایا گیا تو اس وقت کئی لوگوں نے ان کی صلاحیت پر شک و شبہ کا اظہار کیا کہ آیا وہ اس ذمہ داری کو نبھا پائے گے یا نہیں۔ لیکن دیکھنے والوں نے دیکھا کہ سنت جے سوریہ نے نہ صرف اپنے پیشرو کے نقش قدم پر چل کر کامیاب قیادت کی بلکہ بیٹنگ اور بولنگ کے ذریعہ مخالف ٹیموں کو پریشانی میں مبتلا کر دیا۔ جے سوریہ کا یہ ماننا ہے کہ ان کی کامیاب قیادت کا راز فیلڈ پر ہمہ اوقات اپنے ساتھیوں سے صلاح و مشورہ کرتے رہنے میں مضمر ہے اور خاص طور پر اس وقت جب سری لنکا کی ٹیم فیلڈ پر کسی بحران میں مبتلا ہو جاتی ہے اس وقت آپ جے سوریہ کو اپنے ساتھیوں سے کچھ زیادہ ہی صلاح و مشورہ کرتے دیکھیں گے۔ وہ اپنی ٹیم کے جونیر سے جونیر کھلاڑی کے مشوروں کو بھی بڑے غور سے سنتے ہیں۔ اس لحاظ سے دیکھا جائے تو سنت جے سوریہ انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی فیصلوں میں یقین رکھتے ہیں۔ کرکٹ میں دھماکہ خیز بیٹنگ کیلئے مشہور سنت جے سوریہ کو ہمیشہ سری لنکائی ٹیم کو بلند سے بلند تر مقام پر پہنچانے کی فکر دامن گیر رہتی ہے۔ پیش ہے حال ہی میں دورہ ہندوستان کے بعد ان سے لیے گئے انٹرویو کے کچھ اقتباسات:

س : گزشتہ مرتبہ سری لنکا کے دورہ پر آئی ہو انگلینڈ ٹیم کے ہاتھوں شکست سے دوچار ہونے کے بعد ابھی گزشتہ ماہ ہندوستان کے خلاف سری لنکا نے جب ٹسٹ سیریز جیتی تو یقیناً آپ کو یک گونہ اطمینان ہوا ہو گا؟

ج : جی ہاں! آپ کا خیال بالکل سچ ہے ہم انگلینڈ سے بہت کم فرق سے سیریز ہارے تھے۔ اس موقع پر چند باتیں ہمارے خلاف ہو گئی تھیں، ظاہر ہے شکست چاہے کیسی ہی کیوں نہ ہو نفسیاتی اعتبار سے اثر ہونا لازمی ہے۔ ہندوستان کو شکست دینے کیلئے ہم نے اپنا ہوم ورک اور اپنی حکمت عملی بڑے اچھے طریقہ سے تیار کر رکھی تھی۔ ہندوستان کے خلاف میدان میں اترنے سے پہلے ہم نے کئی ہندوستانی کھلاڑیوں کے کھیل کا ویڈیو بڑے غور سے دیکھا تھا۔ اس کے علاوہ مشق کے دوران ہمارے تمام کھلاڑیوں نے اس مقصد کے حصول کیلئے بڑی محنت کی تھی۔

س : ہندوستان کے خلاف سری لنکا نے اپنا آخری ٹسٹ کافی بڑے فرق کے ساتھ جیتا تھا لیکن اس سے پہلے جب کینڈی ٹسٹ میں ہندوستانی ٹیم نے سری لنکا کو شکست دیکر اس کی پہلی فتح کا ٹھوس جواب دیا تھا تو اس وقت آپ کو کیا محسوس ہوا تھا؟

ج : تیسرا اور آخری ٹسٹ ہمارے اور ہندوستان دونوں ہی کیلئے ایک بڑا اور فیصلہ کن میچ تھا۔ لیکن اس کے باوجود احتیاط کا دامن تھامنے پر ہم نے اپنے فطری انداز سے کھیلنے ہی کو ترجیح دی۔ اس وقت ہمارے سامنے یہی متبادل تھا۔ ہم اپنے آپ کو تمام طرح کے دباؤ سے آزاد رکھ کر کھیلنا چاہتے تھے۔

س : کیا اس تیسرے اور آخری ٹسٹ میں آپ نے اپنے بلے بازوں کو یہ مشورہ دیا تھا کہ وہ دھوئیں دار بلے بازی کریں اور جلد سے جلد ہندوستان کے خلاف بڑے سے بڑا اسکور کھڑا کریں؟۔ اس ٹسٹ میں جب آپ کے لگاتار چار بلے بازوں نے ہندوستان کے خلاف سنچری بنائی تو آپ کو کیسا محسوس ہوا؟

ج : تیسرا ٹسٹ شروع ہونے سے قبل ہم نے اپنی ایک مختصر سی آپسی میٹنگ کی تھی جس میں یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ ہم میچ کے ابتدائی حصہ میں ہی اپنی پوزیشن مستحکم بنا لیں۔ ہم نے محسوس کر لیا تھا کہ ٹسٹ میچوں میں کھلاڑیوں کا 30 اور 40 رنز بنا کر آؤٹ ہونا کوئی معنی نہیں رکھتا اور ایسے بلے بازوں میں میں نے اپنے آپ کو بھی شامل کیا تھا۔ میرے خیال میں اس وقت اس میٹنگ میں ہم نے جو فیصلہ کیا اس سے ہمیں تیسرا اور آخری ٹسٹ جیتنے میں بڑی مدد ملی۔ یہ واقعی بڑی حیرت انگیز بات تھی کہ اس ٹسٹ میں سری لنکا کے ایک ساتھ چار بلے بازوں نے ایک ہی اننگز میں ہندوستان کے خلاف چار سنچریاں بنائیں اور خاص طور سے مارون اٹاپٹو اور مہیلا جیاوردھنے کی بلے بازی کی جتنی بھی تعریف کی جائے کم ہے۔ تلک رتنے کو سنچری بناتے دیکھ کر مجھے خاص طور سے بڑی خوشی محسوس ہوئی چونکہ تلک رتنے اس سیریز کے ذریعہ ہی ٹسٹ میچوں میں واپس آیا تھا اس لئے اس تیسرے اور آخری ٹسٹ میں اس پر کافی دباؤ تھا لیکن وہ بڑی آسانی کے ساتھ اس دباؤ کو جھیل گیا۔

س : سمراویرا نے پہلے ٹسٹ میں کافی حد تک اپنی اہمیت تسلیم کرالی تھی اس بارے میں آپ کا کیا خیال ہے؟

ج : سمراویرا ایک ذہین اور باصلاحیت کھلاڑی ہے حالانکہ یہ اس کا پہلا ہی ٹسٹ تھا لیکن اس کے باوجود اس نے شاندار بلے بازی کا مظاہرہ کیا سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سمرا ویرا بلے بازی کے ساتھ کافی اچھی آف اسپین بالنگ بھی کرلیتا ہے اس لحاظ سے دیکھا جائے تو فی الحال وہ ففٹی ففٹی آل راؤنڈر ہے۔

س : ایس ایس سی گراؤنڈ کولمبو پر حسب توقع تیا مرلی دھرن بہت کامیاب بولر بن کر ابھرے۔ کیا اس گراؤنڈ پر مرلی دھرن سے گیند واپس لینا آپ کیلئے مشکل نظر آرہا تھا؟

ج : اس میں کوئی شک نہیں کہ مرلی دھرن ہمارے لئے میچ جتانے والے بولر کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اس نے اس بات کو ماضی میں بھی کئی مرتبہ ثابت کیا ہے اور اس ٹسٹ میں دراصل اس گراؤنڈ پر میچ کے پہلے دن پچ پر خاصہ اچھال موجود تھا جس کا مرلی دھرن نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔ اس کے علاوہ مرلی دھرن کے پاس گیند بازی کی مختلف اقسام موجود ہے جنہیں وہ حسب ضرورت استعمال کرتے رہتے ہیں۔ ان کے پاس آف بریک، وکٹ سے دور بھاگنے والی ڈلیوری، ٹاپس اسپنرس گیند ہیں، آرم بال یہاں تک کہ لیگ بریک بھی ہے۔ پہلی اننگز میں میں اپنے اس عظیم بولر کو آرام دینا چاہتا تھا لیکن مرلی دھرن کو بولنگ کرتے رہنے اور وہ بھی کافی طویل عرصہ تک بولنگ کرتے رہنے میں مزہ آتا رہتا ہے۔ اس لئے جب انہوں نے بولنگ کرتے رہنے ہی کیلئے اصرار کیا تو میں نے ان کا مطالبہ تسلیم کرلیا۔ ایمان داری کی بات تو یہ ہے کہ اگر میں ٹاس جیتا ہوتا تو میں پہلے فیلڈنگ کا فیصلہ کرتا۔ اس لئے کہ مجھے یہ بات اچھی طرح سے معلوم تھی کہ ایس ایس سی گراؤنڈ پر کھیل کے پہلے دن بولرس کیلئے بہت کچھ موجود ہوتا ہے بہرحال اس ٹسٹ کے جو نتائج سامنے آئے ہیں اس اعتبار سے ہمارے لئے ٹاس کا ہارنا بھی نعمت غیر مترقبہ سے کم نہیں تھا۔

س : سری لنکا نے پہلا اور تیسرا ٹسٹ بہت بڑے فرق کے ساتھ جیتا تھا مگر آخر اس درمیانی یعنی دوسرے ٹسٹ میں جو کہ کینڈی میں کھیلا گیا تھا۔ آپ کو کون سی مشکل پیش آگئی تھی جس کی وجہ سے آپ کو شکست کا سامنا کرنا پڑا؟

ج : دراصل اس دوسرے ٹسٹ میں کھیل کے تیسرے دن کے پہلے سیشن میں ہم نے کافی وکٹیں گنوادی تھیں۔ اگر آپ کسی ٹسٹ میچ میں اس قسم کی کارکردگی کا مظاہرہ کرتے ہیں تو پھر آپ کیلئے نتائج اس سے مختلف ہو ہی نہیں سکتے۔ ہمارے بہت سے بلے باز اپنے آپ کو سیٹ کرنے کے بعد آؤٹ ہوگئے اور ہم نے ہندوستان کو فتح طشتری میں سجا کر پیش کردی۔ ہمارے بولروں کی گیندوں میں بھی وہ کاٹ نہیں تھی جو کہ ہونی چاہئے تھی۔ ہمارے بولرس وکٹ کے دونوں طرف سے وائیڈ بولنگ کرتے رہے جس کا ہندوستانی بلے بازوں نے خاطر خواہ فائدہ اٹھایا۔

س : سری لنکا کا قائد ہونے کا تجربہ آپ کو کیسا لگ رہا ہے کیا آپ اپنی اس ذمہ داری سے محظوظ ہو رہے ہیں؟

ج : میں اپنی اس ذمہ داری سے اس لئے محظوظ ہو رہا ہوں کہ مجھے ٹیم میں اور فیلڈ پر ہمہ اوقات اپنے ساتھیوں کا تعاون دستیاب رہتا ہے۔ کسی بھی کامیاب کپتان کیلئے یہ باتیں نہایت ضروری ہوتی ہیں۔

س : فی الحال سری لنکا کی ٹیم میں زبردست تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ ٹیم میں نئے نئے نوجوان کھلاڑیوں کو کھیلنے کے کافی مواقع دیئے جارہے ہیں اس مرحلہ کے بارے میں آپ کا کیا خیال ہے۔

ج : میرے خیال میں سری لنکا کی موجودہ ٹیم صورتحال کی سنگین کسوٹی پر کھری اتر کر ایک بہترین ٹیم بن کر ابھری ہے۔ ہمارے باصلاحیت ذہین کھلاڑیوں میں ہر طرح کی صورتحال کا مقابلہ کرنے کی صلاحیتیں موجود ہیں اس لئے میں سمجھتا ہوں کہ سری لنکائی کرکٹ محفوظ ہاتھوں میں ہے۔

"مانگی تھی اک دعا جو قبول ہوگئی"
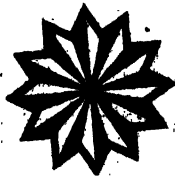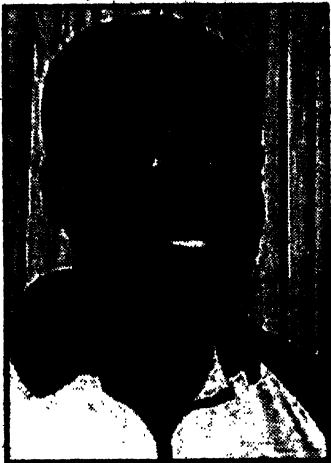
مہاراشٹرا کے شہر اورنگ آباد کے رہنے والے اقبال صدیقی کا چہرہ اس خبر کے ملنے کے ساتھ ہی کھل اٹھا کہ انہیں پہلے ٹسٹ کیلئے ہندوستانی ٹیم کی نمائندگی کیلئے منتخب کیا گیا اور اسی لمحہ ان کے ذہن میں یہ بات آئی ہوگی کہ "مانگی تھی ایک دعا جو قبول ہوگئی"۔ صدیقی کو شاید شروعات میں اس خبر پر یقین ہی نہ آیا ہو کیونکہ صدیقی نے آج سے دس بارہ برس قبل ریلویز کے خلاف اپنے فرسٹ کلاس کرکٹ کیریئر کا آغاز مہاراشٹرا کے کھلاڑی کی حیثیت سے رانجی ٹرافی ٹورنمنٹ میں 93-1992 میں کیا تھا۔ لیکن بدنصیبی کی بات یہ ہے کہ انہیں اپنے فرسٹ کلاس کرکٹ کیریئر کے آغاز کے شروعات کے بہترین سال گذر جانے کے بعد موقع فراہم کیا گیا۔ صدیقی میں ایک بہترین آل راؤنڈر کی تمام خصوصیات ہیں۔ انہوں نے فرسٹ کلاس کرکٹ میں بہترین بولنگ کا مظاہرہ کرتے ہوئے 8 وکٹ 72 رنز کے عوض اور بیٹنگ میں اپنی صلاحیتوں کا بھرپور اظہار کرتے ہوئے ہائی اسکور 116 رنز بنائے۔ صدیقی سے مستقبل میں امیدیں وابستہ کی جاسکتی ہیں کہ وہ اپنی بہترین صلاحیتوں کا مظاہرہ کرتے ہوئے ہندوستان میں آل راؤنڈر کی کمی کو پر کریں گے۔ صدیقی نے اس عزم کا اظہار کیا ہے کہ وہ اپنے آپ کو مکمل فٹ رکھتے ہوئے سلیکٹرس کے اعتماد پر پورے اتریں گے۔ صدیقی پر سلیکٹرس کی نظر انتخاب اس وقت ٹکی جب جے پور میں انہوں نے انگلینڈ کے بیٹسمینوں کو اپنی سحر انگیز بولنگ کے جال میں جکڑتے ہوئے بہتر مظاہرہ کیا اور 4 وکٹیں حاصل کیں۔ صدیقی سخت محنت کا دوسرا نام ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ موہالی ٹسٹ کے بعد سلیکٹرس ان پر اپنا اعتماد

پھر کونسے نشست میں برقرار رکھتے ہیں؟۔

اقبال صدیقی کا مختصر تعارف اور فرسٹ کلاس کیریئر میں ان کا مظاہرہ درجہ ذیل ہے۔

پورا نام: اقبال رشید صدیقی   تاریخ پیدائش ومقام: 26 مارچ 1974ء اورنگ آباد
ٹیمیں: حیدر آباد، مہاراشٹرا   جانے جاتے ہیں: اقبال صدیقی
بیٹنگ اسٹائیل: رائیٹ ہینڈ بیٹسمین،   بولنگ اسٹائیل: رائیٹ آرم میڈیم فاسٹ

فرسٹ کلاس کیریئر (1992-93)

بیٹنگ	میچ	اننگز	ناٹ آؤٹ	رنز	ہائی اسکور	اوسط	100	50
	71	84	12	1109	116	15.04	01	02

بولنگ	اوورس	رنز	وکٹ	اوسط	بہترین بولنگ	5 وکٹ	10 وکٹ
	2522.1	7435	250	29.74	8-72	14	06

☆ 22 سالہ بلند قامت ٹینو یوہانن ایم آر ایف پیس اکیڈیمی کی پیداوار ہیں۔ حالانکہ یوہانن نے اپنے والد کے نقش قدم پر چلتے ہوئے جو لانگ جمپ کے ایشین ریکارڈ ہولڈر ہیں (یوہانن کے والد ٹی سی یوہانن نے ایشین گیمس لانگ جمپ میں 1974ء کو گولڈ میڈل حاصل کیا تھا) اپنا کیریئر بھی اتھلیٹ کی حیثیت سے شروع کیا اور اسٹیٹ جونیر لیول میں انہوں نے گولڈ اور سلور میڈل ہائی جمپ میں حاصل کیے۔ انہوں نے 1997ء میں ایم آر ایف پیس اکیڈیمی جوائن کی اور یہی سے انہوں نے اپنے کیریئر کا رخ اتھلیٹ سے کرکٹ کی جانب موڑ دیا۔ یوہانن نے ایم آر ایف پیس اکیڈیمی میں 4 سال تک ڈینس للی اور ٹی اے

شیکھر کی رہنمائی میں فاسٹ بولنگ میں مہارت حاصل کی اور ان ہی کی رہنمائی کے سبب یوہانن آج قومی ٹیم میں شامل ہوگئے۔ یوہانن نے اپنے فرسٹ کلاس کرکٹ کیریئر کا آغاز رانجی ٹرافی میں 1999-2000ء کے سیزن میں گوا کے خلاف شروع کیا اور کم ہی عرصہ میں انہیں قومی ٹیم کیلئے منتخب کر لیا گیا۔ یوہانن نے سلیکٹرس کو ایرانی ٹرافی میں اپنی لائن اور لینتھ پر قابو والی بولنگ کی جادوگری سے متاثر کیا۔ یوہانن کو کیرالا کی جانب سے قومی ٹیم کی نمائندگی کرنے والے پہلے کھلاڑی کا اعزاز بھی حاصل ہوگیا۔ اپنے انتخاب کے بعد یوہانن نے ہاکہ "میں خوش ہوں کہ مجھے ہندوستانی ٹیم کیلئے منتخب کیا گیا۔ میں کیرالا کرکٹ اسوسی ایشن اور ایم آر ایف پیس فاؤنڈیشن کا شکر گذار ہوں کہ جن کی رہبری ور ہنمائی کی وجہ سے آج میں اس مقام پر ہوں۔ میں ہمیشہ ڈینس للی اور ٹی اے شیکھر کا شکر گذار رہوں گا۔ یوہانن میں ایک بہترین آل راونڈر کی وہ تمام صلاحیتیں ہیں اور اگر وہ اپنے استاد گریٹ لیجنڈ ڈینس للی سے جو کچھ بھی سیکھا ہے اگر وہی بروئے کار لائیں تو وہ ہندوستانی ٹیم میں ایک بہترین اضافہ ہوسکتے ہیں۔

ٹینو یوہانن کا مختصر تعارف اور فرسٹ کلاس کیریئر میں ان کا مظاہرہ درجہ ذیل ہے۔

پورا نام: ٹینو یوہانن   تاریخ پیدائش ومقام: 18 فبروری 1979ء Quilon
ٹیمیں: کیرالا   جانے جاتے ہیں: ٹینو یوہانن
بیٹنگ اسٹائیل: رائیٹ ہینڈ بیٹسمین،   بولنگ اسٹائیل: رائیٹ آرم میڈیم فاسٹ

فرسٹ کلاس کیریئر (1999-00 - 2001-02)

بیٹنگ	میچ	اننگز	ناٹ آؤٹ	رنز	ہائی اسکور	اوسط	100	50
	08	08	04	39	21*	9.75	00	00

بولنگ	اوورس	رنز	وکٹ	اوسط	بہترین بولنگ	5 وکٹ	10 وکٹ
	255.1	753	24	31.37	6-117	02	00

آسٹریلوی پیراک گیف نے عالمی ریکارڈ توڑا

آسٹریلیا کے پیراک گیف ہیوگل نے مردوں کے 50 میٹر بٹر فلائی شارٹ کورس میں عالمی ریکارڈ توڑ دیا۔ اس نے ملبورن میں ورلڈ کپ مقابلے میں 22.54 سکینڈ میں 50 میٹر کی بٹر فلائی میں نیا ریکارڈ قائم کیا۔ گیف ہیوگل نے 22.87 کا سابقہ عالمی ریکارڈ توڑا جو انگلینڈ میں برطانیہ کے مارک فوسٹر نے قائم کیا تھا۔

2006ء کا عالمی ہاکی کپ صرف 12 ہاکی ٹیمیں حصہ لیں گی

2006ء کے مردوں و عورتوں کی عالمی ہاکی کپ میں صرف 12 ٹیمیں حصہ لیں گی۔ اس کا فیصلہ عالمی ہاکی فیڈریشن نے کیا ہے۔ انٹرنیشنل ہاکی فیڈریشن کی ایگزیکیٹو بورڈ نے جس کی اس ماہ کے شروع میں برسلز میں ایک میٹنگ ہوئی تھی۔ ورلڈ کپ میں حصہ لینے والی ٹیموں کو محدود کرنے کے حق میں ووٹ دیا۔ ایف آئی ایچ کی ایگزیکیٹو بورڈ نے ٹیموں میں کٹوتی کرنے کے فیصلے کا جائزہ لیگا اور اس فیصلے کو مارچ 2002ء میں آئندہ میٹنگ میں منظوری دی جائیگی۔ پاکستانی ہاکی ٹیم کے سینیر کھلاڑی شہباز احمد نے ایک انٹرویو میں بتایا کہ وہ ذاتی طور پر سمجھتے ہیں کہ ورلڈ کپ میں صرف 12 ٹیموں کو ہی کھیلنا چاہیے۔ اس سے زیادہ ٹیموں کو شریک نہیں ہونا چاہئے۔

آسٹریلیا کے پاس صرف چوٹی کے دو ہی بولر ہیں

جنوبی افریقہ کے سابقہ کپتان ہنسی کرونئے نے کہا ہے کہ آسٹریلیا کے پاس چوٹی کے صرف دو ہی بولر ہیں ان میں ایک شین وارن۔ اور دوسرے میک گرا ہیں جنھوں نے اب تک 363 وکٹیں لی ہیں۔ ہنسی کرونئے نے گلسپی اور بریٹ لی کو کوئی اہمیت نہیں دی اور کہا کہ وہ کوئی خاص بولر نہیں ہیں۔ کرونئے نے جنوبی افریقہ کے کپتان کو مشورہ دیا کہ وہ آسٹریلیائی ٹیم کو شکست دینے کیلئے حکمت سے کام لیں۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

ان سے میرا موازنہ کرنا بیکار ہے۔ تشار کپور

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

فلمی دنیا میں اسٹار بیٹوں کا سلسلہ جاری ہے ۲۴ سالہ تشار کپور نے اپنے کیریئر کا آغاز مجھے کچھ کہنا ہے سے کیا جس نے کمرشیل اعتبار سے کامیابی حاصل کی اور اب اپنی دوسری فلم ۔ کوئی میرے دل سے پوچھے کی ریلیز کے منتظر ہیں جو شائد نئے سال کے اوائل میں ریلیز ہوجائیگی۔ تشار کپور نے اپنی پہلی فلم کی ریلیز کے ساتھ ہی ڈھیر ساری فلموں کی پیشکش حاصل کی لیکن ان فلموں کا انتخاب اپنے اداکار والد جتیندر کے فیصلوں پر چھوڑ دیا فی الحال وہ پانچ بڑی بیانر کی فلمیں کررہے ہیں انکی دوسری فلم ۔ کوئی میرے دل سے پوچھے ۔ کی ریلیز کے بعد ہی اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ تشار کی کیا پرواز ہے ۔ حالیہ ایک انٹرویو کا خلاصہ یہاں پیش ہے۔

س ۔ آپ کا فلموں میں داخلہ منصوبہ بند انداز میں ہوا یا اتفاقی طور پر؟

ج۔ میں نے اپنی اعلی تعلیم ایم بی اے امریکہ سے حاصل کی جب میں ہندوستان آیا تو واشو بھگنانی نے ستیش کوشک کی ہدایت میں بننے والی فلم ۔ مجھے کچھ کہنا ہے " میں مجھے بطور ہیرو پیش کرنے کا ارادہ ظاہر کیا کہانی سن تو میں نے ہاں کردی فلم کے نتائج تو آپ کے سامنے ہیں۔

س۔ اداکاری کے اعتبار سے اس فلم میں آپ نے کچھ نہیں کیا فلم کی کامیابی سے ایسا لگا کہ آپ نے قسمت کی مقبولیت پائی ہے ؟

ج۔ میں نے اداکاری باضابطہ طریقہ پر نہیں سیکھی میں پہلی اداکار ہوں ڈانس کی کامیاب کوشش کرلیتا ہوں جیسا آپ نے کہا ایسا اب تک کسی نے نہیں کہا فلم کو دیکھ کر

سبھوں نے میرے کام کی تعریف بھی کی ہے۔

س ۔ آپ کی دوسری فلم کی کامیابی کے بعد لوگ آپ کا مقابلہ رہتک سے کرینگے ؟

ج۔ لوگ نہیں آپ لوگ کرتے ہیں جہاں تک مقابلہ کا سوال ہے میں ابھی تک بند مٹھی ہوں رہتک یا پھر دوسرے میرے ساتھی اداکار اپنی باری شروع کرچکے ہیں یہاں سبھی اچھے فنکار ہیں ان سے میرا موازنہ کرنا بیکار ہے ۔ ہم سبھی دوست ہیں اور اداکاری میں مصروف ہیں۔

س۔ اسٹار بیٹا ہونے کا نقصان یا فائدہ؟

ج۔ اسٹار بیٹا ہونے کا فائدہ یہ ہے کہ فلم حاصل کرنے کے لئے جد وجہد نہیں کرنی پڑتی ہے لیکن ایک فلم کے بعد کام ہی بولتا ہے کہ ہم کتنا چل پائیں گے ۔ پہلی فلم کی کامیابی یا ناکامی ہی معنی رکھتی ہے۔

س ۔ اپنے کیریئر میں آپ کس طرح کے رول کرنا پسند کریں گے ؟

ج ۔ یہ اور بات ہے کہ میں نے اپنے کیریئر کا آغاز ڈانسنگ اداکار کے طور پر شروع کیا لیکن میں چیلنج سے بھرپور رول نبھانا چاہتا ہوں تاکہ جو لوگ آج مجھے اسٹار سمجھتے ہیں وہ مجھے ایک اچھا اداکار بھی تسلیم کرلیں۔

س ۔ آجکل سنا جارہا ہے کہ آپ پریس میں تحفے تحائف بانٹ کر اپنی پبلسٹی پر زیادہ توجہ دے رہے ہیں؟

ج۔ ایسا کچھ نہیں ہے۔ بالی ووڈ میں جب تک آپ لوگوں کو خود کام نہ بتائیں لوگ آپ کو

نظر انداز کرتے ہیں مجھے کچھ کہنا ہے کی ریلیز ہونے کے دو ماہ تک میں خاموش تھا مگر مجھے ایسا لگا کہ اتنی سوپرہٹ فلم کا ہیرو ہونے کے باوجود مجھے توجہ نہیں مل رہی ہے ۔ جیسا فلم کی اس طرح کی کامیابی کے بعد ملنی چاہئے تھی تب میں نے طے کیا کہ میڈیا کے لئے بھی کچھ وقت نکالنا چاہئے ۔

س ۔ آپ آج کی کن اداکاراؤں کیساتھ اپنی جوڑی بنانا پسند کرینگے ؟

ج ۔ سب سے پہلے تو لوگوں کو مجھے پسند کرنے دو پھر تو مجھے جوڑی کی فکر نہیں ہوگی

س ۔ ہندوستانی فلموں میں شائقین ہیروئین سے زیادہ ہیرو کے پرستار ہوتے ہیں ؟

س ۔ آجکل کے ہیروز میں آف بیٹ فلموں میں کام کرنے کا چلن بڑھتا جارہا ہے کیا آپ بھی اس طرح کی کسی فلم میں کام کرنے کی آرزو رکھتے ہیں ؟

ج ۔ ہاں ہاں کیوں نہیں جس فلم میں مجھے کچھ کر دکھانے کا موقع ملیگا میں وہ فلم ضرور کرنا چاہوں گا ۔

س ۔ اپنی جلد ریلیز ہونے والی فلم " کوئی میرے دل سے پوچھے " سے کیا توقعات ہیں ؟

ج ۔ کہانی کے اعتبار سے فلم بہت اچھی ہے قبل از وقت کچھ کہنا اپنے منہ میاں مٹھو بننا اچھا نہیں لگتا ۔

آڈیو ریلیز
" سہاگن بنی لاڈلی " بدائی گیتوں کا خصوصی کیسٹ

وینس ریکارڈس کمپنی نے اس ہفتہ شادیوں اور تقاریب کے مواقعوں کے لئے ایک بہترین بدائی گیتوں کا پرائیوٹ البم " سہاگن بنی لاڈلی " ریلیز کیا ہے جسکے سبھی گیت بدائی کے موقع پر ایک شاندار اور یادگار ماحول پیدا کرتے ہیں اس کیسٹ میں کل آٹھ گیت محفوظ ہیں جن میں " بنو کے گورے تن پر ، مہندی کا رنگ ، سہاگن ، انکھیوں میں سرمہ سجے " سائیڈ بی میں " مجھے ڈر لاگے ماں ، ایک تو دلہن چاند سی ، بنی چلی ہے ، پیا کے دیس رے " شامل ہیں جنھیں سپنا

اودھی ، جسویندر نرولا نے اپنی سریلی آوازیں دی ہیں جبکہ موسیقی سے سنوارا ہے جتنے کھنہ نے مجموعی اعتبار سے وینس کا یہ البم عوام میں پسند کیا جارہا ہے ۔

" الیشا " الیشا چنائی کے پاپ گیتوں کا ایک اور ہٹ البم

ٹپس انڈسٹریز لمیٹڈ نے اس ہفتہ بین الاقوامی شہرت یافتہ پاپ گلوکارہ الیشا چنائی کے پرائیوٹ گیتوں کا میگا بجٹ کے صرفہ سے بنایا گیا ایک اور پاپ گیتوں کا ہٹ البم الیشا ریلیز

کیا ہے جو کہ تمام شائقین موسیقی کے دلوں کی دھڑکن ہے اور میڈ ان انڈیا کے بعد فروخت کے عروج پر پہنچ رہا ہے ۔ دلبر اداؤں سے نوجوانوں کے دلوں کو گرمانے والی اس گلوکارہ نے اس البم میں دس ہٹ گیت دھماکہ خیز دھنوں کے ساتھ ریکارڈ کئے ہیں جن میں سولمین ، عشق سے عشق ، دلبر جانیاں ، معشوقہ ، وہ پیار میرا " اور سائیڈ بی میں " سونیا ، ڈونٹ وانٹ یو ریو ، آئی تیری یاد ، دھنواں دھنواں ، کین یو ڈانس جیسے تھرکنے اور جھومنے پر مجبور کردینے والے گیت ہیں ۔ ٹپس کا یہ البم سارے ملک میں اپنی ریلیز کیساتھ ہی ہاتھوں ہاتھ فروخت ہورہا ہے ۔ موسیقی سندیپ چوٹا کی ہے چند گیتوں میں بابل سپریو نے الیشا کا ساتھ دیا ہے ۔

شوٹنگ رپورٹ
انیل کپور ، منیشا کی " رکت " تکمیل کے مراحل میں

سوتھمن اسٹارس کمبائین کی فلم " رکت " ان دنوں تکمیل کے مراحل میں قدم رکھ چکی ہے سدھیر مشرا کی ہدایت میں بنی وجو شاہ کی دھنوں سے سجائی گئی اس فلم میں اہم کردار نبھائے ہیں انیل کپور ، منیشا کوئرالا ، رانی مکرجی ، اوم پوری ، ہریش پٹیل ، سوربھ شکلا سایاجی شنڈے نے ۔

اجئے دیوگن ، ایشا پٹیل کی " رہے نا رہے ہم " ریلیز کیلئے تیار

رسکو وژن پرائیوٹ لمیٹڈ اجئے دیوگن ، ایشا پٹیل ، مہیما چودھری شکتی کپور کی اسٹار کاسٹ والی فلم " رہے نا رہے ہم " ریلیز کیلئے تیار ہے ڈائرکٹر کمل نے اسے ہدایت دی ہے میوزک جتن للت نے بنائی ہے ۔

گوبندا ، روینہ کی " تیرا نام میرا نام " چار ریل مکمل

" تیرا نام میرا نام " اس ہفتہ ممبئی کے

مختلف مقامات پر چار ریل مکمل کرلی ہے۔ منوج اگروال کی ہدایت میں بنائی جارہی اس فلم میں روینہ ٹنڈن، گووندا، پریتی جھنگیانی، ششی کپور، شکتی کپور، قادر خان کلیدی کردار نبھارہے ہیں موسیقی جتن للت کی ہے۔ یہ فلم نیو ورلڈ انٹرنیشنل کے بیانر پر بنائی جارہی ہے۔

چندر چوڑ سنگھ اور نیہا کی "اور پھر ایکدن" پچاس فیصد مکمل

اسٹار انٹرنیشنل پرائیوٹ لمیٹڈ کی فلم "اور پھر ایکدن" اس ہفتہ پچاس فیصد مکمل کرلی گئی ہے آکاش دیپ کے ڈائرکشن میں بن رہی اس فلم کی موسیقی جتن للت دے رہے ہیں فلم میں چندر چوڑ سنگھ، روینہ ٹنڈن، شرد کپور، شیبا، گلشن

گرور، جانی لیور، مکیش تیواری، انوپم کھیر، راج ببر اہم رول نبھارہے ہیں۔

ایشوریہ، سنیل شیٹی کی "رادھے شیام سیتارام" مکمل

انیس بزمی کی ہدایت میں بی این کمار انٹرنیشنل کی فلم رادھے شیام سیتے رام پچھلے ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے جس میں ایشوریہ رائے، سنیل شیٹی، پریش راویل، پریم چوپڑہ، شیبا، شرد کپور نے مرکزی کردار نبھائے ہیں موسیقی ساجد واجد کی ہے ... احمد نے اسکی دھنیں بنائی ہیں۔

"تم سے اچھا کون ہے" نوے فیصد مکمل

وینس ریکارڈس کی دھڑکن کے بعد بنائی جارہی ہے "تم سے اچھا کون ہے" نوے فیصد مکمل کرلی گئی ہے جسکی ہدایت دیپک آنند دے رہے ہیں ندیم شراون کی موسیقی پر بن رہی اس فلم میں نکل کپور، کم شرما، آرتی چھابریا، رتی اگنی ہوتری، دلیپ تاہل اہم کردار نبھارہے ہیں۔

فلمی خبریں

۴ جنوری سے ۵ اپریل تک ریلیز ہونے والی فلمیں

۴ جنوری۔ پتا

۱۱ جنوری۔ آخری انتقام، کوئی میرے دل سے پوچھے، کشمیر ہمارا ہے، یہ دل عاشقانہ

۱۸ جنوری۔ راز

۲۵ جنوری۔ ماں تجھے سلام، کھلم کھلا پیار کرینگے، خوبصورت کھلاڑی، ایک کنواری تین کنوارے، رات کے سوداگر

یکم فروری۔ کرانتی

۱۵ فروری۔ ہاں میں نے بھی پیار کیا تھا

۲۲ فروری۔ تم کو نہ بھول پائیں گے، ستو سسرجی، فی الحال، کتنے پاس کتنے دور، کام جوالا، شرارت، آپ مجھے اچھے لگنے لگے، چلو عشق لڑائیں، ووہ، یہ کیسی محبت، انکار، دل ڈھونڈتا ہے، یہ ہے جلوہ، چوری چوری

۵ اپریل۔ نہ تم جانو نہ ہم، آنکھیں

ایشوریہ کو سلمان کا تحفہ

سنا ہے کہ پچھلے دنوں سلمان خان نے ایش کو تحفے میں ایک لال رنگ کی مرسیڈیز کار دی ہے۔ سلمان خان نے یہ کار ایشوریہ کو جنم دن کے تحفے کے طور پر دی ہے۔ لگتا ہے سلمان خان کسی بھی طرح ایشوریہ کو اپنے گھر لانا چاہتا ہے۔ اور اسے یہ بھی معلوم ہے کہ اسکے دیئے یہ قیمتی تحفے بھی اسکے گھر آجائینگے۔

کاجول کا حمل ضائع ہوا۔ کاجول دواخانہ سے ڈسچارج

اداکارہ کاجول کو ۲۴ دسمبر کو بریچ کینڈی ہاسٹل سے ڈسچارج کیا گیا اب وہ اپنے جوہو والے مکان پر آرام کررہی ہے کاجول سے صحافیوں نے ربط قائم کیا تو اس نے کہا کہ وہ ... کررہی ہے لیکن ٹھیک ہے اچھے

دیوگن نے بتایا کہ ہمارا نومولود بچہ ضائع ہوگیا ہے جسکا ہمیں بیحد افسوس ہے۔ ایسی صورت میں جبکہ کاجول کی زندگی کو ڈاکٹرس نے خطرہ میں بتایا تھا ہم نے بچہ ضائع کرنے کی اجازت دے دی۔

گووندا، پرینکا چوپڑہ ایکساتھ

پروڈیوسر کلیانی سنگھ اور ڈائرکٹر انیس بزمی نے مان سنگھ دیپ کی فلم راجہ بھیا کے لئے گووندا اور عالمی حسینہ پرینکا چوپڑہ کو مرکزی کردار کے لئے سائن کیا ہے اس فلم کے ایک اہم کردار میں چندر چوڑ سنگھ بھی دکھائی دے گا۔ فلم کے دیگر اہم کرداروں کا انتخاب باقی ہے۔

رہتک، کرینہ، راجشری کی نئی فلم "میں پریم کی دیوانی" میں

ممبئی میں [illegible] الیون اور برطانیہ الیون کے مابین [illegible] بیٹنگ کرتے ہوئے [illegible] لیکن ٹیم نے تین وکٹس سے جیتا

آجکل فلموں میں چھ گیت بڑی مشکل سے رکھے جاتے ہیں تاکہ کہانی اور منظر کا لطف باقی رہے لیکن راجشری پروڈکشن نے ہی اسکا رخ موڑ دیا ہے زیادہ سے زیادہ گیتوں کے باوجود انکی فلمیں شائقین کو بور نہیں کرتی اور ہٹ ہوجاتی ہیں۔ اس بار سورج برجاتیہ کی رہتک روشن، ابھیشک بچن، کرینہ کپور، اسٹار کاسٹ والی فلم "میں پریم کی دیوانی ہوں" میں کل گیارہ گیت ہیں فلم کی موسیقی انو ملک دینگے۔ رہتک کی آواز کے لئے گیت گلوکار "کے کے" گائینگے جبکہ ابھیشک کو پاپ سنگر شان اپنی آواز دیں گے اور کرینہ کپور کے لئے آواز پلے بیک سنگر چترا دینگی۔ سنندھی چوہان بھی دو گیت گائیں گی۔

ارجن رامپال کا مستقبل تابناک

۱۷ سال کی عمر سے ماڈلنگ کی دنیا میں اپنا نام کمانے والے ارجن رامپال کا مستقبل تابناک دکھائی دیتا ہے۔ مضبوط جسم، خوبصورت چکنے چہرے، پتلے کان، لمبی گردن والے ارجن رامپال کو شائقین نے قبول کرلیا ہے۔ انکی حالیہ دو فلموں موکشا اور دیوانہ پن کے کامیاب فلکشن نے انھیں مزید چھ آٹھ فلمیں دلائیں ہیں اب وہ ۲۰۰۴ء تک مصروف ہیں۔

☆☆☆☆

in love with it at the very first sight. This extraordinary piece set with an Alexandrite stone perhaps from the Russian mine is of an unusually large size bearing testimony to the nature's excellent gift for it changes its colours in artificial light. Alexandrites are the world's rarest gems. The gemstone was reportedly discovered in Russian Ural mountain on Tsar Alexander II's birthday in 1830, and hence its name. This exquisite ring was gifted by Aurangzeb in 1700 as distinctly recorded in the annals of the court. With a large emerald its distinction lies in the carving on its face rarely seen in hard gemstones like emeralds. It is also carved on reverse with the words "Chib Qilich Khan" the title bestowed by Aurangzeb.

TICKETS, ENTRY AND OTHER DETAILS OF JEWELLERY SHOW

Rs. 50 worth entry tickets are being sold at the Salar Jung Museum. To facilitate sale of entry tickets, seven post offices in the twin cities have started sale of tickets from 10 am to 6 pm. The Post Offices are : Hyderabad GPO, Khairatabad HO, Hyderabad Jubilee HO, Malakpet Colony HO, Secunderabad HO, Banjara Hill PO and Kachiguda HO. Tickets are also being sold at the Hyderabad Airport for the convenience of foreign tourists. Entry Ticket for foreign visitors is worth Rs.500.

There will be 10 hours of viewing of the exhibition from 9.00 am onwards. Visitors willbe allowed in batches of 100 for one hour duration. In the first half an hour they will be conducted through the introductory gallery to familiarise them about the Nizam and his Jewels. The next thirty minutes, they will be seeing main gallery. the entire collection is shown on tran-slides accompanied by explanatory lebels. This will help understand the typology, craftmanship techniques and the gems used.

The tickets will have glue-on security seal which will be pasted on the visitors at the entry point. The visitors will not be allowed to carry cell phones, hand bags, water bottles, cameras. Even cigarette packets and match boxes are not permitted. Cloackrom has been provided for the visitors to deposit their belongings. The visitors are advised not to take umbrage to a through frisking as it is necessary from security point of view.

Keeping in view the public fascination to the jewel, the Salar Jung Museum has come up with a number of take home souvenirs - pen-stands, paper weights, greeting cards, Jacab clone etc.

EXHIBITION AT OTHER PLACES : The Nizam's Jewellery whose antiquity value is estimates between Rs.6,000 to Rs.10,000 crores, was exhibited at Delhi, where about one lakh people visited. The number of foreign nationals was 2,800 At Hyderabad the number of visitors is expected to be more than double.

Mr. Srivastava, Joingt Secretary, Ministry of Tourism and Culture said that the request of Andhra Pradesh government for permanent display of Nizam's Jewellery in Hyderabad is under " active consideration" at the highest level in Centre. He also disclosed that from here the Nizam's Collection will go to Mumbai's Prince of Wales Museum. There is also plans to exhibit it at Chennai, Bangalore and Calcutta. There is also demand from NRIs inEurope and Gulf for exhibition of Nizam's Jewellery.

flawless colour. Unlike the famous Koh-i-Noor, the Jacob diamond can be branded as a nonviolent diamond which changed hands only twice in its history of existence. Estimated to be worth 400 crores in its international price,this sparkling diamond is a masterpiece. But what is of an enduring interest is the fact that Mahboob Ali Pasha paid no attention to its greatness and kept is as a simple stone of his collection. His son and the last Nizam Nawab Mir Osman Ali Khan found it by chance, after several years of death of his father, in the toe of his father's slipper in Chowmahallah Palace, and used it as paperweight.

One may not even dare to dream about owning this masterpiece costing Rs. 400 Crores, but one can sure take home a replica at least for just Rs. 400, offered by Salar Jung Museum.

SARPECH
(Turban Ornament)

This is the proud ornament that used to adorn Turbans in all the princely states in India. It turned out to be as a mark of high distinction among the royals. They appear quite often in the court of Nizam and the Sikh court of Maharaja Ranjit Singh. As queen Victoria became Empress of India in 1857, no Indian Prince was supposed to adorn his Turban or head with a crown, and this perhaps explains the emergence of Sarpech as main head ornament that had its own style transmitting the regality. A Sarpech was earned or conferred by Emperor or King of great deeds, service and act of bravery. Obviously, not everyone was entitled to wear it associated as it was with princes and others. It has a fixed shape with certain variations in detail and materials. They are seen in Indian paintings of the times. The broad sarpatti containing several pieces beautifully hinged together for smooth tying and secured with strings and tassels round the head, seems to be the only head ornament. What actually made it flamboyant and enhanced its beauty was the vertical piece that rises from the centre of the band in the form of a Kalgah (referred to as 'paisley' inclining at the top towards one direction) generally with a pearl pendant from it. This beautiful crafted ornament set with matching diamonds gives a feeling of richness that could happen only in India of the Maharajas.

PAIZEB

This pair of anklets (paizeb), in the form of interlocking vertical repeats hinged with each other set with old-cut Golconda diamonds, with a crest of pearls along the upper edge. Along the lower edge pearl shaped drops set with foiled diamonds form a fringe. The reverse is decorated with enamelling of the highest quality. the design follows typical Mughal designs of foliage in red and green with mauvish blue and white highlights. Such ornaments of Mughal design were made for all important women of the Royal household.

PENDANTS

The openwork folite pendant of the collection has large table-cut diamonds and an amazingly large (4.7 cm) emerald drop suspended below. The diamonds, though claw set, are partially encased in gold to create the impression of depth in these flat table cut stones. The emeraled drop weighs an amazing 225 carats and is suspended from a gold cap decorated with red emamel.

RINGS

There are so many rings in the collection. There is one ring, which is so delightful that one falls

from Colombia and Russia and two ornamented belts, one studded with a cut and the other with a carved emerald, have their own charm. The quality of emeralds may run into a couple of thousand carats.

The beautiful seven stringed pearl neklace (satlarah) is a unique creation and its weight and size are simply mind-boggling. There are approximately 40,000 - 50,000 chows (one chow = Caratx Caratx 0.65 - number of pearls) pearls and diamond beads are exceptional for their extraordinary shape and cutting. Most of the Jadau (stone-studded) items showing large, rose cut and flat cut diamonds total a few thousand carats in weight. Of the many rings with large diamonds of different colours, one set with Alexandrite stone, perhaps from the famous russian mines, is of unusually large size bearing testimony to the nature's excellent gift - it changes its colours sparklingly when view under artificial light.

The collection of pocket watch and watch chains studded with diamonds are noteworthy for their wide variety and intricate workmanship. It may be pointed out that some excellent enameled works from Jaipur, Delhi, Awadh and Deccan form part of the collection, which is comparable to the design and details in the miniature paintings of these areas.

All the 173 exhibits, which could not be seen for more than five decades, now have been displayed for public viewing for the first time in the Salar Jung Museum, Hyderabad, for a period of two months. For the Hyderabadis, the exhibitiion represents the creme dela creme of Indian haute coutre. And for SJM - yet another jewel in the crown. Some history and details about the most importanat exhibits of the collection are given below.

THE JACOB DIAMOND

The Jacob diamond, believed to have been found as a rough stone in an African mine, was brought over by a Syndicate in Amsterdam where it was cut in a style that prevailed about 100 years ago. It was brought to India by one dealer Alexander Malcon Jacob, a mysterious figure and confidant of Indian Maharajas, reported to have been born in Italy as a Roman Catholic whose full name appears as Ali Mohammed Yacoub Imortalisedin Kepling's novel, Kim, as Lurgan Sahib of the British Secret Service. He sold the diamond to the VIth Nizam Mahboob Ali Pasha in 1891. Since its transaction for the purchase led to a criminal suit and the Nizam had to suffer the indignity of giving evidence before the Commission, so far as unprecedented event in the history of the Nizam's he seems to have developed as aversion to wearing jewels. Mahboob Ali Pasha was also a ruler having different tastes and was known for being closest to the populace of Hyderabad. He lived in style, wore English costumes and was one of the finest shoter of his time. He changed his residences from one place to another, enjoyed the life's pleasures.

Pasha lived in a dream world and enjoyed the life in full. His wardrobe in the Purani Haveli Palace in Hyderabad is a feast to the eyes for being one of the largest collections of the world. He is said to have never worn a dress second time.

The weight of the Jacob Diamond is 184.75 carats approximately, an unimaginable weight for a single diamond by all means, and is a sheer delight for the visitor, be its brilliance, cutting and

"HEH Nizam Jewellery Trust" and "H.E.H Nizam Supplemental Jewellery Trust " formed by the last Nizam Nawab Mir Osman Ali Khan in 1951-52 to safeguard the ancestral wealth of the family. The Trustees kept this treasure of great historical value in the vaults of Hong Kong Bank. When the Government of India acquired this collection in 1995, after a prolonged legal battle, it was shifted to the vaults of Reserve Bank of India (RBI) Mumbai, where it remained till 29th June 2001. These exhibits are now being shown at the Salar Jung Museum from November 24 for a period of two months.

JEWELLERY ITEMS :

Superb and rare, as the collection comprising 173 precious jewels and jewellery items of exquisite workmanship is, it cover a period ranging from 18th century to the early 20th century. The collection includes, serpeches, neklaces, belts and buckles, pairs of bracelets and bangles, earings, armlets, toe-rings, finger rings, pocket watch and watch chains, buttons and cufflinks etc. While the diamonds from the celebrated mines of Golconda and Colombian emeralds predominate, the Burmese rubies and spinels and pearls from Basra andGulf of Mannar, of the east coast of India also are part of Exhibition. All the Jewels are flamboyant, yet amidst the dazzle of precious gems, individual pieces stand out by virtue of their antiquity and the merit of their craftmanship. Most outstanding among the collection is the imperial diamond now known as "Jacob Diamond", weighing 184.75 carats, which is a fabulous weight of any single gemstone. It is an invaluable sparkling diamond by all means, be its brilliant cutting, clarity and colour. It is almost double the size of "Kohinoor Diamond" (in the present shape).

Another important item is a collection of 22 unset emerald pieces. Also an exceptionaly large variety of cut emeralds, emerald drops, emerald beads, Taveez and many other shapes of Jewellery

Bombay's Hong Kong and Shaghai Bank for four decades they are now out for the public viewing. They are poetry in stone, simply out of the world. It is impossible not to fall in love with the gems, not to want to reach out. The opulent showcases, the rich background and the green Belgium carpet create the mood and setting ideal for appreciating the jewellery. Salar Jung Museum authorities deserve all kodos for creating an ethereal ambience. The fibre optic lighting only add to the appeal of gems. The aesthetically done introductory gallery itself is fascinating. Even a lay man can see the unblemished quality of jewels. Carat, Colour and clarity the three cardinal G's of the diamond."

THE NIZAM'S JEWELLERY

The Nizam's Jewellery is one of the largest and richest collections of Jewels that was purchased in 1995 by the Government of India at a cost of Rs.218 crores. The collection had remained in the custody of Reserve Bank of India, where it had remained till June 29. Sri Naidu said that he was happy to announce that the Prime Minister and Department of Culture, Government of India had agreed to permanently shift the collection to Hyderabad.

PRE-VIEW TO MEDIA PERSONS : A pre-view of the Nizams Jewellery was arranged for the media persons at the Salar Jung Museum's Eastern Block on Friday, November 23. Therefore, before starting to write some details about the fabulous collection of Nizam, it will be appropriate to record here the impressions of some of the pressmen, as they are interesting.

One Correspondent of a leading national newspaper published from Hyderabad, after going around the Exhibition, reports "There is quickenings of the pulse, the heart beat suddenly accelerates. The build up gets more and more tense, as the appointed hour draws near. A hush falls over, as the treasure is finally out, glowing in all splendour. Through the breath-held stillness, a voice rings out "Wah Nizam".. That sums it all. The most precious private collection of the world, the Nizams jewels have been a project of tense speculation. A, riddle wrapped in an enigma inside a conundrum. That is what they have been. Confined to the dark vaults of the

THE FA[illegible]LOUS NIZAM'S JEWELLERY

A LEGAN[illegible] COLLECTION ON DISPLY AT S[illegible]R JUNG MUSEUM

M.A. M[illegible] Tourist Information Officer (Retired)

Call it the return of [illegible] native or whatever - they are finally back where they belong. The Legendary and

fabulous jewellery of Nizam is now here for viewing at Salar Jung Museum and dazzling the Hyderabadis and outsiders as well. One can have a [illegible] at the precious [illegible] which there has been intense speculation.

The exhibition of fabulous Nizam's Jewellery was formally inaugurated by the Governor of Andhra Pradesh Dr. C. Rangarajan in the presence of Sri N.Chandrababu Naidu, Chief Minister of Andhra Pradesh and other distinguished guests at the newly constructed Eastern Block of the Salar Jung Museum on Saturday, November 24 and was

thrown open to the public next day, November 25, 2001. Initially, the exhibition will be here for viewing for a period of two months and might be extended depending on the demand.

CHANDRA BABU IS HAPPY : The Chief Minister, Sri N.Chandrababu Naidu said that since the historic city was synonymous with Charminar and Nizam, it was most appropriate that whatever belonged to Nizam should find a permanent pl[illegible] the city. After going [illegible] exhibition of the Nizams Jewellery on the opening day on November 24, he said that he was happy that after a long gap, the precious and invaluable jewel collection of the Nizam had come back to its original place.

He also said that Centre had, after acquiring the cellection after a protracted legal battle., shifted it to the vaults of the
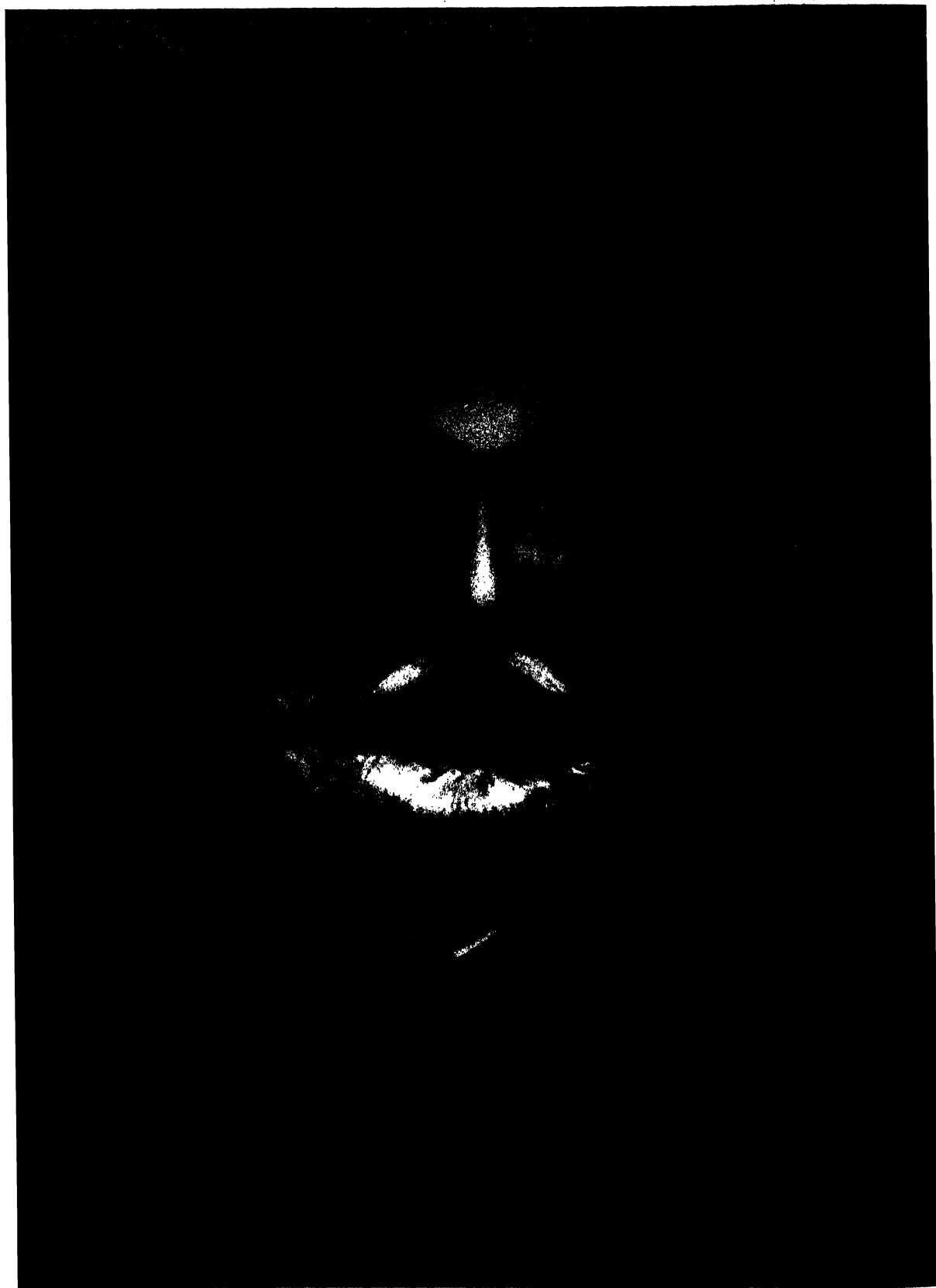
حالی

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No. 1, 1-15, Jan., 2002
REGD.No.H/HD850 REGD.NO.R.N.63767/96
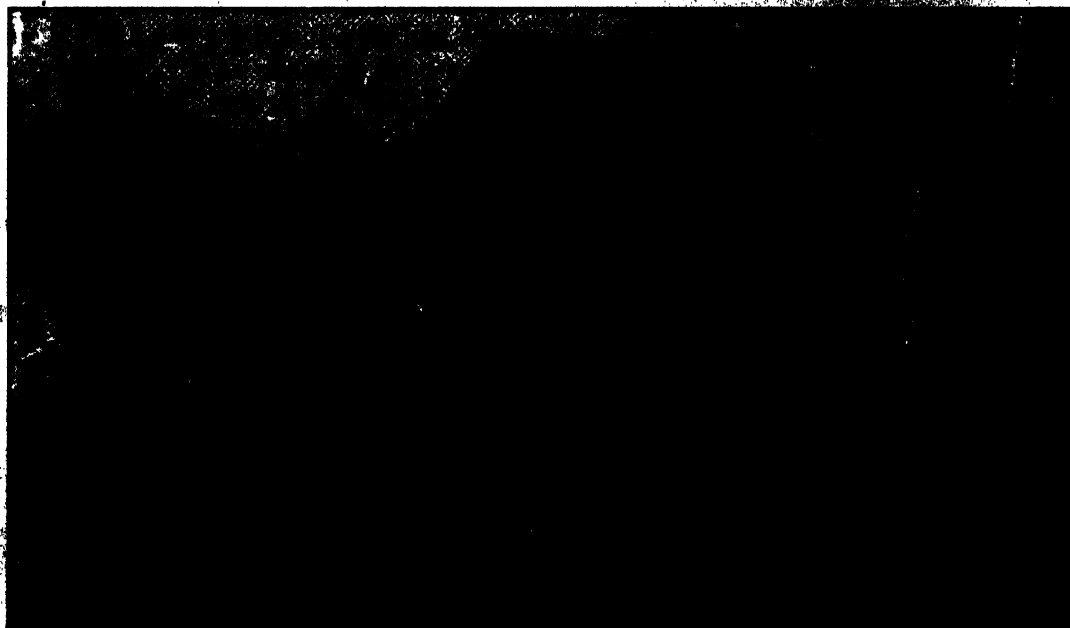
سیاست
انٹرنیشنل میگزین
ندرہ روزہ
حیدرآباد۔ اے پی۔ انڈیا
آندھراپردیش
اسپورٹس
سرگرمیوں کا مرکز
SIASAT FORTNIGHTLY
ایچ ناگپا
ویرپن کا شکار
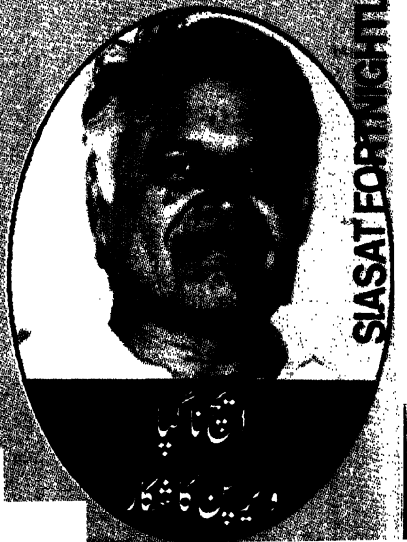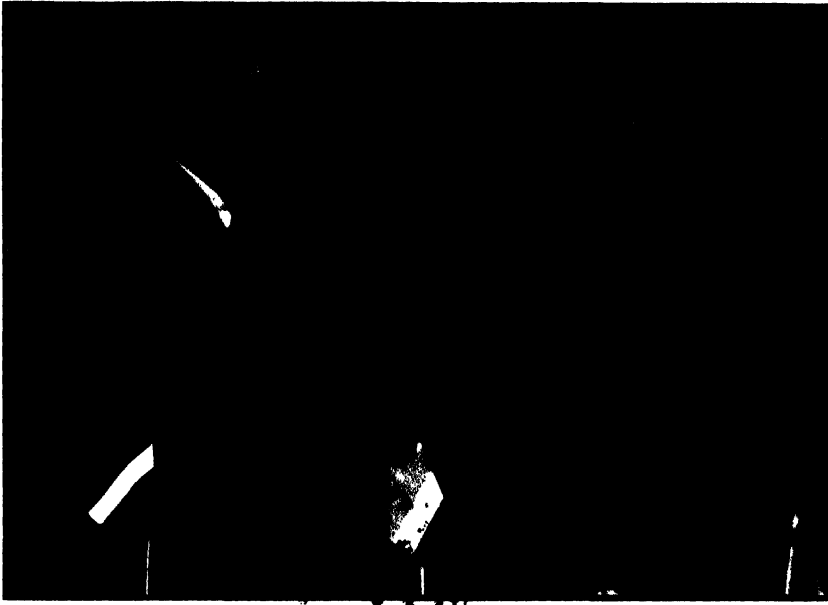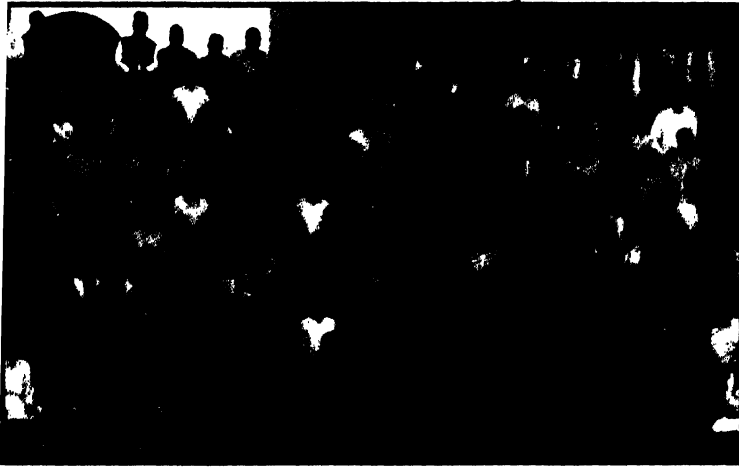
Vol. 7. HYDERABAD
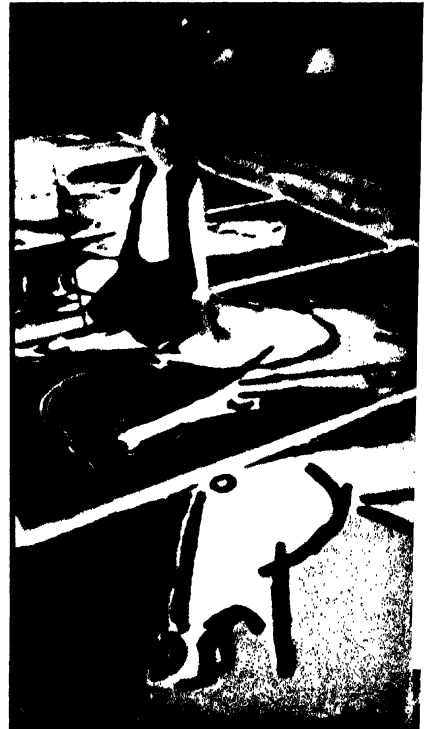
Editor: ZAHID ALI KHAN

16-31 December - 2002

17/12/2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188
New Delhi: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.
mumbai: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
Calcutta: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
Bangalore: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
Ahmedabad: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khiati c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.
Saudi Arabia: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
Kuwait: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر، پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدر آباد سے شائع ہوا۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے

ہوش اڑ جاتے ہیں۔

ایک انجانا خوف دل و دماغ

پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے

پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

ہند۔روس تعلقات کو مزید مستحکم بنانے کا عہد

روس کے صدر ولادیمیر پوٹن کے حالیہ دورہ ہندوستان دونوں ملکوں کے قائدین اور اعلیٰ عہدیداروں کے مذاکرات کے بعد جاری کردہ مشترکہ اعلامیہ "دہلی ڈکلیریشن" پر دستخط سے دونوں ملکوں کی دیرینہ دوستی، تعاون اور اشتراک کو جلا بخشی گئی ہے۔ گذشتہ نصف صدی کے دوران ہندوستان اور سوویٹ یونین کے درمیان تمام عالمی مسائل اور باہمی دلچسپی کے امور پر مکمل اتفاق رائے رہا کسی بھی مسئلہ پر کوئی اختلاف رائے تک نہیں رہا۔ سوویٹ یونین کے بکھراؤ کے بعد بھی روس اور دوسری جمہوریتوں کے درمیان قریبی تعلقات کی روایات برقرار ہیں۔ ہندوستان کے قیام سے دونوں ملکوں کے درمیان مستحکم دوستانہ تعلقات کا آغاز ہوا اور رفتہ رفتہ مختلف شعبوں خاص طور پر باہمی تجارت، بین الاقوامی مسائل پر اتفاق رائے، سائنس و ٹکنالوجی کے معاملہ میں ریسرچ میں باہمی تعاون کو فروغ اور وسعت حاصل ہوئی۔ ہندوستان کے لئے سوویت یونین آزمائش کی ہر گھڑی میں مددگار و معاون رہا۔

ایسے وقت جبکہ دنیا دو طاقتی دھڑوں میں منقسم تھی امریکہ کی قیادت میں اسکے حامی اور حلیف ممالک ناٹو تنظیم کے تحت متحد تھے اور دوسرے طاقتی دھڑے سیٹو کی قیادت سوویٹ یونین کررہا تھا۔ جواہر لال نہرو کی قیادت میں ہندوستان نے بہ یک وقت دونوں دھڑوں سے دوستی اور تعاون کو متوازن رکھا اور ترقی پذیر ممالک کو غیر جانبدار تحریک کے ذریعہ متحد کرتے ہوئے ایک نئی عالمی طاقت بنائی لیکن غیر جانبدار تحریک سے وابستہ ممالک کی خارجہ پالیسی کا جھکاؤ بڑی حد تک سوویٹ یونین ہی کی جانب رہا۔ تیسری دنیا کے ان ممالک کے عوام کا عام رحجان امریکہ سے اس لئے نفرت کا رہا کہ امریکہ، برطانیہ، فرانس نے ترقی پذیر اور پسماندہ ممالک میں اپنی معاشی اجارہ داری کو فروغ دینے کی کوشش کی اور امریکہ نے طاقت کے بل پر اپنی بالادستی کو مستحکم بنانے کی پالیسی اختیار کی تھی۔

سوویٹ یونین کے بکھراؤ کے بعد روس اور وسطی ایشیاء کی دوسری جمہوریتوں نے ہندوستان سے روایتی تعلقات کو نہ صرف برقرار رکھا بلکہ باہمی مفادات کو ملحوظ رکھتے ہوئے خاص طور پر تجارتی اور معاشی روابط کو وسعت دی اور نئے معاہدات اور سمجھوتے کئے گئے۔ نئے عالمی نظام میں جبکہ امریکہ کو دنیا کے واحد سوپر پاور کا موقف حاصل ہوگیا ہے۔ مختلف اقوام کے درمیان باہمی تعاون و اشتراک کو غیر معمولی اہمیت حاصل ہوگئی ہے اس پس منظر میں دہلی ڈکلیریشن نہ صرف تعلقات کی تجدید کے ذریعہ روایتی دوستی تعاون کے تسلسل کو برقرار رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ بین الاقوامی سیاست اور باہمی اور علاقائی امور میں تعاون کو مستحکم بنانے کے عہد کا اعادہ کیا گیا ہے۔ عالمی سطح پر ہندوستان روس اہم کردار ادا کرسکیں گے۔ دہشت گردی کے انسداد اور نیوکلیئر خطرہ سے دنیا اور اس خطہ ارض کو محفوظ رکھنے کے سلسلہ میں دونوں کو اہم کردار ادا کرنا ہے۔ روس نے ہند پاک تعلقات کے مسئلہ پر ہندوستان کے نقطہ نظر کی تائید کا اعادہ کیا ہے اور شملہ معاہدہ اور لاہور ڈکلیریشن کی بنیاد پر ہی دونوں ملکوں کے تعلقات کو معمول پر لانے پر زور دیا ہے۔ روس نے بالائی فضا کو نیوکلیئر ہتھیاروں سے آلودہ کرنے کی امریکہ کی مساعی کو خطرناک قرار دیا۔ دہشت گردی کے انسداد کے لئے مختلف ممالک کے درمیان تعاون کو وقت کی اہم ضرورت قرار دیا ہے اور پاکستان کے نیوکلیئر پروگرام پر ہندوستان کی تشویش اور شکوک و شبہات سے اتفاق کیا ہے۔ نیوکلیئر ہتھیاروں کے ذخیرہ کے دہشت گردوں کے ہاتھوں میں پہونچ جانے کے خطرات کی جانب اشارہ کیا ہے۔ اس معاملہ میں اصول پسندی اور معقولیت پر مبنی حکمت عملی کو ناگزیر قرار دیا ہے۔

مسٹر پوٹن کے اس دورہ کے موقع پر معاشی اور تجارتی تعلقات کو فروغ دینے پر زیادہ توجہ دی گئی۔ دفاعی تعاون سے متعلق معاہدہ کی تجدید کی گئی۔

روس ابتداء ہی سے ہندوستان کو سب سے زیادہ دفاعی ساز و سامان سربراہ کرنے والا ملک رہا ہے اسکے علاوہ ریسرچ کے تبادلہ کو بھی اہمیت رہی ہے۔

نئے معاہدہ اور گذشتہ معاہدات کے تحت طیارہ بردار جہاز نیوکلیئر آبدوز اور لڑاکا طیاروں کی سربراہی میں عاجلانہ اقدامات کی ضرورت اور اہمیت سے اتفاق کیا گیا۔ ان معاہدات کے ذریعہ ہند روس یگانگت کو زیادہ مستحکم بنایا گیا ہے۔ روس نے عالمی سطح پر ہندوستان کی نمایاں اور کلیدی اہمیت کو تسلیم کرتے ہوئے سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کی بھرپور تائید کا اعادہ کیا ہے۔ دونوں ملکوں میں نظریاتی ہم آہنگی کو توقع ہے کہ دہلی ڈیکلریشن سے کافی تقویت حاصل ہوگی۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

چار باتیں

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جس شخص میں چار امور موجود ہوں اللہ اس پر جہنم حرام فرمادے گا اور اسے شیطان سے محفوظ رکھے گا، جو اپنے نفس پر قدرت رکھے، رغبت کی حالت میں، خوف کی حالت میں، شہوت کی حالت میں اور غصہ کی حالت میں۔ اور جس شخص میں یہ چار باتیں ہوں اس پر اللہ تعالی اپنی نعمتیں نچھاور کریں گے اور اسے جنت میں داخل کردیں گے جو مسکین کو ٹھکانہ دے، جو کمزور پر رحم کھائے، جو غلام پر نرمی کرے اور جو والدین پر خرچ کرے۔ (ترمذی)

پہلی چار باتوں کا مدار "ضبط نفس" پر ہے اور انسان کا اپنے نفس پر قدرت حاصل ہونا ہے کہ وہ رغبت، خوف، شہوت اور غصہ کی حالت میں راہ حق سے ہٹنے نہ پائے، جو شخص ان چاروں حالتوں میں نفس پر قدرت حاصل کرلے وہ جنت کا حقدار ہے۔

یہ چاروں امور جن کے بارے میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ خوشخبری دی ہے کہ ان کو ضبط کرنے والا جنتی ہے، ان چاروں کی جانب ظہور نفس کی گہرائیوں میں پیدا ہونے والی شوریدگی ہے اور ان چاروں نفسیاتی حالتوں میں دل کی دھڑکن تیز ہوجاتی ہے اور اضطراب بڑھ جاتا ہے۔ غصہ کی حالت میں تو اس کیفیت کی علامت بڑی واضح ہوتی ہیں کہ آدمی کا چہرہ سرخ ہوجاتا ہے اور اس کی آنکھوں میں سرخی آجاتی ہے اور اس کے اندر سے سلگنے کی کیفیت کو ظاہر کرتی ہے اور اس بارے میں فرمان نبی ہے کہ "غصہ انگارہ بن کر آدمی کی آنکھوں میں دہکتا ہے" جو شخص ان حالتوں کی آگ میں اپنے نفس پر قابو رکھے گا وہ گویا اپنے آپ کو جہنم کی آگ سے بچالیتا ہے۔

دوسری چار باتوں کا مدار "جذبہ ترحم" ہے۔ اور یقینا جو شخص مسکین کو ٹھکانہ دے، کمزور پر رحم کرے، غلام اور خادم پر نرمی کرے اور والدین پر خرچ کرے وہ اس بات کا مستحق ہے کہ اللہ اس پر اپنی نعمتیں نچھاور کرے اور جنت میں داخل کردے۔

اے میرے بندو!

حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث قدسی بیان کرتے ہوئے فرمایا کہ اللہ تعالی فرماتا ہے

• اے میرے بندو! میں نے اپنے اوپر بھی اس بات کو حرام کرلیا ہے کہ میں کسی پر ظلم کروں اور میں نے تمہارے اوپر بھی حرام کردیا ہے کہ تم ایک دوسرے پر ظلم کرو، اسلئے ایک دوسرے پر ظلم کرنے سے بچو

• اے میرے بندو! تم سب کے سب گم کردہ راہ ہو، سوائے اس کے جسے میں راہ دکھاؤں، پس تم مجھ سے ہدایت طلب کرو، میں تمہیں سیدھا راستہ دکھاؤں گا۔

• اے میرے بندو! تم سب کے سب بھوکے ہو سوائے اس کے جسے میں کھلاؤں، پس مجھ سے ہی رزق طلب کرو، میں تم کو دوں گا

• اے میرے بندو! تم سب کے سب ننگے ہو سوائے اس کے جسے میں پہناؤں، پس مجھ سے لباس مانگو، میں تمہیں لباس عطا کروں گا

• اے میرے بندو! تم رات دن گناہ کرتے ہو اور میں تمہارے گناہوں کی پردہ پوشی کرتا ہوں پس تم مجھ سے معافی مانگو، میں تمہیں معاف کردوں گا۔

• اے میرے بندو! تمہارے بس میں نہیں ہے کہ مجھے کوئی نقصان پہنچا سکو اور نہ تم مجھے کوئی فائدہ ہی پہنچا سکتے ہو

• اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے لوگ اور تمام انس و جن تم میں سب سے زیادہ پرہیز گار انسان کی طرح بھی ہوجائیں تو اس سے میری سلطنت میں ذرا سا بھی اضافہ نہیں ہوسکتا۔

• اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان اور تمام جن تم میں سب سے زیادہ گنہگار انسان کی طرح بھی ہوجائیں تو میری سلطنت میں اس سے کوئی نقص نہیں آسکتا۔

• اے میرے بندو! اگر تمہارے اگلے پچھلے لوگ اور تمام انسان اور تمام جن ایک میدان میں جمع ہوجائیں اور ان میں سے ہر ایک مجھ سے سوال کرے اور میں ہر ایک کو اس کے مطالبے کے مطابق دیتا جاؤں تو میرے خزانوں میں اتنی کمی بھی واقع نہیں ہوسکتی جتنی سمندر میں سوئی ڈبو کر نکال لینے سے اسکے پانی میں کمی واقع ہوجاتی ہے۔

• اے میرے بندو! تمہارے اعمال میرے پاس محفوظ ہیں، جب تم میرے پاس آؤگے تو میں ان کا پورا پورا بدلہ تمہیں دوں گا اس وقت جو بھلائی پائے وہ کہے "الحمد للہ" اور جو بھلائی کے سوا کچھ اور پائے تو وہ اپنے آپ ہی کو ملامت کرے۔

☆☆☆☆

اسرار احمد۔ نیویارک

زیر ہلال

امریکہ میں وسط مدتی انتخابات جیتنے کے بعد صدر بش اور ان کی انتظامیہ مزید اعتماد کے ساتھ عراق کے خلاف جنگ کی تیاری میں مصروف ہیں۔ اقوام متحدہ کی سیکورٹی کونسل کی طرف سے منظور کی گئی متفقہ قرارداد کے بعد ان کے اعتماد میں نہ صرف اضافہ ہوگیا ہے بلکہ ایک طرح سے انہیں لائسنس ٹو کل (Licence to Kill) بھی مل گیا ہے۔ اسی تناظر میں اس ہفتے راقم کو امریکی نائب وزیر خارجہ برائے مشرق وسطی ولیمز برنز (Williams Burns) کے تاثرات ملاحظہ فرمایئے۔ ولیم برنز جو آکسفورڈ یونیورسٹی انٹرنیشنل ریلیشنز میں ڈاکٹریٹ کی ڈگری رکھتے ہیں باقی امریکی انتظامیہ کی طرح اقوام متحدہ کی طرف سے منظور کی گئی قرارداد پر بہت مطمئن تھے۔ ان کا کہنا تھا کہ اس قدم سے اقوام متحدہ نے اپنی ساکھ کو بچالیا ہے ورنہ دوسری صورت میں اسکا مستقبل مخدوش ہوسکتا تھا۔ ان کے خیال میں اس قرارداد سے امریکہ کی پالیسی کے بنی برحقیقت ہونے میں اب کوئی شک نہیں رہ گیا اور یہ کہ عراق کو ساری دنیا نے یہ پیغام دے دیا ہے کہ اسے اپنے کیمیائی، جوہری اور بائیولوجیکل ہتھیاروں سے فوری طور پر چھٹکارا حاصل کرنا ہوگا۔ انہوں نے عراق کے تعاون نہ کرنے کی صورت میں زبردست طاقت کے استعمال کا بھی یقین دلایا۔ ولیم برنز کے خیال میں عراق دنیا کے امن کیلئے سب سے بڑا خطرہ ہے جو اپنے ہی لوگوں کے خلاف کیمیائی ہتھیار استعمال کرچکا ہے۔

یہ تو تھا امریکہ کا سرکاری نقطہ نظر تصویر کا دوسرا رخ بھی ہمیں دیکھنا ہوگا۔ اقوام متحدہ نے جس انداز سے امریکی قرارداد کو منظور کیا، ولیم برنز کے الفاظ میں اس سے اقوام متحدہ کی ساکھ بچ گئی حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس عمل سے اس کی ساکھ تباہ ہوگئی ہے اور اب یہ بات مزید واضح ہو کر سامنے آگئی ہے کہ وہ امریکہ سمیت بڑی طاقتوں کی باندی ہے جو حقوق انسانی کے پامال ہونے سے نہیں بلکہ طاقت اور سرمائے سے متاثر ہوتی ہے اس بات کو برطانوی اخبار دی گارڈین کے گیری ینگ نے گیارہ نومبر کو اس طرح آگے بڑھایا ہے "اقوام متحدہ ایک نامکمل ادارہ ہے جس طرح اس کی عمارت پرانی ہوتی جارہی ہے اسی طرح اس کے انداز غیر جمہوری ہیں اور جمہوریت کو دنیا میں قائم کرنے اور اس کا دفاع کرنے کے ضمن میں اس کا ریکارڈ نہایت ہی کمزور ہے"۔

اقوام متحدہ امریکہ کی طرف سے اس کے فنڈز نہ دینے کی وجہ سے بھی اس حالت کو پہنچ گئی ہے کہ اس نے اپنی بنیادی اصول پس پشت ڈال دئے ہیں اور سرمایہ دار اور طاقتور گروپوں کے دام میں پھنس گئی ہے۔ مثلاً 1999 میں سکریٹری جنرل کوفی عنان بزنس گروپوں کیلئے خصوصی مراعات کا اعلان کیا اور دو ماہ بعد ہی پچاس ہزار ڈالر کے عوض ان گروپوں کو اقوام متحدہ میں خصوصی رسائی عطا کردی گئی۔

دوسری طرف عراق کے خلاف ممکنہ جنگ کے منصوبے کے پس منظر میں پروان چڑھنے والی سازشیں بھی آہستہ آہستہ سامنے آرہی ہیں ان میں سب سے زیادہ خطرناک سازش وہ ہے جس کا ذکر برطانیہ کے رکن پارلیمنٹ جارج گیلووے (George Galloway) نے ایک انٹرویو میں کیا ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ عراق پر امریکہ اور برطانیہ کے مشترکہ حملے کا مقصد مشرق وسطی کی حد بندی بدلتے ہوئے اسے اپنے مفادات کے مطابق از سر نو تقسیم کرنا ہے۔ ان کے خیال میں یہ جنگ اس مقصد کو حاصل کرنے کیلئے پہلا قدم ثابت ہوگی جس کا بنیادی مقصد مشرق وسطی کے قدرتی ذخائر پر قبضہ اور اسرائیل کے دفاع کو یقینی بنانا ہوگا۔ جارج گیلووے کی بات اس لئے بھی اہمیت اختیار کرجاتی ہے کہ وہ اس وقت پارلیمانی لیبر پارٹی کی فارن افیئرز کمیٹی کے وائس چیئرمین ہیں ان کا کہنا ہے کہ برطانوی وزراء اس وقت عراق کے ٹکڑے کرنے کے علاوہ مصر، سوڈان، شام اور لبنان کو از سر نو تقسیم کرنے کے منصوبے بنارہے ہیں جارج کے خیال میں جس طرح 1916ء کے Sykes۔Picot معاہدے نے سلطنت عثمانیہ کے حصے بخرے کرنے کے بعد برطانوی سامراج کی خواہشات کے مطابق اسے مختلف ممالک میں تقسیم کردیا تھا اس وقت بھی اسی منصوبے کے ذریعے علاقے کو بڑی طاقتوں کے زیر نگین لانے کا منصوبہ مکمل ہوچکا ہے۔ اسی منصوبے کی بازگشت چند ماہ قبل امریکی محکمہ دفاع میں Rand Corporation جو امریکی حکومت کے فنڈز سے چلنے والا ایک تھنک ٹینک ہے کی ایک Presentation میں سنائی دی تھی۔ اس کے بعد Hudson Institute نامی دوسرے تھنک ٹینک نے تو اس مشرقی صوبے پر بنی ملک کا نام بھی "مسلم ری پبلک آف ایسٹ اریبیا" تجویز کردیا تھا۔

اس گھناؤنی سازش کے علاوہ اسرائیل کی طرف سے امریکہ کو یہ کہنا کہ وہ عراق کا حساب چکانے کے بعد ایران پر حملہ کردے مزید ہراساں کرنے کا باعث بن گیا ہے۔ ٹورانٹو سن کے مشہور زمانہ صحافی ایرک مارگلس نے اپنے دس نومبر کے مضمون میں بھی اس خدشے کا اظہار کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امریکہ کے جنگجو اور شہرت پسند امریکی محکمہ دفاع کا اصل ٹارگٹ عراق نہیں بلکہ ایران ہے جسے اسرائیل اپنا سب سے بڑا اور خطرناک ترین دشمن تصور کرتا ہے۔

یہ سازشیں اور لالچ کیا رنگ دکھلائیں گی یہ تو وقت ہی بتائے گا مگر ایک بات طے ہے کہ دنیا کو ایک خطرناک جگہ بنادیا گیا ہے جہاں دنیا کی آدھی سے زائد حکومتیں صحت کے مقابلے میں اپنے دفاع پر زیادہ اخراجات اٹھاتی ہیں جہاں

صرف 2001ء میں دفاعی اخراجات پر 839 ارب ڈالر خرچ کردئے گئے مگر 1.3 ارب وہ لوگ جن کی آمدنی ایک ڈالر روزانہ سے بھی کم ہے کا کسی کو فکر نہیں جہاں انٹرنیشنل ریڈکراس کے مطابق جنگ میں کام آنے والے ہر دو افراد میں سے ایک عام شہری مرد، عورت یا بچہ ہوتا ہے۔ جہاں کمبوڈیا نامی ملک میں اس کی آبادی سے زیادہ بارودی سرنگیں بچھی ہوئی ہیں جہاں باقی 64 ممالک کو ملا کر 100 ملین سے زائد بارودی سرنگیں ہر ہفتے 500 سے زائد اموات کا باعث بنتی ہیں اور جہاں تک دنیا میں جمہوریت قائم کرنے کے کھوکھلے نعرے کا تعلق ہے تو یہ بھی سن لیجئے کہ سنٹر فار انٹرنیشنل پالیسی کے مطابق امریکہ کے ہتھیاروں کا 80 فیصد دنیا کی غیر جمہوری حکومتوں کو فروخت کیا جاتا ہے، کہاں کی جمہوریت؟

آسٹریلیا کا ایک قدیم ہتھیار جسے بومرینگ (Boomerang) کہتے ہیں۔ اس کی خاصیت یہ ہے کہ اگر وہ ٹھیک نشانے پر نہ لگے تو خود پھینکنے والے کی طرف پلٹ آتا ہے، اسی سے بومرینگ افیکٹ (Boomerang Effect) نامی اصطلاح وجود میں آئی یعنی وہ قدم جو الٹا نتیجہ پیدا کرنے کا باعث ہو۔ ہوسکتا ہے کہ کوئی ذی ہوش اور ذی شعور مشیر صدر بش کو اس بارے میں مستقبل پر اس کے مضمرات کے بارے میں آگاہ کرسکے مگر تاحال صدر بش طاقت اور بے پناہ قوت کے نشے میں ہیں، یہی وہ قوت ہے جس کے بارے میں علامہ اقبال نے اپنے جذبات کو کچھ اس طرح سمویا تھا۔

اسکندر و چنگیز کے ہاتھوں سے جہاں میں
سو بار ہوئی حضرت انساں کی قبا چاک
تاریخ امم کا یہ پیام ازلی ہے
صاحب نظراں! نشہ قوت ہے خطرناک
لادیں ہو تو ہے زہر ہلاہل سے بھی بڑھ کر
ہو دیں کی حفاظت میں تو ہر زہر کا تریاق

0000

شمالی عراق میں کردوں کا اثر

سلیمانیہ (عراق)۔ شمالی عراق کے خود مختار خطہ میں رہنے والے کرد آہستہ آہستہ خود کو اپنی عربی بنیادوں سے دور کرتے جارہے ہیں حالانکہ ایسا وہ اپنی سیاسی حکمت عملی کے تحت کررہے ہیں مگر کرد افسران ابھی بھی اس پر زور دیتے ہیں کہ وہ عربی زبان والے عراق کا ہی حصہ ہیں۔

سلیمانیہ شہر کی تعلیمی وزارت کے مطابق پرائمری ہائی اسکول اور یونیورسٹی کی سطح پر صرف کرد زبان میں تعلیم دی جاتی ہے اور عراقی صدر صدام حسین کی کردوں پر مسلط کردہ زبان کا استعمال محض مذہبی کلاسز میں ہوتا ہے۔

سلیمانیہ کے نائب وزیر تعلیم جمال عزیز نے کہا "عربی ہمیشہ کردستان کی خاص زبان رہے گی یہاں پیٹریاٹک یونین آف کردستان (کے یو پی) کی حکومت ہے۔ خود مختار علاقوں کے دیگر حصوں پر حکومت کرنے والی کردش یا ڈیموکریٹک پارٹی (کے ڈی پی) نے بھی اس حکمت عملی کی تصدیق کی ہے"۔

تاہم اس پالیسی کی مخالفت بھی ہے۔ اربیل میں ایک ماہر تعلیم نے کہا "یہ بکواس ہے ہماری اگلی نسل اب عربی نہیں بول سکے گی"۔ بہت سے کردوں کا اس حقیقت کے باوجود کہ عرصہ پہلے اپنی انتظامیہ قائم کرلی تھی جس میں فوج پولیس اور نظام تعلیم شامل ہے مگر وہ پی یو کے اور کے ڈی پی افسران اسے وفاقی نظام کے تحت جائز سمجھتے ہیں۔

دونوں کرد پارٹیاں یہ دعوی بھی کرتی ہیں کہ متحدہ کردستان کے خواب کو شرمندہ تعبیر کرنے کی تو بات ہی کیا وہ پڑوسی ممالک کے 2.2 کروڑ کردوں کے ساتھ بھی روابط قائم کرنے میں دلچسپی نہیں رکھتے۔

پی یو کے ٹیلیویژن نیٹ ورک کرد سیٹ کے نیوز ڈائرکٹر اسد محمد کہتے ہیں شمالی عراق کے کردوں کی ہمیں فکر ہے اور ممالک کے کردوں کی نہیں "دوسرے ہمارے وسائل صرف ہمارے اپنے کردوں کے لئے کافی ہیں"۔

1996ء کی تیل برائے غذا قراردادوں کے بعد شمالی عراق کے کردوں کی معاشی حالت بہت بہتر ہوگئی ہے۔ عراق کو تیل سے ہونے والی آمدنی کا 13 فیصد ان خود مختار علاقوں کو دینا پڑتا ہے۔ عالمی غذائی پروگرام کے تحت ملنے والا راشن اور دیگر امداد اس سے الگ ہے۔

کرد نہ صرف محنت کش کسان ہوتے ہیں بلکہ وہ اچھے تاجر بھی ہیں ان کا خطہ میں اور پڑوسی ریاستوں کے ساتھ خود کاروبار ہے۔ 1970ء اور 1980 کی دہائی میں جو غربت نظر آتی تھی وہ نہ سلیمانیہ میں ہے نہ اربیل میں۔

اسد پیرانہ کہا "ہم مغرب کے ساتھ ہیں اور پڑوسی ریاستوں کے ساتھ بھی اچھے تعلقات چاہتے ہیں اور ہر طرح کی کشیدگی سے بچنا چاہتے ہیں۔

ایران اور شام کے کشیدگی رفع کرنے کی پالیسیاں بہت کارگر ثابت ہوئی ہیں۔ فی الحال ایران واحد ملک ہے جس کی شمالی عراق کے ساتھ کھلی سرحد ہے۔

تاہم ترکی شمالی عراق کے حالات کو شبہ کی نظر سے دیکھتا ہے خصوصا کرد باغی گروپ پی کے کے کے ساتھ خطہ کے مبینہ تعاون سے اسے تشویش لاحق ہے۔ مگر کردستان کی دونوں سیاسی پارٹیاں واضح طور سے اس بات کی تردید کرتی ہیں ملک نے پچھلے ماہ اپنی پارلیمنٹ شروع کی ہے جہاں کے ڈی پی 105 سیٹوں میں سے 51 سیٹیں حاصل کرکے اکثریت میں ہے۔ پی یو کے کے پاس 49 سیٹیں ہیں باقی 5 اقلیتوں کی ہیں۔

●●●

محمد ناظم علی

عالمی برادری کی دہشت گردی کے خلاف کوشش

کائنات کی تخلیق کا مقصد انسانیت کی بقا ہے دنیا میں تمام اقوام کی کاوش وجد و جہد ازل سے یہ رہی ہے کہ اپنے جیسے ہم جنس کی بقاء ونشو ونما ہو۔ وحشی دور میں بھی آدمی انسان بننے کے مراحل طے کرتا رہا اور معاشرتی تمدنی کوششوں سے تہذیب یافتہ ومہذب بن گیا۔ تاریخ شاہد ہے کہ دنیا میں انسانی مخلوق ہی اشرف وافضل مخلوق ہے جسکو پوری کائنات کا مرکز و محور مانا گیا۔ تو پھر عصری دور میں انسان ایک دوسرے کے حقوق کا پیاسا کیوں بن گیا۔ مشرق و مغرب میں امتیاز کس بناء پر پیدا ہوگیا۔ مغرب ترقی وعروج حاصل کرلیا اور مغربی اقوام مہذب کہلانے لگی۔ شاید عصری علوم وفنون پر عبور حاصل کرکے کیا اقوام ترقی یافتہ مہذب کہلاتی ہے اب رہا ان صفات وشمائل کے علاوہ دہشت گردی دنیا کا اہم موضوع بن گیا اور اس سماجی و ملکی مسئلہ کو کس طرح سے حل کریں۔ دہشت گردی کے مضمرات وجوہات اسباب و علل مختلف نوعیت کے ہیں۔ امریکہ سوپر پاور بن گیا سیاسی عالمی طاقت کا دعوی کرنے لگا اور کمزور ملک واقوام پر سیاسی دہشت گردی کا مظاہرہ کررہا ہے اسرائیل و فلسطین ہو یا ایران و عراق ہو سب پر سیاسی دھونس جمائے ہوئے ہے۔ ہر ملک کا تقاضہ ہے کہ وہ اپنے علاقے میں اپنی پسند کی سیاسی قوت و بالادستی نازل کرلیں اور اپنی ملکی قومی اور علاقائی تہذیب و معاشرت کے تحت قوانین مدون کریں اور جغرافیائی محل و قوع و قدرتی وسائل کے تحت ضوابط منشور تیار کرے۔ مملکت اور سیادت و قیادت بھی ملکی و قومی تقاضوں کے تحت ہوسکیں امریکہ مغربی و مشرقی ممالک پر راست سیاسی تسلط لاگو کرنا چاہتا ہے اور مشرقی اقوام کو ذہنی مرعوبیت کا شکار بنانا چاہتا ہے۔ یہی سیاسی دباؤ دہشت گردی کا موجب بن رہا ہے۔ اس کی مثال ملک افغانستان ہے جہاں طالبان کی حکومت کو معزول کرکے حامد کرزئی کی حکومت قائم کی۔ امریکہ دنیا میں اپنی مرضی کی حکومت قائم کرنا چاہتا ہے۔ سائنس و ٹکنالوجی اور کمپیوٹر علوم پر سبقت حاصل کرکے غریب و ترقی پذیر ممالک پر تسخیر حاصل کرنا چاہتا ہے۔ سیاسی دباؤ کی آڑ میں دہشت گردی کا ننگا ناچ روا رکھا ہے۔ دہشت گردی کے انسداد کی باتیں عالمی برادری کی جانب سے ہورہی ہے لیکن ان ممالک کے سماجی ماحول کا جائزہ لینا ہوگا جو دہشت گردی کو ختم کرنا چاہتے ہیں امریکہ، جرمنی، فرانس، انگلینڈ اور روس کے سماجی و معاشرتی حالات اور سماجی اقدار کا تجزیہ کریں تو وہاں اخلاقی نظام کا فقدان نظر آتا ہے، روحانی قدریں اس سماج میں پامال ہورہی ہیں۔ جنسی تقاضے و جذبات کو کھلی چھوٹ دی گئی Liberalism کے نام پر وہاں کا معاشرہ اخلاقی قیود سے آزاد ومبرا ہے بھلا ایسے ممالک کس طرح دہشت گردی کے خلاف ہوسکتے ہیں۔ دہشت گردی کے انسداد و خاتمہ کے لئے اخلاقی قدریں مضبوط ہوں سماجی قدریں اخلاقیات سے معنون و عبارت ہوں، پھر ہم عالمی برادری سے یہ توقع کیسے رکھ سکتے ہیں کہ وہ دہشت گردی کے مخالف ہیں۔ روس میں ایک ہی ہتھیار سے ہزاروں معصوم بچوں کو شہید کردیا گیا۔ اسرائیل کی ظالم حکومت فلسطین کے معصوم شہریوں کو شہید کررہی ہیں، ہندوستان میں مذہبی روایت پر مبنی اور فرسودہ رسومات و انتہاء پسندی کے رحجان کے تحت مسلم کشی کا بازار گرم ہے۔ دوسری بڑی جمہوریت میں کس انداز سے فرقہ پرستی اور بنیاد پرستی کے تحت اسکا حوالہ دیکر داخلی بحران و انتشار پیدا کیا جارہا ہے۔

اندازہ کریں ۱۱ستمبر ۲۰۰۱ کے بعد سے سیاسی طور پر دہشت گردی کے خلاف پروپگنڈہ تو کیا جارہا ہے لیکن عالمی برادری کے کردار کو دیکھ کر یہ کہنا پڑتا ہے کہ وہ اسکو فروغ و تقویت دینے میں آگے ہیں۔ امریکہ کے اشارے پر اسرائیل فلسطین پر ظلم کررہا ہے۔ اسکی روک تھام ناگزیر ہے۔ روس، جرمنی، انگلینڈ اور فرانس، امریکہ کے ہم نوا بن گئے ہیں۔ ایسے میں مشرقی اقوام کا فرض ہے کہ وہ اپنا ایک اتحاد و تنظیم قائم کریں۔ تہذیبی تصادم، نسلی امتیاز اور مغربی و مشرقی افتراق، عالمی دہشت گردی کا پیش خیمہ ثابت ہورہا ہے اور اس تصور کے تحت عالمی فوجی طاقت اور ہتھیاروں کی دوڑ دھوپ چل رہی ہے۔

وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی کا پارلیمنٹ کے سرمائی سشن میں آمد پر پرمود مہاجن نے استقبال کیا

گجرات میں رائے دہی

گجرات میں انتخابی مہم زور و شور کے ساتھ اختتام کو پہنچی اور یہاں الیکشن کمیشن نے آزادانہ و منصفانہ انتخابات کے انعقاد کو یقینی بنایا جہاں 63 فیصد مجموعی رائے دہی ریکارڈ کی گئی۔ یہ انتخابات قومی سیاست پر بھی اثر انداز ہوں گے کیونکہ یہ لڑائی فرقہ پرست اور سیکولر طاقتوں کے مابین ہے۔ بی جے پی اپنی ہندوتوا کی حامی جماعتوں کے ساتھ گجرات کو ماڈل اسٹیٹ کے طور پر پیش کررہی ہے۔ اس سے مسلمانوں کے خلاف ہندوؤں کے جذبات بھڑکاتے ہوئے اور نفرت کا زہر بھرتے ہوئے ہندوؤں کو متحد کرنے کا کام انجام دیا ہے۔ دوسری طرف مسلمان پہلے ہی فسادات میں سب کچھ کھو چکے ہیں۔ انھیں صرف سیکولر طاقتوں سے یہ توقع ہیکہ وہ مستقبل میں اس نوعیت کے واقعات کی روک تھام کے لئے موثر اقدامات کرے گی۔ گجرات میں جہاں مرکزی سیاسی قائدین نے اپنی جماعتوں کے حق میں انتخابی مہم چلائی وہیں ایک اور اہم پہلو نریندر مودی کی پاکستان اور مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی رہا۔ گجرات کے عوام کی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ فرقہ واریت اور غنڈہ گردی کے برعکس ترقی کے حق میں اپنی رائے دہی اور ملک کے حق میں اپنی رائے دہی اور ملک کے سیکولرازم کا پرچم بلند رکھیں۔

عوام حق رائے دہی سے استفادہ کرتے ہوئے

بی جے پی اور کانگریس کے درمیان زبردست مقابلہ ہے اور نتائج قومی سیاست پر اثر انداز ہوسکتے ہیں۔ قبل ازیں رائے دہی کے لئے تقریباً 40 ہزار نیم فوجی دستوں کے جوانوں کو ریاست کے 70 ہزار پولیس جوانوں کی مدد کے لئے متعین کیا گیا تاکہ منصفانہ اور آزادانہ انتخابات کو یقینی بنایا جاسکے۔ 182 رکنی اسمبلی کے لئے انتخابات کا مشاہدہ کرنے والوں میں امریکہ، برطانیہ، یوروپی یونین اور نیدرلینڈ، اٹلی، سویڈن کے 17 سفارت کار بھی شامل ہیں۔

3.32 کروڑ رائے دہندوں کو اپنے حق رائے دہی سے استفادہ کرنے کے لئے بہتر حفاظتی بندوبست کیا گیا ہے۔ چیف الیکشن کمشنر جے ایم لنگڈو نے رائے دہندوں سے کہا ہیکہ وہ بلا خوف و خطر اپنے ووٹ کا استعمال کریں۔ 1000 امیدواروں میں اپنے نمائندوں کا انتخاب کرنے کے لئے 37,000 پولنگ مراکز قائم کئے گئے ہیں۔ سورت سٹی (مغرب) اسمبلی نشست کے انتخابات وزیر قانون ہیمنت چپلہوالا (بی جے پی امیدوار) کے انتقال کی وجہ سے ملتوی کردئے گئے ہیں۔ ان اہم سیاسی قائدین میں جن کی قسمت کا فیصلہ کل ہونے جارہا ہے، چیف منسٹر نریندر مودی، جو اس وقت بی جے پی کے سب سے پسندیدہ لیڈر اور ہندوتوا علمبردار ہیں۔ سینئر

گجرات میں رائے دہی کے موقع پر سخت سیکورٹی انتظامات

رائے دہی سے ایک دن قبل تشدد کے واقعات پیش آئے

کانگریس قائدین امر سنگھ چودھری، سریش مہتا اور بی جے پی سے کانگریس میں شامل ہونے والے شنکر سنہ واگھیلا شامل ہیں۔ تمام حلقوں میں الکٹرانک ووٹنگ مشینوں کا استعمال کیا جارہا ہے

جبکہ گنتی اتوار کو ہوگی۔ الیکشن کمیشن نے دعوی کیا ہیکہ تمام انتظامات مکمل کر لئے گئے ہیں۔ لنگڈوہ نے بتایا کہ ان رائے دہندوں کی سہولت کے لئے جو اپنے مکانوں اور مقامات کو چھوڑ چکے ہیں۔ کمیشن نے خصوصی پولنگ مراکز تمام ضلع کلکٹریٹس پر قائم کئے ہیں۔
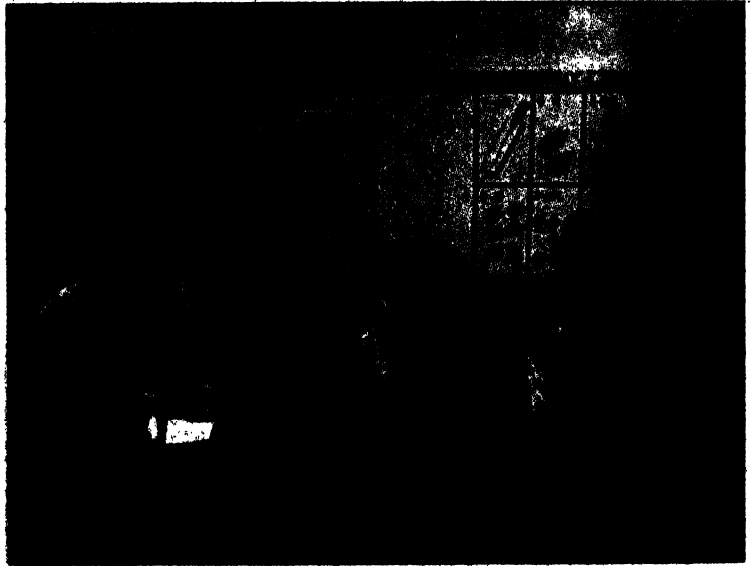
الیکشن کمیشن نے 25 اضلاع کے 14707 پولنگ مراکز کو حساس قرار دیا ہے۔ چیف منسٹر نریندر مودی منی نگر سے مقابلہ کررہے ہیں۔ گجرات کی 182 رکنی اسمبلی کے لئے 343 امیدوار سمیت 1000 امیدوار میدان میں ہیں۔ کل ملا کر 21 سیاسی پارٹیوں نے اپنے امیدوار کھڑے کئے ہیں جن میں دو بڑی اور اہم پارٹیاں بھارتیہ جنتا پارٹی اور کانگریس ہیں۔ کانگریس نے شوراشٹرا خطے میں ایک نشست سی پی آئی کے لئے ۱ ایک سی پی آئی (ایم) کے لئے چھوڑی ہے۔ بی جے پی تمام 182 سیٹوں پر الیکشن لڑرہی ہے۔ گجرات میں پولنگ کو پرامن اور آزادانہ و منصفانہ بنانے کے لئے پوری ریاست میں حفاظت کا ایسا سخت بندوبست کیا گیا ہے جس کی نظیر نہیں ملتی۔ پولنگ سے تعلق رکھنے والے ڈیوٹی پر کم و بیش ڈھائی لاکھ افراد کو 36,000 پولنگ اسٹیشنوں پر تعینات کیا گیا ہے۔ یہاں پہلی بار کم و بیش 40,000 الیکٹرانک ووٹنگ مشینیں استعمال کی جائیں گی تاکہ پورے گجرات کے ووٹر اپنے حق رائے دہی کا استعمال ان مشینوں کے ذریعہ ہی کریں۔ سلامتی دستوں نے حساس علاقوں میں دو دنوں کے دوران "فلیگ مارچ" کیا ہے۔ سرکاری ذرائع کے مطابق گجرات پولیس فورس کے 65,000 سے زائد جوانوں میں سے نصف کو الیکشن ڈیوٹی پر تعینات کیا گیا ہے۔ حکام نے 25 ہزار ہوم گارڈوں اور 20,000 گرام رکشک

دل رضاکاروں کو بھی پولیس اور سلامتی دستوں کی مدد کے لئے تعینات کیا ہے ۔ 35,000 جوانوں پر مشتمل مختلف نیم فوجی دستوں کی 352 کمپنیاں بھی تعینات کی گئی ہیں۔ جن نیم فوجی دستوں اور ان کی کمپنیوں کو تعینات کیا گیا ہے ان میں سنٹرل ریزرو پولیس فورس 160 ، بارڈر سیکورٹی فورس 56 ، سریع الحرکت فورس 40 ، پنجاب پولیس 20 ، انڈو تبتن بارڈر پولیس 10 ، سی آئی ایس ایف 10 کے علاوہ پولیس کے دستے بھی شامل ہیں ۔ ان پولیس دستوں میں راجستھان سے 12 کمپنیاں آئی ہیں ، مدھیہ پردیش سے 10 ، کرناٹک ، ہریانہ ، مہاراشٹرا ، تاملناڈو سے پانچ پانچ ، گجرات اسپیشل ریزرو پولیس کی 60 کمپنیاں اور بارڈر ہوم گارڈ کی 12 کمپنیاں بھی تعینات کی گئی ہیں ۔ ذرائع نے اس طرف اشارہ کیا کہ اگرچہ انتخابی مہم چند چھوٹی موٹی وارداتوں کو چھوڑ کر پرامن رہی ہے ، اس لئے حکام اور الیکشن کمیشن اس ریاست کے ووٹروں کو ، جہاں اس سال کے اوائل میں آزادی کے بعد سے اب تک کے سنگین ترین فرقہ وارانہ فسادات ہوئے تھے ، سلامتی فراہم کرنے کے لئے تمام ممکن کوششیں کررہے ہیں ۔ دریں اثناء وڈودرہ سے یہاں پہنچنے والی رپورٹوں کے مطابق حفاظتی انتظامات کی کڑی کے طور پر مرکزی نیم عسکری دستوں کی 42 کمپنیاں فساد زدہ وڈودرہ ضلع میں تعینات کی گئی ہیں ۔ اس ضلع کے مختلف حصوں سے ابھی تک 5000 سے زائد امتناعی گرفتاریاں بھی کی گئی ہیں۔ 20 بدنام عادی مجرموں کو انسداد سماجی دشمن سرگرمیاں قانون (پاسا) کی گنجائشوں کے تحت گرفتار کیا گیا ہے ۔ سرکاری ذرائع نے بتایا کہ 3847 بوتھوں میں سے 2136 حساس قرار دئے گئے ہیں ۔ 1230626 خواتین سمیت 2527588 ووٹر اس ضلع کی 13 سیٹوں کے لئے انتخابی دنگل میں اترے ہوئے 71 امیدواروں کے مستقبل کا فیصلہ کریں گے ۔

گجرات تصویر کا دوسرا رخ

ذرائع ابلاغ اور کئی دوسرے طریقوں سے ہندوتوا کا پیغام گجرات کے گاؤں گاؤں تک پہنچ گیا ہے اور گودھرا اور اس کے بعد کے تشدد پر گرما گرم بحثیں بھی جاری ہیں لیکن ووٹروں کو شکایت ہے کہ ان کی بنیادی ضرورتیں پوری نہیں ہوئی ہیں۔

اس سال بھی بارش کم ہونے سے زیر زمین پانی کی سطح گر گئی ہے ۔ چارہ کی کمی ہے اور بجلی غائب رہتی ہے ۔ ریاست میں فروری ، مارچ کے واقعات کے بعد تجارت کو نقصان پہنچا ہے اور کارخانوں میں اور دوسری جگہوں پر روزگار پانا مشکل ہورہا ہے ۔

اس ضلع کے دس نگر بلاک کے گاؤں سولی پور کے سوکھا جی نے کہا "ہم بے کار بیٹھے ہیں۔ فصل ہونے کے لئے پانی نہیں ہے ۔ کبھی کبھی ہم کو دس نگر میں مزدوری مل جاتی ہے ۔

دس نگر میں ہی بھوانی ہاؤسنگ سوسائٹی کے صدر ہرگون بھائی پٹیل نے سوت کے کارخانہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "یہ چھ ماہ سے بند پڑی ہے ۔ کام کہاں ہے ؟"

دس نگر سے 6 کیلومیٹر دور کالی پور میں چرواہے رمن مالا نے شکایت کی اسے چارہ لانے کے لئے دور جانا پڑتا ہے ۔ایک اور سوکھا ہمارے مویشی ماردے گا "۔

شمالی اور وسطی گجرات ، سوراشٹرا اور کچھ میں بھی یہی کہانی ہے ۔ ان ہی جگہوں پر فصل بوئی گئی ہے جہاں پانی کے پمپ ہیں ۔ لیکن بہت سے کھیت خشک پڑے ہیں۔ سابرمتی اور اس کے معاون ندیوں میں پانی نہیں۔ قبائلی پٹی میں زیر زمین پانی 300 فٹ نیچے چلا گیا ہے۔

والا بھائی دنکر سابر کنٹھا ضلع میں کھیڑ برہما کے نزدیک سڑک کے کنارے ایک ہوٹل میں کام کرتا ہے ۔ اس کا کہنا ہے کہ اس کے گاؤں میں کپڑے کے تین کارخانے صرف دو تین ماہ کام کرتے ہیں۔ کپاس کم پیدا ہورہی ہے۔

ہوٹل کا مالک عباس بھائی مومن "موسم" کے دن نہیں بھولتے ۔ "تین ماہ تک اس سڑک میں ٹریفک بہت کم تھی ، ہم گاہک کے انتظار میں رہتے تھے ۔

حیرت کی بات یہ ہیکہ بہت سے گاؤں والے کہتے ہیں کہ ابھی ان کی کسی امیدواروں سے ملاقات نہیں ہوئی ، مہم کی گاڑیاں چکر لگاتی ہیں۔

آنند ضلع کے ایک گاؤں کے نکڑ پر پوسٹر لگا ہے "گودھرا ہوئے کہ اکشر دھام مٹاؤ سو آتنک واد کے نام و نشان (گودھرا ہو یا اکشر دھام ، مٹادیں گے دہشت گردی کا نام و نشان) اس ضلع میں کرم سد میں سردار ولبھ بھائی پٹیل کے آبائی مکان کے برابر رہنے والے نٹو بھائی کا کہنا ہے "سب غنڈے ایک ساتھ ہوگئے ہیں اور آج کل چناؤ لڑرہے ہیں " وہ سوال کرتے ہیں "مجھے بتلایئے گجرات میں کون لیڈر اچھا ہے "۔

گجرات الیکشن واچ کمیٹی کے مطابق انتخابی میدان میں 1000 امیدواروں میں سے 138 ایسے ہیں جو کسی نہ کسی جرم میں ملوث رہے ہیں۔ بی جے پی اور کانگریس کے 9 ممبروں کے خلاف قتل کے مقدمے درج ہیں۔ 12 اقدام قتل کا کیس ہے ، تین کے خلاف آبروریزی کے معاملے ہیں اور 26 مبینہ طور پر ڈاکے ڈالنے ، آتشزنی فساد اور جیل توڑنے کے جرائم میں ملوث ہیں۔

بناس کنٹھا ضلع کے امباجی سے 15 کیلومیٹر دور گاؤں پنکھوڑا کے رمیش روپا اور ساجا بھائی نے کہا کہ وہ کام کی تلاش میں امباجی جاتے ہیں۔ کسی دن کام ملتا ہے اور کسی دن خالی ہاتھ واپس آنا پڑتا ہے ۔ بہرحال الیکشن کے موقع پر ایسے لوگوں کو شہر جانے اور واپس آنے کی مختلف سواری مل جاتی ہے ۔ جھنڈوں سے آراستہ گاڑیاں رکتی ہیں اور ان لوگوں کو لفٹ دیتی ہیں۔

مشاہدین کا کہنا ہے کہ چناؤ مہم اخبارات اور ٹی وی چینلوں کے ذریعہ متوسط طبقہ کے گھروں میں پہنچ رہی ہے ۔ لیکن دیہات میں دوسری ہی کہانی ہے ۔

ووٹ تو بہرحال یہ لوگ دیں گے ۔ ساجا بھائی نے کہا "میں ہر قیمت پر ووٹ دوں گا خواہ بوتھ پر گولیاں ہی کیوں نہ چل رہی ہوں "۔

OOOO

ڈاکٹر سلمان عابد

کیریئر گائیڈنس

فارسٹ مینجمنٹ کورسس

Forest Management Courses

جنگلات ہماری معیشت کے استحکام کے لئے بے حد مضبوط ذریعہ ہیں۔ انکے تحفظ کی ذمہ داری اور ان سے فطری وسائل کی تلاش استعمال و استفادہ انسانی زندگی کے لئے بے حد ضروری ہے۔ آج انسانی زندگی کے بیشتر اہم شعبے جنگلات کے وسائل پر منحصر ہیں۔

فارسٹ ایکٹ کی رو سے فارسٹ پالیسی ڈاکیومنٹ میں اندراج کے مطابق ریاستی حکومت جنگلات کے تحفظ کی ذمہ دار ہیں۔ فی الحال یونین پبلک سروس کمیشن کی جانب سے منعقد کئے جانے والے انڈین فارسٹ سروس امتحان کی بنیاد پر جنگلات کے تحفظ کی ذمہ داری کے لئے اعلی عہدیداروں کا انتخاب عمل میں لایا جاتا ہے۔ تاہم ان کے علاوہ جنگلاتی تحفظ کے جو دیگر رتبوں کے عہدے ہیں ان پر بھرتی کے لئے فارسٹ مینجمنٹ کورس بے حد ضروری اور ممد و معاون ہے۔

انڈین انسٹی ٹیوٹ آف فارسٹ مینجمنٹ IIFM اس پس منظر میں جنگلاتی وسائل کے بہتر استعمال اور اس کے ورثہ کے تحفظ و ترقی وغیرہ کے لئے سویڈیش انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ سوسائٹی Swedish (SIDA) International Development Society کے تعاون سے بزنس ایڈمنسٹریشن ٹریننگ پراجکٹ کا قیام عمل میں لایا گیا۔ احمد آباد میں انڈین انسٹی ٹیوٹ آف مینجمنٹ کی جانب سے بنائے گئے منصوبے کے تحت 1982ء میں جنگلات اور ماحولیات کی وزارت کے زیر انتظام IIFM کا قیام عمل میں لایا گیا۔ جولائی 1988ء سے اس ادارے میں فارسٹ مینجمنٹ میں دو سالہ پوسٹ گریجویٹ پروگرام (FullTimeResidential) شروع کیا گیا۔ اس کورس کی تکمیل کے بعد طلباء کو فارسٹ مینجمنٹ میں پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما PGDFM دیا جاتا ہے۔

داخلہ کا طریقہ کار

97 - 1995ء تعلیمی سال کے لئے داخلوں کا اعلامیہ نومبر 1994 میں جاری کیا گیا تھا۔ اس طرح عام طور سے داخلوں کا آغاز نومبر کے آس پاس کیا جاتا ہے۔

کسی بھی ڈسپلن میں کم از کم 50 فیصد نشانات کے ساتھ ڈگری کامیاب طلباء اس کورس میں داخلہ کے لئے درخواست دے سکتے ہیں۔ داخلوں کا اعلامیہ جاری جس ماہ میں کیا جائے اگر طلباء ڈگری کے آخری سال کے امتحان کے قریب ہوں تو آخری تاریخ تک درخواست دے سکتے ہیں۔ لیکن انہیں چند ماہ بعد کامیابی کی سرٹیفکیٹ پیش کرنا ہوتی ہے۔ عمر 28 سال ہو۔ SC کے لئے 15 فیصد اور ST کے لئے 7 فیصد نشستیں مخصوص ہوتی ہیں۔ حیدرآباد کے ساتھ ملک کے دیگر بڑے شہروں میں انٹرنس ٹسٹ منعقد کیا جاتا ہے۔ انٹرنس ٹسٹ میں امیدوار کی انگریزی زبان سے واقفیت، مسائل کی یکسوئی کے ڈھنگ، مواقع کا تجزیہ، Sufficiency of Date تحریری قابلیت، عام معلومات وغیرہ کی جانچ کی جاتی ہے۔

درخواست کا نمونہ اعلامیہ کے ساتھ شائع کیا جاتا ہے۔ جو ممتاز انگریزی روزناموں کے علاوہ ایمپلائمنٹ نیوز میں دیکھا جاسکتا ہے۔ اس نمونے پر سادہ کاغذ پر درخواست بھیجی جاسکتی ہے۔ ساتھ میں مقررہ رقم کا ڈیمانڈ ڈرافٹ جو IIFM کے نام پر بھوپال میں قابل ادا ہو بھی منسلک کیا جانا چاہئے۔ ڈی ڈی کے ساتھ خود کا پتہ لکھا 27x11 سائز کا چار روپئے ڈاک ٹکٹ لگا لفافہ بھی اس پتہ پر روانہ کیا جانا چاہئے۔

The Co-Ordinator

(PGP-Admissions)

IIFM,P.O.Box No.335,

NehruNager,

Bhopal-462003 (MP)

ملازمت کے مواقع

فارسٹ مینجمنٹ کورس مکمل کرنے کے بعد طلباء کو ملازمت کے وسیع مواقع حاصل ہوتے ہیں۔ جنگلات سے متعلق محکموں میں، صنعتوں میں، سرکاری انتظامی دفاتر میں، مشاورتی ایجنسیوں میں ملازمت کے بہترین مواقع حاصل ہیں۔

• Tata Consultancy Service انٹرنیشنل ڈیولپمنٹ ایجنسی، آغا خاں رورل سپورٹ پروگرامس، ٹاٹا انرجی ریسرچ انسٹی ٹیوٹ، سوسائٹی فار پروموشن آف ویسٹ لینڈس ڈیولپمنٹ، بلاپور انڈسٹریز لمیٹڈ آپریشن ریسرچ گروپ جیسے اہم قومی اداروں میں ملازمتیں حاصل ہیں۔

بزنس مینجمنٹ میں جزوقتی پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کورسس

Part Time PG Diploma Courses in Business Management

عثمانیہ یونیورسٹی میں بزنس مینجمنٹ شعبہ میں مارکٹنگ مینجمنٹ، انٹرنیشنل مارکٹنگ Enterprenuership and Small Business Management میں پارٹ ٹائم پوسٹ گریجویٹ ڈپلوما کورسس رائج ہیں۔ اس کے لئے داخلہ ذریعہ انٹرنس ٹسٹ کیا جاتا ہے۔ اس میں حاصل کردہ رینک کی بنیاد پر داخلہ دیا جاتا ہے۔ اس کورس کی مدت دو سمسٹر (ایک سال) ہے۔

کلاسس شام 6 تا 9 بجے چلائی جاتی ہیں۔ گریجویشن کامیاب طلبہ کورس میں داخلہ کے اہل ہیں۔ مزید معلومات یونیورسٹی کے شعبہ بزنس مینجمنٹ سے حاصل کی جاسکتی ہیں۔

☆☆☆

17 زمروں کے افراد ایمگریشن چیک سے مستثنیٰ

انتظامی قوانین پر نظرثانی کرنے والے کمیشن نے ایمگریشن کے ایک قانون موسومہ فارن ریکروٹنگ ایکٹ 1874 کو ختم کردینے کی سفارش کی ہے۔ لوک سبھا میں ایک سوال کے تحریری جواب میں اس بات کا انکشاف کرتے ہوئے محنت کے وزیر مملکت اشوک پردھان نے اس بات سے انکار کیا کہ ناقص ایمگریشن چیک انسانوں کی اسمگلنگ کا سبب ہے۔ انہوں نے کہا کہ مرکز نے ریاستوں اور مرکزی علاقوں کی سرکاروں کو لکھا ہے کہ پولیس تھانوں کی سطح پر غیر قانونی ایمگریشن کے لئے اکسانے والے بے ایمان عناصر کی سرگرمیوں پر سخت نظر رکھنے کے لئے رہنما اصول جاری کئے جائیں۔ مسٹر پردھان نے کہا کہ 17 زمروں کے افراد ایمگریشن چیک سے مستثنیٰ ہیں۔ یہ زمرے حسب ذیل ہیں۔

1۔ ہوٹلوں، ریسٹورانوں، ٹی ہاؤز یا عوامی تفریح کی دوسری جگہوں پر منیجر کی حیثیت سے جانے والے افراد جن کے پاس ان شعبوں میں خصوصی ڈگریاں ہیں۔

2۔ تمام گزیٹڈ سرکاری ملازمین

3۔ تمام انکم ٹیکس دہندگان (بشمول زراعتی انکم ٹیکس) انکم ٹیکس کے لئے ان کی انفرادی تشخیص اور گزشتہ تین برسوں کے دوران انکم ٹیکس کی حقیقی ادائیگی پر زور دیا جائے گا اور محض ایڈوانس ٹیکس کی ادائیگی پر زور نہ دیا جائے گا۔

4۔ تمام پیشہ ورانہ ڈگری ہولڈر مثلاً ایم بی بی ایس ڈاکٹر، آیورویدک یا ہومیوپیتھی کی ڈگری، حکومت سے تسلیم شدہ صحافی، انجینئر، چارٹرڈ اکاونٹنٹ، لکچرار، اساتذہ، سائنسدان اور ایڈوکیٹ وغیرہ۔

5۔ دو سے چار تک میں مذکورہ زمروں کے افراد کے شریک حیات اور ان کے بچے۔

6۔ تمام افراد جو تین سال سے زیادہ مدت تک بیرون ملک میں مقیم رہے ہیں (تین سال کی مدت مسلسل ہو یا وقفہ وقفہ سے) اور ایسے لوگوں کے شرکاء حیات اور بچے۔

7۔ تمام ہندوستانی سی فیئرر جنکے پاس ہندوستانی یا غیر ملکی سی ڈی ایس ہوں اور جن کے پاس ہندوستان کی یا غیر ممالک کی جہازراں کمپنیوں کی ملازمت کی پیشکش ہو اور بحری کیڈٹس

8۔ ڈپلومیٹک / آفیشل پاسپورٹ رکھنے والے تمام افراد۔

9۔ جن والدین کے پاسپورٹ ای سی این آر کے درجہ میں آتے ہوں ان پر منحصر بچے۔ ان بچوں کے سلسلہ میں ای سی این آر کی درجہ بندی 24 سال تک کی عمر تک محدود رہے گی۔

10۔ مستقل ایمگریشن ویزے رکھنے والے افراد مثلاً برطانیہ، امریکہ اور آسٹریلیا میں۔

11۔ ڈپلوما یا زیادہ اونچی ڈگریاں رکھنے والے افراد

12۔ تسلیم شدہ اداروں جیسے پولی ٹکنیکس سے ملنے والے ڈپلومے رکھنے والے افراد۔

13۔ انڈین نرسنگ کونسل ایکٹ 1947 کے تحت تسلیم شدہ لیاقت رکھنے والی نرسیں

14۔ 60 سال سے زیادہ عمر کے تمام افراد

15۔ پاکستان اور بنگلہ دیش کا دورہ کرنے والے تمام افراد

16۔ یوروپ کے کسی ملک کو جانے والے تمام افراد (سی آئی ایس ممالک، شمالی امریکہ، نیوزی لینڈ یا جاپان کو چھوڑ کر)

17۔ حکومت / حکومت سے تسلیم شدہ اداروں کا ووکیشنل ٹریننگ سرٹیفکٹ رکھنے والے افراد۔

0000

اچھی باتیں

☆ برائی کو بھلائی کا ذریعہ نہ بناؤ (افلاطون)

☆ غربت، انقلاب اور جرم کی ماں ہے (ارسطو)

☆ تحریر ایک خاموش آواز اور قلم ہاتھ کی زبان ہے (سقراط)

☆ زندگی مسلسل جدوجہد کا نام ہے۔ آرام تھکاوٹ کی نشانی ہے اور تھکاوٹ ہمت ٹوٹ جانے کا نام ہے۔

☆ ٹھوکر کھانے کے لئے تیار ہو تاکہ گرنے سے بچ سکو

بزدل لوگ کئی بار مرتے ہیں، جب کہ بہادر صرف ایک بار مرتے ہیں۔

لوگ اونچے پہاڑوں سے نہیں اکثر چکنی مٹی سے پھسل جاتے ہیں

☆ کیا کبھی خوشبو نے گلاب سے بغاوت کی، نہیں اس لئے کہ گلاب ہی کے دم سے اس کا وجود ہے۔ تو پھر انسان احکامات الٰہی سے بغاوت کیوں کرتا ہے، کیا وہ نہیں جانتا کہ اس کا وجود کس کے دم سے ہے۔

☆ دوستی ایک خوبصورت پھول ہے۔ خوشبو اڑ بھی جائے تو رنگ باقی رہ جاتا ہے

☆ خوبصورتی کی تلاش میں ہم چاہیں تو پوری دنیا کا چکر لگالیں، اگر وہ ہمارے اندر نہیں تو کہیں نہیں ملے گی۔

☆ دوستی کے رشتے کو مت توڑو، کیونکہ اگر یہ دوبارہ جڑ بھی جائے تو گانٹھ ضرور پڑجاتی ہے۔

☆☆☆

اسٹیم سیل پر نئی تحقیق

ذہانت کسی خاص خطے یاافراد کی میراث نہیں ہوتی ۔ ایجادات کی دنیا میں اب ایشیاکی ذہانتیں بھی سامنے آرہی ہیں۔ ایشیامیں اب بعض ایسے شعبوں میں بھی تحقیقی کام ہورہا ہے جن کی جانب اس سے قبل دنیاکی نظر نہیں گئی تھی۔اس حوالے سے ممتاز جریدے ، فار ایسٹرن اکنامک ریویو نے گزشتہ دنوں بعض ایسے موجدوں کو ایوارڈز دیے ، جنہوں نے انسانیت کی خدمت کے لئے اپنی زندگیاں وقف کردی ہیں اور ایسی اہم ایجادات کی ہیں جن سے آئندہ انسانوں کو بہت فوائد حاصل ہوں گے ۔

StemCell یا نباتاتی سیل کا نام ایک عرصے تک سائنسی اور طبی دنیا میں متروک رہا ۔ علمی مباحث میں بھی Stem Cell کے حوالے سے گفتگو سے گریز کیا گیا ہے ۔ اب سنگاپور یونیورسٹی کے ایک پروفیسر ، ایرف ہینگسو کی تحقیق کی وجہ سے نباتاتی سیل کو خاصی اہمیت حاصل ہوگئی ہے ۔ ہینگسو نے ایک پودے سے یہ سیل حاصل کرکے ثابت کیا ہے کہ یہ سیل انسانی جسم کے کسی بھی سیل کے ساتھ نمو پاسکتے ہیں۔ نباتاتی سیل پر تحقیق ایک وقت طلب کام ہے مگراس سیل پر کامیاب تحقیق کے نتیجے میں ذیابطیس سے کینسر تک کئی امراض سے شفایابی کی راہیں کھل سکتی ہیں ۔ نباتاتی سیل کا تجربہ چوہوں کے علاوہ بھی کیا جاسکتا ہے اس وقت تک امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ میں 78 اقساط کے نباتاتی سیل رجسٹر کئے گئے ہیں ۔اس سیل کو اب لیبارٹری میں مزید تجربات کی بھی ضرورت نہیں ہے ۔ ہینگسو کا کہنا ہیکہ ضرورت اس بات کی ہے کہ اس سیل کوجلد از جلد مریضوں تک پہنچادیا جائے ۔

امریکہ کی فوڈ اینڈ ڈرگ ایڈمنسٹریشن بھی ہینگسو کی اس دریافت پر مزید تحقیق کررہی ہے ۔ اس وقت اس سلسلے میں سائنس دان یہ معلوم کرنے کی کوشش کررہے ہیں کہ اسپتالوں میں اس سیل کو کس طرح زیادہ سے زیادہ مفید طریقے سے استعمال کیا جاسکتا ہے ۔ہینگسو کا کہنا ہے کہ فوڈ اینڈ ڈرگ انڈمنسٹریشن اس سیل پر ان کے ساتھ مل کر مزید تحقیق کررہی ہے اور اس بات کی کوشش کی جارہی ہے کہ ایک ایسا نظام وضع کیا جائے جس میں جانوروں پر اس سیل کے استعمال کی ضرورت نہ پڑے ۔

ہینگسو اب اس سیل کے جینیاتی راز معلوم کرنے کی کوشش کررہے ہیں۔اس طرح یہ معلوم ہوسکے گا کہ کون سی جین کے ذریعے سیل کو یہ ہدایت ملتی ہے کہ وہ کسی خاص ٹشو میں نمو پاسکے ۔ انسانی اور حیوانی نباتاتی سیل میں جینیاتی نوعیت کی ہدایات موصول کرنے کی صلاحیت ہوتی ہے اور وہ انسانی جسم کے مخصوص ٹشوز میں نمو پاسکتے ہیں۔ یہ سیل انسانی جسم کے کسی حصے کی مرمت بھی کرسکتے ہیں اور اعضاء کے متبادل کے طورپر بھی کام کرسکتے ہیں۔اس کے علاوہ یہ سیل انسانی جسم میں پائے جانے والے 210 اقسام کے ٹشوز میں سے کسی کی جگہ بھی لے سکتے ہیں۔ہینگسو کا کہنا ہیکہ اگر ہمیں اس بات کا علم ہوجائے کہ انسانی جسم میں کون سی جین کس جین کو بناتی ہے تو اس کا مطلب ہے کہ ہم سونے کی کان دریافت کرلیں گے ۔ اس دریافت کی وجہ سے ہم جین کے اصل ماخذ کا پتہ ہی نہیں چلاسکیں گے بلکہ نباتاتی سیل کو ان کی جگہ منتقل بھی کرسکیں گے ۔ اس طرح آپ جس نوعیت کے ٹشو چاہیں پیدا کرسکیں گے ۔

ہنگسو اسٹیم سیل کو محفوظ کرنے کا ایک مضبوط اور مربوط نظام وضع کرنے پر بھی کام کررہے ہیں۔اس وقت یہ نباتاتی سیل پلاسٹک کی تھیلی یا اسٹرا میں محفوظ کئے جاسکتے ہیں اور انہیں نائیٹروجن کے ساتھ منجمد کیا جاتا ہے ۔مگر یہ طریق کار بہتر نتائج کا حامل نہیں ہے ، کیوں کہ اگر نائیٹروجن کے ساتھ وائرس شامل ہوجائیں تو اس اسٹرا میں موجود سیل بھی متاثر ہوتے ہیں۔ہینگسو نے اب اس مقصد کے لئے ایک الیکٹرانک نظام تیار کیا ہے ، جس سے سیل میں کسی قسم کی

ملاوٹ کے امکانات ختم ہوگئے ہیں۔ان کا کہنا ہے کہ پہلے مرحلے کے ٹیسٹ میں یہ نظام کامیاب ثابت ہوچکا ہے اور امید ہے کہ آئندہ سال کے وسط تک اسے تجارتی بنیاد پر استعمال کیا جاسکے گا۔

گزشتہ چھ ماہ کے دوران ایشیا، یوروپ اور امریکہ کے کئی افراد اور گروپوں نے بینگسو کو پیشکش کی ہے کہ وہ اسٹیم سیل ریسرچ کے سلسلہ میں ان کے ساتھ مل کر کام کریں۔اس بارے میں بینگسو کا کہنا ہے کہ ہمارے پاس سیل ہیں، تجربہ ہے اور مریضوں پر ان کے استعمال کے بارے میں معلومات ہیں، اب صرف انسانی جین پر اس سیل کے اثرات کا جائزہ لینے کا کام باقی ہے۔

بینگسو سنگاپور میں رجسٹرڈ ای ایس سیل انٹرنیشنل کمپنی کے [illegible] میں سے ہیں۔ یہ کمپنی دنیا کے ان چھ اداروں میں سے ایک ہے، جہاں جین میں استعمال کے لئے 78 اقسام کے سیل تیار کئے جاتے ہیں۔ ای ایس سیل واحد ادارہ ہے جسے امریکہ کے نیشنل انسٹی ٹیوٹ آف ہیلتھ نے اپنی فہرست میں شامل کیا ہے۔اس ادارے کو امریکی حکومت کی جانب سے امداد بھی فراہم کی جاتی ہے۔ یہ ادارہ دنیا بھر کی چالیس لیبارٹریوں کو اسٹیم سیل فراہم کرتا ہے۔ بینگسو نے سنگاپور کی حکومت کو پیشکش کی ہے کہ وہ دیگر ملکوں کے مقابلے میں اسے اسٹیم سیل ریسرچ کے زیادہ بہتر نتائج سے بہرہ مند کرسکتے ہیں۔ سنگاپور کی حکومت نے سال رواں کے اوائل میں اس سلسلے میں پروفیسر بینگسو کی سفارشات کو تسلیم کرلیا ہے۔

سنگاپور کے قوانین کے تحت جن انسانوں پر اس سیل کے تجربات کئے جاتے ہیں، ان کے جینین کلوننگ ٹکنالوجی کے ذریعے ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں۔ اس سلسلے میں جو ہدایات جاری کی گئی ہیں، ان میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ انسانی اجسام کی ری پروڈکٹو کلوننگ کی اجازت نہیں دی جائے گی۔ یہ ہدایات برطانیہ کے اسٹیم سیل ریسرچ کے قوانین کے مماثل ہیں۔

پروفیسر بینگسو کا کہنا ہے کہ وہ سنگاپور کے قوانین سے بہت خوش ہیں۔ایک جانب ان

سنگاپور کے قوانین کے تحت جن انسانوں پر اس سیل کے تجربات کئے جاتے ہیں ان کے جینین کلوننگ ٹکنالوجی کے ذریعے ہی حاصل کئے جاسکتے ہیں اس سلسلے میں جو ہدایات جاری کی گئی ہیں ان میں واضح طور پر کہا گیا ہے کہ انسانی اجسام کی ری پروڈکٹو کلوننگ کی اجازت نہیں دی جائے گی

☆ بینگسو نے سنگاپور کی حکومت کو پیشکش کی ہے کہ وہ دیگر ملکوں کے مقابلے میں اسے اسٹیم سیل ریسرچ کے زیادہ بہتر نتائج سے بہرہ مند کرسکتے ہیں۔ ☆

قوانین کے ذریعے دیکھ بھال اور توازن برقرار رکھا گیا ہے اور ہمیں کام کرنے کی مکمل آزادی ہے، دوسری جانب حکومت نے ہم پر نظر بھی رکھی ہوئی ہے۔

بینگسو نے 1976ء میں جانوروں کے جینین کی تبدیلی کے ماہر کی حیثیت سے کام شروع کیا تھا۔ انہوں نے سری لنکا سے جانوروں کی ادویات کے شعبے میں انڈر گریجویشن کی ڈگری حاصل کی تھی۔ بعد میں انہیں ماسٹرز کرنے کے لئے گیولپ یونیورسٹی کینڈا کی جانب سے ایک اسکالرشپ دیا گیا۔ بعد میں 1980ء کے وسط میں انہوں نے بے اولاد جوڑوں پر تحقیق کا کام کیا۔ وہ نیشنل یونیورسٹی اسپتال، سنگاپور میں سائنٹیفک ڈائرکٹر کی حیثیت سے بھی خدمات انجام دیتے رہے ہیں۔

بینگسو کی والدہ ڈچ تھیں اور ان کا انتقال کینسر کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان کے والد کا تعلق سری لنکا سے تھا اور ان کا انتقال شریان پھٹنے کی وجہ سے ہوا تھا۔ ان کا کہنا ہے کہ انہیں اپنے والدین کی بیماریوں کی وجہ سے انتقال سے بھی اسٹیم سیل کے ذریعے ان بیماریوں کے علاج کی جانب رغبت ہوئی۔ ان کا مزید کہنا ہے کہ ایک سائنس داں کی حیثیت سے ہمیں اپنی حدود میں رہنا چاہئے اور خدائی کاموں میں دخل اندازی نہیں کرنی چاہئے۔ بعض افراد کا خیال ہے کہ ہمیں مہلک بیماریوں میں مبتلا افراد پر جینین سے متعلق اسٹیم سیل کے حوالے سے تحقیق کرنی چاہئے، مگر میں اس بات کے حق میں نہیں ہوں۔ میرے خیال میں اس تحقیق کا مطلب یہ ہوگا کہ مریض کے اصل علاج کی جانب توجہ نہ دی جائے

چھپن سالہ سائنس داں ابھی یہ بتانے کی پوزیشن میں نہیں ہے کہ نباتاتی سیل کے ذریعے مخصوص ٹشوز انسانی جسم میں پیدا کرنے میں کب تک مکمل کامیابی حاصل ہوگی۔ مگر ان کا کہنا ہے کہ لبلبہ سے متعلق سیل کی تیاری میں جلد کامیابی ہوگی۔ اس کام میں بھی پانچ سے دس سال تک کا عرصہ لگ سکتا ہے۔ گزشتہ دنوں امریکہ میں تحقیق کاروں نے اعلان کیا تھا کہ انسولین پیدا کرنے والے اسٹیم سیل کے ذریعے ذیابطیس کی قسم اول کے مریضوں کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

اس طریقے علاج میں کامیابیوں کے باوجود اس شعبے میں کام کی رفتار کافی سست ہے۔ پروفیسر بینگسو کا کہنا ہے کہ جہاں تک اسٹیم یا نباتاتی سیل کا تعلق ہے۔ وہ بہت پراسراریت اپنے اندر سموئے ہوئے ہیں۔ مگر مجھے یہ تحقیقی کام کرنے میں اس لئے بھی مسرت حاصل ہوتی ہے کہ اس سے آخرکار انسانیت ہی کو فائدہ ہوگا۔

ooo

پیدائش سے قبل بچہ کی تصویر حاصل کرنا ممکن

آپ کے ہونے والے بچے کی شکل ماں سے ملتی ہے یا باپ سے یہ اب اس کی پیدائش سے پہلے ہی آپ جان جائیں گے۔

بچہ کی پیدائش سے کئی ہفتے پہلے ہی اس کے مسکراتے چہرے کی تصاویر اور ویڈیو ریل دیکھنا نہ صرف ممکن ہوگیا ہے بلکہ یہ تکنیک دن بہ دن مقبول ہوتی جارہی ہے۔

امریکہ کی ایک کمپنی نے آخرکار کمپیوٹر ٹکنالوجی کی مدد سے فور ڈی اسکین چار رخی تصاویر کا استعمال کرکے ناممکن کو ممکن کردکھایا ہے۔ اس کے ذریعہ ساڑھے سات مہینے کے حمل میں بچے کی ایک دم صاف تصویریں کھینچی جارہی ہیں اور ویڈیو ریل بھی بنائی جارہی ہے۔

ان تصاویر میں بچہ مسکراتا اور کھیلتا نظر آتا ہے۔ اس تکنیک کی مدد سے یہاں تک پتہ لگایا جاسکتا ہے کہ بچے کی صورت کس پر گئی ہے۔

صرف ایشیا میں ہی اس تکنیک پر مبنی ولوسن 730 نام کی 200 مشینوں کا استعمال کیا جارہا ہے۔ امریکہ اور یوروپ میں تو یہ تکنیک دن بہ دن مقبول ہورہی ہے۔

ہونے والے بچے کے بارے میں والدین کی خواہش پوری کرنے کے لئے ہانگ کانگ میں ایک کلینک میں اس مشین کی مدد سے تقریبا 140 اسکین ہر ہفتے کئے جارہے ہیں۔

39 سالہ ٹریسا لٹل ووڈ نے اپنے ہونے والے بچے کی تصاویر دیکھ کر کہا کہ اس نے پہلی بار اپنے بچے کے چہرے کی تصاویر دیکھی ہیں۔ اس کے نقش ونگار واضح نظر آرہے تھے یہ واقعی ایک دلچسپ تجربہ ہے۔

یہ مشین دراصل اسی تکنیک کا استعمال کرتی ہے۔ جس کا استعمال روایتی "ٹو ڈی اسکین" کیلئے کیا جاتا ہے۔ یعنی ہائی فری کوئنسی والی شعاعوں کو ٹرانسمیٹر کے ذریعہ رحم مادر میں پل رہے بچے تک بھیجا جاتا ہے۔ بعد میں وہی ٹرانسمیٹر انہیں کمپیوٹر کے اسکرین پر تصویر کے روپ میں پیش کرتا ہے۔

آخرکار کمپیوٹر ٹکنالوجی کی بدولت اب یہی ٹرانسمیٹر رحم مادر میں بچے کی صرف ایک طرف کے بجائے کئی پہلوؤں سے تصویریں لے سکتا ہے۔ اور اسکرین پر تھری ڈی تصویر آجاتی ہے۔ اس میں چوتھا پہلو یعنی فور ڈی ہے۔ یعنی جس وقت بچہ ہلتا ہے یا مسکراتا ہے ٹھیک اسی وقت کمپیوٹر کی اسکرین پر وہ تصویر ابھر آتی ہے۔

فور ڈی تکنیک ابھی نئی ہے اور اس سمت میں مزید تحقیق کی جائے گی۔ ابھی ان مشینوں کو بازار میں آئے ایک سال ہی ہوا ہے اس کے علاوہ ڈاکٹروں کو بھی تین یا چار رخی تصاویر کو قبول کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

کمپنی کے مطابق فی الحال ان مشینوں کا استعمال تحقیقی کاموں اور رحم مادر میں بچے کی صحت پر باقاعدہ نظر رکھنے کے لئے کیا جارہا ہے لیکن مستقبل میں ان کا استعمال چھاتی کے کینسر جیسی مہلک بیماری میں مبتلا مریضوں کو راحت پہنچانے کے لئے کیا جاسکتا ہے

ہانگ کانگ میں واقع اپنے کلینک میں وولسن 730 کا استعمال کرنے والے ڈاکٹر لام ینگ ہانگ کے مطابق پیٹ میں پل رہے بچے کی سب سے زیادہ صاف تصاویر ساڑھے سات ماہ کا ہونے پر آتی ہیں۔ اس سے پہلے وہ بہت کمزور لگتا ہے اور اس کے کچھ دن بعد بچے کی تصویر اس لئے صاف نظر نہیں آتی کہ ایک تو یہ بچہ مقابلتا بڑا ہوجاتا ہے اور اس کی سرگرمیاں بھی تیز ہوجاتی ہیں۔ ڈاکٹر لام کا کہنا ہے کہ مستقبل میں اس تکنیک کے ذریعہ رحم مادر میں بچے کی سرگرمیوں کا تجزیہ بھی کیا جاسکے گا۔ یہ بھی پہلے ہی معلوم ہوجائے گا کہ بچے کے چہرے میں کوئی نقص تو نہیں ہے۔

ڈاکٹر لام کے مطابق اس تکنیک میں مزید جدت پیدا کرنے کی ضرورت ہے کیونکہ 12 سے 20 ہفتے کے حمل کی صحت پر نظر رکھنے کے لئے اس سے خاص مدد نہیں ملتی۔

اس کے لئے ڈاکٹر اب بھی ٹو ڈی اسکین کو ہی بہتر ملتے ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ ابھی اس نئی تکنیک کے ذریعہ چار پانچ ماہ کے حمل کی صاف تصویریں حاصل نہیں ہوتی۔

ہانگ کانگ کے ہی ڈاکٹر لیونگ کووک چن اس مشین کا استعمال تھیلیس میا بیماری کا پتہ لگانے کے لئے رحم مادر میں بچے کے اعضاء کو ناپنے کے لئے کررہے ہیں۔ یہ بیماری عام طور پر ایشیائی لوگوں میں زیادہ ہوتی ہے اور سنگین کیسوں میں پیدائش کے کچھ دیر بعد ہی بچہ کی موت ہوجاتی ہے۔

ڈاکٹر چن کا کہنا ہے کہ اس تکنیک کی مدد سے رحم مادر میں بچے کی حرکات اور ان پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیہ کیا جاسکتا ہے اور بچوں میں جان لیوا بیماریوں کے آثار اور علامات کا پتہ لگایا جاسکتا ہے۔

وولسن 730 مشین بنانے والی کمپنی کے مطابق فور ڈی تکنیک ابھی نئی ہے اور اس سمت میں مزید تحقیق کی جائے گی۔ ابھی ان مشینوں کو بازار میں آئے ایک سال ہی ہوا ہے اس کے علاوہ ڈاکٹروں کو بھی تین یا چار رخی تصاویر کو قبول کرنے میں کچھ وقت لگے گا۔

کمپنی کے مطابق فی الحال ان مشینوں کا استعمال تحقیقی کاموں اور رحم مادر میں بچے کی صحت پر باقاعدہ نظر رکھنے کے لئے کیا جارہا ہے لیکن مستقبل میں ان کا استعمال چھاتی کے کینسر جیسی مہلک بیماری میں مبتلا مریضوں کو راحت پہنچانے کے لئے کیا جاسکتا ہے۔ بایپسی کرتے وقت بھی ڈاکٹروں کو اس مشین سے مدد ملے گی۔

OOOO

رنگ و نور کی برسات میں نیشنل گیمس کا آغاز

دلچسپ سنسنی خیز تجسس بھرے لمحات، نیشنل گیمس کا 13 ڈسمبر سے آغاز ہو گیا۔ قومی مقابلوں کے مسابقتی دوڑ میں کونسی ریاست کس پر حاوی ہو جائے گی اور بازی مار لے جائے گی۔ یہ تو آنے والا وقت ہی بتائے گا۔ چیف منسٹر مسٹر چندرا بابو نائیڈو نے نیشنل گیمس کے ذریعہ کھیل کود کی اہمیت و افادیت کو اجاگر کر کے ملک کی ساری ریاستوں کی قیادت کو ایک لمحہ سوچنے سمجھنے کی دعوت دی ہے۔ چندرا بابو نائیڈو نے کھیل کود کو سماج کی از سر نو تشکیل کیلئے لازمی قرار دیا اور اسی فلسفہ نظریہ کو موصوف بھرپور اور پرزور انداز میں ریاست آندھرا پردیش میں اجاگر کر رہے ہیں۔ گورنر ڈاکٹر رنگا راجن اسپورٹس کی اہم تقریبات میں اپنے خطاب میں ہمیشہ ایک بات ضرور نمایاں کرتے ہیں وہ بات ہے " ہمارے ملک میں کھیل کود کا کوئی تصور ہی نہیں ہے کوئی Concept ہی نہیں ہے"۔ یہ جملہ ہمیں غور و فکر کی دعوت دیتے ہیں ۔ریاست میں عالمی درجہ کا انفراسٹرکچر تعمیر کیا گیا۔ اس تاریخی واقعہ جو نیشنل گیمس کی صورت میں سامنے آیا ہے اس کے بھی کچھ مطالبے اور تقاضے ہوتے ہیں ان کو پورا کرنے ایک طرف کھلاڑی ہیں تو دوسری طرف کھیل کود کے اداروں سے جڑے ذمہ دار ارباب اور کوچیس وغیرہ کی بھی آزمائش کا مرحلہ ہے۔

300 کروڑ کے صرفہ سے انفرا اسٹرکچر کی تعمیر

زائد از 3 سو کروڑ کے صرفہ سے جو انفراسٹرکچر تیار کیا گیا ہے اس کی مختصر تفصیل یہاں پیش کی جا رہی ہے ۔ گچی باؤلی مین اسٹیڈیم جہاں بڑے ہی تزک و اہتمام اور شایان شان انداز میں افتتاحی تقریب کا اہتمام کیا گیا۔ یہ تقریب بھی ہندوستان کی تاریخ میں سنہری الفاظ میں لکھی جائے گی ۔ عظیم جمہوریت کی عظیم شخصیت کے ہاتھوں نیشنل گیمس کا افتتاح فعال نیک ہی سمجھا جائے گا۔ ڈاکٹر اے پی جے عبدالکلام کی آمد اور شرکت بھی ریاست کی قیادت اور عوام کیلئے باعث
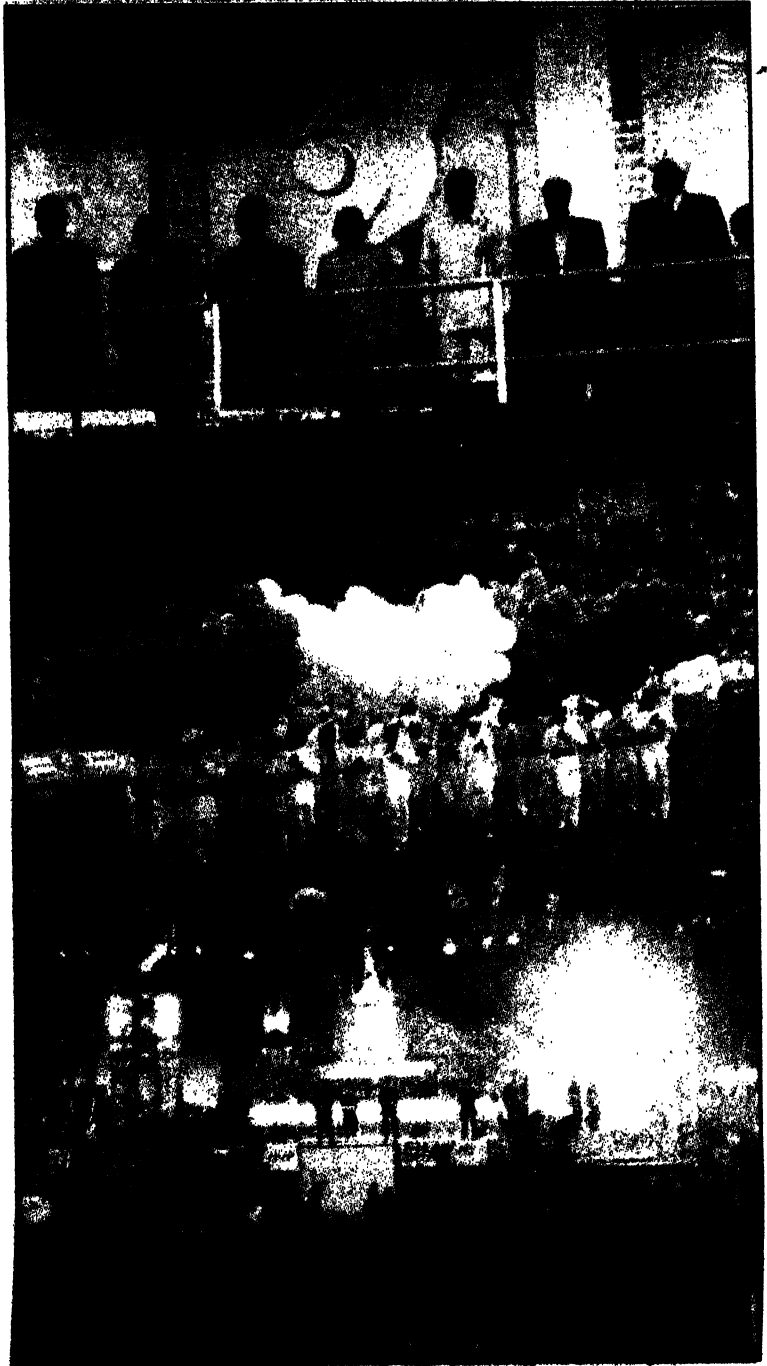
افتتاحی تقریب سے چیف منسٹر کا خطاب

فخر ہے اور ساتھ ہی ریاست کے کھلاڑیوں کے لئے بھی ایک اعزاز سے کم نہیں۔ شائقین اسپورٹس اور اسپورٹس کے حلقوں کیلئے بھی خوشیوں اور مسرت کا یادگار تاریخی دن ہی سمجھا جائے گا۔ اس طرح نیشنل گیمس کی اختتامی تقریب بھی شاندار اور یادگار رہے گی۔ وہ اس لئے کہ ملک کے وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی اس تقریب کے مہمان خصوصی ہوں گے۔ گچی باؤلی اسٹیڈیم میں 30 ہزار شائقین کی نشست کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ اس پر 20.09 کروڑ کا خرچہ آیا ہے۔ الٹرا ماڈرن ایتھلیٹکس اسٹیڈیم ورلڈ کلاس اسٹیڈیم ہی سمجھا جائے گا۔ اس کے ساتھ میں انڈور اسٹیڈیم تعمیر کئے گئے ہیں۔ بیاڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کے مقابلے یہاں ہوں گے۔ 4 ہزار شائقین کی نشست کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ ان کی تعمیر پر 11.14 کروڑ خرچ کئے گئے ہیں۔ ساتھ میں سوئمنگ پول بھی ہے غضب کا پول ہے یہاں عالمی نوعیت کے مقابلے منعقد کئے جاسکتے ہیں۔ ویسے بیاڈمنٹن اور ٹیبل ٹینس کے کورٹس بھی عالمی معیاری ہی کے ہیں ویسے جتنے بھی اسٹیڈیمس اس موقع پر تیار کئے گئے ہیں عالمی معیار ہی کے ہیں۔ معیار پر اترتے ہیں یہ ایک حقیقت ہے مبالغہ نہیں۔ سوئمنگ پول کی تیاری پر 9.61 کروڑ روپے خرچ کئے گئے ہیں۔ یہاں 2 ہزار لوگوں کے بیٹھنے کا انتظام ہے۔

یوسف گوڑہ مقام پر جو انڈور اسٹیڈیم تیار کیا گیا ہے یہ بھی ہمہ مقصدی ہے یہاں باسکٹ بال' والی بال اور ہینڈ بال کے کورٹس تیار کئے گئے ہیں۔ اس انڈور اسٹیڈیم پر 8.94 کروڑ روپے خرچ کئے گئے ہیں۔ یہاں 2 ہزار لوگوں کے بیٹھنے کی گنجائش رکھی گئی ہے۔ سرور نگر میں تیار کئے گئے انڈور اسٹیڈیم میں جمناسٹکس' ریسلنگ کے مقابلے ہوں گے۔ 2 ہزار شائقین یہاں بیٹھ سکتے ہیں۔ 8.69 کروڑ روپے اس پر خرچ کئے گئے ہیں۔ فتح میدان کے احاطہ میں تیار کیا گیا ٹینس اسٹیڈیم بھی اپنی نوعیت کا لاجواب اسٹیڈیم ہے یہاں 4 ہزار لوگ مقابلوں کا لطف اٹھا سکتے ہیں۔ 5.87 کروڑ روپے اس پر خرچ ہوئے ہیں۔ عثمانیہ یونیورسٹی کے وسیع عریض کے علاقہ میں سیکلنگ ویلوڈرم تیار کیا گیا۔ اس کا بھی جواب نہیں۔ 5.64 کروڑ روپے کے صرفہ سے اس کو تیار کیا گیا ہے۔ ان سے ہٹ کر فٹبال ہاکی' کیانوئینگ' کیاکنگ' سیپک ٹکرا' فینسنگ' آرچری جوڈو' باکسنگ' کھوکھو' کبڈی' شوٹنگ وغیرہ جیسے مقابلوں کے انعقاد کیلئے تیاری مکمل کرلی گئی ہے۔ لال بہادر اسٹیڈیم' گوشہ محل اسٹیڈیم' حسین ساگر جھیل عثمانیہ یونیورسٹی انڈور ہال' انڈور ہال حیدر آباد' سنٹرل یونیورسٹی' جمنازیم ہال' ابی اسٹیڈیم' ایل بی اسٹیڈیم انڈور ہال' پولیس ہاکی اسٹیڈیم' جمخانہ گراونڈ' قلی قطب شاہ اسٹیڈیم کو تیار کرلیا گیا ہے جہاں مذکورہ بالا مقابلے ہوں گے۔
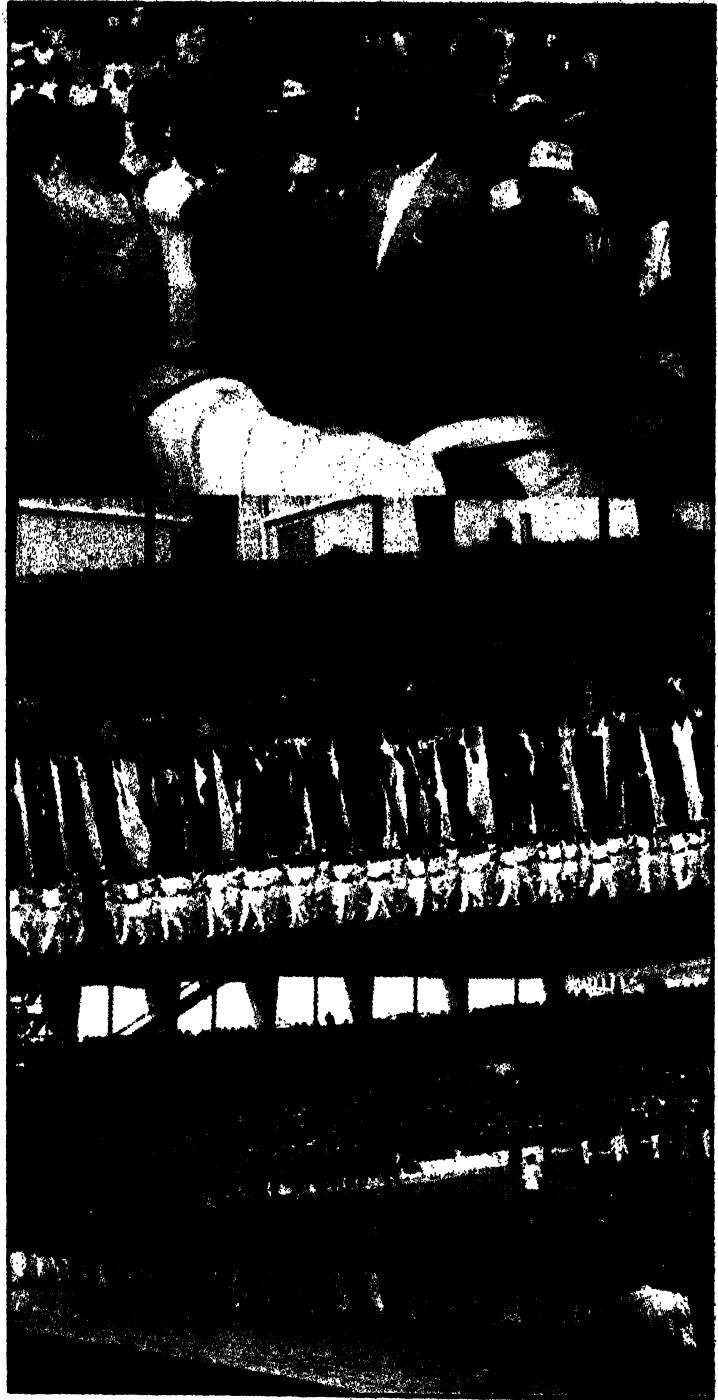
امپائر ڈیوڈ رابرٹ [illegible]

لارڈ الفریڈ ٹینیسن نے اپنی نظم "واسٹ نیس" میں اس طرح کے خیال کا اظہار کیا تھا:
"آزاد اور شفاف قلوب اور دماغ رکھنے والو آپ اور ہم بوڑھے ہو چکے ہیں۔ بڑھاپا عزت کا بھی متقاضی ہوتا ہے اور محنت کا بھی۔ یہ سچ ہے کہ موت سب کچھ ختم کر دیتی ہے لیکن اس سے پہلے ہم کچھ تو کر سکتے ہیں۔ کوئی اچھا کام جو ان انسانوں کو زیب دے جو اللہ تعالیٰ کو راضی کرنے کی کوشش کرتے ہیں"۔

جس وقت جمشید پور میں ہند۔ ویسٹ انڈیز یک روزہ سیریز کی پہلی گیند پھینکی گئی، امپائر ڈیوڈ رابرٹ شیفرڈ خیالی طور پر مغربی انگلینڈ کے ڈیون میں پت جھڑ کے موسم کا مزہ لے رہے تھے۔

ایسے عالم میں ہوٹل میں (تاج بنگال، کولکاتہ) قیام کرنا شاہجراز ہے انہوں نے ہوٹل کے خصوصی ممبروں کے لاؤنج میں ناشتے کرتا ہوئے یہ خیال ظاہر کیا مگر ساتھ ہی انہوں نے یہ بھی کہا "مگر گھر لوٹنے جیسی دوسری کوئی خوشی نہیں اور وہ بھی اس طرح کے طویل دورے کے بعد"۔ شیفرڈ کا شمار دنیا کے مشہور ترین امپائروں میں ہوتا ہے اور وہ بین الاقوامی کرکٹ کے سب سے چہیتے امپائر ہیں۔ "شیپ" ان کے دوست انہیں پیار سے یہی کہتے ہیں (اور یہی ان کی خود نوشت سوانح حیات کا عنوان بھی ہے) سے ہونے والی ایک غیر رسمی گفتگو کے دوران کالم نگار کو اس بات کا اندازہ ہوا کہ وہ اس کھیل کے سچے عاشق ہیں اور اس کی روایات سے پیار کرتے ہیں۔ شیفرڈ انصاف اور صاف ستھرے کھیل میں یقین رکھتے ہیں اور انہیں تاریخ کا بھی شعور ہے۔

وہ ایک صاف و شفاف دل کے مالک ہیں، جیسا کہ ٹینیسن کہتا ہے۔ مگر شیفرڈ (جن کی عمر 62 سال ہے) بوڑھے نہیں ہیں۔ وہ ایک "غیر متعصب ذہن" کے مالک ہیں اور وہ سبھی کو سمجھ میں آنے والی بات کرتے ہیں اور اس کی گواہی دنیا بھر کے کرکٹر دے سکتے ہیں۔ وہ ان لوگوں میں سے ایک ہیں جو آخرت کے لئے چند اچھے کام کرنا چاہتے ہیں۔

شیفرڈ جنھوں نے شادی نہیں کی، 27 دسمبر 1940ء میں بیڈ فورڈ ڈیون میں پیدا ہوئے۔ حالانکہ شمالی ڈیون کلب اور گلاوسٹر شیئر کے ساتھ ان کے کیریئر کے شروعات کو بہتر نہیں کہا جا سکتا مگر وہ ایک پر عزم بلے باز تھے جنھوں نے فرسٹ کلاس میچ میں 10 ہزار سے زائد رن بنائے۔

کرکٹ انفو کے الفاظ میں شیفرڈ کے سفید ہوتے ہوئے بالوں اور ان کی ہیئت کی وجہ سے انھیں آسانی سے پہچانا جا سکتا ہے۔ اگرچہ ان کی شہرت امپائرنگ کے مشکل کام کو بہتر ڈھنگ سے نمٹانے، شاندار فیصلے اور مشکل حالات میں بہتر الفاظ کے انتخاب سے حالات کو معمول پر لانے کی صلاحیت کے سبب ہے۔

ذیل میں ہم شیفرڈ کے چند خیالات پیش کر رہے ہیں جس سے اس بات کا احساس ہوگا کہ یہ شخص اپنے مقصد کے تئیں کس قدر سنجیدہ ہے۔ ان میں غضب کی بذلہ سنجی اور انھیں اس کھیل کی روشن روایات، حال اور مستقبل کا گہرا احساس ہے۔

☆ کھیل کا مفاد سب سے اہم ہے۔ ہم امپائر آخر کار، نگراں ہوتے ہیں۔ آئندہ نسلوں کیلئے ہمیں اس کھیل کو مزید بہتر بنانا ہے۔

☆ کرکٹ میچوں کو امپائروں کی غلطیوں کیلئے نہیں، کرکٹروں کے کارناموں کیلئے یاد کیا جانا چاہئے۔

☆ میں جدید تکنیک کا مخالف نہیں۔ کرکٹ امپائروں کیلئے نہیں بلکہ کھلاڑیوں اور ناظرین کیلئے وجود میں آیا۔ مگر سوال ہے کہ آخر آپ اس تکنیک کا کتنا استعمال کریں گے جو روز بروز بڑی تیزی سے بڑھتی ہی جا رہی ہے۔

☆ ٹیلی ویژن نے ناظرین کی تعداد میں زبردست اضافہ کیا ہے اور وہ پہلے سے زیادہ باخبر ہیں۔ بدقسمتی سے ٹیلی ویژن اگر کسی شخص کیلئے مددگار ثابت نہیں ہوا ہے تو یہ وہ شخص ہے جو سیاہ و سفید لباس پہنے میدان کے وسط میں کھڑا رہتا ہے اور اس کی مدد سے اس کے فیصلوں کی صداقت کا اندازہ لگایا جاتا ہے۔

☆ ہمیں پوری طرح تکنیک پر انحصار نہیں کرنا چاہئے۔ مگر ٹی وی کو امپائروں کی مدد کیلئے استعمال میں لایا جا سکتا ہے ورنہ امپائر سر چڑھ جائیں گے۔

☆ میں کرکٹ میں "آزاد" امپائروں کی واپسی دیکھ رہا ہوں۔ یقیناً یہ شرفاء کا کھیل ہے مگر ہم دیکھتے ہیں کہ کرکٹ کے علاوہ دوسرے سبھی کھیلوں فٹبال، رگبی اور ہاکی وغیرہ میں آزاد امپائر ہوتے ہیں۔

☆ سری لنکا میں منعقدہ آئی سی سی چمپیئنز ٹرافی کے دوران پہلی مرتبہ ایل بی ڈبلیو اور مشتبہ کیچوں کیلئے جدید تکنیک کا استعمال کیا گیا۔ یقیناً اس میں کامیابی ملی مگر ہمیں احتیاط سے کام کرنا چاہئے۔ شکایات ملی ہیں کہ فیصلے کیلئے بار بار کھیل روکنے سے اس کا Flow ختم ہو جاتا ہے۔ فیصلے جلد ہونے چاہئیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ یہ جدید مشینیں بھی درست فیصلے دینے کی اہل نہیں۔

☆ ٹی وی کے سبب کھلاڑیوں کی دنیا بھر کے ناظرین کے تئیں ذمہ داریوں میں اضافہ ہوا ہے۔ انہیں سمجھنا چاہئے کہ کرکٹ کے تئیں ان کی بڑی ذمہ داریاں ہیں۔ میں امید کرتا ہوں کہ کرکٹ کے سوپر اسٹار سچن تنڈولکر کی طرح برتاؤ کریں گے، وہ ایک رول ماڈل ہیں۔

☆ ہند۔ ویسٹ انڈیز پہلے ٹسٹ کے دوران نارتھ اسٹینڈ میں بیٹھے تماشائیوں نے مہمان ٹیم کے کھلاڑیوں کو گالیاں دیں جس پر ڈلون نے رد عمل ظاہر کیا۔ بچے تو بچے ہی رہیں گے، مگر میچ ریفری اور ٹی وی کیمروں کی وجہ سے کھلاڑیوں کے برتاؤ میں بہت سدھار آیا ہے۔

☆ ان دنوں ہندوستانی کھلاڑیوں کی مصروفیت سے میں پریشان ہوں۔ مجھے لگتا ہے کہ یہ ڈالر کے لالچ کی وجہ سے ہے۔ سچن اور ظہیر زخمی ہو کر کھیل سے باہر ہو گئے ہیں اور کئی کھلاڑی اور بھی زخمی ہو سکتے ہیں۔ عالمی کپ سے قبل یہ ہندوستان کیلئے ٹھیک نہیں۔

سیلولر جیل.... جدوجہد آزادی کی ایک اہم یادگار

سوپنیش چودھری

سیلولر جیل ، جو آزادی سے قبل کے دنوں کا ہندوستانی قید خانہ تھی ، اب ہندوستان کی جدوجہد آزادی کی ایک علامت بن گئی ہے ۔ ان تاریک تہہ خانوں میں سینکڑوں مجاہدین آزادی نے اپنی مادر وطن کی آزادی کی ایک جھلک دیکھنے کے لئے اپنی آخری سانسیں لی تھیں ۔ لیکن جب یہ لمحہ آیا تو سیلولر جیل مایوسی ، اداسی اور تاریکی میں ڈوب چکی تھی ۔

1789 سے 1796 کے دوران انڈمان کو اپنی نوآبادی بنانے کی پہلی برطانوی کوشش بری طرح سے ناکام ہوگئی تھی ۔ 1857 میں ہندوستان کی پہلی جنگ آزادی نے برطانوی سامراج کو سمندر پار ایسی مناسب جگہ تلاش کرنے کے لئے مجبور کردیا تھا ، جہاں بنیادی طور پر باغیوں اور عمومی طور سے سزایافتہ لوگوں کو عمر بھر کے لئے بھیجا جاسکے ۔ ڈاکٹر جے ای موئٹ ، ڈاکٹر جی آر پلے فیئر اور لیفٹننٹ جے اے ہیمٹ کوٹ پر مشتمل کمیٹی کی سفارش پر ، موجودہ پورٹ بلیئر کو (جس کا نام اس وقت پورٹ کارنوالس تھا) سزا یافتہ لوگوں کی نوآبادی کے لئے بہترین جگہ کے طور پر منتخب کیا گیا تھا ۔ نوآبادی کے پہلے سپرنٹنڈنٹ ، ڈاکٹر جے پی واکر 10 مارچ 1858 کو دو سو سزا یافتہ لوگوں کے ساتھ ، جو درحقیقت 1857 کی جنگ آزادی کے ہیرو تھے نیز اہم انتظامی عملے کے ہمراہ پورٹ بلیئر پہنچا تھا ۔ سزایافتہ افراد کی تعداد میں مسلسل اضافہ اور اپنی مدد آپ کرنے والے سزا یافتہ لوگوں کو بسانے کا نظام شروع ہونے کی وجہ سے ، نوآبادی کا رقبہ بھی بڑھ گیا ۔ صدی کے اختتام پر ، یہ نوآبادی جنوبی انڈمان میں سزا یافتہ لوگوں کے 29 سے زائد اسٹیشنوں اور 34 گاؤں پر مشتمل 327 مربع میل میں پھیل گئی ۔ 1901 تک سیلولر جیل کی تعمیر مکمل ہونے سے پہلے ، 11974 سزایافتہ لوگوں سمیت ، اس نئی بستی کی کل آبادی 16106 تھی ۔

نوآبادی کا جائزہ لینے اور اس کے بارے میں رپورٹ پیش کرنے کے لئے وقتاً فوقتاً متعدد اعلی سرکاری کمیٹیاں پورٹ بلیئر کی اس نوآبادی میں بھیجی گئی تھیں ۔ 1890 میں ایک دو رکنی کمیٹی نے ، جو سر سی جے لے یل اور ڈاکٹر اے ایس لیتھ برج پر مشتمل تھی ، خصوصی طور سے یہ سفارش کی تھی کہ کٹر مجرموں کی کثیر تعداد میں سخت نظم و ضبط کے نفاذ کی غرض سے کم از کم چھ ماہ کی مدت کے لئے علحدہ قید کا ایک مزید ابتدائی مرحلہ ہونا چاہئے ۔ چنانچہ علحدہ کوٹھریوں میں چھ سو سزا یافتہ لوگوں کو رکھنے کے لئے ایک منصوبہ پیش کیا گیا ، جسے اس وقت کی حکومت ہند نے بعض ترمیمات کے ساتھ منظور کرلیا ۔ اس طرح سے سیلولر جیل کا منفرد تعمیراتی ڈیزائن اور ڈھانچہ وجود میں آیا ۔ وسطی مینار سے شروع ہونے والی 690 کال کوٹھریوں پر مشتمل سات حصوں کے ساتھ تین منزلہ عمارت کی تعمیر کا کام مکمل ہونے میں دس سال لگے تھے ۔

مینار سے صرف ایک پہرہ دار ہی اپنی اہم پوزیشن سے جیل کے تمام ساتوں حصوں کی نگرانی کرسکتا تھا ۔ جیل کی ایک اور منفرد خصوصیت مختلف حصوں میں قیدیوں کے درمیان رابطے کی مکمل عدم موجودگی تھی ۔ ہر ایک حصے کے سامنے جیل کے دوسرے حصے کی پشت تھی ۔ ہر ایک کوٹھری کا رقبہ ساڑھے تیرہ فٹ x ساڑھے سات فٹ تھا ، جس میں لوہے کے جالی دار دروازہ اور لوہے کی مضبوط چٹخنی کے علاوہ ، کوٹھری کی دیوار کے باہری حصے پر مستطیل خانے میں نیز داخلے کے دروازے سے چند انچ کے فاصلے پر تالا تھا ، جس کی وجہ سے اندر سے اس تک پہنچنا ناممکن ہوگیا تھا ۔ کوٹھری میں کچھ روشنی آنے کے لئے دیوار میں تین فٹ لمبا x ایک فٹ کا ہوادان نصب تھا ، جس میں لوہے کی چھڑیں لگی ہوئی تھیں ۔ حصے کے ایک سرے سے دوسرے سرے تک کوٹھریوں کی قطار کے سامنے والے حصے کے ساتھ ساتھ چار فٹ چوڑا ایک برآمدہ تھا ، جس کے محراب نما ستونوں ، میں جن پر برآمدے کی چھت رکھی ہوئی تھی ، لوہے کی جالی نصب کرکے اسے بند کردیا گیا تھا ۔ تمام ساتوں راہداریاں لوہے کے دروازے والے وسطی مینار میں جاکر مل جاتی تھیں جو داخل ہونے اور باہر جانے کا راستہ تھا ۔ سامنے کی طرف انتظامیہ کی عمارت کے ساتھ اونچی اونچی چار دیواری نے پورے احاطے کی حد بندی کردی تھی ۔

1857 کے سپاہیوں کے متعدد گروپوں کے علاوہ ، وہاں سزا یافتہ لوگوں کی مسلسل آمد تھی ، جو زیادہ تر قاتل ، ڈاکو اور لٹیرے تھے ۔ جن کی تعداد ایک وقت چودہ ہزار سے زیادہ ہوگئی تھی اور اس تعزیری نوآبادی میں جگہ لگ بھگ بھر گئی تھی ۔ بیسویں صدی میں ، سیلولر جیل کی تعمیر کا کام مکمل ہونے کے بعد ، مالابار کے موپلا ، گوداوری کے رومپا کسانوں ، تھاراواڑی کے برمیوں کو برطانیہ کے خلاف تحریکیں چلانے کے سلسلے میں عمر قید کے لئے یہاں پہنچایا گیا تھا ۔

لیکن ان سب میں سب سے زیادہ نمایاں لوگ 1909 سے 1937 تک کی مدت کے دوران بنگال اور دوسرے صوبوں کے انقلابی مجاہدین آزادی تھے ۔ ہندوستان کے ان بہادر سپوتوں کی عظیم قربانی اور مصائب ہی کی وجہ سے کل کا یہ ہندوستانی قید خانہ آج " مکتی تیرتھ " یا آزادی کے لئے ہندوستان کی جدوجہد کی علامت بن گیا ہے ۔

جیل کی زندگی کی ہولناکیوں میں اذیت رسانی کی بہت سی دیگر غیر انسانی شکلوں کے علاوہ لوہے کے مثلث نما ڈھانچے میں قیدیوں کو جکڑ کر کوڑے مارنا ، سلاخوں والی بیڑیاں ڈالنا ، ایک دوسرے کو پار کرتی ہوئی سلاخوں والی بیڑیاں ڈالنا ، گردن میں طوق ڈالنا ، پاؤں میں لوہے کی زنجیریں ڈالنا ، کئی قیدیوں کو یکجا کرکے زنجیریں ڈالنا ، بوری کے کپڑے ، خراب کھانا دینا ، تیل نکلوانا ، ناریل کے ریشوں سے رسی بنوانا ، تیز

دھوپ میں کھڑے رکھنا، بے رحمی سے گرمی پہنچانا وغیرہ شامل تھیں۔

یہ سیاسی قیدی ہی تھے، جنہوں نے جیلر ڈیوڈ بیری کے جبر و استبداد کے خلاف سب سے پہلے بغاوت کی تھی، 1913 میں مسلسل دو ہڑتالوں کے بعد حکومت کو سیاسی قیدیوں کو متعدد رعایات دینے کا اعلان اور ان تمام قیدیوں کو، جن کی سزا عمر قید سے کم تھی، ہندوستان کے خاص خطہ سرزمین پر واپس بھیج دیا گیا تھا۔

38۔1932 کے دوران سیاسی قیدیوں کا آخری گروپ انڈمان پہنچایا گیا تھا۔ ان میں چٹاگانگ کے اسلحہ خانے پر حملے کے واقعے کے ہیرو بھی شامل تھے۔ ان میں 366 مجاہدین آزادی تھے جن میں سے 322 مجاہدین آزادی صرف بنگال سے تھے۔ یہ دور سیلولر جیل میں انتہائی ہنگامہ خیز دور تھا، جس میں موت تک دو بھوک ہڑتالیں ہوئی تھیں۔ مئی 1933 میں پہلی بھوک ہڑتال کے دوران حکام نے طاقت ور بدمعاش مجرموں کے ذریعہ جبراً کھانا کھلانے کی کوشش کی، جسکے نتیجے میں مہابیر سنگھ (لاہور سازش معاملہ) موہت مترا (کلکتہ میں اسلحہ ایکٹ کے تحت سزا یافتہ) اور موہن کشور نام داس (اسلحہ ایکٹ کے تحت سزا یافتہ) شہید ہوگئے۔ قبل ازیں 1912 میں انتہائی اذیت رسانی کے سبب اندو بھوشن رائے نے خودکشی کرلی تھی۔ 1919 میں پنڈت رام رکھا (برما سازش معاملہ) نے اپنے جنیو کا تقدس برقرار رکھنے کے لئے موت تک بھوک ہڑتال کی تھی۔

1937 کی بھوک ہڑتال نے قوم کی روح کو جھنجھوڑ کر رکھ دیا تھا۔ شاعر اعظم ٹیگور اور مہاتما گاندھی بے چین ہوگئے تھے۔ ٹیگور نے کہا تھا کہ "ہم ملک کے ان پھولوں کو مرجھانے کی اجازت نہیں دے سکتے۔ بالآخر حکومت کو تمام سیاسی قیدیوں کو ہندوستان کے خاص خطہ سرزمین واپس لانے کے لئے مجبور ہونا پڑا تھا اور جنوری 1938 تک سیلولر جیل ان تمام مجاہدین آزادی سے خالی ہوگیا تھا۔

دوسری جنگ عظیم شروع ہونے کے بعد، برطانوی وہاں سے بھاگ گئے اور جاپانیوں نے مارچ 1942 میں جزائر پر قبضہ کرلیا۔ جزائر پر اپنے قبضے کے ساڑھے تین برسوں کے دوران جاپانیوں نے وہاں دہشت کا بازار گرم کردیا اور جزائر کے سینکڑوں باشندوں کو اذیتیں پہنچائی گئیں نیز بہت سے لوگوں کو تو محض برطانوی حکومت کے لئے جاسوسی کرنے کے الزام میں گولی ماردی گئی۔ سیلولر جیل، وگنا آباد، ہوم گرے گنج، ہیولوک، تارموگلی دہشت اور بربریت کی ان کہانیوں کے خاموش گواہ ہیں۔

ہیروشیما اور ناگاساکی کے واقعے کے بعد جاپان نے ہتھیار ڈال دئے۔ برطانوی فوج نے 7 اکتوبر 1945 کو جزائر پر دوبارہ قبضہ کرلیا۔

15 اگست 1947 کو جب آزادی ملی تو سیلولر جیل تنہا اور اداس تھی۔ جاپانیوں نے جیل کے دو حصوں کو جزوی طور پر منہدم کردیا تھا، جبکہ آزاد ہندوستان نے مزید دو حصوں کو منہدم کردیا تھا۔ انڈمان کے سابق مجاہدین آزادی کے ذریعہ شروع کئے گئے احتجاج کی وجہ سے ہی باقی ماندہ تین حصے محفوظ رہے۔ تب بھی، 32 سال لگ گئے، جب فروری 1979 میں وزیراعظم مرارجی دیسائی نے آزادی کے لئے ہندوستان کی انقلابی جد و جہد کی قابل فخر علامت۔ سیلولر جیل کو ایک قومی یادگار کے طور پر ملک کے لئے وقف کیا۔

●●●●
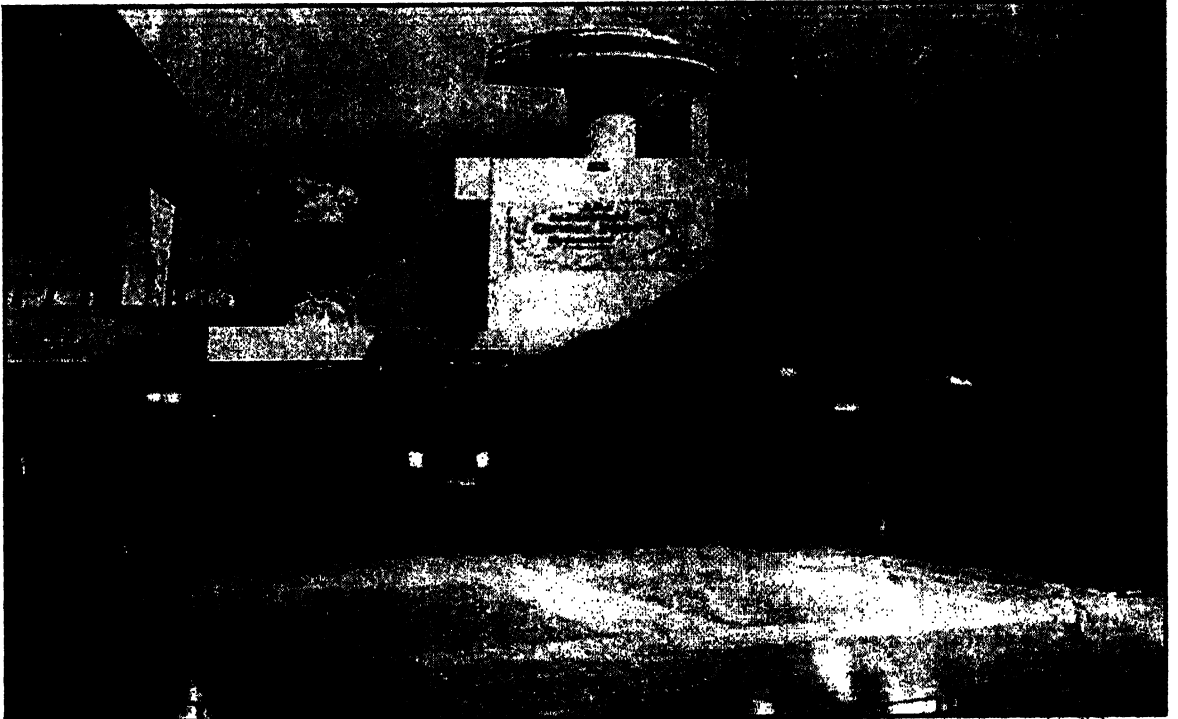
نیشنل گیمز کے لئے حیدرآباد میں تعمیر کردہ نیا جی ایم سی بالایوگی اسٹیڈیم

[illegible] کے خلاف فیصلہ کن کارروائی ناگزیر

جنگل کے خطرناک ڈاکو اور صندل کی لکڑی کا بدنام اسمگر ویرپن کا جنگل راج ابھی ختم نہیں ہوا اور وہ اپنی مرضی کے مطابق وہاں نہ

صرف حکومت کررہا ہے بلکہ پڑوسی دو ریاستوں کرناٹک و ٹاملناڈو کے لئے ایک مصیبت بھی بن گیا ہے۔ حیرت کی بات یہ ہیکہ ہندوستان جیسے طاقتور ملک میں شائد پہلی مرتبہ ویرپن کو پکڑنے کے لئے خصوصی فورس تشکیل دی گئی اور کروڑوں روپئے اب تک صرف کئے جاچکے ہیں۔ لیکن اسکا ابھی تک کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوسکا۔ ویرپن کے جنگل راج میں حکومت سے اپنے مطالبات منوانے کا سب سے آسان راستہ "اغواء" ہے۔ اس کا ماضی میں بھی اسے تجربہ ہوا اور کامیاب رہا لیکن جنتادل (یو) کے لیڈر اور سابق وزیر ایچ ناگپا کے اغوا بحران کا برعکس نتیجہ برآمد ہوا۔ ویرپن نے ایچ ناگپا کو 106 دن تک یرغمال

راجکمار اغوا بحران کے وقت ویرپن اور ایڈیٹر نکیرن آر آر گوپال۔

بنائے رکھنے کے بعد انھیں ہلاک کردیا کیونکہ حکومت کرناٹک نے ویرپن کے مطالبات کو تسلیم نہیں کیا تھا۔ دوسری طرف ویرپن نے ناگپا کے ارکان خاندان کو ایک کیسٹ روانہ کی جس میں اس نے اسپیشل ٹاسک فورس کو ہلاکت کا ذمہ دار قرار دیا۔ اس بارے میں تحقیقات ابھی جاری ہیں۔ ناگپا کی پوسٹ مارٹم رپورٹ کی بنیاد پر پولیس کو حقائق معلوم ہوسکتے ہیں۔ سوال یہ ہیکہ کیا حکومت ایچ ناگپا کے اس اغوا معاملہ کا سنجیدگی سے نوٹ نہیں لے رہی تھی۔ یا پھر اس نے سابق میں فلمسٹار راجکمار کے اغوا معاملہ کی طرح اسے اہمیت نہیں دی؟ ایسے اور کئی سوال اس وقت سیاسی حلقوں میں اٹھائے جارہے ہیں۔ ایچ ناگپا کی اہلیہ پرمیلا نے کہا تھا کہ "ان کے شوہر کی رہائی یقینی بنانے کیلئے حکومت کا طریقہ کار نہایت سست ہے۔ اسکی وجہ یہ ہیکہ ناگپا جو کرناٹک میں یونائیٹڈ فرنٹ حکومت میں وزیر رہ چکے ہیں۔ فلمسٹار راجکمار کی طرح مقبول نہیں ہیں۔ دوسری طرف حکومت کا ادعا یہ ہیکہ ناگپا کو بچانے ہر ممکن کوشش کی گئی۔ چنانچہ جب چنگڑی کے جنگلات میں ایچ ناگپا کی مسخ شدہ نعش دستیاب ہوئی وزیر داخلہ کرناٹک ملکارجن کھرگے نے کہا کہ حکومت کی جانب سے ناگپا کی بحفاظت رہائی یقینی بنانے اقدامات کئے جارہے تھے۔ انھوں نے اس بارے میں کوئی واضح جواب نہیں دیا کہ ناگپا کو ویرپن نے ہلاک کیا یا پھر ٹاملناڈو پولیس کے ساتھ انکاونٹر میں انھیں گولی لگی۔ اس معاملہ میں تحقیقات کے بعد ہی کچھ کیا جاسکتا ہے۔ ناگپا کی ہلاکت کی خبر جیسے ہی عام

وزیر داخلہ کرناٹک ملکارجن کھرگے پریس کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے

چیف منسٹر کرناٹک ایس ایم کرشنا

ہوئی کرناٹک میں پرتشدد مظاہرے کئے گئے ۔ دوسرے دن ان کی تدفین عمل میں آئی اور ارکان خاندان نے غصہ اور برہمی کا اظہار کرتے ہوئے سرکاری اعزازات کو ٹھکرادیا ۔ اس واقعہ کے فوری بعد حکومت کرناٹک ایک بار پھر متحرک ہوگئی اور اس نے دیگر دو ریاستوں ٹاملناڈو و کیرالا کے ساتھ ملکر ویرپن کو پکڑنے کے لئے لائحہ عمل تیار کرنا شروع کردیا ہے ۔ ویرپن کو زندہ یا مردہ پکڑنے پر ایک کروڑ روپئے کی انعامی رقم کو دوگنی کرکے دو کروڑ روپئے کردیا گیا ۔ مرکز سے اس معاملہ میں مدد طلب کی گئی ہے اور نئی دہلی میں مرکزی وزراء تین ریاستی چیف منسٹرس کا اجلاس بھی متوقع ہے ۔ ناگپا بحران کا افسوسناک انجام ہوا لیکن ویرپن مسئلہ کا ابھی تک کوئی حل نہیں تلاش کیا جاسکا ۔ ویرپن نے اپنے جنگل راج میں ہزاروں ٹن صندل کی قیمتی لکڑی اسمگل کی اور کئی ہاتھیوں کو اس نے مارڈالا ۔ ان کے قیمتی دانت غیر قانونی طور پر فروخت کئے اور یہ ایک قابل فہم حقیقت ہیکہ لتنے غیر قانونی کام وہ تنہا نہیں کرسکتا ۔ چنانچہ بیرونی حصوں میں بھی اس کے بڑے پیمانہ پر روابط ہیں ۔ اس کا پتہ چلانا حکومت کی ذمہ داری ہے ۔ ویرپن اپنا ایک ایسا وسیع نیٹ ورک تیار کرنے میں کامیاب ہوگیا ہے جسکی مدد سے وہ اپنے مقاصد بہ آسانی پورے کرلیتا ہے ۔ اس کے آگے تین ریاستوں کی حکومتیں بے بس نظر آتی ہیں ۔ اسے پکڑنے کی اب تک کی تمام ہی کوششیں بے سود ثابت ہوئی ہیں ۔ ویرپن کو ہتھیار اور راشن وغیرہ کی دستیابی بھی ایک معمہ ہے جو حل نہ ہوسکا ۔ اسے جنگل میں یہ ساری چیزیں کس طرح میسر آرہی ہیں ۔ ان حقائق کی روشنی میں یہ واضح ہوجاتا ہیکہ ویرپن کے بیرونی دنیا سے روابط کس نوعیت کے ہیں ۔ حکومت کو چاہئے کہ وہ ان روابط کو منقطع کرنے کی کوشش کرے ۔ ناگپا کی موت کے بعد اس معاملہ نے پھر ایک بار اہمیت اختیار کرلی اور ہمیشہ ایسا ہی ہوتا رہا ہیکہ وقفہ وقفہ سے ویرپن کے خلاف کارروائی کا ذکر ہوتا اور پھر معاملہ لیت و لعل میں پڑجاتا ۔ حکومت کے اقدامات مستقل نوعیت کے ہونے چاہئیں ۔ ضرورت اس بات کی ہیکہ ویرپن کو مجرم جان کر اس کا عرصہ حیات تنگ کیا جائے ۔ تین ریاستوں کرناٹک ، ٹاملناڈو اور کیرالا کو متحد ہوکر اس کے خلاف کارروائی کی جانی چاہئے جس میں مرکز ہر ممکن تعاون کرے ۔ ویرپن کے خلاف کارروائی نہ کی جائے تو ایسے واقعات وقفہ وقفہ سے ہوتے رہیں گے اور وقت کے ساتھ لوگ ان واقعات کو فراموش کرتے رہیں گے ۔ ویرپن کوئی ہیرو نہیں بلکہ ایک عام مجرم ہے اور اسے اعلی سطحی پشت پناہی حاصل ہے ۔ جس کا پتہ چلانا ضروری ہے ورنہ وہ جنگل میں رہتے ہوئے باہر کی دنیا سے روابط رکھنے اور اپنے غیر قانونی سرگرمیوں کو فروغ دینے میں کامیاب نہ ہوتا ۔

●●●●●

اتنا ہنسو کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑے

کسی بھی دباؤ یا تناؤ کا ہمارے حیاتیاتی نظام پر کیا اثر ہوتا ہے ؟ کہا جاتا ہے کہ سائنس دانوں نے انیسویں صدی ہی میں اس بارے میں سوچنا شروع کردیا تھا۔ اس صدی کے ایک محقق کلاڈی برنارڈ کا خیال تھا کہ کسی بھی اندرونی یا بیرونی دباؤ کے نتیجے میں ہمارے حیاتیاتی نظام میں ایک طرح کی تحریک شروع ہوجاتی ہے جو اس دباؤ کا مقابلہ کرنے کے لئے ضروری ہے۔ بیسویں صدی کے آغاز میں باقاعدہ تجربات کئے گئے۔ یہ دیکھا گیا کہ اگر بلی کو ایک بھونکتے ہوئے کتے کے سامنے چھوڑ دیا جائے تو اس میں ہارمونز ایپی نفرین اور نورایپی نفرین Epineph norepinephrine کا اخراج بڑھ جاتا ہے۔ دباؤ کے نتیجے میں بڑھ جانے والا ایک دوسرا کیمیائی عمل گلوکوکورٹیکوئڈز (Glucocorticoids) کا اخراج ہے جس کا مشاہدہ 1936ء میں کیا گیا۔

1960ء کی دہائی میں دباؤ پر قابو پانے میں ان دونوں کیمیائی عمل کی ضرورت کا مشاہدہ کیا گیا۔ سائنس دان مائیکل اور اس کے ساتھیوں نے یہ دیکھا کہ اگر چوہوں کو شدید ٹھنڈ یا کسی اور طرح کے دباؤ میں رکھا جائے تو ان میں اوپر بیان کردہ دونوں کیمیائی عمل بڑھ جاتے ہیں اور اس نتیجے میں فوری طاقت کا حصول ممکن ہوجاتا ہے۔ اس سے ان سائنس دانوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ اس کا دورانیہ قلیل مدت کا ہوتا ہے اور خود بہ خود ہی بغیر کسی علاج کے ختم ہوجاتا ہے۔ اگر اس طرح کے دورے اکثر پڑیں اور ان کا دورانیہ لمبی مدت کا ہو تو نہ صرف انسان کی کارکردگی متاثر ہوتی ہے بلکہ بغیر کسی سہارے کے زندگی گزارنا ممکن نہیں ہوتا۔ تشویش ناک بات یہ ہے کہ اس حالت کے زیر اثر انسان خودکشی کی طرف راغب ہوجاتا ہے اور خودکشی کر بھی سکتا ہے۔ عام حالت میں کسی بھی اداسی کی بات پر سب ہی اداس ہوتے ہیں، مگر اداسی کا مریض خوشی کی بات پر بھی اداس ہی رہتا ہے۔ اس کی اداسی کی کوئی وجہ نہیں ہوتی۔

1970ء اور 1980 کی دہائی میں افسردگی کی بیماری کے تحت ہونے والی غیر ترتیب اور ان کے تدارک کا جائزہ لینے کے لئے چوہوں پر تجربات کئے گئے۔ یہ دیکھا گیا کہ اگر چوہوں کو اس طرح کے دباؤ میں رکھا جائے، جس پر وہ قابو نہ پاسکیں تو ان کے طور طریقوں میں ایسی واضح تبدیلیاں آجاتی ہیں۔ جن کو ہم انسان افسردگی سے رونما ہونے والی تبدیلیوں سے تعبیر دے سکتے ہیں مثلاً ان کے کھانے پینے میں نمایاں کمی ہوجاتی ہے اور وہ چیزیں جو ان کو عام حالات میں اچھی لگتی ہیں دباؤ کے بعد والی حالت میں اچھی نہیں لگتیں۔ انسانوں میں استعمال ہونے والی مانع افسردگی ادویات نے دباؤ کے تحت پیدا ہونے والی غیر ترتیبوں کو واضح طور پر کم کردیا۔

دماغ کی کارکردگی کے حوالے سے ایک اور مسئلہ جو شروع سے تحقیق کا موضوع رہا ہے، یہ ہے کہ مردانہ اور زنانہ دماغ میں پیمائش، وزن اور کارکردگی کے لحاظ سے بالکل واضح فرق پایا جاتا ہے۔ دباؤ پر قابو پانے کے لحاظ سے بھی مردانہ اور زنانہ دماغ میں فرق ہوتا ہے۔

اداسی کی بیماریاں مردوں کی بہ نسبت عورتوں میں زیادہ ہوتی ہے۔ گو کہ اس سلسلے میں کچھ محققین کی رائے میں عورتیں اپنی بیماری کو ظاہر کردیتی ہیں اور معالج کے پاس چلی جاتی ہیں، جب کہ مرد ایسا نہیں کرتے۔ معاشی پہلو کو سامنے رکھ کر کچھ لوگوں کا کہنا ہے کہ عورتوں پر مردوں کی بہ نسبت دباؤ زیادہ ہوتا ہے۔ ہماری تجربہ گاہ میں کئے گئے تجربوں سے یہ ثابت ہوا کہ دباؤ کے تحت بڑھنے والے ہارمون (Glucocorticoid) کا اخراج عورتوں میں مردوں کی بہ نسبت زیادہ ہوتا ہے۔ یہ ہارمونز فوری طور پر تو دباؤ پر قابو پانے میں مدد دیتے ہیں مگر ایک لمبے عرصے کے دوران ان ہارمونز کا زیادہ اخراج دباؤ سے مطابقت پذیری کے عمل میں رکاوٹ ڈال کر اداسی کی بیماری کا سبب بن جاتا ہے۔

ایک دوسری نفسیاتی بیماری جسے انور یکسیا نرروسا (Anorexianerrosa) کہتے ہیں کی وجہ بھی دباؤ کو ہی قرار دیا گیا ہے۔ یہ بیماری زیادہ تر عورتوں اور خصوصاً کم عمر لوگوں یعنی 15 سے 20 سال تک کی خواتین لڑکیوں میں ہوتی ہے۔ اس بیماری میں کھانے پینے کی خواہش ختم ہوجاتی ہے اور اگر علاج نہ کیا جائے تو زندگی ضائع ہونے کا بھی اندیشہ ہوتا ہے۔ تحقیق سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ یہ بیماری کھانے پینے کی خواہش کو دبانے اور خوبصورت نظر آنے کے لئے وزن گھٹانے کی شدید خواہش اور وزن گھٹانے کی وجہ سے ہوجاتی ہے۔

کسی حد تک تو وزن گھٹانا مناسب ہے لیکن مزید وزن گھٹانے سے خوبصورتی کا رخ بیماری کی طرف مڑسکتا ہے اور ایک Anorexianerrosa کی مریضہ یہ دیکھنے سے قاصر ہوتی ہے۔ کچھ محققین اس بات پر بھی اصرار کرتے ہیں کہ اس مرض میں کھانے کی خواہش ختم نہیں ہوتی بلکہ وزن گھٹانے کی شدید خواہش کے پیش نظر مریضہ بھوک نہ لگنے کی شکایت کرتی ہے۔ غذا کی کمی کی وجہ سے Anorexianerrosa کی مریضہ کا وزن کم از کم 15 سے 20 فی صد کم ہوجاتا ہے۔ ہماری تجربہ گاہ میں چوہوں پر Anorexianerrosa کے تجربے بھی کئے گئے ہیں۔ اس طرح کے تجربوں کے کیمیائی مشاہدے سے یہ ثابت ہوا کہ غذائی کمی کی وجہ سے ان عصبی راستوں کی کارکردگی کسی بھی اندرونی یا بیرونی دباؤ کے نتیجے میں ایک حیاتیاتی نظام اپنے آپ کو اس طرح تیار کرلیتا ہے کہ طاقت کا فوری حصول ممکن ہو۔ یہ بھی دیکھا گیا کہ اس تیاری میں دماغ کو ایک اہم مقام حاصل ہے۔ اگر دماغ کے وہ جوڑ جو ان کیمیائی عمل کو ممکن بناتے ہیں۔ علیحدہ کردیئے جائیں یا ان کے راستے میں رکاوٹ ڈال دی جائے تو چوہے کسی بھی دباؤ کا مقابلہ زیادہ دیر

تک نہیں کرسکتے اور کچھ دیر کے بعد ان کی موت واقع ہوجاتی ہے۔

دماغ کے وہ خلیے جو پیغام رسائی میں مصروف ہوتے ہیں۔ عصبی خلیہ کہلاتے ہیں۔ 1940ء کی دہائی میں پتہ چلا کہ ان خلیوں میں موجود خاص کیمیائی مرکبات عصبی پیغام رسانی کا ذریعہ ہوتے ہیں۔ ان مرکبات کو عصبی پیغام رساں کا نام دیا گیا۔

1940ء سے 1960 تک کی زیادہ تر عصبی تحقیق ان پیغام رسانوں کی حیاتیات کے بارے میں تھی۔ 1970ء کی دہائی میں عصبی پیغام، انسانوں کی کارکردگی اور مختلف بیماریوں میں ان کے عمل دخل میں دلچسپی پیدا ہوئی۔ انسانوں پر کی گئی تحقیق سے یہ ثابت ہوا کہ زندگی میں رونما ہونے والے ایسے حادثات، جن پر قابو پانا ممکن نہ ہو، مثلاً خاوند یا بیوی یا پھر بچپن میں ہی ماں باپ کی وفات اور اسی طرح کے دوسرے حالات، معاشی بدحالی، بے کاری وغیرہ مختلف نفسیاتی بیماریوں اور خاص طور سے ڈپریشن کی بیماری کا سبب بن جاتے ہیں۔

لفظ ڈپریشن عام حالت میں بھی یعنی بغیر کسی بیماری کے بھی استعمال کیا جاتا ہے۔ دراصل ہم سب ہی اس حالت سے کبھی نہ کبھی زندگی میں دوچار ہوتے ہیں۔

دباؤ اور اس پر قابو پانے کے لئے دماغ کے ردعمل پر ہونے والی تحقیق ثابت کرتی ہے کہ دباؤ پر قابو پانے کے لئے دماغ کے ذریعے جسم میں ایک تحریک شروع ہوتی ہے۔ یہ تحریک اگر جسمانی نظام کو کسی بے قاعدگی مقدائی کمی یا کسی اور حیاتیاتی وجہ یا دباؤ کی شدت کی وجہ سے ناکام ہوجائے تو مختلف نفسیاتی بیماریاں لاحق ہوسکتی ہیں۔

افسردگی کے علاج کے لئے تو مانع افسردگی ادویات استعمال ہوتی ہی ہیں اور Anorexianerrossa کے علاج کے لئے بھی مستند ادویات موجود ہیں۔ افسردگی کے علاج میں استعمال ہونے والی کچھ ادویات Anorexianerrossa کے علاج میں بھی کارآمد ثابت ہوتی ہیں۔ ان ادویات کو مزید موثر بنانے اور ان کے نقصاندہ اثرات کو کم کرنے کے لئے مسلسل کام ہورہا ہے۔ ایک خاص بات اس ضمن میں یہ ہے کہ موجودہ مانع افسردگی ادویات کا اثر کم از کم دو سے تین ہفتوں میں ہوتا ہے۔ جدید تحقیق کی روشنی میں ایسی ادویات بنائی جاسکتی ہیں، جن سے افسردگی کے دورے کا فوری علاج ممکن ہو۔ اس طرح کی ادویات بھی بنائی جاسکتی ہیں جو آج کل کے طرز زندگی میں دباؤ سے مطابقت پذیری پیدا کرکے نفسیاتی امراض کو وقوع پذیر ہونے سے روک سکیں۔ ویسے دباؤ سے مطابقت پذیری کے لئے ایک دوا یہ بھی ہے

اتنا ہنسو کہ آنکھ سے آنسو نکل پڑے

انیس ابراہیم کی گرفتاری

1993 ممبئی بم دھماکوں کے ملزم انیس ابراہیم کی دوبئی میں گرفتاری کے بعد حکومت ہند کو توقع ہیکہ وہ اسے ہندوستان لاتے ہوئے کامیابی حاصل کرلیں گے ۔ اور اس کے خلاف مقدمہ چلایا جائے گا ۔ انیس ابراہیم کے خلاف جرائم کے کئی مقدمات درج ہیں ۔ ان میں سب سے زیادہ اہمیت 1993 کے سلسلہ وار ممبئی بم دھماکوں کی ہے ۔ سی بی آئی کو شبہ ہیکہ انیس ابراہیم نے ہی ان عمارتوں کو دھماکہ سے اڑانے کے لئے آر ڈی ایکس کی سربراہی میں مدد کی تھی ۔ بتایا جاتا ہیکہ داؤد ابراہیم کے چھوٹے بھائی انیس ابراہیم کو دوبئی پولیس نے دھوکہ دہی کے ایک مقدمہ میں 3 ڈسمبر کو گرفتار کیا ۔ اس سے عمارات میں مجرمانہ سرگرمیوں کے تعلق سے پوچھ تاچھ جاری ہے ۔ حکومت ہند کو گرفتاری کی جیسے ہی اطلاع ملی سی بی آئی کی خصوصی ٹیم تمام دستاویزات کے ساتھ دبئی روانہ ہوگئی تاکہ انیس ابراہیم کی حوالگی یقینی بنائی جاسکے ۔ ہندوستان کے لئے انیس ابراہیم کو ملک واپس لانا اور اس کے خلاف قانونی چارہ جوئی آسان نہیں ۔ یہ حقیقت ہیکہ ہندوستان کے متحدہ عرب امارات کے ساتھ حوالگی مجرمین کا معاہدہ ہے اور توقع ہیکہ دوبئی کے حکام کا اس
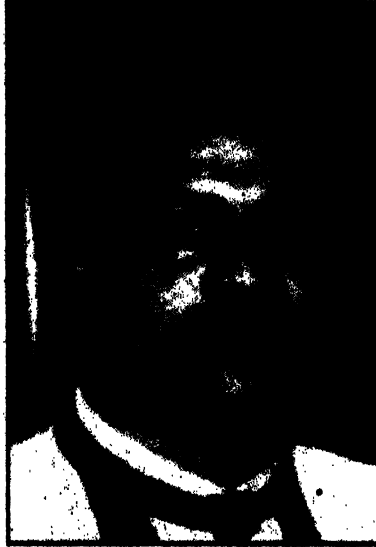
سلسلہ میں ہندوستان کے ساتھ تعاون کا رویہ رہے گا ۔ 11 ستمبر 2001ء کے تبدیل شدہ حالات کے بعد اب تک تین دہشت گردوں کی ہندوستان کو حوالگی عمل میں آئی اور یہ تینوں بھی متحدہ عرب امارات میں تھے جہاں حکام نے انھیں ہندوستان کے حوالے کیا ۔ ان میں ایک متیارائے کرناٹک کا انڈر ورلڈ ڈان ہے جسے جاریہ سال جون میں ہندوستان لایا گیا اس پر داؤد ابراہیم کے ساتھ روابط کا الزام ہے ۔ اس سے قبل راجو انڈ کوٹ کو ہندوستانی حکام کے حوالے کیا گیا ۔ حکومت ہند کو سب سے اہم کامیابی اس وقت ملی جب کولکتہ میں امریکی سنٹر پر حملہ کے مبینہ طور پر کلیدی ملزم آفتاب انصاری کو کم عرصہ میں یہاں لایا گیا ۔ ان سب کے باوجود سی بی آئی کو یو اے ای حکام کے روبرو ممبئی بم دھماکوں میں انیس ابراہیم کا رول ثابت کرنا ہے ۔ کیونکہ گزشتہ سال ابوسالم کو متحدہ عرب امارات سے حوالگی میں ہندوستان کو ناکامی ہوئی تھی ۔ سی بی آئی ٹیم تمام ثبوتوں کے ساتھ دوبئی پہنچی لیکن اسے اپنے مقصد میں کامیابی ملے گی یا نہیں اس کا انحصار دوبئی حکام کو انیس ابراہیم کے مجرمانہ سرگرمیوں سے واقف کرانے میں ہے ۔ اس کے لئے حکومت ہند اور دوبئی میں سفارتی ذرائع سرگرم عمل ہیں ۔

13 ڈسمبر کو پارلیمنٹ پر حملہ ہوئے ایک سال مکمل ہونے پر سیکوریٹی انتظامات

تحریک حیدرآباد کا ایک کردار بھائی اناجی راؤ گوہانے

محمد عبدالسمیع پربھنی

لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تقسیم کا خیال ویسے تو ماقبل ازادی پر صاف فہم و بصیرت کے دل و دماغ میں موجود تھا تاہم کوئی ٹھوس اور منظم تحریک موجود نہ تھی۔ پھر جب ملک آزاد ہوا اور آزادی فکر و عمل کو فرد کا بنیادی حق تسلیم کرلیا گیا تو یہی خیال حریت پسندوں کے لئے سیاسی جد و جہد کا نقطہ آغاز بن گیا۔ بالفاظ دیگر لسانی بنیادوں پر صوبوں کی تشکیل کی تحریک آزادی کے بعد اپنے نقطہ عروج پر تھی جس میں علاوہ دیگر ریاستوں کے مہاراشٹرا میں مراٹھواڑہ کا انضمام ایک اہم عوامی مطالبہ تھا۔ مرکزی حکومت اس مطالبہ کی شدت اور اہمیت کو گہری طور پر محسوس کرچکی تھی اور اس نے اس کے مضمرات پر غور و فکر نیز اس کے اشکال کے تدارک کے لئے ایک کمیشن کی تشکیل بھی کی تھی جسے "فضل علی کمیشن" کا نام دیا گیا۔ کمیشن نے منظم طریقے سے عوامی آراء مجتمع کی اور ایک رپورٹ حکومت کو پیش کردی۔ یہ پنڈت نہرو کی وزارت عظمی کا دور تھا۔ سوئے اتفاق کے فضل علی کمیشن کی پیش کردہ رپورٹ حکومت کی توجہ حاصل نہ کرسکی اور یوں یہ معاملہ طاق نسیاں ہو کر رہ گیا۔ لیکن حریت پسندوں کے لئے حکومت کی عدم دلچسپی موجب ہلچان تھی اور باعث ہیجان بھی۔ لہذا وہ اپنی تگ و دو میں لگ گئے۔ آندھرا پردیش کے معروف رہنما اور عوامی قائد پوٹی سری راملو نے اسی مطالبہ کی تکمیل کی خاطر نہ صرف بھوک ہڑتال کی بلکہ 52 دنوں کے اندر وہ راہی ملک عدم ہوئے۔ ان کی موت برق تپاں بن کر حکومت پر گری اور حکومت لرز گئی۔

پوٹی سری راملو کی موت عوام بالخصوص حریت پسندوں کے لئے بڑا ہی جاں سوز و جاں گداز واقعہ تھا۔ عوام سڑکوں پر نکل آئے اور پھر یہ سیل رواں بڑھتا ہی گیا یہاں تک کہ مراٹھواڑہ بھی اس کی لپیٹ میں آگیا۔ حکومت اسی سیل تند و تیز سے گھبرا گئی اور پھر آنجہانی وزیراعظم جواہر لال نہرو نے صوبوں کی تشکیل جدید کے عوامی مطالبہ کو نہ صرف تسلیم کرلیا بلکہ باقاعدہ طور پر اس کا اعلان بھی کردیا گیا۔ تلنگانہ آندھرا کو چلا گیا، مراٹھواڑہ مہاراشٹرا میں ضم ہوگیا اور کرناٹک کے اضلاع مسیور اسٹیٹ میں شامل کرلئے گئے۔ مرارجی دیسائی اس وقت مہاراشٹرا کے وزیراعلی تھے انہوں نے اپنی فراست ذہنی کا ثبوت پیش کرتے ہوئے "دو لسانی ریاست" کا فارمولہ پیش کردیا جس کے باعث بمبئی مہاراشٹرا و گجرات کا مرکزی شہر یا راجدھانی بن گیا۔ سموکت مہاراشٹرا کی عوامی جنگ اور شہر بمبئی کے حصول کی جد و جہد مقدس جہاد کا درجہ پاگئے۔ چنانچہ ایک بار یہ تحریک اپنے اسی نقطہ پر پہونچ گئی جہاں حکومت کو دزدیدہ نظر سے نہیں بلکہ کھلی آنکھ سے حقیقت کا مشاہدہ کرنا پڑتا ہے۔ یہ عجیب بات ہے کہ گجراتیوں کا پیش کردہ فارمولہ حکومت کو مرغوب اور پسندیدہ نظر آنے لگا تھا۔

مہاراشٹرا کے دیگر اضلاع کی طرح ضلع پربھنی بھی اس شورش کا گڑھ بن چکا تھا اور اس شورش یا زیادہ صحیح لفظوں میں عوامیا جذبوں کی تکمیل کی تگ و تاز کے قائد بھائی ناجی راؤ گوہانے تھے۔ کسان مزدور پارٹی کے رہنما تو تھے ہی لیکن جو عوام کے ایک حقیقی ترجمان بھی تھے۔ کسان مزدور پارٹی اور کمیونسٹ پارٹی کی مشترکہ جد و جہد کامیاب ہوئی اور عوام کے دیرینہ مطالبہ کی تکمیل ہوگئی لسانی بنیاد پر مہاراشٹرا کی تشکیل نو نے حریت پسندی کے خواب کو شرمندہ تعبیر کردیا یہ گوہانے اور ان کے رفقائے کار کی قابل فخر کامیابی تھی۔

اناجی گوہانے کے بیشمار کارناموں میں ایک یہ بھی کارنامہ ہے کہ انھیں مسلمانوں کی قیادت کا اعزاز حاصل ہے مسلمان انھیں نہ صرف اپنا لیڈر تسلیم کرتے رہے ہیں بلکہ ان کے سیاسی عروج میں مسلمانوں ہی کی کوششوں کا دخل رہا۔ اناجی گوہانے نہ صرف بے باک و بے خوف لیڈر تھے بلکہ حقیقتا وہ ایک ایسے لیڈر تھے بے باکی جن پر نثار تھی ان کی بہادری اور دلیری کے واقعات میں یہ واقعہ ناقابل فراموش ہے کہ بمبئی تحریک کے سلسلے میں بمبئی پہونچنے والے لاکھوں افراد پر مشتمل مورچہ میں انہوں نے شرکت کی تھی جبکہ نظم و نسق کے خدشے کے تحت وزیراعلی نے مجمع پر بے دریغ فائر کا حکم دے رکھا تھا چنانچہ پولیس اور فوج کی اندھا دھند فائرنگ نے ایک سو پانچ (105) مہاراشٹرین موت کی گود میں سوگئے۔

ان ہلاکتوں کے بعد مرکزی حکومت نے بمبئی کو مہاراشٹرا کے حوالے کرنے کا اعلان کردیا۔ اناجی گوہانے متعدد تحریکات کی روح رواں رہ چکے ہیں۔ مثلاً گوا تحریک، زرعی یونیورسٹی تحریک، مہنگائی تحریک جو بھوک ہڑتال سے شروع ہوئی اور جس کے شرکاء پر پولیس نے بے دریغ لاٹھیاں برسائی تھیں۔ واقعہ ہے کہ بھائی اناجی گوہانے نصف صدی پر محیط اپنی عوامی خدمات کے پس منظر میں ایک ایسی ہستی تھے جنہیں عزم و عمل کا پیکر کہنا ہرگز تملق نہیں۔ آج سے تقریباً 8 دہائی قبل ضلع اورنگ آباد کے تعلقہ پیٹھن کے موضع داد گاؤں کے ایک کسان گھرانے میں جنم لینے والے انا گوہانے اپنے والدین کی پانچویں اولاد تھے۔ (خورد) بچپن ہی سے انا کھلنڈرے اور ضدی طبیعت کے مالک تھے، بچپن دادے گاؤں ہی میں گزرا ان دنوں اس موضع میں بس ایک ہی خانگی اسکول ہوا کرتا تھا یہ 1920ء کے آس پاس کی بات ہے اسکول میں یشونت راؤ نامی ایک ٹیچر تھے جو اردو اور فارسی زبانوں پر عبور رکھتے تھے۔ انا صاحب کے والد پندھو پنڈت راؤ نے بھی انہی عالم و فاضل ٹیچر سے تعلیم حاصل کی تھی۔ پنڈت راؤ ذہین ہونے کے سبب یشونت راؤ کے سب سے چہیتے شاگرد تھے پنڈت راؤ گوہانے کی تعلیم و تربیت کی فکر ہوئی۔ انہوں نے اپنے استاد سے اس کا اظہار کیا تو استاد نے انہیں تسلی دیتے ہوئے کہا کہ انا صاحب

ایک ہوشیار بچہ ہے اور اس کی تعلیم و تربیت کی ذمہ داری میں لیتا ہوں۔ موضع وادے گاؤں میں پرائمری تعلیم مکمل کرنے کے بعد پیٹھن میں بہ زبان اردو ہائی اسکول کی تعلیم اپنے چچازاد بھائیوں کے ہمراہ مکمل کی۔ مزید تعلیم کے لئے دونوں اورنگ آباد آگئے۔ انا صاحب کے والد نے اپنے دونوں بچوں کو اورنگ آباد منتقل کیا۔ ان کی تعلیم کے لئے نارائن راؤ چوہان بھی تھے یہاں انہوں نے انٹرمیڈیٹ کامیاب کیا اور حیدر آباد سے بی اے (ایل ایل بی) کیا اور اسی زمانہ کے انگلیوں پر گنے جانے والے تعلیمیافتہ لوگوں کی فہرست میں شامل ہوگئے۔ اورنگ آباد میں زمانہ طالب علمی کے دوران شری انا گوبانے کو دو چیزیں تحفہ کے بطور ملیں۔ ایک تو ڈاکٹر ن ج ناندا پورکر کی رہنمائی اور دوسرے ایڈوکیٹ رامچندر ناندا پورکر کی ورزش گاہ جس کے انا صاحب طالب علم تھے اور بعد میں اسی ورزش گاہ میں انہوں نے دیگر طلباء کو لاٹھی چلانا وغیرہ کی تعلیم دی۔ اور داؤ پیچ سکھائے۔ اس ورزش گاہ سے تقریباً دو سو تا تین سو طلباء نے تعلیم پائی راجپوت نام کے ایک ٹیچر یہاں بطور ڈریل ماسٹر تھے۔

اسی زمانے میں انا صاحب کے ہمراہ پربھنی کے پاٹھک گروجی، جالنہ کے ترمبک راؤ پاتورکر سنسکرت و مراٹھی کے طالب علم تھے اس دوران مراٹھواڑہ سے اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدر آباد جانے والے طالب علموں میں بیڑ کے بھیم راؤ کدم، وینکٹ راؤ جادھو، ناندیڑ کے نارائن راؤ چوہان اور نگ راؤ کدم کے نام شامل ہیں۔ ان آٹھ دس طلباء نے مل کر دیہی عوام کی تعلیم و تربیت کا بیڑا اٹھایا اور حیدر آباد میں ایک تعلیمی ادارہ کی بنیاد ڈالی۔ جس کے صدر شری رنگ راو کیٹے کر اور سکریٹری بھیم راؤ کدم تھے۔ انا صاحب اس کے معاون سکریٹری تھے ناس ادارہ کے لوگ اپنے اپنے ضلعوں کا دورہ کرتے اور جن ذہین طلباء کو تعلیم حاصل کرنے میں معاشی رکاوٹ درپیش ہو ایسے طلباء کی امداد کرتے۔ آگے چل کر اس ادارے نے ہاسٹل کی شروعات کی اور مراٹھواڑہ کے پانچوں ضلعوں (ان دنوں 5 ہی ضلع تھے) طلباء تعلیم حاصل کرتے رہے۔ اعلیٰ تعلیم کے لئے حیدر آباد جانے والے طلباء کے لئے وہاں ہاسٹل کی سہولت تھی معروف سرجن ڈاکٹر وینکٹ راؤ ڈاورے کو مزید تعلیم کے لئے ملک سے باہر جانے کے لئے اسی ادارے نے امداد بہم پہنچائی ناندیڑ کے انجینئر کالے، وھوکنے وغیرہ کئی قابل طلباء نے اس ہاسٹل سے تعلیم مکمل کرکے اپنا نام کمایا۔ اس ادارہ سے انا صاحب نے سماج کی خدمت شروع کی۔ مختلف اضلاع میں منعقدہ جلسوں کی صدارت بھی کی۔ حیدر آباد میں کانگریس کے ایک گروپ نے "شیتکری سنگھ" کی بنیاد ڈالی۔ جس کے صدر نارائن راؤ چوہان اور انا صاحب ہوا کرتے تھے۔ اس پارٹی پر کانگریس کے حلقہ میں ناراضگی کا اظہار کیا گیا اسی دوران 1947ء میں ملک آزاد ہوا۔ حیدر آباد کے باپو صاحب لاڈ نامی صاحب نے شیتکری سنگھ کو تحریک آزادی حیدر آباد میں ضم کرنے کی تجویز رکھی باپو صاحب مشہور انقلابی نانا صاحب پاٹل کے دست راست تھے۔ اس تجویز کو قبول کرتے ہوئے سنگھ مذکورہ تحریک میں ضم کرنے کی تجویز رکھی باپو صاحب مشہور انقلابی نانا صاحب پاٹل کے دست راست تھے۔ اس تجویز کو قبلو کرتے ہوئے سنگھ مذکورہ تحریک میں ضم ہوئی اور ایک لڑائی بھی لڑی گئی۔ ان ہی دنوں کانگریس کے مراٹھواڑہ کے کیمپس میں شیتکری سنگھ کے اراکین کو کام کرنے کی خواہش کے باوجود باز رکھا جاتا تھا اس لئے ان لوگوں نے اپنے علحدہ کیمپ قائم کرلئے عثمان آباد کے بارشی میں ادھوراؤ پاٹل اور نرسنگ راؤ کی زیر نگرانی ان کیمپس میں تمام سرگرمیاں جاری رہیں۔ اسی طرح ایک کیمپ ضلع کے امرنڈ گاؤں میں انا صاحب کی زیر نگرانی قائم کردیا گیا۔ ان کیمپوں میں جنگ کے ہنر سکھانے کے لئے آزاد ہند فوج کے کیپٹن شرما اور حوالدار گورے تقریباً 40 ہزار ورکرس کو جنگی مشقوں کی ٹریننگ دیتے تھے۔ پولیس نے ایک بار ان ورکرس پر حملہ کرکے تمام ہتھیار ضبط کرلئے تھے۔ انا صاحب نے اس واقعہ سے متاثر ہو کر ہتھیاروں کی فراہمی کی ذمہ داری اپنے سر لی۔ اسی اثناء میں پولیس ایکشن ہوگیا۔ حیدر آباد کے ہندو یونین میں شامل ہونے کے بعد انا حیدر آباد لوٹے۔ کانگریس کے حیدر آبادی سنگھ والے لوگوں کو اپنے ساتھ شامل رکھنا نہیں چاہتے تھے انہی کی مخالفت کرنے پر انا کو ایک ماہ کی سزا قید ہوئی۔ ان کے ساتھ بیڑ کے تلسی رام لونئے بھی تھے۔ احمد نگر ضلع میں مورے، جادھو، نانا پاٹل دتہ دیشمکھ کھرڈیکر وغیرہ ساتھیوں کے ساتھ مل کر ایک میٹنگ منعقد کی شیتکری کامگار پکش (کسان مزدور پارٹی) کی بنیاد رکھنے کا طے کیا 1947 میں دابھاڑی میں مزید ایک میٹنگ ہوئی جس میں انا صاحب جیل میں ہونے کے سبب حاضر نہ رہ سکے مگر انہوں نے اپنے ساتھیوں سے اتفاق کیا اور اسی طرح باقاعدہ طور پر کسان مزدور پارٹی کا قیام عمل میں آیا اور انا صاحب کو پربھنی ضلع کا ذمہ دار بنایا گیا۔ انہوں نے عادت کے مطابق اس کام میں بھی بہت دلچسپی دکھائی اور لیوی کے خلاف کئی جلسے ضلع بھر میں پارٹی کے قائدین کی سرکردگی میں کئے۔ اور ایک جلسہ عیدگاہ میدان پر بھی ہوا تھا۔ اس نے پربھنی کے عوام کو متاثر کیا اور 1952ء کے الیکشن میں پاتھری کے علاوہ تمام حلقوں سے لوک سبھا انتخابات منعقد ہوئے۔ اور یہاں سے پارٹی کے انکش راؤ گھارے کامیاب ہوئے اس میں انا صاحب نے ایک مرکزی کردار ادا کیا تھا۔

گوا کی تحریک آزادی میں بھی کسان مزدور پارٹی کا کافی حصہ رہا ہے اور لوکل بورڈ کے انتخابات بھی اسی پارٹی نے جیتے۔ اس بورڈ کے صدر امباداس راؤ ورپوڑکر تھے۔ 1954ء میں دیہی علاقوں میں طلباء کے لئے پھلے ودیالیہ تعلیمی ادارہ کی بنیادی ڈالی جس کے تحت آج بھی ضلع میں 14 ہائی اسکول اور 15 پرائمری اسکول جاری ہیں۔ 1972 میں اس پارٹی نے اپنی حکمت عملی سے ضلع پریشد پر قبضہ کرلیا۔ اور کسانوں کے لئے کافی مفید عام انقلابی کام کیا۔ 1952، 1957، اور 1967ء میں تین بار انا صاحب اس پارٹی سے رکن اسمبلی چنے گئے اس وقت آنجہانی یشونت راؤ چوہان نے ان سے کانگریس میں شامل ہونے کی درخواست کی جسے انہوں نے نامنظور کردیا۔ 1972، 1978ء میں انا صاحب ایم ایل سی رہے، 1984 میں انا صاحب نے سرگرم سیاست سے کنارہ کشی اختیار کی۔

ترجمہ: خواجہ سلیم

جرائم کا سدباب، جدید سائنسی علوم سے استفادہ

دنیا بھر میں اب جرائم کے لئے نت نئے اور جدید طریقے استعمال کئے جارہے ہیں۔ دوسری طرف جرائم کے سدباب کے لئے پولیس اور قانون نافذ کرنے والے ادارے بھی جدید سائنسی طریقے استعمال کررہے ہیں۔ سائنس داں مجرموں کے طریقہ واردات کا گہرا مطالعہ کرنے کے بعد ایسے آلات ایجاد کررہے ہیں جن کی مدد سے انسانی ذہن کی گہرائی میں جاکر حقائق کا پتہ چلایا جاسکے۔ انسانی ذہن کو پڑھنے اور سچ اور جھوٹ کا پتہ چلانے والی مشینیں کافی عرصہ پہلے ایجاد ہوچکی ہیں۔ اب ان مشینوں کو مزید جدید بنایا جارہا ہے اور جرائم کی روک تھام کے لئے نت نئے طریقے استعمال کئے جارہے ہیں۔ بلیسٹک سگنیچر سے ڈی این اے ٹیسٹ تک سائنس دانوں نے پولیس کے کام میں ایک انقلاب برپا کردیا ہے اور کہا جارہا ہے کہ اب مجرموں کو رنگے ہاتھوں پکڑے جانا زیادہ مشکل کام نہیں رہا ہے۔

امریکہ کو گزشتہ دنوں ایک پرسرار شخص کی جانب سے لوگوں کو گولی مار کر ہلاک کئے جانے کے پس منظر میں معروف امریکی جریدے "ٹائم" نے سائنس کی مدد سے قاتل کو کیسے پکڑا جائے؟" کے عنوان سے ایک اسٹوری شائع کی۔ ذیل میں قارئین کی دلچسپی کے لئے اس کا ترجمہ اور تلخیص پیش کی جارہی ہے۔

کسی غیر تربیت یافتہ شخص کی نظر میں سیسے کی استعمال شدہ گولی غیر اہم ہوسکتی ہے، مگر راک ویل، میری لینڈ کے بیورو برائے الکحل، تمباکو اور آتشیں اسلحے کی لیبارٹری کے ماہرین کی نظر میں یہ گولی خاص سونے سے کم اہمیت نہیں رکھتی۔ اس گولی کا تعلق حال ہی میں امریکہ میں ہونے والی قتل کی پراسرار وارداتوں سے بھی جوڑا جاسکتا ہے۔ اس گولی کو بھی دیگر گولیوں کی طرح اس لیبارٹری میں احتیاط سے رکھا جائے گا۔ یہ گولی بھی اس کیس کے پرنسپل ایگزامنر والٹر ڈینڈرج کے حوالے کردی جائے گی۔ والٹر اپنی خردبین کی مدد سے اس گولی کا دیگر گولیوں سے موازنہ کرے گا اور کئی گھنٹے کی تحقیق کے بعد اس بات کا پتہ چل سکے گا کہ اس گولی کا ان گولیوں سے کوئی تعلق ہے یا نہیں، جو نامعلوم قاتل نے چلائی تھیں۔

امریکہ میں قتل کی حالیہ پراسرار وارداتوں کے بعد پولیس اور قانون نافذ کرنے والے دیگر ادارے بہت زیادہ مستعدی کے ساتھ قاتل کی تلاش میں مصروف ہوگئے۔ پولیس نے جدید سائنسی آلات کی مدد سے کئی مشتبہ افراد کو گرفتار کرکے ان کے قبضے سے آتشیں اسلحہ برآمد کیا۔ سائنسی آلات کی مدد سے پولیس قاتل یا قاتلوں کے بہت قریب پہنچ گئی۔ پولیس نے یہ بھی پتہ لگالیا کہ پستول کی اس قسم کی گولیاں دیگر کئی جرائم میں بھی استعمال ہوئی ہیں۔

فنگر پرنٹس اور ڈی این اے کی مدد سے پولیس کو نہایت اہم سراغ ملے۔ ماہرین کو اس سلسلے میں کافی شواہد مل چکے ہیں اور اب انہیں کسی ایسی اہم شہادت کی تلاش ہے، جس کی مدد سے اصل قاتل کی نشان دہی ہوسکے۔ ماہرین نے اس سلسلے میں کمپیوٹر کی مدد سے ڈیجیٹل امیجز بھی حاصل کرلئے ہیں۔ اس سلسلے میں کمیکل اسکینز سے بھی مدد لی گئی ہے۔ متنازع کیمیائی سینسرز کی مدد سے مجرم کی دماغی کیفیات کا انداز بھی لگایا جارہا ہے۔ ان سینسرز کی مدد سے اس بات کا پتہ بھی لگایا جاسکے گا کہ ملزم ان وارداتوں کے بارے میں کیا جانتا ہے اور کیا نہیں جانتا۔ ٹی وی کے ناظرین بھی سائنس اور ٹکنالوجی کے اس انقلاب سے پوری طرح محظوظ ہورہے ہیں۔ تقریبا ہر روز سی بی ایس ٹی وی چینل پر سی ایس آئی کے عنوان سے پروگرام پیش کیا جاتا ہے۔ کراسنگ جارڈن کے عنوان سے بھی پولیس اور سائنس کی مدد سے جرائم پر قابو پانے کے حوالے سے ایک پروگرام پیش کیا جارہا ہے۔ کرمنل سائنس عوام کی نظر میں اب ایک کریز بنتی جارہی ہے، مگر اس کے لئے ٹی وی پر چھیالیس منٹ کا وقت اب کم محسوس ہوتا ہے۔

بعض اوقات عدالتوں میں بڑی دلچسپ صورتحال پیدا ہوجاتی ہے۔ گزشتہ جنوری میں فلاڈلفیا کے ایک جج نے فنگر پرنٹ کے حوالے سے پیش کردہ ایک شہادت کو اٹھا کر پھینک دیا۔ اس کا کہنا تھا کہ قتل کے اس کیس میں وکیل استغاثہ فنگر پرنٹ کے حوالے سے اپنی بات کی وضاحت نہیں کرسکے ہیں۔ مذکورہ جج کا کہنا تھا کہ امریکہ کے اسسٹنٹ ڈیفنڈر رابرٹ ایپسٹین رہزنی کے ایک مقدمے میں فنگر پرنٹ کی شہادت کو چیلنج کرچکے ہیں اور اگر وہ کسی ایسی شہادت کو تسلیم کرلیتے ہیں تو جیوری اسے تسلیم نہیں کرے گی۔ عدالتوں کے ان ہی خدشات کے پیش نظر ان سائنسی طور پر جرائم کا پتہ چلانے کے لئے نت نئے طریقے اختیار کئے جارہے ہیں۔ او جے سمپسن، اور اسی نوعیت کے دیگر کیسوں میں ڈی این اے کو بنیاد بنایا گیا تھا۔ اب ڈی این اے ٹسٹ کے لئے ایک انچ کے دسویں حصے سے بھی مواد حاصل کیا جاسکتا ہے۔ اس طرح اب اصل مجرم کا پکڑے جانا اور بھی آسان ہوگیا ہے۔ اب پسینے، تھوک، آنسوؤں اور کسی بھی جسمانی مادے کی مدد سے ڈی این اے ٹسٹ کیا جاسکتا ہے۔ اس کے علاوہ ناخن، دانتوں اور بالوں کی مدد سے بھی مجرم کا سراغ لگایا جاسکتا ہے مگر صرف ڈی این اے ٹسٹ ہی جرائم سے دلچسپی رکھنے والوں کی توجہ کا مرکز نہیں ہے بلکہ وہ اسکینز اور اسپیکٹرومیٹر بھی ان کی توجہ کا مرکز ہیں، جن کی مدد سے کسی جرم کے سلسلے میں اہم شہادتیں جمع

ں جاتی ہیں۔ مثال کے طور پر ان آلات کی مدد
سے گن پاوڈر اور مشتبہ شخص کے ہاتھوں کے
بارے میں معلومات جمع کی جاتی ہیں۔ گن پاوڈر
کا ایکس رے کرکے اس کام کے لئے آسان
طریقے بھی استعمال کئے جاتے ہیں۔ کئی کیمیائی
اجزا کے استعمال کے ذریعے بھی گن پاوڈر کے
ٹسٹ لئے جاتے ہیں۔ ماضی میں اس کام کے لئے

الیکٹرون مائیکرواسکوپ کا سہارا لیا جاتا ہے۔
مشتبہ شخص کی انگلیوں کا خردبین کے ذریعے جائزہ
لیا جاتا ہے اور الیکٹرون کی شعاعیں بھی ڈالی جاتی
ہیں۔ ان شعاعوں کی مدد سے گن پاوڈر پر پائے
جانے والے نشانات سے اصل مجرم کا پتہ چلایا
جاسکتا ہے۔ یہ طریقہ کار گرم پیرافین ہاتھوں پر
لگائے جانے سے بہرحال بہتر ہے۔ لوگ اس

میں رکھا جاتا ہے، جہاں یہ اجزاء گیس میں تبدیل
ہوجاتے ہیں اور ان کی مدد سے گراف تیار کرلیا جاتا ہے۔
کمیوگرافی اور ماس اسپیکٹرومیٹری کے
طریقہ کار میں خرابی یہ ہے کہ اس میں تجزیے کے
دوران بنیادی شہادت ضائع ہوجاتی ہے، جب کہ
تحقیق کار پہلے ہی مرحلے میں مطلوبہ نتائج حاصل
کرنا چاہتے ہیں۔ اب سائنس دانوں نے اس مسئلے
کا حل بھی تلاش کرلیا ہے اور ایسا مختصر

عام طریقہ اختیار کیا جاتا تھا، یعنی ایک برتن میں
پیرافین ڈال کر مشتبہ شخص کی انگلیوں پر اس کا
محلول لگایا جاتا تھا۔ اس کے بعد موم اور کیمیائی
اجزاء کے ذریعے گن پاوڈر پر پائے جانے والے
نشانات حاصل کئے جاتے تھے۔ اس طریقہ کار
سے بہت کم مطلوبہ نتائج حاصل کئے جاسکتے تھے۔
آج لیبارٹریوں میں اس نوعیت کے جو
ٹسٹ کئے جاتے ہیں، ان میں اسکیننگ اور

طریقہ کار کی وجہ سے دہشت زدہ ہوجاتے تھے اور
بعض افراد اس طریقہ کار کی سختی کی وجہ سے بھی
اقرار جرم کرلیتے تھے۔
اس سلسلے میں گیس کمیوگرافیا کا نیا
طریقہ کار بھی خاصا مفید ثابت ہورہا ہے۔ اس
طریقہ کار کے تحت ایسے شواہد کا تجزیہ کیا جاتا ہے
، جن کی کیمیائی تراکیب کا علم نہیں ہوتا۔ اس کام
کے لئے متعدد اجزا کو ایک انتہائی حساس اوون

اسپیکٹرومیٹر بنایا ہے، جس کی مدد سے معمولی سا
نمونہ حاصل کرکے مختلف عناصر کا پتہ لگایا جاسکے
گا۔ کیلی فورنیا کی لارنس لیور مور نیشنل لیبارٹری
میں تحقیق کاروں نے انفرا ریڈ توانائی کی شعاع
کے ذریعے اس طرح شہادتیں جمع کی ہیں کہ اصل
نمونہ ضائع نہیں ہوتا ہے۔ تحقیق کار اب انفرا
ریڈ ہارڈویر کو فنگر پرنٹس میں آئل کی کمپوزیشن کا
اندازہ کرنے کے لئے بھی استعمال کررہے ہیں۔

اس سے صرف پرنٹ کی نشان دہی ہی نہیں ہوگی بلکہ کیمیائی تراکیب کا پتہ بھی چل سکے گا۔ بعض اوقات تحقیق کاروں کو تحقیقات کے دوران اچھے پرنٹ نہیں ملتے ہیں۔ اس مسئلے کا حل اس طرح تلاش کیا گیا ہے کہ تحقیق کار ڈیجیٹل کیمرے کے ذریعے فنگر پرنٹس کی تصاویر حاصل کرلیتے ہیں ۔ اس طرح پرنٹ کی زیادہ واضح تفصیلات حاصل ہوجاتی ہیں۔

مجرموں کا سائنس کے ذریعے پتہ چلانے کے لئے جو طریقے استعمال کئے جارہے ہیں ان میں "برین فنگر پرنٹ" کی ٹکنالوجی بھی شامل ہے۔ اس ٹکنالوجی کے پس پشت یہ فلسفہ کارفرما ہے کہ دماغ کے ذریعے ایسی شبیہ حاصل کی جائے، جس سے اس بات کا علم ہوسکے کہ متعلقہ شخص کسی واردات سے قبل جائے واردات پر موجود تھا یا نہیں۔

جرائم کی روک تھام کے سلسلے میں سائنس سے جو مدد لی جارہی ہے، اس میں روزانہ کوئی نہ کوئی نئی بات سامنے آتی ہے۔ امریکہ کے قانون نافذ کرنیوالے اداروں کے حکام اب ایک ایسا قومی کمپیوٹر نظام تیار کرنے کی کوشش کررہے ہیں، جس میں ہر معروف شخص کے فنگر پرنٹس اور ڈی این اے کو محفوظ کیا جاسکے۔ اس کے علاوہ کسی بھی جرم میں کسی بھی وقت استعمال ہونے والے پستول کے بیلسٹک سکیچ بھی اس طریقہ کار کے ذریعے حاصل کئے جاسکیں گے۔

اس وقت اس مقصد کے لئے مشترکہ ڈی این اے انڈیکس سسٹم، مربوط قومی بیلسٹک انفارمیشن نیٹ ورک اور فنگر پرنٹس کی نشان دہی کے مربوط نظام کام کررہے ہیں۔ واضح رہے کہ اس وقت امریکہ میں قومی سطح پر بیلسٹک نیٹ ورک محدود پیمانے پر کام کررہا ہے۔

گزشتہ سال نیویارک میں بیس سالہ ولس کو مسلح ہوکر ڈکیتی کرنے کے الزام میں گرفتار کیا گیا تھا۔ جب اس کی پستول کا جائزہ لیا گیا تو انکشاف ہوا کہ اس سے چار مرتبہ فائرنگ کی گئی ہے اور تین افراد قتل کئے گئے ہیں۔ ولس اب ان میں سے دو قتل کے الزام میں عمر قید کی سزا کاٹ رہا ہے۔

بعض افراد ڈی این اے ڈیٹا بیس کے ذریعے جمع کی جانے والی تفصیلات کو اپنے ذاتی معاملات میں مداخلت سمجھتے ہیں۔ کیلی فورنیا میں خواتین قیدیوں کے ایک گروپ نے ڈی این اے کے نمونے جمع کرنے کے احکامات کو عدالت میں چیلنج کردیا ہے۔ بہت سے مرد قیدیوں نے بھی اپنے ڈی این اے کا نمونہ جمع کرانے سے انکار کردیا ہے۔ دوسری طرف ریاست کی سپریم کورٹ نے اس معاملے پر غور کرنے سے انکار کردیا ہے۔ کیلی فورنیا کے گورنر گرے ڈیوس نے گزشتہ ماہ ایک قانون کی منظوری دی، جس کے تحت جیل حکام کو اس بات کا اختیار دیا گیا ہے کہ وہ اگر ضرورت محسوس کریں تو بہ زور طاقت نمونہ حاصل کرلیں۔ لاس اینجلس کی ایک وکیل لینڈا کاہن کا کہنا ہے کہ فنگر پرنٹ اور ڈی این اے فنگر پرنٹ کے درمیان کوئی فرق نہیں ہے۔ لوگ سمجھتے ہیں کہ ڈی این اے ٹسٹ کا نتیجہ ایک دو گھنٹے میں برآمد ہوجاتا ہے۔ حالانکہ حقیقت یہ ہے کہ اس کام کی تکمیل کے لئے دو ماہ کا عرصہ درکار ہوتا ہے۔

امریکی ٹیلی ویژن پر جرائم کے حوالے سے جو پروگرام دکھائے جارہے ہیں، ان کے لئے زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے کا وقت مختص ہوتا ہے۔ اتنے کم وقت میں کسی کیس کی گہرائی تک پہنچنا مشکل کام ہے۔ جرائم کی روک تھام کے لئے سائنسی آلات کے استعمال کی وجہ سے امریکی عدالتوں کا مزاج بھی تبدیل ہوگیا ہے۔ اب وہاں جج صاحبان جرم سے متعلق مکمل اعداد و شمار طلب کرتے ہیں اور سائنسی بنیاد پر کیس کا جائزہ لیتے ہیں۔ اب مقابلے کے کئی امتحانات میں بھی اس نوعیت کے سوالات کئے جاتے ہیں کہ اگر کسی امیدوار کو کوئی ایسا شخص مل جائے، جس کے ہاتھ میں پکڑے ہوئے بیگ میں "بلیو پاوڈر" ہو تو وہ کیا کریں گے۔ زیادہ تر امیدوار جواب دیتے ہیں کہ کسی لیبارٹری میں اس پاوڈر کا تجزیہ کرایا جانا چاہئے۔ وہ یہ سوال کرنے کی زحمت نہیں کرتے کہ یہ شخص کہاں پایا گیا تھا۔ کیونکہ اگر وہ شخص کسی لانڈری میں پایا گیا ہو تو ہوسکتا ہے کہ اس کے بیگ میں ڈیٹرجنٹ پاوڈر ہو۔

جرائم کی سائنسی بنیاد پر تحقیقات کے لئے اب تک امریکہ میں بھی کسی معیار کا تعین نہیں کیا جاسکا ہے۔ تحقیق کاروں کے لئے کسی تربیت کا بھی کوئی معیار نہیں ہے۔ یہی وجہ ہے کہ گزشتہ دنوں اوکلاہاما پولیس کے چیف کو بعض سائنسی غلطیاں کرنے پر ان کے عہدے سے ہٹادیا گیا تھا۔ ان غلطیوں کی وجہ سے ایک ہزار سے زائد کیسوں کے نتائج غلط ظاہر کئے گئے تھے۔

اس صورت حال میں ضرورت اس بات کی ہے کہ سائنس دانوں کو بہتر سے بہتر تربیت دی جائے۔ امریکہ میں ٹی وی پر پیش کئے جانیوالے پروگراموں کی وجہ سے عام ناظرین میں سائنسی بنیادوں پر جرائم کی گتھیاں سلجھانے میں دلچسپی بڑھ رہی ہے۔ تعلیمی اداروں میں کرمنل جسٹس پروگرام کے لئے عام لوگوں کی جانب سے گزشتہ دنوں درخواستیں موصول ہوئی تھیں اور اب یہ تعداد بڑھ کر 147 ہوگئی ہے۔ ویسٹ ورجینا یونیورسٹی میں 1999 میں جرائم کی سائنس کے مضمون میں دو سو طلبہ کو داخلہ دیا گیا تھا۔ اب یہ تعداد دوگنی ہوچکی ہے۔ یونیورسٹی آف کیلی فورنیا ڈیوس نے انڈر گریجویٹس پروگرام میں فورنسک سائنس کی ڈگری کا اجراء کیا ہے۔ یونیورسٹی میں اس مضمون میں ماسٹرز کرانے کے لئے بھی پروگرام شروع کیا ہے۔

امریکہ میں ٹیلی ویژن پر سائنس کے حوالے سے جو پروگرام پیش کئے جارہے ہیں ان میں ناظرین کی دلچسپی کا پہلو اجاگر کیا جاتا ہے۔ مگر حقیقی زندگی میں جرائم کا سراغ لگانے میں تاخیر بھی ہوتی ہے اور غلطیاں بھی سرزد ہوتی ہیں اور بعض اوقات کسی کیس کے حل ہونے میں مہینوں لگ جاتے ہیں۔

●●●●

کلیاتِ اقبال

شبنم کی طرح پھولوں پہ رو، اور چمن سے چل
اس باغ میں قیام کا سودا بھی چھوڑ دے

ہے عاشقی میں رسم الگ سب سے بیٹھنا
بتخانہ بھی، حرم بھی، کلیسا بھی چھوڑ دے

سوداگری نہیں، یہ عبادت خدا کی ہے!
اے بے خبر! جزا کی تمنا بھی چھوڑ دے

اچھا ہے دل کے ساتھ رہے پاسبانِ عقل
لیکن کبھی کبھی اسے تنہا بھی چھوڑ دے

جینا وہ کیا جو ہو نفسِ غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسا بھی چھوڑ دے

شوخی سی ہے سوالِ مکرر میں اے کلیم
شرطِ رضا یہ ہے کہ تقاضا بھی چھوڑ دے

واعظ ثبوت لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے

محبت

عروسِ شب کی زلفیں تھیں ابھی نا آشنا خم سے
ستارے آسماں کے بے خبر تھے لذتِ رم سے

قمر اپنے لباسِ نو میں بیگانہ سا لگتا تھا
نہ تھا واقف ابھی گردش کے آئینِ مسلم سے

ابھی امکاں کے ظلمت خانے سے ابھری ہی تھی دنیا
مذاقِ زندگی پوشیدہ تھا پہنائے عالم سے

کمالِ نظمِ ہستی کی ابھی تھی ابتدا گویا
ہویدا تھی نگینے کی تمنا چشمِ خاتم سے

سنا ہے عالمِ بالا میں کوئی کیمیا گر تھا
صفا تھی جس کی خاکِ پا میں بڑھ کر ساغرِ جم سے

لکھا تھا عرش کے پائے پہ اک اکسیر کا نسخہ
چھپاتے تھے فرشتے جس کو چشمِ روحِ آدم سے

نگاہیں تاک میں رہتی تھیں لیکن کیمیا گر کی
وہ اس نسخے کو بڑھ کر جانتا تھا اسمِ اعظم سے

بڑھا تسبیح خوانی کے بہانے عرش کی جانب
تمنائے دلی آخر بر آئی سعیِ پیہم سے

پھرایا فکرِ اجزا نے اسے میدانِ امکاں میں
چھپے گی کیا کوئی شے بارگاہِ حق کے محرم سے

چمک تارے سے مانگی، چاند سے داغِ جگر مانگا
اڑائی تیرگی تھوڑی سی شب کی زلفِ برہم سے

تڑپ بجلی سے پائی، حور سے پاکیزگی پائی
حرارت لی نفسہائے مسیحِ ابنِ مریم سے

ذرا سی پھر ربوبیت سے شانِ بے نیازی لی
ملک سے عاجزی، افتادگی تقدیرِ شبنم سے

پھر ان اجزا کو گھولا چشمۂ حیواں کے پانی میں
مرکب نے محبت نام پایا عرشِ اعظم سے

مہوس نے یہ پانی ہستیِ نوخیز پر چھڑکا
گرہ کھولی ہنر نے اس کے گویا کارِ عالم سے

ہوئی جنبش عیاں، ذروں نے لطفِ خواب کو چھوڑا
گلے ملنے لگے اٹھ اٹھ کے اپنے اپنے ہمدم سے

خرامِ ناز پایا آفتابوں نے ستاروں نے
چٹک غنچوں نے پائی، داغ پائے لالہ زاروں نے

حقیقتِ حسن

خدا سے حسن نے اک روز یہ سوال کیا
جہاں میں کیوں نہ مجھے تو نے لازوال کیا

ملا جواب کہ تصویر خانہ ہے دنیا
شبِ درازِ عدم کا فسانہ ہے دنیا

ہوئی ہے رنگِ تغیر سے جب نمود اس کی
وہی حسیں ہے حقیقت زوال ہے جس کی

کہیں قریب تھا، یہ گفتگو قمر نے سنی
فلک پہ عام ہوئی، اخترِ سحر نے سنی

سحر نے تارے سے سن کر سنائی شبنم کو
فلک کی بات بتا دی زمیں کے محرم کو

بھر آئے پھول کے آنسو پیامِ شبنم سے
کلی کا ننھا سا دل خون ہو گیا غم سے

چمن سے روتا ہوا موسمِ بہار گیا
شباب سیر کو آیا تھا، سوگوار گیا!

پیام

عشق نے کر دیا تجھے ذوقِ تپش سے آشنا
بزم کو مثلِ شمعِ بزم حاصلِ سوز و ساز دے

شانِ کرم پہ ہے مدار عشقِ گرہ کشائے کا
دیر و حرم کی قید کیا! جس کو وہ بے نیاز دے

صورتِ شمعِ نور کی ملتی نہیں قبا اسے
جس کو خدا نہ دہر میں گریۂ جاں گداز دے

تارے میں وہ، قمر میں وہ، جلوہ گہِ سحر میں وہ
چشمِ نظارہ میں نہ تو سرمۂ امتیاز دے

عشقِ بلند بال ہے رسم و رہِ نیاز سے
حسن ہے مستِ ناز اگر تو بھی جوابِ ناز دے

پیرِ مغاں فرنگ کی مے کا نشاط ہے اثر
اس میں وہ کیفِ غم نہیں، مجھ کو تو خانہ ساز دے

تجھ کو خبر نہیں ہے کیا! بزمِ کہن بدل گئی
اب نہ خدا کے واسطے ان کو مئے مجاز دے

"جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی"...... آرزو

سید محمد حسین محسن حیدرآبادی

پچھلی دس صدیوں میں مختلف قوموں اور تہذیبوں کے تداخل اور انتشار سے دنیا میں جو نئی زبانیں عالم وجود میں آئی ہیں وہ ہیں یوروپ میں انگریزی اور ہندوستان میں اردو۔ ان زبانوں کا پھیلاؤ اور ارتقاء ایک تاریخی عمل کا نتیجہ ہے۔ ایک بڑے خطہ ارض پر عوام الناس نے تمام انسانی اقدار کا لحاظ رکھتے ہوئے آپس میں خیالات کے تبادلہ کیلئے ایسی سہولت رساں زبان کی تشکیل کی ہے جو انہیں مربوط رکھے۔ اردو کی بنیاد کھڑی بولی اور برج بھاشا کی نہج پر رکھی گئی ہے جو صدیوں سے اس ملک کے حکمراں طبقہ کے خاص علاقے یعنی مغربی اترپردیش، ہریانہ اور دہلی کی عام بولی تھی۔ علاؤالدین خلجی اور محمد تغلق کے زمانے میں یہ مشترکہ بولی دکن میں آئی۔ بیجاپور اور گولکنڈہ میں اس نے سرکاری سرپرستی حاصل کی۔ سولہویں صدی میں پھر اس کا فروغ دہلی میں ہوا۔ یہ زبان ہندوی، ہندی، ریختہ اور پھر اردوئے معلی یا صرف اردو کے نام سے علی الترتیب، دکن دہلی، لکھنؤ، رام پور اور عظیم آباد (پٹنہ) میں ترقی پاتی رہی۔ نظم اور نثر میں تقریباً آٹھ سو برس میں عظیم ذخیرہ ادب، حاکمانہ لب و لہجہ اور عالمانہ گفتگو کی صلاحیت پیدا کرنے کے بعد عوام و خواص کے عام استعمال کی زبان بن گئی۔ سرکاری اور علمی حیثیت اختیار کرنے کے بعد بیسویں صدی کے اوائل میں جب اس کا رسم الخط، قواعد اور لغت مکمل طور سے تیار ہوچکے تو لکھنؤ کے ایک جیالے شاعر اور ادیب حضرت آرزو نے اردو کی لفظیات (علم صرف) میں ایک نیا تجربہ کیا۔ انہوں نے ایسے تمام الفاظ کی نشاندہی کی جو غیر ہندوستانی تھے اور بغیر اردو کے مزاج میں ڈھلے اپنی تمام ثقالت اور بوجھل پن کے ساتھ بعض حلقوں میں استعمال کئے جارہے تھے۔ حضرت آرزو نے یہ تجربہ کیا کہ اردو زبان میں مزید روانی اور عوام پسندی پیدا کرنے کیلئے اس کو فارسی، عربی وغیرہ کے بھاری بھرکم الفاظ اور پیچیدہ طرز بیان سے پرہیز کرنا چاہئے اور صرف اردو یا اردو کے مزاج کے مطابق رواں الفاظ کا ہی استعمال کرنا چاہئے۔ اس خیال سے دو فائدے ہوئے ایک تو تمام مشکل، بوجھل اور دقیق لفظوں کو پہچان لیا گیا دوسرے ان کی جگہ سہل الفاظ میں مطالب اور مفاہیم کی ادائیگی سے اردو کے زور بیان اور طاقت گفتار کا صحیح اندازہ ہوگیا۔ علم صرف کے نقطہ نظر سے یہ عمل ضروری تھا۔ اس کام کیلئے آرزو لکھنوی نے اپنی ساری ذہانت صرف کردی اور زبان کو چھان کے رکھ دیا۔ سو سے زیادہ غزلیں، مثنوی اور رباعیاں اور کہانیاں ایسی زبان میں تصنیف کی ہیں کہ اس کو "خالص اردو" کا نام دیا گیا ہے۔

آرزو لکھنؤ میں آباد قدیم، پابند وضع، علم دوست اور خوش حال خاندان سادات میں 1289ھ میں پیدا ہوئے ان کا نام سید انور حسین رکھا گیا اور عرفیت تھی منجھو صاحب۔ ان کے والد کا نام میر ذاکر حسین تھا جو شاعر تھے اور یاس تخلص کرتے تھے۔ آرزو کی ابتدائی تعلیم گھر ہی پر ہوئی۔ اسکے بعد عربی اور فارسی کی تعلیم مروجہ نصاب کے مطابق لکھنؤ کے مشہور علماء سے حاصل کی۔ ادبیات کے مطالعہ سے ذوق سخنوری بچپن ہی میں پیدا ہوگیا تھا۔ آگے چل کر انہوں نے جلال لکھنوی کے سامنے زانوئے ادب تہہ کرکے ان کے حلقہ تلامذہ میں شرکت اختیار کی اور اپنے کلام پر اصلاح لینے لگے۔ جلال لکھنوی زبان کی صحت اور صفائی کا بہت خیال رکھتے تھے۔ اصلاح زبان کا یہ شوق ان کو اپنے استاد حضرت ناسخ سے ملا تھا۔ اسی شوق کے چراغ کو انہوں نے اپنے نہایت لائق شاگرد آرزو کے ہاتھوں میں دیدیا۔ اس طرح آرزو کی دنیائے خیال اس کی روشنی سے منور ہوگئی۔ تذکروں میں درج ہے کہ ایک بار آرزو کو کسی صاحب نے میر تقی میر کا یہ شعر لکھ بھیجا:

> تھمتے تھمتے تھمیں گے آنسو
> رونا ہے کچھ ہنسی نہیں ہے

اور یہ فرمائش کی کہ اس طرح آسان زبان میں اشعار کہا کریں۔ آرزو کے ذہن پر اس فرمائش نے مہمیز کا کام کیا اور یہ تجویز بہت پسند آئی اور پھر اس راہ پر انہوں نے اپنا قدم رکھا تو لکھنؤ میں دھوم مچادی۔
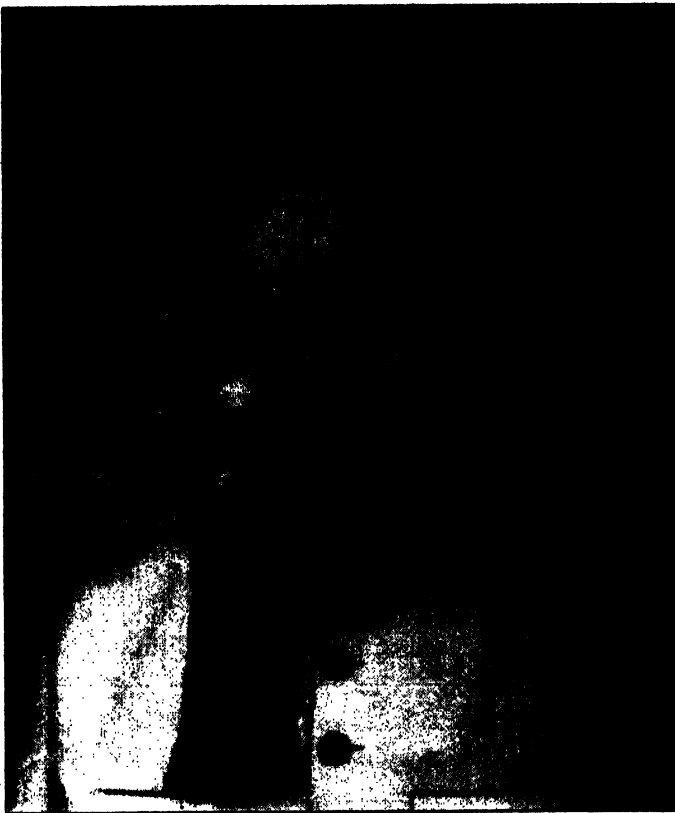
یوں بھی ان کی شاعری میں جذبات، احساسات اور تغزل پہلے ہی سے موجود تھا، اب یہ نکھر کر سامنے آگیا۔ مثال کے طور پر جدائی اور محبوب سے رخصت کے مناظر یوں تو کئی شعراء کے اشعار میں موجود ہیں لیکن آرزو نے جو منظر کشی کی ہے وہ دو چاہنے والوں کی مجبوریوں اور شدت جذبات کا بھرپور احساس دلاتی ہیں اور پورا سماں نظروں میں گھوم جاتا ہے۔ شعر یہ ہے

> ان کا چھٹنا روح و تن کی کشمکش ہے آرزو
> پھر گلے میں ڈالدیں باہیں جدا ہونے کے بعد

آرزو کی غزلوں میں درد، رنج والم کے ساتھ ایک پرکیف اور لطیف جذبہ محبت کا احساس موجود ہے۔

اندھیرے گھر میں کبھی چاندنی نہیں آتی
ہنسی کی بات پہ بھی اب ہنسی نہیں آتی

بند آنکھیں جو کبھی کرتا ہوں سونے کیلئے
نیند بھی آتی ہے کانٹے ہی چبھونے کیلئے

دیکھوں تو اب اٹھاتا ہے مجھ کو یہاں سے کون
اس کی گلی میں بیٹھا ہوں میں پاؤں توڑ کے

آرزو کے کلام میں نہایت مہذب معاملہ بندی اور چھیڑ چھاڑ نے اشعار کو دلکش تو بنایا ہی ہے لیکن ان کی زبان کی شیرینی اور صفائی، محاورات اور ضرب الامثال کا باموقع استعمال شعر کے حسن کو اور بھی بڑھا دیتا ہے۔

ان کی غزلوں کے کچھ اور اچھے اشعار درج ذیل ہیں:

تصدیق چشم ساقی کے فدا اپنے تصور کے
جب آنکھیں بند کرلیں ایک پیمانہ بنا ڈالا

حسن اور عشق کی لاگ میں اکثر چھیڑ ادھر سے ہوتی ہے
شمع کا شعلہ جب لہرایا بڑھ کے چلا پروانہ بھی

ہاتھ سے کس نے ساغر ٹپکا موسم کی بے کیفی پر
اتنا برسا ٹوٹ کے بادل ڈوب چلا میخانہ بھی

دو تند ہواؤں پر بنیاد ہے طوفاں کی
یا تم نہ حسیں ہوتے یا میں نہ جواں ہوتا

کچھ کہتے کہتے اشاروں میں شرما کے کسی کا رہ جانا
میرا سمجھ کر کچھ کا کچھ جو کہنا نہ تھا، سب کہہ جانا

کچھ "خالص اردو" کے اشعار ملاحظہ فرمایئے:

رس ان آنکھوں کا ہے کہنے کو ذرا سا پانی
سینکڑوں ڈوب مرے پھر بھی ہے کتنا پانی

کس نے بھیگے ہوئے بالوں سے یہ جھٹکا پانی
جھوم کر آئی گھٹا ٹوٹ کے برسا پانی

جی میں آتا ہے کہ تھوڑا اور بھی رو ڈالئے
جب وہ آنسو پونچھ کر کہتے ہیں منہ دھو ڈالئے

پچھلے کے دھندلکے نے جی موہ لیا میرا
کیا یہ بھی ان آنکھوں کا پھیلا ہوا کاجل ہے

تصوف کا رنگ:

جو آپ سے گزرا ہے پہنچا ہے وہی تجھ تک
جو آپ کو بھولا ہے اس نے تجھے جانا ہے

آنے والے نہ بھول جانے کو
تیری ہر سانس اک شبھ کا ہے

گھر یہ تیرا سدا، نہ میرا ہے
رات دو رات کا بسیرا ہے

ہر برائی سے بچائے رکھتی ہے اتنی سی بات
آرزو ہر ایک کو اپنے سے اچھا جانئے

ہر چند خالص اردو میں کہے گئے اشعار اور عبارت میں بہت زیادہ وسعتِ تخیل نہیں سما سکتی ہے اور الفاظ پر پابندی لگنے کی وجہ سے ایک طرح سے تصورات پر بھی پابندی لگ گئی ہے لیکن ان ہلکے پھلکے عام فہم اشعار میں اپنی ایک الگ چمک اور ان کی خود ایک خوبصورتی ہے۔ یقیناً آرزو نے اشعار نہیں کہے ہیں نگینے تراشے ہیں۔ غزلیات کے علاوہ آرزو ہر صنف سخن پر طبع آزمائی کی ہے۔ گیت بھی لکھے ہیں۔ پرانی ہندی فلم "ملن" میں ان کا ایک خالص اردو کا گیت شامل تھا۔

جس نے بنائی بانسری گیت اسی کے گائے جا
سانس جہاں تک آئے جا ایک ہی دھن بجائے جا

کہنے کو تو یہ ایک فلمی گانا ہے دراصل یہ تصوف کا ایک شعر ہے۔ خالق نے اپنے بندوں کو اس لئے پیدا کیا ہے کہ وہ اظہار عبدیت کریں اور عبادت کیا کریں۔ اس مطلب کو کتنی خوبصورت علامتوں میں سمو کر آرزو نے پیش کیا ہے! جسکی تعریف نہیں ہو سکتی۔

لکھنؤ میں انیس اور دبیر جیسے عالی مرتبت مرثیہ نگار گزرے ہیں جنھوں نے مرثیہ کو کمال کی منزل پر پہنچا دیا تھا۔ ان کے بعد اس فن میں ان حضرات کا اتباع ہی کیا جاتا رہا۔ جوش ملیح آبادی، عاشور کاظمی، نجم آفندی (حیدر آباد) اور شاد عظیم آبادی وغیرہ نے جدید مراثی کی شروعات کی لیکن مرثیہ کی لفظیات میں زیادہ نیاپن نہیں پیدا کیا جاسکا۔ اس سلسلے میں آرزو لکھنوی نے اپنی خالص اردو میں مثنوی کی ہیئت پر "کچھار کی لڑائی" لکھا ہے جو یقیناً اردو ادب میں ایک شاہکار کے طور پر یاد رکھا جائے گا۔ اس مرثیہ کے کچھ اشعار درج ذیل ہیں:

تپتے بن میں رہے پیاسے تو یہ سوکھا پانی
بچے روئے بھی تو آنکھوں سے نہ نکلا پانی

ان میں گھوڑا جو اڑاتے ہوئے پہنچے عباس
چوکیاں گھاٹ پہ بیٹھی تھیں رکا تھا پانی

وہ دھواں دھار گھٹا چھائی ہوئی ڈھالوں کی
آگ جن سے کہ برس پڑتی ہے کیسا پانی

برچھیاں تانے بڑھے آگے لہو کے پیاسے
ہو جنھیں دیکھ کے پتھر سا کلیجا پانی

ایک سے ایک یہ کہتا تھا کہ ہاں بھائیو ہاں
اس جگہ آج لہو ہو کے بہے گا پانی

منچلا ایسا کبھی کاہے کو دیکھا ہوگا
لینے آیا ہے جو اتنوں میں اکیلا پانی

اس لڑائی میں بھی جیت کی اک کنجی ہے
مرتے مرتے کسی پیاسے کو نہ دینا پانی

لڑ کے جب چھین لیا گھاٹ تو چلا کے کہا
اب تمہارا ہے یہ پانی کہ ہمارا پانی

اردو زبان کا یہ تبدیلی پسند، خوش فکر اور بدیع الخیال، نئے انداز بیان کا موجد، رمز شناس شاعر شعر و سخن کی لہروں میں جھومتی ہوئی سرزمین لکھنؤ میں عمر عزیز کے 79 برس پورے کرنے کے بعد 1368ھ میں اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ اور کوثر و تسنیم میں دھلی ہوئی زبان بھی یادگار بن کر، ان کی "جہان آرزو"، "فغان آرزو"، "بیان آرزو" اور "سریلی بانسری" جیسی کتابوں میں محفوظ رہ گئی۔ دیگر کتب میں "میزان الحروف" اور "نظام ادب" شامل ہیں۔ آرزو نے ڈرامے، متوالی جوگن، حسن کی چنگاری، چاند گہن وغیرہ بھی لکھے ہیں۔ ایک قومی گیت بھی خالص اردو میں لکھا ہے۔ "اے ماں اے ماں تجھ کو سلام، بھارت ماتا کو پرنام"۔

آرزو کی ایک تصویر بلیک اینڈ وہائٹ میں مل سکی ہے جو دراصل ان کا کلوز اپ (صرف چہرہ) ہے اس کو پورٹریٹ کی شکل دیگر رنگوں سے مزین کر کے پیش کیا جارہا ہے۔ پس منظر عنوان کے شعر کی تصویری وضاحت ہے۔

☆☆☆☆☆

ناصرہ شرما

کنیز بچہ

انار کے پیڑ کے اوپر دھوپ اتر آئی تھی ۔اس کا مطلب تھا بڑی بیگم کے ناشتے کا وقت ہوگیا تھا۔ بوا نے دلیا سینی میں رکھا اور تیزی سے باورچی خانے سے نکلی۔ بڑی بیگم کے تیوری پر بل پڑگئے، جب انھوں نے ابلی دلیا میں دودھ پڑا دیکھا۔

"اے بی بی، یہ بھی ناشتہ ہوا، مجھے تو ڈاکٹر کو دکھا کر اچھا خاصا مریض بنادیا۔ یہ چار دن خوشی سے جیتی اس کو بھی احمد میاں نے چولھے میں جھونک دیا ... لے جاؤ، مجھے ناشتہ نہیں کرنا ہے"۔

"یوں خفا نہیں ہوتے، بڑی بیگم۔ آخر احمد میاں کو آپ کی جان پیاری ہے، تبھی تو تلی چیزوں کی مناہی ہے۔ ورنہ ان کو آپ سے کیا دشمنی ہوگی" بوا نے ان کا دفاع کیا۔ مگر بڑی بیگم نے تو جیسے چمچ اٹھا کر منہ میں دلیا ڈالنے کی قسم کھا رکھی تھی، بوا تھک ہار کر دلیا اٹھا کر کمرے سے نکل آئیں۔

بات کہاں چھپنی تھی، فوراً جنگل کی آگ کی طرح گول کمرے تک پھیل گئی۔ جہاں احمد میاں بیٹھے وکیل کے ساتھ حساب کتاب، زمین جائیداد کا مسئلہ طے کررہے تھے۔ اس خبر سے ایک دم سے جھلاگئے۔ مگر خون کا گھونٹ پی کر رہ گئے۔

کام نپٹتے ہی بس سیدھے امی بیگم کے کمرے میں پہنچے اور پلنگ کے پاس رکھی کرسی پر جا بیٹھے۔ پہلے ماں کے چہرے کو غور سے دیکھتے رہے، پھر یکایک طیش میں آکر بولے "امی بیگم، آخر آپ کیا چاہتی ہیں میری موت یا ... کیوں نہیں ناشتہ کیا آپ نے؟ رات غصہ تھیں تو کھانا نہیں کھایا اور اب فاقہ کرکے آپ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں؟ کھانا نہیں کھائیں گی تو دوا کیسے کھائیں گی؟"

"تم تو ہر دم غصے میں رہتے ہو۔ کبھی ماں کی پریشانی سمجھو۔ نہیں اترتی حلق سے یہ سانی ۔میں کوئی شبن جلاہے کی گائے نہیں ہوں، بڑی بیگم ہوں، جس کے آگے خاصے لگتے تھے کئی طرح کے حلوے، روغنی ٹکیا، سبزی، آنولے کا مربہ، دودھ مکھن اور نہ جانے کیا کیا الم غلم۔ اب تو مجھے یاد بھی نہیں مگر تمہارے راج میں مجھے یہ دن دیکھنے پڑرہے ہیں"۔

"اف! امی بیگم بس میرے صبر کو مت آزمایئے، کہیں آپ کے بلڈ پریشر کو کم کرنے کی کوشش میں میرا برین ہیمریج نہ ہوجائے۔ یا خدا اب مجھے بخش دے"۔

ماں بیٹے کی یہ نوک جھونک روز اسی طرح صبح، شام، دوپہر کسی بھی وقت شروع ہوجاتی تھی۔ ان کے بیچ میں کافی دنوں تک احمد کی بیوی زلیخا پستی رہی۔ مگر کوئی حل نہیں ڈھونڈھ پائی تو تنگ آکر ایسے موقعوں پر کانوں میں روئی ٹھونس لیتی تھی۔ تینوں بچے بھی اس جھنجھٹ میں نہیں پڑتے تھے اور الگ تھلگ اس کی طرفداری کرتے تھے جس کے سامنے پڑتے تھے۔ باپ کے سامنے دادی بیگم میں برائی اور دادی بیگم کے سامنے ابوجانی میں۔ اسی لئے سبھی بچوں کو دلار کرتے اور ان کی منہ مانگی فرمائشیں پوری کرتے تھے۔

"اللہ! آپ ذرا دھیمے بولیں۔ دوسرے کمرے میں ڈکن میاں کی صاحب زادی بیٹھی تھیں۔ آپ کو تو ذرا بھی خیال نہیں۔ مجھ پر تو گھڑوں پانی پڑگیا" گھبرائی سی زلیخا کمرے میں داخل ہوئی۔

"یہ لو ان کی باتیں سنو۔ مولوی صاحب بن کر آموختہ پڑھانے آئی ہیں۔ یہ کرو وہ نہ کرو۔ جانتی ہو تمہارے میاں کو میں نے ہی پال کر بڑا کیا ہے"۔

"امی بیگم! آپ بھی کمال کرتی ہیں" روہانسی زلیخا الٹے پاؤں لوٹ گئی۔

تھوڑی دیر بعد بوا دلیا پھر لے کر آئیں۔ بڑی بیگم نے آنکھیں میچیں۔ مگر احمد نے بڑھ کر پیالہ اٹھایا۔ بوا نے تولیہ پھیلائی اور بیٹے نے چمچ پر دلیا ماں کی منہ میں ڈالی۔ بڑی بیگم مسکرائیں پھر پیالہ ہاتھ میں لیکر خود ہی کھانے لگیں۔ اسی بیچ کمرے میں خاموشی چھائی رہی۔ دلیا کھا کر سینے پر پڑی تولیہ سے منہ پونچھا پھر بولیں۔ "اللہ بخشے تمہارے ابا بنا انار کے شربت کے بستر نہیں چھوڑتے تھے، کیا کیا زمانے ان آنکھوں نے نہیں دیکھے۔ پھر سونے کے ورق میں لپٹا آنولہ کھاتے تھے۔ چلغوزے کے بغیر چائے پینا انہیں کہاں بھاتا تھا"

"امی بیگم، خدا کے واسطے آپ رویئے گا نہیں، مرحوم اباجانی کو یاد کرکے۔ میں بہت پریشان ہوں۔ اس طرح کی جذباتی باتوں سے آپ مجھے اور پریشان نہ کریں۔ اب اجازت دیں میں چلتا ہوں۔ پھر حاضر ہوں گا"۔ اتنا کہہ کر احمد اٹھے اور کمرے سے نکل گئے۔

دوپہر کی دھوپ پورے آنگن میں پھیل گئی۔ تینوں بچے اسکول سے جلد لوٹ آئے تھے۔ دھوپ میں بچھے تخت پر بیٹھے۔ گرم گرم تہری کھارہے تھے۔ ہری دھنیا کی چٹنی کی مہک پھیلی ہوئی تھی۔ بڑی بیگم کو تہری بہت پسند تھی۔ اس وجہ سے اکثر دوپہر میں بوا، انہیں خوش کرنے کے لئے تہری پکاتی تھیں۔ کھلے چاول کے بیچ آلو اور ہری مٹر کا جلوہ تھا۔ بڑی بیگم بچوں کے بیچ میں بیٹھیں بہت خوش دلی سے کھانا کھارہی تھیں۔ زلیخا دوسری طرف پلنگ پر بیٹھی پان کی گلوریاں بنارہی تھیں۔ احمد کے پاس تحصیل دار آئے

ہوئے تھے ۔ چائے پانی چل چکا تھا ۔ اب بری جھنڈی دکھا کر انہیں وداع کرنا تھا۔

احمد جب گھر میں گھسے تو ان کے چہرے پر عجیب تمتماہٹ تھی۔ میاں کا چہرہ دیکھتے ہی زلیخا تاڑ گئی کہ ضرور دال میں کچھ کالا ہے ۔ ایسے موقعوں پر وہ بات کریدتی نہیں ہے ۔ خاموش رہ کر ان کی منشا لیتی ۔ اس وقت سمجھ گئی کہ وہ کوئی بات اکیلے میں کہنا چاہتے ہیں۔ سو پلنگ سے اتر کر وہ سیدھے کمرے کی طرف بڑھی ۔ احمد بھی سر جھکائے اس کے پیچھے پیچھے چل پڑے ۔ کمرے میں پہنچ کر انہوں نے ٹک ٹائی ڈھیلی کی اور بستر پر ادھ لیٹے سے پسر گئے ۔

"بڑا برا ہوا ۔ شبیر یہاں کلکٹر بن کر آگیا ہے"

"اچھا"

"جائیداد میں برابر کا دعویٰ تو اس نے پہلے کیا ہی تھا اب تو سینے پر چڑھ کر اپنا حق حاصل کرلے گا"۔

"ٹھیک ہے"

"اماں کو پتہ چلا تو قیامت آجائے گی۔ میں تو آدھا حصہ دینے کو تیار ہوں ۔ مگر اماں بھی یہ سن کر مجھے کچا چبائیں گی اور یہ گھر سر پر اٹھالیں گی ۔ باہر شبیر ایسی کی تیسی کرڈالے گا"۔

"وہ تو ہے"

"پتہ نہیں ابا جانی کو یہ دوسری شادی کی کیا سوجھی تھی"۔

"مرے ہوئے انسان کے بارے میں کچھ کہنا مناسب نہیں ہے"

"کیا کروں ۔ کیا نہ کروں ۔ تم کچھ رائے دو"

"میں تو آپ کی ہم خیال ہوں ۔ آدھی جائیداد اس کو دے دیں اور امی بیگم سے اس کا ذکر نہ کریں"۔

"رائے تو مناسب ہے اور اسی میں ہماری خیر ہے"۔

"اٹھئے ۔ کھانا کھالیجئے"

ہاں کھا کر تھوڑی دیر آرام کروں گا ۔ سر میں بہت درد ہے"۔

شام کا جھٹپٹا تھا ۔ تبھی دو رکشے دروازے پر آکر رکے ۔ ان میں سے دو عورتیں اور چار بچے اترے ۔ یہ بڑی بیگم کے میکے طرف کے لوگ تھے ۔ دور کے رشتے میں چچا کی لڑکیاں تھی ۔ ان کو بھی شبیر کے بارے میں پتہ چل گیا تھا ۔ انہوں نے ایسے نازک موقعے پر پہنچنا ضروری سمجھا اور جاتے ہی بڑی بیگم سے لپٹ کر رونے لگیں ۔ بڑی بیگم کے اوسان خطا کہ کوئی مر تو نہیں گیا جو دونوں آتے ہی لپٹ کر رونے لگیں؟

"ارے کچھ بولو بیبیو! آخر ہوا کیا ہے ؟ ضرورت پڑنے پر دو بوند تو میں گرا ہی سکتی ہوں"

"ارے باجی کیا کہیں آپ سے ۔ جب سے سنا ہے دل کو کسی طرح قرار نہیں ۔ تب سے شمو ۔ کہہ رہی تھی کہ چلو باجی سے ملکر آتے ہیں ۔ کچھ کر نہیں سکتے ہیں تو کیا باجی کو دو بول کہہ کر دلاسہ نہیں دے سکتے ہیں"۔

"ارے منہ سے بولو بھی تو کچھ"۔

"باجی یہ ٹھیک نہیں کررہے ہیں احمد میاں ! جو دلہا بھائی کی جائیداد بانٹ کر آدھا حصہ اس کنیز بچے کے سپرد کررہے تھے"۔ شمو نے آخر منہ کھول ہی دیا۔

"میرا کلیجہ یہ سوچ سوچ کر منہ کو آتا ہے کہ آپ نے دولہا بھائی سے کیسی کیسی لڑائیاں اس سلسلے میں کیں ۔ مگر اس منحوس مردار کو گھر کی دیوڑھی لانگھنے نہیں دی مگر یہ پڑھی لکھی سرپھری اولادیں جو نہ کرادیں تھوڑا ہے" صفو نے ململ کے کرتے سے آنکھ ناک کا پانی پونچھا اور شال برابر کرنے لگیں۔

"کنیز بچے کی یہ مجال ۔ اس موئے کا منہ جھلس کے رکھ دوں گی"۔

"ہم کو یاد ہے ۔ باجی وہ دن جب تل کے لڈوؤں کا ڈبہ لے کر شبیر ایک بار آیا تھا کہ اماں نے بھجوایا ہے تو آپ نے اسی کے سامنے پورے کیلو بھر کا رتھ کا ڈبہ نابدان میں الٹوایا تھا ۔ اس لونڈے کو بوا کی چارپائی پر پائنتی کی طرف بیٹھنے کو کہا تھا" (صفو نے کامدار بٹوا کھول کر لونگ الائچی نکالی)

"مجھے اچھی طرح یاد ہے آپا کہ اس دن گھر میں "نمونہ" بنا تھا اور گاجر کا حلوہ ۔ بوا نے سب کو بھر بھر پلیٹ دیا تھا ۔ مگر اس چھوکرے کو جھوٹوں منہ نہیں پوچھا تھا ۔ وہ بھی غضب کا بے حیا تھا ۔ بڑے پیر کا روزہ رکھے چپ چاپ سر جھکائے تب تک بیٹھا رہا جب تک دولہا بھائی کچہری سے آنہیں گئے"۔ شمو نے بات بڑھائی ۔

"ان عورتوں کو مردوں کو ٹہلانا خوب آتا ہے ۔ مگر ان کی اولادیں بھی ماشاءاللہ سونے پر سہاگہ ہوتی ہیں ۔ اچھی طرح یاد ہے باجی مجھے ۔ جیسے کل کی بات ہے جب دولہا بھائی نے اس کے سر پر ہاتھ پھیر کر پیار کیا" صفو نے لمبی سانس کھینچی۔

"بچپن سے ماں کی طرح مکار تھا ۔ اس کی آنکھیں بھر آئی تھیں ۔ جس کو دیکھ کر دولہا بھائی نے ۔ اللہ بخشے ۔ جنت میں انہیں جگہ دے ۔ کیسی خونخوار نظروں سے بجو کو گھور رہا تھا"۔ شمو نے سر پر دوپٹہ پھر رکھ لیا۔

"چھوڑو بھی ۔ مجھے وہ کیا خونخوار نظروں سے گھورتے ۔ اس کنیز سے نکاح کرکے ان کے دیدوں کا پانی مر گیا تھا ۔ بھلا وہ کیسے مجھ سے آنکھ ملاتے"۔ بری داد سے بڑی بیگم نے کہا اور ایک خاص ادائے صد ناز سے بہنوں کو دیکھا ۔ زلیخا سر پر آنچل سنبھالتی ہوئی آئی اور دونوں کو جھک کر آداب کیا ۔ اور چوکی کے کنارے بیٹھ گئی ۔ بوا کچھ دیر بعد بڑی سی سینی میں ناشتہ چائے لے کر پہنچ گئی ۔ زلیخا نے اٹھ کر سینی میز پر رکھی اور دونوں چچا ساسوں کو صوفوں کی طرف آنے کے لئے کہہ کر دسترخوان لگانے لگیں ۔ دونوں بہنوں نے ادھر ادھر دیکھا اور مسہری سے اٹھ کر کمرے کے کونے کی طرف بڑھیں جہاں لال مخمل کا بوسیدہ صوفہ رکھا ہوا تھا۔

"خالہ خان ! امی بیگم کو بلڈ پریشر ان دنوں کچھ زیادہ ہے ۔ آپ سے التجا ہے کہ ان سے کوئی ایسی بات نہ کریں جن سے انہیں طیش

آجائے "۔ آواز دبا کر ناشتہ پلیٹ میں نکالنے کے بہانے زلیخا نے جھکے جھکے صفو کے کان میں کہا۔

" کیا کھسر پھسر میرے خلاف ہورہی ہے ۔ ذرا میں بھی تو سنوں "۔ کہتی ہوئی بڑی بیگم مسہری سے اتر کر باتھ روم کی طرف بڑھیں۔

" یہ کیسی بیماری ہے جو آدمی دل کی بات نہ کرے ۔ ہم نے تو سنا ہے بڑی بوڑھیوں سے کہ کہہ سن کر آدمی کو اپنا دل ضرور ہلکا کرلینا چاہئے ورنہ دل پر بوجھ رہنے سے ہارٹ فیل ہوجانے کا ڈر رہتا ہے "۔ صفو نے کاجو منہ میں ڈالا۔

" اللہ توبہ ! ایسی باتیں نہ منہ سے نکالیں "۔ زلیخا گھبرا کر بولی۔

" بچے کس کس کلاس میں پہنچے ؟ " شمو نے موضوع بدلا۔

" آپ کی دعا سے انور آٹھویں میں ، صبیحہ اور نصرت ساتویں میں چھٹے میں پہنچی ہیں "۔ زلیخا نے پاس بیٹھتے ہوئے کہا۔

" ان کو بلاؤ بھائی ۔ لہنوں سے ملیں جلیں ۔ اپنے خاندان والوں کو پہچانیں ۔ ورنہ اس موئے انگریزی کی گٹ پٹ نے تو بزرگوں سے بچوں کا ناطہ توڑ کر رکھ دیا ہے " صفو نے گاجر کا حلوہ نکالتے ہوئے کہا۔

" جی ابھی بلاتی ہوں ۔ شام کو جوالہ پرشاد جی آجاتے ہیں ، انہیں کے پاس بیٹھے پڑھ رہے ہیں ۔ جب تک آپ کا ناشتہ ختم ہوگا ، وہ تینوں ٹیوشن سے فارغ ہو کر سلام کرنے حاضر ہوں گے "۔ زلیخا نے بڑے ادب سے کہا اور باتھ روم کی طرف بڑھیں۔

" امی بیگم آپ ٹھیک تو ہیں ؟ " باتھ روم کے دروازے پر کھڑی زلیخا نے پوچھا ۔ جواب نہ آنے پر اس نے ہلکی سی تھاپ دی اور پھر بے چین ہو کر دروازے کو ذرا سا کھول کر پکارا " امی ! " پھر کسی خطرے سے گھبرا کر دروازہ کھول کر جو اندر جھانکا تو منہ سے نکلا ۔ ہائے غضب ۔ پھر بھاگ کر دالان سے پکارا ۔ " بوا جلدی آؤ امی بیگم باتھ روم میں بیہوش پڑی ہیں "۔

بوا کے ساتھ مل کر تینوں عورتوں نے بڑی بیگم کو اٹھایا اور پلنگ پر لاکر لٹادیا ۔ زلیخا نے ڈاکٹر کو فون کیا پھر رام سیوک جی کا نمبر ملانے لگیں ۔ جہاں احمد چائے پارٹی میں گئے ہوئے تھے ۔ زلیخا کا برا حال تھا ۔ بار بار پریشانی سے دالان میں نکل کر گیٹ کی طرف دیکھتی تھی ، ڈاکٹر پہنچے کہ نہیں۔ بوا زمین پر پائنتانے بیٹھے دھیرے دھیرے بڑی بیگم کا پاؤں دبانے لگیں ۔ دونوں بہنیں البتہ کچھ پریشان سی ، بھری پلیٹوں کے سامنے چپ چاپ صوفے پر بیٹھی تھیں۔

" ڈاکٹر ابھی تک نہیں پہنچا " احمد بڑبڑاتے ہوئے کمرے میں گھسے ۔

" پھر سے فون کرتی ہوں " زلیخا نے میاں کو دیکھ کر راحت کی سانس لی اور فون کرنے ڈائننگ روم کی طرف بڑھی۔

" امی ، امی جان ! آنکھیں کھولئے اپنے احمد کو دیکھئے "۔ احمد کی آنکھوں میں آنسو بھر آئے تھے ۔ وہ کسی بچے کی طرح پریشانی سے بڑی بیگم کا بازو ہلا رہے تھے ۔

" اپنے کو سنبھالو احمد میاں ! " صفو نے اٹھتے ہوئے کہا۔

" تسلیم " جھک کر احمد میاں نے اسی گھبراہٹ اور پریشانی میں دونوں خالاؤں کو آداب کیا۔

" کب سے سوچ رہے تھے آنے کو " شمو نے کہا۔

" بہت اچھا کیا ۔ آپ آگئیں بیٹھئے نا ۔ ناشتہ کرلیا آپ لوگوں نے ؟ بوا ، مسالے دار چائے پلائی صفو خالہ کو " احمد میاں نے ایسے موقعے پر بھی خاندانی وضع داری نبھائی۔

" سب کھاپی چکے ہیں ، بس اب تم منحوس شبیر کا پتہ جڑ سے کاٹ کر اس کے منہ میں کالک پوت دے ، کنیز کی اولاد ، کھرے پٹھانوں سے اپنا رشتہ جوڑنا چاہتا ہے ۔ جائیداد میں حصے داری چاہئے ۔ لعنت ہو اس کتے کی اولاد پر "۔ صفو نے طیش میں کہا۔

احمد نے چونک کر ان کے منہ کی طرف دیکھا۔

" اپیا زبان سنبھالئے ۔ شمو نے صفو کو کہنی ماری "

صفو نہ سمجھنے کے کارن چونک کر بہن کو دیکھنے لگیں ۔ پھر اشارے سے پوچھا کیا ہے ؟

شمو نے ماتھے پر ہاتھ مارا ۔ پھر گردن ہلا کر کلمے والی انگلی ہونٹوں پر رکھ کر انہیں چپ رہنے کا اشارہ کیا ۔ وہ بات سمجھی یا نہیں مگر صاف لگ رہا تھا کہ وہ اپنی محبت کا اظہار زہر اگل کر احمد کے سامنے کرنے کے لئے بیتاب ہے ۔ مگر برا ہو اس کم بخت ڈاکٹر کا ۔ جو بیگ اٹھائے زلیخا کے پیچھے پیچھے کمرے میں داخل ہوا۔

" کیا ہوگیا یکایک ۔ پرسوں تک تو بی پی نارمل چل رہا تھا " ڈاکٹر نے یہ کہتے ہوئے بڑی بیگم کا چہرہ دیکھا اور گمبھیر ہو کر بیگ کھولا ۔ اس کے چہرے کے بھاؤ کو دیکھ کر احمد اور زلیخا کو لگا کہ امی جان کی طبیعت ٹھیک نہیں ہے ۔

" ڈاکٹر صاحب سب ٹھیک ہے نا " احمد نے رندھے گلے سے پوچھا۔

" دیکھتا ہوں "۔ کہہ کر ڈاکٹر نے بیگ کھولا اور بلڈ پریشر کا آلہ نکالا اور پٹی بیگم کے بازو پر کسنی شروع کردی ۔ تینوں بچے گھبرائے سے کمرے میں داخل ہوئے ۔ ان کی آنکھوں میں آنسو ڈبڈبائے ہوئے تھے ۔ پورا ماحول جیسے ٹوٹ کر رہ گیا تھا ۔ ڈاکٹر نے بلڈ پریشر چیک کرنے کے بعد کچھ لکھا ۔ پھر احمد کی طرف مڑ کر دیکھا اور گلا کھنکھار کر بولے ۔

" خطرے کے پاس تک بڑی بیگم پہنچ گئی تھیں ۔ بس ایک دو ڈگری اور بڑھتا تو ... سمجھو برین ہیمریج ہوسکتا تھا ۔ شکر کیجئے کہ یہ بال بال بچ گئی ہیں ۔ ورنہ ان کو پورا آرام چاہئے ۔ کسی طرح کا تناؤ خطرناک ہے ۔ یہ ٹسٹ ہے ۔ کرالیں ۔ دوا فورا شروع ہونی ہے ۔ ابھی کچھ دیر بعد یہ ہوش میں آجائیں گی ۔ گھبرانے کی کوئی بات نہیں ہے اب ۔ اب میں چلتا ہوں "۔

" ٹھہرئے ڈاکٹر صاحب ، کچھ دیر ٹھہریے ۔ جب تک ان کو ہوش نہیں آجاتا ہے تب تک

ٹھہریئے۔" بہت دکھی لہجے میں احمد بولے۔
"ٹھیک ہے میاں اتنا گھبرانے کی کیا بات ہے۔ ٹھہر جاتا ہوں" کہہ کر ڈاکٹر پاس پڑی کرسی پر بیٹھ گئے۔
"بوا، ڈاکٹر صاحب کے لئے چائے لائیں" احمد بولے
"میں سب کے لئے بنواتی ہوں"۔ کہہ کر زلیخا چلنے کو ہوئیں
تبھی بڑی بیگم نے آنکھیں کھولیں اور چاروں طرف دیکھا۔ ڈاکٹر پر نظر پڑتے ہی غرا پڑیں
"ہائے توبہ میری! یہ موا ڈاکٹر پھر میری جان کو آن بیٹھا۔ اتنا کہہ کر انہوں نے آنکھیں بند کر لیں۔ چہرے سے کمزوری ٹپک رہی تھی۔
"میں باہر بیٹھتا ہوں"۔ ڈاکٹر مسکرا کر اٹھے۔
"میں بھی چلتا ہوں"۔ کہتے ہوئے احمد اٹھ کھڑے ہوئے۔
"تم بیٹھو اور ہاں، یہ دوائیں فوراً منگوالو۔ پرہیز بہت ضروری ہے" کہتے ہوئے انہوں نے بیگ اٹھایا اور کمرے سے باہر نکل گئے۔
احمد، ماں کے سرہانے بیٹھ کر ان کا سر سہلانے لگے۔ ان کے چہرے سے یتیمی کے ساتھ بیسیری بھی ٹپکنے لگی تھی۔ باپ کو کھوئے ابھی دس ماہ ہوئے ہوں گے۔ اب ماں کو وہ کھونا نہیں چاہتے ہیں۔ ماں کی باتوں نے کبھی یہ محسوس ہی نہیں ہونے دیا کہ ابا جان نہیں ہیں۔ رات دن انہیں کا ذکر چلتا رہا ہے۔ اب یہ سناٹا انہیں سہن نہیں ہوپائے گا۔ وہ ماں کو بچانے کے لئے کچھ بھی کرسکتے ہیں۔ اپنی عمر کے باقی سال بھی آدھا آدھا بانٹنے کو تیار ہیں۔ مگر انہیں کھونا قیامت سے کم انہیں نہیں لگتا ہے۔ ان کی اس حالت سے زلیخا ٹوٹ کر بکھرنے لگتی ہیں۔ اس کا اعتماد بھی میاں کے یقین ٹوٹنے سے کمزور پڑنے لگتا ہے۔
ہفتے بھر بعد بڑی بیگم اپنے پرانے حال پر لوٹیں تو سیدھے احمد میاں کی شامت آگئی۔ صنو کی باتیں ان کے کان میں پڑی تھیں۔ دواؤں کے زور پر نیند نے کچھ دنوں کے لئے اس سوال کو دھندلا ضرور کر دیا تھا مگر پوری طرح آزاد نہیں کیا تھا۔ احمد اس سوال سے ہمیشہ سے کتراتے رہے ہیں۔ پہلے امی اور ابا کے بیچ پسنا نہیں چاہتے تھے۔ پھر شبیر اور امی کے بیچ اٹھے فساد سے ادبنے لگے تھے۔ اس سبب ماں کے سامنے ہوئی پیشی سے وہ سمجھ گئے کہ ضرورت کچھ نہ کچھ آفت ٹوٹنے والی ہے۔ امی بیگم ساری بربادی کے باوجود یہ سمجھ نہیں پاتی ہیں کہ زمانہ بدل گیا ہے۔ وہ چھوٹے لوگ دراصل ہندوستان پر حکومت کے لئے آگے بڑھ رہے ہیں۔ ان سے ٹکرانے کا مطلب ہے اپنے کو لہولہان کرنا۔
"جی! امی بیگم! آپ نے مجھے یاد کیا"
"یہ بتاؤ مجھ سے صاف صاف کہ موا شبیر کی ہمت کیسے پڑی کہ ہمارے سامنے سر اٹھا سکے"۔
"کیونکہ وہ آپ کا سوتیلا بیٹا اس ضلع کا کلکٹر ہے"۔ احمد نے ہر شبد کو چباتے ہوئے کہا۔
"پھٹکار! وہ میرا سوتیلا لڑکا کیوں ہوا سانپ کا سنپولا؟ ہندوستانی حکومت کا سر پھر گیا ہے جو ایسے خیر نتھو خیرے کو سرکاری محکموں میں شامل کر رہے ہیں"۔ بڑی بیگم نے چمک کر کہا۔
"یہ بتایئے امی ہر آدمی ابا جانی کو بیہودہ انداز سے کیوں مخاطب کرتا ہے۔ آپ کا غصہ شبیر پر ہے۔ گالی ابا جانی پر پڑ رہی ہے۔ اس دن صنو خالہ بھی.... لاحول...." احمد نے تنک لہجے میں کہا۔
"انہیں کا سب کیا دھرا ہے، نہ اس کنیز کو رتبہ دیتے اور نہ اپنا حشر خراب کرتے...."
"تو پھر آپ مجھے اور اپنے کو بھی... خیر جانے دیجئے۔ اب آپ یہ بتایئے کہ جب ابا جانی نے شبیر کو اپنی اولاد بتا کر وصیت میں اسے حصہ دیا ہے تو پھر ہم کیسے اس سے مکر سکتے ہیں؟"
"وکیلوں اور ججوں کی مٹھی گرم کرکے"
"یہ کام تو شبیر مجھ سے زیادہ بہتر طریقے سے کرسکتا ہے"
"نگوڑی! نواب محمود آباد کے گھر توشہ خانہ دیکھتی تھی۔ جانے کیوں وہ وہاں سے چھوڑ کر ہمارے شہر آن بسی اور مقدمے کے بہانے اس کم بخت نے اپنی لڑکی ایڈوکیٹ نور احمد خاں کے پلے باندھ دی اور اب زور یہ کہ سرکار نے اس کنیز بچے کو کلکٹری تھمادی کہ کرو راج اور شرفاء کی برابری میں کھڑے رہو...."
"امی ہماری بھلائی اسی میں ہے کہ ہم گھر کی بات کو باہر نہ لائیں اور جائیداد آدھی آدھی کرلیں۔ ابا جانی کی روح کو ثواب ملے گا اور ہم کو بھی راحت ملے گی کہ ہم نے کسی کا حق نہیں مارا"۔
"زندگی بھر جس نے مجھے تڑپایا، برادری میں میرا سر جھکایا، اگر اس کی روح مرنے کے بعد بھٹکتی ہے تو میں کیا کرسکتی ہوں؟"
"آپ اتنی سخت دل کیوں ہوجاتی ہیں کچھ مسئلوں پر؟"
"ایک مسئلہ اور سن لو کان کھول کر۔ اگر تم نے چوری چوری اپنے باپ دادا کی جائیداد آدھی آدھی بٹوائی تو یاد رکھنا، میں تمہیں دودھ نہیں بخشوں گی" بڑی بیگم نے منہ پھیر کر کہا۔
"یا خدا! امی آپ پچھلے جنم میں شہر کوتوال تھیں کیا۔ جو ہر دم کوئی نہ کوئی سزا سناتی رہتی ہیں" روہانسی آواز میں احمد نے کہا اور ماں کے پاس سے اٹھ گئے۔
دالان میں کھڑی زلیخا ماں بیٹے کی بات سن رہی تھی۔ اسکا کبھی کبھی دل چاہتا کہ یہ ساری جائیداد شہر کے فقیروں میں بانٹ کر میاں کی پروفیسری کی کمائی پر جئے۔ کم از کم اپنی مرضی سے جینے کا مزہ تو اٹھا سکتی ہے۔ یہاں تو ادھار کی زندگی جیتے جیتے تھک چکی ہے۔ جہاں نہ روشنی ہے نہ تازہ ہوا۔ بس خاندان کا اژدہا اور وراثت کی سرنگ پر بیٹھا ہے یہ۔ دہشت انہیں جینے نہیں دے رہی ہے۔
احمد نے زلیخا کو دیکھا۔ دونوں کی آنکھیں ملیں۔ ایک سرد آہ دونوں کے سینے سے نکلی اور دونوں ساتھ ساتھ چلتے ہوئے اپنے کمرے کی طرف بڑھے۔

باقی آئندہ....

”صحت ہی سب سے بڑی دولت ہے“: محمد اظہر الدین

محمد بن عبداللہ رفاعی

ہندوستان کرکٹ ٹیم کے سب سے کامیاب کپتان محمد اظہر الدین اور ان کی شریک حیات عائشہ اظہر (سنگیتا بجلانی) 14 ڈسمبر کو شہر حیدر آباد فرخندہ بنیاد میں ایک مشہور جوڑے نے بتایا کہ 750 مربع فٹ رقبہ پر قائم اس جمنازیم میں جدید ترین سہولتیں فراہم کی جائیں گی۔ یہ جدید ترین جمنازیم شروع کرنے والے ہیں۔ اے ایس ایم ایس (اظہر سنگیتا مینجمنٹ سرویسز) کے بینر تلے شروع کئے گئے اس پروجیکٹ کی تفصیلات کا ذکر کرتے ہوئے اس دریافت کئے جانے پر کہ زیادہ تر کرکٹ کھلاڑیوں کے برخلاف انہوں نے کرکٹ سے متعلق کسی اکیڈیمی کے بجائے جمنازیم قائم کرنے کا فیصلہ کیوں کیا' اظہر الدین نے کہا کہ کرکٹ اکاڈمی کا ارادہ ابھی زیر غور ہے۔ انہوں نے کہا کہ ان کا ہمیشہ یہ خیال رہا ہے کہ صحت بہت اہمیت رکھتی ہے' کسی کے پاس دولت ہو لیکن اگر صحت نہ ہو تو وہ

زندگی کی تمام مسرتوں کا لطف نہیں اٹھا سکتا۔ اسی دوران ہندوستان کے سابق کرکٹ کپتان محمد اظہر الدین نے سابق نیشنل سلیکٹر اجیت واڈیکر کے اس خیال پر مسرت کا اظہار کیا ہے کہ بی سی سی آئی کو ان پر اور اجئے جڈیجہ پر عائد پابندی اٹھا لینی چاہئے۔ اپنے جم کے آغاز کے سلسلہ میں منعقدہ ایک اخباری کانفرنس میں اظہر نے کہا کہ یہ ان کی (واڈیکر) اچھائی ہے کہ انہوں نے ایسا کہا ہے ورنہ بہت کم لوگوں نے اس طرح کی ہمت کی ہے۔ انہوں نے کہا کہ وہ واڈیکر کے خیالات کا احترام کرتے ہیں۔ واڈیکر سے قبل اس طرح کے خیالات کا اظہار گزشتہ ماہ کولکتہ کے ایڈن گارڈنس اسٹیڈیم میں نامہ نگاروں سے بات چیت کرتے ہوئے سی سی آئی کے سربراہ راج سنگھ ڈونگرپور نے بھی کیا تھا۔ ڈونگرپور نے اظہر الدین کو سی سی آئی کوچ کے عہدہ کی پیشکش کی تھی۔ ڈونگرپور نے اظہر الدین کی تعریف کرتے ہوئے نامہ نگاروں سے کہا تھا کہ وہ دنیا کے بہترین بلے بازوں میں سے ایک ہیں اور اگر وہ یہ پیشکش قبول کر لیتے ہیں تو ممبئی میں سی سی آئی میں زیر تربیت کرکٹروں کو ان کی صلاحیتوں سے کافی استفادہ پہنچے گا۔ انہوں نے کہا کہ ڈسمبر سے بی سی سی آئی کے کرکٹروں کو تربیت دینے کیلئے بھی ہم اظہر سے رجوع ہوں گے۔ واضح رہے کہ اظہر الدین 99 ٹسٹ میچ کھیل چکے ہیں' اور ان پر عائد پابندی کے باوجود وہ بارہا ان توقعات کا اظہار کر چکے ہیں کہ وہ کبھی نہ کبھی ہندوستانی کرکٹ ٹیم میں شامل ہوں کر اپنی صلاحیتوں کے جوہر دکھائیں گے۔

کرکٹ میچوں میں شائقین کی ہنگامہ آرائی

شائقین اسٹیڈیم کیوں آتے ہیں؟ میچ دیکھنے کیلئے لیکن میچ کے دوران ہنگامہ آرائی کیوں کرتے ہیں' کھیل میں خلل کیوں ڈالتے ہیں؟ اس کا جواب تو ماہر نفسیات یا ماہر سماجیات ہی دے سکتے ہیں۔ ہم یہاں ایسے چند حالیہ واقعات کا تذکرہ کرنا چاہیں گے جہاں شائقین نے میچ کے دوران زبردست ہنگامہ آرائی کی تھی۔

مارچ 1996ء کولکتہ: سری لنکا کو 1996ء ورلڈ کپ کے سیمی فائنل میں میچ ریفری کلائیو لائیڈ نے ہندوستان کے خلاف فاتح قرار دیا تھا جب کھیل کے اختتام سے قبل تماشائیوں نے ہنگامہ آرائی کی اس وقت ہندوستان نے جیت کیلئے 252 رنوں کا پیچھا کرتے ہوئے 8 وکٹ کھو کر 120 رنز بنائے تھے۔ پلاسٹک کی بوتلیں وغیرہ میدان پر پھینکے گئے اور سری لنکا کی ٹیم کو بچاؤ کیلئے بیچ پر جمع ہونا پڑا۔

فبروری 1999ء کولکتہ: ایشین ٹسٹ چمپین شپ میں پاکستان کو ہندوستان پر فاتح قرار دیا گیا اس کی وجہ بھی تماش بینوں کی ہنگامہ آرائی تھی جو ایڈن گارڈن پر آخری دو دنوں کے دوران ہوئی۔ تقریباً 91 ہزار شائقین میدان پر بوتلیں وغیرہ پھینکنے لگے جب سچن تنڈولکر کو رن اوٹ قرار دینے کا متنازعہ فیصلہ کیا گیا۔ پولیس نے میدان خالی کروالیا اس کے 3 گھنٹے 20 منٹ بعد پاکستان نے 46 رن بنا کر میچ جیت لیا۔

اپریل 1999ء جارج ٹاون گیانا: میچ ریفری رامن سبارا ؤ نے ویسٹ انڈیز اور آسٹریلیا کے درمیان ہوئے ونڈے میچ کو ٹائی قرار دیا۔ جب اسٹیو وا اور شین وارن تیسرے رن کے دوڑے اس کے ساتھ ہی تماش بین بھی میدان میں اتر آئے اور اسٹمپس لے کر فرار ہوگئے۔ جس کی وجہ سے کیتھ آتھرٹن رن اوٹ نہ دے سکے۔ نتیجے کا اعلان نہیں ہوسکا۔

اپریل 1999ء برج ٹاون باربڈوس: ویسٹ انڈیز نے آسٹریلیا کو ہرا کر ونڈے سیریز 3-3 سے برابر کردی۔ آخری میچ میں ایک رن اوٹ کے بعد ہنگامہ آرائی شروع ہوگئی تھی اور وا تماش بینوں کے حملے میں بال بال بچ گئے۔ ان کی ٹیم میدان سے بھاگ کھڑی ہوئی۔ کیمبل کو بولر برٹن جولیان کے ساتھ ٹکراؤ کے بعد اوٹ قرار دیا گیا تھا۔ وا نے اس فیصلے کو قبول کرلیا جب مقامی پولیس نے بتایا کہ ان کی اور ان کے کھلاڑیوں کی حفاظت کا تیقن نہیں دیا جاسکتا۔

جون 2001ء ٹرینٹ برج انگلینڈ: اسٹیو وا پاکستان کے خلاف ایک روزہ میچ میں اس وقت اپنی ٹیم کو لے کر میدان سے چلے گئے جب تماش بینوں نے پٹاخے میدان میں پھینکنا شروع کیا ایک پٹاخہ برٹ لی کے قریب پھٹا' آسٹریلین 20 منٹ بعد واپس آئے۔

جون 2001ء لارڈس انگلینڈ: آسٹریلیا کے آل راونڈر مائیکل بیون کے چہرے پر بیئر کا ایک کیان کھینچ مارا گیا۔ جب ان کی ٹیم نے فائنل میں پاکستان کو 9 وکٹ سے ہرالیا۔ (ایک روزہ سہ رخی سیریز میں) یہ واقعہ اس وقت ہوا جب ٹرافی پیش کی جارہی تھی۔

نومبر 2002ء راجکوٹ: ویسٹ انڈیز میڈیم پیسر ومبرٹ ڈرا کس کے پیر میں اس وقت کسی شئے کا مار لگا جب وہ ہندوستان کے خلاف فیلڈنگ کررہے تھے۔ جب ہندوستان نے 301 رنوں کے نشانہ پورا کرنے کیلئے 27.1 اوورس میں 200 رنز بنالئے تھے۔ اس طرح کے واقعات قبل ازیں جمشید پور اور ناگپور میں بھی پیش آچکے تھے جہاں کھیل میں مختصر رکاوٹ ہوئی۔ اپنی پسندیدہ ٹیم کو ہارتے دیکھ کر شائقین برہم ہوتے ہیں' لیکن یہ رویہ اسپورٹس کی اسپرٹ کے خلاف ہے۔ کولکتہ میں شائقین کی برہمی کے واقعات سب سے زیادہ ہوئے ہیں۔

WWE کشتی کا نیا انداز

زمانہ قدیم سے "کشتی" لڑی جارہی ہے اور یہ فن ہر عمر کے لوگوں میں بیحد پسندیدہ اور مقبول ہے۔ اس زمانہ میں لیکن اس کی ہیت بدل دی گئی ہے اور آج کشتی کے مقابلے دنگلوں (مٹی کے گھیرے) میں لڑے جانے کے بجائے ریسلنگ کے نام سے وسیع و عریض میدانوں میں عوام کے بے پناہ ہجوم کے درمیان لڑے جارہے ہیں۔ کشتی آج صرف ریسلنگ کے نام سے مشہور ہے۔ کشتی کے کئی مقابلے اگرچہ ہندوستان میں بھی ہوتے ہیں لیکن ورلڈ ریسلنگ فیڈریشن WWF کی جانب سے منعقد ہونے والے مقابلوں کی شہرت ساری دنیا میں ہے اس کے پہلوانوں کو ہر کوئی پسند کرتا ہے۔ یہ مقابلے ہر گھر میں (ٹی وی کے ذریعہ) بڑے شوق سے دیکھے جاتے ہیں۔ ان کی اس شہرت کو دیکھتے ہوئے ورلڈ ریسلنگ انٹرٹینمنٹ نے ان پہلوانوں ہندوستانی شائقین کے سامنے حقیقت میں پیش کرنے کا فیصلہ کیا ہے اور ماہ نومبر میں چند شہرت یافتہ پہلوانوں نے ہندوستان کا دورہ کیا۔ RAW'WWE ٹور انڈیا کا آغاز 21 نومبر سے دہلی کے اندرا گاندھی انٹرنیشنل اسٹیڈیم میں ہوا۔ اس کے بعد 22 نومبر کو ممبئی کے MMRDA گراونڈز میں یہ مقابلے منعقد ہوئے۔ اس ٹور کا اختتام 23 نومبر کو پیالس گراونڈ بنگلور میں ہوا۔ گزشتہ چھ سال میں ریسلنگ کے پہلوانوں کا یہ پہلا دورہ ہے۔ ہندوستان کا دورہ کرنے والے پہلوانوں میں روب وان ڈیم (Rob Van Dam)' بوکرٹی (Bookerty) گولڈ ڈسٹ (Gold Dust) اور ٹرپل ایچ جیسے مشہور نام شامل تھے۔ ڈبلیو ڈبلیو ایف کی شہرت نے اس کے پہلوانوں کو ہالی ووڈ کی فلموں تک پہنچادیا۔ ہندوستانی فلموں میں بھی ان پہلوانوں کا استعمال کیا گیا ہے۔ اکشے کمار نے فلم "کھلاڑیوں کے کھلاڑی" میں انڈر ٹیکر سے لڑائی کی تھی۔ ان مقابلوں کیلئے داخلہ ٹکٹ کی شرح 450 روپے سے 3000 روپے تک مقرر کی گئی تھی اور ہر شہر میں 20 ہزار افراد کیلئے مقابلوں سے لطف اندوز ہونے کی گنجائش فراہم کی گئی۔ ان مقابلوں کو برتانیہ ٹریٹ نے اسپانسر کیا جس نے کئی دیگر مقابلوں اور کرکٹ میچز کو بھی اسپانسر کیا تھا۔ ان مقابلوں کو دیکھنے اور پسند کرنے والوں کی کوئی حد عمر نہیں ہے۔ بچے' بڑے سبھی ان کو یکساں پسند کرتے ہیں۔ اب تک جو لوگ صرف ٹیلی ویژن کے ذریعہ سے ان مقابلوں کو دیکھ کر لطف اندوز ہوتے رہے ہیں وہ اب حقیقت میں ان مقابلوں کو دیکھ سکتے ہیں۔ Ten Sports اپنے چیانل پر ان مقابلوں کو مسلسل پیش کررہا ہے۔ اس کے چیف اگزیکیٹیو کریس سی ڈونالڈ نے بتایا کہ اسپورٹس میں آج سب سے زیادہ شہرت یافتہ کھیل ریسلنگ بن گیا ہے۔ ہندوستان میں ان کا چیانل مسلسل 8 گھنٹے یہ پروگرام پیش کرتا ہے۔ اور یہاں جو مقابلے منعقد ہوں گے ان کو بھی راست طور پر ٹیلی کاسٹ کرے گا۔ جو پہلوان ان مقابلوں میں حصہ لے رہے ہیں ان میں Justin Hawk کا نام سرفہرست ہے جس کا قد 6.6 اور وزن 290 پاونڈ ہے۔ جسٹن 26 نومبر 1967ء کو ٹکساس میں پیدا ہوا۔ 1992ء سے اس کے کیریئر کا آغاز ہوا۔ اس

Ten Sports پر ریسلنگ کے مقابلے	
اتوار۔	صبح 7 بجے اور شام 5 بجے
پیر۔	شام 5 بجے اور 10 بجے
منگل۔	شام 5 بجے اور 10-30 بجے
چہارشنبہ۔	شام 5 بجے اور 10-30 بجے
جمعرات۔	شام 5 بجے اور 10-30 بجے
جمعہ۔	شام 5 بجے اور 10-30 بجے
ہفتہ۔	شام 5 بجے اور 10-30 بجے

نے اب تک 3 ٹیم چیمپئن شپ اور ایک ہارڈ کور چیمپئن شپ جیتی ہے۔ وہ اسٹیج پر جان ہاک اور بلیک ہاک براڈشا کے نام سے بھی پہچانا جاتا ہے۔ خاتون پہلوان ایوری بھی دورے میں شامل ہے جس کا قد 5.5 اور وزن 135 پاؤنڈس ہے۔ 26 نومبر 1961ء کو کیلی فونیا میں پیدا ہوئی' اس کے کیریئر کا آغاز 1986ء سے ہوا اس نے اب تک کئی خواتین چیمپئن شپس جیتی ہیں۔

ورلڈ ریسلنگ انٹرٹینمنٹ کے دفاتر نیویارک' لاس اینجلس' ٹورنٹو اور لندن میں قائم ہے۔ سال 2003ء میں کمپنی امریکہ 'کناڈا' یوروپ' ایشیا اور آسٹریلیا میں 340 لائیو مقابلے منعقد کر رہی ہے۔ گزشتہ سال 2 ملین افراد نے یہ مقابلے دیکھے تھے ان میں مزید اضافے کا امکان ہے۔

کشتی (ریسلنگ) کے چرچے کو دیکھتے ہوئے اس کھیل کے بارے میں مزید معلومات کیلئے ہم نے ورلڈ ریسلنگ انٹرٹینمنٹ کے نمائندے رومر مارمیٹ کے خیالات جاننے کی کوشش کی پیش ہے اس مختصر ملاقات کے مختصر سے اقتباسات:

☆ آپ مختصراً ہم کو ریسلنگ کی تاریخ کے بارے میں بتایئے؟

پیشہ ورانہ ریسلنگ امریکہ کا ایک حصہ ہے۔ ابراہم لنکن بھی ایک پیشہ ور پہلوان تھے۔ میک موہن خاندان (جو ڈبلیو ڈبلیو ای کے پروموٹرس ہیں) 1920ء سے یہ مقابلے کرواتے ہیں۔ اس بزنس میں اب ان کی چوتھی نسل ہے۔ امریکہ میں ریسلنگ مقامی کھیل تھا۔ 70 کے دہے میں اس کو ملک گیر راست طور پر ٹیلی ویژن کے ذریعہ بتایا جانے لگا۔

☆ کیا یہ مقابلے حقیقی ہوتے ہیں؟

یہ سوال کہ کیا یہ مقابلے حقیقی ہوتے ہیں کئی سالوں سے بحث کا موضوع ہیں۔ ہم اس بات سے انکار نہیں کرسکتے کہ یہ کھیل محض سیر و تفریح کیلئے بھی ہوتے ہیں۔ 15 سال قبل ہم نے آخرکار یہ پتہ چلایا کہ سارا شو طئے شدہ ہوتا ہے تاکہ ٹیکس کے قواعد سے بچا سکے۔ عہدیدار پریشان رہتے ہیں کہ اس پر ٹیکس بطور تفریح لگایا جائے یا بطور کھیل۔

☆ کیا وجہ ہے کہ WWF کا نام بدل کر WWE رکھا گیا ہے؟

اصل وجہ تو لندن ہائی کورٹ کا فیصلہ ہے۔ جو کہ ورلڈ وائیڈ فنڈ فار نیچر والوں کے حق میں ہوا ہے۔ جنہوں نے ہمارے خلاف مقدمہ چلایا تھا۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ یہ فیصلہ اس وقت ہوا جب ہم اس کا نام تبدیل کرنے پر غور کر رہے تھے۔ ہماری کمپنی ایک تفریحی کمپنی ہے۔ اس لئے نام بدل کر WWE رکھ دیا گیا۔

☆ آپ پہلوانوں کو کس طرح ادائیگی کرتے ہیں؟

پہلوان تنخواہ پر کام کرتے ہیں اس کے علاوہ ان کو مختلف مقابلوں کیلئے معاوضہ بھی ملتا ہے۔

☆ کیا وہ انشورنس کا بھی مطالبہ کرتے ہیں؟

اس کا انحصار پہلوان کی شہرت پر ہوتا ہے۔ جہاں تک صحت انشورنس کا تعلق ہے وہ ہم ادا کرتے ہیں۔ لیکن یہ کافی مہنگا ہوتا ہے۔ مثلاً ٹرپل اچ گردن میں زخم کی وجہ سے 6 ماہ رنگ کے باہر تھا اور براڈشا کا بھی آپریشن ہوا ہے۔

☆ آپ رسک کو کس طرح کم سے کم کرتے ہیں؟

ریلسر گھٹنے اور آنکھوں کی حفاظت کیلئے پروٹیکٹرس پہنتے ہیں ان کو اپنی حفاظت خود کرنا ہوتا ہے۔ رنگ میں اترنے سے قبل ان کو تربیت بھی دی جاتی ہے۔

☆ کیا ہار جیت کا فیصلہ آپ ہی کرتے ہیں؟

ساری باتیں ایک کہانی کی طرح پہلے ہی طئے ہو جاتی ہیں۔ کمپنی کے رائیٹرس اس تمام ڈرامے کو پہلے ہی لکھتے ہیں۔

☆ بچوں پر اس کھیل کے غلط اثرات سے متعلق آپ کا کیا ردعمل ہے؟

اس کھیل کو 8 سے 80 سال کے افراد دیکھتے ہیں اور مزہ لیتے ہیں۔ کئی باپ ایسے ہیں جو بچپن سے یہ کھیل دیکھتے آرہے ہیں۔ کئی بڑے اپنے بچوں کے ساتھ دیکھتے ہیں۔ ہماری کوششیں یہی ہوتی ہے کہ بچے اس سے اچھا سبق حاصل کریں۔ آخر میں میں یہی کہوں گا کہ WWE کے تمام پہلوان تربیت یافتہ ہوتے ہیں اور ان کی حرکتوں کو گھروں میں دہرایا نہیں جاسکتا۔

☆ ریسلنگ میں خواتین کو کیوں لایا جارہا ہے؟

خواتین کو صرف امریکہ میں تفریح کیلئے لایا جارہا ہے اور ان کو رات دیر گئے کے مقابلوں میں شامل کیا جاتا ہے۔

☆ ہندوستان میں ریسلنگ کے شائقین بہت ہیں' کیا اس پر آپ کو حیرت ہے؟

یہ شو دنیا کے 130 ممالک میں دیکھا جاتا ہے اور ہماری کوشش یہ ہے کہ اس کھیل کو ہم راست طور پر مختلف ممالک میں پیش کرسکیں۔ ہم نے کھیل کو دو حصوں RAW اور Smack Down میں تقسیم کرنے کا فیصلہ کیا ہے۔

☆ RAW اور Smack Down کیا ہے؟

دو الگ الگ برانڈ ہیں۔ RAW میں صرف بڑے پہلوان ہوں گے جنہیں دوسرے میں دونوں طرح کے پہلوان ہوں گے۔

☆ RAW کے ہندوستان میں دورے کے بارے میں آپ کیا کہیں گے؟

ٹرپل اچ اس وقت ورلڈ چیمپئن ہے اور دیگر 25 بڑے نام جیسے براڈشا' بوکرٹی' روب وان ڈیم وغیرہ کو ہندوستان میں یقیناً پسند کیا جائے گا۔

☆ راک کو بہت پسند کیا جاتا ہے وہ کیوں نہیں آرہا ہے؟

راک ان دنوں فلموں کی شوٹنگ میں مصروف ہے۔ اس وقت وہ WWE کے ساتھ نہیں ہے۔ ہم کو امید ہے کہ وہ آئندہ سال ہمارے ساتھ ہوگا۔

☆☆☆

مسعود احمد فرید

بستی بستی پربت پربت

دسمبر کے گلابی جاڑے تھے اس دن صبح ہی صبح مطلع ابر آلود تھا اور ہلکی ہلکی بوندا باندی ہورہی تھی ہواؤں میں سردی کی کاٹ بیحد شدید تھی ۔ ابھی ٹرین حیدرآباد کے مضافات سے گذررہی تھی ملگجا ملگجا سا اجالا پھیل رہا تھا ۔ گاڑی اس ویران پتھریلے میدان سے گذررہی تھی جسے دیکھ کر یک لخت امریکہ کے طویل ترین ویرانے یاد آجاتے ہیں ۔ صبح صادق کے اس اندھریوں میں وہ دیو پیکر ، چٹانیں جو تہہ در تہہ جا بجا بکھری ہوئی تھی ۔ دیکھ کر یوں لگتا تھا گویا ٹرین کی پٹری کے کنارے کئی شیاطین رفع حاجت کو بیٹھے ہوئے ہوں۔

آخر کار گاڑی رینگتی ہوئی نام پلی اسٹیشن میں داخل ہوگئی اس زمانے تک نام پلی مشرف بہ حیدرآباد نہیں ہوا تھا ۔ تمام ہندوستان کی فضاؤں میں ہندو پاک جنگ کی بارود کی کسیلی بو موجود تھی ۔ ابھی ابھی فرقہ پرستی کے راکشش نے انگڑائیاں لیکر اپنی آنکھیں کھولی تھیں ۔ ممبئی کی سڑکوں پر شیو سینا پینترے بازی سیکھ رہی تھی ۔ اور کانگریسی نیتا بھیڑ کی کھال میں بھیڑیئے کا کردار بخوبی ادا کر رہے تھے ۔ کاسمو پولٹین ممبئی کے عوام فرقہ پرستی کی زہر خورانی کے شکار بن چکے تھے ۔ فضاؤں میں چار سو نفرتوں کی فصل خوب پروان چڑھ رہی تھی اور آزادی کے بعد پہلی بار اقلیتوں کو یہ احساس ہورہا تھا کہ ملک میں آزادی ، تو در حقیقت اکثریت کو حاصل ہے ۔

ایسے ناگزیر اور سنگین حالات میں ہم اردو ماہ نامہ " گگن " ممبئی سے شائع کررہے تھے ۔ گویا طوفانوں میں چراغاں کرنے کی سعی ناکام کررہے تھے ، راقم ، گگن ، کا نائب مدیر تھا اور سیاحت کے صفحے کا تمام تر ذمہ دار تھا ۔ اسی سلسلے میں حیدرآباد کا سفر درپیش تھا ۔

پلیٹ فارم پر میرے کمپارٹمنٹ پر کچھ دیر میں عزیزوں دوستوں اور رشتہ داروں کا ہجوم جمع ہوگیا ۔ ابھی خیر خیریت کے چند کلمات ہی ادا ہوئے تھے کہ میرے مختصر سے سامان پر جمع شدہ ہجوم نے یلغار کردی ۔ بستر بند چادر گھاٹ روانہ ہوا تو اٹیچی لارڈ بازار کی سمت ، سوٹ کیس پر حیدر گوڑہ والے بلاشرکت غیر قابض ہوگئے بقیہ دیگر سامان پر ڈبال گوڑہ والوں نے فتح پائی ۔ باقی بچا مجھ سا نحیف ونزار مسافر تو آمادہ فساد استقبالیہ کمیٹی میں حق ملکیت پر خوب گرما گرم تو تو میں میں شروع ہوگئی ، آثار یوں دکھائی دے رہے تھے کہ چند گھڑیوں میں اس مقدس مہمان کی تکابوٹی کہیں حیدرآباد کے گلی کوچوں میں نہ تقسیم ہوجائے ۔

جس بے حس جھلستی ہوئی سرزمین سے میں روانہ ہوا تھا وہاں پیار محبت وفا خلوص دوستی ، شرم حیا ، فرماں برداری ، لحاظ ، تہذیب ، شرافت غرضیکہ نسل انسانی کی تمام تر خوبیاں لطافتیں یا تو سینما کے رپہری پردوں پر یا لائبریریوں کی دیمک زدہ کتابوں میں یا سلولائیڈ کی انگنت ریلوں میں لپٹی ہوئی پائی جاتی ہیں ۔

جہاں آنے والے مہمان سے پہلا سوال اکثر یہ کیا جاتا ہے کہ وہ واپس کب جارہے ؟ جہاں بیک وقت مہمان وارد ہوتا ہے اور میزبان لاپتہ ، اور خدا نخواستہ میزبان حاضر ہوا تو اچانک ہی گھر تنگ ہوجاتے ہیں دل تنگ ہوجاتے ہیں اور روحیں بوجھل ہوجاتی ہیں ۔ جہاں کی لغت میں ضیافت کے معنی دوچار چائے کی پیالیاں ہوتی ہیں جہاں مہمان سے خلوص کا انتہائی اظہار ۔ رخصت ہوتی ہوئی ریل گاڑی کو دیکھ کر گرم جوشی سے ہاتھ ہلا دینا یا چند مصنوعی آنسو پونچھ لینا ہوتا ہے ۔

خلوص و محبت اور شفقت کا یہ موجزن سمندر اہلیان حیدرآباد کے دلوں میں دیکھ کر اس مسافر کی آنکھیں نم ناک ہوگئیں ان سیدھے سادے لوگوں کے قد اچانک میری نظروں کے سامنے بہت بلند لگنے لگے اور خود کو کوتاہ قد محسوس کرنے لگا ۔

آخر کار استقبالیہ کمیٹی میں یہ اتفاق رائے قائم کرلی گئی کہ قرعہ اندازی کے ذریعے میزبانوں میں مہمان کو تقسیم کرلیا جائے اور یوں میرا مختصر سا قیام ۱۵ دن طویل کرنا پڑا ۔

استاد محترم اور گگن کے ایڈیٹر انچیف مرحوم شمس کنول صاحب نے جب میری اس طویل غیر حاضری کی وجہ جانی تو گویا ہوئے کہ " میاں میں جانتا تھا تم کہیں نہ کہیں متاع دل ہار جاؤ گے سو دیکھ لو آج تم حیدرآباد کو دل ہار بیٹھے ہو " ۔

سنہ ۶۵ کا حیدرآباد ہندوستان کا عام شہر دکھائی نہ دیتا تھا ۔ نہ فضاؤں میں کہیں کوئی آلودگی نہ نیتوں میں کھوٹ نہ دلوں میں کوئی میل نہ سروں میں حصول مال وزر کا سودا ۔ نہ ریگزاروں میں سرابوں کا پیچھا کرنے کی کوئی ہوس ۔ نہ اپنی ہجڑوں " سے دور جاکر کسی ویرانے فرنگی ملک کو گلزار بنانے کی کوئی آرزو ۔

ہاں مکان ضرور بوسیدہ تھے ہاں لباس ضرور پیوند زدہ تھے ہاں افلاس اور غربت کا بول بالا ضرور تھا ۔ ہاں گھروں میں طلب گار زیادہ روٹیاں ضرور کم تھیں ۔ ہاں عوام کے بدن قیمتی ملبوسات اور بیش قیمت زیورات سے آراستہ نہ تھے لیکن انکی روحیں نسل انسانی کے سب سے قیمتی زیور سے بجی دھجی تھیں اور یہ زیور تھا اتحاد و اتفاق ، محبت اور بھائی چارے کا وہ زیور جیسے دنیا چشم حیرت سے دیکھ رہی تھی ۔

شاید حیدرآباد کی یہی وہ سماجی خصوصیت تھی کہ ہر زبان کے پریس نے حیدرآباد کے نوابوں ، حیدرآباد کے پکوانوں ،

حیدرآباد کے رسم و رواجوں یہاں تک کے حیدرآباد کے دسترخوانوں تک پر لپنے کئی صفحات سیاہ کیئے اور حیدرآباد کی روداد یں اس مزے سے بیان کتیں گویا پرستان کی روداد بیان کی جارہی ہو۔ گلن کے لگے شمارے میں میرا ایک حقیر سا مقالہ "شہر نگاراں" کے عنوان سے شائع ہوا۔ میں شاید حیدرآباد کی جملہ خصوصیات کو کامیاب طریقے سے الفاظ کا جامع نہ پہنا سکا جس خوبصورت اور دل فریب طرز سے وجد صاحب نے اسی شہر کا خاکہ پیش کیا ہے۔

جہاں نغمے جنم لیتے ہیں رنگینی برستی ہے
دکن کی گود میں آباد وہ خوابوں کی بستی ہے
شراب وشعر کی تاثیر ہے ٹھنڈی فضاؤں میں
بہار زندگی غلطاں ہے سبزے کی فضاؤں میں
نوائے سرمدی آتی ہے جھرنے کی صداؤں میں
بیاں ممکن نہیں وہ لطف آتا ہے دعاؤں میں

اس وقت حیدرآباد سے رخصتی کے وقت دل بوجھل آنکھیں نم اور لبوں پر ایک دعا تھی۔

یارب آباد حیدرآباد رہے

ان ۴۵ برسوں میں ، میں کئی بار حیدرآباد آتا رہا۔ اور عہد قدیم کی کسی تصویر کے رنگوں کی طرح حیدرآبادی تہذیب کے رنگوں کو معدوم ہوتا دیکھتا رہا۔ لحظہ لحظہ شہر کے وہ گوشے وہ چمن ہوٹلوں کی وہ میزیں ویران ہوتی گئیں جن پر اس شہر کے زندہ دل لوگوں کی وجہ رونق اور زندگی رواں دواں تھی۔ اس شہر کی ساری رنگینیاں حیات کی ساری دھڑکنیں ، پلین لوڈ کر کے کینیڈا ، امریکہ ، انگلستان اور صحرائے عرب منتقل ہورہی تھیں۔ قیس ریگ زاروں کی تلاش میں سرگرداں۔ دیوانے بگولوں کی تلاش پر کمربستہ بلبلیں سونے کے پنجرے کی متلاشی تھیں۔

رفتہ رفتہ حیدرآباد میرے لئے ایک حنوط شدہ لاش کی طرح بے جان بے رنگ شہر بن گیا۔ یہ جدائی میرے دل پر ایسا کاری وار کر گئی کہ میں حیدرآباد آنے سے کتراتا رہا۔

جو ڈگر تیرے دوارے کو جاتی نہ ہو
اس ڈگر پر ہمیں پاؤں دھرنا نہیں

حصول زر اور حصول آسائش کی عالم گیر دوڑ جاری ہے۔ حیدرآبادی بھی اس دوڑ میں پیچھے رہنا نہیں چاہتے۔ نفسا نفسی کا شکار تو ساری دنیا ہوچکی ہے ان جراثیموں سے بھلا حیدرآبادی کیسے بچتے۔

عہد قدیم کی ہر خوبی ہر خاصیت ہراج خانوں ، کے ذریعے حیدرآباد کے ساحل کو خیرباد کرچکی ہے اور نئے دور کے نویلے دولت مندوں نے ان ہی نوادرات سے لپنے بالا خانوں کو سجالیا ہے۔ اور حیدرآباد تہذیب کی انہی خوبیوں خاصیتوں کو قیمتی Antiques کے مالکین ظاہر کرنے میں حیدرآباد سے دور دراز کے سرمایہ دار فخر محسوس کرتے ہیں۔

آج نظروں کے سامنے وہ پرانی بوسیدہ حویلیاں گذر جاتی ہیں جن کے مالکین کو یہ تک نہ پتہ تھا کہ ان کے آباد اجداد کی شان کبھی جانے والی عمارتوں کی چھت تلے کتنے مکین پناہ لئے ہوئے ہیں اور کیونکہ لتنے نفوس بغیر کرایہ ادا کئے ڈیرا ڈالے ہوتے ہیں۔

آج نظروں کے سامنے وہ پختہ خوبصورت تعمیراتی ملکیتیں بھی ہیں جنہیں بیرونی طور پر دیکھ کر دل میں ایک حسرت قلقاریاں مارتی ہے کہ اے کاش ایسا Dream House ہمارا بھی ہوتا لیکن جن ڈریم ہاوس کے اندر جانے پر پتہ چلتا ہے اور گھٹن ہوتی ہے کہ محدود دیواروں کے درمیان ایسے لوگ آباد ہیں جن کے دل تنگ ہیں دماغوں میں نفرتوں اور عداوتوں کی خاردار جھاڑیاں اگی ہوئی ہیں۔ قدیم حیدرآبادی روٹی بانٹ کر کھانے کے فن کو سیکھ چکا تھا اور رزق کی فراخ دلانا تقسیم نے اس پر یہ برکت نازل کردی تھی کہ زمانے کی ظالم اور سنگین قوتوں کو اس اتحاد کے سامنے جھکنا پڑا۔ زیر ہونا پڑا۔

سیاسی نظام نے اب ایک کروٹ لی ہے کہ ہندوستان کی مسند حکومت سے واحد پارٹی کی حکمرانی کو مسترد کردیا ہے کیونکہ واحد پارٹی کی حکومت میں جو لوٹ کھسوٹ اور جو اجارہ داری کا دور چلا اس سے لوگوں کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ ملک بھر کی عوام نے ایسی علاقائی پارٹیوں کو اپنا نمائندہ چنا جو عوام کے مفاد کا تحفظ کرنے کا یقین دلاسکتی تھیں اور متحدہ محاذ کی حکومتوں کا دور شروع ہوا۔ پھر بھی ایوان حکومت میں ترازوں کے پلڑے ، اکثریت کے حق میں جھکانے کے لئے اقلیتوں کی دل جوئی ، ازحد ضروری ہوگئی ملک بھر کی ایوان نا حکومت میں سماج کے ، کھوٹے سکے ، محض اقلیتوں کو اندازہ کرلینا چاہے اپنی بکھری ہوئی صفوں کو ترتیب دیکر منظم کرلینا چاہے۔ مذہبی اور مسلکی نہ سہی کم از کم سیاسی بساط پر لپنے اتحاد کو محفوظ رکھنا چاہیے اور یہی اتحاد و اتفاق اقلیتوں کے لئے اسم اعظم ، ثابت ہوتا رہے گا۔

مجھے آج لگ بھگ ۴۵ سالوں بعد یہ احساس ہوا کہ حیدرآباد کی تمام تر خصوصیات تمام تر خوبیاں ، اسلاف تمام تر اوصاف ، ہراج خانوں میں جاکر ناپید نہیں ہوئے۔ میں حیران وششدر رہ گیا جب میں نے اس حنوط شدہ لاش کے سینے میں زندگی کی مضبوط دھڑکنیں صاف طور پر سن لیں۔

عابڈس کی پر شور پوری طور پر آلود گہما گہمی والی سڑک سے جیسے ہی میں دفتر سیاست میں داخل ہوا یوں لگا جیسے تالاب کے ایسے خوبصورت حصے میں آگیا ہوں جہاں چہار جانب کنول کھلے ہوئے ہیں۔ ہم قلم دوستوں کا آپسی خلوص ، کامریڈ شپ کا جو مظاہرہ دیکھا چشم تصور سے پرانا حیدرآباد نظروں کے سامنے لاکھڑا کردیا۔ ممبئی کی کئی محترم ومکرم ، شخصیات کے زیر سرپرستی میں کام کرچکا ہوں لیکن جناب زاہد علی خان سے ملنے کا اتفاق ہوا تو ان میں خدمت خلق کی تڑپ دیکھی۔ دردمندی اور خدا ترسی دیکھی انتھک کام کرنے کی لگن اور بے لوث خدمت کا جذبہ دیکھا تو محسوس کیا کہ ابھی حیدرآباد زندگیوں سے بھرپور ہے۔

حیدرآباد سے رخصتی کے وقت دل بوجھل تھا آنکھیں نم تھیں اور تمام اکابرین حیدرآباد کے لئے لبوں پر دعا تھی۔

دل مصطفےٰ سوز صدیق دے

میں ممبئی شہر میں اکیلی رہتی ہوں۔ کم شرما

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

"کہتا ہے دل بار بار" سے محبتیں کی کم شرما پھر سے ایکبار خبروں میں آنے لگی ہے تم سے اچھا کون ہے کے کردار نے کم شرما کو بہت زیادہ مقبولیت دلائی تھی اسکے ساتھ ہی تین سے چار فلموں کی یہ اداکارہ کئی فلموں میں آگئی۔ فی الحال کم شرما کو بڑے بجٹ کی کئی فلموں میں کاسٹ کیا جارہا ہے۔ کیونکہ فلمساز اسے نوجوان دلوں کو دھڑکانے والی اداکارہ سمجھتے ہیں۔ کم شرما سے لئے گئے انٹرویو کا اقتباس یہاں قارئین کی دلچسپی کے لئے پیش ہے۔

س۔ آپ کافی بولڈ اداکارہ مانی جاتی ہیں کیا یہی آپ کی ترقی میں رکاوٹ تو نہیں؟

ج۔ میں نے ہمیشہ اپنی مرضی کے مطابق کردار تلاش کئے ہیں۔ دوسرا یہ کہ میں ابتداء ہی سے تنہائی پسند ہوں۔ میں مردوں سے بات کرنے میں شرم محسوس نہیں کرتی کیونکہ سوچنے کا انداز غلط ہو تو اس ملاقات کو کوئی بھی نام دیا جاسکتا ہے۔ ہمارا دل صاف ہو تو پھر دھڑکن کس بات کی۔

س۔ آپ ایک کامیاب ماڈل رہی ہیں پھر ایک کامیاب اداکارہ ثابت کرنے کے لئے اتنی تاخیر کیوں؟

ج۔ ماڈلنگ کی دنیا الگ اور فلمی دنیا ایک علیحدہ جگہ ہے مقابلہ تو وہاں بھی ہے اور یہاں بھی لیکن کم وقت میں رجھانے کا کام وہاں ہوتا ہے یعنی ایک جھلک میں دیکھنے والوں کو اپنا گرویدہ بنانا پڑتا ہے اور اس ایک ہی ادا پر یا پھر انداز پر اس پراڈکٹ کی فروخت ممکن ہے۔ یہاں تو مسلسل ڈھائی گھنٹوں تک شائقین کو مطمئن کرتے رہنا پڑتا ہے۔ اور بہت جلد یہ کام بھی ہم کر دکھائیں گے۔

س۔ کیا آپ ممبئی شہر میں اکیلی رہتی ہیں؟

ج۔ لوگوں کو جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ میں ممبئی شہر میں اکیلی رہتی ہوں تو واقعی وہ حیران رہ جاتے ہیں لیکن میں کہتی ہوں کہ یہ اپنے اوپر منحصر کرتا ہے کہ آپ کس طرح اپنی زندگی گذارتے ہیں اکیلے رہنے کا الگ ہی مزہ ہے آپ خود کو کافی ذمہ دار محسوس کرتے ہیں۔

س۔ کیا آپ جسمانی نمائش کا مظاہرہ کھل کر نہیں کرتی؟

ج۔ لوگ مجھے محبتیں سے یاد کرتے ہیں اور اس فلم میں میرے پہنے گئے لباس پر لوگ اعتراض کرتے ہیں اس فلم میں، میں نے وہی کپڑے پہنے جو عام زندگی میں پہنتی ہوں۔ ہاں اتنا ضرور کہوں گی کہ آگے اس طرح کے کپڑے نہیں پہنوں گی جسے پہن کر میں مشکل میں پھنس جاؤں۔

س۔ آدتیہ چوپڑہ کی محبتیں نے آپ کو کس حد تک اسٹار بننے میں مدد کی؟

ج۔ اس فلم سے فلم انڈسٹری میں داخلہ ہوا اور پہچان بنی ہے لیکن میری صلاحیتیں ابھر کر نہیں آسکیں۔ ظاہر ہے اتنی بڑی اسٹار کاسٹ کے درمیان نئے اداکاروں کو کتنی جگہ مل پائیگی لیکن لیش راج کے بیانر نے مجھے بہت ساری فلمیں دلائی ہیں۔

س۔ اس سے قبل کہو نا پیار ہے آپ کو بھی پیش کی گئی تھی اور آپ نے اسے ٹھکرادیا کیا اسکا احساس ہوتا ہے؟

ج۔ اس وقت ہوا جب اس فلم کی کامیابی پر مجھے یقین نہیں ہورہا تھا کہ یہاں ایسی فلمیں بھی ہٹ ہوجاتی ہیں جن سے امید نہیں ہوتی۔ کاش فلموں پر میرا تجربہ کچھ وسیع ہوتا تو میں ہرگز یہ موقع نہیں گنوا بیٹھتی۔ ہاں اتنا تجربہ ضرور ہوچکا ہے کہ ایسی غلط فہمی میں دوسرا موقع کبھی نہ گنواؤں۔

"اعتبار" کے لئے ایک اور گیت کی ریکارڈنگ

کنگ ایڈیج انٹرٹینمنٹ کی فلم "اعتبار"

ہدایت اکبر خان دے رہے ہیں گیت نقش لائل پوری کے زور قلم کا نتیجہ ہیں تو دھنیں موسیقار اعظم نوشاد نے اتم سنگھ کے باہمی تعاون سے بنائی ہیں۔ جودھ پور کے مہران گڑھ قلعہ میں لگاتار جاری اس فلم کی شوٹنگ میں فلم کے اہم کردار کبیر بیدی، منیشا کوئرالا، ارباز خان، ارباز علی، پوجا بترہ، کم شرما مصروف ہیں۔ فلم کی بیشتر شوٹنگ مکمل کرلی گئی ہے۔ توقع ہے کہ تاج محل 2003ء کے وسط میں یکساں طور پر بالی ووڈ اور ہالی ووڈ میں ریلیز کردی جائیگی۔

کے لئے کرشنا اسٹوڈیو گورے گاؤں میں ایک اور گیت کی ریکارڈنگ مکمل کرلی گئی جسکے بول تھے۔ "تم مجھے بس یونہی پیار کرتی رہو" جسے کمار شانو اور مدھوشری نے آواز دی۔ موسیقی راجیش روشن نے کمپوز کی تھی۔ اس گیت کو ناصر مرزا نے لکھا ہے یہ گیت فلم میں جان ابراہام اور بپاشا باسو پر فلمایا جائے گا۔ اس فلم کو وکرم بھٹ ڈائرکٹ کررہے ہیں۔ فلم کے پروڈیوسر جتن کمار ہے۔ سوپر اسٹار امیتابھ بچن بھی اس فلم میں ایک اہم رول کررہے ہیں۔

مشرق کمیونکیشن کے بیانر پر بنائی جارہی بڑے بجٹ کی تاریخی رومانی کہانی "تاج محل۔ این اٹرنل لو اسٹوری" کیلئے شاہ جہاں اور ممتاز محل کے کرداروں کے انتخاب کے لئے پروڈیوسر ڈائرکٹر اکبر خان کی تلاش مکمل ہوگئی ان مرکزی کرداروں کے لئے انہوں نے کامیاب و خوبرو ماڈل ذوالفقار سید کا انتخاب کیا ہے تو ممتاز محل کا کردار نبھانے کے لئے اپنے وقت کی ملکہ ترنم نور جہاں کی نواسی سونیا جہاں کا انتخاب کیا ہے۔

کیریکٹر آرٹسٹ ستن کپو اپنی بیٹی کو متعارف کروائینگے

فلمی دنیا میں ہیرو بننے کی تمنا لئے آئے ستین کپو پچھلے تیس برسوں سے ہندی فلموں میں چھوٹے بڑے رول کررہے ہیں آج کے شاہ رخ تک انہوں نے نہ جانے کتنے اداکاروں کیساتھ اہم رول کئے ہیں دیوار میں امیتابھ کے پتا کا رول کرنے والا بھی یہی اداکار تھا اسکے باوجود وہ صرف کیریکٹر تک ہی محدود رہے۔ لیکن چھوٹے موٹے

کرداروں میں ہی دوسرے اداکاروں کے مقابل خوب پیسہ کمایا اب وہ اپنی جوان بیٹی کو ہیروئن بنانا چاہتے ہیں اب وہ اکثر اپنی بیٹی کے ساتھ فلمی پارٹیوں میں فلمسازوں سے اسکا تعارف کرواتے دکھائی دیتے ہیں۔

تلگو کی ہٹ "ایڈیٹ" کی ہندی میں فلمبندی

تلگو فلموں سے ہندی میں ری میکنگ کا سلسلہ عام ہونے لگا ہے تلگو فلمسازوں کی کم بجٹ کی فلمیں۔ نوے نینو "سمنگی، بدری، جیم، کالج اسٹوڈنٹ، پریمچو جو کم بجٹ کے صرفہ سے بنائی گئیں تھیں عوام نے خوب پسند کیا اور ان فلموں کے فلمسازوں نے باکس آفس پر ان سے بہت روپیہ بٹورا۔ اب اسی کی ایک کڑی "ایڈیٹ" ہے جسے پوری جگناتھ نے ڈائرکٹ کیا تھا اب وہ خود ہی اس فلم کو ہندی میں بنانا چاہتے ہیں۔

بینک آف بڑودہ کے مالی تعاون سے بنائی جارہی اس فلم کی کل لاگت 65 کروڑ روپئے بتائی جاتی ہے۔ جو بیک وقت ہندی اور انگریزی زبانوں میں بنائی جارہی ہے۔ اس فلم کا اسکرپٹ ساؤتھ آفریقن مجاہد آزادی فاطمہ میر نے لکھا ہے۔ جبکہ

فلمی خبریں

تاج محل کیلئے اکبر خان کی تلاش مکمل

"چاند بجھ گیا" ایک اور متنازعہ فلم

جہاں متنازعہ موضوعات پر بنی کئی فلمیں باکس آفس پر منہ کے بل گریں ہیں اسکے باوجود فلمسازوں نے اور کچھ اس طرح کی فلمیں بنانے کا تہیہ کرلیا ہے۔ گیت کار سے فلمساز بنے فیض انور نے بھی ایک ہندو لڑکے اور مسلم لڑکی کی محبت کی کہانی جیسے موضوع کو گجرات کے فسادات سے جوڑتے ہوئے ایک فلم چاند بجھ گیا بناڈالی۔ جو ایکبار اور متنازعہ کا باعث بن سکتی ہے۔ اس فلم کو فیض انور نے کیوں بنایا یہ وہی جانتے ہیں لیکن ہندوستانی شائقین فلم تو صرف یہ جانتے ہیں کہ انھیں ان تنازعات میں گھرنا نہیں ہے اور نہ ہی ایسی فلموں کی حوصلہ افزائی کرنا ہے جو ماحول اور سماج کو گندہ کرتی ہیں چونکہ ہندوستانی ہمیشہ امن پسند رہا ہے اس لئے وہ اب کسی بھی طرح کی فرقہ وارانہ تحریک کو ہوا دینے والی کسی بھی فلم کے لئے اپنا گلکشن نہیں دے گی تاکہ ملک میں امن کی فضاء قائم رہے اور ملک قومی یکجہتی کی مثال رہے۔

شوٹنگ رپورٹ

گوبندا، پرینکا چوپڑہ کی "ایک حسینہ ایک دیوانہ" مکمل

سنگیتا پکچرس کے بینر پر بنائی جارہی

گوبندا، پرینکا چوپڑہ، ناصر خان، قادر خان، شکتی کپور، سدیپ سکسینہ، بہانی شیوپوری، پریم چوپڑہ کی کاسٹ پر مشتمل "ایک حسینہ ایک دیوانہ اس ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے۔ جسے ولسن سالوا ڈائرکٹ کررہے ہیں۔ موسیقی ڈبو ملک، بپی لہری اور جتے دیپ نے دی ہے۔

بابی دیول، ایشا پٹیل کی "ہمکو تم سے پیار ہے" پچاس فیصد مکمل

بابی دیول، ایشا پٹیل، ارجن رامپال، اور جانی لیور کی کاسٹ پر مشتمل سنے یگ پرائیوٹ لمیٹڈ کی فلم "ہم کو تم سے پیار ہے" اس ہفتہ پچاس فیصد مکمل کرلی گئی ہے۔

این چندرا کی "ایکسکیوزمی" ریلیز کے لئے تیار

این چندرا پروڈکشن کی فلم۔ ایکسکیوزمی" تکمیل کے مراحل کے بعد ریلیز کے لئے تیار ہے سنجیو درشن کی موسیقی سے لیس اس فلم میں شرمان جوشی، اور ساحل خان اہم رول ادا کئے ہیں۔ فلم کو این چندرا نے ڈائرکٹ کیا ہے۔

"اس پیار کو کیا نام دوں" تکمیل کے مراحل میں

راہل راویل کی ہدایت میں بن رہی "اس پیار کو کیا نام دوں" تکمیل کے مراحل میں قدم رکھ چکی ہے۔ موسیقی ندیم شراون کی ہے ساہو فلمس پرائیوٹ لمیٹڈ کے پرچم تلے بنائی جارہی اس فلم میں جان ابراہام، انکیتا ملہوترا، اوم پوری اور رنجیتا اہم کردار میں دکھائی دینگے۔

دینو موریہ، یکتا مکھی کی "انصاف دی جسٹس" مکمل

دینو موریہ، یکتا مکھی، سنجے سوری، نمرتا شروڈکر کی اسٹار کاسٹ پر بنی "انصاف دی جسٹس" اس ہفتہ مکمل کرلی گئی شری سریواستو کی ہدایت میں بنی اس فلم کی موسیقی نکھل ونئے نے دی ہے۔

آفتاب اور بپاشا کی "جانے ہوگا کیا" نوے فیصد مکمل

پی کے آرٹس کی نئی فلم۔ جانے ہوگا کیا" نوے فیصد مکمل کرلی گئی گلین انکش کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کے اہم ستارے ہیں آفتاب شیودسانی، بپاشا باسو، پریتی جھنگیانی، راہل دیو، پریش راویل، سنجے نارویکر، ٹینو آنند ہیں۔ موسیقی ساجد واجد نے دی ہے۔

☆☆☆☆

نیب کو بھی 3 سال ہوگئے مگر....

عباس مہکری

صدر جنرل پرویز مشرف کی حکومت کے ساتھ ہی قومی احتساب بیورو (نیب) نے بھی اپنے تین سال مکمل کرلئے ہیں۔ نیب کی تین سالہ کارکردگی کے بارے میں مختلف آراء ہیں۔ اس تین سال کے عرصے میں نیب کے تین چیئرمین بنے اور تینوں لیفٹیننٹ جنرل کے عہدے کے لوگ تھے۔ اسی طرح تین پراسیکیوٹر جنرلز آئے۔ ان کے علاوہ نیب نے ملک بھر سے بڑی تعداد میں وکلاء اور ماہرین قانون کو بھرتی کیا۔ ان میں ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرلز، ایڈیشنل پراسیکیوٹر جنرلز، اسسٹنٹ ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل، اسسٹنٹ پراسیکیوٹر جنرل، اسسٹنٹ ڈپٹی پراسیکیوٹر جنرل، اسسٹنٹ پراسیکیوٹر جنرل، اسپیشل پبلک پراسیکیوٹرز اور ان کے اسسٹنٹس اور بڑی تعداد میں لیگل ایڈوائزرز اور کنسلٹنٹس شامل ہیں۔

نیب نے تین سال کے دوران سب سے اچھا کام جو کیا وہ یہ ہے کہ اس نے بڑی تعداد میں بے روزگار لوگوں کو نوکریاں فراہم کیں ورنہ باقی ہر شعبے میں لوگوں کو نوکریوں سے نکالا گیا۔ جن لوگوں کو نوکریاں فراہم کی گئیں ان میں ریٹائرڈ آرمی افسران، بینکرز اور مالیاتی امور کے ماہرین شامل ہیں، جنہیں اس ملک میں شاید کہیں نوکری نہیں مل سکتی تھی۔ اس نے ایف آئی اے کے انتہائی سطح کے اہلکاروں کو بڑے بڑے عہدوں سے نوازا، ورنہ یہ لوگ ایف آئی اے کے ختم کئے جانے کی وجہ سے بیروزگار ہونے والے تھے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اس فوج ظفر موج نے کیا کارنامے انجام دئے؟ نیب کے حکام کو اپنی تین سالہ کارکردگی کا جائزہ لیتے ہوئے بعض حلقوں کی آراء پر بھی غور کرنا چاہئے، جو اب تک نیب کے حوالے سے پیدا ہوئی ہے۔

نیب کا یہ دعوی ہے کہ اس نے اب تک بدعنوان عناصر اور قومی دولت کی لوٹ مار کرنے والے لوگوں سے 200 ارب روپے وصول کرلئے ہیں جبکہ نیب کے برعکس معتبر ذرائع نے جو انکشاف کیا وہ اس دعوے کے برعکس ہے۔ ان ذرائع کا کہنا ہے کہ نیب کو اب تک نقدی کی صورت میں جو وصولیاں ہوئی ہیں وہ بمشکل 2 ارب ہیں جبکہ نیب کے انتظامی معاملات پر خرچ ہونے والی رقم اس سے کئی گنا زیادہ ہے۔ اس ملک میں بہت سی بڑی بڑی مچھلیاں ہیں جنہوں نے کرپشن اور لوٹ مار سے اپنے ہاں دولت کے انبار لگالئے اور اسی دولت کے بل بوتے پر وہ آج اس ملک کے سیاہ و سفید کے مالک ہیں لیکن بعض حلقوں کے خیال کے مطابق ایسی بڑی مچھلیوں پر بہت کم ہاتھ ڈالا گیا ہے۔

ایک عام خیال یہ بھی ہے کہ احتساب کے نام پر جو خوف و ہراس کی فضا پیدا ہوئی اس کی وجہ سے بعض تاجر اور صنعتکار اپنا سرمایہ اس ملک سے باہر لے گئے، کاروبار اور کارخانے بند ہوگئے ہیں۔ تاجروں اور صنعتکاروں نے نہ صرف اپنا سرمایہ بیرون ملک بھیج دیا ہے بلکہ بعض لوگ خود بھی ملک چھوڑ کر چلے گئے ہیں۔ پاکستان میں سرمائے کی ریل پیل ختم ہوگئی ہے اور بیروزگاری اپنی انتہائی حدود کو چھورہی ہے جس کے نتیجے میں پاکستان کے نوجوان زبردست مایوسی کا شکار ہیں اس مایوسی میں وہ یا تو بیرون ملک جانے کو ترجیح دے رہے ہیں یا خودکشی کررہے ہیں۔ نیب کے حکام کو اس بات پر بھی سوچنا چاہئے کہ لوگوں میں نیب کے بارے میں یہ رائے کیوں پیدا ہوئی ہے۔

ملک کی اکثر بڑی سیاسی جماعتیں یہ الزام بھی لگاتی ہیں کہ احتساب کے نام پر انتقامی سیاست کو رواج دیا گیا۔ جو سیاستدان حکومت کے سیاسی ایجنڈے سے متفق نہیں تھے انہیں احتساب کے شکنجے میں جکڑ دیا گیا۔ ان کے خلاف ریفرنس بنائے گئے۔ ان میں سے بعض کو سزائیں دلوا کر نااہل قرار دیا گیا اور سیاست سے آؤٹ کردیا گیا۔ کئی سیاستداں اب بھی سلاخوں کے پیچھے اپنی زندگی کے دن گزار رہے ہیں۔ اس کے برعکس جو سیاستداں حکومت کی ہاں میں ہاں ملاتے رہے، انہیں "مسٹر کلین" کا سرٹیفکیٹ دے دیا گیا۔ وہ نہ صرف آزاد پھر رہے ہیں بلکہ آج وہ نئی سیاسی حکومت میں بڑے عہدوں کے امیدوار بھی ہیں۔ ان میں سے اکثریت ایسے لوگوں کی ہے جن کی کرپشن اور لوٹ مار کی داستانیں زبان زد عام ہیں۔ سیاسی جماعتوں کے علاوہ حقوق انسانی کی ملکی اور بین الاقوامی تنظیموں نے بھی اسی طرح کی آراء کا اظہار کیا ہے۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ احتساب کرنے والے قومی ادارے کے بارے میں اس طرح کا تاثر کیونکر پیدا ہوا جو نیب کی غیر جانبداری کے امیج کے لئے نقصان دہ ہے۔

بعض ایسے کیس بھی نیب نے نمٹائے ہیں جن پر وسیع تر حلقوں میں تنقید کی جارہی ہے مثلاً نیب نے سندھ کے دو درجن سے زائد غریب کسانوں کو گرفتار کیا۔ ان میں سے اکثریت کو اگرچہ رہا کردیا گیا ہے لیکن انہوں نے ایک سال سے زیادہ عرصہ جیل میں گزارا ان پر الزام تھا کہ وہ امداد باہمی کے قرضوں کے نادہندہ ہیں۔ ان قرضوں کی مالیت 25 ہزار سے 2 لاکھ روپے تھی۔ یہ وہ غریب کسان تھے جنہیں اپنا نام بھی لکھنا نہیں آتا تھا۔ جیل میں رہنے والے ان غریب کسانوں میں سے ایک شخص اس قدر بوڑھا تھا کہ وہ چل بھی نہیں سکتا تھا۔ ان کا قصور یہ تھا کہ بعض بااثر زمینداروں اور سندھ کے محکمہ زراعت

کے بعض افسروں نے ان کے شناختی کارڈ پر امداد باہمی (کوآپریٹیوز) کے یہ قرضے حاصل کئے تھے اور کاغذات پر ان کے انگوٹھے لگوالئے تھے۔
امداد باہمی کے اربوں روپے کے قرضے تو وصول نہ ہوسکے جو بااثر زمینداروں اور سرکاری افسروں نے حاصل کئے تھے البتہ نیب کے اہلکاروں نے ان معصوم اور بے گناہ کسانوں کو گرفتار کرکے اپنی کارکردگی ظاہر کردی۔ نیب نے ایک ریٹائرڈ وفاقی سکریٹری کو بھی گرفتار کیا جو اپنی این جی او کے کام کے لئے مشہور ہیں۔ انہیں بغیر کسی ثبوت کے جیل کی سلاخوں کے پیچھے دھکیل دیا گیا۔ وہ کسی نجی ملٹیشنل کمپنی کے محض ایک نان ورکنگ ڈائرکٹر تھے۔ اس کمپنی پر الزام تھا کہ اس نے حکومت کے ایک ادارے کے ساتھ جعلی لین دین کیا ہے۔ اس سابق وفاقی سکریٹری کو اس لین دین کی تفصیلات بھی معلوم نہیں تھیں لیکن وہ چھ ماہ تک جیل میں سڑتے رہے اور بالآخر ہائی کورٹ نے انہیں ضمانت دی۔

اب حکومت نے یہ اعلان کیا ہے کہ وہ نیب کے کردار کو وسعت دے گی۔ 50 ملین روپے سے زیادہ کے ٹینڈر صرف نیب کی منظوری اور تحقیقات کے بعد ہی کسی کو دئے جاسکیں گے۔ یہاں یہ سوال بھی پیدا ہوتا ہے کہ نیب کا احتساب کون کرے گا؟ بعض حلقے کہتے ہیں کہ نیب کی تین سالہ کارکردگی نے پاکستان کے عوام کو صرف تین سوالات دئے ہیں مثلاً ملکی معیشت کو اب تک جو نقصان ہوا ہے اس کا ازالہ کون کرے گا؟ بے گناہ لوگوں کی جو زندگیاں برباد ہوئی ہیں ان کی تلافی کون کرے گا؟ اور احتساب کے عمل پر عوام کا جو اعتماد مجروح ہوا اسے کون بحال کرے گا؟ نیب کو اپنی تین سالہ کارکردگی کا جائزہ لینے کے ساتھ ساتھ اس بات پر سنجیدگی پر غور وفکر کرنا چاہئے کہ نیب کے بارے میں اس طرح کے خیالات پیدا ہونے کے کیا اسباب ہیں۔ اگر ان اسباب کو دور کردیا جائے تو ملک وقوم کے لئے بہتر ہوگا۔

مسرت جبین

جواب طلبی کا حق

سڑک پر چلتے چلتے، اچانک کوئی پھسل کر گر جائے تو لوگوں کے چہروں پر بے اختیار مسکراہٹ آجاتی ہے۔ گرنے والے کی تکلیف کا خیال یا اس کے پھسلنے کا سبب جاننے کی جستجو تو بعد کی باتیں ہیں۔ اسی طرح اگر کوئی مقرر بے انتہا بور تقریر کررہا ہو اور اچانک پچھلی نشستوں سے کوئی اس پر ٹماٹر کھینچ مارے تو لوگوں کے چہروں کی خوشی دیدنی ہوتی ہے۔ بیچارے اسپیکر پر کیا گزرتی ہے اس کے جذبات کیا ہوتے ہیں، یہ بھی بعد کی سوچیں ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ ہیکہ پہلا اور بنیادی ردعمل خوشی اور اطمینان کا ہوتا ہے جو کسی بھی معمولی چیز سے ہٹ کر جذباتی ریلیف کے طور پر انسان محسوس کرتا ہے۔

کچھ ایسی ہی کیفیت میری بھی تھی۔ روز کی معمول کی خبروں اور موجودہ سیاسی تناؤ کے تناظر میں وہ خبر میرے لئے ایک گونہ ذہنی ریلیف کا سبب بنی تھی اسے آپ گریک ٹریجڈی Greek Tragedy میں کامک ریلیف Comic Relief کا درجہ دے سکتے ہیں خبر کچھ یوں تھی....

• لاہور کے یوم اقبال کی تقریب میں شرکاء نے بشریٰ رحمن کی تقریر سننے سے انکار کردیا۔ معروف کالم نویس اور مسلم لیگ (ق) کی نومنتخب رکن قومی اسمبلی بشریٰ رحمن جیسے ہی خطاب کیلئے ڈائس پر آئیں تو ہال میں سے ایک شخص نے اپنی نشست پر کھڑے ہو کر جذباتی انداز میں تقریر کرنا شروع کردی اور کہا کہ جب امریکہ افغانستان پر حملہ کررہا تھا تو آپ کے اس وقت کے کالم مسلمانوں کے جذبات کی عکاسی کرتے تھے۔

آج آپ مسلم لیگ (ق) کے ٹکٹ پر رکن ہوگئیں جو جنرل مشرف کی امریکہ پالیسی کو جاری رکھنا چاہتی ہے۔ آپ نے ایسا کیوں کیا؟ بشریٰ رحمن یہ سن کر غصے میں آگئیں اور کہا کہ یہ فیصلہ کرنا میرا اپنا حق ہے اور میں نے اپنی مرضی سے ٹکٹ لیا ہے کسی کو اپنی رائے مجھ پر نافذ کرنے کا حق نہیں اس پر لوٹے تھاہ .... اور جو امریکہ کا یار ہے غدار ہے .... کا اتنا شور مچا کہ تقریر جاری رکھنے کی بشریٰ کی ساری کوششیں ناکام ہوگئیں۔ وہ آنکھوں میں آنسو لئے اپنی سیٹ پر واپس بیٹھ گئیں اور پھر تھوڑی ہی دیر بعد اچانک اسٹیج سے اٹھ کر چلی گئیں۔ یہ احتجاج اس فلور کراسنگ کے حوالے سے تھا جو سیاستدانوں نے انتخابات سے پہلے کی تھی"۔

بشریٰ رحمن ایک سلجھی ہوئی اور تعلیم یافتہ خاتون ہیں اور مجھے ان سے کوئی ذاتی پرخاش نہیں۔ نہ ہی مجھے سیاست کے داؤ پیچ سے ایسی دلچسپی ہیکہ کسی ایک گروپ کی حمایت میں باقی سب لوگوں کو اپنا دشمن سمجھنے لگوں .... لیکن اس خبر میں خوش ہونے کی کم اور عبرت پکڑنے کی کئی باتیں ہیں۔ اول تو یہ بات بڑی اہمیت رکھتی ہے کہ بشریٰ کے ساتھ یہ سلوک لاہور میں روا رکھا گیا۔

لاہور ان کا اپنا شہر اور ان کا بنیادی حوالہ ہے اور اسی شہر سے انہیں سیاست میں بے حد پذیرائی بھی مل چکی ہے۔ وہ ایک شائستہ اطوار خاتون ہیں لیکن ان کے اسی علاقے نے، انہی لوگوں نے ان کی تقریر سننے سے انکار کرکے ملکی سیاست میں ایک نئی روایت کی طرح ڈالی۔ سوچنے کی بات یہ ہے کہ ان کے اپنے شہر کے لوگوں نے ان کے ساتھ یہ سلوک کیوں کیا؟ کیا یہ اس بات کا عندیہ نہیں کہ اب لوگ صرف سننے کے نہیں بلکہ پوچھنے کے مرحلے میں بھی داخل ہوگئے ہیں۔

خوگر حمد سے تھوڑا سا گلہ بھی سن لے

رہی بشریٰ کی بات یہ کہ انہیں فیصلہ کرنے کا حق حاصل ہے اور کوئی اپنی مرضی ان پر

مسلط نہیں کرسکتا .... تو یہ بات میدان سیاست میں آنے والے ہر شخص کو یاد رکھنی چاہئے کہ سیاست کوئی ذاتی مشغلہ یا انفرادی کاروبار نہیں ... یہ لوگوں تک پہنچنے اور ان کی مرضی کی قوت سے کسی مقام پر پہنچنے کا نام ہے ۔ آپ منتخب ہونے کیلئے لوگوں کے ووٹ کے محتاج ہوتے ہیں اور ووٹ کی یہی طاقت لوگوں کو یہ حق بھی دیتی ہے کہ وہ آپ سے آپ کے فیصلوں کی جواب طلبی کریں ؟ سیاست میں کوئی فیصلہ کوئی عمل ذاتی نہیں ہوتا، اس لئے کہ آپ کچھ لوگوں کی نمائندگی کرتے ہیں، اگر ان لوگوں کی سوچ آپ کی سوچ یا فیصلوں سے متصادم ہوجائے تو انہیں یہ حق پہنچتا ہے کہ وہ آپ سے اپنی نمائندگی کے حق کو چیلنج کریں۔

لاہور میں لوگوں کا یہ رویہ صرف بشریٰ رحمن کیلئے ہی مخصوص نہیں تھا، عوامی تحریک کے سربراہ ڈاکٹر طاہر القادری جب تقریر کرنے آئے تو انہیں بھی لوگوں نے آڑے ہاتھوں لیا۔ ان پر یہ الزام تھا کہ انہوں نے ریفرنڈم کے وقت پرویز مشرف اور امریکہ کا ساتھ دیا لیکن جب انہیں کچھ نہیں ملا تو وہ مخالف ہوگئے ۔ علامہ طاہر القادری وضاحتیں دیتے رہے لیکن سامعین نے انہیں بھی سننے سے انکار کردیا۔

کسی بڑے جلسے میں اسٹیج پر تقریر کرنا ویسے بھی ایک مشکل مرحلہ ہے (کم از کم میرے لئے) لیکن لوگوں کا اس طرح کا رویہ یقیناً دل توڑنے والا ہے ۔ مجھے فاضل مقررین کے جذبات کا احساس بھی ہے اور پاس بھی ... لیکن اس کے باوجود فطری ردعمل اور جذباتی طمانیت سے میں انکار نہیں کرسکتی۔ یہ طمانیت اس بات کی ہے کہ اب لوگ یعنی عوام باشعور ہوتے جارہے ہیں، سوچتے ہیں اور اس سوچ سے جو سوال جنم لیتے ہیں وہ ان کے جواب چاہتے ہیں، وہ اب گونگے، بہرے اور بے حس بن کر اپنی قسمت کا فیصلہ کرنے والوں کے ہر عمل اور ہر فیصلے پر چپ چاپ سادھ نہیں کررہے ۔ وہ سیاستدانوں کے رویوں اور عمل میں تضاد پر توجہ دیتے ہیں۔

شعور کی اس نئی رت کو تو خوش آمدید کہنا چاہئے اور امید کی جانی چاہئے کہ ایک وقت وہ بھی آئے جب کوئی بھی طالع آزما ہماری یعنی قوم کی قسمت سے من مانے طور پر کھیلنے کی جرات نہیں کرے گا کیونکہ عوامی شعور جب پوری طرح بیدار ہوجاتا ہے تو پھر کوئی قوت اسے نظر انداز کرنے کی جرات نہیں کرسکتی۔

درشہوار قادری

کھلنا کھانے کا

ایک صاحب کسی سرکاری محکمے میں اعلیٰ افسر سے ملنے گئے ۔ سکریٹری کے پاس جا کر افسر سے ملنے کا مدعا بیان کیا ۔ سکریٹری نے کہا کہ صاحب بہت مصروف ہیں آپ تھوڑی دیر انتظار کریں ۔ موصوف کو بیٹھے بیٹھے تین گھنٹے گزر گئے جبکہ اس دوران میں بہت سے ملاقاتی افسر کے کمرے میں گئے اور واپس بھی آگئے ۔ تنگ آکر وہ صاحب سکریٹری سے بولے "تم نے مجھے صبح سے بتایا ہوا ہے کہ صاحب مصروف ہیں جبکہ آٹھ افراد تو میں خود گن چکا ہوں جو اندر گئے اور تم نے انہیں نہیں روکا ۔ سکریٹری بولا ۔ وہ سب کون سا مجھ سے پوچھ کر گئے ۔ آپ بھی بغیر پوچھے اندر چلے جاتے ۔ بالکل اسی طرح سے حکومت کے حالیہ فیصلے کے مطابق شادی بیاہ میں کھانا کھلانے پر سے پابندی اٹھالی گئی ہے ....

کون سی پابندی کیسی پابندی ؟ ہم بقلم خود بلکہ خود بجنود گواہ ہیں اس امر کے اور ہم دیکھتی آنکھوں اور بھوک سے بلبلاتی آنتوں کے ساتھ کھانا کھلانے پر پابندی کے دنوں میں بارہا ان مراحل سے گزرے ہیں کہ شادی ہالوں میں کھانے کی میزیں نعمتوں سے اٹی پڑی ہیں ۔ انواع و اقسام کی ڈشیں موجود ہیں ۔ حاضرین محفل اشیائے خورد و نوش سے دو دو ہاتھ کرنے میں مصروف عمل ہیں ۔ ان کی کوشش ہے کہ ہر ڈش سے عدل و انصاف کے تقاضے پورے ہوں ان کی پلیٹیں چوٹی تک لبالب بھری ہوئی ہیں اور زبان سے جاری ہے ۔

کوئی بریانی سی بریانی ہے
ابھی تھوڑے دن ادھر کی بات ہے

یعنی تقریباً پانچ برس پہلے جب ایک سرکاری حکم نامے کے ذریعے شادی بیاہ کی تقریبات میں کھانا کھلانے پر پابندی عائد کی گئی ۔ اکثریت کے لئے یہ احکامات بجلی بن کر گرے " اسے ہے بغیر کھانے کے شادی بھی کوئی شادی ہے " ۔ " لو بھئی حد ہوگئی خالی بوتلوں پر مہمانوں کو ٹرخادیں کیا " ۔ " نہ بھئی نہ .... اب بغیر کھانا کھلائے ہم تو اتنا بڑا تحفہ مرزا صاحب کی بیٹی کی شادی میں نہیں دیں گے ۔ چھوٹے موٹے تحفے سے بھی کام چل سکتا ہے " ۔ گویا ان دنوں شادی کا تحفہ دولہا دولہن والوں سے تعلقات کی بنیاد پر نہیں بلکہ تقریب کے موقع پر کھانا کھلانے سے مشروط ہوچلا تھا ۔ کھانے پر عائد پابندی نے اخلاقیات کا گراف خاصا نیچے گرادیا تھا اور رشتے داری و تعلقات پس پشت جاچکے تھے ۔ بانو بیگم کا فرمانا تھا کہ " شادی میں رونق تو ہے ہی اشتہا انگیز کھانوں اور رنگا رنگ ڈشوں کے دم سے " ۔

کھانا کھلانے پر پابندی نے عوام کے منہ بسور کے رکھ دئے ۔ تقریبات میں پہنے جانے والے کپڑے اور زیورات کا مزہ کرکرا ہو کے رہ گیا ۔ شادی ہال تقریباً سنسان ہوگئے کہ جہاں دولہا دولہن کے عزیزوں اور نکاح خواں کے علاوہ کوئی اور پھٹکتا نہیں تھا (شادی ہال کے مالکان نے ان ہالوں کو شاپنگ مال میں تبدیل کرنے کی ٹھان لی) ان تقاریب کی رونقیں اب منتقل ہوچکی تھیں سوئم اور چہلم کے کھانوں کی طرف ۔ یوں لگتا تھا کہ دعائیں مانگی جارہی ہوں کہ کب کوئی مرے اور کب مرحوم یا مرحومہ کے گھر کھانا تناول کرنے کا موقع نصیب ہو انہی سنہری " کے دنوں میں کچھ " عادی مدعوئین " کو ہم نے انگلیوں پہ حساب لگاتے دیکھا کہ باس کی والدہ جو انتہائی نگہداشت

کے وارڈ میں داخل ہیں اگر شام تک وفات پا جاتی ہیں تو سوئم اس ویک اینڈ پر پڑے گا ... لو بھئی کھانا پکا ....

ہماری دوراندیش پڑوسن نے اپنے زرق برق ریشمی جوڑے ماسی کو دے ڈالے تھے اور جدید اسٹائل کے سوتی جوڑے خرید لئے تھے کہ نری سوکھی بوتل پینے والی تقریب میں گوٹے لچکے اور دبکے والے بھاری جوڑوں کا کیا کام (ویسے ہماری ناقص عقل میں موصوف کا فلسفہ یعنی بھاری ملبوسات اور شادی بیاہ میں پیش کئے جانے والے مرغن کھانوں کے درمیان تعلق ایک عرصے تک نہیں سمجھ آسکا کہ کیا مناسبت ہے ؟) کھانا کھلانے پر پابندی نے ہر شخص کو ماہر اقتصادیات بنادیا تھا اور وہ حساب کتاب کرتا دکھائی دیتا تھا۔ شادی ، ولیمے ، دعوت نامہ موصول ہوتا بہت سوں کو کرب میں مبتلا کرڈالتا۔

ڈیفنس سے ناظم آبادی آنے کے لئے کم از کم دو سو روپے کا پٹرول پھونکو۔ تقریب میں دینے کے لئے پانچ سو روپے کا تحفہ خریدو۔ پہننے کے لئے کپڑے ، زیور کی خریداری اور نوک پلک سنوارنے کے لئے بیوٹی پارلر یاترا۔ اس کے علاوہ پھر خالی بوتل پیتو نا بابا نا۔ نرا گھاٹے کا سودا ہے شادی میں شرکت کرنا "۔ مگر یہ منظر نامہ تھا کھانوں پر پابندی کے ابتدائی دنوں کا۔ پھر آخر کار قوم نے فلاح کی راہ ڈھونڈھ ہی لی اور وہ اس طرح کہ شہر کے وسیع و عریض کوٹھیوں کے لان اس مقصد کے لئے استعمال میں لائے گئے تاکہ چار دیواری کے اندر خاطر مدارت حسب روایت انجام پاسکے ۔ مزے کی بات یہ ہیکہ ایسی تقاریب میں یعنی چوری چھپے کھانا کھلانے کے عمل میں ہماری پولیس نے تجاہل عارفانہ سے کام لیا کہ تقریب گاہ کے باہر متعلقہ تھانے کی موبائل کھڑی ہے اور زیر سرپرستی تمام مراحل طے کرا رہی ہے وہ پھر بھی لاعلم ہے کہ "پردے کے پیچھے کیا ہورہا ہے ؟" ان کے لئے دیگیں بھی اور خطیر رقم بھی مقرر تھی کہ جن کے تعاون سے عشائیہ بحسن و خوبی طے پایا۔

تھوڑا عرصہ گزرنے کے بعد یہ جھنجھٹ بھی ہم نے پھینک ڈالا اور کھلے عام کھانے کھل پڑے (غیر سرکاری طور سے) اس کے پس پردہ یہ نظریہ کارفرما تھا "کیسی پابندی کیسا آرڈیننس ... ہم تو آزاد بندے ہیں اور پابندی ہم سے برداشت نہیں ہوتی "۔ گویا عملاً پچھلے چند برسوں سے شادی ہالوں اور میریج لانوں کی رونقیں بحال ہوچکی تھیں ۔ مہمانوں کی تواضع کھانے سے کرنا اپنے پورے جوبن پر واپس آچکا تھا۔ نیلے ، پیلے ، اودے آنچلوں کی بہار۔ سجے بنے مدعوئین، جھلمل کرتے زیورات ۔ اسٹیج سے لے کر گیٹ تک طوفان بدتمیزی مچاتے ہوئے بچے .... شامیانے کے تلے میز پر چنے ہوئے انواع و اقسام کے کھانے ۔ اسپرٹ لیمپ کی گرمی سے فضا میں پھیلی ہوئی اشتہا انگیز مہک سلاد چٹنیوں کا میلہ ، کول ڈرنک کے گرد منڈلاتے حاضرین محفل اور پھر ڈشوں کے ڈھکن زوردار انداز سے اتار کر بیروں کیجانب سے اعلان کہ "ٹوٹ پڑو ... پل پڑو ، ادھر حاضرین کے پیش نظر یہ آزمودہ فلسفہ کہ پہلے آیئے پہلے پایئے " ہمارے ایک کرم فرما اس موقع پر یہ مصرع ضرور گنگناتے

جو بڑھ کے تھام لے مینا اسی کا ہے

کھانا شروع ہونے کا اعلان بہت سے پژمردہ چہروں کے لئے پیام مسرت کی مانند ہوتا ہے ۔ سوٹ بوٹ والے بابو اور شلوار قمیص والے بابا ۔ ساڑھی باندھے ہوئے مڈم ہوں یا چوڑی دار پاجامے میں ملبوس قمرالنساء بیگم "سب اسی فوڈ کے اسیر ہوئے " کے مصداق جب دوڑ لگاتے ، پھلانگتے اور راہ میں حائل کرسیوں کو روندتے ہوئے (گویا ایک ہرڈل ریس کا سماں ہو) حاضرین محفل کھانے کی میزوں پر پہنچتے ہیں تو من و تو کا فرق مٹ جاتا ہے اکثر ریش دراز زلف سیاہ سے الجھ پڑتی ہے محض یہ ثابت کرنے کو "زور کتنا بازوئے قاتل میں ہے " ... اور ظاہر ہے کہ مضبوط تن و توش والے اور ہنگامی حالات سے نبرد آزما ہونے کی مشق یافتہ صاحبان سلوک کی منازل سے کامیاب و کامران گزر جاتے ہیں جبکہ کمزور قوی اور کم ہمت افراد کے حصے میں محض سالن کا بچا ہوا گھی اور بریانی کی ڈش میں بچی کچھی ہڈیاں آتی ہیں ۔ یہ قناعت پسند قبیلہ باقیات مل جانے پر ہی خدا کا شکر بجا لاتا ہے کہ

عزت سادات تو بچ گئی

بہرحال یہ مناظر عبرت اس وقت بھی پورے عروج پر تھے جب شادی بیاہ میں کھانا کھلانے پر پابندی عائد تھی ۔ گرہ موقع سے فائدہ اٹھاتے ہوئے کچھ دل جلوں نے ان دنوں اپنی 2، 4 شادیاں رچا ڈالیں اور سستے چھوٹ گئے مشروب پلا کر ... اور اب .... جبکہ سرکاری طور سے پابندی اٹھالی گئی ہے (عقلمندی کا تقاضا بھی یہی تھا کہ رسمی پابندی کو اٹھا لیا جائے) مستقبل کا منظر نامہ کیا ہوگا ؟ ہمارے رونگٹے اس تصور سے کانپ جاتے ہیں کہ اب کھلے عام بلکہ ڈنکے کی چوٹ پر پیٹو میاں اور چٹورے خان کھانے کی میزوں کی جانب دوڑتے دکھائی دیں گے اور ایک نشست میں کئی کئی وقتوں کا کھانا ٹھونستے دکھائی دیں گے کہ "کھانے کے دن یہی تو ہیں" یہ وہ افراد ہیں جن کا خیال ہے کہ ہر دانے پر ان کا نام ثبت ہے ۔ ایک اور محترم ہیں جو کھانا کھلنے کے سرکاری اعلان سے بہت ہی خوش ہیں کیونکہ وہ تقریبات میں شرکت ہی محض طعام کی خاطر کرتے ہیں۔ سب سے پہلے وہ دعوت نامے کو بغور پڑھتے ہیں ۔ دعوت نامے کے تیور بھانپنے کے بعد وہ تقریب کے میزبان کی سابقہ روایات میزبانی کا بغور مطالعہ کرنے کے بعد تقریب میں اپنی شرکت یا عدم شرکت کا فیصلہ کرتے ہیں۔

ہم غریب ، مقروض اور تیسری دنیا کے ترقی پسند ملک کے شہری ہونے کے ناتے وہ سب کچھ کرنے کے متحمل نہیں ہیں جو خرافات و فضولیات کی شکل میں ہم نے اپنائی ہوئی ہیں کیا ون ڈش سے کام نہیں چلایا جاسکتا ؟

☆☆☆

any aches or pains? Do you need to see your doctor?

Practice progressive Muscle relaxation

Relieve stress muscle-by-muscle with a simple technique known as progressive muscle relaxation (PMR). It can be helpful for musculoskeletal pain, anxiety, insomnia, migraine headaches, and chemotherapy-related nausea. Try it at home:

* Sit in a quiet place. (You can also do it lying down, but you may fall asleep.)
* Close your eyes and concentrate on breathing for a few seconds.
* Focus on a body part or muscle group— say your feet.
* While taking a deep, inhaling breath, tense your feet muscles and hold it for five seconds.
* Then relax your feet as you exhale. Feel the release.
* Work on your legs next, moving up your body towards your face.

Try doing this practice for 10 to 15 minutes each day.

Help for Halitosis

Did you know that the usual cause of bad breath is bacteria growing on the tongue or around the gum line? Despite all their advertising, people don't pay much attention to the claims made by mouthwashes. They may help temporarily, but they often don't penetrate into the crevices of the tongue. It is much preferable using a tongue scraper once or twice a day. This helps clean off the bacteria. Or, you can brush your tongue with toothpaste.

Reading for the Soul

Taking time to read feeds the soul. If you don't know what to read, ask friends and bookstore clerks to recommend inspirational books. Make a list of some you would like to read in the areas of spirituality, religion, self-help, poetry, biography, or any other subject that appeals to you. Then select one that you will begin this week. You might want to read a book along with a friend. You could even start or join a book club so that you'll have more motivation and community around your new reading habit. Also, with a commitment, you're more likely to make the time to read.

Soothing Ginger Tea

People throughout the world have learned to value ginger for it's warming effects and ability to stimulate digestion, settle upset stomachs, and relieve aches and pains. In recent years, a great deal of medical research, much of it in Japan and Europe, has documented remarkable findings. Ginger improves digestion of proteins, is an effective treatment for nausea and motion sickness, strengthens the mucosal lining of the upper gastrointestinal tract in a way that protects against the formation of ulcers, and has a wide range of actions against intestinal parasites.

To brew yourself a cup of ginger tea: Grate 1/2 teaspoon of fresh ginger; steep it into a cup of boiling water for 10-15 minutes; strain; add honey to taste, and enjoy. Serve hot or cold.

Do Women need more Vitamins than Men?

May be. Women are more likely to get osteoporosis (so they should take calcium); women are more likely to have anemia (so they should take iron); and now a new study has found that women may experience more oxidation, a process suspected of increasing the risk of heart disease and stroke (so they should take antioxidants).

Java Junkies No More

Caffeine, which is found in coffee, tea, soft drinks, and chocolate, is so widely used that few people realize that it is an addictive drug. It increases your heart rate and blood pressure and can also make you more jumpy, anxious and fearful. If you think you're a caffeine junkie, now's the time to stop. But make no mistake: caffeine addiction is a hard habit to break, with withdrawal symptoms lasting up to 72 hours. The best alternative is black tea, which has some caffeine, but may also protect against heart disease and cancer.

Give your Brain a Boost

Feel like your memory is getting worse with every passing birthday? It happens to all of us as we age, but lifelong stimulation is the key to building brain cells, staving off memory loss, and maybe even preventing Alzheimer's Disease. Research has found that interesting work (paid or volunteer), hobbies, and an active social life can all help. Try challenging yourself with music or language lessons, plan a trip with friends, or just hunker down with a good crossword puzzle this weekend. And while you're at it, do it all with a smile. Studies show that a positive emotional state is also good for your brain.

Survey your Sleep Rituals

Adequate sleep is a key element of a healthy lifestyle; lack of it increases susceptibility to illness. Today, take a look at your sleep environment and bedtime habits:

* Is your bed comfortable? Is the mattress too soft or too firm? How are your pillows?

* Is your bedroom noisy? Do you need to get an inexpensive sound machine to mask unwanted noise?

* Is caffeine getting in the way of your rest? Do you need to switch to decaf?

* Does your mind wander as you try to drift off to sleep? Should you do some relaxing breathing or stretches before bedtime? Have you tried reading before bed?

* Are you suffering from

Vitamins for Stress

Stress, drug use, and chronic illness can increase the body's need for B vitamins. I also recommend B-complex supplements to smokers, drinkers, and people with erratic diets or work schedules. Before buying a B-complex supplement, check the label to be sure that it includes at least 400 micrograms of folic acid.

Music in the Morning
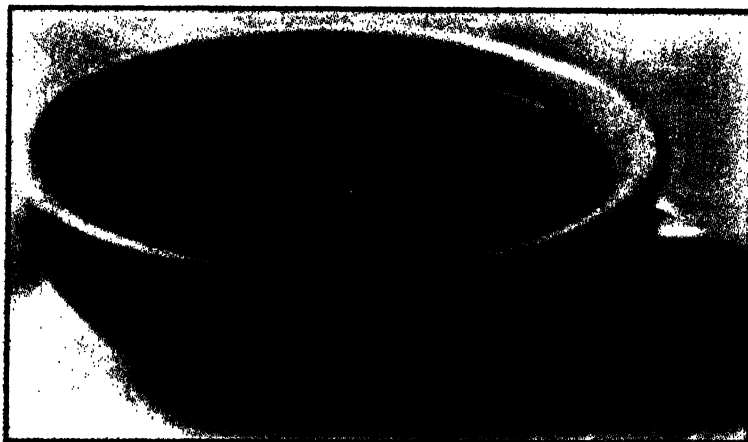
Listening to music that makes you feel good- secure and happy- creates an emotional climate for deep relaxation. Music can also be a powerful tool for healing. Classical music scores that approximate the rhythm of the resting heart (70 beats per minute) can actually slow a heart that is beating too rapidly. Instead of the news this morning, you might try listening to something soothing in the car or over breakfast.

The Great Pumpkin

Pumpkins are loaded with carotene, which may protect you against certain cancers, but be sure to save (and savor) the pumpkin seeds from your jack-o'-lantern. They are a good source of iron, and studies have shown they are good for the prostate. Making them edible is easy: Scoop the seeds out of the pumpkin, wash off any pulp, and let them dry. Place them on a cookie sheet and bake them for approximately one hour in a warmed (250 degree F) oven. You'll need to toss them a few times to make sure they brown evenly.

Your Wellness Tip of the Week

Relaxing Breathing Exercise!

* ONE of the fastest and most effective stress-relievers is the "4-7-8 breath". Place the tip of your tongue against the bony ridge by your upper front teeth. Breathe in through your nose for 4 counts. Hold your breath for 7 counts. Exhale through your mouth (making a whooshing sound) for 8 counts. Repeat this cycle 4 times, twice a day.

thwarted by antioxidant vitamins like C and E. The stress in question can be due to outside factors, such as cigarette smoking and air pollution. Damage caused by oxidative stress is thought to contribute to the aging process as well as to heart disease, stroke and several other diseases. Researchers from the University of California at Berkeley measured oxidative damage in 298 healthy adults. The higher level of oxidative damage in women was unexpected, and the researchers are not sure why it occurred. In contrast, oxidative stress was lower in people who ate the most fruit as well as in those who had higher blood levels of vitamin C and carotenoids like beta-carotene.

Rediscover your inner Kid

Did you know that children laugh about 400 times a day, while the average adult only gives up about 25 chuckles a day? Why is that? We're all too encumbered by the little stuff in life. We're either overtired, underpaid, or just anxious. So, lighten up and step back from the brink. Watch some of your favorite kids and see how lighthearted they are and how quickly they rebound from stressful situations. I'm sure you'll be sporting a smile before long.

The Power of Positive Thinking

Research finds that positive thinking may improve your health. Pessimism has been linked to a higher risk of dying before age 65, while positive emotions (like optimism) are associated with lowered production of the stress hormone cortisol, better immune function, and reduced risk of chronic diseases. Do you agree?

Not for Men only

We all know that on average men die at a younger age than women. But do you know that as a man you can do something about it? Generally, men eat more meat and fat and fewer fruits and vegetables; they drink more, smoke more, and take more recreational drugs; they exercise less, sleep less, and visit the doctor less often. And, they live riskier lives, from driving too fast to forgetting to practice safe sex. Now, all you need to do is make wiser choices.

Treat your Bones to a cup of TEA

As you know, I'm a big fan of green tea, which has been shown to protect against both heart disease and cancer. A new study suggests that drinking tea may be good for your bones, too! (Herbal teas were not included in this study.) Results of a Chinese study published in the May 2002 issue of the Archives of Internal Medicine showed that longtime tea drinkers seem to have an advantage in terms of bone mineral density over those who don't habitually drink tea. If you usually start your day with a cup of coffee, try something new this week— have a cup of tea instead.

GARLIC: Food as Medicine

By: MOHD. MUSHTAQ AHMED

DID You know that garlic is a powerful natural medicine in addition to being a strong-flavored seasoning for food? It has abilities to lower cholesterol and reduce clotting of the blood, and it can help lower high blood pressure.

Raw garlic has antibacterial and antiviral properties, and it also functions as a potent antibiotic, especially active against fungal infections. An effective home remedy for colds is to eat several cloves of raw garlic at the onset of symptoms. Eating raw garlic does not appeal to everyone, but garlic loses its antibiotic properties when you cook or dry it, and commercial garlic capsules do not preserve the full activity of the fresh bulb. Try it the next time you feel a cold coming on. You might like it.

Garlic gets more respect

I've long recommended garlic as a powerful natural medicine- it can lower high choles-terol and high blood pressure, reduce the tendency of blood to clot and acts as a potent antibiotic and antifungal. Now a group of scientists is urging the government to fund research on garlic's health benefits and determine the most effective dosage. Mixed results from studies of garlic's effects on heart disease have been attributed to a failure to consistently test similar forms and doses or to focus on allicin, the natural chemical believed responsible for its effects. One expert reported finding huge variations in the amount of allicin in supplements. His tests also showed that some supplements break down within a half-hour after ingestion, suggesting that stomach acid de-activates them. Others took days to dissolve, meaning that their contents might never be absorbed. For best results, you still can't beat raw garlic.

Women may need more Antioxidants than Men

Recent research suggests that women are more likely than men to undergo a harmful process called oxidation, the result of some type of stress that leads to the accumulation of cell-damaging substances called free radicals. This process can be

Arab and foreign visitors and tourists all year round.

AL-KUFA MOSQUE : The Grand Mosque of Kufa is the second oldest mosque in Iraq after the Moque of Basra which was constructed during the first Islamic era. The Mosque existing now in Kufa was built on the site of the grand mosque of the city. As excavations releaved, the old mosque was square shape. It is supported at present by 28 semi-circular columns.

AL-BASRA MOSQUE : In Basra, the city of date palms and the city of rich Arab Islamic history, there is a number of famous mosques. The most important among those mosques is Al-Basra Mosque which is known to the public as Al-Imam Ali Mosque and is situated at the entrance of Al-Zubair town.

This is the first mosque to be built in Iraq at the beginning of Arab Islamic liberation of Iraq in 635 AD (14 A.H). At first it was very simple and was built by reeds. It was also the first building to be built in Basra at the time of the construction of the city. Then the Arab leader Sa'ad bin Abi Waqqas rebuilt the mosque using unburn brick after the great fire of Basra. When Abu Musa al-Aash'ari was appointed ruler of Basra from 638 to 650 AD (16-29 A.H) he used bricks and unburnt bricks instead of reed to enlarge the Mosque and changed the construction of the city.

Many expansions and repair works were carried out by Abbasid Caliphs, with the most important of them taking place during the era of Haroun al-Rasheed. At present only one corner of the Mosque and part of its minaret are still there. The minaret is belived to the first to be built in Iraq.

AL-KAWWAZ MOSQUE : Situated in Al-Mishraq quarter in Basra, the mosque was built of reeds by Hassan al-dh'in Al-Abdul Salam in 1514 AD (920 A.H) Later Sheikh Abdul Qadir bin Al-Shaikh Sari resuilt it of stones in 1523 AD (930 A.H) and named ti after Mohammad Ameen Al-Kawwaz, the Sheik of Al-shathliya Order. The Mosque was renovated in 1828 AD (1140 A.H.) by Shiek Anas Pash a'yan who built its minaret by tiles and decorated it with simple geometrical and foliage decorations. The minaret is 30 meter high and has an onion-shaped dome. The Mosuqe is one of the important historical landmark of Basra although its dome and minaret have been cracked and some of its decorations have fallen into pieces.

OTHER MOSQUES IN BASRA : In addition there a large number of Mosque and sacred mausoleums in Basra such as Al-Arab Mosque, Al Qattama Mosque, Al-Qasab Mosque, Aziz Agha Mosque, Abdulla Agha Mosque, Al-Seef Mosque, Abu Manaration Mosque, Al-khawaja Mahmoud Mosque, Al-Firsi Mosque, Al-Manawi Mosque, Maqdam Ali Mosque, Al-Faw Grand Mosque, the mausoleum of Utba bin Ghazwan, the Mausoleum of Talha bin Ubaidulla, the Mausoleum of Anas bin Malik and the Mauloleum of Ibn Seeren.

****

of the famous Arab traveller and explorer Ibn Jubair when he visited Mosul in 11 84 AD (580 A.H.)

With the passage of time, the Mosque lost many of its parts and original architectural features, while some parts are still in tact, such as the beautiful brick dome with its half circular shape which is based on a polygenal base.

THE MOSQUE OF PROPEHT JIRJIES : One of the important mosques in mesul, it embraces the tomb of Prophet Jirjes (Georges) which is built of marble with beautiful reliefs. the Mosque is situated in Suq al-She' areen district in Mesul and in a street known by the same name. It is one of the ancient mosques and was mentioned by the explorer Ibn Jubair in the 12th century AD (6th century A.H.) It is believed also that it embraces the tomb of Al-Hur bin Yusuf, the governor of Mosul during the Ommaid era.

In the eight century after Hejira, other parts were added to the Mosque. It is also renovated and extended by Tamerlane when he captured Mosul and made it his grand mosque. Furthermore Haji Hussein Pasha al-Jaleeli added a special section for the Shafe'i followers and renovated some parts of the Mosque in 1731 AD (1154 A.H.)

AL-IMAM MUHSIN MOSQUE : This is modern mosque situated in Al-Maidan district in old Mosul. It was built on the ruins of Nour-ul-Din Arsalan School which he built in 12 10 AD (607 A.H.) The only remaining part of the original building is a rectangular room with two flat pulpits made of limestone bricks and teligae decorations and with calligraphy of verses from Holy Quran and the names of craftmen from old days. The walls of the room are decorated by marble friezes with geometrical decoration of white marble.

MAUSOLEUM & MOSQUE OF PROPHET THI AL-KIFIL : In the province of Babylon where antiquity and ancient civilization are blended, there is a town called Al-Kifl which is 30 km south-west of Hilla. The town is named after Prophet Ezekiel whose name is mentioned in the Holy Quran. Thi al-Kifl, it is believed that he was known to have assured his people (The Jews) of surviving from the Babylonian captivity 586-538 BC.

According to the descriptions of Arab and foreign explorers, it seems that the Mausoleum did not survive for a long time after the 12th century AD (sixth century A.H.) Sultan Uljlito Mohammad Khodabanda who ruled from 1303 to 1316 AD (703 716 A.H) paid great attention to the Masoleum., He built a Mosque, a minaret and pulpit; and Friday and collective prayers were observed there. The palce is a sacred shrine for both Moslems and jews, who alternatively and following the circumstances assumed its custodianship.

The Mosque and its historical pulpit, together with the tomb of Prophet Ezekiel are of great religious importance and visited by a large number of

maintenance works in the Mosque. The last of such renovation works took place in 1922 AD (1341 A.H) when a huge minaret was built. The Mosque also witnessed other renovation works, such as covering it with lime-stone bricks and the construction of some service facilities.

THE OOMIAD MOSQUE, MOUSAL : One may rarely come across a mosque as old as the Ommiad Mosque whose history goes back to the early times of Islam. This Mosque is situated at Ras al-Kur area. Ak-Kawwazeen district to the north-east of old Mosul.

It is the first and most ancient mosque in Mosul and was built by Utba bin Farqad al-Salami in 637 AD (17.A.H) after the liberation of Mosul during the era of Caliph Umar bin Al-Khattab. The Mosque is also known as Al-Mussafi Mosque after Haji Mohammad Al-Mussafi (gold purifier) who renovated it in 1839 AD (1255 A.H). The only remaining feature of the old mosque is its minaret which dates back to the Atabaki era. It is about 150 meters far from the Mosque and is known as Al-Kawwazeen Minaret.

Throughout various periods, the Mosque has witnessed many renovation and maintenance works.

AL-NOURI MOSQUE : The reputation of this mosque with its unique leaning minaret is so wide-spread that the city of Mosul is. Sometimes called Al-Hadba or the leaning, refering to this minaret.

The Mosque, the biggest in Mosul, is situated in the heart of Mosul, in an area named after it, as Al-Jami Al-Kabeer (The Grand Mosque) district. It was built by the rulex of Mosul Nuruldin Zangi al-Atabaki and it was named after him. The construction took two years 1170-1172 AD (566-568 A.H).

The most distinguished architectural feature of this Mosque is its 56 meter high leaning minaret which makes it the highest minaret in Iraq. From a historical, religious and artistic point of view it is one of the famous memorial monuments in Iraq, Furthermore its clear standing makes it a well-known tourist attraction. It is also one of the most famous Islamic relic in Mosul concerning its building and decoration.

The Mosque and the minaret have witnessed various arhitectural developments, yet they still carry certain features of great historical value, some of which dating back to the first stage of its construction.

AL-MUJAHIDI (AL-KHIDHIR) MOSQUE, MOSUL : This Mosque has been standing aloof near tigris for more than eight centuries.

Al-Mujahidi Mosque, known also as Al-Khidhir or Al-Ahmar Mosque is situated to the south of the city of Mosul, at the right side of tigris near Al-Hurriya Bridge.

It was built by Abu Mansour Qaimaz Al-Roumi known as Mujahid Uldin, the ruler of the city castle in 1180 AD (576 A.H.) Different gypsum and brick decorations were used and they caught the admiration

Abbasid Caliph, Al-Mustalfi Billah during his six year rein 902-908 AD (295-289 A.H). When it was first constructed, the mosque was known as Al-Qasir Mosque.

The present minarent of the Mosque is one of the oldest minarets in Baghdad. It was built in 1279 AD (678 A.H). and is 36 meters high. Its base is made of 12 sides with a circumference of 20.64 meters. It is also known as the Minaret of Suq al-Ghazil.

OTHER HISTORICAL MOSQUES IN BAGHDAD : Baghdad is full of other historical mosques with their minarets and blue domes. These mosques add a bled of majesty and beauty to the city's sky, to point that some call Baghdad as the city of minarets and domes.

Among these Mosques are ; Marjan Mosque, Shiek Ma'rouf al karkhi Mosque, Al-Haydarkhana Mosque, Al-Sarai Mosque, Al-Afifiya Mosque. Al-Wazeer Mosque, Al-Sayyid Sultan Ali Mosque, Al-Ahmediya Mosque, Qamariya Mosque, Al-uzbek Mosque, Buratha Mosque in Baghdad and many others.

There are also some modern mosques which were built in recent years and considered now among distinguished mosques of Baghdad. They include : 14 Ramadhan Mosque, Al-Shuhada Mosque at Um al-Tubul, Haj Mahmood bunniya Mosque and Al-Urfali Mosque. They are all magnificent examples of Islamic art of architecture.

MOSQUE OF PROPHET YUNIS : Mosul, the capital of Nineveh province is known by many names such as Al-Hadba, Um Al-Rabi'ain, AlBaidha and Al-Faiha. Perhaps the best starting point to visit this city is to begin from the Mosque of prophet Yunis (jonah).

The Mosque is situated at Nineveh area at the left bank of River Tigris, opposite to the ancient city of Mosul. It is on the top of an ancient Assyrian archaeological site beside the monastery of Younan son of Amital (Jonah) who is known to the Muslims as Propeht Yunis or thul Noun as it is mentioned in Holy Quran.

The Mosque built on many architectural layers. some of which dating back to the Assyrian era. After the Arab Islamic conquest of Mosul a number of religious buildings were constructed on this site. and with the passage of time the present Mosque was evolved. It is made of two buildings which a six metre wide passage separating between them. The first building is the place where ritual ablution is performed. The second building comprises the place of prayer. There is also a school which is known as Al-Yunisiya School.

The Mosque of Prophet Yunis is famous for it large area and its religious sanctity it comprises many ancient features which date back to the early Arab Islamic eras, such as its prayer pulpits, different feliage decorations and writings which include verses from quran and the names of dignitaries who carried out renovation and

and was erected at its present position in 1958. It was built by Iraqi workmanship of locally made materials.

Today after great expansions the Mosque and the Mausoleum of Al-Imam Al-

A'dham have become one of the prestigious places of worship in Iraq which are visited anually by thousands of visitors from all over the Islamic world.

AL-QADIRIYA SHRINE & MOSQUE : Still in Baghdad, the city of history, literature and culture, there is another prestigious Islamic site. It is Al-Qadiriya shrine which is situated in Al-Rusafa, at a quarter known as Bab al-Sheikh, after Sheikh Abdul Qadir Al-Gailani,(RA) the Sheikh of Islam and the head of the Islamic scholars. History tells that Al-Qadiriya Shrine was originally a religious school and it was built by Hanbali scholar Sheikh Al-Mubarak bin Ali bin Al-Hussein Abu Sa'eed Al-makhrumi (died 1119 AD - 513 A.H). He was a scholar and a pious man of religion.

Sheik Abdul Qadir is a dezcendent of Imam Ali bin Abi Talib from both his father's and mother's side. He is also related to caliphs Abu Bakir, Othman bin Affan and Omar bin Al-Khatab (RZ). He died in 1166 AD (561 A.H.).

The Mausoleum and the Mosque of Sheik Abdul Qadir Al-Gailani (RA) saw various construction phases. The most importanat of which took place in 1534 AD (941 A.H). when huge and wonderful dome was constructed over the indoor praying section of the mosque. It is the biggest ever dome in Iraq to be build of bricks and gypsum, and it exists up to this date.

In 1970 a great maintenance and development project took place at this holy shrine, including the renovation of its two blue and white domes and building of new ones making it one of the wonders of Islamic architecture in Iraq.

AL-KHULAFA MOSQUE : In Al-Khulafa Street and near the popular suq Al-Ghazil market which is organised every Friday, the visitors come across Al-Khulafa Mosque in its new appearance after the massive renovation works. The Mosque is adorned by a tall and historic minaret which was originally part of the sque which was built by Al-

SOME HISTORIC MOSQUES OF IRAQ

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

Iraq has been the cradle of inspiration, miracles, and virtues throughout the history of Prophets, Imams, and self-denying pious men. All over Iraq there are thousands of highly values religious and historical sites, which include holy cities, shrines, tombs and historic mosques. In this article details about some historic mosques in Iraq are given.

MOSQUE & MAUSOLEUM OF AL-IMAM AL-A'DHAM : Any visitor to Baghdad would certainly head towards the Mosque and Mausoleum of Al-Imam Al-A'dham, a famous and holy Islamic place of worship which has been dear to the hearts of Moslems.

The district in which this holy site is situated was a famous part of Baghdad during the Abbasid era. It contained a cemetery known as al-Khaizaran Cemetery. When Al-Imam Al-A'dham Abu Hanifa Al-Nu'man bin Thabit Al-Kufi died in 767 AD (150 A.H), he was buried in this cemetery and the district became to be known as the district of Abu Hanifa and Al-Ad'hamiya.

This pious Imam was born in Kufa in 701 AD (80A.H). He met and contacted some of the aged Companions of Prophet Mohammed (PBUH). He taught and undertook the task of Fatwa in Kufa, and became a great scholar in Islam and the introducer and Imam of Al-Hanafi doctrine in Islam.

The Mausoleum of Al-Imam Al-A'dham saw various structural and architectural stages. In the region of the Saljuki Sultan Alb Arsalam, the building was renovated by Sharaf ul-Mulk Abu Sa'eed al-Khwarazmi in 1066 AD (459 A.H) and a great dome was built on it. The present dome of the mosque was built in 1638 AD (1048 A.H).

The Mosque itself was built in 1871 AD (1288 A.H) then it was renovated in 1903 AD (1321 A.H). Its exterior cloister was built in 1948 AD (1367 A.H).

One of the landmark of Al-Imam Al-A'dham Mosque is its big clock which was built by the late Abdul Razzaq Mahsoub al A'dham at his workshop during the period 1921-1929

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No.24, 16-31, Dec., 2002
REGD.No.H/HD850 REGD.NO.R.N.63767/96

کلونجی

جناب ظہیر احمد (حکیم کلونجی والا) پروپرائٹر محمدیہ پراڈکٹس کریم نگر آندھرا پردیش نے ہندوستان میں سب سے پہلے بڑے پیمانے پر کلونجی کا تیل کئی برسوں کی محنت کے بعد کشید کرنے میں کامیابی حاصل کی کلونجی کے تیل سے ہندوستان کے بڑے شہروں میں لاکھوں بندگان خدا مختلف پیچیدہ امراض میں شفایاب ہو رہے ہیں۔

کلونجی کے تیل سے سر سے لیکر پیر تک جسم کے جملہ امراض کا کامیاب علاج کیا جا رہا ہے

خواتین کیلئے قیمتی تحفہ

زیادہ سے زیادہ خواتین ہمارے بیوٹی پروڈکٹس کی منفرد کوالٹی کو محسوس کر رہی ہیں

آپکی بہتر سے بہتر انداز میں خدمت پر ہمیں فخر ہے آپکے حسن کیلئے اس سے بہتر کچھ نہیں

خواتین کا من پسند اور آزمودہ نسخہ

آپ بھی آزمائیے

کوئی بھی آپکی ضرورتیں اتنا بہتر نہیں سمجھ سکتا جتنا کہ ہم سمجھ سکتے ہیں

ہمارے بیوٹی پروڈکٹس کا رینج

- بالوں کا جھڑنا روکتا ہے ● سر میں بفا دور کرتا ہے
- بالوں میں تازگی پیدا کرتا ہے ● بالوں کو لمبا کرتا ہے
- بالوں کی جملہ شکایات کے لئے مفید ہے
- سر درد و دماغی سکون کے علاوہ چین کی نیند کے لئے مفید ہے

- چہرے سے داغ دھبے
- جھائیوں اور زائد تیل کو نکالنا
- چہرے کی جلد کی رنگت کو گورا، ملائم اور خوبصورت بناتا ہے

- چہرے کے کیل مہاسے ● باریک داغ
- چہرے کے جملہ داغ مٹاتا ہے ● چہرے پر پیدا ہونے والی جھریوں کو ختم کرتا ہے
- آنکھوں کے نیچے کالے حلقوں کو دور کرتا ہے

کلونجی ہربل ٹوتھ پاؤڈر

دانتوں کے جملہ امراض: دانت کا ہلنا، دانت میں تکلیف دانت کا کیڑ، منہ سے بدبو آنا وغیرہ میں نہایت مفید ہے

حسن بے مثال کی شان

جو بھی اسے لگائے، بہت حسین لگتی ہے

ہمارے دیگر پراڈکٹس

● کلونجی تیل ● کلونجی مساج آئیل ● کلونجی پین بام ● سفوف ظہیر ● اکسیر معدہ ● سفوف اپسرا ● سفوف دمہ ● کلونجی شوگر پاؤڈر ● کلونجی چیون پراش ● اکسیر جگر ● معجون کلونجی ● کلونجی شیمپو پاؤڈر ● مرہم کافوری ● روغن گیسو دراز

Super Stokist:
S J AGENCIES
Opp : Ramakrishna Theatre
Abids, Hyd,1. Ph: 6501834

Manufacturer:
MOHAMMADIA PRODUCTS Unani Medicines
KARIMNAGAR (A.P.) Ph: 08722-47710

سیاست

انٹرنیشنل میگزین

پندرہ روزہ حیدرآباد۔ اے پی۔ انڈیا

گجرات میں مندر پر حملہ

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. Rs.10/- Volume-7, No19 1-15 [illegible]
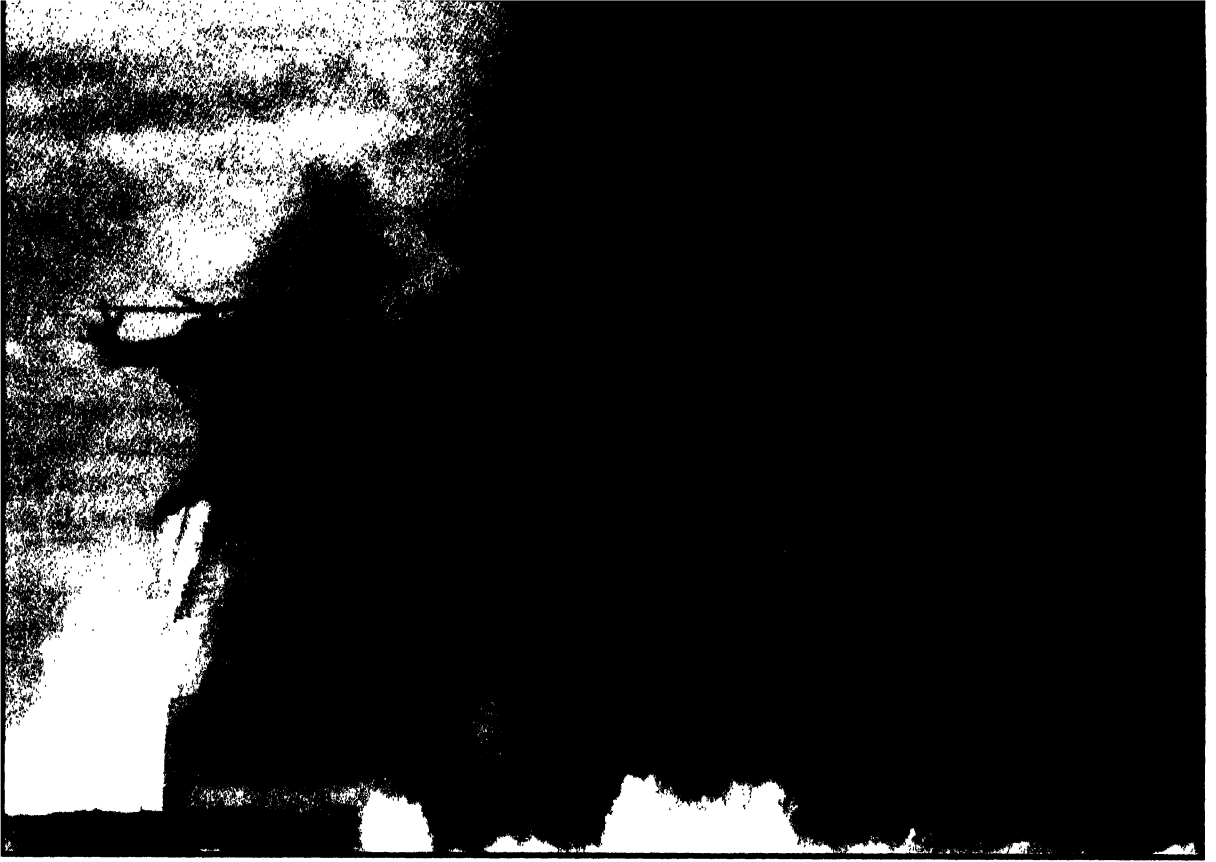
جنوبی افریقہ میں اٹلی کا بحری جہاز: جس میں 1,100 ٹن ایندھن اور 225 ٹن گیس آئیل تھا، انجن روم میں آگ لگنے سے حادثہ کا شکار ہو گیا۔

برسبین میں ایک کمپنی نے خودکشی کرنے والوں کیلئے ماسک تیار کیا ہے۔ یہاں مجبوری کے تحت خودکشی قابل جرم نہیں۔

آسٹریا میں ٹرینیں بھی بارش کی زد میں

عمران خان کی شریک حیات جمیمہ خان نے انتخابی مہم کے دوران جلسوں سے اردو میں خطاب کیا۔

Rs. 10/- (19) شمارہ (7) جلد :

Editor: ZAHID ALI KHAN

1 - 15 OCTOBER- 2002

Offices:
Head Office: J.N. Road, Hyd-1.
Andhra Pradesh INDIA.
Tel: 4744180, 4603666, 4744109.
Tel. Fax: 0091-40-4603188
New Delhi: Mr Paramjit S Narang,
606, INS Building, Rafi Marg,
New Delhi - 110 001.
Phone: 011-3715995.
mumbai: Shri Pradeep G.Deshpande,
M.B.House,1st Floor, 79, Janma Bhoomi
Marg Fort, Mumbai 400 001.
Phone: Off: 2870800, Res: 569625.
Calcutta: Mr. Bibhash Podder. C/o Pradip Das,
7, Falguni Das Lane, Thakurbari,
Calcutta-700 012
CHENNAI : Mr. V.Balakrishnan,
79, Shanthi Nikethan Colony, Madambakkam,
Chennai -600 073. Phone:2274457.
Bangalore: Shri V. Raghurama Reddy,
No. 125/1, 21st Main,
J.P. Nagar 2nd Phase,
BANGALORE - 560 078. Tel: 6592401.
Ahmedabad: Mr. Mayur Jha Media Link 43,
Shankar chambers Nr.H.K House,
Ashram Road, Ahmedabad - 380 009.
Phone: 6581232.
PUNE: Mr. Suresh Deshpande.23, Hari-Om Complex,
1207, Kosba Peth, Pune-411011. Telefax 4493372
NAGPUR: Mr S.M. Khisti c/o Mr. G.K. Bhide,
"Prakash" R.P.T.S.Road, Surendra Nagar,
Nagpur -440015 Ph:223396.
USA: Syed Zainulabedin,
6720. N.Sheridan Rd, APT 304,
Chicago (IL.) 60626. Tel./: (773)743-1255.
UK : Dr. Ziauddin A. Shakeb
26. Croft House, Third Avenue,
London W10 4SN, England,
Tel: 0181-9645724.
Saudi Arabia: Mr. Syed Raza Abdul Khader,
P.O. Box 873, Jeddah - 21421.
SAUDI ARABIA. Ph: 6715242.
Kuwait: Sina Book Shop, P.Box No.27325,
SAFAT , 13134, Kuwait.
Tel: 2454164, Fax: 965-2454165.

فہرست

زیر اہتمام روزنامہ سیاست ایڈیٹر' پرنٹر پبلشر زاہد علی خاں کی ادارت میں
سیاست آفسیٹ پریس جواہر لال نہرو روڈ حیدر آباد سے شائع ہوا۔

سیاست خواتین کینسر فنڈ

کینسر، لفظ کے سنتے ہی ہمارے
ہوش اڑ جاتے ہیں۔
ایک انجانا خوف دل و دماغ
پر چھا جاتا ہے اور ہم اس سے
پناہ چاہتے ہیں۔

کینسر کا علاج کافی مہنگا اور طویل ہے۔
آپ نے کبھی غور کیا، کوئی غریب شخص یہ اخراجات کس طرح برداشت کرے گا۔
آیئے ہم اپنے اور اپنے بچوں کی خوشیوں کا ایک حصہ انہیں بھی دیں۔

آپ کا

ایک ایک روپیہ ایک بڑا فنڈ بن رہا ہے۔

ہندوستان دہشت گردی کے خلاف فتح یاب

ہندوستان دہشت گردوں کے انتہائی خطرناک اور ناپاک عزائم کو ناکام بنانے میں پھر ایک بار کامیاب ہوگیا۔ پارلیمنٹ پر حملہ کو ناکام بنانے کے بعد کشمیر میں اسمبلی انتخابات کو سبوتاج کرنے کی کوششوں کو رائیگاں بنادیا۔ گذشتہ ہفتہ سری نگر میں سیکوریٹی فورسس کے چند جوانوں کو یرغمال بنانے کی کوشش کی گئی۔ عالم مایوسی میں دہشت گردوں نے گجرات کے مشہور مندر پر جہاں پوجا اور درشن کے لئے سینکڑوں افراد جمع تھے حملہ کیا جس کا مقصد اس انتہائی حساس ریاست میں جہاں ۶ ماہ قبل ہی ہندوستان کے تاریخ کے انتہائی بدترین فرقہ وارانہ فسادات کا سامنا کرنا پڑا۔ ہزاروں افراد ہلاک اور لاکھوں بے گھر ہوگئے۔ فرقہ وارانہ تشدد کا ایک نیا سلسلہ شروع کرنا تھا۔ لیکن دہشت گردوں کا یہ خواب شرمندہ تعبیر نہ ہوسکا ساری قوم نے اپنے اٹوٹ اتحاد کے ذریعہ ثابت کر دکھایا کہ اب دہشت گرد ہندوستان میں فرقہ وارانہ تشدد کے ذریعہ منافرت پھیلانے اور خونریزی میں کامیابی نہیں ہوسکتے۔ مندر پر حملہ کے نتیجہ میں ۳۰ افراد بشمول خواتین اور معصوم بچے ہلاک ہوگئے۔ ریاستی پولیس اور مرکزی سیکوریٹی فورسس کے چند جاں باز سپاہیوں نے جانیں قربان کردیں۔ ریاستی پولیس سی آرپی اور نیشنل سیکوریٹی فورس فوری حرکت میں نہ آتی تو شاید سینکڑوں معصوم افراد اپنی جانیں گنوا بیٹھتے۔ اس واقعہ کی سارے ملک کے عوام نے شدید ترین الفاظ میں مذمت کی اور اپنے غم و غصہ کا اظہار کیا۔ ہر دردمند دل سے صدائے افسوس ہی نکل رہی تھی۔ ملک کی تمام سیاسی پارٹیوں نے دہشت گردی کے اس واقعہ کی فوری طور پر مذمت کے علاوہ صورتحال سے نمٹنے کے لئے مرکزی اور ریاستی حکومت کی بھرپور تائید کا اعلان کیا۔ یہ ایک فطری تقاضہ تھا۔ لیکن یہ بات انتہائی حوصلہ افزاء ہے کہ تمام سیاسی جماعتوں، سماجی مذہبی تنظیموں نے بہ یک آواز تمام فرقوں کے عوام سے یہ دردمندانہ اپیل کی کہ وہ مشتعل نہ ہوں صبرو تحمل سے کام لیں کیونکہ اشتعال انگیزی سے خود ہمارے ملک کا نقصان ہوگا اس طرح ملک دشمن عناصر کے ناپاک منصوبوں کو کامیابی حاصل ہوگی۔

گودھرا واقعہ اور 28 فبروری کو ساری گجرات میں وشوا ہندو پریشد کے بند کے دوران فرقہ وارانہ فسادات کا جو سلسلہ شروع ہوا تھا جس میں ایک ہی فرقہ کے ہزاروں افراد ہلاک ہوئے تھے۔ وزیر اعظم کو دنیا کے سامنے شرمندگی کا اظہار کرنا پڑا تھا۔ شاید ان ہی تلخ تجربات نے سیاست دانوں کو فرقہ وارانہ اشتعال اور جنون سے ہر حالت میں احتراز کا سبق سکھایا۔ چنانچہ چیف منسٹر گجرات مسٹر نریندر مودی نے ریاست کے عوام سے صبرو تحمل کی عاجزانہ اپیل کی۔ نائب وزیر اعظم مسٹر اڈوانی نے بھی ساری قوم اور خاص طور پر گجرات کے عوام سے صبرو تحمل سے کام لینے کی اپیل کی اور انتباہ دیا کہ اس مرحلہ پر اگر تشدد کا مظاہرہ کیا گیا تو ملک دشمن عناصر کے منصوبے کامیاب ہوجائیں گے۔ وزیر اعظم واجپائی نے قوم کو اس بات کا یقین دلاتے ہوئے کہ دہشت گردوں کے خلاف موثر کاروائی کی جائیگی صبرو تحمل کی اپیل کی قائد اپوزیشن مسز سونیا گاندھی نے بھی ان ہی جذبات کا اظہار کیا۔ ان اپیلوں کا انتہائی مثبت ردعمل ہوا۔ وشوا ہندو پریشد کا " بھارت بند " پر امن رہا۔ صرف ممبئی میں شیوسینکوں نے شرانگیزی کی کوشش کی لیکن پولیس نے انہیں اپنے قابو میں رکھا۔

شیوسینا سربراہ بال ٹھاکرے واحد شخصیت تھے جنہیں مسٹر واجپائی کے قول و فعل پر اعتراض تھا۔ وہ چاہتے ہیں کہ ہندوستان دہشت گردی سے نمٹنے کے لئے پاکستان سے باقاعدہ جنگ کرے اور کشمیر کا وہ علاقہ جو پاکستان کے قبضہ میں ہے حاصل کرلیا جائے۔ انہوں نے مندر پر دہشت گردی کے حملہ کو ہندوستان کا " ایمان " قرار دیا۔ اور این ڈی اے سے دستبرداری کی دھمکی دی۔ بال ٹھاکرے کی یہ باتیں نئی نہیں ہیں حوصلہ افزاء بات یہ ہے کہ صدر بی جے پی مسٹر وینکیانائیڈو نے واضح کیا کہ مسٹر بال ٹھاکرے کے نقطہ نظر سے بی جے پی ہرگز متفق نہیں۔ بھارتیہ جنتا پارٹی کی قومی عاملہ نے اپنے ہنگامی اجلاس میں صورتحال کا جائزہ لینے کے بعد دہشت گردی سے نمٹنے کے طریقہ کار میں نمایاں تبدیلی پر زور دیا۔ یکم اکتوبر کو " یوم مخالف دہشت گردی " منانے کا فیصلہ کیا۔ ملک میں مداخلت کاروں کا پتہ چلانے کے لئے تمام ہندوستانی شہریوں کو فوٹو شناختی کارڈز جاری کرنے کی تجویز پیش کی۔

تمام سیاسی جماعتوں کو موجودہ ماحول سے فائدہ اٹھاتے ہوئے ملک میں فرقہ وارانہ ہم آہنگی رواداری یکجہتی کو مستحکم کرنے کا عہد کرنا چاہئے اور اپنی پالیسوں اور پروگراموں میں نمایاں تبدیلی کرنی ہوگی خاص طور پر عوام کو مذہب، فرقہ، ذات پات زبان اور علاقہ کی بنیاد پر تقسیم کرنے اور سیاسی مقصد براری کے لئے فرقہ وارنہ جذبات کے استحصال سے احتراز کرنا چاہئے بی جے پی کو تمام سیاسی جماعتوں اور تمام فرقوں کے عوام کے تعاون و اشتراک سے مخالف دہشت گردی یوم منانا چاہئے اور قومی اتحاد کا موثر مظاہرہ کرنا چاہئے قومی اتحاد کو مستحکم بنانا اور ہر وقت چوکسی کے ذریعہ ملک کی سلامتی کا تحفظ وقت کا تقاضہ ہے۔

زاہد علی خان

مولانا محمد رضوان القاسمی

ایسے مومنوں کو خوشخبری سنادیجئے

التائبون العبدون الحمدون السائحون الراکعون السجدون الامرون بالمعروف والناھون عن المنکر والحافظون لحدود اللّٰہ وبشر المومنین ۔ التوبہ ۱۱۲ (سچے ایمان والوں کے اوصاف یہ ہیں)

توبہ کرنے والے ، عبادت کرنے والے ، اللہ کی حمد و ثنا کرنے والے ، روزہ رکھنے والے ، رکوع کرنے والے ، سجدہ کرنے والے اور لوگوں کو نیکی کا حکم دینے والے اور برائی سے روکنے والے اور اللہ کی مقرر کی ہوئی ، حد بندیوں کی حفاظت کرنے والے ہیں ۔ اور (اے پیغمبرؐ ایسے) مومنوں کو خوشخبری سنادیجئے (سورہ توبہ ۱۱۲)

اللہ کے جو بندے اپنے مالک پر ایمان لائے اور اس کے ہاتھ بک جاتے ہیں ان میں ایمان کی وجہ سے چند حدبندیاں پیدا ہوجاتی ہیں جن کی بدولت وہ اعلی درجہ کے انسان بن جاتے ہیں ، مذکورہ آیت میں مومنوں کی مندرجہ ذیل صفات کاذکر فرمایا گیا ہے ۔

التائبون : یعنی یہ لوگ گناہوں اور کمزوریوں سے توبہ کرتے ہیں ، برائیوں سے منہ پھیرلیتے ہیں ، اللہ تعالی کی طرف متوجہ رہتے ہیں ، نیک کاموں اور اعلی مقصدوں کو پیش نظر رکھتے ہیں ۔

العابدون : اللہ تعالی کی عبادت میں سرگرم رہتے ہیں ۔ اسلام میں جو عبادتیں مقرر ہیں ان کو بڑے اخلاص اور خشوع و خضوع کے ساتھ ادا کرتے ہیں ۔ اس کے علاوہ یہ کہ ان میں ہر وقت بندگی کا شعور بیدار رہتا ہے جس کی وجہ سے ان کی زندگی ، ان کی باتیں ، اور ان کے اعمال سب کے سب بندگی کے رنگ میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں ۔

الحامدون : ان کے دل و دماغ اللہ تعالی کی صفات اور کمالات کی معرفت سے معمور رہتے ہیں اور ان کی زبانیں اسی کی حمد و ستائش کے ترانے گاتی ہیں ۔

السائحون : روزہ رکھنے والے جو کھانے پینے کی خواہشات کو روک کر اور دنیا سے ایک گونہ بے تعلق ہو کر اپنی اپنی صلاحیت کے لحاظ سے روحانی اور ملکوتی عالموں کی سیر کرتے ہیں ۔ بعض مفسرین کے نزدیک اس سے ہجرت کرنے والے ، دین کی راہ میں جد و جہد کرنے والے اور علم کی تلاش میں ملک ملک پھرنے والے مراد ہیں ۔

الراکعون الساجدون : یعنی نماز پڑھنے والے جو فرض نمازوں کا خاص طور پر اہتمام کرتے ہیں اور نفل نمازیں بھی بڑے ذوق و شوق سے پڑھتے ہیں ۔

الامرون بالمعروف و الناھون عن المنکر : یعنی اپنی حالت درست کرنے کے بعد ان میں اللہ کے بندوں میں خیر خواہی اور اصلاح کا ولولہ پیدا ہوتا ہے ۔ چنانچہ وہ دین کی راہ میں جد و جہد کرتے ہیں اور دین کی جو روشنی ان کو ملی ہے اس سے دوسروں کے دل و دماغ کو بھی روشن کرتے ہیں ۔

الحافظون لحدود اللّٰہ : یعنی اپنے نفسوں کو قابو میں رکھتے ہیں ، احکام کی پابندی کرتے ہیں اور حلال و حرام جائز و ناجائز کی جو حدیں اللہ نے مقرر کردی ہیں ان کی سختی سے حفاظت و نگہبانی کرتے ہیں ۔ اس کے بعد فرمایا گیا ہے ۔

وبشر المومنین : اور اے پیغمبر ! ایسے مومنوں کو اللہ کی رضا ، جنت اور دنیوی فلاح و بہبودی کی خوشخبری سنادیجئے ۔

پھر کتنے لوگ ہیں جو اپنے لئے اس خوشخبری کا استحقاق رکھتے ہیں ؟

فردوس کے وارث

سورہ مومنوں کی ابتدائی آیتوں میں فلاح پانے والے مومنین کی چھ صفات بیان کی گئی ہیں ۔ جن کا حاصل یہ ہے ۔

• وہ جب نماز پڑھتے ہیں تو خشوع و خضوع کا اہتمام کرتے ہیں ، اس طرح کہ ان کا دل اللہ کی یاد میں کھویا ہوا رہتا ہے اور پورے طور پر اللہ کی طرف متوجہ رہتے ہیں ، دوران نماز دل کی اس کیفیت کا اظہار ان کے خارجی عمل سے بھی ہوتا ہے کہ وہ بازو اور سر جھکائے ہوئے ہوتے ہیں ۔ نگاہیں پست ہوتی ہیں ، ادھر ادھر نہیں دیکھتے اور نہ کپڑے اور داڑھی سے کھیلتے ہیں ، نہ انگلیاں چٹخاتے ہیں ، قرات میں ٹھہراؤ اور ترتیل ہوتی ہے ، رکوع و سجود سکون و اطمینان کے ساتھ ادا کرتے ہیں ۔

• فضول و بیکار مشغلوں میں وقت ضائع نہیں کرتے ، کوئی دوسرا شخص لغو اور نکمی بات کہے تو ادھر سے منہ پھیر لیتے ہیں ۔ ان کو وظائف عبودیت سے اتنی فرصت ہی نہیں ہوتی کہ ایسے بے فائدہ جھگڑوں میں اپنے کو پھنسائیں ،

چہ خود گفت بہلول فرخندہ خو
چوں بگذشت بر عارف جنگ جو
گر ایں مدعی دوست بشناختے
بہ پیکار دشمن نہ پرداختے

• زکوۃ یعنی مالی حقوق ادا کرکے اپنے بدن ، نفس اور مال کو پاک رکھتے ہیں

• اپنی منکوحہ عورت یا شرعی باندی کے سوا کوئی اور راستہ قضائے شہوت کا وہ اختیار نہیں کرتے ہیں ۔

• امانت اور قول و قرار کی حفاظت کرتے ہیں ۔ خیانت اور بدعہدی نہیں کرتے نہ اللہ کے معاملے میں ، نہ بندوں کے

• نمازیں اپنے اوقات پر بہ پابندی جماعت ظاہری اور باطنی جملہ حقوق کی رعایت کے ساتھ ادا کرتے ہیں ۔ کاروبار اور بندوں کے معاملات میں پڑ کر عبادت الہی سے غافل نہیں ہوتے ۔

ان صفات کا تذکرہ کرنے کے بعد آخر میں ارشاد ہوا ہے

" یہی لوگ وہ وارث ہیں جو میراث میں فردوس پائیں گے اور اس میں ہمیشہ رہیں گے " ۔

(مستفاد از فوائد عثمانی برحاشیہ ترجمہ شیخ الہند)

اقوام متحدہ میں دہشت گردی پر توجہ مرکوز

واجپائی اپنے دورہ سے مطمئن

وزیراعظم اٹل بہاری واجپائی نے 13 ستمبر کو نیویارک میں اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 57 ویں اجلاس کو خطاب کیا۔ ہندی میں کی گئی وزیراعظم کی تقریر کا متن مندرجہ ذیل ہے۔

" جناب صدر 57 ویں جنرل اسمبلی کے صدر چنے جانے پر میں آپ کو مبارکباد پیش کرتا ہوں، ہم آپ کی کامیابی کے خواہاں ہیں اور صمیم قلب سے آپ کی حمایت کرنے کا عہد کرتے ہیں۔ میں سکریٹری جنرل کوفی عنان کو بھی دوسری بار اس عہدہ پر چنے جانے کے اس پہلے سال میں اپنی بہترین خواہشات پیش کرتا ہوں۔

جناب صدر، دو دن قبل ہم نے ایک دہشت ناک واقعہ کی پہلی برسی منائی جس نے بین الاقوامی دہشت گردی پر اجتماعی عالمی بیداری پیدا کی۔ دہشت گردی کا آغاز 11 ستمبر کو نہیں ہوا بلکہ اس دن اس نے عالمی سطح پر خود کو نمایاں طور پر پیش کیا۔ فاصلہ اور طاقت سے اپنی بے خوفی کا اظہار کرتے ہوئے۔ دس سال سے دہشت گردی کی زد پر رہنے والے ملک کے طور پر ہندوستان امریکی عوام کے دکھ میں ان کے ساتھ ہے اور حالات کا مقابلہ کرنے میں ان کے تحمل کے مظاہرے کی تعریف کرتا ہے اور دہشت گردی کے سرچشمہ پر جوابی حملہ کرنے کے ان کے ٹھوس فیصلہ کی حمایت کرتا ہے۔ بین الاقوامی برادری نے دہشت گردی کا عالمی سطح پر مقابلہ کرنے اور اس کا گلا گھونٹنے کے لئے کچھ اجتماعی فیصلے کئے ہیں۔ اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل کی قرارداد نمبر 1373 میں ان فیصلوں کی روح موجود ہے۔ اس کی دہشت گردی کی مقابلہ کرنے والی کمیٹی کو اب اطلاعات جمع کرنے اور دہشت گردوں کو آگے بڑھانے، پناہ دینے، سرمایہ فراہم کرنے، مسلح کرنے اور تربیت دینے والے ملکوں کو عمل درآمد پر مجبور کرنے کے لئے قوانین کی شکل میں امداد فراہم کرنے سے آگے بڑھ کر کوئی اقدام کرنا چاہئے۔

ہمارے جنوب ایشیاء کے خطہ میں گذشتہ چند مہینوں کے دوران حکومت کی جانب سے کی جانے والی دہشت گردی کے ترکش میں نیوکلیائی بلیک میل نے ایک نئے تیر کی حیثیت سے شمولیت اختیار کی ہے۔ یہ اندھیری دھمکیاں دی گئی ہیں کہ سرحد پار سے کی جانے والی دہشت گردی کو ختم کرنے کے لئے اگر ہندوستان نے کوئی اقدام کیا تو ایٹمی جنگ چھڑ سکتی ہے۔ اس طرح کی وحشیانہ ایٹمی دہشت انگیزی کے سامنے گھٹنے ٹیکنے کے معنی 11 ستمبر کے المیہ کے تلخ سبق کو بھولنے کے ہوں گے۔

جہاں تک ہندوستان کا تعلق ہے ہم نے بار بار وضاحت کی ہے کہ ہمارے ملک میں کوئی بھی جنگ نہیں چاہتا۔ چاہے وہ روایتی جنگ ہو یا غیر روایتی۔ نہ ہی ہم کسی علاقہ پر قبضہ کرنا چاہتے ہیں۔

لیکن یقینی طور پر ہر ہندوستانی سرحد پار سے کی جانے والی دہشت گردی کا خاتمہ چاہتا ہے۔ جس نے ہزاروں بے گناہوں کی جانیں لی ہیں اور پوری نسلوں کو معمول کے مطابق اقتصادی اور سماجی سرگرمی کے ساتھ پرامن وجود کے حق سے محروم کردیا ہے۔ ہم نے اس کو اپنی پوری طاقت سے ختم کرنے کا عہد کر رکھا ہے۔ اس سلسلہ میں کسی حلقہ میں کوئی شبہ نہیں ہونا چاہئے۔ جناب صدر کل ہم نے اس اسمبلی میں یہ غیر معمولی دعوی سنا کہ جموں و کشمیر میں بے قصور شہریوں کا بے رحمانہ قتل درحقیقت ایک آزادی کی جد و جہد ہے۔ اور یہ کہ اس ریاست میں ہونے والے انتخابات ایک فریب ہیں کیونکہ وہ 50 سال قبل کی گئی رائے شماری کا بدل نہیں ہوسکتے۔ یہ یقین کرنے کے لئے معصوم لوگوں کا قتل عام حصول آزادی کا وسیلہ ہے اور انتخابات فریب اور مظالم کی علامت ہیں۔ منطقی قلابازی کی ضرورت ہوگی۔ اگر انتخابات محض فریب ہیں تو پاکستان کی انٹر سرویسز انٹلی جنس ایجنسی کے زیر کمان دہشت گردوں کو تربیت دے کر انہیں الیکشن کے امیدواروں کو ہلاک کرنے اور رائے دہندوں کو ڈرانے دھمکانے کے لئے چوری چھپے ہندوستان میں کیوں بھیجا جاتا ہے۔ اگر پاکستان دہشت گردی کے خلاف بین الاقوامی اتحاد میں شامل ہونے کا دعویدار ہے تو پھر وہ ہندوستان کے

خلاف حکومت کی پالیسی کے حصہ کے طور پر دہشت گردی کو استعمال کرنے کا سلسلہ کس طرح جاری رکھ سکتا ہے ؟ اور بین الاقوامی اتحاد کس طرح ان ہزاروں بے گناہ شہریوں کی پاکستان کے زیر ہدایت ہلاکت کو کس طرح معاف کرسکتا ہے جن میں عورتیں اور بچے بھی شامل ہیں اور یہ ہلاکتیں "خود اختیاری" کے اوٹ پٹانگ تصور کے فروغ کے لئے کی جارہی ہیں۔ جو لوگ دہشت گردی کے نظر نہ آنے والے اور بنیادی اسباب کی بات کرتے ہیں وہ دہشت گردوں کو ایک بہانہ فراہم کرتے ہیں اور انہیں ان کے ان انسانیت سوز جرائم کی ذمہ داریوں سے سبکدوش ہونے کا موقع فراہم کرتے ہیں جو 11 ستمبر کے امریکہ میں کئے گئے حملوں اور 13 دسمبر کو ہماری پارلیمنٹ پر کئے گئے حملہ سے عبارت ہیں ۔ جنرل مشرف نے خود اعتراف کیا ہے کہ اس سال اپریل میں 90 فیصد کے ناقابل اعتبار فرق سے ریفرنڈم میں ان کی کامیابی کی وجہ گھوٹالہ تھا ۔ جہاں تک اس "حقیقی" جمہوریت کا سوال ہے جو وہ پاکستان میں قائم کرنے کا ارادہ رکھتے ہیں اس کو انہوں نے آئندہ ماہ ہونے والی چناؤ سے پہلے ہی بے جان بنادیا ہے "۔

جو لوگ ایک ریفرنڈم میں کامیابی حاصل کرنے کے لئے ووٹ ڈالنے اور ووٹوں کی گنتی کے طریقوں کو بدل دیتے ہیں اور خود اپنا آئین لکھنے کے ایک سادہ طریقہ کے ذریعہ برسر اقتدار آجاتے ہیں وہ دوسروں کو آزادی اور جمہوریت پر لکچر دینے کا کیا حق رکھتے ہیں۔

جناب صدر کل ہم نے ایک اور بالکل جھوٹا اور خودغرضانہ دعوی یہ سنا کہ ہندوستان میں مسلمان اور دیگر اقلیتیں "ہندو انتہا پسندوں" کے نشانہ پر ہیں۔ ہندوستان میں 15 کروڑ مسلمان ہیں۔ یہ دنیا کی دوسری سب سے بڑی مسلم آبادی ہے ۔ پاکستان سے بھی زیادہ بڑی مسلم آبادی ۔ ہم اپنے معاشرہ کے کثیر مذہبی کردار پر فخر کرتے ہیں۔ تمام عقائد کا یکساں احترام اور مذہب کی بنیاد پر عدم امتیاز صرف ہماری آئینی ذمہ داری ہی نہیں ہے بلکہ جیسا کہ پوری دنیا جانتی ہے کہ یہ ہندوستان کی تہذیب اور ثقافت کا طرہ امتیاز ہے۔

جناب صدر ہمیں یہ تسلیم کرنا ہوگا کہ شمال اور جنوب کے درمیان ترقیاتی فرق روز بروز وسیع اور گہرا ہورہا ہے ۔ ہم کو جن چیلنجوں کا سامنا ہے وہ بہت سخت ہیں اور اس کے علاوہ کوئی اور راستہ نہیں ہے کہ دنیا کے تمام ممالک ان کا مقابلہ مل جل کر کریں۔

گذشتہ دہے میں ہر سال ایک کروڑ افراد غریبوں کی صف میں شامل ہوجاتے ہیں۔ دنیا کی ایک چوتھائی آبادی انتہائی غریبی میں زندگی گذار رہی ہے ۔ ہر سال دس لاکھ افراد ملیریا کے مرض میں فوت ہوتے ہیں۔ سالانہ تپ دق میں اس کی دوگنا تعداد میں لوگ مرتے ہیں اور دنیا کی 20 فیصد آبادی کو پینے کے محفوظ پانی تک رسائی نہیں حاصل ہے۔

اگر عالمی خوراک چوٹی کانفرنس کے مقرر کردہ نشانہ کے مطابق 2015ء تک بھوک میں آدھی کمی لانی ہے تو غریب ملکوں میں سرمایہ کاری کے لئے سالانہ 14 ارب ڈالر کی ضرورت ہوگی۔ 2000ء میں اپنے ملینیم اعلامیہ میں ہم نے غریبی دور کرنے کے ایک منصوبہ کو 2015ء تک مقاصد اور نشانوں کی تکمیل کے لئے پیش کیا تھا۔ ترقی کے لئے سرمایہ کی فراہمی کے بارے میں مونیٹری کانفرنس ترقی کے لئے بین الاقوامی سرمایہ کاری میں اضافہ کی کوشش کے سلسلے میں ایک ہمت افزاء شروعات تھی۔

وزیراعظم واجپائی کی نیویارک میں مسلم نمائندوں سے ملاقات

ایک ایسے وقت میں جب ایک چھوٹے سے طبقہ کے پاس بے انتہا دولت جمع ہوگئی ہے وسیع پیمانہ پر غریبی کے باقی رہنے کو بالکل منظور نہیں کیا جاسکتا ۔ گذشتہ صدیوں کے اس افسوسناک ورثہ کو ختم کرنے کے لئے 21 ویں صدی کے پاس تمام وسائل موجود ہیں ۔ کمی صرف یہ ہے کہ ترقی یافتہ ملکوں میں ترقی پذیر ملکوں بالخصوص بہت کم ترقی یافتہ ملکوں میں جائز ترقیاتی ضروریات کی سنجیدگی اور تیزی کے ساتھ تکمیل کے لئے سیاسی عزم نہیں ہے۔

دنیا بھر کے غریب اور دنیا بھر کے مالداروں کے زیادہ روشن خیال طبقات یہ چاہیں گے کہ اقوام متحدہ غریبی کی تہیں باقاعدگی سے لاپرواہی برتنے کے طریقہ کو ختم کرنے کے لئے اقدامات کی قیادت کرے ۔ اس مقصد کے حصول کے لئے اقدامی ایجنڈا بالکل واضح ہے ۔

ایک ترقی پذیر اور ترقی یافتہ ملکوں کے درمیان تعلقات میں یکسانیت ، ترقی پذیر ملکوں کی اشیاء کی قیمتوں میں گراوٹ کا مسئلہ اور ان کے برآمدات کی راہ میں حائل تمام غیر منصفانہ رکاوٹوں کو دور کیا جائے ۔

دو ۔ عالمی توانائی بازاروں میں انتہائی ترقی پذیر ملکوں کے تجارتی اور مالی توازن کو شدید نقصان پہنچاتی رہی ہے ۔ اس کو ختم ہونا چاہئے ۔

تین ۔ عالمی سرمایہ کی نقل و حرکت میں بے یقینی کی کیفیت جو کہ وقفہ وقفہ سے ترقی پذیر ملکوں کی معیشتوں میں بربادی لاتی ہے قابو میں لائی جانی چاہئے ۔

چار ۔ کارپوریٹ سیکٹر کی بدعنوانیاں سختی سے روکی جانی چاہئے جو قدرتی وسائل اور ترقی پذیر ملکوں کی روایتی معلومات کی بنیاد کو منصفانہ مقابلہ کے بغیر ختم کردیتی ہیں ۔

عالمی ماحول میں تبدیلی اس نازک ترقیاتی منظر نامہ پر ایک زیادہ لمبا سایہ ڈالتی ہے جس کا سب سے زیادہ اثر غریب طبقہ پر ہوتا ہے ، حالانکہ اس میں ان کا برائے نام ہاتھ ہوتا ہے ۔ یوروپ میں حالیہ سیلاب اور جنگل کی آگ اس امر کی پیشگی وارننگ ہیں کہ صرف ایشیا اور افریقہ کے ممالک ہی ماحول کی خرابی کا شکار نہیں ہیں ۔ کرہ ارض کی فضا اور حیاتیاتی کرہ کی قومی سرحدیں نہیں ہوتیں ۔ عالمی برادری کے سامنے کڑا امتحان ہے ۔ ہم کو ماحول کے تحفظ کے لئے یا تو فوری اقدامات کرنے ہوں گے یا پھر ہمیں بدترین قدرتی آفات کا سامنا کرنے کے لئے تیار رہنا ہوگا ۔

رواں ماہ کے شروع میں ہمہ جہت ترقی کے لئے جوہانسبرگ چوٹی کانفرنس میں غریبی ، تجارت ، ماحول ، قومی بین الاقوامی کارپوریٹ حکمرانی اور عالمی مالی بہاؤ میں کچھ تعلقات کے بارے میں بحث ہوئی تھی ۔ اس چوٹی کانفرنس میں کچھ ہمت افزاء نتائج بھی سامنے آئے تھے مگر ہمارے زمانے کے تقاضوں کے لئے کم تھے ۔ انسان کی ترقیاتی ضرورتوں کو مجموعی طور پر سمجھنا اور حل کرنا ضروری ہوگیا ہے ۔ اب ان پر الگ الگ حصوں میں غور کرنے اور ان کو الگ الگ حل کرنے کا وقت نہیں ہے ۔ یہ بے محل بات ہے کہ ترقی کی شاہراہوں پر مادہ پرستی نے راستے روک رکھے ہیں ۔ بیشتر سیاسی ، اقتصادی اور سماجی سرگرمیوں میں انسانی قدریں خاموش تماشائی بن کر رہ گئی ہیں ۔

ہماری مادی اور غیر مادی ضروریات کے درمیان اس عدم توازن کا نتیجہ نسل انسانی کے لئے کبھی بھی خوشگوار نہیں ہوسکتا ۔ اس کے برخلاف دردمندی ، دیکھ بھال ، جذبہ رفاقت ، اشتراک اور دیگر انسانی قدریں اپنا کر ہم اپنے کرہ زمین کے ہر مسئلہ کا صحیح حل نکال سکتے ہیں ۔

انسانیت کے اقتصادی سماجی ، سیاسی ، ماحولیاتی اور روحانی پہلوؤں کی دوستانہ یکجہتی کے لئے فریاد کررہی ہے ۔ اس کے لئے قوموں اور برادریوں کے درمیان زیادہ سے زیادہ ممکن اشتراک اور دنیا بھر کی ہر ایک ثقافتی اور روحانی روایت کی خوبیوں کو قبول کرنے کے لئے تیار رہنے کی ضرورت ہے ۔ ضرورت ہے کہ اقوام متحدہ اس سمت میں نئے اور زیادہ بڑے اقدامات کرے ۔ اس اسمبلی میں ایک سال کے وقفہ سے قبل اور امریکی کانگریس میں ایک سال قبل میں نے مربوط اور جامع عالمی ترقیاتی مذاکرات کے لئے ہندوستان نے تعاون پیش کیا تھا ۔ اس پیشکش کو میں آج پھر دہراتا ہوں ۔ اگر ہمیں ان ترقیاتی منزلوں کو حاصل کرنا ہے جن کو 2015ء تک حاصل کرنے کا وعدہ ہم نے کیا ہے تو اس قسم کے مذاکرات کی فوراً ضرورت ہے ۔

جناب صدر ہم ایک بار پھر نئے اور مختلف چیلنجوں کے موقع پر اقوام متحدہ میں جمع ہوئے ہیں اس لئے ہمیں اقوام متحدہ کے منشور ، اس کے مقاصد اور اصولوں سے اپنی اجتماعی وابستگی کا اظہار کرنا چاہئے ۔ یہ تصور بڑھ رہا ہے کہ ۔ خاص طور پر کمزور اور غریب ملکوں میں کہ اکثر دیرپا اثر رکھنے والے سوالات کے جواب یک طرفہ اور متضاد دیئے جاتے ہیں ۔

ایک مشترکہ مستقبل داؤ پر لگا ہے دنیا کو اجتماعی رفاقت کی ضرورت ہے ۔ اس کو اقوام متحدہ کی ضرورت ہے کہ ایک مشترکہ اور اجتماعی تناظر تیار کرنے کے لئے تمام ملکوں کو ایک دوسرے کے قریب آنے اور مل جل کر کام کرنے کی ضرورت ہے ۔

جب ملکوں کے اندر اور ان کے درمیان جمہوریت کا جذبہ نہیں رہ جاتا تو جھگڑے پیدا ہوتے ہیں ۔ حقیقی جمہوری ڈھانچہ ہم کو متبادل نظریات کا احترام کرنے ، کثرت کی قدر کرنے اور عوامی توقعات پوری کرنے کی کوششیں کرنے کے قابل بناتا ہے ۔ ایک کثیر آبادی اور کثیر جہتی ملک کے طور پر ہندوستان کے اپنے تجربات ہیں ۔ جن سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ ایک آئینی اور جمہوری ڈھانچہ میں کتنے الجھے ہوئے مسئلوں کو حل کیا جاسکتا ہے ۔

ان قدروں کو ہمارے معاشرے میں فروغ دینے کی ضرورت ہے تاکہ آنے والی نسل غریبی ، عدم رواداری ، ظلمت پسندی اور مذہبی انتہا پسندی کی لعنت سے محفوظ رہے ۔ جمہوری معاشرے تشدد یا فوجی خواہشات پر مبنی نظریات کے اثرات کم قبول کرتے ہیں ۔ کیونکہ ان کی انگلیاں مستقل طور پر کسی بندوق کے ٹریگر پر نہیں ہوتیں ۔ ہمیں دنیا بھر میں جمہوریت دشمن طاقتوں سے جمہوریت کے خلاف پیدا ہونے والے خطرات سے ہوشیار رہنا ہوگا چاہے ان کی جڑیں بنیاد پرستی پر مبنی سیاسی نظریات میں ہوں یا انتہا پسندانہ مذہبی نظریات میں ہوں ۔

جناب صدر ، ہم سب چیلنجوں سے آگاہ ہیں ۔ ہم سب کو اس بات سے اتفاق ہے کہ مستحکم عالمی نظام کے چار مضبوط ستون امن ، سلامتی ، ہمہ جہت ترقی اور جمہوریت ہوتے ہیں ۔ ہمیں اس بات کی ضمانت دینی ہوگی کہ ان میں سے ہر ایک ستون مضبوط اور مستحکم ہو ۔

سب اپنی اجتماعی ذمہ داری سے واقف ہیں ۔ اس نظریاتی مفاہمت سے اس کے عملی حصول کی جانب چھلانگ لگانے میں ہم اکثر ناکام

رہے ہیں، ہمیں دوبارہ ناکام نہ ہونا چاہئے ۔ اگر ہم نے ایسا کیا تو ہماری مستقبل کی نسلیں ہم کو معاف نہ کریں گی۔

بعد ازاں وزیر اعظم اٹل بہاری واجپائی نے نیویارک میں 15 ستمبر کو پریس کانفرنس میں جو بیان دیا اس کا متن مندرجہ ذیل ہے ۔

" آج میں نیویارک کا ایک اطمینان بخش دورہ ختم کررہا ہوں ۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی کے 57 اجلاس میں شریک ہونے کے ساتھ ہی میں نے بہت سے ملکوں اور حکومتوں کے سربراہوں ، امریکی کانگریس کے ارکان اور سینیٹروں اور امریکی اور ہندوستانی برادری کی تنظیموں کے نمائندوں سے بھی ملاقات کی۔

مجھے نیویارک میں صدر بش سے ملاقات کا شرف ہوا ۔ ہم نے ہندوستان اور امریکہ کے درمیان وسیع مدت سے قائم اعتماد اور واضح رشتوں سے اپنی وابستگی کی توثیق کی ۔ صدر بش نے دہشت گردی کے خلاف اپنے بھرپور عزم کی تجدید کی اور جموں و کشمیر میں حالیہ قتل کے واقعات کی مذمت کی جن کا مقصد اس ریاست میں انتخابی عمل کو تخریب کا شکار بنانا ہے ۔ ہم نے اپنے باہمی تعلقات کا جائزہ لیا اور اعلیٰ ٹکنالوجی ، خلاء اور نیوکلیائی توانائی میں اپنے تعلقات اور تبادلوں کو تیز کرنے پر اتفاق رائے کا اظہار کیا ہے ۔

میں نے امریکہ کے سینیٹروں اور امریکی کانگریس کے ارکان سے ملاقات کے موقع کا خیر مقدم کیا مضبوط ہند امریکہ تعلقات کے لئے سینٹ اور ایوان نمائندگان دونوں میں وسیع سیاسی حمایت موجود ہے ۔ اس کے لئے میں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ۔ ہم نے ان شعبوں پر بحث کی جن میں امریکی کانگریس ہماری دونوں حکومتوں کی جانب سے ہندوستان اور امریکہ کے تعلقات کو زیادہ مضبوط بنانے کی پیشرفت کی حمایت کرسکتی ہے ۔

امریکہ کی یہودی تنظیموں کے ایک وفد نے مجھ سے ملاقات کی ۔ امریکہ کی یہودی برادری امریکی کانگریس میں اور اس کے باہر دہشت گردی اور دوسرے اہم سوالات پر ہندوستان کی زبردست حمایت کرتی رہی ہے ۔

افغانستان کے صدر سے ایک دوستانہ ملاقات میں افغانستان کے اتحاد اور آزادی کے لئے اپنی حمایت کا ایک مضبوط پیغام دیا ، صدر موصوف نے اپنے ملک کے لئے ہندوستان کی مالی ، اقتصادی اور تکنیکی امداد پر اظہار پسندیدگی کیا۔

ماریشس سے ہماری روایتی طور پر قریبی تعلقات ہیں وہاں کے وزیر اعظم سرانیرود جگناتھ سے ملاقات کے دوران تعلقات کی تجدید ہوئی ماریشس سے ہمارا اشتراک مضبوط اور متحرک ہے ۔ ایک مرکزی کابینہ کے درجہ کا وزیر جلد ہی ماریشس کے سائبر سٹی کا سنگ بنیاد رکھنے کے لئے وہاں جائے گا جو کہ 100 ملین امریکی ڈالر کی ہندوستان کی مالی امداد سے ہمارے تکنیکی تعاون سے تعمیر کیا جارہا ہے ۔ میں نے وزیر اعظم کو آئندہ سال جنوری میں نئی دہلی میں منعقد کی جانے والی پرواسی بھارتیہ دوس کی تقریبات کے افتتاح میں شرکت کی دعوت دی ۔ ڈنمارک کے وزیر اعظم سے میری ملاقات کے دوران ہم نے آئندہ کوپن ہیگن میں منعقد ہونے والی ہند یوروپی یونین تجارتی چوٹی کانفرنس کے پس منظر میں ہندوستان ۔ یوروپی یونین اشتراک میں تیزی پیدا کرنے کے لئے بات چیت کی ۔ میں نے سربراہان حکومت کی چوٹی کانفرنس کے موقع پر ہندوستان یوروپی یونین تجارتی چوٹی کانفرنس کے ایک اجلاس میں شرکت کرنے سے اتفاق کیا۔

جاپان کے وزیر اعظم سے ملاقات کے دوران میں نے ان پیش قدمیوں کے سلسلہ میں کئے جانے والے اقدامات پر مذاکرات کئے جن کا ہم نے اپنے دورہ جاپان کے دوران گذشتہ سال اعلان کیا تھا ۔ اقتصادی تعاون میں اطمینان بخش ترقی ہوئی ہے جس میں دہلی میٹرو کا کام اور گنگا اور جمنا ندیوں کو صاف کرنے کا ابتدائی اقدام شامل ہے ۔ مجھے زامبیا کے نومنتخب صدر سے ملاقات کا اور اپنے تاریخی تعلقات کو مزید مستحکم بنانے کے ہندوستان کے عہد کی تجدید کرنے کا موقع ملا ۔ میں نے صدر کو ہندوستان کا دورہ کرنے کی دعوت کی تجدید کی اور ہمیں توقع ہے کہ وہ مستقبل قریب میں ہندوستان کا دورہ کریں گے ۔ مزید اشتراک کے لئے ہندوستان ۔ زامبیا کے درمیان مستقبل میں تعاون کے بہت سے شعبوں کی نشاندہی کی گئی جن میں چھوٹے پیمانے کی صنعتوں اور زراعتی ترقی میں تعاون شامل ہے ۔

بلغاریہ سے باہمی طور پر بھی اور اقوام متحدہ میں بھی ہمارے قریبی اشتراک کے تعلقات ہیں ۔ بلغاریہ کے صدر سے اپنی ملاقات کے دوران ہم نے تمام شعبوں میں اپنے باہمی تعلقات کا جائزہ لیا ۔ تشویش کے امور میں اقوام متحدہ کی سلامتی کونسل میں بلغاریہ کی حمایت کے لئے میں نے اپنی پسندیدگی کا اظہار کیا ۔ بلغاریہ نے سلامتی کونسل کی مستقل رکنیت کے لئے بھی ہندوستان کو اپنی حمایت دی ہے ۔

ان تمام ملاقاتوں میں زیر بحث آنے والے امور میں بین الاقوامی دہشت گردی کا مسئلہ مشترک تھا ۔ ہر ایک عالمی لیڈر نے جس سے میری ملاقات ہوئی جموں و کشمیر میں اور ہندوستان میں دوسری جگہوں پر دہشت گردوں کے حملوں کی مذمت کی ۔ اقوام متحدہ کی جنرل اسمبلی میں اپنے بیان میں ماریشس کے وزیر اعظم نے سرحد پار سے مداخلت کے خاتمہ پر اصرار کیا ۔ امریکہ کے بھیانک المیوں کی پہلی برسی کے موقع پر نیویارک میں ان تمام لیڈروں سے ملاقات کے دوران میں نے قدرتی طور پر جمہوریتوں کے ذریعہ موثر طور پر اور کسی امتیاز کے بغیر دہشت گردی کو جڑ سے اکھاڑ پھینکنے کے لئے باہمی تعاون پر زور دیا ۔ 11 ستمبر کے بے رحمانہ دہشت گردوں کے حملوں کا شکار ہونے والے ہندوستانیوں کے کچھ رشتہ داروں سے ملاقات میرے لئے ایک تکلیف دہ تجربہ تھی ۔ ان تمام لوگوں سے ہم آہنگی کے اظہار کے لئے جو دہشت گردی کا شکار ہوئے ہیں بیٹری پارک میں منعقدہ سادہ مگر اثر انگیز تقریب میں ، میں نے شرکت کی ۔ نیویارک میں سوامی وویکانند کی یاد میں خراج عقیدت پیش کرنے سے خاص خوشی حاصل ہوئی ۔ ہندوستانی برادری کے نمائندوں کے مختلف گروپوں سے مختلف مواقع پر میری ملاقات ہوئی ۔ ان ملاقاتوں سے اس ملک میں ہندوستانی نسل کے لوگوں کے نظریہ اور تناظر کا مجھ کو کافی اچھا اندازہ ہوا ۔

مافیا سرغنہ ابو سالم

کئی نام علحدہ پہچان

انڈر ورلڈ کے بالی ووڈ پر اثرات کو روکنے میں پولیس ابھی پوری طرح کامیاب بھی نہیں ہوئی اور فلمی اداکار سنجے دت کی چھوٹا شکیل سے ہوئی بات چیت کے ٹیپ عدالت میں پیش کئے جانے کے بعد بحث کا سلسلہ جاری تھا کہ ایک اور اہم خبر سامنے آئی کہ ہندوستان کو انتہائی مطلوب مافیا سرغنہ ابوسالم کو پرتگال میں اس کی بیوی مونیکا بیدی کے ساتھ گرفتار کرلیا گیا ہے۔ اس ملک کے دارالحکومت لزبن میں ابو سالم کی جعلی دستاویزات پر سفر کے سلسلہ میں گرفتاری عمل میں آئی۔ یہ خبر ہندوستان کے لئے حقیقت میں ایک اچھی خبر تھی کیونکہ ابو سالم 1993 کے بمبئی بم دھماکوں کا ایک اہم ملزم ہے۔ اس نے ان دھماکوں کے بعد کراچی میں پناہ لے رکھی تھی جہاں سے 1998 میں وہ دبئی منتقل ہوگیا۔ اس کے علاوہ وہ قتل، جبری وصولی اور اغوا کے علاوہ گلشن کمار قتل کیس میں بھی پولیس کو مطلوب ہے۔ قوی امکان ہے کہ ابوسالم اگر ہندوستانی حکام کے حوالے ہوجائے تو اسے سزائے موت دی جائے۔ لیکن یہاں ہندوستان کے لئے اس لحاظ سے مشکلات پیدا ہوگئیں کہ اسکا پرتگال کے ساتھ حوالگی مجرمین کا معاہدہ نہیں ہے۔ چنانچہ ہندوستان نے پرتگال کو یہ تحریری تیقن دینے سے اتفاق کیا کہ ابو سالم پر عائد الزامات اگر ثابت بھی ہوجائے تو سزائے موت نہیں دی جائے گی۔ اس تیقن کے بعد پرتگال حکومت ابوسالم کو حوالے کرے گی یا نہیں۔ اس کا بہت جلد پتہ چل جائے گا۔ اس سلسلہ میں سی بی آئی کی ایک ٹیم کو پرتگال روانہ کیا جارہا ہے۔ ابوسالم 1993 میں ممبئی میں ہوئے سلسلہ وار بم دھماکوں کا اصل ملزم ہے۔ اس کیس میں وہ ابتداء سے فرار ہے۔ ممبئی کی ایک عدالت نے اسے مفرور مجرم قرار دیتے ہوئے اس کے خلاف ریڈ کارنر نوٹس جاری کی تھی۔ سمجھا جاتا ہے کہ ابوسالم نے ہی اداکارہ منیشا کوئرالا کے سکریٹری اجیت دیوانی کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا اور بی جے پی لیڈر رام داس نائک کے قتل کی راست نگرانی بھی اسی نے کی تھی۔ سالم نے 1998 میں داؤد ابراہیم سے علحدگی اختیار کرکے خود ہی اپنا گروپ بنالیا تھا۔ ابو سالم عرف عبدالقیوم انصاری کا اعظم گڑھ، یو پی سے تعلق ہے۔ یہ ممبئی کے کرافورڈ مارکٹ علاقہ میں کپڑے بیچا کرتا تھا۔ اس نے اندھیری کے ارسہ مارکیٹ میں غیر قانونی (پی سی او) قائم کیا تھا۔ پھر داؤد گینگ میں شامل ہوگیا۔ ابو سالم رویش شرما کا ڈرائیور بھی رہ چکا ہے جو داؤد ابراہیم کا قریبی ساتھی تھا۔ ابو سالم داؤد گینگ کیلئے پہلے اہم ثابت ہوا۔ بہترین نشانہ باز بھی ہے۔ 1993 کے ممبئی دھماکوں میں اس نے اہم رول ادا کیا۔ بم دھماکوں کے بعد وہ داؤد گینگ کے دیگر ارکان کے ساتھ کراچی فرار ہوگیا۔ اس کے بعد ہی سمجھا جاتا ہے کہ اس نے مہاراشٹرا بی جے پی لیڈر رام داس نائک اور پریم سنگھ کے قتل کا منصوبہ بنایا تھا۔ تین برس تک وہ داؤد کے بھائی انیس ابراہیم کے ساتھ مختلف مقامات پر مختلف ناموں سے کام کرتا رہا۔

ابوسالم کے حالات زندگی کچھ اس طرح سے ہیں۔ انڈر ورلڈ سرغنہ ابو سالم کا پورا نام ابو سالم عبدالقیوم انصاری ہے۔ اسے قیوم بھی کہا جاتا ہے، عرفیت عقیل احمد اعظمی عرف کیپٹن عرف ابو سمان عرب ارسان محسن علی ہے۔ ابو سالم کی پیدائش 1969ء میں اعظم گڑھ (اترپردیش) میں ہوئی قد 5.4 انچ ہے۔ وہ دبئی اور پاکستان سے اپنی سرگرمیاں چلاتا ہے۔ انڈر ورلڈ میں وہ کسی وقت داؤد ابراہیم کا بااعتماد ساتھی سمجھا جاتا تھا تاہم مافیا گروپس میں اختلافات پیدا ہوگئے۔ بمبئی بم دھماکوں کے دوران ابو سالم ان ملزمین میں ایک ہے جنہوں نے سنجے دت کے مکان کو ہتھیار پہنچائے تھے۔ انڈر ورلڈ میں ابو سالم کو نشانہ بازی کا ماہر کہا جاتا ہے اور اوم پرکاش کگربتی اور گلشن کمار قتل مقدمہ میں بھی وہ ملزم ہے۔ جس طرح چھوٹا شکیل بھی داؤد ابراہیم سے دور ہوگیا ابو سالم کے بھی اختلافات بڑھتے گئے۔ یہاں تک کہ شبہ کیا جاتا ہے کہ لزبن میں ابو

سالم کو گرفتار کرانے میں داؤد ابراہیم کا ہاتھ ہے۔ ابو سالم کے دبئی میں دو شاندار بنگلے ہیں ایک بطور رہائش گاہ اور دوسرا گیسٹ ہاؤز کی حیثیت سے

استعمال کیا جاتا ہے۔ ابو سالم کا نیپال کے ایم پی مرزا دلشاد بیگ سے بھی قریبی تعلق رہا اور وہ نیپال میں اپنی کمپنی چلانے کے لئے انہیں ٹیلی فون پر ضروری ہدایات دیا کرتا تھا۔ ابو سالم ڈرگس اسمگلر بھی ہے اور اقبال مرچی کے ساتھ اسکا یوروپی ممالک میں ہیروئن کی اسمگلنگ کا نیٹ ورک ہے۔ داؤد ابراہیم کے بھائی انیس ابراہیم کے ساتھ سکنڈ ہینڈ کاروں کی بھی وہ تجارت کرتا ہے۔ فلمی اداکار منیشا کوائرالا کو دھمکی دے کر بھاری رقم طلب کرنے کے معاملہ میں بھی وہ ملوث رہ چکا ہے۔ ابو سالم کے کئی بااعتماد رفیق ہیں جن کے ساتھ ملکر وہ اپنے غیر قانونی کاروبار چلاتا ہے۔ ابو سالم اور اس کی بیویوں کے کئی پاسپورٹس ہیں۔ خود ابو سالم نے عقیل احمد اعظمی کے نام سے لکھنو سے دانش بیگ (بھوپال) امیل کمال ملک (کرنول) رمیش کمار (پرتگال) ارسلان (کراچی) سے پاسپورٹس نکالے۔ انہی پاسپورٹس کی مدد سے وہ حسب سہولت مختلف ممالک کا دورہ کرتا رہا ہے۔ ابو سالم کی پہلی بیوی شبینہ اعظمی نے اعظم گڑھ، روبینہ بیگ کے نام سے بھوپال اور نیا آصف جعفری کے نام سے کرنول سے اپنا پاسپورٹ نکالا۔ ابو سالم کی دوسری بیوی مونیکا بیدی نے اپنے اصلی نام سے ہوشیار پور (پنجاب) سے پاسپورٹ نکالا۔ دوسرا پاسپورٹ فوزیہ عثمان کے نام سے بھوپال اور تیسرا پاسپورٹ ثنا ملک کمال کے نام سے کرنول سے حاصل کیا گیا ہے۔ ابو سالم نے انڈر ورلڈ کی سرگرمیوں میں حصہ لینے کے بعد کئی نام سے اپنے پاسپورٹ بنائے۔ اس سلسلہ میں قانون کی جس طرح دھجیاں اڑائی گئی ہیں وہ خود ایک سوالیہ نشان ہے کیونکہ ہر پاسپورٹ میں اسکا الگ نام اور ایک الگ پہچان ہے۔ حکومت نے پاسپورٹ جاری کرنے کے لئے اس قدر سخت قوانین وضع کئے ہیں کہ عام آدمی کو بمشکل پاسپورٹ ملتا ہے لیکن مافیا عناصر بہ آسانی اپنی مرضی کے مطابق پاسپورٹ حاصل کرلیتے ہیں۔ آندھرا پردیش کے ضلع کرنول سے جو پاسپورٹ ابو سالم کو جاری کیا گیا تھا اس سلسلہ میں تین ذمہ دار عہدیداروں کو معطل کردیا گیا ہے۔ لیکن حکومت کو چاہئے کہ وہ ایسا نظام متعارف کروائے جس کے ذریعہ مافیا اور غیر سماجی عناصر کو اس طرح کی سہولت نہ مل سکے۔ ابو سالم نے مختلف پاسپورٹ کے ذریعہ کئی ممالک کا دورہ کیا اور وہ ہر جگہ عہدیداروں کی آنکھوں میں دھول جھونکتا رہا۔ اب جبکہ اسے گرفتار کیا جاچکا ہے پھر بھی حکومت ہند کے لئے اسے یہاں لانا اور قانون کے مطابق سزا دلوانا مشکل ہوگیا ہے۔ حکومت نے حوالگی کے سلسلہ میں حکومت پرتگال کے ساتھ مذاکرات شروع کردئے ہیں اور بہت جلد نتائج سامنے آجائیں گے۔

نعیم احسن

یہ کائنات ابھی ناتمام ہے شاید!

اگر زمین پر پائی جانے والی حیات کی مختلف انواع کو دیکھیں تو اس پیچیدگی کا اندازہ ہوسکتا ہے۔ پندرہ لاکھ صرف مشروم کی انواع پائی جاتی ہیں اور تتلیوں کی انواع کی تعداد گیارہ لاکھ ہے۔ کرہ ارض پر موجود چھ ارب سے زائد نفوس ایک دوسرے سے منفرد خصوصیات کے حامل ہیں۔ اسے دیکھ کر اندازہ ہوتا ہے کہ فطرت میں تنوع کی استعداد کتنی مستحکم ہے۔

ماحول پر عمل کاری کے لئے اور باقی ماندہ کائنات کے ساتھ باہمی عمل کے لئے تمام فطری نظاموں کی کچھ خصوصیات مشترک ہوتی ہیں۔ ایٹم روشنی کو جذب کرتے ہیں اور خارج کرتے ہیں۔ مالیکیول اپنی ساخت تبدیل کرتے ہیں، کمپاؤنڈ بناتے ہیں اور الگ الگ بھی ہوجاتے ہیں۔ بیکٹریا اپنے غذائی وسائل کی جانب بڑھتے ہیں۔ جب پیچیدگی کا درجہ بڑھتا ہے تو ان اعمال کے تنوع، مخصوصیت اور اعمال کے دائرہ کار کی وسعت میں بھی اضافہ ہوجاتا ہے۔ دیمک اپنی کالونی کے درجہ حرارت کو زیادہ سے زیادہ ایک ڈگری کے اندر رکھنے کو کنٹرول کرتی ہے۔ انسان اسٹیریو سسٹم بنارہا ہے، مائیکرو سرجری کررہا ہے اور اپنے نظام شمسی کے سیاروں کی مٹی کے تجزیے کررہا ہے۔ کارکردگی کے پیمانے سے بھی پیچیدگی کے پیمانے کا اظہار ہوتا ہے۔

پندرہ بلین سال پہلے جب یہ کائنات مخروط کے پیندے کی حالت میں تھی تو تمام مواد بہت بلند درجہ حرارت کی حالت میں تھا، یہ مکمل اور مستقل افتراق کی حالت تھی۔ یا آسان لفظوں میں یوں کہہ لیں کہ اگر کسی قسم کی وابستگی یا بندھن بنتا بھی تھا تو فوراً ختم ہوجاتا تھا۔ یہ ابتدائی افراتفری کی حالت تھی۔ اس وقت نہ تو کوئی اسٹرکچر تھا اور نہ ہی کوئی نظم و ضبط تھا۔ لیکن اب ہم جانتے ہیں کہ کائنات پھیل رہی ہے اور اس پھیلاؤ کا نتیجہ کولنگ یا ٹھنڈک کی صورت میں سامنے آرہا ہے۔ وقت کے ساتھ ساتھ درجہ حرارت اور کثافت کم ہورہی ہے۔ کولنگ کے عمل میں ایک خاص وقت میں واقعات کی وابستگی کا عمل شروع ہوا جس سے کائنات کے مواد نے ترتیب پانی شروع کی۔ بعد ازاں تمام مواد فطری نظاموں میں ڈھلتا گیا اور ہمارے سامنے پیچیدگی کا ایک مخروط آگیا۔

شروع میں یہ واقعات کائنات میں ہر جگہ وقوع پذیر ہوئے، بعد میں یہ خاص اوقات میں مخصوص علاقوں تک محدود ہو کر رہ گئے۔ جب درجہ

حرارت ایک ٹریلین سیلسئس تک گر گیا تو کوارکس کے ٹرایوس اسمبل ہونا شروع ہوئے اور نیوکلیونز کے لئے راہ ہموار ہوگئی۔ جب درجہ حرارت ایک بلین تک آگیا تو محدود سی تعداد میں نیوکلیونز جمع ہوئے اور ہیلیئم کا پہلا نیوکلی تشکیل پایا۔ اس وقت تک کاسمک کلاک کا ایک منٹ گزر چکا تھا۔

لاکھوں برس بعد جب درجہ حرارت اس قدر گر گیا کہ الیکٹرونز اپنے مدار میں پروٹونز کے گرد مستحکم ہوسکیں تو ہائیڈروجن کے اولین ایٹموں اور نیوکلیئس کی تشکیل ہوئی۔ یہ تقریباً وہی وقت تھا جب مائیکرو ووبیو بیک گراونڈ ریڈی ایشن کا عمل شروع ہوا۔

کئی کروڑ برس بعد ابتدائی کہکشائیں ظہور پذیر ہوئیں اور انہی کہکشاؤں کی تقسیم سے بعد ازاں ستاروں کا جنم ہوا۔ کہانی کے اس موڑ پر جا کر کائنات کے مختلف حصوں میں یکساں عمل کا خاتمہ ہوگیا اور ہر جگہ ایک جیسے واقعات جنم لینے کا سلسلہ رک گیا اور واقعات کا عمل مخصوص علاقوں میں لوکل سطح ہونے لگا، اس طرح کائنات کے مختلف حصے اربوں سال تک پھیلتے رہے۔

ستاروں نے اپنے ضوفشاں مراکز میں نیوکلیونز کو ملنے کا موقع دیا جس سے نیوکلی (جیسے ہیلیم، کاربن، سلیکون اور آئرن وغیرہ) تشکیل پائے۔ کسی ستارے کی موت پر یہ میٹریلز ستاروں کے مابین پائے جانے والے اسپیس میں بکھر جاتے ہیں جہاں وہ الیکٹرونز کو پکڑتے ہیں اور ایٹم تشکیل دیتے ہیں۔ یہ ایٹم ایک دوسرے سے بندھ کر نیوکلیئس بناتے ہیں اسی طرح مہین

چمکیلے ذرات مل کر کاسمک ڈسٹ بھی بناتے ہیں۔

پیچیدگی کا یہ عمل اس جگہ رکتا نہیں ہے بلکہ مزید آگے بڑھتا ہے۔ ڈسٹ کے بعض ذرے ایک دوسرے سے چمٹے رہتے ہیں جن سے ٹھوس اجسام وجود میں آنا شروع ہوجاتے ہیں جنہیں ہم کائنات میں اسٹیرائیڈز اور سیارچوں کی شکل میں دیکھتے ہیں جن میں بڑے سیاروں پر فضا بھی بن جاتی ہے۔ باہمی طور پر جتنا زیادہ مالیکولر عمل ہوتا ہے ان کی زرخیز اور سیال تہوں میں مالیکولز کی زنجیریں بننا شروع ہوجاتی ہیں جن سے بائیو مالیکیولز، زندہ سیل اور دیگر خوردبینی اجسام وجود میں آتے ہیں۔

ہر سال ہماری دودھیا کہکشاں میں نئے ستارے ظاہر ہوتے ہیں۔ جو ستارے کہکشاں کی پیدائش کے فورا بعد وجود میں آتے ہیں ان کی ملکیت میں ٹھوس سیارے نہیں ہوتے۔ ایک ابتدائی کہکشاں صرف ہائیڈروجن اور ہیلیم پر مشتمل ہوتی ہے لیکن آئرن، آکسیجن اور سلیکون کے نیوکلی فطرت کے غیر لچکدار ڈھانچے میں روابط کی طرح ہیں۔ سیاروں کی تشکیل کے لئے ضروری ہے کہ اربوں برسوں میں ستاروں کی کئی نسلیں پیدا ہو کر مرچکی ہوں۔ جب ہمارا سورج وجود میں آیا تو ہماری کہکشاں اس سے دس بلین سال پہلے سے کام کررہی تھی۔ ابتدائی ستارے پہلے ہی سے اسپیس میں اپنی بھاری نیوکلی کی فصل بوچکے تھے لہذا ٹھوس سیارے بننا ممکن ہوچکا تھا۔

ہماری دوربینیں ابھی اس قدر طاقتور نہیں ہوئیں کہ اس بات کے بارے میں یقینی طور پر کچھ کہا جاسکے کہ کیا دوسرے ستاروں کے ساتھ بھی سیارے موجود ہیں۔ تاہم ہمارے پاس یقین کرلینے کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ ہماری اپنی کہکشاں کے سو بلین ستاروں میں سے کئی ایسے ستارے ہیں جن کے ہاں ہمارے سورج کی طرح سیاروں کے اپنے نظام ہیں۔ ان میں سے کچھ ہمارے سورج سے عمر میں چھوٹے بھی ہیں اور کچھ بڑے بھی ہیں۔ ہمارے سیارے پر سیل کی صورت میں زندگی کا آغاز چار بلین سال پہلے ہوا، تاہم ذہین مخلوق چند ملین برس قبل وجود میں آئی۔ دوسرے سیاروں میں ہوسکتا ہے، کہ ان کی ارتقائی تاریخ ہم سے مختلف ہو اور وہ ترقی کے کسی اور مرحلے پر ہوں۔

اس ساری چیز کو دیکھتے ہوئے کہا جاسکتا ہے کہ پیچیدگی کا عمل تاریخی تسلسل کے ساتھ مربوط ہے جس کا براہ راست تعلق کائنات کے بتدریج ٹھنڈا ہونے کے ساتھ بھی ہے۔ مرحلہ وار جیسے جیسے ہم اس مخروط کی بلندی کی طرف بڑھ رہے ہیں ان نظاموں کو حرارت کے سبب پیدا ہونے والے افتراق سے لاحق خطرات کم سے کم ہوتے جاتے ہیں۔ سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ اگر یہ عمل آگے کی طرف بڑھ رہا ہے تو مستقبل میں نئے اقدامات کیا ہوں گے، کیا ہم ان کے بارے میں جانتے ہیں؟ کون کہہ سکتا ہے؟ سمندر کی سطح پر سبزی مائل نیلی کائی کو دیکھ کر ہم یہ خیال ظاہر کرسکتے ہیں کہ کسی دن، چار بلین سال کے اضافی عمل کے نتیجہ میں، اس کے اوپر پیچیدگی کا ایک اور مخروط استوار ہوسکتا ہے۔

کیا کائنات کا ارتقائی عمل جاری و ساری ہے؟ ہمارے لئے یہ بات ماننے میں کوئی امر مانع نہیں ہے کہ کائنات میں یہ عمل مسلسل ہورہا ہے اور وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس عمل میں کمی آنے کی بجائے اضافہ ہی متوقع ہے۔ صرف چار بلین برسوں میں انسانی دماغ کا اوسط وزن پانچ سو گرام سے بڑھ کر موجودہ وقت میں چودہ سو گرام تک ہوچکا ہے اور چار ملین سال کا عرصہ زمین کے حیاتیاتی ارتقاء میں ایک لحظہ سے زیادہ نہیں ہے

اس ساری صورت حال کو سمجھنے کے لئے فرض کریں کہ ہماری زمین پر زندگی کا دورانیہ چوبیس گھنٹوں میں سمٹ آیا ہے۔ یعنی زمین پر زندگی کی پوری تاریخ کو ہم چوبیس گھنٹے تصور کرلیتے ہیں۔ اس طرح ہر منٹ تقریبا تین ملین برسوں کے برابر ہوگا۔ چوبیس گھنٹوں کے ٹائم فریم میں زمین کی تشکیل آدھی رات کو ہوئی۔ صبح 6 بجے موزوں درجہ حرارت کے پانیوں میں کائی اور بیکٹریا کے بڑھنے کا عمل شروع ہوا۔ ابتدائی بے ریڑھ کے صدفیوں کی بڑی نوع جن کا نرم اور غیر منقسم جسم ایک دو یا تین حصوں پر مشتمل ہوتا ہے اور قشری یا خول دار جانداروں کا ظہور شام تک ہوا، چوبیس گھنٹوں کے اس عرصہ میں یہ شائد چھ یا سات بجے کا عمل ہوگا۔ رات 10 بج کر 30 منٹ پر ڈائنوسارز کی آمد ہوئی اور 11 بج کر چالیس منٹ پر ان کا خاتمہ ہوگیا۔ اس دن کے آخری بیس منٹ میں ممالیہ جانداروں کی مختلف انواع سامنے آئیں۔ ہمارے اجداد نصف شب سے صرف دس منٹ پہلے منظر پر آئے اور آخری دو منٹ میں ان کا دماغ سائز میں تین گنا تک بڑھ گیا۔ اس تیز ترین تسلسل کے پیش نظر ہم یہی کرسکتے ہیں کہ اپنے وضع کردہ مخروط کی چوٹی پر ایک سوالیہ نشان بنادیں۔

نیویارک میں 11 ستمبر کی یاد، واجپائی بھی شریک

بدلتے موسم، دنیا کے لئے نئے خطرات

درجہ حرارت میں مسلسل اضافہ کرہ ارض سے حیات کا خاتمہ کرسکتا ہے

یوں ہی موسم کی ادا دیکھ کہ یاد آیا ہے
کس قدر جلد بدل جاتے ہیں انساں جاناں

انسانوں کے بدلتے ہوئے رویوں کو موسم کی تبدیلی سے تشبیہ دے کر احمد فراز نے بہت خوبصورتی سے اپنی بات واضح کی ہے ۔ لیکن اگر کوئی شخص آج کے تناظر میں جائزہ لے تو موسموں کی کج ادائیاں اسے حیران کردیں گی۔ یہ کج ادائی ہی تو ہے کہ سردیاں ، سردیاں نہ رہیں اور گرمیاں ، گرمیاں نہ رہیں ۔ بن موسم برسات ہوجاتی ہے اور دوسری طرف برسات کا پورا موسم خشک آنکھیں بادلوں سے خالی آسمان کو تکتے گزار دیتی ہیں۔

موسموں کے اتار چڑھاؤ میں اس تبدیلی کا ذمے دار خود حضرت انسان ہی ہے ۔ فطرت کے پیدا کردہ توازن میں تبدیلی کا ذمہ دار بھی وہ خود ہے اور اس کا نقصان بھی اسے ہی برداشت کرنا ہے ۔ فطری عدم توازن میں بہتری تو جانے کب آئے لیکن فی الحال وہ کلائمیٹ چینج کے عنوان سے نت نئی تحقیق اور معاہدوں کی تشکیل میں مصروف ہے ۔

80 اور 90ء کی دہائیاں ماحولیات کے حوالے سے شاید انسان کیلئے انکشافات اور دھچکوں کی دہائیاں تھیں ۔ 80ء کے وسط میں یہ انکشاف ہوا کہ اوزون کی حفاظتی ڈھال ٹوٹ رہی ہے ۔ اس دہائی کے اواخر میں موسموں میں تغیر یا تبدیلی کے موہوم اشارے واضح ہوکر سامنے آگئے تھے ۔

جدید سائنسی تحقیق کے مطابق موسموں میں بگاڑ کی اہم وجہ درجہ حرارت میں مسلسل اضافہ ہے ۔ آب و ہوا اور موسم کے موضوع پر دو ہزار سائنس دانوں کی شب و روز کی عرق ریزی کے نتیجے میں تیار ہونے والی ایک رپورٹ میں سائنس دان پہلی مرتبہ اس امر پر متفق ہوئے ہیں کہ موسم کی اس تبدیلی کی وجہ خود انسان ہی ہے ۔ اندھا دھند سائنسی ترقی نے سب کچھ دھندلادیا ہے ۔ صنعتوں کے غیر محتاط پھیلاؤ ، آبادی میں اضافے ، شہروں کی جانب نقل مکانی ، ٹرانسپورٹ میں اضافہ ، بڑھتی ہوئی آبادی کی خوراک کی ضروریات کے لئے جنگلات کی کٹائی اور جنگلوں کی زمین کو زرعی مقاصد کے لئے استعمال کرنا ، یہ سب اس سلسلے کی کڑیاں ہیں۔

درجہ حرارت میں اضافہ بہت معمولی سی بات نظر آتی ہے ، لیکن درحقیقت یہ اضافہ کرہ ارض پر حیات کے خاتمے کا اعلان بھی ہے ۔ زمین گزشتہ صدی کے دوران 0.3 اور 0.6 درجہ سیلسیس تک گرم ہوچکی ہے ۔ اب یہ تخمینہ لگایا گیا ہے کہ 2020ء تک دنیا آج کے مقابلے میں اوسطاً 1.3 درجہ سیلسیس زیادہ گرم ہوچکی ہوگی۔ یہ تین درجوں کا اضافہ دنیا کو اس سے بھی زیادہ گرم بنادے گا جتنی وہ بیس لاکھ سال پہلے تھی۔

درجہ حرارت میں یہ اضافہ جسے گلوبل وارمنگ کا نام دیا گیا ہے ہمارے سیارے کے لئے انتہائی خطرناک ہوگا ، کیوں کہ جیسے جیسے درجہ حرارت بڑھے گا قطبین کے خطوں میں مستقل برف پوش چوٹیاں اور برف پگھلنا شروع ہوجائے گی ۔ یہ عمل سطح سمندر میں اضافے کا سبب بنے گا ۔ اگلی صدیوں میں توقع ہے کہ سطح سمندر میں ایک میٹر یا اس سے بھی زیادہ اضافہ ہوجائے گا ۔ اس کے نتیجہ میں بحرالکاہل کے 300 جزائر میں سیلاب آئیں گے اور بالآخر وہ غائب ہوجائیں گے ۔ ایک اور تحقیق کے مطابق 2050ء تک بنگلہ دیش کا 18 فیصد حصہ زیر آب آچکا ہوگا۔

بڑھتا ہوا درجہ حرارت بارشوں کو متاثر کرے گا اور یہ عمل عالمی سطح پر فراہمی خوراک کے نظام کو بنیادی طور پر درہم برہم کردے گا ۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ آج کل سو سے زائد ممالک کو خوراک برآمد کررہا ہے ممکن ہے کہ یہ برآمدات تقریباً 70 فیصد گھٹ جائیں اور زرخیز قابل کاشت زمین ریگستان میں بدل جائے ۔ عالمی سطح پر موسموں کی تبدیلی کے حوالے سے کام مسلسل جاری ہے اور اس عدم توازن کو توازن میں لانے کے لئے بہت سے اقدامات کئے جارہے ہیں جن میں مختلف میثاق اور معاہدوں کی تشکیل بھی شامل ہے ۔ اسی حوالے سے 1979ء میں باقاعدہ ایک عالمی موسمی کانفرنس منعقد ہوئی تھی جس میں تمام پہلوؤں پر غور و خوض کیا گیا تھا ۔ 1992ء میں برازیل کے شہر ریوڈی جینرو میں بھی ہونے والی ارتھ سمٹ میں اس حوالے سے خاصی سرگرمی رہی اور ایک فریم ورک تیار کیا گیا جو یو این ایف سی سی سی کے نام سے مشہور ہے اسی فریم ورک کے تحت کیوٹو پروٹوکول کے نام سے ایک کنونشن ہوا ۔ اس معاہدے کا مقصد ایک ایسے طریقہ کار کی تلاش ہے جس کے ذریعے گرین ہاؤس گیسوں کی مقدار کو ایک خاص حد تک کم کیا جاسکتا ہے ۔ اب تک 174 ممالک اس معاہدے کی توثیق کرچکے ہیں۔

1992ء میں کیوٹو پروٹوکول کی منظوری کے بعد اس پر عمل درآمد کا جائزہ لینے کے لئے اپریل 1995ء میں برلن میں ایک کانفرنس منعقد ہوئی ۔ کانفرنس کے شرکاء ان دو نکات پر متفق ہوئے : (1) تمام یقین دہانیوں (گرین ہاؤس گیسوں کا اخراج ایک دہائی پہلے کی سطح تک کم کرنا) پر 2000ء تک عمل درآمد کرنا ناممکن ہے اور یہ کہ 2000ء کے بعد اس پر عمل درآمد کے لئے نئے قوانین کی ضرورت پڑے گی ۔ (2) صرف صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک میں گرین ہاؤس گیسوں کے اخراج میں کوئی کمی سے یہ گیسیں محفوظ سطح تک نہیں آسکیں گی ، کیوں کہ ایک اندازے کے مطابق 2030ء تک ترقی پذیر ممالک میں ان گیسوں کے اخراج میں بعض ترقی یافتہ ممالک سے بھی زیادہ اضافہ ہوچکا ہوگا ۔ لہذا کچھ پابندیاں ترقی پذیر ممالک پر بھی لگانی چاہئیں۔ تاہم اس امر پر اتفاق کیا گیا کہ ابتدائی طور پر صرف صنعتی طور پر ترقی یافتہ ممالک پر پابندی

عائد کی جائے۔

گرین ہاوس گیسوں کے مضر اثرات

سے ساری دنیا واقف ہے ۔اس کے باوجود اس پر قابو پانا آسان نہیں ہے ۔ اس کے تدارک کے حل جتنے آسان نظر آتے ہیں ان پر عمل کرنا اتنا ہی پیچیدہ ہے ۔ ان گیسوں کا 80 فیصد استعمال صنعتی طور پر ترقی یافتہ ملکوں میں ہوتا ہے ۔لہذا انکا استعمال ترک کرنے اور متبادل گیسوں کو رائج کرنے میں صنعت کاروں کو اربوں ڈالر خرچ کرنا پڑیں گے جس کے لئے وہ تیار نہیں ہیں ۔ یہ ہی وجہ ہے کہ امریکہ نے اب تک کیوٹو پروٹول کی توثیق نہیں کی ہے ۔ گوکہ اندرون خانہ اس کی اور بہت سی وجوہات بھی ہیں ، لیکن سردست ان کا تذکرہ ہمیں موضوع سے ہٹادے گا۔

اوزون کی حفاظتی تہہ ٹوٹ رہی ہے

اوزون جو زمین کو ایک چادر کی شکل میں لپیٹے ہوئے ہے ، درحقیقت آکسیجن کی ایک زہریلی شکل ہے ۔ ہوا میں موجود اس ہلکے نیلے رنگ والی گیس کی دس لاکھ میں ایک حصہ سے بھی کم مقدار انسانوں کے لئے زہریلی ہوتی ہے ۔ زمین کی سطح کے قریب ، اوزون ایک ایسا Pollutant ہوتا ہے جو فوٹو کیمیکل دھوئیں والی دھند اور تیزابی بارش کی تشکیل میں معاون ہوتا ہے ۔ تاہم زمین سے دور اوپر کی طرف یہ ہی گیس ایک انتہائی اہم حیاتی محافظ کا کام انجام دیتی ہے ۔

اوزون کی تہہ سورج کی ضرر رساں بالائے بنفشی شعاعوں کے لئے ایک حفاظتی ڈھال کا کام انجام دیتی ہے ، یہ بالائے بنفشی شعاعیں جلدی سرطان کا سبب بنتی ہیں ۔ ایک رپورٹ کے مطابق ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں 12,000 افراد جلد کے کینسر سے ہلاک ہوچکے ہیں ۔ یہ جسم کے دفاعی نظام کو دبادیتی ہیں اور سرطان کے مقابلے میں اثر پذیری بڑھادیتی ہے ۔ یہ موتیابند کا بھی بڑا سبب ہوتی ہے ۔ یہ بیماری ساری دنیا میں کم سے کم ایک کروڑ بیس لاکھ افراد کو نابینا کردیتی ہے اور ایک کروڑ اسی لاکھ افراد کی بینائی کمزور کردیتی ہے ۔

انسانوں کے علاوہ بالائے بنفشی شعاعیں نباتات اور حیوانات کے لئے بھی ضرر رساں ہوتی ہیں ۔ نباتاتی انواع کا دوتہائی سے زائد حصہ ، خاص طور پر فصلیں ، جنہیں ان شعاعوں کے ردعمل کے لئے جانچا گیا تھا ، خاصی متاثر پائی گئیں ۔ یہ شعاعیں پانی کے اندر تقریبا 20 میٹر تک داخل ہوسکتی ہیں ۔ لہذا ان سے ماہی گیری کی صنعت متاثر اور آبی حیات اور بھی زیادہ غیر محفوظ ہوسکتی ہے ۔

اوزون کے تحفظ کے لئے کئے گئے معاہدے ۔

1) اوزون کی تہہ کے تحفظ کا معاہدہ

2) اوزون کی تہہ کے لئے نقصان دہ مادوں کا سفارتی مسودا Protocol on Substances that Deplete the Ozone layer اسے مختصرا مانٹریال پروٹوکول بھی کہتے ہیں

گرین ہاوس افیکٹ

گرین ہاوس افیکٹ کی اصطلاح سے سب ہی واقف ہیں ۔ لیکن یہ دراصل ہے کیا ؟ اس بارے میں عام افراد کی معلومات بہت کم ہیں ۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ گرین ہاوس افیکٹ ہے کس بلا کا نام ۔

گرین ہاوس افیکٹ یا سبز خانوی اثر کے بارے میں جاننے کے لئے ضروری ہے کہ پہلے گرین ہاوس کی اصطلاح پر غور کیا جائے ۔ آپ نے یقینا پودوں کی نرسریاں دیکھی ہوں گی ۔ ان نرسریوں میں شیشے اور لکڑی کی مدد سے محراب نما چھوٹی چھوٹی عمارتیں تعمیر کی جاتی ہیں جن میں پودے رکھے جاتے ہیں ۔ ان عمارتوں کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ پودوں سے خارج ہونے والی گیسوں کو اس عمارت ہی میں محدود رکھا جائے تاکہ شدید سردیوں کے ایام میں بھی پودوں کو گرمی ملتی رہے اور وہ زندہ توانا رہیں ۔ ان گرین ہاوسوں کو اردو میں سبز خانہ کہا جاسکتا ہے ۔ بالکل یہی صورت حال ہماری دنیا کی ہے ۔ ہماری دنیا زمین ، سمندر ، میدانوں اور پہاڑوں پر مشتمل ہے ۔ سطح زمین سے اوپر فضا میں مختلف گیسوں کا ایک غلاف ہے جس میں کاربن ڈائی آکسائیڈ بہ کثرت موجود ہے ۔ یہ غلاف ایک ایسے یک طرفہ آئینے کا کام کرتا ہے جس میں حرارت داخل تو ہوسکتی ہے ، لیکن اس حرارت کو واپس خلا میں جانے میں رکاوٹ ہوتی ہے اور حرارت کی یہ لہریں دوبارہ زمین کی جانب لوٹ کر ماحول کی گرمی میں اضافہ کردیتی ہیں ۔ کئی سائنس دانوں کا خیال ہے کہ فضا میں ہونے والی بتدریج تبدیلیوں کی بنا پر ہی کرہ ارض بتدریج گرین ہاوس میں تبدیل ہورہا ہے اور زمین سے خارج ہونے والی گیسوں کی گرمی فضا میں جمع ہورہی ہے جو بالآخر کرہ ارض کی گرمی میں اضافے کا باعث بن رہی ہے ۔ اس عمل کا نام گرین ہاوس افیکٹ رکھا گیا ہے ۔ یہ نظریہ بھی سائنس کی دنیا کے ان چند نظریات میں شامل ہے جس کی نہ تو سچائی کو ثابت کیا جاسکا ہے اور نہ ہی اسے مسترد کیا گیا ہے ۔

کاربن ڈائی آکسائیڈ ہماری کتنی دوست یا دشمن ہے ، مسئلہ یہ نہیں ہے ، بلکہ اس کے تناسب کا مسئلہ ہے ۔ اگر فضا میں اس کا تناسب قدرتی تناسب سے زائد ہوجائے گا تو یہ سورج کی حرارت زیادہ جذب کرے گی جو بالآخر دنیا میں گرمی میں اضافے کا سبب بنے گا ۔ کرہ ارض کے درجہ حرارت میں اضافے سے گلیشئر بھی پگھل رہے ہیں اور ان سے دو متضاد قسم کے خطرات لاحق ہیں یعنی ایک طرف سیلاب اور دوسری طرف پانی کی قلت ، سمندری پانی کے درجہ حرارت میں اضافے کا مطلب سمندری حیات کے لئے موت اور ساحلوں پر انسانی آبادی کے لئے انتہائی خطرناک ہے ۔

اس خطرناک اور مضر صحت و حیات اثر سے بچنے کا واحد راستہ احتیاط ہے ۔ وہ تمام گیسس جو گرین ہاوس اثر کو بڑھا دیتی ہیں ، ان کا کم سے کم استعمال ہی اس مسئلے سے نجات دلاسکتا ہے ۔ مثلا ریفریجریٹر میں کلورو فلورا کاربن گیس استعمال کی جاتی ہے جس کا شمار خطرناک ترین گرین ہاوس گیس میں کیا جاتا ہے ، اس کا استعمال ختم ہونا چاہئے ۔ گرین ہاوس افیکٹ کسی ایک فرد یا قوم کا معاملہ نہیں ہے بلکہ یہ نوع انسان کا بقا کا مسئلہ ہے ۔ اس مسئلے کے حل کے لئے ضروری ہے کہ پوری دنیا میں یکساں قوانین رائج کئے جائیں اور ان پر سختی سے عمل درآمد بھی

کرایا جائے۔

تیزابی بارش

تیزابی بارش اس وقت ہوتی ہے جب جلتے ہوئے رکازی ایندھن Fuelfossil سے خارج شدہ سلفر اور نائٹروجن، سورج کی روشنی، ماحول میں موجود آکسیجن اور پانی کے بخارات کے ساتھ مل جاتی ہیں۔ ماہیت کے اعتبار سے یہ بارش تیزابی ہوتی ہے اور سلفیورک اور نائٹرک ایسڈ کی پہلی شکل ہوتی ہے۔ بعض گنجان صنعتی علاقوں کی فضا میں ہائیڈروجن گیس کلورک ایسڈ پیدا کرتی ہے جو تیزابی بارش کا جزو ترکیبی بھی بن سکتی ہے۔ فضا کے ذریعے یہ آمیزہ بارش، برف یا خشک ذرات کی شکل میں تازہ پانی اور زراعتی زمین کی تیزابیت میں اضافہ کردیتا ہے

پہلی تیزابی بارش مانچسٹر انگلستان کے صنعتی علاقے میں 1872ء میں ہوئی۔ آج کل اس کا شمار ان انتہائی مشکل مسائل میں ہوتا ہے جس کا سامنا صنعتی دنیا کو ہے اور اب یہ یورپ کے بہت سے ترقی یافتہ ممالک میں غیر معمولی واقعہ نہیں رہی۔ بلکہ بعض ترقی پذیر ممالک بھی کبھی کبھار تیزابی بارش کے تجربے سے گزرتے ہیں۔ تیزابی بارش ہمارے ماحول کو اس طرح متاثر کرتی ہے کہ جھیلوں، چشموں اور آبی ذخائر کی تیزابیت میں اضافہ ہوجاتا ہے۔ چاہے یہ تیزابی بارش سرے سے زیادہ طاقت ور نہ ہو مگر یہ آبی حیات کے لئے مہلک ہوتی ہے۔ سوئیڈن کی 90,000 میں 20,000 جھیلیں کسی حد تک تیزابیت کی زد میں آچکی ہیں۔ کینیڈا میں 48,000 جھیلیں تیزابیت کا شکار ہوچکی ہیں۔ اس نوعیت کی بارش عمارتوں اور یادگاروں کو نقصان پہنچاتی، درختوں کو تباہ کردیتی ہے اور صحت کے لئے بھی انتہائی خطرناک ہے۔ یہ بارش بچوں اور بوڑھوں میں تنفس کے مسائل پیدا کرسکتی ہے۔ اسی طرح فضا میں گندھک کی بہت زیادہ مقدار، آنکھیں دانتوں اور جلد کو بری طرح متاثر کرسکتی ہے۔

●●●●

مختار احسن انصاری

(فسادات کے پس منظر میں)

پتھروں اور بوتلوں کی چوٹ سہتی ہے سڑک
پھر بھی حیرت ہے ہمیشہ چپ ہی رہتی ہے سڑک

عقل کے اندھوں نے کھیلی ایسی ہولی خون کی
خوف، دہشت کا فسانہ کہتی رہتی ہے سڑک

ڈھیر ہو کر کہتے ہیں معصوم انسانوں کے گھر
وحشتوں کے آتشیں دھاروں میں بہتی ہے سڑک

خشت و سنگ و تیغ و خنجر کا یہاں کل راج تھا
خاموشی گویا ہے لیکن چھپ سی رہتی ہے سڑک

اے جنون نسل و مذہب تیرے قدموں کے طفیل
لاکھوں جور و ظلم و استبداد سہتی ہے سڑک

ہر گنہ جائز ہے احسن وحشیوں کے شہر میں
ہر گلی کوچے کا قصہ مجھ سے کہتی ہے سڑک

OOOOO

گجرات میں مندر پر حملہ

گجرات میں بی جے پی حکومت نے فرقہ وارانہ تشدد اور اقلیتی مسلمانوں کو ختم اور ان کی جائیدادوں کو تباہ کرکے جو کارنامہ انجام دیا ہے اس پر انہیں فخر ہے اور اسی فخر کے اظہار کے مقصد سے کارگزار چیف منسٹر نریندر مودی نے "گورو یاترا" نکالی۔ ساری دنیا اس واقعہ پر حیرت زدہ ہے ہر گوشہ سے مذمت کی جاری ہے لیکن بی جے پی یا ہندوتوا طاقتوں کو ظلم آڈیو کیسٹس بازار میں لانے کا اعلان کیا ہے۔ اس کے اثرات ہندوستانی سماج پر کیا مرتب ہوں گے ؟ آخر ہندوتوا طاقتیں مسلمانوں کے خلاف زہر افشانی کے ذریعہ کیا ثابت کرنا چاہتی ہیں ؟ دراصل نریندر مودی کے پاس ایسا کوئی کارنامہ نہیں ہے جسے لیکر وہ انتخابات میں عوام کا سامنا کرسکیں۔ گجرات کے فسادات کے ذریعہ جسے وہ کارنامہ سمجھ رہے ہیں عوام کے زہر افشانی کرنا کافی ہے اور گورو یاترا میں وہ یہی سب کچھ کررہے ہیں۔ تاہم ملک کی سیکولر عوام ان کے جھانسے میں آنے والے نہیں ہیں۔ گجرات میں فسادات کی آگ ابھی تھمی نہیں گورو یاترا کی وجہ پھر ایک بار کشیدگی کا ماحول پیدا ہوگیا اس دوران گاندھی نگر میں رام نارائن مندر پر دو دہشت گردوں نے حملہ کرکے تقریبا 44 افراد کو موت کے گھاٹ اتار دیا۔
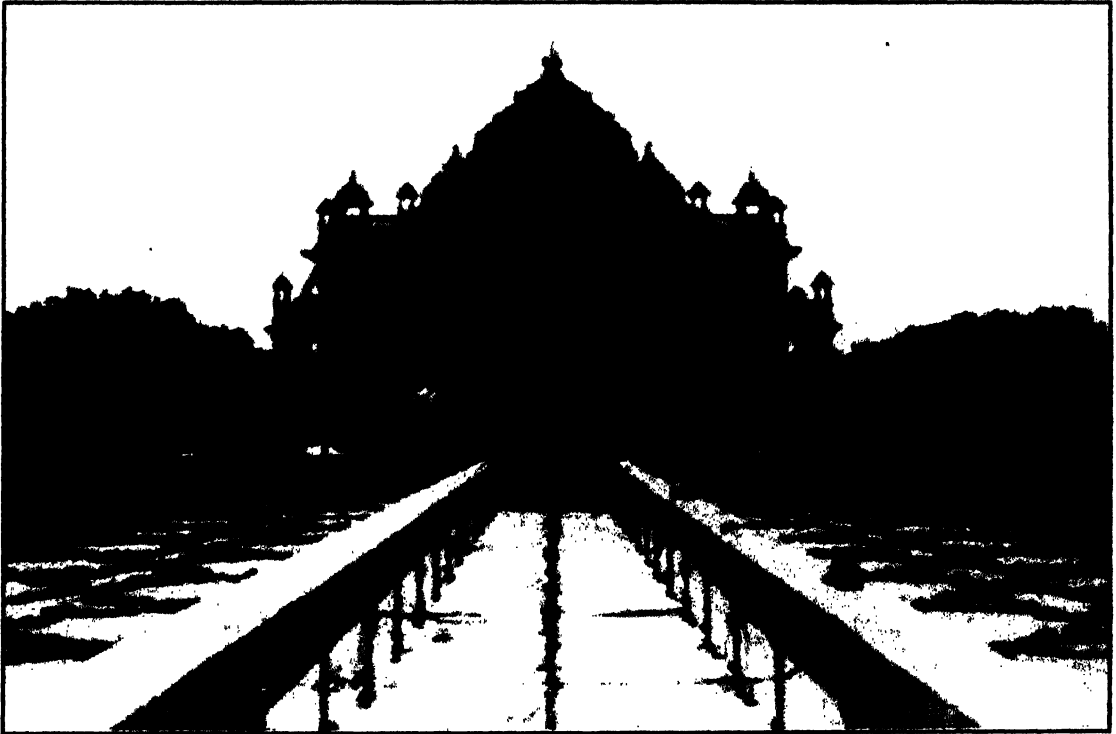
دکھائی نہیں دیتا۔ نریندر مودی مسلسل مسلمانوں کے خلاف ریمارکس کرتے رہے اور اس گورو یاترا کو انہوں نے عملاً "مخالف مسلمان یاترا" بنادیا۔ ان کی یاترا کا مقصد ہی مسلمانوں کے خلاف زہر اگلنا تھا۔ اور یہ عمل ہندو تنظیموں کے لئے سب سے پسندیدہ ہے چنانچہ وشوا ہندو پریشد نے مودی کی ان تقاریر کے اکثریت نے ان واقعات کی مذمت کے ذریعہ مودی کو یہ اچھی طرح سمجھادیا ہیکہ گجرات میں جو کچھ ہوا وہ غلط ہے۔ چنانچہ ان کے پاس واحد راستہ یہی رہ گیا ہیکہ کسی بھی طرح بنیاد پرست ہندوؤں کو متحد کیا جائے اور انھیں ووٹ بینک کے طور پر استعمال کریں اس کے لئے ظاہری بات ہیکہ مودی کو صرف مسلمانوں کے خلاف اس واقعہ سے ساری توجہ پھر ایک بار دہشت گردی کی سمت مرکوز ہوگئی ہے۔ گجرات کا گاندھی نگر علاقہ جہاں کی نمائندگی نائب وزیراعظم و وزیر داخلہ ایل کے اڈوانی کرتے ہیں۔ یہ مندر انتہائی سخت سیکورٹی کے حامل علاقے میں واقع ہے۔ اس کے باوجود دو افراد کا اسلحہ کے ذخیرہ کے ساتھ یہاں گھسنے کا موقع ملنا

جو سکیورٹی کی کوتاہی کو ظاہر کرتا ہے ۔

24 ستمبر کو شام تقریبا پونے پانچ بجے دو دہشت گرد سادہ لباس میں اس مشہور سوامی نارائن مندر میں داخل ہوئے ان کے ساتھ بیاگس بھی تھے جس میں اسلحہ بھرا ہوا تھا ۔ پہلے تو انہوں نے مندر کے احاطہ میں بم دھماکہ کیا جس سے وہاں موجود تقریبا 500 تا ایک ہزار یاتریوں میں خوف و دہشت کی لہر دوڑ گئی ۔ خوف کے عالم میں وہ ادھر ادھر بھاگنے لگے اور دہشت گردوں نے اس موقع کا پورا فائدہ اٹھاتے ہوئے کئی یاتریوں کو اپنی گولیوں کا

نشانہ بنایا ۔ انہوں نے خود کو مندر کے ایک حصہ میں محصور کرلیا تھا ۔ نیشنل سکیورٹی گارڈ کے تقریبا 70 کمانڈوز فوج اور پولیس کے اعلی عہدیدار اس مقام پر پہنچ گئے اور 7 گھنٹے طویل کارروائی کے بعد دونوں دہشت گردوں کو ہلاک کیا جاسکا ۔ لیکن اس کارروائی میں گجرات پولیس کے دو اور نیشنل سکیورٹی گارڈ کے ایک کمانڈو کی بھی ہلاکت ہوئی ۔ سات گھنٹے کے اس آپریشن کے دوران کئی یاتری مندر کے احاطہ ہی میں پھنسے ہوئے تھے ۔ یہ کارروائی کرنے والے دو نوجوان لڑکے تھے جن کے پاس سے اردو میں تحریریں برآمد ہوئی جس میں انہوں نے کہا کہ گجرات فسادات کے دوران مسلمانوں، خواتین اور بچوں کے ساتھ جو سلوک کیا گیا یہ اسکا بدلہ ہے ۔ وہ اپنی روح کی تسکین کے لئے ایسا اقدام کررہے ہیں ۔ ان نوجوانوں کا تعلق ایک غیر معروف تنظیم "تحریک قصاص" سے بتایا گیا ہے ۔ ان دونوں نوجوانوں نے اپنی اس کارروائی کے دوران 20 تا 25 ہینڈ گرینیڈ استعمال کئے اور اے کے 47 رائفل سے 180 راؤنڈ فائرنگ کی ۔ اس واقعہ کی اطلاع ملتے ہی وزیراعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی جو مالدیپ کے دورہ پر تھے اپنا دورہ مختصر کرکے واپس پہنچ گئے ۔ انہوں نے فوری متاثرہ مندر کا معائنہ کیا ۔ واقعہ کے دوسرے دن یعنی 26 ستمبر کو وشوا ہندو پریشد نے اس واقعہ کے خلاف ملک گیر بند کا اعلان کیا تھا ۔ اس دن بند کا ملا جلا ردعمل رہا اور کئی مقامات پر پاکستانی پرچم نذر آتش کئے گئے ۔ مندر پر حملہ اور بے قصور افراد کو نشانہ بنانا قابل مذمت ہے ۔ یہ کارروائی کرنے والے کون تھے اور ان کا مقصد کیا تھا اس معاملہ میں تحقیقات کے بعد ہی حقائق سامنے آسکتے ہیں ۔ نائب وزیراعظم ایل کے اڈوانی کا یہ استدلال ہے کہ جموں و کشمیر میں انتخابات کے انعقاد اور وہاں عوام کی کثیر تعداد کے رائے دہی میں حصہ لینے کی وجہ پاکستان نے بوکھلاہٹ میں یہ کارروائی کرائی ہے ۔ نریندر مودی کو بھی اس کارروائی میں پاکستان کا ہاتھ صاف نظر آرہا ہے ۔ جو کچھ بھی ہو یہ واضح ہیکہ اس طرح کی کارروائیوں کے ذریعہ ملک کی فرقہ وارانہ ہم آہنگی کو متاثر کرنے کی کوشش کی جارہی ہے ۔ حکومت اور سیکولر عوام کی یہ ذمہ داری ہیکہ وہ ان طاقتوں سے چوکنا رہیں اور فرقہ وارانہ یکجہتی کو پروان چڑھائیں ۔ مندر پر ہوئے اس حملہ کی ہر گوشے سے مذمت کی گئی ہے ۔ درحقیقت یہ ایک انتہائی سنگین واقعہ ہے اور حکام کو چاہیئے کہ وہ معاملہ کی مکمل تحقیقات تک اس تعلق سے کوئی تبصرہ نہ کریں اور جب حقائق سامنے آجائیں تو مستقبل میں ایسے موثر اقدامات کئے جائیں کہ تخریبی عناصر مذہبی مقامات، مندر، مسجد، گرجا گھر یا چرچ کو نشانہ نہ بناسکیں ۔ گجرات میں فسادات کے دوران جس طرح مساجد اور درگاہوں کو نشانہ بنایا گیا ۔ چند سال قبل ملک بھر میں چرچوں کو نشانہ بناتے ہوئے جس طرح دھماکے کئے گئے اور ملک کے مختلف حصوں میں آئے دن کہیں نہ کہیں مذہبی مقامات کو یا تو نشانہ بنایا جاتا ہے یا پھر مذہبی جذبات کو ٹھیس پہنچائی جاتی ہے ۔ ان سب کو روکنا ہر شہری کی ذمہ داری ہے تاکہ ہندوستان میں امن و امان مستقل طور پر قائم رہے ۔ فرقہ وارانہ ہم آہنگی پروان چڑھے اور عوام میں ایک دوسرے کے مذاہب کے احترام کا جذبہ پیدا ہو ۔ کیونکہ کوئی بھی مذہب دہشت گردی کی تعلیم نہیں دیتا ۔ اور کوئی بھی ظالم کی حمایت کا درس نہیں دیتا ۔

ooo

محسن خان

نیند

مجھے خوب زور کی نیند آرہی ہے ۔ میں سوجانا چاہتی ہوں ۔ ایسی گہری نیند کہ جس کے بعد وجود کا احساس ہی نہ رہے ۔ نیند آتی ہی کب ہے ۔ رات گئے تک کام دھندوں کی مصروفیت اور بچوں کے شور و غل سے اعصاب شل ہوجاتے ہیں ، پنڈلیاں پھڑکنے لگتی ہیں اور ایسی ہلکی ، اچٹتی ہوئی نیند آتی ہے جیسے سفر کے دوران آجاتی ہے کہ ایک ذرا سی نامانوس آہٹ ہوئی یا کوئی موڑ آیا اور آنکھ کھل گئی ۔ ایسے میں خواب بھی ایسے بے کیف اور بے چین کردینے والے آتے ہیں جن سے فرحت اور تازگی ملنے کے بجائے تھکان کا احساس ہونے لگتا ہے ۔ سر بھاری ہوجاتا ہے اور ذہن سارا دن پریشان رہتا ہے ۔ جیسے کوئی قیمتی چیز کھو گئی ہو ۔ شادی سے پہلے ایسی کیفیت کبھی نہیں رہی ۔ ہاں کسی کی ڈانٹ پھٹکار یا کچھ مخصوص دنوں میں یہ حال ہوجاتا تھا کہ چادر سے منہ ڈھانپ کے پڑجاتی گھلتی رہتی اور اس کیفیت میں غافل ہوجاتی ۔ مگر عام طور پر یہ ہوتا تھا کہ ادھر لیٹی نہیں کہ سو گئی پھر کوئی ہزار بار پکارے مجھے خبر کہاں اور خواب بھی اچھے اچھے آتے تھے ۔ اماں میری عادت سے بہت چڑتی تھیں ۔ کہتی تھیں کہ ایسی گھوڑے بیچ کے سوتی ہے کہ دنیا جہاں کا ہوش ہی نہیں رہتا ہے ۔ بالکل بچوں کی سی صفتیں ہیں ۔ ان کی موہوم سی آواز جو اکثر خواب کا حصہ بن جاتی تھی ، مجھے سنائی دیتی تھی ۔

" ٹانگیں کہیں ہیں تو ہاتھ کہیں ہیں ، جانے تک ہوش نہیں ..... یہ بھی خیال نہیں کہ گھر میں باپ اور جوان جوان بھائی بھی ہیں ... پرائے گھر میں جائے گی تو روز ڈانٹی جائے گی " پھر جیسے اپنے آپ سے کہتیں " پہلے مجھے بھی ایسی ہی بے خبری کی نیند آیا کرتی تھی مگر اب جانے کہاں اڑ گئی آنکھیں نیند سے خالی ہوگئیں " ۔

میری آنکھیں بھی نیند سے خالی ہوگئی ہیں ۔ بے خودی کا سارا خمار جانے کہاں چلا گیا ۔ پہروں نیند کا انتظار کرتی ہوں مگر نہیں آتی ۔ ہاں ، کبھی کبھار ایک عجیب طرح کی ، غنودگی سی طاری ہوجاتی ہے ، جیسی اس وقت ہے ۔ پپوٹے بوجھل ہوتے جاتے ہیں ، آنکھوں کے ڈھیلے ٹیکے پڑ رہے ہیں اور دماغ اس طرح سنسنا رہا ہے جیسے ہانڈی میں ابال آرہا ہو ۔ ایسی کیفیت میں نمک کی چائے پینے سے طبیعت سنبھل جاتی ہے اور ذرا دیر کے لئے نیند بھی بھاگ جاتی ہے ۔ چائے ہی لوں ورنہ آدھی رات تلک جاگنا مشکل ہوجائے گا ۔ سوچا تھا آج رات میں رفعت کی فراک سیوں گی ۔ اس کے پاس گت کی کوئی فراک نہیں رہی ۔ صبح اٹھ کے روئے گی کہ میرے لئے فراک کیوں نہیں سی ۔ روز کوئی نہ کوئی بہانہ کردیتی ہوں ... باجی کو خط بھی لکھنا تھا ۔ کتنے دن ہوگئے ہیں ان کا خط آئے ہوئے اور میں اب تک جواب نہیں دے سکی ۔ سوچتی ہوں کہ اب کہکشاں کو مجھ سے محبت نہیں رہی ۔ کیا کروں روزانہ سوچتی ہوں کہ آج لکھوں گی مگر نہیں لکھ پاتی ۔

پہلے کیسا انتظار رہتا تھا باجی کے خطوں کا اور کیسے اہتمام سے جواب لکھا کرتی تھی ۔ یہ بھی ایک طرح کا مشغلہ تھا ۔ اب لکھنے بیٹھتی ہوں تو سمجھ میں ہی نہیں آتا کہ کیا لکھوں ۔ بیچ بیچ میں کوئی کام یاد آجاتا ہے اور اٹھ کھڑی ہوتی ہوں ۔ قلم کاغذ بھی ایسے ٹھکانے پر رکھ دیتی ہوں کہ ڈھونڈے نہیں ملتے ۔ باجی بھی اب عادی ہوتی جارہی ہیں ۔ پہلے ہر خط میں میری سرد مہری کی شکایت ضرور کرتی تھیں مگر اب نہیں کرتیں اور ان کے خط بھی اس پابندی سے نہیں آتے ۔

نیند کا جھونکا پھر آگیا ۔ چائے بنالوں ورنہ سو گئی تو پھر آنکھ نہیں کھلے گی ۔ خفا ہوں گے کہیں گے میرا انتظار نہیں کرسکتی تھیں ، ایسے موقعوں پر میرا جلدی سوجانا انہیں اچھا نہیں لگتا ۔ مجھے بھی بڑی الجھن ہوتی ہے ۔ جاگنے کی بہت کوشش کرتی ہوں مگر نہ آنکھیں کھلتی ہیں نہ کچھ سمجھ میں آتا ہے ۔ پچھلی مرتبہ ایسی ہی بے تحاشا نیند آگئی تھی اور کیسا ڈراؤنا خواب دیکھا تھا ۔ لگتا تھا کسی نے خوب زور سے دبوچ لیا ہو اور گلا گھونٹے دے رہا ہو ۔ بری بری آوازیں نکلنے لگی تھیں اور اس دن انہوں نے کیسا غصہ کیا تھا مجھ پہ زور سے چیخے تھے ۔ " یہ کیا پڑی ہوئی ہو مردوں کی طرح ..... ہاتھوں میں دم ہے نہ پیروں میں جان ، کبھی جو ساتھ دیتی ہو ایسا لگتا ہے جیسے کوئی جرم کررہی ہو " ۔ شروع ہی میں ان کی باتوں کی پروا نہیں کرتی تھی مگر اب یہ احساس ہونے لگتا ہے کہ اگر میں نے اس طرح بے پروائی برتی تو ایک نہ ایک دن اس کا خمیازہ بھگتنا پڑیگا ۔ ویسے بھی اب میں روز بہ روز بدشکل اور بدوضع ہوتی جارہی ہوں ۔ مذاق مذاق میں کہہ بھی دیتے ہیں ۔ اس دن لائٹ جلا کے مجھے دیکھا تھا اور کتنے ہنسے تھے مجھ پہ ۔

اب یہ بدن میں نے اپنے ہاتھ سے تو بنایا نہیں ، اللہ میاں جس کو جیسا چاہیں بنادیں ۔ پہلے تو میرا بدن ایسا نہیں تھا ۔ شکل کی بھی سب لوگ تعریف کرتے تھے ۔ اب بھی بعض دنوں میں جب ذرا سکون ملتا ہے ، اچھی لگنے لگتی ہوں ۔

چائے میں نمک زیادہ پڑگیا ، چلو ٹھیک ہے ، اب دیر تلک نیند نہیں آئے گی ۔ مگر یہ نیند آتی خوب زور سے ہے ، سوجاتی ہوں تو کسی بات کا ہوش ہی نہیں رہتا ۔ خواب بھی سب یاد رہتے ہیں ۔ بیچ بیچ میں ٹوٹتے نہیں ۔ ایسی نیند کے بعد صبح جلدی اٹھنا مشکل ہوجاتا ہے ۔ جی چاہتا ہے بس سوتی ہی رہوں اور اچھے اچھے خواب دیکھتی رہوں ۔

آج ہوا نہیں چل رہی ہے ، جب ہوا نہیں چلتی تو ایسا لگتا ہے کہ جیسے سب چیزیں کسی خیال میں کھو گئی ہوں یا گہری نیند سو گئی ہوں ۔ ایسے میں بڑا ہول آتا ہے ۔ رات بھی تو زیادہ

ہوگئی ہے۔ سب کے گھروں میں روشنیاں بجھ چکی ہیں۔ جب زمین پہ روشنی ہوتی ہے تو آسمان دکھائی نہیں دیتا۔ اندھیرا ہوتا ہے تو دکھائی دیتا ہے۔ اب اس وقت نیچے روشنی نہیں ہے تو آسمان دکھائی دے رہا ہے۔ ستارے کیسے چمک رہے ہیں۔ کس قدر ستارے ہیں آسمان میں۔ گننے بیٹھوں تو عمر گذر جائے اور گنائے نہ گنیں۔ یہ ستارے جو یہاں سے اتنے چھوٹے چھوٹے سے دکھائی دیتے ہیں، سنا ہے اتنے بڑے بڑے ہوتے ہیں کہ ان پر دنیائیں آباد ہوسکتی ہیں ... یہاں تک سنا ہے کہ بعض ستارے تو ایسے بھی ہیں کہ جن پر ہماری ہی جیسی مخلوق آباد ہے۔ پتہ نہیں سچ ہے کہ جھوٹ یہاں سے تو وہی ستارے نظر آتے ہیں جنہیں بچپن سے دیکھتی آرہی ہوں۔ آج جانے کتنے دنوں کے بعد آسمان کی طرف دیکھ رہی ہوں۔ پہلے جب اپنے گھر کے آنگن میں لیٹ کے آسمان کی طرف دیکھتی تھی تو کتنا اچھا لگتا تھا۔ دور دور تک پھیلے ہوئے ستارے، گھٹتا بڑھتا ہوا چاند، جو کبھی مشرق کی طرف سے اٹھتا تھا کبھی مغرب کی طرف سے اور ستاروں کے بیچ میں وہ آڑی ترچھی، سفید کامدار دوپٹے کی سی کہکشاں۔ اب تو مہینوں یہی خیال نہیں آتا کہ آسمان بھی ہے، اس میں ستارے ہیں اور چاند بھی ہے۔

پتہ نہیں کہاں چلے گئے۔ کہہ کے گئے تھے سونا مت جلدی آجاؤں گا۔ انہیں بھی کیسے کیسے تماشے سوجھتے ہیں۔ موسم بدلنے کا اثر ہوتا ہے یا کیا کہ بعض دنوں میں بالکل بدل جاتے ہیں۔ ذرا ذرا سی باتوں پر توجہ دینے لگتے ہیں۔ خوب باتیں کرتے ہیں اور جی کھول کر ہنستے ہیں۔ بچوں کی سی کیفیت ہوجاتی ہے اور بعض دنوں میں چپ سادھ لیتے ہیں۔ کسی بات کا جواب دینا بھی گوارا نہیں کرتے۔ مجھے تو ان کی یہ عادت اچھی لگتی ہے نہ وہ عادت، جی چاہتا ہے کہ بس انسانوں کی طرح رہیں ابا کی بھی ایسی عادتیں تھیں۔ عام طور پر خاموشی اختیار کئے رہتے تھے، خوب غصہ کرتے تھے اور کبھی کبھی خوب خوش نظر آتے تھے۔ ہر بات کا جواب رسانیت سے دیتے۔ میں اکثر سوچا کرتی تھی کہ بعض دنوں میں ابا کو کیا ہوجاتا ہے کہ ابا ابا ہی نہیں لگتے۔ اماں صحیح کہتی تھیں مردوں کا مزاج کوئی نہیں سمجھ سکتا۔ گجرا بھی الجھ گیا۔ نیند کا جھونکا جو آگیا تھا۔ پتہ نہیں میک اپ ٹھیک سے ہوا بھی یا نہیں، قریب سے آئینہ دیکھ لوں ورنہ ذرا بھی کسر رہ گئی تو یہی کہیں گے کہ تم کو کوئی دلچسپی ہی نہیں۔ بے دلی کے ساتھ بیٹھی انتظار کررہی ہو۔ صبح سے شام تک جھاڑتی پونچھتی رہتی ہوں مگر یہ گرد تو پیچھا ہی نہیں چھوڑتی۔ روز آئینہ صاف کرتی ہوں اور گرد آکے بیٹھ جاتی ہے۔ میک اپ تو ٹھیک ہی ہے۔ ٹھیک کیا ہے بس ہے انکا دل رکھنے کو۔ آنکھیں کیسی حلقوں میں گھسی جارہی ہیں جیسے برسوں کی بیماری کے بعد بستر سے اٹھی ہوں ابھی۔ بڑی عورتوں پر کچھ اچھا نہیں لگتا۔ نہ بدن پر کپڑے نہ چہرے پر میک اپ۔

نمک کی چائے پیتے ہی آنکھیں جیسے کھل سی گئیں۔ اب کچھ دیر تک جاگ سکوں گی۔ سہاگ رات کا جوڑا پہن لوں ورنہ آگئے تو کہیں گے ابھی تلک وہی چیکٹ کپڑے پہنے بیٹھی ہو۔ نہائی بھی نہیں۔ اب کون نہاتا رات کے وقت، بال گیلے کرلوں گی کہہ دوں گی نہائی تھی۔ پاوڈر تو لگاہی لیا ہے۔ سہاگ رات کا یہ جوڑا اب کتنا بھاری لگنے لگا ہے۔ پتہ نہیں چوتھی چالوں تک کیسے سنبھالا تھا اسے میں نے۔ جی چاہتا ہے کسی دن اس کو چپکے سے ادھیڑ کے رفعت کا سوٹ بنادوں۔ مگر ڈر لگتا ہے خفا ہوں گے۔ کہیں گے تم نے مجھے جلانے کے لئے کیا ہے یہ سب کچھ۔ پتہ نہیں ابھی اور کتنے دنوں تک۔

سہاگ رات کے اس جوڑے میں سج سج کے ان کا انتظار کرنا پڑے گا۔ موسم بدل رہا ہے۔ رات میں خنکی ہوجاتی ہے۔ مگر دن میں کیسی کڑاکے کی دھوپ نکلی ہے۔ پھول جلدی مرجھا جاتے ہیں۔ آج پیڑوں میں پانی بھی نہیں ڈالا۔ روزانہ پانی ملتا رہے تو یہ کتنی جلدی بڑھتے ہیں اور کیسے تروتازہ رہتے ہیں۔ سنا ہے رات کے وقت پیڑوں میں پانی ڈالنا اچھا نہیں ہوتا۔ صبح ڈالوں گی۔ رات کے وقت پیڑ پودوں کے پاس جانا بھی نہیں چاہئے۔ سائے کا اثر ہوجاتا ہے۔ سانپ بچھوؤں کا بھی ڈر ہوتا ہے۔ اف اس موذی کا خیال آتے ہی جھرجھری آجاتی ہے اور بدن میں سرسراہٹ کا سا احساس ہونے لگتا ہے۔ ابھی تک اسی طرح یاد ہے، جیسے کل کی بات ہو۔ ایک بار آنگن میں لیٹی ہوئی بے خبر سو رہی تھی۔ پتہ نہیں کیا بجا تھا۔ بہت رات ہوگئی تھی۔ کسی چیز کا لجلجا اور ٹھنڈا سا لمس محسوس ہوا جیسے کوئی چیز سرسراتی ہوئی پیروں کے اوپر سے ہٹ کی طرف جارہی ہو۔ جلدی سے گھبرا کے اٹھ بیٹھی۔ دوڑ کے چراغ لائی اور اس کی لو اونچی کرکے دیکھا تو دل کی دھڑکن بند سی ہوگئی اور سارا بدن ٹھنڈا پڑگیا۔ بے جان ہی ہوکر اماں کے پلنگ پر ڈھ گئی پھر مجھے نہیں معلوم کہ کیا ہوا۔ بہت دیر کے بعد ہوش و حواس درست ہوئے تو دیکھا کہ سب لوگ میرے اوپر چراغ کی روشنی کئے میرے بدن میں سانپ کے کاٹے کا نشان ڈھونڈھ رہے ہیں۔ ایک دن پہلے برتن دھوتے وقت پتیلی کی دھار سے انگلی کٹ گئی تھی۔ اماں کے ڈر سے چھپائے رہی تھی کہ ڈانٹیں گی۔ کس پھوہڑپن سے کام کرتی ہو کہ روزانہ کوئی نہ کوئی زخم ہوجاتا ہے۔ زخم کا نشان نمایاں تھا۔ اماں اسی انگلی کو پکڑے بیٹھی تھیں۔ کلائی پر ایک ڈوری اتنی سختی سے باندھ دی گئی تھی کہ اگر زیادہ دیر تک بندھی رہتی تو ... خون کا دوران بالکل ہی بند ہوجاتا اور انگلیاں بے حس ہوجاتیں۔ کچھ دیر تک تو مجھے بھی وہم رہا کہ یہ سانپ کے کاٹے کا نشان ہے۔ مگر کچھ دیر کے بعد جب ہوش و حواس بالکل درست ہوگئے اور آواز قابو میں آئی تو میں نے ٹھہر ٹھہر کے، بیماروں کے سے لہجے میں واقعہ بیان کیا۔ پھر یہ واقعہ جو ایک حادثہ بنتے بنتے رہ گیا تھا، اک دلچسپ لطیفہ سا بن کے رہ گیا اور اس میں کلیاں پھندنے لگتے چلے گئے۔ ابا کی غیر موجودگی میں یہ واقعہ ڈرامائی انداز میں بیان کیا جاتا۔ رفعت باجی نڈھال ہو کر پلنگ پر گر جاتیں اور اسی انداز میں

اسی کیفیت کے ساتھ بیان کرتیں جیسے میں نے بیان کیا تھا۔ میں چڑتی تھی۔ پیر پٹختی تھی اب خیال آتا ہے تو سب کچھ اچھا لگتا ہے .... اگر سانپ کاٹ لیتا اور میں مرگئی ہوتی تو .... یہ واقعہ بیان کرکے سب لوگ رویا کرتے ... بھائی جان نے سانپ کو مار ڈالا تھا۔ گھوڑ پر پڑا ہوا مردہ سانپ ہم نے اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا۔ خوب چوڑے پھن والا، پتلا پتلا سا۔ اس کے اوپر بنے ہوئے سیاہی مائل پھولوں کے سے پٹے دھوپ میں کیسے چمک رہے تھے۔ دو تین دن کے بعد جب ہوا چلی تو کیسا تعفن گھر میں بھر گیا تھا۔ پھر بھائی جان اسے اٹھا کے کہیں دور پھینک آئے تھے۔ اس کے بعد جب بھی سانپ کا خیال آتا تو تعفن کا احساس ضرور ہوتا، اب بھی ہوتا ہے۔ حالانکہ مرا ہوا سانپ میں نے خود اپنی آنکھوں سے دیکھا تھا مگر مہینوں یہی احساس رہا کہ سانپ مرا نہیں ہے۔ یہ بھی وہم رہا کہ سانپ اپنی پتلیوں پہ بھائی جان کا عکس چھوڑ گیا ہوگا اور ایک نہ ایک دن اس کی مادہ انتقام ضرور لے گی۔ کتنے دنوں تک پاؤں پھیلا کے سو نہیں سکی۔ سانپ مرگیا تھا مگر اپنا ٹھنڈا ٹھنڈا سا رونگٹے کھڑے کردینے والا لمس میرے بدن پر اور دھوپ میں چمکتے ہوئے سیاہی مائل پھول میری آنکھوں میں چھوڑ گیا تھا۔ پتہ نہیں کہاں سے اس موذی کا خیال آگیا۔ جہاں پیڑ پودے ہوتے ہیں اور زمین میں نمی ہوتی ہے۔ یہ موذی آجاتا ہے۔ یہاں سے ہٹ جانا چاہئے۔ جس دن وہ دیر میں لوٹتے ہیں کیسا ہول آتا ہے۔ گھر کاٹنے کو دوڑتا ہے اب تو خیر اتنا احساس نہیں ہوتا۔ شادی کے بعد شروع شروع میں بڑا ڈر لگتا تھا جہاں گلیوں میں سناٹا ہوا اور گھروں کی روشنیاں بجھیں نہیں کہ دل بیٹھنے لگتا تھا۔ اپنے آپ کو کام میں مصروف رکھنے کی کوشش کرتی تھی مگر کہیں اک ذرا آہٹ ہوئی اور لگتا تھا کہ اب کوئی دیوار پر سے پھاندا کہ جب پھاندا۔ کمرے میں ہوتی تھی تو برآمدے سے ڈر لگتا تھا اور برآمدے میں ہوتی تھی تو کمرے میں جاتے ہوئے ڈر لگتا تھا۔

گلدان پر بھی روزانہ گرد جم جاتی ہے۔ پھول بھی کمھلا گئے۔ صبح تازے پھول لگادوں گی کسی دن بازار سے نقلی پھول لا کے سجادوں گی۔ روزانہ پھول سجانا بھی ایک مسئلہ ہے۔ ویسے بھی اب ان پھولوں میں خوشبو کہاں ہوتی ہے۔ کل ان ڈائننگ ٹیبل کو دوسری طرف کردوں گی۔ ٹی وی بھی کہیں اور رکھ دوں گی۔ چیزیں ایک جگہ پر زیادہ دنوں تک اچھی نہیں لگتیں۔ کشش ختم ہوجاتی ہے۔ ہوائی جہاز جارہا ہے۔ یہ روزانہ، اسی وقت یہاں تک گزرتا ہے۔ کیسی عادی سی ہوگئی ہوں اس کی آواز کی۔ اگر کسی دن نہ گزرے تو ضرور کچھ کمی کا احساس ہوگا ... نیند آرہی ہو اور سونے کو نہ ملے تو کیسا عجیب سا احساس ہوتا ہے۔ ذہن ماؤف سا ہوجاتا ہے اور پپوٹے آپ ہی آپ ایک دوسرے میں چپکنے لگتے ہیں۔ چلو شادی والا البم ہی دیکھتے ہیں۔ کتنے دنوں سے نہیں دیکھا۔ اکثر سوچتی ہوں کہ کسی دن ایک نیا البم لاکے اس میں فوٹو لگادوں گی مگر سوچتی ہی رہ جاتی ہوں۔ ہو بھی تو گیا ہے کتنا پرانا۔ شادی کے وقت کا ہے۔ ہوں ..... یہ ہے میری شادی کے وقت کی تصویر ... شادی کے وقت میں کیسی اچھی لگتی تھی ... کھلایا بھی تو تھا امی نے خوب میوہ کہ سسرال جائے تو تندرست ہو کے جائے نہ معلوم وہاں کتنا کام کرنا پڑے اور اچھا کھانے پینے کو ملے کہ نہ ملے۔ جنھوں نے مجھے پہلے دیکھا تھا۔ اب دیکھتی ہیں تو حیرت کرتی ہیں کہ یہ کہکشاں ہے، کیا ہوگیا ہے اس کو۔ آئینہ دیکھتی ہوں تو اپنے آپ کو پہچانا نہیں جاتا ... اس وقت ابا کیسے ٹلٹے تھے۔ لگتا ہی نہیں تھا کہ اتنی جلدی مرجائیں گے۔ کتنے جھمیلے چھوڑ گئے ہیں ابا اپنے پیچھے۔ جانے کیا سوجھی تھی کہ دوسری شادی کر بیٹھے۔ سب لوگ کہتے ہیں کہ محلے والوں نے ان کا خوب مذاق اڑایا تھا ... ٹھیک تو ہنستے تھے لوگ۔ بھلا اس عمر میں شادی کی کیا ضرورت تھی اور وہ بھی ایک جوان لڑکی سے۔ پھر ہم لوگوں کی پیدائش پر ان کا اور مذاق اڑایا گیا۔ شادی تو کی ہی تھی۔ آدھا درجن بچے اور پیدا کردئے۔ ابا کے تیرہ

اولادیں ہوئیں۔ آٹھ میری پہلی والی اماں سے اور پانچ میری سگی امی سے۔ دو بچے ضائع ہوگئے وہ الگ۔ اسی میں تو امی کی صحت خراب ہوگئی تھی۔ توبہ توبہ ابا نے تو کچھ سوچا سمجھا ہی نہیں۔ اگر ابا دوسری شادی نہ کرلیتے تو گھر جہنم نہ بنتا۔ ابا کے مرنے کے بعد امی بھی بجھ سی گئی تھیں۔ سہاگ اجڑنے کے بعد بھلا کون عورت خوش رہ سکتی ہے۔ چہ چہ چہ ... بے چاری زہرا باجی .... ان کی تصویروں میں کیسی معصومیت اور بے کسی جھلکتی ہے۔ آدمی لاکھ مسکرائے، ہنسنے کی کوشش کرے مگر چہرے کی بناوٹ اور آنکھوں کا رنگ سب کچھ بتادیتا ہے۔ اگر ابا دوسری شادی نہ کرلیتے تو زہرہ باجی اتنی جلدی نہ مرتیں۔ ایک تو اپنی اماں کی موت کا دکھ، اوپر سے میری امی کی زیادتیاں۔ کتنے دکھ جھیلے تھے۔ بے چاری نے، اللہ میاں کے گھر ان کو اس کا اجر ضرور ملے گا۔

ان تصویروں کو دیکھتی ہوں تو ایک ایک منظر آنکھوں کے سامنے آجاتا ہے۔ سب باتیں یاد آنے لگتی ہیں۔ جی چاہتا ہے پھر وہی دن لوٹ آئیں جی گھبرا گیا۔ جماہیاں لیتے منہ دکھنے لگا۔ بچے دن بھر شور مچاتے ہیں اور رات میں کیسی بے خبری کے ساتھ سوتے ہیں۔ لو اس کمبخت ماری نے ابھی سے پیشاب کردیا۔ اب صبح الادی دھونا پڑے گی۔ شاید دروازے پر دستک ہوئی ہے۔ کچھ بھی نہیں ہے۔ جب انتظار کرتی ہوں تو ذرا ذرا دیر کے بعد یہی احساس ہوتا ہے .... ایک بجنے کو ہے۔ یہ گھڑی کی سوئی بھی خوب ہے۔ ایسا لگتا ہے کہ جب اس پر نظر پڑتی ہے تو یہ چلنا شروع کردیتی ہے۔ اب غور کررہی ہوں تو اس کی آواز بھی سنائی دے رہی ہے۔ روشنی آنکھوں میں لگ رہی ہے۔ بجھادوں گی تو نیند آجائے گی۔ سمجھ میں نہیں آیا کہ کیا کروں۔ چلو پیڑوں میں پانی ڈالتے ہیں رات ہے تو کیا ہوا۔ آخر جاگتے رہنے کے لئے کچھ تو کرنا ہی ہوگا۔

☆☆☆☆☆

ف س اعجاز

نکالو یارو

(9 ستمبر 2002ء کو رفیع گنج بہار، ڈھابہ ندی کے پل پر
ہوڑہ نئی دہلی راجدھانی اکسپریس کے حادثے میں مرنے والوں اور
زخمیوں کی نذر)

سانس کی آمد و شد، ریل کی پٹری، دھک دھک
عمر کے پل کے ستوں توڑ کے
ندی میں لٹکتے ہوئے ڈبے، جن میں
ہمسفر کتنے شہیدانِ وطن کی مانند
اپنے ہونٹوں پہ کوئی نعرۂ مستانہ لئے
رسن و دار پہ جھولوں کے مزے لیتے ہیں
کتنے بیگانے تھے اور کتنے ہی اپنے ان میں
ہو گئے واصلِ حق
اور جن لوگوں میں ہے
جان کی ہلکی سی رمق
اپنے چہروں پہ ملے یادوں کی گلنار شفق
بے گناہی کی صلیبوں پہ ٹنگے ہیں کب سے
زندہ ہیں یا کہ مرے، پوچھ رہے ہیں سب سے
اور تاریکی میں اس گاؤں کے معصوم انسان
ٹکٹکی باندھے ہوئے خود سے یہ کرتے ہیں سوال
زندگانی کے سفیروں کو لئے سوئے عدم
روز یہ ریل خدا جانے کہاں جاتی ہے
حادثے کان میں سیٹی کی طرح بجتے ہیں
اب کے انجن کی کوئی چیخ دبا دو یارو!
خود کو آزادی کے ملبے سے نکالو یارو!!

شیوانی بھٹناگر قتل کیس

پرمود مہاجن کو سرکاری پشت پناہی

اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جاسکتا ہے کہ دہلی پولیس انڈین ایکسپریس کی خصوصی نمائندہ شیوانی بھٹناگر کے قتل کے مبینہ الزام سے مرکزی وزیر مواصلات پرمود مہاجن کو بچانے کے لئے کوئی کسر باقی نہیں رکھ رہی ہے۔ اس کیس کے ایک دیگر ملزم اور انسپکٹر پولیس روی کانت شرما کو جس طریقہ سے اس معاملہ میں پھنسا رہی ہے اس کے خلاف شرما کے آبائی قصبہ شاہ آباد، مارکنڈہ میں سخت ناراضگی ہے۔

اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ پرمود مہاجن کی طرح روی کانت شرما بھی شروع سے عاشق مزاج شخص ہیں۔ روی کانت کے والد جے ڈی شرما پنجاب سیول سروس کے افسر ہے بعد میں انہیں ترقی دے کر آئی ایس بنادیا گیا تھا۔ روی کانت سے مدھو کی آشنائی پنجاب یونیورسٹی میں تعلیم حاصل کرنے کے دوران ہوئی تھی۔ مدھو کے والدین ایس وی بیدی چندی گڑھ کے اخبار ٹریبیون میں نیوز ایڈیٹر ہوا کرتے تھے۔ ان کے سیاست دانوں سے قریبی تعلقات تھے جس کا فائدہ روی کانت شرما نے اٹھایا۔ روی کانت اور مدھو کے عشق کے چرچے ان دنوں چندی گڑھ میں کافی گرم تھے۔ مدھو شروع سے ہی اپنے والد کی مانند کافی دبنگ مزاج کی ہیں۔ اس کے بعد روی کانت کے چندی گڑھ کی ایک صحافی برگی سے بھی نزدیکی تعلقات تھے۔ کہا جاتا ہے یہ دونوں شادی کا پلان بناچکے تھے جب یہ خبر مدھو کو ملی تو اس نے خودکشی کرنے کی کوشش کی۔ بیدی کے اثر و رسوخ کی وجہ سے پولیس نے یہ معاملہ دبادیا اور اس کے بعد شرما کی دوست لڑکی کو اعلی تعلیم حاصل کرنے کے لئے لندن بھجوادیا گیا۔ روی کانت شرما کے حق میں بات ضرور کہی جاتی ہے کہ ان کی یہ عادت ہے

پرمود مہاجن

کہ وہ کسی بھی ضرورت مند کی امداد کرنے سے کبھی گریز نہیں کرتے۔ اس وجہ سے ان کے دوستوں اور مددگار کا حلقہ کافی وسیع ہے۔ انہیں کی مدد سے وہ دو ماہ سے بھی زائد عرصہ سے پولیس کی گرفت میں آنے سے بچ رہے ہیں۔ اس بات سے بھی انکار نہیں کیا جاسکتا کہ شرما نے اپنی زندگی کا آغاز ایک کالج میں لکچرار کے طور پر کیا بعد ازاں وہ انڈین پولیس سروس میں چنے گئے۔ اپنے خسر اور والد کے تعلقات کی وجہ سے وہ خاص پوسٹنگ حاصل کرتے رہے۔ وہ گوڑگاؤں کے پولیس کپتان بھی رہے۔

اور ریلوے پولیس کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل بھی رہے۔ اس کے بعد وہ منشیات کے محکمہ انسداد اور راہیں بھی تعینات رہے۔ ان کے عروج کا خاص دور اندر کمار گجرال کے دور اقتدار میں آیا جب کہ ان کے خسر کی سفارش پر تمام قاعدے قانون کو طاق پر اٹھا کر ان کو پرائم منسٹر کے دفتر میں جوائنٹ سکریٹری کے عہدہ پر فائز کیا گیا۔ اس دوران وہ شیوانی کے نزدیک آئے۔ جب اندر کمار گجرال نے وزیر اعظم کا عہدہ چھوڑا تو شرما کو ایئر انڈیا کا چیف ویجیلنس افسر بنا کر ممبئی میں تعینات کیا گیا۔ پولیس کا دعوی ہے کہ شرما شیوانی کے اس قدر نزدیک تھے کہ جیسے ہی شیوانی کا بچہ پیدا ہوا اس کی ہدایت پر اس کی بہن نے بچہ پیدا ہونے کی اطلاع روی کانت شرما کو سب سے پہلے دی جب کہ اس کے خاوند کو بچہ کی پیدائش کی اطلاع بعد ازاں دی گئی۔ دہلی پولیس کا دعوی ہے کہ شیوانی اور شرما کے درمیان نزدیکی تعلقات تھے۔ شیوانی شرما سے شادی کرنا چاہتی تھی جب کہ شرما اس کے لئے تیار نہ تھے اس لئے جب شیوانی نے ان کو بلیک میل کرنا شروع کیا تو روی کانت شرما کو شیوانی سے نجات حاصل کرنے کے لئے اس کا قتل کروانا پڑا۔ یہاں یہ بیان کرنا بھی ضروری ہے کہ شیوانی کے خاندان کی شروع سے ہی آر ایس ایس سے گہری وابستگی رہی ہے۔ موجودہ حکمران ٹولہ نے ان کو اخبارات میں ملازمت دلانے میں خصوصی دلچسپی لی تھی۔ ان کے والدین ان دنوں دہلی کے نزدیک غازی آباد میں رہتے ہیں۔ شیوانی ایسی خاتون تھی جو کہ ہر قیمت پر آگے بڑھنا چاہتی تھی۔ وہ حالانکہ لوئر میڈل کلاس سے تعلق رکھتی تھی مگر اس کی خواہش ملک کی ممتاز ترین ہستیوں کے نزدیک آنے کی تھی۔

صحافی کے طور پر جب اس نے سیاسی نامہ نگاری شروع کی تو اس کے تعلقات سیاستدانوں سے قائم ہوئے۔ ان دنوں پرمود

مہاجن بی جے پی کے جنرل سکریٹری اور پارٹی کے ترجمان تھے ۔ ان کے درمیان شیوانی آئی پرمود مہاجن کا دعوی ہے کہ شیوانی کے ساتھ ان کے تعلقات کاروباری تھے ۔ ان دنوں کیونکہ شیوانی بی جے پی کو کور کرتی تھی اس لئے وہ ان سے اکثر ملا کرتی تھی جب کہ مدھو شرما کا دعوی ہے کہ مہاجن سے شیوانی کے تعلقات بے حد نزدیکی تھے ۔ دونوں ایک خفیہ جگہ پر چوری چھپے اکثر ملا کرتے تھے ۔ مہاجن شیوانی کے بچے کے والد ہیں اور ان کی تصدیق کے لئے ڈی این اے ٹسٹ کروایا جانا چاہئے ۔ پرمود مہاجن سے شیوانی شادی کرنا چاہتی تھی ۔ جب مہاجن اس کے لئے تیار نہ ہوئے تو شیوانی نے ان کو بلیک میل کرنا شروع کردیا ۔ اس لئے مہاجن نے ان کو راستہ سے ہٹادینا ہی مناسب سمجھا ۔ جو صحافی ان دنوں شیوانی کے ساتھ بی جے پی کور کیا کرتے تھے ان کا بیان ہے کہ شیوانی کے تعلقات پرمود مہاجن سے بے حد قریبی تھے ۔ ویسے تو اڈوانی بھی شیوانی کی شادی میں خاص طور سے شامل ہوئے تھے ۔ جب اڈوانی کو شیوانی کے قتل کی اطلاع ملی تو وہ جائے وقوعہ پر پہنچنے والے پہلے اشخاص میں سے ایک تھے ۔ اس سلسلہ میں ایک بات خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ شیوانی نے بی جے پی کو کور تو کیا مگر وہ کوئی خاص اسکوپ حاصل کرنے میں ناکام رہی ۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی خاص طور پر قابل ذکر ہے کہ شیوانی نے حالانکہ راکیش بھٹناگر سے پریم وواہ کیا تھا مگر مگر ان دونوں کی عمر میں 20 سال کا فرق تھا ۔ اس لئے شیوانی کی خانگی زندگی شاید آسودہ نہ تھی ۔ پرمود مہاجن کا دامن بھی سیکس اسکینڈل سے پاک و صاف نہیں ہے ۔ سیاسی حلقوں میں ان کے کئی معاشقے موضوع بنے ہوئے ہیں ۔ کہا جاتا ہے کہ ان کی بیوی نے مہاجن کے ایک جاٹ طلاق شدہ خاتون سے بڑھتے ہوئے تعلقات کی شکایت وزیر اعظم سے کی تھی جب وہ بے اثر رہی تو یہ معاملہ آر ایس ایس کے ایک اعلی لیڈر تک بھی پہنچا ۔

اس لیڈر کے دباؤ پر مہاجن نے اس خاتون کا دامن چھوڑدیا ۔ اس عورت نے بعد ازاں ایک دیگر مرکزی وزیر کا دامن تھاما اور اس کی نظر عنایت کی وجہ سے ان دنوں وہ اتر پردیش میں وزیر بنی ہوئی ہے ۔ اس کے علاوہ بھی مہاجن کی خاتون دوستوں کے بارے میں سیاسی حلقوں میں طرح طرح کی کہانیاں مشہور ہیں ۔ ان کہانیوں میں کہاں تک سچائی ہے اس کے بارے میں دعوی سے کچھ بھی کہنا محال ہے ۔ یہ ضرور ہے کہ مہاجن حکمراں پارٹی کے ان لیڈروں میں شامل ہے جن سے وزیر اعظم کے منہ بولے داماد ملتے ہیں اور بے حد نزدیکی رشتے ہیں ۔ جب شیوانی کا ۱۹۹۸ میں قتل ہوا تھا تو سیاسی حلقوں میں اس سلسلہ پرمود مہاجن کے ملوث ہونے کے چرچے گرم ہوئے ۔

معاملہ اس حد تک بڑھا کہ پارلیمنٹ کے ایوان بالا میں بی جے پی کے ہی ایک ممبر نے اس سلسلہ میں باقاعدہ سوال تک دریافت کرڈالا ۔ اس حماقت کی قیمت اس ممبر کو کافی ادا کرنی پڑی ۔ اس کو یہ گستاخی کرنے کے پاداش میں بی جے پی سے نکال دیا گیا ۔ جناردھن یادو نامی اس سابق ممبر ایوان بالا کا الزام ہے کہ اس سوال کے دریافت کرنے کے بعد سرکار اس سے سخت ناراض ہوگئی ۔ نئی دہلی میں اس کی رہائش گاہ کا ٹیلی فون، بجلی اور پانی کاٹ دیا گیا ۔ اسے وزیر اعظم اور وزیر داخلہ دونوں نے طلب کیا اور اس سے اس طرح کے سوالات ایوان میں دریافت کرنے کے لئے سخت ناراضگی کا اظہار کیا اور وزیر اعظم کا کہنا تھا کہ اسے یہ سوال پارلیمنٹ میں دریافت کرنے کی جرات کیسے ہوئی جبکہ وزیر داخلہ کا کہنا تھا کہ اسے اس سوال کو دریافت کرنے کے لئے کس نے ورغلایا تھا ۔ اس پر میں نے انہیں بتلایا کہ سیاسی حلقوں میں یہ خبر گرم تھی اس لئے میں نے سوال پارلیمنٹ میں پوچھنا مناسب سمجھا تھا ۔ اس کے بعد مجھے پارٹی سے نکال دیا گیا ۔ اس قتل میں کس مرکزی وزیر کا ہاتھ تھا اس کے بارے میں سرکار آج بھی صفائی دینے کے لئے تیار نہیں ۔ سارے معاملہ کو رفع دفع کیا جارہا ہے ۔

ظاہر ہے کہ بی جے پی کا ہائی کمان پرمود مہاجن کو ہر قیمت پر بچانے پر بضد ہے ۔ پرمود مہاجن کے بارے میں آر ایس ایس کے ایک سینئر لیڈر دتوپنت ٹھینگڑی کا کہنا ہے کہ پرمود مہاجن کبھی آر ایس ایس سے وابستہ رہیں ہونگے مگر اب تو وہ کانگریس کے فائیو اسٹار کلچر کی پیداوار ہیں ۔ وہ ان لوگوں میں شامل ہیں جو کہ بی

پرمود مہاجن محبوب نگر میں ایک غریب اسکول میں ٹیچر کے گھر پیدا ہوئے تھے ۔ انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک اسکول ٹیچر کے طور پر دو سو روپئے ماہوار پر 1970 میں کیا تھا ۔ اس کے بعد وہ ناگپور سے شائع ہونے والے ترون بھارت نامی روزنامہ میں سب ایڈیٹر کے طور پر نوکری کرنے لگے ۔ تب انہیں 230 روپے ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی ۔ کالج میں گوپی ناتھ منڈے ، دھرم چند چوڑیا ان کے ہم جماعت تھے ۔ کالج میں زیر تعلیم ہونے کے دوران میں ان کی آنکھ ریکھا نامی ایک دوشیزہ سے لڑ گئی اور بعد ازاں انہوں نے اس سے شادی کرلی ۔ گوپی ناتھ منڈے نے پرمود مہاجن کی بہن سے شادی کرلی اور اب وہ ان کے سرپرست ہیں ۔

جب پرمود مہاجن صحافت میں تھے تو وہ جن سنگھ میں شامل ہوگئے ۔ جب جن سنگھ جنتا پارٹی میں مدغم ہوگیا تو کیشو بھائی اڈوانی کی نظر عنایت سے وہ مہاراشٹرا جنتا پارٹی کے جنرل سکریٹری بنادئے گئے ۔ اس دوران وہ مرارجی دیسائی کے بیٹے کانتی دیسائی کے نزدیک آئے ۔ انہوں نے ممبئی کے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے رشتے قائم کئے جو کہ آج بھی ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہورہے ہیں

جے پی میں رہتے ہوئے سنجے گاندھی کلچر کی نمائندگی کرتے ہیں۔اس طرح کے لیڈروں سے آر ایس ایس کی نیک نامی پر بھی حرف آتا ہے ۔ ان کے طرز زندگی کے بارے میں سیاسی حلقوں میں طرح طرح کی کہانیاں گرم ہیں ۔ یاد رہے کہ ٹھینگڑی آج بھی آر ایس ایس کے ہمہ وقتی کارکن ہیں ۔ پرمود مہاجن محبوب نگر میں ایک غریب اسکول میں ٹیچر کے گھر پیدا ہوئے تھے ۔ انہوں نے اپنی زندگی کا آغاز ایک اسکول ٹیچر کے طور پر دو سو روپئے ماہوار پر 1970 میں کیا تھا۔اس کے بعد وہ ناگپور سے شائع ہونے والے ترون بھارت نامی روزنامہ میں سب ایڈیٹر کے طور پر نوکری کرنے لگے ۔ تب انہیں 230 روپے ماہوار تنخواہ ملا کرتی تھی ۔ کالج میں گوپی ناتھ منڈے ، دھرم چند چوڑیا ان کے ہم جماعت تھے ۔ کالج میں زیر تعلیم ہونے کے دوران میں ان کی آنکھ ریکھا نامی ایک دوشیزہ سے لڑ گئی اور بعد ازاں انہوں نے اس سے شادی کرلی ۔ گوپی ناتھ منڈے نے پرمود مہاجن کی بہن سے شادی کرلی اور اب وہ ان کے سرپرست ہیں۔

جب پرمود مہاجن صحافت میں تھے تو وہ جن سنگھ میں شامل ہوگئے ۔ جب جن سنگھ جنتا پارٹی میں مدغم ہوگیا تو کیشو بھائی اڈوانی کی نظر عنایت سے وہ مہاراشٹرا جنتا پارٹی کے جنرل سکریٹری بنادئے گئے ۔ اس دوران وہ مرارجی دیسائی کے بیٹے کانتی دیسائی کے نزدیک آئے ۔ انہوں نے ممبئی کے سرمایہ داروں اور صنعت کاروں سے رشتے قائم کئے جو کہ آج بھی ان کے لئے فائدہ مند ثابت ہورہے ہیں۔ ان کی گنتی بی جے پی کے لئے فنڈز اکٹھا کرنے والوں میں ہوتی ہے ۔ ان کا کہنا ہے کہ میرے لئے اصولوں کی کوئی اہمیت نہیں کام کسی نہ کسی طرح ہونا چاہئے ۔ خواہ اس کو کرنے کا طریقہ کار کچھ بھی ہو ۔ پرمود مہاجن یہ تسلیم کرتے ہیں کہ وہ ہر خوبصورت شئے کے شیدائی ہیں انہیں تیز طرار طرز زندگی پسند ہے وہ خود کو کسی بھی حالات میں ڈھال سکتے ہیں۔ یہی ان کی کامیابی کا راز ہے ۔ کبھی پرمود مہاجن نائب وزیراعظم اڈوانی کے خاص لوگوں میں تصور کئے جاتے تھے جب سومناتھ سے رام مندر رتھ یاترا کی شروعات ہوئی تو اس کے راستہ میں انتظامات کرنے کا ذمہ مہاجن کے پاس تھا۔

جب انہوں نے اٹل بہاری واجپائی کے وزیراعظم بنائے جانے کے امکانات روشن دیکھے تو وہ واجپائی کے کیمپ میں چلے گئے ۔ مہاجن شروع سے ہی موبائل فون کے بیحد شوقین ہیں ۔ ان کی جیب میں تین تین موبائل فون رہتے ہیں۔ جب

آر کے شرما نے عدالت میں خود سپردگی اختیار کی

پارٹی کا عروج شروع ہوا تو وہ جوڑ توڑ کرکے بی جے پی کے سکریٹری بن گئے ۔ 1986 میں انہیں یووا جنتا مورچہ کا صدر بنایا گیا مگر چند الزامات کی وجہ سے انہیں جلد ہی اس عہدہ سے ہٹادیا گیا ۔ جب اٹل بہاری واجپائی نے تیرہ دنوں کی سرکار بنائی تو اس میں پرمود مہاجن وزیر دفاع تھے ۔ 1998 میں وہ الیکشن ہار گئے تب اٹل بہاری نے ان کو اپنا سیاسی مشیر مقرر کرلیا حالانکہ آر ایس ایس اعلی کمان ان کے سخت خلاف تھا مگر اٹل بہاری کے داماد رنجن بھٹاچاریہ کی دوستی اس نازک موقع پر ان کے کام آئی ۔ جلد ہی وہ راجیہ سبھا یعنی ایوان بالا کے ممبر بنادئے گئے اس کے بعد وہ مرکزی کابینہ میں شامل کرلئے گئے ۔ وزیراعظم کے تخت کے پیچھے جو لوگ آج سرکار چلارہے ہیں ان میں پرمود مہاجن بھی شامل ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان دنوں مہاجن پر سونے کی بارش ہورہی ہے ان کے پاس کتنا سرمایہ ہے اس کے بارے میں دہلی کے سیاسی حلقوں میں قیاس آرائیوں کا بازار گرم ہے ۔ ان کے دو بچے ہیں۔ ان کا بیٹا ہوا باز ہے ۔ کہا جاتا ہے کہ

جب تک اجے راج شرما دہلی کے پولیس کمشنر رہے شیوانی قتل کیس کی فائل بند رہی ۔ شری بھگوان ۔ پردیپ شرما کو گذشتہ سال ہی پولیس نے حراست میں لے لیا تھا وزارت داخلہ کے وزیر مملکت آئی ڈی سوامی یہ تسلیم کرتے ہیں کہ اس دوران ان سے روی کانت شرما نے ملاقات کرکے یہ خدشہ ظاہر کیا تھا کہ دہلی پولیس اسے شیوانی قتل کیس میں ملوث کرنے کی کوشش کررہی ہے ۔ یہ پرمود مہاجن کو بچانے کے لئے کیا جارہا ہے ۔ اس کے بعد شری بھگوان اور پردیپ شرما کو اچانک پولیس نے چھوڑ دیا ۔ جب اڈوانی نے دہلی پولیس کمشنر آر ایس گپتا کو بنایا تو یہ فائل پھر کھل گئی اور ان کے حکم سے گرفتاریوں کا سلسلہ تیز ہوگیا ۔ پردیپ شرما کا بیان ہے کہ پولیس کسی گرفتار کئے گئے کسی ملزم کو وعدہ معاف گواہ بنا کر روی کانت شرما کو پھنسانے اور پرمود مہاجن کو بچانے کی کوشش کررہی ہے ۔ دیکھنا یہ ہے کہ دہلی پولیس نے اپنے مقصد میں کتنی کامیاب ہوتی ہے ۔

●●●●

ہندوستان میں مذہبی فسادات، عہد بہ عہد

گجرات ہمیشہ سے فرقہ وارانہ کشیدگی کا مرکز رہا ہے ۔ قرون وسطیٰ میں ہندو مسلم فسادات کے بہت کم واقعات ہوئے ۔ صرف دو واقعات کا ذکر آتا ہے جو اٹھارویں صدی کے اوائل میں احمد آباد میں وقوع پذیر ہوئے ۔ معروف مورخ خفی خان کے مطابق ، ان فسادات کے نتیجے میں کافی جانی و مالی نقصان ہوا ۔ مغل بادشاہ شاہ عالم کے عہد میں ہونے والے پہلے واقعے میں کپڑے کی ایک مارکیٹ کو نذر آتش کردیا گیا ۔ نادر شاہ کے ہندوستان پر حملے کے موقع پر ہونے والے دوسرے واقعے میں بھی کچھ ایسے ہی واقعات پیش آئے جن میں ہندو اور مسلمان دونوں نشانہ بنے ۔

ہندو مسلم فسادات کا ایک بڑا سلسلہ تقسیم کے موقع پر پیش آیا اور سرحد کے دونوں طرف ہزاروں لوگ تہ تیغ کردئے گئے ۔ یہ سلسلہ کلکتہ میں اس وقت شروع ہوا جب مسلم لیگ کی طرف سے دی گئی راست اقدام کی کال پر بڑی تعداد میں ہندو قتل کردئے گئے ۔ ہندوؤں نے جوابی کارروائی کی اور فسادات پھیل گئے ۔ مغربی بنگال میں نواکلی اور بہار میں بھی اس طرح کے واقعات ہوئے ۔ پاکستان کے صوبہ پنجاب سے ہجرت کرکے ہندوستان آنے والے مہاجرین نے خود پہ ہونے والے مظالم کا بدلہ لینے کی ٹھانی اور دلی بھی فسادات کی لپیٹ میں آگیا۔

تقسیم کے بعد پہلے بڑے ہندو مسلم فسادات 1959 ، میں جبل پور ، مدھیہ پردیش میں ہوئے ۔ عام خیال ہے کہ ایک مسلمان لڑکے کے ہندو لڑکی سے تعلقات ان فسادات کو بھڑکانے کا سبب بنے لیکن مارکسی مورخین کے مطابق ، جبل پور میں بیڑی بنانے والوں کے درمیان کاروباری رقابت ان فسادات کی بنیادی وجہ بنی ۔

1960 ، کی دہائی میں ہندوستان کے مشرقی شہروں میں مذہبی شدت پسندی کے کئی واقعات ہوئے ۔ ان میں جمشید پور ، روڑکیلا اور رانچی میں ہونے والے فسادات خاص طور پر قابل ذکر ہیں ۔ لیکن سب سے افسوسناک اور دل دہلادینے والے واقعات احمد آباد میں ہوئے جن میں ایک ہزار افراد لقمہ اجل بنے ۔

1970 ، میں بھیونڈی اور جلگاؤں (مہاراشٹرا) میں ہونے والے ہندو مسلم فسادات میں دو سال پہلے وجود میں آنے والے شیو سینا نے بنیادی کردار ادا کیا ۔ ان فسادات میں دو سو پچاس افراد ہلاک ہوئے ۔

اگست 1980 ، میں مراد آباد میں ہونے والے افسوسناک واقعات شروع میں پولیس بمقابلہ مسلمان طرح کا معاملہ تھا لیکن بعد میں یہ ہندو مسلم فسادات کا رخ اختیار کرگیا۔

1981 ، میں فرقہ وارانہ نوعیت کے دو واقعات کا ذکر ملتا ہے ۔ پہلا واقعہ بہار شریف (ضلع نالندہ ریاست بہار) میں ہوا جبکہ دوسرا مناکشی پورم میں ہوا ۔ پہلے واقعے میں قبرستان کی جگہ وجہ عناد بنی جبکہ دوسری دفعہ پانچ سو دلت ہندوؤں کا مسلمان ہونا فسادات کا سبب بنا۔

1983 ، میں بڑودہ اور نلی (آسام) میں فرقہ وارانہ فسادات ہوئے ۔ نلی میں ہونے والے فسادات میں بنگالی ، زبان بولنے والے تین ہزار مسلمان قتل کردئے گئے ۔

1984 ، میں پہلے سکھ مذہبی فسادات کا شکار بنے اور اندرا گاندھی کے قتل کے بعد کئی ہزار افراد ہلاک کردئے گئے ۔ صرف دہلی میں تین ہزار کے قریب افراد قتل ہوئے ۔ اسی سال مئی کے مہینے میں بمبئی اور بھیونڈی میں مسلمان مذہبی فسادات کا نشانہ بنے ۔

1985 ، میں مذہبی فسادات کی لہر دوبارہ گجرات کا رخ کرگئی ۔ فسادات اٹھارہ فروری کو شروع ہوئے اور اکتوبر سن انیس سو چھیاسی تک جاری رہے ۔

1987 ، میں میرٹھ ایک بار پھر ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آگیا جن میں کم از کم ایک سو مسلمان قتل کردئے گئے ، دو سال بعد بھاگل پور میں ہونے والے واقعات میں کئی سو افراد ہلاک ہوئے ۔

1992 ، میں بابری مسجد کے مسئلہ پر پورا ہندوستان ہندو مسلم فسادات کی لپیٹ میں آگیا ۔ ہلاک ہونے والوں کی تعداد ہزاروں میں بتائی جاتی ہے ۔

انتخابات اور الزامات

اصغر عبداللہ

دنیا بھر میں انتخابات اور الزامات، لازم و ملزوم ہیں۔ الیکشن کا ٹمپریچر جیسے جیسے بڑھتا ہے، دو طرفہ الزامات کا گراف بھی اونچا، اور اونچا ہوتا جاتا ہے۔ پاکستان کی الزامی سیاست کا اسلوب، البتہ سب سے جدا ہے، سب سے انوکھا ہے، سب سے نرالا ہے۔ یہاں عام طور پر الزام لگانے والا صرف الزام لگانا ہی کافی سمجھتا ہے، اس کے لئے ثبوت فراہم کرنے کے لئے آمادہ نہیں ہوتا ہے۔ حالانکہ قانون کی تھوڑی بہت سمجھ بوجھ رکھنے والا آدمی بھی جانتا ہے کہ الزام کی صحت ثابت کرنے کے لئے ثبوت مہیا کرنے کی ذمہ داری الزام لگانے والے پر عائد ہوتی ہے، الزام لگانے والا محض الزام لگا کے ہی بری الذمہ نہیں ہوجاتا ہے۔ افسوس کی بات تو یہ ہے کہ ہماری سیاست میں، بلاثبوت الزام بازی، کے مرض میں جو لوگ مبتلا ہیں، وہ اچھے خاصے پڑھے لکھے ہیں۔ یہ نہیں کہا جاسکتا ہے کہ وہ قانون کی ابجد سے واقف نہیں ہیں۔ حقیقت یہ ہے کہ سب کچھ جان بوجھ کر اور بہت سوچ سمجھ کے ہوتا ہے، اور مقصد یہ ہوتا ہے کہ حریف کی مخالفت کر کے فوری فائدہ اٹھایا جائے۔ گاہے حسب توقع فائدہ ہوجاتا ہے اور گاہے خلاف توقع نقصان ہوجاتا ہے، اس لئے کہ پروپگنڈے کا فن نہایت نازک فن ہے۔ ذرا سی چوک، تھوڑی سی بھول یا معمولی سی بے احتیاطی سے سب الٹا بھی پڑسکتا ہے۔ حریف کے خلاف پروپیگنڈہ جب بیک فائر کرتا ہے تو پھر سب سے پہلے کرنے والا ہی اڑتا ہے۔

پاکستان میں انتخابات میں جو الزامات سب سے زیادہ مرغوب ہیں، وہ دھاندلی اور غیر ملکی پشت پناہی کے الزامات ہیں۔ حکومت اپوزیشن کو غیر ملکی پشت پناہی کا طعنہ دیتی ہے، اور اپوزیشن حکومت کو دھاندلی کی پشت پناہ سمجھتی ہے۔ حکومت انتخابات کراتی ہے اور ظاہر ہے انتخابات حکومت ہی نے کرانے ہوتے ہیں، اوپر سے اس کے لئے فرشتے تو نازل نہیں ہوسکتے ہیں۔ اب دیکھا یہ گیا ہے کہ انتخابات میں جن سیاست دانوں کو اپنی انتخابی کامیابی کا یقین ہوتا ہے، انہیں حکومت کا یہ دعوی تسلیم کرنے میں عار نہیں ہوتی ہے کہ حکومت، فری اینڈ فیئر الیکشن، کررہی ہے اس کے برعکس جن سیاست دانوں کو انتخابات میں اپنی کامیابی مشکوک معلوم ہوتی ہے، انہیں یہ الزام لگانے میں ہی عافیت محسوس ہوتی ہے کہ حکومت "پری پول رگنگ" میں ملوث ہے۔ ماضی بعید میں جانے کی ضرورت نہیں ہے، ماضی قریب ہی کی چند جھلکیاں دیکھ لیتے ہیں۔

1988 کے انتخابات عملی طور پر، غیر جانبدارانہ فوجی نگرانی، میں کرائے گئے۔ ایک طرف پیپلز پارٹی تھی اور دوسری طرف اسلامی جمہوری اتحاد کے جھنڈے تلے جمع ہونے والی پیپلز پارٹی مخالف جماعتیں تھیں۔ بے نظیر بھٹو جو حکومت کی رضامندی ہی سے انتخابات میں حصہ لے رہی تھیں، نے الزام لگایا کہ انہیں شکست دینے کے لئے حکومت نے ان کے خلاف اسلامی جمہوری اتحاد بنوایا ہے۔ اب انتخابات ہوئے تو بے نظیر بھٹو کے خدشات درست ثابت نہ ہوئے اور پیپلز پارٹی انتخابات میں کامیاب ہوگئی، اور کسی جگہ بھی حکومت نے اس کی راہ میں روڑے نہیں اٹکائے۔ البتہ قومی اسمبلی کے انتخابات میں پیپلز پارٹی کی سندھ میں بے نظیر جیت کے باعث پنجاب میں ردعمل کی لہر اٹھی اور دو روز بعد یہ لہر پنجاب میں اسلامی جمہوریہ اتحاد کی جیت کا باعث بن گئی۔ اب ہونا تو یہ چاہئے تھا کہ پیپلز پارٹی اعتراف کرتی کہ انتخابات صاف اور شفاف ہوئے ہیں۔ اس کے برعکس پیپلز پارٹی نے یہ کہنا شروع کردیا کہ قومی اسمبلی کے انتخابات تو صاف اور شفاف ہوئے ہیں البتہ پنجاب اسمبلی کے انتخابات صاف اور شفاف نہیں ہوئے ہیں، گویا جہاں جیت، وہاں سب ٹھیک اور جہاں شکست، وہاں سب غلط۔

1990 کے انتخابات، پیپلز پارٹی کے ایک سابق رہنما اور بے نظیر بھٹو کے انکل غلام مصطفی جتوئی کی نگرانی میں ہوئے۔ اسلامی جمہوری اتحاد نے قومی اسمبلی کے انتخابات اور پنجاب اسمبلی کے انتخابات، دونوں جیت لئے۔ پیپلز پارٹی یہ انتخابی نتائج کیونکر قبول کرتی؟ چنانچہ بے نظیر بھٹو نے حکومت پر الزام لگایا کہ انتخابات کے نتائج، چوری کرلئے گئے ہیں۔ خورشید احمد قصوری جو براستہ اصغر خان، بے نظیر بھٹو اور نواز شریف ...اب میاں محمد اظہر کے پاس پہنچے ہوئے ہیں، انہوں نے بڑی محنت سے اسلامی جمہوری اتحاد کے خلاف ایک وہائٹ پیپر تیار کیا اور اپنی قانونی مہارت کے ذریعہ یہ ثابت کرنے کی کوشش کی کہ انتخابات میں اسلامی جمہوری اتحاد نے پیپلز ڈیموکریٹک الائنس کی جیت کو چرالیا ہے۔ اس کی ایک کاپی غالباً اب بھی خورشید محمد قصوری صاحب کی لائبریری میں محفوظ ہوگی۔ 1993 کے انتخابات بے نظیر بھٹو نے پیپلز ڈیموکریٹک الائنس کے پلیٹ فارم کے ذریعے جیت لئے تو مسلم لیگ (ن) کے سربراہ محمد نواز شریف نے انتخابات کے نتائج کو، انجینئرڈ، قرار دیا۔ ان کا کہنا تھا کہ آدھی رات تک وہ جیت رہے تھے، پھر نتائج کہیں اور سے آنا شروع ہوگئے۔ بے نظیر بھٹو کے لئے یہ انتخابات صاف اور شفاف تھے، اس لئے کہ وہ انتخابات میں کامیاب ہوچکی تھیں۔ 97 کے انتخابات میں ایک بار پھر مسلم لیگ (ن) جیت گئی، بے نظیر بھٹو کے برعکس، نواز شریف کے لئے یہ انتخابات صاف اور شفاف تھے۔ اب بے نظیر بھٹو نے حکومت پر الزام لگایا کہ انتخابات کے نتائج، انجینئرڈ ہیں۔ کہنے کا مطلب یہ کہ 88 کے انتخابات سے لے کر 97 کے انتخابات تک، کوئی ایک انتخاب بھی ایسا نہیں ہے، جسے شکست کھانے والی جماعت نے صاف اور شفاف قرار دیا ہو، لہذا حکومت کا یہ توقع رکھنا کہ جو لوگ آئندہ انتخابات میں قومی اسمبلی میں نہیں پہنچ سکیں گے، وہ انتخابات کو صاف اور شفاف قرار دیں گے، ایک ایسی توقع ہے جو کبھی پوری نہیں ہوسکتی ہے۔

این خیال است و محال است و جنوں
ٹھیک اسی طرح یہ توقع رکھنا بھی فضول

ہے کہ حکومت اپوزیشن کے انتخابات میں فری ہینڈ دے سکتی ہے ۔ حکومت خواہ وہ جمہوری ہو یا غیر جمہوری، ہمیشہ عوام کو یہ باور کرانے کی کوشش کرتی ہے کہ اپوزیشن غیر ملکی اشاروں پر حکومت کو غیر مستحکم کرنے کے درپے ہے ۔ ابھی حال ہی میں مشرف حکومت کے ترجمان اور ڈائرکٹر جنرل آئی ایس پی آر میجر جنرل راشد قریشی نے الزام لگایا ہے کہ حکومت کی مخالف بعض جماعتوں کو بھارت کی پشت پناہی حاصل ہے ۔ اب یہ الزام ایسا نہیں ہے کہ جسے نظر انداز کیا جاسکے ، بلکہ یہ کہنا مناسب ہے کہ کسی سیاسی جماعت کے خلاف اس سے زیادہ سنگین الزام عائد ہی نہیں کیا جاسکتا ہے ۔ راشد قریشی نے کسی جماعت کا نام نہیں لیا ہے لہذا یہ کہنا مشکل ہے کہ ان کا اشارہ کس جماعت کی طرف ہے ۔ بہرحال جس جماعت کی طرف بھی ان کا اشارہ ہے ، اگر یہ الزام سچ ہے کہ وہ جماعت بھارت سے امداد لے رہی ہے ، تو یہ حکومت کی ذمہ داری ہے کہ وہ ایسی جماعت کو بے نقاب کرے اور عدالت کو ثبوت فراہم کرے ، اور اس کے لئے کسی دباؤ کو خاطر میں نہ لائے ۔ قومی سلامتی ہر چیز پر مقدم ہے ، اس کے برعکس اگر حکومت کے پاس محض اطلاع ہے اور کوئی ٹھوس ثبوت نہیں ہے تو اس کے لئے مناسب نہیں ہے کہ وہ ثبوت کی فراہمی سے پہلے اس اطلاع کو اچھالے ۔ اسی طرح مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی نے حکومت پر الزام لگایا ہے کہ حکومت ، پری پول رگنگ میں ملوث ہے ۔ یہ بھی ایک ایسا الزام ہے کہ جس کی ابھی کوئی واضح شہادت سامنے نہیں آئی ہے ۔ حکومت نے مسلم لیگ (ن) کو شیر کا انتخابی نشان دینے میں یا پیپلز پارٹی کو تیر کا انتخابی نشان دینے میں کوئی رکاوٹ نہیں ڈالی ہے ، حالانکہ 88ء کے انتخابات میں الیکشن کمیشن نے 77 کے انتخابات میں ایک دوسرے کی حریف جماعتوں کے انتخابی نشان ہل اور تلوار منسوخ کردئے تھے ۔ اب مسلم لیگ (ن) اور پیپلز پارٹی پارلیمنٹیرین کو جن کا یہ دعوی ہے کہ ان کا ووٹ بنک مستحکم ہے ، یہ موقع دیا ہے کہ وہ ان نشانوں کے تحت انتخابات میں حصہ لے سکتی ہے ، جن نشانوں کے تحت انہوں نے ماضی کے انتخابات جیتے ہیں ۔ ظاہر ہے ، الیکشن کمیشن کی جانب سے حکومت کا

اپوزیشن جماعتوں کے لئے یہ بہت بڑا ریلیف ہے ۔ جہاں تک بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے کاغذات نامزدگی مسترد ہونے کا تعلق ہے ، تو یہ بات نواز شریف ، بے نظیر بھٹو اور ان کی جماعتوں کو پہلے سے معلوم تھی ۔ ہاں البتہ اگر ان کے کاغذات نامزدگی منظور ہوجاتے تو پھر یہ اچنبھے کی بات ہوتی ۔ اور یہ حقیقت یا رکاوٹ ، جو بھی تھی ، بے نظیر بھٹو اور نواز شریف نے قبول بھی کرلی تھی ، اسی لئے تو بے نظیر بھٹو نے مخدوم امین فہیم کو پیپلز پارٹی پارلیمنٹرین کی صدارت تفویض کردی تھی اور نواز شریف نے شہباز شریف کو مسلم لیگ (ن) کی صدارت سپرد کردی تھی ۔ اب یہ بات تو معمولی عقل و دانش رکھنے والا آدمی بھی سمجھ سکتا ہے کہ اگر بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے سزایافتہ ہونے کے باعث ان کی جماعتیں انتخابات کے لئے نااہل ہوجاتی ہیں تو پھر خود ان کا الیکشن میں حصہ لینا کس طرح ممکن ہے ۔ دلچسپ بات یہ ہے کہ بے نظیر بھٹو کو پہلی سیاسی نااہلیت کی سزا خود نواز شریف نے خطیر سرمایہ خرچ کرکے دی اور یہ عین ممکن ہے کہ اگر نواز شریف کو خود انتخابات کرانے کا موقع ملتا تو وہ بھی بے نظیر بھٹو کو انتخابات کے عمل سے باہر رکھنے کی پوری کوشش کرتے ۔ جہاں تک نواز شریف کی انتخابات کے لئے سیاسی نااہلیت کا تعلق ہے تو یہ فیصلہ انہوں نے برضا و رغبت کیا ہے اور سرور پیلس سے آنے والی اطلاعات سے معلوم ہوتا ہے ، انہیں اس پر کوئی پچھتاوا بھی نہیں ہے ، وہ بہت مطمئن اور مسرور ہیں ۔ نواز شریف اور بے نظیر بھٹو کے کاغذات نامزدگی کی وصولی کا معاملہ بھی کوئی معمہ نہیں ہے ، الیکشن کمیشن اپنے قواعد کی رو سے اس امر کا پابند ہے کہ کسی بھی پاکستانی شہری کے کاغذات نامزدگی جو مطلوبہ دستاویزات کے ہمراہ پیش ہوں ، انہیں وصول کرے ۔ اعتراضات کا مرحلہ بعد میں آتا ہے ۔ اور کسی بھی امیدوار کے کاغذات کی منظوری یا نامنظوری کا دار و مدار اس پر کئے جانے والے اعتراضات کی نوعیت پر ہوتا ہے ۔ چنانچہ جیسے ہی اعتراضات کا مرحلہ آیا ، بے نظیر بھٹو کے کاغذات ان کے سزایافتہ ہونے کے باعث مسترد ہوگئے ، نواز شریف نے کاغذات مسترد ہونے سے

پہلے ہی بے نظیر بھٹو کے حق میں دستبردار ہو کے بظاہر بڑی پھرتی اور چالاکی دکھائی ہے ، لیکن وہ یہ حقیقت فراموش کرگئے ہیں کہ وہ جس ووٹ بینک کے مالک ہونے کے دعویدار ہیں ، وہ بنیادی طور پر اینٹی پیپلز پارٹی ووٹ بنک ہے ، یہ سمجھنا مشکل نہیں ہونا چاہئے کہ بے نظیر بھٹو کے حق میں دستبردار ہو کے انہوں نے اپنے اینٹی پیپلز پارٹی ووٹ بنک کو جو سگنل دیا ہے ، وہ ان کی سیاسی اور انتخابی ساکھ کے لئے بہت نقصان دہ ثابت ہوسکتا ہے اور ظاہر ہے اس کا سیاسی اور انتخابی فائدہ کم از کم پنجاب میں مسلم لیگ (قائد اعظم) ہی کو پہنچے گا ۔ اگر نواز شریف یہ سمجھتے ہیں کہ بے نظیر بھٹو کے اس خیر سگالی کے جذبے کی حقیقت سے واقف نہیں ہیں ، تو یہ ان کی بھول ہے ۔ بے نظیر بھٹو بہت شاطر سیاست دان ہیں ۔ بے نظیر بھٹو کو معلوم ہے کہ نواز شریف کو قریب لا کے ہی انہیں ان کے حامیوں سے دور کیا جاسکتا ہے ۔ مسلم لیگ کے خلاف یہ ان کی آزمودہ حکمت عملی ہے ، اس کا پہلا کامیاب تجربہ انہوں نے حامد ناصر چٹھہ پر کیا ، پھر منظور وٹو ان کا تختہ مشق بنے اور اب نواز شریف ان کا ہدف ہیں ۔ لہذا نواز شریف کو بے نظیر بھٹو کی قربت کا جو خمیازہ بھگتنا پڑسکتا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں ہے ۔ یہ ایک دہرائی ہوئی کہانی ہے ۔ پری پول رگنگ ، کے حوالے سے حکومت کے خلاف سب سے زیادہ دلچسپ موقف عمران خان کا ہے ۔ 12 اکتوبر کے بعد عمران خان نے فرنٹ فٹ پر جا کے مشرف حکومت کی حمایت کی ۔ ان کا یہ باقاعدہ مطالبہ تھا کہ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کو انتخابات میں حصہ لینے کا حق نہیں ہونا چاہئے ۔ وجوہات جو بھی ہوں ، عمران خان کا یہ مطالبہ حکومت نے پورا کردیا ہے ۔ عمران خان کا دوسرا مطالبہ یہ تھا کہ ووٹر کی عمر 18 سال کردی جائے تاکہ نوجوان طبقہ جو بقول ان کے سب سے بڑا حلقہ ہے ، انتخابات میں حصہ لے سکے ۔ حکومت نے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کردیا ہے ۔ عمران خان کا تیسرا مطالبہ یہ تھا کہ پڑھے لکھے لوگوں کو انتخابات میں آگے آنے کا موقع دیا جائے ۔ حکومت نے گریجویشن آرڈیننس نافذ کرکے ان کا یہ مطالبہ بھی پورا کردیا ہے ۔ اب اصولی طور پر تو عمران خان کو مطمئن اور

پرسکون ہوجانا چاہئے تھا ۔ لیکن سیاسی دان کو اطمینان قلب یا سکون دل کہاں نصیب ہوتا ہے ۔ اب عمران خان کا کہنا ہے کہ انتخابات میں پرانے چہرے سامنے آرہے ہیں۔ حالانکہ اگر خالصتاً ریاضی کے اصول کو بھی مدنظر رکھ لیا جائے تو یہ واضح ہوجاتا ہے کہ نئی اسمبلی میں پرانی اسمبلی کے 50 ۔ 40 افراد سے زیادہ سامنے نہیں آسکتے ہیں، اور جو پرانے چہرے یہ ثابت کردیتے ہیں کہ سیاست کے اتار چڑھاؤ کے باوجود ان کی مقبولیت میں کمی نہیں آئی ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ چہرے تو قومی اسمبلی کے لئے ایک اثاثہ ثابت ہوسکتے ہیں ۔ نئے جمہوری تجربے کو کامیاب بنانے کے لئے ارکان اسمبلی کی بڑی تعداد ہی نہیں، سیاسی تجربہ کاری بھی درکار ہے ۔ ویسے بھی کہتے ہیں، تجربے کا کوئی نعم البدل نہیں ہوتا ہے ۔ اس لئے کہ ایک تجربہ کار سیاست دان قومی سیاسی کا بڑا قیمتی اثاثہ ہوتا ہے۔ سیاست کھیل تماشا نہیں ہے ۔ بڑی ذمہ داری کا کام ہے۔ بے نظیر بھٹو اور نواز شریف کے بعد اب عمران خان ۔ چودھری شجاعت حسین کے درپے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ چودھری شجاعت حسین ان کے مخالف امیدواروں کی حمایت کررہے ہیں ۔ عمران خان کو سمجھنا چاہئے کہ وہ انتخاب لڑرہے ہیں، کرکٹ نہیں کھیل رہے ہیں ۔ ظاہر ہے ۔ انتخابات میں کسی امیدوار کی حمایت یا مخالفت کرنے کا فیصلہ کرنا ہر جماعت کا صوابدیدی حق ہے ۔ اس کے لئے کسی جماعت کو کسی دوسری جماعت سے ناراض نہیں ہونا چاہئے ۔ چودھری شجاعت حسین نے عمران خان کے الزام کا بہت سخت جواب دیا ہے ۔ یہ درست ہے کہ عمران خان کے الزامات کے بعد انہیں اس کا حق حاصل تھا، لیکن ایک سینئر سیاست دان کے طور پر انہیں درگزر سے کام لینا چاہئے ۔ عمران خان کے لئے انتخابات میں ایک نشست کا جیتنا مسئلہ بنا ہوا ہے ۔ اس کے برعکس چودھری شجاعت حسین ایک بڑی جماعت کے بڑے لیڈر ہیں، ظاہر ہے ۔ کوئی مقابلہ ہی نہیں بنتا ہے ۔ میرا ذاتی خیال ہے ۔ اگر چودھری شجاعت حسین آئندہ انتخابات کے حوالے سے عمران خان کی ذہنی اور نفسیاتی بے چینی کو محسوس کرتے تو عمران خان کے الزامات کو نظر انداز کردیتے ۔ عمران خان کو بھی چاہئے کہ خواہ مخواہ بلا اٹھا کر ہر ایک پر نہ چڑھ دوڑیں۔ سیاست میں ہار جیت ہوتی رہتی ہے لہذا اس میں اسپورٹس مین سپرٹ کا مظاہرہ کئے بغیر گزارہ نہیں ہے ۔ بہت ہوچکی ۔ الزامات کی سیاست ۔ اب سیاست دانوں کو بالغ نظری کا ثبوت دینا چاہئے ۔ ایک دوسرے کو برداشت کرنے کا حوصلہ پیدا کرنا چاہئے ۔ بغیر ثبوت کے الزامات کا سلسلہ بند کردینا چاہئے اور ایشوز کی بنیاد پر سیاسی کرنی چاہئے ... سیانے کہتے ہیں، جب ایک آدمی کسی دوسرے آدمی پر انگلی اٹھاتا ہے تو اسے یہ بھی دیکھنا چاہئے کہ اس کے ہاتھ کی باقی چار انگلیاں خود اس کی طرف اٹھی ہوئی ہیں۔

ادیب جاودانی

اقتدار کے دوام کے منصوبے

صدر پاکستان نے کچھ روز بیشتر جو پریس کانفرنس کی ہے اس کی بازگشت پوری دنیا میں سنی جارہی ہے ۔ انہوں نے لیگل فریم ورک آرڈر 2002 جاری کرکے آئین میں جو 29 تبدیلیاں کی ہیں ان کو بھی عوامی اور سیاسی حلقوں میں پسند نہیں کیا۔ صدر نے اپنی پریس کانفرنس کے دوران پانچ سال تک آرمی چیف اور صدر رہنے کا اعلان کیا ہے اس پر ملک بھر کے سیاسی حلقے سخت تنقید کررہے ہیں ۔ بعض سیاستدانوں کے مطابق آئینی پیکج کے ذریعے ملک پر شخصی آمریت مسلط کردی گئی ہے ۔ صدر نے یہ بھی کہا ہے کہ حکومت چلانے کا اختیار وزیراعظم کے پاس ہوگا ۔ صدر صرف چیک رکھے گا اور غلط کام نہیں کرنے دے گا ۔ انہوں نے کہا کہ میں کسی سے نہیں ڈرتا اپنی اصلاحات کے لئے میرا صدر اور آرمی چیف رہنا ضروری ہے ۔ یہ اصلاحات نہ چلیں تو ہمارے ساتھ کیا ہوگا؟ یہ تمام عالمی ممالک اور ادارے دیکھ رہے ہیں۔ اگر اکتوبر کے بعد یہ اصلاحات نہ چلیں تو اسی وقت ملک میں عدم استحکام آجائے گا ۔ صدر نے اپنی پریس کانفرنس کے دوران بار بار کہا کہ میں جو بھی آئینی پیکج لے کر آیا ہوں یہ سب قومی مفادات میں ہے ۔ ہمارے ملک کے تقریباً ہر حکمران نے یہی کہا ہے کہ میں پاکستان کے لئے ناگزیر ہوں۔ جو سیاستدان اپنے آپ کو ناگزیر سمجھتے تھے وہ ملک کے کئی قبرستانوں میں دفن ہیں اور پاکستان اب بھی قائم و دائم ہے اور انشاء اللہ یہ مشکل حالات کے باوجود بھی قائم و دائم رہے گا ۔ صدر پاکستان نے آئینی ترامیم پیش کی ہیں ان میں سے زیادہ کا مقصد ان کا خود کو مضبوط کرنا ہے ۔ صدر ایوب خان نے جو آئین بنایا تھا اس کے بارے میں اپوزیشن کے لئے یہی کہتے تھے کہ یہ آئین نہیں لائل پور کا گھنٹہ گھر ہے جدھر سے دیکھیں جہاں سے دیکھیں ہر طرف سے صدر ایوب ہی نظر آتا ہے ۔ پھر اسی صدر نے اپنے آئین کو بالائے طاق رکھتے ہوئے اقتدار یحیی خان کے سپرد کردیا حالانکہ ان کے آئین کے مطابق انہیں یہ اقتدار قومی اسمبلی کے اسپیکر کے سپرد کرنا چاہئے تھا۔ جنرل یحیی خان نے آتے ہی مارشل لاء نافذ کردیا۔ انہوں نے جو انتخابات کروائے ان کے نتائج کو تسلیم نہ کرنے پر ملک دولخت ہوگیا ۔ یحیی خان کے اقتدار کے ختم ہونے کے بعد ذوالفقار علی بھٹو اقتدار میں آگئے ۔ بھٹو صاحب برسر اقتدار آتے ہی مارشل لاء ایڈمنسٹریٹر صدر پھر وزیراعظم بنگئے بھٹو کو یہ کریڈٹ جاتا ہے کہ انہوں نے 1973ء کا آئین بنایا لیکن آئین کے تحت سارے کے سارے اختیارات ذوالفقار علی بھٹو کے اپنی ذات میں مرتکز کرلئے اور چودھری فضل الہی کے پاس کوئی بھی اختیار نہیں تھا۔ ذوالفقار علی بھٹو کی وزارت عظمی کا ایک سال باقی تھا کہ انہوں نے یہ سمجھ کر کہ میری مقبولیت میں بہت اضافہ ہوچکا ہے اور اگر الیکشن کروالئے جائیں تو مزید پانچ سال کے لئے میں وزیراعظم بن جاؤں گا لیکن انتخابات کے نتیجے میں ان کا اقتدار بھی جاتا رہا نواب احمد خان کے قتل کے کیس میں ان کو تختہ دار پر بھی لٹکادیا۔ بھٹو کا خیال تھا کہ اگر مجھے کچھ ہوا تو ہمالیہ کے پہاڑ روئیں گے لیکن ان کی پھانسی کے بعد کچھ بھی نہیں ہوا۔ بھٹو کے بعد جنرل ضیاء الحق اقتدار میں آئے ۔ ان سے زیادہ بھی کوئی بااختیار شخص نہیں تھا ان کا خیال تھا کہ امریکہ ان کی جیب میں ہے۔ آئین ان کے ہاتھ میں ربڑ کی مانند ہے ۔ انہوں نے اپنا نام تک دستور پاکستان میں شامل کروالیا تھا۔ جونیجو کی پارلیمنٹ سے انہوں نے آٹھویں ترمیم منظور کرواکر اپنے آپ کو ایک طاقتور صدر بنالیا تھا جونیجو حکومت کے خاتمے کے بعد ان کا پروگرام پھر مارشل لاء لگا کر ایک

لمبے عرصے تک اقتدار میں رہنے کا تھا لیکن وہ بھول گئے کہ ان کے اوپر اللہ پاک کی ذات بھی ہے ان کا انجام سب کے سامنے ہے ۔ صدر جنرل پرویز مشرف نے اقتدار سنبھالنے کے لئے غریبوں کے دکھ درد ان کے مسائل حل کرنے کے لئے بلند بانگ دعوے کئے لیکن وہ غریبوں کیلئے کچھ بھی نہیں کرسکے ۔ ان کے دور میں مہنگائی غربت جتنی بڑھی ہے اتنی کسی بھی حکمران کے دور میں نہیں بڑھی ۔ انہوں نے آئینی ترامیم کے جو پیکج پیش کئے ہیں ، ان سے اندازہ ہوتا ہے کہ وہ سب کچھ خود ہی بننا چاہتے ہیں ۔ وہ جب چاہیں گے وزیراعظم اور پارلیمنٹ کی چھٹی کرادیں گے ۔ وہ ہر معاملے میں اپنے آپ کو بااختیار بنانا چاہتے ہیں ۔ ان کے آئینی اقدامات کے سلسلے میں حال ہی میں جماعت اسلامی کے رہنما پروفیسر غفور احمد سے ایک انٹرویو کیا گیا ہے ۔ انہوں نے دعوی کیا کہ موجودہ حکومت کا انجام بھی سابق حکمرانوں سے مختلف نہیں ہوگا ۔

ملک عبدالمجید زاہد

ونی کی رسم اور ہمارا معاشرہ

اسلام دنیا کا واحد ایسا نظام ہے جسے دنیا کے تمام نظاموں سے واضح برتری اور فوقیت حاصل ہے ۔ انسانیت کی ابتداء سے لیکر آج کی گلوبلائزیشن ویلج کی دنیا تک تمام نظام چلے آرہے ہیں مگر کسی بھی نظام نے انسانیت کے ہر شعبہ میں اصلاح و انقلاب برپا نہ کیا ۔ فرانس کے انقلاب نے سیاسی ڈھانچہ بدلا جبکہ روس کے سوشلسٹ انقلاب نے معاشی شعبہ کو بدلا مگر ان انقلابات نے انسانیت کی ضمیر و سوچ میں بنیادی محور انسانی اقدار کو ٹچ نہ کیا ۔ اسلام کو یہ طرہ امتیاز حاصل ہے کہ یہ مکمل نظام حیات ہے ۔ اسلام کے نظام نے انسان کے باطن و ظاہر میں انقلاب برپا کردیا ۔ قبل از اسلام میں انسانیت شرک و کفر کے اعلی مدارج میں پہنچ چکی تھی ، ان کے نزدیک صرف اپنے آبا و اجداد کی روایات اور عجیب و غریب قسم کا فلسفہ زندگی رائج تھا جس میں وہ خدا کی ذات کے ساتھ شریک اپنے ہاتھوں سے گھڑے ہوئے بتوں کو بھی اپنا سفارشی سمجھتے ۔ غیرت کے نام پر جہالت ان کے اندر اتنی سرائیت کرچکی تھی کہ وہ اپنی معصوم بچیوں کو زمینوں کے اندر اپنے ہی ہاتھوں زندہ دفن کردیتے تھے ۔ ان کی حیوانی اور درندگی کی صفت ان کی عقلوں پر ایسے چھائی ہوئی تھی کہ وہ اپنے ظلموں اور گناہوں کو اپنے مردانگی سمجھتے تھے ۔ ضدوں اور عنادوں میں وہ ایک دوسرے سے سبقت لینا اپنا اعزاز قرار دیتے تھے ، انتہائی معمولی سی باتوں پر نسل در نسل دشمنیاں ان کے کلچر کا حصہ تھیں ۔ عورتوں سے شادیاں سکون راحتیں حاصل کرنے کیلئے مگر اپنی بیٹیوں کو اس لئے مار ڈالتے کہ ہمارا کوئی داماد نہ بنے ، وہ داماد بنانا اپنے لئے توہین کی علامت مانتے ۔ آج کے اس اکیسویں کمپیوٹر کی صدی میں ، پوری دنیا جب گلوبل ویلج کی شکل اختیار کرچکی ہے ، ترقی یافتہ اور مہذب دنیا کے دور میں بھی ہمارے علاقہ ضلع میانوالی میں اللہ کو ایک ارب ماننے والی قوم اللہ کے ماننے سے انکاری ہے ۔ غیرتوں کے نام پر پھنے خان بننے والے لوگ آج بھی اپنی بچیوں کو اپنے ہی ہاتھوں ونی کے نام پر زندہ قتل کرنے سے باز نہیں آتے ۔ اباخیل کے علاقہ میں انسانیت کے منہ پر طمانچہ مارنے والے فیصلے سے ملک اور قوم کی بدنامی اور وقار بین الاقوامی سطح پر انتہائی مجروح ہوا ۔ مسٹر بیڈفورڈ ایک بہت بڑا تاجر تھا ۔ بیڈ فورڈ کی گاڑیاں اسی کے کارخانے میں تیار ہوتیں ، بڑی عیش کی زندگی گذارتا تھا ۔ عجیب مرض میں مبتلا ہوا ، ریڑھ کی ہڈی میں نقص پیدا ہوا اور بے چارہ باقی زندگی لیٹ کر گزارتا رہا ۔ کبھی اٹھ کر بیٹھنا اس کیلئے خواب بن گیا ۔ وقت کے ساتھ ساتھ ڈاکٹروں نے خوراک پر بھی پابندی لگادی ۔ اپنی آخری زندگی میں مسٹر بیڈ فورڈ کی خوراک ململ کے کپڑے میں ابلے ہوئے قیمت کا سوپ بطور خوراک تھی ۔ مسٹر بیڈ فورڈ کہا کرتا تھا کہ میری ساری دولت لے لو اور اسکے بدلے مجھے ڈبل روٹی کا ایک سلائس کھانے کی اجازت دیدو ۔ بیٹیاں اللہ کی رحمت اور بیٹا اللہ کا انعام ہے مگر ہم لوگوں نے بیٹی کو زحمت اور اپنے کو دشمنوں میں میٹریل کے طور پر استعمال کرنا سیکھا ہے ۔ ضلع میانوالی میں 1929 ء میں غازی علم دین شہید کی پھانسی علاقے کے لوگوں کی بے حسی پہ نوحہ کناں تھی کہ 1971 ء میں جنرل نیازی نے انڈیا کے لیفٹیننٹ جنرل جگجیت سنگھ اروڑہ کے آگے ہتھیار ڈال کر افواج پاکستان کی شکست ، ملک کی بدنامی اور میانوالی کی غیور عوام کیلئے تاریخی طعنے کے سبب بنے اباخیل کی اسٹوری نے ایک بچی ہوئی میانوالی کی غیرت کا جنازہ بھی نکال کر رکھ دیا ۔ آخر اس دھرتی میں پیدا ہونے والا سپوت اس کی ماں دھرتی سمجھتا ہے ۔ اس دھرتی نے قصور کیا کیا ہے کہ ہم اس کی عزت ناموس نیک نامی اور بہترین خوبصورت خصوصیات کو داغ داغ کرتے رہتے ہیں ۔ کیا ہم اس ماں دھرتی کا رزق نہیں کھاتے ؟ کیا ہم اس ماں دھرتی کی زمین پر نہیں رہتے ؟ کیا اس ماں دھرتی کی آب و ہوا نے ہمیں پالا پوسا نہیں ؟ اگر یہ سچ اور یقینا سچ ہے تو ہم نے اس کا کیا حق ادا کیا ؟ کیا یہ ماں دھرتی اور اس کا باحیا کلچر اس بات کی اجازت دیتا ہے کہ ہم وزیر خاتون اور تسلیم خاتون جیسی معصوم اور پاک دامن بہنوں کو ونی جیسی غلیظ اور ناپاک اور غیر اسلامی رسم کی نذر کرتے رہیں ۔ کیا یہاں کا نوجوان اتنا بے حس اور غیرت سے عاری ہے کہ اس جیسے گھناؤنے فیصلوں کو اپنی زندگیوں میں تسلیم کرتا رہے ۔ ہم نے ماں دھرتی اور بہنوں کو بین الاقوامی سطح پر بدنام کرکے کیا حاصل کیا ؟ ظلمتوں کے اندھیروں سے نجانے ہم کب نکلیں گے ۔ حالات و واقعات نے ہمیں کئی مواقع فراہم کئے مگر میانوالی کی قسمت کو بدلنے اور بدنما داغوں کو دھونے کے تمام مواقعوں کو ہم نے بڑی بیدردی سے ضائع کیا ۔ ہمیں ہماری ذمہ داریوں کا احساس نہیں ، علاقے اور عوام سے پیار نہیں ۔ غیرت اور دین سے نابلد افراد پر تاریخ رحم نہیں کھاتی ۔ واقعہ جتوئی میں گینگ ریپ کا فیصلہ ، اباخیل کی پنچایت کا 8 رشتوں کا ونی میں دینے کا فیصلہ ، سرحد کے علاقوں میں بچیوں کو بیچنا ، اندرون سندھ عورتوں کا استحصال ، سابقہ ادوار میں سر عام عورتوں کو برہنہ کرکے بازاروں میں گھمانا ، وینا حیات کیس ، تہمینہ درانی کے حالات زندگی کے علاوہ ملک کے طول و عرض میں رونما ہونے والے واقعات حکومت وقت کی آنکھیں کھولنے ، غلط روایتوں کی بیخ کنی کرنے کیلئے سخت قوانین کا مرتب کرنا ، آئندہ خفیہ ونی کے رشتوں کی ڈیل پر پابندی معاشرے کی راحت و سکون کا سبب بنیں گے ۔ جو قومیں اپنے ماضی سے سبق نہ لیں حال کو بہتر نہ کریں ، مستقبل کی تیاری نہ کریں ۔ انہیں تاریخ بدنام ، حال کمزور اور مستقبل ختم کردیتا ہے ۔

●●●●

کیریئر گائیڈنس

ڈاکٹر سلمان عابد

اندرون و بیرون ممالک روزگار پر مبنی ہوٹل مینجمنٹ کورسس

Hotel Management Courses

آج دنیا بھر میں ہوٹلوں کی صنعت کے فروغ سے ہر کوئی واقف ہے لیکن اس کے ساتھ ساتھ اس شعبے میں بہترین اور پر کشش ملازمتوں کے مواقع بھی بے حد وسیع ہیں۔ جن شعبوں میں انسانی وسائل کی بہت زیادہ ضرورت ہوتی ہے ان میں ہوٹل کا شعبہ بھی ایک اہم ترین شعبہ ہے۔ تازہ اعداد و شمار کے مطابق فی الحال 700 اسٹار ہوٹلوں کا مرتبہ رکھنے والے ہوٹلس میں 42,000 کمرے ہیں۔ جن ہوٹلوں کو کوئی درجہ نہیں دیا گیا ان میں 60,000 کمروں کی موجودگی کا اندازہ لگایا گیا ہے۔

ہندوستانیوں کو بیرون ممالک کی ہوٹلوں میں بھی ملازمت کے بہترین مواقع حاصل ہیں۔ امریکہ میں ہندوستانیوں کے جملہ 13000 ہوٹلس ہونے کے اعداد و شمار ملے ہیں۔ ان میں خصوصیت کے ساتھ ہندوستانیوں کی ملازمت کے وسیع مواقع حاصل ہیں۔ فی الحال ہمارے ملک میں ہوٹلوں میں اعلی درجوں پر کام کرنے کے لئے ہر سال 850 افراد کی ضرورت کا ٹورزم پر تشکیل کردہ نیشنل کمیٹی نے اپنی رپورٹ میں اظہار کیا ہے۔ اس کے علاوہ اس کمیٹی نے حکومت کو یہ بھی سفارش کی ہے کہ اس ضرورت کے پیش نظر یونیورسٹیوں میں ہوٹل مینجمنٹ میں پارٹ ٹائم کورسس رائج کئے جائیں۔

کورسس: ہوٹل مینجمنٹ کورسس کی مدت عام طور سے تین سال ہوتی ہے۔ کورس کی تکمیل کے بعد طالب علم کو ڈگری یا ڈپلوما حاصل ہوتا ہے۔ حکومت کے علاوہ بعض اہم اور ممتاز ہوٹل گروپس بھی بعض کورسس چلا رہے ہیں۔

National Council for Hotel Management and Catering Technology

(NCHMCT) کی جانب سے چلائے جانے والے تین سالہ ہوٹل مینجمنٹ اینڈ کیٹرنگ ٹکنالوجی ڈپلوما کورس ہندوستان کے ہوٹل مینجمنٹ کورسس میں شامل اہم ترین کورس ہے۔ حکومت ہند کی وزارت سیاحت نے NCHMCT کا قیام کیا ہے۔ اس کے تحت ملک بھر میں قائم 17

Institute of Hotel Management, Catering Technology and Applied Nutrition

اداروں میں یہ کورسس چلایا جارہا ہے۔ جن 17 شہروں میں یہ ادارے قائم ہیں ان کے نام ہیں احمد آباد، بنگلور، بھوپال، بھوبنیشور، بمبئی، کلکتہ، چندی گڑھ، دہلی، گوا، گرداس پور، گوالیار، حیدرآباد، جئے پور، لکھنو، مدراس، سرینگر اور تروانتاپورم۔

نیشنل کونسل فار ہوٹل مینجمنٹ اینڈ کیٹرنگ ٹکنالوجی میں تین سالہ ڈپلوما کورس میں داخلہ کے لئے جوائنٹ انٹرنس امتحان میں شرکت کے لئے عام طور سے فروری میں اعلامیہ کی اجرائی عمل میں لائی جاتی ہے۔

اس ٹسٹ میں شرکت کے لئے امیدوار انگریزی لازمی سبجیکٹ کے طور پر اکیڈیمک یا ووکیشنل اسٹریم میں 10+2 یا اس کے مماثل امتحان میں کامیاب ہو۔ امیدوار کی عمر 22 سال سے کم نہ ہو۔

امیدواروں کا انتخاب تحریری امتحان اور انٹرویو کی بنیاد پر کیا جاتا ہے۔ آندھرا پردیش میں حیدرآباد اور وشاکھاپٹنم تحریری امتحان کے مراکز ہوتے ہیں۔

امیدوار کو مقررہ فارم پر درخواست روانہ کرنا چاہئے۔ درخواست فارم کے ساتھ نیشنل کونسل فار ہوٹل مینجمنٹ اینڈ کیٹرنگ ٹکنالوجی کے نام پر دہلی میں قابل ادا رقم کے ڈی ڈی کے ساتھ روانہ کرنا چاہئے (ایس سی، ایس ٹی طلباء کے لئے رعایت ہے)۔ اس کے علاوہ ڈاک ٹکٹ لگا خود کا پتہ لکھا لفافہ اور ایک خود کا پتہ لکھا پوسٹ کارڈ بھی روانہ کرنا چاہئے۔ درخواست جس لفافے میں روانہ کی جائے اس کے اوپر سنٹر اور کورس کے زمرہ کا کوڈ لکھا ہونا چاہئے۔ مکمل کی ہوئی درخواستیں

Post Bag No. 281
Chanakyapuri PO
New Delhi 110021

کے پتے پر روانہ کی جانی چاہئے۔

اس انسٹی ٹیوٹ کے علاوہ بعض ممتاز ہوٹل گروپ نے بھی اپنے طور سے ہوٹل مینجمنٹ کورس متعارف کئے ہیں۔ جن کی اہمیت بھی مسلمہ ہے اور جو فوری طور سے ضامن روزگار ہیں۔

ہوٹل شعبہ میں اوبرائے، ویلکم، تاج گروپ آف ہوٹلس کو دنیا بھر میں اہم مقام حاصل ہے۔ جو ہوٹل مینجمنٹ کے ماہرین کی تعلیم و تربیت کا انتظام بھی کئے ہوئے ہیں۔

ہوٹل شعبہ میں انتظامی امور کے ماہرین کی تیاری کی ضرورت کا پہلے پہل اوبرائے گروپ نے احساس کیا۔ اور اس سلسلہ میں پہل کی۔

اس گروپ نے سب سے پہلے 1966 میں اسکول آف ہوٹل مینجمنٹ کا قیام کیا۔ جس میں تین سالہ ہوٹل مینجمنٹ پروگرام مروج ہے۔ پہلے دو برسوں میں تدریس ہوتی ہے اور تیسرے سال اوبرائے ہوٹل میں اسسٹنٹ مینجر کے طور پر کام دیا جاتا ہے۔ اس تربیتی مدت میں ماہانہ 4000 ـ 5000 روپئے دیا جاتا ہے۔

.... سلسلہ جاری ہے

کلیاتِ اقبال

نیا شوالہ

سچ کہہ دوں اے برہمن! گر تو برا نہ مانے — تیرے صنم کدوں کے بت ہو گئے پرانے
اپنوں سے بیر رکھنا تو نے بتوں سے سیکھا — جنگ و جدل سکھایا واعظ کو بھی خدا نے
تنگ آ کے میں نے آخر دیر و حرم کو چھوڑا — واعظ کا وعظ چھوڑا، چھوڑے ترے فسانے

پتھر کی مورتوں میں سمجھا ہے تو خدا ہے
خاکِ وطن کا مجھ کو ہر ذرّہ دیوتا ہے

آ، غیریت کے پردے اک بار پھر اٹھا دیں — بچھڑوں کو پھر ملا دیں نقشِ دوئی مٹا دیں
سونی پڑی ہوئی ہے مدت سے دل کی بستی — آ، اک نیا شوالہ اس دیس میں بنا دیں
دنیا کے تیرتھوں سے اونچا ہو اپنا تیرتھ — دامانِ آسماں سے اس کا کلس ملا دیں
ہر صبح اٹھ کے گائیں منتر وہ میٹھے میٹھے — سارے پجاریوں کو مے پیت کی پلا دیں

شکتی بھی شانتی بھی بھگتوں کے گیت میں ہے
دھرتی کے باسیوں کی مکتی پریت میں ہے

داغ

عظمتِ غالب ہے، اک مدت سے پیوندِ زمیں
مہدیِ مجروح ہے شہرِ خموشاں کا مکیں
توڑ ڈالی موت نے غربت میں مینائے امیر
چشمِ محفل میں ہے اب تک کیفِ صہبائے امیر
آج لیکن ہمنوا! سارا چمن ماتم میں ہے
شمعِ روشن بجھ گئی، بزمِ سخن ماتم میں ہے!
بلبلِ دلی نے باندھا اس چمن میں آشیاں
ہمنوا ہیں سب عنادل باغِ ہستی کے جہاں

چل بسا داغ آہ! میت اس کی زیبِ دوش ہے!
آخری شاعر جہان آباد کا خاموش ہے!

اب کہاں وہ بانکپن! وہ شوخیِ طرزِ بیاں!
آگ تھی کافورِ پیری میں جوانی کی نہاں
تھی زبانِ داغ پر جو آرزو ہر دل میں ہے
لیلیِ معنی وہاں بے پردہ، یاں محمل میں ہے
اب صبا سے کون پوچھے گا سکوتِ گل کا راز؟
کون سمجھے گا چمن میں نالۂ بلبل کا راز؟

تھی حقیقت سے نہ غفلت فکر کی پرواز میں
آنکھ طائر کی نشیمن پر رہی پرواز میں

اور دکھلائیں گے مضموں کی ہمیں باریکیاں
اپنے فکرِ نکتہ آرا کی فلک پیمائیاں
تلخیِ دوراں کے نقشے کھینچ کر رلوائیں گے
یا تخیل کی نئی دنیا ہمیں دکھلائیں گے

اس چمن میں ہوں گے پیدا بلبلِ شیراز بھی ۔۔۔ سینکڑوں ساحر بھی ہوں گے، صاحبِ اعجاز بھی

اٹھیں گے آزر ہزاروں شعر کے بت خانے سے ۔۔۔ مے پلائیں گے نئے ساقی نئے پیمانے سے

لکھی جائیں گی کتابِ دل کی تفسیریں بہت ۔۔۔ ہوں گی اے خوابِ جوانی! تیری تعبیریں بہت

ہوبہو کھینچے گا لیکن عشق کی تصویر کون؟

اٹھ گیا ناوک فگن، مارے گا دل پر تیر کون؟

اشک کے دانے زمینِ شعر میں بوتا ہوں میں ۔۔۔ تو بھی رو اے خاکِ دلی! داغ کو روتا ہوں میں

اے جہان آباد اے سرمایۂ بزمِ سخن! ۔۔۔ ہوگیا پھر آج پامالِ خزاں تیرا چمن!

وہ گلِ رنگیں ترا رخصت مثالِ بو ہوا ۔۔۔ آہ! خالی داغ سے کاشانۂ اردو ہوا

تھی نہ شاید کچھ کشش ایسی وطن کی خاک میں ۔۔۔ وہ مہِ کامل ہوا پنہاں دکن کی خاک میں

اٹھ گئے ساقی جو تھے، میخانہ خالی رہ گیا

یادگارِ بزمِ دھلی ایک حالی رہ گیا

آرزو کو خون رلواتی ہے بیدادِ اجل ۔۔۔ مارتا ہے تیر تاریکی میں صیادِ اجل

کھل نہیں سکتی شکایت کے لیے لیکن زباں ۔۔۔ ہے خزاں کا رنگ بھی وجہِ قیامِ گلستاں

ایک ہی قانونِ عالمگیر کے ہیں سب اثر

بوئے گل کا باغ سے، گلچیں کا دنیا سے سفر

ابر

اٹھی پھر آج وہ پورب سے کالی کالی گھٹا
سیاہ پوش ہوا پھر پہاڑ سربن کا

نہاں ہوا جو رخِ مہر زیرِ دامنِ ابر
ہوائے سرد بھی آئی سوارِ توسنِ ابر

گرج کا شور نہیں ہے، خموش ہے یہ گھٹا
عجیب میکدۂ بے خروش ہے یہ گھٹا

چمن میں حکمِ نشاطِ مدام لائی ہے
قبائے گل میں گہر ٹانکنے کو آئی ہے

جو پھول مہر کی گرمی سے سو چلے تھے، اٹھے
زمیں کی گود میں جو پڑ کے سو رہے تھے، اٹھے

ہوا کے زور سے ابھرا، بڑھا، اڑا بادل
اٹھی وہ اور گھٹا، لو! برس پڑا بادل

عجیب خیمہ ہے کہسار کے نہالوں کا
یہیں قیام ہو وادی میں پھرنے والوں کا

سید محمد حسین محسن حیدر آبادی

"اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد" ...... جگر مراد آبادی

زمین، سورج کے اطراف گھومنے والے نو سیاروں میں سے ایک ہے۔ یہ تیسرے نمبر پر ہے۔ کچھ سیاروں کے چاند ہیں اور کچھ کے نہیں ہیں۔ زمین کا ایک ہی چاند ہے۔ یہ نظام شمسی جس کا مرکز سورج ہے اس ہوش ربا کہکشاں کا ایک حقیر ذرہ ہے جسکے مرغولہ نما شکل کا قطر ایک لاکھ نوری سال ہے۔ یہ کہکشاں ایک محیر العقل عظیم الشان کہکشانی نظام کا ایک چھوٹا سا حصہ ہے اور یہ کہکشانی نظام اس قدر وسیع ہے کہ انسان کیلئے اس کا تصور نا ممکن ہے۔ اس نظام کی ہر کہکشاں ایک دوسرے سے دور ہٹتی جا رہی ہے۔ ایسا دس ارب سال سے ہوتا آرہا ہے اور مزید 30 ارب سال تک ہوتا رہے گا۔

انسان زمین پر رہنے والی ایک مخلوق ہے۔ اس طرح کائنات کا تصور کرنے کے بعد انسانی زندگی کو اگر خالص مادی نقطہ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ہستی بالکل موہوم اور بے معنی نظر آتی ہے۔ حیاتیات کی رو سے بھی زندگی کا ارتقاء نامعلوم سمت کی طرف ہے اور زندگی کے اسباب و نتائج بھی لایعنی ہیں۔ روئے زمین پر نباتات اور حیوانات پیدا ہو رہے ہیں اور فنا ہو رہے ہیں۔ انسان کی بھی یہی کیفیت ہے لیکن فرق یہ ہے کہ انسان ایک صاحب عقل مخلوق ہے وہ صاحب تمیز ہے اس لئے وہ اپنی جبلتوں پر نقصان دہ ہونے کی صورت میں قابو پا سکتا ہے۔ اسکی فطرت میں ایک اور کیفیت ہے جسکو عشق کہا جاتا ہے۔ عشق وہ جذبہ ہے جو اپنے سے برتر ہستی کا قرب چاہتا ہے بلکہ اس میں سما جانا چاہتا ہے۔ یہ جذبہ بے مقصد زندگی کو با مقصد بناتا ہے اور یہ حقیر مخلوق کائنات میں سما جانا چاہتی ہے۔ یہ آفاق سے آفاق تک پھیل سکتی ہے۔ یہ مطلب عشق حقیقی اور عشق مجازی یا دونوں کو ملا کر حاصل کیا جا سکتا ہے۔ اس لئے یہ جذبہ انسان کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے کہ وہ اپنے کو حقیر نہ سمجھے، نشہ عشق میں سرشار رہے اور کسی نہ کسی برتر ہستی کی خوشیوں سے خود کو وابستہ رکھے اور کھوکھلے تصورات کی خوفناک وادیوں میں نہ بھٹکتا پھرے۔ وہ روحانیات کے پیام بر ہوں یا اولیائے کرام اور صوفیائے عظام سب نے اس جذبہ کو ابھار کر افکار دنیا کی ہولناکیوں سے نجات پانے کی راہ دکھائی ہے۔ چونکہ عشق ایک برتر ہستی سے کیا جاتا ہے اس لئے اس کو پانے میں بے حد دشواریاں حائل ہو جاتی ہیں۔ ان دشواریوں پر قابو پانے کیلئے قربانیاں دینی پڑتی ہیں۔ یہی قربانیاں اندوہ و غم پیدا کرتی ہیں جس کو انسان خوشی خوشی برداشت کرلیتا ہے کیونکہ اس کا مقصد محبوب سے وصال ہوتا ہے۔ محبوب سے وصال گویا اس کی زندگی کا حاصل ٹھہرا۔

ہمارے اردو شاعروں نے جہاں دنیائے فکر و خیال کے بڑے بڑے معرکے سر کئے ہیں اور غزل کی ایک ایک بیت میں فلسفہ کے دفاتر کھول دیئے ہیں، جذبات اور محسوسات کے طوفان اٹھائے ہیں اس میں بڑا حصہ عشق اور داستان عشق کے بیان پر مشتمل ہے۔ غزل کے شاعروں کا کارواں جب بیسویں صدی کی وادی میں داخل ہوا تو غزل کے اس سفر میں جگر مراد آبادی کی جادو بیانیاں اور زمزمہ سنجیاں اس منزل پر پہنچیں جہاں غزل کی صدیوں پرانی خوبصورت روایات کا ایک گلشن کھلا ہوا تھا۔ ان کی غزلوں کی چہکار سے تقریباً تین دہوں تک سارا ہندوستان گونجتا رہا۔ 1960ء تک یہ حالت تھی کہ وہ مشاعرہ مشاعرہ ہی نہ ہوتا تھا جس میں حضرت جگر مراد آبادی نہ شریک ہوں۔

بزم مشاعرہ ہے یا گلشن تخیل
بلبل چہک رہا ہے یا حضرت جگر ہیں

جگر کے حالات زندگی بیان کرنے سے پہلے ہم اس بات کی وضاحت کردینا چاہتے ہیں کہ جگر ایک رند مشرب آدمی تھے اور ان کی زندگی شباب و شراب سے معمور تھی۔ ان کی شوریدہ سری اور نا آسودگی آخر عمر تک ختم نہ ہوئی۔ جب تائب ہوئے تو آفتاب حیات مغربی افق تک پہنچ چکا تھا۔ وہ کیا سوچتے رہے اور ان کو کس چیز کی تلاش تھی کہ ایک عالم بے خودی میں بھٹکتے بھٹکتے زندگی گزار دی۔ غالباً وہ داستان غم ہستی کو مکمل کرنا چاہتے تھے اور اس تمنائے تکمیل میں انہوں نے عشق کا کوئی عنوان ہاتھ سے نہیں جانے دیا۔ ان کی شاعری غزل ہی تک محدود رہی اور چوں کہ حسن و عشق ہی ان کی زندگی تھی اس لئے بعض استثنائی صورتوں کو چھوڑ کر غزل کے علاوہ کسی میدان میں قدم نہیں جمایا۔ کلام اور اس کے ارتقاء پر غور کرنے سے ایسا لگتا ہے کہ ان کی زندگی اور شاعری ساتھ ساتھ چلے ہیں۔ جو انہوں نے محسوس کیا وہی غزل کے اشعار بن بن کر ظاہر ہوتا رہا۔ سرمستی اور سرشاری کا تاثر اور دلفگاری ہر مصرعے کی جان ہے۔

جگر کا پورا نام علی سکندر تھا۔ ان کے اجداد مغلیہ دور میں دہلی میں مقیم تھے۔ ان کے مورث اعلیٰ مولوی محمد سمیع شاہ جہاں بادشاہ کے اتالیق تھے۔ بدقسمتی سے ان پر عتاب شاہی نازل ہوا تو وہ دہلی کی سکونت ترک کرکے مراد آباد آگئے اور وہیں کے ہو رہے۔ یہ ایک علم دوست خاندان تھا۔ علم کے اکتساب و تعلیم کا سلسلہ نسل در نسل جاری رہا۔ جگر کے والد مولوی علی نظر صاحب خود ایک صاحب دیوان شاعر تھے جو لکھنو کے ایک برگزیدہ شاعر خواجہ محمد وزیر کے شاگرد تھے۔

خواجہ وزیر کا کلام لکھنؤ کی شگفتہ اردو میں زبان و بیان کی روانی اور شوخی کی ایک مثال تھا۔ ان کا مشہور شعر:

ترچھی نظروں سے نہ دیکھو عاشق دلگیر کو
کیسے تیر انداز ہو سیدھا تو کر لو تیر کو

محاورۃ استعمال ہوتا ہے۔ یہی رنگ شاعری جگر تک منتقل ہوا۔

جگر 6 اپریل 1890ء کو بنارس میں پیدا ہوئے۔ یہ ابھی چھ ماہ ہی کے تھے کہ ان کے والد مولوی علی نظران کو لیکر مراد آباد چلے آئے۔ جگر کا بچپن یہیں گزرا۔ ان کی عمر 15 سال کی تھی جب ان کے والد کا انتقال ہو گیا۔ گھر پر ہی جو تعلیم انہوں نے حاصل کی تھی وہ ناکافی تھی اس لئے مزید تعلیم حاصل کرنے کے سلسلے میں وہ اپنے چچا علی ظفر کے ساتھ پہلے کچھ دن باندہ میں رہے پھر ان ہی کے ہمراہ لکھنؤ چلے آئے۔ نصابی تعلیم زیادہ نہیں حاصل کر سکے لیکن لکھنؤ کے علمی ماحول اور ادبی جلسوں کے فیض سے استفادہ کیا۔ شعر و ادب کی خوبیاں گھر کے ماحول میں موجو تھیں اس لئے اوائل عمر ہی سے جگر کی طبیعت شاعری کی طرف مائل ہو گئی تھی۔ ان کی عمر ابھی 13-14 برس ہی کی تھی کہ غزلیں کہنا شروع کر دی تھیں۔ کہا جاتا ہے کہ ابتداء میں وہ حضرت داغ اور پھر رسا رامپوری سے اصلاح لیتے تھے۔ رنگ کلام اور آہنگ کلام سے ظاہر ہوتا ہے کہ انہوں نے کسی کا اتباع نہیں کیا ہے بلکہ سہل ممتنع میں بلیغ اشعار کی آمد کا غیر مختتم سلسلہ خود ان کا اپنا رنگ ہے۔

جب روزگار کا معاملہ درپیش ہوا تو وہ آگرہ چلے آئے اور عینکوں کی تجارت کا کام شروع کیا اور اس سلسلے میں شہروں شہروں گھومتے رہتے تھے لیکن مستقر آگرہ ہی رہا۔ یہ ان کے شباب کا زمانہ تھا اور آگرہ میں حسن کی کمی نہیں تھی مواقع بھی موجود تھے۔ یہیں وحیدن نام کی ایک خاتون سے تعلق خاطر ہو گیا۔ پھر اسی سے شادی بھی رچالی۔ اپنی محبوبہ سے رشتہ ازدواج میں بندھ جانے کے بعد بھی ان کی تشفی نہ ہوئی اور وہ اپنے دل بے تاب کی دھڑکنیں جگہ جگہ سناتے رہے۔ جگر کا قیام ایک عرصہ تک مین پوری میں بھی رہا۔ وہاں بھی ان کی نظر بازیاں جاری رہیں۔ وہاں شیرازن نام کی رقاصہ بہت خوبصورت تھی۔ اسکے حسن پر جگر فریفتہ ہو گئے۔ انہی کے لفظوں میں کہ وہ ہجوم تجلی سے اتنے معمور ہوئے کہ نظر شعلہ طور بن گئی۔ لن ترانی کا بھی پردہ باقی نہ رہا۔ جب وہ گونڈہ پہنچے تو جناب اصغر گونڈوی کی خواہر نسبتی نسیم سے آنکھیں لڑانے لگے۔ بات اتنی بڑھی کہ انہوں نے نسیم سے شادی کر لی۔ وحیدن کا انتقال ہو چکا تھا اسلئے کوئی مزاحمت بھی نہ ہوئی۔ ہر چند ان کی نجی زندگی سے ہمیں زیادہ تعلق نہیں رکھنا چاہئے لیکن جگر کے معاملے میں اسکی خاص اہمیت ہے کہ ان کی شاعری ہی دراصل ان کے محسوسات کا عکس ہے۔ ان کی داخلی اور خارجی زندگی میں کوئی تضاد نہیں ہے یہی وجہ ہے کہ ان کی شاعری تغزل سے بھرپور ہے۔ کہیں نہ تو نقالی پائی جاتی ہے اور نہ مشاق استاد بننے کی ہوس ہے۔ جو تصویر انہوں نے عشق کی کھینچی ہے اس میں عشق ذلیل اور رسوا کن صورت میں نہیں ہے بلکہ حسن اور عشق کو ان کے حقیقی تاثرات اور واردات کو صحیح صحیح شاعرانہ انداز بیان کے ساتھ نمایاں کیا ہے۔ ان کے کلام سے جھلکتا ہے کہ زندگی گوناگوں انقلابات اور تغیرات کا مجموعہ ہے۔ مصائب اور آلام کی آمیزش نے اس کو کچھ کا کچھ بنا دیا پھر بھی مسرت کی طرح غم بھی فطرت کا عطیہ ہے۔ حالانکہ جگر کی شاعری میں درد کا عنصر بہت کم ہے لیکن ان کے جذبات بھرے اشعار کا جائزہ لینے پر محسوس ہوتا ہے کہ ایک بہت نازک سی درد کی موج اور ایک سوز کی ہلکی سی لہر ضرور موجود ہے۔ جگر کا دل محبت کا متوالا رہا اور عشق حقیقی کا متلاشی۔ وہ مجاز کی راہ سے حقیقت کی منزل تک اور صنم خانے کی راہ سے کعبہ کی شاہراہ تک اور خم خانہ کے بادہ کیف آگیں سے خود فراموش ہو کر شاید ساقی کوثر تک پہنچنا چاہتے تھے۔ بظاہر وہ سرمست و سرشار تھے لیکن اصل میں وہ بیدار تھے۔ یہ عرفان ذات کی ایک عجیب و غریب منزل ہے۔ ان کی غزلوں کے خوبصورت اشعار ڈھونڈنے میں مجھے ہی نہیں سب کو تامل ہوگا اس لئے کہ ہر شعر حسین ہے:

بھول جاتا ہوں سب ستم اس کے
وہ کچھ اس سادگی سے ملتا ہے
تیرا ملنا ، ترا نہیں ملنا
اور جنت ہے کیا جہنم کیا
اک لفظ محبت کا ادنیٰ یہ فسانہ ہے
سمٹے تو دل عاشق پھیلے تو زمانہ ہے
کیا عشق نے سمجھا ہے کیا حسن نے جانا ہے
ہم خاک نشینوں کی ٹھوکر میں زمانہ ہے
یہ عشق نہیں آساں بس اتنا سمجھ لیجے
اک آگ کا دریا ہے اور ڈوب کے جانا ہے
اللہ ری چشم یار کی معجز نمائیاں
ہر اک کو یہ گماں ہے مخاطب ہمیں رہے
اپنے حدود سے نہ بڑھے کوئی عشق میں
جو ذرہ جس جگہ ہے وہیں آفتاب ہے
ہر جلوہ ہے بجائے خود اک دعوت نگاہ
کیا کیجئے جو تیری تمنا نہ کیجئے
ہمیں جب نہ ہوں گے تو کیا رنگ محفل
کسے دیکھ کر آپ شرمایئے گا ؟
آکہ تجھ بن اس طرح اے دوست گھبراتا ہوں میں
جیسے ہر شے میں کسی شئے کی کمی پاتا ہوں میں
ان کے بہلائے بھی نہ بہلا دل
رائیگاں سعی التفات گئی
مدت ہوئی اک حادثہ عشق کو گزرے
اب تک ہے ترے دل کے دھڑکنے کی صدا یاد
کس کا خیال کون سی منزل نظر میں ہے
صدیاں گزر گئیں کہ زمانہ سفر میں ہے
اگر نہ زہرہ جبینوں کے درمیاں گزرے
تو پھر یہ کیسے کٹے زندگی کہاں گزرے
وہ یوں دل سے گزرتے ہیں کہ آہٹ تک نہیں ہوتی
وہ یوں آواز دیتے ہیں کہ پہچانی نہیں جاتی

جگر کو شہنشاہ متغزلین کہا جاتا ہے۔ شاعر فطرت اور شاعر محبت کے نام سے بھی یاد کیا جاتا ہے۔ ان کو زندگی میں ہی جو قبولیت عام حاصل ہوئی تھی وہ بہت کم شاعروں کے حصے میں آئی ہے۔ علی گڑھ مسلم یونیورسٹی نے ڈاکٹریٹ کی اعزازی ڈگری عطا کرکے ان کی علمی اور ادبی خدمات کا اعتراف کیا۔ ساہتیہ اکیڈیمی نے 5 ہزار روپیہ انعام اور توصیفی سند دی تھی اور ریاستی حکومت کی طرف سے وظیفہ بھی تھا۔

جگر کی شاعری کبھی جمود کا شکار اس لئے نہیں ہوئی کہ وہ محسوسات کی ترجمان رہی ہے۔ زمانے کے حالات اور انسانیت کو جھنجھوڑ دینے والے دنیا کے واقعات سے بھی بے خبر نہیں رہے۔ "قحط بنگال" پر ایک دلدوز نظم کہی۔

انسان کے ہوتے ہوئے انسان کا یہ حشر
دیکھا نہیں جاتا ہے مگر دیکھ رہا ہوں

آزادی کے بعد جو ملکی حالات درپیش ہوئے ان سے ہر ایک پریشان تھا۔ عصری حسیت ان میں موجود تھی "آجکل" ایک طویل نظم کہی ہے جس میں انہوں نے اپنے خیالات کا اس طرح اظہار کیا ہے۔

فکر جمیل خواب پریشاں ہے آج کل
شاعر نہیں ہے وہ ، جو غزلخواں ہے آجکل
سازحیات ، ساز شکستہ ہے ان دنوں
بزم خیال جنس ویراں ہے آجکل
وہ قومیت کہ جس سے ہے انسانیت ذلیل
ہندوستاں میں کس قدر ارزاں ہے آجکل

جگر کو غالب سے بے حد عقیدت تھی۔ ان کی ایک نظم "نذر غالب" مترنم بحر میں ہے۔ غالب کو مخاطب کر کے کہتے ہیں:

تو نے اسے گنجائش کونین عطا کی
ہر چند بہت تھا ابھی دامان غزل تنگ
لاریب کہ اس بات سے واقف تھی تری ذات
افسانہ ہمہ رنگ و حقیقت ہمہ بے رنگ
الحق کہ تری وسعت تخیل کے آگے
صحرا کف خاکستر و گلشن قفس رنگ

انہوں نے سیاست سے کبھی اپنا دامن آلودہ نہ ہونے دیا اور ہمیشہ دنیا کو محبت کا پیام دیتے رہے۔

ان کا جو کام ہے وہ اہل سیاست جانیں
میرا پیغام محبت ہے جہاں تک پہنچے

آخر عمر میں یعنی 1954ء میں تائب ہو کر حج بیت اللہ کا شرف حاصل کیا۔ ان کی آخری غزل جو انہوں نے بستر بیماری سے سنائی تھی انکی ڈوبتی آواز میں ریکارڈ کی گئی جو بعد کو لکھنؤ کے آل انڈیا ریڈیو مشاعرہ کے اختتام پر حاضرین کو سنائی گئی۔ اس یادگار مشاعرہ میں جگر صاحب کی عدم موجودگی میں ان کی آواز سن کر ہر شخص آبدیدہ ہو گیا تھا۔ انہوں نے 70 برس کی طویل عمر پائی۔ 9 ستمبر 1960ء کو عشق کی ساری منزلیں طے کر کے محبوب حقیقی سے جا ملے۔

جان ہی دیدی جگر نے آج پائے یار پر
عمر بھر کی بے قراری کو قرار آ ہی گیا

حضرت اصغر گونڈوی سے ارادت ہو گئی تھی اس لئے گونڈہ ہی میں ان کی تدفین ہوئی۔ ان کے کلام کے تین مجموعے داغ جگر، شعلہ طور اور آتش گل (انعام یافتہ ساہتیہ اکاڈمی) شائع ہوئے ہیں۔ جگر کی آواز میں ایک درد تھا اور اشعار پڑھنے کا ایک خاص ترنم تھا جو دل کو تڑپا دیتا تھا۔ آخری غزل کا مطلع حقیقت پر مبنی ہے:

جان کر منجملہ خاصان میخانہ مجھے
مدتوں رویا کریں گے جام و پیمانہ مجھے

جگر کی تصویر جناب افتخار انصاری صاحب کے ذخیرہ کتب سے لی ہے۔ ان کا رنگ سیاہ تھا۔ بڑے بڑے بال پریشان رہتے تھے۔ ایرانی وضع کی ٹوپی ٹیڑھی ترچھی لگائے رہتے تھے۔ تصویر بلیک اینڈ وہائیٹ ہاف ٹون میں تھی۔ اس کو رنگین بنا کر پیش کیا جا رہا ہے۔

جاوید علوی

ٹیلی فون اور موبائل کا عام استعمال

پیغام رسانی کا موثر ترین ذریعہ ٹیلی فون ہے جو نت نئی اور جدید اشکال میں دستیاب ہے۔ کبھی یہ سہولت اتنی عام نہیں ہوا کرتی تھی۔ اہم دفاتر اور کسی کسی گھر میں ٹیلی فون ہوا کرتا تھا۔ گھر پر فون ہونا بڑے فخر کی بات سمجھی جاتی تھی، یہاں تک کہ اس گھر کی عام شناخت "ٹیلیفون والا گھر" تھی۔ پبلک کال آفس نہیں تھے۔ فون بوتھ بھی اہم جگہوں پر کہیں کہیں نصب تھے جہاں سکہ ڈال کر بات کرلی جاتی تھی۔ سنٹرل ٹیلی فون ایکسچینج میں اندرون و بیرون ملک فون کرنے والوں کا رش لگا رہتا تھا۔ گلی محلے میں یہ سہولت موجود نہ تھی۔ اب ہر محلے میں دو سے زیادہ پی سی اوز ہیں اور تقریباً ہر دوسرے گھر میں ٹیلی فون موجود ہے۔ موبائل فون عام دیکھنے میں آتا ہے۔ کار سوار سے لے کر پیدل شخص تک کے پاس یہ سہولت موجود ہے کہ وہ کسی بھی وقت بغیر کسی زحمت کے فون کال سن سکے یا کسی سے بات کرسکے۔ یہ سہولت عام ہونے سے لوگوں کے بہت سے مسائل حل ہوگئے ہیں۔ ایک ہی شہر میں رہنے والے عزیز رشتہ داروں کے ہاں جانے کے اخراجات اور وقت کی بچت ہوجاتی ہے، پانچ چھ روپے میں خیریت معلوم ہوجاتی ہے۔ دوسرے شہر یا بیرون ملک بھی فون کرنا اتنا آسان کبھی نہ تھا۔ لوگ چلتے پھرتے فون پر بات کرلیتے ہیں۔ جن لوگوں کے پاس ٹیلی فون کی سہولت نہیں وہ بآسانی قریبی پی سی او سے فون کرلیتے ہیں۔ ہر دوسرے گھر میں فون کی سہولت موجود ہونے کے باعث باہر سے آنے والی کال سن لیتے ہیں یا پیغام مل جاتا ہے۔ ٹیلیفون پر بات کرنے والوں کی تصویر بھی نظر آتی ہے تاہم یہ سہولت ابھی عام نہیں ہوئی۔ وہ دن بھی آئے گا کہ فون کرنے یا سننے والا اپنے مخاطب کے چہرے کے تاثرات بھی دیکھ سکے گا اور ہزاروں میل کے فاصلے سمٹ کر اس چھوٹے سے آلے میں سما جائیں گے۔

ٹیلیفون کی سہولت عام ہونے کے باوجود ہم اسکا صحیح استعمال نہیں کرپائے۔ ضروری تربیت نہ ہونے کی وجہ سے ہمارا عوامی مزاج کچھ ایسا ہے کہ اخلاقی اقدار ہو یا قوانین کی کچھ زیادہ پرواہ نہیں کرتے۔ "نو پارکنگ" والے بورڈ کے قریب گاڑی پارک کرنا، ٹریفک کی سرخ بتی کی پرواہ نہ کرتے ہوئے نکل جانا، ڈسٹ بن استعمال نہ کرنا، گھاس پر چلنا، پھول توڑنا، جگہ جگہ تھوکنا وغیرہ ہمیں زیادہ برا محسوس نہیں ہوتا۔ اسی طرح ہم ٹیلیفون کا بھی غیر اخلاقی استعمال کرتے رہتے ہیں۔ لوگوں کے گھروں میں فون کرکے خواتین سے فحش گفتگو کی کوشش کرنے یا پھر رات گئے فون کرکے دوسروں کی نیند غارت کرنے کی روش عام ہوئی تو سی ایل آئی نام کا آلہ فون سے منسلک کرنا پڑا تاکہ فون کرنے والے کا نمبر معلوم ہوسکے۔ یار لوگوں نے اس کا توڑ بھی نکال لیا اور پی سی او سے فون کرنے لگے تاکہ نمبر معلوم بھی ہوجائے تو فون کرنے والے کے بارے میں پتہ نہ چل سکے۔ حالت یہ ہوگئی ہے کہ فون اب سی ایل آئی کے بغیر بے کار سمجھا جانے لگا ہے۔

وقت بے وقت فون کرنے کی عادت بھی عام ہے، سہ پہر کے وقت جب لوگ آرام کررہے ہوتے ہیں تو فون کی گھنٹی بھونپو کی طرح بجتی محسوس ہوتی ہے۔ فون کرنے والے کی بات بھی اہم نوعیت کی نہیں ہوتی۔ یہی بات شام کے وقت بھی کی جاسکتی ہے۔ بعض اوقات رات گئے فون آجاتا ہے اور خیریت دریافت کی جاتی ہے۔ رات کے 2 بجے کسی کو فون کرکے جگادیا جاتا ہے اور "سوری رانگ نمبر" کہہ کر دوسرے کی نیند غارت کردی جاتی ہے، جس طرح اور معاملات میں ہم اخلاقی ضوابط کی کچھ زیادہ پروا نہیں کرتے اسی طرح فون کرتے وقت یہ نہیں سوچتے کہ فون کی گھنٹی دوسری جانب کتنی پریشان کن ہوسکتی ہے۔ فون کرنے والے کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ اگر کسی کا عزیز ہسپتال میں ہے اور اسکی حالت ٹھیک نہیں، فون کی گھنٹی بجنے سے فون سننے تک، کسی بری خبر کے خیال سے اسکا دل دہل جائے گا یا کمزور دل والوں کا

کیا حشر ہوگا ۔ صبح کے وقت کام پر جانے کی جلدی ہوتی ہے ۔ غسل خانے میں فون کی گھنٹی کی آواز آتی ہے تو جیسے تیسے فون کی طرف لپکنا پڑتا ہے ،کیا معلوم کس کا فون ہے اور کیسی خبر ہے ۔ رسمی فون کرنے کیلئے مناسب وقت کا خیال نہیں رکھا جاتا اور معمول کی کال کو ایمرجنسی کال بنادیا جاتا ہے ۔ موبائل فون شروع شروع میں کاروباری حضرات نے ضرورت کے تحت خریدے تھے تاکہ دوران سفر بھی اپنے معاملات کے نگرانی کرسکیں یا کاروباری اتار چڑھاؤ سے آگاہ کیا جاسکے ۔بعد میں یہ خوشحالی کی علامت سمجھے جانے لگے اور ہاتھ میں موبائل فون رکھنا فیشن سا بن گیا ۔ موبائل فون سے یا فون پر کام کرنا فریقین کو مہنگا پڑتا ہے اس لئے یہ بہت کم یا اہم ضرورت کے تحت کام آتا ہے ، آہستہ آہستہ لوگوں نے موبائل فون ہاتھ میں رکھنے کا فیشن ترک کردیا ۔ بڑے لوگوں نے اپنے سیٹ سکریٹری یا گارڈ کو تھمادئے اور اشارے سے فون کرنے والے کے بارے میں پوچھ کر بات کرنے یا نہ کرنے کا فیصلہ کرنے لگے ۔ موبائل فون پر دوسری جانب کا نمبر نمودار ہونے لگا تو مزید آسانی ہوگئی ۔ موبائل فون نہ ہونا کم مائیگی کی علامت سمجھا جاتا ہے ۔ یہ سہولت بھی اب عام ہے ۔ لوگ تنگی ترشی کے باوجود موبائل فون کا بل کسی نہ کسی طرح ادا کردیتے ہیں مگر اس سے دستبردار ہونے کو تیار نہیں ۔ ڈرائیونگ کرتے وقت موبائل فون کے استعمال سے بہت سے حادثات رونما ہوچکے ہیں۔ دھیان بٹ جانے سے جانی اور مالی نقصان ہوتا ہے ۔

ٹیلیفون کا غلط یا بے جا استعمال کرنے والے یہ نہیں سوچتے کہ اس لائن پر کوئی دوسرا بھی بات کرنے کی کوشش کررہا ہوگا ، ہوسکتا ہے کہ وہ بات زیادہ اہم ہو ۔ خواتین عام طور پر ٹیلیفون پر لمبے دورانیہ کی بات کرتی ہیں۔ موضوع فیشن ، کچن یا شکوے شکایت ہوتا ہے ۔ پی سی او پر فون کرنے والے چار شخص موجود ہیں جبکہ ایک شخص بات کو خواہ مخواہ طول دے رہا ہے ۔ دوسری جانب سے بات کے تسلسل کا اشارہ نہیں ملتا تو " پھر اور کیا حال ہے ... " " اور پھر " وغیرہ کہہ کر بات جاری رکھی جارہی ہے اور تین افراد اپنی باری کے انتظار میں کھڑے کڑھ رہے ہیں ۔ اس معاملے میں خواتین مردوں سے خاصی آگے ہیں۔ اگر پی سی او کا مالک بات مختصر کرنے کا اشارہ دے تو وہ ہاتھ کے اشارے میں کال کے مزید پیسے پر آمادگی ظاہر کرکے ناگواری کا اظہار کرتی ہیں ۔ ٹیلیفون دراصل کام کی بات کرنے کیلئے ہوتا ہے اور یہ کام کی بات تین یا چھ منٹ میں بآسانی ہوسکتی ہے ۔ کچھ لوگ فون کرنے یا سننے کے آداب سے واقف نہیں ہوتے ۔ فون کرنے والا دوسرے کا نام پوچھتا ہے جبکہ اپنا تعارف کرواکر بات کرنی چاہئے ۔ بعض لوگ فون اٹھا کر مطلوبہ شخص کو مخاطب کئے بغیر بات شروع کردیتے ہیں ۔ آدھی بات کرلینے کے بعد دوسری جانب سے توجہ دلائی جاتی ہے کہ وہ کسی اور شخص سے مخاطب ہیں تو فورا کہہ دیتے ہیں " آپ نے بتایا کیوں نہیں کہ آپ کون ہیں ؟ میں تو فلاں شخص سے بات کررہا تھا " ۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ فون اٹھانے والے سے کسی شخص کے بارے میں پوچھا جاتا ہے ، وہ شخص موجود نہ ہو تو مزید معلومات کچھ اس طرح حاصل کرنے کی کوشش کی جاتی ہے " فلاں صاحب کب آئیں گے ؟ ... کہاں گئے ہیں ؟ ... کیوں گئے ہیں ؟ ... اس وقت تو کہیں نہیں جایا کرتے " وغیرہ۔ فون کرنے والے کا یہ انداز زچ کرکے رکھ دیتا ہے ۔ اگر فون پر مطلوبہ شخص کے نام پیغام دیدیا جائے تو فون سننے والا اپنی اخلاقی ذمہ داری زیادہ خوشدلی سے ادا کرے گا جبکہ پہلی صورت میں ضروری نہیں کہ پیغام اپنی اصل روح کے ساتھ پہنچایا جائے ۔

ٹیلیفون کی سہولت کا غلط استعمال کرنے والے اپنے اس فعل کو کچھ زیادہ برا نہیں جانتے ۔ خواتین اکثر اوقات اپنے کسی چھوٹے بچے کو فون اٹھانے کو کہہ دیتی ہیں یا بچے کو از خود یہ عادت ہوجاتی ہے ۔ کسی بڑے کو بلانے کیلئے کہا جائے تو ضروری نہیں کہ فورا عمل ہوجائے ۔ بچہ اپنے طور پر بھی کئی سوال کرڈالتا ہے ۔ خواتین خود بھی فون کرنے والے عزیز سے فرمائش کردیتی ہیں کہ فلاں بچے سے بات کرلیجئے ۔ اب بچے کی مرضی ہے کہ وہ کب فون فارغ کرتا ہے ۔ ٹیلیفون کی لائن غیر ضروری طور پر مصروف رکھنا غیر اخلاقی حرکت ہے ۔ اس طرح کسی اہم واقعہ یا حادثہ کی اطلاع میں تاخیر ہوسکتی ہے ۔ سہولت کو زحمت بنانا کہاں کی عقلمندی ہے ؟

لوگ اپریل فول جیسی خرافات کے لئے ٹیلیفون ہی کو موثر ذریعہ سمجھتے ہیں اور بیٹھے بٹھائے دوسروں کو اذیت میں بتلا کردیتے ہیں ۔ سی ایل آئی اگر کارآمد آلہ ہے مگر کس کے پاس اتنا وقت ہے کہ فون کرنے والے کو تلاش کرتا پھرے ۔ فضول باتوں کے حوالے سے دوسری جانب سے یہ کہہ کر بھی معافی طلب کی جاسکتی ہے کہ اس کا فون کسی اور شخص نے استعمال کرڈالا ہوگا ۔ بعض گمنام کالیں ایسی بھی ہوتی ہیں جن میں مخالف کو جان سے ماردینے کی دھمکی ہوتی ہے یا کوئی ایسی بات جسے سن کر ویسے ہی جان پر بن جائے ۔ اس طرح کے کالوں کا پیچھا کرنے کا بھی کوئی فائدہ نہیں سوائے اس کے کہ مزید پریشانی مول لی جائے ۔ ٹیلیفون کے غلط استعمال سے عاجز آکر بہت سے شرفاء نے سی ایل آئی جیسا آلہ لگوالیا ہے اور نمبر کی پہچان کرکے رسیور اٹھاتے ہیں ، گویا اس سہولت کا مزید فائدہ بھی نقصان کے توڑ کے طور پر ہے ۔

لوگوں کو یہ بھی کہتے سنا ہے کہ گھر پر فون بھی ایک طرح کا عذاب ہے ، لاکھ فائدہ سہی مگر لوگ وقت بے وقت پریشان کرتے رہتے ہیں ۔ لوگ نہ بھی پریشان کریں تو گھر کے لوگ بھی لمبے دورانیے کا فون کرتے رہتے ہیں اور بھاری مالیت کا بل بھرنا مشکل ہوجاتا ہے ۔ طلباء و طالبات اپنے ہم جماعتوں سے گھنٹہ بھر تک گفتگو کرتے رہتے ہیں۔ گھر والے منع کریں تو جواب یہی ہوتا ہے کہ تعلیمی نصاب کے حوالے سے بات ہورہی ہے ۔ کوئی مضمون ایسا ہے جو سمجھ میں نہیں آسکا ۔ اس بارے میں " ہوم ورک " کرنا ہے وغیرہ وغیرہ۔ فون کا بھاری بل آتے ہی گھر میں اچھا خاصا جھگڑا ہوجاتا ہے ۔ اہل خانہ ایک دوسرے پر الزام دھرتے ہیں اور اچھا بھلا ماحول خراب ہوجاتا ہے ۔ دفاتر اور کاروباری مراکز میں ٹیلیفون کو تالا لگانے کا رواج بھی اسی طرح کے

سلسلے کی کڑی ہے۔ فون ڈائرکٹ ہو تو دفتر والے یا دکان کا عملہ اپنے دور پار کے عزیزوں کو فون کرتے تھے اور بل آنے پر صاف مکر جاتے تھے کہ ٹرنک کال انہوں نے نہیں کی۔ تالہ بندی کا بھی کوئی خاص فائدہ نہ ہوا۔ یار لوگوں نے تالے کی "ڈپلیکیٹ" چابیاں بنوالیں۔ مگر اس کا کیا کیجئے کہ ڈیجیٹل فون سے اگر مہینے میں سو کالیں کی جائیں تو بل دو سو پچاس کالوں کا بھی آجاتا ہے ،اس پر سیلز ٹیکس علحدہ۔ ٹیلیفون والے ملتے ہی نہیں کہ ان کی جانب سے کوئی گڑبڑ ہوئی ہوتی ہے یا کمپیوٹر غلطی کرسکتا ہے۔ ایسا بھی ہوتا ہے کہ مکان کی چھت سے ہمسائے کی ٹیلیفون تار گزر رہی ہے جسے کاٹ کر اپنے فون سیٹ سے منسلک کرکے کالیں کرلی جاتی ہیں۔ فون کا مالک سمجھتا ہے کہ ٹیلیفون میں کوئی خرابی ہے۔ گنجان آباد علاقے میں نوجوانوں کا یہ محبوب مشغلہ ہے کہ ہمسائے کی ٹیلیفون تار استعمال کی جائے۔ یہ طریقہ عام طور پر رات دس بجے کے بعد اپنایا جاتا ہے۔ موبائل سیٹ سے بہت سے مسائل حل ہوئے ہیں مگر اس کا ایک نقصان یہ بھی ہے کہ آپ جہاں کہیں یا جس ذہنی کیفیت میں ہوں وہاں موبائل کی گھنٹی بج اٹھتی ہے۔ موبائل بند کرنے کے سوا چارہ نہیں ہوتا، بعد میں معلوم ہوتا ہے کہ انتہائی اہم نوعیت کی کال تھی اور جس مقصد کے لئے کی گئی تھی وہ اب باقی نہیں رہا۔ اس طرح بہت ضروری بات بھی نہیں ہوپاتی۔ موبائل فون ایسے موقع پر بھی بج اٹھتا ہے جب آپ انتہائی ضروری کام کررہے ہوں یا کسی خصوصی اہمیت کی حامل گفتگو میں مصروف ہوں، کچھ کررہے ہوں یا ضروری فائل دیکھ رہے ہوں۔

ان حالات میں خیالات بکھر جاتے ہیں۔ ذہن بھٹک جاتا ہے اور کوئی بھی تخلیقی کام ڈھنگ سے نہیں ہوپاتا۔ ان سب باتوں کے باوجود ٹیلیفون ایک نہایت ہی کارآمد آلہ ہے۔ اس کا غلط استعمال ہم خود کرتے ہیں اور اچھی خاصی سہولت کو دوسروں کے لئے زحمت بنا ڈالتے ہیں۔

☆☆☆☆☆

قبولیت اسلام کے بعد زندگی بدل گئی

ایک زمانہ تھا جب محترمہ المائرہ ہدیہ سوویت یونین کے دور میں عورتوں کے ایک رسالہ کی سرگرم ایڈیٹر تھیں اور عورتوں کے حقوق کے لئے لڑتی تھیں۔ مگر اب وہ ستر سال سے زیادہ عمر کی ہوچکی ہیں جب وہ ریٹائر ہونے والی تھیں تو انہوں نے اسلام قبول کرلیا تھا اور اب وہ روس کے ایک علاقہ تاتارستاں میں مسلم عورتوں کی ایک تنظیم چلا رہی ہیں۔ یہ علاقہ دریا وولگا کے کنارے واقع ہے۔ اب محترمہ ہدیہ اور بارہ دوسری مسلم خواتین روس کی وزارت داخلہ سے اپنے اس حق کے لئے لڑرہی ہیں کہ ان کو ان کے پاسپورٹ کے فوٹوؤں کے لئے حجاب ڈالنے کی اجازت دی جائے۔ ایک زمانہ میں وہ کٹر دہریہ تھیں مگر اب محترمہ ہدیہ پکی مسلمان ہیں ان کا کہنا ہے کہ ہمیں اللہ کے قوانین کی پابندی تو کرنا ہے ان کی دلیل یہ ہے کہ حجاب کا فلسفہ یہ ہے کہ لڑکیوں کے چہروں پر حجاب ہوگا تو مرد بھی ٹھیک رہیں گے۔

سوویت یونین کے ستر سال دور کے بعد تاتار کی اکثریت نے دوبارہ اسلام قبول کرلیا ہے کیونکہ یہ ان کا قدیم مذہب ہے۔ تاتارستاں میں نسلی تاتاریوں کی آبادی کل آبادی کا پچاس فیصد سے زیادہ حصہ ہیں۔

اس علاقہ میں مسجدوں کی تعمیر بڑے پیمانہ پر ہورہی ہے جن سے اسلام کے احیاء میں بڑی مدد مل رہی ہے۔ تاتاری ترکی سے ملتی جلتی زبان بولتے ہیں۔ قزان ماسکو سے 720 کیلو میٹر مشرق میں ایک پرسکون شہر ہے۔ اس کی زیادہ تر سڑکیں پیدل چلنے والوں کے لئے ہیں اور اس میں قدیم مسجد بھی ہیں اس شہر میں روسی اور تاتاری زبانیں سننے کو ملتی ہیں۔

آج کے تاتاری کافی بالغ ہوگئے ہیں حالانکہ 1991 میں سوویت یونین کے ٹوٹنے کے بعد یہ لوگ روس کے لئے دردسر بن گئے تھے کیوں کہ اس وقت نوجوان تاتاری مرد اور عورتیں تاتاریوں کا سرخ اور ہرا جھنڈا لے کر قزان کی سڑکوں پر آزادی کے لئے مظاہرہ کرتے تھے مگر اب وہ ٹیچر، ڈاکٹر اور سرکاری ملازم ہوگئے ہیں۔ 1991ء میں کسی کو اس بات کا یقین نہیں تھا کہ اس مسئلہ کا کوئی پرامن حل نکل آئے گا۔

1994ء میں جب چیچنیا کے مسلم علاقہ میں روسی فوجیں بڑی تعداد میں داخل ہوگئی تھیں تو تاتاریوں میں بھی بے چینی پھیل گئی تھیں اور انہوں نے بھی آزادی کا مطالبہ شروع کردیا تھا حالانکہ تاتارستان میں بین الاقوامی سرحد سے ہزاروں کیلو میٹر دور واقع ہے۔ 1999 میں انہوں نے چیچن علاحدگی پسندوں کی حمایت کی تھی اور روس کے طاقت کے استعمال کی مخالفت کی تھی۔

اقتصادی اور مالی اعتبار سے بھی تاتارستان روس کے لئے ایک اہم مسئلہ ہے کیونکہ اس علاقہ میں دفاعی ساز و سامان تیار کرنے والے بہت سے کارخانے ہیں اور روس کے دس فیصد تیل کے ذخیرے اس خطہ میں ہیں۔

تاتارستان کے اعتدال پسند مفتی عثمان اسحاکوف کا کہنا ہے کہ آزادی کے مطالبہ کے دوران جو اشتعال انگیز تقریریں کی جاتی تھیں ان کے کرنے والوں کو اسلام کے بارے میں بہت کم علم تھا کیونکہ سوویت دور میں یہاں کوئی دینی مدرسے نہیں تھے اس لئے ہم اپنے بچوں کو پاکستان اور سعودی عرب تعلیم حاصل کرنے کے لئے بھیجتے تھے۔ جب یہ طلباء علم حاصل کرکے واپس آئے تو انہوں نے مقامی اماموں کی اصلاح شروع کی اور اسلام کے تعمیری پہلو اجاگر ہوئے۔

☆☆☆

آئی سی سی چمپئنز ٹرافی: سنسنی خیز میچس۔ دلچسپ نتائج

محمد بن عبداللہ رفاعی

سری لنکا میں ان دنوں کرکٹ کا بخار سر چڑھکر بول رہا ہے۔ کولمبو میں کرکٹ دنیا کی مشہور ٹیمیں

سری لنکا ۔ پاکستان

سنت جئے سوریہ ، مین آف دی میچ

رنز	چوکے	چھکے
102	10	01

ایک دوسرے سے 12 تا 30 ستمبر مد مقابل رہیں گی اور کسی ایک کے سر پر فتح کا تاج سجے گا۔ اس ٹورنمنٹ کی خصوصیت یہ ہیکہ یہ تقریباً تقریباً ناک آؤٹ طرز پر کھیلا جارہا ہے۔ تقریباً تقریباً اس لئے کہا جارہا ہے کہ سوائے ہندوستان ، انگلینڈ اور زمبابوے کے گروپ کو چھوڑکر کوئی گروپ اتنا طاقتور نہیں ہے اور یہی دیکھتے ہوئے اس گروپ کو" گروپ آف ڈیتھ " قرار دیا جارہا ہے۔ باقی تمام گروپوں میں صرف دو ٹیمیں ہی طاقتور ہیں اور وہ جب بھی ایک دوسرے سے مد مقابل ہوں گی کسی ایک کی شکست ان کے آگے کا راستہ بند کردے گی اور فتح ان کا سیمی فائنل میں داخلہ یقینی بنادیگا، کیونکہ ہر گروپ کی نمبر ایک ٹیم سیمی فائنل میں پہنچے گی۔

ایسے حالات میں آپسی خلفشار کا شکار پاکستان اپنے انتشار کو بھول کر نئے عزم و حوصلوں اور ناکامیوں کا سلسلہ ختم کردینے کے خیال سے طاقتور سری لنکا کا (گروپ ڈی میں ہالینڈ، پاکستان اور سری لنکا ہے) آئی سی سی چمپئنس ٹرافی کے پہلے میچ میں سامنا کیا۔ لیکن اس میچ میں بھی پاکستانی ٹیم میں ایک مرتبہ پھر حکمت عملی کا فقدان نظر آیا۔ بیٹنگ ، بولنگ اور فیلڈنگ تینوں شعبوں میں پاکستانی کھلاڑیوں نے مایوس کن مظاہرہ پیش کیا۔ پاکستانی کپتان وقار یونس نے ٹاس جیت کر اپنے بیٹسمنوں پر اعتماد کا اظہار کرتے ہوئے پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا لیکن یہ فیصلہ اس وقت غلط ثابت ہوا جب پاکستان کے یکے بعد دیگرے بیٹسمن پویلین لوٹ گئے۔ صورتحال کو مزید بگڑنے سے یونس خان اور سعید انور نے چوتھی وکٹ کیلئے 70 رنز کی شاندار رفاقت نبھاتے ہوئے کچھ دیر تک کیلئے سنبھال لیا لیکن وہ اس رفاقت کے ذریعہ پاکستان کو ایک مستحکم موقف میں پہونچانے میں ناکام رہے اور پاکستانی ٹیم سعید انور کی ہاف

جنوبی افریقہ ۔ ویسٹ انڈیز

جانٹی رہوڈز، مین آف دی میچ

رنز	چوکے	چھکے
61	08	00

سنچری اور نیروبی کے بعد کولمبو میں بھی مصباح الحق (47) کی عمدہ کارکردگی کے سبب 200 رنز بنانے میں کامیاب رہی۔ پاکستان کے 200 رنوں کا پیچھا کرتے ہوئے سری لنکا نے کپتان جئے سوریہ کی 13 ویں سنچری اور اروندا ڈی سلوا کے 60 ویں ہاف سنچری کی مدد سے 36.1 اوورس میں یہ نشانہ پورا کرلیا۔ سنت جئے سوریہ نے اس میچ میں زخمی شیر کا کردار نبھایا۔ کہا جاتا ہیکہ شیر جب زخمی ہوتا ہے تو وہ اور خطرناک ہوجاتا ہے۔ ایسا ہی کچھ حال جئے سوریہ کا بھی تھا جنہوں نے زخمی ہونے کے باوجود پاکستانی

ہندوستان ۔ زمبابوے

محمد کیف، مین آف دی میچ

رنز	چوکے	چھکے
111	08	01

گیند بازوں کی لائن اور لینتھ بگاڑ کر رکھ دی اور شاندار سنچری بنا کر ناٹ آؤٹ رہے۔ اس میچ کا خاص پہلو یہ رہا کہ شعیب ملک تیسرے امپائر (ٹی وی ری پلے) کی مدد سے ایل بی ڈبلیو قرار دیئے جانے والے پہلے کھلاڑی بنے۔ جئے سوریہ کو ان کے شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔ اس شکست کے بعد پاکستان کے سیمی فائنل میں پہنچنے کے امکانات ختم ہوگئے ہیں اور نیدرلینڈ سے اب اس کا میچ جو (21 ستمبر کو) کھیلا گیا محض رسمی ہوگیا ہے۔

آئی سی سی چمپئنس ٹرافی کرکٹ ٹورنمنٹ کا دوسرا میچ سنہالی اسپورٹس کلب میں جنوبی افریقہ اور ویسٹ انڈیز کے درمیان کھیلا گیا۔ جنوبی افریقہ نے ٹاس جیت کر پہلے ویسٹ انڈیز کو بیٹنگ کی دعوت دی ۔ ویسٹ انڈیز کی طرف سے کھیل کا آغاز گائیل اور چندرپال نے کیا اور پہلی وکٹ کی رفاقت میں ابتداء میں محتاط اور بعد میں جارحانہ رخ اختیار کرتے ہوئے اننگز کا شاندار آغاز کیا اور 63 رنز بنائے۔ گائیل نے تیز رفتار رنز بنانے کی کوشش کی لیکن وہ 49 رنز ہی بنا سکے ۔ بعد میں چندرپال اور لارا نے حتی المقدور

کوشش کی اور ویسٹ انڈیز اپنے مڈل آرڈر کی مدد سے 238 رنز بنانے میں کامیاب رہی۔ جنوبی افریقہ کو کامیابی کیلئے 49 اوورز میں 239 رنز کا نشانہ 4.87

آسٹریلیا ۔ نیوزی لینڈ

کلین میک گرا، مین آف دی میچ		
اوور	رنز	وکٹس
07	37	05

کے اوسط سے بنانا تھا۔ نشانے کے تعاقب کا آغاز گبس اور اسمتھ نے کیا لیکن 8 کے انفرادی اسکور پر گبس مارون ڈلون کا شکار بنے اس وقت جنوبی افریقہ کا اسکور 13 تھا۔ کیلس اسمتھ کا ساتھ دینے کیلئے آئے لیکن وہ زیادہ دیر وکٹ پر ٹھہر نہیں سکے اور پویلین لوٹ گئے۔ اس کے بعد افریقہ نے 61 کے اسکور پر اپنی تیسری وکٹ اسمتھ کی شکل میں گنوادی۔ وکٹوں کے پت جھڑ کی وجہ سے افریقہ 24 اوور میں صرف 84 رنز ہی بناپائی اور اسے کامیابی کیلئے 25 اوورس میں 155 رنز درکار تھے۔ اس موقع پر جانٹی رہوڈس اور ڈپنار نے محتاط طریقے سے کھیلتے ہوئے اننگز کو استحکام بخشنا شروع کیا اور رہوڈس کے شاندار 61 رنز اور ڈپنار کے 53 رنز کی مدد سے جنوبی افریقہ اس سنسنی خیز میچ میں فتح کی بنیاد کھڑا کرنے میں کامیاب رہا۔ ایک مرحلے پر جنوبی افریقہ کی کامیابی یقینی نظر آرہی تھی جب 38 ویں اوور میں افریقہ نے 176 رنز بنالئے تھے اور جیت کیلئے 11 اوور میں 63 رنز درکار تھے۔ تبھی میچ نے ایک اور پلٹا کھایا اور افریقہ کے دو وکٹ صرف تین رنوں کے اضافہ پر گر گئے۔ جانٹی رہوڈس اور ڈپنار کو کپتان ہو پر نے پویلین کا رخ دکھایا۔ اب جیت کیلئے افریقہ کو 9 اوور میں 60 رنز بنانے تھے اور وکٹ پر باؤچر اور کلوسنر تھے لیکن اس مرحلے پر ویسٹ انڈیز کے بولر حاوی لگ رہے تھے۔ باؤچر اور کلوسنر نے کامیابی کیلئے درکار رنز بنانے شروع کیے لیکن باؤچر بھی آؤٹ ہوگئے اور کپتان شان پولک جب میدان میں آئے تو افریقہ کو کامیابی کیلئے 18 رنز بنانے تھے۔ ویسٹ انڈیز کے گیندبازوں نے میچ پر اپنی گرفت مضبوط کرنے کی پوری کوشش کی اور آخری اوورس میں افریقہ کو کامیابی کیلئے 13 رنز درکار تھے۔ اس وقت ویسٹ انڈیز کی فتح یقینی نظر آرہی تھی تبھی شان پولک نے چھکا لگا کر کھیل میں دوبارہ جان ڈالنے کی کوشش کی لیکن دوسری ہی گیند پر ڈلون نے پولک کی وکٹ حاصل کرلی اس کے بعد لانس کلوسنر بھی پویلین لوٹ گئے اور افریقہ کو آخری گیند پر کامیابی کیلئے 3 رنز درکار تھے۔ لیکن اس وقت ڈلون اپنی لائن پر قابو نہیں پاسکے اور وائیڈ گیند پھینک دی جو ویسٹ انڈیز کی شکست کی مضبوط بنیاد بنی۔ اس وائیڈ گیند پر افریقی بیٹسمینوں نے وکٹ کیپر کے ہاتھ میں گیند ہونے کے باوجود تیزی سے ایک رن چرا لیا۔ اب آخری

سری لنکا ۔ ہالینڈ

مارون اٹاپٹو، مین آف دی میچ		
رنز	چوکے	چھکے
101	08	00

گیند پر افریقہ کو کامیابی کیلئے ایک رنز بنانا تھا، ڈاؤسن نے چوکا لگا کر افریقہ کو کامیابی دلادی۔ رہوڈز کو ان کے شاندار مظاہرے پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

چمپینس ٹرافی کا تیسرا میچ ہندوستان اور زمبابوے کے درمیان کھیلا گیا۔ ہندوستان نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا اور تیز رفتار شروعات کی۔ بقول مقبول و مشہور ہندی کامینٹیٹر سشیل دوشی رن بن نہیں رہے تھے بلکہ بہہ رہے تھے لیکن اس بہاؤ پر ڈگلس ہونڈو نے ایسا باندھ باندھا کہ ہندوستانی بیٹسمینوں کا پویلین کی جانب مارچ شروع ہوگیا۔ ہونڈو نے مستحکم پوزیشن سے ہندوستان کو ابتر صورتحال میں پہنچانے کیلئے پہلے گنگولی کو اپنا نشانہ بنایا۔ اس کے بعد بیٹنگ کیلئے آئے مونگیا ابھی وکٹ پر ٹھہرنے کی کوشش کر ہی رہے تھے کہ ہونڈو نے انہیں بھی ایلسٹر کیمبل کے ذریعہ کیچ آؤٹ کرادیا۔ ماسٹر بلاسٹر اور ویریندر

ہندوستان کی کامیابی میں اہم کردار ادا کرنے والے محمد کیف

سہواگ نے ابتدائی 2 وکٹیں محض 25 رنز پر گر جانے کے بعد تھوڑی دیر تک حالات کو قابو میں کرنے کی بھرپور کوشش کی لیکن ایک بار پھر ہونڈو نے سچن ٹنڈولکر کی وکٹ لیکر ہندوستانی خیمے میں کھلبلاہٹ مچادی۔ ماسٹر بلاسٹر کے اس طرح سے آؤٹ ہوجانے کے بعد ایسا لگ رہا تھا کہ ہندوستان

ویسٹ انڈیز - کینیا

برائن لارا، مین آف دی میچ		
رنز	چوکے	چھکے
111	08	02

کی آئی سی سی چیمپینس ٹرافی کے گروپ آف ڈیتھ میں پہلے ہی میچ میں "ڈیتھ" ہوجائے گی۔ ایسے موقع پر ہندوستان کی بیٹنگ کی ریڑھ کی ہڈی مانے جانے والے بیٹسمین راہول ڈراویڈ کریز پر آئے اور رنوں کی رفتار کو برقرار رکھا۔ ان کے ساتھ دینے کیلئے دوسری جانب جارحانہ رخ اختیار کئے ہوئے وریندر سہواگ وکٹ پر موجود تھے۔ لیکن یہ رفاقت زیادہ دیر تک چل نہیں سکی اور سہواگ 48 رنز صرف 36 گیندوں میں بنانے کے بعد پویلین لوٹ گئے۔ اس مرحلے پر نیٹ ویسٹ سیریز فائنل میں ہندوستان کی کامیابی کی بنیاد رکھنے والے یوراج سنگھ کریز پر آئے لیکن وہ ایک بار پھر بہتر مظاہرہ کرنے میں ناکام رہے اور ہونڈو کا شکار بن گئے۔ اس وقت ہندوستان اپنے 5 وکٹ 87 رنز پر گنوا چکا تھا۔ ایسے عالم میں کیف میدان پر آئے اور گویا وہیں سے اپنی اننگز کا آغاز کیا جہاں سے وہ اسے چھوڑ آئے تھے۔ ڈراویڈ اور کیف نے پہلے محتاط طریقے سے کھیلنا شروع کیا اور ہندوستانی اننگز کو استحکام بخشتے رہے اور جب مستحکم موقف حاصل ہوگیا تو جارحانہ روش اختیار کی۔ بدقسمتی سے ڈراویڈ 71 رنز پر رن آؤٹ ہوئے لیکن اس وقت کا ہندوستان کا اسکور 204 رنز تک پہنچ چکا تھا اور سب میں اہم بات کیف ابھی وکٹ پر موجود تھے۔ اس نوجوان کھلاڑی نے ڈراویڈ کے آؤٹ ہوجانے کے بعد ساری ذمہ داری اپنے کاندھوں پر لے لی اور ہندوستان کو مستحکم موقف دلاکر ہی دم لیا۔ کیف کی شاندار سنچری (محمد کیف نے 112 گیندوں میں 111 ناقابل شکست رنز بنائے) کی مدد سے ہندوستان 286 رنز کا ہمالیائی اسکور کھڑا کرنے میں کامیاب رہا۔ جواب میں زمبابوے بہتر شروعات کرنے میں ناکام رہی اور ظہیر خان نے ڈیون ابراہم کو صفر پر پویلین لوٹادیا۔ الیسٹر کیمبل بھی ظہیر خان کا شکار بنے۔ لیکن پھر ایک بار فلاور برادران نے ہندوستان کے خلاف بہتر مظاہرہ کا آغاز کیا لیکن بدقسمتی سے گرانٹ فلاور رن آؤٹ ہوگئے۔ اس کے بعد زمبابوے کا کوئی بھی بیٹسمین اینڈی فلاور کا

انگلینڈ - زمبابوے
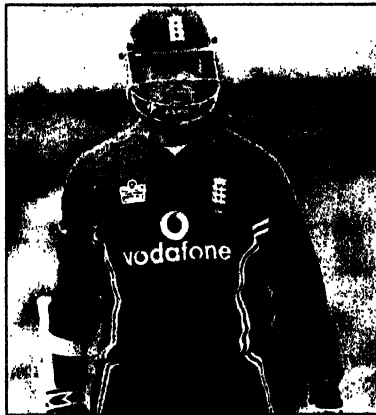
ٹریسکوتھک، مین آف دی میچ		
رنز	چوکے	چھکے
119	11	02

ساتھ نہیں دے سکا۔ اینڈی فلاور کی 164 گیندوں میں 147 رنز کی اننگز بھی زمبابوے کی 14 رنز سے شکست کو ٹال نہیں سکی۔ کیف کو ان کے شاندار مظاہرے پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

آئی سی سی چیمپینس ٹرافی کرکٹ ٹورنمنٹ میں چوتھا میچ عالمی چیمپین آسٹریلیا اور نیوزی لینڈ کے درمیان کھیلا گیا۔ نیوزی لینڈ نے اس سے قبل آئی سی سی چیمپینس ٹرافی فائنل میں ہندوستان کو شکست دی تھی۔ اس میچ کے آغاز سے قبل قیاس آرئیاں کی جارہی تھی کہ یہ میچ اس ٹورنمنٹ کا سب سے سخت ترین میچ ہوگا کیونکہ جب بھی نیوزی لینڈ اور آسٹریلیا ایک دوسرے سے متصادم ہوئے ہیں کرکٹ کو ایک نئی بلندی بخشی ہے۔ لیکن اس میچ میں ایسا کچھ دیکھنے میں نہیں آیا اور آسٹریلیا نے بہ

آسٹریلیا - بنگلہ دیش
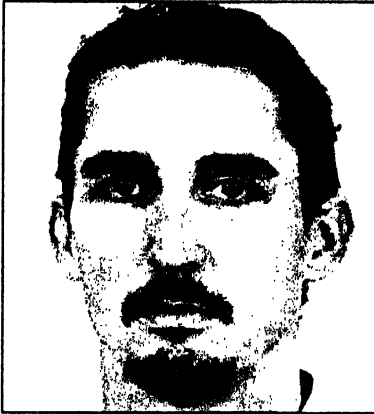
جیسن گلیسپی، مین آف دی میچ		
اوور	وکٹس	رنز
10	03	20

آسانی نیوزی لینڈ کو 164 رنز سے ہراکر اپنی مہم کا شاندار آغاز کیا۔ اس جیت میں اہم کردار فاسٹ بولر گلین میک گراتھ نے ادا کیا۔ آسٹریلیا نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا اور اس کے سبھی بیٹسموں نے حتی المقدور تعاون کیا جس کے نتیجہ میں آسٹریلیا 296 رنز بنانے میں کامیاب رہی۔ جواب میں نیوزی لینڈ کی ٹیم 26.2 اوورز میں 132 رنز بناکر آؤٹ ہوگئی اور اسے 164 رنز سے شکست کا سامنا کرنا پڑا۔ اس طرح 2000ء کے آئی سی سی ٹورنمنٹ کی فاتح کیوی ٹیم کے سیمی فائنل میں کوالیفائی کرنے کے امکانات تقریباً ختم ہوگئے۔ میک گراتھ کو "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

آئی سی سی چیمپینس ٹرافی کرکٹ ٹورنمنٹ کا پانچواں میچ سری لنکا اور ہالینڈ کے درمیان کھیلا گیا۔ سری لنکا نے ٹاس جیت کر پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا اور یکطرفہ مقابلے کے بعد ہالینڈ کو 206 رنز سے شکست دیدی۔ سری لنکا نے مروان اتاپٹو کی شاندار سنچری کی مدد سے 292 رنز بنائے۔ اتاپٹو نے ہالینڈ کے کمزور بولنگ اٹیک کے خلاف چھٹی وڈے

انٹرنیشنل سنچری بنائی۔ جواب میں ہالینڈ کی ٹیم 29.3 اوورز میں صرف 88 رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی اور اس طرح میزبان سری لنکا آئی سی سی چیمپنس ٹرافی کے سیمی فائنل میں کوالیفائی کرنے والی پہلی ٹیم بن گئی۔ اب اس کا مقابلہ عالمی چیمپئن آسٹریلیا سے ہوگا۔ اٹاپٹو کو بہتر مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

جنوبی افریقہ ۔ کینیا

ہرشل گبس ، مین آف دی میچ		
رنز	چوکے	چھکے
116	13	03

پاکستان ۔ ہالینڈ

شاہد آفریدی، مین آف دی میچ			
رنز	چوکے	چھکے	وکٹس
55	04	06	18/3

آئی سی سی چیمپنس ٹرافی کے چھٹے میچ میں ویسٹ انڈیز نے کمزور کینیا کو شکست دیکر اپنے آخری میچ میں کچھ حد تک بہتر مظاہرہ کیا۔ ویسٹ انڈیز نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ کرس گائیل اور شیونارائن چندرپال نے بہتر شروعات کی اور پہلی وکٹ کی رفاقت میں 60 رنز بنائے۔ پہلی وکٹ کے گرنے کے بعد لارا میدان پر آئے اور خرابی صحت کے باوجود شاندار سنچری بنائی۔ یہ ونڈے انٹرنیشنل میں لارا کی 15 ویں سنچری تھی۔ اس سنچری میں جہاں لارا کی کوششوں کا دخل تھا وہیں کینیائی فیلڈرس نے بھی اس میں اہم کردار ادا کیا اور لارا کو 45,33 اور 61 رنز پر نئی زندگی بخشی جس کی مدد سے لارا نے 120 گیندوں پر 111 رنز اسکور کیے۔ آخری 10 اوورز میں ویسٹ انڈیز کے بیٹسمینوں نے 93 رنز بنا کر ٹیم کے اسکور کو 261 رنز تک پہونچادیا۔ جواب میں کینیا کی ٹیم 49.1 اوورز میں 232 رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی اور اسطرح اسے 29 رنز سے شکست ہوئی۔ کینیائی کپتان اسٹیو ٹیکولو نے شاندار مظاہرہ پیش کیا اور 91 گیندوں پر 93 رنز بنائے۔ ٹیکولو کی تیز رفتار بیٹنگ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہیکہ انہوں نے اپنی نصف سنچری صرف 47 گیندوں پر بنائی ۔ پٹیل (35) اور رویندو شاہ (27) نے اس مزاحمت میں ان کا ساتھ دیا لیکن وہ درکار اووروں میں مطلوبہ رنز نہیں بناسکے اور کینیا کو 29 رنز سے شکست ہوگئی۔ برائن لارا کو ان کے شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" دیا گیا۔

آئی سی سی چیمپنس ٹرافی کے چھٹے میچ میں ویسٹ انڈیز نے کمزور کینیا کو شکست دیکر اپنے آخری میچ میں کچھ حد تک بہتر مظاہرہ کیا۔ ویسٹ انڈیز نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ کرس گائیل اور شیونارائن چندرپال نے پہلی وکٹ کی رفاقت میں 60 رنز بنائے۔ پہلی وکٹ کے گرنے کے بعد لارا میدان پر آئے اور خرابی صحت کے باوجود شاندار سنچری بنائی۔ یہ ونڈے انٹرنیشنل میں لارا کی 15 ویں سنچری تھی۔ اس سنچری میں جہاں لارا کی کوششوں کا دخل تھا وہیں کینیائی فیلڈرس نے

بھی اس میں اہم کردار ادا کیا اور لارا کو 45,33 اور 61 رنز پر نئی زندگی بخشی جس کی مدد سے لارا نے 120 گیندوں پر 111 رنز اسکور کیے ۔ آخری 10 اوورز میں ویسٹ انڈیز کے بیٹسمینوں نے 93 رنز بنا کر ٹیم کے اسکور کو 261 رنز تک پہونچادیا۔ جواب میں کینیا کی ٹیم 49.1 اوورز میں 232 رنز بنا کر آؤٹ ہو گئی اور اسطرح اسے 29 رنز سے شکست ہوئی ۔ کینیائی کپتان اسٹیو ٹیکولو نے شاندار مظاہرہ پیش کیا اور 91 گیندوں پر 93 رنز بنائے ۔ ٹیکولو کی تیز رفتار بیٹنگ کا اندازہ اس بات سے لگایا جاسکتا ہیکہ انہوں نے اپنی نصف سنچری صرف 47 گیندوں پر بنائی۔ پٹیل (35) اور رویندو شاہ (27) نے اس مزاحمت میں ان کا ساتھ دیا لیکن وہ درکار اووروں میں مطلوبہ رنز نہیں بناسکے اور کینیا کو 29 رنز سے شکست ہوگئی۔ برائن لارا کو ان کے شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" دیا گیا۔

آئی سی سی چیمپئنس ٹرافی کے گروپ آف ڈیتھ میں انگلینڈ نے نسبتاً کمزور لیکن کبھی کبھی حیرت انگیز کارنامہ انجام دینے والی ٹیم زمبابوے کا سامنا کیا۔ انگلینڈ نے ٹاس جیتا اور پہلے بیٹنگ کا فیصلہ کیا۔ ٹریسکو تھک نے نصف سنچری 40 گیندوں پر 9 چوکوں کی مدد سے مکمل کی جبکہ نصف سنچری سے سنچری تک کا سفر مزید 49 گیندوں پر طے کیا۔ ٹریسکو تھک نے جملہ 102 گیندوں کا سامنا کرتے ہوئے 2 چھکے اور 11 چوکوں کی مدد سے 119 رنز بنائے۔ ان کا ساتھ ناصر حسین نے 75 رنز بناتے ہوئے شاندار طریقے سے دیا جس کی مدد سے انگلینڈ 298 رنز بنا سکی۔ جواب میں زمبابوے کی بلے بازی شروع ہی سے خراب رہی۔ ابتدائی اوورز میں ٹیم کوئی قابل ذکر اسکور کر نہیں سکی اور ہوگارڈ اور رونی ایرانی کی قاتلانہ گیند بازی کا شکار ہوگئی۔ پہلے ہوگارڈ نے کیمبل اور ابراہم کے علاوہ گرانٹ فلاور کو آؤٹ کرکے زمبابوے کے حوصلے پست کردیئے۔ اس کے بعد رہی سہی کسر رونی ایرانی نے پوری کردی۔ سوائے اینڈی فلاور اور ہیتھ اسٹریک کے کوئی اور بیٹسمین قابل قدر مظاہرہ پیش نہیں کرسکا۔ اینڈی فلاور نے 2 چھکوں کی مدد سے 44 رنز بنائے جبکہ ہیتھ اسٹریک نے صرف 58 گیندوں پر 3 چوکوں اور 2 چھکوں کی مدد سے 50 ناٹ آؤٹ رنز بنائے اور زمبابوے کو 108 رنز سے شکست فاش ہوگئی۔ مارک ٹریسکو تھک کو ان کے شاندار مظاہرے پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

آئی سی سی چیمپئنس ٹرافی کے نسبتاً سب سے یکطرفہ میچ میں عالمی چمپئن آسٹریلیا نے بنگلہ دیش سے مقابلہ کیا۔ بنگلہ دیش پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے متاثر کن کارکردگی دکھانے میں ناکام رہی اور 45.2 اوورز میں صرف 129 رنز بناکر آؤٹ ہوگئی۔ ابتدائی اوورس میں ہی اس نے صرف 13 رنز پر اپنے 4 وکٹ گنوادیئے تھے۔ اس صورتحال کو کچھ حد تک بہتر الوک کپالی 45، تشار عمران 27 اور کپتان خالد مسعود 22 نے بنایا اور بنگلہ دیش کی اننگز کو 129 رنز تک پہنچانے میں کامیاب رہے۔ جواب میں آسان ہدف کا نشانہ آسٹریلیا نے 20.4 اوورز میں میتھیو ہیڈن 67 اور آڈم گلکرسٹ کے 54 رنز کی مدد سے ایک وکٹ کے نقصان سے حاصل کرلیا۔ گلسپی کو "مین آف دی میچ" دیا گیا۔ اس کامیابی کے ساتھ ہی آسٹریلیا سیمی فائنل میں پہنچ گئی جہاں اس کا مقابلہ سری لنکا سے ہوگا۔

آئی سی سی چیمپئنس ٹرافی کرکٹ ٹورنمنٹ کے نویں میچ میں جنوبی افریقہ اور کینیا کا مقابلہ ہوا۔ جنوبی افریقہ نے مقررہ 50 اوورز میں پہلے کھیلتے ہوئے 5 وکٹ کے نقصان سے 316 رنز بنائے۔ جنوبی افریقہ کے سلامی بلے باز ہرشل گبس نے کینیائی کمزور گیند بازی کی جم کر دھنائی کرتے ہوئے 126 گیندوں پر 13 چوکوں اور 3 چھکوں کی مدد سے شاندار سنچری (116) بنائی یہ گبس کی آٹھویں سنچری تھی جبکہ جیک اسمتھ اور کیلیس نے نصف سنچریاں اسکور کی۔ جواب میں کینیائی ٹیم 46.5 اوورز میں 140 رنز بناکر ڈھیر ہوگئی۔ اسٹیو ٹیکولو سب سے کامیاب بیٹسمین رہے انہوں نے 69 رنز بنائے۔ گبس کو ان کے شاندار مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" قرار دیا گیا۔

آئی سی سی چیمپئنس ٹرافی کے دسویں میچ میں پاکستان نے ٹورنمنٹ کی سب سے کمزور ٹیم ہالینڈ کا سامنا کیا۔ شاہد آفریدی نے اس میچ میں آل راؤنڈر کارکردگی کا مظاہرہ کیا۔ ہالینڈ کی ٹیم نے سنہالیز اسپورٹس کلب پر پہلے بیٹنگ کرتے ہوئے پاکستان کے مضبوط بولنگ اٹیک کے خلاف بڑا اسکور بنانے میں ناکام رہی اور مقررہ 50 اوورز میں صرف 136 رنز بناکر سمٹ گئی۔ ہالینڈ کی اننگز میں سب سے بڑا تعاون 33 فاضل رنوں کا رہا اس کے بعد لیفر 32 اور ڈی لیڈ 24 ہی کچھ حد تک بہتر مظاہرہ کرسکے۔ شاہد آفریدی نے غضب ناک بولنگ اور فیلڈنگ کا مظاہرہ کیا انھوں نے 10 اوورز میں صرف 18 رنز خرچ کرکے 3 وکٹ حاصل کئے اور ایک بیٹسمین کو براہ راست تھرو سے رن آؤٹ کیا جس کے سبب ہالینڈ اتنی جلد سمٹ گئی۔ جیت کیلئے درکار 137 رنز کا تعاقب کرتے ہوئے پاکستانی بیٹسموں نے ہالینڈ کی کمزور بولنگ کی دھجیاں اڑادی۔ پہلے عمران نذیر نے 40 گیندوں پر 11 چوکوں کی مدد سے 59 رنز اسکور کئے۔ سعید انور نے محتاط طریقہ سے بیٹنگ کرتے ہوئے 40 گیندوں پر 2 چوکوں کی مدد سے 28 رنز بناکر ناٹ آؤٹ رہے۔ اس کے برخلاف شاہد آفریدی نے صرف 18 گیندوں پر 55 رنز کی ناقابل شکست اننگز کھیلی۔ ان کی اننگز 6 چھکے اور 4 چوکوں پر مشتمل تھی۔ وہ ایک گیند کے فرق سے تیز ترین نصف سنچری کا عالمی ریکارڈ برابر نہ کرسکے پھر بھی پاکستان اس دھواں دھار مظاہرہ کی سبب 16.2 اوورز میں ہی مطلوبہ رنز بناکر کامیاب رہی۔ ونڈے میں تیز ترین نصف سنچری بنانے کا اعزاز جئے سوریہ

شاہد آفریدی : غضب کا مظاہرہ۔

کو حاصل ہے۔ جے سوریہ نے 17 گیندوں میں نصف سنچری 1996ء میں سنگاپور میں بنائی تھی۔

هندوستان ۔ انگلینڈ

ویریندر سہواگ، مین آف دی میچ		
رنز	چوکے	چھکے
126	21	01

شاہد آفریدی کو ونڈے انٹرنیشنل میں تیز ترین سنچری (37 گیندوں پر) بنانے کا اعزاز حاصل ہے۔ شاہد آفریدی کو ان کے شاندار مظاہرہ پر مین آف دی میچ ایوارڈ ملا۔

آئی سی سی چمپینس ٹرافی کے کوارٹر فائنل کے مماثل گیارہویں میچ میں ہندوستان نے انگلینڈ کا سامنا کیا۔ انگلینڈ کے کپتان ناصر حسین نے ٹاس جیت کر پہلے بلے بازی کرنے کا فیصلہ کیا لیکن ان کا یہ فیصلہ اس وقت غلط ثابت ہونے لگا جب ظہیر خان نے کسی ہوئی گیند بازی شروع کی اور دوسری جانب سے نہرا نے اس کا فائدہ اٹھایا اور ٹریسکو تھک اور ناصر حسین کو اپنا شکار بنایا ۔ انگلینڈ اپنے 2 اہم وکٹ کھو کر صرف 7 رنز ہی بنا سکا اور اس وقت ایسا لگ رہا تھا کہ شاید وہ 200 رنز کے نشانے کو بھی پار نہ کر پائیگا تبھی ایسے نازک وقت نک نائٹ اور رونی ایرانی نے محتاط ڈھنگ سے بلے بازی کرتے ہوئے اننگز کو استحکام بخشنا شروع کیا۔ نائٹ نے 70 گیندوں پر 50 رنز بنائے۔ اس کے بعد بائیں ہاتھ کے بلے باز بلیک ویل نے چھٹے وکٹ کی شراکت میں ایلک اسٹیورٹ کے ساتھ ملکر 104 رنز بنا کر انگلینڈ کو قابل قدر اسکور کھڑا کرنے میں مدد کی۔ بلیک ویل نے اپنے ونڈے انٹرنیشنل کیریئر کے دوسرے میچ میں شاندار مظاہرہ کرتے ہوئے صرف 64 گیندوں پر 82 رنز بنائے جس میں 3 چھکے اور 6 چوکے شامل ہیں۔ بلیک ویل اور نک نائیٹ کے بھرپور تعاون کی بدولت انگلینڈ مقررہ 50 اوورز میں 7 وکٹ پر 269 رنز بنا سکا اور جیت کیلئے ہندوستان کے آگے 270 رنز کا ہمالیائی نشانہ مقرر کیا۔ جواب میں ہندوستانی بیٹسموں نے جب اپنی اننگز کا آغاز کیا تو ایسا لگ رہا تھا جیسے رن بن نہیں رہے ہیں بہہ رہے ہیں۔ ویریندر سہواگ اور گنگولی نے ابتداء ہی سے جارحانہ بلے بازی کرتے ہوئے انگلینڈ کی گیند بازی کے پرخچے اڑا دیئے اور کسی بھی گیند باز کو نہیں بخشا۔ سہواگ اور گنگولی کے درمیان پہلی وکٹ کی شراکت میں 192 رنز بنے جو انگلینڈ کے خلاف پہلے وکٹ کی شراکت کا ایک نیا ریکارڈ ہے۔ 24 سالہ سہواگ نے ونڈے کرکٹ میں اپنی دوسری سنچری 77 گیندوں پر 17 چوکوں اور ایک چھکے کی مدد سے مکمل کی۔ یہ ونڈے کرکٹ میں ساتویں تیز ترین سنچری ہے۔ سہواگ نے اس سے قبل اپنی پہلی سنچری نیوزی لینڈ کے خلاف پریماداسا اسٹیڈیم میں بنائی تھی۔ سہواگ جارحانہ بلے بازی (104 گیندوں پر 126 رنز، 21 چوکے اور ایک چھکا) کے بعد جب آؤٹ ہو کر پویلین لوٹے تو ابھی انگلینڈ کے گیند باز چین کی

سانس لے ہی رہے تھے کہ گنگولی نے جارحانہ بلے بازی شروع کی اور جس وقت چوکا لگا کر ہندوستان کو فتح دلائی اس وقت ابھی 10.3 اوورز پھینکے جانے باقی تھے اور بظاہر مشکل نظر آنے والا ہدف ہندوستانی بیٹسموں نے بہ آسانی 39.3 اوورز میں صرف 2 وکٹ کے نقصان سے پورا کر لیا۔ اننگز کے اختتام پر گنگولی 109 گیندوں پر 12 چوکوں اور 3 چھکوں کی مدد سے 117 رنز پر اور تنڈولکر 9 رنز بنا کر ناٹ آؤٹ تھے۔ سہواگ کو ان کے جارحانہ مظاہرہ پر "مین آف دی میچ" دیا گیا۔ انگلینڈ کے کپتان ناصر حسین نے کھیل کے اختتام کے بعد شاید ٹھیک ہی کہا کہ سارا فرق سہواگ کی وجہ سے پیدا ہوا۔ پہلے اس نے بولروں کی دھجیاں اڑا دی اس کے بعد دوسروں کیلئے یہ کام آسان ہو گیا۔

نیوزی لینڈ ۔ بنگلہ دیش

شین بانڈ، مین آف دی میچ		
اوور	وکٹس	رنز
05	04	21

آئی سی سی چمپینس ٹرافی کے آخری لیگ میچ میں دفاعی چمپین نیوزی لینڈ نے بنگلہ دیش کا سامنا کیا۔ یہ میچ دونوں ہی ٹیموں کیلئے غیر اہم تھا کیونکہ دفاعی چمپین نیوزی لینڈ آسٹریلیا کے ہاتھوں شکست کھانے کے بعد پہلے ہی ٹورنمنٹ سے باہر ہو چکی تھی۔ اس غیر اہم میچ میں نیوزی لینڈ نے پہلے بیٹنگ کرنے کا فیصلہ کیا اور بنگلہ دیشی بولروں کی نپی تلی بولنگ کی وجہ سے 9 وکٹ کھو کر 244 رنز ہی بنا سکی۔ میتھو سنکلیر نے سب سے زیادہ 70 رنز بنائے ۔ جواب میں بنگلہ دیشی بیٹسمن فاسٹ بولر شین بانڈ کی تباہ کن گیند بازی کا شکار ہو گئے۔ بانڈ نے 5 اوورز میں 21 رنز دیکر 4 وکٹ حاصل کیے اور بنگلہ دیش کو 19.3 اوورز میں 77 رنز پر سمیٹ کر 162 رنز سے شکست سے دوچار کیا۔ شین بانڈ کو ان کے شاندار مظاہرہ پر مین آف دی میچ دیا گیا۔

صحت مند زندگی کیسے گزاری جائے؟

بشیر محمود

جب تک انسان اس بات کا شعور حاصل نہ کرلے کہ دنیا میں اس کے پیدا ہونے کا مقصد کیا ہے؟ اسے کس لئے دنیا میں بھیجا گیا ہے اس وقت تک وہ بااصول اور صحتمندانہ زندگی نہیں گزار سکتا۔ اگر اسے شعور حاصل نہ ہو تو پھر حیوان اور اس میں کوئی مابہ الامتیاز باقی نہیں رہتا۔ جس طرح جانور دنیا میں آتے ہیں خوراک کھاتے ہیں اور پھر مرجاتے ہیں کیا اسی طرح انسان کی پیدائش کا بھی یہی منتہائے مقصود ہے کہ وہ کھاتے کھاتے مرجائے۔

یاد رکھنا چاہئے کہ انسان کے معرض وجود میں آنے کا ایک مقصد ہے اور وہ ہے اللہ تعالی کا فرمانبردار بن کر رہنا اور نوع انسانی سے بھلائی کرنا۔ یہی ایک فرق اسے حیوانوں سے ممتاز کرتا ہے۔ بعض لوگوں کی زندگی کا مقصد ہی کھانا پینا ہے۔ کسی نے کیا خوب کہا ہے کہ خوراک زندگی کو قائم رکھنے کیلئے ہے نہ کہ زندگی کا مقصد ہی کھانا پینا اور پھر مرجانا ہے۔

اللہ تعالی کے احکام کی تعمیل اور بنی نوع انسان کی خدمت کیلئے انسان کا صحتمند ہونا ضروری ہے مگر ہم صحت کا کوئی خیال نہیں رکھتے اور بے وقت، بے مقصد اور بے تحاشا کھاتے کھاتے زندگی بسر کردیتے ہیں۔ صحتمند زندگی گزارنے کے کچھ اصول و ضوابط ہوتے ہیں، اگر انہیں مدنظر نہ رکھا جائے تو انسان طرح طرح کی بیماریوں کا شکار ہو کر مرجاتا ہے اور نوع انسان کے کسی کام نہیں آسکتا۔ دنیا میں جتنے بھی بزرگان دین گزرے ہیں انکی خوراک بہت محدود ہوتی تھی۔ وہ تھوڑی سی غذا پر انحصار کرتے تھے اور پھر ان پر خدائے عز و جل کی طرف سے جو اسرار و رموز کھلتے تھے وہ پیٹ بھر کر کھانے اور طرح طرح کے مزیدار کھانے کھانے والوں پر نہیں کھلتے۔ ہم نے اپنی زندگی کا مقصد ہی اعلی خوراک کو بنالیا ہے۔

اگر آپ طویل اور صحتمند زندگی گزارنے کے متمنی ہیں تو صحت کے اصولوں کی پابندی کرنا ہوگی۔ صحت کو درست رکھنے کیلئے مناسب غذا اور جسمانی نقل و حرکت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اگر آپ اچھی غذا استعمال کرنے کے بعد بیٹھے رہنے پر اکتفا کریں گے تو معدہ غذا ہضم کرنے سے قاصر ہوگا اور اس طرح آپ مختلف بیماریوں کے شکنجے میں جکڑے جائیں گے۔ اگر آپ صحتمند رہنا چاہتے ہیں تو گوشت کا استعمال کم سے کم کرنا ہوگا۔ سبزیوں اور پھلوں کا کثرت سے استعمال آپ کو صحت و توانائی عطا کرے گا۔ زیادہ گوشت کا استعمال آپ کے بلڈ پریشر میں اضافے کا سبب بن سکتا ہے۔ اس طرح چکنائی کا کم سے کم استعمال انسان کو صحتمند رکھنے میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ ایسی غذا جسے زیادہ عرصہ سے پکایا گیا ہو صحت کیلئے نقصان دہ ہے۔ غذا کو کم از کم پکا کر استعمال کرنا چاہئے۔ یہ زود ہضم

ہونے کے باعث بہت جلد جزو بدن بن جائے گی۔ بعض دالیں ایسی ہوتی ہیں جو نفخ پیدا کرنے کا موجب بنتی ہیں۔ یہ کم استعمال کرنی چاہئیں ان میں لوبیا اور مسور کی دال اور سویابین شامل ہیں۔ مونگ پھلی بھی کم استعمال کریں کیونکہ اس سے بھی معدے میں نفخ پیدا ہوتا ہے۔ پھل اور ترکاریاں تازہ استعمال کرنی چاہئیں۔ باسی پھل اور سبزیاں بیمار کرسکتی ہیں۔ کھانے سے پہلے انہیں پانی سے خوب دھولینا چاہئے۔ کچی سبزیوں کا استعمال معدے کیلئے مفید ہے اور بہترین توانائی فراہم کرتی ہیں۔ زیادہ کھٹی اشیاء کا استعمال کم سے کم کریں۔ زیادہ مرچیں اور زیادہ نمک کھانے سے معدے کا السر پیدا ہونے کا امکان ہوتا ہے۔

لسن اور پیاز کا استعمال معدے کیلئے بہت مفید ثابت ہوتا ہے۔ اگر محسوس کریں کہ اس سے منہ میں بو پیدا ہوگی تو یہ اشیاء کھانے کے بعد ذرا سا خشک دھنیہ یا سونف چبالیں۔ میٹھی چیزوں کا استعمال کم سے کم کریں، اسی طرح نشاستہ دار اشیاء بھی صحت کیلئے مضر ہیں، ان سے پرہیز ہی کریں تو بہتر ہوگا۔ میدے کی بنی ہوئی اشیاء اور نان وغیرہ سے پرہیز کریں کیونکہ یہ چیزیں معدے کو خراب کرتی ہیں۔ کسی بھی غذا کا حد سے زیادہ استعمال ٹھیک نہیں۔ پیٹ بھر کر کبھی نہ کھائیں بلکہ تھوڑی سی بھوک ابھی باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ اٹھالیں۔ یہ صحتمند رہنے کی گارنٹی ہے۔ جوسز کا استعمال بھی بہت زیادہ فوائد کا حامل ہے۔ یہ چہرے کو نکھارنے اور صحتمند رہنے میں ممدو معاون ہوتے ہیں۔ ایک اور بات جسکا خیال رکھنا بے حد ضروری ہے کہ ٹھنڈے پانی سے گریز ہی کریں تو بہتر ہے۔ اسی طرح سخت گرم چیز کے استعمال سے بچیں۔ کھانا وقت بے وقت کھانے سے معدہ خراب ہوسکتا ہے اس کے لئے صرف مقررہ اوقات پر ہی کھانا کھانا چاہئے۔ جب تک بھوک نہ ہو ہرگز کھانا نہ کھایئے خواہ وہ کھانا کس قدر عمدہ ہی کیوں نہ ہو۔ کچھ عرصہ پہلے دیہات میں صرف دو وقت کھانے کا رواج تھا یعنی صبح و شام۔ یہ انسان کو صحتمند رکھنے میں ممدو معاون تھا مگر اب دیہات میں بھی ناشتے، دوپہر کے کھانے اور رات کے کھانے کا رواج چل نکلا ہے۔ بعض لوگ رات کو گیارہ بجے کھانا کھاتے ہیں اور پھر سو جاتے ہیں۔ کھانے کو ہضم کرنے کا سارا کام رات کو معدے کو کرنا پڑتا ہے اس سے صحت کو نقصان پہنچ سکتا ہے۔

پھلوں کا مناسب استعمال انسان کو صحتمند رکھنے میں ممد و معاون ہوتا ہے۔ غریب لوگوں کیلئے گاجر مولی اور بیر بھی بہترین پھل کا کام دے سکتے ہیں بلکہ ان چیزوں کی افادیت دوسرے پھلوں سے بہت زیادہ ہے۔ کچی سبزیوں کا استعمال انسان کو چاق و چوبند اور صحتمند رکھتا ہے۔ کافی یا چائے کا استعمال محدود ہونا چاہئے۔ بلاوجہ اور بلاضرورت مشروبات استعمال نہ کئے جائیں تو بہتر ہے۔ عرصہ پہلے دیہات میں چائے کو بطور دوا کے استعمال کیا جاتا تھا چنانچہ سر درد یا بخار کی صورت میں بغیر دودھ کے مریض کو قہوہ پلایا جاتا تھا مگر اب وہاں بھی وقت بے وقت چائے پینے کا رواج چل نکلا ہے۔

تمباکو اور سگریٹ نوشی انسانی صحت کیلئے سم قاتل کا درجہ رکھتے ہیں۔ ان سے احتراز لازمی ہے۔ ویسے بھی دولت کو بے فائدہ دھوئیں میں اڑادینا کوئی عقل مندی نہیں۔ سگریٹ نوشوں سے نان اسموکرز کی جان کو بھی خطرہ لاحق ہوتا ہے۔ نان اسموکرز کو چاہئے کہ سگریٹ نوشوں سے دور ہی رہیں تو بہتر ہے ورنہ انہیں بھی سگریٹ نوشوں کے برابر نقصان سے دوچار ہونا پڑے گا۔

مصنوعی خوشبویات اور کریموں کے استعمال سے حتی الامکان گریز کرنا چاہئے۔ آج کل کلونز کے استعمال میں بھی بے حد اضافہ ہوگیا ہے۔ ماہرین صحت کے مطابق کلونز کا بے تحاشا استعمال کینسر کا موجب ہوسکتا ہے۔ ایسے برتن استعمال کرنے سے گریز کرنا چاہئے جن میں کیمیکل اور خطرناک ادویات رکھی گئی ہوں۔ نیلے رنگ کے ڈرموں کا استعمال ہمارے ہاں عام ہے۔ ان کے اندر دودھ ڈال کر فروخت کیا جاتا ہے حالانکہ ان ڈراموں کے ذریعے بے حد زہریلی اور مضر صحت کیمیکلز در آمد کئے جاتے ہیں۔ ان کو کبھی بھی کھانے پینے والی اشیاء ڈالنے کیلئے استعمال نہیں کرنا چاہئے مگر اس کی کوئی پروا نہیں کی جاتی۔

ہمارے ہاں پینے کا پانی بھی خالص نہیں۔ ٹیوب ویلوں کی ٹینک صاف نہیں کی جاتیں۔ عوام آلودہ پانی پینے پر مجبور ہیں۔ ٹی وی اور مائیکرو ویو چولہوں کی شعاعوں سے بچنا بھی ضروری ہے کیونکہ یہ کینسر جیسے امراض پیدا کرنے کا موجب ہوتی ہیں۔ جب بھی کوئی جسمانی عارضہ لاحق ہو، بغیر تساہل کے فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔ الکحل کا استعمال اسلام میں حرام قرار دیا گیا ہے، اسکے نزدیک تک جانا بھی گناہ ہے۔ کیمیائی اجزاء والا گوشت کینسر پیدا کرنے کا موجب ہوسکتا ہے لہذا اس سے اجتناب کریں۔

ایسے مشروبات اور کھانوں سے پرہیز کریں جن میں مصنوعی رنگ ڈالے گئے ہوں۔ یہ انسانی صحت کیلئے بے حد مضر ہوتے ہیں مگر ہمارے ہاں ان کینسر پیدا کرنے والی مصنوعی رنگوں کا بے تحاشا استعمال کیا جاتا ہے۔ مٹھائی بنانے والے جو مختلف رنگوں کا استعمال کرتے ہیں خاص طور پر گلاب جامن والا بہت زہریلے ہوتے ہیں اور کینسر کا باعث بنتے ہیں۔

موٹاپے کو حتی الوسع کم کرنا چاہئے۔ جسم کا اضافی گوشت ریڑھ کی ہڈی پر وزن ڈال کر اسے نقصان پہنچانے کا موجب بنتا ہے۔ موٹے آدمی مختلف عوارض کا فورا نشانہ بن جاتے ہیں کیونکہ موٹاپا جسم کے اندر موجود بیماریوں کے خلاف قوت دفاع کو کم کردیتا ہے۔

وٹامنز کا غیر ضروری استعمال بھی صحت کی خرابی کا باعث بن سکتا ہے لہذا مشورے کے بغیر وٹامنز استعمال نہیں کرنا چاہئیں کیونکہ ہر خوراک کے اندر انسانی جسم کیلئے ضروری وٹامنز موجود ہوتے ہیں اس لئے گھبرانے کی کوئی بات نہیں۔ ورزش اور سیر کو معمول بنالینا چاہئے کیونکہ اس سے بیماریوں کے خلاف دفاعی قوت جسم میں پیدا ہوجاتی ہے۔ ویسے بھی انسان چاق و چوبند اور توانا رہتا ہے۔ کبھی کبھار ورزش بے فائدہ ہے ریگولر ورزش ہی اچھے نتائج دے سکتی ہے۔

☆☆☆☆

اودے چوپڑہ سے رومانس کی خبریں غلط۔ رنگی کھنہ

محمد عبدالسلام:: فلم جرنلسٹ

اپنے وقت کی کامیاب اداکارہ ڈمپل کپاڈیہ و سوپر اسٹار راجیش کھنہ کی دوسری بیٹی رنگی کھنہ نے فلم انڈسٹری میں ایسا کوئی دھماکہ نہیں کیا جس سے وہ خبروں میں آجائے۔ وہ سست انداز میں اپنے کیریئر کو آگے بڑھارہی ہے یہ اور بات ہے کہ رنگی میں صلاحیتیں ہیں لیکن بات کیا ہے کہ کوئی فلمساز اسے فوری طور سے اپنی فلم میں سائن نہیں کرتا۔ رنگی کے کیریئر اور ذاتی زندگی سے متعلق ہوئی بات چیت کا خلاصہ یہاں پیش ہے۔

س۔ پچھلے کچھ عرصہ سے آپ کا کیریئر بڑے ہی سست انداز میں آگے بڑھ رہا ہے۔ کیا یہ آپ کی پالیسی تو نہیں؟

ج۔ اس میں جان بوجھ کر کرنے کی کوئی بات تو نہیں ہے۔ دراصل میرے کام کرنے کا

اندازہی کچھ ایسا ہے۔ میں کسی بھی معاملہ میں جلد فیصلے کرنے والی نہیں ہوں۔ لوگ میری اس تاخیر یا میرے کردار کو سمجھنے کے انداز کو کچھ اور ہی نام دے دیتے ہیں بس مجھے جو کہانی پسند آتی ہے میں اسے ہاں کردیتی ہوں۔

س۔ آپ کی پروفیشنل زندگی میں آپ کا پریوار کہاں تک شامل ہے؟

ج۔ یہ درست ہے کہ خاندانی پس منظر کی وجہ ہمارے فلموں میں آنا آسان ہوتا ہے مگر اس کی بنیاد پر ہمیں لوگوں کی امیدوں پر بھی پورا اترنا پڑتا ہے ورنہ تو لوگ ہمارے ماں باپ کو لیکر ہمیں طعنے دینے لگتے ہیں۔ رہی بات میرے افراد خاندان اور پروفیشن کی میں اس معاملہ میں آزاد ہوں۔ گمبھیر موقعوں پر مشورے لیا کرتی ہوں لیکن میں اپنے لئے خود فیصلے کرتی ہوں۔

س۔ ٹوئنکل میں اور آپ میں کافی فرق ہے اداکارہ کے طور پر بھی آپ دونوں میں کافی تضاد ہے آپ غیر روایتی رول کرنا پسند کرتی ہیں جبکہ وہ روایتی رول کرتی ہیں؟

ج۔ بے شک ہم دونوں میں کافی فرق ہے میں ٹوئنکل کی بہ نسبت جذباتی بھی زیادہ ہوں۔ ہم دونوں اپنے کام کے بارے میں بات چیت نہیں کرتے۔

س۔ ہماری نظر میں آپ نے اب تک جتنے بھی کردار کئے وہ غیر اہم تھے جسکی وجہ آپ کا کیریئر آگے بڑھنے کے بجائے ٹہر گیا ہے؟

ج۔ جیسا میں نے بتایا ہے کہ میں کردار دیکھ کر فلم سائن کرتی ہوں۔ مجھے پبلسٹی کی ضرورت نہیں ہے۔ فلم مجھے کچھ کہنا ہے۔ میں نے تشار کی بہن کا رول نبھایا ہے۔ اگرچہ اس فلم کے لئے میرے کام کی تعریف نہیں کی گئی مگر پھر بھی اپنے کام سے میں مطمئن رہی۔

س۔ یہ بھی کہا جاتا ہے کہ آپ کا کیریئر اس لئے بھی ٹھیک نہیں چل رہا ہے کیونکہ "ہیروز" آپکی سفارش نہیں کرتے؟

ج۔ میں اس بارے میں کچھ نہیں کرسکتی۔ میں رول حاصل کرنے کے لئے کسی سے رابطہ نہیں پیدا کرتی اور اگر ویسے بھی کسی

نے آپ کی سفارش کرنی ہے تو ایسا آپ کی صلاحیت اور خصوصیات کی بنیاد پر ہونا چاہئے نہ کہ ......

س ۔ آپ کی نظر میں کیا اسے ہی کامیابی کہی جاسکتی ہے ؟

ج ۔ کامیابی کے کوئی طے شدہ پیمانے نہیں ہوتے ۔ اگر میں 20 شائقین کے درمیان کوئی ڈرامہ کرتی ہوں اور مجھے سراہا جاتا ہے تو وہ میرے لئے کامیابی ہوگی۔

س ۔ خبریں گرم ہیں کہ آپ کا اور ادے چوپڑہ کا رومانس عروج پر ہے اس بارے میں آپ کیا کہیں گی؟

ج ۔ ہاں میں نے کہیں پڑھا تھا کہ میں ادے چوپڑہ سے شادی کرنے جارہی ہوں لیکن آج تک میں انتظار میں ہوں کہ اس شادی کے لئے مجھے آج تک کوئی پیغام نہیں آیا۔ حقیقت یہ ہیکہ ان باتوں میں کوئی سچائی نہیں ہے ہم دونوں محض اچھے دوست ہیں اور میں ادے کو کافی عرصہ سے جانتی ہوں۔

س ۔ آپ کی آنے والی فلمیں کونسی ہیں؟

ج ۔ روینہ اور موٹی کے مقابل فلم " شفق " میں کام کررہی ہوں ۔ مہیش دتانی اور پرتیش تندی کی ایک فلم میرے پاس ہے ۔ ایک فلم " جھنکار " میں ایک متاثر کن کردار ادا کررہی ہوں۔ میرے آنے والی فلموں پر مجھے بھروسہ ہے ان فلموں کی ریلیز کے بعد مجھے اپنا وقار اور وجود بنائے رکھنے کیلئے کسی کے سہارے کی ضرورت نہ ہوگی۔

آڈیو ریلیز
" شکتی " ایک رومانی گیتوں کا کیسٹ

ٹپس کیسٹس اینڈ ریکارڈس کمپنی نے اس ہفتہ ایک اور رومانی ہٹ گیتوں کا کیسٹ " شکتی " ریلیز کیا ہے ۔ شاہ رخ خان ، ایشوریہ رائے ، نانا پاٹیکر ، کرشمہ کپور ، سنجے کپور کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل اس فلم کے گیت محبوب نے لکھے ہیں جبکہ موسیقی اسمائل دربار کی ہے ۔ جسکی وجہ اس فلم کے تمام گیت ہٹ ہورہے ہیں۔ اس فلم میں کل نو گیت محفوظ ہیں جن میں " عشق کا مینا ، ہم تم
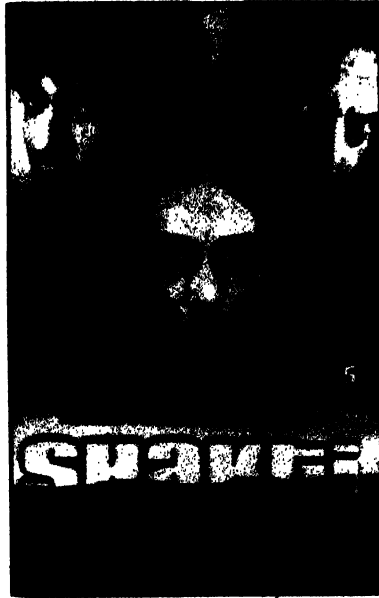
لے ، جھومتا گاتا ہیں ، اے چاند " اور سائیڈ بی میں " ڈمرو باجے ، میرے منے راجہ ، دل نے پکارا ، ہم تم لے ، جھومتا گاتا ہیں " شامل ہیں ۔ ان گیتوں کو الکا یاگنک ، سونو نگم ، عدنان سمیع ، محمد سلامت ، کویتا کرشنا مورتی ، سکھویندر سنگھ ، مہالکشمی ، انورادھا پوڈوال ، روپندر سلاٹھے نے آوازیں دی ہیں ۔ مجموعی اعتبار سے سریلے گیتوں کی وجہ یہ کیسٹس خوب فروخت ہورہے ہیں۔

" چلو عشق لڑائیں " گوبندا اور رانی کے دھماکہ گیت

ٹپس کیسٹس اینڈ ریکارڈس کمپنی نے اس ہفتہ گوبندا اور رانی مکرجی کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل دھماکہ گیتوں کی فلم " چلو عشق لڑائیں " کے آڈیو کیسٹس ریلیز کئے ہیں ۔ جس میں سات گیت محفوظ ہیں ان گیتوں میں " مستی مستی ، تجھکو ہی دلہن بناؤں گا ، چلو عشق لڑائیں ، O پیار کرے بنداس ، پیار کا پھندہ ، پوتے کو دلہا بناؤں گی ، مستی مستی ری مکس " شامل ہیں ۔ ان گیتوں کو سونو نگم ، الکا یاگنک ، سبھا جوشی ، کویتا کرشنا مورتی نے آوازیں دی ہیں ۔ چلو عشق لڑائیں کی موسیقی ہمیش

ریشمیاں نے بنائی ہے جبکہ گیت سمیر نے لکھے ہیں ۔ چلو عشق لڑائیں کے گیت نوجوان طبقہ میں خوب پسند کئے جارہے ہیں ۔ گوبندا کی بہترین فلموں میں چلو عشق لڑائیں ایک بہترین اضافہ ہے۔

شوٹنگ رپورٹ
سنجے شمیتا شٹی کی " انھونی " مکمل

ستیش کھنہ پروڈکشن کے بیانر پر بنائی گئی " انھونی " اس ہفتہ مکمل کرلی گئی ہے ۔ رشی تلوار کی ہدایت میں بنی اس فلم میں سنجے دت ، شمیتا شٹی نے مرکزی کردار نبھائے ہیں ۔ دیگر اہم کرداروں میں چندر چور سنگھ ، پرو راجکمار ، شمع دیشپانڈے اور ٹینو آنند شامل ہیں ۔ موسیقی نکھل ونئے کی ہے ۔

روڈ کے بعد رام گوپال ورما کی " بھوت " تیس فیصد مکمل

ریکھا ، اجئے دیوگن ، ارملا ماتونڈکر ، وویک اوبرائے کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل ورما کارپوریشن کی فلم " بھوت " اس ہفتہ تیس فیصد مکمل کرلی گئی ہے ۔ رام گوپال ورما کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کی دھنیں ملند ساگر نے بنائی ہیں۔

دینو موریہ، یکتا مکھی کی "بند حک" اسی فیصد مکمل

شومین انٹرنیشنل کی فلم "بند حک" کو ڈائرکٹر شری سریواستو نے اس ہفتہ اسی فیصد مکمل کرلیا ہے۔ مکمل دیتے کی دھنوں سے سجی اس فلم میں دینو موریہ، سنجے سوری، یکتا مکھی، نمرتا

شروڈکر اہم رول نبھارہے ہیں۔

امیتابھ بچن، زینت اماں کی "بوم" تکمیل کے مراحل میں

تیز رفتار شوٹنگ کے ساتھ کیتنداد گستاد کی ہدایت میں بن رہی میگا اسٹار کاسٹ فلم "بوم" قریب تکمیل کے مراحل میں قدم رکھ چکی ہے۔ فلم کی موسیقی تلوین سنگھ نے دی ہے۔ فلم میں امیتابھ بچن، جیکی شراف، زینت اماں، مدھو سپرے، گلشن گروور، سیما بسواس، کاترنیا قاضی اہم کردار نبھارہے ہیں۔

فیروز خان کی جانشین ریلیز کیلئے تیار

ایف کے انٹرنیشنل کے بیانر پر بنائی گئی جانشین تمام مراحل کی تکمیل کے بعد بالکلیہ طور پر ریلیز کے لئے تیار ہے۔ اس فلم کو فیروز خان نے ڈائرکٹ کیا ہے۔ موسیقی آنند راج آنند نے فراہم کی ہے۔ فلم میں فیروز خان، فردین خان،

سلینا جیٹلی، جانی لیور، پنکی پروانی، کشمیرہ شاہ، ہرش چھایا، ارچنا پورن سنگھ شامل ہیں۔

آفتاب اور بپاشا کی "جانے ہو گا کیا" دس ریل مکمل

پی کے آرٹس کی فلم "جانے ہو گا کیا"

کی دس ریلس مکمل کرلی گئیں ہیں۔ گلکین انکول کی ہدایت میں بن رہی اس فلم کی موسیقی ساجد واجد نے فراہم کی ہے۔ آفتاب شیوداسانی، بپاشا باسو، پریتی جھنگیانی، راہل دیو، پریش راویل، سنجے نرویکر، ٹینو آنند فلم کے اہم ستارے ہیں۔

انیل کپور اور کرشمہ کپور کی "رشتے" مکمل

انیل کپور، کرشمہ کپور، شلپا شیٹی، امریش پوری، شکتی کپور کی اسٹار کاسٹ پر مشتمل ماروتی انٹرنیشنل کی فلم "رشتے" مکمل کرلی گئی ہے اندر کمار کی ہدایت میں بنی اس فلم کی موسیقی سنجیو درشن نے دی ہے۔

دبدبہ اگلے ماہ ریلیز

ابھنی فلمس کی نئی فلم "دبدبہ" اگلے ماہ ریلیز کردی جائے گی۔ ڈائرکٹر شیام سوفی کی ہدایت میں بنی اس فلم میں شعیب خان، پوجا ڈاول، عارف رضوی، انیشا پوتیوار، راجہ حسن، اسلم رضا،

للت تیواری، وودشی، تیج سپرو، الوک ناتھ کرن کمار اہم رول نبھارہے ہیں۔ موسیقی دلیپ دتہ کی ہے۔

فلمی خبریں

بندو کی بھانجی بھی فلموں میں

اپنے وقت کی لیڈی ویلن و ویمپ بندو کی بھانجی شانامالٹے بھی بہت جلد فلموں میں داخلہ لے رہی ہے، دھماکہ فیگر کی مالک شانا مالٹے کے فلموں میں داخلہ کے اعلان کے ساتھ ہی فلمسازوں نے اپنی دلچسپی دکھانی شروع کردی ہے۔ کچھ فلمساز اسے سشمیتا سین کی طرح ایٹم گیتوں میں پیش کرنا چاہ رہے ہیں۔

بگ بی بے حد مصروف

پہلے سے ہی کافی مصروف چل رہے میگا اسٹار امیتابھ بچن کو بالی ووڈ میں روز نئے نئے آفر مل رہے ہیں۔ انھوں نے حال ہی میں انتہائی مصروفیت کے باوجود مزید تین بڑے بیانر کی فلمیں سائن کی ہیں۔ انکی "اقبار، باغبان" سیٹ پر ہیں جبکہ انکی کانٹے ریلیز کے لئے تیار ہے۔

ایشوریہ سلمان سے پریشان

لاکھ کوششوں کے باوجود اب تک سلمان خان ایشوریہ کو اپنی سچی محبت کا یقین اور احساس نہیں کراپایا۔ حال ہی میں اس نے ایشوریہ کے برتھ ڈے پر کافی ہنگامہ کھڑا کردیا جسکی وجہ سے ایشوریہ رائے ان سے اور بھی زیادہ ناراض و پریشان رہنے لگی ہے اور اس نے ذہنی تناؤ کو دور کرنے کے لئے اپنے پریمی سبیر بھاٹیہ میں دلچسپی لینی شروع کردی ہے۔ ہوا یوں کہ سالگرہ پارٹی میں غصہ میں بھرے سلمان خان نے ہاتھ ملانے کے بہانے سبیر بھاٹیہ کا ہاتھ سگریٹ سے جلادیا۔

اداکار عذیر خان سفر کامیابی کی سمت رواں

حیدرآبادی فنکاروں نے فلموں اور ٹی وی سیریلوں میں جب بھی موقع ملا اپنی اداکارانہ صلاحیتوں کا عمدہ مظاہرہ کیا ہے۔ ایسے ہی ایک فنکار عذیر خان ہیں جنھیں ٹی وی سیریلس اور ڈراموں میں اہم رول ملے۔ ہر کردار کو عذیر نے یادگار بنایا ہے حالانکہ اداکاری کی باقاعدہ کوئی تربیت نہیں لی، فن خداداد ہوتا ہے اسے عذیر نے ثابت کردکھایا۔ عذیر خان جناب ایم اے ستار خان ریٹائرڈ ہیلتھ انسپکٹر مونسپل کارپوریشن کے فرزند ہیں۔ ڈاکٹر مجید خان ماہر نفسیات، جناب عبدالرحیم خان چیف انجینئر پی ڈبلیو ڈی، عذیر کے تایا اور مسٹر وحید خاں سیول کنٹراکٹر چاچا ہیں۔ محمد

مصطفی خان، حمید خان اور اقتدار خاں، عذیر کے حقیقی بھائی اور مسٹر خلیل قریشی، عدیل قریشی مقیم امریکہ خالہ زاد بھائی ہیں۔ عذیر خان نے فائن آرٹس اکیڈیمی سے وابستہ ہو کر ڈراموں میں 1985 سے کام کرنا شروع کیا۔ طالب علمی کے دور میں سینٹ فلاور اسکول اور انوار العلوم کالج میں، جہاں انھوں نے تعلیم حاصل کی۔ جب بھی ڈراموں کے مقابلہ ہوتے عذیر حصہ لیتے رہے۔ اچھوت کی چھایہ ڈرامہ کی کہانی انہیں آج بھی یاد ہے اس ڈرامہ میں عائشہ سلطانہ نے ہیروئین کا کردار ادا کیا تھا جو بعد میں 1988 میں عذیر کی شریک حیات بن گئی۔ عذیر کے والدین نے ہمیشہ عذیر کی حوصلہ افزائی کی، عذیر کو ای ٹی وی اردو چیانل کی کی ٹیلی فلم دھڑکن کا احساس میں کنول جیت کے ساتھ، ہندی چیانل نج منٹ میں رجت کپور کے ہمراہ، سیریئل زہرہ محل میں نادرہ کے ساتھ کام کرنے کا موقع ملا، سیریئل آٹو اسٹانڈ، کچی بستی، ہماری زینت، باتیں مزاج کی، تلاش میں کام کیا۔ حیدرآباد دوردرشن کے انجمن پروگرام میں ٹیلی کاسٹ ہونے والی ڈراموں میں بھی عذیر کو لیا جاتا رہا ان میں جناب اظہر افسر کے ڈرامہ خالہ کی مرضی، اتوار کا دن، جناب متین صدیقی کا لکھا ڈرامہ تھوڑی میں بھلائی قابل ذکر ہیں۔ سونی ٹی وی کے متعدد سیریلس میں بھی کام کررہے ہیں۔ عذیر خان، امتیابھ بچن، سنجیو کمار، شاہ رخ خان اور گوندا کی اداکاری کو پسند کرتے ہیں۔ عذیر کا کہنا ہے کہ سیٹلائیٹ چیانلس میں اضافہ کے بعد فنکاروں کو ٹی وی سیریلس میں کام کرنے کے زائد مواقع حاصل ہیں اگر فنکار باصلاحیت ہو تو پروڈیوسرس کا منظور نظر بن جاتا ہے۔ خلوص سادگی اور ملنساری بھی ضروری ہے۔ عذیر خان کا سفر کامیابی کی سمت رواں ہے، عذیر خاں سے فون نمبر 4552250 پر ربط قائم کیا جاسکتا ہے۔

●●●●

بشیر محمود

فوڈ پوائزنگ سے کیسے محفوظ رہا جائے؟

ہمارے ہاں صفائی کا معیار بے حد دگرگوں ہے ۔ کھانے پینے کی اشیاء سر عام رکھی گئی ہوتی ہیں۔ فٹ پاتھوں پر کھانے کی ریڑھیاں بھی ہوتی ہیں کھانے پینے کی اشیاء پر مکھیاں بھنبھنارہی ہوتی ہیں ۔ ٹریفک کے باعث گرد و غبار کھانے کی اشیاء کا حلیہ بگاڑ رہا ہوتا مگر ہم فٹ پاتھ پر بیٹھے کھانا فروخت کرنے والے سے کھانا کھارہے ہوتے ہیں ادھر برتنوں کا یہ عالم ہوتا ہے کہ ان کو مزید گندے پانی سے دھویا جاتا ہے اور انتہائی غلیظ کپڑے سے صاف کیا جارہا ہوتا ہے ۔ ہر قسم کے پھل سر عام ریڑھیوں پر رکھ کر بیچے جاتے ہیں۔ پھلوں پر مٹی کی تہیں جمی ہوتی ہیں ہم پھل خرید کر بغیر دھوئے کھاجاتے ہیں۔

گوشت کی دکانوں کا یہ عالم ہے کہ کنڈیوں پر لٹکائے گئے گوشت پر مکھیوں کی یلغار ہوتی ہے غرض کھانے پینے کی اشیاء کو ڈھانپ کر رکھنے کا ہمارے ہاں رواج نہیں ۔ ان اشیاء کے کھانے سے ہم مختلف النوع بیماریوں کا شکار ہورہے ہیں اور پتہ اس وقت چلتا ہے جب تکلیف حد سے زیادہ ہوجاتی ہے اور معاملہ ہاتھ سے نکل چکا ہوتا ہے پھر ہم ڈاکٹروں اور حکیموں کی طرف رجوع کرتے ہیں مگر کیا کیا جائے ہمارا معاشرہ ہی ایسا ہے ، ہم آلودہ خوراک کھانے پر مجبور ہیں اور اس کے علاوہ کوئی چارہ کار بھی نہیں ہم صاف ستھری سبزیاں ، غیر آلودہ پھل اور دوسری اشیاء خورد و نوش آخر کہاں سے ڈھونڈیں ۔ ایک لحاظ سے یہ ممکن بھی نہیں ہے ۔ اس قدر آلودہ اشیائے خورد و نوش کو کئی مرتبہ بھی دھویا جائے تو بھی ان پر سے آلائش دور نہیں ہوسکتی۔ خاص طور پر شہروں میں رہنے والے افراد کی اکثریت اس آلودہ ، ناقص خوراک کے استعمال کے نتیجے میں مختلف النوع بیماریوں کے پنجے میں جکڑی ہوئی ہے ۔ گلے سڑے اور غیر معیاری پھل ہم اس لئے کھاتے ہیں کہ بڑی دکانوں پر پھلوں کی قیمت اس قدر زیادہ ہوتی ہے کہ ایک متوسط طبقے کا فرد اسے برداشت بھی نہیں کرسکتا۔ یہ ہماری بد قسمتی ہے کہ ہم اس ادھورے معیار کے شکنجے میں کسے ہوئے ہیں۔ ترقی یافتہ ممالک میں صورتحال اس سے بالکل مختلف ہے ۔ کھانے پینے کی اشیاء کو انتہائی قرینے سے رکھا جاتا ہے انہیں شیشے کے شوکیسوں کے اندر رکھتے ہیں ۔ سبزیاں وغیرہ رکھنے کا بھی یہی طریقہ ہے ۔ ایسے صاف ستھرے ماحول سے اشیاء خوردنی لے کر

کھانا صحت کیلئے بھی غیر مفید ثابت نہیں ہوتا۔

ہمارے ہاں بڑے شہروں کے رہنے والوں کی اکثریت پیٹ کی مختلف بیماریوں کا شکار ہورہی ہے ۔ ہم آئے روز فوڈ پوائزنگ کا شکار ہوتے رہتے ہیں خصوصی طور پر موسم گرما میں فوڈ پوائزنگ کے کیس بہت زیادہ دیکھے جاتے ہیں۔ مگر اس کیلئے موسم کی کوئی قید نہیں سردیوں میں بھی فوڈ پوائزنگ کی تکلیف لاحق ہوسکتی ہے

کیونکہ فوڈ پوائزنگ کا تعلق گندگی اور جراثیم سے ہے مگر موسم گرما میں جب ہم پیٹ بھر کر کھاتے ہیں اور اوپر سے وافر مقدار میں پانی پی لیتے ہیں اور خوراک اور پانی دونوں ناقص ہوں تو اسکا نتیجہ فوڈ پوائزنگ اور معدے کی خرابی بھی ہوسکتا ہے۔

ماہرین خوراک کے نزدیک فوڈ پوائزنگ کی تین وجوہات ہوتی ہیں وقت، آلودگی اور درجہ حرارت، کیڑے مکوڑوں کی افزائش کیلئے نمی اور گرمی کی بڑی اہمیت ہے۔ ہم کسی کو مجبور نہیں کرسکتے کہ وہ گھر سے باہر کھانا کھانے سے اجتناب کرے کیونکہ ہر شخص ورائٹی کا خواہاں ہوتا ہے اور چاہتا ہے کہ معمول سے ہٹ کر وہ کہیں باہر کھانا کھائے تاہم اس کیلئے کچھ باتوں کو مدنظر رکھنا ہوگا۔

کسی ایسے ہوٹل یا ریسٹورنٹ میں جانا چاہئے جس کے متعلق آپ کو یقین ہو کہ وہاں حفظان صحت کے مطابق خوراک تیار کی جاتی ہے۔ جہاں برتنوں کی صفائی کا بھی خاص خیال رکھا جاتا ہے اس امر کا اندازہ ہوٹل کا کچن دیکھ کر بخوبی کیا جاسکتا ہے اس کے بعد جب بھی باہر کھانا کھانے کو دل چاہے تو ایک ہی ہوٹل میں جایا جائے اس طرح انتظامیہ واقفیت کی بنا پر آپ کو صاف ستھرا کھانا مہیا کرے گا۔

کسی ہوٹل میں کھانا کھانے سے پہلے برتن اور چمچ چیک ضرور کریں کہ ان کی صحیح صفائی کی گئی ہے یا نہیں اگر شک ہو تو پلیٹوں کو دوبارہ دھلوالیں۔ اس بارے میں ہچکچاہٹ کا مظاہرہ نہیں کریں کیونکہ یہ صحت اور زندگی کا معاملہ ہے۔ ذرا سا شک کی صورت میں کھانا واپس کردیں کسی ایسے ریسٹورنٹ میں کھانا کھانے کیلئے جائیں جسکی شہرت اچھی ہو اور پیسوں کے لالچ میں وہ گاہکوں کو غیر معیاری کھانا فراہم کرنے میں بدنام نہ ہو۔

کچھ کھانے ایسے ہوتے ہیں جن سے فوڈ پوائزنگ کا خطرہ ہوتا ہے۔ ٹھنڈا چکن کھانے سے احتراز کیجئے۔ پکا ہوا گوشت خصوصی طور جو درمیان سے گلابی ہو کھانے کا خطرہ مول نہ لیں۔ ایسے برتن جن میں کچے انڈے توڑ کر رکھے گئے ہوں بغیر صابن سے دھلائی کئے اس میں کوئی کھانا ڈال کر ہرگز نہ کھائیں۔ رات کے پکے ہوئے چاولوں کو فرج سے نکال کر دوبارہ گرم کرکے کھانے میں احتیاط برتیں کیونکہ اس سے بھی فوڈ پوائزنگ کا خدشہ ہے۔ جھینگا بھی بعض لوگوں کو الرجی کرسکتا ہے جو پہلی مرتبہ جھینگا کھانا چاہیں اور بہت احتیاط کے ساتھ بالکل اسکی تھوڑی مقدار کھانی چاہئے۔

سبزیاں اور پھل اچھی طرح دھوئے بغیر ہرگز نہ کھائیں کیونکہ سبزیاں اور پھل اول تو گندے پانی سے دھوئے گئے ہوتے ہیں یا انکو دھویا ہی نہیں جاتا اور ان پر کیمیکل لگے ہوتے ہیں یا گندگی ہوتی جس سے فوڈ پوائزنگ کا خطرہ ہوتا ہے۔

کوشش کریں تازہ خوراک کھائی جائے اور دوسری مرتبہ گرم کرنے کی نوبت نہ آئے تو بہتر ہے۔ گوشت ہمیں اچھی طرح پکایا یا گلا کر استعمال کرنا چاہئے زیادہ سخت چیز کھانے سے بھی اجتناب کریں۔

جب فوڈ پوائزنگ کی شکایت ہوجائے تو عام طور پر اس کی علامت یہ ہے کہ مریض کو الٹیاں آتی ہیں پیٹ میں درد ہوتا ہے اور اسہال کی تکلیف بھی لاحق ہوتی ہے۔ کھانے میں متعدد اقسام کے جرثومے موجود ہو تو فوڈ پوائزنگ کی تکلیف ہوسکتی ہے ان کی تفصیل کچھ یوں ہے، غیر محفوظ کھانوں میں ایک جرثومہ سلونیلا پیدا ہوجاتا ہے جس سے انہیں اسہال، بخار اور پیٹ میں درد کی تکلیف ہوجاتی ہے یہ علامات 12 سے 14 گھنٹے کے دوران ظاہر ہوسکتی ہیں۔ یہ کچے گوشت انڈے اور پولٹری میں پایا جاتا ہے۔ پولٹری اور اچھی طرح نہ پکے ہوئے دودھ میں جرثومہ کیمپس لو بیکٹریا پیدا ہوجاتا ہے ایسی چیزیں کھانے کے بعد 2 سے لیکر 10 گھنٹے کے اندر اندر اسہال رفع حاجت کے وقت خون آنے اور پیٹ درد کی شکایت ہوتی ہے۔ ٹھنڈا کھانا کھانے، نرم چیز کے استعمال چکن اور غیر معیاری سلاد اور قیمے، قیمے کے سموسے کھانے سے بعض اوقات جرثومہ لیسٹریا پیدا ہوجاتا ہے۔ جسکے نتیجے میں فلو کی علامات ظاہر ہوسکتی ہیں اسکا دورانیہ کئی کئی ہفتے تک ہوتا ہے۔ گوشت کے پکوان گرد آلود اور بغیر ڈھکے ہوئے کھانا کھانے کے نتیجے میں اسہال اور پیٹ درد کی شکایت لاحق ہوجاتی ہے اور اسکی وجہ ان اشیاء میں موجود جرثومہ کلوسٹریڈیم پرفرنجنز ہوتا ہے۔ پانچ سے لیکر 22 گھنٹے کے دوران علامات ظاہر ہوسکتی ہیں۔ تلے ہوئے چاول دوبارہ گرم کئے جائیں تو ان کے اندر بیکلس سربوز جرثومہ پیدا ہوجاتا ہے جس سے الٹیاں اسہال اور درد شکم کی کیفیت پیدا ہوتی ہے۔ یہ علامات ایک سے لیکر چھ گھنٹے کے دوران ظاہر ہوتی ہیں۔ مچھلی گوشت غیر صاف شدہ کپڑے سے اگر ڈھکے گئے ہوں تو جرثومہ کلوسٹریڈیم بیٹولینئیم پیدا ہوجاتا ہے جس کی علامات سر درد، چکر آنا، آنکھوں کے آگے اندھیرا چھا جانا، سانس لینے میں دقت وغیرہ ہیں۔ یہ کیفیت 12 سے لیکر 36 گھنٹوں کے اندر پیدا ہوسکتی ہے۔ ایسی بوتلیں یا کین جو صاف نہ ہوں ان کے اندر پیک کھانا بھی مضر صحت ہوتا ہے۔ فوڈ پوائزنگ کی اگر متذکرہ علامات ظاہر ہوں تو از خود علاج کرنا خطرناک صورتحال کو جنم دے سکتا ہے ایسی صورت میں فوری طور پر ڈاکٹر سے رجوع کرنا چاہئے۔

جب آپ کسی لمبے سفر میں ہوں تو کھانا کھانے کا مسئلہ درپیش ہوتا ہے ظاہر ہے کہ کھانا سڑک پر موجود ہوٹل سے ہی مل سکتا ہے اور یہی بات یہ ہے کہ ان سڑک کنارے والوں ہوٹلوں کا کھانا بالکل ناقص اور مہنگا ہوتا ہے۔ یہ کھانا کھانے سے انسان بیمار پڑسکتا ہے۔ اسکا حل یہ ہے کہ بسکٹ، چاکلیٹ، ساتھ رکھا جائے۔ رس بھی رکھے جاسکتے ہیں اور چائے کی پیالی کے ساتھ بسکٹوں سے بھوک مٹائی جاسکتی ہے۔

پیٹ بھر کر کھانا بھی فوڈ پوائزنگ کا باعث بن سکتا ہے۔ خصوصی طور پر موسم گرما میں پانی بھی کثرت سے پیا جاتا ہے کھانے سے پیٹ بھرا ہو تو پانی سے معدے پر مزید بوجھ پڑتا ہے۔ لہذا حضور اکرمؐ کے فرمان کے مطابق ابھی بھوک باقی ہو تو کھانے سے ہاتھ اٹھا لینا چاہئے اس طرح معدے کی تکالیف سے بچا جاسکتا ہے۔ اگر کھانے میں سرکے کو بھی شامل کرلیا جائے تو انسان معدہ کی تکلیف اور فوڈ پوائزنگ سے بچ سکتا ہے۔ اس ضمن میں لیموں کا استعمال بھی بے حد مفید ثابت ہوتا ہے۔ کیونکہ لیموں کا رس اور سرکہ خوراک میں موجود جرثومہ کو ہلاک کرنے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

sented to the Prime Minister of Malaysia YAB Dato' Seri Dr. Mahatir Mohamad and his wife, YBhg. Datin Seri Dr. Siti Hasmah bt. Mohd. Ali, The exhibits include fine crystal ware and gifts fashioned out of wood, leader, silver, copper, pewter, ceramics and glass. There are musical instruments, Islamic art and craft, textiles and weapons. A part of the display includes various proto type cars and 4-wheel drive vehicles. The Galeria Perdana comprises of two double-storey buildings set within a beautifully landscaped gardens.

OTHER ATTRACTIONS : Laman Padi Langkawi is a latest attraction and one that should not miss for agro-tourism lovers. Taman Lagenda is a scenic park with its beautiful garden of vivid local blooms, plants and fruit trees. Craft Cultural Complex is located on the northeren coastline of Langkawi Island. Langkawi Crystal is located along Jalan Kisap, 5 km north of Kuah, which offer an attractive and exquisite range of glass products. Langkawi Yacht Club situated within walking distance from Kuah Jetty Point is an exclusive establishment with a beautiful club house and a fully equipped marina.

GETTING TO LAGKAWI : (By Air) the Langkawi International Airport at Padang Mat Sirat is about 20 km from Kuah and 9 km from the beach resort in Pantai Cenang. Direct air service from Kuala Lumpur to Langkawi are provided by Malaysian Airlines on a daily basis and Air Asia, five times weekly. Silk Air also flies regularly from Singapore to Island, There are also direct international flights to Langkawi from Osaka and Taipei.

(By Road) : Visitors travelling by road have to drive to Kuala Kedah or Kuala Perlis on the north-western coast of Peninsular Malaysia, the main take-off point by ferry to Langkawi. The Journey from Kuala Lumpur to Kula Kedah takes about 6 hours while Kuala Perlies is another one hour way. BY RAIL : Keretapi Tanah Melayu Berhad (KTMB) or Malayan Railway provides comfortable and economical rail service from Kuala Lumpur to Alor Setar and Arau. From There you can take a taxi or bus to Kulah Kedah or Kuala Perlies. and then by ferry to Langkawi.

BY FERRY : Express ferries provide regular services daily to Langkawi from both Kuala Kedah and Kualah Perlis. The Journey takes 1 hour and 15 and 45 minutes respectively.

ACCOMMODATION: Langkawi offers a wide range of accommodation to suit every budget and taste.

FOR FURTHER INFORMATION : Please contact : Langkawi Tourist Information Centre Jalan Persiaran Putra, 07000 Kuah, Langkawi (Malaysia) Ph. 04-9667789. Fax. 04-9667889 : E-Mail. mtpblgk@tourism.gov.my.

In India : Marketing Manager-S. India, Office of the Assistant High Commissioner for Malaysia, 6, Sriramnagar North Street, Alwarpet, Chennai-600 018 Tel. 4343048 / 4348624 : Fax . 091-44-4342893 :

E-Mail.

mtpb.chennai@tourism.gov.my

Webiste .

www.tourism.gov.my.

****

****

****

marine life, exhibited in more than 100 tanks of different sizes. The highlight is a giant tank housing large marine species such as sharks, stingrays, groupers and green turtles, with a 15 - metre tunnel for visitors to walk through and enjoy a spectacular view of the exhibits. Underwater gardens of weeds and sea plants together with exotic fishes and exhibits of fossils and shells add to the range of interesting sights. Open 10.00 am to 6.00 pm (daily).

ISLAND CRUISES : Going on island cruises is a great way to relax and take breath-taking scenery of Langkawi as your boat weaves through the watery passageways between the islands. A round trip, which takes four hours, includes Pulau Dayang Bunting, Pulau Beras Basah and Pulau Singa Besar. Boats can be taken from Marble Beach and Pantai Cenag. Special itineraries with a barbecue meal, snorkelling or trips to other islands can also be arranged.

DATARAN LANG : Dataran Lang (Eagle Square) is Langkawi's most prominent landmark for visitors arriving by sea. Situated near the Kuah Jetty, the main attractions of the square is the magnificent statue of the reddish brown eagle majestically poised for flight. According to local folklore, Langkawi derived its name from the eagle or "helang. In old Malay 'kawi' denotes reddish brown - hence, Langkawi means reddish brown eagle.

The square is beautifully landscaped and features scenic ponds, bridges, covered terraces, restaurants and barrel vaults made of bricks. Its close proximity to the sea and the soft breezes make it an ideal spot for leisurely walks and a tranquil setting for dining in the coold evenings.

The square is beautifully illuminated at night and presents a dramatic scene as you approach the island by sea. Indeed, the majestic eagle is strategically positioned to welcome visitors to Langkawi.

TAMAN BUAYA LANGKAWI : Langkawi Crocódile Farm, located at Kubang adak, 32 km from Kuah, has more than 1,000 crocodiles of various species. Here, on can witness and photograph crocodiles and alligators playing and feeding in a controlled environment that closely resembles their natural habitat. Open 9,00 am to 6,00 pm (daily).

TELAGA TUJUN : Located on the north-western corner of Pulau Langkawi, Telaga Tujuh (Seven Wells) is a geological marvel. The waterfall is so named because its cascading waters is broken by a series of seven natural pools. The lush green forest that surrounds the waterfall add, a mystical touch to the natural splendour. Legend has it that fairies used to come down to the waterfall to bathe and frolic.

KAMPUNS BUKU MALAYSIA : In Langkawi it is the first and only book village in South-East Asia. It is part of International Book Village and book Town Movement. It is located just 10 minutes from Langkawi International Airport and 15 minutes from the Ferry Terminal.

GALERIA PERDANA : It is about 11 km from Kuah, which houses an impressive collection of over 2,500 state gifts and awards pre-

reau Bay in Langkawi, the Oriental village is one of the region's newest and most unique shopping, cultural and culinary destinations. Specially designed to provide a new concept in resort duty free shopping, the Oriental village also houses fine themed resturants, reflecting Asia's culinary delights.

With over 470 brands and 17,000 products, the village offer shopping buffs a bewildering range of international designer labels and local products. Bold displays of culture and fashion and fascinating handicrafts demonstrations by local craftsmen add to the enjoyment of shopping here. A delightful In completes the village concept while cultural and threatre performances enhance the Oriental theme that encompasses the village. Indeed, a blend of the traditional and modern intertwine with the local culture will provide a unique experience for the visitors. Apart from excellent restaurants, a specially designed food court offers an excellent rest shop for refreshments. Open from 10.00 am to 10.00 pm (daily).

TASIK DAYANG BUNTING : Nestled amidst lush forested hills on an island south of Pulau Langkawi is Tasik Dayang Bunting.

THE LAKE OF THE PREGNANT MAIDEN : It is the largest Lake in Lagkawi. The Outline of the hills and rocky outcrops on one side of the lake resembles the shape of a pregnant maiden lying on her back. However, the name of both the island and the lake is attributed to the legend of a lovely fairy princess who married an earthly prince. Her first child died shortly after birth. She was so sad and depressed that she buried the child in the crystal clear waters of the lake. Before she returned to her celestial abode, she blessed the waters so that any childless maiden who bathed in the lake would conceive therafter.

PULAU PAYAR MARINE PARK : It is situtated in northern part of the strait of Melaka, 19 natical miles south of Langkawi and encompases the islands of Pulau Payar, Pula Lembu, Pulau Segantang and Pulau Kaca which are surrounded by coral reefs. The marine park teems life and vegetations. Many endangered species of fishes and marine organisms live within the sanctury.

UNDERWATER WORLD LANGKAWI : It is a marine showcase featuring both fresh and salt water fish and other forms of marine life, is a must-see attraction. Located at Pantai Cenang, a popular beach on the island, this acquarium features more than 5,000 types of

TANJUNG RHU : Tanjung rhu lies on the northern cape of Pulau Langkawi. Aptly named for its abundance of casuarinas, its enchanting beach affords magnificent views of nearby islands which can be reached at low tide on foot. An experience not to be missed.

A short journey by boat from Tanjung Rhu brings you to the doorstep of Gua Cherita (Cave Legends). As its name implies, the cave is steeped in fabled tales of mystery and romance. On the wall of the cave can be seen ancient writing which has yet to be deciphered.

PANTAI KOK, PANTAI CENANG, PATAI TENGA, DATAI AND BURAU BAY : These idyllic beaches offer carefree sun-filled days and quiet evening strolls. First-class accommodation in modern hotels or captivating chalets is available. A wide range of exiting water-sports provide fun and thrills for the energetic. Restaurany outlets is the hotels and outdoors serve a variety of appetizing cuisine.

SUMMER PALACE LANGKAWI : Situated amidst lush tropical greenery at Pantai Kok, the Summer Palace Langkwai is one of the island's attraction. In 1999, 20th Century Fox commissioned the construction of this magnificent and expensive movieset for the making of the film 'Anna and the King'.

Built almost entirely of local timbers by Malaysian and foreign artisans, the Summer Palace resembles a traditional Thai Palace. The Palace encompasses an area of 675 square meters and stands 16.6 metres high. Apart from the original movie set, a restaurant, souvenir shops and pavilion have been added. Open from 9.00 am to 10.00 pm (daily).

ORIENTAL VILLAGE : Overlooking beautiful Bu-

unmatched anywhere else in Southeast Asia.

With a geological history dating back 500 million odd years, the islands contain unique rock formations that stir the imagination and baffle the mind. Numerous caves, with their stunning stalatites, taunt the adventurous to unravel their ancient secrets. Fine beaches offer sun-filled days of complete relaxation. The clear emerald waters around the islands provide numerous opportunities for a host of water sports and recreational activities. The enchanting marine life beneath the waters of Langkawi's islands also beckon diving enthusiasts.

Places of Interest : KUAH. The main town is located on the south-eastern tip of Pulau Langkawi. It is the take-off point to the neighbouring islands. The name 'Kuah' is a Malay word meaning 'gravy' and is associated with an ancient legend of two battling giants who overturned a gigantic pot of curry at the spot where the town now stands. Once a rustic town with a few streets, present day Kuah is a thriving centre of modern hotels and shopping-cum business complexes. but without the over crowding and bustle of modern cities. Kuah is a duty free shopping haven with a wide variety of goods sold at attractive prices and its restaurants offer excellent culinary delights, specially fresh seafood.

MAKAM MAHSURI : With a fabled and historical past, Langkawi is a treasure trove for visitors. Among the significant sites on the island that have been preserved for prosperity is Makam Mahsuri (Mahsuri's Mausoleum) about 12 km from Kuah. This shrine was erected in honour of Mahsuri, a fair maiden who was unjustly accused of adultery. According to legend, she bled white blood at her execution as a sign of her innocence. In her dying breath, she laid a curse on the island that it would remain barren for seven generations. Fact or fiction, seven generation have since passed and today, Langkawi is a flourishing tourist destination. Open 7.30 am 6.00 pm (daily).
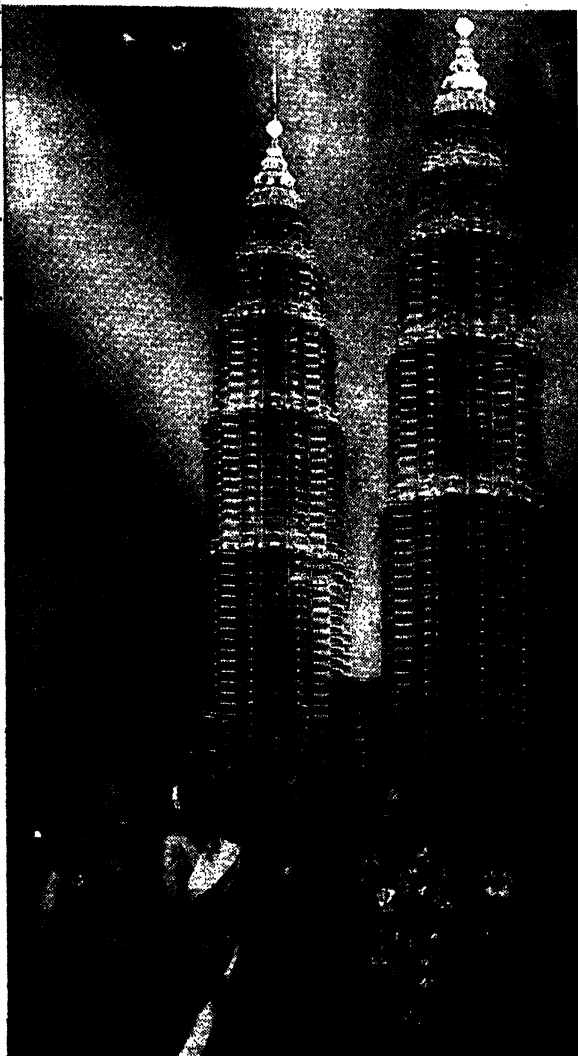
LANGKAWI TROPICAL ISLANDS (MALAYSIA)

M.A. Mahmood, Tourist Information Officer (Retired)

MALAYSIA is endowed with many natural advantages. Situated in the heart of South-East Asia, it lies at the cross roads of the major air and sea links within the region as well as the world. It is accessible by road and rail from Thailand in the north of the Peninsula and from Singapore via the southeastern state of Johor. The main international airports within the country have direct links with many oversea desitinations while Port klang and Penang in the straits of Malacca link the country to the rest of the world by sea.

Travel within the country is relatively easy and served by air-conditioned trains and buses and also by regular scheduled flights.

The climate is generally warm troughout the year with daily temperatures ranging around 300C in the lowlands dropping to as low aw 160 C in the highlands. The total annual rainfall averages around 200 cm. The weather months in the West Coast are between April to August and from October to March in the East Coast. The abundance of sunshine and rainfall acounts for the lushness of the vegetation.

The spirit of Malaysia is True Asia, as the slogan goes, and it is not an empty boast. People of Asia - the Chinese, the Indian and the Malay mingle and live as one people. This spirit is also visible in cuisine, clothes, culture and language.

The variety of its natural wonders is as endless as the diversity of its culture and traditions. And to top it all, is the genuine warmth and inherent hospitality of its gentle people. The kind of hospitality that makes you feel completely at home wherever you may be in Malaysia.

Welcome to Langkawi :

LANGKAWI comprises a group of 99 tropical islands lying off the north-western coast of Peninsular Malaysia, about 30 km from Kuala Perlis and 51 km from Kuala Kedah on the mainland. The main island is popularly known as Pulau Langkawi. The islands are blessed with an intriguing heritage of fabulous myths and legends of ogres and gigantic birds, warriors and fairy princesses, battles and romances. As a natural paradise, the islands are perhaps

come and go. If you ignore the urge, you may lose the opportunity. The longer stool stays in the bowel, the harder it gets as more water is reabsorbed, and the more difficult it is to expel.

GERD or Gastroesophageal Reflux Disease

Occasional heartburn can be
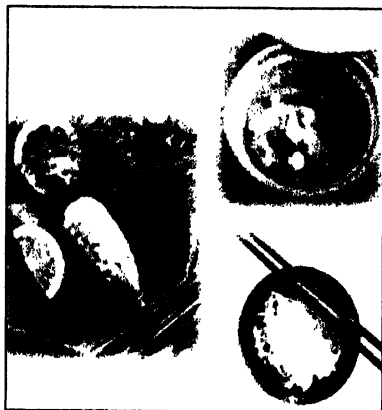
a problem for anyone after a large, rich meal; but when it bothers you regularly (at least twice a week), it is considered gastroesophageal reflux disease or GERD. This condition is more than just annoying and uncomfortable. The effect of the harsh stomach acid on the tissue in the esophagus can lead to a precancerous condition called 'Barrett's esophagus' or can be related to respiratory problems like asthma.

Let's define a few terms. The esophagus, as you may know, is the tube that connects the mouth with the stomach. Food moves down the esophagus after you swallow. Reflux, or the movement up the esophagus of stomach acid, is the result of either a weak esophageal sphincter, the muscular valve separating the esophagus from the stomach, or too much pressure in the stomach.

What can you do about GERD?

❖ **Although** the most common treatment for GERD in conventional medicine is medication, there are some basic life-style strategies that are very effective.

❖ **Keep** a food log to track the foods and beverages that make your symptoms worse. There are foods and beverages that weaken the esophageal sphincter- peppermint, citrus, caffeine and alcohol. Other foods have

also been implicated- tomatoes, garlic, dairy products and high fat meals. Wheat and other grains containing gluten (oats, barley and rye) are problems for some people. Learn what affects you.

❖ **Eat small meals.** Large meals increase the upward pressure in the stomach and can cause problems even in people without GERD.

❖ **Wear loose clothing.** Even tight belts or waistbands can increase stomach

pressure enough to force acid up the esophagus.

❖ **Don't eat right before bedtime.** Eat early enough to give your meal time to leave your stomach before you lie down. Let gravity help.

❖ **Raise the head of your bed**- again to allow gravity to work. Raising your head by sleeping on two pillows may actually make the situation worse. Shoulders need to be raised as well or the esophagus can get crimped almost like a garden hose, increasing pressure in the stomach.

****

DIGESTIVE PROBLEMS

Mohd. Mushtaq Ahmed

ALTHOUGH many digestive health issues are not life-threatening, they can cause us a lot of discomfort. And many of these small ailments can lead to more serious disorders, so it pays to know the early warning signs - and the solutions.

Constipation: Common Constipation, in addition to being uncomfortable, can be a troubling risk factor for hemorrhoids, diverticulosis and more serious intestinal problems. It is simply a mechanical problem of food moving through the digestive tract too slowly, leading to hard stools and difficult bowel movements. In most cases, constipation can be alleviated by life-style changes, although certain medications and neurological problems may be involved. Irritable bowel often involves alternating periods of constipation and diarrhea. If you have this pattern, try to identify triggers or specific foods that trigger your symptoms. If life-style changes don't reverse constipation, see your physician.

What can you do about Constipation?

❖ **Drink plenty of fluids** — at least 10-12 glasses (preferably of water) a day.

❖ **Eat at least 40 grams of fiber a day**— A high-fiber cereal (more than 8 grams fiber per serving) plus generous amounts of vegetables, fruits and legumes is especially important for avoiding constipation.

❖ **A fiber supplement may also be helpful** — Make sure to drink plenty of water everyday.

❖ **Exercise daily** — Exercise does more than tone your heart and muscles; it also tones your intestines and is essential to regular bowel movements.

❖ **Utilise some type of relaxation technique daily** — Stress can interfere with relaxation of the whole body, including the bowels.

❖ **Try to establish a regular schedule and don't ignore the urge to go** — Peristalsis of the bowel, the movements that trigger a bowel movement,

that the NCERT for the first time tried to identify areas of sex bias in language text-books. When their representatives met the primary teachers about sorting the problem, it was shocking revelation that they were completely oblivious about sexist stereotypes. Some projects and workshops were launched to build up awareness for the elimination of this gender difference but situation remains the same even after a decade-and - a half. Even today in most of our primary schools, girls along with boys are referred to as beta (son) thereby annihilating their mere presence in the class. No boy has ever been referred to as beti (daughter)! Well, considering that the teachers (even the females) barely recognize the presence of girls in the classroom, sensivitty to subtler gender issues as might occur in the texts is a far cry.

But of late, despite the NCERT, having developed a set of guidelines for the elimination of gender stereotyping in textual material and the same disseminated to the authors and publishers, not much has changed. It all began in 1975 after a conference was held to examine the "Status of women through curriculum". Subsequent to this NCERT has also set up a women's study group that conducts series of evaluation and workshops. Known as Department of women's Studies, useful research work has been carried out by Sushma Jairath, Janki Rajan, Usha Nayar, Gauri Srivastava, Urvashi Butalia, Sudha Kale and Raj Rani. Urvashi Butalia has also worked in six countries. To her chagrin she complains, "Our commitment to make girls a part of the educational process has not met with even an iota of success in most parts of India. In a country like India most girls get married by or before they are 20. According to the World Youth Report 2001, 50 percent girls in India get married in the age group 15-19 and immediately there are pressures on them for early fertility that further reduces their chances of getting along with further studies. Even the schools do not support girls with early fertility with nurseries to look after their siblings. Similar is the problem with school girls o the same age group in the USA who do not pursue their studies owing to increased urges for sexuality but their schools support them with nurseries.

In spite of the sincere efforts on the part of the NCERT, it is just impossible to keep a vigil on all and sundry publishers who often bring out spurious publications that can be detrimental for the crystallizaing, young impressionistic minds. Publishers have to be cautios if any changes are to percolate at the social level regarding this sensitive issue. It is time that the blunders we have made at conscious or subconscious levels are remedied for we owe it to our children that proper gender understanding is drilled unto their minds.

****

****

******

males and females. Men man spaces that are conventionally and socially seen as public and outdoor assignments that project them in stronger roles like policemen, engineers, lawyers, professors, pilots, mechanics etc.

Even today the textbooks of the primary children by NCERT show gender bias as most of the really adventurous and enterprising roles like that of astronauts, soldiers and sportspersons, are men. The urgency and importance given to having a son to attain moksha (salvation) and the traditon of kanyadaan (to give the daughter away in wedding) for fulfilling the duties of the grihastha ashram (homely duties) paves the way for the socio-cultural discrimination of girls from the moment they are born. They are treated parayadhan (groom's property) and investing in them is considered waste of money and resources.

The task of ridding these books of gender discrimination will prove to be a Herculian one as according to the research of Friends for Education, most of the primary books and especially of social and environmental level depict women involved in the household chores while men are shown as agriculturists, scientists, inventors, doctors and other professionals. Girls in most cases are shown as passive observers where the boys are seen performing important experiments. Even in the six mathematics books used in the primary classes, men dominate in activities representing commercial, occupational and marketing situations. Not one woman has been shown as a shopkeeper, merchant, executive, engineer or seller.

Even in jobs dealing in money like transaction in a bank, saving schemes etc., are all managed by men even in textbooks at higher levels. five Hindi and five English textbooks evaluated by Friends for Education show that men are more adventurous, schematic, aggressive and with a scientific bent of mind. In fact these kinds of texts are actually responsible for the lack of interest that girls show for science at the secondary and senior secondary levels. As a result, a majority of girls take to literary and social courses thus ending up as weaker sex stereotypes. In fact truth is that at a subconscious level these texts are preparing boys to achieve in the marketplace while girls are trained to be submissive and to obey at home.

Educational psychologists worry that gender stereotypes adversely affect the emotional psyche of children by forcing them to perform a set pattern of behavior predetermined on the basis of gender discrimination. Boys are taught to associate most of the indoor activities and the action of caring looking after people with feminine activity. But in USA, the pattern is different and in a primary level textbook men are also seen doing jobs like baby - sitting, cleaning the house, washing clothes etc. Even at places boys are shown losing tennis and basketball matches to girls.

It was in 1982-83

Women at the receiving end in Primary level textbooks:

Gender Bias in School Children's Books

Sexist textbooks not in tune with time

BY : FIROZ BAKHT AHMED

A five - year old is told in his primary textbook that daddy is the king of the family and mummy, a caring deputy. It happens to be one of those textbooks of school children that perpetuate inherent gender bias by assigning traditional roles to men and women reinforcing stereotypes. What is more ironic is that the preface of the book advocates "...to develop the right social attitudes and values in a growing child..." Despite a conscious effort on the part of the National Policy on Education (1986) and the perspective plan (1988), women are being discriminated as they are depicted in traditional typecasts as cooks, housewives, nurses, etc. According to eminent Supreme Court lawyer B.B.Sawhney, the root of the problem of lackadaisical approach to the education of girls lies in our tradition and culture, social attitudes, poverty, fear of violence and exploitation besides early marriage. How ironic it is to talk about women's empowerment is such a situation!

Though NCERT too has been laying stress on removing the gender disparities specifically emphasizing the elimination of sex stereotypes and sex biases from text books, study material made available to the primary school student is replete with instances of such discriminatory attitudes. Be it a book on science, social studies, mathematics, English or Hindi, women can be seen fetching water, working in kitchens or cleaning the room. Lessons too are male-centred where stories are generally about boys. Boys occur in most illustrations and most instructions in workbooks too are addressed to them. References like - " a farmer, his land and his son", "mother fills water in the pots" and "my sister washes clothes" etc. are all examples of a bias at subconscious levels. Truth is that women are portrayed as gentle emotional beings with less precise minds, somewhat weak, fragile and frail and best when caring and tending on other.

Amongst the findings of a survey report by Friends for Education, a forum for the uplift of education, culture and civic sense, it was found that the average length of a primary textbook in India is about 115-130 pages with every text having an average of 80-100 illustrations with 52 per cent depicting men and boys, 28 per cent neutral objects, 14 percent mixed and only 6percent portrayed women and girl - children. Women, however, are not only losing on the number front along as the hardest hit comes when we see the constant association of certain traits with

SIASAT FORTNIGHTLY INTERNATIONAL, HYDERABAD, A.P. INDIA. **Rs.10/-** Volume-7, No.19, 1-15, Oct., 2002
REGD.No.H/HD850 REGD.NO.R.N.63767/96

جگر مرادآبادی

ٹیلیفون نمبر (۴۶۰)

TITLE & BLOCKS PRINTED AT :- ZINDA TILISMAT PRESS HYD, DN.

حضرت اقدس و اعلیٰ قدر قدرت سکندر شوکت دارا حشمت فریدوں منزلت ہز اگزالٹڈ ہائینس مظفر الملک والممالک آصفجاہ
نظام الدولہ نظام الملک حضور پرنور نواب میر عثمان علی خان بہادر فتح جنگ سلطان العلوم جی۔ سی۔ ایس
آئی۔ جی۔ سی۔ بی۔ ای۔ نظام آف حیدرآباد و برار ادام اللہ ملکہ و سلطنتہ۔

His Exalted Highness Nawab Sir Mir Osman Ali Khan Bahadur Muzaffar-ul-Mulk
Wal Mumalick Asif Jah Nizam-ul-Mulk, Sultan-ul-Uloom
G. C. S. I., G. C. B. E., Nizam of Hyderabad and Berar.

پیام خصوصی

ہل فورٹ حیدرآباد دکن

حضرت شہزادۂ والاشان میجر جنرل نواب معظم جاہ بہادر دام اقبالہٗ

"انجینرنگ ایک ایسا شعبہ ہے جس کا تعلق براہ راست کسی ملک کی فلاح و بہبود اور آرام اور آسائش سے ہے اس لحاظ سے اس شعبہ کی خدمت ملک کی خدمت ہے مجھے مسرت ہے کہ ہمارے ملک میں بھی شعبۂ انجینری سے متعلق ایک پرچہ موسومہ "حیدرآباد انجینرنگ گزٹ" نو ماہ سے اردو اور انگریزی دونوں زبانوں میں ہفتہ وار شائع ہو رہا ہے۔ اور ملک کی خدمت کر رہا ہے جو بلا شبہ قابل قدر ہے اب اعلیٰحضرت بندگان عالی کی سالگرہ ہمایونی کی تقریب سعید میں "حیدرآباد انجینرنگ گزٹ" کا خصوصی سالگرہ نمبر نکالنے کی تیاری کیجا رہی ہے اڈیٹر گزٹ کا یہ اقدام لائق ستایش ہے کہ انہوں نے حضرت سلطان العلوم حکیم السیاست کی سالگرہ مبارک کے موقع پر جن کے عہد میمنت مہد میں بے شمار کارہائے انجینری انجام پائے ہیں اور رعایا کو فائدہ بخش رہے ہیں سالگرہ نمبر شائع کرنے کا ارادہ کیا ہے میری تمنا ہے کہ یہ سالگرہ نمبر کامیاب ہو اور اُن ترقیات انجینری کا بہترین عکس ثابت ہو جو زریں عہد عثمانی کی ایک ممتاز خصوصیت ہیں فقط

شرحہ دستخط مبارک

حضرت والاشان جنرل معظم جاہ بہادر

Colonel Prince Nawab Mukarram Jah Bahadur
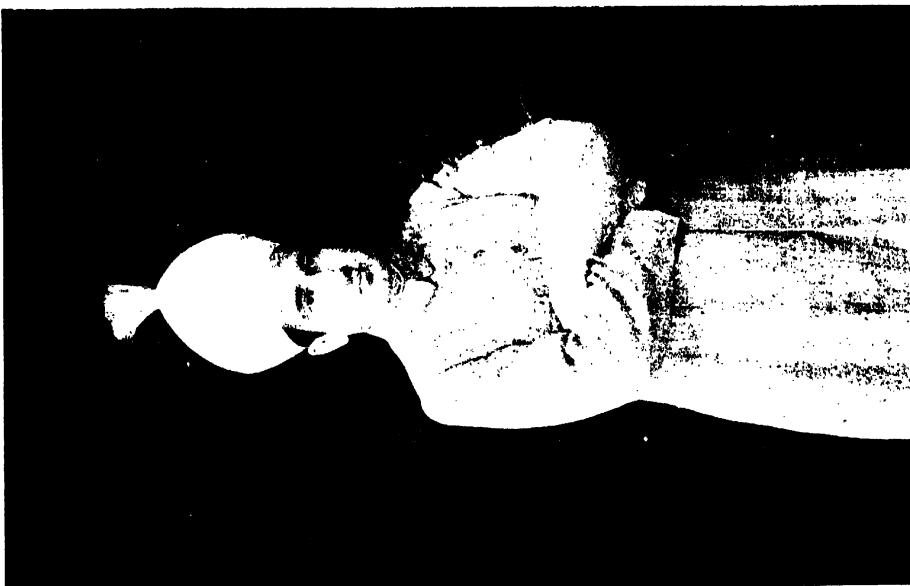
حضرت صاحبزادہ نواب بسالت جاہ بہادر

Sahebzada Nawab Basalath Jah Bahadur

پیام خصوصی

رائٹ آنریبل نواب سر حیدر نواز جنگ بہادر صدر اعظم باب حکومت سرکار عالی

"موجودہ نظام تمدنی میں انجینیری کاموں کو جو اہمیت حاصل ہے اظہر من الشمس ہے یہ کام خواہ تولید قوت برقی سے متعلق ہوں یا مشنری کی ساخت و استعمال سے یا راستوں یا ذرائع آبپاشی کی تعمیر سے ہر آئینہ ان کا ملک کی ترقی سے گہرا تعلق ہے اور اس کی شدید ضرورت ہے کہ ان کاموں کا علم ان اشخاص کو جو اس فن سے دلچسپی رکھتے ہیں اور نیز عام پیرایہ میں عام خلائق کو کرایا جائے۔ اس لحاظ سے ہماری ریاست میں "انجنیرنگ گزٹ" کی صورت میں انجینیری معلومات کی اشاعت کی جو کوشش کیجا رہی ہے اس کو میں قدر کی نگاہ سے دیکھتا ہوں نیز ہمارے شاہ ذیجاہ کی سالگرہ مبارک کی تقریب میں جن کے عہد مسعود میں ملک میں متعدد مہتم بالشان کارہائے انجینیری روبراہ ہوئے، "انجنیرنگ گزٹ" کا ایک خاص نمبر نکالنے کی جو سعی کیجا رہی ہے اس کی کامیابی کا متمنی ہوں اور دعا کرتا ہوں کہ خداوند کریم ہمارے مہربان اور عادل پادشاہ کا سایہ صد ہا سال سلامت باکرامت رکھے اور ہم کو خلوص او گرمجوشی کے ساتھ سال بہ سال یہ تقریب سعید منانے کی سعادت حاصل ہو" فقط

شرح دستخط رائٹ آنریبل نواب صدر اعظم بہادر

پیام خصوصی

راجہ شامراج راجونت بہادر صدر المہام تعمیرات عامہ

مجھے یہہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ بتقریب سالگرہ ہمایونی انجینیرنگ گزٹ کا خاص نمبر شائع کیا جارہا ہے حضرت اقدس و اعلیٰ کے درخشان عہد فرمانروائی میں متعدد و بہتم بالشان کارہائے انجینیری انجام پائے جن کی نہ صرف مملکت حیدرآباد بلکہ ہندوستان میں ممتاز و نمایاں حیثیت ہے۔

کارہائے انجینیری کا تعلق بالراست رعایا کی فلاح و بہبود اور ملک کی صنعتی و حرفتی ترقی و سیر حاصلی سے ہے۔ دورِ جدید میں فن انجینیری کی اس اہمیت کے لحاظ سے اس کی ضرورت ہے کہ ملک کے فن داں طبقہ کو یہہ موقع حاصل ہو کہ وہ فنی مسائل کے متعلق تبادلہ خیال کرے اور مقامی تجربات و مشاہدات سے ایک دوسرے کو مستفید کرے۔ یہہ بھی ضروری ہے کہ اہل ملک کو انجینیری کے کاموں کے فوائد اور ماہرین فن کی دماغی کاوش اور عملی کوشش کے نتائج سے عام فہم زبان میں واقف کرایا جائے تاکہ ملک کی ترقی و مرفہ الحالی کی تجاویز کو روبراہ لانے میں فن داں طبقہ اور پبلک میں تعاون و اشتراک عمل پیدا ہو۔ ملک کی زبان میں انجینیرنگ گزٹ کی اشاعت ملک کی اس اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ میں بانیان گزٹ کو ان کے اس مستحسن اقدام پر دلی مبارکباد دیتا ہوں اور متمنی ہوں کہ اس فنی رسالہ کو ملک و مالک کی حقیقی خدمت گذاری کا شرف و سعادت حاصل ہو۔ فقط

دستخط

راجہ شامراج راجونت صدر المہام تعمیرات عامہ

پیام خصوصی

آنریبل نواب فخر یار جنگ بہادر صدر المہام فینانس برقی دار الضرب وغیرہ

”مجھے یہ معلوم کر کے مسرت ہوئی کہ انجینرنگ گزٹ کا آغاز جن مقاصد کو لئے ہوئے آج سے تقریباً نو ماہ پیشتر ہوا تھا ان کی ایک بڑی حد تک تکمیل ہو رہی ہے اور دن بدن یہ پرچہ مقبول عام ہو رہا ہے اور بالخصوص فن انجینیری سے دلچسپی رکھنے والے حلقوں میں کافی قدر کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے میں دعا کرتا ہوں کہ یہ پرچہ اپنا انتہائی نصب العین باحسن الوجوہ حاصل کرنے کے قابل ہو اور ملک کا صحیح معنوں میں خادم ہو سکے فقط“

دستخط

نواب فخر یار جنگ بہادر

صدر المہام فینانس، دار الضرب، برقی وغیرہ

ہمارے معاصر اور ہم

"یہ رسالہ ہفتہ وار* اردو میں اور ماہوار انگریزی اور اردو میں شائع ہوتا ہے۔ چوتھے ماہوار نمبر کے ایڈیٹوریل میں ہمیں بتایا گیا ہے کہ اس کا نصب العین یہ ہے کہ ایک طرف ریاست کے مختلف محکمہ جات انجینری اور دوسری پبلک کے مابین ایک کڑی قائم کیجائے اور اول الذکر کے علم میں رعایا کی ضروریات لائے جائیں اور ثانی الذکر کو مختلف شعبوں کی گوناگوں ترقیات کے متعلق معلومات بہم پہنچائی جائے۔ انجینری کے لٹریچر کو اردو میں پیش کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے، اور ہر طرح سے ہمت افزائی کا مستحق ہے۔ ہم کارکنان رسالہ اور محکمہ تعمیرات عامہ ممالک محروسہ سرکار عالی کے انجینروں کی، جن کی راست تائید و امداد پر اس رسالہ کی زندگی کا انحصار ہے، ان کے اس کار عظیم میں کامل کامیابی کے متمنی ہیں" ——— "انڈین روڈس" (گورنمنٹ آف انڈیا ڈپارٹمنٹ آف کمیونیکیشن)

"ایک نیا جریدہ جو چند ماہ قبل جاری ہوا ہے اور جس کا نام "حیدرآباد انجینرنگ گزٹ" ہفتہ وار ہے، اس کی تازہ ترین کاپی وصول ہوئی ہے یہ جریدہ عمدگی سے مرتب کیا گیا ہے اور انجینرنگ موضوعات کی ایک بڑی تعداد پر حاوی ہے اور اس میں عمدہ تصاویر شامل ہیں شہر حیدرآباد کے گندے فضلہ، ترقی معدنیات، اور نئی عمارتوں کے ڈزائنوں پر مضامین خاص دلچسپی کے ہیں" ——— "انڈین انجینرنگ"

*بیکم اگسٹ ۱۹۳۹ء سے ہفتہ وار اشاعت میں بھی انگریزی حصہ کا اضافہ کر دیا گیا ہے۔ (مدیر)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

حیدرآباد انجینئرنگ گزٹ

سالگرہ نمبر

جلد (۱) | ۱۴ آبان ۱۳۴۷ف م ۲۴ رجب المرجب ۱۳۵۷ھ م ۱۹ ستمبر ۱۹۳۸ء یوم دوشنبہ | نمبر (۴۲)

ایک ناچیز نذرانۂ عقیدت

پس نظری افراد اور اداروں کی زندگی میں کارآمد ہوتی ہے
ممکن ہے، کہ یہ بات افسانہ معلوم ہو، لیکن یہ ایک حقیقت ہے، کہ ایک مشہور فرانسیسی شاعر اور فلسفی نے یہ جو مشورہ پیش کیا تھا، کہ ہر قوم باغیانی کرے اور زندگی کے اس مقصد پر قانع رہے، اس کے بعد سے دنیا بقدر دو صدی دانشمند تر ہوگئی ہے۔ اس طرح ہم پاتے ہیں، کہ اب ہم ایک جلد جلد بدلنے والی دنیا میں رہتے ہیں۔ گزشتہ نصف صدی میں جتنی عظیم تر اور تیز تر ترقیاں ہوئی ہیں اتنی پہلے کبھی نہیں دیکھی گئیں۔ دنیا بہت کچھ بدل گئی ہے اور بدلتی جارہی ہے۔ یہ تبدیلیاں دنیا کی آبادی نیز ہندوستان کی فلاح پر دور رس...! اثرات ڈالتی جارہی ہیں۔

ہندوستان کے معاشی مسائل اخبارات اور مجالس قانونی وغیرہ میں پیہم زیر بحث آرہے ہیں۔ اس سلسلہ میں یہ بات یاد رکھنا اہم ہے، کہ ہر اس شخص کا، جو ملک اور اس کے باشندوں کی خوشحالی سے دلچسپی رکھتا ہے، یہ فریضہ ہے، کہ تجارت، صنعتوں، پیشوں، اور قومی ذرائع کی ترقی کو جانچنے کی خاطر وقتاً فوقتاً معاشی عناصر کا جائزہ لیتا رہے۔ اس زمانہ میں ہر ترقی پذیر ملک عوام کی فلاح و بہبود کی خاطر سائنٹیفک و فنی اداروں، جرائد اور سررشتہ ہائے معلومات عامہ کی شکل میں معاشی اور سائنٹیفک تعلیم کے ذرائع سے آراستہ ہوتا ہے۔ یہ معاشی تجاویز کے بنیادی کام ہوتے ہیں، اور کسی ملک کے ذرائع پیداوار کی نشو و نما میں مدد دیتے ہیں۔
"حیدرآباد انجینئرنگ گزٹ" جو تقریباً ایک سال قبل منصۂ شہود پر آیا، اپنے وجود کو سائنٹیفک اور فنی معلومات کے لئے عوام حیدرآباد کے ایک بڑے حصہ کی اس بڑھتی ہوئی طلب کا نتیجہ سمجھتا ہے، جو اس حیرت ناک ترقی کے نتیجہ کے طور پر پیدا ہوئی ہے، جو ریاست ابد مدت نے اعلیٰحضرت بندگان اقدس کے مبارک و مسعود عہد حکومت میں گزشتہ ربع صدی کے دوران میں کی ہے۔

پچیس سال کا عرصہ کسی ملک کی تاریخ میں ایک بہت مختصر عرصہ ہوتا ہے۔ لیکن حیدرآباد کے متعلق یہ کہا جاسکتا ہے، کہ گزشتہ تاریخ میں کوئی ربع صدی ایسے شاندار کارناموں و ترقی سے ممتاز نہیں رہی جیسے کہ حضور پرنور خلد اللہ ملکہٗ و سلطنتہٗ کا عہد میمنت مہد ہے جو وابستہ ہیں۔ بنیادی طور پر ساری ترقی کی کلید باشندوں کی اخلاقی حالت کی اصلاح اور ملک کے تعلق سے فرض کی انجام دہی کیلئے انکے ضمیر کی بیداری ہے۔ یہ مقصد صرف تعلیم کے ذریعہ ہی سے حاصل کیا جاسکتا ہے حضرت بندگانعالی متعالی کے قلب مبارک سے کوئی چیز اتنی قریب نہیں ہے، جتنی یہ کہ اپنی رعایا کو خوشحال دیکھیں۔ جامعہ عثمانیہ کا قیام ریاست کے تعلیمی لائحہ عمل میں ایک نہایت اہم ترقی کو نشان زد کرتا ہے۔ مدارس اور کالج بڑھتی ہوئی تعداد میں کھولے جارہے ہیں تاکہ تعلیم کی رو ممالک محروسۂ سرکار عالی کے بعید ترین گوشوں تک پہنچ جائے۔

سرکار والا تبار کے دور حکومت کے آغاز تک تجارت کے دھارے مقامی اور علیحدہ دائروں میں محدود تھے۔ اب وہ رسل و رسائل کے اصلاح یافتہ اور وسعت پذیر سسٹم کے ذریعہ بہنے لگے ہیں۔ ہزاروں میل کی نئی سڑکیں تعمیر کی گئی ہیں۔ بہت سے دریاؤں نے خواہ وہ چھوٹے ہیں خواہ بڑے، بعید شہروں اور دیہاتوں کو بیرونی منڈیوں کے ساتھ منسلک کردیا ہے۔ مختلف نئی ریلوے لائنوں کی تعمیر، ڈاک کی سروس کی توسیع اور اضلاع اور اہم مرکزوں میں برقی قوت کی تنصیب نے صنعت و تجارت کے ارتقاء میں بڑی مدد دی ہے، متعدد آبپاشی کی اسکیمیں جو تالابوں، بندوں اور نہروں مثلاً نظام ساگر، پوچارم، پالیر، وائرہ اور فتح نہر پر مشتمل ہیں ــــ یہاں فقط چند ایک کا ذکر کیا گیا ہے ــــ زراعت کی ترقی کی ذمہ دار رہی ہیں۔ آبپاشی اور آبی قوت کی تولید کیلئے بڑی استعداد کی اسکیمیں زیر غور ہیں جب یہ مادی صورت اختیار کرینگی ــــ اور ہم توقع رکھتے ہیں کہ وہ مستقبل قریب میں مادی صورت اختیار کرلینگی ــــ تو وہ ملک کے زرعی و صنعتی مستقبل کو بہت کچھ بدل دیں گی۔

ترقی کی رفتار نے باشندوں کے فکر و ذہن میں ایک ہیجان برپا کردیا ہے، اور یہ کہنا مبالغہ نہ ہوگا، کہ اس نے والٹر بیگہاٹ کے الفاظ میں متحمل الکاری معمولی بنیادوں کو ہلا دیا ہے، نہ صرف فلسفیوں کیلئے بلکہ عام انسانی نوع کیلئے یہ واقعی ایک برکت ہے، لیکن بندگان اقدس و اعلیٰ کے دور فرمانروائی کی برکات میں غالباً اس سے بڑی اور اس سے زیادہ قیمتی برکت اور کوئی نہیں ہے، کہ رعایا نہ امن اور خوشحال زندگی بسر کرتی آئی ہے رعایا کی فلاح و بہبود کی فکر، کام کے لئے سرگرمی، طبقوں کا لحاظ کئے بغیر احساس انصاف پسندی، سادہ زندگی اور سب سے بڑھ کر ملک کی ترقی کیلئے کبھی کم نہ ہونیوالی فکر کی بدولت والاحضرت شہریار حیدرآباد و برار کا نام نامی اسم سامی رعایا کے دلوں پر نقش ہے۔ سب سے بڑھ کر یہ کہ رعایا اعلیٰحضرت حکیم السیاست کو ایک دوست سمجھتی ہے اس لئے یہ ہمارا وفادارانہ فریضہ ہے، کہ حضرت بندگان اقدس کی ۵۴ ویں سالگرۂ مبارک کی تقریب سعید میں اپنا ناچیز نذرانۂ عقیدت و تہنیت پیش کرنے کی عزت حاصل کریں، اور ہم محسوس کرتے ہیں، کہ یہ سعادت حاصل کرتے ہوئے ہم ان عمیق جذبات مسرت و شادمانی، تشکر و امتنان کا اظہار کر رہے ہیں، جو حضور پر نور فرمانروائے دکن کی رعایا کے ہر فرد بشر کے دل میں موجزن ہیں، ہم دعا کرتے ہیں، کہ حضور والا کا سایہ رعایا کے سروں پر قائم و دائم رہے ؎

زندہ باد اے شاہ عثماں زندہ باد

جدید زندگی کے ارتقاء پر انجنیری کا اثر

ترجمہ مضمون مولوی میر ضیاء الحق صاحب نائب معتمد تعمیرات عامہ کار ہائے

فن تعمیر ابتدائی شکل میں غالباً زمانہ ماقبل تاریخ کا ہم عصر ہے۔ بے رحم موسم یا خونخوار جانوروں سے بچنے کے لئے انسان پہلے غاروں میں رہتا تھا۔ اس کے بعد اس نے عبادت گاہیں اور مُردوں کو گاڑنے کے لئے قبریں بنائیں۔ اس کی شاہراہیں قدرتی دریا تھے، اس کا ذریعہ حمل ونقل بار بردار انسان اور جانور۔ از منۂ وسطیٰ سے زمانہ جدید کی ترقی مشین کے زبردست کرشموں کا افسانہ ہے جو انیسویں صدی اور بیسویں صدی کے انجنیروں نے انجام دئے ہیں۔ فن انجنیری جو اس وقت عمارات، سڑکوں، پلوں، وغیرہ کے ڈیزائن و تعمیر کے فن تک محدود تھا۔ آج صنعت وحرفت اور حمل ونقل کے تقریباً ہر شعبہ میں کار فرما ہوگیا ہے۔ ہماری بندرگاہیں، گودیاں، نہریں، جہازسازی، جہازرانی، بند، آبپاشی، زراعت، مشنری، گاڑیاں، ہوابازی، گرنیاں، تولید قوت، اور روشنی، ٹیلیگرافی، ٹیلیفون، لاسلکی، بہمرسانی آب، معدنیات، قلعہ بندیاں، ——— یہ سب انجنیر کے دائرہ میں آتے ہیں۔

انسان کا ایک خاص حریف قدرتی قوتیں ہیں۔ عجیب وغریب قدرتی اشیاء و مظاہر، جو ایک زمانہ میں خوف پھیلاتے اور زندگی کو پرخطر بناتے تھے، آج بڑی حد تک انجنیری کی بدولت ان سے انسان کی خدمت کے لئے استفادہ کیا جارہا ہے۔ مثال کے طور پر آبشار نیاگرا کو لیجئے۔ پہلے اس کے پانی کی زبردست آواز کو وحشی ایک دیوتا سمجھتے تھے آج اس کو کروڑوں ہارس پاور دینے کے قابل بنایا گیا ہے۔ اگرچہ انجنیر زلزلہ کو خارج نہیں کرسکتا، پھر بھی وہ بالکل بے بس نہیں ہے۔ پہلے اس کے باعث عمارتیں تاش کے پتوں کی طرح گرپڑتی تھیں، لیکن اب فولاد اور کنکریٹ کی عمارتیں اس کا مقابلہ کرتی ہیں۔

فن انجنیری نے انجنیر کے ہاتھ میں مدافعت و حملہ کے ایسے حربے دیدئے ہیں کہ ان سے زندگی زیادہ محفوظ اور مادی ترقی زیادہ یقینی ہوگئی ہے۔ انجنیر اب طغیانیوں کا سدباب کرتا ہے، ڈرینیج کی اسکیموں کے ذریعہ مزرعوں میں پیدا آور زمین کے وسیع رقبوں کا اضافہ کرتا ہے۔ بڑی بڑی آبپاشی کی اسکیمیں ریگستانوں کو سرسبز وشاداب بناتی ہیں۔ صنعت کے میدان میں معدنیات زمین کے آغوش سے نکالی جاتی ہیں۔

انیسویں صدی میں ریلیں حمل ونقل کے ذرائع میں انقلاب لائیں بیسویں صدی میں موٹر کار اور ہوائی جہاز آئے۔ انسان کے سب سے زیادہ زبردست اور سب سے زیادہ جوان مددگار ہوائی جہاز کی آمد سے ایک نئی شاہراہ کھل گئی کاروباری مسابقت کے اس زمانہ میں وقت کی بچت ایک نہایت قیمتی چیز ہے ہوائی جہاز نے زمان ومکان کی قیدیں توڑ ڈالیں۔ پانی سے قوت کی تولید بھی انجنیر کا ایک بڑا کارنامہ ہے۔ پانی کو سب سے زیادہ کارآمد نقطہ پر گراکر وہ بجلی پیدا کرتا ہے، جو لاسلکی تار برقی، اور ریڈیو ٹیلیفونی کے ذریعہ تقریباً ہر ملک کی معاشی ترقی کے لئے نہایت اہم ہے۔ واقعہ یہ ہے، کہ بیسویں صدی میں جو سائنٹیفک تحریکات ہوئی ہیں ان کی بنیاد بجلی ہے۔ ہماری پیداوار کی ارزانی زیادہ تر بجلی سے پیدا ہونے والی قوت اور آبی قوت کے زیادہ استفادہ کے امکان پر منحصر ہے۔ مختصر یہ کہ انجنیرنگ کے تمام شعبوں کی ترقی نے زندگی میں بڑا انقلاب پیدا کر دیا ہے، اور کارکردگی کو تمام جہتوں میں یقینی بنادیا ہے۔

تہذیب کے پیامبر کی حیثیت سے انجنیر کا کام ناقابل فتح ہے، تہذیب میں اس کا حصہ عظیم الشان ہے۔ کسی ملک کی تہذیب کو اس کے کارہائے انجنیری سے ناپا جاتا ہے۔ انجنیری اور تہذیب دوش بدوش چلتی ہیں۔

۲۵ سال قبل حیدرآباد جنوبی روس کے میدانوں کا مثنیٰ معلوم ہوتا تھا۔ آج وہ شاندار تالابوں، دیوہیکل بندوں اور عظیم الشان رستوں سے، جن میں حسن اور توازن گچ اور پتھر میں سموئے گئے ہیں، اپنی ترقی کا حال بیان کرتا ہے۔ حیدرآباد آج ہندوستان کے بعض عظیم ترین کارہائے انجنیری کی پرورش کرتا ہے۔

ہم سب کے لئے یہ امر باعث فخر وتہنیت ہے، کہ حیدرآباد میں انجنیری کے سائنس کے تقریباً تمام شعبوں کی ترقی اعلیٰ حضرت بندگانعالی نواب سر میر عثمان علی خاں بہادر کے عہد میمنت مہد میں ہوئی، جن کی سالگرہ مبارک ہم نے تین ہی ہفتہ قبل منائی۔ والاحضرت شہریار دکن بطور آرٹ اور سائنس کے فیاض سرپرست کی حیثیت سے بڑی شہرت رکھتے ہیں بادشاہت کے اعلیٰ تصورات پر حضور پرنور خلد اللہ ملکہ وسلطنتہ کے ایقان نے حیدرآباد کی تاریخ ہی بدل ڈالی ہے۔

اب مجوزہ "انجنیرنگ گزٹ" کے متعلق، انجنیری کی سرگرمیوں کے متعلق معلومات کی ایک دلنشیں اور قابل فہم پیرایہ میں نشر واشاعت کی غرض سے اردو میں ایک فنی جریدہ کا کام جاری رکھنا بلاشبہ ایک معمولی اخبار چلانے سے زیادہ مشقت طلب اور پیچیدہ ہے۔ یہ سعی غالباً عدیم النظیر ہے۔ ایڈیٹر گزٹ کی یہ آرزو کہ اپنے ملک کو زمانہ کا ساتھ دینے کے قابل بنائے، بڑی ستائش وتحسین کی مستحق ہے۔ میری تمنا ہے، کہ اس جریدہ کی عمر دراز اور اس کی زندگی خوشحال ہو فقط

٭ ٭ ٭

صنعتوں کے ارتقا کے لئے نظامس اسٹیٹ ریلوے کی سرگرمیاں

از - جنرل مینجر ایچ ای ایچ دی نظامس اسٹیٹ ریلوے
میجر ای، ڈبلیو سلاٹر، ایم، بی، ای

(اصل انگریزی مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

حیدرآباد میں ریاست کی ملکیت کا نظام حمل و نقل ایک ایسا نظام ہے، جس پر ہمیں ناز کرنے کی وجہ ہے، اس لئے کہ وہ ریلوے سرویس اور روڈ سرویس اور اپنی تازہ ترین ترقی کے طور پر ہوائی راستوں سے عمل کو مستقبل قریب میں مربوط کرتا ہے لیکن حمل و نقل کی ان شکلوں کو ریاست کی ضرورت کے مطابق بہتر طریق پر مربوط کرنے کے واسطے ابھی بہت کچھ کرنا باقی ہے۔ مگر بہت سا بنیادی کام تکمیل پا چکا ہے۔ اور عوام یقین رکھ سکتے ہیں، کہ ایک ایسے نظام کی فراہمی کے لئے ہم کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کریں گے، جو ان کی ضروریات کے بالکل مکتفی ہو۔

ریاست میں حمل و نقل کے جو لوگ ذمہ دار ہیں، ان کی ایک بڑی فکر ریاست کی صنعتوں اور مقامی ذرائع کی ترقی ہے۔ نظم و نسق اسٹیٹ ریلوے کاروبار میں مدد دینے کے لئے ارزاں حمل و نقل پیش کرکے اور کہیں اور کی پیداواروں کے بجائے مقامی پیداواروں کو ترجیحاً استعمال کرکے وہ سب کچھ اس خصوص میں کرنے کو تیار ہے جو امکانی حد تک کیا جا سکتا ہے۔

ممالک محروسہ سرکار عالی کے باہر کی ریلوں نے حیدرآبادی کوئلہ خرچ کیا، اس میں مالی سال بابتہ ۳۸-۱۹۳۷ء کے دوران میں بہت اضافہ ہوا، جو کچھ کم اسٹیٹ ریلوے کی ان کوششوں کی بدولت نہ تھا، کہ ممالک محروسہ سرکار عالی میں حاصل ہونے والے ذرائع سے فائدہ اٹھانے کے لئے دوسری ریلوں کو ترغیب دلائی جائے۔

مقامی پیداواروں کا استعمال کرنے کے لئے قابل لحاظ پیمانہ پر اب تجربات کئے جا رہے ہیں، اور انجینیروں کو یہ معلوم کرکے دلچسپی ہوگی کہ مقامی طور پر ایک آرڈر ۱۲ مہینہ کے لئے حرکت اور انجن کے ایکسل بکسوں کے چکنانے کے لئے کیسٹر آئیل کی فراہمی کے لئے دیا گیا ہے۔ پہلے اس غرض کے لئے معدنی تیل استعمال کیا جاتا تھا، اور اگرچہ اس تجربہ میں تیل کی قیمت کے باعث مزید خرچ آتا ہے، لیکن توقع کی جاتی ہے کہ نتائج اس تدبیر کو حق بجانب ثابت کریں گے، اور دوسری ریلیں تقلید کرنے اور اس طریقہ سے ریاست میں پیدا ہونے والے کیسٹر آئیل کے لئے ایک نیا بازار کھولنے پر مجبور ہو جائیں گی۔

مقامی طور پر تیار ہونے والا کیڑا ایک اور چیز ہے جس کا ریلوے تجربہ کر رہی ہے، اور آرڈر قابل لحاظ مقدار کے مقامی گرنیوں کو دیئے گئے ہیں۔ بہرحال انجنیر حمل و نقل کے ایک ایسے کام میں، جس کو پبلک کی اعلیٰ خوبی کی خدمت انجام دینی پڑتا ہے، صرف اعلیٰ ترین حد کے اسٹور کے استعمال کی ضرورت کی بطیب خاطر قدر کریں گے۔ اگر مقامی صنعتوں کو اپنی پیداوار کے لئے تیار مارکٹ پیدا کرنا ہے، تو انھیں ضروری خوبی کا مال تیار کرنے میں اپنا فریضہ انجام دینا چاہیئے۔

ریاست میں صنعتوں کا ارتقا روزگار کے نئے ذرائع کھولے گا، اور ممالک محروسہ سرکار عالی کی ترقی میں غریب طبقہ کو اپنی جگہ لینے کے قابل بنانے کے لئے اضلاع میں ابتدائی صنعتی مدارس کی ضرورت پیدا کرے گا۔ ہمارے پاس جامعہ عثمانیہ موجود ہے۔ جو آسانی کے ساتھ تمام ضروری سینیر فنی آدمیوں کو فراہم کر سکتی ہے۔

ریلوے کا کام انجنیر کے لئے ہمیشہ جذب و کشش رکھتا ہے، اور جو لوگ انجنوں اور رولنگ اسٹاک کی نگہداشت کے ذمہ دار ہیں، ان کو جن مسائل کا سامنا ہے، وہ انتھک محنت اور باتحمل تحقیقات کے طالب ہیں۔

۳۷-۱۹۳۶ء کے دوران میں ایک انجن ہر ۰۰۰ر۱۰۵ میل میں ناکام رہا سابقہ سال میں یہ عدد ۰۰۰ر۹۹ تھا۔ اور درجہ اول کی تمام ہندوستانی ریلوں میں ۹۲۰۰۰۔ اس نتیجہ پر ہم فخر کر سکتے ہیں، اور یہ سفر کرنے والی پبلک کے لئے قابل لحاظ دلچسپی کا باعث ہے۔

سیول انجنیرنگ کے شعبہ میں ۳۷-۱۹۳۶ء میں نئے نامپلی اسٹیشن اور عمارت اسٹیٹ ریلوے ہوٹل اور نگ آباد کی تکمیل ہوئی۔ اول الذکر کے مصارف تقریباً ۲½ لاکھ روپے ہوئے اور کام ۱۲ مہینے میں تکمیل پایا۔ عمارت کنی طرز کی بنائی گئی ہے، تاکہ ریاست کی ہندو مسلم یادگاروں کی بہترین خصوصیات کا ہم آہنگ امتزاج پیدا ہو۔ غرض کہ صنعت حمل و نقل میں کسی اور صنعت کی طرح ترقی نتیجہ ہے اس کام سے سرگرمی کا جو ہم سے ہر ہو۔ اور سرگرمی کا فقدان دیوالہ کی بدترین شکل ہے

حیدرآباد میں آبی قوت کی توقعات اور امکانات

از

نواب علی نواز جنگ بہادر ایف، سی، ایچ

(نواب احسن یار جنگ بہادر سی، ای، (کوپرس ہل) ایم، آئی، ای، (انڈیا) چیف انجنیر و معتمد آبپاشی، ہم باور کرتے ہیں، آبی قوت کی تولید اور استفادہ کے لئے ریاست کے اہم دریاؤں کے متعلق اسکیموں کو تشکیل دے رہے ہیں یہ موضوع عوام کے لئے بالعموم اور صنعتی دنیا کے لئے بالخصوص جذب و کشش اور دلچسپی رکھتا ہے۔

اس موضوع پر نواب علی نواز جنگ بہادر ایف سی، ایچ، کنسلٹنگ انجنیر حکومت سرکار عالی کی رقم کردہ ایک یادداشت سے حسب ذیل اقتباسات فاضل مصنف کی اجازت سے شائع کئے جاتے ہیں۔

اس بڑے انجنیر نے ریاست کی جو خدمات انجام دی ہیں' وہ بہت زیادہ مشہور و معروف ہیں نظام ساگر پراجکٹ، جو ہم سمجھتے ہیں ریاست حیدرآباد میں آبی قوت کی تولید کی اصل بننے والا ہے، نیز دیگر آئندہ پراجکٹ مثلاً تنگبھدرا، کرشنا، گوداوری، دیوانور، وغیرہ نواب صاحب ممدوح کے حیرت افزا کام اور فکر و ذہن کے مرہون منت ہیں اس میں شک نہیں کہ جو پانی ان ذخائر آب سے آبپاشی اور تولید برقی قوت کے لئے حاصل ہوگا، وہ اس ملک عظیم کی آئندہ بے شمار نسلوں کے لئے ایک رحمت ثابت ہوگا۔ ایڈیٹر)۔

یہ بات عام طور سے معلوم و مشہور ہے، کہ حیدرآباد قدرتی ذرائع سے مالا مال ہے، اور یہ کہ ان ذرائع میں سے ایک ذریعہ بڑے آتار چڑھاؤ رکھنے والی ندیوں کا بہاؤ ہے۔ ان ذرائع آب کے منظم استفادہ کی اہمیت کا احساس اب عام طور سے کیا جاتا ہے آبادی زیادہ گھنی ہوتی جاتی ہے، اور اس کے ساتھ ساتھ زراعت اور صنعت کی پانی سے ترقی کے مختلف تصرفات کے ارتباط کی ضرورت بڑھتی جاتی ہے۔

آبی برقی قوت کی تولید کو ترقی آبپاشی سے ملحق سمجھنا چاہیئے، اس لئے کہ پانی کا ذخیرہ اس کے عمل میں آنے والے وسیع تصرف کے لئے ضروری ہے۔ ملک کی ارتقائی تعمیر میں اور باشندوں کی فلاح اور بہبود کے اضافہ میں آبی قوت اور آبپاشی کو باہمی اصلاح و ترقی اور نفع کے لئے اشتراک عمل کرنا چاہیئے۔ لیکن جب قوت منظر پر نمودار ہوتی ہے، تو اکثر یہ رجحان پایا جاتا ہے کہ پانی کے انتظام و فراہمی کو قوت کی پیداوار اور اخراج کی محض ایک تدبیر سمجھا جائے۔ ہمارے جیسے ملک میں پانی کے انتظام و فراہمی کے لئے کسی کام کا اصل مقصد یہ ہونا چاہیئے، کہ اس کو خشک سالی سے محفوظ رکھا جائے، سیراب شدہ رقبہ کو وسیع کیا جائے، اور گھریلو اور دیگر تصرفات کے لئے بہم رسانی کا انتظام کیا جائے۔ آبپاشی میں پانی کا تصرف اس زمین سے بھی زیادہ قیمتی ہوتا ہے، جس پر وہ استعمال کیا جاتا ہے اس لئے کار آبی برقی قوت کے جہاں ایک اہم مسئلہ بننے کا قرینہ ہے، وہاں اس کے ساتھ ساتھ اس کو آبپاشی کے ایک محصل نتیجہ کے طور پر دیکھنا چاہیئے۔

موجودہ آبی طلب اور مستقبل کے امکانات آبپاشی پر بھی پورے طور پر غور و خوض کرنا چاہیئے، اور ان کا تحفظ کیا جانا چاہیئے۔ ان کاموں میں، جن کو ایک سے زیادہ اغراض و مقاصد پورے کرنا ہے، لازمی طور پر مفادات کا کچھ تصادم ہوتا ہے، اور یہ سوال اکثر و بیشتر پیدا ہوتا ہے، کہ کیا قوت کے لئے کسی محل وقوع کی ترقی کسی طرح سے موجودہ کارہائے آبپاشی کے اعمال میں مداخلت کریگی؟ آبپاشی کے لئے طلب وقفہ وقفہ سے اور موسمی ہوتی ہے۔ قوت کے لئے تسلسل کو خاصہ معقول ہونا پڑتا ہے۔ کارہائے آبپاشی کے ڈیزائن کو ایک مقررہ حصر سے بڑھ کر معیاری بنانے کی کوشش عملاً ناممکن ہے۔ مانسون کے دوران میں مرہٹواڑی علاقہ میں قوت کے اغراض کے لئے کام میں آنے والے پانی کے کچھ حصہ کی آبپاشی کے لئے ضرورت نہ پڑیگی۔ لیکن تلنگانہ میں رات بہاؤ کا بہت سا آبپاشی پر صرف کیا جا سکتا ہے اور کیا جانا چاہیئے، اور اس لئے جہاں تک قوت کا تعلق ہے، وہ ضائع جائیگا۔ سرمایہ میں مرہٹواڑی علاقہ میں جس پانی کی آبپاشی کے لئے ضرورت ہوگی، اس کا نصف بحیثیت قوت ضائع جائیگا، تاوقتیکہ وہ قوت موسمی نہ ہو۔ وسط فروری سے لیکر آغاز مانسون تک سبھی میں آبپاشی کے لئے استعمال کیا جانے والا سارا پانی قوت کے لئے بھی استعمال کیا جا سکتا ہے نہریں اسی وقت نکالی جا سکتی ہیں، جبکہ پانی کی فصلوں کے لئے ضرورت ہو اور جب ان کو ریت مٹی وغیرہ رکھنے والی ندیوں سے پانی ملتا ہے، تو انھیں وقتاً فوقتاً درستی اور صفائی کے لئے بند کر دینا پڑتا ہے۔ یہ عدم تسلسل ضروریات قوت کے موافق نہ ہوگا لیکن ایسے تصادمات کو معمولی طور پر کارکردگی کے بہت کم نقصان کے ساتھ

ہم آہنگ و موافق کیا جا سکتا ہے، اور بالعموم کئی محل وقوع آبپاشی اور قوت کے مشترکہ پراجکٹوں کیلئے مناسب معلوم ہوتے ہیں جہاں دونوں میں سے کوئی ایک بھی انفرادی طور پر . . . . . . غالباً نفع بخش ثابت نہ ہوگا۔

بہرحال باحتیاط پیمایش کی عدم موجودگی میں ضروری ہے کہ بہت کچھ قیاس آرائی کیجائے۔ مثلاً مسلسل فراہمی کا سوال بجز ہونا ایک دلکش مسئلہ ہے۔ اگر زمین اور پانی دئے جائیں تو آمدنی کے کئی تخمینے لگانا ممکن ہے، جو سارے کے سارے مساوی طور پر قابل اعتماد ہوتے ہیں۔ لیکن ایک نتیجہ اعتماد کے ساتھ پیش کیا جا سکتا ہے، وہ یہ کہ اگر دوامی فصلوں کے لئے پانی کی پوری طلب دیجائے، تو اس کا امکان ہے، کہ کوئی اسکیم آبپاشی اپنے طور پر نفع بخش کام ثابت ہو۔ ایسی طلب بڑے پیمانہ پر کہیں بھی موجود نہیں ہے، اور پانی کی پوری توانائی کو حاصل کرنا قابل عمل نہیں ہے۔ ایک بڑے حصہ کو بدی طور پر نشا کے لئے قربان کردینا پڑتا ہے، اسی طرح جس طرح پانی کا ایک قابل لحاظ حصہ تبخیر اور تقطیر کے ذریعہ ضائع ہو جاتا ہے۔

اگر دونوں اغراض کو معقول طور پر پورا کرنا ہے، تو یہ ضروری ہوگا، کہ پانی کے آخری حصہ کو ٹربین سے گذارنے کے بعد گھیر کر اس وقت تک رکھا جائے جب تک کہ اس کی گذرگاہ آبپاشی میں ضرورت نہ ہو۔ اس چیز کا انتظام جو نتیجتاً ایک دوسرا ذخیرۂ آب ہے، بلاشبہ فائدہ مند ہوگا، لیکن دو بندوں کے اخراجات شاید ہی حق بجانب ہوں تاوقتیکہ وہ اوسط عمق اور قوت کو متناسباً اضافہ کے قابل نہ بنائیں۔

جب آبی قوت پیدا کیجا سکتی ہے، تو ایک ارزاں شرح پر اس کی فراہمی کے امکانات ظاہر ہوتے ہیں، اور کسی ملک کی خوشحالی میں اضافہ کے لئے ارزاں قوت کی فراہمی کے فوائد پر زور دینا چنداں ضروری نہیں ہے۔ مادی اساس اگر خود ارتقا کی نہیں تو انسانی فلاح و بہبود کی، توانائی کی کافی وافر فراہمی ہے، اور وہ مسئلہ جسے انسان کو اپنی گرفت میں لینا ہے، یہ ہے، کہ کس طرح ارزاں اور نتیجۃً وافر فراہمی اپنے استعمال کے لئے حاصل کیجائے۔

یہ امر کہ آبی قوت ارزاں شرح پر فراہم کیجانے کی اجازت دیتی ہے، اس پر ایندھن کو بطور مسابقت کنندہ پیش کرکے بحث کیجاتی ہے۔ عام طور پر بحث کیجاتی ہے، کہ کسی آبی برقی قوت کی اسکیم کے مصارف تپشی قوت خانہ کی سادہ تنصیب سے بڑھ کر ہوتے ہیں۔ بلاشبہ اس کی احتیاط سے جانچ کیجانی چاہئے، کہ آیا کسی خاص صورت میں ایندھن کو مارکٹ لیجانا اور وہاں قوت کی تولید کرنا زیادہ کفایت بخش ہے یا آبی قوت وہاں پیدا کرنا جہاں موقع موجود ہے اور اس کو وہاں لیجانا جہاں قوت کی ضرورت ہے۔ اشیاء کی باربرداری اور قوت کی ترسیل کے مابین مسابقت کے اس معاملہ پر چیف انجینئر نے بحث کی ہے۔ بلاشبہ طویل فاصلہ کی ترسیل غیر کفایت بخش ہے، اور آبی برقی منطقہ میں بھی احتیاط اور دوراندیشی سے حرکت کرنا ضروری ہوگا، تاوقتیکہ مناسب گرڈ قائم نہ ہو جائے۔

لیکن اس کے علاوہ دوسرے لحاظات بھی ہیں، جن پر غور کرنا ہے۔ ان میں سے ایک یہ ہے، کہ درآنحالیکہ ایک عرصہ میں ایندھن کی قیمت میں اضافہ قرینہ ہے، پانی سے قوت کے مصارف کے گھٹ جانے کا قرینہ ہے جوں ہی کہ مقدار پیداوار بڑھتی جائے۔ مسئلہ کا دوسرا پہلو مضمر ہے ملک کے ذرائع ایندھن کے محفوظ رکھنے اور ان کی جگہ آبی قوت کو ترقی دینے کی اہمیت میں۔ آبی قوت ایک رائی کام ہے۔ یہ بھی کہا جا سکتا ہے، کہ آبی ٹربائن کی عمر دخانی ٹربائن سے زیادہ ہوتی ہے۔

ان حالات پر غور و فکر کرنے کے لئے، جو کسی آبی برقی پراجکٹ کو بناتے یا بگاڑتے ہیں، یہ بات ذہن نشین رکھنا اہم ہے، کہ فی الوقت ہندوستان میں اوسط بوجھ کا علاقہ تپشی پلانٹ کا ۴۲ فیصدی ہے، اور آبی برقی پلانٹ کا صرف ۳۰ فیصدی۔ طویل ترسیلی لائنوں کی ضرورت پر پلانٹ کے بوجھ کے عنصر کا مسئلہ مستزاد ہے۔ اور یہ مضرات، جو صنعتی حالات میں حاصل ہوتے ہیں، نتائج میں منعکس ہوتے ہیں۔ اس کا علاج اس میں مضمر ہے، کہ زیادہ صرف کیا جائے۔ جوں جوں بوجھ کے عنصر میں اضافہ ہوتا جاتا ہے، آبی قوت کا فائدہ زیادہ ہو جاتا ہے۔ اور ایک اچھے برقرار رکھے جانے والے بوجھ کے لئے آبی قوت لابدی طور پر ارزاں ترین ثابت ہوگی۔ ترسیلی لائنوں کے مصارف بلاشبہ اصل صرفہ میں اضافہ اور فروخت کے لئے حاصل ہونے والی توانائی میں کمی کرکے ضرر رساں طور پر بروئے کار آتے ہیں۔ لیکن برقی ترسیل سے اب یہ ممکن ہو گیا ہے، کہ کارخانے برقی خانے سے ۲۵۰ میل یا زائد فاصلہ پر واقع ہوں،

اور کوئی شخص یہ کہنے میں پس و پیش کریگا، کہ اعلیٰ دباؤ کی حد پہنچ گئی ہے۔ جیسا کہ اسٹائن میٹز نے کہا ہے، بجلی گراں اس لئے ہے، کہ وسیع طور پر اس کا استعمال نہیں کیا جاتا، اور وسیع طور پر اس کا استعمال اس لئے نہیں کیا جاتا، کہ وہ گراں ہے۔

قدرتی توانائیوں کے استعمال میں زیادہ افراط پیدا کرنے کا انحصار سائنٹفک اور انجنیری کارناموں پر اتنا زیادہ نہیں ہے، جتنا موزوں طور پر ہمارے معاملات کو منظم کرنے پر۔ آبی قوت ممکن ہے بہت زیادہ مصارف آور اس وقت ہو، جبکہ پورا سرمایہ "مسلسل قوت" کے استعداد کے پلانٹ پر لگا دیا جائے۔ بیان کیا جاتا ہے، کہ ۹۰ ہزار اسپی قوت کے استعداد والے ایک پلانٹ سے شانن پاور اسکیم خشک ترین سال میں ۱۵۳ ملین یونٹ، معتدل سال میں ۲۸۰ ملین یونٹ اور موسم باراں میں ۳۷۲ ملین یونٹ بہم پہنچانے کے قابل ہے۔ اس طور پر نہ صرف موسم بہ موسم متغیر بہاؤ سے بلکہ سال بہ سال بہاؤ سے بھی افادہ کیا جا رہا ہے۔ ایک پارلیمانی قانون کی رو سے برقی کو شانن ورکس سے ۵۰۰ سے زیادہ باشندے رکھنے والے تمام دیہات کو روشنی پہنچانا پڑتا ہے، بشرطیکہ معاشی طور پر یہ ممکن ہو۔

عملاً سارے ممالک عالم میں ندیوں کے بہاؤ سال کے دوران میں زبردست طریق پر تغیر پذیر ہوتے ہیں، اور غیر مسلسل قوت جو ۶ تا ۸ ماہ کے لئے حاصل ہوتی ہے اس مسلسل قوت سے بہت زیادہ ہوتی ہے، جو معمولی "اقل بہاؤ" سے حاصل ہوتی ہے۔ یہ قوت کوئلہ یا دوسرے ایندھن سے چلنے والے محفوظ پلانٹ کے ساتھ دیہی صنعتوں یا کسی غرض کے استفادہ کے لئے کارآمد ہے۔ فی الوقت ایسی صنعتوں کا بڑا حلقہ موجود ہے جو تیقن نکاس کے لئے قوت کا تقاضا کرتی ہیں، اور دونوں میں سے کوئی ایک فریق حرکت کرنے پر مائل نہیں ہے تاوقتیکہ فریق ثانی کے تعاون و اشتراک عمل کا یقین نہ ہو۔ یہیں آبی قوت کا خاص فائدہ نمودار ہوتا ہے۔

آبی قوت اپنی طویل ترسیلی لائنوں کے ساتھ متناسب طور پر زیادہ مصارف کے بغیر صرف کنندوں کے ایک بڑے حلقہ کو فراہم کئے جانے کے قابل بنائیگی۔ اور جہاں کہیں یہ قابل عمل ہو، برقی سروس میں کی شاخ در شاخ وسیع تقسیم دیہی علاقہ میں کیجانی چاہئے تاکہ دیہاتیوں اور دیہی کارخانوں کو قوت بہم پہنچائی جائے۔ کانیں بڑی دولت پیدا کرتی ہیں لیکن ان کا ذخیرہ انجام کار ختم ہو جاتا ہے۔ کارخانے اور گرنیاں اٹھتی ہیں اور گرتی ہیں لیکن ہم کو مزرعہ کے واقعات سے قریبی دلچسپی ہوتی ہے۔ وہ ذرائع جن پر دارومدار ہوتا ہے میدان اور کھیت اور مرغزار اور لکڑی کی زمینات ہوتے ہیں۔ دیہی آبادی کے شہر میں نقل مقام کر جانے کو روکنا بھی اہم ہے، اور محصلہ قوت کے ایک حصہ کو مقامی آبادی کے استعمال کے لئے محفوظ رکھا جانا چاہئے۔ اگر اس کی فوری ضرورت نہ بھی ہو، تو اس کا نتیجہ کچھ زیادہ نقصان دہ نہ ہوگا۔ کسی دریا کے قوت کے امکانات سے پورا پورا فائدہ ایک ایسے لائحہ عمل کی ترقی ہی کے ذریعہ سے حاصل کیا جا سکتا ہے، جس پر سالہا سال کی ایک مدت تک ایک ایسے طریقہ پر عمل کیا جا سکے، کہ کسی ایک وقت میں لگے ہوئے روپیہ میں غیر واجب اضافہ کے بغیر حسب ضرورت نئے قوت کے یونٹ بتدریج ترقی کے ساتھ کام میں لائے جائیں۔

دیہی صنعتوں کی ترقی میں سہولت پیدا کرنے کے لئے موسمی قوت کے استفادہ کی خاطر ممکنہ آبپاشی پمپنگ، وغیرہ کے لئے موزوں طور پر واقع اسٹیشنوں کو ایک اعلیٰ تناؤ کے جال سے مربوط کرنا مناسب ہوگا۔ آبپاشی پمپنگ وہاں بہت کامیاب ہوتی ہے جہاں بوجھ کا ارتکاز اور پانی خوب فراہم ہو۔ مثال کے طور پر دریائے کیلیفورنیا سے پمپنگ مشنری کے ذریعہ ۱۶ ہزار کیوسک کوئی ۳۰۰ فیٹ بلندی پر اتنے پانی کے اٹھائے جانے کی توقع ہے، جتنا کہ ۲ لاکھ ایکڑ زمین کو سیراب کرنے کے لئے ضروری ہوتا ہے۔ بہرحال زیادہ معمولی مسئلہ واٹر لاگڈ رقبوں کا ریکلیمیشن اور سیراب شدہ رقبوں میں نشیبی علاقوں کے واٹر لاگڈ بن جانے سے حفاظت ہے۔ پانی کا اٹھایا جانا تقریباً غیر محدود گنجائش پیش کرتا ہے۔ آبپاشی کے مختلف طریقوں میں سے جو طریقہ ہمارے لوگوں کے لئے سب سے زیادہ موزوں ہے وہ باؤلی سے آبپاشی کا ہے۔

ایک اور بڑی صنعت جو توانائی کی زبردست فراہمی کی طلب کے ذریعہ ایک اچھا حل پیش کرتی ہے، نائٹروجن فکزیشن کی صنعت ہے۔ قابل کاشت ۱۱۰۰ ایکڑ زمین کے لئے ۵ ٹن نائٹروجن سالانہ کے حساب سے خود یہ صنعت ممالک محروسہ سرکار عالی کی پوری آبی توانائی کا ایک قابل لحاظ حصہ جذب کریگی۔ مزرعہ، کان کنی اور برقی کیمیائی کام کا بوجھ کا عنصر اعلیٰ ہوتا ہے۔ . . . . . .

(۸۰ فیصدی تا ۹۰ فیصدی) اور یہ عام طور سے کارخانے آبی برقی قوت سے متعلق ہوتے ہیں، جن کی مالی کامیابی بڑی حد تک اعلیٰ بوجھ کے عنصر پر منحصر ہوتی ہے، لیکن موسمی قوت کے ذریعہ نائٹروجن فکزیشن کی اسکیم تا حال زیر غور ہے، کیونکہ واقع ہونے والی بیکار مدت میں فراہمی کی بے قاعدگی کے معاشی اثر کا مطالعہ کرنا ہے۔

بلاشبہ آبی برقی نشو ونما میں فنی دشواریاں کارروائیوں کے عظیم تر پیمانے کے باعث بہت زیادہ ہیں۔ بہرحال سب باتوں پر غور کرنے کے بعد قوت کے ان دو ذرائع کے مابین رقابت، جس پر بہت گفتگو کیجاتی ہے، محض سطحی ہے اور کوئلہ سے مسابقت کے ساتھ آبی قوت کو ترقی دینے کی معاشیات پر ہمیں زیادہ متردد ہونے کی ضرورت نہیں ہے۔ آبی قوت بالکل کوئلہ کی جگہ لینے کے قابل امریکہ میں بھی نہیں ہوئی ہے، جہاں اس کو اتنی ترقی دیگئی ہے، کہ اس کے برابر ترقی کہیں اور نہیں ہوئی ہے۔ حیدرآباد میں ایک معقول متعین منطقہ موجود ہے، جہاں کوئلہ پایا جاتا ہے، اور اس منطقہ میں قوت کے اغراض کے لئے آبی ذرائع زیادہ نہیں ہیں۔ جو بات صداقت پر مبنی ہے وہ یہ ہے، کہ آبی برقی قوت اور تپشی قوت کا مجموعہ عام طور سے فقط اول الذکر کو استعمال کرنے کی کوشش سے زیادہ معقول و مناسب ہوتا ہے۔ یہ بات ضروری ہوجاتی ہے، کہ جب آبی بہم رسانی ناکافی ہوجائے تو تپشی انجن کی محفوظ قوت سے اس کی تکمیل کیجائے۔

آبی قوت کی اسکیموں میں جو زیر تحقیقات ہیں، حسب ذیل زیادہ اہم ہیں۔ ان کی ابتدائی تحقیقات کے نتیجہ کے طور پر حسب ذیل اعداد حاصل ہوئے ہیں، اور یقیناً نظر ثانی و ترمیم کے تابع ہوں گے، جب آخری اسکیمیں تیار کیجائیں گی۔

پراجکٹس	قوت کلو واٹوں میں: ابتدائی	ثانوی	جملہ	خرچ لاکھوں میں: تخمینہ مصارف	صرف شدہ رقم	لاکھوں میں خالص آمدنی	بازگشت کا فیصد
۱۔ دیونور	۱۵،۲۲۵	۶،۶۰۰	۲۱،۸۲۵	۱۴۹۳۰۰	۱۶۴۰۰	۲۱،۶۰	۱۳،۱۴
۲۔ نظام ساگر	۱،۵۷۷	۲،۹۲۵	۴،۵۰۰	۲۵،۳۴۵	۲۷،۳۴۶	۳،۷۵	۳،۲۰
۳۔ مانیر	۱،۰۶۰	۵۳۰	۱،۵۹۰	۱۲،۸۸	۱۲،۸۸	۱،۵۵	[illegible]
۴۔ گوداوری کدم (ابتدائی)	۱۷،۲۸۰	صفر	۱۷،۲۸۰	۱۳۰،۰۰	۱۴۰،۰۰	۶۸،۰۰	[illegible]
۵۔ پورنا	۳،۳۴۵	۷۵۵	۴،۱۰۰	۴۳،۰۰	۳۰،۰۰	۳،۸۳	[illegible]
۶۔ تنگبھدرا (ابتدائی)	۱۳،۰۰۰	۱۶،۰۰۰	۲۹،۰۰۰	۱۶۶،۰۰	۱۸۳،۰۰	۲۵،۷۳	[illegible]
۔	۵۰،۲۰۵	۲۷،۸۱۰	۷۸،۲۹۵	۵۱۳،۳۳	۵۵۷،۲۴	۷۲،۶۵	۸،۷

مندرجہ بالا اعداد سے قوت کی افادیت کا پتہ چلتا ہے، ان میں آبپاشی کے کاموں کے کثیر اخراجات شامل نہیں ہیں۔ یہ امر قابل غور ہے کہ قوت کی پیداوار مفید کار ثابت ہورہی ہے اور فائدہ اصل سے دگنا حاصل ہورہا ہے پراجکٹ کے آبی قوت کے شعبہ کے اخراجات اس حصہ کے مصارف کے تقریباً مساوی ہوتے ہیں اس موازنہ کی ہم آہنگی جملہ مصارف سے کیجاسکتی ہے۔ کافی تحقیق و تدقیق کے بعد بولڈر بند کے متعلق آبی قوت کے ماہرین نے بند کے حالات کے لحاظ سے فی کیلوٹ ساعت کا اندازہ (۱۶۲۳) ملس کیا ہے اس کا مطلب یہ ہوا کہ فی ایکر فٹ (۷۵) ک کا تخمینہ ہوا ہے۔ اس بند کے تعمیری اخراجات پورا کرنے کے لئے جمع شدہ پانی کے مصارف فی ایکر فٹ ایک ڈالر کے قریب ہوتے ہیں تاکہ جمع شدہ پانی کی مقدار اور قوت کا تناسب علی الترتیب تین اور ایک سے کیا جاسکتا ہے۔

آبپاشی اور آبی قوت کے پراجکٹس کے بارے میں اس حقیقت پر زور دیا جاسکتا ہے کہ چند حالات کامیابی کی زبردست معاونت کر رہے ہیں۔

الف۔ جس پراجکٹ سے آبی قوت حاصل کیجارہی ہے اس کی متعلقہ معادن دریا کے قریب پراجکٹ کا راس قابل ہونا ضروری ہے، کہ حاصل شدہ قوت خاصی مدت میں صرف ہوسکے۔

ب۔ جس علاقہ میں پراجکٹ ہے وہاں پر قوت کا استعمال،

اس قدر کیا جائے کہ آبادی کی ضروریات پوری ہوسکیں۔

۲۔ پراجکٹ کی عمل پذیری کا زیادہ تر دار و مدار قوت کے تجاذب پر ہوا کرتی ہے۔ بالخصوص یہ عمل ابتدائی زمانہ میں ہوا کرتا ہے جبکہ آبپاشی کی آمدنی کی ہم آہنگی سالانہ اخراجات سے نہیں ہوتی اور جس کا لازمی نتیجہ مصارف کی زیادتی میں ظاہر ہوتا ہے۔

۳۔ جب تک قوت کی آمدنی کا کامل یقین نہ ہو آبپاشی کی ترقیوں کے ذرائع پر سرعت کے ساتھ عمل نہ کیا جائے فقط

بقیہ سلسلہ صفحہ (۲۲) کالم (۲)

حال ہی میں ایک "شوگر فیاکٹری" کا قیام تعلقہ بودھن میں ہوا ہے۔ آبپاشی کے خطوں میں چاول کی گرنیوں کی کثرت ہورہی ہے۔ نیشکر اور پھلوں کی کاشت میں سرعت کے ساتھ ترقی ہو رہی ہے اس میں شک نہیں کہ پراجکٹ کے مجوزات کے تحت آبپاشی کو خاطر خواہ کامیابی نہ ہوسکی۔ اس امر کے ساتھ ہی یہ امر ملحوظ خاطر رہے کہ ضلع نظام آباد اس قابل ہوگیا ہے کہ اپنی پیداواروں کی برآمدنہ صرف ممالک محروسہ سرکار عالی کے علاقوں میں کرسکے بلکہ بیرونی ممالک کا بھی "مرکز امید" ہے۔ اس پراجکٹ کی [illegible] کے ساتھ متذکرہ ضلع نے ترقی کی شاہراہوں میں اپنا سکہ بٹھادیا اور کئی صنعتوں کا مرکز بن رہا ہے۔

اس مضمون میں [illegible] اجمالی طور پر ان تمام ترقیات کا خاکہ پیش کیا گیا ہے جو آبپاشی کے تعمیری کا[illegible] کی بدولت قابل تعریف کامیابی حاصل کرسکیں مرکے فلپ[illegible] نے پنجاب کی نہروں کی نوآبادیات کی جانب اشارہ کرتے ہوئے تقریر [illegible] اشیاء میں غلے کے زبردست [illegible] ناموں کے نام سے یاد کیجاتی ہیں اور ہند[illegible]ان کی بیدار نسلوں کی وجہ سے کئی دیہی اور اہم صنعتوں کا مرکز بھی بنگئی ہیں [illegible] اس نقطۂ نظر کو ہماری سلطنت آصفیہ کی آبپاشی کی ترقیوں کو بہترین اور مکمل حالت میں دیکھا اور انطباق کیا جاسکتا ہے۔

لارڈ ریڈنگ نے ریاست حیدرآباد دکن کی آبپاشی کی ترقیوں کا تذکرہ ہمت افزا اور تعریف آمیز الفاظ میں کرتے ہوئے کہا کہ "موجودہ معاشی انحطاط اور کشمکش کے دور میں آبپاشی کے ایسے زبردست اسکیموں کا پایۂ تکمیل تک پہنچنا حکومت سرکار عالی کے بہترین نظم و نسق کا بین ثبوت ہے" ان زبردست آبپاشی کے کاموں کے علاوہ حکومت سرکار عالی کے پیش نظر ایسے علاقے ہیں جن کو ناقابل زراعت اس لئے سمجھا جاتا ہے کہ وہاں پر پانی کی قلت ہے۔ ان ناقابل زراعت اقطاع کی کاشت کا مسئلہ بھی ارباب حکومت کی توجہ مبذول کراچکا ہے۔ چند زیر غور اسکیموں میں مانیر، کدم، پورنا، بھیما، کرشنا، اور تنگبھدرا کا خاص طور پر ذکر کیا جاسکتا ہے۔ متذکرہ اسکیموں کے مجوزات بھی نواب علی نواز جنگ بہادر کی ماہرانہ اور دوراندیشانہ قابلیت کے ممنون احسان ہیں۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ زیر غور اسکیموں کی تکمیل کے خوش آیند تصور ہی سے ہر باشندے کی تمنائیں اس طرح ظاہر کیجاسکتی ہیں:

"یہ تیز زمین پہ بہت کچھ بچھاور کردہ، اس کے بعد قوم کی آنکھوں کی چمک میں مستقبل کی شاندار ترقیوں کے عکس نظر آئیں گے"

جوبلی پویلین

جشن سیمین کی مبارک تقریب میں بلا امتیاز مذہب و ملت بے شمار کیاسکٹ درخشاں ایڈریس اور دوسرے طریقوں سے جذبات عقیدت و وفاداری کا اظہار اعلیٰحضرت بندگان اقدس و اعلیٰ کی خدمت بابرکات میں کیا گیا تھا۔ اعلیٰحضرت بندگان اقدس و اعلیٰ نے ایک فرمان نافذ کیا کہ ایک علیحدہ عمارت باغ عامہ میں تعمیر کی جائے اور ان تمام اشیا کو اس میں محفوظ رکھیں تاکہ رعایا کو اس کے دیکھنے کا موقع نصیب ہو اس کے علاوہ ایک پکچر گیلری کی تحریک بھی زیر غور تھی مگر اعلیٰحضرت ظل سبحانی کا فرمان شرف صدور لایا کہ پینٹنگ اور کیاسکٹ ایک ہی عمارت میں رہیں اور اس مبارک و مسعود تقریب کی یاد میں اسے جوبلی پویلین کے نام سے موسوم کیا جائے۔

بہ تعمیل فرمان اعلیٰحضرت بندگان عالی ایک خوبصورت عمارت کی نیو ڈالی گئی اس کا رقبہ ۲۲۴ فیٹ کا ہے اس کی تجویز جدید خطوط پر کی گئی ہے جس میں جدید انتظام تنویر و تبرید شامل ہے۔ اس عمارت کا تخمینہ ایک لاکھ روپئے کیا گیا ہے۔ اس کی طرز سادہ عثمانیہ ہے جس میں نقش و نگار اور جالیوں کا کام بھی کیا گیا ہے باب الداخلہ اور کمرہ کیاسکٹ کو سارسانی نقش و نگار سے مزین کیا گیا ہے۔ مین ہال کے دونوں طرف کے پکچر گیلریز عمداً سادے رکھے گئے ہیں تاکہ تمام توجہ پینٹنگ اور دوسرے نمائشی اشیا پر ہی مرکوز رہے۔ دو ہال ۹۰ لمبے ۳۰ چوڑے اور دو ۳۰ x ۴۰ فیٹ کے کمرے پکچر گیلری کے لئے مختص کر دئے گئے ہیں۔ دو بڑی گیلریوں کی دیواروں پر اجنٹہ کے حسن کاری کے مناظر پیش کئے گئے ہیں اور دو چھوٹی گیلریوں کی دیواریں متعلقہ تصاویر وغیرہ کے لئے مختص ہیں یہ خوبصورت عمارت باغ عامہ کے جھیل کے مقابل میں لان پر واقع ہے۔ سالگرہ مبارک کے تقاریب کے سلسلے میں اعلیٰحضرت بندگان اقدس نے اس کا افتتاح بنفس نفیس ۱۳ رجب المرجب کو فرمایا

(جملہ حقوق محفوظ ہیں)

حیدرآباد ٹیلیفون سرویس

از۔ مولوی حسن لطیف صاحب آ-ام-ائی سای-ای، ام-ائی-ای، چیف انجنیر و معتمد تعمیرات سرکار عالی

(اصل انگریزی مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے)

سب سے پہلے حیدرآباد ٹیلیفون کا افتتاح گنیٹو سسٹم پر ۱۲۹۴ف میں عمل آیا۔ اس کے لئے بارہ دری کا مقام منتخب کیا گیا جس میں ۱۱ لائن تھے ۱۳۲۲ف میں اس سلسلے کو سکندرآباد تک ایک اور ایکسچینج کے ساتھ جس میں ۵۴ لائن تھے وسیع کیا گیا۔ ۱۳۳۰ف میں ۴۰ لائن کے ایکسچینج کے ساتھ نارائن گوڑہ تک وسعت دی گئی۔ ۱۳۳۳ف تک ٹیلیفون کے چندہ دہندوں کی مجموعی تعداد ۱۵۰ تک گئی بڑھتی طلب کے مدنظر گنیٹو سسٹم مناسب معلوم نہ ہوا اور اس کی بجائے جدید نظام کی ترویج کی گئی۔ اس کے لئے سی۔ بی نظام کو قبول کیا گیا جس میں زیادہ سے زیادہ ۱۲۰۰ لائن کی قابلیت ہے جس کی ابتدائی قابلیت سوئچ بورڈ میں ۲۴ وولٹ کے ساتھ ۷۰۰ عامل لائن کی ہے۔ اس سامان میں ۱۸ میل کے کیبل جو ۱۲۰۰ چندہ دہندوں کے لئے کافی ہو سکتے ہیں۔ اور ۴۲ ٹرمنیل باکسز شامل ہیں۔ اس کے لئے ۱۳۳۳ف میں ۸ لاکھ ایک ہزار پانچسو روپئے کے صرفے سے ایک عالیشان عمارت بھی تیار کی گئی ہے۔

شہر کی سڑکوں کو تعمیر کرنے والے کے ہاتھوں کیبل کو سخت نقصان پہنچا جس کی وجہ سے ان کی استعداد بہت گھٹ گئی۔ مجبوراً محکمہ کو ان کے بجائے نئے کیبل بچھانے پڑے۔ ۱۳۴۵ف میں دوبارہ کیبل بچھانے کا کام ختم ہوا۔ اور اسی وقت زائد کیبل بچھائے گئے اور صدر لائنوں کو از سر نو منظم کیا گیا۔ فی الوقت کیبل کی لمبائی ۴۰ میل ہے جن کی قابلیت سے ۱۸۰۰ چندہ دہندگان فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ اس کام پر تین لاکھ پچیس ہزار روپئے صرف ہوئے۔

برطانوی ہند میں ٹرنک ٹیلیفون سرویس کی سرعت سے ترقی ہو جانے پر ضرورت پڑی کہ ہمارے نظام کو اس سے ملحق کرے۔ اعلیحضرت بندگانعالی اقدس و اعلیٰ جن کے پیش نظر ہمیشہ اپنی رعایا کی فلاح مدنظر رہتی ہے، ۱۰ رجب ۱۳۵۵ھ کو فرمان قضا شیم شرف صدور لایا کہ اس کام کی تکمیل کے لئے جلد سے جلد عملی قدم اٹھایا جائے۔

اسی اثنا میں ایکسچینج کا سوئچ بورڈ اپنی طبعی استعدادی عمر کے ساتھ اختتام کو پہنچا اور کیبل کے بدلنے کے سلسلے میں ٹیلیفون کے پورے نظام پر از سر نو غور کیا گیا۔ ٹیلیفون سرویس کا شمار عوام کے فائدے میں ہوتا ہے اور مسلمہ اصول کے تحت ایسے انتظاموں کو جن کا مفاد عوام سے وابستہ ہو حکومت کی راست نگرانی میں دینا چاہئے۔ یہی وجہ تھی کہ ٹیلیفون سسٹم کو محکمے نے اپنی نگرانی میں لیا۔

برطانوی ہند کے ٹرنک ٹیلیفون سسٹم سے ملحق کرنے کے لئے یہ ضروری تھا کہ سوئچ بورڈوں کو بدل لیا جائے کیونکہ ٹرنک لائن سرویس کے مطلوبہ استعداد سے ان کی استعداد کم تھی اس کے علاوہ مملکت کے بڑے بڑے شہروں کو ٹرنک سرویس سے ملانا بھی مقصود تھا۔ حکومت نے فیصلہ کیا کہ خودکار اصول پر ایک سوئچ بورڈ نصب کیا جائے۔ اور اورنگ آباد اور شولاپور میں ٹرنک لائن سے ملا دیا جائے۔ تاکہ ان نقاط سے آیندہ برطانوی ہند کے ٹرنک ٹیلیفون سسٹم سے ملحق کرنے میں سہولت ہو۔

حکومت ہند نے شولاپور سے بلارم تک ریلوے لائن کے تلغرافی کھمبوں پر ٹرنک لائن بچھا دی۔ حکومت مملکت آصفیہ کو حیدرآباد کے فوائد کے لئے ٹیلیفون لائن بچھانے کا بلا شرکت غیرے حق حاصل ہے۔ اور اسی حق سے تجارتی اغراض کے فایدے کے لئے اس لائن کو استعمال کرنے کے حق پر اس سوال کو اٹھایا گیا ہے۔ اور ابھی اس کا کوئی قطعی تصفیہ نہیں ہوا۔ سکندرآباد، حیدرآباد، بلارم اور ترملگری کے عوام کیلئے شولاپور ٹرنک لائن کا افتتاح ان قریوں کے کال آفس (Call Office) سے عمل میں آگیا ہے۔ حکومت ہند ماہرین مملکت کی تحریکات سے اپنی رضامندی ظاہر کر دے گی۔

سرویس کی اعلیٰ ترین استعداد حاصل کرنے کے مدنظر سوئچ بورڈ کی تبدیلی عمل لائی جا رہی ہے اور اس کے لئے ترقی یافتہ ممالک کے ماہرین اور ان ممالک کی مشہور فرموں کو مشورے اور اسکیم پیش کرنے کی دعوت دی جا رہی ہے۔ دور جدید کے بہترین آلات کے ساتھ اس اسکیم کو کفایت سے مکمل کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے۔ اور اس کو برطانوی ہند کے محکمہ ٹیلیفون و تلغراف کے معیار کے مساوی آلات فراہم کرنے کی فرمایش کی گئی ہے۔ امید ہے کہ یہ اشیا نومبر ۱۹۳۸ع تک یہاں آ جائیں گی۔ جب تک کہ جدید سوئچ بورڈ نصب نہ کیا جائے یہ ناممکن ہے کہ حیدرآباد ایکسچینج کے چندہ دہندگان کو برطانوی ہند کے محکمہ ٹیلیفون و تلغراف کے نظام سے ملحق کریں اور ممکنہ کوشش اس امر کی جا رہی ہے کہ منظورہ کام کو حصوں میں تقسیم کریں تاکہ کم از کم تکمیل شدہ حصے سے چندہ دہندگان ممکنہ موقع سے فائدہ اٹھائیں۔ مہیا کنندگان نے اس کام کو جولائی ۱۹۳۹ع تک ختم کرنے کا حتمی وعدہ کیا ہے۔

اس نظام کا خاکہ حسب ذیل ہے۔

(۱) جدید ایکسچینج کے سامان کی موجودہ قابلیت ۲۵۰۰ لائن کی ہوگی مگر وقت ضرورت اس کو کسی حد تک بھی وسیع کیا جا سکتا ہے۔

(۲) اس کے چار ایکسچینج ہوں گے۔ مرکزی ایکسچینج حیدرآباد میں ہوگا اور ذیلی ایکسچینج گولکنڈہ جامعہ عثمانیہ اور سکندرآباد میں ہوں گے۔

(۳) یہ آلات اسٹرو دیگر اصول پر کام کریں گے اور سیمنس اینڈ ہالسک کے پری سلکٹر سسٹم پر ہے جس کی قوت ۶۰ وولٹ کی ۱۰۰۰ اوہم کے مزاحمتی لائن کے ساتھ ہوگی تاکہ وہ موجودہ لائن کے کیبل کے موزوں ہو سکے۔

(۴) خودکار دہائی رکٹیفائر و اسٹیج کو درست کرنے کے لئے ہوں گے۔ اس میں کوئی گردشی حصے نہیں ہیں اس لئے یہ مانع خطا بھی ہے۔

اس نظام کی خصوصیتیں حسب ذیل ہیں۔

(۱) ٹرنک کالس اور خاص چندہ دہندوں کے لئے قابل ترجیح سہولتیں۔

(۲) مطلق رازداری

(۳) خطاؤں کا خودکار اعلان

(۴) وقت کا خود مندرج کرنے والا آلہ جو خطا کی اطلاع اور عملہ ایکسچینج کی اس خطا کو دور کرنے میں صرف ہو۔

گنیٹو سسٹم پر چھوٹے مقامی ایکسچینج ضلعوں میں قائم کئے گئے ہیں۔ ۱۳۳۰ف میں شہر اورنگ آباد کے ۳۰ چندہ دہندگان کی لائن ۱۳۳۵ف میں رائچور کے ۱۰۰ چندہ دہندگان کی لائن ۱۳۳۶ف میں ورنگل کے ۴۰ چندہ دہندگان کی لائن اور ۱۳۴۰ف میں ۷۰ چندہ دہندگان کی لائن قائم کی گئی۔ ۵۴ میل کی ٹرنک لائن جالنہ اور اورنگ آباد ایکسچینج اور ۴۰ میل کی ٹرنک لائن ورنگل اور حیدرآباد ایکسچینج کو ملاتی ہے۔ حیدرآباد ورنگل ٹرنک لائن کی کال آفس بھونگیر اور جنگاؤں میں ہیں اس کے ساتھ آلیر سے جنگاؤں تک چندہ دہندگان کی لائن کو وسیع کیا گیا ہے۔

شہر اور دارالخلافہ کے الحاق اور بین الرسل سہولت بہم پہنچانے کے بغیر یہ ایکسچینج کارآمد ثابت نہیں ہو سکتے جن کے توسیع کی ضرورت ہے۔ حکومت کا مقصد ان سے کام لینے کا یہ ہے کہ مستقبل قریب میں ٹرنک ٹیلیفون لائن قائم کرے۔ اس اسکیم کا کام بھی مرسلہ تجویزات پر حکومت ہند کے آخری تصفیے تک ملتوی رہیگا۔ اس اسکیم کا مقصد یہ بھی ہے کہ مملکت کے اہم شہروں کو ٹرنک لائن کے جال سے حیدرآباد ایکسچینج کو ملا دیا جائے مجوزہ لائن حسب ذیل ہیں۔ (بقیہ سلسلہ بر صفحہ ۲۸۱)

حیدرآباد اور تعمیراتی حسن کاری

از۔ نواب زین یار جنگ بہادر چیف آرکیٹکٹ

(نوٹ اصل انگریزی مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر)

اعلیٰحضرت قدر قدرت کی مبارک سالگرہ کی تقریب کے سلسلہ میں تعمیراتی حسن کاری پر اظہار خیال کرنا نہایت مناسب ہوگا۔ کیونکہ ہمارے ہردلعزیز ظل اللہ بادشاہ سلامت کو حسن کاری کے اس شعبہ سے خاص انس ہے حضرت اقدس بندگان عالی تعمیراتی دلچسپیوں کے مدنظر بجا طور پر عہد جدید کے "شاہجہاں" کہلائے جا سکتے ہیں حضور فلک مرتبت ہی کی ادنیٰ توجہ کی بدولت ہزارہا خوشنما عمارتیں منصۂ شہود پر نظر آرہی ہیں اس میں کوئی شک نہیں کہ اعلیٰحضرت کے دور میمنت مہر میں شعبہ تعمیرات کو جس قدر ترقی نصیب ہوئی اس کا تذکرہ حیدرآباد کی تاریخ میں زرین حرفوں سے لکھا جائیگا۔

خطۂ دکن کے قدیم ترین عہد کی چند شہرہ آفاق عمارتیں چار دانگ عالم میں اپنی آپ نظیر ہیں۔ ان عجائبات میں چار مینار کا ذکر بطور خاص کیا جا سکتا ہے۔ جو ریاست حیدرآباد کی نمایاں خصوصیت کا حامل ہے اور جس کے نشانات سکوں اور اسٹامپوں پر لگائے جاتے ہیں۔ اس عظیم الشان ثریا رس عمارت کی بنیاد کا سہرا قطب شاہیہ سلاطین کے سر باندھا جا سکتا ہے مگر اس کی تکمیل اورنگ زیب عالمگیر کے دور میں ہوئی۔ دارالخلافہ کے باہر ایلورا اور اجنٹا کے غار سیاحان عالم کی توجہ کے مراکز بنے ہوئے ہیں۔ ان عجائبات کے علاوہ مقبرۂ رابعہ دورانی۔ دکن کا تاج محل۔ جامعۂ محمود گاوان (ضلع بیدر) اور ضلع ورنگل کے جو ہندو راجاؤں کے دور صناعی کے بہترین نمونے ہیں۔ ہمارے ریاست ابد مدت کے لئے طرۂ امتیاز سے کم نہیں۔ متذکرہ عمارتوں کی صناعی اور حسن کاری ازمنۂ قدیم کی عظمت و شوکت کی اپنی زبان حال سے شہادت دے رہی ہیں حقیقت یہ ہے کہ ہمارے بزرگوں نے خداداد حسن کارانہ دماغ پایا تھا قدیم عمارتوں میں حسن کاری اور صناعی کے اجزاء کچھ اس طرح سے ملے جلے پائے جاتے ہیں کہ جی بے اختیار قدیم صناعوں کی ماہرانہ اور حسن کارانہ قابلیتوں کی داد دینے لگتا ہے۔ ان کی مہارت اور قابلیت کے سکے نہ صرف ان کے عہد میں بیٹھ چکے تھے بلکہ انہوں نے تعمیراتی حسن کاری کے مادی ثبوت پیش کر کے آیندہ نسلوں سے اپنا لوہا منوا دیا۔ ان عمارتوں کو پیش نظر رکھ کر ہم کچھ ترقیاں حاصل کر سکے اور کر رہے ہیں۔

انیسویں صدی کا نصف آخر اور بیسویں صدی کے ابتدائی دور میں تعمیراتی حسن کاریوں میں نئے نئے اضافے کئے گئے کیونکہ عوام اس فن کی جانب بیحد دلچسپی لے رہے تھے۔ شہر کے مختلف حصوں میں تعمیراتی حسن کاری کے بہترین نمونے کی حامل عمارتیں نظر آنے لگیں۔ اس سے قبل اکثر رہائشی عمارتیں کسی ڈزائن یا اراضی کے محل وقوع کے انتخاب کے بغیر ہی تعمیر کی جاتی تھیں۔ ان بے اصول عمارتوں کی وجہ سے نہ صرف بلدہ کی آرائش بے رونق ہوتی بلکہ ریاست ابد مدت کی دوسری قابل فخر عمارتوں کی شہرت کو ایک طرح سے زبردست دھکا پہنچتا تھا۔

ہمارے بادشاہ ذیجاہ ۱۹۱۱ء میں تخت نشین ہوئے۔ آپ کا عہد حکومت تعمیراتی حسن کاری کا "نشاۃ ثانیہ" سمجھا جائیگا۔ اس کی وجہ یہ قرار دی جا سکتی ہے کہ ہمارے بادشاہ ذیجاہ نے آرائش بلدہ کی تعمیرات سے بالواسطہ عوام میں بھی حسن کارانہ تعمیرات کی صلاحیتیں پیدا کر دیں۔ آرائش بلدہ کے شاندار کاموں کے لئے حضرت اقدس و اعلیٰ نے لکھو کھا روپیوں کی منظوریات صادر فرمائیں جس کی بیعت سے نہ صرف دارالخلافہ بہت تھوڑے عرصہ میں "عروس البلاد" بنجائیگا بلکہ عہد جدید کی ضرورتوں سے عوام مستفید ہو سکینگے۔

نئے نامپلی اسٹیشن کی رسم افتتاح کے موقع پر اعلیٰحضرت بندگان اقدس نے دوران تقریر میں ارشاد فرمایا کہ۔

"میں خوش ہوں کہ اس عمارت کی تعمیر دکنی طرز پر کی گئی ہے۔ میری ریاست کی کئی عمارتیں اسی طرز پر تعمیر کی گئی ہیں جن میں ہندوؤں اور مسلمانوں کے تعمیری کارنامے شامل ہیں ان عمارات میں ہندو مسلم صنعت کی خوشنما جھلکیاں نظر آتی ہیں اور یہی مابہ الامتیاز خصوصیت اشتراک عمل میری رعایا کی فطرت بھی ہے اور اس جذبہ کو فن تعمیر میں بھی نمایاں کیا گیا۔ نامپلی کا نیا اسٹیشن میری سلطنت کے شایان شان کارناموں میں سے ایک فنی حصہ کہلانے کا مستحق بن سکتا ہے"

عہد جدید کی تعمیراتی ترقیوں کا زبردست کارنامہ "عثمانیہ طرز" کی جدت ہے۔ اس طرز میں دکن کے ہندوؤں اور مسلمانوں کی طرز تعمیر کی حسن کاری اور صناعی کے اجزاء مشترک پائے جاتے ہیں۔ "عثمانیہ طرز" کی بہترین مثال "عثمانیہ یونیورسٹی" کی عمارتیں ہو سکتی ہیں۔ تعمیر کے دوران میں جہاں کہیں گنجان بناوٹ کی ضرورت پیش آئی بدھی اور جینی امتیازات کو اجاگر کیا گیا ہے اور بناوٹ کی آرائش و زیبائش کے ساتھ ساتھ دلکشی کی خاطر مسلمانوں کی طرز تعمیر کی تتبع کی گئی ہے۔ اس ساری خوبیوں کے اشتراک عمل سے بحیثیت مجموعی عمارت سادہ اور شاندار نظر آتی ہے۔

مسجد شاہی، جوبلی ہال، جوبلی پویلین، آثار قدیمہ کا نمائش گھر، عدالت عالیہ، عثمانیہ دواخانہ، شفاخانہ یونانی اور نئی اسمبلی کے اسٹیشن جیسی عمارتوں کے باوجود اور دوسری پبلک عمارتوں اور چمنوں کا مسئلہ بھی حکومت سرکار عالی کے زیر غور ہے۔ دارالخلافہ کو بہترین جدید طریقوں پر افادیت کے نقطۂ نظر سے آراستہ کرنے کا خیال بھی ضرور خوش آیند ہے اس کے علاوہ حکومت سرکار عالی کے پیش نظر شہر حیدرآباد کو دو حصوں میں منقسم کرنا کا خیال ہے اور جغرافیائی وسائل سے اس کا حل دریافت کیا جائیگا۔ اور ہر حصہ میں وہاں کے باشندوں کی جملہ ضروریات وغیرہ کا خاطر خواہ انتظام کر دیا جائیگا۔

حکومت سرکار عالی نے شاہراہوں کے ہر دو جانب خوشنما عمارتوں کی زینت سے شہر کو آراستہ کرنے کی غرض سے کروڑہا روپئے مانع گرد شوارع کی تعمیر آبرسانی اور ڈرینیج کے بہترین انتظامات پر صرف کر دئے اور عوام کے آرام و آسایش کی خاطر بہت سارے تعمیراتی کام حکومت سرکار عالی کے زیر غور ہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر ہر شہری کا اخلاقی فریضہ ہے کہ وہ حکومت کی حتی الامکان اعانت کرے۔ اور خاص طور پر وہ لوگ جو مکانات تعمیر کراتے ہیں انہیں حسن کاری اور صناعی کا خیال رکھنا چاہیئے۔ یہ مسلمہ امر ہے جب تک شہر کی شوارع کے مناظر خوشنما نہ ہونگے۔ اس کی آرائش میں دلکشی پیدا نہیں ہو سکتی۔

حیدرآباد کی پبلک کے دلوں میں بہترین اور خوشنما مکانات کی تعمیر کا شوق پیدا ہونا چاہیئے۔ فی الوقت یہ شوق اعلیٰ طبقہ

میں کارفرما نظر آتا ہے مگر حالات و قرائن اس بات کا ثبوت دے رہے ہیں کہ بہت جلد اس کے اثرات اعلیٰ، اوسط اور ادنیٰ طبقوں میں بھی سرایت کر جائینگے ۔ شہر حیدرآباد کے مضافاتی علاقوں میں چند سالوں کے دوران میں کئی بہترین خوش وضع عمارتیں تعمیر کی گئیں ۔ ان مادی مثالوں سے قوی توقع کی جاسکتی ہے کہ مکانات تعمیر کرانے والے طبقہ میں بھی حسن کارانہ ذوق پیدا ہو جائیگا ۔

حکومت سرکار عالی نے محکمہ آرکیٹکچر قائم کر دیا ہے جس کی وجہ سے حیدرآباد جیسے عظیم الشان شہر میں کئی عالیشان اور خوشنما عمارتیں تیار کر ڈالی گئیں ۔ مجھے یقین ہے کہ ان عمارتوں کی خوشنمائی نے عوام کے دل کو اس قدر موہ لیا کہ اب انہیں "تعمیراتی حسن کار" کی اہمیت کا اندازہ ہونے لگا ہے ۔ آرکیٹکس ان حسن کارانہ صلاحیت رکھنے والے اشخاص کو کہا جاتا ہے جو فطرتاً یا تربیت یافتہ ہونے کی وجہ سے اس قابل ہوتے ہیں کہ مکانات کی تعمیر کے سلسلہ میں مشورہ لینے والوں کو خوشنما مکانات کی تعمیر کا فنی مشورہ دیں ۔ ان میں اس قدر قابلیت ہوتی ہے کہ مشورہ لینے والوں کی خاطر خواہ تشفی کر سکتے ہیں ۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ آج کل عوام کا مطمح نظر یہ ہو چلا ہے کہ مکان کا نئی وضع والے خاکہ ڈالا جائے جس میں زیادہ سہولت اور زخاطر خواہ خوشنمائی کے علاوہ وہ فنی طریقوں کے مطابق بھی ہو ۔ مجھے مسرت ہوتی ہے کہ حسن کارانہ صلاحیت تدریج پیدا ہو چلی ہے ۔ بالخصوص نئی خیال اور تعلیمیافتہ طبقہ میں تو آرکیٹکٹ کے تجویزہ خاکہ وغیرہ پر تبصرہ کرنے اور تعمیر سے متعلق دوسری امور کی بھلائی اور برائی معلوم کرنے کی صلاحیت بدرجۂ اتم پائی جاتی ہے ۔ ان دماغی جدتوں کی وجہ سے بہت سارے لوگ اپنے موجودہ امکنہ سے بیزار نظر آتے ہیں ۔ ان کی خواہش یہ ہے کہ ان کی مرضی کے قریب قریب مطابق مکان مل جائے یا خود از سر نو نیا مکان اپنی خواہش کے مطابق تعمیر کرالیں ۔ شہر کی آرائش اور تعمیراتی حسن کاری کے بذات خود غائرانہ مطالعہ کے سبب سے ان کا شوق بڑھتا گیا ۔ ان وجوہات کی بنا پر خود بخود ان کو آرکیٹکٹ (تعمیراتی حسن کار) کی خدمت کا اعتراف کرنا پڑا ۔ اس بڑھتے ہوئے شوق کی رہبری سے ان میں ماہر آرکیٹکٹ کے انتخاب کی صلاحیت پیدا ہو جائیگی ۔ اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ آرکیٹکس (تعمیراتی حسن کاروں) میں مہارت پیدا کرنے کا جذبہ پیدا ہوگا اور وہ اپنی خداداد قابلیتوں کے جوہر دار الخلافہ میں دکھلانے کی جد و جہد کرینگے ۔ جب عوام میں تعمیراتی حسن کاری کی تمیز کا مادہ پیدا ہو جائیگا ایسی صورت میں صرف ماہر فن آرکیٹکٹ ہی ترقی کر سکیگا ۔

مجھے بیحد تعجب ہوتا ہے کہ بعض لوگ نے آرکیٹکٹ کے سمجھنے میں کیسی قدر الجھ گئے ہیں ۔ ان کا خیال ہے کہ تعمیراتی حسن کار مطلق العنان ہوتا ہے جو انہیں اپنے مکانات کی تعمیر میں کسی قسم کی تجویز یا خیال کے ظاہر کرنے کی اجازت نہیں دیتا ۔ وہ سخت غلطیوں پر ہیں فی الحقیقت ان لوگوں نے اس کا مطلب الٹا سمجھ رکھا ہے ۔ ہر آرکیٹکٹ (تعمیراتی حسن کار) کا اولین فریضہ ہے کہ وہ مشورہ حاصل کرنے کے خیالات کو فنی اور حسن کارانہ طریقوں سے عمارت کی صورت میں پیش کرے ۔ چونکہ حیدرآباد میں پیشہ ور تعمیراتی حسن کار موجود نہیں ہیں اس لئے اس کمی کے باعث جو ان کا جائز حق ہوتا ہے غلط فہمیاں پیدا نہ ہو سکیں ۔ مگر مجھے امید ہے کہ خانگی پیشہ ور تعمیراتی حسن کار ہماری ۔ ریاست میں بھی بہت جلد نظر آنے لگینگے اس کے ساتھ ہی عوام کو اس بات کا علم ہونا چاہئے کہ ان کے مشورہ کے اخراجات من مانے نہیں بلکہ مقررہ اصول کے تحت ہوا کرتے ہیں سو صراحت کے ان کی مثال طبی پیشہ وروں سے دی جاسکتی ہے ۔ ان کے مشورہ کے اخراجات امکنہ کے تعمیر کنندگان کے لئے بار خاطر نہیں ہوتے حیدرآباد کے باشندوں کو اس حقیقت حال سے آگاہی نہیں کہ تعمیری حسن کار اپنے قیمتی مشوروں سے ان کے مصارف میں کس قدر کمی کر دیتے ہیں ۔ اگر وہ ماہر تعمیراتی حسن کار ہے تو مشورہ لینے والے شخص پر اپنے مصارف کا بار ڈالے بغیر بہترین خاکہ اور فنی نگرانی کی خاطر انتظام کر دیتا ہے ۔

تعمیراتی حسن کار اپنے پیشہ میں مہارت تامہ رکھتا ہے اور وہ تعمیر کنندے سے یا گتہ دار کو معاشی اصول کے لحاظ سے مصارف کا مشورہ دیتا ہے ۔ مثال کے طور پر جس طرح ایک ماہر ڈاکٹر نسخہ تجویز کرنے کے بعد دواساز کو اس قابل بنا دیتا ہے کہ وہ صحت کے ساتھ دوا تیار کر سکے ٹھیک اسی طرح ایک تعمیری حسن کار بھی خاکہ بنا لینے کے بعد تعمیر کنندہ یا گتہ دار کو عمارت کھڑا کرنے کے قابل بنا دیتا ہے ۔ اس امر کا اظہار نامناسب نہ ہوگا کہ موجودہ زمانہ میں تعمیراتی حسن کاروں کے فرائض کی تعداد بڑھ گئی اور ان میں سے بعض کے لئے تو اعلیٰ درجہ کے صنعتی استطاعت کی ضرورت پیش آتی ہے تعمیری حسن کار کے فرائض میں داخل ہے کہ وہ تعمیر میں جدت طرازانہ حسن کاری سے کام لے ۔ اس کے ساتھ ہی اس کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ وہ عمارتوں کے نقشے بناتے وقت حقیقی ضروریات کو ملحوظ خاطر رکھے ۔ بعض تعمیر شدہ مسکن کی افادیت کے کئی پہلو ہوا کرتے ہیں تجربہ کار تعمیری حسن کار کے لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ وہ اپنے ڈزائن میں جدید تعمیری ذرائع کا استعمال کرے اور عہد جدید کے تعمیری اصولوں سے بھی کماحقہ واقف ہو ۔ یہ نکتہ یاد رکھنے کے قابل ہے کہ ایک کامیاب تعمیری حسن کار صناعی کا قابل لحاظ پر لحاظ رکھ کر دوسرے معلومات کو اپنے فن کا تابع رکھتا ہے ۔ تعمیری اصولوں کے ماسوا آرکیٹکٹ کے لئے پیمائش، ہوا کی صفائی، حفظ صحت، حرارت، روشنی، ہوا کی آمد و رفت اور عمارات کے قانون اور مالیہ سے بخوبی واقف ہونا نہایت ضروری ہے

تعمیری حسن کار عمارت کا خاکہ اس طرح سے ڈالے کہ تعمیری حصے اور بلندی کے اعتبار سے وہ نتیجتاً شاندار اور خوشنما ہو ۔ اس خوبی کے اجاگر کرنے کے لئے جو تعمیری حسن کار ریاست حیدرآباد میں کاروبار کرنا چاہتے ہیں انہیں اس امر کا ذہن نشین کر لینا ضروری ہے کہ "اسپشل آرڈر" کے لئے اصول تعمیرات کی ضرورت نہیں بلکہ جدت کی ہے ۔ ان کے لئے اپنی تجربہ کاری کی مدد سے نئے نئے ڈزائن کی عمارتوں کی تعمیر نہایت اہمیت رکھتی ہے میری بہترین تمنا ہے کہ وہ پیشہ ور تعمیری حسن کار جو حیدرآباد میں اپنا کاروبار کرنا چاہتے ہیں انہیں سب سے پہلے عوام کے حصول اعتماد کی سخت ضرورت ہے اس کے سبب سے وہ کامیاب تعمیری حسن کاری بن سکتے ہیں ۔ بالخصوص ایسے عہد میں جب کہ ہمارے اعلیحضرت بندگان عالی کی ذاتی دلچسپیاں فن تعمیر سے اظہر من الشمس ہیں ۔ (جملہ حقوق محفوظ ہیں)

مملکت آصفیہ کی آبپاشی کی ترقیاں

از مولوی ولی الرحمٰن صاحب بی، ای، ام، آئی، ای اسسٹنٹ چیف انجینئر

(انگریزی مضمون کا ترجمہ پیش کیا جاتا ہے (ایڈیٹر))

چند جدید اور فائدہ رساں کاموں میں سے آبپاشی کا طریق کار بھی ہے جس کی افادیت ہم انگلستان کی فضاؤں میں کما حقہٗ معلوم نہیں کرسکتے مگر اس فائدہ کا ثبوت ہندوستان کے نقشہ پر واضح طور پر نظر آسکتا ہے جس کی وجہ سے اس ملک کا بھیانک منظر گلستان بن گیا۔ اور جس کی بدولت لکھوکھا نفوس کی روٹی کے ذرائع بھی مہیا ہوسکے۔"

ان الفاظ میں لارڈ کرزن نے پنجاب کی نو آبادی کو بمقام لائل پور (پنجاب) مخاطب کیا تھا۔ یہ علاقہ ایک عرصہ تک آبپاشی کی نعمت سے متفیض نہ ہونے کے سبب سے ویران پڑا رہا۔ مگر آبپاشی کے چند سالوں کے اندر ہی صوبہ پنجاب کا سرسبز اور زرخیز علاقہ بن گیا۔* ان خیالات کا انطباق بہترین طریقہ سے مملکت آصفیہ پر کیا جاسکتا ہے، جہاں عہد عثمانی کی گذشتہ ربع صدی کے شاندار درخشاں کارنامے جن میں سے بعض ہندوستان کے لئے قابل فخر و نازش ہیں، ضرور اس قابل ہیں کہ ان پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے۔ ان کارہائے نمایاں کی وجہ سے جیسا کہ بالعموم آبپاشی کی بدولت دنیا کے ملکوں کی حالت ہی سدھر جاتی ہے، بہت بڑی حد تک مقامی باشندوں کی معاشی زندگی میں زبردست تبدیلی واقع ہوئی اور بہت سارے امور زیر تکمیل ایسے بھی ہیں جن کی افادیت سے اس امر کی توقع کیجاسکتی ہے کہ ان کے سبب سے سلطنت ابد مدت کی مستقبل کی تاریخ نہایت درخشاں ہوگی۔

ملک ہندوستان ایک بڑی حد تک زرعی ملک کہلانے کا مستحق ہے جس کی ترقی اور فلاح اور بہبودی کا انحصار زیادہ تر بارش پر ہے۔ ہندوستانی بارش کا غیر یقینی توازن ضرب المثل ہے۔ زرعی نقطہ نظر سے اس کی غیر المعیاری حالت جس کی وجہ سے ناکامی کا امکان یا زبردست کمی واقع ہوتی یا فصلوں کی کامیابی یا تباہی کے آثار نمایاں ہوتے ہیں۔ یہ سب کچھ بارش کی تقسیم کی مقدار پر منحصر ہے۔ ایک سال کثرت بارش کی وجہ سے فصول پورے بہار پر رہتی ہیں۔ اس کے برخلاف بارش کا بالکل یا کسی قدر نہ ہونا قحط یا گرانی کے بھیانک حالات پیدا کردیتا ہے، جن وجوہات کی بنا پر اکثر اوقات جانی اور مالی نقصانات کا سامنا کرنا پڑتا ہے۔ موسمی ہواؤں کے تغیرات کا اثر نہ صرف زراعت پر مترتب ہوتا ہے بلکہ ان کی وجہ سے تجارت اور صنعت و حرفت۔ بھی اثر پذیر ہوا کرتے ہیں کیونکہ ان شعبوں کی ترقی کا زیادہ تر دارومدار زراعت کی کامیابی پر ہے علاوہ ازیں ملک کی مالگزاری کا بھی زبردست معاشی نقصان ہوتا ہے۔ ہندوستان کے بعض اقطاع میں بارش کے فقدان یا غیر توازن کے سبب سے کاشت کا پھیلاؤ ممکن ہی نہیں۔ اس کے برخلاف دوسرے اقطاعات یا زمین کی خراب اور بنجر قوتوں کے سبب سے کاشت کی حالت قابل رحم ہوجاتی ہے جب تک ایسے اقطاع کی ترقی کے لئے آبی خزانے تعمیر نہ کئے جائیں۔ آبپاشی کے ذرائع استعمال نہ ہوں۔ کامیابی کی امید سنہری خواب سے زیادہ حیثیت نہیں رکھتی۔ ان حالات کے تحت۔ زراعت کی ترقی اور بہ حیثیت اجتماعی ملک کی معاشی فلاح و بہبودی کے لئے آبپاشی کا وجود قدرتی عطیہ سے کسی طرح کم نہیں۔ اس کی اہمیت روز روشن کی طرح عیاں ہے اس لئے موجودہ دور میں آبپاشی کے فوائد کا تذکرہ شاید ہی ضروری ہو۔ آبپاشی کی افادیت اور فوائد ایسے مسلمہ ہیں جن سے معاشیات کا ہر طالب علم بخوبی واقف ہوتا ہے۔ شعبۂ آبپاشی کی بدولت نہ صرف کسی ملک کے مالیہ کا میزانیہ برقرار رہ سکتا ہے بلکہ "تاریخ عالم" کا توازن بھی اس کا ممنون احسان نظر آتا ہے۔

اس حقیقت امر سے انکار نہیں کیا جاسکتا کہ مالگزاری کا تخمینہ جو شعبہ آبپاشی سے قائم رہتا ہے** ایک مستقل اٹل میزانیہ ہے جو معاشی کشمکش کی دنیا میں اپنا آپ نظیر ہوتا ہے" کیونکہ صنعتوں کو جب عروج و زوال ہوتا ہے اور تجارتی تغیرات کے سبب سے "تجارت" کی بنیادوں پر ضرب کاری پڑتی ہے۔ ایسی صورتوں میں صرف آبپاشی ہی نئی زندگی کی لہر ان کے مردہ جسموں میں دوڑا دیتی ہے*** سر سی، ایس، سی، ہاریسن۔ سابق چیف انجینئر سکر بیاریج نے "بمبئی انجینئرس کی آبپاشی کی کانفرنس" کی صدارت کرتے ہوئے آبپاشی کے اصول و فوائد پر محققانہ انداز میں اپنے خیالات واضح کئے ہیں جن کی نقل ضرور متعلقہ حضرات کی دلچسپی کا موجب ہوگی۔

" روئے زمین کے سیراب شدہ اقطاع کا رقبہ تقریباً (۲۰۱) ملین ایکر پر پھیلا ہوا ہے جس میں سے (۱۴۱) ملین ایکر خطہ زمین براعظم ایشیا میں واقع ہے۔ اور اس رقبہ کا زیادہ تر حصہ ملک ہندوستان کا ہے۔ انیسویں صدی کے ابتدائی زمانہ میں دنیا کی آبادی کا تخمینہ (۹۰۰) ملین کیا گیا تھا۔ بیسویں صدی کی ابتدائی دنیا کی آبادی (۲۰۰۰) ملین تک پہنچ گئی اور قیاس کیا جاتا ہے کہ اس صدی کے ختم ہونے تک دنیا کی آبادی (۴۰۰۰) ملین ہوجائے گی۔ روئے زمین کے وہ اقطاع جو آبپاشی سے متفیض ہورہے ہیں ان کا رقبہ (۱۳۰۰) ملین ایکر ہوتا ہے۔ اس طریقہ سے اگر تین ایکر زمین فی کس کا اندازہ لگایا جائے تو سنہ ۲۰۰۰ء میں دنیا کی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لئے (۱۲۰۰۰) ملین ایکر قابل کاشت زمین کی ضرورت ہوگی۔

"ایسے تخمینہ کی مدد کرنا کچھ آسان کام نہیں۔ متذکرہ فوق رقبہ کی اراضیات صرف دنیا کی آبادی کی ضرورتوں کو پورا کرسکتی ہیں اور مشکل سے (۱۰۰۰) ملین ایکر رقبہ طبی اور حفظان صحت کی بڑھتی رفتار کے انداد کی خاطر محفوظ رہ سکیگا"

"کسی غائرانہ تحقیق و تجسس کے بغیر بھی یہ ظاہر ہے کہ اس عہد کی بڑھتی ہوئی آبادی کی کفالت کے مدنظر جس کا تخمینہ (۲۰۰۰) ملین سے کچھ زیادہ ہی کیا جارہا ہے۔ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یقیناً معاشی مشکلات کا سامنا کرنا پڑیگا۔ آج تک آبپاشی نے دنیا کی حالت سدھارنے میں جو کچھ بھی مدد دی مستقبل کی شاندار توقعات کا عشر عشیر بھی نہیں۔

یہ ظاہر ہے کہ بارش کو آبی خزانوں میں محفوظ رکھنے سے فصول کی ترقی میں خاطر خواہ مدد مل سکتی ہے۔ غالباً اس امر واقعہ کی جانب اشارہ کرنے کی ضرورت نہیں کہ ملکی صنعتیں بیرونی صنعتوں سے اپنی بقا کے مدنظر زبردست کشمکش کررہی ہیں مگر ایسی کشمکشوں کے اثرات سے زمین اور پانی مستثنیٰ ہیں۔ ان پر غیر ملکی اثرات کسی حالت میں مترتب نہیں ہوسکتے۔ ایک زبردست خصوصیت جو پیداوار کے دوسرے ذرائع کو آبپاشی پر فوقیت بخشتی ہے یہ ہے کہ دوسرے شعبوں کا انحصار زیادہ تر میکانکی وسائل پر ہوتا ہے جو وقت اور قیمت کے لحاظ سے اپنی افادیت کم اور زیادہ کرتے ہیں اس کے برخلاف شعبہ آبپاشی کی وجہ سے ملک کی خوشحالی میں خاطر خواہ ترقی ہوتی ہے کیونکہ ہر آنے والا سال گزشتہ سال کی بہ نسبت زیادہ معاشی افادیت کا حامل ہوتا ہے۔

ہندوستان کی معاشی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ اس کے صفحات بیشمار قحطوں سے داغدار ہیں جن کا دور دورہ شعبہ آبپاشی کے وجود سے قبل تک ہوتا رہا۔ نتیجۃً ملک تباہ و تاراج ہوگیا۔ ہندوستان کا ہر طالب علم بخوبی جانتا ہے کہ کال کے زمانہ میں کیسے ہولناک مصائب پیش آتے ہیں۔ زبردست قحط کے رونما ہونے کی وجہ سے ملک کے مالیات پر زبردست اثر پڑتا ہے۔ جان بچانے کے لئے جو کثیر مصارف برداشت کرنے پڑتے ہیں ان کے علاوہ مالگزاری میں تخفیف کے نقصانات مزید بقایاجات کا عدم وصول اور اس کے برے نتائج بلا واسطہ طور

* پنجاب کی کاشتکاری، ترقی اور قرض، مصنفہ ڈارلنگ۔

** [illegible] رسی، کالم۔

آبکاری، اسٹامپ، اور کروڑگیری جیسے فائدہ رساں محکموں پر بھی مترتب ہوتے ہیں*۔ جو بات بالعموم نظرانداز کر دی جاتی ہے وہ یہ ہے کہ قحط سالی کے آثار ختم ہونے کے بعد بھی ایک حد تک اس کے اثرات باقی رہتے ہیں۔ جب مالگزاری کی کمی، مزدوریات کی زیادتی اور دیگر اخراجات کے سبب سے حکومت کے مالیہ پر بوجھ پڑھ جاتا ہے، بیچارے کاشتکار کو نکبت اور افلاس کی پریشانیوں سے دوچار ہونا پڑتا ہے جس کا سلسلہ ایک عرصہ دراز تک رہتا ہے۔ اس سلسلہ میں یہ امر ذہن نشین کر لینا چاہیے کہ جب کبھی قحط کی حدود خشک سالی تک جا ملتی ہیں اس کا لازمی نتیجہ فصلوں کی بربادی ہوتا ہے یا بالفاظ دیگر زرعی دولت کی تباہی اور بربادی، ماہر معاشیین کا خیال ہے کہ "عوام میں پس انداز کرنے کی صلاحیت باقی نہیں رہتی"۔ زراعت کے حالات کو از سر نو بہتر بنانے کے لئے آبپاشی کی مدد کی سخت ضرورت محسوس کیجاتی ہے۔ کیونکہ مغائر حالات کے باوجود عوام کے لئے چند پیشوں کی فراہمی بھی کرنی پڑتی ہے[1]۔

لارڈ کرزن نے قحط کی بلا کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا کہ "اس کا مقابلہ آہ سرد یا اس سے نجات جھرجھری بھرنے سے نہیں مل سکتی"۔ اس امر پر سب متفق ہیں کہ کسی ملک کے زرعی ذرائع اس قدر اچھے ہونے چاہئیں کہ ان کی مدد سے خاطر خواہ قحط کا انسداد ہو سکے۔ اس لئے یہ امر نہایت ضروری ہے کہ ملک کے سارے ذرائع آب خواہ وہ چھوٹی ندیاں ہوں یا بڑے دریا، ان سب کا عمل بنی نوع انسان کی خدمت میں ہو، کیونکہ شہرۂ آفاق ہائیڈرولک انجینئر، میجر جنرل۔ ایف۔ سی۔ کاٹن کا خیال ہے، کہ "ان دریاؤں میں ہندوستان کے قحط اور افلاس کے دور کرنے کا علاج موجود ہے"۔

۱۹۰۱ء کی مقرر کردہ "قحط کمیشن" نے تالابوں اور آبی خزانوں کی اہمیت پر زور دیکر اپنے خیالات کا اظہار کیا ہے۔ ان کاموں کا نہایت بدیہی اور ضروری نتیجہ یہ ہے کہ جو غذا عوام زیادہ مقدار میں استعمال کرتے ہیں یا جن علاقوں پر ایسی فصلیں پیدا نہیں کیجا سکتیں ان کی بجائے دوسری فائدہ مند پیداواروں کی کاشت پھیلائی جاسکتی ہے۔ ان فصلوں کی کاشت بھی کثیر پانی کی فراہمی کے بغیر کسی حالت میں نہیں کیجا سکتی"[2]۔

آبپاشی کے آبی خزانوں کی افادیت کے درخشاں خیال کے ساتھ ساتھ ہندوستانی دریاؤں کی خصوصیات بھی ذہن نشین کر لینی چاہئیں اور بالخصوص دکن کی دریائیں اپنی نمایاں خصوصیتوں میں سب سے جدا ہیں۔ ان مخصوص دریاؤں میں شمالی ہندوستان کے وہ دریا شامل نہیں ہیں جو برف سے بہتے رہتے ہیں اور وہ علاقے بھی جو ان دریاؤں کے زیر اثر ہوتے ہیں ان پر بھی آبپاشی کے طریقے بارور ثابت نہیں ہو سکتے۔ جنوبی ہند کے دریا جو مغربی گھاٹ سے نکلتے ہیں اپنی تیز روانی کے سبب سے مشہور ہیں۔ جنوب مغربی موسمی ہواؤں کی بارش کا اوسط بلند مقامات پر (۱۵۰) انچ اور میدانوں میں صرف (۲۵) انچ رہا کرتا ہے اس کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ بارش کے موسم میں یہ دریائیں طوفانی ہوجاتی ہیں اور پانی نہایت روانی سے بہتا ہے اس کے برخلاف موسم گرما میں ان طوفان خیز دریاؤں کی حیثیت نالوں سے زیادہ نہیں رہتی۔ اس کے علاوہ ملک کی ڈھلوان سطح کے سبب دریاؤں کا پانی نہایت تیزی سے بہ نکلتا ہے اور زرخیزی کے مادے بہت ہی کم ہوتے ہیں۔ ان حالات کے تحت مزارعین کی حالت پانی کی کثرت یا قلت کے سبب سے ناگفتہ بہ ہوجاتی ہے۔ جنوبی ہندوستان کے مزارعین کی انتہائی خواہش یہ ہوتی ہے کہ انہیں موسمی ہواؤں کے زمانہ میں منظم طریقے سے پانی مل سکے اور اس کے ساتھ ہی سال کے دوران میں حسب ضرورت پانی فراہم کر دیا جائے۔

ان آسانیوں کے نہ ملنے کے سبب سے قدرت کے بہترین عطیات سے مالامال زرخیز وادی میں خشک سالی اور قحط کے امکانات پیدا ہو سکتے ہیں اگر اس مفروضہ کی

---

[1] "ہندوستان میں آبپاشی" مصنفہ ڈی۔ جی۔ ہیرس [2] ہندوستانی معاشیات مصنفہ نبرجی

[2] "ہندوستان میں کاموں کے طریقے" مصنفہ میک جارج

مزید تشریح کیجائے تو یہ کہنا پڑیگا کہ جہاں کہیں انسان نے قدرت کے عطیوں سے مستفیض ہونے کی خاطر خواہ سعی نہیں کی۔ بہترین ذرائع کے باوجود ناکامیوں کی صورت دیکھنی پڑتی ہے۔ قدرت کے عطیے ضرورت کو پورا کرنے کے قابل بارش اور زرخیزی ہیں ان میں انسان کو صرف مصنوعی آبپاشی کے ذریعہ اضافہ کرنا پڑتا ہے۔ مزید برآں کثیر مقدار میں کاشت کا پھیلاؤ یا غلہ کے علاوہ پیداواروں کی نشو ونما غیر ممالک کے بازاروں میں منفعت بخش ثابت ہوتے ہیں۔[1]

ہندوستان میں مصنوعی آبپاشی کے مندرجہ ذیل تین طریقے ہیں:-

(۱) دریا سے نکالی ہوئی نہریں۔ (۲) کنویں۔ (۳) آبی خزانے۔

دریا سے نکالی ہوئی نہروں کے جال شمالی ہندوستان کے میدانوں میں نظر آتے ہیں جہاں پر سطحی میدان بارش کی کثیر مقدار کو اپنے اندر جذب کر لیتے ہیں اس کے علاوہ میدانوں کی ہمواری کی وجہ سے نہایت آسانی کے ساتھ نہریں کاٹ لی جاسکتی ہیں اس کے برخلاف ان علاقہ جات میں آبی خزانوں کی تعمیر غور طلب مسئلہ بن کر رہ جاتی ہے۔ کیونکہ اگر ان میدانی علاقوں میں آبی خزانوں کی تعمیر بھی کی گئی تو ان کی افادیت قدرتی بارش کے پانی سے زیادہ نہیں ہو سکتی[3] اس لئے شمالی ہند اور پنجاب کے علاقوں میں آبپاشی کے ایسے طریقے استعمال کیجاتے ہیں جن کی افادیت پانی کی سطح کو بلند کرنے کے باوجود نہروں سے حاصل کر لی جاتی ہے۔

آبپاشی کا دوسرا قدیم ترین طریقہ کنوؤں کا ہے اس طریقہ کی حد بندیاں مضحکہ خیز ہوتی ہیں۔ کنوؤں کی افادیت کا دارومدار ان کے پانی کی مقدار پر نہیں ہوتا بلکہ پانی کے کھینچنے کی قیمت پر ہوا کرتا ہے یعنی پانی بلند مقام پر پہنچایا جا رہا ہے یا نشیبی علاقہ میں اس لحاظ سے افادیت کا سوال حل کیا جاتا ہے۔ "ہندوستانی آبپاشی کمیشن" کا خیال ہے کہ "کنوؤں سے کھینچے ہوئے پانی کی مقدار ایک کروڑ مکعب فٹ سے زیادہ نہیں ہوتی بالفاظ دیگر اس مقدار کا ڈیڑھ فیصد جو بارش کے پانی کا زمین میں جذب ہوتا ہے"۔ خشک سالی کے زمانہ میں عام طور پر باولیات خشک ہوجاتی ہیں یا ضروریات کے لحاظ سے پانی کی فراہمی نہیں ہو سکتی چونکہ کنوؤں کی تعداد محدود ہوتی ہے اس لئے جن وسیع معنوں میں "آبپاشی" کا لفظ مستعمل ہے اس کے اغراض کما حقہٗ کنوؤں سے پوری نہیں کیجا سکتیں"۔ چاول کی فصلوں کی پرداخت کے سلسلہ میں باولیات بمشکل تمام فائدہ مند ہو سکتی ہیں"[4]۔ اس امر کی وضاحت کی ضرورت نہیں کہ خاص گہرائی تک باولیات کھودی جا سکتی ہیں۔ اگر اس کی دیوار میں تھوڑا سا بھی اضافہ کیا جائے تو مصارف خاطر خواہ ہو جاتے ہیں بشرطیکہ اس کی حد گانہ نوعیت نہ ہو۔ ان حالات پر غور کیا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ باؤلیات کا آبپاشی کے محدود ترین ذریعوں میں شمار کیا جا سکتا ہے البتہ ان سے ادنیٰ قسم کی پیداواریں حاصل کی جاسکتی ہیں۔ تجارتی نقطۂ نظر سے جو کاشتیں پھیلائی جاتی ہیں باؤلیات کا ذریعہ آبپاشی محض بے سود ہے جیسا کہ مسٹر ایف۔ سی۔ کاٹن نے اپنا خیال ظاہر کیا ہے کہ "باولیات اپنی افادیت کے ساتھ ایک باغ کو سرسبز کر سکتی ہیں مگر کھیت کو نہیں۔ ان سے ہمیشہ بہنے والی دریاؤں کی سی امید رکھنا زبردست ترین غلطی ہے"۔ اس سلسلہ میں یہ امر بھی ملحوظ خاطر رہے کہ دکنی علاقوں کے بارے میں ماہرین طبقات الارض کی رائے ہے کہ وہ "مخروطی" خطہ ہے جس میں ریاست حیدرآباد دکن کا علاقہ بھی شامل ہے۔ اس کے علاوہ باؤلیات کی آبپاشی کی افادیت سیاہ مٹی کی زمین اور سنگلاخ حصوں میں مشکل سے بارآور ہو سکتی ہے۔ ایسے خطوں میں آبی خزانے ہی کامیاب ہو سکتے ہیں[5]۔

جیسا کہ اوپر کے فقروں میں بیان کر دیا گیا ہے کہ اس قسم کے ذریعہ آبپاشی

---

[1] "ہندوستان میں کاموں کے طریقے" مصنفہ میک جارج [2] انڈیا تالا اینڈ سریز مصنفہ پروفیسر رادھاکمال مکرجی [3] ملاحظہ ہو "ہندوستانی آبپاشی کی کمیشن کی رپورٹ" [4] "ہندوستانی آبپاشی کی کمیشن کی رپورٹ"۔ [5] "ہندوستانی آبپاشی کی کمیشن کی رپورٹ"۔

پر چند مختلف زاویوں سے غور کرنا چاہیئے۔ آبی خزانوں کے وجود سے نہ صرف وہ علاقے جو نہروں کی بدولت سیراب ہوتے ہیں قحط سے چھٹکارا پا سکتے ہیں بلکہ خشک سالی کے زمانہ میں جبکہ ملک کے طول و عرض میں وحشت ناک مناظر پیدا ہو جاتے ہیں ان آبی خزانوں سے کئی علاقے آبپاشی کے سبب سے لہلہاتی فصلیں پیدا کر سکتے ہیں جن علاقوں پر آبپاشی کے ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں ان کے قطع نظر بقیہ علاقوں کی زمینات بارش کے پانی اور مزید رطوبت اور ہوا سے متمتع ہوتی ہیں۔ اس لئے یہ کہنا نامناسب نہ ہوگا کہ نہروں سے سینچا ہوا علاقہ ڈھائی گنا زیادہ افادیت کا حامل ہوتا ہے بہ نسبت قدرتی پانی سے سینچے ہوئے پانی کے علاقوں کی افادیت کے۔[1] اس کے علاوہ فوائد کا اندازہ رقمی صورت میں نہیں کیا جا سکتا، مگر اس میں کسی قسم کا شک نہیں کہ کاشت کے پھیلاؤ میں جس قدر مصارف عاید ہوتے ہیں اس سے کئی گنا نفع حاصل ہوتا ہے۔ نہروں کی آبپاشی کا اندازہ لگایا گیا ہے کہ کثیر بارش کے سالوں میں بھی عوام کے اناجوں کی فراہمی کسی حالت میں (۴۰) فیصدی سے زیادہ نہیں ہو سکی۔ دوسری فصلوں کی بابت آبپاشی کی وجہ سے جو زیادتی ہوگی مثال کے طور پر صوبہ مدراس میں جو گنی، آٹھ گنا اور بعض وقت دس گنا ہو گئی ہے[2] مالکان اراضی بڑھے ہوئے لگان کے باوجود کثیر نفع حاصل کرتے ہیں اور اگر آبپاشی کی آسانیاں بھی پیدا ہو جائیں تو نہ صرف ان کی آمدنی میں خاطر خواہ اضافہ ہوگا بلکہ حکومت کو مالگزاری بھی آسانی سے وصول ہو سکے گی۔ اس کے برخلاف ایک طرف نفع کی رقم جمع کر دیگئی ہے اور حکومت کو مالگزاری بھی نہ دیجائے تو اس کا لازمی نتیجہ خشک سالی میں نمودار ہوتا ہے اور یہ خرابیاں آبپاشی کے ذرائع سے لاپرواہی برتنے کے سبب سے پیدا ہوتی ہیں۔[3] یہ موضوع قومی فلاح و بہبود کے نقطۂ نظر سے پانی کی اہمیت پر روشنی ڈالنے کے بغیر نامکمل رہیگا اس کی اہمیت کے اظہار کے لئے مشہور و معروف ہائیڈرولک انجنیر جنرل انڈل کے خیالات کافی ہو سکتے ہیں ۱۸۸۴ء میں جنرل موصوف نے "سوسائٹی آف آرٹس" کو مخاطب کرتے ہوئے اپنے ایک مقالہ میں لکھا ہے کہ

"ہماری تجارتی فلاح و بہبود میں پانی نہایت ضروری جزو قرار دیا جا سکتا ہے کیونکہ ایسی افادیت کا حامل کوئی دوسرا جزو نظر نہیں آتا۔ ایک ایسی قوم جس کی زندگی کا دار و مدار زیادہ تر صنعت و حرفت پر ہے اس کے لئے پانی کے جزو کی اہمیت ناقابل انکار ہے کیونکہ ہر صنعت کا جزو لاینفک پانی ہی ہے۔ اس امر کا امکان ہے کہ ہر صنعت کی جداگانہ حیثیت کے لحاظ سے کہیں اس کی افادیت کم ہے اور کہیں زیادہ اس قوم کیلئے جس کا انحصار صرف زراعت پر ہو پانی زندگی کا دوسرا نام ہے ـــــ کیونکہ اگر آسمان تانبے کے بن جائیں اور زمین لوہے کی۔ ایسی صورت میں نہ تو بیج بو سکتے ہیں اور نہ فصل کاٹی جا سکتی ہے اور مویشی، مرغزاروں کی تلاش میں زبانیں لٹکائے پھرتے نظر آئیں گے۔ متذکرہ خیالات کا واحد نتیجہ یہی نکلتا ہے کہ قومی ترقیوں کے لئے پانی کی شدید ضرورت ہے اگر اس جزو کی ایسی ہی اہمیت قرار دیجا سکتی ہے تو اس کے انتظامات کے بارے میں ہم کو قومی مفاد کو پیش نظر رکھنا چاہیئے"۔

"ہندوستانی آبپاشی کی کمیشن" نے بارش کا اندازہ قائم کیا ہے کہ (۱۲½) فیصد ہندوستان کے مختلف حصوں کی مصنوعی آبپاشی کے لئے صرف کیا جاتا ہے۔ برما، آسام، اور مشرقی بنگال کی دریاؤں کو خارج کرنے کے بعد ہندوستانی دریاؤں کے پاس کی سطحوں کا سالانہ بہاؤ (۵۱،۰۰۰،۰۰۰) ملین مکعب فٹ ہے درآنحالیکہ آبپاشی کے اغراض کے لئے صرف (۶۵۵،۰۰۰) ملین مکعب فٹ پانی استعمال کیا جاتا ہے۔ پانی کی بقیہ مقدار سمندر کی نذر ہو جاتی ہے۔ اس بے مصرف پانی کو مفید بنانے کے لئے آبی خزانوں، تالابوں، اور نہروں کی تعمیر ہونی چاہیئے[2] اس سے قبل کہ آبی خزانوں کے اہم ذرائع پر روشنی ڈال کر دکن کی

---

[1] "ہندوستان کی آبپاشی" مصنفہ ڈی، جی، ہیرس۔ [2] "ویز انیڈ ورکس ان انڈیا" مصنفہ میک جارج۔ [3] "ہندوستانی معاشیات" مصنفہ بنرجی و "پانی کی اہمیت" مصنفہ ایف، سی، ہکاٹن۔ [4] "ہندوستان کی از سر نو تعمیر" مصنفہ سر ویسویریا۔

آبپاشی کی یقینی اہمیت کو واضح کیا جائے۔ یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ آبپاشی کے وسیلے سے حاصل شدہ فصل کی لاگت پر غور کیا جائے۔ ۲۲-۱۹۲۱ء میں آبپاشی سے سیراب کئے ہوئے رقبہ کا اندازہ (۲۷٫۶) ملین ایکر کیا گیا جو کاشت شدہ رقبہ کا (۱۴) فیصد ہے۔ پیداوار اور دولت کے لحاظ سے سیراب شدہ رقبہ کی آمدنی کا تخمینہ (۱۷۰٫۰) کروڑ روپے کیا گیا ہے۔[3]

"ہندوستانی آبپاشی کی کمیشن" کے فراہم کردہ اعداد کے لحاظ سے وہ اقطاع جن کو معمولی طور پر سیراب کیا گیا ہے اور سالانہ (۱۹٫۵) فیصد کاشت پھیلائی گئی ہے۔ ریاست حیدرآباد دکن کا قابل کاشت رقبہ (۲۳،۷۰۲،۶۰۰) ایکر بتلایا جاتا ہے[4] مندرجہ بالا فی صدی کے اظہار کے انطباق سے صرف (۴،۶۲۲،۰۰۰) ایکر اراضیات پر کاشت پھیلائی جا سکتی ہے بشرطیکہ آبی خزانوں کے ذریعہ سے پانی کی سہولتیں بہم پہنچائی جا سکیں۔

ریاست حیدرآباد دکن کے محکمۂ مردم شماری کی رپورٹوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ اس مملکت کی آبادی کی رفتار بجید ترقی پر ہے۔ اعلیٰ حضرت کے دور ہمایونی میں (۱،۰۶۱،۴۷۲) آبادی کا اضافہ ہوا۔

۱۸۹۱ء کی آبادی	(۹،۸۴۵،۵۹۴)
۱۹۱۱ء " "	(۱۳،۳۷۴،۶۷۶)
۱۹۳۱ء " "	(۱۴،۴۳۶،۱۴۹)

ریاست حیدرآباد دکن کا رقبہ (۸۲،۶۹۸) مربع میل ہے، آبادی میں ترقی ہو گئی ہے۔ ۱۸۸۱ء میں آبادی کا اوسط (۱۱۹) نفوس فی مربع میل تھا مگر ۱۹۳۱ء میں (۱۷۵) نفوس فی مربع میل ہو گیا۔ اور یہ امر بھی ذہن نشین کر لینا چاہیئے کہ آبپاشی کے رقبہ میں بھی بتدریج اضافہ ہو رہا ہے۔

"ہندوستانی آبپاشی کی کمیشن" کی رپورٹ کے لحاظ سے ۱۹۰۱ء میں ریاست ابد مدت کی (۷۷۲،۰۰۰) ایکر اراضیات آبپاشی کے وسائل سے سیراب ہوتی ہیں اور ۳۲-۱۹۳۱ء میں آبپاشی کی اراضیات کا رقبہ (۱،۳۶۸،۱۸۵) ایکر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ (۸۰) فیصد کا اضافہ ہوا۔ اگر اس رقبہ میں ان اراضیات کو بھی شامل کر لیا جائے جو مختلف ذرائع سے سیراب ہوتی ہیں اور جن پر آبپاشی کے بہترین ذرائع استعمال کئے جا رہے ہیں تو ایسی صورت میں ۳۵-۱۹۳۴ء کا رقبہ (۱،۷۹۶،۹۶۲) ایکر ہوتا ہے یعنی ماقبل زمین کی نسبت (۱۴۰) فیصد کا اضافہ ہوا۔

ریاست آصفیہ کی آبپاشی کی ترقیوں پر ۱۳۴۱ف تک کس قدر مصارف عائد ہوئے ان کا اندازہ مندرجۂ ذیل مصارف سے بخوبی ہو سکتا ہے۔[1]

ادنیٰ درجہ کی آبپاشی کی تعمیر	(۱،۴۳،۴۴،۰۰۰) روپے
" تعمیر بشمول قدیم و جدید	(۱،۹۹،۰۹،۰۰۰) "
اعلیٰ درجہ کے کام	(۴،۷۵،۶۰،۰۰۰) "

آبپاشی کے ادنیٰ درجہ کے کاموں میں وہ تالاب بھی شامل ہیں جن کا پانی سفالی پشتوں سے حاصل کیا جاتا ہے یا چھوٹی چھوٹی نہریں جو بڑی دریاؤں سے کاٹی گئیں جن میں سے ایک یا کئی نالے آبپاشی کے اغراض کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں، ان تالابوں میں زیر اثر آبی علاقوں کی سطح کا پانی بھر دیا جاتا ہے اور اس آبی محروز سے موسمی خریف اور ربیع کی فصلوں کو سیراب کیا جاتا ہے۔ ان نالوں کی وجہ سے دریاؤں کے بہاؤ کا رخ بدل جاتا ہے جو آبپاشی کے اغراض کے لئے نہایت مفید ہے اضلاع تلنگانہ میں بہ نسبت اضلاع مرہٹواڑہ کے زیادہ تر آبپاشی کے ذرائع استعمال کئے جاتے ہیں اس کی وجہ یہ قرار دیجا سکتی ہے کہ ملک کا قدرتی محل وقوع ایسا ہی ہے اس لئے بہت کم مواضعات ایسے ہیں جس میں تالاب موجود نہیں۔ بعض زرخیز علاقوں میں زرخیز زمین کی وجہ سے کئی تالاب پائے جاتے ہیں ان وجوہات کی بنا پر حکومت سرکار عالی کے لئے یہ ضروری ہو گیا ہے کہ رعایا کی بہبودی کے مدنظر ان تالابوں کو مفید بنایا جائے۔ حکومت سرکار عالی نہ صرف ان کو فائدہ مند بنانے کی سعی کرتی ہے بلکہ ان کی افادیت بڑھانے کے خیال سے وقتاً فوقتاً ضروری تعمیر و ترمیم پر بھی کافی توجہ کی

---

[3] "ہندوستانی معاشیات" مصنفہ بنرجی [4] رپورٹ نظم و نسق، مرتبہ ۱۳۴۲ف
[1] "محکمہ فینانس کی یادداشت"۔

رکھتی ہے ان اغراض کیلئے سالانہ لکھوکھا روپے صرف کئے جاتے ہیں۔

اضلاع تلنگانہ میں بہت سے تالاب قدیم زمانہ سے موجود ہیں۔ ان تالابوں کو ان کی قدامت کی وجہ سے بہت تعمیر و ترمیم کی ضرورت ہے جس پر کثیر مصارف عاید ہونے کے امکانات ہیں تاکہ وہ آبپاشی کے اغراض پورے کرسکیں حکومت سرکار عالی نے اپنی روایاتی فیاضی کے مدنظر کثیر رقموں کی منظوریات دی ہیں تاکہ ان کی مرمت کیجاسکے اور ان میں کے کئی تالاب اضلاع کے بہترین مقامات میں واقع ہیں ان تالابوں کی متصلہ اراضیات کی پیداواروں میں زیادہ تر چاول کسی قدر نیشکر اور مختلف طریقہ سے باغوں سے متعلق نباتات ہوتی ہے۔

قدیم تالابوں میں جن کی ازسر نو تعمیر و ترمیم حضرت **اقدس و اعلیٰ** کے مبارک دور ہمایونی میں ہوئی ان کا ذکر بلحاظ ان کی قدامت و تاریخی اہمیت اس قابل ضرور ہے کہ ان پر تفصیلی روشنی ڈالی جائے اور وہ یہ ہیں:۔

رامپا ، پاکھال ، دھرم ساگر ، بلّی

آبپاشی دورہ اور حوض تعلق کے تالاب جو ضلع اورنگ آباد میں ہیں ان کی تعمیر کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ یہ اس زمانہ کی تعمیر کے تاریخی نمونہ ہیں جب محمد تغلق نے اپنا دارالخلافہ دہلی کے بجائے دولت آباد کو قرار دیا تھا اور یہ تالاب کسی زمانہ میں انگوروں کی کاشت کی وجہ سے مشہور تھے۔ ان تالابوں کی مرمت کے ساتھ ہی ضلع کی انگوروں کی کاشت میں بہت کچھ ترقی ہونے لگی۔ ان تالابوں کی قوت کارکردگی میں آبپاشی کے ذریعہ سے قابل رشک ترقی ہوئی اور تھوڑے ہی عرصہ میں ضلع اورنگ آباد کے پھلوں اور خاص کر انگور کا مرکز بنگیا۔

حکومت سرکار عالی کا مطمع نظر یہی رہا کہ نہ صرف قدیم وسائل آبپاشی میں کماحقہ ترقی ہو۔ بلکہ اس کے ساتھ ہی ساتھ جدید وسائل آبپاشی کا بھی استعمال کیا جائے جس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ حضرت آصف جاہ سابع خلد اللہ ملکہ و سلطنتہ کے دور حکومت میں قدیم و جدید چھوٹے اور بڑے تالابوں کی ازسر نو تعمیر و ترمیم کی گئی۔ اس مختصر سے مضمون میں ممکن نہیں کہ تفصیلی طور پر ان تمام تالابوں کی افادیت وغیرہ پر تبصرہ کیا جائے اس لئے چند اہم تالابوں کی تعمیر پر اکتفا کیا جاتا ہے جو حال ہی میں تعمیر ہوئے ہیں۔

رائن پلی کا آبی خزانہ

نوتعمیر شدہ چند آبی خزانے رکھنے والے تالابوں میں سب پہلے رائن پلی کا خزانہ آبی ضلع میدک کا تذکرہ نہایت ضروری ہے۔ اس آبی خزانہ کا سنگی بند (۳۴۰۰) فٹ لمبا اور (۵۲) فٹ اونچا ہے جس کے پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۳۵) مربع میل ہے اس کی بدولت (۸۵۰۰) ایکڑ اراضیات کی آبپاشی ہوتی ہے۔ اس آبی خزانہ کے تعمیری مصارف کا اندازہ تین لاکھ کیا جاتا ہے۔

سنگٹم کا آبی خزانہ

ضلع نظام آباد کے سنگٹم کا آبی خزانہ دوسرا زبردست ترین آبی خزانہ کہلانے کا مستحق ہے اس کا کٹ (۲۷۰۰) فٹ لمبا اور انتہائی اونچائی (۴۶) فٹ ہے۔ اس کے پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۶۷) مربع میل ہے جس میں (۲۱۲) ملین مکعب فٹ پانی فراہم کیا جا سکتا ہے اس کے مصارف ساڑھے چار لاکھ ہوئے۔ آبپاشی کے ذرائع مکمل ہونے کی صورت میں (۱۱۰۰۰) ایکڑ زمین مستفیض ہونے کی توقع کیجارہی ہے۔

بول مریڈ پراجکٹ

یہ دوسرا زبردست تالاب ہے جو ضلع رائچور میں واقع ہے، ضلع رائچور اپنی قحط سالیوں کے سبب سے بہت یاد کیا جاتا ہے۔ اس تالاب کے پانی کا پھیلاؤ (۱۶۳) مربع میل اور پانی کی فراہمی کا تخمینہ (۲۳۴) ملین مکعب فٹ کیا جاتا ہے۔ سنگی بند کا لمبائی (۲۶۰۰) فٹ اور انتہائی بلندی (۳۶) فٹ ہے۔ اس پراجکٹ کو ڈھائی لاکھ کے مصارف سے تعمیر کیا گیا اور توقع کیجاتی ہے کہ وہ (۲۵۰۰) ایکڑ زمین کو سیراب کرسکیگا۔

چند عظیم الشان تالاب جو اب تک زیر تعمیر ہیں مندرجہ ذیل کا تذکرہ نامناسب نہ ہوگا:۔

سنگا بھوپالیم کا آبی خزانہ

سنگا بھوپالیم کا تالاب ضلع ورنگل میں واقع ہے۔ اس تالاب کو ایک دریا سے کاٹ کر بنایا جارہا ہے اس کے پانی کا پھیلاؤ (۵۵) مربع میل ہوگا جس میں (۳۱۰) ملین مکعب فٹ پانی کی سمائی ہوسکیگی۔ اس کا سنگی بند (۴۶) فٹ اونچا اور (۲۲۰۰) فٹ لمبا ہے۔ اس تالاب کے وائیں اور بائیں رخوں سے جو نہریں کاٹ کر نکالی جائیں گی ان کی لمبائی کسی صورت میں (۲۵) میل سے کم نہ ہوگا جن کی بدولت (۳۲۲۰۰) ایکڑ زمین کی آبپاشی کا امکان ہے اس اسکیم کا تخمینہ چار لاکھ کیا جاتا ہے۔

پنڈری پاکلا پراجکٹ

پنڈری پاکلا پراجکٹ ضلع نلگنڈہ میں واقع ہے۔ اس کی سنگی بند کی لمبائی (۲۴۰۰) فٹ اور اونچائی (۵۶) فٹ ہے اس کو بھی ایک دریا کاٹ کر نکالا گیا ہے جس کے پانی کا پھیلاؤ (۱۱۵) مربع میل اور پانی کی گنجائش کا اندازہ (۵۴۰) ملین مکعب فٹ کیا جاتا ہے اس کی وجہ سے (۵۰۰۰) ایکڑ کے رقبہ کی آبپاشی ہوسکیگی۔ اس پراجکٹ کے مصارف کا تخمینہ (۶۱٫۲۵) لاکھ روپے کیا جاتا ہے اس کی تعمیر قریب الختم ہے۔

سکٹ ٹینک پراجکٹ

سکٹ ٹینک پراجکٹ تعلقہ ہربنڈہ ضلع عثمان آباد میں واقع ہے اس کا سنگی بند (۴۳۰۰) فٹ لمبا اور (۵۵) فٹ اونچا ہے اور اس کا محل وقوع دریا کے پاس کے بالائی حصہ میں ہے۔ مکمل ہو جانے پر "آبی معمورہ" کی سمائی (۳۱۳) ملین مکعب فٹ ہوگی۔

بند کی اراضی پر پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۲۷) مربع میل ہے۔ آبپاشی کا مجوزہ رقبہ (۴۷۰۰) ایکڑ ہے اور اس کے مصارف کا تخمینہ (۴۰۷۰۰۰) روپے کیا جاتا ہے۔

جس علاقہ میں اس پراجکٹ کی تعمیر کیجارہی ہے قحط زدہ علاقوں میں پیش پیش ہے اس کی تعمیر سے حکومت سرکار عالی کے پیش نظر رعایا کی پریشانیوں کا انسداد ہے۔

روٹی ٹینک پراجکٹ

اس پراجکٹ کی تعمیر تعلقہ آشٹی ضلع بیڑ میں ہورہی ہے کیونکہ اس علاقہ کی قربت ضلع احمد نگر صوبہ بمبئی سے ہوتی ہے اس لئے قحط کے امکانات قوی تر ہوسکتے ہیں۔

اس کے آبی خزانے کے پانی کا پھیلاؤ (۵۷) مربع میل ہے اور (۳۲۷) ملین مکعب فٹ پانی کی سمائی ہوگی۔ اس کا سنگی بند جو دریا کے ناس کے بالائی حصہ پر واقع ہے تقریباً (۵۰) فٹ اونچا ہوگا۔ اس تالاب سے (۴۶۰۰) ایکڑ زمین کی آبپاشی کی توقع کیجاتی ہے اس پراجکٹ کا تخمینہ (۴۳۶۰۰۰) روپے کیا گیا ہے۔

ان زیر تعمیر زبردست تالابوں کے علاوہ اضلاع تلنگانہ اور مرہٹواڑہ میں کئی ایسے تالابوں پر غور کیا جارہا ہے جن سے آبپاشی کے وسائل مہیا کئے جاسکتے ہیں اور بہت جلد ایسے تالابوں سے بھی افادہ حاصل کیا جائیگا۔

ان بیشمار تالابوں کے ماسوا جو ازسر نو کام کر رہے ہیں بہت ساری چھوٹی نہریں اور نالے ازسر نو تعمیر کئے گئے یا انھیں اس قابل کیا گیا کہ وہ آبپاشی کے اغراض پورے کرسکیں۔ ان میں سے چند کے نام درج ذیل ہیں:۔

نام	ضلع
۱۔ گنگا وتا پراجکٹ	ضلع میدک
۲۔ فتح نہر پراجکٹ	ضلع میدک
۳۔ محبوب نہر پراجکٹ (توسیعی اسکیم)	ضلع میدک
۴۔ گرتھور پراجکٹ	ضلع ورنگل
۵۔ آصف نہر پراجکٹ	ضلع نلگنڈہ
۶۔ گنگا دھر "	ضلع کریم نگر
۷۔ منتھنی "	ضلع کریم نگر
۸۔ گمبھی راؤ پیٹھ "	ضلع کریم نگر
۹۔ پانگرا پراجکٹ	ضلع نظام آباد
۱۰۔ جونی نلہ "	آصف آباد
۱۱۔ لکشمن چندا "	آصف آباد
۱۲۔ جیبل کی نہریں	ضلع رائچور
۱۳۔ تنگبادی کی "	ضلع رائچور

مندرجہ بالا میں سے خاص طور پر فتح نہر اور لکشمن چندا پراجکٹس کی جانب

توجہ مبذول کرائی جاتی ہے کیونکہ یہ وہ کارہائے نمایاں ہیں جن کی ابتدا یا تعمیر حضرت اقدس و اعلیٰ کے عہد میمنت مہد میں خاص طور سے کی گئی۔

فتح نگر پراجکٹ ضلع میدک کے قریب ایک نہر موسومہ فتح نہر (۲۲۶۰۱) فٹ لمبی دریائے مانجرا سے کاٹ کر نکالی گئی ہے ایک نہر (۲۲ ۱/۴) میل لمبی الموسوم بہ "محبوب نہر" (اس نہر کا نام حضرت غفران مکان کے نام گرامی کی مناسبت سے رکھا گیا ہے) دائیں جانب سے کاٹ کر نکالی گئی ہے جو (۵۳۵۳) ایکڑ اراضیات (ضلع میدک) کو آبپاشی کے وسیلوں سے سیراب کرتی ہے جس مقام سے نہر کاٹی گئی ہے تقریباً (۷۰۰۰) مربع میل کے رقبہ کو سیراب کرتی ہے۔ اس کی انتہائی طوفانی روانی کا بہاؤ (۳۰۷۰۰۰) مکعب فٹ فی سکنڈ ہے۔ اس قدر کثیر مقدار کے پانی کے باوجود آبپاشی کے لئے کافی زمین موجود نہیں۔ ان وجوہات کی بنا پر بائیں جانب ایک اور نہر کاٹنے کی ضرورت پیش آئی اس جدید نہر کو "فتح نہر" کہا جاتا ہے جو ۱۳۳۳ف میں تعمیر ہوئی جس کے مصارف ساڑھے پانچ لاکھ ہیں اس نہر کی کل لمبائی جس پر اوسط رفتار کے ساتھ پانی بہ سکتا ہے گیارہ میل ہے اس نہر کی بدولت (۵۲۰۰) ایکڑ زمین فیضیاب ہوتی ہے۔

لکشمن چندا پراجکٹ لکشمن چندا پراجکٹ موقوعہ تعلقہ آصف آباد ضلع عادل آباد دریائے لکشمن چندا سے نکالا گیا جس کے پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۵۰) مربع میل اور اس کے پانی کی گنجائش (۸۳۳۰) مکعب فٹ فی سکنڈ ہوتی ہے اس میں (۱۹۲) فٹ لمبا ایک حاجز بھی ہے جس میں سے چھ میل لمبائی کی ایک نہر کاٹ لی گئی ہے اس کے مصارف (۲۶۷۵) لاکھ ہوئے جس کے سبب سے (۱۶۲۰) ایکڑ زمین کی آبپاشی ہو سکتی ہے۔

متذکرہ تالابوں اور نہروں کی تعمیر کی بدولت ان علاقوں کی خشک سالی اور قحط کی پریشانی کا بڑی حد تک سدباب ہو سکا جن میں مذکورہ پراجکٹس کی تعمیر کی گئی۔

ہز اکسلنسی لارڈ لنلتھگو نے آبپاشی کے مرکزی بورڈ کی سالانہ میٹنگ میں تقریر کرتے ہوئے آبپاشی کے کاموں پر زور دیکر کہا کہ آبپاشی کے سبب سے کسی ملک کی غذا میں خاطر خواہ اضافہ ہو سکتا ہے اس کے ساتھ ہی ساتھ دیہاتی باشندوں کا معیار زندگی بلند ہو جاتا ہے۔

ہز اکسلنسی نے آبپاشی کی افادیت پر ماہرانہ انداز میں روشنی ڈالکر کہا کہ "اگر ہمارا مقصود غذا کے ذرائع کی ہم آہنگی اضافۂ آبادی کے ساتھ ہو تو ایسے وسائل اختیار کئے جائیں جنکی بدولت ایسے علاقے بھی جن پر اب تک کاشت نہیں پھیلائی گئی زرخیز کھیتوں میں نظر آنے لگیں اور کوئی ایسا طریقہ کار بجز آبپاشی کے بہترین ذریعہ کے نظر نہیں آتا جس کے سبب سے مذکورہ فوق ضرورت کو پورا کیا جا سکے۔ اس لئے یہ نہایت ضروری ہے کہ آبپاشی کی سہولتوں کو وسیع تر کیا جائے۔"

اس مقصد کے تحت حکومت سرکار عالی کی دوراندیشانہ پالیسی بروئے کار آئی، اور آبپاشی کے لئے بڑے بڑے تالاب اور نہروں کی تعمیر اس بات کا بین ثبوت ہے کہ حکومت سرکار عالی... زرعی کفایت شعاری کی اہمیت کے مدنظر ایسے قابل ستائش اقدام عمل میں لائی۔ پالیر، ویرا، پوچارم، اور نظام ساگر کے آبی خزانوں سے جو نہریں کاٹ لی گئی ہیں اس امر کو ثابت کر رہی ہیں کہ وہ علاقے جو کسی زمانہ میں بنجر اور ناقابل زراعت خیال کئے جاتے تھے غذا اور تجارتی پیداوار کی پیدائش کے زبردست مراکز بن گئے۔

ریاست ابد مدت کے زبردست اسکیم اعلیٰ حضرت بندگانعالی کے زرین عہد تک مفقود تھے اس امر کا امکان ہے کہ انجینئرنگ کی معلومات کا فقدان اور مالیہ کے ذرائع کے محدود ہونے کے سبب سے بھی ایسے زبردست اسکیموں کے عمل اقدام میں رکاوٹیں ڈالتے رہے۔ اس سلسلہ میں قیاس کی گنجائش ہے کہ قدیم زمانہ میں بھی ایسے عظیم الشان کاموں کے بارے میں خاکے ڈالے گئے ہوں۔ زمانہ قدیم کی یادگار کے طور پر میر عالم کا تالاب اس بات کا بین ثبوت ہے کہ اس کی حلقہ نما کمانیں وغیرہ فن تعمیر کا بہترین نمونہ ہیں۔ اس تالاب کی تعمیر ایک صدی قبل کی گئی اس سے اندازہ لگایا جا سکتا ہے کہ قدیم ارباب سیاست کے پیش نظر بھی ایسے تعمیراتی کاموں کی تکمیل کا شوق ضرور تھا۔ اس کے ساتھ ہی اس امر کا اعتراف کرنا ضروری ہے کہ بڑے بڑے آبی خزانوں میں طوفان کے پانی کی فراہمی کا مسئلہ ان کے لئے بیحد دقت طلب تھا۔ انجینئرنگ کی معلومات دوسرے ممالک کی طرح اپنی ابتدائی حالت میں تھیں اور طوفان کے پانی کا اخراج بجز چھوٹے چھوٹے تعمیراتی علاقوں کے اور دوسرے ذرائع سے ممکن ہی نہیں سمجھا جاتا تھا۔

سائنٹیفک معلومات کی فراہمی کے ساتھ ہی ان مسائل کے آسان ترین حل بھی دریافت ہونے لگے مگر جس چیز کی ضرورت آبپاشی کے وسائل کو وسعت دینے کے لئے نہایت لابدی تھی وہ جد و جہد اور آبپاشی کے اسکیم کو کامیاب بنانے کی دھن تھی خدا کے فضل و کرم سے ان ہر دو امور کی خوش ہم آہنگی نے مادی صورت میں حضرت اقدس و اعلیٰ کے درخشاں دور حکومت میں جنم لیا۔

عثمان ساگر دارالخلافہ حیدرآباد میں سب سے پہلے دریائے موسیٰ کے دامن میں ایک زبردست آبی خزانہ تعمیر کر کے اعلیٰ حضرت بندگان اقدس کے نام نامی کی مناسبت کے لحاظ سے "عثمان ساگر" رکھا گیا۔ اس کا ایک سنگی بند ہے جس کی انتہائی گہرائی (۱۱۸) فٹ ہے اس تالاب کے پانی کی گنجائش (۱۰۷۶۸) ملین مکعب فٹ ہے اس کے پندرہ دروازے ہیں جو (۱۰ × ۶) ہیں۔ کھلنے والے دروازے وغیرہ بھی طوفان کے پانی کے اخراج کی خاطر نصب کر دئے گئے ہیں۔ یہ تالاب ۱۹۲۰ء میں (۵۸) لاکھ کے مصارف سے تیار کیا گیا۔

حمایت ساگر دریائے عیسیٰ کے قریب ایک دوسرا زبردست آبی خزانہ جو ہز ہائینس پرنس آف برار ولیعہد بہادر کے نام گرامی کی مناسبت سے "حمایت ساگر" مشہور ہے، دریائے موسیٰ کی معاون پر بنایا گیا اس تالاب کا بند تہ کی سطح سے (۱۱۱) فٹ کی اونچائی پر واقع ہے جس میں (۱۷) طوفانی دروازے ہر ایک (۴۰ × ۱۵) بنائے گئے ہیں۔ اس کے پانی کی گنجائش (۶۶۰۰) ملین مکعب فٹ ہے ۱۹۲۷ء میں (۹۳) لاکھ کے مصارف سے تعمیر کیا گیا۔ یہ ہر دو تالاب مشترکہ اغراض کے تحت تعمیر کئے گئے۔ پہلی غرض تو یہ تھی کہ شہر حیدرآباد طوفان کی ہولناکی سے محفوظ رہ سکے۔ اور دوسری غرض یہ تھی کہ اس کے باشندوں کے لئے آبرسانی کا انتظام ہو سکے۔

محبوب نہر توسیعی پراجکٹ متذکرہ فوق دو اہم تالابوں کی تعمیر کے بعد حکومت سرکار عالی کے پیش نظر محبوب نہر توسیعی پراجکٹ کی تعمیر کا مسئلہ تھا جسے "پوچارم پراجکٹ" بھی کہتے ہیں اس اسکیم میں بھی تعمیری بند دریائے آلیر کے قریب واقع ہے اس کا محل وقوع ریاست کے خوشنما مقامات میں سے منتخب کیا گیا ہے اور بالعموم پبلک کی "تفریح گاہ" بنا رہتا ہے۔

یہ بند جو کشتی طریقہ سے (۲۳۷۰) فٹ لمبا تعمیر کیا گیا ہے اس کے تہ کی سطح کی انتہائی گہرائی (۹۷) فٹ ہے۔ طوفانی پانی کے اخراج کی خاطر (۱۷۸۵) فٹ لمبائی کی حد بندی کر دی گئی ہے۔ باہر ہی (۱۳۰۰) فٹ لمبائی کا ایک صدر بند بھی ہے اس کی باقی کی لمبائی میں بائیں رخ کے حصہ کی کمی کے پورا کرنے کے لئے چھوڑ دیا گیا ہے تاکہ اس میں سے بھی پانی کا اخراج ہو سکے۔ ان کے علاوہ (۱۵) دروازے بند ہی میں نصب کئے ہیں جن میں سے ہر ایک (۵ × ۴) ہے۔

اس تالاب کی گنجائش (۲۴۴۳) ملین مکعب فٹ اور پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۲۴۰) مربع میل ہے اس کے علاوہ اس میں محبوب نہر کی ایک شاخ کا پانی (۲۵۹۵) ملین مکعب فٹ گرتا ہے جو آخر میں اس میں آکر ملجاتی ہے اس ملنے والی نہر کی بدولت ضلع میدک کے (۱۸) مواضعات کی (۵۳۵۳) ایکڑ اراضیات پر آبپاشی کیجاتی ہے۔ اس آبی خزانے کے دائیں رخ سے تعلقہ یلاریڈی ضلع میدک کی آبپاشی کے لئے پوچارم کا تالاب کاٹ کر نکالا گیا ہے اس کے تاس کی چوڑائی (۲۶) فٹ اور گہرائی (۵) فٹ ہے۔ اور اپنے منبع سے (۲۷۷) ملین مکعب فٹ پانی کا بہاؤ فی سکنڈ ہوتا ہے۔ جملہ اراضیات (۲۴۰۳۹) ایکڑ میں سے صرف (۱۳۰۶۹) ایکڑ قابل آبپاشی ہیں اور اس میں (۳۱) مواضعات شامل ہیں۔ اس پراجکٹ کے جملہ مصارف کا تخمینہ (۳۲) لاکھ کیا جاتا ہے جو ۱۳۳۶ف میں پایۂ تکمیل کو پہنچا۔

اس کی ایک خصوصیت جس کی وجہ سے تعمیر میں بہت کچھ آسانی پیدا ہو سکی یہ ہے کہ چودہ چھوٹے تالابوں میں سے جو پہلے سے موجود تھے اس نہر کو

۔ لیجایا گیا۔ یعنی صرف ان تالابوں کی سطح کو ہموار کرنا پڑا کہ ان تالابوں کے احاطہ اس نہر کی خالی جگہ کی ضرورتوں کو خاطر خواہ پورا کر سکے۔ اس کے ساتھ ہی ان تالابوں کی وجہ سے نیشکر کی کاشت میں بہت سی آسانیاں پیدا ہو گئیں حال ہی میں اس نہر کو کشادہ کر کے (۱۴) میل لمبا کر دیا گیا۔ مزید لمبائی محض موسمی قرار دیجا سکتی ہے۔

پالیر پراجکٹ

محبوب نہر توسیعی پراجکٹ کی قربت میں پالیر پراجکٹ (ضلع ورنگل) واقع ہے۔ اس تالاب میں بڑا عظیم الشان آبی خزانہ ہے جس کا سفالی بند دریائے پالیر پر واقع ہے اس دریا کے پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ آبی خزانے کے قریب (۶۵۱) مربع میل ہے۔ اس آبی خزانے کی گنجائش (۲۵۵۹) ملین مکعب فٹ اور بند کی لمبائی (۶۸½) فٹ ہے۔ اس میں خود بخود کھلنے والے چھ دروازے ہیں جن میں سے ہر ایک (۵۰ × ۳) ہے اس کی کل لمبائی (۲۳۵۰) فٹ ہے۔

اس آبی خزانے سے دو نہریں کاٹ لی گئی ہیں۔ دائیں ساحل کی نہر (۳½) میل لمبی اور تعلقہ حضورنگر ضلع نلگنڈہ کے تین مواضعات کے (۱۳۴۰) ایکر اراضیات کو آبپاشی ہو سکتی ہے اس کے بائیں ساحل کی نہر (۱۴½) میل لمبی اور تعلقہ کھمم ضلع ورنگل کے (۲۲) مواضعات کی (۱۰ر۳ر۱۸) ایکر اراضیات کی آبپاشی ہوتی ہے اس نہر کی چوڑائی (۳۴) فٹ اور منبع کے قریب پانی کی گہرائی (۶) فٹ ہے اس کی شاخوں اور معاونین کی جملہ لمبائی سو میل سے زیادہ ہے۔ اس اسکیم کے جملہ مصارف (۲۴½) لاکھ ہوئے اور یہ کام ۱۳۳۷ف میں ختم ہوا۔

ویرا پراجکٹ

جس وقت پالیر پراجکٹ کے آبی خزانے کا کام قریب الختم تھا حکومت سرکار عالی نے اسی ضلع میں آبپاشی کی دوسری اسکیم کی منظوری دی اس نئی اسکیم کو "ویرا پراجکٹ" کہتے ہیں اس میں ایک تعمیری بند (۵۲۲۵) فٹ لمبا اور اس میں (۲۶۴۶) ملین مکعب فٹ پانی کی گنجائش ہے اس پراجکٹ کو دریائے ویرا سے حاصل کیا گیا ہے۔ بند کے اراضی پر (۲۷۴) مربع میل کا کیاچمنٹ ہے۔ تہ کی انتہائی گہرائی سے بند کی اونچائی (۸۱) فٹ ہے جس کی وجہ سے (۱۳۲۰) فٹ کا احاطہ محصور کیا گیا ہے۔ تین خود بخود کھلنے والے دروازوں کی تنصیب (۵۰ × ۹) کی تجویز ہے۔

اس آبی خزانے سے دو نہریں کاٹ کر نکالی گئی ہیں۔ دائیں رخ کی نہر (۲) میل لمبی اور بائیں رخ کی (۵) میل ہے۔ اول الذکر تعلقہ کھمم کے (۱۹) مواضعات کی (۶۴۰ر۱۲) ایکر اراضیات کی آبپاشی کرتی ہے اور آخر الذکر تعلقہ مدہرا کے (۷) مواضعات کی (۴۷۵۰) ایکر کی آبپاشی کرتی ہے۔

اس اسکیم کے جملہ مصارف کا تخمینہ (۲۵) لاکھ کیا گیا ہے جو ۱۳۳۸ف میں مکمل ہوئی۔

نظام ساگر پراجکٹ

اوپر جن پراجکٹس کا تذکرہ کیا گیا ہے وہ عظیم الشان کاموں کے لئے خاکہ اولین تھے کیونکہ بہت جلد نظام ساگر پراجکٹ کا سنگ بنیاد رکھا گیا جو ہندوستان کا سب سے زبردست تالاب ہے حکومت سرکار عالی نے اس پراجکٹ کی منظوری بھی دیدی۔

اس اسکیم میں جنائی کا بند دریائے مانجرا سے کاٹ کر بنایا گیا جو ریاست ابد مدت کی زبردست دریاؤں سے سمجھی جاتی ہے۔ اس دریا کے پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۸۳۷۶) مربع میل ہے اور اس کی سمائی کا اندازہ (۱۲۷ر۱۳ر۱) ملین مکعب فٹ ہے اس بند کا محل وقوع دریا کی بہترین وادی میں کشش وضع پر واقع ہے جس کی لمبائی (۷۵۰۰) فٹ ہے اس کے علاوہ مزید دو بند تعمیر کئے گئے ہیں یہ جنائی کے بند ہیں۔ جن پر جنائی کی بندش کی گئی ہے ان کی لمبائیاں (۱۰۴۰) اور (۴۲۰۰) فٹ علی الترتیب ہیں اور یہ ہر دو بائیں رخ پر بنائے گئے ہیں اس طرح سے بند کی جملہ لمبائی ساڑھے تین میل ہوتی ہے جنائی کے بند کی کل مقدار (۳۰ر۸۴) ملین مکعب فٹ یعنی ... (۲۰۰ر۲۰۰۰ر۲) ٹن یا دریائے نیل کے نویں بند کا دو چند انتہائی تہ کی سطح سے بند کی اونچائی (۱۵۷½) فٹ اور آبی خزانہ کی انتہائی گہرائی (۱۰۵) فٹ ہے۔

اس آبی خزانہ سے جو تالاب تعمیر کیا گیا ہے اس کی گنجائش کا اوسط (۲۹ر۷۰۰) ملین مکعب فٹ ہے درآنحالیکہ طوفان کے زمانہ کی انتہائی اونچائی (۳۷ر۰۰۰) ملین مکعب فٹ یا امریکہ کے نیوکردٹن کے آبی خزانہ سے سات گنا زیادہ ہے۔ اس تالاب کے پانی کے پھیلاؤ کا رقبہ (۵۱ر۵۶) مربع میل اور اس کے ساحل کی لمبائی ایک سو میل سے زیادہ ہے۔

پانی کی انتہائی روانی (۵ر۲۵۰ر۰۰۰) ملین مکعب فٹ فی سکنڈ حاصل کرنے کے لئے تا آنکہ طوفان کے زمانہ میں انسدادی تدابیر اختیار کیجا سکیں، متذکرہ بند میں مندرجہ ذیل انتظامات کئے گئے ہیں:-

۱۔ آسانی سے بہاؤ کے احاطے . . . . . (۲۰۰۰) فٹ لمبائی

۲۔ خود بخود کھلنے والے دروازے۔
ہر ایک (۴۰ × ۱۵) . . . . . نمبر (۲۸)

۳۔ گہرائی کے دروازے۔
ہر ایک (۸ × ۱۵) . . . . . نمبر (۹)

طوفانی دروازوں کو دو جداگانہ نوعیتوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ صدر بند کے بائیں جانب (۱۶) دروازے اور دائیں جانب (۱۲) دروازے ہیں یہ دروازے خود بخود کھلنے والے ہیں جن میں سے (۳۶۰ر۰۰۰) ملین مکعب فٹ فی سکنڈ کی روانی ہو سکتی ہے۔

ہر ایک دروازے کے توازنی صندوق کا وزن (۵۳) ٹن اور ہر بایاڑی ہر وقت معلق حالت میں رہتی ہے۔

اس تالاب کے دائیں رخ پر پہاڑی علاقہ کی قربت میں ایک میدان تیار کیا گیا ہے جس کو "گلگشت" کہتے ہیں اور صدر دروازے کے قریب میں جو حصہ تعمیر کیا گیا ہے اس کو "دلکشا" کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ اس تالاب کی ساحرانہ فضا اور اس کے باغوں کی دلکشی نہ صرف حیدرآباد کے باشندوں کی تفریح کے مراکز بن گئے بلکہ ان کی خوشنمائی سارے ہندوستان میں مشہور ہے۔

نظام ساگر کی تعمیر میں اس امر کا لحاظ رکھا گیا ہے کہ منبع کے قریب پانی کی روانی (۳۰۰۰) مکعب فٹ فی سکنڈ ہو سکے اور اس کی بدولت ضلع نظام آباد کے تعلقات بانسواڑہ، بودھن، نظام آباد، اور آرمور میں آبپاشی کیجا سکتی ہے۔ اس تالاب کی کل لمبائی تقریباً (۱۲۰) میل ہے اس کے ابتدائی (۲½) میل صدر تالاب سے موسوم ہیں اور (۲۴) میل کی لمبائی "تالاب کی شاخ" اور بقیہ لمبائی کو "تائل" کی معاون کہا جاتا ہے۔ "صدر تالاب" کے حصہ کے سوتے کی چوڑائی منبع کے قریب (۹۲) فٹ اور پانی کی پوری مقدار کے وقت (۱۰½) فٹ گہرائی ہوگی۔ اس تالاب میں (۲۰) آبی گزرگاہیں (۴) بالائی گزرگاہیں (۴۰) پل (۱) محکم کنکریٹ سیفن اور (۴۴) کھلی چادریں۔ چھوٹی اور کھیتوں کی نہروں کی لمبائیوں کو اس تالاب کی لمبائی میں شامل کر لیا جائے تو اس کی لمبائی ایک ہزار میل سے زیادہ ہو جائیگی۔ اس عظیم الشان پراجکٹ کی تعمیر پر (۳ر۶۰ر۰۰ر۰۰۰) روپے صرف ہوئے۔

اس ساگر کا گزر دو تالابوں میں سے ہوتا ہے۔ ایک کو "علی ساگر" اور دوسرے کو "مسانی" کہتے ہیں۔ "علی ساگر" ... نواب علی نواز جنگ بہادر ایف، سی، ایچ، سابق چیف انجینئر و معتمد تعمیرات عامہ اور حالیہ کنسلٹنگ انجینئر کے نام سے منسوب کیا گیا ہے۔ جنہوں نے "نظام ساگر" کے خاکہ کو مادی طور پر اپنے ہی زمانہ میں پایۂ تکمیل کو پہنچایا۔ علی ساگر اپنے پر فضا محل وقوع کے لحاظ سے ضلع نظام آباد کی بہترین تفریح گاہ بن گیا۔

عمیدہ دروازے ان تالابوں کے زائد پانی کے اخراج کے لئے نصب کئے گئے ہیں۔

ان تالابوں سے مندرجہ رقبہ کی اراضیات کی آبپاشی کی توقع کیجاتی ہے۔

چاول . . . . (۲ر۵۰ر۰۰۰) ایکر
نیشکر . . . . (۲۰ر۰۰۰) "
پھلوں کے باغات . . . . (۵ر۰۰۰) "*

پہلے ہی سے بڑے رقبوں پر دھان اور نیشکر کی کاشت پھیلائی جاتی ہے

عہد عثمانی میں زراعت کی ترقیاں

(از مولوی نظام الدین صاحب حیدر ناظم زراعت مملکت آصفیہ)

[قابل مضمون نگار کے انگریزی مضمون کا جو خاص "انجینیرنگ گزٹ" کے سالگرہ نمبر کے لئے دیا گیا اردو میں ترجمہ پیش کیا جاتا ہے۔ مدیر]

مملکت کے زراعتی حالات ایک دوسرے سے مختلف ہیں اور ان کی تین تقسیں کی جاسکتی ہیں علاقہ تلنگانہ جس میں عام طور پر پہاڑ، وادیاں اور رتیلا ساحل ہے۔ بارش کے پانی کو بڑے اور چھوٹے تالابوں میں جمع کر کے باغراض آبپاشی استعمال کیا جاتا ہے اور یہاں کی خاص پیداوار چاول ہے۔ مرہٹواڑی میں بڑی دور تک کالی مٹی کا وسیع میدان پھیلا ہوا ہے اور وہاں کی پیداوار کے لئے ذرایع آبپاشی کی ضرورت نہیں پڑتی کرناٹک کے حالات بھی بڑی حد تک مرہٹواڑی کے مشابہ ہیں لیکن بارش بالکل غیر معین ہے۔

پیداوار اور فصلیں

تلنگانے میں عام طور پر چار فصلیں خریف، ربیع، آبی اور تابی ہوتے ہیں لیکن مرہٹواڑی میں جہاں ذرائع آبپاشی محدود ہیں صرف دو فصلیں خریف اور ربیع ہوتی ہیں۔ خریف اور ربیع کو خشک فصل بھی کہا جاتا ہے کیونکہ ان کے لئے مصنوعی ذرائع آبپاشی کا استعمال نہیں ہوتا اور ان کا کلیتہً انحصار موسمی ہواؤں کی بارش پر ہوتا ہے۔ چاول کی کثیر پیداوار تلنگانے میں ہوتی ہے اور ذرائع آبپاشی سے یہ ممکن ہوتا ہے کہ دو فصلیں حاصل کیجائیں۔ موسم سرما کی فصل آبی اور موسم گرما کی فصل تابی کہلاتی ہے۔ خریف کی اہم پیداوار پیلی جوار، باجرہ، مکئی، روئی، تور، پچھنا، ستوا، کدو، تل اور دالیں جن میں قابل ذکر مونگ، ارڈ، اور کلتھی ہیں مملکت میں ربیع کی خاص پیداوار روئی، سفید جوار، بنگالی چنا، جو، کڑڑ، السی، تمباکو لاک اور مٹر ہیں۔

اہم پیداوار

تجارتی نقطہ نظر سے روئی کی کاشت اہمیت رکھتی ہے اور کالی مٹی کے اضلاع میں بکثرت پیدا ہوتی ہے اس کے علاوہ تلنگانے کے موزوں مقامات پر بھی اس کی کاشت ہوتی ہے۔ گورانی روئی جس کی کاشت مرہٹواڑی میں ہوتی ہے۔ ہندوستان کی بہترین روئیوں میں ممتاز جگہ رکھتی ہے۔ بڑی تعداد میں روئی کو صاف کرنے اور بھیجنے کے کارخانوں کا قیام عمل میں آیا ہے اور یہ کارخانے ریلوے مقامات سے قریب ہیں۔ وسیع پیمانے پر ارنڈی کی کاشت تلنگانے میں ہوتی ہے۔ دنیا کے ارنڈی پیدا کرنے والے ملکوں میں ہماری مملکت کا پہلا درجہ ہے۔ ہندوستان میں سب سے زیادہ جوار ہمارے ملک میں پیدا ہوتی ہے۔ کرناٹک اور تلنگانے کے وسیع رقبوں میں مونگ پھلی کی کاشت ہوتی ہے۔ حالیہ سالوں میں نیشکر کی کاشت میں اضافہ ہوا اور نظام ساگر کے قریب شکر سازی کے کارخانے کا قیام عمل میں آیا ہے اور توقع ہے کہ اس نیشکر سے کافی تجارتی فائدہ حاصل کیا جائے گا، مملکت کی اہم پیداواروں کے اوسط رقبے کو ایکڑوں میں درج ذیل کیا گیا ہے۔

چاول	۷۳۶,۵۰۰	روئی	۳,۵۲۷,۵۰۰
جو	۲۸,۳۰۰	باجرہ	۲,۰۲۵,۷۰۰
مکئی	۶۳۲,۰۰۰	چنا	۱,۰۵۰,۸۰۰
نیشکر	۵۷,۲۰۰	السی	۲۶۲,۶۰۰
تلی اور رائی	۱۰,۵۰۰	کنجد	۵۹۳,۱۰۰
تمباکو	۸۶,۹۰۰	گیہوں	۱,۰۱۱,۵۵۶۰۰
انڈی	۷۹۱,۸۰۰	جوار	۹,۵۸۷,۹۰۰
راگی	۵۹۲,۲۰۰	سن پٹ	۵۹,۶۰۰
نیل	۵,۹۰۰	سوکھی گھانس	۲,۰۳۰,۰۰۰
مسالے	۷۶,۵۰۰	میوے اور پھل	۶۲۲,۳۰۰
		مونگ پھلی	۶۹۱,۳۰۰

۴۔ موجودہ دور ظل سبحانی میں حکومت کاشتکاروں کی مدد کی طرف متوجہ ہوئی تاکہ وہ بہترین پیداوار اور نکاسی کے ذریعے اپنی حالت کو سدھاریں مملکت آصفیہ کے سب سے گنجان رقبہ میں بہترین قسم کی روئی کی کاشت ہوتی ہے۔ اس بہترین قسم کی روئی کو گورانی کے نام سے موسوم کیا گیا ہے اور یہ مرہٹواڑی کے موبلے میں ہوتی ہے یہ معلوم ہوا کہ کاشتکار ادنیٰ قسم کی روئی گورانی میں شریک کر رہے ہیں جس کی وجہ سے اس کی شہرت اور قیمت میں متدبہ کمی ہونے لگی اسی بنا پر حکومت نے ۱۳۲۲ف محکمہ زراعت کو قایم کیا جس کا اہم مقصد یہ تھا کہ گورانی کے انحطاط کو روکا جائے۔ اس سلسلے میں یہ انتظامات کئے گئے کاشتکاروں کو بہترین گورانی تخم مہیا کئے گئے اس سے شہرت کے قائم رکھنے میں بڑی مدد ملی اور کاشتکاروں کے مفاد کا تحفظ بھی ہوا۔ ۱۳۲۲ف سے ۱۳۲۷ف تک محکمہ نے تجربی مزرعے آلیر، کاماریڈی، سنگاریڈی، محبوب نگر، اور پربھنی میں قائم کئے۔ اس کے علاوہ ایک انجینیری حصے کا بھی آغاز کیا گیا جس سے عوام کو کنویں کھودنے اور ان پر پمپنگ مشین نصب کرنے میں بڑی مدد ملی۔

۵۔ بڑھتی ضروریات کے مدنظر یہ مناسب سمجھا گیا کہ محکمہ زراعت کی از سر نو تنظیم کی جائے اور ۱۳۳۷ف میں اس کو عملی جامہ پہنایا گیا۔ اس وقت اس محکمے کی سرگرمیوں میں اضافہ ہوا اور یہ ہر سمت میں پھیلی ہوئی ہیں تحقیقاتی کاموں کے لئے اس محکمہ میں شعبہ کیمیا، شعبہ نباتیات، شعبہ باغبانی، شعبہ حشریات، شعبہ افزائش نسل موجود ہیں تجرباتی کاموں کے لئے تجربی مزرعوں میں تمام ضروری سامان موجود ہے اور یہ مزرعے پربھنی میں گوداوری ڈویژن، رائچور میں کرناٹک ڈویژن، ورنگل میں مشرقی تلنگانہ اور حمایت ساگر سنگاریڈی اور رودرور میں مغربی تلنگانہ ڈویژن کے لئے قائم کئے گئے ہیں مہمی ترقی کے تحت مزارعین کی ایک بڑی تعداد کو ملازم رکھ کر اضلاع میں ان سے کام لیا جا رہا ہے۔

۶۔ محکمہ اب اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ تمام مقامی ضروریات کو پورا کرے اسی سلسلہ میں بعض مفید نتایج ظاہر ہوئے جن سے کاشتکار فائدہ اٹھا رہے ہیں چاول اور روئی کے جدید نمونے کو نباتیاتی حصے نے داخل کیا جس سے عمدہ قسم کی پیداوار حاصل ہوئی۔ یہ نمونے رعیت کو بیحد پسند آئے ان کو سرعت سے پھیلایا جا رہا ہے اور کاشتکار پہلے کی بہ نسبت اس سے زیادہ فائدہ اٹھا رہے ہیں۔
شعبہ حشریات نے چپل سینڈ کا تہس نہس کرنے میں بڑی کامیابی حاصل کی - یہ چپل سینڈ مملکت کے وسیع رقبے میں پھیلا ہوا تھا اور اس سے قیمتی قدیم عمارتوں کو بھی نقصان پہنچ رہا تھا ان سب کے علاوہ وہ تکلیف دہ جانوروں اور زہریلے حشرات الارض کا مامن بنا ہوا تھا ان جنگلی پودوں کو دور کرنے کے لئے بڑی مقدار رقم خرچ کی گئی۔ مگر اس سے خاطر خواہ نتایج حاصل نہ ہو سکے۔ محکمہ زراعت نے مملکت کے تمام حصوں میں قرمز کیڑے کو داخل کیا جس کی وجہ سے یہ مسئلہ بآسانی حل ہو گیا ناگ پھنی کے نکل جانے کے بعد اچھی اور صاف جگہ نکل آئی۔ شعبہ باغبانی اس کوشش میں ہے کہ عوام کو ان باغوں یا موزوں پھلوں کی کاشت کی طرف راغب کرے۔ افزائش نسل اس بات کا خواہاں ہے کہ بہترین قسم کے مویشی نسل کے لئے مہیا کرے تاکہ دیہات میں اچھے مویشی پیدا ہونے لگیں۔ شعبہ مرغبانی اپنے تجربوں سے اس ملک کے موزوں مرغوں کی نسل کا پتا چلایا ہے اور اس بات کی کوشش کر رہا ہے کہ بہترین قسم کے بیضے اور پرندوں کو عوام میں رواج دے۔ بہترین نتایج تجرباتی مزرعوں کے تجربوں سے حاصل ہوئے ہیں۔

غلہ اور کھاد کے جو نتائج حاصل ہوئے ہیں ان کو دیہات میں بروئے کار لایا جائے گا۔

حکومت محکمہ زراعت کے توسط سے مزارعین کی ہر ممکنہ مدد کر رہی ہے۔ سرکاری زمین دیگر کاشتکاروں کو زرعی تعلیم دے رہی ہے اور دیہات سدھار کے تحت زرعی مظاہرے بھی کئے جا رہے ہیں۔ دیسی زبانوں میں زرعی ادب کو مفت تقسیم کیا جا رہا ہے اور موزوں مقامات پر زرعی نمائش بھی کی جا رہی ہے۔ کاشتکاروں کی اولاد کے لئے آئیل انجن کلاس کا افتتاح کیا گیا تاکہ وہ انجن اور پمپ کے کام سے واقف ہو کر اپنی زمینوں کو سیراب کرنے کے قابل ہوسکیں محکمہ کے باغوں میں کاشتکاروں کی اولاد کو عملی تعلیم دی جاتی ہے تاکہ وہ میووں اور پھلوں کے کاشت سے اچھی طرح واقفیت حاصل کریں۔ سرکاری مزرعوں میں مزارعین کے لئے جماعتیں کھولی گئی ہیں کہ وہ کاشت کی عملی تعلیم حاصل کریں۔ زرعی سبھائیں اور اتحاد باہمی کے اصول پر فروخت کرنے والی انجمنوں کا قیام بھی عمل میں آیا ہے کہ وہ کاشتکاروں سے تعاون کریں اور ان کی اشیا کو بازار میں اچھے دام پر فروخت کرائیں۔

۸ ۔ زمانہ قدیم ہی سے علاقہ مرہٹواڑی میں ایسی زمینیں تھیں جن پر گھاس اگا کرتی ہے اور کاشتکاروں نے خود انہیں بنجر سمجھ کر چھوڑ دیا تھا۔ محکمہ نے ٹراکٹر ناگر کے ذریعے ان زمینوں کو ناگرا۔ علاقہ کرناٹک کی زمینیں غیر ہموار اور جس میں ہر وقت کٹاؤ ہوتا رہتا ہے۔ قلت بارش کی وجہ سے بہت بڑا حصہ غیر زرعی بن رہا ہے اور زرخیز علاقہ ختم ہو رہا ہے۔ اسی بنا پر محکمہ نے مزارعین کو پشتے بنانے کی رائے دی تاکہ وہ اپنی ملکیتوں کو بربادی سے بچالیں مزارعین کو بہترین تخم پودے، کھاد اور دوسرے زرعی ضروریات بلا کسی قیمت کے مہیا کئے جا رہے ہیں۔ غریب رعایا کو مالی مدد پہنچانے کی حکومت کوشش کر رہی ہے۔ رعیت کی زمین پر مظاہرے کئے جا رہے ہیں اور اس کے تمام اخراجات حکومت خود برداشت کرتی ہے۔ اسی قسم کے مظاہرے حکومت اپنے اخراجات سے کرتی ہے اور خوشی کے ساتھ مفت مشورے حکومت کی جانب سے دئے جاتے ہیں۔ سالانہ تین لاکھ پچھتر ہزار روپے کی رقم حکومت اس لیے منظور کرتی ہے کہ مزارعین کو تقاوی منظور کرے وہ اس سے اپنے کھیتوں کے لئے ترقی یافتہ پمپنگ مشینیں اور دوسرے ضروری آلات خریدتے ہیں۔

۹ ۔ ان زرعی ترقیوں کے علاوہ جن کو محکمہ زراعت اضلاع ممالک محروسہ العزیز نے کی کوشش کر رہی ہے کہ دیہاتی زندگی کو بھی سدھارے۔ بنجرو میں ایک مرکز دیہات سدھار قائم کیا گیا ہے جو حیدرآباد سے ۲۰ میل کے فاصلہ پر ہے جس میں مرغی، مرغیوں کی نگہداشت، گوسفند کی نسل مچھلیوں کے پکڑنے، باغ بنانے، میووں کے درخت لگانے، پھولوں کی باغبانی اور کاشت کا عملی مظاہرہ کیا جاتا ہے۔ اس مرکز کے تحت دیہات میں ترقی ہو رہی ہے اور اسی کے ساتھ ساتھ ملکی مصنوعات مثلاً ترقی یافتہ کرگوں پر کاتنا، ٹوائننگ، لاک وغیرہ پر بھی توجہ کی جا رہی ہے۔ دیہات سدھار سبھائیں دیہاتیوں کی زندگی کو سدھارنے میں بڑا حصہ لے رہی ہیں۔ اسی کے تحت لڑکوں کو دن میں اور مردوں کو رات میں تعلیم دینے کا طریقہ چند دیہات میں جاری کیا ہے ترک مسکرات کے لئے بھی پروپگنڈا کیا جا رہا ہے۔ طبی امداد بھی پہنچائی جا رہی۔ دایہ گری اور بچوں کے دیکھ بھال کی تعلیم بھی دی جا رہی ہے۔

بقیہ مضمون ٹیلیفون سروس صفحہ (۱۸)

(۱) حیدرآباد سے اورنگ آباد تک۔ یہ لائن کاماریڈی، نظام آباد، باسر، امرانی، ناندیڑ، پورنا، پربھنی، مانوت، سیلو اور جالنہ سے ہو کر گزرے گی۔

(۲) حیدرآباد سے آصف آباد۔ یہ لائن ورنگل اور پداپلی سے ہوتی ہوئی جائیگی۔

(۳) حیدرآباد سے کھمم براہ ورنگل۔

(۴) حیدرآباد سے گلبرگہ براہ واڑی

(۵) حیدرآباد سے رائچور براہ واڑی

ان ترقیات سے امید ہے کہ ریاست کے نظم و نسق اور تجارت کی فوری ضروریات پوری ہو جائیں گی۔

اعلان برائے ٹنڈر

برائے سربراہی اشیاء متعلقہ ٹیلیفون و دیگر سامان کا تعہد سال ۱۳۴۸ف کے لئے منجانب سررشتہ ہذا دیا جانا مطلوب ہے۔ پس جن جن اصحاب کو تعہد لینا منظور ہو وہ اپنی اپنی درخواستیں فارم مطبوعہ (جن میں شرائط تعہد و تفصیل اشیاء متعلقہ درج رہیگی) پر جو دو روپیہ (عثمانیہ سکہ) داخل کرنے پر دستیاب ہوسکتا ہے۔ داخل کریں۔

درخواست سربمہر بتاریخ ۲۴ آبان ۱۳۴۷ف بروز پنجشنبہ ۱۲ ساعت روز تک داخل کریں۔

دستخط مرزا مصطفےٰ بیگ مہتمم ٹیلیفون

گولی گوڑہ حیدرآباد

—— OUR ——

AUGUST SOVEREIGN'S NEW GIFT

TO THE

CITY.

His Exalted Highness, during his Silver Jubilee celebrations, received a large number of caskets, illuminated addresses and other tokens of loyalty and devotion from all his subjects, irrespective of caste and creed. With an idea to allow the public to see these gifts he commanded that a separate building should be constructed at the Public Gardens. There was also a proposal for a Picture Gallery, but His Exalted Highness ordered that the paintings and caskets should be put in one building and this building should be known as Jubilee Pavilion in commemoration of the event. In accordance with His Exalted Highness' commands, a beautiful building having a frontage of 224 ft. was planned on modern lines with modern methods of lighting, ventilation etc. This building is estimated to cost a lac of rupees. The style adopted is simple Osmania with introduction of ornaments and jalees. The main entrance and the casket room have been treated with Saracenic decorations. The Picture Galleries, on both sides of the main Hall, have been purposely left plain so that all interest should be focused on the paintings and other exhibits. Two Halls 60' long and 30' wide and two 30'x30' have been allotted for the Picture Gallery. Paintings of famous frescoes of Agenta are embedded on the walls of the two large galleries and the two small galleries are used for the Moghal miniatures etc. This beautiful building, standing out on the main lawn of the Public Gardens facing the lake, was opened formally to the public on the 13th of Rajab by His Exalted Highness during the celebrations connected with his Birthday.

Jubilee Pavilion

AGRICULTURE

(Continued from page 32).

9. Apart from the definitely agricultural improvements which the Agricultural Department is endeavouring to popularise in the districts, an effort is being made to develop rural life in general. A Rural Development Centre is established at Patancheru, about 20 miles from Hyderabad which has got demonstration sections on poultry keeping, goat breeding, fish rearing, kitchen gardening, fruit growing, flower gardening and cultivation of field crops. These industries are being developed in the villages under the influence of this Centre, along with the introduction of other cottage industries, such as weaving on improved looms, dyeing, lacquor work etc. Village Improvement Associations have been started to train the villagers in the work of improvement of their own lives. Day schools for children and night schools for adults have been established in some villages. Propaganda in the matter of temperance is carried on. Medical help is arranged for and training in child welfare and mid-wifery is given.

The need for Architecture in Hyderabad

(Continued from page 20).

city on more modern and utilitarian lines will also be a great achievement. The Government is also considering the advisability of dividing the city up into zones which will be so arranged as to remedy the physical make-up of the city so that all conveniences and amenities may be within easy reach of the public.

When the Government has spent crores of rupees on the city, providing dust-proof roads, good water supply and drainage, and it has further building schemes in view for the welfare of the public, it is only just that it should demand a proper type of buildings along the thoroughfares. It is most certainly the duty of every citizen to co-operate with Government in this matter. In particular those people who build residential houses should always have this in view. The aesthetic value of the town cannot be maintained unless streets have a pleasant perspective.

Among the public of Hyderabad there should be a desire for better and truer types of homes. This desire, at present, is confined to well-to-do classes, but it is a movement that is in all respects to the good and, in due course, the tendency to seek for better homes must inevitably, filter through from upper classes to the lower. A good many houses of better design have, during the recent years, been built in the suburbs of Hyderabad and this is in itself ample evidence of a distinct change of thought in the house-builders to-day.

Since the Government has established a department of Architecture, many buildings of architectural value and charm have been built in this great city. I am sure that these have appealed to the public to the extent that they are beginning to realize the value and importance of Architects. Architects are men, who, by their talent and training are qualified to render special and valuable services to their clients in designing their homes. They are capable of vitally influencing the well-being of all those who demand their services. It is evident that the public today demands homes designed with intelligence, more convenience, more real charm and with more artistic fitness. I am glad to say that there is growing up slowly, on the part of most of the enlightened public, a capacity to analyse keenly the plans and elevations of houses designed by Architects and to appreciate what really constitutes the differences between good and bad art in the solution of many problems involved in the construction of a house. Following on from this mental evolution, there are now many citizens in this town who are dis-satisfied with their present homes and desire either to seek others which would be nearer to their conception of an ideal home or build one for themselves. Their interest is increased by watching the progress of present building construction in the town and by studying architectural matters independently and in so doing they begin to realize the benefits derived from employing an Architect. This increased interest will lead them to make up their minds which Architect to employ. This will encourage the Architects to take up practice in the city and to specialise and to develop to the full the talents that they possess, because it is the fittest that will survive, when the public is architecturally minded.

I am afraid some people have mistaken impressions with regard to Architects. They think that Architects are *autocrats* who allow them no voice in planning their own homes. This is really wrong. An Architect is generally just the reverse; he welcomes the full expression of a client's ideas and it is his duty to embody them into a homogeneous and harmonic whole. Since there are no practising Architects in Hyderabad, there cannot be the misconception as to the commission he will claim for his services. But I hope, private practitioners will open business here and the public must know that their charges will be ordinarily regulated by a definite scale of fees, just as is that of

(Continued on page 33)

The need for Architecture in Hyderabad

(*Continued from page 34*)

members of the Medical profession. The charges are really very moderate for piloting a man through a building enterprise. People in Hyderabad have no experience of what an Architect can save the builder in the cost of a house by his services. If he is a good Architect who knows his trade, he can save his client the cost of his own commission and thereby enable him to get practically for nothing a good design and professional supervision.

The Architect is a trained expert in his profession, and he enables the builder or a contractor to execute a contract with the greatest degree of efficiency. For example, as a qualified doctor is able to prescribe and makes it possible for the chemist to dispense the correct medicine, an Architect is able to design and make it possible for the Engineer or builder to construct. It would not be out of place to mention that the functions of Architects today are manifold and some of them are of a highly technical nature. An Architect has to be a creative artist in building. He must be an expert in planning buildings and should be acquainted with practical requirements of accommodation of various kinds of structures, often of a complex order. As an efficient Architect, he must be able to employ modern structural resources in his design and should understand the modern methods of building construction. The public must know that a good Architect always makes the technical and applied sciences the servant of his art. In addition to methods of construction, he has to know suryeying, sanitation, hygiene, heating, lighting, ventilation and acoustics and also building law and finance. The Architect has to visualize the work in plan, section and elevation in such a way that a resultant composition is expressive and beautiful. For this, the Architects who desire to establish business here must know that an efficient creative ability of a special order is required and no system of training can generate that ability. It really depends upon them as to how they develop in the best manner their accumulated experience. I want the new Architects to establish their pratice in such a way as to win the confidence of the public in order that the profession may thrive in this city at a time when the Ruler of these vast Dominions has afforded an opening to this new art in Hyderabad.

The Influence of Engineering on the Development of Modern Life.

(*Continued from page 30*)

the most useful point, he generates electricity, whose conversion to commercial use, through wireless, telegraphy and radio telephony has been of the utmost significance for the economic development of almost every country; indeed the most outstanding movements which have taken place scientifically during the 20th century have electricity as their basis; much of the cheapness of our production depends on the power produced by electricity and the possibility of a greater utilization of water power from generating current. In short the development of Engineering in all its divisions and allied sub-divisions has almost revolutionised the art of life and has screwed up efficiency alround.

The role of the Engineer as a civiliser emissary of culture is unassailable. His contribution to the common stock of culture is colossal. The civilization of a country is measured in terms of its Engineering works. Engineering and civilization go hand in hand.

Twenty five years ago Hyderabad looked like a counter-part of the Russian steppes; today it speaks through its glorious lakes, gigantic reservoirs and portly public buildings in which beauty and balance are expressed in lime and stone. Hyderabad cradles today some of the greatest Engineering works in India.

It is matter for congratulation and pride to us all that the progress of Hyderabad in nearly all the branches of the Science of Engineering has been striking during the regime of H. E. H. the present Nizam, Nawab Sir Mir Osman Ali Khan Bahadur, whose birth-day we celebrated only three weeks ago. H. E. H. is widely famed as a lavish patron of Arts and Sciences. His intense belief in the lofty ideals of Kingship has changed the course of the history of Hyderabad.

A word now about the Engineering Gazette itself. The task of conducting a professional journal in Urdu, to interpret the ideals and diffuse knowledge of Engineering activities in a gripping and understandable manner is no doubt more arduous and complex than that of perpetrating a mere newspaper. The endeavour is perhaps unique. The ambition of the Editor to keep his country fully abreast of the times deserves the highest encomium.

I wish the journal a long and prosperous career.

Pricklypear. The Pricklypear has been a great nuisance all over the State. It has been damaging cultivated land and valuable ancient buildings besides harbouring harmful animals and reptiles. Attempts to clear this wild bush had been costing large amount of money without the desired result. The Cochineal insect introduced all over the Dominions by the Agricultural Department has helped in solving the problem easily. The Cactus bush has almost totally disappeared leaving open good land and clean sites and premises. The Horticultural section, as a result of its experiments, has found out some better varieties of fruits suitable for the country and has started supplying the stock to the people for planting in their gardents. In the Animals Husbandry Section, the Cattle Breeding Branch is in a position now to supply bulls of improved breeds to cattle breeders for improvement of the cattle in the villages. The Poultry Breeding Branch has found out, from experiments, some improved breeds of fowls suitable for the country, and is endeavouring to introduce the same by supply of eggs and birds. Some definitely useful results have been obtained from the experiments conducted at the experimental Farms. Improved varieties of crops and manures and improved implements, so found out, are being introduced in villages.

7. The ryot is being helped by the Government through the Agricultural Department in as many ways as possible. He is being educated on improved agriculture by establishment of aided farms and demonstration plots amounting to thousands in number, on his land in the village, by carrying out demonstration of improvements in the villages, by distribution of free vernacular literature and by holding shows and exhibitions at suitable occasions. There is an oil Engine Class in which cultivators' sons are trained in Engine and pump driving for irrigation of lands. There are gardening classes in the departmental gardens in which cultivators' sons are given practical training in improved methods of fruit and vegetable growing. Farmers' classes have been opened at the departmental farms in which cultivators' boys are given practical training in improved methods of cultivation. Agricultural Associations and Co-operative Sale Societies have been started to train and help the cultivators in co-operation and in the marketing of their produce.

8. The land in the Marahtwara Division of the State was full of weeds since ancient days, the eradication of which has become impossible by the farmer himself. The department has arranged ploughing of such lands of cultivators with tractor ploughs on a contract basis. The land in the Karnatik Division is very undulating and liable to erosion. Thereby, the cultivator has been losing a great portion of the scanty rainfall which is received and the valuable fertile surface soil by wash out. The department has arranged to advise the cultivators and help them in the construction of embankments to save their lands, from ruin. There are arrangements to supply the farmers, with improved seeds, plants, manures, implements and other agricultural requisites from the Department without difficulty. The Government is also helping the poor ryot financially. Promising cultivators are given grants-in-aid to help them in improving their farms according to the advice of the Agricultural Department. Demonstration plots are established on the ryot's lands, all the cost of which is borne by the department and the produce is given over to the ryots. Similarly, all demonstrations for the cultivator are carried out at Government expense, and the advice of the Agricultural Department is available to him free of cost. An amount of Rs. 3,75,000 is sanctioned annually from which taccavi loans are granted to farmers with a view to help them to secure the improved things, including machinery and pumping plants, for their farms.

(Continued to [illegible]

AGRICULTURE

By NIZAMUDDIN HYDER Esqr.,
Director, Agriculture Dept.,
(H. E. H. THE NIZAM'S DOMINIONS.)

The Agricultural conditions differ considerably in the three main divisions of the State. The Telingana region is generally full of hills and valleys and has sandy soil. Rain water is collected in big and small tanks and utilised for irrigation, mainly for growing rice. The Marahtwara tract is an extensive plain possessing heavy black soil, producing mostly unirrigated crops. Conditions of the soil in the Karnatik are much the same as in Marahtwara, but the rainfall is precarious.

2. *Crops and harvests* :—There are usually four crops in the year in Telingana, viz., kharif, rabi, abi, and tabi, but in Marahtwara, where irrigation sources are very limited, only two crops are raised kharif and rabi. Kharif and rabi crops are known as "dry crops", i.e., those cultivated without the help of artificial irrigation, depending as they do on the monsoon rains. In the case of rice which is the principal irrigated crop grown chiefly in Telingana, there are two crops, the winter crop being called Abi and the summer crop Tabi. The chief kharif crops are yellow jawar, bajra, makai, cotton, tuar, lachna, sanwa, kodru, til and pulses, such as moong, urad and kulthi. The principal rabi crops cultivated in the State are cotton, white jawar, Bengal gram, barley, karad, linseed, tobacco, lak and peas.

3. *Chief crops* :—Of the major commercial crops, cotton is extensively raised in all the black-soil districts, as well as in such portions of Telingana, where the soil is suitable for its production. Gaorani cotton, which is grown in Marahtwara is one of the finest Indian cottons. Cotton-ginning and pressing factories have been established in large numbers in the districts which are served by railways. Castor is extensively grown in Telingana and the State is the largest castor producing country in the world. The State has also the largest area under jawar in India. Groundnut is also grown on large area in the Karnatik and Telingana divisions of the State. Sugarcane cultivation has increased considerably during recent years and a sugar factory has been erected near Nizamsagar for making the best commercial use of this cane. The average area, in acres under the principal crops of the State is given below :—

Rice 736,500 — Cotton 3,527,400 — Barley 28,500—Bajra 2,025,700 — Maize 632,000—Gram. 1,050,800—Sugarcane 57,000—Linseed 262,600—Rape & Mustard 10,500—Sesamum 593,100—Tobacco 86,600—Wheat 1,118,600—Castor 791,800—Jowar 9,587,900 — Ragi 592,200—Sun Hemp 59,600 — Indigo 5,900 —, Fodder crops 2,030,000—Condiments & Spices 76,500—Fruit & vegetables 524,300—Groundnut 691,400

4. It was in the reign of the present His Exalted Highness the Nizam that the Government took action to assist the cultivators of the soil in improving their condition by production of more and better produce. The Hyderabad State has the largest compact area producing cotton of a superior quality. This variety of cotton is known as Gaorani and is grown in the Marahtwara Division of this State. It was noticed that this cotton was losing its value by getting mixed with inferior kinds. The cotton and the country were losing their reputation. The Government established the Agricultural Department in the year 1322 Fasli, with the main object of saving the Gaorani cotton from deterioration. Arrangements were made for supply of pure Gaorani seed to the cultivators on large scale. This helped in protecting the reputation of the area and the interests of the cotton growers. During the period from 1322 to 1337 Fasli, the work of the Agricultural Department extended in the establishment of Experimental Farms at Alir, Kamareddi, Sangareddi, Mahbubnagar and Parbhani. An Engineering Section was also opened, which assisted the public in boring of tube wells and in installation of pumps over them.

5. Realising that a more forwarding policy was needed for the improvement of agriculture, a thorough reorganisation was effected in the year 1337 F. Since then, the activities of the department have increased and extended in all directions. On the Research side, the Department is equipped with a Chemical section, a Botanical section, a Horticultural section, an Entomological section and an Animal Husbandry Section. For experimental work, fully equipped Experimental Farms have been established at Parbhani for the Godaveri Division of the State, at Raichur for the Karnatik Division, at Warangal for the East Telingana Division and at Himayatsagar, Sangareddi and Rudrur for the West Telingana Division. For the purpose of introduction of improvements in the villages a large number of Agricultural staff is employed, and is posted to work in the districts.

6. The department is now working on well defined systematic lines, chalked out after a thorough study of the local requirements. Some good achievements have been made which are already benefiting the cultivator. A few new varieties of rice and cotton have been evolved by the Botanical Section, which give high outturn of better quality. These varieties have become popular with the ryots and are spreading very rapidly, giving much larger profits to the cultivators than they used to get from their own seed. The Entomological Section has achieved a great success in the destruction of

The Influence of Engineering on the Development of Modern Life.

(BY MIR ZIAUL HUQ Esq., DEPUTY SECRETARY P.W.D.)

The art of construction, in its primitive and crudest form, is perhaps almost coeval with the pre-historic Pleistocene Age. Man's first attempt was confined to pit-dwellings as a defence against inclement weather or depredatory beasts; his second attempt was the building of temples of worship. and of tombs for the internment of his mighty dead, his highways were the natural rivers; his means of transport, man and beast of burden.

It was a far cry from the stonehenge built by the neolithic early Saxons to the periods of the Pyramids and the Pantheon; but the history of the middle ages to the modern is the story of stupendous machine-made miracles performed by the Engineers of the 19th and 20th centuries. We have travelled a very long way from the middle ages. The Science of Engineering, then restricted to the art of designing and constructing works such as buildings, roads, bridges, has today penetrated into almost every branch of Industry and Transport. There is hardly any phase of life, scarcely any industrial activity, which has not been affected by or transformed by the Science of Modern Engineering. Our harbours, docks, canals, ship-building, navigation, dams, irrigation, agriculture, machinery, automobiles, aeronautics, mill-work, power-generation and its application to lighting, telegraphy, telephony and wireless, water-supply, sewerage, the working and raising of metals and minerals, fortifications etc., all fall within the ambit of the Engineer. Few sciences are more fascinating, more vast and varied than those revealed by Engineering in its wide range.

Among the principle adversaries of man are the natural forces. Curious natural objects and phenomena which at one time inspired awe to the amazed and ignorant contemplation, endangered life or comfort, spread terror and holocaust, have today to a great extent been tamed and harnessed to the service of humanity. The Engineer has minimised the powers of their destruction and trained them to serve man. Take for instance the Niagra, whose thunder of waters was looked upon as a god by the savages and met with little enthusiastic reception in the middle of the 19th century, has to-day made to yield millions of horse power. The Engineer though he cannot outlaw an earthquake or bottle up the volcano, does not remain altogether helpless in the face of their ire. The first quaking of the earth's surface at which buildings tumbled to earth like a pack of cards are today withstood by structures of steel and concrete; boiling springs are rendered harmless by canalisation and even turned to advantage.

The Science of Engineering and its practical application in machinery has placed in the hands of the Engineer weapons of defence and attack that have made life more secure and material advancement more certain. Unbridled water from the sky, the sea and the river had its baneful influence on life; rain in unwanted quantity and at inopportune seasons had caused devastating floods, carrying property and leaving thousands of dead in its trail; with break waters, dykes and sea-walls the Engineer now holds off the sea; through embankments he controls the fury of floods, he directs the course of the rivers and makes the channels flow as he directs. Thousands of acres of land have been reclaimed from the sea, and by extensive drainage schemes wide areas of productive soil have been added to the farm lands or converted into hives of human industries. Great irrigation schemes have brought fertility to the deserts. Crops and fruits now grow on millions of acres on which a brush or cactus could hardly keep alive.

In the field of industry as well the Engineer plays no small part. Industry rests upon mining; without raw materials, no industry can subsist. The Engineer rifles the earth for its precious finds; coal and oil two of the most vital fuels and the most important mineral ore, the iron ore, he wrests from the earth.

Modern civilization has its basis on machine. The use of steam and electricity as motive forces and the subsequent development both in machinery, as a means of producing agency and of locomotion and transport and the manufacturing processes have revolutionized the major industries; the explosive power of petrol and gases or heat generated by coal, oil or other fuels perform for mankind those delicate and intricate operations by which extra-ordinarily complicated industrial and commercial processes are undertaken.

For years man has been Master of the Seas, but the high mountains, the deserts and forests have defied his attempts at conquering. If the 19th century saw the revolution of transport by Railways, the 20th has produced much more spectacular revolutions in the shape of motor car and the aeroplane, man's mightiest, but youngest assistant. The advent of the aeroplane has opened up a new highway; one that knows no high peaks, no mighty mountains no dense jungles or deserts. When time is on the wing in these days of competitive bargaining and business competition, the saving of it is an asset of inestimable value. The aeroplane has performed the incredible miracle of annihilating time and space.

The generation of power from water is also one of the greatest achievements of the Engineer. By canalising and directing the fall of water at

(Continued on page 33)

nearing completion, Government sanctioned another irrigation scheme in this district. This is known as the Wyra Project. It consists of a masonry Dam of composite type i.e. a gravity Dam with an earthen backing, 5225 feet long having a capacity of 2616 million cubic feet, built across the Wyra river which at the site of the Dam has a catchment area of 274 square miles. The Dam is 81 feet high above the lowest foundation level, and is provided with weirs aggregating to a total length of 1320 feet. It is also proposed to introduce 3 automatic gates of 50' x 4' each.

There are two canals taking off from the Reservoir; the one on the right flank is 21 miles long and the one on the left is 5 miles in length. The former irrigates 12,640 acres in 18 villages of Khammam Taluqa, while the latter irrigates 4750 acres in 7 villages of Madira Taluqa.

The total cost of the scheme is nearly 25 lacs. It was completed in 1338 Fasli.

Nizamsagar Project.

These schemes might be regarded to have been the precursors of yet larger irrigation projects to come, for very soon the great Nizamsagar Project, one of the largest Irrigation works in India, was sanctioned.

The scheme consists of a masonry Dam built across the Manjra, which is the largest internal river of the State. The river has a catchment area of 8376 square miles at the site of the Dam, and the yield is computed to be 1,13,712 million cubic feet. The Dam which spans the main river valley is of gravity type and is 7500 feet in length. Besides this, there are two composite Dams i. e. Earthen Dams with a masonry facing, having a length of 1040 f et and 4200 respectively, which are built across the depressions on the left flank. Thus the overall length of the Dam including the free overfall weirs and the Head sluices for the Canal is 3½ miles. The total quantity of masonry in the Dam is 30. 84 million cubic feet i. e. 2,200,000 tons or nearly twice that of the Assuan Dam on the Nile. The maximum height of the Dam above the lowest foundation level is 157½ feet, while the maximum depth of storage is 105 feet.

The lake formed by this storage holds normally 29,700 million cubic feet, whereas its capacity at maximum water level during floods is 37,000 million cubic feet or more than seven times that of the New Croton Reservoir in America. The maximum water spread of the lake is 56, 51 square miles and the length of the coast line is more than a hundred miles.

For disposing off a maximum discharge of 5,25,000 cubic feet per second, flowing into the lake during flood, the Dam is provided with the following arrangements:-

1. Free overfall weirs. 2000 feet long.
2. Automatic Flood Gates (each 40' x 15') No. 28.
3. Deep or scouring sluices (each 8' x 15') No. 9.

The flood gates are provided in two batteries, one of 16 gates at the left flank of the main Dam and the other of 12 gates at the right flank. These gates are automatic in action and are designed to discharge nearly 360,000 million cubic feet per second. Each gate with its balance box weighs 53 Tons, and each battery is instantaneous in action.

On the hillside adjoining the lake at the right flank a plaisuance has been laid out which is named "Gulghast", while another one laid out on the promonotory near the Head sluices is called the "Dilkusha". The lake and the gardens attract visitors from Hyderabad as well as different parts of India.

The Nizamsagar canal is designed to carry a discharge of 3400 cubic feet per second at the head, for irrigating a total area of 2,75,000 acres situated in Banswada, Bodhan, Nizamabad and Armoor Taluqas of Nizamabad District. The total length of the Canal is nearly 120 miles, of which the first 72½ miles are known as the main Canal, the next 21 miles as the Branch Canal and the rest as the Tail distributary. The Main Canal has a bed width of 92 feet at the head and will carry 10½ feet depth of water at full supply level. The canal is provided with 20 Aqueducts, 4 Superpassages, 40 Bridges, 1 Reinforced Concrete Syphon, and 44 open weirs. The total length of minor and field channels is added to this, the total length will be more than a thousand miles. The total cost of the project is Rs. 4,26,00,00..

The Canal passes through two large tanks. One is known as Alisagar and the other is called Masani. The Alisagar lake (known after Nawab Ali Nawaz Jung Bahadur, F.C.H., the late Chief Engineer & Secretary to Government, and now Consulting Engineer, who conceived the idea of the Nizamsagar Project and in whose time, it was carried out) is noted as a beauty spot in the vicinity of Nizamabad District.

Tilting gates have been provided on these tanks for discharging the surplus waters.

The area to be irrigated is proposed as following :-

Rice.	...	2,50,000 acres.
Sugarcane.	...	20,000 "
Fruit Gardens.	...	5,000 "

Already large areas are covered with paddy and Sugarcane. A sugar factory has been established at Bodhan A number of rice mills have sprung up in the irrigated zone. Sugarcane and Fruit cultivation is fast gaining ground. Although the irrigation under the project is not completely developed, the district of Nizamabad has begun to export large quantities of agricultural produce into the Dominions and outside. The project has changed the face of the district which soon bids fair to be a hive of industries.

This in brief is a sketch of the progress made by the State as a result of the construction of numerous irrigation works.

Sir Guy Fleetwood Wilson speaking of the Punjab Colony Canals said that they were calculated to be "the richest granaries of Asia, and afford scope for the rise of large and important industries among the sturdy and practical races in India." This observation can with equal effect be applied to this, the largest irrigation system in these Dominions.

Lord Reading paid a well deserved tribute to the irrigation policy of His Exalted Highness' Government when he said, " it is greatly to the credit of the administration that so many works and projects of the highest importance have been successfully brought to fruition in a period of financial depression." Besides the large scale projects which have been completed, other schemes of equal and grater magnitude which are receiving the consideration of Government are calculated to bring the benefits of irrigation to those areas which are otherwise not cultivable or are deficiently watered. Among such schemes may be mentioned the Manair, the Kaddam, the Purna, the Bhima, the Krishna and Tungabhadra Projects whose conception and design is indebted to the genius of Nawab Ali Nawaz Jung Bahadur. There is no doubt that these projects, when they materialize, will further advance the realization of that ambition which has ennobled the heart of every statesman with the wish :—

To scatter plenty o'er a smiling land
And read their history in a nation's eyes.

The canals under the Palair, Wyra, Pocharum and Nizamsagar reservoirs, afford a striking illustration of how areas, once almost a barren waste could be turned into centres for the growth of food and commercial crops.

Large storage works were almost unknown in the State until the reign of His Exalted Highness. Lack of Engineering knowledge and financial resources must no doubt have stood in the way of any such scheme, if ever such a conception had dawned on the imagination of the ancientpeople. As a relic of the ancient times there is no doubt that the Mir Alum lake, with its dam of semicircular arches and buttress piers, is a remarkable structure, but the complete blank of more than a century following its construction shows the truth of the foregoing statement. It must at the same time be admitted that the disposal of the flood waters from a large reservoir must have proved an insuperable problem in any ancient scheme. The science of Engineering was then, as in every other country, in its infancy, and the disposal of the flood waters, by any other means except through small masonry weirs and ground byewashes was practically unknown.

Advance of scientific knowledge has however made the solution of these problems possible, but what was required more than anything else in undertaking large irrigation works was the spirit of enterprise and a forward irrigation policy. This happy combination, as if by a dispensation of Providence, was left to materialize itself during the reign of His Exalted Highness.

Osmansagar.

The first large storage reservoir to be built in the State was across the river Musi, and is named Osmansagar after His Exalted Highness. It has a masonry Dam of gravity type 118 ft. high at the deepest point. The total capacity of the lake is 10768 million cubic feet. 15 gates each 6' x 10' besides open sluices and a byewash, serve for flood discharging purposes. It was completed in 1920 at a total cost of 58 lacs.

Himayatsagar.

The next reservoir to be built was across the river Easi, a tributary of the Musi river, and was Himyatsagar, (named after the Crown Prince). This lake consists of a masonry dam, 111 feet high above the deepest foundation level, and is provided with 17 flood gates each of 15' x 20' besides a weir. The capacity of the lake is 6660 million cubic feet. It was completed in 1927 at a total cost of Rs. 93 lacs. Both of these reservoirs were constructed with a twofold object, one of protecting City of Hyderabad from the effects of flood, and the other of supplying drinking water.

Mahboob Naher Extension Project.

Following these two large works, the next scheme to be sanctioned by the Government of His Exalted Highness was the Mahboob Naher Extension Project, otherwise known as the Pocharum Project. This scheme consists of a masonry dam across the river Alair. It is one of the beauty spots of the State, and is largely frequented by the public of Hyderabad.

The dam which is of the gravity type is 2370 feet long and is 79 feet high above the deepest foundation level For flood disposal a total waste weir length of 1785 feet, has been provided. Out of this a length of 1300 feet is on the main Dam itself, while for the rest of the length a free overfall weir has been provided at the left flank. Besides this, 15 scouring sluices each 4' x 5' have been provided in the body of the Dam.

The lake has a capacity of 2443 million cubic feet, yielded by its own catchment of 240 square miles, and receives a further supply of 2595 million cubic feet from Mahboob Naher channel whcih terminates into it, after irrigating 5853 acres under 18 villages of Medak District. From the right flank of the reservoir, the Pocharum Canal is taken off for irrigating the lands of Yellareddy Taluqa of Medak District. It has a bed width of 26 feet and a full supply depth of 5 feet, and carries a discharge of 277 cubic feet per second at the head. The length of the canal is 36 miles. Out of the gross command of 24,039 acres, the irrigable area is 13,069 acres, distributed over 31 villages. The total cost of the project is Rs. 32 lacs nearly. It was completed in 1336 F.

A peculiar feature, and one which has been a considerable source of economy in construction, is that advantage has been taken of 14 existing Tanks through which the canal passes, by a sort of level crossing, the weirs of the tanks serving the purpose of surplus escapes of the Canal. At the same time these tanks also afford useful storages for purposes of Sugar cane cultivation. In view of the growing demand of water for sugarcane cultivation, the Canal has been recently made perennial for a length of 24 miles, the rest of the length being seasonal.

Palair Project.

Close on the heels of the Mahboob Naher Extension Project, came the Palair Project in Warangal District. This scheme consists of a large reservoir, with an earthen Dam built across the Palair river. The river at the site of the reservoir has a catchment area of 651 square miles. The reservoir has a capacity of 2559 million cubic feet, and the dam is 68½ feet long. It is provided with 6 Automatic gates each 50' x 3' and an open weir, the total length being 2350 feet.

Two canals take off from the Reservoir. The one on the right bank is 3¼ miles long and irrigates 1340 acres of land in 3 villages of Huzurnagar Taluqa of Nalgonda district. The left bank canal is 14½ miles long and carries a discharge of 320 cubic feet per second, and irrigates 18,310 acres of land under 22 villages of Khammam Taluqa in Warangal district. The canal has a width of 34 ft. and a full supply depth of 6 feet at the head. The total length of distributaries and branches is over a hundred miles. The total cost of the scheme is nearly Rs. 24½ lacs. It was completed in 1337 Fasli.

Wyra Project.

About the time when the Palair reservoir was

3600 feet with a maximum height of 36 feet. The project has been completed at a cost of Rs. 2½ lacs and is expected to irrigate an area of 2500 acres.

Among the large tanks which are still under completion may be mentioned the following :—

Singabhoopalium Reservoir.

The Singabhoopalium tank in Warangal district, is being built across a stream having a catchment area of 55 square miles and when completed will have a storage of 317 million cubic feet. It has an earthen dam 46 feet high and 4300 feet long. The channels taking off from the right and left flanks of the reservoir will have an aggregate length of nearly 25 miles, and will irrigate 3330 acres. The estimated cost of the scheme is about 4 lacs.

Pendripakala Project.

The Pendripakala Project in Nalgonda District, comprises of an earthen Dam 2400 feet long and 56 feet high built across a river having a catchment area of 115 square miles, and will have a storage of 540 million cubic feet, which will irrigate 5000 acres. The project is estimated to cost Rs. 6.25 lacs. The work is nearing completion.

Sakat Tank Project.

The Sakat Tank Project, in the Parendah Taluqa of Osmanabad District is designed to have an earthen dam 4300 feet long and 65 feet high above the river bed. When completed it will hold a storage of 313 million cubic feet. The catchment area at the site of the dam is 77 sq. miles. The area proposed for irrigation is 4700 acres, and the estimated cost of the project is Rs. 4,70,000.

The country where the tank is being built is subject to frequent famines and the tank is bound to prove to be a great boon to the ryot.

Rooty Tank Project.

This project has been started in the Ashti Taluqa of Bhir District, which like the bordering District of Ahmednagar in the Bombay Presidency is liable to failure of rains and the consequent famine.

It consists of a reservoir with a catchment area of 57 square miles, and will be capable of holding a storage of 327 million cubic feet. It will have an earthen Dam about 50 ft. high above the river bed. The tank is expected to irrigate 4600 acres. The total estimated cost of the project is Rs. 4,46,000.

Several projects of large tanks in Marathwada and Telingana Districts are under investigation, and will be taken up for construction in due course.

In addition to the numerous tanks which were restored, several important river anicuts and channels were either constructed or restored to an efficient condition. Some of the most prominent of these are the following :—

Project	District
1. Gangakatva Project. 2. Fateh Naher Project. 3. Mahboob Naher " (extension)	Medak.
4. Gurthoor Project.	Warangal.
5. Asifnaher Project.	Nalgonda.
6. Gangadhar Project. 7. Manthani " 8. Gambhiraopet "	Kareemnagar.
9. Pangra Project.	Nizamabad.
10. Jowli Nala Project. 11. Luxmanchanda Project	Asifabad.
12. Beechal channels. 13. Gangawati channels.	Raichur.

Special mention may be made of the Fateh Naher and Luxmanchanda Projects, as these are among the most important of the diversion works carried out during the reign of His Exalted Highness.

Fateh Naher Project.

An anicut 2360 feet long had been constructed across the river Manjra near Medak. A canal 24½ miles in length, known as the Mahboob Naher (after the name of the late His Highness) takes off from its right flank and irrigates about 5353 acres of land in the Medak District. At the site of the anicut the river drains an area of 7000 square miles. The maximum flood discharge is computed to be 3,76,000 cubic feet per second. With such a plentiful supply of water there was no more room for irrigation. Accordingly another canal was taken off from the left flank of the anicut. It is called the Fateh Naher and was completed in 1336 F. at a cost of Rs. 5½ lacs. The total length of this channel, which carries a normal discharge of 175 cubic feet per second is 11 miles. It commands 5200 acres.

Luxmanchanda Project.

The Luxmanchanda Project of Adilabad, in Asifabad district, is built across the stream of the same name having a catchment area of 50 square miles, giving a maximum flood discharge of 8330 cubic feet per second. It consists of a masonry weir 192 feet long from which a channel 6 miles long has been taken off. It was completed at a cost of Rs.3.75 lacs for irrigating 1620 acres.

As a result of the protection afforded by these tanks and anicuts, the effects of droughts in the region served by these works have been considerably mitigated.

Lord Linlithgow, speaking at the annual meeting of the Central Board of Irrigation stressed the work of irrigation as a means of increasing the country's food resources, thereby lessening the pressure of population on land, as well as raising the standard of living in the countryside. Said His Excellancy —

" If our food resources are to keep pace with the increase in population, means must be found of bringing large tracts of country still unproductive under fruitful cultivation, and there is no way in which this can so effectively be done as by extending the facilities for irrigation."

This is the very principle which has been followed by the Government of His Exalted Highness, which by the construction of large irrigation projects, has shown how well the importance of irrigation in the agricultural economy of the State has been recognized.

crop. The area under irrigation in India, in 1921-22 is given as 27·6 million acres which is stated to be 14 per cent of the net cropped area. The large quantity of produce and wealth, represented by this area is given as 1700 crores of rupees. *

According to the figures collected by the Indian Irrigation Commission, the percentage of area ordinarily irrigated, to the average area annually sown was 19·5. The culturable area of the State of Hyderabad is given to be 23,702,600 acres. ‡ Applying the above percentage, it will be seen that it should be possible to irrigate 4,622,000 acres, provided water could be stored in large storage reservoirs.

The Census figure of Hyderabad State now that, her population has been rapidly increasing, the rise during the reign of His Exalted Highness being as much as 1,061,472.

Population in	1881.	9,845,594.
"	1911.	13,374,676.
"	1931.	14,436,148.

The area of the State is 82,698 square miles. The density of population has grown from 119 in 1881 to 175 in 1931. This rise is significant, when we remember that the area under irrigation also increased simultaneously.

According to the report of the Indian Irrigation Commission the area under irrigation in the State in 1901 was 772,000 acres, whereas the area actually under irrigation in 1932 was 1,368,185 acres showing an increase of nearly 70 per cent. If to this area are added the areas under the different irrigation projects which have been completed and where development is in progress it is seen that the total irrigated area in 1934-35 was 1,796,962 acres, representing an increase of more than 140 per cent.

The progress of irrigation works in the State is shown by the following figures of expenditure (upto 1341 F) † :—

Ordinary Irrigation works construction.	Rs.	1,47,24,000
do. do. maintenance of New and Old works.	"	1,99 09,000
Capital works	"	4,75,60,000

The ordinary works of irrigation consist of tanks where water is impounded by means of earthen embankments, or anicuts which consist of low masonry weirs built across streams, from which one or more irrigation channels pick up. These tanks are replenished by the surface drainage from the catchment basin, and the storage is utilized for irrigating monsoon, winter and summer crops. The anicuts serve the function of diverting the flow of streams, which is utilized for irrigation. In the Telingana districts where irrigation is practised on a much wider scale than in Marathwada districts, due to the natural situation of the country, there are few villages which do not possess a tank. In some villages there are several tanks according to the number of suitable valleys existing in the culturable area. It has therefore been one of the chief concerns of Government to maintain these tanks to afford security to the people. Not only is government concerned with their maintenance, but measures for improvements and restoration are also periodically adopted to keep the system efficient. For this purpose large sums are spent annually.

In the Telingana districts of the State there are some very large tanks of great antiquity. These tanks, on account of their great age, required costly repairs to safeguard irrigation under them. The Government of His Exalted Highness sanctioned liberal amounts for their repairs, and several of these tanks are now among the beauty spots of the districts. The crops grown under these tanks consist mostly of rice, a little of sugarcane and some garden crops.

Among the ancient tanks which were restored during the reign of His Exalted Highness the tanks of Ramappa, Laknawaram, Pakhal, Dharmasagar and Bellal deserve special mention, on account of their historic significance The tanks of Abpash Dara and Houz Kutluq in Aurangabad district, whose construction is said to date as far back as the days of Mohamed Tuqlauq when the Capital was transferred from Delhi to Doulatabad, were once upon a time noted for the vineyards growing under them. Want of repairs to these tanks had in course of time led to the extinction of grape culture in the district. These tanks were thoroughly restored and it has led to the revival of fruit gardens and vineyards.

It has been the aim of Government that, not only should the irrigation under the old systems be improved and ensured but that new sources of irrigation are explored. As a result of this, numerous new tanks both large and small were constructed during the reign of His Exalted Highness. It is not possible to give here more than a mere outline of only a few of the most important tanks constructed in recent years.

Royanpally Reservoir.

Among the earliest of these storage tanks may be mentioned the Royanpally Reservoir built in Medak district. It consists of an earthen dam 3400 feet long, and 52 feet high, and has catchment area of 35 square miles. It irrigates 850 acres and was built at a cost of nearly 3 lacs.

Singtom Reservoir.

The Singtom reservoir, built in Nizamabad district is anotner large tank. It has a bund 3770 feet long with a maxium height of 46 feet. The catchment area is 67 square miles and the storage is 212 million cubic feet. It was constructed at a cost of 4½ lacs. The irrgation, when fully developed, is expected to be about 1100 acres.

Boyel Merchaid Project.

Another large tank which has been completed in Raichur, a district most vulnerable to famine, is the Boyel Merchaid large tank. It has a catchment area of 163 square miles and the storage capacity is 234 million cubic feet. The length of the earthen dam is

* Indian Economics by Banerjea. ‡ Government Administration Report for 1342 F. † Financial Statistics.
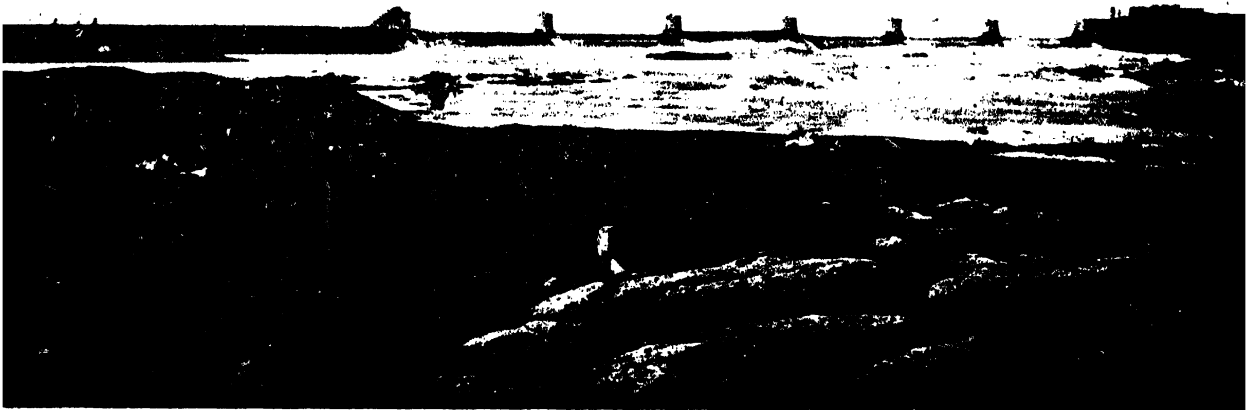
PALAIR LAKE AUTOMATIC GATES AT WORK.

Canal irrigation is some two and half times the area actually irrigated annually.* What this means in terms of money cannot easily be calculated, but it is beyond doubt that the amount of produce from the land is very largely increased at a comparatively small cost. It has been estimated that by canal irrigation, even in years of plentiful rainfall, the food supply of the people in the case of rice cultivation has been increased as much as 40 per cent. In the case of other crops, the increase of produce due to irrigation, has, for instance in Madras, has been from four-fold to eight and even tenfold.§ The land owners derive benefit from the works by the increased rentals which they obtain, and finally the benefits of irrigation manifest themselves not only in bringing increased revenue into the Government coffers, but in the saving of the sum spent to keep the people alive, together with the saving of the loss from the non-payment of revenue which inevitably results in a year of drought, from absence of means of irrigation.$ The picture would not be complete without realizing what the value of water means from the view point of national prosperity. This can be explained no better than quoting the works of another famous hydraulic Engineer, General Rundall. In the paper read before the Society of Arts in 1884, he observed — " water is one element of our commercial prosperity whose value no rival can diminish. As a manufacturing nation, water is an element which enters essentially into almost every industry, either as a component part, an ingredient, an auxiliary, or a motive power. As an agricultural nation, water is indispensable - for, if the heavens be as brass, the earth will be as iron, neither can seed be sown, or harvest reaped, while the cattle may wander in vail for pasture. Surely the evident deduction from the above considerations must be, that water ought to be looked upon in the light of national prosperity, and if so, its conservancy or rather its regulation, should be dealt with on a national basis.'

The Indian Irrigation Commission estimated that 12½ per cent, of the total rainfall was utilized in artificial irrigation of all kinds in India. The annual surface flow of the river basins in India, excluding Burma, Assam and Eastern Bengal, amounting to 51,000,000 million cubic feet, or which only 6,750,000 million cubit feet were actually utilized in irrigation. The balanced passed to waste in the Sea. It is therefore apparent that in order to utilize some of this waste water with profit to the people and the State, Reservoirs, tanks and Canals should be constructed.‡

Before coming to the question of Storage Reservoirs as the principal means, and of undoubted importance for irrigation in the Deccan, it is worth while considering the money value represented by an irrigated

* Irrigation in India by D. G. Harris.
$ Indian Economics by Benarjee, and value of water by F. C Cotton.
§ Ways and Works in India by Mac George.
‡ Reconstructing India by Sir M. Visveswaryya.

Nizam Sagar Canal—View of Alisagar Lake Showing the Automatic Gates.

tion in the North India and the Punjab has therefore been, one of constructing weirs and barrages which feed the canals taking off from them.

The next and the most ancient system of irrigation is from wells. The limits of this system are obvious. Not only have the wells to depend for their success on the degree of subsoil water supply, but also on the cost involved in raising water, according as water is met with near to or far below the surface of the ground. As estimated by the Indian Irrigation Commission, 'the volume of water expended on irrigation from wells is about one billion cubic feet, or not more than 1½ per cent of that portion of the rainfall which penetrates the soil.' In a year of drought, there is a general tendency for the wells to fail, or at any rate irrigation from them does not pay owing to the great expense involved in raising the required water. The yield of wells being generally limited, they can by no means be regarded as the means of irrigation in the broad sense in which the word is understood. " For maturing the rice crops well irrigation rarely, if ever, pays." * Then, as is well known, there is a certain limit to which the wells can be sunk and constructed, as any excess in the limit renders the construction of a well a costly, if not a prohibitive proposition. It is therefore obvious that wells can in general be regarded as very limited means of irrigation, for light crops grown on a small scale. For commercial Farming they posses no potentiality whatsoever. As the late Mr. F. C. Cotton has pointed out " wells at best can only afford a garden instead of a field supp'y, and to suppose that by means of them the whole face of a country can be changed, as water from a never-failing river can change it, is as great a mistake as any." It has also to be remembered what Geologists tell us with special reference to the areas of the Deccan trap, and the Crystalline Complex, which constitute the area of the State of Hyderabad, that in the black soil plains and the rocky uplands, irrigation from wells cannot be a success and rarely pay. These areas can be served and protected only by means of Storage Irrigation.*

As has already been pointed out the value of this kind of irrigation works, has to be regarded from several points of view. There is not only the complete immunity from famine over the large areas irrigated by the Canals taking off from these reservoirs, but that during years of drought, the large surplus produce of the irrigated tracts, is available to mitigate the severity of famine over extensive areas outside them. Apart from the area which is actually irrigated, the whole of the area benefits from the rise of suboil water level, and from the additional moisture in air. It is therefore probably fairly correct to say that the area benefitted by

* Report of the Indian Irrigation Commission.

Nizamsagar Canal—View of Automatic Gates—Masani Tank.

cannot be grown, other valuable and exchangeable products can be substituted, which without the aid of a plentiful supply of water could not possibly have been cultivated.§

For appreciating the value of storage irrigation it is necessary to bear in mind the character of Indian rivers, and more particu'arly those of the Deccan, which are characterised by special features. A consideration of the snow fed rivers of Northern India does not concern the present subject, although even in the tracts commanded by these rivers, artificial irrigation is indispensable. The Deccan rivers which rise from the Western Ghats are subject to extreme fluctuation of discharge. The precipitation of the South West monsoon varies from 150 inches and more on the high lands to about 25 inches in the plains. The result is that during the rainy season these rivers become swollen torrents, whereas during dry months, they are reduced to straggling streams. Further owing to the steep fall of the country, the water is carried off by the rivers with great rapidity, and consequently the storage afforded by soil absorption is also very limited. The situation of the agriculturist becomes therefore intensely distressing when the rainfall happens to be scanty and inconstant. It follows therefore that what the agriculturist in the Deccan requires is not only a well regulated supply during the monsoon, but an equally good and an assured one during the remaining part of the year.

Absence of these facilities leads to the paradox that man suffers from scarcity or famine in a fertile valley richly endowed by Nature, but the paradox is explained by the fact that where man is improvident, even the most bountiful resources which are Nature's gifts fail him. To Nature's gifts which are favourable rainfall and fertility, man has to add his own contributions in the shape of artificial irrigation, and intensive farming or the cultivation of non-food crops which command a profitable market abroad.†

In India there are three systems of artificial irrigation, viz:—

(1) River fed Canals.
(2) Wells.
(3) Storage Reservoirs.

The river fed Canals are mostly confined to the alluvial plains of North India. Here the level surface of the plains admits of a large percentage of the rainfall being absorbed by the soil; while the flatness of the surface lends itself readily to the construction of Canals, whereas it is an obvious obstacle to the construction of reservoirs, because, if even such reservoirs were to be constructed they could involve generally the submersion of an area at least as large as that would receive benefit from the water.$ The system of irriga-

§ Ways and Works in India by Mac : George.
† Prof : Radhakamal Mukerjee · India Analysed Series.
* The Finances and Public Works of India by Sir John Strach.
$ Report of the Indian Irrigation Commission.

GENERAL VIEW OF N. S. LAKE.

effect. The chief feature which renders irrigation superior to all other schemes of production is the fact that while other concerns have to depend for their success mostly on mechanical means, and are consequently subject to depreciation in age and value which ultimately result in diminishing returns, Irrigation works continue to increase the general prosperity of the country, as the beneficial results of each succeeding year add to the economic stability.

The economic history of India is chequered with gloomy chapters of numerous famines, which, until the advent of the extensive irrigation works, had devastated the country. Every school-boy in India knows the dire consequences of such an apalling visitation. A severe famine invariably imposes a heavy strain on the resources of the State. Besides the enormous expenditure which becomes necessary for saving life, losses in the shape of remissions of land revenue, non-recovery of advances made to cultivators, and the falling off in the general revenues under such heads as Railways, Excise, Stamp and Customs, have to be sustained. * What is generally however not understood is that the famine even after its disappearance leaves a good deal of aftermath. While the loss of revenue and increase of relief and other expenditure combine to dislocate the finances of Government, the peasant is left to face the poverty which keeps prevailing during after years. In this connection it is worth remembering that while the direct cause of Famine is the drought, which leads to the failure or insufficient production of crops, or in other words the destruction of agricultural wealth, the main reasons according to economists, lie in the fact that 'the people have no reserve power'. This can be secured principally by stabilising Agriculture with the help of Irrigation, backed by remunerative manufactures, so as to provide diversity of occupations to the people. ‡

Famine is an occurrence that, as Lord Curzon pointed out "cannot be met with a sigh or dismissed with a shudder." It is admitted on all hands that the agricultural resources of a country should be so improved as to form an anti-famine barrage It is therefore necessary that all the water resources of the country, be they small streams or large rivers, must be tapped for human protection and service, because, in the words of that famous hydraulic Engineer, Major General F. C. Cotton, " in these rivers we have the remedy for famine and Poverty of India generally."

The Famine Commission of 1901, also strongly urged the view that for protective purposes the need of storage tanks and reservoirs was of supreme importance. One direct and obvious result of these works is that the staple foods consumed by the people are raised in greatly enhanced quantities, or where such crops may n... or

* Irrigation in India by D. G. Harris. ‡ Indian Economics by Banerjea.

Progress of Irrigation in H. E. H. The Nizam's Dominions.

BY

Mr. DILDAR HOSAIN. B.E., M.I.E.,
Assistant Chief Engineer,
H. E. H. The Nizam's Public Works.

"Among the most novel and gratifying of these wonders is the operation of that great system of Irrigation which in England we dimly know has filled up immense blanks upon the map of India, has made the wilderness to blossom like a rose, and has provided sustenance and livelihood to millions of human workers." Thus spoke Lord Curzon to the Chenab Colonists of Punjab at Lyallpur, a district which until the advent of Irrigation had been almost a desert, and which within a few years of irrigation, became a prosperous and a smiling land. These words might with equal effect be applied to the State of Hyderabad, where, during the past quarter of a century following the beneficient rule of His Exalted Highness the Nizam, numerous Irrigation works — some of them being among the biggest in India, have been carried out. These works, like all irrigation works which have changed the face of countries of the world, have been responsible in a great measure for changing the economic life of the people, and yet many more of such works which are under contemplation, are destined to play an important part in the future history of the State.

India is principally an agricultural country which has to depend, for the prosperous existence of its people on rainfall. The fickleness of Indian rainfall is proverbial. From the agricultural point of view, its most unsatisfactory feature is its remarkable liability to failure or serious deficiency, the success or failure of the crops being determined by the amount and distribution of rain. While in one year abundance of rainfall may lead to a plentiful harvest, its total or partial failure in another leads to famine or scarcity, involving at times terrible loss of life and property. It is not agriculture alone which is hit by a deficient monsoon; trade and commerce which are largely dependent on agricultural prosperity are also seriouly affected, and the general revenues of the country suffer a heavy loss. In certain tracts of India, owing to a scanty or uneven distribution of rainfall agriculture without irrigation is altogether impossible, while in others the stern nature of the soil renders cultivation precarious, unless means are employed for the storage of water and irrigating the crops. It is therefore obvious that for agricultural security and the general prosperity of the country Irrigation is a vital necessity. The importance of this subject is so well recognised that it is hardly necessary at the present day to discuss its significance. Benefits conferred by irrigation are so patent to all students of economics, that Irrigation might well be regarded to control the finances, nay the history of the world.

It cannot be denied that the revenue assured by Irrigation has been 'the one solid and stabilizing factor in a world of flux,' for, while industries prosper or decline, and trade convulsions shake the commercial fabric, irrigation does and will continue to be the "life blood of the earth" § Sir C. S. C. Harrison, late Chief Engineer of Sukkur Barrage, presiding over the [illegible] Engineers' Irrigation Conference has very [illegible] dealt with the importance of irrigation, and a reproduction of what he said, would not be without interest.

"The irrigated area of the world is computed to be 201 million acres, of which, 141 millions of acres are in Asia, and the greater part of it is in India itself. The population of the World at the beginning of the 19th century was something under 900 millions. At the beginning of the 20th century, the World's population had increased to nearly 2000 millions, and it is computed that by the end of the present century, the World's people will number over 4000 millions. The world's cultivable area is computed to be 13000 million acres. With a conservative allowance of 3 acres per head, some 12000 million acres of cultivation will be required to support the World's population in the year 2001 A. D."

"The support to be afforded even at this computation will not be in the order of luxury. It will afford merely bare support of the world's population and we shall even then have but a small balance of 1000 million acres as safeguard against the rapid progress of medical and sanitary Science."

"Without making any minute investigations, it is obvious that irrigation must play a great part in providing the wherewithal for those additional 2000 million people that will add to our present economic troubles. Whatever has been done in the past therefore, to provide irrigation, is but a small portion of what remains to be done."

It is obvious that rainfall must be made use of by storing water in the shape of reservoirs and utilizing it for growing food crops. It need scarcely be pointed out that industries are exposed to the blast of foreign competition, but land and water are immune from its

[illegible] Prosperity and Debt by D[illegible]

§ Major General F. C. Cotton.

The need for Architecture in Hyderabad

By

His Exalted Highness' birthday is a fit occasion to give the public a short talk on Architecture and the need of being architecturally minded as it is a subject which is very near the heart of our Gracious Sovereign. His Exalted Highness can be called the Shah Jehan of this age on account of vital interest he takes in Architecture, an interest that has led to the construction of the many beautiful buildings which will go down to posterity as one of the great achievements of his reign.

One of the outstanding features of the Deccan of old are its Architectural monuments, many of which are world famed. Among these can be counted the Char Minar, which stands as a symbol of Hyderabad and can be seen on her coins and stamps; a monument begun by the Kutub Shahi Kings and eventually finished by Aurangzeb. Outside the capital are the world famous caves of Ajunta and Ellora. Besides these there is the tomb of Rabia Daurani, the Taj Mahal of the Deccan, the University of Mahmud Gavan at Bidar and the temple of the ancient Hindu Kings at Warangal. All these monuments show the tendency of the people who lived in those times. They were essentially an artistically mined people, inculcated with the love of beauty and design which has found expression in the wonderful buildings constructed by them. Their genius has left its stamp on the era in which they lived to serve as examples to future generations.

The last half of the 19th century and the 1st decade of the 20th shows a district deteriation in Architcture which is the evidence of a waning of interest in the minds of the people in this direction. Buildings were allowed to spring up all over the city devoid of Architectural design, most especially residential houses which were constructed without any idea of a suitable site or plan. This deteriation has detracted greatly from the beauty of the city and is completely out of harmony with all the grand Architectural monuments of the State.

His Exalted Highness came to the throne in 1911. His reign saw the inauguration of a new era in the history of Deccan Architecture. That the Ruler is himself endeavouring to create a love for beautifully constructed buildings in his people, can be seen by the large grants he has so graciously made for the construction of various structures which will not only add to the beauty of the city but at the same time be equipped with modern appliances to enhance their utility and efficiency.

At the opening ceremony of the new Hyderabad Railway Staion (Braodguage) His Exalted Highness during the course of his speech said:—
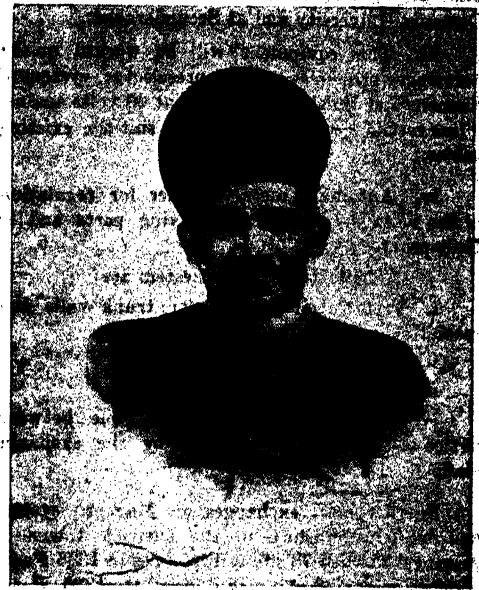
NAWAB ZAIN YAR JUNG BAHADUR,
Chief Architect to
H. E. H. The Nizam's Government.

"I am pleased to find that the building has been designed in the Deccani style so as to blend harmoniously the most beautiful features of Hindu and Muslim monuments in my State; such harmony is a characteristic of the culture of my people and it is in the fitness of things that it should also find expression in Architecture. The new Station is a piece of art worthy of the position of my State".

The greatest Architectural achievement of the present reign is the evolution of the Osmania style of Architecture. This has come into being through the fusion of the Hindu and Muslim Architecture of the Deccan. The Osmania University is a true example of the Osmania style. Buddhist and Jain influences have been used where massiveness was required, and the chaste details of the Muslim period have been adopted for ornamentation and elegance of design. The whole, forming a structure which is simple and at the same time dignified.

Besides such buildings as the Royal Mosque, the Jubilee Hall and the Jubilee Pavilion, the Archaeologicall Museum, the High Court, the Osmania Hospital, the Shifa Khana and the New Railway Station, the Government have a scheme for the Central Secretariat Buildings and other public buildings and parks etc. The planning of

(Continued on page 30).

The outlines of the system are:

i. The present capacity of the new exchange equipment will be for 2500 lines but it will be capable of expanding to any extent.

ii. There will be four exchanges, the central one at Hyderabad and satelites at Golconda, Osmania University and at Secunderabad.

iii. The equipment will be worked on the Strowager principles and the preselector system of Siemens and Halske with power at 60 volts against a line resistance of 1000 Ohms. to suit the existing cables.

iv. Automatic metal rectifier for regulation of the voltage. It has no moving parts and is fault-proof.

The features of the system are:

i. Preferential facility for trunk calls and special subscribers.

ii. Absolute secrecy.

iii. Automatic indication of faults.

iv. Automatic recording of time between notice of fault and its removal by the exchange staff.

Smaller local exchanges on Magneto system had been established in the District towns of Aurangabad with 73 subscriber lines in 1336 Fasli, Raichur with 106 subscriber lines in 1335 Fasli, Warangal with 104 subscriber lines in 1336 Fasli and Jalna with 70 subscriber lines in 1336 Fasli. Trunk lines of 35 miles connect the Jalna and Aurangabad exchanges and of 90 miles connect the Warangal and Hyderabad exchanges. The Hyderabad Warangal trunk line has call offices at Bhongir and Jangaon with subscriber lines extensions to Alir from Jangaon.

Without a connection with the Capital City and intercommunication facility, these exchanges have not given the service which could stimulate their expansion. The Government has kept them working in view of their intention to instal Trunk Telephone lines in the State in the near future. The work of this scheme is also pending the decision of the Government of India on the proposals sent to them. It is intended to connect the Hyderabad exchange by a net work of trunk lines with the principal towns of the State. The proposed lines are:

i. Hyderabad to Aurangabad, through Kamareddy, Nizamabad, Basar, Umri, Nanded, Purna, Parbhany, Manwath, Sailu and Jalna.

ii. Hyderabad to Asifabad via Warangal and Peddapally.

iii. Hyderabad to Kammamet via Warangal.

iv. Hyderabad to Gulberga via Wadi.

v. Hyderabad to Raichur via Wadi.

These developments, it is hoped, will fulfil an urgent need of the Administration and Commerce of the State. *(Strictly Copyright)*
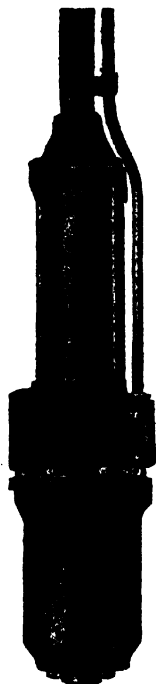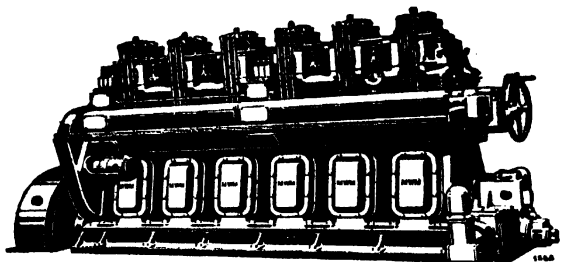
THE HYDERABAD TELEPHONE SERVICE

By

Mr. HASAN LATIF, A.M.I.E.B., M.I.E.,
Chief Engineer & Secretary to Government, Head-quarters Buildings and Telephones Etc.

Telephone service in Hyderabad was first established in 1294 Fasli on the Magneto system in an exchange at Baradari with 16 lines. The service was extended to Secunderabad with an exchange for 45 lines in 1322 Fasli. The next extension was an exchange for 30 lines at Narayanguda in 1333 Fasli. By 1333 Fasli the total telephone subscriber lines had increased to 510.

The Magneto system was now found inadequate for the increasing demand and it was decided to adopt a more up-to-date system. The C. B. system was selected and equipment of an ultimate capacity of 1200 lines with an initial switch board capacity for 700 lines working at 24 volts together with a line equipment consisting of 18 miles of cables having a capacity of 1200 subscriber lines, 24 terminal boxes and a spacious building was provided in 1333 Fasli at a cost of Rs. 8,01,524.

The telephone cables suffered at the hands of road builders of the City which resulted in a decreased efficiency for a time and the Department had to replace the damaged cables. The replacement work was completed in 1345 Fasli. At the same time additional cables were laid and the overhead lines were overhauled. The length of the cables as they now exist is 40 miles having a capacity for 1800 subscriber lines. The cost of the work was Rs. 3,25,000.

With the rapid development of the trunk telephone service in British India, the need for joining up with that system became necessary. His Exalted Highness ever mindful of the good of his people ordered in his Firman-E-Mubarak dated 7th Rajab 1354 Hijri that immediate steps should be taken to achieve this end.

In the mean time, the switch-board of the exchange had almost completed its natural efficient life and with the need of its replacement the whole subject of the telephone organisation came under consideration. The telephone service had by now come to be regarded as an essential public utility service and according to accepted principles such services have to be managed purely in the interest of the public and hence it was decided that the telephone system should be managed by the Government departmentally.

To get connected with the British Indian Trunk Telephone System, it became necessary to change the switch-board which had become below the standard of efficiency required for the trunk line service and also to instal trunk lines to important towns in the State. Government decided to instal a switch-board on the Automatic principles and to lay trunk lines to Aurangabad and Sholapur from which points it was possible to get connected to the British Indian Trunk Telephone System.

The Government of India laid their trunk line from Sholapur to Bolarum over their telegraph posts along the Railway line. But, as H. E. H. the Nizam's Government possess the exclusive right of working the telephone lines laid in Hyderabad territory for profit, the question of the utilisation of this line for commercial purposes has been taken up with the Government of India and is pending decision with them. The trunk line to Sholapur will become available to the Public of Secunderabad, Hyderabad, Bolarum and Trimulgherry from call offices in these areas as soon as the Government of India agree to the proposals of the state authorities.

For the replacement of the switch-board with a view to obtaining the highest pitch of efficient service, the Administration decided to utilise the experience and knowledge of the most advanced countries of the world and the firms of outstanding position in these countries were invited to submit schemes. The most economical scheme consistent with the most up-to-date specification and complying with the standards of the British Indian Posts and Telegraphs Department has been ordered. The material is expected to arrive by November 1938. Until the new switch-board is installed, it will not be possible to get the subscribers of the Hyderabad Exchange connected to the trunk lines of the Indian Posts and Telegraphs System and every effort is being made to complete the sanctioned work in sections so that at least some of the subscribers may get this facility at the earliest possible moment. The suppliers have undertaken to complete the work by July 1939.
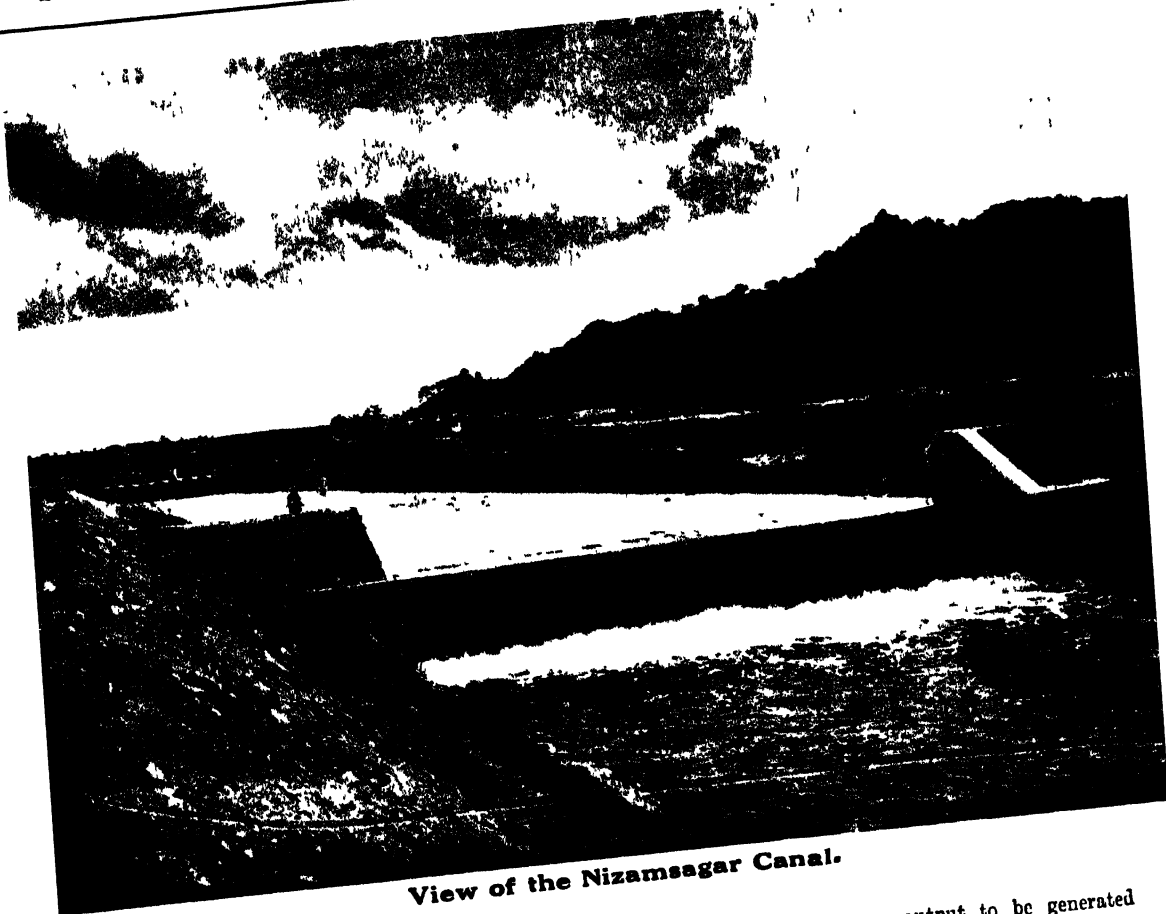
View of the Nizamsagar Canal.

The figures show the anticipated returns from Power alone, the large amount needed for the irrigation projects being excluded. It will be seen that the production of power is a very profitable undertaking, and that the revenue therefrom can support quite double the expenditure involved on it. The burden which the power part of a project can carry may be taken as about equal to the expenditure shown against this part of the project. This is in accord with general experience. On the Boulder Dam, after a long and careful investigation, the power experts fixed a price for the power privilege at the dam of 1·63 Mills per kilowatt-hour, which works out to a charge of 75 C per acre-foot. To pay for the cost of the dam, the price for storing water comes to a dollar an acre-foot, so that the storage charge is divided between power and irrigation in the ratio of three to one.

In regard to these irrigation-cum-power projects it is necessary to emphasize that certain conditions are recognised as essential to success. These are:—

1. The market for power in the territory tributary to the project should be sufficient to absorb the total power output to be generated within a reasonable time.

(b) Power should be used to a fair extent in the project area itself in order to meet the growing wants of the population served.

2. The economic feasibility of the project is dependent to a large degree on the rapidity of absorption of the power, particularly during the early years of operation, when the revenues from irrigation will be insufficient to meet the annual expense, and deficits will be inevitable.

3. Construction on the irrigation development should not proceed too fast until the power revenues are assured.

(Strictly Copy right.)

Rates for Annual Subscribers.

—:o:—

Concession Rates	Annual	Rs. 12
Public	do.	Rs. 35
Government	do.	Rs. 40
Special Birthday Edition		Rs. 5
(Ordinary)		Rs. 2

that the particular advantage of water-power comes in, with water-power any sales which fill up the hollows in the load curve without affecting the peak must be profitable at whatever rate they bring in.

Water-power with its long transmission lines will enable a large circle of consumers to be supplied without proportionately larger expenses being incurred, and, wherever feasible, a wide ramification of electric service mains should be undertaken in the country-side, in order to supply power to agriculturists and village factories. Mines produce great wealth but they are eventually worked out. Factories and Mills rise and fall, but they are intimately interested in what happens upon the farm. The dependable resources are the fields and the pastures and the timber lands. It is also important to prevent the drift of rural population into cities, and a part of the available power should be reserved for use by the local population within the watershed. Even if it be not required immediately, not much harm would result; full advantage of the power possibilities of any river can be obtained only through a programme of development that can be carried forward over a period of years in such a way that new power units may be brought into service progressively as required, without undue increase in the investments at any one time.

In order to utilize seasonal power to facilitate development of rural industries it will be desirable to connect, with a high tension network, stations suitably located for concentrated irrigation pumping loads. Irrigation pumping is very successful where there is concentration of load and large supply of water. For instance from the California river, it is expected to raise by pumping machinery 16,000 cusecs through a lift of some 300 feet the water required for the irrigation of 1,200,000 acres of semiarid land. The more usual problem, however, is the reclamation of water-logged areas and the prevention of the low-lying tracts in irrigated areas from getting water-logged. The lifting of water offers almost an unlimited scope: of the various methods of irrigation, the one best suited to the genius of our peoples seems to be that of well irrigation.

Another large industry which offers a good solution by calling for an enormous supply of energy is the Nitrogen Fixation industry. At 5 tons of nitrates per annum to 100 acres of arable land, this industry in itself would absorb an appreciable portion of the whole hyraulic energy of the whole hydraulic energy of the Dominions - Farming, mining and electric - chemical works give a high load factor (80% to 90%) and are usually associated with hydro-electric concerns whose financial success depends much on a high load-factor. But the scheme of nitrogen fixation by seasonal power is still under consideration, as the economic effect of the irregularity of the supply in the idle period that occurs has to be studied.

Undoubtedly the technical difficulties in hydro-electric development are greater owing to the bigger scale of operations However, everything considered, the much-talked of rivalry between the two sources of power is frequently only superficial, and the economics of developing hydro-power in competition with local need not worry us much; water-power is not likely to replace coal altogether even in America where it has been harnessed to an extent unequalled anywhere. In Hyderabad there is fairly well defined zone where coal is found, and in that zone there are not many hydraulic resources to be harnessed for power purposes. What is true is that a combination of hydro-electric and thermal power is generally more desirable than an attempt to use the former alone: it is necessary to supplement by thermal engine reserves when the water supply is insufficient.

Among the schemes of hydro-power which are under investigation the following are the more important ones. As a result of their preliminary investigations, the following figures are obtained and will no doubt be subject to revision when the final schemes are drawn up.

Projects.	Power in kilowatts (peak)		Total	Expenditure in lacs of Rs.		Net revenue in lacs of Rs.	Percentage of return.
	Primary.	Secondary.		Outlay.	Sum-at-charge.		
Devanoor.	15,225	6,600	21,825	149.00	164.00	21.60	13.17
Nizamsagar.	1,575	2,925	4,500	25.45	27.36	3.75	13.70
Manair.	1,060	530	1,590	12.88	12.88	1.55	12.00
Godavari-Kaddam (1st stage)	17,280	Nil	17,280	130.00	140.00	16.20	11.57
Purna.	2,345	1,755	4,100	30.00	30.00	3.82	12.70
Tungabhadra (1st stage)	13,000	16,000	29,000	166.00	183.00	25.73	14.06
	50,485	27,810	78,295	513.33	557.24	72.65	12.87

PANIMAHAL *across* **BORI RIVER.**

output from the undertaking increases. Another side of the question lies in the importance of conserving the fuel resources of the country and of developing water-power instead : water-power is a perpetual mine. It may also be added that water turbines have a greater life than steam turbines, thus needing less depreciation allowance.

In considering the conditions that go to make or mar a hydro-electric project, it is important to bear in mind that at present the average load factor of the thermal plants in India is 32% whilst that of hydro-electric plants is only 20%. To the need for long transmission lines comes to be added the question of the load factor of the plant ; and these disadvantages which obtain in the industrial conditions are reflected in the results. The remedy lies in a fuller use being made : as the load factor rises the advantage of hydro-electric power increases and for a well sustained load water-power will invariably prove cheaper. The cost of transmission lines no doubt operates detrimentally by increasing the prime cost and decreasing the energy available for sale. But electrical transmission makes it possible now to have factories 250 miles or more from the Power Station, and one could hesitate to say that the limit of high pressure has been reached. Electricity, as observed by Steinmetz, is expensive because it is not widely used, and it is not widely used, because it is expensive.

The creation of greater abundance in use of the natural energies is dependent not so much on scientific and engineering achievements as on suitably organizing our affairs. Hydraulic power might be too expensive when the whole capital cost is sunkna plant of the "continuous power" capacity. It is reported that with a plant capacity of 90,000 H. P. the Shannon Power Sceme is able to supply 153 million units in the driest year, 288 million units in a normal year and 373 million units in a wet year; so that not only the variable flows from season to season but even those from year to year are being utilized. By a Parliamentary Act the Electricity Supply is to furnish light from the Shannon Works to all villages over 500 inhabitants, unless economically impossible.

In practically all countries of the world the flows of streams vary enormously throughout the year, and the discontinuous power available for 6 to 8 months is much greater than the continuous power obtainable on "ordinary minimum flow". This power is of value for utilizing in rural industries or for any purpose in combination with reserve plant driven by coal or other fuel. At present there is a vicious circle of industries that require power and power looking for an assured outlet: and neither side is inclined to make a move unless certain of the co-operation of the other. It is here

and water it is possible to make any number of calculations of returns, all equally unreliable; but one conclusion can be stated with confidence, and this that, given a full demand for water for perennial crops, there is every possibility that an irrigation scheme would prove a money-making concern by itself. Such a demand on a large scale nowhere exists; and it is not practicable to make the whole of the energy of water available. A large portion has unavoidably to be sacrificed for agriculture, just as a considerable fraction of the water gets lost through evaporation and percolation.

If both purposes are to be properly served, it would be necessary to impound the tail waters after passing through the turbines until they are wanted in the irrigation channels. A forebay designed not simply to act as a surge tank but to hold a substantial reserve supply as well. then becomes an important link in the chain. The provision of what is in effect another storage reservoir would undoubtedly be advantageous, but the expense of two dams would seldom be justified, unless it enabled the average draft and the power to be increased commensurately.

When water-power can be produced, there are obvious possibilities of supplying it at a cheap rate; and it is hardly necessary to emphasize the advantages of a supply of cheap power in promoting the prosperity of a community. The material basis of human well-being, if not of evolution itself, is an abundant supply of energy, and the problem which man has to tackle is how to oblain a cheap, and consequently abundant, supply for his use.

That hydro-power permits of being supplied at a cheap rate is sometimes disputed by putting forward fuel as competitor. It is urged generally that the cost of developing a hydro-electric scheme is greater than that of the simple erection of a thermal power station. Of course it has to be carefully examined whether in any particular instance it is more economical to carry fuel to the market and generate power there or to generate hydro-power where the opportunity exists and convey it to where the power is needed. This matter of the competition between the freight of materials and the transmission of power has been dealt with by the Chief Engineer. Undoubtedly long-distance transmission is uneconomical, and even in the hydro-electric zone, it would be necessary to move cautiously until a proper grid comes to be established.

But there are other considerations to be taken account of as well. One of these is that whereas, in course of time, the price of fuel is likely to rise, the cost of power from water is likely to fall as the
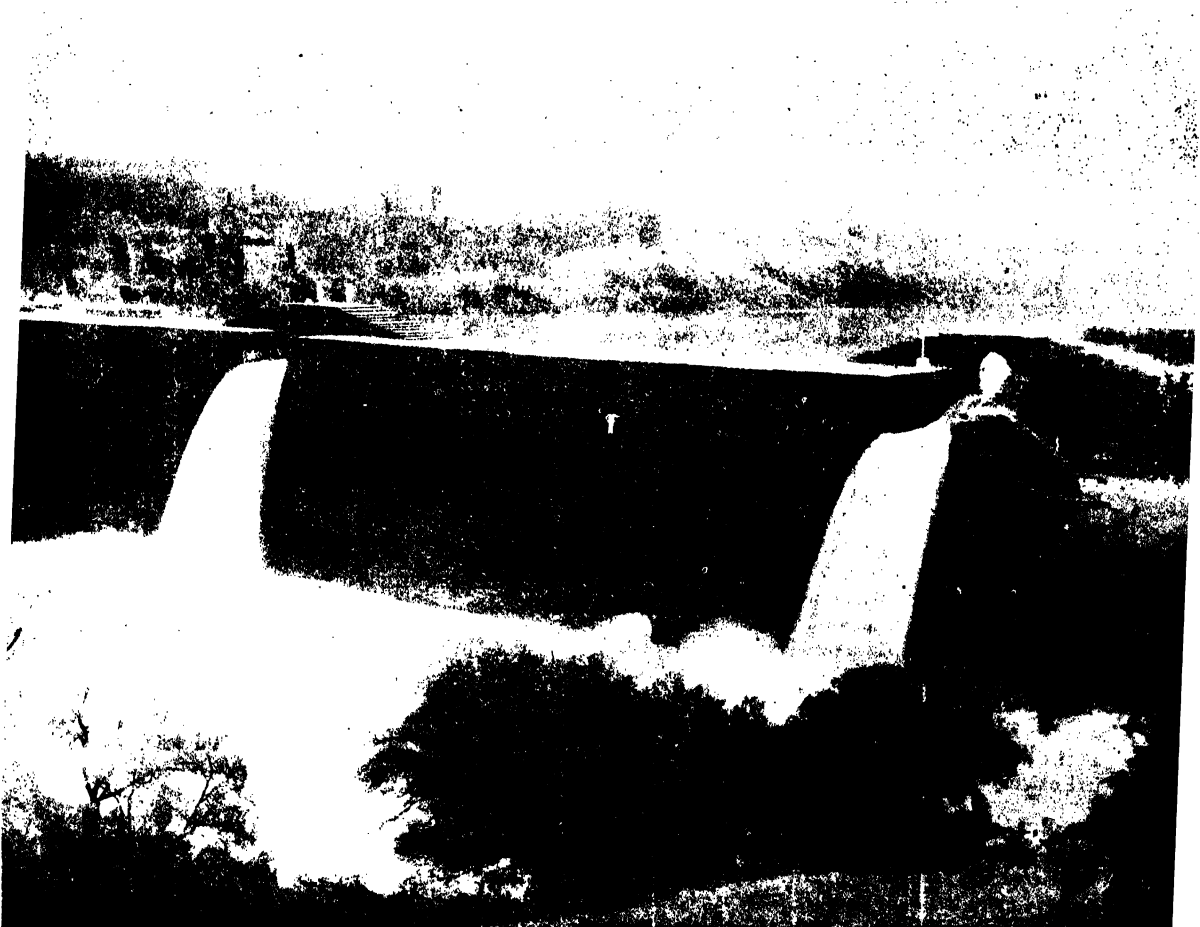
Kadium Falls.

Prospects and Possibilities of **Hydro-power in Hyderabad.**

By

Nawab Ahsan Yar Jung Bahadur, C. E., (Cooper's Hill) M. I. E., India, Chief Engineer and Secretary to Government for Irrigation has been, we believe, giving shape to the Schemes for harnessing the important rivers of the State for the generation and utilisation of Hydro-power. The subject is one of absorbing interest to the public in general and the industrial world in particular.

The following extracts from a Note written by Nawab Ali Nawaz Jung Bahadur, F. C. H., Consulting Engineer to H. E. H.'s Government on the subject are published with the kind permission of the author.

The services rendered by this great Engineer to the State are too well known. The Nizamsagar Project which we understand is going to form the nucleus for the generation of Hydro-power in the State, and other Irrigation Projects of future such as the Tungabhadra, Krishna, the Godavari, Devanoor and others, are indebted to his stupendous work and imagination. There is no doubt that the waters that would be available from these reservoirs for irrigation and generation of Power will be a blessing to the countless future generations of this great country.

—*Editor.*

NAWAB ALI NAWAZ JUNG BAHADUR, F. C. H.

It is well known that Hyderabad is abundantly endowed with natural resources, and that one of these resources is the flow of streams having considerable gradients. The importance of a planned utilisation of the water resources is now generally recognised. The density of population is increasing, and with it grows the necessity also for co-ordinating the various uses of water continued development of agriculture and industry.

Generation of Hydro-electric Power should be regarded as an adjunct of irrigation development, since storage of waters is essential for any extensive use to be made of them: in the up-building of the country and in raising the welfare of the inhabitants, water-power and irrigation should collaborate for mutual improvements and profit. But when power enters into the picture, there is often a tendency to regard the provision of water as merely a measure for production and disposal of power. In a country like ours, the original purpose of any works for the provision of water must be to protect it from drought, to extend the irrigated area, and to furnish supplies for domestic and other uses; the use of water in irrigation is more valuable than even the land on which it is used. While, therefore, hydro-electric enterprise is likely to be a very important problem in our economy, it has at the same time to be viewed as a corollary of irrigation.

Existing water claims, and even the irrigational possibilities of the future, should be fully considered and safeguarded. In works which are to serve more than one purpose, there is necessarily some conflict of interests, and the question frequently arises – will development of a site for power interfere in any way with the functions of existing irrigation works? For irrigation the demand is intermittent and seasonal; for power the draft has to be fairly constant. Any attempt to standardise the design of irrigation works beyond a certain limit is practically impossible. During the monsoon, in the Mahratwada country some of the water employed for power purposes would not be required for irrigation; while in Telingana much of the direct flow could and should be utilized on irrigation, and would therefore be wasted as regards power. During the winter, in the Mahratwada area, about half the water needed for irrigation would come to be wasted as regards power, unless that power is to be seasonal. It is only from the middle of February to the beginning of the monsoon that all the water used for irrigation could be used for power also. Again canals can only be run when the water is needed for crops and, when fed by silt-bearing rivers, they have to be closed periodically for repairs and cleaning out. The discontinuity is apt to be incompatible with the requirements of power. But such conflicts can ordinarily be harmonized with little loss of efficiency, and usually many sites give promise of combined irrigation and power projects, where neither by itself would probably pay.

In the absence of careful examination, however a good deal of speculation necessarily occurs. It is for instance, an attractive proposition to have continous supply all the year round. Given land

NIZAM'S STATE RAILWAY'S ACTIVITIES
IN RESPECT OF
GROWTH OF INDUSTRIES

By

میجر ای ڈبلیو سلاٹر جنرل منیجر ریلوے ۔

MAJOR E. W. SLAUGHTER, M.B.E.,
GENERAL MANAGER, H.E.H. THE NIZAM'S STATE RAILWAY

The State-owned transport system in Hyderabad is one of which we have some reason to be proud combining as it does Railway and Road Services and, in its latest development, the operation of air routes in the near future. Much remains to be done, of course, to co-ordinate these forms of transport in the manner best suited to the needs of the State but a good deal of the ground work has already been covered and the general public can rest assured that no efforts will be spared in our endeavour to provide a system fully adequate to their requirements.

One of the main concerns of those responsible for transport in the State is the development of its industries and the fostering of local resources. The State Railway Administration is prepared to do all that can possibly be done in this direction both by offering cheap transport to assist undertaking and making use of local products in preference to those produced elsewhere.

During the financial year 1937-38 there was a heavy increase in Hyderabad coal consumed by Railways outside the Dominions due in no small measure to this Railway's efforts to induce other Railways to take advantage of the resources available in H.E.H. the Nizam's Dominions.

Experiments on a considerable scale are now being made to utilise local products and engineers will be interested to learn that an order has been placed locally for 12 months supply of castor oil for the lubrication of locomotive axle boxes and motion. Mineral oil has been used for this purpose previously and although the experiment entails additional expenditure in the cost of oil it is hoped that the results will justify the step and will lead to other Railways being induced to follow suit and in this way open up a new market for the castor oil produced in the State.

Locally produced cloth is another item with which the Railway is experimenting and orders for considerable quantities have been placed with local mills. Engineers will readily appreciate, however, the necessity for utilising only the highest grades of stores in a transport undertaking which is required to give high quality service to the public and local industries must do their part in producing goods if the requisite quality and unvarying standard if they are to find a ready market for their produce.

The growth of industries in the State will open up fresh sources of employment and will produce the need for elementary industrial schools in the districts to enable the poorer classes to take their place in the development of the Dominions. We have already the Osmania University which can easily cater for all the senior technical men required.

Railway work has always a fascination for the Engineer and the problems which confront those responsible for the maintenance of locomotives and rolling stock call for unflagging energy and patient enquiry. During the year 1937/38 the engine miles per engine failure reached the figure of 155000 compared with 99000 in the previous year and 92000 for all Class I Indian Railways. This is a result of which we have every reason to be proud and one which is of considerable interest to the travelling public.

On the Civil Engineering side the year 1937/38 saw the completion of the new Hyderabad Broad Gauge Station and the Building of the State Railway Hotel at Aurangabad. The cost of the re-modelling the former was roughly 2½ lakhs and the work was completed in 12 months. The building is designed in the Deccani style to blend harmoniously the best features of the Hindu and Muslim monuments in the State.

Finally in the transport industry as in any other, progress is the result of enthusiasm for the task in hand and loss of enthusiasm is the worst form of bankruptcy.

AS OTHERS SEE US.

"This magazine is published weekly in Urdu and Monthly in English and Urdu, and its object, we are informed in the editorial of the fourth monthly number, is to provide a 'link between the several Engineering Departments of the State on the one hand and the public on the other by informing the former of the needs of the people and describing to the latter the multifarious developments in its several branches.' The task of providing engineering literature in Urdu is not an easy one and deserves every encouragement. We wish the editorial staff of the magazine, the engineers of His Exalted Highness the Nizam's Public Works Department on whose immediate support the existence of the magazine depends, complete success to their enterprise." —"Indian Roads."

Government of India
Department of Communications

"We have received the latest copy of a new journal, commenced a few months ago, under the name and style of ***The Hyderabad Engineering Gazette Weekly.*** It is a well prepared journal, covering a wide number of engineering subjects and contains excellent illustrations. Articles in connection with sewage disposal works of Hyderabad city, colliery development and new building designs are of particular interest."

—"Indian Engineering."

N. B.—From 1st August 1938 the weekly edition is being published in English also.

Editor.
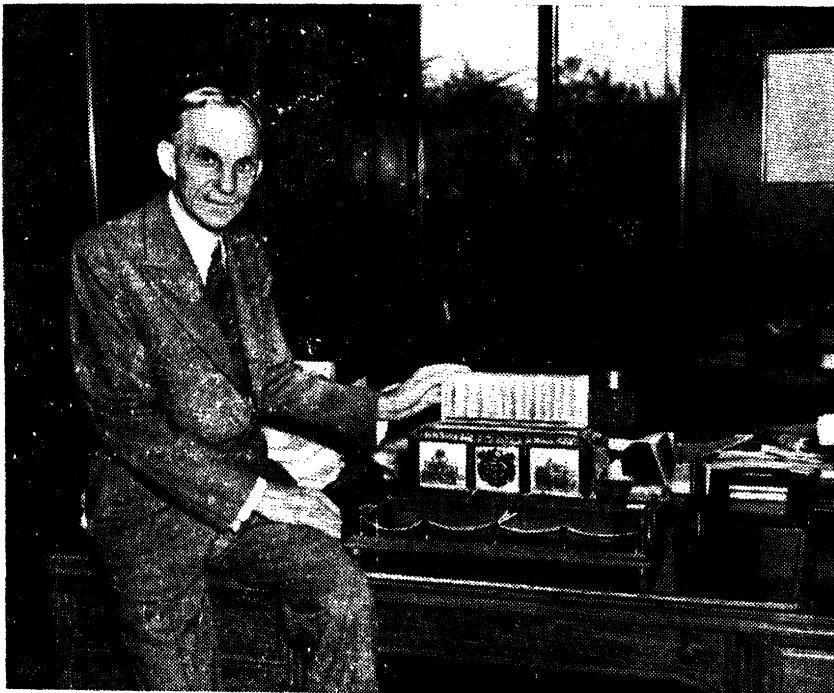
Henry Ford, photographed in Dearborn on his 75th Birth-day, with the magnificent Indian Silver Casket in which the Dealers of the Ford Motor Company of India, Limited, sent him birthday greetings

A MESSAGE
— OF —
CONGRATULATION
FROM
Honourable Nawab Fakhr Yar Jung Bahadur,
Finance Member, Hyderabad-Deccan.

(Translation of the Urdu Message.)

Hyderabad, Deccan. Dated 29th Meher 1347 F.

It has given me pleasure to know that the Engineering Gazette which had been started about 9 months ago is well on its way to fulfil the useful purpose which it had set before itself. This is indicated by the growing popularity of the journal and the appreciation shown by the circle of readers who are interested in the Engineering Science.

It is my sincere wish that this journal may be able to attain its highest ideal and prove to be a source of abiding service to the country.

(Sd.) Fakhr Yar Jung.

A

MESSAGE

OF

CONGRATULATION

FROM

The Honourable

Raja Sham Raj Rajwant Bahadur

Member Public Works Department

(Translation of the Urdu Message)

I am glad to learn that a special number of the Engineering Gazette is going to be published in honour of H. E. H. The Nizam's birth-day. During the reign of His Exalted Highness several Engineering Works have been carried out which are of noted importance not only in Hyderabad but are known throughout India as such.

Engineering works have a direct bearing on the well-being of the people as well as the Commercial and Industrial advancement of the Country. It is important that with the progress of the Engineering Science, Engineers should have an opportunity for the exchange of ideas on professional matters with special reference to their local observations and experiments. It is also essential that the public are acquainted, in popular language, with the benefits arising from Engineering works, and the strides made by the Engineering Science and its application to practical life. This would help to foster the growth of a spirit of co-ordination between the Engineer and the layman, so very necessary for the success of schemes calculated for nation building work.

The publication of the Engineering Gazette in the language of the State will go a long way in fulfilling this need. I congratulate the promoters of the Gazette on this undertaking, and I shall be pleased to see that this professional journal proves to be of increasing service to the ruler and his subjects.

(Sd.) Raja Sham Raj Rajwant

A

MESSAGE

OF

CONGRATULATION

FROM

The President, Executive Council,

H. E. H. THE NIZAM'S GOVERNMENT,

Right Honourable Nawab

Sir Hyder Nawaz Jung Bahadur

P. C., K. T., B. A., LL., D., D.C., D.C.L,

(Translation of the Urdu Message.)

THE importance of Engineering in modern life scarcely needs to be emphasised. Whether it is connected with the generation of electricity or the manufacture and use of machinery or the construction of Roads and works of irrigation the science of Engineering has a deep bearing on national prosperity. It is, therefore, essential that the progress and achievements of this science be made known not only to those interested in the subject but also to the general public in a popular manner. From this point of view I greatly appreciate the efforts which are being made by the Engineering Gazette to spread engineering news of topical interest in our State and wish every success to the proposed Special Number of the Gazette which is to be published in honour of the Birthday of our illustrious Sovereign during whose reign so many vast engineering projects have been completed. May God Almighty preserve our just and gracious master to rule over us for many years to come and grant that we, his humble subjects, celebrate his auspicious Birthday with loyalty and rejoicing each year.

(Sd.) Hyder Nawaz Jung Bahadur

A

MESSAGE

OF

CONGRATULATION

FROM

The President of the City Improvement Board

Major-General Walashan Prince Nawab Mozzam Jah Bahadur

(Translation of the Urdu Message.)

Hill Fort, Hyderabad-Deccan.

THE science of Engineering is intimately connected with the development of every country and the prosperity of its people. Every step in the advancement of this science is, therefore, a means of service to the country. I have, therefore, been interested to know that a weekly journal known as the "Hyderabad Engineering Gazette" is being published in our Country, both in English and Urdu, in combination. The services which are being rendered by this journal to our country are, therefore, a matter for gratification.

It has given me pleasure to learn that it is proposed to publish a special number in honour of the Birth-day of His Exalted Highness during whose reign numerous Engineering Works have been carried out for the benefit of his subjects.

I extend my best wishes for the success of this enterprise and I trust that this journal will continue to reflect the best Engineer traditions which are such a conspicuous feature of His Exalted Highness' reign.

(Sd.) Nawab Mozzam Jah Bahadur.

ہر ہائنس شہزادی برار حضرت درشہوار دردانہ بیگم صاحبہ اپنے فرزند ارجمند شہزادہ کرنل نواب مکرم جاہ بہادر کے ساتھ

Her Highnes Princess Durr-e-Shahwar Durdana Begum Sahiba
Princess of Berar, with Prince Colonel
Nawab Mukarram Jah Bahadur

حضرت شہزادی نیلوفر فرحت بیگم صاحبہ

Princess Niloufar Farhat Begum Sahiba

جنرل ہز ہائنس شہزادہ برار والاشان نواب اعظم جاہ بہادر سپہ سالار سلطنت آصفیہ اپنے فرزند ارجمند
شہزادہ کرنل نواب مکرم جاہ بہادر کے ساتھ

His Highness Walashan General
Nawab Azam Jah Bahadur, Prince of Berar, with Prince
Colonel Nawab Mukarram Jah Bahadur.

HYDERABAD ENGINEERING GAZETTE WEEKLY

SPECIAL BIRTH DAY NUMBER